قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِیل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ النساء

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر

بشمول قرآنی فضائل وخواص

از ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر بغوی اردو

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ النساء

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التّنزیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ النساء

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح وتفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن وترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل وخواص

بشمول قرآنی فضائل وخواص

از امام ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم وتحقیق

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

تفسیرِ بغوی اردو

تاریخ اشاعت............ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
ناشر.................. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت................ سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار......لاہور
دارالاشاعت.......اردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک.......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ......کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر......خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰه وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جو کہ تفسیر بغوی جو کہ معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اُردو زبان میں ترجمہ کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم ومستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دوچند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔

تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام ومرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف وتبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ ''البلاغ'' میں قلمبند فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام ومرتبہ کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دیدیا گیا ہے جو گویا کتاب ہذا کے لیے بطور مقدمہ کے ہے۔

تفسیر ہذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہو کر شائع کی جارہی ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل وخواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدرالنظیم فی فضائل القرآن ''والآیات والذکر الحکیم''اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر ''تفسیر میرٹھی'' سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل وخواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور ادارہ کے تحت ''اشرفی مجلس علم وتحقیق'' جو کہ درج ذیل اہل علم حضرات پر مشتمل ہے:

مفتی سعود کشمیری فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد،

مولوی حبیب الرحمٰن فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان،

مولانا قاری ابوبکر صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور،

مولانا فضل الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

کی اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح وترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

''فجزاهم الله احسن الجزاء''

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

٢٩ شعبان المعظم ١٤٣٦ھ

تعارفِ تفسیر

از حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفاسیر میں معالم التنزیل (تفسیر بغوی) کا مقام وخصوصیات

آج سے 28 سال قبل جب ادارہ نے معالم التنزیل (عربی) شائع کی..........تو سیدی حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے زیر ادارت ماہنامہ ''البلاغ'' میں بطور تبصرہ کے ایک مختصر وجامع مضمون تحریر فرمایا تھا۔ حضرت کی یہ تحریر تفسیر بغوی کے مقام وخصوصیات کے تعارف میں آج بھی تروتازہ ہے۔ اس لئے اسے شروع تفسیر میں دیا جارہا ہے......(ناشر)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر جو ''معالم التنزیل'' یا ''تفسیر بغوی'' کے نام سے مشہور ہے، علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل کے بزرگ ہیں اور انہوں نے یہ تفسیر اس غرض سے لکھی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں روایت ودرایت کو جمع کرتے ہوئے ایک ایسی اوسط ضخامت کی کتاب سامنے آئے جو نہ بہت مختصر ہو، نہ بہت طویل، تفسیر سے متعلق ضروری مواد آجائے اور ان کی تفسیر کو علماء ومحققین کی نظر میں مندرجہ ذیل امتیازات حاصل ہوئے۔

❶...... یہ متوسط ضخامت کی تفسیر ہے جو قرآنِ کریم کی فہم میں بہت مدد دیتی ہے اور جس میں قرآن کریم کے مضامین تفسیری مباحث کی تفصیلات میں گم نہیں ہو پاتے۔

❷......امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ایک جلیل القدر محدث بھی ہیں، اس لیے اس کتاب میں عموماً مستند روایات لانے کا

اہتمام موجود ہے، ضعیف اور منکر روایات اس تفسیر میں کم ہیں۔

❸ ......وہ اسرائیلی روایات جن سے اکثر تفسیریں بھری ہوئی ہیں، اس کتاب میں زیادہ نہیں ہیں۔

❹ ......امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر زور قرآن کریم کے مضامین کی تفہیم پر دیا ہے اور نحوی اور کلامی مباحث کی تفصیلات سے گریز کیا ہے۔

اسی لیے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی، زمخشری اور بغوی رحمہم اللہ کی تفاسیر میں امام بغوی رحمہ اللہ کی تفسیر کو باقی دونوں پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: "فأسلمها من البدعة والاحادیث الضعیفة البغوی" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۲، ص:۱۹۴)

یعنی ان تینوں میں بدعتی نظریات اور ضعیف احادیث سے محفوظ ترین تفسیر امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

معالم التنزیل متعدد بار مصر سے شائع ہو چکی ہے لیکن آخر دور میں یہ خالد بن عبدالرحمٰن العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق اور مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی جو اس کتاب کا سب سے بہتر ایڈیشن ہے۔ اوّل تو اس میں پیراگرافوں اور فقروں کی تقسیم و ترقیم کا اہتمام کر کے اس سے استفادہ کو آسان بنا دیا گیا ہے، دوسرے ان دونوں نے اپنے ذیلی حواشی میں امام بغوی رحمہ اللہ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا ہے۔ تیسرے بہت سی جگہوں پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ چوتھے کتاب کے شروع میں اُصولِ تفسیر اور امام بغوی رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل ایک اچھا مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیکن یہ نسخہ پاکستان میں دستیاب نہیں تھا، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ کے مالک مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ نے جن کی شائع کی ہوئی مطبوعات کی تعداد ماشاء اللہ تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس نسخے کا فوٹو لے کر شائع کیا ہے۔ طباعت کا معیار بہت اچھا ہے اور اُمید ہے کہ اہل علم اس گراں قدر علمی تحفے کی پوری قدر دانی کریں گے۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی جمادی الاخریٰ، ۱۴۰۸ھ)

مفسرِ قرآن

امام حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

اسم گرامی حافظ فقیہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ہے۔ ان کا شماران علماء مفسرین میں ہوتا ہے جنھوں نے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے۔ ان کی پیدائش "بغشور" نامی شہر میں ہوئی یا "بغ" شہر میں ہوئی۔ اسی کی طرف نسبت کرکے بغوی کہا جاتا ہے۔ یہ ھراۃ اور مروشہر کے درمیان خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ یہاں سے بہت سارے علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے۔ ان کا نام محی السنۃ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جو بھی مسئلہ پیش آتا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کرتے، خواہ وہ مسئلہ اقوال میں سے ہو یا افعال میں سے یا تصانیف میں سے۔ اس وجہ سے ان کا لقب "محی السنۃ" پڑ گیا۔ ان کے اور القاب الامام، شیخ الاسلام بھی ہیں۔ امام بغوی کا دوسرا وطن مرو میں "تسیار" نامی شہر تھا۔ یہاں بہت سارے طلباء اور علماء نے ان سے فیض علوم حاصل کیے اور اس مقام پر انہوں نے بہت ساری کتب حدیث فقہ اور تفسیر پر تصنیف فرمائیں۔ اخیر زمانہ تک یہیں رہے اور یہیں پر ان کی وفات ہوئی اور اسی شہر میں دفن ہوئے۔ "رحمة الله تعالىٰ رحمةً واسعة"

امام بغوی رحمہ اللہ کی جلالت قدر کے متعلق اہل علم وفضل کے اقوال

علماء اہل سنت والجماعت امام بغوی کی جلالت قدری اور رسوخ فی علم کتاب اللہ وسنت نبیہ میں اجماع ہے کہ یہ امام التفسیر والسنۃ والفقہ ہیں۔ ① حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ الامام العلامۃ القدوۃ الحافظ شیخ الاسلام ہیں۔

② حافظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام التفسیر امام فی الحدیث اور امام فی الفقہ ہیں۔

③ حافظ مؤرخ العماد الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدث اور مفسر اور وقت کے فقیہ تھے۔

④ مؤرخ ابن خلکان فرماتے ہیں "كان بحر في العلوم" کلام اللہ کی تفسیر میں مشکل احادیث کو سہل اور آسان کر دیا۔

⑤ علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بغوی رحمہ اللہ کا لقب محی السنۃ، رُکن الدین ہے اور قرآن وحدیث وفقہ میں جامع تھے۔

⑥ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علوم میں فضیلت رکھنے والے اور اس زمانے میں بڑے عالم "وكان دينا ورعًا زاهدًا عابدًا صالحًا" تھے۔

⑦ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فقہ وحدیث کے امام ہیں۔ متورع اور ثابت بالحجۃ تھے۔ ان کی بات دلیل کے طور پر تسلیم شدہ تھی اور یہ صحیح العقیدہ تھے۔

امام بغوی رحمہ اللہ کی تصانیف

امام بغوی رحمہ اللہ کی مؤلفات بہت زیادہ ہیں۔تفسیر حدیث فقہ سیر وسوانح، چند مختصراً یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

① ......معالم التنزیل: اس میں حدیث واقوال سلف کو بھی شامل کیا ہے۔امام ابن تیمیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کون سی تفسیر اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے۔امام زمخشری کی، یا امام قرطبی کی، یا امام بغوی کی یا اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ جلد۲ صفحہ ۱۹۳ میں جواب دیا ہے کہ مجھ سے ان تین تفاسیر کے متعلق پوچھا گیا۔ان تفاسیر میں جو بدعات اور ضعیف احادیث سے خالی ہے وہ تفسیر بغوی ہے۔

② شرح السنۃ: اس میں امام بغوی نے احادیث اور مرویات کو جمع کیا ہے۔

③ مصابیح السنۃ: اس میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن کی اسانید عام طور پر محدثین ذکر نہیں کرتے۔

④ التہذیب: فی فقہ الامام الشافعی، یہ فقہ کی کتاب ہے۔شافعی المسلک اس کتاب سے استدلال کرتے ہیں اور اسی سے استفادہ کرتے ہیں۔

⑤ مجموعۃ الفتاویٰ: وہ مسائل جو امام بغوی رحمہ اللہ سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے جواب دیئے ان کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

⑥ الانوار فی شمائل المختار: اس میں امام بغوی رحمہ اللہ نے ایک سو ایک ابواب محدثین کی طرز پر قائم کیے ہیں۔

⑦ الاربعین حدیثاً: امام بغوی رحمہ اللہ نے چالیس احادیث کا مجموعہ تالیف فرمایا۔

امام بغوی رحمہ اللہ کے اساتذہ وشیوخ

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنے دور کے مشہور ومعروف اساتذہ سے علوم حاصل کئے اور اکابر حفاظ ومحدثین نے آپ سے روایت کی ہیں۔جن میں سے چند حضرات یہ ہیں۔

① الامام الکبیر: ابو علی الحسین بن محمد بن احمد المروزی، المتوفی/۴۶۲ھ

② محدث مرو: ابو عمر عبدالواحد بن احمد بن ابی القاسم الملیحی الھروی، المتوفی/۴۶۳ھ

③ الفقیہ الامام: ابو الحسن علی بن یوسف الجوینی شیخ الحجاز، المتوفی/۴۶۳ھ

④ المسند المحدث: ابوبکر یعقوب بن احمد الصیر فی النیسا بوری، المتوفی/۴۶۶ھ

⑤ الامام الکبیر: ابو علی حسان بن سعید المنیعی المروزی، المتوفی/۴۶۳ھ

⑥ العلامۃ: ابوبکر محمد بن عبدالصمد الترابی المروزی، المتوفی/۴۶۳ھ

⑦ الامام: ابو القاسم عبدالکریم بن عبدالملک بن طلحۃ النیسابوری، المتوفی/۴۶۵ھ

⑧ الحافظ: ابو صالح احمد بن عبدالملک بن علی بن احمد النیسابوری، المتوفی/۴۷۰ھ

⑨ مفتی نیسابور: ابو تراب عبدالباقی بن یوسف بن علی بن صالح المراغی، المتوفی/۴۹۲ھ
⑩ الامام: عمر بن عبدالعزیز الفاشانی، سمع سنن أبی داؤد من القاضی أبی عمرو القاسم بن جعفر الهاشمی
⑪ ابو الحسن محمد بن محمد الشیرزی ⑫ ابو سعد احمد بن محمد بن العباس الخطیب
⑬ ابو محمد عبداللّٰہ بن عبدالصمد بن احمد الجوز جانی
⑭ ابو جعفر محمد بن عبداللّٰہ بن محمد المعلم الطوسی
⑮ ابو طاهر محمد بن علی بن محمد بن علی بن بویه الزّراد
⑯ ابوبکر احمد بن ابی نصر الکوفانی
⑰ ابو منصور محمد بن عبدالملک المظفری السرخسی.
⑱ ابو عبداللّٰہ محمد بن الفضل بن جعفر الخرقی
⑲ ابو الحسن علی بن الحسین بن الحسن القرینینی.
⑳ ابو الحسن عبدالرحمٰن بن محمّد بن محمد بن المظفر الراودی البوشنجی.

اوران کے علاوہ بہت سے حضرات وہ ہیں جن کی رواۃ امام بغوی نے اپنی تصانیف میں ذکر فرمائی ہیں۔

تفسیر بغوی کی چند خصوصیات

① امام بغوی رحمہ اللہ نے تفسیر میں درمیانی مسلک کو اختیار کیا۔
② آیات کے معانی میں احسن طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے پھر احادیث سے پھر اقوال صحابہ والتابعین والائمۃ المجتہدین سے کی ہے۔
③ آیات کا شانِ نزول جو حدیث کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہو، اس کو بھی ذکر کر دیا گیا۔
④ الفاظ کی لغوی بحث۔ ⑤ احکام فقہیہ جو متعلق با آیات قرآنیہ کے ہیں، ان کو بھی ذکر کر دیا گیا۔
⑥ امام بغوی رحمہ اللہ نے جس حدیث کو بیان کیا اس کی سند بھی بیان کردی لیکن مترجم نے اختصار کی بناء پر صرف متن کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اقوال صحابہ وتابعین کو بلا سند ذکر کیا ہے۔
⑦ کسی آیت کی تفسیر میں سلف وصالحین کا اختلاف چلا آ رہا ہو تو اس کو بیان کر دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح نہیں دیتے۔
⑧ تفسیر بغوی میں امام بغوی رحمہ اللہ نے اعراب کی مباحث اور بلاغت کے نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو دوسرے مفسرین نہیں کرتے۔ ⑨ بعض مقامات پر وارد ہونے والے اعتراضات اوران کے جوابات بھی دیئے ہیں۔
⑩ امام بغوی رحمہ اللہ کی غرض تفسیر ہذا میں محض سلف وصالحین کے مسلک پر چلنا اوران کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔

(تلک عشرة کاملة)

تفسیر بغوی کے مآخذ و مصادر

❶ سير اعلام النبلاء، للحافظ الذهبي، و تذكرة الحفاظ، له
❷ الوافی بالوفيات، للصفدی .
❸ وفيات الاعيان، لابن خلكان
❹ البداية والنهاية، للحافظ ابن كثير
❺ المختصر فی أخبار البشر، لأبی الفداء
❻ مرآة الجنان، لليافعی
❼ طبقات الشافعين، للسبكی
❽ النجوم الزاهرة، لابن تغری بردی
❾ طبقات المفسرين، للحافظ السيوطی
❿ مفتاح السعادة، لطاش كبری زادة
⓫ الامام البغوی مفسّرًا و محدّثًا، للشيخ خالد عبدالرحمٰن العک

غیر مطبوعہ کتب

❶ الاستدراک/۵۷. ۱/۵۸. ۱/لابن نقطة، الظاهرية رقم/۴۲۳/حديث
❷ اسماء الرجال/۴۷/للطيبی، الحسين بن محمد، الظاهرية/۶۴ ۱ ۶/عام.
❸ الاعلام بوفيات الاعلام/۲۰۶. ۲/للذهبی، الظاهرية، مجموع رقم/۶ ۱ ۱/
❹ طبقات الشافعيه/۳۷. ۲/للاسنوی، الظاهرية/۵۶/تاريخ
❺ مناقب الشافعی وأصحابه/۱۹۳ . ۲/لابن قاضی شهبة، الظاهرية/۵۷/تاريخ
❻ اسماء الرجال الناقلين عن الشافعی والمنسوبين اليه/۲۵. ۱/لابن هداية، الظاهرية/۶۴ ۱ ۶
❼ طبقات المفسرين/۵۸/للداودی، نسخة مصوّرة عن مكتبة، عارف حكمت، بالمدينة المنوّرة

تفسیر بغوی میں کیے جانے والے اہم کام

❶ ضبط النص القرآنی: قرأت حفص کی طرز پر اور قراء اہل شام و اہل مصر کی طرز پر۔
❷ ضبط نص الکتاب: تمام نسخوں میں اصح تھے ان کو اختیار کیا گیا۔
❸ ضبط القرأت: تفسیر ہذا میں مختلف قرأتوں کو بھی آیات قرآنیہ کے ذیل میں جمع کیا ہے۔
❹ تفسیر میں ضروری بحث کا ذکر کرنا اور الفاظ غریبہ اور مشکل مسائل کا حل کرنا۔

مروان خالد

غفر اللّٰه لهما ولو الديهما آمين

فہرست عنوانات

سُورَةُ الْفَاتِحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا رستہ اُن لوگوں کا کہ اُن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے۔

سورہ فاتحہ کے نام اور وجہ تسمیہ

تفسیر: سورۂ فاتحہ کے تین نام مشہور ہیں: ۱ فاتحۃ الکتاب ۲ ام القرآن ۳ السبع المثانی۔ اس سورۃ کا نام فاتحۃ الکتاب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ سے قرآن کریم کا افتتاح فرمایا۔ ام الکتاب نام اس لیے کہ یہ سورۃ اصل القرآن ہے اس سے قرآن کریم کی ابتداء کی گئی۔ کسی شئی کی اُم وہ ہوتی ہے جو اس شئی کی اصل ہو۔ مکہ مکرمہ کو اُم القریٰ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل البلاد یعنی تمام شہروں کی اصل ہے اور اس کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا۔ بعض نے اس کے اُم القرآن ہونے کی یہ وجہ تسمیہ ذکر فرمائی کہ یہ سورۃ بعد میں آنے والی سورتوں سے مقدم اور ان کی امام ہے۔ مصاحف یعنی قرآنی نسخوں میں اس کی کتابت سے آغاز کیا جاتا ہے اور نماز میں قرأۃ کا افتتاح بھی اس کی قرأۃ سے ہوتا ہے۔ اس سورۃ کے سبع مثانی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ باتفاق العلماء سات آیات پر مشتمل ہے اور مثانی اس لیے کہ ہر نماز میں اس سورۃ کی قرأۃ دہرائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے مثانی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو صرف اس اُمۃ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیہ) کے لیے مستثنیٰ کر کے رکھا (یعنی امم سابقہ کو جو کچھ عنایت فرمایا اس میں سے اس سورۃ کو مستثنیٰ کیا) اور اُمت مسلمہ کے لیے اسے ذخیرہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورۃ مکی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ بعض نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا نزول دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور ایک دفعہ مدینہ منورہ میں۔ اسی وجہ سے مثانی نام رکھا گیا مگر اس

کے مکی ہونے کا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اس فرمان کے ساتھ احسان جتلایا (وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ) اس سے مراد فاتحۃ الکتاب ہے۔ یہ آیت کریمہ سورۃ الحجر کی ہے جو کہ مکی ہے لہٰذا اگر سورۃ فاتحہ کو مدنی مانا جائے تو نزول فاتحہ سے قبل اس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر احسان جتلانے کے کیا معنی ہیں؟

فرمان الٰہی بسم اللہ باءزائدہ ہے اپنے سے بعد والے لفظ کو زیر دیتی ہے جیسے کہ دوسرے حروف جارہ مِن و عَنْ باء کا متعلق محذوف ہوتا ہے جس پر موجودہ کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی اَبدأ بسم اللہ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں یا قل بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کہہ کثرۃ استعمال کے باعث لفظ میں تخفیف پیدا کرنے کے لیے اسم کی الف کو گرادیا گیا اور باء کو (کتابۃ میں) لمبا کردیا گیا۔ علامہ قطیبی فرماتے ہیں کہ باء کو اس لیے لمبا لکھا گیا تاکہ کتاب اللہ کا آغاز حرف معظم کے ساتھ ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے کاتبوں کو فرمایا کرتے تھے کہ باء کو لمبا کر کے لکھو۔ سین کو ظاہر کرو (یعنی اس کے دندانے نمایاں کرو) دونوں کے درمیان فاصلہ کرو (یعنی علیحدہ اور خوب نمایاں کر کے لکھو) میم کو گول لکھو یہ سب کچھ اللہ عزوجل کی کتاب کی تعظیم کے پیش نظر کرو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب انہوں نے اسم سے الف کو ساقط کیا تو الف اسم کی لمبائی کو باء کی طرف لوٹا دیا تاکہ اسم کی الف کے سقوط پر دلالت کرے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب (اقرأ باسم ربک) میں اسم کی الف ثابت رکھی گئی تو اس پر وارد ہونے والی ب اپنے اصلی صیغہ (یعنی اصل شکل وصورت) کے مطابق لکھی گئی (یعنی اس جگہ باء کو لمبا نہیں کیا گیا) جب اسم کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی جائے گی تو اسم کی الف کو حذف نہیں کیا جائے گا اور نہ اسم کی الف اس وقت حذف ہوگی جب وہ باء کے علاوہ کسی اور کے ساتھ متصل ہوگا۔

اسم و مسمّٰی کی بحث

اسم وہی مسمی ہے اور اس کا عین ذات ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی) اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اے زکریا آپ کے ہاں ہونے والے صاحبزادہ کا نام یحییٰ ہوگا۔ پھر نام کو پکارا اور کہا (یا یحییٰ) (فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جو اسم ہے یعنی یحییٰ وہی مسمی ہے کیونکہ نام کو نہیں پکارا جاتا مسمی کو پکارا جاتا ہے اور ایک جگہ ارشاد فرمایا (مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ) اس فرمان الٰہی میں اشخاص معبودہ مراد لیے گئے ہیں کیونکہ کفار (اسماء کی نہیں بلکہ) مسمیات کی پوجا کیا کرتے تھے اور فرمایا (سبح اسم ربک) اور فرمایا (تبارک اسم ربک) ...... (ان سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسم عین مسمی ہے) پھر تسمیہ یعنی بسم اللہ کو بھی اسم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تسمیہ میں اسم کا استعمال مسمی میں استعمال سے بھی زیادہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا کیا معنی ہوگا۔ تو جواباً کہا گیا ہے کہ بندوں کو تعلیم دینا ہے کہ وہ قراۃ کیسے شروع کریں۔

اسم مشتق ہے یا جامد

اسم میں انہوں نے اختلاف کیا بصریوں میں سے مبرد کہتے ہیں کہ اسم سموٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں۔ پس گویا کہ وہ اپنے معنی پر بلند ہے اور اس پر غالب ہے یعنی نمایاں ہے اور اپنا معنی خود ہوا نہ کہ اپنے معنی کے تحت (بخلاف فعل کے

کہ وہ اپنے معنی کے تحت یعنی ضمن میں ہوتا کیونکہ فعل اصطلاحی کا معنی تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے) ❶ فعل لغوی ❷ زمانہ ❸ فاعل جبکہ اسم میں یہ بات نہیں ہے اور کوفیوں میں سے ثعلب کا کہنا ہے کہ اسم وسم اور سمۃ سے مشتق ہے اور اس کا معنی علامۃ ہے۔ گویا کہ اسم اپنے معنی اور مسمی کی علامت ہے۔ پہلا قول (قول مبرد) اصح ہے۔ اس لیے کہ اسم کی تصغیر سمی آتی ہے۔ اگر اسم سمۃ سے مشتق ہوتا تو اس کی تصغیر ''وسیم'' ہوئی (کیونکہ تصغیر سے کسی لفظ کی اصل کا صحیح علم ہوتا ہے) جیسے وَعدہ کی تصغیر وُعَیْدٌ ہے۔ نیز اس کی گردان ماضی میں سمیت ہے۔ اگر اسم وسم سے ہوتا تو وَسَمْتُ کہا جاتا۔

لفظ اللہ کے متعلق علمی بحث

(اللہ) حضرت خلیل اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ ذات باری تعالیٰ کا خاص نام ہے کسی مادہ سے مشتق نہیں ہے جیسے بندوں کے مخصوص نام ہوتے ہیں۔ مثلاً زید، عمرو، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ مشتق ہے پھر کس سے مشتق ہے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ کہا گیا اَلِهَ اِلاهَةً سے مشتق ہے بمعنی عَبِدَ عِبَادَةً (لھذا اِلاهَةً بمعنی عبادت کے ہوگا) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأۃ ہے (ویذرک والھتک) یعنی عبادتک اس کا معنی ہوگا کہ بیشک وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ اس کے سوا کوئی اور۔ بعض نے کہا کہ لفظ اللہ کی اصل اِلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وما کان معه من اله اذاً لذهب کل اِلهٍ بما خلق) مبرد کہتے ہیں کہ یہ عرب کا محاورہ ہے۔ ''اَلِهتُ الی فلان'' یعنی فلاں کی طرف (پناہ میں) میں نے سکون حاصل کیا۔ شاعر کہتا ہے: ''اَلِهتُ الیها وَالْحَوَادِثُ جمَّةٌ'' کہ میں نے اس کی (محبوبہ) جانب سکون حاصل کیا (یعنی اس کی پناہ میں) جبکہ حادثات کثیر تھے گویا (اللہ تعالیٰ کا نام الٰہ اس لیے ہے) مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سکون قلب حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پاتی ہے۔ کہا جاتا ہے ''الھتُ الیه'' یعنی میں نے اس کی طرف پناہ حاصل کی۔ شاعر کہتا ہے: ''الھت الیها والرکائب وُقَّفِ'' ترجمہ: میں نے اس (محبوبہ) کی طرف پناہ حاصل کی اور سواریاں رُکی رہیں اور کہا گیا ہے کہ الله اصل میں وِلاہ تھا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ جیسا وشاح کی واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اشاح بنا دیا گیا۔ اس کا اشتقاق ولہ سے بایں معنی ہے کہ بندے شدائد ومصائب میں اللہ کی طرف گھبرا کر متوجہ ہوتے ہیں اور حاجات میں اس کی طرف پناہ پکڑتے ہیں جس طرح بچہ گھبرا کر ماں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس کو اصل ولہ ہے اس کا معنی محبوب اور قیمتی شئی کے گم ہونے سے عقل کا چلا جانا آتا ہے۔

(الرحمن الرحیم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں رحمت بھرے نام ہیں۔ ایک نام دوسرے نام سے زیادہ رحمت بھرا ہے۔ ان دونوں ناموں میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح ندمان اور ندیم ایک معنی میں ہیں اسی طرح رحمٰن اور رحیم ایک معنی رکھتے ہیں۔ یعنی ذوالرحمۃ رحمت والا ایک نام کے بعد دوسرے نام کا ذکر تسلئے کیا تا کہ رغبت کرنے والوں کو مزید طمع حاصل ہو۔ مبرد کہتا ہے یہ انعام کے بعد انعام ہے اور مہربانی کے بعد مہربانی ہے۔

بعض نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ چنانچہ رحمٰن کے معنی میں عموم اور رحیم کے معنی میں خصوص۔ لہٰذا رحمٰن کا معنی دُنیا میں رزاق ہونے کے ہیں، یہ مفہوم عام ہے پوری مخلوق کو شامل ہے اور رحیم کا معنی آخرت میں معاف کرنے والا ہے اور آخرت میں عفو کا مفہوم بالخصوص مؤمنین کے لیے ثابت ہے اس لیے دُعا میں کہا گیا ہے یا رحمن الدنیا و رحیم الآخرۃ لہٰذا رحمٰن وہ جس کی رحمت مخلوق کو علی العموم پہنچے اور رحیم وہ جس کی رحمت مخلوق کو علی الخصوص پہنچے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو رحیم کہا جاسکتا ہے مگر رحمٰن نہیں کہا جاسکتا۔ پس رحمٰن معنی کے لحاظ سے عام اور لفظ کے لحاظ سے خاص اور رحیم لفظ کے لحاظ سے عام اور معنی کے اعتبار سے خاص۔

رحمۃ کا معنی

رحمۃ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مستحق رحمۃ کو خیر پہنچانے کا ارادہ فرمادیں۔ بعض نے کہا کہ رحمۃ کا معنی ہے مستحق سزا کو سزا نہ دینا اور جو خیر کا مستحق نہ ہو اسے بھی خیر عطا فرمانا۔

اول معنی کے لحاظ سے رحمت صفتِ ذات حق تعالیٰ ٹھہری اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے رحمۃ صفۃ فعل ہوگی۔

والی آیت میں انہوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ اور بصرہ کے قراء اور فقہاء کوفہ کا قول ہے کہ بسم اللہ نہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورۃ کی آیت ہے سورتوں کے شروع میں محض حصول خیر و برکت کے لیے ہے اور مکۃ المکرمہ اور کوفہ کے قراء اور اکثر فقہاء حجاز کا مؤقف یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ باقی سورتوں کا۔ سورتوں کے شروع میں اس کی کتابت محض سورتوں میں فاصلہ کی خاطر کی گئی ہے۔

اور ایک جماعت کا قول ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ اور باقی تمام سورتوں کا حصہ ہے سوائے سورۂ توبہ کے۔ یہ قول ثوری ابن مبارک کا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کریم میں بقیہ قرآن کریم کے رسم الخط کے مطابق لکھی گئی ہے۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی سات آیات ہیں پھر جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت سمجھتا ہے اس کے نزدیک فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہے اور آخری آیت "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ الآیة" ہے اور جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ نہیں سمجھتا اس کے نزدیک فاتحہ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور آخری آیت کی ابتداء "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" سے ہے اور جو بسم اللہ کو فاتحہ اور باقی سورتوں کا حصہ سمجھتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید میں بخط قرآن لکھی گئی ہے۔ اور یہ دلیل بھی کہ ابن جریج کا کہنا ہے کہ میرے والد نے سعید بن جریر سے روایت کی کہ "وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا۔ اس سے مراد ام القرآن یعنی سورۃ الفاتحہ ہے۔ میرے والد نے فرمایا مجھ پر سعید بن جبیر نے اسے (فاتحہ کو) پڑھا حتیٰ کہ ختم فرمایا۔ پھر فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم ساتویں آیت ہے۔

حضرت سعید نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے پڑھا

جس طرح میں نے تجھ پر پڑھا۔ پھر فرمایا بسم اللہ ساتویں آیت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو تمہارے لیے ذخیرہ کر کے رکھا اور تم سے پہلوں میں سے کسی پر بھی نہ ظاہر فرمایا۔ (یہ روایت بھی ان حضرات کی دلیل ہے جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔)

اور جو حضرات بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ روایت ہے۔ حضرت سیدنا انس بن مالک سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے مقتدی بن کر کھڑا ہوا۔ یہ سب حضرات جب نماز کا آغاز (فاتحہ سے) فرماتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم بسم اللہ کے نازل ہونے تک دو سورتوں کے درمیان امتیاز معلوم نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں قریش کے طریق کے مطابق "**باسمک اللھم**" لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ "**بسم اللہ مجریھا**" نازل ہوئی تو آپ نے بسم اللہ لکھنی شروع کی۔ پھر جب "**قل ادعوا اللہ او دعوا الرحمٰن**" کا نزول ہوا تو آپ **بسم اللہ الرحمن** لکھنے لگے حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "**انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**" پھر اس کے مطابق **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھا۔

2 (الحمد للہ) یہ جملہ لفظاً خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ مستحق حمد کے بارے میں خبر دے رہے ہیں جو کہ ذات باری تعالیٰ ہے اور اس میں مخلوق کو تعلیم دی گئی ہے۔ تقدیر عبارۃ یوں ہوگی **قولوا الحمد للہ** یعنی **الحمدللہ** کہو۔ حمد کبھی نعمۃ کا شکر ادا کرنے کے معنی میں ہوتی ہے اور کبھی خصال حمیدہ یعنی اچھے اوصاف کی تعریف کرنے کے معنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "**حمدت فلانا علی ما اسدی الیّ من نعمۃ**" کہ میں نے فلاں کی نعمت عطا کرنے پر تعریف کی اور یوں بھی کہا جاتا ہے "**حمدتہ علی علمہ و شجاعتہ**" کہ میں نے فلاں کی تعریف اس کے علم اور دلیری پر کی اور شکر سوائے عطاء نعمۃ کے ادا نہیں کیا جاتا اور حمد شکر سے عام ہے لہٰذا "**شکرت فلاناً علیٰ علمہ**" کہ میں نے فلاں کے علم کا شکر ادا کیا۔ لہٰذا ہر حمد کرنے والا شکر کرنے والا ہوگا مگر ہر شاکر حامد نہ ہوگا۔ (یہ ترجمہ علامہ بغوی کی عبارت کے مطابق ہے وگرنہ حامد وشاکر میں نسبت اس کے برعکس ہے ہر شاکر حامد ہے مگر ہر حامد شاکر نہیں) (دونوں کے فرق کے بارے میں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمد زبان سے قولاً ہوتی ہے اور شکر اعضاء سے فعلاً ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**وقل الحمدللہ الذی لم یتخذ ولدا**" اور کہئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اولاد نہیں پکڑی۔ (یہاں حمد کا تعلق قل کہہ کر زبان سے قائم فرمایا) اور فرمایا "**اعملوا آل داؤد شکرا**" یعنی اعمال (صالحہ) کا عمل شکر کی خاطر اختیار کرو۔ لہٰذا **شکرا** مفعول لہ ہے اور **اعملوا** کے باعث (بوجہ مفعول لہ ہونے کے) منصوب ہے۔ للہ اس میں لام استحقاق کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے "**الدار لزید**" یعنی اس گھر کا مستحق (مالک) زید ہے۔

"**رب العالمین الرحمٰن الرحیم**"، رب بمعنی مالک ہے جیسے مالک دار کو رب الدار کہا جاتا ہے اور رب الشئی بھی اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس شئی کا مالک ہو جائے اور رب بمعنی تربیت و اصلاح کے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ربّ

فلان الضیعة یربها" یعنی فلاں نے زمین کی اصلاح کی اور رب کا لفظ ایسا ہے جیسے کہ "طبٌّ" اور "برٌّ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تمام عالمین کے مالک ومربی ہیں اور مخلوق کو هو الرب نہیں کہا جائے گا (یعنی رب کے لفظ پر الف لام لگا کر الرب کا استعمال مخلوق کے لیے نہیں کیا جاسکتا۔)

ہاں اضافت کے ساتھ رب کا استعمال صحیح ہے مثلاً "رب الارض، رب المال" کہا جاسکتا ہے کیونکہ الف لام تعمیم کے لیے ہے (لہٰذا الرب کا معنی ہوگا ہر شئی کا مالک) جبکہ مخلوق ہر شئی کی مالک نہیں ہوسکتی۔ اور العالمین جمع عالم کی ہے اور عالم جمع ہے من لفظہ اس کی واحد نہیں آتی۔ العالمین کی تفسیر میں مفسرین نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان وجن عالم ہیں کیونکہ جن وانس خطاب الٰہی کے ساتھ مکلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لیکون للعالمین نذیراً" (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انسان وجن کے لیے نذیر ہیں لہٰذا عالمین سے مراد انسان وجن ہوں گے۔) حضرت مجاہد اور حضرت حسن (بصریؒ) فرماتے ہیں کہ عالمین سے مراد پوری مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا" (یہاں اس آیت کریمہ میں عالمین کا لفظ کل کائنات پر بولا گیا)

عالمین کا لفظ عَلَم یا علامت سے مشتق ہے پوری مخلوق کو عالم اس لیے کہا گیا کیونکہ صنعۃ الٰہی کا اثر ان میں ظاہر ہے۔

حضرت ابوعبید فرماتے ہیں کہ عالمین کا لفظ چار قسم کی مخلوق کو شامل ہے۔ ❶ فرشتے ❷ انسان ❸ جنات ❹ شیاطین۔ دریں صورۃ عالمین عِلم سے مشتق ہوگا اور چوپائے جانور عالمین میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ یہ ذی عقل نہیں ہیں۔

عددعالمین کا ذکر

عالمین کے مبلغ عدد میں اختلاف ہے۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار (۱۰۰۰) عالم ہیں۔ چھ سو (۶۰۰) سمندر میں اور چار سو (۴۰۰) خشکی میں حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ہزار عالم ہیں چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سمندر میں اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) خشکی میں۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ (۱۸) ہزار عالم ہیں جن میں سے یہ کل کائنات ایک عالم ہے اور خرابہ کے مقابل آبادی کی حیثیت ایسی ہے جیسے صحرا میں ایک خیمہ۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ عالمین کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ فرماتے ہیں وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ کہ تیرے رب کے لشکروں کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا۔

"مالک یوم الدین" حضرت عاصم اور کسائی اور یعقوب نے (مالک) پڑھا اور باقیوں نے "مَلِکِ" پڑھا۔ ایک قوم نے کہا دونوں کا معنی ایک ہے جیسے فرھین اور فارھین، حذرین اور حاذرین۔

لہٰذا مالک اور مَلِک دونوں کا معنی الرب ہے۔ چنانچہ رب الدار اور مالک الدار کا معنی ایک ہوگا۔ بعض نے کہا مالک وہ ہے جو اشیاء کے عدم سے وجود کی طرف لانے کی اختراع پر قادر ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے۔ ابوعبید

فرماتے ہیں کہ لفظ مالک میں جامعیت اور وسعت زیادہ ہے۔ چنانچہ غلاموں، پرندوں اور جانوروں کا مالک تو کہا جاسکتا ہے مگر ان چیزوں کا مالک نہیں کہا جاسکتا۔ نیز مالک جن چیزوں کا مالک ہوتا ہے وہ چیزیں اس مالک کی ملک ہوتی ہیں۔ مگر کبھی مَلِک ایسی چیزوں کا بھی ہوتا ہے جو اس کی مِلک نہیں ہوتیں (یعنی مَلِک چیزوں کا مالک نہیں ہوتا)......ایک قوم نے کہا مَلِک مالک سے بہتر ہے کیونکہ ہر مَلِک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک مَلِک نہیں ہوتا۔

نیز ملک کا لفظ قرآن کریم کی بقیہ اصطلاحات کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا ہے۔ مثلاً قول ربانی ہے: "**فتعالی اللّٰہ الملک الحق**" اور "**الملک القدوس**" اور "**ملک النّاس**" حضرت ابن عباس حضرت مقاتل علامہ سدی فرماتے ہیں "**ملک یوم الدین**" کا معنی ہے **قاضی یوم الحساب**۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں دین کے معنی جزا کے ہیں اور یہ جزا یعنی بدلہ خیر کا ہو یا شر کا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے "**کما تدین تدان**" یعنی جیسا معاملہ کرو گے ویسے ہی معاملہ کیے جاؤ گے۔ محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں "**ملک یوم الدین**" کا معنی ہے اس دن کا مالک جس دن سوائے دین کے اور کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

یمان بن ریان فرماتے ہیں دین کا معنی ہے قہر یعنی تسلط و کنٹرول کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "**دِنتُه فلان**" یعنی میں اس کو زیر تسلط لایا۔ پس وہ میرے تسلط کے تحت آ گیا یعنی مطیع ہوگیا۔ دین کا معنی طاعت یعنی فرمانبرداری بھی کیا گیا ہے۔ (پھر یوم الدین کا معنی ہوگا) "**یوم الطاعة**" (باقی رہی یہ بات) کہ صرف یوم الدین کو خاص کیوں کیا گیا باوجودیکہ وہ ذات پروردگار تو تمام ایام کی مالک ہے (یہ تخصیص اس لیے) کہ اس دن تمام ملکیتیں زائل ہو جائیں گی۔ لہٰذا کسی کا ملک اور حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ**" اور فرمایا "**لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ. لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ**" اور فرمایا "**وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ**" اور ابوعمرو نے پڑھا (الرحیم ملک) یعنی رحیم کی میم کو ملک کی میم میں ادغام کر کے پڑھا۔ اسی طرح ہر وہ دو حرف باہم مدغم کیے جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں حرف ایک جنس سے ہوں یا دونوں کا مخرج ایک ہو یا دونوں قریب المخرج ہوں۔ برابر ہے حرف (اوّل) ساکن ہو یا حرکت والا ہو مگر اس وقت جب کہ پہلا حرف شد والا ہو یا تنوین والا ہو یا منقوص ہو یعنی لفظ کے آخر میں یاء ساکن ہو یا پہلا حرف زبر والا ہو یا تاء خطاب ہو اور اس سے پہلا حرف ساکن ہو اور دونوں ہم مثل نہ ہوں تو ان صورتوں میں ادغام نہ ہوگا اور حرکت والے حرف کا ادغام، ادغام کبیر میں ہوتا ہے۔ ادغام کبیر مختلف جنس کے حرفوں کے ادغام کو کہتے ہیں۔ ادغام متحرک میں حمزہ نے ابوعمرو کی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موافقت کی (**بیت طائفة**) (**والصافات صفا**) "**فالزاجرات زجرا فالتالیات ذکرا**" اور "**والذاریات ذروا**" ان سب میں تاء کو اپنے بعد کے حروف میں ادغام کیا گیا۔ کسائی، رجاء اور خنف کی روایت کے مطابق حمزہ نے ابوعمرو کی موافقت کی مگر راء میں موافقت نہیں کی جبکہ وہ لام کے پاس ہو اور دال میں بھی موافقت نہیں کی جب وہ جیم کے قریب ہو۔ اسی طرح حمزہ دال کا ادغام جب وہ سین، صاد و زاء کے قریب ہو انہیں کرتے۔ بقیہ قراء کے نزدیک چند حروف کے سوا ادغام نہیں ہے۔

"ایّاک" ایا کلمہ ضمیر ہے جو مضمر کی طرف اضافۃ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال فعل سے پہلے ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "ایّاک اعنی" میں خاص تجھے مراد لیتا ہوں اور "ایاک اسئل" میں خاص تجھ سے پوچھتا ہوں۔ فعل کے بعد اس کا استعمال منفصلا یعنی فعل جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ "ما عنیت الا ایّاک" کہ میں نے کسی کو مراد نہیں لیا مگر تجھے "نعبد" یعنی ہم تجھے وحدہ لاشریک سمجھتے ہیں اور تیری اطاعت کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ ہم عاجزی کرنے والے ہیں۔ عبادۃ کے معنی عاجزی وانکساری کے ساتھ فرمانبرداری کرنے کے ہیں۔ عبد کو اس کی عاجزی اور فرمانبرداری کے باعث عبد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے طریق معبّد یعنی ایسا راستہ جو آسان ہو (اس میں چلنے والے کے لیے مشکلات اور صعوبتیں نہ ہوں)۔

"وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" ہم تجھ سے عبادت اور باقی معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ مدد مانگنے پر عبادت کو مقدم کیوں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا عبادت پر مقدم ہے۔ مگر یہ ترتیب اس شخص کے خلاف ہے جو عمل کی طاقت و استعداد کو عمل سے مقدم قرار دیتا ہے اور ہم تو بحمد اللہ توفیق عمل اور عمل کی مدد وقوت کو عمل کے ہمراہ مانتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے نزدیک استعانۃ کا عمل سے مقدم یا مؤخر ذکر کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس تقدیم و تاخیر کے جواب میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ استعانۃ بھی ایک قسم کی عبادۃ ہے۔ گویا پہلے عبادۃ کا ذکر اجمالی ہوا، بعد میں اس کی تفصیل۔

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اِھْدِنَا بمعنی ارشدنا کے ہے یعنی ہماری رہنمائی فرما۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب فرماتے ہیں اِھْدِنَا کا معنی ہے ہمیں ثابت قدم رکھ (یعنی اسی ہدایت پر جمائے رکھ) جس طرح کھڑے ہونے والے کو کہا جاتا ہے، کھڑے رہو۔ یہاں تک کہ میں تیری طرف لوٹ کر آجاؤں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی کھڑے ہونے والی حالت پر دائم رہ۔ ایمان والوں کی طرف سے یہ دعا باوجودیکہ وہ ہدایۃ پر ہیں بمعنی ہدایۃ پر ثابت رہنے کے ہوگی اور بمعنی مزید ہدایۃ طلب کرنے کے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ عنایات وہدایات کی انتہا اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں نہیں ہے۔

"الصراط" صراط کو سین کے ساتھ (یعنی سراط) بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی قرأت کو اویس نے یعقوب سے روایت کیا اور یہی اصل ہے۔ راستہ کو سراط اس لیے کہا گیا کہ سراط کے معنی نگلنے کے ہیں اور راستہ بھی قافلہ والوں کو نگل جاتا ہے اور صراط کی قرأۃ زا کے ساتھ بھی ہے یعنی زراط بھی پڑھا گیا ہے اور حمزہ نے زاء کے اشمام کے ساتھ پڑھا ہے یعنی زاء کے مخرج کی طرف قدرے میلان کے ساتھ سراط کو پڑھا اور یہ تمام لغتیں صحیح ہیں۔ مصحف (قرآن) کی موافقۃ کے باعث اکثر قراء نے ص کی قرأۃ کو اختیار کیا ہے یعنی صراط پڑھا۔

"والصراط المستقیم" حضرت ابن عباس، حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صراط مستقیم اسلام ہے مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب اللہ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت کا راستہ ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ بکر بن عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو صراط مستقیم قرار دیتے ہیں۔ ابو العالیہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ

کی آل اور صاحبین (یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) صراط مستقیم ہے (یعنی ان کا راستہ)
اصل میں لغوی طور پر واضح راستہ اس کا معنی ہے۔"صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" یعنی جن پر تو نے ہدایت اور توفیق کے ذریعے احسان فرمایا۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن پر تو نے (یا اللہ) ایمان پر ثابت قدم رہنے اور استقامت اختیار کرنے کا احسان فرمایا اور یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان پر ثابت قدم رکھا۔ انبیاء کرام ہوں یا مؤمنین عظام جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا "فاولئک مع الّذین انعم اللّٰہ علیھم من النّبیّن" الآیۃ۔
ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ ہے جب تک انہوں نے اپنے دین کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ انعام یافتہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔
عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کا خاندان ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قرأت "علیھُم ولدیھُم والیھُمْ" ان سب کی ھا پر پیش کے ساتھ ہے۔ یعقوب ہر اس ھاء کو پیش دیتے ہیں جن سے پہلے یاء ساکنہ ہو۔ وہ ضمیر تثنیہ کی ہو یا جمع کی ہو۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے "بین ایدیھن وارجلھن" اور باقیوں نے دونوں قسم کی ھاء کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے ھاء کو پیش دی اس نے اس کو اصل کی طرف لوٹایا کیونکہ وہ مفرد ہونے کی صورت میں پیش والی ہوتی ہے اور جس نے زیر دی اس نے یائے ساکنہ کا لحاظ کیا کیونکہ یاء زیر کی بہن ہوتی ہے۔ ابن کثیر اور ابو جعفر نے ہر میم جمع کو بھرپور پیش دی جب کہ وہ موصول ہو مگر یہ کہ اس کو ساکن نہ ملے اور اس کے ساتھ اگر ساکن ملے پھر بھرپور پیش نہ ہوگی اور نافع اختیار دیتے ہیں اور ورش ھاء کو پیش دیتے ہیں جب الف قطع کے ساتھ ہو اور جب اسے الف وصل ملے اور ھاء سے پہلے زیر ہو یا یاء ساکنہ ہو تو ھاء کو اور میم کو حمزہ اور کسائی پیش دیتے ہیں اور ابوعمرو دونوں کو زیر دیتے ہیں۔ اسی طرح یعقوب اس وقت کسرہ دیتے ہیں جب اس کا ماقبل (یعنی پہلے والا حرف) زیر والا ہو اور باقی حضرات میم کی پیش اور ھاء کی زیر پڑھتے بوجہ یاء کے یا پہلے والے حرف پر زیر ہونے کی وجہ سے اور میم کی پیش اصل کے اعتبار سے ہے۔
فرمانِ الٰہی "غیر المغضوب علیھم" یعنی ان لوگوں کے راستہ کے سوا جن پر تو غضب ناک ہوا۔ "غضب" مجرموں سے بدلہ لینے کے ارادہ کا نام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا غضب مؤمن گناہگاروں کو نہیں پہنچے گا بلکہ کافروں کو لاحق ہوگا۔ "ولا الضّالین" کا معنی ہے "غیر الضالین عن الھدیٰ" یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ہدایت کی راہ سے بھٹک گئے۔ "ضلال" کا اصل معنی ہلاک ہونا اور گم ہونا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "ضل الماء فی اللبن" یعنی پانی دودھ میں ہلاک ہوگیا اور غائب ہوگیا۔
اور (غیر) اس جگہ بمعنی (لا) ہے اور (لا) بمعنی (غیر) اسی وجہ سے غیر پر (لا) کا عطف جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے "فلان غیر محسن ولا مجمل" اور جب غیر بمعنی سوی ہوگا تو پھر اس پر لاء کے ساتھ عطف کرنا جائز نہ ہوگا۔ کلام میں اس

طرح عبارۃ لانا جائز نہیں۔ "عندی سوی عبداللہ ولا زید"۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے "صراط من انعمت علیھم" (یعنی الذین کی جگہ من پڑھا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر غضب کا حکم لگایا۔ پس فرمایا "من لعنہ اللہ وغضب علیہ" اور نصاریٰ پر ضلال کا حکم لگایا۔ "لہٰذا انعمت علیھم" کا معنی ہوگا نہ وہ لوگ جن پر غضب کیا گیا اور نہ وہ لوگ جو راہ ہدایت سے بھٹک گئے گم ہو گئے اور کہا گیا "المغضوب علیھم" یعنی جن پر غضب کیا گیا وہ یہود ہیں اور ضالون یعنی گم کردہ راہ نصاریٰ ہیں۔ پس فرمایا "ولا تتبعوا اھواء قوم قدضلوا من قبل" حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ "غیر المغضوب علیھم بالبدعۃ" یعنی جن پر بدعۃ کو اختیار کرنے سے غضب کیا گیا۔ "ولا الضّالین عن السنۃ" اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو سنت سے منہ موڑ کر گمراہ ہو گئے۔

فاتحہ پڑھنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ جب فاتحہ سے فارغ ہو تو تھوڑا سا سکتہ یعنی معمولی وقفہ کر کے آمین کہے اور یہ (آمین) مخفف ہے یعنی آمین کی میم پر شد نہیں ہے۔ البتہ آمین مد کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مد کے بھی ہے اور اس کا معنی ہے (اے اللہ میری دُعا کو سن اور قبول فرما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اسی طرح ہو۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آمین دُعا کی مہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آمین اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خاتم یعنی حفاظتی مہر ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان سے آفات کو دفع فرماتا ہے۔ کتابی خاتم وہ ہوتی ہے جو کتاب کو فاسد (یعنی مضامین کی خرابی) ہونے سے بچاتی ہے اور اندرونی مضامین کو ظاہر ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے تو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت پا گئی اس کے سابقہ گناہ بخشے گئے۔ صحیح (یعنی اس حدیث کی سند صحیح) ہے۔

فصل فضیلت فاتحہ کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابی بن کعب کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں آواز دے کر فرمایا اُبی ادھر آؤ، حضرت ابی جلدی جلدی نماز پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابی جب میں نے تجھے بلایا تو جواب دینے میں کون سی چیز مانع تھی۔ کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے "یایھا الّذین آمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لمایحییکم" کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہو جب اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف پکارے جو تمہارے لیے زندگی ہے (یعنی باعث حیات ہے) حضرت ابی نے عرض کی واقعی یارسول اللہ اب آپ جب بھی مجھے بلائیں گے میں فوراً لبیک کہوں گا۔ اگرچہ میں نماز ہی میں کیوں نہ ہوں گا۔ آپ نے فرمایا اُبی میں تجھے ایسی سورۃ کی تعلیم نہ دوں کہ اس جیسی سورۃ نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل

میں نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن مجید میں۔ حضرت ابی نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد کے دروازہ سے نکلنے سے پہلے تو اسے معلوم کرلے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلنے کے ارادہ سے چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلنے کے لیے دروازہ مسجد کو پہنچے حضرت ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! وہ سورۃ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمایا ہاں! اپنی نماز میں کے پڑھتے ہو؟ تو حضرت ابی نے ام القرآن (فاتحہ) پڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تورات وانجیل اور زبور وقرآن کریم میں اس جیسی سورۃ نازل نہیں کی گئی۔ یہی وہ سبع مثانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سعید نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام بھی جلوہ افروز تھے۔ اچانک آپ نے اوپر سے سخت آواز سنی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور فرمایا یہ دروازہ آسمان سے آج کھلا ہے پہلے کبھی نہیں کھلا، فرمایا اس دروازہ سے ایک فرشتہ اُتر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور فرمایا (یا رسول اللہ) آپ ایسے دونوروں کے باعث خوش ہو جاویں جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے ہیں، آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ (وہ دونور کیا ہیں؟) ❶ سورۃ فاتحہ ❷ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپؐ کی اُمت) ان میں سے جو بھی (دُعائیہ) حرف پڑھیں گے (اس کا ثمر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا جائے گا۔ (صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور اس نماز میں اُم القرآن (فاتحہ) نہ پڑھی تو یہ نماز ناتمام ہے۔

ہشام بن زہرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا اے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں پھر؟ تو انہوں نے میرے بازو کو دباتے ہوئے فرمایا۔ قاری صاحب! اسے دل میں پڑھ لیا کرو۔ پس بے شک میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کی گئی ہے۔ نماز کا آدھا حصہ میرے لیے ہے اور اس کا آدھا حصہ میرے بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے مانگا۔ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھو، بندہ کہتا ہے **(الحمد للہ رب العالمین)** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے **(الرحمن الرحیم)** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری ثناء کی۔ بندہ کہتا ہے **(مالک یوم الدین)** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بندہ کہتا ہے **(ایاک نعبد و ایاک نستعین)** اللہ عزوجل فرماتے ہیں یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان (منقسم) ہے۔ لہٰذا میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ اس نے مانگا۔ بندہ کہتا ہے **"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین"** اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں پس یہ سب چیزیں میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ میرے بندے نے مانگا۔ (صحیح)

سُورَةُ الْبَقَرَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

"الٓمّٓ ❶ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ❷ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" ❸

ترجمہ الٓمّ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں راہ بتلانے والی ہے تمہارے ڈرنیوالوں کو وہ خدا سے ڈرنیوالے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے اُن کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر حروف مقطعات کی بحث

❶ "الم" علامہ شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ الم اور بقیہ حروف هجاء (مقطعات) جو سورتوں کے آغاز میں ہیں۔

متشابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے اور یہ حروف قرآن کریم کا (خصوصی) راز ہیں۔ ہم ان حروف کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے اندرونی علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ان حروف کے ذکر کرنے کا فائدہ ان پر ایمان لانے کی طلب ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق فرماتے ہیں ہر کتاب میں ایک خاص راز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو راز رکھا ہے وہ سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب کے کچھ منتخبات ہوتے ہیں اور اس کتاب (قرآن کریم) کے منتخبات حروف تہجی ہیں (یعنی حروف مقطعات)

حضرت داؤد بن ابی ہند فرماتے ہیں میں علامہ شعبی سے سورتوں کے آغاز (یعنی حروف مقطعات) سے متعلق پوچھتا تھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ ہر کتاب کے لیے خاص بھید ہوتا ہے اور قرآن کریم کا بھید یہ سورتوں کے آغاز والے حروف ہیں۔ پس ان کو چھوڑ دیجئے (یعنی ان کے بارے میں سوال نہ کیجئے) اور اس کے ماسوی سے متعلق سوال کیجئے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان (حروف تہجی) کا معنی معلوم ہے۔ پس کہا گیا ہے ہر وہ حرف جس سے (سورة کا) آغاز ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما "کھیعص" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کاف کافٍ سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافی ہیں ھاء ھادٍ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے اور یا حکیم سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمتوں والا ہے اور عین علیم سے ہے یعنی وہ ذات باری تعالیٰ جاننے والی ہے اور صاد صادق سے ہے کہ رب ذوالجلال کی ذات سچی ہے اور "المص" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ (مخفف ہے) "انا اللّٰه الملک الصادق" کہ میں اللہ، سچا بادشاہ ہوں۔ حضرت ربیع بن انس "الم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الف اسم اللہ کا مفتاح ہے یعنی آغاز ہے اور لام نام خداوندی لطیف کا آغاز ہے اور میم نام الٰہی مجید کی ابتداء ہے۔

محمد بن کعب فرماتے ہیں "الالف آلآ اللّٰه" یعنی الف سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم مراد ہے۔ "والمیم مُلْکُه" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ملک و اقتدار کی طرف میم اشارہ کر رہا ہے۔)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "الم" کا معنی ہے "انا اللّٰه اعلم" کہ میں اللہ ہوں جو جانتا ہوں اور "المص" کا معنی ہے "انا اللّٰه اعلم و افصّل" یعنی میں اللہ ہوں جو جانتا ہوں اور خوب کھول کر بیان کرتا ہوں اور "الر" کا معنی انا الله اری میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں۔ "المر" کا معنی ہے "انا اللّٰه اعلم و اری" کہ میں اللہ ہوں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ حضرت زجاج فرماتے ہیں یہ (توجیہات) خوب ہیں کیونکہ اہل عرب کلمہ کا ایک حرف بول کر کل کلمہ مراد لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا کہنا ہے "قلتُ لها قفی فقالت لی قاف" یعنی میں نے اس

سے کہا ٹھہر جا پس وہ بولی قاف (یہاں قاف سے مراد پورا کلمہ "قفتُ" ہے یعنی جواب میں اس نے کہا میں ٹھہر گئی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حروف اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اجزاء شدہ اگر لوگوں کو ان حروف کے حسن ترکیب کا علم ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو جان لیتے۔(اے مخاطب) کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو جب "الر......حم......ن" بولے تو الرحمٰن بن جائے گا۔ اسی طرح بقیہ حروف مگر یہ کہ ہم سب کو جوڑ نہیں سکتے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں یہ حروف قرآن پاک کے نام ہیں۔

حضرت مجاہد اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں اس کا بیان یوں کہ کہنے والا جب کہے میں نے "المص" پڑھی تو سننے والا خوب جان جاتا ہے کہ اس نے وہ سورۃ پڑھی جس کا آغاز "المص" سے ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ حروف قسمیں ہیں۔

حضرت اخفش فرماتے ہیں کہ ان حروف کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمیں اُٹھائیں کیونکہ یہ حروف (آسمانی) نازل ہونے والی کتابوں کے (مبانی) یعنی بنیادی حروف ہیں (جن سے ان کتابوں کا کلام مرکب ہے) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے مبادی یعنی ابتدائی حروف ہیں۔

"ذالک الکتاب" یعنی ھذا الکتاب یہ کتاب' اور وہ قرآن ہے اور کہا گیا ہے کہ یہاں ھذا پوشیدہ ہے یعنی "ھذا ذالک الکتاب"۔ حضرت فراء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی ذات اقدس پر ایسی کتاب نازل فرمائے گا جسے پانی مٹا نہ سکے گا اور بار بار پڑھنے سے پرانی نہ ہوگی۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا تو فرمایا "ھذا ذالک الکتاب" یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کا وعدہ میں نے تورات و انجیل میں کیا تھا کہ میں آپ پر نازل کروں گا اور سابقہ نبیوں کی زبانی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہذا قریب کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور "ذالک" دوری بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

حضرت کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ سے پہلے چند سورتیں نازل فرمائیں جن کی مشرکوں نے تکذیب کی۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ نازل فرمائی۔ پس فرمایا "ذالک الکتاب" یعنی جو سورتیں سورۂ بقرہ سے پہلے آئیں وہ کتاب ہیں جن میں شک نہیں اور الکتاب مصدر ہے وہ بمعنی مکتوب ہے جیسے مخلوق کو کہا جاتا ہے ھذا الدرھم ضرب فلان یعنی فلاں کا مضروب ہے۔ فلاں کا مہر زدہ ہے۔ کتاب کا اصل معنی ملانا اور جمع کرنا ہے۔ لشکر کو کتیبہ کہا جاتا ہے اس کے جمع ہونے کے باعث' اور کتاب کو کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حرف کو حرفوں کے ساتھ جمع کرنا ہوتا ہے۔

لاریب فیہ اس میں شک نہیں اس معنی میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بے شک وہ حق ہے اور سچ ہے اور کہا گیا ہے وہ خبر بمعنی نہی ہے (مرادی معنی ہوگا) اس میں شک مت کرو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فلا رفث ولا فسوق" رفث مت کرو (عورتوں کے سامنے بے حیائی کی باتیں کرنے کو رفث کہا گیا ہے) اور فسوق مت کرو یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو۔

ابن کثیر نے فیہ کو اشباع کے ساتھ پڑھا ہے (کسرہ کے ساتھ) وصل کی صورت میں اور اسی طرح ہر وہ ھاء لکھنے کے اعتبار سے

جس سے پہلے ساکن ہیں وصل کی حالت میں اشباع کرتے ہیں۔ جب تک اس کے قریب ساکن نہ ہو پھر اگر ھاء سے پہلے ساکن یاء ہو تو اسے کسرہ یاء کی صورت میں اشباع کرتے ہیں اور اگر یاء کے بغیر ہو تو واؤ کی صورت میں اشباعی پیش لاتے ہیں۔ حفص نے اس کی موافقت کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "فیه مهانا" پس اس میں اشباع کیا (هدی للمتقین) غنہ کا لام اور راء میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یہ ادغام ابوجعفر اور ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے کیا ہے۔ البتہ حمزہ اور کسائی نے اضافہ کیا کہ یاء کے ساتھ بھی غنہ کا ادغام ہوگا اور حمزہ نے واؤ کے ساتھ بھی ادغام کا قول کیا اور باقی حضرات ادغام غنہ نہیں کرتے۔

البتہ ابوجعفر نون اور تنوین کا خاء اور غین کے قریب اخفا کرتے ہیں۔ "هدی للمتقین" یعنی وہ ہدایت ہے یعنی رہنمائی ہے اور بیان ہے اہل تقویٰ کے لیے۔ اور کہا گیا ہے کہ "هدیً منصوب علی الحال" ہے یعنی درانحالیکہ ہدایت دینے والا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی اس میں شک نہیں ہے یعنی متقی لوگوں کو ہدایت دینے میں "هدی" وہ چیز جس سے انسان رہنمائی حاصل کرے "للمتقین" کا معنی "للمؤمنین" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو شرک سے بچتا ہے بڑے گناہوں سے اور برائیوں سے بچتا ہے۔ یہ لفظ اتقاء سے لیا گیا ہے جس کا اصل معنی ہے دو چیزوں کے درمیان رُکاوٹ اسی سے ہے ان کا یہ قول "اتقی بتِرُسِه" یعنی ڈھال کو رُکاوٹ بنایا اور بچاؤ کیا اپنی ذات اور (دشمن کے) مقصود کے درمیان (جو اس کو قتل کرنا تھا)۔

حدیث میں ہے "کُنا اذا اشتدّ البأس اتقینا برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم" جب جنگ زوروں پر ہوتی ہے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دشمن کے درمیان حاجز یعنی رُکاوٹ وحائل بناتے تھے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجاتے) پس گویا کہ متقی انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری اور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ اس سے اجتناب کو اپنے اور عذاب کے درمیان حائل ورُکاوٹ بناتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار سے فرمایا ہمیں تقویٰ کے بارے میں بیان فرمایئے تو حضرت کعب نے فرمایا کہ کبھی تو نے خاردار راستہ کو اختیار فرمایا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں تو حضرت کعب نے پوچھا تو آپ نے اس وقت کیا طریقہ اختیار کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے احتیاط کی اور پنڈلی پر سے کپڑا سمیٹ لیا۔ جواباً حضرت کعب نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے (یعنی اسی احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام تقویٰ ہے)۔ حضرت شہر بن حوشب فرماتے ہیں متقی وہ شخص ہے جو کہ جن چیزوں کے کرنے میں کچھ حرج نہیں، انہیں محض اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے بعض وہ چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جن میں شرعاً حرج ہے قدرے قباحت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی محرمات کو چھوڑ دینے اور فرائض خداوندی کی بجا آوری کا نام ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ جو کچھ (خیر و برکت) عطا فرماتے ہیں پس خیر ہے اور خیر کی طرف (پہنچانے والی) ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کا نام تقویٰ ہے اور حدیث میں ہے کہ تقویٰ کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "ان اللّٰه یامر بالعدل والاحسان" الآیۃ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تقویٰ یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کسی ایک سے بھی

بہتر نہ سمجھے۔ متقی لوگوں کی تخصیص انہیں شرف بخشنے کے لیے ہے یا متقی لوگ ہی ہیں۔ (قرآنی) ہدایت سے نفع اُٹھانے والے۔

"اَلّذین یؤمنون" الذین یومنون متقین کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جر میں واقع ہے۔ یؤمنون کا معنی "یصدقون" (یعنی تصدیق کرنے والے) ابوعمرو اور ورش "یؤمنون" میں ہمزہ کو ترک کرتے ہیں اور باقی اسے ہمزہ دیتے ہیں۔ اسی طرح (مذکورۃ الصدر حضرات) دونوں ہر اس ہمزہ کو ترک فرماتے ہیں جو کہ ساکن ہو اور فعل کی فاء کے مقابلہ میں آیا ہو مگر چند گنے چنے حروف میں (ترک ہمزہ نہیں کرتے)۔

ایمان درحقیقت تصدیق قلب کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وما انت بمؤمن لنا" یعنی تو ہماری تصدیق کرنے والا نہیں ہے۔ "الایمان" ایمان شریعت میں نام ہے۔ دل سے اعتقاد رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا۔ اقرار اور عمل کو ایمان ایک خاص مناسبت سے کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایمان کے شرائع کا نام ہے۔

"الاسلام" اسلام عاجزی اور فرمانبرداری کا نام ہے۔ لہٰذا ہر ایمان اسلام ہے لیکن ہر اسلام ایمان نہیں ہے جبکہ اس کے ساتھ تصدیق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا. قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا"

اور یہ اس لیے کہ آدمی کبھی ظاہر میں تو تسلیم کرنے والا ہوتا ہے مگر باطن میں تصدیق کرنے والا نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں تصدیق کرنے والا ہوتا ہے مگر ظاہر میں مطیع اور فرمانبردار نہیں ہوتا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کے بارے میں سب سے پہلے جنہوں نے کلام کیا وہ بصرہ میں معبد جہنی تھا۔ چنانچہ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن (ہم دونوں) مکہ مکرمہ کی طرف جانے کے ارادہ سے نکلے۔ ہماری خواہش تھی کہ کاش ہم کسی صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو ہم ان سے ان کے بارے میں (جو تقدیر میں بحث کر رہے ہیں) پوچھتے۔

چنانچہ ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے ہو گئی میں اور میرے ساتھ والے نے حضرت کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک ہم میں سے حضرت کے دائیں طرف تھا دوسرا بائیں جانب۔ میں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ میرا ساتھی متکلم مجھے بنائے گا۔ پس میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن ہماری طرف کچھ ایسے لوگ ہیں اس علم (علم تقدیر) کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور اسے طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں تقدیر (تقدیری فیصلے) کچھ نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے محض اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تو ان لوگوں سے ملے تو انہیں یہ خبر دے دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو جبل احد کے برابر سونا حاصل ہو۔ پھر وہ اس سونے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ اس (عظیم) صدقہ کو بھی اللہ تعالیٰ اس سے قبول نہیں فرمائیں گے۔ جب تک اس چیز پر ایمان نہ لائے کہ خیر و شر کے فیصلے تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں۔

ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اچانک

ایک ایسا شخص نمودار ہوا جس کا لباس بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔ نہ تو اس پر سفر کے آثار تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ شخص آگے بڑھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کا گھٹنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھٹنے کو چھو رہا تھا آتے ہی اس نے پوچھا یا محمدؐ مجھے اسلام سے متعلق خبر دیجئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اور تو نماز کو قائم کرے زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ بیت اللہ شریف کا حج کرے، اگر تجھے وہاں جانے کی طاقت ہو۔ جواباً اس نے صدقت کہا یعنی آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس کے پوچھنے اور پھر جواب کی تصدیق سے متعلق تعجب ہوا۔ (یعنی اس کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کو نہیں جانتا اور تصدیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ سب کچھ جانتا ہے) بعد میں اس نے پوچھا "فما الایمان" کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لائے۔ اس کے فرشتوں پر ایمان لائے اس کی کتابوں پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد (دوبارہ جی) اُٹھنے پر ایمان لائے۔ جنت اور دوزخ پر ایمان لائے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے، اس پر اس نے کہا صدقت، آپ نے سچ فرمایا، اس کے بعد اس نے پوچھا "فما الاحسان" کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس بے شک تو اگر اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس پر بھی اس نے کہا صدقت یعنی آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جس سے پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے (قیامت کے بارے میں) زیادہ تو نہیں جانتا۔ اس نے کہا صدقت آپ نے سچ فرمایا۔

کہا مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں خبر دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ باندی اپنے سردار کو جنم دے گی۔ (یعنی بیٹیاں ماں پر سردار بن کر حکم چلائیں گی)۔ دوسری نشانی اور یہ کہ تو ننگے پاؤں اور ننگے بدن بکریاں کو چرانے والے (قسم کے) لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے۔ (یعنی نااہل لوگ مالدار اور دولت مند بن جائیں گے)۔ اس نے کہا صدقتَ!
...... پھر وہ چلا گیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا عمر جانتے ہو وہ آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اس لیے تمہارے پاس تشریف لائے تھے تاکہ تمہیں امور دین کے بارے میں معلومات دیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی جس صورت میں تشریف لائیں میں انہیں پہچان لیتا ہوں مگر اس صورت میں (یعنی اس دفعہ) نہیں پہچان سکا۔

حضرت فراء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں اسلام ظاہری اعمال کو قرار دیا ہے اور ایمان باطنی اعتقادات کو فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تفصیل و تقسیم اس لیے نہیں کہ اعمال ایمان سے نہیں اور تصدیق قلبی اسلام سے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پورا ارشاد ایک مجموعہ کی تفصیل ہے اور یہ ایک شئی ہے جس کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذالک" جبرئیل یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے معاملات سکھانے آئے

تھے اور اس بات کی دلیل کہ اعمال بھی ایمان سے ہیں وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان ستر (۷۰) سے چند زائد شعبوں کا نام ان میں سے افضل شعبہ (کلمہ) لا الہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ہے اور حیاء ایمان کا خاص حصہ ہے۔

ایمان

امان سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو مؤمن کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امان دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام مؤمن اس لیے ہے کہ وہ بندوں کو عذاب سے امان دیتا ہے۔

اور غیب مصدر ہے جسے اسم کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ پس غائب کو غیب کہا گیا جیسے عادل کو عدل کہا گیا۔ (عدل کرنے والا) اور زائر کو زور (زیارت کرنے والا) غیب وہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس جگہ غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تیری نظر سے غائب ہے خواہ وہ فرشتے ہوں۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہو، جنت ہو، دوزخ ہو، آگ ہو (جہنم پر قائم شدہ) پل صراط ہو تراز و ہو اور کہا گیا ہے غیب سے اس جگہ مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ قرآن پاک مراد ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں غیب سے مراد یہاں آخرت ہے۔ حضرت زر بن جیش اور ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وحی مراد ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "عندہ علم الغیب" کیا اس کے پاس علم غیب ہے (اور اس سے مراد وحی ہے) اور ابن کیسان کا کہنا ہے غیب سے مراد تقدیر ہے۔ عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ انہوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور ان فضائل کا تذکرہ فرمایا جن فضائل میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت کی۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ ہر دیکھنے والے کے لیے بالکل واضح تھا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی شخص بھی اس شخص سے افضل ایمان نہیں لایا جو کہ غائبانہ ایمان لایا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ نے "الم ذالک الکتاب" سے لے کر "ھم المفلحون" تک پڑھا۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کلام کا منشاء یہ ہے کہ کلی طور پر ایمان بالغیب اس شخص کا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی اور محض غائبانہ ایمان لایا۔)

نوٹ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تائید ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اعجبھم ایمانًا" فرما کر ان لوگوں کا ایمان عجب ترین قرار دیا جنہوں نے آپ کی زیارت نہیں کی۔ بعد میں آئے اور ایمان لائے۔ گویا ایسے لوگوں کا ایمان ہر اعتبار سے غائبانہ ہوا۔

اضافہ از مترجم

ابو جعفر، ابو عمرو اور ورش نے "یؤمنون" ترک ہمزہ کے ساتھ پڑھا (یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا) اسی طرح ابو جعفر ہر ساکن

ہمزہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سوائے "انبئھم" اور "ینبئھم" اور "نبئنا" ابو عمر ہر ہمزہ کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ کہ وہ جزم کی علامت ہو جیسے "نبئھم" اور "انبئھم" اور "تسؤھم" اور "تسؤکم" اور "ان نشاء" اور "ننسأھا" اور اسی کے مثل اور بھی) یا پھر وہ مقام جہاں ترک ہمزہ سے ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف نکلنا پڑتا ہو۔ مثلاً (مؤصدہ) اور (رئیا) اور ورش ہر اس ہمزہ کو چھوڑتے ہیں جو کہ ساکن ہو اور فعل کی فاء سے پہلے ہو مگر (تؤوی) اور تؤویہ) اور فعل کی عین کے مقابل جو ہمزہ آئے اسے ترک نہیں کرتے مگر (الرؤیا) ہیں اور اس کے باب میں الایہ کہ فعل کے وزن پر ہو۔

"ویقیمون الصلوٰۃ" یعنی اسے ہمیشہ پڑھتے ہیں اس کے اوقات کی بمع اس کے حدود ارکان اور شکل وصورت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یقیمون سے ہی قام بالامر اور واقام الامر اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اس امر کو اس کے تمام حقوق کے ساتھ ادا کیا جائے یا پھر اس جملہ سے مراد پانچوں نمازیں ہیں جنہیں لفظ مفرد کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فبعث اللّٰہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق" یعنی کتابیں نازل فرمائیں تو گویا یہاں مفرد کتاب سے مراد کتابیں ہیں جو کہ جمع ہیں۔

"صلوٰۃ" کا لغوی معنی دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فصل علیھم" یعنی ان کے لیے دُعا کیجئے شریعت مقدسہ میں صلوٰۃ افعال مخصوصہ کا نام ہے قیام، رکوع، سجود، قعود، دُعا اور ثناء۔ اور بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی" الآیۃ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بے شک اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی استغفار ہے اور مؤمنین کی صلوٰۃ کا معنی دُعا ہے۔ "ومما رزقنھم" اس کا معنی ہے "اعطیناھم" یعنی جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا اور رزق ہر اس کا نام ہے جس سے نفع اُٹھایا جائے حتیٰ کہ اولاد اور غلام لغت میں رزق کا معنی حصہ اور نصیب کے ہیں۔

"ینفقون" بمعنی "یتصدقون" (یعنی صدقہ کرتے ہیں) حضرت قتادۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ انفاق کا اصل معنی ہاتھ اور ملک سے نکالنا ہے۔ اسی سے نفاق السوق ہے۔ (جب بازار میں لین دین خوب ہو) کیونکہ اس میں سامان کو ہاتھ سے نکالنا ہوتا ہے۔ اسی سے ہے "نفقت الدابۃ"..... جبکہ اس کی روح نکل جائے (یعنی جانور ہلاک ہو جائے) پس یہ آیت ان ایمان والوں سے متعلق ہے جو مشرکین عرب سے تھے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ. وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ......

ترجمہ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اُس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اُتاری گئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں

تفسیر اس قرآن مراد ہے "وما انزل من قبلک" اس سے مراد تورات، انجیل اور بقیہ وہ تمام کتب جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر نازل کی گئیں۔

ابوجعفر اور ابن کثیر اور قالون اور اہل بصرہ اور یعقوب ہر اس مد کو چھوڑ دیتے ہیں جو دو کلموں کے درمیان واقع ہو اور باقی حضرات مد دیتے ہیں اور یہ آیت کریمہ ان مؤمنین کرام سے متعلق ہے جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے۔

"وبالآخرۃ" ای بالدار الآخرۃ (یعنی جو آخرت پر ایمان لائے) دُنیا کو دنیا کا نام اس لیے دیا گیا کہ وہ بنسبت آخرت کے قریب ہے اور آخرت کو آخرت اس لیے کہا گیا کہ وہ متاخر اور دُنیا کے بعد ہونے والی ہے۔

"هم یؤقنون" وہ یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ ہونے والی ہے۔ یوقنون ایقان سے ہے اس کا معنی علم ہے اور کہا گیا ہے کہ ایقان اور یقین اس علم کا نام ہے جو دلیل سے حاصل شدہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو موقن نہیں کہا جاتا اور اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہا جاتا کیونکہ علم الٰہی دلیل سے ماخوذ نہیں۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۵ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَ اَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَۃٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۸ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۹

ترجمہ پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہیں اُن کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لیے سزا بڑی ہے اور اُن لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں یعنی محض چالبازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور واقع میں کسی کیساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

تفسیر "اولئک" یعنی ان صفات کے حامل حضرات اور اولاء کلمہ ہے اس کا معنی جماعت سے کنایہ ہے (یعنی اس سے مراد جماعت ہوتی ہے) جیسے کہ "هُمْ" اور کاف خطاب کا ہے جیسے کہ ذالک میں کاف خطاب کا ہے۔ (علی هدی) یعنی رشد و بیان اور بصیرت پر ہیں۔ (یعنی ہدایت پر ہیں)۔ "من ربهم و اولئک هم المفلحون" نجات پانے والے اور کامیاب جنت کے ساتھ کامیاب ہوئے اور آگ سے نجات پا گئے۔

اور فلاح بمعنی بقاء بھی ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کی نعمت میں باقی رہنے والے فلاح کا اصل معنی قطع کرنا اور پھاڑنا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے کسان کو فلاح کا نام دیا گیا کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے اور مثال میں ہے الحدید بالحدید یفلح یعنی لوہا لوہے

سے کاٹا جاتا ہے۔ پس یہ لوگ وہ ہیں جن کے لیے دُنیا اور آخرت میں خیر کو قطع کر دیا گیا۔ (یعنی الاٹ کر دیا گیا ہے)۔

"ان الذین کفروا" اس سے مراد مشرکین عرب۔ کلبی کہتے ہیں اس سے مراد یہود ہیں اور کفر جحود کے معنی میں سے ہے یعنی انکار کرنا اور اس کا اصل معنی ستر ہے اسی اعتبار سے رات کو کافر کا نام دیا گیا کیونکہ وہ اپنی تاریکی سے چیزوں کو چھپا دیتی ہے اور کسان کو کافر کہ وہ دانہ کو مٹی میں چھپاتا ہے۔ پس کافر حق کو اپنے انکار کے ساتھ چھپاتا ہے۔

اقسام کفر

کفر چار قسم پر ہے ① کفر انکار ② کفر جحود ③ کفر عناد ④ کفر نفاق۔

کفر انکار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالکل نہیں پہچانتا اور نہ اس کا اعتراف کرتا ہے اور اس کا کفر کرتا ہے۔

کفر جحود یہ ہے کہ نہ دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچانتا ہے اور نہ زبان سے اقرار کرتا ہے جیسے کفر ابلیس اور کفر یہود۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ" کفر العناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے مگر اطاعت نہ کرے جیسے ابوطالب کا کفر جبکہ وہ کہتا ہے (ابوطالب کے اشعار کا ترجمہ) اور البتہ تحقیق میں جانتا ہوں کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے بہترین دینوں میں سے ایک دین ہے۔ اگر ملامت (لوگوں کی) اور گالی کا خوف نہ ہوتا (اے محمدؐ) تو مجھے پاتا کہ میں کھلے دل سے اور کھلم کھلا قبول کر لیتا۔

کفر نفاق یہ کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں عقیدہ نہ ہو یہ چاروں کفر اس بات میں برابر ہیں کہ جو شخص ان کفروں میں سے کسی ایک کفر کو لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشیں گے۔ "سواء علیھم" اُن کے نزدیک یہ بات برابر ہے۔ "ء أنذرتھم" ان کو آپ خوف دلائیں اور ان کو ڈرائیں۔ "انذار" کا معنی خوف دلانے اور ڈرانے کے ساتھ آگاہ کرنا لہٰذا ہر منذر (یعنی انذار کرنے) والا معلم (آگاہ کرنے والا) ہے اور ہر معلم (آگاہ کرنے والا) منذر (ڈرانے والا) نہیں ہے۔ ابن عامر اور عاصم اور حمزہ اور کسائی نے "أأنذرتھم" میں دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے اور اسی طرح ہر وہ دو ہمزے ثابت رکھتے ہیں جو کلمہ کی ابتداء میں واقع ہوتے ہیں اور باقی حضرات دوسرے ہمزہ کو لین کرتے ہیں (یعنی مخرج ہمزہ اور مخرج الف کے مابین پڑھتے ہیں) (ام) استفہام پر حرف عطف ہے۔ (لم) حرف جزم ہے فعل کے سوا کسی کے قریب واقع نہیں ہوتا کیونکہ جزم افعال کے ساتھ خاص ہے (اور لم جزم دیتا ہے) "تنذرھم لا یؤمنون" یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے حق میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے اعتبار سے بدبختی کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد ان کے ترک ایمان کا سبب ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ختم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی "علیٰ قلوبھم" پس نہ خیر کو مقصود بناتے ہیں اور نہ اسے سمجھتے ہیں ختم کا حقیقی معنی کسی شئی کو مضبوط و مستحکم اس طرح کرنا تاکہ جو چیز اس شئی سے نکل چکی ہے وہ اس میں داخل نہ ہو اور جو داخل ہو چکی ہے وہ اس سے نکل نہ سکے اور اسی سے ہے ختم علی الباب یعنی دروازہ پر تالا لگا دیا۔ اہل السنۃ والجماعت فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے

اپنے علم سابق کے مطابق ان کے دلوں پر کفر کا حکم کر دیا۔ معتزلہ کہتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے ایسی علامت لگا دی ہے جس کے ذریعے ان کافروں کو فرشتے پہچانتے ہیں۔

"**وعلٰی سمعھم**" یعنی ان کی سماعت کی جگہوں پر (مہر لگا دی) پس وہ حق کو نہیں سنتے اور نہ اس سے نفع اُٹھاتے ہیں اور "**علٰی سمعھم**" سے مراد **علی اسماعھم** ہے جیسے دلوں کے بارے میں **علی قلوبھم** فرمایا لیکن کانوں کو مفرد اس لیے ذکر فرمایا کہ سمع مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتی ہے اور نہ جمع ہوتی ہے۔ "**وعلٰی ابصارھم غشاوۃ**" یہ کلام نئے سرے سے شروع کی گئی ہے۔ "**غشاوۃ**" کا معنی پردہ پس (جس سے وہ) حق کو نہیں دیکھتے۔

ابو عمر اور کسائی نے (**ابصارھم**) کو امالہ کے ساتھ پڑھا (یعنی الف کو قدرے یاء کی طرف مائل کر کے اور اسی طرح ہر اس الف کا جس کے بعد راء مجرور ہو، اسماء میں فعل کی لام کے مقابل اس کا امالہ کرتے ہیں اور حمزہ ہر اس الف کا امالہ کرتے ہیں جس میں **راء** ہو جیسے **قرار** اور اس کے مثل اور کسائی نے **جبارین**، **جوار**، **ماوا کم** اور **من انصاری** اور **نسارع** اور اس کے باب میں امالہ کا اضافہ کیا ہے اور اسی طرح یہ حضرات ہر اس الف کا امالہ کرتے ہیں جو الف کہ لام فعل کے قائم مقام ہو یا وہ تانیث کے لیے نام ہو جبکہ اس سے پہلے راء ہو۔ تانیث کے نام کی مثال (کبریٰ، اخریٰ ہے اور لام فعل کی مثال تری اور فتریٰ) اس میں راء کو زیر دیتے ہیں۔

"**ولھم عذاب عظیم**" یعنی آخرت میں اور کہا گیا ہے دُنیا میں قتل کرنا اور قید کرنا اور آخرت میں دائمی عذاب۔ عذاب ہر وہ چیز ہے جو انسان کو مشقت میں ڈالے۔ خلیل فرماتے ہیں عذاب ہر اس چیز کا نام ہے جو انسان کی مراد کے حصول میں رُکاوٹ بن جائے اور اسی سے ہے **ماء العذب** یعنی ٹھنڈا میٹھا پانی کیونکہ وہ بھی پیاس کو منع یعنی ختم کرتا ہے۔

"**ومن النّاس من یقول آمنا باللّٰہ**" منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ مثلاً عبداللہ بن ابی ابن سلول، معتب بن قشیر، جد بن قیس اور ان کے ساتھی۔ اس لیے کہ انہوں نے اظہار اسلام اس لیے کیا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں سے بچیں اور کلمۂ اسلام کے خلاف عقیدہ رکھا۔ منافقین کی اکثریت یہود سے تھی۔

"**النّاس**" انسان کی جمع ہے۔ انسان کی وجہ تسمیہ یہ کہ اس کی طرف عہد کیا گیا پس وہ بھول گیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**ولقد عھدنا الٰی آدم من قبل فنسی**" اور کہا گیا ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و نمایاں انسان ان کے اس قول سے ماخوذ ہوگا۔ "**آنَسْتُ**" بمعنی ابصرت یعنی میں نے دیکھا (اور دیکھی وہ چیز جاتی ہے جو نمایاں اور ظاہر ہو۔ انسان کی یہ وجہ تسمیہ اضافی ہوگی یعنی بمقابلہ جن کے کہ وہ نظروں سے مستور ہے)۔ من المترجم

اور کہا گیا ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے مانوس ہوا جاتا ہے۔ "**وبالیوم الآخر**" یعنی قیامت کے دن کے ساتھ۔ "**وما ھم بمؤمنین یخادعون اللّٰہ**" یعنی "**یخالفون اللّٰہ**" اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں۔

خداع کا لغوی معنی اخفاء ہے اور اسی سے مخدع ہے جو گھر کا خصوصی کمرہ (سٹور) ہوتا ہے جس میں سامان پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ مُخادِع کو مخادع اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ضمیر کے خلاف اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "**وھو خادعھم**"

خداع کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ظاہراً دُنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ خلاف ہے اس کے جو اللہ تعالیٰ ان منافقوں کے لیے آخرت میں عذاب غائبانہ تیار کیے ہوئے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ خداع کا اصل معنی فساد ہے اور اس جملہ کا معنی ہوگا کہ منافق لوگ ایمان کے اس بول کو (جو انہوں نے ظاہری طور پر بولا) دل میں پوشیدہ کفر کے ذریعے فاسد کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قول یعنی ان منافقوں پر اللہ تعالیٰ دُنیا کی نعمتوں کو فاسد کردیں گے۔ بسبب اس (انجام کار) کے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ان کو لوٹائیں گے۔ عذاب آخرت سے "یخادعون اللّٰہ" پر وارد شدہ سوال کے جوابات اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "یخادعون اللّٰہ" کا کیا معنی ہوگا؟ جبکہ مفاعلہ مشارکۃ کے لیے (یعنی مفاعلہ کے وزن پر آنے والا فعل جانبین سے ہوا کرتا ہے) حالانکہ رب قدوس فعل مخادعۃ میں مشارکۃ یعنی شریک فعل ہونے سے بزرگ و برتر ہیں۔ جواباً کہا گیا جواب ❶ (کہ مفاعلہ کا باب کبھی مشارکۃ والے معنی میں نہیں ہوتا جیسے کہ تیرا کہنا "عافاک اللّٰہ" (اب اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے اور تو اللہ تعالیٰ کو) بلکہ اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے۔ فقط

اسی طرح کہا جاتا ہے عافیت فلانا میں نے اس کو معاف کردیا طارقت النعل میں نے جوتے میں کیل ٹھونکے (یہ سب فعل جانب واحد سے ہیں)۔ جواب ❷ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ "یخادعون اللّٰہ" کا معنی ہے یخادعون رسول اللّٰہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے خداع کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف نسبت کررہے ہیں) جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الذین یؤذون اللّٰہ" یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ایذا دیتے (تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو دی گئی ایذا کو اپنی ایذا اقرار دیا۔)

جواب ❸ بعض حضرات نے کہا گیا ہے کہ یخادعون اللہ میں لفظ اللہ کا ذکر محض تحسیناً ہے اور مقصود ایمان والوں کے ساتھ کیا گیا دھوکہ ہے۔ جیسے کہ اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فان للّٰہ خمسہ وللرسول" (تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر تحسین ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو خمس کی ضرورت نہیں ہے۔)

جواب ❹ بعض حضرات نے کہا گیا ہے کہ یخادعون اللہ کا معنی ہے کہ وہ لوگ دین الٰہی میں وہ کام کرتے ہیں جو ان کے دین میں دھوکہ ہے خداع ہے۔ "والذین آمنوا" یعنی اور دھوکہ دیتے ہیں ایمان والوں کو اپنے اس قول کے ساتھ جب ان کو دیکھتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ "وما یخدعون" ابن کثیر نافع اور ابوعمرو نے "وما یخدعون" پڑھا پہلے حرف کی طرح اور اسے اس باب مفاعلہ سے بنایا جو مختص بالواحد ہے اور باقیوں نے "وما یخدعون" مِن باب (مجرد) پر پڑھا "الا انفسھم" (یعنی نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو) یہ اس لیے کہ ان کے دھوکہ کا وبال انہیں کی طرف لوٹنے والا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو اُن کی منافقت پر مطلع فرمادیں گے جس سے یہ منافق دُنیا میں رسوا ہوجائیں گے اور آخرت میں عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ "وما یشعرون" یعنی وہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور نہ اس کو جانتے ہیں کہ ان کے دھوکے کا وبال انہیں پر لوٹ رہا ہے۔

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا

قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ⑪ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ
وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ⑫ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ
السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ⑬ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا
وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑭

ترجمہ اُن کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالیٰ نے اُن کا مرض اور اُن کے لئے سزا دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاوینگے جیسا ایمان لائے ہیں یہ بیوقوف یاد رکھو یہی ہیں بے وقوف لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے اور جب ملتے ہیں وہ منافقین اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑩ "**فی قلوبهم مرض**" شک و منافقت کا مرض، مرض کا اصل معنی ضعف ہے۔ دُنیا میں شک کو مرض کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ دین کو کمزور کر دیتا ہے جیسے مرض بدن کو کمزور کرتا "**فزادهم الله مرضا**" اس لیے کہ آیات یکے بعد دیگرے مسلسل و متواتر نازل ہو رہی تھیں۔ جب بھی کسی آیت کا انکار کرتے تو کفر و نفاق میں بڑھ جاتے اور یہی معنی ہے فرمان الٰہی کا۔ "**واما الذين فی قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الی رجسهم**" ابن عامر اور حمزہ نے (**فزادهم الله مرضا**) کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ نے (زاد) کے امالہ کو زیادہ کیا اور جہاں کہیں واقع ہو وہاں پر بھی امالہ کیا اور لفظ (زاغ اور خاب اور طاب اور حاق اور ھناق) میں امالہ کیا اور باقی امالہ نہیں کرتے "**ولهم عذاب اليم**" یعنی درد رسیدہ۔ اس کا درد ان کے دلوں تک پہنچ جائے گا۔ "**بما كانوا يكذبون**" ما برائے مصدر ہے۔ معنی ہوگا ان کی اللہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ تکذیب کی وجہ سے اور کوفیوں نے یکذبون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوگا "**بكذبهم**" (یعنی ان کے جھوٹ کے باعث عذاب الیم ہوگا) جب کہ انہوں نے آمنا کہہ کر (جھوٹ بولا) جب کہ غیر مؤمن تھے۔

"**واذا قيل**" کسائی نے (قیل اور غیض اور جیئ اور جیل اور سیق اور سیئت) ان تمام لفظوں کے اول حروف کو قدرے پیش کی طرف مائل کر کے پڑھا۔ اہل مدینہ نے (سیئ اور سیئت) میں موافقت کی اور ابن عامر نے (سیق اور جیل اور سیئ اور سیئت) میں موافقت کی اس لیے کہ ان کا اصل قول قاف کی پیش اور واؤ کی کسرہ کے ساتھ ہے۔

"قُتِل" کی طرح، پس پیش کی طرف اشارہ کیا گیا تا کہ اس واؤ پر دلالت کرے جواب (یاء سے) بدل چکی ہے اور یا

حضرات ان الفاظ کے پہلے حروف کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ انہوں نے واؤ پر حرکت کو ثقیل محسوس کیا تو اس کی کسرہ (زیر) کو فعل کی فاء کی طرف منتقل کر دیا اور واؤ پہلے حرف کی زیر کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

⑪ "**واذا قيل لهم**" یعنی منافقین کو کہا گیا یا یہود کو۔ ان کو مؤمنوں نے کہا "**لاتفسدوا فی الارض**" کفر کر کے اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے لوگوں کو روک کر زمین پر فساد نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ "**لاتفسدوا**" کا معنی "**لاتکفروا**" ہے اور کفر دین میں شدید ترین فساد ہے۔ "**قالوا انما نحن مصلحون**" یہ بات بھی ایسے ہی جھوٹی کہتے ہیں جیسے کہ آمنا کا جملہ اس حال میں کہتے کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

⑫ ......(الا) کلمہ تنبیہ ہے جس سے مخاطب کو متنبہ کیا جاتا ہے "**انهم هم المفسدون**" اپنے آپ کو (فاسد کرنے والے ہیں) کفر کر کے اور لوگوں کو خراب کرنے والے ہیں۔ ایمان سے روک کر کے۔ "**ولكن لايشعرون**" یعنی نہیں جانتے اس بات کو کہ وہ فاسد کرنے والے ہیں کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ بے شک وہ جس حال پر ہیں کفر (کی گندگی) سے باطن بھر کر یہ حال، حالِ صلاح ہے اور کہا گیا ہے کہ "**لايعلمون**" کا معنی ہے کہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا کچھ عذاب تیار کر رکھا ہے۔

⑬ "**واذا قيل لهم**" یعنی منافقوں کو کہا گیا ہے یا یہود کو "**آمنوا كما آمن الناس**" جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے اور کہا گیا ہے جیسے کہ مہاجرین وانصار ایمان لائے۔ "**قالوا انؤمن كما آمن السفهاء**" سفہاء سے مراد جاہل لوگ۔

منافقت سے متعلق سوال اور اس کا جواب

پس اگر کہا جائے کہ "**أنومن كما آمن السفهاء**" کا قول جہراً کہنے کے بعد ان پر نفاق کا قول کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ جواباً کہا گیا ہے کہ منافق لوگ یہ بات آپس میں کہتے تھے ایمان والوں کے سامنے نہیں کہتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام اور ایمان والوں کو ان کے اس قول کی خبر دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا "**الا انهم هم السفهاء ولكن لايعلمون**" نہیں جانتے کہ وہ سفیہ ہیں۔ سفیہ کا معنی کم عقل کمزور حوصلے والا۔ یہ ان کے اس قول ثوب سفیہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی کپڑا پتلا ہے اور کہا گیا ہے سفیہ اس جھوٹے کو کہتے ہیں جو عمداً اپنے علم کے خلاف کرے۔

اہل کوفہ و شام نے "**السفهاءُ اَلا**" کو دونوں ہمزوں کو ثابت رکھ کر پڑھا ہے اور اسی طرح ان ہر دو ہمزوں کو ثابت رکھتے ہیں جو دو کلموں میں واقع ہوں وہ دونوں ہمزے باہم متفق ہوں یا مختلف۔

دوسرے حضرات پہلے ہمزہ کو ثابت رکھتے ہیں اور دوسرے میں لین کرتے ہیں۔ (یعنی اس ہمزہ کے اپنے مخرج اور اس پر واقع حرکت کے موافق حرف علت کے مخرج کے درمیان پڑھتے ہیں) یہ اس وقت جب دونوں ہمزے مختلف ہوں تاکہ تخفیف ہو۔ اور

⑭ "**واذا لقوا الذين آمنوا**" یعنی یہ منافق جب مہاجرین وانصار کو ملتے ہیں "**قالوا آمنا**" ہم ایمان لائے تمہارے ایمان کی طرح "**واذا خلوا**" جب لوٹتے ہیں "**لفظ خلوا**" جائز ہے کہ خلوت سے ہو اور (الی) بمعنی باء ہو تو "**الی شياطينهم**" بمعنی "**بشياطينهم**" ہوگا یعنی اپنے شیطانوں کے ہمراہ اور کہا گیا ہے کہ الی بمعنی مع ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''ولا تاکلوا أموالھم الی اموالکم'' یعنی مع اموالکم (شیاطینھم) یعنی ان کے سرداراوران کے کاہن شیاطین پانچ تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ یہود کے پانچ بڑے سرغنہ تھے۔ 1۔کعب بن اشرف مدینہ میں۔ 2۔ابو بردہ بنواسلم میں۔ 3۔عبدالدار قبیلہ جہینہ میں۔ 4۔عوف بن عامر بنی اسد میں۔ 5۔عبداللہ بن السوداء شام میں۔ ہر کاہن کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے جواس کے تابع ہوتا ہے۔شیطان لغت میں سرکش نافرمان اور حد سے گزرنے والے کو کہتے ہیں خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے جن میں سے انسانوں میں سے اور ہر چیز سے شیطان شطن سے ہے اس کا معنی بُعد ہے کہا جاتا ہے۔عرب کے محاورے میں بولا جاتا ہے۔بئر شطون یعنی گہرائی والا کنواں شیطان کو شیطان کا نام اس لیے دیا گیا کہ وہ بھی شر میں بڑھا ہوا ہے اور خیر سے دور ہوتا ہے۔اس لئے اس کا نام شیطان رکھا گیا ہے حضرت مجاہد ''الی شیاطینھم'' کا معنی کرتے ہیں الی اصحابھم یعنی اپنے ساتھیوں کی طرف جو منافقوں اور مشرکوں سے تھے۔

''قالوا انا معکم'' تمہارے دین پر ''انما نحن مستھزون'' ہم استہزاء کرتے ہیں۔محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اوران کے ساتھیوں کے ساتھ بسبب اس کے کہ ہم اسلام ظاہر کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (15) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ (16) مَثَلُھُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَہٗ ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ وَتَرَکَھُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ (17) صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (18) اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْہِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکٰفِرِیْنَ (19)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کررہے ہیں اُنکے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں اُنکو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران سرگرداں ہورہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی ہے بجائے ہدایت کے تو سودمند نہ ہوئی اُن کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے ان کی حالت اس شخص کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کردیا ہو اُس آگ نے اُس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سلب کرلیا ہو اُنکی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو اُنکو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے یا اُن منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کیطرف سے اُس میں اندھیری بھی ہو اور رعدوبرق بھی جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو۔

تفسیر: ابوجعفر نے ''مستھزون اور یستھزون اور قل استھزوا اور لیطفوا اور لیوا طوا اور یستنبونک اور

خاطین اور خاطون اور متکین اور متکون اور فمالون اور والمنشون" ان سب میں ہمزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ⑮ "اللہ یستھزیٔ بھم" یعنی ان کو بدلہ دیں گے ان کے استہزاء کا بدلہ استہزاء کے بدلہ کو بھی استہزاء کا نام دیا گیا کیونکہ وہ استہزاء کے مقابلہ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وجزاء سیئة سیئة مثلھا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں استہزاء کا بدلہ اس طرح ہوگا کہ ان کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ پس جب اس کی طرف پہنچیں گے تو وہ دروازہ ان سے بند کر دیا جائے گا اور آگ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور بعض نے کہا کہ استہزاء کا بدلہ اس طرح ہوگا کہ ایمان والوں کے لیے نور رکھا جائے گا جس سے وہ صراط پر چلیں گے۔ جب منافق وہاں تک پہنچیں گے تو منافقوں اور مؤمنوں کے درمیان رُکاوٹ کردی جائے گی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وحیل بینھم وبین ما یشتھون) کہ منافقوں اور ان کی چاہتوں کے درمیان رُکاوٹ قائم کردی جائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فضرب بینھم بسور لہ باب" پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ الایہ کہ ان کے درمیان ایک فصیل قائم کردی جائے گی جس کا دروازہ ہوگا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں پر منافقوں کا نفاق ظاہر فرما دیں گے۔ "ویمدھم" ان کو چھوڑتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے مد اور امداد ایک چیز ہے اور اس کا اصل معنی زیادہ ہونا ہے مگر یہ کہ مد زیادہ تر شر میں استعمال ہوتا ہے اور امداد خیر میں مستعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مد کے متعلق فرماتے ہیں "ونمد لہ من العذاب مدّا" اور امداد کے متعلق فرمایا "وامددنا کم باموال وبنین و امددنا کم بفاکھة"...... "فی طغیانھم" اپنی گمراہی میں طغیان کا اصل معنی ہے حد سے گزر جانا اور اسی سے ہے طغی الماء "یعمھون" یعنی گمراہی میں آتے جاتے ہیں۔ اس حال میں کہ حیران ہیں۔

⑯ "اولئک الذین اشتروا الضلالة بالھدیٰ" بالھدیٰ کا معنی بالایمان (فما ربحت تجارتھم) یعنی انہوں نے کفر کو بدلے میں لیا یعنی نہ نفع مند ہوئے وہ لوگ اپنی تجارت میں۔ ربح یعنی نفع کی نسبت تجارت کی طرف کی کیونکہ نفع تجارت میں ہوتا ہے جیسے عرب والے کہتے ہیں "ربح بیعک و خسرت صفقتک" یعنی تیری بیع نفع والی ہوئی اور تیرا سودا خسارہ کا ہوا۔ "وما کانوا مھتدین" (یعنی نہیں تھے وہ راہ اپنانے والے گمراہی سے اور کہا گیا درست پہنچنے والے اپنی تجارت میں۔

⑰ "مثلھم" ان کی مشابہت اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان کی صفات ہیں ...... مثل معاشرہ میں اس مشہور قول کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پہچانی جائے اور امثال قرآن کریم کی سات قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ "کمثل الذی" الذی بمعنی الذین ہے (گویا لفظاً مفرد اور معنی کے لحاظ سے جمع) آیت کے سیاق کے لحاظ سے (یعنی بعد میں آنے والے صیغوں کے اعتبار سے) اور اس کی مثال "والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون" (یعنی جیسے یہاں والذی بمعنی الذین ہے کیونکہ اس کے بعد اسم اشارہ جمع لایا گیا یعنی "اولئک" اس مقام میں الذی بھی بمعنی الذین کے ہے کیونکہ بعد میں اس کی طرف جمع کی ضمیریں لوٹ رہی ہیں۔ "بنورھم وترکھم"

"استوقدنارا" بمعنی اوقد نارا ہے (یعنی آگ کو جلایا) "فلما اضاءت" آگ نے روشن کیا (ماحولہ) یعنی آگ

جلانے والے کے ماحول کو اضاء لازم بھی ہے متعدی بھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اضاء الشی بنفسہ اور اضاء غیرہ یعنی چیز روشن ہوئی (خود) چیز نے روشن کیا (دوسرے کو) اور یہاں متعدی ہے۔

"ذھب اللّٰہ بنورھم ...... لایبصرون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور مقاتل اور ضحاک (تفسیر بغوی صفحہ ۵۳) اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی مثال ان کے نفاق میں اس آدمی کی سی ہے جو جنگل میں تاریک رات کے اندر آگ جلاتا ہے۔ پس سینکتا ہے اور اپنے ماحول کو دیکھتا ہے۔ پس (سمجھتا ہے) کہ وہ ہر اس چیز سے بچ گیا جس کا اسے خوف تھا وہ اسی حال (اطمینان) میں ہوتا ہے کہ اچانک اس کی (جلائی ہوئی) آگ بجھ جاتی ہے۔ پس وہ اندھیرے میں حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ پس اسی طرح منافق لوگ ایمان کا بول، بول کر اپنے مال و اولاد سے متعلق پُرامن اور مطمئن ہوگئے۔ ایمان والوں کے ہاں نکاح وغیرہ کر دیئے، مؤمنوں کی جائیداد کے وارث بن گئے، مال غنیمت کے حصے لے اُڑے۔ یہ (مفادات) ان کا نور ہوئے پس جب مرے وہی تاریکی اور خوف ان کا مقدر ٹھہرا اور کہا گیا ہے ان کے نور کا چلا جانا قبر میں ہوگا۔

بعض نے کہا کہ قیامت میں ہوگا جب وہ ایمان والوں کو کہتے پھریں گے ہمارا بھی خیال کرو ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے نور کا چلا جانا اس اعتبار سے ہے کہ حضور علیہ السلام کی زبان مقدس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدۂ نفاق کو ظاہر فرمایا۔ تو آگ سے مثال دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "اطفأ اللّٰہ نارھم" کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آگ کو بجھا دیا بلکہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے نور کو ان سے لے گیا۔ کیونکہ آگ کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں روشنی اور حرارت تو ان کا نور یعنی روشنی ختم شد اور حرارت ان پر باقی رہی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اضاءۃ النار آگ کا روشن ہونا۔ ان منافقوں کا مؤمنین کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہدایت کی طرف مائل ہونا اور ان کے نور کے چلے جانے سے مراد ان کا مشرکین کی طرف جھکنا اور گمراہی کی طرف۔

حضرت عطاء اور محمد بن کعب رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے متعلق ان کے انتظار سے متعلق اور مشرکین عرب کے خلاف حضور علیہ السلام کے حوالے سے رب تعالیٰ سے طلب فتح کرنا۔ پھر جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو ان یہود نے حضور علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

⑱ (صم) یعنی وہ لوگ حق سے بہرے ہیں اسے قبول نہیں کرتے اور جب انہوں نے حق قبول نہ کیا پس گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔ (بکم) حق سے گونگے ہیں کہ حق بات کہتے ہی نہیں۔ یا یہ کہ جب انہوں نے ظاہر (بول ایمان) کے خلاف دل میں (کفر) چھپایا۔ پس گویا کہ وہ حق کا بول بولے ہی نہیں۔ (عمی) یعنی ان کو بصیرتیں حاصل نہیں ہیں اور جسے بصیرت حاصل نہیں وہ بینائی سے بھی گویا کہ محروم ہے۔

"فھم لا یرجعون" گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں گے ہی نہیں۔

⑲"او کصیب" یعنی بارش والوں کی طرح۔ یہ اور مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لیے بیان فرمایا۔ بایں معنی کہ اے مخاطب اگر تو چاہے تو ان منافقوں کے لیے اس آگ جلانے والے کی مثال بیان کرے جو روشنی کے بعد اندھیرے میں پھنس گیا ہو یا تو چاہے تو بارش والوں کی مثال دے اور کہا گیا ہے کہ او بمعنی واؤ ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ بارش برسانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

"و کصیب" جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "او یزیدون" بمعنی ویزیدون اور صیب بارش ہے اور ہر وہ چیز جو اوپر سے نیچے کی طرف نازل ہو وہ صیب ہے۔ صیب بروزن فیعل ہے صاب یصوب سے یعنی اترا (من السماء) آسمان سے یعنی بادل سے اور کہا گیا ہے کہ سماء سے مراد بعینہ یہی آسمان ہے اور ہر وہ جو تجھ پر بلند ہو اور تجھ پر سایہ فگن ہو وہ سماء ہے یہ اسم جنس ہے واحد اور جمع پر برابر صادق آتا ہے۔ (فیہ) یعنی بارش میں اور کہا گیا ہے سماء میں یعنی بادل میں۔ اسی لیے اس کو مذکر ذکر کیا اور کہا گیا ہے کہ سماء مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (السماء منفطر بہ) اس جگہ سماء مذکر استعمال ہوا اور فرمایا "اذا السماء انفطرت" (ظلمات) ظلمت کی جمع (و رعد) رعد وہ آواز ہے جو بادل سے سنی جاتی ہے (و برق) برق وہ آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بادل کو ہانکتا ہے اور برق اس فرشتے کے نورانی کوڑے کی چمک ہے جس سے وہ فرشتہ بادل کو ہانکتا ہے اور بعض نے کہا آواز فرشتے کی ڈانٹ ہے اور بعض نے کہا کہ فرشتے کی تسبیح ہے اور بعض نے کہا رعد فرشتے کا بولنا اور برق اس کا ہنسنا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ رعد فرشتے کا نام ہے اور اس کی آواز کو بھی رعد کہا جاتا ہے۔

رعد اور برق فرشتے کا نام ہیں جو بادل ہانکتا ہے۔ شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں رعد فرشتہ ہے جو ڈانٹتا ہے۔ جب (بادل) پھیلتا ہے اسے ملاتا ہے جب اس فرشتہ کا غضب شدت اختیار کرتا ہے تو اس کے منہ سے آگ اُڑتی ہے۔ پس یہ صواعق ہے اور کہا گیا ہے رعد۔

مگر اوّل زیادہ صحیح ہے "یجعلون اصابعھم فی آذانھم من الصواعق" صواعق صاعقہ کی جمع ہے اور یہ وہ سخت آواز ہے جو اسے سنے وہ مر جاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے اور ہر مہلک عذاب کو صاعقہ کہا جاتا ہے اور کہا کہ صاعقہ عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رعد اور صواعق کی آواز کو سنتے تو فرماتے اے اللہ تو ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ فرما اور اپنے عذاب کے ساتھ ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے پہلے ہمیں عافیت بخش اور اللہ تعالیٰ کا قول (حذر الموت) یعنی ہلاکت کے ڈر سے۔

"واللہ محیط بالکافرین" اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کو جمع کرنے والا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں ان کو جمع فرمائے گا۔ پس ان کو عذاب دے گا اور بعض نے کہا کہ ان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الا ان یحاط بکم" مگر یہ کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ ابو عمرو اور کسائی کافرین میں زبر والی جگہ پر یا بوجہ زیر کے امالہ فرماتے ہیں اور (اول کافر بہ) میں امالہ نہیں فرماتے۔

"یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ط کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ط
وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۰ یٰٓاَیُّھَا
النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِیْ جَعَلَ
لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۲۳

ترجمہ برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کی بینائی اُس نے لی جہاں ذرا اُن کو بجلی کی چمک ہوئی تو اُسکی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب اُن پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو اُن کے گوش وچشم سب سلب کر لیتے بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور اُن لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اُس پانی کے پھلوں کی غذا کو تم لوگوں کے واسطے اب تم مت ٹھہراؤ اللہ کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اُس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو۔

تفسیر ۲۰ (یکاد) قریب ہے کہا جاتا ہے کاد یفعل جب وہ (کام کرنے کے) قریب ہو اور کیا نہ ہو۔ "یخطف ابصارھم" ان (آنکھوں) کو اچک لے خطف کے معنی تیزی کے ساتھ چھین لینا (کلما) کل کا حرف کل مقدار کے لیے ہے جسے ماجزاء کے ساتھ ملایا گیا۔ چنانچہ حرف برائے تکرار بن گیا اور دونوں کا معنی متی ما یعنی جب بھی ہوگا۔

"اضاء لھم مشوا فیه واذا اظلم علیھم قاموا" یعنی حیران کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر و نفاق میں ایسی قوم کے ساتھ تشبیہ دی جو جنگل میں اور تاریک رات کی سیاہی اس قوم کو بارش پہنچے جس میں ظلمتیں ہوں اس بارش کا حال یہ کہ چلنے والے کیلئے چلنا ناممکن ہو۔ اس بارش میں گرج ہو جس کی صفت یہ کہ اس کے ھول کی وجہ سے سننے والے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اس بارش میں بجلی ہو جس کا بیان یہ کہ قریب ہے ان کی آنکھوں کو اُچک لے اور جلنے بھڑکنے کی شدت کے باعث ان آنکھوں کو اندھا کر دے۔ پس یہ مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور کافروں منافقوں کے کردار کی بیان فرمائی۔ پس بارش وہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ دل کی زندگی ہے جس طرح بارش جسم کے لیے

باعث حیات ہے۔ ظلمات یعنی تاریکیاں وہ کفر و شرک کے ذکر سے عبارت ہے۔

رعد قرآن پاک کی وہ آیات جو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والی ہیں۔ برق سے جو کچھ قرآن کریم میں ہدایۃ بیان اور وعدہ (نعمت) اور ذکر جنت ہے مراد ہے۔ پس کافر لوگ قرأت قرآن کے وقت کانوں کو بند کر لیتے تھے۔ اس بات کا خوف کھاتے ہوئے کہ کہیں دل قرآن پاک کی طرف مائل نہ ہو جائے کیونکہ ایمان لانا ان کے نزدیک کفر تھا اور کفر موت۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اُچک لے۔ یعنی قرآن ان کے دلوں میں چکا چوند روشنی بھر دے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ مثال اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے بیان فرمایا۔ پس بارش اسلام ہے۔ ظلمات جو کچھ اس دین اسلام میں مشکلات اور محنتیں ہیں۔ رعد جو کچھ اس میں وعیدیں اور آخرت کی ہولناکیاں ہیں۔

برق جو کچھ اس میں وعدے ہیں۔ "**یجعلون اصابعهم فی آذانهم**" یعنی بے شک منافق جب اسلام میں مشکلات اور شدت دیکھتے ہیں ہلاکت کے خوف سے بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا گھیراؤ کرنے والے ہیں جمع کرنے والے ہیں۔ ان کا بھاگنا ان کو فائدہ نہ دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ہیں ان کو جمع کریں گے۔ پس ان کو عذاب دیں گے۔ (یکاد البرق) یعنی اسلام کے دلائل جو ان کو اسلام میں غور و فکر کرنے کے لیے ہانک کر لاتے۔ اگر ان کے لیے بدبختی سبقت نہ کر چکی ہوتی۔ "**کلما اضاء لهم مشوا فیه**" یعنی بے شک منافقوں نے جب کلمہ ایمان ظاہر کیا تو ایمان لائے۔ پس جب مر گئے تو پھر ظلمت کی طرف لوٹ گئے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جب بھی انہوں نے حاصل کیا۔

مال غنیمت کو اور اسلام میں راحت حاصل کی تو (اسلام پر) ثابت (قدم) ہو گئے اور کہا "**انا معکم**" ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب ان پر تاریکی چھا گئی یعنی (اسلام میں) شدت اور تکلیف و مصیبت دیکھی پیچھے ہٹ گئے اور کھڑے ہو گئے یعنی رُک گئے ٹھہر گئے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ**" یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کرتے ہیں۔ "**ولو شاء الله لذهب بسمعهم**" یعنی ان کی سماعتوں کو "**وابصارهم**" ظاہری (آنکھوں کو) جیسے ان کی باطنی آنکھوں اور کانوں کو لے گیا اور کہا گیا البتہ لے جائے اس چیز کو جس کے ساتھ انہوں نے فائدہ حاصل کیا۔ عزت اور امان وہ جو ان کے لیے آنکھ کان کی طرح ہے۔ "**ان الله علیٰ کل شیٔ قدیر**" (قدیر) بمعنی قادر۔ ابن عامر اور حمزہ نے (شاء اور جاء) کو جہاں کہیں ہوں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۱ "**یا یها النّاس**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ **یا یها الناس** کا خطاب اہل مکہ کو ہے اور "**یا ایها الذین آمنوا**" سے اہل مدینہ کو خطاب ہے اور یہاں خطاب، خطاب عام ہے مگر یہ کہ نابالغ اور پاگل انسانوں کو شامل نہیں ہے۔ "**اعبدوا**" وحدوا (صرف ایک خدا کی عبادت کرو)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں عبادت کا حکم وارد ہے اس سے مراد توحید ہے۔ "**ربکم ا**[illegible]" [illegible] کسی شیٔ کی ایجاد اس طرح پر کہ اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ "**والذین من**

قبلکم'' ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔ ''لعلکم تتقون'' تا کہ تم عذاب سے نجات پا جاؤ۔
بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم تقویٰ کی اُمید پر ہو جاؤ۔ بایں طور کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پردہ اور بچاؤ میں آجاؤ۔ گویا لعلک میں لعل کا تعلق مخاطبین سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم تمہارے پیچھے ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى'' یعنی اس کو دعوت دو حق کی طرف اور تم اس اُمید پر ہو جاؤ کہ وہ نصیحت قبول کرلے گا۔ (یعنی فرعون) تو یہاں بھی اس اُمید کا تعلق (جو لَعَلَّ کے لفظ سے سمجھی جا رہی ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے ہے کہ تم اس اُمید کے ساتھ فرعون کو دعوت دو۔ شاید وہ سمجھ جائے گا نصیحت قبول کرلے گا۔ سیبویہ فرماتے ہیں کہ لَعَلَّ اور عسیٰ کے دونوں حرف ترجی یعنی اُمید کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوں تو مضمون کو ثابت کرتے ہیں۔

㉒ ''الذی جعل لکم الارض فراشا'' یعنی بچھونا اور کہا گیا ہے سونے کی جگہ اور کہا گیا ہے نرم و نازک گدا تو آیت کریمہ کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسا نرم بنا دیا تا کہ اس پر ٹھہرنا آسان ہو جائے۔ ایسی زمین نہیں بنائی کہ باعث تکلیف ہو اور اس پر قرار پکڑنا ممکن نہ ہو یہاں جعل بمعنی خلق ہے۔

''والسماء بناء'' بلند چھت (وانزل من السماء) یعنی بادل سے (ماء) بارش ''فاخرج به من الثمرات'' رنگا رنگ پھلوں اور قسم و قسم پیداوار سے ''رزقا لکم'' تمہارے لیے طعام اور تمہارے چوپایوں کے لیے چارہ ''فلا تجعلوا للہ اندادا'' اس کی مثل کہ تم ان کی عبادت ایسے کرو جیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں ند کا معنی ضد ہے یعنی مخالف و مقابل اور یہ لفظ ند اضداد سے ہے یعنی اس کے دو معنی ہیں دونوں متضاد (یعنی ند کا معنی مثل بھی ہے اور ند کا معنی ضد بھی ہے) اور اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں سے بری ہیں۔ مثل سے بھی اور ضد سے بھی۔ ''وانتم تعلمون'' اور تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔

㉓ ''وان کنتم فی ریب'' یعنی اور گر تم شک میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے بے شک وہ شک میں ہیں۔ ''مما نزلنا'' یعنی قرآن کریم (علی عبدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ''فاتو'' یہ حکم حکم تعجیز (امر تعجیز یہ ہوتا ہے کہ کسی کو ایسی چیز کا امر کرنا جسے وہ یقیناً نہ کرسکتا ہو اور یہ بات امر کرنے والا بھی جانتا ہے مگر اس امر سے مقصود مخاطب کا عجز ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

''بسورۃ'' اور سورۃ قرآن کریم کے اس حصہ کا نام ہے جس کا اوّل و آخر معلوم ہو سورۃ اسارت سے ماخوذ ہے جس کا معنی بچی ہوئی چیز۔ ہمزہ حذف کر دیا گیا اور بعض نے کہا کہ سورۃ بلند مقام کا نام ہے اسی سے سورۃ البلد یعنی شہر کی فصیل ہے کیونکہ وہ بھی بلند ہوتی ہے۔ سورۃ کو سورۃ اس لیے کہتے ہیں کہ پڑھنے والا سورۃ کی تلاوت سے بلند درجہ حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قاری کی منازل رفیعہ قرآن پاک کی سورتوں کے مکمل ہوتے ہی مکمل ہو جاتی ہیں۔ ''من مثله'' بمثل قرآن لفظ من بطور صلہ واقع ہے جیسے فرمان الٰہی ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ'' میں من بطور صلہ واقع ہے۔

من مثله کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یعنی کسی ایسے شخص سے اس قرآن جیسی لاؤ جو حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرح امی ہو۔ خط و کتابت مستحسن طریقہ پر نہ کر سکے۔ "وادعوا شھداء کم" اپنے ان معبودوں سے مدد حاصل کرو جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ (من دون اللہ) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسے لوگوں کو بلاؤ جو تمہارے لیے گواہی دیں۔ "ان کنتم صادقین" (اگر تم اس قول میں سچے ہو) کہ قرآن محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ جب قرآن نے ان کو چیلنج دیا تو عاجز ہو گئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے اور خوشخبری سنا دیجئے اے پیغمبر اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کرتے رہے اچھے اس بات کی کہ بیشک اُن کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی اُن کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ اُن بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی اُن کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور اُنکے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہونگی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ بہشتوں میں ہمیشہ بسنے والے ہونگے

(تفسیر) ۲۴ "فان لم تفعلوا" گزشتہ زمانہ میں "ولن تفعلوا" اور کبھی بھی نہ کر سکو گے باقی زمانہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صرف بیان اعجاز کے لیے فرمایا اور بے شک قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جبکہ اس جیسا (کلام) لانے سے عاجز آگئے۔ "فاتقوا النّار" پس ایمان لاؤ اور ایمان کی برکت سے آگ سے بچو۔

"التی وقودھا النّاس والحجارۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں حجارۃ سے مراد کبریت ہے۔ اس لیے کہ کبریت کا پتھر تمام پتھروں سے زیادہ بھڑ کنے والا ہے اور بعض نے کہا کہ تمام پتھر مراد ہیں اور یہ دوزخ کی آگ کے عظیم ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ حجارہ سے مراد بتوں کے پتھر ہیں کیونکہ ان کے بت زیادہ تر پتھروں سے تراشے ہوئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (یعنی بے شک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ "اعدت" تیار کی گئی ہے۔ (للکافرین) (کافروں کیلئے)

۲۵ "وبشر الذین آمنوا" یعنی خبر دیجئے۔ بشارت ہر وہ سچی خبر جس سے چہرے کا چمڑا بدل جاتا ہو۔ اس کا استعمال خیر و شر دونوں میں ہوتا ہے البتہ خیر میں استعمال زیادہ ہے۔ "وعملوا الصالحات" یعنی اچھے کام سے مراد وہ مؤمن جو اہل

طاعات میں سے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "وعملوا الصالحات" یعنی وہ جنہوں نے اعمال میں اخلاص اختیار کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلیعمل عملاً صالحا" یعنی ریاء سے خالی۔

عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ ❶ علم ❷ نیت ❸ صبر ❹ اخلاص۔

تفسیر جنۃ۔ "ان لھم جنات" جنت کی جمع ہے۔ ❶ جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں۔ اس باغ کو جنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ گھنے درختوں کے باعث وہ زمین مستور ہوتی ہے۔ ❷ حضرت فراء فرماتے ہیں جنت وہ باغ ہے جس میں کھجور ہو اور فردوس وہ باغ جس میں انگور ہوں۔ "تجری من تحتھا" یعنی اس کے درختوں کے اور رہائش گاہوں کے نیچے سے "الانھار" یعنی پانی نہروں میں (یہ معنی اس لیے کیا گیا) کیونکہ نہر تو نہیں بہتی اور کہا گیا ہے "من تحتھا" کا معنی ہے ان "اھل جنۃ" کے حکم سے (یعنی ان کی ماتحتی میں) یہ معنی بوجہ اس قول خداوندی کے کیا گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "وھذہ الانھار تجری من تحتی" کہ یہ نہریں میرے تحت کے نیچے سے بہتی ہیں یعنی میرے امر سے بہتی ہیں۔

"انھار" جمع نہر کی ہے۔ نہر کو نہر کا نام اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وسعت اور واضح ہونے کی وجہ سے نام دیا گیا ہے۔ اسی سے نہار (دن) ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ نہریں بغیر کھدائی کے جاری ہیں۔ "کلما" جب بھی۔ (رزقوا) طعام دیئے جائیں گے۔ (منھا) یعنی جنت سے (من ثمرۃ) یعنی پھل اور لفظ من بطور صلہ واقع ہے۔ (رزقا) طعام "قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل" اور قبل کو رفع دی گئی ہے۔ غایت پر (یعنی بعد ان اسماء سے ہے جن سے زمان کی غایت یعنی انتہا بیان کی جاتی ہے) اس قسم کے اسماء زمان و مکان کی انتہا بیان کرنے کے لیے آتے ہیں اور مبنی علی الضم ہوتے ہیں۔ یعنی ان پر پیش آتی ہے جیسے قبل، بعد، زمان کے لیے، فوق، تحت مکان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "للہ الامر من قبل ومن بعد" کہا گیا ہے۔ اس سے پہلے دُنیا میں اور کہا گیا ہے جنت میں پھل رنگ میں ملتے جلتے ہوں گے اور ذائقہ میں مختلف ہوں گے۔ پس جب وہ یکے بعد دیگرے پھل دیئے جائیں گے تو وہ گمان کریں گے یہ وہی پہلے والے پھل ہیں۔

"وَ اُتُوا بِہٖ" (یعنی دیئے جائیں گے) رزق (متشابھا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد اور حضرت ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ رنگوں میں ملتے جلتے ہوں گے اور ذائقوں میں مختلف۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں متشابہ ہوں گے یعنی بعض، بعض سے بہترین ہونے میں ملتے جلتے ہوں گے۔ یعنی سب کے سب بہتر ہوں گے ان میں کوئی بھی گھٹیا پھل نہ ہوگا۔ حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت کا پھل دُنیا کے پھل سے (بظاہر) ملتا جلتا ہوگا لیکن وہ بہت زیادہ لذیذ ہوگا اور کہا گیا کہ نام میں ملتا جلتا ہوگا۔ ذائقہ (لذت) میں مختلف ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دُنیا میں کوئی ایسی چیز (نعمت خداوندی) نہیں پھر وہ جنت میں بھی ہوگی مگر صرف نام کا اشتراک ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ اہل جنت کھائیں گے

چکیں گے پیشاب نہیں کریں گے اور نہ پاخانہ کریں گے نہ بلغم نکالیں گے تھوکیں گے نہیں۔ حمد اور تسبیح کا الہام اس طرح ان کو کیا جائے گا جس طرح تمہیں سانس۔ ان کے طعام (کا ہاضمہ) ڈکار ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ قول خداوندی "ولهم فيها" جنت میں (ازواج) عورتیں اور باندیاں یعنی گوری اور خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے (مطهرة) پاخانہ، پیشاب، حیض، نفاس، تھوک، ناک کی آلائش، منی اور اولاد کا ہونا ہر قسم کی قابل نفرت آلائش وغلاظت (سے پاک) ابراہیم نخعی فرماتے ہیں جنت میں جماع ہوگا جتنا تو چاہے اولاد نہ ہوگی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرہ وہ وہی تمہاری بوڑھیاں ہوں گی دنیا میں جن کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا اور چھوٹی اور حقیر آنکھ والیاں تھیں جو دنیا کی قابل نفرت چیزوں سے پاک کی جائیں گی اور کہا گیا ہے کہ برے اخلاق سے پاک کی گئی "وهم فيها خالدون" ہمیشہ رہنے والے اس میں مریں گے نہیں اس سے نکلیں گے نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، پھر ان کے بعد جو ان کے (مرتبہ میں) قریب ہوں گے ان کی صورتیں آسمان میں چمکنے والے ستارہ کی مانند ہوں گی، وہ پیشاب نہیں کریں گے، پاخانہ نہیں کریں گے تھوکیں گے نہیں، ناک نہیں جھاڑیں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری ہوگا۔ ان کی انگیٹھیاں خوشبودار لکڑی کی ہوں گی، ان کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ ایک ہی آدمی کے خلق پر ہوں گے (یعنی ان کے مابین اختلاف نہ ہوگا) اپنے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے بلندی کی طرف ساٹھ ہاتھ۔

جنتیوں کی قسمیں اور ان کی صورتوں کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا گروہ جو قیامت کے روز جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کے مثل ہوں گی۔ دوسرا گروہ آسمان میں خوبصورت ستارے کی مانند ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک آدمی کے لیے دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے۔ ان کے جوڑوں، خونوں اور گوشت کے اندر سے ان کی پنڈلیوں کا مغز نظر آئے گا۔ فرمایا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جنت والوں میں سے کوئی عورت زمین پر مطلع ہو (یعنی جھانک کر دیکھے) تو زمین و آسمان کے مابین کی فضا چمک اٹھے اور یہ پورا ماحول خوشبو سے بھر جائے۔ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خبردار ہے کوئی جنت کے لیے پنڈلیوں سے چادر سمیٹنے والا (یعنی تیار ہونے والا) اور جنت وہ چیز ہے جس کا خیال بھی کسی دل پر نہیں گزرا اور وہ (جنت) رب کعبہ کی قسم چمکتے نور کا نام ہے، لہلہاتے پھولوں کا نام ہے، بلند و بالا محلات، بہتی نہروں، پکے پھلوں، حسین وجمیل بیویوں، بے شمار جوڑوں

سے عبارت ہے، ہمیشہ کا ٹھکانہ سلامتی والے گھر میں سرسبز فروٹ، سرور اور نعمت خوبصورت اور بلند و بالا جگہ میں) سب صحابہ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سب اس جنت کے لیے تیار ہیں فرمایا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب کہو ان شاء اللہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ان شاء اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت والوں کے بدن پر بال نہ ہوں، بے ریش ہوں گے، قدرتی سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے، ان کی جوانی فنا پذیر نہیں، ان کا لباس پرانا نہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک جنت میں ایک بازار ہے جس میں خرید و فروخت نہیں ہے سوائے اس کے مردوں، عورتوں کی صورتیں ہوں گی جب کوئی آدمی کسی صورت کو پسند کرے گا اس میں داخل ہوگا تو وہاں حورعین کا مجمع ہوگا جو پکار پکار کر کہہ رہی ہوں گی ایسی (سریلی) آواز کے ساتھ کہ اس جیسی آواز مخلوق نے نہ سنی ہوگی (ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی ہلاک نہیں ہوں گی ہم وہ نرم و نازک ہیں جو کبھی ہم راضی ہیں کہ کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ پس خوشخبری ہے اس کے لیے جو ہمارے لیے ہوا اور ہم اس کی ہو گئیں۔) اور اسے روایت کیا ابوعیسیٰ نے ہناد اور احمد بن منیع سے انہوں نے روایت کیا ابومعاویہ سے مرفوعاً روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

جنت کا جمعہ بازار

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک جنت میں بازار ہے اہل جنت اس میں ہر جمعہ آئیں گے تو شمال کی ہوا چلے گی اور وہ ہوا جنت کی گرد ان کے چہروں اور کپڑوں پر اڑائے گی جس سے ان کا حسن جمال بڑھ جائے گا، وہ گھر لوٹیں گے تو ان کا حسن و جمال بڑھ چکا ہوگا تو ان کے گھر والے کہیں گے بے شک تم ہمارے بعد حسن و جمال کے اعتبار سے بڑھ چکے ہو، جواب میں جنتی اپنے گھر والوں کو کہیں گے اللہ کی قسم تم ہمارے بعد حسن و جمال کے لحاظ سے بڑھ چکے ہو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۞ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۞

ترجمہ: ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کریں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے اُنکے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے سو جا ہے کچھ بھی ہو جائے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے وہ کون

مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اسکی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو صرف بے حکمی کرنیوالوں کو جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے ہیں اُن تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اُن کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں بس یہی لوگ پورے خسارہ میں پڑنے والے ہیں۔

تفسیر ۲۶ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) مکھی مکڑی کی مثالیں ذکر کیں، پس فرمایا "ان الذین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ" اور فرمایا "مثل الذین اتخذوا من دون اللّٰہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا" یہود نے کہا اللہ کا ارادہ ان خسیس چیزوں کے ذکر سے کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ ہم ایسے معبود کی عبادت نہیں کرتے جو اس قسم کی (حقیر) چیزوں کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ان اللّٰہ لا یستحیی" یعنی (مثال بیان کرنا) نہیں چھوڑتا اور نہ اس کو حیا مانع ہوتا ہے اس بات سے کہ مثال ذکر کرے جو مشابہ ہو (ما بعوضۃ) ما صلہ ہے یعنی مچھر کی مثال اور بعوضۃ پر زبر اس لئے ہے کہ وہ مثل سے بدل ہے بعوض چھوٹی مکھی کو کہتے ہیں۔ بعوض کو بعوضہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ چھوٹی مکھی کا بعض ہے (فما فوقھا) یعنی مکھی اور مکڑی اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں: کہ "فما فوقھا بمعنی فما دونھا" (یعنی فوق حقارت کے اعتبار سے مراد ہے) جیسے کہا جاتا ہے فلاں جاہل ہے پس کہا جاتا ہے وفوق ذالک یعنی اس سے اوپر یعنی اور اجہل یعنی بڑا یا زیادہ جاہل۔ "فاما الذین آمنوا" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پاک پر "فیعلمون انہ" یعنی مثال وہ "الحق" حق ہے یعنی سچی ہے حق بمعنی صدق ہے۔ "من ربھم واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللّٰہ بھذا مثلا" ؟ ای بھذا المثل یعنی ساتھ اس مثال کے۔ المثل سے جب الف لام حذف کیا گیا تو حال ہو کر اور کٹ کر منصوب ہو گیا...... پھر ان کو جواب دیا پس فرمایا "یضل بہ کثیرا" (اس سے گمراہ کرتا ہے بہتوں کو) کافروں سے اور یہ اس لیے کہ بے شک وہ تکذیب کرتے ہیں پس گمراہی میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔

"ویھدی بہ" یعنی ساتھ اسی مثال (کثیرا) مؤمنوں سے پس اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اضلال کے معنی ہیں حق سے پھیر کر باطل کی طرف لانا۔ کہا گیا کہ وہ ہلاک ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔

"ضل الماء فی اللبن اذا ھلک" جب پانی دودھ میں ہلاک ہو جائے یعنی فنا ہو جائے "وما یضل بہ الا الفاسقین" کافر لوگ۔ فسق: کا اصل معنی خروج یعنی نکلنا ہے کہا جاتا ہے "فسقت الرطبۃ" یعنی کھجور اپنے چھلکے سے نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ففسق عن امر ربہ" یعنی نکل گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا اور فرمایا

۲۷ "الذین ینقضون" جو مخالفت کرتے ہیں اور توڑتے ہیں۔

نقض کا معنی توڑنا ہے (عھد اللّٰہ) اللہ تعالیٰ کا وہ امر جس کا ان سے میثاق کے دن عہد لیا، اپنے اس قول کے ساتھ "الست

بربکم"؟(قالوا بلی) اور کہا گیا۔ اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ذریعے "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" الخ پر انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اُمتوں سے لیا اور کہا گیا ہے کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو تورات میں اللہ تعالیٰ نے لیا کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور اس کی صفت بیان کریں گے۔ "من بعد میثاقہ" سابقہ مضمون کی تاکید ہے۔ میثاق بمعنی عہد "ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل" یعنی حضور علیہ السلام پر ایمان اور تمام رسولوں پر ایمان کو قطع کرتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں "نؤمن ببعض ونکفر ببعض" اور ایمان والے کہتے ہیں "لانفرق بین احد من رسلہ" اور کہا گیا اس سے مراد ارحام (قرابتداریاں) ہیں۔ "ویفسدون فی الارض" گناہوں کے ساتھ اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے روک کر "اولئک ھم الخاسرون" سودے میں گھاٹا پانے والے پھر مشرکین عرب کو تعجب کے طور پر فرمایا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان (نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے) سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لیجائے جاؤ گے وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف (یعنی اس کی تکمیل تخلیق کی طرف) سو درست کر کے بنا دیئے اُن کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ۲۸ "کیف تکفرون باللہ"؟ دلیلوں کے قائم ہونے اور برہان کے واضح ہونے کے بعد تم ذات باری تعالیٰ کا انکار کیسے کرو گے۔ "وکنتم امواتا" اپنے باپوں کی پیٹھ میں نطفے تھے۔ "فاحیاکم" رحم (مادر) میں اور دُنیا میں "ثم یمیتکم" (تمہیں موت دے گا) جب تمہاری مدت عمر گزر جائے گی۔ "ثم یحییکم" (تمہیں زندہ کرے گا) آخرت میں اُٹھنے کے لیے "ثم الیہ ترجعون" یعنی آخرت میں لوٹائے جاؤ گے پس (اللہ تعالیٰ) تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ حضرت یعقوب نے (ترجعون) پورے قرآن میں "یرجعون ترجعون" میں یاء اور تاء کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی فعل کو معروف پڑھ کر فاعل کا نام لیا گیا۔ قول خداوندی

۲۹ "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" تاکہ زندہ انسانوں کے لیے تاکہ تم عبرت حاصل کرو اور دلیل پکڑو اور کہا گیا تاکہ تم نفع اُٹھاؤ۔ "ثم استوی الی السماء" حضرت ابن عباس اور اکثر مفسرین سلف کے اکثر مفسرین نے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف بلند ہوا اور ابن کیسان

اور قراء اور نحویوں کی ایک جماعت فرماتی ہے "ثم استوی" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور بعض نے کہا کہ ارادہ کیا اس لیے اس نے پہلے زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان کو پیدا کرنے کی طرف ارادہ کیا۔ "فسوّاھنّ سبع سمٰوٰت" ان کو برابر پیدا کیا نہ اس میں کوئی شگاف اور نہ دراڑ "وھو بکل شیء علیم" ابوجعفر اور ابوعمرو اور کسائی اور قالون نے "وھو، وھی" میں هاء کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے لیکن یہ اس وقت جب هاء سے پہلے واؤ ہو فاء ہو یا لام ہو۔ کسائی اور قالون نے (ثم ھو) کو زیادہ کیا ہے یعنی ثم حرف میں بھی هاء کو جزم دی اور قالون نے "ان یمل ھو" کی صورت کو زیادہ کیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جسکو تم نہیں جانتے اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے آدم کو (انکو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا (مع ان چیزوں کے خواص و آثار کے) پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع انکے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا بیشک آپ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں (کہ جسقدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا)

تفسیر: "واذ قال ربک" اور فرمایا تیرے رب نے اور لفظ "اذ" زائدہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے واذکر یعنی یاد کیجئے جب تیرے رب نے فرمایا اور اسی طرح ہر وہ لفظ جو اس قسم کا قرآن میں وارد ہوا اس کا یہی طریقہ تاویل ہوگا۔ لفظ اذ اور لفظ اذا دونوں بیان وقت کے لیے ہیں مگر یہ کہ اذ ماضی کے لیے ہے اور اذا مستقبل کے لیے ہے اور کبھی ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔ مبرد فرماتے ہیں جب اذ کے ساتھ فعل مستقبل آ جائے تو اس کا معنی ماضی ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واذ یمکر" اس سے مراد جب انہوں نے مکر کیا اور جب اذا ماضی کے ساتھ آ جائے تو اس کا معنی مستقبل ہوگا جیسے فرمان الٰہی "فاذا جاءت الطامۃ" اور "اذا جاء نصر اللہ" دونوں یجئ یعنی مستقبل کے معنی میں ہیں۔

"للملائکۃ" جمع ملک اصل میں مالک تھا جو کہ مالکۃ، "الوکۃ" اور "الوک" سے لیا گیا ہے جو کہ رسالۃ یعنی بمعنی پیغام بھیجنے کے ہے اس میں اُلٹ کیا گیا۔ چنانچہ مالک کو "ملاک" کہا گیا پھر ہمزہ کو کثرت استعمال کے باعث تخفیف کے لیے

حذف کر دیا گیا اور ہمزہ کی حرکت لام کو دی گئی۔ پس ''مَلَکٌ'' کہا گیا اور اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو زمین میں تھے اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور فرشتوں کو اور جن کو پیدا کیا۔ پس فرشتوں کو آسمان میں ٹھہرایا اور جنات کو زمین میں۔ پس انھوں نے بڑی مدت تک زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پھر ان میں حسد اور سرکشی ظاہر ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے فساد برپا کیا اور قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کا لشکر بھیجا ان فرشتوں کو جن کہا جاتا تھا اور یہ جنت کے خازن تھے ان کے لیے ان کا سردار ابلیس گیا جو ان کا سردار اور مرشد تھا۔ ان سب سے علم کے اعتبار سے زیادہ تھا۔ پھر وہ زمین کی طرف اُترے۔ پس ان (فسادی) جنات کو پہاڑوں کی گھاٹیوں اور سمندروں کے جزیروں کی طرف بھگا دیا اور وہ (خود) زمین میں رہائش پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت میں تخفیف کر دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو زمین دے دی اور آسمان دُنیا کا اقتدار اور جنت کا خزانہ بخش دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کبھی زمین پر کرتا تھا کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں پس اس کو عجب (خود پسندی کا غرور) آ گیا۔ پھر اپنے آپ میں کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک صرف اس لیے دیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام فرشتوں سے مکرم ومحترم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے لشکریوں سے فرمایا ''انی جاعل فی الارض خلیفہ''۔ یعنی تمہارے بدلے (میں ایک مخلوق بنانے والا ہوں) اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔ ان جن فرشتوں نے اسے ناگوار سمجھا کیونکہ وہ تمام فرشتوں کی نسبت ہلکی پھلکی عبادت کرتے تھے۔

یہاں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو خلیفہ کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ ان جنات کے بعد ان کی جگہ تشریف لائے اور بعض نے کہا کیونکہ وہ آدم (یعنی اولاد آدم) ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اس لیے خلیفہ کہا گیا اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت آدم زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ احکام الٰہی کو قائم کرنے میں اور خداوندی فیصلے نافذ کرنے میں ''قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا'' (اس زمین میں فساد کرے گا) گناہوں کے ساتھ ''ویسفک الدماء'' (خون بہائے گا) ناحق طریقہ پر یعنی جیسے کہ اولاد جن نے کیا۔ پس انھوں نے موجود کو غائب پر قیاس کیا ورنہ وہ علم غیب نہ جانتے تھے۔ ''ونحن نسبح بحمدک'' حضرت حسن فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہم سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں اور یہ جملے پوری مخلوق اور جانوروں کی نماز ہے سوائے انسانوں کے...... اور اسی صلوٰۃ پر ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا کلام افضل ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ کلام افضل ہے (جس کلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے چنا (پسند کیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، یا فرمایا اپنے بندوں کے لیے پسند کیا۔

سبحان اللہ وبحمدہ .... (فرشتوں کے اس قول ''نحن نسبح بحمدک'' کے بارے میں) بعض نے کہا اس کا معنی ہے ہم تیرے حکم کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس تسبیح کا لفظ مذکور ہے اس سے مراد صلاۃ ہے۔ ''ونقدس لک'' یعنی ہر اس امر سے جو تیرے شایان شان نہیں پاکیزگی

طہارت کے ساتھ تعریف کرتے ہیں۔ تیری عظمت و جلال کے ساتھ اور کہا گیا کہ ہم اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں تیری طاعت کے لیے اور کہا گیا ہم تجھے منزہ گردانتے ہیں اور لام صلہ ہے اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا بطور اعتراض کے نہ تھا اور نہ اس لیے کہ وہ اپنے عمل پر غرور کرنے والے تھے بلکہ ان کا یہ کہنا تعجب اور طلب حکمت کے لیے تھا (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انی اعلم مالا تعلمون" جو کچھ اس میں مصلحت ہے اور کہا گیا ہے کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ اس کی اولاد میں وہ بھی ہوں گے جو میری اطاعت کریں گے اور میری عبادت کریں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اولیاء سے اور صلحاء میں سے۔

اور کہا گیا ہے بے شک میں جانتا ہوں بے شک تم میں وہ ہوں گے جو میری نافرمانی کریں گے اور وہ ابلیس ہوگا..... اور کہا گیا ہے کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ گناہ کریں گے اور میں ان کو بخشوں گا اور اہل حجاز و بصرہ نے "اِنِّی اَعْلَمُ" یعنی انی کی یاء کو زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح ہر وہ یاء جو مضاف ہو اور اس کے بعد الف زبر والی آجائے مگر چند جگہوں میں (ایسا نہیں) اور بعض جگہوں میں جب یاء الف پیش والی یا زیر والی کے ساتھ واقع ہو اس یاء کو زبر دیتے ہیں اور الف کے سوا اور کسی لفظ کے پاس بھی۔ مگر اس کی تفصیل میں قراء حضرات کے ہاں اختلاف ہے۔

۳۱ "وعلم آدم الاسماء کلها" حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لیے کہا گیا کہ وہ سطح زمین سے پیدا کیے گئے اور بعض نے کہا کہ آدم کو آدم اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ گندم گوں یعنی گندمی رنگ والے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد اور ابوالبشر۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تو ان کو چیزوں کے نام سکھا دیئے اور یہ اس لیے کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انی جاعل فی الارض خلیفه" میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا ہمارا رب جسے چاہے یا جو کچھ چاہے پیدا کرے مگر ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ مکرم و محترم ہو اور اگرچہ ہمارے سوا وہ مخلوق اس کے نزدیک مکرم بھی ہو۔ پس ہم اس سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اس لیے کہ ہم اس مخلوق سے پہلے پیدا کیے گئے اور ہم نے وہ کچھ دیکھا ہے جسے نئی مخلوق نے نہیں دیکھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ان پر علم کے ذریعے ظاہر فرمائی اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اگرچہ وہ فرشتے رسول ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ اہلسنت والجماعت اس طرف گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام تعلیم فرمایا حتیٰ کہ بڑا پیالہ اور چھوٹا پیالہ اور کہا گیا ہر اس چیز کا نام جو کچھ پہلے ہو چکی یا جو کچھ بعد میں قیامت تک ہوگی۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں ناموں سے مراد فرشتوں کے نام ہیں اور کہا گیا حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کے نام تعلیم فرمائے گئے اور کہا گیا ہر چیز کی صنعتکاری۔

اہل تاویل نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام بولیاں سکھلا دیں۔ اس کے بعد آپ کی اولاد کے ہر فرد بشر نے اپنی خاص بولی کے ساتھ کلام کی پھر وہ شہروں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروہ کو اس کی اپنی بولی کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔

"ثم عرضهم علی الملائکة" جز یں نیست اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عرضهم" یعنی (جمع مذکر کی ضمیر لائی گئی) عرضها نہیں

فرمایا اس لیے کہ جب چیزوں کو جمع کیا جائے اس میں ذوی عقل بھی ہوں اور غیر ذوی العقول بھی ہوں تو ذوی العقول کے لفظ کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکر و مؤنث جمع ہوں ضمیر مذکر کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حیوانات جمادات سب کو پیدا کیا پھر ان سب افراد کو فرشتوں پر پیش کیا تو ضمیر ان کی طرف راجع ہے۔ اس لیے فرمایا "عرضھم"...... فقال انبئونی "یعنی مجھے خبر دو" باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین "اس موقف میں تم اگر سچے ہو کہ میں جو مخلوق بھی پیدا کروں گا ہر حال میں تم اس مخلوق سے افضل ہو گے اور زیادہ علم والے ہو گے تو فرشتوں نے اقرار عجز کرتے ہوئے کہا۔

﴿٣٢﴾ "قالوا سبحٰنک" "تیری پاکیزگی کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔" "لا علم لنا الا ما علمتنا" یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک تو اس بات سے بزرگ و برتر ہے کہ ہم تیرے علم سے (متعلق) کسی چیز کا احاطہ کر سکیں مگر وہی علم جو تو نے ہمیں بخشا "انک انت العلیم" "اپنی مخلوق کے ساتھ علیم ہے" "الحکیم" "اپنے امر میں حکیم کے دو معنی ہیں۔ ان دو میں سے ایک ہے۔

معنی حاکم ہے اور وہ قاضی کو کہتے ہیں۔ دوسرا معنی کسی معاملہ کو محکم اور مضبوط کرنے والا تا کہ اس کی طرف فساد راہ نہ پا سکے۔ حکمت کا لغوی معنی روکنا ہے تو حکمت اپنے صاحب کو باطل سے روکتی ہے اور اسی سے ہے حکمت الدابۃ جسے ہندی میں (کڑیالہ) بولتے ہیں۔ لوہے کا وہ حلقہ جو جانور خصوصاً گھوڑے کے منہ میں دیا جاتا ہے چونکہ وہ بھی جانور کو کجی سے روکتا ہے۔

پس جب فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہوا۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام انکو ان چیزوں کے اسماء بتلا دو سو جب بتلا دیئے انکو آدم نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو تم دل میں رکھتے ہو اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدے میں گر جاؤ آدم علیہ السلام کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اُس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی اُن ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

تفسیر ۞ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یآدم انبئھم باسمائھم" یعنی ان کے ناموں کی ان کو خبر دیجئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ہر شئی کا نام لیا اور اس کی حکمت ذکر کی جس کی خاطر اسے پیدا کیا گیا۔ "فلما انبأھم باسمائھم" (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الم اقل لکم" اے میرے فرشتو! کیا میں نے تم کو کہا نہ تھا "انی اعلم غیب السموات والارض" آسمان و زمین میں سے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرما چکا۔ "انی اعلم مالا تعلمون" ابن کثیر اور حضرت نافع اور ابوعمرو "اِنِّیَ" نکو یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح ہر اس یاء کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں جو مضاف ہو کر اس کے بعد الف قطعی زبر والی ہو مگر چند ایک حرف نافع اور عمر الف زیر والی کے ساتھ بھی یاء کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر چند ایک حرفوں میں اور نافع یاء کو الف پیش کے ساتھ بھی زبر دیتے ہیں مگر چند ایک حرفوں میں

اور باقی "انی" کی یاء کو صرف چند ایک حرفوں میں زبر دیتے ہیں۔ "واعلم ماتبدون" حضرت حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ "تبدون" یعنی جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سے مراد "اتجعل فیھا من یفسد فیھا" ہے (یعنی بظاہر تم نے یہ مفہوم ظاہر کیا) "وما کنتم تکتمون" (اور جو کچھ تم چھپاتے تھے) یعنی اپنے اس قول کو کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا نہیں کرے گا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ مکرم و محترم ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ما تکتمون" سے مراد یہ ہے کہ ایک دفعہ ابلیس جسد آدم پر گزرا اور جسد آدم مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا اور اس میں روح نہ تھی۔ پس ابلیس نے کہا یہ کسی خاص امر کے لیے پیدا کیا گیا ہے پھر ابلیس آدم علیہ السلام کے منہ میں داخل ہوا اور دبر کے راستہ نکل گیا اور کہا یہ ایسی مخلوق ہے جو خود پر قابو نہ رکھ سکے گی کیونکہ یہ اجوف ہے یعنی اندر سے کھوکھلی ہے۔

پھر ابلیس نے فرشتوں کو کہا جو اس کے ساتھ تھے۔ مجھے بتاؤ اگر اس مخلوق کو تم پر فضیلت دی گئی اور اس کی اطاعت کا تمہیں حکم دیا گیا تو تم کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہم اپنے رب کے حکم کو مانیں گے تو ابلیس نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ضرور ہلاک کر دوں گا اور اگر اس کو مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں اس کی نافرمانی کروں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے (اس پس منظر کے تحت) فرمایا "انی اعلم ماتبدون" یعنی جسے فرشتے ظاہر کرتے ہیں اطاعت کے معاملہ میں اور جو کچھ تم چھپاتے تھے یعنی ابلیس نافرمانی کے سلسلہ میں جو کچھ چھپاتا تھا۔

"واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم" ابوجعفر نے پڑھا "للملائکۃ اسجدوا" میں ملائکۃ کی تاء کو پیش کے ساتھ اسجدوا کے ہمزۂ وصل کے پڑوس میں واقع ہونے کی مناسبت سے کیونکہ اسجدوا کا ہمزہ بھی پیش والا ہے۔ اسی طرح "قل رب احکم بالحق" میں رب کی باء کو پیش کے ساتھ پڑھا کیونکہ رب کی باء احکم کے ہمزہ وصل کے پڑوس میں ہے جو کہ مضموم ہے یعنی پیش والا ہے مگر نحویوں نے اسے بالکل ضعیف قرار دیا اور اس قرأۃ کو غلطی کی طرف منسوب کیا۔

اور (مفسرین) نے اس امر میں اختلاف کیا کہ یہ خطاب فرشتوں کے ساتھ تھا۔ پس بعض نے کہا کہ یہ خطاب ان کے

ساتھ تھا جو زمین میں رہتے تھے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ خطاب تمام فرشتوں کے ساتھ تھا۔ یہ بوجہ قول خداوندی کے "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون" اور قول خداوندی (اسجدوا) اس میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو حقیقتاً سجدہ تھا اور یہ سجدہ اپنے اندر حکم خداوندی کی فرمانبرداری کو لیے ہوئے تھا اور سجدہ سجدہ تعظیمی تھا سجدہ عبادت نہ تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا جسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر کیا گیا۔ "وخروا لہ سجدا" اور اس سجدہ میں منہ کو زمین پر رکھنا نہ تھا، صرف اور صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا تو اس سجدہ کو السلام علیکم کے ذریعے باطل کر دیا گیا۔ اور کہا گیا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اسجدوا لآدم" کا معنی ہے یعنی الی آدم آدم علیہ السلام کی طرف اور سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا۔ جیسا کہ کعبہ کو نماز کے لیے قبلہ کیا گیا اور نماز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ "فسجدوا" یعنی فرشتوں نے (سجدہ کیا) "الا ابلیس" اور اس کا نام سریانی زبان میں عزازیل اور عربی میں حارث تھا۔ پس جب اس نے نافرمانی کی اس کا نام بدل گیا اور صورت بھی بدل گئی۔ پس ابلیس کہا گیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔ (ابلاس کا معنی مایوس ہونا ہے) اور اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس جنات میں سے تھا اور فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ" کہ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا جنات میں سے۔ پس ابلیس اصل میں جن تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام اصل انسان ہیں اور اس لیے بھی ابلیس فرشتہ نہ تھا کیونکہ ابلیس کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور فرشتے نور سے پیدا کیے گئے۔ نیز اس لیے بھی ابلیس فرشتہ نہیں کہ ابلیس کی اولاد ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہے۔

اول قول (ابلیس فرشتہ تھا) زیادہ صحیح ہے۔ نمبر ۱: اس لیے کہ سجدہ کرنے کا خطاب فرشتوں کو تھا (لہٰذا ابلیس کا مامور بالسجود ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ فرشتہ تھا) باقی رہا اللہ تعالیٰ کے اس قول کا جواب جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا۔ "کان من الجن" اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس ان فرشتوں میں سے تھا جو خازن جنت ہیں۔ (اسی اعتبار سے وہ فرشتے جن کہلاتے ہیں جیسا کہ پہلے گزرا)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان اُن فرشتوں میں سے تھا جو جنت میں کام کرتے ہیں۔ ایک قوم کا کہنا ہے کہ شیطان ان فرشتوں میں سے تھا جو جنتیوں کے زیور ڈھالتے ہیں۔ نیز کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور آنکھوں سے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے جن کہلاتے ہیں، شیطان انہیں فرشتوں میں سے تھا۔

اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا" کہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے مابین (رشتہ) نسب قائم کر دیا اور یہ مشرکوں کا قول ہے۔ الملائکۃ بنات اللہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو فرشتوں سے نکالا اس کی اولاد بنا دی۔ قول خداوندی (ابی) یعنی رک گیا اور سجدہ نہ کیا۔ "واستکبر" یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تکبر کیا۔ "وکان" یعنی اور ہو گیا "من الکافرین" اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے اعتبار سے کافروں میں سے تھا۔ ان کافروں میں سے جن کے لیے بدبختی واجب ہو چکی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور اس پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان جدا ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے اس کی خرابی ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے بات مان لی (سجدہ کیا) پس اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا۔ پس میں نے نافرمانی کی، پس میرے لیے آگ ہے۔

㉟ "وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ" اور یہ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ تھے جس سے میل ملاپ کرتے۔ پس سوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی حواء کو بائیں جانب کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا اور اس کا نام حوا اس لیے رکھا گیا کہ وہ زندہ سے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح پیدا کیا کہ آدم علیہ السلام کو احساس تک نہ ہوا اور نہ ان کو درد ہوا اور اگر حضرت آدم علیہ السلام درد پاتے تو کوئی بھی مرد عورت کی طرف ہرگز مائل نہ ہوتا۔

جب آدم علیہ السلام نیند سے جاگے تو حضرت حواء کو سر کی جانب بہت ہی خوبصورت شکل میں بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا بیٹھے پایا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان (حواء) سے فرمایا تو کون ہے؟ حضرت حواء نے فرمایا تیری بیوی، اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے لیے بنایا ہے تاکہ تو میری طرف سکون پائے اور میں تیری طرف۔ "وکلا منھا رغدا" زیادہ وسیع "حیث شئتما" جیسے تم دونوں چاہو اور جہاں چاہو "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ" یعنی کھانے کے ساتھ (قریب نہیں جانا)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی کا تعلق اس درخت کی جنس سے تھا باقی حضرات فرماتے ہیں ایک مخصوص درخت سے نہی کا تعلق تھا۔ یہ درخت کونسا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن کعب اور مقاتل رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ درخت سنبل کا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ انگور کا درخت تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں انجیر کا درخت تھا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا علم کا درخت تھا اور اس میں ہر قسم کی شئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کافور کا درخت تھا۔ "فتکونا" پس تم دونوں ہو جاؤ گے "من الظالمین" یعنی اپنے آپ کو معصیت پر مارنے والے ظلم کا اصل معنی "وضع الشئی فی غیر موضعہ" شئی کو بے موقع رکھنے کے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۞ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

ترجمہ پھر لغزش دیدی آدم و حوا کو شیطان نے اُس درخت کی وجہ سے سو بر طرف کر کے رہا اُن کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اُترو تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر چندے ٹھہرنا ہے

اور کام چلاتا ایک معیار معین تک بعد ازاں حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کیساتھ توجہ فرمائی اُن پر یعنی توبہ قبول کر لی بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت پر تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اُن پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے

شیطان کا پھسلانا

تفسیر ㊱ "فازلھما" اتارا (الشیطان) آدم و حواء کو یعنی ان دونوں کو بلایا لغزش کی طرف اور حضرت حمزہ نے "فازلھما" پڑھا یعنی ان دونوں کو ہٹا دیا۔ شیطان بروزن فیعال شطن سے مشتق ہے یعنی دور ہوا شیطان کو خیر اور رحمت سے دور ہونے کی وجہ سے شیطان کہا جاتا ہے۔ "عنھا" جنت سے "فاخرجھما مما کانا فیہ" نعمتوں سے اور یہ اس طرح ابلیس نے ارادہ کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیہا السلام کی طرف وسوسہ ڈالے لیکن خزنہ جنت نے اسے روکا تو سانپ کے پاس آیا۔ یہ سانپ ابلیس کی دوست تھی اور تمام جانوروں سے زیادہ خوبصورت اس کے چار پاؤں تھے جیسے اونٹ کے پاؤں اور اس کا تعلق جنت کے خازنوں سے تھا۔ تو شیطان نے اس سے کہا کہ مجھے اپنے منہ میں داخل کر لے۔ پس اس نے ابلیس کو اپنے منہ میں داخل کر لیا اور خازنوں کے پاس سے گزر گئی اور انہیں معلوم بھی نہ ہو سکا، اس طرح اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت کے دروازہ پر دیکھا۔ اس لیے کہ وہ دونوں جنت سے نکلا کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام جب سے جنت میں داخل ہو کر جنت کی نعمتوں کو دیکھا تھا ان کی خواہش تھی کہ اے کاش! میں جنت میں ہمیشہ رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اس (خواہش) کو شیطان نے غنیمت جانا تو شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس خلد کی راہ سے آیا (یعنی خلد کے حوالے سے ورغلایا) پس جب شیطان جنت میں داخل ہوا تو آدم و حوا علیہما السلام کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ ابلیس ہے۔ پس رویا اور اس طرح بین کیا کہ ان دونوں کو غمناک کر دیا (یعنی سوگوار کر دیا) تو یہ شیطان تھا پہلا جس نے نوحہ کیا۔

پس دونوں یعنی حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے اسے کہا تجھے کیا چیز رلا رہی ہے؟ اس نے کہا میں تم دونوں پر رو رہا ہوں تم مر جاؤ اور جس نعمت میں تم ہو اسے چھوڑ جاؤ گے تو یہ خیال ان دونوں کے دل میں پیدا ہو گیا جس سے وہ غمزدہ ہو گئے۔ ابلیس چلا گیا اس کے بعد پھر ان کے پاس آیا اور کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشہ والے درخت پر دلالت نہ کروں۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اس سے کہ اس سے یہ بات قبول کرے اور ابلیس نے ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اُٹھائی کہ وہ ان دونوں کے لیے خیرخواہوں میں سے ہے پس وہ دونوں دھوکے میں آ گئے اور آدم و حوا علیہما السلام نے اس بات کا وہم و گمان بھی نہ کیا کہ کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم بھی اُٹھا سکتا ہے تو حضرت حوا علیہا السلام نے درخت کھانے میں جلدی کی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دیا حتیٰ کہ انہوں نے بھی کھا لیا۔

اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اُٹھایا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب تک عقل و ہوش میں

رہے اس وقت تک درخت نہ کھایا لیکن حواء نے ان کو شراب پلادی حتیٰ کہ نشہ میں آ گئے پس پھر کھایا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا اس کھانے نے ہمیں طویل غم کا وارث بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا جنت میں جو نعمتیں میں نے تجھ پر حلال کی تھیں کیا ان میں اس درخت کے کھانے میں استغنائی گنجائش نہ تھی؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کیوں نہیں، میرے رب تیری عزت کی قسم! لیکن میں نے اس کا گمان بھی نہ کیا تھا کہ کوئی ایک تیری ذات عالی کی جھوٹی قسم بھی اُٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے میری عزت کی قسم میں تجھے زمین کی طرف ضرور اُتاروں گا، پھر تو مشقت کی زندگی پائے گا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُتار دیے گئے حالانکہ دونوں (آدم وحواء علیہما السلام) جنت میں کھلم کھلا کھاتے تھے۔ پس لوہے کی صنعت کی تعلیم کیے گئے اور کھیتی باڑی کا حکم دیے گئے پھر کھیتی باڑی کی پھر اس کو پانی پلایا۔ پھر جب وہ کھیتی تیار ہوگئی تو اسے کاٹا پھر اس کو گاہا پھر بکھیرا پھر اس کو پیسا پھر گوندھا پھر اس کی روٹی پکائی، پھر اسے کھایا۔

پس اس کو نہ پہنچا حتیٰ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کو پہنچے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بے شک حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت کھایا جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام جو کچھ تو نے کیا اس پر تجھے کس چیز نے اُبھارا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی یا رب! اسے میرے لیے حواء نے مزین کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے اس کو اس کی یہ سزا دی ہے کہ وہ مشقت کے ساتھ پیٹ میں بچہ اُٹھائے گی اور مشقت کے ساتھ جنے گی اور ایک ماہ میں اس کو میں نے دو دفعہ خون آلود کیا۔ پس اس وقت حضرت حواء علیہا السلام چیخ و پکار کے ساتھ روئی۔ پس کہا گیا تجھ پر اور تیری بیٹیوں پر یہ چیخ و پکار کے ساتھ رونا لکھ دیا گیا۔ پس جب دونوں نے اس درخت کو کھایا تو ان دونوں سے ان کے کپڑے چورا چورا کر دیے گئے اور ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت سے نکال دیے گئے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول "وقلنا اھبطوا" زمین کی طرف اُتر و یعنی حضرت آدم حضرت حواء علیہما السلام ابلیس اور سانپ

حضرت آدم سرزمین ہند میں اُترے

پس حضرت آدم علیہ السلام سرزمین ہند کی جگہ سراندیپ میں ایک پہاڑ پر اُترے جسے نود کہا جاتا ہے اور حواء جدہ میں اُتریں اور ابلیس ابلہ میں اُترا اور سانپ اصفہان میں۔ "بعضکم لبعض عدو" اللہ تعالیٰ کی مراد اس سے وہ عداوت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور سانپ کے درمیان ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی مؤمن اولاد اور شیطان کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الشیطان لکما عدو مبین"

سانپ سے متعلق

عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے حدیث مرفوع ذکر کیا کہ بے شک وہ سانپوں کے قتل کرنے کا حکم کرتے تھے اور فرمایا جو ان کو خوف کی وجہ سے چھوڑ دے یا بدلہ لینے والے کے ڈر سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے

نہیں ہے اور موسیٰ بن مسلم نے عکرمہ سے حدیث میں زیادہ کیا "ما سالمنا ھن منذ حار بناھن" ہم نے ان سے جب سے جنگ کی صلح نہیں کی اور روایت کیا گیا کہ جو سانپ گھروں میں ہیں انہیں کچھ نہ کہا جائے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق بے شک مدینہ منورہ میں کچھ جن ہیں جو اسلام لا چکے ہیں پس اگر ان میں سے کسی کو تم دیکھو تو انہیں تین دن تک باخبر کرو، اگر اس کے بعد بھی دیکھو تو اسے قتل کردو۔ جزایں نیست کہ وہ شیطان ہے۔

"ولکم فی الارض مستقر" جائے قرار (وحتاع) اور نفع اٹھانے کی جگہ (الی حین) تمہاری مدت عمر گزرنے تک۔

⑰ "فتلقی" تلقی کے معنی پوری فہم و دانش کے ساتھ قبول کرنا اور کہا گیا کہ تلقی کے معنی تعلم کے ہیں (یعنی سیکھنا) "آدم من ربّہ کلمات" عاصم کی قرأت آدم میم کی پیش کے ساتھ اور کلمات کا لفظ ت کی زیر کے ساتھ اور ابن کثیر نے آدم میم کی زیر کے ساتھ پڑھا اور کلمات کو ت کی پیش کے ساتھ پڑھا۔

یعنی آدم علیہ السلام کے پاس اس کے رب کے پاس سے کچھ کلمات آئے جو ان کی توبہ کا سبب بنے۔

کلمات کیا تھے

جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے۔ ان کلمات میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت حسن رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کلمات سے مراد یہ قول ہے "ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ" حضرت مجاہد محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ اس سے مراد

"لا اِلٰہ اَنتَ سُبحَانَکَ وبحمدک ربِّ عملت سوءً و ظلمت نفسی فاغفرلی انک انت الغفور الرحیم"

(ترجمہ: نہیں کوئی معبود سوائے تیرے تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ اے میرے رب میں نے برائی کا عمل کیا اور اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔)

ایک روایت میں "فاغفرلی" کی بجائے "فارحمنی" ہے اور "انک انت الغفور الرحیم" کی بجائے "انک انت ارحم الراحمین"۔ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کلمات سے مراد یہ ہے کہ بے شک حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب! مجھے بتایئے کہ جو کچھ میں نے کیا کیا یہ چیز میں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے یا یہ وہ کچھ ہے جو تو نے میرے اوپر میرے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ شئی ایسی ہے جو میں نے تجھے پیدا کرنے سے پہلے تجھ پر مقدر فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! پس جس طرح تو نے اسے میرے حق میں تو نے مقدر فرمایا پہلے اس کے کہ تو مجھے پیدا کرتا مجھے بخش دے اور کہا گیا یہ کلمات تین چیزیں ہیں حیاء، دعاء اور بکاء۔ یعنی رونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواء علیہا السلام جنت کی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر دو سو سال روئے۔ چالیس دن تک نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا اور سو سال تک حضرت آدم حضرت حواء علیہا السلام کے قریب نہ گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو

مسعودی نے یونس بن خطاب اور علقمہ بن مرثد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، دونوں نے کہا اگر روئے زمین کے لوگوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت داؤد کے آنسو بڑھ جائیں گے جب ان سے لغزش ہوئی اور اگر حضرت داؤد کے آنسو اور تمام انسانوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو زیادہ ہوں گے جب ان کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکالا۔

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین کی طرف اُتارے گئے۔ تین سو سال اللہ تعالیٰ سے حیاء کے باعث سر نہیں اُٹھاتے تھے۔ قول خداوندی "فتاب علیه" پس ان سے درگزر فرمایا "انه هو التواب" اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے "الرحیم" اسے خلیفہ بنانے کے اعتبار سے۔

﴿٣٨﴾ "قلنا اهبطوا منها جمیعا" یعنی یہ چاروں اور کہا گیا ہے ھبو (اترنا) اول جنت سے آسمان دُنیا کی طرف دوسرا ھبوط (اترنا) آسمان دُنیا سے زمین کی طرف "فاما یاتینکم" یعنی پس اگر تمہارے پاس۔ اے اولاد آدم "مِنّی هُدًی" یعنی رہنمائی اور بیان شریعت اور کہا گیا کتاب و رسول "فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون" یعقوب فلا خوف فا کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، پورے قرآن پاک میں اور باقیوں نے پیش اور تنوین کے ساتھ "فلا خوف علیهم" آنے والے زمانہ میں "ولا هم یحزنون" جو کچھ وہ پیچھے چھوڑ آئے اور کہا گیا نہیں کچھ خوف ان پر دُنیا میں اور نہ وہ آخرت میں غمناک ہوں گے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور جو کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے اے بنی اسرائیل (یعنی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کی) یاد کرو تم میرے اُن احسانوں کو جو کیے میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن پر ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اُس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے اور مت بنو تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس قرآن

کے اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو اور خلط ملط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے ہو اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ کیا (غضب ہے کہ) کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو (نیک کام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے) اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر ㊴ "والذین کفروا" جنہوں نے انکار کیا "وکذبوا بآیاتنا" قرآن کریم کے ساتھ "اولٰئک اصحاب النار" قیامت کے دن "ھم فیھا خالدون" نہ جنت سے نکلیں گے اور نہ ان کو اس میں موت آئے گی۔

㊵ "یا بنی اسرائیل" "اے اولاد یعقوب اور اسرائیل کا معنی عبداللہ اور ایل وہ اللہ تعالیٰ اور بعض نے کہا کہ اسرائیل کا معنی صفوۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور چنے ہوئے اور ابوجعفر نے (اسرائیل) کو بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے "اذکروا" محفوظ رکھو، ذکر دل سے ہوتا ہے اور زبان سے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ ذکر سے مراد شکر ہے اور شکر کا مفہوم لفظ ذکر کے ساتھ ادا کیا گیا۔ اس لیے کہ شکر میں ذکر ہوتا ہے یعنی یاد دہانی ہوتی ہے یا یاد ہوتی ہے اور کفر میں نسیان ہوتا ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں نعمت کا تذکرہ کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ (نعمتی) میری نعمتوں کا یعنی لفظاً تو مفرد بولا گیا اور معنی کے لحاظ سے جمع مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا" (یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننا چاہو تو پورا شمار بھی نہ کر سکو گے) "التی انعمت علیکم" یعنی آباء اجداد پر تمہارے اسلاف پر۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے ساتھ بنو اسرائیل کو مخصوص کیا گیا۔ مثلاً سمندر کو پھاڑنا۔ فرعون کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانا۔ تیہ کے جنگل میں ان پر بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کو نازل کرنا، تورات کو نازل کرنا اور بھی بہت سی نعمتیں جنہیں شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرمائیں۔

"واوفوا بعھدی" میرا حکم مان کر "اوف بعھدکم" قبول و ثواب کے ساتھ حضرت قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں کیا گیا۔ "ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منھم اثنی عشر نقیبا" یہاں تک کہ فرمایا "لاکفرن عنکم سیاٰتکم" پس یہ ہے قول اس کا "اوف بعھدکم" (یعنی تم سے گناہ کرا کر میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔) حضرت حسن فرماتے ہیں اس عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول "واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ" اور کلبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا عہد بنی اسرائیل کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر وہ یہ کہ میں بنو اسماعیل کی طرف نبی اُمی بھیجنے والا ہوں۔ پس جو اس کی اتباع کرے گا اور اس نور کی تصدیق کرے گا جو وہ لائیں گے میں اس کے گناہ بخش دوں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا اور اس کے لیے دو دو اجر کروں گا۔

"واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ "وایای فارھبون"

پس نقض عہد توڑنے کے سلسلہ میں مجھ سے ڈرو۔ ان الفاظ میں خطاً حذف کی گئی ہیں مثلاً "فارھبون، فاتقون، واخشون" (ان کے آخر میں یاء بھی جو بوجہ وقف کے حذف ہوگئیں جن کی علامت ان کے نون پر زیر ہے) انہیں یعقوب نے ثابت رکھا۔

④ "وآمنوا بما انزلت" یعنی قرآن "مصدقا لما معکم" یعنی ان (مضامین) کے موافق جو تمہارے پاس تورات میں سے توحید ونبوت اور صفات نبویہ کے سلسلہ میں تھے۔ یہ کعب بن اشرف اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ یہودیوں کے عالم اور سردار قسم کے لوگ تھے۔ "ولا تکونوا اول کافر به" یعنی قرآن کے ساتھ مراد اوّل ہونے سے اہل کتاب میں سے اوّل ہونا ہے ورنہ یہود سے پہلے مکہ مکرمہ میں قریش مکہ کفر کر چکے تھے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تم قرآن کریم کے ساتھ اول کفر کرنے والے نہ بن جاؤ۔ پس بقیہ یہود اس پر تمہاری پیروی کریں گے۔ پس تم اپنے اور اپنے متبعین کے گناہ کو سمیٹنے والے بن جاؤ گے۔ "ولا تشتروا" یعنی نہ بدلہ میں لو "بآیاتی" جو نبی علیہ السلام کے بیان صفات سے متعلق ہیں۔ "ثمناً قلیلا" یعنی دُنیا کا معمولی عوض۔ اور یہ اس طرح کہ سرداران یہود اور علماء یہود کی کچھ خوراک تھی جسے وہ اپنے جاہل عوام سے ہر سال مقدار معلوم میں لیا کرتے تھے۔ مثلاً کھیتی دودھ والے جانور اور نقدی اب انہیں اس کا خطرہ ہوا کہ اگر انہوں نے صفت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کردی اور حضور علیہ السلام کے تابع ہوگئے تو یہ خوراک ختم ہو جائے گی۔ پس انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو بدلا اور نام مبارک کو چھپایا۔ پس اس طرح انہوں نے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا۔ "وایای فاتقون" پس مجھ سے ڈرو۔

⑤ "ولا تلبسوا الحق بالباطل" یعنی خلط ملط نہ کرو۔ کہا جاتا ہے "لَبِس الثوب یلبس لُبْساً" اور کہا جاتا ہے "لُبِس علیه الامر لَبْساً" یعنی خلط ہوا۔ (گویا لباس پہننے کے لیے لبس باب سمع سے آتا ہے اور اس کی مصدر لُبس آتی ہے لام کی پیش اور خلط ملط کے معنی کے لیے "لَبس" باب ضرب سے آتا ہے اس کی مصدر "لَبس" آتی ہے لام کی زبر کے ساتھ۔

کہا جاتا ہے خلط نہ کرو اس حق کو جو میں نے تم پر اتارا جس کا تعلق صفات محمدیہ سے ہے۔ باطل کے ساتھ جس کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو تبدیل کر کے...... اکثر حضرات اس پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اسلام کو (جو کہ حق ہے) یہودیت کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک یہود نے حضور علیہ السلام کی بعض صفات کا اقرار کیا اور بعض صفات کو چھپایا تا کہ اس میں وہ تصدیق کیے جائیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ ملاؤ حق کو جس کو تم باطل کے ساتھ تبدیل کرتے ہو۔ یعنی جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ حق سے مراد ان کا بیان کرنا ہے اور باطل سے مراد ان کا چھپانا ہے۔ "وتکتموا الحق" یعنی اس کو نہ چھپاؤ۔ یعنی تعریف مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم "وانتم تعلمون" اس بات کو جانتے ہو کہ حضور علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔

⑥ "واقیموا الصلوٰۃ" یعنی پانچ نمازیں ان کے وقتوں اور پابندیوں کے ساتھ "وآتوا الزکاۃ" اپنے مالوں کی فرضی زکوٰۃ ادا کرو۔ لفظ زکوٰۃ زکاۃ الزرع سے لیا گیا ہے۔ زکاۃ الزرع کے معنی ہے کھیتی بڑھی زیادہ ہوئی اور بعض نے کہا زکاۃ تزکی سے ماخوذ ہے

یعنی پاک ہوا۔ شرعی اصطلاحی لفظ زکوٰۃ میں دونوں معنی موجود ہیں کیونکہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور بڑھتا بھی ہے۔

"واركعوا مع الراكعين" یعنی نماز پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ جو کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ نماز کو لفظ رکوع سے تعبیر کیا گیا کیونکہ رکوع ارکان نماز میں سے (اہم ترین) رکن ہے۔ نیز یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا تو گویا حکم دیا گیا اے مسلمانو! تم وہ نماز پڑھو جو رکوع والی ہو۔ بعض نے کہا کہ "واقيموا الصلوٰة" کے جملے کے بعد خصوصاً پھر "واركعوا مع الراكعين" کا حکم دینا بھی اسی مقصد کے تحت ہے یعنی ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو جن کی نمازوں میں رکوع ہے۔ پہلا حکم "اقيموا الصلوٰة" مطلقاً ہر ایک کے لیے ہے اور یہ حکم مخصوص اقوام کے حق میں ہے۔ بعض نے کہا کہ "واركعوا مع الراكعين" دراصل نماز باجماعت ادا کرنے پر اُبھارنا ہے۔ گویا کہ کہا گیا کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو جو تم سے ایمان کے اعتبار سے سبقت کر چکے۔

(44) "اتامرون الناس بالبر" یعنی طاعت کے ساتھ یہ علمائے یہود کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اس لیے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص اپنے قریبی ساتھی اور اپنے حلیف ایمان والے کو اس وقت کہتا جب وہ ایمان والا حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھتا کہ تو اپنے دین پر قائم رہ کیونکہ حضور علیہ السلام کا معاملہ حق پر مبنی ہے اور اس کی بات سچی ہے۔ بعض نے کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ان کے احبار سے ہے جب انہوں نے اپنے متبعین کو (احکام) تورات کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا اور خود تورات کی مخالفت کی اور (تورات میں موجود) صفات نبوی کو بدل ڈالا۔ "وتنسون"

"انفسكم" یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دیتے ہو اور تورات کی اتباع نہیں کرتے ہو "وانتم تتلون الكتاب" یعنی تورات کو پڑھتے ہو جس میں محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت وصفات ہوتی ہیں۔ "افلا تعقلون" (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) کہ وہ حق ہے عقل عقال الدابۃ سے ماخوذ ہے۔ عقال وہ رسہ ہے جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے جو اسے بھاگنے سے روکتا ہے۔ پس اسی طرح عقل بھی صاحب عقل کو کفر اور انکار سے روکتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میں نے اس رات دیکھا جب مجھے سیر کرائی گئی۔ چند لوگوں کو جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے تھے اور اپنے کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتاب کو پڑھتے تھے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ پس اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پس اس کی انتڑیاں آگ میں نکل پڑیں گی پھر وہ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا چکی کے اردگرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس پر جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلاں! تیرا کیا حال ہے کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں کرتا تھا؟ کیا تو ہمیں برائی سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں تمہیں نیکی کا حکم کرتا تھا مگر خود اس پر عمل پیرا

نہ ہوتا تھا اور تمہیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود وہ برائی کرتا تھا۔ شعبہ نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ انتڑیوں کو لے کر اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور اگر تم کو حب مال و جاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار (معلوم ہوتا) مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں (یعنی) اے اولاد یعقوب علیہ السلام کی تم لوگ میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی اور اس (بات) کو یاد کرو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر خاص برتاؤ میں فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری سخت آزاری کے گلے کاٹتے تھے تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو اس (واقعہ) میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری۔

تفسیر: ۴۵ "واستعینوا" (مدد حاصل کرو) ان قسم وقسم کی مصیبتوں پر جو تمہیں پیش آنے والی ہیں اور بعض نے کہا طلب آخرت پر (مدد حاصل کرو) "بالصبر والصلوٰۃ" (صبر و نماز کے ساتھ) خالصتاً گناہوں کو مٹانے کے سلسلہ میں (صبر سے) مراد گناہوں سے اپنے آپ کو روکنا ہے۔ بعض نے کہا کہ صبر سے مراد فرائض کی ادائیگی پر صبر کرنا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد روزہ ہے۔ اسی سے ماہِ رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ روزہ دُنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور نماز آخرت کی طرف راغب کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ "والصلوٰۃ" پر جو واؤ داخل ہے یہ واؤ بمعنی علیٰ ہے۔ یعنی مدد حاصل کرو ساتھ صبر کے نماز پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا" (یعنی نماز پر اپنے آپ کو صابر رکھو یعنی جمائے رکھو)

"وانھا" (وانھا کہا یعنی ضمیر واحد کی لائی گئی) "وانھما" نہیں کہا۔ اس طرح ھا ضمیر صبر و صلوٰۃ ہر ایک کی طرف علیحدہ

علیحدہ لوٹائی گئی۔ یعنی صبر وصلوٰۃ ہر ایک حالت ان دو میں سے۔ جیسے کہا گیا "کلتا الجنتین آتت اکلھا" دونوں باغ اپنے پھل لائے بعض نے کہا کہ آیت کا معنی ہوگا۔ صبر سے مدد چاہو اور بے شک وہ شاق ہے اور نماز سے بھی اعانت طلب کرو بے شک وہ بھی گراں ہے۔ پھر ان دو میں سے ایک کو برائے اختصار حذف کر دیا گیا اور مورخ کہتے ہیں کہ انہا کی ضمیر (صرف) نماز کو راجع ہے کیونکہ وہ عام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا" میں ھا ضمیر فضہ کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ عام ہے اور کہا گیا ہے ھا ضمیر نماز کی طرف راجع ہے کیونکہ نماز بہت عظیم الشان ہے ان میں کئی قسم کے صبر ہیں۔ نماز میں کئی قسم کے صبر کرنے کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ" یرضوھما نہیں فرمایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا میں داخل ہے حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ "انّھا" کی ضمیر استعانت کی طرف راجع ہے۔ "لکبیرۃ" یعنی وزنی ہے "الا علی الخاشعین" یعنی مؤمنین پر۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خاشعین سے مراد خائفین ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مطیعین ہیں یعنی اطاعت گزار لوگ۔ مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاشعین سے مراد متواضعین ہیں یعنی تواضع کرنے والے خشوع کا اصل معنی سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وخشعت الاصوات للرحمٰن" لہٰذا خاشع وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف سکون پذیر ہو۔

㊻ "الذین یظنون" یقین رکھتے ہیں پس ظن اضداد میں سے ہے (یعنی ان لفظوں میں سے ہے جن کے متضاد معنی ہوتے ہیں) تو ظن کا معنی شک والا بھی ہوگا اور یقین والا بھی۔ جیسے رجاء کا معنی امن بھی ہے اور خوف بھی۔ "انھم ملاقوا" دیکھنے والے ہیں "ربھم" آخرت میں اور وہ "ملاقات" دیدار خداوندی ہے اور کہا گیا ہے کہ ملاقات سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ "وانھم الیہ راجعون" پس ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

㊼ "یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین" یعنی اس وقت کے تمہارے زمانے کے جہان والوں پر فضیلت دی۔ یہ فضیلت اگرچہ موجودہ زمانے کے بنو اسرائیل کے آباء کو نصیب ہوئی مگر اس فضیلت کا شرف وفخر اس اولاد کو جواب موجود ہے حاصل ہے۔

㊽ "واتقوا یوما" اور ڈرو اس دن کے عذاب سے "لاتجزی نفس" نہیں پورا کر سکے گا کوئی نفس (جان) "عن نفس شیئا" یعنی کوئی بھی حق جو اس نفس یعنی جان پر لازم ہوگا اور کہا گیا ہے کہ "لاتجزی نفس" کا معنی ہے "لاتغنی" یعنی کچھ فائدہ نہ دے سکے گا اور کہا گیا ہے (اس کا معنی ہے) نہ کفایت کر سکے گا کوئی نفس کسی قسم کا کچھ حصہ تکلیفات میں سے "ولا تقبل منھا شفاعۃ" ابن کثیر اور ابو عمرو اور یعقوب نے (تقبل کو) تاء کے ساتھ پڑھا کیونکہ شفاعت مؤنث ہے اور باقیوں نے یاء کے ساتھ پڑھا یعنی یقبل کیونکہ شفیع اور شفاعت کا ایک معنی ہے جیسے کہ وعظ اور موعظہ کا ایک معنی ہے تو یقبل کا فعل مذکر لانا معنی کے لحاظ پر ہے اور تقبل مؤنث لانا لفظ کے اعتبار سے جیسے فرمان الٰہی "قد جاءتکم موعظۃ من ربکم" (تو یہاں جاءت فعل مؤنث لایا گیا) اور

دوسری جگہ فرمایا "فمن جاءہ موعظۃ من ربہ" (تو یہاں جاء فعل مذکر لایا گیا) یعنی اس نفس سے شفاعت نہ قبول کی جائے گی جبکہ وہ نفس، نفس کافرہ ہوگی۔ "ولا یوخذ منہا عدل" یعنی فدیہ اور فدیہ کو عدل کا نام دیا گیا اس لیے کہ وہ فدیہ جس کا فدیہ دیا جاتا ہے کے مثل ہوتا ہے برابر ہوتا ہے اور عدل کا معنی بھی مثل ہے۔ "ولاھم ینصرون" اللہ تعالیٰ کے عذاب سے روکے نہ جائیں گے۔

○ "واذ نجینا کم" یعنی تمہارے بڑے بزرگوں اور آباء و اجداد کو اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمان بنو اسرائیل کے آباء و اجداد کو نجات دینا موجودہ بنو اسرائیل پر بطور احسان کے جتلایا کیونکہ موجودہ بنو اسرائیل کا وجود ان کے اسلاف کی نجات کا مرہون منت ہے۔ "من آل فرعون" فرعون کے پیروکار اور اس کے دین پر چلنے والے اور فرعون وہ ولید بن مصعب بن ریان ہے جو قوم عمالقہ کے خاندان قبط سے تھا اور چار سو (۴۰۰) سال سے زیادہ عمر پائی۔ "یسومونکم" تمہیں تکلیف دیتے اور تمہیں چکھاتے تھے۔ "سوء العذاب" سخت ترین عذاب اور بدترین عذاب اور کہا گیا ہے تمہیں عذاب میں کبھی پھیرتے تھے جیسے اونٹ جو چرنے والے ہوں انہیں الابل اور سائمۃ فی البریۃ کہا جاتا ہے یعنی وہ اونٹ جو جنگل میں چرنے پھرنے والے ہوں اور یہ اس طرح کہ فرعون نے بنو اسرائیل کو خادم و نوکر بنا رکھا تھا اور انہیں مختلف کاموں میں مختلف قسم کی انسانی شکل میں لگا رکھا تھا۔

مشاق بنی اسرائیل کا ذکر

بنو اسرائیل کی ایک قسم معمار تھی جو تعمیریں بناتے اور ایک قسم کھیتی باڑی کا کام کرتی تھی اور ایک قسم فرعون کی خدمت گزار تھی اور جو بنی اسرائیل کے لوگ کسی کام کے اہل نہ ہوتے ان پر ٹیکس لگاتے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں بنی اسرائیل کی اعمال فرعون کے سلسلہ میں مختلف جماعتیں تھیں جو بنو اسرائیل طاقتور تھے وہ پہاڑ سے ستون تراشتے تھے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں کو کاٹنے اور نقل و حمل کے باعث ان کی گردنیں اور پشتیں زخمی ہوگئی تھیں اور بنی اسرائیل کا ایک گروہ پتھر ڈھوتا اور ایک گروہ اینٹیں تھاپتا اور پکاتا اور ایک گروہ بڑھئی تھا کچھ لوہار تھے اور جو ان میں سے کمزور تھے ان پر ٹیکس لگایا جاتا۔ وہ ٹیکس روزانہ ادا کرتے جس پر ٹیکس ادا کرنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا اس کا دایاں ہاتھ ایک مہینہ تک گردن کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔ بنی اسرائیل کی عورتیں سوت کاتنے اور بننے کا کام کرتی تھیں اور فرمان الٰہی "یسومونکم سوء العذاب" کی تفسیر وہ ہے جو اس کے بعد ذکر ہوئی اور وہ فرمان خداوندی یہ ہے "یذبحون ابناء کم" یہ بطور بدل کے ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "یسومونکم سوء العذاب"

ویستحیون نساء کم" ان کو زندہ چھوڑتے تھے اور یہ اس لیے کہ فرعون نے اپنے خواب میں دیکھا گویا کہ آگ بیت المقدس سے آئی ہے اور اس آگ نے مصر کا احاطہ کر لیا ہے اور مصر میں جس قدر قبطیوں کے گھر تھے انہیں جلا ڈالا ہے اور بنی اسرائیل کے گھروں کی طرف رخ نہیں کیا۔ فرعون کو اس خواب نے خوفزدہ کر دیا۔ چنانچہ اس نے کاہنوں سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو کاہنوں نے جواب میں کہا بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ تیری ہلاکت اور تیرے ملک کا زوال ہوگا جس پر فرعون نے بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے ہر بچے کے قتل کے آرڈر کر دیے۔

دائیوں کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ تمہارے ہاتھوں پر کوئی بچہ بنی اسرائیل کا واقع نہیں ہونا چاہیے جسے قتل نہ کیا جائے اور جو بچی آئے اسے چھوڑ دیا جائے اور دائیوں پر نگران مقرر کیے گئے۔ چنانچہ دائیوں نے یہ کام کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ طلب موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بچے قتل کر دیے گئے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں مجھے یہ پہنچا ہے کہ حضرت موسیٰ کی طلب میں نوے ہزار (۹۰۰۰۰) بچے ذبح کر دیے گئے۔ بعد ازاں بنی اسرائیل کے بوڑھوں کی موت جلدی واقع ہونے لگ گئی۔ چنانچہ سرداران قوم قبط کا وفد فرعون کے پاس پہنچا اور انہوں نے کہا کہ بنو اسرائیل میں موت عام ہو چکی ہے۔ ان کے چھوٹے ذبح کیے جا رہے ہیں اور بڑے مر رہے ہیں۔ عنقریب یہ اعمال شاقہ ہم پر واقع ہو جائیں گے یعنی یہ محنت و مزدوری والے کام ہمیں کرنے پڑیں گے۔ اس پر فرعون نے حکم دیا ایسا کیا جائے کہ بنی اسرائیل کے بچے (نومولود) ایک سال تو ذبح کیے جائیں اور ایک سال ذبح نہ کیے جائیں یعنی ناغہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ہارون ناغہ کے سال پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال بچے ذبح کیے جا رہے تھے۔

"وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم" بعض نے کہا بلاء سے مراد محنت و مشقت یعنی فرعونیوں کی جانب سے تمہیں عذاب چکھانے میں محنت عظیمہ تھی اور کہا گیا ہے کہ بلاء سے مراد نعمت ہے یعنی میرے اس نجات دینے میں خاص تم کو ان فرعونیوں سے نعمت عظیم ہے۔ چنانچہ بلاء بمعنی محنت عظیمہ شدیدہ بھی ہے اور بمعنی نعمت عظیمہ کے بھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کبھی نعمت عطاء کر کے بسلسلہ شکر بھی آزماتا ہے اور مصیبت پر صبر کے سلسلے میں بھی آزماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ"

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے (ڈوبنے سے) بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو (مع فرعون کے) اور تم اسکا معائنہ کر رہے تھے

تفسیر ﴿۵۰﴾ "واذ فرقنا بکم البحر" بعض نے کہا اس کا معنی "فرقنا لکم" ہے یعنی سمندر کو ہم نے خاص تمہاری خاطر پھاڑا اور کہا گیا ہے "فرقنا بدخولکم ایاہ" کہ ہم نے سمندر کو تمہارے داخل ہونے کے سبب پھاڑا۔ سمندر کو بحر اس کی وسعت کے پیش نظر کہا گیا ہے اور اسی سے ہے گھوڑے کو بحر کہنا، جب وہ اپنے دوڑنے میں وسعت اختیار کرے اور یہ اس لیے جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کو مصر سے رات کے وقت لے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (بنو اسرائیل) اپنی قوم کو حکم دیا کہ گھروں میں صبح تک چراغ جلائے رکھیں اور اللہ تعالیٰ نے قوم قبط میں جو بھی بنی اسرائیل کا ولد الزنا تھا انہیں اسرائیل کی طرف نکالا اور جو بنی اسرائیل میں قبطیوں کا نطفہ حرام تھا اسے قبط کی جانب نکال دیا۔ حتیٰ کہ ہر حرامی اپنے باپ کی طرف لوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے قوم قبط پر موت کو ڈال دیا۔ چنانچہ ہر جوان کنوارا قبطی مر گیا۔ چنانچہ صبح تک قبطی ان کے دفنانے میں مصروف رہے جب تک سورج طلوع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ چھ لاکھ بیس ہزار لڑاکے جوان لے کر نکل کھڑے ہوئے جن میں بیس سال سے کم عمر والا چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر والا بڑھاپے کی وجہ سے شمار نہ تھا۔

بنی اسرائیل جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی معیت میں مصر کو داخل ہوئے تھے تو وہ مرد و زن بہتر (۷۲) انسانوں پر مشتمل تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب موسیٰ چھ لاکھ ستر ہزار تھے۔ عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے۔ جب انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو ان پر بھٹکنا مسلط کر دیا گیا۔ پس وہ یہ نہیں پہچان رہے تھے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشائخ کو بلایا اور اس بارے میں ان سے پوچھا، انہوں نے بتایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو موت حاضر ہوئی تھی تو انہوں نے اپنے بھائیوں سے عہد لیا تھا کہ وہ مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں گے جب تک کہ مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے۔ اسی لیے ہم پر راستہ بند ہو گیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو کسی کو معلوم نہ تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ندا کی میں ہر اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جو یہ جانتا ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے مگر یہ کہ وہ ہمیں اس کے بارے میں خبر دے اور جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر نہ جانتا ہو تو اس کے کان میری آواز سننے سے بہرے ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو آدمیوں کے درمیان ندا دیتے ہوئے گزرتے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز نہ سنتے تھے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز ایک ان کی بڑھیا نے سنی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا مجھے یہ بتاؤ اگر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر رہنمائی کر دوں تو آپ مجھے ہر وہ چیز عطا کریں گے جو میں مانگوں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر انکار کیا اور کہا کہ یہاں تک میں اپنے رب سے پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اس کا سوال دے دیجئے۔ (یعنی اس کا مطالبہ پورا کر دیجئے)

پس بڑھیا نے کہا بے شک میں بڑھیا ہوں، چلنے کی سکت نہیں رکھتی، مجھے اٹھائیے اور مصر سے نکالئے۔ یہ سوال تو دنیا کا ہے۔ بہر حال آخرت میں میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) جنت کے جس بالا خانہ میں تو اترے میں تیرے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا تو بڑھیا نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دریائے نیل کے درمیان پانی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ سے پانی کو ہٹائے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اس جگہ سے پانی ہٹ گیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ طلوع فجر کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے امر سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ کو کھودا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جو سنگ مرمر کے صندوق میں تھے نکالا اور اٹھا کر لائے اور شام میں انہیں دفن کر دیا۔ ایسا کرنے پر ان کے لیے راستہ کھل گیا۔ بنی اسرائیل چلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پچھلے حصہ میں تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اگلے حصہ پر۔ فرعون نے جب بنی اسرائیل کے نہ ہونے کے باعث قلت محسوس کی تو اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی طلب میں نہ نکلیں یہاں تک کہ مرغا بانگ دے۔

پس اللہ کی قسم اس رات مرغے نے بانگ نہ دی۔ پس فرعون بنی اسرائیل کی طلب میں نکلا۔ فرعون کے لشکر کے مقدمۃ الجیش پر ہامان ستر لاکھ فوج لیے ہوئے تھا اور ان میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے سوائے بقیہ مختلف رنگوں والے کے محمد بن کعب

فرماتے ہیں کہ فرعون کے لشکر میں ایک لاکھ سیاہ رنگ کے گھوڑے تھے سوائے بقیہ مختلف رنگوں والے کے، فرعون سیاہ رنگ گھوڑوں میں تھا اور کہا گیا کہ فرعون ستر لاکھ میں تھا اور اس کے سامنے ایک لاکھ جنگجو اور ایک لاکھ نیزہ بردار اور ایک لاکھ لاٹھی بردار۔ پس بنی اسرائیل چلے یہاں تک کہ سمندر کو پہنچے یا زبردست پانی میں پہنچے اور انہوں نے دیکھا پس دن چڑھتے ہی فرعون ان کے قریب آ لگا۔ پس وہ حیران رہ گئے۔ پس بنو اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ! (علیہ السلام) اب ہم کیا کریں اور کہاں ہے وہ (نصرت) جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟ یہ فرعون ہمارے پیچھے آ گیا اگر فرعون نے ہمیں پالیا تو وہ ہمیں قتل کر ڈالے گا اور سمندر ہمارے آگے ہے اور اگر اس میں داخل ہوئے ہم غرق ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلما تراء ی الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال موسیٰ کلا ان معی ربی سیھدین" (اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اصحاب موسیٰ پکار اُٹھے کہ ہم پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے عنقریب رہنمائی فرمائے گا۔)

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی "ان اضرب بعصاک البحر" (یہ کہ اپنا عصا سمندر کو ماریئے) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اس کو مارا۔ پس سمندر نے اطاعت نہ کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ سمندر کی کنیت کے ساتھ اسے خطاب کیجئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور فرمایا اے ابو خالد اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ جا "فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم" اور اس میں بارہ راستے ظاہر ہوئے، ہر خاندان بنی اسرائیل کا ایک راستہ تھا اور ہر دو راستوں کے درمیان پہاڑ کی طرح پانی بلند ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ اور ہوا کو سمندر کی گہرائی پر بھیجا حتیٰ کہ راستے خشک ہو گئے۔ اس پر بنی اسرائیل سمندر میں گھس گئے۔ ہر قبیلہ ایک راستے پر تھا اور اس کی دونوں جانب پانی تھا جیسے کہ بڑا پہاڑ ہو مگر بعض بعض کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ پس انہوں نے خوف محسوس کیا اور ہر قبیلہ کہنے لگا کہ ہمارے دوسرے بھائی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کے ان پہاڑوں کو حکم دیا کہ تم کھڑکی دار ہو جاؤ تو پانی کھڑکیوں والا ہو گیا۔ طبقہ وار جس سے بعض بعض کو دیکھ رہے تھے اور بعض بعض کی کلام سن رہے تھے حتیٰ کہ صحیح سالم دریا کو عبور کر گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فرمان "واذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم" (کا مصداق ہو گئے جس کا معنی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا۔ پس ہم نے تم کو نجات دی) فرعون کے لاؤ لشکر سے اور غرق ہونے سے۔ "واغرقنا آل فرعون" اور ہم نے لشکر فرعون کو غرق کر دیا اور یہ اس لیے کہ بے شک جب فرعون سمندر کو پہنچا تو سمندر کو جدا جدا (رستوں والا) پایا تو اپنی قوم کو اس نے کہا سمندر کو دیکھو میری ہیبت سے اس لیے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے تاکہ میں اپنے ان غلاموں کو پکڑ سکوں جو مجھ سے بھاگ گئے ہیں۔ چلو سمندر میں داخل ہو جاؤ تو فرعون کی قوم سمندر میں داخل ہونے سے ڈری اور فرعون کو کہا گیا اگر تو رب ہے تو سمندر میں اس طرح داخل ہو جا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام داخل ہو گئے اور فرعون سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور فرعون کے پورے لشکر میں گھوڑی نہ تھی تو حضرت جبرئیل اٹھی ہوئی گھوڑی پر سوار ہو کر آ گئے (وہ دیق اس مؤنث جانور کو کہتے ہیں جو طالب

ذکر ہو) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس گھوڑی کو ان کے آگے کیا اور سمندر میں گھس گئے۔ جب فرعون کے سیاہ گھوڑے نے گھوڑی کی ہوا سونگھی تو وہ گھوڑا سمندر میں اس گھوڑی کے پیچھے گھس گیا اور وہ حضرت کو نہ دیکھ رہے تھے۔

اس پر فرعون اپنے معاملہ کا کچھ بھی مالک نہ رہا اور نہ ہی فرعون حضرت جبرئیل کی گھوڑی کو دیکھ رہا تھا اور بقیہ گھوڑے فرعون کے گھوڑے کے پیچھے سمندر میں گھس گئے اور حضرت میکائیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار قوم کے پیچھے آ کر ان کو ہانکنے لگے تاکہ فرعونی لشکر میں سے کوئی بھی پیچھے الگ نہ رہے۔ حضرت میکائیل ان کو فرما رہے تھے اپنے ساتھیوں کے پیچھے لاحق ہو جاؤ حتیٰ کہ سب کے سب سمندر میں گھس گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سمندر سے نکلے اور میکائیل سمندر میں داخل ہوئے۔ فرعونی لشکر کا پہلا انسان جب سمندر سے نکلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ ان سب کو پکڑ لے تو سمندر موجزن ہوا اور ان سب کو غرق کر دیا اور اس سمندر کے دونوں کناروں کے درمیان چار فرسخ (یعنی بارہ میل) کا فاصلہ تھا اور وہ بحر فارس کے ایک حصہ کے کنارہ پر تھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں، وہ سمندر ہے۔

مصر کے پیچھے جسے اساف کہا جاتا ہے اور یہ ان کا غرق ہونا۔ بنو اسرائیل کے سامنے ہوا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "وانتم تنظرون" یعنی تم ان کے گرنے کو دیکھ رہے تھے اور

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا (پرستش کیلئے) گوسالہ کو موسیٰ کے (جانے کے) بعد اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی پھر بھی ہم نے تمہاری توبہ کرنے پر درگذر کیا تم نے اتنی بڑی بات ہوئی پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بیشک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز سے سو تم اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کر دے (عملدرآمد) تمہارے لئے بہتر ہو گا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں۔

تفسیر ⑤١ "واذ واعدنا" یہاں باب مفاعلہ سے ہے جو ایک طرف سے ہوتا ہے جیسے کہ اہل عرب کہتے ہیں "عافاک اللہ" (اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت بخشے) یا عقبت اللص (میں نے چور کو سزا دی) یا طارقت النعل (میں نے جوتے میں کیل ٹھونکی)۔ زجاج فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے قبول کرنا تھا۔ پس اس لیے لفظ مواعدہ سے تعبیر فرمایا۔ ابوعمرو اور اہل بصرہ نے "وَاِذْ وَعَدْنَا" پڑھا یعنی وعدے۔ "موسیٰ" عبرانی نام ہے جسے عربی بنایا گیا۔ عبرانی زبان میں موشی کا معنی پانی اور درخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ وہ پانی اور درختوں کے (جھنڈ) سے پکڑے گئے تھے۔ پھر عربی میں ش کو س سے بدل دیا گیا۔ (موشی سے موسیٰ ہو گیا)

"اربعین لیلۃ" یعنی ان کا پورا ہونا۔ ذوالقعدہ سے تیس دن اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اربعین کو لیلہ یعنی رات کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا دن کے ساتھ ذکر نہ کیا گیا اس لیے کہ عربی مہینے چاند کے حساب سے رکھے گئے ہیں اور چاند رات کو چڑھتا ہے اور کہا گیا یہ اس لیے کہ ظلمت روشنی سے مقدم ہے اور رات دن سے پہلے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار" کہ ان کے لیے (قدرت الٰہی کی) نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جب بنو اسرائیل اپنے دشمن سے امان پا گئے اور شہر میں داخل ہوئے تو ان کے لیے نہ کوئی کتاب تھی اور نہ شریعت جو ان کی منتہائے نظر ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ فرمایا کہ بنو اسرائیل کی طرف کتاب نازل فرمائے گا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا میں تمہارے رب کی طرف سے میعاد مقرر پر جا رہا ہوں۔ ان مقررہ ایام میں تمہارے لیے کتاب لاؤں گا جس میں ہر اس چیز کا بیان ہوگا جو تم نے کرنا ہے اور جو تم نے چھوڑنا ہے اور ان کو چالیس راتوں کا وعدہ دیا۔ تیس ذوالقعدہ سے اور دس ذوالحجہ سے ان پر اپنا خلیفہ حضرت ہارون کو مقرر فرمایا۔ جب وعدہ آن پہنچا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر تشریف لائے جسے فرس الحیات کہا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کا پاؤں جس چیز کو لگتا وہ چیز زندہ ہو جاتی اور فرس حیات حضرت جبرئیل علیہ السلام اس لیے لے آئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب تعالیٰ کے حضور لے جائیں۔ جب سامری نے یہ صورت حال دیکھی اور سامری سنہار (زرگر) تھا جو کہ اہل باجری میں سے تھا اور اس کا نام میخا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سامری اہل کرمان میں سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سامری کا تعلق بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ سے تھا۔ سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں رکھنے کی جگہ کو دیکھا کہ جہاں اس کا پاؤں پڑتا ہے کہ وہ مقام سبز ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ منافق تھا اسلام کو ظاہر کیے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق گاؤ پرست لوگوں سے تھا جب اس نے جبرئیل علیہ السلام کو اس گھوڑے پر دیکھا تو وہ جان گیا یہ کوئی زندہ شان گھوڑا ہے تو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں والی جگہ سے مٹی لے لی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے دل میں یہ خیال پڑ گیا کہ یہ مٹی جس پر ڈالی جائے گی، وہ چیز زندہ ہو جائے گی اور بنی اسرائیل نے مصر سے نکلتے وقت شادی کے بہانے قوم فرعون سے بہت سے سونے کے بہت سے زیورات عاریۃً لے لیے تھے۔ پس اللہ

تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور وہ زیورات بنو اسرائیل کے ہاتھ رہ گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تو سامری نے بنی اسرائیل کو کہا کہ تم جو زیورات قوم فرعون سے مانگے تھے۔ وہ مال غنیمت ہیں جو تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔ پس تم گڑھا کھودو اور انہیں دفن کر دو۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں تو ان کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود فیصلہ فرمائیں گے۔ حضرت علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو فرمایا، ان زیورات کو گڑھے میں دفن کر دو یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ جب تمام زیورات جمع کر دیے گئے سامری نے ان کو ڈھالا۔

بچھڑا بنا کر تین دنوں میں پھر اس میں وہ مٹھی مٹی کی ڈال دی جو اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم والے نشان سے لی تھی پس وہ سونے کا بچھڑا بن کر نکلا جس پر جواہرات کا جڑاؤ بہت خوبصورت طریقے پر کیا گیا تھا۔ پس اس بچھڑے نے آواز کی آواز کرنا۔ علامہ سدی فرماتے ہیں وہ آواز بھی کرتا تھا اور چلتا بھی تھا۔ پس سامری نے کہا کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے جسے موسیٰ علیہ السلام بھول گئے اور یہاں چھوڑ گئے اور وہاں طلب کرنے گئے۔

بنو اسرائیل نے وعدہ خلافی کی، دن کو علیحدہ اور رات کو علیحدہ شمار کیا۔ یعنی اس طرح دن رات کو دو دن شمار کیا۔ جب بیس دن گزر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہ لوٹے تو بنو اسرائیل فتنہ میں پڑ گئے اور کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔ پھر دس راتیں بڑھا دی گئیں تو بنی اسرائیل کا فتنہ ان دس راتوں میں ہوا۔ جب دس راتیں گزر گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہ لوٹے تو بنی اسرائیل نے گمان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور بچھڑے کو دیکھا اور سامری کی بات سنی تو بنی اسرائیل کے آٹھ ہزار آدمی بچھڑے کے ارد گرد عبادت کرنے بیٹھ گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ سب نے عبادت کی سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ساتھیوں کے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب نے عبادت کی سوائے حضرت ہارون علیہ السلام ایک اکیلے کے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم اتخذتم العجل" یعنی معبود "من بعدہ" ابن کثیر اور حفص نے "اخذت، واتخذت" کی ذال کو ظاہر کیا اور باقیوں نے ذال کو ادغام کیا۔ "وانتم ظالمون" گناہ کر کے اپنے آپ کو نقصان دینے والے تھے۔ عبادت غیر محل میں رکھنے والے تھے۔

⑫ "ثم عفونا عنکم" تمہارے گناہوں کو ہم نے مٹا دیا "من بعد ذالک" تمہارے بچھڑے کی عبادت کرنے کے بعد "لعلکم تشکرون" تا کہ تم میرے معاف کر دینے کے شکر گزار بن جاؤ اور جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا، کہا گیا ہے شکر ظاہر و پوشیدہ تمام اعضاء کے ساتھ اطاعت کا نام۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ کسی نعمت کا شکر اس کا ذکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واما بنعمۃ ربک فحدث" (بہرحال اپنے رب کی نعمت کا بیان کیجئے) حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کے ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی جائے اور کہا گیا کہ حقیقت شکر (یہ ہے) ادائے شکر سے عجز کا اظہار کیا جائے۔ حکایت کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے اللہ! تو نے مجھے کامل ترین نعمتیں

عطا کیں اور شکر کرنے کا مجھے حکم دیا۔ (یا اللہ) میرا تیری ذات عالی کا شکر کرنا بھی تیری طرف سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے موسیٰ علیہ السلام تو نے وہ علم سیکھا جس سے اوپر کوئی اور علم نہیں ہے۔

میرے بندہ کی طرف سے میرے لیے اتنا کچھ کافی ہے کہ میرا بندہ اس بات کو جان لے کہ اسے جو نعمت حاصل ہے پس وہ میری طرف سے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا، پاک ہے وہ ذات جس نے بندے کے اپنے شکر سے اعتراف عجز کو شکر بنا دیا۔ جیسے کہ بندے کی معرفت الٰہیہ سے متعلق اعتراف عجز کو معرفت بنا دیا۔

۵۳ "واذ آتینا موسیٰ الکتاب" یعنی تورات "والفرقان" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی تورات ہے۔ تورات کا ذکر دو اسموں سے کیا گیا۔ حضرت کسائی فرماتے ہیں فرقان کتاب کی صفت ہے اور واؤ زائدہ ہے۔ یعنی کتاب فرقان "حلال وحرام میں فرق کرنے والی" یمان بن ریان فرماتے ہیں فرقان سے اللہ تعالیٰ کی مراد انفراق بحر یعنی سمندر کا جدا ہو جانا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذ فرقنا بکم البحر فانجیناکم لعلکم تھتدون" (راہ پاؤ) ساتھ تورات کے۔

۵۴ (واذ قال موسیٰ) موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں سے کہا (یاقوم انکم ظلمتم انفسکم) کہ تم نے اپنے نفسوں کو دھوکہ دیا "باتخاذکم العجل" (بچھڑے کو) معبود (پکڑنے کے سبب) انہوں نے کہا تو اب ہم کیا کریں؟ فرمایا "فاقتلوا انفسکم" یعنی چاہیے کہ تم میں سے جو بے گناہ ہے وہ مجرم کو قتل کرے "ذلکم" یعنی قتل کرنا "خیر لکم عند بارئکم" جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے۔

سب کے سب ایک صحن میں اپنی چادروں سے گوٹ مار کر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ حکم ہوا کہ اگر کوئی اپنی گوٹ کھولے یا نگاہ اٹھا کر قاتل کو دیکھے یا ہاتھ پیر کے ذریعے بیچے تو وہ ملعون ہے اور اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی۔ سب نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اپنی اپنی گردنیں کھول دیں۔ مجرمین میں ان قاتلین کے عزیز واقارب بھی تھے کوئی کسی کا باپ کوئی بیٹا' کوئی بھائی' کوئی قریبی رشتہ دار' کوئی دوست تھا جب امتثال حکم الٰہی کیلئے تلوار اٹھائی تو فرط محبت وشفقت کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ سب نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا یا نبی اللہ اب ہم کیا کریں ہم تو مغلوب ہو گئے حق تعالیٰ نے زمین سے بخارات یا آسمان سے ایک ایک ابر سیاہ بھیجا کہ اس سے تاریکی چھا گئی کہ کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھتا تھا۔ القصہ قتل شروع ہوا اور کئی روز تک یہ قتل رہا صبح سے شام تک برابر قتل کرتے تھے۔ جب بنی اسرائیل کثرت سے مقتول ہوئے تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا فرمائی کہ خداوندا بنی اسرائیل یک لخت ہلاک ہوئے جاتے ہیں اب اپنا رحم فرمائیے۔ حق تعالیٰ نے اس سیاہ ابر کو ہٹا دیا اور حکم بھیجا کہ اب قتل نہ کریں جب ابر کھلا تو دیکھا گیا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غم ہوا۔ حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں قاتل اور مقتول دونوں کو جنت میں داخل کروں اور جو قتل ہوئے انہیں شہادت کا مرتبہ دوں اور جو باقی رہیں ان کے گناہ معاف کر دوں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہاں تک کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ طور پر سو (اس گستاخی پر) آ پڑی تم پر کڑاکے دار بجلی اور تم (اس کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا (موسیٰ کی دعا سے) تمہارے مر جانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو (میدان تیہ میں) اور (خزانہ غیب سے) پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور (اس سے) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے

تفسیر ﴿۵۵﴾ "واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللّٰہ جھرۃ" اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو ساتھ لے کر دربار الٰہی میں حاضر ہوں، بچھڑے کی عبادت کے سلسلہ میں معذرت کریں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے بہتر قسم کے ستر (۷۰) آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان کو فرمایا تم روزے رکھو اور طہارت کرو یعنی پاکیزگی اختیار کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقررہ وعدہ کے مطابق ان کو طور سینا کی طرف لے کر نکلے۔

پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہمارے لیے طلب کیجئے کہ ہم اپنے رب کی کلام سنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کرتا ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو ان پر بادل کا ایک ستون واقع ہوا اور وہ بادل سارے پہاڑ پر چھا گیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل میں داخل ہوئے اور قوم کو فرمایا، قریب ہو جاؤ۔ پس قوم قریب ہوئی حتیٰ کہ بادل میں داخل ہوگئی اور سجدے میں گر گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ جب ان سے رب تعالیٰ کلام فرماتے تو ان کے چہرے پر ایک ایسا چمکدار نور واقع ہوتا کہ کسی فرد بشر کو تاب نظارہ نہ ہوتی۔

پس بنی اسرائیل کے آئے ہوئے نمایندہ افراد کے آگے پردہ ڈال دیا گیا۔ پس انہوں نے رب تعالیٰ کو سنا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرما رہے ہیں۔ حکم فرما رہے ہیں، منع فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو سنایا "انی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا ذو بکۃ ... الخ" بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بکہ (مکہ) والا ہوں۔ میں نے تم کو مصر کی سرزمین سے سخت ہاتھ کے ساتھ نکالا۔ پس میری عبادت کرو، میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نمائندگان قوم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا

تیری بات نہیں مانتے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ (نری اللہ کے ساتھ جھرۃ کی قید اس لیے لگائی) کہ اہل عرب دل کے ساتھ جان لینے کو بھی رویت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں (جیسے رؤیت قلبی کہا جاتا ہے) تو ساتھ ہی جھرۃً ذکر کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس دیکھنے سے ظاہراً آنکھوں کا دیکھنا مراد ہے۔

"فاخذتکم الصاعقۃ" یعنی موت اور کہا گیا کہ آسمان سے آگ آئی اور انہیں جلا گئی۔ "وانتم تنظرون" یعنی بعض بعض کی طرف دیکھ رہا تھا جب تم کو موت نے پکڑا اور کہا گیا کہ "تنظرون" بمعنی "تعلمون" ہے اور نظر بمعنی علم ہوگی۔ پھر جب وہ ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے اور عاجزی کرنے لگ گئے اور فرمانے لگے۔ میں بنو اسرائیل کو کیا جا کر کہوں گا جب ان کے پاس جاؤں گا کہ تمہارے اچھے اچھے لوگ ہلاک ہو گئے ہیں؟

اے اللہ اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی، اے اللہ تو کیا ہمیں اس عمل کے سبب ہلاک کرتا ہے جو عمل ہم میں سے بیوقوف لوگوں نے کیا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کو قسمیں دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک ایک کو زندہ فرما دیا۔ اس کے بعد کہ وہ ایک دن ایک رات مرے رہے۔ بعض، بعض کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسے زندہ کیے جا رہے ہیں۔ پس یہ ہے فرمان اللہ تعالیٰ کا۔

۵۶ "ثم بعثناکم" تم کو زندہ کیا اور بعث کسی شئی کو اپنی جگہ سے اُبھارنا کہا جاتا ہے۔ بعثت البعیر میں نے اونٹ کو اُٹھایا "وبعثت النائم" اور میں نے سونے والے کو اُٹھایا، ابھارا "فانبعث" پس وہ اُٹھ گیا "من بعد موتکم" حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا تاکہ وہ اپنی بقیہ مدت عمر کو اور اپنے رزق کو پورا کریں۔ اگر وہ اپنی مدت عمر پورا ہونے پر مرتے تو ان کو قیامت تک نہ اُٹھایا جاتا۔ "لعلکم تشکرون"

۵۷ "وظللنا علیکم الغمام" (تم پر بادلوں کا سایہ کیا) جنگل میں جو تمہیں سورج کی گرمی سے بچاتا تھا اور غمام غم سے ہے جس کا اصل معنی چھپانا، ستر کرنا ہے بادل کو غمام اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سورج کے چہرے کو چھپاتا ہے اور یہ اس لیے کہ ان کے لیے جنگل میں کسی قسم کا کوئی جھونپڑا وغیرہ نہ تھا جو ان کو چھپاتا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف شکایت کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سفید اور پتلا بادل بھیجا جو بارش کے بادل سے زیادہ طیب تھا اور ان کے لیے نور کا ستون بھیجا جو ان کے لیے رات کو چمکتا تھا جب رات چاندنی نہ ہوتی۔ "وانزلنا علیکم المنّ والسلوٰی" یعنی جنگل میں اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ منّ ترنجبین تھی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ گوند کی طرح ایک چیز تھی جو درختوں پر واقع ہوتی تھی۔ اس کا ذائقہ شہد کی طرح تھا۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ پتلی روٹی تھی۔ یعنی چپاتی۔

حضرت زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجمالی طور پر "منّ" ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کسی پر بغیر کسی محنت و مشقت کے احسان فرما دیں۔ سعید بن زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کمأۃ" یعنی کھنبی منّ سے ہے اس کا پانی بیماری سے شفاء ہے، کہتے ہیں پس یہ منّ ہر رات ان کے درختوں پر واقع ہوتی تھی جیسے کہ برف۔ ان میں سے

ہر انسان کے لیے ایک صاع ہوتا قریباً پونے چار سیر پس وہ بولے اے موسیٰ ہم نے اس من کو اس کی مٹھاس کی وجہ سے قبول کر لیا۔ پس ہمارے لیے اپ رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں گوشت کا کھانا عنایت کرے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سلویٰ کو نازل فرمایا اور وہ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کے مشابہ ہے۔ بعض نے کہا وہ واقعۃً بٹیر ہی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کو اُٹھایا۔ پس اس نے اس پرندے کی بارش کی جو کہ طول و عرض میں ایک میل اور بلندی میں ایک نیزہ تک بعض، بعض پر متورخ فرماتے ہیں سلویٰ اور شہد پس اللہ تعالیٰ ان پر من وسلویٰ کو ہر صبح نازل فرماتے طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک۔

پس ہر ایک ان میں سے اتنا کچھ لے لیتا جو اسے ایک دن ایک رات کافی ہوتا اور جس دن جمعہ ہوتا تو ہر اک اتنا لیتا جو اسے دو دن کے لیے کافی ہوتا۔ یہ اس لیے کہ بروز ہفتہ اس کا نزول نہ ہوتا تھا۔ "کلوا" یعنی اور کہا ہم نے ان کو کھاؤ "من طیبات" حلال چیزوں سے "ما رزقناکم" اور کل کے لیے ذخیرہ نہ کرو۔ پس انہوں نے کیا "ذخیرہ" پس اللہ تعالیٰ نے ان سے اسے روک دیا اور جو کچھ انہوں نے ذخیرہ کیا تھا وہ خراب ہو گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون" یعنی اور ہمارے حق میں انہوں نے کمی کوتاہی نہ کی بلکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ اپنا نقصان اس طرح کیا کہ آخرت میں حق تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت دنیاوی اور بلا حساب اخروی انہیں ملتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو طعام کبھی خراب نہ ہوتا اور نہ کبھی گوشت بدبودار ہوتا اور اگر حضرت حوا علیہا السلام نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی بھی خیانت نہ کرتی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس (کی چیزوں میں سے) جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور (یہ بھی حکم دیا کہ) دروازے میں داخل ہونا (عاجزی سے) جھکے جھکے اور (زبان سے یہ) کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) ہم معاف کر دیں گے تمہاری (پچھلی) خطائیں اور ابھی مزید براں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس (کے کہنے) کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت سماوی اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم

نے (موسیٰ کو) حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (اس سے پانی نکل آئیگا) پس مارنے کی دیر تھی کہ فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے (اور بارہ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ) معلوم کرلیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ) کھاؤ اور پیو اور اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد (اعتدال سے) مت نکلو فساد (وفتنہ) کرتے ہوئے سرزمین میں۔

تفسیر ۵۸ "واذ قلنا ادخلوا هذه القرية" قصبہ کو عربی زبان میں قریہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قصبہ والے جمع ہوتے ہیں اور اسی سے ہے مقراۃ جو کہ حوض کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی پانی جمع کرتا ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس قصبہ سے مراد اریحاء ہے اور یہ جبارین کی بستی تھی۔ اس میں قوم عاد کے بقیہ لوگ تھے جنہیں عمالقہ کہا جاتا تھا۔ ان کا سردار عوج بن عنق تھا اور کہا گیا ہے کہ بلقاء تھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قریہ رملہ، اُردن، فلسطین اور تدمر ہے، حضرت مقاتل فرماتے ہیں یہ قریہ ایلیا ہے۔ ابن کیسان فرماتے ہیں یہ قریہ شام ہے۔

"فكلوا منها حيث شئتم رغدا" تمہارے اوپر وسعت کی گئی ہے۔ "وادخلوا الباب" یعنی قریہ کے دروازوں میں سے کسی دروازہ میں داخل ہو جاؤ اور اس قریہ (قصبہ) کے سات دروازے تھے "سجدا" یعنی حالت رکوع میں (جھکتے ہوئے) ٹیڑھے ہوکر۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم اس میں داخل ہو وہ تو شکر ایزدی کے لیے سجدہ کرو۔ "وقولوا حطة" حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ہماری خطائیں مٹادے، وہ استغفار کا حکم دیئے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لا إله الا الله" کا حکم دیئے گئے اس لیے کہ یہ کلمہ گناہوں کو گرا دیتا ہے اور "حطةٌ" کی پیش اس تقدیری عبارت پر ہے۔ "قولوا مسألتنا حطة" (یعنی کہو ہمارا سوال گناہوں کے گرانے کا ہے) "نغفر لكم خطاياكم" "غفر" سے ہے اور اس کا معنی ستر ہے۔ پس مغفرت گناہوں کا چھپانا ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے "يغفر لكم" پڑھا یاء کے ساتھ اور پیش کے ساتھ اور فاء کی زبر کے ساتھ اور ابن عامر رضی اللہ عنہ نے تاء کے ساتھ اور اس کی پیش کے ساتھ اور فاء کی زبر کے ساتھ اور سورۂ اعراف میں "جميعا" پڑھا ہے اور یعقوب نے تاء اور اس کی پیش کے ساتھ اور باقی حضرات نے دونوں جگہ نون اور اس کی زبر کے ساتھ اور فاء کی زیر کے ساتھ۔

"وسنزيد المحسنين" ثواب

۵۹ اپنے فضل سے "فبدل" پس بدل دیا "الذين ظلموا" اپنے نفسوں پر اور کہا "قولا غير الذي قيل لهم" اور یہ کہ بے شک انہوں نے حطہ کے لفظ کو حنطہ سے بدل دیا۔ پس انہوں نے اپنی زبان میں کہا "حطانا سمقاثا" یعنی سرخ گندم اللہ تعالیٰ کے امر کی اہانت کرتے ہوئے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے دروازہ کو پست کردیا گیا تا کہ اپنے سروں کو جھکا کر گزریں تو انہوں نے حالت سجدہ میں داخل ہونے سے انکار کردیا۔ چنانچہ حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہوئے چوتڑوں کے بل

گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور فعلاً مخالفت ایسے کی جیسے قول خداوندی کو تبدیل کر دیا تھا اور جو بات ان کو کہنے کے لیے کہی گئی تھی اس کے خلاف بات کہی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بنو اسرائیل کو کہا گیا دروازہ میں بحالت سجدہ داخل ہو اور حطۃ کہو۔ پس انہوں نے تبدیل کر دیا اور چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور "حبۃ فی شعرۃ" کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

"**فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء**" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیجا تو ایک ساعت میں ان میں سے ستر ہزار ہلاک ہو گئے۔ "**بما کانوا یفسقون**" نافرمانی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے امر سے نکل نکل جاتے تھے۔

۶۰ "**واذ استسقی موسیٰ**" پانی طلب کیا (لقومہ) اور پیاس لیے کہ وہ تیہ (جنگل) میں پیاسے ہوئے۔ پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی یہ کہ

ان کے لیے پانی طلب کرے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی جیسے کہ فرمایا "**فقلنا اضرب بعصاک**" یہ عصا جنت کی لکڑی آس کا تھا اس کی لمبائی دس گز (شرعی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لمبائی کے مطابق اس کی دو شاخیں تھیں جو اندھیرے میں روشن ہوتی تھیں۔ اس عصا کا نام علیق تھا۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ پھر انبیاء کرام وراثۃً لیتے آئے یہاں تک کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے وہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا۔ حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عصا کا نام نبعی تھا۔

"**الحجر**" انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کوئی خاص معین قسم کا پتھر نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کسی پتھر کو عصا مبارک مارتے اس سے چشمے بہہ نکلتے۔ ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ اور وہ بارہ (۱۲) قبیلے تھے۔ پھر ہر چشمہ ایک نالہ کے ذریعے بہہ پڑتا۔ اس قبیلہ کی طرف جن کو پلانے کا اس کو حکم دیا جاتا۔ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ایک مقرر قسم کا پتھر تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ حجر کو معرف بالالف واللام لایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ہلکا سا پتھر تھا، مربع آدمی کے سر کے برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب بنی اسرائیل پانی کے محتاج ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کو رکھتے اور اس کو عصا کے ساتھ مارتے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پتھر کے چار رُخ تھے اور ہر رُخ کی جانب تین چشمے اور ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ اور کہا گیا ہے کہ پتھر ناتراشیدہ تھا اور کہا گیا ہے کہ نرم پتھر تھا۔ اس میں بارہ (۱۲) گڑھے تھے۔ ہر گڑھے سے میٹھے چشمہ کا پانی بہتا تھا۔ جب بنی اسرائیل والے فارغ ہوتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اُٹھانے کا ارادہ فرماتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا مارتے جس سے پانی ختم ہو جاتا اور روزانہ اس سے چھ لاکھ افراد پانی پیتے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہانے کے لیے کپڑے رکھے تھے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا اور بنی اسرائیل کے ایک مجمع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

کپڑے لے کر گزر را۔ جب بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ادرہ بیماری (خصیوں میں ورم کا ہو جانا) کے ساتھ متہم کیا تھا جب وہ پتھر رک گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس پتھر کو اٹھالیں، اس پتھر میں میری قدرت پوشیدہ ہے اور تیرے لیے اس میں معجزہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو اٹھالیا اور اسے اپنے تھیلے میں رکھا۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارہ (۱۲) ضربیں اس پتھر میں لگاتے تو ہر ضرب مارنے کی جگہ پر عورت کے پستان کے سرے کی طرح کوئی چیز نمودار ہوتی پھر اس میں سے نہریں جاری ہو جاتیں اور بہہ پڑتیں۔ اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں: "انبجست" اور "انفجرت" ایک ہی چیز ہیں۔

ابوعمرو بن علاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "انبجست" کا معنی ہے عرقت یعنی سترشح ہونا رسنا اور "انفجرت" کا معنی بہنا۔ پس یہ قول خداوندی ہے "فانفجرت" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا، پس بہہ پڑے۔ "منه اثنتا عشرة عینا" خاندانوں کی تعداد کے مطابق "قد علم کل اناس مشربھم" اپنے پینے کی جگہ کوئی خاندان دوسروں کے پینے کی جگہ میں داخل نہ ہوتا تھا۔ "کلوا واشربوا من رزق اللّٰہ" یعنی ہم نے ان کو کہا من وسلویٰ سے کھاؤ اور پانی سے پیو۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو تمہارے پاس بلا مشقت پہنچتا ہے۔ "ولا تعثوا فی الارض مفسدین" عثی کا معنی سخت ترین فساد کرنا۔ "عثی یعثی عثیا" (یعنی باب سمع، ضرب، فتح) اور "عثا یعثو عثوا" یعنی باب نصر اور عاث یعیث عیثا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں ساگ (ہوا) ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے کسی شہر میں (جا کر) اترو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور جم گئی اُن پر ذلت اور پستی (کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر اور خود اُن میں اولوالعزمی نہ رہی) اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے (اور) یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (کہ وہ قتل خود اُنکے نزدیک بھی) ناحق (ہوتا) تھا اور

(نیز) وہ اس وجہ سے (ہوا) کہ ان لوگوں نے اطاعت شکنی اور دائرہ (اطاعت) سے نکل نکل جاتے تھے۔

تفسیر ⑥١ "واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر علی طعام واحد" اور یہ اس لیے انہوں نے اتفاق کیا اور اکتا گئے من وسلویٰ کے کھانے سے اور علی طعام واحد اس لیے کہا حالانکہ یہ دو کھاتے تھے اس لیے کہ عرب والے ایک لفظ واحد سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ واحد کو دو کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان" حالانکہ لؤلؤ اور مرجان بحر شور سے نکلتے ہیں، بحر شیریں سے نہیں اور کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پس گویا کہ وہ دونوں طعام واحد تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ من کو سلویٰ کے ساتھ گوندھتے تھے۔ پس وہ دونوں طعام واحد بن گئے۔ "فادع لنا" پس ہماری خاطر سوال کیجیے "ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلہا وقثائہا وفومہا" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الفوم الخبز" یعنی فوم روٹی ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں الفوم گندم ہے۔ علامہ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فوم سے مراد وہ دانے ہیں جو سب کے سب کھائے جاتے ہیں۔ (یعنی غلہ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فوم کا معنی ثوم ہے (یعنی لہسن) "وعدسہا وبصلہا" (دال مسور اور پیاز) (قال) ان کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اتستبدلون الذی ہو ادنی" گھٹیا اور ردّی "بالذی ہو خیر" اشرف اور افضل؟ اور گندم کو قیمتاً ادنیٰ قرار دیا۔ اگرچہ وہ من وسلویٰ سے بہتر ہے یا خیر سے مراد یہ کہ وجود کے لحاظ سے من وسلویٰ آسان تھے یعنی عادۃً سہل الحصول ہونے کے اعتبار سے خیر۔ یا اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ من وسلویٰ کا مذکورہ چیزوں سے بہتر ہونا۔ اس اعتبار سے ہے کہ من و سلویٰ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے منتخب ہوئی تھیں اور جو چیزیں بنی اسرائیل نے مانگیں وہ ان کی اپنی پسند کی تھی اپنے لیے۔ "اہبطوا مصرا" یعنی پس اگر انہیں چیزوں کے حصول پر بضد ہو تو شہروں میں سے کسی بھی شہر میں اُتر جاؤ۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مصر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون والا شہر مصر مراد ہے مگر قول اول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اگر مصر فرعون وموسیٰ مراد ہوتا تو اسے منصرف نہ لایا جاتا (غیر منصرف ہوتا بوجہ علمیت وتانیث کے) "فان لکم ما سألتم" زمین کی پیداوار سے "وضربت علیہم" ان پر رکھ دی گئی اور وہ لازم کر دیے گئے (الذلۃ) ذلت واہانت کہا گیا ہے جزیہ۔

حضرت عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ذلت سے مراد اسلامی ممالک میں کفار کا علامت کفر کا اظہار ہے جیسے زنار وغیرہ یا پھر کفر یہ شکل وصورت مثلاً یہودیوں والی علامت ظاہر کرنا "والمسکنۃ" فقیر کو مسکین اس لیے کہا جاتا ہے کہ فقر نے اس کو اپنی جگہ پر ساکن کر دیا اور حرکت کرنے سے بٹھا دیا۔ لہٰذا تو اے مخاطب دیکھے گا کہ یہود اگرچہ مالدار ہوں مگر وہ ایسے نظر آتے ہیں گویا کہ وہ فقیر ہیں اور کہا گیا ہے ذلت دل کا فقر ہے۔ پس تو یہود سے بڑھ کر کسی بھی ملت والے کو نہیں دیکھے گا کہ وہ مال پر حریص اور مال کے سلسلہ میں ذلیل ہو۔ "وباؤا بغضب من اللہ" لوٹے اور باء کا استعمال صرف شر میں ہوتا ہے (یعنی باء کا معنی ہمیشہ شر کے ساتھ لوٹنے کا ہوگا)۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے غضب الٰہی کو اُٹھایا اور اس کا اقرار کیا اور اسی (اقرار) سے ہے "ابوء لک بنعمتک علی" دعا میں یہ جملہ استعمال ہوتا ہے یعنی میں تیری خاطر ان نعمتوں کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر

فرمائیں اور ابو ہ ہدایتیں بھی اسی سے ہے کہ میں اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ "ذالک" یعنی غضب "بانہم کانوا یکفرون بآیات اللّٰہ" اوصاف محمد یہ اور تورات میں آیت رجم کا ہونے کا اور انجیل مقدس و قرآن کریم کا انکار کرتے تھے۔ "ویقتلون النبیین" صرف نافع نے اس سلسلہ میں یہ قول کیا ہے کہ نبی در اصل "نبیئ" ہے اور یہ باب "انبا" سے ہے۔ دریں صورت نبی کا معنی خبر دینے والا ہوگا۔ "انبأ ینبئ" سے اور معروف قراۃ ترک ہمزہ سے ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ①
ایک وجہ یہ کہ یہ بھی "الانباء" سے ماخوذ ہے اور ہمزہ کو کثرت استعمال کے باعث تخفیفاً ترک کر دیا گیا اور دوسری وجہ یہ کہ یہ بمعنی رفیع ہے اور نبوت سے لیا گیا اور یہ بلند مکان کو کہتے ہیں۔ پس اس بنیاد پر "النبیین" اپنے اصل پر ہوگا۔ (بغیر الحق) یعنی بلا جرم پس اگر کہا جائے بغیر الحق کیوں کہا؟ حالانکہ نبیوں کا قتل ہوتا ہی ناحق ہے۔ (جواباً) کہا جائے گا بغیر الحق کا ذکر قتل کے وصف کے لیے ہے اور قتل کبھی بالحق کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور کبھی بغیر الحق کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور یہ استعمال حق ایسے ہے جیسے لفظ حق کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ "قال رب احکم بالحق" تو یہاں لفظ حق کا استعمال حکم کو موصوف بالحق کرنے کے لیے (یعنی حکم الٰہی چونکہ ہوتا ہی موصوف بالحق ہے لہٰذا بیان حقیقت کے لیے حق کی صفت سے حکم کو موصوف کیا گیا) یہاں یہ معنی نہیں کہ حکم الٰہی دو قسموں میں منقسم ہے جور (ظلم) کی طرف اور حق کی طرف روایت کیا جاتا ہے کہ بے شک یہود نے ستر نبیوں کو دن کے پہلے حصے میں قتل کر دیا اور دن کے آخر حصہ میں تجارتی منڈیوں میں معروف ہو گئے۔ "ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون" میرے حکم سے تجاوز کرتے میرے حرام کردہ امور کا ارتکاب کرتے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا
مِیۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اور روز قیامت پر اور کارگذاری اچھی کرے ایسوں کیلئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور (وہاں جا کر) کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کریں گے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اُوپر (محاذات میں) معلق کر دیا (اور کہا) کہ جلدی قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کیساتھ اور یاد رکھو جو (احکام) اس کتاب میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

تفسیر ۶۲ "ان الذین آمنوا والذین ھادوا" یعنی یہود ان کو اس نام سے موسوم اس لیے کیا گیا کہ انہوں نے "انا ھدنا الیک" کا بول بولا تھا۔ یعنی ہم نے تیری طرف میلان کیا، رجوع کیا۔

اور کہا گیا ان کو یہود اس لیے کہا گیا) کیونکہ انھوں نے توبہ کی تھی یعنی بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اور کہا گیا اس لیے کہ انھوں نے دین اسلام اور دین موسیٰ علیہ السلام سے اعراض کیا۔

فائدہ:۔ (ہاد یہیل کا صلہ جب عن آئے تو اس کا معنی اعراض کرنا ہوتا ہے)۔ حضرت ابوعمرو بن العلاء فرماتے ہیں "لانھم یتھودون" یعنی وہ حرکت کرتے ہیں جب تورات پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے شک آسمانوں اور زمین نے بھی حرکت کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی تھی۔ (والنصاریٰ) نصاریٰ کے نام کے ساتھ اس لیے موسوم ہوئے کیونکہ حواریوں (عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں) نے کہا تھا نحن انصار اللہ۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو نصاریٰ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ لوگ ایک ایسی بستی میں اُترے جسے ناصرہ کہا جاتا تھا اور کہا گیا (کہ ان کو نصاریٰ اس لیے کہا گیا) بوجہ منسوب ہونے ان کے نصرت کی طرف اور یہ بستی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُترتے تھے۔ "والصابئین" اہل مدینہ نے والصابین والصابون یعنی ہمزہ کو ترک کرکے پڑھا اور باقیوں نے ہمزہ کے ساتھ اس کا اصل معنی خروج ہے۔ کہا جاتا ہے صبا فلان یعنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف گیا۔

اور کہا جاتا ہے "صبات النجوم" جب ستارے اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلیں اور اسی سے ہے صبا ناب البعیر جب اونٹ کے دانت نکلیں۔ پس یہ صابی بھی اس لیے "صابئین" کہلائے کہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف چلے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اہل کتاب میں سے ایک قوم ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی ذبائح بھی اہل کتاب کی ذبائح کی طرح حلال ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نہ ان کی ذبائح حلال ہیں اور نہ ان کی عورتوں سے مناکحت جائز ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایک قبیلہ ہے شام کی طرف یہود و مجوس کے درمیان۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صابی یہود و نصاریٰ کی قوم ہے یہ لوگ سروں کا درمیانہ حصہ منڈاتے ہیں اور شرمگاہ (عضو مخصوص) کو کٹاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ انھوں نے ہر دین سے کچھ نہ کچھ لیا ہے۔ حضرت عبدالعزیز بن یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "انقرضوا" یعنی صابئین ختم ہو چکے ہیں (اب ان کا وجود نہیں ہے)

"من آمن باللہ والیوم الآخر" کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ آیت کی ابتداء میں "ان الذین آمنوا" فرما دیا گیا؟ (جواب) کہا گیا ہے کہ انھوں نے حکم آیت میں اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول "ان الذین آمنوا" سے مراد ایمان تحقیقی لیا ہے۔ پھر ان مؤمنوں میں اختلاف ہے۔ پس ایک قوم نے کہا یہ وہ قوم ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے ایمان لائے اور یہ لوگ دین (حق) کے متلاشی تھے۔ مثلاً حبیب نجار، قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، براء الشنی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، بحیرا راہب اور وفد نجاشی۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جنھوں

نے حضور علیہ السلام کو پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے آپ کو نہیں پایا۔

اور کہا گیا کہ یہ وہ مؤمن ہیں جن کا تعلق امم ماضیہ سے ہے اور کہا گیا اس سے مراد وہ مؤمن ہیں جو اس اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ سے ہیں اور "والذین ھادوا" وہ ہیں جو دین موسیٰ علیہ السلام پر تھے اور تبدیلی نہ کی (یعنی دین موسیٰ میں تحریف نہ کی اور وہ نصاریٰ مراد ہیں جو دین عیسیٰ علیہ السلام پر تھے اور (دین عیسیٰ میں) تبدیلی نہ کی اور اسی پر مر گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ دونوں نام (یہود و نصاریٰ) صرف ان کے لیے لازم ہیں۔ زمانہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں جبکہ وہ حق پر تھے جیسے اسلام کا نام اُمت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے اور صابون کا نام صابئین کے ساتھ اس وقت خاص جبکہ ان کا امر دین مستقیم و مستحکم تھا۔ "مَنْ آمَنَ" اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ایمان کی حالت میں مرے ہوں۔ کیونکہ حقیقت ایمان (جو عند اللہ معتبر ہے) وہی ہے جو زندگی بھر رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ واؤ مضمر ہو یعنی "ومن آمن بعدک یا محمد الی یوم القیٰمۃ" اے محمد جو لوگ آپ کے بعد قیامت تک ایمان لائیں گے۔

اور بعض نے کہا کہ جو لوگ موصوف بالایمان ابتداء آیت میں مذکور ہیں۔ وہ علی طریق مجاز مراد ہیں نہ کہ حقیقتاً پھر ان مؤمنین میں انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء سابقین پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور کہا گیا اس سے مراد منافقین ہیں جو صرف زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان نہ لائے اور وہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو یہودیت و نصرانیت کے تحریف و تبدیل کے بعد معتقد ہوئے اور صابئین کفار کی قسم ہے جو شخص ایمان لایا اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ان اقسام کفار میں سے دل کے ساتھ بھی اور زبان کے ساتھ بھی۔ "وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم" اور یہاں ضمیریں جمع والی لائی گئیں۔ یہ اس لیے کہ "مَنْ" واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (سب اس کا مصداق بن سکتے ہیں) "ولا خوف علیھم" دُنیا میں "ولا ھم یحزنون" آخرت میں۔

⑥۳ "واذا اخذنا میثاقکم" تمہارا عہد اے گروہ یہود "ورفعنا فوقکم الطور" یہ سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض کے قول کے مطابق اور یہ قول مجاہد کا ہے اور کہا گیا ہے کہ دُنیا میں کوئی لغت ایسی نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم لغت عرب کے بغیر اور کوئی لغت نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل "قرآناً عربیاً" فرمان الٰہی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ لفظ سریانی یا اس کے مثل اور غیر عربی الفاظ جو قرآن پاک میں موجود ہیں تو ان کا جواب یہ ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ یہ یا اس قسم کے اور الفاظ سریانی یا اور قسم کے غیر عربی بھی ہیں اور عربی بھی۔ تو گویا یہ وفاق بین اللغتین ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین کے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو حکم دیا تو وہ اپنی بنیاد سمیت اُکھڑا حتیٰ کہ ان کے سروں پر آ کھڑا ہوا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ تورات کو قبول کریں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ پس انہوں نے انکار کر دیا۔ اس سے کہ اسے قبول کریں بوجہ اس گرانباری کے جو ان احکام میں تھی اور شریعت وزنی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا پس اس نے پہاڑ کو ان کے لشکر کے برابر اکھاڑا جو کہ تین میل طول و عرض میں تھا پس اس پہاڑ کو ان کے سروں پر قامت انسانی کے برابر سایہ

کی طرح اونچا لا کھڑا کیا اور ان کو کہا اگر تم نے تورات کو (یعنی اس کے احکام) قبول نہ کیا اس پہاڑ کو میں تمہارے اوپر چھوڑ دوں گا۔

حضرت عطاء سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر بلند کیا اور ان کے چہروں کے سامنے آگ کو بھیجا اور ان کے پیچھے بحر شور تھا۔ "خذوا" اس لیے ہم نے ان کو کہا خذوا پکڑو "ما آتینا کم" (جو کچھ) ہم نے تم کو دیا۔ "بقوۃ" پوری کوشش اور محنت کے ساتھ اور ہمیشہ کے لیے "واذ کروا" اور درس دو (مطالعہ) اور کہا گیا یاد کرو اور عمل کرو "لعلکم تتقون" تا کہ تم دُنیا میں ہلاکت سے نجات پاؤ اور آخرت میں عذاب سے بچو۔ پس اگر تم نے قبول کرلیا۔ "فبہا" ورنہ اس پہاڑ سے تمہیں کچل دوں گا اور اس سمندر میں غرق کردوں گا اور اس آگ میں تمہیں جلا دوں گا۔ پس جب انہوں نے دیکھا ان عذابوں سے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں قبول کیا اور سجدہ کیا اور حالت سجدہ میں کن انکھیوں سے پہاڑ کو دیکھتے تھے۔ پس یہی طریقہ یہود کے ہاں سنت قرار پایا کہ وہ نصف چہرے پر سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سجدہ کے باعث ہم سے عذاب اُٹھایا گیا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: پھر تم اس قول وقرار کے بعد بھی (اس سے) پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا (تو اس عہد شکنی کا مقتضا تو یہ تھا کہ) ضرور تم (فوراً) تباہ (اور ہلاک) ہو جاتے اور تم جانتے ہی ہو اُن لوگوں کا حال جنھوں نے تم میں سے (شروع سے) تجاوز کیا تھا در بارہ (اُس حکم کے جو) یوم ہفتہ کے (متعلق تھا) سو ہم نے اُنکو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت (انگیز) بنا دیا ان لوگوں کیلئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو مابعد زمانہ میں آتے رہے اور (نیز اس واقعہ کو) موجب نصیحت بنا دیا (خدا سے) ڈرنے والوں کیلئے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسا جہالت والوں کا سا کام کروں۔

تفسیر: ﴿۶۴﴾ "ثم تولیتم" تم نے اعراض کیا "من بعد ذالک" قبول تورات کے بعد "فلولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ" یعنی مہلت دینے اور تم سے تاخیر عذاب کرکے "لکنتم" البتہ تم ہو جاتے "من الخاسرین" سزا اور دنیا و آخرت کے چلے جانے (یعنی ان کے منافع) کے باعث نقصان میں پڑ جاتے اور کہا گیا ہے خاسرین کا معنی ہے فی الحال عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاتے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دے کر رحم فرمایا۔

﴿۶۵﴾ "ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت" یعنی جن لوگوں نے حد سے تجاوز کیا۔ سبت کا اصل معنی قطع کرنا

ہے۔ کہا گیا ہے کہ سبت کو سبت اس لیے کہا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے عمل آفرینش (پیدا کرنے کا عمل) ختم فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ ہفتہ کے دن کو سبت اس لیے کہا گیا کہ یہود کو حکم دیا گیا کہ اس دن اعمال ختم کر دیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہود (حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ایسی جگہ تھے جسے ایلہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر بروز ہفتہ مچھلی کا شکار حرام کر دیا۔

پس جب ہفتہ کا دن ہوتا سمندر کی ساری مچھلیاں وہاں (مقام ایلہ پر) جمع ہو کر بوجہ امن کے وہاں پانی سے منہ نکالتیں اور مچھلیوں کی کثرت کے باعث پانی بھی نظر نہ آتا تھا۔ پھر جب ہفتہ ختم ہوتا متفرق ہو جاتیں اور سمندر کی گہرائی کو لازم پکڑتیں اور کوئی مچھلی نظر نہ آتی۔ پس یہی ہے قول خداوندی "اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرّعا ویوم لایسبتون لاتاتیھم" اس فرمان الٰہی کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو ان کو مچھلیاں ظاہر و باہر ہو کر آتیں (یعنی پھدکتی کودتی سامنے آتیں) اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا اُن کو مچھلیاں نہ آتی تھیں۔ پھر شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا کہ تمہیں جو منع کیا گیا ہے۔

مچھلیوں کے پکڑنے سے اس کا تعلق صرف اور صرف ہفتہ کے دن سے ہے تو لوگوں نے سمندر کے اردگرد حوض کھود ڈالے اور سمندر سے حوضوں کی طرف نہریں نکالیں۔ پھر جب جمعہ کی شام ہوتی ان نہروں کو کھول دیتے تو پانی کی موج مچھلیوں کو حوضوں کی طرف لے آتی۔ پس حوضوں کی گہرائی اور پانی کی قلت کے باعث مچھلیاں پانی پر قادر نہ ہوتیں۔ پھر جب اتوار کا دن ہوتا تو مچھلیاں کو پکڑ لیتے اور کہا گیا ہے کہ مچھلیوں کو ہفتہ کے دن حوضوں کی طرف ہانک لاتے مگر پکڑتے نہ تھے۔ پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے۔

اور کہا گیا ہے کہ جالیں اور کنڈیاں جمعہ کے دن لگاتے اور اتوار کے دن نکالتے۔ کچھ عرصہ انہوں نے ایسا کیا اور ان پر عذاب نازل نہ ہوا۔ پس وہ گناہ پر دلیر ہو گئے اور کہنے لگے ہم اس کا اور کوئی سبب نہیں جانتے مگر یہی کہ (شکار کرنا) ہمارے لئے حلال کیا گیا۔ پس انہوں نے مچھلیوں کو پکڑا اور کھایا اور نمک لگایا۔ بیچا اور خریدا اور ان کا مال بڑھ گیا۔ جب انہوں نے یہ کیا تو قریہ والے جن کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) ہزار تھی۔ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ❶ ایک قسم لوگوں کی وہ تھی جو شکار کرنے سے خود بھی رُکے اور شکار کرنے والوں کو منع کیا۔

❷ اور ایک قسم لوگوں کی وہ تھی جو شکار کرنے سے خود تو رُکے لیکن شکار کرنے والوں کو منع نہ کیا ❸ اور ایک قسم وہ تھی جنہوں نے حکم خداوندی کی ہتک حرمت کی۔ منع کرنے والے بارہ (۱۲) ہزار تھے۔ جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کیا تو منع کرنے والوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہم تمہارے ساتھ مل کر ایک بستی میں ہرگز نہ رہیں گے۔ پس انہوں نے قصبہ کو دیوار کے ساتھ تقسیم کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے دو سال سخاوت اختیار کی اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام نے لعنت کی اور اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا ان کے گناہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے۔ پس منع کرنے والے ایک دن اپنے دروازہ سے نکلے اور مجرموں میں سے کوئی بھی نہ نکلا اور نہ ہی انہوں نے اپنا دروازہ کھولا۔ جب انہوں نے کافی دیر کی تو دیوار پر چڑھ گئے۔ پس اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب کے سب بندر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی دُمیں ہیں اور بندروں کی طرح آوازیں کر رہے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جوان بندر ہو گئے اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ پس وہ تین دن بندر رہے پھر ہلاک ہو گئے۔ تین دنوں سے زیادہ مدت مسخ نہ رہا اور نہ ان میں توالد و تناسل ہوا۔

"فقلنا لهم کونوا قردة" یہ امر، امر تحویل و تکوین ہے (یعنی ایسا امر جس میں کسی کو کچھ ہو جانے کا حکم دیا جائے) "خاسئین" دور کیے ہوئے دھتکارے ہوئے۔ کہا گیا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہو جاؤ دھتکارے ہوئے بندر اور اسی لیے "خاسئات" نہیں فرمایا اور "خسا" کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے اور "خسا" کا فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی کہا جاتا ہے۔ خساته خسا میں اس کو دور کیا، دور کرنا "فخسا خسوا" پس وہ دور ہوا دور ہونا یہ ایسے ہے جیسے "رجعة رجعا" میں اس کو لوٹایا لوٹانا۔ فرجع رجوعا پس وہ لوٹا لوٹنا

۶۶ "فجعلناها" یعنی ہم نے بنا دیا مسخ والی سزا دینے کو (نکالا) یعنی سزا اور عبرت نکال ہر اس سزا کا نام ہے جس کو دیکھنے والا اس فعل سے رک جائے جس فعل کی سزا وہ دی گئی ہے اور اسی سے ہے "نکول عن الیمین" اور وہ رک جاتا ہے۔ اس کی اصل نکل ہے اور وہ قید (بیڑی، ہتھکڑی) ہے۔

اور اس کی جمع انکال ہے "لما بین یدیها" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ما بین یدیها" سے مراد سابقہ گناہ ہیں۔ یعنی ہم نے اس سزا کو جزا بنا دیا۔ ان گناہوں کی جو شکار سے منع کرنے سے بھی پہلے واقع ہوئے۔ "وما خلفها" جو گناہ اب موجود ہیں جن کے باعث ان کا مواخذہ کیا گیا اور یہ گناہ مچھلیاں پکڑنے کا ہے۔ حضرت ابو العالیہ اور حضرت ربیع رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں (اس کا معنی یہ ہے) کہ ان کے گزشتہ گناہوں کی سزا اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت اس بات سے کہ ان کا طریقہ اختیار کریں۔ دوسرا (ما) بمعنی مَن ہے اور کہا گیا ہے کہ "جعلناها" یعنی اصحاب سبت والوں کی بستی کو ہم نے ان کے سامنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ یعنی ان بستیوں کے لیے جو اس وقت موجود تھیں اور "وما خلفها" اور جو بستیاں بعد میں وجود میں آئیں گی تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

اور کہا گیا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی "فجعلناها وما خلفها" یعنی جو کچھ آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کیا گیا۔ "وجزاء لما بین یدیها" یعنی بدلہ ان گناہوں کا جو پہلے ہوئے ان کے گناہوں میں سے بسبب زیادتی کرنے ان کے ہفتہ کے معاملہ میں۔ "وموعظة للمتقین" مؤمنین کے لیے جو حضور علیہ السلام کی اُمت میں سے ہیں۔ پس ان کے کام کی طرح یہ کام نہ کریں۔

۶۷ "واذ قال موسیٰ لقومه ان اللّٰه یامرکم ان تذبحوا بقرة" بقرہ بقر (بیل) کی مؤنث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بقرہ بقر سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنا ہے۔ بقر (بیل) کو بقر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین پھاڑتا ہے یعنی ہل چلاتا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا اور اس کا ایک چچازاد فقیر تھا اور اس مالدار شخص کا اس فقیر چچازاد کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا۔ جب مالدار کی موت کا معاملہ لمبا ہوا کہ وہ جلدی نہ مرا تو چچازاد نے اس کو قتل کر دیا اور اُٹھا کر دوسری بستی کے علاقہ میں پھینک دیا اور صبح کو اس نے قصاص کا مطالبہ کرنے لگا اور لوگوں کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان پر قتل کا دعویٰ کرتا تھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تو ان لوگوں نے قتل کا انکار کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر معاملہ قتل مشتبہ ہو گیا۔ کلبی کہتے ہیں یہ معاملہ اس وقت پیش آیا

جبکہ تورات میں "قسامۃ" کا حکم نہیں آیا تھا۔ (قسامت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مقتول کسی علاقہ میں پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کا ولی محلہ یا علاقہ کے پچاس (۵۰) آدمیوں سے قسم لیتا ہے جو ان الفاظ سے قسم اُٹھاتے ہیں۔ اللہ کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ دریں صورت جب وہ قسم اُٹھا دیں تو اہل محلہ پر دیت تقسیم ہو جاتی ہے)۔ مترجم۔ تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ قاتل کو ظاہر کر دیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ گائے ذبح کریں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا "ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ" (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو)۔ مترجم۔ "قالوا اتتخذنا هزوا" یعنی (اے موسیٰ علیہ السلام) تم ہم سے استہزاء کرتے ہو ہم تم سے مقتول کے بارے سوال کرتے ہیں اور تم ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتے ہو اور یہ بات بنی اسرائیل نے اس لیے کی کیونکہ دونوں باتوں میں بظاہر بڑی دوری تھی اور وہ یہ نہ جان سکے کہ اس (حکم الٰہی) میں کیا حکمت ہے۔ حضرت حمزہ نے "هزوا و کفوا" تخفیف کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے تثقیل (یعنی شد) کے ساتھ پڑھا ہے اور حفص ہمزہ کو چھوڑتے ہیں۔ (قال) موسیٰ (نے کہا) "اعوذ باللہ" میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے رُکتا ہوں۔ "ان اکون من الجاهلین" یعنی ایمان والوں کے ساتھ استہزاء کرنے والا بن جاؤں اور کہا گیا ہے "من الجاهلین" کا معنی یہ ہے کہ میں جواب مطابق سوال نہ دینے والا بن جاؤں کیونکہ سوال کے مطابق جواب نہ دینا جہل ہے۔

جب قوم بنی اسرائیل اس بات کو جان گئی کہ گائے کا ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ حکم ہے تو گائے کے اوصاف پوچھنے شروع کر دیئے۔ اگر وہ معمولی وجہ کی گائے کی طرف قصد کر کے ذبح کر دیتے تو وہی گائے ان کے لیے کافی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ پر (غیر ضروری سوال کر کے) سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی اور اس (حکم) کے تحت بھی حکمت پوشیدہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا اور اس کا ایک بچہ (بیٹا) تھا اور ایک بچھڑی تھی۔ اس بچھڑی کو جھاڑیوں کی طرف لے آیا اور کہا اے اللہ! میں اس بچھڑی کو اپنے بیٹے کی خاطر تیرے سپرد کرتا ہوں، یہاں تک کہ یہ بڑی ہو جائے۔

یہ آدمی مر گیا اور وہ بچھڑی جھاڑیوں میں (پل کر) جوان ہو گئی اور وہ بچھڑی (جواب بڑی ہو چکی تھی) جس کسی کو دیکھتی اس سے بھاگتی (بدکتی) جب اس آدمی کا بچہ بڑا ہو گیا اور اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا اس نوجوان نے اپنی رات کے تین حصے کر رکھے تھے۔ رات کی ایک تہائی نماز پڑھتا، ایک تہائی سوتا اور ایک رات کی ایک تہائی (ماں کی خدمت کے لیے) ماں کے سرہانے بیٹھتا۔ جب صبح ہوتی چلا جاتا اور پیٹھ پر لکڑیاں چن کر لاتا اور بازار میں لا کر بیچ دیتا جیسے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا۔ پھر ان پیسوں کے تین حصے کر دیتا، ایک حصہ صدقہ، ایک حصہ کو خرچ کرتا اور ایک حصہ والدہ کی خدمت میں پیش کرتا۔

ایک دن اس کی والدہ نے اس کو کہا کہ تیرے والد نے وراثت میں ایک بچھڑی چھوڑی تھی اور فلاں جھاڑیوں کے جنگل میں اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا تو چلا جا اور ابراہیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کے معبود سے مانگ کہ وہ (معبود برحق) تجھے بچھڑی لوٹا دے اور

اس بچھڑی کی علامت یہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے یوں محسوس ہوگا کہ اس کے چہرے سے سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور وہ گائے (جواب گائے بن چکی تھی) اپنے جمال اور صفائی کی وجہ سے مذہبہ (سنہری) کہلاتی تھی۔ چنانچہ وہ جوان جھاڑیوں کے اس جنگل میں آیا، دیکھا تو گائے چر رہی تھی۔ پس اسے آواز دی اور کہا کہ میں تجھے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کے معبود کی قسم دیتا ہوں۔ پس وہ دوڑتی ہوئی متوجہ ہوگئی حتیٰ کہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ پس وہ جوان اس کی گردن سے پکڑ کر کھینچنے لگا تو حکم خداوندی سے وہ گائے بولی اور کہا اے اپنی ماں کے فرمانبردار جوان مجھ پر سوار ہوجا۔ پس بے شک یہ بات تیرے لیے آسان ہے۔ پس جوان نے کہا بے شک میری ماں نے سوار ہونے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ مجھے کہا تھا کہ اس کی گردن پکڑ کر لا۔ پس گائے بولی بنی اسرائیل کے معبود کی قسم اگر تو مجھ پر سوار ہوتا تو کبھی بھی مجھ پر قادر نہ ہوتا۔ اب جا پس بے شک اگر تو پہاڑ کو حکم کرے گا کہ وہ مکمل اکھڑ کر تیرے ساتھ چلے تو وہ تیری اپنی والدہ کی فرمانبرداری کے باعث ایسا ہی کرے گا تو وہ جوان اس گائے کو لے کر اپنی ماں کی طرف لے چلا۔ پس اس کی ماں نے کہا بے شک تو فقیر آدمی ہے تیرا مال نہیں ہے دن کو لکڑیاں چننا اور رات کو (اللہ تعالیٰ کے حضور) قیام کرنا تجھ پر شاق (گراں) ہے جا گائے کو بیچ۔ پس اس (نوجوان) نے پوچھا کتنے میں بیچوں؟

والدہ نے کہا تین دینار کے بدلے اور میرے مشورہ کے بغیر نہ بیچنا اور گائے کی قیمت تین دینار تھی۔ جوان اس گائے کو منڈی لے گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا تاکہ مخلوق کو اپنی قدرت کا مشاہدہ کرائے اور تاکہ اس جوان کو بھی آزمائے کہ وہ اپنی والدہ کا کس قسم کا فرمانبردار ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا خبیر تھا۔ پس فرشتہ نے اس کو کہا، یہ گائے کتنے میں بیچے گے؟ جوان نے کہا تین دینار میں بشرطیکہ میری ماں راضی ہو۔ فرشتہ بولا چھ (۶) دینار لے لے اور ماں سے مشورہ نہ کر۔ جوان بولا اگر تو گائے کے وزن کے برابر بھی سونا دے دے تب بھی اپنی ماں کی رضا کے بغیر نہ لوں گا۔ پس وہ (جوان) اس گائے کو واپس اپنی ماں کے پاس لے گیا اور قیمت (جو اس فرشتہ نے لگائی تھی) کی ماں کو خبر دی۔

پس ماں بولی واپس جاؤ اسے چھ (۶) دینار میں بیچو میری رضا کی شرط پر۔ وہ جوان اس گائے کو منڈی لے گیا اور فرشتہ آیا۔ پس کہا اپنی ماں سے مشورہ کرلیا؟ جوان بولا میری ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس گائے کو چھ (۶) دینار سے کم قیمت پر نہ بیچوں بشرطیکہ ماں سے مشورہ کرلوں۔

فرشتے نے کہا پس بے شک میں تجھے بارہ (۱۲) دینار دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو ماں سے مشورہ نہ کرے تو جوان نے انکار کردیا اور ماں کے پاس واپس لوٹا اور اس صورت حال کی خبر دی۔ پس ماں نے کہا کہ جو تیرے پاس انسانی شکل میں آتا ہے پس جب آئے تو تو اس سے کہہ کہ تو کیا حکم دیتا ہے کیا اس گائے کو ہم بیچیں یا نہ؟

چنانچہ لڑکے نے ایسا کیا تو اسے فرشتہ نے کہا کہ اپنی ماں کے پاس جا اور اسے کہہ کہ اس گائے کو ابھی اپنے پاس رکھو۔ پس بے شک بنی اسرائیل کے ایک مقتول کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اس گائے کو خریدیں گے۔ پھر اس وقت گائے کے چمڑے میں دینار بھر کر لینے کے بغیر نہ بیچنا۔ پس اس نے گائے کو روک لیا (یعنی نہ بیچا) اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر

خاص طور پر اس گائے کا ذبح کرنا مقدر فرما دیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل والے گائے کے اوصاف کے بارے میں تفصیلی اوصاف پوچھتے رہے حتیٰ کہ وہی گائے (یتیم بچے والی) بیان کردہ اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے کے اعتبار سے متعین ہو گئی۔ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ اس بچے کو والدہ کی فرمانبرداری کا بدلہ دینے کے طور پر۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے ہم سے بیان کر دیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ (میری درخواست کے جواب میں) فرماتے ہیں۔ کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کرو بلکہ) کر ڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ ہم سے (یہ بھی بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو) آپ نے فرمایا کہ (اسکے متعلق) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اسکے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ (گائے) اور بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ (اب کی) ٹھیک سمجھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ (یوں) فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سن کر) کہنے لگے کہ (ہاں) اب آپ نے پوری (اوصاف) بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (انکی حجتوں سے ظاہرا) کرتے ہوئے معلوم ہوتے نہ تھے۔

تفسیر ﴿۶۸﴾ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی" یعنی اس کی عمر کیا ہے؟ (قال) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "انہ یقول" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ پس فرمایا بے شک وہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "انھا بقرۃ لا فارض ولا بکر" یعنی نہ بڑی ہو نہ چھوٹی۔ فارض اس عمر رسیدہ کو کہتے ہیں جو بچہ نہ جنے۔ کہا جاتا ہے اسی سے ہے فرضت تفرض فروضا۔ بکر چھوٹی نو عمر جس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو۔ فارض اور بکر دونوں سے حاء (تانیث) کو حذف کر دیا گیا۔ اس لیے کہ یہ دونوں

مؤنث کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے حائض مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ (عوان) درمیانی برابر "بین ذالک" یعنی بیان شدہ دو عمروں کے درمیان کہا جاتا ہے "عونت المراۃ تعوینا جب وہ عورت تیس سال سے زائد ہو جائے۔ اخفش کہتے ہیں عوان وہ جو بار ہا بچہ جن چکی ہو اس کی جمع عون ہے۔ "فافعلوا ما تؤمرون" گائے کا ذبح کرنا اور سوال زیادہ نہ کرو۔

⑥⑨ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا مالونہا قال انہ یقول انہا بقرۃ صفراء فاقع لونہا" (فاقع کا معنی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سخت زرد رنگ والی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاف (رنگ والی)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الصفراء السوداء" (یعنی صفراء فاقع کا معنی ہے سیاہ رنگ) پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اسود فاقع نہیں کہا جاتا بلکہ اصفر فاقع کہا جاتا ہے اور اسود حالک کہا جاتا ہے (یعنی اسود (سیاہ) میں مبالغہ کرنے کے لیے ساتھ لفظ حالک لگتا ہے۔) اسی طرح احمر قانی بہت سرخ اخضر ناضر بہت سبز اور ابیض یقق بہت سفید (یہ الفاظ مختلف رنگوں میں مبالغہ کے لیے آتے ہیں۔) "تسر الناظرین" اس گائے کی طرف (دیکھنے والوں کو) اس گائے کا حسن بھلا لگے اور گائے کے رنگ کی صفائی۔

⑦⓪ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی" کیا وہ چرنے والی ہے یا کام کرنے والی؟ "ان البقر تشابہ علینا" (تشابہ علینا کہا یعنی مذکر کا صیغہ لائے) "تشابہت علینا" نہ کہا (مؤنث کا صیغہ نہ لائے) یا اس لیے کہ یہاں بقر کا لفظ مذکر استعمال ہوا ہے جیسے قول خداوندی ہے (اعجاز نخل منقعر) یعنی اس جگہ چونکہ لفظ نخل مذکر استعمال ہوا ہے اس لیے اس کی صفت منقعر بھی مذکر لائی گئی۔ زجاج کہتے ہیں یعنی جنس بقر متشابہ ہوگئی یعنی ملتبس ہوگئی اور اس کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوگیا۔ پس ہم اس کی طرف راہ نہیں پا سکتے۔ "وانا ان شاء اللہ لمھتدون" اس کے وصف کی طرف (راہ پانے والے ہیں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ ان شاء اللہ نہ کہتے تو گائے (تسلی بخش طریقے پر) کبھی بھی بیان نہ کی جاتی۔

⑦① "قال انہ یقول انہا بقرۃ لاذلول" کام کرنے کی عادی (کام پر سدھائی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ "رجل ذلول" واضح طور پر ذلیل (یعنی جس میں خودی اور خودداری نہ ہو، ہر ایک کا مطیع اور حقیر) اسی طرح کہا جاتا ہے "دابۃ ذلولۃ واضح الذل" ہو (یعنی وہ جانور کام کا عادی ہو) "تثیر الارض" زمین کو زراعت کے لیے اُلٹ پلٹ کرتی ہو۔ "ولا تسقی الحرث" یعنی سانیہ نہ ہو (پانی نکالنے کا کام نہ کرتی ہو) "مسلمۃ" بری ہو۔

عیبوں سے "لاشیۃ فیہا" یعنی اس کے پورے چمڑے کے رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ کا داغ نہ ہو۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاشیۃ فیہا" کا معنی ہے کہ اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس میں نہ سفیدی ہو نہ سیاہی ہو۔ "قالوا الآن جئت بالحق" یعنی اب آپ ایسا بیان لائے ہیں جو تام اور شافی ہے جس میں اب کسی قسم کا اشکال نہیں ہے اور انہوں نے اس (قسم کی) گائے کو تلاش کیا تو اس جوان (جو والدہ کا فرمانبردار تھا) کے سوا کسی کے پاس ان صفات کے ساتھ مکمل موصوف گائے نہ پائی اور "وما کادوا یفعلون" کے معنی سے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے نہ کرنے کی وجہ ان کی شدت اضطراب اور اس گائے کے بارے میں اختلاف تھا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۖ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۖ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۖ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۖ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۖ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کردے پھر ایک دوسرے پر اسکو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جسکو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اسلئے ہم نے حکم دیا کہ اسکو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو اسطرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مُردوں کو زندہ کرینگے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہئے کہ) کہ اُنکی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں (پتھر) سے بھی زیادہ سخت بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر ۷۲ "واذ قتلتم نفسا" یہ قصہ کا ابتدائی ابتدائی حصہ ہے۔ اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے موخر ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا۔ "فادارءتم فیها" اس کا اصل "تدارءتم" ہے۔ تاء کو دال میں ادغام کیا گیا اور اس پر الف لائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے قول "اثاقلتم" کی طرح حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس کا معنی "فاختلفتم" ہے (یعنی تم نے اختلاف کیا) حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی "تدافعتم" ہے یعنی اس قتل کی ذمہ داری تمہارا بعض بعض پر ڈال رہا تھا۔ یہ درأ سے مشتق ہے اور وہ بمعنی دفع ہے۔ پس ہر شخص اس (قتل کے الزام) کو اپنے آپ سے دفع کرتا تھا۔ "واللہ مخرج" یعنی مظہر (ظاہر کرنے والا تھا)۔ "ما کنتم تکتمون" پس تحقیق قاتل قتل کو چھپاتا تھا۔

۷۳ "فقلنا اضربوه" تو ہم نے کہا کہ مارو اس مردے کو "ببعضها" بعض گائے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ۔ اس بعض میں انہوں (مفسرین) نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں انہوں نے اس ہڈی کے ساتھ مارا جو معروف (نرم ہڈی) کے قریب تھی جو کہ اصل تھی (یعنی وہ جگہ جس پر مارنے سے جانور مر جاتا ہے)۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دم کے ابتدائی حصہ کو مارا کیونکہ پیدا ہونے میں یہی حصہ اول ہے اور اعضاء کے بوسیدہ ہونے میں یہ حصہ آخر ہے اور اسی پر دوسری دفعہ تخلیق کو مرکب کیا جائے گا جسے بعث کہتے

ہیں۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں گائے کی زبان کے ساتھ مارا۔

حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اس واقعہ سے متعلق زیادہ کرتا ہے کیونکہ زبان آلۂ کلام ہے (اور وہ مقتول بھی اس طرح کرنے سے بولا ہے) کلبی اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں گائے کی دائیں ران کو مارا اور کہا گیا ہے کہ گائے کے کسی بھی عضو کو مارا کوئی خاص معین حصہ نہ تھا۔ پس انہوں نے ایسا کیا تو مقتول اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس حال میں کہ اس کی گردن کی رگوں سے خون ٹپک رہا تھا اور کہا مجھے فلاں نے قتل کیا یہ کہنے کے بعد مردہ ہو کر گر گیا۔ چنانچہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔

خبر میں ہے کہ (اس واقعہ) صاحب البقرہ کے بعد قاتل وارث (مقتول) نہیں ہوا اور اس میں اختصار ہے تقدیر (عبارت) یوں ہے۔ **"فضربت فحی"** "پس گائے کے کچھ حصہ کو مارا گیا۔ جس سے وہ مردہ زندہ ہو گیا۔" **"کذالک یحیی اللّٰہ الموتی"** (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا)۔ جس طرح عامیل کو زندہ کیا۔ **"ویریکم آیاتہ لعلکم تعقلون"** کہا گیا تم اپنے آپ کو معاصی سے روکو گے۔ باقی رہا اس مسئلہ کا حکم اسلام میں کہ جب کسی جگہ مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ پس اگر تو وہاں کسی انسان کے ملوث ہونے کا قوی امکان ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ دل میں مدعی کے سچے ہونے کا (گمان) غالب ہو۔ مثلاً یہ کہ ایک جماعت کسی گھر یا جنگل میں جمع ہو۔ جب وہ لوگ جدا ہوں تو وہاں ایک مقتول پایا جائے تو ایسی صورت میں یہ بات دل پر غالب ہے کہ قاتل انہیں میں ہے یا مقتول کسی محلہ یا بستی میں پایا جہاں کے سب لوگ مقتول کے دشمن ہیں۔ کوئی غیر دشمن ان میں نہیں تو دل پر یہ بات غالب ہوگی کہ انہیں لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے تو ایسی صورت میں ولی مقتول نے ان میں کسی ایک پر دعویٰ کیا تو مدعی سے پچاس قسمیں مدعی علیہ کے خلاف اٹھوائی جائیں گی اور اگر اولیاء (مقتول) متعدد ہوں تو قسم ان پر تقسیم کر دی جائے گی۔ پھر اس کے بعد جب وہ قسمیں اٹھا لیں گے تو اگر ان کا دعویٰ قتل خطا کا ہے تو مقتول کے عاقلہ سے دیت لیں گے۔

اور اگر ان کا دعویٰ قتل عمد کا ہے تو قاتل کے مال سے دیت لیں گے اور اکثر حضرات کے قول کے مطابق قصاص نہیں ہے اور بعض حضرات قصاص کی طرف گئے ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور اگر مدعی علیہ کے ملوث ہونے کے امکانات نہ ہوں تو پھر قول مدعی علیہ کا معتبر ہے مع اس کی قسم کے۔ پھر کیا اس مدعی علیہ سے ایک قسم لی جائے گی یا پچاس قسمیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک ہی قسم ہوگی جیسے کہ باقی دعووں میں ہوتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ پچاس قسمیں لی جائیں گی خون کے معاملہ کی سنگینی کے باعث اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی کو ملوث کرنے کا (شرعاً) کچھ حکم نہیں ہے اور مدعی کی قسم سے آغاز نہیں کیا جائے گا اور (حضرت امام صاحب نے) فرمایا کہ جب کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو محلہ کے صلحاء میں سے امام صاحب پچاس افراد کو منتخب کرے گا اور ان سے یہ قسم لے گا کہ انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی انہیں قاتل کا علم ہے۔ اس کے بعد (امام) وہاں کے باسیوں سے دیت لے گا اور اس امر کی کہ کسی کو ملوث کرنے کی صورت میں مدعی سے قسم کی ابتداء کرائی جائے گی۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر کو نکلے، دونوں اپنی روزی کے سلسلے میں آپس میں جدا ہو گئے۔ پس عبداللہ بن سہل قتل ہو گئے تو محیصہ اور

عبدالرحمٰن مقتول مذکور کے بھائی اور حویصہ بن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبداللہ بن سہل کے قتل کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا (تم پچاس قسمیں اُٹھوائے جاؤ گے جس کے باعث تم اپنے ساتھی کے خون کے مستحق ٹھہرو گے یا اپنے قاتل کے) پس انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ہم کس طرح قسمیں اُٹھائیں) ہم نے نہ تو قتل کا مشاہدہ کیا اور نہ حاضر تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر یہود پچاس قسمیں اُٹھا کر بری ہو جائیں گے تو مدعی حضرات نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کفار قوم کی قسموں کا کیسے اعتبار کریں؟ تو حضور علیہ السلام نے اپنی طرف سے دیت دینے کا عزم فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت دی۔

بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک اس دیت والے جانوروں میں سے ایک جانور نے ہمارے کھلیان میں مجھے لتاڑا اور ایک روایت میں کہ مجھے سرخ اونٹنی نے جو اس دیت والے اونٹوں میں سے تھے، ہمارے کھلیان میں لتاڑا۔ اس سے دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدعی فریق کی قسموں سے ابتدا فرمائی تا کہ ان کی طرف سے لوث کرنے کی جانب قوی ہو جائے اور وہ اس طرح کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ خیبر میں مقتول پائے گئے اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم میں اور اہل خیبر میں باہمی عداوت واضح تھی اور دلوں پر یہ بات غالب تھی کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو اہل خیبر نے ہی قتل کیا ہے اور قسم ہمیشہ اس شخص کی دلیل بنتی ہے جس کی جانب قوی ہوتی ہے اور لوث نہ کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کی جانب مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اصل بات تو مدعی علیہ کا بری الذمہ ہونا ہے اور مدعا علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ۔

⑦ "ثم قست قلوبکم" یعنی خشک ہو گئے اور دل کا خشک ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس سے نرمی اور رحم دلی نکل گئی اور کہا گیا ہے کہ "القسوۃ" کا معنی سخت ہو جانا ہے اور کہا گیا ہے کہ "القسوۃ" کا معنی ہے کہ دل سیاہ ہو گئے۔ "من بعد ذالک" ان دلالتوں کے ظاہر ہونے کے بعد۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے اس (مقتول کا زندہ ہو کر قاتل کی نشاندہی کرنا) کے بعد بھی یہی رٹ لگائے رکھی کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا تو اس صورت میں ان لوگوں سے بڑھ کر دل کا اندھا اور اپنے نبی کی سخت تکذیب کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ "فھی" پس یہ دل سختی اور شدت میں "کالحجارۃ او اشد قسوۃ" پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ او کا معنی واؤ والا ہے (معنی ہوگا کہ ان کے دل سختی میں پتھر کی طرح ہو گئے اور سختی میں اس پتھر سے بھی زیادہ شدید) جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں او بمعنی واؤ ہے۔ "مائۃ الف او یزیدون" (یعنی ایک لاکھ) بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ نے دل کے سخت ہونے کو لوہے سے تشبیہ نہیں دی بلکہ پتھر سے حالانکہ لوہا پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے؟

جواب: یہ اس لیے کہ لوہا نرم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ لوہے کو آگ سے نرم کیا جا سکتا ہے اور پھر لوہا حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے نرم بھی ہوا اور پتھر بالکل نرم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سخت دل پر پتھر کو فضیلت دی گئی۔ پس فرمایا "وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار" کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تمام پتھر ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسباط بنی اسرائیل کے لیے عصا مار کر پانی حاصل کرتے تھے۔ "وان منھا لما یشقق فیخرج منہ

الماء" اس سے مراد چشمے ہیں دریا نہیں۔ "وان منہا لما یھبط" پہاڑ کی بلندی سے پستی کی طرف لڑھکتے ہیں۔ "من خشیۃ اللہ" اور تمہارے دل نرم نہیں پڑتے۔ اے یہودیو اور نہ خوف خدا رکھتے ہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ پتھر تو جماد ہے (ذی روح نہیں) ان کے اندر عقل ہی نہیں تو خوف خدا کیسے رکھتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اسے سمجھاتے ہیں اور الہام فرماتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے الہام کے ساتھ وہ خوف خدا رکھتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے کہ ذوی العقول کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو معرفت الٰہیہ کا ایسا علم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

تو ان جمادات وحیوانات کی نماز ہے تسبیح ہے خوف خدا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وان من شیء الا یسبح بحمدہ" (کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اور حمد وثناء کرتی ہے) اور فرمایا "والطیر صافات کلٌ قد علم صلاتہ وتسبیحہ" (کہ پرندے صف باندھے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا علم رکھتا ہے) اور فرمایا "الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر" الآیۃ (اے مخاطب) (تو دیکھتا نہیں کہ اس ذات الٰہی کے لیے سجدہ کرتی ہے ہر وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور جو مخلوق زمین میں ہے اور سورج چاند بھی) پس انسان پر واجب ہے کہ وہ اس مضمون و مفہوم پر ایمان لائے اور اس کا (تفصیلی) علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردے۔ روایت کی جاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ثبیر (مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام) پر تھے اور کفار حضور علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے تو پہاڑ ثبیر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اتر جائیے میں اس سے ڈرتا ہوں یہ کہ آپ مجھ پر پکڑے جائیں اور اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے عذاب دیں۔ تو جبل حراء نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف تشریف لائیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں مکہ مکرمہ میں وہ پتھر پہچانتا ہوں جو اس سے پہلے کہ میں مبعوث ہوتا مجھ پر سلام کیا کرتا تھا اور بے شک میں اس وقت بھی اسے پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم نے اس کا اخراج ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے کیا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت کی اور حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جبل احد نمودار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، پھر لوگوں پر متوجہ ہو کر فرمایا: درمیان اس کے کہ ایک شخص گائے ہانکے جا رہا تھا کہ وہ تھک گیا۔ پس اس گائے پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا تو گائے بولی ہم (گائیں) اس لیے تو پیدا نہیں کی گئیں ہم تو صرف کھیتی باڑی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ پس لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے بولتی ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پس (اس بات پر) میں ایمان لایا۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے)۔

اور فرمایا (درمیان اس کے کہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا۔ اچانک بھیڑیا ان میں سے ایک بکری پر چڑھ دوڑا۔ پس اس بکری کو اس کے مالک نے پالیا اور اسے چھڑا لیا۔ پس بھیڑیا بولا پس یوم السبع یعنی قرب قیامت کے دن اس بکری کا کون رکھوالا ہوگا؟ جبکہ میرے سوا اس کا چرانے والا کوئی نہ ہوگا) پس لوگوں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا کلام کرتا ہے! پس فرمایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس پر میں اس پر ایمان لایا، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (یہ روایت) ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) جبل حراء پر تھے تو چٹان ہلنے لگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ٹھہر جا یعنی سکون پذیر ہو جا پس تیرے اوپر سوائے نبی و صدیق اور شہید کے اور کوئی نہیں۔ یہ روایت صحیح ہے اسے مسلم نے نکالا۔ (روایت کیا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھے، پس ہم مکہ سے باہر نواحی مکہ کی طرف پہاڑوں اور درختوں کی طرف نکلے تو حضور علیہ السلام جس کسی درخت یا پہاڑ کے پاس سے گزرتے تو وہ درخت یا پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام جب خطبہ دیتے تو مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے ایک کھجور کے تنے کے ساتھ سہارا لگا کر (خطبہ ارشاد فرماتے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر تیار کیا گیا تو آپ وہاں جلوہ افروز ہوئے۔ وہ کھجور کا ستون مضطرب ہوا اور اونٹنی (جو اپنے بچے سے بچھڑ جائے) کی طرح رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے رونے کو اہل مسجد نے سنا۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام (منبر سے) اترے اور اسے گلے لگایا جس پر وہ سکون پذیر ہوا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پتھر (چٹان) اوپر سے نیچے جب بھی لڑھکتا ہے تو خوف خدا سے لڑھکتا ہے اور ہمارے اس قول کی گواہی یہ فرمان خداوندی دیتا ہے "لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ و تلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون" فرمان عزوجل "وما اللہ بغافل" بھولنے والا نہیں۔ "عما تعملون" دھمکی ہے اور کہا گیا ہے کہ بغافل کا معنی ہے کہ تمہارے اعمال کی سزا کو چھوڑنے والا نہیں بلکہ اس کا بدلہ دے گا۔ ابن کثیر نے "یعملون" یاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

(ترجمہ) (اے مسلمانو) کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے آویں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اسکو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے (اور) اُسکو

سمجھنے کے بعد (ایسا کرتے تھے) اور (لطف یہ ہے) کہ جانتے (بھی) تھے اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (اُن سے تو) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے (منافق) دوسرے بعضے (علانیہ) یہودیوں کے پاس تو وہ اُن سے کہتے ہیں کہ تم (یہ) کیا غضب کرتے ہو کہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے (توریت میں) تم پر منکشف کردی ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

تفسیر ⑮ "افتطمعون" کیا تم اُمید رکھتے ہو مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ "ان یؤمنوا لکم" یہود تمہاری تصدیق کریں گے۔ اس بات کی جو تم ان کو خبر دیتے ہو؟ "وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ" یعنی تورات "ثم یحرفونہ" اس میں جو احکام ہوتے ان کو بدل ڈالتے۔ "من بعد ما عقلوہ" اس کو جاننے (کے بعد) حضور علیہ السلام کی صفت کو انہوں نے بدلا اور آیت رجم میں تبدیلی کی۔ "وھم یعلمون" کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ یہ قول مجاہد، قتادہ، عکرمہ، سدی (رحمہم اللہ) اور ایک جماعت کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اور مقاتل رحمہ اللہ نے یہ آیت ان ستر (۷۰) کے حق میں نازل ہوئی جنہیں میقات رب کے لیے منتخب کیا اور وہ جب واپس قوم کی طرف لوٹے، کلام الٰہی سننے کے بعد تو لوگوں نے ان ستر کی طرف رجوع کیا۔ ان میں سے جو سچے تھے انہوں نے پیغام الٰہی من و عن پہنچادیا اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو سنا تھا کہ وہ اپنے حکم کے آخر میں فرماتے تھے اگر تم عمل کی طاقت رکھو (تو کرنا) تو یہ ہے ان کی تحریف حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ حق ہے۔

⑯ "واذا لقوا الذین آمنوا" حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین یہود ہیں جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے۔ جب وہ مؤمنین مخلصین سے ملتے ہیں "قالوا آمنا" (ہم ایمان لائے) تمہارے ایمان کی طرح "واذا خلا" لوٹا "بعضھم الی بعض" کعب بن اشرف، کعب بن اسد، وھب بن یہودا اور ان کے علاوہ رؤساء یہود۔ ان کے اس معاملہ پر "قالوا اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم" (ان کو بیان کرتے ہو) وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری کتاب میں واضح فرمایا۔ یہ کہ حضرت محمد حق ہیں اور ان کی بات سچی ہے اور فتاح بمعنی قاضی ہوتا ہے یعنی بیان کرنے والا۔

اور کسائی کہتے ہیں "بما فتح اللہ" کا معنی "بما بینہ لکم" ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیان کیا۔ حضور علیہ السلام صفات اور حلیہ مبارک کا علم واقدی کہتا ہے "بما فتح اللہ" کا معنی ہے "بما انزل علیکم واعطاکم" یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور تمہیں عطا کیا اور اسی کی مثال ہے۔ "لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض" یعنی ہم ہی نازل کرتے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "بما فتح اللہ" کا معنی ہے وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمائی اور تمہیں عنایت کی۔ "لیحاجوکم بہ" تاکہ اس کے ذریعے تم سے جھگڑا کریں۔

اس سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور وہ تمہارے ہی قول کے ذریعے تم پر حجت پکڑیں۔ پس کہیں تحقیق تم نے خود

تورات میں یہ تھا کہ حضور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں تمہاری کتاب میں (مذکور ہے) پھر تم اس کی پیروی نہیں کرتے؟ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اہل مدینہ نے یہود سے حضور علیہ السلام کی پیروی کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو علمائے یہود نے کہا اس پر (محمدؐ) ایمان لے آؤ۔ پس وہ حق ہے پھر بعض نے بعض کو کہا کیا تم ان کو بیان کرتے ہو وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولا، واضح کیا تاکہ وہ (اصحاب رسول) تم اس کے ذریعے جھگڑا کریں؟ "لیحاجوکم" کا معنی ہوگا تاکہ تمہاری یہ بات ان (اصحاب رسول) کے حق میں تمہارے خلاف حجت ہو جائے۔ "عند ربکم" آخرت میں۔

اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو گناہوں پر ملنے والے عذاب کی خبر دی۔ پس بعض نے بعض سے کہا کیا تم بیان کرتے ہو وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر عذاب نازل کیا تاکہ وہ تمہارے سے تمہارے رب کے پاس جھگڑیں تاکہ (اس صورت حال کو) تمہارے برخلاف اپنے حق میں عند اللہ اکرام و انعام سمجھیں اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول یہود قریظہ کا تھا۔ بعض نے بعض کو کہا جب حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا یا اخوان القردۃ والخنازیر اے خنزیروں اور بندروں کے بھائیو! تو وہ کہنے لگے ہمارے اس امر کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے خبر دی؟ لازماً یہ راز کی بات تمہاری طرف سے آؤٹ ہوئی ہے۔ "افلا تعقلون"

اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنۡہُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۷۸﴾ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡہِمۡ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے اُن چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور اُنکی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں اور اُن (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ بھی ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلا سند) دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں) وہ لوگ اور کچھ نہیں (ویسے ہی بے بنیاد) خیالات پکا لیتے ہیں تو بڑی خرابی اُنکی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل بدل کر) کتاب (توریت) کو اپنے ہاتھوں سے پھر (عوام سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ (حکم) خدا کی طرف سے (یوں ہی آیا) ہے (اور) غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعے سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں سو بڑی خرابی (پیش) آ وے گی اُن کو اس کی بدولت (بھی) جسکو اُن کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہو گی اُن کو اُن (نقد) کی بدولت (بھی) جس کو وہ وصول کر لیا کرتے تھے۔

تفسیر ۷۷ "اولا یعلمون ان اللہ یعلم مایسرّون" چھپاتے ہیں۔ "وما یعلنون" ظاہر کرتے ہیں یعنی یہود۔

۷۸ "ومنھم امّیون" یعنی یہود سے کچھ لوگ اُمی ہیں جو پڑھنا اور لکھنا اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ (امیون) امی کی جمع ہے جو ام کی طرف منسوب ہے۔ گویا کہ امی شخص جس طرح ماں سے جدا ہوا اسی طرح باقی ہے نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا۔ حضور علیہ السلام سے مروی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بے شک ہم اُمی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ

السلام کے اُمی ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُم القریٰ کی طرف منسوب ہیں اور اُم القریٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

"لایعلمون الکتاب الا امانی" "ابوجعفر نے (امانی) یاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا۔ کتاب سے مراد کل قرآن ہے۔ امانی میں تخفیفاً ایک یاء کو حذف کر دیا گیا اور عام قراء نے امانی کی یاء کو شد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ امانی امنیہ کی جمع ہے جو کہ تلاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته" یعنی فی قراءتہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ کتاب کی قراءۃ و تلاوت محض یاد (زبانی) کرتے یعنی کتاب سے (دیکھ کر) نہیں پڑھتے اور کہا گیا کتاب کو (محض) حفظ و قرأت کی صورت میں جانتے ہیں اور اس کے معانی نہیں جانتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ معانی کتاب نہیں جانتے۔ حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الا امانی" کا معنی ہے "الا کذبا و باطلا" کہ محض جھوٹ اور باطل جانتے ہیں۔ حضرت فراء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "الا امانی" کا معنی ہے محض من گھڑت باتیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ما تمنیت منذ اسلمت" یعنی جب سے میں اسلام لایا ہوں جھوٹ نہیں بولا اور "امانی" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء نے اپنی طرف سے لکھیں پھر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان حلیہ سے متعلق تبدیلی وغیرہ حضرت حسن اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "امانی" سے مراد تمنی ہے۔ یہ ان کی جھوٹی آرزوئیں تھیں جو اللہ عزوجل پر تمناؤں کی شکل میں کرتے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا "لن یدخل الجنة الا من کان هودا او نصاریٰ" کہ جنت میں سوائے یہود کے اور کوئی نہ جائے گا۔ یہ بات یہودی کہتے تھے اور جنت میں سوائے نصاریٰ کے کوئی نہ جائے گا یہ بات نصاریٰ کہتے تھے اور ان کا یہ کہنا "لن تمسنا النار الا ایاما معدودة" (کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن) اور ان کا یہ کہنا "نحن ابناء الله و احباؤه" کہ ہم خدا تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ تو ان سابقہ معانی کی صورت میں "الا امانی" کا معنی "لکن امانی" یعنی وہ کتاب کو کچھ نہیں جانتے لیکن چند چیزوں کی آرزو کرتے ہیں جو انہیں حاصل نہیں ہوتیں "وان هم" اور نہیں ہے وہ "الا یظنون" یعنی وہ نہیں گمان کرتے مگر محض اٹکل پچوں اور وہم۔ انہیں یقین حاصل نہیں ہے۔ یہ بات حضرت قتادہ اور ربیع نے کہی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "امانی" کا معنی ہے "یکذبون" وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

⑫ فویل زجاج فرماتے ہیں ویل و کلمہ ہے جس کا استعمال اہل عرب ہر اس پر کرتے ہیں جو ہلاکت میں واقع ہو اور کہا گیا ہے وہ کفار کی دُعا ہے جو وہ اپنے آپ پر ویل اور ثبور کا لفظ بول کر کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ویل کا معنی شدت عذاب کے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں۔ ویل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے۔

اگر اس وادی میں دُنیا کے پہاڑوں کو چلایا جائے تو اس کی سخت حرارت کے باعث پہاڑ پگھل جائیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویل جہنم میں وادی ہے جس میں کافر گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال لڑھکتا چلا جائے گا اور صعود آگ کا پہاڑ ہے اس میں (کافر) ستر سال چڑھتا رہے گا۔ پھر وہاں سے اسی طرح نیچے کی طرف گرے گا۔ "للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله

لیشتروا به ثمنا قلیلا" اور یہ اس طرح کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کا مذہبی تسلط و ریاست چلی نہ جائے اور ان کی خوراک بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ احبار یہود نے عوام یہودیوں کو (دین اسلام) ایمان سے روکنے کے لیے یہ چال چلی کہ حضور علیہ السلام کی صفات جمیلہ جو تورات میں مندرج تھیں ان کو بدل ڈالا۔

تورات میں حضور علیہ السلام کی صفت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین چہرہ، خوبصورت بالوں والے، سرمگیں آنکھوں والے میانہ قد ہوں گے تو احبار یہود نے ان صفات (حمیدہ) کو بدل ڈالا اور مذکورۃ الصدر صفات کی بجائے تورات میں یہ صفات درج کر دیں کہ (وہ نبی آخر الزمان) لانبے قد اور نیلگوں آنکھوں والے سیدھے بالوں والے ہوں گے۔

جب ان (احبار یہود) سے نچلے درجہ کے عام یہود پوچھتے تو احبار یہود وہی کچھ پڑھ کر سنا دیتے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھ دیا تھا اور عوام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو تورات سے پڑھ کر سنائی گئی۔ صفات کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فویل لهم مما کتبت ایدیهم" یعنی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کریمہ کو تبدیل کر کے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھا (ایسا کرنے پر ان کے لیے خرابی ہلاکت تباہی)۔ "وویل لهم مما یکسبون" کھانے سے اور کہا گیا ہے گناہوں سے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور یہودیوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہرگز ہم کو آتش (دوزخ) چھوئے گی (بھی) نہیں مگر (بہت) تھوڑے روز (جو انگلیوں پر) شمار کر لئے جا سکیں آپ (ان سے) یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے یا (ایسے ہی) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اسکو اس کی خطا (اور قصور اس طرح) احاطہ کرے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: ۸۰ "وقالوا" یعنی یہود (نے کہا) "لن تمسنا النار" ہمیں آگ نہیں پہنچے گی۔ "الا ایاما معدودۃ" ایک مقرر اندازہ پھر ہم سے عذاب زائل ہو جائے گا۔

انہوں نے ان دنوں کے بارے میں اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے

تھے کہ دُنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور ہمیں صرف ایک ہزار کے بدلے ایک دن عذاب ہوگا۔ پھر سات دنوں کے بعد عذاب ختم ہو جائے گا۔ حضرت قتادہ اور حضرت عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہود "ایاما معدودۃ" سے چالیس دن مراد لیتے تھے جن میں ان کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ حضرت حسن اور ابو عالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملے میں عتاب فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی کہ ہمیں چالیس دن ضرور عذاب دے گا کہ قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ پس اللہ عزوجل ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ فرمایا "قل" "یا محمد (فرمایئے)" "اتخذتم عنداللّٰہ" اس میں الف استفہام کی ہے جو کہ الف وصل پر داخل ہوئی ہے۔ "عہداً" پختہ (وعدہ) اس بات پر کہ وہ تمہیں صرف اتنی مدت عذاب دے گا۔ "فلن یخلف اللّٰہ عہدہ" اپنا وعدہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس عہد سے مراد) عہد توحید ہے اس مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ "الا من اتخذ عند الرحمٰن عہداً"۔

اس سے مراد قول لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "أم تقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون" پھر فرمایا۔

81 "بلیٰ" بلیٰ اور بل دونوں استدراک کے حرف ہیں اور دونوں کا معنی ماضی سے متعلق خبر کی نفی کرنا اور مستقبل سے متعلق خبر کی اثبات کرنا ہے۔ "مَنْ کسب سیئۃ" شرک "واحاطت بہ خطیئتہ" اہل مدینہ نے "خطیئاتہ" جمع کے ساتھ پڑھا اور احاطہ کا معنی کسی شئی کا ہر جانب سے گھیراؤ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت عطاء، ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ "احاطت بہ خطیئتہ" کا معنی وہ شرک جس پر موت واقع ہو اور کہا گیا ہے کہ "خطیئۃ" کا معنی بڑا گناہ اور احاطہ بہ کا معنی اس (گناہ) پر اصرار کرنا کہ بغیر توبہ کے مر جائے۔ یہ قول عکرمہ اور ربیع بن خثیم کا ہے۔ علامہ واحدی اپنی تفسیر وسیط میں فرماتے ہیں کہ ایمان والے اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی وعید سنائی ہے جس کو گناہ احاطہ کرلیں اور جس سے سیئہ سرزد ہو چکی ہو جو کہ شرک ہے اور مومن اگرچہ گناہ کبیرہ کا عمل کرتا ہے لیکن اس سے شرک نہیں پایا جاتا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ ہیں جو دل کا گھیراؤ کر لیتے ہیں جب بھی گناہ کرتا ہے وہ گناہ بلند آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دل پر چھا جاتا ہے اور یہ رین ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے گناہ اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الا ان یحاط بکم" یعنی تم ہلاک ہو جاؤ۔ (یہ قول حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں کو مصر بھیجتے وقت فرمایا تھا)

"فاولئک اصحاب النّار ھم فیھا خالدون"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی سے) بات کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم (قول وقرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول واقرار (بھی) لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا پھر تم نے اقرار بھی کر لیا اور (اقرار بھی ضمناً نہیں بلکہ ایسا صریح جیسے) تم شہادت دیتے ہو۔

تفسیر ﴿۸۲﴾ والذین امنوا..... خالدون ﴿۸۳﴾ "واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل" تورات میں اور میثاق سے مراد عہد شدید ہے۔ "لاتعبدون الا اللہ" ابن کثیر اور حمزہ اور کسائی نے "لایعبدون" یاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ "لاتعبدون الا اللہ" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے۔ "وقولوا للناس حسنا" لاتعبدون کا معنی لاتعبدوا ہے جب (اَن) کو حذف کیا گیا تو فعل مرفوع ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعب نے "لاتعبدوا" پڑھا۔ "نہی" کے صیغہ پر "وبالوالدین" یعنی ہم نے ان کو حکم دیا، والدین کے ساتھ (احسانا) دونوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا اور اُن کے ساتھ مہربانی کرنے کا اور والدین کے ہر اس حکم کی اطاعت کرنے کا جو حکم خداوندی کے مخالف نہ ہو۔ "وذی القربی" اور قرابت والوں کے ساتھ اور قربی حسنیٰ کی طرح مصدر ہے۔ "والیتامی" یتیم کی جمع ہے اور یتیم وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ نہ ہو۔ "والمساکین" یعنی فقراء "وقولوا للناس حسنا" یعنی حضور علیہ السلام کے بارے میں سچ اور حق بات کہو۔

پس جو شخص بھی تم سے حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھے اس سے سچی بات کہو اور حضور علیہ السلام کی صفت بیان کرو اور اس کے امر کو چھپاؤ نہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس سعید بن جبیر اور ابن جریج اور مقاتل (رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور ان کو برائی سے منع کرو اور کہا گیا ہے کہ "قولوا للناس حسنا" کا معنی ہے کہ بات میں نرمی کرنا اور حسن خلق کے ساتھ باہمی گزران کرنا۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے "حَسَنًا" پڑھا ہے۔ حاء اور سین کی زبر کے ساتھ یعنی "قولا حَسَنًا" "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم" تم نے عہد و پیمان سے اعراض کیا۔ "الا قلیلا منکم" یہ انہیں میں سے ایک قوم تھی جو ایمان لائے تھے۔ "وانتم معرضون" جیسا اعراض کرنے تمہارے آباء کے۔

(۸۴) "واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون" یعنی نہیں بہاؤ گے "دماءکم" یعنی تمہارا بعض، بعض کا خون نہ بہائے گا اور کہا گیا ہے تم نہ بہاؤ اپنے غیر کے خون کو پس وہ تمہارا خون بہائے گا۔ پس اس صورت میں گویا تم نے اپنا خون خود بہایا۔ "ولا تخرجون انفسکم من دیارکم" تمہارا بعض، بعض کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور کہا گیا کہ جو تمہارا پڑوس اختیار کرے اس کے لیے تم برے پڑوسی مت ثابت ہو کہ اپنے برے پڑوسی ہونے کی وجہ سے تم اسے نکلنے پر مجبور کردو۔ "ثم اقررتم" اس عہد کے ساتھ (تم نے اقرار کیا) کہ وہ حق ہے اور تم نے قبول کرلیا۔ "وانتم تشھدون" (تم گواہ رہو) آج بھی اس پر اے گروہ یہود اور قبول کرنے کا اعتراف کرتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۸۵

ترجمہ: پھر (اس صریح اقرار کے بعد) تم (جیسے ہو) یہ (آنکھوں کے سامنے موجود ہی) ہو (کہ) قتل وقتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو (اس طور پر کہ) اُن اپنوں کے مقابلہ میں (اُنکی مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم ہے) کہ تم کو اُن کا ترک وطن کرانا نیز ممنوع ہے کیا تو (پس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام) پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہونا چاہیے ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز (اس کے کہ) رسوائی ہو دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں اور اللہ تعالیٰ کچھ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال (زشت) سے

تفسیر: (۸۵) "ثم انتم ھٰؤلاء یعنی یا ھٰؤلاء ، اور ھٰؤلاء" تنبیہ کے لیے ہے۔ "تقتلون انفسکم" یعنی تمہارا بعض، بعض کو قتل کرتا ہے۔ "وتخرجون فریقا منکم من دیارھم تظاھرون علیھم" ظاء کی شد کے ساتھ یعنی "تظاھرون" اصل میں "تتظاھرون" تھا۔ تاء کو ظاء میں ادغام کردیا گیا۔ عاصم، حمزہ، کسائی (رحمہم اللہ) نے "تظاھرون" کو تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر شد کے پڑھا ہے تو انہوں نے تفاعل کی تاء کو حذف کیا اور تاء خطاب کو باقی رکھا۔ مثل قول اللہ تعالیٰ کے "ولا تعاونوا" (بہرحال دونوں یعنی تخفیف وتشدید) صورتوں میں معنی "تتعاونوا" ہوگا یعنی تم مدد کرتے ہو اور ظہیر کا معنی عون ہے "بالاثم والعدوان" معصیت اور ظلم کے ساتھ۔ "وان یاتوکم اُسٰری" حمزہ نے "اَسْرٰی" پڑھا۔ دونوں صورتوں میں اسیر کی جمع ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ "تفادوھم" مال کے ساتھ تم ان کو چھڑاتے ہو۔ اہل مدینہ، عاصم، کسائی اور یعقوب

(رحمہم اللہ) نے "تفادوھم" پڑھا یعنی ان سے مبادلہ کرتے ہو مراد قیدی کو قیدی کے بدلہ چھوڑنا اور کہا گیا ہے دونوں قراءتوں کا معنی ایک ہی ہے۔ (یعنی تفادون باب تفاعل سے ہو یا باب مفاعلہ سے ہو۔)

آیت کا معنی علامہ سدیؒ یوں بیان فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے تورات میں یہ عہد لیا تھا کہ بعض، بعض کو قتل نہیں کرے گا اور نہ تمہارا بعض، بعض کو گھر سے نکالے گا اور بنی اسرائیل کا کوئی غلام یا باندی تم پاؤ گے تو اسے جس قیمت پر خریدنا پڑے خرید کر آزاد کر دو گے۔ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ انصار کے قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور یہود کا قبیلہ بنو نضیر انصار کے قبیلہ خزرج کا حلیف تھا اور جنگ میں قتل کرتے۔

بنو قریظہ والے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر لڑتے اور بنو نضیر اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر قتال کرتے اور جب (ان میں سے کوئی فریق دوسرے فریق پر) غالب آتا تو دوسروں کے شہروں کو خراب کرتے اور گھروں سے ان کو نکالتے اور فریقین میں سے کوئی آدمی اگر قید ہو جاتا تو مال جمع کر کے اس کو چھڑا لیتے۔ اگرچہ وہ قیدی ان کے دشمنوں سے ہوتا تو اہل عرب ان کو عار دلاتے اور کہتے کہ تم ان سے قتال بھی کرتے ہو اور فدیہ دے کر چھڑاتے بھی ہو؟

جواباً گروہ یہود کہتا کہ فدیہ دے کر اپنے قیدی کو چھڑانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عرب والے کہتے پھر ان سے لڑتے کیوں ہو؟ تو کہتے ہمیں اس بات کی شرم آتی ہے کہ ہمارے حلیف ذلیل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر عار دلائی اور فرمایا "ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون انفسکم" آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔

نظم کلام اس طرح ہے "وتخرجون فریقاً منکم من دیارھم تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان (وھو محرم علیکم اخراجھم) وان یاتوکم اساریٰ تفادوھم......"

پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار وعدے لیے۔ ❶ ترک قتال ❷ ترک اخراج ❸ ترک المظاہرہ علیھم مع اعداءھم کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف معاونت نہ کریں گے۔ ❹ قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑائیں گے۔ انہوں نے تمام قسم کے معاہدوں سے اعراض کیا سوائے فدیہ دے کر چھڑانے کے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تو (اپنے بھائی کو) غیر کے ہاتھ میں پاتا ہے تو اس کا فدیہ دے کر چھڑا لیتا ہے اور تو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔ "فما جزاء من یفعل ذالک منکم" اے گروہ یہود "الا خزی" عذاب و ذلت "فی الحیاۃ الدنیا" تو بنو قریظہ کی رسوائی قتل اور قید ہو جانا تھا اور بنو نضیر کی رسوائی جلاوطنی اور شام کے علاقہ اریحا اور میدانی علاقے کھیتوں کی طرف ملک بدری تھی۔ "ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب" اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ "وما اللہ بغافل عما تعملون" ابن کثیر، نافع اور ابوبکر رحمہم اللہ نے یاء کے ساتھ "یعملون" پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے احکام کی مخالفت کر کے) دوسری زندگانی (کے حظوظ) کو لے لیا ہے بعوض (نجات) آخرت کے سونہ تو اُن کی سزا میں (کچھ) تخفیف کی جاوے گی اور نہ کوئی اُن کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا اور ہم نے (اے بنی اسرائیل) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) انکے بعد درمیان میں یکے بعد دیگرے (برابر مختلف) پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور (پھر) ہم نے عیسیٰ بن مریم کو (نبوت کے) واضح دلائل عطا فرمائے اور ہم نے انکو روح القدس سے تائید دی کیا جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا (جب ہی) تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا سو بعضوں کو تو تم نے (نعوذ باللہ) جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے اور وہ (یہودی افتخاراً) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (بلکہ) انکے کفر کے سبب اُن پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر ﴿٨٦﴾ "اولئک الذین اشتروا" انہوں نے بدلا "الحیاۃ الدنیا بالآخرۃ فلا یخفف" ہلکا (نہ ہوگا) "عنہم العذاب ولاھم ینصرون" اللہ عزوجل کے عذاب سے روکے نہ جائیں گے۔

﴿٨٧﴾ "ولقد آتینا" ہم نے عطا کیا (موسیٰ الکتاب) تورات (دی) ایک ہی دفعہ "وقفینا" اور ہم نے پیچھے (بھیجا) "من بعدہ بالرسل" رسول کو بعد رسول کے "وآتینا عیسیٰ ابن مریم البینات" واضح نشانیاں اور یہ (نشانیاں) وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ آل عمران اور مائدہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ "بینات" سے مراد انجیل ہے "وایدناہ" انہیں ہم نے قوت بخشی۔ "بروح القدس" ابن کثیر نے "القدس" پڑھا۔ دال کی سکون کے ساتھ اور دوسروں نے دال کی ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا اور یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے کہ "رُعْب" اور "رُعُب" ہے۔ روح القدس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ ربیع وغیرہ نے کہا روح سے مراد وہ ہے جس میں پھونک نہ ہو۔ قدس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخصیص و تکریم کی خاطر روح کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ یعنی وہ جو اس میں پھونکی گئی۔ یہ (اضافت روح اللہ تعالیٰ کی طرف) ایسے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کی (اضافت الی اللہ تشریفاً و تکریماً ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فنفخنا فیہ من روحنا" "وروح منہ" اور کہا گیا ہے کہ قدس سے مراد طہارت ہے یعنی روح طاہر و پاکیزہ روح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی روح کو اللہ تعالیٰ نے قدس اس لیے

فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو صلب پدر نے اپنے اندر لیا اور نہ حیض والے ارحام ان پر مشتمل ہوئے۔

وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے امر میں سے ایک امر تھے۔ حضرت قتادہ، سدی، ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور کہا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا وصف قدس یعنی طہارت اس لیے ذکر کیا گیا کہ انہوں نے کبھی بھی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدس سے مراد خود رب قدس کی ذات اقدس ہے اور روح حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید بذریعہ جبرئیل علیہ السلام اس طرح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ جہاں کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جائیں تم وہیں ان کے ساتھ جاؤ۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح کا نام ان کی لطافت کی وجہ سے دیا گیا اور اس لیے بھی روح کہا گیا کہ وحی الٰہی کے حوالے سے ان کا خاص مرتبہ ہے جو کہ حیات قلوب کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح القدس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم ہے جس کے طفیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ فرماتے تھے اور لوگوں کو عجیب (نشانیاں) دکھاتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انجیل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے روح قرار دیا جس طرح کہ قرآن کریم کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روح قرار دیا گیا کیونکہ وہ (انجیل) حیات قلوب کا سبب تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا" جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سنا تو بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عمل کیا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے اور نہ ان نبیوں کی طرح تم نے کیا جیسا کہ ان کے حالات و واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس وہی کچھ لاؤ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا اگر تم سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "افکلما جاءکم" اے گروہ یہود "رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم" تم نے تکبر کیا اور ایمان قبول کرنے سے اپنے آپ کو تم نے عظیم سمجھا۔ "ففریقا" ایک گروہ کو "کذبتم" جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ "وفریقا تقتلون" یعنی تم نے قتل کیا جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت شعیا علیہم السلام اور دوسرے نبی جو قتل کیے گئے۔

① "وقالوا" یعنی یہود نے کہا "قلوبنا غلف" "غلف" جمع اغلف کی ہے اور وہ ہے جس پر پردہ ہو اس کا معنی ہے ان دلوں پر پردہ ہے۔

پس نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں جو کچھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وقالوا قلوبنا فی اکنۃ" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "غلُف" لام کی پیش کے ساتھ پڑھا اور یہ اعرج کی قرأت ہے اور یہ غلاف کی جمع ہے۔ اُن کی اس کہنے سے مراد یہ تھی کہ ہمارے دل ہر علم کا برتن ہیں لہٰذا ہم تیرے علم کے محتاج نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ نے یہی فرمایا۔

کلبی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ (ہمارے دل) ہر قسم کے علم کے برتن ہیں۔ پس یہ دل جو بات بھی سنتے ہیں اسے محفوظ کر لیتے ہیں مگر تمہاری بات! کہ نہ تو اس کو سمجھتے ہیں اور نہ محفوظ رکھتے ہیں۔ اگر تمہاری بات میں کچھ خیر ہوتی تو ہمارے دل اس کو محفوظ کر لیتے اور سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بل لعنھم اللّٰہ" انہیں دھتکار دیا اور ہر خیر سے دور کر دیا "بکفرھم فقلیلا ما یؤمنون" حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے اس لیے کہ مشرکین میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کی تعداد زیادہ ہے ان ایمان لانے والوں سے جو یہود میں سے ایمان لائے یعنی بہت تھوڑے ایمان لائے ہیں۔ "قلیل" کی نصب حال ہونے کی بنیاد پر ہے۔ حضرت معمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لا یؤمنون الا بقلیل" کہ یہ لوگ نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے کے ساتھ جو کچھ ان کے پاس ہے ان کے ہاتھوں میں ہے اور اکثر کے ساتھ یہ کفر کرتے ہیں یعنی وہ قلیل ہے جس کے ساتھ یہ ایمان لائے ہیں اور "قلیلا" نزع الخافض کی بنیاد پر منصوب ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی "بقلیل یؤمنون" اور حرف (ما) دونوں اقوال کے مطابق صلہ ہے اور واقدی کہتے ہیں اس کا معنی یوں ہے کہ "لا یؤمنون الا قلیلاً ولا کثیرا" کہ یہ لوگ بالکل ایمان لاتے ہی نہیں نہ تھوڑا نہ زیادہ۔

(حضرت مفسر رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوئی کہ قلیل کا ذکر کر کے کثیر کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس طرح بید ک الخیر کے ذکر سے اس کے مدمقابل مفہوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر جیسے رب المشرق سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رب المشرق بھی ہے اور رب المغرب بھی تو گویا کہ اس سے مراد مکمل نفی ہے۔ مترجم) جیسے کوئی دوسرے کو کہے "ما اقل ما تفعل کذا" بہت تھوڑا ہے جو تو یہ کرے یعنی تو یہ کام بالکل نہیں کرے گا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: اور جب انکو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس (کتاب) کی (بھی) تصدیق کرنیوالی ہے جو (پہلے سے) اُنکے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس کے قبل خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے مگر پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ (جانتے) پہچانتے ہیں۔ اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جسکو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں (اور وہ حالت) یہ (ہے) کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی محض (اسی) ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو نازل فرماتے ہیں تو یہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کفر کرنیوالوں کو ایسی سزا ہوگی جس میں (علاوہ تکلیف کے) ذلت بھی ہے۔

تفسیر ⑧⑨ "ولما جاء هم كتاب من عند الله" کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ "مصدق لما معهم" یعنی تورات "و کانوا" یعنی یہود (تھے) (من قبل) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے۔ "یستفتحون" نصرت طلب کرتے "علی الذین کفروا" مشرکین عرب پر اور یہ اس طرح جب کوئی بات ان کو غم میں ڈالتی یا دشمن ان پر چڑھ دوڑتا تو وہ کہتے یا اللہ! ہماری اس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھیجے ہوئے کی برکت سے نصرت فرما جس کا بیان ہم تورات میں پاتے ہیں۔ پس ان کی نصرت کی جاتی تھی اور مشرک دشمنوں کو کہتے تھے کہ اس نبی کی تشریف آوری کا وقت قریب آچکا ہے جو ہماری باتوں کی تصدیق لے کر آئیں گے۔ تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل کریں گے جیسے کہ قوم عاد، قوم ثمود اور ارم کو قتل کیا جا رہا ہو۔ "فلما جاء هم ما عرفوا" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بنی اسرائیل سے نہ تھے اور یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کو جان لیا۔ "کفروا به" حسد اور حسد کی وجہ سے "فلعنة الله علی الكافرين"

⑨⓪ "بئسما اشتروا به انفسهم" "بئس اور نعم دونوں فعل ماضی ہیں جن کو مدح اور ذم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ باقی افعال کی طرح ان کی گردان نہیں ہوتی۔ اس آیت کا معنی ہوگا بہت بری چیز تھی جس کو انہوں نے اپنی ذات کیلئے پسند کیا جبکہ انہوں نے باطل کو حق کے بدلے لیا اور کہا گیا ہے کہ اس جگہ اشتراء بمعنی بیچ ہے اور معنی اس طرح ہوگا کہ برا ہے وہ کچھ جس کے بدلے انہوں نے اپنی ذات کا نصیب (آخرت) بیچ دیا۔ یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا اور اپنی ذات کو آگ کے لیے خرچ کر ڈالا۔ "ان یکفروا بما انزل الله" یعنی قرآن کریم "بغيا" یعنی حسد بغی کا اصل (معنی) فساد ہے۔ کہا جاتا ہے بغی الجرح۔

جب زخم خراب ہو جائے اور بغی بمعنی ظلم کا اصل معنی طلب ہے اور باغی طالب ظلم کو کہتے ہیں اور حاسد محسود پر حق الوسع ظلم کرتا ہے اس امر کے طلب کے سلسلہ میں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت زائل ہو جائے۔

"ان ینزل الله من فضله" یعنی نبوت اور کتاب "علی من یشاء من عباده" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ اور اہل بصرہ نے "ینزل" اور اس باب سے آنے والے ان تمام افعال کو (جو قرآن میں مذکور ہیں) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے سوائے "سبحان الذی" کی دو جگہوں میں "وننزل من القرآن" اور "حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤه" نیز بصریوں نے سورۃ انعام میں "ان ینزل آیة" کو شد دی ہے۔ یعقوب نے سورۂ نحل میں آنے والے ینزل کو شد دی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے "وینزل الغیث" کی تخفیف میں موافقت کی جو کہ سورۂ لقمان میں ہے اور "حمعسق" میں ہے اور دوسرے سب کو شد دیتے ہیں اور سورۃ الحجر میں "وما ننزله الا بقدر" کی تشدید میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

"فباؤ" لوٹے (بغضب علی غضب) یعنی غضب کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا غضب (ان پر جو ہوا) وہ تورات کو ضائع اور تبدیل کرنے کی وجہ سے دوسرا غضب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اور دوسرا غضب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے انکار کرنے کی وجہ سے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں پہلا غضب بچھڑے

کی پوجا کرنے کی وجہ سے اور دوسرا غضب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے "وللکافرین" نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے ہر قسم کے لوگوں کے لیے "عذاب مھین" رسوا کن عذاب جس میں انھیں ذلیل کیا جائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ط قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ (ان تمام) کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے (متعدد پیغمبروں پر) نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اُس (ہی) کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے (یعنی توریت) اور جتنی اُس کے علاوہ ہیں اُن سب کا حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق کرنیوالی بھی ہیں اُن کی جو انکے پاس ہیں (یعنی توراۃ کی) آپ کہیے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو پہلے زمانہ میں اگر تم (توراۃ پر) ایمان رکھنے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے (مگر) اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم (اس تجویز میں) ستم ڈھا رہے تھے اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے (سروں کے) اوپر لا کھڑا کیا تھا (اور حکم دیا کہ) لو جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت (اور پختگی) کے ساتھ اور سنو اس وقت انھوں نے زبان سے (تو) کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور (وجہ اسکی یہ ہے کہ) اُنکے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا اُنکے کفر (سابق) کی وجہ سے آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت بُرے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم (اب بھی) اہل ایمان ہو۔

تفسیر ﴿٩١﴾ "وإذا قيل لهم آمنوا بما انزل الله" یعنی قرآن "قالوا نؤمن بما انزل علينا" یعنی تورات ہمیں یہی کافی ہے۔ "ويكفرون بما وراءه" یعنی جو تورات کے ماسوی کتب ہیں جیسے اللہ عزوجل کا قول ہے "فمن ابتغى وراء ذالك" یعنی اس کے سوا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بما وراءه کا معنی ہے بما بعده (یعنی ہم انکار کرتے ہیں جو تورات کے بعد کتب ہیں انجیل و قرآن) "وهو الحق" یعنی قرآن (مصدقا) حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ "لما معهم" تورات سے (قل) ان کو (کہیے) یا محمد "فلم تقتلون" یعنی تم نے قتل کیا (انبياء الله من قبل) اور "لِمَ" اس کا اصل "لِمَا" ہے۔ خبر اور استفہام میں فرق کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا جس طرح کہ ان کا "فِيمَ" اور "بِمَ" کہنا ہے۔ "ان كنتم مؤمنين" تورات کے ساتھ حالانکہ تمہیں تورات میں قتل انبیاء علیہم السلام سے منع کیا گیا ہے۔

(۹۲) "ولقد جاء کم موسیٰ بالبینات" واضح دلائل اور روشن وظاہر معجزات ۔ "ثم اتخذتم العجل من بعدہ" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ کی طرف چلے جانے کے بعد "وانتم ظالمون"

(۹۳) "واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما آتینا کم بقوۃ واسمعوا" یعنی قبول کرو (لبیک کہو) اور اطاعت کرو طاعت اور قبول کرنے کو سننا مجازاً کہا گیا ہے کیونکہ سننا طاعت اور قبولیت کا سبب ہے۔ "قالوا سمعنا" تیری بات کو "وعصینا" تیرے امر کی (نافرمانی کی) اور کہا گیا ہے کہ "سمعنا وعصینا" کا معنی یوں ہوگا کہ سنا ہم نے کان سے اور نافرمانی کی ہم نے دل سے۔

اہل معانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے "سمعنا وعصینا" کا لفظ زبان سے نہیں کہا تھا لیکن جب انہوں نے سنا اور نافرمانی کے ساتھ پیش آئے تو اس طرز عمل کو مجازاً قول کی طرف نسبت کی گئی "واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم" بچھڑے کی محبت اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت داخل کی گئی اور دلوں میں اس کا اختلاط ہوا جیسے رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ زبردست تعلق کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

"فلان اشرب اللون" یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کا سپید رنگ سرخ رنگ کے ساتھ خلط ملط ہو جائے۔ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ بچھڑے کو (جو سونے کا تھا) ریتی کے ساتھ رگڑا جائے۔ پھر اس کا سفوف دریا میں بکھیر دیا جائے (ایسا کیا گیا) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس دریا سے پینے کا حکم دیا۔ پس جس شخص کے دل میں بچھڑے کی محبت کا کچھ حصہ بھی باقی تھا اس دریا کا پانی پینے والے پر سونے ..... ظاہر ہوا۔

"قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم" یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرو۔ یعنی ایسا ایمان برا ایمان ہے جو بچھڑے کی پوجا کرنے کا حکم دے۔ "ان کنتم مؤمنین" اپنے دعویٰ کے مطابق اور یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا تھا "نؤمن بما انزل علینا" جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ پس اللہ عزوجل نے ان کو جھٹلایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر (بقول) تمہارے عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلاشرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کیلئے ذرا) موت کی تمنا کر (کے دکھلا) دو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف سزا) اُن اعمال (کفریہ) کی جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے

ان ظالموں (کے حال) کی اور آپ (تو) اُن کو حیات (دنیویہ) کا حریص اور (عام) آدمیوں سے (بھی) بڑھ کر پاویں گے اور مشرکین سے بھی ان میں کا ایک ایک (شخص) اس ہوس میں ہے کہ اُس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ (کسی کی بڑی) عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر ہیں اُن کے اعمال (بد)

تفسیر (٩٤) "قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ" اور یہ اس لیے کہ یہود باطل دعوے کے لیے مثلاً ان کا کہنا "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ" (کہ ہمیں صرف چند دن آگ چھوئے گی) اور "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ" (یہود ہیں کہ کہتے جنت میں صرف یہودی جائیں گے۔ نصاریٰ کہتے کہ جنت میں صرف نصرانی جائیں گے) اور ان کا یہ کہنا "نحن ابناء اللہ واحباؤہ" (ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور دوست ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور ان پر حجت کو لازم کیا۔ پس فرمایا آپ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما دیجئے اگر آخرت کا گھر (جنت) عند اللہ تمہارے لیے ہے (خالصۃ) یعنی خالصتاً (صرف) تمہارے لیے۔

"من دون الناس فتمنوا الموت" یعنی پس موت کا ارادہ کرو یا موت مانگو اس لیے کہ جس شخص کو یقین ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اس جنت کی طرف مشتاق ہوتا ہے اور جنت میں داخل ہونے کی صورت سوائے موت کے بعد کے اور کوئی نہیں ہے۔ پس آرزو کر کے موت کو جلدی حاصل کرو۔ "ان کنتم صادقین" اپنی بات میں (اگر سچے ہو) اور کہا گیا ہے کہ "فتمنوا الموت" کا معنی ہے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس فراق کے عذاب شدید سے خلاصی کے لئے موت مانگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو اس وقت ہر شخص ان میں سے اپنے آب دہن سے گلا گھٹ جاتا اور روئے زمین پر ایک بھی یہودی باقی نہ رہتا سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

(٩٥) "ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم" ان کا موت کی آرزو نہ کرنا اس وجہ سے کہ انہیں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہونے کا علم تھا اور "ما قدمت ایدیھم" سے مراد ان کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے اور عمل کی نسبت ہاتھ کی طرف اس لیے کی گئی کیونکہ انسان کے اکثر قصور ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ پس اس کے اعمال کی نسبت ہاتھ کی طرف کی گئی۔ اگرچہ ان اعمال میں ہاتھ کا کچھ بھی عمل دخل نہ ہو۔ "واللہ علیم بالظالمین" .....

(٩٦) (ولتجدنھم) "اس میں لام لام قسم ہے اور نون قسم کی تاکید کے لیے ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "واللہ لتجدنھم یا محمد" اس سے مراد یہود "احرص الناس علی حیاۃ ومن الذین اشرکوا" کہا گیا ہے کہ یہ "ومن الذین اشرکوا" اول کے ساتھ متصل ہے یعنی مشرکوں سے بھی زیادہ زندگی پر حریص ہیں اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "علی حیاۃ" پر بات تمام ہو گئی۔ پھر "ومن الذین اشرکوا" سے ابتداء کی گئی اور "الذین اشرکوا" سے مراد مجوس (آتش پرست) مراد ہیں۔

ابو العالیہ اور ربیع نے کہا مجوس کو مشرکین اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ نور اور ظلمت کا قول کرتے ہیں (یعنی نور و ظلمت) اور خیر و شر کے خالق جدا جدا مانتے ہیں اور نور اور خیر کا خالق یزداں کو کہتے ہیں اور ظلمت اور شر کا خالق اہرمن کو تسلیم کرتے ہیں۔ مناسب:

مترجم) "ود" ارادہ کرتا ہے آرزو کرتا ہے "احدھم لو یعمر الف سنۃ" یعنی ہزار سال زندگی کی آرزو کرتا ہے۔ ہزار سال زندہ رہنا ان الفاظ کے ساتھ دُعا کرنا مجوس کا باہمی سلام تھا۔ وہ کہتے تھے "عش الف سنۃ و کل الف نیروز و مھر جان" تو ہزار سال زندہ رہو اور ہزار نیروز اور مہر جان کھا (نیروز، مہرجاں، فارس میں دو عیدیں منائی جاتی تھیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہود مجوس سے بھی زیادہ زندگی پر حریص ہیں جو کہ ہزار سال زندہ رہنے کی دُعا کرتے تھے۔ "وما ھو بمزحزحہ" اس کو دور کرنے والا نہیں۔ "من العذاب" آگ سے "ان یعمر" اس کی عمر کا لمبا ہونا اسے عذاب سے دور نہیں کرے گا اور "زحزح" (فعل) متعدی بھی ہے لازم بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "زحزحتہ فتزحزح" میں نے اس کو دور کیا۔ پس وہ دور ہو گیا اور یوں بھی کہا جاتا ہے "زحزحتہ فزحزح" یعنی میں نے اس کو دور کیا، پس وہ دور ہو گیا۔ "واللہ بصیر بما یعملون" یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے یاء کے ساتھ۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: آپ (اُن سے) یہ کہئے کہ جو شخص جبریلؑ سے عداوت رکھے سو انھوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر: ﴿۹۷﴾ "قل من کان عدوا لجبریل" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہود کے بہت بڑے علماء میں سے ایک عالم جسے عبداللہ بن صوریا کہا جاتا تھا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ آسمان سے کون سا فرشتہ تیرے پاس آتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام اس یہودی عالم نے کہا فرشتوں میں سے جبرئیل علیہ السلام فرشتہ ہمارا دشمن ہے اگر وحی لانے والا میکائیل علیہ السلام فرشتہ ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے۔

جبرئیل علیہ السلام تو ہمارے اوپر عذاب قتال اور سختی لے کر نازل ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ بارہا دشمنی کی ہے اور ان دشمنیوں میں سے جو سخت دشمنی جبرئیل علیہ السلام نے ہم سے کی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام پر یہ بات نازل فرمائی تھی کہ بیت المقدس ایک ایسے شخص کے ہاتھوں خراب ہوگا جسے "بخت نصر" کہا جاتا ہوگا اور ہمیں اس وقت کی بھی خبر دی جس وقت وہ بیت المقدس کو خراب کرے گا۔ جب اس کا وقت آیا تو ہم نے بنی اسرائیل میں سے ایک مضبوط انسان کو بخت نصر کی طلب میں بھیجا تاکہ اسے وہ قتل کرے، ہمارا آدمی گیا، یہاں تک کہ اسے بابل میں اس حال میں ملا جب کہ بخت نصر مسکین تھا، لڑکا تھا، ہمارے آدمی نے اسے پکڑا تاکہ اسے قتل کرے تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کو بچایا۔ پھر بخت نصر بڑا ہوا مضبوط ہوا اور اس نے ہم سے لڑائی لڑی اور بیت المقدس کو خراب کیا۔ اس لیے ہم جبرئیل علیہ السلام کو دشمن کہتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود نے کہا کہ بے شک جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے اس لیے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ نبوت ہمارے اندر کرے، پس اس نے نبوت کا (منصب) ہمارے غیر میں کردیا۔

حضرت قتادہ، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ سے اوپر کی طرف زمین تھی اور ان کا گزرنا یہود کے مدارس کے پاس سے ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی زمین پر جاتے تو یہود کے پاس بھی آتے اور اُن سے کچھ سنتے۔ یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں۔ وہ ہمارے مدارس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ہمیں ایذا دیتے ہیں اور آپ ہمیں ایذا نہیں دیتے۔ بے شک ہم تم میں اُمید رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں تمہارے پاس تمہاری محبت کی وجہ سے نہیں آتا اور نہ میں تم سے اس لیے پوچھ پاچھ کرتا ہوں کہ مجھے اپنے دین کے بارے میں شک ہے۔ میں تو تمہارے پاس اس لیے آتا ہوں تاکہ مجھے حضور علیہ السلام کے بارے میں بصیرت کے لحاظ سے اضافہ ہو اور حضور علیہ السلام کی علامات تمہاری کتاب میں دیکھوں۔ اس پر یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرشتوں میں سے کون ہے جو تمہارے نبی کے پاس آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پر یہود نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے راز پر مطلع کرتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام ہم پر عذاب، دھنسانا، قحط سالی اور ہر قسم کی تنگی لانے والا ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام جب بھی لاتا ہے تو خوشحالی لاتا ہے سلامتی لاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا، جبرئیل علیہ السلام کو جانتے ہو مانتے اور محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بتاؤ کہ جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ہے۔ وہ کہنے لگے جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی دائیں طرف ہیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں طرف اور میکائیل علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پس میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک جو شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہے پس وہ حضرت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے اور جو شخص حضرت میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہے پس وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے اور جو شخص ان دونوں کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا دشمن ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر حضور علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پایا کہ وہ وحی لے کر پہلے آچکے تھے تو حضور علیہ السلام نے یہ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تیرے رب نے تیرے ساتھ موافقت کی ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس کے بعد اپنے آپ کو دین میں پتھر سے زیادہ سخت دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قل من کان عدوا لجبریل فانہ" یعنی جبرئیل علیہ السلام "نزلہ" یعنی قرآن کو یہ ضمیر راجع کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی طرف جو کہ پہلے مذکور نہیں ہے۔ "علی قلبک" یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم "باذن اللہ" اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ (مصدقا) موافق ہے "لما بین یدیہ" ان کتابوں کے جو اس سے پہلے ہیں۔ "وھدی و بشری للمؤمنین"

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: جو (کوئی) شخص خدا کا دشمن ہو اور فرشتوں کا (ہو) اور پیغمبروں کا (ہو) اور جبریل کا (ہو) اور میکائیل کا (ہو) تو (ان سب کا وبال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ) کوئی انکار نہیں کیا کرتا (ایسے دلائل کا) مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں کیا اور جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں سے زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے (جو میرے کئے ہوئے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے۔

تفسیر: ﴿۹۸﴾ "من كان عدوا لله وملائكته ورسله وجبريل وميكال" جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام کو تمام فرشتوں میں سے خاص طور پر ذکر کیا حالانکہ یہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ کے اس قول "وملائكته" میں داخل ہیں۔ یہ محض فضیلت اور خاص کرنے کے لیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فيهما فاكهة ونخل ورمان" کھجور اور انار کو علیحدہ ذکر کیا حالانکہ یہ دونوں "فاكهة" کے اندر داخل ہیں یہ بھی فضیلت کے لیے ہے اور دونوں میں واؤ بمعنی او ہے یعنی جو ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے پس وہ سب کا دشمن ہے۔ اس لیے کہ ایک کا کافر سب کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ "فان الله عدو للكافرين" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبر، میک، اسراف یہ سریانی زبان میں بمعنی عبد ہیں اور آل اور ایل یہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دونوں کا معنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے اور ابن کثیر نے (جبرئیل علیہ السلام) جیم کی زبر کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ "فَعْلِيل" کے وزن پر۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وَجِبْرِيْلُ رسول الله فينا: وروح القدس ليس له كفاء" حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے ہمزہ کے ساتھ اور (کسرہ) کی اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔ بروزن (سلسبیل) اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہمزہ کے بغیر "جَبْرِئِل" پڑھا اور باقیوں نے جیم کی کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا اور میکائیل کو ابو عمر اور یعقوب اور حفص رحمہم اللہ نے (میکال) پڑھا۔ جریر کہتا ہے

عبدوا الصليب وكذبوا بمحمد　　وبجبرائيل وكذبوا ميكال

ایک اور کہتا ہے۔

"ويوم بدر لقيناكم لنا مدد　　فيه مع نصر جبريل وميكال"

نافع اور اہل مدینہ ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور اختلاس کے ساتھ بھی پڑھا ہے یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا بروزن میکال اور باقیوں نے ہمزہ اور اشباع کے ساتھ پڑھا بروزن میکائیل علیہ السلام۔ ابن صوریا نے حضور علیہ السلام سے

کہا تم ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے ہو جس کو ہم پہچانتے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

۹۹ "ولقد انزلنا الیک آیات بینات" واضح اور حلال و حرام اور حدود و احکام کی تفصیل کے ساتھ۔ "وما یکفر بھا الا الفاسقون" حکم خداوندی سے نکلنے والے

۱۰۰ "او کلما" واؤ عطف پر الف استفہام داخل ہوئی۔

"عاھدوا عھداً" یعنی یہود نے معاہدہ کیا اگر (نبی آخر الزمان) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم ان کے ساتھ ضرور ایمان لائیں گے۔ پس جب ان کی طرف حضور علیہ السلام تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے کفر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے ان کو وہ عہد یاد دلایا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا اور ان کو حضور علیہ السلام کے بارے میں تاکید کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو مالک بن صیف نے کہا "واللہ ما عھد الینا عھداً فی محمد" کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی قسم کی تاکید نہیں کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس پر ابو رجا۔

عطاردی کی قراءت دلالت کرتی ہے جو کہ یوں ہے "اَوْ کلما عوھدوا" پس عطاردی نے یہود کو مفعول بنایا "مفعول مالم یسم فاعلہ" حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان معاہدوں سے مراد وہ عہد ہیں جو کہ یہود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھے کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتال میں مشرکین کی مدد نہیں کریں گے۔ پس انہوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر کا عمل رہا۔ اس مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے "الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم" (وہ لوگ جن کے ساتھ آپ نے عہد کیا پھر انہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا)۔ "نبذہ" اس کو پھینک دیا اور توڑ دیا۔ "فریق" چند گروہ "منھم" یہود سے "بل اکثرھم لایؤمنون"

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ
سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى
الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا
تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ
اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ
فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(ترجمہ) اور جب اُنکے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اُس کتاب کی جو اُن لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی) ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جیسا اُن کو گویا (اُس کے مضمون کا) اصلاً علم ہی نہیں اور انھوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں اور حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین (بیشک) کفر (سحر) کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں (جن کا نام) ہاروت ماروت (تھا) اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ (نہ) کہدیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان (خداوندی) ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو (کہ ایسی پھنس جائے) سو (بعضے) لوگ اُن دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جسکے ذریعہ سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اُسکی بیوی میں تفریق پیدا کرا دیتے تھے اور یہ (ساحر) لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) اُن کو ضرر رساں ہیں اور اُن کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں اور بیشک بُری ہے وہ چیز (یعنی سحر وکفر) جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش اُن کو (اتنی) عقل ہوتی۔

(تفسیر) ● "ولما جاء هم رسول من عند الله" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم" یعنی تورات اور کہا گیا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک ہے۔ "كانهم لا يعلمون" علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تورات پڑھتے تھے اور اس کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تورات کو انھوں نے ریشم اور دیباج میں لپیٹا اور سونے اور چاندی کے زیورات چڑھائے اور اس پر عمل نہ کیا۔ پس یہ ہے ان کا تورات کو پھینک دینے کا مفہوم

● "واتبعوا" یعنی یہود "ما تتلوا الشياطين" جو کچھ انھوں نے تلاوت کی عرب مستقبل کو ماضی کی جگہ رکھا کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل کی جگہ پر اور کہا گیا ہے "ما تتلوا" بمعنی "ما كانت تتلوا" یعنی تقرأ پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "تتلوا" بمعنی پیروی کرتے اور اس کے ساتھ عمل کرتے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تتلو" بمعنی "تحدث وتتكلم به" یعنی بیان کرتے اور اس کے ساتھ بولتے (على ملك سليمان) یعنی اس کے ملک میں اور عہد میں آیت کریمہ کا قصہ یوں ہے۔ شیاطین نے جادو لکھا اور شعبدہ بازیاں۔ آصف بن برخیا کی زبان پر لکھیں۔ یہ وہ کچھ جو آصف بن برخیا نے سلیمان بادشاہ کو سکھائیں پھر شیاطین نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان کے مصلیٰ کے نیچے دفن کر دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملک چھین لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہوئے تو شیاطین نے ان کتابوں

کو نکالا اور لوگوں کو کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس جادو کے زور سے تم پر بادشاہ بنے رہے۔ پس لوگوں نے اس جادو کو سیکھا۔

بہر حال علماء و صلحاء بنواسرائیل نے کہا "معاذ اللہ" یہ علم علم سلیمانی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال نچلے طبقہ کے لوگ (عوام الناس) کہنے لگے یہ علم سلیمانی ہے اور اس کے سیکھنے کے درپے ہو گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتب کو چھوڑ دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف ملامت عام ہو گئی اور یہی صورت حال باقی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت (اس سفلی علم سے) نازل فرمائی۔ یہ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے سدی کہتے ہیں شیاطین آسمان کی طرف چڑھتے تھے اور فرشتوں کی کلام سنتے جس کا تعلق زمین کے حالات سے ہوتا کسی کی موت وغیرہ۔

پھر وہ شیاطین کاہنوں کے پاس آتے اور جو کچھ آسمان سے کلام سنتے اس کے ہر کلمہ کے ساتھ ستر (۷۰) جھوٹ ملاتے اور اس کی خبر کاہنوں کو دیتے۔ لوگوں نے ان چیزوں کو لکھ لیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات عام ہو گئی کہ جن غیب جانتے ہیں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں میں (کارندے) بھیجے اور ان کتابوں کو جمع کیا اور ان کتابوں کو صندوق میں رکھا۔

اور وہ صندوق اپنی کرسی (تخت) کے نیچے دفن کر دیا اور فرمایا کہ میں کسی کو یہ کہتے نہ سنوں کہ جن غیب جانتے ہیں ورنہ میں اس کی گردن ماروں گا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے اور وہ علماء بھی ختم ہو گئے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس امر سے آگاہ تھے کہ انہوں نے صندوق میں کتابیں جمع کر کے کرسی کے نیچے دفن کی تھیں اور نالائق لوگ ان کے بعد آئے تو شیطان انسانی شکل میں بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ایسا دفینہ نہ بتاؤں جو تم سے کبھی ختم نہ ہو۔ انہوں نے کہا ضرور فرمایئے تو شیطان بولا کہ (سلیمان علیہ السلام کی) کرسی کے نیچے کھدائی کرو اور خود ان کے ساتھ جا کر اس جگہ کی نشاندہی کی اور خود ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ لوگ بولے قریب ہو شیطان بولا میں قریب تو نہیں ہوتا لیکن وہ خزانہ یہاں ہے (کھودو) اگر نہ پاؤ تو مجھے قتل کر دینا اور یہ اس لیے کہ جب بھی کوئی شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نزدیک ہوتا تو وہ جل جاتا۔ پس بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے کھدائی کر کے وہ کتابیں نکالیں۔ شیطان بولا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات انسانوں اور شیطانوں، پرندوں پر اس جادو کے ذریعے کنٹرول کرتے تھے۔ پھر شیطان اُڑ گیا اور یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر تھا۔ بنو اسرائیل نے وہ کتابیں اپنے قبضہ میں لے لیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر جادو یہود کے ہاں پایا جاتا ہے۔ جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو وغیرہ سے برأت بیان فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عذر (برأت) یہ نازل فرمایا "وما کفر سلیمان" جادو کر کے (حضرت سلیمان) نے کفر نہیں کیا تھا اور کہا گیا سلیمان علیہ السلام کافر نہ تھے جو جادو کرتے اور اس پر عمل فرماتے۔ "ولکن الشیاطین کفروا" حضرت ابن عباس اور کسائی حمزہ رضی اللہ عنہم نے "ولکن" تخفیف نون کے ساتھ پڑھا ہے اور (شیاطین) کو رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے "ولکنّ" نون کی شد کے ساتھ پڑھا اور (شیاطین) کو زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح "ولکن اللہ قتلهم" اور "ولکن اللہ رمی" اور لکن کا معنی خبر ماضی کی نفی اور مستقبل کا اثبات۔ "یعلمون الناس السحر" کہا گیا ہے کہ اس کا

سحر علم اور کسی شئی کی مہارت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقالوا یاایھا الساحر ادع لنا ربک" یعنی اے عالم اور صحیح بات یہ ہے کہ سحر ملمع سازی اور خیال میں ڈالنے کا نام ہے۔ اہل السنت کے نزدیک سحر ایک موجود حقیقت ہے اور اکثر جماعتوں کا بھی موقف ہے لیکن سحر کا عمل کرنا کفر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ سحر کی تاثیرات عجیب ہیں۔ خلاف واقع کو تخیل کر دیتا ہے۔ تندرست کو مریض کر دیتا ہے اور بسا اوقات اس کے اثر سے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے سحر کے ذریعے قتل کرنے والے پر قصاص واجب کیا ہے۔ پس جادو شیطان کا عمل ہے جسے شیطان کی تعلیم کے سبب ساحر حاصل کرتا ہے۔ جب شیطان سے حاصل کرتا ہے تو پھر اوروں میں اس کو عمل میں لاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ جادو اشخاص و اعیان میں بھی اثر کرتا ہے تو انسان کو گدھے کی شکل میں کر دیتا ہے اور گدھے کو کتے کی شکل کر دیتا ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ محض خیال میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ"

البتہ جادو جسم میں مرض، موت، جنون کے طور پر اثر کرتا ہے اور کلام کا بھی طبیعتوں میں اور مزاج میں اثر ہوتا ہے۔ کبھی انسان ناگوار کلام سنتا ہے جس سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور غضب ناک ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک قوم کی موت کلام سے ہو گئی تھی جو انہوں نے سنی تو یہ جادو بھی اور عوارض کی طرح ہے جو بدن میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ فرمان الٰہی "وما انزل علی الملکین ببابل" یعنی وہ کچھ سکھاتے جو ملکین پر نازل کیا گیا تھا۔ یعنی بذریعہ الہام و علم۔ پس انزال بمعنی الہام و تعلیم کے ہے اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو ملکین پر نازل کیا گیا تھا۔ ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما نے "ملکین" لام کی زیر کے ساتھ پڑھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ دو جادوگر تھے جو بابل میں تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ دو عجمی کافر سردار تھے کیونکہ فرشتے جادو نہیں جانتے۔ بابل سے مراد بابل عراق ہے۔ بابل کو بابل اس لیے کہا جاتا ہے کہ نمرود کے محل کے گرنے کے وقت زبانیں خلط ملط ہو گئی تھیں۔ یعنی زبانیں جدا جدا ہو گئیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بابل یعنی کوفہ کی سرزمین کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ بابل دماوند پہاڑ کی جگہ واقع تھا۔ معروف قرأت ملکین لام کی زبر کے ساتھ ہے۔ اگر کہا جائے کہ فرشتوں سے تعلیم سحر کیسے جائز ہے؟ کہا جائے گا اس کی دو تاویلیں ہیں۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ فرشتے عملاً تعلیم سحر نہیں کرتے بلکہ جادو کا بیان کرتے ہیں۔ اس کا باطل ہونا بیان کرتے ہیں اور جادو سے پرہیز کا حکم کرتے ہیں۔ اور تعلیم بمعنی اعلام ہے (یعنی سکھلاتے نہیں بتلاتے ہیں) پس بدبخت ان دونوں کی نصیحت چھوڑتا ہے اور ان کی ہنرمندی سے جادوگری سیکھتا ہے۔ دوسری تاویل زیادہ صحیح ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کا اپنے دو فرشتوں کے ذریعے سے امتحان فرمایا جو ازلی شقی تھا وہ سحر سیکھتا اور اللہ کے ساتھ کفر کرتا اور جو سعید ازلی تھا وہ ترک کر دیتا اور ایمان پر باقی رہتا اور وہ دونوں فرشتے سحر کے بطلان کو ظاہر کر دیتے اس سے بچنے کا حکم فرماتے۔ پس اس میں سیکھنے والے کے لیے بھی امتحان ہے اور سکھلانے والے کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے بندوں کا جس طرح چاہے امتحان لے۔ اسی کا اختیار ہے اور اسی کا حکم ہے۔

"ھاروت و ماروت" دونوں سریانی نام ہیں اور دونوں محل خفض میں ہیں یعنی مجرور (زیر والے) ہیں کیونکہ ہاروت و ماروت

سلطین کی تفسیر ہیں مگر دونوں لفظوں میں زبردی گئی (زیر نہیں دی گئی) بوجہ عجمہ اور معرفہ یعنی علم (نام) ہونے کی وجہ (کیونکہ اس طرح دونوں غیر منصرف ہو گئے) اور ان کا قصہ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین نے بیان کیا۔ بے شک فرشتوں نے انسانوں کے برے اعمال کو آسمانوں کی طرف حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں چڑھتے دیکھا تو فرشتوں نے عیب جوئی کی اور کہا یا اللہ! کیا یہی ہیں جن کو تو نے زمین میں اپنا خلیفہ بنا رکھا ہے اور ان کو منتخب کر رکھا ہے (فضیلت کے لیے) اور یہ آپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اے فرشتو! میں تمہیں زمین میں اُتاروں اور تمہارے اندر وہی چیز رکھ دوں جو میں نے اولاد آدم علیہ السلام میں رکھی ہے (نفسانی خواہشات) تو تم بھی وہی اعمال بد کرو گے جو اولاد آدم کر رہی ہے۔ فرشتے بولے سبحان اللہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم تیری نافرمانی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو فرشتے منتخب کرو جو تم میں سے بہت بہتر ہوں، میں ان کو زمین کی طرف اُتاروں گا تو فرشتوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا جو کہ فرشتوں میں سے صالح ترین اور عابد ترین تھے۔

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا تین فرشتوں کا انتخاب کرو تو انہوں نے عزائیل جو کہ ہاروت ہے اور عزایا کو جو کہ ماروت ہے جنہوں نے گناہ کے ارتکاب پر اپنے ناموں کو بدل ڈالا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت کو رکھ دیا اور ان کو زمین کی طرف اُتارا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کریں اور ان کو شرک اور قتل ناحق، زنا اور شراب پینے سے منع کیا۔ بہر حال عزائیل کے دل میں جب شہوت نازل ہوئی تو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور درخواست کی کہ مجھے آسمان کی طرف اٹھا لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سے اقالہ فرمایا یعنی سابقہ ذکر کی گئی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ پس عزرائیل نے پورے چالیس سال سجدہ کیا اور سر نہ اٹھایا اور پھر ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے سر جھکائے رکھا۔ بہر حال باقی دو اس پر ثابت رہے، سارا دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے جب شام کرتے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم لیتے اور اس کے باعث آسمان کی طرف چڑھ جاتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی ان پر ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ سب کہتے ہیں کہ اس طرح ہوا کہ ان دونوں کی طرف ایک دن زہرہ جھگڑا لے کر آئی۔ یہ عورت عورتوں میں سے خوبصورت ترین عورت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل فارس میں سے تھی اور علاقہ کی ملکہ تھی۔ جب ان دونوں فرشتوں نے اس عورت کو دیکھا تو اس عورت نے ان کے دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پس ان دونوں نے اس عورت کو ورغلایا، پر وہ نہ مانی اور واپس چلی گئی۔ دوسرے دن پھر آئی چنانچہ دوسرے دن بھی ان دونوں نے اسی طرح کیا یعنی اس عورت کو ورغلایا، اس دن بھی اس عورت نے انکار کیا اور کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ تم اس بت کی عبادت کرو جس کی میں عبادت کرتی ہوں اور اس کی طرف نماز پڑھو، ان دونوں نے کہا کہ ان سب چیزوں کی طرف ہمارا راستہ بالکل نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے منع کیا ہے۔ پس زہرہ عورت چلی گئی۔ پھر تیسرے دن آئی اور اس کے ساتھ شراب کا پیالہ تھا اور ان دونوں کے دل میں اس عورت کی طرف میلان تھا۔ دونوں نے اس کو ورغلایا۔ اس عورت نے وہی کل والی شرائط پھر پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ غیر اللہ کی طرف نماز بڑا گناہ ہے اور بے گناہ قتل بھی (گناہ) عظیم ہے اور ان تینوں میں سے جو آسان کام ہے وہ شرب خمر ہے۔ پس دونوں نے شراب پی اور نشہ میں

آ گئے اور اس عورت سے زنا کیا، ان دونوں کو ایک شخص نے دیکھا، انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دونوں فرشتوں نے بت کو سجدہ بھی کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو ستارے کی شکل میں مسخ کر دیا۔

بعض نے کہا ان کے پاس حسین ترین عورت آئی اور اپنے خاوند کے سلسلہ میں جھگڑا کیا۔ ان دو میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ کیا تیرے دل میں بھی وہی بات (شہوت) آ گئی ہے جو میرے دل میں واقع ہوئی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں پس اس نے کہا کہ تو اس عورت کے حق میں اور اس کے خاوند کے خلاف فیصلہ دے گا؟ اس کے ساتھی نے کہا کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتنی سزا اور عذاب ہے؟ دوسرے ساتھی نے کہا کہ کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عفو و رحمت کس قدر ہے؟ پس دونوں نے اس عورت سے (اپنی خواہش) طلب کی۔ پس اس عورت نے کہا نہیں مگر یہ کہ تم دونوں میرے حق میں اور میرے خاوند کے خلاف فیصلہ دو۔ پس انہوں نے اسی طرح فیصلہ دیا۔ پھر اس عورت کے نفس کے بارے میں سوال کیا۔ اس عورت نے کہا کہ نہیں مگر یہ کہ میرے خاوند کو قتل بھی کرو تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر سزا اور عذاب ہے؟

اس کے ساتھی نے اس سے کہا کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عفو و رحمت کس قدر ہے۔ پس اس کے خاوند کو انہوں نے قتل کر ڈالا پھر ان دونوں نے اس عورت سے اس کے نفس سے متعلق درخواست کی۔ عورت نے کہا کہ نہیں مگر یہ کہ ہمارا ایک بت ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اگر تم میرے ساتھ مل کر اس بت کے پاس نماز پڑھو گے تو تمہاری مراد پوری کروں گی۔

پس ایک نے دوسرے سے وہی کہا جیسا اس نے پہلے سے کہا تھا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کو وہی کچھ جواب دیا جیسا کہ پہلے نے جواب دیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے اس کے ساتھ مل کر (بت کے پاس) نماز پڑھی۔ پس وہ عورت ستارے کی شکل میں مسخ کر دی گئی۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور کلبی و سدی رحمہم اللہ بھی کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ تم مجھے حاصل نہیں کر سکتے یہاں تک کہ مجھے اس کی خبر دو جس کے ذریعے تم آسمان کی طرف چڑھتے ہو، دونوں فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے اسم اکبر کے باعث۔ وہ کہنے لگی تم مجھے نہیں پا سکتے حتیٰ کہ تم مجھے وہ اسم اکبر سکھلاؤ تو ایک نے دوسرے کو کہا وہ اس کو سکھا دے، اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، دوسرے نے کہا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں گئی؟ پس انہوں نے وہ اسم اعظم اس عورت کو سکھلا دیا۔

پس اس عورت نے وہ اسم اعظم بولا اور آسمان کو چڑھ گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ستارے کی شکل میں مسخ کر دیا۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ زہرہ ستارہ "بعینہا" وہی عورت ہے اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے کہ بیشک زہرہ ستارہ ان سات ستاروں میں سے ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی ہے۔ پس فرمایا "فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس" اور جس عورت نے ہاروت و ماروت کو فتنے میں ڈالا اس کا نام زہرہ اس کے حسن و جمال کے باعث تھا۔ جب اس نے بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ستارے کی شکل میں مسخ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت نے اس گناہ کے ارتکاب کے بعد اس دن شام کو آسمان کی طرف چڑھنا چاہا تو ان کے پروں نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ پس وہ جان گئے جو کچھ ان پر بلا نازل ہوئی دونوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کا قصد کیا اور اپنے امر کی

خبر دی اور حضرت ادریس علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت فرما دیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام سے انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے نیک اعمال آسمان کی طرف اتنی مقدار میں چڑھتے ہیں جتنے اعمال تمام پوری مخلوق کے ہیں۔ پس اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے شفاعت کی، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو دُنیا اور آخرت کے عذاب کے مابین اختیار دیا (کہ ان دونوں عذاب میں سے جو چاہو قبول کرلو) ان دونوں نے دُنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دُنیا کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ پس وہ دونوں بابل میں عذاب دیئے جاتے ہیں۔ انہوں (مفسرین) نے عذاب کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ دونوں اپنے بالوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں تا قیام قیامت لٹکے رہیں گے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کے سر ان کے پروں کے نیچے جھکے ہوئے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان دونوں کو قدموں سے لے کر رانوں سمیت ٹخنوں تک زنجیروں میں جکڑا گیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کو آگ سے بھرے کنویں میں رکھا گیا ہے۔ حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دونوں اوندھے منہ ہیں اور لوہے کے ڈنڈوں سے مارا جاتا ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ بے شک ایک شخص نے ہاروت ماروت کا قصد کیا تاکہ ان سے جادو سیکھے۔ پس دونوں کو پاؤں کے ساتھ لٹکا ہوا پایا، دونوں کی آنکھیں نیلگوں تھیں اور چمڑے سیاہ، ان کی زبانوں اور پانی کے درمیان صرف چار انگلی کا فاصلہ تھا اور انہیں پیاس کا عذاب دیا جا رہا تھا۔

جب اس نے یہ دیکھا تو خوفزدہ ہوگیا اور کہا لا الہ الا اللہ جب ان دونوں نے سنا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ایک انسان ہوں۔ انہوں نے پوچھا کس اُمت سے ہو، اس آدمی نے جواب دیا اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، انہوں نے پوچھا کیا حضور علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں اس نے کہا ہاں! دونوں نے کہا الحمد للہ اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس آدمی نے پوچھا تمہارا خوش ہونا کس لیے ہے؟ انہوں نے کہا وہ نبی الساعۃ ہیں، ہمارے عذاب کا ختم ہونا قریب ہو چکا ہے۔

"وما يعلمان من احد" یعنی کسی ایک کو (نہیں سکھاتے) اور من صلہ ہے (حتیٰ) اسے پہلے نصیحت کرتے ہیں۔ "يقولا انما نحن فتنة" آزمائش و امتحان ہیں۔ "فلا تكفر" یعنی جادو نہ سیکھ پس تو اس پر عمل کرے گا، پھر کفر کر بیٹھے گا۔ فتنۃ کا اصل معنی آزمائش و امتحان ہے۔ اہل عرب کے اس قول سے مشتق ہے۔ "فتنت الذهب والفضة" یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تو سونے چاندی کو آگ میں پگھلائے تاکہ کھرا کھوٹا معلوم ہو۔ فتنۃ مفرد اس لیے ذکر کیا گیا حالانکہ وہ دو ہیں کیونکہ فتنۃ مصدر ہے اور مصادر تثنیہ جمع نہیں آتیں اور کہا گیا ہے "انما نحن فتنة فلا تكفر" بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرشتے سیکھنے والے کو سات دفعہ نصیحت کرتے تھے۔

حضرت عطاء اور سدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جب سیکھنے والا سیکھنے پر اڑ جاتا تو اس کو کہتے ہیں اس راکھ پر جا اور اس پر پیشاب کر، سو وہ پیشاب کرتا ہے اور پیشاب کرتے ہی اس کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلتا اور آسمان کی طرف چلا جاتا۔ یہ ایمان اور معرفت کا نور ہوتا اور اوپر سے ایک سیاہ چیز دھوئیں کی مانند اترتی ہے اور اس شخص کے کانوں میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔

(اہم نوٹ):...... منجانب مترجم:۔ ہاروت وماروت سے متعلق یہ مکمل قصہ مستند نہیں۔ اس لئے اس سے مکمل احتراز کرنا چاہیے۔ اس کے غلط ہونے کی وجوہ ① فرشتے بالاجماع معصوم ہیں اور گناہ کبیرہ کا صدور منافی عصمت ہے۔ ② ان دونوں فرشتوں کو اس عذاب شدید میں گرفتار ہونے کے بعد تعلیم سحر کی فرصت کہاں اور لوگوں کو ان تک رسائی اور ان سے اختلاط کیسے ممکن تاکہ سلسلہ تعلیم وتعلم ہوسکے۔ ③ فاسقہ وفاجرہ عورت کو اس خباثت کے باوجود کس طرح ممکن ہوا کہ وہ اسم اعظم کی تاثیر سے آسمان پر چڑھ سکے۔ ④ مسخ وتبدیل صورت عذاب کی ایک صورت ہوتی ہے جس میں تحقیر واہانت ہوتی ہے ستارۂ درخشندہ وتابندہ کی شکل میں ہوجانا اور آسمان پر جگہ پالینا یہ تو کمال تعظیم ہے نہ کہ حقارت۔ ⑤ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں شہوت رکھی گئی تو تم معاصی کروگے اور جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ نہیں ہم نہیں کریں گے یہ قول فرشتوں کا باری تعالیٰ کی تکذیب بھی ہے اور تجہیل بھی۔ اس قسم کا قول تو نفس ایمان کے بھی منافی چہ جائیکہ فرشتے یہ قول کریں۔

فائدہ:۔ تمام علوم من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علوم صحیحہ اپنی مخلوق تک پہنچانے کے لیے انبیاء ورسل (علیہم السلام) کا انتخاب کیا اور علم سحر کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے ان دو فرشتوں کو ذریعہ بنایا۔ مذکورہ بالا مضمون تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک ہاروت وماروت تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا اور ہر مسئلہ میں ان کے درمیان ایک واسطہ شیطان آتا جاتا ہے۔ "فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرء وزوجه" اور وہ کہ ہر ایک کو دوسرے (ساتھی) سے الگ کرلیا جائے اور ایک کو دوسرے کی (نظر میں) طرف مبغوض کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وماهم" کہا گیا ہے یعنی جادوگر اور کہا گیا ہے یعنی شیاطین "بضارین به" یعنی جادو کے ساتھ (من احد) یعنی کسی ایک کو "الا باذن اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے علم اور تکوینی فیصلہ کے ساتھ پس جادوگر جادو کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وجود میں (تاثیر کو) لاتے ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے تقدیری فیصلہ اور قدرت مشیت کے ساتھ "ویتعلمون مایضرهم" یعنی جادو ان کو نقصان دیتا ہے۔ "ولا ینفعهم ولقد علموا" مراد یہود ہیں "لمن اشتراه" یعنی جادو اختیار کیا "ماله فی الآخرة" یعنی جنت میں (من خلاق) کوئی حصہ "لبئس ماشروا به" بیچا اس کے ساتھ "انفسهم" اپنی ذات کا حصہ جبکہ انہوں نے جادو اور کفر کو دین اور حق پر اختیار کیا۔ "لو کانوا یعلمون"

اعتراض اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا "ولقد علموا لمن اشتراه" البتہ تحقیق انہوں نے جان لیا تو اب "لو کانوا یعلمون" فرمانا جو کہ دونوں کے مفہوم میں ٹکراؤ ہے جبکہ پہلے اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں وہ جان گئے؟ اب فرمایا "لو کانوا یعلمون"

جواب میں کہا گیا ہے "ولقد علموا" سے مراد شیاطین ہیں اور "لو کانوا یعلمون" سے مراد یہود ہیں اور کہا گیا ہے دونوں جگہ یہود مراد ہیں۔ لیکن جب یہود نے اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا گویا انہوں نے نہ جانا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ترجمہ اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ (اس کفر و بدعملی سے ہزار درجہ) بہتر تھا کاش اُن کو (اتنی) عقل ہوتی اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور اُنظرنا کہہ دیا کرو اور اس (حکم) کو (اچھی طرح) سُن لیا کرو اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی۔

تفسیر ◉ "ولو انہم آمنوا" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ ایمان لاتے۔ "واتقوا" یہودیت اور جادو سے بچتے "لمثوبۃ من عند اللہ خیر" البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب ان کے لیے بہتر ہوتا۔ "لو کانوا یعلمون"

◉ "یا ایہا الذین آمنوا لاتقولوا راعنا" یہ اس لیے فرمایا کہ مسلمان بھی راعنا یا رسول اللہ کہتے تھے اور یہ "راعنا مراعاۃ" سے مشتق مراد لیتے تھے جس کے معنی تھے کہ اپنی سمع کو ہم سب کے لیے فارغ کیجئے۔ کہا جاتا ہے "ارعی اللہ الشیء وارعاہ" یعنی اس کی طرف کان لگایا (توجہ کی) اور غور سے سنا اور یہ لفظ یعنی "راعنا" لغت یہود میں بری گالی تھی۔ کہا گیا ہے ان کے نزدیک اس کا معنی سن خدا کرے نہ سنوایا جائے اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ "راعنا رعونۃ" سے تھا۔ جب کسی انسان کو بے وقوفی کی طرف منسوب کرنا مقصود ہوتا تو راعنا کہتے یعنی اے احمق! جب مسلمانوں کو یہود نے راعنا کہتے سنا تو آپس میں کہنے لگے ہم تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرّا گالی دیتے تھے اور یہ مسلمان تو علانیہ گالی دے رہے ہیں۔ چنانچہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے راعنا یا محمد، پھر آپس میں ہنستے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یہود سے سنا تو سب کچھ سمجھ گئے اور حضرت سعد بن معاذ ان کی لغت کو جانتے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کو فرمایا اگر میں نے تم میں سے کسی ایک کو حضور علیہ السلام کو راعنا کہتے سنا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔

اس پر یہود نے کہا کیا تم راعنا نہیں کہتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے "لاتقولوا راعنا" والی آیت نازل فرمائی تاکہ اس سے یہود حضور علیہ السلام کو گالی دینے کی راہ نہ پائیں۔

فرمایا "وقولوا انظرنا" یعنی ہماری طرف دیکھو اور کہا گیا ہے کہ "انظرنا" کا معنی ہے "انتظرنا وتأن بنا" یعنی ہمارا انتظار کریں اور توقف کریں۔ کہا جاتا ہے "نظرت" "فلانا" "وانتظرتہ" یعنی میں نے فلاں کو مہلت دی اور اس کا انتظار کیا اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

"انظرونا نقتبس من نورکم" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "انظرنا" کا معنی "فہمنا" یعنی ہمیں سمجھایئے "واسمعوا" جس چیز کا تم حکم دیئے جارہے ہو (اسے سنو) اور اطاعت کرو "وللکافرین" یعنی یہود کیلئے "عذاب الیم"

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۞ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞

ترجمہ ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں (اے معترض) کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر ● "ما یود الذین کفروا من اهل الکتاب" اور یہ اس طرح کہ بے شک جب مسلمان اپنے حلیفوں کو جو یہود تھے یہ کہتے کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لاؤ تو جواب دیتے تم جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہو وہ ہمارے دین سے بہتر نہیں اگر بہتر ہوتا تو ہم ضرور اسے پسند آتے۔ ان کی تکذیب کیلئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہود قطعاً اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر اے میرے نبی کے صحابہ کسی قسم کی خیر نازل ہو۔ "ولا المشرکین" عطف ہی مشرکین کو یہ پسند ہے۔ مشرکین کے لفظ کا مجرور ہونا من کے زیر ترتیب آ جانے کی وجہ سے ہے۔

"ان ینزل علیکم من خیر من ربکم" یعنی خیر اور نبوت اور "من" صلہ ہے۔ "واللہ یختص برحمتہ" برحمتہ سے مراد نبوت ہے "من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم" فضل کا معنی بغیر کسی سبب کے ابتداءً احسان کرنا اور کہا گیا ہے کہ رحمت سے مراد اسلام اور ہدایت ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھیجا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے مبعوث فرمایا تو یہود کو تو یہ بات اس لیے اچھی نہ لگی کہ نبی آخر الزمان کی بعثت بنو اسحاق و بنو اسرائیل سے کیوں نہ ہوئی اور مشرکین کو حضور علیہ السلام کا نبی ہونا اس لیے اچھا نہ لگا کہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب ہدایت قرآن نے مشرکین کی بت پرستی کی بنیاد پر رُسوائی کی اور ان کے معبودوں کو عیب لگایا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

⑩ "ما ننسخ من آیة او ننسها" اور یہ اس طرح کہ مشرکین کہنے لگے کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک دن کسی چیز کا حکم دیتے ہیں پھر اسی سے ان کو روکتے ہیں اور اس کے برخلاف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ آج ایک بات کی اور کل اس سے رجوع کر لیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی "واذا بدلنا آیة مکان آیة واللہ اعلم بما ینزل" انہوں نے کہا آپ (حضور علیہ السلام) صرف مفتری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں "ما ننسخ من آیة او ننسها" تو اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نسخ کی حکمت بیان فرمائی۔

لغوی طور پر نسخ کے دو معنی ہیں۔ ① نقل کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیرنا۔ اسی سے نسخ الکتاب یعنی مضمون الکتاب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کیا۔ نسخ کے اس معنی کے اعتبار سے پورا قرآن کریم منسوخ ہے اس لیے کہ قرآن کریم کو لوح محفوظ سے

نقل (کرکے دُنیا میں بھیجا گیا) کیا گیا۔ ❷ نسخ کا دوسرا معنی رفع یعنی اُٹھالینا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "نسخت الشمس الظل" یعنی دھوپ نے سائے کو اُٹھالیا اسے ختم کردیا۔ اس معنی کی رُو سے بعض قرآن ناسخ اور بعض قرآن منسوخ ہوگا اور آیت کریمہ میں نسخ کا یہی معنی مراد ہے اور اس قسم کے نسخ کی کئی صورتیں ہیں۔ ❶ خط یعنی الفاظ موجود اور حکم منسوخ۔ جس طرح وہ آیت جس میں رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہے اور وہ آیت جس میں عدت وفات کے لیے سال کا حکم ہے اسی طرح وہ آیت جس قتال میں تخفیف کی گئی (یعنی پہلے دس گنا دشمن کے بالمقابل ڈٹ جانے کا حکم تھا، بعد میں گھٹا کر یہ تعداد دوگنا کردی گئی۔ اگر اس سے بھی دشمن زیادہ ہو تو پسپائی کا جواز ہے) اسی طرح آیت متعہ اور اس قسم کی دوسری آیات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "ما ننسخ من آیۃ" کا معنی کرتے ہیں کہ جس کا ہم خط باقی رکھیں اور حکم بدل دیں ❷ اور نسخ میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت اُٹھالیں اور حکم باقی رکھا جائے۔ جیسے آیت رجم ❸ اور ایک نسخ یہ ہے کہ بالکل ہی قرآن کریم سے بھی اُٹھالی جائے اور دلوں سے بھی محو کردی جائے جس طرح کہ حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ رات کو کھڑے ہوئے تاکہ سورۃ پڑھیں مگر اس سورۃ میں سے ان کو سوائے بسم اللہ کے کچھ یاد نہ رہا۔ پس صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو خبر دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس سورۃ کی تلاوت اور احکام اُٹھائے جاچکے ہیں اور کہا گیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۂ بقرہ کی طرح تھی۔ اس کا اکثر حصہ تلاوت واحکام کے لحاظ سے اُٹھا دیا گیا یعنی منسوخ کردیا گیا۔ ❹ پھر نسخ حکم کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ حکم اُٹھائے جانے کے بعد اس کی جگہ اور حکم رکھ دیا جائے جیسے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا اس کی جگہ کعبہ مکرمہ کو قبلہ مقرر کردیا گیا۔ اسی طرح خویش واقارب کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس کی جگہ میراث کا حکم نافذ کردیا گیا۔ عدۃ الوفات یعنی جس عورۃ کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت ایک سال تھی اسے منسوخ کیا گیا۔ اس کی جگہ چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کردی گئی۔ میدان قتال میں ایک مجاہد کا دس کے مقابلہ میں ثابت رہنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس کی جگہ ایک مجاہد کا دو کے مقابلے میں جمارہنے کا حکم دے دیا گیا ❺ اور نسخ کی ایک قسم یہ ہے کہ حکم منسوخ کیا گیا مگر اس کی جگہ کوئی اور حکم نہ رکھا گیا جیسے کہ عورتوں کا (ایمان کے لحاظ سے) امتحان لینا منسوخ ہوا مگر اس کی جگہ کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

فائدہ:۔ نسخ اوامر ونواہی (یعنی احکام) کا ہوتا ہے۔ اخبار (یعنی قصص وغیرہ) میں نہیں۔ بہرحال آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ما ننسخ من آیۃ" عام حضرات کی قرأۃ نون اور سین کی زبر کے ساتھ ہے نسخ سے مشتق ہے یعنی اُٹھنا۔ ابن عامر نے ننسخ کو پہلے نون کی پیش کے ساتھ اور سین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ انساخ سے مشتق کرکے اور اس کی دو وجہیں ایک بمعنی یہ کہ ہم اس کو منسوخ میں کردیتے ہیں۔ دوسرا معنی یہ کہ ہم اس کو منسوخ میں آپ کے لیے نسخہ بنادیتے ہیں۔ (جدید عربی میں نسخہ بمعنی کاپی، نقل، ڈپلی یعنی ڈپلی کیٹ کے آتے ہیں)۔

کہا جاتا ہے "نسخت الکتاب" یعنی اس کو میں نے لکھا اور "انسخته غیری" جب کہ اس کے لیے نسخہ بنا کردے یعنی ایک کاپی اس کی اس کو دے۔ "او ننسها" یعنی ہم اس کو آپ کے دل سے بھلادیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم

اس کو چھوڑ دیتے ہیں منسوخ نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "نسوا اللہ فنسیھم" یعنی انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا گیا ہے کہ "ننسھا" کا معنی ہے ہم اس کو چھوڑ دینے کا حکم دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "النسیت الشیئ" جب تو نے اس کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو۔ پس نسخ اوّل یہ ہوگا کہ حکم کو اٹھا دیا گیا اور اس کی جگہ اور حکم رکھ دیا گیا اور انسا کا معنی ہوگا نسخ کرنا اور اس کے قائم مقام اور حکم نہ رکھنا ابن کثیر اور ابو عمرو نے "او ننسأھا" پڑھا پہلے نون کی اور سین کی زبر کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور اس کو تبدیل نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے "نسا اللہ" فی اجلہ یا "انسا اللہ اجلہ" دونوں کا ایک معنی ہے یعنی اس کی عمر بڑھا دی موت مؤخر کر دی۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہم اس کی تلاوت اٹھا دیتے ہیں اور اس کا حکم مؤخر کر دیتے ہیں جس طرح آیت رجم میں کیا۔ بنا بریں نسخ اوّل کا معنی تلاوت اور حکم اٹھا لینے کے ہوگا۔

دوسرا قول حضرت سعید بن المسیب اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں بہر حال جو کچھ آیت منسوخ ہو جائے پس وہ آیت ہے جو قرآن کریم میں نازل ہوئی۔ اس نسخ کو دونوں نحو سے بناتے ہیں یا پھر "ننسأھا" سے بناتے ہیں یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور اس کو لوح محفوظ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ پس اس کو نازل نہیں فرماتے۔ "نأت بخیر منھا" وہ کچھ لاتے ہیں جو تمہارے لیے زیادہ نافع ہو اور تم پر زیادہ آسان ہو اور تمہارے لیے زیادہ باعث اجر ہو یہ معنی نہیں کہ کوئی آیت دوسری آیت سے بہتر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا سارا کلام ایک ہے اور سب کا سب خیر ہے۔ "او مثلھا" نفع دینے میں اور ثواب میں اس کے مثل ہو۔ پس ہر وہ آیت جو منسوخ ہو اور اس کے بعد وہ آیت آئے جس کا حکم آسان ہو تو اس کا خیر ہونا بایں معنی کہ عمل آسان ہے اور جس آیت کی منسوخی کے بعد ایسی آیت آئے جس کا حکم پہلے والی آیت سے مشکل ہو تو اس کا خیر ہونا بایں طور ہوگا کہ اس کا اجر و ثواب زیادہ ہوگا۔ "الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر" نسخ ہونا تبدیل آیت کرنے کا لفظ استفہام کا ہے اور معنی اس کا تقریر مضمون ہے یعنی بے شک آپ جانتے ہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص اُن ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (بے جا بے جا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کی باتیں کرے بلا شک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا۔

تفسیر: ۝ "الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض وما لکم" اے گروہ کفار نزول عذاب کے وقت "من دون اللہ"... جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے... "من ولی" کوئی قریبی دوست کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے...

"والی" اس کا معنی معاملات کا نگران و سرپرست۔ "ولا نصیر" ایسا مددگار جو تمہیں عذاب سے محفوظ رکھے۔

⑩ "ام تریدون ان تسالوا رسولکم" یہ آیت یہود کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آسمان سے کوئی کتاب

ایک ہی دفعہ لے آئیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کو لائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ام تریدون" یعنی کیا تم ارادہ رکھتے ہو۔ ام میں میم صلہ ہے اور کہا گیا ہے کہ "ام تریدون" کا معنی "ہل تریدون" ہے یعنی ام بمعنی ہل ہے یہ کہ تم اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سوال کرو۔ "کما سئل موسیٰ من قبل" ان سے ان کی قوم نے سوال کیا۔ "ارنا اللہ جہرۃ" اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا ہم تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے لاؤ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم نے سوال کیا اور کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ علانیہ دکھاؤ۔ پس اس میں دلائل و براہین کے ظہور کے بعد من چاہی سوالات سے منع کیا گیا ہے۔ "ومن یتبدل الکفر بالایمان" ایمان کے بدلے کفر لیا۔ "فقد ضل سواء السبیل" درمیانی راستہ سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِۦٓ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞

ترجمہ: ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں (اور یہ خیر خواہی سے نہیں بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے حق واضح ہونے پیچھے خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر رو جب تک حق تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں بلا شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور (بدستور سابق) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیے جاؤ اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے حق تعالیٰ کے پاس (پہنچ کر) اُسکو پاؤ گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔

تفسیر: ⑩ "ود کثیر من اهل الکتاب" یہ آیت یہود کے کچھ لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ انہوں نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو واقعہ احد کے بعد کہا اگر تم حق پر ہوتے تو تم شکست نہ کھاتے۔ لہٰذا تم دونوں ہمارے دین کی طرف آجاؤ ہم تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا تمہارے دین میں عہد توڑنا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا بہت سخت ہے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے تو عہد کر رکھا ہے کہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ جب تک زندہ رہوں گا کفر نہ کروں گا۔ پس یہود نے کہا بہر حال یہ تو صابی ہو گیا۔ (اپنے دین سے پھرنے والے کو اس وقت صابی کہا جاتا تھا) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہر حال میں اللہ تعالیٰ پر رب ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی ہونے کے لحاظ سے اور اسلام پر دین ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں اور قرآن پر امام اور کعبہ کے قبلہ اور مؤمنین کے بھائی ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں۔ پھر دونوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر کی حضور کو خبر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم خیر کو پہنچے اور کامیاب ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ود کثیر من اھل الکتاب" بہت سے اہل کتاب جن کا تعلق یہود سے ہے خواہش کی اور ارادہ کیا۔ "لو یردونکم" اے ایمان والو! (تمہیں لوٹا دیں) "من بعد ایمانکم کفارا حسدا" حسداً کی زبر مصدر پر ہے یعنی مفعول مطلق ہے یعنی "یحسدونکم حسدا" تم پر حسد کرتے ہیں حسد کرنا "من عند انفسھم" یعنی اپنی طرف سے اس کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ "من بعد ما تبین لھم الحق" یعنی تورات میں (یہ بات ظاہر ہو گئی) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (دعویٰ) سچ ہے اور آپ کا دین حق ہے۔ "فاعفوا" پس چھوڑ دو "واصفحوا" درگزر کرو۔ پس عفو کے معنی محو کرنا اور صلح کا معنی اعراض کرنا ہے اور یہ حکم آیت قتال سے پہلے تھا۔ "حتی یاتی اللہ بامرہ" یعنی اپنا عذاب لائے۔ قتل اور قید کی شکل میں جس طرح کہ بنو قریظہ کا حال ہوا اور جلاوطن اور ملک بدری کی صورت میں جیسا کہ بنو نضیر کا حال ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بامرہ سے مراد امر قتال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقاتلوا المشرکین الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر" ...... "وھم صاغرون" تک۔ حضرت ابن کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بامرہ سے مراد علم اور حکمت ہے یعنی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم پر علم اور حکم لائے۔ چنانچہ بعض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی اسلام و ایمان لانے کا ہوا اور بعض کے متعلق قتل قید اور جزیہ کا حکم ہوا۔ "ان اللہ علی کل شیء قدیر"

⑪ "واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکاۃ وما تقدموا" جو کچھ تم آگے بھیجو گے "لانفسکم من خیر" فرمانبرداری اور عمل صالح "تجدوہ عند اللہ" اور کہا گیا ہے کہ خیر سے مراد مال ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان ترک خیرا" اور مراد زکوۃ و صدقہ ہے کہ اس کو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے حتیٰ کہ لقمہ اور پھل کو جبل احد کی طرح پاؤ گے۔ "ان اللہ بما تعملون بصیر"

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاویگا بجز اُن لوگوں کے جو یہودی ہوں یا اُن لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں آپ (اُن سے یوں) کہیے کہ (اچھا) اپنی دلیل لاؤ اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو ضرور دوسرے لوگ جاویں گے (کیونکہ) جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اُس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور نہ ایسے لوگوں پر (قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ (اُس روز) مغموم ہونے والے ہیں اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں اور (اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ یہ سب (لوگ آسمانی) کتابیں (بھی) پڑھتے پڑھاتے ہیں اسی طرح یہ لوگ (بھی) جو کہ (محض) بے علم ہیں اُن کا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دیں گے قیامت کے روز ان تمام (مقدمات) میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

تفسیر: ⑪ "وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا" اس سے مراد یہودی ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہودی سے یاء زائدہ حذف کر دی گئی اور یہودیت سے جو فعل بنتا تھا اس کی طرف لوٹا دیا گیا (یعنی ھود) اخفش رحمۃ اللہ کہتے ہیں "ھود" عائد کی جمع ہے جس طرح عود عائد کی جمع ہے اور حول حائل کی جمع ہے۔ "او نصاریٰ" اور یہ اس لیے کہ یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا اور دین یہودیت کے علاوہ اور کوئی دین نہیں ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں صرف وہی جائے گا جو نصرانی ہوگا اور نصرانیت کے علاوہ کوئی اور کوئی دین نہیں ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ وفد نجران کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو نصرانی تھے اور حضور علیہ السلام کی مجلس میں یہود کے ہمراہ جمع ہو گئے تو (یہود و نصاریٰ) بعض نے بعض کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تلک امانیھم" یعنی ان کی شہوات باطلہ ہیں جو انہوں نے آرزوؤں کی شکل میں اللہ تعالیٰ پر ناحق باندھ رکھی ہیں۔ "قل" "یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم "ھاتوا" (لے آؤ) اس کی اصل آتو ہے "برھانکم" اپنی حجت یا دلیل اس پر جو تم گمان کرتے ہو۔ "ان کنتم صادقین" پھر ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا۔

⑫ "بلیٰ من اسلم وجھہ" ایسے نہیں جیسے وہ کہتے ہیں بلکہ حکم اسلام کو حاصل ہے۔ جنت میں صرف وہ شخص جائے گا جس نے اپنا چہرہ مطیع کر لیا۔ (للہ) اللہ تعالیٰ کے حضور یعنی اپنا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا اور کہا گیا ہے اپنی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر لی اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کی تواضع کی۔ اسلام کی اصل استلام ہے یعنی مان لینا، عاجزی کرنا، چہرے کو خاص اس لیے کیا کہ جب وہ سجدے میں سر کو جھکانے کی سخاوت کرتا ہے تو بقیہ اعضاء کے معاملہ میں کیسے بخل کرے گا۔ "وھو محسن" اپنے عمل میں (احسان کرنے والا) اور کہا گیا ہے محسن بمعنی مؤمن ہے اور کہا گیا ہے مؤمن بمعنی مخلص ہے۔ "فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

⑬ "وقالت الیھود لیست النصاریٰ علی شیء" یہ آیت یہود مدینہ اور نصاریٰ نجران کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب وفد نجران حضور علیہ السلام کے پاس آیا تو ان کے پاس احبار یہود بھی پہنچ گئے۔ پس انہوں نے باہم مناظرہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی

آوازیں بلند ہوگئیں تو یہود نے ان کو کہا "ما انتم علی شیء من الدین" کہ تم کسی ایسی شی پر نہیں جو دین میں معتبر ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا۔ نصاریٰ نے ان کو کہا "ما انتم علی شیء من الدین" کہ کسی ایسی شی پر نہیں ہو جو دین میں معتبر ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا انکار کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا۔ "وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شیء وھم یتلون الکتاب" اور دونوں گروہ کتاب پڑھتے ہیں اور کہا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اختلاف ان کی کتابوں میں نہیں ہے۔ پس ان کا کتاب کی تلاوت کرنا اور جو کچھ کتاب میں ہے اس کی مخالفت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ باطل پر ہیں۔

"کذالک قال الذین لا یعلمون" یعنی ان کے آباء جو گزر چکے ہیں "مثل قولھم" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد عوام نصاریٰ ہیں۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہی کچھ کہا کہ وہ دینی اعتبار سے کسی معتبر شی پر نہیں ہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ امتیں ہیں جو یہود و نصاریٰ سے پہلے گزریں جیسے قوم نوح اور ھود اور صالح اور لوط اور قوم شعیب علیہم السلام۔ انہوں نے اپنے اپنے نبی کو کہا "لیس علی شیء"...... "فاللہ یحکم بینھم یوم القیامۃ" اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ "فیما کانوا فیه یختلفون" دین سے متعلق جو ان کا اختلاف تھا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور اُس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں اُن کا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے بندش کرے اور اُن کے ویران ہونے (کے بارہ) میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک) ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا (بلکہ جب جاتے) ہیبت اور ادب سے جاتے ان لوگوں کو دنیا میں بھی رُسوائی (نصیب) ہوگی اور (ان کو) آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو اُدھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک کا) رُخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۱۴﴾ "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر" یہ آیت ططوس بن اسپیانوس رومی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ انہوں نے بنو اسرائیل سے لڑائی لڑی۔ ان کے جوانوں کو قتل کیا، بچوں کو قید کیا اور تورات کو جلا دیا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور اس میں مردار پھینکے اور اس میں خنزیر ذبح کیے۔ یہ بیت المقدس خراب رہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسے آباد کیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ بیت المقدس کو خراب کرنے والا بخت نصر اور اس کے ساتھی تھے وہ یہود سے لڑے اور بیت المقدس کو خراب کیا اور اس سلسلہ میں نصاریٰ نے ططوس رومی اور اس کے رومی ساتھیوں کی مدد کی۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یحییٰ بن زکریا کو قتل کیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کو بعض یہودیوں نے مجوسی بخت نصر بابلی کی مدد پر اُبھارا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ومن اظلم" یعنی بڑا کافر "ممن منع مساجد اللّٰہ" اس سے مراد بیت المقدس اور اس کے محراب (اس بات سے منع کیا) کہ ذکر کیا جائے "فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین" اور یہ اس طرح کہ بیت المقدس عیسائیوں کے حج کی جگہ اور زیارت گاہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں اس کی آبادی کے بعد کوئی رومی (عیسائی) داخل نہ ہوگا مگر ڈرتے ہوئے اگر اس کا علم ہو جائے تو قتل کر دیا جائے۔ حضرت قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں کوئی نصرانی داخل نہ ہوگا مگر یہ کہ شکل وصورت بدل کر اگر اس پر قدرت حاصل کر لی جائے تو سزا دی جائے۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جزیہ کے ساتھ خوفزدہ کیے جائیں اور کہا گیا ہے کہ یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی جہاد کے ذریعے انہیں دور بھگائے رکھو حتیٰ کہ ان میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہ ہو مگر یہ قتل ہونے اور قید ہو جانے کا خوف رکھتے ہوئے۔ یعنی ان کے لیے مناسب اور لائق نہیں ہے (مسجد میں داخل ہونا) "لھم فی الدنیا خزی" عذاب سے ذلت ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد حربی کافر کا قتل اور ذمی کافر سے جزیہ لینا ہے۔ حضرت مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کہتے ہیں ان کے تین (بڑے) شہر فتح کیے جائیں گے۔ قسطنطنیہ، رومیہ، عموریہ "ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم" اور وہ آگ ہے۔

⑮ وللّٰہ المشرق حضرت عطاء اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی اور مساجد سے مراد مسجد حرام ہے جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حج (عمرہ) سے اور نماز پڑھنے سے حدیبیہ والے سال روکا تھا اور جب انہوں نے حضور علیہ السلام کو اس سے روکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ذکر اللہ سے آباد کریں۔ پس تحقیق ایسا کر کے انہوں نے مسجد حرام کو خراب کرنے کی کوشش کی۔ یہی لوگ ہیں ان کے لیے قطعاً مناسب نہیں کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوں مگر یہ کہ خوفزدہ ہو کر اس سے مراد اہل مکہ گویا اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں کہ میں آپ پر مکہ مکرمہ فتح کردوں گا حتیٰ کہ تم مکہ میں داخل ہو جاؤ گے اور مسجد حرام کے تم (مشرکین کی نسبت) زیادہ حقدار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا لگائے۔ خبردار! آج کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آسکے گا پس یہ ان کو ڈراتا ہو اور شریعت میں یہ ثابت ہے کہ کسی مشرک کے لیے حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہے ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی، قتل ہونا، قید ہونا اور جلاوطنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "وللّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تحویل قبلہ سے پہلے سفر پر نکلے۔ ان کو کہر (دھند) نے آگھیرا اور

نماز کا وقت بھی ہو گیا تو انہوں نے قبلہ کی طرف اندازہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب ابر (دھند) چھٹ گئی تو اس وقت معلوم ہوا کہ انہوں نے قبلہ رُخ نماز نہیں پڑھی۔ جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس مسافر کے بارے میں نازل ہوئی جو نفل نماز ہر اس سمت کی طرف منہ کر کے پڑھتا ہے جس طرف اس کی سواری کا رُخ ہو۔

عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہر اس جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جس طرف آپ کی سواری متوجہ ہوتی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ تحویل قبلہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبلہ جب کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو یہودیوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عار دلائی کہ ان مسلمانوں کا تو کوئی قبلہ ہی نہیں کبھی اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کبھی اُس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت مجاہد اور حضرت حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" وہ کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ کو کہاں سے پکاریں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا

"وللّٰہ المشرق والمغرب" کہ ملک بھی اللہ کی اور تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی۔ "فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ" جس طرف تمہاری سواری کا رُخ ہو ادھر ہی نفل پڑھو۔ یعنی اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے کہ وہیں اللہ تعالیٰ جانتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ "وجہ" کا معنی ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "کل شیء ھالک الا وجھہ" یہاں بھی "الا وجھہ" کا معنی ہے مگر وہ ذات کریم گویا لفظ وجہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کو بیان کرنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ حضرت حسن، مجاہد، قتادہ، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے پس وہیں اللہ تعالیٰ کا قبلہ ہے۔ الوجہ اور الوجھۃ اور جہۃ یعنی قبلہ سے کہا گیا ہے "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا۔ "ان اللّٰہ واسع" یعنی غنی ہے۔ اپنی وسعت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ فراء کہتے ہیں الواسع بمعنی وہ سخی جس کی نوازشات ہر شئی کو شامل ہوں۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "واسع المغفرۃ" (علیم) ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے جہاں کہیں انہوں نے نمازیں پڑھیں اور دُعا کیں کیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور) سب انکے محکوم بھی ہیں

تفسیر: ﴿۱۱۶﴾ "وقالوا اتخذ اللّٰہ ولدا" ابن عامر نے "قالوا" پڑھا بغیر واؤ کے اور باقیوں نے "وقالوا اتخذ اللّٰہ ولدا" یہ آیت یہود مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نجران کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے کہا فرشتے خدا

تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (سبحانہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو عالی منزہ قرار دیا اور عظمت بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے۔ وہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کو یہ حق حاصل نہ تھا اور آدم علیہ السلام کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اسے یہ مناسب نہ تھا۔ بہرحال ابن آدم کا مجھے جھٹلانا اس طرح ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ میں اس کو اس طرح لوٹانے پر قادر نہیں ہوں جیسے کہ وہ پہلے تھا اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ میرے ہاں کوئی اولاد ہے۔ پس میں اس سے پاک ہوں کہ میں بیوی اپناؤں یا اولاد۔

"بل له مافی السمٰوٰت والارض" عبد ہونے کے لحاظ سے اور مملوک ہونے کے لحاظ سے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی ملک ہے۔ "کلٌ له قانتون" حضرت مجاہد، حضرت عطاء اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "قانتون" کے معنی ہیں "مطیعون" حضرت عکرمہ، مقاتل رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ "قانتون" کا معنی ہے "مقرّون" بالعبودیۃ کہ غلامی کا اقرار و اعتراف کرنے والے ابن کیسان فرماتے ہیں۔ "قائمون بالشهادة" کہ (حق کی) گواہی لے کر کھڑے ہونے والے۔ قنوت کا اصل معنی قیام ہے۔ یعنی کھڑا ہونا حضور علیہ السلام نے فرمایا "افضل الصلوٰة طول القنوت" کہ افضل نماز وہ ہے جس کا قیام طویل ہو اس آیت کے حکم کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔

پس ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس آیت کا حکم خاص ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عزیر حضرت مسیح علیہم السلام اور فرشتوں کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت اہل طاعت کی طرف راجع ہے نہ کہ باقی لوگوں کی طرف اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت کا حکم عام ہے تمام لوگوں میں کیونکہ لفظ کل جس پر داخل ہوتا ہے اس کے کل افراد کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس سے کچھ بھی باہر نہیں ہوتا۔ پھر وہ کفار سے متعلق "قانتون" کے مفہوم کے بارے میں دو طریقے انہوں نے اختیار کیے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے سائے ان کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وظلالهم بالغدو والآصال" علامہ سدی کہتے ہیں کفار کی اطاعت بروز قیامت ہوگی۔ اس قول کی دلیل "وعنت الوجوه للحی القیوم" اور کہا گیا ہے "قانتون" بمعنی "مسخرون" ہے یعنی جس مقصد و افادیت کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے اس میں حکم خداوندی کے تابع ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ (حق تعالیٰ) موجد (بھی) ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام

کی نسبت (اتنا) فرمادیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے اور (بعضے) جاہل یوں کہتے ہیں کہ (خود) ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آ جاوے اسی طرح وہ (جاہل) لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں ان ہی کا سا (جاہلانہ) قول ہے ان سب کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) اُنکے لئے (نافع ہیں) جو یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپکو ایک سچا دین دیکر بھیجا ہے کہ خوشخبری سُناتے رہئے اور ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

تفسیر ۱۱۷ "بدیع السموات والارض" یعنی ان کو پیدا کرنے والا اور ان کی نشوونما کرنے والا بغیر کسی سابقہ نمونے کے "واذا قضی امراً" یعنی جو معاملہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا اور کہا گیا ہے یعنی اس کو مستحکم کیا اور مضبوط کیا اور قضا کا اصل معنی فارغ ہوتا ہے اور اسی سے ہے کہ جو شخص مرجائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے "قضی علیہ" دُنیا سے فارغ ہونے کی وجہ سے اور اسی سے ہے "قضاء اللہ و قدرہ" کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے تقدیر و تدبیر کے اعتبار سے فارغ ہو گیا۔ "فانما یقول لہ کن فیکون" ابن عامر "کن فیکون" کو ہر جگہ زبر کے ساتھ پڑھا ہے سوائے آل عمران کی سورۃ میں "کن فیکون الحق من ربک" اور سورۃ انعام میں "کن فیکون قولہ الحق" اور زبر اس لیے دی کہ جواب امر پر جب فاء داخل ہو تو اس کو زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقیوں نے پیش کے ساتھ پڑھا۔

بایں معنی "فھو یکون" پس اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا۔ "فانما یقول لہ کن" جب کہ جس کو کن کہا جارہا ہے وہ معدوم ہے اور معدوم کو خطاب نہیں کیا جاتا؟

جواب۔ ابن انباری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "فانما یقول لہ" یعنی اس کو وجود بخشنے کی خاطر۔ یعنی "لہ" کا معنی یہ نہیں کہ اس کو کہتا ہے بلکہ اس کا معنی ہے اس کے واسطے کہتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے خطاب کا مفہوم ختم ہو گیا اور کہا گیا ہے کہ وہ اگرچہ معدوم ہے مگر چونکہ موجود ہو جانا مقدر ہو چکا ہے اور وہ ہر حال میں وجود میں آنے والا ہے تو وہ کالموجود کی طرح ہو گیا۔ پس اب خطاب درست ہے۔

۱۱۸ "وقال الذین لا یعلمون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد یہود ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا یعلمون" سے مراد عیسائی ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

"لولا" یہاں لولا بمعنی ھلا ہے اور "ھلا" کا استعمال کسی کام پر اُبھارنے کے لیے ہوتا ہے۔ "یکلمنا اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے ملاقاتیہ کلام کیوں نہیں فرماتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور قرآن کریم میں جہاں بھی "لولا" آیا ہے وہ بمعنی "ھلا" ہے سوائے ایک مقام کے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فلولا انہ کان من المسبحین" یہاں "لولا" کا معنی "فلولم یکن" ہے جس کا معنی ہے پس اگر وہ نہ ہوتے تسبیح کرنے والوں سے "او تاتینا آیۃ" وہ آیت رہنمائی کرنے والی

ہوتی اور علامت ہوتی آپ کے سچے ہونے پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کذالک قال الذین من قبلھم" یعنی سابق اُمتوں کے کفار "مثل قولھم تشابھت قلوبھم" یعنی بعض بعض کے کفر میں اور سنگ دلی میں اور محال امور کو طلب کرنے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے۔ "قد بینا الآیات لقوم یوقنون"

⑪ "انا ارسلناک بالحق" یہاں بالحق بمعنی بالصدق ہے (یعنی حق سچ کے ساتھ ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ "ویستنبونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق" یعنی وہ حق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بالحق کے معنی ہیں کہ قرآن کے ساتھ اور اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے "بل کذبوا بالحق لما جاء ھم" ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں بالحق کا معنی اسلام اور اس کے احکام ہیں اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وقل جاء الحق" حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو بے فائدہ و فضول نہیں بھیجا، ہم نے صرف آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق" اللہ تعالیٰ کا ارشاد "بشیرا" یعنی میرے دوستوں کو اور میرے فرمانبرداروں کو اچھے اجر وثواب کی خوشخبری دینے والا (ونذیرا) ڈرانے والا اپنے دشمنوں کو اور گناہ گاروں کو عذاب الیم سے ڈرانے والا ہے "ولا تسأل" یہ (فعل) مجہول معروف ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی کہ بے شک ایک دن حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے کاش! مجھے معلوم ہوجاتا میرے والدین کس حال میں ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا "لاتسئل" فرمانا اس طرح ہے جیسے عرب کا محاورہ ہے۔ "لاتسال عن شر فلان فانہ فوق ماتحسب" کہ فلاں کی برائی کے بارے میں نہ پوچھ وہ تیرے گمان سے بھی اوپر ہے اور یہ "لاتسئل" نفی نہیں ہے اور دوسروں نے "لاتُسئل" پیش کے ساتھ پڑھا۔ فعل نفی کے طور پر معنی ہوگا آپ اُن کے بارے میں مسئول نہیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب" یعنی تبلیغ دین واحکام آپ کے ذمے ہے اور حساب وکتاب ہمارے ذمہ رہا۔

⑫ "عن اصحاب الجحیم" جحیم بڑی آگ کو کہا جاتا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ اور کبھی خوش نہ ہونگے آپ سے یہ یہودی اور نہ یہ نصاریٰ جبتک کہ آپ (خدانخواستہ) اُن کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہوجاویں آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ (بھائی) حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جسکو خدا نے

(ھدایت کا راستہ) بتلایا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں اُنکے غلط خیالات کا علم (قطعی ثابت بالوحی) آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ پاویں گے نہ مددگار جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی بشرطیکہ وہ اُسکی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جسطرح کہ تلاوۃ کا حق ہے ایسے لوگ (البتہ آچکے) اُس دین حق پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا (کس کا نقصان کریگا) خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

تفسیر ۱۲۰ "ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ" اور یہ اس طرح کہ وہ حضور علیہ السلام سے مصالحت کا سوال کرتے اور آپ کو اس کا طمع دلاتے کہ اگر حضور علیہ السلام ان کو مہلت دیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس کا معنی یہ ہوا آپ اگرچہ ان سے مصالحت فرمالیں تو اس پر بھی راضی نہ ہوں گے۔ یہ مصالحت تو آپ سے صرف حیلے بہانے کے طور پر طلب کرتے ہیں اور یہ آپ سے اور کسی طور پر راضی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کرلیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ قبلہ کے بارے میں ہے اور یہ اس طرح کہ یہود مدینہ اور نجران کے عیسائی حضور علیہ السلام کے بارے میں پر اُمید تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ فرما کر کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو یہودی اور عیسائی حضور علیہ السلام کے بارے میں اس بات سے مایوس ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دین کے لحاظ سے موافقت کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولن ترضی عنک الیھود" (یعنی آپ سے یہودی راضی نہ ہوں گے) مگر یہودیت کے ساتھ اور نہ عیسائی راضی ہوں گے مگر عیسائیت کے ساتھ۔ ملت کے معنی طریقہ کے ہیں۔ "ولئن اتبعت اھواء ھم" کہا گیا ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کے ساتھ اُمت کو ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لئن اشرکت لیحبطن عملک"...... "بعد الذی جاء ک من العلم" یہاں علم سے مراد بیان ہے یعنی اس بیان کے آجانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا دین دین اسلام ہے اور قبلہ قبلۂ ابراہیمی ہے جو کہ کعبہ ہے۔

۱۲۱ "مالک من اللہ من ولی ولا نصیر"......"الذین آتیناھم الکتاب" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ کشتی والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ آئے تھے۔ یہ چالیس مرد تھے۔ بتیس (۳۲) کا تعلق حبشہ سے تھا اور آٹھ شام کے راہب تھے۔ ان میں بحیرا راہب بھی تھا۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہوئے۔ عبداللہ بن سلام، شعبہ بن عمرو اور تمام بن یہودا، اسد، اسید (رضی اللہ عنہم) جو دونوں کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور ابن یامین، عبداللہ بن صوریا، حضرت قتادہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ اصحاب رسول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ عامۃ المؤمنین ہیں۔ "یتلونہ حق تلاوتہ" کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پوچھنے والوں کے لیے اس طرح بیان کرتے جیسا کہ بیان کا حق ہے۔

اور "یتلونہ" میں ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کے علاوہ باقی کہتے ہیں کہ یہ ضمیر کتاب کی

طرف لوٹتی ہے اور "یتلونہ" کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "یتلونہ" کا معنی ہے "یقرؤنہ" ہے یعنی اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کہ اسے نازل کیا گیا اور اس کو تبدیل نہیں کرتے اس کے حلال کو حلال کرواتے ہیں اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اس کتاب کے محکم آیات پر عمل کرتے ہیں اور اس کے متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور جو مضمون و معنی ان پر مشکل ہوا سے جاننے والے کے سپرد کرتے ہیں۔ (جاننے والے سے رجوع کرتے ہیں) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یتلونہ حق تلاوتہ" کا معنی ہے کہ جس طرح اس کی پیروی کرنے کا حق ہے ویسے ہی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اولئک یؤمنون بہ" ..... "ومن یکفر بہ فاولئک ھم الخسرون"

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو (بھی) کہ میں نے تم کو (بہت سی باتوں میں) بہت لوگوں پر فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے پاویگا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاویگا اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ اُن لوگوں کو کوئی بچا سکے گا اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُنکے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ اُنکو پورے طور پر بجالائے (اُسوقت) حق تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤنگا اُنھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی (کسی کسی کو نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ میرا (یہ) عہد (نبوت) خلاف ورزی (قانون) کرنیوالوں کو نہ ملے گا۔

تفسیر: ﴿۱۲۴﴾ ابن عامر رحمہ اللہ نے ابراہیم کے لفظ کو بعض جگہوں پر ابراھام پڑھا ہے اور یہ تینتیس جگہیں ہیں بہرکل مقامات ننانوے (۹۹) ہیں جہاں ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ ابراہیم عجمی نام ہے اس لیے یہ منصرف نہیں بلکہ غیر منصرف ہے اور یہ ابراہیم بن تارخ اور یہ تارخ آزر بن ناخور ہے۔ ان کی پیدائش اھواز کے علاقہ سوس میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ بابل میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ مقام کوثی میں ہوئی اور کہا گیا ہے کسکر کے مقام پر ہوئی اور کہا گیا کہ حضرت ابراہیم کی ولادت حران میں ہوئی اور ان کے والد نمرود بن کنعان کی سرزمین بابل سے لے آئے اور ابتلاء کا معنی آزمانا اور امتحان میں ڈالنا ہے اور اس کا معنی امر بھی ہے یعنی حکم دینا، اللہ تعالیٰ کا بندوں کے آزمانے کا معنی یہ نہیں کہ آزما کر ان کے حالات معلوم کرتا ہے کیونکہ (آزمائے بغیر) اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور ان کے حالات کا عالم ہے بلکہ آزمائش میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ ان کے حالات اور لوگ بھی جان لیں اور بعض،

بغض کے حالات سے آگاہ ہوجائیں۔ وہ کلمات جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، وہ کیا تھے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پس حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ تیس (۳۰) چیزیں تھیں جنہیں احکام اسلام کا نام دیا گیا۔ ان کے ساتھ کسی کو نہیں آزمایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔ پس ان کے لیے برأت لکھ دی گئی۔ پس فرمایا "وابراھیم الذی وفّی" ان تیس (۳۰) میں سے دس (۱۰) چیزیں سورۃ برأت میں ہیں۔ "التائبون العابدون" سے لے کر آخر تک اور دس (۱۰) چیزیں سورۃ احزاب میں ہیں "ان المسلمین والمسلمات" سے لے کر آخر تک اور دس ⑩ چیزیں سورۃ مؤمنون میں ہیں "قد افلح المؤمنون" سے لے کر آخر تک۔

اور طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دس ⑩ چیزوں کے ساتھ آزمایا اور یہ دس چیزیں فطرت سلیمہ ہیں۔ ان دس میں سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور وہ یہ ہیں ❶ مونچھیں کتروانا ❷ کلی کرنا ❸ ناک میں پانی کرنا ❹ مسواک کرنا ❺ سر میں مانگ نکالنا اور پانچ چیزیں باقی بدن سے متعلق ہیں۔ ❶ ناخن کترنا ❷ بغل کے بال اکھاڑنا ❸ زیر ناف بال مونڈھنا ❹ ختنہ کرانا ❺ پانی سے استنجا کرنا۔ ایک خبر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مونچھیں کتریں اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ناخن کاٹے اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بڑھاپا دیکھا۔ یعنی ان کے بال سفید ہوئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے کے آثار دیکھے یعنی بالوں کو سفید ہوتے دیکھا تو پوچھا اے میرے رب یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، یہ وقار ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی اے میرے رب! میرے وقار میں اضافہ فرما۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آزمائش سے مراد وہی آیات ہیں یعنی ان کا مضمون ہے جو اس کے بعد ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "انی جاعلک للناس" "اماما" حضرت ربیع اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس آزمانے سے مراد احکام حج ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سات چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ ❶ ستارے ❷ چاند ❸ سورج۔ پس ان میں بہت اچھی گہری نظر فرمائی اور ان سے اس بات پر استدلال کیا کہ بے شک اس کا رب دائم ہے کبھی زائل نہ ہوگا۔ ❹ اور آگ کے ساتھ آزمایا۔ پس اس پر صبر کیا۔ ❺ اور ہجرت کے ساتھ آزمایا۔ ❻ اور بیٹے کو ذبح کرنے کے ساتھ آزمایا ❼ اور ختنہ کرنے کے ساتھ آزمایا۔ پس ان چیزوں پر صبر کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آزمانے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ قول جب وہ بیت اللہ شریف کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ "ربنا تقبل منا" الی آخر الآیۃ پس ان دونوں نے سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کے پاکیزہ کلمات کے ساتھ کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ یمان بن رباب فرماتے ہیں کہ کلمات سے مراد اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی قوم نے حجت بازی کی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وتلک حجتنا آتیناھا ابراھیم" اور کہا گیا ہے کہ اس آزمائش سے مراد یہ آیات ہیں "الذی خلقنی فھو یھدین" الی آخر الآیات۔ پس

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو تمام کر دکھایا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے "اداھن" یعنی ان کو پورا پورا ادا کر دیا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے "قام بھن" یعنی ان کی ذمہ داری کو پوری طرح نبھایا۔ حضرت یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے عمل بھن یعنی ان کو عمل میں لائے۔

"قال انی جاعلک للناس اماما" ہر قبر میں تیری اقتداء کی جائے گی۔ "قال" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "ومن ذریتی" یعنی میری اولاد میں سے بھی امام بناوے جن کی اقتداء کی جائے۔ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لاینال" نہیں پہنچے گا "عھدی الظالمین" حمزہ اور حفص رحمہم اللہ نے عہدی کی یاء کو ساکن پڑھا اور باقیوں نے ی کو زبر کے ساتھ پڑھا۔ یعنی جو ان میں سے ظالم ہوگا اس کو "یہ وعدہ امامۃ" نہیں پہنچے گا۔ حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عھدی سے مراد رحمتی ہے (یعنی میری رحمت ظالموں کو نہ پہنچے گی)۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عھدی کا معنی ہے "نبوتی" اور کہا گیا ہے اس سے مراد امامت ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ظلم میں ان کی اطاعت کی جائے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ جو نبوت وامامت کا میں نے آپ سے کیا ہے یہ میرا عہد اس کو نہیں حاصل ہوگا جو شخص آپ کی اولاد میں سے ظالم ہوگا اور کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد "امان من النار" ہے (یعنی جہنم کی آگ سے اسے امان حاصل نہ ہوگی) اور ظالم سے مراد مشرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن" (اس آیت کریمہ میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں اس کی صراحت کی گئی)۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ کیلئے مقرر کیا اور مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے واسطے۔

تفسیر: ۱۲۵ "واذ جعلنا البیت" یعنی کعبہ "مثابۃ للناس" لوگوں کے لیے جائے رجوع کہ چاروں اطراف کے لوگ وہاں آتے ہیں۔ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس (کعبہ) کو ثواب کی جگہ بنادی کہ وہاں لوگ حج کرکے ثواب حاصل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مثابۃ" کا معنی ہے جائے پناہ اور ٹھکانہ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جمع ہونے کی جگہ "وامنا" یعنی جائے امن کہ اس میں مشرکین کی ایذاء سے امن میں رہیں گے کیونکہ کفار ومشرکین اہل مکہ کی طرف تعرض نہ کرتے تھے اور کہتے تھے یہ لوگ اہل اللہ ہیں اور مکہ مکرمہ کے اردگرد کے لوگوں کو

نقصان پہنچاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اولم یروا انا جعلنا حرماً آمنا ویتخطف الناس من حولھم" کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم پاک کو امن والا بنایا اور ان کے اردگرد کے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ یہ شہر (مکہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دن سے حرام فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کے باعث قیامت کے دن تک حرام ہے اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے مگر وہ اُٹھائے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو اور اس کا گھاس نہ کاٹا جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اذخر" بوٹی کو مستثنیٰ کیجئے کیونکہ لوہاروں کے کام آتی ہے اور گھروں میں استعمال ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے "اذخر" کو مستثنیٰ فرمادیا۔ "واتخذوا" نافع ابن عامر "واتخذُوا" خاء کی زبر کے ساتھ پڑھا یعنی یہ خبر ہے اور باقیوں نے "واتخذوا" خاء کی زیر کے ساتھ یعنی یہ امر ہے "من مقام ابراھیم مصلی" یہاں فرماتے ہیں ساری مسجد حرام مقام ابراہیم ہے اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

سارا حرم مقام ابراہیم ہے اور کہا گیا حج کے تمام مقدس مقامات مثلاً عرفہ مزدلفہ اور باقی جگہیں یہ سب مقام ابراہیم ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ مقام ابراہیم صرف وہ پتھر ہے جو مسجد حرام میں ہے جس کی طرف آئمہ حضرات نماز پڑھتے ہیں؟ مگر اب یہ پتھر اور جگہ پر رکھ دیا گیا اور یہ وہ پتھر ہے جس پر بیت اللہ شریف بناتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کی انگلیوں کے نشانات واضح تھے۔ پھر ہاتھ زیادہ لگنے کی وجہ سے مٹ گئے۔ حضرت قتادہ، مقاتل، سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا مگر ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا حکم نہ دیا گیا تھا۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین جگہوں پر موافقت کی یا فرمایا کہ میرے رب نے میری تین جگہوں پر موافقت کی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر نیک و بد بھی داخل ہوتے ہیں اگر آپ اُمہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیتے (تو کیا اچھا ہوتا) تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی بعض بیویوں پر ناراض ہوئے ہیں۔ پس میں ازواج مطہرات کے پاس گیا اور ان کو کہا اگر تم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے سے) رُک گئیں "فبھا" ورنہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں عطا فرمادیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی "عسٰی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن"

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی۔ (۱) میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیتے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" بہرحال مقام ابراہیم کے واقعہ کا آغاز اس طرح ہے کہ سعید بن جبیر

نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہما السلام اور سیدہ ہاجرہ (علیہا السلام) لے آئے اور مکہ مکرمہ میں ٹھہرایا اور صورت حال پر کچھ زمانہ گزرا تو مکہ مکرمہ میں قبیلہ جرہم اترا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح فرمایا اور حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) وفات پا گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس جانے سے متعلق اجازت چاہی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے اجازت دی اور ساتھ ہی شرط لگائی کہ جائیں تو سہی مگر وہاں (سواری سے) اُترنا نہیں۔ حضرت مکہ مکرمہ تشریف لائے حالانکہ حضرت ہاجرہ فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کو فرمایا تمہارا صاحب (خاوند) کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شکار کرنے گئے ہیں اور حضرت اسماعیل حرم کے علاقہ سے نکل کر شکار فرمایا کرتے تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو کو فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ضیافت ہے یعنی مہمانداری کا سامان ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گزران کے بارے میں پوچھا، اس نے جواب دیا ہم تنگی اور سختی میں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شکایت کی۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو فرمایا، جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اپنے والد محترم کی خوشبو محسوس کی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی آیا؟ پس آپ علیہ السلام کی بیوی بولی ایک بزرگ تشریف لائے تھے جن کا حلیہ اس طرح تھا۔ بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور حلیہ کا بیان اہانت آمیز لہجے میں کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے وہ تم کو کیا فرما گئے ہیں؟ بیوی بولی انہوں نے فرمایا کہ جب اسماعیل علیہ السلام آئیں ان کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ گھر کے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے یہ بزرگ میرے والد محترم تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے چھوڑ دوں۔ اپنے میکے چلی جا پس اس کو طلاق دے دی۔ پھر انہیں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے پھر حضرت سارہ علیہا السلام سے اجازت چاہی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل آئیں پھر حضرت سارہ نے سابقہ شرط کے ساتھ جانے کی اجازت دی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازہ تک پہنچے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا وہ شکار کرنے تشریف لے گئے ہیں اور ان شاء اللہ ابھی آجائیں گے۔ آپ نیچے اُتریئے، اللہ پاک آپ پر رحم فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کیا تیرے ہاں مہمانداری کا سامان ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بولی ہاں! پس دودھ اور گوشت لے آئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گزران کے بارے میں پوچھا، وہ بولیں ہم خیر کے ساتھ اور وسعت (رزق) کے ساتھ ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کے لیے برکت کی دُعا کی۔ (یعنی دودھ اور گوشت کے سلسلہ میں دُعائے برکت فرمائی۔) اگر آپ کی بہو اس دن گندم کی روٹی یا جو کی

روٹی یا کھجور لاتیں تو پوری زمین سے زیادہ سرزمین مکہ میں گندم یا جو یا کھجور ہوتی۔ پس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے عرض کی کہ آپ اُتریں تاکہ میں آپ کا سر دھوؤں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ اُترے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام ابراہیم پر لائی اور مقام ابراہیم والا پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دائیں جانب رکھا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا پاؤں اس پتھر پر رکھا اور آپ کی بہو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر کی دائیں جانب کو دھویا۔ پھر اس پتھر کو بائیں جانب رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر کی بائیں جانب کو دھویا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات اس پتھر پر باقی رہ گئے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو کو فرمایا جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ تیرے دروازہ کی چوکھٹ مستحکم ہے۔ پس جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو اپنے محترم والد کی خوشبو محسوس کی۔ پس اپنی بیوی کو فرمایا کیا کوئی تیرے پاس آیا ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا ہاں ایک بزرگ تمام انسانوں سے زیادہ حسین اور زیادہ خوشبو والے تشریف لائے تھے۔

اور مجھے اس طرح فرمایا میں نے ان کی خدمت میں اس طرح عرض کیا اور میں نے ان کا سر بھی دھویا اور یہ ان کے قدموں کی جگہ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے وہ اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے والد محترم تھے اور تو دروازہ کی چوکھٹ ہے وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی بواسطہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ زمانہ کے بعد جو اللہ نے چاہا پھر تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب درخت کے نیچے تیر تراش رہے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد محترم کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہوگئے تو پھر دونوں نے اسی طرح کیا جس طرح کوئی بیٹا باپ اور کوئی باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر فرمایا اے اسماعیل! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم فرمایا ہے۔ آپ اس پر میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا میں اس پر آپ کی مدد کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں گھر بناؤں۔ پس اس وقت بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند کیں۔ پس حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے۔ پس جب تعمیر بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر لائے۔ پس اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے رکھا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس رکھے گئے پتھر پر کھڑے ہوگئے اور وہ تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے اور وہ دونوں کہہ رہے تھے "ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" خبر میں آیا ہے کہ رکن اور مقام دونوں جنت کے یواقیت میں سے دو یاقوت ہیں اگر مشرکوں کے ہاتھ نہ لگتے تو مشرق و مغرب کے درمیان کا حصہ روشن ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وعھدنا الی ابراھیم و اسماعیل" یعنی ہم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انہیں وصیت کی۔ کہا گیا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا نام اسماعیل اس لیے رکھا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے کہ مجھے بیٹا عطا فرما اور فرماتے "اسمع یا ایل" "اے اللہ! دُعا سن لے (یعنی قبول کرلے)" "ایل اللہ" کو کہتے ہیں۔ جب بیٹا عطا کیا گیا تو اس کا نام

اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔ "ان طھرا بیتی" یعنی کعبہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی نسبت بیت کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف کی خصوصیت اور فضیلت بخشنے کے لیے کی۔ "ان طھرا بیتی" کا معنی ہے کہ اس کی بنا پاکیزگی اور توحید پر رکھو۔ حضرت سعید بن جبیر اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بتوں اور شرک سے اور جھوٹی بات سے پاک رکھو اور کہا گیا ہے کہ اسے خوشبو کی دھونی اور خوشبودار کرو۔ یہ قول یمان بن رباب کا ہے۔ اہل مدینہ اور حفص نے "بیتی" یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا یہاں بھی اور سورۂ حج میں بھی اور حفص نے سورۂ نوح میں بھی۔ "للطائفین" اس کے اردگرد پھرنے والے "والعاکفین" اس کے پاس ٹھہرنے والے "والرکع" راکع کی جمع ہے (یعنی رکوع کرنے والے) "السجود" سجدہ کرنے والے اور یہ نمازی ہیں۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کہتے ہیں طائفین وہ مسافر ہیں اور عاکفین اہل مکہ ہیں۔ عطاء، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ کہتے ہیں مسافروں کے لیے طواف افضل ہے اور اہل مکہ کے لیے نماز افضل ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور جس وقت ابراہیم نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اسکو ایک (آباد) شہر بنادیجئے امن و امان والا اور اُسکے بسنے والوں کو پھلوں کی (قسم) سے بھی عنایت کیجئے (اور میں) اُنکو (کہتا ہوں) جو کہ اُن میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں (باقیوں کو آپ جانیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اُس شخص کو بھی کہ کافر رہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اُسکو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچادوں گا اور ایسے پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے۔

تفسیر: ﴿۱۲۶﴾ "واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا" یعنی مکہ مکرمہ اور کہا گیا ہے کہ حرم مراد ہے "بلدا آمنا" یعنی امن والا جس کے باسی امن سے ہوں۔ "وارزق اھله من الثمرات" یہ دُعا اس لیے فرمائی کیونکہ وہ ایسی وادی میں تھے جو کھیتی والی نہ تھی۔ قصص میں ہے کہ طائف شام کے علاقہ اُردن سے تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے علاقۂ طائف کو وہاں سے اکھاڑا اور بیت اللہ شریف کے اردگرد سات چکر دلوائے اور جہاں اب ہے اس جگہ رکھ دیا۔ پس اس طائف سے مکہ مکرمہ کے اکثر پھلوں کا تعلق ہے۔ "من آمن منھم باللّٰه والیوم الآخر" ایمان والوں کے لیے خاص دُعا فرمائی۔ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ومن کفر فامتعه" ابن عامر نے "فَاُمْتِعُهٗ" بغیر شد کے پڑھا اور ہمزہ کی پیش کے ساتھ اور باقیوں نے شد کے ساتھ دونوں کا معنی ایک ہے۔ "قلیلا" یعنی میں کافر کو بھی موت تک تھوڑا سا رزق دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کے لیے چاہے کافر ہوں یا مؤمن رزق کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہاں رزق کو قلت کے ساتھ مقید اس لیے فرمایا کہ دُنیا کا سامان ہے ہی قلیل "ثم اضطرہ" یعنی اسے مجبور کروں گا آخرت میں

"الی عذاب النار وبئس المصیر" یعنی ایسا مرجع جس کی طرف وہ لوٹے گا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام کے قریب یہ مضمون لکھا ہوا پایا کہ میں اللہ مکہ کا مالک ہوں جس دن میں نے سورج چاند پیدا کیے اسی دن مکہ کو بھی پیدا کیا۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ اور جبکہ اُٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۲۷﴾ اور اس کو میں نے حرام کیا جس دن سے میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کو میں نے سات فرشتوں کے ذریعے سے محفوظ کیا جو اس کی طرف مائل ہیں۔ اس کا رزق تین راستوں سے آتا ہے اس (مکہ) کے لیے گوشت اور پانی میں برکت ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل" راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ والی جگہ کو زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا اور یہ جگہ پانی پر سفید جھاگ کی شکل میں تھی۔ پس زمین کو اس کے نیچے سے پھیلایا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ نے وحشت محسوس کی۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کی شکایت (درخواست) کی تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت کی شکل میں بیت المعمور کو اتارا۔ سبز زمرد سے بنے ہوئے اس کے دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کی طرف ایک مغرب کی طرف۔ پس اسے بیت اللہ شریف کی جگہ پر رکھا اور فرمایا اے آدم! میں نے تیرے لیے گھر کو اتارا جس کا تو طواف کرے جیسا میرے عرش کے ارد گرد طواف کیا جاتا ہے اس کے پاس تو نماز پڑھے جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حجر (اسود) نازل فرمایا، یہ سفید تھا۔ زمانہ جاہلیت میں حیض والی عورتوں کے ہاتھ لگانے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کی سرزمین سے مکہ مکرمہ کی طرف پیدل متوجہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتہ مقرر فرمایا جو آپ کو بیت اللہ شریف کی طرف رہنمائی کرے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے حج فرمایا اور احکام حج ادا کیے۔ پس جب آپ حج سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور کہا اے آدم تیرا حج مبرور ہے اور ہم اس گھر کا آپ سے دو ہزار سال پہلے حج کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس (۴۰) حج کیے۔ بیت المعمور اسی حال پر طوفان نوح کے زمانہ تک رہا۔ (طوفان کے وقت) اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا جس پر روزانہ ستر ہزار فرشتے زیارت کیلئے جاتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اس طرح جس نے ایک بار زیارت کر لی اس کو قیامت تک دوبارہ زیارت کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا حتیٰ کہ اس نے حجر اسود کو جبل ابی قبیس میں غرق ہونے سے بچانے کے لیے چھپا دیا۔ پس یہ کعبہ والی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک خالی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد بنائے کعبہ کا حکم دیا کہ اس میں ذکر (الٰہی) کیا جائے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کعبہ والی جگہ بیان

فرمادے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو حکم دیا کہ تاکہ بیت اللہ والی جگہ واضح کرے۔ سکینہ اکھاڑنے والی سخت ہوا جس کے دو سر تھے اور سانپ کے مشابہ تھی۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیت اللہ کو اس جگہ بنائیں جہاں سکینہ ٹھہر جائے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ہوا کے پیچھے ہوئے حتیٰ کہ دونوں (یعنی ابراہیم اور ہوا) مکہ مکرمہ آئے تو ہوا نے بیت اللہ والی جگہ کو گھیر لیا۔

یہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے برابر کی مقدار میں ایک بادل بھیجا، وہ بادل بھی رواں رہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے سائے میں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور وہ بادل بیت اللہ شریف والی جگہ پر رک گیا۔ پھر اس بادل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی گئی کہ اس بادل کے سائے کے برابر تعمیر کیجئے اور اس سے کم یا زیادہ نہ کریں اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف والی جگہ پر دلالت کرنے کے لیے بھیجا۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "واذ بوانا لابراھیم مکان البیت" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا دیتے۔ پس یہ ہے قول خداوندی "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل" قواعد سے مراد بنیاد ہے قواعد قاعدہ کی جمع ہے۔ کسائی کہتے ہیں قواعد البیت سے مراد بیت اللہ کی دیواریں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت اللہ شریف کو پانچ پہاڑوں سے یعنی پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر کیا گیا۔ (۱) طور سینا (۲) طور زیتا (۳) لبنان جو ملک شام کا پہاڑ ہے۔ (۴) جودی جو کہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے اور کعبہ کی بنیادیں کوہ حرا سے بنائیں اور کوہ حرا جو کہ مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حجر اسود کے مقام تک پہنچے تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا کوئی خوبصورت سا پتھر لاؤ جو لوگوں کے لیے نشان ہو تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس سے زیادہ خوبصورت پتھر لاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تلاش کرنے نکلے تو جبل ابوقبیس نے آواز دی، اے ابراہیم! بے شک تیرے لیے میرے پاس امانت ہے اسے لے لے تو اس سے حجر اسود لیا اور اسے اپنی جگہ پر نصب کیا اور کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان میں ایک گھر بنایا ہے جو کہ بیت المعمور ہے اور اسے ضراح کا نام دیا گیا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کی سیدھ پر اسی کی مقدار کے برابر اسی طرح زمین پر کعبہ تعمیر کریں اور کہا گیا ہے سب سے پہلے جس نے کعبہ تعمیر کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور طوفان نوح کے وقت مٹ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کے لیے ظاہر فرمایا حتیٰ کہ اس کی تعمیر کی "ربنا وتقبل دعاء" اس عبارت میں اضمار ہے یعنی وہ دونوں کہہ رہے تھے "ربنا تقبل منا بناء نا" اے ہمارے رب ہم سے ہماری تعمیر کو قبول فرما۔ "انک انت السمیع" ہماری دُعا کو (سننے والا ہے یعنی قبول کرنے والا ہے) "العلیم" ہماری نیتوں کو جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

علیہ السلام میں سے ایک رسول بھیجا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تمام انبیاء علیہم السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے سوائے دس کے اور وہ دس یہ ہیں۔ نوح، ہود، صالح، شعیب، لوط، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہم اجمعین "یتلوا" پڑھے "علیھم آیاتک" تیری کتاب یعنی قرآن آیت قرآنی کلام متصل کا نام ہے ختم ہونے تک اور کہا گیا ہے چند حروف کے مجموعہ کا نام ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "خرج القوم بآیتھم" یعنی اپنی جماعت سمیت قوم نکلی "ویعلمھم الکتاب" یعنی قرآن "والحکمۃ" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکمت سے مراد فہم قرآن ہے۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد مواعظ قرآن یعنی قرآنی نصیحتیں ہیں اور جو کچھ قرآن پاک میں احکام ہیں حضرت قتیبہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد علم و عمل ہے اور آدمی اس وقت تک حکیم نہیں ہوتا یہاں تک کہ

وہ علم و عمل کو جمع کرلے اور کہا گیا ہے کہ حکمت سنت و احکام کا نام ہے اور کہا گیا ہے حکمت فیصلہ کرنے کی قوت کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ حکمت فقہ ہے یعنی دین کی سمجھ ابوبکر بن درید فرماتے ہیں کہ ہر وہ بات جو تجھے نصیحت کرے یا تجھے اچھے خلق کی طرف دعوت دے یا تجھے برائی سے منع کرے۔ پس وہ حکمت ہے۔ "ویزکیھم" یعنی ان کو شرک اور گناہوں سے پاک کرے اور کہا گیا ہے کہ یزکیھم کا معنی ہے کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے ابن کیسان فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کے لیے عدالت کی گواہی دے۔ جب وہ آپ کی اُمت کے لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں تبلیغ احکام سے متعلق گواہی دیں گے۔ "یزکیھم" تزکیہ سے مشتق ہوا جس کے معنی تعدیل کے ہیں یعنی دوسرے کو عادل ثابت کرنا، بیان کرنا "انک انت العزیز الحکیم" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عزیز کے معنی ہیں کہ اس جیسا نہ پایا جائے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عزیز کے معنی منتقم کے ہیں۔ اس قول کا بیان فرمان الٰہی ہے۔ "واللہ عزیز ذو انتقام" اور کہا گیا ہے عزیز کے معنی منع کے ہیں یعنی جس پر کسی کا قابو نہ چلے اور کہا گیا ہے عزیز بمعنی "القوی" عزۃ قوت ہی تو ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فعززنا بثالث فقالوا" تو یہاں عززنا بمعنی قوینا ہے یعنی ہم نے قوت دی اور کہا گیا ہے عزیز کے معنی غالب کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک (مدعی) انسان کو خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "وعزنی فی الخطاب" کہ گفتگو میں وہ مجھ پر غالب آتا ہے۔ چنانچہ مثال مشہور ہے۔ "من عز بز" یعنی "من غلب سلب" کہ جو غالب آیا اس نے چھین لیا۔

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ‌ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞

ترجمہ: اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے (اُسی کی بدولت تو) اُن (ابراہیم) کو دنیا میں منتخب کیا اور (اُسی کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں جب کہ اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ تم (خدا کی) اطاعت اختیار کرو اُنھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔

تفسیر: ❶ "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم" اور یہ اس طرح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور

مہاجر کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ پس ان دونوں کو کہا تحقیق تم جانتے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک نبی بھیجنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا پس جو شخص ایمان لایا۔ پس وہ ہدایت پا گیا اور جو ایمان نہ لایا۔ وہ ملعون ہے تو اس پر سلمہ تو ایمان لے آیا اور مہاجر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمائی "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم" اس کا معنی یہ ہوا کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور شریعت کو چھوڑ دیا کہا جاتا ہے "رغب فی الشیٔ" اس نے کسی چیز میں رغبت کی جب اس شَی کا اس نے ارادہ کیا اور کہا جاتا ہے رغب عنہ جب اس نے اس کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "مَن" یہ لفظ پوچھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی اس مقام پر ڈانٹ ڈپٹ ہے یعنی کوئی شخص بھی ملت ابراہیم سے اعراض نہیں کرتا۔ "الا من سفہ نفسہ" اس جملہ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "من خسر نفسہ" ہے یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا۔ کلبی کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی ذات کے اعتبار سے گمراہ ہو گیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "من اھلک نفسہ" جس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ ابن کیسان اور زجاج کہتے ہیں اس کا معنی ہے "من جھل نفسہ" جو اپنے آپ سے جاہل رہا یعنی جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا۔ "سفاھۃ" کا معنی "جھالۃ" اور کمزور رائے کا ہونا ہے ہر سفیہ جاہل ہے (بے وقوف) جس نے اللہ تعالیٰ کے ماسوی کی عبادت کی وہ اپنے آپ سے جاہل رہا اور اپنے آپ کو اس نے نہ پہچانا۔ تو خالق کو بھی نہ پہچان سکا۔ جیسا کہ مقولہ ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی، اپنے آپ کو پہچان اور مجھے پہچان۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب! میں اپنے نفس کو کیسے پہچانوں اور تجھے کیسے پہچانوں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اپنے نفس کو ضعف کے ساتھ اور عجز و فنا کے ساتھ پہچان یعنی اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے تو کمزور، عاجز اور فانی ہے اور مجھے قوت قدرت اور بقاء کے ساتھ پہچان کہ میں قوۃ والا قدرۃ والا اور باقی ہوں۔ حضرت اخفش فرماتے ہیں "سفہ نفسہ" کا معنی ہے "سفہ فی نفسہ" اس صورت میں نفسہ منصوب بنزع الخافض حرف صفت ہوگا۔

فراء کہتے ہیں نفسہ تفسیر کی بنیاد پر منصوب ہے گویا کہ اصل عبارت تھی "سفھت نفسہ" اس کا نفس نا سمجھ نادان ہوا پس جب "سفہ" کا فعل صاحب نفس کی طرف منسوب ہوا تو نفس تفسیر کرنے والا ہو گیا تا کہ جانا جائے کہ "سفاھۃ" کا محل اور مقام کیا ہے یعنی نفس ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ضِقْتُ بہ ذرعاً یا ضاق ذرعی بہ" یعنی میرے تنگ ہونے کا محل اور مقام ذرع یعنی دل ہے۔

"ولقد اصطفیناہ فی الدنیا" اس کو ہم نے دنیا میں منتخب اور چن لیا۔ "وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین" وہ آخرت میں نبیوں کے ساتھ جنت میں ہوگا۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "ولقد اصطفیناہ فی الدنیا والآخرۃ وانہ لمن الصالحین" کہ ہم نے اس کو دنیا اور آخرت میں چن لیا اور بے شک وہ صالحین میں سے ہیں۔

۞ "اذ قال لہ ربہ اسلم" یعنی اسلام پر مستقیم رہ اور اسی پر ثابت قدم رہ کیونکہ وہ تو پہلے سے مسلم تھے تو رب اسلم کا یہ معنی

نہ ہوگا کہ اسلام لا بلکہ معنی ہوگا اسلام پر قائم اور کامزن ثابت قدم رہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام غار سے نکلے حضرت کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلم کا معنی ہے کہ اپنے دین اور عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کیجئے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے اور اپنے معاملات اسی کے حوالے کیجئے۔ "قال اسلمت لرب العالمین" یعنی میں نے سپرد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول کو ثابت کر دکھایا کہ جب وہ آگ میں ڈالے گئے تو فرشتوں میں سے کسی ایک سے بھی مدد نہ چاہی۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ ۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ اور اسی (ملت) کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب بھی میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخرت وقت آیا (اور) جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔

تفسیر ⑪ "ووصّٰی بها ابراهیم بنیه و یعقوب" اہل مدینہ اور اہل شام نے "اوصٰی" پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور ان کے مصاحف میں بھی ایسے ہی ہے اور باقیوں نے "ووصّٰی" شد کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں دونوں لغتیں ہیں جیسے "انزل اور نزل" ہیں اور اس کا معنی ہے کہ وصیت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو کلمۂ اخلاص کی وصیت فرمائی جو کہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تیرا جی چاہے تو "بها" کی ضمیر کو ملت کی طرف راجع کر کیونکہ پہلے ملت ابراہیم کا ذکر ہے اور اگر تو چاہے تو بها کی ضمیر وصیت کی طرف راجع کرے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آٹھوں بیٹوں کو وصیت فرمائی۔ اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کی والدہ ہاجرہ قبطیہ کو حضرت اسحاق اور ان کی والدہ سارہ کو اور باقی چھ بیٹوں کو اور ان کی والدہ قطورا بنت یقطن کنعانیہ (علیہم السلام) کو جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کی وفات کے بعد شادی کی تھی اور یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی عیص جڑواں تھے۔ پیدائش کے وقت عیص پہلے اپنی ماں کے پیٹ سے

نکلے اور ان کے پیچھے حضرت یعقوب عیص کی ایڑی پکڑے ہوئے نکلے۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور بعض نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب علیہ السلام اس لیے ہے کہ ان کی عقب بہت زیادہ ہے۔ ان کے بعد رہنے والی ان کی نسل کی تعداد کثیر ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بارہ بیٹوں کو وصیت فرمائی "یابنی" اس کا معنی ہے یعنی اے میرے بیٹو! "ان اللّٰہ اصطفٰی" چن لیا۔ پسند کیا۔ "لکم الدین" یعنی دین اسلام "فلا تموتن الا وانتم مسلمون" ایمان والے ہو کر مرنا اور کہا گیا ہے مخلص ہو کر اور کہا گیا ہے مفوضون یعنی اپنا معاملہ خدا کے سپرد کیے ہوئے مرنا ظاہراً نہی موت پر واقع ہے۔ درحقیقت ترک اسلام سے ان کو منع کیا گیا۔ اس کا معنی ہوگا اسلام پر پختگی اختیار کرنا حتیٰ کہ تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔ فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ سے روایت ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الا وانتم مسلمون" یعنی اپنے رب تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہوئے مرنا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یموتن احدکم" تم میں سے کوئی ایک نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔

⑬ "ام کنتم شہداء" یعنی کیا تم موجود تھے اس جملے سے مراد یہ ہے کہ تم حاضر گواہ نہ تھے۔ "اذ حضر یعقوب الموت" یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام موت کے قریب ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے حضور علیہ السلام سے کہا کیا آپ جانتے نہیں کہ بے شک یعقوب علیہ السلام جب فوت ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو یہودیت یعنی یہودی ہونے کی وصیت کی تھی۔ اس بنیاد پر یہ یہود سے خطاب ہوگا۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تو اہل مصر کو دیکھا کہ تمام بتوں اور آگ کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو شرک میں مبتلا ہونے کے خوف سے جمع کیا اور نصیحت فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی" حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی نبی کی روح قبض نہیں فرمائی یہاں تک کہ اسے موت و حیات کے درمیان اختیار بخشا (یعنی وہ دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں یا موت قبول فرما کر عالم برزخ میں تشریف لانا چاہتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اختیار دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بارگاہ صمدیت میں عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے مہلت بخش یہاں تک کہ میں اپنی اولاد سے پوچھ لوں اور انہیں وصیت کرلوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت عنایت فرمائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو جمع فرمایا۔

اور ان کو فرمایا میری موت آچکی ہے تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ "قالوا نعبد الٰھک واله آبائک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق" حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔ اہل عرب چچا کو باپ کہتے ہیں جیسے کہ خالہ کو ماں کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "عم الرجل صنو ابیه" آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہے اور حضور علیہ السلام نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "ردوا علیّ ابی فانی اخشٰی ان تفعل به قریش ما فعلت ثقیف بعروۃ بن مسعود" میرے اوپر میرے والد کو لوٹا دو مجھے ڈر ہے کہ اس کے ساتھ قریش وہی معاملہ نہ کریں جو قبیلہ ثقیف نے عروۃ بن مسعود

کے ساتھ کیا تھا یعنی کہیں قتل نہ کر ڈالیں۔ اب اس فرمان نبوی میں حضور علیہ السلام نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا باپ فرمایا ہے۔ "الٰھًا واحدًا" یہاں الٰھًا کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اس قول "الٰھک" سے بطور بدل کے منصوب ہے اور کہا گیا ہے "الٰھًا" منصوب ہے بایں ترکیب "ای نعرفه الٰھاً واحداً" کہ ہم اس کو ایک معبود جانتے پہچانتے ہیں۔ "ونحن له مسلمون"

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُنکے کام اُن کا کیا ہوا آویگا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے اُنکے کیے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ (حق) پر پڑ جاؤ گے آپ (جواباً) کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم یعنی اسلام پر رہیں گے جس میں کجی کا نام بھی نہیں اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے۔

تفسیر: ⑭ "تلک امة" جماعت "قد خلت" گزر چکی۔ "لھا ما کسبت" جو عمل کیا ہوگا وہی کام آئے گا "ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون" ہر شخص سے اپنے ہی عمل کے بارے میں سوال کیا جائے گا نہ کہ کسی اور کے عمل کے بارے میں۔

⑬ "وقالوا کونوا هوداً او نصاریٰ تهتدوا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ مدینہ کے کعب بن اشرف مالک بن صیف وہب بن یہودا ابو یاسر بن اخطب اور نجران السید اور عاقب وغیرہ سب جمع ہوئے اور مسلمانوں سے دین کے بارے میں مناظرہ کیا۔ ہر گروہ اس بات کا مدعی تھا کہ وہ دین الٰہی کا زیادہ حق دار ہے۔ پس یہود نے کہا ہمارا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں سے افضل ہے اور ہماری کتاب تورات تمام کتابوں سے افضل ہے اور ہمارا دین تمام ادیان سے افضل ہے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا اور عیسائیوں نے کہا ہمارا نبی تمام نبیوں سے افضل ہے اور ہماری کتاب انجیل تمام کتابوں سے افضل ہے اور ہمارا دین ادیان عالم سے افضل ہے اور انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کیا اور یہودیوں عیسائیوں دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے ایمان والوں کو کہا "کونوا علیٰ دیننا" ہمارے دین پر آجاؤ۔ اس دین کے علاوہ اور کوئی دین ہے ہی نہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل" یا محمد فرما دیں "بل ملة ابراهیم" بلکہ ہم تو پیروی کریں ملت ابراہیم علیہ السلام کی۔ کسائی کہتے ہیں کہ ملت کے لفظ کی زبر بطور اغراء کے ہے یعنی برانگیختہ اور اُبھارنے کے طور پر ہے۔ گویا اتباع ملت ابراہیم پر ابھارا گیا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں "اتبعوا ملة ابراهیم" کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو اور کہا گیا ہے "بل ملة ابراهیم" کا معنی یوں ہوگا بلکہ ہم تو ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہوں گے اور بل ملۃ ابراہیم کی اصل عبارت یوں تھی "بل نکون علیٰ ملة ابراهیم" اس عبارت سے علیٰ کو حذف کر دیا گیا۔ پس ملت کا لفظ منصوب رہ گیا۔ "حنیفاً" لفظ حنیف بصری نحویوں کے نزدیک حال پر منصوب ہے اور کوفی نحویوں کے نزدیک نصب علی القطع ہے۔ گویا اس سے مراد یوں ہے ملت ابراہیم الحنیف جب الحنیف سے الف لام گر گیا تو لفظ حنیف نکرہ ہونے کی بناء پر معرفہ

کے تابع نہ ہوسکا پس اس سے کٹ گیا۔ پس اس پر اس قطع کے باعث نصب آ گئی۔ مجاہد فرماتے ہیں الحنیفیۃ حضرت ابراہیم کی اس لائی ہوئی شریعت کے پیروکاروں کی جماعت ہے جس کے باعث حضرت ابراہیم امام بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں الحنیف وہ شخص جو تمام ادیان باطل سے منہ موڑ کر صرف دین اسلام کی طرف جھک جائے۔ یہ حنف سے مشتق ہے اور حنف کا معنی وہ میلان اور ٹیڑھاپن ہے جو کہ قدم میں ہوتا ہے اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حنیف حج کرنے والے اور ختنہ شدہ شخص کو کہتے ہیں۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب "حنیفا مسلما" ہو یعنی لفظ حنیف کے ساتھ مسلم کا لفظ بھی مستعمل ہو تو اس حنیف سے مراد الحاج ہے اور جب حنیف کے لفظ کے ساتھ مسلم کا لفظ نہ ہو تو وہ حنیف بمعنی مسلم ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الحنیفۃ" ختنہ کرانے ماؤں کے حرام کرنے بیٹوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں کے حرام کرنے اور احکام الٰہی بجا لانے کا نام ہے۔ "وما کان من المشرکین" پھر ایمان والوں کو طریقہ ایمان سکھایا۔ پس فرمایا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: (مسلمانو) کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیلؑ اور (حضرت) اسحٰقؑ اور (حضرت) یعقوب (علیہم السلام) اور اولادِ یعقوبؑ (میں جو نبی گذرے ہیں اُن) کی طرف بھیجا گیا اور اُس (حکم و معجزہ) پر بھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا اُنکے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جاویں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو تو وہ لوگ تو (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں ہی تو (سمجھ لو کہ) تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اُن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

تفسیر: ⑬ "قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا" یعنی قرآن "وما انزل الی ابراھیم" اور وہ دس صحیفے (و اسماعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط) یعنی اولاد یعقوب اور وہ بارہ خاندان۔ ان کے ایک خاندان کو سبط کہا جاتا ہے۔ ان کو سبط کا نام اس لیے دیا گیا کہ اولاد یعقوب میں سے ہر ایک کے ہاں ایک جماعت پیدا ہوئی۔ کسی آدمی کے سبط کا معنی اس کا پوتا یا نواسا ہوتا ہے۔ اسی باعث حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو سبط رسول کہا گیا اور بنی اسرائیل کے سبط ایسے تھے جیسے اہل عرب کے ہاں قبائل ہیں جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں یا پھر شعوب اہل عجم کے ہاں ہیں۔ (گویا کہ یہ اصطلاحی نام ہے کسی

بڑے خاندان کو جس طرح اہل عرب قبیلہ اس کی جمع قبائل استعمال ہوتی ہے اور عجم میں بڑے خاندان کو شعب اور اس کی جمع شعوب ہے۔ اسی طرح بنو اسرائیل کے ہاں یہ اصطلاح تھی کہ اُن کے بڑے خاندان کو سبط اور اس کی جمع اسباط استعمال ہوتی ہے)

منجانب: مترجم:۔ اور ان کے اسباط میں انبیاء تھے اور اسی لیے فرمایا "وما انزل الیھم" اور کہا گیا ہے اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صلبی اولاد ہے جو سب کے سب نبی تھے۔ "وما اوتی موسیٰ" یعنی تورات "وعیسیٰ" یعنی انجیل "وما اُوتی" بمعنی اعطی یعنی عطا کیے گئے "النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم" یعنی ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (ایمان لانے میں) ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان نہیں کرتے کہ ہم بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں اس کا کفر کریں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا "ونحن له مسلمون" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی تفسیر مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کیا کرو اور نہ ان کی تکذیب کیا کرو اور کہو آمنا باللہ الی آخر الآیۃ۔

⓭ "فان آمنوا بمثل ما آمنتم به" جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما پڑھتے تھے اور لفظ (مثل) صرف بطور صلہ کے وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "لیس کمثله شیء" جس میں لفظ مثل کا کوئی معنی نہیں ہے لہٰذا "لیس کمثله شیء" "لیس ھو کشیء" کے معنی میں ہے اس میں لفظ مثل کا کوئی معنی نہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے پس اگر وہ ایمان لائیں ان تمام کے ساتھ جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو۔ یعنی ایسا ایمان لائے جیسا کہ تمہارا ایمان ہے اور ایسی توحید اختیار کریں جیسا کہ تم نے توحید اختیار کی اور کہا گیا ہے پس اگر وہ ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے اور "بمثل ما آمنتم" میں باء زائدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک میں باء زائدہ ہے۔ "وھزی الیک بجذع النخلة" ابو معاذ نحوی فرماتے ہیں اس کا معنی ہے پس اگر وہ ایمان لائیں تمہاری کتاب پر جس طرح تم ان کی کتاب پر ایمان لائے ہو۔ "فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق" یعنی اختلاف اور جھگڑے میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا جاتا ہے "شاقّ مُشاقّۃً" یعنی وہ مخالفت کرے گویا کہ ہر ایک نے وہ جانب لے لی جو اس کے ساتھی کی جانب کی غیر ہے اس کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لا یجرمنکم شقاقی" یعنی میری مخالفت اور کہا گیا ہے فی شقاق کا معنی ہے۔ عداوت دشمنی میں ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ذالک بانھم شاقوا اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ سے دشمنی اختیار کی "فسیکفیکھم اللہ" یا محمد یعنی آپ کی طرف سے یہود و نصاریٰ کے شر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تحقیق حضور علیہ السلام کفایت کیے گئے۔ بنو نضیر جو قبیلہ یہود تھا اس کے جلاء وطن ہونے کے ساتھ اور بنو قریظہ قبیلہ یہود کے قتل ہونے کے باعث اور یہود و نصاریٰ پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔ "وھو السمیع" ان کی باتوں کو سننے والا "العلیم" ان کے حالات کو جاننے والا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۞ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۞ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞

ترجمہ: ہم (دین کی) اس حالت پر رہیں گے جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور (دوسرا) کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور (اسی لئے) ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں آپ (اُن سے) فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ (کے معاملہ) میں حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کی (خوشنودی) کے لئے اپنے دین کو شرک وغیرہ سے خالص کر رکھا ہے یا کہے جاتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ یہود اور نصاریٰ تھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفاء کرے جو اُس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور (اے اہل کتاب) اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر: ۞ "صبغۃ اللّٰہ" کلبی، قتادہ اور حسن رحمہم اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صبغۃ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور دین کو اللہ تعالیٰ نے رنگ کا نام اس لیے دیا کہ جس طرح کپڑے پر رنگ کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح دین کا اثر بھی دین دار پر نمایاں ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ دین کو رنگ اس لیے فرمایا گیا کہ دین دار بھی دین کو لازم پکڑتا ہے اور جدا نہیں ہوتا جس طرح کہ رنگ کپڑے کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے اور جدا نہیں ہوتا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبغۃ اللہ سے مراد فطرت اللہ ہے اور یہ تاویل، اول تاویل کے قریب ہے اور بعض نے کہا کہ صبغۃ اللہ سے مراد سنت اللہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ختنہ کرانا ہے کیونکہ ختنہ بھی ختنہ کرانے والے کو خون میں رنگ دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک عیسائیوں کے ہاں جب کسی کا بچہ پیدا ہوتا ہے اور بچے پر جب سات دن گزر جاتے تو بچے کو ایک زرد رنگ والے پانی میں جو ان کے ہاں ہوتا ڈبو دیتے، اس پانی کو معمودیہ کہا جاتا اور بچہ کو اس پانی کے ساتھ رنگ دیتے تاکہ ختنہ کی جگہ اس پانی سے اس بچہ کو پاک کریں۔ جب بچہ کے ساتھ یہ عمل کرتے تو کہتے "الآن صار نصرانیا حقا" کہ اب یہ پکا نصرانی بن گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کا دین، دین اسلام ہے وہ طریقہ نہیں جو کہ نصرانی لوگ کرتے ہیں۔ "صبغۃ اللّٰہ" کا لفظ برانگیختہ کرنے کے مفہوم کے مطابق منصوب یعنی زبر والا ہے تقدیر عبارت ہوگی "الزموا دین اللّٰہ" کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو لازم پکڑو۔ امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں صبغۃ اللہ کا لفظ "ملۃ ابراھیم" سے

بدل کر۔ "ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ" یعنی دین کے لحاظ سے اور بعض نے کہا کہ صبغۃ کا معنی تطہیر ہے تطہیر کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے "ونحن لہ عابدون" "مطیعون" یعنی ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

❶ "قل" یا محمد یہود و نصاریٰ کو فرما دیجئے "اتحاجوننا فی اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کے دین میں تم ہم سے جھگڑتے ہو۔ "محاجۃ" کا معنی المجادلۃ فی اللہ ہے حجت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنا اور یہ اس طرح کہ انہوں نے کہا کہ بے شک انبیاء علیہم السلام ہم میں سے تھے اور ہمارے دین پر تھے اور ہمارا دین قدیم ہے لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری نسبت زیادہ قریب ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل اتحاجوننا فی اللّٰہ ...... وھو ربنا وربکم" اللہ تعالیٰ کی نسبت ہم اور تم برابر ہیں کیونکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ "ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم" ہر ایک کے لیے اس کے عمل کی جزا ہے تو پھر کس طرح تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو۔ "ونحن لہ مخلصون" اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو (اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص یعنی موحد ہیں) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اخلاص کے معنی ہیں کہ بندہ اپنے دین یعنی عقیدہ اور عمل کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، پس اپنے دین میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے اور نہ اپنے عمل کے ساتھ دکھلاوا کرے۔

حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ لوگوں کی خاطر (نیک) عمل چھوڑ دینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا یہ شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے تجھے عافیت بخشے۔

❶ "ام تقولون" بمعنی "اتقولون" ہے یہ استفہام (پوچھنے) کا لفظ ہے اور اس کا معنی توبیخ یعنی ڈانٹنا ہے۔ ابن عامر حمزہ کسائی حفص نے "ام تقولون" کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے "قل اتحاجوننا فی اللّٰہ" اور اس کے بعد فرمایا "قل ءانتم اعلم ام اللّٰہ" (مقصد یہ کہ آگے پیچھے چونکہ خطاب کے صیغے ہیں اس لیے "ام تقولون" بھی تاء کے ساتھ بصیغہ خطاب ہوگا) اور باقیوں نے یاء کے ساتھ بصیغہ غائب پڑھا ہے۔ معنی ہوگا یہود و نصاریٰ کہتے ہیں۔ "ان ابرٰھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط کانوا ھودا او نصارٰی قل" یا محمد "ءانتم اعلم" ان کے دین کے بارے میں (تم زیادہ جانتے ہو) "ام اللّٰہ؟" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام یہودی نہ تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے۔ "ومن اظلم ممن کتم" چھپایا "شہادۃ عندہ من اللّٰہ" تعالیٰ اور یہ شہادت (گواہی) ان کا یہ علم کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مسلم تھے اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کتابوں کو کو دکھایا۔ "وما اللّٰہ بغافل عما تعملون"

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ❶

ترجمہ یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی

تفسیر ❶ تلک امۃ الخ یہ آیت کریمہ دوبارہ تاکید (مضمون) کی خاطر لائی گئی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ

وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ اب تو (یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک میں ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریقہ بتلا دیتے ہیں اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو تمہارے لئے اللہ کے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (ظاہری طور پر بھی) معلوم ہو جائے کہ کون رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف) لوگوں پر ہوا ہوا ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کردیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

تفسیر ⑭۲ "سیقول السفہاء" جاہل "من الناس ماولاھم" کس چیز نے اُن کو پھیرا۔ "عن قبلتھم التی کانوا علیہا" یعنی بیت المقدس لفظ قبلہ بروزن "فِعْلَۃ" ہے مقابلہ سے مشتق ہے۔ یہ آیت کریمہ یہود اور مشرکین مکہ بیت المقدس سے مکہ مکرمہ کی طرف تحویل کعبہ پر ان کی طرف سے طعن کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ یہود نے مشرکین مکہ کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا معاملہ (دین کا) گڑبڑ ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مولد (وطن) کی طرف مشتاق ہوئے ہیں اور (نماز میں) تمہارے شہر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اب وہ تمہارے دین کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل للہ المشرق والمغرب" اقتدار کے لحاظ سے اور پوری مخلوق اس کے (تابع فرمان) بندے ہیں۔ "یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"

⑭۳ "وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً" ان رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبلہ کو محض حسد کی بنیاد پر چھوڑا ہے اور بے شک ہمارا قبلہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ ہے اور بے شک محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس (حقیقت) کو بخوبی جانتے ہیں کہ لوگوں میں عدل (پر قائم) ہیں۔ پس حضرت معاذ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حق و انصاف پر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کذالک" یعنی اور اسی طرح اور بعض نے کہا کہ "کاف تشبیہ کے لیے ہے اور یہ (کاف تشبیہ) اللہ تعالیٰ کے اس قول "ولقد اصطفیناہ فی الدنیا" کی طرف لوٹایا گیا ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو چن لیا پسند کیا اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا یعنی پسندیدہ اور عادل (وسط کا معنی خیر اور عدل اسی جگہ ایسے ہے) جس طرح اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قال اوسطھم" یعنی "خیرھم واعدلھم اور خیر الاشیاء اوسطھا" یعنی چیزوں میں سے درمیان والی چیز بہتر ہوتی ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "جعلنا امۃ وسطا" کا معنی ہے کہ ہم نے تم کو دین وسط والی اُمت بنایا جو دین کہ غلو (حد سے بڑھنا) اور تقصیر (کوتاہی کرنا) کے درمیان ہے کیونکہ حد سے بڑھنا اور کمی کوتاہی کرنا دین میں دونوں مذموم ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے درمیان ایک دفعہ عصر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی کسی شئی کو نہ چھوڑا مگر یہ کہ اسی مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذکر فرما دیا۔ یہاں تک کہ جب دھوپ کھجوروں کے سروں پر اور دیواروں کے کناروں تک آ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کے گزرے ہوئے حصہ کے مقابل اس کا بقیہ حصہ اتنا کچھ رہ گیا ہے جتنا کچھ کہ تمہارے اس دن کا حصہ باقی ہے اور بے شک یہ اُمت ستر اُمتوں کو پورا کر رہی ہے اور یہ ستر (۷۰) اُمتوں کے بعد اور آخر میں آنے والی اُمت ہے اور یہ اُمت سابقہ سب اُمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین اُمت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ "لتکونوا شھداء علی الناس" قیامت کے دن (اس بات کے گواہ بن جاؤ) کہ رسولوں نے بے شک (اپنی اُمتوں کو) تبلیغ احکام فرما دی۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ کو کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا معنی ہے؟ "لتکونوا شھداء علی الناس" انہوں نے فرمایا اس سے مراد اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ہر اس شخص کے خلاف گواہی دے گی جس نے حق کو چھوڑ دیا۔ "ویکون الرسول" (اس جگہ رسول سے مراد) حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"علیکم شھیدا" تمہیں درست کرنے والے اور تمہارا تزکیہ فرمانے والے اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ پر جمع کریں گے۔ پھر سابقہ اُمتوں کے کفار کو فرمائیں گے۔ "الم یاتکم نذیر؟" کیا تمہارے پاس ڈرانے والا اور متنبہ کرنے والا کوئی نہیں آیا تھا پس وہ انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا تھا تو پھر اس سلسلہ میں ان کے نبیوں سے دریافت فرمائیں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام کہیں گے انہوں نے جھوٹ بولا ہم نے انہیں (احکام دین) پہنچائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ (اس پر) گواہ طلب کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (یہ گواہوں کی طلبی) محض حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی۔

چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو لایا جائے گا تو اُمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے تبلیغ احکام کی تھی سابقہ (تکذیب کرنے والی) اُمتیں کہیں گی۔ یہ ہمارے بعد آنے والوں نے (ہماری صورت حال کو) کیسے جان لیا؟ اللہ تعالیٰ اس اُمت سے پوچھیں گے تو اُمت محمد یہ کہے گی یا اللہ! تو نے ہمارے پاس اپنے رسول کو بھیجا اور ان پر تو نے کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ اس کتاب میں اے اللہ! تو نے اپنے رسولوں کے احکام الٰہیہ پہنچانے کی خبر دی تھی۔

اے اللہ! تو نے اس میں جو کچھ خبر دی اس خبر دینے میں تیری ذات پاک بچی ہے۔ پھر حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی اُمت کے بارے میں پوچھیں گے "فیزکیھم ویشھد بصدقھم" پس حضور علیہ السلام اپنی اُمت کا تزکیہ فرمائیں گے یعنی اپنی اُمت کی عدالت کو ثابت کریں گے اور اس سلسلہ میں سچا ہونے کی گواہی دیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے روز لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا "ھل بلغت؟" کیا تو نے میرے احکام پہنچائے؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے ہاں یا رب! پس اللہ تعالیٰ اُمت نوح علیہ السلام سے پوچھیں گے کیا حضرت نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ فرمائی؟ پس وہ کہیں گے "ما جاءنا من نذیر" ہمیں کوئی بھی متنبہ اور خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کہا جائے گا اس امر پر آپ کے گواہ کون ہیں؟

حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے "محمد و امتہ" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر تم کو لایا جائے گا پس تم گواہی دو گے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ پڑھا "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا" پھیرنا اس قبلہ یعنی بیت المقدس سے (پھیرنا) پس یہ حذف مضاف کے باب سے ہوگا۔ (گویا تقدیر عبارت یوں ہوگی) "وما جعلنا تحویل القبلۃ التی کنت علیھا" تو گویا قبلہ سے پہلے لفظ تحویل جو کہ مضاف ہے محذوف ہوگا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جعل کا مفعول ثانی محذوف ہو اور تقدیر عبارت یوں ہو کہ "وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا منسوخۃ" (تو جعل کا دوسرا مفعول منسوخۃ یہاں منسوخ ہوگا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عبارت "التی کنت علیھا" کا معنی "التی انت علیھا" ہو (یعنی جس قبلہ پر اب تم ہو) اور یہ کعبہ مکرمہ ہے تو "کنت بمعنی انت" ایسے ہے جیسے فرمان الٰہی "کنتم خیر امۃ" میں "کنتم" بمعنی "انتم" ہے۔ "الا لنعلم من یتبع الرسول" پس اگر کہا جائے کہ "الا لنعلم" کا کیا معنی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام اشیاء کا عالم ہے۔ ان اشیاء کے وجود میں آنے سے بھی پہلے؟ کہا جائے گا کہ اس علم سے مراد وہ علم ہے جس سے ثواب وعقاب کا تعلق ہے کیونکہ ثواب و عقاب کا تعلق اس علم الٰہی سے نہیں جس کا اللہ تعالیٰ (پردہ) غیب میں عالم ہے بلکہ جزا و سزا کا تعلق اس علم الٰہی سے ہوتا ہے جس کا معنی و مصداق عالم موجودات میں پایا جائے تو "الا لنعلم" کا معنی وہ علم ہوگا جس کی بنیاد پر اس (محل معلوم) کا عامل جزا و سزا کا مستحق ہو جائے اور بعض نے کہا کہ "الا لنعلم" کا معنی ہے "لنری ونمیز" تا کہ ہم دیکھیں اور پرکھیں، امتیاز کریں کہ کون ہے جو قبلہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے۔ "ممن ینقلب علی عقبیہ" پس وہ مرتد ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے (بے شک جب تحویل قبلہ ہوئی تو کچھ مسلمان یہودیت کی طرف پھر گئے) اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ گئے۔ اہل معانی فرماتے ہیں کہ "الا لنعلم" کا معنی ہے "لیعلمنا" بوجہ ہمارے اس علم کے کہ کون اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے بمقابلہ ان لوگوں کے جو اپنی ایڑی کے بل واپس لوٹتے ہیں۔ (گویا

تعلم بتاویل مصدر بمعنی علم ہوگا) اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق یہ بات سبقت کر چکی تھی (اور ثابت ہو چکی تھی) کہ تحویل قبلہ ایک قوم کی ہدایت کا سبب ہوگا اور ایک قوم کی گمراہی کا اور کبھی لفظاً استقبال بمعنی ماضی بھی آیا کرتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ" اب اس جگہ "فلم تقتلون" بمعنی "فلم قتلتم" کے ہے۔ پس تم نے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا۔ "وان کانت" یعنی "وقد کانت" تحقیق تھی یعنی قبلہ کی طرف سے پھرتا۔ بعض نے کہا کہ "کانت" کی ضمیر "ھی قبلہ" کی طرف راجع ہے اور بعض نے کہا کہ کعبہ کی طرف راجع ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں "وان کانت التحویلة" یعنی اگرچہ تھی تحویل قبلہ "لکبیرۃ" ثقیل سخت "الا علی الذین ھدی اللّٰہ" جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ سیبویہ کہتے ہیں "وان" تاکید ہے قسم کے مشابہ اسی لیے اس کے جواب پر لام داخل ہوئی ہے۔ "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" اور یہ فرمان الٰہی اس لیے وارد ہوا کہ حیی بن اخطب اور اس کے دیگر یہودی ساتھی مسلمانوں کو کہنے لگے ہمیں تم ان نمازوں کے بارے میں بتاؤ جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔ اگر وہ (بجانب بیت المقدس پڑھنا) ہدایت تھی تو تم اس (ہدایت) سے پھر گئے اور اگر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا گمراہی تھی۔

اور جو لوگ تم میں سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے مر گئے وہ گمراہی پر مرے تو جواب میں مسلمانوں نے کہا ہدایت وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ حکم فرما دیں اور گمراہی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرما دیں اور وہ کام بجا لائیں۔ یہود بولے تمہاری ان سے متعلق کیا گواہی ہے جو تم میں سے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے مر گئے اور تحویل قبلہ الی الکعبہ سے پہلے مرنے والے مسلمانوں میں سے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے جن کا تعلق بنو نجار سے تھا اور حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے جو بنو سلمہ سے تھے اور یہ دونوں نقباء میں سے تھے۔ (نقباء سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سے قبل حضور علیہ السلام سے بیت العقبہ کی تھی اور اسی طرح تحویل قبلہ سے پہلے مرنے والے کچھ اور لوگ بھی تھے۔)

تو ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خاندان والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس چل کر گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ نے (تحویل قبلہ فرما کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف پھیر دیا ہے۔ ہمارے ان بھائیوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور پھر تحویل قبلہ سے پہلے ہی مر گئے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" یعنی "صلاتکم الی بیت المقدس" اللہ تعالیٰ تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں فرمائے گا جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔

"ان اللّٰہ بالناس لرؤف رحیم" اہل حجاز اور ابن عامر، حفص رحمہم اللہ نے "لرءوف" پڑھا یعنی واؤ اشباعی بروزن فعول پڑھا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اکثر اسماء گرامی "فعول اور فعیل" کے وزن پر ہیں جیسے غفور، شکور، رحیم، کریم وغیرہا۔ ابوجعفر ہمزہ کو لین پڑھتے ہیں یعنی واؤ سے بدل کر "رؤف" پڑھتے ہیں۔ (لین وہ حرف علت ساکن جس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہو) باقی حضرات سلب ہمزہ کر کے یعنی رؤف کو بغیر ہمزہ کے پڑھتے ہیں "رَءُف" بروزن "فَعُلْ" پڑھتے ہیں۔ جریر شاعر کہتا ہے:

للمسلمین علیک حقا کفعل الواحد الرؤف الرحیم

"رأفۃ" (بہت رحمت کرنا)

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۞

ترجمہ ہم آپ کے منہ کا (یہ بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم (وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (تو) پھر (حکم) ہی دیئے دیتے ہیں کہ) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔ اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کی طرف سے (ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر ۞ "قد نری تقلب وجھک فی السماء" یہ آیت کریمہ اگرچہ تلاوت میں بعد ہے۔ لیکن معنی کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ یہ آیت قصہ کا آغاز ہے۔ تحویل قبلہ پہلا وہ معاملہ ہے جو شرع شریف میں منسوخ ہوا اور یہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں تاکہ یہ امر یہود کا حضور علیہ السلام کی تصدیق کرنے کے زیادہ قریب ہوجائے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تورات میں لکھی ہوئی آپ کی اس صفت کی تصدیق ہوگا (جس میں یہ درج تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدت بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ہجرت الی المدینہ سولہ (۱۶) یا سترہ (۱۷) مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔

اور آپ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائے کیونکہ کعبہ شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کو یہود کے اس پروپیگنڈا کے باعث بھی پسند فرماتے تھے جو یہود نے ان دنوں شروع کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کعبہ شریف کی طرف پھیر دے اس لیے کہ کعبہ میرے ابا حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرح اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور آپ اللہ تعالیٰ کے حضور مکرم و محترم ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ سے سوال فرماویں اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل آسمان کی طرف نظر مبارک رکھی۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تحویل قبلہ کا حکم لے کر نازل ہوئے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رکھتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء" "فلنولینک قبلۃ" پس ہم پھیر دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس) قبلہ کی طرف "ترضٰھا" جس کو آپ محبوب رکھتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں۔ "فولّ" پھیر دیجئے "وجھک شطر المسجد الحرام" اس کی طرف اور اس سے مراد کعبہ ہے اور حرام بمعنی محرم لائق احترام باعظمت "وحیثما کنتم" کسی خشک علاقہ میں یا مثلاً مشرق میں یا مغرب میں "فولوا وجوھکم شطرہ" نماز کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے بیت اللہ شریف کی تمام طرفوں میں دُعا فرمائی اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ باہر تشریف لائے۔ پس جب آپ آئے تو کعبہ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا "ھذہ القبلۃ" یہ قبلہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے اجداد (واووں) پر اُترے یا فرمایا اپنے ماموؤں کے پاس اُترے جو انصار میں سے اور بے شک حضور علیہ السلام نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف کر دیا جائے اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تحویل قبلہ کے بعد) جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں نے نماز پڑھی تو جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک آدمی نکلا تو ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا جو رکوع میں تھے تو فرمایا بنام خدا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ وہ مسجد والے نمازی نماز کی جس حالت میں تھے وہیں بیت اللہ شریف کی طرف گھوم گئے اور یہود کو یہ بات اچھی لگتی تھی جب حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور اہل کتاب بھی (اس پر خوش تھے)۔

پس جب حضور علیہ السلام نے اپنا رُخ مبارک بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیا اس کا انہوں نے انکار کیا۔ حضرت براء اپنی اسی حدیث میں فرماتے ہیں کہ تحویل قبلہ سے پہلے کچھ لوگ فوت ہو گئے اور شہید ہو گئے ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ہم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" اور تحویل قبلہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے ماہ رجب میں زوال آفتاب کے بعد ہوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ (تحویل قبلہ والی) اس وقت نازل ہوئی جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد بنی سلمہ میں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ظہر کی دو رکعتیں پڑھا چکے تھے۔ پس آپ نماز ہی میں پھر گئے اور مردوں کو عورتوں کی جگہ کی طرف پھیر دیا اور عورتوں کو مردوں کی جگہ کی طرف۔ چنانچہ یہ مسجد، مسجد قبلتین کا نام

دی گئی اور کہا گیا کہ تحویل قبلہ نماز سے باہر ہوئی یعنی دو نمازوں کے درمیانی وقت میں اور اہل قبا کو تحویل قبلہ کی خبر صبح کی نماز میں پہنچی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ لوگ قباء میں نماز صبح میں مصروف تھے۔ ایک آنے والے نے ان کو آکر کہا کہ بے شک حضور علیہ السلام پر آج رات نزول قرآن کریم ہوا ہے اور بے شک آپ کو اس کا حکم کیا گیا ہے کہ آپ کعبہ شریف کی طرف (نماز میں) متوجہ ہو جائیں تو انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا ہے اور (مسجد قبا کے) نمازیوں کے منہ شام کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ جب تحویل قبلہ ہوا تو یہود نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (دین) اور کچھ نہیں ہے مگر ایک ایسی چیز ہے جسے آپ اپنی طرف سے گھڑتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ آپ کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کبھی کعبہ شریف کی طرف۔ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت رہتے تو ہم اُمید کرتے کہ آپ واقعی وہی ہیں جس کی ہم انتظار میں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وان الذین اوتوا الکتاب لیعلمون انہ" یعنی کعبہ کا معاملہ "الحق من ربھم" پھر ان کو دھمکی دی۔ پس فرمایا "وما اللہ بغافل عما یعملون" ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ بے شک تم اے گروہ مؤمنین میری رضا چاہتے ہو اور میں تمہارے اجر و ثواب سے غافل نہیں ہوں اور باقی حضرات نے "یعملون" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر اس کا معنی یہ ہوگا میں غافل نہیں ہوں جو کچھ یہود کر رہے ہیں پس میں ان کو دنیا اور آخرت میں ان کو بدلہ دوں گا۔

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَھُمْ وَمَا بَعْضُھُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّکَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اگر آپ (ان) اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کر دیں جب بھی یہ (کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے (پھر موافقت کی کیا صورت) اور ان کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔

تفسیر: ﴿۱۴۵﴾ "ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب" یہود و نصاریٰ نے کہا اپنے دعویٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نشانی لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب بکل آیۃ" یعنی معجزہ "ماتبعوا قبلتک" یعنی کعبہ شریف "وما انت بتابع قبلتھم وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض" کیونکہ یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے اور وہ مغرب کی طرف تھا اور عیسائی مشرق کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور مسلمانوں کا قبلہ کعبہ مقدسہ تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اہل مشرق کے حق میں فرمایا، مشرق سے حضور علیہ السلام کی مراد سردیوں کی مشرق ہے (یعنی سردیوں میں سورج کا انتہائی نقطہ طلوع) جو کہ سال کا انتہائی چھوٹا دن ہے اور مغرب سے مراد گرمیوں کی مغرب ہے (یعنی گرمیوں میں سورج کا انتہائی نقطہ غروب) جو کہ سال کا سب سے بڑا دن ہو۔

پس جو شخص مغرب صیف یعنی گرمیوں کے بڑے دن کے گوشہ غروب آفتاب کو اس وقت میں دائیں جانب کرے اور مشرق شتاء یعنی سردیوں کے سب سے چھوٹے دن کے گوشہ طلوع آفتاب کو بائیں جانب کر لے اس کا چہرہ قبلہ شریف کی طرف ہوگا۔ "ولئن اتبعت اھواء ھم" اھواء ھم سے مراد ان کی خواہشات ہیں۔ یہاں پر خطاب حضور علیہ السلام کو ہے اور مراد آپ کی اُمت ہے۔ "من بعد ماجاءک من العلم" قبلہ کے معاملے میں آپ کو حق ظاہر اور روشن ہوگیا "انک اذا لمن الظالمین"

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفا کرتے ہیں۔ (حالانکہ) یہ امر واقعی منجانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے سو ہرگز شک وشبہ کرنے والوں میں شمار نہ ہونا اور ہر مذہب والے شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت (میں) منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں لگا پو کرو تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) حق تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر ⑭۶ "الذین آتیناھم الکتاب" مؤمنین اہل کتاب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی "یعرفونہ" یعنی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں۔ "کما یعرفون ابناء ھم" (جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) بچوں کے درمیان سے۔ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے "الذین آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم" تو یہ پہچاننا کیسا تھا؟ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیکھا تھا پہچان لیا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں اور حضور علیہ السلام کی پہچان اس پہچان سے بھی شدید تھی جو مجھے اپنے بیٹے سے متعلق ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کس طرح؟ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق (نبی) ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفات ہماری کتاب میں بیان فرمائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ عورتیں (ہماری بیویاں) کیا کچھ کرتی ہیں۔ (مراد یہ تھی کہ جو بظاہر ہمارے بیٹے وہ در حقیقت بھی ہمارے بیٹے ہیں یا

نہیں؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن سلام! اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عنایت فرمائے، بے شک تو نے سچ کہا۔ "وان فریقاً منہم لیکتمون الحق" (حق سے مراد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ ہیں اور آپ کا نبی قبلتین ہونا جو تورات میں مذکور ہے۔ اس کو چھپاتے ہیں۔ "وھم یعلمون"

● "الحق من ربک" یعنی لفظ الحق خبر ہے مبتداء محذوف کی اصل تھا "ھذا الحق" بعض نے کہا "الحق" فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے عبارت یہ ہے "جاء الحق من ربک" (فلا تکونن من الممترین شک کرنے والوں (سے)

● "ولکل وجھۃ" یعنی ہر ملت و مذہب والوں کے لیے ایک قبلہ ہے۔ "وِجْھَۃٌ" اس (جانب) کا نام ہے جس کی طرف توجہ کی جائے۔ "ھو مُوَلِّیھا" اس کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔ "وَلّیتہ اور ولیت الیہ" تو اس وقت کہے گا جب تو اس پر متوجہ ہوگا اور "ولیت عنہ" تو اس وقت کہے گا جب تو اس سے پیٹھ پھیرے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو مُوَلِّیھا وجھہ" وہ اس جانب اپنے منہ کو پھیرنے والا ہے۔ اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مُوَلِّی" کا معنی پھیرنے والا اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُمتوں کے منہ پھیرنے والا ہے ان کے قبلہ کی طرف اور ابن عامر رحمہ اللہ نے "ھو مولاھا" پڑھا ہے معنی ہوگا متوجہ کرنے والا۔ اس جانب قبلہ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ "فاستبقوا الخیرات" خیرات (بھلائیوں) کی طرف۔ اللہ تعالیٰ اس سے ارادہ فرماتے ہیں کہ طاعات کی طرف جلدی کرو اور اس جلدی کرنے سے مراد قبول (احکام) کی طرف جلدی کرنا ہے۔ "اینما تکونوا انتم اور اہل کتاب "یات بکم اللہ جمیعا" قیامت کے دن پس تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ "ان اللہ علی کُلِّ شیٔ قدیر"

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

(ترجمہ) اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور) منجانب اللہ (ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف رکھئے۔ اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ (نماز میں) اس کی طرف رکھا کرو تا کہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو (کی مجال) نہ رہے (ہاں) مگر ان میں جو کہ (بالکل ہی) بے انصاف ہیں

تو ایسے لوگوں سے (اصلاً) اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو۔

تفسیر ⑭ "ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وانہ للحق من ربک وما اللہ بغافل عما تعملون" "تعملون" کو ابو عمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑮ "ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام و حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ" تکرار آیت تاکید نسخ کے لیے ہے۔ "لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا" اس آیت کریمہ کی تاویل میں انہوں (مفسرین) نے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کے قول "الا" کی توجیہ میں بھی اختلاف کیا۔ پس بعض نے فرمایا کہ تحویل قبلہ بجانب کعبہ اس لیے کیا گیا تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے۔ اس وقت جبکہ تم کعبہ شریف کی بجائے کسی اور جانب منہ کرو گے۔ پس لوگ کہیں گے تمہارا تو کوئی قبلہ ہی نہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو کہ ظالم ہیں اور وہ قریش اور یہود ہیں۔ قریش کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف لوٹ آیا ہے کیونکہ وہ جان گیا ہے کہ کعبہ کا قبلہ ہونا ہی حق ہے اور بے شک وہ (کعبہ) اس کے آباء کا قبلہ ہے۔ پس اسی طرح (ایک نہ ایک دن) ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ آئے گا۔ بہرحال یہود کہیں گے کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس سے باوجودیکہ یہ بات جانتے ہوئے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا حق ہے نہیں پھرے مگر محض اس لیے کہ وہ (دین میں) اپنی رائے سے عمل کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے "لئلا یکون للناس علیکم حجۃ" سے مراد یہود کو لیا ہے۔ یہود کی حجت بطور مخاصمت کے ایمان والوں کے خلاف ان دنوں میں جبکہ ایمان والے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو تو قبلہ کا علم بھی نہ تھا حتیٰ کہ ہم نے ان کی رہنمائی کی۔

"الا الذین ظلموا" اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ان کی حجت یہ تھی کہ جب تحویل قبلہ بطرف کعبہ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین میں متحیر ہیں اور عنقریب یہ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے۔ جیسا کہ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ حضرت مجاہد، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ کے قول کا یہی مفہوم و معنی ہے۔ ان ذکر شدہ (۲) دو تاویلوں کی بنیاد پر "الا الذین" کا استثناء صحیح ہوگا اور فرمان الٰہی "الا الذین ظلموا" یعنی کسی ایک کو بھی تمہارے خلاف حجت و اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں سوائے مشرکین قریش کہ وہ تم سے حجت بازی کریں گے اور تم سے باطل طریق اور ظلم کے ساتھ جھگڑا اور مخاصمت کریں گے۔

باطل طریق پر جھگڑا کرنے کو حجت کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "حجتھم داحضۃ عند ربھم" اور لفظ "الذین" کا مقام اعرابی جر یعنی زیر ہے۔ گویا کہ کہا گیا ہے "سوی الذین ظلموا" یعنی "الا" اس جگہ پر بمعنی سوی ہے۔ یہ بات کسائی نے کہی اور فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں "الا الذین ظلموا" میں "الا" برائے استثناء ہے (نہ کہ بمعنی سوی) اور بوجہ "الا" کے "الذین" منصوب ہے۔ "منھم" یعنی لوگوں میں سے اور کہا گیا ہے کہ یہ کلام اول سے استثناء منقطع ہے اور "الا الذین ظلموا" بمعنی "لکن الذین" معنی ہوگا لیکن وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا وہ تم سے باطل طریق پر جھگڑا کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"مالھم بہ من علم الا اتباع الظن" (تو یہاں بھی الا بمعنی لکن ہے) یعنی "لکن یتبعون الظن" لیکن وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

اور قول کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص کہے "مالک عندی حق الا ان تظلمنی" (تو جیسا اس قول میں استثناء منقطع ہے کہ "ان تظلمنی" کا مفہوم۔ حق کے مفہوم میں داخل نہیں ہے ایسے ہی مکمل آیت "الا الذین ظلموا" میں بھی کہ ظالم لوگوں کا مجادلہ اور جھگڑا باالباطل مفہوم حجت میں داخل نہیں ہے)۔

ابوروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لئلا یکون للناس" سے مراد یہود ہیں کہ یہود کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے اور یہ اس لیے کہ وہ جانتے کہ کعبہ (قبلہ) ابراہیمی ہے اور وہ تورات میں انہوں نے یہ (لکھا) پایا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف پھیرے جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف پھیر دیا تا کہ ان کے لیے کوئی حجت ودلیل باقی نہ رہے۔ پس وہ یوں کہیں کہ جس نبی کو ہم تورات میں (لکھا) پاتے ہیں ان کو تو کعبہ کی طرف پھیرا جانا تھا اور آپ نہیں پھیرے گئے جب آپ کو کعبہ کی طرف پھیرا گیا تو ان کی حجت ختم ہوگئی۔ سوائے ظالم لوگوں کے پس وہ چھپائیں گے جو حق وہ پہچانتے جانتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

استثناء نہیں ہے بلکہ "الا" "واؤ" عطف کی جگہ پر ہے۔ یعنی "والذین ظلموا" اور وہ لوگ جو ظالم ہیں ان کے لیے بھی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وکل اخ مفارقہ اخوہ لعمر ابیک الا الفرقدان

ترجمہ: (تیرے باپ کی زندگی کی قسم ہر ایک بھائی کو اس کا بھائی چھوڑ جانے والا ہے۔ (جدا ہونے والا ہے) "الا الفرقدان" کا معنی ہوگا اور فرقدان (دو ستارے) بھی باہم جدا ہونے والے ہیں۔)

پس آیت کا معنی ہوگا۔ پس (اے ایمان والو) تم کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوجاؤ تا کہ لوگوں کے لیے یعنی یہود کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ پس وہ کہیں کہ تم نے کعبہ کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ وہ کعبہ قبلہ ابراہیمی ہے اور تم دین ابراہیم پر ہو اور نہ ان لوگوں کے لیے حجت باقی رہے جو کہ ظالم ہیں اور وہ مشرکین مکہ ہیں۔ پس وہ مشرکین کہنے لگیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا کے قبلہ کو کیوں چھوڑا کہ اس سے پھر کر قبلہ یہود کی طرف نماز میں متوجہ ہوا؟ "فلا تخشوھم" اپنے اس پھرنے میں کعبہ شریف کی طرف اور ان کا تمہارے خلاف جھگڑا کرنے میں باہمی تعاون کرنے میں (ان سے نہ ڈرو) پس میں بے شک تمہارا دوست ہوں تمہیں ان پر دلائل براہین اور نصرت وفتح کے ساتھ غلبہ دوں گا۔ "واخشونی ولا تم نعمتی علیکم" اس کا عطف اللہ تعالیٰ کے اس قول "لئلا یکون للناس علیکم حجۃ" پر ہے اور تا کہ میں خاص تم کو قبلہ ابراہیمی کی طرف ہدایت دینے کے ساتھ اپنی نعمت تم پر تمام کروں۔ پس اس سے تمہارے لیے ملت حنیفیہ تمام ہوجائے گی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام نعمت اسلام پر موت ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمان پر نعمت کے تمام ہونے کا معنی صرف یہی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو

جائے۔ "ولعلکم تھتدون" تا کہ تم گمراہی سے ہدایت پا جاؤ اور "لعل اور عسی" کا استعمال کلام الٰہی میں قطعی ثبوت کے معنی میں ہوتا ہے۔ (یعنی کلام الناس میں لعل و عسی برائے ترجی ہیں جس کا معنی غیر حتمی ہے مگر کلام الٰہی میں ایسا نہیں)۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا (جو کہ تم ہی میں سے (ہیں اور وہ) ہماری آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الٰہی) اور کام کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی ان (نعمتوں) پر مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکر گزاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

تفسیر: ﴿۱۵۱﴾ "کما ارسلنا فیکم" یہ کاف برائے تشبیہ ہے اور اسی شی کا محتاج ہے جس کی طرف یہ لوٹے۔ پس بعض نے فرمایا یہ کاف ماقبل کی طرف راجع ہے۔ معنٰہ اس طرح ہوگا اور تا کہ میں تم پر نعمت تمام کروں۔ جیسا کہ تم میں ایسا رسول بھیجا جو تم میں سے ہے۔ حضرت محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو دُعائیں فرمائی تھیں۔ ایک دُعا "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا اُمۃ مسلمۃ لک" (کہ اے ہمارے رب ہمیں مسلم یعنی فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اپنی فرمانبردار جماعت قائم رکھ)۔ دوسری دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تھا۔ "ربنا وابعث فیھم رَسُوْلًا منھم" اے ہمارے رب پاک! ان (اہل مکہ) میں ایک ایسا رسول بھیج جو انہی (اہل مکہ) میں سے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا اور وہ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسری دُعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد (نسل) میں اُمت مسلمہ پیدا کرے گا۔ یعنی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کو رسول بھیج کر قبول کیا گیا۔ اسی طرح ان کی (دوسری) دُعا کو بھی قبول کیا گیا کہ میں تم کو دین ابراہیم علیہ السلام کی رہنمائی کروں گا اور تمہیں مسلمان بناؤں گا اور ملت حنفیہ کے شرعی احکام بیان کر کے تم پر اپنی نعمت تمام کروں گا۔

حضرت مجاہد حضرت عطاء اور حضرت کلبی (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق اس کے مابعد سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "فاذکرونی اذکرکم" اس کا معنی یہ کہ جس طرح میں نے تمہاری طرف تم میں سے رسول بھیجا پس تم میرا ذکر کرو اور یہ آیت کریمہ خطاب ہے اہل مکہ اور پورے عرب کو۔ یعنی جس طرح اے گروہ عرب ہم نے تمہارے اندر رسول بھیجا۔ "رسولاً منکم" یعنی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم "یتلوا علیکم آیاتنا" یعنی قرآن کریم "ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ" بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد سنت ہے اور بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد قرآنی نصیحتیں ہیں۔ "ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون" احکام اور اسلام سے متعلق امور شرعیہ۔

۞ "فاذکرونی اذکرکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (اس کا معنی ہے) تم میری فرمانبرداری کر کے مجھے یاد کرو، میں تمہاری مدد کر کے تمہارا ذکر کروں گا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم میرا ذکر میری اطاعت کر کے کرو، میں تمہاری مغفرت کر کے تمہارا ذکر کروں گا بعض نے کہا کہ تم نعمت اور خوشحالی میں میرا ذکر کرو میں مشکل اور مصیبت میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اس کا بیان "فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون" یعنی اگر حضرت یونس علیہ السلام میری تسبیحات کرنے والے (خوشحالی میں) نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں تا قیامت رہتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندہ کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور میں اپنے اس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر میرا بندہ تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی تنہائی (یعنی مجلس ملائکہ کے بغیر) میں اپنے بندہ کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ (میرا بندہ) میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اپنے بندہ کا ذکر اس مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں (فرشتوں میں) اگر میرا بندہ میری طرف (اعمال صالحہ کر کے) ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اپنے بندہ کی طرف (رحمت کے ساتھ) ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر میرا بندہ میری طرف اسی طرح ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اپنے بندہ کی طرف ایک باع یعنی دو ہاتھ کے پھیلاؤ کے بقدر (بطور رحمت کے) قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کی طرف تیز چل کر جاتا ہوں (بندہ کی توجہ الی اللہ اگر تھوڑی سی ہو تو اللہ تعالیٰ از روئے رحمت کے بندہ کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتے ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ان دس انگلیوں کی تعداد کے مطابق سنی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! اگر تو میرا ذکر اپنی ذات میں (تنہائی میں) کرے گا میں بھی تیرا ذکر اپنی ذات میں (مجلس ملائکہ کے بغیر) کروں گا اور اگر تو میرا ذکر کسی مجلس میں کرے گا میں تیرا ذکر اس مجلس میں کروں گا جو تیری مجلس کے لوگوں سے بہتر ہوں گے (فرشتوں میں) اور تو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں تیری طرف ایک ہاتھ قریب ہوں گا اور اگر تو ایک ہاتھ قریب ہوگا میں تیری جانب ایک باع (دو ہاتھ کے پھیلاؤ کے بقدر) قریب ہوں گا اور تو میری طرف چلے گا میں تیری طرف تیز چلوں گا اور اگر تو میری طرف تیز چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا۔

وضاحت

(مقصد یہ کہ بندہ اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب تھوڑی مقدار میں حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندہ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ بندہ کی تھوڑی توجہ پر رحمت الٰہیہ زیادہ مقدار میں متوجہ ہو جاتی ہے)۔ اور (اے ابن آدم!) اگر تو مجھ سے مانگے میں تجھے عطا کرتا ہوں اور اگر تو مجھ سے نہ مانگے گا تو میں تجھ پر ناراض ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میں اپنے بندہ

کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب تک میرا بندہ ذکر کرتا ہے اور میرے (ذکر) سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔)

عبداللہ بن بشیر مازنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ کہ تو دُنیا سے صرف اس حالت میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تازہ ہو۔)

"واشکروا لی ولا تکفرون" تم میرا شکر اطاعت (فرمانبرداری) کے ساتھ کرو اور گناہ کر کے ناشکری نہ کرو (کفر نہ کرو) اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور جس نے اس کی نافرمانی کی (گناہ کیا) پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔ (ناشکری کی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو (غم ہلکا کرنے کے لئے) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ادراک نہیں کر سکتے۔

تفسیر: ۞ "یا یھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین" (یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت اور قبول دعا سے صابروں کے ساتھ ہے۔

۞ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات" یہ آیت کریمہ اُن مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے اور یہ چودہ آدمی تھے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔ جو شخص راہِ خدا میں شہید ہو جاتا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے "مات فلان" کہ فلاں شخص مر گیا اور اس سے دُنیا کی نعمتیں اور لذتیں چلی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات"...... "بل احیاء ولکن لا تشعرون" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداءِ اُحد کے بارے میں ارشاد فرمایا: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا"

"بل احیاء عند ربھم یرزقون" حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شہید اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں ان کے رزق ان کی روحوں پر پیش کیے جاتے ہیں تو ان شہیدوں کی طرف خوشی اور مسرت پہنچتی ہے جس طرح کہ آلِ فرعون کی روحوں پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو دکھ پہنچتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ: اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے یوں) کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۵۵﴾ "ولنبلونکم" یعنی اے اُمت محمد! ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ لام قسم محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "واللّٰہ لنبلونکم" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش فرمانبردار اور نافرمان کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ آزمائش اس لیے نہیں ہوتی تاکہ اللہ وہ کچھ جان لیں جس کا علم پہلے نہ رکھتے تھے (یعنی جس کو پہلے نہ جانتے تھے)...... "بشیء من الخوف" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی دشمن کا خوف (والجوع) یعنی قحط "ونقص من الاموال" خسارہ اور ہلاکت (مال) والا نفس قتل اور موت کے ساتھ بعض نے کہا کہ مرض اور بڑھاپے کے ساتھ "والثمرات" پھلوں میں آفات (زرعی بیماریاں وغیرہ) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے حکایت کی گئی ہے انہوں نے فرمایا خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بھوک (جوع) سے مراد رمضان شریف کے روزے (نقص من الاموال) سے مراد زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی "نقص انفس" جانوں کی کمی سے مراد مرض اور (نقص ثمرات) سے مراد اولاد کی موت ہے کیونکہ آدمی کی اولاد اس کے دل کا پھل ہوتی ہے۔

ابوسنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا اور ابوطلحہ خولانی قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ جب میں نے قبر سے (دفن کے بعد) نکلنے کا ارادہ کیا تو ابوطلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے نکالا، پھر فرمایا کیا تجھے میں خوشخبری نہ دوں؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندہ کے بیٹے کو قبض کر لیا (اسے موت دے دی)؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اس موقع پر) میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں اس تیرے بندہ نے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہا اور تیری تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس میرے بندہ کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو "وبشر الصابرین" مصیبتوں اور دکھوں پر (صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی صفات بیان فرمائیں۔

﴿۱۵۶﴾ "الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للّٰہ" (اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں) عبد یعنی بندہ اور غلام ہونے کے لحاظ سے (وانا الیہ راجعون) (اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) آخرت میں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ بندہ کو جو کوئی مصیبت بھی پہنچے پھر وہ بندہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہے (اور دعا کرے) اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا کر، اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اس مصیبت میں

ضرور اجر عطا فرماتے ہیں اور اس کو اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت ابوسلمہ (اُم سلمہ کے خاوند) فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے حوصلہ بخشا اور توفیق دی تو میں نے کہا یا اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل بخش۔ (اس دُعا کی برکت سے) پس اللہ تعالیٰ نے مجھے (ابوسلمہ کی وفات پر صبر کرنے پر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نعم البدل عنایت فرمایا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی (اُمت) کو مصیبت میں اتنی (عظیم نعمت نہیں دی گئی) جتنی کچھ کہ اس اُمت کو عنایت کی گئی۔ یعنی مصیبت کے وقت "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہنا۔ اگر یہ (نعمت) کسی کو دی جاتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دی جاتی۔ کیا آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنتے۔ "یا اسفٰی علٰی یوسف" گویا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اگر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی رہنمائی کی جاتی تو آپ "یا اسفٰی" کی بجائے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہتے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔

تفسیر: ﴿۱۵۷﴾ "اولئک" اس صفت والے "علیہم صلٰوۃ من ربہم ورحمۃ" صلوات سے مراد رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہوتی ہے اور صلوٰات کے بعد اللہ تعالیٰ نے رحمت کا ذکر تاکید اً فرمایا ہے اور تمام صلوٰات یعنی رحمت۔ "واولئک ہم المہتدون" انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی طرف (راہ پانے والے ہیں) اور بعض نے کہا کہ حق اور درستی کی طرف (راہ پانے والے ہیں) اور بعض نے کہا کہ یہ جنت اور ثواب کی طرف (راہ پانے والے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "نعم العدلان" دو ہم شکل اور مساوی (تحفے) اچھے ہیں۔ "ونعمت العلاوہ" اور ایک اضافی نعمت اور تحفہ بھی اچھا۔ دو مماثل ومساوی چیزیں صلاۃ اور رحمت ہے اور علاوہ یعنی اضافی انعام ہدایت ہے۔ مصیبت والوں کے ثواب اور صبر کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ سعد بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت پہنچاتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو جو تھکان، مشقت، مرض، ملال، تکلیف، غم حتیٰ کہ کانٹا جو اس کو چبھے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کردیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی جس کو (دورہ پڑنے کی) بیماری تھی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ وہ پاک ذات تجھے شفا دے اور تو چاہے تو صبر کر اور

تجھ پر کچھ حساب نہ ہوگا تو اس عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں (اس بات کو قبول کرتی ہوں) کہ میں صبر کروں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب نہ لیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب انسانوں سے زیادہ تکلیفوں والے کون ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام پھر ان کے بعد جو کوئی جتنا صاحب فضیلت ہوگا اللہ تعالیٰ آدمی کو اس کی دینی حیثیت کے مطابق آزماتے ہیں۔ اگر اس بندہ کے دین میں پختگی ہوگی اسی کے مطابق اس کی آزمائش ہوگی۔ اگر اس کے دین میں کمزوری ہوگی اس پر آسانی کی جائے گی (یعنی مصیبت کے باعث دینی کمزوری کو دور کیا جائے گا) (وہ اسی طرح تکلیفوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہوتا رہیگا۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر چلے گا اور اس کا کوئی گناہ باقی نہ رہیگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں بدلے کا بڑا ہونا مصیبتوں کے بڑا ہونے کے لحاظ سے ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب رکھتے ہیں اسے مبتلا کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے (اس حالت میں) راضی ہوتا ہے پس اس کے لیے رضا (الٰہی) ہے اور جو شخص (اس مصیبت کی حالت میں) ناراض ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کی جان، مال، اولاد میں مصیبت باقی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے اور اس پر کچھ گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مؤمن کی مثال کھیتی کی سی ہے جسے مسلسل ہوا ہلاتی رہتی ہے (اسی طرح) مؤمن کو بھی ہمیشہ تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال سخت درخت کی سی ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوتا یہاں تک کہ کاٹ دیا جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ پس مؤمن کو اپنے ہر حال میں اجر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لقمہ جو اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے اس پر بھی اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: تحقیقاً صفا و مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ہے ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں۔ (اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص) خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۞ "ان الصفا والمروة من شعائر اللّٰه" صفا، صفاۃ کی جمع ہے اور یہ سخت اور چکنا پتھر ہے۔ صفاۃ بھی کہا جاتا ہے اور "صَفًا" بھی جیسے حصاۃ بھی کہا جاتا ہے اور "حصیٰ" بھی اور نواۃ بھی اور نویٰ بھی۔ المروہ نرم پتھر اس کی جمع مروات ہے اور جمع کثیر "مَرْو" ہے جیسے تمرۃ اور تمرات اور تمر صفا اور مروہ سے مراد مقام سعی کے ارد گرد مکہ کی دو مشہور پہاڑیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ان دونوں پر الف لام داخل کیا گیا اور شعائر اللہ سے مراد دین کے نشان ہیں۔ اصل اس کی اشعار ہے جس کے معنی اعلام کے ہیں بتلانا مطلع کرنا شعائر کی واحد شعیرۃ ہے۔ نیکی کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرب حاصل کیا جائے۔ نماز، دُعاء، قربانی یہ سب شعیرہ ہیں۔ چنانچہ مطاف (طواف کی جگہ) موقف (ٹھہرنے کی جگہ) دس (۱۰) ذوالحجہ کو جانور ذبح کرنا یہ سب شعائر اللہ ہیں اور اس کے مانند مشاعر ہیں۔ مشاعر سے مراد اس جگہ وہ احکام حج ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا نشان بنایا ہے۔ صفا و مروہ انہیں (مشاعر) سے ہیں۔ یہاں تک کہ دونوں کے مابین اکٹھا چکر لگایا جاتا ہے۔ "فمن حج البیت او اعتمر" حج کا لغوی معنی قصد (ارادہ) کرنا۔ عمرہ کا معنی زیارت کرنا۔ "فلا جناح علیہ" یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں۔ جناح کا اصل جنح سے ہے جس کا معنی ہے میانہ روی سے ہٹ جانا "ان یطوف بهما" دونوں کے درمیان گھومے (آئے جائے) یطوف اصل میں "یتطوف" تھا۔ تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا۔ اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ دو بت تھے۔ اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر تھا۔ اہل جاہلیت صفا و مروہ کے مابین ان بتوں کی تعظیم کے لیے چکر لگاتے تھے اور (تبرکاً) ان کو ہاتھوں سے چھوتے تھے۔

اسلام کی آمد کے بعد ان بتوں کو توڑ دیا گیا۔ ان دو بتوں کے حوالے سے مسلمان صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے کتراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سعی کی اجازت دی اور اس بات کی خبر دی کہ صفا و مروہ شعائر اللہ سے ہیں۔ اہل علم نے اس آیت کے حکم اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف کیا۔ ایک جماعت علماء کی سعی کے واجب ہونے کی طرف گئی ہے اور یہ قول ابن عمر، جابر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ یہی حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے کہا اور اسی طرف امام مالک، امام شافعی (رحمہما اللہ) گئے ہیں کچھ لوگ سعی کے نفل ہونے کی طرف گئے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہی ابن سیرین اور مجاہد نے کہا ہے اور اسی طرف سفیان ثوری اور اصحاب الرائے گئے ہیں اور ثوری اور اصحاب الرائے (رحمہم اللہ) نے کہا جو شخص سعی کو چھوڑ دے اس پر جانور ذبح کرنا ہے اور جن حضرات نے سعی کو واجب قرار دیا ان کی دلیل وہ روایت ہے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ مل کر خاندان ابو الحسین کے گھر حضور علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے داخل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کے درمیان سعی فرما رہے تھے۔ پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سعی فرما رہے ہیں اور تیز دوڑنے کے باعث آپ کی چادر گھوم رہی تھی حتیٰ کہ میں (اپنے آپ) کہہ رہی تھی ابھی میں آپ کا گھٹنا مبارک دیکھوں گی۔ میں نے آپ کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے دوڑ (سعی) کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے)۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا

آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں فرمایئے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما" چنانچہ میں تو کسی پر کچھ گناہ نہیں سمجھتا کہ اگر وہ صفا و مروہ کے مابین طواف نہ کرے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ تو کہہ رہا ہے) اگر ایسا ہوتا جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو پھر آیت کریمہ یوں ہوتی "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما" یہ آیت تو صرف انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور مناۃ (مقام) قدید کے برابر میں تھا اور وہ صفا و مروہ کے درمیان طواف کے حلاشی (خواہاں) رہتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ" حضرت عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مکروہ سمجھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! کیونکہ وہ سعی بین الصفا والمروہ) جاہلیت کی نشانیوں میں سے تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (حرام) سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ فرمارہے تھے "نبدا کما بدا اللّٰہ تعالٰی بہ" کہ ہم (سعی کی) اس طرح سے ابتداء کریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) ابتداء کی (یعنی صفا سے) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا سے سعی کا آغاز فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ٹھہرے تو تین دفعہ اللہ اکبر فرماتے اور فرماتے "لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علٰی کل شیء قدیر" آپ ایسا تین دفعہ فرماتے ہیں۔ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے اقتدار ہے اور اسی کے لیے (کل) تعریف ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے) اس کے بعد دُعا فرماتے اور مروہ پر بھی ایسا ہی فرماتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا سے اُترتے تو چلتے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم مبارک بطن وادی (نشیبی جگہ) پر ٹکتے تو دوڑتے حتیٰ کہ اس جگہ سے نکل جاتے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرخ اونٹ پر حج فرمایا اور آپ پر دو سوتی گودڑیاں (چادریں) تھیں۔ پس آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا پھر آپ صفا پر چڑھے اور دُعا فرمائی پھر سعی کے لیے نیچے اُترے اور وہ تلبیہ یعنی "لبیک اللھم لبیک" فرمارہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لبیک عبدی انا معک و سامع لک و ناظر الیک" ترجمہ: (اے میرے بندے میں موجود ہوں میں تیرے ساتھ ہوں تیرے لیے سننے والا ہوں اور تیری طرف دیکھنے والا ہوں) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "ومن تطوع خیرا" حمزہ، کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا اور طاء کی شد اور عین کی جزم کے ساتھ پڑھا یعنی تَطَوَّع کو یَطَّوَّعْ" اور اسی طرح دوسرا لفظ تطوع بھی اسی طرح پڑھا جو اس جگہ ہے "فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ وان تصوموا" یعنی یطوع پڑھے۔ یعقوب نے اول میں حمزہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور باقیوں نے تاء کے

ساتھ اور عین کی زبر کے ساتھ ماضی میں پڑھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اگر "تطوع بالطواف بالصفا والمروہ" صفا ومروہ میں طواف کرکے نیکی (کارِ خیر) کرے۔ مقاتل وکلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فمن تطوع" کا معنی ہے یعنی طواف واجب کے بعد طواف (نفلی) زیادہ کرے اور کہا گیا ہے کہ حج فرض کے بعد عمرہ اور حج نفل کرے۔ حضرت حسن اور دیگر حضرات رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فمن تطوع" کے اندر تمام اعمال داخل ہیں یعنی فرض اعمال زکوٰۃ نماز طواف کے علاوہ ہر قسم کے اعمال خیر کرے۔ "فان اللہ شاکر" اپنے بندہ کے عمل پر جزاء (حسن) دینے والا ہے (علیم) اس کی نیت (کو جاننے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کے ہونے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اس کے استحقاق سے زیادہ دیتا ہے۔ تھوڑے عمل کی قدردانی فرماتا ہے اور زیادہ دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝

ترجمہ: جو لوگ اخفاء کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کو) ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم اس کو کتاب (الٰہی توراۃ وانجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کرچکے ہوں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کردیں اور (ان مضامین کو) ظاہر کردیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہوجاتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کرلینا اور مہربانی فرمانا البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جاویں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر رہا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ (ہمیشہ) اسی (لعنت) میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قابل) ان کو مہلت دی جاوے گی اور (ایسا معبود) جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمان ہے رحیم ہے۔

تفسیر: ⊛ "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب" یہ آیت علمائے یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے صفات محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیت رجم اور دیگر احکام تورات کو چھپایا "اولئک یلعنھم اللہ" لعن کا اصل معنی دھتکارنا ہانکنا اور دور ہونا ہے۔ "ویلعنھم اللٰعنون" اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں

گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے اور کہتے ہیں اے اللہ! ان پر لعنت فرما، یہ لعنت کرنے والے کون ہیں، اس میں اختلاف ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنوں اور انسانوں کے علاوہ ساری مخلوق ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فرشتے ہیں، حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن اور انسان ہیں۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سارے بندے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو مسلمان جب بھی ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں تو وہ لعنت ان یہود ونصاریٰ پر پڑتی ہے جنہوں نے حضور علیہ السلام کے امر کو چھپایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپایا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعنت کرنے والے حیوانات ہیں جو ان لوگوں (اولاد آدم) پر اس وقت لعنت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ جب قحط سخت ہو جاتا ہے اور بارش رُک جاتی ہے۔ حیوانات کہتے ہیں کہ یہ (قحط) اولاد آدم کے گناہوں کی نحوست سے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (اس حکم لعنت سے) استثناء فرمایا۔

۱۶۰ "الا الذین تابوا" کفر سے (توبہ کی) "واصلحوا" اسلام لائے یا ان اعمال کی اصلاح کی جن کا تعلق ان بندوں اور ان کے رب کے درمیان ہے۔ "وبینوا" جو کچھ انہوں نے چھپایا تھا (اسے بیان کیا) "فاولئک اتوب علیہم" جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ کر کے ظلم کیا پھر انہوں نے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول کروں گا۔ "وانا التواب" میں اپنے ان بندوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرنے والا ہوں۔ "الرحیم" ان کے ساتھ (رحم کا معاملہ کرنے والا ہوں) جب وہ میری طرف متوجہ ہوں۔

۱۶۱ "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ" یعنی فرشتوں کی لعنت "والناس اجمعین" ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قیامت کے دن ہوگا۔ کافر کو کھڑا کیا جائے گا۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان لعنت کریں گے۔

سوال۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والناس اجمعین" کہ سب انسان اور جو ملعون ہے وہ بھی تو سب انسانوں میں شامل ہے تو وہ ملعون اپنے آپ کو کیسے لعنت کرے گا؟

① جواب میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے آپ پر لعنت کرے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویلعن بعضکم بعضا"

② جواب بعض نے کہا کہ وہ ظالموں کافروں کو لعنت کریں گے اور جو ظالموں کافروں کو لعنت کرے گا حالانکہ یہ لعنت کرنے والا خود ظالم وکافر ہوگا۔ گویا اس نے اپنے آپ پر خود لعنت کی۔

۱۶۲ "خالدین فیہا" اس لعنت میں ٹھہرے رہیں گے اور کہا گیا ہے کہ آگ میں (ہمیشہ رہیں گے) "لا یخفف عنہم العذاب ولا ھم ینظرون" نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے اور نہ ڈھیل۔ حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ اس مہلت میں عذر کر سکیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولا یؤذن لہم فیعتذرون"

۱۶۳ "والٰہکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ بے شک کفار قریش نے کہا یا محمد ہمارے لیے اپنے رب کا بیان فرمائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور سورۃ اخلاص نازل فرمائی۔ سورۃ اخلاص

میں احد کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ وہ واحد وہ ہے جس کی کوئی نظیر نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ❶ "والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" ❷ "اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم" ابوالضحیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ان الٰھکم الٰہ واحد" بے شک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اگر وہ سچے ہیں تو (اپنے قول پر) ہمارے پاس کوئی نشانی لائے پس اللہ عزوجل نے فرمایا۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب لے کر) اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں اور ابر (کے وجود) میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں

تفسیر: ⓐ "ان فی خلق السمٰوات والارض" لفظ سموات کو جمع ذکر فرمایا اور الارض کو مفرد۔ اس لیے کہ ہر آسمان الگ الگ جنس سے ہے اور زمین ایک ہی جنس سے ہے یعنی مٹی۔ پس آسمان میں نشانی ہے کہ اس کا بغیر ستون کے بلند ہونا اور بغیر کسی تعلق کے اسی کا قائم رہنا ہے اور اس میں سورج چاند ستارے سب اس کی نشانیاں ہیں اور زمین کا نشانی ہونا اس کا پھیلاؤ اور اس کی فراخی اور وسعت اور جو کچھ اس میں درخت اور دریا، پہاڑ، جواہر، نباتات دیکھے جاتے ہیں۔

"واختلاف اللیل والنھار" یعنی دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا جانا ہر ایک دوسرے کا خلیفہ بنتا ہے، دن جاتا ہے تو رات آجاتی ہے رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور اس فرمان الٰہی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: "وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ"

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اختلاف اللیل والنھار" کا معنی نور و ظلمت کے لحاظ سے اور کمی زیادتی کے لحاظ سے ہے۔ "اللیل لیلۃ" کی جمع ہے اور لیالی جمع الجمع ہے اور نہار نہر کی جمع ہے لیل کو نہار پر ذکر کرنے میں مقدم کیا کیونکہ واقعۃً رات دن سے مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار" (یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر

رات نشانی ہے کہ اس سے ہم دن کو کھینچ نکالتے ہیں۔)" والفلک التی تجری فی البحر " کشتیاں فلک کا واحد اور جمع ایک ہے۔ لفظ فلک سے جب جمع مراد لیا جائے تو اسے مؤنث کیا جاتا ہے اور جب مفرد مراد ہو تو مذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد اور مذکر کرنے کے اعتبار سے فرماتے ہیں۔ "اذ ابق الی الفلک المشحون" (یہاں فلک سے مراد ایک کشتی ہے تو اس کی صفت مذکر یعنی مشحون لائی گئی اور جمع اور مؤنث سے متعلق فرمایا "حتی اذا کنتم فی الفلک و جرین بھم بریح طیبۃ" (یہاں فلک سے مراد بہت سی کشتیاں مراد ہیں اس لیے اس کا فعل جمع مؤنث جرین لائی گئی۔)" والفلک التی تجری فی البحر" کشتی کا نشانی ہونا اس عمل کے لیے مسخر ہونا پانی کے اوپر چلنا جبکہ سامان سے لدی ہوتی ہے، پانی میں ڈوبتی نہیں "بما ینفع الناس" یعنی اس پر سوار ہونا اور اس پر تجارت اور دیگر کاروبار اور مختلف مقاصد کی خاطر سامان لادنا۔ "وما انزل اللہ من السماء من ماء" اس سے مراد بارش بعض نے کہا کہ سماء سے مراد بادل ہے۔ اللہ تعالیٰ بادل میں پانی پیدا کرتا ہے پھر بادل سے اترتا ہے۔ بعض نے کہا ہے سماء سے مراد یہ معروف آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی آسمان میں پیدا کرتا ہے پھر آسمان سے بادل کی طرف اُتارتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف اُتارتا ہے۔ "فاحیا بہ" پانی سے زندہ فرماتا ہے۔ "الارض بعد موتھا" (زمین کو) "بعد موتھا" سے مراد زمین کا خشک ہونا اور قحط زدہ ہونا ہے۔ "وبث فیھا" اس میں جدا جدا کر دیتا ہے بکھیر دیتا ہے۔ "من کل دابۃ و تصریف الریاح" حمزہ رحمہ اللہ نے

اور کسائی رحمہ اللہ نے (الریح) بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقیوں نے الف کے ساتھ پڑھا "الریاح" قرآن پاک میں ہر وہ لفظ ریح جو الف لام کے بغیر آئے اس کے مفرد اور جمع ہونے میں قراء حضرات نے اختلاف کیا سوائے اس لفظ ریح کے جو سورۂ ذاریات میں واقع ہے۔ "الریح العقیم" اس کے مفرد ہونے پر انہوں نے اتفاق کیا ہے اور (اسی طرح) سوائے "الریاح مبشرات" کے جو سورۂ روم میں واقع ہے اس کے جمع ہونے پر سب نے اتفاق کیا۔

اور ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع پڑھا ہے اور قراء مختلف ہیں۔ لفظ ریح مذکر و مؤنث دونوں طرح واقع ہوا ہے۔ تصریف ریاح سے مراد اس کا شمالاً جنوباً ہونا ہے۔ شرقاً غرباً چلنا اور یا پھر ایک سیدھ پر نہ چلنا بلکہ متفرق طور پر چلنا ہے اور بعض نے کہا کہ تصریف ریاح سے مراد ہواؤں کا نرم و خوشگوار چلنا اور کبھی سخت جھکڑ کی صورت میں چلنا اور اسی طرح گرم لُو چلنا اور کبھی ٹھنڈی چلنا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے بڑے لشکر ہیں۔ ہوا کو ریح اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ طبیعت کو راحت پہنچاتی ہے۔ حضرت سیدنا قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہوا کا چلنا بیمار کو صحت بخشتا ہے یا تندرست کو بیمار کرتا ہے اور تین قسم کی ہواؤں میں بشارت (خوشخبری) ہے۔ صبا (مشرقی ہوا) اور شمال والی ہوا اور جنوب والی ہوا میں یہ باقی رہی۔ دبور (پچھم کی طرف سے آنے والی ہوا یعنی مغربی ہوا) یہ ریح عقیم ہے اس میں کچھ خوشخبری نہیں ہے اور کہا گیا ہے ہوائیں آٹھ ہیں۔ چار ہوائیں رحمت کے لیے ہیں اور چار عذاب کے لیے رحمت والی ہوائیں (جو قرآن کریم میں مذکور ہیں) "المبشرات الناشرات اور الذاریات اور المرسلات" اور جو ہوائیں عذاب کی ہیں وہ العقیم اور صرصر جن کا تعلق

خشکی سے ہے اور عاصف اور قاصف جن کا تعلق (پانی) سمندر وغیرہ سے ہے۔ "السحاب المسخر" یعنی بادل جو مطیع بنایا گیا ہے۔ سحاب بادل کو اس لیے کہا جاتا گویا کہ وہ گھسٹتا ہے کیونکہ سحب کا معنی گھسیٹنا اور کھینچنا ہے۔ یعنی بادل تیزی کے ساتھ چلتا ہے گویا کہ وہ گھسٹ رہا ہے یا کھینچ رہا ہے۔ "بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون" پس (ان آیات میں غور کرنے سے) وہ جان جائیں گے کہ ان چیزوں کا خالق وصانع ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نہیں جانی جاسکتیں کہ کہاں سے آرہی ہیں۔ گرج۔ بجلی۔ بادل۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

ترجمہ: اور کچھ آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری) ہے اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا کہ یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کرکے) سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں اور بھی) سخت ہوگا۔

تفسیر: "ومن الناس" مشرکین "من یتخذ من دون اللہ اندادا" یعنی بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ "یحبونہم کحب اللہ" یعنی یہ (مشرک) اپنے معبودان باطل سے ایسی محبت کرتے ہیں جس طرح کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ یہ مشرک بتوں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو اور بتوں کو محبت رکھنے میں برابر کیا۔

"والذین آمنوا اشد حبا للہ" (محبت پر) ثابت رہنے والے اور مشرکین کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ قائم ودائم رہنے والے ہیں کیونکہ وہ (ایمان والے) اللہ تعالیٰ پر اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو ترجیح دینا پسند نہیں کرتے اور مشرک جب کسی بت کو (معبود) پکڑتے ہیں پھر اس کے بعد کسی اور سے زیادہ خوبصورت دیکھتے ہیں تو پہلے کو پھینک دیتے ہیں اور دوسرے کو پسندیدہ قرار دے کر (معبود) اختیار کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (مشرکین کے بالمقابل مؤمنین کا "اشد حبا للہ" ہونے کا معنی یہ ہے) کہ کافر سخت مصیبت کے وقت اپنے معبود (بت) سے اعراض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی خبر دی۔ پس فرمایا "فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین" ترجمہ (جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو (بوقت مشکل) اللہ تعالیٰ کو صرف اسی کی اطاعت کرتے ہوئے پکارتے ہیں)۔ بخلاف مؤمن کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کسی وقت اور کسی حال میں منہ نہیں موڑتا نہ راحت میں نہ تکلیف میں نہ شدت میں اور نہ آسانی میں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو جس نے دنیا میں بتوں کی محبت

میں اپنے آپ کو جلا رکھا ہوگا حکم دیں گے کہ وہ بتوں سمیت داخل ہو جائیں۔ پس وہ داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کفار کے سامنے فرمائیں گے۔ اگر تم میرے پیارے ہو (مجھ سے محبت کرتے ہو) تو جہنم میں کود جاؤ تو ایمان والے جہنم میں گھس جائیں گے تو عرش کے نیچے سے آواز دینے والا آواز دے گا "والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ" اس لیے فرمایا ہے کہ ان ایمان والوں کو پہلے اللہ تعالیٰ نے محبوب رکھا پھر ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا اور جس شخص کی محبت کی گواہی معبود برحق خود دے اس کی محبت اتم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یحبھم ویحبونہ" (گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی محبت کا ذکر پہلے فرمایا اور مؤمنین کی محبت کا (جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے) ذکر بعد میں فرمایا۔

"ولو یری الذین ظلموا" نافع، ابن عامر اور یعقوب نے "ولو تری" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ (لو) کا جواب یہاں محذوف ہے اور قرآن مجید میں اس طرح کا (حذف) بہت واقع ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ" تو اس آیت میں آنے والے (لو) کا جواب بھی محذوف ہے۔ جواب "لکان ھذا القرآن کذالک" محذوف ہے اور جنہوں نے تاء کے ساتھ یعنی تری پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا اگر آپ یا رسول اللہ ان لوگوں کو شدت عذاب میں دیکھیں جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ "لرایت امرا عظیما" آپ امر عظیم دیکھیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے یا رسول اللہ آپ فرمادیں اے ظالم اگر تو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا یعنی شرک کیا شدت عذاب میں دیکھے "لرایت امرا فظیعا" تو اے ظالم! تو بھیانک منظر دیکھے گا (یہ جواب محذوف ہے)۔ اور جن حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ یہ عذاب کا مشاہدہ کرتے وقت عذاب الٰہی کی شدت اور اس کی سزا کو اگر دیکھیں تو کفر کی مضرت پہچان جائیں اور یہ بھی جان جائیں کہ وہ بت جن کو انہوں نے (معبود بنا رکھا تھا) ان کو کچھ نفع نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اذ یرون" ابن عامر رحمہ اللہ نے یاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "یُرون" اور باقیوں نے یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "العذاب ان القوۃ للّٰہ جمیعا و ان اللّٰہ شدید العذاب" یہ کہ سب طاقت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اس کا معنی "لو رأوا" جان جائیں گے اور یقین کرلیں گے کہ بے شک قوت سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور ابوجعفر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "ان القوۃ" اور "ان اللّٰہ" ان کی الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جملہ مستانفہ (ابتدائیہ) کے طور پر اور "اذ یرون العذاب" پر کلام تام سمجھتے ہوئے اور جواب کو پوشیدہ (مضمر) مانتے ہوئے۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ
حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: جبکہ وہی (ذی اثر لوگ) جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب (خاص و عام) عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جاویں اور (جب) یہ تابع لوگ (جھلا کر) یوں کہنے لگیں گے۔ کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جائیں جیسا کہ یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے اللہ تعالیٰ یونہی ان کی بداعمالیوں خالی ارمان (کے پیرایہ میں) کر کے ان کو دکھلا دیں گے اور (ان تابعین اور متبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا

تفسیر: ⓯ "اذ تبرّأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب" یہ قیامت کے دن ہوگا جس دن کہ اللہ تعالیٰ سرداروں کو اور ان کے پیروکاروں کو جمع فرمائیں گے تو بعض، بعض سے اعلان بیزاری کریں گے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس جگہ سرداروں سے مراد جن اور "اتبعوا" پیروکاروں سے مراد انسان ہیں۔ "وتقطعت بھم" یہاں "بھم" بمعنی "عنھم" ہے۔ (الاسباب) باہمی تعلقات جو دُنیا میں ان کے درمیان تھے قرابت داریاں دوستیاں اور ان کا باہمی میل ملاپ عداوت میں بدل جائے گا۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسباب سے یہاں مراد ارحام ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلا انساب بینھم یومئذ" علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسباب سے مراد وہ اعمال جو وہ دُنیا میں کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا" کہ ہم ان کے اعمال کو بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے۔ اسباب کا اصل معنی ہے وہ چیز جس کے ذریعے کسی شئی کی طرف پہنچا جائے کوئی ذریعہ ہو رشتہ داری ہو، محبت و دوستی ہو یا پھر احسان ہو ہی کو سبب کہا جاتا ہے اور راستہ کو سبب کہا جاتا ہے۔

⓰ "وقال الذین اتبعوا" پیروکار (کہیں گے) "لو ان لنا کرّۃ" دُنیا کی طرف لوٹنا ہو "فنتبرأ منھم" متبوعین (سرداروں سے اعلان بیزاری کریں) "کما تبرّأوا منا" آج کے دن (جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں) "کذالک" یعنی جس طرح ان کو عذاب دکھایا۔ "یریھم اللہ" اور بعض نے کہا ہے جیسا کہ (اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے) بعض کا بعض سے اعلان بیزاری کرنا، ان کو اللہ تعالیٰ دکھائے گا۔ "اعمالھم حسرات" ندامتیں، پشیمانیاں "علیھم" "حسرات حسرۃ" کی جمع ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ برائیاں دکھائے گا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہوگا۔ پس اظہار حسرت و افسوس کریں گے کہ یہ کام انہوں نے کیوں کیے۔ بعض نے کہا کہ ان کو اللہ تعالیٰ وہ نیکیاں دکھائے گا جو انہوں نے چھوڑ دی تھیں تو وہ ان نیکیوں کو ضائع کرنے پر ندامت کا اظہار کریں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا تھا۔ اس اُمید پر کہ وہ بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے۔ پس جب ان کو اس عمل پر عذاب دیا جائے گا جس پر ان کو اُمید اجر و ثواب تھی تو ندامت و حسرت کریں گے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے جنت نمایاں اور ظاہر و بلند کی جائے گی۔

پس اس کی طرف دیکھیں گے اور جنت میں اپنے گھروں کی طرف دیکھیں گے۔ اگر وہ اطاعت کرتے (تو ان کو وہ گھر نصیب

ہوتے) پس ان کو کہا جائے گا یہ تمہارے گھر ہیں، رہائش گاہیں ہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے پھر ان کے گھر ایمان والوں میں تقسیم کردیئے جائیں گے۔ پس یہ وہ وقت ہوگا جب ندامت اور حسرت کا اظہار کریں گے۔ "وماھم بخارجین من النّار"

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تو تم کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس پر چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں کہ نہیں) بلکہ ہم تو اس (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اگرچہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں

تفسیر ﴿۱۶۸﴾ "یاایھا النّاس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً" یہ قبیلہ ثقیف وخزاعہ، عامر بن صعصعہ اور بنی مدلج کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انھوں نے اپنے آپ پر کھیتی اور بعض جانوروں کو حرام کیا (جس کھیتی کو وہ بتوں کے نام کرتے یا وہ جانور جن کو بتوں کی نیاز کرتے ان کو اپنے استعمال میں نہ لاتے تھے) جانوروں کی تفصیل نام بنام

(بحیرہ): یہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا دودھ بتوں کی نیاز کردیتے تھے۔ اس کا نام بحیرہ اس لیے ہے کہ وہ اس جانور کے کان کو پھاڑ دیتے تھے۔ بحیرہ بروزن فعیلہ بمعنی مفعولہ ہے۔ بحر کے معنی شق (پھاڑنے) کے ہیں۔ بحیرۃ یعنی "مشقوقۃ الاذن" جس مؤنث کا علامت کے طور پر کان پھاڑ دیا جائے وہ بحیرہ کہلاتی تھی۔

(سائبہ): وہ جانور جس کو وہ بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اس سے بار برداری وغیرہ کسی قسم کا کام نہ لیتے تھے۔ وہ بتوں کے نام وقف ہوتا تھا جہاں چاہتا چلا جاتا کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوتی۔

(وصیلہ): وہ جوان اونٹنی جو اول اول یکے بعد دیگرے دو مؤنث بچے جنم دیتی۔ درمیان میں مذکر نہ ہوتا۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

(حام): وہ مذکر اونٹ جو چند بار جفتی کا عمل کرتا۔ جب وہ ان کی مطلوبہ تعداد میں عمل جفتی سرانجام دیتا اس کو بھی بتوں کے نام کردیتے تھے اسے حوامی کہتے۔ اس پر بھی کسی قسم کی بار برداری نہ کرتے تھے۔

تو اس مقام پر تنبیہ کردی گئی کہ حلال وہی ہے جسے شریعت نے حلال قرار دیا۔ "طیبا" کہا گیا ہے کہ طیب وہ ہے جسے مرغوب ولذیذ اور پاکیزہ سمجھا جائے۔ مسلمان حلال کو پسندیدہ و پاکیزہ سمجھتا ہے اور حرام سے ڈرتا ہے۔ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" ابوجعفر اور ابن عامر، کسائی اور حفص اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے طاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے طاء کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور "خطوات الشیطان" اس (شیطان) کے آثار ونشانات اور فلط کاریاں بعض نے کہا کہ "خطوات الشیطان" سے مراد گناہوں والی نذریں ماننا (جو شرعاً جائز نہیں)۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خطوات الشیطان" سے مراد شیطان کے راستے ہیں "انه لكم عدوٌ مبين" ظاہر العداوۃ واضح دشمنی جس کا اظہار وہ حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دے کر اور سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا فعل (أبان) جس سے بمعنی اسم فاعل ہے کبھی لازم ہوتا ہے کبھی متعدی۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی عداوت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

۞ "انما يامركم بالسوء" گناہ کے ساتھ (حکم کرتا ہے) "سوء" اصل میں اس کو کہتے ہیں جو کرنے والے کو بری لگے۔ یہ مصدر ہے "ساء يسوء، سوءً وساءةً" کی جس کے معنی غمناک کرنے کے ہیں۔ "ساءه" اسے غمناک کیا اور "سؤتُه فساء" میں نے اس کو غمناک کیا۔ پس وہ غمناک ہو گیا۔ "والفحشاء" گناہ اور ہر وہ قول یا عمل جو قبیح ہو۔ "سراء اور ضراء" کی طرح مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الفحشاء" سے مراد وہ گناہ ہے جس میں حد لازم ہے اور سوء سے مراد وہ گناہ جس میں شرعاً حد نہیں ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفحشاء" زنا ہے اور کہا گیا ہے کہ فحشاء بخل ہے۔ "وان تقولوا على الله مالا تعلمون" کھیتی اور چوپایوں کو حرام کرنا۔

۞ "واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله" بعض نے کہا کہ یہاں سے نیا قصہ شروع ہو رہا ہے اور "لهم" میں اضمار قبل الذکر ہے۔ یعنی اس کا مرجع یہاں مذکور نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کو اسلام کی دعوت دی تو رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف کہنے لگے ہم تو اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا کیونکہ وہ ہم سے افضل اور زیادہ عالم تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور کہا گیا ہے کہ یہ (نئی بات نہیں) ماقبل سے متصل ہے اور یہ مشرکین عرب اور کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی اور "لهم" کی ضمیر ان کی طرف راجع ہے جن مشرکین کا ذکر "ومن النّاس من يتخذ من دون الله اندادا" کے ضمن میں ہے۔ "قالوا بل نتبع ماالفينا" یعنی ہم نے پایا "عليه آباءنا" بتوں کی پرستش کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے جب ان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اس کی پیروی کرو اور جو تم نے اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ مثلاً کھیتی اور چوپاؤں بحیرہ سائبہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ ان کو حلال فرما رہے ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی بات مانو اور حام اور یہ جو لھم میں ہے یہ ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جن کا ذکر "يا ايها النّاس كلوا" میں ہے "قالوا بل نتبع" کسائی نے "بل نتبع" کے لام کو نون میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔

اور اسی طرح "ھل" اور "بل" کی لام کو "التاء، الثاء، الزاء، السین، الصاد، الطاء، الظاء" میں ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حمزہ رحمہ اللہ نے ثاء اور سین میں موافقت کی ہے۔ "ما الفینا...... وماجدنا علیہ" جس پر ہم نے تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں اپنے آباء کو پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اَوَلَو کان آباء ھم" یہ کیسے اپنے آباء کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ ان کے آباء "لایعقلون شیئاً" (دین کے معاملہ میں کچھ نہیں سمجھتے) "اَوَلَو" میں جو واؤ ہے واؤ عطف ہے اور اسے واؤ تعجب بھی کہا جاتا ہے۔ اس واؤ پر توبیخ یعنی سرزنش کے لیے ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے معنی ہوگا کیا یہ لوگ اپنے آباء کی پیروی کریں گے۔ اگرچہ ان کے آباء خبیث جاہل اور (دینی معاملات) کچھ نہ جانتے ہوں "لایعقلون" کا لفظ عام ہے اور معنی مراد خاص ہے یعنی "لایعقلون شیئاً من امور الدین" دینی معاملات میں سے کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ (یہ تخصیص اس لیے کی گئی) کیونکہ امور دُنیا سے آگاہ تھے۔ "ولا یھتدون" پھر ان کے لیے مثال ذکر فرمائی۔ پس (اللہ) جل ذکرہ فرماتے ہیں: ١

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

ترجمہ اور ان کافروں کی کیفیت (ناسمجھی میں) اس (جانور کی) کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا (اسی طرح) یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق رکھتے ہو)

تفسیر ⊙ "ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع" نعق اور نعیق چرواہے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو وہ بکریوں کو ہانکنے کے وقت نکالتا ہے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اور کافروں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بہائم کو آواز دے۔ یعنی آپ تو گویا مثل آواز دینے والے کے ہیں اور یہ کفار مثل بہائم کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کفار کو وعظ کرنے والے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی مثال مثل چرواہے کے ہے جو بکریوں کو آواز دیتا ہے حالانکہ وہ منتی (سمجھتی) نہیں۔ "الا دعاء" آواز (ونداء) پکار لفظ مثل کو "الذین کفروا" کی طرف اس پر کلام کی دلالت کرنے کی وجہ سے مضاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے "واسئل القریۃ" فرمایا۔ اس کلام کا معنی ہوگا کہ جس طرح جانور چرواہے کی آواز سنتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں جو کچھ ان کو کہا جا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کافر بھی آپ کے وعظ سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کرتے وہ تو صرف آپ کی آواز سن رہے ہیں اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہے کہ ان کافروں کی مثال اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو تنبیہ کی جاری ہے اس سے متعلق کم عقلی اور کم فہمی میں اس "منعوق بہ" آواز دیئے گئے جانور کی سی ہے جو کہ "امر و نہی"

کے حوالے سے سوائے آواز کے اور کچھ نہیں سمجھتا۔ تو اس طرح ترجمہ کرنے سے کلام کا پورا مفہوم "منعوق بہ" آواز دیئے گئے جانور کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور کلام کا تعلق (زیادہ تر) ناعق سے نہیں رہے گا اور ایسا کلام عرب میں عام ہے جو کرتے ہیں کہ وہ اپنے معنی کو واضح کرنے کے لیے نسبت کلام میں اول بدل کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں "فلان یخافک کخوف الاسد" اس کلام میں بظاہر خوف کی اضافت اسد کی طرف ہے حالانکہ اسد یعنی شیر نہیں ڈرتا تو گویا اصل کلام یوں تھی "کمخوفۃ الاسد" جیسا کہ وہ شخص شیر سے ڈرتا ہے ایسا ہی وہ تجھ سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ" (یہاں بظاہر تنوء کی نسبت مفاتح کی (چابیوں) کی طرف کی گئی ہے حالانکہ گرانی مفاتح (چابیوں) کو نہیں بلکہ عصبہ کو ہوتی تو یہاں اضافت میں قلب ہے) حالانکہ عصبہ (جماعت) مفاتح (چابیوں) کے ساتھ متعلق ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے ان لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے ان بتوں کو پکارنے میں جو کچھ نہیں سمجھتے اور نہ جانتے ہیں مثل اس شخص کے ہے جو بکریوں کو آواز کرتا ہے۔

تو وہ بکریوں کو آواز کرنے والا اپنی اس آواز سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اس دعاء و پکار میں اپنے آپ کو تھکاتا ہے۔ اسی طرح کافر کو بھی سوائے اس کے بتوں کو (مشکلات) میں پکار کر کے اپنے آپ کو ہلکان کرے اور ان کی عبادت کر کے مشقت میں پڑے اور کچھ فائدہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم" ترجمہ: (کہ اگر تم ان بتوں کو پکارو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دیتے) اور بعض نے کہا کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کی مثال بتوں کو پکارنے کے اعتبار سے اس شخص کی سی ہے جو پہاڑوں کے درمیان (وادی میں) چیخے چلائے پھر اپنے اس چیخنے چلانے کی صدائے بازگشت سنے جس سے اس کو کچھ سمجھ نہ آئے۔ پس آیت کا معنی ہوگا (ان کافروں کی مثال بتوں کو پکارنے میں) اس پکارنے والے کی سی ہے جو اپنی پکار سے سوائے دعاء و نداء کے کچھ نہ سنے۔ "صم" مثل حرب والے اس شخص کو جو نہ سنے اور نہ عمل کرے۔ گویا کہ وہ بہرا ہے۔ "بکم" خیر سے (گونگے) ہیں خیر کی بات کہتے نہیں۔ "عمی" ہدایت سے (اندھے ہیں) اسے دیکھتے نہیں۔ "فھم لا یعقلون"

❸ "یا یھا الذین آمنوا کلوا من طیبات" رزق حلال "ما رزقناکم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(اے لوگو! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ طیب (پاک) ہیں اور صرف طیب (پاک مال) ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم فرمایا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" (ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور نیک اعمال کرو۔)

ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو پھر حضور علیہ السلام نے آدمی کا ذکر فرمایا جو سفر لمبا کیے ہوئے ہے۔ پراگندہ وغبار آلود بال آسمان کی طرف دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر یا رب! یا رب! (کی صدائیں دے کر مانگتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام کا پینا حرام کا اس کا لباس حرام کا اور غذا بھی حرام کی دیا گیا

اس کی دُعا کیسے قبول کی جائے۔ "واشکروا للّٰہ" اس کی نعمتوں پر (اس کا شکر ادا کرو) "ان کنتم ایاہ تعبدون" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کا ذکر فرمایا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار) جانور کو اور خون کو جو بہتا ہوا اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے (بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

تفسیر: ۱۷۳ "انما حرم علیکم المیتۃ" ابوجعفر رحمہ اللہ نے قرآن پاک میں جہاں کہیں "المیتۃ" کا لفظ آیا ہے۔ شد کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قراء نے بعض (جگہوں پر) میتہ کو شد کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض میں نہیں "المیتۃ" ہر وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کئے جائے مگر وہ جانور ایسا ہو جس کو عموماً ذبح کیا جاتا ہو "والدم" اس سے مراد بہنے والا خون ہے۔ اس معنی کو مراد لینے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے۔ "او دما مسفوحا" شریعت نے میتہ سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کیا ہے اور خون سے جگر اور تلی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ پس ان کو حلال فرمایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو میتہ حلال کیے گئے ہیں اور دو خون دو میتہ مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون میں گمان کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جگر اور تلی۔ "ولحم الخنزیر" اس سے مراد خنزیر کے تمام اجزاء ہیں مگر تعبیر لفظ لحم سے کی گئی ہے کیونکہ لحم (گوشت) مقصود معظم ہوتا ہے۔ "وما اھل بہ لغیر اللّٰہ" جو ذبح کیا جائے بتوں کے لیے اور طواغیت کے لیے۔

اہلال کا اصل معنی آواز بلند کرنا ہے اور مشرک جس بت کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اس بت کے نام کے ساتھ آواز بلند کرتے تھے۔ یہ طریقہ ان کا جاری رہا حتیٰ کہ ہر ذبح کرنے والے کو مُہل کہا جانے لگا۔ اگرچہ وہ آواز بلند نہ بھی کرے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں "وما اھل بہ لغیر اللّٰہ" جس پر اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا نام ذکر کیا جائے۔ "فمن اضطر" لفظ فمن کی نون کو زیر کے ساتھ اور یہی حال ہر اس حرف کا جو اسی طرح واقع ہو (یعنی التقاء ساکنین کے بعد پیش والا حرف ہو جیسے یہاں ن اور ض ساکن ہیں اور بعد میں ط پر پیش ہے) عاصم اور حمزہ نے ایسے پڑھا اور ابوعمر رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے مگر لام اور واؤ میں مثلاً "قل ادعوا اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن" اور یعقوب رحمہ اللہ نے موافقت کی مگر واؤ میں اور ابن عامر رحمہ اللہ نے تنوین والے (نون) میں موافقت کی اور باقی سب حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔

پس جس نے زیر دی ہے تو وہ اس لیے کہ جزم کو زیر کی طرف حرکت دی جاتی ہے اور جس نے پیش دی تو اس لیے کہ فعل کا پہلا حرف پیش والا ہے اس پیش کو ماقبل کی طرف نقل کیا گیا اور ابو جعفر نے "فمن اضطر" میں طاء کو زیر کے ساتھ پڑھا اور اس کا معنی ہے کہ جو شخص میتہ کھانے کی طرف مضطر ہو جائے یعنی محتاج اور مجبور ہو جائے (غیر) لفظ غیر کو زبر دی گئی ہے حال ہونے کی بنیاد پر اور بعض نے کہا کہ یہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے اور جب تو دیکھے کہ لفظ غیر کی جگہ لفظ "لا" معنی کے اعتبار سے فٹ نہیں آتا تو وہ غیر حال واقع ہوگا اور جب غیر کی جگہ معنی "الا" کا آجانا صحیح ہو تو وہ غیر کا لفظ استثناء کے لیے ہے۔

"باغ ولا عاد" پس بعض نے کہا کہ غیر باغ کا معنی ہے سلطان عادل کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے ظلم وتعدی اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اور سفر معصیت نہ کرنے والا ہو۔ مثلاً ڈاکہ زنی کے لیے نکلا یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے سفر کیا۔ یہ قول ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے اور کہتے ہیں جو گناہ کا سفر کر رہا ہے اس کے لیے عالت اضطرار میں میتہ کھانا جائز ہے اور نہ ہی وہ مسافر سفر کی دیگر شرعی سہولیات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے کیونکہ عالت اضطرار میں میتہ کھانا اس کے لیے جائز کرنا اس کی جرم وفساد پر اعانت کرنا ہے اور ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ

"بغی" اور "عدوان" (کا مفہوم) کھانے کی طرف راجع ہے اس کی تفصیل میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں میتہ کے کھانے کی طرف بغیر اضطرار کے دلچسپی لینے والا اور رغبت رکھنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے پیٹ بھرنے کی خاطر حد سے زیادہ کھانے والا نہ ہو۔ (مقصد یہ کہ محض جان بچانے کی حد تک بقدر ضرورت کھائے) اور بعض نے کہا کہ "غیر باغ" میتہ کو طلب کرنے والا نہ ہو جب کہ اس کے سوا حلال غذا اس کو میسر ہو۔ "ولا عاد" (یعنی مقررہ حد صرف جان بچانا) سے تجاوز کرنے والا نہ ہو کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ اس میتہ سے صرف اتنا کھائے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں غیر باغ کا معنی ہے یعنی حلال سمجھنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے کہ اس کی میتہ سے زادِ راہ (توشہ) حاصل کرنے والا نہ ہو اور بعض نے کہا کہ غیر باغ جس قدر کھانے کی مقدار اس کے لیے حلال کی گئی ہے اس سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے کہ جتنا کھانا اس کی جان بچانے کے لیے ضروری ہے اس میں کوتاہی نہ کرے (ہاں معنی عاد کا معنی زیادتی کرنے والا یعنی اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ہوگا)۔

حضرت مسروق (تابعی) فرماتے ہیں جو شخص میتہ خون لحم خنزیر کھانے پر مجبور ہو جائے۔ پس وہ نہ کھائے یہ حتیٰ کہ مر جائے وہ آگ (دوزخ) میں داخل ہوگا۔ اس مقدار میں علماء کا اختلاف ہے جس قدر میتہ کو کھانا مجبور انسان کے لیے حلال ہے۔ بعض نے کہا اس قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ سکے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول اس کے لیے پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "غیر باغ" کا معنی ہے کہ وہ جماعۃ المسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والا نہ ہو اور

"ولا عاد" کا معنی ہے۔ بدمعنی مخالف سے نہ ہو انہوں نے بدمعنی کو بوقت ضرورت حرام کھانے کی رخصت نہیں دی۔ "فلا اثم علیہ" اس مقدار کو کھانے میں اس پر کچھ حرج نہیں ہے۔ "ان اللہ غفور" (بخشنے والا ہے) اس شخص کو جو حالت اضطرار حرام کھاتا ہے۔ "رحیم" ہے کیونکہ اس نے اس سلسلہ میں اپنے بندوں کو (حرام کھانے کی) اجازت دی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۞ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ ۞

ترجمہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا کرتے ہیں اور اس (خیانت) کے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ (کے انگارے) بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں لطف کے ساتھ کلام کریں گے اور نہ (گناہ معاف کر کے) ان کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں) مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا) سو (شاباش ہے ان کو) دوزخ (میں جانے) کے لئے کیسے باہمت ہیں۔

تفسیر: ۞ "ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب" یہودیوں کے علماء اور سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی وہ اپنے ماتحت (عوام) سے ہدایات لیتے اور کھانے کی اشیاء اور اس اُمید میں تھے کہ نبی مبعوث ان میں سے ہوں گے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان کو اپنے کھانے جانے اور زوال ریاست کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو ان کی کتاب میں تھی) تبدیل کر دیا۔ پھر اس (تورات) میں تبدیل شدہ صفت کو عوام کے لیے نکالا جب ماتحت (عوام) نے تبدیل شدہ صفت محمدی کو دیکھا کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی صفات واقعیہ کے برعکس ہے۔

پس انہوں نے حضور علیہ السلام کی اتباع نہ کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب" یعنی صفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت کو "ویشترون بہ" اس چھپائی ہوئی صفت کے بدلے "ثمنا قلیلا" معمولی بدل یعنی وہ کھانا دانہ جو ان کو ان کے ماتحتوں (عوام) کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا۔ "اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار" صرف وہ کچھ کھاتے ہیں جو ان کو آگ کی طرف پہنچائے گا اور وہ رشوت اور حرام جب یہ کھانا وغیرہ ان کو آگ کی طرف پہنچانے والا ہے تو گویا کہ انہوں نے آگ کھائی ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ کھانا انجام کار ان کے پیٹ میں آگ بن جائے گا۔ "ولا یکلمھم اللہ یوم القیامہ" ان کے ساتھ رحمت والا کلام اللہ تعالیٰ نہیں فرمائے گا اور نہ وہ کلام جو ان کو خوش لگے۔ صرف ان سے سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ والی کلام کرے گا۔ کہا گیا ہے کہ اس فرمان الٰہی کا مطلب ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں سے بات بھی نہیں کرتا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس سے ناراض ہو۔ "ولا یزکیھم" ان کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک نہیں فرمائے گا۔ "ولھم عذاب الیم"

● "اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرھم علی النّار" حضرت عطاء اور علامہ سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فما اصبرھم" میں ما استفہامیہ ہے۔ یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو آگ پر صابر بنا دیا ہے؟ "ماء" بمعنی ای شیئ کے ہوگا یعنی "ای شیء" وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو آگ پر صابر بنا دیا حتیٰ کہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا ہے اور باطل کی پیروی کر لی؟

حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان کو آگ پر کچھ صبر نہیں لیکن "فما اصبرھم علی النّار" کا معنی ہے "ما اجراھم" کہ ان کو اس عمل پر کس چیز نے دلیر کر دیا ہے جو عمل ان کو آگ کے قریب کرتا ہے؟ حضرت کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فما اصبرھم علی النّار" کا معنی ہے یعنی ان کو اس پر کس چیز نے دوام دیا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ م بَعِیْدٍ ۞ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞

(ترجمہ) یہ (ساری مذکورہ سزائیں ان کو) اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا اور جو لوگ (ایسی کتاب میں بے راہی اختیار کریں وہ (ظاہر ہے کہ) بڑی دور کے اختلاف میں مبتلا ہوں گے کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) پر یقین رکھے اور (اسی طرح) قیامت کے دن (آنے پر (بھی) اور فرشتوں (کے وجود) پر بھی اور سب کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجتمند) رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو اور دوسرے غریب) محتاجوں کو (اور بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کو) گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کسی جائز امر کا) عہد کر لیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور (معرکہ) قتال میں (بس) یہ لوگ ہیں

جو بے پناہ کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو بے پناہ متقی (کہے جاسکتے ہیں)

تفسیر ❶ "ذالک بان اللہ نزل الکتاب بالحق" یہ عذاب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ پس انہوں نے اس (حق) کا انکار کیا اور کفر کیا اور اس وقت لفظ "ذالک" محل رفع میں ہوگا یعنی "مصلاً" پیش والا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ "ذالک" کا لفظ محل نصب میں ہے یعنی زبر والا ہے محل ہوگا۔ "فعلنا ذالک بھم" ہم نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ (تو گویا "ذالک" کا لفظ "فعلنا" کا مفعول بہ ہوکر منصوب یعنی زبر والا ہو جائے گا "بان اللہ" یعنی یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا۔ پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے۔

"ذالک" کا اسم اشارہ ان کے فعل کی طرف ہے۔ "ذالک" یہ جہان کا فعل جو وہ کرتے ہیں یعنی کفر باللہ، اختلاف فی الکتاب اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جرأت کرنا۔ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ختم اللہ علیٰ قلوبھم" (اس قول کا خلاصہ یہ ہوا کہ کفار کا کفر و اختلاف اور جرأت علی اللہ کتاب الٰہی کے مفہوم کی حقانیت کے باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے وہ دولت ایمان سے سرفراز نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ کا یہ تقدیری فیصلہ (بظاہر) ان کے کفر و اختلاف کا سبب ہے) "وان الذین اختلفوا فی الکتاب" پس وہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا۔ "لفی شقاق بعید" وہ خلاف اور دور (حق سے) کی گمراہی میں ہیں۔

❷ "لیس البرّ ان تُوَلّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب" حمزہ و حفص رحمہم اللہ نے "لیس البر" کو راء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے راء کی پیش کے ساتھ جو لفظ بر کو پیش کے ساتھ پڑھتا ہے وہ لفظ بر کو "لیس" کا اسم بناتا ہے اور "لیس" کی خبر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "ان تولوا" تقدیر عبارت ہوگی۔ "لیس البر تولیتکم وجوھکم" نہیں ہے نیکی (صرف یہی) تمہارا اپنے چہروں کو پھیرنا اور جس نے لفظ "بر" کو زبر دی ہے اس نے "ان تُوَلّوا" کو مقام رفع میں رکھا اس پر کہ "ان تولو لیس" کا اسم ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "لیس تولیتکم وجوھکم البر کلہ" نہیں ہے تمہارا چہروں کو پھیرنا کل کی کل نیکی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ما کان حجتھم الا ان قالوا ائتوا"

بر ہر اس عمل خیر کو کہتے ہیں جو عمل کرنے والے کو جنت تک پہنچاوے۔ اس آیت کے مخاطبین میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد یہود و نصاریٰ لیے ہیں اور یہ اس لیے کہ بے شک یہود مغرب یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرکے اور ان میں سے ہر فریق کا دعویٰ تھا کہ نیکی اسی میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نیکی ان کے دین و عمل کے سوا ہے لیکن اس آیت میں اس کو بیان نہیں فرمایا۔ حضرت قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ اسی قول پر ہیں اور باقیوں نے کہا اس آیت سے مراد مؤمنین لئے ہیں اور یہ اس طرح کہ ابتداء اسلام میں نزول فرائض سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا تو وہ کسی بھی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھتا۔ پھر اس کی

موت اسی حالت پر ہوتی تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی۔ جب حضور علیہ السلام نے ہجرت فرمائی اور احکام و فرائض کا نزول ہوا اور حدود مقرر ہو گئیں، تحویل قبلہ الی الکعبہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ پس فرمایا "لیس البر" یعنی ساری نیکی صرف یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور اس کے علاوہ کچھ نیکی نہ کرو "ولکن البر" بلکہ نیکی وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ اسی قول پر ہیں حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء اور ضحاک (رضی اللہ عنہم) "ولکن البر" نافع اور ابن عامر رحمہم اللہ نے "ولکن" کو تخفیف (غیر مشدد) نون کے ساتھ پڑھا اور "البر" کو پیش کے ساتھ اور باقیوں نے نون لکن کو شد کے ساتھ اور بر کو راء کی زبر کے ساتھ پڑھا۔

"من آمن باللہ" (اللہ تعالیٰ نے) "مَنْ" کو جو کہ اسم ہے خبر بنایا ہے (بر) کی جو کہ فعل ہے حالانکہ "البر زید" نہیں کہا جاتا تو "اَلْبِرُّ مَنْ آمَنَ" کہنا کیسے درست ہوگا؟ اس کی وجہ (بیان کرنے) میں انہوں نے اختلاف کیا۔ کہا گیا ہے کہ جب (من) مصدر کی جگہ پر واقع ہوا تو اس کو بر کی خبر بنا دیا گیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا "ولکن البرّ الایمان باللہ" اور عرب والے اسم کو فعل کی خبر بناتے رہتے ہیں۔ فراء کہتا ہے:

لعمرک . ماالفتیان ان تنبت اللحی ولکنما الفتیان کل فتی ندی

ترجمہ: تیری زندگی کی قسم جوان مردی یہ نہیں کہ داڑھیاں اُگ آئیں بلکہ جوان مردی شاعر (فراء) نے نبات اللحیہ کو فتی کی خبر بنایا۔

اور کہا گیا ہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اس کا معنی ہوگا "ولکن البرّ من آمن باللہ" لہٰذا اول "البر" کے ذکر کے باعث دوسرے "بر" کے ذکر سے استغناء کیا گیا ہے جس طرح کہ کہتے ہیں "الجود حاتم" یعنی "الجود جود حاتم" یعنی سخاوت تو حاتم کی سخاوت ہے اور بعض نے کہا کہ یہاں اس کا معنی ہے "ولکن ذا البرّ من آمن باللہ" (بلکہ نیکی والا تو وہ شخص ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "ھم درجات عند اللہ" یعنی ذو درجات عند اللہ۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے "ولکن البار من آمن باللہ" (تو بر بمعنی اسم فاعل ہوگی) مثل فرمان الٰہی کے "والعاقبۃ للتقوی" یعنی "للمتقی" (تو جس طرح یہاں تقویٰ بمعنی متقی ہے ایسے ہی بر بمعنی بار ہے) اور بر سے یہاں ایمان و تقویٰ مراد ہے۔ "والیوم الآخر والملائکۃ" سب پر "والکتاب" یعنی نازل شدہ کتابیں "والنبیین" سب کے سب "وآتی المال ...... ای اعطی المال" (مال دیا) "علی حبہ" حبہ کی ضمیر کہاں راجع ہے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اکثر اہل التفسیر نے فرمایا کہ حبہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے یعنی مال دیا حالت صحت میں اور مال کی محبت میں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو مال دے اس حال میں کہ تو صحت مند ہو، مال پر حریص ہو، دولت مندی کا اُمیدوار اور فقر سے ڈرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے بڑا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تو صحت مند ہو، مال کا شدید خواہش مند ہو فقر سے ڈرے اور دولت مندی کی اُمید کرے اور اتنی دیر نہ کر (راہ خدا دینے میں) حتیٰ کہ جب کہ (جان)

طلب کو پہنچ جائے (اس وقت) تو کہے فلاں کے لیے اتنا مال فلاں کے لیے اتنا مال حالانکہ وہ (مال) تمہاری فلاں کے لیے (یعنی جس جس مسکین وفقیر کا نام لے لے کر اب تو دے رہا ہے اخلاقی اعتبار سے یا شرعی فریضہ کے مطابق وہ مال تمہاری انہیں غرباء ومساکین کا۔

اور کہا گیا ہے کہ حبہ کی ضمیر اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے تو علی حبہ کا معنی ہوگا علی حب اللہ تعالیٰ (ذوی القربی) اہل قرابت حضور علیہ السلام نے فرمایا (مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور قرابتدار پر صدقہ دو (نیکیاں) ہیں صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی) "والیتامیٰ والمسٰکین وابن السبیل "حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسافر سے مراد وہ ہے جو اپنے اہل سے کٹ جائے اور تیرے پاس سے گزرے، مسافر کو ابن سبیل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ راستہ کو لازم پکڑے ہوئے ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ ابن سبیل سے مراد مہمان ہے جو کسی آدمی کے پاس آئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے "والسائلین" (یعنی طلب کرنے والے) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کو (کچھ نہ کچھ دے کر) لوٹاؤ اگر چہ جلا ہوا کھر۔ ایک روایت میں ہے حضور علیہ السلام نے ان (اُم نجید) کو فرمایا اگر تجھے جلے ہوئے کھر کے سوا اور کچھ نہ ملے تو وہی کھر ہی اسے دے دے۔

"وفی الرقاب" مراد اس سے مکاتب غلام (مکاتب وہ غلام ہوتا ہے جس کو مولا (سید) کہے کہ اتنے پیسے اگر تو دے دے تو تو آزاد تو اس کو اپنی آزادی کے عوض مال دینا ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں اس کا مالی تعاون زکوٰۃ وصدقات سے کیا جائے) لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں اور کہا گیا ہے ذی روح (غلام) کو آزاد کرنا اور (غلام کی) گردن چھڑانا بعض کا قول ہے کہ "وفی الرقاب" کا معنی ہے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینا۔ "واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ" "واعطی الزکاۃ" (یعنی زکوٰۃ دے) "والموفون بعہدھم" جو (معاہدے) ان کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہیں اور وہ معاہدے ان کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ "اذا عاھدوا" جب وعدہ کرتے ہیں پورا کرتے ہیں اور جب قسم اُٹھاتے ہیں یا منت مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں اور جب معاہدہ کرتے ہیں وفا کرتے ہیں۔

"اور جب کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور جب امین بنائے جاتے ہیں تو ادا کرتے ہیں۔" "والموفون" قول خداوندی کے مرفوع ہونے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے یہ خبر پر عطف ہے اس کا معنی ہے "ولکن ذالبر المؤمنون والموفون الخ" کہ بروالے (یعنی نیکی والے) وہ مومن ہیں جو امور مذکورہ پر ایمان لاتے ہیں اور فلاں فلاں عمل کرتے ہیں اور وہ وعدہ پورا کرنے والے ہیں الخ۔ اور کہا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ "ھم الموفون" گویا کہ بروالوں کی مختلف اقسام ذکر فرمائیں پھر فرمایا یہ حضرات اور موفون۔ یعنی وعدہ ومعاہدہ پورا کرنے والے اس طرح ہیں اور کہا گیا ہے کہ "والموفون" کی رفع مبتداء وخبر کے اعتبار سے ہے۔ یعنی "وھم الموفون" اور وہ ہیں وفا کرنے والے۔ پھر فرمایا "والصابرین" صابرین کے منصوب ہونے کی چار وجہیں ہیں۔ (۱) ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی زبر تطاول کلام یعنی کلام کے لمبا ہونے کی وجہ سے۔ عرب والوں کا طریقہ ہے جب

کلام لمبی ہو جائے اور ترتیب طول پکڑ جائے تو اعراب بدل دیتے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ نساء میں ہے۔ "والمقیمین الصلوٰۃ" اس سے ماقبل جملے مرفوع ذکر ہوئے۔ مثلاً "لکن الراسخون ...... والمؤمنون" اور "والمقیمین الصلوٰۃ" منصوب ہے۔ اگرچہ "والمقیمین الصلوٰۃ" کو منصوب علی المدح بھی کہا گیا مگر یہاں ابوعبیدہ رحمہ اللہ اس کے منصوب ہونے کی بظاہر کوئی وجہ بیان نہیں فرمارہے۔ سوائے اس کے کہ کلام کے طویل ہونے کے باعث اعرابی صورۃ بدل دی گئی۔ (اور اسی طرح طوالت کلام کے باعث تبدیلی اعراب سورۃ مائدہ میں ہے) اور سورۃ مائدہ میں ہے "والصابئون والنصاریٰ"

اور بعض نے کہا کہ ہے کہ اس کا معنی ہے "اعنی الصابرین" گویا صابرین کی نصب فعل اعنی کے حذف ہونے کی بنیاد پر ہے اور کہا گیا ہے کہ صابرین کی نصب اللہ تعالیٰ کے فرمان "ذوی القربی" کی ترتیب پر ہے یعنی "آتی الصابرین" کہ وہ اپنا مال جس طرح "ذوی القربی" قرابت داروں کو دیتا ہے ایسے ہی صابرین کو بھی دیتا ہے۔

اور خلیل فرماتے ہیں کہ صابرین کی نصب علی المدح ہے۔ "ای امدح الصابرین" اور عرب والے مدح اور ذم کی بنیاد پر کلام کو نصب دیتے رہتے ہیں۔ گویا کہ اس سے مراد ممدوح و مذموم افراد مراد لیتے ہیں۔ پس اس لفظ اول کلام کے تابع نہیں کرتے اور اس کو (علی المدح) نصب دیتے ہیں پھر مدح ہی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول "والمقیمین الصلوٰۃ" اور مذمت کی بنیاد پر منصوب ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ملعونین اینما ثقفوا"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ و قتال سرخ (سخت) ہو جاتا اور قوم قوم سے ٹکرا جاتی، پس حضور علیہ السلام سے زیادہ دشمن کے قریب میرے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ "احمر الباس" کا معنی اشتد الحرب (جنگ زوروں پر ہو جاتی) "اولئک الذین صدقوا" اپنے ایمان میں سچے ہیں "و اولئک هم المتقون" اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے (بچتے ہیں)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے کہ مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں (قتل کیا جاوے) اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں ہاں جس کو دوسرے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو مدعی کے ذمہ معقول طور پر (خون بہا) کا مطالبہ کرنا اور قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ (مال کا) ان کے پاس پہنچا دینا (ضروری ہے) یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے پھر جو شخص اس (قانون) کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو (آخرت میں) بڑا دردناک عذاب ہوگا

تفسیر ⓽ "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص" شعبی، کلبی، قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عرب کے قبیلوں میں سے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی اور اسلام کے آنے سے تھوڑا پہلے لڑے۔ ان کے درمیان مقتولین بھی تھے مجروحین بھی تھے۔ انہوں نے ابھی باہمی بدلہ وغیرہ نہیں لیا تھا یہاں تک کہ اسلام آ گیا۔ حضرت قتادہ اور مقاتل بن حبان رحمہما اللہ فرماتے ہیں (یہ لڑائی) بنو قریظہ اور بنو نضیر کے درمیان تھی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ (یہ لڑائی) قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان تھی۔ یہ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ عرب کے ان دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کو دوسرے پر کثرت و شرف کی بنیاد پر برتری حاصل تھی برتری والا قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتا۔ پس انہوں نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ اگر ہمارا غلام قتل ہوا تو اس کے بدلے ہم ان کا آزاد انسان قتل کریں گے اور اسی طرح عورت کے بدلہ ہم ان کا مرد قتل کریں گے اور اگر ہمارا ایک آدمی قتل ہوا تو ان کے دو آدمی قتل کریں گے اور دو کے بدلے چار قتل کریں گے۔

اور انہوں نے زخموں کو بھی علی ھذا القیاس دوہرے قصاص کا درجہ دے رکھا تھا۔ چنانچہ اسلام آ جانے پر انہوں نے اپنا یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور (قصاص میں) مساوات کا حکم فرمایا۔ پس وہ راضی ہو گئے اور اسلام لائے۔ "کتب علیکم القصاص" یعنی قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ "فی القتلی" اور قصاص اس مساوات و مماثلت (برابری) کا نام ہے جو نفسوں کے تاوان اور قتل کی دیتوں میں اختیار کی جائے اور اس (قصاص) کی اصل قص الاثر ہے جب کسی نشان کا کسی نے پیچھا کیا۔

مقتول کے ساتھ جس طرح (زیادتی) کی گئی ہے۔ اسی طرح زیادتی کرنے والے کے ساتھ وہی عمل کیا جائے اسے کہتے ہیں مماثلت۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مماثلت بیان فرمائی۔ "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی" اور حکم اس میں یہ ہے کہ جب آزاد مسلمانوں کے ہر دو خون (قاتل و مقتول کے) برابر ہوں یا غلام مسلمانوں کے ہر دو کے خون (قاتل و مقتول کے) بھی برابر ہوں یا آزاد ذمیوں کے خون یا غلام ذمیوں کے خون برابر ہوئے تو ان کی ہر قسم میں سے مذکر قتل کیا جائے گا جب بھی قتل کیا جائے گا مذکر کے بدلہ میں بھی اور مؤنث کے بدلہ میں بھی۔

اور مؤنث قتل کی جائے گی جب بھی قتل کی جائے گی مؤنث کے بدلہ میں بھی اور مذکر کے بدلہ میں بھی اور مؤمن کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا اور والد بیٹے بیٹی کے بدلہ میں اور مسلمان ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی مسلمان کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور غلام آزاد کے بدلہ اور بیٹا بیٹی باپ کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ یہ قول حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے اکثر اہل علم کا ہے۔ ابو جحیفہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ کچھ اور بھی حضور علیہ السلام سے حاصل شدہ کوئی چیز ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے دانہ کو (زمین سے) پھاڑا اور روح (انسان) کو پیدا فرمایا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو قرآن میں فہم و فراست کی دولت بخشے۔ (قرآن فہمی عطا کرے) اور سوائے اس کے کہ جو کچھ اس صحیفہ میں ہے میں

نے کہا اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا قیدی چھڑانے کے مسائل اور یہ کہ مومن کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مساجد میں حدیں قائم نہ کی جائیں اور اولاد کے بدلہ میں والد سے قصاص نہ لیا جائے۔ علامہ شعبی نخعی اور اصحاب الرائی کا رجحان یہ ہے کہ کافر ذمی کے بدلہ میں مسلمان (قتل) کیا جائے گا۔ نیز وہ اس طرف بھی گئے ہیں کہ آزاد (قاتل) کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور حدیث اس شخص کے حق میں حجت (دلیل) ہے جو ذمی (کافر) کے بدلہ مسلمان پر قصاص واجب نہیں کرتا اور جماعت قاتلین کو جو فرد واحد کی قاتل ہے (قصاصا) قتل کیا جائے گا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سات یا پانچ آدمیوں کو ایک آدمی کے قتل کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تھا جس کو انہوں نے اچانک قتل کیا تھا اور فرمایا کہ تمام اہل صنعا بھی اس شخص کے قتل میں رکاوٹ ڈالتے تو میں سب کو قتل کر دیتا اور اعضاء میں قصاص چلے گا۔ جیسا کہ جانوں میں قصاص ہے مگر ایک چیز میں کہ صحت مند تندرست کامل الاعضا قاتل مریض اور معذور مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور اعضاء میں ایسا نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی کے شل ہاتھ یا ناقص ہاتھ کو کاٹ دیا تو اس کے بدلہ میں کاٹنے والے کا صحیح اور کامل ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (اگر چہ وہ ناقص ہاتھ ایک انگلی کے اعتبار سے ناقص ہو) اصحاب الرائی اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ اعضاء کا قصاص صرف اور صرف دو آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کے درمیان ہوگا اور مذکر و مؤنث اور آزاد و غلام کے درمیان اطراف و اعضاء میں قصاص نہیں ہوگا اور باقیوں کے نزدیک عضو کو قصاص کے معاملہ میں جان پر قیاس کیا گیا ہے۔

انس بن نضر (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ بے شک ربیع نے جو ان کی پھوپھی تھی ایک باندی کا دانت توڑ دیا۔ پس انہوں نے اس باندی سے معاف کرنے کی درخواست کی تو باندی والوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے تاوان مالی بدلہ دینا چاہا وہ نہ مانے۔ پس وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوائے قصاص کے انہوں نے کسی اور صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا میری پھوپھی ربیع کا دانت توڑا جائے گا۔ نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو (دین) حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انس (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا حکم قصاص ہے۔ قوم یعنی باندی والے معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے معاف کر دیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتے ہیں۔

"فمن عفی لہ من اخیہ شیء" یعنی اس کے لیے (بدلہ لینا) چھوڑ دیا جائے اور جو حکم اس پر واجب ہے اس سے اعراض کر لیا جائے اور وہ قتل عمد میں قصاص ہے اور دیت کو قبول کر لیا جائے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ انہوں نے کہا عفو یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "من اخیہ" یعنی اپنے بھائی کے خون سے اور بھائی سے مراد مقتول ہے اور

دونوں ضمیریں قول خداوندی میں اور "لہ من اخیہ" کی "مَنْ" کی طرف راجع ہیں اور وہ قاتل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "شیء" "لفظ شئ" (تھوڑی مقدار) اس پر دلیل ہے کہ اگر (مقتول کے) بعض اولیاء معاف کردیں تو قصاص ساقط ہوجائے گا کیونکہ خون کا کچھ حصہ ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاتباع بالمعروف" طالب دیت پر لازم ہے کہ معروف طریقے پر پیروی کریں لہٰذا اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہ کرے "واداء الیہ باحسان" مطلوب منہ پر بہت اچھے طریقہ پر دیت ادا کردینا لازم ہے کہ بغیر ٹال مٹول کے ادا کردے۔ (طالب ومطلوب منہ) ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے۔

لین دین میں احسان کا حکم دیا۔ صحابہ وتابعین میں سے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے۔ جب ولی الدم (مقتول کا ولی) دیت لینے پر قصاص معاف کردے تو اس کو دیت لینے کا حق ہے۔ اگرچہ قاتل اس پر راضی نہ بھی ہو۔ ایک قوم کہتی ہے کہ ولی الدم دیت لینے کا صرف اس صورت میں حق دار ہے جب قاتل بھی راضی ہو اور یہ حسن (بصری) نخعی اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اول مذہب والوں کی دلیل وہ ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم نے اے قبیلہ خزاعہ قبیلہ ھذیل کے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور میں اللہ کی قسم اس کی دیت دینے والا ہوں۔ پس اس کے بعد جس کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا۔ اگر چاہیں تو قصاصاً قتل کریں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔

"ذالک تخفیف من ربکم ورحمۃ" یہ جو کچھ میں نے ذکر کیا قصاص کو معاف کردینا اور دیت لینا یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ یہ اس لیے کہ تورات میں جان اور اعضاء کا قصاص اور زخموں کا بدلہ لینا یہود پر لازم تھا۔ قصاص کے بدلہ میں دیت لینے کا جواز ان کو حاصل نہ تھا اور شریعت نصاریٰ میں یعنی عیسائیوں کی شریعت میں صرف دیت تھی قصاص نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو قصاص اور دیت لے کر معاف کردینے میں اختیار دیا۔ یہ اللہ پاک کی طرف سے آسانی اور رحمت ہے۔ "فمن اعتدیٰ بعد ذالک" معاف کردینے اور دیت قبول کرلینے کے بعد مجرم کو قتل کردیا "فلہ عذاب الیم" وہ یہ اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ابن جریج فرماتے ہیں اس کا قتل کرنا لازمی ہے حتیٰ کہ اس کے بعد عفو (معاف کردینا) قبول نہ کیا جائے گا۔

اور آیت کریمہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ قاتل قتل کرنے سے کافر نہیں ہوجاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے بعد بھی خطاب "آمنوا" کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس فرمایا "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص" آخر آیت میں فرمایا "فمن عفی لہ من اخیہ شئی" اللہ تعالیٰ نے اس لفظ اخیہ سے اخوت ایمانی مراد لی ہے جو قتل کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اخوت (ایمانی) کو قطع نہیں فرمایا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞

(ترجمہ) اور اے فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے) تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی

ترکہ میں چھوڑا ہو تو (اپنے) والدین واقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام) وصیت ہے جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ ضروری کیا جاتا ہے۔

تفسیر ● "ولکم فی القصاص حیاۃ" اور یہ اس طرح کہ قتل کا ارادہ کرنے والا جب یہ جان لے گا کہ اس نے جب قتل کیا تو وہ خود بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ قتل سے رُک جائے گا تو اس میں اس کی بھی زندگی ہے اور جس کا ارادہ قتل کا تھا اس کی بھی بقا ہے۔ اس جملہ قرآنی کے مثل جملہ کہا گیا "القتل انفی للقتل" یعنی قتل، قتل کی بہت زیادہ نفی کرتا ہے مگر یہ لفظاً ومعناً آیت کریمہ کے جملہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ "فی القصاص حیاۃ" کے تلفظ شدہ حروف گیارہ ہیں جبکہ "القتل انفی للقتل" کے حروف چودہ ہیں۔ لفظاً جملہ قرآنی کو برتری حاصل رہی۔ پھر قصاص کا معنی قتل محض نہیں بلکہ بدلہ کا قتل اور اس قانون کا تصور یقیناً مزید قتل کو قتل سے باز رکھے گا تو واقعی حیات انسانی اس میں مضمر ہوئی جبکہ القتل سے صرف قتل ہے اور ہر قتل قتل کی نفی نہیں کرتا بلکہ قتل (قصاص) کو دعوت دیتا ہے۔ یہ اس جملہ انسانی کی معنوی خرابی ہوئی۔ من المترجم

اور کہا گیا ہے "حیاۃ" کا معنی قصاص آخرت سے سلامتی کا حاصل ہونا ہے۔ چنانچہ اس قاتل سے جب دُنیا میں قصاص لے لیا جائے گا تو اسے حیات اخروی نصیب ہوگی اور اگر قاتل سے دُنیا میں قصاص نہ لیا گیا تو آخرت میں بطور سزا کے قصاص لیا جائے گا۔ "یا اولی الالباب لعلکم تتقون" یعنی قتل سے قصاص کے خوف کے باعث رُک جاؤ۔

● "کتب علیکم" یعنی تم پر فرض کیا گیا۔ "اذا حضر احدکم الموت" موت کے اسباب وآثار اور بیماریوں کی وجہ سے نمایاں ہو جائیں۔ "ان ترک خیرا" مال اس کی مثال قول خداوندی ہے۔ "وما تنفقوا من خیر" (یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے) "الوصیۃ للوالدین والاقربین" ابتداء اسلام میں والدین اور قرابت داروں کے حق میں وصیت کرنا فرض تھی۔ اس شخص پر جو اس حال میں فوت ہو کہ اس کا مال ہو۔ پھر یہ وصیت آیت میراث کے ذریعہ منسوخ کر دی گئی۔ عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔) اس اعتبار سے ایک جماعت کا موقف ہے کہ وصیت کا وجوب اُن اقارب کے حق میں منسوخ ہو گیا جو وارث بنتے ہیں اور ان کے حق میں وصیت کا وجوب باقی ہے جو وارث بنتے ہیں والدین میں سے اور رشتہ داروں میں سے اور یہ سیدنا ابن عباس، طاؤس، قتادہ اور رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی قوم کے حق میں وصیت کرتا ہے اور قرابت داروں کو محتاج چھوڑتا ہے ان لوگوں سے وہ وصیت والا مال چھین لیا جائے گا اور اس سے قرابت داروں کو لوٹا دیا جائے گا۔ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ تمام ورثاء کے حق میں وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہے۔ البتہ جو لوگ وارث نہ ہوں ان کے حق میں وصیت کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس کوئی ایسی شئی ہو جس کے بارے میں اس کو وصیت کرنا ہو پھر دو راتیں بھی اس حال میں گزارے کہ اس کے

سرہانے لکھی ہوئی وصیت موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی (بالمعروف) معروف سے مراد ہے۔ وصیت اچھے طریقے پر کرے اور اپنے مال و جائیداد کی تہائی سے زیادہ نہ کرے اور معروف کا معنی یہ بھی ہے کہ ایسا نہ کرے کہ غنی کے حق میں وصیت کر دے اور فقیر کو چھوڑ دے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وصیت محتاج سے محتاج تر کے لیے ہے۔

حضرت سعد بن مالک (رضی اللہ عنہم) (جو کہ سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مشہور ہیں) فرماتے ہیں میرے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے پورے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کروں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا پھر تہائی مال کی وصیت کروں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی زیادہ ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو فقیر محتاج چھوڑ جائے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان "یتکففون الناس" کا معنی ہے کہ لوگوں سے ہاتھ پھیلا کر صدقہ مانگتے پھریں۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تیرا مال کتنا ہے اس نے عرض کی تین ہزار، سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تیرے بال بچے کتنے ہیں؟ اس نے عرض کی چار تو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان ترک خیرا" اور جو کچھ تیرے پاس ہے یہ معمولی مال ہے جا اسے اپنے عیال کے لیے رہنے دے۔ (گویا اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے خیر سے مال کثیر مراد لیا) حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں (اپنے مال سے) پانچویں حصہ کی وصیت کروں، یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ میں چوتھے حصہ کی وصیت کروں اور مال سے میں چوتھے حصہ کی وصیت کروں یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ تیسرے حصہ کی وصیت کروں اور جس نے تیسرے حصہ کی وصیت کی اس نے (کچھ) نہ چھوڑا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصیت مال کے چھٹے حصہ کی کرے یا پانچویں حصہ کی کرے یا چوتھے حصہ کی۔ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (اسلاف) پانچویں حصہ کی وصیت کیا کرتے تھے یا چوتھے حصہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "حقا" مصدر کی بنیاد پر منصوب ہے (یعنی مفعول مطلق ہے) اور بعض نے کہا کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے "منصوب" ہے۔ عبارت یوں ہوگی "جعل الوصیة حقا" کہ اللہ تعالیٰ نے وصیت کرنا حق بنا دیا "علی المتقین" یعنی مؤمنین۔

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۸۱﴾

ترجمہ: پھر جو شخص (اس وصیت کو) سننے کے بعد) اس (کے مضمون) کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۸۱﴾ "فمن بدلہ" وصیت کو جس نے بدل دیا بدلنے والے وصی ہوں (جو وصیت پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں) یا مرنے والے کے ولی ہوں یا وصیت کے گواہ ہوں۔ "بعد ما سمعہ" بعد اس کے کہ وصیت کرنے والے کا قول سن لیا (کیونکہ

سننے کا تعلق قول سے ہے) اس لیے سمعہ کی ضمیر مذکر ذکر ہوئی حالانکہ وصیت مؤنث ہے اور کہا گیا ہے کہ "سمعہ" کی ضمیر "ایصاء" کی طرف راجع ہے۔ (یعنی وصیت کرنا) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فمن جاء ہ موعظۃ من ربہ" اس میں ضمیر وعظ کی طرف راجع ہے۔ "فانما اثمہ علی الذین"

"یبدلونہ" اور میت اس سے بری ہے (یعنی جو کوئی وصیت کو بدلے گا اس کا گناہ اسی پر ہے) "ان اللّٰہ سمیع" اس کو جس کے ساتھ وصیت کرنے والے نے وصیت کی (علیم) تبدیل کرنے والے کی تبدیلی کو جانتا ہے یا "وصی کی" وصیت کو سننے والا اور اس کی نیت کو جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور رحم فرمانے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا (اس توقع پر کہ تم روزے کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

تفسیر: "فمن خاف" بمعنی "علم" کے ہے جو شخص جان گیا جیسا کہ دوسری آیت میں بھی خاف بمعنی "علم" کے ہے (فان خفتم الا یقیما حدود اللہ) (من موص) حمزہ، کسائی اور ابوبکر، یعقوب رحمہم اللہ نے لفظ موص کو واؤ کی زبر اور صاد کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "مُوَصٍّ" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ما وصی بہ نوحا" "ووصینا الانسان" (یہ سب باب تفعیل سے ہیں جس کا اسم فاعل "علی مُوَصٍّ" ہے) اور باقیوں نے واؤ کی سکون اور صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین" اس میں وصیت کا باب افعال مذکور ہے جس کا اسم فاعل "مُوْصٍ" ہے)۔ "جنفًا" ظلم اور حق سے انحراف کرنا جنف کا معنی میلان ہے۔ "او اثما" خطأ۔ سدی اور عکرمہ اور ربیع رحمہم اللہ فرماتے ہیں جنف کے معنی خطا اور عمداً گناہ کے ہیں۔ "فاصلح بینھم فلا اثم علیہ" آیت کے معنی میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آدمی کسی مریض کے پاس جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو، پس اس کو دیکھے کہ کمی کوتاہی کر کے یا حد سے زیادہ کر کے راہ اعتدال سے ہٹ رہا ہے یا جس جگہ وصیت کر رہا ہے جس کے حق میں وصیت کر رہا ہے وہ مستحق وصیت نہیں تو اس حاضر ہونے والے شخص پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اس وصیت کرنے والے کو عدل و انصاف کا حکم دے یا ظلم سے منع کرے۔ پس نظر کرے اس میں بھی جس کے لیے وصیت کی گئی اور ورثاء پر بھی نظر کرے۔ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان سے یہ ارادہ فرمایا کہ مرنے والا وصیت کرنے میں خطا کرے یا

جان بوجھ کر ظلم کرے تو مرنے والے کے ولی یا وصی (اس کے معاملات کا نگران) پر کچھ حرج نہیں ہے اور نہ ہی کچھ حرج ہے مسلمانوں کے امور پر نگران حاکم پر کہ وہ مرنے والے کی موت کے بعد جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور ورثاء کے مابین اصلاح کردیں (یعنی جو غلط طریقہ پر وصیت کرنے سے فساد شرعی آ گیا ہے اس کو درست کردیں) اور وصیت عدل اور راہ حق کی طرف موڑ دے۔ "فلا اثم علیہ" یعنی اس پر کچھ حرج نہیں ہے۔ "ان اللّٰہ غفور رحیم"

طاؤس فرماتے ہیں کہ "جنفاً" کے معنی ہیں وصیت میں رُخ پھیرنا اور حیلہ سازی کرنا مثلاً پوتے کے لیے وصیت کردی۔ مقصد بیٹا ہے (یعنی بیٹے کو فائدہ پہنچانا ہے) یا یہ کہ نواسہ یا داماد کے حق میں وصیت کردی، مقصود بیٹی ہے (یعنی بیٹی کو فائدہ پہنچانا ہے)۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے نازل ہونے کے بعد "فمن بدلہ بعد ما سمعہ" مرنے والے کے ولی اور وصی وصیت کو ہر حال میں پورا کرتے تھے۔ اگرچہ وصیت کو پورا کرنے میں سارا مال چلا جاتا اور ورثاء کے لیے کچھ نہ بچتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس حکم مذکور کو اس فرمان الٰہی نے منسوخ کردیا۔ "فمن خاف من موص جنفاً" الآیۃ۔ ابن زید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنے والا اس مشکل میں پڑ گیا کہ وہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس طرح وصیت کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور وصی (میت کے امور کا نگران) کے لیے بھی مشکل ہو گئی کہ وہ اصلاح کرے تو کیسے کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور (وصیت کی بجائے) حصص میراث وفرائض کے مقرر فرمادیئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک کوئی مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والا عمل کرتے ہیں پھر جب ان پر موت کا وقت آجاتا ہے تو وصیت میں متعلقین کو نقصان دیتے ہیں تو ان ہر دو کے لیے آگ واجب ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے "من بعد وصیۃ" اللہ تعالیٰ کے فرمان "غیر مضار" تک پڑھا۔

❸ "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام" روزے فرض وواجب کیے گئے ہیں۔ لغت میں صیام کا معنی رُک جانے کے ہیں کہا جاتا ہے "صام النھار" جبکہ وہ درمیان میں آجائے اور دوپہر کی گھڑی قائم ہو جائے کیونکہ سورج جب آسمان کے درمیان پہنچتا ہے۔ گویا کہ وہ ٹھہر جاتا ہے اور تیز رفتاری سے رُک جاتا ہے اور اسی (یعنی صوم بمعنی رُک جانا) سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما" یعنی خاموش رہنے (کی منت مانی ہے) کیونکہ خاموشی بھی کلام سے رُک جانے کا نام ہے اور شریعت میں صوم کا معنی ہے۔ کھانے پینے اور جماع کرنے سے وقت مخصوص میں رکنا۔ (یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب تک) نیت کے ساتھ رُک جانا۔ "کما کتب علی الذین من قبلکم" انبیاء اور اُمتوں میں سے۔ اس تشبیہ میں انھوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم سے پہلے لوگوں کا روزہ عشاء سے لے کر دوسرے دن آنے والی رات تک کا ہوتا تھا جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا اور اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ ماہ رمضان کے روزے عیسائیوں پر بھی فرض تھے جس طرح کہ ہم پر فرض کیے گئے تو پھر وہ روزے کبھی سخت گرمی میں آجاتے، کبھی سخت سردی میں آجاتے۔ یہ صورت حال ان پر سفر میں گراں گزرتی اور گزر بسر میں ان کو تکلیف دیتی تو نصاریٰ (عیسائیوں) کے

علماء اور سرداروں نے یہ رائے قائم کی کہ اپنے روزوں کو سال کی معتدل موسم گرمی سردی کے درمیان مقرر کردیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے روزوں کے لیے موسم بہار کا انتخاب کیا اور اس تبدیلی کے عوض بطور کفارہ کے دس (۱۰) روزوں کا اضافہ کردیا۔ چنانچہ روزے چالیس ہوگئے پھر نصاریٰ کا ایک بادشاہ منہ کی بیماری میں مبتلا ہوا تو اس نے منت مانی کہ اگر میں اس بیماری سے شفایاب ہوگیا تو ان روزوں میں ایک ہفتہ کا اضافہ کروں گا۔ چنانچہ وہ ٹھیک ہوا اور اس نے ایک ہفتہ کا اضافہ کردیا۔ اس کے بعد یہ بادشاہ مرگیا۔ اس کے بعد ان کا اور بادشاہ آیا اس نے کہا کہ روزے پچاس (۵۰) ہی پورے کردو۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو موت کی کثرت پہنچی۔ پس وہ کہنے لگے اپنے روزوں میں اضافہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے پہلی دفعہ دس (۱۰) روزے بڑھائے۔ اس کے بعد دوسری دفعہ پھر دس روزے بڑھائے۔ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ میں سارا سال روزہ رکھوں مگر پھر میں شک والے دن روزہ نہیں رکھوں گا یعنی جس دن کے بارے میں کہا جائے کہ یہ دن شعبان کا ہے اور یہ بھی کہا جائے کہ یہ دن رمضان کا ہے اور یہ اس لیے کہ نصاریٰ (عیسائیوں) پر ماہ رمضان ہی کے روزے فرض ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے رمضان المبارک سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا اضافہ کردیا۔ بعد میں آنے والوں نے پہلوں کے طریقہ پر چلتے ہوئے اول و آخر مزید ایک ایک دن کا روزہ بڑھا دیا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے پچاس روزے ہوگئے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "کما کتب علی الذین من قبلکم" "لعلکم تتقون" یعنی روزہ کے ذریعہ (متقی بن جاؤ) کیونکہ روزہ تقویٰ کی طرف پہنچانے والا ہے اس لیے کہ روزہ میں نفس کو مغلوب کرنا اور خواہشات نفسانیہ کو توڑنا ہے اور کہا گیا ہے "لعلکم تتقون" تاکہ تم بچو خواہشات و شہوات سے کھانا، پینا اور جماع کرنا۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کرکے ان میں روزہ رکھنا ان پر واجب ہے) اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (اس حال میں بھی) زیادہ بہتر ہے اگر تم کچھ (روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو۔

تفسیر ۱۸۴ "ایاماً معدودات" کہا گیا ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھنے واجب تھے اور دسویں محرم کا روزہ بھی فرض تھا۔ پس اسی طرح انہوں (ایمان والوں) نے ربیع الاوّل سے لے کر اگلے سال کے رمضان شریف تک سترہ (۱۷) مہینے روزے رکھے۔ پھر رمضان المبارک کے سات سابقہ مذکورہ روزے منسوخ ہوگئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد جو منسوخی ہوئی وہ قبلہ شریف اور روزوں کی منسوخی تھی اور کہا جاتا ہے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت غزوۂ بدر سے ایک ماہ اور چند دن پہلے ہوئی۔ حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر سترہ (۱۷) رمضان المبارک بروز جمعہ ہجرت کے ٹھیک اٹھارہ (۱۸) ماہ بعد ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشورہ کا دن وہ دن تھا جس دن قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا کرتے تھے اور اعلان نبوت سے پہلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کا (روزہ) فرض ہوا پھر یہی رمضان کے روزہ کی فرضیت ہی باقی رہی اور عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ پس جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے اسے چھوڑ دے۔

اور بعض نے کہا کہ "ایاماً معدودات" سے مراد رمضان شریف کے روزے ہیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور "ایاماً" منصوب ہے ظرف ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی۔ "فی ایام معدودات" اور بعض نے کہا کہ "ایاماً" کی نصب تفسیر کی بنیاد پر ہے۔ "ایاماً معدودات کتب علیکم الصیام" کی تفسیر واقع ہے اور بعض نے کہا کہ یہ مالم یسم فاعلہ کی خبر ہے۔ "فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ" "فافطر" (یعنی بحالت سفر یا بحالت مرض میں روزے نہ رکھے اور افطار کرے "فعدۃ" (شمار کرنا ہے) "من ایام اُخر" اس پر شمار کرنا ہے۔ عدد اور عدۃ کا ایک معنی ہے اور دونوں ایام سے مراد اپنی مرض اور سفر کے ایام کے علاوہ ہیں "اُخر" اسی جگہ ہے جہاں اس کو زیر آنی چاہیے لیکن یہ غیر منصرف ہے (اس لیے زیر نہیں آئی) بلکہ زبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "وعلی الذین یطیقونہ" اس آیت کی تاویل اور حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یہ ابن عمر اور سلمہ بن اکوع وغیرہما کا قول ہے اور یہ اس طرح کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان کو اختیار تھا کہ روزہ رکھیں یا افطار کریں یا فدیہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے اختیار دیا تھا۔

تاکہ روزہ کا حکم ان پر گراں نہ گزرے کیونکہ اس سے پہلے وہ روزہ کے عادی نہ تھے۔ پھر یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور ایک ہی بار حکم نازل ہوا "من شھد منکم الشھر فلیصمہ" (جو تم میں سے رمضان شریف کو حاضر ہو یعنی پالے وہ ہر حال میں روزہ رکھے) حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ رکھنا اور فدیہ دینا یہ حکم بہت بوڑھے کے ساتھ خاص ہے جو روزہ کی طاقت تو رکھتا ہے مگر روزہ رکھنا اس پر بہت ہی گراں ہے۔ ایسے بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ اس کے بدلہ فدیہ دے پھر (یہ حکم) منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مریض کے بارے میں ہے جسے ایسی تکلیف ہے جس کو مرض کا نام دیا جا سکتا ہے مگر وہ روزہ رکھنے کی بھی طاقت رکھتا ہے اسے اختیار دیا گیا کہ وہ روزہ رکھے یا افطار کرے اور فدیہ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بے شک آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اور اس کا معنی ہوگا وہ لوگ جو جوانی میں روزہ

رکھنے کی طاقت رکھتے تھے اب بڑھاپے میں وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو ان پر روزہ کے بدلہ فدیہ دینا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وعلی الذین یطوقونہ" پڑھا ہے یاء کی پیش اور طاء کی زبر تخفیف کے ساتھ اور واو کی زبر اور شد کے ساتھ "ای یکلفون الصوم" جنہیں روزہ کی تکلیف دی گئی ہے اور اس سے مراد بہت بوڑھا مرد بوڑھی عورت جو روزہ نہ رکھ سکیں اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی اُمید نہ ہو۔ پس یہ لوگ ہیں جو روزہ کی تکلیف دیے گئے مگر روزہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس ان کے لیے جائز ہے کہ یہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا دیں اور یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے انہوں نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی "فدیۃ طعام مسکین" اہل مدینہ اور اہل شام نے بصورت مضاف پڑھا ہے یعنی طعام مضاف اور مسکین مضاف الیہ اور اسی طرح سورۂ مائدہ میں بھی "کفارۃ طعام مسکین" فدیہ کو طعام کی طرف مضاف کیا۔ اگرچہ فدیہ اور طعام (معنوی) اعتبار سے شئی واحد ہیں مگر لفظی تغایر کے لحاظ سے اضافت صحیح ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وحب الحصید" اور ان کا کہنا مسجد الجامع یا ربیع الاول (ان سب میں مضاف اور مضاف الیہ میں معنوی وحدت اور لفظی تفاوت ہے)۔

اور باقیوں نے "فدیۃ و کفارۃ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور (طعام) کو پیش کے ساتھ اور (مساکین) کو یہاں اہل مدینہ اور اہل شام نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے مفرد پڑھا ہے جس نے لفظ مسکین کو جمع کر کے مساکین پڑھا ہے۔ انہوں نے مساکین کی نون کو زبر دی ہے اور جس نے مفرد پڑھا ہے اس نے نون کو زیر دی ہے تنوین کے ساتھ اور فدیہ بدلہ ہے اور فی یوم مسکین کو ایک سیر طعام کا دینا واجب ہے۔ بمطابق ایک سیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر کا وزن ایک رطل اور تہائی حصہ رطل کا۔ (آج کے وزن کے لحاظ سے رطل تقریباً آدھ سیر کے ہے یعنی ۴۰ تولہ) اور یہ فدیہ اس غذا کا دے جو غذا اس علاقہ اور شہر میں عام استعمال ہوتی ہو۔ یہ فقہاء حجاز کا قول ہے اور بعض فقہاء عراق فرماتے ہیں کہ اس شخص پر ہر اس دن کا جو افطار کرے ہر مسکین کو آدھا صاع دینا ہے اور بعض نے کہا کہ گیہوں ہو تو آدھا صاع اور کوئی اور غلہ ہو تو پورا صاع اور بعض فقہاء فرماتے ہیں افطار کرنے والا جو کچھ روزانہ خوراک کھاتا ہو اتنا کھانا یوم کے حساب سے مسکین کو دے دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر مسکین کو اپنی سحری اور شام کا کھانا دے دے۔ "فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ" اگر ایک مسکین کے بجائے دو مسکین کو یا زیادہ مسکینوں کو (فی یوم جو افطار کرے) دے دے (تو اور اچھا ہے)۔

حضرت مجاہد اور عطاء اور طاؤس رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو مقدار فدیہ کی اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے مثلاً اس پر ایک مد یعنی سیر ہے اور وہ صاع دے دے "فھو خیر لہ" تو اس کے لیے بہتر ہے "وان تصوموا خیر لکم" پس جو شخص (سابقہ اختیاری حکم کے) نسخ کی طرف گیا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے روزہ اس کے لیے فدیہ دینے سے بہتر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بوڑھے کے لیے ہے کہ اگر وہ تکلیف برداشت کر کے روزہ اس پر گراں ہے پھر بھی روزہ رکھے تو یہ اس بوڑھے کے لیے بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ افطار کرے اور فدیہ دے۔ "ان کنتم تعلمون" یہ بات جان لے کہ کسی مؤمن مکلف (عاقل بالغ) کے لیے یہ جائز نہیں کہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے مگر تین آدمیوں کے لیے ایک وہ جس پر قضا اور

کفارہ (یہاں کفارہ سے مراد فدیہ ہے) دوسرا شخص وہ جس پر قضا ہے کفارہ (فدیہ) نہیں۔ تیسرا وہ شخص جس پر کفارہ (فدیہ) ہے قضا نہیں۔ بہرحال وہ شخص جس پر قضاء اور فدیہ دونوں ہیں وہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب ان کو بچے پر (نقصان کا) خوف ہو، یہ دونوں افطار کریں گی اور بعد قضاء کریں گی اور ان دونوں پر قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے۔ یہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے یہی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور اسی طرح امام شافعی گئے ہیں اور ایک قوم نے کہا ان دونوں (حاملہ اور دودھ پلانے والی) پر فدیہ نہیں ہے۔ یہی حضرت حسن، عطاء اور ابراہیم نخعی اور زہری رحمہم اللہ نے کہا اور اسی طرح اوزاعی اور ثوری اور اصحاب الرائی رحمۃ اللہ علیہم گئے ہیں اور وہ شخص جس پر قضاء ہے اور فدیہ نہیں وہ مریض، مسافر، حیض والی اور نفاس والی عورت ہے اور وہ شخص جس پر کفارہ یعنی فدیہ ہے اور قضاء نہیں ہے وہ شیخ کبیر یعنی بالکل بوڑھا کھوسٹ اور وہ مریض جس کی مرض زائل ہونے کی اُمید نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روزے کے دنوں کا بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞

ترجمہ: (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے (جس کا ایک وصف یہ ہے کہ) لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار کرکے (ان کا روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ ایام (ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کرلیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ثناء و بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو رستہ بتلا دیا اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر: ۞ "شهر رمضان" شھر کی پیش ھو شھر رمضان کے معنی پر ہے (گویا شھر رمضان مبتدا محذوف کی خبر ہے) کسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شھر رمضان کی تقدیر عبارت ہے "کُتِبَ علیکم شهر رمضان" کہ تم پر رمضان کا مہینہ فرض کیا گیا ہے (گویا شھر کی پیش مفعول مالم یسم فاعلہ کی بنیاد پر ہے) شھر (مہینہ) کا نام شھر اس کی شھرۃ کی وجہ سے رکھا گیا اور رمضان کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ رمضان المبارک کو شھر رمضان ایسے ہی کہا جاتا ہے جس طرح اس کو شھر اللہ کہا جاتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے۔

اس ماہ کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا کہ یہ رمضاء سے مشتق ہے اور رمضاء گرم پتھر کو کہا جاتا ہے اور وہ (اہل عرب) اس ماہ کے روزے سخت گرمی میں رکھتے تھے اور حرارت (دھوپ) کی وجہ سے پتھر گرم ہو جاتے تھے۔

"الذی انزل فیہ القرآن" قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سورتوں آیات اور حروف کو جمع کرتا ہے اور اس میں قصے، اوامر و نواہی، وعد و وعید جمع کیے گئے۔ قرء کا اصل معنی جمع کرنا ہے اور کبھی ہمزہ حذف کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قریت الماء فی الحوض جب تو اس (حوض) میں پانی جمع کرے۔ ابن کثیر نے قران راء کی زبر کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے اور شافعی بھی ایسے ہی پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ لفظ قرآن قراءۃ سے نہیں بلکہ قرآن اس کتاب مقدس کا نام ہے جس طرح کہ تورات اور انجیل کتابوں کے نام ہیں۔ مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" کے بارے میں پوچھا گیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ" کے بارے میں پوچھا گیا (کہ ان فرامین الٰہی اور نزول واقعی میں کیا مطابقت ہے) حالانکہ قرآن کریم تمام مہینوں میں نازل کیا گیا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقرآنا فرقناہ" جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید لیلۃ القدر ماہ رمضان المبارک میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں واقع بیت العزت کی طرف ایک ہی دفعہ نازل کیا گیا پھر اس مقام سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تیئیس (۲۳) سال کی (طویل مدت میں) حضور علیہ السلام کے قلب اطہر پر تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوتے رہے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "فلا اقسم بمواقع النجوم"

داؤد بن ابی ہند فرماتے ہیں میں نے علامہ شعبی کو کہا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" تو کیا قرآن کریم بقیہ تمام مہینوں میں نازل نہیں ہوتا رہا؟ (پھر رمضان المبارک کی تخصیص کا کیا معنی) جواب میں علامہ شعبی نے فرمایا بالکل ایسے ہی ہے لیکن بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل حضور علیہ السلام کے ساتھ نازل شدہ حصہ قرآن پاک کا دور فرمایا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ جس حصہ قرآن کے بارے میں چاہتے اسے ثابت رکھتے اور محکم رکھتے اور جو حصہ چاہتے بھلوا دیتے۔ حضرت ابوذر سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفوں کا نزول تین (۳) رمضان المبارک کو ہوا اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یکم رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول چھ (۶) رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول تیرہ (۱۳) رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور (۱۸) اٹھارہ رمضان المبارک کو نازل ہوئی اور قرآن مجید فرقان حمید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس (۲۴) رمضان المبارک کو نازل ہوا۔

"ھدی للناس" گمراہی سے (ہدایت ہے لوگوں کے لیے) لفظ "ھدیً" محل نصب میں ہے قطعی طور پر کیونکہ قرآن معرفہ ہے اور "ھدیً" نکرہ ہے۔ لہٰذا "ھدیً" (ہونے کی وجہ سے حال واقع ہوگا)۔ "وبینات من الھدیٰ" حلال و حرام اور حدود و

احکام سے متعلق واضح ہدایات و دلالات ہیں (رہنمائی ہے)" والفرقان " حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" جو شخص گھر میں مقیم ہو اور رمضان المبارک کا مہینہ آ جائے۔ اہل علم نے اس شخص کے بارے اختلاف کیا ہے میں جو گھر میں مقیم تھا اور رمضان المبارک آ گیا۔ اس کے بعد اس نے سفر کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے لیے افطار جائز ہے۔ عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" (گویا روزہ بصورۃ ادا رکھنا اس پر فرض ہے جو پورا رمضان المبارک گھر میں موجود رہے) "الشهر كله شهود" شہر کا معنی سارا رمضان المبارک ہے اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ جب ماہ رمضان میں سفر شروع کیا تو اب اس کے لیے افطار جائز ہے اور آیت کا معنی ہے جو تم میں سارا مہینہ گھر میں مقیم ہے۔

وہ اس ماہ کے روزے رکھے یعنی سارے مہینہ کے روزے رکھے اور جو تم میں سارا مہینہ مقیم نہ رہے۔ پس رمضان کا جو حصہ گھر میں مقیم ہو ان دنوں کے روزے رکھے۔ (مقصود رمضان کے معنی بحالت اقامت رمضان المبارک کو پانا ہے) اس پر دلیل وہ روایت ہے جو عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ شریف کی طرف رمضان المبارک میں نکلے۔ پس آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام کدید تک پہنچے۔ پھر آپ نے افطار فرمایا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پس (حضرات صحابہ کرامؓ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی سے نئی بات کا اتباع فرماتے تھے۔

"ومن كان مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر "مرض اور سفر کے عذر کے باعث افطار (یعنی روزہ نہ رکھنا) جائز قرار دیا۔ اس کلام کا اعادہ فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ حالت سفر و مرض میں روزہ نہ رکھنے کے حکم کی سہولت ناسخ میں بھی ایسے ہی ثابت اور قائم ہے جس طرح کہ منسوخ میں قائم و ثابت تھی۔ اس مرض میں فقہاء و مفسرین نے اختلاف کیا جو مرض کہ روزہ نہ رکھنے کو جائز کر دیتی ہے۔ اہل ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ ہر وہ مرض جسے عرف عام میں مرض کہا جائے افطار یعنی روزہ نہ رکھنے کو جائز کر دیتی ہے یہ ابن سیرین کا قول ہے۔ طریف بن تمام عطاردی فرماتے ہیں کہ میں محمد بن سیرین کے پاس رمضان المبارک میں گیا تو وہ کھا رہے تھے۔ پس فرمایا میری اس انگلی کو تکلیف ہے (اس لیے میں نے روزہ نہیں رکھا) حضرت حسن، ابراہیم نخعی (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں (جو مرض روزہ کا افطار جائز کرتی ہے) وہ مرض ہے جس کے ہوتے ہوتے ہوئے نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو جائے اور اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اس مرض سے مراد وہ مرض ہے جس کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنے سے اس کے ناقابل برداشت حد تک بڑھ جانے کا خوف ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب مرض کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنا روزہ دار کو مشقت میں ڈالے تو افطار جائز ہے اور اگر مرض کی حالت میں روزہ رکھنا تکلیف نہ دے تو وہ مریض تندرست آدمی کے حکم میں ہے باقی رہا سفر کا معاملہ تو اس میں عام اہل علم کے نزدیک روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔ مگر وہ جو روایت کیا گیا ہے ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، عروۃ بن الزبیر اور علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) سے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سفر میں روزہ جائز نہیں ہے۔ پس جو شخص سفر میں روزہ رکھے اس پر قضاء

ہے۔ان حضرات نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان "لیس من البرّ الصیام فی السفر" کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں مگر یہ حکم بعد والوں کے نزدیک اس شخص کے بارے میں ہے جس کو روزہ مشقت اور تکلیف میں ڈالے۔

پس اس کے لیے بہتر ہے کہ روزہ نہ رکھے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو کہ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے کہ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا۔حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ شخص روزہ دار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے اور بحالت سفر روزہ رکھنا جائز ہونے کی دلیل وہ ہے جو ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے ہم میں سے بعض حضرات روزہ دار تھے اور بعض حضرات بغیر روزہ کے تھے یعنی افطار کیے ہوئے تھے۔

پس نہ تو روزہ دار افطار کرنے والوں پر عیب لگا رہا تھا اور نہ افطار کرنے والا روزہ داروں پر اعتراض کر رہا تھا۔اب دونوں (۱۔روزہ رکھنا ۲۔روزہ نہ رکھنا) میں سے افضل کیا ہے؟ اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔پس ایک گروہ کہتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے افطار کرنا افضل ہے۔یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرف سعید بن مسیب اور علامہ شعبی رحمہما اللہ گئے ہیں اور ایک اس طرف گئی ہے کہ روزہ رکھنا افطار یعنی روزہ نہ رکھنے سے افضل ہے۔یہ بات معاذ بن جبل اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے۔ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر دو (۲) میں سے (روزہ رکھنا یا نہ رکھنا) جو صورت حال آسان ہو وہی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اور یہ قول مجاہد قتادہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا ہے۔(سفر میں اگر مشقت نہ ہو روزہ رکھنا آسان ہے کہ ایک معمول کے مطابق عام لوگوں کی ہمراہی میں روزہ رکھا جائے گا اگرچہ اس کی رخصت ہے بعد میں قضا کرنا مشکل ہوگی سب کھا پی رہے ہوں گے۔ایسی صورت میں روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر روزہ رکھنا تکلیف و مشقت میں ڈالے تو نہ رکھنا افضل ہے کہ آسانی اسی میں ہے) جو شخص صبح کو مقیم ہو گھر میں ہو اور روزہ دار ہو دن کے درمیان مسافر ہو جائے۔اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ اس کے لیے اس دن میں افطار کرنا یعنی روزہ توڑ دینا جائز نہیں اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کے لیے افطار کرنا یعنی روزہ توڑ دینا جائز ہے اور یہ قول علامہ شعبی کا ہے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جو شخص مسافر ہو اور روزہ رکھ لے اس کے لیے بالاتفاق یہ جائز ہے کہ روزہ توڑ دے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ کی طرف ماہ رمضان میں نکلے۔یہاں تک کہ آپ کراع غمیم تک پہنچے۔لوگوں نے بھی آپ کے ہمراہ روزہ رکھا ہوا تھا۔آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا،یارسول اللہ! بے شک لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے۔آپ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا۔پس آپ نے پیا اس حال میں کہ لوگ دیکھ رہے تھے (آپ کے پینے کے بعد) بعض لوگوں نے افطار کیا اور بعض حضرات روزے سے رہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک کچھ لوگ اب بھی روزہ سے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا "اولئک العصاۃ" یہ لوگ نافرمان ہیں (یعنی اپنے نبی کے عمل کے خلاف کرنے والے) انہوں نے اس سفر میں اختلاف کیا (یعنی سفر کی مقدار میں) کچھ حضرات نے کہا ایک دن کا سفر (یعنی اتنی مقدار کا سفر) جسے ایک دن میں طے کیا جاسکے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ (وہ سفر جو افطار کو جائز کرتا ہے) دو (۲) دن تک کا سفر ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک جماعت تین (۳) دن کے سفر کی طرف گئی ہے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا ہے۔

"یرید اللہ بکم الیسر" مرض اور سفر میں روزہ کا نہ رکھنا جائز کرکے (آسانی فرمائی) "ولا یرید بکم العسر" ابو جعفر نے "العُسُر والیُسُر" پڑھا یعنی سین کی پیش کے ساتھ اور ان دو (۲) لفظوں کے مثل کوئی اور لفظ ہو تو اس میں بھی ان کی قراءۃ ایسی ہی ہے۔ علامہ شعبی فرماتے ہیں جب کسی شخص کو شرعی اختیار (یعنی جواز کے لحاظ) سے دو کاموں میں اختیار دیا جائے اور وہ شخص ان دو (۲) کاموں میں سے آسان کام کو اختیار کرے تو اس آسان کام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ "ولتکملوا العدۃ" ابوبکر رحمہ اللہ نے "ولتکملوا" کی میم کو شد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ اور یہ قراۃ پسندیدہ و بہتر ہے (اس کی تائید) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم" تو "اکملتُ" بھی میم کی تخفیف کے ساتھ ہے نہ کہ شد کے ساتھ اور حرف واو جو "ولتکملوا" کے اندر ہے۔ یہ واؤ ترتیب (عطف) کے لیے ہے اور لام۔ لام "کیْ" ہے۔ عربی میں "کیْ" تا کہ کے معنی میں آتی ہے تقریر عبارۃ ہوگی۔ "وَیُرِیْدُ لِکَیْ تُکْمِلُوْا العدۃ" یعنی تاکہ تم رمضان کے مہینہ کے دنوں کی گنتی (تعداد) مکمل کرو کہ جو روزے تم نے بوجہ سفر یا مرض کے رمضان المبارک میں افطار کیے ہیں ان کو بعد رمضان قضاء (ادا) کرکے رمضان کے روزوں کی تعداد پوری کرلو۔ اور فرمایا "ولتکملوا العدۃ" یعنی مہینہ کے دنوں کی تعداد۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) کا ہوتا ہے تو روزہ نہ رکھو حتیٰ کہ چاند دیکھو اور افطار (یعنی عید) نہ کرو یہاں تک کہ چاند دیکھو اور (چاند کا معاملہ) مخفی رہے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ (رمضان) سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو (یعنی رمضان شریف کے بالکل متصل) مگر یہ کہ کسی شخص کی عادت روزہ کے موافق وہ دن آجائے (جو ماہ رمضان کے متصل ہو) کہ وہ پہلے اس دن کا روزہ رکھا کرتا تھا۔ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو (عید کرو) اور (اگر چاند کا معاملہ) مخفی ہو جائے (کہ چاند نظر نہ آئے تو پھر تیس چاند کی گنو پھر افطار کرو (عید کرو) "ولتکبروا اللہ" اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرو "علی ماھداکم" کہ اس نے تمہاری ماہ رمضان کے روزہ جیسے پسندیدہ عمل کی طرف رہنمائی فرمائی۔

اور تمام مذہب والوں میں سے تم کو (اے مسلمانو!) اس (ماہ رمضان) کے ساتھ خاص کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ولتکبروا اللہ" سے مراد لیلۃ الفطر کی تکبیرات ہیں۔ امام شافعی ابن مسیب اور حضرت عروہ اور ابوسلمہ (رحمہم اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عید الفطر کی رات کو جہراً (بلند آواز سے) تکبیرات پڑھتے تھے۔ عید الاضحیٰ کی رات بھی عید الفطر کی رات

کے مشابہ ہے (کہ اس رات کو بھی جہراً تکبیرات کہی جائیں) مگر جو کہ حاجی ہو کیونکہ اس کا ذکر تلبیہ یعنی "لبیک اللّٰھم لبیک" کہنا ہے "ولعلکم تشکرون" اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر (شکر ادا کرو) ماہ رمضان کی فضیلت اور روزہ داروں کی فضیلت کے بارے میں روایات وارد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (جب رمضان داخل ہوتا ہے تو شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن جکڑے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دوزخ کا ایک دروازہ بھی نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جنت کا ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا۔ آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے خیر کے چاہنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے طلبگار بس کر اور اس کے لیے دوزخ سے آزاد ہونے والے ہوتے ہیں اور یہ معاملہ ہر رات ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص رمضان شریف کے روزے از روئے ایمان۔ حکم الٰہی کی فرمانبرداری کی بنیاد پر (بہ نیت ثواب) رکھتا ہے اس کے سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور رمضان المبارک میں ایمان اور (حسن نیت) فرمانبرداری کے اعتبار سے قیام (نماز میں) کرتا ہے اس کے بھی سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر میں ایمان اور حکم الٰہی کے مطابق بطور امتثال امر کے قیام (نماز میں) کرتا ہے اس کے بھی سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہے اور ایک روایت میں "اظلکم" کی بجائے لفظ "اطلکم" ہے (یعنی ظاء کی بجائے طاء کا حرف ہے) جو بمعنی اشرف تم پر نمودار ہو چکا ہے۔ "شھر عظیم" عظمت والا مہینہ شھر مبارک بابرکت مہینہ اس میں ایک ذی قدر رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ یہ وہ ماہ مبارک ہے جس کے روزوں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا۔ جو شخص اس ماہ مبارک میں کسی بھی نفل نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے وہ ایسا کہ اس شخص نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی فرض کو ادا کیا ہو اور جس شخص نے اس ماہ مبارک میں فرض ادا کیا وہ ایسا ہے کہ اس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب (ڈائریکٹ) جنت ہے اور یہ باہمی غمخواری اور دُکھ بانٹنے کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ (روایت میں ہے مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے)۔ جو شخص اس ماہ مبارک میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے یہ روزہ افطار کرانا اس کی مغفرت کا اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا سبب بن جاتا ہے اور روزہ دار کے اجر و ثواب میں کمی کیے بغیر روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک شخص کو یہ وسعت حاصل نہیں کہ وہ روزہ دار کا روزہ افطار کرا سکے (یعنی پیٹ بھر کھلا سکے) حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ ثواب اس شخص کے لیے بھی ہے جو روزہ دار کو دودھ کا گھونٹ پلائے، کھجور کا دانہ کھلائے یا پانی کا گھونٹ پلائے اور جس شخص نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اس شخص کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے اس طرح پلائیں گے کہ اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا اور جو شخص اس ماہ مبارک میں اپنے غلام سے کام کی تخفیف کردے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے اور اس کو آگ سے آزادی بخشیں گے۔ یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور (یہ رمضان المبارک وہ) مہینہ ہے جس کا پہلا حصہ رحمت ہے دوسرا حصہ مغفرت اور اس کا آخر آگ سے آزادی ہے۔ پس اس ماہ مبارک میں چار چیزوں کی کثرت اختیار کرو۔ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے اور دو ایسی ہیں جن سے تم مستغنی نہیں رہ سکتے۔ بہرحال وہ دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے، وہ ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (یعنی کلمۂ شہادت کی کثرت) اور (دوسری) یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور وہ دو چیزیں جن کے سوا تمہیں کوئی چارۂ کار نہیں۔ وہ یہ کہ تم جنت کا سوال کرو یعنی اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو اور (دوسری) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی دوزخ سے پناہ حاصل کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل دس گنا تک بڑھایا جاتا ہے حتیٰ کہ سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر روزہ پس تحقیق وہ (روزہ) میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں ہی دوں گا۔ روزہ دار میری (رضا کی) خاطر اپنا کھانا پینا اور خواہش کو چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کو بوقت افطار حاصل ہوتی ہے اور ایک خوشی اس کو (روز قیامت) اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ (محبوب) ہے۔ روزہ ڈھال ہے (دُنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں عذاب سے) اور جس دن تم میں سے کسی کو روزہ ہو تو نہ تو فحش بیانی کرے اور نہ (اللہ کی) نافرمانی کرے۔ پس اگر کوئی اس سے بدزبانی کرے یا لڑائی جھگڑا کرے پس کہہ دے میں روزہ دار آدمی ہوں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس میں روزہ داروں کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ روزے اور قرآن پاک بندہ کی شفاعت کریں گے۔ روزے کہیں گے اے رب! میں نے اس کو کھانے پینے اور خواہشات سے دن کو روکا، پس اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کریم کہے گا، اے رب! میں نے اس کو رات کے وقت سونے سے روکا، پس اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۞

ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں ہر عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور درخواست دے سو ان کو چاہیے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ رشد حاصل کر سکیں گے

تفسیر: ⓱ "واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" کلبی نے ابو صالح سے روایت کی، انہوں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ نے کہا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا رب ہماری دُعا کیسے سنتا ہے؟ حالانکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پھر ہر آسمان کی موٹائی بھی اسی قدر ہے۔

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ضحاک کہتے ہیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام سے پوچھا، کیا ہمارا رب قریب ہے؟ ہم اس کو سرگوشی کے انداز میں پکاریں یا دور ہے کہ با آواز بلند ندا دیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" اور اس میں عبارت پوشیدہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پس ان کو فرما دیجئے بے شک میں علم کے ساتھ ان کے قریب ہوں مجھ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ونحن اقرب الیه من حبل الورید"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ ایک وادی پر چڑھے تو انہوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کے ساتھ آوازیں بلند کیں۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو (اپنے آپ پر رحم کرو) تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم اس ذات پاک کو پکار رہے ہو جو ذات کریم سننے والی بھی ہے اور قریب بھی اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

"اجیب دعوة الداع اذا دعان" اہل مدینہ نے سوائے قالون اور ابو عمرو کے دونوں جگہ وصل کی صورت میں یاء کو ثابت رکھ کے پڑھا ہے۔ یعنی "الداع" کو "الداعی" اور دعان کو دعانی پڑھا ہے اور باقی قراء وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کر کے پڑھا ہے اور اسی طرح قراء نے ان تمام یاءات میں جو خط میں محذوف ہیں (یعنی تحریر میں نہیں آئیں) ان کو تلاوت حذف کرنے یا ثابت رکھنے میں اختلاف کیا ہے اور یعقوب نے تمام یاءات کو وصل اور وقف کی دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے ان یاءات کو ثابت رکھنے میں اتفاق کیا ہے حالت وصل میں بھی اور حالت وقف میں بھی جو تحریراً ثابت و موجود ہیں۔ "فلیستجیبوا لی" کہا گیا ہے۔ استجابت بمعنی اجابت ہے یعنی اطاعت کے ساتھ میری اجابت کریں یعنی لبیک کہیں۔

اور اجابت کا معنی لغت میں اطاعت ہے اور جو چیز مانگی جائے وہ دے دینا۔ لہٰذا لفظ اجابت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی

طرف ہوگی تو معنی ہوگا عطا کرنا اور جب بندہ کی طرف ہوگی تو معنی ہوگا اطاعت کرنا اور کہا گیا ہے "فلیستجیبوا لی" کا معنی ہے یعنی مجھ سے اجابت کی درخواست کریں اور استجابت کی حقیقت یہ ہے کہ میری اطاعت کریں۔ "ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون" تاکہ راہ پائیں اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اجیب دعوۃ الداع" کا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی "ادعونی استجب لکم" کا کیا معنی ہوگا حالانکہ ہم کبھی بہت زیادہ پکارتے ہیں۔

پس وہ قبول نہیں فرماتا؟ ہم جواب میں کہتے ہیں ان دو آیات کے معنی میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے یہاں لفظ "ادعونی" اور دعوۃ الداع سے مراد اطاعت ہے اور اجابت کا معنی ثواب دینا ہے اور کہا گیا ہے ان دونوں آیات کا معنی خاص ہے۔ اگرچہ دونوں کے لفظ عام ہیں۔ لہٰذا ان دونوں آیات کی تقدیر عبارت ہوگی۔ "اجیب دعوۃ الداع ان شئت" کہ میں دُعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں اگر میں چاہوں تو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں "فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء" (تو اس آیت میں بھی مصیبت اور تکلیف کو دور کرنے کو مشیت کے ساتھ مقید کر دیا۔ اسی طرح یہاں بھی قبولیت دُعا مشیت کے ساتھ مقید ہوگی) یا معنی یہ ہوگا کہ میں دُعا قبول کرتا ہوں۔ اگر دُعا کرنے والے کی دُعا میرے تقدیری فیصلہ کے مطابق ہو یا پھر معنی ہوگا کہ میں دُعا قبول کرتا ہوں۔ اگر دُعا کا قبول کرنا دُعا مانگنے والے کے حق میں بہتر ہو یا معنی ہوگا کہ میں دُعا قبول کرتا ہوں اگر دُعا کرنے والا کسی امر محال کی دُعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک کی دُعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے جب تک کہ گناہ سے متعلق دُعا نہ کرے یا اس کی دُعا کا تعلق قطع رحمی سے نہ ہو اور دُعا کے معاملہ میں جلد بازی نہ کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! دُعا سے متعلق جلد بازی کے کیا معنی ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دُعا مانگنے والا کہے اے میرے رب! بے شک میں نے تجھ سے مانگا، اے میرے رب بے شک میں نے تجھ سے دُعا کی۔ پس میں نہیں دیکھتا کہ تو میری دُعا قبول کرے۔ پس اس وقت وہ دُعا مانگنے سے تھک جاتا ہے اور دُعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اجابت دُعا کا مفہوم عام ہے (یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے) اور اجیب کا معنی ہوگا کہ میں سنتا ہوں اور کہا جاتا ہے کہ آیت کریمہ میں اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ استجابت دُعا فرماتا ہے باقی رہا مدعا اور آرزو عطا فرمانا یہ اس میں مذکور نہیں ہے۔

اور ایسا ہوتا ہے کہ کبھی سردار اپنے غلام کو جواب دیتا ہے اور والد اپنے بیٹے کو جواب دیتا ہے پھر اس کا سوال پورا نہیں کرتا اور اجابت یعنی جواب ہر حال میں دُعا کے وقت ثابت ہونے والی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دُعا کا جواب دیتا ہے پھر اگر تو اس بندہ کے حق میں مانگی ہوئی چیز مقدر میں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے وگرنہ اسے نہیں دیتا اور اس دُعا کا اجر و ثواب اس شخص کے لیے ذخیرہ آخرت کر دیا جاتا ہے یا پھر اس دُعا کی برکت سے اس بندہ سے کسی مصیبت کو روک دیا جاتا ہے اور اجابت دُعا کے اس مفہوم پر دلیل وہ روایت ہے۔ حضرت عبادہ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر جو بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو بھی دُعا کرتا ہے مگر یہ کہ یا

تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز عطا فرماتے ہیں جو وہ مانگتا ہے یا پھر مانگی ہوئی چیز کے مثل اس سے کسی برائی (تکلیف) کو ٹال دیتے ہیں۔ جب تک کہ بندہ گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے اور بعض نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کی دُعا کا جواب دینا ہو تو فوراً فرماتے ہیں مگر جس شخص کی مراد کو پورا فرمانا چاہتے ہیں اس کی مقصد براری کو مؤخر فرما دیتے ہیں تا کہ وہ بندہ دُعا مانگتا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کی (پُرسوز) آواز کو سنتا رہے اور جس شخص کی آواز کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں اس کی مانگی ہوئی چیز اسے فوراً دے دیتے ہیں بعض نے کہا کہ دُعا کے کچھ آداب اور شرطیں ہیں جو کہ قبولیت دُعا کے اسباب ہیں جو شخص ان آداب و شرائط کو پورا کرتا ہے وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے اور جو ان آداب کو پورا نہیں کرتا تو وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو کہ دُعا کرنے میں حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص قبولیت دُعا کا مستحق نہیں رہتا۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

(ترجمہ) روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کر کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے مگر خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانونِ اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) سے متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق) سے رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں یہ سب احکام خداوندی کے ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ (مطلع ہو کر خلاف کرنے سے) پرہیز رکھیں۔

(تفسیر) ۱۸۷ "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم" رفث جماع سے کنایہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیاء فرمانے والے کریم ہیں وہ اس قسم کی باتوں، اشارات و کنایات میں ذکر فرماتے ہیں، تصریح نہیں کرتے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں مباشرت (باہمی ملاپ) کا اور ملامسۃ (بدن کا بدن سے چھونا) کا اور افضاء (ایک کا دوسرے تک پہنچنا) کا یا دخول (داخل ہونا) اور رفث (فحش گوئی) کا ذکر کرتے ہیں (اگر چہ ان الفاظ کے لغوی معنی وہی ہیں جو

ان الفاظ کے بعد بریکٹ میں ذکر کیے گئے مگر) اس سے مراد جماع ہوتا ہے۔ حضرت زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث کا کلمہ ہر اس مراد کے لیے جامع ہے جو کہ مرد، عورتوں سے چاہتے ہیں۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں اس طرح تھا کہ جب آدمی روزہ افطار کرتا تو اس کے لیے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز ہوتا۔ یہاں تک کہ نماز عشاء پڑھتا اور نماز عشاء سے پہلے سو جاتا تو اس کے لیے کھانا پینا اور عورتیں آئندہ رات تک حرام ہو جاتیں۔

پھر یوں ہوا کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء پڑھنے کے بعد بیوی سے صحبت فرمائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا تو رونے لگ گئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور آپ علیہ السلام کی طرف اپنی جانب سے اس غلطی کے سلسلہ میں معذرت کرتا ہوں کہ میں نماز عشاء کے بعد اپنی بیوی کے پاس لوٹا تو میں نے (اپنی بیوی سے) خوشبو پائی تو میرے نفس نے مجھے بہکایا، پس میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر (رضی اللہ عنہ) اس کام کے تو مناسب تو نہ تھا (یعنی تجھ سے ایسا ہو جانے کی اُمید تو نہ تھی) اس پر کچھ اور لوگ کھڑے ہو گئے اور اس قسم کی غلطی کا اعتراف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوا "احل لکم لیلۃ الصیام" یعنی تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں بیویوں سے صحبت کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔ "ھن لباس لکم" یعنی تمہارے لیے باعث سکون "وانتم لباس لھن" (تم) ان کے لیے باعث سکون (لباس کا معنی سکون سے کرنے کی دلیل) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے "وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا" (یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو پیدا کیا تا کہ اپنی بیوی (حوا) کی جانب سے سکون محسوس کریں) اور بعض نے کہا کہ کسی کو کسی کی طرف سے اس قدر سکون نہیں ملتا جتنا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی جانب سے سکون میسر ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ خاوند اور بیوی ہر ایک کو لباس اس لیے کہا گیا ہے کہ سوتے وقت دونوں کپڑوں سے بے نیاز ہو کر ایک ہی کپڑے (لحاف یا چادر) میں مل کر سوتے ہیں حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اس کپڑے کی مانند ہو جاتے جو ہر ایک پہنتا ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ھن فراش لکم وانتم لحاف لھن" کہ وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے فراش (گدے کی مانند) ہیں اور تم ان کے لیے لحاف ہو۔ ابو عبیدہ وغیرہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ (اے مرد) یہ تیرا لباس ہے، تیرا بچھونا ہے، تیری چادر ہے اور بعض نے کہا کہ لباس اس چیز کا نام ہے جو کسی شئی کو چھپا دے تو مناسب ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے ستر (پردہ) میں واقع ہوں اور آڑ ہوں اس چیز سے جو جائز نہیں۔ (گویا میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے بے حیائی اور بدکاری کے لیے رکاوٹ ہیں پردہ ہیں)۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جس نے شادی کی اس نے اپنا دو تہائی دین محفوظ کر لیا۔ "علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم" تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے اور عشاء کے بعد بیوی سے صحبت کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ حضرت براء

فرماتے ہیں کہ جب رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے تو لوگ سارا مہینہ بیوی کے قریب نہ جاتے۔ اس دوران بعض لوگ (بیویوں سے صحبت کرکے) اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: "علم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم" ...... "فتاب علیکم" تم سے درگزر فرمایا "وعفا عنکم" تمہارے گناہوں کو مٹادیا۔ "فالآن باشروھن" ان سے جماع کرو بالکل حلال صورت میں۔ مجامعت یعنی جماع کو مباشرت کہا گیا کیونکہ میاں بیوی کا چمڑا باہمی طور پر مل جاتا ہے۔

"وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم" جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں فیصلہ کردیا ہے اس کو طلب کرو اور کہا گیا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسے طلب کرو یعنی اولاد۔ اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولاد تلاش کرو اگر بیوی جننے کی تو یہ جنے گی۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کھانے پینے اور جماع کو جائز کرکے لکھ دی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی لیلۃ القدر۔

"وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض" یہ آیت کریمہ ایک انصاری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام ابوصرمۃ بن قیس بن صرمۃ رضی اللہ عنہ تھا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا نام ابوقیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کا نام ابوقیس صرمۃ بن انس بن صرمۃ تھا اور یہ اس طرح ہوا کہ وہ سارا دن روزہ کی حالت میں اپنی زمین میں کام کرتے رہے۔ جب شام ہوئی تو گھر والوں کی طرف کھجور لے کر لوٹے اور بیوی سے فرمایا کھانا لا۔ پس بیوی نے ارادہ کیا کہ کوئی شئی (کھانا) گرم کرکے پیش کرے۔ پس اس کی بیوی کھانا گرم کرنے گئی اور ابتداء اسلام میں یہ تھا کہ جو شخص نماز عشاء پڑھ لے یا سوجائے اس پر کھانا پینا حرام ہوجاتا تھا۔ چنانچہ اس صحابی کی بیوی کھانا گرم کرکے فارغ ہوئی، اچانک کیا دیکھتی ہے کہ خاوند سوگیا ہے وہ سارے دن کا تھکا ہارا تھا پس بیوی نے اس کو جگایا تو اس صحابی نے یہ گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے۔ چنانچہ اس نے کھانے سے انکار کردیا۔

چنانچہ اس نے بحالت مشقت روزہ کے ساتھ صبح کی۔ پس ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پس جب اسے افاقہ ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام نے اسے دیکھا تو فرمایا۔ ابو قیس تجھے کیا ہوا؟ کہ تو کمزور ہوگیا ہے۔ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ نے اپنا حال ذکر کیا۔ پس حضور علیہ السلام اس کے حال پر غمزدہ ہوگئے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں "وکلوا واشربوا" یعنی روزہ کی راتوں میں (کھاؤ پیو) "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" دن کی سفیدی رات کی سیاہی سے ہر دو (دن کی سفیدی رات کی سیاہی) کو دھاگا کہا گیا ہے کیونکہ دونوں دھاگے کی مانند ابتداء میں پھیلے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" تو نازل ہوا مگر فرمان الٰہی "من الفجر" نازل نہ ہوا۔ پس کچھ جب روزہ کا ارادہ فرماتے تو اپنے پاؤں میں ایک سفید اور ایک

سیاہ دھاگا باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے کہ جب تک کہ دونوں دھاگوں کا دیکھنا واضح نہ ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد "من الفجر" کو نازل فرمایا۔ پس اس وقت معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سفید و سیاہ دھاگے سے رات اور دن مراد لیا ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب "حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو میں نے ایک سفید رسی لی اور ایک سیاہ رسی لی اور دونوں کو میں نے اپنے سرہانے کے نیچے کر دیا اور شروع ہوا میں ان دونوں رسیوں کو دیکھتا اور ادھر رات کو دیکھتا۔ پس میرے لیے واضح نہ ہوتا۔ پس صبح حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ السلام کو اپنا حال ذکر کیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (دو دھاگوں) سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں ان کی اذان کے بعد تم سحری کھا پی سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ابن مکتوم اذان نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن اُم مکتوم نابینا تھے۔ اس وقت تک اذان نہ دیتے حتیٰ کہ انہیں کہا جاتا تو نے صبح کر دی صبح کر دی اور جان لے کہ فجر دو قسم ہے کاذب اور صادق فجر کاذب پہلے نمودار ہوتی ہے لمبی ہوتی ہے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے رات کا خاتمہ نہیں ہوتا اور روزہ دار کے لیے کھانا پینا بھی حرام نہیں ہوتا۔ پھر وہ غائب ہو جاتی ہے اس کے بعد فجر صادق طلوع ہوتی ہے۔ عرضاً پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اُفق میں جلدی پھیل جاتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے دن کا آغاز ہو جاتا ہے اور روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں سحری کھانے سے اذان بلال اور فجر کاذب نہ روک دے بلکہ وہ صبح (صادق) جو اُفق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ "ثم اتموا الصیام الی اللیل" یعنی روزہ دار کے لیے فجر صادق کے طلوع ہونے سے لے کر غروب آفتاب تک کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور جب سورج غروب ہو فطر واقع ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات یہاں سے آ جائے اور دن یہاں سے پیٹھ پھیر جائے اور سورج غروب ہو جائے پس روزہ دار نے افطار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد" عکوف کے معنی کسی شئی پر قائم ہونا۔

اعتکاف کا شرعی معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ اعتکاف مسجد کے علاوہ کہیں جائز نہیں ہے اور تمام مسجدوں میں جائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کا اعتکاف بیٹھتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اعتکاف بیٹھتی رہیں اور آیت کریمہ حضور علیہ السلام کے ان چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسجد میں اعتکاف بیٹھتے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو اپنی بیوی سے متعلق حاجت پیش آتی تو وہ بیوی کی طرف جاتا اور اس سے جماع کرتا۔ پس غسل کرتا اور مسجد کو لوٹ آتا۔ پس اس عمل سے (حالت اعتکاف میں) دن رات منع کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ اپنے اعتکاف سے فارغ ہوں۔

پس حالت اعتکاف میں جماع حرام ہے اور اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ باقی رہی جماع کے علاوہ بوس و کنار شہوت کے ساتھ پس مکروہ ہے اور اس سے اکثر اہل علم کے ہاں اعتکاف نہیں ٹوٹتا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے یہی قول زیادہ واضح ہے۔ جیسا کہ اس (بوس و کنار) سے حج باطل نہیں ہوتا اور (اہل علم) کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بوس و کنار سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ بوس و کنار کے وقت اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو پھر اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ جیسا کہ روزہ کا معاملہ ہے۔ بہرحال بیوی کو ایسا ہاتھ وغیرہ لگانا جس سے لذت مقصود نہ ہو تو پھر اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

بوجہ اس کے جو کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھتے تو اپنا سر مبارک میری طرف جھکاتے قریب کرتے اور میں آپ کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سوائے حاجت انسانی کے تشریف نہ لاتے۔ "تلک حدود اللّٰہ" یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے روزہ اور اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں وہ حدیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدود اللہ کا معنی ہے شروط اللہ (اللہ تعالیٰ کی شرطیں) شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدود اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرض ہیں۔ حد کا لغوی معنی منع کرنے کے ہیں۔ اسی وجہ سے بواب یعنی دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی لوگوں کو داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور حدود کا معنی ہوگا وہ (احکام الٰہی) جو لوگوں کو اپنی مخالفت کرنے سے منع کرتی ہیں۔ "فلا تقربوھا" ان کو (عمل میں) مت لاؤ۔ "کذالک" اسی طرح "یبین اللّٰہ ایاتہ للناس لعلھم یتقون" تاکہ اس سے بچیں۔ پس عذاب سے نجات پا جائیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمہ کو) حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ (بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

تفسیر: ۝ "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" بعض نے کہا کہ یہ آیت امرأ القیس بن عباس کندی کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس پر ربیعہ بن عبدان حضرمی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے پاس زمین کا دعویٰ کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرمی کو فرمایا تیرے پاس گواہ ہیں؟ حضرمی نے کہا نہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا پس تیرے لیے قسم ہوگی (یعنی کندی قسم اٹھائے گا) پس وہ (کندی) قسم اٹھانے چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ اپنے مال پر قسم اٹھاتا ہے تاکہ ظلماً اسے کھائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ موڑنے والے ہوں گے (بوجہ ناراض ہونے کے) پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" یعنی تمہارا بعض، بعض کے مال کو نہ کھائے بغیر اس

طریقے کہ جو اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہو۔ باطل کا اصل معنی وہ شئی جو چلے جانے والی ہے۔

باطل طریق پر کھانے کی کئی قسمیں ہیں کبھی مال کو غصب اور چھینا جھپٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے کبھی بطریقہ کھیل کے مثلاً جوا بازی یا گویے کا گانے پر اجرت لینا وغیرہما اور کبھی بطریق رشوت اور خیانت کے کھایا جاتا ہے۔ "وتدلوا بھا الی الحکام" ان مالوں کے معاملات جو تمہارے اور مالوں کے مالکوں کے درمیان ہیں حکام کی طرف لے جاؤ ادلاء کا اصل معنی کنویں میں ڈول لٹکانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ادلی دلوہ جب وہ ڈول کو (نیچے) چھوڑ دے اور "دلاہ یدلوہ" اس وقت کہا جائے گا جب وہ اس ڈول کو نکالے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مضمون اس شخص سے متعلق ہے جس پر کسی کا مال واجب ہو اور اس پر گواہ نہ ہوں۔ پس وہ اس مال کا انکار کر دے اور اس سلسلہ میں وہ حاکم کے ہاں جھگڑا کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس پر حق واجب ہے اور اس حق کو روکنے کے باعث گنہگار رہتا ہے۔ اس آیت کے بارے میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تو ظالم ہو تو پھر جھگڑا نہ کر۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مضمون آیت کا یہ ہے کہ جھوٹے گواہ کھڑے کرے اور فرمان الٰہی "وتدلوا" حرف نہی کے تکرار کے باعث محل جزم میں ہے اور اس کا معنی ہوگا "ولا تدلوا بھا الی الحکام" کہ اس معاملہ کو حکام کی طرف مت لے جاؤ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ باطل طریقہ پر مت کھاؤ اور اسے حکام کی طرف منسوب کرو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنے بھائی کے مال کا معاملہ حاکم کے پاس مت لے جا حالانکہ تو جانتا ہے کہ اس سلسلہ میں تو ظالم ہے اس لیے کہ حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ عالم اسلام کے عظیم قاضی حضرت قاضی شریح فرمایا کرتے تھے میں تیرے حق میں فیصلہ کرتا ہوں حالانکہ میں تجھے ظالم سمجھتا ہوں لیکن ظاہر گواہوں کی رو سے میرے لیے اور کوئی راستہ اس کے سوا نہیں کہ میں تیرے حق میں فیصلہ کروں اور یہ میرا فیصلہ تیرے لیے حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

حضرت زینب اپنی والدہ محترمہ حضرت سیدہ اُم المؤمنین اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتی ہیں کہ بے شک حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی تم میں اپنی دلیل کو بیان کرنے میں۔ دوسرے سے زیادہ تیز لب ولہجہ اختیار کرنے والا ہو پھر میں اس کے (حسن بیان) سننے کے اعتبار سے فیصلہ کر دوں۔ لہٰذا میں جس کسی کے حق میں اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو مت لے کیونکہ اس صورت میں میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ "لتاکلوا فریقاً" گروہ "من اموال الناس بالاثم" ظلم کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں اثم سے مراد جھوٹی قسم ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بھائی کا مال چھین رہا ہے۔ "وانتم تعلمون" (حالانکہ تم جانتے ہو) تم باطل پر ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(ترجمہ) آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں

لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدت و مطالبہ حقوق کے) لئے اور غیر اختیاری عبادات مثل) حج و زکوٰۃ کا و روزہ وغیرہ) کے لئے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اصل الاصول تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو (اس سے البتہ) امید ہے کہ تم (دارین میں) کامیاب ہو۔

تفسیر ⑱ "ویسئلونک عن الاھلۃ" یہ آیت کریمہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں نازل ہوئی۔ دونوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاند کا کیا حال ہے، باریک نمودار ہوتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نور سے بھر جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے آغاز کیا تھا اور ایک حالت پر باقی نہیں رہتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یسئلونک عن الاھلۃ" "اَھلّۃ" ہلال کی جمع ہے جیسے کہ اردیہ رداء کی جمع ہے۔ ہلال کو ہلال اس لیے کہا گیا کیونکہ لوگ اس کے دیکھنے کے وقت آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ "استھل الصبی" سے لیا گیا جب بچہ بوقت ولادت روتا ہے اور جیسے کہا جاتا ہے "اھلّ القوم بالحج" یہ اس وقت جب لوگ بوقت تکبیر اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں "قل ھی مواقیت للناس والحج" مواقیت میقات کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چاند کو ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ لوگ حج، عمرہ، روزہ، افطار، قرضوں کی مدتوں اور عورتوں کی عدتوں وغیرہ کو جان لیں۔ پس اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاند کو سورج کے خلاف بنایا کہ وہ سورج ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے۔ "ولیس البرّ بان تاتوا البیوت من ظھورھا" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لوگ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں ایسا کرتے جب اس میں بعض حج عمرہ کا احرام باندھ لیتے تو وہ باغ، گھر، مکان وغیرہ میں دروازے کے راستہ سے نہ آتے۔ اگر تو پکے مکان والے ہوتے تو گھر کی پچھلی طرف نقب لگاتے اور وہاں سے آتا جاتا کرتے یا (دیوار کے ساتھ) سیڑھی لگاتے اور اس سے اُترتے چڑھتے اور اگر اہل وبر یعنی اونٹوں کے بالوں کھالوں سے بنے ہوئے خیموں والے ہوتے تو خیموں کی پچھلی جانب سے نکلتے اور احرام کھولنے تک دروازہ سے نہ آتے جاتے اور ایسا کرنے کو نیکی سمجھتے مگر وہ حضرات اپنے حمس کہلاتے تھے اور حمس کہلانے والے قریش، قبیلہ کنانہ، خزاعہ ثقیف، خثعم اور بنو عامر بن صعصعہ اور بنو نضر بن معاویہ تھے۔ یہ لوگ حمس کا نام دین میں سختی کے اعتبار سے دیئے گئے تھے اور حماسہ کا معنی شدۃ اور سختی کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ السلام ایک انصاری کے گھر میں داخل ہوئے تو ایک انصاری بھی حضور علیہ السلام کے پیچھے دروازہ سے داخل ہوا۔ جسے رفاعہ بن تابوت کہا جاتا تھا۔

حالانکہ وہ محرم تھا۔ پس لوگوں نے اس انصاری صحابی پر اعتراض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری صحابی کو (جو دروازہ سے داخل ہوا تھا) فرمایا تو دروازہ سے داخل کیوں ہوا؟ حالانکہ تو محرم تھا اس نے جواب دیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھا کہ آپ دروازہ سے داخل ہوئے۔ پس میں بھی آپ کے پیچھے داخل ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا میں تو احمسی ہوں (یعنی اس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں جو کہ حمس قبائل میں شمار ہوتا ہے یعنی قریشی ہوں) تو اس انصاری صحابی نے عرض کی اگر آپ احمسی ہیں تو

پھر میں بھی احمسی ہوں۔ میں آپ کے طریقہ سیرت اور دین پر راضی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ زہری کہتے ہیں کہ کچھ لوگ انصار میں سے جب عمرہ کا احرام باندھتے تو ان کے اور آسمان کے درمیان کوئی شئی حائل نہ ہوتی۔

اور اگر کوئی آدمی عمرہ کا احرام باندھ کر گھر سے نکلتا اور نکلنے کے بعد اس کو کوئی حاجت (گھر سے متعلق) پیش آتی۔ پس وہ واپس لوٹتا اور گھر کی چھت کی وجہ سے حجرہ کے دروازہ سے داخل نہ ہوتا کہ کوئی چیز اس کے اور آسمان کے درمیان حائل نہ ہو تو وہ پیچھے سے دیوار کھولتا، پھر اپنے حجرہ میں داخل ہوتا اور اپنی حاجت کے بارے میں حکم کرتا۔ حتیٰ کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے زمانہ میں عمرہ کا احرام باندھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں داخل ہوئے تو آپ کے بنی سلمہ قبیلہ کا ایک انصاری بھی داخل ہوا تو حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس انصاری صحابی نے عرض کیا اس لیے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ داخل ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں احمسی ہوں تو اس انصاری صحابی نے کہا تو میں بھی احمسی ہوں (احمسی کی وجہ تسمیہ پہلے بیان ہو چکی ہے) اور آپ کے دین پر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ولیس البرّ بان تاتوا البیوت من ظھورھا" ابن کثیر ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "البیوت والغیوب والجیوب والعیوب وشیوخا" (ان تمام الفاظ کو جو قرآن کریم میں وارد ہیں) یاء کی وجہ سے پہلے حرف کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے اصل لفظ کے مطابق پہلے حرف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے لفظ (جیوب) کو پہلے حرف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوبکر اور حمزہ رحمہم اللہ نے لفظ (العیوب) کو حرف عین کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ولکن البرّ من اتقی" نیکی تو شخص کی نیکی ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ "واتوا البیوت من ابوابھا" حالت احرام میں "واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ⑲⓪

ترجمہ: اور بے تکلف تم بھی لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (معاہدہ سے) مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے

تفسیر: ⑲⓪ "وقاتلوا فی سبیل اللہ" اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں (لڑو) "الذین یقاتلونکم" ابتداء اسلام میں حضور علیہ السلام کو مشرکین سے قتال کرنے سے روک دیا تھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکین سے لڑنے کا اس آیت کے ذریعے سے حکم فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لڑائی سے متعلق یہ پہلی آیت کریمہ ہے جو نازل ہوئی۔ پھر اس کے بعد تمام مشرکین سے لڑنے کا حکم جو مقابلہ میں لڑیں یا نہ لڑیں اس آیت کریمہ کے ساتھ دیا گیا۔ "اقتلوا المشرکین حتی" "الذین یقاتلونکم" والی آیت کریمہ (جس میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جو مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں ان سے لڑیں) اس آیت کریمہ "اقتلوا المشرکین" سے منسوخ ہوگئی۔ کہا گیا ہے کہ "اقتلوا المشرکین" (کہ مشرکوں سے لڑو) کی آیت

کے ساتھ قریباً ستر آیات منسوخ ہوگئیں اور ارشاد ربانی "ولا تعتدوا" یعنی ان سے لڑائی میں پہل نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت "الذین یقاتلونکم" (جس میں مشرکین کی طرف سے قتال (لڑائی) کی شرط لگائی گئی ہے) منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے یعنی اس کا مضمون ومفہوم اب بھی زیرعمل ہے۔ پھر "الذین یقاتلونکم" کا معنی ہوگا ان کافروں سے لڑو جو تم سے لڑیں (جن میں لڑنے کی صلاحیت ہو یعنی جو دلیر مرد لڑنے والے مشرک ہیں ان سے لڑو)۔

پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "ولا تعتدوا" کا معنی ہوگا کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں راہبوں کے ساتھ نہ لڑو (جو تم سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں) اور نہ ان سے لڑو جو تمہاری طرف مصالحت کی بات کریں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ سلیمان اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر بھیجتے تھے تو فرماتے تھے "اغزوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ لا تغلوا" ترجمہ اس عبارت کا (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہر اس شخص سے جو ذات الٰہی کا انکار کرتا ہے اس کے ساتھ قتال کرو اور دین میں غلو نہ اختیار کرو) اور فرماتے ہیں "ولا تعتدوا ولا تقتلوا امراۃ" اور نہ بچے کو قتل کرو اور نہ بوڑھے کو اور نہ قتل کرو عورت کو۔ کلبی ابو صالح سے روایت کرتے ہیں اور ابو صالح سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ یوں ہوا کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت عمرہ کیلئے نکلے۔

اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ وہ چلے حتیٰ کہ حدیبیہ کے مقام پر اترے۔ پس ان کو مشرکوں نے بیت الحرام (میں داخل ہونے) سے روکا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے اس بات پر مصالحت فرمائی کہ اس سال واپس ہوجائیں بریں شرط کہ آئندہ سال مشرکین تین دنوں کے لیے مکہ مکرمہ کو خالی کردیں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرمائیں گے۔ جب آئندہ آنے والا سال آیا تو حضور علیہ السلام نے اور اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے لیے تیاری فرمائی اور اس بات کا اندیشہ ظاہر فرمایا کہ کہیں قریش مکہ اپنا وعدہ وفا نہ کریں اور بیت الحرام (میں داخلہ) سے ان کو روک دیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات پر اظہار کراہت فرمایا کہ مشرکین مکہ سے حرمت والے مہینے اور بیت الحرام میں لڑیں قتال کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وقاتلوا فی سبیل اللہ" یعنی بحالت احرام (اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو) "الذین یقاتلونکم" قریش کے ساتھ قتال کرو "ولا تعتدوا" پس بحالت احرام حرم مقدس میں لڑائی کی ابتداء کرو۔ "ان اللہ لا یحب المعتدین"

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور (خواہ) ان کو (مکہ سے) نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت (ضرر میں) قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب و نواح میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرلیں تو (اس وقت) تم بھی ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔ اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو (قانون یہ ہے کہ) سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

تفسیر ⑲ "واقتلوهم حيث ثقفتموهم" کہا گیا ہے پہلی آیت کریمہ (کا مضمون) اس آیت کریمہ کے ساتھ منسوخ ہے (کیونکہ پہلی آیت میں کفار سے قتال اس صورت میں تھا کہ جب وہ مقابلہ میں لڑائی میں پہل کریں تو مسلمان دفاعی جنگ لڑیں اور قتال کی ابتداء نہ کریں مگر اس آیت میں حکم ہے کہ کفار کو جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کے قتال کرنے کی پہل کرنے کا انتظار نہ کریں) ثقفتہ کا لغوی معنی (کسی کام میں) مہارت و بصیرت کے ہیں اور معنی ہوگا کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں تم ان سے قتل کرنا مناسب سمجھو اور ان کے قتل کرنے پر تم قادر ہو۔ "واخرجوهم من حيث اخرجوكم" (اور ان کو اس جگہ سے نکالو جس جگہ سے انہوں نے تم کو نکالا) اور یہ اس طرح کہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرکوں کو ان کے گھروں سے نکالو جیسا کہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔

"والفتنة اشد من القتل" اُن کا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ شرک کرنا اس امر سے زیادہ سخت اور بڑا ہے کہ تم ان کو حرم مقدس میں بحالت احرام قتل کرو۔ "ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فان قاتلوكم فاقتلوهم" حمزہ اور کسائی نے "ولا تقتلوهم حتى يقتلوكم فان قتلوكم" ان میں الف کے بغیر قتل سے مشتق کرکے پڑھا ہے (نہ کہ قتال سے) اور اس کا معنی ہوگا کہ بعض مشرکوں کو قتل نہ کرو۔ اہل عرب کہتے ہیں "قتلنا بنی فلاں" (ہم نے بنی فلاں کو قتل کیا) حالانکہ سارا قبیلہ قتل نہیں کیا ہوتا بلکہ بعض قبیلہ کو قتل کیا ہوا ہوتا ہے اور باقی قراء نے الف کے ساتھ لفظ قتال سے مشتق کرکے پڑھا ہے اور ایسا کرنا ابتداء اسلام میں تھا کہ حرمت والے شہر مقدس میں ابتداء قتال کرنا جائز نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہوگیا۔ "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة" یہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "واقتلوهم حيث ثقفتموهم" جہاں کہیں تم ان کو پاؤ حرم میں یا حرم مقدس سے باہر حل میں ان کو قتل کردو۔ پھر اس آیت کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہوگیا "ولا تقاتلوهم

عند المسجد الحرام" (کہ مسجد حرام میں ان سے قتال نہ کرو) پھر اس فرمان خداوندی کو سورۂ براۃ میں نازل ہونے والی آیت السیف نے منسوخ کر دیا تو "ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام" ناسخ بھی ہے "واقتلوھم حیث ثقفتموھم" کے لیے اور منسوخ بھی ہے۔ سورۂ براۃ والی آیت السیف کے ساتھ۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ لہٰذا حرم مقدس میں ابتداءً قتال کرنا جائز نہیں۔ "کذالک جزاء الکافرین"

(۱۹۲) "فان انتھوا" قتال اور کفر سے (اگر رک جائیں) "فان اللہ غفور رحیم" یعنی غفور ہے گزشتہ گناہوں کے لیے اور بندوں کے ساتھ رحیم بھی ہے۔

(۱۹۳) "وقاتلوھم" مشرکین سے (قتال کرو) "حتیٰ لاتکون فتنۃ" شرک باقی نہ رہے۔ مشرکین سے اس وقت تک قتال کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست سے اسلام ہی قبول کیا جائے گا۔ اسلام سے اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے۔ "ویکون الدین" طاعت و عبادت (للہ) صرف اسی ایک ذات (احد) کی ہو جائے۔

پس اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ فتنہ میں ایک شخص سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ پس کہا آپ کو (ان دونوں میدان قتال میں) نکلنے سے کیا چیز مانع ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لیے رکاوٹ یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون (بہانا) حرام فرمایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کو سنتے نہیں "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" (اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دو گروہ ایمان والوں سے لڑ پڑیں تو سرکش گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ حق کی طرف مائل ہو جائے)۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بھتیجے! میں اس آیت کا (اس موقع پر) اعتبار کروں اور نہ لڑوں مجھے اس سے زیادہ یہ چیز پسند ہے کہ میں اس آیت کا اعتبار کروں (ذہن میں رکھوں) جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ومن یقتل مؤمنا متعمدا"...... (کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کی سزا جہنم ہے) اس پر اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے "وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ" (کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ عمل ہم نے حضور علیہ السلام کے مبارک دور میں کیا۔ جب اسلام تھوڑا تھا (یعنی مسلمان تھوڑے تھے) کہ آدمی اپنے دین کے معاملہ میں فتنہ میں ڈالا جاتا تھا کہ اسے قتل کر ڈالتے یا عذاب میں مبتلا کرتے حتیٰ کہ اسلام پھیل گیا عام ہو گیا اور فتنہ باقی نہ رہا اور دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہو گیا۔ اور تم ارادہ کرتے ہو کہ لڑو حتیٰ کہ فتنہ پھیلے کہ دین غیر اللہ کا ہو۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ فتنہ کے سلسلہ میں لڑنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جانتے بھی ہو کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے لڑتے تھے۔

اور تمہارا قتال ملک کے سلسلہ میں ان کے قتال کی مانند نہیں۔ "فان انتھوا" کفر سے (رک جائیں) اور اسلام لے آئیں "فلا عدوان" ان پر کوئی راہ نہیں یعنی کوئی مواخذہ نہیں۔ "الا علی الظالمین" عدوان کا یہ معنی سیدنا عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما نے فرمایا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے فرماتے ہیں "ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علیّ" ان دو مدتوں میں سے جو بھی پوری کروں مجھ پر کوئی راہ (مواخذہ) گرفت نہیں۔ اہل معانی فرماتے ہیں "العدوان الظلم" کہ عدوان بمعنی ظلم ہے پس اگر وہ اسلام لائیں مگر شان کا مال لینا نہ قید کرنا ہے اور نہ قتل کرنا ہے۔

مگر ظالموں میں سے جو شرک پر باقی رہیں اور مشرکوں کے ساتھ یہ کام کیے جائیں (مال لینا قید کرنا اور قتل کرنا) تو ظلم نہیں ہوگا۔ "الا علی الظالمین" کی عبارت سے جو مفہوم ہوتا ہے کہ ان پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر یعنی ظالموں پر زیادتی ہے (کہ ان کا مال چھینا جائے ان کو قید کیا جائے اور قتل کیا جائے) ظالموں پر ان کاموں کو زیادتی کا نام بطور جزا دینے اور لفظی مقابلہ کے دیا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه" (جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو) زیادتی کے بدلہ اور جزاء کو زیادتی کا نام لفظی مقابلہ کے طور پر دیا گیا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وجزاء سیئة مثلها" کہ برائی کی سزا اس کے مثل برائی ہے۔ یہاں بھی برائی کی سزا کو برائی کا نام دیا گیا۔ یہ بھی لفظی مشاکلہ و مقابلہ کے طور پر کافر کو ظالم کا نام دیا گیا کیوں کہ کافر عبادت کا محل اپنی جگہ میں ادا نہیں کرتا۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: حرمت والا مہینہ بعوض حرمت والے مہینے کے ہے اور یہ حرمتیں تو عوض و معاوضے کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں

تفسیر: ۱۹۴ "الشهر الحرام بالشهر الحرام" یہ آیت کریمہ عمرۃ القضاء کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ میں عمرہ کی غرض سے نکلے۔ پس بیت اللہ آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر روکا۔ پس آپ نے اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت فرمائی کہ اس سال آپ واپس ہو جائیں اور آئندہ سال تشریف لائیں اور عمرہ کی قضا دیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس سال واپس تشریف لے گئے اور دوسرے سال ذوالقعدہ میں تشریف لائے اور سن ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا۔ پس یہ ہے معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا "الشهر الحرام" یعنی ذوالقعدہ (جو حرمت والا مہینہ ہے) جس میں تم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہو اور عمرہ کیا ہے ۷ھ میں اس حرمت والے مہینے کے بدلہ میں ہے یعنی اس ذوالقعدہ کے بدلہ میں ہے جس ذوالقعدہ ۶ھ میں بیت اللہ شریف سے روکے گئے تھے۔

"والحرمات قصاص" حرمات حرمت کی جمع ہے۔ لفظ حرمات کو جمع اس لیے لایا گیا کہ یہاں کئی حرمتیں ہیں۔ حرمت

والے مہینہ ذوالقعدہ کی حرمت مکہ مکرمہ کی حرمت احرام کی حرمت اور قصاص کے معنی مساوات و مماثلت یعنی برابری کے ہیں اور وہ یہ کہ فاعل کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جیسا کہ اس نے کیا اور کہا گیا ہے کہ قصاص والا مضمون قتال یعنی لڑائی کے بارے میں ہے۔ معنی ہوگا کہ اگر مشرکین حرمت والے مہینے میں قتال (لڑائی) کی ابتداء کریں تو تم بھی ان سے حرمت والے مہینہ میں لڑو کیونکہ یہ برابری والا معاملہ کرنا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کیا۔ "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ" اور اس سے قتال کرو۔ "بمثل ما اعتدیٰ علیکم" قتال کے مقابلہ میں جوابی قتال کو (جو کہ جزاء ہے ان کے ابتدائی قتال) ابتداء کا نام ازدواج کلام کی بنیاد پر دیا گیا یعنی کلام کے لفظی جوڑ کی بنیاد پر۔ جیسا کہ قرآن کریم میں "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا" میں ایسا واقع ہے "واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین"

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور (جو) کام (کرو) اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

تفسیر ⑲۵ "وانفقوا فی سبیل اللہ" اس سے مراد جہاد ہے اور ہر کار خیر میں (خرچ کرنا) فی سبیل اللہ ہے لیکن اس کا مطلقاً استعمال جہاد کی طرف راجع ہے۔ "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "بایدیکم" میں با زائدہ ہے مراد ہے "ولا تلقوا ایدیکم" یعنی اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف (نہ ڈالو) نفس کو ہاتھوں کے ساتھ تعبیر کیا گیا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "بما کسبت ایدیکم" یعنی بسبب اس کے جو تم نے کمایا (تو یہاں بھی کسب کے مفہوم کو ایدی کے ساتھ تعبیر کیا گیا) اور بعض نے کہا ہے کہ با اپنی جگہ پر واقع ہے (یعنی زائدہ نہیں ہے) اور عبارت یوں ہوگی "ولا تلقوا انفسکم بایدیکم الی التھلکۃ" "الی الھلاک" (یعنی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہلاکت کی طرف مت ڈالو) اور بعض نے کہا کہ "تھلکہ" کا معنی (ہلاک نہیں) بلکہ ہر وہ چیز جس کا انجام ہلاکت کی طرف ہو یعنی تم اس کام میں شروع نہ ہو (جس کا انجام ہلاکت ہے)۔

اور بعض نے "تھلکہ" اور ہلاک میں فرق کیا ہے کہ تھلکہ وہ امر جس سے احتراز ممکن ہو اور ہلاک وہ جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو اور اہل عرب انسان کو یوں نہیں کہتے "القی بیدہ الا فی الشر" (یعنی لفظ القی کا استعمال امر خیر میں نہیں ہوتا بلکہ شر میں ہوتا ہے) اور اس آیت کی تاویل میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ یہ آیت بخل اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں خرچ کرنا چھوڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور یہ قول حذیفہ، حسن، قتادہ، عکرمہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو اگرچہ تیرے پاس سوائے تیر وغیرہ کے کچھ نہ ہو اور کوئی انسان یہ ہرگز نہ کہے کہ میں کچھ نہیں پاتا اور علامہ سدی اس بارے میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو اگرچہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی ایک رسی ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف مت پھینکو اور یہ نہ کہو میرے پاس کچھ نہیں۔ سعید بن مسیب اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب اللہ

تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا تو (کچھ) لوگوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنے مال اللہ کے راستہ میں خرچ کردیں تو محتاج رہ جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں تمہیں فقر وفاقہ کا خوف حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خرچ کرنے سے منع نہ کرے۔

عیاض بن غضیف کہتے ہیں ہم ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، جب آپ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص زائد (از ضرورت) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کو سات سو گنا اجر وثواب ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے پس نیکی دس گنا ہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ جہادی قافلوں میں بغیر نفقہ کے نکلتے تھے۔ پس یا تو اپنے مقصد میں ناکام رہتے یا پھر (لوگوں پر) بوجھ بن جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکل کر اپنی ذات پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور جس شخص کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہ ہو تو بغیر خرچ کے نہ نکلے۔ پس وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ پس اس صورت میں ہلاکت یہ ہوگی کہ وہ بھوک پیاس یا چلنے کی مشقت سے ہلاک ہوجائے گا اور بعض نے کہا کہ یہ آیت کریمہ ترک جہاد کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہم انصار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمایا اور نصرت فرمائی تو ہم نے آپس میں کہا کہ ہم نے اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو چھوڑ رکھا تھا کہ اسلام عام ہوگیا پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کی طرف دھیان دیں اور نقصان کی تلافی کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" پس ہلاکت اہل وعیال اور مال ومتاع میں لگ جانا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہے تا آنکہ آخری جہاد وہ تھا جو حضرت سیدنا امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہوں نے قسطنطنیہ کا فرمایا۔ پس وہیں وفات پائی اور قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ مدفون ہیں۔

اور قسطنطنیہ والے سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی برکت سے پانی طلب کرتے ہیں (یعنی بارش برسائی جاتی ہے) حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو ایسے شخص کی موت شعبہ نفاق پر ہوگی۔ حضرت محمد بن سیرین اور عبیدہ سلمانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "القاء الی التھلکۃ" اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے۔ ابوقلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد) وہ شخص جو گناہ کرے پھر کہے کہ میں تو ہلاک ہوگیا میری توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجائے اور گناہوں میں منہمک ہوجائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو اس سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انہ لا ییئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون"..... "واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین"

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ترجمہ: اور جب حج وعمرہ کرنا ہو تو اس) حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے جس سے پہلے سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ دے دے (تین) روزے یا (چھ مسکین کو) خیرات دے دے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی اسے میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں اور سات ہیں جبکہ (حج سے) تمہارا لوٹنے کا وقت آ جاوے۔ یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی میقات کے اندر اس کا گھر نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جائے) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بے باکی اور مخالفت کرنے والوں کو) سزائے سخت دیتے ہیں۔

تفسیر: ⓐ "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" حضرت علقمہ اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" پڑھا۔ حج اور عمرہ کے اتمام سے متعلق انہوں نے اختلاف کیا۔ پس بعض نے کہا کہ ان دونوں کو احکام اور حدود اور سنتوں کی رو سے تمام کرے اور یہ قول ابن عباس علقمہ اور ابراہیم نخعی اور مجاہد (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔ ارکان حج پانچ ہیں۔ ① احرام ② عرفات میں ٹھہرنا ③ طواف زیارت ④ سعی (صفا ومروہ میں دوڑنا) ⑤ سر کا منڈانا یا بال کتروانا۔

حج کے احرام سے باہر نکلنے یعنی احرام کھولنے اور حلال ہونے کی دو قسمیں ہیں اور احرام کھولنے کے تین اسباب ہیں ① دسویں ذوالحجہ (یوم النحر) کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا۔ ② طواف الزیارت۔ ③ سر منڈانا (یا کتروانا)۔ پس جب ان تین چیزوں

میں سے دو چیزیں پائی جائیں گی تو تحلل اول یعنی پہلا قسم احرام کھولنے کا حاصل ہو جائے گا اور مذکورہ تین چیزوں میں سے جب تینوں کی تینوں پائی جائیں گی تو تحلل ثانی یعنی احرام سے باہر آنے کی دوسری قسم حاصل ہو جائے گی اور تحلل اول یعنی احرام سے باہر آنے کی پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ سوائے بیوی سے صحبت کرنے کے احرام کی بقیہ ممنوع چیزیں جائز ہو جائیں گی۔ مثلاً سر ڈھانپنا، خوشبو لگانا، ناخن کترنا وغیرہ وغیرہ اور جب تحلل ثانی یعنی احرام سے باہر آنے کی دوسری قسم پائی جائے گی تو آدمی مکمل طور پر احرام سے باہر آ جاتا ہے اور احرام کی تمام ممنوعات جائز ہو جاتی ہیں (گویا بیوی سے صحبت بھی جائز اور مباح ہو جاتی ہے)۔

عمرہ کے چار ارکان ہیں ❶ احرام باندھنا ❷ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ❸ صفا و مروہ میں دوڑنا ❹ سر منڈانا (یا کترانا)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اتموا الحج و العمرۃ" حج و عمرہ کا تمام کرنا یوں ہے کہ مستقلاً ہر دو کا احرام علیحدہ علیحدہ گھر کے مکانوں سے باندھا جائے۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے "واتموا الحج والعمرۃ للہ" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو ہر دو یعنی حج اور عمرہ کا احرام گھر کے مکانوں سے باندھے اور اسی قسم کا ارشاد گرامی حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام عمرہ اس طرح ہے کہ ایام حج کے علاوہ باقی دنوں میں تو عمرہ ادا کرے اور اگر عمرہ حج کے مہینوں میں کیا گیا تو یہ تمتع ہو جائے گا اور اس شخص پر اگر پا سکے تو "ھدی" یعنی جانور ذبح کرنا لازم اور اگر جانور نہ پا سکے تو پھر روزے رکھنا لازم ہیں (تین روزے حج سے پہلے پہلے اور سات روزے فراغ حج کے بعد تلک عشرۃ کاملۃ یہ مکمل دس ہو گئے) اور حج کے تمام ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پورے پورے ادا کیے جائیں۔ حتیٰ کہ تمتع اور قران کی صورت میں اس سے کوئی ایسا حکم نہ چھوٹے جس سے اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا لازم آتا ہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا اتمام اس طرح ہے کہ ان دونوں پر خرچ کیے جانے والا پیسہ حلال کا ہو اور حج و عمرہ میں ہر اس چیز سے بچے جو اللہ تعالیٰ نے منع فرمائی ہے اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کا اتمام یہ ہے کہ تو گھر سے صرف اور صرف حج یا عمرہ ادا کرنے کی غرض سے نکلے نہ کہ تجارت یا کسی اور غرض کی خاطر۔ سیدنا فاروق اعظم، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (مکہ مکرمہ کی طرف) بصورت وفد جانے والے زیادہ ہیں اور حاجی تھوڑے ہیں اور جو شخص حج کرنے کی (شرعی طور پر) استطاعت یعنی طاقت رکھتا ہے پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ اس شخص پر حج فرض ہے۔ البتہ وجوب عمرہ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر اہل علم عمرہ کے واجب ہونے کی طرف گئے ہیں اور حضرت عمر کا قول ہے حضرت علی المرتضیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! بے شک کتاب الٰہی کی رو سے عمرہ حج کا ساتھی ہے۔ "اتموا الحج والعمرۃ للہ"

حضرت عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن، قتادہ اور سعید بن جبیر (رحمہم اللہ) نے یہی فرمایا۔ سفیان ثوری اسی طرف گئے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ عمرہ سنت ہے اور یہ قول حضرت جابر کا ہے۔ علامہ شعبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل عراق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے

فرمان "واتموا الحج والعمرة للّٰہ" کی تاویل کی ہے۔ بایں معنی کہ عمرہ کو تمام کرو جب تم اس میں داخل ہو جاؤ یعنی شروع کرلو۔ باقی رہا عمرہ کو ابتداء شروع کرنا تو یہ واجب نہیں نفل ہے اور جس نے عمرہ کو واجب قرار نہیں دیا اس نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو محمد بن منکدر نے حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور علیہ السلام سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کیا عمرہ واجب ہے؟ پس آپ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تم عمرہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی "واتموا الحج والعمرة للّٰہ" کا معنی ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرو۔

پس جب تم حج اور عمرہ میں داخل ہو جاؤ تو دونوں کو تمام کرو تو "اتموا الحج والعمرة للّٰہ" کا حکم شروع کرنے اور تمام کرنے دونوں سے متعلق ہے یعنی "اقیموھما" یعنی دونوں کو قائم کرو۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثم اتموا الصیام الی اللیل" یعنی روزوں کو شروع کرو اور تمام کرو۔ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کو ملا کر کرو کہ یہ دونوں فقر و فاقہ اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح کہ بھٹی لوہے، سونے، چاندی کی زنگ اور کھوٹ کو دور کرتی ہے اور مقبول حج کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا میں سے جو آدمی بھی حج اور عمرہ کرنے کی طاقت رکھے اس پر حج اور عمرہ واجب ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واتموا الحج والعمرة للّٰہ" اور جو (ایک دفعہ کے بعد) زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حج عمرہ تین طریقوں پر جائز ہے۔ ❶ افراد ❷ تمتع ❸ قران۔ افراد کی صورت یہ ہے کہ (ایام حج میں) صرف حج کرے پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کرے اور تمتع کی صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور اعمال عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھے اور اسی سال حج کرے اور قران کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام اکٹھے باندھے یا عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کو بھی اس میں داخل کر دے (یعنی نیت کرلے)۔ پس یہ قارن ہو جائے گا۔ ان تین صورتوں میں سے افضل صورت کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ افراد افضل ہے اس کے بعد تمتع افضل ہے پھر قران افضل ہے، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔

یہ اس لیے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر نکلے۔ پس بعض ہم میں سے وہ تھے جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا۔ بہرحال جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا وہ (احکام عمرہ ادا کرکے) احرام سے فارغ ہو گئے اور جن حضرات نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا یا حج عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہوا تھا پس وہ حلال نہ ہوئے (یعنی احرام سے باہر نہ آئے) حتیٰ کہ دسویں ذوالحجہ کا دن آ گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے بارے میں بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور ہم نے سوائے حج کے اور کسی چیز کی نیت نہ کی اور نہ ہی ہم حج کے سوا عمرہ وغیرہ کو جانتے تھے اور ابن عمر سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج افراد فرمایا (صرف حج کا احرام باندھا اور ساتھ عمرہ کی نیت نہ کی) اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ قران افضل ہے اور یہ امام ثوری اور اصحاب الرائی کا قول ہے۔ انہوں نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لبیک بحجة و عمرة" کہ میں حج و عمرہ دونوں سے متعلق لبیک کہتے ہوئے احرام باندھتا ہوں۔

اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تمتع افضل ہے اور احمد بن حنبل کا قول ہے اور اسحاق بن راہویہ (رحمہم اللہ) کا۔ انہوں نے اس روایت سے دلیل دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کے ساتھ حج ملا کر تمتع فرمایا اور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ھدی (جانور) بھی ہانکا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہوئے اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اس کے بعد پھر حج کا احرام باندھا اور حضور علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے بھی عمرہ کے ساتھ حج ملا کر تمتع کیا۔ پس بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے ساتھ ھدی (جانور) ہانکا تھا اور بعض وہ تھے کہ اپنے ساتھ جانور نہ لائے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو لوگوں کو فرمایا کہ جو تم میں سے اپنے ساتھ جانور لایا ہے اس کے لیے حج کی ادائیگی تک کوئی بھی وہ چیز حلال نہیں جو بوجہ احرام حرام ہے اور جو اپنے ساتھ جانور نہیں لایا وہ طواف بیت اللہ کرے اور صفا و مروہ میں سعی کرے تقصیر یعنی سر کے بال کتروا کر احرام کھول دے اور اس کے بعد پھر حج کا احرام باندھے اور جو ھدی (جانور) نہ پا سکے اسے چاہیے کہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے گھر لوٹے۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے پھر طواف کرے اور حجر اسود کا استلام کرے اور تین چکر (طواف) میں ہلکا ہلکا دوڑے اور بقیہ چار چکروں میں حسب معمول چلے اور بیت اللہ شریف کا طواف مکمل کرنے پر مقام ابراہیم علیہ السلام کے قریب دو رکعت نماز ادا کرے پھر سلام پھیر کر صفا کو آئے اور صفا و مروہ میں سات چکر لگائے۔ پھر بوجہ احرام جو چیزیں حرام تھیں ان کے ساتھ حلال والا معاملہ کرے (یعنی حالت احرام میں باقی رہے) حتیٰ کہ حج پورا کرے اور دسویں ذوالحجہ کو جانور نحر کرے پھر واپس آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔ پھر ہر چیز سے (جو بوجہ احرام ممنوع ہوں) حلال ہو جائے (یعنی احرام کھول دے) پھر اسی طرح کرے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

حضرت عروہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمتع کے بارے میں خبر دی۔ پس لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا۔ اس کے آگے حدیث ویسے حدیث نقل کی جیسے سالم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ حضرات مفسرین کرام نے حضور علیہ السلام کے احرام کے متعلق اختلاف کیا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب اختلاف الاحادیث میں مختصر کلام کی۔ بے شک اصحاب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض مفرد تھے بعض قارن تھے اور بعض متمتع اور ہر ایک آپ سے احکام حج لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی تعلیم سے ہدایات لینا۔ چنانچہ سب کی نسبت آپ علیہ السلام کی طرف کی گئی بریں معنی آپ نے اس چیز کا حکم دیا اور اجازت دی۔ پس لغت عرب میں یہ بات جائز ہے کہ حکم کرنے والے کی طرف اس چیز کی نسبت کی جائے۔ جیسا کہ جس کی خاطر کام کیا جائے اس کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں نے یہ گھر بنایا اور اس سے مراد اس کے بنانے کا حکم کرنا مراد ہوتا ہے جس طرح روایت کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ماعز صحابی کو رجم فرمایا حالانکہ آپ نے رجم کا حکم فرمایا تھا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر، حضرت عائشہ اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کی روایت کی وجہ سے اِفراد کو پسند فرمایا اور ان کی روایت کو باقیوں کی روایت پر چند وجوہ مقدم فرمایا۔

❶ پہلی وجہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت رکھنے کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حجۃ الوداع کو اول اور آخر میں با حسن طریق بیان فرمایا ہے۔

❷ دوسری وجہ ان کی روایت کو مقدم کرنے کی یہ ہے کہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حافظۂ (قویہ) کی فضیلت حاصل ہے۔

❸ تیسری وجہ تقدیم روایت کی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قرب ہے جو ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل تھا۔

یہ احادیث آنے والی حدیث ابن عمر اور حدیث عائشہ سے متعارض ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کو حج کے ساتھ کر کے تمتع فرمایا۔
ابن شہاب نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمتع کے بارے میں خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کو حج کے ایام میں کر کے تمتع فرمایا۔ پس لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا آگے اسی طرح روایت ذکر کی جس طرح سالم نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عمرہ ہے جس کے ساتھ ہم نے تمتع کیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تمتع کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ پس ہم نے بھی آپ کے ساتھ مل کر تمتع کیا۔ ہمارے شیخ امام نے فرمایا کہ جو کچھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صرف حج کی نیت سے نکلے۔ یہ روایت تمتع کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان کا نکلنا تو حج کے ارادہ سے تھا پھر بعض حضرات نے عمرہ کو مقدم کیا اور بعض نے حج کا احرام باندھا۔ یہاں تک کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تمتع بنانے کا حکم دیا۔

"فان احصرتم" اس احصار کے بارے میں جو محرم کے لیے احرام کھولنے کو جائز کرتا ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہر وہ رُکاوٹ جو محرم کو بیت اللہ شریف تک جانے میں مانع ہو اور احرام کے تقاضے پورا کرنے میں حائل ہو وہ رُکاوٹ بوجہ دشمن کے ہو یا بوجہ مرض کے یا زخم ہو یا خرچہ ختم ہو گیا ہو یا سواری گم ہو گئی، یہ سب رُکاوٹیں اس کے لیے احرام کھول دینے کو جائز کرتی ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے یہی فرمایا اور حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت

قتادہ، حضرت عروہ بن زبیر (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اہل عراق اسی طرف گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ کلام عرب میں احصار تکلیف اور مرض کی وجہ سے بند ہونے کا نام ہے۔ کسائی اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں جو (بندش) مرض یا زادِ راہ ختم ہونے کی وجہ سے ہو بعض نے کہا کہ اس سے وہ محصور ہو گیا اور وہ "مُحْصَر" ہے اور جو دشمن کی بندش یا جیل جانے کے باعث ہو، بعض نے کہا کہ وہ بند کیا گیا ہے پس وہ محصور ہے یہاں دشمن کی حبس کے باعث احصار قرار دینا مرض کے احصار پر قیاس کرتا ہے جب کہ حبس دشمن مرض والی بندش کے معنی میں ہو۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل دی ہے جو حضرت عکرمہ نے حجاج بن عمرو انصاری سے روایت کی۔ حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا اس کے لیے اگلے سال حج کرنا حلال ہو گیا (یعنی اس تکلیف والے سال حج نہ کرے، احرام کھول دے بوجہ احصار کے اور آئندہ سال حج کرے)۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس اور ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ (حجاج) نے سچ کہا گیا اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس احرام باندھنے والے کے لیے حلال ہونا یعنی احرام کھولنا سوائے دشمن کی بندش کے جائز نہیں ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور انہوں نے فرمایا سوائے دشمن کی بندش کے اور کوئی احصار نہیں ہے یہ مفہوم و معنی ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے بھی منقول ہے اور سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر (رحمہما اللہ) کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرف امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حضرت اسحاق (رحمہم اللہ) گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے حصر اور احصار کا ایک معنی ہے اور حضرت ثعلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل عرب کہتے ہیں "حصرت الرجل عن حاجتہ فھو محصور" کہ میں نے آدمی کو اس کی حاجت سے روکا اور وہ محصور ہے اور اہل عرب کا یہ کہنا کہ "احصرہ العدو اذا منعہ عن السیر ھو مُحْصَرٌ" کہ دشمن نے اس کو حصر کیا اور اس کو چلنے سے روکا۔ چنانچہ وہ محصر ہے۔ (گویا اہل عرب کے ہاں احصار اور حصر یا محصور اور محصر میں فرق ہے۔ چنانچہ حصر عام ہے کسی قسم کی رُکاوٹ حاجت کو پورا کرنے میں واقع ہو جائے وہ حصر ہے اور وہ شخص محصور ہے اور احصار خاص دشمن کی رُکاوٹ کا نام ہے جب کہ وہ سفر میں مانع ہو جائے اور وہ شخص محصر ہے۔

اس خاص امتیاز کے سلسلہ میں (جو کہ حصر و محصور اور احصار و محصر کے درمیان ہے) انہوں نے اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ یہ آیت کریمہ قصۂ حدیبیہ سے متعلق ہے اور اس سفر عمرہ میں جو حبس (رُکاوٹ) واقع ہوئی وہ دشمن (کفار مکہ) کی طرف سے تھی اور اس موقف پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے جو کہ آیت کریمہ کے سیاق میں واقع ہے۔ "فاذا امنتم" پس جب تم امن والے ہو جاؤ اور امن خوف سے ہوتا ہے۔ ان حضرات نے حجاج بن عمرو کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بوجہ اس مفہوم مدلول کے جو ابن عباس سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حصر تو صرف دشمن ہی کی حصر ہے اور بعض نے حجاج کی حدیث کی یوں تاویل کی ہے کہ ہڈی ٹوٹ جانے یا لنگڑا ہو جانے سے حلال ہونا اس وقت صحیح ہے جب احرام باندھتے وقت اس امر کی شرط لگائے جیسا کہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حج کر اور اس امر کی شرط لگالے۔ اے اللہ!

احرام سے میرا حلال ہونا اس وقت ہوگا جہاں تو مجھے روک لے پھر محصر (بند شدہ محرم) جانور ذبح کرکے یا سرمنڈا کر احرام کھول دے اور ھدی (جانور) سے مراد بکری ہے اور اللہ کے اس فرمان "فما استیسر من الھدی" سے مراد بھی یہی ہے۔

اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس جانور کے ذبح ہونے کا مقام وہی جگہ ہے جہاں محرم محصر (بند) ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ والے سال جانور اسی جگہ ذبح فرمایا تھا اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ محصر (بند شدہ محرم) اسی جگہ ٹھہرا رہے اور ایک جانور حرم بھیجے اور اس آدمی سے وعدہ لے لے جو اس جانور کو وہاں ذبح کرے پھر حسب وعدہ وہاں محرم احرام کھول دے۔ یہ اہل عراق کا قول ہے اور اگر محرم جو محصر ہے اگر جانور نہ پاسکے تو اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس ھدی (جانور) کا اور کوئی چیز بدل نہیں ہے۔

پس محرم احرام کھول دے اور جانور اس کے ذمہ رہا۔ جب پائے (ذبح کرے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا بدل ہے پھر بدل کی صورت میں مختلف اقوال ہیں۔ پس ایک قول میں یہ ہے کہ اس پر اسی طرح روزے لازم ہیں جس طرح کہ متمتع پر لازم ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بکری کی دراہم کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دراہم کو طعام مسکین کی شکل دی جائے اور اس طعام کو صدقہ کر دیا جائے اور اگر اطعام سے عاجز آجائے تو "لِّي مُدٍّ" (سیر) طعام ایک دن روزہ رکھے جیسا کہ (بحالت احرام) خوشبو لگانے یا لباس پہننے کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب محرم کو گرمی سردی کی وجہ سے سر چھپانے کی ضرورت پڑے یا سلی ہوئی قمیص کی حاجت ہو جائے یا مریض ہو گیا اور خوشبو والی دوا لینے کی ضرورت پڑی تو وہ یہ کام کرے اور اس کے ذمہ فدیہ ہے اور اس کا فدیہ بالترتیب میانہ روی کے ساتھ یہ کہ اس پر بکری ذبح کرنا ہے۔ اگر بکری نہ پاسکے تو بکری کی دراہم کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اور دراہم (درہموں) کے ساتھ طعام خریدے گا اور طعام (فی مسکین) صدقہ کرے گا اور اس سے بھی عاجز آجائے تو فی سیر طعام کے بدلہ روزہ رکھے گا۔ پھر "مُحْصَر" (بند شدہ محرم) کا احرام اگر تو فرضی ہے جو اس پر ثابت شدہ ہے تو یہ فرض اس کے ذمہ رہا اور اگر نفلی حج ہے تو اس پر قضا ہے یا نہیں؟ اس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس پر قضا نہیں ہے اور یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس پر قضاء (حج) لازم ہے۔ یہ مجاہد اور علامہ شعبی اور نخعی اور اصحاب الرائی (رحمہم اللہ) کا قول ہے۔

"فما استیسر من الھدی" اس پر جو جانور میسر ہو لازم ہے اور لفظ "ما" کا محل (اعراب) رفع (پیش) ہے اور بعض نے کہا کہ ما محل نصب میں یعنی زبر میں ہے یعنی مفعول ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "فاهْدِ ما استیسر" یعنی جو جانور آسانی سے مل سکے وہ بھیج دے اور لفظ "ھدی" "ہدیہ" کی جمع ہے اور یہ ہر اس جانور کا نام ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف طلب ثواب کی نیت سے بھیجا جائے اور جو جانور با آسانی ہو سکے وہ بکری ہے یہ بات حضرت علی، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) نے فرمائی کیونکہ بکری آسانی کے مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت حسن، حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں ہدیہ کا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے درمیانہ درجہ گائے ہے اور ادنیٰ درجہ بکری

ہے۔ "ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ" اس محل میں انہوں نے اختلاف کیا ہے جس جگہ جانور پہنچے پر محرم احرام کھول سکتا ہے۔ پس بعض نے کہا کہ وہ مقام یہ ہے کہ جس جگہ محرم محصر ہوا ہے اسی جگہ جانور ذبح کر دیا جائے چاہے وہ مقام (حل یعنی حرم سے باہر کا علاقہ ہو یا وہ مقام مقام حرم ہو اور "محلہ" کا معنی ہے جہاں اس جانور کا ذبح ہونا حلال ہو۔

عبداللہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے واقعۂ حدیبیہ سے متعلق روایت کی مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب معاہدہ سے متعلق کتابت ہو چکی تو حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور نحر کرو یعنی جانور اونٹ وغیرہ ذبح کرو اور سر منڈاؤ۔ پس اللہ کی قسم ان میں سے ایک آدمی بھی نہ اُٹھا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا۔ جب ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے آپ کو جو کوفت پہنچی اس کا ذکر کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا نبی اللہ! اگر آپ علیہ السلام یہ چیز محبوب رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نحر اور حلق کریں تو اس سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی بات نہ کریں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اپنا بدنہ (اونٹ) ذبح کریں اور اپنے نائی کو بلائیں کہ وہ آپ علیہ السلام کا سر مونڈ دے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے اور کسی سے کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے ایسا کیا اور اپنا اونٹ نحر کیا اور اپنے نائی کو بلایا۔ پس اس نے آپ علیہ السلام کا سر مونڈا۔ پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کا یہ عمل دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور انہوں نے (جانور) نحر کیے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض کے سر اسی طرح (جلدی اور عجلت میں) (مونڈے حتیٰ کہ بعض بعض کو قتل کرنے کے قریب ہو گئے یعنی غم اور بھیڑ کرنے کے باعث۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محصر کے جانور کے ذبح کرنے کی جگہ حرم مقدس کی سرزمین ہے۔ پس اگر حاجی ہے تو جانور ذبح کرنے کا وقت دسویں ذوالحجہ ہے اور اگر وہ محصر عمرہ کرنے والا ہے تو اس جانور کے ذبح کرنے کا وقت وہی ہے جس وقت وہ جانور حرم مقدس میں پہنچ جائے۔

"فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ" اس کا معنی ہے کہ تم حالت احرام میں سر نہ منڈاؤ مگر یہ کہ تم مرض یا سر میں تکلیف جو جوؤں کی وجہ سے ہو یا سر درد کی وجہ سے ہو سر منڈانے پر مجبور ہو جاؤ "ففدیۃ" اس میں اضمار ہے۔ پس اس نے سر منڈایا تو اس پر فدیہ ہے یہ آیت کریمہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

کعب بن عجرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یعنی کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جوئیں ان کے منہ پر گر رہی ہیں۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تیرے کیڑے وغیرہ تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں! پس ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سر منڈا دے اور وہ حدیبیہ میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ اس مقام پر احرام کھولیں گے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس اُمید پر تھے کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فدیہ کا حکم نازل فرمایا۔ پس کعب رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے حکم دیا۔

کہ وہ چھ مساکین کو کھانا دیں یا بکری ذبح کریں یا تین دن روزہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ففدیۃ من صیام" تین دن

"او صدقة" یعنی تین صاع طعام چھ مساکین پر تقسیم کردے ہر مسکین کو آدھا صاع "اونسک" "نسک کا مفرد نسیکہ یعنی ذبیحہ جس کا اعلیٰ درجہ بدنہ یعنی اونٹ اور درمیانہ درجہ گائے ہے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے ان میں جو چاہے ذبح کرے۔ پس یہ فدیہ اختیاری ہے اور اندازہ پر ہے۔ محرم کو اختیار ہے کہ جانور ذبح کرے یا روزہ رکھے یا صدقہ کرے اور ہر جانور یا طعام جو اس محرم کو لازم ہے جو مکہ مکرمہ میں ہو اور اسے مساکین حرم پر صدقہ کرے۔ سوائے اس جانور کے جو "مُحصَر" (راستہ میں کسی وجہ سے رکاوٹ رُک جائے اور حج یا عمرہ نہ کرسکے) پر لازم ہو۔ پس وہ جانور وہیں ذبح کرے جہاں اسے بند کردیا گیا ہو اور بہرحال روزہ اس کے لیے جائز ہے جہاں چاہے رکھے۔ "فاذا امنتم" جب تم اپنے خوف کی حالت سے امن کی حالت کی طرف آجاؤ اور اپنی بیماری سے تندرست ہوجاؤ۔ "فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی" اس حصہ میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس طرف گئے ہیں۔ بے شک اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص روک دیا جائے حتیٰ کہ اس کا حج فوت ہوجائے اور وہ احرام نہ کھول لیں پس وہ مکہ مکرمہ آئے اور عمرہ کے اعمال کرکے احرام سے باہر آجائے اور اپنے اس احلال یعنی عمرہ کرکے احرام کو کھولنے کے باعث وہ آئندہ سال تک نفع اُٹھائے پھر حج کرے تو اس احلال یعنی احرام سے باہر آکر آئندہ سال دوسرا احرام باندھنے تک وہ متمتع ہوا یعنی نفع اُٹھانے والا ہوا۔

اور بعض نے کہا اس کا معنی ہے پس جب تم حالت امن میں آجاؤ اور اپنے احرام سے احصار کے بعد فارغ ہوجاؤ اور اپنا عمرہ تم ادا نہ کرو اور آئندہ سال تک عمرہ کو مؤخر کردو، پھر حج کے مہینوں میں تم عمرہ کرو، پھر عمرہ کرکے احرام کھول دو۔ پس تم تمتع کرو یعنی حج کے احرام تک احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حلال والی آزادیوں سے نفع اٹھاؤ پھر اس کے بعد تم حج کا احرام باندھو۔ پس تم پر لازم ہے کہ جو جانور میسر ہوسکے (ذبح کرو) یہ قول علقمہ اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ابن عباس اور عطاء اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس جگہ وہ آدمی مراد ہے جو دُنیا کے کسی کونے سے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے آئے۔ پس وہ عمرہ کرے اور احرام کھول کر مکہ مکرمہ میں ٹھہر جائے حتیٰ کہ انہیں حج کے مہینوں میں حج ادا کرے۔ پس اسی سال وہ حج کرے تو وہ احرام عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام باندھنے تک درمیانی مدت میں حلال ہونے کے منافع سے مستفید ہونے والا ہو کیونکہ تمتع ہوا تو تمتع کا معنی عمرہ کے احرام سے فارغ ہوکر حج کے احرام باندھنے تک درمیانی مدت میں احرام سے آزادی والے منافع سے نفع اُٹھانا ہوا اور تمتع والی صورت میں جانور ذبح کرنے کے واجب ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں باندھے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اسی سال حج کا احرام باندھے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھے اور حج کے احرام کے لیے میقات کی طرف واپس نہ لوٹے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں حاضر ہو۔ پس جس میں یہ چار شرطیں پائی جائیں۔ اس محرم پر لازم ہے جو جانور میسر ہو ذبح کرے اور وہ (آسان جانور) بکری ہے اور اسے دسویں ذوالحجہ کو ذبح کرے اور اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد دسویں ذوالحجہ سے پہلے جانور ذبح کرے تو بعض اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ وہ جانور دسویں ذوالحجہ سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے

جو کسی جنایہ (احرام والی پابندی کے خلاف ورزی کرنے یا کسی اور حکم حج کے خلاف کرنے) کے باعث لازم ہو اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ دمِ تمتع (یعنی تمتع جو جانور لازم ہو) دسویں ذوالحجہ سے پہلے ذبح کرنا ایسا ہی جائز نہیں جس طرح کہ قربانی کا جانور دسویں ذوالحجہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔

"فمن لم یجد" ھدی کا (جانور نہ پائے) "فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج" یعنی تین دن روزہ رکھو کم از کم یہ کہ آٹھویں ذوالحجہ سے ایک دن پہلے دوسرا روزہ آٹھویں ذوالحجہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو رکھے اور اگر ان تاریخوں سے پہلے اور احرام حج باندھنے کے بعد بھی تین دن روزہ رکھے تو یہ بھی جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک دسویں ذوالحجہ یا ایام تشریق (گیارہویں بارہویں تیرہویں ذوالحجہ) میں یہ روزے جائز نہیں ہیں اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ایام تشریق میں بھی یہ روزے رکھنے جائز ہیں۔ یہ موقف اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے منقول ہے۔ یہ امام مالک اوزاعی، امام احمد اور اسحاق (رحمہم اللہ) کا قول بھی ہے۔

"وسبعۃ اذا رجعتم" سات دن روزے اس وقت رکھو جب تم اپنے گھر اور اپنے شہر واپس لوٹ آؤ اور اگر سات روزے گھر لوٹنے سے پہلے رکھے تو جائز نہ ہوں گے اور یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور بعض نے کہا کہ اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے بھی جائز ہیں اور آیت کریمہ میں "اذا رجعتم" کے ساتھ جس رجوع کا ذکر ہے اس سے مراد بھی یہی ہے۔ "تلک عشرۃ کاملۃ" اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر تاکیداً کیا ہے اور یہ اس لیے کہ اہل عرب حساب میں صحیح رہنمائی مزید تشریح اور اضافی بیان کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی دس دن روزے لازم ہیں تین دن ایام حج میں اور سات دن جب تم لوٹو۔ پس یہ مکمل دس ہوگئے اور کہا گیا ہے کہ "عشرۃ کاملۃ" کا معنی ہے کہ اجر و ثواب میں کامل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دس دن روزے اس مراد میں کامل ہیں جو کہ ھدی (جانور) کے بدلہ روزوں کو رکھا گیا۔ (دس دن کے روزے جانور ذبح کرنے کا بدل کامل ہیں ناقص نہیں ہیں) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی شروط و حدود کامل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معنی کے لحاظ سے امر ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ "فاکملوھا ولا تنقصوھا" ان کو کامل طریق پر رکھو، ناقص نہ کرو "ذالک" یعنی یہ حکم "لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" حاضری المسجد الحرام کے مفہوم میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل حرم ہیں یہی طاؤس نے کہا اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد اہل عرفہ۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاضری المسجد الحرام سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا وطن و مسکن مکہ مکرمہ سے مسافت قصر (یعنی اتنے سفر سے کم فاصلہ پر ہو جس سفر کے باعث شرعاً نماز میں قصر لازم آتی ہے) سے کم فاصلہ پر ہو۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاضری المسجد الحرام سے مراد وہ ہے جو میقات یا میقات کے اندر اندر ساکن ہو۔ یہ اصحاب الرائی کا قول ہے اور دم قران دم تمتع کی طرح ہے (قران وہ حج ہے جس میں حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جائے۔ اس

میں بھی اسی طرح جانور ذبح کرنا واجب ہے جس طرح کہ تمتع میں۔ اس جانور ذبح کرنے کو دم قران کہا جاتا ہے۔)

اور کی جب قران یا تمتع کرے تو اس پر ھدی (جانور) واجب نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار اور ازواج مطہرات نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا جب ہم مکہ مکرمہ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے حج والے احرام کو عمرہ بنا دو یعنی اس میں عمرہ کی نیت کر لو مگر وہ شخص جس نے ھدی (جانور) کو قلادہ باندھا ہو یعنی جانور ہمراہ لایا ہو۔ ہم نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور صفا و مروہ میں سعی کی اور عورتوں کے پاس آئے۔ (ان سے جماع کیا) حسب معمول کپڑے پہنے پھر آٹھویں ذوالحجہ (ترویہ) کی شام ہم حکم دیئے گئے کہ حج کا احرام باندھیں۔ پس جب ہم فارغ ہوئے تو ہمارا حج تمام ہو گیا۔ "وعلینا الھدی" اور ہم پر جانور ذبح کرنا واجب ہوا تو حضرات نے ایک سال میں (حج کے مہینوں میں) دو عبادتیں جمع کیں یعنی حج اور عمرہ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب۔

اور ایسا کرنا مکہ والوں کے سوا باقی عام لوگوں کے لیے جائز قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" کہ یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں اور جس کا حج فوت ہو جائے اور حج کا فوت ہونا وقوف عرفہ کے فوت ہونے سے ہے۔ یہاں تک کہ دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر ہو جائے۔ پس یہ شخص عمرہ کے اعمال کر کے اپنے احرام کو کھول دے گا اور آئندہ سال اس پر قضاء (حج) لازم ہوگی اور فدیہ بھی لازم اور یہ فدیہ تمتع اور قران والے فدیہ کی ترتیب اور اندازے کے مطابق ہوگا۔

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ بے شک ھناد بن اسود یوم النحر دسویں ذوالحجہ کو آئے اور سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا ھدی (جانور) نحر فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہم نے (چاند کی) گنتی میں غلطی کی۔ ہم گمان کرتے تھے کہ آج یوم العرفہ نویں ذوالحجہ کا دن ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم صادر فرمایا کہ تو بھی مکہ مکرمہ جا اور تیرے ساتھی بھی جائیں وہاں تو اور تیرے ساتھی بیت اللہ شریف کا طواف کریں اور تم صفا و مروہ میں دوڑو اور جانور ذبح کروا کر تمہارے ساتھ ہو تو پھر تم سر منڈواؤ یا کترواؤ۔ پھر تم لوٹ جاؤ۔ پھر جب آئندہ سال آئے پس تم حج کرو اور ساتھ ھدی (جانور) بھی لاؤ اور جو شخص جانور نہ پا سکے تو ایام حج میں تین دن روزہ رکھنا لازم ہیں اور سات روزے اس وقت جب تم واپس گھر لوٹو۔

"واتقوا اللہ" احکام کی ادائیگی میں (اللہ سے ڈرو) "واعلموا ان اللہ شدید العقاب" ارتکاب مناہی پر یعنی اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو اگر عمل میں لایا جائے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ ۞

(ترجمہ) (زمانہ افعال) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخیں ذی الحجہ کی) سو جو شخص ان میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کرلے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور (جب حج کو جانے لگو) خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچنا ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو۔

(تفسیر) ❶ "الحج اشھر معلومات" حج کا وقت معلوم مہینے ہیں اور یہ ماہ شوال اور ذوالقعدہ اور نو (۹) دن ذوالحجہ کے دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر تک۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ "اشھر معلومات شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں اور دونوں باتیں درست ہیں اور ان باتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے جس نے دس ذوالحجہ کا قول کیا اس نے ذوالحجہ کی راتیں شمار کیں اور راتوں سے تعبیر کیا اور جس نے کا قول کیا اس نے دنوں سے تعبیر کیا یعنی صرف دن مراد لیے کیونکہ اشھر حج کا آخری دن یوم العرفہ ہے اور وہ نویں ذوالحجہ ہے۔ پھر "اشھر" جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا جبکہ جمع کے لیے تین مہینے ضروری ہیں اور یہ دو ماہ اور چند دن ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تیسرا مہینہ بھی حج کا وقت ہے (اگرچہ بعض سہی) اور اہل عرب وقت کو تھوڑا ہو یا زیادہ مکمل شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ (عربی) کہتا ہے "اتیتک یوم الخمیس" میں تیرے پاس خمیس والے دن آؤں گا۔

(حالانکہ سارا دن خمیس کا تو آنے کا فعل نہیں واقع ہوتا) بلکہ آنا تو صرف خمیس کی ایک گھڑی ہی میں ہے اور اہل عرب کہتے ہیں "زرتک العام" میں نے تیری اس سال زیارت کی حالانکہ پورا سال زیارت نہیں ہوتی بلکہ سال کے بعض حصے میں زیارت ہوتی ہے اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ دو اور دو سے زیادہ بھی جمع ہے کیونکہ جمع کا لغوی معنی شی کو شی کے ساتھ ملانے کے ہیں۔ پس جب دو کو جماعت (جمع) کا نام دینا درست ہے تو دو اور بعض تیسرے کو جمع (بطریق اولیٰ) کہا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو کو لفظ جمع سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فقد صغت قلوبکما" اصل میں "قلبا کما" ہونا چاہیے تم دونوں کے دل (دو آدمیوں کے دو ہی دل ہوتے ہیں۔)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اشھر سے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ مکمل مراد لیا ہے کیونکہ حاجی پر نویں ذوالحجہ کے بعد بھی کچھ کام ذمہ میں رہتے ہیں۔ مثلاً کنکر مارنا، جانور ذبح کرنا، حلق کرانا، طواف زیارت کرنا، منیٰ میں رات گزارنا تو یہ کام بھی حج کے حکم میں ہیں۔ "فمن فرض فیھن الحج" پس جس شخص نے "لبیک اللّٰھُمَّ لبیک" کہہ کر اور احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو واجب کرلیا اور لفظ "فیھن" سے معلوم ہوا کہ جو احرام اشھر حج کے علاوہ کسی اور وقت میں باندھا جائے اس سے وہ احرام برائے حج منعقد نہ ہوگا اور یہ قول ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اسی طرح اوزاعی اور امام شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں۔ سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اشھر حج کے علاوہ اگر کسی وقت احرام باندھا جائے تو وہ احرام برائے حج تو نہیں ہوگا البتہ) وہ احرام عمرہ کے لیے واقع ہوگا۔ (باقی اوقات میں باندھے گئے احرام کا حج کے لیے واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو حج کی فرضیت کے لیے خاص فرمایا۔

اب اگر باقی اوقات میں باندھا گیا احرام بھی حج کے لیے منعقد ہو جائے تو حج کے مہینوں کا حج کے ساتھ خاص ہونے کا کچھ فائدہ نہ رہے گا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو ان کے اوقات کے ساتھ خاص فرمایا۔ پھر اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی نماز کے وقت آنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لے تو یہ تکبیر تحریمہ اس فرض نماز کے لیے منعقد نہ ہوگی اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ باقی اوقات میں باندھے گئے احرام پر حج کی ادائیگی کا انعقاد درست ہوگا اور یہ امام مالک اور ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ باقی رہا عمرہ تو پورے سال کے اوقات عمرہ کا وقت ہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اعمال حج میں معروف ہو (تو اس وقت وہ شخص عمرہ نہیں کرسکتا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی کہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ پس جب بھی وہ سر دھونے باہر نکلتے اور عمرہ فرماتے۔ "فلا رفث ولا فسوق" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "فلا رفثٌ ولا فسوقٌ" پیش اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے زبر کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا جدال فی الحج" اور ابو جعفر نے سب کو پیش اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور رفث میں انہوں نے اختلاف کیا (یعنی رفث کے معنی میں اختلاف کیا) ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا "رفث" سے مراد جماع ہے اور یہ قول حسن اور مجاہد اور عمرو بن دینار اور قتادہ اور عکرمہ اور ربیع اور ابراہیم نخعی کا ہے اور علی بن ابی طلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رفث کا معنی ہے عورتوں پر چھا جانا یعنی عورتوں سے اختلاط، بوسہ اور غمز یعنی ٹٹولنا اور فحش اشارے اور عورتوں کو فحش کلام کے ساتھ پیش آنا۔ حصین بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اونٹ کی دم ہاتھ میں لے کر اس کو اس حال میں مروڑنا شروع کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حدی خوانی کر رہے تھے اور یہ شعر فرما رہے تھے:

"وَهُنَّ يمشين بنا هميسا ان تصدق الطير ننک لميسا"

ترجمہ: (وہ (اونٹ) ہمیں لے کر آہستہ چل رہے ہیں اگر پرندے نے سچ کہا (فال درست نکلی) تو لمیس سے جماع کریں گے)

حصین بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا آپ رفث فرما رہے ہیں حالانکہ آپ محرم ہیں تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رفث اس فحش گفتگو کا نام ہے جو عورتوں کی موجودگی میں کی جائے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث یہ ہے کہ عورتوں سے جماع کرنے کے ساتھ اشارہ و کنایہ میں بات کرنا اور ان کی موجودگی میں جماع کا ذکر کرنا۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث کا معنی ہے کہ مرد عورت کو حالت احرام میں کہے جب میں احرام سے فارغ ہوا تو تجھے پہنچوں گا (تجھ سے جماع کروں گا)

اور بعض نے کہا ہے کہ رفث فحش گفتگو اور قول قبیح کرنا ہے۔ بہرحال الفسوق پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الفسوق ہر قسم کے معاصی کا نام ہے اور یہ طاؤس کا قول ہے حسن کا سعید بن جبیر قتادہ زہری ربیع اور قرظی (رحمہم اللہ) کا قول بھی یہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فسوق کا معنی ہے اس عمل کا ارتکاب کرنا جس سے محرم کو حالت احرام میں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً شکاری جانور قتل کرنا، ناخن کترنا اور بال لینا یا اس قسم کے مشابہ کام کرنا (جن کا کرنا محرم کے لیے جائز نہیں) ابراہیم اور عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے

ہیں کہ فسوق سے مراد گالی گلوچ کرنا ہے ان کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "سباب المسلم فسوق وقتاله کفر" کہ مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے اور مسلمان کے ساتھ قتال کرنا (بوجہ مسلمان ہونے کے) کفر ہے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفسوق التنابز بالالقاب" کا نام یعنی مسلمان بھائی کو برے لقب کے ساتھ بلانا یا ذکر کرنا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام فرما رہے تھے (جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس میں فحش کلامی عورتوں کی موجودگی میں نہ کی) یعنی رفث نہ کیا اور نہ احرام کی حد بندیوں کی خلاف ورزی کی وہ شخص حج کر کے واپس اپنے گناہوں سے (پاک) اس حال میں لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اس کو آج جنا ہے۔ "ولا جدال فی الحج" ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جدال یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے لڑائی جھگڑا اس حد تک کرے کہ اس کو ناراض کر دے۔ عمرو بن دینار، سعید بن جبیر، عکرمہ، زہری، عطاء اور قتادہ (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدال کا معنی یہ ہے کہ بعض کہیں حج آج ہے اور بعض کہیں حج کل ہے (گویا جدال یعنی جھگڑا کا معنی یہ ہے کہ حج کے دن متعین کرنے میں جھگڑا کریں)۔ قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدال (جھگڑا) کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ جب منیٰ میں قریش جمع ہوتے تو کچھ کہتے کہ ہمارا حج تمہارے حج سے زیادہ تمام ہے اور دوسرے کہتے کہ نہیں ہمارا حج تمہارے حج سے زیادہ تمام ہے۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حج کا احرام باندھ چکے تھے، فرمایا اپنے حج والے احرام کو عمرہ کا احرام بنا دو مگر وہ عمرہ کا احرام نہ بنائیں جو اپنے ساتھ جانور کو قلادہ باندھ کر لا چکے ہیں تو احرام والے حضرات بولے ہم اس احرام کو عمرہ کا احرام کیسے بنا سکتے ہیں جبکہ ہم حج کا نام لے چکے ہیں؟ پس اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے جدال کا نام دیا۔

ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجاج کرام مختلف جگہوں پر وقوف (عرفات) کرتے اور ہر گروہ یہ کہتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی جگہ یہی ہے جہاں ہم ٹھہرے ہیں۔ پس اس سلسلہ میں وہ جھگڑتے تھے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جدال بایں طور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ عرفات میں ٹھہرتے اور بعض مزدلفہ میں ٹھہرتے اور بعض ذوالقعدہ میں حج کرتے، بعض ذوالحجہ میں حج کرتے اور ہر فریق کہتا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہی ٹھیک ہے درست ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولا جدال فی الحج" یعنی حج کا طریق کار اسی طرح مستحکم و مضبوط ہو گیا جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا، اب اس کے بعد کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے اور حضور علیہ السلام کے اس فرمان کا (کہ زمانہ اسی شکل وصورت پر گھومتا ہے جس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا) یہی معنی ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لا جدال کا معنی ہے کہ حج میں شک نہیں ہے کہ وہ ذوالحجہ میں ہی ہے پس نسئی باطل ہو گیا

(فُسُوقِ زمانہ جاہلیت کے اس طریق کار کا نام ہے کہ مہینوں میں آگے پیچھے کر کے ردوبدل کرتے تھے) اہل معانی یعنی علم معانی والے فرماتے ہیں کہ "لاجدال وغیرہ" بظاہر نفی ہے یعنی خبر ہے درحقیقت نہی ہے یعنی جملہ انشائیہ ہے لہٰذا "لا رفث" کا معنی ہوگا۔ "لاترفثوا" یعنی رفث نہ کرو "ولا فسوق" کا معنی ہے فسق نہ کرو اور لاجدال کا معنی ہے کہ جھگڑا وغیرہ نہ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاریب فیہ" معنی ہے "لا ترتابوا" شک نہ کرو "وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللّٰہ" یعنی اس پر کچھ مخفی نہیں ہے۔ پس تمہیں اس کی جزا دے گا۔ "وتزودوا فان خیر الزاد التقوی" یہ آیت یمن کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر زادِ راہ کے حج کے لیے نکلتے اور کہتے ہم متوکل لوگ ہیں اور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج کرنے جا رہے ہیں کیا وہ ہمیں کھانا بھی نہ دے گا۔ پھر جب مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے اور کبھی یہ حالت چھینا جھپٹی تک جا پہنچتی تو اللہ جل ذکرہ نے فرمایا "وتزودوا" یعنی اس قدر زادِ راہ اٹھا لیا کرو جس سے تم حج کر سکو اور اپنے چہرہ کو سوال کی ذلت سے بچاؤ۔ اہل تفسیر زاد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کیک، کشمش، ستو اور کھجور وغیرہ ہیں۔ "فان خیر الزاد التقوی" سوال اور چھینا جھپٹی سے (بچنا بہترین زادِ راہ ہے) "واتقون یا اولی الالباب" اے عقل والو.....

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو (تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے) خدا تعالیٰ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے۔

تفسیر: ﴿۱۹۸﴾ "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم"

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کی منڈیاں (بازار) تھیں (یعنی ان میں خرید و فروخت ہوتی تھی) جب اسلام آیا تو لوگوں نے ایام حج میں تجارت کو گناہ تصور کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم" مواسم حج میں (یعنی ایام حج میں تجارت کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی پڑھا۔ ابوامامہ تیمی سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ لوگ ہیں کہ حج کے (آنے جانے کے) سلسلہ سواریاں کرایہ پر دیتے ہیں (اور ساتھ حج بھی کرتے ہیں) اب لوگوں کا گمان ہے کہ اس طرح ہمارا حج نہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم احرام نہیں باندھتے جیسا کہ لوگ احرام باندھتے ہیں اور تم طواف کرتے ہو جس طرح کہ لوگ طواف کرتے ہیں اور کنکر بھی مارتے ہو جس طرح کہ لوگ کنکر مارتے ہیں؟ ابوامامہ تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کرمیں نے کہا کہ بالکل ایسا کرتے ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو حاجی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے حضور علیہ السلام سے یہی سوال کیا جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے تو حضور علیہ السلام نے اس شخص کو کچھ جواب نہ دیا حتی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے "لیس علیکم جناح" یعنی حرج (نہیں ہے) کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو یعنی ایام حج میں تجارت کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو "فاذا افضتم" واپس ہو افاضہ کا معنی ہے بھیڑ کی شکل میں واپس ہونا اس کا اصل قول عرب کے مطابق یوں ہے "افاض الرجل ماءہ" یعنی اس کو انڈیلا (من عرفات) عرفات عرفہ کی جمع ہے۔ عرفہ اگرچہ ایک خاص جگہ کا نام ہے چونکہ اس کے آس پاس والے یہاں جمع ہوتے ہیں اس اعتبار سے جمع لایا گیا جیسا کہ ان کا کہنا ہے "ثوب اخلاق" یعنی پرانا کپڑا عرفات کو عرفہ کیوں کہتے ہیں۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام حج دکھاتے سمجھاتے رہے اور ساتھ فرماتے رہے "اعرفت" کیا آپ جان گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جواباً فرماتے "عرفت" ہاں میں پہچان گیا۔ پس (اس باہمی محاورہ کے اعتبار سے) اس جگہ کو عرفات کا نام دیا گیا اور دن کو عرفہ کا نام دیا گیا۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اتارے گئے تو سرزمین ہند میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت حوا جدہ میں اتریں تو ہر ایک نے ایک دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا تو نویں ذوالحجہ یوم عرفہ کو عرفات کے مقام پر دونوں جمع ہو گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تو اس باہمی تعارف کے باعث اس دن کا نام عرفہ اور جگہ کا نام عرفات پڑ گیا۔

علامہ سدی فرماتے ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اور سب نے لبیک کی تو سب نے (پکار کا جواب دیا) اور جن کو آنا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ عرفات میں جائیں اور علامات سے ان کو بتا دیا جب عقبہ کو پہنچے تو شیطان سامنے آ گیا تاکہ آپ کو واپس لوٹائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو سات کنکر مارے اور ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر فرمایا۔ پس شیطان بھاگ گیا اور جمرۂ ثانیہ پر آ گیا پس وہاں بھی کنکر مارے اور تکبیر فرمائی۔ شیطان وہاں سے بھی بھاگا اور جمرۂ ثالثہ پر آ گرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی شیطان کو مارا اور تکبیر فرمائی۔ جب شیطان نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے کہنے میں نہیں آ رہے چلا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے یہاں تک کہ آپ ذوالمجاز آئے۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو نہ پہچان سکے۔ پس وہاں سے گزر گئے تو اس جگہ کا نام ذوالمجاز رکھا گیا۔ (گزرنے کی جگہ)

پھر چلے حتیٰ کہ عرفات میں آ ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی علامات وصفات کے مطابق مقام عرفات کو پہچان لیا۔ پس اس پہچاننے کے وقت کو عرفہ اور جگہ کا نام عرفات رکھا گیا حتیٰ کہ جب شام ہوئی تو قریب ہوئے یعنی مقام جمع کے قریب ہوئے۔ پس اس کا نام مزدلفہ رکھا گیا۔ ابوصالح سے روایت کی گئی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آٹھ ذوالحجہ کی شب کو خواب میں دیکھا کہ اسے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا

حکم دیا جارہا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو وہ دن سارا سوچ میں گزارا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے؟ تو اس دن کا نام یوم الترویہ رکھا (یعنی سوچ بچار کا دن) اس کے بعد نویں ذوالحجہ کی شب کو پھر وہی خواب دیکھا۔ پس جب آپ نے صبح کی تو یہ بات جان گئے پہچان گئے کہ یہ خواب من جانب اللہ ہے۔ پس اس پہچان کے سبب اس دن کا نام یوم العرفہ رکھا گیا۔

اور بعض نے کہا کہ اس دن کا نام یوم العرفہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس دن عرفات کے پہاڑوں پر چڑھتے ہیں اور عرب والے بلند جگہ کو عرفہ کہتے ہیں مرغا کی کلغی کو بھی بلند و بالا ہونے کی وجہ سے "عُرف الدیک" کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس دن کا نام عرفہ اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس دن اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ عرفہ کا نام اس لئے رکھا گیا کہ عرفہ عرف سے ہے اور عرف خوشبو کو کہا جاتا ہے اور منٰی کو منٰی اس لیے منٰی کا نام دیا گیا کہ لوگ اس میں خون بہاتے ہیں جس کی وجہ سے وہاں گوبر اور خون ہوتا ہے اور وہ جگہ خوشبو دار نہیں ہوتی بخلاف عرفات کے کہ وہ گوبر وغیرہ سے پاک ہے لہٰذا خوشبو دار ہوتی ہے۔

"فاذکروا اللّٰہ" دعا اور "لبیک اللّٰھم لبیک" کے ساتھ "عند المشعر الحرام" اور وہ مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان عرفہ سے پتھر پھینکنے کی جگہ سے لے کر محسر تک۔ ماؤزمان اور محسر مشعر حرام سے نہیں مشعر کا نام شعار سے لیا گیا ہے شعار کے معنی علامت کے ہیں چونکہ یہ حج کی علامات سے ہے (اس لیے اسے مشعر کہا گیا) حرام کا اصل معنی منع کرنا ہے مشعر حرام کو حرام اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں چند چیزیں کرنا ممنوع ہیں۔ مزدلفہ کو جمع اس لیے کہا گیا کہ اس میں مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے۔ عرفات سے واپسی غروب آفتاب کے بعد ہوتی ہے اور جمع یعنی مزدلفہ سے واپسی دسویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے ہوتی ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت عرفہ سے سورج غائب ہونے سے پہلے واپس ہوتے تھے۔

اور مزدلفہ سے طلوع شمس کے بعد لوٹتے اور کہتے تھے ثبیر (پہاڑ) روشن ہوگیا تاکہ لوٹ مار کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو (عرفہ سے واپسی) مؤخر کردیا اور اس کو (مزدلفہ سے واپسی) مقدم کردیا۔ کریب نے اسامہ (رضی اللہ عنہم) سے سنا، اسامہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام عرفہ سے واپس ہوئے حتیٰ کہ جب شعب میں پہنچے تو وہاں اُترے اور پیشاب فرمایا۔ پھر وضو فرمایا۔ پس وضو مکمل نہ کیا۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! نماز، حضور علیہ السلام نے فرمایا نماز تیرے آگے ہے پس سوار ہوئے پس جب مزدلفہ پہنچے وہاں اُترے اور وضو مکمل فرمایا، پھر تکبیر کہی گئی۔ پس آپ علیہ السلام نے نماز مغرب پڑھی، پھر ہر انسان نے اپنا اونٹ اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر عشاء کی تکبیر کہی گئی۔ پس آپ علیہ السلام نے نماز عشاء پڑھی اور مغرب وعشاء کے درمیان کچھ نہ پڑھا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام واپس ہوئے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام مزدلفہ آئے وہاں مغرب وعشاء ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ ادا فرمائی اور ان دو کے درمیان نوافل ادا نہ فرمائے۔ پھر لیٹ گئے حتیٰ کہ طلوع فجر ہوگئی۔ پس فجر کی نماز اس وقت جب کہ صبح خوب نمودار ہوگئی ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ پڑھی۔ پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہوئے حتیٰ کہ مشعر حرام کو تشریف لائے اور قبلہ شریف کی طرف رُخ فرمایا، دُعا فرمائی اللہ اکبر فرمایا اور لا الٰہ الا اللہ فرمایا اور وحدہ لا شریک لہ فرمایا اور وہاں خوب سفیدی پھیلنے تک تشریف رہے اور طلوع شمس سے پہلے لوٹے۔

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی کہ بے شک حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرفہ سے مزدلفہ تک حضور علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت فضل (بن عباس) کو مزدلفہ سے منیٰ تک اپنے پیچھے بٹھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں (اسامہ، فضل) کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسلسل جمرہ عقبہ تک "لبیک اللھم لبیک" فرماتے رہے۔

"واذکروا کما ھداکم" اللہ تعالیٰ کا ذکر توحید و تعظیم کے ساتھ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دے کر تمہارا ذکر کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین کی رہنمائی کی اور احکام حج کی رہنمائی "وان کنتم من قبلہ لمن الضالین" یعنی اور تحقیق تم تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اور تم اس سے پہلے نہیں تھے مگر گمراہوں میں سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وان نظنک لمن الکاذبین" یعنی ہم تمہیں نہیں گمان کرتے مگر جھوٹوں میں سے اور "من قبلہ" کی ضمیر "ھدیٰ" کی طرف راجع ہے اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ پھر یہ غیر مذکور سے کنایہ ہوگی۔

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞

ترجمہ: پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو) یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے اور مہربانی فرمادیں گے۔

تفسیر ۞ "ثم افیضوا من حیث افاض الناس" اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ قریش اور ان کے حلفا (ساتھی) اور وہ لوگ جو قریش کے دین کے مطابق ہوتے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور کہتے کہ ہم اللہ والے ہیں اور حرم خداوندی کے ساکن ہیں لہٰذا ہم حرم سے پیچھے نہیں ہو سکتے (یعنی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے) اور نہ حرم سے نکل سکتے ہیں یہ لوگ حُمس کہلاتے۔

یہ اپنے آپ کو اس سے عظیم جانتے کہ تمام عرب کے ہمراہ مل کر وقوف عرفات کریں۔ (ایسا کرنے سے ان کو تکبر اور غرور مانع تھا) جب باقی لوگ عرفات سے لوٹتے یہ اپنے آپ کو حُمس کہلانے والے مزدلفہ ہی سے لوٹ آتے (حماسۃ کے لغوی معنی غیرت مند جوشیلا اور دلیر ہونے کے ہیں) یہ لوگ بھی اپنے آپ کو اس سلسلہ میں غیور سمجھتے تھے کہ ہماری غیرت نسبی کے یہ بات خلاف ہے کہ ہم عام لوگوں کے ہمراہ وقوف عرفات کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عرفات میں آ کر ٹھہریں اور پھر عرفات ہی سے عام لوگوں کے ہمراہ واپس ہوں اور ان کو خبر دی کہ یہی سنت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تمام مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔

فرمان الٰہی "من حیث افاض الناس" جمع ہے (مزدلفہ کا دوسرا نام جمع ہے) یعنی پھر تم لوٹو جمع (مزدلفہ) سے منیٰ کی طرف اور انہوں نے کہا چونکہ عرفات سے واپسی مزدلفہ کی واپسی سے پہلے ہے تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جب تم عرفات سے لوٹو پس تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو پھر اس کے بعد تم عرفات سے لوٹو؟ "لہٰذا ثم افیضوا" سے مراد مزدلفہ سے لوٹنا ہے۔ پہلا قول اکثر اہل تفسیر کا ہے اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ثم افیضوا من حیث افاض"

"النّاس فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام" (عبارت کا اس تقدیم وتاخیر کے اعتبار مفہوم عبارت بالکل درست ہوگیا اور تکرار مضمون کا اعتراض وارد نہ ہوا) اور بعض نے کہا ہے کہ "ثم" بمعنی واو ہے۔ یعنی "و افیضوا" جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثم کان من الذین آمنوا" (جیسے اس جگہ ثم بمعنی واؤ ہے اسی طرح یہاں "ثم افیضوا" میں بھی بمعنی واؤ ہے) بہرحال "الناس" سے مراد کل عرب ہیں سوائے حُمس کے (حُمس کی تشریح گزر چکی ہے)۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں "النّاس" سے مراد یمن والے اور قبیلہ ربیعہ ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں "الناس" سے مراد یہاں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جیسے کہ فرمان الٰہی ہے "ام یحسدون النّاس" کہ اس فرمان خداوندی میں بھی الناس سے مراد صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کہا جاتا ہے "ھذا الذی یقتدیٰ بہ ویکون لسان قومہ" ترجمہ: (وہ جس کی پیروی کی جاتی ہے اور اپنی قوم کی زبان ہے یعنی اس کا ترجمان ہے)۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "النّاس" سے یہاں حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ اس کی دلیل حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی قراءت ہے۔ "ثم افیضوا من حیث افاض النّاسی" یہ اور کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے جب درخت میں سے کھا بیٹھے۔ ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ (عروہ) فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا میں بھی بیٹھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہونے کی صورت میں کس طرح چلتے تھے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتاری سے چلتے تھے اور جب کھلی جگہ پاتے تو اور تیز ہو جاتے۔

ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نص" اس رفتار کا نام ہے جو رفتار "عنق" سے (قدرے) زائد ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ وہ نویں ذوالحجہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹے تو حضور علیہ السلام نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ (کی آواز) اور اونٹوں کو مارنا سنا تو آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کے ساتھ ان کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا (لوگو! تم پر وقار اور سنجیدگی لازم ہے) نیکی جانوروں کے دوڑانے میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہونا چاہئے سو بعضے آدمی (جو کافر ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی حصہ نہ ملے گا۔

تفسیر ﴿۲۰۰﴾ "فاذا قضیتم مناسککم" جب تم اپنے حج سے فارغ ہو جاؤ اور ذبح ہونے والے جانور ذبح کر چکو (مناسک کی تشریح کچھ اس طرح ہے) "نسک الرجل ینسک نسکا" یہ اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے جب وہ

اپنے جانور کو ذبح کر لے اور یہ جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنے اور منیٰ میں ٹھہرنے کے بعد ہوتا ہے۔ "فاذکروا اللّٰہ" تکبیر یعنی اللہ اکبر، الحمدللہ اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) "کذکرکم آباء کم" اور یہ اس طرح کہ جب عرب والے حج سے فارغ ہوتے بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہر جاتے اور اپنے آباء واجداد کے فخریہ کارنامے بیان کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "فاذکرونی" (میرا ذکر کرو) کیونکہ میں ہی ہوں کہ جس نے تم کو اور تمہارے آباء واجداد کو باعث فخر مقام ومرتبہ عطا فرمایا اور تم پر اور تمہارے آباء پر احسان فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح کہ چھوٹے بچے باپ دادا کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اس طرح کہ جب بچہ پہلے پہل بولتا ہے تو (ابا ابا کہہ کر) باپ ہی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کا ذکر نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو نہ کہ کسی اور کا۔ جس طرح کہ بچہ اپنے باپ کا ذکر کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول "فاذکروا اللّٰہ کذکرکم آباء کم" کے بارے میں پوچھا گیا اور اعتراض یہ کیا گیا کہ کبھی آدمی پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب وہ اپنے باپ کا ذکر نہیں کرتا۔

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بات یوں نہیں (بلکہ اس فرمان الٰہی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت کا والدین کی محبت سے بڑھا ہونا مراد ہے) وہ اس طرح کہ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر غضبناک ہو جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور تیرا یہ غضبناک ہونا اس غصہ ہونے سے بھی زیادہ ہو جس وقت کہ تیرے والدین کو گالی دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او اشد ذکرا" بلکہ سخت یعنی زیادہ ذکر کرنا "فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا" اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین حج میں اللہ تعالیٰ سے سوائے دُنیا کے کچھ نہ مانگتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے اے اللہ! ہمیں بکریاں، اونٹ، گائے اور غلام عنایت فرما اور ایک آدمی کھڑا ہوتا تھا۔ پس کہتا اے اللہ! میرا باپ بڑے قبہ اور بڑے پیالے والا

اور بہت زیادہ مال والا تھا۔ پس مجھے بھی ویسا ہی عطا فرما جیسا کہ تو نے میرے باپ کو دیا تھا۔ یہ وہ آدمی ہے جس کی نیت دُنیا، اسی دُنیا کے لیے خرچ کیا، اسی کے لیے کام کیا اور اسی دُنیا کے لیے اپنے آپ کو تھکایا۔ "وماله فی الآخرۃ من خلاق" کچھ حصہ نصیب (نہیں)۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

ترجمہ اور بعضے آدمی (جو کہ مومن ہیں) ایسے ہیں (جو دعا میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عنایت کیجئے۔ اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے۔

تفسیر ﴿۲۰۱﴾ "ومنھم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" مؤمنین (یہ کہتے ہیں) مفسرین نے (اس دُعا میں ذکر کی گئی) ہر دو حسنہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد نیک بیوی ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد حور عین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن

عمرو بن ابی العاص (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُنیا ساری کی ساری نفع اُٹھانے کا سامان ہے اور اس کا بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد علم اور عبادت ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد جنت اور (اس کا) دیکھنا ہے۔ علامہ سدی اور ابن حبان رحمہما اللہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد رزق حلال اور عمل صالح ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد بخشش اور ثواب ہے۔

حضرت ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں سے میرے نزدیک قابل رشک وہ مؤمن ہے جو قلیل المال ہے۔ نماز سے اسے خوب حصہ حاصل ہے اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے کہ پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو، لوگوں میں گمنام ہو اس کی طرف (بوجہ عدم شہرت کے) انگلیوں کے ساتھ اشارہ نہ کیا جاتا ہو اور اس کا رزق (معیشت) برابر سرابر ہو (یعنی ضرورت کی حد تک مال رکھتا ہو جس سے اس کی ضروریات پوری ہوتی ہوں) اور اتنے سے رزق پر قانع ہو۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ تیزی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یوں اسے جلدی موت آ جائے۔ اس پر رونے والے تھوڑے ہوں اور اس کی میراث بھی تھوڑی ہو۔

حضرت قتادہ اس آیت کریمہ کہ "فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ" کا معنی ہے دُنیا میں عافیت اور آخرت میں عافیت۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ اس آیت سے متعلق فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام، قرآن عطا فرمایا ہو۔ اہل وعیال بخشے ہوں اور مال ومتاع دیا ہو۔ پس یقیناً اس کو "حسنۃ فی الدنیا اور حسنۃ فی الآخرۃ" دی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (کمزوری میں) پرندہ کے بچہ کی طرح ہو رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہا کرتا تھا یا اللہ! تو جو کچھ آخرت میں مجھے سزا دینا چاہتا ہے وہ سزا مجھے دُنیا ہی میں دے دے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس (دُنیا والے عذاب) کی طاقت نہیں رکھتا تو نے یہ کیوں نہ کہا اے اللہ! ہمیں دُنیا میں خیر و خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ فرماتے تھے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"

یحییٰ بن عبید نے سائب کے والد عبداللہ بن سائب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُکن بنی جمح اور رُکن اسود کے درمیان یہ دُعا فرما رہے تھے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"

اُولٰٓئِکَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: ایسے لوگوں کو (دونوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا۔ بدولت ان کے اس عمل (یعنی طلب دارین) کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں اور (منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص (دسویں کے بعد) دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں (ایک دن کی) اور تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ سب اس شخص کے واسطے (ہے) جو (خدا سے) ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

تفسیر: ﴿۲۰۲﴾ "اولٰئک لهم نصیب" حصہ ہے "مما کسبوا" خیر اور دعا سے ثواب اور جزاء کے ساتھ "واللّٰه سریع الحساب" جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حساب لیں گے تو جلد حساب لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھ باندھنے نہ صدری تحفظات اور نہ سوچ و بچار کی ضرورت پڑے گی۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں پلک جھپکنے سے زیادہ تیز حساب لے لیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ قیامت کا آنا (جو یوم الحساب ہے) قریب ہے اس لیے کہ لازماً ہر آنے والی چیز قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وما یدریک لعل الساعة قریب"

﴿۲۰۳﴾ "واذکروا اللّٰه" تکبیرات کے ساتھ نمازوں کے بعد اور (رمی) جمرات کے وقت کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور اس کے علاوہ بقیہ اوقات میں (فی ایام معدودات) گنے چنے دنوں میں یہ ایام تشریق اور یہ ایام منیٰ اور رمی جمرات کے دن ہیں ان دنوں کے تھوڑے ہونے کی وجہ سے انہیں معدودات کا نام دیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "دراهم معدودة" اور ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں جن کا آخری دن دس ذوالحجہ (یوم النحر) ہے اور اکثر اہل علم کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ (ایام) معلومات سے مراد دسویں ذوالحجہ کا دن اور دو دن اس کے بعد والے اور معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلومات دسویں ذوالحجہ کا دن اور تین دن اس کے بعد والے ہیں۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہ معلومات سے مراد نویں ذوالحجہ کا دن ہے اور دسویں ذوالحجہ کا دن اور ایام تشریق۔ حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایام معدودات اور ایام معلومات ایک ہی چیز ہیں اور یہ ایام تشریق ہیں۔ "نبیشہ ہذلی" سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں اور ایام تشریق میں ذکر کرنے کا ایک حصہ اللہ اکبر کہنا بھی ہے۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ دونوں منیٰ میں

ان دنوں نمازوں کے بعد اور مجلسوں میں خیموں میں اور بستروں پر اور راستوں میں تکبیر پڑھا کرتے تھے۔

اور ان دونوں حضرات کی تکبیر کی اتباع کرتے ہوئے اور لوگ بھی تکبیر کہتے اور حضرت عمر اور ابن دونوں یہ آیت پڑھتے تھے۔ عام علماء کے نزدیک ان دنوں میں حاجی غیر حاجی سب کے لیے نمازوں کے بعد تکبیر کہنا مشروع ہے۔ البتہ مقدار میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض اس طرف گئے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی صبح سے یہ تکبیرات شروع کی جائیں اور ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر پر ختم کی جائیں۔ یہ حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت مکحول نے یہی فرمایا اور حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہ تکبیرات نویں ذوالحجہ کی صبح کی نماز سے شروع کی جائیں اور دس ذوالحجہ کی عصر کے بعد ختم کی جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ تکبیرات دسویں ذوالحجہ کی ظہر سے شروع کی جائیں اور ایام تشریق کے آخری دن کی صبح کی نماز کے بعد ختم کی جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہی فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لیے کہ لوگ اس (معاملہ تکبیر) میں حجاج کے تابع ہیں اور ان کا ذکر تلبیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تلبیہ کہنے سے پہلے۔

اور حجاج کرام دسویں ذوالحجہ بعد نماز ظہر تکبیرات میں شروع ہوتے ہیں۔ لفظ تکبیر سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلسل تین دفعہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اہل مدینہ کا یہی قول ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور فرمایا ذکر اللہ میں جس قدر اضافہ ہو بہتر اور مستحسن ہے۔ اہل عراق کے ہاں دو دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا۔ **"فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ"** اس سے مراد یہ ہے کہ جو حجاج کرام ایام تشریق کے دوسرے دن کوچ کرنا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہ اس طرح کہ حاجی پر لازم ہے کہ وہ منیٰ میں ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات گزارے اور روزانہ زوال آفتاب کے بعد اکیس کنکریاں مارے۔ ہر جمرہ کے پاس سات کنکریاں مارے اور رات نہ گزارنے کی رخصت اونٹ چرانے والوں کو اور حجاج کرام کو پانی پلانے والوں کو حاصل ہے۔ پھر اس کے ہر وہ شخص جو ایام تشریق کے دوسرے دن رمی جمرات کرے اور کوچ کرنے کا ارادہ کرے اور تیسری رات وہاں نہ گزارے اور اس دن رمی جمرات کرے تو اس کے لیے گنجائش ہے۔ بوجہ اس ارشاد خداوندی کے **"فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ"** اور جس شخص نے کوچ نہ کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ وہاں وہ رات گزارے حتیٰ کہ تیسرے دن رمی جمرات کرکے کوچ کرے **"ومن تاخر فلا اثم علیہ"** جس نے جلدی کی اور دوسرے دن چلا گیا تو اس پر اس جلدی کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ تیسرے دن کوچ کیا تو اس پر اس تاخیر کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہے پس جس شخص نے جلدی کی اور اس تعجیل والی رخصت کو قبول کیا تو اس پر اس میں کچھ گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اور اس رخصت کو قبول نہ کیا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور کہا گیا ہے کہ حاجی مغفور ہو کر واپس لوٹا اور اس پر کچھ گناہ

نہیں تعجیل کی یا تاخیر کی جیسا کہ ہم نے روایت کی کہ جس شخص نے حج کیا پس نہ تو فحش کلامی (عورتوں کی موجودگی میں) اور نہ احکام حج کی خلاف ورزی کی تو وہ اس حال میں واپس لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج جنا ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ "لمن اتقی" اس شخص کے لیے جو ہر اس عمل سے بچا جس کو اللہ تعالیٰ نے حج میں کرنا منع فرمایا۔

جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے حج کیا پس نہ فحش کلامی کی اور نہ نافرمانی کی۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گناہوں سے بخشش اس شخص کے لیے کی گئی ہے جو حج میں (منہیات سے) بچا اور کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ معنی منقول ہے کہ جو شخص شکار کرنے سے بچا (کیونکہ) اس کے لیے جب تک ایام تشریق نہ گزریں شکار کرنا حلال (جائز) نہیں ہے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے گناہ ختم ہوگئے۔ اگر اس نے بقیہ عمر تقویٰ کی زندگی گزاری۔

"واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون" تم آخرت میں جمع کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا دیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۞

ترجمہ: اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں نہایت شدید ہے

تفسیر: ۞ "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا" کلبی اور مقاتل اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ اس کا نام اُبی تھا اور اس کا نام اخنس اس لیے رکھا گیا کہ وہ بدر کے دن حضور علیہ السلام کے مقابل لڑنے سے بنی زہرہ کے تین سو آدمی لے کر واپس ہٹ گیا تھا۔ یہ شخص میٹھی گفتار اور خوش منظر تھا۔ اسلام ظاہر کرتا اور کہتا یا رسول اللہ! مجھے آپ علیہ السلام سے محبت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اُٹھاتا تھا اور منافق تھا۔

حضور علیہ السلام اُسے قریب بٹھاتے۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا" آپ اس کی بات کو مستحسن سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں وہ عظیم معلوم ہوتی ہے۔ استحسان کے بارے میں کہا جاتا ہے "اعجبنی کذا" وہ مجھے اس طرح اچھا لگا اور ناگواری اور انکار کی صورت میں کہا جاتا ہے "عجبت من کذا" امر مستحسن کے بارے میں اعجاب باب افعال اور بغیر حرف کے ذکر کیا جاتا ہے اور ناگواری و انکار کی صورت میں فعل مجرد اور من کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ "ویشھد اللہ علی مافی قلبہ" یعنی اخنس منافق کا یہ کہنا "واللہ انی بک مؤمن ولک محب" اللہ کی قسم میں آپ کے ساتھ ایمان لانے والا ہوں اور آپ کا محب ہوں۔ "وھو الد الخصام" یعنی "شدید الخصومۃ" سخت جھگڑا کرنے والا۔ کہا جاتا ہے۔ "لددت یا ھذا ...... وانت تلد لددا ولدادۃ" (یہ جملے اس وقت بولے جاتے ہیں جب کسی کا سخت جھگڑا لو ظاہر کرنا مقصود ہو۔) پس جب تو ارادہ کرے کہ بے شک وہ اپنے مد مقابل پر غالب آ گیا۔

تو تو کہے گا "لدہ یلدہ لدا" مرد کے بارے میں کہا جاتا ہے "رجل الد" اور عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے "امراۃ

للداء" اور قوم سے متعلق کہا جاتا ہے "قوم لد" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وتنذر به قوما لدا" زجاج کہتے ہیں یہ "لدیدی العنق" سے مشتق ہے جو کہ رخساروں کو کہا جاتا ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ جس جانب سے جھگڑا کرے دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے جھگڑے کے کسی بھی باب میں غالب آتا ہے۔ "الخصام" باب مفاعلہ خاصم خصاما ومخاصمت کی مصدر ہے۔ یہ بات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کی۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ خصم کی جمع ہے کہا جاتا ہے خصم۔ "وخصام و خصوم" یعنی جیسے "خصوم" خصم کی جمع ہے ایسے ہی خصام بھی جمع ہے جیسے بحر کی جمع بحار اور بحور آتی ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الدالخصام" کا معنی ہے کاذب القول جھوٹی بات والا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الدالخصام" کا معنی ہے "شدید القسوة فی المعصية" گناہ میں سخت جدل بالباطل باطل کے ساتھ لڑنے جھگڑنے والا۔ "یتکلم بالحکمة ویعمل بالخطیئة" باتیں تو دانائی کی کرے اور عمل گناہوں کا کرے۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض "اَلَدُّ الخصام" یعنی سخت جھگڑالو ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۞

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس روز دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کردے اور (کسی کے) کھیت یا مواشی کو تلف کردے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا تو خوف کر تو نخوت اس کو اس گناہ پر (دونا) آمادہ کردیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کرڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: ۞ "واذا تولی" جب پیٹھ پھیری اور آپ سے اس نے منہ پھیرا "سعی فی الارض" اس (زمین) میں عمل کیا بعض نے کہا اس (زمین) میں چلا "لیفسد فیها" ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قطع رحمی کی اور مسلمانوں کا خون بہایا "لیفسد فیها" کا یہ معنی ہے "ویهلک الحرث والنسل" اور یہ اس طرح کہ اخنس اور قبیلہ ثقیف کے درمیان مخالفت و مخاصمت تھی۔ پس اخنس رات کو آیا اور ان کی کھیتیوں کو جلا ڈالا اور ان کے جانوروں کو ہلاک کردیا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنس طائف کی طرف اپنے مال کے تقاضا کے لیے جو اس نے کسی مقروض سے لینا تھا گیا۔ پس اس مقروض کے غلہ کے کھلیان کو آگ لگادی اور اس کی گدھی کے اعضاء کاٹ دیئے۔ "والنسل" ہر جانور کی نسل اور انسان بھی اسی سے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "واذا تولی" کا معنی ہے یعنی جب کسی امر کا مالک بن جاتا ہے اور والی (حکمران) بن جاتا ہے "سعی فی

الارض" (یعنی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "واذا تولی سعی فی الارض" کا معنی ہے۔ یعنی جب کسی امر کا والی بن جاتا ہے تو زیادتی اور ظلم والا عمل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور کھیتی اور نسل ہلاک ہو جاتی ہے۔ "واللّٰہ لایحب الفساد" اللہ تعالیٰ فساد پر راضی نہیں ہے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "درھم" (وغیرہ) کا تنا یعنی مالی ڈاکہ ڈالنا بھی زمین میں فساد ڈالنا ہے۔

❁ "واذا قیل لہ اتق اللّٰہ" اللہ تعالیٰ سے ڈر "اخذتہ العزۃ بالاثم" یعنی اس کو عزت، جاہلی حمیت و عصبیت گناہ کے فعل پر ابھارتی ہے۔ یعنی ظلم، غرور و تکبر کے ساتھ اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہے اس کو اس کا غرور گناہ کے لیے آمادہ کرتا ہے جس گناہ کا جذبہ داعیہ اس کے دل میں ہے تو یہاں باء لام کے قائم مقام ہے۔

"فحسبہ جہنم" اس سے کافی ہے "ولبئس المھاد" بچھونا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑے گناہوں میں سے یہ گناہ ہے کہ کسی کو کہا جائے "اتق اللّٰہ" خدا تعالیٰ سے ڈر تو وہ اس کے جواب میں کہے "علیک نفسک" کہ پہلے تو اپنے آپ کو سنبھال۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہا گیا "اتق اللّٰہ" خدا سے ڈر تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر عاجزی کرتے ہوئے فوراً رخسار زمین پر رکھ دیئے۔

❁ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے "واللّٰہ رؤف بالعباد" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک یہ آیت سریہ رجیع کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جب کہ آپ علیہ السلام مدینہ منورہ میں تھے (قاصد) بھیجے۔ بے شک ہم اسلام لا چکے ہیں آپ ہماری طرف اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند عالم بھیجیں جو کہ ہمیں دین کی تعلیم دیں۔

اور یہ ان کا مکر تھا (ان کی طرف سے سازش تھی) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف خبیب بن عدی انصاری، مرثد بن ابی مرثد غنوی، خالد بن بکیر، عبداللہ بن طارق بن شہاب بلوی، زید بن دثنہ (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا اور ان پر حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس جاسوس بھیجے اور ان پر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ پس وہ حضرات چلے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان (جگہ) بطن رجیع میں اترے اور ان کے پاس عجوہ کھجور تھی۔ پس انہوں نے کھائی، پس ایک بڑھیا وہاں گزری، اس نے کھجور کی گٹھلیاں دیکھیں تو فوراً اپنی قوم کے پاس مکہ مکرمہ آ گئی اور کہا کہ اس راستہ پر اہل یثرب اصحاب محمد چلے ہیں تو فوراً ستر آدمی ان میں سے سوار ہوئے، ان کے پاس نیزے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان دس حضرات کا گھیراؤ کر لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے ہذیل میں سے ایک قبیلہ کو ذکر کیا جسے بنو لحیان کہا جاتا تھا تو قریباً سو تیر انداز ان کے پیچھے ہو لیے اور انہوں نے ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کیا یہاں تک کہ انہوں نے ان (اصحاب رسول) کے کھجور کھانے کی جگہ کو پا لیا جس جگہ وہ اترے تھے۔ پس انہوں (تیر اندازوں) نے کہا یہ یثرب کی کھجور ہے۔ انہوں نے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا پیچھا کیا جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ان کو محسوس کیا تو یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "فدفد" (پہاڑی) کی طرف پناہ گزین ہوئے اور مشرکوں نے ان حضرات کا گھیراؤ کر لیا اور حضرت مرثد، حضرت خالد، عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کو انہوں نے شہید کر دیا۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ترکش بکھیر دیا اور اس میں سات تیر تھے۔ چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان سات تیروں سے سات بڑے مشرک قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد دُعا کی، یا اللہ! میں نے دن کے پہلے حصہ میں تیرے دین کی حفاظت کی تو میرے جسم کی دن کے آخری حصہ میں حفاظت فرما۔ پھر مشرکوں نے ان کا گھیراؤ کیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ شہید کرنے کے بعد مشرکوں نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ کا سر مشرک عورت سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاتھوں بیچیں اور سلافہ کے بیٹے غزوۂ احد میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے منت مانی تھی کہ اگر میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سر پر قادر ہو گئی تو اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کا ایک چھتہ بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی جس کی بنا پر وہ آپ کا سر کاٹنے پر قادر نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا نام "حمی الدبر" پڑ گیا۔ (بھڑوں کے ذریعے حفاظت کئے ہوئے) چنانچہ کافر کہنے لگے ابھی اس کو چھوڑ دو جب بوقت شام یہ بھڑیں چلی جائیں گی ہم اس کا سر کاٹ لیں گے۔ پس (بوقت شام) سیاہ بادل اُٹھا اور برسا جیسے مشکیزے بہہ پڑتے ہیں جس سے وادی نہر کی صورت اختیار کر گئی جس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر جنت پہنچا دیا اور پچاس مشرکوں (مرداروں) کو جہنم رسید کیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا تھا کہ نہ مشرک ان کو چھوئے گا اور نہ وہ مشرکوں کو بھی چھوئیں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیب ہے کہ بندۂ مؤمن کی حفاظت بھڑوں سے کرائی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے نذر مانی ہوئی تھی کہ نہ مشرک ان کو چھوئے گا اور نہ بھی وہ مشرک کو چھوئیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد ان کو اس سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ مشرکوں نے حضرت خبیب بن عدی کو اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو قید کیا اور دونوں کو مکہ مکرمہ لے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے بیٹوں نے خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ان کے پاس قیدی بن کر رہے۔ چنانچہ حارث کے بیٹے اپنے باپ کے عوض حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے استرا حاصل کیا تا کہ زیر ناف بال صاف کریں، اتنے میں ان کا ایک بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بچہ کو ران پر بٹھا لیا، استرا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، بچے کی ماں گھبرا گئی اور چیخی، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو ڈرتی ہے کہ میں بچے کو قتل کروں گا، میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں دھوکہ ہماری شان کے لائق نہیں۔

اس (واقعہ) کے بعد وہ عورت کہتی تھی۔ واللہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے اس کو ایک دن انگور کھاتے دیکھا حالانکہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور مکہ پاک میں انگور نہ تھے۔ بس یہ (غیبی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ پھر کافر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حدودِ حرم سے باہر علاقہ حل میں قتل کی غرض سے لے گئے اور کافروں نے ارادہ کیا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی چڑھائیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو چنانچہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بوقت شہادت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت قائم کی پھر فرمایا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ تم موت سے گھبراہٹ پر محمول کرو گے میں اور نمازیں پڑھتا (پھر دعا کی) اے اللہ! ان کو گن گن کر اور جدا جدا کر کے مار اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اشعار کا ترجمہ جو بوقت شہادت انہوں نے فرمائے۔ پھر فرمایا۔ جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے کہ میرا گرنا کس پہلو پر ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کٹے ہوئے اعضاء میں بھی برکت ڈال دے۔

پس انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو زندہ سولی پر لٹکا دیا۔ پس آپ نے فرمایا یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ اس وقت میرے پاس کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو میرا اسلام تیرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ پس تو میرا اسلام پہنچا دے۔ پھر ابو سروعہ عقبہ بن حارث کھڑا ہوا اور اس نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے کہ مشرکوں میں سے ایک آدمی تھا جس کو سلامان ابو میسرہ کہا جاتا تھا اس کے پاس نیزہ تھا اس نے وہ نیزہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر رکھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کا خوف کر اس کہنے سے اس کی سرکشی اور بڑھ گئی اور نیزہ چھاتی سے پار کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق ہے "واذا قیل له اتق اللّٰه اخذته العزة بالاثم" یعنی سلامان کا یہ حال ہے۔

باقی رہے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ سے صفوان بن اُمیہ نے خریدا۔ اپنے باپ اُمیہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ علاقہ (حل) تنعیم کی جانب بھیجا۔ قریش کا ایک گروہ بھی وہاں جمع ہو گیا جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کے لیے آگے لایا گیا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا زید کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوں، ہم اس کی گردن مار رہے ہوں اور تو اپنے اہل و عیال میں بیٹھا ہو تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے تو یہ بات بھی پسند نہیں (یعنی ناقابل برداشت ہے) کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ ہوں جس جگہ اب ہیں یعنی اپنے گھر میں اور حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں کانٹا چبھ جائے اور میں گھر بیٹھا رہوں۔ اس پر ابوسفیان کہنے لگا میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو کسی سے اس قدر محبت کرتا ہو جس قدر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پھر نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ پس جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کون ہے جو (مکہ جا کر) خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی کی لکڑی سے اُتار لائے اور اس کے لیے (اس عمل کے عوض) جنت ہو۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور علیہ السلام یہ کام میں پورا کروں گا اور میرا ساتھی مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ)۔ پھر دونوں رات کے وقت نکل کھڑے ہوئے، دن کو چھپ جاتے، رات کو چل پڑتے۔ یہاں تک کہ رات کے وقت مقام تنعیم پہنچے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے اردگرد مشرکوں کے چالیس جوان نشہ کی نیند سورہے تھے۔ پس حضرت زبیر و مقداد رضی اللہ عنہما نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی سے اُتارا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جسم اب بھی تروتازہ تھا۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود ان کے جسم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی، ان کا ہاتھ زخم پر تھا جس سے خون رس رہا تھا، خون کا رنگ خون والا تھا اور خوشبو کستوری کی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر اُٹھالیا اور چل پڑے، اتنے میں کفار بیدار ہو گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر قریش مکہ کو خبر دی تو ان کے ستر سواروں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا جب مشرکوں نے ان حضرات کو پالیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کو زمین پر پھینک دیا اور زمین حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نگل گئی۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (زمین کے نگلے ہوئے) پڑ گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان مشرکوں کو فرمایا، اے قریش! تمہیں ہمارے اوپر (آنے کی یا حملہ کی) جرأت کیسے ہوئی۔ پھر سر سے عمامہ اُتارا اور فرمایا، میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہوں میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہے، میرا ساتھی مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) ہے ہم دونوں ان دو شیروں کی مانند ہیں جو اپنے بچوں پر گرے ہوئے ہوں اور دفاع کر رہے ہوں اگر چاہو تو میں تم سے تیر اندازی کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں اگر چاہو تو اُتر کر لڑنے کو تیار ہوں۔ اگر چاہو تو واپس ہو جاؤ چنانچہ کافر واپس لوٹ گئے۔ حضرت زبیر و مقداد رضی اللہ عنہما حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان کے فرشتے ان دو حضرات پر فخر کر رہے ہیں تو حضرت زبیر اور مقداد (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہ نازل ہوا "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ"

جب انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی سے اُتار کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے عوض بیچ دیا اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ حضرت صہیب بن سنان رومی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ان کو مشرکوں نے ایمان والوں کے ایک گروہ میں پکڑا اور ان پر سختی کی تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا، میں بوڑھا آدمی ہوں اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں کہ میں تم میں سے ہو جاؤں یا کسی اور کے ساتھ، کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تم میرا مال لے لو اور مجھے اور میرے دین کو چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان پر شرط لگائی تھی کہ مجھے سواری اپنا خرچہ لے جانے دو گے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا مکہ کرمہ رہے پھر مدینہ منورہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نے کچھ لوگوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے ابو یحییٰ! تجھے تیرا سودا مبارک ہو۔ جواباً حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) تیرا سودا بھی خسارے کا نہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرے لیے کیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تیرے بارے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل

فرمایا ہے پھر یہ آیت پڑھی۔ حضرت سعید بن مسیب اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اُترے اور اپنے ترکش سے تیروں کو نکالا اور فرمایا قریشیو! تم اس حقیقت کو جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، خدا کی قسم! میرا ہر ایک تیر تم میں سے کسی نہ کسی کے دل میں پیوست ہوگا اور جب تک میرے پاس ایک تیر بھی باقی ہے تم میرے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے اسے استعمال کروں گا۔ اس کے بعد تم جو چاہو کرنا اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے اس مال کی جو مکہ مکرمہ میں ہے رہنمائی کر دوں اور تم میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم جانتے ہو یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی؟ یہ اس مسلمان کے حق میں نازل ہوئی جو کسی کافر سے ملتا ہے۔ پس اس کو کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہو وہ کافر یہ کلمہ کہنے سے انکار کرتا ہے۔ پس مسلم کہتا ہے اللہ کی قسم! میں اپنی ذات کو ضرور (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) بیچوں گا۔ پس کافر سے اکیلا لڑتا ہے حتیٰ کہ قتل ہو جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ" کا مصداق اس شخص کو دیکھتا ہوں جو کھڑا ہو جاتا ہے۔ پس کسی ایک کو خوف خدا کا حکم کرتا ہے۔ پس جب وہ قبول نہیں کرتا اور نخوت اس کو گناہ پر اور زیادہ آمادہ کرتی ہے۔ کہتا ہے اور میں اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیچتا ہوں۔ پس وہ اس سے لڑتا ہے پس اس پر دو آدمی لڑ پڑتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو فرماتے رب کعبہ کی قسم! دو دونوں لڑتے ہیں۔ ابوالخلیل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ" پڑھتے سنا۔ پس حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ وہ آدمی کھڑا ہوا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہا۔ پس اسی راہ قتل کر دیا گیا۔ (گویا اس آیت کا مصداق اس قسم کا شخص ہے)۔

ابو غالب نے ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، بے شک ایک آدمی نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں۔ حکمت والے ہیں

تفسیر (۲۰۸) "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" اہل حجاز اور کسائی نے اس جگہ "السلم" سین کی زبر کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے سلم سین کی زیر کے ساتھ پڑھا اور سورۂ انفال میں سین کی زیر کے ساتھ اور ابوبکر اور باقیوں نے سین کی زبر کے ساتھ اور سورۂ محمد میں زیر کے ساتھ حمزہ اور ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ پڑھا ہے۔ یہ آیت کریمہ مؤمنین اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نضیری اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اور یہ اس طرح کہ وہ حضرات ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے اسلام لانے کے بعد بھی اظہار کراہت کرتے اور عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم راتوں کی نمازوں میں اس کی تلاوت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" یعنی اسلام میں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل اسلام کے احکام اور اعمال میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور کہا گیا ہے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تمام شرعی احکام میں مکمل طور پر اس حال میں کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف تجاوز کرنے والے نہ ہو۔ سلم اصل میں استسلام سے اور انقیاد سے ہے (یعنی مطیع اور فرمانبردار ہونا) اسی لیے صلح کو سلم کہا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسلام آٹھ حصے ہے۔ پس آپ نے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر شمار فرمایا اور فرمایا وہ شخص ناکام و نامراد ہوا جس کو کوئی حصہ نہ ملا۔ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" اس کے قدموں کے نشانات کی پیروی نہ کرو جس سلسلہ میں کہ وہ تمہارے لیے مزین کرے۔ ہفتہ کی تعظیم اور اونٹوں کے گوشت کی کراہت کے بارے میں "انہ لکم عدو مبین" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا آپ اجازت عنایت فرماتے ہیں کہ ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم (دین کے بارے) حیران و سرگرداں ہو جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سرگرداں ہوئے؟ میں تمہارے پاس سفید اور صاف شفاف (ملت) لے کر آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

(۲۰۹) "فان زللتم" تم بھٹک گئے۔ کہا گیا ہے تم ہٹ گئے۔ کہا جاتا ہے "زلت قدمہ تزل زلا وزللا" جب وہ پھسل جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد شرک ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جان لیا عنقریب بعض لوگ پھسل جائیں گے۔ پس اسے مقدم کیا اور اس میں وعید سنائی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے خلاف حجت ہو جائے۔ "من بعد ماجاء تکم البینات" یعنی واضح دلائل "فاعلموا ان اللہ"

"عزیز" انتقام لینے میں (غالب ہے) (حکیم) اپنے معاملہ میں (حکیم ہے) پس عزیز اور غالب جس کے (قبضہ قدرت) سے کوئی شئی باہر نہیں اور حکیم اپنے معاملات میں درست حکم لگانے والا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

ترجمہ یہ (گمراہ) لوگ صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے آپ (علماء) بنی اسرائیل سے (ذرا) پوچھئے (تو سہی) ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں

تفسیر ❀ فرمان الٰہی "هل ينظرون" نہیں انتظار کرتے وہ لوگ جو اسلام میں داخل ہونا چھوڑنے والے ہیں اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ "نظرته اور انتظرته" کا معنی ایک ہے (گویا یہاں "ينظرون بمعنى ينتظرون" ہے جب لفظ نظر کے ساتھ لفظ وجہ (چہرہ) ملا ہوا ہو یا نظر کے ساتھ لفظ "الی" مذکور ہو تو اس وقت نظر کا معنی آنکھ سے دیکھنا ہوگا۔ "الا ان ياتيهم الله في ظلل" ظلل ظلۃ کی جمع ہے (معنی سایہ) "من الغمام" غمام سفید اور پتلے بادل کو کہتے ہیں۔ بادل کو غمام اس لیے کہتے ہیں کہ غم کا معنی ستر ہے یعنی چھپانا اور بادل بھی ستر (چھپانے) کا کام کرتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غمام سحاب عام بادل کے علاوہ کوئی خاص قسم کا بادل ہے جو کہ (امر الٰہی سے) بنو اسرائیل کے لیے مقام تیہ کے لیے تھا۔

حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غمام سفید کہر کی مانند ہوتا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "في سترة في الغمام" بادل کے پردے میں پس ان کی طرف زمین والے نہ دیکھ سکیں گے۔ "والملائكة" ابوجعفر نے اس کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ الغمام پر عطف کرتے ہوئے تقدیر عبارت ہوگی "مع الملائكة"۔ عرب کہتے ہیں "اقبل الامير في العسكر اى مع العسكر" باقی حضرات نے "الملائكةُ" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی "الا ان ياتيهم الله والملائكةُ في ظلل من الغمام" (یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے فعل کا فاعل ہے ایسے ہی "الملائكةُ" بھی فاعل ہے) اس آیت کریمہ کے مفہوم اور باقی آیات قرآنی جن کا مفہوم و معنی اس آیت کریمہ سے ملتا جلتا ہے ان سب کے بارے میں یہی بہتر ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان لایا جائے اور اس کا علم (حقیقی) اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے یا پھر انسان یہ عقیدہ رکھے کہ بے شک "الله عزاسمه حدث" کی علامات سے منزہ ہے۔ اسی انداز فکر پر آئمہ سلف اور علماء اہل السنت چلے ہیں۔ کلبی کہتے ہیں یہ وہ پوشیدہ (راز) ہے جس کو کھولا نہیں جا سکتا۔ مکحول، زہری، اوزاعی، امام مالک، ابن مبارک، سفیان ثوری، لیث بن سعد، حضرت احمد اور اسحاق (رحمہم اللہ) اس آیت کے مفہوم اور اس قسم کے مفہوم پر مشتمل دیگر آیات کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان آیات کا معاملہ یہ ہے کہ جس مفہوم کے ساتھ یہ آیات نازل ہوئی ہیں ویسی ہی ہیں بغیر کسی کیفیت کے معلوم کیے کے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس قسم کے معنی (مثلاً آنا وغیرہ) کے ساتھ جب بھی اپنے آپ کو موصوف کیا پس اس کی تفسیر یہ ہے "قراءتہ والسکوت علیہ" یعنی اس آیت کا پڑھنا ہے مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے سکوت کرنا ہے۔

ذات باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی بھی تفسیر کرنے کا مجاز نہیں۔ "وقضی الامر" عذاب ثابت و محقق ہوا اور حساب سے فراغت ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے قضاء بالحق ہے جو بروز قیامت اللہ تعالیٰ مخلوق کے مابین فرمائیں گے۔ "والی اللہ ترجع الامور" ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے ترجع کو تاء کی زبر کے ساتھ اور جیم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کی پیش اور جیم کی زبر کے ساتھ۔

⑪ "سل بنی اسرائیل" یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود مدینہ سے پوچھئے "کم آتیناھم" ان کے آباء اور اسلاف کو کتنا کچھ ہم نے "من آیۃ بینۃ" (واضح نشانیاں دیں) اہل حجاز اور قتیبہ نے "بینہ" کے لفظ کی باء اور یاء کو شد کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے یاء کی شد کے ساتھ پڑھا۔ "بینہ" کا معنی واضح دلالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر جیسے کہ عصا، ید بیضا، سمندر کو پھاڑنا وغیرہ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو ان کو تورات و انجیل کے حوالے سے حضور علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں ملیں۔ "ومن یبدل" جو بدلے "نعمۃ اللہ" کتاب اللہ (مراد ہے) اور کہا گیا ہے عہد اللہ اور کہا گیا ہے کہ "من یبدل" کا معنی ہے کہ جو اس دلالت کا انکار کرے جو حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت سے متعلق ہے۔ "من بعد ماجاءتہ فان اللہ شدید العقاب"

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑫

ترجمہ: دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ (مسلمان) جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے روز اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دے دیتے ہیں۔

تفسیر: ⑫ "زین للذین کفروا الحیاۃ الدنیا" اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ مزین کرنے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزئین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اشیاء اور عجیب و غریب مناظر پیدا فرمائے۔ مخلوق نے ان کو خوب دیکھا تو وہ اشیاء ان کو اچھی لگیں۔ پس ان میں مفتون ہو کر رہ گئے (لٹو ہو گئے) زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کے لیے شیطان نے یہ سب کچھ مزین کیا۔ کہا گیا ہے یہ آیت کریمہ مشرکین عرب ابوجہل اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو دنیا میں پھیلایا ہے نفع حاصل کرتے لطف اندوز ہوتے اور آخرت کا انکار کرتے۔ "ویسخرون من الذین آمنوا" فقراء مومنین سے استہزاء کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "الذین آمنوا" سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب (رضی اللہ

عنہم) اوران جیسے حضرات مراد ہیں۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دُنیا میں خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے اور کمزور مؤمنوں اور فقراء مہاجرین کے ساتھ مسخرہ کرتے اور کہتے ذرا ان لوگوں کو دیکھو یہ ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ ان کے ذریعے سے وہ غلبہ حاصل کریں گے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بنوقریظہ، بنونضیر، بنوقینقاع کے سرداران یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ بنوقریظہ اور بنونضیر کے مال ان کو بغیر لڑائی اور قتال کے عنایت فرماوے گا اور یہ یہود ایمان والوں کے ساتھ ان کے فقر کے باعث استہزاء کرتے ہیں۔ "والذین اتقوا" یہ فقراء "فوقھم یوم القیامۃ" کیونکہ ایمان والے اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور یہ کفار و یہود اسفل سافلین میں ہوں گے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، میں نے اہل ایمان بہشت میں اکثر مساکین کو پایا اور میں جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو جہنمیوں میں میں نے زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ اہل مرتبہ بڑے لوگ روکے ہوئے تھے مگر وہ بڑے جو جہنمی تھے پس ان کے بارے میں حکم ہو چکا تھا کہ انہیں جہنم رسید کیا جائے۔

سہل بن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا۔ اس (گزرنے والے) کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شخص معزز ترین لوگوں سے ہے۔ اللہ کی قسم یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر پیغام نکاح دے تو نکاح کردیا جائے۔ سفارش کرے تو قبول کرلی جائے۔ پس حضور علیہ السلام خاموش ہوگئے پھر اس کے بعد ایک اور شخص گزرا۔ حضور نے اس (اپنے پاس بیٹھنے والے) کو فرمایا اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا یہ شخص فقراء مسلمین سے ہے۔ یارسول اللہ! اور اس قسم کا شخص ہے اگر کہیں پیغام نکاح دے تو وہ پیغام قبول نہ ہو، اگر سفارش کرے تو مسترد ہو جائے، اگر بات کرے تو سنی نہ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک (جو بظاہر بے حیثیت ہے) اس (صاحب حیثیت) جیسوں سے اگر زمین بھی بھر جائے تو بھی یہ افضل و اشرف ہے۔ "واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب" بہت بے اندازہ کیونکہ ہر وہ چیز جو تحت الحساب ہو پس وہ قلیل ہے۔ اس فرمان الٰہی سے مراد خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے وسعت فرماتا ہے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں من غیر حساب کا معنی ہے بغیر کسی تاوان اور گرفت کے۔ دُنیا میں رزق دیتا ہے اور اس کا آخرت میں حساب نہیں کرتا اور بعض نے کہا ہے کہ بغیر حساب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے فراخی (رزق) فرماتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی حاجت کے مطابق نہیں دیتا بلکہ غیر محتاج کو زیادہ دیتا ہے اور محتاج کو تھوڑا دیتا ہے۔ پس نہ تو اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے اور نہ رزق دینے کے سلسلہ میں اس کا حساب کیا جاسکتا ہے اور نہ کہا جاسکتا ہے اے اللہ! تو نے اس کو کیوں دیا اور اسے محروم کیوں رکھا اور تو نے اس کو اس سے زیادہ کیوں دیا؟

اور بعض نے کہا ہے کہ بغیر حساب کا معنی ہے (اس طرح دیتا ہے) کہ خزانہ خالی ہوجانے کا خوف نہیں رکھتا کہ وہ جو کچھ خرچ کرے اس

کا حساب کرنے کا محتاج ہو اس لیے کہ دینے والے کی طرف سے حساب کرنا اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ اس کو خزانہ ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ (ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیویں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولاً) کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہم ضد اضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے (بحث) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں

تفسیر ۲۱۳ "کان الناس امۃ واحدۃ" ایک دین پر تھے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ اُمت واحدہ تھے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک آدم کو لفظ جمع (امۃ) سے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ نسل انسانی کی بنیاد اور ابوالبشر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ پھر ان دونوں سے انسانوں کو پھیلایا، پس وہ پھیل گئے اور سب مسلمان تھے یہاں تک کہ ھابیل کو قتل کیا گیا۔ پس انہوں نے اختلاف کیا "فبعث اللہ النبیین" حضرت حسن اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ وفات آدم سے بعثت نوح علیہ السلام تک ایک اُمت تھے۔ ملت کفر پر تھے جانوروں کی مانند۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور باقی نبیوں کو بھیجا۔ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے بعثت نوح علیہ السلام تک اور ان دونوں کے درمیان دس زمانے ہیں یہ سب ایک ہی شریعت حق و ہدایت پر قائم تھے۔ پھر زمانہ نوح علیہ السلام میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پس ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی (تشریعی) تھے جو مبعوث ہوئے۔ پھر ان کے بعد نبیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اُمت واحدہ سے مراد کشتی نوح علیہ السلام کے افراد مراد ہیں جو سب کے سب مؤمن تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اُمت واحدہ تھے کہ سب کے سب کافر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور باقی نبیوں کو بھیجا اور کہا گیا ہے کہ پورا عرب اُمت واحدہ یعنی

دین ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھا۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی لعنۃ اللہ علیہ نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا۔

ابوالعالیہ سے روایت کی گئی ہے وہ ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں جب سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیے گئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار لیا گیا سب کے سب اُمت واحدہ (کل کے کل مسلمان) تھے۔ لوگ اس دن کے علاوہ کبھی بھی اُمت واحدہ نہیں بنے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انہوں نے اختلاف کیا۔ اس کی نظیر سورۂ یونس میں ہے "وما کان النّاس الا اُمۃ واحدۃ فاختلفوا فبعث اللّٰہ النبیین" انبیاء کرام کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے۔ ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور قرآن پاک میں جن کے نام مذکور ہیں وہ اٹھائیس ہیں۔ (مبشرین) ثواب کی خوشخبری دینے والے ہر اس شخص کو جو ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی "ومنذرین" عذاب سے ڈرانے والے ہر اس شخص کو جس نے کفر کیا اور نافرمانی کی۔ "وانزل معھم الکتاب" کتاب اس کی تقدیری عبارت یوں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل کی۔

"بالحق" عدل اور سچائی کے ساتھ۔ "لیحکم بین النّاس" ابوجعفر نے "لیُحکَم" یاء کی پیش اور کاف کی زبر کے ساتھ یہاں پڑھا اور سورۂ آل عمران کے اول میں اور سورۂ نور کی دونوں جگہوں میں کیونکہ درحقیقت کتاب فیصلہ نہیں کرتی بلکہ کتاب کے ذریعے فیصلہ کیا جاتا ہے اور عاصم نے "یَحکُم" یاء کی زبر اور کاف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کتاب فیصلہ کرے قدرے کلام میں وسعت (مجازی) کے ساتھ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق" (ہماری یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تاکہ ہر نبی اپنی کتاب کے ساتھ فیصلہ کرے۔ "فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ" کتاب میں (اختلاف نہ کیا) "الا الذین اُوتوہ" ان لوگوں نے اختلاف کیا جو وہ کتاب دیے گئے تھے۔ "من بعد ماجاءتھم البینات"

یعنی تورات وانجیل کے احکام۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے اختلاف کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ کہ بعض نے بعض کی کتاب کا انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض" دوسرا معنی اختلاف کا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یحرفون الکلم عن مواضعہ" اور کہا گیا ہے کہ آیت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کی کتاب کی طرف راجع ہے کہ جس میں اہل کتاب نے اختلاف کیا۔ "من بعد ماجاءتھم البینات" اس سے مراد حضور علیہ السلام کا وہ بیان ہے جو ان کی کتابوں میں موجود تھا۔ "بغیاً" ظلم اور حسد کے طور پر "بینھم فھدی اللّٰہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ" اس کی طرف جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا "من الحق باذنہ" اپنے علم اور ان میں اپنے ارادہ کے ساتھ اس آیت کے بارے میں ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے قبلہ میں اختلاف کیا۔ پس بعض ان میں وہ ہیں جو مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور بعض وہ جو مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور بعض وہ جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی اور کعبہ شریف کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح انہوں نے روزوں میں اختلاف کیا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں رمضان شریف کے روزوں کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے دنوں میں اختلاف کیا (کہ کون سا دن ہفتہ میں معظم ہے) پس یہود نے ہفتہ کا دن لے لیا اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کا انتخاب کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ مبارک کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ عیسائیوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس میں سے حق کی طرف رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کیا۔ پس یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہتان محض کا نشانہ بنایا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حق وہدایت کی طرف رہنمائی" واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم "

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ (دوسری بات سنو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہو گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز ان (مسلمان) لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانے کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی؟ یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد (بہت) نزدیک ہے۔

تفسیر ﴿۲۱۴﴾ "اَم حسبتم ان تدخلوا الجنۃ" حضرت قتادہ اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ آیت کریمہ غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو مشقت اور سخت خوف اور سردی اور تنگدستی اور مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وبلغت القلوب الحناجر" (کہ دل شدت غم کے باعث گلے تک آ گئے) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ جنگ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انہیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ بغیر مال کے نکلے تھے اور اپنے گھربار اور مال ومتاع مشرکوں کے ہاتھوں چھوڑ آئے تھے اور (ان چیزوں پر) انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ترجیح دی تھی۔ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو ظاہر کیا اور (منافق) قوم نے اپنی منافقت کو چھپایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ام حسبتم" اس کا معنی ہے تم نے گمان کیا۔ فراء رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ میم صلہ ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں "ام حسبتم" کا معنی ہے "بل حسبتم" اور آیت کا معنی ہے۔ کیا تم نے اے مسلمانو! یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے "ولما یاتکم" ابھی تمہیں نہیں پہنچا (ما) صلہ ہے۔

"مثل الذین خلوا" ان لوگوں جیسے حالات جو لوگ گزر گئے۔ "من قبلکم" (تم سے پہلے) نبیوں اور ایمان والوں میں سے "مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ" فقر، شدت اور دیگر مصائب "والضراء" مرض اپاہج پن اور دائمی بیماری "وزلزلوا" قسم قسم کی مصیبتوں تکلیفوں کے ساتھ جھنجوڑے گئے اور خوفزدہ کیے گئے۔ "حتی یقول الرسول والذین معہ متی نصر اللہ" ان کو ہمیشہ تکلیف رہی حتیٰ کہ انہوں نے نصرت خداوندی کو موخر سمجھا یعنی دیر سے آنے والی سمجھا۔

"الا ان نصر اللہ قریب" نافع نے "حتی یقول الرسول" یقول کی لام کو پیش کے ساتھ پڑھا۔ اس کا معنی ہے "حتی قال الرسول" اور جب وہ فعل جو "حتی" کے قریب ہو معنی کے لحاظ سے ماضی اور لفظاً مستقبل کا صیغہ ہو تو تجھے اختیار ہے دونوں وجہوں کا کہ اس کو پیش دے یا اگر نصب دے تو یہ ظاہر کلام کی بنا پر ہوگی۔ کیونکہ "حتی" فعل مستقبل کو زبر دیتا ہے اور پیش اس لیے کہ اس کا معنی ماضی ہے اور "حتی" ماضی میں عمل نہیں کرتا۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: ﴿۲۱۵﴾ "یسئلونک ماذا ینفقون" یہ آیت کریمہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ بہت بوڑھے مالدار تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیا کچھ صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یسئلونک ماذا ینفقون" اللہ تعالیٰ کے قول "ماذا" میں اعراب کے لحاظ سے دو وجہیں ہیں۔ (۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کے اعراب کا محل زبر ہے بوجہ قول خداوندی "ینفقون" کے تقدیر عبارت ہوگی۔ "ای شیء ینفقون" "ماذا" بمعنی "ای شیء" کے "ینفقون" کا مفعول ہوگا اور اعراب کی دوسری وجہ ہے کہ بوجہ ماء کے رفع ہوگی۔ اس کا معنی ہوگا "ما الذی ینفقون؟" کہ کیا کچھ خرچ کریں۔ "قل ما انفقتم من خیر" خیر سے مراد مال ہے "فللوالدین والاقربین والیتامی والمساکین و ابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم" اس کے ساتھ تمہیں بدلہ

دے۔ اہل تفسیر نے کہا یہ (خرچ کرنے کا طریقہ کار) زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے تھا۔ پس زکوٰۃ کی وجہ منسوخ کر دیا گیا۔

۞ "کتب علیکم القتال" تم پر جہاد فرض کیا گیا۔ اس آیت کے حکم میں علماء کرام نے اختلاف کیا۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد نفل ہے اور آیت سے مراد اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہ کوئی اور اسی طرف امام ثوری گئے ہیں جن حضرات کا یہ موقف ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" (اگر جہاد نفل نہ ہوتا بلکہ فرض ہوتا) اور اگر جہاد سے بیٹھ رہنے والا تارک فرض ہوتا تو جہاد کے بعد حسنیٰ کا کوئی وجہ نہ ہوتا اور بعض حضرات نے ظاہر آیت کے مطابق موقف اختیار کیا اور کہا جہاد تمام مسلمانوں پر قیامت تک فرض ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی جہاد کا سوچا وہ شخص منافقت کے شعبہ پر مر گیا اور ایک قوم نے کہا اور اسی پر جمہور ہیں کہ بے شک جہاد فرض کفایہ ہے جب بعض (مسلمان) جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو باقیوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ نماز جنازہ اور سلام کا جواب (کہ جب اہل مجلس میں سے بعض سلام کا جواب دے دیں تو باقیوں پر جواب دینا واجب نہ ہوگا)۔ حضرت زہری اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اب ان کی مرضی جہاد کریں یا بیٹھ رہیں پس جو شخص جہاد کرے اس نے بہت اچھا کیا اور بیٹھ رہا پس وہ تیار شدہ (کمک) ہے اگر اس سے مدد طلب کی جائے تو اعانت کرتا ہے اور اگر اس کو جہاد کے لیے نکالا جائے تو نکل پڑتا ہے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو بیٹھا رہتا ہے۔

"وھو کرہ لکم" ای شاق علیکم یعنی تم پر گراں ہے۔ بعض اہل معانی نے فرمایا کہ کرہ سے مراد طبعی طور پر دور بھاگنا ہے کیونکہ اس میں مال کی مشقت اور طبیعت کی مشقت ہے اور جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ناگوار سمجھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وھو کرہ لکم" کا مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے "سمعنا واطعنا" کے کہنے سے منسوخ ہو گیا۔ انہوں نے پہلے اس حکم کو ناگوار سمجھا پھر اسے محبوب سمجھا اور کہا "سمعنا واطعنا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وعسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم" اس لیے کہ جہاد میں دو خوبیوں میں سے ایک خوبی یقینی ہے کامیابی مال غنیمت یا پھر شہادت اور جنت "وعسیٰ ان تحبوا شیئا" جہاد سے بیٹھ رہنا "وھو شر لکم" کیونکہ اس میں غنیمت بھی فوت ہو جائے گی اور ثواب بھی نہ ملے گا۔ "واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ" اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے پھوپھی زاد تھے جمادی الاخریٰ میں غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے پورے سترہ مہینے کے اختتام پر بھیجا۔

جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آئے ہوئے گزرے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ آٹھ آدمی مہاجرین کے بھی بھیجے۔ ① حضرت سعد بن ابی وقاص زہری ② عکاشہ بن محصن اسدی ③ عتبہ بن غزوان سلمی ④ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ⑤ سہیل بن بیضاء ⑥ عامر بن ربیعہ ⑦ واقد بن عبداللہ ⑧ خالد بن بکیر (رضی اللہ عنہم) اور ان کے امیر عبداللہ

بن جحش رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام پر چل اور دو دن کی مسافت چلنے سے پہلے خط نہ دیکھنا۔ پس جب (دو دن کی مسافت پر) نازل ہو تو خط کھول اور ساتھیوں پر اس کو پڑھ۔ پھر جس مقصد کے لیے میں نے تجھے حکم دیا ہے اس کے لیے چل اور اپنے ساتھ چلنے کے لیے کسی ایک ساتھی کو بھی مجبور ہرگز نہ کر۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو دن چلے پھر اُترے اور حضور علیہ السلام کا خط کھولا پس اس میں تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد پس اللہ تعالیٰ کی برکت کے مطابق چل۔ اپنے تابعداروں سمیت حتیٰ کہ بطن نخلہ اُترے وہاں قافلہ قریش کی انتظار کیجئے شاید کہ تو ہمارے لیے اس قافلہ سے خبر لائے۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خط دیکھا تو فرمایا "سمعا و طاعة" (حکم سنا اور مانا) پھر اپنے ساتھیوں کو وہ کچھ فرمایا (جس کا حکم تھا) اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ میں تم سے کسی ایک کو مجبور کروں جو تم میں شہادت کا متمنی ہو۔ پس وہ چلے اور جو ناگوار سمجھے پس وہ لوٹ جائے۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلے اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی بھی چلے اور کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ پھر جب فرع سے اوپر معدن کے علاقہ میں پہنچے حجاز کی ایک جگہ جسے نجران کہا جاتا تھا۔ وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک اونٹ گم کیا جس پر وہ باری باری سوار ہو رہے تھے تو یہ دونوں اس اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باقی ساتھیوں کو لے کر چلے۔ یہاں تک کہ بطن نخلہ کے مقام میں پہنچے جو کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ اسی اثناء میں قریش کا قافلہ گزرا جو کشمش اور دیگر سامان لیے ہوئے تھا اور دیگر طائف کی تجارت کا سامان لیے ہوئے تھا۔ اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان جو ہشام بن مغیرہ کا غلام تھا اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے جب انہوں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو ان سے ڈر گئے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ تم سے خوفزدہ ہو گئے ہیں ایسا کرو کہ تم اپنے کسی ساتھی کا سر مونڈ دو اور وہ ان کے سامنے آئے تو ان میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا سر مونڈ دیا اور ان کے سامنے ظاہر ہوئے۔ قافلہ قریش کے لوگوں نے کہا یہ تو عمرہ والے لوگ ہیں تم پر کوئی خوف نہیں پس وہ مطمئن ہو گئے اور یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ یہ دن جمادی الاخریٰ کا ہے حالانکہ وہ دن رجب کا تھا۔ پس قوم نے باہمی مشورہ کیا کہ اگر تم ان لوگوں کو رات تک چھوڑتے ہو تو حرمت والا مہینہ داخل ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگ تم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا۔ پس واقد بن عبداللہ سہمی نے تیر مار کر عمرو بن حضرمی کو قتل کر ڈالا۔ پس ابن حضرمی مشرکین کا پہلا مقتول تھا۔

اور وہ (واقد) ہجرۃ میں پہلا قاتل تھا۔ حضور علیہ السلام نے ابن حضرمی کے قریشی ورثاء کو دیت ادا کر دی۔ یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اور قریش کے درمیان دو سال کا معاہدہ تھا، یہ مجاہدہ وغیرہ کہتے ہیں، معاہدہ باہمی قتال نہ کرنے کا تھا، حکم اور عثمان قید ہو گئے اور یہ اسلام میں پہلے قیدی تھے اور نوفل بھاگ گیا۔ مؤمنین کرام رضی اللہ عنہم اونٹ اور دو قیدی حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ ہانک کر لائے۔ قریش نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینہ کی حرمت پامال کی کہ اس میں خون بہایا اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں عار دلائی اور کہا او صابیو (کفار مسلمان ہونے والوں کو صابی کہتے تھے) کے

گروہ تم نے حرمت والے مہینے بھی حلال کرڈالے اور ان میں قتال کیا۔ حضور علیہ السلام کو یہ صورت حال پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن جحش کو فرمایا کہ میں نے تم کو حرمت والے مہینہ (رجب) میں قتال کا حکم تو نہ دیا تھا، اونٹ اور قیدی رُک گئے اور حضور علیہ السلام نے ان میں سے کچھ بھی لینے سے انکار کردیا۔ یہ بات سریہ پر (جو دستہ حضرت ابن جحش کی قیادت میں گیا تھا) گراں گزری۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ بے شک ہلاک ہوگئے اور سخت نادم ہوئے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ہم نے ابن حضرمی کو قتل کیا پھر ہم نے شام کو رجب کا چاند دیکھا۔ اب ہم کو معلوم نہیں کہ ہم نے ابن حضرمی کو رجب میں قتل کیا ہے یا جمادی الاخریٰ میں۔

اس سلسلہ میں لوگوں نے بہت کچھ قیاس آرائیاں کیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ پس حضور علیہ السلام نے قافلہ کے اونٹوں کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس نکالا۔ یہ اسلام میں حاصل ہونے والا پہلا خمس تھا اور باقی مال مجاہدین کے دستے میں تقسیم فرمادیا۔ یہ اسلام میں حاصل ہونے والی پہلی غنیمت تھی اور اہل مکہ نے اپنے دونوں قیدیوں حکم اور عثمان کے فدیہ کے سلسلے میں کہلا بھیجا۔

جواباً حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم ان دونوں قیدیوں کو اپنے پاس رکھیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھی سعد اور عتبہ رضی اللہ عنہما آجائیں۔ اگر وہ نہ آئے تو ہم ان دونوں کے بدلے میں ان دو کو قتل کردیں گے۔ جب دونوں یعنی سعد و عتبہ رضی اللہ عنہما آگئے تو حضور علیہ السلام نے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بہر حال حکم بن کیسان تو اسلام لائے اور حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ میں رہ گئے اور بئر معونہ میں شہید ہوئے اور عثمان بن عبداللہ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور وہاں حالت کفر میں فوت ہوگئے۔ باقی رہے نوفل تو اس نے غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے گھوڑے کے پیٹ پر مارا تاکہ گھوڑا خندق میں داخل ہو تو نوفل گھوڑے سمیت خندق میں گر گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا خاتمہ کیا۔ مشرکوں نے نوفل کے مردار دھڑ کو بیٹیوں کے عوض حضور علیہ السلام سے طلب کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے لے جاؤ یہ خبیث الجثہ ہے اس کے عوض دیت کا لیا گیا پیسہ بھی خبیث ہے۔ پس یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام

(یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر (خدانہ کرے) قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور اللہ کے رستہ میں جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو) معاف کر دیں گے (اور تم پر) رحمت کریں گے۔

تفسیر ③ "یسئلونک عن الشھر الحرام" رجب کے بارے میں رجب کو شہر حرام حرمت کا مہینہ اس لیے کہا گیا کہ اس میں قتال حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قتال فیہ" اس ماہ میں قتال کرنے سے متعلق (قل) یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے "قتل فیہ کبیر" اس میں لڑائی عظیم ہے (یعنی بڑا گناہ ہے) یہ کلام یہاں تک مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے کلام کا آغاز فرمایا "وصد عن سبیل اللّٰہ" اے مشرکو! تمہارا مسلمانوں کو اسلام سے روکنا "وکفر بہ" اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا "والمسجد الحرام ای مسجد حرام" کے ساتھ (کفر کرنا) اور کہا گیا ہے کہ "وصدکم عن المسجد الحرام" یعنی تمہارا مسجد حرام سے روکنا گویا "والمسجد الحرام" کا تعلق "صد عن سبیل اللّٰہ" سے ہے۔

"واخراج اھلہ" اخراج اہل المسجد مسجد والوں کو نکالنا "عندہ اکبر" اس مسجد سے بوجھ (گناہ) کے لحاظ سے بڑا ہے۔ "عند اللّٰہ والفتنۃ" شرک جس پر تم ہو "اکبر من القتل" (یہ چیزیں) ابن حضرمی کو حرمت والے مہینہ میں قتل کرنے سے بھی بڑا گناہ ہیں۔ پس جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو عبداللہ بن انیس نے مؤمنین مکہ کی طرف لکھا کہ جب تمہیں مشرکین مکہ حرمت والے مہینہ میں لڑائی کے سلسلہ میں عار دلائیں تو تم ان مشرکوں کو کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے اور مسلمانوں کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے منع کرنے کے ساتھ عار دلاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا یزالون" یعنی مشرکین مکہ (ہمیشہ رہیں گے) یہ "لا یزالون" ایسا فعل ہے جس کی مصدر نہیں ہے۔ جیسا کہ عسیٰ وہ فعل ہے جس کی مصدر نہیں۔ "یقاتلونکم" (تم سے لڑتے رہیں گے) اے گروہ مؤمنین "حتیٰ یردوکم" تمہیں پھیر دیں "عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت" کی جزم جزم نسق یعنی ترتیب عطف کی جزم ہے جس کا تعلق "یرتدد" سے ہے۔ "وھو کافر فاولئک حبطت" باطل ہو گئے "اعمالھم" ان کے نیک اعمال "فی الدنیا والآخرۃ و اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ دستہ جو حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں گیا تھا اس میں شامل حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم کو اس سلسلہ میں اجر و ثواب بھی ملے گا اور کیا یہ ہمارا سفر جہاد کہلائے گا؟ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا

﴿۲۱۸﴾ "ان الذین آمنوا والذین ھاجروا" جنہوں نے خویش واقربا کو اور مال ومتاع اور گھروں کو چھوڑا۔ "وجاھدوا" مشرکوں سے جہاد کیا (فی سبیل اللہ) اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سریہ (دستہ) کے اس عمل کو جہاد قرار دیا۔ "اولئک یرجون رحمۃ اللہ" اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بیشک یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ "واللہ غفور رحیم"

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

(ترجمہ) لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر وخیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔

(تفسیر) ﴿۲۱۹﴾ "یسئلونک عن الخمر والمیسر" یہ آیت کریمہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم) اور چند ایک انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ہمیں شراب اور جوئے کے بارے میں فتویٰ دیجئے کیونکہ یہ چیزیں عقل کو لے جانے والی اور مال کو سلب کرنے والی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور یہ قول مکمل طور پر حرمت شراب سے متعلق ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں شراب سے متعلق چار آیتیں نازل ہوئیں اور وہ یہ ہیں "ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا و رزقا" تو مسلمان پیتے تھے اور ان دنوں یہ مسلمانوں کے لیے حلال تھی۔ پھر یہ آیت کریمہ حضرت عمر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے سوال پر نازل ہوئی۔ قل فیهما اثم کبیر "پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کے بارے میں پیش رفت فرمائی ہے تو کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اثم کبیر" کے مطابق شراب پینا چھوڑ دیا اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ومنافع للناس" کے مطابق پیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک دعوت تیار کی اور لوگوں کو اس دعوت میں بلایا۔ اس دعوت میں ان کو شراب پیش کی گئی۔ ان حضرات نے پی اور حالت نشہ میں ہوگئے اور نماز مغرب کا وقت آ گیا۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو آگے کیا تاکہ ان کو نماز پڑھائے تو اس امام نے سورۃ "قل یا یھا الکافرون" تلاوت کی اور یوں پڑھا "قل یایھا الکافرون اعبد ماتعبدون" اسی طرح آخری سورۃ "لا" کو حذف کر کے پڑھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون" کہ اے ایمان والو حالت نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہو اسے جان لو۔

اس آیت کریمہ کی رو سے اوقات صلوٰۃ میں نشہ حرام کردیا گیا۔ پھر جب یہ آیت "لاتقربوا الصلوٰۃ" نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ اس چیز میں کیا خیر ہوگی جو ہمارے اور نماز کے درمیان حائل ہوجائے اور بعض لوگ اوقات نماز میں شراب نہ پیتے اور باقی اوقات میں پی لیتے۔ یہاں تک کہ کوئی بعد نماز عشاء شراب پیتا او صبح تک نشہ اتر چکا ہوتا اور نماز صبح کے بعد پیتا اور نماز ظہر تک ہوش میں آچکا ہوتا۔ حضرت عتبان بن مالک نے ایک دعوت میں لوگوں کو بلایا جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے اور ان حضرات کے لیے حضرت عتبان نے اونٹ کا سر بھونا۔ پس انہوں نے کھایا اور شراب بھی پی۔ یہاں تک کہ شراب نے ان میں خوب اثر کیا۔ پھر اس کے بعد وہ آپس میں فخر کرنے لگے اور اشعار پڑھنے لگے تو حضرت سعد نے ایک قصیدہ پڑھا جس قصیدہ میں انصار کی مذمت کی گئی تھی اور اپنی قوم کے فخر کا بیان تھا تو ایک انصاری نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ماری اور حضرت سعد کا سر پھوڑ دیا۔ حضرت سعد نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر انصاری کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا" کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں بیان شافی یعنی تسلی بخش بیان ارشاد فرمایئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت سورۂ مائدہ میں نازل فرمائی۔ الی قولہ "فھل انتم منتھون" اور یہ غزوۂ احزاب کے چند روز بعد کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انتھینا یا رب" یا اللہ ہم رک گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب حرام ہوگئی اور ان دنوں عرب والوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیاشی نہ تھی۔

اور شراب کی حرمت سے بڑھ کر عرب والوں کے لیے اور کوئی چیز حرمت کے لحاظ سے سخت نہ تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سورہ مائدہ میں شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ہم شراب کے مٹکے لے کر نکلے۔ ہم میں سے بعض نے اپنا مٹکا توڑ ڈالا اور بعض نے اپنا مٹکا پانی اور مٹی سے دھو ڈالا۔ گویا مدینہ منورہ کی گلیاں چھوڑ دی گئیں۔ یعنی ان میں شراب بہا کر کچھ مدت توجہ نہ کی گئی۔ پھر جب بارش ہوئی تو ان میں شراب کی رنگت ظاہر ہوئی اور شراب کی بدبو نکلی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب کو عربی میں خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس کو دنان میں چھوڑ دیتے حتیٰ کہ وہ خمیر بن جاتی اور متغیر ہوجاتی۔ ابن مسیب سے مروی ہے کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کا رنگ صاف ہوجاتا اور تلچھٹ بیٹھ جاتی۔

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے فرمایا کہ میرے لیے اور کوئی شراب نہ تھی سوائے تمہاری کھجور کے شراب کے اور میں ابوطلحہ اور فلاں فلاں کو کھڑا پلا رہا تھا۔ اچانک ایک آدمی آیا جس نے کہا شراب حرام ہوگئی۔ پس انہوں نے کہا اے انس رضی اللہ عنہ یہ مٹکے انڈیل دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نہ تو انہوں نے شراب کے بارے میں مزید پوچھا اور نہ اس آدمی کی خبر دینے کے بعد اس سلسلہ میں مراجعت کی۔ علماء کرام نے شراب کی حقیقت وماہیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم کہتی ہے کہ یہ انگور یا تازہ کھجور کا نچوڑ ہے جو کہ آگ پر پکائے بغیر سخت ہوجائے اور جوش مارے۔ آئمہ کرام کا اس شراب کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ شراب نجس ہے پلید ہے اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے اور اس کا پینے والا فاسق ہے اور اس کو حلال سمجھنے والے کو کفر کی طرف منسوب کیا جائے اور سفیان ثوری، ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور ایک جماعت کا

موقف یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور شراب حرام نہیں ہے اور اس کے علاوہ کسی اور شئی سے بنائی ہوئی شراب کو حرام نہ کہا جائے گا۔ مثلاً گندم سے، جو سے جوار سے شہد سے اور فانیذ (فانیذ ایک قسم کا حلوہ ہے) سے بنائی گئی شراب حرام نہیں مگر یہ کہ نشہ آور ہو۔ اگر نشہ لائے تو حرام ہوگی اور انہوں نے کہا جب انگور و تازہ کھجور کا رس اتنا پکایا جائے کہ اس کا آدھا چلا جائے تو وہ حلال ہے لیکن یہ مکروہ اور اگر اتنا پکایا جائے حتیٰ کہ اس کی دو تہائی چلی جائے انہوں نے کہا وہ حلال ہے اس کا پینا جائز ہے مگر یہ کہ اس سے نشہ حرام ہے۔

یہ حضرات اس روایت سے دلیل پکڑتے ہیں جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کو لکھا کہ مسلمانوں کا رزق طلاء سے ہے جس کا (پکانے سے) دو تہائی حصہ چلا جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ طلاء جس کا تہائی باقی رہ جائے پینا جائز ہے۔ ایک قوم کا کہنا ہے جب رس پکایا جائے معمولی درجہ کا پکانا وہ حلال ہو جاتا ہے اور یہ اسماعیل بن علیہ کا قول ہے۔ اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ جس مشروب کا اکثر نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے گی۔

انہوں نے اس روایت سے دلیل دی ہے جو ابو سلمہ نے اُم المومنین سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے "بتع" "کا منی" "نبیذ العسل" یا عرق انگور کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مشروب نشہ لائے وہ حرام ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جس مشروب) کا زیادہ حصہ نشہ دے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور حرام ہے جس نے دنیا میں شراب پی اور وہ بغیر توبہ کے مر گیا جبکہ وہ شراب کا رسیا تھا تو وہ اسے (شراب طہور جنت والی) آخرت میں نہ پئے گا۔

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیا۔ پس فرمایا بے شک شراب کا حرام ہونا نازل ہو چکا ہے اور یہ شراب پانچ چیزوں سے ہے۔ انگور، کھجور، گندم، جو، شہد اور خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ شعبی نے نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک انگور سے شراب ہے، کھجور سے شراب ہے، شہد سے شراب ہے، گندم سے شراب ہے جو سے شراب ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شراب صرف وہ نہیں جو انگور سے بنائی جائے یا کھجور سے بنائی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے فلاں سے شراب کی بو محسوس کی ہے اور وہ گمان کیا وہ شراب طلاء ہے (یعنی جو تھوڑا پکایا جائے اور اس کا تہائی حصہ چلا جائے) میں پوچھتا ہوں اس نے کون سی شراب پی ہے؟ اگر وہ شراب نشہ آور ہے تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو مکمل حد لگائی۔

اور جو کچھ کہ روایت کی گئی ہے حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہم سے طلاء کے بارے میں پس وہ طلاء ہے جو پکایا

جائے حتیٰ کہ نشہ لانے سے نکل جائے یعنی نشہ آور نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باذق (یہ وہ نچوڑ ہے جسے تھوڑا سا پکایا جاتا ہے یہ بھی نشہ آور ہوتا ہے) کے بارے پوچھا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم باذق کے بارے میں سبقت کر چکا ہے یعنی گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فما اسکر فھو حرام" جو چیز نشہ لائے وہ حرام ہے۔ "والمیسر" یعنی جوا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں آدمی جوا میں اہل وعیال اور مال و متاع کی بازی لگاتا ہے۔ ان دو میں سے جو شخص جوا میں غالب آتا یعنی جوا جیت جاتا وہ دوسرے کا مال اور اہل لے جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "مَیْسِر مَفْعِل" کے وزن پر ہے۔ میسر عرب والوں کے اس قول سے لیا گیا ہے "یسرلی الشیی" یہ جملہ اہل عرب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آسانی مل جائے پھر قمار جوا کو میسر کہا گیا اور مقامر یعنی جوا باز کو یاسر اور یُسر کہا گیا۔ اصل جوا "اقتسر کشتی" یعنی اس اونٹ میں ہوتا تھا جو قابل ذبح ہوتا اور یہ اس طرح کہ عرب مال دار لوگ لائق ذبح اونٹ کو خریدتے پھر اسے نحر کرتے اور اس کے اٹھائیس حصے کرتے پھر اس پر دس تیروں کی قرعہ اندازی کرتے۔ ان تیروں کو ازلام اور اقلام کہا جاتا تھا۔ ان دس تیروں سے سات تیر حصے والے ہوتے۔ فذ تیر کا ایک حصہ ہوتا تو اُم تیر کے دو حصے ہوتے۔ رقیب کے تین حصے ہوتے، حلس تیر کے چار حصے نافس تیر کے پانچ حصے، مسبل کے چھ حصے، معلی کے سات حصے اور تین تیر ایسے ہوتے جن کا کوئی حصہ نہ ہوتا اور وہ تین تیر یہ تھے منیح سفیح وغد۔

پھر ان تیروں کو ایک چمڑے کے تھیلے میں کر دیتے۔ اس تھیلے کا نام رباب ہوتا اور وہ تھیلا ایک انصاف پسند آدمی کے ہاتھ کر دیتے۔ اس آدمی کو مجیل اور مفیض کہتے۔ پھر وہ آدمی اس تھیلے کو الٹ پلٹ کرتا اور اس میں سے ایک ایک تیر نکالتا۔ ان دس آدمیوں میں سے کسی کے نام۔ پس جس کے نام جو تیر نکلتا اپنا حصہ اس تیر کے حوالے سے لے لیتا جس مقدار کا اس کا حصہ ہوتا۔ اگر کسی کے نام پر وہ تیر نکلتا جو ان تین تیروں میں سے ہوتا جن کے حصے نہیں تو وہ آدمی کچھ نہ لیتا اور سارے اونٹ کی قیمت کی چٹی اس کو ڈالتے۔ بعض نے کہا کہ نہ تو اس شخص کو کچھ حصہ ملتا اور نہ کل اونٹ کی قیمت کی چٹی اس پر ڈالی جاتی اور یہ تیر بے کار چلا جاتا۔ پھر اس اونٹ کا گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا اور یہ لوگ خود کچھ نہ کھاتے، ایسا کرنا فخر سمجھتے اور اس میں حصہ نہ لینے والے کی مذمت کرتے اور اس کا نام برم (تھڑ دلا) رکھتے اور یہ جوا عرب میں رواج پذیر تمام جوؤں سے برا تھا اور گمراہ کن تھا۔ آیت کریمہ سے مراد ہر قسم کا جوا ہے۔

طاؤس، عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس میں قمار (جوا) ہو وہ میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ اور گوٹی کا کھیل بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ شطرنج (جوا کا وہ کھیل جو ۳۲ مہروں سے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے) اور نرد چوپڑ بازی بھی میسر ہے۔ "قل فیھما اثم کبیر" جھگڑے کا، گالی گلوچ اور بدکلامی کا بڑا بوجھ ہے۔ حمزہ اور کسائی "اثم کثیر" یعنی ثاء کے پڑھا اور باقی قراء نے کبیر باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ شراب اور جوے میں وہ گناہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں کیا ہے "انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضا فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون" (ومنافع للناس) شراب کا نفع پینے کی لذت، خوشی اور کھانے کا مزہ اور شراب کی تجارت

کا نفع اور جوا کا نفع بغیر مشقت کے مال پالینا اور فقیر لوگوں کا اس سے نفع مند ہونا اور اس میں گناہ یہ ہے کہ جب کسی کا مال جوئے میں بلاعوض چلا جاتا ہے تو یہ بات اس کو بری لگتی ہے پھر وہ اپنے اس ساتھی سے دشمنی رکھتا ہے اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔"واثمھما اکبر من نفعھما" حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا حرام ہونے کے بعد کا گناہ ان کے حرام ہونے سے پہلے والے نفع سے بڑا ہے اور وہ گناہ وہ دشمنی اور بغض ہے جو اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔"ویسئلونک ماذا ینفقون" اور یہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے کہا"ماذا ننفق؟" ہم کیا کچھ خرچ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا"قل العفو" ابوعمرو اور حسن اور قتادہ اور ابن ابی اسحاق رحمہم اللہ نے "العفوُ" کو رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا وہ جو کچھ خرچ کریں وہ عفو ہو اور باقی حضرات نے "العفوَ" زبر کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوگا یارسول اللہ آپ فرمادیں۔"انفقوا العفو" عفو خرچ کرو۔ مفسرین نے عفو کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔

قتادہ، عطاء اور سدی فرماتے ہیں عفو کے معنی ہیں وہ مال جو زائد از حاجت ہو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کماتے تو خرچہ کے مطابق مال روک لیتے اور گھریلو خرچہ سے زائد کو اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق صدقہ کردیتے۔ پھر یہ صدقہ (بحیثیت لازم ہونے کے) زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "العفو" کے معنی ہیں کہ ایسی صورت میں خرچ کرو کہ خرچ کرنے کے بعد بھی تمہیں غنا حاصل رہے فقیر نہ ہو جاؤ کہ لوگوں پر بوجھ بن جاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی بنیاد پر ہو۔ (یعنی صدقہ دینے کے باوجود غنا باقی رہے) اور اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے اور اس کے ساتھ ابتداء کر (یعنی جو صدقہ دینے کی) جس کا تو سرپرست ہے (یعنی جو لوگ تیری نگرانی میں ہیں) عمر بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ تنگی ہو وہ ہے درمیانہ درجہ کا خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا" طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو (خرچ) آسان ہو اور عفو ہر شئی میں "یُسر" (آسان) کا نام ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "خذ العفو" یعنی جو لوگوں کی آسان عادات ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس دینار ہے (گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کو کہاں خرچ کروں) تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کر (اسی سابقہ مفہوم کے اعتبار سے) اس نے کہا حضور علیہ السلام میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کر، اس نے عرض کیا ایک دینار اور بھی میرے پاس ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر، اس نے عرض کی میرے پاس ایک دینار اور ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کر، اس نے کہا میرے پاس اور دینار ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس سلسلہ میں تو بہتر جانتا ہے (جہاں بہتر سمجھے خرچ کر)

"کذالک یبین اللہ لکم الآیات" زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "کذالک" فرمایا یعنی واحد حاضر کو خطاب کیا

حالانکہ مخاطب جماعت ہے۔ اس لحاظ سے "کذالکم" ہونا چاہیے تھا جواب میں فرمایا کہ جماعت بمعنی قبیل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کذالک ایھا القبیل" اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو خطاب، خطاب اُمت پر مشتمل ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء" (تو جیسے یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو ہے مراد امت ہے اسی طرح یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو اور مراد اُمت ہے) "لعلکم تتفکرون"

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔ اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ﴿۲۲۰﴾ "فی الدنیا والآخرة" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نفقات کے بارے میں بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دُنیا و آخرت میں غور و فکر کرو۔ پس دُنیاوی معاش کی اصلاح کی خاطر اپنے مالوں کا حساب کرلو اور اس سے زائد مال کو اس جگہ خرچ کرو جہاں خرچ کرنا آخرت کے لحاظ سے نفع مند ہو۔ اکثر مفسرین اس آیت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح دُنیا و آخرت کے معاملہ میں آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ تم سوچو بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اخراجات کے بارے میں آیات بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دُنیا کے زوال و فنا کے بارے میں سوچو، پھر اس سے بے رغبت ہو جاؤ اور آخرت کے متوجہ اور آجانے کے بارے میں اور اس کے باقی رہنے کے بارے میں سوچو، پھر تم آخرت میں رغبت کرنے لگو۔

"ویسئلونک عن الیتامیٰ" ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن" اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اترا "ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما" تو مسلمان یتیموں کے مال میں سخت حرج محسوس کرنے لگے حتیٰ کہ یتیموں کے مال کو اپنے مالوں سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کے لیے تیار کیا جاتا اور اس کا کچھ حصہ بچ رہتا تو اس کھانے کو اپنے استعمال میں نہ لاتے اور وہ کھانا خراب ہو جاتا۔ یہ صورت حال ان پر گراں گزرتی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس سلسلہ میں سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی "قل اصلاح لھم خیر" کہ یتیموں کے مال کی اصلاح بغیر کسی اجرت اور معاوضہ لینے کے بہتر ہے اور اجر کے لحاظ سے عظیم ہے کیونکہ ایسا کرنے میں تمہارے لیے ثواب ہے اور ایسا کرنا یتیموں کے حق میں بھی بہتر ہے کہ ان کا مال بڑھے گا (ضائع نہ ہوگا) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اصلاح لھم" خیر کا معنی ہے کہ یتیم کا سرپرست اپنے مال کو یتیم پر وسیع کر دے اور یتیم کے مال میں وسعت نہ کرے۔

"وان تخالطوھم" اس میں مال کے ملانے کا جواز معلوم ہوا کہ تم اگر یتیموں کے مال میں مشارکت کرو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا دو، اخراجات کے لحاظ سے رہائش کے اعتبار سے خادموں اور جانوروں کے لحاظ سے اور اپنی نگرانی و نگہبانی کا جو تم ان کے مال کی کر رہے ہو، اگر عوض اور بدلہ لے لو اور جو کچھ یتیم کا مال تم لو اس کے بدلے اپنا مال دے کر مکافات کر دو یعنی معاملہ برابر کر دو۔

"فاخوانکم" پس وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی بعض بعض کی مدد کرتے ہیں اور باہمی رضامندی کے طور پر اور اصلاح کے لیے ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں۔ "واللہ یعلم المفسد" جو یتیموں کا مال خراب کرے "من المصلح" جو ان کے مال کی اصلاح کرے یعنی جو شخص یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر خیانت کا ارادہ کرے اور یتیم کا مال خراب کرے اور ناحق کھائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں اور اس کو بھی جانتے ہیں جو یتیموں کا مال ملا کر اصلاح کا ارادہ کرے۔ "ولو شاء اللہ لاعنتکم" تم پر تنگی فرماتا اور یتیموں کا مال ملانے کو جائز نہ فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس فرمان الٰہی کا معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو مال تم یتیموں کا لیتے اسے تمہارے لیے ہلاک کرنے والا بنا دیتا۔ "عنت" کا اصل معنی "شدۃ" اور "مشقۃ" ہے اور اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں تمہیں اس قسم کا حکم دیتا جو تم پر گراں اور باعث مشقت ہوتا۔ "ان اللہ عزیز" اپنی قدرت اور سلطنت کے لحاظ سے تم پر مشقت ڈالنے پر غالب و قادر ہے اور کہا گیا ہے کہ عزیز وہ ہے جو اپنے غلبہ کے ساتھ حکم فرمائے۔ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں ہو۔ (حکیم) حکیم ہے ہر اس میں وہ جو فرماتا ہے اپنی تدبیر سے اور (بندوں کو) مشقت میں نہ ڈالنے کے لحاظ سے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲۱

(ترجمہ) اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔ اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ میں جانے کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں۔ اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں

(تفسیر) ۲۲۱ "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ بے شک مرثد بن ابی مرثد غنوی اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ابو مرثد غنوی ہیں اور عطاء کہتے ہیں ابو مرثد کناز بن الحصین اور یہ دلیر تھے ان

کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہاں سے مسلمانوں کو پوشیدہ طور پر نکال لائیں۔ جب حضرت موصوف مکہ مکرمہ پہنچے تو ان کی آمد سے متعلق ایک مشرک عورت عناق نامی نے سنا جو ان کی زمانہ جاہلیت میں محبوبہ تھی تو وہ عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی اے ابومرثد کیا تم خلوت نہیں کرتے تو حضرت ابومرثد نے ان کو فرمایا عناق تجھے ہلاکت ہو ہمارے اور اس گناہ (زنا) کے درمیان اسلام حائل ہے۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی تو کیا تجھے اس بات کی رغبت نہیں کہ مجھ سے نکاح کرلے۔ اس پر حضرت ابومرثد نے فرمایا ہاں مگر میں حضور علیہ السلام کے پاس جاؤں گا اور ان سے مشورہ کروں گا۔ اس پر اس عورت نے کہا کیا تو میرے متعلق تنگ دلی اور ناگواری کرتا ہے۔ پھر اس عورت نے اور لوگوں سے مدد چاہی اور انہوں نے حضرت ابومرثد کو سخت مارا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ پھر جب ابومرثد نے مکہ مکرمہ میں اپنا کام پورا کرلیا اور واپس حضور علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضور علیہ السلام کو اپنی کارگزاری سنائی جو کچھ اس عورت عناق اور مارنے والوں نے اس عورت کے سبب ان کے ساتھ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس عورت کے ساتھ میرے لیے نکاح کرنا جائز ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "**ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن**" اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حق میں منسوخ ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اعتبار سے "**والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم**" نیز حضور علیہ السلام کے فرمان اور اجماع اُمت کے اعتبار سے بھی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں لیکن اہل کتاب مسلمان عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تم ان (اہل کتاب) پر مشرک کا لفظ کیوں استعمال کرتے ہو حالانکہ انہوں نے صرف حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا ہے تو اس کے جواب میں حضرت ابوالحسن بن فارس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا۔

حضرت قتادہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں مشرکات سے مراد بت پرست عورتیں مراد ہیں کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نائیلہ بنت فرافصہ سے جب نکاح کیا تھا تو وہ نصرانیہ تھی پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تحت آنے کے بعد نائیلہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ نے نصرانی عورت سے نکاح کیا تھا۔ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس کی راہ چھوڑ دو۔ جواباً حضرت حذیفہ نے لکھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اہل کتاب عورتوں کی وجہ سے مؤمن عورتوں میں تنازع نہ کرنے لگو (یعنی مؤمن عورتوں سے نکاح کرنے میں بے اعتنائی نہ برتنے لگو) "**ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم**" اپنے حسن و جمال اور مال و منال کے باعث (مشرک عورت تمہیں اچھی ہی کیوں نہ لگے) پھر بھی مومنہ باندی بہتر ہے۔ یہ آیت حضرت خنساء کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سیاہ باندی تھی۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا اے خنساء تیرا ذکر تیرے سیاہ رنگ اور قبول صورت نہ ہونے

کے باوجود ملاءِ اعلیٰ یعنی آسمانوں پر ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

حضرت سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ اس طرح کہ ان کی ایک سیاہ رنگ کی باندی تھی۔ اس پر حضرت عبداللہ ناراض ہوئے اور ایک طمانچہ مارا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی تو حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا وہ کیا ہے اے عبداللہ؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ باندی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ رمضان المبارک کے روزے رکھتی ہے اور وضو اچھی طرح کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ مومنہ ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پس قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا ہے میں نے اس باندی کو آزاد کیا اور اب میں ضرور اس سے نکاح کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا اور مسلمان لوگوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا اور کہا کیا تو باندی سے نکاح کرتا ہے؟ اور ان پر آزاد مشرک عورت پیش کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی "ولا تنکحوا المشرکین حتّٰی یؤمنوا" یہ اجماع ہے کہ مسلمان عورت کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ مشرک سے نکاح کرے۔

"ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک" اس سے مراد مشرکین "یدعون الی النار" ایسے اعمال کی طرف دعوت دیتے ہیں جو آگ کو واجب کرنے والے ہیں "واللّٰہ یدعو الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ" "باذنہ" کا معنی "بقضائہ" یعنی فیصلہ تقدیری کے مطابق وقدرت اپنی تقدیر کے مطابق وارادے اپنے ارادہ کے مطابق "ویبین آیاتہ للنّاس" آیات سے مراد اوامر اور نواہی ہیں (لعلھم یتذکرون) تاکہ اس سے نصیحت یاب ہونے کی امید ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۞

ترجمہ اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک رہنے والوں سے

تفسیر ۞ انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک یہود کا طریقہ تھا کہ جب کوئی عورت حیض والی ہوتی تو اسے گھر سے نکال دیتے اور اس کے ساتھ مل کر نہ کھاتے اور نہ پیتے اور نہ اس کو گھر میں اکٹھا رکھتے۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی

المحیض" الآیۃ۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض والی عورتوں کو گھر میں اکٹھا رکھو اور ان کے ساتھ ہر معاملہ کرو سوائے جماع کے۔ پس یہود نے کہا کہ یہ شخص (حضور علیہ السلام) اور کچھ ارادہ نہیں رکھتا مگر یہ ہمارے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کریں۔ تو اُسید بن حضیر اور عباد بن بشیر رضی اللہ عنہما حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور دونوں نے کہا یا رسول اللہ یہودی یوں کہہ رہے ہیں کیا ہم ان عورتوں سے حالت حیض میں جماع کرنا نہ شروع کردیں۔ پس حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور علیہ السلام ان دونوں پر ناراض ہوگئے ہیں۔ پس وہ دونوں نکلے پس ان دونوں کے سامنے سے حضور علیہ السلام کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور ان دونوں کو دودھ پلایا۔ پس ہم جان گئے کہ حضور علیہ السلام ان پر ناراض نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "و یسئلونک عن المحیض" یعنی حیض کے بارے میں (پوچھتے ہیں) اور یہ لفظ مصدر ہے حاضت المرأۃ تحیض حیضا و محیضا کہ عورت حیض والی ہوگئی۔ گویا حیض اور محیض دونوں مصدر ہی ہیں جس طرح کہ میر اور مسیر مصدر ہی ہیں۔ حیض کا اصل معنی "الفجار و سیلان" یعنی بہہ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قل ھو اذی" یعنی قذر ہے (قابل نفرت ہے) اذی ہر وہ چیز ہے جو قابل نفرت ہو۔ "فاعتزلوا النساء فی المحیض" اعتزال سے مراد وطی نہ کرنا ہے۔ "ولا تقربوھن" یعنی ان سے جماع نہ کرو۔ البتہ چھونا اور اس کے ساتھ مل کر سونا جائز ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں نہاتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے اور حضور علیہ السلام مجھے حکم دیتے کہ میں تہبند باندھ لوں پھر میرے ساتھ مباشرت فرماتے یعنی ننگے بدن مل کر سوتے حالانکہ میں حیض والی ہوتی اور حضور علیہ السلام حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک نکالتے (یعنی مسجد سے سر مبارک باہر نکالتے) اور حضور علیہ السلام کا سر دھوتی حالانکہ میں حیض والی ہوتی تھی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں حیض والی ہوگئی جبکہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ پس میں حضور علیہ السلام سے الگ ہوگئی اور اپنے حیض والے کپڑے لے کر پہن لیے۔ پس مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو حیض والی ہوگئی؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے پاس چادر مبارک میں داخل فرمالیا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں پیتی تھی جبکہ میں حیض والی ہوتی تھی اس کے بعد میں وہ (برتن) حضور علیہ السلام کو دیتی تھی اور اپنا منہ مبارک اس جگہ پر رکھ کر پیتے تھے جس جگہ سے میں نے پیا ہوتا اور میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی پھر حضور علیہ السلام مجھ سے وہ بوٹی لے لیتے اور اس جگہ منہ رکھ کر کھاتے جس جگہ میں نے منہ رکھ کر کھایا ہوتا۔ پس حیض والی عورت سے جماع حرام ہے۔ جس نے کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اگر امام وقت کو معلوم ہوجائے تو اس کو سزا دے۔ اہل علم نے ایسا کرنے پر کفارہ واجب ہونے پر اختلاف کیا ہے۔ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ایسا کرنے پر کفارہ تو نہیں ہے البتہ استغفار کرے اور توبہ کرے۔

اور ایک قوم کا موقف یہ ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ ہے یہ کہنے والے حضرت قتادہ، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق ہیں اور یہ دلیل

اس حدیث سے دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) روایت بیان کرتے ہیں۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا۔ چنانچہ فرمایا اگر تو حیض کا خون خالص رنگ والا تازہ ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر زرد رنگ کی طرف مائل ہو تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف بھی بیان کی گئی ہے اور حیض نماز کے فرض ہونے کے لیے بھی مانع ہے اور جواز کے لیے بھی مانع ہے اور روزہ کے جواز یعنی ادا کے لیے مانع ہے مگر وجوب صوم کے لیے مانع نہیں ہے حتیٰ کہ جب حیض سے پاک ہو جائے گی تو روزہ رکھنا اس پر بطور قضا کے واجب ہوگا مگر نماز کی قضا لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح نفاس والی کا حکم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم حضور علیہ السلام کے زمانہ میں حیض والی ہوتی تھیں۔ پھر جب ہم پاک ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں روزہ کی قضاء ادا کرنے کا حکم فرماتے اور نماز کی ادا کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ حیض والی عورت کے لیے طواف بیت اللہ مسجد میں اعتکاف قرآن پاک کو ہاتھ لگانا قرآن کریم پڑھنا یہ سب منع ہے اور خاوند کے لیے حیض والی بیوی سے جماع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ جسرہ بنت دجاجہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے پس آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ گھروں کو مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی دروازوں کو) پس میں کسی حیض والی اور جنبی کے لیے مسجد کو جائز نہیں رکھتا (یعنی مسجد کا داخلہ)۔

"فاذا تطھرن" عاصم نے ابوبکر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ کی روایت سے طاء اور هاء کی شد کے ساتھ پڑھا۔ معنی ہوگا یہاں تک کہ غسل (طہارت) کریں اور باقیوں نے طاء کی سکون اور هاء مخفف کی پیش کے ساتھ پڑھا تو معنی ہوگا حتیٰ کہ حیض سے پاک ہوں اور ان کا خون کٹ جائے "فاذا تطھرن" یعنی غسل کرلیں "فاتوھن" پس ان سے جماع کرو "من حیث امرکم اللہ" جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو عورتوں سے جدا رہنے کا حکم دیا تھا اسی جگہ سے ان کے پاس آئے یعنی فرج (اگلی شرمگاہ)۔

حضرت مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان سے فرج میں وطی کرو اور اس سے کسی اور جگہ کی طرف تجاوز نہ کرو یعنی پچھلی جانب سے بچو اور کہا گیا ہے کہ "من حیث" کا معنی "فی حیث" "امرکم اللہ" اور وہ فرج (اگلی شرمگاہ ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ" یعنی فی یوم الجمعہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے پس ان کے پاس اس طریقہ سے آؤ جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے آنے کا حکم دیا اور وہ حالت طہر ہے۔ ابن حنیفہ نے فرمایا کہ حلال طریقہ سے نہ بدکاری کی راہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ بیویوں کے پاس اس وقت نہ جاؤ جب وہ روزہ دار ہوں، اعتکاف کرنے والیاں ہیں یا حالت احرام میں ہوں (اس کے علاوہ حالات میں) ان کے پاس جانا اور جماع کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور جان لو کہ کسی اس شئی کی حرمت جس سے حیض نے منع کیا ہو۔

یہ ممانعت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک غسل نہ کرلیں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم نہ کرے سوائے روزہ کی حرمت کے۔ تحقیق حیض والی کا خون اگر رات کے وقت ختم ہو جائے اور رات ہی کو اس نے روزہ کی نیت کرلی اور غسل دن کو کیا تو

اس کا روزہ درست ہوگا اور حالت حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہوگی اور اگر خون ختم ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے طلاق دی تو طلاق بدعی نہ ہوگی اور حضرت ابوحنیفہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر خون اکثر مدت حیض پر ختم ہو جو کہ ان کے نزدیک دس دن ہے تو غسل سے پہلے اس عورت سے خاوند کے لیے صحبت کرنا جائز ہے۔ حضرت مجاہد اور عطاء اور طاؤس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں جب عورت شرمگاہ دھولے تو غسل سے پہلے خاوند کو جماع کرنا جائز ہے اور اکثر اہل علم کے ہاں حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنے سے پہلے یا پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے سے پہلے خاوند کے لیے جماع کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی سے صحبت جائز ہونے کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا ہے۔ (۱): "انقطاع دم" یعنی حیض کا ختم ہونا (۲) غسل کرنا پس فرمایا "حتٰی یطھرن" یعنی حیض سے "فاذا تطھرن" یعنی جب غسل کرلیں پھر ان کے پاس آؤ اور جس نے "یطھرن" کو شد کے ساتھ پڑھا۔ پس اس سے مراد غسل ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وان کنتم جنبا فاطھروا" یعنی پس غسل کرو (جیسے "فاطھروا" میں شد ہے اور مراد غسل ہے کہ جنبی آدمی کے لیے پاک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ غسل کرے۔ اسی طرح "تطھرن" میں شد آنے کی صورت میں غسل کرنا شرط طہارت ہے) پس اس کی دلالت اس امر پر ہوگی کہ عورت کے غسل کرنے سے پہلے خاوند کو اس سے صحبت کرنا جائز نہیں۔

"ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین" حضرت عطاء اور مقاتل بن سلیمان اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور بے وضو اور جنابت سے اور نجاست سے پانی کے ذریعے طہارت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور شرک سے پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں شرک سے توبہ کرنے والوں اور گناہوں سے پاک رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گناہوں سے توبہ کرنے والے کہ اس کی طرف واپس نہیں لوٹتے اور متطہرین سے مراد ہے کہ گناہوں سے پاک رہنے والے کہ سرے سے گناہ کرتے ہی نہیں اور "تواب" وہ ہے جو جب بھی گناہ کرے تو توبہ کرلے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "فانہ کان للاوابین غفورا"

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُم مُّلٰقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ۔ اور آئندہ کے واسطے (بھی) اپنے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور (اے محمدؐ) ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر: ﴿۲۲۳﴾ "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی

اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہلاک ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کس چیز نے تجھے ہلاک کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آج رات میں نے کجاوہ بدلا ہے (یعنی بیوی سے صحبت، دوسرے انداز سے کی جو کہ پہلے عام انداز سے مختلف تھا) حضور علیہ السلام نے جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی "نساء کم حرث لکم فاتو حرثکم انی شئتم" یعنی سیدھا لٹا کر جماع کرو یا اُلٹا کر کے۔ البتہ دُبر سے بچو اور حالت حیض سے پرہیز کرو۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جو شخص بیوی سے اوندھا کر کے جماع کرے مگر دخول فرج میں کرے تو ایسی صورت میں بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ پس یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "نساء کم حرث لکم فاتو حرثکم انی شئتم" حضرت مجاہد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا طریقہ یہ تھا کہ بیوی سے صرف ایک انداز سے جماع کرتے تھے اور یہ بہت ہی مستور انداز تھا عورت کے لیے۔ انصار کے لوگوں نے یہ انداز جماع یہود سے لیا تھا اور قریش جماع میں بیویوں سے خوب لذت حاصل کرتے، سامنے کر کے اور اوندھا کر کے اور چت لٹا کر۔

پس جب مہاجرین مدینہ منورہ پہنچے تو ایک مہاجر نے انصاری عورت سے نکاح کیا تو مہاجر اپنے قریشی آزادانہ طریقہ کار سے جماع کرنا چاہا۔ عورت نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ ہم سے ایک ہی انداز سے جماع کیا جاتا تھا تم بھی ایسا ہی کرو ورنہ مجھ سے دور رہو یہاں تک کہ ان کی یہ خبر چلی اور یہ معاملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

"نساء کم حرث لکم" الآیہ یہاں حرث سے مراد بچہ پیدا ہونے کی جگہ ہے "فاتو حرثکم انی شئتم" سامنے سے یا اوندھا کر کے چت لٹا کر اور "انی" استفہام کا حرف ہے جس کے ذریعے حال اور محل کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اس کا معنی ہوگا جس طرح تم چاہو اور جہاں سے چاہو بعد اس کے کہ ذات ایک ہو۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انی شئتم" سے مراد صرف فرج یعنی عورت کی شرمگاہ ہے اور اسی طرح "حرث لکم" ہے "مزرع لکم" کے معنی میں ہے یعنی کھیتی کی جگہ بچہ پیدا ہونے کی جگہ زمین کی مانند ہے جہاں کاشت کی جاتی ہے۔ اس آیت میں دُبر کی طرف سے آنے کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ محل حرث یعنی کھیتی کی جگہ وہ قُبل ہے یعنی عورت کی شرمگاہ نہ کہ دُبر۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حکم عزل سے متعلق ہے (عزل کا مطلب ہے کہ بوقت جماع منی کو شرمگاہ سے باہر نکال کر دیا جائے) یعنی اگر تم چاہو تو عزل کرو اور چاہو تو عزل نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تیری کھیتی ہے اسے پیاسا رکھو یا سیراب کرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل کے لیے باندی سے مشورہ کیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ عزل مکروہ ہے اور کہا کہ یہ وأد خفی ہے (یعنی ایک قسم کا زندہ درگور کرنا ہے) بذریعہ امام مالک حضرت نافع سے روایت کی گئی۔

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے قرآن سیکھتا تھا پس انہوں نے یہ آیت پڑھی "نساء

کم حرث لکم "فرمایا جانتے ہو کہ یہ آیت کس سے متعلق نازل ہوئی؟ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا آپ نے فرمایا یہ ایک شخص سے متعلق نازل ہوئی جس نے بیوی سے دُبر میں جماع کیا "لواطت کی" پس اس پر گراں ہوا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ سے بیوی کے ساتھ دُبر سے جماع کرنے کا جواز منقول ہے مگر ان کے ساتھیوں نے اس کا انکار کیا ہے۔

عبداللہ بن حسن سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے ملے اور اُن سے کہا اے ابو عمر آپ نے حضرت نافع کی حدیث عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کون سی بیان کی کہ وہ اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے کہ عورتوں کو ان کی دُبروں کی طرف سے آیا جائے؟ پس آپ رحمہ اللہ فرمایا غلام نے جھوٹ بولا اور غلطی کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں سے ان کی شرمگاہوں میں دُبروں کی طرف یعنی پیچھے کی طرف سے آیا جائے۔ (یعنی مقام تو وہی قُبل یعنی شرمگاہ ہو مگر عورت کو اوندھا کر کے اس سے جماع کیا جائے) دُبر کی طرف سے آنے یعنی بیوی سے لواطت کرنے کی حرمت پر دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے۔ عمرو نے خزیمہ بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک ایک آدمی نے حضور علیہ السلام سے عورتوں کو پیچھے کی طرف سے آنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو سوراخوں میں سے کس سوراخ میں کیا؟ پیچھے کی طرف سے قُبل یعنی شرمگاہ میں جماع کیا تو پھر ٹھیک ہے یا پیچھے کی طرف سے دُبر میں کیا یعنی لواطت کی تو پھر نہیں یعنی جائز نہیں (اس جگہ حدیث شریف میں تین لفظ خربتین، خرزتین، خصفتین مذکور ہیں۔ (تینوں کا معنی ملتا جلتا ہے یعنی سوراخ) حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ فرما کر ارشاد فرمایا۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے حیاء نہیں فرماتا یعنی حق کہنے سے نہیں رُکتا۔ عورتوں کے پاس دُبر کی طرف سے نہ آیا کرو یعنی لواطت نہ کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کو دُبر کی طرف سے آتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے۔ "وقدموا لانفسکم" حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "قدموا انفسکم" سے مراد یہ ہے کہ بیوی سے جماع کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقدموا لانفسکم" سے مراد یہ ہے کہ جب اپنی بیوی کے پاس جماع کے لیے آئے تو دُعاء (خیر) مانگے۔

حضرت کریب سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے کہے "بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطن مارزقتنا"
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس سے دور رکھ جو کچھ تو ہمیں رزق عطا کرے۔ (یعنی اولاد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر اس دفعہ کے جماع میں میاں بیوی کے مقدر میں بچہ یا بچی ہوئی تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے گا اور بعض نے کہا ہے کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد طلب اولاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان فوت ہوتا ہے اس کا (ہر قسم کا) عمل کٹ

جاتا ہے مگر تین (ذرائع) سے ❶: صدقۂ جاریہ (یعنی وہ رفاہی عمل خیر جو اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا ہوتا ہے) ❷ (اس کا) علم جس سے اس کے بعد بھی نفع حاصل کیا جاتا ہو (اس میں تدریس کے اعتبار سے اس کے شاگرد اور اس کی تقاریر و تصانیف کا سرمایہ خیر) ❸ نیک اولاد جو اس کے لیے دُعاءِ خیر کرتی رہے اور کہا گیا ہے کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا ہے تاکہ نیک اولاد پیدا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت سے نکاح چار وجوں سے کیا جاتا ہے۔ ❶ مال کی وجہ سے ❷ خاندانی وجاہت و شرافت سے ❸ عورت کے حسن و جمال کی وجہ سے ❹ عورت کی دینداری کے باعث تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں دیندار عورت سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر۔ "تربت یداک" کا لغوی معنی اگرچہ دُعائے ذلت و ہلاکت ہے مگر عرف میں جس کام کے سلسلہ میں یہ جملہ وارد ہو اس کے خلاف کرنے میں اظہارِ تعجب اور اس کام کے کرنے کے بارے میں ترغیب دینا ہوتا ہے۔ (مترجم)

بعض نے کہا ہے "قدموا لانفسکم" والی آیت کا معنی تقدیم افراط ہے یعنی چھوٹے بچے کا مر کر ذخیرۂ آخرت بن جانا مراد ہے۔ فرط اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کے سلسلہ میں پانی وغیرہ ضروریات کا انتظام کرے جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا "انا فرطکم علی الحوض" کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارا فرط ہوں گا۔ سعید بن المسیب نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہوں پھر اس کو آگ چھوئے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان پورا ہونے کی حد تک (یعنی صرف آگ کے اوپر گزر جانا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے "وان منکم الا واردھا" کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر جہنم سے نہیں ہوگا) کلبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد خیر اور عمل صالح ہے اس کی دلیل سیاق آیت یعنی آیت کا مابعد کا حصہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ" ملاقوہ کا معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہو پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا "وبشر المؤمنین"

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کے ذریعے سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۲۴﴾ "ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم" یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ پس حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ نہ تو اس کے پاس جائیں گے نہ اس سے کلام کریں گے اور نہ اس کے اور اس کے مخالف کے درمیان صلح کرائیں گے اور اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جب بات کی جاتی تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی ہے کہ ایسا نہیں کروں گا لہٰذا میرے لیے سوائے قسم کو پورا کرنے کے کچھ جائز نہیں ہے۔ پس اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ ابن جریج رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اُٹھائی کہ مسطح پر خرچ نہیں کریں گے کیونکہ مسطح نے واقعہ افک میں خوض کیا (اس کے سننے میں دلچسپی لی یا بیان کیا)۔ عرضہ اصل میں شدت اور قوت کے لیے ہے۔ اسی لیے وہ جانور جو سفر کے لیے تیار کیا جائے اسے عرضہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سفر پر قادر ہوتا ہے۔ پھر ہر وہ چیز جو کسی امر کی صلاحیت رکھتی ہو اس چیز کو اس امر کے لیے عرضہ کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ عورت کو عرضۃ النکاح کہا جاتا ہے جب وہ نکاح کے لائق ہو جائے اور عرضہ ہر وہ چیز جو پیش آئے اور کسی شئی سے رُکاوٹ بن جائے تو آیت کا معنی ہوگا کہ حلف باللہ کو بر (نیکی) اور تقویٰ کے لیے سبب مانع نہ بناؤ۔ تم میں سے کسی کو صلہ رحمی اور نیکی کی طرف دعوت دی جائے۔ جواب میں وہ کہے کہ میں نے اللہ کے نام کی قسم اُٹھائی ہے کہ میں یہ نیکی نہ کروں گا تو قسم کو نیکی چھوڑنے کا بہانہ بنالے۔

"ان تبرّوا" اس کا معنی ہے "اَنْ لَا تبرُّوا" یہ کہ تم نیکی نہ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یبیّن لکم ان تضلّوا" یعنی "لئلا تضلوا" (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم نہ بھٹکو)

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جس نے قسم اُٹھائی پھر اس نے اس سے بہتر امر دیکھا تو اسے چاہیے کہ قسم (توڑ کر) کا کفارہ دے اور جو بہتر امر ہے اس کو کرے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۞

ترجمہ اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دارو گیر نہ فرماویں گے تمہاری قسموں میں بیہودہ قسم پر لیکن دارو گیر فرماویں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں

تفسیر ۞ "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" لغو۔ ہر وہ حصہ جو کلام میں سے ساقط ہو اور غیر معتبر ہو۔ اہل علم نے آیت کریمہ میں مذکور لغو قسم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں یمین لغو ہر وہ قسم ہے جو غیر اختیاری طور پر جلد بازی میں بلا ارادہ زبان سے نکل جائے۔ مثلاً کہنے والے کا کہنا "لا واللہ" ایسے نہیں اللہ کی قسم "بلی واللہ" ہاں ایسے ہے اللہ کی قسم۔ "کلا واللہ" ہرگز ایسا نہیں اللہ کی قسم۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یمین لغو انسان کا لا واللہ بلی واللہ کہنا ہے بعض راویوں نے مرفوع بیان کیا ہے۔ شعبی و عکرمہ رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو ہنسی مزاح اور جھگڑے میں اُٹھائی جائیں اور وہ بات جو دل سے صادر نہ ہو۔ خلاصہ ہر وہ قسم جو سنجیدہ کلام میں وارد نہ ہو وہ یمین لغو ہے اور ایک قوم کا کہنا ہے کہ ہر وہ قسم اُٹھانے والا سمجھے کہ یہ قسم سچی ہے بعد

میں ظاہر ہو کہ ایسی نہ تھی یعنی سچی نہ تھی۔ یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی، قتادہ، مکحول (رحمہم اللہ) کا ہے اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور انہوں نے فرمایا یمین لغو میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یمین لغو وہ ہے جو بحالت غصہ اُٹھائی جائے۔ طاؤس رحمہ اللہ نے یہی کہا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا، گناہ پر اُٹھائی گئی قسم ہے کہ اس قسم کے توڑنے پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں گے بلکہ قسم اُٹھانے والے کو چاہیے کہ قسم توڑ کر کفارہ دے۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (قسم گناہ توڑنے والے) پر کفارہ نہیں ہے۔

کیا ہم شیطان کے نقدموں کی پیروی کرنے کے سلسلے میں کفارہ دیں؟ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ پر قسم اُٹھائے اس کا کفارہ یہی ہے کہ اس سے توبہ کرے اور ہر وہ قسم جس کا پورا کرنا تجھ پر (شرعاً) جائز نہیں اس میں کفارہ نہیں ہے اگر میں اس کو کفارہ کا حکم کرتا تو میں اس کو قسم پورا کرنے کا حکم کرتا اور حکم کرتا کہ اپنے اس قسمیہ قول پر برقرار رہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمین لغو وہ ہے جو انسان اپنی ذات کے خلاف بددعا کے طور پر کہے۔ مثلاً کسی انسان کا یوں کہنا اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اندھا کردے اس قسم کی تمام قسمیں لغو ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اگر ان کا مواخذہ فرماتے تو جلد سزا دیتے۔

"ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم" اور فرمایا "ویدع الانسان بالشر دعاء ہ بالخیر" "ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم" جس قسم کا قصد اور پکا ارادہ تم نے کیا اور کسب قلب پختہ ارادہ اور نیت "واللہ غفور حلیم" اور جان لے کہ قسم سوائے لفظ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے سوا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے سوا منعقد نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم اس طرح ہوگی کہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں جس کے لیے میں نماز پڑھتا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ (قبضۂ قدرت) میں میری جان ہے اور اس قسم کے الفاظ۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ قسم اُٹھانا اس طرح ہے "واللہ والرحمن" اور اس قسم کے الفاظ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم اس طرح ہے مثلاً قسم اُٹھانے والے کا کہنا "وعزۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کے غلبہ کی قسم وعظمت اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قسم۔ وجلال اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی قسم "وقدرۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کی قدرت کی قسم اور اس قسم کی قسمیں۔

مذکورہ قسموں کے ساتھ اگر مستقبل کے امر کی قسم اُٹھاتا ہے پھر قسم توڑ بیٹھتا ہے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس قسم کی قسم گزشتہ زمانہ سے متعلق اُٹھاتا ہے کہ ایسا ہوا حالانکہ نہیں ہوا یا قسم اُٹھاتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا حالانکہ ہوا۔ اگر صورت حال سے آگاہ ہونے کے باوجود جھوٹی قسم اُٹھاتا ہے تو یہ یمین غموس ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک زمانہ ماضی سے متعلق قسم پر کفارہ ہے۔ صحیح صورتحال سے متعلق عالم ہو یا جاہل امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا اور بعض حضرات کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہے یہ اصحاب الرائی کا قول ہے۔ انہوں نے کہا اگر ماضی کی صورت حال سے آگاہ ہونے پر بھی جھوٹی قسم اُٹھائی تو یہ گناہ کبیرہ ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں جس طرح کہ باقی کبائر کا حکم ہے اور اگر ناواقفی میں قسم اُٹھاتا ہے تو یہ قسم ان کے نزدیک یمین لغو ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی

قسم اُٹھاتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کعبہ کی قسم۔ بیت اللہ کی قسم، نبی اللہ کی قسم یا اپنے باپ کی قسم اُٹھاتا ہے یا اس قسم کی کوئی اور قسم تو یہ قسم، قسم نہ ہوگی اور جب اس قسم کی قسم اُٹھائے گا تو کفارہ بھی واجب نہ ہوگا اور یہ قسم مکروہ ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس قسم کے گناہ ہونے کا ڈر ہے۔ رافع نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ قافلہ میں چل رہے تھے اور وہ اپنے باپ کی قسم اُٹھا رہے تھے۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم اُٹھاؤ۔ پس جو شخص قسم اُٹھانے والا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی قسم اُٹھائے یا پھر خاموش رہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

ترجمہ: جو لوگ قسم کھا بیٹھے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں جب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرمادیں گے

تفسیر: ۞ "للذین یؤلون من نساء ھم تربص اربعۃ اشھر" یؤلون یعنی قسم اُٹھاتے ہیں اور الیہ کا معنی قسم ہے۔ آیت کریمہ سے مراد بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم اُٹھانا ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایلاء زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل جاہلیت کا بیوی کو نقصان دینے کا طریقہ تھا جب آدمی نہ بیوی کو پسند کرتا اور نہ یہ چاہتا کہ اس عورت کے ساتھ کوئی اور نکاح کرے تو قسم اُٹھاتا کہ بیوی کے قریب نہ جائے گا۔ پس بیوی کو اس حال میں چھوڑتا کہ نہ تو وہ بغیر خاوند کے ہوتی اور نہ خاوند والی۔ ابتداء اسلام میں بھی لوگ اسی طریق پر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایلاء کے بارے اسلام میں ایک مدت مقرر فرمادی۔ اہل علم نے اس سے اختلاف کیا۔ پس اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ وہ بیوی کے قریب کبھی نہ جائے گا یا قریب نہ جانے کی چار ماہ سے زیادہ مدت مقرر کردی تو ایسا شخص مولی یعنی ایلاء کرنے والا ہوگا۔ پس وہ چار ماہ گزرنے سے پہلے تعرض نہ کرے یعنی بیوی کے قریب نہ جائے اور چار ماہ گزرنے کے بعد اسے بیوی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا یا پھر عورت کے مطالبہ پر بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے گا۔ "فئی" کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ خاوند نے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی بات کی ہے۔ بیوی سے صحبت کرکے اپنے اس قول سے رجوع کرے، اگر اس کو صحبت کرنے کی قدرت ہو تو اور اگر صحبت کرنے پر قادر نہیں ہے اور زبانی رجوع کرے اور اگر نہ رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو بادشاہ مدت گزرنے کے (قاضی) ایک طلاق دے دے گا۔ حضرت عمر، عثمان، علی، ابوالدرداء، ابن عمر رضی اللہ عنہم گئے ہیں۔ سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا۔ سب کہتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر سلیمان بن یسار اور حضرت مجاہد اسی طرف گئے ہیں۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے بھی کہا۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو عورت پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ یہ قول ابن عباس ابن مسعود کا ہے۔ سفیان ثوری اور اصحاب الرائ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت سعید بن المسیب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق

رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم چار ماہ سے کم مدت پر اُٹھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہ ہوگا بلکہ صرف قسم اُٹھانے والا ہوگا۔ پس اگر مدت مقرر گزرنے سے پہلے صحبت کر لی تو اس پر کفارہ یمین ہوگا اور اگر قسم اُٹھائی کہ چار ماہ بیوی سے صحبت نہ کرے گا تو جو حضرات چار ماہ گزرنے پر خاوند کو رک جانے کا قول ذکر کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس سے رجوع کرنے کا مطالبہ یا طلاق کا مطالبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدت ایلاء باقی ہو اور مدت تو گزر گئی اور جو حضرات اس کو رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے ان حضرات کے نزدیک یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اور مدت گزرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غلام اور آزاد ہر دو کے لیے مدت ایلاء چار ماہ ہے۔ اس لیے کہ یہ مدت ایسے معنی کے لیے مقرر کی گئی ہے جس کا تعلق طبیعت سے ہے اور وہ ہے عورت کا خاوند کے بغیر قلیل الصبر ہونا۔ اس معنی میں غلام آزاد سب برابر ہیں۔ جس طرح کہ عنین کی مدت اور امام مالک اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غلامی کی وجہ سے عنین ہونے کی وجہ سے مدت نصف ہو جائے گی مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مدت کے نصف ہونے میں عورت کی غلامی کا اعتبار کرتے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ خاوند کی غلامی کا اعتبار کرتے ہیں جیسے کہ ہر دو نے طلاق کے بارے میں کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تربص اربعة اشھر" یعنی چار ماہ کے انتظار تربص کا معنی تثبت و توقف یعنی ٹھہرنا انتظار کرنا۔

"فان فاؤ" جماع سے متعلق اُٹھائی گئی قسم سے رجوع کریں "فان اللہ غفور رحیم" چار مہینے گزرنے کے بعد وطی کے ساتھ اپنی قسم سے عورتوں کی طرف رجوع کرے تو اس صورت میں اکثر اہل علم کے ہاں اس پر کفارہ قسم واجب ہوگا۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس فرمایا "فان اللہ غفور رحیم" اور اکثر حضرات کے نزدیک اس وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت کی سزا کے ساقط ہونے سے ہے نہ کہ کفارہ سے۔

مسئلہ:۔ اور اگر عورت سے کہے اگر میں تیرے قریب جاؤں پس میرا غلام آزاد ہے کہے اگر میں تیرے قریب جاؤں تو طلاق والی ہے یا کہے اللہ تعالیٰ کے لیے میرے اوپر غلام کا آزاد کرنا ہے یا مجھ پر روزہ لازم ہے یا نماز لازم ہے اس قسم کے الفاظ کہنے والا یعنی بیوی کے قریب جانے پر یہ چیزیں اپنے اوپر لازم کرنے والا ایلاء کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ ایلاء کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جس پر بیوی سے صحبت کرنے پر اس قسم کی چیزیں لازم ہو جائیں۔ مدت گزرنے کے بعد اسے کہا جائے گا، اگر رجوع کیا تو قریب ہونے کے ساتھ معلق کی گئی طلاق واقع ہو جائے گی یا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر قریب ہونے سے متعلق اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کی تھی تو بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ قسم لازم ہوگا۔ ایک قول کے اعتبار سے اور ایک قول کے مطابق اس پر وہ چیز لازم ہوگی جو اس نے اپنے اوپر لازم کی تھی۔ مثلاً غلام آزاد کرنا، روزہ یا نماز۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞

ترجمہ اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں حکیم ہیں

تفسیر ۞ "وان عزموا الطلاق" طلاق کو واقع کرکے متحقق کردیا، ثابت کردیا "فان اللّٰه سمیع" (سننے والا) ان کی بات کو (علیم) (جاننے والا ہے) ان کی نیتوں کو اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ مدت کے گزرنے کے، بعد بھی طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ اس کو اس کا خاوند طلاق نہ دے کیونکہ اس میں عزم کی شرط کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فان اللّٰه سمیع علیم" پس اللہ تعالیٰ کے اس قول نے دلالت کی کہ بے شک وہ "مسموع" (سنی ہوئی بات) کا فیصلہ کرتا ہے اور قول ہی وہ چیز ہے جو سنا جاتا ہے۔

۞ "والمطلقات" اپنے خاوندوں کی رسیوں (جکڑبندیوں) سے چھوڑی ہوئی "یتربصن" انتظار کریں "بانفسھن ثلاثة قروء" پس نکاح نہ کریں۔ قروء قرء کی جمع ہے۔ قرع کی طرح اس کی جمع "قلت ...... اقرؤ" اور جمع کثرت "اقراء" ہے۔

وضاحت:۔ جمع قلت وہ ہے جو دس افراد سے کم پر بولی جائے اور جمع کثرت وہ ہے جو دس افراد یا اس سے زیادہ پر بولی جائے۔ قروء کے معنی میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے۔ حضرت حسن، حضرت مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں، اوزاعی، حضرت ثوری اور اصحاب الرائی اسی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ (جس عورت کو خون بلا وقفہ مسلسل جاری رہے) کو فرمایا تھا "دعی الصلٰوۃ ایام اقرائک" یعنی حیض کے دنوں کی نماز چھوڑ دے۔ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کو لفظ اقراء سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ عورت ایام حیض کی نماز چھوڑتی ہے۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ قرء سے مراد طہر ہیں۔ یہ قول حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کا ہے اور یہی فقہائے سبعہ کا اور امام زہری رحمہ اللہ کا ہے۔ ربیعہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ان حضرات نے اس سے دلیل دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ جب وہ حالت حیض میں تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے۔ اس کے بعد چاہے تو اسے اپنے پاس روک رکھے اور چاہے تو ہاتھ لگانے (صحبت کرنے) سے پہلے طلاق دے دے۔ پس یہ ہے وہ عدت جس سے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لیے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ پس اس (واقعہ) نے خبر دی کہ زمانہ عدت جو ہے وہ طلاق ہے اور لغت کی جانب سے قول شاعر حجت ہے۔

ففی کل عام انت جاشم غزوۃ　　　تشد لا قصاھا عزیم عزائکا

مورثۃ مالا وفی الحی رفعۃ　　　لما ضاع من قروء نسائکا

شاعر نے ان دو شعروں میں خطاب کر کے کہا کہ ہر سال تو جہاد کی طرف نکل جاتا ہے اور بیویوں سے صحبت نہیں کرتا جس سے ان کے اقراء ضائع ہو جاتے ہیں۔ خاوند کے سفر پر جانے سے اقراء کا ضیاع اس وقت ہوگا جب اقراء سے مراد طہر لیا جائے گا نہ کہ زمانہ حیض۔ اختلاف کا نتیجہ اس وقت ظاہر ہوگا جب عدت بیٹھنے والی تیسرے حیض میں داخل ہوگی تو اُن کے قول کے مطابق جو عدت طہر سے شمار کرتے ہیں۔ عدت گزر جائے گی کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہوئی ہے اس طہر کے بقیہ حصہ کو قرء میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مطلقہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوگی تو وہ عورت خاوند سے بری ہے اور خاوند اس عورت سے بری ہے اور جو اس طرف گئے ہیں کہ اقراء سے مراد حیض ہے وہ کہتے ہیں کہ عدت اس وقت تک نہ گزرے گی جب تک کہ عورت تیسرے حیض سے پاک نہ ہوگی اور یہ اختلاف اس حیثیت سے ہے کہ قرء کا نام حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ”اقرء ت المراۃ“ جب وہ حیض والی ہو جائے اور کہا جاتا ہے ”اقرات المراۃ“ جب وہ پاک ہو جائے اور اس کی اصل میں انہوں نے اختلاف کیا تو ابو عمرو بن العلاء اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اصل میں کسی شئی کے آنے اور جانے کے وقت کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ”رجع فلان لقرنہ ولقارنہ“ فلاں اپنے وقت پر واپس لوٹا۔ یہ جملہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے وقت پر واپس لوٹے اور اسی طرح کہا جاتا ہے ”ھذا قارئ الریاح“ یہ ہواؤں کے چلنے کا وقت ہے۔ مالک بن حرث ہذلی فرماتے ہیں ”کرھت العقر عقر بنی سلیل“ کہ ”اذا ھبت لقارئھا الریاح“ ترجمہ: میں نے بنو سلیل کی منزل کو ناپسند سمجھا۔ جب ہوائیں اپنے وقت پر چلیں اس شعر کے دوسرے حصہ میں قارء کا لفظ وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور قرء بمعنی وقت حیض اور طہر دونوں کے لیے موزوں ہے کیونکہ دونوں اپنے وقت پر آتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ قرء بمعنی بند کرنے اور جمع کرنے کے ہے۔ عرب والے کہتے ہیں ”ماقرات الناقۃ سلاً قط“ یعنی اونٹنی نے اپنے رحم کو بچے پر جمع نہ کیا۔ یہاں عرب کے محاورہ میں قرأت بمعنی جمع کرنے کے ہیں اور اسی معنی میں یہ محاورہ

ہے۔"قریت الماء فی الحوض" یعنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔(یہاں "قریت" کا معنی میں نے جمع کیا سے کیا گیا) قریت کے لفظ میں ہمزہ چھوڑ دیا گیا۔لہٰذا "قروء" اس مقام پر خون کے رُک جانے اور جمع ہوجانے کے معنی میں ہے۔

پس اس معنی کی بنیاد پر طہر کے معنی کو ترجیح ہوگی کیونکہ طہر خون کو روکتا اور جمع کرتا ہے اور حیض اس خون کو چھوڑ دیتا ہے۔عدتوں میں مجموعی طور پر حکم یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے فرقت طلاق سے واقع ہوئی ہو یا خاوند کی موت سے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (کہ حمل والیوں کی عدت ان کے حمل کا وضع ہوتا ہے) اور اگر حاملہ نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ میاں بیوی میں فرقت موت سے واقع ہوئی ہے تو عورت پر لازم ہے کہ چار ماہ دس دن عدت بیٹھے چاہے خاوند دخول سے پہلے مرجائے یا دخول کے بعد اور برابر ہے کہ عورت ایسی عمر میں ہو کہ اس کو حیض آتا ہے یا ان عورتوں میں سے ہو جن کو (چھوٹے یا بڑے ہونے کی وجہ سے) حیض نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (اور جو تم میں سے مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو (بطور عدت کے چار ماہ دس دن روکے رکھیں) اور اگر میاں بیوی میں فرقت طلاق کی وجہ سے ہوئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر طلاق دخول سے پہلے واقع ہوئی ہے تو اس عورت پر کچھ عدت نہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو) پھر تم ان کو ہاتھ لگانے سے (یعنی صحبت کرنے سے) پہلے طلاق دے دو پھر تمہارے لیے ان عورتوں پر کچھ عدت نہیں (جو وہ عدت گزاریں) اگر طلاق دخول کے بعد واقع ہوئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ عورت کو ابھی تک حیض بالکل نہیں آیا یا عورت عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکی ہے جس میں حیض بند ہوجاتا ہے تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (اور وہ جو حیض آنے سے مایوس وناامید ہوگئی ہیں تمہاری عورتوں میں سے (ان کی عدت میں) اگر تم کو شبہ پڑے تو ان کی عدت تین ماہ ہے)

اور اگر وہ (مطلقہ) ان عورتوں میں سے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق (کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (بطور عدت کے) تین حیض روکے رکھیں) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "یتربصن بانفسھن" لفظ کے لحاظ سے خبر اور معنی کے لحاظ سے امر ہے اور باندی اگر حاملہ ہے تو آزاد عورت کی طرح اس کی عدت وضع حمل ہے اور باندی اگر غیر حاملہ ہے تو خاوند فوت ہونے کی صورت میں اس کی عدت دو ماہ پانچ راتیں ہیں اور طلاق کی صورت میں اگر باندی کو حیض آتا ہے تو عدت دو حیض ہے اور اگر باندی کو حیض نہیں آتا تو عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور کہا گیا ہے کہ حیض کی طرح دو ماہ عدت ہے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غلام دو عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے اور دو طلاقیں دے سکتا ہے اور باندی دو حیض عدت بیٹھے اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ عدت بیٹھے یا ڈیڑھ ماہ۔

"ولا یحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن" حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد حیض ہے اور وہ اس وقت جب خاوند رجوع کا ارادہ کرے۔پس وہ عورت کہے کہ میں تین حیض گزار چکی ہوں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حمل ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کو چھپائے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے رحم میں پیدا کیا ہے۔

حیض یا حمل تا کہ خاوند کا حق جو رجوع یا اولاد سے متعلق ہے باطل ہو جائے "ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر" اس کا معنی یہ ہے کہ (شریعت کے اس حکم پر عمل کرنا) مؤمن عورتوں کا یہ شیوہ ہے اگرچہ مومنہ کافرہ دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ تو کہے میرا حق ادا کر اگر تو مومن ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ حق ادا کرنا ایمان والوں کا طریقہ ہوتا ہے "وبعولتھن" ان کے خاوند بعولۃ جمع بعل کی ہے جیسے فحولۃ جمع فحل کی ہے۔ خاوند کو بعل اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ بیوی کے کاموں کا نگران و ذمہ دار ہے۔ بعل کا اصل معنی سردار اور مالک ہے "احق بردھن" زیادہ حق دار ہیں بیویوں کو اپنی طرف لوٹانے کے بارے میں "فی ذالک" حالت عدت میں "ان ارادوا اصلاحا" رجوع کرنے سے ان کی مراد اصلاح اور حسن معاشرت ہو نہ کہ نقصان پہنچانا۔ جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی آدمی بیوی کو طلاق دیتا۔ پس جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتا پھر کچھ مدت چھوڑ دیتا پھر اس کو طلاق دے دیتا پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی بیوی سے رجوع کر لیتا پھر کچھ عرصہ بعد اس کو طلاق دے دیتا۔ اس سے اس کا مقصد بیوی پر عدت کو لمبا کرنا ہوتا تھا۔ "ولھن" عورتوں کے لیے خاوندوں پر "مثل الذی علیھن" خاوندوں کے لیے (یعنی جس طرح خاوندوں کے حقوق عورتوں پر اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی خاوندوں پر ہیں) "بالمعروف" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں بیوی کی خاطر بن سنور کر رہوں جس طرح وہ میری اس بات کو پسند کرتی ہے کہ وہ میری خاطر بن سنور کر رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف"

سعید نے حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کی۔ حکیم نے اپنے باپ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو خود کھائے تو اس کو کھلائے اور جب تو خود کپڑا پہنے بیوی کو بھی پہنائے اس کو چہرے پہ نہ مارے، اس کو برا نہ کہے اور اس سے جدائی اختیار نہ کرے مگر گھر کی حدود کے اندر اندر۔

حاتم بن اسماعیل مدنی نے خبر دی، وہ جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے کہتے ہیں کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے۔ پس میں نے عرض کی ہمیں حضور علیہ السلام کے حج مبارک کے بارے میں بیان کیجئے۔ پس انہوں نے حجۃ الوداع کا پورا قصہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نویں ذوالحجہ کا خطبہ بیان کیا۔ فرمایا وہ عورتوں کے معاملہ میں خدا کا خوف کرو، بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا ان بیویوں کے ذمہ یہ حق ہے کہ وہ کسی کو تمہارے بستروں پر نہ آنے دیں جو تمہیں پسند نہیں (یعنی گھر میں داخل نہ ہونے دیں) اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر وہ مار اذیت ناک نہ ہو اور ان عورتوں کے لیے تمہارے اوپر لازم ہے ان کا رزق ان کے کپڑے معروف طریقہ پر اور بے شک میں چھوڑ چلا ہوں تمہارے اندر وہ کچھ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور تم میرے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ پس تم کیا کچھ کہنے والے ہوگے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا ہم گواہی دیں گے بے شک آپ نے پہنچا دیا اور اپنی امت کی

"امانۃ الہیہ کو" ادا کر دیا خیر خواہی کی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی انگشت سبابہ کے ساتھ اشارہ فرمایا کہ اس کو آسمان کی طرف بلند فرماتے تھے اور لوگوں کی طرف جھکاتے۔ اے اللہ! تو گواہ ہو جا یہ تین دفعہ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان والوں میں کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں سے اچھے اخلاق والا ہے اور تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں اچھے ہیں۔) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "وللرجال علیهن درجة" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ (کہ مردوں کا عورتوں پر ایک درجہ فائق ہونا) اس لیے ہے کہ مرد عورت کو حق مہر ادا کرتا ہے اور اس پر مال خرچ کرتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (مردوں کا ایک درجہ فائق ہونا) جہاد کے اعتبار سے ہے (کہ مرد جہاد کرتا ہے عورت جہاد کی فضیلت سے محروم ہے) بعض نے کہا ہے (مرد کی بالاتری) عقل کے اعتبار سے بعض نے کہا ہے۔ شہادت کے اعتبار سے بعض نے کہا ہے کہ میراث کے لحاظ سے (کہ مرد بنسبت عورت کے زیادہ میراث پاتا ہے) بعض نے کہا ہے باعتبار دیت کے کہا گیا کہ طلاق کے لحاظ کہ طلاق کا معاملہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ بعض نے کہا (کہ رجعی طلاق میں) رجوع کرنے کے اعتبار سے سفیان اور زید بن اسلم فرماتے ہیں امارہ امیر بننے کے لحاظ سے قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وللرجال علیهن درجة" کا معنی ہے حق میں فضیلت کے لحاظ سے "والله عزیز حکیم"

ہمیں احمد بن محمد بن عیسیٰ برتی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں حذیفہ نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں سفیان نے خبر دی، سفیان نے اعمش سے روایت کی۔ اعمش نے ابوظبیان (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک معاذ بن جبل ایک جہاد میں نکلے جس میں حضور علیہ السلام نے ان کو بھیجا تھا۔ پھر واپس ہوئے وہاں لوگوں کو دیکھا تھا کہ بعض بعض کو سجدہ کرتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی کو میں حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ ۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ ۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـئًا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطہ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر

عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلو اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں

تفسیر ⓶⓶⓽ "الطلاق مرتان" حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے فرمایا کہ لوگ ابتداء میں بے شمار و لاتعداد طلاقیں دیتے اور آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا۔ جب عدت گزرنے کو آتی تو اس سے رجوع کر لیتے۔ پھر اس کو طلاق دے دیتا پھر رجوع کر لیتا، مقصد عورت کو نقصان پہنچانا ہوتا پھر یہ آیت نازل ہوئی "الطلاق مرتان" یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے وہ صرف دو دفعہ ہے۔ پس جب وہ تین طلاق دے گا تو پھر وہ عورت اس آدمی کے لیے حلال نہ ہوگی مگر دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فامساک بمعروف" بعض نے کہا ہے کہ امساک سے مراد دوسری طلاق کے بعد رجوع کرنا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد رجوع کرنے کے بعد معروف طریقہ کے مطابق اپنے پاس رکھنا ہے۔ یعنی جب دوسری طلاق کے بعد رجوع کر لے تو معروف طریقہ کے مطابق اپنے پاس بیوی کو رکھے اور معروف سے مراد ہر وہ طریقہ ہے جو شریعت میں جانا پہچانا ہو مثلاً حقوق نکاح کی ادائیگی اور حسن صحبت۔ "او تسریح باحسان" وہ یہ کہ طلاق کے بعد بیوی کو چھوڑ دے (یعنی رجوع نہ کرے) حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔

بعض نے کہا کہ تسریح باحسان سے مراد تیسری طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او تسریح باحسان" وہ واضح لفظ جس سے بغیر کسی نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے وہ تین لفظ ہیں۔ ❶ طلاق ❷ فراق ❸ السراح۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ صریح صرف لفظ طلاق ہے۔ طلاق سے متعلق مجموعی حکم یہ ہے کہ آزاد آدمی جب اپنی بیوی کو دخول کے بعد ایک یا دو طلاق دے دے تو جب تک بیوی عدت کے اندر ہے خاوند کے لیے بیوی کی مرضی کے بغیر بھی بیوی سے رجوع کرنا جائز ہے اور اگر خاوند نے رجوع نہ کیا یہاں تک کہ اس کی عدت گزر گئی یا پھر دخول سے پہلے طلاق دی یا پھر بیوی سے خلع کر لیا تو ان تینوں صورتوں میں اس آدمی کے لیے نئے نکاح کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی اور یہ نیا نکاح عورت کی اجازت سے ہوگا اور ولی عورت کی اجازت سے ہوگا اور اگر بیوی کو تین طلاق دی تو پھر وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت اس کے سوا کسی اور سے نکاح کرے (پھر وہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے اور اس کی عدت گزار کر پھر اس پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے)۔

اور اگر غلام کے نکاح میں عورت ہو اور وہ اس کو دو طلاق دے تو وہ عورت اس غلام خاوند کے لیے کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اہل علم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو یعنی خاوند غلام اور یا بیوی باندی ہو تو اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ عدد طلاق کا اعتبار خاوند سے متعلق ہے۔ لہٰذا اگر خاوند آزاد ہے تو وہ اپنی باندی بیوی کو تین طلاق دے سکتا ہے اور غلام خاوند اپنی آزاد عورت کو دو طلاق دینے کا مجاز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الطلاق بالرجال" کہ طلاق کی تعداد کا تعلق مردوں سے ہے (کہ آزاد تین طلاق کا مالک اور غلام دو کا)۔ "والعدۃ بالنساء" اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے کہ عورت آزاد ہے تو تین حیض اس کی عدت ہوگی اور اگر عورت باندی ہے تو

دو حیض اور یہ قول حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حضرت عطاء، حضرت سعید بن المسیب (رحمہما اللہ) نے کہا اور اسی طرف امام مالک اور امام شافعی، حضرت احمد اور حضرت اسحاق رحمہم اللہ گئے ہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ عدد طلاق کا اعتبار عورت سے ہے۔ لہٰذا غلام خاوند اپنی آزاد بیوی کو تین طلاق دے سکتا ہے اور آزاد خاوند اپنی باندی بیوی کو صرف دو طلاق دے سکتا ہے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا ہے۔

"ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا" تم نے ان کو مہر وغیرہ سے کچھ چیز عطاء کی۔ پھر خلع کا استثناء کیا۔ پس فرمایا "الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ" یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی صاحبزادی حضرت سیدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعض نے کہا کہ حضرت حبیبہ بنت سہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ حضرت حبیبہ حضرت ثابت بن قیس سے بغض رکھتی تھیں اور حضرت ثابت حضرت حبیبہ سے محبت فرماتے تھے۔ دونوں کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ حضرت حبیبہ نے اپنے باپ کے پاس آ کر خاوند کی شکایت کی اور کہا کہ وہ مجھ سے برا معاملہ کرتا ہے اور مجھے مارتا ہے تو باپ نے کہا اپنے خاوند کے پاس چلی جا، میں اس بات کو عورت کے لیے اچھا نہیں سمجھتا کہ وہ ہمیشہ ہاتھ اُٹھانے، خاوند کی شکایت کرتی رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حبیبہ اپنے باپ کے پاس ایک دفعہ پھر آئی اور اس پر مار کا نشان بھی تھا۔ باپ نے کہا اپنے خاوند کے پاس لوٹ جا۔ حضرت حبیبہ نے جب دیکھا کہ اس کا باپ اس کی شکایت کا ازالہ نہیں کر رہا تو حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور حضور علیہ السلام سے اپنے خاوند کی شکایت کی اور مارنے کے نشانات دکھانے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ میں اور نہ وہ (ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا اور فرمایا کہ تمہارا اور تمہارے گھر والوں کا باہمی کیا معاملہ ہے؟ اس پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ روئے زمین پر سوائے آپ علیہ السلام کی ذات اقدس کے مجھے اس (بیوی) سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ثابت کی بیوی کو فرمایا تو کیا کہتی ہے؟ تو حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری کہ جب حضور علیہ السلام نے پوچھا ہے تو حضور علیہ السلام سے جھوٹ بولے۔ پس حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، ثابت نے سچ کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ پس مجھے اس سے نکالئے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتی کہ حق تعالیٰ اس کے خلاف آپ علیہ السلام پر نازل فرمادے۔ پس وہ (ثابت) تمام انسانوں سے صحبت اور محبت کے لحاظ سے بڑھ کر کریم (بہتر ہے) مگر میں اسے مبغوض رکھتی ہوں۔ پس نہ میں اور نہ وہ (ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور علیہ السلام میں نے اس کو باغ دیا ہے (حق مہر کے طور پر) پس اس کو فرمایئے کہ وہ باغ مجھے لوٹا دے میں اس کا راستہ چھوڑ دیتا ہوں (یعنی طلاق دے دیتا ہوں)۔ پس حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ تو اسے

باغ لوٹا دے گی اور اپنے امر کی مالک بن جائے گی؟ (اس سوالیہ نشان کا مطلب یہ ہے کہ کیا تجھے یہ منظور ہے؟) حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی قسم یعنی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ثابت! اس حبیبہ سے وہ کچھ لے لے جو کچھ تو نے اس کو دیا تھا اور اس کا راستہ چھوڑ دے۔ (یعنی اسے طلاق دے دے۔ چنانچہ حضرت ثابت نے ایسا ہی کیا)

حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ثابت پر حسن خلق اور دینداری کے اعتبار سے قطعاً ناراض نہیں مگر میں اسلام میں کفر کو ناگوار سمجھتی ہوں (یعنی مسلمان ہو کر خاوند کی ناشکری کروں) حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا کیا تو اس پر اس کا باغ لوٹا دے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باغ قبول کرلے اور اسے طلاق دے دے۔ "الا ان یخافا" وہ دونوں جان لیں کہ (ازدواجی زندگی سے متعلق) اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گی۔ ابو جعفر اور حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ نے "الا ان یُخافا" یاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ان دونوں سے معلوم کیا جائے یعنی قاضی یا حاکم وقت زوجین سے یہ معلوم کریں۔ یہ قرأۃ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے "فان خفتم" (اگر تم خوف محسوس کرو) اس جگہ خوف کو زوجین کے ماسواء کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا "فان خافا" اور باقیوں نے "یَخافا" یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی میاں بیوی اپنے آپ میں یہ محسوس و معلوم کریں کہ وہ دونوں حدود اللہ (جو ازدواجی زندگی سے متعلق ہیں) قائم نہ رکھ سکیں گے۔ عورت خوف محسوس کرے کہ خاوند کے حق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھے گی اور خاوند کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اس کی بیوی اس کی اطاعت نہ کرے گی کہیں اس پر زیادتی (ظلم) نہ کر بیٹھوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اس بات سے کہ خاوند نے بیوی کو جو کچھ دیا تھا اس میں سے کچھ لے۔ ہاں اس وقت کچھ لینا جائز ہے جب جھگڑا بیوی کی طرف سے ہو۔ مثلاً کہے کہ میں تیری فرمانبرداری نہ کروں گی اور تیرے قریب نہ آؤں گی اور اس طرح کی اور باتیں

"فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" اس میں کچھ گناہ نہیں جو کچھ عورت اپنی ذات کا فدیہ دے۔ فراء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "علیھما" سے صرف خاوند مراد لیا ہے نہ کہ بیوی اور ضمیر "تثنیہ" میں دونوں کا ذکر دونوں کے باہمی ملاپ کی وجہ سے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نسیا حوتھما" یعنی جس طرح "نسیا" میں ضمیر حضرت موسیٰ اور خادم موسیٰ کی طرف راجع ہے حالانکہ بھولنے والے صرف خادم موسیٰ تھے نہ کہ حضرت موسیٰ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ان ہر دو پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ عورت پر نشوز یعنی جھگڑا کا گناہ نہیں جب وہ ہلاکت اور گناہ کا خوف محسوس کرے اور نہ اس سے متعلق کوئی گناہ ہے جو کہ وہ اپنی ذات کا فدیہ اور مال دے کیونکہ وہ عورت مال کو ناحق ضائع کرنے سے منع کی گئی ہے اور خاوند پر گناہ نہیں ہے جب وہ عورت سے مال لے لے۔ جب عورت خوشدلی سے مال دے اور اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ خاوند نے جو کچھ عورت کو دیا خلع کی صورت میں خاوند عورت سے اس سے زیادہ مال لے لے۔

زہری فرماتے ہیں کہ خاوند کے لیے مہر میں دیئے گئے مال سے زیادہ مال خلع کی صورت میں لینا جائز نہیں ہے۔ سعید بن

مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی سے اپنا دیا ہوا سارا مال نہ لے بلکہ کچھ چھوڑ دے اور خلع نشوز یعنی جھگڑے کی حالت کے بغیر بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلاوجہ قطع تعلق کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک تمام جائز کاموں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہونے کے باوجود ناپسند کام طلاق ہے اور محبوب ترین جائز عمل غلام آزاد کرنا ہے۔) ابوقلابہ نے ابواسماء رحبی سے، وہ ثوبان سے روایت کرتے ہیں، ثوبان (رضی اللہ عنہ) یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو عورت بغیر عذر (شرعی) کے خاوند سے طلاق طلب کرتی ہے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلع صرف حالت نشوز (جھگڑے) کے ساتھ خاص ہے اور آیت حسب عادت اس بارے میں دال ہے کہ خلع غالباً صرف جھگڑے کے خوف کی صورت میں ہوتا ہے اور جب آدمی اپنی بیوی کو مال کی شرط پر لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دے تو اس سے بینونۃ واقع ہوگی (یعنی طلاق بائنہ واقع ہوگی) اور عدد طلاق میں اس سے کمی واقع ہوگی۔

اہل علم نے خلع کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے اور اس سے عدد طلاق میں کمی واقع ہوگی اور یہ حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے۔ سعید بن مسیب، عطاء، حسن، شعبی، نخعی (رحمہم اللہ) بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ظاہر قول ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے۔ اس سے عدد طلاق میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عکرمہ اور طاؤس رحمہما اللہ نے یہی کہا ہے۔ حضرت احمد اور اسحاق رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طلاق کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد خلع کا ذکر کیا۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا اور فرمایا "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتّٰی تنکح زوجا غیرہ" اگر خلع طلاق شمار ہو تو دریں صورت طلاقیں چار ہوں گی اور جس نے قول اول کیا (یعنی خلع کو طلاق شمار کیا) اس نے "او تسریح باحسان" کو تیسری طلاق شمار کیا ہے۔ فرمان خداوندی "تلک حدود اللّٰہ" یہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں۔ حدود اللہ وہ ہیں جن کو کراس کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ "فلا تعتدوھا" ان سے تجاوز نہ کرو۔ "ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ھم الظالمون"

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۭ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر

اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔

تفسیر ⊛ "فان طلقها" تیسری طلاق "فلا تحل له من بعد" تیسری طلاق کے بعد "حتّٰی تنکح زوجاً غیرہ" طلاق دہندہ کے علاوہ پس وہ دوسرا خاوند اس سے جماع بھی کرے لفظ نکاح جماع اور عقد دونوں کو شامل ہے۔ یہ آیت کریمہ تمیمہ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک قرظی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اپنے چچازاد رفاعہ بن وہب بن عتیک قرظی کے گھر میں تھی اس نے اسے تین طلاق دی۔

حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا کہ رفاعہ قرظی کی بیوی حضور علیہ السلام کے پاس آئی اور عرض کی میں رفاعہ کے پاس تھی پس اس نے مجھے طلاق دی اور طلاق بھی طلاق قطعی (مغلظہ) اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا اور اس کے پاس تو صرف کپڑے کا پلو ہے۔ پس حضور علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کیا تو ارادہ رکھتی ہے کہ رفاعہ کے پاس لوٹ جائے؟ اس نے عرض کی ہاں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں حتیٰ کہ وہ تیرا شہد چکھے اور تو اس کا شہد چکھے اور روایت کیا گیا ہے کہ وہ عورت جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہری پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے چھوا ہے (جماع کیا ہے) پس اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو اپنی پہلی بات میں جھوٹ کہا اب ہم دوسری بات میں تیری تصدیق نہیں کریں گے) پس وہ عورت اسی حال میں رہی حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف لے گئے۔ پس وہ عورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا یا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں۔ یقیناً مجھے میرے دوسرے خاوند نے چھولیا ہے (جماع کرلیا ہے) اور مجھے طلاق دے دی ہے۔ بے شک تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا تھا جو کچھ فرمایا تھا لہٰذا اب تو پہلے خاوند کی طرف مت لوٹ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دُنیا سے تشریف لے گئے تو وہ عورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی وہی کچھ کہا جو وہ عورت پہلے کہہ چکی تھی تو اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اس پہلے خاوند کی طرف مت لوٹ، اگر تو پہلے خاوند کی طرف لوٹی تو میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا۔

"فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا" اگر اس کو دوسرا خاوند طلاق دے دے بعد اس کے کہ اس سے جماع کرلے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یعنی نہ عورت پر نہ پہلے خاوند پر کہ وہ باہم رجوع کرلیں۔ یعنی نکاح جدید کے ساتھ "ان ظنا" ای علما جب دونوں جان لیں اور بعض نے کہا ہے کہ ظنا کے معنی ہیں جب دونوں کو اُمید ہو چلے کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں جانتا کہ آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے "ان یقیما حدود اللّٰہ" ان دونوں کے درمیان صلاح "خیرخواہی" کا معاملہ ہوگا اور حسن صحبت ہوگی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ان ظنا" کا معنی ہے کہ جب وہ اس بات کو بخوبی جان لیں کہ ان دونوں کا نکاح بغیر دلسہ (فراڈ بازی) کے ہے اور دلسہ سے مراد محض حلال کرنا ہی مقصود ہے (یعنی حلالہ کی ڈرامہ بازی) یہ حضرت سفیان

ثوری، اوزاعی، امام مالک، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب تین طلاق والی مطلقہ دوسرے آدمی سے محض اس بنیاد پر نکاح کرتی ہے کہ وہ دوسرا خاوند اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کردے تو یہ نکاح فاسد ہے۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ دوسرے خاوند سے نکاح میں یہ شرط نہ لگائی جائے کہ وہ (نکاح کے بعد) چھوڑ دے گا تو نکاح صحیح ہے اور اس سے تحلیل (اس عورت کا پہلے خاوند کے لیے حلال ہونا) ہو جائے گی اور اس عورت کے لیے مہر مثل ہوگا مگر ایسا کرنا اس وقت مکروہ ہے جب ارادہ میں یہ بات ہو کہ وہ نکاح کرنے کے بعد چھوڑ دے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حلال کرنے والے اور جس کے لیے (عورت کو) حلال کیا گیا ہے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آ کر کہا کہ بے شک ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے۔ پس اس کا بھائی بغیر کسی منصوبہ بندی کے گیا۔ پس اس عورت سے نکاح کیا تا کہ اس پہلے خاوند کے لیے حلال کرے۔ پس ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نکاح برغبت ہو، ہم حضور علیہ السلام کے زمانے میں اس قسم کے نکاح کو زنا شمار کرتے تھے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ نے حلال کرنے والے اور جس کے لیے عورت حلال کی گئی ہے لعنت فرمائی ہے)" **وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون** "یعنی جانتے ہیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) ان کو قاعدہ (رجعت) کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے اور جو شخص ایسا (برتاؤ) کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب (کی طرح بے وقعت) مت سمجھو اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعے سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

تفسیر ﴿۲۳۱﴾ "**واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن**" یہ آیت کریمہ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام ثابت بن یسار تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی حتیٰ کہ جب عدت گزرنے کے قریب ہوئی اس سے رجوع کر لیا، پھر اس کو طلاق دے دی۔

اس سے مقصود عورت کو نقصان پہنچانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فبلغن اجلھن" اس کے قریب ہو گئیں کہ وہ عدت گزرنے کے ساتھ (خاوندوں سے) جدا ہو جائیں۔ اس آیت کریمہ سے حقیقتاً عدت کا گزر جانا مقصود نہیں کیونکہ جب واقعتاً عدت گزر جائے۔

تو خاوند بیوی کے روکنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا یہاں بلوغ سے مراد بلوغ مقاربت ہے (یعنی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے) اور اس کے بعد آنے والے فلا تعضلوھن" میں عدت کا واقعتاً گزر جانا مراد ہے اور بلوغ دو معنوں کو شامل ہے کہا جاتا ہے "بلغت المدینۃ" یہ جملہ تو اس وقت کہے گا جب تو شہر کے قریب ہو جائے اور جب تو اس کو داخل ہو (یعنی پہنچے کے قریب ہو جانا یا واقعی پہنچ جانا "فامسکوھن" ان سے رجوع کرلو (بمعروف) بعض نے کہا ہے رجوع کرنا معروف طریقہ سے ہو اور وہ اس طرح کہ اپنے رجوع پر گواہ بنالے اور رجوع کرنا زبانی ہو وطی (جماع) سے نہ ہو۔ "او سرحوھن بمعروف" ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت گزر جائے۔ پس وہ اپنے آپ کی مالک بن جائیں۔ "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا" رجوع کرنے سے مقصود زیادہ دیر روک کر بیویوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔ "ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرکے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ "ولا تتخذوا آیات اللہ ھزوا" کلبی فرماتے ہیں یہاں آیات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فامساک بمعروف او تسریح باحسان" اور ہر وہ شخص حکم شرع کی مخالفت کرتا ہے پس وہ شخص آیات الٰہی کو مذاق بنانے والا ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیات الٰہی کو مذاق بنانا اس طرح ہے کہ آدمی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر کہتا کہ میں تو ہنسی مزاح کر رہا تھا اسی طرح غلام آزاد کرکے کہتا اور نکاح کرتا تو اسی طرح کہتا کہ میں تو مزاح کر رہا تھا۔

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن سے متعلق سنجیدہ گفتگو بھی سنجیدہ ہے اور ہنسی مزاح کے طور پر ان کا ذکر کرنا یا کلام کرنا بھی سنجیدہ کلام کے حکم میں ہے اور فرمایا وہ تین چیزیں یہ ہیں: طلاق، نکاح، رجوع کرنا۔ "واذکروا نعمۃ اللہ علیکم" نعمت سے مراد ایمان ہے "وما انزل علیکم من الکتاب" قرآن کریم "والحکمۃ" یعنی سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے کہا ہے کہ حکمت سے مراد مواعظ قرآنی ہیں۔ "یعظکم بہ واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم"

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دے دیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ باہم رضا مند ہو جاویں

قاعدہ کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو اور تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر ۞ "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن" جمیلہ بنت یسار جو کہ معقل بن یسار مزنی کی بہن تھی ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ محترمہ ابوالقداح بن عاصم بن عدی بن عجلان کے گھر تھیں۔ پس انہوں نے اس کو طلاق دی۔ معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا۔ پس اس نے میری بہن کو طلاق دے دی حتیٰ کہ جب اس کی عدت گزر گئی۔ وہ آدمی میری بہن کو پیغام نکاح دینے آ گیا۔ میں نے اس آدمی کو کہا میں نے اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر دیا اور اس کو تیرے زیر فراش کیا، تیرا اکرام کیا، پس تو نے اس کو طلاق دے دی۔ اب پھر تو اسے نکاح کا پیغام دینے آ گیا؟ خبردار! میری بہن اب تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی اور وہ آدمی کچھ برا نہ تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا "فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن" میں نے عرض کی یا رسول اللہ اب میں کروں گا (یعنی اپنی بہن کا نکاح اس آدمی سے کر دوں گا روکوں گا نہیں)۔ راوی کہتا ہے چنانچہ اس سے اس عورت کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فبلغن اجلھن" یعنی ان کی عدت گزر جائے۔ "فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن" یعنی ان عورتوں کو (سابقہ خاوندوں سے) نکاح سے نہ روکو۔ "عضل" کا معنی منع کرنا ہے۔ عضل کا اصل معنی تنگی اور شدت ہے۔ کہا جاتا ہے "عضلت المراۃ" جب اس عورت کا بچہ اس کے پیٹ میں اٹک جائے۔

اور اس بچے پر نکلنا تنگ ہو جائے۔ "الداء العضال" وہ بیماری جس کا علاج نہ کیا جا سکے۔ اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ (تنہا) عورت عقد نکاح کی متولی نہیں بن سکتی اس لیے کہ اگر عورت اس کی مالک ہوتی تو اس مقام پر پھر "عضل" یعنی نکاح سے روک نہ ہوتی اور نہ ہی ولی کو رکاوٹ "عضل" ڈالنے سے منع کرنے کا کوئی معنی ہوتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں خاوندوں سے خطاب ہے کہ ان کو ضرر دینے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ ابتداء آیت میں ان سے خطاب کیا گیا مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔ "اذا تراضوا بینھم بالمعروف" عقد حلال اور مناسب و جائز مہر کے ساتھ "ذالک" جو نہی مذکور ہے "یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر" اس آیت کریمہ میں مفرد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ خطاب عورت کے اولیاء (ولی وارثوں) سے ہے۔ اس لیے کہ جمع کو خطاب کرنے کے لیے لفظ "ذالکم" ہے پھر جب زیادہ استعمال ہوا حتیٰ کہ انہیں گمان ہوا کہ کاف نفس یعنی ذات حرف کا حصہ ہے اور کاف خطاب نہیں۔ پس انہوں نے لفظ "ذالک" استعمال کیا۔ پس جب انہوں نے یہ کہا تو کاف مفرد و تثنیہ جمع مذکر مؤنث کے لیے یکساں ہو گیا (دلالت کے لحاظ سے)

بعض حضرات کا قول ہے کہ "ذالک" سے خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس لیے مفرد مذکور ہوا۔ پھر اس کے بعد مؤمنین کے ساتھ خطاب میں رجوع فرمایا۔ پھر فرمایا "ذالکم ازکی لکم ...... ای خیر لکم" تمہارے حق میں بہتر ہے "واطھر" تمہارے دلوں کو شک سے پاک کرنے کے لحاظ سے اور یہ اس لیے کہ ان ہر دو (میاں بیوی) کے مابین ایک قلبی تعلق

پہلے سے اس طرح قائم ہے جس کے ہوتے ہوئے اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ یہ تعلق خاوند بیوی کو ناجائز کام تک پہنچا دے۔ نیز خاوند اور بیوی کے ولی وارثوں کے متعلق یہ توی احتمال موجود ہے کہ ان کے دلوں کی طرف کوئی ایسی بدگمانی سبقت کر جائے جس سے میاں بیوی بری ہوں۔ اس طرح جانبین کے ولی وارث گنہگار ہو جائیں۔ "واللہ یعلم وانتم لاتعلمون" اللہ تعالیٰ اس محبت کو خوب جانتا ہے جو خاوند اور بیوی کے درمیان قلبی طور پر قائم ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی سے اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا ہو قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں

تفسیر: ۝ "والوالدات یرضعن اولادھن" طلاق یافتہ وہ عورتیں جن کے ہاں ان کے خاوندوں کی جانب سے اولاد ہے "یرضعن" خبر بمعنی امر یعنی بظاہر تو اللہ تعالیٰ "یرضعن" لفظ کے ساتھ خبر دے رہے ہیں۔ درحقیقت دودھ پلانے کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر یہ امر استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے کیونکہ بچوں کو جب دودھ پلانے والی کوئی اور عورت دستیاب ہو تو اس مطلقہ عورت پر دودھ پلانا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۂ طلاق میں فرماتے ہیں "فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" (پس اگر وہ مائیں طلاق یافتہ) دودھ پلائیں تو ان کو ان کا بدلہ دے دو۔ اس فرمان الٰہی میں حتما یہ کہا گیا کہ وہ دودھ پلائیں بلکہ ان کا لفظ لا کر یعنی اگر وہ دودھ پلائیں یہ معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

پس اگر والدہ بچے کو دودھ پلانے میں دلچسپی لے تو وہ اور عورتوں سے زیادہ حق دار ہے "حولین کاملین" دو سال اور کمال کا لفظ تاکید کے لیے ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "تلک عشرۃ کاملۃ" اور کہا گیا ہے کہ کاملین کا لفظ اللہ تعالیٰ

نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ اہل عرب سال کے بعض حصہ کو سال اور مہینہ کے بعض حصہ کو مہینہ شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الحج اشھر معلومات" تو یہاں حج کے اوقات کے سلسلہ میں لفظ "اشھر" جو کہ جمع ہے اور جمع کے لیے تین عدد ہوتے ہیں جبکہ حج کا وقت تین مہینے نہیں بلکہ دو مہینہ مکمل اور تیسرا مہینہ کا بعض حصہ اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے "فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ" تو یہاں "تعجل فی یومین" فرمایا حالانکہ اس تعجل میں ایک دن مکمل اور دوسرا دن کا بعض ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے "اقام فلان بموضع کذا حولین" کہ فلاں شخص فلاں جگہ دو سال ٹھہرا حالانکہ وہ وہاں ایک سال اور دوسرے سال کا بعض حصہ ٹھہرا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرمایا کہ یہ دو سال کامل ہیں یعنی ۲۴ مہینے

(دودھ پلانے کی) اس حد میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا یہ دو سال کی حد بعض بچوں کے بارے میں ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب عورت بچہ چھ ماہ کی مدت حمل پر جنے تو اس بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے گی اور اگر سات ماہ کی مدت حمل پر بچہ جنے تو تیئس ماہ دودھ پلائے گی۔ یعنی دو سال سے ایک ماہ کم اور اگر نو ماہ کی مدت حمل میں بچہ جنے تو وہ بچہ کو اکیس ماہ دودھ پلائے گی اور اگر دس ماہ مدت حمل پر بچہ جنے تو وہ عورت بچہ کو بیس ماہ دودھ پلائے گی۔

یہ سب کچھ تیس ماہ پورا کرنے کے لیے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کے مطابق "وحملہ و فصالہ ثلاثون شھرا" ایک قوم نے کہا یہ مدت دودھ پلانے کی ہر بچہ کے لیے جس وقت بھی پیدا ہو۔ اس کی مدت رضاعت دو سال سے کچھ کمی واقع نہ ہوگی مگر والدین کے باہمی اتفاق سے والدین میں سے جو ایک دو سال کی مدت رضاعت سے پہلے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہے گا تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا مگر یہ بھی کہ دونوں اس پر متفق ہو جائیں۔ بوجہ فرمان خداوندی کے "فان ارادا فصالا عن تراض منھما و تشاور" یہ ابن جریج اور ثوری کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے والبی کی روایت ہے بعض نے کہا ہے کہ آیت سے مراد یہ ہے کہ دودھ پینے کی وہ مدت جس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ وہ دو سال ہے۔ لہٰذا دو سال کے بعد حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں پر فرض کیا ہے کہ وہ اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں۔ پھر تخفیف فرمائی "لمن اراد ان یتم الرضاعۃ" یعنی یہ مدت رضاعت کی انتہا ہے اور اس سے کم دودھ پلانے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ دو سال سے کم مدت دودھ پلانا بچے کی بہتری پر موقوف ہے اور اس پر جس سے اس بچہ کی زندگی موقوف ہے "وعلی المولود لہ" یعنی والد "رزقھن" ان کا طعام "وکسوتھن" ان کا لباس "بالمعروف" آسانی کی حد تک جس حد تک بآسانی لباس خوراک مہیا کر سکے "لاتکلف نفس الا وسعھا" اپنی طاقت کے مطابق "لاتضار والدۃ بولدھا" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "لاتضار" کو راء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لاتکلف" کے مطابق۔ اس کا اصل "تُضَارَرُ" پھر راء کو راء میں ادغام کر دیا گیا۔

اور باقی حضرات نے "تضارّ" راء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور ان حضرات نے کہا کہ جب راء کو راء میں ادغام کیا گیا تو

اس کو اخف الحرکات دی گئی اور وہ زبر ہے اور آیت کا معنی ہے کہ والدہ کو بچے کے حوالے سے نقصان نہ دیا جائے کہ والدہ دودھ پلانے پر راضی ہے پھر بھی اس سے چھین کر بچہ کسی اور کے حوالے کر دیا جائے۔ "ولا مولود له بولده" کہ بچہ ماں کے دودھ پینے پر مانوس ہو چکا ہے اور ماں بچہ کو باپ کی طرف پھینک دے تا کہ باپ کو دودھ پلانے پلوانے پر مشکل پیش آئے اور کہا گیا ہے کہ والدہ کو نقصان بایں معنی نہ دیا جائے کہ ماں دودھ نہیں پلانا چاہتی اور باپ اس کو مجبور کرتا ہے جبکہ بچہ دوسری عورت کے دودھ کو قبول کر چکا ہے کیونکہ دودھ پلانا ماں پر واجب نہیں ہے اور باپ کو بھی بچے کی وجہ سے نقصان نہ دیا جائے۔ بایں طور کہ بچہ کسی اور عورت کے دودھ کو قبول نہیں کرتا اور والدہ عام حق الخدمت سے بڑھ کر دودھ پلانے کی اُجرت لیتی ہے۔ ان دونوں قولوں کے مطابق "لا تضار" کا لفظ پہلی راء کی زبر کے ساتھ ہوگا۔ فعل مجہول کی بنیاد پر اور "والدة والمولود له" دونوں مفعول ہوں گے اور یہ بھی محتمل ہے کہ فعل "الوالدة" اور "المولود له" کا ہو یعنی یہ دونوں تضار کے فاعل ہوں اور تضار کی اصل الادغام تضارر فعل معروف ہو اور معنی ہوگا۔ لا تضارر والدة کہ والدہ نقصان نہ دے کہ (دودھ پلا سکنے کے باوجود) دودھ نہ پلائے اور انکار کر دے تا کہ والد پر یہ معاملہ مشکل ہو جائے۔ "ولا مولود له" کہ والد بچے کی ماں کو نقصان نہ دے کہ اس سے بچہ چھین لے اور ماں کو دودھ نہ پلانے دے، ان اقوال کی بنیاد پر ضرار کا تعلق والدین سے ہوگا کہ بچے کے حوالے سے والد والدہ ایک دوسرے کو نقصان دیں۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ ضرار کا تعلق بچہ سے ہو کہ والد والدہ دونوں بچے کو نقصان نہ دیں۔ ماں کا نقصان دینا بایں معنی کہ وہ بچہ کو دودھ نہ پلائے حتیٰ کہ بچہ ہلاک ہو جائے یا باپ خرچ نہ کرے یا بچہ کو ماں سے چھین لے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے اس اعتبار سے با وزائدہ ہوگی اور معنی ہوگا کہ ماں بچہ کو نقصان نہ دے اور نہ باپ بچہ کو نقصان دے اور یہ تمام اقوال مفسرین سے منقول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وعلى الوارث مثل ذالك" اس وارث میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ وارث سے مراد بچہ کا وارث ہے معنی ہوگا کہ بچہ کا وہ وارث کہ جب بچہ مر جائے اور اس بچہ کا مال ہو اور وہ وارث اس مال کا وارث ہو۔ اس پر اتنا خرچہ لازم آئے گا جو بچے کے باپ پر لازم تھا۔ جب وہ زندہ ہوتا پھر انہوں نے اختلاف کیا ہے کہ اس بچے کے ورثاء میں سے کون سا وارث مراد ہے؟ بعض نے کہا اس وارث سے مراد بچے کے عصبہ مرد ہیں۔ مثلاً دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد۔ یہ قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابراہیم، حسن، مجاہد، عطاء (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے اور یہ مذہب سفیان کا ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ جب بچہ کا مال نہ ہو۔

اس پر خرچ کرے۔ بچے کے ورثاء عصبہ کو اس امر پر مجبور کیا جائے گا کہ اس بچہ کے دودھ پلانے کا انتظام کریں اور بعض نے کہا ہے بچہ کا وارث سے مراد عام ہے۔ مردوں میں سے ہو یا عورتوں سے۔ یہ قول قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم کا ہے اور امام احمد و اسحاق رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ بچہ کے خرچہ سے متعلق ہر وارث کو میراث کی مقدار کے مطابق مجبور کیا جائے گا (یعنی اگر بچہ مالدار ہونے کی صورت میں فوت ہو جاتا تو جو جو وارث اس بچہ کے ترکہ سے جس قدر حصہ میراث پاتا موجودہ صورت حال میں اس کے ذمہ بچہ پر خرچ کرنا بھی میراث کے حصہ کے مطابق لازم ہوگا) یہ وارث عصبہ ہوں یا غیر عصبہ۔

بعض نے کہا کہ اس وارث سے بچے کے ذی رحم محرم وارث مراد ہیں۔ پس اگر کوئی وارث ذی رحم محرم نہیں مثلاً چچا کا بیٹا یا مولیٰ تو یہ وارث آیت سے مراد نہیں ہیں اور یہ قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت کریمہ میں وارث سے مراد خود بچہ ہے جو کہ اپنے مرنے والے باپ کا وارث ہے۔ لہٰذا دودھ پلانے کی اُجرت اور اس بچے کا خرچہ اسی بچے کے مال سے ہوگا۔ اگر اس بچے کا مال نہ ہو تو اس کی ماں پر خرچہ لازم ہوگا اور بچے پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں سوائے والدین کے اور کسی پر جبر نہ کیا جائے گا۔ یہ قول امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہاں آیات کریمہ میں وارث سے مراد والدین میں سے بچ رہنے والا ہے (یعنی اگر باپ مر گیا تو والدہ اور اگر والدہ فوت ہوگئی تو والد مراد ہوگا) لہٰذا بچ رہنے والے پر وہی خرچہ واجب ہوگا جو کہ والد پر تھا۔ مثلاً دودھ پلانے کی اُجرت باقی خرچہ اور لباس وغیرہ اور کہا گیا ہے کہ "علی الوارث مثل ذالک" سے مراد خرچہ وغیرہ نہیں بلکہ ترک مضارۃ (یعنی نقصان نہ پہنچانا مراد ہے)۔ جس طرح والد کے ذمہ تھا کہ نقصان نہ دے ایسے ہی وارث کے ذمہ ہے کہ نقصان نہ دے۔ علامہ شعبی اور زہری رحمہما اللہ نے یہی کہا ہے "فان ارادا" والدین "فصالا" دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا "عن تراض منهما" والدین کا اتفاق کرنا "وتشاور" یعنی اس سلسلہ میں علم رکھنے والے باہمی مشورہ کریں حتی کہ خبر دیں کہ اس وقت بچہ کا دودھ چھڑانا بچے کو نقصان نہیں دے گا۔ مشاورہ کا معنی رائے معلوم کرنا ہے۔

"فلا جناح علیهما" دو سال سے پہلے دودھ چھڑانے میں کچھ حرج نہیں ہے "وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم" یعنی ماؤں کے علاوہ اور دودھ پلانے والیاں لاؤ جب مائیں دودھ پلانے سے انکار کردیں کسی عذر معقول کی بناء پر ماؤں کے لیے بچوں کو دودھ پلانا مشکل ہو یا ان کا دودھ ختم ہوگیا ہو یا مائیں اور جگہ نکاح کرنے کا ارادہ کرلیں۔ "فلا جناح علیکم اذا سلمتم" ان کی ماؤں کی طرف "ما آتیتم" جو تم نے ان کے لیے رضاع کی اُجرت مقرر کی اتنی مقدار کی جس قدر انہوں نے دودھ پلایا اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جب تم دودھ پلانے والیوں کی طرف ان کی اُجرت سپرد کردو "بالمعروف" ابن کثیر نے "ما أتیتم" پڑھا ہے اور سورۂ روم میں ہے "ما اتیتم من ربا" یعنی الف کی مد کے بغیر بلکہ قصر کے ساتھ اس کا معنی ہوگا "ما فعلتم" یعنی جو کچھ تم کرو۔ جیسے کہا جاتا ہے "اتیت جمیلا اذا فعلته" یعنی "اتیت جمیلا" اس وقت کہا جائے گا جب تو نے اچھا کام کیا ہوگا۔ لہٰذا اس قراۃ کی بنیاد پر "سلمتم" کا معنی تسلیم بمعنی اطاعت وانقیاد یعنی مطیع ہونا ہوگا نہ کہ بمعنی تسلیم اجرۃ یعنی اجرۃ ادا کرنا۔ لہٰذا دریں صورت "اذا سلمتم" کا معنی ہوگا جب تم اللہ تعالیٰ کا امر تسلیم کرلو اور اس کے حکم کے لیے مطیع وفرمانبردار ہو جاؤ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تم دودھ پلانے کے لیے باہمی رضامندی واتفاق کے بچہ کو سپرد کردو نہ کہ نقصان دینے کے لیے "واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر"

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

ترجمہ اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

تفسیر ۲۳۴ "**والذین یتوفون منکم**" وہ مر جائیں اور ان کی عمر کی مدتیں پوری ہو جائیں۔ "**توفی**" اور استوفی کا معنی ایک ہے اور "**توفی**" کا معنی کسی شئی کو پورا پورا لے لینے کے ہیں۔ "**ویذرون ازواجا**" بیویاں چھوڑ جائیں "**یتربصن**" وہ انتظار کریں "**بانفسھن اربعة اشھر و عشرا**" چار ماہ دس دن میں زیب و زینت اور خوشبو اور گھر سے باہر جانا اپنے خاوندوں کے فراق کی وجہ سے چھوڑ کر عدت بیٹھیں۔ مگر جب حاملہ ہوں تو اس وقت ان کی عدت وضع حمل ہوگی۔ ابتداء میں وفات کی عدت ایک سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "**والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج**" پھر یہ مدت عدت چار ماہ دس دن کے ساتھ منسوخ کر دی گئی۔ ابن ابی نجیح حضرت مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عدت چار ماہ دس دن کی عورت کے خاوند کے اہل والوں کے ہاں گزارنی واجب تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے "**متاعاً الی الحول**" نازل فرمائی تو تمام عدت سات ماہ بیس دن بطور وصیت کے حاوی گئی عورت اگر چاہے تو۔

اپنی وصیت کے تحت سال بھر ٹھہری رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن**" مثلاً عدت جیسا کہ اس عورت پر واجب ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت نے عورت کی اپنے اہل کے ہاں عدت گزارنے کو منسوخ کر دیا اور اپنی وصیت کے اعتبار سے رہائش پذیر ہوگی اور اگر چاہے تو نکل جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ "**غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم**" والی آیت نے اپنے اہل کے ہاں عدت گزارنے کے وجوب کو ختم کر دیا۔ پس اب جہاں چاہے عدت گزارے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت چاہے تو اپنے اہل کے ہاں عدت گزارے اور رہائش از روئے وصیت رکھے۔ "**کمافی القرآن وصیة لازواجھم متاعا الی الحول**" اور اگر چاہے تو نکل جائے اور رہائش نہ رکھے از روئے فرمان الٰہی "**فلا جناح علیکم فیما فعلن**" مترجم۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں پھر میراث کے حکم نے سکنیٰ (رہائش) کو بھی منسوخ کر دیا۔ پس اب عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لیے رہائش نہیں ہے اور عدت وفات میں اس پر سوگ واجب ہے اور سوگ یہ کہ زیب و زینت اور خوشبو سے رُک جائے۔ پس عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ سر میں کسی قسم کا تیل لگائے خواہ اس میں خوشبو ہو یا نہ ہو۔ البتہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ سر کے علاوہ باقی جسم کو تیل لگائے بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو اگر خوشبو ہو تو پھر جائز نہ ہوگا اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ خوشبودار سرمہ لگائے یا وہ سرمہ جس میں زینت ہو۔ مثلاً سیاہ سرمہ (کاجل وغیرہ) البتہ فارسی سرمہ لگانے میں کچھ حرج نہیں جس میں زینت نہ ہو اور اگر زینت والے سرمہ کی طرف مجبور ہو جائے تو بہت سے اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے جن میں حضرت

سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار، حضرت عطاء، نخعی، امام مالک نے بھی یہی کہا اور اصحاب الرائی نے بھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات کو سرمہ لگائے اور دن کو پونچھ ڈالے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے خاوند ابوسلمہ فوت ہوئے تو میرے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے اور میرے چہرے پر "صَبِر" لگا ہوا تھا۔ "صَبِر" کڑوے درخت کے پھل کا رس ہوتا ہے جو رنگت کو خوبصورت بناتا ہے اور تحسین کرتا ہے۔ مترجم۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ چہرے کو خوبصورت جوان بناتا ہے لہٰذا اس کو صرف رات کے وقت استعمال کر و دن کو اُتار دیا کرو۔ نیز عورت کے لیے خضاب لگانا خوبصورت کپڑے پہننا ریشم اور زیورات استعمال جائز نہیں اور عورت کے لیے سفید کپڑے کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح کپڑا اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا جائز ہے اور زینت کے لیے رنگین اون کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً سرخ سبز تازہ اور زرد اور کپڑے استعمال جائز ہے جو کہ زینت والا رنگ نہ دیا گیا ہو۔ مثلاً سیاہ اور سرمئی۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں رنگ دار کپڑا (عدت والی عورت) کسی حال میں نہ پہنے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کے پاس اس وقت جب ان کے والد محترم حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی جس میں زردی تھی، وہ خوشبو خلوق تھی یا کوئی اور خوشبو (خلوق ایک مشہور خوشبو کا نام ہے جس کا جزو اعظم زعفران ہوتا ہے) وہ خوشبو باندی کو لگائی پھر اس کے بعد اسے اپنے پیٹ پر ملا پھر فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام منبر پر فرما رہے تھے کہ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر خاوند پر کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ میں زینب بنت جحش کے پاس گئی جب ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش فوت ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی اور اسے استعمال کیا۔ پھر فرمایا کہ واللہ مجھے خوشبو کی حاجت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام منبر پر فرماتے تھے کسی اس عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر خاوند پر کہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا وہ فرماتی تھیں کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی یارسول اللہ بے شک میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھ کو تکلیف ہے، تو کیا ہم اس کی آنکھ میں سرمہ ڈالیں؟ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں پھر فرمایا کہ یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں حالانکہ تم میں سے کوئی عورت زمانہ جاہلیت میں سال کے سرے پر مینگنی پھینکتی تھی۔ حضرت حمید فرماتے ہیں میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا سال کے سرے پر مینگنی پھینکنے کا کیا معنی ہے؟ پس حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا۔

اور خراب کپڑے پہن لیتی خوشبو کو استعمال نہ کرتی حتیٰ کہ سال گزر جاتا پھر اس کے بعد گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا۔ اس جانور کے ساتھ وہ اپنی عدت کھولتی (عدت کھولنے کا طریقہ یہ ہوتا کہ اس جانور کے ساتھ اپنے جسم کا کوئی حصہ ملتی۔ بہت تھوڑا

ایسے ہوتا کہ کسی جانور کے ساتھ وہ اپنا جسم لگاتی مگر یہ کہ وہ جانور مر جاتا۔ پھر وہ نکلتی اور اس کے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی پھر وہ عورت اس مینگنی کو پھینکتی پھر اس کے بعد وہ خوشبو وغیرہ لگاتی۔ حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفتض کا معنی ہے کہ وہ چھڑا لگاتی۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مدت (عدت) میں حکمت یہ ہے۔

کہ بے شک اس مدت میں بچے میں روح پڑ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ بے شک بچہ پیٹ میں حرکت کرتا ہے۔ نصف مدت حمل کے باعث اور بے شک چار ماہ دس دن قریباً نصف مدت حمل ہے اور عشراً کیوں کہا (جبکہ عشراً اس وقت کہا جاتا ہے جب معدود مؤنث ہو اس لیے کہ اس سے راتیں مراد ہیں کیونکہ عرب والے جب دنوں اور راتوں کے درمیان عدد کو مبہم کرتے ہیں تو راتوں کو غلبہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں "صمنا عشرا" حالانکہ روزہ تو صرف دن کو ہوتا ہے۔ مبرد کہتے ہیں "عدد عشرا" مؤنث اس لیے لایا گیا کہ اس سے مراد مدت ہے۔ "ای عشر مدد" دس مدتیں اور ہر مدت دن رات پر مشتمل ہے اور جب وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا حاملہ ہو تو اس عورت کی عدت اکثر اہل علم کے نزدیک وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا بعد والے وضع حمل ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا آخر الاجلین عدت بیٹھے یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت طویل ہو اور بعد میں ختم ہو اس کے ساتھ عدت بیٹھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورۃ النساء "القصریٰ نساء طولیٰ" کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "نساء قصریٰ" سے مراد سورہ طلاق لے رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان "و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن" (جس میں عدت وضع حمل بیان کی گئی) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد نازل ہوا "يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا" جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ لہٰذا "اولات الاحمال" کو ناسخ سمجھا جائے گا اور عامۃ الفقہاء نے "اربعة اشهر و عشرا" میں حدیث سبیعہ سے تخصیص کی ہے۔

ہشام نے اپنے والد سے انہوں نے مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، بے شک سبیعہ اپنے خاوند کی وفات سے چند راتیں بعد نفاس والی ہو گئیں (یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا) تو حضرت سبیعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت چاہی۔ پس آپ علیہ السلام نے اس کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاذا بلغن اجلهن" ان کی عدت گزر جائے۔ "فلا جناح عليكم" اولیاء عورت کو خطاب ہے "فيما فعلن فی انفسهن" خاوندوں کا انتخاب کرنا بعض کا قول ہے "فيما فعلن" سے مردوں سے نکاح کی خاطر زینت اختیار کرنا ایسی زینت جس کا شرع انکار نہ کرے۔ "(بالمعروف) والله بما تعملون خبير" عدت وفات میں سوگ کرنا عورت پر واجب ہے البتہ طلاق کی عدت گزارنے والی سوگ کا واجب ہونا اس میں نظر ہے، اگر تو طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی ہے تو اس پر سوگ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ ایسی زیب و زینت اختیار کرے جو اس کے خاوند کے دل کو رجوع پر مشتاق کرے۔ وہ عورت بوجہ خلع کے خاوند سے جدا ہوئی ہے یا وہ جو تین طلاق یافتہ ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) ان پر سوگ کرنا ایسے لازم ہے جیسے خاوند کی وفات

والی پر سوگ کرنا واجب ہے۔ یہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے یہ قول حضرت عطا کا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ: اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارہ میں بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں ارادہ (نکاح کو) پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں

تفسیر: ﴿۲۳۵﴾ "**ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء**" یعنی عدت گزارنے والی عورتیں تعریض کا اصل معنی کسی شئی کے ساتھ اشارہ کرنا۔ تعریض فی الکلام وہ کچھ ہے۔ جس کی مراد سامع بغیر تصریح کے سمجھ جائے۔ عدت کے دوران نکاح کے پیغام میں تعریض کرنا یعنی اشارات و کنایات سے کام لینا جائز ہے۔ وہ اس طرح کہ یوں کہے تجھ میں کئی ایک دلچسپی لے رہے ہیں۔ تجھ جیسی عورت کون پائے گا؟ بے شک تو خوبصورت ہے۔

اور بے شک تو نیک ہے اور بے شک تو میرے نزدیک محترم ہے۔ میرا مقصود تجھ سے نکاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حلال طریقے پر جمع فرمادے تو مجھے اچھی لگتی ہے۔ اگر میں نے تجھ سے نکاح کرلیا تو تیرے ساتھ احسان کا معاملہ کروں گا۔ اس قسم کی کلام کرنا ایسا نہ کہے کہ تو مجھ سے نکاح کر اور جواب میں عورت بھی کہے کہ میں تجھی سے نکاح کروں گی جب کہ وہ عورت اس مرد میں رغبت رکھتی ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں کہ اس عورت کی طرف ہدیہ بھیجے اور عدت کے دوران اس کے کام کاج کرے جبکہ وہ عدت گزار عورت نوجوان نہ ہو۔ روایت کی جاتی ہے کہ سکینہ بنت حنظلہ اپنے خاوند سے بائنہ ہوگئی تو حضرت ابو جعفر محمد بن علی الباقر اس کی عدت کے دوران تشریف لے گئے اور کہا اے حنظلہ کی بیٹی میں وہ شخص ہوں کہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت داری کو جانتی ہے اور میرے دادا علی رضی اللہ عنہ کا حق بھی اور میری اسلام میں سبقت سے بھی تو آشنا ہے تو حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں آپ مجھے پیغام نکاح دیتے ہیں حالانکہ میں عدت میں ہوں اور تو وہ شخص ہے کہ تجھ سے اخذ کیا جاتا ہے یعنی سیکھا جاتا ہے (لوگ تیری اتباع کرتے ہیں) حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے تجھ کو حضور

علیہ السلام سے اپنی قرابت داری کی خبر دی ہے۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تھے اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابو سلمہ کی عدت (وفات) میں تھیں تو حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے مرتبہ و مقام کا ذکر کیا تھا حالانکہ حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ پر اُٹھائے ہوئے تھے حتیٰ کہ چٹائی نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر سخت اُٹھانے کی وجہ سے نشان ڈال دیئے۔ پیغام نکاح کو اشارۃً کنایۃً عدت وفات میں ذکر کرنا جائز ہے اور فرقۃ الحیاۃ کی عدت گزارنے والی یعنی جو زندہ خاوند سے جدا ہوگئی ہے۔ دیکھا جائے گا اگر تو وہ ایسی ہے کہ جس خاوند سے جدا ہوئی ہے اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ مثلاً تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہونے والی یا بوجہ لعان کے خاوند سے جدا ہونے والی یا حرمت رضاع کے باعث خاوند سے جدا ہونے والی ہے تو اس عورت کو پیغام نکاح اشارۃً تعریضاً دینا جائز ہے اور اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کے ساتھ اس کے خاوند کو نکاح کرنا جائز ہے۔ مثلاً خلع کرنے والی یا وہ عورت جس کا نکاح فسخ کیا گیا ہے تو اس عورت کے خاوند کو صراحتاً یا اشارۃً پیغام نکاح دینا جائز ہے۔

اور کیا خاوند کے علاوہ باقی مردوں کو اسے پیغام نکاح اشارۃً دینا جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ❶ ایک قول ہے کہ جائز ہے جس طرح کہ مطلقہ ثلاث کو پیغام نکاح دینا دوسروں کے لیے جائز ہے۔ ❷ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسروں کے لیے پیغام نکاح دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ میاں بیوی کا باہمی دوبارہ لوٹ آنا صاحب عدت (خاوند) کے لیے اس طرح ثابت ہے جس طرح کہ رجعی طلاق والی لہٰذا خاوند کے بغیر کسی اور کو حق نہیں پہنچتا کہ پیغام نکاح میں تعریض کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من خطبۃ النساء" نکاح چاہنا خطبہ مصدر ہے۔ "خطب الرجل المرأۃ یخطب خِطبۃ" مرد نے عورت کو پیغام نکاح دیا یا پیغام نکاح دیتا ہے۔ اخفش کہتے ہیں "خِطبۃ" کا معنی ذکر کرنا اور خطبہ کا معنی تشہد۔ پس اس کا معنی ہوگا اس بارے میں تم پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ تم عدت والیوں کے پاس عورتوں کا ذکر تعریضاً کرو "او اکننتم" پوشیدہ رکھو "فی انفسکم" ان سے نکاح کے بارے میں کہا جاتا ہے "اکننت الشیء و کننتہ" یہ دو لغتیں ہیں یعنی "اَکْنَنْتُ" مزید فیہ اور کننت مجرد دونوں کا معنی ایک ہے چھپانا۔ ثعلب کہتے ہیں "اکننتُ الشیء" کا معنی "اخفیتہ فی نفسی" یعنی میں نے اس شی کو دل میں پوشیدہ رکھا اور "کننتُہ" کا معنی "سترتہ" اس شی پر پردہ ڈالا۔

علامہ سدی کہتے ہیں کہ پیغام نکاح کو پوشیدہ رکھنے کی یہ صورت ہے کہ اس عورت پر داخل ہو کر سلام کیا اور چاہا تو ہدیہ وغیرہ بھیج دیا اور کسی قسم کی کلام نہ کی۔ "علم اللّٰہ انکم ستذکرونھن" تم ذکر کرو گے اپنے دلوں کے ساتھ "ولکن لاتواعدوھن سرًا" اس منع شدہ سر میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم کا کہنا ہے کہ یہ زنا ہے آدمی عورت پر زنا کی خاطر داخل ہوتا اور وہ نکاح کے سلسلہ میں تعریض کرتا اور اس عورت کو کہتا مجھے چھوڑ دے، جب تیری عدت پوری ہو جائے گی میں تیرا نکاح ظاہر کر دوں گا، یہ قول حسن، قتادہ، ابراہیم اور عطاء رحمہم اللہ کا ہے اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یعنی اس سے پوشیدہ نکاح نہ کرے کہ اس عورت کو روکے رکھے جب وہ حلال ہو جائے (یعنی عدت گزر جائے) اس

نکاح کو ظاہر کردے اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لا تواعدوهن" کا معنی ہے کہ عورت سے کہے کہ اپنے آپ کو مجھ سے گنوا نہ دینا (ضائع نہ کردینا) اس لیے کہ میں تجھ سے نکاح کرنے والا ہوں۔ علامہ شعبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "لا تواعدوهن" کا معنی ہے کہ اس عورت سے اس بات کا پختہ عہد نہ لیا جائے کہ وہ عورت اس مرد کے سوا کسی سے نکاح نہ کرے گی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ عدت میں نہ اس کو صراحۃً پیغام نکاح بھیجے اور نہ نکاح کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سِر" کا معنی ہے جماع کرنا۔ علامہ کلبی کہتے ہیں کہ عدت والی عورتوں کے سامنے اپنی یہ تعریف نہ کریں کہ میں زیادہ جماع کرنے والا ہوں۔ پس یوں کہے میں تیرے پاس چار یا پانچ دفعہ آؤں گا اس قسم کی باتیں اور "سِر" ذکر کرکے جماع مراد لیا جاتا ہے۔ "امرأ القیس" کہتا ہے:

"الا زعمت بسباسة القوم انّنی　　　　کبرت وَ الّا یحسن السرّ امثالی"

خبردار گمان کیا ہے بسباسہ نے آج کے دن اس بات کا بے شک میں بوڑھا ہوچکا ہوں اور یہ کہ میں اچھی طرح کرسکتا مجھ جیسا جماع کو (اس شعر میں "امرأ القیس" نے لفظ "سر" سے جماع مراد لیا ہے)۔ مترجم۔ اور زنا اور جماع کو سِر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عورت اور مرد کے درمیان ایک پوشیدہ امر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اِلَّا اَنْ تقولوا قولاً معروفا" قول معروف سے مراد وہی جو ہم نے ذکر کیا کہ نکاح کا ذکر تعریضاً کرنا۔

"ولا تعزموا عقدة النكاح حتّٰى يبلغ الكتاب اجله" عقد نکاح پر اپنا عزم مصمم و محقق نہ کرو یہاں تک کہ کتاب (اللہ تعالیٰ کا لکھا) اپنی مدت مقررہ کو پہنچ جائے یعنی حتیٰ کہ عدت گزر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عدت کو کتاب کا نام دیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض شدہ ہے۔ مثل اس قول خداوندی کے "کُتِبَ علیکم" یعنی تم پر فرض کیا گیا "واعلموا ان الله يعلم ما فی انفسكم فاحذروه" پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ "واعلموا ان الله غفور حليم" سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور (صرف) ان کو ایک جوڑا دے دو صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

تفسیر ۝ "لا جناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة" نہ تم نے ان بیویوں کو مس کیا (یعنی جماع کیا) اور نہ اُن کے لیے مہر مقرر کیا۔ یہ آیت کریمہ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس نے قبیلۂ

بنو حنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا پھر جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ پس اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو متعہ (نفع اٹھانے کی چیز) دے۔ اگرچہ اپنی ٹوپی۔ حمزہ اور کسائی نے "مالم تماسوھن" پڑھا ہے یعنی اس جگہ الف کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۂ احزاب میں باب مفاعلہ کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی سورۂ احزاب میں "من قبل ان تمسّوھُنّ کو تماسوھن" پڑھا) کیونکہ ہر دو (میاں بیوی) کا بدن ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "من قبل ان یتماسا" اور باقیوں نے "تمسّوھن" بغیر الف کے پڑھا ہے کیونکہ غشیان (بیوی کو ڈھانپ لینا) مرد کا فعل ہوتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ولم یَمۡسَسۡنِیۡ بشر"...... "او تفرضوا لھن فریضۃ" ان عورتوں کے لیے تم مہر ثابت کرو (مقرر کرو) اگر یہ کہا جائے کہ طلاق دینے والے سے "لا جناح" کہہ کر گناہ کی نفی کا کیا معنی ہے؟ جب کہ طلاق جوڑ کو توڑنے کا نام ہے اور حدیث شریف میں ہے "ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق" تمام جائز کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین کام طلاق دینا ہے پھر طلاق دہندہ سے گناہ کی نفی کر دی جبکہ فراق امساک (اپنے پاس روک رکھنے) سے زیادہ خوفناک ہے تو اس سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ "لا جناح بمعنی لاسبیل للنساء علیکم" کہ اگر تم جماع سے پہلے اور مہر مقرر کرنے سے پہلے بیویوں کو طلاق دے دو تو عورتوں کو مہر اور نان ونفقہ کے حوالے سے تم پر کوئی راہ نہیں (کہ وہ مہر اور نفقہ کا مطالبہ کر سکیں) اور کہا گیا ہے کہ "لا جناح علیکم" کا معنی یہ ہے کہ تم پر جماع کرنے سے پہلے طلاق دینے پر کوئی گناہ نہیں جس وقت چاہو طلاق دے دو، عورت حالت حیض میں ہو یا پاک۔

کیونکہ جس عورت کو نکاح کے بعد جماع کیے بغیر طلاق دی جائے اس میں طلاق سنت اور طلاق بدعت کی کوئی تقسیم نہیں بخلاف اس عورت کے جو "مدخول بھا" ہو یعنی جس سے جماع کیا جا چکا ہو کیونکہ اس کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ (اگرچہ طلاق دینے کی صورت میں واقع ہو جائے گی) "ومتعوھن" ان کو اپنے مال سے اتنا کچھ دو جس سے وہ نفع اٹھائیں۔ متعہ اور متاع وہ زادِ راہ جس کے ذریعہ (منزل مقصود تک) پہنچا جا سکے۔ "علی الموسع" غنی پر "قدرہ وعلی المقتر" فقیر پر یعنی اس کی طاقت کے مطابق۔ ابو جعفر اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور حفص نے "قدَرُہ" دونوں میں دال کی زبر کے ساتھ اور باقیوں نے دونوں میں دال کی جزم کے ساتھ اور یہ دونوں لغت ہیں اور کہا گیا ہے القدر دال کی جزم کے ساتھ مصدر ہے اور قدر دال کی زبر کے ساتھ اسم ہے۔ "متاعًا" کی نصب (زبر) مصدر کی بنیاد پر ہے (یعنی مفعول مطلق ہے) یعنی "متعوھن متاعًا" (بالمعروف) یعنی اس طریقہ کے مطابق جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے بغیر کسی ظلم کے "حقًا علی المحسنین" حکم آیت کا بیان یہ ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کرے پھر اس سے جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے۔ اس پر بالاتفاق متعہ واجب ہے (یعنی نفع اٹھانے کی کوئی چیز یا مال دینا) اور اگر اس کا حق مہر مقرر کیا مگر جماع سے پہلے اس کو طلاق دے دی اس کے لیے اکثر کے قول کے مطابق متعہ واجب نہیں اور اس کے لیے مقرر شدہ مہر کا آدھا حصہ ہے اور جس عورت کو جماع کے بعد طلاق دی جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ

ایسی عورت کے لیے متعہ نہیں کیونکہ وہ مہر کی حق دار ہے یہ قول اصحاب الرائی کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ وہ متعہ کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق "وللمطلقات متاع بالمعروف" اور یہ قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت عطاء اور مجاہد اور قاسم بن محمد رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں کیونکہ اس عورت کا مستحق مہر ہونا اس کے عوض ہے جو اس مرد نے اس عورت سے جماع کا نفع اُٹھا کر اس عورت کا نقصان کیا۔ پس اس عورت کے لیے متعہ

وحشت فراق کی بنیاد پر ہوگا۔ پس اس قول پر وجوب متعہ صرف ایک عورت کے حق میں ہے اور یہ وہ عورت ہے جس کو حق مہر کے تقرر کے بغیر جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اور قول ثانی کے مطابق ہر عورت کے لیے متعہ ہے مگر ایک کے لیے نہیں اور وہ وہ عورت ہے جس کا حق مہر مقرر ہے مگر جماع سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر عورت کے لیے متعہ (نفع کی چیز) ہے سوائے اس کے جس کا مہر مقرر کیا گیا مگر اسے خاوند نے مس نہ کیا۔ اسکے لیے آدھا مہر کافی ہے۔ زہری کہتے ہیں دو متعہ ہیں ایک کا فیصلہ بادشاہ کرے گا اور دوسرے متعہ کا فیصلہ بادشاہ (قاضی) نہیں کرے گا بلکہ "فیما بینہ وبین اللّٰہ" (دیانۃً) لازم ہوگا۔ بہر حال وہ متعہ جس کا فیصلہ بادشاہ کرے گا (یعنی قاضی) یہ وہ مطلقہ عورت ہے جسے بغیر مہر کے تقرر اور جماع کیے کے طلاق ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حقا علی المحسنین" اور جس متعہ کا لزوم "فیما بینہ وبین" اللہ تعالیٰ ہے (یعنی دیانت ہے) اور اس کا فیصلہ بادشاہ (قاضی) نہیں کرے گا۔ پس یہ وہ مطلقہ ہے جسے جماع کے بعد طلاق مل جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "حقا علی المتقین" حضرت حسن، سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہے برابر ہے کہ مہر مقرر کرنے اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو یا مہر کے تقرر کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو۔

"وللمطلقات متاع بالمعروف" اور یہ فرمان خداوندی کے جو کہ سورۂ احزاب میں ہے۔ "فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلا" اور دونوں (حسن و سعید بن جبیر) نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ" کہ تحقیق تم نے ان عورتوں کے لیے حق مہر مقرر کیا (اس کے ساتھ یہ مفہوم مقدر ہے) "اولم تفرضوا لھن فریضۃ" یا تم نے ان عورتوں کے لیے مہر مقرر نہیں کیا۔ بعض نے کہا کہ متعہ واجب نہیں ہے اور اس کا امر، امر استحبابی ہے۔ روایت کیا گیا ہے بے شک ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ اس کے ساتھ وخول کر چکا تھا تو اس کی اس مطلقہ بیوی نے قاضی شریح کی عدالت میں متعہ کے بارے میں جھگڑا کیا تو قاضی شریح نے مرد سے فرمایا تو اس سے انکار نہ کر کہ تو محسنین سے ہو اور نہ اس سے انکار کر کہ تو متقین سے ہو اور اس کو مجبور نہ کیا (یعنی صرف متعہ کی ترغیب دی اور جبر نہ کیا) متعہ کی مقدار میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ متعہ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور درمیانہ درجہ یہ ہے کہ کپڑا (لباس) دیا جائے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایسی چیز دی جائے جس کی معقول قیمت ہو یعنی تیس درہم۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کو سیاہ باندی بطور متعہ کے دی۔ حضرت سیدنا حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ایک عورت کو طلاق دی اور اس کو دس ہزار درہم متعہ کے طور پر دیے۔ اس کے

جواب میں اس عورت نے کہا ”متاع قلیل من حبیب مفارق“ کہ بچھڑنے والے دوست کے بدلے متاع قلیل ملا ہے۔ حضرت امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب متعہ میں میاں بیوی اختلاف کریں تو اس کی مقدار مہر کا آدھا حصہ ہے اس سے آگے نہ بڑھا جائے۔ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی میں خاوند کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس آیت کے حکم میں سے یہ ہے کہ بے شک جو شخص بالغ عورت سے اس کی مرضی سے بغیر مہر کے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہے اور عورت کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ اس کے لیے مہر مقرر کیا جائے اور اگر وہ شخص مہر مقرر کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرلے تو عورت کے لیے خاوند پر مہر مثل لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر کرنے اور بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دے گا تو عورت کے لیے متعہ لازم ہوگا اور مہر مقرر کرنے اور صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرگیا تو اس بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ عورت مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟ تو ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کے لیے مہر نہیں ہے اور یہی قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔

جیسا کہ اگر مہر مقرر کرنے اور صحبت سے پہلے طلاق دے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے اس کے لیے مہر ہے کیونکہ موت مہر مقرر کو پکا کرنے میں جماع کی طرح ہے۔ اسی طرح مہر مثل کو واجب کرنے میں جبکہ عقد نکاح میں مہر مقرر نہ ہو۔ یہ سفیان ثوری اور اصحاب الرای کا قول ہے۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو علقمہ سے روایت کی گئی ہے اور علقمہ نے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا جس نے نہ تو اس کے لیے مہر مقرر کیا اور نہ ہی اس سے جماع کیا حتیٰ کہ فوت ہوگیا۔ پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس عورت کے لیے اتنا ہی مہر ہے جتنا کہ اس عورت کے خاندان والی عورتوں کے لیے ہوتا ہے نہ تھوڑا نہ زیادہ۔ اس عورت پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی ہے۔ اس پر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے خاندان کی عورت بروع بنت واشق کے حق میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت بروع بنت واشق والی حدیث ثابت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہٹ کر کسی کی بات میں کچھ دلیل نہیں اور اگر وہ حدیث ثابت نہیں ہے تو اس عورت کے لیے مہر نہیں میراث ہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت بروع کی حدیث کے بارے فرمایا کرتے تھے ہم قبیلہ اشجع کے دیہاتی کی بات اللہ تعالیٰ کے

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

(تفسیر) اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم

نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر ● "وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم" یہ اس طلاق کے بارے میں ہے جو مہر مقرر کرنے کے بعد اور جماع سے پہلے دی جائے۔ پس اس عورت کے لیے مہر مقرر کا آدھا ہے اور اگر جماع سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے تو عورت کو مکمل مہر مقرر ملے گا اور آیت کریمہ میں مذکور "مس" سے مراد جماع ہے اور ایسی صورت میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ اگر مرد عورت سے خلوت (یعنی میاں بیوی کو ایسا تخلیہ حاصل ہو کہ اگر خاوند جماع کرنا چاہے تو کر سکے) تو کرے مگر جماع نہ کرے اور جماع سے پہلے طلاق دے دے تو اس میں بعض حضرات کا قول ہے کہ اس عورت کے لیے صرف آدھا مہر ہے اور عدت گزارنا لازم نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جماع سے پہلے طلاق میں آدھا مہر واجب کیا ہے اور عدت واجب نہیں کی اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے اور ایک قوم کا کہنا ہے کہ اس عورت کے لیے مکمل مہر ہے اور عدت بھی۔ بوجہ اس کے جو روایت کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں جب پردے ڈال دیئے جائیں تو مہر واجب ہے اور اسی طرح حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس روایت والے قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ عورت کو مہر دینا اس وقت واجب ہے۔ جب عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر دے نہ کہ مہر کی مقدار مقرر کرنے کے سلسلہ میں ہے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے صرف مہر کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ مہر کی مقدار یعنی آدھا یا کل مہر)......(مترجم) بعض کا قول ہے کہ یہ آیت اس آیت کے لیے ناسخ ہے جو کہ سورۃ احزاب میں ہے "فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن" اس عورت کے لیے جسے جماع کرنے سے پہلے طلاق دی جاتی متعہ تھا (یعنی نفع اٹھانے کی کوئی چیز دی جاتی) پس اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا گیا اور اس عورت کے لیے جس کا مہر مقرر شدہ ہو اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے آدھا مہر واجب ہے اور متعہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وقد فرضتم لهن فريضة" یعنی ان کے لیے تم نے مہر مقرر کیا تو اس مقرر شدہ مہر کا نصف حصہ واجب ہے۔

"الا ان يعفون" عورتیں معاف کر دیں مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنا حصہ (آدھا مہر) چھوڑ دے اور سارا مہر خاوند کو لوٹا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او يعفو الذي بيده عقدة النكاح" اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بے شک "بيده عقدة النكاح" سے مراد عورت کا ولی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے اس کا معنی ہے یا تو عورت معاف کر دے کہ اپنا حصہ خاوند کو دے دے۔ اگر تو عورت عفو کرنے کی اہل ہے یعنی ثیبہ ہے یعنی کہ پہلے سے بیوہ یا مطلقہ ہے یا اس عورت کا ولی معاف کر دے کہ اس عورت منکوحہ کا حصہ چھوڑ دے۔ اگر عورت کنواری ہے (یاد رہے کہ ثیبہ با کرہ (کنواری) کی تقسیم امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ہے)......(منجانب: مترجم) یا وہ عورت معاف کرنے کی اہل نہیں (کسی اور

اعتبار سے) تو اس عورت کے ولی کے لیے جائز ہے کہ عورت کا حصہ معاف کر دے اور یہ قول حضرت علقمہ، حسن، زہری اور ربیعہ (رحمہم اللہ) کا ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ ولی کو حصہ عورت معاف کرنے کا حق اس وقت ہے جب عورت کنواری ہو۔ پس اگر عورت ثیبہ ہو تو اس عورت کے ولی کو اختیار نہیں کہ معاف کر دے اور بعض نے کہا ہے کہ "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد خاوند ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سعید بن جبیر، علامہ شعبی، شریح، مجاہد و قتادہ (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کے ولی کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ عورت کے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دے معاف کر دے۔ عورت کنواری ہو یا ثیبہ (یعنی مطلقہ یا بیوہ) جیسا کہ ولی کو طلاق سے پہلے باتفاق آئمہ ترک مہر کا اختیار نہ تھا اور جیسا کہ ولی کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ عورت کے مال سے کچھ ہبہ کر دے اور انہوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ یا تو عورت اپنا حصہ چھوڑ کر معاف کر دے کہ سارا مہر خاوند کے پاس لوٹ جائے (اور عورت اپنا آدھا حصہ نہ لے) یا خاوند اپنا حصہ چھوڑ کر معاف کر دے۔ پس سارا مہر بیوی کا ہو جائے۔ پس اس تاویل پر آیت کی توجیہ یہ ہوگی کہ "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد اپنا نکاح ہوگا جو کہ قبل از طلاق اور بعد از طلاق ہر حال میں نکاح کے معاملہ کا مالک ہے (اور وہ خاوند ہے)۔ "وان تعفوا اقرب للتقوی" اس کا محل اعراب مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع (پیش) ہے یعنی "والعفو اقرب للتقوی" (یعنی "ان تعفو بعاویل" مصدر مبتداء اور "اقرب للتقوی" خبر ہے) اور "للتقوی" بمعنی "الی التقوی لام" بمعنی "الی" کے ہے اور خطاب خداوندی مرد و زن سب کو شامل ہے کیونکہ مذکر مؤنث جب جمع ہو جائیں تو (خطاب میں) غلبہ مذکر کو ہوتا ہے۔ ان تعفوا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے عبارت یہ ہوگی۔ عفا بعضکم عن بعض اور اقرب للتقوی اس کی خبر ہوگی۔ یعنی تم میں سے ہر ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔

تقویٰ کے زیادہ قریب ہے "ولا تنسوا الفضل بینکم" بعض کا بعض پر مہربانی اور احسان کرنا کہ مرد سارا مہر دے دے یا عورت اپنا حصہ مہر چھوڑ دے اس کو مت بھولو۔ اللہ تعالیٰ نے عورت و مرد ہر دو کو احسان کرنے پر ابھارا اور ترغیب دی۔ "ان اللہ بما تعملون بصیر"

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۝

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

تفسیر: ۝ "حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ" ہمیشگی اور فرض نمازوں پر مداومت اختیار کرو، نمازوں کے اوقات اور حدود اور ارکان کو تمام کرنے کے ساتھ پھر ان نمازوں میں سے "صلوٰۃ وسطیٰ" کو محافظت کرنے کے ساتھ اس کی فضیلت پر دلالت کرتے ہوئے خاص کیا۔ وسطیٰ اوسط کی تانیث ہے "وسط الشیٔ" کا معنی اس کا بہتر اور درمیانہ حصہ علماء صحابہ اور ان سے بعد کے علماء نے "صلوٰۃ وسطیٰ" کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا "صلوٰۃ وسطیٰ" نماز فجر ہے اور یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر، ابن عباس اور معاذ و جابر (رحمہم اللہ)

کا ہے۔ حضرت عطاء، عکرمہ اور مجاہد رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ نے اسی طرف میلان کیا ہے۔

ان حضرات کی دلیل کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**وقوموا للہ قانتین**" پس قنوت نام قیام لمبا کرنے کا اور صبح کی نماز طول قیام اور قنوت کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ میں نمازوں میں سے نماز صبح کو خاص کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا**" یعنی اس نماز میں دن اور رات والے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ نماز دن اور رات کے ہر دو حصوں میں مندرج ہوتی ہے اور صبح کی نماز اس لیے بھی صلوٰۃ وسطیٰ ہے کہ یہ نماز ایسی نمازوں کے درمیان ہے جن کو جمع کرکے پڑھا جاتا ہے (یعنی ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کہ سفر میں صورۃً ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کو جمع کیا جاتا ہے۔ ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں۔ اسی طرح مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت میں۔ نیز حج کے موقع پر ظہر، عصر دونوں ظہر کے وقت ملا کر پڑھی جاتی ہیں اور مغرب، عشاء، عشاء کے وقت میں ملا کر پڑھی جاتی ہیں) مگر فجر کی نماز میں نہ تو قصر ہے اور نہ کسی اور نماز کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ "**صلاۃ وسطیٰ**" سے مراد نماز ظہر ہے اور یہ زید بن ثابت، ابو سعید خدری، اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے کیونکہ یہ نماز دن کے درمیان ہے۔ نیز دن کی تین نمازوں کے اعتبار سے درمیانہ درجہ کا طول رکھتی ہے کیونکہ فجر میں طول زیادہ ہے اور عصر کی نماز میں ادنیٰ درجہ کا طول ہے اور ظہر میں درمیانہ درجے کا طول ہے۔

زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاجرہ (دوپہر کی دھوپ) میں نماز ظہر پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز سخت نہ تھی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی "**حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ**" اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جماعت نے روایت کیا۔ یہ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، ابوایوب، ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔ ابراہیم نخعی، قتادہ اور حسن (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے۔

حضرت ابو یونس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حکم فرمایا کہ میں ان کے لیے قرآن شریف لکھوں اور فرمایا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بتانا "**حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ**" پس جب لکھتے لکھتے اس آیت پر پہنچا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے لکھوایا "**حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ**" "**صلوٰۃ العصر**" "**وقوموا للہ قانتین**" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

زر بن حبیش فرماتے ہیں ہم نے عبیدہ (رضی اللہ عنہ) کو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھے۔ پس انہوں نے پوچھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز فجر ہے حتیٰ کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خندق کے دن سنا۔ "**شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر**" کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ

سطی سے مشغول رکھا۔ نماز عصر سے اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اور قبروں کو آگ سے بھرے۔ نیز نماز عصر اس لیے صلوٰۃ وسطی ہے کہ یہ نماز دن کی دو نمازوں (فجر، ظہر) اور رات کی دو نمازوں (مغرب، عشاء) کے درمیان ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو بخت جنتیہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔

ابو ملیح کہتے ہیں کہ ہم جنگ میں بادل والے دن حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ تھے تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عصر کی نماز جلدی پڑھ لو۔ پس تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عصر کو چھوڑا اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد نماز مغرب ہے کیونکہ وہ درمیانی نماز ہے نہ تھوڑی (فجر کی طرح کہ دو رکعت ہے) اور نہ زیادہ (عصر عشاء کی طرح کہ چار رکعت ہیں)

بعض نے کہا کہ صلوٰۃ وسطی عشاء کی نماز ہے اس سے متعلق سلف سے کچھ منقول نہیں۔ عشاء کا صلوٰۃ وسطی ہونا بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے اور عشاء کے صلوٰۃ وسطی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی دو نمازوں کے درمیان ہے جن کی قصر نہیں کی جاتی (مغرب، فجر) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطی سے مراد پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک غیر معین نماز ہے۔

صلوٰۃ وسطی کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے یعنی معین نہیں فرمایا۔ بندوں کو تمام نمازوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں ترغیب و تحریض کے لیے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ماہ رمضان میں مخفی رکھا اور دعا کی قبولیت کی گھڑی کو جمعہ کے دن میں مخفی رکھا اور اسم اعظم کو اپنے اسماء حسنیٰ میں مخفی رکھا تاکہ سب کی بندے محافظت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وقوموا للہ قانتین" ای مطیعین یعنی مطیع و فرمانبردار ہو کر۔

قنوت کے معنی میں مفسرین کے اقوال۔ علامہ شعبی، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور طاؤس (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ قنوت کے معنی طاعت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ"......"ای مطیعا" مطیع و فرمانبردار۔ کلبی، مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر دین و مذہب والوں کے لیے نماز ہے جس میں وہ نافرمان ہو کر کھڑے ہوتے ہیں پس تم (اے ایمان والو!) اپنی نماز میں مطیع و فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو اور کہا گیا ہے کہ قنوت کا معنی ہے کہ جو کلام نماز میں منع ہو اس سے خاموشی اختیار کرنا۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کلام کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک شخص ساتھ والے ساتھی سے کلام کرتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی "وقوموا للہ قانتین" پس ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام سے منع کر دیا گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں "قانتین" کا معنی ہے "خاشعین" یعنی عاجزی کرنے والے اور فرمایا کہ رکوع کو لمبا کرنا بھی قنوت سے ہے آنکھیں جھکائے رکھنا پُرسکون ہونا، بازو پست رکھنا (یہ سب قنوت کا حصہ ہیں) علماء کا شیوہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی نماز پڑھتا تو وہ خدائے رحمٰن سے ڈرتا تھا کہ کسی جانب التفات کرے یا کنکریاں اُلٹ پلٹ کرے یا کسی شی سے کھیلے یا اپنے آپ سے دُنیا کے معاملہ میں بات کرے یعنی خیال و دھیان دوڑائے مگر یہ کہ ایسا بھول کر کرے اور کہا گیا ہے کہ قنوت سے مراد قیام (صلوٰۃ) کا لمبا ہونا ہے۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "طول القنوت" جس نماز کا قیام لمبا ہو بعض نے کہا کہ "قانتین" کا معنی ہے "داعین" یعنی دُعا مانگنے والے اس کی دلیل جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے۔ "قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھراً متتابعا" کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ دُعا مانگتے رہے۔ چند قبیلوں کے خلاف دُعا کرتے رہے جو کہ بنی سلیم سے تھے۔ رعل، ذکوان، عصیہ بعض کا قول ہے کہ "القانتین" کا معنی ہے مصلین یعنی نماز پڑھنے والے جیسے ارشاد الٰہی "امن ھو قانت آناء اللیل" "قانت" یعنی نماز پڑھنے والا۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۞

ترجمہ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو پھر جب کہ اطمینان ہو جائے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے

تفسیر ۞ "فان خفتم فرجالا او رکبانا" "فرجالا" یعنی پیدل کہا جاتا ہے راجل و رجال جیسے صاحب و صحاب اور قائم و قیام اور نائم و نیام ہے۔ (اسی طرح راجل و رجال یعنی پیدل چلنے والا اور پیدل چلنے والے) "او رکبانا" اپنے جانوروں پر سوار ہو کر رکبان راکب کی جمع ہے اس کا معنی ہے کہ اگر تمہارے لیے ممکن نہ ہو کہ تم قائمین ہو کر نماز پڑھو اور نماز کا حق بوجہ خوف کے پورا نہ ادا کر سکو تو پاؤں کے بل پیدل چل کر پڑھو یا جانوروں کی پیٹھوں پر سوار ہو کر نماز پڑھو۔ یعنی عین لڑائی اور تلوار چلانے کے وقت میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے، پیدل یا سوار قبلہ کی جانب متوجہ ہونے والا ہو یا قبلہ رُخ نہ ہو۔

سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ

رکوع سجدہ اشارہ سے کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے پست ہو اور اسی طرح جب درندہ اس کی طرف متوجہ ہو یا اس پر سیلاب چھا جائے اور اسے اپنی ذات کا خوف لاحق ہو جائے۔ پس اس کے آگے بھاگے اس حال میں کہ اشارے سے نماز پڑھنے والا ہو تو جائز ہے۔ حالت خوف میں نماز چند قسم ہے پس یہ نماز ان قسموں میں سے ایک ہے جو کہ سخت خوف کی حالت کی ہے باقی قسموں کا بیان سورۃ نساء میں آئے گا ان شاء اللہ۔ اکثر اہل علم کے نزدیک خوف کی وجہ سے تعداد رکعات کم نہ ہوگی۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان پر گھر میں چار رکعت نماز فرض کی اور سفر میں دو رکعت اور حالت خوف میں ایک رکعت یہ حضرت عطاء، طاؤس، حسن، مجاہد، قتادہ (رحمہم اللہ) کا قول ہے۔ وہ شدت خوف کی حالت میں ایک رکعت پڑھتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تو لڑائی میں مصروف ہو اور لوگ ایک دوسرے کو مار رہے ہوں پس اس وقت کہہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر۔ پس جب تو نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا پس یہی تیری نماز ہے۔ "فاذا امنتم فاذکروا اللہ" یعنی پانچوں نمازیں پڑھو مکمل طور پر ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے۔ "کما علمکم مالم تکونوا تعلمون"

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾

ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں تو تم کو گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ﴿٢٤٠﴾ "والذین یتوفون منکم" اے گروہ مرداں "یذرون" یعنی چھوڑیں "ازواجا" یعنی بیویاں "وصیۃ لازواجھم" اہل بصرہ اور ابن عامر اور حمزہ اور حفص نے "وصیۃً" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی "فلیوصو وصیۃً" (یعنی فعل محذوف سے مصدر (مفعول مطلق) ہے) اور باقیوں نے "وصیۃٌ" رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ای کتب علیکم الوصیۃُ" (یعنی فعل محذوف مجہول کا نائب فاعل ہے) "متاعا الی الحول" "متاعا" پر مصدر کی وجہ سے نصب ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "متعوھن متاعا" اور کہا گیا ہے کہ متاعا کی زبر اس عبارت کی تقدیر پر ہوگی۔ "جعل اللہ ذالک لھن متاعا" اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے لیے متاع بنایا ہے اور متاع سال کے خرچ کا نام ہے اس عورت کا کھانا، لباس، رہائش اور وہ چیز جس کی وہ محتاج ہو۔ (غیر اخراج) یہ حال کے اعتبار سے منصوب (زبر والا) ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی زبر حرف جار کے کھینچنے کی وجہ سے ہے جو کہ غیر پر تھا۔ اصل میں تھا "من غیر اخراج"

یہ آیت طائف کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جسے حکیم بن حارث کہا جاتا تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کی طرف بال، بچوں، بیوی اور ماں باپ سمیت ہجرت کی۔ پس وہ فوت ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والدین اور اولاد کو اس کی میراث سے دیا اور اس کی بیوی کو کچھ نہ دیا اور ان کو حکم فرمایا کہ مرنے والے خاوند کے ترکہ سے اس کی بیوی پر پورا سال خرچ کریں۔ عدت وفات ابتداء اسلام میں پورا سال تھی اور وارث پر عورت (بیوہ) کو سال پورا ہونے سے پہلے گھر سے نکالنا حرام تھا اور اس سال عدت کا خرچ رہائش وغیرہ کا خاوند کے مال میں اس عورت کے لیے واجب ہوتا تھا جب تک عورت خود نہ نکلتی اور اس عورت کے لیے میراث نہ تھی۔ اگر وہ خاوند کے گھر سے نکلتی تو خرچ ساقط ہو جاتا تھا اور خاوند پر لازم تھا کہ وہ اس امر کی وصیت کر جائے۔ یہ صورت حال اسی طرح رہی تا آنکہ آیت میراث نازل ہوئی۔

پس اللہ تعالیٰ نے سال کے خرچ کو منسوخ کر دیا اور میراث خاوند میں سے عورت کے لیے ربع (چوتھا حصہ جبکہ خاوند کی اولاد نہ ہو) اور ثمن (آٹھواں حصہ جبکہ خاوند کی اولاد ہو) مقرر ہوا اور سال کی عدت کو چار ماہ دس دن کی عدت سے منسوخ کر دیا گیا۔

"فان خرجن" سال گزرنے سے پہلے وارثوں کے نکالے بغیر از خود وہ عورتیں نکلیں۔ "فلا جناح علیکم" اے اولیاء میت "فی ما فعلن فی انفسھن من معروف" نکاح کے لیے زینت۔ مردوں سے گناہ اٹھانے کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یا اگر تم ان کی

عورتوں کا خرچہ (کھانا، لباس، رہائش) وغیرہ کاٹ دو اوران کو نہ دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ وہ عدت گزرنے سے پہلے گھر سے نکل جائیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر تم ان عورتوں کو گھر سے نکلنے سے منع نہ کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا سال پورا خاوند کے گھر میں گزارنا واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اختیار دیا تھا کہ گھر میں پورا سال ٹھہری رہے اور اس عورت کے لیے۔

خرچہ رہائش وغیرہ ہو یا وہ عورت (بیوہ) گھر سے نکل جائے۔ پس اس کے لیے نہ خرچہ نہ رہائش یہ حکم باقی رہا تا آنکہ چار ماہ دس دن کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ "واللہ عزیز حکیم"

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ۞ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

ترجمہ: اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

تفسیر: ۞ "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" متعہ کے ذکر کا اعادہ اللہ تعالیٰ نے محض اضافی معنی کی خاطر کیا اور وہ اس طرح کہ اس آیت کے علاوہ اور جگہ اس عورت کا ذکر ہے جو کہ غیر مسوسہ ہو یعنی جس کے ساتھ خاوند نے صحبت نہ کی ہو اور اس آیت کریمہ میں متعہ کے حوالے سے تمام مطلقہ عورتوں کا حکم مذکور ہے اور کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ" اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک "حقا علی المحسنین" مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر میں احسان کا معاملہ کرنا چاہوں گا تو کروں گا (یعنی متعہ دوں گا) ورنہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وللمطلقات متاع" متعہ (نفع کی چیز دینا) کو عورتوں کے ساتھ لام تملیک لا کر خاص کر دیا گیا اور فرمایا "حقا علی المتقین" متقین سے مراد مومنین ہیں جو شرک سے بچنے والے ہیں۔

۞ کذلک .... الخ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۞

ترجمہ: (اے مخاطب) تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے (حکم) فرمایا کہ مر جاؤ (سب مر گئے) پھر ان کو جلا دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (اس قصہ میں غور کرو)

طاعون سے بھاگنے والوں کا ایک قصہ

تفسیر ⑭ "الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم" اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ "واسط" کی طرف ایک بستی تھی جسے داوردان کہا جاتا تھا وہاں طاعون واقع ہوا تو لوگوں کا ایک گروہ اس علاقہ سے نکل بھاگا اور ایک گروہ باقی رہ گیا تو بستی میں رہنے والوں کی اکثریت ہلاک ہوگئی اور نکلنے والے صحیح سالم رہے۔ جب طاعون ختم ہوا تو وہ صحیح سالم واپس آگئے جو بستی میں رہ کر باقی بچ گئے تھے وہ نکلنے والوں کے بارے میں کہنے لگے، ہمارے نکلنے والے بھائی تو ہم سے زیادہ محتاط اور سمجھدار نکلے۔ اگر ہم بھی ایسا کرتے جس طرح انہوں نے کیا تو ہم بھی بچ جاتے۔ اگر اب کے دوبارہ طاعون واقع ہوا تو ہم بھی ایسی جگہ کی طرف نکل جائیں گے جہاں طاعون نہ ہوگا۔ چنانچہ آئندہ سال بھی طاعون کی وباء پھیل گئی تو اس علاقہ کی بھاری اکثریت وہاں سے نکل گئی بھاگ گئی۔ حتیٰ کہ ایک کشادہ وادی میں جا اُترے۔ پس جب اس مقام پر پہنچے جہاں نجات چاہتے تھے تو وادی کے نیچے سے فرشتہ نے آواز دی اور ایک فرشتہ نے اوپر سے آواز دی (تم مر جاؤ) چنانچہ سب مر گئے۔

ابن شہاب نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف نکلے جب سرغ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو شام میں وباء پھیلنے کی خبر پہنچی تو آپ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی علاقہ زمین میں وبا کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی علاقہ میں وباء پھیلے اور تم وہاں ہو تو اس جگہ سے وباء فرار کر کے نہ نکلو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ ہی سے واپس ہو گئے۔ کلبی، مقاتل اور ضحاک رحمہم اللہ کہتے ہیں (جن کے فرار کا ذکر اس جگہ قرآن مجید میں ہے) کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد سے بھاگ نکلے تھے اور یہ اس طرح کہ بنو اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اس کو حکم دیا کہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلیں تو انہوں نے لشکر بندی کی، پھر بزدل ہو گئے اور موت کو ناگوار سمجھا۔ پس بہانہ بنایا اور بادشاہ کو کہا کہ جس زمین کو ہم جا رہے ہیں وہاں تو وبا پھیلی ہوئی ہے تو لہٰذا جب تک وہاں وباء ختم نہیں ہوتی ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی۔ پس وہ اپنے علاقوں سے موت کے ڈر سے بھاگے۔ پس جب بادشاہ نے یہ صورتحال دیکھی بادشاہ نے دُعا کی اے یعقوب علیہ السلام کے رب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے معبود بے شک۔

تو اپنے بندوں کی نافرمانی دیکھ رہا ہے پس تو ان کی ذات میں ایسی نشانی دکھا جس سے وہ جان جائیں کہ وہ تجھ سے ہرگز نہیں بھاگ سکتے۔ پس جب وہ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "موتوا" فرمایا ان کو سزا دینے کے لیے پس وہ ایک آدمی کی طرح (یعنی بیک وقت) مر گئے اور ان کے جانور بھی مر گئے۔ اس طرح ان پر آٹھ دن گزر گئے حتیٰ کہ وہ سوج گئے اور ان کے جسم بدبودار ہو گئے۔ پس لوگ ان کی طرف نکلے اور ان کے دفن سے عاجز آ گئے۔ پس لوگوں نے ان مرے ہوؤں کے ارد گرد درندوں کے بچاؤ کے لیے باڑ لگا دی اور ان کو اسی طرح چھوڑ دیا۔

علماء نے ان کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں تین ہزار تھے، وہب فرماتے ہیں چار ہزار تھے۔ کلبی فرماتے ہیں آٹھ ہزار تھے، ابوزواق فرماتے ہیں دس ہزار تھے، علامہ سدی فرماتے ہیں تیس ہزار سے زائد تھے۔ ابن جریج فرماتے ہیں چالیس ہزار تھے۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں ستر ہزار تھے۔ تمام اقوال میں سے بہتر قول اس شخص کا ہے جس نے کہا ہے کہ دس ہزار سے زائد تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وھم الوف" "الوف" جمع کثیر ہے اور اس کی جمع قلت آلاف ہے اور الوف کا استعمال دس ہزار سے کم پر نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا ہے اسی حال پر مدت گزر گئی اور ان کے جسم گل سڑ گئے، ہڈیاں گوشت سے خالی ہو گئیں، ان پر اللہ کے نبی گزرے جن کو حزقیل بن بوزی کہا جاتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے تیسرے خلیفہ ہیں اور یہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے قیم (سربراہ) یوشع بن نون تھے۔ پھر کالب بن یوقنا پھر حزقیل ان کو ابن العجوز کہا جاتا تھا کیونکہ ان کی والدہ بوڑھی تھیں، بڑھاپے اور بانجھ ہونے کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو حزقیل بیٹا عطا فرمایا۔

حضرت حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی ذوالکفل تھے اور حزقیل کو ذوالکفل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ستر نبیوں کے ضامن بنے اور ان کو قتل ہونے سے بچایا۔ جب حزقیل علیہ السلام ان مرے ہوؤں پر گزرے تو ان پر ٹھہر گئے اور تعجب کے ساتھ ان پر سوچنے لگ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کو وحی فرمائی کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے (اپنی قدرت کی) نشانی دکھاؤں؟ حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ ہونے کی دعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا۔ حضرت مقاتل و کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ مرنے والے قوم حزقیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آٹھ دنوں بعد زندہ فرما دیا اور یہ اس طرح کہ جب ان لوگوں کو یہ صورت حال پیش آئی۔ حضرت حزقیل علیہ السلام ان کی طلب میں نکلے تو انہیں مرا ہوا پایا۔ پس حضرت حزقیل علیہ السلام روئے اور فرمایا اے میرے رب! میں ایسی قوم میں تھا جو لوگ تیری حمد و ثناء کرتے تھے، تیری تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ تیری تکبیر (بڑائی بیان) کرتے تھے۔ تہلیل "لا الہ الا اللہ" کا ورد کرتے تھے۔ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں میری قوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے ان کی حیات (زندگی) تیرے ہاتھ کر دی ہے تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جاؤ۔ پس انہوں نے زندگی پائی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ جب زندہ ہوئے تو انہوں نے کہا "سبحانک اللّٰھم ربنا وبحمدک لا الہ الا انت" پس وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور طویل زمانہ تک زندہ رہے اور موت کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے جو کپڑا پہنتے وہ کفن کی شکل میں تبدیل ہو جاتا حتیٰ کہ اپنی طبعی عمر کے مطابق جو ان کے لیے لکھی گئی تھی فوت ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آج بھی یہود کے اس قبیلہ کے افراد میں موت کی وہ بو پائی جاتی ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس فرار پر ناراض ہوئے اور ان کو موت سزا کے طور پر دی، پھر اٹھائے گئے تاکہ وہ طبعی

زندگی پوری کریں، اگر ان کو وقت مقررہ والی موت آتی تو وہ بارہ کبھی نہ اُٹھائے جاتے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الم تر" ....."ای الم تعلم باعلامی ایاک" کیا میرے اس واقعہ کے بتلانے اور جتلانے کے باعث آپ نہیں جانتے۔

"الم تر" میں جس رویۃ (یعنی دیکھنے) کا ذکر ہے وہ رویت قلبی ہے اور اہل معانی (علم فصاحت و بلاغت) کا میلان اس طرف ہے کہ "الم تر" کا استعمال بات پر تعجب دلانے کے لیے ہے۔ کیا آپ نے ان کے مثل دیکھا ہے جیسے کہ تو کہے "الم تر الی ما یصنع فلان" کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جو کچھ فلاں کر رہا ہے۔ قرآن کریم میں جس جگہ کسی بھی ایسے واقعہ کے متعلق "الم تر" کا استعمال ہوا ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا اس کی توجیہ یہی ہے (جو ابھی بیان ہوئی) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے۔

"وھم الوف" الف کی جمع ہے اور بعض کا قول ہے کہ "اُلوف" الفت سے ماخوذ ہے اس کے معنی "مؤلفۃ القلوب" کے ہیں یعنی ان کے دل جڑے ہوئے تھے یا اُلوف آلف کی جمع ہے جیسے "قعود" قاعد کی جمع ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد عدد ہے۔ (حذر الموت) یعنی موت کے خوف سے "فقال لھم اللہ موتوا" "موتوا" کا امر برائے تحویل ہے (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانے کا حکم یا ایک ماہیت و حقیقت سے دوسری حقیقت و ماہیت میں بدل جانا) جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کونوا قردۃ خاسئین" یعنی ذلیل بندر بن جاؤ "ثم احیاھم" ان کی موت کے بعد "ان اللہ لذو فضل علی الناس" بعض نے کہا ہے کہ یہ فضل الٰہی تمام انسانوں کے حق میں عام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے خاص طور پر مؤمنین مراد ہیں۔ "ولکن اکثر الناس لا یشکرون" بہرحال اگر الناس سے مراد عام انسان ہوں تو کافر انسان شکر نہیں کرتا اور اگر مؤمنین مراد ہوں تو پھر معنی ہے کہ اکثر ایمان والے غایت شکر کو نہیں پہنچے (یعنی کما حقہ شکر نہیں کرتے)۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین کر رکھو اس بات کا اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لے جائے جاؤ گے۔

تفسیر ﴿۲۴۴﴾ "وقاتلوا فی سبیل اللہ" اس کی اطاعت میں اس کے دشمنوں سے لڑو "واعلموا ان اللہ سمیع علیم" اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں یہ خطاب ان لوگوں کو تھا جو زندہ کیے گئے تھے ان کو فی سبیل اللہ قتال کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس وہ گھروں سے جہاد سے فرار کر کے نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی۔ پھر ان کو زندہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ جہاد کریں اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب اس اُمت کو ہے کہ ان کو جہاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

قرضاً حسناً کی مختلف تفاسیر اور وجہ تسمیہ

۞ "من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا" قرض ہر اس چیز کا نام ہے جو انسان اس غرض سے دے تاکہ اس پر بدلہ لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے اس عمل (صالح) کو جو وہ اس پر تیار شدہ اجر حاصل کرنے کی اُمید پر کرتے ہیں قرض کا نام دیا کیونکہ وہ یہ عمل ثواب کی طلب کے لیے کرتے ہیں۔

کسائی فرماتے ہیں کہ قرض ہر وہ عمل ہے جو تو نے آگے بھیجا۔ وہ عمل اچھا ہو یا برا قرض کا اصل معنی لغت کے اعتبار سے قطع ہے۔ قرض کو قرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کا کچھ حصہ کاٹ کر اس لیے دیتا ہے تاکہ اس جیسا (مال کا حصہ) اس کی طرف لوٹے اور کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں مجازاً اختصار ہے۔ گویا کہ عبارت یوں ہے "من ذالذی یقرض عباد اللّٰہ والمحتاجین من خلقہ" کون ہے وہ جو اللہ کے بندوں اور اس کی مخلوق میں سے محتاجوں کو قرض دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الذین یؤذون اللّٰہ ورسولہ" اللہ کے بندوں کو ایذاء دیتے ہیں جس طرح کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے اے ابن آدم (انسان) میں نے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا، بندہ کہے گا میں تجھے کھانا کیسے دیتا حالانکہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا طلب کیا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا تھا کیا تجھے معلوم نہیں بے شک اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو تو میرے پاس پاتا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "یقرض اللّٰہ" قرض حسنہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ حسین بن علی واقدی فرماتے ہیں کہ خوشدلی کے ساتھ ثواب کے لیے (خرچ کرتے ہیں)۔

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ مال حلال سے خرچ کرتے ہیں اور فرمایا اس خرچ پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ ایذاء دیتے ہیں۔

فیضاعفہ کی مختلف قراءتیں

"فیضاعفہ لہ" ابن کثیر اور ابوجعفر اور ابن عامر اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے "فیضعّفہ" پڑھا ہے اس کا باب تشدید ہے۔ (یعنی تفعیل کے باب سے) سورۂ احزاب میں ابوعمرو نے اس قراءۃ کی موافقت کی ہے (یعنی وہاں اس نے "فیضعّفہ" پڑھا ہے) اور اوروں نے "فیضاعفہ" الف کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (باب مفاعلہ سے) اور یہ دونوں لغتیں ہیں شد کے ساتھ پڑھنے کی دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اضعافا کثیرۃ" ہے کیونکہ تشدید برائے تکثیر ہوتی ہے (باب تفعیل میں کسی نہ کسی اعتبار سے کثرت کا مفہوم پایا جاتا ہے) ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے فاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے (یضاعف کی فاء پر زبر کے ساتھ) اسی طرح سورۃ حدید میں بھی استفہام کے جواب کی بنیاد پر اور کہا گیا ہے کہ فاء کی زیر اضماران کے اعتبار سے ہے یعنی "یضاعفہ" سے پہلے اَن مقدر ہے اور باقیوں نے "یضاعفہ" کو فاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یقرض اللّٰہ"

کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تضعیف سات سو گنا تک ہے "واللہ یقبض ویبسط" اہل بصرہ اور حمزہ نے یہاں "یبسط" اور اعراف میں "بسطۃ" سین کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح کہ اس کے ہم شکل اور لفظ ہیں اور ان دونوں لفظوں کو باقیوں نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔

یقبض ویبسط کی تفاسیر

❶ بعض کا قول ہے "یقبض" رزق روک کر۔ روح قبض کر کے اور کمی کر کے اور "یبسط" توسیع کر کے بعض کا قول ہے۔

❷ "یقبض" صدقہ اور توبہ قبول کر کے اور "یبسط" انفاق فی سبیل اللہ کے بعد اور بھیج کر اور ثواب عطاء فرما کر۔

❸ بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد زندہ کرنا اور مارنا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دی۔ پس اسے قبض فرمالیا اور جس کی عمر کو بڑھایا، لمبا کیا اس کے لیے بسط فرمایا ❹ بعض کا قول ہے کہ قبض اور بسط دلوں کے اعتبار سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صدقہ کا حکم دیا تو خبر دی کہ بندوں کو اس خرچ کرنے پر قدرت حاصل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ فرمایا بعض دلوں کو منقبض فرماتا ہے۔ پس خیر کے ساتھ اس کا دل نہیں کھلتا اور بعض دلوں کو فراخ فرماتا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے فائدہ کی خاطر خیر (صدقہ) آگے بھیجتا ہے جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں بدلتے ہیں۔ (الحدیث) "والیہ ترجعون"

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تم لوٹو گے۔ پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا تمہیں بدلہ دے گا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر تراب (مٹی) کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس سے تراب (مٹی) جو کہ غیر مذکور ہے مراد ہے یعنی مٹی سے ان کو پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ ۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

ترجمہ: (اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں۔ ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جاوے (اس وقت) جہاد نہ کرو؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے اپنے

فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثنا ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں

تفسیر ۞ "الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل" "ملاء من القوم" سے مراد قوم کے معزز و اشراف افراد ہوتے ہیں۔ "ملاء" کا اصل معنی لوگوں کی جماعت ہے اس کے اپنے لفظ سے اس کا مفرد کوئی نہیں جس طرح کہ قوم، رهط، ابل، خیل، جیش کے الفاظ (کہ یہ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے جماعت پر دلالت کرتے ہیں) "ملاء" کی جمع املاء ہے۔ "من بعد موسٰی" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد "اذ قالوا النبی لهم" اس نبی کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔

یہاں نبی سے کون سے نبی مراد ہیں؟

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف (علیہ السلام) مراد ہیں۔

علامہ سدی فرماتے ہیں اس نبی کا نام شمعون تھا۔ ان کا نام شمعون اس لیے کہ ان کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔ پس بیٹا پیدا ہوا ان کی والدہ نے ان کا نام شمعون رکھا جس کا معنی ہے سمع اللہ تعالیٰ دعائی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا سن لی (قبول کرلی) عبرانی زبان میں سن ش ہو جاتی ہے اور یہ شمعون بن صفیہ بنت علقمہ، لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے۔

باقی مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی اشمویل ہیں اور یہ عبرانی میں اسماعیل بن بال بن علقمہ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اشمویل علیہ السلام ہیں جو کہ عبرانی زبان میں اسماعیل بن هلقایا ہیں۔

وہب اور ابن اسحاق اور کلبی رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے نبی سے اس سوال کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے ان کے بعد بنو اسرائیل میں یوشع بن نون (علیہ السلام) خلیفہ ہوئے۔ ان میں تورات اور امر الٰہی کو قائم فرماتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اُٹھالیا۔ پھر بنو اسرائیل میں کالب بن یوقنا اسی طرح خلیفہ بنے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اُٹھالیا پھر حزقیل علیہ السلام خلیفہ بنے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اُٹھالیا پھر بنو اسرائیل میں بڑی بڑی نئی باتیں پیدا ہو گئیں۔ عہد الٰہی کو بھول گئے حتیٰ کہ انہوں نے بتوں کی پوجا کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ پس انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام اس لیے بھیجے جاتے تھے تاکہ ان احکام اور دینی طریقوں کی تجدید کریں جن کو بنی اسرائیل بھول چکے ہوتے۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام خلیفہ ہوئے۔ پس بنی اسرائیل میں جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تشریف فرما رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اُٹھالیا۔ ان کے بعد ان میں کئی ایک خلیفہ ہوئے اور بنی اسرائیل میں بڑی بڑی عدولیاں پیدا ہو گئیں۔ پس ان کے لیے ایک

ان کا دشمن ظاہر ہوا اسے بلثاثا کہا جاتا تھا اور یہ لوگ قوم جالوت تھے جو مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم کے کنارے آباد تھے اور یہ عمالقہ تھے۔ پس یہ لوگ بنی اسرائیل پر مسلط ہو گئے اور بنو اسرائیل کی بہت سی زمین پر غالب آ گئے اور ان کی بہت سی اولاد کو قید کر لیا اور ان کے بادشاہوں کی اولاد میں سے چار سو چالیس لڑکوں کو قید کر لیا اور بنی اسرائیل پر ٹیکس لگا دیا۔ ان کی کتاب تورات کو ضبط کر دیا اور ان کی طرف سے بنی اسرائیل نے بڑی مشقتیں اور تکلیفیں جھیلیں اور بنو اسرائیل کے لیے کوئی ایک بھی تو ایسا نہ تھا جو ان کے معاملات کو سلجھاتا۔ بنی اسرائیل کا خاندان نبوت تباہ ہو چکا تھا اس خاندان نبوت میں سوائے ایک حاملہ عورت کے کوئی باقی نہ بچا۔ اس حاملہ عورت کو انہوں نے ایک کمرہ میں اس خوف سے بند کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عورت بچی جنے اور ہم اس بچی کو بچے کے ساتھ تبدیل کر دیں کیونکہ قوم بنو اسرائیل کو اس عورت کے بچے میں بڑی دلچسپی تھی اور وہ عورت بھی اللہ تعالیٰ سے لڑکے کی دُعا مانگتی تھی۔ پس اس عورت نے لڑکا جنا۔ اس عورت نے اس بچہ کا نام اشمویل رکھا وہ کہتی تھی اللہ تعالیٰ نے میری دُعا سن لی (قبول کر لی) پس وہ لڑکا بڑا ہوا، اس نے اس کو تورات کی تعلیم کے لیے بیت المقدس میں (علماء کے) سپرد کر دیا۔ علماء بنی اسرائیل میں سے ایک شیخ اس لڑکے کا کفیل بن گیا اور اسے منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ جب بچہ بالغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس لڑکے کے پاس تشریف لائے۔ جب وہ بچہ شیخ کے پہلو میں سویا ہوا تھا اور شیخ بچے کے بارے میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔

پس اس بچہ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شیخ کے لہجہ میں پکارا یا اشمویل پس لڑکا گھبرا کر شیخ کی طرف کھڑا ہو گیا۔ پس کہا ابا جان! آپ نے مجھے بلایا ہے؟ پس شیخ نے اس بات کو ناگوار سمجھا کہ کہیں نہ کہیں بچہ گھبرا نہ جائے اور کہا اے بیٹے لوٹ جا اور سو جا۔ پس لڑکا لوٹ کر سو گیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس لڑکے کو دوبارہ بلایا۔ پس لڑکے نے کہا ابا جان! آپ نے مجھے بلایا ہے پس شیخ نے کہا لوٹ کر سو جا۔ اب کے اگر تیسری بار تجھے بلاؤں تو مجھے جواب نہ دینا۔ پھر جب تیسری بار ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام لڑکے کے لیے ظاہر ہو گئے۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے لڑکے کو فرمایا، اپنی قوم کے پاس جا اور انہیں اپنی قوم کا پیغام پہنچا۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے ان کے اندر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ پس جب حضرت اشمویل علیہ السلام قوم کے پاس آئے تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ تو نے اعلان نبوت میں جلدی سے کام لیا حالانکہ نبوت تجھے حاصل نہیں اور قوم نے اس کو کہا اگر تو سچا ہے تو ہمارے لیے بادشاہ کو بھیج تاکہ اللہ کی راہ میں ہم لڑیں جو تیری نبوت کی نشانی ثابت ہو اور بنی اسرائیل کے معاملہ کا سلجھاؤ بادشاہوں کے ساتھ جمع ہونے پر تھا اور بادشاہوں کا اپنے وقت کے نبیوں کی اطاعت میں تھا۔ پس بادشاہ ہی وہ تھا جو جماعتوں کو لے کر چلتا اور (وقت کا) نبی اس کے معاملہ کو درست کرتا اور اس کی رہنمائی کرتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بادشاہ کے پاس خبر لاتا۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شمویل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگ چالیس سال تک بہت اچھے حال میں رہے۔ پھر جالوت اور قوم عمالقہ کا معاملہ جو ہوا سو ہوا۔ پس انہوں نے حضرت اشمویل علیہ السلام کو کہا "ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللّٰہ" کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ بھیجے جس کی قیادت میں "ھم فی سبیل اللّٰہ" جہاد

کریں۔ نقاتل کے لفظ پر جزم جواب امر کی بنیاد پر ہے۔ پس جب انہوں نے حضرت شمویل علیہ السلام سے یہ کہا تو حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا "قال هل عسيتم" یہ استفہام شک ہے بمعنی "لعلكم" کے ہے۔ نافع نے "عسيتم" کو پورے قرآن میں سین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ اور یہ (زبر کے ساتھ) فصیح لغت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "عسىٰ ربكم"

"ان كتب" اگر فرض کیا گیا "عليكم القتال" اس بادشاہ کی جانب سے یعنی اس کے ساتھ مل کر لڑنے کے بارے میں "ان لا تقاتلوا" یہ کہ پنا کیا ہوا وعدہ تم پورا نہ کرو اور اس بادشاہ کے ساتھ مل کر تم نہ لڑو "قالوا وما لنا ان لا نقاتل فى سبيل الله"

سوال۔ اگر سوال کیا جائے کہ اس جگہ "ان لا نقاتل" میں ان لانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ اہل عرب یہ محاورہ استعمال نہیں کرتے مثلاً وہ یہ نہیں کہتے "مالك ان لا تفعل" بلکہ کہا جاتا ہے "مالك لا تفعل؟"

جواب۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس قسم کے سوال میں "ان" کو لے آنا اور یا پھر حذف کر دینا دونوں صحیح لغتیں ہیں۔ ان کو ثابت رکھنا بھی صحیح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مالك ان لا تكون مع الساجدين" اور ان کو حذف کرنا بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مالكم لا تؤمنون بالله" کسائی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یوں ہوگا "وما لنا فى ان نقاتل" اور فی کو حذف کر دیا گیا۔

فراء کہتے ہیں کہ عبارت یوں ہوگی "وما يمنعنا ان لا نقاتل فى سبيل الله" اور ہمارے لیے کیا چیز مانع ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال (لڑائی) نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "ما منعك ان لا تسجد" اخفش نے کہا اس جگہ پر "ان" کا لفظ زائدہ ہے اور معنی یوں ہوگا "وما لنا لا نقاتل فى سبيل الله" .....

"وقد اخرجنا من ديارنا و ابناء نا" اس نے ان کو ان کے گھروں سے نکالا جو ان پر غالب آیا۔ ظاہر کلام کے لحاظ سے عموم ہے اور باطن میں خصوص ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے نبی کو کہا تھا کہ ہمارے لیے بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں یہ لوگ اپنے گھروں میں تھے، گھروں سے وہ نکالے گئے تھے جو ان میں سے قید کیے گئے تھے اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک انہوں نے اپنے نبی کے اس قول (کہ جہاد فرض ہونے کی صورت میں تم نہیں لڑو گے) کے جواب میں کہا کہ ہم جہاد سے اس وقت بے رغبت تھے جب ہم اپنے علاقوں میں محفوظ تھے ہم پر ہمارا دشمن غالب نہ آیا تھا اب جب دشمن غالب آ گیا تو ہم جہاد کے سلسلہ میں اپنے رب کی اطاعت کریں گے اور اپنی عورتوں، بچوں کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلما كتب عليهم القتال تولوا" جہاد فرض ہونے پر انہوں نے جہاد سے منہ موڑا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کیا "الا قليلا منهم" مگر ان میں سے تھوڑے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو عبور کیا اور ایک آدھ چلو پانی پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ "والله عليم بالظالمين"

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

ترجمہ: اوران لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسا حق حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اوران کو تو کچھ مال وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا (اول) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہےاور (دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۴۷﴾ "وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا" اور یہ اس طرح کہ حضرت اشمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کے لیے بادشاہ بھیجے۔ پس اس کو ایک عصا دیا گیا جس میں مقدس تیل تھا اور اسے کہا گیا کہ تمہارا بادشاہ وہ ہوگا جس کا قد اس عصا کے برابر ہوگا اور اس سینگ کو دیکھنا جس میں تیل ہے۔ پس جب وہ (بادشاہ ہونے والا) آدمی تجھ پر داخل ہوگا تو یہ تیل سینگ والا جوش مارے گا حرکت کرے گا۔ پس وہ بنو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ پس یہ تیل اس کے سر کو لگانا اور اس کو ان پر بادشاہ مقرر کر دینا۔

طالوت کا نام اور وجہ تسمیہ

طالوت کا عبرانی نام ساول بن قیس تھا جو کہ بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے تھا۔ اس کا نام لمبے قد ہونے کی وجہ سے طالوت رکھا گیا۔ وہ ہر ایک سے سر اور کندھوں کے لحاظ سے لمبا تھا۔ چمڑا رنگنے والا (موچی) تھا اور چمڑے کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ بات حضرت وہب نے فرمائی، سدی فرماتے ہیں کہ یہ ساقی تھا، دریائے نیل سے پانی گدھے پر لاد کر پلایا کرتا تھا اس کا گدھا گم ہوگیا۔ پس اس کی طلب میں نکلا۔ حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ اس کے باپ کا گدھا گم ہوگیا تو طالوت کے باپ کو اور اپنے ایک غلام کو گدھے کی طلب میں بھیجا۔ پس یہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کے گھر کے پاس سے گزرے تو طالوت کو غلام نے کہا اگر ہم اس نبی کے پاس جائیں اور اس سے گدھے کے معاملہ میں پوچھیں تاکہ وہ ہماری رہنمائی کرے اور ہمارے حق میں دُعا کرے (تو بہتر ہوگا) تو وہ دونوں حضرت اشمویل علیہ السلام کے پاس گئے۔ اس دوران کہ وہ دونوں حضرت اشمویل علیہ السلام کو اپنی حاجت ذکر کر رہے تھے کہ اچانک سینگ والے تیل نے جوش مارا۔ پس حضرت اشمویل علیہ السلام کھڑے ہوئے اور طالوت کو عصا کے ساتھ ناپا تو وہ اس کے برابر تھے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے طالوت کو کہا اپنا سر قریب کیجئے، انہوں نے سر کو

قریب کیا تو حضرت اشمویل علیہ السلام نے ان کو وہ مقدس تیل ملا۔ پھر فرمایا تم بنی اسرائیل کے وہ بادشاہ ہو جس کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اس کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کردوں تو طالوت نے کہا حضور آپ جانتے نہیں کہ میرا خاندان بنو اسرائیل میں سے کم درجہ کا خاندان ہے اور میرا بیت (سبط سے مخصوص شدہ قبیلہ کو بیت کہتے تھے) بنو اسرائیل میں سے کم درجہ کا گھر ہے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے فرمایا بالکل ایسے ہے تو طالوت نے کہا کس نشانی کے ساتھ آپ مجھے بادشاہ بنارہے ہیں۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ جب تم واپس گھر لوٹو گے تو آپ کے والد کو گدھے مل چکے ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ "قالوا انی یکون له الملک علینا" یعنی اس کا اقتدار ہم پر کیونکر ہو سکتا ہے۔

"ونحن احق" ہم زیادہ حق دار ہیں "بالملک منه" یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ بنو اسرائیل میں دو بڑے خاندان تھے۔ ایک خاندان نبوت تھا دوسرا شاہی خاندان تھا۔ نبوی خاندان لاوی بن یعقوب کا خاندان تھا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اسی خاندان سے تھے اور شاہی خاندان "یھودا بن یعقوب" کا خاندان تھا اور اس خاندان سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام تھے اور طالوت کا تعلق ان دو خاندانوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں تھا۔ طالوت تو بنیامین بن یعقوب کے خاندان سے تھا اور انہوں نے بڑا گناہ کیا تھا کہ یہ لوگ دن دہاڑے راستے پر عورتوں سے جماع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب کیا (ناراض ہوا) اور ان سے ملک اور نبوت کی نعمت کو چھین لیا۔ چنانچہ اس خاندان کا نام "سبط الاثم" پڑ گیا یعنی گناہ والا خاندان۔

جب بنو اسرائیل کے نبی نے طالوت کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تو بنی اسرائیل نے اس کا انکار کیا کیونکہ طالوت کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ فقیر ہے۔ "ولم یؤت سعة من المال قال ان اللہ اصطفاہ" اس کو چن لیا۔ "علیکم وزادہ بسطة" فضیلت اور وسعت (فراخی) کے لحاظ سے "فی العلم والجسم" اور یہ اس طرح کہ طالوت بنو اسرائیل میں اپنے وقت کا بڑا عالم تھا بعض نے کہا کہ جب طالوت کو ملک عطا ہوا تو اسے وحی بھی آئی۔ کلبی کہتے ہیں "وزادہ بسطة" یعنی فضیلت اور وسعت علم جنگ کے لحاظ سے اور جسم میں قد آور ہونے کے اعتبار سے اور کہا گیا ہے کہ جسم میں وسعت حسن وجمال کے لحاظ سے طالوت بنو اسرائیل میں حسین وجمیل اور بہت بڑا عالم انسان تھا۔ "واللہ یؤتی ملکه من یشاء واللہ واسع علیم" بعض نے کہا کہ واسع کا معنی "ذو السعة" یعنی وسعت والا ہے اور وہ، وہ ہے جو مالدار ہونے پر مال دیتا ہو (یعنی جتنا کچھ دیتا رہے اس کے غنا میں کمی نہ آئے) اور علیم بمعنی عالم بعض کا قول ہے "عالم بما کان" یعنی عالم وہ جو زمانہ ماضی کا علم رکھتا ہو اور "علیم بما یکون" جو مستقبل کا عالم ہو۔ "وقالوا له" پس انہوں نے اس نبی کو کہا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی کیا نشانی ہے؟ تو ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت (صندوق) آئے گا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ترجمہ اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جاوے گا جس میں تسکین اور (برکت کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہا السلام چھوڑ گئے ہیں اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

تابوت کا واقعہ

تفسیر ﴿۲۴۸﴾ "وقال لهم نبيهم ان آية ملكه ان يأتيكم التابوت" اور تابوت (صندوق) کا قصہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تابوت نازل کیا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتیں تھیں اور یہ شمشاد (درخت) کی لکڑی کا تھا۔ تین گز اور دو گز (ذراع سے مراد عربی گز ہے جو تقریباً ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس رہا)

یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کے پاس تھا پھر اولاد آدم کو وراثۃً منتقل ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس تھا۔ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس تھا۔ پھر بنی اسرائیل میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں کتاب تورات اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے پھر انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل کے بعد دیگرے لیتے آئے۔ یہاں تک کہ اشمویل علیہ السلام کو پہنچا اور اس میں وہ کچھ تھا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا "فيه سكينة من ربكم"

سکینہ کے متعلق علماء کی آراء

سکینہ میں علمائے کرام نے اختلاف کیا کہ وہ کیا چیز تھی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سخت اور تیز چلنے والی خوشبودار ہوا تھی اس کے دو سر تھے اس کا انسان کی طرح چہرہ تھا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سکینہ بلی کے مشابہ ایک چیز تھی اس کا بلی کی طرح سر تھا اور اس کی دُم بھی بلی کی دُم کی طرح تھی اور اس کے دو پَر تھے۔ بعض نے کہا اس کی دو آنکھیں تھیں جن میں شعاع تھی اور دو پَر تھے جو کہ زمرد اور زبرجد کے تھے۔ لوگ جب اس سے آواز سنتے تو نصرت الٰہیہ کا یقین کر لیتے اور بنی اسرائیل جب نکلتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے۔ جب تابوت (صندوق) چلتا تو بنی اسرائیل بھی چل پڑتے جب صندوق ٹھہر جاتا یہ بھی ٹھہر جاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سکینہ جنت سے لایا ہوا تھال تھا۔ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سکینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح تھا جب لوگوں کا کسی شئی میں اختلاف ہوتا تو یہ بولتا اور ان کی مراد بیان کرتا۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ یہ وہ آیات تھیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نشانیاں) جن کو وہ پہچانتے اور ان سے سکون پاتے۔

حضرت قتادہ اور کلبی فرماتے ہیں کہ سکینہ "بروزن فعیلہ" سکون سے ہے۔ یعنی تمہارے رب کی طرف سے اطمینان و سکون پس جس جگہ بھی صندوق ہوتا وہاں بنو اسرائیل کو اطمینان و سکون ہوتا "وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ و آل ھارون" حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام جو کچھ خود چھوڑ گئے۔

تابوت میں اشیاء تھیں

اس میں دو تختیاں تورات کی تھیں اور ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اس میں عصائے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین شریف تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ تھا اور ان کا عصا مبارک اور "مَنّ" کا ایک قفیز (یہ ایک پیمانہ تھا جو بنو اسرائیل پر اُترتا تھا) یہ تابوت بنو اسرائیل کے پاس تھا۔ بنی اسرائیل جب کسی معاملہ میں اختلاف کرتے یہ صندوق ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا اور بنی اسرائیل جب کسی قتال پر جاتے تو اس صندوق کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے اپنے دشمن پر فتح کی طلب کرتے۔

قوم عمالقہ کا تابوت پر قبضہ

جب بنی اسرائیل نے نافرمانی کی اور فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم عمالقہ کو مسلط کر دیا اور وہ تابوت پر غالب آ گئے۔ اس کا سبب یوں ہوا کہ عیلی نام کا ایک عالم جس نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی تربیت کی تھی کے دو جوان بیٹے تھے۔ عیلی بنو اسرائیل کا بڑا عالم اور صاحب قربان تھا۔ اس کے بیٹوں نے قربانیوں میں کچھ ایسی چیز پیدا کر دی جو پہلے نہ تھی اور یہ اس طرح کہ عیلی کی طرف سے قربانی لٹکانے کے لیے دو کنڈیاں تھیں جس کے ساتھ لوگ قربانیاں ٹانگتے۔ ان دو کنڈیوں سے جو آمدنی ہوتی وہ اس کاہن کے لیے ہوتی جو وہ لٹکاتا تھا۔ عیلی کے بیٹوں نے کئی کنڈیاں لگا دیں۔ عورتیں بیت المقدس میں نماز پڑھنے آتیں تو عیلی کے بیٹے ان سے چھیڑتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ عیلی کے پاس جا کر کہو کہ تجھے تیری اولاد کی محبت اس بات سے رکاوٹ کہ تو بیٹوں کو ان برے کاموں سے روکے جو انہوں نے قربانیوں کے سلسلہ میں اور میرے حریم قدس میں شروع کر رکھے ہیں اور یہ کہ دونوں میری نافرمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا میں ضرور بالضرور تجھ سے تیرا عہدہ کہانت چھین لوں گا اور تیری اولاد سے بھی اور میں تجھے اور تیری اولاد کو ہلاک کر دوں گا۔ اشمویل علیہ السلام نے عیلی کو خبر دی۔ پس عیلی سخت گھبرا گیا اور

ان کے آس پاس کے دشمنوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ پس عیلی نے بیٹوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلیں اور اس دشمن سے لڑیں۔ پس عیلی کے دونوں بیٹے نکلے اور اپنے ساتھ صندوق بھی لے گئے۔ پس جب لڑائی کے لیے تیار ہوئے عیلی ادھر (فتح کی) خبر سننے کی اُمید لیے بیٹھا تھا کہ لشکر نے کیا کیا۔ اتنے میں آدمی آیا اور عیلی کرسی پر بیٹھا تھا اس آدمی نے خبر دی کہ لوگ شکست کھا گئے اور تیرے بیٹے قتل ہو گئے۔ عیلی نے پوچھا تابوت کا کیا بنا؟ (خبر دینے والے) آدمی نے کہا اسے دشمن لے گیا۔ عیلی نے چیخ ماری، کرسی سے پیچھے کی طرف گرا اور مر گیا۔ بنی اسرائیل کا معاملہ ختم ہو گیا اور وہ تتر بتر ہو گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا۔ بنی اسرائیل نے طالوت کے بادشاہ ہونے پر دلیل مانگی ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا۔

تابوت کا قصہ

اور تابوت (صندوق) کا قصہ یوں ہوا کہ جو لوگ اس صندوق کو لے گئے تھے وہ اسے فلسطین کی کسی بستی میں لے گئے بستی کا نام ازدود تھا۔ تابوت کو انہوں نے بت کے کمرہ میں بڑے بت کے نیچے رکھا۔ دوسرے دن دیکھا کہ بت تابوت کے نیچے پڑا ہے۔ پس انہوں نے بت کو لیا اور تابوت کے اوپر رکھا اور بت کے قدموں کو تابوت کے اوپر میخوں سے جڑ دیا۔ صبح کو دیکھا کہ بت کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور تابوت کے نیچے پڑا ہوا ہے اور باقی بت بھی اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس تابوت کو بت کدہ سے نکالا اور شہر کی ایک جانب رکھا۔ اس طرف کے لوگوں کو گردن کی بیماری نے آدبوچا۔ اس طرف کے لوگوں کی اکثریت موت کا لقمہ بن گئی۔ پس بعض کو بعض نے کہا:

کیا تم اس بات کو جانتے نہیں ہو کہ بے شک بنی اسرائیل کے معبود کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس تابوت کو فلاں بستی کی طرف لے جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کی طرف چوہے بھیج دیے۔ پس چوہے رات کے وقت آدمی کے پاس آتے صبح کو وہ آدمی مرا ہوا ہوتا اور چوہے اس کی انتڑیاں وغیرہ کھا چکے ہوتے تو انہوں نے اس تابوت کو جنگل کی طرف نکالا اور وہاں گندگی کی جگہ پر دفن کر دیا۔ پھر ہوا یہ کہ جو وہاں قضاء حاجت کے لیے جاتا اسے بواسیر اور قولنج کی بیماری لگ جاتی پس وہ حیران ہو گئے تو ان کو ایک عورت جوان کے پاس بنی اسرائیل کے قیدیوں میں تھی اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد سے تھی اس نے کہا جب تک یہ تابوت تمہارے پاس رہا تم مصیبتوں میں گرفتار رہو گے لہٰذا اسے اپنے سے باہر نکال دو۔ چنانچہ اس عورت کے مشورہ کے مطابق وہ گاڑی لائے اور تابوت کو اس پر رکھا اور دو بیلوں کے اوپر اس گاڑی کو جکڑ دیا اور ان بیلوں کے پہلوؤں کو خوب مضبوط کیا۔ بیل چلنا شروع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو بیلوں پر چار فرشتے مقرر کیے جو ان کو ہانکتے۔ وہ دونوں بیل متوجہ ہوئے اور بنی اسرائیل کی زمین پر آ کھڑے ہوئے۔ ان بیلوں نے گلے پڑے جوئے کو توڑ رسیوں کو کاٹا تابوت بنو اسرائیل کی زمین پر جہاں بنی اسرائیل کی کھیتی کٹی پڑی تھی (یعنی کھلیان) میں رکھا اور واپس ہو گئے۔ بنی اسرائیل نے جب اچانک تابوت کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی اور حمد و ثنا کی۔

"تحمله الملائكة" فرشتے اس کو ہانکتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرشتے تابوت کو آسمان اور زمین کے درمیان اُٹھا کر لائے اور بنی اسرائیل اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ فرشتوں نے طالوت کے پاس تابوت لا کر رکھ دیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابوت فرشتوں کے پاس آسمان پر تھا۔ جب طالوت بادشاہ بنا تو فرشتے تابوت اُٹھا کر لائے اور ان کے درمیان لا کر رکھ دیا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ تابوت مقام تیہ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تابوت یوشع بن نون علیہ السلام کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ تابوت وہاں رہا۔ پس تابوت کو فرشتوں نے اُٹھایا اور طالوت کے گھر لا کر رکھ دیا۔ پس بنی اسرائیل نے طالوت کی شاہی کا اقرار کر لیا۔ "ان فی ذالک لآیة" البتہ عبرت ہے "لکم ان کنتم مؤمنین" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک تابوت اور عصائے موسیٰ علیہ السلام بحیرہ طبریہ میں ہے اور قیامت سے پہلے یہ دونوں نکلیں گے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

ترجمہ: پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے جو شخص (افراط کے ساتھ) اس سے پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے سو پھر سب نے اس سے (بے تحاشا) پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت اور جو مؤمنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

تفسیر: ۲۴۹ "فلما فصل طالوت بالجنود" (طالوت) ان کو لے کر نکلا۔ فصل کا اصل معنی قطع ہے یعنی اپنے ٹھکانے کو قطع کیا (یعنی چھوڑا) اس حال میں کہ وہ اور جگہ کی طرف کوچ کرنے والا تھا۔ پس طالوت بیت المقدس سے لشکر لے کر نکلا اور وہ ستر ہزار لڑاکا جوان تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اسی ہزار جوان تھے ان میں سے پیچھے کوئی نہ رہا مگر بوڑھا بڑھاپے کی وجہ سے اور مریض مرض کی وجہ سے یا پھر معذور اپنے عذر کی وجہ سے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے جب تابوت کو دیکھا تو نصرت خداوندی کا انہیں یقین ہو گیا۔ پس انہوں نے جہاد کی طرف جلدی کی۔

پس طالوت نے کہا کہ میں جو کچھ یہ (بھیڑ) دیکھ رہا ہوں ان سب کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا میرے ساتھ وہ شخص نہ نکلے جو مکان کی تعمیر کر رہا ہے اور اس سے فارغ نہیں ہوا اور نہ وہ جو تجارت میں مشغول ہے اور نہ وہ نکلے جو مقروض ہے اور نہ وہ جس کا نکاح ہوا ہے مگر ابھی شادی نہیں ہوئی۔ میرے ساتھ صرف فارغ البال چست و چالاک جوان چلیں۔ اس شرط پر اس کے ساتھ اسی ہزار جمع ہو گئے۔ سخت گرمی کے دن تھے، انہوں نے پانی کی قلت کی شکایت کی جو کہ ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان (رکاوٹ) تھی۔ پس انہوں نے کہا بے شک پانی تھوڑا ہے جو ہمیں کافی نہیں لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے نہر جاری کرے۔ (قال)

طالوت نے کہا "ان اللّٰہ مبتلیکم بنھر" تمہیں آزمانے والا ہے تاکہ تمہاری اطاعت دیکھے اور وہ خوب جاننے والا ہے۔

"بنھر" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کہتے ہیں یہ نہر فلسطین تھی۔ قتادہ کہتے ہیں اردن اور فلسطین کے درمیان میٹھے پانی کی نہر ہے۔ "فمن شرب منہ فلیس منی" وہ میرے دین والوں سے نہیں اور میرا فرمانبردار نہیں ہے۔ "ومن لم یطعمہ" اس کو نہ پیا "فانہ منّی الا من اغترف غرفۃ بیدہ" اہل حجاز اور ابو عمر نے "غرفۃ" غین کی زبر کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے پیش کے ساتھ اور غرفہ میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ کسائی کہتے ہیں کہ "غرفۃ" غین کی پیش کے ساتھ چلو بھرنے سے حاصل ہونے والا پانی ہے اور "غرفۃ غین" کی زبر کے ساتھ "اغتراف" کو کہتے ہیں یعنی چلو بھرنا۔ لہٰذا غرفہ غین کی پیش کے ساتھ نام ہے "چلو" اور غرفہ غین کی زبر کے ساتھ مصدر ہے "فشربوا منہ الا قلیلاً منھم" قلیلاً کی زبر استثناء کے اعتبار سے ہے۔

اصحاب طالوت کی تعداد

اس قلیل مقدار میں جنہوں نے پانی نہ پیا اختلاف ہے۔ علامہ سدی کہتے ہیں یہ چار ہزار تھے اور دوں نے کہا تین سو سے کچھ زائد تھے اور یہ قول صحیح ہے۔ حضرت براء (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر پار کی تھی اور طالوت کے ساتھ سوائے مؤمن کے کوئی نہر نہ پار کر سکا اور ان کی تعداد تین سو دس (۳۱۰) سے کچھ زیادہ تھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جب وہ نہر (دریا) تک پہنچے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پیاس ڈال دی تھی۔ اس عدد قلیل کے سوا باقی سب نے نہر کا پانی پیا۔ پس جس نے ایک آدھ چلو بھرا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس کا دل قوی ہو گیا اور ایمان صحیح ہوا اور نہر کو سلامتی کے ساتھ عبور کیا اور اسے بھی ایک چلو اپنے پینے کے لیے اور اس کے جانور کے لیے اور جنہوں نے (سیر ہو کر) پیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ان کے ہونٹ کالے ہو گئے اور ان پر پیاس غالب ہو گئی۔ پس نہ وہ سیراب ہوئے اور نہر کے کنارے رہ گئے اور دشمن کے مقابلے میں ملاقات کے سلسلہ میں بزدل ہو گئے۔ پس نہ تو انہوں نے نہر (دریا) پار کیا اور نہ فتح کو حاضر ہوئے اور کہا گیا ہے کہ نہر (دریا) کو سب نے پار کیا مگر قتال کو صرف وہی حاضر ہوئے

جنہوں نے سیر ہو کر نہیں پیا تھا۔ "فلما جاوزہ" یعنی نہر (دریا) کو پار کیا۔ "ھو" طالوت نے "والذین آمنوا معہ" ان قلیل نے "قالوا" ان لوگوں نے کہا جنہوں نے (سیر ہو کر) پیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی تھی اور شک و نفاق والے تھے۔ "لاطاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی فرماتے ہیں پس وہ سو گئے اور اسے پار نہ کر سکے۔ "قال الذین یظنون" جو یقین رکھتے تھے "انھم ملاقوا اللہ" اور یہ وہ تھے جو طالوت کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے "کم من فئۃ" جماعت اور یہ لفظ "فئۃ" وہ جمع ہے جس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس لفظ "فئۃ" کی جمع "فئات" اور "فئون" ہے حالت رفع (پیش) میں اور زبر اور زیر کی حالت میں "فئین" ہے۔ "قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" اس کے فیصلہ اور تقدیر و ارادہ کے ساتھ۔ "واللہ مع الصابرین" نصرت اور امداد کے ساتھ۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

ترجمہ اور جب جالوت اور ان کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔

تفسیر ۲۵۰ "ولما برزوا" طالوت اور اس کا لشکر یعنی ایمان والے۔ "لجالوت وجنودہ" مشرکین کے لیے اور "برزوا" کا معنی ہے زمین کی کھلی جگہ پر نمودار ہوئے۔ براز زمین کا وہ حصہ جو نمایاں ہو اور برابر ہو۔ "قالوا ربنا افرغ علینا" اُتار دے اور ڈال دے "صبرا وثبت اقدامنا" ہمارے دلوں کو قوی فرما۔ "وانصرنا علی القوم الکافرین"

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۬ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

ترجمہ پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر

تفسیر ۲۵۱ "فھزموھم باذن اللہ" اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ "وقتل داؤد جالوت" جالوت کے قتل کا بیان اس طرح ہے۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں طالوت کے ساتھ جن لوگوں نے نہر (دریا) کو عبور کیا تھا حضرت داؤد کے والد ایشا بھی تھے جو اپنے تیرہ بیٹوں سمیت شریک تھے۔ حضرت داؤد ان تیرہ میں سے چھوٹے بیٹے تھے اور پتھر پھینکنے کا کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے باپ کو کہا ابا جان! میں جس کسی کو پتھر مارتا ہوں اسے گرا دیتا ہوں تو حضرت داؤد کے والد نے کہا بیٹے خوش ہو جاؤ اللہ

تعالیٰ نے تمہارا رزق اسی میں کیا ہے۔ پھر ایک اور دفعہ اپنے والد کے پاس آئے اور کہا ابا جان میں پہاڑوں میں داخل ہوا، وہاں میں نے شیر کو گھٹنے کے بل بیٹھے دیکھا، میں اس پر سوار ہو گیا اس کے دونوں کانوں کو میں نے پکڑا، پس اس نے مجھے مضطرب نہ کیا، والد نے کہا میرے بیٹے خوش ہو جا یہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ارادہ فرما رہے ہیں۔ پھر ایک دن حضرت داؤد والد کے پاس آئے پس کہا ابا جان اس حال میں کہ میں پہاڑوں میں چل کر تسبیح کر رہا تھا تو ہر پہاڑ میرے ساتھ تسبیح کر رہا تھا۔ باپ نے کہا خوش ہو جا میرے بیٹے یہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کی ہے۔ پس جالوت نے طالوت کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے سامنے اسے لاؤ جو مجھ سے لڑے۔ پس اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارے لیے اور اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے لیے۔ تو یہ شرط طالوت پر گراں گزری تو طالوت نے لشکر میں منادی کرا دی کہ جو جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے نکاح میں اپنی بیٹی دوں گا اور اپنا آدھا ملک بھی۔ پس لوگ جالوت سے ڈر گئے اور کسی نے اس آواز پر لبیک نہ کہا۔

پس طالوت نے بنی اسرائیل کے نبی سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ چنانچہ اللہ کے نبی نے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ پس اس نبی علیہ السلام کے پاس ایک سینگ لایا گیا جس میں تیل تھا اور ایک لوہے کا تنور اور کہا گیا کہ تمہارا وہ ساتھی جو جالوت کو قتل کرے گا وہ ہو گا جس کے سر پر یہ تیل والا سینگ رکھا جائے گا تو وہ تیل جوش مارے گا حتیٰ کہ اس کا سر تیل والا ہو جائے گا اور اس کے چہرے پر وہ تیل نہیں بہے گا بلکہ اس کے سر پر تاج کی مانند رہے گا اور وہ شخص اس تنور میں داخل ہو گا تو اس تنور کو پورا فٹ ہو کر پُر کر دے گا، کھلا ہونے کی وجہ سے اس میں ہلے گا نہیں۔ تو طالوت نے بنو اسرائیل کے لوگوں کو بلا کر تجربہ کیا تو کوئی بھی اس معیار پر پورا نہ اُترا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی فرمائی کہ ایشا کی اولاد میں ایک ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جالوت کو قتل فرمائیں گے تو طالوت نے ایشا کو بلایا۔ پس کہا کہ میرے اوپر اپنی اولاد کو پیش کرو تو ایشا نے بارہ آدمی پیش کیے جو ستونوں کی طرح لمبے تڑنگے تھے۔ طالوت ان میں سے ایک ایک کو سینگ پر پیش کرتا رہا تو ان میں سے کسی کے اندر مذکورہ علامت نہ دیکھی۔

پس طالوت نے ایشا کو کہا کہ ان کے علاوہ بھی کوئی تیرا بیٹا باقی ہے؟ اس نے کہا نہیں پس اللہ کے نبی نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ یا رب! ایشا کا دعویٰ ہے کہ ان بارہ کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایشا نے جھوٹ بولا۔ پس نبی نے فرمایا، بے شک میرے رب نے تجھے جھٹلایا ہے۔ پس ایشا نے کہا یا نبی اللہ، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا میرا ایک چھوٹا بیٹا ہے جسے داؤد کہا جاتا ہے۔ میں نے اس بات سے شرم کی کہ لوگ اس کو دیکھیں کیونکہ وہ پست قد اور حقیر سا ہے۔ پس اس کو بکریوں میں چھوڑ آیا ہوں جنہیں وہ چرا رہا ہے اور وہ فلاں فلاں گھاٹی میں ہے اور داؤد پست قد، بہت بیمار، زرد رنگ، نیلگی آنکھوں والا فقیر آدمی تھا۔

اہم ملاحظہ: (حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق یہ عبارت قرآن وحدیث سے ماخوذ نہیں بلکہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے اور یہود (جو کہ مغضوب علیہم ہیں) نے انبیاء و مرسلین سے متعلق گستاخانہ اور غیر محقق باتیں درج کر کے ان کی شخصیت و کردار کو مجروح کیا۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کی شکل ایسی نہ تھی جیسا کہ یہاں درج ہے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام انتہائی خوبصورت اور روشن چہرہ تھے اور اس کا ذکر حدیث شریف میں یوں اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد پیش کی گئی تو حضرت داؤد علیہ

السلام کے بارے میں ہے "فاذا فیهم رجل اضوأهم" پس ان میں ایک آدمی تھا جو کہ ان میں زیادہ روشن تھا۔ (منجانب: مترجم)

طالوت نے حضرت داؤد کو بلایا، کہا جاتا ہے بلکہ طالوت اس کی طرف نکلا، داؤد نے اس وادی کو پانی سے بہتے پایا جو اس کے اور اس کے باڑے کے درمیان حائل تھی جہاں شام کو بکریاں لے جاتا تھا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو اس حال میں پایا کہ وہ دو بکریاں اُٹھائے وادی کے سیلابی ریلے کو عبور کر رہا ہے اور اس میں ڈوب نہیں رہا جب طالوت نے حضرت داؤد کو دیکھا تو (دل میں) کہا کہ یقیناً یہ وہی ہے جب یہ جانوروں پر مہربان ہے تو انسانوں پر زیادہ مہربان ہوگا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو بلایا، سینگ اس کے سر پر رکھا، پس وہ بہہ پڑا۔ پس طالوت نے کہا کہ کیا تجھے جالوت کے قتل کرنے میں دلچسپی ہے اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دوں اور اپنے ملک میں تیری مہر جاری کر دوں (یعنی تیرا حکم چلے) حضرت داؤد نے فرمایا، ہاں۔ طالوت نے کہا کہ کیا تو اپنے اندر کوئی ایسی شئی محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے جالوت کے قتل کرنے میں تجھے جرأت ہو؟ حضرت داؤد نے فرمایا ہاں وہ یہ کہ میں بکریاں چراتا ہوں پس شیر آتا ہے یا چیتا یا بھیڑیا وہ بکری لے جاتا ہے پس میں کھڑا ہوتا ہوں اور اس درندے کے جبڑے پھاڑ کر بکری نکال لیتا ہوں چھڑا لیتا ہوں تو طالوت داؤد کو لے کر اپنے لشکر میں گیا۔ پس داؤد راستے میں ایک پتھر کے پاس سے گزرا تو اسے ایک پتھر نے آواز دی داؤد مجھے اُٹھا لے میں ہارون علیہ السلام کا وہ پتھر ہوں جس سے ہارون علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا تو داؤد نے اس پتھر کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ پھر ایک پتھر کے پاس سے گزرے تو اس نے آواز دی مجھے اُٹھا لے، میں وہ پتھر ہوں جس سے موسیٰ علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا۔ پس داؤد نے اسے اُٹھا کر تھیلے میں رکھ لیا۔ پھر ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے تو اس نے آواز دی مجھے اُٹھا لے، میرے ذریعہ تو جالوت کو قتل کرے گا تو داؤد نے وہ پتھر اُٹھا لیا اور اسے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ جب قتال کے لیے صف بندی ہوئی اور جالوت نمودار ہوا۔

اور مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت داؤد نے اس کے چیلنج کو قبول کیا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو گھوڑا، زرہ اور ہتھیار دیے۔ حضرت داؤد ہتھیار بند ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے تھوڑا کچھ چلے پھر بادشاہ کی طرف لوٹے۔ بادشاہ نے حضرت داؤد کو آتے دیکھا تو اپنے اردگرد کے لوگوں کو کہا لڑکا بزدل ہو گیا۔ حضرت داؤد آئے اور بادشاہ کے پاس آ کر ٹھہر گئے، طالوت نے پوچھا کیا؟ حضرت داؤد بولے اگر اللہ تعالیٰ نے میری نصرت نہ کی تو یہ ہتھیار مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے، آپ مجھے چھوڑ دیں میں جالوت سے جس طرح چاہوں گا لڑوں گا، طالوت نے کہا جو تمہارے جی میں آئے کیجئے۔ حضرت داؤد نے فرمایا ٹھیک ہے۔ پس داؤد نے اپنے تھیلے کو لیا، اسے اپنے گلے میں ڈالا اور گوپیا (پتھر پھینکنے کا ایک قدیم آلہ) ہاتھ میں لیا اور جالوت کی طرف چل پڑے اور جالوت سخت ترین اور قوی ترین انسان تھا اور اکیلے لشکروں کو شکست دیتا تھا اس کے خود میں تین سو رطل لوہا لگا ہوا تھا۔ (تقریباً ۳۰۰ پونڈ) جب جالوت نے حضرت داؤد کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے جالوت کے دل میں رعب ڈال دیا اور جالوت نے کہا کہ آپ میرے مقابلہ میں آئے ہیں۔ حضرت داؤد نے فرمایا ہاں جالوت ابلق (دورنگا) گھوڑے پر تھا اور اس پر مکمل ہتھیار تھے۔ جالوت بولا تو میرے مقابلہ میں گوپیا اور پتھر لایا ہے جیسا کہ تو کتے کو (مارنے) آیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے ہاں تو کتے سے بھی

بدتر ہے۔ جالوت نے کہا اور تمہیں تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمانوں کے پرندوں میں تقسیم کروں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ تیرا گوشت تقسیم کرے گا۔ پس حضرت داؤد نے فرمایا "باسم اللہ ابراھیم" ابراہیم کے معبود (برحق) کے نام کے ساتھ میں پتھر مارتا ہوں اور پتھر نکالا۔ پھر دوسرا پتھر نکالا اور کہا "باسم اللہ اسحاق" حضرت اسحاق علیہ السلام کے معبود کے نام کے ساتھ اور اسے اپنے گوپیا میں رکھا۔ پھر تیسرا پتھر نکالا اور کہا "باسم اللہ یعقوب" اور اس کو اپنے گوپیا "فلاخن" میں رکھا۔ پھر یہ سب ایک پتھر بن گئے اور داؤد علیہ السلام نے اس "فلاخن" کو گھمایا اور اس پتھر کو مارا اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا حتیٰ کہ وہ پتھر خود کے ناک والے حصہ پر لگا اور دماغ کو پار کرتا ہوا گدی کی طرف سے نکل گیا اور جالوت کے پیچھے تیس (۳۰) آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جالوت کے لشکر کو شکست دی۔ جالوت مقتول ہو کر گرا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو گھسیٹ کر طالوت کے سامنے لا پھینکا۔ اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اپنے شہر کی طرف سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لے کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی لوگوں میں شہرت ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام طالوت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اپنا وعدہ پورا کر، طالوت بولا تو بادشاہ کی بیٹی بغیر مہر کے لینا چاہتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو نے مجھ پر مہر کی شرط تو نہیں لگائی تھی اور میرے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔ طالوت نے کہا میں تجھے حسب طاقت تکلیف دوں گا تو دلیر آدمی ہے اور ہمارے بالمقابل ہمارے غیر مختون (جن کا ختنہ نہ ہوا ہو) دشمن ہیں جب تو نے ان میں سے دو سو آدمی قتل کر دیئے اور ان کا قلفہ (ختنہ کرنے سے کٹنے والا چمڑا) میرے پاس لے آیا میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا۔ پس حضرت داؤد ان کے پاس آئے جب بھی ان میں سے کسی ایک کو قتل کرتے اس کے قلفہ کو تاگے میں پرو دیتے حتیٰ کہ دو سو قلفہ پرو کر طالوت کے پاس لا کر پھینک دیئے اور فرمایا مجھے میری بیوی دو تو طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اپنے ملک میں حضرت داؤد کی مہر جاری کر دی۔ لوگوں کا میلان داؤد علیہ السلام کی طرف ہو گیا اور ان سے محبت کرنے لگے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر زیادہ کرنے لگے۔

طالوت کا حسد اور اس کی توبہ کا واقعہ

طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام پر حسد کیا اور قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس کی خبر طالوت کی بیٹی کو ایک آدمی نے دی جس کا نام ذوالعینین تھا تو طالوت کی بیٹی نے حضرت داؤد علیہ السلام کو کہا تو آج رات قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے مجھے کون قتل کرے گا؟ بیوی بولی میرا باپ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟ طالوت کی بیٹی بولی مجھے ایسے شخص نے خبر دی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا اور اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ آج رات تو چھپ جائے تا کہ اس کا مصداق دیکھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے اگر طالوت یہ ارادہ کر چکا ہے تو میں نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن میرے پاس شراب کا مشکیزہ لے آ۔ ان کی بیوی لے آئی۔ حضرت داؤد نے وہ مشکیزہ اپنی چارپائی سونے کی جگہ پر رکھا اور خود چارپائی کے نیچے سو گئے۔ طالوت آدھی رات کو داخل ہوا، بیٹی سے کہا تیرا خاوند کہاں ہے؟ بیٹی بولی وہ چارپائی پر سو رہا ہے تو طالوت نے تلوار کا ایک ہی وار کیا جس سے شراب بہہ پڑی۔ جب

شراب کی بو سونگھی تو طالوت کہنے لگا اللہ تعالیٰ داؤد پر رحم فرمائے وہ کس قدر شراب پیتا تھا اور نکل گیا۔ جب صبح کو واسے معلوم ہوا کہ اس نے کچھ نہیں کیا پس کہا کہ آدمی (داؤد) سے میں نے طلب کیا (یعنی اس کو قتل کرنا) جو کچھ طلب کیا اب وہ اس بات کا حق دار ہے کہ مجھے اپنا بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑے۔ چنانچہ طالوت نے اپنے حفاظتی انتظام سخت کر دیئے، دروازے بند کر دیئے۔ پھر بے شک داؤد طالوت کے پاس اس حال میں آیا کہ آنکھیں سکون پذیر ہو چکی تھیں (سو چکی تھیں) پس اللہ تعالیٰ نے دربانوں کو اندھا کر دیا۔ داؤد علیہ السلام نے دروازے کھولے اور طالوت پر داخل ہوئے وہ اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک تیر اس کے سر کے پاس رکھا اور ایک تیر پاؤں کی طرف اور ایک تیر بائیں طرف رکھا پھر نکل گئے۔ جب طالوت جاگا تیروں کو دیکھا، پہچان گیا۔ پس کہا اللہ تعالیٰ داؤد پر رحم فرمائے وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میں اس پر کامیاب ہوا تو میں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا، وہ مجھ پر کامیاب ہوا تو مجھ سے رُک گیا (مجھے کچھ نہ کہا) اگر وہ چاہتا تو یہ تیر میرے حلق میں چبھو سکتا تھا۔ اب میں اس سے حالت امن میں نہیں۔ جب آئندہ رات آئی حضرت داؤد علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے دربانوں کو اندھا کر دیا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام داخل ہوئے، طالوت سویا ہوا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے طالوت کا وہ لوٹا لیا جس سے وہ وضو کرتا تھا اور وہ ڈنڈی دار پیالہ لیا جس میں وہ پیتا تھا اور اس کی داڑھی کے چند بال کترے اور کچھ حصہ اس کے کپڑوں کا کاٹا پھر نکل گئے۔

اور بھاگ گئے اور چھپ گئے۔ جب طالوت نے صبح یہ صورت حال دیکھی تو حضرت داؤد علیہ السلام پر جاسوس مقرر کیے اور تلاش و طلب کو سخت تر کر دیا مگر اس پر وہ قادر نہ ہو سکا۔ پھر بے شک ایک دن طالوت سوار ہوا داؤد کو پایا کہ وہ جنگل میں چل رہے ہیں پس (دل میں) کہا آج کے دن میں اس کو ضرور قتل کروں گا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی دوڑے، حضرت داؤد جب خوف زدہ ہوتے (تو اس قدر دوڑتے کہ) ان کو پکڑا نہ جا سکتا تھا۔ پس غار میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مکڑے کو حکم دیا اس نے غار پر جالا تن دیا جب طالوت اس غار تک پہنچا مکڑے کا جالا دیکھا۔ کہا اگر داؤد یہاں داخل ہوتا تو مکڑے کی یہ بنا ٹوٹ جاتی۔ پس اسے چھوڑا اور چلا گیا۔ حضرت داؤد چلے اور عبادت گزاروں کے ہمراہ پہاڑ کو آئے۔ وہاں مصروف عبادت ہو گئے۔ علماء اور عابدوں نے طالوت پر حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملے میں طعن کیا۔ پس طالوت کا یہ حال ہو گیا کہ جو کوئی اسے داؤد کے قتل سے منع کرتا وہ اس منع کرنے والے کو قتل کر دیتا اور علماء کے قتل پر لوگوں کو اُبھارا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے جس عالم پر اس کا بس چلتا اسے قتل کر دیتا۔

حتیٰ کہ اس کے پاس ایک عورت لائی گئی جو اسم اعظم جانتی تھی۔ طالوت نے اپنے روٹی پکانے والے کو حکم دیا کہ اس عورت کو قتل کر دے، روٹی پکانے والے کو اس پر رحم آ گیا اور کہا شاید ہمیں کبھی کسی وقت عالم کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ اس عورت کو قتل نہ کیا۔ طالوت کے دل میں توبہ کے جذبات اُبھرے، اپنے کیے پر نادم ہوا اور رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ لوگوں کو اس پر ترس آ گیا۔ ہر رات قبرستان نکل جاتا روتا اور آوازیں دیتا میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو میری توبہ کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ مجھے ضرور توبہ کے بارے میں خبر دے۔ جب مرنے والوں پر اس نے چیخ و پکار زیادہ کی تو قبر والوں سے ایک آواز دینے والے نے آواز دی کیا تو ہمیں قتل کرنے پر راضی

تھیں ہوا کہ مرنے کے بعد ہمیں ایذاء دینے آ گیا۔ اس پر طالوت کا رونا اور حزن و ملال اور زیادہ ہو گیا۔ روٹی پکانے والے (جس کو طالوت نے عالم عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور اس نے قتل نہیں کیا تھا) کو طالوت پر رحم آ گیا اس نے کہا بادشاہ سلامت آپ کو کیا ہوا؟ طالوت نے کہا روئے زمین پر تو کوئی ایسا بادشاہ جانتا ہے جو مجھے یہ بتائے کہ کیا میری توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت ہے؟ پس روٹی پکانے والے نے کہا کہ اے بادشاہ! تیری مثال تو اس بادشاہ کی سی ہے جو بوقت عشاء ایک قصبہ میں اُترا تو ایک مرغے نے آواز کی، بادشاہ نے اس سے بری فال لی اور حکم دیا کہ اس قصبہ میں جتنے مرغے ہیں سب کو ذبح کر دیا جائے۔ پھر جب سونے کا ارادہ کیا تو کہنے لگا کہ جب صبح سویرے مرغا اذان دے تو مجھے جگا دینا تا کہ ہم سویرے سویرے نکل چلیں تو لوگوں نے کہا تو نے کوئی مرغا چھوڑا ہے جس کی آواز (اذان) ہم سنیں؟ اسی طرح تو نے بھی کوئی عالم زمین پر چھوڑا ہے؟ (جس سے ہم توبہ کے بارے میں پوچھیں) اس پر طالوت کا غم اور رونا اور بڑھ گیا۔ جب روٹی پکانے والے نے طالوت کی یہ حالت دیکھی تو کہا مجھے خبر دے اگر میں تجھے کسی عالم پر دلالت کروں شاید تو اس کو قتل کر ڈالے، طالوت نے کہا نہیں تو خباز نے اس پر اعتماد کیا اور اسے خبر دی کہ عالم عورت اس کے پاس ہے۔

طالوت نے کہا مجھے اس کے پاس لے چل۔ میں اس سے پوچھوں کہ میرے لیے کوئی توبہ کی صورت ہے اور وہ عورت اس خاندان سے تھی جس کے مرد اسم اعظم جانتے تھے جب اس خاندان کے مرد مر گئے تو عورتوں نے اسم اعظم سیکھ لیا جب طالوت دروازہ پر پہنچا۔ خباز (روٹی پکانے والے) نے کہا بے شک اگر اس عورت نے تجھے دیکھ لیا تو گھبرا جائے گی بلکہ تو میرے پیچھے پیچھے آ۔ پھر وہ دونوں عورت کے پاس آئے۔ پس خباز (روٹی پکانے والے) نے کہا کہ کیا میں تمام لوگوں سے بڑھ کر تجھ پر احسان کرنے والا نہیں۔ میں نے تجھے قتل سے بچایا اور تجھے پناہ دی؟ عورت نے کہا بے شک ایسے ہی ہے۔ خباز نے کہا میرے لیے تیری طرف ایک حاجت ہے یہ طالوت حاضر ہے، پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس عورت پر خوف کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی۔ خباز نے کہا طالوت تیرے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ صرف یہ پوچھتا ہے کہ اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟ عورت نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! میں طالوت کے لیے توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں جانتی۔ البتہ میں نبی کی قبر کی جگہ جانتی ہوں تو وہ عورت ان دونوں کو لے کر حضرت اشمویل علیہ السلام کی قبر پر لے گئی۔

پس وہاں نماز پڑھی اور دعا کی۔ پھر آواز کی یا صاحب القبر اے قبر والے! پس حضرت شمویل علیہ السلام مٹی سے اپنے سر کو جھاڑتے ہوئے قبر سے نکلے۔ پس ان تینوں کو دیکھتے ہی بولے تمہیں کیا ہوا؟ کیا قیامت قائم ہو گئی؟ عورت نے کہا نہیں بلکہ طالوت پوچھتا ہے کیا اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟ شمویل علیہ السلام نے کہا طالوت تو نے میرے بعد کیا کیا؟ طالوت بولا میں نے کوئی بری چیز نہیں چھوڑی جس کو میں نے نہ کیا ہو۔ اب میں توبہ کا طلبگار ہو کر آیا ہوں۔ شمویل علیہ السلام نے کہا تیرے عیال کتنے ہیں یعنی تیری اولاد کتنی ہے؟ اس نے کہا دس مرد ہیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا تیری توبہ کی صرف ایک صورت ہے کہ تو ملک یعنی سلطنت چھوڑ دے اور تو خود مع اولاد کے نکل جا اور فی سبیل قتال کر۔ پھر تو اولاد کو اپنے آگے بھیجے وہ تیرے سامنے شہید ہو جاویں، پھر تو اکیلا لڑے حتیٰ کہ آخر میں تو قتل ہو جائے۔ پھر حضرت شمویل علیہ السلام قبر کی طرف واپس لوٹے اور

فوت ہوگئے۔ طالوت پہلے سے زیادہ غمناک ہو کر واپس ہوا، اس ڈر کی وجہ سے کہ اس کی اولاد شاید اس کی پیروی نہ کرے۔ رو دیا حتیٰ کہ پلکیں گر گئیں، جسم کمزور ہوگیا، اولاد اس کے پاس آئی، پوچھا تو طالوت نے اولاد سے کہا مجھے یہ بتاؤ! اگر میں آگ میں دھکیلا جاؤں تو کیا تم میری جگہ قربانی دو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہم حتی المقدور قربانی دیں گے۔ طالوت بولا پس تحقیق وہ صورت حال آگ ہی ہے اگر تم وہ کچھ نہیں کرو گے جو کچھ میں تمہیں کہوں، اولاد نے کہا ارشاد فرمائیں تو طالوت نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ اولاد بولی تو کیا واقعی آپ قتل ہونے والے ہیں؟ طالوت بولا ہاں۔ اولاد نے کہا پھر آپ کے بعد ہماری زندگی میں بھی کوئی خیر نہیں ہے، بے شک آپ جو کچھ ہم سے مطالبہ فرماتے اسے خوش دلی سے ہم قبول کرتے ہیں۔ پس طالوت نے مال اولاد سمیت تیاری کی۔ چنانچہ اس کے دس بیٹے اس راہ میں ختم ہوگئے اس کے سامنے لڑتے حتیٰ کہ قتل ہوگئے ان کے بعد طالوت نے قتال کے لیے حملہ کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ پس طالوت کا قاتل حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آیا تا کہ داؤد کو خوشخبری دے اور کہا اے داؤد میں نے تیرے دشمن کو قتل کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو بھی پھر زندہ رہنے کے لائق نہیں۔ حضرت داؤد نے اس کی گردن ماری۔ طالوت کا ملک اس کے قتل ہونے تک چالیس سال تک رہا۔ بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں طالوت کے خزانے دیئے اور اپنا بادشاہ مقرر کیا۔ کلبی اور ضحاک رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ طالوت کے قتل ہونے کے بعد حضرت داؤد سات سال بادشاہ رہے اور سوائے داؤد علیہ السلام کے بنی اسرائیل کبھی بھی ایک بادشاہ پر جمع نہیں ہوئے۔ پس یہ ہے "و آتاہ اللہ الملک والحکمۃ" یعنی نبوت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بادشاہت اور نبوت جمع فرمادی حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بادشاہت ایک خاندان میں ہوتی تھی اور نبوت ایک خاندان میں بعض حضرات نے کہا کہ ملک اور حکمت سے مراد علم مع العمل ہے۔ "وعلمہ مما یشاء" کلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس علم سے مراد زرہ سازی کی صنعت ہے، زرہیں بناتے اور بیچتے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور کہا گیا ہے کہ اس علم سے مراد پرندوں کی بولی، بڑی اور چھوٹی چیونٹی کی کلام کا علم دیا تھا اور اسی طرح ہر وہ جانور جس کی آواز بھی نہیں۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد زبور ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اچھی آواز اور خوش الحانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کے بعد کسی کو ایسی خوش الحانی عطا نہیں کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تو پرندے قریب ہو جاتے حتیٰ کہ ان کی گردنوں کو پکڑا جاتا، پرندے سایہ کرتے، بہتا پانی رک جاتا، ہوا ٹھہر جاتی۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ "علمہ مما یشاء" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک زنجیر دی تھی جو ثریا سے ملی ہوئی تھی اور اس کا سرا آپ کے صومعہ (عبادت خانہ) کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس میں لوہے کی سی طاقت، آگ کی رنگت تھی، گول کڑیاں جواہر جڑی اور تازہ لولو کی لڑیوں سے مرصع تھیں۔ ہوا میں جو کوئی حادثہ رونما ہوا وہ زنجیر بجتی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو جاتا جو کوئی آفت زدہ انسان اس کو چھوتا تو صحت مند ہو جاتا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل والے اپنا فیصلہ اس زنجیر کے پاس لے جاتے۔ یہاں تک کہ وہ زنجیر اٹھا لی گئی۔

پس جو کوئی کسی پر زیادتی کرتا یا کسی کے حق دینے کا انکار کرتا تو اس زنجیر کے پاس آتا۔ اگر سچا ہوتا تو اس کا ہاتھ زنجیر کو لگ جاتا اور جو کوئی جھوٹا ہوتا اس کو نہ چھو سکتا۔ یہ صورت حال اسی طرح رہی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں مکر اور دھوکہ بازی شروع ہوگئی۔ پس ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی آدمی کے پاس قیمتی موتی امانت رکھا، جب واپس کا مطالبہ کیا تو وہ شخص مکر گیا تو وہ دونوں اپنا جھگڑا زنجیر کے پاس لے گئے۔ پس جس شخص کے پاس موتی امانت تھا اس نے لاٹھی میں سوراخ کر کے وہ موتی اس لاٹھی میں ڈال دیا اور اس لاٹھی پر سہارا لگا کر زنجیر کو حاضر ہوگئے۔ پس موتی والے نے کہا میرا موتی واپس کر جو تیرے پاس امانت تھا۔ دوسرے نے کہا میں تو نہیں جانتا کہ تیری کوئی امانت میرے پاس ہے اور کہا اگر تو دعوئی میں سچا ہے تو اس زنجیر کو ہاتھ لگا تو موتی کی امانت کا مطالبہ کرنے والے نے ہاتھ لگایا تو اس کا ہاتھ زنجیر کو لگ گیا پھر منکر کو کہا گیا کہ تو زنجیر کو ہاتھ لگا تو منکر امانت نے صاحب جوہرہ (موتی) کو کہا کہ میری یہ لاٹھی پکڑتا کہ میں زنجیر کو ہاتھ لگاؤں تو لاٹھی مالک جوہرہ نے لے لی۔ پھر منکر کھڑا ہوا اور زنجیر کو پکڑ لیا اور کہا یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ مدعی جس امانت کا دعوی کرتا ہے وہ امانت اس کے پاس پہنچ چکی ہے تو یہ زنجیر میرے قریب کر دے، پس ہاتھ لمبا کیا اور زنجیر کو لے لیا۔ پس قوم نے تعجب کیا اور اس زنجیر کے معاملہ میں شک کرنے لگے۔ پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اللہ تعالیٰ نے زنجیر کو اٹھا لیا تھا۔

"ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض" اہل مدینہ اور یعقوب نے (دفاع اللہ) الف کے ساتھ پڑھا یہاں بھی اور سورۂ حج میں بھی اور باقیوں نے بغیر الف کے پڑھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی فعل میں مغالبہ و مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ مدافعت میں کوئی مقابلہ کرے اور باب مفاعلہ سے اس کا ذکر کیا جائے) بلکہ اللہ تعالیٰ اکیلا دافع ہے اور جس نے الف کے ساتھ پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ دفاع کا عمل کبھی یکطرفہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے "احسن اللّٰہ عنک الدفاع" (اب اس جملہ میں دفاع بمعنی دفع ہے) ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ عساکر مسلمین کے ذریعے مشرکوں کو دفع نہ فرماتے تو مشرک لوگ زمین پر غالب آجاتے اور مساجد اور شہروں کو ویران کر ڈالتے اور ایمان والوں کو قتل کر دیتے اور باقی مفسرین نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیکوں کے ذریعے کفار و فجار کو دفع نہ فرماتے تو زمین اپنے باسیوں سمیت تباہ ہو جاتی لیکن

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ جو ٹھیک ٹھیک طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس سے ثابت ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

تفسیر ﴿۲۵۲﴾ اللہ تعالیٰ مومن کے ذریعے کافر کو دفع کرتا ہے اور نیک کے ذریعے بُرے کو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک اللہ تعالیٰ نیک مسلم کی برکت سے اس کے سو پڑوسیوں سے مصیبت ٹال دیتے ہیں۔) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللّٰہ ذو فضل علی العالمین"

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ ۢ
بَعْدِهِمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۗ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ: یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں سے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں میں سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرائیل) سے فرمائی اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو (امت کے) جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں باہم قتل و قتال نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس (امر حق کے) دلائل پہنچ چکے تھے ولیکن وہ لوگ باہم (دین میں) مختلف ہوئے سو ان میں سے کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور نوبت قتل و قتال کی پہنچی) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

تفسیر: ﴿۲۵۳﴾ منهم من كلم الله اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔

(بعضهم درجات) اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو ان جیسے تمام معجزات دیئے گئے تھے جو دوسرے انبیاء کرام کو دیئے گئے تھے ان معجزات کے علاوہ بھی آپ کو اور معجزات بھی دیئے گئے تھے جیسے انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور ستون حنانہ کا آپ کی جدائی سے رونا، پتھروں اور درختوں کا آپ علیہ السلام کو سلام کرنا، جانوروں کا کلام کرنا اور آپ علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دینا اور آپ علیہ السلام کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، ان معجزات کے علاوہ اور بہت سارے معجزات ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان معجزات میں سے سب سے نمایاں قرآن مجید ہے جس کی مثال پیش کرنے سے آسمان و زمین کے باشندے عاجز رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسرے انسانوں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا گیا۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد زیادہ ہوگی۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی اور زمین کو میرے لیے مسجد

اور پاک قرار دیا۔ پس میری اُمت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جبکہ مجھ سے پہلے لوگوں پر غنیمت کا مال حلال نہیں تھا اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا اور ہر نبی کو صرف اسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا مگر مجھے سب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا کی گئی۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی اور میرے لیے مال غنیمت حلال کی گئی۔ میرے لیے زمین کو مسجد قرار دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کے لیے بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا گیا۔

واتینا عیسی بن مریم .... الذین من بعدھم

رسولوں کے بعد (من بعدہ ......من امن) اللہ کے فضل سے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے (ومنھم من کفر) (اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے جنہوں نے کفر کیا) ان کی رسوائی کی وجہ سے (ولو شاء اللہ ما اقتتلوا) اس جملہ کو دوبارہ ذکر کرنا پہلے جملہ کی تاکید کے لیے ہے۔ (ولکن اللہ یفعل ما یرید) اللہ توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے اور رسوا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے عدل سے۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین مجھے تقدیر کے متعلق خبر دیجیے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تاریک راستہ ہے اس پر نہ چل، سائل نے دوبارہ سوال کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گہرا سمندر ہے اس میں نہ داخل ہو، پھر سائل نے سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زمین میں اللہ کا پوشیدہ راز ہے اس کی کوشش نہ کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن (قیامت کا) آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ (بلا اذن الٰہی کوئی) سفارش ہوگی اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں تو تم ایسے مت بنو) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے) کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا) نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدوں اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان موجودات کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں

نہیں لا سکتے مگر جس قدر (علم) وہ دینا (ہی) چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور سب زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے

تفسیر ⊕ (یا یھا الذین ...... رزقناکم) امام سدی فرماتے ہیں کہ انفاق سے مراد زکوٰۃ ادا کرنا ہے ان کے علاوہ بعض حضرات نے کہا کہ انفاق سے مراد نفل صدقہ اور نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ (من قبل ...... بیع فیہ) یعنی نہ کوئی فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا سکتا ہے اس کو یہاں بیع کا نام دیا گیا کیونکہ فدیہ بھی اپنی جان کے بدلے میں ہی ہوتا ہے (ولا خلۃ) خلت سے مراد دوستی ہے کہ نہ وہاں کسی کی دوستی کام آئے گی (ولا شفاعۃ) مگر اس کی اجازت کے بغیر۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ کے قراء نے یہاں نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح سورۃ ابراہیم میں "لا بیعٌ ولا خلالٌ" اور سورۃ طور میں "لغوٌ ولا تاثیمٌ" جگہوں پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے (والکافرون ھم الظالمون) کیونکہ یہ عبادت کو غیر محل میں ادا کرتے ہیں۔

⊕ (اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوالمنذر کتاب اللہ میں بڑی آیت کون سی ہے؟ (ابو منذر کہتے ہیں) کہ میں نے کہا "اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ پھر فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو اے ابوالمنذر۔ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں۔ پایہ عرش کے قریب فرشتہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور فرمایا، کوئی آکر چلو بھر بھر کر غلہ اٹھانے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور آپ علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤں گا، وہ کہنے لگا میں محتاج ہوں، عیالدار ہوں اور بڑا ضرورت مند ہوں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہ! رات والے تیرے قیدی کا کیا بنا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنی سخت محتاجی اور عیالداری کا دکھ ظاہر کیا۔ مجھے اس پر رحم آگیا تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، آگاہ رہو، بے شک اس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے، آئندہ پھر وہ لوٹ کر آئے گا۔ پس میں جان گیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا آپ علیہ السلام کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے۔ پس پھر میں اس کی تاک میں رہا۔ بالآخر وہ آیا اور پھر غلہ سے اپنے چلو بھرنے لگا، میں نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور اس کو کہا کہ اب کی بار تو میں تجھے آپ علیہ السلام کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتاج ہوں اور عیالدار ہوں، اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا، پس مجھے اس پر ترس آگیا، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس صبح آپ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ! رات والے قیدی کے ساتھ کیا بنا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے سخت محتاجگی کی شکایت کی اور عیالداری کی۔ مجھے اس پر ترس آیا، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سنو! بے شک اس نے تمہارے ساتھ

جھوٹ بولا ہے، پھر وہ لوٹ کر آئے گا۔ (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ میں تیسری بار اس کی تاک میں بیٹھ گیا۔ پس وہ آیا تو اس نے غلہ سے چلو بھرنا شروع کیے، میں نے اس کو پکڑ لیا، پس میں نے اس کو کہا پس میں تجھے ضرور بالضرور آپ علیہ السلام کے پاس لے جاؤں گا کیونکہ یہ تین مرتبہ میں سے آخری بار ہے تو نے ہر دفعہ یہی کہا کہ میں اب دوبارہ نہیں آؤں گا، پھر آتا رہا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دیجئے میں (اس کے بدلے) تم کو چند الفاظ ایسے بتلاؤں گا جس سے اللہ تجھ کو نفع دے گا، میں نے کہا وہ کون سے الفاظ ہیں، اس نے کہا کہ جب تم رات اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم" آخر تک پڑھ لیا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کرے گا پھر صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ پس میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح کی تو آپ علیہ السلام نے پوچھا رات تیرے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے مجھے کہا کہ میں تمہیں ایسے کلمات سکھلاؤں گا جو تمہیں نفع دیں گے تو میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون سے الفاظ ہیں؟ میں نے کہا کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں کہ جب تو رات اپنے بستر پر آئے تو آیت الکرسی اول تا آخر پڑھ لے "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم" اور اس نے کہا کہ اس وجہ سے تمہاری حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کر دیا جائے گا صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان نہیں آئے گا اور وہ لوگوں پر حرص کر رہا تھا تنگی کی وجہ سے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، سنو! بے شک اس نے تمہارے ساتھ سچ بولا ہے لیکن ہے وہ جھوٹا۔ اے ابوہریرہ تو جانتا ہے تین دن تک تیرے ساتھ کون مخاطب تھا؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ شیطان ہے۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت آیت الکرسی اور "حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحمید" کی پہلی دو آیت تلاوت کی تو اس دن شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جس نے یہ آیات شام کے وقت پڑھیں تو اس رات اس کی حفاظت کی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ صبح کر لے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اللّٰہ" یہ مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر "لا الٰہ الا ھو الحیّ" ہے حیّ سے مراد ابدالآباد تک ہمیشہ باقی رہنے والا اور یہ صفت اس کے لیے ہے جس کے لیے حیات ہو اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے (القیوم) عمرو بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "القیام" ہے اور علقمہ کی قرأت میں "القیم" ہے ان تمام لغات کا معنی ایک ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ قیوم کہتے ہیں ہر چیز کے نگران کو اور کلبی کہتے ہیں کہ قیوم ہر نفس کے اعمال کا نگران کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ قیوم امور کے منتظم کو بھی کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ قیوم کا معنی ہے غیر فانی ہمیشہ باقی رہنے والا "لا تاخذہ سنۃ و لا نوم" "السنۃ" نعاس کو کہتے ہیں جو نیند سے پہلے آتی ہو اور اس کو ہلکی نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وسنان بھی اسی سے ہے وہ حالت جو نیند اور بیداری کے درمیان میں ہو اور کہا جاتا ہے "وسن یسن وسنا وسنۃ" باب سمع سے۔ "والنوم" اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان کا جسم بھاری پڑ جائے اور اعضاء کی قوت ڈھیلی ہو جائے۔ مفضل الضبی کہتے ہیں کہ "السنۃ" کا تعلق سر سے ہے اور نوم کا تعلق دل سے ہے۔ پس "سنۃ نوم" کا اول درجہ ہے جسے اونگھ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ "سنۃ" کا تعلق سر سے ہے اور نعاس (اونگھ) کا تعلق آنکھ

سے ہے اور نیند کا تعلق قلب سے ہے وہ بیہوشی جو دل پر واقع ہوتی ہے اور وہ اشیاء کی معرفت کو جاننے میں رُکاوٹ بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے آپ سے اس "نوم" کی بھی نفی فرمادی کیونکہ نیند کا آنا آفت ہے اور اللہ رب العزت آفات سے پاک ہے اور نیند کا آنا تغیر ہے اور اللہ تعالیٰ ان تغیرات سے بھی پاک ہے۔ ہمیں احمد بن ابراہیم شریکی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) کہ ہمیں ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں عبداللہ بن حامد نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس کھڑے ہو کر پانچ باتیں ارشاد فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اس کے مناسب ہے وہ میزان کو نیچے بھی کرتا ہے اور اوپر بھی اُٹھاتا ہے اس کے سامنے رات کے اعمال پہنچائے جاتے ہیں دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں رات کے اعمال کے پیش کیے جانے سے، اس کا حجاب نور ہے اگر وہ نور ظاہر ہو جائے تو اس کے نور کے جمال سے حد نگاہ تک تمام مخلوق جل کر خاکستر ہو جائے۔

مسعودی نے عمرو بن مرۃ سے روایت کیا، فرمایا کہ اس کا حجاب آگ ہے۔ (له ما في السموت والارض) یعنی اس کی ملکیت ہے اور جو کچھ اس میں پیدا کیا۔ (من ذا الذي يشفع عنده الا باذن) یعنی اس کے حکم سے۔

مابین ایدیهم وما خلفهم کی مختلف تفاسیر

(يعلم مابين ايديهم وما خلفهم) امام مجاہد، عطاء، سدی نے کہا ہے کہ "مابين ايديهم" سے مراد دُنیاوی اُمور ہیں اور "وما خلفهم" سے مراد اخروی امور ہیں۔

کلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ "مابين ايديهم" سے مراد آخرت ہے کیونکہ یہ انہوں نے آگے بھیجی ہے اور "وما خلفهم" سے مراد دُنیا ہے کیونکہ یہ انہوں نے پیچھے چھوڑی ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں "مابين ايديهم" سے مراد جو ان کے سامنے سے گزر گیا اور "وما خلفهم" سے مراد جو بعد میں آنے والا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ "مابين ايديهم" سے مراد فرشتوں کی تخلیق سے پہلے اور "وما خلفهم" سے مراد فرشتوں کی تخلیق کے بعد جو کچھ پیدا کیا گیا وہ ہے۔

بعض نے کہا کہ "مابين ايديهم" سے مراد وہ اعمال جو آگے بھیج چکے ہیں خواہ وہ نیک اعمال ہوں یا شر اور "وما خلفهم" سے مراد وہ اعمال جو ابھی کر رہے ہو۔ (ولا يحيطون بشيء من علمه) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے (الا بما شاء) کہ وہ اس علم پر مطلع ہو جائے۔

"لا يحيطون بشيء" سے مراد علم غیب کی باتوں پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا مگر جسے اللہ چاہے رسولوں میں سے کسی کو اس کی خبر دے دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول"

(وسع كرسيه السموت والارض) زمین و آسمان کو محیط ہے اور بھرا ہوا ہے۔

کرسی کی مختلف تفاسیر

کرسی کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف رائے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے سامنے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "**وسع کرسیہ السموٰت والارض**" کا مطلب یہ ہے کہ کرسی کی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آسمان و زمین کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے جنگل میں ایک چھلا پڑا ہوا اور کرسی سے عرش اتنا بڑا ہے جیسے چھلے سے جنگل کی بڑائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کرسی کے اندر ساتوں آسمان و زمینیں ایسی ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کرسی کے ہر پایہ کی لمبائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اور کرسی عرش کے سامنے ہے اور کرسی کو چار فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور ہر فرشتے کے چار منہ ہیں اور ان فرشتوں کے قدم ساتوں زمینوں کے نیچے پتھر پر ہیں اور یہ مسافت پانچ سو برس کے راستے کے برابر ہے۔ ایک فرشتے کی صورت سید البشر حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے جو آدمیوں کے لیے رزق اور بارش کی دُعا کرتا رہتا ہے۔ ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک اور ایک فرشتے کی صورت سید الانعام بیل کی طرح ہے جو چوپایوں کے لیے سال بھر رزق مانگتا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر خراشیں پڑ چکی ہیں۔ جب سے گوسالہ کی پوجا کی گئی تھی اور ایک فرشتے کی صورت سید السباع (چوپایوں کے سردار) شیر کی طرح ہے جو سال بھر درندوں کے رزق کے لیے سوال کرتا رہتا ہے اور ایک فرشتے کی صورت پرندوں کے سردار یعنی گدھ کی طرح ہے جو پرندوں کے لیے ایک سال سے دوسرے سال تک رزق مانگتا رہتا ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ عرش کو اُٹھانے والے فرشتے اور کرسی کے اُٹھانے والے فرشتوں کے درمیان ستر حجابات اندھیرے کے اور ستر حجاب روشنی کے اور ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کے برابر ہے۔ اگر یہ حجابات نہ ہوں تو کرسی کے اُٹھانے والے فرشتے عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کے نور سے جل جائیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم ہے۔ اور یہی قول مجاہد کا ہے اور بعض نے کہا کہ صحیفہ علمی کو کراسۃ کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ "**کرسیہ**" سے مراد حکومت اور بادشاہت ہے اور عرب کے ہاں پرانی حکومت (موروثی) کو کرسی کہتے ہیں۔ (**ولا یؤدہ**) یعنی نہ اس پر بھاری ہے اور نہ ہی اس پر مشکل ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے "اٰدنی الشئی ای اثقلنی" (**حفظھما**) یعنی آسمان و زمین کی حفاظت میں (**وھو العلی**) وہ بلند ہے اپنی مخلوق پر اور تمام اشیاء سے اور جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے سب سے بلند ہے اور بعض نے کہا کہ العلی کہا جاتا ہے حکومت اور سلطنت میں بلند ہونے کو (**العظیم**) بمعنی بڑا یعنی وہ ذات جس سے کوئی بڑا نہ ہو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ، بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ، وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: دین میں زبردستی (کا فی نفسہ کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کر لے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح شکستگی نہیں (ہو سکتی) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں

شانِ نزول

تفسیر: ﴿۲۵۶﴾ لا اکراہ فی الدین سعید بن جبیر نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انصار میں ایک عورت تھی جو مقلاۃ تھی۔ مقلاۃ وہ عورت ہوتی ہے جس کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں اور وہ عورت یہ نذر مانتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بناؤں گی جب اس کا بچہ زندہ رہتا تو وہ اس کو یہودی بنا لیتی۔ پس جب اسلام آیا تو انصار کے وہ بچے بھی موجود تھے جو یہودی بن چکے تھے لیکن جب بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو ان کے اندر کچھ انصار کے بچے بھی تھے تو انصار نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو واپس اسلام کی طرف لائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بیٹے اور ہمارے بھائی ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کو اختیار دو اگر وہ تمہیں اختیار کریں تو وہ تم میں سے ہوں گے اور اگر وہ ان یہودیوں کو اختیار کریں تو تم ان کے ساتھ ان کو بھی جلاوطن کرو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ یہودی قبائل سے اپنے بچوں کو دودھ پلوایا کرتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے بنو نضیر کے جلاوطن کرنے کا حکم دیا تو جن لڑکوں نے ان یہودنیوں کا دودھ پیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم ان کے ساتھ ساتھ جائیں گے یا ان کا دین اختیار کریں گے تو ان کے بڑوں نے ان کو روکا تو یہ آیت "لا اکراہ فی الدین" نازل ہوئی۔

مسروق فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی سالم بن عوف کے انصار میں سے ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے۔ پھر نصاریٰ کی ایک جماعت غلہ کی تجارت کی غرض سے مدینہ گئی اس میں اس شخص کے دو بیٹے بھی تھے ان دونوں کو ان کے والد نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ میں تم دونوں کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم دونوں اسلام نہ لے آتے بالآخر یہ معاملہ آپ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور اس شخص نے عرض کیا، اے اللہ! کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میرے بعض بیٹوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور میں دیکھ رہا ہوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" تو پھر اس شخص نے ان دونوں بیٹوں کے راستے کو چھوڑ دیا۔

حضرت قتادہ اور حضرت عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے جزیہ قبول کیا۔ اس سے قبل عرب امی تھے ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی جب کتاب نازل ہوئی تو ان سے اسلام ہی پیش کیا جاتا

(نہ کہ جزیہ) پھر جب یہ خوشی سے یا تنگی سے اسلام لے آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" پھر اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ قبول کرلیں۔ پس ان میں بعض نے جزیہ ادا کیا تو ان کو اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم (ابتداء میں تھا) قتال کے حکم سے پہلے تھا۔ لہٰذا یہ حکم آیت سیف کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔ اور یہی قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے (قد تبین الرشد من الغی) یعنی ایمان کفر سے حق باطل سے ظاہر ہو چکا۔ (فمن یکفر بالطاغوت) طاغوت سے مراد شیطان ہے اور کہا گیا کہ اللہ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جائے اسے طاغوت کہتے ہیں اور کہا گیا کہ جو انسان کو سرکشی پر ابھارے، طاغوت فاعول کے وزن پر ہے یہ طغیان سے ہے، لام کو تاء سے بدل دیا جیسا کہ حانوت اور تابوت ہے یہ تاء معاً تانیث سے بدل کر آئی ہے۔

(ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی) یعنی پکڑا اور دین میں مضبوط رسی کو تھاما۔ "وثقی" یہ تانیث ہے اوثق کی اور بعض نے کہا کہ عروہ وثقی سے مراد وہ سبب جو اللہ کی رضا تک پہنچانے والا ہو۔ (لاانفصام لھا) وہ رسی جو ٹوٹ نہ سکے (واللہ سمیع) جو تم ان لوگوں کو دعوت اسلام دیتے ہو ان کو سننے والا ہے (علیم) کہ ان کی ایمان لانے کی کتنی حرص ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ م اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ط قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اے مخاطب) تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے (وجود کے) بارہ میں اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال دے۔ اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر (اور کچھ جواب نہ بن آیا) اور اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) ایسے بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے

تفسیر ⑯ (اللہ ولی الذین امنوا) اللہ ان کی مدد کرتا ہے اور نصرت کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ان سے محبت کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ انہی کو امور کا متولی بنایا ہے ان کے علاوہ کسی اور کو ان امور کا مکلف نہیں بنایا اور حسن فرماتے ہیں کہ ان کو ہدایت کا ولی بنایا ہے۔ (یخرجھم من الظلمات الی النور نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف) کفر سے ایمان کی طرف۔ علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی ظلمات اور نور کا لفظ آیا ہے اس سے کفر اور ایمان مراد ہے۔ سوائے سورۃ انعام کی آیت "وجعل الظلمات والنور" میں دن اور رات مراد ہے۔ آیت میں ظلمت کو کفر سے کیوں موسوم کیا اس لیے کہ ظلمت سے راستہ ملتبس ہو جاتا ہے اور اسلام کو نور سے تعبیر کیا کیونکہ یہ واضح کرنے والا ہے راستہ کو۔ (والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت) (اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ان کے دوست شیطان ہیں) مقاتل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب اور گمراہ کرنے والے بڑے بڑے سردار ہیں اور یہ لوگ

(یخرجونھم من النور الی الظلمات) (نکالتے ہیں ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف) ان کو دعوت دیتے ہیں ہدایت سے گمراہی کی طرف۔ طاغوت یہ مذکر اور مؤنث واحد، جمع بھی استعمال ہوتا ہے۔ واحد اور مذکر قرآن میں اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔ "یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ" اس میں طاغوت کے لیے واحد مذکر کی ضمیر لائی گئی۔ دوسری آیت جہاں مؤنث استعمال ہوا۔ "والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا" اس میں ضمیر مؤنث کی لائی گئی ہے۔ جمع کی مثال۔ "ویخرجونھم من النور الی الظلمات" سوال کیا جاتا ہے کہ کیسے ان کو نور سے اندھیروں کی طرف نکال دیا جاتا ہے حالانکہ وہ تو کافر ہیں ان کے لیے تو کبھی نور ہدایت ہے ہی نہیں۔ جواب دیا کہ اس سے مراد یہود ہیں کہ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آپ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے لیکن جب آپ علیہ السلام تشریف لے آئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ بعض نے کہا کہ عموم مراد ہے اس میں تمام کفار شامل ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ "اخراج" کا معنی جیسا کہ کوئی شخص اپنے والد سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں ملکیت سے نکال دیا گیا حالانکہ وہ اس ملکیت میں شامل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر دی "انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللّٰہ" حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی ملت میں تو شامل نہیں تھے۔ (اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون) (یہی لوگ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔)

⑱ (الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ) (کیا تم کو اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے متعلق جھگڑا کیا) اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ علیہ السلام کے پاس وہ خبر پہنچی ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا گیا تھا یعنی بحث کی اور جھگڑا کیا اور وہ نمرود بادشاہ تھا یہ پہلا شخص تھا جس کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھا گیا اور پھر اس نے خدائی دعویٰ کیا (ان اتاہ اللہ الملک) (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت عطا کی تھی) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت دی تھی اور اس نے اس پر سرکشی کی تھی۔ اس وجہ سے نمرود نے بادشاہی کا سوال کیا یعنی

اس جھگڑے میں تو ایسا بادشاہ لے آ جو میری بادشاہت اور سرکشی کو ختم کرے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں چار بادشاہ گزرے ہیں دو مومن بادشاہ اور دو کافر۔ پس مومن بادشاہ سلیمان اور ذوالقرنین علیہما السلام اور کافر بادشاہ نمرود اور بخت نصر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

مناظرہ کے وقت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا اور نمرود نے ان کو جیل میں ڈالا۔ تو ان کو نکالا تاکہ آگ میں ڈالے تو اس نے پوچھا تمہارا رب کون ہے جس کو تم پکارتے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مناظرہ آگ میں ڈالنے کے بعد ہوا کہ جب نمرود کے دور میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے۔

اور لوگ اس کے پاس غلہ لینے کے لیے آیا کرتے تھے۔ پس جب کوئی شخص اس کے پاس غلہ لینے آتا تو وہ اس سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے اگر وہ سائل کہتا کہ تو میرا رب ہے تو اس کو کھانا (غلہ) بیچ دیتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس آئے تو نمرود نے ان سے پوچھا "من ربک" تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود غصہ سے مشتعل ہوگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ نہیں دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرے اور ریت سے اپنے تھیلے کو بھر لیا تاکہ اس کے ذریعے گھر والوں کو بہلا سکوں۔ ان کے دلوں کو سکون اطمینان دے سکوں۔ جب ابراہیم علیہ السلام گھر پہنچے اور گھر میں وہ ریت والا تھیلا رکھ کر سو گئے۔ ادھر اُن کے گھر والے اُٹھے اور سامان کھولا دیکھتے ہیں کھانے کے لیے بہت اچھا غلہ موجود ہے۔ انہوں نے اس سے کھانا تیار کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کھانا لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھانا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ فرمایا کہ وہی تو ہے جو آپ ابھی لائے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا پھر اللہ کی تعریف کی۔

اذ قال ابراهيم ربي الذين يحيي ويميت (جب کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) یہ سوال مقدر کا جواب ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا "من ربک" ابراہیم علیہ السلام نے جواب "ربي الذي يحيي ويميت" دیا حضرت حمزہ کی قرأت میں یاء ساکن کے ساتھ ہے خواہ وصل ہو یا فصل ہو اور اسی طرح دوسری آیات کی قرأت بھی اسی طرح ہے۔ "**حرّم ربي الفواحش. وعن اياتي الذين يتكبرون وقل لعبادي الذين واتاني الكتاب ومسني الضر وعبادي الصالحون وعبادي الشكور و مسني الشيطان وان ارادني الله وان اهلكني الله**" امام کسائی نے حضرت حمزہ کی اس آیت میں موافقت کی "**لعبادي الذين آمنوا**" اور ابن عامر نے "**اياتي الذين**" میں بھی ساکن پڑھتے ہیں (قال) اس سے نمرود مراد ہے (**انا احي وامیت** کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں) اہل مدینہ "انا" کے الف کو مد کے ساتھ پڑھتے ہیں جب وصل کی حالت میں ہمزہ متحرک ہو اور باقی قراء اس

الف کو حذف مانتے ہیں لیکن وقف کی حالت میں تمام قاری الف کو ثابت رکھتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا، ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ رکھا۔ گویا اس نے قتل کو موت کے قائم مقام سمجھا اور ترک القتل کو زندگی قرار دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اس دلیل سے اس کو سمجھ نہیں آتی تو ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل کی طرف رجوع کر لیا تاکہ مدمقابل کو عاجز کر سکیں اگر اس کی حجت لازم ہوتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک احیاء سے مراد مردے کو زندہ کرنا ہے اگر وہ اس کو سمجھ لیتا تو وہ ابراہیم علیہ السلام سے سوال کر سکتا تھا کہ آپ اس مردے کو زندہ کر دو جس کو میں نے مارا ہے اگر آپ اپنے قول میں سچے ہو اس لیے ابراہیم علیہ السلام ایسی دلیل لائے جو پہلی سے بھی واضح تھی۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

ترجمہ: یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ اس کا ایک بستی پر ایسی حالت میں گزر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی (کے مردوں) کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر اٹھایا (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے۔ تو اپنے کھانے (کی چیز) اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی۔ اور (دوسرے) اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تاکہ ہم تم کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنادیں۔ اور (اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دے دیتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر ۲۵۹ (او کالذی مر علی قریة یا اس شخص کی مانند جو گزرا ایک بستی پر سے) اس آیت کا تعلق پہلی آیت کے ساتھ ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه" کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو ایک بستی پر سے گزرے۔ بعض نے کہا کہ اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی "هل رأیت کالذی حاج ابراهیم فی ربه" کہ کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا اس کے رب کے بارے میں۔

مر علی قریۃ کی تفسیر میں مختلف اقوال

یا کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو گزرا ایک بستی پر گزرنے والا شخص کون تھا؟ اس کے متعلق حضرت قتادہ، عکرمہ اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ عزیر بن شرخیا تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ ارمیاء بن حلقیا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا کہ ارمیاء ہی خضر تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہے اس کی بعثت میں شک ہے۔

اس قریہ کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ وہب، عکرمہ، قتادہ فرماتے ہیں کہ قریۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔

اور ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ ارض مقدسہ ہے۔ اور کلبی فرماتے ہیں کہ یہ دیر سابر آباد ہے۔

امام سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلم آباد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد دیر ہرقل ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جہاں کے بستی والوں کو ہلاک کیا گیا تھا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

اور بعض نے کہا کہ یہ ایسی بستی تھی جو انگوروں سے بھرپور تھی اور بیت المقدس کے دو فرسخ کے قریب تھی (وھی خاویۃ اور وہ گر پڑی تھی) یعنی وہ گر گئی تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے خوی البیت واؤ کے کسرہ کے ساتھ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز گر جائے۔

(علی عروشھا) عروش سے مراد چھتیں ہیں اور اس کا واحد عرش ہے اور کہا گیا ہے کہ ہر بناء پر عرش ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اس کی چھتیں گر پڑیں پھر ان پر دیواریں گر پڑیں۔ (قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا کہنے لگے کیسے زندہ کرے گا اللہ اس بستی کو مرے پیچھے) اس کا سبب محمد بن اسحاق نے جو وہب بن منبہ سے روایت کی ہے، واقعہ اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کی تباہی کا منظر

اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کو ناشیہ بن اموص کی طرف مدد کے لیے بھیجا جو بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ ناشیہ نیک صالح آدمی تھا ارمیاء ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر جاتے تھے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں بہت آگے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کو جا کر میری نعمتوں کو یاد دلاؤ اور ان کے گناہوں سے ان کو آگاہ کرو اور ان کو میری طرف دعوت دو۔ حضرت ارمیاء نے کہا کہ میں کمزور ہوں، اگر آپ میری اس میں مدد نہیں فرمائیں گے تو میں تو عاجز ہوں، اگر آپ مجھے وہاں نہیں پہنچائیں گے میں ناکام ہو جاؤں گا، اگر آپ نے میری مدد نہ کی اللہ عزوجل نے وحی کی کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ پھر حضرت ارمیاء بنی اسرائیل کی طرف گئے اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں جا کر ان کو کیا کہنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے عین خطبہ کے وقت ایسے فصیح و بلیغ الفاظ الہام فرمائے جن میں اعمال صالحہ پر ثواب اور گناہوں کی سزا کا ذکر تھا۔ اس خطبہ کے آخر میں حضرت ارمیاء کے دل میں یہ بات بھی القاء کر دی کہ اگر یہ پھر بھی اپنے گناہوں سے باز نہیں آتے ان کو یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میری عزت کی قسم تم پر ایسے فتنے کو مسلط کر دوں گا جس سے حکیم بھی متحیر ہو جائے گا اور تمہارے اوپر ایسے ظالم حکمرانوں کو

مسلط کروں گا جس کی ہیبت تمہارے دلوں میں ڈال دی جائے گی اور اس کے دل سے تمہارے لیے شفقت کو ختم کر دوں گا اور وہ تم پر اندھیری رات کی طرح ظلم ڈھائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کی طرف وحی بھیجی کہ میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے لگا ہوں اور اس میں یافث اہل بابل میں سے بھی ہیں اور یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ جب حضرت ارمیاء نے یہ خبر سنی تو انہوں نے چیخ ماری اور رونے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور اپنے سر پر ریت ڈالنا شروع کر دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی آہ وزاری اور رونا سنا تو آواز دی اے ارمیاء میں نے تمہاری طرف جو دی کی اس کی وجہ سے تم مشقت میں پڑ گئے۔ فرمایا جی ہاں میرے رب! بنی اسرائیل کو اس وقت تک ہلاک نہ کرنا جب تک اس کے بارے میں مجھے ان کی ہلاکت کا سبب معلوم نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت کی قسم کہ میں بنی اسرائیل کو اس وقت تک ہلاک نہیں کروں گا جب تک اس کے متعلق آپ کو بتلا نہ دوں۔ حضرت ارمیاء اس پر خوش ہو گئے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو حق دے کر بھیجا وہ بنی اسرائیل کی ہلاکت پر راضی نہیں۔ پھر فرشتہ آیا اس نے خبر دی، پھر انہوں نے فرمایا اگر اللہ رب العزت عذاب دیتا تو ہمارے بہت سارے گناہوں کے سبب ہوتا لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے ہمیں معاف کر دیا۔ پھر وحی کے بعد تین سال تک رہے لیکن اس دوران بنی اسرائیل میں نافرمانیاں بڑھتی گئیں۔ قریب تھا کہ سب بنی اسرائیل ہلاک ہو جاتے۔ بادشاہ نے توبہ واستغفار کا مشورہ دیا مگر لوگوں نے نہیں مانا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان پر مسلط کیا اور یہ سات ہزار افراد کی فوج لے کر بیت المقدس کی طرف مارچ کیا تو فرشتہ حضرت ارمیاء کے پاس آیا اور یہ خبر سنائی تو حضرت ارمیاء نے کہا کہ اللہ نے مجھے وحی کی تھی کہ وہ میری اجازت کے بغیر بنی اسرائیل کو تباہ نہیں کرے گا۔ اس پر ارمیاء نے مزید یہ کہا کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مجھے اس پر پختہ یقین ہے۔ پھر جب بنی اسرائیل کا وقت پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو انسانی شکل میں ارمیاء کے پاس بھیجا۔ ارمیاء نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا میں بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی ہوں میں اپنے گھر والوں کے متعلق مسئلہ پوچھنے آیا ہوں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی کرتا ہوں اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتا ہوں لیکن وہ ہمیشہ میری بے اکرامی اور ناراضگی پیدا کرنے کی حرکتیں کرتے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق بتلائے۔ حضرت ارمیاء نے کہا کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ان سے جدائی اختیار نہ کرو اور ان کو نیکی کی دعوت دو، پھر وہ فرشتہ کچھ دن ٹھہرا رہا، پھر وہ فرشتہ انسانی شکل میں ارمیاء کے پاس آیا اور پہلے کی طرح سوال کیا کہ میں اپنے گھر والوں کے متعلق آپ سے پوچھتا ہوں۔ ارمیاء نے کہا کہ آپ ان کو اخلاق کی تعلیم دو، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ان کو کرامت وعزت کا کوئی علم نہیں مگر پھر بھی میں ان کے ساتھ رحمت والا معاملہ کرتا ہوں۔ پھر بھی حضرت ارمیاء نے اس شخص سے کہا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ احسان والا معاملہ فرما اور اللہ سے ان کی اصلاح کے لیے دعا مانگ کہ وہ نیک صالح بن جائیں۔ وہ فرشتہ واپس چلا گیا اور چند دن دور کے رہے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر اور اس کی فوج کو بیت المقدس کے ارد گرد ٹڈیوں کی طرح پھیلا دیا۔ تنا

اسرائیل اس سے خوفزدہ ہوگئے اس وقت فرشتہ ارمیاء (بادشاہ) کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ کہاں گیا وہ بادشاہ کہنے لگے مجھے اپنے رب پر پختہ یقین ہے پھر وہ فرشتہ حضرت ارمیاء کے پاس آیا، اس وقت حضرت ارمیاء بیت المقدس کی دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہنس رہے تھے اور لوگوں کو خوشخبری دے رہے تھے کہ اللہ کی مدد شامل حال ہے جو اللہ نے وعدہ کیا تھا، وہ فرشتہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ارمیاء نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، فرشتہ نے کہا کہ میں وہی سائل ہوں جو پہلے دو مرتبہ آپ سے اپنے گھر والوں کے متعلق پوچھ چکا ہوں۔ ارمیاء نے کہا کہ وہ اس بات سے ابھی تک باز نہیں آئے جس پر وہ تھے۔ فرشتہ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ابھی تک تو جو دکھ انہوں نے مجھے پہنچایا، میں صبر کرتا رہا لیکن اب وہ خدا کی ناراضگی کے بڑے بڑے کام کرنے لگ گئے تو حضرت ارمیاء نے کہا کہ ان کو کون سا عمل کرتے ہوئے تم نے دیکھا؟ فرشتے نے کہا کہ وہ کام جو اللہ کی بڑی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں اس لیے مجھے ان کے لیے غصہ آیا اس لیے میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہلاکت کی دُعا کریں۔ ارمیاء نے کہا اے زمین و آسمان کے بادشاہ اگر وہ حق پر ہیں تو تو ان کو باقی رکھ اور اگر وہ ایسے عمل پر ہیں جو تیری ناراضگی کا سبب ہیں تو ان کو ہلاک فرما۔ جب ارمیاء کی زبان سے الفاظ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بیت المقدس کی طرف ایک بجلی گرائی جس سے قربان گاہ میں آگ بھڑک اٹھی اور سات دروازے زمین میں دھنس گئے جب یہ حالت حضرت ارمیاء نے دیکھی تو چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور ریت اپنے سر پر ڈالنے لگے اور عرض کرنے لگے اے آسمانوں اور زمینوں کے مالک کہاں ہے وہ کیا ہوا وعدہ جو میرے ساتھ کیا تھا، آواز آئی کہ ان پر جو عذاب آیا وہ تمہاری بددُعا کی وجہ سے آیا اس وقت ارمیاء کو یقین ہو گیا کہ سوال پوچھنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ تھا۔ حضرت ارمیاء اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے۔

اُدھر بخت نصر اپنی فوج کو لے کر بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور شام کو بھی اس نے روند ڈالا اور بنی اسرائیلیوں کو اس نے قتل کروادیا اور بیت المقدس کو فنا کر دیا۔ پھر بخت نصر نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی کمان مٹی سے بھر کر بیت المقدس پر ڈالے۔ ہر ایک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ بیت المقدس مٹی سے بھر گیا۔ پھر بخت نصر نے اعلان کیا کہ شہر میں جو بھی چیز ہے اس کو لا کر یہاں جمع کیا جائے، اس کے سامنے چھوٹے بڑے سب بنی اسرائیلیوں کو جمع کیا گیا، ان میں سے اس نے ستر ہزار بچوں کو چنا اور اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں چار بچے آئے اور ان بچوں میں دانیال حانیال کی اولاد بھی تھی اور باقی بنی اسرائیلیوں میں سے تین حصے کیے۔ ایک ثلث کو قتل کروادیا، ایک ثلث کو قید کر دیا اور ایک ثلث کو شام میں سکونت دی۔ یہ بنی اسرائیلیوں کے واقعات میں سے پہلا واقعہ ہے جو ان کے ظلم کی پاداش میں ان کو عذاب ملا۔ جب ان سے بخت نصر بابل چلا گیا اور اس کے ساتھ بنی اسرائیل کے قیدی بھی تھے تو ارمیاء اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے اور آپ کے ساتھ توشہ دان میں کچھ عرق انگور اور ایک ٹوکری انجیر کی تھی۔ جب بیت المقدس پہنچے تو اس کی تباہی کو دیکھ کر (قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فرمایا اس بستی کو مرے پیچھے کیسے زندہ کرے گا) اور کہنے والے نے کہا کہ بیت المقدس کے پاس سے گزرنے والے حضرت عزیر علیہ

السلام تھے۔ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا اور بنی اسرائیلوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔ اس میں حضرت عزیر، دانیال علیہم السلام اور سات ہزار حضرت داؤد علیہ السلام کے اہل بیت شامل تھے۔ پھر جب حضرت عزیر علیہ السلام کو بابل سے رہائی ملی تو یہ گدھے پر سوار ہو کر دیر ہرقل میں پہنچ گئے جو دجلہ سمندر کے کنارے پر ہے۔ جب یہ بستی تک پہنچے تو وہاں ایک درخت کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ اس درخت سے انہوں نے پھل کھایا اور انگور کو نچوڑا اور اس سے پیا اور اس درخت کے پھل کو اپنے تھیلے میں ڈالنے لگے اور عرق انگور سے اپنے مشکیزے کو بھرنے لگے۔ جب انہوں نے بستی کی ہلاکت کو دیکھا فرمایا "انی یحیی هذه الله بعد موتها" یہ فرمانا تعجب کی وجہ سے تھا نہ کہ شک کی وجہ سے۔ وہب کی حدیث کی مانند حدیث ذکر فرمائی کہ پھر انہوں نے مضبوط رسی کے ساتھ اپنے گدھے کو باندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور سو سال تک ان کی روح کو کھینچ لیا اور ان کے گھوڑے یا گدھے کو موت دے دی اور انگور کا عرق اور پھل (انجیر) ان کے پاس جوں کے توں موجود تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کیا تھا وہ وقت چاشت کا تھا اور اسی پھل کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا تا کہ کسی دیکھنے والے کو نظر نہ آئے اور درندوں اور پرندوں کو ان کا گوشت کھانے سے روک دیا تھا۔

جب ستر سال گزر گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نوشک شاہ فارس کے پاس بھیجا۔ فرشتے نے جا کر اس سے کہا اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ بیت المقدس اور الیاء کی از سر نو تعمیر کرتا کہ یہ پہلے سے زیادہ آباد ہو جائیں تو بادشاہ نے ایک ہزار قہرمان متعین کیے اور ہر ایک قہرمان کے ساتھ تین تین سو ہزار عامل مقرر کیے اور وہ شہر کو تعمیر کرنے لگے۔ اُدھر بخت نصر کو ہلاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس کے دماغ میں ڈال دیا۔ اس طرح بنی اسرائیلوں کو اس سے نجات دلوائی۔ بابل میں کوئی بنی اسرائیل فوت نہیں ہوا وہ سب کے سب واپس آ کر بیت المقدس میں رہنے لگے۔ اس شہر کو تیس سال میں تعمیر کر دیا۔ پھر بنی اسرائیلوں کی کثرت ہوگئی جس طرح وہ پہلے تھے جب سو سال پورے ہو گئے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی پہلے آنکھیں پیدا فرمائیں جبکہ پورا جسم میت تھا پھر ان کے جسم کو زندہ کیا اور وہ اپنے جسم کو دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے اپنے گدھے کی طرف دیکھا، اس کی ہڈیاں متفرق تھیں۔ آسمان سے آواز آئی اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں جمع ہونے کا حکم دیتا ہے پس وہ ہڈیاں بعض کے ساتھ بعض مل گئیں پھر آواز دی کہ اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم اپنے اوپر گوشت اور جلد بھی پہن لو، پھر وہ اسی طرح ہو گئیں پھر آواز دی اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ اور کھڑے ہو جاؤ۔ گدھا اللہ کے حکم سے کھڑا ہوا اور آواز نکالنے لگا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کے لیے شہر کو دوبارہ تعمیر کروا دیا جس طرح ان کے جانے کے وقت شہر موجود تھا۔

(فاماته الله مائة عام ثم بعثه پس اللہ نے اس کو مار ڈالا اور وہ سو سال تک مردہ رہا پھر اس کو اٹھا دیا) یعنی اس کو سو سال کے بعد زندہ کیا (قال کم لبثت فرمایا آپ کا یہ ٹھہرنا کتنا عرصہ رہا) کتنا عرصہ ٹھہرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب اللہ نے ان کو سو سال بعد زندہ کیا تو ان کی طرف اللہ نے فرشتہ بھیجا جو ان سے یہ سوال پوچھے کہ کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے رہے (قال لبثت یوما) حضرت ارمیاء نے کہا کہ میں ایک دن یہاں ٹھہرا رہا) یہ بات انہوں نے اس لیے فرمائی کہ جب ان کو نیند آئی وہ وقت

چاشت کا تھا اور جب انہیں زندہ کیا گیا تو غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ آپ کتنا عرصہ ٹھہرے تو انہوں نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ وہ غروب ہو رہا ہے تو یہ جواب دیا (او بعض یوم) دن کا کچھ حصہ (قال فرمایا) فرشتے نے کہا (بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک) نہیں بلکہ آپ یہاں سو برس رہے پس دیکھو اپنے کھانے کو) کھانے سے مراد انجیر ہے اور (وشرابک) پینے کو یعنی انگور کے عرق کو (لم یتسنہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں بگڑی) کھانے کی اشیاء خراب نہیں ہوئیں۔ انجیر اس طرح تھے گویا کہ ابھی درخت سے اُتارے ہوں اور انگور کا عرق ایسے تھا جیسے کہ ابھی نچوڑا گیا ہو۔ امام کسائی فرماتے ہیں کہ گویا ان پر برس کی مدت نہیں گزری اور اسی طرح حمزہ، کسائی اور یعقوب نے پڑھا ہے۔

"لم یتسن" وصل کی صورت میں ھا کو حذف کرنے کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "فبھداھم اقتدہ" میں بھی اور دوسرے قراء کے نزدیک ھاء کو پڑھا ہے وصلاً اور وقفاً دونوں صورتوں میں۔ جب ھاء حالت وصل میں ساقط کر دی تو ھاء سکتہ کو حالت وقف میں بڑھا دی تو "لم یعسنی" یاء کو حروف جازمہ کی وجہ سے حذف کر دیا۔ اس کی جگہ ھاء وقف بڑھا دی۔ ابو عمرو فرماتے ہیں کہ "لم یتسنہ" اصل میں "یتسنن" تھا دو نون کے ساتھ من حماء مسنون اس کا مطلب ہے کہ وہ متغیر نہیں ہوا تو ہم نے ایک نون کو ی سے بدل دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم ذھب الی اھلہ یتمطی" ہے۔ "یتمطی" اصل میں "یتمطط" تھا اور اسی طرح "وقد خاب من دساھا" دساھا اصل میں "دسسھا" تھا تو ہم نے دونوں صورتوں میں ھاء کو ثابت رکھا اور اس کو لام کلمے کے مقابلے میں رکھا یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جن کے ہاں "یتسنہ" کی اصل "السنۃ السنھۃ" اور اس کی تصغیر "سنیھۃ" اور اس کا فعل "المسانھۃ" آتا ہے۔ "لم یتسنہ" تثنیہ کا لفظ ذکر نہیں کیا حالانکہ ماقبل میں طعام وشراب دو چیزیں تھیں دونوں چیزوں کے تبدیل ہونے کے لیے چونکہ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اس لفظ میں دونوں شریک ہیں یا چونکہ دونوں کا تعلق غذائیت کے ساتھ ہے اس لیے واحد کی ضمیر لائے یا ایک کے ذکر کو دوسرے پر قیاس کیا گیا۔

(وانظر الی حمارک اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو) جب انہوں نے گدھے کی طرف دیکھا وہ اس کی چمکتی ہوئی ہڈیاں تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ہڈیوں کو ان کے سامنے جوڑا، پھر اس پر گوشت اور جلد ڈالی پھر اس کو زندہ کر دیا۔ اس حال میں کہ حضرت ارمیاء اس کو دیکھ رہے تھے (اور ولنجعلک آیۃ للناس بنائیں گے تجھے نشانی آنے والے لوگوں کے لیے) بعض حضرات کے نزدیک آیت کے شروع میں واؤ زائدہ ہے۔ فراء فرماتے ہیں واؤ کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد فعل محذوف ہے عبارت اس طرح ہوگی۔ "ولنجعلک آیۃ عبرۃ ودلالۃ علی البعث بعد الموت" یعنی ہم نے ایسے اس لیے کیا تاکہ بعث بعد الموت کو لوگوں کو دکھانے کے لیے دلیل بنائیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور ضحاک وغیرہ نے کہا کہ جب حضرت ارمیاء کو اس بستی کی طرف لوٹایا تو اس وقت یہ جوان تھے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے سر کے بال اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ (وانظر الی العظام کیف ننشزھا) دیکھو ہڈیوں کی طرف کس طرح ہم انہیں جوڑتے ہیں) اہل حجاز کے نزدیک اور اہل بصرہ کے نزدیک "ننشز" زاء کے ساتھ ہے اور ان کے علاوہ قراء

حضرات راء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کا معنی ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میت کو زندہ کیا، انشار زندہ کرنا اور نشر و نشوزاً زندہ ہونا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم اذا شاء انشرہ" اور لازم (والیہ النشور) استعمال ہوتا ہے اور دوسرے حضرات اس کو زاء کے ساتھ پڑھتے ہیں تو معنی ہوگا۔ کہ ہم کیسے ان بوسیدہ ہڈیوں کو زمین سے اٹھاتے ہیں اور بعض کو بعض کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ "انشاء الشیئ" کہتے ہیں کسی چیز کو بلند کرنا اور اوپر اُٹھانا۔ اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے گدھے کی ہڈیاں مراد ہیں۔ امام سدی کے نزدیک اس سے حضرت عزیر علیہ السلام کی ہڈیاں مراد ہیں کہ جب ان کو زندہ کیا تو ہم نے کہا کہ دیکھیے اپنے گدھے کی طرف وہ ہلاک اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جو اس گدھے کی ہڈیاں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں، کوئی پہاڑ میں اور بعض ہڈیوں کو پرندے اور چوپائے لے گئے تھے ان سب کو جمع کیا، اس حال میں کہ حضرت عزیر علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ وہ گدھا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا اور اس پر نہ گوشت تھا اور نہ ہی خون (ثم نکسوھا لحما پھر ہم ان ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں) پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا تو وہ گدھا بن گیا جو بغیر روح کے تھا پھر ایک فرشتہ چلتا ہوا آیا، اس نے گدھے کے ناک میں پھونک ماری تو گدھا کھڑا ہو گیا اور اللہ کے حکم سے بولنے لگا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام کی ہڈیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گدھے کو زندہ رکھا اور ان کو موت دی تھی۔ جب ان کو زندہ کرنا چاہا تو سب سے پہلے ان کی آنکھیں زندہ کیں، پھر ان کے سر کو زندہ کیا جبکہ بقیہ جسم سارا مردہ تھا۔ پھر فرمایا کہ دیکھ اپنے گدھے کو یہ اسی طرح کھڑا ہے جس طرح تو نے اس کو باندھا تھا۔ سو سال تک اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، ویسے کھڑا ہے اور اس کی رسی کی طرف دیکھا وہ بھی خراب نہیں ہوئی تھی جب سے اس کو باندھا گیا تھا اب تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ تو دیکھ اپنے گدھے کی طرف اور دیکھ اپنی ہڈیوں کی طرف کہ ہم کیسے ان کو پیدا کرتے ہیں۔

یہ قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ہے جو انہوں نے کعب وضحاک رحمہما اللہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا تھا۔ امام سدی اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت نقل کی ہے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد زندہ کیا تو یہ گدھے پر سوار ہو کر اپنی بستی یا شہر میں پہنچے، یہ نہ لوگوں کو پہچان سکے اور نہ ہی اپنے مکانوں کو اور نہ لوگ ان کو پہچان سکے۔ اندازے سے یہ ایک گھر میں پہنچے تو وہاں ایک بڑھیا جو اپاہج اور اندھی تھی اس کے اوپر ایک سو بیس سال گزر گئے۔ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو جانتی تھی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس سے کہا اے فلاں! کیا یہ عزیر کا گھر ہے وہ کہنے لگی جی ہاں یہ گھر حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے اور وہ یہ کہہ کر رونے لگی اور کہنے لگی کہ اتنا اتنا عرصہ ہو گیا کسی کے منہ سے میں نے عزیر علیہ السلام کا تذکرہ نہیں سنا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بولے کہ میں عزیر ہوں، کہنے لگی سبحان اللہ! ہم نے عزیر علیہ السلام کو ایک سو سال تک گم پایا، اس کا ذکر کہیں سے نہیں سنا، کہنے لگے میں عزیر علیہ السلام ہوں، اللہ نے مجھے ایک سو سال تک موت دے دی تھی پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا، وہ بڑھیا کہنے لگی عزیر علیہ السلام تو مستجاب الدعوات شخص تھے وہ مریض یا مصیبت زدہ کے لیے دُعا کرتے تھے تو شفا مل جاتی تھی تو آپ میرے لیے اللہ سے دُعا کریں کہ وہ میری آنکھیں لوٹا دے تا کہ میں آپ کو دیکھ سکوں،

اگر تو عزیر علیہ السلام ہے تو تجھے پہچان لوں گی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دُعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو وہ بالکل تندرست ہو کر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "اشهد انک عزیر" میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر علیہ السلام ہیں پھر یہ بنی اسرائیل کی طرف چلے۔ یہ ان کی مجلسوں میں پہنچے، اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کا بیٹا ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا ہو چکا تھا اور اس مجلس میں آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت اس بڑھیا نے اس مجلس میں آواز لگائی کہ یہ عزیر علیہ السلام ہیں جو تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا، اس نے کہا کہ میں فلاں وقت ان کی باندی تھی، انہوں نے میرے لیے رب سے دُعا کی کہ میری آنکھیں تندرست ہوگئیں اور میری ٹانگیں ٹھیک ہوگئیں اور میرا گمان ہے کہ اللہ نے ان کو سو سال موت دی پھر دوبارہ زندہ کیا۔ یہ سن کر لوگ اُٹھے ان کے بیٹے نے کہا کہ میرے والد کے کندھے کے درمیان ہلال شکل کا ایک کالا مسہ تھا۔ اس نے کندھے کو کھول کر دیکھا تو وہ نشانی پائی گئی وہ سمجھ گئے کہ یہ عزیر علیہ السلام ہی ہیں۔

سدی اور کلبی کا بیان ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے تو اس وقت بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا کیونکہ اب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد نہیں تھا۔ اس وجہ سے یہ رو دیئے، ایک فرشتے نے برتن میں پانی لا کر آپ کو پلایا، پانی پیتے ہی پوری تورات آپ کے سینے میں آ گئی۔ آپ بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے تو پوری تورات زبانی یاد تھی۔ آپ علیہ السلام نے قوم سے آ کر فرمایا کہ مجھے اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں عزیر ہوں، قوم نے تصدیق نہیں کی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عزیر ہوں مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے تاکہ میں تمہارے لیے تورات کو دوبارہ لکھواؤں، وہ کہنے لگے ہمارے لیے تورات لکھواؤ تو انہوں نے پوری تورات لکھوادی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے پوری تورات ڈالی وہ بلا شبہ خدا کا بیٹا ہے اور وہ عزیر ابن اللہ کہنے لگے اس کا مزید قصہ سورۃ برأت میں آئے گا ان شاء اللہ

(فلما تبین له پھر جب یہ کیفیت واضح ہوگئی) جب یہ بات ان پر کھل گئی (قال اعلم تو اس نے کہا مجھے یقین ہے) حمزہ اور کسائی نے اس کو مجزوم پڑھا امر کی وجہ سے اور دوسرے حضرات نے اِعلم امر کا صیغہ ہے اور بعض نے ہمزہ کو حذف اور میم کو مرفوع پڑھا ہے خبر ہونے کی وجہ سے مطلب یہ ہوگا کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے یہ سارا ماجرہ دیکھا تو فرمایا "اعلم" (ان الله علی کل شیء قدیر بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں

کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ ارشاد فرمایا کیا تم یقین نہیں لائے انہوں نے عرض کیا یقین کیوں نہ لاتا ولیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو۔ پھر ان کو (پال کر) اپنے لئے ہلا لو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ (اور) پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمہارے پاس سب دوڑے چلے آویں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⊕ (واذ قال ...... تحی الموتی) اور یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ مُردوں کو تو زندہ کس طرح کرتا ہے) حضرت حسن، قتادہ، عطاء الخراسانی، ضحاک، ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوال پوچھنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مردار جانور کے پاس سے گزرے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گدھے کی لاش سمندر کے کنارے پڑی دیکھی۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ سمندر بحیرہ طبریہ کا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب سمندر کا پانی اوپر آتا تو دریائی جانور اس مُردار کو کھاتے اور جب پانی نیچے چلا جاتا تو خشکی کے جانور اس کو کھاتے اور جو حصہ ان دونوں جانوروں سے رہ جاتا وہ مٹی ہو جاتا اور کچھ درندے لے جاتے اور کچھ پرندے لے جاتے جو پرندوں سے چھوٹ جاتا وہ ہوا کی نذر ہو جاتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تو تعجب کیا اور کہنے لگے اے میرے رب مجھے معلوم ہے کہ تو قیامت کے دن اس مردے کو درندوں کے پیٹوں، پرندوں کے پوٹوں اور سمندری جانوروں کے پیٹوں سے جمع کرے گا، مجھے اس کی کیفیت دکھلا دیجئے تاکہ میرے یقین میں مزید اضافہ ہو۔ اس پر اللہ کی طرف سے عتاب نازل ہوا (قال اولم تؤمن قال بلی فرمایا کیا تجھے یقین نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام بولے کیوں نہیں) یعنی اے میرے رب مجھے معلوم ہے اور میں اس پر ایمان بھی لاتا ہوں (ولکن لیطمئن قلبی لیکن میرا یہ سوال دل کے اطمینان کے لیے ہے) تاکہ میں اس کے معائنے اور مشاہدے کے بعد دل کو سکون دے سکوں اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام علم الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین بھی چاہتے تھے کیونکہ کوئی خبر عین مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی۔

بعض حضرات نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کرنے کا سبب وہ جھگڑا (مناظرہ) تھا جو نمرود کے ساتھ کیا تھا کہ انہوں نے اس کو کہا تھا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا کہ میں بھی تو زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں تو اس نے دو آدمیوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرے کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اس مُردے کی طرف ارادہ فرمائے گا تو اس کو بھی زندہ کر دے گا اس پر نمرود نے کہا کہ تم نے خدا کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر یہ نہ کہہ سکے پھر یہ دوسری حجت کی طرف چلے۔ پھر اس وجہ سے انہوں نے رب سے سوال کیا مجھے دکھا دے کہ مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اولم تؤمن" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلی کیوں نہیں۔ "ولکن لیطمئن قلبی" یعنی اپنی دلیل کو مضبوطی کے لیے یہ سوال کیا تاکہ جب مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ مُردوں کو زندہ کرتے وقت تم نے دیکھا ہے تو میں کہہ سکوں ہاں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو ملک الموت نے رب سے سوال کیا کہ کیا میں یہ خوش خبری حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے سکتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو

اجازت دے دی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا تو ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر میں موجود نہیں تھے تو یہ فرشتہ گھر میں داخل ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں میں حیادار تھے، جب یہ گھر سے باہر جاتے تو دروازہ بند کردیتے تھے۔ پھر جب واپس آئے تو گھر میں ایک شخص کو دیکھا تو اس کے پیچھے بھاگے تاکہ اس کو پکڑلیں۔ اس کو کہا کہ تجھے کس نے اجازت دی کہ تو میرے گھر میں داخل ہوجا۔ اس نے کہا کہ میرے رب نے مجھے اس گھر میں آنے کی اجازت دی۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تو کون سا فرشتہ ہے؟ اس نے کہا کہ ملک الموت ہوں۔ میں آپ علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی حمد و تعریف کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کی علامت کیا ہے کہ آپ اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دُعا قبول کریں گے اور آپ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ مُردوں کو زندہ کریں گے۔ پھر اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "**رب ارنی کیف تحی الموتیٰ**" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی**" بے شک آپ نے مجھے اپنا خلیل نہیں بنایا اور مجھے مستجاب الدعوات نہیں بنایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں جب کہ انہوں نے اپنے رب سے کہا تھا "**اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتیٰ**"

"**قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی**" اور حضرت لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو وہ ایک مضبوط سہارے کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اگر میں اتنا طویل زمانہ جیل میں رہتا جتنا حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کے بلاوے کو قبول کرلیتا۔ یہی حدیث امام مسلم بن الحجاج نے حرملہ بن یحییٰ بن وہب سے اسی اسناد کے ساتھ نقل کی ہے اور یہ الفاظ ذکر کیے "**نحن احق بالشک من ابراھیم**" جب انہوں نے کہا تھا "**اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتیٰ**" محمد بن اسحاق بن خزیمہ حضرت ابی ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا تو آپ علیہ السلام کے لیے کوئی شک کی چیز تھی اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس میں کوئی شک تھا۔ شک صرف اس بات میں تھا کہ اللہ ہماری دُعا قبول فرمائے گا یا نہیں۔ ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ حدیث میں شک کا اعتراف ہے ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے شک کا اعتراف کیا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا بلکہ شک کی نفی موجود ہے پھر مطلب یہ ہوگا کہ مجھے شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ شک نہیں ہونا چاہیے۔ آپ علیہ السلام کا ایسا فرمانا تو اضع وانکسار ی کے طور پر اپنے کو چھوٹا اور ابراہیم کو بڑا قرار دیا اور اسی طرح اس آیت میں "**لو لبثت فی السجن طول مالبثت یوسف لاجبت الداعی**" کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعرض شک کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ کسی چیز کے معائنہ سے علم و یقین میں اضافہ چاہتے ہیں کیونکہ کسی چیز کا دل میں یقین استدلال سے نہیں آتا جتنا آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شک نہیں کیا لیکن آپ

علیہ السلام کا یہ قول بطور تواضع تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے اپنے آپ کو ذکر میں تقدیم یہ بھی بطور تواضع کے تھی۔ اور "اولم تؤمن" کا معنی بیان کیا ہے۔ تحقیق میں ایمان لایا پھر کس چیز کا سوال کرتے ہو تاکہ ایمان کا مشاہدہ کرسکوں۔ جیسا کہ جریر کا قول ہے:

السْتم خیرٌ من رکب المطایا   واندی العالمین بطون راح

مجھے معلوم ہے کہ اے اللہ آپ کی صفت احیاء کرنے والی ہے لیکن میں اپنے دل کو اطمینان سے یقین میں زیادتی کرتا ہوں (قال فخذ اربعۃ من الطیر فرمایا چار پرندے پکڑے) مجاہد، عطاء، ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے پکڑ لئے۔ مور، مرغ، کبوتر، کوا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں کبوتر کی جگہ گدھ آیا ہے۔ عطاء الخراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ سبز بطخ، کالا کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ لے لے (فصرھن الیک اور ان کو پارہ پارہ کرلے) ابوجعفر اور حمزہ نے "فصِرْھن" صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو کاٹ لے اور ٹکڑے ٹکڑے کرلے جیسا کہ کہا جاتا ہے "صار یصیر صیرًا" جب کہ کسی شئی کو کاٹا جائے۔ "انصار الشیٔ انصیارًا" بھی کہا جاتا ہے جب وہ منقطع ہو جائے جدا ہو جائے کاٹ دیا جائے۔ فراء فرماتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے "صَریت اصری صریًا" جب کاٹا جائے منقطع ہو جائے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کو بلا لے اور ان کو سامنے رکھ لے۔ جیسا کہ کہا جاتا "صُرت الشیٔ اصورہ" یہ مادہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے "ورجل اصور" جب کسی شخص کی گردن ایک طرف مائل ہو۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ریزہ ریزہ کرکے جمع کرلے پھر ان کو آپس میں ملالے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "صار یصور صورًا" جب کسی چیز کو جمع کیا جائے۔ اس سے بعض نے کہا کہ صور صاد کے ضمہ کے ساتھ معنی ہوگا شہد کی مکھیوں کی جماعت تو ان کے نزدیک ترجمہ املہ اور ضم کے ساتھ ہوگا۔ پھر اس میں اضمار ہے معنی ہوگا "فصرھن الیک" پھر اس کو قطع کیا، کاٹا یہاں حذف کی قبیل سے ہے عبارت یہ ہوگی "ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءًا" کہ ایک ایک جز کر کے ہر پہاڑ پر ڈال دو۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں "فصرھن" کا معنی ہے "قطعھن ایضًا" اور الصور کا مطلب کاٹنا (پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک جزء رکھ دے) عاصم بروایت ابوبکر "جُزُءًا" پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے تخفیف اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر نے "جزًّا" مشدد کے ساتھ پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان چاروں پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور ان کے پر نوچنے اور ان کو کاٹنے اور ان کے پروں کو خون سے اور گوشت سے خلط ملط کرنے کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے اس طرح کیا پھر ان کو حکم دیا کہ ان کے اجزاء کو چار مختلف پہاڑوں میں ڈال دیں اور ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا چوتھائی حصہ ڈال دے اور کہا گیا کہ ایک پہاڑ مشرق کی جانب ایک مغرب کی جانب اور ایک شمال کی جانب اور ایک پہاڑ جنوب کی جانب۔ ابن جریج ابن سدی نے کہا کہ ان پرندوں کے سات اجزاء بنا کر سات پہاڑوں پر ڈال دو اور ان کے سر اپنے پاس روکے رکھو پھر تم ان کو بلا۔ فرمایا کہ وہ اللہ کے حکم سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا تو ہر پرندے کے خون کا قطرہ دوسرے

قطرے سے اور ہر پَر دوسرے پَر کے ساتھ اور ایک ہڈی دوسری ہڈی کے ساتھ اور ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ ملنے لگا اور ابراہیم علیہ السلام دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ہوا میں سب ٹکڑے مل مل کر پورا جسم بغیر سر کے بن گیا۔ پھر وہ جسم اپنے اپنے سروں کی طرف جو پرندہ ابراہیم کے پاس آتا تو وہ سر اس پرندے کی طرف مائل ہو جاتا۔ اگر وہ سر اس کے قریب ہوتا تو وہ اس کو لگ جاتا ورنہ وہ جسم پیچھے ہٹ جاتا جس پرندے کا سر آگے ہوتا وہ سر اسی پرندے کو لگتا۔ یہاں تک کہ سب پرندوں کو سر لگ گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (ثم ادعھن یاتینک سعیا) پھر ان کو پکارو وہ جلد جلد اُڑتے ہوئے آجائیں گے) مراد اس سے چلنا ہے کہ وہ پرندے تیز چل کر آپ کے پاس آئیں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد چل کر آنا ہے اُڑ کر آنا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاسعوا الی ذکر اللہ" یعنی گزر جاؤ اُڑ کر آنے میں اور پیدل چل کر آنے میں۔ یہ حکمت ہے کہ اگر اُڑ کر آئیں تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ وہی پرندے نہیں بلکہ کوئی اور ہیں۔ اگرچہ وہ صحیح سالم نہ ہوں اور بعض نے کہا کہ سعی سے مراد اُڑ کر آنا ہے۔ (وعلم ان اللہ عزیز حکیم اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ
سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت۔ جس سے (فرض کرو) سات بالیاں جمیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔ اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جاننے والے ہیں جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر ۲۶۱ (مثل الذین ..... فی سبیل اللہ) ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) اس عبارت میں مضاف محذوف ہے جو مبتداء کی جانب سے ہے یا خبر کی جانب۔ محذوف عبارت اس طرح ہوگی "مثل صدقات الذین ینفقون اموالھم" (کمثل ان کی مثال ایسی ہے) مراد اس سے تحقیق ہے (حبۃ جیسے ایک دانہ) اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یعنی جہاد میں اور بعض حضرات نے کہا کہ تمام ابواب خیر میں خرچ کرنا مراد ہے۔ (انبتت اگے) مطلب یہ ہے کہ ایک دانہ زمین سے اُگے (سبع سنابل جس میں سات بالیاں ہوں) سنابل یہ سنبلۃ کی جمع ہے (فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ) (اور ایک دانے کے سات سو دانے ہوں) اگر کہا جائے کہ آج تک کوئی ایسی گندم کی بالی نہیں جس کے سات سو دانے ہوں تو

پھر کیسے مثال بیان کی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ بات ممکن ہے محال نہیں اور جو چیز محال نہ ہو اس سے ضرب المثل جائز ہے۔ اگرچہ فی نفسہ کسی خوشہ میں سات سو دانے نہیں ہوتے لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس میں اتنے دانے پیدا کرسکتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ باجرہ کے سٹے میں اتنے دانے موجود ہوتے ہیں، یہاں باجرہ مراد ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کاشت کار اس دانے کو کاشت کرتا تو اس کو سو دانے نکل آتے۔

ضحاک نے تاویل کی ہے کہ ہر سٹے میں سو دانے ہوتے ہی ہیں (واللہ یضاعف لمن یشاء اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے)

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کے لیے ڈبل کر دیتا ہے۔

بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس پر تو دگنا دیتا ہے اور اس پر زیادہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے سات سے ستر تک اور ستر سے آگے سات سو تک جس کے لیے اللہ چاہے اس کو دگنا دے دے اور اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے (واللہ واسع اور اللہ بڑی وسعت والے) غنی ہے عطاء کرتا ہے اپنی وسعت سے (علیم جاننے والے ہیں) کہ کس نیت سے مال کو خرچ کیا۔

۲۶۲ (الذین ینفقون ..... فی سبیل اللہ) جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں)

شان نزول

کلبی کہتے ہیں یہ آیت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی کہ عبدالرحمٰن چار ہزار درہم صدقے کے لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے، چار ہزار تو میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار میں اپنے رب کو قرض دینے کے لیے لایا ہوں ان کو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو درہم آپ نے اپنے پاس روک لیے اور جو اللہ کے راستے میں دیے ہیں اس میں برکت عطا فرمائے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو ایک ہزار اونٹ ان کے کجاؤں اور عرق گیر دیے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک کے موقع پر ایک ہزار دینار لا کر آپ علیہ السلام کی گود میں ڈال دیے اور میں نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام ان دیناروں کو دونوں ہاتھوں پر الٹ پلٹ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے گا اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں (ثم لا یتبعون ما انفقوا منا پھر جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد وہ نہ احسان جتلاتے ہیں) من کا معنی کسی کو کوئی چیز دے کر اس پر احسان جتلانا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے تمہیں فلاں چیز عطا کی ہے پھر اس کی نعمت کو شمار کرکے اس پر تنگی کی جاتی ہے (ولا اذی اور نہ دکھ کی بات کرتے ہیں) "اذی" سے مراد وہ اس پر عیب لگاتا ہے اور وہ اس کو پوچھتا ہے کہ تو مجھ سے کتنا مانگتا ہے اور کب تک مانگ کر ستائے گا یا اس پر خرچ کرنے کا تذکرہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرے جن کا مطلع ہونا لینے والے کو ناگوار

ہو۔ سفیان فرماتے ہیں کہ "منا ولا اذی" کا معنی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز دے کر اس سے کہے کہ تو نے شکر ادا نہیں کیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ جب تو کسی شخص کو کچھ دے اور تجھے یہ بات محسوس ہو کہ تیرا اس کو سلام کرنا بھی گراں گزرتا ہے تو تم اس کو سلام بھی نہ کرو یعنی اس فعل سے تیرے دل میں اگر یہ خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ احسان جتلانے کے لیے سلام کرتا ہے۔ یہ بات اس شخص کے نفس کے لیے ہے وگرنہ من جانب اللہ اس خرچ کرنے والے شخص کے لیے تو فضیلت و باعث ثواب ہے۔ (لھم اجرھم عند ربھم ان کا اجر خصوصیت کے ساتھ ان کے رب کے پاس ہے) یعنی اس کا ثواب (ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اور نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں۔ حلیم ہیں۔ اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی (آ گئی) ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جاوے سو اس کو بالکل صاف کر دے ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو (جنت کا) راستہ نہ بتلاویں گے۔

تفسیر ﴿۲۶۳﴾ (قول معروف بھلی بات اور نرمی کرنا) اس سے مراد اچھا کلام کرنا اور سائل کو نرمی کے ساتھ لوٹا دینا۔ بعض نے کہا کہ وہ نیکیوں کو شمار کرے۔ امام کلبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نیک دعا ہے جو کوئی اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے کرتا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول باہمی نزاع کو دور کرنے کے متعلق ہوا (ومغفرۃ اور درگزر کرنا) یعنی پیٹھ پیچھے اس کا پردہ فاش نہ کرنا اور اس کی احتیاجگی پر پردہ ڈالنا مراد ہے۔ کلبی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی اس کے ساتھ ظلم کرے اس کو معاف کرے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فقیر جب مانگنے میں شدت اختیار کرے تو یہ اس کو درگزر کرے (خیر من صدقۃ بہتر ہے ایسی خیرات سے) وہ چیز جو سائل کو عطا کی ہے (یتبعھا اذی جس کے بعد دکھ پہنچایا جائے) اسی کے ساتھ احسان کا جتلانا یا اس کو عار دلانا یا ایسی بات کرنا جس سے اس کو اذیت پہنچے (واللہ غنی اور اللہ بے نیاز ہے) بندوں کے صدقے سے (حلیم احسان رکھنے والا ہے) دکھ دینے والے کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جس نے احسان دلا کر اور صدقہ دے کر ایذاء پہنچائی۔

﴿۲۶۴﴾ (یا یھا الذین ...... صدقٰتکم اے ایمان والو! تم اپنے اعمال کو برباد نہ کرو یعنی اپنے صدقات کا ثواب احسان جتلا کر ضائع نہ کرو (بالمن احسان جتلا کر) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اللہ پر احسان رکھنا اور عام مفسرین نے لینے والے پر احسان رکھنا مراد لیا ہے (والاذی اور ایذاء پہنچا کر) اس سائل کو جس پر احسان کیا۔ پھر اس کی مثال بیان کی۔ (کالذی ینفق مالہ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے) یعنی اپنے خرچ کیے ہوئے مال کو ضائع کر دیتے ہیں (رئاء الناس لوگوں کو دکھانے کے لیے) دکھاوے اور شہرت کے لیے خرچ کرے تاکہ دیکھنے والا یہ کہے کہ دیکھو فلاں شخص کتنا سخی ہے (ولا یؤمن باللہ والیوم الاٰخر اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر) مطلب یہ ہے کہ دکھاوا خیرات کو باطل کر دیتا ہے اور دکھاوے کے لیے خرچ کرنا مؤمنین کا فعل نہیں بلکہ منافقین کا فعل ہے کیونکہ کافر کفر کی وجہ سے ملعون ہے نہ کہ دکھاوے کی وجہ سے۔

(فمثلہ سو اس شخص کی مثال ایسی ہے) دکھاوے کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال (کمثل صفوان جیسے ایک چکنا پتھر) وہ پتھر جس پر چکناہٹ ہو۔ یہ جمع اور واحد دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ جن حضرات کے نزدیک یہ لفظ جمع ہے، ان کے ہاں اس کا مفرد "صفوانۃ" آئی ہے اور جو کہتے ہیں کہ صفوان مفرد ہے تو ان کے نزدیک اس کی جمع "صُفِیّ" آتی ہے (علیہ اس پر) چٹان پر (تراب فاصابہ وابل مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کی بارش پڑ جائے) وابل سے مراد ہوئے قطروں والی تیز بارش ہے (فترکہ صلدا تو اس کو چھوڑ دے صاف چکنا کر کے) صلدا اس پتھر کو کہتے ہیں جس پر چکناہٹ ہو اور اس پر اور کوئی چیز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافق، ریاکار اور مؤمن جو خرچ کر کے احسان جتلاتا ہے یا ایذاء دیتا ہے۔ ان کے صدقہ کرنے کی مثال دی ہے کہ ان لوگوں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے اعمال باطل ہو جائے اور مٹ جائیں گے کیونکہ اس نے یہ اعمال اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیے بلکہ دکھاوے کے لیے کیے ہیں۔ جیسا کہ زور کی بارش جب اس چٹان پر پڑی جس پر مٹی کا گرد و غبار تھا تو وہ صاف ہو گئی ایسے ہی ان کے اعمال قیامت کے دن صاف ہو جائیں گے اور یہ بغیر اعمال صالحہ کے رہ جائیں گے (لا یقدرون علی شیء مما کسبوا) (ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی) انہوں نے دُنیا میں جو کام کیے آخرت میں اس کا کچھ حصہ بھی نہیں ملے گا یعنی کوئی ثواب نہیں ملے گا (واللہ لا یھدی القوم الکافرین اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا)۔

محمود بن لبید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ریاکاری۔ اللہ تعالیٰ جس دن اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو اس دن ان لوگوں کو کہے گا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو تم دُنیا میں اپنے اعمال دکھایا کرتے تھے، دیکھو ان کے پاس تم کو جزا یا بھلائی مل سکتی ہے۔

عقبہ بن مسلم نے بیان کیا کہ ابوسفیان الاصبحی نے بیان کیا کہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا۔ پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ کہا گیا کہ یہ وعظ کرنے والے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ان

کے قریب ہوا یہاں تک کہ میں ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اس وقت تمام اُمتیں جمع ہوں گی تو سب سے پہلے جس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن جمع کیا ہوگا اور دوسرا شخص جس کو بلایا جائے گا وہ شہید ہوگا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور تیسرا وہ شخص جس کو اللہ نے خوب مال عطا فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ قاری القرآن سے فرمائیں گے کہ کیا تو نے قرآن کا علم سیکھا، وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ تو اس نے کہا میں رات کو بھی قیام کرتا اور دن کو بھی قیام کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اس کو کہیں گے کہ تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بلکہ اس سے تمہاری نیت یہ تھی کہ تمہیں قاری کہا جائے اور وہ کہا جا چکا۔ پھر صاحب مال کو بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تجھے مال کی وسعت عطا کی گئی یہاں تک کہ تو نے ہر ایک محتاج پر خرچ کر دیا (اس کو بھی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ اس نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے یہ عمل کیوں کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے یہ مال صلہ رحمی اور صدقہ کرنے کی وجہ سے خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا۔ فرشتے بھی کہیں گے تو نے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تیرا اس طرح خرچ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور تجھے وہ کہا جا چکا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو کس لیے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا کہ مجھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو میں نے قتال کیا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی اس کو جھوٹا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ کہا جا چکا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر رکھا اور کہا اے ابو ہریرہ! یہ تین لوگ مخلوق میں ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

(ترجمہ) اور ان لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے اپنے نفسوں کو (اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان) میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ

کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دوگنا (چوگنا) پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔ بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو۔ کھجوروں کا اور انگوروں کا اس کے (درختوں کے) نیچے نہریں چلتی ہوں۔ اس شخص کے یہاں اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے اہل و عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی) قوت نہیں سو اس باغ پر ایک بگولہ آوے جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر وہ باغ جل جاوے اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم سوچا کرو۔

تفسیر ۲۶۵ (ومثل الذین ...... مرضات اللہ) (اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (وتثبیتا من انفسھم) امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد احتساب ہے۔ امام شعبی، کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خرچ کرنا اپنے نفسوں کی طرف سے ہوتا تھا کسی کے دباؤ کی وجہ سے نہیں ہوتا اور یہ صدقہ اور زکوٰۃ پاکیزہ مال سے نکالتے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے اور اللہ کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو کچھ ہم نے خرچ کرلیا وہ ہمارے لیے بہتر ہے اس سے جو باقی رہ گیا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ ان کے بدلے میں مزید عطا فرمائے گا۔

عطاء، مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں گے یعنی اپنے مال کو خرچ کرتے رہیں گے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان خرچ کرنے کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدمی عطا فرماتے اور اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ ہاں اگر اس مال میں اس کو کوئی شک گزرے تو وہ خرچ کرنے سے رُک جاتا۔ اس لحاظ سے یہاں تثبیت سے تثبت ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتبتل الیہ تبتیلا" تبتیلا سے مراد تبتلا ہے (کمثل جنۃ جیسے مثال اس باغ کی) جنت سے مراد باغ ہے مبرد اور فراء فرماتے ہیں کہ اگر باغ کھجوروں کا ہو تو اس کو جنت اور اگر انگوروں کا باغ ہو تو اس کو فردوس کہتے ہیں (بربوۃ جو اونچا ہموار میدان ہو) عاصم اور عامر نے راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قاریوں نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ مؤمنون میں فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ بلند ہموار میدان جہاں نہریں بہہ رہی ہوں اور نہروں کے کنارے طرفین کی زمین سے نہ اونچے ہوں اور نہ نیچے اس لیے نہ پانی اوپر آ سکتا ہے اور نہ نیچے۔ ایسے باغ کے درخت انتہائی خوبصورت اور صاف ستھرے ہوتے ہیں (اصابھا وابل) (جس پر اگر موٹے قطروں کی خوب بارش برس جائے) وہ بارش جو تیز بھی ہو اور زیادہ بھی ہو (فاتت اکلھا تو اس کے درخت دگنے پھل دیں) اکل سے مراد پھل ہیں۔ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو نے کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر نے بھی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اکلۃ" اور "الاکل" کی طرح ہے اور ابو عمرو نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ "رسلنا، رسلکم، ورسلھم، رسلنا" ہے۔ (ضعفین دوگنا) اس کے پھل درخت پر دوگنے ہو جائیں۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ باغ ایک سال میں اتنا پھل دے جتنا کہ دو سال میں دیا جاتا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ضعفین سے مراد ہے کہ سال میں دومرتبہ پھل دینا (فان لم یصبھا وابل فطل) پس اگر اس پر بارش نہ پڑے تو بارش کا ایک چھینٹا بھی کافی ہے) طل سے مراد طش ہے وہ بارش جو بہت تھوڑی ہو اور لگا تار برستی رہے۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال مؤمن شخص کی بیان کی ہے پھر کہا جائے گا کہ جس طرح یہ باغ ہر حال میں پھل دیتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ اسی طرح اللہ تعالیٰ شخص مؤمن کے صدقہ کو چند گنا کر دیتے ہیں وہ صدقہ جس میں نہ دکھاوا ہو اور نہ ہی ایذا دی گئی ہو برابر ہے کہ اس نے تھوڑا خرچ کیا ہو یا زیادہ اور یہ ایسے ہے جیسا کہ بارش لگا تار برستی رہے (واللہ بما تعملون بصیر اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے)۔

❁ (ایود احدکم ...... الانھار) (کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجور و انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں) اس آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "یا ایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی ایود" کے ساتھ ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کوئی باغ ہو کھجور و انگور کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (فیھا من کل ..... ضعفاء اس شخص کے ہاں اس باغ میں ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کو بڑھاپا آپہنچے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں) چھوٹی اولاد وچونکہ وہ کمانے میں کمزور ہوتے ہیں (فاصابھا اعصار پھر اس اس باغ پر ایک آندھی آئے) اعصار سے مراد وہ تیز طوفانی ہوا جو زمین سے بشکل عمودی اوپر کو جاتی ہے۔

(فیہ نار فاحترقت جس میں آگ ہو اور اس سے باغ جل جائے) اس آیت مبارکہ سے منافق اور دکھاوے کے لیے عمل کی مثال دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے نیک عمل کی مثال اچھے باغ جیسی ہے کہ وہ اس نیکی سے اس طرح فائدہ اُٹھاتا ہے جیسے کہ ایسے باغ سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے تو جب صاحب باغ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد چھوٹی چھوٹی ہو اور اس کے باغ کو آگ کا شعلہ پہنچے اور سب کو جلا کر راکھ کر دے یہ سب اس کی طرف محتاج ہو جائیں نہ تو وہ شخص اب اس جلے ہوئے باغ کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بچے۔ اب وہ ایسا شخص بھی نہیں پاتا جو اس کے بچوں کی مدد کرے اور نہ ہی اس کے بچے اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ اب یہ دونوں بچے اور بوڑھا اس کے حیلے سے عاجز آ گئے۔ اسی طرح منافق اور دکھاوے والے شخص کے عمل کی مثال ہے کہ جب وہ سارے اعمال اکارت کر دے گا تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس وقت اس کی توبہ قبول ہوگی اور نہ ہی کوئی چیز اس کے بدلے میں دے سکے گا۔

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ آپ حضرات کی اس آیت "ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ" کے متعلق کیا رائے ہے کہ کس کے متعلق نازل ہوئی؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہنے لگے اللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ تم کہو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مجھے اس آیت کے متعلق کچھ علم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے

جاؤ، اپنے آپ کو کم سن ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس عمل کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منافق اور ریاء کار کے عمل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس شخص کے لیے فرمایا؟ وہ شخص جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری والا عمل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس شخص پر شیطان کو مسلط کردیتا ہے کہ وہ گناہ کے کام کرنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے اعمال جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

(کذالک ...... تتفکرون اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے نشانیاں ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کروں۔)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

ترجمہ اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔ اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کر دو۔ حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں۔ ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں

تفسیر ⊕ (یا یھا ...... طیبات اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کرو) اپنے اختیار سے خرچ کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے حلال اشیاء مراد ہیں (ما کسبتم جو تم کماتے ہو) تجارت کے ذریعے سے ہو یا صناعت کے ذریعے سے ہو اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ کمائی کرنا مباح ہے۔ کمائی کی دو اقسام ہیں حلال اور حرام۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک پاکیزہ مال وہ ہے جو بندہ اپنی کمائی کر کے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے کھاتی ہے۔ خالد بن معدان نے مقدام بن معدی کرب سے روایت کی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا بہترین کھانا اس کے ہاتھ کی کمائی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس صدقہ کرنے سے اس کے مال میں برکت آتی ہے اور جو کچھ وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ اس کے دوزخ میں جانے کا مزید ذریعہ بنتا ہے۔ بے شک اللہ بری کمائی سے عذاب کو نہیں ٹالتا لیکن برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے کیونکہ برائی، برائی کو نہیں مٹاتی۔

زکوٰۃ کے مسائل

اکثر اہل علم کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ایک سال گزرنے کے بعد اور اس کے سامان کی قیمت بھی لگائی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت کا ربع العشر نکالا جائے گا۔ جب اس کی قیمت بیس دینار یا دوسو درہم ہو۔ سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا کرتے تھے اور ابی عمرو بن حماس سے روایت ہے کہ ان کے والد کہا کرتے تھے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب و علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا اور عرض کیا کہ میری گردن پر بوجھ لدا ہوا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حماس! کیا تم اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہو،فرمایا میرے پاس تو اس مال کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو مال ہے نیچے اُتارو،میں نے اُتار کر آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان کی گنتی کی اور اس کو زکوٰۃ کے قابل پایا تو اس سے زکوٰۃ نکالی (ومما اخرجنا لکم من الارض اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں)

بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم عشر کے بارے میں ہے جو پھلوں اور گندم وغیرہ سے نکالتے ہیں۔اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کھجوروں اور انگوروں پر عشر (دسواں حصہ) واجب ہے اور یہ جب ہے کہ اس کو آسمان کے پانی سے سیراب کیا جائے یا اس کی نہر کے ساتھ سیراب کیا جائے جو بغیر مشقت کے ہو،اگر اس کی سیرابی راہٹ وغیرہ سے کی گئی ہو تو پھر اس کا نصف عشر ہوگا۔

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس کھیتی کو آسمان کے پانی سے چشمے کے پانی سے یا وہ عشری ہو تو اس میں عشر لازم ہے اور جس کھیتی کو سینچائی کے ساتھ سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔(دوسری روایت امام بغویؒ سند سے لائے ہیں)۔

عتاب بن السید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے ہمیں انگور کی زکوٰۃ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اس کی بٹائی کھجور کی بٹائی کی طرح کرتے ہو پھر تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو کشمش سے۔جیسا کہ تم کھجور کی ادا کرتے ہو اس کے پھل سے۔

سبزیاں وغیرہ میں عشر ہے کہ نہیں

کھجور اور انگور کے علاوہ زکوٰۃ کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔بعض حضرات کے نزدیک اس میں کوئی عشر نہیں اور یہی قول ابن ابی لیلیٰ والشافعی رحمہما اللہ کا ہے اور امام زہری، امام اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک زیتون میں زکوٰۃ واجب ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کے غلہ، سبزیوں، پھلوں پر زکوٰۃ واجب حشیش (ایک گھاس کا نام ہے) اور لکڑیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ہر وہ پھل جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس پھل کے ظاہر ہونے پر اور اس کو صاف کرنے پر اور سوکھنے پر اور ہر گندم کے دانے اور کھجور پر عشر ہے زکوٰۃ کے واجب ہونے کا وقت پھل کے پکنے کا ہے اور عشر نکالنے کا وقت اس کو کوٹنے سے باہر نکالنے اور

صاف کرنے کے بعد ہے۔ اور یہ حضرات کہتے ہیں ان چیزوں میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ وہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائیں اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قلیل وکثیر سب پر صدقہ وعشر واجب ہے۔ جن حضرات کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں انہوں نے یہ دلائل دیئے ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں اور پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دانے اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں۔ یہاں تک پانچ وسق تک پہنچ جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت صدقات نفلی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی مؤمن درخت لگاتا ہے یا کھیتی لگاتا ہے پھر اس سے انسان، پرندے اور جانور کھاتے ہیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتے ہیں۔

ولا تیمموا (اور قصد نہ کرو) ابن عامر نے بزی کی روایت سے تاء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ لفظ قرآن میں اکتیس بار آیا ہے۔ اصل میں یہاں دو تائیں تھیں ان میں سے ایک کو ساقط کردیا یا ادغام کردیا اور دوسرے لوگوں نے اس کو تخفیف سے پڑھا ہے اس کا معنی قصد نہ کرو (الخبیث منه تنفقون ردی مال، خراب) روایت کیا عدی بن ثابت نے براء بن عازب سے، فرماتے ہیں کہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ کھجوروں کے باغات والے تھے اور یہ کھجوروں کے خوشے مسجد نبوی کے صحن میں لٹکالیا کرتے تھے۔ اس سے فقراء مہاجرین کھایا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مسجد میں کمزور گٹھلی والے خراب چھوہارے بھی موجود ہیں تو اس سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھاتے تھے۔ "**ولا تیمموا الخبیث**" کا مطلب خشک چھوہارے اور ردی کھجوریں مراد ہیں۔

حسن، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پھلوں سے صدقہ کرتے تھے اور گھٹیا مال دیتے ہیں اور جید کھجوروں میں وہ کام کرتے تھے اپنے لیے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ولستم باخذیه حالانکہ تم ویسا مال نہیں لیتے) خبیث ردی مال تم نہیں لیتے۔ (الا ان تغمضوا فیه مگر بغیر چشم پوشی کیے) اغماض غمض البصر کو کہتے ہیں یعنی آنکھ بند کرنا یہاں مجاز آ درگزر کرنا مراد ہے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص پر کوئی حق ہو اور وہ اس کے پاس لے آئے تو وہ اس سے نہ لے مگر یہ کہ دینے والا دیکھتا ہے کہ شاید لینے والا اس سے چشم پوشی کرلے یا اس کے حق کو چھوڑ دے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ایسا ردی مال بازار میں بکتا دیکھتے ہو تو تم جید مال کے بدلے میں اس کو نہ خریدو اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اگر تم کو ایسا مال ھدیہ میں دیا جائے تو تم اس کو نہیں لیتے مگر صرف اس لیے کہ بھیجنے والے کی ناراضگی یا شرمندگی کی وجہ سے لے لیتے ہو۔

پس جو مال تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ مال اللہ کے راستے میں کس طرح دیتے ہو؟ ردی مال اللہ کے راستے میں دینے کی ممانعت تب ہے جب سارا مال جید ہو اس لیے کہ اونٹ والے (جن کے اونٹوں میں کوئی بیماری ہو) اس میں شریک ہوتے ہیں جو ان کے پاس ہوتی ہے۔ اگر سارا مال ردی ہو تو پھر ردی مال دینے میں کوئی حرج نہیں (واعلموا ان اللہ غنی اور جان لو بے شک اللہ بے پرواہ ہے۔ تمہارے صدقات سے (حمید اور خوبیوں والا ہے) اپنے افعال میں محمود ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ: شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں)

تفسیر: ﴿۲۶۸﴾ (الشیطان یعدکم الفقر شیطان تم کو مفلس ہوجانے سے ڈراتا ہے) تمہیں وہ فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے کہا جاتا ہے "وعدتہ خیرا و وعدتہ شرا" یعنی کبھی تو وہ خیر سے ڈراتا ہے اور کبھی شر سے۔ اللہ تعالیٰ خیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ" کہ اللہ تم سے کثیر مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے اور شر کے متعلق ارشاد فرمایا "النار وعدھا اللہ الذین کفروا" (کہ ان لوگوں کے لیے آگ کا وعدہ ہے جو کفر کرتے ہیں) لیکن جب نہ خیر کا قرینہ مراد ہو اور نہ شر کا تو پھر خیر ہی مراد ہوتا ہے اور شر کا استعمال باب افعال سے ہی ہوتا ہے۔

فقر کہتے ہیں بری حالت اور مال کی کمی کو۔ یہ اصل میں الفقار فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے کہ مال اپنے پاس روکے رکھ اگر تو نے اس کو خرچ کیا تو فقیر ہوجائے گا (ویامرکم بالفحشاء اور تمہیں حکم کرتا ہے بے حیائی کا) فحشاء سے مراد بخل ہے زکوٰۃ کا روکنا ہے اور کلبی فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی فحشاء کا لفظ آیا ہے وہاں زنا مراد ہے صرف یہاں زنا مراد نہیں۔ (واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے بخشش اور فضل کا) بخشش سے مراد تمہارے گناہوں کی معافی ہے۔ (واللہ واسع اور اللہ وسعت والا ہے) واسع سے مراد غنی ہے (علیم جاننے والا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرپور ہے، دن

رات خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سے زمین و آسمان پیدا کیے اس وقت سے وہ اپنے خزانوں سے خرچ کر رہا ہے تو اس کے خزانوں سے ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اور فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور دوسرا ہاتھ میزان پر ہے وہ اس کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت منذر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ خرچ کیا کرو اس کو شمار نہ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی شمار کر کر کے دے گا اور اس کو جمع کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی جمع کرے گا۔

❁ (یؤتی الحکمۃ من یشاء اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے) امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کا علم ہے اس کے ناسخ منسوخ محکم متشابہ مقدم ومؤخر اس کے حلال وحرام اور اس کی امثال کا علم ہے۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن اور اس کا فہم ہے اور فرمایا کہ قرآن میں ایک سو نو (۱۰۹) آیات ناسخ منسوخ ہیں اور ایک ہزار آیات حلال وحرام کے متعلق ہیں۔ مؤمنین میں سے کوئی بھی شخص ان آیات کو ضرور سیکھتا ہے اور کوئی بھی اہل نہروان کی طرح نہیں کہ انہوں نے قرآن کی ان آیات میں تاویلات کیں جو اہل قبلہ اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ان آیات کے علم سے جاہل رہے اور انہوں نے خون بہایا اور ان کے مال لوٹے اور وہ گمراہی پر ڈٹے رہے۔ پس تمہارے اوپر ان کے لیے قرآن کی تعلیم لازم ہے جو چیز تم پر نازل کی گئی تاکہ یہ آپس میں اختلاف نہ کریں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن، علم اور فقہ ہے۔ ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ حکمت سے مراد قول و فعل میں درستگی ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد اشیاء کے معانی اور ان کا سمجھنا ہے (ومن یؤت الحکمۃ اور جس کو حکمت دی گئی) "من یؤت" میں من محل رفع میں واقع ہے "مالم یسم فاعلہ" ہونے کی وجہ سے اور "والحکمۃ" خبر ہے اور امام یعقوب نے "یؤتی الحکمۃ" تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "من یؤتہ اللہ الحکمۃ" اور اعمش نے "ومن یؤتہ اللہ" اور حسن نے "ومن یؤت الحکمۃ" پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد اللہ کے دین میں ورع ہے (فقد اوتی خیراً کثیراً اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو بڑی خیر کثیر عطا کی گئی) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن دیا گیا گویا اس کو نبوت کے درجات میں سے ایک کنارہ عطا کیا گیا مگر یہ کہ اس پر وحی نہیں کی جاتی اور انبیاء علیہم السلام پر وحی کی جاتی ہے (وما یذکر اور نہیں نصیحت قبول کرتا) "یذکر" سے مراد نصیحت ہے (الا اولوا الباب مگر عقل والے) اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ❁ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ❁

ترجمہ: اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو اللہ تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور

بے جا کام کرنے والوں کا کوئی ہمراہی (اور حمایتی) نہ ہوگا اگر تم ظاہر کرکے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دے دو تو یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں

تفسیر ● وما انفقتم من نفقة (اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ ہو) جو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے (او نذرتم من نذر یا تم کسی طرح نذر مانتے ہو) جو تم اپنے اوپر واجب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کو پورا کرو (فان الله يعلمه بے شک اللہ اس کو جانتا ہے) اللہ کے ہاں وہ محفوظ ہے یہاں تک کہ تم اس کو ادا کرو اور کہا گیا "یعلمه" "یعلمها" نہیں کہا کیونکہ نذر والا مال ایک انسان دوسرے کی طرف لوٹاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومن یکسب خطیئة او اثما ثم یرم به بریئا" اگر تو چاہے تو اس کا بوجھ اپنے اوپر لے لے۔ اس کا قول "وما انزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم به" یہاں اس آیت میں "بھما" نہیں فرمایا (وما للظالمین اور نہیں ہے ظالموں کے لیے) صدقہ کو صحیح راہ میں خرچ کرنے کے بجائے دوسرے راستے میں خرچ کرنے والے حرام جگہوں میں صدقہ کرنے والے (من انصار کوئی مددگار) جو ان سے اللہ کے عذاب کو دور کرے، انصار جمع ہے نصیر کی جیسے شریف کی جمع ہے اشراف۔

● (ان تبدوا الصدقات اگر تم ظاہر کرکے صدقہ دو) یعنی تم ان صدقات کو ظاہر کرو (فنعما هي تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) تو یہ اچھی خصلت ہے۔ ما محل رفع میں اور "ھی" محل نصب میں واقع ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نعم الرجل رجلاً۔ فاذا عرفت رفعت" اس کے جواب میں کہا جائے "نعم الرجل زید" یہ اصل میں اس طرح تھا "نعم ما وصلت" اہل مدینہ وغیرہ نے "نعم" کو غیر پڑھا ہے۔ "فنعما" نون کے کسرہ اور عین ساکن کے ساتھ۔ ابن عامر، حمزہ، کسائی نے نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن کثیر و نافع کی روایت کے ساتھ۔ یعقوب و حفص نے ان دونوں کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ساری لغات صحیح ہیں اور اسی طرح سورۃ نساء میں ہے (وان تخفوها اگر تم اس کو چھپا کے دو گے) "تخفوها" کے معنی "تسروها" یعنی تم چھپا کر صدقہ کرو (وتؤتوها الفقراء اور پہنچا دو تم تنگدست کو یعنی تم فقراء کو چپکے سے دو (فهو خير لكم) تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور افضل ہے۔ یہ سب کچھ مقبول ہے جب اس کی نیت درست ہو لیکن صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ چھپا کر صدقہ کرنا رب کے غضب کو مٹاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات اشخاص قیامت کے دن اللہ کے سایہ میں ہوں گے جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ❶ امام عادل ❷ جوان جس نے اللہ کی عبادت میں اپنی زندگی بسر کی۔ ❸ وہ شخص جس کا دل مسجد کی طرف لٹکا رہتا ہے۔ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ ❹ وہ دو شخص جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں جب جمع ہوتے ہیں اور جب جدا ہوتے ہیں تو اللہ کی رضا کے لیے ❺ وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ کے ذکر سے تر ہوگئیں اور آنسو جاری ہوگئے۔ ❻ وہ شخص

جس کو عالی منصب و جاہ والی عورت اپنی حاجت کے لیے بلائے تو وہ کہے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے۔ ❼ وہ شخص جو اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے اور اس کو اتنا چھپکے سے دیتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت نفلی صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا اظہار ضروری ہے تاکہ اور لوگوں کو بھی زکوٰۃ دینے کی تعلیم حاصل ہو جس طرح فرض نماز جماعت کے ساتھ افضل ہے اور نفل گھر میں افضل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت فرض زکوٰۃ کے بارے میں ہے کہ آپ علیہ السلام کے زمانے میں زکوٰۃ چھپکے سے دینا افضل تھا، فی زمانہ اس کا اظہار ضروری ہے تاکہ کسی کو بدگمانی نہ ہو (کہ فلاں شخص کتنا صاحب مال ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا)۔

(ویکفر عنکم سیاٰتکم اور اس سے دور کر دیں گے تمہارے کچھ گناہ) یہ قرأت حضرت حفص اور ابن عامر کی ہے۔ ابن کثیر، اہل بصرہ اور ابوبکر نے نون اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عبارت اس طرح بنے گی "ونحن نکفر" ابن عامر اور حفص نے یاء اور راء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے، یہ عبارت بنے گی "ویکفر اللّٰہ" اہل مدینہ و حمزہ و کسائی نون اور جزم ہے اس کا عطف مدخول فاء پر ہے اور یہ جزم کی جزا میں واقع ہے "ای فھو خیر لکم" اور "من سیاٰتکم" میں من صلہ ہے تقدیری عبارت "نکفر منکم سیاٰتکم بعض نے کہا کہ یہ تحقیق اور تبعیض کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے (واللہ بما تعملون خبیر اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں)

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ: ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض واجب) نہیں ولیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں۔ اور (اے مسلمانو) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو۔ اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے اور (نیز) جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا ثواب) پورا پورا تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا بھی کمی نہ کی جاوے گی۔

تفسیر: ﴿۲۷۲﴾ (لیس علیک ھداھم ان کو ہدایت پر لے آنا آپ پر لازم نہیں) امام کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ سسرالی رشتہ داری تھی۔ اسلام لانے سے پہلے یہ ان پر خرچ کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد ان پر خرچ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اور ان کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اسلام لے آئیں تو ہم ان پر خرچ کریں گے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اہل ذمہ والوں پر خرچ کرتے تھے۔ جب مسلمان فقراء کی تعداد بڑھ گئی تو آپ علیہ السلام نے مشرکین پر خرچ کرنے سے منع کر دیا تاکہ یہ محتاج ہو کر اسلام میں خود بخود داخل ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی "لیس علیک ھداھم" (ولکن اللہ یھدی من یشاء لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اللہ

اس کو ہدایت کی توفیق عطا فرماتے ہیں یا اس سے واضح ہدایت ہے اور آپ علیہ السلام کے زمانے میں دعوت دی جاتی تو اللہ کی طرف سے ہدایت مل جاتی تھی اس آیت کے نزول کے بعد (وما تنفقوا من خیر فلانفسکم اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کے لیے) اس سے مراد مال ہے جو مال تم اپنے نفسوں پر خرچ کرتے ہو (اور تم کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے) اس طرح ایک لفظ "جحد" بھی آتا ہے اس کا معنی "نہیں" ہے یعنی وہ صرف اللہ ہی کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں (و گرنہ وہ خرچ نہیں کرتے) (اور جو مال تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے) یہ پہلے جملے کی شرط ہے اس وجہ سے ان دونوں میں نون کو حذف کیا گیا۔ (یوف الیکم وہ پورا پورا تمہیں ادا کیا جائے گا) تمہیں اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ روز قیامت کے دن واپس تمہیں لوٹا دیا جائے گا (نیکیوں کی صورت میں)

(وانتم لاتظلمون اور تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی) تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ نفلی صدقہ کے متعلق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اور غیر مسلم کے لیے مباح کیا ہے کہ غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے اور زکوٰۃ صرف مسلمانوں کو دینا واجب ہے اور یہی دو فریق جن کو سورۃ توبہ میں ذکر کیا گیا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞

ترجمہ (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اس وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادتاً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آ جاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے

تفسیر ۞ (للفقراء ...... سبیل اللہ) (اصل حق ان فقیروں کا ہے جو قید ہیں اللہ کی راہ میں) "للفقراء" میں لام کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ "فلانفسکم" کے لام کی جگہ استعمال کیا گیا۔ گویا کہ اس نے یوں کہا "وما تنفقوا من خیر فللفقراء" کہ وہ خرچ نہیں کرتے خیر میں صرف فقراء کے لیے بے شک وہ اپنے لیے خرچ کرتے ہیں۔

فقراء سے کون سے لوگ مراد ہیں اصحاب صفہ کی تعداد

بعض نے کہا کہ ان سے مراد وہ صدقات ہیں جو ماقبل میں ذکر کیے جا چکے ہیں۔

بعض نے کہا کہ اس کی ضمیر محذوف ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی "للفقراء اللذین صفتھم کذا حق واجب وھم للفقراء

المهاجرین" یعنی وہ فقراء جو اس صفت کے ساتھ متصف ہوں ان پر اب حق واجب ہے اور وہ فقراء مہاجرین ہیں اور ان فقراء مہاجرین کی تعداد چار سو تک تھی یہ فقراء ایسے تھے جن کے رہنے کے لیے مدینہ میں نہ مکانات تھے اور نہ کھانے پینے کے لیے کوئی سامان، یہ مسجد میں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیوں پر گزارہ کرتے اور انہی سے آپ علیہ السلام جہاد کے لیے لشکر بھیجا کرتے تھے۔ یہ اصحاب صفہ والے کہلاتے تھے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اور لوگوں کو ان پر خرچ کرنے پر برانگیختہ کیا۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی لیے شام کے وقت جس کے پاس کوئی چیز ہوتی تو وہ ان کو دے دیتا۔ "اللذین احصروا" سے مراد قتادہ کے ہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستے میں روکے رکھا۔

لایستطیعون ...... الارض (وہ اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے کہیں آ جا نہیں سکتے اور نہ روزی کما سکتے ہیں) وہ تجارت اور طلب معاش کے لیے فارغ نہیں ہوتے اور یہ اہل صفہ والے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور

بعض نے کہا کہ مراد اس سے وہ جو اپنے نفسوں کو اللہ کی اطاعت میں روکے رکھا ہو۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جن کو فقر نے روکے رکھا ہوا ور وہ جہاد کے لیے نہ جا سکتے ہوں۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد وہ مجاہدین ہیں جن کو آپ علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں کوئی زخم پہنچے وہ اس زخم کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہو کر رہ گئے کہ وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے جہاد میں اتنا حصہ لیا کہ دنیا میں ان کے مخالفین بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے (یحسبهم اور وہ گمان کرتے ہیں) ابو جعفر، ابن عامر، عاصم، حمزہ رحمہم اللہ وغیرہ نے پڑھا ہے اور باقیوں نے "یحسب" سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ (الجاهل ان کے حال سے ناواقف ہے) جاہل سے مراد ان کے حال سے ناواقفیت ہے (اغنیاء من التعفف ان کو غنی سمجھتے ہیں سوال سے بچنے کے سبب) سوال سے بچنے کی غرض سے اور تھوڑے پر قناعت کرتے ہوئے تو تم لوگ ان کے ان احوال کو دیکھ کر ان کو غنی نہ سمجھو۔ تعفف باب تفعل سے بمعنی ترک کرنا۔ جیسے کہا جاتا ہے "عف عن الشئ" جب کسی چیز سے بچا جائے اور تعفف بولتے ہیں جب کسی چیز کے رکنے سے تکلف اُٹھایا جائے (تعرفهم بسیماهم آپ ان کو ان کی نشانی سے پہچانو گے) "السیماء السیماء والسمة" وہ علامت جس کے ذریعے سے کسی چیز کو پہچانا جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کے معنی کے تعین میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

تعرفهم بسیماهم کی تفسیر میں مختلف اقوال

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خشوع اور تواضع مراد ہے۔

امام سدی فرماتے ہیں کہ ان کے چہروں پر بھوک اور فقر کے نشانات ہوں گے۔

امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے چہرے کی زردگی ان کی بھوک کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔

بعض نے کہا "سیماھم" سے مراد کپڑوں کا بوسیدہ ہونا ہے۔ (لایسئلون الناس الحافاً نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ان کے پاس صبح کا کھانا ہوتا تو وہ شام کے لیے سوال نہیں کرتے تھے اور جب شام کے لیے کھانا موجود ہوتا تو صبح کے لیے سوال نہ کرتے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اصلاً (کبھی بھی) کسی سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کے لیے تعفف کا استعمال کیا گیا اور تعفف ترک سوال کو ہی کہتے ہیں۔ "ولانہ قال تعرفھم بسیماھم" اگر یہ لوگ سوال کرتے ہوتے تو ان کو اس علامت کے ساتھ نہ ذکر کرتے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں سوال کرنا نہیں ہوتا تو الحاف بھی کبھی واقع نہیں ہوا۔ الحاف کہا جاتا آہ وزاری اور چمٹ لپٹ کر کسی سے مانگنا۔ (سند کے ساتھ ذکر کیا) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رسی لے کر جنگل کی طرف چلا جائے اور وہاں لکڑیاں کاٹ کر گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لاد کر لادے اور اس کو بیچ کر پیسے کمائے اور اس سے اپنی عزت وعفت کو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کے سوال پر دیں یا نہ دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لوگوں سے سوال کرتا پھرے اور لوگ اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے عطا کریں یا ایک کھجور یا دو کھجور عطا کردیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ کسی کو غنی کردے اور نہ ہی اس کے پاس پیٹ بھرنے کے بطور کھانا وغیرہ ہو کہ وہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی کسی کے پاس سوالی بن کر کھڑا ہو۔

قبیصہ بن مخارق سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے لیے بوجھ لادا کرتا تھا۔ میں آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی قوم کے لیے بوجھ لادا کرتا تھا اور میں آپ علیہ السلام کے پاس مدد کے لیے آیا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے بوجھ لادوں گا، پہلے تم جا کر ان کے صدقات ان کے حوالے کرو۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اے قبیصہ! سوال کرنا حرام ہے مگر تین وجوہ سے جائز ہے۔ ایک کسی شخص کو سخت حاجت پیش آئے حتیٰ کہ اس کا مال ختم ہو جائے تو وہ سوال کرے یہاں تک کہ وہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے تو اس کو سوال کرنا ترک کر دینا چاہیے اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو تین سال تک تنگدستی آئے تو اس شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اس کے پاس کھانے پینے کی سہولت نہ ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو کسی کا بوجھ لادتا ہو تو وہ سوال کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائے پھر وہ سوال سے رک جائے۔ اس کے علاوہ جو سوال کرے گا اس کا کھانا حرام ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے حالانکہ سوال کرنے سے غنی بنا دینے والی اس کے پاس موجود ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی۔ خموش، خدوش کا ایک ہی معنی ہے کہ لکڑی کے ساتھ خراشیں لگانا اور کدوح وہ خراشیں جو دانت کے کاٹنے سے حاصل ہوں۔ عرض کیا گیا کہ غنی کر دینے والی چیز کیا ہے؟ فرمایا پچاس درہم یا

اس کے بقدر ہوتا (اور جو مال تم خرچ کرو گے) خیر سے مراد مال ہے فان اللہ بہ علیم (اللہ اس سے بخوبی واقف ہے)۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر ﴿۲۷۴﴾ (الذین ...... وعلانیۃ جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں دن و رات کو پوشیدہ و یا علانیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کے پاس چار دراہم تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک درہم رات کو اور ایک درہم دن کو اور ایک درہم پوشیدہ اور ایک علانیہ صدقہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بہت سارے دراہم کثیرہ اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک وسق تمر آدھی رات کو بھیجی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار" اس سے مراد دن کے وقت اعلانیہ صدقہ کرنا عبدالرحمٰن بن عوف کا اور رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صدقہ کرنا خفیہ طور پر۔ ابوامامہ، ابوالدرداء، مکحول، اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو اپنے گھوڑوں کو جہاد کے لیے تیار رکھتے اور ان کو دن رات چراتے سراً بھی اور علانیہ بھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے باندھے اور وہ اللہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھتا ہے تو گھوڑے کا کھانا پینا، لید، پیشاب، قیامت کے دن اس کے میزان میں رکھا جائے گا۔ (فلھم اجرھم عند ربھم تو ان کا اجر اللہ کے پاس مخصوص ہے) اخفش کا قول ہے یہاں خبر کے جواب پر فاء داخل کی ہے۔ اس لیے "الذین" بمعنی "من" کے ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اتنا خرچ کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس اتنا ہی ہے (ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون نہ اس کو کسی کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۞ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

ترجمہ (اور) جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے (لیا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور (بالخصوص) نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی۔ ان کے لئے انکا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک اور (آخرت میں) ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر ۞ (الذین یاکلون الربا جو لوگ سود کھاتے ہیں) جو اس میں معاملہ کرتے ہیں یہاں کھانے کے ساتھ مخصوص قرار دیا کیونکہ مال کی کمائی کا مقصود کھانا ہی ہوتا ہے (لایقومون نہیں اُٹھیں گے الا کما یقوم الذی یتخبطہ قیامت کے دن قبروں سے نہیں اُٹھیں گے) مگر اس طرح جیسے جن کا چھوا ہوا شخص اُٹھتا ہے) "یتخبطہ" سے مراد جلد چھونے والا ہے خبط کا معنی ہے سخت ضرب جس کے ساتھ بگاڑ بھی ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے "ناقۃ خبوط" وہ اونٹنی جو اپنے پاؤں سے لوگوں کو روندے (من المس چھونے سے) مس سے مراد جنون ہے یا چھوا جانا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے قصہ میں فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے بہت سارے لوگوں کے پاس لے گئے، ان لوگوں میں سے ہر ایک کا پیٹ بڑے کمرے کی طرح تھا، یہ لوگ فرعونیوں کی گزرگاہ کے سامنے تھے۔ فرعونی لوگ بھڑکائے ہوئے ان اونٹوں کی طرح جو اندھا دھند پتھروں اور درختوں کو روندتے چلے جاتے کچھ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے سے گزرتے تو ان کو آہٹ محسوس ہوتی تو وہ کھڑے ہونے لگے لیکن ان کے پیٹ ان کو لے جھکے اور وہ گر پڑے۔ وہ آگے سے ہٹ نہ سکے یہاں تک کہ فرعونی ان پر سے گزرتے اور روندتے چلے جاتے۔ آتے وقت بھی روندتے اور جاتے وقت بھی گویا یہ ان کو عذاب برزخ دیا جاتا ہے، دنیا میں اور آخرت کے درمیان میں دیا جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرعونی کہہ رہے تھے کہ اے الٰہی کبھی قیامت برپا نہ کرنا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں مبتلا کر دو، میں نے کہا اے جبرائیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا

کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے یہ نہیں اٹھیں گے مگر اس طرح جیسا کہ جن زدہ آدمی جن کے چمٹنے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔

(ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے) یہ آیت اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ سود بیع کی طرح ہے اور بیع جس طرح حلال ہے اس طرح سود بھی حلال ہے۔ اس وجہ سے سود کی حرمت نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی دوسرے مال کو اپنے لیے حلال سمجھتا تھا تو وہ اس سے مال کا مطالبہ کرتا تھا۔ غریم کو کہا جاتا کہ یہ فلاں کا حق ہے۔ اس کی ادائیگی میں جلدی کر دو تا کہ تمہارے مال میں اور زیادتی کی جائے۔ وہ دونوں اس طرح کرتے اور ان دونوں کو کہا جاتا کہ برابر ہے کہ یہ زیادتی اول ربح میں حاصل ہو یا تاخیر سے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور فرمایا (واحل اللہ البیع وحرم الربوا اللہ نے تمہارے لیے بیع کو حلال قرار دیا اور ربا کو حرام قرار دیا) ربوا لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن میں آتا ہے "وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس" اس سے کثرت مراد ہے۔ اگر مطلق زیادتی ہو تو پھر تجارت کے ذریعے سے جو زیادتی حاصل ہوتی ہے وہ حرام نہیں ہوتی۔ حرام وہ زیادتی ہوتی ہے جو خاص صفت کے ساتھ مال مخصوص میں ہو جس کو آپ علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ بیچو سونے کو سونے کے بدلے میں، اور نہ چاندی کو چاندی کے بدلے میں اور نہ گندم کو گندم کے بدلے اور نہ جو کو جو کے بدلے اور نہ کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک کو نمک کے بدلے میں مگر برابر سرابر آمنے سامنے ہاتھ در ہاتھ لیکن سونے کو چاندی کے بدلے میں اور چاندی کو سونے کے بدلے میں اور گندم کو جو کے بدلے میں اور جو کو گندم کے بدلے میں یا کھجور کے بدلے میں ہاتھ در ہاتھ جیسا کہ تم چاہو۔ خواہ ان دونوں اشیاء میں ایک کم ہو۔ نمک، تمر وغیرہ یا زیادہ ہو اور اگر دونوں کی جنس ایک ہو اور اس میں کمی زیادتی ہو تو ربا ہے۔ یہ روایت مطرف عن محمد بن سیرین مسلم بن یسار سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن عتیک سے اور وہ عبادہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد چھ اشیاء میں نص ہے۔ بعض اہل علم کا اس میں یہ قول ہے کہ ربا کا حکم انہی اشیاء میں ثابت ہوتا ہے جب یہ اوصاف دوسری چیزوں میں پایا گیا تو وہاں بھی ربوا متحقق ہوگا۔ پھر آئمہ کرام کا اس کے اوصاف میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ ربوا کا معنی نفع ہے۔ لہٰذا ربوا تمام مالوں میں ثابت ہے۔

اور اکثر لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ربوا صرف دراہم اور دنانیر کے وصف کے ساتھ پایا جائے گا اور وہ ثمنیت ہے اور دوسری اشیاء میں ربوا کی علت طعم ہوتا ہے۔ اب اس وصف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ دراہم و دنانیر میں علت نقدی (ثمنیت) ہوتا ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ربوا کی علت قدر ہے اور یہی اصحاب الرائے کا قول ہے اور اس صورت میں ربوا تمام موزونات میں مثلاً لوہا، روئی وغیرہ میں پایا جائے گا اور باقی چار اشیاء میں علت ربوا کیل ہے اور یہی اصحاب الرائے کا قول ہے۔ ربوا تمام مکیلات میں ہوتا ہے خواہ ان میں طعم پایا جائے یا نہ پایا جائے جیسے چونا، کوئلہ وغیرہ اور بعض حضرات کے نزدیک طعم کے ساتھ کیل مع الوزن بھی علت ہے۔ یعنی جو چیز مطعوم ہو اور کیلی اور وزنی

ہو تو اس میں ربوا ہوتا ہے کسی زیادتی کے ساتھ۔ ان کے ہاں صرف مکیلی یا موزونی ہونا ربوا کی علت نہیں ہے اور یہ قول سعید بن المسیب کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول ہے اور جدید قول یہ ہے کہ ربوا کی علت طعم کے ساتھ ہے لہٰذا تمام مطعومات والی اشیاء میں خواہ وہ پھل ہوں یا سبزیاں ہوں یا کوئی ادویہ ہوں مکیلی ہوں یا موزونی ان میں اگر طعم پایا گیا تو ربوا ہوگا۔ جیسا کہ معمر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کھانے کو کھانے کے بدلے بیچنا ہاتھ در ہاتھ مثل در مثل۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ربوا کی علت طعم ہے۔

ربوا کی دو قسمیں ہیں "ربوا للفضل، ربو النساء" جب کسی نے مال ربوا اس کی جنس کے ساتھ فروخت کیا برابر سرابر اسی طور پر کہ اس نے ایک نقد کے ساتھ اور ایک ادھار کے ساتھ یا کھانے والی اشیاء اسی جنس کے ساتھ جیسے گندم کو گندم کے بدلے میں اور اسی طرح یہ ربوا کی قسم میں سے ہے یہ جائز نہیں مگر تساوی کے ساتھ اگر وہ موزونی ہو جیسے دراہم و دنانیر مساوات وزن میں شرط ہے اور اگر مکیلی چیزیں ہوں جیسے گندم جو اس کی جنس کے ساتھ بیچے تو اس کے کیل میں مساوات شرط ہے اور مجلس کے اندر قبضہ کرنا بھی شرط ہے۔ اگر جنس مختلف ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ ربوا والا وصف اس کے موافق ہے کہ نہیں۔ مثلاً کسی نے کھانے کی کوئی چیز نقدی چیزوں کے بدلے میں فروخت کی تو اس میں ربوا نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے کوئی چیز بغیر مال کے بیچا۔ اور اگر ایسی چیز بیچی جس کا وصف ایک ہو مثلاً دراہم کو دنانیر کے بدلے میں یا گندم کو جو کے بدلے میں یا طعم والی چیز کو طعم کے ساتھ بغیر جنس کے تو اس میں زیادتی ربوا نہیں۔ لہٰذا اس کو تفاضل کے ساتھ اور اندازے کے ساتھ جائز نہیں۔ "ربوا النساء" میں اور اسی کو مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ آپ علیہ السلام کا قول کہ نہ بیچو سونے کو سونے کے بدلے سے۔ آخر حدیث "الا سواءً بسواءٍ" تک اس حدیث میں مماثلت برابری سرابری واجب ہے اور تفاضل (زیادتی) حرام ہے جب جنس ایک ہو۔ اس حدیث میں عین بعین اس میں اُدھار کو حرام قرار دیا اور "یداً بید" سے مطلق تفاضل جب جنس مختلف ہو تو مجلس میں قبضہ واجب ہے۔ یہ "ربوا مبایعہ" ہے اور جو شخص کسی سے اس شرط پر قرض لے کہ وہ اس سے زیادہ لوٹائے گا تو یہ قرض منفعت کہلائے گا اور ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ ربوا ہے۔ (فمن جاءہ موعظۃ من ربہ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی) نصیحت کا پہنچنا خواہ تخویف کے ساتھ ہو یا تذکیر کے ساتھ یہاں پر فعل کو وعظ کی طرف لوٹایا گیا (فانتھی پس وہ رُک گیا) سود کھانے سے (فلہ ماسلف تو اس کے لیے جو کچھ ہو چکا وہ اسی کا رہا) گناہوں میں سے جو وہ پہلے کر چکا اس نہی سے پہلے وہ مغفور ہیں (وامرہ الی اللہ اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے رہا) سود کی ممانعت کے بعد چاہے تو جو اس سے بچے گا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا وہ چاہے تو اس کو ثابت قدم رکھے اور چاہے تو اس کو پھسلا دے اور بعض نے کہا کہ اس کا یہ کام اللہ کے سپرد ہے اس چیز کے بارے میں وہ اس کو حکم کرتا ہے یا لوگوں کو روکتا ہے اور جو لوگوں کے لیے اس کو حرام کرتا ہے اور حلال کرتا ہے اور نہیں ہے اس کی طرف کوئی چیز (ومن عاد اور جو شخص لوٹ آئے) سود کے حرام ہونے کے بعد اس کو حلال سمجھتا ہے تو (فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون یہ آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)......

عوف بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے منع فرمایا خون کے ثمن سے، کتے کی بیع کے ثمن سے، زانی کے ثمن اور لعنت فرمائی سود کھانے والے، کھلانے والے اور گودنے والی، گدوانے والی اور تصویر بنوانے والے پر۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر کھلانے والے پر لکھنے والے پر اور حاضر کرنے والے پر اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے ستر (مفاسد) دروازے ہیں ان میں ادنیٰ اپنی ماں سے زنا کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ)

۞ ویمحق اللہ الربوا ...... کفار اثیم (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) اس کو کم کرتے اور اس کے ذریعے مال کی ہلاکت اور اس کے ذریعے سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ "یمحق اللہ الربوا" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے نہ صدقہ قبول کرتے ہیں نہ جہاد، نہ حج اور نہ ہی کوئی صلہ رحمی (ویربی الصدقات اور صدقات کو بڑھاتے ہیں)۔

اس کے ثمرات اور ان کے لیے دُنیا میں برکت اور اس کے لیے دگنا اجر اور آخرت میں ثواب دیا جائے گا (واللہ ..... کفار اور اللہ تعالیٰ کسی کفر کرنے والے اور گناہ گار کو پسند نہیں کرتے) اس سے مراد سود ہے۔ اثیم اس کے کھانے کے سبب۔

۞ .....(ان الذین ......یحزنون بے شک وہ لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی، ان کے لیے اُن کا ثواب ہوگا، ان کے رب کے نزدیک اور ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے)۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞

(ترجمہ) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔

(تفسیر) ۞ (یا یہا ..... من الربوا اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور بقیہ سود چھوڑ دو) عطاء وعکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عباس بن عبدالمطلب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے کچھ خشک کھجوریں بیع سلم کے طور پر خریدی تھیں جب فصل ٹوٹنے کا وقت آیا تو خشک کھجوروں والے نے کہا کہ اگر آپ لوگ اپنا پورا حق لے لیں گے تو میرے بچوں کی ضرورت کے لیے کچھ نہیں بچے گا اس لیے مناسب ہے کہ آپ آدھا واجب الادا حق اس وقت لے لیجئے اور باقی کے لیے مدت مقرر کیجئے، میں آپ کو دوگنا کرکے دیدوں گا۔ دونوں حضرات اس تجویز پر رضامند ہوگئے۔ جب مدت مقررہ پوری ہوگئی اور وقت مقررہ آگیا تو زیادتی کا مطالبہ کیا اس کی اطلاع آپ علیہ السلام کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ممانعت فرمادی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئیں کہ یہ دونوں حضرات زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنو ثقیف کے بنی عمرو بن عمیر کو سودی قرض دیا کرتا تھا اور یہ دونوں اس کاروبار میں شریک تھے۔ جب اسلام آیا تو ان کا اس وقت بڑا سودی روپیہ لوگوں پر تھا انہی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے

دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا خوب سن لو جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے ہے۔ جاہلیت کے خون ساقط کر دیے گئے، اپنے خونوں میں سے سب سے پہلا خون ربیعہ بن حارث کا ساقط کرتا ہوں۔ یہ ربیعہ بن حارث کے قبیلہ کے شیر خوار تھے۔ بنو حذیل نے ان کو قتل کر دیا، جاہلیت کا سود ساقط کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط کرتا ہوں، عباس کا سب سود چھوڑ دیا گیا۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول قبیلہ ثقیف کے چار آدمیوں کے متعلق ہوا۔ مسعود عبد یالیل حبیب اور ربیعہ یہ چاروں عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے بیٹے تھے کہ یہ لوگ بنو مغیرہ بن عبداللہ بن عمیر بن مخزوم سے قرض لیا کرتے تھے اور یہ اس پر سود لیتے تھے۔ جب یہ لوگ طائف میں اسلام لے آئے تو انہوں نے بنو مغیرہ سے سود طلب کیا۔ اس پر بنو مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم لوگ اسلام میں سود نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے سود کو مٹا دیا ہے پس یہ جھگڑا عتاب بن اسید کے پاس چلا گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ میں عامل تھے۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا اور ان کے پاس بہت کثیر مال تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے گا۔ اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے۔ آسودگی تک۔ اور یہ (بات) کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

تفسیر: فان لم تفعلوا پھر اگر تم نہ کرو گے یعنی اگر تم سود سے نہیں بچو گے فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ تو آگاہ ہو جاؤ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ)

"فاذنوا" حضرت حمزہ، عاصم نے بروایت ابی بکر مد کے پڑھا ہے۔ "آمنوا" کی طرح مطلب یہ ہے کہ پس تم جان لو کہ تمہارے لیے جنگ کا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ "فاذنوا" یہ اصل میں اذن سے ہے اور بعض دوسرے قراء نے بغیر مد اور ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ جان لو تم اور یقین کر لو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے اعلان کا سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سود کھانے والے کو کہا جائے گا لڑائی کے لیے اپنے ہتھیار تیار کر لے۔ اہل معانی نے فرمایا کہ حرب اللہ سے مراد النار ہے یعنی اللہ کی طرف سے جنگ کا

اعلان کا مطلب ہے کہ دوزخ تیار کی ہوئی ہے اور حرب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد تلوار ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس کے لیے تلوار تیار کی ہوئی ہے۔

(وان تبتم اور اگر تم توبہ کرلو گے) تم سود کو حلال سمجھنا چھوڑ دو گے اور اس سے رجوع کرلو گے (فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے) کسی سے زیادہ مال طلب کر کے اس پر ظلم نہ کرو (اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا) یعنی اس کے بدلے میں تمہیں نقصان نہیں دیا جائے گا۔ بنو عمرو ثقفی سود کا کاروبار کرتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ چنانچہ سب لوگ اپنا اصل مال لینے پر راضی ہوگئے۔ اس پر بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت کے خواہش مند ہوئے لیکن قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کردیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۞ (وان کان ذو عسرۃ اگر کوئی تنگ دست ہو) اگر کوئی تنگدست قرض ہو "کان" کی خبر یہاں ذکر نہیں کی گئی کیونکہ اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کو ذکر نہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ان کان رجلاً صالحًا فاکرمہ" اور بعض نے کہا کہ "کان" معنی "وقع" کے ہے اس صورت میں کان خبر کا محتاج ہوگا۔ ابوجعفر عسرۃ سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (فنظرۃ پس مہلت دے) یہ مبتداء مؤخر ہے اور عبارت محذوف ہے۔ "فعلیہ نظرۃ" (الی میسرۃ کشادگی تک) نافع نے سین کے ضمہ کے ساتھ "میسُرۃ" اور دوسرے قراء نے سین کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سین کے ضمہ کے ساتھ "میسُرۃ" اضافت کی وجہ سے اس کا معنی "یسار وسعۃ" ہے یعنی قرض خواہ پر وسعت اور کشادگی کرے (وان تصدقوا اور اگر تم معاف کردو گے) تم قرض خواہ پر اصل مال معاف کردو گے۔ اس کی تنگی کی بناء پر (خیر لکم ان کنتم تعلمون تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کو خبر ہو) عاصم نے "تصدقوا" میں بغیر تشدید کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے صاد کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

تنگ دست کو ادائے قرض میں مہلت دینے کی فضیلت

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ کسی شخص سے قرض کا مطالبہ کر رہے تھے، وہ شخص چھپ گیا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس شخص نے کہا تنگ دستی کی وجہ سے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تنگدستی ہونے کی قسم لی تو اس نے قسم کھالی، آپ نے چیک منگوا کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کردے اللہ قیامت کے دن اس کو سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں نے پہلی امتوں میں سے کسی شخص کی روح قبض کی اور اس سے پوچھا کہ کبھی تو نے کوئی نیک کام کیا ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ ملائکہ نے کہا کہ یاد کر، اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیکی نہیں کی، ہاں اتنی بات ہے کہ جن لوگوں کو میں قرض دیا کرتا تھا اور

میں نے اپنے کارندوں سے کہہ دیا تھا کہ تنگدست کو معاف کر دیا کرو اور فراخدست کو مہلت دیا کرو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم بھی اس شخص سے درگزر کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ علیہ السلام سے جھگڑا کیا حق کہ اس نے جھگڑے میں مزید شدت اختیار کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو گھورنا پکڑنا چاہا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس بھائی کا حق مجھ پر ہے اس کے لیے ایک اونٹ خرید دو اور اس کو عطا کر دو تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے افضل اونٹ لوں گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسا ہی خرید کر دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی خرید کر دیا اور فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو ادائیگی میں اچھا ہو۔

قرض ادا کرنے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مؤمن کا دل قرض کے ساتھ لٹکا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو ادا نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ انصاری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے (ثابت قدمی پر) صبر کرتے ہوئے اور جہاد کے میدان میں پیٹھ بھی نہ پھیرے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جی ہاں جب وہ شخص چلا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو دوبارہ بلوایا یا بلوانے کا حکم دیا پھر اس کو آواز دی گئی جب وہ شخص آ گیا تو آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ میں نے کیسے کہا اس بات کو دوبارہ لوٹاؤ، پھر اس کی بات مکمل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا جی ہاں! سب کچھ معاف ہو جائے گا مگر دین (قرض) معاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر ﴿۲۸۱﴾ (واتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰه اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا) اہل بصرہ نے "تَرْجِعُونَ" پڑھا ہے یعنی تم لوٹو گے اور بعض حضرات نے "تُرْجَعُوْنَ" تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جیم کے فتحہ کے ساتھ مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (ثم توفی ..... یظلمون پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا بدلہ دیا جائے گا) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کو سورۃ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے بعد رکھو اس کے نزول کے بعد آپ علیہ السلام اکیس دن زندہ رہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ نو راتیں زندہ رہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سات راتیں زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی وفات پیر کے دن تین ربیع

الاوّل کو زوال کے بعد گیارہ ہجری میں ہوئی۔ امام شعبی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آخری آیت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سود کے متعلق تھی۔ بعض نے کہا کہ آیت پر وحی کو ختم کر دیا۔ "یا یھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سود کو حرام کیا تو سلم کو حلال قرار دیا اور فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ بیع جس کی ادائیگی ثمن کی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے اللہ نے اس کو حلال کیا اور اس کی اجازت دی ہے پھر یہ پڑھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْــَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے۔ اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو (لکھنا) سکھلا دیا اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔ اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا لئے جاویں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں ایک دوسری کو یاد دلا دے۔ اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا کریں اور تم اس دین کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور

زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو۔ تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں۔ اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید وفروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا (تم پر احسان ہے) کہ تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں

تفسیر ❷❽❷ (یا یھا الذین ...... مسمی اے ایمان والوں جب تم ادھار، لین دین والا معاملہ کرو ایک میعاد معین تک) اس کو لکھ لیا کرو۔ "اذا تداینتم" سے مراد ہے کہ جب تم اُدھار کا معاملہ کرو جیسے کہا جاتا ہے "داینتہ اذا عاملتہ بالدین" بدین کا ذکر "تداینتم" کے بعد کیا کیونکہ مداینۃ میں مجازاۃ اور کبھی معاطاۃ بھی ہوتا ہے پھر اس کو دین کے ساتھ مقید کیا تا کہ لفظ کی مراد واضح ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تاکید کے طور پر دوبارہ ذکر کیا۔ "اجل" سے مراد مدت معلوم ہو ابتدائی مدت ہو یا انتہائی ہو اور اجل ثمن میں اور بیع سلم میں مقرر کرنا لازم ہے تا کہ صاحب حق وقت سے پہلے مطالبہ نہ کرے اور قرض میں اجل لازم نہیں۔ یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے۔

لین دین لکھنے کا حکم

"فاکتبوہ" سے مراد کہ اس معاملہ کو لکھ لیا کرو خواہ وہ معاملہ بیع شراء کا ہو یا بیع سلم کا ہو یا قرض کا ہو، اس لکھنے کے حکم کے متعلق آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ لکھنا واجب ہے اور اکثر حضرات کے نزدیک لکھنا مستحب ہے۔ اگر لکھنے کو چھوڑ دیا گیا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض" نماز کے بعد زمین پر پھیل جانا اس میں کوئی حرج نہیں مستحب ہے اور بعض نے کہا کہ قرض کے متعلق لکھنا اور گواہی کے متعلق یا رہن کے متعلق لکھنا پہلے فرض تھا پھر یہ سب منسوخ ہو گیا۔ اس آیت سے "فان امن بعضکم بعضًا فلیؤد الذی اؤتمن أمانتہ" اور یہ قول امام شعبی رحمہ اللہ کا ہے پھر اس کے بعد اللہ عزوجل نے اس کی کیفیت بیان فرمائی (ولیکتب بینکم کاتب بالعدل اور چاہیے تو لکھ دے تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ) قرض لکھنے والا مدیون اور دائن دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے نہ تو وہ لکھنے میں کسی کا حق کم لکھے اور نہ ہی زیادہ اور نہ مقررہ مدت کو کم کر کے لکھے اور نہ ہی بڑھا کر لکھے (ولا یاب اور نہ انکار کرے) نہ روکے (کاتب أن یکتب لکھنے والا لکھنے سے)۔ اس بات میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا لکھنے والے پر تحریر کرنے اور گواہ پر گواہی دینا واجب ہے؟ بعض حضرات نے کہا کہ ان دونوں پر واجب ہے کہ جب ان کو طلب کیا جائے۔

یہ قول مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر لکھنا واجب ہے جب اس کے علاوہ اور کوئی لکھنے والا نہ ہو اور بعض نے کہا کہ کاتب اور شاہد پر مستحب ہے کہ وہ لکھیں یا گواہی دے اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھنا اور شاہد کے لیے گواہی دینا واجب ہے۔ یہ اس آیت "ولا یضار کاتب ولا شہید" سے منسوخ ہے (کما علمہ اللہ جیسے سکھایا اس کو اللہ نے) جیسا کہ

اللہ نے اس کو شروع فرمایا اور حکم دیا۔ (پس چاہیے کہ وہ لکھ دے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو) مطلوب اس کے سامنے اس بات کا اقرار کرے تا کہ دوسرے کو معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا واجب ہے۔ املال اور املاء یہ دو فصیح لغتیں ہیں لیکن ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ املال کا ذکر تو یہاں ذکر کیا گیا اور املاء کا ذکر دوسری جگہ "فھی تملی علیه بکرۃ و اصیلاً" (ولیتق اللہ ربه اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے) لکھتے وقت اللہ سے ڈرتا رہے (ولا یبخس منه شیئا اور اس سے ذرہ برابر بھی کمی نہ کرے) اس سے کمی نہ کیا کرو جو حق اس پر واجب ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہ کرے (فان کان الذی ...... سفیھا) پس اگر وہ جس پر حق ہو وہ ناقص العقل ہو) یعنی لکھنے سے جاہل ہو۔ امام مجاہد اور ضحاک، سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد چھوٹا بچہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سفیھا" سے مراد فضول خرچ ہے جس پر قرض ہو (او ضعیفا یا وہ بوڑھا ہو) بوڑھا شیخ مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے ضعیف العقل یا چھوٹا بچہ یا مجنون ہو (او لا یستطیع ان یمل یا وہ خود لکھانے کی قدرت نہیں رکھتا) گونگا ہونے کی وجہ سے یا اندھا ہونے کی وجہ سے یا عجمی ہونے کی وجہ سے یا قید میں ہونے کی وجہ سے یا غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا اس تک کتابت کا پہنچانا ناممکن ہو یا اس کی جگہ کا علم نہ ہو (ھو فلیملل ولیه تو چاہیے کہ لکھوائے اس کا ولی) ولی جو اس کا سرپرست ہے (بالعدل انصاف سے) مراد صدق اور حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک اس سے مراد قرض دینے والا ہے۔ اگر یہ لکھوانے سے عاجز ہے تو ولی اس کا حق لکھوائے اور صاحب دین انصاف سے لکھوائے کیونکہ اس کو اس کے قرض کا علم ہے (واستشھدوا اور گواہ بنالو) اس پر گواہ مقرر کرلو (شھیدین دو گواہ) گواہی دینے والے دو اشخاص (من رجالکم تم اپنے مردوں میں سے) رجال سے مراد آزاد مسلمان ہو غلام اور بچہ نہ ہو اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ شریح ابن سیرین نے غلاموں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے (فان لم یکونا رجلین پھر اگر وہ مرد نہ ہوں) دو گواہ مرد نہ ہوں (فرجل وامرأتان تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں) پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔

بچوں اور عورتوں کی گواہی کا حکم

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی اموال میں جائز ہے اور غیر اموال میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک عقوبات کے علاوہ میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ یہ قول سفیان ثوری اصحاب الرائی کا ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک غیر مال میں دو عادل مردوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کاموں میں عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی جن کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ ولادت اور رضاعت ثیبہ بکارۃ کے مسائل میں (عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی) اور اگر مرد نہ ہو تو چار عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

اور اس بات کا اس میں اتفاق ہے کہ عقوبات (سزائیں، حدود، قصاص) میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں (ممن ترضون من الشھداء جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں سے) جن سے تم راضی ہو۔

شرائط شہادت

ان کی دیانت اور امانت سے شہادت کی قبولیت کی سات شرائط ہیں۔ مسلمان ہوں، آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، عادل ہوں، صاحب مروت ہوں، متہم نہ ہوں۔

کن کی شہادت مقبول ہے اور کن کی شہادت مردود ہے

کافر کی شہادت مردود ہے کیونکہ لوگوں کے نزدیک ان کا کذب مشہور ہے اس لیے ان کی گواہی جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر کذب کرے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اس کی گواہی مردود ہو اور بعض حضرات نے اہل ذمہ کی شہادت ذمی کے لیے جائز ہے۔ غلام کی شہادت مقبول نہیں لیکن شریح اور ابن سیرین کے نزدیک غلام کی شہادت جائز ہے اور یہی قول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے اور نہ ہی مجنون کا قول یہاں تک کہ اس کی شہادت دی جائے اور نہ ہی بچے کی گواہی معتبر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے جائز نہیں "ممن ترضون من الشهداء" عدالت شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ گواہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور مروءۃ کی شرط ہے ان آداب کا خیال رکھا جائے جن کے ترک کرنے سے حیاء میں کمی محسوس ہو جاتی ہے۔ حسن الهیئت ہو، حسن سیرت، حسن معاشرت اور حسن صناعت ہو۔ انسان سے ایسی چیز ظاہر ہو جائے جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیا آتی ہو تو ایسے امور سے شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ تہمت سے بچنا یہ بھی شرط ہے کیونکہ دشمن کی دشمن کے مقابلے میں شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ اگرچہ غیر کے معاملے میں اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے اور اپنے دشمن کے حق میں "متهم" ہے اور شہادت قبول نہیں باپ کی بیٹے کے لیے اور نہ ہی اس کے برعکس اگرچہ یہ دونوں مقبول الشہادت بھی ہوں۔ اور ایسے شخص کی شہادت بھی مقبول نہیں جس کی شہادت میں نفع ہو جیسے وارث کی گواہی جو اس کے مورث کے مقتول کے متعلق دے یا کسی ضرر کی بناء پر وہ اپنے آپ کو گواہی دینے سے بچائے جیسا کہ اگر کوئی شخص اس بات پر گواہی اس وجہ سے نہ دے کہ اگر میں نے فریق مخالف کے بارے میں گواہی دی تو وہ مجھے نقصان پہنچائے گا۔

حضرت عروہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ خائن اور خائنہ کی گواہی معتبر نہیں اور نا تجربہ کار کی گواہی اپنے بھائی کے لیے اور نہ آقا کی اپنے غلام کے لیے اور نہ ہی قریبی رشتہ دار کی اور نہ قانع کی اپنے گھر والوں کے لیے (أن تضل احدهما ان دونوں میں سے کوئی ایک بھول جائے) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے "إن تضل" ان شرطیہ اور مکسور ہے اور "فتذكر" مرفوع ہے اور یہ پورا جملہ جزاء ہے۔ اس صورت میں "تضل" مجزوم ہوگا شرط کی وجہ سے مگر تشدید کی بناء پر اس پر جزم نہیں آتی اور دوسرے حضرات نے "أن تضل" میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں ان ناصبہ ہے "تضل" مفتوح اور "فتذكر" بھی منصوب ہوگا اور "فتذكر" کا عطف "تضل" پر ہے اس لیے یہ منصوب ہوگا۔ آیت کا معنی یہ

ہوگا کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی (احدٰھما الاخرٰی تو ان میں سے ایک دوسرے کو یاد دلا دے) "تضل" کا معنی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے گواہی دینے میں تو دوسری یاد دلا دے گی وہ اس طرح کہے کہ ہم فلاں مجلس میں حاضر نہیں تھے اور کہا ہم نے ان سے سنا نہیں۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "فتذکر" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے "ذکر" اور "اذکر" کا معنی ایک ہی ہے یہ دونوں ذکر سے متعدی ہیں یہ نسیان کی ضد ہے۔ سفیان بن عیینہ سے حکایت کی گئی کہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد کہ ایک دوسری عورت کو بات کرکے یاد دلا دے یعنی ایک کی یاد دہانی سے دوسری بھی اس پر گواہی دے۔ پہلی صورت اولیٰ ہے دوسری سے۔ (ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا اور گواہ (گواہی دینے سے) انکار نہ کریں جب بلایا جائے) بعض حضرات نے کہا کہ جب ان کو شہادت کے لیے بلایا جائے تو ان کو حاضر ہونا چاہیے۔ شہداء کے نام کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی شہداء (گواہی دینے کے اہل) ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ امر وجوب کے طور پر ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ جب ان کے علاوہ اور کوئی گواہی دینے والا موجود نہ ہو تو ان کو گواہی دے دینی چاہیے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہوں تو ان کو اختیار ہے اور یہی قول حسن کا ہے اور بعض قوم نے کہا کہ یہ حکم مندوب ہے تمام احوال میں خواہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو یا نہ ہو۔ آیت کا معنی یہ ہوگا اور گواہ انکار نہ کریں جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے جب وہ شہادت کے اہل ہوں۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گواہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ گواہی نہ دے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام کاموں میں تحمل شہادت کا ہونا ضروری ہے جب کہ وہ فارغ ہو (ولا تسامُوا اور نہ سستی کرے) "تملوا" سے ہے اپنے نفسوں پر گواہی دینے سے ملال نہ کرو (ان تکتبوہ کہ تم اس کو لکھو) ہ ضمیر حق کی طرف راجع ہے۔ (صغیراً چھوٹا ہو) وہ حق (او کبیراً یا بڑا ہو) وہ حق تھوڑا ہو یا زیادہ (الی اجلہ ایک میعاد مقررہ تک) اس حق کی ادائیگی کی جگہ (ذلکم یہ) مراد کتاب ہے (اقسط زیادہ انصاف) عدل مراد ہے (عنداللہ اللہ کے نزدیک) کیونکہ یہ حکم اللہ ہی نے دیا ہے۔ اس حکم کی اتباع کرنا زیادہ اولیٰ ہے اس کے ترک کر دینے سے (واقوم للشھادۃ اور ادا شہادت کو بہت قائم رکھنے والا) کیونکہ کتابت شہادت کو یاد دلاتی ہے (وادنی اور زیادہ قریب) یہ زیادہ آسان اور اس کے زیادہ قریب ہے (الا ترتابوا کہ نہ شبہ میں پڑو) گواہی دینے میں شک میں نہ پڑو (الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ مگر یہ کہ تجارت ہو دست بدست) عاصم نے اس کو منصوب پڑھا کان کی خبر ہونے کی وجہ سے اور اس کا اسم ضمیر ہے۔ عبارت یہ ہوگی "الا ان تکون التجارۃ تجارۃ او المبایعۃ تجارۃ" اور دوسرے حضرات نے "تجارۃٌ حاضرۃٌ" مرفوع پڑھا ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ① تکون تامہ ہو تو اس صورت میں "تدیرونھا تجارۃ" کی صفت ہوگی۔ ② اور اگر تکون کو ناقصہ کہا جائے تو اس صورت میں "تدیرونھا" خبر ہوگی (تدیرونھا بینکم جسے تم لیتے رہتے ہو آپس میں) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مگر یہ کہ لین دین دست بدست جس کو تم آپس میں لیتے رہتے ہو اور جس کی میعاد متعین نہ ہو (اس کو نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں) مراد اس سے تجارت ہے۔

(واشھدوا اذا تبایعتم اور خرید وفروخت کے وقت گواہ بنالیا کرو) ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ عزم کرنا ہے گواہی دینا واجب ہے چھوٹے کے حق میں بڑے کے حق میں نقدی ہو معاملہ یا اُدھار ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ حکم بطور امانت کے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فان امن بعضکم بعضًا" بعض نے کہا کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے (ولا یضار کاتب ولا شھید اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو) یہ نہی غائب کے لیے ہے۔ "یضار" اصل میں "یضارِرْ" تھا۔ ایک راء کو دوسری راء میں مدغم کیا گیا اور نصب دیا گیا۔ اس کے اصل صیغہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ "یضارِرْ" انہوں نے اس نہی کو کاتب اور شاہد کے ساتھ قرار دیا ہے۔ آیت کا معنی یہ بنے گا کہ کاتب کسی کو تکلیف نہ دے کہ وہ لکھنے سے انکار کردے اور نہ کوئی گواہ تکلیف دے بایں طور پر کہ وہ گواہی دینے سے انکار کرلے، یہ طاؤس، حسن اور قتادہ کا قول ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصل میں "یضارَرْ" تھا۔ فعل مجہول اس صورت میں کاتب اور شاہد دونوں مفعول ہوں گے۔ معنی یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص کاتب یا شاہد کو بلائے۔ اس حال میں کہ وہ دونوں کسی اہم کام میں مشغول ہوں تو جب ان سے کہا جائے تو یہ دونوں جواب میں کہیں کہ ہم اہم کام میں مشغول ہیں، ہمارے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو (وان تفعلوا اور اگر تم کروگے) (جس ضرر رسانی سے ہم نے تم کو منع کردیا ہے اگر وہ فعل تم کروگے) (فانہ فسوق بکم تو اس میں تمہارے لیے گناہ ہوگا) فسوق سے مراد معصیت اور اس حکم سے خروج ہے۔ (واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ بکل شیء علیم اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جاننے والے ہیں)

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

(ترجمہ) اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دے دی جاویں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق (پورا پورا) ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گنہگار رہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

(تفسیر) ۲۸۳ (وان کنتم علی سفر ولم تجدوا ...... مقبوضۃ اور اگر تم کسی سفر میں ہو اور نہ پاؤ تم کاتب سو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو قبضہ میں دی جائیں) ابن کثیر اور ابوعمرو نے "فَرُھُن" پڑھا ہے راء اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے "فَرِھٰنٌ" یہ جمع ہے رھن کی جیسے بغل جمع ہے بغال کی اور جبل جمع ہے جبال کی، رھن جمع ہے رھان کی جمع الجمع ہے۔ یہ فراء اور کسائی نے کہا اور ابوعبیدہ وغیرہ نے کہا "رُھُنٌ" بھی "رَھْنٌ" کی جمع ہے جیسے "سُقُفٌ" جمع ہے "سَقْفٌ" کی اور ابوعمرو نے

"فرھنٌ" پڑھا ہے اور اس کے درمیان اور رھان الخیل کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ "رُھنٌ" راء کے ضمہ اور سکون الھاء کے ساتھ ہے۔ رھن تخفیف یا تشدید دونوں لغتیں ہیں جیسے "کُتْبٌ، کُتُبٌ" اور "رُسْلٌ، رُسُلٌ" آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم حالت سفر میں ہو اور کوئی کاتب لکھنے والا نہ پاؤ تو اس کے بدلے میں رھن رکھو جس سے قرض وغیرہ لیا ہے ہو تاکہ یہ تمہارے مالوں کو محفوظ رکھے اور اس بات میں اتفاق ہے کہ رھن اس وقت تک تام نہیں ہوتا مگر قبضہ کے ساتھ۔ "فرھنٌ مقبوضۃ" کا معنی ہوگا کہ رھن رکھو اور اس پر قبضہ کرو یہاں تک کہ اگر کسی نے رھن رکھ لیا اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو راھن پر تسلیم کرنے سے مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر اس نے راھن پر قبضہ کر لیا تو راھن پر واپس کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح اس راھن پر اس وقت تک مرہونہ چیز واپس کرنا ضروری نہیں جب تک کہ وہ اس پر قبضہ نہ کرے اور اسی طرح رھن رکھنا اقامت کی حالت میں بھی جائز جب کوئی کاتب موجود ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رھن رکھنا صرف سفر میں جائز ہے حضر میں جائز نہیں اور سفر میں جب کوئی کاتب نہ ہو۔ دلیل اس پر وہ روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی زرہ ابی شحم یہودی کے پاس رھن رکھی اور نہ تو وہ سفر میں تھے اور نہ ہی ان کے پاس کاتب تھا (فان امن بعضکم بعضاً اگر تم میں سے بعض بعض کا اعتبار ہو) حضرت اُبی بن کعب نے "فان ائتمن" پڑھا ہے یعنی قرض دینے والا قرض لینے والے کی طرف سے مطمئن ہو اور اس سے حسن ظن ہو تو پھر رھن رکھنے کی ضرورت نہیں۔

(فلیؤد الذی ائتمن امانتہ پس اس کو چاہیے کہ امانت دار کی امانت ادا کرے) یعنی اس کی امانت قرض واپس ادا کرے (ولیتق اللہ ...... ربہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے) حق کے ادا کرنے میں یہاں خطاب سے شہود کی طرف اشارہ ہے (ولا تکتموا الشہادۃ اور شہادت کو مت چھپاؤ) یعنی جب تم کو گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو تم گواہی کو نہ چھپاؤ اس پر وعید فرمائی ہے اور (ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا) اس کا دل فاجر ہوگا۔ بعض نے کہا کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا گویا کہ کتمان شہادت پر وعید فرمائی ہے۔ اثم قلبہ سے مراد دل کا مسخ ہو جاتا ہے "نعوذ باللہ من ذالک" (واللہ بما تعملون علیم اور جانتا ہے جس کو تم کرتے ہو) شہادت کو چھپانے کے متعلق اللہ جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ

فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں۔ ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔ پھر (بجز کفر و شرک کے) جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر: ⑪ (للہ ...... الارض اور اللہ کے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی اسی کی ملک ہے

اور اس میں رہنے والے اس کے بندے ہیں اور جس چیز کے تم مالک ہو (اس کا بھی وہی مالک ہے)..... (وان تبدوا ..... قدیر اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ قیامت کے دن اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پس بخش دے گا جس کو چاہے گا اور سزا دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت ماقبل کے ساتھ متعلق ہے یا علیحدہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت خاص ہے اس کی خصوصیت کی وجہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت پچھلی آیت کے ساتھ متصل ہے یہ کتمان الشہادۃ کے متعلق نازل ہوئی۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر تم اپنے نفسوں میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرو یعنی جو تم نے گواہی میں کمی بیشی کی یا اس کی بیشی کو ظاہر کرنے سے پرہیز کیا تو اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔ یہ قول امام شعبی اور حضرت عکرمہ کا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ کافروں سے دوستی کا جو خیال تمہارے دلوں میں ہے یا تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تم سے اس کا محاسبہ ضرور کرے گا اور یہی قول مقاتل کا ہے جس طرح سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ "لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین" سے لے کر "قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللّٰہ" بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد عام ہے پھر بعض حضرات کا آپس میں اختلاف ہے کہ یہ منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد آرہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی "للّٰہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وان تبدوا ..... الآیۃ" جب یہ آپ علیہ السلام پر نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق گزری۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوزانو بیٹھ کر انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز، روزہ، جہاد اور خیرات کا ہم کو جو حکم دیا گیا اس کو ادا کرنے کی ہم میں طاقت تھی لیکن اب یہ آیت آپ پر نازل ہوئی اس پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کیا تم وہ بات کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے یہود و نصاریٰ (اہل کتاب) نے کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا "سمعنا وعصینا" بلکہ تم یوں کہو "سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" جب لوگ یہ آیت پڑھنے لگے اور زبان پر یہ الفاظ خوب رواں ہوگئے تو یہ آیات نازل ہوگئیں "امن الرسول" سے لے کر "والیہ المصیر" تک پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کردیا۔ اس آیت سے "لایکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا او اخطانا" تک پڑھا۔ فرمایا جی ہاں پھر پڑھا "ربنا ولا تحمل علینا ...... من قبلنا" تک تو فرمایا جی ہاں "ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا" فرمایا جی ہاں۔ پھر "واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین" فرمایا جی ہاں

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اُمت سے وسوسہ کو

معاف فرماتے ہیں جب تک اس پر کلام نہ کریں یا اس پر عمل نہ کریں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس لیے کہ منسوخ آیت سے خبر نہیں دی جاتی بلکہ نسخ وارد ہوتا ہے امر اور نہی کی صورت میں۔ "یحاسبکم به اللّٰه" خبر ہے اور اس میں نسخ وارد نہیں ہوتا۔ پھر اس کی تاویل میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ دل کو ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں کسب کے اعتبار سے۔ جیسا کہ فرمایا "بما کسبت قلوبکم" آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو چپکے سے کوئی چیز خرچ کرے یا اعلانیہ طور پر خرچ کرے یا اس کے اعضاء و جوارح سے کوئی حرکت یا اس کے دل میں کوئی بات آئی ہو تو اللہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہو جاتا ہے اور اس پر وہ محاسبہ بھی کرتا ہے۔ پھر جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور یہی حسن کا قول ہے۔ اس پر قرآن کی آیت دلالت کرتی ہے کہ "انّ السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولاً"۔ بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے اس کے اعمال کے متعلق ان سے پوچھے گا اور اس کی سزا و جزا دے گا جس کو وہ پوشیدہ طور پر بجا لائیں یا ظاہری طور پر۔ علاوہ ان امور کے جو امور ان کے دلوں میں آئے لیکن اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا دُنیا میں مصائب یا کسی اور وجہ سے اور وہ امور جن کی وجہ سے وہ غمگین اور نادم ہوتے ہیں۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے بندے کے اوپر سزا ہے جو اس کو پہنچتی ہے بخار کے متعلق ہو یا کوئی اور پریشانی حتیٰ کہ کانٹا چبھنے کے برابر یا جیب میں ہاتھ ڈالتے وقت جیب کو خالی پانے کی صورت میں بھی جب وہ اس پر غمزدہ ہوتا ہے اور "انا للّٰه وانا الیه راجعون" پڑھتا ہے اس سے مؤمن کے گناہ اس طرح معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خیر (بھلائی) کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دُنیا میں گناہ کی سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے برائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے گناہ کا بدلہ دُنیا میں نہیں دیتے بلکہ آخرت میں دیتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ "وان تبدوا مافی انفسکم" کی تفسیر یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور جن کا تم قصد کر چکے ہو یا ان کو تم نے ابھی تک اپنے دلوں میں چھپائے رکھا ہے اس پر بھی اللہ محاسبہ کرے گا اور وہ چیزیں جن کو تم نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا اور تم اس پر پختہ ہو (ارادہ رکھتے ہو) اس کا بھی اللہ تمہارا محاسبہ کرے گا۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ کیا ارادہ پر بھی مواخذہ ہوگا۔ سفیان نے کہا ہاں اور بعض نے کہا کہ اس محاسبہ کا معنی ہے اخبار اور تعریف۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا اگر تم ظاہر کر دو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اس پر عمل بھی کر لو یا تم ان چیزوں کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھو اور ان کی نیت بھی ان کاموں کے کرنے کی ہو، اللہ اس کا مواخذہ بھی کرے گا اور اس کی خبر بھی تمہیں بتلائے گا اور اس کو تم چھپاؤ گے بھی۔ پھر مؤمنین کی مغفرت کی جائے گی ان کے ایمان کی فضیلت کی وجہ سے اور کافروں

کو عذاب دیا جائے گا عدل کے اظہار کرنے کی وجہ سے یہ قول امام ضحاک کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "یحاسبکم بہ اللہ" فرمایا۔ "یواخذکم بہ" نہیں فرمایا اور محاسبہ اور مواخذہ دونوں الگ ہیں۔ اس پر دلیل وہ حدیث مبارک ہے کہ صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا تھا کہ جب یہ اپنی سواری کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نے نجوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو اپنے قریب کردے گا یہاں تک کہ اس کو عرش کے سائے کے نیچے بلالے گا اور وہ لوگوں سے چھپ جائے گا پھر اللہ رب العزت اس سے پوچھیں گے اے میرے بندے! کیا تو فلاں، فلاں گناہ کو جانتا ہے تو وہ کہے گا جی ہاں اے میرے رب! پھر اس بندے سے اللہ فرمائے گا اے بندے تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں اے میرے رب! یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اور وہ اب سوچے گا کہ اب تو میں ہلاک اور برباد ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے دُنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج کے دن میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کردیا۔ پھر ہر گناہ کے بدلے میں اس کو نیکیاں عطا کی گئیں۔ پس منافق اور کافر کو جب حاضر کیا جائے گا تو وہ جھوٹ کہیں گے اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے) "یغفرُ" اور "یعذبُ" رفع کے ساتھ ابو جعفر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے جنہوں نے مرفوع پڑھا انہوں نے ابتداء کی وجہ سے پڑھا اور جنہوں نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے ان کے ہاں یہ شرط کی وجہ سے ہے۔

طاؤس نے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتے ہیں اس کے گناہ کبیرہ معاف کردیں اور جسے چاہیں صغیرہ گناہ کی وجہ سے سزا دیں، نہیں کوئی اس سے پوچھ گچھ کرسکتا ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اور وہ سب مخلوق سے پوچھ گچھ کرسکتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۟ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

(ترجمہ) اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے۔

(تفسیر) ﴿۲۸۵﴾ (امن الرسول اعتقاد رکھتے ہیں رسول) "امن" بمعنی "صدق" "تصدیق" کے معنی میں ہے (بما انزل الیہ

من ربه والمؤمنون کل امن باللہ اس چیز پر جو ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی اور مؤمنین بھی سب کے سب ایمان لائے) یعنی ان مؤمنین میں سے ہر ایک ان چیزوں پر ایمان لائے۔ اسی وجہ سے فعل کو واحد لائے (وملائکته وکتبه ورسوله اور فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) حمزہ اور کسائی کے نزدیک "وکتابه" ہے۔ ان کے نزدیک واحد کا صیغہ ہے مراد اس سے قرآن مجید لیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں جمع ہی مراد ہوگا۔ اگرچہ واحد ہی ذکر کیا جائے۔ جیسا کہ اس آیت میں "فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتاب" اور دوسرے قراء نے "کتبه" جمع کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "وملائکته وکتبه ورسله" (لانفرق بین احد من رسله ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے) کہ بعض انبیاء پر تو ایمان لے آئیں اور بعض انبیاء کا انکار کریں۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں اضمار ہے اور "لانفرق" پڑھا ہے اور یعقوب نے کہا کہ "یفرق" ہے اور ضمیر غائب لفظ کل کی طرف راجع ہے معنی ہوگا "لایفرق الکل" اسی وجہ سے "بیان احد فرمایا" "بین احاد" نہیں فرمایا کیونکہ احد واحد اور جمع دونوں کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری ہے "فما منکم من احد عنه حاجزین" (وقالوا سمعنا واطعنا اور انہوں نے کہا ہم نے آپ کا فرمان سنا) یعنی آپ کا حکم اور آپ کی بات (فرمان) حضرت حکیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اللہ نے آپ کی اور آپ کی اُمت کی ثناء کی ہے۔ آپ اللہ سے کچھ سوال کیجئے پورا کیا جائے گا۔ پس اللہ کی تلقین سے آپ نے سوال کیا (غفرانک ہمیں مغفرت عطا فرما) منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "اغفر غفرانک" یا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا "ای نسالک غفرانک" (ربنا والیک المصیر اے میرے رب مرنے کے بعد تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے۔ اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے رب ہم پر دار و گیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا) نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔ اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو۔ اور رحمت کیجئے ہم پر۔ آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔

تفسیر ۞ (لایکلف..... وسعھا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر جو اس کی طاقت میں ہو) آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کی ضروریات ہیں کہ اللہ ان کی طاقت اور حاجت کے مطابق مکلف بناتے ہیں۔ گویا یہاں ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے مگر وسعت کے مطابق تو جواب میں کہا گیا کہ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" اس سے مراد طاقت ہے۔

لایکلف اللہ نفساً کی مختلف تفاسیر

وسع کہا جاتا ہے جو انسان کے لیے آسانی ہو تنگی نہ ہو۔ اس کی تاویل میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء اور اکثر مفسرین کے نزدیک "لا یکلف اللہ" سے مراد حدیث النفس ہے جو ماقبل آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" میں گزر چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد خاص مؤمنین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے امور دین میں وسعت عطا فرمائی اور ان کا مکلف نہیں بنایا مگر یہ کہ وہ اس کی طاقت رکھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" سفیان بن عیینہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسانی ہی کرتا ہے کسی انسان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا اور یہ قول حسن رحمہ اللہ کا بھی ہے کیونکہ آسانی انسان کی طاقت میں ہی ہوتی ہے (لھا ما کسبت ای کے لیے ہے جو اس نے کمایا) اسی کے لیے جو اس نے اپنے لئے نیکی یا ثواب کمایا (وعلیھا ما اکتسبت اور اسی پر ہے جو اس نے کمایا) اس سے مراد برائی ہے اور اس کا بوجھ اسی پر ہوگا (ربنا لاتؤاخذنا اے ہمارے رب! تو نہ پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں) تو "اخذنا" کا معنی ہے کہ تو ہمیں سزا دینا جو غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ جب کسی کام کو بھول جاتے جس کا ان کو حکم دیا گیا یا غلطی کر لیتے تو اسی وقت ان کو سزا ملتی، فوراً کھانے پینے کی کوئی چیز (ان نسینا اس گناہ کی وجہ سے) حرام کر دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے دنیا میں ترک مواخذہ کا سوال کریں اور بعض نے کہا کہ یہ وہ بھولنا مراد ہے جس کا حکم چھوڑ دینے کا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "نسوا اللہ" "اللہ نے ان کو بھلا دیا (او اخطانا یا ہم سے کوئی بے پروائی ہو جائے) اس کا معنی ہے وہ غلطی جو ارادہ کے ساتھ یا جان کر ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اخطا فلان اذا تعمد" اگر کوئی جان کر غلطی کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان قتلھم کان خطئا کبیرا" عطاء فرماتے ہیں کہ "ان نسینا او اخطانا" کا معنی ہے "جھلنا او تعمدنا" اور بعض حضرات نے کہا کہ خطا وہی ہے جو جہالت اور غلطی سے کی جائے اس لیے کہ جان کر جو بات کی جاتی ہے وہ معاف نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی مشیت پر ہے کہ وہ چاہے تو معاف کرے اور خطاء وہ جو قابل معافی ہو۔ جیسا کہ ارشاد پیغمبری ہے کہ میری امت سے خطاء اور نسیان کو معاف کیا گیا اور جس پر

زبردستی کی گئی اس کو بھی معاف کیا گیا۔ (ربنا ... اصرا اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیج) اصراً کہتے ہیں ایسا بوجھ جو بھاری ہو اور ایسا عہد جو مشکل ہو جس بوجھ کی وجہ سے انسان کھڑا نہ ہو سکے اور ایسا عہد جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔ اسی کی بناء پر عذاب سے بچا۔ (کما حملتہ ... قبلنا جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے) اس سے مراد یہود ہے ان پر احکام نازل کیے تو انہوں نے اس کو پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کو عذاب دیا گیا۔ یہ قول امام مجاہد، عطاء، قتادہ، سدی، کلبی اور دوسری جماعت نے ذکر کیا جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کر رہا ہے۔

"واخذتم علی ذلکم اصری" مراد اس سے عہد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہم پر وہ سختی اور وہ احکام نازل نہ فرما جو ماقبل یہود پر نازل فرمائے تھے اور وہ احکام پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور اپنے مالوں سے چوتھائی کی زکوٰۃ ادا کرنا اور جس کے کپڑے پر نجاست لگ جاتی اس کے کاٹنے کا حکم اور جو شخص رات کو کوئی گناہ کرتا تو صبح وہ گناہ اس کے دروازے پر لکھا ہوتا اور اس جیسے احکام۔ یہ قول عثمان، عطاء، مالک بن انس، ابی عبیدہ (رضی اللہ عنہم) اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلیل ہے "ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" بعض نے کہا کہ اصراً سے مراد گناہ ہے جس کی توبہ نہ کی گئی ہو معنی یہ ہوگا کہ ہمیں ان سے ایسے گناہوں سے معاف فرما تا الاصل اس میں عقل اور احکام ہے (ربنا ولا ... لنا بہ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہ ہو) ایسے اعمال کا ہمیں مکلف نہ بنا جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حدیث النفس اور وسوسہ ہے۔ مکحول سے حکایت ہے کہ فرمایا اس سے مراد غلمۃ ہے۔ غلمۃ سے مراد گواہی میں شدت اختیار کرنا۔ ابراہیم سے مروی ہے کہ اس سے (حب) مراد ہے۔ محمد بن وہاب نے کہا کہ اس سے مراد (عشق) ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ اس سے مراد بندر اور خنزیر کی طرف مسخ ہو جانا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد "شماتۃ الاعداء" (کافروں پر فتح یابی) ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے فرقت اور قطعیت مراد ہے (واعف عنا اور تو ہم سے درگزر فرما) ہم پر مواخذہ نہ کرنا اور ہم سے درگزر کرنا، ہمارے گناہوں کو (واغفرلنا اور ہمیں بخش دے) ہمارے گناہوں پر پردہ ڈال اور ہمیں رسوا نہ کر (وارحمنا اور ہم پر رحم کر) ہم کچھ نہیں کر سکتے جو نیکیاں ہم کرتے ہیں یا جو گناہ ہم چھوڑتے ہیں صرف تیری ہی رحمت سے کرتے ہیں (انت مولانا تو ہمارا آقا ہے) ہمارا مددگار ہے ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور تو ہی ہمارا ولی ہے۔

(فانصرنا پس فتح عطا فرما کافر قوم پر) روایت کیا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں "غفرانک ربنا" پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قد غفرت لکم" میں نے تم کو بخش دیا اور آگے فرمایا "لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا" فرمایا "لا اواخذکم" میں تم سے مواخذہ نہیں کروں گا پھر فرمایا "ربنا ولا

تحمل علینا اصرا“ اس کے جواب میں فرمایا”لا احمل علیکم اصرا“ اور ”ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ“ کے جواب میں اللہ نے فرمایا ”لا احملکم“ اور ”واعف عنا“ سے آخر آیت تک کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا میں نے تمہارے گناہ معاف کیے، بخش دیئے اور تم پر رحمت فرمائی اور تم کو کافروں پر فتح یاب کیا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب سورۃ بقرہ ختم فرماتے تو آمین کہتے۔

سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کرائی گئی تو آپ علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے اور زمین کے چڑھنے والے اعمال بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں اور لے جاتے ہیں اور اوپر سے اترنے والے بھی اسی جگہ تک پہنچے اور لے لیے جاتے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ پر وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ”اذ یغشی السدرۃ ما یغشی“ میں آیا ہے اس جگہ تین چیزیں عطاء ہوئیں۔ پانچ نمازیں، سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان لوگوں کی معافی جو شرک سے محفوظ رہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ بقرہ کی یہ دو آیتیں ہیں جو رات کے وقت ان کو پڑھے گا وہ اس کے لیے کافی ہو جائیں گی۔ یعنی ان کا ثواب پوری رات عبادت کرنے کے برابر ملے گا۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھوائی جس میں دو آیات سورۃ بقرہ کی خاتمہ والی نازل فرما دیں۔ جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات تک پڑھی جائیں تو شیطان اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

سورۃ آلِ عمران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ❶ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ❷

(ترجمہ) الم اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں وہ زندہ (جاوید) ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں۔

(تفسیر) ❶ الم (حروف مقطعات میں سے ہے)

شانِ نزول

❷ (اللہ) کلبی اور ربیع بن انس نے بیان کیا کہ ان آیات کا نزول نجران کے نمائندوں کے متعلق ہوا جن کی تعداد ساٹھ تک تھی یہ سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہ کل چودہ افراد تھے اور ان چودہ افراد میں تین اشراف تھے۔ ان میں عاقب سب کا لیڈر اور مشیر تھا۔ اس سے لوگ مشورہ طلب کرتے تھے اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ عاقب کا نام عبدالمسیح تھا اور امیر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ پادری اور قافلہ کے مذہبی عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے اس وقت یہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ ان کے اوپر یمنی حبشی کپڑے کے جبے پہنے ہوئے تھے اور خوبصورت مردانہ چادریں اوڑھے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے کہ ان جیسے لوگوں کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہاں حارث بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے ان جیسا کوئی وفد نہیں دیکھا۔ نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید اور عاقب سے گفتگو کی۔ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دی، دونوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں تو آپ علیہ السلام سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں جھوٹ بولتے ہو، تم کو اسلام سے روک دینے والی چیز یہ ہے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کو کھاتے ہو۔ کہنے لگے اچھا بتاؤ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا باپ خدا نہیں تو ان کا باپ اور کون ہے؟ یہ سب حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھگڑنے لگے آپ علیہ السلام نے ان سب کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت بھی آئے گی۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ہمارا رب ہر چیز پر قائم ہے وہ حفاظت بھی کرتا ہے اور رزق بھی عطا کرتا ہے۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ان چیزوں کا مالک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہو سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ ہی آسمان میں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سوائے اپنے مخصوص علم کے اس سے زیادہ کچھ جانتے ہیں؟ اہل وفد نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے رب نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت رحم میں بنائی جس طرح اس نے چاہا اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں اسی طرح رکھا جس طرح عورت اپنے بچے کو پیٹ میں رکھتی ہے پھر اس کو جنا جس طرح عورت اپنے بچے کو جنتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غذا دی گئی جیسا کہ بچے کو غذا دی جاتی ہے پھر وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور باتیں بھی کرتے ہیں وہ کہنے لگے کیوں نہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پھر جس طرح تم گمان کرتے ہو اس طرح کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ سب خاموش ہو گئے۔ اس پر اللہ رب العزت نے اس صورت کی ابتدائی آیات اسی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل ہوئیں۔

"الم. اللّٰہ" بعض نے کہا کہ میم مفتوح کے ساتھ اور لفظ اللہ اس کے ساتھ ذکر ہے اور بعض حضرات نے میم مفتوح پڑھا ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے اور اخف حرکات میں فتح دیا اور ابو یوسف اور یعقوب بن خلیفہ نے ابی بکر سے روایت کی ہے "الم. اللّٰہ" اور بعض حضرات نے یہاں لفظ اللہ میں ہمزہ کو ساقط کر دیا اور میم کے فتح کو لفظ اللہ کے لام کے ساتھ ملا دیا اور بعض نے لفظ میم کو ساکن پڑھا ہے وقف کر کے پھر ابتداء میں ہمزہ کو حذف کر دیا ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو حذف کر دیتے ہیں۔

(لا الہ الا ھو الحی القیوم اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ رہنے والا قائم رہنے والا ہے) لفظ اللہ مبتداء ہے اور اس کے مابعد خبر ہے اور "الحی القیوم" اس کی صفت ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۥ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۞ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۥ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور (اسی طرح) بھیجا تھا توریت اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی

ہدایت کے واسطے اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ان کے لئے سزائے سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ (اور قدرت) والے ہیں بدلہ لینے والے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے (نہ کوئی چیز) زمین میں اور نہ (کوئی چیز) آسمان میں وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت (شکل) بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے وہ غلبہ والے ہیں۔ حکمت والے ہیں

تفسیر ③ (نزل علیک الکتاب نازل کیا تم پر کتاب کو) کتاب سے مراد قرآن ہے۔ (بالحق حق کے ساتھ) حق بمعنی سچائی کے ہے۔ (مصدقا لما بین یدیہ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے گزری ہیں) اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں توحید کے متعلق، نبوت اور انبیاء اور بعض شرائع کی۔ (وانزل التوراة والانجیل اور نازل کیا تورات اور انجیل کو)

④ (من قبل اس سے پہلے) گویا کہ اس طرح یوں کہا "وانزل التوراة والانجیل" کیونکہ تورات اور انجیل ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی اور قرآن کے متعلق "نزل" کے الفاظ استعمال کیے۔ "انزال" کے معنی ہیں پورے مجموعہ کا اُتارنا اور "تنزیل" کے معنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا اور تنزیل کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا۔ بصریین نے کہا کہ تورات کی اصل "ووریۃ فوعلۃ" کے وزن پر ہے جیسا کہ "دوخلۃ وحوقلۃ" پہلی واؤ کو تاء سے اور یاء مفتوحہ کو الف سے بدل دیا تو تورات بن گیا پھر اصل کتاب میں یاء کو لکھ دیا گیا۔ کوفیین کے نزدیک تورات کی اصل "تفعلۃ" مثل "توصیۃ" اور "توفیۃ" کی طرح ہے۔ اس کو الف سے بدل دیا لغت طی کی وجہ سے اور یہ لوگ "جاریۃ" کو جاراۃ بولتے ہیں اور "ناصیۃ" کو ناصاۃ کہتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ "وری الزند" کا لفظ ہے چقماق سے جب آگ نکلتی ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے "وری" اور "اوریتہ انا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "افرأیتم النار التی تورون" اس کا نام تورات اس لیے ہے کہ اس میں نور و روشنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وضیاء و ذکری للمتقین"۔ بعض حضرات نے کہا یہ توریت سے ہے اس میں اسرار کو چھپاتے تھے۔

اور انجیل افعیل کے وزن پر ہے نجل سے ہے بمعنی خروج اور ولد کو بھی نجل کہتے ہیں اس کے پیدا ہونے کی وجہ سے انجیل کو یہ نام اسی وجہ سے دیا گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ نجل سے مشتق ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے تور اور تور اس کا معنی یہ ہے کہ شریعت اور انجیل سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی اکلیل ہے جو ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہے (ھدی للناس اس میں ہدایت ہے لوگوں کے لیے) ان لوگوں کے لیے جو پیروی کرتے ہیں ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور یہ مصدر ہے (وانزل الفرقان اور تمہارے لیے فرقان نازل ہوا) جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہوں۔ امام سدی فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "وانزل التوراة والانجیل والفرقان ھدی للناس"......

"ان الذین کفروا بآیات اللہ لھم عذاب شدید واللہ عزیز ذوانتقام" (جن لوگوں نے اللہ کی نازل کردہ آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے)

⑤ (ان اللہ ... فی السماء بے شک زمین و آسمان میں کوئی بھی چیز اس کے نزدیک پوشیدہ نہیں)

❻ (ھو الذی ... یشاء اللہ وہ ذات ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں بناتا ہے جیسی چاہتا ہے) مختلف صورتیں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث سفید ہوں یا سیاہ خوبصورت ہوں یا بدصورت، مکمل ہوں یا ناقص (لا الٰہ ..... الحکیم اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب حکمت والا ہے)۔ یہ نصاریٰ کے وفد نجران پر رد مقصود ہے جب انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ گویا انہوں نے یہ کہا کہ وہ بیٹا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اس نے ماں کے پیٹ میں صورت بنائی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو صادق و مصدوق ہیں تم میں ہر ایک شخص کو ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رکھا جاتا ہے۔ پھر علقہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ گوشت کا ٹکڑا پھر اس کے بعد فرشتے کو چار چیزیں لکھنے کے لیے بھیجتا ہے تو فرشتہ اس کا رزق اس کا عمل اور اس کی اجل (مدت زندگی) اور اس کا نیک بخت ہونا یا بدبخت ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پھر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ جنتیوں والے اعمال کرتے رہتے ہیں اور ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے تو تقدیر سبقت کرتی ہے تو وہ شخص دوزخیوں کے اعمال کرتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوزخیوں جیسے اعمال کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے تو تقدیر سبقت کرتی ہے تو یہ شخص اہل جنت کا کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کے اندر نطفہ کے چالیس یا پینتالیس راتیں گزرنے کے بعد ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب! یہ نیک ہے یا بد؟ تو اس کے لیے ایسا ہی لکھا جاتا ہے پھر وہ اپنے رب سے کہتا ہے اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ پھر اس کے لیے یہ بھی لکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال اس کی زندگی اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر وہ مکتوب لپیٹ دیا جاتا ہے نہ اس میں کوئی کمی کی جاتی ہے اور نہ ہی اس میں زیادتی کی جاتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ❼

(ترجمہ) وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں (اس) کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے۔ (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ اس کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا اور جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں

آیات محکمات کی تشریح

تفسیر ⑦ (ھو الذی ..... محکمات وہی ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب جس کی کچھ آیات مضبوط تھیں) محکمات سے مراد مبینات ، مفصلات ہیں۔ ان کو محکمات اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں احکام ہیں۔ گویا ان میں ایسے احکام ہیں جس میں مخلوقات کو تصرف کرنے سے روکا گیا ہے۔ ان میں احکام کے ظاہر اور واضح ہونے کی وجہ سے (ھن ام الکتاب آیات محکم اصول و فرائض ہیں) اس کا اصل ہر وہ کام جو احکام کی طرف واپس لوٹے۔ اسی لیے "ھن ام الکتاب" کہا ہے اور اُمہات الکتاب نہیں کہا اس لیے کہ اس میں تمام آیات اس کے احکام مکمل اور مجتمع ہیں۔ گویا کہ یہ آیت واحدہ کے حکم میں ہیں اور اللہ کا کلام واحد ہے۔ معنی ہوگا ان میں سے ہر ایک آیت "اُم الکتاب" ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "وجعلنا ابن مریم وامہ آیۃ" یعنی ان میں سے ہر ایک نشانی ہے (واخر اور دوسری) "اُخَرُ" جمع ہے آخری کی۔ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ دوسرے سے معدول ہو کر آیا ہے۔ جیسے "عُمَرُ اور زُفَرُ" "عامِرٌ اور زافِرٌ" سے معدول ہو کر آیا ہے (متشابہات)

سوال وجواب

بعض نے سوال کیا کہ یہاں محکم اور متشابہ میں کیسے فرق کیا جائے گا حالانکہ پورے قرآن کو محکم قرار دیا ہے جبکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا "الر کتاب احکمت آیاتہ" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن متشابہ ہے۔ اس کا جواب دیا کہ پورے قرآن کے محکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام قرآن فساد معنی اور ضعف عبارت سے محفوظ ہے۔ پورا قرآن حق ہے اس میں کوئی چیز بھی عبث نہیں اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض قرآن بعض کے ساتھ متشابہ ہے حق میں، سچائی میں اور حسن میں اور اس جگہ تفریق و تقسیم سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کے معنی محکم ہیں اور بعض کے متشابہ

محکم اور متشابہ میں فرق

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محکمات تین آیات جو سورۃ انعام میں ہیں۔ "قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم" اور اس کی مثال سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ "وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ متشابہات وہ حروف جو سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں یعنی حروف مقطعات۔ مجاہد اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ محکم سے مراد حلال وحرام ہے اور اس کے علاوہ جو آیات ہیں وہ متشابہات ہیں۔

اور بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما یضل بہ الا الفاسقین..... ویجعل الرجس علی الذین لا یؤمنون"

امام قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ محکم وہ ہے جو ناسخ ہو اور معمول بہا ہو۔ متشابہ جو منسوخ اور معمول بہا نہ ہو۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قرآن میں محکمات یہ ہیں ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض جن پر ایمان لانا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ متشابہات یہ ہیں منسوخ، مقدم و مؤخر ہونا اس کے امثال اور اس کی اقسام نہ ان پر ایمان لایا جاتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ محکمات سے مراد وہ احکام ہیں جن کے معانی پر مطلع ہونے کے لیے مخلوق کو روکا گیا ہے اور متشابہ وہ ہے جس کے جاننے پر مخلوق کو روکا نہ گیا ہو اور ان کے علم پر کوئی چارہ نہ ہو جیسے قیامت کے متعلق نشانیاں، دجال کا خروج، نزول عیسیٰ علیہ السلام، طلوع شمس مغرب سے قیامت کا قائم ہونا، دُنیا کا فناء ہونا (ان چیزوں کا جاننا ضروری ہے)۔

احمد بن جعفر بن زبیر نے فرمایا محکم وہ ہے جس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہو۔ بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے جس کا معنی معلوم ہو اور وہ حجت واضح ہو اور اس کے دلائل میں کوئی اشتباہ بھی نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس کا علم نظر وفکر پر ہو اور عام انسان اس کی تفصیل (حق اور باطل کے درمیان) نہ پہچان سکتا ہو۔

بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے جس کا معنی فی نفسہ مستقل ہو اور متشابہ وہ ہے جو فی نفسہ مستقل نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بارے میں کہ متشابہ جو سورتوں کے شروع میں نقل کیے گئے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ یہود کی ایک جماعت جن میں حیی بن اخطب، کعب بن اشرف آپ کے پاس آئے۔ حیی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ پر "الم" نازل ہوئی۔ ہم آپ کو اس کی قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ نے آپ پر اس کو نازل فرمایا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جی ہاں! حیی بولا اگر یہ بات صحیح ہے تو میں آپ کی اُمت کی عمر جانتا ہوں اور یہ کل عمر (۷۱) سال ہوگی۔ اس نے کہا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نازل ہوا ہے اور وہ "المص" ہے اس پر حیی نے کہا کہ اب تو مدت بہت ہوگئی ہے اور وہ ۱۶۱ سال ہے۔ پھر وہ بولا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جی ہاں۔ "الر" حیی کہنے لگا کہ اس کی مدت تو اور زیادہ ہوگئی؟ اب اس کی تعداد ۲۳۱ ہوگئی۔ وہ بولا کیا اور کچھ بھی اُترا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "المر" ہے کہنے لگا یہ بھی بہت مدت ہے۔ ۲۷۱ سال ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آپ نے ہمارے لیے گڑبڑ کردی ہے ہم نہیں سمجھتے کہ زیادہ مدت قائم کریں یا کم مدت، ہم ایسی چیزوں پر ایمان نہیں لاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی **"ھو الذین انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات"** (**فاما الذین** ..... **زیغ** پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے) زیغ سے مراد حق سے روگردانی ہے۔ بعض نے کہا کہ زیغ سے مراد شک کرنا ہے۔

(**فیتبعون**..... **منہ** پس وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی اس سے) اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔

امام ربیع فرماتے ہیں کہ یہ وفد نجران جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا

آپ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ نہیں کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ اہل وفد نے کہا کہ بس یہی ہمارے لیے کافی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا کہ اس سے مراد یہودی ہے جنہوں نے اس اُمت کی موت اور بقا کا علم حروف ابجد کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا۔

ابن جریج فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ حسن فرماتے ہیں کہ خوارج مراد ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی "فاما الذین فی قلوبھم زیغ" تو فرمایا کہ یہ لوگ حروریہ اور سبائیہ نہیں، میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تمام بدعتی لوگ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی "ھو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات ھن اُم الکتاب واخر متشابھات" سے لے کر "اولوا الالباب" تک۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسے لوگ دیکھو جو قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو سمجھ لینا کہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا ان سے احتیاط رکھنا۔ (ابتغاء الفتنة گمراہی چاہنے کی غرض سے) اس سے مراد شرک کو طلب کرنا۔ ربیع، سدی اور مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد شبہات کو تلاش کرنا اور لوگوں میں اس کی غلط تفاسیر کر کے التباس ڈالنا تاکہ اس کے ذریعے سے جہلاء کو گمراہ کیا جائے۔ (وابتغاء تاویله اور ڈھونڈنا اس کی تاویل (مطلب)) اس کی تفسیر اور اس کا علم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "سانبئک بتاویل مالم تستطع علیه صبرا" بعض نے کہا کہ ابتغاء سے مراد اس کے انجام کو تلاش کرنا یا اس اُمت کی مدت کو حروف ابجد کے ذریعے سے معلوم ہونا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ذالک خیر و احسن تاویلا" اس سے مراد عاقبت ہے۔

(وما یعلم ...... فی العلم اور نہیں جانتے اس کی تاویل مگر اللہ تعالیٰ) ...... (اور جو لوگ علم میں پکے ہیں)" والراسخون" کی واؤ میں علماء کا اختلاف ہے کہ واؤ کون سی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل کا علم اللہ کو ہے اور "راسخون فی العلم" کو بھی ہے۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ اس صورت میں آنے والی آیت "یقولون امنا به" (یقولون امنا به وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) جملہ حالیہ ہوگا اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم "راسخون فی العلم" جانتے ہیں ساتھ ان لوگوں کے علم کے جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے "ما افاء اللّٰہ علٰی رسوله من اھل القریٰ فللّٰه وللرسول ولذی القربی" ثم فرمایا "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم" سے لے کر "والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم" پھر فرمایا "والذین جاء وامن بعدھم" ان سب کا عطف ماقبل پر ہے۔ پھر فرمایا "یقولون ربنا اغفرلنا" (اس آیت میں بھی یقولون جملہ حالیہ ہے) مطلب یہ ہوگا کہ ہم بھی ان کے ساتھ مال فئی کا حق رکھتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں "ربنا اغفرلنا" اس حال میں کہ وہ یہ (دعا) کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں "راسخین فی العلم" میں

سے ہوں۔ مجاہد نے فرمایا کہ میں بھی متشابہات کی تاویل جاننے والوں میں سے ہوں۔

دوسرے مفسرین کے نزدیک واؤ استیناف کے لیے ہے اس صورت میں "وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ" میں کلام مکمل ہو جاتا ہے۔ یہی قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ہے اور طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول روایت کیا ہے۔ حسن اور اکثر تابعین نے بھی یہی کہا ہے اور کسائی، فراء، اخفش (رحمہم اللہ) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور قرآن میں متشابہات کی تاویل وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص کیا ہے (یعنی ان کو کچھ علم خاص عطا فرمایا) اور اس علم پر کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ قیامت کا علم طلوع شمس من مغربہا کا علم خروج دجال نزول عیسیٰ علیہ السلام کا علم اور مخلوق کو متشابہات پر ایمان لانا ضروری ہے اور محکمات پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری قرأت سے بھی ہوتی ہے کہ "وما تاویلہ" کی جگہ "ان تاویلہ الا عند اللّٰہ، والراسخون فی العلم یقولون امنا" اس قرأت میں "والرّاسخون" کا عطف لفظ اللہ پر ہونا ممکن ہی نہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ "ویقول الراسخون فی العلم امنا" اس قرأت میں بھی الراسخون کا عطف (اللہ) پر نہیں ہو سکتا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آگئی کہ انہوں نے کہا کہ "امنا بہ" کہ ہم ایمان لائے جو بھی رب کی طرف سے ہے۔ یہ قول زیادہ قیاس کے قریب ہے اور ظاہری آیت کے مشابہ ہے۔

راسخون فی العلم کا مصداق کون ہیں؟

"والراسخون فی العلم" سے مراد وہ لوگ جو علم میں ایسے پختہ اور جمے ہوئے ہیں جن کے علم پر ایسا یقین کیا جا سکتا ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو۔ "راسخون" کا اصل یہ ہے کہ کسی چیز میں خوب مہارت اور رسوخ ہونا اور اس کا ثبوت ہونا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا، یہ مادہ ہے۔ "یرسخ، رسخا، ورسوخا" بعض نے کہا کہ "والراسخون فی العلم" سے مراد وہ اہل کتاب جو ایمان لائے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لکن الراسخون فی العلم منھم" جو تورات اور انجیل کا درس دیا کرتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے "راسخون فی العلم" کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ عالم باعمل جو دیے ہوئے علم کی پیروی کرنے والا ہو۔

بعض نے کہا کہ "راسخ فی العلم" وہ ہوتا ہے جس کے علم میں چار چیزیں موجود ہوں۔ ❶ التقوی بینہ وبین اللّٰہ، پرہیزگاری اس کے اور اس کے رب کے درمیان۔ ❷ تواضع اس کی اور مخلوق کے درمیان ❸ "والزھد" دُنیا سے بے پروائی ❹ مجاہدہ اس کے نفس کے درمیان۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما امام مجاہد اور سدی کا قول ہے کہ جب راسخین نے کہا کہ ہم ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام راسخ فی العلم رکھ دیا اور یہ اپنے علم میں خوب مہارت رکھنے لگے۔ صرف اس قول کی وجہ سے کہ "امنا بہ مراد متشابہ ہے۔ (کل من عند ربنا یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے)

کل سے مراد محکم، متشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد سے ہم واقف ہیں اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں ہیں وہ سب کچھ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے (وما یذکر اور نہیں نصیحت حاصل کرتے) جو کچھ قرآن میں ہے (الا اولوا الالباب مگر عقل والے) "اولوا الالباب" سے مراد ذوی العقول ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمایئے۔ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدان حشر میں) جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں (اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدہ کو۔ بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال (دولت) اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی۔ اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے۔ جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دارو گیر فرمائی ان کے گناہوں کے سبب۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تفسیر: ⑧ (ربنا لاتزغ قلوبنا اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو نہ پھیر) یہ جملہ راسخین فی العلم کا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو نہ پھیر حق سے باطل کی طرف، ہدایت سے گمراہی کی طرف جس طرح کہ تو نے ان لوگوں کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے جن کے دل میں کجی ہے۔ (بعد اذ ھدیتنا ہدایت دینے کے بعد) اپنے دین کی توفیق دی اور کتاب بھیج کر تو نے ہم کو ہدایت دی اور محکم و متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی (وھب لنا من لدنک رحمۃ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایا) اپنی طرف سے ثبات قدمی اور ثبات ایمانی عطا فرما۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ اور مغفرت ہے۔ (انک انت الوھاب بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں)

انسان کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی قلب ایسا نہیں جو رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان میں نہ ہو۔ جب وہ ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو وہ ٹیڑھا کر دیتا ہے اور جب سیدھا کرنا چاہتا ہے تو اس کو سیدھا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے (اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ) اور ترازو رحمٰن کے ہاتھ میں ہے۔ روز قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا۔

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دل کی مثال ایسے پَر کی مانند ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہوا اور ہوائیں اس کو اُلٹ پلٹ کر رہی ہوں۔

❾ (ربنا ...... لیوم اے ہمارے رب! بے شک تو لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرنے والا ہے) فیصلے کے دن۔ بعض نے کہا کہ لیوم میں لام بمعنی (فی) کے ہے (لاریب فیہ جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں) اس دن کے واقع ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔ (ان اللہ لایخلف المیعاد بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا) میعاد مفعال کے وزن پر ہے وعد سے ہے۔

❿ (ان الذین ...... تغنی بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز کام نہیں آسکتے) نہیں نفع دے سکتے اور نہ ہی وہ دور کر سکتے ہیں۔ (عنہم ...... من اللہ نہ ان کا مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کا عذاب اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ من بمعنی عند کے ہے یعنی اللہ کے نزدیک (شیئا ...... وقود النار کسی چیز کا اور یہ لوگ ایسے ہیں جو جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے)......

⓫ (کداب ال فرعون جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا)

کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ کی تفسیر میں مختلف اقوال

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ و مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا فعل کفر و تکذیب میں فرعون کی طرح تھا۔

عطاء، کسائی، ابو عبیدہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "داب" سے مراد اہل فرعون کا فعل ہے۔

اخفش کے نزدیک اس سے آل فرعون کا امر اور ان کی شان مراد ہے۔

نضر بن شمیل نے کہا اس سے عادت مراد ہے یعنی ان لوگوں کی عادت یہ تھی کہ یہ رسولوں کو جھٹلاتے اور فرعون کی طرح انکار کرتے (والذین من قبلہم اور ان لوگوں کا حال جو اس سے پہلے تھا) ما قبل ملت کفریہ مثلاً قوم عاد و ثمود اور اس کے علاوہ (کذبوا ...... اللہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، اللہ نے ان کو پکڑا) اللہ نے ان کو سزا دی (بذنوبہم ان

کے گناہوں کے سبب) بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب اس طرح ہوگا "ان الذین کفروا ...... الایة" بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کو نہیں فائدہ پہنچائے گا ان کا مال اور نہ ان کی اولاد جب ان سے انتقام اور سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ فرعون کی آل کو اور ماقبل اُمتوں کو سزا دی گئی۔ جب ان کو سخت پکڑا گیا تو ان کو مال و اولاد نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ (واللہ شدید العقاب اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ⑬

ترجمہ آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کئے جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کرکے لے جائے جاؤ گے اور وہ (جہنم) ہے برا ٹھکانا۔ بیشک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتے تھے (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دے دیتے ہیں۔ (س) بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے (دانش) بینش والے لوگوں کو۔

تفسیر ⑫ (قل ..... جھنم کہہ دیں ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کرکے لے جائے جاؤ گے) حمزہ اور کسائی نے "ستغلبون" اور "تحشرون" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یغلبون و یحشرون" اور دوسرے حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے خطاب کے صیغہ کے ساتھ۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم ان کو کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جمع کیے جاؤ گے۔

آیات کا شانِ نزول

مقاتل کے نزدیک یہ کفار مشرکین کے بارے میں ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ آپ مکہ کے کفار سے کہہ دیں کہ عنقریب تم بدر کے میدان میں مغلوب کیے جاؤ گے اور تمہیں جمع کیا جائے گا قیامت کے دن جہنم میں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ان سے فرمایا کہ اللہ تم پر غالب آگیا اور تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے گیا۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہود ہیں۔

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کے یہودیوں نے کہا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مشرکین کو شکست دی کہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی جن کی طرف ان کا رُخ ہو جائے واپس نہیں لوٹایا جاتا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ کے اتباع کا ارادہ کیا تو بعض یہودیوں نے بعض سے کہا کہ ابھی جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم ایک اور واقعہ نہ دیکھ لو اس کے بعد جب احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو فی الوقت شکست ہوئی تو یہودی شک میں پڑ گئے اور ان پر بدبختی غالب آ گئی اور مسلمان نہ ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ تھا، یہودیوں نے مقررہ مدت کے درمیان اس معاہدہ کو توڑ دیا اور کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کو لے کر مکہ پہنچا، پھر اس نے اہل مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرنے کی دعوت دی اس پر سب نے اتفاق کرلیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سعید بن جبیر وعکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے کامیاب ہو کر مدینہ کی طرف لوٹے تو آپ نے بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کرکے خطاب کیا اور فرمایا اے یہودیوں کے گروہ قبل اس کے کہ قریشیوں کی طرح تم پر مصیبت آئے، مسلمان ہو جاؤ اور تحقیق تم جان چکے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں اور تم اس کو اپنی کتاب میں بھی پاتے ہو۔ وہ یہودی کہنے لگے محمد اس کا غرور نہ کرنا کہ چند قریشیوں کو تم نے قتل کر دیا ہے وہ تو نا تجربہ کار تھے جنگ سے واقف نہیں تھے ہم سے لڑو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم آدمی ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "کفروا" سے مراد یہود ہیں "ستغلبون" تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں دُنیا میں شکست ہوگی۔ "وتحشرون" جمع کیا جائے گا تم کو آخرت میں جہنم کی طرف۔ "بئس المهاد" برا بچھونا ہے یعنی برا ہے وہ جو ان کے لیے بچھایا گیا ہے وہ آگ ہے۔

⑬ (قد کان لکم آیة تحقیق اس میں نشانیاں ہیں تمہارے لیے) کان کے لفظ کے بجائے کانت کا ذکر نہیں کیا۔ یہ آیت مؤنث ہے اس لیے کہ ان کے بیان کی طرف اس کو لوٹا دیا گیا ہے "قد کان" بیان ہے۔ فراء کہتے ہیں "کان" کا لفظ اس وجہ سے ذکر کیا کہ صفت کی حالت اسم اور فعل کے درمیان حائل ہے۔ اس وجہ سے فعل کو ذکر کیا۔ نحو میں جہاں بھی اس طرح آیا ہے اس کی یہی وجہ مراد لی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اس میں عبرت اور سچائی کی واضح دلالت ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے (فی فئتین ان دو گروہوں میں) "فئتین" سے مراد دو جماعتیں ہیں۔ "فئتین" اصل میں "فئ الحرب" ہے بمعنی لوٹنا کیونکہ بعض جماعت بعض کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں مارتے ہیں اور واپس لوٹ آتے ہیں (التقتا جن کا آپس میں مقابلہ ہوا) بدر کے دن۔

بدر کے مجاہدین کی تعداد

(فئة ...... سبیل الله ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے) اللہ کی فرمانبرداری میں لڑنے والی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصاری تھے۔ مہاجرین کی سرپرستی کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور انصار کی سرپرستی اور جھنڈا اٹھانے والے سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لشکر میں ستر اونٹ دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا مرثد بن ابی مرثد کا۔ ان میں اکثر صحابہ رضی

اللہ عنہم پیدل تھے ان کے پاس اسلحہ میں چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ (واخری کافرۃ اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا) دوسرا فرقہ کافروں کا تھا اور وہ مشرکین مکہ تھے ان کی تعداد ۹۵۰ تھی اور ان کی کمان عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس کے پاس تھی۔ ان کے پاس سو گھوڑے تھے یہ بدر کی لڑائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود شریک تھے اول ترین جنگ تھی جو ہجرت سے اٹھارہ مہینوں کے بعد ماہ رمضان ۲ ہجری میں ہوئی تھی (یرونهم مثلیهم تم کافروں کو مسلمانوں سے دُگنا دیکھ رہے تھے)

اہل مدینہ اور یعقوب وغیرہ نے "ترونهم" پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم یہود کو مسلمانوں سے دُگنا دیکھ رہے تھے۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ بعض یہودی میدان بدر میں اس وجہ سے حاضر ہوئے تھے کہ دیکھیں کس کا پلا بھاری ہوتا ہے۔ مشرکین کا یا مسلمانوں کا تو انہوں نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ مسلمان سے دُگنے ہیں لیکن پھر بھی مسلمانوں کے ساتھ مدد نازل ہوئی تو یہ معجزہ اور نشانی ہے۔

یرونهم اور مثلیهم کی ضمائر میں مختلف توجہات

اور دوسرے قراء نے "یرونهم" پڑھا ہے اور ہم ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہو اس صورت میں اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

بعض حضرات نے روایت مسلمین مراد لی ہے اس صورت میں اس کی دو تاویلیں ہوں گی۔ مسلمانوں نے مشرکین کو اپنے سے دُگنا دیکھا۔ سوال ہوتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے دُگنا تو نہیں تھے بلکہ وہ تو دو تہائی تھے۔ جواب یہ دیا گیا کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص یوں کہے جس کے پاس ایک درہم ہو وہ کہے کہ میں اس کے مثل کا محتاج ہوں۔ مثل سے مراد خواہ اس کے برابر ہو یا اس کا ڈبل دو اور تو یہ تمین پر اطلاق ہوا۔

(۲) دوسری تاویل جو صحیح اور راجح ہے کہ جب مسلمانوں نے مشرکین کو اپنے سے دُگنا دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا حتیٰ کہ وہ نو سو چھبیس (۹۲۶) دکھائی دیئے جانے لگے۔ پھر دوسری مرتبہ اس سے بھی کم دکھائی دیئے یہاں تک کہ مشرکین مسلمانوں کے برابر لگنے لگے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تو ہمیں مشرکین ہم سے دُگنے نظر آتے تھے پھر ہم نے دوسری مرتبہ دیکھا تو ان کی تعداد ہمارے برابر نظر آنے لگی۔ ایک آدمی بھی زیادہ نہ دکھائی دیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تعداد ہماری نظر میں اتنی گھٹا دی کہ ہم ان کو اپنے سے کم دیکھنے لگے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ ہم کو تو یہ ستر آدمی دکھائی دیتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ مجھے تو سو معلوم ہوتے ہیں۔

اور بعض نے کہا کہ یرونہم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہو کر رویت سے مراد مشرکین ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں کو اپنے سے دُگنا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم کر کے دکھائی دی تاکہ مشرک مسلمان پر جری ہو جائیں لڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو پھر مشرکین کو دکھائی دیا کہ مسلمانوں کی تعداد ہم سے دُگنی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے اندر بزدلی آجائے اور مومنین کو مشرکین کی تعداد کم کر کے دکھلائی گئی تاکہ مومنین کو لڑائی میں قوت حاصل ہو۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ یریکموهم. اذا التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینهم"

ہے۔(رای العین آنکھوں دیکھتے) فی رای العین سے حرف جارہ محذوف ہے(واللہ ...... ذلک اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوی کردیتا ہے، بے شک اس میں) اس واقعہ میں جو ہم نے ذکر کیا(لعبرۃ لاولی الابصار عبرت ہے بصیرت والوں کے لیے) اس سے ذوی العقول مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس نے ان دونوں گروہوں کو دیکھا وہ مراد ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۞ ۱۴

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے قبیر (یعنی نشان) لگے ہوئے۔ گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی۔ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

تفسیر: ۱۴ (زین ...... الشھوات مزین کی جاتی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت) "شھوات شھوۃ" کی جمع ہے کسی چیز کی طرف نفس کی رغبت کا ہونا (من النساء عورتوں میں سے) اولاً اس لیے ذکر کیا چونکہ یہ شیطان کا جال ہیں۔ (والبنین والقناطیر اور بیٹے اور ڈھیر) قناطیر جمع قنطار کی ہے اس میں اختلاف ہے۔

قنطار کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال

ربیع بن انس نے فرمایا قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کے اموال ہوں۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "قنطار" ایک ہزار دو سو اوقیہ ہیں۔ ہر ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک فرماتے ہیں کہ بارہ سو مثقال مراد ہیں اور دوسری روایت میں بارہ ہزار درہم یا ہزار دینار۔ جیسا کہ تم میں کسی ایک کی دیت کے بقدر ہو۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "قنطار تم میں سے کسی ایک کی دیت کے بقدر کا نام ہے۔

سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ سو ہزار اور سو سیر اور سو رطل اور سو مثقال اور سو درہم۔ جب اسلام آیا تو مکہ میں سو آدمیوں نے اقامت اختیار کی۔ سعید بن مسیب اور قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد اسی (۸۰) ہزار ہے۔

مجاہد نے ستر ہزار فرمایا، سدی نے فرمایا چار ہزار مثقال۔ حکم نے کہا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں قنطار ہیں۔

ابو نضرۃ نے کہا کہ بیل کی کھال کے بھرنے کے بقدر سونا و چاندی کا ہونا، انہی احکام کی وجہ سے ان کو قنطار کہا گیا کہ اس میں مضبوطی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے "قنطرت الشئی اذا احکمتہ" کہ میں نے اس چیز کو مضبوط کردیا جب کسی چیز کو پختہ کردیا جاتا ہے(والمقنطرۃ جمع کیے ہوئے) ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا ترجمہ مضبوط محکم سے ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کثیر مال جو تہ بہ تہ رکھا گیا ہو۔ یمان نے کہا کہ وہ مدفون کردہ ہے۔

امام سدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ سکہ جس کو منقش کر دیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ دراہم و دنانیر بن جاتا ہے۔ فراء نے چند گنے چنے ترجمہ کیا ہے۔

قناطیر تین تک بولے جاتے ہیں اور مقنطرۃ نو تک بولے جاتے ہیں۔ (من الذھب والفضۃ سونے اور چاندی سے) سونا کو سونا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے جاتا اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے اور چاندی کو چاندی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی منتشر ہونا اور چاندی بھی منتشر ہونے والی ہے (والخیل المسومۃ اور گھوڑے نشان زدہ) خیل جمع ہے اس کا مفرد لفظوں میں موجود نہیں اس کا واحد فرس ہے جیسا کہ قوم جمع ہے اور نساء بھی جمع ہے اس کا مفرد من لفظہ موجود نہیں۔

مسومۃ کی تفسیر

"مسومۃ" مجاہد فرماتے ہیں مکمل ساخت والے کامل الاعضاء، عکرمہ کا قول ہے کہ "تسویمھا" کا معنی ہے خوبصورت ہونا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد جنگل میں آزادی سے چرنے والے ہیں۔

حسن اور ابو عبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نشان زدہ ہے یہ لفظ سیماء مشتق ہے اور سیماء کا معنی علامت ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ "سیماء" سے مراد جلد کا دھبہ اور رنگ ہے اور یہی قول امام قتادہ کا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد داغنا ہے (والانعام اور مویشی) جمع "نَعَم" آتی ہے اس میں اونٹ، گائے، بھیڑ شامل ہیں۔ یہ جمع ہے اس کی واحد لفظوں میں موجود نہیں (والحرث اور کھیتی) حرث سے مراد کھیتی ہے (ذلک یہ) جو ہم نے ذکر کر دیا (متاع الحیوۃ الدنیا سب استعمال کی چیزیں ہیں دُنیا کی زندگی میں) یہ اس بات کی طرف اشارہ کہ یہ سب فانی اشیاء ہیں (واللہ عندہ حسن المآب اور انجام کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے) "مآب" بمعنی مرجع۔ اس میں اشارہ ہے کہ زاہد فی الدنیا اور رغبت فی الآخرۃ ہونا چاہیے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے (سو سنو) ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ) سے ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور (ان کے لئے) ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لئے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں بندوں کو۔

تفسیر: ⑮ (قل اؤنبئکم کیا میں تمہیں خبر دوں) "اؤنبئکم" سے مراد خبر دینا ہے (بخیر ...... من اللہ جو بہتر ہو ان چیزوں سے ایسے لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ان کے مالک کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں

گے اور ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی) عام قراء نے اس کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے "رِضوان" ابوبکر اور عاصم کی قرأت میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے "رُضوان" یہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے جیسے کہ "عُلوان" اور "عِلوان" ہے۔

جنتیوں کیلئے عظیم خوشخبری

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے۔ اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب وسعدیک اور خیر ہے تمہارے ہاتھوں میں۔ اب رب العزت فرمائیں گے کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم آپ سے کیونکر راضی نہ ہوں گے کہ تم نے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو اس سے کسی کو نہیں عطا کیں۔

پھر اللہ رب العزت فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز نہ عطا کروں وہ کہیں گے کہ ہمارے رب اس سے افضل اور کون سی چیز ہے۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا (اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے)۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔ (اور وہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں اور (اللہ کے سامنے) فروتنی کرنے والے ہیں اور (مال) خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔ گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست حکمت والے ہیں

تفسیر: ⑯ (الذین یقولون ایسے لوگ جو یہ کہتے ہیں) اگر تو چاہے بتا دے ہمارے لیے جگہ "الذین" سے مراد خضوع وخشوع رکھنے والے مراد ہیں (للذین اتقوا ان لوگوں سے جو ڈرتے ہیں) اگر چاہیں تو بنالیں یہ مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے یا منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے فعل محذوف اعنی ہے۔

(ربنا ... امنا اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے) تصدیق کی (فاغفرلنا ذنوبنا بخش دے ہمارے

گناہوں کو) ہم پر پردہ ڈال اور ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا نہ دے (وقنا عذاب النار اور ہمیں بچا آگ کے عذاب سے)

⓱ (الصابرین والصادقین صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے) یہ دونوں منصوب ہیں علی المدح یا تو صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ عبارت یوں بنے گی "الصابرین فی اداء الاوامر" اللہ کے حکم کردہ امور پر عمل کرنے میں جو مشقت پہنچتی ہے اس پر صبر کرنا اور نہی (منع کردہ امور) کے ارتکاب سے بچنا اور تنگی و تکلیف کے وقت صبر کرنا اور اپنی قسموں میں سچے۔ قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد کہ وہ اپنی نیت میں سچے اور ان کے دل استقامت والے اور اس پر ان کی زبان تصدیق کرتی ہے پوشیدہ اور ظاہراً بھی (والقانتین اور حکم بجالانے والے) اطاعت کرنے والے اور نماز پڑھنے والے (والمنفقین اور خرچ کرنے والے) اور اپنے اموال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنے والے (والمستغفرین بالاسحار اور بخشش مانگنے والے رات کے پچھلے حصہ میں)

مجاہد، قتادہ اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں سحری کے وقت نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔

مستغفرین بالاسحار کی تفصیل

زید بن اسلم نے کہا کہ صبح کی نماز جماعت سے پڑھنے والے مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ تہجد کی نماز پڑھنے والے کیونکہ یہ بھی صبح کے قریب ہوتی ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت تک عبادت کرنا پھر استغفار کرنا۔ نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رات کو زندہ کرتے تھے، پھر فرمایا اے نافع کیا سحری ہوگئی، میں نے کہا کہ نہیں پھر وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگ گئے، جب نافع نے کہا کہ سحری ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ جاتے اور کثرت سے استغفار کرتے اور دُعا مانگتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ ہر روز سحری کے وقت آسمان دنیا پر اجلال فرماتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دُنیا پر تشریف لاتے ہیں رات کے تیسرے حصے میں اور کہتے ہیں کہ میں بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کی دُعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگے میں اس کو معاف کروں۔ حسن رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ اے میرے بیٹے تو اس مرغ سے زیادہ عاجز نہ ہو جو سحری کے وقت آواز دیتا ہے اور تو سوتا رہے۔

⓲ (شهد ......الا هو گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں)

شانِ نزول

یہ آیت نجران کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شام کے احبار میں سے حبران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس نے

مدینہ منورہ کے شہر کو دیکھا تو ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا کہ یہ شہر اس شہر کے بہت ہی مشابہ ہے جس میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے جب وہ دونوں شخص اس شہر میں داخل ہوگئے تو وہ اس شہر کی صفات کو جان گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر کہنے لگے کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جی ہاں۔ پھر ان دونوں نے پوچھا کہ آپ احمد ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں محمد ہوں احمد ہوں، ان دونوں میں سے ایک نے پوچھا کہ ہم آپ سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اگر آپ اس کے متعلق ہمیں بتلا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوچھو۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی شہادت کے متعلق بتلایئے، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائی، پھر یہ دونوں اسلام لے آئے۔

شہد اللہ کی تشریح

"شھد اللّٰہ" سے مراد اللہ بیان کرے گا کیونکہ شہادت کسی چیز کو واضح کرنے اور بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

مجاہد نے کہا کہ اس سے اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد "علم اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو" ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کیا جسموں کو پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے اور ارزاق (رزق) کو پیدا کیا روح کو پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شہادت دی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے جب نہ آسمان تھا اور نہ زمین اور نہ بر اور بحر۔ اس وقت اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو" (والملائکۃ اور فرشتے) اور فرشتوں نے بھی گواہی دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ شہادت کا معنی ہے اخبار و اعلام مؤمنین اور ملائکہ کی شہادت کا معنی ہوگا اقرار کرنا۔

اولوا العلم کون لوگ ہیں؟

(واولوا العلم اور اصحاب علم) اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ابن کیسان نے کہا کہ مہاجرین و انصار مراد ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ اہل کتاب کے علماء ہیں۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

سدی اور کلبی نے کہا کہ اس سے تمام مؤمنین مراد ہیں۔ (قائما بالقسط قائم کرنے والے ہیں انصاف کے ساتھ) اس سے عدل مراد ہے۔ "شھد اللّٰہ قائما بالقسط" منصوب ہوگا حال ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا منصوب "بنزع الخافض" ہوگا اور "قائما بالقسط" کا معنی ہوگا۔ "ای قائما بتدبیر الخلق" مخلوق کی تدبیر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کھڑا ہے فلاں کے حکم سے۔ "ای مدبر لہ ومتعھد لاسبابہ و فلان قائم بحق فلان ای مجاز لہ" (لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم)

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی۔ محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں۔

تفسیر: ۱۹ (ان الدین ...... عند اللّٰه بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے) وہ دین جس سے اللہ راضی ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا "ورضیت لکم الاسلام دینا" اور دوسری جگہ فرمایا "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" کسائی "ان الدین" میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے اور کہا ہے کہ یہ رد ہے پہلے کلام پر تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "شهد اللّٰه انه لا اله الا هو وشهد ان الدین عند اللّٰه الاسلام او شهد اللّٰه ان الدین عند اللّٰه الاسلام بانه لا اله الا هو"

اور باقی (قراء) نے "ان الدین" میں ہمزہ پر کسرہ پڑھا۔

الاسلام کی تعریف

الاسلام کی تعریف سلامتی میں داخل ہو جانا اور وہ پیروی اور طاعت کرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے "اسلم" یعنی داخل ہو جا سلامتی میں اور سلامتی والا ہو جا۔ قتادہ نے اللہ کے اس فرمان کے متعلق کہا "ان الدین عند اللّٰه الاسلام" فرمایا کہ اس سے مراد "شهادة ان لا اله الا اللّٰه" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کا اقرار کرنا ہے اور وہ اللہ کا دین جو اس نے رسولوں کو دے کر بھیجا اور اس پر اولیاء کو سیدھا راستہ دکھایا۔ ان کے علاوہ اور کسی دین کو قبول نہیں کیا اور نہیں بدلہ (ثواب) دیا جائے گا۔

عمرو بن عکار غالب بن قطان سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں تجارت کی غرض سے آیا تو میں حضرت اعمش کے قریب رُکا اور ہم لوگ اس آیت میں اختلاف کرتے تھے جب ایک دن میں نے کوفہ سے بصرہ کی طرح کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو دیکھا حضرت اعمش رات کے تہائی حصہ میں نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ "شهد اللّٰه انه لا اله الا هو والملائكة و اولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم" پھر حضرت اعمش نے فرمایا کہ میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں۔ "ان الدین عند اللّٰه الاسلام" کی شہادت اللہ کے پاس میری ودیعت ہے۔ اس طرح کئی مرتبہ فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ آج میں نے اس طرح، اس طرح آپ سے سنا ہے کہ میں نے صبح کے وقت آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اسی طرح ودیعت رکھی۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ یہ بات آپ تک کس نے پہنچائی؟ یا یہ کہا کہ یہ بات آپ تک کب پہنچی کہ آپ اس طرح عمل کر رہے ہیں۔ اعمش نے جواب دیا کہ مجھ

سے ابو وائل نے جب یہ روایت بیان کی تو انہوں نے مجھے دو سال تک انتظار کروایا۔ پھر اعمش نے فرمایا کہ میں بھی آگے آپ کو ایک سال تک بیان نہیں کروں گا۔ غالب قطان فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے اپنے گھر کے دروازے کے باہر لکھ دی تا کہ مجھے یاد رہے جب سال مکمل ہوا تو میں دوبارہ اعمش کے پاس گیا تو میں نے کہا کہ

ابا محمد سال گزر چکا ہے پھر انہوں نے مجھے حدیث سنائی۔ حدثنی ابو وائل عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال...... الخ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شہادت والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میرے اس بندے کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے کے لائق ہوں، میرے اس بندے کو جنت میں داخل کردو۔

(وما اختلف ...... الکتاب اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی)

شانِ نزول

کلبی نے کہا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی حقانیت میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف نہیں کیا (الا من بعد ماجاء ھم العلم مگر ان کو علم ہو جانے کے بعد) جو صفات ان کی کتابوں میں موجود ہے ان کے جاننے کے بعد بھی اختلاف کیا۔

ربیع بن انس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قرب الموت کے وقت بنی اسرائیل کے ستر علماء کو طلب کیا اور تورات ان کو امانت دی اور یوشع بن نون کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ جب پہلی، دوسری اور تیسری صدی گزر گئی تو اس کے بعد یہودیوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ "اوتو الکتاب" سے مراد انہی ستر علماء کی اولاد مراد ہے جن کو تورات دی گئی تھی یہاں تک کہ ان میں خوب خون ریزی ہوئی اور بدی پھیل گئی اور "الا من بعد ماجاء ھم" سے مراد اس چیز کا بیان ہے جو تورات میں تھی (محض ایک دوسرے سے بڑھنے کی وجہ سے) بادشاہت اور سیاست کی طلب کی وجہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جبابرۃ کو مسلط کیا۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا کہ اس آیت کا نزول نجران کے عیسائیوں کے متعلق ہوا تھا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جن کو انجیل کی کتاب دی گئی۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں یہودیوں سے اختلاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اس علم کے بعد کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ "بغیا بینھم" صرف دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے (ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں تو یقینا اللہ اس سے جلد حساب لے گا)۔

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۞ ٢٠

(ترجمہ) پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو) میں تو اپنا رخ خاص اللہ تعالیٰ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔ اور کہیے اہل کتاب سے اور (مشرکین) عرب سے کہ کیا تم بھی

اسلام لاتے ہو۔ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آویں تو وہ لوگ بھی راہ پر آ جاویں گے اور اگر وہ لوگ روگردانی رکھیں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ (اور سمجھ) لیں گے بندوں کو۔

تفسیر ⑳ (فان حاجوک پھر اگر (اے محمد) محمد آپ سے مناظرہ کریں) اے محمد! اگر وہ آپ سے دین کے معاملے میں جھگڑا کریں یہ جھگڑا کرنے والے یہود و نصاریٰ ہیں۔

اگر یہ لوگ آپ سے کہیں کہ یہودیت اور نصرانیت تو نسب ہے مذہب نہیں ہے دین تو ہمارا اسلام ہے اور ہم اسی پر ہیں (فقل ..... لہ تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو اللہ کا فرماں بردار ہو گیا) میں نے اسی کی پیروی کی اپنے دل سے اپنی زبان سے اور تمام اعضاء و جوارح سے یہاں آیت میں چہرے کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ اشرف الاعضاء ہے کہ جب چہرے سے خشوع و خضوع آئے گا تو تمام اعضاء سے خشوع و خضوع صادر ہوگا۔ فراء نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیئے (ومن اتبعن اور وہ جس نے میری پیروی کی) جس نے میری پیروی کر کے اسلام قبول کیا جیسا کہ میں نے اسلام قبول کیا۔ نافع ابو عمرو نے "اتبعن" میں یاء کو ساتھ ذکر کر کے "اتبعنی" نقل کیا ہے۔ بعض نے یاء کو حذف کیا "خطاء" کیونکہ اصل نسخہ میں یاء موجود نہیں تھی (وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اور کہئے اہل کتاب سے اور مشرکین عرب سے) امیین سے مراد عرب ہیں (ااسلمتم کیا تم بھی اسلام لاتے ہو) یہ صیغہ استفہام کا ہے امر کے معنی میں ہے یعنی "اسلموا" جیسا کہ کہا گیا "فهل انتم منتهون" اصل میں "انتهوا" تھا۔ (فان اسلموا فقد اهتدوا اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ پر آ جائیں گے) جب یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ اہل کتاب سے کہا کہ اسلام لے آؤ اور یہود سے کہا کہ تم پہلے یہ گواہی دو کہ عزیر علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں تو یہودی کہنے لگے معاذ اللہ عزیر اس کے بندے ہیں اور نصاریٰ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں وہ کہنے لگے معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں؟ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا (وان تولوا فانما علیک البلاغ اگر وہ لوگ روگردانی کریں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے) آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے تبلیغ کے ذریعے اور آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں (واللہ بصیر بالعباد اور اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے) جاننے والا ہے ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان نہیں لائے۔

اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: بیشک جولوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو (افعال واخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک سزائے دردناک کی (اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال (صالحہ) غارت ہو گئے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور (سزا کے وقت) ان کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا۔ (اے محمدؐ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (تورات) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر (بھی) ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے۔

اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ

تفسیر ۲۱ (ان ..... اللہ بے شک جولوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں) اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں آیات سے مراد قرآن ہے۔ "الذین یکفرون" سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں (ویقتلون ..... من الناس اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور جولوگ انصاف کرنے کا حکم کرتے ہیں) حمزہ نے "یقتلون" کی جگہ "یقاتلون الذین یامرون" ذکر کیا ہے۔

ابن جریج نے کہا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء پر وحی اترتی تھی ان کے پاس کتاب نہیں آئی تھی اس وحی کے مطابق وہ اپنی قوم کو نصیحت کرتے تھے تو انبیاء کو شہید کر دیا جاتا۔ پھر انبیاء کے پیروکار نصیحت کرنے والے کھڑے ہو جاتے اور ان کو نصیحت کرتے تو ان کو بھی انبیاء کی طرح شہید کر دیا جاتا، یہ وہی لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اشد الناس عذابا یوم القیامة

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس کو دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا منکر کا حکم دیا اور معروف سے روکا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "**ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین**" سے "**ومالھم من ناصرین**" تک تلاوت فرمائی۔ پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا اے ابوعبیدہ بنو اسرائیل نے دن کے اوّل حصہ میں ایک ہی وقت میں (۴۳) انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر بنی اسرائیل میں سے ایک سو بیس عابد کھڑے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے لیے تو ان عابدوں کو بھی دن کے دوسرے حصہ میں شہید کر دیا، یہ وہی لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں کیا اور ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ (**فبشرھم بعذاب الیم** سو انہیں خوشخبری سنا دیں) خبر دے دیں (دردناک عذاب کی) ایسا سخت عذاب جو بہت ہی تکلیف دہ

ہو۔ "فبشرهم" میں فاء کو داخل کیا خبر ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں "ان الذین" شرط و جزاء کے معنی کو متضمن ہوگا تقدیری عبارت یوں ہوگی "الذین یکفرون ویقتلون فبشرهم" جن لوگوں نے کفر کیا اور انبیاء کو قتل کیا تو آپ ان کو خوشخبری سنادو۔ یہ شرط جزاء درست نہیں کیونکہ کوئی بھی اس طرح نہیں کہتا۔ "ان زیدًا فقائم"

۲۲ (اولئک ..... ناصرین یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال غارت ہوگئے دنیا میں اور آخرت میں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا) دنیا میں اعمال کے باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبول نہیں کیے جائیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

۲۳ (الم تر ..... الکتاب کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا) اس سے مراد یہود ہیں (یدعون ..... اللہ ان کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف) اس کتاب کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

کتاب اللہ کی تفسیر میں مختلف اقوال

قتادہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو کتاب اللہ کی طرف یعنی قرآن کے فیصلہ کی طرف بلایا گیا وہ اس سے اعراض کرنے لگے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرآن کو فیصلہ کن قرار دیا تو قرآن نے یہود و نصاریٰ کے درمیان یہ فیصلہ کردیا کہ یہ حق پر نہیں ہیں اور وہ اس فیصلے سے روگرداں ہوگئے اور دوسرے حضرات نے کہا کہ اس سے مراد تورات ہے۔

سعید بن جبیر و عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی جماعت کنیسہ میں داخل ہوئے اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اس پر نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم کے دین پر۔ ان دونوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات لاؤ، وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ انہوں نے تورات لانے سے انکار کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہودیوں کے بڑے عالم ابن صوریا کا ذکر

کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اہل خیبر کے باشندوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا اور زناء کی سزا ان کی کتاب میں رجم مقرر تھی۔ انہوں نے رجم کو ناپسندیدہ سمجھا کیونکہ زانی عالی مرتبہ والا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے رجم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور انہیں یہ امید تھی کہ اس میں کوئی رخصت ہوگی یا کوئی تخفیف مل جائے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دے دیا تو نعمان بن اوفیٰ اور بحری بن عمرو اس سزا کو سن کر بولے کہ آپ نے ان دونوں پر رجم کی سزا جاری کرنے کا حکم کیا حالانکہ ان پر رجم کی سزا نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب تورات موجود ہے تو وہ کہنے لگے کہ آپ نے انصاف کی بات کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے تورات کا زیادہ جاننے والا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا ایک اندھا آدمی جو فدک میں رہتا ہے اس کا نام ابن صوریا ہے چنانچہ اس کو بلوایا گیا اور وہ مدینہ آیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صوریا کے متعلق بتلا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ تم ہو ابن صوریا؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم یہودیوں کے بڑے عالم ہو۔ ابن صوریا نے کہا کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کا وہ حصہ منگوایا اور اس کو کہا کہ پڑھ جب وہ رجم کی آیت پر پہنچا تو اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیت رجم کو چھوڑ گیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور یہودیوں کو پڑھ کر سنایا ہے کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک سزا موقوف رکھی جائے۔ اس فیصلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سنگسار کرا دیا اور یہودی ناراض ہو کر چلے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب**" کتاب سے مراد تورات ہے (**لیحکم بینہم ثم یتولی فریق منہم وہم معرضون** تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے بعض لوگ کترا کر منہ موڑ لیتے ہیں)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ (اور) یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی۔ اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کی تراشی ہوئی باتوں نے سو ان کا کیا (برا) حال ہوگا جبکہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے جس (کے آنے) میں ذرا شبہ نہیں اور اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جاوے گا۔ ہر شخص کو جو کچھ اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔ (اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔ بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ۲۴ (**ذلک ...... فی دینہم** یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ یوں کہتے تھے کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنے چنے

دن اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے) غرور کہتے ہیں ایسی طمع کرنا جس سے کوئی فتح حاصل نہ ہو (ما کانوا یفترون جس کو وہ تراشتے ہیں) افتراء کہا جاتا ہے جھوٹ میں ملاوٹ، جھوٹ گھڑنا۔

۲۵ (فکیف اذا جمعناهم لیوم لاریب فیه پس ان کا کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ان کو ایک دن جمع کریں گے جس (دن) کے آنے میں کوئی شک نہیں) اس وقت ان کا کیا حال ہوگا یا اس وقت وہ کیا کریں گے جب ان کو جمع کیا جائے گا۔ "لیوم" سے مراد قیامت کا دن ہے (ووفیت اور وہ پورا پائے گا)" ووفیت" کا معنی ہے پورا پورا بدلہ (کل نفس ما کسبت ہر نفس کو جو اس نے کمایا) اس کو بدلہ دیا جائے گا نیکی کا اور برائی کا (وھم لایظلمون اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا) یعنی ان کی نیکیوں کو کم کر کے اور ان کی برائیوں کو زیادہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۲۶ (قل ...... الملک اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کہ اے اللہ! جو مالک الملک ہے)

قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بتلایا گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روم و فارس کی فتح اپنی اُمت کے لیے مانگی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا اور آپ نے اپنی اُمت کے لیے فارس اور روم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تو منافق اور یہودی کہنے لگے۔ ارے ارے کہاں محمد اور کہاں فارس اور روم کی حکومتیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور اور مضبوط ہیں۔ کیا محمد کے لیے مکہ اور مدینہ کافی نہیں کہ فارس اور روم کی حکومت کے لیے طمع کرنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

قل اللھم کی تحقیق

"قل اللّٰھُمَّ" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے "یا اللہ" حرف ندا (یا) کو حذف کر کے آخر میں میم لگا دیا۔ بعض نے کہا کہ یہاں معنی میم ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ "اللّٰھُمَّ" اصل میں "یا اللہ امنا بخیر" اے اللہ ہماری خیر کا ارادہ کر۔ حرف نداء کو حذف کیا گیا۔ یہ اس طرح ہو گیا "علّمَ الیٰنہ" گویا کہ اس کا اصل "ھل ام الیٰنا" کلام میں ہمزہ کو تخفیفاً حذف کیا جاتا ہے اور میم مشدد کو لفظ اللہ سے ملا دیا۔ "مالک الملک" اصل میں یا "مالک الملک" تھا مطلب یہ ہے کہ بندوں کا مالک اور جس چیز کے بندے مالک ہیں ان کا بھی مالک۔ بعض نے کہا کہ اے زمین و آسمان کے مالک! اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ بعض کتب میں اسی طرح ارشاد فرمایا "انا اللہ ملک الملوک و مالک الملوک قلوب الملوک ونواصیھم بیدی" میں اللہ بادشاہوں کا بادشاہ۔ بادشاہوں کے دلوں کا مالک اور ان کی پیشانیوں کا مالک اگر بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان پر رحمت بھیجتا ہوں اور اگر میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کو سزا دیتا ہوں لہٰذا تم بادشاہوں کو برا بھلا نہ کہو بلکہ میری طرف رجوع کرو میں ان بادشاہوں کو تمہاری طرف پھیر

دوں گا (تؤتی الملک من تشاء تو دیتا ہے بادشاہت جس کو چاہتا ہے) مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا کہ ملک سے مراد نبوت ہے۔ کلبی نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں (وتنزع الملک ممن تشاء اور چھین لیتا ہے بادشاہت جس سے چاہتا ہے اس سے مراد ابوجہل اور قریش کے بڑے بڑے سردار۔

بعض نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد عرب ہے اور "تنزع الملک ممن تشاء" سے مراد روم و فارس ہیں۔

امام سدی نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد انبیاء علیہم السلام کی ملک اور بندوں کا ان کی اطاعت کرنا ہے۔

اور "وتنزع الملک من تشاء" سے مراد جبارین ہیں اور بندوں کو ان کی اطاعت سے روکا گیا۔ بعض نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور "وتنزع الملک ممن تشاء" سے مراد ابلیس اور اس کا لشکر ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے)

وتعز من تشاء وتذل من تشاء کی تفسیر

عطاء فرماتے ہیں کہ "تعز من تشاء" سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں۔ "وتذل من تشاء" سے مراد فارس اور روم ہیں اور بعض نے کہا کہ "وتعز من تشاء" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں کہ یہ مکہ میں دس ہزار کی تعداد میں داخل ہوئے۔ "وتذل من تشاء" سے مراد ابوجہل اور اس کے کارندے ہیں جن کو بدر کے مقام پر گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالا گیا تھا۔

بعض حضرات نے کہا کہ "وتعز من تشاء" سے مراد ایمان و ہدایت ہے اور "وتذل من تشاء" سے مراد کفر اور گمراہی ہے بعض نے کہا تعز من تشاء سے مراد نیکی اور تذل من تشاء سے مراد برائی ہے۔

بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد نصرت ہے اور "تذل من تشاء" سے مراد عذاب ہے۔

بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد مال دار ہونا اور "وتذل من تشاء" سے مراد فقر و فاقہ ہے۔ بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد قناعت اور رضا ہے اور تذل من تشاء سے مراد حرص اور طمع ہے (بیدک الخیر تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے) اصل عبارت اس طرح تھی "بیدک الخیر والشر" کیونکہ خیر اور شر دونوں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہاں صرف "خیر" کو ذکر کر کے اسی پر اکتفاء کیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے "وسرابیل تقیکم الحر" اصل میں "الحر والبرد" تھا یہاں صرف "حر" کو ذکر کیا اور برد کو اسی پر اکتفاء کیا (انک علی کل شیء قدیر بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے)

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

(ترجمہ) آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیزوں کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو

جاندار سے نکال لیتے ہیں) جیسے پرندے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بیشار رزق عطا فرماتے ہیں

تفسیر ㉗ (تولج اللیل فی النھار یعنی تو رات کو دن میں) رات کو دن میں داخل کرنے والا کبھی دن تو پندرہ ساعات کا ہوتا ہے اور رات نو ساعات کی (وتولج النھار فی اللیل اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں) اور رات پندرہ ساعات کی اور دن نو ساعات کا تو اس صورت میں دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

(وتخرج ...... الحی اور تو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے) قراء اہل مدینہ، حمزہ، کسائی، حفص بن عاصم رحمہم اللہ نے "المیت" میں یاء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

سورۃ انعام، سورۃ یونس، سورۃ روم میں بھی اسی طرح ہے۔ اعراف میں "لبلد میت" اور فاطر میں "الی بلد میت" نافع نے "اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فاحییناہ" اور "لحم اخیہ میتا، والارض المیتۃ احییناھا" میں بھی مشدد پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام یعقوب نے "یخرج الحی من المیت" اور "ولحم اخیہ میتا" میں مشدد پڑھا ہے۔

تخرج الحی من المیت......الآیۃ کی مختلف تفاسیر

اس آیت کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ نے کہا کہ اللہ جانور کو نطفہ سے اور نطفہ میت ہے اور نطفہ کو خود ان سے نکالتے ہیں۔ عکرمہ اور کلبی فرماتے ہیں کہ "تخرج الحی من المیت" سے مراد بچے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے نکالنا۔ حسن اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے۔ مؤمن زندہ اور کافر مردہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "او من کان میتا فاحییناہ" زجاج فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تر و تازہ نباتات کو خشک بیج سے پیدا کرتا اور خشک بیج کو تر ٹہنی سے پیدا کرتا ہے (وترزق ...... حساب اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے) بغیر تنگی اور کمی کے۔

مقبول الشفاعت آیات

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فاتحۃ الکتاب" اور آیت الکرسی اور سورۃ آل عمران کی دو آیات یعنی "شھد اللہ" سے لے کر "ان الدین عند اللہ الاسلام" تک اور دوسری آیت "وقل اللھم مالک الملک" سے لے کر "بغیر حساب" تک شفاعت کو قبول کرنے والی ہیں عرش کے ساتھ معلق ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ انہوں نے کہا تھا اے رب! تو ہم کو زمین پر اتار کر ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کریں گے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں جو کوئی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کرے گا وہ کیسا ہی ہو میں جنت کو اس کا ٹھکانہ ضرور بناؤں گا۔ میں "حظیرۃ القدس" میں اس کو ضرور

ٹھہراؤں گا، میں اس کی طرف ضرور نظر رحمت کروں گا اور روزانہ اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا ان میں ادنیٰ درجہ گناہوں کی بخشش کا ہو گا اور میں ہر دشمن و حاسد سے اس کو پناہ دوں گا اور اس کو غالب کروں گا۔

امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حارث بن عمر سے مروی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے۔ اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر ۲۸ (لا یتخذ ...... المؤمنون نہ بنائیں مؤمنین کافروں کو دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر)

شانِ نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حجاج بن عمرو ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید ان تینوں نے انصار کے چند آدمیوں سے اندرونی دوستی لگائی تا کہ دین سے ان کو دور کر دیں اور بہکا دیں۔

رفاعہ بن منذر اور عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خثمہ نے انصار سے کہا کہ آپ لوگ ان یہودیوں سے بچتے رہیں کہیں دین کی طرف سے آپ کو بہکا نہ دیں۔ انصار نے اندرونی دوستی ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے متعلق نازل ہوا جو کفار مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کے بارے میں ہوا جو مشرکوں اور یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان کو اس امید پر پہنچاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مؤمنین کو ان کے فعل سے منع فرما دیا (ومن یفعل ذلک اور جو ایسا کرے گا) یعنی کفار کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچانا تا کہ وہ مسلمانوں کے عیوب پر مطلع ہو جائیں (فلیس من اللہ فی شیء تو اللہ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں) اللہ کے دین میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ پھر اس کو مستثنیٰ ذکر کیا اور فرمایا (الا ...... تقاۃ مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو)

یعنی کافروں سے ظاہر تعلقات ان کے شر کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے درست ہے اور کسی وقت جائز نہیں۔

أن تتقوا منهم تقاة کی تفسیر میں ائمہ مفسرین کی توجہات

مجاہد اور یعقوب نے اس کو "تقیۃ" وزن "بقیۃ" پر پڑھا ہے اور یاء کو برقرار رکھا ہے الف کو نہیں پڑھا جیسے "حصاۃ" اور نواۃ ہے۔ "تقاۃ" کا مصدر "بقال" کی طرح ہے جیسے "تقیت، تقاء و تقی تقیۃ و تقوی" یہ سب اس کے مصادر ہیں اور جب "اتقیت" کہا جائے تو اس کا مصدر "الاتقاء" آئے گا اگر ان کا باب ثلاثی مجرد سے ہو تو پھر "تقاۃ" بولا جاتا ہے اور اتقاء نہیں کہا جاتا۔ اگر یہ دونوں لفظ ایک ہی ہوں تو مصدر بھی ایک ہی آئے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتبتل الیہ تبتیلا" اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کفار کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع فرمایا ہے یا اس وقت جائز ہے جب کفار مغلوب ہوں اور ان کی طرف سے شر کا کوئی اندیشہ ہو یا کوئی مؤمن کفار کے علاقے میں رہتا ہو تو ان کی زبانی مداہنت کر سکتا ہے جب کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو صرف اپنے آپ سے شر کو دور کرنے کے لیے ایسا کرے لیکن ان کے ساتھ دوستی میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا یا حرام چیز کو حلال قرار دینا یا مسلمانوں کے عیوب کو کفار کے سامنے بیان کرنا یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ان کو طرح طرح کی تدبیریں بتلانا اور مسلمانوں کے رازوں کو بتلانا جائز نہیں اور وہ کسی کلام میں تقیہ نہ کرے مگر اس کو جان کا خوف ہو تو اس صورت میں اگر اس کی نیت درست ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے بارے میں فرمان ہے اور جس کو زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے تو اس کے لیے رخصت ہے اگر اس نے صبر کیا اور کلمہ کفر نہ کہا پھر وہ مارا گیا تو اجر عظیم ہوگا۔ بعض حضرات نے تقاۃ کو نا جائز قرار دیا، اسلام کے ظہور کے بعد کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابتداء اسلام میں جب تک دین کا استحکام نہ ہوا تھا اور اسلام میں قوت نہیں آئی تھی تو اس وقت تقاۃ جائز تھا لیکن اب اللہ نے اسلام کو عزت بخشی ہے تو اہل اسلام میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دشمن سے تقیہ کرے۔

یحییٰ البکاء نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے حجاج بن یوسف کی حکومت کے دنوں میں پوچھا کہ حسن آپ سے کہا کرتے تھے "تقیہ باللسان والقلب مطمئن بالایمان" کہ تقیہ صرف زبان سے ہو جبکہ دل مطمئن ہو۔

سعید نے کہا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں۔ تقیہ تو جنگ کی حالت میں ہوتا ہے (ویحذرکم اللہ نفسہ اور اللہ تم کو اپنی ناراضگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے) اللہ تعالیٰ تم کو کفار کے ساتھ دوستی کرنے کی سزا کے بارے میں ڈراتا ہے اور "منہی عنہ" امور کے ارتکاب اور غیر شرعی امور کے ارتکاب سے تمہیں سزا کے متعلق ڈراتا ہے (واللہ رؤف بالعباد اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے)۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے

ہیں اور وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔ جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کیے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا۔ اور اپنے برے کیے ہوئے کاموں کو بھی (اور) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس کے درمیان دور دراز مسافت (حائل ہوتی) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر۔

تفسیر ㉙ (قل ..... صدورکم اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کہ اگر تم چھپائے رکھو اپنے دلوں میں) تمہارے دلوں میں کفار کی دوستی جو چھپائے رکھے ہو (او تبدوہ یا اس کا اظہار کرو) ان کی دوستی کا اظہار کرو قول وعمل سے (یعلمہ اللہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے) کلبی فرماتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو چھپاؤ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول کر اس کا اظہار نہ کرو یا کفار کے سامنے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کے متعلق گفتگو اور قتال کے متعلق ان کو بتلائیں۔ اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے اور ان کو محفوظ کر کے رکھتا ہے اور تمہیں اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا (ویعلم ..... والارض اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کو جانتا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں تو تمہاری دوستی کیسے پوشیدہ ہو سکتی ہے اور تمہارے دلوں کا میلان کیسے مخفی رہ سکتا ہے (واللہ ..... قدیر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

㉚ (یوم تجد کل نفس جس دن پائے گا ہر نفس) "یوم منصوب بنزع الخافض" ہے۔ یعنی حرف جار "فی" محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "فی یوم" تھا یا فعل محذوف "اذکروا، اتقوا" فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (ما ..... محضرا اپنی کی ہوئی نیکی اپنے سامنے) اس سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ووجدوا ماعملوا حاضرا" انہوں نے جو عمل کیا وہ انہوں نے اپنے سامنے حاضر پایا (وماعملت من سوء اور جو اس نے برائی کی ہوگی) بعض حضرات نے "تعود" کو منصوب پڑھا ہے جو اعمال اس نے کیے خواہ وہ خیر ہوں یا شر۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنے نیک اعمال کو چھپائے گا۔

بعض حضرات نے تود کو جملہ مستانفہ بنایا ہے اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ "وما عملت من سوء ودت لو أن بينها وبينه امدا بعيدا" (تود ان بینھا تو وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان) اس کے درمیان سے مراد اس کے نفس کے درمیان ہے (وبینہ اور اس کے) برے عمل کے درمیان (امدا بعیدا دور کی مسافت پائے گا) سدی نے فرمایا کہ "امدا بعیدا" سے "مکانا بعیدا" مراد ہے۔

مقاتل نے فرمایا مراد اس سے مشرق و مغرب کے درمیان اور امد سے مراد زندگی ہے اور غایت اس کی جہاں تک اس کی انتہاء ہے۔
حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کو یہ تمنا ہوگی کہ اس کی بدی اس کے سامنے کبھی نہ آئے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش! اس نے یہ برے اعمال کیے ہی نہ ہوتے
(ویحذرکم ..... نفسہ ..... بالعباد اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ مومن بندوں پر بڑا مہربان)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔ تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔ آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں) کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے

شانِ نزول

تفسیر: ۳۱ اس آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا "نحن ابناء اللّٰه و احباؤه" کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ۔ (نعوذ باللہ)

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس آئے جب وہ مسجد حرام میں موجود تھے انہوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کیے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنائی ہوئی تھیں اور ان بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ! اے قریش کی جماعت تم نے اپنے باپ ابراہیم و اسماعیل کے طریقے کی مخالفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے جواب دیا کہ ہم تو اللہ کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو خدا کے مقرب بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور بتوں کی پوجا اس لیے کرتے ہو تاکہ وہ تمہیں خدا کے قریب کر دیں تو تم میری پیروی کرو تو تم سے اللہ محبت کرے گا، میں اس کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول اور تم پر حجت ہوں، تم میری شریعت و سنت کی پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ پس مؤمنین کی اللہ سے محبت یہ ہے کہ وہ اس حکم کی پیروی کریں اور اس کی اطاعت میں ترجیح کریں اور اس کی رضا چاہیں اور اللہ تعالیٰ کی مؤمنین سے محبت یہ ہے کہ ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کو اجر عطا کرتا ہے اور ان سے خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ (و یغفر ..... رحیم اور وہ بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ بن ابی منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے ہیں اور ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان سے ویسی ہی محبت کریں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۲ قل ان كنتم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہر اُمتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ کون انکار کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

29

من اطاعنی فقد اطاع اللہ

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ بعض فرشتوں نے بعض سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ فرشتے کہنے لگے کہ ان کی مثال بیان کرو تو انہوں نے مثال بیان کی وہ کہنے لگے ان کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے کہ جس نے گھر بنایا اور اس میں اس نے دعوت کا کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو بلانے کے لیے بھیجا۔ پس جس شخص نے اس بلانے والے کو قبول کیا وہ اس گھر میں داخل ہوگا اور اس نے دعوت سے کھانا کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اس گھر میں بھی داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس نے اس گھر سے دعوت کھائی تو انہوں نے کہا ان میں پہلا وہ شخص جس کو اللہ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ دار سے مراد جنت ہے۔ داعی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم کو اور (حضرت) نوح کو اور (حضرت) ابراہیم کی اولاد (میں سے بعضوں کو) اور عمران کی اولاد) میں سے بعضوں) کو تمام جہان پر۔ بعضے ان میں سے بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاوے گا سو آپ مجھ سے (بعد ولادت) قبول کر لیجئے۔ بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

شانِ نزول

تفسیر ③③ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں یہود کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام کے بیٹے ہیں اور ہم انہی کے دین پر ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے لیے چن لیا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو۔ اصطفیٰ، اختار کی طرح ہے باب افتعال سے صفوۃ سے مصدر ہے اس کا معنی ہے خالص۔ آدم علیہ السلام تمام مخلوقات کے باپ ہیں اور نوح علیہ السلام بھی۔ (وال ابراھیم ...... عمران اور ابراہیم و عمران کی اولاد)

آل ابراہیم اور آل عمران کی وضاحت

"آل ابراهيم و عمران" سے مراد حضرت ابراہیم اور عمران علیہما السلام ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وبقیة مما ترک آل موسیٰ و آل هٰرون" یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ بعض نے کہا کہ آل ابراہیم سے مراد اسماعیل، اسحاق، یعقوب والاسباط ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

باقی رہے آل عمران ان کے بارے میں مقاتل نے کہا کہ یہ عمران بن یصھر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہم السلام ہیں اور آل موسیٰ و ہارون علیہم السلام ہیں۔ حسن اور وہب رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عمران بن اشھم بن امون جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے بیٹے ہیں اور ان کی آل مریم و عیسیٰ علیہما السلام ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے عمران بن ماثان ہیں ان دونوں کو اس لیے خاص کیا کیونکہ تمام انبیاء اور رسول انہی کی نسل سے ہیں۔ (علی العالمین تمام جہانوں پر)

㉞ (ذریة اولاد) ذریۃ یہ ذراء سے مشتق ہے اس کا معنی ہے پیدا کرنا اور بعض نے کہا کہ یہ "ذَرّ" سے مشتق ہے چیونٹی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کو آدم کی پیٹھ سے نکالا گیا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کی ذریت چیونٹیوں کی مانند تھیں۔ ذریۃ کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے اور باپ دادا پر بھی۔ اباء کو ذریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور اولاد ذریت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ ان کو باپ سے پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وآیة لهم ان حملنا ذریتهم فی الفلک المشحون" ذریۃ منصوب ہے معناً اور ہم نے چن لیا ذریت کو بعض کو بعض سے (بعضها من بعض بعض کو پیدا کیا ہے بعض سے)

بعض نے کہا کہ بعض کو بعض کے ساتھ مدد دی نصرت دی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے دین پر ہیں۔ (والله سمیع علیم اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں)

㉟ (اذ...... عمران یاد کرو جبکہ عمران کی بیوی نے کہا تھا)

ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ

عمران علیہ السلام کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذا جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ تھیں اور عمران سے عمران بن ماثان ہیں۔ عمران بن ابی موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

اور بعض نے کہا کہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ماثان کی اولاد بنی اسرائیل کی سردار اور بادشاہ تھی اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد عمران بن اشھم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (رب ..... بطنی محررا اے میرے رب میں نے نذر مانی ہے آپ کے لیے اس بچے کی جو میرے بطن میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا)

گرجا کی خدمت کیلئے بچوں کو وقف کرنے کی نذر ماننا

یعنی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیرے لیے آزاد کرتی ہوں اور تیرے لیے نذر مانتی ہوں (فتقبل ...... العلیم پس تو اس کو میرے لیے قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے) نذر کہتے ہیں انسان جو اپنے اوپر لازم کرلے محرراً اس کو خالص اللہ کی رضا کے لیے، محض اللہ کی عبادت کے لیے اور گرجا کی خدمت کے لیے آزاد کرتی ہوں تاکہ دُنیا کے وہ کسی کام میں مشغول نہ ہو اور جس کو اللہ کے لیے خالص کیا جائے تو اس کو محرر کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "حررت العبد اذا اعتقتہ" جب غلام کو آزاد کیا جائے اور اس کو رقیت سے نجات دلا دی جائے۔ کلبی نے محمد بن اسحاق وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب گرجا گھر کے لیے کسی کو آزاد کردیا جاتا تو وہ جوان ہونے تک۔ اس کی خدمت کرتا جوان ہونے کے بعد اس کو اختیار ہوتا کہ چاہے تو وہیں رہ کر گرجا کی خدمت کرتا رہے اور چاہے تو کہیں چلا جائے۔ پھر اس سے زبردستی خدمت نہ لی جاتی۔ کوئی پیغمبر اور مذہبی عالم ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی نسل کا کوئی فرد بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف نہ کیا گیا ہو، یہ وقف کرنے کا دستور لڑکوں کے لیے تھا نہ کہ لڑکیوں کے لیے کیونکہ ان کے ساتھ وہ عوارض لاحق ہوتے ہیں جو لڑکوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔

ام مریم علیہا السلام کی دعا اور قصہ

اُم مریم علیہا السلام نے اپنے پیٹ میں جو کچھ تھا اس کو آزاد کردیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران علیہما السلام نے دونوں بہنوں کے ساتھ شادی کی۔ ایشاع بنت فاقوذا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں اور حنہ بنت فاقوذا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ یہ عمران علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ حضرت حنہ کی کوئی اولاد نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہوگئیں۔ ایک روز کسی درخت کے نیچے سے انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو چونچ سے کھلا رہا ہے یہ دیکھ کر ان کے دل میں بچے کے لیے خواہش اُٹھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ! مجھے بھی بچہ عطا فرما اور فرمانے لگیں اے اللہ! اگر تو نے مجھے بچہ عطا فرمایا تو میں اس کو بیت المقدس کی طرف صدقہ کروں گی تاکہ وہ بیت المقدس کی خدمت کرسکے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ نے ان کو مریم علیہا السلام سے حاملہ کردیا اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ حمل مذکر ہے یا مؤنث، پھر ان کے شوہر نے کہا کہ ہلاکت ہو یہ تو نے کیا کیا۔ کیا تو دیکھتی اگر وہ لڑکی ہوئی تو وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھے گی، دونوں اس وجہ سے غمگین ہوگئے۔ اسی اثناء میں حضرت عمران علیہ السلام انتقال کرگئے اور حضرت حنہ مریم سے حاملہ تھیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ؕ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: پھر جب لڑکی جنی (حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ

زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی۔ اور وہ لڑکا (جو انہوں نے چاہا تھا) اس لڑکی کے برابر نہیں۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو (اگر کبھی اولاد ہو) آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

تفسیر ۳۶ (فلما وضعتها پھر جب لڑکی جنی) جب اس لڑکی کو جنا۔ "وضعتها" میں ھا ضمیر ما فی کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ ما کی طرف۔ اسی وجہ سے اس کو مؤنث ذکر کیا (قالت تو کہنے لگی) حضرت حنہ کہنے لگیں اور وہ لڑکے کی اُمید رکھتی تھیں (رب...... انثی اے میرے رب! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی) اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا عذر پیش کرنے لگیں (واللہ اعلم بما وضعت اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی) ابن عامر، ابوبکر، یعقوب نے "وَضَعْتُ" پڑھا ہے اور اس کلام کو حضرت مریم علیہا السلام کا قرار دیا اور دوسرے قراء نے "وَضَعَتْ" تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے (ولیس ...... کالانثی اور وہ لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں) گرجا کی خدمت کے لیے چونکہ لڑکا مضبوط اور قوی ہوتا ہے لڑکی کمزور ہوتی ہے پھر اس کو عوارض نسوانی بھی لاحق ہوتے ہیں اس لیے لڑکی لڑکے کی طرح نہیں ہو سکتی (وانی ...... مریم اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے) مریم کا معنی عابدہ ہے اور یہ نام اس لیے رکھا کہ اُمید ہے اللہ اس کو عابدہ بنا دے۔ حضرت مریم علیہا السلام اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے خوبصورت اور سب سے افضل تھیں (و ذریتها اور میں پناہ دیتی ہوں اس کو) اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اس سے روکا ہے اور اس کو تیرے حوالے کیا ہے (اور اس کی اولاد کو) ذریت سے مراد مریم علیہا السلام کی اولاد ہے (من الشیطان الرجیم شیطان مردود سے) رجیم رجم سے ہے چونکہ اس کو شہاب ثاقب مارا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کے چونکہ مارنے سے محفوظ رہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بنی آدم میں سے جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیختا ہے۔ شیطان کے چونکا مارنے کی وجہ سے۔ علاوہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وانی اعیذها بک وذریتها من الشیطن الرجیم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام بنی آدم کے دونوں پہلوؤں میں شیطان انگلی سے چونک مارتا ہے علاوہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے۔ شیطان ان کو چونکا مارنے گیا تھا لیکن اس نے پردہ میں چونکا مارا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

ترجمہ پس ان (مریم علیہا السلام) کو ان کے رب نے بطریق احسن قبول فرما لیا۔ اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا۔ اور

(حضرت) زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ (سو) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں۔

وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔

تفسیر ۳۷ (فتقبلھا ...... حسن پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا) اللہ تعالیٰ نے حضرت حنہ سے مریم علیہا السلام کو قبول کرلیا۔ تقبل بمعنی قبول اور رضا مندی کے ہے۔ قبول مصدر ہے "قَبِلَ يَقْبَلُ" سَمِعَ یسمع سے مثل ولوع اور وزوغ کے۔ ان تین مصادر کے علاوہ نہیں آتا۔ بعض نے کہا کہ قبول تقبل کے معنی میں ہے ان کی تربیت میں کفالت کرنا (وانبتھا نباتا حسنا اور عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا) یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "وانبتھا فنبتت نباتا حسنا" بعض نے کہا کہ یہ مصدر ایسا ہے کہ اس کا کوئی مصدر نہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان "فتقبلھا ربھا بقبول حسن" اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی کہے "تکلمت کلاما" جریر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی۔ فرماتے ہیں کہ "فتقبلھا ربھا بقبول حسن" کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نیک لوگوں کے راستے پر چلائے گا اور "انبتھا نباتا حسنا" کا معنی ہے کہ اللہ نے ان کو برابر پیدا کیا۔ ان میں کوئی کمی بیشی نہیں رکھی اور یہ ایک دن میں بڑھاوا اتنا ہوتا تھا جتنا دوسرے بچوں کا سال بھر میں ہوتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا واقعہ

"وکفلھا زکریا" اہل اخبار نے کہا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوگئیں تو حضرت حنہ نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو مسجد میں لے جا کر مشائخ مسجد کے سامنے رکھ دیا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس کے متولی تھے جیسے دربان کعبہ کے متولی ہوتے ہیں اور ان کو جا کر کہا یہ لونڈ یہ ہے مریم علیہا السلام چونکہ ان کے امام اور متولی قربانی کی بیٹی تھیں اس لیے سب نے ان کو لے لینے کی بڑھ چڑھ کر خواہش کی۔ ان کو حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے زیادہ حق دار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ احبار نے ان سے کہا کہ آپ اس طرح نہ کریں۔

کفالت کی تعیین میں قرعہ اندازی کا معاملہ

لیکن ہم ان کے بارے میں قرعہ اندازی کریں گے جن کے حصے میں آئیں گی تو وہی ان کی پرورش کرے گا۔ پھر وہ اس کام کے لیے چل نکلے۔ ان لوگوں کی تعداد انتیس تھی یہ نہر پر گئے۔

سدی فرماتے ہیں کہ یہ اردن کی نہر تھی سب نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیے اور یہ شرط لگائی کہ جس کا قلم پانی میں رُک جائے گا اور سید ھا رہے گا وہی مریم علیہا السلام کی کفالت کرے گا۔ اور بعض نے کہا کہ ہر قلم پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

بعض نے کہا کہ وہ تورات لکھ رہے تھے اور انہوں نے اپنے قلموں کو پانی میں ڈال دیا جو ان کے ہاتھ میں تھے۔ حضرت

زکریا علیہ السلام کا قلم رُک گیا اور بقیہ کے قلم بہنے لگے۔ یہی قول محمد بن اسحاق اور ایک جماعت کا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم مخالف سمت چلنے لگا اور دوسروں کے قلم پانی کے بہنے کے ساتھ بہہ گئے۔

امام سدی اور ایک جماعت کے نزدیک فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں اس طرح رُک گیا جیسا کہ مٹی میں ہو۔ اب قرعہ اور حصہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق نکلا۔ یہ ان متولیوں کے سردار اور نبی تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "وکفلھا زکریا" حمزہ، عاصم، کسائی نے "کفّلھا" فاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں لفظ زکریا محل نصب میں واقع ہے۔ عبارت یوں ہوگی "ضمنھا اللّٰہ وضمھا الیہ بالقرعۃ" یعنی اللہ نے قرعہ اندازی کے ذریعے حضرت زکریا علیہ السلام کو مریم علیہا السلام کا ذمہ دار بنا دیا اور بعض قراء نے فاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں زکریا محل رفع میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل بنے اور اس کے حکم پر کھڑے ہوئے۔ زکریا بن اذن بن مسلم بن صدوق حضرت سلیمان بن داؤد کی نسل سے تھے۔ حمزہ کسائی، حفص، ابن عاصم رحمہم اللہ نے زکریا کو مقصور پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت سنبھالی تو سب سے پہلے ان کے لیے گھر بنایا اور ان کے لیے دودھ پلانے والی کا انتظام کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کی کفالت کرنا

محمد بن اسحاق کی رائے کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی خالہ کے حوالے کر دیا اور یہی ان کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ جب حضرت مریم علیہا السلام بڑی ہو گئیں اور عورتوں کی عمر تک پہنچ گئیں تو مسجد میں ان کے لیے ایک بالا خانہ تعمیر کروایا اور اس کا دروازہ اس کے درمیان میں رکھا۔ اس دروازہ تک بغیر زینے کے کوئی نہیں چڑھ سکتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کعبہ کا دروازہ ہے کہ اس میں بغیر زینے کے کوئی نہیں چڑھ سکتا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ہر روز ان کے پاس کھانے پینے، تیل کی اشیاء پہنچاتے۔ ان کے علاوہ کوئی بالا خانے میں نہ آتا۔

"کلما دخل علیھا زکریا المحراب" محراب غرفہ کو کہا جاتا ہے۔ محراب سب سے اونچی اور اعلیٰ نشست گاہ کو کہتے ہیں اس طرح مسجد کو بھی محراب کہتے ہیں۔ مبرد فرماتے ہیں کہ محراب اس بالا خانے کو کہا جاتا ہے جس پر بغیر زینے کے نہ چڑھا جاتا ہو۔ ربیع بن انس نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کو سات دروازوں کے اندر رکھا تھا۔ جب بھی وہ اندر داخل ہوتے تو ان دروازوں کو کھول دیتے۔ "وجد عندھا رزقا" ایسے پھل ان کے پاس موجود ہوتے تھے جن کا موسم نہیں ہوتا تھا۔ گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں "قال یا مریم انی لک ھذا" ابوعبیدہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آئے ہیں۔

بعض نے اس معنی کا انکار کیا اور کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کس جہت کی طرف سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ "انی" سے جہت کے متعلق پوچھا گیا "این" سے مکان کے متعلق سوال کیا گیا "قالت ھو من عند اللّٰہ" اللہ کی طرف سے جنت سے آئے

ہیں۔ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پیدا ہونے کے بعد انہوں نے کسی دودھ پلانے والی کے پستان کو منہ میں نہیں لیا بلکہ ان کا رزق جنت سے آتا تھا۔ پھر اس بناء پر حضرت زکریا علیہ السلام کہتے کہ یہ پھل کہاں سے آئے؟ تو وہ فرماتیں کہ اللہ کی طرف سے آئے اور انہوں نے بچپن میں کلام بھی کیا۔ "ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب"

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ایک مرتبہ آزمائش نے گھیر لیا۔ اسی اثناء میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی ضعیف ہو گئے اور حضرت مریم علیہا السلام کو اُٹھانے کی قوت نہیں رہی۔ ایک مرتبہ بنی اسرائیلیوں کی طرف گئے اور کہا کہ اے بنی اسرائیلیوں کی جماعت میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت نہیں سنبھال سکتا تم میں سے کون ان کی کفالت لے گا تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! تحقیق ہمیں مشقت پہنچی اور ہمیں قحط بھی پہنچا ہم میں سے کوئی نہیں جو ہمارے درمیان مدافعت کرے (یعنی ہم میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکے) اس معاملہ میں آپ ہم میں قرعہ ڈالیں۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ بنی اسرائیل کے ایک شخص بنی نجار کے حصے میں نکلا جس کا نام یوسف بن یعقوب تھا۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کے چچا کا بیٹا تھا جب اس شخص نے حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت سنبھالی تو حضرت مریم علیہا السلام نے اس کے چہرے پر شدت بوجھ کو محسوس کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس سے کہا اے یوسف اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھو، بے شک اللہ ہمیں رزق عطا فرمائے گا۔ یوسف حضرت مریم علیہا السلام کے پاس روزانہ کمائی کر کے رزق لاتا۔ اپنی طاقت اور ہمت سے جو حاصل ہوتا وہ پیش خدمت کرتا۔ جب وہ کما کر کھانا کنیسہ میں لاتا تو کھانا بڑھ جاتا پھر حضرت زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو ایسا رزق ان کے پاس موجود پاتے جو یوسف کے لانے کی قدرت سے باہر تھے۔ پھر زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھتے "یا مریم انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب" اہل احبار کا قول ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام یہ ماجرا دیکھتے تو فرماتے جب اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر سبب کے بے موسمی پھل لانے پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ مجھے اولاد دے بڑھاپے میں بغیر جوانی کے۔ یہ بچوں کی خواہش کرنے لگے اور گھر والے بھی اولاد جننے کی میعاد کاٹ چکے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی بوڑھے ہو گئے تھے اور اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ اس موقع پر دعا کی۔ (حضرت) زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔

تفسیر ﴿۳۸﴾ "ھنالک" اسی وقت (جب انہوں نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل اور رحمت خدا کی وسعت دیکھی) "دعا زکریا ربہ" حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں داخل ہوئے اور دروازے بند کر دیئے اور اپنے رب سے مناجات کی "قال رب" رب اصل میں "یا ربّ" تھا۔ "ھب لی" مجھے عطا کر "من لدنک" اپنی طرف سے "ذریۃ طیبۃ" ایسا مبارک بیٹا جو متقی نیک گناہوں سے پاک۔ "ذریۃ" کا اطلاق واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب پر ہوتا ہے یہاں پر واحد استعمال

ہوا ہے۔ دلیل اللہ پاک کا ارشاد "فھب لی من لدنک ولیا ..... طیبۃ" مؤنث ذکر کیا۔ "ذریۃ" کی تانیث کی وجہ سے "انک سمیع الدعاء" تو دُعا کو سننے والا ہے۔ بعض نے ترجمہ کیا کہ تو دُعا کو قبول کرنے والا جیسا کہ اللہ کا فرمان "انی امنت بربکم فاسمعون" اس سے مراد قبول فرمانا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ اور مقتدا ہوں گے اور اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہوں گے۔ اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔

تفسیر: ۳۹ "فنادتہ الملائکۃ" حمزہ، کسائی وغیرہ نے "فناداہ" تاء کی جگہ یاء پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ لفظ ملائکہ جمع ذکر کیا اور اس کے آخر میں تاء تانیث ذکر کی کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب اس سے پہلے فعل آجائے تو تاء کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ یہ جماعت کا نام ہے اور ان کو تانیث کے ساتھ ذکر کرنا احسن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "قالت الاعراب" ابراہیم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن میں ملائکہ جمع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اس وجہ سے اس کو اختیار کرتے تھے مشرکین کی مخالفت کی وجہ سے کیونکہ مشرکین یہ کہتے "الملائکۃ بنات اللہ تعالیٰ" کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تاء اور یاء میں اختلاف واقع ہو جائے تو یاء کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن میں ذکر کرتے ہیں۔

حضرت جبرائیل کو الملائکۃ جمع کے ساتھ ذکر کرنے کی وجوہات

ملائکہ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "الذین قال لھم الناس" یہاں پر ناس جمع کا صیغہ مذکور ہے لیکن اس سے صرف نعیم بن مسعود مراد ہیں اور آگے "ان الناس" یہاں ناس سے مراد ابوسفیان بن حرب ہیں۔ مفضل بن سلمہ کہتے ہیں کہ جب قائل کسی قوم کا سردار ہو تو اسی کو جمع کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو بھی شامل ہوتا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں اس لیے ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور بہت ہی کم ویش یہ واقعہ ہوا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہیں بھیجا گیا ہو تو ان کے ساتھ فرشتے جمع نہ ہوئے ہوں۔

اسی وجہ سے ملائکہ جمع کا صیغہ ذکر کرتے ہیں "وھو قائم یصلی فی المحراب" محراب سے مراد مسجد ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام شیخ اعظم تھے۔ قربانی کا پیش کرنا اور قربان گاہ کا دروازہ کھولنا آپ ہی کے سپرد تھا۔ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (قربان گاہ کے قریب مسجد

میں) اور لوگ اندر داخل ہونے کے لیے اجازت کے منتظر تھے کہ اچانک ایک نوجوان سفید پوشاک میں ملبوس نمودار ہوا، لوگ اس کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے آواز دی اور وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ "یا زکریا" "اے زکریا" "ان اللّٰہ یبشرک بیحیی" ابن عامر اور حمزہ نے "انّ" کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان کو آواز دی فرشتوں نے اور کہا بے شک اللہ اور دوسرے قراء نے "انّ" کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب ہوگا کہ فرشتوں نے ان کو آواز دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے۔ حمزہ نے "یبشرک" شین کو بغیر شد کے پڑھا ہے اور قرآن میں تمام مقامات پر اسی طرح پڑھا ہے صرف ایک جگہ "فبم تبشرون" میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس جگہ پر تمام قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور ان دونوں مقامات میں کسائی نے ان کی موافقت کی ہے اور "سبحان الذی، کہف اور حمعسق" میں ابن کثیر نے ان کی موافقت کی اور ابو عمرو نے صرف "حمعسق" میں ان کی موافقت کی اور باقی قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جن حضرات نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے وہ "بَشَّرَ، یبشّر، تبشیرًا" اور یہ افصح اللغات ہے۔ تشدید کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "فبشر عبادی" اور "فبشرناہ باسحاق" اور "بشرناک بالحق" اور ان کے علاوہ آیات میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جو حضرات تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ لغت تہامہ کے تحت ہے اور یہی قراءۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ "بیحیی" یہ معرفہ ہے اس وجہ سے اس پر کسرہ نہیں آئے گا۔ یعمر اور یزید کی طرح اس کی مثال ہے۔ اس کی جمع "یحیون مثل موسون اور عیسون" کے ہے۔

یحییٰ نام رکھنے کی مختلف وجوہات

یحییٰ ان کا نام کیوں رکھا گیا۔ اسی بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ نے ان کے بانجھ پن کو دور کیا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو ایمان سے مزین فرمایا۔ بعض نے کہا کہ ان کو یحییٰ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ شہید ہوگئے اور شہداء زندہ ہوتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ یحییٰ کا معنی ہے یموت اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اطاعت پر زندہ رکھا، کبھی نافرمانی کی اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔ "مصدقا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے "بکلمۃ من اللّٰہ" کلمۃ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

کلمہ کہنے کی وجہ تسمیہ

عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے لفظ کن سے پیدا ہوئے تھے۔

اس وجہ سے ان کو کلمہ سے تعبیر کیا گیا۔ بعض حضرات نے کلمہ نام رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح اللہ کے کلام سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی اپنے کلام سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے اس وجہ سے کلمہ کہا گیا۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام انبیاء کو مطلع کیا کہ میں ایک نبی کو بغیر باپ کے پیدا کروں گا۔ اس وعدہ کے پورا ہونے کی وجہ سے ان کو کلمۃ کہا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی نبوت کی تصدیق کی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام چھ ماہ بڑے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کیے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے پہلے۔ ابوعبیدہ نے "بکلمة من اللّٰه" کی تفسیر بکتاب اللہ اللہ کی کتاب اور اس کی نشانی سے کی ہے۔ جیسا کہ اہل عرب بولتے ہیں "انشد لی کلمة فلان" اس سے مراد قصیدہ ہے۔ "وسیدًا" یہ فعیل کے وزن پر ساد یسود سے ہے وہ سردار جس کی تابعداری کی جاتی ہے اور اس کی بات حتمی ہوتی ہے۔

سیداً کی مختلف تفاسیر

مفضل نے کہا کہ دین میں سردار ہوں گے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ سید سے مراد حسن خلق ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سید وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی اطاعت کرے۔ سعید بن المسیب نے کہا کہ سید فقیہ عالم کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ علم، عبادت، پرہیزگاری کے سردار ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ ایسا حلیم جو کسی چیز کی وجہ سے غضب نہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز۔ بعض نے کہا سید پرہیزگار یہ ضحاک کا قول ہے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو حسد نہ کرے۔ بعض نے کہا کہ سید وہ ہے جو تمام اُمورِ خیر میں سب سے بڑھ کر ہو۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھوڑی سی چیز پر راضی ہونے والا۔ بعض نے کہا کہ سید سخی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من سید کم یا بنی سلمة" اے بنی سلمہ تم میں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ جد بن قیس بخیل شخص ہے۔ فرمایا اس کا علاج کیا ہے لیکن تم میں سید عمرو بن جموح ہے۔

"وحصورًا ونبیا من الصالحین" حصور کا اصل میں حصر سے مشتق ہے۔

حصوراً کی تفسیر

اس کا معنی ہے بندش روک۔ حصور ابن مسعود ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ (رضی اللہ عنہم) عطاء، حسن کے نزدیک جو نہ عورتوں کے پاس آئے اور نہ ہی ان کا قرب حاصل کرے۔ (یعنی نہ ہی عورتوں کے قریب جانے والا ہو) اس بناء پر یہ حصور فعول بمعنی فاعل کے ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے والا ہو۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ عنین ہے جس میں تخلیقی طور پر اس صورت میں حصور محصور کے معنی میں ہوگا عورتوں سے روکا ہوا۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ مثل کپڑے کی طرح تھے۔ اس کے باوجود اگر شادی کرتے تو نظر کی حفاظت کے لیے۔

ایک قول یہ ہے کہ حصور کہا جاتا ہے اپنے آپ کو وطی کرنے سے روکنا اس کی قدرت رکھتے ہوئے۔ اس قول کو بعض حضرات

نے دو وجوہ کی بناء پر مجاز قرار دیا۔ ❶ کلام میں تعریف کا زیادہ شائبہ نہیں ہوگا اور یہ مقام مدح کے زیادہ مناسب ہے۔ ❷ یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان جیسے عیوب سے پاک تھے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝۴۰

ترجمہ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا اور میری بی بی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہو جاوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔

تفسیر ۴۰ "قال رب" اصل میں یاسیدی تھا۔ اے میرے سردار! حضرت زکریا علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔ یہی قول کلبی اور ایک جماعت کا ہے۔ "انی یکون"…… "این یکون" کے معنی میں ہے "لی غلام" کہ میرا غلام کہاں سے آئیگا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری کے وقت حضرت زکریا کی عمر

"وقد بلغنی الکبر" یہ مقلوب کی قسم ہے مطلب یہ ہے کہ میں بوڑھاپے میں پہنچ چکا ہوں جیسا کہ کہا جاتا ہے "بلغنی الجھد ای انا من الجھد" کہ مجھے مشقت پہنچی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے کبر پہنچ چکا اور بوڑھاپے نے مجھے کمزور کر دیا۔ کلبی فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب بچے کی خوشخبری دی گئی تو اس وقت ان کی عمر بانوے سال تھی اور بعض نے کہا کہ ننانوے سال تھی۔

ضحاک نے ابن عباس کے حوالے سے لکھا کہ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی۔ "وامراتی عاقر" بیمار ہے (بانجھ) بچے نہیں جن سکتی "عاقر" مذکر و مؤنث دونوں میں مشترک بولا جاتا ہے۔ کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ "قال کذلک اللہ یفعل مایشاء" اگر سوال کیا جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ سوال کیونکر کیا حالانکہ اللہ نے تو وعدہ فرمایا تھا۔ "انی یکون لی غلام" کیا آپ اللہ کے وعدہ میں شک کرتے ہیں اور اس کی قدرت میں۔

بعض نے کہا کہ جب فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آواز دی تو فوراً شیطان نمودار ہوا اور کہنے لگا اے زکریا یہ آواز جو آپ سن رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے ہے۔

اگر یہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی تو دوسرے احوال کی طرح یہاں بھی وحی ہی آتی۔ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے "انی یکون لی غلام" کے الفاظ کہے۔ عکرمہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ کے وعدہ میں شک نہیں تھا بلکہ پیدائش کی کیفیت کے متعلق تھا کہ پیدائش کا طریقہ کیا ہوگا کہ کیا ہم دونوں میاں بیوی کو جوان کیا جائے گا یا ہمیں بوڑھاپے میں ہی دیا جائے گا یا مجھے کسی اور بیوی سے لڑکا ہوگا۔ اپنے سمجھنے کے لیے یہ سوال کیا نہ کہ شک کرنے کی وجہ سے یہ حسن کا قول ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔ بجز اشارے کے۔ اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کیجئے اور (زبان سے بھی) تسبیح (وتقدیس) کیجئے دن ڈھلے کو بھی اور صبح کو بھی۔ کہ اس کی قدرت رہے گی اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی بیبیوں کے مقابلہ میں تم کو منتخب فرمایا ہے

تفسیر ۴۱ "قال رب اجعل لی آیة" یعنی ایک علامت مقرر کیجئے۔ میری بیوی کے حمل کے وقت تاکہ مزید عبادت کے ذریعے شکر ادا کیا جائے۔ "قال ایتک ان لا تکلم الناس" تو بات کرنے سے رُک جائے گا "ثلاثة ایام" تو قبول کر میری تمام عبادات کو اور میری زبان کو بات کرنے سے نہ روکیں۔

کلام نہ کرنے کی مختلف تفاسیر

کلام سے مراد دُنیاوی کلام ہے نہ کہ ذکر خداوندی کہ آپ اللہ کی عبادت کر سکو گے۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے۔ "الا تکلم الناس ثلاث لیال سویا" یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر دلیل ہے "وسبح بالعشی والابکار" ذکر اللہ کا حکم دیا گیا اور لوگوں سے کلام کرنے سے روک دیا گیا" زبان کو تین دن تک لوگوں سے کلام کرنے سے روک دیا گیا" اکثر مفسرین کا یہی قول ہے"۔

قتادہ کا قول ہے کہ تین دن تک زبان کو کلام کرنے سے روکنے کی وجہ وہ سوال ہے جو آپ نے فرشتے سے کیا تھا۔ اس سوال پر عتاب ہے۔ "الا رمزا" کا معنی ہے اشارہ کرنا اور اشارہ تو کبھی زبان سے آنکھ سے ہاتھ سے اور کبھی شہادت والی انگلی سے۔ فراء کا قول ہے رمز کبھی کبھار زبان سے ہوگا اور وہ ہے ہلکی سی آواز جسے همس کہا جاتا ہے۔ عطاء نے کہا کہ کلام نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ تین روز روزہ رکھنا کیونکہ وہ لوگ روزہ کی حالت میں سوائے اشارے کے زبان سے بات نہیں کرتے تھے۔ "واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار" بعض نے کہا کہ اس سے مراد تسبیح اور نماز ہے۔ عشی زوال شمس لے کر غروب شمس تک اسی وجہ سے ظہر و عصر کی نماز کو کہتے ہیں اور ابکار سے صلوٰۃ فجر سے چاشت کی نماز کے درمیان کو کہتے ہیں۔

۴۲ "واذ قالت الملائکة" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب کہا "یا مریم ان اللہ اصطفاک" تو اختیار کر "وطهرک" پاک وہ مردوں کے چھونے سے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی باقی عورتوں پر فضیلت

بعض کے ہاں حیض ونفاس سے پاک رہ۔ سدی فرماتے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کو حیض نہیں آتا تھا۔ بعض نے گناہوں سے پاک ہونا مراد لیا ہے۔ "واصطفاک علی نساء العالمین" اپنے زمانے کی عورتوں سے تجھے چن لیا۔ بعض نے کہا کہ تمام عالمین کی عورتوں سے چن لیا کہ صرف یہی ہیں جنہوں نے بغیر اب کے بچے کو جنا اور کوئی عورت ایسی نہیں۔ بعض نے کہا کہ بیت المقدس کی طرف آزاد کرنے والی یہی عورت ہیں اور کوئی نہیں۔

عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں میں افضل حضرت مریم بنت عمران ہیں اور اس زمانے کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وکیع اور ابو معاویہ ہشام اور عروہ سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وکیع نے یہ بات کرتے وقت زمین اور آسمان کی طرف اشارہ کیا (کہ اس زمین وآسمان میں ان سے افضل کوئی نہیں) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مردوں میں کامل بہت ہیں لیکن عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیرے لیے جہاں کی عورتوں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿45﴾

ترجمہ: اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔ ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے قلموں کو (پانی میں ڈالتے تھے کہ ان سب میں سے کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جبکہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے (یہ بھی) کہا کہ اے مریم علیہا السلام بیشک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا۔ اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور من جملہ مقربین ہوں گے۔

تفسیر: ﴿43﴾ "یا مریم اقنتی لربک" فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب کی فرمانبرداری کریں۔

قنوت کی مختلف تفاسیر

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ نماز میں قیام کو طویل کریں اپنے رب کے لیے اور قنوت طاعت اور فرمانبرداری کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ قنوت طویل قیام کو کہتے ہیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں جب ملائکہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ کہا تو یہ نماز میں اتنا طویل قیام کیا کہ ان کے پاؤں کھڑے کھڑے سوجھ گئے خون اور پیپ آنے لگی۔ "واسجدی وارکعی" سجدہ کو مقدم ذکر کیا کیونکہ ان کی شریعت میں رکوع سے سجدہ مقدم تھا۔ بعض نے کہا کہ تمام شریعتوں میں رکوع سجدہ سے مقدم ہے۔ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ جمع کے لیے ہے۔ جیسا کہ اس طرح کہنا جائز ہے کہ "رأیت زیدًا و عمرًا" جب زید پہلے آیا یا عمرو کو پہلے دیکھا پھر زید کو۔ "مع الراکعین" راکعات نہیں فرمایا کیونکہ نماز میں عورتیں مردوں کی تابع ہیں اور یہ اعم ہے اور یہ سب کو شامل ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ۔

۴۴ "ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ جو باتیں ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ "وما کنت" اے محمد "لدیهم اذ یلقون اقلامهم" سمندر میں قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ "ایهم یکفل مریم" کون اس کی دیکھ بھال اور تربیت کرے گا "وما کنت لدیهم اذ یختصمون" مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔

۴۵ "اذ قالت الملائکة یا مریم ان اللّٰه یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم" اسمہ ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کنیت ذکر کی ان کو مسیح کیوں کہا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجوہات

اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا مسیح فعیل بمعنی مفعول مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات سے تمام گندگیاں صاف کردی گئیں اور آپ کو گناہوں سے پاک رکھا۔ بعض نے کہا کہ مسیح کو مسیح برکت کی وجہ سے کہا گیا۔ "عند البعض" یہ مریم علیہا السلام کے پیٹ کے مسلنے سے پیدا ہوئے۔

بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر سے عیسیٰ علیہ السلام کو مسح کیا تاکہ شیطان کے شر سے محفوظ رہیں اس لیے ان کو مسیح کہا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قدم کو مسح کیا گیا کہ ان کے پاؤں میں کبھی ورم نہیں آتا۔

دجال کو بھی مسیح کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک آنکھ سے ممسوح ہوگا اور بعض نے کہا کہ فعیل بمعنی فاعل کے ہے۔ جیسے علیم اور عالم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بیماری والے شخص کو ہاتھ لگاتے تو وہ ٹھیک ہو جاتا۔

بعض نے کہا کہ آپ ہمیشہ سیاحت کرتے رہتے تھے کہیں مقیم نہیں ہوتے تھے اس لیے مسیح کہا گیا۔ اس صورت میں میم زائد ہوگا۔ ساح یسیح سے ہوگا جس کا مادہ سیح ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مسیح صدیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مسیح کذاب دجال ہے اس صورت میں یہ لفظ اضداد میں سے ہوگا۔ "وجیھا" شریف، عالی مرتبہ والا، وجاہت والا ہے۔ "فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین" اللہ کے نزدیک۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

ترجمہ: اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم فرما دیں گے (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توریت اور انجیل۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

تفسیر: ④۶ "ویکلم الناس فی المھد" بچپن میں بولنے سے پہلے، شیر خوارگی میں کلام کرے گا۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں ہے "فقال انی عبداللّٰہ آتانی الکتاب" مجاہد سے بیان کیا گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام فرماتی ہیں کہ جب میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکیلے ہوتے تو ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے رہتے اور جب کوئی انسان ہمارے پاس آ جاتا تو وہ میرے پیٹ میں تسبیح بیان کرتے اور میں اس کو سنتی تھی۔ "وکھلا" رفع الی السماء سے پہلے تمام قوتوں کا مجتمع ہونا۔

حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ آسمان سے اُترنے کے بعد وہ کلام کرے گا اور بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کی خبر دی گئی کہ وہ زندہ ہیں اور کہولت سے پہلے وفات نہیں پائیں گے کہولت کے بعد کلام کرنا معجزات میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ حالت کہولت میں ان کو نبی ہونے کی خوشخبری سنا دی گئی اور شیر خوارگی میں کلام کرنا معجزہ ہے اور کہولت میں کلام کرنا دعوت ہوگا۔

مجاہد فرماتے ہیں "کھلا" سے مراد حلیم ہونا اور اہل عرب سن کہولت کی مدح کرتے ہیں اس لیے کہ درمیانی حالت عقل کی پختگی، رائے میں جودت اور تجربہ ہوتا ہے۔ "ومن الصالحین" کہ وہ نیک بندوں میں سے ہوگا انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی شان ہوتی ہے۔

④۷ "قالت رب" اے میرے سردار یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا بعض نے کہا کہ یہ کلام عزوجل کو فرمایا "انی یکون

لی ولد ولم یمسسنی بشر " یعنی مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ بات بطور تعجب کے کہی کیونکہ عام طور پر تو بچہ پیدا ہوتا ہے والد کے ساتھ جبکہ میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا۔ " قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضی امراً " جب کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے " فانما یقول له کن فیکون " جس چیز کا تو ارادہ کرتا ہے وہ ہوجاتا ہے " کذلک اللہ یخلق ما یشاء " بعض نے کہا کہ یہ قول عطف ہے اس فرمان " ان اللہ یبشرک " پر۔

۴۸ " ویعلمه " قراء اہل مدینہ، عاصم، یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ن کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان " ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک " (الکتاب) کتاب سے مراد تحریر اور خط ہے " والحکمة " سے مراد علم اور سمجھ ہے۔ " والتوراة والانجیل " سکھلایا اللہ نے تورات اور انجیل کو۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۴۹

ترجمہ اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (پیغمبر بنا کر) کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے۔ خدا کے حکم سے اور میں اچھا کردیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کردیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھایا کرتے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔ بلاشبہ ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔

تفسیر ۴۹ " ورسولاً " اور آپ کو رسول بنائیں گے " الی بنی اسرائیل " بعض نے کہا کہ رسول بلوغت کے بعد تھے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے پہلے نبی یوسف علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جب ان کو بھیجا فرمایا " انی " امام کسائی فتحہ پڑھتے ہیں کیونکہ رسالت اس پر واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی " انی " ہے۔ " قد جئتکم بآیة " یعنی نشانی علامت ہے۔ " من ربکم " اپنے قول کی تصدیق ہے کہ جو اللہ کا دیا ہوا ہوگا۔ یہاں تو ایک علامت کا ذکر کیا حالانکہ آپ کے پاس بہت سارے معجزات تھے۔ یہ سب ایک چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی جس نے رسالت کی تصدیق کی گویا اس نے سب معجزات کی تصدیق کی۔ جب یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا انہوں نے جواب میں کہا وہ کیا ہے اور کہاں سے آئے گا۔ فرمایا " انی " نافع نے الف کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ پڑھا ہے اور باقیوں نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ " اخلق " خلق کا معنی صورت بنانا اندازہ کرنا " لکم من الطین کهیئة الطیر " ابوجعفر نے " کهیئة الطائر " پڑھا ہے

اس مقام پر اور سورۃ مائدہ میں ہے۔ ہیئت کا معنی صورت ہے اس کا مصدر "الهیاء" آتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لے آؤ کوئی چیز جب اس پر قدرت اور صلاحیت ہو۔ "فانفخ فیه" پرندے میں پھونک مارو۔

"فیکون طیرًا باذن اللّٰه" اکثر قراء نے جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سارے پرندوں کو بنایا۔ اہل مدینہ اور یعقوب نے "طائرًا" پڑھا ہے۔ یہاں پر واحد ذکر کیا یہ پرندے کی ایک نوع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے چمگادڑ کے علاوہ کوئی پرندہ نہیں بنایا۔ چمگادڑ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق کے لحاظ سے یہ سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے اس کے پستان اور دانت بھی ہوتے ہیں اور اس کو حیض بھی آتا ہے۔ وھب کا قول ہے کہ یہ پرندہ جو لوگوں کی نظروں کے سامنے ہو تو اُڑتا رہتا ہے جب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو گر کر مر جاتا ہے۔ یہ ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے تاکہ خدائی تخلیق اور بندے کی تخلیق میں فرق واضح ہو جائے تاکہ جان لے کہ تخلیق میں کمال صرف اللہ عزوجل کا ہے۔ "وابرئ الاکمه والابرص" ان دونوں کو شفاء دے اور ان دونوں کو تندرست کر لیں۔

الاکمه والابرص کی تفسیر

الاکمہ کی تفسیر میں آئمہ کی مختلف آراء ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں وہ جو بچپن سے اندھا ہو۔

حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نابینا۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعمٰی جس کی نظر کمزور ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو دن کو دیکھ سکتا ہو اور رات کو اس کو کچھ نظر نہ آتا ہو۔

ابرص وہ ہے جس میں سفید داغ ہوں، ان دونوں بیماریوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا زور تھا اس لیے لوگوں کو طبی معجزہ دکھلایا۔ وھب کہتے ہیں کہ بسا اوقات ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے جو خود آنے کی طاقت رکھتا تھا وہ خود آ جاتا اور جو آنے کی طاقت نہیں رکھتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے تندرست ہونے کی دُعا کرتے، ساتھ ایمان کی شرط لگاتے۔

"واحیی الموتٰی باذن اللّٰه"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا۔ عاذر، ابن العجوز، عاشر کا بیٹا، سام بن نوح۔

❶ عاذر آپ کا دوست تھا مرنے لگا تو اس کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے آپ تک پہنچنے کے لیے تین دن کی مسافت تھی۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت پہنچے تو عاذر کو مرے تین دن ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی بہن سے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ عاذر کی بہن ان کو قبر پر لے گئی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی

جاؤ، اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بدن سے روغن ٹپک رہا تھا۔ پھر قبر سے نکل آیا اور کافی عرصہ زندہ رہا۔ اس کی اولاد بھی ہوئی۔

❷ بڑھیا کے بچے کا جنازہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گزرا۔ آپ علیہ السلام نے دُعا کی وہ فوراً چارپائی پر اُٹھ بیٹھا، لوگوں کے کندھوں سے نیچے اُتر آیا اور کپڑے پہن کر چارپائی کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر واپس گھر لوٹ گیا۔ وہ بھی بعد میں زندہ رہا اور اس کے بھی بچے ہوئے۔

❸ "ابنۃ العاشر" محصول ٹیکس کی بیٹی۔ اس کی بیٹی ایک روز قبل مرگئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دوسرے دن دُعا فرمائی تو اللہ نے اس کو زندہ کردیا، وہ بعد میں بھی زندہ رہی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔

❹ سام بن نوح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی قبر پر گئے اور اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم لے کر پکارا، سام قبر سے نکل آیا، قیامت برپا ہونے کے اندیشے سے اس کا آدھا سر سفید ہوچکا تھا۔ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ سام نے کہا کیا قیامت قائم ہوچکی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں، میں نے تمہیں اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اب مرجاؤ، سام نے کہا اس شرط پر مرنے کو تیار ہوں کہ اللہ موت کی مشقت سے محفوظ رکھے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی اور دُعا قبول ہوئی۔ "وانبئکم" اور میں تمہیں خبردوں گا۔ "بما تاکلون" وہ اشیاء جن کو میں دیکھتا نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ

"وما تدخرون" اور جو تم ذخیرہ کرکے رکھتے ہو "فی بیوتکم" یہاں تک کہ تم اس کو کھالو۔ بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو کچھ صبح کھا کر آتا تو آپ بتلا دیتے اور جو دن کو کھاتے وہ بھی بتلا دیتے اور رات کے لیے جو اشیاء ذخیرہ اندوزی کرکے رکھتے تھے وہ بھی بتلا دیتے۔

سدی فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جائے درس میں جا کر بچوں کو بتا دیتے کہ تمہارے باپوں نے یہ یہ بنایا ہے اور کسی بچے سے یہ فرماتے کہ جاؤ تمہارے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے اور فلاں چیز اُٹھا کر رکھ دی ہے۔ بچہ گھر جا کر روتا، آخر گھر والے وہ چیز اس کو دے دیتے اور اس بچے سے پوچھتے تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟ تو وہ بچہ کہتا عیسیٰ علیہ السلام نے۔ پھر گھر والوں نے اپنے بچوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی ممانعت کردی اور کہہ دیا کہ اس جادوگر سے نہ ملنا۔

ایک دفعہ ان سب بچوں کو گھر میں جمع کرلیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو تلاش کرتے ہوئے تشریف لائے تو لوگوں نے کہا کہ یہاں بچے نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ پھر اس گھر میں کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ اس میں خنزیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سب ویسے ہی ہوجائیں گے۔ جب انہوں نے گھر کا دروازہ کھولا تو وہ سب خنزیر تھے اور یہ خبر پورے مصر میں پھیل گئی۔ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درپے ہوگئے۔ جب ان کی والدہ کو ان کی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو گدھے پر سوار کرکے مصر روانہ کردیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مائدہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل جہاں بھی ہوتے ان پر من وسلویٰ کا دسترخوان

اُترتا لیکن ان کو اس بات کا حکم تھا کہ وہ اس میں خیانت نہ کریں اگلے دن کیلئے ذخیرہ نہ کریں۔ لیکن بنی اسرائیل نے خیانت کی اور اس کا ذخیرہ کرنا شروع کیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بتا دیتے کہ تم نے دسترخوان سے کیا چیز کھائی ہے اور کیا چیز چھپا کر رکھی ہے۔ پھر اللہ نے ان کی صورتیں خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیں۔ "ان فی ذلک" اس قصہ میں "لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین"

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞

ترجمہ: اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی توراۃ کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے بعضی ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل (نبوت) لے کر آیا ہوں۔ حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں۔ سو تم لوگ اس کی عبادت کرو بس یہ ہے راہ راست۔

تفسیر: ⑤⓪ "ومصدقا" اس کا عطف "رسولا" پر ہے۔ "لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم" یعنی گوشت اور چربیاں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ بعض سے کل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سب اشیاء جو تمہارے لیے حرام کر دی گئی ہیں۔ یہاں بعض کو ذکر کر کے کل مراد لیا جیسا کہ لبید کا شعر ہے:

"تراک امکنۃ اذا لم ارضہا او یرتبط بعض النفوس حمامہا"

یہاں بعض نفوس سے کل نفوس ہے۔ "وجئتکم بآیۃ من ربکم" جو نشانیاں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ آیت کو واحد ذکر کیا کیونکہ سب جنس واحد سے ہیں جو رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔ "فاتقوا اللہ واطیعون"

⑤① "ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم"

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞

ترجمہ: سو جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا تو آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے مددگار ہو جاویں اللہ کے واسطے۔ حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس کے گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: ⑤② "فلما احس عیسیٰ" امام فراء نے "احس" کا ترجمہ "وجد" سے کیا اور ابو عبیدہ نے "عرف" (پہچانا) سے کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ احس کا معنی "رای" دیکھا ہے۔ "منہم الکفر" جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے مدد طلب کی۔

ایک واقعہ

"قال من انصاری الی اللہ" امام سدی فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا اور ان کو دعوت دینے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیلیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ شہر سے نکل گئیں یہ دونوں زمین میں چلتے رہے حتیٰ کہ ایک بستی میں پہنچے وہاں ایک شخص نے ان کو بطور مہمان ٹھہرایا اور ان دونوں کے ساتھ احسان کیا۔ اس شہر میں ظالم وجابر بادشاہ رہتا تھا۔ ایک دن یہ شخص غمگین پریشان زدہ اپنے گھر میں داخل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام اس شخص کی بیوی کے پاس موجود تھیں۔ اس عورت سے حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ آپ کے شوہر کی کیا شان ہے؟ میں اس کو آج غمگین دیکھ رہی ہوں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ آپ اس بارے میں نہ پوچھئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ بتلاؤ شاید کہ اللہ تم پر فراخی کرے۔ اس شخص کی بیوی کہنے لگی کہ ہمارا بادشاہ ہر ایک شخص کو ایک دن کا کھانا اور اس کے لشکر کو دیتا اور ان کو خمر پلاتا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی اور آج یہ دن آپہنچا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس عورت سے کہا کہ آپ یہ بات کسی کو نہ بتلائیں گے میں اپنے بیٹے کو کہوں گی وہ دُعا کرے گا جو آپ کے لیے کفایت کر جائے گی۔ اس کے متعلق حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا کروں تو ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہماری طرف سے ان پر احسان واکرام انعام ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے قریب ہو جائیں تو وہ اپنی ہانڈیوں اور رکابیوں کو پانی سے بھر دیں۔ پھر وہ مجھے اطلاع کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے دُعا کی۔ ہانڈیوں میں پانی شوربے اور گوشت سے تبدیل ہوگیا اور رکابیوں کا پانی شراب میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح کی شراب اور کھانا کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ جب بادشاہ آیا اس نے کھایا اور شراب پیا تو کہنے لگا کہ یہ شراب کہاں سے لائے ہو؟ جواب دیا کہ اسی زمین سے لائے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میری شراب بھی اسی ملک سے لائے ہیں لیکن وہ تو ایسی نہیں۔ پھر کہا گیا کہ فلاں زمین کی شراب ہے لیکن جب بادشاہ پر یہ بات خلط ملط ہوئی تو اس نے اس بات میں شدت اختیار کر لی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے وہ جو چیز بھی اللہ رب العزت سے مانگتا ہے اسے دے دیا جاتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایسا شوربا اور گوشت اور شراب عطا کی۔

بادشاہ کا ایک بیٹا تھا جو کچھ دن پہلے فوت ہوگیا تھا، بادشاہ کا ارادہ تھا کہ وہ اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا اور وہ بچہ اس کو بہت محبوب تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس کی دُعا کی وجہ سے اللہ نے پانی کو اعلیٰ شراب بنا دیا تو یہ میرے بیٹے کو بھی دُعا کے ساتھ زندہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کے بارے میں من جانب اللہ کلام کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایسا نہ کریں اگر ایسا کرو گے وہ زندہ ہو جائے گا اور شر میں مبتلا ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اس کی

کوئی پروا نہیں، میں اس کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ زندہ ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ دیں گے اور ہمیں کہیں بھی جانے سے روکیں گے نہیں۔ بادشاہ نے حامی بھرلی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ جب بادشاہ کی رعایا نے اس کے زندہ ہونے کو دیکھا تو وہ اسلحہ لے کر آئے اور کہنے لگے تو بھی ہمیں فنا کرے گا جب اس کو موت قریب آئی تو اس نے اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا اب تو بھی ہمیں اسی طرح کھائے گا جیسا کہ تیرے باپ نے کھایا۔ وہ سب اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حواریین کے پاس آئے اور وہ مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم مچھلیوں کا شکار کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ نہیں چلتے تاکہ لوگوں کا شکار کریں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کون ہیں؟ وہ کہنے لگے میں عیسیٰ بن مریم اللہ کا بندہ اور اس کا بھیجا ہوا ہوں۔ "من انصاری الی اللہ" کہ تم ایمان لاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ "من انصاری الی اللہ" سدی، ابن جریج فرماتے ہیں کہ الی اللہ بمعنی مع اللہ کے ہے کہ کون میری مدد کرے گا اللہ کی مدد کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم" یہاں "الی اموالکم" بمعنی مع "اموالکم" ہے۔ حسن اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں "الی" بمعنی "فی" کے ہے۔ عبارت اس طرح ہے کہ "من انصاری فی اللہ، ای فی ذات اللہ، وسبیلہ" اللہ کی ذات میں اور اس کے راستے میں۔ بعض نے کہا کہ "الی فی" کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کون ہے جو اللہ کی مدد کے ساتھ میری نصرت کرے گا۔

حواریین کون تھے ان کا پیشہ کیا تھا؟

حواریین کے متعلق اس میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ مچھلیوں کا شکار کرنے والے ماہی گیر تھے، ان کو حواریین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کے کپڑے سفید تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ ملاح تھے اور حسن فرماتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے چونکہ یہ کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے کچھ کام لگائے تھے۔ ان کاموں میں سے آخری کام حواریوں کے سردار نے لگایا تھا اور وہ لوگ دھوبی اور (صباغ کپڑوں کو رنگنے والے تھے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس انہوں نے کپڑے جمع کر دیئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں سفر میں جا رہا ہوں اور میں نے یہ صنعت سکھلا دی ہے، میں دس دن تک واپس نہیں آسکوں گا اور یہ کپڑے مختلف رنگوں کے ہیں۔ ان میں سے جو کپڑا جس رنگ کا ہے اسی رنگ میں صباغ کر دیں۔ اُمید ہے میرے آنے کے وقت تک آپ فارغ نہیں رہیں گے جب ان کا سردار سفر کے لیے چلا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑے ٹب میں ایک رنگ کو پکایا اور اس میں تمام کپڑے ڈال دیئے اور پھر ان کپڑوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "کونی باذن اللہ علی ما ارید منک" کہ اللہ کے حکم میں اس طرح ہو جاؤ جس طرح میں ارادہ کرتا ہوں۔ جب حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارے کپڑے اس بڑے گھڑے (ٹب) میں موجود تھے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے کیا کیا، فرمایا

میں تو فارغ ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سب کپڑے کہاں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ اس گھڑے میں ہیں۔ انہوں نے کہا وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ جی ہاں انہوں نے کہا کہ وہ سب کپڑے تو خراب ہوگئے ہوں گے۔ فرمایا ٹھہرو اور دیکھتے رہنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھڑے سے سرخ، زرد، سبز، الغرض جس کپڑے کو جو رنگ لگانا تھا اس کو اسی طرح لگا ہوا تھا۔ اس پر حوارئین تعجب کرنے لگے اور وہ جان گئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ لوگوں نے کہا جلدی کرو اور دیکھو اس پردہ اور اس کے ساتھی سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اس واقعہ سے حوارئین سارا ماجرہ سمجھ گئے۔

حواری کہنے کی وجہ

ضحاک فرماتے ہیں ان کے دل صاف تھے اس لیے ان کو حواری کہا گیا۔ ابن المبارک نے کہا کہ ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا۔ عرب میں حور کسی چیز کی سفیدی کو بیان کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "رجل احور و امراۃ حوراء" یعنی ان کی آنکھ کی سفیدی۔ کلبی اور عکرمہ نے کہا کہ ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا اس لیے حواری کہا گیا چونکہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے برگزیدہ افراد تھے اور یہ بارہ افراد تھے۔ روح بن قاسم نے بیان کیا کہ میں نے قتادہ سے حواریوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا حواری وہ لوگ تھے جو خلافت کے اہل تھے اور دوسرا قول حواریوں کی تعبیر وزراء سے کی ہے۔ حسن نے فرمایا کہ حوارئین سے مراد مددگار ہیں۔ عرب میں حواری اس پر بولا جاتا ہے جس کو مدد کے لیے پکارا جائے۔

محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں پکارا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی پکار کا جواب دیا۔ پھر دوبارہ پکارا، پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

سفیان فرماتے ہیں کہ حواری مددگار کو کہتے ہیں۔ معمر اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوارئین قریش میں سے تھے اور وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حمزہ، جعفر، ابو عبیدۃ بن الجراح وعثمان بن مظعون، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں۔ "قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ" جو اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ "امنا باللّٰہ واشہد" عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ "بانا مسلمون"

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے خفیہ

تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

تفسیر ۵۳ "ربنا امنا بما انزلت" اس سے مراد کتاب ہے۔ "واتبعنا الرسول" رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ "فاکتبنا مع الشاهدین" جنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی شہادت دی۔

عطاء فرماتے ہیں کہ "مع الشاهدین" سے مراد "مع النبیین" ہیں کہ انبیاء اپنی اپنی اُمت کی گواہی دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شاہدین سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ہے چونکہ یہ اُمت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت اور تبلیغ کی شہادت دے گی۔

ومکروا ومکر اللہ کی تفسیر

۵۴ "ومکروا" جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر کو محسوس کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری واپس اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئے اور ان کو دعوت کی طرف آمادہ کیا۔ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" الخلوق کا مکر خبث ہے اور دھوکہ، حیلہ کرنا ہے۔ جب مکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے تدبیر کی اور اس کی سرکشی کو پکڑا۔ اس طور پر کہ اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "سنستدرجهم من حیث لایعلمون"

زجاج فرماتے ہیں کہ مکر من اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مکر کی سزا و جزاء کو مکر مقابلہ کی وجہ سے فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اللہ یستهزئ بهم"...... "وهو خادعهم" ومکر اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق جو خفیہ تدبیر کی وہ یہ تھی کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شبیہ دوسرے شخص پر ڈال دی اور وہ قتل کیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئی۔ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ جادوگر جادوگرنی کا بیٹا آگئے (نعوذ باللہ) آپ پر تہمت لگائی اور آپ کی والدہ پر بھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی بیہودہ باتیں سنی تو آپ نے ان کے لیے بددعا کی اور ان پر لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خنزیر کی شکل میں مسخ کردیا۔ یہودیوں کے سردار یہودا نے جب یہ دیکھا تو وہ گھبرا گیا اور آپ کی بددعا سے ڈر گیا۔ پھر اس نے تمام یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر جمع کردیا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے آگے بڑھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اللہ نے بھیج دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام چھت کے ذریعے کمرے میں داخل ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔ یہود کے سردار نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا جس کا نام

ططیانوس تھا کہ وہ آپ کے کمرے میں داخل ہو کر آپ کو قتل کر دے۔ جب ان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کو عیسیٰ علیہ السلام کہیں نظر نہیں آئے، وہ گھبرا گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ قتل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو وصیت کرنا

وہب کا بیان ہے کہ رات کے کچھ حصے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے۔ یہودیوں نے ان کے لیے ایک لکڑی اور بانس گاڑھ کے رکھا تھا تا کہ ان کو سولی پر لٹکائیں۔ زمین میں بہت اندھیرا چھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جو ان کے درمیان حائل ہو گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اس رات جمع کیا اور وصیت فرمائی اور کہا کہ تم میں سے کوئی ایک شخص کافر ہو جائے گا مرغ کے صبح آواز لگانے سے پہلے اور مجھے تھوڑے سے دراہم میں فروخت کر دے گا۔ پس حواریین وہاں سے چلے گئے اور جدا جدا ہو گئے۔ یہود نے آپ کو تلاش کرنے میں بہت مشقت اُٹھائی۔ بالآخر وہ حواریین میں سے ایک کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اگر تم مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کرو گے تو تمہیں درہم دوں گا۔ اس حواری نے تمیں درہم لے لیے اور ان کا ٹھکانا بتلا دیا۔ جب وہ دلالت کرنے والا شخص اس گھر میں داخل ہوا تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھا لیا اور جس شخص نے بتلایا تھا اس کو پکڑا تو وہ کہنے لگا کہ میں تو وہ شخص ہوں جس نے آپ کو بتلایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ انہوں نے اس کی بات کی طرف توجہ ہی نہ دی اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر دوبارہ اترنا

جب اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا تو حضرت مریم علیہا السلام اور دوسری وہ عورت جس کے جنون کو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے ٹھیک کر دیا تھا روتی ہوئی صلیب پر لٹکی ہوئی نعش کے پاس پہنچیں۔ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نمودار ہو کر ان سے کہا کہ تم کیوں روتی ہو، اللہ نے مجھے اُٹھا لیا اور سوائے بھلائی کے مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ باقی یہ صلیب کشادہ شخص تو میرا ہم شکل ہے۔ اللہ نے ان کی نظروں میں اس کو میرا ہم شکل بنا دیا۔ پھر سات روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مریم علیہا السلام کے پاس پہاڑ پر جا کر اُترو وہ غمگین ہے۔ مریم علیہا السلام کی طرح نہ کوئی رویا اور نہ اس کے برابر کسی کو غم ملا۔ وہاں جا کر حواریوں کو جمع کرنا اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے شہر میں پھیلا دینا۔ حسب الحکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر اُترے جس کا نام بھلا دیہ ہے۔ آپ کے نزول کے وقت پہاڑ جگمگا نور بن گیا۔ حواری آ کر آپ کے پاس جمع ہوئے، آپ نے دین کی دعوت دینے کے لیے ان کو ملک میں پھیلا دیا، اس کے بعد اللہ نے ان کو اُٹھا دیا، صبح ہوئی جس جس حواری کو جس جس

کی ہدایت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مقرر کیا تھا اس حواری نے اس کی زبان میں گفتگو کی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" سدی فرماتے ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دس ساتھیوں کو قید کرلیا۔ ان میں ایک شخص داخل ہوا تاکہ ان کو قتل کرے۔ اللہ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جس پر میری شکل ڈال دی جائے گی اور وہ مقتول ہوگا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا میں اے اللہ کے نبی، اس شخص کو مارنے لگے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو روک دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور آپ کو پر پہنادیے گئے اور آپ پر نور ڈال دیا گیا اور کھانے پینے کی اشیاء کی حاجت ختم کردی گئی اور وہ فرشتوں کے ساتھ عرش کے ارد گرد اڑتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشکل انسانی صفت ملکہ سمائیہ ارضیہ ہوئے۔

اہل مؤرخین نے لکھا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں شکم مریم علیہا السلام میں استقرار عیسیٰ ہوا اور سرزمین (اوری شلم) بابل پر سکندر کے حملہ کو ۶۵ سال گزر رہے تھے کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آغاز وحی کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی اور جب آپ ۳۳ سال کے ہوئے۔ شب قدر ماہ رمضان میں بیت المقدس سے اللہ نے آپ کو اٹھالیا۔ گویا اٹھنے کے وقت آپ کی نبوت کو تین سال گزر رہے تھے۔ آپ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام چھ سال زندہ رہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی عمر اس وقت ۵۲ سال تھی۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں۔ اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں۔ اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روز قیامت تک۔ پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی۔ سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔

متوفیک ورافعک کی مختلف تفاسیر

تفسیر: ﴿۵۵﴾ "اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی" متوفی کے متعلق آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حسن کلبی اور ابن جریج نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے پکڑلوں گا اور بغیر موت کے دنیا سے اٹھا کر اپنے پاس لے جاؤں گا جس پر اللہ کا فرمان "فلما توفیتنی" دلالت کررہا ہے۔ میں نے تمہیں آسمان کی طرف اٹھالیا اور میں زندہ ہوں اس لیے کہ لوگ

کسی کے اُٹھائے جانے سے اس کی مدد کرتے ہیں نہ کہ اس کے مرنے کے بعد۔ لہٰذا یہاں پر توفی کی دو تاویلیں کی جائیں گی۔

① میں تجھے اپنی طرف پورا پورا اٹھاؤں گا اور تجھے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ جیسا کہ عام طور پر محاورات میں بولا جاتا ہے۔ "توفیت من کذا و کذا واستوفیہ" جب اس کو پورا پورا لیا جائے۔

② میں تجھے اپنی سپردگی میں لے لوں گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "توفیت من کذا ای تسلمتہ" میں نے خود اس کو لے لیا اپنی سپردگی میں لے لیا وصول کر لیا۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ یہاں توفی سے مراد نیند ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے۔ پھر سونے کی حالت میں ان کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "انی منیمک ورافعک الیّ" کہ میں آپ کو نیند دے کر پھر اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "وھو الذی یتوفاکم باللیل" اللہ وہی ہے جو تم کو رات کو سلاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ "توفی" سے مراد موت ہے۔ علی بن طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ اس کا معنی "انی ممیتک" ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "قل یتوفاکم ملک الموت" اس صورت میں بھی اس کی دو تاویلیں کی جائیں گی۔

① وھب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی تین ساعات کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو موت عطا کی۔ پھر ان کو زندہ کیا۔ پھر اپنی طرف اُٹھا لیا۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ نصاریٰ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی سات گھڑیوں کے لیے موت عطا کی پھر زندہ کر کے آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔

② ضحاک کا قول یہ ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ عبارت یوں ہوگی "انی رافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا ومتوفیک بعد انزالک من السماء" کہ میں تمہیں پہلے اپنی طرف اُٹھاؤں گا اور تجھے یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھوں گا پھر آسمان سے نزول کے بعد موت دوں گا۔ سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حاکم عادل اُتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے کہ کوئی قبول بھی نہیں کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں تمام ادیان باطلہ ختم ہو جائیں گے صرف اسلام باقی رہے گا اور دجال بھی ہلاک ہو جائے گا۔ آپ علیہ السلام زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی۔ مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔

حسین بن فضل سے کہا گیا کہ کیا تم نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن میں کچھ پاتے ہو؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں! اور اللہ کا یہ فرمان پڑھا "وکہلاً" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہولت کے زمانے تک دُنیا کی زندگی میں نہیں پہنچے تو لامحالہ یہی مطلب ہوگا کہ دُنیا میں اُتر کر اس عمر تک پہنچیں گے۔ "ومطھرک من الذین کفروا" ان کے درمیان سے آپ کو نکالوں گا اور ان سے نجات دوں گا۔ "وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ"

اتبعوک سے کون لوگ مراد ہیں

امام قتادہ، ربیع، شعبی، مقاتل، کلبی کہتے ہیں کہ وہ اہل السلام ہوں گے جو ان کی رسالت کی تصدیق کریں گے اور ان کی تابعداری کریں گے اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے۔ یہ ان لوگوں سے بہتر ہوں گے جو ظاہراً کفر پر ہوں گے۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حوارئین ہیں کہ ان لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ اہل روم ہیں۔ بعض نے کہا کہ نصاریٰ مراد ہیں یعنی یہود کی مملکت ختم ہو جائے گی اور نصاریٰ کی مملکت قیامت تک دائم رہے گی۔ اس صورت میں اتباع بمعنی دُعا اور محبت کے ہوگی کہ یہ لوگ دین کی اتباع نہیں کریں گے۔ "ثم الیّ مرجعکم" آخرت کی طرف لوٹ کر جانا ہے "فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون" دین کے معاملے میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ (ان اختلاف کرنے والوں) میں کافر تھے سو ان کو سخت سزا دوں گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان لوگوں کا کوئی حامی (طرفدار) نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کیے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے یہ ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ (آپ کے) منجملہ دلائل (نبوت) کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے۔ بیشک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جاؤ پس وہ (جاندار) ہو گئے۔

تفسیر: ۵۶ "فاما الذین کفروا فاعذبھم عذابًا شدیدًا فی الدنیا" دُنیا میں سزائے قتل کے ذریعے، قید کے ذریعے، جزیہ کی صورت میں یا ذلت کی صورت میں۔ "وفی الآخرۃ" آخرت میں دوزخ کے عذاب سے "ومالھم من نصرین"

۵۷ "فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم" ورش، حسن، حفص نے "فیوفیھم" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نون کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اللہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ "واللہ لا یحب الظالمین" نہ کافروں پر رحم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی تعریف کی جائے گی۔

۵۸ "ذلک" حضرت عیسیٰ و مریم اور حوارئین کے متعلق جو قصہ ہم نے بیان کیا ہے "نتلوہ علیک" آپ کو جبرئیل علیہ السلام

کی وحی کے ذریعے بتلا دیا جائے گا۔ "من الایات والذکر الحکیم" آیات سے مراد قرآن اور ذکر سے مراد حکمت ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد حکمت ہے یا ذکر سے مراد محکم جو باطل سے محفوظ ہے۔ بعض کے نزدیک "الذکر الحکیم" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لوح محفوظ سفید موتی (کی اتنی لمبی تختی ہے جیسے زمین سے آسمان تک درمیانی خلاء اور یہ) عرش سے معلق ہے۔

بعض نے کہا کہ آیات سے مراد وہ علامات ہیں جو نبوت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ ایسی خبریں ہیں جو شخص کتاب اللہ کو پڑھنے والا ہی جان سکتا ہے یا جس کی طرف وحی آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو امی ہیں وہ پڑھ بھی نہیں سکتے۔

ان مثل عیسیٰ کا شان نزول

⑤⑨ "ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم" اس آیت کا نزول نجران کے وفد کے بارے میں ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ ہمارے آقا کو کیوں گالی دیتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میں کیا کہتا ہوں وہ کہنے لگے کہ آپ ان کو اللہ کے بندے کہتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول اور اللہ کا کلمہ تھے جو عذراء بتول کے شکم میں اللہ نے ڈال دیا تھا یہ سن کر ان کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ آپ نے کوئی آدمی ایسا دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان مثل عیسیٰ عنداللہ" ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا۔

"خلقہ من تراب ثم قال لہ" پھر عیسیٰ علیہ السلام سے کہا "کن فیکون" یعنی ہو جا پس وہ ایسے ہو گئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر سوال کیا جائے کہ پھر اس آیت "خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" کا کیا مطلب ہوگا کیونکہ تکوین تخلیق کے بعد تو نہیں ہوتی۔ جواب دیا کہ اس کو پہلے بنایا پھر ہم نے خبر دی کہ ہم نے لفظ "کن" کہا ان کی پیدائش بغیر ترتیب کے تھی جس طرح کہ پیدائش میں تمام اعضاء برابر ہوتے ہیں اس طرح نہیں تھے۔ جب ہم نے "کن" کہا تو وہ تمام اعضاء ترتیب کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اس قول کی طرح ہے جیسے کوئی کہے "اعطیتک الیوم درھما ثم اعطیتک امس درھما" کہ آج تمہیں ایک درہم دوں گا اور پھر ایک درہم کل دوں گا۔ اس طرح عبارت تھی "ثم اخبرک انی اعطیتک امس درھما" کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ کل بھی ایک درہم دوں گا اور جو مثال ماقبل میں گزر چکی ہے وہ قیاس کے جواز کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ قیاس اصل کو فرع کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو ایک تشبیہ کی طرف لوٹا دیا یعنی آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ کو آدم علیہ السلام کے ساتھ باپ نہ ہونے میں مشابہت ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ⑥⓪ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے (بتلایا گیا) ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوجایئے۔ پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (قطعی) آئے پیچھے تو آپ فرما دیجئے آجاؤ ہم (اور تم) بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر (اس بحث میں) ناحق پر ہوں۔

تفسیر ⑥⓪ "الحق من ربک" یہی حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے یا تمہارے رب کے پاس سے آچکا ہے۔ "فلا تکن من الممترین" عیسائی آپ کے عیسیٰ ہونے میں شک میں پڑ گئے۔ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

⑥① "فمن حاجک فیہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ جھگڑتے ہیں یا اس حق بات میں کون ہے جو آپ سے مناظرہ کرے۔ "من بعد ماجاءک من العلم" علم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونا ہے۔ یعنی اس علم کے آجانے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ "فقل تعالوا" اصل میں تعالیوا تھا باب تفاعل سے علو سے ضمہ یاء پر ثقیل تھا یاء کو حذف کردیا۔ فراء کہتے ہیں بمعنی تعال کے ہے اور اُلحو (ندع) یہ مجزوم ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم کی علامت واؤ کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہے۔ "ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم" بعض نے کہا کہ "ابناء نا" سے مراد حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) ہیں اور "نساء نا" سے مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ "انفسنا" سے مراد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عرب کے لوگ ابن عم کو نفس سے پکارتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ولا تلمزوا انفسکم" یہاں "انفسکم" سے مراد تمہارے بھائی ہیں۔ بعض نے کہا کہ نفس سے عموم مراد ہے۔ اہل دین کی جماعت پر "ثم نبتهل" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یعنی دعا میں خشوع اختیار کرنا۔ کلبی نے کہا کہ دعا میں خوب مبالغہ اور کوشش کرو۔ کسائی اور ابوعبیدہ نے کہا "نبتهل، ابتهال، التعان" باب افتعال سے ہے اسی سے "بہلة" ہے۔ اس کا معنی لعنت ہے۔ "فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین" ہم میں سے یا تم میں سے عیسیٰ کے معاملے میں۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اللہ کے بیٹے نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی ہم نے جواب دیا کہ ہم ذرا لوٹ کر اس معاملہ میں غور کرلیں ہم کل آئیں گے تو وہ بعض بعض سے جدا ہوگئے۔ ان سب نے عاقب سے کہا وہ ذی رائے اور ذی عقل والا تھا۔ اہل وفد نے تخلیہ میں اس سے پوچھا عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ عاقب نے جواب دیا تم سب نصاریٰ عیسائیت کو خوب جان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں خدا کی قسم

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا ہو اور پھر ان کا کوئی بڑا زندہ رہا ہو یا چھوٹے کو بڑھنے کا موقع ملا ہو۔
اب اگر تم نے ایسا کیا تو سب تباہ ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اگر تم اپنے انکار پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے صلح کر لو اور اپنے ملک کو لوٹ جاؤ۔ اس مشورہ کے مطابق سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ان کے پاس آئے اس حال میں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اُٹھائے ہوئے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ مبارک پکڑا ہوا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پیچھے چل رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب میں دُعا کروں تو تم آمین کہنا۔ یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا، اے گروہ نصاریٰ! مجھے ایسے چہرے نظر آ رہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دُعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ سب مر جاؤ گے اور روزِ قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا۔ آخر اہل وفد نے کہا ابوالقاسم ہماری رائے یہ ہوئی ہے کہ ہم آپ سے مناظرہ نہیں کریں گے، آپ اپنے مذہب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ لہٰذا مسلمانوں کے جو حقوق ہیں وہی حقوق تمہارے بھی ہو جائیں گے۔ جب اہل وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ وہ کہنے لگے ہمیں عرب کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں، ہم آپ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ہم پر نہ لشکر کشی کریں نہ ہم کو خوف زدہ کریں اور نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں۔ ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے آپ کو ادا کرتے رہیں گے، ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اہل نجران کے سروں پر عذاب آ ہی گیا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں جیسی ہو جاتیں۔ ساری وادی آگ سے بھڑک اُٹھتی اور نجران کے رہنے والے یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال پلٹنے نہ پاتا کہ سارے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا
نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ بیشک یہ (جو کچھ) مذکور (ہوا) وہی ہے سچی بات۔ اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں۔ پھر (بھی) اگر سرتابی کریں تو بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد والوں کو آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان

(مسلم ہونے میں) برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

تفسیر ۶۲ "ان ھذا لھو القصص الحق" یہ خبر حق ہے "وما من الہ الا اللہ" من صلہ ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی "وما الہ الا اللہ" کہ کوئی بھی شیٔ الٰہ نہیں سوائے اللہ کے۔ "وان اللہ لھو العزیز الحکیم"۔۔۔۔

۶۳ "فان تولوا" اگر ایمان سے روگردانی کرو گے "فانّ اللّٰہ علیم بالمفسدین" اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

شانِ نزول

۶۴ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" مفسرین کا قول ہے کہ نجران کا وفد مدینہ منورہ میں آیا تو اس کی ملاقات یہودیوں سے ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق دونوں فریق کا مناظرہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں اور اسی وجہ سے لوگوں سے اولیٰ ہیں اور یہود نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں۔ ان کا ہم سے قریب ترین تعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں جماعتوں کا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دین سے کوئی سروکار نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام دین حنیف پر ہیں اور میں ان کے دین پر ہوں۔ لہٰذا تم سب ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی اسلام کی اتباع کرو۔ یہودی بولے آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا اسی طرح ہم بھی آپ کو رب بنالیں۔ عیسائی کہنے لگے آپ کی یہ تو مرضی ہے کہ یہودیوں نے جو بات عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہی ہے وہی ہم آپ کے بارے میں کہنے لگیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ" جس قصہ کی کچھ تفصیل ہو عرب اس کو کلمۃ کہہ دیتے ہیں۔ اسی لیے قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ "سواء" اسم فاعل مستویہ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "یقال دعا فلان الی السواء" فلاں شخص کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دی اور ہر چیز کا سیدھا ہونا اس کے وسط سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "فراٰہ فی سواء الجحیم" یہاں سواء بمعنی "للنصفۃ" ہے۔ تمام امور کے اندر عدل اسی کا درمیان میں ہونا ہوتا ہے۔ "سواءٌ" صفت ہے "کلمۃٌ" کی مگر یہ مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع اور نہ مؤنث (اس لیے اس کو مؤنث ذکر نہیں کیا) جب سواء کی سین کو فتحہ دیا جائے تو مد کے ساتھ پڑھیں گے اور جب کسرہ یا ضمہ دیا جائے تو پھر مد نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے "مکاناً سُوی" پھر کلمہ کی تفسیر کی اور فرمایا "الا نعبد الّا اللّٰہ" ان لا نعبد محل رفع میں واقع ہے۔

زجاج فرماتے ہیں کہ مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ نصب ہے حرف صلہ کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔

معنی یہ ہوگا کہ ہم عبادت نہیں کرتے مگر اللہ کی۔ بعض نے کہا کہ کل جر میں واقع ہے اس صورت میں یہ "کلمۃ" سے بدل ہوگا۔
عبارت یوں ہوگی "ای تعالوا الی کلمۃ أن لا نعبد الا اللّٰہ"...... "ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ" جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ" ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ بعض بعض کو سجدہ کرتے تھے۔ یعنی بعض آدمی بعض کو سجدہ نہ بنائیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں ہم کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ "فان تولوا فقولوا اشھدوا" اے پیغمبر! تم اور سب مسلمان کہہ دیں کہ اہل کتاب تم گواہ رہو "بانا مسلمون" کہ ہم خالص توحید پرست ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ہرقل کے نام

عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب نے مجھ سے بیان کیا کہ ہرقل (بادشاہ) نے مجھے اور قریش کی جماعت کو طلب کیا۔ ان دنوں ہم شام میں تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے اور ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح تھی۔ ایلیاء میں ہم ہرقل کے پاس پہنچے۔ ہرقل نے ہم سب کو مجلس میں طلب کیا۔ اس وقت ہمارے ارد گرد روم کے بڑے بڑے سردار تھے۔ اس کے بعد اس نے وہ خط منگوایا جو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم بصریٰ کو بھیجا تھا۔ اس حاکم نے وہ خط ہرقل کے پاس پہنچا دیا تھا اس نے پڑھا اس کی ابتداء کچھ یوں تھی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. من محمد بن عبداللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ. امابعد:"
یہ خط اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ "امابعد" میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے یعنی کلمہ طیبہ کی۔ مسلمان ہو جاؤ محفوظ رہو گے اللہ تم کو دُہرا ثواب دے گا، اگر تم نے روگردانی کی تو رعایا کا گناہ بھی تم پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی جماعت کی طرف آ جاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں۔ اس کا کسی چیز کو شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کی اطاعت اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر انہوں نے روگردانی کی تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہو چکے ہیں۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ اے اہل کتاب! کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم کے بارہ میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور

انجیل عمران کے (زمانے کے بہت) بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ اسکی بات میں تو حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی۔ سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر ⑮ "یا اھل الکتاب لم تحاجون فی ابراھیم" تم گمان کرتے ہو کہ ابراہیم تمہارے دین پر تھے حالانکہ تمہارا دین یہودیت اور نصاریٰ کا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا دین تو بعد میں آیا۔ یہود کا دین تورات کے نزول کے بعد پیدا ہوا اور نصاریٰ کا دین انجیل کے نزول کے بعد ہوا۔ تورات و انجیل دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں۔ "وما انزلت التوراۃ والانجیل الا من بعدہ" ابراہیم علیہ السلام کے طویل زمانے بعد نازل ہوئیں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک ہزار سال بعد آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ "افلا تعقلون" ان کے قول کا باطل ہونا واضح ہے۔

⑯ "ھا انتم" دو ہمزے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ابو عمرو کے نزدیک اسی طرح ہے اور باقی قراء ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کی صرفی تحقیق میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کی اصل "انتم" ہے اور ھاء تنبیہ ہے۔ اخفش فرماتے ہیں اس کا اصل "أانتم" پہلے ہمزہ کو ھاء سے بدل دیا۔ جیسے "ھرقت" اصل میں "ارقت" تھا ہمزہ استفہامیہ کو ہ سے بدل دیا۔ "ھؤلاء" یہ اصل میں اولاء تھا اس میں ھاء تنبیہ کو داخل کیا جو ندا کی جگہ میں تھا۔ عبارت یوں ہوگی: "یا ھؤلاء انتم"..... "حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم" تم ان امور کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تم کو کچھ علم نہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم ان دونوں کے دین پر ہو۔ حالانکہ تمہاری طرف توراۃ و انجیل بھی نازل کی گئی۔ پھر تم کس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کا تمہارے پاس کچھ علم نہیں اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی مضبوط دلیل ہے کہ تم ان کو یہودی یا نصرانی کہو۔ بعض نے کہا کہ "حاججتم" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تم اپنی کتابوں میں ان کے آنے کا ذکر ہے لیکن تم اس بات کو نہیں مانتے۔ تم اس کے متعلق باطل طور پر جھگڑا کرتے ہو تو پھر ابراہیم علیہ السلام کے دین و ملت پر ہونے کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو نہ تو ایسا تمہاری کتابوں میں موجود ہے اور نہ ہی تمہارے پاس اس کا علم ہے۔ "واللہ یعلم وانتم لاتعلمون" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بری کر دیا جو یہود و نصاریٰ کہتے تھے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے۔ اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اور یہ ایمان والے۔ اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے

تفسیر ⑥⑦"وما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلمًا وما کان من المشرکین" حنیف جو ادیان باطلہ سے ادیانِ حق کی طرف مائل ہو۔ بعض نے کہا کہ حنیف جو موحد ہو حج کرے، قربانی کرے اور ختنہ کرے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ یہ تمام ادیان میں سب سے آسان اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

⑥⑧"ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ" ان کے زمانے میں جو ان کی پیروی کرے اور اس کے بعد بھی۔ "وھذا النبی" نبی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "والذین امنوا" اور جو لوگ ایمان لائے اس اُمت سے "واللّٰہ ولی المؤمنین"۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی حبشہ کی طرف ہجرت اور کفار سے مناظرہ

کلبی نے ابی صالح سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اور محمد بن اسحاق ابن شہاب کے حوالے سے حدیث ہجرت الحبشہ ذکر کی ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ساتھ لے کر مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے اور انہوں نے ایک گھر میں قیام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ کو ہجرت کر کے چلے گئے اور پھر بدر کی جنگ بھی ہو چکی۔ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی نجاشی کے پاس چلے گئے ہیں ان کے ذمہ ہمارے مقتولین بدر کا قصاص ہے۔ لہٰذا کچھ مال جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ کے لے جاؤ ممکن ہے تمہاری قوم کے جو لوگ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں ان کو وہ تمہارے حوالے کر دے اور تم انتقام لے سکو۔ پس تم دو سمجھدار آدمیوں کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجو۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عمارۃ بن ولید یا عمارہ بن ابی معیط کو کچھ چمڑے وغیرہ بطور ہدیہ دے کر نجاشی کے پاس سب نے باتفاق رائے بھیجا۔ یہ دونوں سمندر کے راستے حبشہ جا پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر انہوں نے سجدہ کیا اور سلامتی کی دعا دی اور عرض کیا ہماری قوم آپ کی خیرخواہ اور شکرگزار ہے اور آپ کی عافیت کی طلب گار ہے۔ انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ ہم آپ کو اطلاع کریں کہ مکہ سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیں یہ ایسی قوم کے لوگ ہیں جن کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم میں اللہ کا نبی مبعوث ہوا ہے اور اس کی پیروی چند بے وقوفوں نے کی (نعوذ باللہ) اور اب ان کو ہم نے اتنا تنگ کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے ملک کی ایک گھاٹی میں پناہ لی ہے اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی نہ وہاں سے کوئی باہر نکلتا ہے اور نہ کوئی باہر سے اندر جاتا ہے، بھوک اور پیاس کی شدت ان کی جانوں کو ہلاک کرنے والی ہے۔ بالآخر اتنی سختی سے تنگ آ کر اس نے اپنے چچا کے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ وہ آپ کا مذہب خراب کر دے اور آپ کی حکومت و رعیت کو بھی خراب کر دے۔ آپ ان لوگوں سے احتیاط اختیار کریں اور ان کو اپنے سے دور کر کے ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کو آپ سے روک دیں اور ان دونوں نے کہا کہ ان کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو وہ آپ کو سجدہ تحیہ نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کو تحیہ کریں گے۔ ہم آپ کا ادب سے جھکنا بجا لاتے ہیں، آپ کے دین اور طریقے کی رغبت اختیار کرتے ہوئے فرمایا نجاشی نے ان کو بلوایا، جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے چلا کر دروازے سے اندر داخل ہونے کی اجازت ان الفاظ میں

طلب کی۔ "یستاذن علیک حزب اللّٰہ" اللہ کا گروہ باریاب ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ نجاشی نے یہ آواز سن کر کہا کہ اس چیخنے والے کو حکم دو کہ دوبارہ یہی الفاظ کہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ویسے الفاظ کہے۔ پھر نجاشی نے کہا ہاں اللہ کے اذن اور ذمہ داری کے تحت داخل ہو جاؤ۔ عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی سے کہا تم سن رہے ہو کیسے انہوں نے کس طرح لفظ حزب اللہ کہا اور نجاشی نے ان کو کیا جواب دیا۔ عمرو بن العاص اور عمارہ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام سے اور نجاشی کے اس طرح جواب دینے سے بہت دکھ ہوا۔ جب وہ حضرات اندر آئے تو انہوں نے نجاشی کو سجدہ نہیں کیا۔ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، یہ آپ کو سجدہ کرنے سے بھی غرور کرتے ہیں، نجاشی نے ان حضرات سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے مجھ کو سجدہ نہیں کیا اور وہ آداب شاہی بجا نہ لائے جو اور لوگ لاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو جواب دیا کہ ہم اس ذات کو سجدہ کرتے ہیں جس نے تجھے پیدا کیا اور تجھے بادشاہت دی۔ سلام کا یہ طریقہ اس وقت تھا جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم میں سچا نبی بھیجا، اس نے ہمیں اس طرح سلام کرنے کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔

اور وہ لفظ سلام ہے اور یہی اہل جنت کا سلام ہے۔ اس گفتگو سے نجاشی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے اور تورات وانجیل میں بھی یہی ہے۔ اس نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جس نے حزب اللہ کہہ کر باریاب ہونے کی چیخ کر اجازت طلب کی تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں۔ آپ کے سامنے زیادہ باتیں کرنا مناسب ہے نہ کسی پر ظلم میں چاہتا ہوں، اپنے ساتھیوں کی طرف سے تنہا جواب دوں، آپ ان دونوں آدمیوں کو حکم دیجئے کہ ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرا خاموش رہ کر ہماری گفتگو سنتا رہے۔ یہ سن کر عمرو نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا بولو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا ان دونوں سے دریافت کیجئے کہ ہم کیا آزاد ہیں یا غلام عمرو نے کہا نہیں تم آزاد ہو اور معزز ہو۔ نجاشی نے کہا کہ غلام ہونے (کے الزام) سے تو بچ گئے۔ جعفر نے کہا کہ ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے ناحق کوئی خون کیا ہے جس کا قصاص ہم سے لیا جائے۔ عمرو نے کہا نہیں ایک قطرہ بھی خون تم نے نہیں بہایا۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم نے ناحق لوگوں کا مال لیا ہے جس کی ادائیگی ہمارے ذمے ہے۔ نجاشی نے کہا کہ اگر ایک قنطار کے برابر بھی تمہارے اوپر ہوگا تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔ عمرو نے کہا کوئی مال نہیں ایک قیراط بھی نہیں۔ نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا مطالبہ کرتے ہو۔ عمرو نے کہا ہم اور یہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر تھے۔ باپ دادا کے دین پر تھے انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا اور دوسرے دین کو اختیار کر لیا۔ اس لیے ہماری قوم نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ نجاشی نے پوچھا مجھے سچ سچ بتاؤ وہ مذہب جس پر تم تھے وہ کیا تھا اور اب جس دین کے پیرو ہیں اب وہ کیا ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا جس مذہب پر ہم تھے وہ شیطان کا مذہب تھا۔ ہم اللہ کا انکار کرتے تھے پتھروں کو پوجتے تھے اور پلٹ کر جس دین کو ہم نے اختیار کیا وہ اللہ کا دین اسلام ہے، اللہ کے پاس سے اس دین اسلام کو لے کر ہمارے پاس ایک نبی آیا اور ایک کتاب بھی ویسی ہی آئی جیسی ابن مریم علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ یہ کتاب بھی اسی کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تم نے بڑا بول بولا ہے نرم رفتار پر رہو۔

اس کے بعد نجاشی کے حکم سے ناقوس بجایا گیا اور تمام عیسائی علماء و مشائخ جمع ہو گئے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا میں تم کو اس خدا کی جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی تھی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو (کتاب میں) یہ بات ملتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کوئی نبی مرسل آئے گا۔ علماء نے جواب دیا بے شک خدا گواہ ہے ایسا ہے ہم کو عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے جو اس پر ایمان لایا، وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا۔ اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ شخص تمہیں کیا کہتا ہے؟ کیا کرنے کا حکم کرتا ہے اور کس چیز سے منع کرتا ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وہ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برے کاموں سے روکتے ہیں، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، قرابت داروں سے میل جول رکھنے اور یتیموں کو نوازنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم فقط اللہ ہی کی پوجا کریں۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نجاشی نے کہا جو کلام وہ تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اس میں سے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ عنکبوت و روم کی تلاوت کی جس کو سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

نجاشی کے ساتھی بولے جعفر یہ پاکیزہ کلام ہمیں اور کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ کہف پڑھ کر سنائی۔ یہ حالت دیکھ کر عمرو بن العاص نے چاہا کہ نجاشی کو جعفر رضی اللہ عنہ پر غصہ دلائے۔ اس لیے کہنے لگا یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو گالی دیتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب میں سورۃ مریم کی تلاوت کی اور مریم و عیسیٰ علیہما السلام کے تذکرے پر پہنچے تو نجاشی نے مسواک کا باریک ریزہ جیسے آنکھ کے اندر تنکا ہوتا ہے اُٹھایا اور کہنے لگا خدا کی قسم! مسیح اس بیان سے اتنے بھی زائد نہ تھے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو یعنی امن کے ساتھ رہو جو تم کو گالی دے گا یا کچھ ستائے گا اس کو سزا بھگتنا پڑے گی۔ پھر کہنے لگا تم خوش رہو اور کوئی خوف نہ رکھو۔ ابراہیم علیہ السلام کے گروہ کا آج بگاڑ نہیں ہوگا۔ عمرو نے پوچھا نجاشی ابراہیم کی جماعت کون سی ہے؟ نجاشی نے جواب دیا یہی گروہ اور ان کا وہ آقا جس کے پاس سے یہ آئے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے۔ مشرکین نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور خود دین ابراہیمی علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر نجاشی نے وہ مال واپس کر دیا جو عمرو اور اس کا ساتھی لے کر آئے ہیں اور کہا تمہارا یہ ہدیہ محض رشوت ہے اس پر اپنا قبضہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بغیر رشوت کے بادشاہت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے پھر ہم لوٹ کر آئے اور بہترین مکان اور بڑی عزت کی عمدہ مہمانی میں رہے اور اُدھر اللہ نے اسی روز مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے تنازع کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی "انّ اولی النّاس بابراھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی والذین اٰمنوا واللّٰہ ولی المؤمنین"

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ
بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کر دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ مگر خود اپنے آپ کو اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو اے اہل کتاب! کیوں خلط کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوت محمدیہ) کو غیر واقعی سے اور چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کی گئی ہے مسلمانوں پر (یعنی قرآن پر) شروع دن میں اور پھر انکار کر بیٹھو آخر دن میں (یعنی شام کو) عجب کیا وہ پھر جاویں۔

تفسیر: ⑥⑨ "ودت طائفة من اهل الكتاب" یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ جب یہودیوں نے ان صحابہ کرام معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو اپنے مذہب کی دعوت دی۔ "ودت طائفة" کا معنی ہے۔ اہل کتاب کی ایک جماعت نے تمنا کی (یہود نے) "لو یضلونکم" وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور کفر کی طرف لوٹا دیں۔

"وما یضلون الا انفسهم وما یشعرون"

⑦⓪ "یا اهل الكتاب لم تكفرون بآیات الله" آیات اللہ سے مراد قرآن پاک یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات وانجیل میں بیان کی گئی ہیں۔ "وانتم تشهدون"

⑦① "یا اهل الكتاب لم تلبسون الحق بالباطل" تم اسلام کے ساتھ یہودیت اور نصرانیت کو کیوں ملاتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اپنے ایمان کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے ایمان کو کیوں ملاتے ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایمان لانے کے انکار کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا دین حق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار باطل تھا۔

بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کی آیات کے ساتھ اپنی طرف سے لکھے ہوئے باطل کو ملا دیتے ہو۔
"وتكتمون الحق وانتم تعلمون" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا دین حق ہے۔

⑦② "وقالت طائفة من اهل الكتاب آمنوا" حسن قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ یہود خیبر اور مدینہ کے دیہات والے بارہ یہودیوں نے اس بات پر اتفاق کیا اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ دن کے شروع میں ان کے دین پر ایمان لاؤ صرف زبان سے نہ کہ اعتقاد کے ساتھ پھر دن کے دوسرے حصے (شام) انکار کر دو۔ وجہ یہ بیان کرو کہ ہم نے ان کی کتاب میں اور ان کے علماء کے مشوروں میں ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا نہیں پایا جو صفات ہم نے تورات میں پڑھی ہیں پھر ان کا

کذب ظاہر ہو جائے گا۔ جب ایسا کرو گے تو ان کے ساتھ رہنے والے صحابہ کو شک وشبہ پڑ جائے گا تو پھر ان سے کہو کہ ہم اہل کتاب ہیں اور ہم اس کو بہتر جانتے ہیں تو وہ تمہارے دین کی طرف لوٹ کر آ جائیں گے۔

مجاہد، مقاتل، کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ قبلہ کے متعلق ہوا تھا کہ جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ پھیرا گیا تو یہود کو یہ بہت شاق ہوا۔ کعب بن اشرف نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قبلہ کے معاملے میں جو محمد پر نازل ہوا۔ اس کو مانو اور دن کے اوّل حصے میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، پھر دن کے آخری حصے میں تم اس کا انکار کر دو اور اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف لوٹ آؤ، شاید کہ وہ کہیں کہ یہ اہل کتاب ہیں، یہ زیادہ جانتے ہیں پس وہ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ راز بتلا دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النہار" دن کے اوّل حصے کو "وجہ" سے تعبیر کیا کیونکہ چہرہ محاسن میں سے ہے اور دیکھنے والے کو سب سے پہلے وہی دکھتا ہے۔ "واکفروا آخرہ لعلہم یرجعون" وہ شک کرنے لگیں گے اور اپنے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤی اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور (صدق دل سے) کسی کے روبرو اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے۔ کہ یقیناً ہدایت ہدایت اللہ کی ہے ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا وہ لوگ تم پر غالب آ جاویں۔ تمہارے رب کے نزدیک (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۷۳﴾ "ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم" اس کا عطف ماقبل "آمنوا" پر ہے جہاں یہود کا قول بعض کا بعض کے ساتھ ہے۔ "ولا تؤمنوا" مطلب یہ ہے "ولا تصدقوا" کہ تم تصدیق نہ کرو "الا لمن تبع دینکم" مگر انہی لوگوں کو جو تمہارے دین پر چلیں اس کا مطلب "وافق ملتکم" جو تمہاری ملت کے موافق ہے۔ "لمن" میں لام "من" موصولہ پر داخل ہے۔ مطلب یہ ہوگا "ولا تصدقوا الا لمن تبع دینکم الیہودیۃ" تم ان کی تصدیق نہ کرنا مگر وہ لوگ جو تمہارے دین یہود کا اتباع کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "قل عسٰی ان یکون ردف لکم" اس کا معنی ہے "ردفکم" یہاں لام زائدہ ہے جیسا کہ "لمن تبع" میں لام زائدہ ہے۔ "قل ان الہدیٰ ہدی اللہ" یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے گویا اس کا بیان آپ کا بیان ہے۔ پھر اس کلام کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے کہ یہ جملہ درمیان کلام میں لانے کی کیا وجہ ہے؟ پھر یہ جملہ معترضہ ہوگا اور اس کے ساتھ جو متصل کلام ہے اس سے یہود کی خبر دینی مقصود ہے۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم ایمان نہ لاؤ مگر ان لوگوں پر

جو تمہاری پیروی کریں اور تم ایمان نہ لاؤ جو تمہارے مثل نشانیاں لائے۔ مثلاً علم، کتاب (زبور) حکمت اور نشانیاں مثلاً من و سلویٰ۔ سمندر میں بارہ راستوں کا بن جانا اور ان جیسی کرامات اور نہ تم ایمان لاؤ جو تمہارے ساتھ تمہارے رب کے بارے میں جھگڑے کیونکہ تمہارا دین سب سے زیادہ صحیح اور درست ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ یہود اپنے ماتحتوں کو کہتے تھے کہ تم ایمان نہ لاؤ مگر ان لوگوں پر جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔

"ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم" یؤتی سے مراد علم ہے۔ یہاں پر لا محذوف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یبین اللہ لکم ان تضلوا" اصل میں "لئلا تضلوا" تھا۔ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ تم ان کی تصدیق نہ کرو تا کہ وہ علم نہ جان سکیں جو تم جانتے ہو تا کہ تم ان پر علم میں افضل ہی رہو اور اس لیے بھی ان کی تصدیق نہ کرنا کہ خدا کے سامنے تمہارے مقابلے میں ان کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگیں کہ تم کو ہمارے دین کا حق ہونا معلوم تھا مگر تم ایمان نہیں لائے یہ توجیہ ابن جریج کے نزدیک ہے۔

حسن اور اعمش نے "اِن یوتی" الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ قول یہود کا ہوگا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ آپ کہیں اے محمد "ان الھدیٰ ھدی اللّٰہ" اس صورت میں "ان یوتی" کا معنی (جحد) کے ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری طرح کسی اور کو نہیں عطا کیا گیا جیسا کہ تم اے اُمت محمدیہ کو عطا کیا گیا۔

"او یحاجوکم عند ربکم" مگر یہ کہ یہود تم سے لڑیں اور وہ تمہیں کہیں کہ ہم آپ سے افضل ہیں۔ اللہ کے اس فرمان "عند ربکم" سے مراد "عند فعل ربکم بکم" ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کا فضل قیامت کے دن خدا کے سامنے تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکے گا۔ یہ معنی حضرت سعید بن جبیر، حسن، کلبی اور مقاتل کا ہے۔ فراء فرماتے ہیں کہ "او" بمعنی "حتی" کے ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تعلق به او یعطیک حقک" آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے اُمت محمدیہ تمہیں دین اور حجت میں سے جو کچھ عطا کیا گیا وہ کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب کے ہاں اس بارے میں جھگڑا کریں۔ ابن کثیر نے "آن یوتی" مد کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ استفہام ہوگا اور جملہ مختصر ہوگا۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ "ان یوتی احد مثل ما اوتیتم یا معشر المؤمنین حسدوکم" پس آپ فرما دیجئے فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے پھر اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو ان کو کہہ "ان الھدیٰ ھدی اللّٰہ" اور بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ یہود کا کلام یہاں پورا ہوتا ہے۔ "لعلھم یرجعون" "ولا تؤمنوا" اللہ کے کلام سے لوگوں کے دلوں کو ثابت قدم رکھے تا کہ وہ یہود کی باتوں سے تشکیک میں نہ پڑیں اور ان کو کہیں اے مؤمنین کی جماعت تم تصدیق نہ کرو مگر جو تمہارے دین کی تابعداری کرے اور نہ تصدیق کرو کہ تم جیسا علم دین، فضل کسی کو عطا نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان لوگوں کو یہ مانو جو تمہارے دین میں جھگڑتے ہیں۔ "قل ان الفضل بید اللّٰہ یؤتیه من یشاء واللّٰہ واسع علیم" یہ تمام آیت اللہ کی طرف سے مؤمنین کو خطاب ہے تا کہ یہود کے شبہ و اشکالات سے بچے رہیں۔

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

ترجمہ: خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (وفضل) کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔ اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ (مانگنے کے ساتھ ہی) اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو یہ (امانت کا ادا نہ کرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے (مال کے) بارہ میں کسی طرح کا الزام نہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ اور (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں کہ (خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا

تفسیر: ۷۴ "یختص برحمتہ" رحمت سے مراد نبوت ہے۔ "من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"

۷۵ "ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک" یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہود میں امانت و خیانت بہت زیادہ تھی۔ قنطار سے مراد مال کثیر ہے اور دینار سے مراد تھوڑا سا مال ہے۔ کہا جائے گا کہ ان میں سے بعض لوگ تو وہ تھے جو کثیر مال کی امانت بھی واپس کر دیتے تھے اور بعض لوگ تو وہ تھے جو خیانت کرتے تھے تھوڑا سا مال بھی واپس نہیں کرتے تھے۔ مقاتل فرماتے ہیں "ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک" سے مراد اہل کتاب کے مؤمنین ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

"ومنھم ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک" اس سے مراد کفار یہود جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی ہیں۔ جویبر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں "ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک" کہ اس آیت سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھی۔ انہوں نے وہ امانت پوری کی پوری ادا کر دی اور "ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک" سے مراد فنحاص بن عازوراء ہے کہ قریش کے ایک آدمی نے اس کے پاس ایک دینار امانت رکھی تو اس نے خیانت کی۔ "یؤدہ الیک" ابوعمرو ابوبکر و حمزہ نے "یؤدہ، لا یؤدہ، ونصلہ، ونؤتہ، ونولہ" ھاء کے سکون کے ساتھ اور ابوجعفر و قالون اور یعقوب نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے اشباع کے ساتھ پڑھا ہے اور جن حضرات کے ہاں ھاء ساکن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ جزم کے مقام میں ہے اور وہ یاء ہے جو کسرہ پڑھتے ہیں وہ صرف یاء برقرار رکھتے ہوئے اس پر کسرہ ڈالتے ہیں اور جو اشباع کرتے ہیں وہ اس کو اپنی اصل حالت پر رکھتے ہیں کیونکہ اس میں اصل ھاء اشباع ہی ہے۔ "الا مادمت علیہ قائما" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "قائما علیہ" سے مراد "ملحًا" ہے یعنی جب تک کہ تم سخت تقاضا نہ کرو اور تقاضے پر جم نہ جاؤ۔ ضحاک کا قول یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کہ جب تم نے کوئی چیز ودیعت رکھی تم نے اس کو رجوع کیا اور اس کے سر پر قائم رہا اور اس کے پاس سے اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک اس نے آپ کی امانت لوٹا نہ دی۔ اگر تم اس سے جدا ہو جاتے اور مؤخر

کر لیتے تو وہ امانت واپس کرنے سے انکار کر جاتا اور امانت ادا نہ کرتے۔ "ذلک" یہ کسی اشیاء کو حلال قرار دینا اور خیانت کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ کہتے "بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل" یہودی کہتے کہ عرب کا مال ہمارے لیے حلال ہے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ "ما على المحسنين من سبيل" اور یہود یہ بھی کہتے ہیں کہ عرب چونکہ ہمارے دین پر نہیں ہیں اور ہماری کتاب میں ان کے حقوق بھی نہیں بلکہ یہودی اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کی حق تلفی کو حلال جانتے ہیں۔ کلبی نے کہا کہ یہود کہتے ہیں کہ سارے اموال ہمارے ہیں اور جو ان لوگوں کے پاس اموال ہیں وہ بھی ہمارے حق ہیں۔ اگر ہم ان پر ظلم کر کے یا غصب کر کے لیں گے تو ان کے اموال کو ہم سے کوئی چھڑانے والا نہیں ہے۔

حسن ابن جریج اور مقاتل فرماتے ہیں یہود کے چند لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں بیعت کی تھی جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کے عہد کے مطابق یہود سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو یہود کہنے لگے کہ ہمارے اوپر تمہارا کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہم وہ ادا کریں گے کیونکہ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا اور جو عہد تمہارے اور ہمارے درمیان تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ حق ہم اپنی کتابوں میں نہیں پاتے اللہ عزوجل نے ان کی تکذیب فرمائی۔ اس فرمان سے "ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون" پھر فرمایا کہ اس آیت میں ان کی تردید ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

ترجمہ: جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر ۷۶ "بلیٰ" یہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو بلکہ اس کے علاوہ تمہارے لیے راستہ ہے پھر اس کلام سے ابتدا کی "من اوفی" لیکن کون شخص ہے جو ایفاء وعدہ کرے "بعهده" اللہ کے ساتھ وہ وعدہ جو تورات میں موجود ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لائیں گے اور امانت ادا کریں گے۔ بعض نے کہا کہ "بعهده" میں ضمیر "اوفی" کی طرف راجع ہے۔ "واتقی" اور بچو کفر سے خیانت اور نقض عہد سے۔ "فان الله يحب المتقين"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا اور جب تک اس کے اندر ان خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی وہ منافق ہوگا۔

یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

۷۷ "ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ثمناً قلیلاً" عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے سرداروں کے متعلق نازل ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ انہوں نے چھپایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق جو کچھ تورات میں لکھا ہوا تھا اس کو بدل دیا اور اس کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کچھ اور لکھ دیا اور یہ قسمیں کھاتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ ان کو جو رشوت اور کھانے پینے کی مفت اشیاء ملتی ہیں ان کے تابعدار ان کو دیتے رہیں۔

اعمش ابی وائل سے اور وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کے مال کو غصب کیا تو وہ شخص قیامت کے دن اُٹھے گا اس حال میں کہ اللہ اس پر غصہ ہوگا۔ ان کی تصدیق پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ثمناً قلیلاً" آخر آیت تک۔ اس آیت کے نزول کے بعد اشعث بن قیس باہر سے اندر داخل ہوئے اور پوچھا کہ ابو عبدالرحمٰن نے تم سے کیا حدیث بیان کی تھی۔ لوگوں نے بتا دیا کہ یہ بیان کر رہے تھے۔ حضرت اشعث نے کہا کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اس کا قصہ یہ ہوا کہ میرا ایک کنواں میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم کو مانو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو اس پر قسم کھالے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمان کا ناحق مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔

علقمہ بن وائل بن حجر سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ ایک شخص حضرموت اور ایک شخص کندہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص نے میری زمین پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے باپ کی میراث ہے۔ کندی نے کہا کہ میری زمین ہے اس میں کھیتی کرتا ہوں اس میں اس کا کوئی حق نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کہا کہ تیرے پاس گواہ ہیں۔ حضرمی نے کہا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کندی سے پوچھا کہ کیا تم قسم کھاتے ہو؟ حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فاجر شخص ہے قسم کھانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے علاوہ اس سے تم کو کوئی حق نہیں۔ وہ اس کے پاس گئے تا کہ اس سے قسم لیں۔ پس جب چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اس نے قسم اُٹھائی تا کہ دوسرے کے مال کو ظلماً کھائے تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس سے اعراض کرنے والا ہو۔

اور عبدالملک بن عمیر عن علقمہ سے روایت ہے اور فرمایا کہ کندی کا نام امرؤ القیس بن عابس اور اس کے حریف کا نام ربیعہ بن عبدان تھا اور ایک روایت میں ہے کہ جب کندی نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر امرؤ القیس نے قسم

کھانے سے انکار کر دیا اور اپنے حریف کے حق کا اقرار کر لیا اور اس کا حصہ اس کو دے دیا۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق ضبط کیا اس پر اللہ جنت حرام کر دیتے ہیں اور اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اگر چہ وہ تھوڑی سی چیز ہو، اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر چہ پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی بھی ہو۔ یہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھنسانے کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ و أیمانھم ثمناً قلیلاً" ... "ان الذین یشترون" مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے عہد کو تبدیل کرتے ہیں اس سے مراد امانت ہے۔ "ایمانھم" سے جھوٹی قسم جو ثمن قلیل کے بدلے میں ہوتی ہے۔ "اولٰئک لا خلاق لھم" ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ "فی الآخرۃ" آخرت میں نعمتوں سے "و لا یکلمھم اللّٰہ" اللہ ان سے ایسا کلام نہیں کرے گا جس سے ان کو نفع حاصل ہو اور ان کو خوشی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد غصہ والا کلام ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ جب وہ اس سے غصہ ہو۔ "و لا ینظر الیھم یوم القیامۃ" اور قیامت کے دن ان کی طرف نہ رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ہی ان سے اچھا سلوک کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو کوئی بھلائی پہنچے گی۔ "و لا یزکیھم" ان کی پاکی کی تعریف نہیں کرے گا اور نہ ہی اللہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ "ولھم عذاب الیم"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن (نفع والا) کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ پڑھا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ناکام و نامراد ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (تکبر سے) تہبند نیچے لٹکانے والا اور احسان کر کے اس کو جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کو فروغ دینے والا اور ایک روایت میں "المسبل ازارہ" کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اشخاص ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ شخص جس نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ وہ اس کا مال کھائے اور دوسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد اپنے سامان کو بیچنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے کہ مجھے اتنے میں ملا ہے حالانکہ اتنے میں اس نے نہیں خریدا ہوتا اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ دینے سے رُک جائے۔ اللہ اس سے فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جس طرح تو نے اپنے صرف سے بچی ہوئی وہ چیز روک رکھی تھی جو تو نے بنائی بھی نہیں تھی۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۸ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝۷۹

ترجمہ: اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو موڑتے ہیں۔ تاکہ تم (ان کی مروڑ کی بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو۔ حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ کسی بشر کا کام نہیں۔ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ۔ کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو۔ اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے۔

تفسیر: ۷۸ "وان منهم لفريقا" اس سے مراد اہل کتاب ہے۔ فریقا کا مطلب جماعت ہے اور وہ کعب بن اشرف و مالک بن صیف۔ حیی بن اخطب، ابو یاسر و شعبہ بن عمرو الشاعر ہیں۔ "یلوون السنتهم بالکتاب" وہ اپنی زبان کو نازل شدہ الفاظ سے اپنے اختراع کردہ الفاظ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات میں بیان کی گئی اور آیت رجم وغیرہ کو یہ چھپاتے تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لوی لسانه عن کذا" تبدیل کیا اس کی زبان نے۔ "لتحسبوه" تاکہ تم گمان کرو کہ یہ کتاب کا جزو ہے تحریف شدہ نہیں۔ "من الکتاب" کتاب میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ "وما هو من الکتاب ویقولون هو من عندالله وما هو من عندالله ویقولون علی الله الکذب" جان کر وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ "وهم یعلمون" اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ سب کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے تورات وانجیل میں تحریف کی اور کتاب میں اس کو ملا لیا تھا جو کتاب میں نہیں تھا۔

۷۹ "ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتاب" مقاتل اور ضحاک فرماتے ہیں کہ "ما کان لبشر" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ نجران کے نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کو رب بنائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ان یؤتیه الله الکتاب" کتاب سے انجیل مراد ہے۔ یہی قول ابن عباس اور عطاء کا ہے اور "ما کان لبشر" سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "ان یؤتیه الله الکتاب" سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول اس وجہ سے لیا ہے کہ ابو رافع قرظی یہود میں سے اور اہل نجران کے نصاریٰ کے رئیس دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد کیا آپ اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو اپنا رب قرار دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی

پناہ میں تمہیں اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کی دعوت دوں۔ اللہ نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کے لیے مجھے بھیجا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ "وما کان لبشر" کسی بشر کے مناسب نہیں کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "ما یکون لنا أن نتکلم بھذا" یعنی ہم میں کسی کے لیے مناسب نہیں۔ بشر تمام بنی آدم پر بولا جاتا ہے اس کا واحد نہیں آتا جیسے قوم اور جیش کا واحد نہیں آتا اور یہاں اس کو واحد اور جمع کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ "والحکم" سے مراد فہم و علم ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد حکومت ہے۔ "والنبوۃ" بلند مقام جس سے خبر دی جاتی ہے۔ "ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا" لیکن وہ کہتے کہ تم ربانی ہو جاؤ۔

ربانیین کی تشریح

"ربانیین" علی ابن عباس، حسن رضی اللہ عنہم کے نزدیک فقہاء و علماء ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ حکماء و علماء ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرے۔ سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد فقہاء معلمین ہیں۔ بعض نے کہا کہ ربانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت چھوٹی عمر میں کریں، ان کے بڑے ہونے سے پہلے۔ عطاء نے فرمایا کہ حاوقار دانش مند علماء جو اللہ کی طرف سے مخلوق کے خیر خواہ ہوں۔

ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عالم سے سنا کہ ربانی وہ شخص ہے جو حلال و حرام اور امر و نہی کو جانتا ہو۔ اُمت کے گزشتہ اور آئندہ احوال سے واقف ہو اور بعض نے کہا کہ ربانی حبر سے درجہ میں بڑا ہوتا ہے اور احبار علماء سے درجہ میں بڑا ہو۔

ربانی وہ ہے جو علم و بصیرت کے ساتھ لوگوں کو جمع کرے۔ مؤرخین فرماتے ہیں کہ ربانی وہ شخص ہے جو رب کی طرف منسوب ہو (جیسے ہم اللہ والا بولتے ہیں) یہ اصل میں لفظ (ربی) تھا پھر اس میں الف بڑھا دیا تفخیم کے طور پر۔ پھر نون داخل کیا الف کو ساکن کر کے جیسا کہ لفظ صنعانی، بحرانی ہے۔ مبرد فرماتے ہیں کہ ہم ارباب علم ہیں یہ نام اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں اور متعلمین کو تربیت دیتے ہیں۔

بڑے بڑے علوم سے چھوٹے علوم کی تدریجی تعلیم دیتے ہیں اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی درستگی اور اس کی تکمیل کرنا اور "ربہ یربہ" سے ہے۔ اس کا واحد ربان ہے۔ جیسا کہ ریان، عطشان، شبعان، غرثان۔ پھر اس کے ساتھ یاء نسبتی لگا دی گئی جیسے کہا جاتا ہے الحیانی و رقبانی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "ربنیین" وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں جس دن ابن عباس رضی اللہ عنہما دُنیا سے رحلت فرما گئے تو فرمایا کہ اس اُمت کا ربانی فوت ہو گیا۔ "بما کنتم" یہ "بما انتم" کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من کان فی المھد" جیسا کہ کون ہے گہوارہ میں۔ "تعلمون الکتاب" ابن عامر، عاصم اور کسائی رحمہم اللہ نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور قراء نے "تَعْلَمُوْنَ" پڑھا ہے بمعنی علم "وبما کنتم تدرسون" تم پڑھتے ہو۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو۔ انہوں نے کہا تھا ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔

تفسیر: ﴿۸۰﴾ "ولا یامرکم" ابن عامر، حمزہ، یعقوب رحمہم اللہ نے راء کے فتحہ کے ساتھ "یأمُرَکُم" پڑھا ہے اور اس کا عطف "ثم یقولَ" پر کیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بشر اس طرح حکم نہیں کرتا۔ یا اضمار قبل الذکر ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا اور نہ ہی تم کو کوئی اس طرح حکم کرتا ہے اور باقی قراء نے "یامرُکم" پڑھا ہے۔ معنی ہوگا کہ تم کو اللہ نے ایسا حکم تو نہیں دیا۔ ابن جریج اور ایک جماعت نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم نہیں دیا۔ "ان تتخذوا الملئکة والنبیین اربابا" قریش اور صابئین کا قول یہ تھا کہ وہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور یہود و نصاریٰ بھی حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔ (نعوذ باللہ) ...... "ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون" ان کو بطور استفہام تعجب و انکار کے لیے ایسے فرمایا۔

﴿۸۱﴾ "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمة" حمزہ رحمہ اللہ نے لما کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے لما فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو اس پر کسرہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لام اضافت ہے جو موصول پر داخل ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی اور حکمت اور بے شک وہ اصحاب الشرائع ہیں اور جنہوں نے لام پر فتحہ پڑھا ہے تو ان کے نزدیک "للذی اتیتکم" بمعنی خبر کے ہوگا۔ بعض نے کہا کہ جزاء کے معنی میں ہے۔ عبارت یوں ہوگی "لئن اتیتکم ومهما اتیتکم" جواب جزاء "لتؤمنن به" ہے اور شرط "لما اتیتکم" ہے۔ نافع اور اہل مدینہ کے نزدیک "آتینا کم" ہے اس صورت میں یہ تعظیم کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ "وآتینا داؤد زبورا" ...... "وآتیناه الحکم صبیا" اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ خط کے موافق ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد و میثاق لیا

اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ کتاب اللہ اور رسالت کی تبلیغ اپنے بندوں تک پہنچائیں اور بعض بعض کی تصدیق کریں اور ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں جو ان کے بعد آئیں گے اور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اگر ان کے زمانے کو پایا۔ اگر وہ پیغمبر کو نہ پاسکے تو وہ اپنی اُمت سے عہد لے کہ وہ ان کی مدد کریں گے اگر وہ آنے والے نبی کو پائیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا۔ اب اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ کس نے کہا۔ بعض نے کہا کہ یہ میثاق اہل کتاب سے لیا گیا جن کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ ''ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کی طرف مبعوث فرمایا۔ ''دون النبیین'' نہ کہ نبیین کی طرف جیسا کہ عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کی قراۃ دلالت کرتی ہے ''واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب'' معروف قراۃ ''واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اپنی اپنی اُمتوں سے یہ عہد لو کہ تم ایمان لانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی تصدیق کرنا اور ان کی مدد کرنا۔ یہاں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے عہد کو ذکر کیا کیونکہ تابع کے ذکر سے متبوع خود اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اور یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جو نبی بھی دُنیا پر آیا اس سے میثاق اور عہد لیا گیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور ان انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمتوں سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور بضرور ایمان لائے گا۔ اگر ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کی ضرور مدد کریں گے۔ ''ثم جاء کم رسول مصدق'' سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ''لتؤمنن به ولتنصرنه قال'' جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ذریت کو نکالا اس وقت انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا اور انبیاء کرام علیہم السلام اس دن چراغوں کی مانند تھے۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا ''قال ء اقررتم واخذتم علی ذالکم اصری'' تم اس عہد کو قبول کرو ''والاصر'' سے مراد پکا عہد ہے۔ ''قالوا اقررنا قال'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فاشهدوا'' تم گواہ رہو اپنے آپ پر اور اپنے اتباع پر۔ ''وانا معکم من الشاهدین'' میں تمہارے اوپر اور ان پر شاہد ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''فاشهدوا'' کا معنی ہے تم جان لو۔ سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ تم گواہ رہو۔ یہ کنایہ ہے غیر مذکور سے۔

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر (دل سے) اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرفداری بھی کرنا (پھر یہ عہد بیان کر کے) فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد (اور حکم) قبول کیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

تفسیر ﴿۸۲﴾ "**فمن تولی بعد ذلک**" اس اقرار کے بعد جس نے روگردانی کی۔ "**فاولئک هم الفاسقون**" جو نافرمان ایمان سے خارج ہوئے۔

﴿۸۳﴾ "**افغیر دین اللّٰه یبغون**" اہل کتاب آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ یہ جھگڑا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں فریقین ابراہیم علیہ السلام کے دین سے بیزار ہیں۔ یہ سن کر وہ غصہ ہونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے فیصلے پر راضی نہیں اور نہ ہی ہم نے آپ کے دین کو اختیار کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**افغیر دین اللّٰه یبغون**" اہل بصرہ اور حفص بن عاصم نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات تاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "**وله اسلم**" اور اسی کے فرمانبردار ہیں۔ "**من فی السمٰوٰت والارض**"

"**طوعا و کرها**" طوع کہتے ہیں تسلیم کرنا اور آسانی کے ساتھ اتباع کرنا۔ "**و کرها**" وہ کام جو مشکل اور نفس پر گراں گزرے۔ "**طوعا و کرها**" میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حسن فرماتے ہیں کہ آسمان والے "**طوعا**" اسلام لائے اور زمین والے بعض طوعاً اسلام لائے اور بعض "**کرها**" تلوار اور قید کے ڈر سے اسلام لائے۔ مجاہد نے فرمایا مؤمن نے خوشی سے اسلام قبول کیا اور "**کرها**" کافروں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**ولله یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعا و کرها وظلالهم بالغدو والاصال**" بعض نے کہا کہ یہی دن میثاق کا تھا جب ان سے کہا گیا "**الست بربکم قالوا بلیٰ**" اس بعض نے خوشی سے "**بلیٰ**" کہا اور بعض نے "**کرها**" کہا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جو خوشی سے ایمان لائے انہیں ایمان نے نفع پہنچایا اور کافروں نے تنگی سے اسلام قبول کیا تو کمزوری کے وقت انہیں ایمان نے کوئی نفع نہیں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا**" امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ اضطراری حالت میں اللہ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللّٰه مخلصین له الدین**" اور کلبی فرماتے ہیں "**طوعا**" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام پر پیدا ہوئے اور زبردستی ان لوگوں پر جبراً اسلام پیش کر دیا گیا جن کو قید میں ڈالا گیا۔ "**والیه یرجعون**" حفص بن عاصم و یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے "**یبغون**" پڑھا ہے اور بعض نے اس کو تاء کے ساتھ

پڑھا ہے۔ پہلا اس میں خاص ہے اور دوسرا عام ہے کیونکہ سب مخلوقات کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس حکم پر جو حضرات ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) ان کی طرف بھیجا گیا اور اس پر بھی جو موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ (دین خدا کے نزدیک) اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا (یعنی نجات نہ پائے گا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے۔ جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے (دل سے) اور بعد اپنے اس اقرار کے (زبان سے) کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو (حقانیت اسلام کے) واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

تفسیر: ﴿۸۴﴾ "قل امنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم و اسماعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" مختلف حصوں اور ادیان کا ذکر کیا اور اس میں لوگوں کے اضطراب کو بیان کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ یہ فرمائیں۔ "امنا باللہ ...... الآیۃ"

﴿۸۵﴾ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ" اس آیت کا نزول بارہ آدمیوں کے بارے میں ہوا۔ یہ لوگ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ کو چلے گئے تھے انہیں میں حارث بن سوید انصاری بھی تھے (اور یہ مرتد ہو کر چلے گئے تھے لیکن پھر سچے دل سے توبہ کر کے واپس آگئے تھے) "وھو فی الآخرۃ من الخاسرین"

﴿۸۶﴾ "کیف یھدی اللہ قومًا کفروا بعد ایمانھم" کیف حرف استفہام جحد کے معنی میں ہے۔ عبارت یوں ہوگی "لا یھدی اللہ" کہ اللہ ان کو ہدایت نہیں دے گا اور بعض نے کہا کہ اللہ ان کو آخرت میں کیسے ہدایت دے گا جنت اور ثواب کی طرف۔ "وشھدوا ان الرسول حق و جاءھم البینٰت، واللہ لا یھدی القوم الظالمین"

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

(ترجمہ) ایسے لوگوں کو سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور بہتیرے آدمیوں کی بھی غرض سب کی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جاوے گی۔ ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اس کفر کے بعد اور اپنے دل کو سنوار لیں سو بیشک خدا تعالیٰ بخش دینے والے (اور) رحمت کرنے والے ہیں۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں (یعنی کفر پر دوام رکھا) ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

(تفسیر) ﴿۸۷﴾ اولئک جزاء هم۔ ﴿۸۸﴾ خالدین فیها۔

شان نزول

حارث بن سوید جب مرتد ہوکر کافروں سے جا ملے تو ندامت ہوئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو بھیجا تا کہ ان سے پوچھیں کہ میرے لیے توبہ قبول ہوسکتی ہے، اگر میں ایسا کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۸۹﴾ "الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللّٰه غفور رحیم" جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا اس نے واپس آکر یہ آیت پڑھی تو حارث بن سوید نے کہا کہ اللہ کی قسم تم (میرے علم میں) سچے آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ ان تینوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ حارث مدینہ کی طرف لوٹ آئے اور اسلام لائے اور وہ بہترین مسلمانوں میں سے ہوگئے۔ ﴿۹۰﴾ "ان الذین کفروا بعد ایمانهم ثم ازدادوا کفرا"

حضرت قتادہ، حسن بصری رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا جنہوں نے تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسلام لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لانے سے انکار کردیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کرکے کفر میں مزید ترقی کرلی۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق ہوا کہ ان دونوں فریقوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور ان کے انعامات اپنی کتابوں میں پڑھے اور ان کو مانا لیکن بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور اس انکار کی وجہ سے ان کے کفر میں مزید ترقی ہوگئی۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول تمام کفار کے متعلق ہوا جو اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود شرک کرتے ہیں پھر کفر میں بڑھ جاتے ہیں یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفر میں

زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ جو آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری گئی اس کا انکار کرتے گئے۔ بعض نے کہا کہ کفر میں زیادتی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے۔ ”تتربص بمحمد ریب المنون“ (ہم محمد کے مرنے کے منتظر ہیں)

شانِ نزول

کلبی فرماتے ہیں کہ آیت کا نزول حارث بن سوید کے ساتھیوں کے متعلق ہوا کہ حارث کے اسلام لانے کے بعد بھی وہ کفر پر قائم رہے اور مکہ میں مقیم رہے اور وہ کہنے لگے کہ ہم کفر پڑے رہیں گے ہمیں کوئی اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا اور جب واپس لوٹنے کا ارادہ کرتے تو کہتے کہ یہ آیت تو ہمارے لیے نازل ہوئی ہے۔ حارث بن سوید کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ جب مکہ فتح ہوا تو جو شخص تم میں سے اسلام لائے گا اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جو کافر ہو کر مرے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ”ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار“ سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو تم میں سے توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے ”ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الأن“ اور بعض نے کہا یہ حارث بن سوید کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور وہ کہنے لگے ”تتربص بمحمد ریب المنون“ زمانے کے پلٹنے کے ساتھ وہ بھی اپنے دین سے رجوع کر لیں گے۔ ”لن تقبل توبتھم“ ان کی توبہ اس وجہ سے قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ منتظر ہیں بغیر کسی دلیل و حجت کے اور یہ گمراہ لوگ ہیں۔ (واولئک ھم الضالون)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا وہ اگرچہ معاوضہ میں اس کا دینا بھی چاہے۔ ان لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی۔ اور ان کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے۔

تفسیر: ۹۱ ”ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض“ جس قدر مشرق تا مغرب زمین بھر جائے اتنی بقدر وہ سونا لے آویں تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”ذھبًا“ منصوب تفسیر کی بناء پر ہے۔ جیسا کہ ”عشرون درھمًا“ منصوب ہے۔ ”ولو افتدی بہ“ اگر وہ اس کے عوض سونا دے بھی دے واؤ زائدہ ہے۔ ”اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من ناصرین“ حضرت شعبہ ابی عمران سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے کم تر عذاب والے دوزخی سے اللہ فرمائے گا اگر تیرے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو وہ عذاب سے بچنے کے لیے سب چیزیں دے دیگا، دوزخی کہے گا جی ہاں، اللہ فرمائے گا جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت زیادہ آسان چیز کی خواہش کی تھی کہ تو کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا تو نے انکار کیا اور شرک کیے بغیر نہ رہ سکا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۹۲ "لن تنالوا البر" بر کا معنی جنت سے کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا طاعت، بعض کے نزدیک بھلائی ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ تم (ابرار) خیر کثیر نہیں ہو سکتے۔

حضرت شقیق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور بر (نیکی) جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی لگاتار سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی نیت کرتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی لگاتار جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کی نیت کر لیتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب (جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ "حتی تنفقوا مما تحبون" جو تمہارا پسندیدہ محبوب مال ہے۔

اپنے پسندیدہ مال سے صدقہ اور زکوٰۃ ادا کرنا

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے اس سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ مجاہد اور کلبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ ہے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مسلمان جو مال خرچ کرے گا وہ اس نیکی تک پہنچ جائے گا۔

عطا فرماتے ہیں کہ تم دین میں فضیلت اور تقویٰ اس وقت نہیں پا سکتے جب تک کہ صحت اور ضرورت کی حالت میں اس کو خیرات نہ کرو۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ صدقہ کر دینا

اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری صحابہ میں سے مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور آپ کا پسندیدہ مال بیرحاء (بستان) تھا جو مسجد کے سامنے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھار جا کر وہاں کا عمدہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما

تحبون" مجھے اپنے مال میں بیرحاء بہت پسند ہے۔ میں اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کو دیتا ہوں، میں اُمید کرتا ہوں اللہ اس کا ثواب اور اجر میرے لیے جمع کرے گا۔ آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ، واہ کیا بات ہے یہ تو نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرلو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے اقرباء اور چچازادوں کو تقسیم کردیا۔

مجاہد نے روایت نقل کی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جلولاء کے قیدیوں میں سے کوئی باندی خریدلو، وہ باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، ان کو یہ باندی بہت پسند آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتے ہیں "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کردیا۔

حضرت حمزہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل میں جب یہ آیت کھلی تو دل میں سوچا کہ خداداد نعمتوں میں سے مرغوب چیز کیا ہے سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ فلاں باندی سے زیادہ دل کو محبوب اور کوئی چیز نہیں میں اس باندی کو آزاد کرتا ہوں، فرمایا کہ اگر بارگاہ الٰہی میں پیش کی ہوئی چیز کو واپس لینے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے نکاح کرلیتا۔ "وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم" اللہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی کا بدلہ دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں نزول تورات کے قبل باستثناء اس کے جس کو یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا بنی اسرائیل پر حلال تھیں فرمادیجئے کہ پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو۔ اگر تم سچے ہو

کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل کا شان نزول

تفسیر ۹۳ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے آپ کا گمان ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو اونٹوں کا گوشت کھاتے تھے نہ دودھ پیتے تھے حالانکہ آپ تو گوشت بھی کھاتے ہو اور ان کا دودھ بھی پیتے ہو، آپ ان کی ملت پر نہیں ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا یہ دونوں اشیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھیں۔ یہودی کہنے لگے آج کے دن جس کو ہم حرام قرار دیتے ہیں وہ حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے زمانے میں بھی حرام تھیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک اس کی حرمت پہنچی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس سے مراد مردار اور خون کے علاوہ کیونکہ یہ دونوں چیزیں کسی اُمت میں حلال نہیں تھیں مگر یہ کہ بنی اسرائیل نے بعض چیزیں خود اپنے اوپر حرام کردی تھیں، تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح

تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ اشیاء سب اُمتوں میں حرام تھیں اور اونٹوں کا گوشت اور دودھ دونوں ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھے بلکہ یہ سب اشیاء ان کے لیے بھی حلال تھیں اور بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر کچھ اشیاء حرام کردی تھیں تورات سے پہلے۔ تورات میں ان اشیاء کی حرمت کا ذکر نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسی اشیاء اپنے لئے حرام کردی تھی

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی اور اس کی وجہ کیا تھی۔

ابوالعالیہ، عطاء، مقاتل، کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دو گوشت تھے اونٹ اور اس کا دودھ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک سخت مرض لاحق ہوگیا جو طوالت اختیار کر گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے عافیت بخشی تو میں اپنے پسندیدہ کھانے اور پینے کی اشیاء کو ترک کردوں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا پسندیدہ کھانا گوشت اور اونٹ کا دودھ تھا۔ انہوں نے ان دونوں اشیاء کو اپنے اوپر حرام کردیا۔

ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی، ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عروق (عرق النساء، لنگڑی کا درد) کی بیماری تھی اور اس کا درد شدید تھا۔ جو یبر ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی کہ اللہ نے اگر ان کو بارہ بیٹے دیئے اور میں بیت المقدس صحیح سلامت لوٹ آؤں تو آخری بیٹے کو ذبح کروں گا تو فرشتے نے ان سے ملاقات کی۔ اس نے کہا اے یعقوب! آپ تو رجل قوی ہو آپ کو آج تک کسی نے شکست دی ہے یا آپ کو پچھاڑا ہو، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے آج تک کسی نے نہیں شکست دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرشتے نے بھینچا اس وجہ سے آپ کو عرق النساء کی بیماری لگ گئی۔ پھر فرشتے نے کہا کہ اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو میرے ساتھ زور آزمائی کرتے تو میں کر لیتا لیکن میں نے تو صرف آپ کو بھینچا ہے۔ اگر آپ نے اللہ کے لیے نذر مانی ہوتی کہ آپ بیت المقدس آکر اپنے آخری بیٹے کو ذبح کریں گے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرض کی وجہ سے آنے والی مشکلات کو آسان کردیا ہے۔ جب یعقوب علیہ السلام وہاں پہنچے اور بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتے کی بات بھول گئے۔ فرشتہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو دبانے کا مقصد اس مشکل سے نجات دلانا تھا تحقیق ان کی نذر پوری ہوگئی۔ اب آپ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے جب حران سے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا جب یہ اپنے بھائی عیصو سے جنگ سے فارغ ہوئے اور یہ مضبوط آدمی تھے ان کی فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ چور ہے یہ اس کے پیچھے بھاگے تاکہ اس کو پکڑیں فرشتے نے پکڑ کر خوب بھینچا۔ پھر وہ آسمان کی طرف اُٹھ گیا۔ یعقوب علیہ السلام اس کو دیکھتے رہے اس وجہ سے ان کو عرق النساء کی بیماری لگ گئی اس وجہ سے ان کو مشکل اور شدت پیش آئی۔ یہ تکلیف کی وجہ سے رات کو سوتے نہیں تھے اور رات گزارتے اس حال میں کہ چیختے رہتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے

قسم اُٹھائی کہ اگر اللہ نے ان کو شفا دے دی تو وہ شراب اور کھانا نہیں کھائیں گے۔ انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے بھی عروق اور گوشت نہیں کھاتے تھے۔

جویبر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جب یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہوئی تو اطباء نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اونٹ کے گوشت سے اجتناب کریں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اس کو حرام کر دیا۔ حسن البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیلیوں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام قرار دیا تھا اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے۔

پھر اس کی حرمت میں مفسرین کے قول ہیں۔ عند البعض بنی اسرائیلیوں نے تورات کے نازل ہونے کے بعد حرام کیا تھا۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نزول تورات سے قبل یا اپنے اوپر حرام قرار دیتے تھے اس لیے تورات میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی۔

عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ بنی اسرائیلیوں کے حرام قرار دینے کی وجہ سے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ اگر مجھے عافیت مل گئی تو میں اور میری اولاد اس کا گوشت نہیں کھائے گی جبکہ تورات میں اس کی حرمت نہیں آئی تھی۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ان کے لیے حرام نہیں کی گئی بلکہ بعد میں ان کے ظلم کی وجہ سے حرام قرار دی گئی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم" دوسرے مقام پر فرمایا "وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر سے لے کر ذلک جزینٰھم ببغیھم وانا لصادقون" جب بنی اسرائیل بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان سے بڑی نعمت کو حرام قرار دیا اور ان پر ذلت ڈال دی گئی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تب بھی کوئی چیز ان پر حرام تھی اور نہ ہی تورات میں کوئی چیز حرام قرار دی گئی بلکہ انہوں نے ان اشیاء کو اپنے اوپر خود حرام قرار دیا اپنے باپ داداوں کی اتباع کرتے ہوئے۔ پھر اس حرمت کی اضافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کو اس آیت سے ثابت کیا فرمایا "قل" "اے محمد!" "فأتوا بالتوراۃ فاتلوھا" یہاں تک کہ جب وہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے کیا کیا۔ "ان کنتم صادقین" وہ تم کوئی دلیل نہیں لا سکتے (اس دلیل کے مقابلے میں)

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: سو جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو تم ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ مشرک نہ تھے یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

تفسیر ۹۴ فمن افتریٰ علی اللہ الکذب. ۹۵ "قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین" ان کو ملت ابراہیمی کی اتباع کی طرف بلاؤ کیونکہ ملت ابراہیمی کا اتباع دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

۹۶ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا" اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے اور وہ کعبہ سے افضل ہے اور وہ قدیم ہے اور انبیاء کرام کا مقام ہجرت بھی قرار دیا۔ مسلمانوں نے ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ کعبہ افضل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدیً للعالمین"..... "فیہ اٰیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان اٰمنا ..... فان اللہ غنی عن العلمین"

فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۹۷

ترجمہ اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔ اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہنچنے کے سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

تفسیر ۹۷ "فیہ اٰیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان اٰمنا" یہ فضائل بیت المقدس کے بارے میں نہیں۔

اول بیت وُضِعَ سے کیا مراد ہے

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ "اول بیت وضع" سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانے میں پانی کی سطح سے سب سے پہلے کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید جھاگ تھی جو بعد میں منجمد ہوگئی زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے۔ اس کی تخلیق ہوئی تھی پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلائی۔ یہ قول عبداللہ بن عمرو امام مجاہد، قتادہ اور سدی کا ہے۔

بعض نے کہا کہ زمین پر سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بیت اللہ ہے۔

حضرت علی بن حسین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا طواف کریں، پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بنائیں۔ اسی کی شکل اور اسی مقدار پر۔ فرشتوں نے اس کو تعمیر کیا اور اس کا نام (صراح) رکھا۔ اللہ نے زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اس گھر کا طواف کرو جیسا کہ آسمان والے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ بیت اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بنایا اور اس کا حج کرتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا اے آدم آپ کا حج مبرور ہے۔ ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے اول زمین پر کعبہ کی عمارت بنائی تھی۔

بعض نے کہا کہ اولیت برکت والا گھر ہے جس میں لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور تا کہ لوگ اس کی طرف عبادت کریں اور حج کریں۔ بعض نے کہا کہ لوگوں کے لیے جو قبلہ اوّل بنایا گیا وہ یہی ہے۔

حسن اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں معنی اس کا یہ ہے کہ زمین میں عبادت کرنے کے لیے پہلی مسجد جو تعمیر کی گئی وہ پہلی مسجد بیت اللہ ہے۔ اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا مکان جس میں برکت عطا کی گئی وہ بیت اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ زمین میں سب سے پہلے وہ عمارت بنائی گئی جس میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فی بیوت اذن اللّٰہ أن ترفع" بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

ابراہیم بن یزید التیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

سب سے پہلی مسجد' مسجد حرام

زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد قائم کی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے کہا پھر کون سی مسجد؟ فرمایا مسجد اقصیٰ۔ فرمایا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پس تم میں سے جس کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں پڑھ لے اس میں فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "للذی ببکۃ" بعض نے کہا کہ اس سے مکہ مراد ہے یہی ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اور عرب کے نزدیک باء اور میم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے "سَبَّدَ راسہ" کو "سَمَّدَ راسہ" پڑھتے ہیں۔ "ضربۃ لازب" کو "ضربۃ لازم" پڑھتے ہیں۔ دوسرے حضرات کے ہاں مکہ میں بکہ ایک جگہ کا نام ہے اور مکہ پورے شہر کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ بکۃ بیت اللہ اور مطاف کے درمیان جگہ کا نام ہے اس کو بکۃ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس جگہ لوگ خوب آہ وزاری سے اللہ سے مانگتے ہیں اور اس جگہ لوگوں کا بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس جگہ کو "بکۃ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جابر بادشاہ کی گردن جھک جاتی ہے اور اس جگہ پر وہ کسی برائی کا نہیں سوچتے۔ مکہ کو مکۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں پانی کی کمی ہوتی تھی (مکہ میں پانی بہت نایاب ہوتا تھا) اس وجہ سے اس کو مکہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ کھیتی خشک ہوگئی۔ یا اس وقت بولتے ہیں جب عورتوں میں دودھ کی کمی واقع ہوجائے اور بچہ کی پرورش کے لیے دائی کو بلایا جاتا ہے وہ اس پر رحم کرتی ہے اور وہ اس کو دودھ بھی پلاتی ہے۔ "مبارکا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "ذا برکۃ وھدی للعالمین" کہ وہ برکت والی اور دو جہانوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ یہ قبلہ مؤمنین کا ہے اس میں واضح نشانیاں موجود ہیں۔

آیات بینات کی مختلف تفاسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "آیۃ بینۃ" واحد پڑھا ہے۔ اس سے مراد مقام ابراہیم علیہ السلام لیا ہے۔

دوسرے حضرات نے جمع کے صیغہ کے ساتھ "آیات بینات" پڑھا ہے۔ اس صورت میں مقام ابراہیم علیہ السلام اور حجر اسود اور وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات پڑ گئے۔ اب لوگوں کے کثرت سے مس کرنے کی وجہ سے وہ نشانات مٹ گئے۔

"آیات بینات" میں حجر اسود، حطیم، زمزم اور مشاعر سب شامل ہیں۔ بعض نے کہا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام تمام حرم کا نام ہے۔ بیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے اوپر کوئی پرندہ نہیں اُڑتا اور اسی طرح جب زخمی شکار حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے شکاری تعرض نہیں کرتا بلکہ اس کا پیچھا کرنے سے رُک جاتا ہے۔ یہ ایسا شہر ہے جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اللہ کے بھیجے ہوئے رسول، اولیاء، ابرار آتے ہیں اور اس جگہ نیکی کرنے سے دُگنا اجر ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ "ومن دخلہ کان امنا" جو کوئی کسی سے لڑ کر اس میں پناہ لے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی برکت کی وجہ سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی تھی۔ "رب اجعل ھذا البلد آمنا" زمانہ جاہلیت میں عرب باہم ایک دوسرے کے ساتھ قتل و قتال کرتے تھے اور حرم میں پناہ لیتے تھے تو وہ قتال سے مامون ہو جاتے۔ یہی قول حسن، قتادہ اور اکثر مفسرین کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اولم یروا انا جعلنا حرما امنا ویتخطف الناس من حولھم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو شخص عمرۃ القضاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین" یہ خبر بمعنی امر کے ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "ومن دخلہ فامنوہ" آگے فرمایا "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" یہاں بھی امر کے معنی میں ہے کہ بے حیائی اور برائی سے بچو۔ اسی وجہ سے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جس شخص پر قصاص یا حد واجب ہوا اور وہ حرم میں پناہ لے لے تو اس سے حرم میں بدلہ نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور نہ ان کو کوئی چیز اس کو بیچی جائے گی اور نہ ہی اس سے کوئی چیز خریدی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ پھر جب وہ باہر آ جائے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ قصاص تو شریعت کی طرف سے واجب ہوا ہے اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ اگر وہ حرم کے اندر جرم کا ارتکاب کرے تو بالاتفاق اس سے حرم کے اندر ہی اس کی سزا دی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص حرم کی تعظیم اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حرم میں داخل ہوگا قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگا۔ "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے بعض لوگوں پر حج فرض ہے اور بعض پر واجب۔ ابوجعفر اور حمزہ کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "حج البیت" کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر قراء نے حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ لغت اہل حجاز کے ہاں ہے اور یہی دونوں لغت فصیح ہیں، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حج بھی اسلام کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرا نماز ادا کرنا، تیسرا زکوٰۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ اہل اسلام کے ہاں وجوب حج پانچ شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام، عقل، بلوغ، آزاد ہونا، طاقت زاد و راہ کا ہونا، حج کافر اور مجنون پر فرض نہیں۔ اگر ان دونوں نے ادا کر دیا تو ان کا حج قبول نہیں ہوگا کیونکہ کافر تو اس کا اہل نہیں اور مجنون کی طرف شریعت کا حکم متوجہ ہی نہیں۔ اسی طرح بچے اور غلام پر فرض نہیں، اگر کسی سمجھدار بچے نے حج کر لیا یا غلام نے حج کیا تو دونوں کا حج صحیح ہوگا لیکن نفل ہوگا لیکن ان دونوں سے فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اگر بچہ بالغ ہوگیا اور غلام آزاد ہوگیا تو ان پر مذکورہ شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے حج فرض ہوگا اور جو شخص استطاعت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من استطاع الیہ سبیلاً" اگر کسی شخص نے تکلف کے ساتھ بغیر استطاعت کے حج کر لیا تو اس سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

من استطاع کی وضاحت

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ وہ شخص بذات خود استطاعت رکھتا ہو۔ ❷ وہ استطاعت غیر کی وجہ سے ہو۔ اگر وہ شخص بنفسہٖ قادر ہو اور زاد و راحلہ پر قدرت رکھتا ہو۔ یہاں پر پہلی قسم مراد ہے۔

عباد بن جعفر فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا حج مقبول ہے؟ فرمایا "الشعث التفل" بکھرے بال ہوں (یعنی جس میں خوب مشقت اُٹھائی جائے) دوسرا شخص کھڑا ہوا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا حج افضل ہے فرمایا جس میں چلاتا اور خون بہاتا ہو؟ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم سبیل کیا ہے؟ فرمایا زاد اور راحلہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سواری ایسی ہو جو آنے جانے پر قادر ہو اور زاد سے مراد جو آنے اور جانے کے لیے کافی ہو، اپنے اہل وعیال سے زائد ہو اور زاد و راحلہ اتنا ہو کہ اس کے آنے تک گھر والوں کے لیے کافی ہو جائے اور جو ان پر قرض ہو اس کی ادائیگی بھی پوری ہو۔ ان اشیاء کا حساب اپنے شہر سے نکلنے کے وقت لگایا جائے گا۔ اگر وہ پہلے نکلے یا بعد میں حج کے لیے نکلے یا ان کو تاخیر ہوگئی کہ ایک نماز کا وقت نہیں گزرا یا ان سے ایک دن قافلہ نکل گیا تو اس وقت ان کا حج کے لیے نکلنا لازم نہیں۔ بایں معنی اس عذر کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

حج کی شرائط اور فضیلت

حج کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ راستہ امن وسلامتی والا ہو، ہاں اگر راستے میں کسی دشمن کا خوف ہو تو اس پر حج فرض نہیں اور اس کے لیے زاد و راحلہ کے لیے جگہ کا ہونا جہاں پر پانی اور دوسری ضروریات سامان مل جائے اگر راستہ ایسا ہے جس سے

اپنے اہل وعیال کا لشکر سے جدا ہونا معلوم ہو رہا ہو تو پھر بھی حج فرض نہیں۔ اگر وہ سواری پر قدرت نہیں رکھتا لیکن پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہے یا زاد پر قدرت نہیں رکھتا لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ راستے میں کمائی کرے گا تو پھر بھی اس پر حج فرض نہیں۔

دوسری قسم جو استطاعت بالغیر کے متعلق ہے۔ سو اس میں انسان بنفسہ عاجز ہوتا ہے اور غیر کا محتاج ہوتا ہے یا اس کو ایسا مرض لاحق ہے جو زائل ہونے والا نہیں ہے یا اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اجرت پر لگائے تو حج پر جا سکتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ تجارت کرے یا خود تو اس کے پاس مال نہیں بلکہ اس کے بیٹے کے پاس مال ہے یا کسی اجنبی کے پاس ہے اور اس کو یقین ہے کہ یہ اشخاص اس کو حج کروا دیں گے تو اس پر واجب ہے کہ یہ حج کرنے کا ارادہ کرلے جب اسے ان پر مکمل یقین ہو کیونکہ حج کا وجوب استطاعت کے ساتھ اور وہ یقین کے ساتھ حاصل ہو گئی اور حج واجب ہوتا ہے جب استطاعت ہو۔ جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے فلاں صاحب استطاع ہے کیونکہ اس نے گھر بنایا اگرچہ اس نے بنفسہ خود گھر نہ بنایا ہو اگرچہ اس کے مال سے یا اس کے مددگاروں نے بنایا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے شخص پر واجب نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مغصوب بدن پر حج واجب نہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے سوار تھے۔ ایک خثعم قبیلے سے تعلق رکھنے والی عورت نے مسئلہ پوچھا، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی ان کو دیکھنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا چہرہ مبارک پھیر کر فضل کو دیکھا، وہ عورت کہنے لگی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، میرے والد بڑھاپے میں ہیں وہ سواری کی طاقت نہیں رکھتے، کیا میں ان کے لیے حج ادا کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جی ہاں۔ "ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین" ابن عباس، حسن، عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا، مجاہد فرماتے ہیں جس نے اللہ اور آخرت کے دن کا انکار کیا، سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا مکہ کی طرف حج کرنا واجب نہیں۔ سدی فرماتے ہیں جس شخص پر حج فرض ہو اور اس نے حج نہ کیا اس حالت میں مر گیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی حاجت اور ضرورت نے نہ روکا ہو، نہ کسی مرض نے یا سلطان جابر (ظالم بادشاہ) نے تو پھر بھی اس نے حج نہیں کیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

(ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے (نے کی کوشش کر) تے ہو اللہ تعالیٰ کی

راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لئے حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں (وقت معین پر اس کی سزا دیں گے) اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے کافر بنا دیں گے۔

تفسیر ⑱ "قل یا ھل الکتاب ...... واللّٰہ شھید علی ما تعملون"

⑲ "قل یا ھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللّٰہ" کیوں پھیرتے ہو اللہ کے راستے سے "من آمن تبغونھا" جو تم طلب کرتے ہو "عوجاً" کجی اور مائل ہونے کو مطلب یہ ہے کہ تم کیوں اللہ کے راستے سے ہٹاتے ہو ان کے ساتھ بغاوت اور کجی کرتے ہوئے۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں عوج کسرہ کے ساتھ دین، قول، عمل میں کجی کو کہتے ہیں اور عوج عین کے فتح کے ساتھ ہو تو دیوار کے معنی میں ہوگا یا ہر وہ شخص جو کھڑا ہو "وانتم شھداء وما اللّٰہ بغافل عما تعملون" تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور تھے اور اسلام کا دین خدا ہونا جو تورات میں مذکور ہے تم خود اس کے گواہ ہو۔

⑳ "یا یھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقاً من الذین اوتو الکتاب"

انصار میں پھوٹ پیدا کرنے کی یہودی سازش

زید بن اسلم نے کہا کہ مرشاش بن قیس (بعض نے شماس بن قیس لکھا ہے) یہودی بڑا سخت کافر تھا۔ یہ مسلمانوں پر بہت طعن و تشنیع کرتا تھا۔ اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں کی مجلس کے پاس سے گزرا۔ یہ دونوں قبیلے والے آپس میں محو گفتگو تھے۔ اس یہودی نے ان کو دیکھتے ہی (کہ ان کے درمیان کتنی گہری محبت ہے) جل گیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت تھی، اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان محبت ہوگئی اور کہنے لگا کہ بنی قیلہ کی جماعتیں تو اس ملک میں کبھی جمع نہیں ہوتیں اگر یہ جمع ہوگئے تو ہمیں ان کے ساتھ اس جگہ استقرار حاصل نہیں ہوگا، یہ کہنے کے بعد اپنے ساتھی کو کہا جو جوان تھا کہ تم جا کر ان کی مجلسوں میں بیٹھو، ان کے سامنے جنگ بعاث اور اس سے پہلے عداوتوں کا تذکرہ کرو اور جنگ بعاث کے متعلق فریقین نے جو اشعار کہے ہیں وہ بھی ان کے سامنے پڑھو۔ بعاث قبائل اوس خزرج کی باہمی ایک جنگ کا نام ہے جس میں خزرج پر اوس کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہودی نے ان کے سامنے جا کر گفتگو کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی زانو کے بل کھڑا ہو گیا، آپس میں سب جھگڑنے اور مقابل کے خلاف اپنے فخر کا اظہار کرنے لگے۔ ایک شخص اوس بن قیظی قبیلہ اوس بنی حارثہ اور دوسرا جبار بن صخر جو بنی سلمہ کا خزرجی تھا، دونوں کے درمیان خوب شور برپا کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی از سر نو اس (واقعہ) کو زندہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ دونوں فریق غضبناک ہوگئے اور کہنے لگے ہم لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے سامنے اسلحہ سے للکارا اور کہا کہ مقام حرہ میں اس کا مقابلہ ہوگا۔ اوس اور خزرج دونوں ایک دوسرے کے خلاف آوازیں بلند کرنے لگے جیسے زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔ یہ اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی جماعت لے کر ان کی طرف نکلے اور فرمایا اے گروہ اسلام! ابھی میں تمہارے اندر موجود ہوں باوجود یہ کہ اللہ نے تم کو اسلام کی عزت عطا فرمادی اور جاہلیت کی باتیں ختم کر دیں اور تمہارے آپس میں اُلفت و محبت پیدا کر دی تو پھر کیا تم دوبارہ جاہلیت کی پکار کر کے واپس لوٹ رہے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔

اللہ سے ڈرو اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ سب کچھ شیطان کا دھوکہ اور مکر تھا۔ انہوں نے فوراً ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور گلے ملنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کے ساتھ لوٹ آئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"**یا یھا الذین آمنوا ...... اوتو الکتاب**" اس سے مراد مرشاس اور اس کے ساتھی ہیں۔ "**یردو کم بعد ایمانکم کافرین**" وہ تمہارے مؤمن ہونے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس روز سے زیادہ کوئی دن برا نہیں دیکھا جس دن ہم دوبارہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے اور اس دن سے اچھا کوئی دن نہیں دیکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان دوبارہ صلح کروائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بطور تعجب کے یہ ارشاد فرمایا۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ١٠١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ١٠٢

ترجمہ: اور (بھلا) تم کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور (پھر) تم میں اللہ کے رسولؐ موجود ہیں اور (یاد رکھو) جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو ضرور ایسا شخص راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق (ہے) اور بجز اسلام (کامل) کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

تفسیر: ١٠١ "**وکیف تکفرون**" کیوں تم کفر کی طرف جاتے ہو۔ "**وانتم تتلی علیکم آیات اللّٰہ**" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**وفیکم رسولہ**" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو واضح نشانیاں مذکور ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کا نبی۔ اللہ کے نبی تو چلے گئے۔ البتہ اللہ کی کتاب موجود ہے جو اللہ کی رحمت اور نعمت ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی حمد بیان کی، پھر ثناء بیان فرمائی، پھر فرمایا امابعد! اے لوگو! میں ایک آدمی ہوں، عنقریب میرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا۔ میں تمہارے اندر دو بڑی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی کتاب اللہ جس کے اندر نور و ہدایت ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور میں تمہیں برانگیختہ کرتا ہوں کتاب اللہ کی طرف اور اس کی طرف رغبت دلاتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، دو مرتبہ ارشاد فرمایا "**ومن یعتصم باللّٰہ**" کون ہے جو اللہ کے دین سے روکنے والا ہو۔ تم مضبوطی سے اس کے دین کو اور اس کی فرمانبرداری کو

لازم پکڑو۔ "فقد هدی الی صراط مستقیم" سیدھی راہ کی ہدایت ضرور مل جائے گی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ "یعتصم باللہ" کا معنی ہے۔ "یؤمن باللہ" لغت میں عظمت کا معنی ہے حفاظت اور کسی چیز کی حفاظت کرنے سے اس کا بچاؤ ہوجاتا ہے۔

⑩٢ "یا یها الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ"

شانِ نزول

مقاتل بن حبان کی روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کرچکے اور وہاں پہنچے تو ان دونوں فریقوں میں صلح کروادی۔ پھر اس کے بعد دو آدمیوں میں ایک دوسرے نے فخر کیا۔ ان میں سے ایک ثعلبہ بن غنم اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور اسعد بن زرارہ خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اوسی نے کہا یہ ہم ہی میں سے تھا وہ خزیمہ بن ثابت جس کی تنہا شہادت کو دو گواہوں کے برابر مانا گیا تھا اور حنظلہ "غسیل الملائکة" اور عاصم بن ثابت بن افلح اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم جن کی وجہ سے رحمٰن کا عرش ہل گیا تھا (یہ سب ہم میں سے تھے) اور بنو قریظہ کے متعلق اس کے فیصلہ کو اللہ نے پسند کیا تھا۔ خزرجی نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو محکم کرلیا ہے ان میں ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابوزید اور ان میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم جو انصار کے سردار تھے۔ اس طرح گفتگو جاری رہی اور دونوں غصے میں آگئے، دونوں فخریہ اشعار پڑھنے لگے اوس اور خزرج اسلحہ لے کر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے اور اللہ کے انصاف کو قائم کرو اگر تمہیں اپنا نقصان یا اپنے والدین میں سے کسی کا نقصان ہو رہا ہو یا اولاد کا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک تقویٰ کے حق تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اپنی زبان کو کنٹرول میں نہ کرے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شاق گزرا۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حکم کی پوری تعمیل کرنے کی کس میں جرأت ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فاتقوا اللہ ما استطعتم" یہ آیت منسوخ ہے اور مقاتل فرماتے ہیں کہ آل عمران میں اس آیت کے سوا اور کوئی آیت منسوخ نہیں۔ "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" کا معنی مؤمنین کے ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ مخلصین مراد ہیں جنہوں نے اپنے امور کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔ فضیل فرماتے ہیں کہ مسلمون محسنون کے معنی میں ہے جو اللہ پر حسن ظن رکھنے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جاتا تو زمین والوں کے لیے زندگی تنگ ہوجاتی۔ پس اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا سوائے زقوم کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَ
كُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

(ترجمہ) اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام (ہوا) ہے اس کو یاد کرو جبکہ تم (باہم) دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے (اس) انعام سے (اب) آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی (یعنی اسلام نصیب کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرکے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ راست پر قائم رہو۔

(تفسیر) ۱۰۳ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" حبل اس سبب کو کہتے ہیں جو مطلوب ومقصود تک پہنچانے میں ذریعہ بنے اور ایمان کو بھی حبل کہتے ہیں کیونکہ یہ سبب جو جہنم کے خوف سے بچاتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ کی تفسیر

اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماعت ہے اور فرماتے ہیں کہ تم جماعت کو لازم پکڑو اس لیے کہ یہ اللہ کی رسی ہے جس کے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور جماعت میں جو تمہیں طاعت ناپسند لگتے ہو وہ بہتر ہے۔ اس فرقت سے جو تم پسند کرتے ہو۔

مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد عہد اللہ ہے۔ قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ ابن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے (اس کو پکڑے رکھو) اور وہ واضح نور ہے اور شفا نافع ہے اور اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے جو اس کو پکڑے اور نجات ہے جو اس کی پیروی کرے۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ "بحبل اللہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی طاعت ہے۔ "ولا تفرقوا" اور تم تفرقہ اختیار نہ کرو جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں پر راضی ہوتا ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کا کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنادے اس کی خیرخواہی کرو، یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین باتوں سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ فضول باتوں کی بحث سے، مال کو برباد کرنے سے اور کثرت سوال کرنے سے۔ "واذکروا نعمۃ .... فالف بین قلوبکم"

انصار کی جماعت پر اللہ تعالیٰ کا احسان

محمد بن اسحاق بن یسار اہل اخبار سے منقول ہے کہ اوس اور خزرج دونوں بھائی تھے۔ ان دونوں کے درمیان دشمنی ہوگئی۔ وجہ دشمنی ایک قتیل کی وجہ سے ہوئی۔ اس میں اتنا اضافہ ہوا کہ وہ ایک سو بیس سال تک باہم جنگ ہوتی رہی لیکن اسلام نے ان کے اندر دشمنی والی آگ بجھادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی بدولت ان میں اتفاق ہوگیا۔ ان کے درمیان محبت کا سبب یہ ہوا کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا جس کا نام سوید بن صامت تھا۔ قوم والے اس کو طاقت ور اور اصیل ہونے کی وجہ سے کامل کہتے تھے۔ یہ حج یا عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوچکی تھی اور آپ کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم مل چکا تھا۔ آپ علیہ السلام نے سوید کی آمد کی خبر سنی اور اس کے پیچھے گئے۔ اس کو اسلام اور اللہ عزوجل کی دعوت دی۔ سوید نے کہا شاید تمہارے پاس ویسی ہی کوئی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے؟ سوید نے کہا کہ لقمان کا رسالہ یعنی حکمت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے سامنے پیش کرو۔ سوید نے اس کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ اچھا ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے، میرے پاس قرآن ہے جس کو اللہ رب العزت نے نور و ہدایت بنا کر اتارا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ سوید نے نفرت نہیں کی اور کہنے لگا یہ اچھی چیز ہے پھر واپس مدینہ چلا گیا اور کچھ ہی مدت کے بعد جنگ بعاث میں قبیلہ خزرج نے اس کو قتل کردیا۔ اس کی قوم والوں کا کہنا ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اس کو قتل کیا گیا۔

پھر اس کے بعد ابوالحیسر، انس بن رافع اور ان کے ساتھ بنی اشہل کا گروہ جس میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھا قریش سے معاہدہ و تعاون کرنے کے لیے آیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سنائی گئی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا جس کام کے لیے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تم کو خواہش ہے، لوگوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے، میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی چیز کو اللہ کا ساجھی قرار نہ دوں، اللہ نے مجھ پر کتاب بھی نازل کی ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ نوجوان لڑکا تھا، کہنے لگا قوم والو جس کام کے لیے تم آئے ہو خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے۔ ابوالحیسر نے ایک لپ بھر کر کنکریاں ایاس کے چہرے پر ماریں اور بولا یہ اپنی بات رہنے دے کہ ہم دوسری غرض سے آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور وہ لوگ بھی مدینہ کو لوٹ گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد اوس و خزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد ایاس کا انتقال ہوگیا۔ پھر جب اللہ نے چاہا کہ اس کا دین ظاہر اور رسول غالب ہوجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (انصاری صحابہ) کی جماعت سے ملے اور اپنے آپ کو قبائل عرب کے حوالے کردیا۔ جیسا کہ ہر سال موسم حج میں ہوتا ہے۔ عقبہ گھاٹی کے پاس ایک خزرجی گروہ سے ملاقات ہوئی۔ اس جماعت میں چھ شخص تھے۔

اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث ابن عفراء ہیں۔ رافع بن مالک عجلانی، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، جابر بن عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کون ہو، وہ کہنے لگے کہ ہم خزرجی ہیں، فرمایا کیا تم یہودیوں کے ساتھیوں میں سے ہو۔ وہ کہنے لگے جی ہاں! فرمایا کیا تم بیٹھ کر میری بات نہیں سنو گے۔ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں، بیٹھیں گے اس کے بعد سب بیٹھ گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کی دعوت دی، اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا (وہ سب اسلام لے آئے) ان کے اسلام کی (خدا کی طرف) سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مدینہ میں وہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ یہودی اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک یہودیوں سے ان کا کچھ جھگڑا ہو جاتا تھا تو یہودی کہتے تھے اب ایک نبی آنے والا ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب ہے، ہم اس کا اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عادی طرح قتل کریں گے۔ بس اس گروہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اور اسلام کی دعوت سنی تو آپس میں کہنے لگے لوگو! تم جانتے ہو کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام لے کر یہودی تم کو دھمکی دیتے تھے۔ اب یہودی تم سے اس کی مدد حاصل کرنے میں سبقت نہ کرنے پائیں۔ چنانچہ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اور وہ کہنے لگے ہم ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جن میں آپس کی جنگ اور دشمنی اتنی ہے کہ کسی قوم میں نہیں ہے۔ اب اُمید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے سے اس میں اتفاق کرا دے گا۔ عنقریب ہم ان کے پاس جائیں گے اور ان کو اس بات کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے معاملے میں متفق کر دیا، آپ سے بڑھ کر پھر کوئی عزت یافتہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنے شہر کو لوٹ گئے اور مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور مدینہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مدینہ میں اتنا پھیل گیا کہ انصار کے ہر گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا چرچا ہونے لگا۔

عقبہ اولیٰ اور انصار کی جماعت کا بیعت کرنا

پھر آئندہ سال موسم حج میں انصار کے بارہ افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ ان میں اسعد بن زرارہ، عوف بن عفراء، معاذ بن عفراء، رافع بن مالک العجلانی، ذکوان بن عبدالقیس، عبادۃ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عقبہ بن عامر، قطبہ بن عامر یہ سب خزرجی تھے اور ابوالہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ یہ دونوں اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ اولیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ویسی ہی بیعت فرمائی جیسی عورتوں کو فرمائی تھی کہ تم شرک نہیں کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے...... الخ۔ اگر تم ان کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے۔ اگر تم ان میں کسی کا ارتکاب کرو گے تو تمہیں اگر دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ تمہارے گناہ کی تلافی ہو جائے گی لیکن اگر تمہارے جرم پر پردہ پڑا رہا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو وہ اس کا بدلہ لے اور چاہے تو وہ معاف کر دے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ سے پہلے کا ہے جب یہ لوگ واپس آ رہے تھے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن مناف کو ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قرآن پڑھانا اسلام کی تعلیم دینا اور دین کا سمجھانا، مدینہ میں

حضرت مصعب بن عمیر کا نام مقری ہو گیا اور اسعد بن زرارہ کے گھر پر آپ کا قیام ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد اسعد بن زرارہ حضرت مصعب کو لے کر بنی ظفر کے ایک باغ پر گئے اور اندر جا کر بیٹھ گئے وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ دوسری طرف سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا یہ دونوں شخص ہمارے گھر آ کر ہمیں کمزور سمجھ کر آدمیوں کو بہکانا چاہتے ہیں تم جا کر ان دونوں کو جھڑک کر نکال دو۔ اسعد میرے ماموں کا بیٹا ہے اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی یہ کام کر لیتا تمہاری ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

سعد اور اسید بنی اشہل کے بڑے مشرکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مشورہ کے مطابق اسید اپنا نیزہ لے کر مصعب اور اسعد کے پاس گیا، دونوں باغ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، اسید کو دیکھ کر اسعد نے مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے اس کو مسلمان بناؤ۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر یہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اسید پہنچ کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا تم ہمارے ہاں کیوں آئے ہو، کیا ہمارے کمزور سمجھ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو، اگر تم کو اپنی جان سے کچھ محبت ہے تو یہاں سے ہٹ کر چلے جاؤ۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا آپ بیٹھ کر ہماری بات تو سن لیجیے، اگر آپ کو ہماری بات سمجھ میں آ جائے تو مان لینا اگر ناپسند لگے تو آپ کے گراں لگنے کی وجہ سے بات نہیں کی جائے گی۔ اسید نے کہا یہ بات تم نے ٹھیک کہی، یہ کہہ کر نیزہ زمین میں گاڑ کر دونوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کے متعلق بات کہی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ابھی وہ کچھ بولا بھی نہ تھا مگر ہم کو اس کے چہرے کی چمک اور بشاشت سے اسلام کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ قرآن سننے کے بعد کہنے لگا یہ تو بڑی اچھی اور خوبصورت چیز ہے۔ اچھا بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کے وقت تم کیا کرتے ہو؟ مصعب رضی اللہ عنہ اور اسعد نے جواب دیا غسل کر لو، کپڑے پاک کرو، پھر شہادت حق دو، پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نے فوراً اٹھ کر جا کے غسل کیا، کپڑے پاکیزہ پہنے اور کلمہ شہادت پڑھ کر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور کہنے لگے میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم کا کوئی شخص تامل نہیں کرے گا۔ وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہے میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

پھر وہ اپنا نیزہ لے کر چوپال میں ٹھہر گیا۔ سعد نے پوچھا پیچھے کیا چھوڑ آئے، اسید نے کہا خدا کی قسم میں نے تو ان میں کوئی جرأت نہیں پائی۔ میں نے ان کو روک دیا۔ انہوں نے کہا جیسا آپ کو پسند ہے ہم ویسے ہی کریں گے لیکن مجھے ایک خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ اسعد کو قتل کرنے نکلے ہیں کیونکہ اسعد تمہارے ماموں کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کر کے تم سے عہد شکنی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر سعد غضب ناک ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا، نیزہ ہاتھ میں لیا اور بولا خدا کی قسم! میرے خیال میں تم نے کچھ کام نہیں کیا، باغ میں پہنچ کر دیکھا تو مصعب اور اسعد دونوں کو مطمئن پا کر سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں خود پہنچ کر ان کی بات سنوں، جب سامنے جا کر کھڑا ہوا تو گالیاں دینے لگا، پھر اسعد بن زرارہ سے بولا اگر مجھ سے تمہاری رشتہ داری نہ ہوتی تو پھر میرے متعلق تجھے یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تو ہمارے گھر ایسی باتیں لے کر آتا ہے جن کو ہم ناپسند سمجھتے ہیں۔ سعد کو دیکھتے ہی اسعد نے مصعب کو کہہ دیا تھا کہ یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم میں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔

مصعب نے سعد سے کہا ذرا بیٹھ کر ہماری بات سن لیجیے، اگر آپ کو اچھی لگے تو سن لینا اور اگر ناپسند لگے تو ہم آپ کے سامنے نہیں بیان کریں گے۔ سعد نے کہا کہ بات ٹھیک ہے پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑھ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی کچھ آیات تلاوت کیں اور ان دونوں نے کہا کہ ہم نے اس کے چہرے کی چمک اور خوشی دیکھ کر پہچان گئے کہ اس پر اسلام غالب آ گیا۔ (یہ بات ہمیں اس کے ساتھ کلام کرنے سے پہلے معلوم ہوئی)۔

پھر سعد نے کہا جب تم مسلمان ہوتے ہو اور اس دین میں داخل ہونے کے لیے کیا کرتے ہو، دونوں نے کہا کہ تم غسل کر لو اور اپنے کپڑے پاک کر لو، پھر شہادت ادا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور دو رکعت نماز (بطور شکرانہ) پڑھو۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنی قوم کے پاس گئے ساتھ اسید بن حضیر بھی تھے۔ قوم والوں نے آتا دیکھ کر کہا خدا کی قسم اب سعد کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ سعد نے قوم سے کہا اے بنی عبدالاشہل تم مجھے اپنے اندر کیسا جانتے ہو؟ قوم والوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں سب سے زیادہ آپ کی رائے فضیلت رکھتی ہے، آپ کا قول و فعل نہایت مبارک ہے۔ سعد نے کہا تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا حرام ہے۔ جب تک تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ سعد کے اس قول کے بعد بنی عبدالاشہل کے احاطہ میں کوئی مرد و عورت بغیر اسلام لائے نہیں رہے اور اسعد بن زرارہ اور مصعب رضی اللہ عنہما دونوں لوٹ کر اسعد کے گھر آ گئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ یہیں مقیم رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے۔ یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس میں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں مگر بنو امیہ بن زید کے گھر اور خطمہ وائل اور واقف کے گھروں میں لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ابوقیس بن اسلت شاعر موجود تھا اور یہ خاندان والے اس کی بات سنتے اور مانتے تھے۔ اس نے سب کو اسلام قبول کرنے سے روکا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے میں تشریف لے گئے اور جنگ بدر، احد، خندق بھی گزر چکی تھیں۔

عقبہ ثانیہ میں انصار کی بیعت

راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف لوٹے اور انصار کی ایک جماعت جو ستر افراد پر مشتمل تھی ان میں کچھ لوگ حاجی تھے اور بعض مشرک بھی تھے مکہ پہنچنے کے بعد وسط ایام تشریق میں عقبہ ثانیہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونے کا وعدہ ہوا۔ یہی بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس وقت موجود تھا اور ہم حج سے فارغ ہوئے اور وعدہ ملاقات والی رات آئی ہمارے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن حرام ابو جابر کو ہم نے بتایا اور ہم اپنے ساتھ والے مشرکین سے کچھ باتیں پوشیدہ رکھتے تھے مگر اس شخص کو بتلا دیا تھا اور اس سے گفتگو کر لی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کل آپ آگ کا ایندھن بنیں اس لیے جس حالت میں آپ ہیں اس حالت میں آپ کو چھوڑ دینا ہم کو پسند نہیں۔ غرض ہم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور ہم نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ ملاقات کی، اس کو اطلاع دیدی اور عقبہ میں ہمارے ساتھ آ گیا اور نقیب ہو گیا۔

جس رات کا وعدہ تھا اس رات کی تہائی تک تو اپنی اپنی جگہوں پر گزارا جب ایک تہائی گزر گئی تو ہم اپنے آپ کو چھپتے چھپاتے قطار کی چال میں نکلے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں پہنچ کر جمع ہو گئے۔ اس وقت ہم ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ایک بنی نجار کی اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب اور دوسری بنی سلمہ کی اُم منیع اسماء بنت عمرو بن عدی گھاٹی کے اندر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خزرج کی جماعت تم واقف ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں جو لوگ ہماری قوم میں ہمارے خیالات کے ہیں ان سے ہم نے ان کی حفاظت کی ہے، اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں لیکن یہ سب سے کٹ کر تم سے جڑنا چاہتے ہیں اور تم سے کٹنے پر راضی نہیں ہیں۔ پس سوچ لو اگر اس بات کو تم پورا کر سکو جس کے لیے ان کو بلا رہے ہو اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تمہاری ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے تو تم ان کو بے یار و مددگار اور بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو، یہ عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں۔ کعب کا بیان ہے ہم نے جواب دیا جو کچھ ہم سے آپ نے فرمایا ہم نے اس کو سن لیا لیکن اے رسول خدا! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود کچھ فرمائیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے ہم سے جو عہد لینا چاہیں لے لیجئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کلام اللہ کی تلاوت فرمائی اور اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی طرف راغب کیا۔ پھر فرمایا میں تم سے ان شرطوں پر بیعت لیتا ہوں کہ تم جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرو گے اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا، یہ سن لو۔ براء بن معرور نے دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم جس چیز سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے آپ کی حفاظت بھی کریں گے۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری بیعت قبول فرمائیے ہم بھی جنگجو ہیں اور دوسرے لوگوں سے ہمارا معاہدہ ہے جو بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔

براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بیچ میں بول اُٹھے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ لوگوں سے ہمارے معاہدے ہیں اب ان کو ختم کرنا پڑے گا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم سب معاہدے ختم کر دیں اور اللہ آپ کو غلبہ عنایت فرما دے تو ہم آپ کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف آ جائیں۔ یہ کلام سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ جس سے تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی قوم سے بارہ نمائندے مقرر کرو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں۔ حسب الحکم بارہ نمائندے چھانٹے گئے نو خزرجی اور تین اوسی۔ عاصم بن عمرو بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب بیعت کے لیے سب لوگ جمع ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا کہ اے گروہ خزرج کیا تم جانتے ہو کہ کس شرط پر تم اس شخص کی بیعت کر رہے ہو جو ہر سرخ اور کالے سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو اگر تمہارا خیال ہو کہ جب تمہارے مالوں پر کوئی

مصیبت پڑے گی اور تمہارے سردار مارے جائیں گے تو تم اس کو بے یار و مددگار چھوڑ جاؤ گے تو ابھی بیعت نہ کرو ورنہ اس وقت خدا کی قسم دُنیا و آخرت کی رسوائی نصیب ہوگی اور اگر مالوں کی تباہی اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود تم اپنے اس وعدے کو پورا کر سکتے ہو جس پر تم اس شخص کو دعوت دے رہے ہو تو اس کو لے لو۔ خدا کی قسم! یہ دُنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

انصار نے جواب دیا ہم مالوں کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور اسی شرط پر ان کو قبول کر رہے ہیں لیکن اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم نے یہ شرط پوری کر دی تو ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت۔ انصار نے عرض کیا تو دست مبارک پھیلا ئیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پھیلایا، سب نے بیعت کر لی۔ پہلے براء بن معرور نے ہاتھ میں ہاتھ دیا، پھر دوسرے لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔

بیعت کے بعد شیطان کا چیخنا

جب ہم بیعت کر چکے تو عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز سے شیطان نے پکار کر کہا اے اہل حباجب کیا تم کو مذمم (محمد) ......(نعوذ باللہ) اور صباۃ (بے دین) کے ساتھ مل کر تم جنگ کے لیے متفق ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے عقبہ کا "ازب" ہے۔ (ازب اس وقت شیطان کا نام تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دشمن خدا سن لے خدا کی قسم! میں تیرے مقابلے کے لیے بالکل فارغ ہو جاؤں گا۔ پھر فرمایا اب تم اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ہم کل صبح ہی اہل منا پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں، فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ تم اپنی رہائش کی جگہ چلے جاؤ۔ حسب الحکم ہم اپنی جگہ چلے گئے اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے لوگ ہمارے پڑاؤ پر آئے اور کہنے لگے اے گروہ خزرج ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اس کو ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لیے اس سے بیعت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! عرب کے کسی قبیلے سے جنگ چھڑ جانا ہمارے نزدیک اتنی قابل نفرت نہیں جتنی تم سے ہے۔ یہ سن کر ہمارے مشرک (خزرجی اور اوسی) کھڑے ہو گئے اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے۔

حقیقت میں انہوں نے سچ کہا تھا ان کو بیعت کا علم ہی نہ تھا ان کی باتوں کے وقت ہم آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ غرض سب لوگ اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک شخص حارث بن مغیرہ مخزومی نئی جوتیاں پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ابو جابر سے ایک بات کہی، گویا میں مشرکین انصار کے کلام کی تائید کر رہا ہوں اور بات یہ تھی کہ میں نے ان سے کہا ابو جابر تم ہمارے سرداروں میں سے ہو لیکن اتنی بھی تم میں استطاعت نہیں کہ اس قریشی جوان کی جوتیوں کی طرح جوتیاں ہی بنوا لو۔ حارث نے یہ بات سنی تو فوراً پاؤں سے جوتیاں نکال کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم! اب تو ان کو پہنے گا۔ ابو جابر نے کہا ہائے تو نے جوان کو غصہ دلا دیا، جوتیاں واپس کر دے، میں نے کہا میں تو واپس نہیں کروں گا یہ شگون اچھا ہے۔ اگر فال سچی ہوئی تو

خدا کی قسم! میں اس کے کپڑے اُتارلوں گا۔ غرض مضبوط معاہدہ کے بعد انصار مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ میں اسلام کا ظہور ہو گیا۔ قریش کو اس کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دکھ دینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا اللہ نے تمہارے کچھ بھائی بنادیے ہیں اور امن کی ایک جگہ بھی دیدی ہے تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ اور اپنے انصاری بھائیوں میں مل کر رہو۔ اس حکم پر سب سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی تھے۔ پھر عامر بن ربیعہ نے پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جانے لگے۔

اسی طرح اسلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق بنادیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان میں باہم صلح کرادی۔

"واذکروا نعمة اللّٰه علیکم" یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر کی اے انصار کی جماعت۔ "اذ کنتم اعداءً" اسلام سے پہلے تم آپس میں باہم دشمن تھے۔ "فالف بین قلوبکم" تمہارے دلوں میں اسلام کی وجہ سے محبت ڈال دی۔ "فاصبحتم" بس تم ہو گئے "بنعمته" اس کی رحمت اور اس کے دین اسلام کی وجہ سے "اخوانا" بھائی بھائی اور آپس میں ہمدردی پیدا کردی۔ "وکنتم" اور تھے تم یعنی اوس وخزرج کے جماعتو! "علٰی شفا حفرة من النار" آگ کے کنویں کے کنارے پر تھے قریب تھا کہ تم اس میں گر پڑتے۔ سوائے کفر پر موت کے کوئی چیز اس میں گرنے سے مانع نہیں رہی تھی۔ "فانقذکم" پس تمہیں بچالیا اللہ نے "منھا" اس آگ سے ایمان کی وجہ سے۔ "کذلک یبین اللّٰه لکم آیٰته لعلکم تھتدون"

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کا کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں) پورے کامیاب ہوں گے۔

تفسیر: ۱۰۴ "ولتکن منکم امة" تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے۔ "من" یہ صلہ ہے تبعیضیہ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" یہاں بعض اوثان سے بچنا مراد نہیں بلکہ تمام اوثان سے اجتناب مراد ہے۔ "ولتکن" میں لام برائے امر کے لیے ہے۔ "یدعون الی الخیر" خیر سے مراد اسلام ہے۔

"ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون" طارق بن شہاب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے، اگر ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے روک دے اور اگر زبان سے نہ روک سکے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

عبدالرحمٰن اشہلی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا پھر تم اس کے دور ہونے کی دُعا کرو گے مگر تمہاری دُعا قبول نہیں ہوگی۔ قیس بن ابی حازم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! تم یہ آیت نہیں پڑھتے ہو "یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کر ان کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔

امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سستی کرنے والا اور حدود میں پڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کے بعد کوئی کشتی کے بالائی حصے میں اور کچھ نچلے درجہ میں سوار ہو گئے۔ نچلے درجہ والے پانی لے کر بالائی درجہ والوں کے پاس سے گزرتا ہے تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے اس لیے نیچے درجہ والوں نے کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے آکر کہا کہ یہ تم کیا کررہے ہو، اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی بچ جائیں گے اور اگر وہ سوراخ کرتے ہوئے چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

(ترجمہ) اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی اس روز (یعنی قیامت کے روز) کہ (جس میں) بعضے چہرے سفید (اور روشن) ہو جاویں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے سو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جاوے گا کیا تم (ہی) لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد تو اب سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے۔

ولاتکونوا کالذین تفرقوا کی مراد میں مفسرین کے مختلف اقوال

(تفسیر) ﴿١٠٥﴾ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ تم یہودیوں نصرانیوں کی طرح نہ ہو جانا (کہ جس طرح وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اسی طرح تم ہو جاؤ) بعض نے کہا کہ اس سے مراد مبتدعین کی جماعت ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے شام کے حروری مراد ہیں۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ میں بھی تھا جب ابوامامہ ان کے سامنے کھڑے تھے اور ارشاد فرمارہے تھے کہ یہ جہنم کے کتے ہیں، یہ پہلے مؤمن تھے اور اب یہ مرتد ہوگئے ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینات" سے لے کر "اکفرتم بعد ایمانکم" تک۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت کے درمیان میں ہو تو وہ جماعت کو لازم پکڑے، اس لیے کہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو شخصوں سے دور بھاگتا ہے۔ "واولئک لھم عذاب عظیم"

تبیض وجوہ وتسود وجوہ کی مختلف تفاسیر

(۱۱) یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ یوم منصوب ظرف ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی تلک یوم مفعول بہ محذوف ہے۔ "تبیض وجوہ المؤمنین وتسود وجوہ الکافرین" مؤمنین کے چہرے سفید اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ مؤمن مخلصین کے چہرے سفید اور منافقین کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے۔ "تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ" اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

کلبی ابی صالح سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر قوم کے معبود کو اٹھایا جائے گا جس کی وہ عبادت کرتے تھے ہر قوم اپنے اپنے معبود کو دیکھ کر اس کی طرف بھاگیں گے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "نولہ ماتولی" کہ ہم اس کو اسی راستے پر چلائیں گے جس پر وہ چلا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچ جائیں گے تو غمگین ہو جائیں گے، اس غم کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ باقی اہل قبلہ یہود ونصاریٰ رہ جائیں گے ان کے پاس اٹھانے والا کوئی معبود نہیں ہوگا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں گے اور سجدہ کریں گے جو شخص دُنیا میں اطاعت فرمانبرداری، ایمان خالص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ باقی اہل کتاب، منافقین رہ جائیں گے جو سجدہ کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے۔ مؤمنین کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی جب وہ سر اٹھائیں گے تو ان کے چہرے اولوں کی طرح سفید ہوں گے اور جب منافقین اور اہل کتاب نے مؤمنین کے سفید چہروں کو دیکھا تو ان کو بہت شدید غم لاحق ہوا جس کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے چہرے سیاہ ہوگئے ہم تو مشرکین میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے دیکھو ان کو کیسے اپنے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اہل معانی نے لکھا ہے کہ چہروں کی سفیدی اور چمک، ان کو خوشخبری اور ان کا سرور ان کے عمل کی وجہ سے ہے کہ اللہ ان کو قیامت کے دن ثواب عطا فرمائیں گے اور ان کے چہروں کی سیاہی، ان کے غم، شکستہ دل ہونے کی وجہ سے، اعمال کے برے ہونے اور اللہ

کے عذاب کی وجہ سے ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے۔ "للذین احسنوا الحسنٰی و زیادۃ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلۃ" جنہوں نے بھلائی کی ان کے لیے ہے اور بھلائی و زیادتی اور نہیں آئے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی اور دوسری آیت "والذین کسبوا السیئات جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ" اور جنہوں نے برے اعمال کیے تو ان کو برا بدلہ ملے گا اسی کے برابر اور رسوائی ان کو ڈھانپ لے گی اور فرمایا "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ ووجوہ یومئذ باسرۃ" کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے اس دن اُداس ہوں گے اور فرمایا "وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ" کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے ہنستے اور خوشیاں کرتے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر گرد و غبار پڑی ہوگی۔ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ "فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم" ان کو کہا جائے گا کہ کیا ایمان لانے کے بعد تم نے کفر کیا۔

سوال و جواب

"فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون" سوال یہ کیسے فرمایا کہ تم ایمان لانے کے بعد کیوں کافر ہوگئے؟ حالانکہ وہ تو ایمان لائے ہی نہیں۔ اس کا جواب دیا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کی یوں حکایت کی کہ یہاں ایمان سے مراد عہد الست والا وعدہ ہے۔ جب اللہ رب العزت نے پوچھا تھا "الست بربکم"...... "قالوا بلٰی" ابی کہتے ہیں کہ عبارت اس طرح ہوگی "اکفرتم بعد ایمانکم یوم المیثاق" اس عہد الست کے دن ایمان لانے کے بعد تم کافر ہوگئے ہو منکر ہوگئے ہو۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں کہ وہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے اور دل سے انکار کرتے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ وہ اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو کر کافر ہوگئے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کو اہل ایمان اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے، یعنی اہل قبلہ میں سے تھے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل بدعت ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض پر ہوں گا اور دیکھتا رہوں گا کہ کون کون میرے پاس آتا ہے، کچھ لوگ میرے سے پرے ہی پکڑ لیے جائیں گے میں کہوں گا اے رب! یہ تو میرے ہیں میری اُمت میں سے ہیں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ خدا کی قسم! یہ برابر اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے رہے۔

حارث اعور فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کو اپنے اہل و عیال سے جدا کیا جاتا ہے وہ اپنے اہل و عیال کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹتا جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ کرے جو جنت کو واجب کرنے والا ہو اور کسی شخص کو اپنے اہل و عیال سے جدا کیا جاتا ہے وہ اپنے اہل کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹتا جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ

کر لے جو جہنم کا موجب ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ" پھر آواز دی کہ یہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور کعبہ سے پھر گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان فتنوں سے پہلے عمل کر لو جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح چھا جائیں گے، صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر۔ شام کو کافر ہوگا اور صبح کو مؤمن۔ دین کو دنیا کے چند حقیر سامان کے عوض بیچ ڈالے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (یعنی جنت میں (داخل) ہوں گے۔ (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔

تفسیر ۱۰۷ "وما الذین ابیضت وجوھہم" جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہل طاعات والے ہیں۔ "ففی رحمة اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے جنت مراد ہے۔ "ھم فیھا خالدون"

۱۰۸ "تلک آیات اللّٰہ ...... وما اللّٰہ یرید ظلمًا للعلمین"

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سے سب مقدمات رجوع کئے جاویں گے۔ اے امت محمدیہ) تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت (عام) لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بری باتوں سے روکتے ہو اور (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب (بھی تمہاری طرح) ایمان لے آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا ان میں سے بعضے تو مسلمان ہیں اور زیادہ حصہ ان میں سے کافر ہیں۔

تفسیر ۱۰۹ "وللّٰہ ما فی .... ترجع الامور"......

شانِ نزول

۱۱۰ "کنتم خیر أمة اخرجت للناس"

عکرمہ اور مقاتل کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور سالم مولی ابی

حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ مالک بن صیف اور وہب بن یہودا یہ دو یہودی تھے، ان دونوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین افضل ہے جس کی تم تبلیغ کرتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کنتم خیر امۃ سے کون لوگ مراد ہیں؟

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "کنتم خیر اُمۃ اخرجت للنّاس" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

جویبر نے ضحاک کے حوالے سے روایت نقل کی کہ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو حدیث کے نقل کرنے اور تبلیغ کرنے اور آنے والے مسلمانوں کو ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "کنتم خیر اُمۃ" ہمارے اوّلین کے لیے ہے پچھلوں کے لیے نہیں ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میری اُمت کا بہترین زمانہ جو میرے ساتھ ملا ہوا ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ) پھر وہ زمانہ جو اس سے ملا ہوا ہے (تابعین کا زمانہ) پھر وہ زمانہ جو ان کے ساتھ ملا ہوا ہو (تبع تابعین کا زمانہ)۔ عمران فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو قرن کا ذکر فرمایا یا تین کا۔ پھر اس کے بعد ایسی قوم آئے گی جو خیانت کرنے والی ہوگی امانت دار نہیں ہوگی، وہ گواہی دیں گے لیکن وہ گواہی معتبر نہیں ہوگی اور وہ قسمیں اُٹھائیں گے لیکن ان کو پورا نہیں کریں گے ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

ابی سعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جیسا سونا خرچ کر دے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد صدقہ کرنے کے برابر بلکہ اس سے آدھا خرچ کرنے کے برابر نہیں پہنچے گا اور بعض نے کہا کہ تم سب مؤمن مل کر خرچ کرو تو صحابہ کی اس مقدار کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتے۔ "کنتم" سے مراد "انتم" ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واذکروا اذ کنتم قلیلاً" یاد کرو اس وقت کو جب تم بہت تھوڑے تھے اور دوسری جگہ فرمایا "واذکروا اذ انتم قلیل" اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں بہتر اُمت ہو۔

بعض نے کہا کہ "للناس" اصل ہے "خیر اُمۃ" کا۔ عبارت یوں ہوگی "انتم خیر اُمۃ للنّاس" لوگوں میں سے تم بہترین اُمت ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا معنی کرتے ہیں کہ لوگوں کے لیے سب لوگوں سے بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر لیتے ہو۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم اُمت محمدیہ مراد ہیں کہ جن کو اس کے بعد کوئی نبی قتال کا حکم نہیں کرے گا اور وہ ان سے قتال کریں گے اور ان کو اپنے دین میں داخل کر دیں گے وہ لوگوں میں بہترین اُمتی ہوں گے۔

بعض نے کہا کہ "للنّاس" صلہ ہے "اخرجت" کا۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس اُمت محمدیہ سے بہتر کوئی اُمت اللہ نے نہیں نکالی۔ بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "کنتم خیر اُمۃ اخرجت للنّاس" فرمایا کہ تم ستر اُمتوں کا تتمہ ہو اور تم سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اُمت ستر اُمتوں کے آخر میں آئی جو اللہ کے نزدیک بہترین اور عزت والی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش، معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

حضرت سعید بن المسیب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں داخلہ تمام انبیاء علیہم السلام پر حرام قرار دیا گیا یہاں تک کہ میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں اور تمام اُمتوں پر جنت کا داخلہ حرام قرار دیا گیا ہے جب تک کہ میری اُمت جنت میں نہ داخل ہو جائے۔ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور اسی (۸۰) میری اُمت کی ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا۔ "تامرون بالمعروف ...... منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون" فاسقون سے مراد کافر ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: وہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا خفیف سی اذیت اور اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) کسی کی طرف سے ان کی حمایت بھی نہ کی جاوے گی۔ جمادی گئی ان پر (خاص) بے قدری جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے اور مستحق ہو گئے (یہ لوگ) غضب الٰہی کے اور جمادی گئی ان پر پستی یہ (ذلت و غضب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (اور وہ خود ان کے نزدیک بھی ناحق) اور (نیز) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ (اطاعت سے) نکل نکل جاتے تھے۔

تفسیر ⑪ "لن یضروکم الا اذی" مقاتل فرماتے ہیں کہ جب سرداران یہود نے مسلمان اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلام اوران کے ساتھیوں کوتکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہا اے ایمان والو! یہ یہود آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے سوائے زبان سے اور سرکشی سے۔ بعض نے کہا کہ ان کے سامنے وہ کلمہ کفر کہہ کر ان کو اذیت دیتے۔ "وان یقاتلوکم یولوکم الادبار" وہ شکست کھا کر بھاگیں گے "ثم لا ینصرون" پھران کی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

⑫ "ضربت علیهم الذلة اینما ثقفوا" جہاں پر تم ان کو پاؤ۔ "الا بحبل من الله" جہاں بھی تم ان کو پاؤ ان کو کمزور کرو اور قتل کرو یا ان کو قید کرلو یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر اللہ کے عہد سے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ "وحبل من الناس" مسلمانوں کے عہد سے یا قبول جزیہ سے یا ان سے امان طلب کرنے سے یعنی وہ اس عہد سے ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہوجائے گی۔ "وباء و ابغضب من الله" یعنی مرنے کے بعد پھر لوٹ کر آئیں گے۔ "وضربت علیهم المسکنة ...... ذلک بما عصوا کانوا یعتدون"

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ⑬ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑭

ترجمہ: یہ (لوگ) سب برابر نہیں (بلکہ) ان (ہی) اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں۔

شان نزول

تفسیر ⑬ "لیسوا سواءً من اهل الکتاب اُمَّةٌ قائمةٌ"

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے، یہود کے سرداروں نے کہا کہ محمد پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں جو ہم سے برے ہیں، اگر اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرے کی طرف نہ جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امة قائمة کا مصداق

اس کی وجہ میں آئمہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں اختصار ہے تقدیری عبارت یوں ہے۔ "لیسوا سواء من اهل الکتاب اُمة قائمةٌ واخرئ غیر قائمة" اہل کتاب میں سے تمام لوگ برابر نہیں ہوسکتے

ان میں بعض "امة قائمة" کا مصداق ہیں اور دوسری غیر قائمہ کا مصداق۔ یہاں دونوں گروہوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ بعض نے کہا کہ "لیسوا سواء" میں کلام تمام ہو رہا ہے کیونکہ آگے دونوں فریقوں کا ذکر اس آیت میں بیان کیا گیا۔ "منهم المؤمنون واکثرهم الفاسقون" پھر فرمایا "لیسوا سواءً" یعنی مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہوسکتے۔ پھر آگے فاسقین کے وصف کو ذکر کر کے ارشاد فرمایا "لن یضروکم الا اذیً" پھر آگے مؤمنین کا وصف ذکر کیا "اُمّةٌ قائمةٌ"

بعض نے کہا کہ من اہل الکتاب یہ کلام کا پہلا حصہ ہے پھر دونوں فریقین کا تذکرہ کیا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ پھر فرمایا "من اهل الكتاب"۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو اللہ کے حکم سے صراط مستقیم پر قائم ہے) برابر نہیں ہوسکتے۔ "اُمّةٌ قائمةٌ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہدایت یافتہ اللہ کے حکم پر قائم رہنے والا نہ ہی اس کو ضائع کرنے والا اور نہ ہی اس کو چھوڑنے والا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اُمت عادلہ ہے۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرمانبردار اللہ کی کتاب اور ضوابط کا پابند رہنے والا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نماز میں کھڑے رہنے والا۔ بعض نے کہا اس سے مراد اُمت طریقت ہے۔ اس آیت کا معنی "ای ذووا امة" ذو طریقت کے معنی میں ہے۔

"یتلون آیات الله" قرآن کی آیات پڑھتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تابعداری کرتے ہیں۔ "آناء اللیل" رات کی چند گھڑیوں میں "اناءٌ" کا واحد "انی" ہے جیسے "نحی وانحاه" سے اسی طرح "انی" اور اناء ہے۔ مثل "معی وامعاه" اور "انی ... منًا" اور "امناء" کی طرح ہے۔ "وهم یسجدون" سجدہ سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت سجدہ میں نہیں کی جاتی بلکہ نماز کے قیام میں کی جاتی ہے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے مختلف معانی ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے قیام اللیل مراد ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ عطاء فرماتے ہیں "لیسوا سواء من اهل الكتاب اُمّة قائمةٌ" اس آیت سے مراد نجران کے چالیس اور حبشہ کے بتیس (۳۲) اور روم کے آٹھ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے پیروکار تھے۔ انہوں نے بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انصار کی ان سے دوستی تھی۔ انصار میں سے اسعد بن زرارہ، براء بن معرور، محمد بن سلمہ، ابو قیس بن صرمة بن انس یہ توحید پرست تھے۔ جنابت کا غسل کرتے تھے اور شریعت حنفیہ (ابراہیمی مذہب) سے واقف تھے اور یہ راتوں کو قیام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوگئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ان کی مدد کی۔

۱۱۴ "یؤمنون بالله والیوم الآخر ...... واولٰئک من الصالحین"

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں۔ جو لوگ کافر رہے ہرگز ان کے کام نہ آویں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرا بھی۔ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں۔ اس کی حالت اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہے جس میں تیز سردی ہو وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہے پس وہ اس کو برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہیں۔ اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ۔ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔ ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو

تفسیر: ⑮ "وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ" حمزہ، کسائی اور امام حفص رحمہم اللہ کے نزدیک "یفعلوا" ہے۔ اس صورت میں یہ امۃ قائمۃ کی خبر دینا مقصود ہے اور دوسرے قراء نے "تفعلوا" "تاء" کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں "کنتم خیر امۃ" پر عطف ہوگا۔ ابو عمرو نے دونوں قرأتیں تلاوت فرمائیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو نیکی تم کرو گے ہم اس کے ثواب کو گھٹائیں گے نہیں بلکہ تم اس پر شکر اختیار کرو اور اس پر تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ "واللہ علیم بالمتقین" متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔

⑯ "ان الذین کفروا لن تغنی عنهم ...... من اللہ شیئًا" ان کا مال فدیہ میں ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اولاد ان کی مدد و نصرت کے لیے دی جائے گی کہ ان کے ذریعے سے اللہ کے عذاب سے بچاؤ کا سامان کرو۔ ان دونوں کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کیونکہ انسان اپنے آپ سے مصیبت کبھی مال دے کر دور کرتا ہے اور کبھی اولاد کی مدد سے اس کو دور کرتا ہے۔ "و اولئک اصحاب النار هم فیها خالدون" آگ کے ساتھی اس وجہ سے کہا یا اس کے اہل ہیں، نہ یہ آگ سے نکل سکیں گے اور نہ ہی وہ اس سے جدا ہوں گے جیسے کہا جاتا ہے "کصاحب الرجل یفارقہ" فلاں کا ساتھی اس سے جدا ہو گیا۔

مثل ماینفقون کی مختلف تعریفیں

⑰ "مثل ما ینفقون فی هذه الحیوة الدنیا" نفقات سے مراد ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں کا جنگ بدر اور اُحد میں نفقہ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مال کا خرچ کرنا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ یہود کا اپنے علماء پر خرچ کرنے والا مال مراد ہے۔
مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار کے تمام نفقات وصدقات کا دُنیا کی غرض کے لیے خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ دکھاوے کا خرچ مراد ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو۔

"کمثل ریح فیھا صر" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سخت گرم اور ہلاک کردینے والی لُو کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا صر کے معنی آواز کے ہیں۔

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ایسی ہوا جس میں سخت سردی ہو۔ "اصابت حرث قوم" حرث کا معنی کھیتی ہے۔ "ظلموا انفسھم" اپنے نفسوں پر کفر اور نافرمانی کرکے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق سے روکا۔ "فاھلکتہ" اس آیت کا معنی ہے کفار کے مال خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جس طرح سرد ہوا یا جلا ڈالنے والی لُو ظالموں کی کھیتی کو تباہ وبرباد کردیتا ہے۔ اسی طرح کافروں کا مال خرچ کرنا تباہی اور بربادی کا موجب بنتا ہے نہ دُنیا میں اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ آخرت کے لیے ذخیرہ ہوتا ہے۔ "وما ظلمھم اللہ" اس وجہ سے اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ "ولکن انفسھم یظلمون" کفر اختیار کرکے اور نافرمانی کرکے اپنے نفسوں پر خود ظلم کیا۔

کافروں کے ساتھ میل جول رکھنے کا بیان اور آیات کا شانِ نزول

⑪ "یا یھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں کا یہود کے ساتھ میل جول اور باہمی دوستی تھی کیونکہ دونوں ہمسائے خرچ کرنے میں معاون، عہد وحلف میں ایک دوسرے کے مددگار اور رضاعت کے معاملے میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس میل جول سے فتنہ کے اندیشے کے باعث مسلمانوں کو منع فرمایا۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی جو منافقین کی طرف میل جول میں مائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کردیا۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا" سے مراد اولیاء واصفیاء جو تمہاری ملت کے علاوہ تھے۔ بطانۃ راز دار کو کہتے ہیں۔ اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جو پیٹ سے ملا ہوا ہو چونکہ یہ خفیہ امور پر مطلع ہوتا ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت نہی بیان فرمائی کہ کافروں کی طرح ان کو راز دان مت بناؤ۔ "لا یالونکم خبالا" یہ لوگ تمہارے اندر شر اور فساد پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے بلکہ شر اور فساد کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کریں گے۔ "خبال" شر اور فساد کو کہتے ہیں۔ "خبالا" منصوب ہے مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے۔ "یالو" یہ فعل متعدی ہے جو دو مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "ای بالخبال"

"ودوا ما عنتم" وہ پسند کرتے ہیں جو تم پر مشقت، تکلف میں پڑنا شر، ہلاکت کا ہونا آتا ہے۔ "قد بدت البغضاء" اس سے مراد بغض ہے وہ اپنی دشمنی ظاہر کردیتے ہیں۔ "من افواھھم" اپنے منہ سے گالی دینے کی صورت میں یا ایسی باتیں

کرنے کی صورت میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ بعض نے کہا کہ مشرکین کا مسلمانوں کے عیوب پر مطلع ہونا "وما تخفی صدورھم" اور وہ بغض جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے۔ آپ سے دشمنی اور غصے کی وجہ سے "اکبر" وہ ظاہری بغض سے بڑا ہے۔ "قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون"

هَآنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں مارے غیظ کے آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں

تفسیر: ⓫⓽ "ھاانتم" ھا تنبیہ انتم مذکر مخاطب سے کنایہ ہے "اولاء" اسم اشارہ ہے اس سے مراد مؤمنین کی جماعت۔ "تحبونھم" تم ان یہود سے محبت کرتے ہو جن سے تمہیں روکا گیا تھا ان اسباب کی وجہ سے جو زمانہ جاہلیت میں (ان کی آپس میں) قرابت، رضاعت اور مصاہرت تھی۔ "ولا یحبونکم" اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اختلاف دین کی وجہ سے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں جو مسلمانوں سے باہم دوستی کا دعویٰ کرتے تھے۔ ظاہراً ایمان لا کر اور مسلمانوں کو ان کے دلوں کا علم نہیں تھا۔ "وتؤمنون بالکتاب کلہ" ان کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ "واذا لقوکم قالوا آمنا واذا خلوا" جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ "عضوا علیکم الانامل من الغیظ" انگلیوں کے پوروں کو کاٹتے ہیں۔ انامل کی جمع "انملہ" آتی ہے میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ وہ غصہ کی وجہ سے جب وہ مؤمنین کو جمع دیکھتے ہیں۔ "عض الانامل" کنایہ ہے شدت غضب سے یہ ضرب المثل ہے۔ "قل موتوا بغیظکم" تم اپنے غصہ میں مرنے پر برقرار رہو۔ "ان اللہ علیم بذات الصدور" تمہارے دلوں کو جانتا ہے کہ خیر ہے یا شر۔

⓬⓪ "ان تمسسکم" مؤمنو اگر تمہیں پہنچتی ہے "حسنۃ" کوئی نیکی۔ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد کوئی آسانی مثلاً مال غنیمت تمہیں مل جائے تو وہ لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو بہت رنج پہنچتا ہے۔ "تسؤھم" تو وہ غمگین

ہو جاتے ہیں۔ "وان تصبکم سیئۃ" اگر تم پر کوئی برائی پڑ جاتی ہے مثلاً دشمن کو کچھ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یا تمہارے درمیان کوئی اختلاف واقع ہو جاتا ہے یا قحط پڑ جاتا ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو "یفرحوا بہا و ان تصبروا" وہ اس اذیت پر خوش ہوتے ہیں۔

"وتتقوا" اور تم اپنے رب سے ڈرتے رہو گے "لایضرکم" وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ "کیدھم شیئاً" ابن عامر، ابن کثیر، نافع، اہل بصرہ کے نزدیک یہ قرأت ہے۔ "لایضرکم" ضاد کے کسرہ کے ساتھ بغیر شد کے اس صورت میں "ضاد یضیر ضیراً" اس صورت میں مجزوم جواب جزاء ہے اور باقی قراء ضاد کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "ضَرَّ یَضُرُّ ضَرًّا" ...... "رَدَّ یَرُدُّ رَدًّا" کی طرح۔ اس کے مرفوع ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

❶ یہ اصل میں "یضررکم" تھا راء کو راء میں ادغام کیا اور پہلی راء کا ضمہ ضاد کو دیا اور راء پر ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

❷ "لایضرکم" میں لا بمعنی لیس کے ہے۔ اس صورت میں تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "وان تصبروا وتتقوا فلیس یضرکم کیدھم شیئاً" اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو اس کا مکر تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ "ان اللہ بما تعملون محیط" وہ جاننے والا ہے۔ "واذ غدوت .. .. واللہ سمیع علیم" (۱۲۱)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: اور جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کے لئے مقامات پر جمارہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب سن رہے تھے سب جان رہے تھے۔

تفسیر: ⑫١ "واذ غدوت .... مقاعد للقتال"

مقاعد للقتال کی مختلف تفاسیر

حسن بصری کے نزدیک اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ مقاتل کے ہاں احزاب کا دن مراد ہے۔ باقی تمام مفسرین کے نزدیک احد کا دن ہے۔ مجاہد، کلبی اور واقدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آئے اور پیدل چل کر احد تک پہنچے اور لڑائی کے لیے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کرنے لگے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ احد کیلئے نکلنا

محمد بن اسحاق سدی نے روایت کیا ہے کہ مشرکین احد کے مقام پر بدھ کے دن اترے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نزول کی اطلاع موصول ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا اور ابی بن عبداللہ سلول منافق کو بھی مشورہ کے لیے بلایا حالانکہ اس سے پہلے کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مشورے کے لیے نہیں بلایا۔ عبداللہ بن ابی اور اکثر انصار نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مدینہ میں ہی رہئے اس سے باہر نہ

نکلیں کیونکہ خدا کی قسم! ہم جب بھی دشمن سے قتال کے لیے باہر نکلتے ہیں تو دشمن ہم پر کامیاب رہا ہے اگر دشمن اندر آ کر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم اس پر کامیاب رہے ہیں اب جبکہ آپ ہم میں موجود ہیں ہم کو کیا ڈر ہے اگر مشرک جہاں ہیں وہیں قیام پذیر رہیں گے وہ ان کے قیام کے لیے بری جگہ ہے اور اگر وہ شہر کے اندر گھس جائیں گے تو ہمارے مردان کے سامنے لڑیں گے، بچے اور عورتیں اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر لوٹ کر چلے جائیں گے تو ناکام لوٹیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کتوں کی طرف نکل کر چلنا چاہیے تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے جس کی تاویل بھلائی کے ساتھ ہے اور میں نے تلوار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی ہے میرے نزدیک اس کی تعبیر شکست ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا اس کی تعبیر میں نے وہی مدینہ میں داخلہ یا قیام پس اگر مدینہ میں ہی قیام رکھنے کی تمہاری رائے ہو آپ کو یہی پسند تھی کہ دشمن مدینہ کے اندر آ جائیں گے اور گلیوں میں ان سے لڑائی ہو۔ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو بدر سے رہ گئے تھے اللہ نے احد کے دن ان کو شہادت سے بھی سرفراز کر دیا۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پسند کرتے ہیں کہ ان کی طرف جہاد کرنے کے لیے نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور جنگی لباس پہن کر نکلے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی لباس پہن لیا تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ نہ دیتے بلکہ وحی کا انتظار کرتے، کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رائے ہے اس پر کر گزریے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن کر بغیر لڑائی کے اُتار دے۔ مشرکین نے احد کے میدان میں بدھ اور جمعرات کو قیام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز کے بعد ایک انصاری صحابی کی نماز جنازہ پڑھ کر روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں صبح کی نصف شوال ۳ ہجری میں احد میں قیام کیا اور اسی دن جنگ ہوئی۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ غدوت من اھلک تبوی" سے مراد مؤمنین کا احد میں اُترنا ہے۔ مقاعد للقتال قتال کی جگہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بوات القوم اذا وطنتھم" جب قوم کسی جگہ پڑاؤ کرے اور تبوؤا ہم کہتے ہیں جب وہ کسی مکان کو روندیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق" اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور دوسری جگہ فرمایا۔ "ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا" اس سے مراد جنگی مشق کی جگہ ہے۔ "واللہ سمیع علیم"

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ
يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ

مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: جب تم میں سے دو جماعتوں (بنی سلمہ و بنی حارثہ) نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔ اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکر گزار رہو (یہ نصرت اس وقت ہوئی) جبکہ آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو (آسمان سے) اتارے جاویں گے۔ ہاں کیوں نہیں (کافی ہوگا) اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے (بھی) آ پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرماوے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔

تفسیر: ۱۲۲ "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا" وہ بزدل کمزور اور پیچھے رہنے والے تھے۔ طائفتان سے مراد خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ ہیں۔ یہ جنگ کے دو بازو تھے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف ایک ہزار افراد کا لشکر لے کر نکلے۔ بعض نے کہا کہ نو سو پچاس افراد کا لشکر لے کر نکلے۔ جب وہ مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی ایک تہائی لوگوں کو لے کر واپس لوٹا جس کی تعداد تین سو تھی۔ یہ کہتے ہوئے لوٹا کہ ہم کیوں اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو قتل کریں۔ ابو جابر سلمی اس کے پیچھے گیا اور کہا میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جانوں کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ لوٹ کر نہ جاؤ۔ عبداللہ بن ابی بولا اگر ہم جانتے ہوئے کہ یہ قتال ہے تو ہم آپ کی پیروی کرتے۔ بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان کو محفوظ کر لیا اور وہ نہیں لوٹے۔ اللہ نے اپنی یہی نعمت عظمیٰ ان کو یاد دلائی اور فرمایا "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا" ......"والله وليهما" اس کا مددگار اور ان کا محافظ "وعلى الله فليتوكل المؤمنون" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما" بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "والله وليهما" فرمایا تو ہم کو گزشتہ ارادہ فرار سے اتنی خوشی ہے کہ ہم بھاگنے کا ارادہ نہ کرتے تو اتنی مسرت نہ ہوتی۔

بدر کی تفسیر اور مختلف اقوال

۱۲۳ "ولقد نصركم الله ببدر" بدر یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جگہ کا نام ہے۔ یہی اکثر مفسرین کے نزدیک ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک کنویں کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ بدر نام کے ایک شخص کا کنواں ہے۔ اس آیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے ان پر نصرت کر کے احسان کیا جبکہ "وانتم اذلة" جمع ہے ذلیل کی۔ قلت عدد کو ذکر کیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جنگ میں تین سو تیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قلت تعداد کے باوجود بھی ان کی مدد فرمائی۔ "فاتقوا الله لعلكم تشكرون"

۱۲۴ "اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم" اس آیت کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی۔ "فاستجاب ربکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ" پھر اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے بعد پھر پانچ ہزار کر دیے۔ "بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین"

غزوہ بدر میں نصرت خداوندگی

۱۲۵ "بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ... مسومین" انہوں نے بدر میں صبر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کی جیسا کہ وعدہ کیا تھا۔ حسن فرماتے ہیں بس یہی پانچ ہزار قیامت کے دن تک مسلمانوں کے لیے پشت پناہ رہیں گے۔ ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کہ بدر کے علاوہ فرشتوں نے کسی معرکے میں جنگ نہیں کی اور جنگوں میں انہوں نے شمولیت اختیار کی لیکن قتال نہیں کیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب احد کے دن لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کے پاس سعد بن مالک باقی رہے جو تیر پھینک رہے تھے اور ایک جوان میرے پاس موجود تھا۔ جب میں تیر پھینکتا تو وہ مجھے تیر پکڑا دیتا یا میری کمان میں تیر ڈال دیتا اور وہ کہتا ارم دو مرتبہ کہا جب معرکہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس شخص کے متعلق پوچھا تو کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد میں دیکھا کہ دو سفید پوش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت شدت سے لڑ رہے تھے۔ اس طرح لڑتے ہوئے میں نے نہ کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ انہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو اشخاص کو دیکھا جو سفید پوش تھے نہ اس سے پہلے اتنا زیادہ کوئی لڑتا ہوا دیکھا نہ اس کے بعد وہ دونوں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام تھے۔

شعبی کا بیان ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الن یکفیکم ان یمدکم" الی قولہ "مسومین" کرز کو شکست ملی اور وہ واپس لوٹ آیا۔ اس کی کسی نے مدد نہیں کی۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بدر کے دن وعدہ کیا کہ اگر تم طاعت پر صبر کرو گے اور حرام کردہ اشیاء سے بچو گے تو اسی طرح تمام جنگوں میں تمہاری مدد کی جائے گی۔ انہوں نے صبر نہیں کیا مگر جنگ احزاب کے موقع پر جب بنو قریظہ اور بنو نضیر نے ان کا محاصرہ کیا تھا۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بنی قریظہ اور بنو نضیر کا محاصرہ کیے رہے لیکن فتح حاصل نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی منگوا کر اپنا سر مبارک دھو رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا کہ تم لوگوں نے ہتھیار کھول دیے اور ملائکہ نے ابھی تک اپنا اسلحہ نہیں اتارا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک کپڑا منگوا کر سر سے لپیٹا سر نہیں دھویا، پھر ہم کو جمع کرنے کے لیے منادی کرائی، ہم فوراً تیار ہو گئے اور قریظہ و نضیر کی بستیوں پر جا پہنچے۔ اس روز تین ہزار ملائکہ نے ہماری مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آسانی سے فتح نصیب فرمائی۔

ضحاک اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ احد ہی کا دن تھا جس دن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ کیا تھا کہ ہم صبر کریں

گے اگر ہم صبر نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد بھی نہ فرماتے۔ "اَن یمدکم ربکم" امداد لشکر کی مدد کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو کسی کی طرف سے قوت اور امداد کے لیے آئے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "أمده امدادًا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "والبحر یمده" بعض نے کہا کہ مُدّ خیر اور شر دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس پر دلالت کرتا ہے "ویمدهم فی طغیانهم" ... "ونمد له من العذاب مدًّا" یہاں دونوں جگہوں پر شر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خیر کے لیے یہاں استعمال ہوا "انی ممدکم بالف من الملائکة منزلین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وأمددناکم باموال وبنین" تیسری جگہ ارشاد فرمایا "بثلاثة الاف من الملائکة منزلین" ابن عامر نے زاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جو تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے اس فرمان میں "ولو اننا نزّلنا الیهم الملائکة" اور دوسرے حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لولا انزل علینا الملائکة" اور دوسری جگہ "وانزل جنودًا لم تروها" ہے۔ پھر فرمایا "بلیٰ" بلکہ ہم تمہاری مدد کریں گے "ان تصبروا" اگر تم اس پر صبر کرو گے دشمن کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء سے "وتتقوا" اپنے نبی کی مخالفت سے بچو "ویاتوکم" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ "من فورهم هذا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے وہ تم سے لڑنے آئیں گے۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے غضب کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ضرور آئیں گے کہ ان مشرکین کو بدر کا غصہ ہے۔ "یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة" پانچ ہزار فرشتے آئے ہیں البتہ تین ہزار فرشتے آئے اور ان کے ساتھ پانچ ہزار کا وعدہ کیا۔

"مسوّمین" اس سے مراد نشان زدہ ہوتا ہے۔

مسوّمین کی مختلف قرأتیں اور تفاسیر

ابن کثیر ابو عمرو اور عاصم نے واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات کسرہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو نشان زدہ کر دیا اور جو حضرات فتحہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو نشان زدہ کر دیا۔ تسویم کا معنی ہے نشاندار ہونا اور مسومۃ علامت کو کہتے ہیں۔ اس علامت میں آئمہ کے مختلف قول ہیں۔ عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ "ملائکۃ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ان کے عمامے سفید تھے جن کی دُمیں دونوں شانوں کے درمیان انہوں نے چھوڑ رکھی تھیں۔

ہشام بن عروہ اور کلبی نے کہا کہ ان کے عمامے زرد تھے جو شانوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ نے کہا فرشتوں نے (اپنے) گھوڑوں کی پیشانیوں اور دُموں میں اون کا نشان لگا دیا تھا۔ روایت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم اپنا نشان لگالو کیونکہ ملائکہ نے سفید اون کے نشان اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں لگالیے ہیں۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے (اس کی) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہوجائے اور نصرت (واقع میں) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم بھی ہیں تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو (جان سے) ہلاک کردے یا ان کو ذلیل وخوار کردے پھر وہ ناکام لوٹ جاویں آپ کو (خود) کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو (رحمت سے) متوجہ ہوجاویں۔ اور یا ان کو (دنیا ہی میں) کوئی سزا دیں کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کررہے ہیں۔

تفسیر ⑯ "وما جعله اللّٰه" یہ وعدہ اور مدد اس لیے کی "الا بشریٰ لکم" تاکہ تمہارے لیے خوشخبری ہو "ولتطمئن" اور تم مطمئن ہو سکون قلب حاصل ہو۔ "قلوبکم بہ" تمہارے دلوں میں خوف نہ ہو دشمنوں کی تعداد کی زیادتی اور اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے۔

"وما النصر الامن عند اللّٰه العزیز الحکیم" فتح تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ ملائکہ کی کثرت اور کثیر لشکر وساز وسامان سے۔ لہٰذا تم اسی سے مدد طلب کرو اور اسی پر توکل اختیار کرو اس لیے کہ عزت اور حکومت اسی کی طرف سے ہے۔

⑰ "لیقطع طرفا من الذین کفروا" اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تاکہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے۔ سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدد اس لیے کی تاکہ شرک کے ستونوں میں سے ایک رُکن کو مٹادیں ان کے قتل اور قید کرنے کے ذریعے۔ چنانچہ بدر میں کافروں کے ستر کمانڈر اور سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور جنہوں نے اس آیت کو احد کے ساتھ متعلق کیا ہے۔ اس نے کہا کہ احد میں کافروں کے سولہ سردار مارے گئے تھے اور شروع میں فتح مسلمانوں کو ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی تو فتح شکست کی صورت میں بدل گئی۔ "او یکبتھم" کلبی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے پچھاڑ دینا۔ یمان فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ ان کے چہرے کو پھیر دیا۔ سدی فرماتے ہیں کہ ان پر لعنت فرمائی ہے۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ معنی ہے ہلاک کیا۔ بعض نے کہا رسوا کرنا سکوت بھی اسی سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کو غم کافی کیا اور ان کو غصہ کے ساتھ لوٹا دیا۔ بعض نے کہا کہ ذلیل کرکے لوٹا دیا۔ "فینقلبوا خائبین" جس اُمید پر وہ آئے تھے اس اُمید کے بغیر وہ واپس لوٹ گئے (یعنی ناکامی اور نامرادی کو لے کر)

⑱ "لیس لک من الامر شیءٌ"

لیس لک من الامر شیٔ کاشان نزول

اس آیت کے شان نزول میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول "بئر معونہ" کے صحابہ پر ہوا اور وہ ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد سے چار ماہ بعد ۴ ہجری صفر کے ماہ میں ستر قراء کو ان کی طرف بھیجا تا کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے امیر منذر بن عمرو تھے مگر عامر بن طفیل نے ان سب قراء کو شہید کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنج اور دُکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ان قبائل والوں کے لیے بددُعا کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیٔ"

سالم اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب آپ علیہ السلام فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اُٹھاتے تھے تو یہ فرماتے "اللھم العن فلانا، فلانا، فلانا" کہ اے اللہ فلاں، فلاں، فلاں پر لعنت فرما۔ یہ "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد ارشاد فرماتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون" اور ایک قوم نے کہا کہ یہ احد کے دن کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رباعیہ دانت شہید ہوئے اور سر مبارک میں زخم پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہہ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح و کامیاب ہوگی جو اپنے نبی کو زخمی کریں اور دانت کو زخمی کر دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا فرما رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیٔ"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ارشاد فرمایا اے اللہ! لعنت فرما حارث بن ہشام پر، اے اللہ! لعنت فرما صفوان بن اُمیہ پر، اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت ہی اچھا تھا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے مسلمانوں کے ناک، کان اور آلات تناسل کاٹ کر سب کو مثلہ بنا دیا تو کہنے لگے اگر اللہ نے ہم کو ان پر غلبہ عنایت کیا تو جیسا انہوں نے کیا ہے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اسی طرح مثلہ بنائیں گے کہ کسی عرب نے کسی کے ساتھ ایسا نہ کیا ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مکمل استیصال (جڑ سے اکھاڑ دینے) کا ارادہ کر لیا تھا اور ان کے تباہ ہو جانے کی بددعا دینے کا ارادہ کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ "لیس لک من الامر" کا معنی ہے "لیس الیک" آپ کی طرف اس کا کوئی اختیار نہیں۔ جیسے اس آیت میں "ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان" اس سے مراد الی الایمان ہے۔ "او یتوب علیھم" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جب تک وہ

توبہ نہ کرلیں او یا تو حتیٰ کے معنی میں ہے یا الا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا ان لوگوں کو عذاب دینا یا نہ دینا کوئی بات آپ کے اختیار میں نہیں یہاں تک کہ اللہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یا ان پر رحم فرمائے گا اور تم کو اس پر خوشی ہوگی یا ان کو عذاب دے گا اور اس سے تم کو تسکین حاصل ہوگی۔ "لیقطع طرفاً" اور "ولیس لک من الامر شیءٌ" یہ دونوں جملوں کے درمیان کلمہ معترضہ ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور سب کو چاہیں بخش دیں (یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور جس کو چاہیں عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے (اور) بڑی رحمت کرنے والے ہیں اے ایمان والو! سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے) کئی حصے زائد (کرکے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ

تفسیر: ۱۲۹ "وللّٰہ مافی السمٰوات ..... واللّٰہ غفور رحیم"

۱۳۰ ..... "یا یھا الذین اٰمنوا ..... مضاعفة" یہ اس وجہ سے ایسا کرتے تھے کہ ہماری زندگی طویل ہے اور قرض کے مال کی زیادتی ہو اور اس کی ادائیگی میں خوب تاخیر ہو۔ "واتقوا اللّٰہ" سود کھانے سے ڈرو۔ "لعلکم تفلحون"

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور اس آگ سے ڈرو جو (اصل) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے (قیامت میں) اور دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور طرف جنت کی جس کی وسعت ایسی (تو) ہے (ہی) جیسے سب آسمان اور زمین وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے (نہیں اعلیٰ درجہ کے مسلمان) ایسے لوگ (ہیں) جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں (بھی) اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

تفسیر: ۱۳۱ "واتقوا النار التی اعدت للکافرین" پھر اللہ تعالیٰ ان کو خوف دلاتا ہے اور فرماتا ہے۔

۱۳۲ "واطیعوا اللّٰہ والرسول لعلکم ترحمون" تاکہ تم رحم کرو۔

۱۳۳ "وسارعوا" قراء اہل شام و مدینہ والوں نے "سارع" بغیر واؤ کے پڑھا ہے "الٰی مغفرة من ربکم" اپنے اعمال میں سبقت کرو اور آگے بڑھو جو مغفرت کو واجب کرنے والا اعمال ہوں۔

سابقوا الی مغفرۃ کی مختلف تفاسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسلام لانے میں سبقت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ توبہ کی طرف سبقت کرو۔ یہی عکرمہ کا قول ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فرائض کے ادا کرنے میں سبقت کرو۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں ہجرت کی طرف سبقت کرو۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جہاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرو۔ "وجنۃ" اور باغ کی طرف۔ "عرضھا السماوات والارض" اس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جیسا کہ سورۃ حدید میں مذکور ہے۔ "وجنۃ عرضھا کعرض السماء والارض" ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یعنی اس میں وہ سما سکتی ہے۔ یہاں پر طول کو ذکر نہیں کیا بلکہ چوڑائی کو ذکر کیا مبالغہ کے طور پر کیونکہ ہر چیز کی لمبائی ہوتی ہے یہاں پر عرض کو ذکر کرکے اس طرف اشارہ کیا کہ جب عرض کا یہ حال ہے تو طول کا کیا حال ہوگا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہاں عرض کو ذکر کیا اس کی لمبائی صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ ایک مثال ذکر فرمائی ہے نہ کہ واقعتاً وہ آسمان و زمین کے برابر ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

"کعرض السموات والارضین السبع عند ظنکم" (عوام کے خیال میں سب سے زیادہ وسیع آسمان و زمین ہے اس لیے آیت مبارکہ میں آسمان و زمین کی وسعت سے جنت کی وسعت کو تشبیہ دے کر بیان کیا جس طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "خالدین فیھا ما دامت السموٰت والارض" میں جنت کے اندر دوام مخلوق کو بقاء ارض وسماء کی مدت سے تشبیہ دی۔ یہ انسانوں کے خیال کے مطابق تشبیہ دی حالانکہ زمین و آسمان دونوں فنا ہونے والے ہیں، ہمیشہ قائم نہیں رہیں گے۔

طارق شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے کچھ لوگوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم اس آیت کو نہیں دیکھتے "وَجَنَّۃٍ عرضھا السموٰت والارض" آگ کہاں ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا تمہارے پاس جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ اور جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ وہ کہنے لگے یہ مثال تو تورات میں بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ چاہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وفی السماء رزقکم وما توعدون" اور آسمان میں تمہارے لیے رزق ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا۔ اگر جنت آسمان میں ہے تو پھر اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ جنت میں ایک دروازے کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں ہے؟ فرمایا کس زمین و آسمان میں جنت کی سمائی ہو سکتی ہے۔ دریافت کیا گیا پھر کہاں ہے؟ فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ قتادہ

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ خیال کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ "اُعدت للمتقین"

● "الذین ینفقون فی السراء والضراء" آسانی اور تنگی میں۔ مؤمنین کے پہلے اوصاف جو جنت کو واجب کردیتے ہیں وہ سخاوت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سخی اللہ کے قریب ہے جنت کے قریب ہے لوگوں کے قریب ہے اور آگ سے بعید ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور، آگ کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ کے ہاں محبوب ہے عابد بخیل سے۔ "والکاظمین الغیظ" بھربھر کر غصہ آنے کے باوجود اپنے نفس کو روکنے والا کظم کہا جاتا ہے کسی چیز کو روکنا اس کے بھرپور ہونے کے بعد "کظم الغیظ" کہا جاتا ہے غصہ کی وجہ سے انسان کو بھرپور ہو جانا پھر اس کو روک لینا اور اس کو ظاہر نہ کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین" اس آنے والے دن سے جس وقت کلیجے دل کو پہنچیں گے۔

معاذ بن انس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے غصہ کو قابو میں رکھے گا حالانکہ وہ غصہ نکالنے پر اس کو قدرت حاصل تھی کہ وہ اپنے غصہ کو نافذ کردے (لیکن اس نے نافذ نہیں کیا) اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لے لے۔ "والعافین عن الناس" کلبی فرماتے ہیں کہ اپنے غلاموں سے بے ادبی کرنے کی وجہ سے درگزر فرمانا۔ زید بن اسلم اور مقاتل فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے درگزر کرے جس نے ان کے ساتھ ظلم کیا اور ان کے ساتھ برا کیا۔ "واللہ یحب المحسنین" سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرنا جبکہ احسان کے بدلے میں احسان کرنا تجارت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور (بعضے) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اور (واقعی) اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور (وہ لوگ) اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

والذین اذا فعلوا فاحشۃ کا شان نزول

تفسیر: ● "والذین اذا فعلوا فاحشۃ" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مؤمنین مسلمین نے کہا کہ اے اللہ کے رسول

ہم سے بنی اسرائیل ہی اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی رات کو گناہ کر لیتا تو وہ گناہ صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر اس کا کفارہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اپنا ناک یا کان کاٹ ڈال یا ایسا کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت تیہان تمار کے متعلق نازل ہوئی جس کی کنیت ابو معبد تھی۔ اس کے پاس ایک خوبصورت عورت آئی، یہ شخص کھجوروں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس عورت کو صحابی نے کہا کہ اندر کمرے میں جید کھجوریں پڑی ہیں۔ چنانچہ اس عورت کو لے کر وہ اپنے گھر گئے اور ان کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور بوسا دیا۔ عورت نے کہا اللہ سے ڈر، تیہان نے فوراً اس کو چھوڑ دیا اور اس حرکت پر پشیمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا ثقیف کا تھا۔ ثقفی ایک مرتبہ جہاد پر گیا اور انصاری کو اپنے گھر کا نگران بنا لیا۔ ایک روز انصاری نے ثقفی کے گھر والوں کے لیے گوشت خریدا اور ثقفی کی بیوی نے جب انصاری سے گوشت لینا چاہا تو وہ عورت کے پیچھے پیچھے گھر آ گیا اور اس کے ہاتھ کو چوم لیا، پھر اس کو پشیمانی ہوئی اور واپس لوٹ آیا مگر خاک سر پر اڑاتا ہوا سرگرداں ہو کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ ثقفی جب لوٹ کر آیا اور انصاری استقبال کے لیے نہیں آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال پوچھا عورت نے کہا ایسے بھائیوں کی تعداد خدا زیادہ نہ کرے اور پوری حالت بیان کر دی۔ اُدھر انصاری پہاڑوں اور جنگل میں گھومتا توبہ واستغفار کرتا پھر رہا تھا۔ ثقفی نے ان کی تلاش کی اور جب مل گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا تاکہ کوئی سکون اور کشائش کا راستہ آپ کے پاس مل جائے۔ انصاری نے قصہ عرض کر دیا اور کہا کہ میں تباہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرا برا ہو، کیا تجھے معلوم نہیں کہ غازی کے سلسلے میں اللہ اتنی غیرت رکھتا ہے اتنی مقیم کے لیے نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے مگر آپ نے بھی شیخین جیسا جواب دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "والذین اذا فعلوا فاحشة" ایسی برائی جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والی ہو۔ فحش کا اصل قبح ہے اور حدود سے نکلنا جابر نے فرمایا کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے۔

"او ظلموا انفسهم" ظلم سے مراد زنا سے کم والا گناہ۔ بوسہ معانقہ، دیکھنا اور چھونا ہے۔ مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ فاحشہ زنا سے کم درجہ کا گناہ ہے۔ بوسہ دینا یا چھونا یا اس کو دیکھنا یا ایسا فعل جو اس کے لیے حلال نہیں یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا نافرمانی کر کے۔

بعض نے کہا کہ کبائر کا ارتکاب کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا چھوٹے گناہ کر کے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے فاحشہ کا ارتکاب کیا قولاً اور اپنی جانوں پر ظلم کیا عملاً۔ "ذکروا اللہ" یاد کرو اللہ کی وعید کو کہ اللہ ان سے ضرور پوچھے گا۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ گناہ کے وقت اللہ کا ذکر زبان سے کرو۔ "فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا اللہ" یا اللہ کے علاوہ کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ "ولم یصروا علی ما فعلوا" اپنے گناہوں پر قائم نہ رہو اور نہ ہی ان پر ڈٹے رہو بلکہ توبہ،

اللہ کی طرف رجوع اور استغفار کرو۔ اصرار کا معنی ہے کسی چیز کا ثابت قدم رہنا۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بندہ جان کر گناہ کرلے اور اس پر اصرار بھی کرے تو وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصرار خاموشی اور استغفار کو ترک کرنا ہے۔

واقد عمری ابی النصیرہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں مولی ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ دن میں لوٹ لوٹ کر ستر بار گناہ کیا ہو۔

"وھم یعلمون" ابن عباس، حسن، مقاتل، کلبی فرماتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ گناہ کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ گناہوں پر اصرار نقصان دہ ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ گناہوں کو بخشنے کا مالک ہے۔ حسن بن فضل فرماتے ہیں وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے عفو سے بڑے نہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ استغفار طلب کریں تو ان کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿﴾

(ترجمہ) ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور (بہشت کے) ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی یہ ہمیشہ (ہمیشہ) ان ہی میں رہیں گے اور (یہ) اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا۔ بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق کے (لوگ) گزر چکے ہیں۔ تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کیا اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیا ہوا۔ یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

(تفسیر) ﴿﴾ "اولئک جزاؤھم ...... ونعم اجر العاملین" سے مراد اطاعت گزار بندے ہیں۔ اسماء بن حکم فزاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں جب کسی انسان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے متعلق سنتا جس سے اللہ چاہتا مجھ کو نفع دیتا تو وہ مجھ کو نفع دیتا اور جب صحابہ میں سے کوئی میرے سامنے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اٹھواتا۔ جب وہ قسم اٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرلیتا۔ مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی بندہ مومن گناہ کرتا ہے پھر وہ اچھی طرح طہارت حاصل کرتا ہے۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، پھر وہ اللہ سے استغفار طلب

کرتا ہے تو اللہ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوعیسیٰ نے قتیبہ سے اور انہوں نے ابوعوانہ سے اور زیادہ کیا پھر پڑھا "والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا أنفسہم"

عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی بندے نے گناہ کیا اور کہا اے میرے رب! مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے تو اسے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، کچھ دنوں کے بعد اس شخص نے پھر ایک گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار مجھ سے ایک اور گناہ ہو گیا تو معاف کر دے۔ اللہ نے فرمایا میرا بندہ واقف ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا، کچھ وقت کے بعد بندہ نے ایک اور گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار تو معاف فرما دے اللہ نے فرمایا میرا بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخشا اب وہ جو کچھ چاہے کرے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابن آدم! بے شک میں نے تجھے بخش دیا جو تو نے مجھ سے مانگا اور جو تو نے مجھ سے اُمید کی۔ اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے گناہ زمین بھرنے کے برابر ہوں تو میں تجھ سے اس حال میں ملوں گا کہ تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا اس شرط پر کہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔ اے ابن آدم اگر تو گناہ کرے یہاں تک کہ تمہارے گناہ آسمان کے کناروں کے برابر بھی ہوں تو تم مجھ سے گناہ کی بخشش مانگو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے مغفرت معاصی پر قادر جانتا ہے۔ میں اس کو بخش دیتا ہوں اور اس کے گناہوں کی کثرت کی پروا نہیں کرتا جب کہ اس نے کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا۔ "والذین اذا فعلوا فاحشۃ" آخر آیت تک۔

⓻ قد خلت من قبلکم سنن "عطاء سے مراد شرائع اسلام ہیں۔ کلبی فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے اللہ کی طرف سے ایک طریقہ اور راستہ رہا ہے جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس پر چلے اللہ ان سے راضی ہوا۔ مجاہد نے کہا کہ تم سے پہلے بھی قومیں ہلاک ہوئیں جنہوں نے تم سے پہلے انبیاء کی تکذیب کی۔ بعض نے کہا کہ سنن سے مراد اُمتیں ہیں اور سنت سے مراد اُمت ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے

ماعاین الناس من فضل کفضلکم ولا راو امثلکم فی سالف السنن

لوگوں نے ان کے فضل جیسا کوئی فضل اور ان کی طرح کوئی قوم گزشتہ اقوام میں نہیں دیکھی۔ بعض نے کہا کہ سنن سے مراد اہل سنن ہیں۔ سنت اس طریقہ کو کہا جاتا ہے جو خیر یا شر کی پیروی کرے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اور برا طریقہ ایجاد کیا۔ جب کوئی شخص ایسا عمل کرے گا جس سے اس کی اقتداء یعنی پیروی کی جائے خیر ہو یا شر۔ آیت کا معنی یہ ہوگا

کہ تم سے پہلے خیر و شر کے بہت طریقے یا بہت طریقوں والے گزر گئے تم ملک میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تکذیب خبر کا نتیجہ کیسے ہوا اور جھٹلانے والوں کا انجام کیسے ہوا۔ "فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین" ان جھٹلانے والوں کو عنقریب جلد دیں گے اور یہ جلد جنگ اُحد میں ہوا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ہم ان کو مہلت دیتے ہیں تا کہ یا اپنے انجام کار تک پہنچ جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہو اور ان کے مددگاروں کی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی صورت میں۔

● "ھذا" یہ قرآن "بیان للناس" تمام لوگوں کے لیے "وھدی" گمراہی سے ہدایت ہے "موعظة للمتقین" خاص طور پر پرہیزگاروں کے لیے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ● اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ●

ترجمہ اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور (آخر) کو غالب تم ہی رہو گے۔ اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم (صدمہ) پہنچ جاوے (جیسا احد میں ہوا) تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان اولتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور (دوسری حکمت یہ ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں۔ اور تیسری حکمت یہ ہے کہ) تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

تفسیر ● "ولا تھنوا ولا تحزنوا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد پر اُبھارنا مقصود ہے اور صبر کی تعلیم دینا ہے کہ اُحد کے دن جو آپ کو مصائب اور تکالیف پہنچیں ان پر صبر کریں۔ "ولا تھنوا" کا مطلب یہ ہے کہ تم کمزور مت ہو اپنے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بزدل مت ہو جو مصیبت تم کو پہنچی ہے اس کے بدلے میں اُحد کی لڑائی میں پانچ مہاجر حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر اور ستر انصاری (رضی اللہ عنہم) شہید ہوئے۔ "ولا تحزنوا" اور جو تم سے چھن گیا اس پر غمگین نہ ہوں۔ "وانتم الاعلون" تمہیں بلندی عطا کی جائے گی مدد و نصرت کے ساتھ اور اپنے دشمنوں پر کامیابی کے ساتھ۔ "ان کنتم مؤمنین" اس لیے کہ تم ایمان والے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ گھاٹی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکست ہوگئی۔ خالد بن ولید مشرکوں کا سوار دستہ ساتھ لے کر یہاں سے چڑھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی، اے اللہ! یہ ہمارے اوپر نہ آئیں ہم کو تیرے سوا کسی اور کو قوت حاصل نہیں۔ مسلمان تیر اندازوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور انہوں نے رات وہیں گزاری تھی۔ اس گروہ نے مشرکوں کی فوج کو تیروں کا نشانہ بنایا اور ان کو شکست دی۔ "وانتم الاعلون" کا مصداق یہی ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو زخمی ہونے کی تکلیف ہوئی لیکن باوجود زخمی ہو جانے کے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو دشمن کے پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم مسلمانوں پر گراں گزرا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر اللہ کا یہ فرمان دلیل ہے "ولا تھنوا فی ابتغاء القوم"

⑭ "ان یمسسکم قرحٌ" حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے قاف کے ضمہ کے ساتھ "قُرحٌ" پڑھا ہے بمعنی "حیث جاء" کے ہے۔ یعنی جہاں سے بھی آئے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے جیسا کہ "جُھد" اور "جَھد" ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ایک ہی معنی ہے۔ فراء فرماتے ہیں کہ اگر قاف کے فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ زخم کا نام ہے اور اگر ضمہ کے ساتھ زخم کے درد کو کہتے ہیں۔ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے جب وہ غزوہ اُحد سے شکستہ دل اور غمگین ہو کر لوٹے۔ اللہ تعالیٰ اس پر فرماتے ہیں "ان یمسسکم قرحٌ" اس سے مراد اُحد کا دن ہے۔ "فقد مس القوم قرح مثلہ" اس سے پہلے تمہیں بدر میں وہ زخم پہنچ چکے تھے "وتلک الایام نداولھا بین الناس" کبھی یہ جیت کے دن ان کے ہوتے ہیں اور کبھی یہ جیت کے دن تمہارے ہوتے ہیں۔ بدر کے دن مسلمانوں نے مشرکوں کے ستر قید کیے اور ستر قتل کیے۔ جنگ اُحد میں مشرکین نے مسلمانوں کے چھتر شہید اور ستر کے قریب کو زخمی کر کے بدلہ لیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کا امتحان

ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ ہمیں بیان کر رہے تھے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس پیادوں کا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو سردار بنا کر حکم دے دیا تھا اور فرمایا تھا اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو جھپٹ کر لے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میرا پیغام تمہارے پاس نہ پہنچ جائے اور اگر دیکھو کہ ہم نے دشمن کو بھگا دیا اور روند دیا تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا تاوقتیکہ میں تمہارے پاس پیغام نہ بھیج دوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے خود دیکھا کہ عورتیں ٹانگوں سے کپڑے اُٹھائے تیزی سے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں اور پنڈلیاں کھل گئی ہیں یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کے ساتھی بولے لوگو! تمہارے ساتھی غالب آ گئے تم کس کا انتظار کر رہے ہو، چلو مال غنیمت حاصل کریں۔ عبداللہ بن جبیر نے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول گئے۔ کہنے لگے خدا کی قسم! ہم تو ضرور ان کے پاس پہنچ کر مال غنیمت حاصل کریں گے۔ چنانچہ جونہی یہ لوگ کافروں پر پہنچے تو ان کے رُخ پھر گئے اور یہ شکست کھا کر بھاگے۔

(اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی صف میں کھڑے تم کو پلٹ کر آنے کے لیے پکار رہے تھے) یہی فرمان باری ہے "والرسول یدعوکم فی اخراکم" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ مشرکین نے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو قید کر لیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا کہ تمہاری قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں تین مرتبہ پکار کر کہا کیا تمہارے ساتھ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں تین مرتبہ کہا پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور کہنے لگا سب مارے گئے۔ یہ سن کر حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا اور پکار کر کہنے لگے اے دشمن خدا، خدا کی قسم تو جھوٹا ہے جن کے تو نے نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں اور تمہیں رسوا کرنے والا کانٹا موجود ہے۔ پھر وہ کہنے لگا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہو گیا۔ لڑائی ڈول کی مانند ہے مقتولین میں تم کو کچھ لوگ مثلہ ملیں گے (جن کے ناک، کان اور دوسرے اعضاء ستر کاٹے گئے) لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تاہم مجھے یہ برا بھی معلوم نہیں ہوا پھر اس کے بعد وہ جنگی گانے بولنے لگا۔ ھبل کی جے، ھبل کی جے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ فرمانے لگے اے اللہ کے رسول میں کیا کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "اللہ اعلیٰ واجل" وہ کہنے لگا "ان لنا العزی ولا عزی لکم" کہ ہمارا عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" کہ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن اس دن کے مقابلے میں ہو گیا اور ایسے ایام ڈولوں کی مانند ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ہمارے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے۔ زجاج فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے "وان جندنا لھم الغالبون" کہ ہمارے گروہ ان پر ہمیشہ غالب ہی رہیں گے باقی جنگ اُحد کے دن جو عارضی شکست ہوئی وہ مسلمانوں نے فرمان نبوی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ "ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم شھداء" یہ آزمائش اس وجہ سے ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ مخلص مؤمن کون ہیں اور منافق کون ہیں۔ شہداء یہ قوم کی عزت کی وجہ سے ہے۔ "واللہ لا یحب الظالمین"

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ: اور تاکہ (گناہوں کے) میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو ہاں (اور سنو) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے۔ حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (خوب) جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں اور تم تو (شہید ہو کر) مرنے کی (بڑی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے کے پہلے سو (تمنا کے بعد) اس (کے سامان) کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا (پھر کیوں بھاگنے لگے)

تفسیر: ﴿١٤١﴾ "ولیمحص اللہ الذین امنوا" تاکہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک صاف کردے۔ "ویمحق الکافرین" تاکہ

کافروں کو فناء کردے ہلاک کردے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر تمہیں قتل کرتے ہیں تو اس میں تمہارا اعزاز ہے کہ تمہیں شہادت کا رتبہ دے کر گناہوں سے تلافی ہوگی اور اگر تم کافروں پر غلب پاؤ گے تو کافروں کو مٹانے اور ان کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

⓬ "ام حسبتم" استفہام انکاری بمعنی منقطعہ ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو۔ "ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله" "ولمّا" بمعنی "لم" کے ہے۔ یعنی اللہ نے تمہارے مجاہدوں کا امتیاز ابھی تک نہیں کیا۔ "الذين جاهدوا منكم ويعلم الصابرين"

⓭ "ولقد كنتم تمنّون الموت من قبل أن تلقوه" مسلمانوں میں سے بعض لوگ اس کی تمنا کرتے تھے کہ بدر کے دنوں کی طرح کوئی دن آئے تا کہ ہم قتال کریں اور ہم شہادت کا رتبہ حاصل کریں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اُحد کا دن دیا۔ "تمنّون الموت" موت کے سبب کی تمنا کر رہے تھے اور وہ ہے جہاد کرنا موت سے پہلے۔ "فقد رأيتموه" یعنی تم اس کے اسباب دیکھ لو "وانتم تنظرون" اگر یہ کہا جائے کہ اس فرمان کا کیا معنی ہے کہ پہلے "فقد رأيتموه" فرمایا پھر اس کے بعد "وانتم تنظرون" فرمایا حالانکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے، دونوں کا ذکر تاکید کے طور پر ہے۔ پہلے "رأيتموه" سے مراد جاننا جبکہ "تنظرون" کا مطلب یہ ہے کہ تم آنکھوں سے دیکھ کر جان لوگے جسے "عين اليقين" کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ "وانتم تنظرون" کا مطلب ہے کہ جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوگے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ⓮

ترجمہ: اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کھو دے گا) اور خدا تعالیٰ جلدی ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

جنگ اُحد کا واقعہ

تفسیر: اہل مغازی نے بیان کیا ہے کہ اُحد کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ساتھ اُترے اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو (پچاس) پیادوں کا سردار بنا کر گھاٹی پر مقرر فرما دیا۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی سابق روایت میں گزر چکا ہے۔ اب قریش آئے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کمانڈر تھے۔ عورتیں ان کے ساتھ تھیں جو دف بجا بجا کر شعر گا رہی تھیں۔ گھمسان کا رن پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کرے گا کہ دشمن کو مارے اور خوب خون بہائے۔ ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری نے وہ تلوار لے لی اور لے کر سرخ عمامہ باندھ کر اُٹھلا کر چلنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چال اللہ کو ناپسند ضرور ہے

مگر اس موقع پر درست ہے مشرکوں کے سرداروں کو ابو دجانہ نے اس تلوار سے قتل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔ مسلمانوں نے کافروں کو تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا یا میدان جنگ سے ان کو بھگا دیا اور خوب قتل کیا۔

مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا لیکن ہر بار ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی گئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ تیرانداز مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کر رہے تھے اور مشرکوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے ہر تیر یا گھوڑے کے لگتا تھا یا آدمی کے، آخر کار سب پشت دے کر بھاگے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے علمبردار طلحہ بن طلحہ کو قتل کر دیا اور مسلمان تکبیر کہہ کر کافروں کو خوب ہی مارنے لگے۔ نتیجہ میں کافروں کی صفیں پراگندہ ہو گئیں۔ حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ہندہ اور اس کے ساتھ والیاں بھاگتی ہوئی تیزی کے ساتھ پہاڑ پر جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں (یعنی پنڈلیاں) کھلی ہوئی تھیں ان کی گرفتاری سے کوئی مانع نہ تھا جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ والے تیراندازوں نے دیکھا کہ دشمن پر سے چھٹ گئے تو لوٹنے کے لیے یہ بھی میدان جنگ کی طرف چل دیئے جیسا کہ حضرت براء کی سابق حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

تیراندازوں کے کمانڈر یعنی حضرت عبداللہ کے ساتھ دس سے کم آدمی رہ گئے۔ خالد بن ولید نے جب پہاڑ کی طرف نگاہ کی اور پہاڑ کے محافظ کم نظر آئے اور مسلمانوں کو لوٹ میں مشغول پایا اور ان کی پشت خالی دکھائی دی تو کافروں کے سواروں کو چیخ کر آواز دی اور مسلمانوں کے پیچھے آ کر حملہ کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی خالد کے پیچھے سے آ گئے آخر مسلمانوں کو کافروں نے بھگا دیا اور قتل کیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، کافروں نے آپ کے کپڑے اُتار لیے اور بہت بری طرح سے مثلہ کیا۔ جب مسلمان لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے اسی وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر پشت کی طرف سے حملہ کیا، مار بھگایا اور بے تامل قتل کیا۔ مسلمان ہر طرف سے پراگندہ ہو گئے جو مال لوٹا تھا اس کو بھی چھوڑ گئے جن لوگوں کو قید کیا تھا وہ بھی چھوڑنا پڑے، شروع دن میں ہوا پروا تھی پھر (پچھلے دن میں) پچھمی ہو گئی، بھاگتے لوگوں کے تین حصے ہو گئے، ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ قتل ہوا اور ایک حصہ بھاگ گیا۔

بیہقی نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر نہیں ہٹے، دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہے، آپ کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت (حفاظت کے لیے) لوٹتی رہی اور کبھی اس میں شگاف پڑتے رہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کھڑے کمان سے تیر پھینک رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اس روز) پندرہ آدمی جمے رہے۔ آٹھ مہاجر، ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور سات انصار حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، محمد بن مسلمہ اور

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم۔ بعض روایات میں سعد بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہ کا ذکر ہے۔

عبدالرزاق نے مرسلاً زہری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تلوار کے ستر وار ہوئے اور کوئی ضرب کارگر نہ ہوئی، اللہ نے محفوظ رکھا۔ عتبہ بن وقاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چار پتھر مارے جن سے آپ کا اگلا دایاں نچلا دانت ٹوٹ گیا اور زیریں لب زخمی ہوگیا۔ حافظ نے کہا اس سے مراد وہ دانت ہے جو کاٹنے والے اور چبھنے والے دانتوں کے درمیان تھا، حاطب بن ابی بلتعہ کا بیان ہے میں نے عتبہ کو قتل کردیا اور اس کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خوشی ہوئی اور میرے لیے دُعا فرمائی۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو زخمی کردیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ شخص مسلمان ہوگیا تھا۔ چہرۂ مبارک پر خون بہنے لگا یہاں تک کہ ریش اقدس خون سے تر ہوگئی۔ عبداللہ بن قمیہ کے پتھر سے رُخسار مبارک زخمی ہوگیا اور خود کی دو کڑیاں رُخسار میں گھس گئیں۔ عبداللہ بن قمیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے آگے آیا لیکن مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدافعت کی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے۔ ابن قمیہ نے ان کو شہید کردیا اور یہ سمجھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیا، لوٹ کر گیا تو اپنے لوگوں سے کہا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا، اس پر ایک چیخنے والے نے ندا کی محمد مارے گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ پکارنے والا ابلیس تھا۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قمیہ سے فرمایا تھا۔ اقماک اللہ، اللہ تجھے بیخ بن سے ہلاک کردے۔

اس بددعا ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی پہاڑی بکرے کو اللہ نے اس پر مسلط کردیا اور بکرے نے سینگ مارتے مارتے اس کو پارہ پارہ کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن تہ بر تہ دو زرہیں پہنے تھے اس لیے خود چڑھ نہ سکے۔ حضرت طلحہ نے نیچے بیٹھ کر اپنے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھالیا اور اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ رضی اللہ عنہ نے واجب کردیا (یعنی اپنے لیے جنت کو) ہندہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں شہیدوں کے ناک کان کاٹنے لگیں یہاں تک کہ ہندہ نے ان کے ہار بنا کر وحشی کو دیئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی تھوک دیا۔

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکار رہے تھے اللہ کے بندو (اوپر آؤ) آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس آدمی جمع ہوگئے جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا میرا چہرہ (زخمی ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہ ہو، میری جان (کام آئے) آپ کی جان ایسی نہ ہو (یعنی آپ محفوظ رہیں، میں قربان ہوجاؤں) آپ سالم رہیں۔ غرض سب آپ کے محافظ ہوگئے اور مشرکوں کو آپ کی طرف سے ہٹا دیا۔ سعد بن ابی وقاص نے اتنے تیر مارے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ کمانیں ٹوٹ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنی ترکش سے تیر بکھیر دیئے اور فرمایا تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے تیر انداز تھے اور کمان کھینچنے میں بڑے طاقتور تھے۔ آپ نے بھی اس روز دو یا تین کمانیں توڑی تھیں جو شخص بھی ان کی طرف سے تیر دان لے کر گزرتا آپ فرماتے تھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیر بکھیر دو، جب

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تیر پھینکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گردن اُٹھا کر تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اتنا چھلنی ہوا کہ آخر خشک ہو گیا۔ ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دن سارا کا سارا طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہوا (یعنی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے) محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سر میں ایسی چوٹ لگی کہ خون نچڑ گیا اور آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا جس سے آپ کو ہوش آ گیا، ہوش آتے ہی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیریت سے ہیں، انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے اس کے بعد ہر مصیبت حقیر ہے، اس روز حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے آنکھ رخسار پر آ پڑی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جگہ پر لوٹا دی اور آنکھ اچھی ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آ رہے تھے کہ (راستہ میں) ابی بن خلف جمحی نے آ لیا اور کہنے لگا اگر اب (میرے ہاتھ سے) تم بچ نکلے تو مجھے خدا نہ بچائے (یعنی اس وقت میں ضرور قتل کر دوں گا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس پر نہ جھک پڑے (یعنی قتل نہ کر دے) فرمایا رہنے دو، جب وہ قریب آ گیا، اس سے پہلے ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے وقت کہا کرتا تھا میرے پاس خاکستری رنگ کی ایک گھوڑی ہے جس کو روزانہ ایک فرق جوار دے کر میں پالتا ہوں اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ لے کر ابی کے سامنے اس کی گردن پر مارا جس کی وجہ سے کچھ خراش پڑ گئی۔ ابی گھوڑے سے لڑھک کر نیچے گرا اور بیل کی طرح دھاڑنے لگا اور کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مار ڈالا، لوگوں نے کہا کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، بولا کیوں نہیں ہے اگر یہ نیزہ کا زخم (تمام قبائل) ربیعہ و مضر کے لگتا تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا کیا انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اس قول کے بعد تو اگر یہ مجھ پر تھوک دیتے تب بھی قتل کر دیتے۔ غرض زیادہ مدت نہیں گزری کہ مقام سرف میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو نبی نے قتل کیا اس پر اللہ کا سخت غضب ہوا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو خون آلود کر دیا اس پر بھی اللہ کا غضب سخت ہوا۔ (بخاری)

اہل مغازی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ محمد قتل کر دیئے گئے یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے کاش کوئی قاصد عبداللہ بن ابی کے پاس چلا جاتا تاکہ ابن ابی ابوسفیان سے ہمارے لیے امان لے لیتا کچھ صحابی پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے۔ بعض اہل نفاق کہنے لگے اگر محمد مارے گئے تو تم اپنے پہلے مذہب میں شامل ہو جاؤ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر بولے قوم والو! اگر محمد مارے بھی گئے ہوں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے جس کام

کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑے تم بھی اسی کے لیے لڑو اور جس غرض کے لیے وہ مرے تم بھی اسی کے لیے مر جاؤ۔ پھر بولے اے اللہ! یہ لوگ یعنی مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں میں تیرے سامنے اس کی معذرت کرتا ہوں اور یہ لوگ یعنی منافق جو بات پیش کر رہے ہیں، میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں یہ کہہ کر تلوار لے کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر کی چٹان کے پاس جا کر لوگوں کو پکارنے لگے، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہچانا، خود کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں چمکتی دیکھ کر شناخت کی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر اونچی آواز سے پکار کر کہا اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جمع ہو گئی۔ آپ نے بھاگنے پر ان کو ملامت کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم کو اطلاع ملی کہ آپ شہید کر دیے گئے اس لیے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہم پشت پھیر کر بھاگ نکلے (یعنی آپ کو چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ جب آپ کی شہادت کی خبر سن لی تو لڑائی کو بیکار سمجھ کر بھاگ نکلے تھے۔) اس پر اللہ نے نازل فرمایا "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"

محمد وہ شخص ہیں جو تمام صفات کے جامع ہیں کیونکہ اس کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو کامل الصفات ہو اور تحمید حمد سے زیادہ ہے۔ پس مستحق تحمید وہی شخص ہوگا جو تمام کمالات کو محیط ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی اور صفی کو دو ناموں سے مشتق مانا ہے۔ (محمد، احمد سے) حسان بن ثابت کا قول ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اپنے بندے کو اپنی دلیل (قرآن) دے کر بھیجا اور اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے اور اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کر کے (رکھا) پس مالک عرش محمود ہے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" کیا تم اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے "ومن ینقلب علی عقبیہ" جو اپنے دین سے مرتد ہو گیا۔ "فلن یضر اللّٰہ شیئا" مرتد ہو کر وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ "وسیجزی اللّٰہ الشاکرین"

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدوں حکم خدا کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے اور جو شخص دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ (یقینا) دیں گے اور ہم بہت جلد (نیک عوض دیں گے (ایسے) حق شناسوں کو اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے ہیں۔ سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع

ہوگئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے۔

تفسیر ۱۴۵ "وما کان لنفس ان تموت" اخفش فرماتے ہیں کہ لنفس میں لام منقول ہے۔ "تموت" سے عبارت اس طرح تھی "وما کان نفس لتموت" کسی جان کے لیے نہیں کہ وہ مرجائے اللہ کی مشیت کے بغیر۔ "الا باذن اللّٰہ" اللہ کے فیصلے اور قدرت سے بعض نے کہا اس کے علم کے بغیر بعض نے کہا اس کے حکم کے بغیر۔ "کتابا مؤجلا" ہر نفس کے لیے اس کا وقت مقررہ لکھا جاچکا ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا۔ "کتابا" منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے عبارت یہ ہوگی۔ "کتب کتابا"..... "ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا" جو شخص اس نیکی کا بدلہ دُنیا میں لینا چاہتا ہے ہم اس کو اپنی مشیت کے مطابق جو کچھ ہم نے مقدر کرلیا دُنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید" پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کو جلد مل جائے تو ہم اسے جلد دے دیں گے ہم اس کو جتنا چاہیں۔ یہ آیت ان اصحاب کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مال غنیمت کی وجہ سے اپنے مرکز کو چھوڑ دیا تھا۔ "ومن یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منہا" جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو ہم آخرت میں اس کو ثواب دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے یہاں تک کہ انہوں نے شہادت پائی (ان کو آخرت میں بدلہ دیں گے) "وسنجزی الشکرین" "شاکرین" سے مراد مؤمنین اطاعت گزار بندے ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی نیت آخرت میں ثواب کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں دُنیا کی بے رغبتی پیدا فرمادیتے ہیں اور اس کی پریشانی کو جمع کردیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے اور جس کی نیت دُنیا کا حصول ہو تو اللہ محتاجگی اس کی آنکھوں کے سامنے کردیتا ہے اور اس کے دل کو پراگندہ کردیتا ہے، دُنیا میں اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ پس ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت مال حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوگی اس کی ہجرت اسی غرض کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔

۱۴۶ "وکاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر" ابن کثیر نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ کاعن کے وزن پر دونوں ہمزاؤں کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے کہا "کاین" ہمزہ کی تشدید کی وجہ سے "عین" کے وزن پر اس کا معنی ہے "کم" کاف تشبیہ کے لیے ہے اس کے ساتھ "ای" حرف استفہام داخل کیا گیا۔ اس پر تنوین صورۃً داخل نہیں ہوگی۔ بعض قراء نے اس پر وقف قرار دیا "کاین" بغیر نون کے ذکر کیا۔

"قاتل" ابن کثیر، امام نافع، اہل بصرہ کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ دوسرے قراء نے کاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فما وہنوا" یہ وصف ان پر محال ہے حالانکہ قتل ہونے کے بعد وہ کیسے بچ سکتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ ہمیں یہ بات نہیں سنائی کہ کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اس لیے "قاتل" اعم ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس صورت میں قاتل عام ہوگا اور جو حضرات "قُتِلَ" پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کی تین وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ قتل راجع ہو نبی کی طرف اس میں کوئی اور شریک نہ ہو (یعنی نبی نے اکیلے قتال کیا) اس صورت میں قاتل پر کلام تمام ہو جاتا ہے اس صورت میں آیت میں اضمار ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہوگا ان کے ساتھ بکثرت آدمیوں نے جہاد کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص نے جیش کثیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا یعنی وہ شخص ان میں شامل تھا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی کہ قتل کا تعلق نبی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہو تو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے بعض لوگوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور عرب کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں "فما وهنوا" باقیوں کی طرف راجع ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قتال کا تعلق نبی کے علاوہ لوگوں سے ہو اس میں اور کوئی شامل نہ ہو۔

ربیون کثیر کا مصداق

"ربیون کثیر" ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے جمع کثیر مراد ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہزاروں کی جماعت۔ کلبی فرماتے ہیں کہ ایک "رِبّی" کہتے ہیں دس ہزار کو۔ ضحاک فرماتے ہیں ایک ربیہ ایک ہزار کو کہتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی فقہاء اور علماء ہے۔

بعض نے کہا کہ اتباع کرنے والے مراد ہیں۔ اس صورت میں ربانیون سے مراد حکام اور ربیون سے مراد رعایا ہوگی۔ بعض نے کہا ربی رب کی طرف منسوب ہے وہ لوگ جو رب کی عبادت کرتے ہیں۔ "فما وهنوا" کا معنی ہے کیوں وہ بزدل ہو رہے ہیں۔ "لما اصابهم فى سبيل الله وما ضعفوا" جہاد میں زخم پہنچے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی وجہ سے وہ کمزور نہیں ہوئے۔ "وما استكانوا" اور نہ ہی وہ دشمن کے مطیع ہوئے اور نہ ہی اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل و رسوا کیا۔ امام سدی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ نہ وہ دشمنوں کے سامنے ذلیل ہوئے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ ان کے سامنے عاجزی کی۔ عالیہ فرماتے ہیں نہ ہی وہ بزدل ہوئے بلکہ اپنے رب کے حکم پر صبر کیا اور اپنے نبی کی اطاعت کی اور دشمنوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ "والله يحب الصابرين"

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو

کا روں سے محبت ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے

تفسیر ⑭ "وما كان قولهم" کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا اسم "ان قالوا" ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا اور ان کے نبی کے قتل ہونے پر وہ یہی کہتے "الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا" اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ "واسرافنا في امرنا" اسراف سے مراد کبیرہ گناہ ہیں۔ "وثبت اقدامنا" ہمارے قدموں کو اللہ کے راستے میں جمائے رکھ پھسلاتا نہیں۔ "وانصرنا على القوم الكافرين" تو وہ کہتے کہ کاش تم اس طرح کرتے اور تم اس طرح کہتے اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

⑭ "فآتاهم الله ثواب الدنيا" دنیاوی ثواب سے مراد نصرت اور مال غنیمت کا حصول ہے۔ "وحسن ثواب الآخرة" اجر آخرت اور جنت کا وعدہ۔ "والله يحب المحسنين"

⑭ "يايها الذين امنوا ان تطيعوا الذين كفروا" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ جب مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کا دین اختیار کرو۔ "يردوكم على اعقابكم" وہ تمہیں پہلے دین کی طرف لوٹا دیں گے جو شرک و کفر ہے۔ "فتنقلبوا خاسرين"

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ⑮ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ⑯ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ⑰

ترجمہ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول کافروں کے دلوں میں بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا۔ شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا ہے جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے بے انصافوں کی۔ اور یقینا اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا تھا۔ جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جبکہ تم خود ہی کمزور ہو گئے۔ اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دلخواہ بات دکھا دی تھی۔ کہ تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے۔ اور بعض تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر لیا پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا۔ تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرما دے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

تفسیر ⑮ "بل الله مولاكم" اللہ تمہارا مددگار اور دین اسلام پر ہونے کی حالت میں محافظ ہے۔ "وهو خير الناصرين"

⑮ "سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" یہ اس وقت جب ابو سفیان اور مشرکین یوم احد کے دن مکہ کی طرف بھاگا تھا جاتے ہوئے راستے میں پشیمانی ہوئی اس کو خیال آیا کہ ہم نے برا کیا۔ اول تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلے میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ آئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ابھی لوٹ چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو، کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دلوں کے اندر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور اپنے ارادے سے باز آ گئے، اللہ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے فرمان "سنلقی ای سنقذف فی قلوب الذین کفروا الرعب" ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب یعنی ڈر۔ ابو جعفر، ابن عامر، کسائی، یعقوب رحمہم اللہ "الرُّعُب" عین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے عین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "بما اشرکوا باللّٰہ مالم ینزل بہ سلطانًا" سلطان کا معنی حجت اور برہان ہے۔ "وماواھم النار وبئس مثوی الظالمین" ظالمین سے مراد کافر ہیں۔

⑯ "ولقد صدقکم اللّٰہ وعدہ" محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ اُحد سے مدینہ کی طرف لوٹے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ نے تو ہم سے فتح یاب ہونے کا وعدہ کیا تھا تو پھر یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولقد صدقکم اللّٰہ وعدہ" اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ مدد اور تمہاری کامیابی کا وعدہ کیا تھا یہ کامیابی ابتدائی تھی جو کافروں کو پسپا کر دیا تھا۔ "اذ تحسونھم باذنہ" یہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی ترتیب اس طرح دی کہ اُحد کی پہاڑی کو پیٹھ پیچھے اور مدینہ چہرے کے سامنے رکھا اور دائیں جانب پہاڑی پر تیر اندازوں کو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں متعین فرمایا اور ان سب کو یہ ارشاد فرمایا کہ تم وہاں مضبوط جمے رہو اگر تم ہمیں مال غنیمت جمع کرتے ہوئے دیکھ لو تو تم ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہمیں قتل کر چکے ہیں تو پھر بھی وہاں سے ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے تیروں اور نیزوں نے مشرکین کے گھوڑوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مسلمان ان کو تلواروں سے کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔ "اذ تحسونھم باذنہ" ان کو اللہ کے حکم کے مطابق قتل کر رہے تھے۔

ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ "حسّ" کا معنی ہے قتل کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ دینا۔ "حتّٰی اذا فشلتم" جب تم بزدل ہو گئے بعض نے کہا کہ جب تمہاری رائے کمزور پڑ گئی۔ "وتنازعتم فی الامر وعصیتم" واؤ زائدہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جب تم بزدل ہو گئے تو باہم نزاع کرنے لگے۔ بعض نے کہا یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "حتّٰی اذا تنازعتم فی الامر وعصیتم فشلتم" جب تم شکست کھا گئے اور قیام اور عدم قیام کے متعلق آپس میں لڑنے لگے اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد روک لی اور تم پر مصیبت ڈالی۔

یہاں تنازع سے مراد جھگڑا ہے کہ جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو تیر اندازوں میں اختلاف ہو گیا کہ تیر اندازی کریں یا نہ کریں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اب تو کفار شکست کھا گئے ہیں اس جگہ پر ہمارا رُکنا کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا چلو مال غنیمت جمع کریں

اور بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تجاوز نہ کرو (اور یہاں سے بھاگو نہیں) اس پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے وہاں ثابت قدم رہے۔ جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے دیکھا تو ان کی طرف رُخ کیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کردیا اور وہ مسلمانوں کی طرف رُخ کرنے لگے تو ہوا صبا کے بعد دبور (پچھوائی ہوا) آگئی۔ مسلمانوں کی صف پلٹ گئی اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مختلط ہوگئے۔ ہنگامی حالت میں مسلمان خود ایک دوسرے سے قتال کرنے لگ گئے، خوف اور دہشت کی وجہ سے کسی کو پتہ نہیں چل رہا کہ اس کا مقابل دشمن ہے یا ساتھی۔ اسی دوران ابلیس نے آواز لگائی کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کردیئے۔ یہی مسلمانوں کی ہمت ہارنے کا سبب تھا۔ "**وعصیتم**" انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی بناء پر ہوا "**من بعد ما اراکم**" تمہیں تمہاری محبوب چیز فتح دکھادی تھی اللہ نے۔ "**ماتحبون**" مسلمانوں کی کامیابی اور مال غنیمت محبوب چیز ہے۔ "**منکم من یرید الدنیا**" وہ لوگ جنہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور لوٹنے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ "**ومنکم من یرید الآخرۃ**" جو لوگ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھاٹی میں ثابت قدم رہے وہ شہید ہوگئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے دنیا کا طلب گار نہیں پایا۔ یہاں تک کہ اُحد کا دن آیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "**ثم صرفکم عنہم**" پھر تمہیں پھیر دیا فتح سے شکست کی طرف۔ "**لیبتلیکم**" تاکہ تمہارا اس کے ذریعے امتحان لے۔ بعض نے کہا کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے اللہ نے تم پر مصیبت ڈالنی چاہی۔ "**ولقد عفا عنکم**" تمہارے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بالکل جڑ سے نہیں اکھاڑ دیا بلکہ تمہیں معاف کردیا۔ "**واللہ ذو فضل علی المؤمنین**"

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۞

ترجمہ: وہ وقت یاد کرو جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس چیز پر جو تم پر مصیبت پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی۔

تفسیر: ۞ "**اذ تصعدون**" تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کردیا۔ جب تم بھاگے جارہے تھے شکست کھا کر۔ عبدالرحمن سلمی، حسن، قتادہ رحمہم اللہ "**تَصعَدون**" تاء کے فتحہ کے ساتھ اور عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معروف قرأت تاء کے ضمہ عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اصعاد کا معنی ہے ہموار میدان میں جانا، صعود کا معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا اور بعض دور نکل گئے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ "**یقال اصعدت**" کہا جاتا ہے جب کوئی چہرے کے سامنے ہموار میدان میں جائے۔ "**وصعدت**" کہا جاتا ہے کہ جب وہ پہاڑ پر چڑھے۔ مبرد فرماتے ہیں کہ "**اصعد**" جب وہ دور چلا گیا۔ یہ دونوں قرأتیں صحیح ہیں۔ کبھی کبھار "**منہزمین**" کے لیے مصعد اور صاعد استعمال ہوتا ہے اور مفضل کہتے ہیں کہ صعد اور اصعد کا معنی بھی ایک ہے۔ "**ولا تلوون**

علیٰ احد" شدت دہشت کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا اور نہ ہی اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔

"والرسول یدعوکم فی اخراکم" وہ پچھلی صفوں سے آپ کو پکار رہے تھے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں اور جو میری طرف مُڑ کر آئے گا اس کیلئے جنت ہے۔ "فاثابکم" تمہیں بدلہ دیا۔ یہاں "اثابۃ" معنی عقاب کے ہے۔ اثاب بمعنی ثواب کے استعمال ہوتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ تم نے ثواب کی اُمید لگائی ہوئی تھی لیکن تمہارے فعل کی وجہ سے اللہ نے تم کو سزا دی)

اللہ تعالیٰ کا فرمان "فبشرھم بعذاب الیم" یہاں پر بشارت کو عذاب کی جگہ ذکر کیا، ایسا جملہ بطور استہزاء کے ہوتا ہے۔

"غمًا بغم" باء بمعنی علیٰ کے ہے۔ عبارت یوں ہوگی "غمٌ علیٰ غمٍ" یعنی غم بالائے غم۔

غمًا بغمٍ کی مختلف تفاسیر

پہلے غم سے مراد کامیابی اور مال غنیمت کا ہاتھ سے جانے کا غم، دوسرے غم سے مراد شکست اور مسلمانوں کی شہادت ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلے غم سے مراد قتل اور زخمی ہونا ہے۔ دوسرے غم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر جس کی وجہ سے پہلا والا غم بھول گیا۔

بعض نے کہا کہ پہلے غم سے مراد گھاٹی سے خالد بن ولید کا سواروں کا دستہ لے کر برآمد ہونا اور دوسرے غم سے مراد ابو سفیان کا سامنے سے سوار ہونا۔

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکارتے پکارتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں چٹان والے مسلمان جمع تھے۔ انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (تو نہ پہچاننے کی وجہ سے) ایک شخص نے کمان میں تیر جوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پا کر بہت خوش ہو گئے اور محافظین کو پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوشی ہوئی پھر یہ لوگ فتح شدہ مال غنیمت کا اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کا ذکر کرنے لگے۔ اتنے میں ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے آ کر گھاٹی کے دہانے پر کھڑا ہو گیا۔ مسلمان اس کو دیکھ کر فکر میں پڑ گئے اور ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں شہید کر دیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی پہلے خیال کو بھول گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ ہمارے اوپر نہیں آسکیں گے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمانے لگے) اے اللہ! اگر یہ گروہ مارا گیا تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا پھر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافروں کو پتھر مار مار کر نیچے اُتار دیا اور کہا گیا کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غم لاحق ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ غم اور قتل سے دیا جس کو غم سے تعبیر کیا گیا۔ "لکیلا تحزنوا علیٰ مافاتکم" جو فتح شکست سے بدل گئی اور مال غنیمت ہاتھوں سے چلی گئی۔ "ولا ما اصابکم" اور جو مصیبت تم پر قتل اور شکست کی بناء پر پڑی ہے۔ "واللہ خبیر بما تعملون"

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین اور رحمت بھیجی یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی تھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گرے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے اور تا کہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے۔ اور اللہ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۵۴﴾ "ثم انزل علیکم" اے مسلمانوں کی جماعت "من بعد الغم أمنۃ" تمہارے لیے امن اُتارا "الامن الامنۃ" دونوں کا معنی ایک ہی یعنی قلبی سکون۔ بعض نے کہا کہ امن کہا جاتا ہے خوف کے سبب کو زائل کرنا اور "امنۃ" کہتے ہیں خوف کے سبب کے باقی ہونے پر اطمینان حاصل ہونا جبکہ یہاں خوف کا سبب موجود تھا۔ "نعاسًا"...... "امنۃ" سے بدل ہے "یغشی طائفۃ منکم" حمزہ اور کسائی نے (تغشی) پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ نعاس کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس دن اونگھ کی صورت میں ان کے دل کو اطمینان دیا گیا جو اطمینان والا ہوتا ہے اسی کو اونگھ آ سکتی ہے اور خائف کو اونگھ نہیں آتی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے دن جب ہم صف بند میدان میں تھے تو فرمایا کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جا رہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا۔ وہ گری جا رہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ حضرت ثابت، حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے دن میں نے سر اٹھایا تو لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہیں آیا کہ اونگھ کی وجہ سے ڈھال کے نیچے وہ جھکا نہ پڑ رہا ہو۔

عبداللہ بن زبیر اپنے والد زبیر بن العوام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا جب شدت لڑائی کے وقت میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نیند مسلط کردی۔ خدا کی قسم مجھ پر اونگھ چھائی ہوئی تھی اور ایک خواب کی طرح میں معتب بن قشیر کا یہ قول سن رہا تھا وہ کہہ رہے تھے "لو کان من الامر شیٔ" اگر اس طرح کا کوئی ماجرا نہ ہوتا تو اس جگہ ہم قتال نہ کر سکتے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یغشی طائفۃ منکم" طائفہ سے مراد مؤمنین ہیں۔

"وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم" اس طائفہ سے مراد منافقین ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہاں لا کر منافقین سے مؤمنین کو ممتاز کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر اونگھ کو مسلط کر کے ان کو اطمینان قلبی نصیب فرمائی جبکہ منافقین پر اونگھ نہیں آئی اس وجہ سے ان کے دلوں سے خوف ختم نہیں ہوا اور ان کے دلوں پر خوف بالائے خوف نازل ہوا۔

"یظنون باللہ غیر الحق" وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا۔ بعض نے کہا کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ "ظن الجاھلیۃ" جیسا کہ اہل جاہلیت کے زمانے میں لوگ جس طرح گمان کرتے تھے اسی طرح یہ بھی کرنے لگے۔ "یقولون ھل لنا" یہ "ما لنا" ہے۔ لفظ استفہام انکاری ہے۔ "من الامر شیٔ" امر سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہے۔ "قل ان الامر کلہ للہ" اہل بصرہ لام کے رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں ابتداء (مبتداء) کی وجہ سے اور "للہ" اس کی خبر ہے اور دوسرے قراء نے "کلہ" منصوب بدل ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ موصوف صفت ہونے کی وجہ سے "یخفون فی انفسھم مالا یبدون لک ...... ما قتلنا ھھنا" یہ منافقین کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہمارے اندر عقل و دانش ہوتا تو مکہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کرنے نہ نکلتے اور نہ ہی ہمارے سردار قتل ہوتے۔ بعض نے کہا کہ اگر محمد حق پر ہوتے تو یہ قتل کیونکر ہوتے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہا ہے کہ "یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ" یعنی تقدیر کی تکذیب کی اور ان کا قول "لو کان لنا من الامر شیٔ ما قتلنا ھھنا" ...... "قل لو کنتم فی بیوتکم ...... الذین کتب" کتب بمعنی قضی کے ہے "علیھم القتل الی مضاجعھم" ان کی خواب گاہوں کی جگہ۔ "ولیبتلی اللہ" اور اللہ ان سے امتحان لے گا۔ "ما فی صدورکم ولیمحص" اے مسلمانو! تمہارے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے وساوس کو نکال دے یا ان کو ظاہر کر دے۔ "ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور" جو ان کے دلوں میں خیر اور شر کی جانب سے تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ
عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ
اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ: یقیناً تم میں جن لوگوں پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم متقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات

نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا۔ جو کہ کافر ہیں۔ اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت جبکہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب میں موجب حسرت کر دیں۔ اور مارتا جلاتا تو اللہ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں

تفسیر ﴿١٥٥﴾ "ان الذین تولوا" جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے "منکم" اے مسلمانوں کی جماعت "یوم التقی الجمعان" جس دن مسلمانوں اور مشرکین کو جمع کیا احد کے دن۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں سے چھ مہاجرین موجود تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) تھے۔ "انما استزلھم الشیطان" ان کو پھسلانا چاہا راستے سے ہٹانا چاہا جیسا کہ کہا جاتا ہے "استعجلت فلانًا اذا طلبت عجلتہ" جب اس کو فوراً طلب کیا جائے۔ بعض نے کہا ڈال دی گئی ان پر ذلت یعنی غلطی، گناہ۔ بعض نے کہا کہ "استھزل" اور "أزل" دونوں کے ایک معنی ہیں۔ "ببعض ما کسبوا" یعنی ان کے گناہوں کی نحوست سے۔ بعض نے کہا کہ اپنے مرکز کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر کے ان کو مزید شکست حال بنا دیا۔ "ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم"

﴿١٥٦﴾ "یا یھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین کفروا" اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ "وقالوا لاخوانھم" جو اس کے بھائی منافق اور کافر تھے۔ بعض نے کہا کہ جو اس کے نسبی بھائی تھے وہ مراد ہے۔ "اذا ضربوا فی الارض" جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے ملک میں چلیں پھریں۔

"او کانوا غزًی" غزاۃ جمع ہے غازی کی مطلب یہ ہے کہ سفر پر ہوں یا جہاد پر مارے جا چکے یا مر جائیں۔ "لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا لیجعل اللہ ذلک" یعنی ان کے گمان اور ان کے قول کے مطابق "حسرۃً ...... بصیرا" ابن کثیر، حمزہ، کسائی نے "یعملون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ۔ یا کہ مر جاؤ تو بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت ان

چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر تم لوگ مر گئے یا مارے گئے تو بالضرور اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔ اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔ اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تفسیر ۱۵۷ "ولئن قتلتم فی سبیل اللّٰہ او متم" نافع حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "مِتُّم" میم کے کسرہ کے ساتھ بعض نے میم کے ضمہ کے ساتھ اس صورت میں اس کا مصدر مات یموت سے ہوگا۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے "قال یقول" اور جو حضرات کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مصدر "مات یمات" سے ہے۔ "خاف یخاف" کی طرح "لمغفرۃ من اللّٰہ" اس کے انجام میں بخشش ہے "ورحمۃ خیر مما یجمعون" ان سے مراد مال غنیمت ہے۔ بعض حضرات نے "تجمعون" پڑھا ہے۔ حفص اور عاصم نے "یجمعون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جو مغفرت مسلمانوں کو حاصل ہوئی وہ بہتر ہے اس چیز سے جو لوگوں نے جمع کی۔

۱۵۸ "ولئن متم او قتلتم لا الی اللّٰہ تحشرون" آخرت ہی کی طرف تمہیں جمع کیا جائے گا۔

۱۵۹ "فبما رحمۃ من اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے۔ ما صلہ ہے جیسا کہ "فبما نقضھم" میں ما بمعنی صلہ کے ہے۔ "لنت لھم" یعنی تم نرم دل ہوا چھے اخلاق کی وجہ سے اور تمہاری کثرت نرمی کی وجہ سے اگر تم ان کی طرف غصہ یا درشت لہجہ استعمال کرتے تو وہ بکھر جاتے۔ "ولو کنت فظا" اگر تم سخت ہوتے برے اخلاق والے ہوتے۔ "غلیظ القلب" کلبی فرماتے ہیں کہ کلام میں سخت رو اور فعل میں سخت دل ہیں۔ "لانفضوا من حولک" وہ آپ کے پاس سے بھاگ جائیں گے اور آپ سے جدا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "فضضتھم فانفضوا" اس کا معنی ہے کہ ہم نے ان کو جدا کیا وہ ہم سے جدا ہو گئے۔ "فاعف عنھم" ان سے درگزر کرو جن سے اُحد کے دن خطاء ہو گئی تھی۔ "واستغفر لھم" ان کی شفاعت کرو۔ "وشاورھم فی الامر" ان سے رائے طلب کریں تاکہ آپ جان لیں کہ ان کے دلوں میں آپ کے بارے میں کیا ہے۔ عرب میں محاورہ بولا جاتا ہے "شرط الدابۃ وشورتھا"۔ جب اس کو لشکر کے لیے نکالا جائے اسی طرح کہا جاتا ہے "شرط العسل واشرتہ" جب اس کو لیا جائے اور اس سے شہد نچوڑا جائے اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامل العقل اور کامل الرائے تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے اور مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کو واجب قرار دیا گیا ہے خواہ وہ ان کو پسند آئے یا ناپسند۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی خاص ہے ان سے ان کاموں کے متعلق مشورہ طلب کرو جس میں آپ کا اللہ کے ساتھ عہد نہیں ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں سے ملاقات یا جنگ کے مکر و فریب کے متعلق ان سے نظر و فکر کر لیا کرو۔ مقاتل اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم ان کے

اطمینانِ قلبی کے لیے ہے (تاکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مایوس نہ ہو جائیں) تاکہ وہ دلبرداشتہ بھی نہ ہو جائیں۔ دوسرا یہ کہ عرب میں یہ مشہور بات ہے کہ کسی بات پر جب کوئی مشورہ نہ کیا جائے تو وہ کام ان کے لیے شاق گزرتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کو معلوم تھا کہ ان کو مشورہ کی ضرورت نہیں لیکن مشورہ کا حکم اس لیے دیا تاکہ آنے والی اُمت میں یہ سنت جاری ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں کے لیے مشورہ لینے والا کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ "فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ" ان کے مشورہ پر توکل نہ کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق کھڑے ہو جاؤ اور اسی سے مدد طلب کرو۔ "ان اللّٰہ یحب المتوکلین"

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَاغَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَاغَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّاكَسَبَتْ وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ: اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر: ﴿۱۶۰﴾ "ان ینصرکم اللّٰہ" جس کی اللہ مدد کرے یا اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے تمہاری مدد کی اور تم سے دشمنوں کو روکا۔ "فلا غالب لکم" بدر کے دن کی طرح تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔ "وان یخذلکم" اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر تمہاری کون مدد کرے گا جیسا کہ وقتی طور پر اُحد کی جنگ میں ہوا۔ خذلان کہا جاتا ہے مدد سے نااُمید ہو کر بیٹھ جانا۔ "فمن ذاالذی ینصرکم من بعدہ" اس کی مدد کے بغیر تمہاری کون مدد کر سکتا ہے۔ "وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون"

متوکلین کی صفات

بعض حضرات نے کہا کہ توکل کہا جاتا ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اپنی ذات کے لیے غیر اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا مددگار نہ سمجھے اور نہ ہی رزق کا مالک اور اپنے اعمال کی جزا کسی غیر سے رکھے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، منتر نہیں پڑھتے اور بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

عکاشہ بن محصن سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دُعا فرمایئے کہ میں ان ہی میں سے ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو ان ہی میں سے ہے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دُعا فرمایئے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عکاشہ تم پر سبقت کر چکا۔

عبداللہ بن ہبیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو تمیم جیشانی کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تم کو اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

وما كان لنبي أن يغل کا شانِ نزول

⑯ "وما كان لنبي ان يغل" عکرمہ اور مقسم فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا نزول اس سرخ دھاری دار چادر کے متعلق ہوا جو بدر کے دن گم ہوگئی تھی۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ اُحد کی مالِ غنیمت کے متعلق ہوا جب مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے تیراندازوں نے گھاٹی کے مرکز کو چھوڑ دیا تھا اور کہنے لگے کہ ہم کو خوف ہے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ ارشاد فرمادیں کہ جس نے جو چیز لی ہو وہ اسی کی ہے اور بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی مالِ غنیمت کی تقسیم نہ ہو۔ اس اندیشہ کی وجہ سے انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اموال غنیمت پر جا پہنچے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ جب تک میرا حکم تم کو نہ پہنچے اپنی جگہ نہ چھوڑنا، کہنے لگے ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ آئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یہ سوچا کہ ہم مالِ غنیمت میں خیانت کریں گے بانٹ کر تم کو نہیں دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قتادہ نے بیان کیا کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالِ غنیمت میں خیانت کی تھی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ کچھ طاقتور لوگوں نے اصرار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالِ غنیمت کی طلب کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وما كان لنبي ان يغل" یعنی نبی کی شایانِ شان نہیں کہ وہ بعض لوگوں کو دے اور بعض کو نہ دے بلکہ تقسیم میں وہ برابری کرتے ہیں۔

وما كان لنبي أن يغل کی تفسیر

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ وحی کے بارے میں ہے کہ کسی نبی کے شایانِ شان یہ نہیں کہ وہ وحی کے متعلق کچھ چھپائیں۔ رغبت یا رہبت کی وجہ سے (کسی کے ڈر یا خوف کی وجہ سے وہ وحی میں سے کچھ نہیں چھپاتے) "وما كان لنبي ان يغل" ابن کثیر،

اہل بصرہ اور عاصم یاء کے فتحہ اور غین کے ضمہ کے ساتھ "یَغُلَّ" پڑھا ہے اس کا معنی ہے خیانت کرنا مراد اس سے اُمت ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں لام منقول ہے عبارت اس طرح ہوگی "ما کان لنبی لیغل" کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص اس طرح گمان نہ کرے اور نہ اسی طرح کی کوئی چیز لائے۔ دوسرے قراء نے "یُغَلَّ" یاء کے ضمہ اور غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس طرح پڑھنے کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے غلول اسی معنی کے لیے ہو تو پھر آیت کا مطلب ہوگا کسی نبی کے لیے نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ مطلب اس کی اُمت خیانت کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ غل بمعنی اغلال کے ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔ خیانت کو نبی کی طرف منسوب کرے۔ "ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ"

مال غنیمت میں چوری کرنے والے کا بُرا انجام

کلبی فرماتے ہیں کہ مال غنیمت سے چرائی ہوئی چیز کی ہم شکل جہنم میں کوئی چیز بنادی جائے گی اور اس خائن سے کہا جائے گا جا اُتر کر اس کو لے لے وہ اُتر کر اس چیز کو پیٹھ پر اُٹھا کر لے آئے گا جب وہ اپنی جگہ آجائے گا تو وہ چیز چھوٹ کر پھر جہنم میں گر پڑے گی اور اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ اُتر کر جائے اور اس چیز کو لا کر لے آئے، وہ ایسا کرے گا اور یہی معاملہ اس کے ساتھ ہوتا رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے وہاں سونا چاندی کوئی ہاتھ نہیں آیا صرف اونٹ، کپڑے اور سامان ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قریٰ کی طرف رُخ کیا۔ ایک حبشی غلام جس کو رفاعہ بن زید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اس کا نام مدعم تھا۔ جب ہم وادی قریٰ میں پہنچے اور مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کا کجاوا اُتارنے لگا اچانک ایک نامعلوم تیر اس کو آکر لگا، معلوم نہیں کس نے پھینکا تھا اس سے وہ مر گیا۔ لوگوں نے کہا اس کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ چھوٹی چادر جو غزوہ خیبر کی جنگ میں مال غنیمت سے لے لی تھی اور اس کے حصے میں نہیں آئی تھی وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ بات سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور خدمت گرامی میں پیش کر دیے۔ فرمایا ایک یا دو تسمے بھی آگ کے ہیں۔

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن ایک شخص کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھو، یہ سن کر لوگوں کے رنگ فق ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے ہم نے اس کا سامان کھول کر دیکھا تو اس میں یہودیوں سے لوٹے ہوئے کچھ نقلی موتی ملے جو دو درہم کی قیمت کے ہوں گے۔

ابی حمید الساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ ازد کا ایک شخص جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صدقہ کا عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ جب وہ اموال وصول کر کے واپس آیا تو کہنے لگا یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان عمال کو کیا ہو گیا جن کو ہم صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجتے ہیں تو واپس آ کر کہتے ہیں کہ یہ تمہارا ہے اور یہ ہمیں ھدیہ میں دیا گیا۔ آخر وہ شخص اپنی والدہ اور اپنے باپ کے گھر کیوں بیٹھا نہیں رہتا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ اس کو گھر ہی میں مل جاتا۔ خدا کی قسم! جو شخص بھی تم میں سے کوئی چیز ناحق لے گا وہ ضرور جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے جائے گا تو وہ چیز اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا۔ اگر وہ اونٹ چوری کیا ہو گا تو اس کی آواز ہو گی یا گائے کی آواز یا بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے لائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک کو اٹھا کر (بغل کی سفیدی نظر آئی) فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ وہ مال غنیمت میں چوری ہو گی۔ "ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ" یعنی جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو اس حالت میں پاؤ کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے تو تم اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مارو۔ عمرو بن شعیب کے دادا روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان جلوا دیا اور اس کی پٹائی لگوائی "ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون"

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۞ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞

(ترجمہ) سو ایسا شخص جو کہ رضائے حق کا تابع ہو گیا وہ اس شخص کے مثل ہو جاوے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو اور وہ جانے کی بری جگہ ہے۔ یہ مذکورین درجات میں مختلف ہوں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔

اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو چند تم جیت چکے تھے۔ کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ آپ فرما دیجئے یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تفسیر ۞ "افمن اتبع رضوان" رضوان سے مراد مال غنیمت میں خیانت کو ترک کر کے اللہ کی رضا مندی حاصل کرنا۔ "کمن باء بسخط من اللہ" ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا۔ "وماواہ جھنم وبئس المصیر"

۞ "ھم درجات عند اللہ" اللہ کے ہاں ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی اور جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا تو ان دونوں کے درجات اللہ کے ہاں مختلف ہیں جس نے اللہ کی رضا مندی کی اتباع کی اسے ثواب عظیم سے نوازا گیا اور جس نے اللہ کی ناراضگی کی اتباع کی اسے دردناک عذاب ملا۔ "واللہ بصیر بما یعملون"

۞ "لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم" بعض علماء کا خیال ہے کہ المؤمنین سے عرب کے تمام مومن مراد ہیں کیونکہ بنو تغلب کے علاوہ باقی ہر عربی قبیلہ کا قریش سے کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام مومنین ہیں۔ اس صورت میں "من انفسھم" سے مراد ایمان اور شفقت کے ہیں نسب کے اعتبار سے معنی مراد نہیں۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لقد جاء کم رسول من انفسکم" ..... "یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا" یہ "قد کانوا" کے معنی میں ہے۔ "من قبل" بعثت سے قبل مراد ہے۔ "لفی ضلال مبین"

۞ "اولما" حین کے معنی میں ہے یعنی جب "اصابتکم مصیبۃ" اس سے جنگ اُحد مراد ہے۔ "قد اصبتم مثلیھا" اس سے قبل تمہیں اس جیسی بدر میں پہنچ چکی ہے۔ مشرکین نے اُحد کے دن مسلمانوں کے ستر مجاہدین شہید کئے جبکہ مسلمانوں نے بدر میں ستر کافروں کو مارا اور ستر کو قید کر کے لائے تھے۔

"قلتم انی ھذا" کہ یہ تکلیف اور شکست اور مسلمانوں کا قتل ہونا کہاں سے آئی حالانکہ ہم تو مسلمان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں۔ "قل ھو من عند انفسکم" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام ناپسند گزرا جو آپ کی قوم نے کیا کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑ دیئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کا حکم دیں یا تو وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں مگر اس صورت میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر مسلمانوں کا شہید ہونا لازمی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ لوگوں کے سامنے کیا تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، بھائی ہیں، ہم ان سے فدیہ لے لیں گے اور اس مال سے دشمن کے مقابلہ کے لیے طاقت فراہم کر لیں گے۔ ہم میں سے ان کی تعداد کے بقدر شہید ہو جائیں گے تو ہو جائیں ہمیں یہ بات منظور

ہے۔ چنانچہ اُحد کے دن بدر کے قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہوئے۔ پس یہی معنی ہے اللہ کے اس فرمان کا "قل هو من عند انفسکم" کہ تم نے فدیہ سے لے کر قتل کو اپنے لیے اختیار کر لیا۔ "ان اللہ علی کل شیء قدیر"

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ
مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفعیہ بن جانا وہ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہو گئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے بھائیوں کی نسبت بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

تفسیر ⑯ "وما اصابکم یوم التقی الجمعان" اُحد کے میدان میں مسلمانوں پر قتل، زخموں اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ "فباذن اللہ" اللہ کی قضاء اور قدرت سے "ولیعلم المؤمنین" تاکہ خالص مومن اور منافقین میں تمیز ہو سکے۔ بعض نے کہا تاکہ دونوں گروہ دیکھے جائیں کون اچھا ہے اور کون اچھا نہیں۔

⑰ "ولیعلم الذین ..... فی سبیل اللہ" اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی اطاعت کی وجہ سے لڑو۔ "او ادفعوا" یعنی تم اپنے اہل وعیال اور بچوں کی طرف سے ہی دفاع کر لو۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چلو لڑو نہیں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ تاکہ ان کی تعداد بڑھ جائے اور تم اپنی جگہ جمے رہو، فرار اختیار نہ کرو۔ "قالوا لو نعلم قتالاً لا تبعناکم" عبداللہ بن سلام اور اس کے ساتھی تھے جو اُحد کے دن تین سو کے قریب لے کر واپس چلا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے کہا تھا "هم للکفر یومئذ اقرب" اس دن انہوں نے ایسا فعل کیا جو کفر کے قریب ہے۔ "منهم للایمان" ان میں سے بعض ایمان کے قریب تھے۔ "یقولون بافواههم" وہ کلمہ ایمان صرف زبانی کہتے تھے دل سے نہیں کہتے۔ "مالیس فی قلوبهم واللہ اعلم بما یکتمون"

⑯ "الذین قالوا لاخوانھم" انہوں نے اپنے نسبی بھائیوں سے کہا نہ کہ دینی بھائیوں سے جو اُحد میں شہید کیے گئے تھے "وقعدوا" یعنی ہماری طرح جنگ سے بیٹھے رہتے۔ "لو اطاعونا" اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے جاتے اور گھروں میں بیٹھے رہتے۔ "ما قتلوا قل" اے محمد آپ ان سے کہہ دیجئے "فادرءوا" کہ اب تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو۔ "عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین" اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو کر کے دکھاؤ حالانکہ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

شان نزول

⑰ "ولا تحسبن الذین …… امواتا" یہ آیت شہداء بدریین کے بارے میں نازل ہوئی … جن میں چودہ افراد ان میں آٹھ انصاری صحابی رضی اللہ عنہم … اور چھ مہاجرین صحابی رضی اللہ عنہم تھے … اور بعض نے کہا کہ یہ آیت شہداء اُحد کے متعلق نازل ہوئی … اور وہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید زندہ ہوتا ہے

ان مہاجرین میں سے چار حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر، عثمان بن شماس، عبداللہ بن جحش اور تمام انصار (رضی اللہ عنہم) تھے۔ عبداللہ بن مرہ مسروق سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون" وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہے جو عرش کی قندیلوں کے ساتھ معلق ہیں وہاں سے جنت کی سیر کرتے ہیں جہاں چاہتے ہیں پھر واپس عرش کی قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں، اللہ ان کو دیکھتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا روزانہ تین مرتبہ ہوتا ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں اے رب! ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں۔ اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں۔ پھر جب اللہ رب العزت دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں تو ان کو اپنی حالت پہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اُحد کے دن جب تمہارے ساتھی مارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں داخل کردیا، وہ جنت کی نہروں میں اُترتے ہیں جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور واپس لوٹ کر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔ جب انہوں نے اپنی عمدہ خواب گاہ، کھانا پینا دیکھا

اوراللہ نے ان کے لیے جو عزت فراہم کی ہے تو اس کا معائنہ کیا تو وہ کہتے ہیں کہ کاش! ہماری اس موجودہ راحت اور حسن سلوک جو اللہ نے ہمارے ساتھ کیا اطلاع ہو جاتی تا کہ ان کو بھی جہاد کی ترغیب ہوتی اور وہ جہاد سے روگرداں نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہاری طرف سے ان کو اطلاع دے دوں گا اور تمہارے بھائیوں کو خبر پہنچا دوں گا۔ شہداء یہ سن کر خوش اور ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ولا تحسبن الذین" سے لے کر "لا یضیع اجر المؤمنین" تک۔

طلحہ بن خراش فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے اور ارشاد فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں ناشکستہ دیکھ رہا ہوں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد شہید ہو گئے اور ان کے بچے رہ گئے اور ان پر قرض بھی ہے۔ فرمایا کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ اللہ تیرے باپ سے کس طرح ملا، میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس سے کلام کیا پردہ کی اوٹ سے کیا مگر تمہارے باپ کو زندہ کر کے روبرو کلام کیا اور فرمایا میرے بندے اپنی آرزو مجھ پر بیان کر میں تجھے دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا میرے رب مجھے پھر زندہ کر دے کہ میں دوبارہ تیرے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فیصلہ ہو چکا کہ مرنے کے بعد پھر وہ نہیں لوٹیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر ان شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ "لا تحسبن الذین قتلوا"

بیر معونہ کے شہداء صحابہ کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے اور اس کو اللہ کے ہاں اچھا انعام ملے اور وہ دوبارہ دُنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے مگر صرف شہید جو اتنے انعامات کے ہونے کے باوجود وہ دوبارہ شہادت کی تمنا کرے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان آیات کا نزول بیر معونہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی جس کا سبب وہ ہے جس کو محمد بن اسحاق نے انس بن مالک اور بعض اہل علم نے بیان کیا کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جن کا لقب ملاعب الاسنہ تھا۔ یہ بنو عامر بن صعصعہ کا سردار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا، اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کر لوں تو مسلمان ہو جاؤ، پھر اس پر اسلام کو پیش کیا گیا اور اس کو وہ تمام انعامات بیان کیے جو مؤمنین کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت کی گئی لیکن پھر بھی وہ اسلام نہیں لایا اور وہ کہنے لگا محمد جس کی تم دعوت دیتے ہو وہ خوبصورت ہے۔ پس اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے لیے بھیج دو تو مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کے متعلق خطرہ ہے۔ ابو البراء کہنے لگا میرا ان کے ساتھ تعلق ہے۔

میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہ

رضی اللہ عنہم کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا۔ ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۴ ہجری میں ہوئی۔ غرض یہ لوگ چل دیے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقہ کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں، تمہارے پاس آیا ہوں، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی اس تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے پہلو پر برچھا مارا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ فوراً بول اُٹھے، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوں رضی اللہ عنہم کے خلاف چیخ کر آواز دی۔ بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے ابو براء کی ذمہ داری کو نہ توڑو۔ عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہ رضی اللہ عنہم پر چھا گئے اور فرودگاہ پر آ کر سب کو گھیر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے۔ صرف کعب بن زید رضی اللہ عنہ بچ گئے اور وہ بھی اس طرح کہ کافر ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھی اس لیے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں مارے گئے۔

عمرو بن اُمیہ ضمیری اور ایک انصاری جو عمرو بن عوف کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جب ان پر مصیبت پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ لشکر کے اوپر پرندے منڈلا رہے ہیں۔ دونوں کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! یہ کسی واقعہ کی علامت ہے یہ دونوں سامنے آئے تا کہ دیکھ سکیں، دیکھا کہ قوم خون میں لت پت ہے اور گھوڑے ان کے سروں پر کھڑے ہیں۔ انصاری نے عمرو بن اُمیہ سے کہا کہ تم کیا دیکھتے ہو اور تمہاری کیا رائے ہے وہ کہنے لگا میں تو کہتا ہوں کہ ہم اس خبر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں۔ انصاری نے کہا کہ اللہ اکبر میں تو منذر بن عمرو جہاں قتل ہوئے میں بھی وہاں شہید ہونا چاہتا ہوں، پھر قوم سے قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور عمرو بن اُمیہ کو قید کر کے لے گئے لیکن عمرو نے بتایا کہ میں قبیلہ مضر سے ہوں تو عامر بن طفیل نے ان کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حرکت ابو براء نے کی ہے اس نے یہ حرکت کی جو اس کے لیے خوف کا سبب بنی۔ جب یہ خبر براء تک پہنچی تو اس کو یہ بات بہت شاق گزری اور اسی وجہ سے بھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار میں ہوتا تھا اور ان لوگوں میں سے جن کو مصیبت پہنچی، ان میں سے عامر بن فہیرہ بھی تھے

عامر بن طفیل کہتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا کہ جب وہ مارا گیا تو اس کو آسمان و زمین کے درمیان اُٹھا لیا گیا یہاں تک کہ آسمان مجھے اس سے نیچا نظر آنے لگا، لوگوں نے کہا وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس واقعہ کے بعد ابو براء کے بیٹے ربیعہ نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا۔ عامر گھوڑے پر سوار تھا، ربیعہ نے اس کے نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ صحیحین میں بوساطت قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رعل اور ذکوان اور عصیہ اور بنی لحیان کے قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور دشمنوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (فوجی) مدد مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو ہم قاری کہتے تھے بطور مدد کر دیئے، یہ حضرات دن میں لکڑیاں جمع کرتے (اور فروخت کر کے گزارا کرتے) اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو کافروں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور (سب کو) شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دُعائے قنوت پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لیے بددُعا کی۔

امام احمد، بخاری، مسلم اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری نے عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو قاری کہا جاتا تھا بھیج دیے، مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ درخواست کرنے والے ان قاریوں کے درپے ہو گئے اور سب کو شہید کر دیا۔ شہداء نے کہا اے اللہ! ہمارے نبی کو یہ خبر پہنچا دے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم نے (اے اللہ) تجھے پا لیا ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ میں شہداء کی طرف سے (اے مسلمانو!) تم کو یہ پیام پہنچاتا ہوں کہ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے ہم (قرآن میں) ان شہداء کے بارہ میں پڑھتے تھے "**بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا**" لیکن پھر یہ جملے منسوخ کر دیے گئے (اور قرآن سے خارج کر دیے گئے) اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لیے بددُعا کی۔ ان قبائل نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم اس کو ایک زمانے تک پڑھتے رہے ہیں پھر اس کو اُٹھا لیا گیا اور اللہ نے نازل فرمایا "**ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا**" بعض نے کہا کہ یہ لفظ شہداء کے اولیاء کا ہے کہ جب ان کو دُنیا میں کچھ فراوانی حاصل ہوئی تو وہ ان شہداء پر افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تو نعمت میں ہیں، ہمارے آباء ہماری اولاد اور ہمارے بھائی قبروں میں ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تا کہ ان شہداء کی حالت ان پر واضح ہو جائے۔ "**ولا تحسبن**" نہ گمان کرو۔

"**الذین قتلوا فی سبیل اللہ**" ابن عامر نے "**قُتِّلُوْا**" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔

"**بل احیاءٌ عند ربھم**" ہمارے دین (مذہب) میں زندہ ہیں۔ بعض نے کہا لوگوں کی یاد میں زندہ ہیں کہ قیامت تک ان کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور ان چیزوں سے فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں زندوں کی طرح۔

بعض نے کہا کہ زندہ ہیں اس لیے ہر روز کہ ان کی ارواح رکوع اور سجدہ کرتی ہیں عرش کے نیچے قیامت کے دن تک۔ بعض نے کہا کہ شہید قبر میں بوسیدہ نہیں ہوگا اس لیے احیاء کہا اور زمین اس کو نہیں کھائے گی۔

عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اُحد کے شہداء کے پاس سے گزر رہے تھے جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کے لیے دُعا فرمائی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پھر فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہوں گے سنو! ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو، ان کو سلام کہا کرو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ "یرزقون" جنت کے پھلوں میں سے ان کو ہدیہ ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر: فضل سے مراد رزق اور اس کا ثواب ہے "ویستبشرون" اور وہ اس میں خوش ہوتے ہیں۔ "بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم لم" اس سے مراد وہ بھائی جن کو وہ دُنیا میں زندہ چھوڑ کر آئے ایمان کی حالت میں اور جہاد کی حالت میں ان کو یہ معلوم ہے کہ جب انہیں بھی شہادت سے نوازا جائے گا اور ہم ان سے ملیں گے اور وہ انعامات انہیں بھی ملیں گے جو ان کو ملے۔ اس وجہ سے ان کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ "أن لا خوف علیهم ولا هم یحزنون"

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ: وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا اور ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لیے ثواب عظیم ہے۔

تفسیر: ● "یستبشرون بنعمة من الله و فضل وان الله" یہ "بان الله" کی طرح ہے۔ امام کسائی نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جملہ مستانفہ ہوگا۔ "لا یضیع اجر المؤمنین" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلا ہے اور کلمہ کی تصدیق کرتا ہے تو جب

تک وہ واپس گھر نہیں لوٹتا اس وقت تک اللہ اس کے گھر والوں کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے یا تو واپس لوٹتا ہے ثواب اور مال غنیمت لے کر لوٹتا ہے اگر شہید ہو جائے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی اللہ کے راستے میں زخمی ہو گا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا ہے، جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے زخم سے خون نکل رہا ہو گا جس کا رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو مشک جیسی ہو گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کو بوقت شہادت اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کے باعث ہوتی ہے۔

⑫ "الذین استجابوا للّٰہ والرسول" یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر اُحد سے واپس روحاء مقام پر پہنچا وہاں پہنچ کر اس کو بہت ندامت ہوئی اور اپنے آپ کو ملامت کرنے اور کہنے لگا، محمد کو تو ہم نے نہیں مارا اور نہ ان کو واپس لوٹایا کہ ہم ان کے ساتھ خوب قتال کریں، یہاں تک کچھ لوگ بچ جائیں، لوٹو اور ان کو جڑ سے اُکھاڑ دو، یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں ہی دُعا کی کہ دشمن مرعوب ہو جائے اور ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تسلی آ جائے۔ چنانچہ ابوسفیان کے لشکر کے لوگ واپس اُحد کے میدان میں آنے سے کترانے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تیار رہتے تھے حالانکہ ان کو زخموں اور غموں نے چُور رکھا ہوتا ہے، آواز دینے والے نے آواز دی کہ سنو آج کے دن ہمارے ساتھ وہی نکلے گا جو کل ہمارے ساتھ نکلے تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ کے منادی نے آواز لگائی ہے کہ صرف وہی لوگ آج میرے ساتھ نکل کر چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔ میرا قصہ یہ ہے کہ مجھے جنگ میں شریک ہونے کا بہت شوق تھا لیکن میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات یا نو بہنوں کا نگران مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان عورتوں کو بغیر کسی مرد کے سرپرستی کے چھوڑ جانا نہ تیرے لیے مناسب ہے نہ میرے لیے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے کے لیے تجھے اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔

شاید اللہ مجھے شہادت نصیب فرما دے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں لڑکیوں کا نگران ہو کر شرکت جہاد سے رہ گیا تھا۔ اس واقعہ کے سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے اوپر رعب ڈالنے کے لیے نکلے تاکہ ان کو یہ خبر پہنچ جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تعاقب میں نکلے ہیں اور مسلمان قوت والے ہیں اور گزشتہ دن کی شکست دشمن کے مقابلے میں ان کو کمزور نہیں بنا سکتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے، ان میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابوعبیدہ بن جراح (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ستر اصحاب کو لے کر حمراء الاسد مقام پر پہنچے۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔

غزوہ بدر صغریٰ کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں عبداللہ بن زبیر سے اے میری بہن کے بیٹے! اللہ کی قسم آپ کے باپ و دادا یعنی ابوبکر، زبیر (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا "والذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح" آپ صلی اللہ علیہ وسلم معبد الخزاعی کے پاس سے گزرے۔ خزاعی اس وقت مسلمان تھا اور بنو خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب تہامہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میل جول رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا معاہدہ تھا۔ وہ تہامہ کی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ معبد خزاعی نے کہا جب وہ مشرک تھا اس نے کہا اے محمد جو مصیبت آپ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر پڑی اس سے بڑا دکھ ہوا۔

ہماری خواہش تھی کہ اللہ آپ کے ساتھ عافیت والا معاملہ ہی کرے۔ اس کے بعد یہاں سے نکل کر معبد ابوسفیان کے پاس روحاء میں پہنچا، مشرکوں نے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہا اور انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ہم ختم کر چکے ہیں۔ اب لوٹ کر باقی لوگوں پر حملہ کر کے ان کی طرف بالکل بے خوف ہو کر رہ جائیں گے۔ ابوسفیان نے جب معبد کو دیکھا تو پوچھا ادھر کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ تمہارے لیے دانت تیز کر رہے تھے جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ بھی ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں اور اپنی گزشتہ غلطی پر پشیمان ہیں۔ ان کے اندر تمہارے لیے بہت غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ ان میں نہیں دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا تیرا برا ہو تو کیا کہہ رہا ہے وہ کہنے لگا واللہ میرے خیال میں تم کوچ کرنے بھی نہ پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تم کو نظر آ جائیں گی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کریں تا کہ ان کے باقی لوگ بھی ختم ہو جائیں۔ معبد نے کہا میں تم کو اس حرکت سے روکتا ہوں، معبد کے اس قول نے ابوسفیان کا رخ موڑ دیا اور معبد کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ان میں ایک سوار کو دیکھا جو یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

کادت تھد من الاصوات راحلتی اذ سالت الارض بالجراد الاباییل

یہ شعر پڑھے اور ابوسفیان واپس لوٹ گیا اور اس کے ساتھی بھی لوٹ گئے۔ ان کے پاس سے عبدالقیس کا قافلہ گزرا اور کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ مدینے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ شکست کھا کر بھاگے ہوئے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میری طرف سے محمد کو ایک پیغام پہنچا دو گے تو میں تمہارے لیے عکاظ بازار میں کشمش کے اونٹ لا دوں گا۔ سواروں نے کہا جی ہاں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ جب تم وہاں پہنچو تو ان کو خبر دے دینا کہ ہم نے تمہارے خلاف لشکر جمع کیا ہے تا کہ تمہارے مابقیہ کا بھی خاتمہ کر لیں یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ جب حمراء الاسد کے قریب سے گزرا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا جو پیغام ابوسفیان نے دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "حسبنا اللہ ونعم

الوکیل" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اُحد کی واپسی کے وقت ابوسفیان نے کہا محمد اگر تم کو منظور ہو تو آئندہ سال بدر صغریٰ پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان شاء اللہ ہمارے تمہارے درمیان یہی ہوگا۔ آنے والے سال ابوسفیان مکہ سے قریش کو لے کر نکلا اور بطن مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں پہنچ کر اللہ نے اس کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور واپس ہو جانے کا خیال پیدا ہوگیا۔ نعیم بن مسعود اشجعی عمرہ کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے اس سے کہا نعیم میں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو جنگ کرنے کا چیلنج تو کر دیا کہ آئندہ تمہارا اور ہمارا مقابلہ بدر صغریٰ کے میلہ میں ہوگا مگر یہ خشکی کا سال ہے اور ہمارے لیے جنگ اسی سال مناسب ہے جب ہم جانوروں کو سبزہ چرائیں اور خود دودھ پئیں۔ اب میری رائے یہ ہے کہ بدر صغریٰ کو نہ جاؤں لیکن یہ امر بھی مناسب نہیں کہ میں وہاں نہ جاؤں اور محمد وہاں پہنچ جائیں۔

اس سے مسلمانوں میں اور جرأت بڑھ جائے گی، میری طرف سے چیلنج کی خلاف ورزی سے یہ بہتر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلاف ورزی ہو لہٰذا تم مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو روک دو اور ان سے جا کر یہ کہو کہ ابوسفیان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے تم اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے، اگر تم اس خدمت کو سرانجام دو گے تو میں تم کو دس اونٹ دوں گا جو سہیل بن عمرو کے پاس بطور ضمانت جمع کر دوں گا۔ چنانچہ سہیل اونٹوں کا ضامن ہے اور نعیم مدینہ پہنچ گیا وہاں لوگ ابوسفیان کے چیلنج کی تیاری کر رہے تھے۔ نعیم نے پوچھا تم لوگوں کا کہاں کا ارادہ ہے، لوگوں نے جواب دیا بدر صغریٰ کے میلے پر ہم نے ابوسفیان کے ساتھ لڑنے کا معاہدہ کیا ہے۔ نعیم نے کہا کہ تمہاری رائے بری ہے وہ تمہارے گھروں میں اور تمہارے مستقر پر آئے تھے۔ تم میں سے سوائے بھاگنے کے اور کوئی نہ بچ سکا، اب خود نکل کر جانا چاہتے ہو وہ بھی تمہارے مقابلے کے لیے بدر صغریٰ کے موقع پر جمع ہو گئے اور خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ یہ باتیں سن کر بعض کمزور صحابہ رضی اللہ عنہم نکلنے کے لیے مناسب نہیں سمجھ رہے تھے (اس وجہ سے منافقوں اور یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ سے نہیں بچ سکیں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں ضرور بضرور نکلوں گا، اگرچہ اکیلے ہی نکلنا پڑے۔ بزدل لوگ یہ بات سن کر واپس چلے گئے اور جو بہادر تھے وہ بھی لڑنے کے لیے ساتھ تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر بدر صغریٰ کی طرف روانہ ہوئے وہاں مشرکین مسلمانوں سے ملاقات کرتے اور مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کہتے تھے کہ قریش نے تمہارے مقابلے میں بہت بڑا لشکر تیار کیا ہوا ہے! اس پر مسلمان ان کو جواب کہتے۔ "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" یہ لشکر بدر کے مقام پر پہنچ گئے جہاں پر جاہلیت کے زمانے میں بازار لگا کرتا تھا۔ ہر سال اس میں آٹھ دن بازار لگتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں آٹھ دن تک اس کا انتظار کیا لیکن

ابوسفیان مقام مجنہ سے واپس مکہ لوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ انہوں نے بدر صغریٰ کے بازار میں تجارت کر کے نفع کمایا اور ایک درہم کے بدلے دو درہم حاصل کیے اور مدینہ کو صحیح سالم نفع کما کر لوٹے۔ یہی مطلب ہے "الذین استجابوا للہ والرسول" یعنی انہوں نے اس جنگ کو قبول کیا اور وہاں حاضر ہوئے۔ "الذین منصوب ہے مؤمنین" کی صفت ہونے کی وجہ سے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "ان اللہ لایضیع اجر المؤمنین المستجیبین الذین استجابوا للہ والرسول" اللہ مؤمنین مستجیبین کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کی۔ "من بعد ما اصابھم القرح" یعنی ہے ان کو زخم۔ کلام یہاں پر مکمل ہو رہا ہے اور آگے ارشاد فرماتے ہیں "للذین احسنوا منھم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور جنگ کے لیے لبیک کہنے کی وجہ سے۔ "واتقوا" اور وہ بچے گناہوں سے "اجر عظیم"

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

(ترجمہ) یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ حق تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔ پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو ناگواری ذرا پیش نہ آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

(تفسیر) ﴿١٧٣﴾ "الذین قال لھم الناس" الذین منصوب ہے یا تو "الذین استجابوا" سے بدل ہوگا یا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے فعل محذوف امدح ہوگا۔ "الناس" سے مراد نعیم بن مسعود ہے اور یہی قول مجاہد اور عکرمہ کا ہے۔ عام سے خاص کو مراد لیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت میں "ام یحسدون الناس" اس سے اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ محمد بن اسحاق اور ایک جماعت کے نزدیک الناس سے مراد عبدالقیس کے شاہ سوار ہیں۔ "ان الناس قد جمعوا" یہاں الناس سے مراد ابو سفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ "فاخشوھم" پس تم ان سے ڈرو اور ان سے بچو کیونکہ ان کے مقابلے میں تمہاری کوئی طاقت نہیں۔ "فزادھم ایمانا" ان کی تصدیق اور ایمان میں مزید اضافہ فرما دیا۔ "وقالوا حسبنا اللہ" اللہ ہمیں کافی ہے "ونعم الوکیل" سارے امور تمہاری طرف ہی ہیں۔ فعیل بمعنی مفعول کے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا جب ان کو لوگوں نے کہا "لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل"

● "فانقلبوا" پس وہ لوٹ آئے۔ "بنعمة من اللّٰه" اپنی عافیت کے ساتھ جس کو دشمن کی طرف سے کوئی خوف نہ پہنچا ہو۔ "وفضل" تجارت اور نفع کے ساتھ جو انہوں نے بازار سے حاصل کیا تھا۔ "لم یمسسھم سوء" تو ان کو کوئی مصیبت پہنچی اور نہ ہی تکلیف پہنچی۔ "واتبعوا رضوان اللّٰه" اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ جہاد ہوگا اس پر اللہ نے ان کو جہاد کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہوا۔ "واللّٰه ذو فضل عظیم"

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ● وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ● إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ● وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ●

ترجمہ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو اور آپ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو اصلاً حصہ نہ دے اور ان لوگوں کو سزائے عظیم ہوگی۔ یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان کی جگہ کفر کو اختیار کیا ہوا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور ان کو دردناک سزا ہوگی اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ جرم میں ان کو اور ترقی ہو جائے۔ اور ان کو توہین آمیز سزا ہوگی۔

تفسیر ● "انما ذلکم الشیطان" یعنی یہ جو انہوں نے کہا "ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم" یہ مذکورہ قول شیطان کا فعل ہے۔ شیطان نے ان کی زبانوں سے یہ بات کہلوائی ہے تاکہ وہ تم کو خوفزدہ بنا دیں اور تم پست ہمت ہو جاؤ۔ "یخوف اولیاءہ" وہ تمہیں ان کے اولیاء (سرداروں) سے ڈراتا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب کی قرأت میں ہے پھر اس کا معنی ہے کہ مؤمنین کو ڈراتے ہیں کافروں سے۔ سدی فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم ان سے ڈر جاؤ۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے "یخوفکم اولیاءہ"...... "فلا تخافوھم وخافون" میرے حکم کے ترک سے "ان کنتم مؤمنین" میرے وعدے کی تصدیق کرنے والے کیونکہ میں نے تمہارے لیے مدد اور نصرت کا کفیل و ضامن ہوں۔

● "ولا یحزنک" حضرت نافع نے ی کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور زا کے کسرہ کے ساتھ۔ اسی طرح پورے قرآن میں اسی طرح آیا ہے سوائے سورۃ انبیاء کے "لا یحزنھم الفزع الاکبر" آیا ہے۔ البتہ ابوجعفر کی قرأت میں صرف سورۃ انبیاء میں اس

طرح آیا ہے۔ باقی مقامات پر اس طرح نہیں آیا اور ان کی دو لغات ہیں "حزن یحزن ...... احزن یحزن" غالب لغت حزن یحزن ہے۔ "الذین یسارعون فی الکفر" ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں جبکہ بعض نے کہا کہ اس سے مراد منافق ہیں جو کفر میں داخل ہونے کے لیے تیزی کے ساتھ کفر میں داخل ہو رہے ہیں۔ "انہم لن یضروا اللہ شیئاً" کفر میں ان کا جلدی سے داخل ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ "یرید اللہ الا یجعل لہم حظا فی الآخرۃ" ان کے لیے آخرت میں ثواب ہے۔ اس ثواب کی وجہ سے ان کے لیے رسوائی ہے۔ یہاں تک کہ وہ کفر میں جلدی داخل ہوتے ہیں۔ "ولہم عذاب عظیم"

● "ان الذین اشتروا" جس نے ایمان کے بدلے میں کفر کو لے لیا۔ "الکفر بالایمان لن یضروا اللہ شیئاً" کفر میں جلدی داخل ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ "ولہم عذاب الیم"

● "ولا یحسبن الذین کفروا" بعض قراء نے اس کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "الذین" محل رفع میں فاعل ہے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ "لا یحسبن الکفار املاء نا لہم خیراً" کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے ان کے لیے بہتری جمع کی ہے جنہوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبارت یہ ہوگی۔ "ولا تحسبن یا محمد الذین کفروا" اے محمد ان کے کفر کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں یہ منصوب ہے بدل ہونے کی وجہ سے "انما نملی لہم خیر لانفسہم" املاء امہال اور تاخیر کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "عشت طویلاً وتملیت حیناً" تم طویل عرصہ تک زندہ رہو اور تمہیں ایک مدت تک مہلت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "واھجرنی ملیا" اس کا مطلب ہے طویل زمانہ تک پھر فرمایا "انما نملی لہم" ہم ان کو مہلت دے دیں گے۔ "لیزدادوا اثما ولہم عذاب مہین" مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ عطاء فرماتے ہیں اس سے مراد قریظہ اور نضیر ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا سب سے برا کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو۔ جب تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیز نہ فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے۔ و لیکن ہاں جس کو خود چاہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو منتخب فرما لیتے ہیں۔ پس اب اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیز رکھو تو پھر تم کو اجر عظیم ملے۔

شانِ نزول

تفسیر ۱۷۹ "ما کان ...... من الطیب" اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق آئمہ کے اقوال مختلف ہیں۔ کلبی نے کہا کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو گمان ہے کہ جو آپ علیہ السلام کی مخالفت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور جو آپ علیہ السلام کے دین کی پیروی کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور اللہ اس سے راضی ہوگا۔ ہمیں خبر دیجئے کہ جو آپ پر ایمان لائے اور جو آپ پر ایمان نہ لائے اس کا کیا انجام ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

امام سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے میری اُمت اپنی شکلوں میں طین حالت میں لائی گئی جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے لائی گئی تھی اور جو لوگ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور جو لوگ ایمان لانے والے نہیں سب مجھے دکھلا دیئے۔ اس فرمان کی اطلاع منافقین کو پہنچی تو انہوں نے بطورِ استہزاء کے بولے کہ محمد کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ان میں کون مؤمن ہوگا اور کون غیر مؤمن محمد ان سب سے واقف ہیں اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔

جب یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگ کس وجہ سے میرے علم پر طعن کرتے ہیں تم اپنے زمانے سے قیامت کے دن تک جو چیز مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں بتادوں گا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوچھا میرا باپ کون ہے اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حذافہ تمہارے والد ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین حق ہونے پر قرآن کے امام ہونے پر اور آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے پر راضی ہیں۔ آپ ہم کو معاف فرمادیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم باز آگئے، پھر منبر سے اُتر آئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت کے نظم و حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک و مقاتل اور کلبی اور اکثر مفسرین کے نزدیک خطاب کفار اور منافقین کو ہے۔

یعنی "ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ" اے کفار اور منافقین کی جماعت جو کفر اور نفاق سے بھری ہوئی ہے۔ "حتی یمیز الخبیث من الطیب" حمزہ، کسائی، یعقوب نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ انفال میں اسی طرح ہے اور باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ماز الشئی یمیز میزًا" جب کسی چیز سے جدا کر کے اس کو ممتاز کردیا جائے۔ ابو معاذ فرماتے ہیں کہ جب دو چیزوں میں تفریق کی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "مزت میزًا" جب کسی شئی کے لیے بولا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ تمیز سے ہے۔ تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے جدا ہونا جدا کرنا۔ اسی سے فرقت اشعر آتا ہے۔ آیت کا معنی

یہ ہوگا یہاں تک کہ ہم منافق اور مخلص میں فرق کردیں کے ہم نے مؤمنین اور منافقین کو اُحد کی لڑائی میں جدا جدا کردیا۔

یہاں تک کہ خالص مؤمن اور خالص منافق ظاہر ہوگئے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کافر میں تمیز اختیار کردی ہجرت اور جہاد کے ساتھ۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ "ما کان اللّٰہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ" جب وہ اپنے آباء واجداد کی پشت میں تھے اور عورتوں کے رحم میں تھے۔ اے منافقین ومشرکین کی جماعت! تمہارے اور مؤمنین کے درمیان اس وقت تمیز ہوگئی تھی جب تم اپنے باپ دادوں کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے رحموں میں تھے اور بعض نے کہا "حتی یمیز الخبیث" سے مراد گناہ گار بندہ اور "من الطیب" سے مراد مؤمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمنین نے اپنے اوزار اور ہتھیار نہیں اُتارے تھے حالانکہ وہ اس وقت زخموں سے چور اور مصیبت زدہ تھے کہ دوسری جنگ کا حکم آ گیا۔ "وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب" تم میں سے چونکہ کوئی غیب کی باتوں پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ "ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء" یعنی بعض غیب کے علم پر ان کو مطلع کردیں گے۔ جیسا کہ فرمان ہے "عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضی من رسول" سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی شایان شان نہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے علم پر مطلع کریں۔ "ولکن اللّٰہ یجتبیہ" ...... "فامنوا باللّٰہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجرٌ عظیم"

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(ترجمہ) اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی۔ بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جاویں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور اخیر میں آسمان اور زمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کی مذمت

(تفسیر) ۝ "ولا یحسبن ...... تا ...... ھو خیرًا لھم" بخل کرنے والے لوگ بخل کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں۔ "بل ھو" بلکہ وہ بخل "شرلھم سیطوقون" ان کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ "ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" زکوٰۃ میں سے جو انہوں نے نہیں دی۔ اس کو سانپ کی شکل بنا کر ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی جو اس کو قدم کے اوپر سے کاٹے گا۔ یہ قول ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابی وائل، شعبی، امام سدی رحمہم اللہ کا قول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا

اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں دی تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جو گنجا ہو گا اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ دھبے ہوں گے، قیامت کے دن وہ سانپ زکوٰۃ نہ دینے والے کی گردن کا طوق بنایا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا ہی جمع کردہ خزانہ ہوں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "ولا یحسبن الذین یبخلون"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی بھی ایسا ہو کہ اس کے پاس اونٹ یا گائے بھینس یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا فرض ادا نہ کرے تو قیامت کے دن یہ جانور بہت بڑی جسامت اور موٹے تازے ہو کر سامنے آئیں گے اونٹ اپنے کھروں سے اس کو روندیں گے اور گائے بکریاں اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گے۔ جب پچھلی قطار اس کو روندتی ہوئی اور مارتی ہوئی اس پر پہنچے گی تو گھوم کر اول قطار آ پہنچے گی۔ یہ روندنے اور مارنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ نہ ہو جائے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن آگ کا طوق پہنائیں گے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ دنیا میں جس اموال پر تم نے بخل کیا ان کو لے آؤ۔

عطیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس آیت کا نزول یہود کے سرداروں کے متعلق ہوا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور نبوت کو چھپایا۔ یہاں بخل سے مراد کتمان علم مراد لیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا "الذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتاھم اللہ من فضلہ" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب "سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" یہ ہے کہ ان کا بوجھ اور ان کے گناہ کا بوجھ اٹھائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یحملون اوزارھم علی ظھورھم"...... "وللہ میراث السمٰوٰت والارض" وہ ہمیشہ باقی اور دائم رہنے والی ہے تمام مخلوق کے فناء ہونے کے بعد اور ان کی املاک کی ہلاکتوں کے بعد وہ سب مر جائیں گے اور ان کے وارث ہوں گے اس کی دلیل "انا نحن نرث الارض ومن علیھا"...... "واللہ بما تعملون خبیر" اہل بصرہ اور اہل مکہ نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے۔ اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے لئے سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر آیات کا نزول

تفسیر حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا" یہود کہنے لگے (نعوذ باللہ) اللہ فقیر ہو گیا وہ ہم سے قرضہ مانگتا ہے اور ہم امیر ہیں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ کہنے والا حیی بن اخطب تھا۔ عکرمہ، سدی، مقاتل، محمد بن اسحاق رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک تحریر دے کر بنی قینقاع کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور تحریر میں ان کو اسلام لانے نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کے لیے قرض حسنہ دینے کی دعوت دی۔ حسب الحکم ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ میں گئے وہ آپ نے دیکھا کہ بہت سے شخص ایک یہودی کے پاس جمع ہیں۔ یہ شخص فنحاص بن عازوراء تھا جو یہود کے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور عالم بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ، خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ آئے ہیں ان کا ذکر تمہارے پاس توریت میں لکھا ہوا موجود ہے لہٰذا ان پر ایمان لے آؤ، ان کی تصدیق کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو، اللہ تم کو جنت میں داخل کر دے گا اور دوہرا ثواب دے گا۔ فنحاص نے کہا ابوبکر! تم تو کہتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے۔ پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ فقیر ہوا اور ہم غنی۔ اللہ تو تم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو دے گا، اگر وہ غنی بھی ہو تب بھی ہم کو سود نہیں دے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر آپ نے ایک زوردار ضرب رسید کی اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارا تجھ سے معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کے دشمن میں تیری گردن مار دیتا۔ فنحاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیسی حرکت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے ایسی حرکت کس وجہ سے کی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن خدا نے بہت بڑی بات کہی تھی اس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ مجھے یہ سن کر غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر مارا۔ فنحاص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا انکار کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے قول کی تردید اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ "لقد سمع اللہ قول الذین" تا آخر آیت تک۔

"سنکتب ما قالوا" ہم ان کے قول کو لکھتے ہیں جو اللہ پر جھوٹی بات باندھتے ہیں ہم اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے قول کو محفوظ کر کے رکھیں گے۔ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ لکھ کر محفوظ رکھیں گے۔ اس کی مثال اللہ کے اس فرمان میں ہے "وانا لہ کاتبون"..... "وقتلہم الانبیاء بغیر حق ونقول ذوقوا عذاب الحریق" حمزہ نے اسے "سیکتب" پڑھا ہے یاء کے ضمہ کے ساتھ "وقتلہم" لام کے ضمہ ساتھ "ویقول" گویا کہ

ساتھ "ذوقوا عذاب الحریق" حریق سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ حریق بمعنی محرق ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لھم عذاب الیم" الیم بمعنی مولم کے ہے۔

⊕ "ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید" اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ بغیر گناہ کے عذاب دے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۞ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۞

ترجمہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر اعتقاد نہ لاویں جب تک کہ ہمارے سامنے معجزہ نذر و نیاز خداوندی کا ظاہر نہ کرے کہ اس کو آگ کھا جاوے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل لے کر آئے اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا۔ اگر تم سچے ہو۔ سو اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں تکذیب کی جا چکی ہے جو معجزات لے کر آئے تھے اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی۔ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا۔ اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں مگر صرف دھوکہ کا سودا ہے۔

الذین قالوا ان اللہ عھد الینا کا شانِ نزول

تفسیر ⊕ "الذین قالوا ان اللہ عھد الینا" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول کعب بن اشرف، مالک بن صیف، وہب بن یہوذا، زید بن تابوت و فنحاص بن عازوراء، حیی بن اخطب کے بارے میں ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی حالانکہ اللہ نے ہم کو توریت میں یہ حکم دے دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس پر ایمان نہ لانا۔ "ان لا نؤمن لرسول" اور آپ کا گمان ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ "حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار" اگر آپ ایسی قربانی لے کر آئے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الذین قالوا" اللہ نے ان کے قول کو سن لیا جو کچھ انہوں نے کہا۔ "تعالی اللھن" پہلے الذین پر رد

ہے اور وہ منصوب ہے۔ "ان اللہ عھد الینا" ہمیں اللہ نے حکم دیا اور اپنی کتاب میں وصیت فرمائی کہ تم رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے یعنی تم اس بات کی تصدیق نہ کرو گے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے اور تم اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پر ایمان نہیں لاؤ گے جب تک کہ ان کی قربانی کو آسمان سے آنے والی آگ نہ کھالے اور اس آگ میں دھواں بھی نہ ہو۔ قربان کہتے ہیں ہر وہ کام جو اللہ کے قریب کرنے والا ہو خواہ وہ قربانی ہو صدقہ جاریہ ہو یا عمل صالح ہو۔ یہ "فعلان" کے وزن پر "قربۃ" کا صیغہ ہے۔ یہ دونوں قربتیں قربانی اور صدقہ اور غنیمت کا مال ان کے لیے حلال نہیں تھا۔ (بنی اسرائیل کے لیے) جب وہ قربان گاہ میں قربانی کرتے یا مال غنیمت کا مال جمع کرتے آسمان سے آگ آتی تو وہ اس کو کھا جاتی جس میں دھواں نہ ہوتا۔ اس میں گونج اور گڑگڑاہٹ کی آواز ہوتی تھی۔ آخر اس قربانی کو کھا جاتی۔ یہ قبول ہونے کی علامت تھی اور اگر آگ نہ آتی تو وہ اپنی حالت پر باقی رہتا۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ تم میں جب کوئی نبی آئے تو تم اس کی اس وقت تک تصدیق نہ کرنا جب تک کہ وہ قربانی لائے اور آسمان سے آگ آکر اس کو کھا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جب یہ دونوں آجائیں تو تم ان پر ایمان ضرور لے آنا بغیر اس شرط کے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تام کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔ "قل" "اے محمد! کہہ دیجئے" "قد جاء کم" "اے یہودیوں کی جماعت" "رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم" جو تم نے اس قربانی کے لیے کہا۔ "فلم قتلتموھم" حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور بہت سارے انبیاء علیہم السلام تم نے کیوں کر قتل کیے۔ اس خطاب سے ان کے اسلاف مراد ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے قتل پر راضی تھے۔ "ان کنتم صادقین" تمہیں سزا دی جائے گی ان کے علم کی سچائی کی وجہ سے (یعنی تمہیں معلوم تھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام سچے ہیں انہوں نے وہ قربان کو پیش کیا اور اس کو آگ بھی کھا گئی تھی لیکن پھر بھی تم نے ان کو قتل کیا) یہ فعل تمہارے آباء واجداد کے فعل کی بناء پر ہے حالانکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام معجزات اور نشانیاں بھی لائے ہیں۔

🌑 "فان کذبوک ...... تا ...... بالبینات والزبر" ابن عامر نے "بالزبر" پڑھا ہے۔ اس کا معنی کتاب ہے۔ زبور کے معنی میں ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب۔ یہ رسول ورسل کی طرح ہے۔ "والکتاب المنیر" واضح اور روشن کتاب لائے۔

🌑 "کل نفس" "نفس منفوسہ کے معنی میں ہے۔ "ذائقۃ الموت" حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو زمین نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میری مٹی سے آدم کو کیوں بنایا گیا؟ زمین کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ وہ اس کو زمین میں ہی لوٹائے گا جو اس سے لیا گیا ہے تم میں سے کوئی شخص جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہو اور اس کو مٹی ہی میں دفن نہ کیا گیا ہو۔ "وانما توفون اجورکم" "وہ پورا پورا دو" تمہارے اعمال کا بدلہ۔ "یوم القیامۃ" اگر نیک اعمال کیے ہوں گے تو اس کے بدلے میں نیکیاں ملیں گی اور اگر برے اعمال کیے تو ان کو برے بدلے ملیں گے۔ "فمن زحزح" پس ہم جس کو زندہ کریں اور اس کو آگ سے دور کر دیں۔ "عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور" متاع سے مراد نفع اور فائدے کی چیز ہے۔ جیسے پلیٹ، رکابی کھانے کے برتن سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر وہ نفع زائل ہو جاتا ہے اور وہ باقی نہیں رہتا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا

گھاس کے سبزے اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متاع (دُنیا) ایک ایسا سامان ہے جو دوسروں کا چھوڑا ہوا ہے لہٰذا تم اس سامان سے اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ لے لو۔ یہاں غرور سے مراد باطل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں شمار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ ہی ایسی نعمتیں کسی بندے کے دل میں آئی ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ پڑھو۔ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون" اور جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھڑ سوار سو برس تک چلتا رہے پھر بھی طے نہ کر پائے گا اگر تم چاہتے ہو تو یہ پڑھو۔ "وظلّ ممدود" اور جنت کی ایک کوڑے کی جگہ دُنیا اور دُنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اگر تم چاہو تو پڑھو "فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

ترجمہ: البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے۔ اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں۔ اور ان لوگوں سے جو کہ مشرک ہیں۔ اور اگر صبر کرو گے اور پرہیز رکھو گے تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

شانِ نزول

تفسیر: "لتبلون فی اموالکم وانفسکم" عکرمہ، مقاتل، کلبی، ابن جریج رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابی بکر اور فنحاص بن عازوراء کے متعلق نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فنحاص بن عازوراء بنو قینقاع کے سردار کے پاس کچھ مالی تعاون کے لیے بھیجا اور ایک تحریر بھی لکھ دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بغیر تیزی میں کچھ حرکت نہ کر بیٹھنا۔ یہاں تک کہ آپ میرے پاس لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے فنحاص کے پاس پہنچے اور اس کو تحریر تھما دیا۔ جب اس نے پڑھا تو کہنے لگا کہ تیرا رب محتاج ہو گیا کہ وہ ہم سے مدد طلب کرتا ہے (نعوذ باللہ) یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار کی ضرب لگانی چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا کہ واپس آ جانا تیزی سے کوئی کام نہ کر لینا، آپ اس بات سے رُک گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا برا انجام

زہری رحمہ اللہ کا قول ہے اس آیت کا نزول کعب بن اشرف کے بارے میں ہوا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

ہجو اور مسلمانوں کو گالیاں دیتا تھا اور مشرکین کو اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ورغلاتا تھا اور مسلمانوں کی عورتوں کے خلاف اشعار پڑھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اس کا بدلہ لے کہ کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے۔ محمد بن سلمہ انصاری اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کام سرانجام دوں گا میں اس کو قتل کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اس طرح کر گزر۔ اس کے بعد محمد بن سلمہ واپس لوٹے اور تین دن تک نہ انہوں نے کھانا کھایا اور نہ پانی پیا مگر اتنی مقدار میں جس سے زندگی برقرار رہے۔ اس بات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ آپ نے کھانا پینا کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ فرمایا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسی بات کہہ چکا ہوں اب معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پورا ہوگا یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر کوشش کرنا ہے۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اجازت دیں کہ اگر میں ذومعنی کچھ نازیبا الفاظ اس کے سامنے کہہ دوں (تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دے دی۔

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے ابونائلہ اور محمد بن مسلمہ کا جانا

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے محمد بن سلمہ، سلکان بن سلام اور ابونائلہ یہ دونوں کعب کے رضاعی بھائی تھے۔

عباد بن بشر، حارث بن اوس اور ابوعیسیٰ بن جبیر بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو الوداع کرنے بقیع الغرقد تک گئے۔ پھر ان کو ارشاد فرمایا کہ آپ سب چلو اللہ کے اس بابرکت نام کے ساتھ وہ ہے "اَللّٰھُمَّ اَعِنْھُمْ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹ آئے۔ یہ چاندنی رات تھی جس میں وہ نکل پڑے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس محل میں پہنچ گئے۔ ابونائلہ کو انہوں نے آگے بھیجا اور وہ اس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرنے لگا اور اشعار بھی پڑھنے لگا چونکہ ابونائلہ بھی شعر کہا کرتے تھے۔ پھر ابونائلہ بولے ابن اشرف تو ہلاک ہو، میں تمہارے پاس ایک کام کی غرض سے آیا ہوں اس کا ذکر میں تم سے کرتا ہوں لیکن اس کا تذکرہ کسی کے ساتھ نہیں کرنا۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ جی ہاں ایسا ہی ہوگا۔ ابونائلہ کہنے لگے کہ اس شخص کا ہمارے شہر میں آنا ہمارے لیے نامناسب بن گیا ہے، تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے اور ہمارے مقابلے میں ایک کمان بن گیا ہے، ہمارے سفر کے راستے منقطع ہو گئے۔ یہاں تک کہ بال بچے بھوک سے مرنے لگے ہیں اور ہم سخت دشواریوں میں پڑ گئے۔ کعب کہنے لگا کہ میں اشرف کا بیٹا ہوں، میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابونائلہ نے کہا کہ میرے ساتھ میرے اور ساتھی بھی ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غلہ فروخت کر دو، ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارا اعتماد کرا دیں گے تم ہم سے اچھا سلوک کر دو۔

کعب بن اشرف نے کہا کہ تم اپنے بیٹے ہمارے پاس رہن رکھ لو۔ ابونائلہ نے کہا ہم کو شرم آتی ہے کہ اپنی اولاد کو رہن ہونے کی عار میں مبتلا کر دیں۔ آئندہ آنے والے لوگ یہ کہیں کہ یہ وہی ہیں جو ایک وسق یا دو وسق کے عوض رہن رکھے گئے تھے۔

کعب نے کہا کہ تم اپنی عورتیں ہمارے پاس رہن رکھ دو۔ ابونائلہ کہنے لگے کہ ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کس طرح رہن رکھیں تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہاری طرف سے بے خطر نہیں ہیں تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر کون عورت تم سے بچ سکتی ہے۔ البتہ اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں اور تم واقف ہی ہو کہ ہم کو اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔ اشرف نے کہا جی ہاں۔ ابونائلہ نے چاہا کہ کعب ہتھیاروں کو دیکھ کر کہیں انکار نہ کر دے۔ اس لیے اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو آ کر اطلاع دے دی۔ سب نے باتفاق رائے یہ طے کر لیا کہ شام کو مقررہ وعدہ کے مطابق کعب کے پاس جائیں گے پھر رات کو آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تدبیر اور گفتگو کی اطلاع دے دی۔ پھر ابونائلہ حسب وعدہ رات کے وقت اس کے پاس آئے۔ گڑھی کے پاس آ کر ابونائلہ نے اس کو آواز دی۔ ابن اشرف کی شادی نئی نئی ہوئی تھی، آواز سن کر وہ چادر لپیٹے ہی اُٹھ کھڑا ہوا، بیوی نے چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے آپ گڑھی کے اوپر سے ہی ان سے گفتگو کر لیں اور آپ جنگی آدمی ہیں اور جنگی آدمی اس وقت نہیں اُترا کرتے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ میرا بھانجا محمد بن مسلمہ ہے جو میرا رضاعی بھائی نائلہ ہے اگر یہ لوگ مجھے سوتا پائیں گے تو مجھے جگا دیں گے اور شریف آدمی کو اگر رات میں تیزوں کی طرف بھی بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے تو وہ ان کی طرف اُتر آیا۔ وہ اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرتے رہے، پھر کہنے لگے اے ابن اشرف! چلو شعب عجوز تک ٹہلتے ہوئے چلیں، وہاں پہنچ کر باقی رات باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا کہ اگر چاہتے ہو تو چلیں۔ ابو نائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کے بال خوشبو سونگھنے کے لیے ہاتھ میں پکڑوں گا جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے بال مضبوطی سے پکڑ لیے تو اپنا کام تمام کرنا اور تلواروں سے اس پر حملہ کرنا۔

پھر وہ چلتے ہوئے نائلہ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے بالوں سے لگایا اور سونگھا اور کہنے لگے کہ آج تمہاری طرف سے خوشبو کی مہک آ رہی ہے۔ کعب نے جواب دیا فلاں عورت جو عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ معطر رہنے والی ہے میری بیوی ہے۔ ابو نائلہ نے کہا کہ کیا مجھے سونگھنے کی اجازت ہے۔ کعب نے کہا ہاں ابونائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر میں ڈالا۔ پھر اپنے ہاتھ کو سونگھا اور کہا آج کی رات کی طرح میں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی، پھر کچھ دیر مزید چلے، پھر وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا۔ پھر اور چلے اور پہلے کی طرح دوبارہ اس کے بالوں کو سونگھا، پھر اس کے بعد اس کے سر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا اور کہا دشمن خدا کو مارو، فوراً تلواریں چلیں لیکن تلواروں کے اختلاف سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ وہ مجھے خنجر یاد آ گیا جو تلوار میں، میں نے رکھا تھا۔ فوراً وہ خنجر میں نے ہاتھ میں لے لیا، دشمن خدا نے ایک زوردار چیخ ماری، چیخ کے ساتھ ہی ہمارے آس پاس کی تمام گڑھیاں روشن ہو گئیں، میں نے خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپ دیا اور خنجر پر دباؤ ڈال کر پیڑو کی ہڈی تک پہنچا دیا اور اللہ کا دشمن گر پڑا۔ جب اس کو تلواروں سے حملہ کیا گیا تھا تو تلواروں کے مختلف ہونے کی وجہ سے حارث بن اوس کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے نکلے، ہم پہرے دار یہودیوں کے ڈر کی وجہ سے وہاں سے نکل کر تیزی سے بھاگے مگر ہمارا ساتھی حارث بن اوس سر کی چوٹ اور خون نکل جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور اس نے ساتھیوں کو پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام

کہہ دیا، آواز سن کر لوگ اس کی طرف مڑے اور اٹھا کر لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل دیئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، وہ ہمارے پاس تشریف لے آئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعب کے قتل کی خوشخبری دی اور اس کا سر کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھی کے زخم پر تھتکارا جس کی وجہ سے زخم نے تکلیف نہیں پہنچائی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو یہودی تمہارے ہاتھ لگے اس کو قتل کر دو، سفینہ یہودیوں کا تاجر تھا جس کا مسلمانوں سے اختلاط تھا وہ مسلمانوں میں خرید و فروخت کیا کرتا تھا۔ محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ محیصہ کا ایک بڑا بھائی خویصہ تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا خویصہ نے محیصہ کو مارا اور کہا اے اللہ کے دشمن! تو نے اس کو قتل کر دیا حالانکہ خدا کی قسم! تیرے پیٹ کے اندر جتنی چربی ہے اس کا اکثر حصہ اسی کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ محیصہ نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم دے دیں تو میں تیری گردن بھی اُتار دوں گا، وہ کہنے لگا واقعی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے میرے قتل کرنے کا حکم دے دیں تو تم مجھے قتل کر دو گے۔ محیصہ نے کہا جی ہاں۔

خویصہ کہنے لگا اچھا جس دین نے تجھے اس حد تک پہنچا دیا، خدا کی قسم! وہ تو عجیب دین ہے اس کے بعد خویصہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کعب کے واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔ "لتبلون" ہم تمہیں ضرور بضرور خبر دیں گے۔ لام تاکید یہ ہے اور قسم کے معنی میں ہے اور نون تاکید بھی قسم کے لیے ہے۔ "فی اموالکم" سے مراد مالی مصائب، تباہیاں، آفات اور تجارتی گھاٹا "وانفسکم" اور تمہارے نفسوں کو مرض میں مبتلا کر کے۔ بعض نے کہا کہ تمہارے اقارب کے مصائب اور تمہارے گھر والوں کی مشکلات کے باعث تمہیں تکالیف دیں گے۔ عطاء فرماتے ہیں ان سے مراد مہاجرین ہیں جنہوں نے مشرکوں سے اموال وغیرہ قرض لیے تھے، پھر ان کو تکالیف دیتے تھے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اعمال جو ان کے نفسوں اور مالوں پر فرض کیے گئے تھے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ "ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ "ومن الذین اشرکوا" سے عرب کے مشرکین ہیں۔ "اذی کثیرا وان تصبروا" اگر اس اذیت پر صبر کریں۔ "وتتقوا" اور اللہ سے ڈریں۔ "فان ذلک من عزم الامور" یعنی ان امور میں سے جن کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے عزم الامور کا ترجمہ حقیقت ایمان کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

(ترجمہ) اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو

پوشیدہ مت رکھنا سوان لوگوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ لے لیا سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار پر خوش ہوتے ہیں۔ اور جو کام نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو۔ سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ خاص طور کے عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے۔ اور ان کو دردناک سزا ہوگی۔

تفسیر ⑰ "واذ اخذ اللّٰہ ...... تا ولا تکتمونہ" ابن کثیر، اہل بصرہ، ابوبکر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فنبذوہ وراء ظھورھم" دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

"فنبذوھم وراء ظھورھم" اس کو چھوڑ دیا اور اس کو ضائع کر دیا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

"واشتروا بہ ثمنا قلیلا" حقیر معاوضہ اور رشوتیں لے لیں۔ "فبئس ما یشترون" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے لیا تھا کہ جو تم میں سے کوئی علم سیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ آگے علم سکھائے تو علم چھپانے سے بچو کیونکہ علم کا چھپانا ہلاکت کا باعث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ نے اہل علم سے یہ عہد لیا تھا کہ میں جو کچھ تم سے بیان کروں اس کو نہ چھپانا، پھر آپ نے یہ آیت "واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب" تلاوت فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی شخص سے کوئی ایسی علم کی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔

حسن بن عمارہ نے بیان کیا کہ میں زہری کے پاس اس زمانہ میں گیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس کو دروازے پر پایا اور کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں یا پھر میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں۔ بولے تم بیان کرو میں نے کہا کہ مجھ سے حکم بن عیینہ نے یحییٰ بن قراز کے حوالے سے بیان کیا۔ خراز نے کہا کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے جاہلوں سے علم سیکھنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے علم سیکھنے کا وعدہ نہ لے لیا۔ پھر زہری نے مجھ سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔

⑱ "لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا" حمزہ، عاصم، کسائی رحمہم اللہ نے ان کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی خوشی آپ گمان نہ کریں۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لا یحسبن الذین" وہ آپ کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں بھی نجات ملے گی۔

ابن کثیر اور ابو عمرو نے "فلا یحسبنھم" یاء کے ساتھ اور اس پر ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فارحین کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ وہ گمان نہ کریں اپنے نفسوں پر۔ بعض قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باء کے فتحہ سے اس صورت میں خطاب۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ پھر آگے "فلا تحسبنھم تاکید" لائے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے۔

ولاتحسبن الذین کا شان نزول

"ولا یحسبن الذین تا من العذاب" تک بغیر تکرار کے ذکر فرمایا اس آیت کے شان نزول میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین میں سے کچھ لوگ ایسا کرتے تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد کے لیے جاتے تو یہ منافقین پیچھے رہ جاتے جہاد پر نہیں جاتے تھے اور پیچھے بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس آتے تھے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر معذرت پیش کرتے تھے اور ناکردہ فعل پر تعریف کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس پر یہ آیت "لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا" نازل ہوئی۔

مروان نے ابو رافع سے پوچھا کہ اے رافع جاؤ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس، اس آیت کے متعلق سوال کرو کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی اور ان سے کہو کہ اگر یہ سب لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب ہم میں سے ہر شخص اپنے کیے پر خوش اور ناکردہ نیکی پر تعریف کیے جانے کو پسند کرتا ہے اور ایسے شخص کو عذاب دیا جانا یقینی ہے تو کیا پھر ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق، اس کا واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور کوئی بات پوچھی۔ یہودیوں نے اصل بات چھپالی اور کوئی دوسری بات بتائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ظاہر کیا کہ آپ نے جو کچھ دریافت کیا تھا ہم نے وہی بتایا اس فعل پر انہوں نے مستحق تعریف بننا چاہا لیکن اپنی جگہ پر وہ اس امر سے خوش تھے کہ ہم نے وہ بات چھپالی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کی تھی اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت "و اذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین" آخر تک تلاوت فرمائی۔

"ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا" عکرمہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول فخاص واشیع اور یہود کے دوسرے سرداروں کے متعلق ہوا جو لوگوں کو گمراہ کرکے خوش ہوتے تھے کہ وہ علم جاننے والے ہیں حالانکہ ان کے پاس کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ہی وہ علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔ مجاہد نے کہا یہودی خوش ہوتے تھے کہ اللہ نے آل ابراہیم کو مراتب عطا فرمائے حالانکہ وہ خود اس سے بے بہرہ تھے۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ کا قول ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم آپ کو پہچانتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ نبی موعود ہیں اور ہم تمہارے خیال سے متفق ہیں اور تمہارے مددگار ہیں مگر یہ باتیں ان کے دلوں میں نہیں تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ تم نے خوب کہا، ایسا ہی کرو غرض مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے دُعا کی، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ "ویفرحون بما اتوا" فراء نے کہا کہ وہ اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لقد جئت شیئاً فریا"..... "فلا تحسبنہم بمفازۃ" سے مراد نجات پانا ہے۔ "من العذاب ولہم عذاب الیم"

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات کے اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کیلئے۔

تفسیر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سویا۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور مسواک کیا پھر وضو کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''ان فی خلق السمٰوت والارض'' آخر سورۃ تک۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اس طور پر کہ اس میں قیام، رکوع، سجود کو خوب طویل کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی پھر سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کیا اور چھے رکعات پڑھی اور ہر دفعہ مسواک کیا، پھر وضو کیا، پھر یہ آیات تلاوت فرمائی، پھر تین وتر پڑھے، پھر مؤذن آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے اے اللہ! میری آنکھوں کو نور بنادے، میرے سننے کو نور، میری زبان کو نور اور میرے پیچھے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے نیچے نور بنادے۔ اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں زیادہ کیا کہ اے اللہ! میرے دل کو نور سے منور کردے اور میری آنکھوں کو اور میرے کانوں کو اور میرے دائیں اور بائیں نور سے منور فرمادے۔ ''لآیات لاولی الالباب'' نشانیاں ہیں اہل عقل والوں کے لیے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ترجمہ: جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی لیٹے بھی۔ اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

تفسیر: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نخعی اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے۔ اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر طاقت نہیں تو ایک پہلو کے بل نماز پڑھے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر پہلو کے بل نماز پڑھو۔ دوسرے مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے کسی عمل پر مداومت اختیار کرنا مراد ہے۔ تمام احوال میں کیونکہ انسان کی زندگی میں یہی تین حالات پیش آتے ہیں۔ اس کی مثال ''فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم'' ''ویتفکرون فی خلق السمٰوت والارض'' اور وہ چیزیں جن کو ابتداء سے پیدا کیا تاکہ یہ سب اشیاء اللہ کی قدرت پر

دلالت کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر چیز کا بنانے والا قادر تدبیر کرنے والا حکیم ہے۔ ابن عون کا بیان ہے غور و فکر انسان کی غفلت کو دور کردیتا ہے اور دل میں خوف الٰہی پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ کھیتی کو پانی سیراب کرتی ہے اور دلوں کی مثال خزانوں کی طرح ہے اور یہ خزانے نہیں کھلتے مگر غور و فکر سے۔ "ربنا" اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب "ما خلقت ھذا" یہ اس لیے فرمایا کہ مخلوقات کو اسی طرف لوٹتا ہے۔ صرف یہ نہیں فرمایا "باطلاً" بلکہ درمیان میں تخلیق کا ذکر فرمادیا۔ "باطلاً" بیکار، کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا بلکہ ایک بڑے کام کے لیے بنایا۔ باطلاً منصوب ہو نزع الخافض ہے۔ اصل میں "بالباطل تھا۔ "سبحانک فقنا عذاب النار"

⊛ "ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ" یعنی رسوا کرنا۔ بعض نے کہا کہ ہلاک کرنا۔ بعض نے کہا اللہ نے اس کو رسوا کردیا۔ یہ معنی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تخزون فی ضیفی"

سوال: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یوم لایخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ" اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا حالانکہ مومن دوزخ میں جائیں گے جب اس آیت میں ہے کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ رسوا ہوگا، دونوں آیتوں کے تضاد کو دور کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: انس، قتادہ رضی اللہ عنہما اس آیت کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ دوزخ میں رہے گا اس وقت تک وہ رسوا ہوتا رہے گا۔ سعید بن مسیب کا قول ہے یہ خاص ہے ان لوگوں کے لیے جو جہنم سے نکلیں گے نہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ ایک جماعت کو دوزخ میں داخل کرے گا پھر اس سے نکالے گا۔ "وما للظلمین من انصار"

رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۞ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۞ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۞ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۞

(ترجمہ) اے ہمارے پروردگار بے شک آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں اس کو واقعی رسوا ہی کردیا اور ایسے بے انصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کررہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمادیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کردیجئے۔ اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ہم کو قیامت کے روز

رسوا نہ کیجئے۔ بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو۔ سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور تکلیفیں دیے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہوگئے۔ ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔

تفسیر ⑬ "ربنا اننا سمعنا منادیا" منادی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس سے مراد اکثر لوگ ہیں۔ قرظی نے فرمایا اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ ہر شخص کی ملاقات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوسکتی۔ "ینادی للایمان" ایمان کے لیے پکار رہا تھا۔ "ان آمنوا ...... تا ...... مع الابرار" یعنی نیک لوگوں کے ساتھ۔

⑭ "ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک" تمہاری رسولوں کی زبان پر۔ "ولا تخزنا" رسوا نہیں کرتا۔ عذاب دینے کے ساتھ، ہلاک کرنے کے ساتھ اور رسوائی کرنے کے ساتھ۔ "یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد"

سوال: جب معلوم تھا کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں فرمائے گا تو پھر ایسا ارشاد کیوں فرمایا؟

جواب: لفظاً دعا ہے اور معنیً خبر ہے۔

مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے جو اپنے رسولوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس کو ضرور پورا کریں گے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ "فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا" ...... "ولا تخزنا یوم القیامۃ" ہم ان کو اپنے فضل اور رحمت سے ضرور عطاء کریں گے۔ بعض نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے ثواب کا مستحق بنادے اور تو نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما کیونکہ وہ لوگ انبیاء کی اس کرامت پر یقین نہیں کرتے۔ پس ہم سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں اس کا مستحق بنادے۔ بعض نے کہا کہ کفار کے مقابلے میں جو مدد و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اس کی جلدی کرنے میں سوال کررہے تھے اور کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے لیکن ہمیں حلم پر صبر نہیں ہمیں رسوائی پہنچ گئی اس لیے ہم پہ مدد فرما۔

⑮ "فاستجاب لھم ربھم انی" یہ اصل "بانی" تھا۔ "لا اضیع" نہیں اکارت کرتا۔ "عمل عامل منکم" اے مؤمنین "من ذکر او انثٰی" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سن رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب وسنت میں مردوں کا ذکر کرتا ہے عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "بعضکم من بعض" دین میں باہم مدد کرنے میں اور آپس کی دوستی میں اور بعض نے کہا کہ اس کا تمام انسانیت کے تحت ایک دوسرے کا معاملہ مراد ہے کیونکہ سب آدم وحواء کی اولاد ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ تمہارے مرد عورتوں کی طرح اور عورتیں مردوں کی طرح نیکی میں برابر ہیں۔ "کما قال والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض"

"فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی" سبیل سے مراد اطاعت اور دین میں فرمانبرداری ہے۔

اس سے مہاجرین مراد ہیں جن کو مشرکین نے مکہ سے نکالا تھا۔ "وقاتلوا وقتلوا" ابن عامر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے "قتلوا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ معرکے میں مارے گئے۔ دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر قراء نے "قاتلوا وقتلوا" پڑھا ہے۔ انہوں نے ان مشرکین کے ساتھ قتال کیا۔ پھر انہوں نے ان کو قتل کیا۔ حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "قتلوا وقاتلوا" پڑھا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ معنی ہوگا کہ جو باقی بچ گئے تھے ان کے ساتھ قتال کیا اور "قتلوا" کا مطلب یہ ان کے ساتھ بعض نے قتال کیا۔ جیسا کہ عرب والے کہتے ہیں کہ بنی فلاں نے قتل وغارت کی تو ان میں سے بعض قتل کیے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ "وقتلوا" کا معنی ہے "وقد قاتلوا" اور تحقیق وہ قتل کیے گئے۔ "لاکفرن ...... تا ...... من عند اللہ" منصوب علی القطع ہے۔ مبرد کا قول ہے کہ ہم ضرور بضرور ان کو ثواب عطا کریں گے۔ "واللہ عندہ حسن الثواب"

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۞ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۞

ترجمہ: تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے۔ چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ برا ہی آرامگاہ ہے لیکن جو لوگ خدا سے ڈریں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے۔ اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں۔

تفسیر: ۞ "لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد" یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی فراغ حالی، عیش پرست، ان کی تجارت اور نعمت سے تم خوردہ نہ ہو! بعض مؤمن لوگوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہتری شمار کر کے رکھی ہے اور ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد" کہ ان کا زمین میں گھومنا پھرنا اور شہروں میں تجارت کرنا اور ان کے مختلف قسم کے ذرائع سے تم خوردہ نہ ہو، خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد اس سے اُمت ہے۔

۞ "متاع قلیل" یہ تھوڑا سا حقیر مال ہے۔ فنا ہونے والا اور زائل ہونے والا فائدہ "ثم ماواھم" پھر ان کا ٹھکانہ "جھنم وبئس المھاد" مہاد بمعنی فراش کے ہے۔

۞ "لکن الذین اتقوا ربھم لھم جنّٰت تجری من تحتھا ...... تا ...... نزلاً" بدلہ اور ثواب ہے۔ "من عند اللہ" تفسیر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "وما عند اللہ خیر للابرار" دُنیا کے فائدے سے یہ بہتر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں بالا خانے میں خدمت گرامی

میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھردری چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کے خوشے بھرے ہوئے تھے، قدموں کے پاس کچھ پکا چمڑا اچھا کیا رکھا تھا، سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو پر پڑ گئے تھے، میں یہ دیکھ کر رونے لگا، فرمایا کس وجہ سے روتے ہو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کسریٰ اور قیصر اس حالت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: اور بالیقین بعضے لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو تمہارے پاس بھیجی گئی اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو ان کے پاس بھیجی گئی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب کر دیں گے اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔

۱۹۹ "وان من اهل الكتاب لمن يؤمن بالله"

نجاشی کے غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر

تفسیر: ابن عباس، جابر، انس، قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نجاشی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کا نام اصحمہ تھا اور عربی میں اس کا نام عطیہ تھا جس روز اس کی وفات ہوئی اس روز جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے عرض کیا باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو، اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہوگیا۔ چنانچہ وہ بقیع تشریف لے گئے، آپ کے سامنے سے سرزمین حبشہ تک پردہ ہٹا دیا اور نجاشی کا جنازہ آپ نے دیکھ کر پڑھایا، چار تکبیریں کہیں اور دعا مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے ان کو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کا جنازہ پڑھ رہے ہیں، جو ان کے دین پر نہیں تھا نہ اس کو کبھی انہوں نے دیکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت چالیس نجرانیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جن میں بتیس (۳۲) حبشہ کے رہنے والے تھے اور آٹھ رومی تھے۔ یہ سب پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب پر تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ ابن جریج نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے

کہ ان تمام اہل کتاب کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا جو ایمان لے آئے تھے۔

"وان من اهل الكتاب لمن يؤمن بالله" ..... "وما انزل اليكم" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وما انزل اليهم" اس سے مراد توریت اور انجیل ہے۔ "خاشعين لله" تواضع اور انکساری کرتے ہوئے۔ "لايشترون بآيات الله ثمنا قليلا" نہ وہ اپنی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات چھپاتے ہیں۔ ریاست اور ماکلہ کی وجہ سے۔ یعنی چند رشوتیں لے کر اللہ کے کلام کو بگاڑنے والے نہیں جس طرح یہود کے بڑے بڑے سردار تھے۔ "اولئك لهم اجرهم عند ربهم ان الله سريع الحساب" "يا ايها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا" حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے اپنے دین پر صبر اختیار کرو تنگی اور نرمی میں اس کی اطاعت نہ چھوڑو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں صبر اختیار کرو۔ ضحاک اور مقاتل بن سلیمان رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اوامر پر عمل کرتے رہو صبر اختیار کر کے۔

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں صبر اختیار کرو۔ زید بن اسلم کا بیان ہے کہ جہاد پر صبر اختیار کرو۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصیبت پر صبر اختیار کرو "وصابروا" کفار کے قتال پر صبر اختیار کرو۔ "ورابطوا" اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ میں مستعد رہو۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ دفاع اور ثابت قدم رہو۔ ربط کہتے ہیں باندھنا۔ رباط کا اصل معنی یہ ہے کہ سرحدوں پر گھوڑے باندھے رکھنا بعد میں اس معنی میں مزید توسیع ہوگئی اور معنی ہوگیا سرحد پر ہر مقیم کا دشمن کو دفع کرنے کے لیے مستعد رہنا خواہ اس کے پاس گھوڑا ہو یا نہ ہو۔ سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں سرحد پر ایک دن کی چوکیداری دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کے اندر ایک کوڑے کے برابر تم میں سے کسی کی جگہ دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جو شخص ایک صبح یا ایک شام کو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے وہ اس کے لیے دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔

سلمان خیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات پہریداری کی تو اس کو حالت اقامت میں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جو پہرہ دیتے ہوئے مر گیا اس کے لیے اس جیسا اجر جاری رکھا جائے گا اور اس کو رزق ملتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا کہ اس میں سرحد پر پہرہ نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ایک نماز سے دوسری تک کا انتظار ہی پہرہ ہوتا تھا۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں خبر نہ دوں ایسے عمل کی جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں (اور خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں) اور درجات بلند کرتے ہیں، وضو کو پورا پورا کرنا مشکل وقت میں بھی اور مساجد کی طرف اُٹھنے والے زیادہ قدم، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے۔

"واتقوا الله لعلكم تفلحون" بعض ارباب لسان فرماتے ہیں کہ نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور سختی و تنگی میں صبر کرنا اور مضبوط رہنا دشمنوں کے ملک میں اور اللہ سے ڈرنا جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے تاکہ تم کامیاب ہو باقی رہنے والے گھر میں۔

سورۃ النساء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ❶

ترجمہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

تفسیر ❶ "یایھا الناس ...... تا ...... نفس واحدۃ" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ "وخلق منھا زوجھا" اس سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔ "وبث منھما" اور آدم وحواء علیہما السلام سے پھیلایا یا ظاہر کیا۔ "رجالاً کثیراً ونساءً واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ" یہاں دو تائیں تھیں اصل میں تتساء لون تھا۔ سین کی تخفیف کے ساتھ یہاں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت "وتعاونوا" اصل میں "تتعاونوا" تھا۔ "والارحام" بعض حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ قطع رحمی سے ڈرتے رہو۔ حمزہ نے اس کو مجرور پڑھا ہے اس صورت میں عبارت یوں ہوگی "بالارحام" جیسا کہ کہا جاتا ہے "سالتک باللہ والارحام" کہ میں تجھ سے اللہ کا نام لے کر سوال کرتا ہوں اور ارحام کا۔ پہلی قراءت اصح ہے کیونکہ عرب کا دستور ہے کہ ایک لفظ کو پہلے کنایۃً ذکر کر کے دوبارہ ظاہراً ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مثال مذکور میں ہے۔ "مررت بہ وبزید"۔ ...... "ان اللہ کان علیکم رقیبا" رقیب کا معنی ہے حفاظت کرنے والا۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
حُوْبًا كَبِيْرًا ❷ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى
وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ❸

ترجمہ اور جن بچوں کا باپ مر جاوے ان کے مال ان تک پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو۔ اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو اور دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

❷"وآتوا الیتامی اموالھم"

وآتوا الیتامی کا شانِ نزول

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غطفان کے ایک شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ اس کے بھائی کے بیٹے کے پاس جو یتیم تھا اس کے پاس مال کثیر تھا جب یتیم مال حاصل کرنے کی عمر تک پہنچا اس نے مال طلب کیا، چچا نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب اس کے چچا نے یہ آیت سنی تو کہنے لگا کہ میں نے اللہ کی اطاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور میں پناہ مانگتا ہوں اس بڑے وبال سے۔ اس نے اپنا مال اس یتیم بچے کے حوالے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو بچایا اور اپنے رب کی اطاعت کی اللہ اس کے لیے گھر کو حلال کر دے گا۔ گھر سے مراد جنت ہے اور جب وہ بچہ وفات پا جائے تو اس کے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے ارشاد فرمایا کہ اس کا اجر ثابت ہے اور اس کا وزر (سامان) باقی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس کا سامان باقی کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا غلام کا ثواب تو ثابت رہا اور اس کا سامان اس کے باپ کے لیے باقی رہ گیا۔ "وآتوا" یہ خطاب ہے اولیاء اور اوصیاء کے لیے۔ یتامیٰ جمع ہے یتیم کی۔ اس چھوٹے بچے کو کہا جاتا ہے جس کا نہ باپ ہو اور نہ ہی دادا۔ لہٰذا ان کو ان کا مال ان کی بلوغت کے بعد دیا جاتا ہے۔ "ولا تتبدلوا" اور نہ ہی تم تبدیل کرو۔ "الخبیث بالطیب" پاک کو ناپاک کے بدلے میں نہ تبدیل کرو۔ یعنی یتیم کے مال کو جو تمہارے لیے ناپاک اور حرام ہے اور اپنے مال کے عوض جو تمہارے لیے پاک اور حلال ہے نہ لو۔

ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب کی تفسیر

اس تبدیلی کے متعلق آئمہ میں اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ، امام نخعی، زہری، سدی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ یتامیٰ کے اولیاء یہ کیا کرتے تھے کہ یتیم کے مال سے جید لے لیتے تھے اور ان کے مال میں ردی ملا دیتے تھے یا موٹی بکری یتیم کے ریوڑ سے لے لیتے تھے اور دبلی بکری اسے دیتے تھے کھرا درہم نکال دیتے اور ردی درہم اس میں رکھ لیتے اور وہ یہ کہتے کہ درہم بدلے درہم ہو گیا۔ ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت نہیں دیتے

تھے اور بڑے مرد میراث لے لیتے تھے یا ان کے حصوں میں سے جید مال لے لیتے تھے اور اس کی جگہ خبیث مال رکھ دیتے تھے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ فوری حرام رزق کو نہ لو اور جس حلال رزق کا اللہ نے وعدہ کرلیا ہے اس کے ملنے سے پہلے حرام روزی حاصل کرنے میں عجلت نہ کرو۔

"ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم" یعنی یتیموں کے مال کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ (جیسا کہ من انصاری الی اللہ) کا ترجمہ مع اللہ ہے اسی طرح یہاں بھی الی "مع" کے معنی میں ہے۔ "انہ کان حوبا کبیرا" بڑا گناہ ہے۔

یتامی کے ساتھ نکاح کا حکم اور شان نزول

"وان خفتم ...... تا ...... مثنی و ثلاث ورباع" اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر تم کو خوف ہوا ہے یتامی کے اولیاء کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے کہ جب تم ان سے نکاح کرو تو تم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا اس سے مراد وہ یتیمہ ہے جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہوتی تھی اور ولی اس کا محرم نہیں ہوتا تھا جیسے چچا کا بیٹا ولی یتیمہ کے حسن و مال کو دیکھ کر اس کی طرف رغبت کرتا اور اس سے نکاح کرلینا چاہتا تھا مگر مہر مثل سے کم دینے کا ارادہ کرتا تھا۔ آیت میں ایسے سرپرستوں کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے بغیر تکمیل مہر کے نکاح کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ باقی دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر لوگوں نے یتامی سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی "ویستفتونک فی النساء، الی قولہ، وترغبون ان تنکحوھن" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان کردیا کہ اگر یتیمہ حسین اور مالدار ہوتی تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر اس کے درجہ کے موافق اس کو مہر نہیں دینا چاہتے۔ جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ گری ہوئی ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورتوں کے نکاح کے طلبگار ہوتے ہیں۔ پس جس طرح مال و حسن کی کمی کے وقت لوگ یتیمہ سے نکاح کرنے کے خواہش مند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا طلبگار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر یتیمہ کا پورا پورا حق اور کامل ترین مہر ادا کردیں تو نکاح کرسکتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں یتامیٰ کے ساتھ سلوک کی کیفیت

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس یتیم لڑکیاں رہتی تھیں ان میں سے جن کے ساتھ نکاح حلال ہوتا وہ مال کی غرض کی وجہ سے ان سے نکاح کرلیتے اور اس کو یہ گوارا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی دوسرا اجنبی آجائے۔ اور اس کے مال

میں شریک ہو جائے، اس کی صحبت کو برا سمجھتا اور وہ شخص اس یتیم کو اپنے پاس ہی رہنے دیتا یہاں تک کہ وہ مرجاتی اور اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اچھی نہیں لگی اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنا زمانہ جاہلیت کا شیوا ہے

عکرمہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قریش کے لوگ دس دس یا اس سے زائد عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیتے تھے اور جب ان کے خرچ وغیرہ کا وقت ہوتا تو یہ اپنے زیر پرورش یتیم کے مال کی طرف مائل ہوتے اور پھر ان پر خرچ کرتے، پھر ان کو حکم دے دیا گیا کہ چار سے زائد نکاح نہ کرو کہ یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔ یہی روایت طاؤس کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بعض نے کہا کہ یتیموں کے مال میں وقت ہوتی تھی اور عورتوں کے معاملہ زنا میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی جس سے چاہتے شادی کرتے اور عدل و انصاف کرتے اور کبھی کبھار انصاف نہ کرتے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ "و آتوا الیتمیٰ اموالهم"..... "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ" یعنی جس طرح تم یتیموں کے مالوں میں انصاف سے ڈرتے ہو اسی طرح عورتوں کے معاملے میں تم ڈرو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا تم بھی اتنی عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے حقوق تم ادا نہیں کر سکتے کیونکہ جس طرح یتیم ضعیف و کمزور ہے اسی طرح عورتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ یہی قول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ کا ہے۔

پھر چار کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت دی ہے جیسا کہ اس آیت "فانکحوا ما طاب لکم الی آخر الآیۃ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم یتیموں کی ولایت اور ان کے مال میں تم حرج محسوس کرتے ہو اسی طرح تم عورتوں کے ساتھ زنا کے متعلق بھی حرج محسوس کرو۔ لہٰذا تم حلال عورتوں کے ساتھ نکاح کرو جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال پاکیزہ ہے۔ پھر ان کی تعداد بھی بتلائی گئی، وہ زمانہ جاہلیت میں جتنی عورتوں سے چاہتے نکاح کر لیتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" اس کا معنی ہے من طاب۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن پسندیدہ عورتوں سے چاہو نکاح کرلو۔ یہاں ما بمعنی من کے ہے۔ جیسے "والسماء وما بنٰها" میں ما بمعنی من کے ہے۔ اللہ کے اس فرمان میں "قال فرعون وما رب العالمین" عرب کے نزدیک ما، من ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمنهم من یمشی علی بطنه ومنهم من یمشی علی رجلین" یہاں پر من استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر "ما طاب لکم" کا مطلب ہوگا حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے عورتیں دو دو، تین تین اور چار چار۔ یہ معدول ہیں۔ "ثنین، ثنتین، ثلاث ثلاث، اربع، اربع" سے۔ اسی وجہ سے یہ الفاظ غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ معدول ہو کر آئی ہیں اور ان کے معنی میں وصفیت بھی شامل ہے۔ یہاں واؤ بمعنی تخیر کے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "ان تقوموا للّٰہ مثنی و فرادی" اور اس فرمان میں "اولی اجنحۃ مثنی و ثلاث و رباع" اس بات میں اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی چار سے زائد عورتوں سے بیک وقت

شادی نہیں کرسکتا۔ چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ امت میں سے کوئی شخص اس میں شریک نہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کی آٹھ بیویاں تھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو رکھ لو۔ قیس کا بیان ہے کہ میں نے ان بیویوں سے جن کی اولاد نہیں ہوئی تھی کہہ دیا تم جاؤ اور جن بیویوں کی اولاد ہوئی تھی ان سے کہہ دیا تم آؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی دس بیویاں بھی مسلمان ہوگئیں جو زمانہ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار کو رہنے دو باقی کو چھوڑ دو۔ آزاد مرد کے ساتھ چار آزاد عورتوں کا جمع ہونا جائز ہے۔ غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو عورتوں سے زائد کے ساتھ نکاح کرے۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ جیسا کہ آگے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غلام دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور اس کو دو طلاقوں کا اختیار ہے اور باندی دو حیض عدت گزارے گی۔ اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو پھر دو مہینے یا ایک ماہ مکمل اور ایک آدھا ماہ عدت گزارے گی۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ غلام بھی آزاد مرد کی طرح چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ "فان خفتم" یعنی تمہیں ڈر یا خوف ہو یا تم جانتے ہو "الا تعدلوا" کہ تم ان چار بیویوں کے ساتھ عدل نہیں کرسکو گے۔ "فواحدۃ" تو ایک عورت کے ساتھ نکاح کرو۔ ابو جعفر نے "فواحدۃٌ" مرفوع پڑھا ہے۔ "او ما ملکت ایمانکم" اس سے مراد لونڈی ہے کیونکہ ان کے متعلق وہ حقوق لازمی نہیں ہیں جو حقوق آزاد عورت کے ہوتے ہیں نہ ان کے درمیان تقسیم ضروری ہے اور نہ ہی تعداد۔ یہاں ایمان جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "او ما ملکتم" بعض اہل معانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن پر تمہاری قسمیں نافذ ہوسکتی ہیں۔ گویا یہاں یمین کو قسم قرار دیا ہے۔ "ذلک ادنیٰ" یعنی اقرب کے ہے۔ "ان لا تعولوا" ایک طرف بہتے جاؤ اور نہ ہی اس کی طرف مڑ جاؤ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے میزان عائل۔ یعنی ظالم اور مائل نہ ہو۔ مجاہد نے ترجمہ کیا گمراہ نہ ہو جاؤ۔ فراء نے کہا کہ اللہ کے فرائض کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ عول کا اصل یہ ہے کہ تجاوز نہ کرو۔ اسی سے عول الفرائض ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ عرب میں فصیح تھے ان کی لغت ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ لغت حمیر میں سے ہے۔ طلحہ بن مصرف نے اس کو "ان لا تعیلوا" پڑھا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ پر حجت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ترجمہ یہ تھا کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ④

ترجمہ: اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

تفسیر: ④ "واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ" کلبی اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ خطاب عورتوں کے اولیاء کو ہے۔ عورت کا ولی اس کا نکاح کرا کر اس کا مہر خود لے لیتے تھے۔ اگر وہ عورت اسی خاندان میں رہتی تو ولی مہر خود لے لیتا ہے اور اس کو

کچھ بھی نہیں دیتا تھا نہ اس کو تھوڑا دیتا اور نہ ہی زیادہ اور اگر اس کا شوہر غریب ہوتا تو وہ اس عورت کو ایک اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیتا۔ پس یہ اونٹ اس کو مہر میں ملتا اور کچھ نہ ملتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ان کا حق ان کے حوالے کرو۔ حضری نے کہا کہ عورتوں کے اولیاء یہ کرتے تھے کہ کسی عورت کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیتا اور وہ شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تبادلے میں اس کے ساتھ کرتا۔ اس طرح عورتوں کا تبادلہ ہو جاتا مہر کسی کا کچھ نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ہر عورت کا مہر مقرر متعین کیا جائے۔

نکاح شغار کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دے کہ وہ شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کر دے اور ان میں سے کسی کا مہر متعین نہ ہو۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ عورتوں کے اولیاء کو خطاب ہے کہ ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر ادا کریں۔ یہی صحیح ہے کیونکہ یہی خطاب اس سے پہلے ناکحین کے لیے تھے۔ "والصدقات" سے مراد مہر ہے اور اس کا واحد "صدقۃ" ہے۔ "نحلۃ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فریضہ ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مہر جو ان کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نحلۃ" مسمٰی معلوم ہوتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ نحلہ، عطیہ اور ھبہ کے معنی میں ہے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ نحلہ کہتے ہیں اپنی خوشی سے جو مہر دیدو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہر کا قانون اللہ کی طرف سے جاری کردہ ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شروط کا حق یہ ہے کہ ان کو پورا کیا جائے عورتوں کے مہروں میں سے (جن کی وجہ سے تم نے عورتوں کو حلال جانا)

"فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا" اگر عورتیں اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو وہ ان کی طرف سے تمہیں ھبہ ہے۔ اصل میں عبارت اس طرح تھی "فان طابت نفوسھن بشیء من ذلک فھو ھبۃ منکم" یہاں پر فعل نفوس کو نقل کر کے مالک کی طرف لوٹایا اور پھر آنے والا نفس اس پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آنے والے نفس کو واحد ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وضاق بھم ذرعا" بعض حضرات نے اس کو "عینا" پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ لفظ ایک ہی ہے معنی اس میں جمع ہے۔

"فکلوہ ھنیئا مریئا" مزے اور خوشگواری کے ساتھ۔ "ھنیئ" پاکیزہ خوشگوار نون کے فتحہ کے ساتھ۔ بعض نے کہا، پاکیزہ خوشگوار جس میں کوئی تکدر نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے خوش انجام کا ل الطعم غیر معتر۔ ابوجعفر نے اس کو تشدید کے ساتھ "ھنیا مریا" پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے۔ جیسا کہ "بری، بریون، وبریا" ہے۔ جیسا کہ "ھیئۃ" ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝۵

(ترجمہ) اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے اور ان مالوں میں

ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو۔

تفسیر ⑤ "ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیاما"

ولا تؤتوا السفھاء سے کون مراد ہیں

سفہاء کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ مراد عورتیں ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتیں سب سے زیادہ سفیہ ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ اپنے اموال عورتوں کے ہاتھوں میں نہ دیں کیونکہ یہ کم عقل ہیں خواہ وہ تمہاری بیویاں ہوں یا بیٹیاں ہوں یا مائیں ہوں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد اولاد ہے۔ زہری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو مال کا مالک نہ بنا کیونکہ وہ بعد میں فساد کا سبب بن جائے گا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حسن البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے سفیہ عورت یا سفیہ بچہ مراد ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مال اللہ نے تم کو عنایت فرمایا ہے اور ذریعہ معاش بنایا ہے اس پر اپنی عورتوں اور بچوں کو تسلط نہ دو ورنہ وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں کو تکتے رہو گے اس لیے اموال کو اپنے پاس قبضے میں رکھو اور اس میں کاروبار کے ذریعے ترقی دو اور خود اہل وعیال کی پرورش اور تربیت میں صرف کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب کسی شخص کو اپنی بیوی کے معاملے میں پتہ چل جائے کہ وہ بے وقوف ہے یا اپنی اولاد کے بارے میں پتہ چل جائے کہ وہ بے وقوف ہے تو ان کو مال نہ دے ورنہ وہ تباہ کر دیں گے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حکم مال یتیم کے بارے میں ہے جو اس کے پاس ہے اس کو اس وقت تک مال حوالے نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ یا اضافت اولیاء کے لیے ہے کیونکہ بھی اولیاء ان کے قوام اور سربراہ ہیں۔

سفیہ وہ ہے جس کو ولی اس کا مال اس کے حوالے نہ کرے بلکہ وہ کسی کی پرورش کا مستحق ہے۔ وہ ہے جو مال کو بے جا خرچ کرنے والا ہو یا دین میں فساد کر دینے والا ہو۔

"ولا تؤتوا السفھاء" سے مراد جاہل ہیں ان کو حق کی جگہ ذکر کیا ہے وہ جس کی وجہ سے ان کو سربراہ بنایا ہے۔ بعض قراء نے "قیما" بغیر الف کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "قیاما" پڑھا ہے جس کا اصل "قواما" ہے۔ یہاں واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا ہے وہ جن کو کام کا سربراہ یا کام سپرد کیا جاتا ہے۔

یہاں پر وہ سربراہ مراد ہیں جن کی وجہ سے دُنیا میں زندگی گزارنے کے اصول معلوم ہوتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سربراہ جو حج وجہاد اور نیک اعمال کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور دوزخ سے گردن چھڑاتے ہیں۔ "وارزقوھم فیھا" اور ان سے تم کھلاتے ہو۔ "واکسوھم" ان کو تم پہناؤ جن پر تمہارا رزق واجب ہے اور ان کی مدد کرنا واجب ہے "فیھا"

ارشاد فرمایا۔ "منها" نہیں کہا کیونکہ اصل رزق کا مالک اللہ ہی ہے لیکن کچھ محدود مدت کے لیے ان کو سربراہ بنایا ہے۔ "وقولوا لهم قولاً معروفا" اس مدت جمیلہ میں عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ان کے اموال سے نفع حاصل ہوتا ہے تو وہ تمہارے حصہ میں غنیمت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دُعا ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر تمہارے اوپر ان کا نفقہ واجب نہ ہوتا تو یوں کہتے "عافانا الله وایاک بارک الله فیک" بعض نے کہا کہ ان کو ایسا نرم قول کریں کہ بات ان کو مکمل معلوم ہو۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ❻

ترجمہ: اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اڑا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جاویں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو۔ اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے۔ پھر جب ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں

تفسیر: ❻ "وابتلوا الیتمٰی" یہ آیت ثابت بن رفاعہ اور اس کے چچا کے متعلق نازل ہوئی کہ رفاعہ وفات پا گئے اور ان کا بیٹا ثابت چھوٹا تھا۔ ان کا چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری گود میں میرے بھائی کا چھوٹا یتیم بچہ ہے اس کا مال میرے لیے کب تک حلال ہے؟ اور اس کو کب مال حوالے کر سکتا ہوں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وابتلوا الیتمٰی" ان کی عقلوں کا تم امتحان لو اور ان کے دین کا اور ان کے مال کی حفاظت کا "حتّٰی اذا بلغوا النکاح" یہاں تک کہ وہ نکاح کی حد تک پہنچ جائیں۔ "فان اٰنستم" جب تم ان میں دیکھو "منهم رشدا" مفسرین رحمہم اللہ نے ان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ دین میں عقل و صلاحیت رکھتے ہوں اور مال کی حفاظت کرنا جانتے ہوں اور اصلاح کے لیے علم کا حصول بھی ضروری ہے۔

رشداً کی تفاسیر

سعید بن جبیر، مجاہد اور شعبی رحمہم اللہ کے نزدیک اگر کوئی بوڑھا شیخ ہو تو اس کو بھی مال حوالے نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس میں ہوشیاری اور تیزی ہو کیونکہ انسان کی مشکلات کی وجہ سے اس کے احوال بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ شخص پہلے بازار میں خرید و فروخت کرتا تھا تو ولی اس شخص کو بازار بھیجے تاکہ کوئی چیز خرید کر لے آئے اور اس کے تصرف میں غور و فکر کرے اور اگر اس کا تعلق بازار سے نہ ہو بلکہ گھر کے اُمور سے ہو تو پھر اس کو گھر کے اخراجات پر مامور کیا جائے تاکہ وہ گھر کے اہل و عیال و

غلاموں پر خرچ کرے اور اگر وہ عورت ہے تو اس کو گھر کے امور پر امتحان لیا جائے گا۔ یعنی سامان کی حفاظت، دھاگہ کاتنا وغیرہ۔ اگر اس میں وہ حسن تدبیر والی ہوئی اور تمام اُمور پر اس کا تصرف بہتر ہے تو مال اس کو حوالے کر دے اور جان تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صغر کی بچپن دور کر دیا۔ گویا مال کے حوالے کرنا دو اشیاء پر تھی ہے ایک بلوغ اور دوسرا ہوشیاری ہے۔ بلوغ چار اشیاء میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے دو تو مشترک ہے مردوں اور عورتوں کے درمیان اور دو علامات عورتوں کے ساتھ مختص ہیں جو مشترک ہیں ❶ عمر ❷ دوسرا بلوغ کے لیے احتلام کا ہونا۔ عمر میں پندرہ سال بلوغت کا حکم ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُحد کے دن پیش کیا گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ پھر خندق کے سال میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معائنہ کے لیے پیش کیا گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کی اور کہا کہ یہ فرق قتال کرنے والے اور قتال نہ کرنے والوں کے درمیان جس کی عمر پندرہ سال تک پہنچی اس کے بارے میں قتال کا حکم دیا لیکن اس سے کم عمر میں بچے ہونے کی وجہ سے قتال کا حکم نہیں دیا۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لڑکی کی بلوغت کی عمر سترہ سال ہے اور لڑکے کے بالغ ہونے کی مدت اٹھارہ سال ہے۔ باقی رہی احتلام کی علامت وہ منی کے خروج سے معلوم ہوگا۔ اگر کسی کو احتلام ہو گیا یا کسی لڑکے کے جماع سے کوئی عورت حاملہ ہوگئی تو وہ بالغ شمار ہوگا اور انیس سال کے بعد یہ دونوں بالغ شمار ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "و اذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا" کہ جب بچے تم میں سے حلم کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اجازت دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر کر کے بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ ہر "حالم" سے ایک دینار لینا۔ باقی رہی بلوغت کی علامات میں بالوں کا زیر ناف اُگنا۔ یہ مشرکین کی اولاد کے بلوغ و عدم بلوغ کو پہچاننے کے لیے یہ علامت مقرر کر دی گئی تھی۔ جیسا کہ عطیہ قرظی نے فرمایا کہ بنی قریظہ کے دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معائنہ میں پیش کیا گیا کیونکہ لوگوں کو میرے بالغ اور نابالغ ہونے میں شک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پوشیدہ بالوں کو دیکھ پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی مگر بال نہ پائے گئے اس لیے مجھے قتل سے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں چھوڑ دیا گیا جس میں یہ علامت پائی جاتی اس کو قتل کیا جاتا اور جس میں یہ علامت نہ پائی جاتی اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ یہ علامت مسلمانوں کے بچوں میں معتبر مانی جائے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ پہلی یہ علامات بھی بلوغ کے لیے متعین کی جائیں گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ علامت صرف کافروں کے بچوں کو پہچاننے کے لیے ہے کیونکہ ان کے والدین تک اس کی رسائی ممکن نہیں کہ ان سے ان کے بلوغ اور عدم بلوغ کے متعلق پوچھا جائے۔ دوسرا یہ کہ اگر رسائی ممکن بھی ہو تو پھر بھی ان کے قول کا اعتبار نہیں ہو سکتا ہے، اپنے بچوں کی جان بچانے کے لیے وہ جھوٹ بولیں اور ان کی عورتوں کی بلوغت کی علامت حیض اور حاملہ ہونا

ہے۔ جب انیس سال کے بعد وہ حاملہ ہو جاتیں تو ان کی بلوغت کا حکم لگایا جائے گا اور اس طرح اگر وہ چھ ماہ سے پہلے وضع حمل کرلے کیونکہ وضع حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ باقی رہی رشد کی بات تو اس کی مصلحت اس کے دین اور اس کے مال میں ہے۔ صلاح فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ وہ فواحش اور معاصی سے بچتا رہے جس کے ذریعے سے انسان کا عادل ہونا ساقط ہو جاتا ہے اور صلاح فی المال یہ ہے کہ وہ فضول خرچ نہ ہو تبذیر کہا جاتا ہے کہ کوئی اپنے مال کو اس طرح خرچ کرے کہ جس میں نہ دنیاوی فائدہ ہو اور نہ ہی اخروی فائدہ ہو اور نہ ہی اس میں اچھا تصرف ہو بلکہ خرید و فروخت غبن فاحش کرتا ہو۔ لہٰذا جب اپنے دین میں صحیح نہ ہو اور نہ ہی مال کے تصرفات میں صحیح ہو تو اس سے مال کو روک رکھو نہ اس کو مال دو اور نہ ہی اس کے تصرف کو نافذ سمجھو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مال وغیرہ میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ دین میں کمزور ہے تو مال اس کے حوالے کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ مال کے تصرفات میں کمزور ہو تو پچیس سال سے پہلے اس کو مال نہیں دیں گے۔ اس کے بعد اس کے تصرف کو نافذ مان لیا جائے گا۔ اس پر قرآن حجت ہے کہ جو شخص تصرفات نہیں کر سکتا اس سے مال روک دو۔ "حتّٰی اذا بلغوا النکاح فان اٰنستم منھم رشدًا فادفعوا الیھم اموالھم" اس آیت میں ان کی طرف مال حوالے کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ بلوغ کے بعد جب ان میں "ایناس" اور رشد آجائے تو مال ان کو حوالے کردو، فاسق کبھی رشد نہیں ہوتا۔ بلوغت کے بعد جب اس کی عمر پچیس سال تک ہو جائے، پھر بھی خرید و فروخت کے مصالح سے واقف نہ ہو تو پھر بھی وہ ہوشیار نہیں۔ لہٰذا جس طرح بلوغت سے قبل مال اس کے حوالے نہیں کیا اسی طرح بلوغت کے بعد بھی اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ جب اس سے ایناس (ہوشیاری) اور خرید و فروخت کے معاملات پر عبور حاصل ہو جائے تو پھر ان کو ان کے مال حوالے کردو خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کو مال حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی شادی نہیں ہوتی جب وہ شادی کرلیں تو پھر تم ان کے مال ان کو لوٹا دو۔ لیکن ان کے تصرف ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوں گے جب تک کہ اس کا شوہر ظالم اور نا تجربہ کار نہ ہو اور جب بچہ ہوشیاری کو پہنچ جائے تو اس صورت میں اس کا حجر زائل ہو جائے گا۔ اگر ان کا سفیہ ہونا ظاہر ہو جائے تو پھر ان سے مال کو روک دیا جائے گا لیکن اگر وہ دین میں کمزور ہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ بعض نے کہا جس طرح مال میں ان کا حجر لوٹ آتا ہے۔ اسی طرح دین میں نقص کی وجہ سے ان کا حجر لوٹ آئے گا۔ بعض نے کہا کہ حجر کی طرف نہیں لوٹے گا اس لیے کہ پہلے کا حکم اقوی ہے دوسرے ابتداء سے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد عاقل، بالغ پر حجر قائم نہیں ہو سکتا۔ غلام پر حجر کے ثبوت کے لیے امام صاحب نے ایک حدیث استدلال میں پیش کی ہے۔

عبداللہ بن جعفر نے کچھ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں عثمان کے پاس جا کر تیری اس خرید کا اختیار ختم کرادوں گا۔ عبداللہ نے جا کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بات کہہ دی۔ حضرت زبیر نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا اپنے بھتیجے کو تصرفات سے روک دو۔ (وہ سفیہ ہے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا (مشورہ میں) اس کا شریک ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں

کسی کو کیسے اس تصرف سے روک دوں جس میں زبیر رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ "ولا تاکلوھا" اے اولیاء کی جماعت "اسرافا" یعنی بغیر حق کے "وبدارًا" جلد بازی میں "ان یکبروا" "آن" محلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کے بڑے ہونے اور ہوشیار ہونے کے ڈر کی وجہ سے تم ان کے مال کھانے میں جلدی نہ کرو کہ وہ بڑے ہوجائیں گے تو ان کو مال حوالے کرنا پڑے گا۔ پھر جو تمہارے لیے حلال ہے اور ان کے لیے جو حلال ہے اس کو بیان کر دیا۔ "ومن کان غنیًا فلیستعفف" تمہیں مال یتیم سے روک دیا گیا تاکہ تم ان کے قلیل مال سے بھی بچو اور کثیر سے بھی بچو۔ عفت جو حلال نہ ہو اس سے بچنا۔ "ومن کان فقیرًا" جو یتیم کے مال کی طرف محتاج ہے تو وہ اس کو یاد رکھے اور شمار کر کے لے۔ "فلیاکل بالمعروف" وہ دستور کے مطابق اس سے لے سکتا ہے۔

فلیاکل بالمعروف کی تفسیر

عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں محتاج ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے زیر پرورش ایک یتیم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے یتیم کے مال میں سے کچھ کھالو مگر زیادتی نہ کرنا نہ جلدی جلدی ختم کرنا نہ ہی اپنے مال کو بچا کر اس کے مال کو کھانا۔ اگر کوئی یتیم کا مال کھالے تو کیا اس پر اس کی ادائیگی واجب ہے ان میں بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اس کی قرض کی ادائیگی واجب ہے جب کہ وہ آسان ہو۔ اس آیت کے تحت "فلیاکل بالمعروف" معروف سے مراد قرض ہے یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے جب اس کی طرف محتاج ہو اور جب اسے آسانی ہو تو وہ اسے پورا کرلے۔ یہی قول مجاہد، سعید بن جبیر کا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے مال (بیت المال) کے معاملے میں اپنی ذات کو یتیم کے سرپرست کی طرح قرار دے رکھا ہے۔ اگر غنی ہوں گا تو بچتا رہوں گا اور محتاج ہوں گا تو معروف کے ساتھ کھالوں گا اور جب فراخ دست ہو جاؤں گا تو ادا کر دوں گا۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی مجبوری کے بغیر جس میں آدمی مُردار کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے یتیم کا مال نہ کھائے اور بعض نے کہا کہ اس پر ادائیگی نہیں۔ پھر ائمہ کی کیفیت اکل کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔

عطاء و عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انگلیوں کے پوروں سے کھائے زیادتی نہ کرے اور کپڑے نہ پہنے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال سے کتان اور صوف خرید کر نہ پہنے صرف بھوک دور کرنے کے بقدر کھالے اور ستر پوشی کے بقدر پہن لے اور ان مصارف میں جتنی رقم آئی ہو اس کی واپسی لازم نہیں۔

حسن بصری اور ایک جماعت علماء نے کہا یتیم کے درخت کے پھل کھا سکتا ہے اس کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے مگر دستور کے موافق اور اس کا معاوضہ لازم نہیں۔ البتہ چاندی سونے سے اگر لے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا لازمی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا معروف سے مراد ہے یتیم کی سواری پر سوار ہونا اور ان کے خادم سے خدمت لینا یتیم کے مال میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔

قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا، میرے زیر تربیت ایک یتیم ہے اور اس کے اونٹ ہیں، کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں؟ فرمایا اگر ایسا ہو کہ تم اس کے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرو، خارشی اونٹوں کی مالش کرو، ان کے پیاؤ کو درست کرو اور پانی پلانے کے دن ان کو پانی پلاؤ تو ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو لیکن اس طرح کہ اونٹوں کے بچوں کو ضرر نہ پہنچے اور نہ بالکل تھنوں سے دودھ نچوڑ لیا جائے اور بعض نے کہا کہ معروف کہتے ہیں کہ اس کے کھانے کے بقدر اس کے مال سے لے اور اس کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دے لیکن اس پر اس کا لوٹانا واجب نہیں۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اہل علم کی ایک جماعت کا ہے۔ "فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم" یہ حکم اور ارشاد ہے وجوبی حکم نہیں ہے۔ ولی کو یہ حکم ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں یتیم کے مال کو اس کی بلوغت کے بعد حوالے کردے تاکہ وہ تہمت اور جھگڑے سے محفوظ رہے۔ "وکفٰی باللہ حسیبا" وہ حساب کرنے والا بدلہ دینے والا اور شہادت دینے والا اللہ ہی کافی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ⑦

ترجمہ: مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو والدین اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو حصہ قطعی۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان کا شانِ نزول

تفسیر: یہ آیت اوس بن ثابت انصاری کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ شخص جب وفات پا گیا تو اس نے ایک عورت ام کجہ اور اس سے تین بیٹیاں چھوڑیں۔ اس کے دو چچا زاد بھائی خالد (سوید) اور عرفجہ تھے۔ دونوں نے آ کر ساری میراث پر قبضہ کر لیا۔ (اس کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ عرض کر دیا) زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو میراث سے حصہ نہیں دیتے تھے۔ اگرچہ وہ بچہ ہو یا بچی اور وہ کہتے کہ ہم وراثت کا حصہ نہیں دیتے مگر جس کا گھر والا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو جائے۔

وہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم اوس بن ثابت تین بیٹیاں چھوڑ کر وفات پا گیا اور میں اس کی بیوی ہوں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں جو ان بچیوں پر خرچ کروں اور اس کے باپ نے بہت سارا مال چھوڑا ہے وہ سب سوید اور عرفجہ کے پاس ہے۔ اس نے نہ مجھے کچھ دیا اور نہ ہی میری بیٹیوں کو کوئی چیز عطا فرمائی اور وہ میری پرورش میں ہیں۔ میرے پاس نہ کھلانے کے لیے کچھ ہے اور نہ پلانے کے لیے کچھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور وہ دونوں کہنے لگے کہ اس کا کوئی لڑکا نہیں جو سوار ہو سکے گھوڑے پر اور نہ کوئی بوجھ لاد سکتا ہے اور نہ ہی دشمن سے لڑ سکتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "للرجال نصیب" میت کی مذکر اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار "نصیب" یعنی حصہ

"مما ترک الوالدان والاقربون" میراث سے جو انہوں نے چھوڑا ہے۔ "وللنساء" ورثاء میں سے جو عورتیں ہیں۔ "نصیب مما ترک الوالدان والاقربون"...... "مما قل منہ" اس سے مراد میراث کا مال ہے۔ "او کثر" اس سے "نصیبا مفروضا" منصوب ہے۔ بعض نے کہا کہ عورتوں کا حصہ مقرر کیا گیا پھر ان کے لیے میراث ثابت ہوگی۔ یہ بیان نہیں کی کہ کتنی میراث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کی طرف ایک شخص کو بھیجا اور بلوایا اور کہا کہ تم اس کے مال کو تقسیم نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ترکہ میں اس کی لڑکیوں کو حصہ دار بنایا ہے مگر حصہ متعین نہیں ہوا، میں لڑکیوں کے متعلق حکم کے نزول کا منتظر ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے "یوصیکم اللّٰہ" نازل فرمائی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کو حکم دیا کہ اس کی بیوی کو کل مال سے آٹھواں حصہ اور ان کی بیٹیوں کو دو ثلث دیا جائے اور باقی مال تم دونوں کا ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ❽

ترجمہ: اور جب (وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت آ موجود ہوں رشتہ دار (دور کے) اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں سے) اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو

تفسیر: ❽ "واذا حضر القسمۃ" تقسیم میراث کے وقت "اولوا القربیٰ" وہ قرابت دار جن کا حصہ میراث میں مقرر نہیں۔ "والیتامی والمساکین فارزقوھم منہ" ترکہ یا تقسیم سے ان کو کچھ مال دے دو۔ "وقولوا لھم قولاً معروفا"

اذا حضر القسمۃ ...... الآیۃ کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال

اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میراث کی آیت سے پہلے کی ہے ان سب کو میراث کا اہل بنایا ہے اور اس آیت کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ آیت محکم ہے یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی، نخعی اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اہل میراث میں سے جو خوشی سے دینا چاہیں ان پر یہ حکم واجب ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ تابوت میں، برتن، پرانے کپڑے اور وہ سامان جس کو آپس میں بطور تقسیم کیا جاتا ہے رکھ دیا کرتے ہیں اور اگر میت کے وارث چھوٹے بچے ہوں تو اولیاء کو اس پر معذرت کرنی چاہیے وہ کہہ دیں کہ یہ مال ان بچوں کا ہے اس میں میرا کوئی حق نہیں۔ اگر میرا ہوتا تو میں ضرور کچھ دیتا۔ جب یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو تمہارے حقوق پہنچائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حق سب پر واجب ہے خواہ وارث چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اگر وارث بڑے ہوں تو خود ادا کر دیں اور اگر وہ چھوٹے ہوں تو ان کا ولی ان کو عطا کر دے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ اس آیت کی وجہ سے عبیدہ سلیمانی نے یتیموں کے مال میں سے بانٹ کر کچھ حصہ نکال کر ایک بکری خرید کر ذبح کر کے کھانا پکوایا اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کو دے دیا ہے اور فرمایا کہ یہ آیت نہ ہوتی تو یہ

میرے مال سے ہوتا۔ قتادہ نے یحییٰ بن معمر سے روایت نقل کی کہ تین آیات محکمات مدنی ہیں جن کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔ ایک یہ آیت اور دوسری استیذان والی آیت "یا ایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم" تیسری آیت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ" ہے۔

بعض نے کہا کہ وہی اول الاقاویل ہیں یہ ندب اور استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩

(ترجمہ) اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں تو (ان کی) ان کو فکر ہو سو ان لوگوں کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

(تفسیر) ⑨ "ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا" ضعافا سے مراد چھوٹی اولاد ہے۔ "خافوا علیھم" فقر کے خوف سے۔ جب کسی شخص کو موت کا وقت قریب آجاتا ہے اس کے پاس جو ورثاء حاضر ہوتے ہیں اور اس کو وصیت کی جاتی ہے کہ میری اولاد اور میرے ورثاء میرے مال سے کوئی مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مقدم کرے کہ فلاں کو آزاد کردو اور فلاں فلاں کو عطا کرو۔ (یعنی عین تقسیم میراث کے وقت بعض ورثاء کو محروم کردیا جاتا ہے) اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ تہائی وصیت سے زائد قبول نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی وصیت کرنے والا پیچھے سے اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے تاکہ اس کا مال کوئی اور نہ لے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے حکم مذکور یتیموں کے سرپرستوں اور وصیت والوں کو دیا گیا کہ یتیموں کے معاملے میں اللہ سے ڈریں اور ان سے اچھا سلوک کریں۔ جیسا اپنے ان کمزور بچوں کے ساتھ لوگوں سے سلوک کرانا پسند کرتے ہیں جو ان کے پیچھے رہ جائیں۔ "فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا" اس کا معنی ہے عدل۔ اس کا معنی بعض نے یہ کیا کہ مرنے کے وقت موجود ہونے والے لوگ مرنے والے کو مشورہ دیں کہ وہ تہائی مال سے کم خیرات کرنے اور کسی کو دینے کی وصیت کرے اور باقی ورثاء میں تقسیم کردے۔

⑩ "ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما" مقاتل بن حیان کا بیان ہے کہ یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کا نام مرثد بن زید تھا۔ اس نے اپنے یتیم بچے کا مال کھالیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما" ظلم سے مراد حرام مال ہے جو ناحق کسی سے کھایا جائے۔ "انما یاکلون فی بطونھم نارا" ان کے مالوں کو ان کی خبر دی گئی کہ اس کا انجام یہی ہوگا۔ "وسیصلون سعیرا" عام قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس

کا معنی ہے کہ ان کو داخل کر دیا جائے گا دہکتی ہوئی آگ میں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "صلی النّار یصلوها" کہ اس نے آگ کو بھڑکایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "الا من هو صال الجحیم" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آگ میں داخل کیا جائے گا اور ان کو جلایا جائے گا۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان "فسوف نصلیه نارًا" ...... "ساصلیه سقر" حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شب معراج میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹوں کے لبوں کی طرح تھے۔ بالائی لب سکڑا ہوا، دونوں نتھنوں پر تھا اور نچلا ہونٹ سینہ پر لٹکا ہوا۔ جہنم کے کارندے ان کے منہ میں دوزخ کے انگارے اور پتھر بھر رہے تھے، میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بےجا طور پر کھاتے ہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو تو اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔ تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے یا دین کے بعد تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں کا کونسا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ⑪ "یوصیکم اللہ ...... تا ...... حظ الانثیین" زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا تو اس کی وراثت بڑے مردوں میں تقسیم کی جاتی، عورتوں اور چھوٹے بچوں کو محروم کر دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کی رسم بد کو اس آیت میں منسوخ کر دیا۔ "للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون" زمانہ جاہلیت کی طرح ابتداء اسلام میں کچھ لوگ اس طرح کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "والذین عقدت ایمانکم فاتوهم نصیبهم" پھر وراثت کو ہجرۃ کے ساتھ مقید کر دیا اور ارشاد فرمایا "والذین امنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتهم من شیء حتی یهاجروا" پھر یہ آیت

منسوخ ہوگئی۔ پھر وراثت کا حق تین چیزوں کے ساتھ رہ گیا نسب کے ساتھ، نکاح کے ساتھ اور ولاء کے ساتھ۔ نسب کا معنی یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار بعض سے بعض کا وارث ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللّٰہ" نکاح کا معنی یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ولاء کا مطلب یہ ہے کہ آزاد کرنے والا آزاد کیے ہوئے کا وارث ہوگا۔ اس پر اللہ کی مدد و نصرت سے ایک علیحدہ فصل ذکر کریں گے جس میں اقارب کے حصے متعین ہوں گے۔

وراثت کے مسائل

وراثت کے مال کی کیفیت کے متعلق ہم بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے مال سے سب سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی ہے پھر اس کے مال سے قرض ادا کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد بچا ہوا مال میں اس کی تہائی میں وصیت مقبول ہوتی ہے جن ورثاء میں یہ مال تقسیم ہوتا ہے اس کی تین اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض اصحاب الفروض ہیں اور بعض عصبات اور بعض دونوں جو وارث نکاح سے وراثت ہوتے ہیں وہ اصحاب الفرائض میں سے ہیں (خاوند، بیوی) اور جو ولاء کے ذریعے سے حصہ پاتے ہیں انہیں عصبات کہتے ہیں اور ان میں سے بعض وارث قرابت کی وجہ سے حصہ پاتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا حصہ فرض ہے یعنی اصحاب الفروض میں سے ہیں جیسے بیٹیاں، بہنیں، مائیں، دادیاں اور ماں شریک اولاد اور ان میں سے بعض ورثاء وہ ہیں جو عصبہ ہونے کی وجہ سے حصہ پاتے ہیں۔ جیسے بیٹے، بھائی، چچا کے بیٹے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو فرض اور عصبہ دونوں ملتے ہیں جیسے اب۔ یہ عصبہ محض ہوگا جب میت کی کسی قسم کی اولاد نہ ہو اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو پھر باپ کو سدس ملے گا اور اگر میت کی مؤنث اولاد موجود ہو تو پھر باپ کو فرض ہونے کی وجہ سے سدس اور عصبہ ہونے کی وجہ سے مابقیہ ملے گا۔ اسی طرح دادا کا بھی ہے۔

صاحب التعصیب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو اصحاب الفروض کے حصوں کے بعد باقی مال سمیٹ لے۔ اگر عصبہ اکیلا ہو تو پورا مال اس کو مل جائے گا کل ورثہ سترہ ہیں۔ دس مردوں میں سے اور سات عورتوں میں سے۔ مردوں میں سے مندرجہ ذیل ہیں۔ ابن، بیٹے کا بیٹا، باپ، دادا، پردادا اور اس کے آگے، بھائی خواہ حقیقی ہو یا علاتی (باپ شریک) ہو یا اخیافی (ماں شریک) ہو۔ ماں شریک بھائی کا بیٹا یا باپ شریک کا بیٹا اور اس سے نیچے اور چچا خواہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے اور اس کے بیٹے اور اس سے نیچے یا میت کے باپ کے بیٹے اور اس کے نیچے تک زوج اور مولیٰ عتاقہ، عورتوں میں سے بیٹی، پوتی، اس سے نیچے تک۔ دادی، ماں کی ماں، باپ کی ماں، بہن حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہو۔ زوجہ اور مولیٰ عتاقہ اور چھ وہ ہیں جو غیر کے ملحق ہونے کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے۔ ابوان، ولدان، زوجان، کیوں ان کے درمیان اور میت تک کسی کا واسطہ نہیں، یہ چھ کبھی محروم نہیں ہوتے۔

وراثت سے محروم کردینے والی اشیاء

وہ اسباب جو وراثت سے محروم کردینے والے ہیں وہ چار ہیں۔ اختلاف دین، رقیت (غلامی) قتل، اختلاف دارین، اختلاف دین کا مطلب یہ ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے کافر تو اپنے کفر والوں کا وارث ہے۔ اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں) کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والذین کفروا اولیاء بعض" بعض حضرات نے کہا کہ کفر کے اندر میں مختلف ملتوں کے ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں وارث نہیں ہوں گے حتیٰ کہ یہودی نصرانی کا وارث نہیں ہوسکتا اور اس طرح نصرانی بھی یہودی کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ ہی نصرانی مجوسی کا وارث ہوسکتا ہے۔ یہ قول امام زہری، اوزاعی، احمد، اسحاق کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دو ملتیں کئی ملتوں کا وارث نہیں بن سکتی۔ بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اسلام کفر کا وارث نہیں ہوسکتا کیونکہ کفر تو ملت واحدہ ہے لہٰذا یہ بعض کی بعض کے ساتھ وارث ہوں گی۔
غلام بھی کسی کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کوئی اس کا وارث ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی ملکیت ہی نہیں اس لیے اس کا کوئی وارث نہیں۔ قن (مکمل غلام) اور مدبر (جس کو آقا یہ کہہ دے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے) مکاتب (جس کو آقا کہے کہ اتنا مال مجھے لا کر دے میں تمہیں آزاد کروں گا) اور اُم ولد (وہ لونڈی جو اپنے آقا سے بچہ جن دے)
قتل بھی میراث سے مانع ہے۔ قتل خواہ جان بوجھ کر ہو یا خطاء ہو جس طرح کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا اس سے مراد وہ موت ہے جن کے متعلق معلوم نہ ہو کہ کون پہلے مرا ہے۔ مثلاً دو شخص آپس میں لڑنے والے ہوں پانی میں۔ ان میں سے معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ البتہ ان کے زندگان کو ان کی وراثت ملے گی۔

اصحاب الفروض کے حصوں کی تقسیم

محدود حصے جو وراثت میں ہیں وہ چھ ہیں۔ نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث، سدس۔ نصف اصحاب فروض میں سے تین کو ملتے ہیں۔ زوج کو فرض ملے گا نصف جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور ایک بیٹی کو نصف ملے گا یا پوتی کو نصف ملے گا جب صلبی بیٹے موجود نہ ہوں۔ ایک بہن جب اس کے ساتھ کوئی میت کا لڑکا نہ ہو۔ خواہ وہ بہن حقیقی ہو یا اخیافی یا علاتی ہو۔
اور ربع اصحاب فروض میں سے دو کو ملے گا۔ زوج کو ربع ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور اسی طرح زوجہ کو ربع ملے گا جب میت کی اولاد نہ ہو اور ثمن صرف زوجہ کو ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور ثلثان دو صلبی بیٹیوں کو یا دو بہنوں کو دیں گے اور ثلث اصحاب فروض میں سے تین کو ملتا ہے۔ فرض الام۔ ماں کو ثلث ملے گا جب میت کے والدین نہ ہوں اور ماں کو ثلث باقی ملے گا۔ زوج اور زوجہ کو دینے کے بعد اس کو ثلث دیا جائے گا اور اثنان اخوۃ و اخوات کو ملے گا مگر صرف دو مسئلوں میں ایک مسئلہ ہے کہ زوج اور اب، ام۔ دوسرا مسئلہ زوجہ، اب، اُم، یہاں مسئلہ میں ماں کو باقی ماندہ مال سے ثلث ملے گا یعنی زوجہ اور زوج کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس سے تہائی والدہ کو دیں گے، ماں کی اولاد کو بھی اتنا ہی ملے گا خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث اور دادا کو

بھائیوں کے ساتھ بھی اتنا ہی ملے گا جب اس مسئلہ میں کوئی اور اصحاب فرائض میں سے موجود نہ ہو۔

سدس اصحاب فروض میں سے سات کو ملے گا۔ اب کو سدس ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور ماں کو سدس ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور جب دو بھائی یا دو بہنیں موجود ہوں۔ دادا کو فرض ملے گا جب میت کا لڑکا موجود ہو یا میت کا بھائی یا بہن ہو۔ اسی طرح دادا کو سدس ملے گا جب اس کو بھائیوں کے ساتھ ترکہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ دادی کا حصہ اور ماں کی اولاد میں کوئی ایک ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور پوتیوں کو فرض حصہ ملے گا جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اس صورت "تکملة للثلثین" اور علاتی بہنوں کو جب میت کی ایک حقیقی بہن ہو اس صورت میں بھی سدس ملے گا۔ "تکملة للثلثین"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وراثت کے حصہ داروں کو حصہ عطا کرو پھر جو باقی بچ جائے تو اس کے ساتھ والا قریبی رشتہ دار اس کا وارث ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ورثہ دوسرے بعض ورثاء سے محجوب (محروم) بھی ہوتے ہیں۔ حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب حرمان، حجب نقصان۔ حجب نقصان یہ ہے کہ بیٹا یا بیٹے کا بیٹا موجود ہو تو خاوند کو نصف سے ربع کی طرف اور اسی طرح بیوی کو ربع سے ثمن کی طرف اور ماں کو ثلث سے سدس کی طرف اور اسی طرح دو بھائی ماں کے ثلث کو سدس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

حجب حرمان کہتے ہیں کہ ماں کی وجہ سے دادی محروم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اخوات و اخوۃ لام یہ چار وجہ سے محروم ہو جائیں گے۔ باپ کی وجہ سے، دادا کی وجہ سے ان سے اوپر، اسی طرح بیٹے سے پوتا اور اس سے نیچے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اولاد بالاب والام دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ تین چیزوں سے میت کے باپ سے اور بیٹے سے پوتے سے بھائی محروم ہو جائیں گے۔ دادا کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوں گے۔ زید بن ثابت کا یہی قول ہے۔ یہی قول عمر، عثمان، علی، وابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور فقہاء میں امام مالک، شافعی، اوزاعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

باپ شریک بھی انہی صورتوں میں محروم ہوں گے۔ بالاخ لاب وام سے اور بعض حضرات کے نزدیک تمام بھائی ساقط ہو جائیں گے دادا سے جیسا کہ باپ کی موجودگی سے دادا محروم ہو جاتا ہے۔ یہ قول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ابن عباس، حضرت معاذ، ابی درداء، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا بھی ہے اور یہی قول حسن بصری، عطاء، طاؤس، ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا ہے۔ قریبی عصبات دور والے عصبات کو محروم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قریبی بیٹا، دور والے بیٹے کو محروم کر دیتا ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہو جائے گا اور دادا کی موجودگی میں پردادا محروم ہو جائے گا۔ اگر دادا کے ساتھ میت کا بھائی، بہن ہو خواہ وہ حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی یہ میراث میں مشترک ہوں گے۔ اگر دادا موجود نہ ہو تو پھر حقیقی بھائی مقدم ہوں گے پھر علاتی بھائی پھر اخیافی بھائی۔ پھر اس کے بعد اخیافی بہنیں یا علاتی۔ پھر اس کے بعد قریبی رشتہ دار اگر سب درجہ میں برابر ہوں تو سب سے پہلے مقدم وہ ہوں گے جو حقیقی بہن بھائی ہوں گے پھر چچا کے بیٹے وغیرہ پھر باپ کے چچا کے بیٹے پھر دادا کے چچا کے بیٹے علی ہذا الترتیب۔

اگر میت کے رشتہ داروں میں سے کوئی عصبات بھی موجود نہ ہوں تو میت کی میراث آزاد کردہ کے لیے ہوگی۔ معتق کے

عصبات چار ہیں مردوں میں سے جو عورتوں کو عصبہ بناتے ہیں۔ بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی علاتی بھائی۔ اگر مر جائے اس کا بیٹا یا بیٹی یا بھائی یا بہن حقیقی ہوں یا علاتی ہوں اگر ان کے پاس مال ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت یعنی مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ اس صورت میں بیٹی یا بہن اسی طرح پوتا ان کے برابر میں جو آئے گا ان کو یہ عصبہ بنا دیں گے اور اگر دو ثلث بیٹیوں کو مل گیا تو اس سے آگے کسی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً بیٹے کی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں اگر اس پوتی کے ساتھ میں کوئی پوتا موجود ہو تو یا اس سے نیچے پڑپوتا ہو تو اس صورت میں "للذکر مثل حظ الانثیین" کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ حقیقی بہن یا علاتی بہن یہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے گی۔ اگر کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑ کر مر گیا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ اگر کوئی شخص ایک بہن اور دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا تو بیٹیوں کو دو ثلث اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مال ملے گا۔

ابو قیس فرماتے ہیں کہ میں نے ہزیل بن شرحبیل کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے اپنی بیٹی، پوتی اور بہن کے حصوں کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا کہ بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے نصف۔ پھر یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یہ مسئلہ ہے اور اس کے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر تو تم گمراہ ہو گئے اور تم ہدایت بھی نہیں پا سکتے۔ انہوں نے تو بالکل سنت رسول کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف اور پوتی کے لیے سدس "تکملۃ الثلثین" کے لیے اور باقی مال جو بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ وہ پھر حضرت ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا۔ وہ کہنے لگے کہ جب تم میں وہ بڑے عالم مجھ سے موجود ہیں اس وقت تک مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا۔ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی طرف رجوع کر لیا۔ اس کے نزول میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

محمد بن منکدر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب وہ میری عیادت کرنے کے لیے آئے اور میں مریض تھا اور مجھے ہوش نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈالا۔ اس سے مجھے ہوش آئی، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری میراث کس کو ملے گی؟ حالانکہ میرا کوئی وارث بیٹا بیٹی نہیں، کلالہ ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ یہ آیت اُم کجہ جو اوس بن ثابت کی بیوی ہیں اور ان کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید ہو گئے۔ پیچھے وہ دو بیٹیاں اور بیوی اور ایک بھائی چھوڑ کر گئے۔ ان کے بھائی نے سب مال لے لیا۔ سعد کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دونوں بیٹیاں سعد کی ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے اور ان کے چچا نے سب مال قبضے میں لے لیا اور میرے پاس اتنا مال بھی نہیں کہ میں ان دونوں کی شادی کرا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ چلے جاؤ اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس پر فیصلہ فرما دے گا۔

اس پر یہ آیت "یوصیکم اللّٰہ" نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چچا کو بلوایا اور ان سے کہا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو ثلثان دیدو اور ان کی ماں کو ثمن دیدو اور جو باقی بچ جائے تم لے لو۔ یہ اسلام میں پہلی میراث تھی جو تقسیم ہوئی۔ اللہ عزوجل کا فرمان "یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم" یعنی تمہارے لیے شمار کر کے رکھا ہے اور تمہاری اولادوں کے بارے میں تمہارے لیے فرض کیا گیا جب تم مر جاؤ تو تمہاری اولاد کے متعلق یہ حکم دیتے ہیں۔ "للذکر مثل حظ الانثیین"...... "فان کنّ" یہ ترکہ جو تمہاری اولاد کے لیے چھوڑا گیا۔ "نساءً فوق اثنتین" دو حصے ہی ملیں گے دو ہوں یا اس سے زائد۔ فوق صلہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے "فاضربوا فوق الاعناق"...... "فلھنّ ثلثا ما ترک وان کانت" اگر بیٹی موجود ہو "واحدۃً" کان کی خبر ہے اور قراء اہل مدینہ نے اس کو مرفوع پڑھا ہے۔ "فلھا النصف ولا بویہ" اس سے مراد میت کے والدین ہیں۔ "لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولدٌ" اس سے مراد باپ اور ماں ان دونوں کو سدس ملے گا جب اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہو اور باپ اصحاب فروض میں سے ہے۔ "فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث" حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے بھی پڑھا ہے۔ "فلامہ" بعض نے اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فان کان لہ اخوۃٌ" دو بہنیں ہوں یا اس سے زائد یا ان کے ساتھ مذکر بھی موجود ہوں۔ "فلامہ السدس" ماں کے لیے سدس ہوگا اور باقی ان کے باپ کے لیے ہوگا۔ بہنوں کو باپ کے ساتھ کوئی میراث نہیں ملے گی لیکن ماں محجوب ہو جائے گی ثلث سے سدس کی طرف۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بہنوں کی وجہ سے ماں کو ثلث سے سدس کی طرف نہیں ملے گا مگر یہ کہ بہنیں دو سے زائد ہوں۔ یہاں پر "فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس" یہاں پر یہ نہیں کہا کہ دو بہنیں ہوں اس کا جواب دیا کہ اسم جمع کا اطلاق کبھی تثنیہ پر ہوتا ہے کیونکہ جمع کہا جاتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور وہ لفظ اثنین میں موجود ہے۔ جیسا کہ "فقد صغت قلوبکما" یہاں پر قلب کو جمع کے ساتھ ذکر کیا لیکن اس کو تثنیہ کی طرف مضاف کیا ہے۔ "من بعد" "وصیۃ یوصی بھا او دین" ابن کثیر، ابن عامر، ابوبکر نے صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور دوسرے قراء نے صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا کیونکہ وصیت تو میت کی طرف سے ہی جاری ہوتی ہے موت سے پہلے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "یوصین" حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے "توصون" پڑھا ہے۔ یہ دین "قرض" سے پہلے وصیت کو نافذ مانتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی ادائیگی کے بعد وصیت کو نافذ مانا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ دین وصیت پر مقدم ہے، اس آیت میں معنی جمع کا ہے نہ کہ ترتیب کا اور میراث دین اور وصیت دونوں سے مؤخر ہے۔ لہٰذا پہلے وصیت کرے اور اگر قرض ہے تو اس کی وصیت کرے اور میراث ان دونوں سے مؤخر ہے۔ "آباء کم وابناء کم" جو میراث تم اپنے باپ کو یا بیٹوں کو دیتے ہو۔

"لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعًا" تم اس بات کو نہیں جانتے کہ دین اور دنیا میں تمہارے لیے سب سے زیادہ نفع مند چیز کیا ہے تم میں سے بعض گمان کرتے ہیں کہ ان کے لیے باپ نفع مند ہے اور بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ بیٹا نفع مند ہے اور تم میں سے بعض کا خیال ہے کہ بیٹا زیادہ نفع مند ہے۔ عالم اس بات کو جانتا ہے کہ تمہارے لیے زیادہ نفع مند کیا چیز ہے اس کام کو

تمہارے لیے پوشیدہ رکھا گیا ہے کسی مصلحت کی بناء پر تاکہ تم اس کی پیروی کرو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتے ہو کہ وہ تمہارے آباء اور ابناء کو قیامت کے دن اعلیٰ درجہ عطاء فرمادے۔ اللہ تعالیٰ بعض مؤمنین کو بعض کے ذریعے شفاعت کا ذریعہ بنائیں گے۔ اگر قیامت کے دن بیٹے کا درجہ بڑا ہوا تو ان کے باپ کو بڑا درجہ دیا جائے گا اس کی شفاعت کی وجہ سے اور اگر باپ کا درجہ بڑا ہوا ہوگا تو باپ کی شفاعت سے بیٹے کو بھی اعلیٰ درجہ ملے گا۔ "فریضۃ من اللہ" جو اللہ تعالیٰ نے میراث میں مقدر کر دیا گیا۔ "ان اللہ کان علیمًا" بندوں کے افعال کو جانتا ہے۔ "حکیمًا" میراث کے جو احکام فرض کیے ہیں وہ بہ حکمت ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دَین کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ۔ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دَین کے بعد اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ مرد میت ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔ وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا دَین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے۔ یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔

ازواج کی میراث

تفسیر: ⑫ "ولکم نصف …… تا …… بها او دین" یہ ازواج (بیویاں) کی میراث کا بیان ہے۔ "ولهن الربع" ان کو ربع ملے گا۔ "مما ترکتم …… تا …… او دین" یہ بیویوں کی میراث کا بیان ہے اگر ایک شخص کی ایک بیوی ہو یا اس سے

زائد چار تک تو ان کو ربع یا ثمن ملے گا۔ "وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ" جو شخص اکیلا ہو اس کی صرف بیوی ہو کوئی اولاد وغیرہ نہ ہو تو اس صورت میں یہ شخص کلالہ کہلائے گا۔ "کلالۃ" منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ فاعل "مالم یسم" فاعلہ ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "وان کان رجل یورث مالہ کلالۃ"

کلالہ کی تفسیر میں مختلف اقوال

کلالہ کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی تفسیر اپنی رائے سے کر رہا ہوں اگر اس میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو اس کو میری طرف منسوب کر دینا اور اگر صحیح ہو جائے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا باپ اور بیٹا دونوں نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں کسی چیز کا ارادہ کروں اس کے بغیر جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارشاد فرمائیں۔

طاؤس کے نزدیک کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا لڑکا نہ ہو۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری اقوال میں سے ایک ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔ "قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد" اور عام حضرات کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس لیے کہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی۔ اس دن ان کے نہ والد تھے اور نہ ہی اولاد کیونکہ ان کے والد عبداللہ بن حرام اُحد میں قتل کر دیے گئے تھے۔ کلالہ والی آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں نازل ہوئی۔ اس صورت میں اس آیت کا شان نزول حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے۔

کلالہ کس کا نام ہے؟

اس بات میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ کلالہ کس کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ میت کا نام ہے یہ قول حضرت علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے کیونکہ جب انسان مرتا ہے تو جانبین میں رشتہ داروں کو چھوڑ کر مرتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کلالہ نام ہے ورثہ کا۔ یہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ میت ان کے اردگرد ہوتے ہیں لیکن بیچ میں کوئی نسبی ستون ہوتا ہے جیسے سر پر بندھی ہوئی شاہی پٹی کہ سر کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہے مگر سر کا درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں کلالہ کا یہی مطلب ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے وارث کلالہ ہیں۔ یعنی نہ میری ذریت اولاد ہے اور نہ ہی والد۔

نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ کلالہ مال کا نام ہے۔ ابوالخیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عقبہ سے کلالہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کیا تم لوگ تعجب کرتے ہو کہ یہ مجھ سے کلالہ کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

رضی اللہ عنہم پر مشکل مسئلہ کوئی نہیں پیش آیا مگر یہ کلالہ کا مسئلہ۔ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لیے محبوب تھیں تھی زیادہ واضح کیا ہے۔ ایک کلالہ، خلافت، ابواب الربوا۔

محمد بن طلحہ کا بیان ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے کوئی اہم (مشکل) امور نہیں چھوڑ کر جارہا کلالہ کے سوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلالہ کے سوا کسی چیز سے رجوع نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جتنی سختی فرمائی اتنی اور کسی چیز میں نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے مبارک پر انگلی رکھ کر ارشاد فرمایا، اے عمر! کیا تمہارے لیے سورۃ نساء کی آخری آیت کافی نہیں۔ اگر آپ زندہ رہے تو اس کا فیصلہ میرے فیصلے کے مطابق کرنا خواہ وہ قرآن پڑھنے والا ہو یا نہ پڑھنے والا۔ اور فرمایا کہ کیا تجھے آیت الصیف کافی نہیں۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے کلالہ کی دو آیتیں نازل فرمائی ہیں، ایک سردی میں جو سورۃ نساء کے اول میں واقع ہے اور دوسری وہ آیت جو گرمیوں میں نازل ہوئی وہ سورۃ نساء کی آخری آیت۔ "وله اخ او اخت فلكل واحد منهما السدس" اس سے مراد اخیافی بہن، بھائی سب کا اتفاق ہے۔ یہی سعد بن ابی وقاص نے پڑھا ہے۔ "وله اخ او اخت من ام" یہاں "له" ضمیر ذکر کی ہے "لهما" نہیں کہا حالانکہ ماقبل میں مذکر اور مؤنث دونوں کا ذکر ہے۔ عرب والوں کا طریقہ ہے کہ دو ناموں میں سے ایک کا تذکرہ کرتے ہیں اور دوسرے کی طرف اشارہ کردیتے ہیں کیونکہ دونوں حکم میں برابر ہیں، ان دونوں میں سے ایک کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اور بسا اوقات دونوں کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واستعينوا بالصبر والصلاة وانها لكبيرة" یہاں آیت میں ھا ضمیر لائی ہے ماقبل میں صبر اور صلوٰۃ دو چیزوں کا ذکر ہے۔ "فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث" اس بات میں اجماع ہے کہ اگر ماں کے ساتھ اور مشترک ہوں تو سب ماؤں کو ثلث ہی ملے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ نساء کی پہلی آیت جو میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ والد، بیٹے اور ماں کے متعلق نازل ہوئی اور سورۃ نساء کی دوسری آیت بیوی، شوہر، اخیافی بہن بھائی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ آیت جس سے سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے اس میں حقیقی بہن بھائیوں کے احوال کا تذکرہ ہے اور وہ آیت جو سورۃ انفال کے آخر میں نازل ہوئی وہ ذوی الارحام کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

"من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار" یعنی وہ تہائی سے زیادہ وصیت کرکے یا کسی وارث کو محروم کرکے دوسرے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ "وصية من الله والله عليم حليم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کے وقت بھی کسی کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬

یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو بیٹھے گھروں کے اندر مقید رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمائیں۔

تفسیر: ﴿۱۳﴾ "تلک حدود اللہ" یہ میراث کے متعلق جو ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ کی حدود ہیں۔

"ومن یطع اللہ ...... تا ...... ذلک الفوز العظیم"

﴿۱۴﴾ "ومن یعص اللہ ...... تا ...... عذاب مھین" قراء اہل مدینہ اور ابن عامر نے "ندخلہ جنات، ندخلہ ناراً" پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ فتح میں "ندخلہ، نعذبہ" اور سورۃ تغابن میں نکفر، ندخلہ اور سورۃ طلاق میں۔ ندخلہ نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ان سب مقامات کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

زانی کی سزا کا بیان

﴿۱۵﴾ "والتی یاتین الفاحشۃ" فاحشہ کا معنی زنا ہے۔ "من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم" اس سے مراد مسلمان ہیں اور خطاب حکام کو ہے یعنی اے حاکمو! تم اس کے متعلق چار گواہوں کو طلب کراؤ کیونکہ زنا کا ثبوت چار گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا۔ "فان شھدوا فامسکوھن" اگر وہ گواہ پیش کردیں تو تم ان کو قید کرلو۔ "فی البیوت حتی یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا" یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب حدود کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جو عورت زنا کرتی اس کو گھر میں اس وقت تک قید رکھتے جب تک کہ وہ مر نہ جاتی۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اس آیت سے "البکر بالجلد والتغریب" اور ثیبہ کے حق میں کوڑے اور رجم ہے۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو مجھ سے عورتوں کے لیے اللہ نے راہ نکال دی ہے۔ باکرہ عورت باکرہ مرد سے زنا کرے تو اس کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ اگر زنا کریں تو سو کوڑے اور سنگساری ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ثقہ جماعت نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ثیبہ کے حق میں کوڑے منسوخ ہوگئے اور رجم کرنا باقی رہ گیا۔ اکثر اہل علم کے

نزدیک اور بعض اہل علم نے کہا کہ ان دونوں کو جمع کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے شراحہ ہمدانیہ کو جمعرات کے دن سو کوڑے لگائے۔ پھر جمعہ کے دن ان کو رجم کیا اور کہا کہ اس کی سزا جلد کتاب اللہ کی وجہ سے اور رجم سنت رسول کی وجہ سے اور عام علماء کے نزدیک ثیبہ کو رجم کے ساتھ کوڑے نہیں لگائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا اور غامدیہ کو رجم کیا لیکن ان کو کوڑے نہیں لگائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جلا وطنی بھی ہے لیکن یہ باکرہ کے حق میں منسوخ ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ ثابت ہے۔ حضرت نافع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے بھی لگائے اور جلا وطنی بھی کرائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجرم کو کوڑے لگائے اور جلا وطنی بھی کرائی۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور بعض نے اختلاف کیا کہ گھر میں روکے رکھنا یہ حد ہے یا منسوخ ہو گیا یا یہ حد کو ظاہر کرتا ہے اس میں دو قول ہیں۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ اور جو ان سے دو شخص بھی بے حیائی کا کام کریں تم میں سے تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں۔ اور اصلاح کر لیں تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑯ "والذان یاتیانہا منکم" اس سے مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔ ھا ضمیر راجع ہے فاحشہ کی طرف ابن کثیر نے "اللذان ، واللذین ، وھاتان ، وھذان" نون تاکید کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل بصرہ کے قراء نے بھی ان کی موافقت کی۔ دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا ابوعمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسم میں حروف کی کمی کی بناء پر "فآذوھما" عطاء اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ان کو زبان سے عار دلاؤ یعنی یوں کہو کہ تمہیں گناہ کرتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں آیا۔ تمہیں اللہ سے حیاء نہیں آئی جب تم زنا کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان دونوں کو قید کر دو اور برا بھلا کہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زبان اور ہاتھ سے عار دلانا مقصود ہے اور ان کو جوتوں سے مارنا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: پہلی آیت میں قید کا ذکر تھا جب کہ اس آیت میں ایذاء کا ذکر ہے تو دونوں میں کیا تطبیق ہے؟

جواب: پہلی آیت میں عورتوں کا حکم تھا اور اس آیت میں مردوں کا حکم ہے۔ یہی قول مجاہد کا ہے یا پہلی آیت ثیبہ کے حق میں ہے اور دوسری آیت باکرہ کے حق میں ہے۔ "فان تابا" اگر وہ اس برائی سے توبہ کر لیں۔ "واصلحا" اور اس کے بعد وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ "فاعرضوا عنہما" تو تم ان دونوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ "ان اللہ کان توابا رحیما" یہ حدود کے نزول سے پہلے کا ہے یہ جلد اور رجم کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا کوڑوں کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے "الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ" اور سنگسار کرنے کا حکم سنت سے ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا

لائے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور دوسرے شخص نے کہا جو سمجھدار تھا ضرور اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرمائیں، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں پہلے بات کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بولئے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بیٹا اجیر تھا۔ اس کی بیوی کے ساتھ اس نے زنا کیا تو آپ مجھے بتلائیں کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو اس نے مجھ سے سو بکریاں اور ایک لونڈی فدیہ میں لی ہے۔ پھر جب میں نے اہل علم سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور اس کی بیوی پر رجم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان ضرور بالضرور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، رہی تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی وہ اس کو واپس لوٹا دو، باقی آپ کے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کسی عورت کے ساتھ جا کر اس کی بیوی سے پوچھو اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو تو وہ اس کے پاس گئے، اس نے زنا کا اعتراف کیا تو اس کو رجم کر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی اور جب اللہ تعالیٰ نے آیت رجم نازل فرمائی تو ہم نے اس کو پڑھا تو ہم نے اس کو معنوی طور سے سمجھ لیا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد رجم فرمایا اور ہمیں اس بات کا ڈر لگنے لگا کہ اگر لوگوں نے اس کے نافذ کرنے میں دیر لگا دی تو کہنے والا کہے گا کہ آیت رجم ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے تو ہم اللہ کے ایک فریضہ کے چھوڑ دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب اللہ میں ذکر کر دیا۔ رجم کتاب اللہ میں حق ہے جو شخص زنا کرے شادی شدہ مرد ہو یا عورت۔ جب گواہ حاضر ہو جائیں یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرے۔ اگر زانی سے زنا کا صدور ہو اور اس میں چار شرائط پائی جائیں تو وہ محصن کہلائے گا۔ عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، نکاح صحیح کے بعد انہوں نے زنا کیا ہو، رجم کی حد مسلمان ہو یا ذمی دونوں پر جاری ہوگی۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ احصان کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ لہٰذا ذمی کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو رجم کیا تھا جب انہوں نے زنا کیا تھا اور اگر زانی غیر محصن ہو تو یعنی اس کے اندر اوصاف موجود نہ ہوں یعنی وہ بالغ نہ ہو یا مجنون ہو تو اس پر کوئی حد نہیں اور اگر وہ آزاد عاقل بالغ ہو لیکن اس نے نکاح صحیح نہیں کیا تو اس پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور اگر وہ غلام ہے تو اس پر پچاس کوڑے اور جلاوطنی کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ نصف سال جلاوطن کیا جائے گا جیسا کہ اس کو پچاس کوڑے آزاد مرد کے نصف کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑰

ترجمہ: توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں۔

للذین یعملون السوء بجھالۃ کی تفسیر

تفسیر ⑰ "انما التوبۃ علی اللہ" حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ توبہ ہے جو قبول ہوتی ہے اس صورت میں علیٰ بمعنی عند کے ہوگا اور بعض نے کہا کہ یہ من اللہ ہے۔

"للذین یعملون السوء بجھالۃ" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ کی جو نافرمانی کی جائے وہ جہالت ہے خواہ جان کر کی جائے یا بھول کر۔ ہر نافرمانی کرنے والا جاہل کہلاتا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد جان بوجھ کر گناہ کرنے والا مراد ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گناہ کرنے والا جاہل نہیں۔ البتہ اس گناہ کا انجام جہالت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی جہالت ہے کیونکہ وہ فانی لذتوں کو حاصل کرکے ابدی لذتوں کو تباہ و ختم کر رہا ہے۔ "ثم یتوبون من قریب" بعض نے کہا کہ وہ گناہ جو اس کی نیکی کو محیط ہو وہ اس کی نیکی کو مٹا دے گا۔

سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قریب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی صحت میں توبہ کرے گا مرض موت سے پہلے عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد موت ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت سے پہلے وہ توبہ کرلے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتے ہیں جب تک موت کی حالت نہ پہنچ جائے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم کہ میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا۔ جب تک ان کی ارواح ان کے جسموں میں موجود ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میری عزت وجلال اور بلندی کی قسم کہ میں اس وقت تک ان کے گناہوں کو معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

"فاولئک یتوب اللہ علیہم و کان اللہ علیما حکیما"

**وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ
الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا
شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲**

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے۔ ان لوگوں کے

لئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ۔ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔ اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

تفسیر ⑱ "ولیست التوبة للذین یعملون السیئات" اس سے مراد گناہ ہیں۔ "حتی اذا حضر احدھم الموت" اس سے نزع کی حالت مراد ہے۔ "قال انی تبت الآن" یعنی یہ روح کی روانگی کی حالت ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روح کھینچی نہ جائے۔ لہٰذا کافر کا نہ ایمان قبول ہے اور نہ ہی نافرمان کی توبہ قبول ہے۔ "فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا" اسی وجہ سے فرعون کو ایمان کا نفع نہیں پہنچا جب وہ غرق ہو چکا تھا۔ "ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا" یعنی ان کے لیے تیار کر کے رکھا ہے۔ "لھم عذابا الیما"

⑲ "یا یھا الذین ... نوا ... ان ترثوا النساء کرھا" یہ اہل مدینہ کے متعلق نازل ہوئی۔

زمانہ جاہلیت کی ایک رسم بد کی تردید میں آیات کا نزول

زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا اور اسی طرح ابتداء اسلام میں بھی یہی رواج تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس عورت کے بیٹے کے سوا کوئی نہ ہوتا تو وہ بیٹا اس کے اوپر اپنا کپڑا ڈال دیتا یا اپنا خیمہ اس پر ڈال دیتا تھا اور اس کا حق دار بن جاتا تھا، اس عورت کو اپنی ذات پر خود کوئی حق نہیں رہتا تھا، اب اگر وہ چاہتا تو بغیر کسی جدید مہر کے صرف مردہ باپ کے مہر سے اس سے نکاح کر لیتا تھا اور اگر خود نکاح نہ کرنا چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتا اور مہر خود لے لیتا اور اگر چاہتا تو بالکل ہی نکاح سے روک دیتا تاکہ عورت مجبور ہو کر وہ مال واپس کر دے جو مُردہ کی وراثت سے اس کو ملا ہے۔ اسی طرح اپنی جان چھڑا لے یا پھر وہ عورت خود اس حالت میں مر جاتی اور اگر وہ عورت اپنے میکے چلی جاتی شوہر پر کسی کے کپڑا ڈالنے سے پہلے تو اس کو اپنے اوپر زیادہ اختیار ہوتا، یہ زمانہ جاہلیت میں تھا۔ جب زمانہ اسلام آیا تو ابوقیس بن سلت انصاری وفات پا گئے اور یہ بیوی کبیشہ بنت معن انصاریہ چھوڑی۔ ان کا بیٹا جو دوسرے والدہ سے تھا کھڑا ہوا اس کا نام حصن تھا۔ مقاتل بن حیان نے اس کا نام قیس بن ابی قیس رکھا ہے۔ اس نے اپنا کپڑا کبیشہ پر ڈال دیا اور اس کے نکاح کا وارث ہو گیا لیکن اس کو یونہی چھوڑے رکھا نہ قربت کی اور نہ ہی خرچ دیا۔ مقصد یہ ہے کہ تنگ کر کے اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ کبیشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابوقیس مر گیا ہے اور اس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث ہو گیا، اب نہ مجھے وہ خرچ دیتا ہے نہ میرے پاس آتا ہے اور نہ میرا راستہ چھوڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھ جا۔ جب تک اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل ہو جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یایھا الذین امنوا" سے لے کر آخر آیت تک۔ حمزہ اور کسائی وغیرہ نے

"کُرھًا" پڑھا ہے۔ فراء نے "کَرْھًا" پڑھا ہے اگر فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا دوسرے کو مجبور کیا جائے۔ اس صورت میں مشقت عورت ہی کی جانب سے ہے۔ "ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن" کہ تم اپنی عورتوں کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے مال سے فدیہ دے کر تم سے اپنی جان چھڑوا سکیں۔ بعض نے کہا کہ خطاب اولیاء میت کو ہے صحیح یہ ہے کہ خطاب بیویوں کو ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو خود بیوی کی طرف راغب نہ ہو اس کی محبت سے نفرت کرتا ہو لیکن عورت کا مہر اس پر واجب ہو اور اس طرح تنگ کرکے چاہتا ہو کہ جو کچھ مہر دیا ہو اس کو تاوان رہائی کے طور پر واپس لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے "لا تعضلوھن" فرما کر اس حرکت سے ممانعت کر دی اور ارشاد فرمایا "الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" اس صورت میں تمہارے لیے حلال ہے کہ تم ان کو تکلیف دو۔

بفاحشۃ مبینۃ کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف

"فاحشۃ" کی تفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد نافرمانی ہے۔ بعض نے کہا کہ زنا ہے مطلب یہ ہے کہ جب بیوی نافرمانی کرکے زنا کرلے تو خاوند اس سے خلع طلب کرسکتا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد کی بیوی زنا کرتی ہے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے واپس لے لیتا ہے اور پھر اس کو گھر سے نکال دیتا ہے یہ حکم زنا کی حد کی وجہ سے منسوخ کردیا گیا ہے۔ "مبینۃ" اور "مبینات" دونوں طرح ابن کثیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور اہل مدینہ و بصرۃ نے مبینات پڑھا ہے۔ "وعاشروھن بالمعروف" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اول کلام کی طرف راجع ہے اور وہ کلام "واٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ" ہے۔ عاشروھن بالمعروف کا مطلب ہے کہ نرم بات کرو رات گزارنے میں اور خرچ کرنے میں نرمی اختیار کرو۔ بعض نے کہا کہ تم اس کے ساتھ وہی سلوک اختیار کرو جو تم اپنے ساتھ کرتے ہو۔ "فان کرھتموھن ...... تا ...... خیرا کثیرا" بعض نے کہا کہ ولد صالح مراد ہے یا اللہ تعالیٰ تمہاری اس ناپسندیدہ چیز کو پسندیدہ بنادے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس کو ایک انبار کا انبار مال دے چکے ہو۔ تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔ کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو

حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جس سے تمہارے باپ (دادا نانا) نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی۔ بیشک یہ (عرفاً اور عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) برا طریقہ ہے

تفسیر ⑳ "وان اردتم استبدال زوج مکان زوج" اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہتے ہو۔ اگر پہلی بیوی کی طرف سے کوئی نافرمانی یا فاحش کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو "واٰتیتم احدٰھن قنطارًا" تو تم نے مال کثیر مہر میں دیا ہو۔ "فلا تاخذوا منہ" تو نہ لو اس مال کثیر سے "شیئًا" کچھ بھی چیز۔ "اتاخذونہ" میں ہمزہ استفہام برائے توبیخ کے لیے ہے۔ "بھتانًا واثمًا مبینًا" یہ دونوں منصوب ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ منصوب ہے حروف جارہ کے حذف ہونے کی وجہ سے اور دوسرا اسم عاملہ کی وجہ سے تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "تصیبون فی اخذہ بھتانًا واثمًا"

㉑ "وکیف تاخذونہ" یہ بھی استفہام بمعنی انکار ہی کے ہے۔ "وقد افضٰی بعضکم الٰی بعض" اس سے مراد جماع ہے۔ افضاء کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف پہنچنا بغیر کسی واسطے "واخذن منکم میثاقًا غلیظًا" حسن، ابن سیرین، ضحاک رحمہم اللہ اور قتادہ کے نزدیک پختہ عہد سے مراد عورت کے ولی کا قول ہے کہ میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں ان شرائط وحقوق کے موجب دیا جو اللہ نے عورتوں کے لیے مردوں پر رکھے ہیں۔ یعنی ضابطہ دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا خوبی کے ساتھ آزاد کر دینا۔ شعبی اور عکرمہ رحمہما اللہ کا بیان ہے اس عہد سے مراد وہ مضمون ہے جو مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانتیں سمجھ کر لے رکھا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بحکم خدا اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ اس کلمہ کی بناء پر "ولا تنکحوا مانکح اٰباؤکم من النساء" زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کرتے تھے۔ اشعث بن سوار کا بیان ہے۔ جیسا کہ ابوقیس نیک انصاری شخص تھا۔ قیس کے بیٹے نے ان کی بیوی کو نکاح کا خطبہ دیا۔ اس نے کہا قیس میں تو تمہیں اپنا بیٹا جانتی ہوں اور تو قوم کے نیک لوگوں میں سے بھی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی اطلاع دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب تو اپنے گھر چلی جا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

㉒ "ولا تنکحوا ما نکح ...... تا ...... قد سلف" بعض نے کہا کہ پہلے جو کچھ ہو چکا اس میں مؤاخذہ نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو گناہ تم اس معاملے میں کر چکے ہو وہ معاف ہیں۔

"انہ کان فاحشۃ" یعنی بے حیائی کا کام ہے۔ کان صلہ ہے فاحشہ بدترین گناہ کو کہتے ہیں۔ "ومقتًا" یا اللہ کے غضب کا باعث ہے۔ مقت کہا جاتا ہے سخت ترین بغض "وساء سبیلًا" یہ راستہ برا ہے عرب کے ہاں باپ کی بیوی سے کسی کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کو مقیت کہتے تھے۔ اشعث بن قیس، ابومعیط، عمرو بن اُمیہ، یہ مقیت ہی تھے۔

عدی بن ثابت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرا ماموں جھنڈا لئے میری طرف سے گزرا،

میں نے پوچھا کہاں جارہے ہو، اس نے جواب دیا ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے اس کا سر لانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢٣﴾

ترجمہ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہوں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نہ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

تفسیر ㉓ "حرمت علیکم امھاتکم" اس آیت میں تمام اُصولی عورتیں جو حرام ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

محرمات کی تفصیل

محرمات جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے وہ چودہ ہیں۔ سات نسب سے حرام ہونے والی سات حرمت بالسبب ہیں۔ سات جو کسی سبب سے حرام ہیں۔ ان میں دو جن کا تعلق رضاعت سے ہے اور چار صھریہ سے متعلق ہیں اور ساتویں محصنات ہیں اور وہ شوہر والیاں ہیں۔ اُمہات جمع ہے اُم کی۔ اس میں دادیاں بھی داخل ہیں اگرچہ وہ ماؤں کی جانب سے ہو اور باپ کی جانب سے ہو۔ "وبناتکم" جمع ہے بنت کی اس میں پوتیاں بھی داخل ہیں۔ اگرچہ ان سے نیچے ہو۔ "واخواتکم" اخت کی جمع ہے برابر ہے خواہ وہ حقیقی ماں باپ کی بیٹی ہو یا ماں باپ میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو۔ "وعماتکم" جمع "عمۃ" کی ہے۔ اس میں باپ کی اخوات اور دادا کی اخوات اور ان سے اوپر "وخالاتکم" جمع خالۃ کی اور اس میں اُمہات اور جدات کی اخوات ہو۔ "وبنات الاخ و بنات الاخت" اس میں بھائی اور بہن کی اولاد بھی داخل ہے اور اس سے نیچے۔ من جملہ مرد پر اس کے اُصول و فصول (اولاد) پھر ان فصول کے پہلے اُصول اور ہر اصل کے بعد۔ اُصول سے مراد اُمہات اور جدات ہیں۔ فصول سے

مراد بنات، اولاد کی بنات ہیں اور فصول اول اصول سے اخوات اور بھائیوں کی بیٹیاں اور اول فصل "من کل اصل بعدہ" سے مراد پھوپھیاں اور خالائیں اور ان سے اوپر اور جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان "وامھاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ" من جملہ رضاعت سے بھی وہی حرام ہو جاتی جو نسب سے حرام ہوتی ہے۔

حرمت رضاعت کا مسئلہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے نسب (ولادۃ) سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص آپ کے گھر میں داخلے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا میرے خیال میں فلاں شخص ہوگا، میں نے اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ اندر آسکتا تھا؟ فرمایا ہاں جو حرمت ولادت سے ہوتی ہے رضاعت سے بھی ہوتی ہے۔ رضاعت کی حرمت دو شرطوں میں سے شرط پائی جائے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دو سالوں سے قبل دودھ پلائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رضاعت سے اس وقت تک حرام نہیں ہوتی مگر آنتیں بھر جائیں (دودھ پینے سے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رضاعت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک (دودھ سے) ہڈیاں اور گوشت پیدا نہ ہو جائیں اور یہ سب کچھ حالت صغر میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت تیس ماہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ "وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا" اکثر حضرات کے نزدیک یہ اقل مدت حمل ہے اور اکثر مدت رضاع ہے۔ مدت حمل کی اقل مقدار چھ ماہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پئے۔ یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ یہی عبداللہ بن زبیر اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور اکثر اہل علم کے نزدیک رضاع کی قلیل مقدار ہو یا کثیر حرمت کو ثابت کر دیتی ہے۔ یہی قول ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ یہی سعید بن مسیب اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ امام مالک، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور اصحاب الرائے کا یہی مذہب ہے اور بعض نے کہا کہ قلیل حرام نہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مرتبہ پستان کو چھونا حرام نہیں کرتا اور دو مرتبہ چھونا۔ اسی طرح بعض اصحاب حدیث نے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ قرآن میں دس رضعات کا ذکر تھا۔ پھر وہ منسوخ ہو کر خمس

(پانچ) رضاعات رہ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری حیات طیبہ تک یہی قراءۃ تھی۔ محرمات صہریہ اللہ کے اس فرمان سے "وامھات نسائکم" جو بھی کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے خاوند پر بیوی کی مائیں اس کی دادیاں اور اس سے اوپر کے رشتہ دار رضاعی ہوں یا نسبی نفس عقد سے حرام ہو جائیں گی۔ "وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن" ربائب جمع ہے ربیبہ کی، اپنی بیوی کی بیٹی کو کہا جاتا ہے جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ اس لیے کہتے ہیں چونکہ یہ اس کی زیر تربیت ہوتی ہے۔ "فی حجورکم" سے مراد اس (خاوند) کی تربیت میں ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کسی کی گود میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی تربیت میں ہے۔ "دخلتم بھن" تم ان سے جماع کرو۔

جب اس منکوحہ سے جماع کیا تو اس کی بیٹیاں اور اس کی پوتیاں اس پر حرام ہو گئیں اور اس سے نیچے بھی۔ اگرچہ وہ رضاعی ہوں۔ نسبی اولاد منکوحہ کے ساتھ دخول کے بعد حرام ہو جائے گی۔ اگر منکوحہ دخول سے پہلے جدا ہو جائے یا اس کے دخول سے پہلے پہلے مر گئی تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے لیکن اس کی ماں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمہات کی حرمت کو مطلق ذکر کیا ہے۔ ربائب کی تحریم کے بارے میں یہ ارشاد "فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم" ان کی بیٹیوں کے نکاح میں جب تم ان سے جدا ہو جاؤ یا وہ مر جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیوی کی ماں حرام نہیں ہوتی مگر بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے جیسا کہ ربیبہ کے متعلق ہے۔

"وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم" یعنی تمہارے بیٹوں کی بیویاں، حلائل کی واحد حلیلۃ ہے۔ حلائل کے ساتھ اس لیے موسوم کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے حلال ہے۔ بعض نے کہا اس کو حلائل اس لیے کہا چونکہ یہ دوسرے کے لیے حلال ہو جاتے ہیں جس طرح ایک چیز دوسرے میں حلول کر جاتی ہے اور دو نزول ہے۔ بعض نے کہا ان میں سے ہر ایک کی ازار دوسرے کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ یہ حقل کی ضد ہے من جملہ تاکید پر حلائل کے بیٹے اور بیٹیاں بھی حرام ہیں اور ان سے نیچے کے رشتہ دار بھی۔ اگرچہ وہ رضاعی ہوں اور نسبی اولاد نفس عقد کے ساتھ حرام ہو جائیں گے۔ "من اصلابکم" فرمایا متبنی (منہ بولے بیٹے کا) حلیلہ اس مرد پر حرام نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کی بیوی سے شادی کی اور زید منہ بولا بیٹا تھا۔

اور چوتھی اقسام میں محرمات صہریہ باپ دادا کی حلیلہ یا اس کے اوپر کے رشتہ دار اس پر حرام ہیں اس کے بیٹے پر یا بیٹے کے بیٹے پر نفس عقد کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ باپ حقیقی ہو یا رضاعی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء" اس کا تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو عورت صرف نکاح سے حرام ہو جاتی ہے اسی طرح وہ وطی سے بھی حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وطی بالشبہ کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی عورت نے شبہ کے ساتھ یا ملک یمین کی وجہ سے وطی کر لی تو اس وطی کرنے والے پر لونڈی کی والدہ اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی۔

حرمتِ زنا کا مسئلہ

اور اگر کسی نے عورت کے ساتھ زنا کرلیا تو اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ مزنیہ عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام نہیں اور بعض نے کہا کہ اس کی ماں اور بیٹی حرام ہوگی۔ یہ قول علی ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول سعید بن المسیب، عروہ، زہری اور اسی کی طرف امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں اور بعض لوگ اس کی حرمت کی طرف گئے ہیں۔ یہی روایت عمران بن حصین اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما اور یہی روایت جابر بن زید رضی اللہ عنہ اور حسن اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے۔

اگر کسی عورت کو شہوت سے چھولیا تو کیا اس کی حرمت وطی کی حرمت کی طرح ہے ربیبہ کے حق میں؟ اس میں دو قول ہیں۔ اصح قول یہی ہے کہ اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت ثابت نہیں ہوتی جس طرح دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ "وان تجمعوا بین الاختین" کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو بہنوں کو جمع کریں ایک نکاح میں خواہ وہ آپس میں حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔ ہاں اگر کسی نے ایک بہن کے ساتھ نکاح کیا پھر اس کو طلاق بائن دے دی تو اس کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اسی طرح اگر اس کی ملک میں دو بہنیں اکٹھی جمع ہوگئیں تو اس کے لیے ان دونوں سے وطی کرنا حلال نہیں۔ اگر ایک کے ساتھ وطی کرلی تو دوسری کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے اور اسی طرح جائز نہیں کہ کوئی شخص عورت اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرلے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ۔ "الا ما قد سلف" لیکن جو گزر گیا ہے وہ معاف ہے کیونکہ وہ سب افعال اسلام سے قبل کیا کرتے تھے۔ عطاء وسدی رحمہما اللہ کا بیان ہے اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کیونکہ انہوں نے اُم یہودا اور راحیل اُم یوسف کو جمع کیا تھا حالانکہ یہ دونوں بہنیں تھیں۔ "ان اللّٰہ کان غفوراً رحیماً"

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہوں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جاویں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعے سے چاہو۔ اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو۔ پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے متمتع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے ہو اور مقرر ہونے کے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

والمحصنات من النساء کی تفسیر اور شان نزول

تفسیر ﴿۲۴﴾ "والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم" اس سے مراد شوہروں والی ہیں۔ ان عورتوں کے ساتھ دوسرے شخص کا نکاح کرنا حرام ہے جب تک کہ یہ ان کو چھوڑ نہ دیں۔ یہ ساتویں قسم ہے جو حرمت بالسبب کی وجہ سے ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کے متعلق نازل ہوئیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تھیں اور وہ شوہر والی تھیں۔ ان سے بعض مسلمانوں نے نکاح کر لیا۔ پھر ان کے شوہر سابق ہجرت کر کے آئے۔ ان سے مسلمانوں کو نکاح کرنے سے روکا گیا۔ پھر اس سے استثناء کیا لونڈیوں اور باندیوں کو اس آیت سے "الا ما ملکت ایمانکم" وہ عورتیں (باندیاں) جو تمہارے پاس قید ہو کر آئی ہیں اور ان کے شوہر دارالحرب میں ہیں تو ان کے مالکوں کے لیے جائز ہے کہ ان کے استبراء کے بعد ان سے وطی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قید کرنے سے ان کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ان کو مشرکین کی کچھ عورتیں ہاتھ آئیں، وہ ان کو قید کر کے لے آئے۔ ان کے شوہر موجود تھے ہم نے ان کے ساتھ قربت کرنا مناسب نہیں سمجھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الا ما ملکت ایمانکم" یہ ان باندیوں کے بارے میں ہے جو غلاموں کے نکاح میں تھیں ان باندیوں کو ان سے لینا جائز ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ باندی کو بیچنا اس کے خاوند کے درمیان فرقت ڈالنا ہے اور یہ فرقت طلاق ہوگی۔ مشتری کے لیے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں معنی یہ ہوگا کہ چار سے زائد

عورتیں حرام ہیں مگر وہ عورتیں جن کے تم مالک ہوئے ہو کیونکہ باندیوں میں کوئی عدد متعین نہیں۔ "کتاب اللّٰہ علیکم" منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے اصل عبارت یہ تھی "ای کتب اللّٰہ علیکم" بعض نے کہا منصوب بنا برا غراء ہے عبارت یوں ہوگی "الزموا ما کتب اللّٰہ علیکم" یعنی تم پر اللہ نے فرض کر دیا ہے۔ "واحل لکم ما وراء ذلکم" ابو جعفر، حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حاء کے کسرہ کے ساتھ۔ باقی قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ جو محرمات میں سے ذکر کیے ہیں۔ "ان تبتغوا" تم تلاش کرو "باموالکم" تم ان سے نکاح کرو مہر کے عوض یا تم ان کو خرید و ثمن کے بدلے میں "محصنین" اس سے مراد شادی شدہ عورتیں یا پاکدامنی "غیر مسافحین" وہ زنا کرنے والی نہ ہوں سفح سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے بہانا چونکہ یہاں بھی منی بہائی جاتی ہے۔

"فما استمتعتم به منهن" اس کے معنی میں اختلاف ہے حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے جب تم ان سے نفع حاصل کرو اور جماع سے لذت حاصل کرو نکاح صحیح کے ساتھ تو تم ان کو مہر ادا کرو۔ "فاٰتوهن اجورهن" اس سے مراد مہر ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے نکاح متعہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک مدت تک عورت کے ساتھ نکاح کرنا اور جب اتنی مدت گزر جاتی تو وہ طلاق سے بائنہ ہو جاتی۔ استبراء رحم (رحم کی صفائی) اس کے لیے ضروری ہوتا ہے اور ان کے درمیان میراث بھی جاری نہیں ہوتی یہ ابتداء اسلام میں مباح تھا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ربیع بن سبرۃ جہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ارشاد فرمایا اے لوگو! میں تمہیں عورتوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیا کرتا تھا اب بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک تم پر حرام قرار دیا۔ اب اگر اس طرح تم میں سے کسی کے پاس کچھ ہو تو ان کو چھوڑ دو اور ان سے کوئی چیز نہ لو جو تم نے ان کو دیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور گھریلو گدھے کا گوشت حرام قرار دیا۔ اس پر بعض علماء اہل علم نے متعہ کو حرام قرار دیا ہے اور اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور نکاح متعہ میں رخصت دی ہے۔ ابن ابی نضرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ تم سورۃ نساء کی یہ آیت نہیں پڑھتے "فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى" میں نے کہا کہ میں نے اس کو نہیں پڑھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تین مرتبہ نازل ہوئی۔ بعض حضرات نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

سالم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثناء کی اور کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ نکاح متعہ کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اگر کسی نے متعہ کیا ہوگا اور میرے پاس اس کو لایا جائے گا تو میں ضرور اس کو سنگسار کر دوں گا۔ متعہ ختم ہو گیا نکاح، طلاق، عدت اور میراث سے منسوخ ہو گیا۔

ربیع بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نہیں جانتا کہ اسلام میں کسی چیز کو

حلال کیا گیا ہو پھر حرام کیا گیا ہو پھر حلال کیا گیا ہو پھر حرام کیا گیا ہو متعہ کے علاوہ۔ "فآتوھن اجورھن" ادا کرو ان کے مہروں کو "فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ" نکاح متعہ میں پہلے یہ بات جائز تھی کہ جب فریقین کے ہاں ایک مدت متعین تک طے ہو جاتا اور وہ پوری ہو جاتی تو فریقین میں سے عورت چاہتی تو وہ مدت بڑھا دیتی اور مرد مال میں اضافہ کر دیتا۔ اگر دونوں فریق راضی نہ ہوں تو پھر جدائی ہو جاتی اور جو حضرات آیت کو استمتاع بالنکاح صحیح پر محمول کرتے ہیں تو اللہ کے اس فرمان کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ "ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ" یعنی مہر مقرر ہونے کے بعد اگر عورت مقررہ مہر کا کچھ حصہ خود کم کر دے یا کل معاف کر دے یا مرد مقرر کردہ سے زائد از خود مقرر کر دے تو درست ہے۔ "ان اللہ کان علیما حکیما"

مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہئے

مہر کی اکثر مقدار کی کوئی حد متعین نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا" مستحب یہ ہے کہ اس میں زیادہ غلو نہ ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کرو۔ اگر یہ زیادتی دنیاوی اکرام کی وجہ سے ہے اور اللہ سے تقویٰ کی وجہ سے تو تمہارے لیے اولیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مطابق کہ انہوں نے اپنی بیویوں سے نکاح کیا اور آپ نے اپنی بیٹیوں کا نکاح کروایا تو بارہ اوقیہ سے زائد مہر نہیں رکھا۔

حضرت ابی سلمہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر کتنا رکھا تھا؟ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ میں نے کہا کہ آپ جانتے ہو کہ نش کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا نصف اوقیہ ہے۔ یہ پانچ سو درہم ہوئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر ہے۔

مہر کی مقدار میں آئمہ فقہاء کے مختلف اقوال

اس سے کم مقدار مہر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کی کم مقدار وہ ثمن ہے جو بیع یا ثمن بننے کی صلاحیت رکھے وہ مہر بن سکتا ہے۔ یہ قول ربیعہ، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین مٹھی کھجور مہر بن سکتے ہیں۔

سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ ایک کوڑے کو مہر بنانا بھی جائز ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ چوری کے نصاب کے برابر مہر کی مقدار ہے اور یہی قول امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوری کی سزا کی مقدار تین درہم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم ہیں اس پر دلیل یہ حدیث مبارک ہے۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ کے حوالے کیا ہے، وہ کافی دیر کھڑی رہی، پھر ایک اور شخص

کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری اس سے شادی کروا دیجئے، اگر آپ کو اس سے حاجت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اس کے مہر کے لیے کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس اس ازار کے سوا کچھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا، اس ازار کے علاوہ کچھ نہیں، کوئی اور چیز ڈھونڈ لو، وہ کہنے لگے ہم اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تلاش کرو اگرچہ ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، میں نے تلاش کیا لیکن کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کی کوئی سورۃ یاد ہے، فرمایا جی ہاں! فلاں فلاں سورۃ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے آپ کی شادی فلاں سورۃ کے بدلے میں کر دی ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اقل مہر کی مقدار کی کوئی حد نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز تلاش کرو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز مال بننے کی صلاحیت رکھتی ہو تو وہ مہر بن سکتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ولو خاتما من حدید" کیونکہ انگوٹھی کی اتنی قیمت نہیں جو زیادہ نافع ہو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو مہر مقرر کرنا جائز ہے۔ یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور بعض اہل علم کا یہی قول ہے کہ اس پر جائز نہیں اور یہی اصحاب الرائی کا مذہب ہے اور ہر وہ عمل جو قابل اجرت ہو بناء ہو یا خیاطہ ہو اور اس کے علاوہ تو وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کیوں کہ آزاد کی منفعت کو مہر قرار دیا اس پر وہ حدیث دلیل ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی کی شادی ایک عمل کی بناء پر کروائی تھی۔ (وہ دس سال تک موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں گے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی ......"

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵

(ترجمہ) اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کر لے۔ اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی

ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جاویں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جو تم میں زنا کا اندیشہ رکھتا ہو اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑳ "ومن لم یستطع منکم طولاً" اس کا معنی ہے فضل اور قدرت "ان ینکح المحصنات" اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ "المؤمنات" کسائی رحمہ اللہ نے محصنات صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہر مقام پر لیکن اس جگہ صاد کے زبر سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تمام جگہوں پر فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم" اس سے مراد باندیاں ہیں۔

آزاد عورت کیساتھ نکاح کی قدرت رکھنے والا باندی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اسکا حکم

"المؤمنات" جو شخص آزاد مؤمنہ عورت کا حق مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو چاہیے کہ مؤمنہ باندی سے نکاح کرے اس بات کی دلیل ہے کہ آزاد شخص باندی کو دو شرائط کے ساتھ نکاح میں لاسکتا ہے۔ ① وہ آزاد عورت کے مہر کی طاقت نہیں رکھتا۔ ② یا اس کو اپنے نفس پر گناہ کا خوف ہو تو پھر وہ باندی سے نکاح کرسکتا ہے۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے "ذلک لمن خشی العنت منکم" یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یہی قول طاؤس عمرو بن دینار کا ہے اس طرف امام مالک و شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں۔

بعض اصحاب الرائی کا قول ہے کہ باندی کے ساتھ نکاح کرنا آزاد کے لیے اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو اور غلام کے لیے باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس کے عقد میں پہلے سے آزاد عورت موجود ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کے لیے جائز نہیں کہ اگر اس کے عقد میں پہلے سے آزاد عورت موجود ہو۔ جیسا کہ آزاد شخص کے لیے حکم ہے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کے لیے کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات" یہاں باندی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا کہ وہ مؤمنہ ہو اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب" اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ اس آیت میں کتابیہ عورت سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ آزاد ہو اور اسی وجہ سے بعض اصحاب الرائی نے مسلمان کے لیے کتابیہ باندی سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ملک الیمین والی باندی کے ساتھ بالاتفاق وطی جائز ہے۔ "واللہ اعلم بایمانکم" تم ان کے باطن کا تعارض نہ کرو یعنی ان کے ایمان کے متعلق تعرض نہ کرو بلکہ ظاہری حالت کو دیکھو کیونکہ اللہ ان کے ایمان کو جانتا ہے۔ "بعضکم من بعض" تم ایک دوسرے کے بھائی ہو اور بعض نے کہا کہ تم سب ایک نفس کی اولاد ہو۔ لہٰذا تم باندیوں کے نکاح کو عیب نہ سمجھو۔ "فانکحوھن" باندیوں سے نکاح کرو۔ "باذن اھلھن" اپنے مولیٰ (آقا) کی اجازت کے ساتھ۔ "وآتوھن اجورھن" اس سے مراد مہر ہے۔ بالمعروف دستور کے مطابق نہ اس میں ٹال مٹول کیا جائے اور نہ ہی نقصان پہنچایا جائے۔ "محصنات" جو نکاح میں

پاک دامن ہیں۔ "غیر مسافحات" علی الاعلان بدکاریاں نہ کرنے والی ہوں "ولا متخذات اخدان" یعنی چھپ کر محبوب بنانے والی نہ ہوں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مسفحت" کا معنی ہے ہرجائی ہو جانا اور یار بنانے والی سے مراد ہے کسی کی مخصوص داشتہ بن جانے والی عرب کے نزدیک اول فعل حرام تھا اور دوسرا جائز۔ (عرب والے پہلی عورت کو حرام اور دوسری عورت کے ساتھ شادی کو جائز قرار دیتے تھے) "فاذا احصن" حمزہ، کسائی، ابوبکر رحمہم اللہ کے نزدیک الف اور صاد کے فتحہ "اَحصَنّ" اس کا معنی ہے جو اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اسلام لانے والی ہو اور دوسرے قراء نے ہمزہ کے ضمہ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ "اُحصِنَّ" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ شادی شدہ ہوں۔

"فان اتین بفاحشۃ" فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ "فعلیھن نصف ما علی المحصنات" آزاد باکرہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا کے نصف ان کو سزا ملے گی۔ "من العذاب" اس سے مراد حد زنا ہے۔ اگر غلام زنا کریں تو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ کیا اس کو جلاوطن کیا جائے گا اس میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اگر اس کو جلاوطن کیا گیا تو نصف سال جلاوطنی کیا جائے گا غلام پر رجم نہیں ہے۔

جیسا کہ عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے اور کچھ قریشی جوانوں کو حکم دیا کہ حکومت کی چند باندیوں کو زنا کی سزا میں پچاس پچاس کوڑے ماریں۔ اور کہتے ہیں کہ غلام کی حد میں کوئی فرق نہیں۔ اگرچہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ یہی اکثر اہل علم کا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ مملوک غلام اگر زنا کریں تو ان پر حد واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاذا احصن ...... تا ...... من العذاب" یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور یہی قول طاؤس رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ بعض متاخرین نے احصان کا معنی اسلام لیا ہے اور اگر اس سے مراد شادی شدہ ہونا ہو تو پھر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شادی شدہ ہوگا تو حد لگے گی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مملوک شادی شدہ ہونے کی بناء پر زنا کرلے تو اس پر رجم والی سزا نہیں آئے گی بلکہ اس کی سزا کوڑے ہیں۔ برخلاف آزاد کے۔ باندی کی حد بھی اسی آیت سے ثابت ہے غلام کو کوڑوں کی سزا اس حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اس پر حد جاری کرو لیکن شہر بدر نہ کرو۔ پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو اس کو حد جاری کرو اور شہر بدر نہ کرو۔ پھر اگر وہ تیسری بار زنا کرے تو اس کو فروخت کردو۔ اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے میں ہی کیوں نہ ہو۔ "ذلک" باندی کے ساتھ نکاح کرنا آزاد کی طاقت نہ رکھتے ہوئے "لمن خشی العنت منکم" زنا کے ڈر سے غلبہ شہوت کی وجہ سے اور وہ باندی سے نکاح کرتا ہے وہ اپنے آپ پر مشقت کو محسوس کر رہا ہے تو پھر اس کو باندی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ "وان تصبروا" اگر وہ غلبہ شہوت پر صبر اختیار کرکے باندیوں کے ساتھ نکاح سے بچا رہتا اور اپنی پاک دامنی ہاتھ سے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ "خیر لکم" یہ زیادہ بہتر ہے تاکہ تمہاری اولاد غلام پیدا نہ ہو۔ "واللہ غفورٌ رحیمٌ"۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کردے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے۔ اور تم پر توجہ فرماوے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ کہ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔

تفسیر ﴿۲۶﴾ "یرید اللّٰہ لیبین لکم" یعنی تمہارے لیے بیان کردے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وامرت لاعدل بینکم" وہ تمہارے لیے انصاف کا حکم کرتا ہے۔ "وامرنا لنسلم لرب العالمین" اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے تابع رہیں اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وامرت ان اسلم" کہ ہم کو حکم ہوا کہ ہم تابع رہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "یرید اللّٰہ ان یبین لکم" یعنی تمہارے دین کے احکام اور مصالح امور کو کھول کر بیان کردیا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے بیان کردیا گیا ہے جو تمہیں اس کے قریب کردے۔ کلبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ تمہارے لیے واضح کردیا کہ باندیوں کے نکاح سے صبر تمہارے لیے بہتر ہے۔ "ویھدیکم" وہ تمہیں راستہ دکھاتے ہیں "سنن" اس سے شرائع مراد ہیں۔ "الذین من قبلکم" یعنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی حرمت کیونکہ یہ ماقبل اُمتوں کے لیے بھی حرام تھیں۔ بعض نے کہا کہ تمہیں راہ حنیف کی ہدایت عطا فرمائی اور وہ ملت ابراہیمی ہے۔ "ویتوب علیکم" تم سے اس غلطی کو معاف کردے گا جو تم پہلے کر چکے ہو احکام کے بیان کرنے سے پہلے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم ایسے کام کرلو جن سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ "واللّٰہ علیم" اور اللہ مصالح احکام سے خواہ وہ دینی اُمور سے متعلق ہوں یا دُنیاوی امور سے متعلق ان کو جانتا ہے۔ "حکیم" اور ان کے امور کی تدبیر پر حکمت ہے۔

﴿۲۷﴾ "واللّٰہ یرید ان یتوب علیکم" اگر تم سے دینی اُمور میں کوئی کمی واقع ہوگئی۔ "ویرید الذین یتبعون الشھوات ان تمیلوا" حق سے کامل طور پر پھر جاؤ گے۔ "میلا عظیما" تم لے آؤ اس چیز کو جو تم پر حرام کرلی گئی ہے۔ (یعنی تم حرام کو حلال سمجھنے لگو) اتباع شہوات کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مجوسی،

مراد ہیں کیونکہ یہی لوگ بہنوں اور بھائیوں کی بیٹیوں اور بیٹیوں کی بیٹی سے نکاح کو حلال سمجھتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے زانی لوگ مراد ہیں جو حق سے روگردانی کر کے زنا کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے تمام اہل باطل مراد ہیں۔

㉘ "یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم" تمہارے اوپر احکامِ شرع کو آسان کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ "ویضع عنھم اصرھم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے جس پر عمل کرنا آسان ہے۔ "وخلق الانسان ضعیفا" طاؤس، کلبی اور دوسرے حضرات کا قول ہے کہ یہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ اس پر صبر نہیں کر سکتیں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ خواہش پرست اور شہوت کی طرف مائل ہونے میں کمزور ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو کمزور پانی سے پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ کے اس فرمان میں ہے۔ "اللّٰہ الذی خلقکم من ضعف"

㉙ "یایھا الّذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" باطل سے مراد حرام ہے خواہ وہ سود ہو، قمار ہو یا کسی سے غصب کیا ہو چوری کیا ہو یا خیانت کی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عقود فاسدہ ہیں۔ "الا ان تکون تجارۃ" اہل کوفہ نے "تجارۃً" منصوب پڑھا ہے کان کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ مطلب ہوگا کہ مگر ہو اموال تجارۃ۔ دوسرے قراء نے "تجارۃٌ" رفع کی حالت میں پڑھا ہے معنی ہوگا واقع ہو ان کے درمیان تجارۃ "عن تراض منکم" تم میں سے ہر ایک کی اپنی خوشی سے۔ بعض نے کہا کہ آپس کی رضامندی سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیع صرف آپس کی رضامندی سے ہوتی ہے۔

نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیع کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک وہ مجلس سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ "ولا تقتلوا انفسکم" ابوعبیدہ فرماتے ہیں یعنی تم اس کو ہلاک نہ کرو۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" بعض نے کہا کہ اپنے آپ کو باطل مال کھلا کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مسلمان کا اپنے آپ کو قتل کرنا۔

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جس چیز سے دُنیا میں اپنے آپ کو قتل کیا قیامت کے دن اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گزشتہ اقوام میں سے ایک آدمی کے اعضاء پر زخم ہو گیا، اس سے برداشت نہ ہو سکا اور چھری نکال کر اس نے اپنا ہاتھ خود کاٹ ڈالا۔ آخر مرتے دم تک اس کا خون نہ رکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان دینے میں جلدی کی، میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لا تقتلوا انفسکم" اس سے مراد اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو۔ یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے۔ "ان اللّٰہ کان بکم رحیما"

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا میں لوگوں کو یہ بات سنا دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم لوگ لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اس طور پر کہ حد سے گزر جاوے۔ اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو آسان ہے جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری گناہ ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرمائیں گے۔ اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے۔

تفسیر: ⑩ "ومن یفعل ذلک" جو ایسا کرے گا جو کچھ محرمات کے متعلق ماقبل میں گزرا ہے۔ "عدوانا وظلما" عدوان حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ ظلم کہتے ہیں "وضع الشیء فی غیر موضعہ" کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ جگہ پر رکھنا۔ "فسوف نصلیہ" اس کو آخرت میں داخل کردیں گے۔ "نارا" اس میں وہ جلتا رہے گا۔ "وکان ذلک علی اللہ یسیرا" آگ میں داخل کرنا اس کے لیے آسان ہے۔

کبیرہ گناہوں اور ان کے مراتب کا بیان

⑪ "ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ" ان کبائر کے متعلق آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ کون سے کبائر گناہ ہیں جن کو صغائر کی معافی کے لیے شرطاً اجتناب ضروری قرار دیا ہے۔ اس آیت میں وہی کبائر ہیں کہ ان کبائر سے بچو گے تو صغائر معاف ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کبیرہ گناہوں کے متعلق خبر نہ دوں، وہ کہنے لگے کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا سنو! جھوٹی بات کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بار بار ذکر فرمایا۔ ہمارا خیال ہوا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا گناہ بڑا ہے اللہ کے نزدیک۔ فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو قتل کردو اس ڈر سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔ میں نے کہا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سات ہلاک کرنے والی چیزوں

سے بچو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، جادو کرنا، ناحق شخص کو قتل کرنا جس کے قتل سے منع کیا گیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد کے میدان میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن کا ہونا (خوف نہ کھانا) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور ناامید ہونا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو برا بھلا کہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص کیسے اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کسی دوسرے کے والدین کو برا بھلا کہتا ہے پھر وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے آدمی کسی کی ماں کو گولی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گولی دیتا ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کبائر کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ سات ہیں؟ فرمایا وہ تو سات سو کے قریب ہیں مگر وہ استغفار کے ساتھ کبیرہ نہیں رہتے اور اصرار کے بغیر وہ صغیرہ نہیں رہتے۔ (یعنی اگر وہ صغیرہ باقی رہے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ بن جاتا ہے) اور فرمایا جس عمل سے اللہ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اگر اس طرح کا کوئی عمل کر گزرے تو اس کو اللہ سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ اللہ دوزخ کے اندر اس اُمت میں سے کسی کو ہمیشہ نہیں رکھے گا سوائے اس کے جو اسلام سے پھر گیا ہو یا کسی فرضیت کا انکار کر دیا ہو یا تقدیر کو نہ مانتا ہو۔

گناہ کبیرہ وصغیرہ میں فرق

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں جو منع فرمایا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہر وہ گناہ جس پر آگ کی مہر لگائی ہو یا جس پر اللہ کا غضب ہوا یا جس پر اللہ نے لعنت فرمائی یا جس پر عذاب کی وعید سنائی وہ کبیرہ ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعید فرمائی ہو یا آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو۔

حسن بن فضل رحمہ اللہ کا قول ہے جس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کبیرا یا عظیما فرمایا وہ کبائر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "انه كان حوبًا كبيرًا"......"ان قتلهم كان خطئًا كبيرًا"......"ان الشرك لظلم عظيم"......"ان كيدكن عظيم"......"سبحانك هذا بهتان عظيم"......"ان ذلك كان عند الله عظيمًا" ان آیات میں کبیرہ گناہ ہی مراد ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جن میں بندوں اور اللہ کے درمیان مظالم کا ذکر ہے اور صغائر وہ جو بندوں اور اللہ کے درمیان مظالم کا ذکر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کریم ہے معاف کرنے والا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن عرش کے درمیان سے آواز دینے والا آواز دے گا اے اُمت محمدیہ! اللہ عزوجل نے تم سب مؤمن و مؤمنات کو معاف کر دیا تم اپنے مظالم کو معاف کرو اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ مالک بن مغول کا بیان ہے کبائر اہل بدعت کے گناہ مراد ہیں اور صغائر اہل سنت والجماعت کے گناہ ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ کبائر وہ گناہ جن کو جان کر کیا جائے اور صغائر جن کو بھول کر یا نسیاناً کیا جائے یا جن گناہوں پر زبردستی کی گئی ہو۔ حدیث النفس (جو بات دل میں آئے اور چلی جائے) بھی اس اُمت سے معاف ہے۔

بعض نے کہا کہ کبائر وہ گناہ جو گناہوں کو حلال سمجھ کر کریں اور سیئات (صغائر) وہ گناہ جو استغفار کرنے والے کریں۔ پہلے کی مثال ابلیس کا گناہ اور دوسرے کی مثال آدم علیہ السلام کی خطاء۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے کرنے سے منع فرمایا ہو اور سیئات وہ گناہ جو اس کے مقدمات اور توابع ہیں جو صالح اور فاسق انسان میں جمع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بدنظری، کسی کو چھونا، بوسہ لے لینا اور اس کے مشابہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آنکھیں زنا کرنے والی، ہاتھ گناہ کرنے والے اور پاؤں زنا کرنے والے اور اس کی تصدیق فرج کرتی ہے یا اس کو جھٹلاتی ہے اور بعض نے کہا کہ کبائر وہ گناہ ہیں جن کو بندے حقیر نہ سمجھیں اور صغائر وہ ہیں جن کو وہ بڑا نہ سمجھتے ہوں اور اس میں واقع ہونے سے ڈرتے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم لوگ کچھ اعمال ایسے کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ان کو تباہ کن گناہوں میں سے شمار کرتے تھے۔

بعض نے کہا کہ کبائر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اس کی طرف لانے والی اشیاء اور شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ صغائر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" "نکفر عنکم سیئاتکم" ایک نماز سے دوسری نماز تک یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ہم گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہیں۔ بشرطیکہ وہ کبائر سے بچتا رہے۔

"وندخلکم مدخلا کریما" یعنی حسن ہے مراد جنت ہے۔ اہل مدینہ کے قراء نے "مدخلا" میم کے فتحہ کے ساتھ اور سورۃ حج میں بھی اسی طرح پڑھا ہے یعنی داخل ہونے کی جگہ اور باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں مصدر یعنی ادخال کے ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۳۲ "ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علی بعض" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُمّ سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مرد تو جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور مردوں کا میراث میں ہم سے دُگنا حصہ ہے اگر ہم بھی مرد ہوتیں تو ان کی طرح ہم بھی جہاد کرتیں اور ان کے برابر ہمارا بھی میراث میں حصہ ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے متعلق یہ آیت "للذکر مثل حظ الانثیین" نازل فرمائی تو عورتوں نے کہا کہ ہم زیادہ حق دار اور محتاج ہیں۔ مردوں سے کیونکہ ہم کمزور صنف ہیں جبکہ مرد قوی ہیں اور وہ طلب معاشی پر قادر بھی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علی بعض" قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "للذکر مثل حظ الانثیین" تو ایک شخص نے کہا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ ہم نیکیوں میں آخرت کے اندر عورتوں سے فضیلت پا جائیں گے اور ہمارا اجر عورتوں کے اجر سے دُگنا ہوگا۔ جیسا کہ ہمیں میراث کے مسئلہ میں فضیلت بخشی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "للرجال نصیب مما اکتسبوا" ثواب میں جو انہوں نے کمایا "وللنساء نصیب مما اکتسبن" اس کا معنی ہے کہ آخرت میں مرد اور عورتوں کا اجر برابر سرابر ہوگا۔ حدیث میں جو آیا کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس گنا ملیں گی۔ اس میں مرد و عورت برابر ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے دُنیا میں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مردوں کے لیے حصہ ہے جو وہ جہاد سے کماتے ہیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے جو وہ اپنے شوہروں کے متعلق ان کی طاعات میں کماتی ہیں اور اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرتی ہیں۔ "واسئلوا اللّٰہ من فضلہ" ابن کثیر، کسائی رحمہما اللہ نے "وسلوا، وسل، وفسل" پڑھا ہے۔ سین سے پہلے واؤ، فاء ہو بغیر ہمزہ کے۔ اس صورت میں ہمزہ کی حرکت نقل کر کے سین کو دی اور باقی قراء سین کو ساکن پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کی آرزو کرنے سے منع فرمایا جو حسد کے دواعی میں سے ہو۔ حسد کہتے ہیں کوئی شخص دوسرے سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا خواہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو، یہ حرام ہے اس کے ساتھ غبطہ ہے جو اپنے ساتھی کے پاس نعمت ہے اس کو اپنے لئے آرزو کرنا اس سے زائل ہونے کی نیت کے بغیر یہ جائز ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کوئی شخص اپنے بھائی کے مال کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی اس کی بیوی کی تمنا کرے اور نہ ہی اس کی لونڈی کی تمنا کرے لیکن وہ یوں کہے اے اللہ! مجھے بھی اسی طرح عطا فرما۔ اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے اور اللہ کے اس فرمان "واسئلوا اللّٰہ من فضلہ" اس سے مراد رزق ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں فضل سے مراد عبادت ہے۔ یعنی عبادت کی توفیق کا سوال کرنا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی چیز کے متعلق ہم سے مانگا نہ ہوگا مگر ہم نے اس کو عطا کیا۔ "ان اللّٰہ کان بکل شیء علیما"

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۳۳

ترجمہ اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں۔ اور جن

لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

تفسیر ۳۳ "ولکل جعلنا موالی" ہر ایک کے لیے خواہ وہ مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے اس کیلئے وارث مقرر کررکھا ہے۔ "مما ترک الوالدان والاقربون" ماں باپ اور اقارب وارث ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جو انہوں نے ترکہ میں چھوڑا، ان کا وارث ہوا۔ اس صورت میں "ما" بمعنی "من" کے ہوگا۔ پھر موالی کی وضاحت کردی اور فرمایا "الوالدان والاقربون" یہ دونوں ورثاء میں سے ہیں۔ "والذین عقدت ایمانکم" عقدت بغیر الف کے معنی یہ ہوگا کہ جس نے تمہارے ساتھ عہد کیا ہوا ہے۔ عقدت یہ معاقدۃ باب مفاعلہ سے بھی ہے۔ معاہدہ کو کہتے ہیں۔ ایمان جمع ہے یمین کی خواہ وہ قسم ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ہو یا قسم کے ساتھ ہو۔ بسا اوقات کسی کی مخالفت پر لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کرتے ہیں۔ اس طرح مضبوطی سے پکڑنے کو عہد کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عہد کا یہ طریقہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا کہ میرا خون تیرا خون، میرا قتل تمہارا قتل ہے، میرے ساتھ جنگ گویا تیرے ساتھ جنگ کرنا، میرا تسلیم کرنا تیرا تسلیم کرنا، میری وراثت تیری وراثت، میرا طلب کرنا گویا تیرا طلب کرنا، میری طرف سے جزیہ دینا تیری طرف سے دینا ہے۔ اس صورت میں دوسرے حلیف کو چھٹا حصہ دیا جاتا تھا۔ یہی رواج ابتداء اسلام میں رہا۔

"فاتوھم نصیبھم" یعنی ان کو میراث سے حصہ دیا جاتا تھا۔ پھر یہ اس آیت سے منسوخ قرار دیا۔ "واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" ابراہیم اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ "فاتوھم" سے مراد ان کی مدد کرنا، سہارا دینا ہے میراث دینا مراد نہیں۔ اس صورت میں یہ اس آیت سے منسوخ نہیں ہوگا۔ "اوفوا بالعقود" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا جاہلیت کے حلف کو پورا کرو اسلام اس میں مزید قوت پیدا کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مہاجرین وانصار کے متعلق نازل ہوئی جن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) قائم کرایا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے مال کے وارث ہوتے تھے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی "ولکل جعلنا موالی" تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ پھر فرمایا "والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم" مدد کرنے کے ساتھ یا سہارا دینے میں اور نصیحت کرنے میں۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے متبنی بیٹے کے وارث ہوتے تھے اس آیت سے وہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ "ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا"

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۞۳۴

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں طاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت

اپنی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بدد ماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

الرجال قوامون کی آیت کا شان نزول

تفسیر ㉞ اس آیت کا نزول سعد بن ربیع اور ان کی بیوی کے حق میں ہوا۔ سعد کا شمار نقباء میں سے ہوا اور ان کی بیوی حبیبہ بنت زید بن ابی زہیر تھی۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ سعد کی بیوی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ سعد کی بیوی نے سعد کے حکم کے خلاف کوئی بات کی۔ سعد نے ان کو طمانچہ مارا، وہ اپنے والد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے والد نے کہا کہ آپ نے میری پیاری آنکھوں کی ٹھنڈک سعد کو دی اور اس نے اس کو طمانچہ مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو اپنے شوہر سے قصاص (بدلہ) لینے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ واپس آئیں تاکہ سعد سے بدلہ لیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ دونوں لوٹ جاؤ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لے آئے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم نے کچھ سمجھا اور اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے سے روک دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "الرجال قوامون علی النساء" مردوں کو عورتوں کی تادیب کرنے پر مسلط کیا ہے اور قوام، قیم دونوں کا معنی ایک ہے لیکن قوام ابلغ ہے اس کو کہتے ہیں کہ جو مصالح دینیہ و دنیاوی کے لیے قائم ہو اور جس کے ساتھ تدبیر اور تادیب کے مصالح وابستہ ہوں۔ "بما فضل اللہ بعضہم علی بعض" اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی زیادتی عقل، دین اور ولایت کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ گواہوں کے اعتبار سے مرد فضیلت رکھتے ہیں عورتوں پر۔ لقولہ تعالیٰ "فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان" اگر گواہی میں دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ مرد فضیلت رکھتے ہیں عورتوں پر جہاد کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ یہ فضیلت جمعہ کی نماز اور پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ ادائیگی میں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ فضیلت نکاح میں ہے کہ ایک مرد چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے جبکہ ایک عورت ایک ہی شوہر کر سکتی ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ فضیلت طلاق میں ہے کہ مرد عورتوں کو طلاق دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ میراث میں مرد عورت سے قوی ہے۔

بعض نے کہا کہ دیت میں قوی ہے اور بعض نے کہا نبوت میں کیونکہ عورت نبی نہیں بن سکتی۔ "وبما انفقوا من اموالہم" اس سے مراد مہر کی ادائیگی اور نان ونفقہ کا خرچ ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ "فالصالحات قانتات" اس سے مراد فرمانبردار عورتیں

ہیں۔ ”حافظات للغیب“ اپنے شوہروں کی عدم موجودگی میں اپنی عفت کی حفاظت کرنے والی اور بعض نے کہا کہ پوشیدہ امور کی حفاظت کرنے والی۔ ”بما حفظ اللّٰہ“ بعض نے کہا کہ ”بما حفظ اللّٰہ“ منصوب ہے۔ اللہ کی اطاعت میں حفاظت کرنے والی۔ دوسرے قراء نے مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے عورتوں کے حقوق کی جو حفاظت کی ہے مہر و نفقہ اور عورتوں کی نگہداشت و حفاظت اور ان کی ضروریات کی فراہمی مردوں کے ذمہ کردی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ وہ حفاظت کرنے والی ہیں غیب میں جس کی حفاظت کرنے کا اللہ نے حکم دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے اگر تو اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو اگر تو کسی کام کا اس کو حکم دے تو وہ تیرا حکم مانے اور اگر تو غیر حاضر ہو تو تیری غیر موجودگی میں اپنے مال و آبرو کی حفاظت رکھے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ”الرجال قوامون علی النساء“..... ”والتی تخافون نشوزھن“ سے مراد نافرمانی ہے۔ اصل میں نشوز کہا جاتا ہے تکبر کو اور اوپر کو اٹھنا اس سے نشز ہے اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ ”فعظوھن“ اللہ کے خوف سے ان کو نصیحت کرو اور یہ نصیحت زبانی ہو۔ ”واھجروھن“ اگر تمہارے قول سے وہ باز نہیں آئیں تو تم ان سے علیحدگی اختیار کرلو۔ ”فی المضاجع“ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بستر پر ان کی طرف سے پیٹھ پھیرنا اور ان سے بات چیت نہ کرنا ہے اور دوسرے حضرات نے کہا کہ دوسرے بستر پر اس سے علیحدگی اختیار کرو۔ ”واضربوھن“ اگر ترک تعلق اور ہجران سے معاملہ نہ سنبھلے تو ان کی پٹائی لگاؤ جس میں نشان نہ پڑے اور نہ ہی کوئی ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے۔ عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کو مسواک سے ماریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر حق ہے کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے چہرے پر نہ مارو اور نہ اس سے نفرت کرو اور اس سے ناراض نہ ہو مگر گھر کے اندر ہی۔ ”فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً“ ان کے گناہوں کی سزا نہ دو جب وہ اس گناہ سے توبہ کریں۔ ابن عیینہ کا قول ہے تم ان کو اپنی محبت کا مکلف نہ بناؤ کیونکہ تمہارا دل ان کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ ”ان اللّٰہ کان علیاً کبیراً“ اللہ اپنے بندوں کو اس کام کا مکلف نہیں بناتا جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد دونوں چیزوں کو جمع رکھے وعظ و نصیحت، ہجران و ضرب کو۔ بعض حضرات اس آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں کہ جب بیوی کی جانب سے نافرمانی ہو جائے تو ان افعال کو جمع کرے اور خوف کو محمول کیا اس آیت میں ”واللاتی تخافون نشوزھن“ سے مراد علم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”فمن خاف من موص جنفاً“ اس سے مراد بھی جاننا ہے اور بعض حضرات نے خوف کو خشیت پر محمول کیا ہے نہ کہ حقیقت علم پر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”واما تخافن من قوم خیانۃ“ یہ تمام افعال جرائم کی ترتیب پر ہیں اگر اس کو بیوی کی نافرمانی کا خوف ہو یا اس کی علامات ظاہر ہوں یعنی بدخلقی وغیرہ۔ اگر اس کا نشوز ظاہر ہو جائے تو اس کو علیحدہ کردے اور اگر اس سے بڑھ جائے تو اس کی پٹائی لگاؤ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو عورت کے خاندان کی طرف سے بھیجو۔ اور اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق فرمادیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

تفسیر ۳۵ "وان خفتم شقاق بینهما"

میاں بیوی کے درمیان فیصلہ کیلئے حکمین کا انتخاب

زوجین میں اختلاف ہو جائے، خوف بمعنی یقین کے ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں بمعنی ظن (گمان) کے ہے کہ اگر تمہیں ان کے آپس میں لڑائی جھگڑے کا گمان ہونے لگے تو پھر شوہر نہ اپنی بیوی سے روگردانی کرے اور نہ اس سے جدائی اختیار کرے اور نہ ہی اس کی کوئی تادیب کرے تو اس صورت میں وہ دونوں ایک حاکم عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجے جو آزاد بالغ عادل ہوں تاکہ وہ ان دونوں کے متعلق صحیح فیصلہ کر سکیں۔ پھر وہ اپنی رائے ان دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے وہ ان سے صلح یا فرقت کے متعلق بات کریں۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے "فابعثوا حکما من اهله وحکمًا من اهلها ان یریدا اصلاحًا" اس سے مراد وہ دونوں حاکمین ہیں۔ "یوفق الله بینهما" یعنی میاں بیوی کے درمیان صلح کروانا چاہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے حکمین مراد ہیں۔ "ان الله کان علیمًا خبیرًا"

حضرت ابو عبیدہ اس آیت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں "وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکمًا من اهله وحکمًا من اهلها" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرد و عورت تشریف لائے اور ان دونوں کے سرپرست بھی ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر فریق کے قرابت داروں میں سے ایک ایک نشست مقرر کرو، اس حکم پر عمل کیا گیا۔ آپ نے ان دونوں نشستوں کے حاکموں سے فرمایا کہ کیا تم اپنے فرائض کو جانتے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اگر دونوں کا نباؤ ہوتا دیکھو تو اختلاف دور کر کے دونوں کو یکجا کر دو اور اگر اتفاق نہ ہوتا ہو تو دونوں میں تفریق قرار دے دینا۔ عورت نے کہا کہ میرا نفع ہو یا نقصان میں اللہ کی کتاب کے فیصلے کو مانتی ہوں، مرد نے کہا علیحدگی تو نہیں ہو گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خدا کی قسم! تو نے غلط کہا جب تک تو اسی طرح اقرار نہ کرے جس طرح عورت نے کیا ہے۔ زوجین کی رضامندی کے بغیر حاکمین کو ان میں بھیجنے کے متعلق آئمہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ دونوں قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ ان دونوں کی رضامندی کے بغیر حاکمین کا بھیجنا جائز نہیں اور اسی طرح زوج کے حکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے اور نہ ہی عورت سے حاکم کو

اختیار ہے کہ وہ خلع طلب کرے۔ یہی اصحاب الرأی کا قول ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کہ مرد سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا تھا علیحدگی تو نہیں ہوگی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا خدا کی قسم! تو نے غلط کہا تو ایسا ہی اقرار کر جیسا کہ عورت نے اقرار کیا۔ اس بات سے ثابت ہوا کہ امر کا نافذ ہونا ان دونوں کے اقرار اور رضا پر موقوف ہے۔ دوسرا قول بعض حضرات نے کہا کہ ان دونوں کی رضامندی کے بغیر وہ حکمین کو بھیج سکتے ہیں۔ اس صورت میں زوج کے حکم کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی رضا کے بغیر اس کو طلاق دے اور عورت کے حکم کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کرے اس کی رضامندی کے بغیر۔ جب ان دونوں حکمین کی رائے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان صلح کی ہو۔ جیسا کہ کوئی حاکم دو، جھگڑنے والے شخص کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ اگرچہ یہ فیصلہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے بھی موافق نہ ہو اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اقرار کرلے کہ اس کی رضا شرط ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب عورت کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہوگئی تو مرد نے کہا کہ علیحدگی تو نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ فرقت کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو بلکہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یوفق اللہ بینھما" یہ فراق اور غیر فراق میں دونوں کو شامل ہے۔ ان دونوں کے درمیان تحقیق اور اصلاح تب ممکن ہے جب جھوٹ سے کوئی فریق متصف نہ ہو، کبھی تو ان کے درمیان اصلاح کی جائے گی اور کبھی ان دونوں کو اپنے حال پر چھوڑا جائے گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾

(ترجمہ) اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی۔ اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

(تفسیر) ۳۶ "واعبدوا اللہ" اور اس کو اکیلا مانو (توحید اختیار کرو) اور اس کی اطاعت کرو۔ "ولا تشرکوا بہ شیئاً" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے سواری میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا حق ہمارے اوپر یہ ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اے معاذ آپ جانتے ہو کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے جب کہ انہوں نے ایسا

کیا ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ لوگوں کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ ارشاد فرمایا چھوڑ دو ان کو عمل کرنے دو۔ "وبالوالدین احسانا" ان دونوں کے ساتھ نیکی کرو ان دونوں کا عطف ماقبل دونوں پر ہے۔

"وبذی القربٰی" نیکی اختیار کرو اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ۔ "والیتٰمٰی والمساکین"

یتیم کی پرورش کرنے والے کیلئے بشارت

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے جیسے سبابہ شہادت والی انگلی اور بیچ والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ دیا۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے واسطے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جس حصہ پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا اس کے ہر بال کے عوض اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے یتیم لڑکے یا لڑکی سے اچھا سلوک کیا جو اس کے پاس ہو تو وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں انگلیوں کے درمیان فاصلہ کر کے بتایا۔ "والجار ذی القربٰی" اور قربت رکھنے والے پڑوسی۔ "والجار الجنب" اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔

پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے

ابی عمران جونی فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دو پڑوسی ہیں، میں کس کے گھر کوئی چیز ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تجھ سے قریب ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو، اگر چہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ہی پیش آؤ اور جب تو شوربا پکائے اس میں پانی زیادہ کر اور اس سے اپنے پڑوسی کا لحاظ رکھ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ یہ پڑوسی کو میراث کا حق دار بنا دیں گے۔

"والصاحب بالجنب" جو سفر کا ساتھی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ نخعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے جو انسان کے پہلو میں ہوتی ہے۔ ابن جریج اور ابن زید رحمہما اللہ کے نزدیک جو اپنے فائدے کے لیے تیرے ساتھ ہو وہ صاحب الجنب ہے۔

وابن السبیل سے کون لوگ مراد ہیں؟

"وابن السبیل" بعض نے کہا کہ اس سے مراد مسافر ہے کیونکہ وہ راستے کو لازم پکڑتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد مہمان ہے۔ ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہو اس کو اپنے مہمان کی ایک شبانہ روز ضیافت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اچھے پڑوسی سے اچھا سلوک کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ نیکی کی بات کرے یا خاموش ہو جائے۔

شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص آخرت کے دن پر اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر تو اس کو چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش ہو جائے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان نوازی کرے اور وہ تین دن تک کرے اور تین دن کے بعد صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن کے بعد میزبان کے پاس رُکا رہے۔

"وما ملکت ایمانکم" جو تمہارے مملوک ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الوفات میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ نماز اور اپنے غلاموں کی رعایت اختیار کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار ایسے ہی ارشاد فرما رہے تھے یہاں تک کہ وفات پاگئے۔

حضرت معرور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان پر ایک چادر تھی اور ان کے غلام پر بھی ایک چادر تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بداخلاق جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

"ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً" مختال متکبر کو کہتے ہیں۔ فخور کہا جاتا ہے اس شخص کو جو دوسروں پر اپنی فوقیت جتلاتا ہو۔ بندوں کے حقوق کے بعد اس کو اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ متکبر کسی کے حق کو محض تکبر کی وجہ سے دباتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک آدمی دو چادریں پہنے متکبرانہ اتراتا چلا جا رہا تھا۔ اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا لٹکائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

ۨ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

(ترجمہ) جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو

اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے

تفسیر ③⑦ "الذین یبخلون" کلام عرب میں بخل کہا جاتا ہے کہ بچی ہوئی چیز بھی سائل کو دینے سے رُکنا شریعت میں بخل کہا جاتا ہے حق واجب کی ادائیگی میں رُکنا۔ "ویامرون الناس بالبخل" حمزہ اور کسائی کی روایت میں با اور خاء کے فتح کے ساتھ ہے اور سورۃ الحدید میں بھی ان کے نزدیک اسی طرح ہے۔ دوسرے قراء نے باء کے ضمہ اور خاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرنے میں بخل سے کام لیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو تورات و انجیل میں جو مذکور تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد کتمان علم ہے یعنی علم کو چھپانا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت کردم بن زید، حیی بن اخطب، رفاعہ بن زید بن تابوت، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو۔ یہ لوگ انصاریوں کے پاس ان سے گھل مل کر کہتے تھے کہ اپنے مال خرچ نہ کرو، ہم کو تمہارے مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہے تم کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا ہوگا۔ "ویکتمون ما اتاھم اللہ من فضلہ" فضل بمعنی مال کے ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ صدقہ دینے میں بخل کرتے ہیں۔ "واعتدنا للکافرین عذابا مھینا"

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۞ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞

ترجمہ اور وہ لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر اعتقاد نہیں رکھتے اور شیطان جس کا مصاحب ہو اس کا برا مصاحب ہے اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جائے گی اگر وہ لوگ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لے آویں اور اللہ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہا کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے۔ اور اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے۔

تفسیر ③⑧ "والذین ینفقون ...... وبالیوم الاخر" والذین حالت نصب میں واقع ہے اس کا عطف ماقبل الذین پر ہے۔ بعض نے کہا کہ مجرور ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف "واعتدنا للکافرین" پر ہوگا۔ یہ یہود کے متعلق نازل ہوئی۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کے منافقین کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے۔ "ومن یکن الشیطان لہ قرینا" قرین سے مراد ساتھی اور دوست ہے۔ "فساء قرینا" برا ساتھی شیطان ہے۔ منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے۔ بعض نے کہا کہ قطع ہے الف لام کے لغو ہونے کی وجہ

سے جیسا کہ کہا جاتا ہے "نعم رجلاً عبداللہ" اور جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "بئس للظالمین بدلاً"...... "وساء مثلاً"

۳۹ "وماذا علیھم" "ان پر کیا ہوتا ان پر کیا حرج ہوتا۔ "لو اٰمنوا باللہ ...... تا ...... وکان اللہ بھم علیما"

۴۰ "ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ" عبارت اس طرح منظم کی گئی ہے کہ تمہارے لیے کیا حرج ہے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تو اللہ تم پر ظلم نہ کرتا۔ یعنی نہ تو وہ تمہارے مالوں سے کم کرتا اور نہ ہی تمہارے ثواب میں سے کمی کرتا ایک ذرہ برابر بھی۔ ذرۃ کہتے ہیں کہ ایک چھوٹی سرخ چیونٹی کو۔ بعض حضرات نے کہا کہ ذرۃ ان اجزاء کو کہا جاتا ہے جو ہوا میں اُڑتے ہیں ان کے اجزاء کو ذرہ کہا جاتا ہے جن کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ وہ تمہارے اوپر کسی چیز کا ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اس کا ذکر فرمایا ہے "ان اللہ لا یظلم الناس شیئا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کی کسی نیکی کو کم نہیں کیا جائے گا دُنیا میں اس کے عوض رزق ملے گا اور آخرت میں بھی اس کی اچھی جزاء ملے گی اور کافر کی نیکی کا بدلہ اس کو بصورت رزق دُنیا میں ہی مل گا۔ آخرت میں جب پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی کہ ثواب پاسکے۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن دوزخ سے خلاصی پالیں گے اور مامون ہو جائیں گے تو وہ اپنے بھائیوں کے متعلق جو دوزخ میں داخل کردیے گئے ہوں گے اپنے رب سے اتنا سخت جھگڑیں گے کہ اتنا سخت جھگڑا تم میں سے کوئی اپنے حق کے متعلق بھی کسی سے نہیں کرتا۔ عرض کریں گے پروردگار وہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے ان کو تم نے آگ میں ڈالا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جاؤ اور جن جن کو تم جانتے ہو ان کو لے آؤ۔ پس وہ جائیں گے اور ان کو پہچانیں گے وہ ان کے چہروں سے پہچانیں گے کیونکہ آگ نے ان کے چہروں کو نہ کھایا ہوگا۔ ان کی صورتوں کو آگ نے کھالیا ہوگا، ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جن کو آگ نے نصف پنڈلی تک کھالیا ہوگا، ان میں سے بعض وہ ہوں گے جن کو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوگی۔ پس ان کو نکال کر لے آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے جن کو نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان کو نکال لیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت پھر ارشاد فرمائیں گے پھر تم ان لوگوں کو جہنم سے نکال کر لے آؤ جن کے دل میں ایک دینار کے بقدر ایمان ہو۔ پھر دوبارہ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان ہو (اس کو بھی نکال لو) یہاں تک کہ یہ فرمائیں گے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو (اس کو بھی نکال کر لے آؤ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو چاہیے کہ یہ آیت مبارک تلاوت فرمائے۔ "انّ اللہ لا یظلم ...... تا ...... اجرًا عظیما" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن عرض کریں گے اے ہمارے رب! تو نے جن کے نکال لینے کا حکم دیا تھا ان کو ہم نے نکال لیا اب دوزخ میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس کے اندر کوئی بھی خیر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ملائکہ سفارش کرچکے، انبیاء علیہم السلام سفارش کرچکے، مؤمن

سفارش کر چکے، اب ارحم الراحمین باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے اندر سے ایک مٹھی یا دو مٹھی بھرا یسے لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے اللہ کے لیے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے ان کو لا کر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا جس کی وجہ سے وہ ایسے اُگیں گے جیسے بارش کے کیچڑ میں دانہ اُگتا ہے اور موتی کی طرح ان کے بدن چمکنے لگیں گے، ان کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ تمہاری جو تمنا ہو اور جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں ایسا کچھ عطا فرمایا جو کسی کو جہاں میں نہیں دیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لیے اس سے بھی بڑھ کر نعمت ہے، وہ عرض کریں گے پروردگار وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری خوشنودی آئندہ میں کبھی بھی تم سے غصہ نہیں ہوں گا۔

کلمہ شہادت والے کاغذ کا وزن ننانوے دفتروں پر حاوی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے علی الاعلان لائے گا۔ اس کے اعمال ناموں کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے ہر دفتر اتنا لمبا ہوگا جتنی دور نظر پہنچتی ہے اور اللہ فرمائے گا کیا تجھے اس میں سے کسی چیز کا انکار ہے، کیا میرے نگران کاتبوں نے تیری کوئی حق تلفی کی ہے، بندہ عرض کرے گا نہیں میرے مالک (کوئی حق تلفی نہیں کی اور نہ ہی مجھے اس کا انکار ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ (گناہ کرنے کا) تیرے پاس کوئی عذر یا کوئی نیکی اور ہے بندہ لاجواب اور متحیر ہو کر عرض کرے گا نہیں پروردگار اللہ فرمائے گا کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم نہیں ہوگا اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں "اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانّ محمدًا عبدہ ورسولہ" لکھا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا وزن کے وقت تو موجود رہنا بندہ عرض کرے گا میرے پروردگار یہ چھوٹا سا پرچہ ان لمبے دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں ہوگی، اس کے بعد تمام دفتروں کو ایک پلڑے میں اور پرچے کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو دفتروں والا پلڑا اوپر اُٹھ جائے گا اور پرچے والا پلڑا بھاری لٹکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ معاملہ خصوم کے متعلق ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اگلے پچھلے سب کو جمع فرمائے گا اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا سنو! جس کسی کا حق ہو وہ اپنا حق لینے آئے یہ سن کر آدمی خوش ہوگا کہ باپ یا اولاد یا بھائی پر اس کا جو حق ہوگا وہ اس کو ملے گا خواہ حق کتنا ہی تھوڑا ہو اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون" پھر ہر ایک بندے کو بلایا جائے گا اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا جو تمام اگلوں اور پچھلوں کے لیے ہوگی۔ یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اس پر کوئی حق ہو وہ اپنا حق لینے آ جائے۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا ان کے

حقوق ادا کر، وہ شخص کہے گا اے میرے رب! دُنیا جاتی رہی اب کہاں سے دوں، اللہ فرشتوں سے فرمائے گا اس کے اعمال دیکھو، ان میں سے ان لوگوں کے حقوق دیدو، اب اگر ذرہ برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک! اس کی ذرہ برابر نیکی باقی رہی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے لیے اس کو چند گنا کرو اور اس کو میری رحمت کے طفیل جنت میں داخل کردو۔

اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "ان اللّٰہ لایظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا" اور اگر بندہ بدبخت ہوگا اور فرشتے کہیں گے کہ اے ہمارے معبود! اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حق دار ابھی باقی ہے تو اللہ فرمائے گا ان کی کچھ بدیاں لے کر اس کے گناہوں میں بڑھا دو، پھر اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔ ایک حق دار کو دوسرے حق دار کے لیے بلکہ ایک حق دار کو دوسرے سے لے کر اس کا حق ادا کیا جائے گا اور کسی پر ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا یعنی جس کے پاس ایک ذرہ نیکی باقی رہ گئی تو اس کو اللہ تعالیٰ دُگنا کر کے اس کو جنت میں بھیج دیں گے۔ "وان تک حسنۃ یضاعفھا" اہل حجاز نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے "وان توجد حسنۃ" اور دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ایک ذرہ برابر بھی اگر نیکی ہوئی تو اس کو دُگنا کردیں گے۔ "ویؤت من لدنہ اجرًا عظیمًا" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے "اجرا عظیما" فرمایا تو اس کی مقدار کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾

ترجمہ: سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لاویں گے۔ اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جاویں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کرسکیں گے۔

تفسیر: ﴿41﴾ "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید" ان کی کیا حالت ہوگی اور اس وقت کیسے ہوگا جب ہر اُمت میں سے ایک گواہ حاضر کریں گے یعنی ہر پیغمبر کو حاضر کریں گے تا کہ وہ اپنی اُمت کے متعلق شہادت دے۔ "وجئنا بک" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "علی ھؤلاء شھیدا" یعنی شاہد کے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام اُمت پر گواہی دیں گے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہوگا اور جن کو نہیں دیکھا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپ پر نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جی ہاں۔ میں نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب اس آیت "فکیف اذا جئنا من کل امۃ" ..... آخرالآیۃ تک پڑھی تو فرمایا کافی ہے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

⑫ "یومئذٍ" قیامت کا دن "یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوّٰی بھم الارض" ابن عامر اور اہل مدینہ کے قراء نے "تسوّٰی" تاء کے فتحہ سین کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں "تتسوّٰی" تھا ایک تاء کو سین میں مدغم کیا تو تسوّٰی بن گیا۔
حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے تاء کے فتحہ اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے تاء تفعل کو حذف کردیا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر زمین کو ہمارے ساتھ برابر کردیا جائے تو ہم اور زمین ایک ہی چیز ہوجائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یعنی زمین پھٹ جائے اور اس میں وہ سما جائیں اور پھر زمین برابر کردی جائے۔ جیسا کہ وہ زمین سے پیدا کیے گئے۔ بعض حضرات نے کہا کہ وہ پسند کریں گے کہ ان کو پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا کیونکہ ان کو زمین کی طرف منتقل کیا گیا۔ پھر زمین کو برابر کیا گیا۔ کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چوپایوں، مویشیوں، درندوں اور پرندوں کو اللہ حکم دے گا خاک ہوجاؤ، وہ فوراً خاک ہوکر زمین میں مل جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی یہی تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہوجاتے۔ "ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابًا"
"ولا یکتمون اللّٰہ حدیثًا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین میں سما جاتے مٹی کے ساتھ مٹی ہوجاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وحالات انہوں نے نہ چھپائے ہوتے۔ دوسرے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ جملہ کلام مستانفہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ان کے ہاتھ پاؤں خود شہادت دیں گے وہ اس بات کو چھپانے پر قدرت نہیں رکھتے۔
کلبی اور ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں قرآن میں ایسی اشیاء پاتا ہوں جو میرے اوپر مشتبہ ہوئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ لے آؤ۔ وہ شخص کہنے لگا "فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساء لون" اس آیت سے معلوم ہورہا ہے اس روز کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا اور آگے آیت "اقبل بعضھم علٰی بعضٍ یتساء لون" اس آیت میں پوچھ گچھ کے متعلق معلوم ہوتا ہے اور آگے آیت "ولا یکتمون اللّٰہ حدیثًا" اس آیت میں اخفاء نفی کی صراحت ہے اور اگلی آیت "واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین" اس آیت میں دل میں اظہار کے خلاف مطلب کو چھپائے رکھنا ثابت ہورہا ہے اور ایک آیت "ام السماء بناھا ...... تا ...... والارض بعد ذٰلک دحاھا" میں آسمان کی تخلیق پہلے اور زمین کی تخلیق بعد میں ذکر کی لیکن اس آیت "ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین" میں آسمان کی تخلیق سے پہلے زمین کو پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے اور آیت "کان اللّٰہ غفورًا رحیمًا" میں کان کے لفظ سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ غفور رحیم تھا۔ "وکان اللّٰہ عزیزًا حکیمًا"
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت "فلا انساب" والی آیت کا مصداق نفخہ اولیٰ ہے اور اگلی آیت میں نفخہ ثانیہ کا ذکر ہے کہ اس وقت اُٹھ کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور "ما کنا مشرکین ولا یکتمون اللّٰہ حدیثًا" میں مشرک اور کافر مسلمانوں کے گناہ معاف ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور اپنے گناہوں کے جرائم معاف ہوتے ہوئے نہیں دیکھیں گے تو بخشش کی اُمید میں مشرک ہونے سے انکار کردیں گے۔ پھر اللہ ان کے منہ پر مہر لگادے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے

اور ان کے اعمال کو ظاہر کر دیں گے اس وقت رسول کا فرمان نہ ماننے والے اور رسالت کا انکار کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین میں سما جائیں اور اللہ سے کوئی بات مخفی نہ رکھ سکیں گے۔

باقی رہی زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں اول اور بعد کا مسئلہ تو یہ ہوا کہ اللہ نے دو روز میں زمین کو پیدا کیا، پھر دو روز میں سات آسمان پیدا کیے۔ پھر دو روز میں زمین کو بچھایا اور ہموار کیا اس اعتبار سے زمین اپنی موجودات سمیت چار روز میں پیدا کی گئی۔ "وکان اللہ غفورا رحیما" اس میں کان بمعنی ماضی نہیں ہے بلکہ بمعنی استمرار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے غفور الرحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم کو قرآن میں اشتباہ نہیں ہونا چاہیے یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس سے آیا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مختلف مواقع کے واقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر وہ بات نہیں کر سکیں گے سوائے پھس پھس کے کچھ نہیں سنائی دے گا اور دوسرے موقع پر وہ بول سکیں گے اور جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے "ما کنا مشرکین ما کنا نعمل من سوء" اور ایک موقع پر وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے۔ "فاعترفوا بذنبھم" ایک جگہ پر وہ باہم سوال نہیں کریں گے اور دوسرے موقع پر دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کی درخواست کریں گے اور سب سے آخری موقع پر ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا بکتے ہو۔ اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت میں یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو۔ یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔

تفسیر ⑬ "یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری"

لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری کی تفسیر

سکاری سے مراد سکر (نشہ) ہے۔ یہاں سکر سے مراد شراب کا ہے۔ اکثر حضرات کے نزدیک یہی قول ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کھانا تیار کروایا اور ہم کو بلوایا اور شراب پلائی۔ یہ واقعہ حرمت شراب

سے پہلے کا ہے۔ شراب کا نشہ جب ہم کو چڑھا اور نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں نے مجھ کو آگے بڑھایا، میں نے پڑھا "قل یا ایھا الکافرون. اعبد ما تعبدون" آخر تک اسی طرح بغیر لا کے پڑھا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نوشی سے بچتے تھے۔ حتیٰ کہ شراب کی حرمت کا نزول ہوا۔ ضحاک بن مزاحم کا بیان ہے کہ یہاں سکر سے مراد نیند ہے جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اونگھ آئے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ لیٹ جائے یہاں تک کہ اس سے نیند چلی جائے کیونکہ جب تم اونگھ کی حالت میں نماز پڑھو تو ہوسکتا ہے استغفار کی جگہ بددعا نکل جائے "حتی تعلموا ما تقولون ولا جنبا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم حالت جنب میں ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں آدمی جنبی ہے اور فلاں عورت جنبی ہے۔ "ورجال جنب ونساء جنب" لفظ جنب مرد و عورتوں دونوں کے لیے واحد استعمال ہوتا ہے۔ جنب اصل میں دوری کو کہا جاتا ہے جنبی کو جنبی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ نماز کی جگہ سے بچتا ہے یا وہ لوگوں کی مجلس سے دور رہتا ہے اور لوگ بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ غسل نہ کرلے۔ "الا عابری سبیل حتی تغتسلوا" اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر وہ مسافر ہوں اور پانی نہ ملے تو تیمم کرلو۔ جنبی کو نماز سے ممانعت ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے مگر یہ کہ وہ سفر میں ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کرلے۔ یہی قول حضرت علی ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ "وبیع و صلوات" اس کا معنی یہ ہوگا کہ تم مسجد کے قریب نہ جاؤ جب تم حالت جنب میں ہو مگر وہاں سے نکلنے کے لیے گزر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسجد میں سویا ہوا ہے اور اس کو جنابت پہنچی یا مسجد میں پانی موجود ہے یا مسجد سے گزر کر جانا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ گزر سکتا ہے اور اس میں وہ ٹھہرے نہیں۔ یہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، ضحاک، حسن، عکرمہ، نخعی اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔

انصار کے کچھ لوگوں کے گھر مسجد کی جانب تھے اور جب ان کو جنابت لاحق ہوتی اور ان کے پاس پانی موجود نہ ہوتا اور مسجد سے لانا پڑتا تو ان کو مسجد سے عبور (گزرنے) کی اجازت دی جاتی۔

جنبی کیلئے مسجد عبور کرنے کا حکم

اہل العلم کا اس میں اختلاف واقع ہوا کہ اس میں گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

بعض حضرات میں حسن، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ مسجد سے گزر سکتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک مطلقاً منع فرمایا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ تیمم کر کے گزر سکتا ہے۔ البتہ مسجد میں ٹھہرنا اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد کی طرف سے

دروازوں کا رُخ پھیر دو کیونکہ کسی کے لیے مسجد میں (دخول) حلال نہیں کہ حائضہ یا جنبی اس سے گزر جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس میں ٹھہرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ یہی امام مزنی کا قول ہے۔ اس طرح جنبی آدمی کے لیے طواف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کیلئے قراۃ قرآن بھی جائز نہیں۔ عبداللہ بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء حاجت پوری کی اور میرے ساتھ گوشت کھایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور ان کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں بن رہی تھی مگر جنابت اور جنابت کا غسل ان دونوں امور میں سے کسی ایک کے لیے مانع ہے یا تو نزول منی کی وجہ سے یا التقاء ختانین کی وجہ سے اور وہ ہے حشفہ کا غائب ہونا فرج میں اگرچہ انزال ہو یا نہ ہوا اور ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ التقاء ختانین اگر ہو جائے اور انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا التقاء ختانین کے حکم کے بارے میں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب التقاء ختانین ہو جائے یا عورت کی شرمگاہ مرد کی شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

مریض کیلئے تیمم کرنے کا حکم

"وان کنتم مرضیٰ" مریض کی جمع ہے یہاں مرض سے مراد وہ ہے جس میں پانی مس کرنے سے نقصان پہنچتا ہو۔ جیسا کہ پاؤں میں پھٹن ہو، یا دھونے والے اعضاء میں کوئی زخم ہو جو تلف ہونے کا اندیشہ ہو یا تکلیف بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کرے تو وہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ پانی موجود ہو۔ البتہ اگر بعض اعضاء کی طہارت حاصل کرنا ممکن ہو اور بعض اعضاء زخمی ہوں تو زخمی اعضاء پر مسح کریں گے اور تندرست اعضاء کو دھوئیں گے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں نکلے، ہم میں سے ایک شخص کو سر میں زخم پہنچا، اس کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میرے لیے تیمم کی رخصت موجود ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے اور تم پانی پر قادر ہو۔ اس صحابی نے غسل کیا اور زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گیا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے اس کو قتل کر دیا اور اللہ بھی تمہیں قتل کرے گا۔ تم نے کیوں نہیں پوچھا جب تمہارے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ بلاشبہ شفا تو پوچھنے والے کے لیے ہے اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا۔ پھر فرمایا کہ یعصر ویعصب۔ یعنی اس کے پٹی کے کپڑے پر مسح کرنا کافی تھا اور دوسرے اعضاء پر پانی ڈال دیتا۔ اصحاب الرائے نے تیمم اور غسل کے جمع کرنے کا حکم کیوں کر دیا اور ان کا قول ہے اگر اکثر اعضاء تندرست ہوں تو صحیح اعضاء کو دھوئیں گے اور ان پر تیمم نہیں کریں گے۔ اگر اکثر اعضاء زخمی ہوں تو پھر تیمم کریں گے۔ مذکورہ حدیث اس بات پر مستدل ہے کہ دونوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

"او علی سفر" سفر خواہ طویل ہو یا قصیر ہو جب پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے لیکن نماز کا اعادہ نہ کرے۔ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ اگر چہ دس سال تک پانی نہ ملے اور جب پانی مل جائے تو اس سے اپنے بالوں کو تر کرے اس میں تمہارے لیے بہتری ہے یا پھر وہ شخص مریض ہوگا لیکن مسافر نہیں ہوگا لیکن وہ پانی نہیں پائے ایسی جگہ پر جہاں پر پانی عام طور پر معدوم نہیں ہوتا۔ اس طور پر کہ وہ ایک ایسی بستی میں ہے کہ جس بستی میں عام طور پر پانی ختم نہیں ہوتا تو وہاں پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر وہ نماز کا اعادہ کر لے جب وہ پانی پر قدرت رکھے۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام مالک، امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نماز کو مؤخر کرے گا یہاں تک کہ اس کو پانی نہ ملے۔

"او جاء احد منکم من الغائط" اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس کو حدث لاحق ہو جائے۔ غائط کہا جاتا ہے زمین کی نشیبی جگہ کو۔ عرب والے کہتے ہیں کہ بول و براز کے لیے لوگ پست گڑھوں کی طرف ہی جاتے ہیں۔ "او لا مستم النساء" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "لمستم" پڑھا ہے مائدہ میں اور باقی قراء نے "لامستم النساء" پڑھا ہے۔

لمس اور ملامسۃ کی تفسیر میں آئمہ کے مختلف اقوال

لمس اور ملامسۃ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد جماع ہے۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ، والحسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔ لمس سے مراد کنایۃ جماع لیا ہے کیونکہ جماع لمس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا اور بعض حضرات نے کہا کہ دونوں چیزوں کا آپس میں مل جانا یہی قول ابن مسعود، ابن عمر رضی اللہ عنہم، امام شعبی اور نخعی رحمہما اللہ کا ہے۔ اس آیت کے حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جب عورت کا جسم مرد کے جسم کے ساتھ لگ جائے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوئی تو اس صورت میں ان دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمس کے حکم میں ائمہ فقہاء کا اختلاف

یہی قول ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور یہی قول فقہاء میں سے امام زہری، اوزاعی، شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔

امام مالک، لیث بن سعد، امام احمد و اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک اگر یہ چھونا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر طہارت ٹوٹ جائے گی اور اگر شہوت نہیں تھی تو پھر وضو نہیں ٹوٹے گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا چھونے سے۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور امام ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ آلہ منتشر نہ ہو اور اس حدیث سے استدلال کیا جس سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

سلمہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیوی ہیں فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سوئی ہوئی تھی اور میری ٹانگیں قبلے کی جانب تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں لمبی کر لیتی، فرماتی ہیں کہ اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ میں نے اپنے پاس موجود نہ پایا، ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو میرا ہاتھ آپ کے قدم پر لگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے اے اللہ! میں تیرے غضب سے تیری رضا مندی کی اور تیرے عذاب سے تیری معافی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں، میں تیری حمد پوری پوری نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے محرم رشتہ دار عورت کو لمس کیا جیسے ماں ہے بیٹی یا بہن یا چھوٹی لڑکی صغیرہ اصح قول میں اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کہ وہ محل شہوت نہیں ہے جیسا کہ کسی نے مرد کو لمس کیا ہو تو اس پر وضو واجب نہیں ہوتا اور جس کو چھوا گیا ہے اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وضو ٹوٹ جانے میں وہ برابر کے شریک ہیں۔ جیسا کہ لذت حاصل کرنے میں دونوں مشترک تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ملموسہ کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈا تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو لگا، اس حال میں کہ آپ سجدے میں تھے اگر ملموسہ کا وضو ٹوٹ جاتا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز توڑ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز نہ توڑنا اس بات کی علامت ہے کہ ملموسہ کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر کسی نے عورت کے بالوں کو چھو لیا یا اس کے ناخنوں کو یا کسی اور عضو کو چھو لیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ جان لیجئے کہ بے وضو شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو کر کے نماز کو ادا نہ کرے یا تیمم کر کے اس کو ادا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی ایک کی نماز قبول نہیں ہوتی جب اس کو حدث لاحق ہو جائے اور وضو نہ کرلے۔ حدث کہتے ہیں کہ دونوں فرجوں میں سے کسی ایک سے کوئی چیز کا نکلنا خواہ عین شی ہو یا اس کا کوئی اثر (ہوا وغیرہ) یا عقل مغلوب ہو جائے جنون کے ساتھ یا بیہوشی آ جائے۔

نیند ناقض وضو ہے اس میں ائمہ کے مختلف اقوال

نیند ناقض وضو ہے کہ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر وضو واجب ہے الا یہ کہ وہ کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے اگر اس طرح نہ بیٹھے تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم عشاء کے انتظار میں ہوتے تو ان کو نیند آ جاتی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوتے حتیٰ کہ اونگھ کی وجہ سے ان کے سر جھک

جائے۔ پھر وہ نماز پڑھتے لیکن دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ نیند وضو کو واجب کرتی ہے ہر حال میں اور یہی قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور فقہاء میں سے حسن بصری، اسحاق اور مزنی رحمہم اللہ کے نزدیک یہی قول ہے۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ اگر کھڑے کھڑے سو جائے یا بیٹھ کر یا سجدے کی حالت میں تو اس پر وضو واجب نہیں یہاں تک کہ وہ چت لیٹ کر سو جائے اور یہی قول امام سفیان ثوری، ابن المبارک رحمہما اللہ کا بھی ہے۔

مس ذکر ناقض وضو ہے کہ نہیں؟

شرمگاہ کو مس کرنے سے وضو کے واجب ہونے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس پر وضو واجب ہوگا۔ یہ قول عمر، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، حضرت ابی ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا ہے اور امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم کا ہے اور اسی طرح عورت اپنے فرج کو چھوئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ فقہاء کہتے ہیں کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی یا انگلیوں کے بطون سے چھوئے۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے۔ عمرو بن حزم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں مروان بن الحکم کے پاس داخل ہوا، میں نے اس بات کا تذکرہ کیا جس سے وضو واجب ہوتا ہے۔ مروان نے کہا کہ مس ذکر سے وضو واجب ہوتا ہے۔ عروہ نے کہا کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا، مروان نے کہا کہ مجھے بسرہ بنت صفوان نے خبر دی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے۔

بعض حضرات کے نزدیک مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ یہی قول علی، ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حذیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حسن بصری، سفیان ثوری، ابن المبارک اور اصحاب الرائی کا یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ذکر کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا کیا وہ جسم کا ایک ٹکڑا نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک حصہ یا ایک ٹکڑا نہیں ہے اور جن حضرات کے نزدیک وضو واجب نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے حدیث بسرہ کی وجہ سے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ وضو مس ذکر سے واجب ہوتا ہے اور یہ متاخر اسلام صحابی کا واقعہ ہے اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے اوّل زمانے میں آئے جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔

خروج من غیر سبیلین ناقض وضو ہے یا نہیں؟

نجاست کے خروج غیر سبیلین کے حکم میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً کسی کو پھنسی پھوڑا نکلا یا حجامہ لگوایا یا قئی وغیرہ آئی تو بعض حضرات کے نزدیک اس سے وضوء واجب نہیں ہوتا۔ یہی روایت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عطاء، طاؤس، حسن اور سعید بن المسیب اور امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک قئی، نکسیر، حجامت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی قول سفیان ثوری، ابن المبارک اور اصحاب الرائی، احمد و اسحاق کا بھی ہے۔ "**فلم تجدوا ماءً فتیمموا**" جان لو کہ تیمم اس اُمت کی خصوصیت میں سے ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تین خصلتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی کہ میری اُمت کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا اور پوری روئے ارض کو میرے لیے مسجد بنائی اور اس کی مٹی کو میرے لیے پاک بنایا، اگر پانی نہ ملے۔

نزول تیمم کا واقعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض اسفار میں گئی۔ جب بیداء مقام یا ذات الجیش کی جگہ پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کی تلاش میں نکلے، ہم میں سے کسی کے پاس پانی موجود نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا نہیں دیکھتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس مشکل میں ہیں؟ نہ ہمارے پاس پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روک رکھا ہے نہ ہمارے پاس پانی موجود ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے عتاب کرنے لگے اور انہوں نے کہا جو کچھ اللہ نے چاہا اور میری کوکھ پر مارنے لگے، میں نے کوئی حرکت نہیں کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب کھڑے ہوئے اس حال میں کہ پانی موجود نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی ہے۔ "**فتیمموا**" اسید بن حضیر جو نقباء میں سے ایک ہیں کہنے لگے آل ابی بکر آپ کی برکت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہم نے اس اونٹ لانے کو بھیجا جب وہ اونٹ اُٹھا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے اسماء سے ایک قلادۃ (ہار) اُدھار لیا تھا وہ مجھ سے گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلاش میں بھیجا، تلاش کرتے ہوئے نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے

بغیر وضو نماز پڑھی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس بات کی شکایت کی اس پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ اس پر اسید بن حضیر نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں بہتر بدلہ عطا فرمایا۔ اللہ کی قسم اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا حکم نازل نہیں فرمایا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت عطا فرمائی ہو۔ "فتیمموا" کا مطلب ہے کہ تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ "صعیدا طیبا" یعنی وہ پاک مٹی ہو صاف ستھری ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ صعید سے مراد مطلق مٹی ہے۔

تیمّم کس مٹی سے کیا جائے گا؟

اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کون سی مٹی کے ساتھ تیمم کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جس پر مٹی کا اطلاق کیا جا سکے اور جس کا ہاتھ پر غبار آجائے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک بنایا۔

اور بعض اصحاب الرائی کے نزدیک تیمم کو جائز قرار دیا ہے۔ گچ، چونے اور نورۃ کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے اور ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اگر ایک پتھر پر ہاتھ مارا جس پر غبار نہیں تھا یا ایسی مٹی پر ہاتھ مارا جس پر غبار تھا اور ہاتھوں کو پھونک کر چہرے اور اعضاء پر مسح کیا تو جائز ہے اور ان حضرات کا قول یہ ہے کہ پاک مٹی ہی صعید کو کہا جاتا اور جو زمین کے اوپر ہو وہ مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زمین کو مسجد اور طہور بنایا ہے۔ یہ حدیث مجمل ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مٹی کی تخصیص میں مفسر ہے۔ لہٰذا مجمل کو مفسر پر محمول کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ ہر وہ چیز جو زمین کے ساتھ متصل ہو خواہ وہ درخت ہوں یا نباتات اور اس کے ہم مثل اور فرمایا کہ صعید نام ہے جو زمین کے اوپر ہو، مٹی کا قصد کرنا تیمم کی صحت کے لیے شرط ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فتیمموا" تیمم قصد کو کہتے ہیں یہاں تک کہ اگر آندھی آگئی اور کسی کے چہرے پر مٹی کا غبار آگیا تو اس نے تیمم کی نیت کی تو یہ درست نہیں۔

تیمّم کی کیفیت کے متعلق ائمہ کے مختلف اقوال

"فامسحوا بوجوهكم وايديكم ان الله كان عفوا غفورا" جان لیجئے کہ چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح تیمم میں واجب ہے اس کی کیفیت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کا مسح کہنیوں کے ساتھ کریں گے، دو ضربتین کے ساتھ۔ ایک ضرب کے ساتھ وہ اپنے چہرے کا مسح کریں گے اور بالوں کی جڑ تک مٹی کا پہنچانا ضروری نہیں۔ پھر دوسری ضرب کے ساتھ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کریں گے۔

حضرت ابی حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابی صمۃ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے اور وہ پیشاب کر رہے تھے کہ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس گئے اور اس کو اپنی لاٹھی کے ساتھ کھرچا، پھر اس دیوار پر ہاتھ مار کر

مسح کیا اور میرے سلام کا جواب دیا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یدین کے ساتھ مرفقین پر مسح کرنا فرض ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم صحیح نہیں جب تک کہ مٹی کا غبار ہاتھوں کو نہ لگے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار کو کھرچا اپنی لاٹھی کے ساتھ۔ اگر محض ضرب ہی کافی ہوتی غبار کا لگنا ضروری نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہ کھرچتے۔

امام زہری کا قول ہے کہ بازوں کا مسح کندھے تک کریں گے۔ جیسا کہ عمار سے مروی ہے کہ ہم کندھوں تک مسح کرتے تھے۔ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ جنبی ہوئے اور وہ زمین کے ساتھ لوٹ پوٹ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور چہرے کے مسح کا حکم دیا۔

اور ایک جماعت کا قول ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب کے ساتھ کریں گے جو چہرے اور کفین کے لیے ہوگی۔ یہی قول علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی قول فقہاء میں سے شعبی، عطاء بن ابی الرباح اور مکحول رحمہم اللہ کا ہے اور اسی طرح امام اوزاعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے دلیل ذکر کی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، اس نے عرض کیا کہ میں جنبی ہوا اور پانی نہیں پایا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم دونوں سفر میں تھے۔ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی جبکہ میں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہوکر نماز پڑھی۔ اس واقعہ کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے لیے اتنا کافی تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو پھونکا، پھر اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھ کا مسح کیا۔

شعبہ کی روایت میں ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ میں لوٹ پوٹ ہوا مٹی میں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چہرے اور دونوں کفین کا مسح کرنا کافی تھا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب جنبی آدمی پانی نہ پائے تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔ اس طرح حائضہ اور نفساء کے لیے یہی حکم ہے کہ جب ان کو پانی نہ ملے تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔ عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنبی آدمی تیمم کرکے نماز نہ پڑھے بلکہ نماز کو مؤخر کرلے جب تک اسے پانی نہ ملے۔ اس کو محمول کیا ہے "او لمستم النساء" لمس بالید مراد ہے نہ کہ جماع اور حدیث عمار اس پر حجت ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا اور جنبی کے لیے تیمم کو جائز قرار دیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا جب وہ حالت جنب میں تھا کہ وہ تیمم کرے پھر نماز پڑھے، جب وہ پانی پائے تو غسل کرلے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت جمع ہوگیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! اس کی تقسیم میں ابتداء کرو، میں زندہ والوں سے اس کی ابتداء کی وہاں پر مجھے جنابت پہنچی تھی، میں پانچ یا چھ دن رُکا رہا۔ اسی دوران کوئی نماز ادا نہیں۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوذر! میں خاموشی سے کھڑا رہا اور

عرض کیا، اے ابوذر تیری ماں تجھے گم کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کالی لونڈی کو بلوایا، وہ ایک ٹب لے آئی اور اس میں پانی تھا، اس کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا، پھر میں نے غسل کیا، مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرے اوپر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ اگرچہ اس کو دس سال پانی نہ ملے۔ جب پانی ملے تو اس سے غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا اور کبھی کبھار یہ مسح بعض اعضاء کے غسل کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اس طور پر کہ بعض اعضاء زخمی ہوں اور بعض درست ہوں تو زخمی اعضاء پر مسح کیا جائے گا۔ یہ مسح کرنا اس کے غسل کے لیے کافی ہو جائے گا اور غسل کا بدل بن جائے گا۔

تیمم طہارت مطلقہ ہے

تیمم نماز کے وقت کے لیے صحیح نہیں مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اور ایک تیمم کے ساتھ دو فرضوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔

"عند الشوافع"....."فلم تجدوا ماءً فتیمموا"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نماز کے وقت میں کوئی پانی نہ پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ تیمم کرلے۔ مگر ایک وضوء کے ساتھ کئی نمازیں ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضوء سے ادا کیں۔ تیمم اس صورت میں باقی رہا۔ یہ قول علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور فقہاء میں سے، امام شعبی، امام نخعی، قتادہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد و اسحاق رحمہم اللہ کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تیمم کی طہارت وضوء کی طہارت کی طرح ہے جس طرح وقت سے پہلے وضو کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے اور اس وضوء سے جتنی چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح تیمم کا بھی حکم ہے جب تک کہ اس کو حدث لاحق نہیں ہوئی۔ یہی قول سعید بن المسیب، حسن، زہری، سفیان ثوری اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اس بات میں اتفاق ہے کہ ایک تیمم سے جتنا چاہیں فرائض میں سے ادا کریں اور ان فرائض کے ساتھ نوافل ادا کریں۔ خواہ وہ نوافل فرائض سے پہلے ہوں یا بعد میں اور تیمم کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے اگرچہ جنبی ہو اور اگر تیمم کرکے نماز پڑھی سفر کی حالت میں یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تو پھر پانی کا طلب کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی سواری میں یا اپنے ساتھیوں کے پاس پانی کو تلاش کرے اور اگر وہ شخص صحراء میں ہے تو جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک اس کا پانی تلاش کرنا ضروری ہے اور اگر دیکھنے میں آگے کوئی دیوار حائل ہے تو اس کے پیچھے بھی تلاش کرے کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان "فلم تجدوا ماءً فتیمموا" اس آیت میں "لم یجد" ارشاد نہیں فرمایا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کو تلاش کرنا شرط نہیں۔ اگر اس کو پانی نظر تو آ گیا لیکن اس پانی اور متیمم کے درمیان کوئی دیوار یا دشمن حائل ہے جو پانی تک پہنچنے میں حائل ہے یا پانی کنویں میں موجود تھا۔ اس پانی کو نکالنے کے لیے کوئی ڈول وغیرہ نہیں ہے تو یہ ایسا ہی جیسا پانی نہ پانے والا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک بڑا حصہ ملا ہے وہ لوگ گمراہی کو اختیار کر رہے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بے راہ ہو جاؤ۔

تفسیر: ﴿٤٤﴾ "الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت رفاعہ بن زید مالک بن دخشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے کہ یہ زبانوں کو گھما پھرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگاتے تھے۔ "یشترون" کہ وہ کلام کو تبدیل کر رہے تھے۔ "الضلالۃ" ہدایت سے گمراہی۔ "ویریدون ان تضلوا السبیل" مؤمنین کے راستوں سے ہٹا دیں گے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے یہ لوگ یہودیوں میں سے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ کلمات کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا اس طور پر کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے اور اگر یہ لوگ یہ کلمات کہتے سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور موقع کی بات تھی۔ اور مگر ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لاویں گے ہاں مگر تھوڑے سے آدمی اے لوگو جو کتاب دیے گئے ہو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے ایسی حالت پر کہ وہ سچ بتلاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ان پر ہم ایسی لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے

تفسیر: ﴿٤٥﴾ "واللہ اعلم باعدائکم" تم میں سے ہیں۔ تم ان کو نصیحت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ "وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیرا" یعنی اللہ ہی ان کا حامی کافی ہے اور اللہ ہی مددگار کافی ہے۔

㊻ "من الذین هادوا" یہ متصل ہے اس جملہ کے ساتھ "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب" بعض نے کہا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کیا وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں جو اس میں تحریف کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما منا الا له مقام معلوم" ان کی منزل کسی کو معلوم نہیں۔ ان میں سے ایک فریق یہ ارادہ کرتا ہے۔ "یحرفون الکلم" اللہ کی باتوں کو متغیر کرنے والے "عن مواضعه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو تبدیل کرنے والے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے اور کسی کام کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خبر دیتے پھر جب وہ دیکھتے کہ وہ واقع ہونے والا ہے تو اس کام میں وہ تحریف کرنے لگتے۔ "ویقولون سمعنا" اور وہ یہ کہتے کہ ہم نے فلاں سنا۔ "وعصینا" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں نافرمانی کرتے۔ "واسمع غیر مسمع" یعنی یہ تم نے ہم سے سنا اور ہم نے تم سے نہیں سنا۔ "غیر مسمع" کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر مقبول ہے اور بعض نے کہا کہ کبھی تو وہ یہ کہتے کہ ہم نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور کبھی کہتے کہ ہم خود اس بات کو بیان کر رہے ہیں۔ ہم نے کسی سے یہ بات نہیں سنی۔ "وراعنا" اور وہ راعنا کہتے اس راعنا سے ان کا ارادہ "رعونة" تھا جو کہ ایک بددعا ہے۔ "لیا بالسنتهم" اپنی زبانوں کو تحریف کرنے کی غرض سے موڑتے تھے۔ "وطعنا" اور دین میں جرح کرتے۔ "علی الذین" ان کا قول راعنا مراعاۃ سے ہے اور وہ تحریف کرتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب "رعونة" ہے۔ "ولو انهم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا" یعنی راعنا کی جگہ "انظرنا" کہو۔ "لکان خیرا لهم واقوم" یہی زیادہ انصاف اور ثواب ہے۔ "ولکن لعنهم اللہ بکفرهم فلا یؤمنون الا قلیلا" وہ قلیل جماعت تھی ان میں سے عبداللہ بن سلام اور جو ان کے ساتھ اسلام لائے وہ مراد ہیں۔

㊼ "یایها الذین اوتوا الکتاب" اس سے خطاب یہود کو تھا۔ "آمنوا بما نزلنا" اس سے مراد قرآن پاک ہے۔ "مصدقا لما معکم" اس سے توریت مراد ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے احبار سے بات کی۔ ان میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اشرف بھی تھے۔ فرمایا اے یہود کی جماعت کہ تم اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ اللہ کی قسم! بے شک تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں تمہارے پاس لایا ہوں وہ بالکل حق ہی تو ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو نہیں جانتے اور وہ کفر پر اڑے رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "من قبل ان نطمس وجوها" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اونٹ اپنے کھروں سے ان کو کچلیں گے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ان کو اپنی گدیوں کے ساتھ روند دیں گے، وجوہ سے مراد آنکھ ہیں۔

علی ادبارها کی مختلف تفسیریں

"فنردها علی ادبارها" یعنی ہم ان کے چہروں کو پھیر دیں گے اور گدی کی طرف لے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ہم ان کے چہروں کو بالوں کے اگنے کی جگہ قرار دے دیں گے جیسا کہ بندروں کے چہرے ہوتے ہیں کیونکہ آدمیوں کے بالوں کی اگنے کی جگہ سر کی پچھلی جانب ہے نہ کہ چہرے کی جانب۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے چہروں کے آثار مٹا دیں گے نہ اس میں ناک ہوگی نہ کان اور نہ ہی آنکھیں ہوں گی اور ہم ان کو گدی کی طرح بنالیں گے اور بعض کا قول ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو گدی کی طرف لگا دیں گے تو یہ اُلٹے پاؤں چلیں گے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ آیت سنی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے اور میرے ہاتھ میرے چہرے پر تھے کہ کہیں اس آیت کی وجہ سے میرا چہرہ تبدیل نہ ہو گیا ہو اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ آپ علیہ السلام کے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن چہرے کو گدی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح کعب احبار نے جب یہ آیت سنی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام لائے تھے اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے، اے ہمارے رب! ہم تسلیم کرتے ہیں ان خوف وڈر سے کہ وہ وعید کا مستحق نہ بن جائے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ نے ان کے چہروں کے پھیرنے کا وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے اور ان کے چہروں کو پھیرا بھی نہیں گیا۔

جواب دیا کہ یہ وعید ابھی باقی ہے۔ یہ چہروں کا پھر جانا اور مسخ ہونا یہودیت میں ہوگا قیامت سے پہلے پہلے۔

بعض نے کہا کہ اس وعید کا تعلق ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے تو یہ وعید باقیوں سے ساقط ہوگئی اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے کہ قیامت کے دن ان کے چہروں کو گدی کی طرف پھیرا جائے گا۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کو گمراہی میں مبتلا رکھیں گے۔ اس صورت میں طمس سے مراد قلب کا پھرنا ہے۔ گویا ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف پھیرا گیا، کفر اور ضلالت کی طرف۔ طمس اصل میں مٹانے کو کہا جاتا ہے۔

ابن زید کا بیان ہے کہ آیت میں طمس سے مراد یہ ہے کہ ہم مدینہ میں ان کا نشان مٹا دیں گے اور پشت کے بل اسی طرف کو لوٹا دیں گے جس طرف سے آئے تھے یعنی ملک شام اور کہا کہ گویا بنی نضیر کو ملک شام کے علاقہ اذرعات اور اریحا میں جلاوطن کہہ دینا اس آیت کی تاویل ہے۔ "او نلعنهم كما لعنا اصحاب السبت" یعنی ہم ان کو بندر اور خنزیر بنادیں گے۔ "وكان امر الله مفعولا"

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾

(ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔

ان اللہ لایغفر کا شانِ نزول

تفسیر ⑱ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ" اس آیت کا نزول وحشی بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے متعلق ہوا۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اس سے آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ جب وہ لوٹ کر مکہ پہنچا تو اس کو اور اس کے ساتھیوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر بڑی پشیمانی ہوئی اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہم کو اپنی کی ہوئی حرکت پر پشیمانی ہے اور مسلمان ہونے سے ہم کو صرف یا امر مانع ہے کہ جب آپ مکہ میں تھے تو کہتے تھے "وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ" ہم نے دوسروں کو معبود بھی بنایا ہے اور ناحق قتل بھی کیا ہے اور زنا بھی کیا ہے۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو ہم آپ کے پیچھے ہو جاتے۔ اس پر یہ آیت "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" نازل ہوئی۔ جب یہ دونوں آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں آیات وحشی اور اس کے ساتھیوں کو لکھ بھیجیں۔ ان لوگوں نے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ یہ شرط بہت سخت ہے ہم کو خوف ہے کہ ہم نے نیک عمل کیا ہی نہیں ہوگا۔ اس پر یہ آیت "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ"...... "وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر ان کو بھیج دی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم کو اس بات سے خوف و اندیشہ ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن کی مغفرت کی مشیت ہوگی۔ اس پر یہ آیت "یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ" نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر بھیجی جب ان کو یہ آیت پہنچی تو وہ اسلام لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔ پھر وحشی سے فرمایا کہ بتا جو کہ تو نے حضرت حمزہ کو کس طرح شہید کیا اور اس نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا برا ہو، مجھ سے اپنا چہرہ دور فرما۔ چنانچہ وحشی شام کو چلے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔

ابو مجلز نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ" تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا شرک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر دو یا تین بار کھڑے ہو کر وہی سوال کیا تو آیت "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ" نازل ہوئی۔ مطرف بن عبداللہ شخیر کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص گناہ کبیرہ کی حالت میں بغیر توبہ کیے مر جاتا تو ہم کہتے تھے یہ دوزخی ہوا۔ یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد ہم کبیرہ گناہ کے دوزخی ہونے کی شہادت دینے سے رک گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پرامید یہ آیت ہے "وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ"...... "وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی" افتری کا معنی ہے بگاڑنا "اِثْمًا عَظِیْمًا" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سی دو باتیں واجب کرنے والی ہیں۔ فرمایا جو شخص شرک نہ کرنے کی حالت

ہیں مراد وہ جنت میں گیا اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اور وہ اس حالت میں وفات پا گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ پھر گیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ ارشاد فرمایا جو بندہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو پھر اسی پر مر جائے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے (تیسری مرتبہ) کہا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ (پھر بھی وہ جنت میں جائے گا) ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی اس حدیث کو بیان کرتے تو آخری جملہ ضرور ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو فرماتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ انْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُبِينًا ﴿٥٠﴾

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتلا دیں اور ان پر تاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور یہی بات صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے

الم ترا الی الذین یزکون کا شان نزول

تفسیر: ﴿۴۹﴾ "الم تر الی الذین یزکون انفسھم" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول یہودی مردوں کے بارے میں ہوا جن میں بحری بن عمرو، نعمان بن اوفی، مرحب بن زید بھی تھے۔ یہ اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد! کیا ان پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کہنے لگے تو ہم بھی انہی کی طرح ہیں دن میں ہم جو کچھ کرتے تھے ان کو رات میں معاف کر دیا جاتا ہے اور رات کو جو کام کرتے ہیں دن میں ان کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز میں آگے مقدم رکھتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اس وجہ سے ان کا تزکیہ کیا گیا۔ حسن، ضحاک، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا "نحن ابناء اللہ واحباءہ" کہ ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہا "وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ" یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل کتاب آپس میں تزکیہ کرتے تھے یعنی ایک دوسرے کو گناہوں سے پاک کہتا تھا۔

طارق بن شہاب کی روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بعض دیندار آدمی صبح کو اپنے گھر سے نکلتے تھے اور کسی

ایسے شخص سے جا کر ملتے جس سے نہ ان کا جانی نفع نقصان وابستہ ہوتا نہ مالی لیکن ان کو خوش کرنے اور ان کی تعریف کرنے کے لیے کہتے خدا کی قسم! آپ تو ایسے ایسے ہیں جب یہ گھر لوٹ کر آتے تو دین کا کوئی حصہ ان کے پاس باقی نہیں ہوتا تھا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت "الم تر الی الذین یزکون انفسھم" تلاوت فرمائی۔ "بل اللّٰہ یزکی" وہ اس کو پاک کر دیتا ہے اور گناہوں سے بری کر دیتا ہے اور اصلاح حال کر دیتا ہے۔ "من یشاء ولا یظلمون فتیلا" سوئی کے تاگے کے برابر سوراخ کو فتیل کہا جاتا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو ریشہ یا سوتا ہوتا ہے اس کو فتیل کہا جاتا ہے اور قطمیر اس چھلکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ دھاگہ یا میل کی بتی ہے جو آدمی دو انگلیوں کے درمیان بٹتا ہے۔

⑤⓪ "انظر" خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ "کیف یفترون علی اللّٰہ" وہ اللہ پر کیسے اختلاف کرتے ہیں۔ "الکذب" کتاب کے اندر رد و بدل کر کے۔ "وکفی بہ" یہ جھوٹ گناہ کی انتہاء ہے۔ "اثما مبینا"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ⑤①

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

جبت اور طاغوت کی شرح

تفسیر: ⑤① "الم تر الی الذین ... تا ... بالجبت والطاغوت" جبت اور طاغوت کی شرح میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ دو بتوں کا نام ہے جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کے علاوہ ہر باطل معبود کو کہتے ہیں۔ "ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جبت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ یہ قول امام شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ کا ہے۔

بعض نے کہا کہ جبت بتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت شیاطین کے بتوں کو کہتے ہیں اور ہر بت کو شیطان سے تعبیر کیا گیا۔ محمد بن سیرین اور مکحول کا بیان ہے کہ جبت کاہن کو کہتے ہیں اور طاغوت جادوگر کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابو عالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جبت حبشہ کی زبان میں جادوگر کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو کہتے ہیں۔

عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جبت حبشہ کی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جبت سے مراد حیی بن اخطب ہے اور طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت "یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت"

قطن بن قبیصہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عیافۃ (پرندوں کے نام

اور ان کے گزرنے سے نیک یا بد شگونی لینا) اور طرق (پتھر مارنا اور بد شگونی لینا) اور پرندوں کے دائیں بائیں سے اُڑ کر جانا اپنے مقصد کو اچھا یا برا کہنا جبت میں سے ہے جس کے اندر کوئی خیر نہیں اور طاغوت ہر وہ چیز جو انسان کو سرکشی پر اُبھارتی ہے۔

کعب بن اشرف کا واقعہ

"ویقولون للذین کفروا ..... تا ..... سبیلا" مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جب کعب بن اشرف ستر گھڑ سواروں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُحد کے واقعہ کے بعد تا کہ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُبھاروں اور اس عہد کو توڑ دوں جو ان دونوں کے درمیان تھا۔ کعب ابی سفیان کے پاس آیا اس نے اس کو بہترین ٹھکانہ دیا، یہ دونوں قریش کے گھروں میں گئے اور اہل مکہ کو کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب ہے اور ہم اس کے مکر و فریب سے امن میں نہیں ہیں۔ (نعوذ باللہ) اگر تم اس بات کا ارادہ کرو تو ہم اس کو یہاں سے نکال دیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں بتوں کو سجدہ کیا اور اس پر ایمان لائے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یومنون بالجبت والطاغوت" پھر کعب نے اہل مکہ سے کہا تدبیر یہ ہے کہ تم میں سے تیس آدمی تمہارے اور تمہیں ہمارے تمہارے کعبہ سے چمٹ کر معاہدہ کرلیں کہ محمد کے خلاف جنگ کرنے کی ہم مل کر کوشش کریں گے۔ پھر ابو سفیان نے کعب سے کہا تم اپنا دین میرے اوپر پیش کرو۔ ابو سفیان نے کہا کہ ہم حاجیوں کے لیے کوہان والی اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں ان کو پانی پلاتے ہیں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں قیدیوں کو رہا کراتے ہیں، رشتہ داری کو جوڑتے ہیں اپنے رب کے گھر کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم اہل حرم ہیں اور محمد نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ رشتہ داریاں کاٹ دیں، حرم کو چھوڑ گیا، ہمارا مذہب قدیم ہے محمد کا مذہب نیا ہے یہ سن کر کعب بولا خدا کی قسم! تم محمد کے راستے سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب" الکتاب سے مراد کعب اور اس کے ساتھی ہیں۔ یومنون بالجبت والطاغوت" سے مراد ان کے بت ہیں۔ "ویقولون للذین کفروا" سے مراد ابو سفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ "ھؤلاء اھدی من الذین آمنوا" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿۵۲﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: یہ لوگ وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ

گے ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا۔ سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیں۔ یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔ سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے سو ان میں سے بعضے تو اس پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے اور دوزخ کی آتش سوزاں کافی ہے بلاشک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کردیں گے۔ تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⑤② "اولٰئک الّذین ...... تا ...... فلن تجدلہ نصیراً"

⑤③ "ام لھم" ان کا گمان ہے۔ ام منقطعہ اور استفہام انکاری ہے۔ "نصیب" بمعنی حصہ ہے۔ "من الملک" یہ استفہام انکاری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں ان کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر چہ ان کا خیال ہے کہ ان کو کچھ ملکی سیادت نصیب ہو جائے گی۔ "فاذا لا یؤتون الناس نقیراً" حسد اور بخل کی وجہ سے۔ نقیر وہ نقطہ جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے اور اس سے کھجور اُگتی ہے۔

⑤④ "ام یحسدون النّاس" اس سے مراد یہود ہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے عام عرب کے لوگ مراد ہیں کیونکہ عرب کے یہودیوں کو اس بات کا حسد تھا کہ نبوت ان میں سے کیوں نہیں آئی اور ان کو عزت کیوں نہیں دی۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو عورتیں حلال قرار دی ہیں۔ یہودیوں کو ان سے جلن تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "علی ما اتاھم اللّٰہ من فضلہ" سے یہی مراد ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد نبوت سے حسد کرنا ہے۔ فضل سے مراد یہی ہے۔

"فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ" اس سے مراد ابراہیم علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں اور "بالکتاب ما انزل اللّٰہ علیھم" سے مراد نبوت ہے۔ "وآتیناھم ملکاً عظیماً" جنہوں نے فضل کی تفسیر کثرۃ نساء سے کی ہے۔ انہوں نے ملک عظیم کی تفسیر حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں کثرت نساء کے ذریعے سے کی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔ تین سو مہر والی بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ ان کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نو بیویاں تھیں۔ جب یہ بات کہی تو سب خاموش ہو گئے۔

⑤⑤ "فمنھم من اٰمن بہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ "ومنھم من صدّ عنہ" انہوں نے منہ موڑ لیا اور ایمان نہ لائے۔ "وکفٰی بجھنم سعیراً" دہکتی ہوئی آگ۔ بعض نے کہا کہ بڑی بادشاہت ہے

جو بادشاہت حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "بہ" اور "عنہ" کی ضمیریں ابراہیم کی طرف راجع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دفعہ کھیتی کاشت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی کھیتی کاشت کی، لوگوں کی کھیتی تو تباہ ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھیتی باقی رہی۔ لوگ محتاج ہو کر آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا جو میری نبوت کو مانے گا، میں اس کو دوں گا یہ سن کر کچھ لوگ ایمان لے آئے، ان کو آپ نے غلہ دیا، کچھ ایمان نہ لائے ان کو نہیں دیا۔

۞ "ان الذین کفروا بایاتنا سوف نصلیھم نارًا" یعنی ہم ان کو آگ میں داخل کردیں گے۔ "کلما نضجت" جب ان کو جلایا جائے گا۔ "بدلناھم جلودًا غیرھا" اس جلی ہوئی کھال کے علاوہ۔

کلما نضجت جلودھم کی تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کاغذ کی طرح ان کی کھالیں سفید کردی جائیں گی۔

اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت کے پڑھنے والے کو کہ اس آیت کو بار بار پڑھئے اور ان کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس کی تفسیر معلوم ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک ساعت میں سو بار کھال تبدیل کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایک ساعت میں ستر ہزار بار ان کو آگ کھائے گی ہر مرتبہ حکم ہوگا دوبارہ ویسے ہی ہو جاؤ حسب الحکم وہ جیسے تھے دوبارہ ویسے ہی ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین روز کی مسافت سیر کے برابر ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کافر کی داڑھ اور دانت کی موٹائی اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے برابر ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کافر کی اس جلد کو کیسے عذاب دیا جائے گا جو دنیا میں موجود نہیں تھی اور نہ ہی اس نے کوئی نافرمانی کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جلد کو لوٹایا جائے گا اتنی مقدار موٹائی اور لمبائی کے ساتھ۔ "جلودًا غیرھا" اس کی صفت کی تبدیلی کے ساتھ اس کو بدل دیا جائے گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی انگوٹھی فلاں کی انگوٹھی کی طرح بنائی اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتم ثانی پہلی والی ہی ہے لیکن اس کی صفت تبدیل ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے تم کسی بھائی کو دیکھتے ہو، وہ صحت مند ہوتا ہے اور پھر کئی عرصہ کے بعد اس کو دیکھتے ہو تو وہ مریض ہوتا ہے تو اس کو دیکھ کر کہتے ہو کہ تم وہی ہو حالانکہ تم بہت بدل گئے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تو وہی ہے لیکن بیماری نے اس کو بدل دیا۔

سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کافر کے گوشت کے ساتھ جلد کو جلد سے تبدیل کیا جائے گا۔ جب ایک دفعہ جلد جل جائے گی تو

دوسری بار ان کے گوشت سے جلد پیدا کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ بعض کو جلد میں عذاب دیا جائے گا نہ کہ جلد کو۔ اس پر دلیل اللہ کا فرمان "لیذوقوا العذاب"...... "لنذوق" ارشاد نہیں فرمایا۔ عبدالعزیز بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل دوزخیوں کو ایسی جلد پہنائیں گے جس سے ان کو عذاب ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے عذاب میں زیادتی ہوگی۔ جیسا کہ ایک جلد کے جلد جانے کی وجہ سے اس کی جگہ دوسری جلد کو لگا دیں گے۔ "سرابیلھم من قطران" پس ان کی قمیصوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی بلکہ وہ بدن کو دکھ پہنچائیں گے۔ "لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزاً حکیماً"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں داخل کریں گے (اے اہل حکومت) بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر: ۵۷......"والذین امنوا وعملوا الصلحت ...... تا ...... وندخلھم ظلاً ظلیلاً" ان کو سورج کی تپش سے تکلیف ہوگی اور نہ ہی سردی سے وہ ایذاء پائیں گے۔

۵۸"ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا"

حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لینے اور واپس کرنے کا بیان

یہ عثمان بن طلحہ حجبی بن عبدالدار کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ کعبہ کے متولی تھے۔ جب فتح مکہ ہوا تو عثمان نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر کے اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چابی مانگی۔ بعض نے کہا کہ مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا گیا تا کہ اس سے چابی لیں لیکن اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تم چابی دینے سے انکار نہ کرو گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے چابی چھین لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ پھر اس چابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر نکلے تو عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ نثار ہوں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ ساتھ یہ بھی مجھے عنایت کر دیجئے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چابی واپس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دے دو اور اس سے معذرت بھی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے مجھ پر جبر کیا اور دکھ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے معاملے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ پھر آپ نے آیت پڑھی، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، کعبہ کی چابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو دے دی، قیامت تک کعبہ کی کنجی اور دربانی انہی کی اولاد میں رہے گی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام امانتیں مراد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا سنو! آگاہ رہو اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔ "وانا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" اس سے مراد انصاف ہے۔ "ان اللہ نعما" انصاف حکم بہت اچھی چیز ہے۔ "یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا"

حاکم ہونا اور فیصلہ کرنا بھی امانت کی شاخ ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں ہاتھ کی طرف نور کے منبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو فیصلوں میں اور فیصلہ کے فریقوں میں اور اپنے زیر حکومت اُمور میں انصاف کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب و مقرب منصف حاکم ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب کا مستحق ظالم حاکم ہوگا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝۵۹

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

اولی الامر کا مصداق

(تفسیر) ۝۵۹ اولی الامر کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے

مراد فقہاء اور علماء ہیں جو اپنے دین کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں اور یہ قول حسن، ضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے مراد امراء اور سوالی ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ امام پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ کے نزول کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت کو اچھی طرح ادا کرے۔ جب یہ ایسا کرے تو اس کی رعایا پر لازم ہے کہ وہ اس کی بات مانے اور اس کی اطاعت کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطاعت و فرمانبرداری مسلمان مرد پر لازم ہے خواہ وہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر حاکم معصیت کا حکم کرے تو پھر اطاعت لازمی نہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس بات پر کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے، دشواری میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور حکام سے ان کے احکام کے بارے میں کوئی مخالفت نہیں کریں گے اور جہاں ہوں گے حق کو قائم کریں گے اور حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر، اگرچہ تمہارے اوپر حبشی غلام کو ہی مسلط نہ کیا جائے۔ اگرچہ اس کا سر زبیب کی طرح ہو۔

سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ وہ ارشاد فرما رہے تھے تم اللہ سے ڈرو اور صلہ رحمی اختیار کرو اور ایک ماہ کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد لشکر کے امراء ہیں۔

سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کرتے ہیں "اطیعوا اللہ والرسول واولی الامر منکم" یہ عبداللہ بن حذیفہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کے ساتھ بھیجا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مراد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں، یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مہاجرین وانصار ہیں

اور وہ لوگ جو ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اس آیت کی دلیل کی وجہ سے "والسابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک، کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوتا۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں نمک نہیں تو کیسے اصلاح پائیں گے۔ "فان تنازعتم" یعنی تم اختلاف کرتے ہو۔ "فی شیء" اس سے تمہارا دین ہے۔ تنازع سے مراد اختلاف الاراء ہے۔ "فردوه الی الله والرسول" یعنی اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھیرو۔ جب آپ زندہ ہوں اور جب وفات پا جائیں تو سنت رسول کی طرف لوٹا دو۔ کتاب اللہ وسنت کی طرف پھیرنا واجب ہے اگر ان دونوں کو کوئی پائے اور بعض نے کہا کہ جب تم اللہ ورسول کی طرف لوٹاؤ اور جس کو کوئی علم نہ ہو تو وہ یہ کہے اللہ ورسولہ اعلم۔ "ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الاٰخر ذٰلک" یعنی اللہ ورسول کی طرف لوٹانا۔ "خیر و احسن تاویلا" مآل اور انجام کے اعتبار سے بہتر۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ۞

(ترجمہ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

یہودی اور منافق کا ایک جھگڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے انحراف

(تفسیر) ۞ "الم تر الی الذین یزعمون انهم ..... تا ..... الی الطاغوت" امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک یہودی اور ایک منافق میں کچھ جھگڑا تھا۔ یہودی معاملے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ رشوت کھا کر نہیں کر سکتے اور منافق یہودیوں سے فیصلہ کرانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ رشوت لے لیں گے اور رشوت لے کر فیصلہ میں غیر جانبداری کر سکیں گے۔ بالآخر وہ دونوں اتفاق رائے سے قبیلہ جہینہ کے ایک کاہن کے پاس گئے، دونوں نے اپنا مقدمہ فیصلہ کے لیے اس کے سامنے رکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سرکش لوگ جس کی طرف فیصلہ لے کر جاتے تھے ان میں سے ایک تو قبیلہ جہینہ اور ایک قبیلہ بنی اسلم میں تھا۔ ہر ایک بستی میں کاہن تھا جو ان کے درمیان فیصلے کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

کلبی نے ابی صالح سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ منافقین میں سے ایک شخص جس کا نام بشر تھا اس

کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس کے درمیان اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس فیصلہ لے کر چلتے ہیں۔ منافق جو (بظاہر مسلمان کہلاتا تھا) اس نے کہا کہ کعب بن اشرف (جو یہودیوں کا سردار ہے) کے پاس فیصلہ لے کر چلتے ہیں۔ یہودی نے انکار کیا اور کہا کہ فیصلہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروائیں گے۔ جب منافق نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ بلآخر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے کر چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے تو منافق نے کہا کہ چلو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے یہودی نے کہا کہ میں اور یہ جھگڑا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں اور اس نے یہ گمان کیا کہ جھگڑا آپ کے پاس لے جایا جائے اور آپ دوبارہ فیصلہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے کہا اسی طرح ہے اس نے کہا جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو کہا کہ آپ دونوں یہاں ٹھہرایئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور تلوار اٹھائی اور باہر آ کر منافق کی گردن اڑا دی۔ یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہا کہ اس شخص کا میرے پاس یہی فیصلہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے راضی نہ ہو۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔ امام سدی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہود میں سے کچھ لوگ اسلام لائے، ان میں سے بعض منافق تھے اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قبیلے بھی ان میں شامل تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بنو قریظہ میں سے اگر کوئی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرتا یا اس سے دیت حاصل کرتا کھجور میں سے سو وسق اور اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص دوسرے قریظہ میں سے کسی کو قتل کر دیتا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل نہ کیا جاتا اور اس کی دیت ساٹھ وسق دی جاتی اور بنو نضیر قبیلہ اوس اور اشرف کے حلیف تھے اور یہ کثیر افراد پر مشتمل تھے اور بنو قریظہ یہ بنو خزرج کا حلیف تھا۔ جب اسلام آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بنو نضیر نے بنو قریظہ کا ایک شخص قتل کیا۔ اس بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ بنو نضیر نے کہا کہ ہم اور تم اس بات پر صلح کر لیتے ہیں کہ ہم تمہارے افراد میں سے جس کو چاہیں قتل کر دیں اور تم ہمارے قبیلہ والوں کو قتل نہیں کر سکتے اور تمہاری دیت ساٹھ وسق اور ہماری دیت سو وسق ہوگی۔ ہم آپ کو دیت دیا کریں گے قبیلہ خزرج نے کہا۔ یہ وہ فعل ہے جو تم زمانہ جاہلیت میں ہمارے ساتھ کرتے تھے۔ اس وقت تمہاری کثرت تھی اور ہماری تعداد کم تھی اور تم ہم پر ظلم و قہر کرتے تھے اور آج اس اسلام کی وجہ سے ہم اور تم بھائی بھائی ہیں تمہارا دین اور ہمارا دین ایک ہی ہے۔ لہٰذا اب تم ہمارے اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں رکھتے۔ ان میں سے بعض منافقین نے کہا کہ چلو ابو بردہ کاہن اسلمی کے پاس اور ان دونوں فریقوں میں سے جو حضرات مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور اس پر منافقین نے انکار کر لیا اور وہ ابی بردہ کے پاس چلے گئے تاکہ اس سے فیصلہ کروائیں۔ انہوں نے کہا کہ دے دو ان کا حصہ۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے لیے دس وسق ہیں وہ کہنے لگے نہیں بلکہ دیت میں ہمارے لیے سو وسق

ہیں۔ انہوں نے وہی وحی دینے سے انکار کردیا اور ان کے درمیان فیصلے کو انکار کردیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت قصاص نازل فرمائی۔ "الم تر الی الذین یزعمون ...... تا ...... الی الطاغوت" وہ فیصلے کے لیے کاہن کے پاس جاتے ہیں یا کعب بن اشرف کے پاس جاتے ہیں۔ "وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالاً بعیداً"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾

ترجمہ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلوتہی کرتے ہیں پھر کیسی جان کو بنتی ہے۔

تفسیر ⑥١ "واذا قیل لھم ...... تا ...... عنک صدوداً" اعراض کرتے ہیں ان سے اعراض کرنا۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو کچھ پہلے کر چکے تھے پھر آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوائے اس کے کہ کوئی بھلائی نکل آوے اور باہم موافقت ہو جاوے۔

تفسیر ⑥٢ "فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ" یہ ان کے لیے وعید ہے کہ وہ اس وقت کیا عمل کرتے ہوں گے۔ جب ان کو مصیبت پہنچی ہوگی۔ "بما قدمت ایدیھم" ان کے اعراض سے ان کو سزا دی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ مصیبت ہے جو منافقین کو دنیا و آخرت میں لاحق ہے یہاں کلام مکمل ہو گیا۔ پھر دوبارہ کلام کا اعادہ کیا ان کے فعل کی خبر دینے کے لیے۔ "ثم جاءوک" وہ فیصلے کرنے کے لیے جتوں یا طاغوت کے پاس جاتے ہیں۔ "ثم جاءوک" کا مطلب ہے کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں اور قسمیں اٹھاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نافرمانی ہے جو منافق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور منافقین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دیت کی وصولی چاہی تھی۔

"یحلفون باللہ ان اردنا" انہوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محاکمہ کے لیے جانا۔ "الا احسانا وتوفیقا" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ احسان کا تعلق قول سے ہے اور توفیق کا تعلق صواب سے ہے۔ ابن کیسان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حق اور انصاف ہے۔ اس کی نظیر "لَیَحْلِفُنَّ ان اردنا الا الحسنٰی" بعض نے کہا کہ بعض کا بعض کے ساتھ احسان کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ امر کو حق کے قریب ہونا کہ فیصلہ کا حاکم کے حکم کے مطابق ہونا۔ توفیق حق کے موافق ہونا۔ بعض نے کہا کہ تالیف قلبی کا ہونا دونوں فریقوں کے درمیان۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے تغافل کر جایا کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے خاص ان کی ذات کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جاوے اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے۔ جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

تفسیر ۶۳ "اولئک الذین یعلم اللّٰہ ما فی قلوبھم" جو ان کے دلوں میں نفاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں وہ کچھ ہے جو ان کی زبانوں کے برخلاف ہے۔ "فاعرض عنھم" ان کی سزا سے آپ اعراض کریں۔ بعض نے کہا کہ ان کے بارے میں خدا خوفی سے ڈریں اور بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ قتل کا وعدہ ہے اگر وہ توبہ نہ کریں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تم ان کو بلیغ بات کہو کیونکہ اگر وہ یہ بات کریں جو ان کے دل میں ہے تو ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ہر شخص کو وہی انجام حاصل ہوتا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے "فاعرض عنھم وعظھم" یعنی ملاء میں۔ "وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً" پوشیدہ اور اکیلے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔

۶۴ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ" اللہ کے حکم سے اطاعت رسول واجب ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کی پیروی کریں اللہ کی اجازت اور اس کے حکم کے مطابق اور بعض کا قول ہے کہ "الا لیطاع" مکمل کلام ہو جاتا ہے۔ باذن اللہ تعالیٰ کا مطلب ہے کہ اللہ کے علم و فیصلے سے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی طاعت وقوع پذیر ہے اس کے حکم سے۔ "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم" طاغوت کی طرف اپنے امور کا فیصلے لے جا کر اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں "جاءوک فاستغفروا اللّٰہ ...... تا ...... توابا رحیما"

فلا وربک لایؤمنون کی مختلف تفاسیر

۶۵ "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک" عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ ان کا جھگڑا ایک انصاری شخص سے ہو گیا۔ وہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرہ میں زمینوں کو پانی پلانے کے متعلق جھگڑا ہوا۔ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے زبیر! تم اپنی زمین کو پہلے سیراب کرو، پھر اپنے پڑوسی کی جانب پانی کو چھوڑ۔ اس پر انصاری غصہ ہوا۔ پھر کہنے لگا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے چچا کا بیٹا ہے اس لیے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی زمین کو سیراب کر پھر اس کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ تیری زمین کی منڈیر تک پہنچ جائے۔ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو اپنے پڑوسی کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم دیا لیکن جب انصاری نے غصہ دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق لینے کا حکم دیا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ زبیر کا قول ہے کہ میں نے اس آیت کو خوب محفوظ رکھا۔

روایت کیا گیا کہ جس انصاری صحابی نے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جھگڑا کیا اس کا نام حاطب بن ابی بلتعہ ہے۔ جب وہاں سے نکلے تو باہر حضرت مقداد سے ملاقات ہوئی اور کہا کہ کس کے بارے میں فیصلہ ہوا۔ انصاری نے کہا کہ اپنے چچا کے بیٹے کے حق میں فیصلہ ہوا اور اپنے رخ موڑ لیے، اس پر یہودی نے اس پر طعن کیا جو حضرت مقداد کے ساتھ تھا اور کہا کہ اللہ ان کو قتل کرے کہ ادھر سے یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر ان کے فیصلے کو ٹھکراتے ہیں۔ اللہ کی قسم! انہوں نے بہت بڑا گناہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی انہوں نے بڑا گناہ کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو توبہ کا حکم دیا تھا اور ان کی توبہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ پھر انہوں نے ایسا کیا حتیٰ کہ ستر ہزار جانیں مقتول ہوئیں۔ پھر رب ان سے راضی ہوا۔ ثابت بن قیس بن شماس کا بیان ہے سنو اللہ کی قسم! اگر وہ میری طرف سے سچائی کو جان لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتا کہ اپنے آپ کو قتل کرو تو میں کر گزرتا۔ حاطب بن ابی بلتعہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد اور شعبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ یہ بشر یہودی اور منافق کے بارے میں نازل ہوئی جو جھگڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ "فلا" اس طرح نہیں جیسا کہ مؤمن گمان کرتے ہیں پھر وہ اس کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ پھر اس قسم کو لوٹایا۔ "وربک لا یؤمنون" بعض نے کہا کہ یہ لا فلا کا صلہ ہو۔ جیسا کہ "فلا اقسم" میں ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے درمیان حاکم مقرر کرے۔ "فیما شجر بینھم" ان کے اختلاف امور سے اور اس کے حکم کے التباس سے چونکہ شجر میں بھی ٹہنیاں ایک دوسرے کے ساتھ التفات رکھتی ہیں۔ "ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شکایت کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ حرج تنگی کے معنی میں ہے۔ "مما قضیت" ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے یعنی وہ ان کے انکار سے گناہگار ہوں گے۔ "ویسلموا تسلیما" ان کے فیصلے کو اچھی طرح تسلیم کیا۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ
وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا
أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز

معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا اور اگر یہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا اور اس حالت میں ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے اور ہم ان کو سیدھا راستہ بتلا دیتے۔

تفسیر ⑥⑥ "ولو انا کتبنا" یعنی تم پر فرض و واجب قرار دے دیا۔ "علیہم ان اقتلوا انفسکم" جیسا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا۔ "او اخرجوا من دیارکم" جیسا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا۔ "مافعلوہ" اس کا معنی ہے کہ تم پر فرض نہیں کیا گیا مگر رسول کی طاعت اور اس کے حکم پر رضامندی۔ لیکن اگر ہم ان کے اوپر قتل اور شہر سے نکلنے کا حکم صادر کر دیتے تو وہ کبھی اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔

"الا قلیل منہم" یہ ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا اللہ نے استثنیٰ کیا۔ وہ بہت ہی کم ہیں۔ حسن و مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر و عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے یہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر اللہ ہمیں اس طرح حکم کرتا تو ہم یہ کر گزرتے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی توفیق بخشی۔ جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں بعض مرد ایسے ہیں ان کے دلوں میں ایمان ایسے ثابت کر چکا ہے۔ جیسا کہ پہاڑوں کو زمین میں گاڑھا گیا ہے۔ ابن عامر اور اہل شام نے اس کو "الا قلیلاً" پڑھا ہے منصوب علی الاستثناء کے طور پر اور اسی طرح مصحف اہل شام کے نزدیک ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اضمار قبل الذکر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "الا ان یکون قلیلاً منہم" اور دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی "الا نفر قلیل فعلوہ"۔ ..... "ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ" ان کو اس بات کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلے پر راضی رہیں۔ "لکان خیراً لہم واشد تثبیتاً" ان کے ایمان کی تحقیق یا تصدیق کی بناء پر۔

⑥⑦ "واذا لاتینہم من لدنا اجراً عظیماً" ان کو بہت ساری مقدار میں ثواب عطا کیا جائے گا۔

⑥⑧ ..... "ولھدینہم صراطاً مستقیماً" اس سے مراد صراط مستقیم ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ⑥⑨ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ⑦⓪

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔

تفسیر ۶۹ ..... "ومن یطع اللّٰہ ..... تا ..... من النبیین" یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے اور کم صبر تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ان کا چہرہ متغیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ آپ کے غم کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہ کوئی بیماری لاحق ہے اور نہ کوئی تکلیف ہے۔ صرف یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تو دل پریشان ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام سے ملنے کے لیے آجاتا ہوں۔ پھر انہوں نے آخرت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کی مجھ سے ملاقات نہ ہوسکے کیونکہ آپ تو نبیوں کے درجات میں بلند مقام پر ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تو ادنیٰ درجہ میں ہوں گا اور اگر بالفرض جنت میں داخل نہ ہو سکا تو آپ کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے بعض اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یہ کیسے حال ہوگا کہ جنت میں آپ علیہ السلام بلند مرتبے پر فائز ہوں گے اور ہم کم درجے میں ہوں گے اور ہم آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"من یطع اللّٰہ" سے مراد فرائض کی ادائیگی میں جو ہماری اطاعت کرے گا اور "والرسول" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع "فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبیین" وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھے گا اور ان کی مجالس میں شریک ہوگا کیونکہ ان کو انبیاء علیہم السلام کے درجات کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ "والصدیقین" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بڑے درجے کے۔ صدیق جو سچائی میں اعلیٰ درجہ تک پہنچنے والا ہو۔ "والشھداء" اس سے مراد وہ ہیں جو اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے۔ بعض نے کہا کہ "النبیون" سے مراد یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صدیق سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ "والصالحین" اس سے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ "وحسن اولئک رفیقا" جنت کے رفقاء مراد ہیں۔ عرب کے ہاں واحد کو جمع کی جگہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم نخرجکم طفلا" اس سے مراد اطفال ہیں۔ "ویولون الدبر" اس سے مراد ادبار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ایک شخص ایک قوم سے محبت کرتا ہے کیا وہ ان کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد اس کے تابع ہوگا جو اس سے محبت کرے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو نے قیامت کیلئے کیا تیار کر رکھا ہے؟ وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ تیار نہیں کیا صرف ایک عمل ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔

۷۰ "ذلک الفضل من اللّٰہ وکفیٰ باللّٰہ علیما" اس سے آخرت کا ثواب مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا ان کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا بلکہ اللہ کے فضل وکرم سے ہی پہنچ سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب قریب ہو جاؤ اور ٹھیک ٹھیک عمل کرو کہ تم میں سے ہر ایک اپنے عمل کے مطابق نجات پائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں میں بھی مگر یہ کہ مجھے بھی اللہ کی رحمت ڈھانپ لے گی اور اس کے فضل ورحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۞ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۞ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۞ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو اور تمہارے مجمع میں بعضا بعضا شخص ایسا ہے جو جہاد سے ہٹتا ہے پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا تو کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو ایسے طور پر کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں کہتا ہے ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جاوے یا غالب آ جاوے۔ ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔

تفسیر: ⑦١ "یایها الذین اٰمنوا خذوا حذرکم" تم دشمن سے بچو۔ تم ان کے خلاف اپنے اسلحہ جمع رکھو۔ حذر اور حذر دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ جیسے مثل اور مثل دونوں کے معنی ایک ہیں۔ "فانفروا" کا لوان کو "ثبات" اس سے مراد سرایا ہیں ایک سریہ کے بعد دوسرا سریہ ثبات یعنی جمع ہونا تفرقہ بازی سے بچنا۔ "او انفروا جمیعا" تم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع رہو۔

⑦٢ "وان منکم لمن لیبطئن" یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ "منکم" ارشاد فرمایا کیونکہ یہ تمہارے ساتھ جمع ہیں جنس نسبت اور اسلام کے اظہار کی وجہ سے نہ کہ حقیقت ایمان میں آپ کے ساتھ ہیں۔ "لیبطئن" ان کو موخر کرو اور یہ خود جہاد میں پیچھے رہنے والے ہیں اور جہاد سے کترانے والے ہیں۔ ان میں ابی بن عبداللہ منافق بھی موجود ہے۔ "لیبطئن" میں لام بمعنی قسم کے ہے۔ "تبطئة" کسی کام سے پیچھے رہنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تم پیچھے کیوں رہ گئے اسی سے بطئی سست ہونا آتا

ہے۔ "فان اصابتکم مصیبۃ" یعنی آپ کو شہادت یا شکست ہو جائے۔ "قال قد انعم اللہ علی" تو یہ بیٹھ کر کہتے کہ ہم پر اللہ کا انعام ہوا کہ ہم شریک جہاد نہیں ہوئے ورنہ ہمیں بھی نقصان اُٹھانا پڑتا۔ "اذلم اکن معھم شھیدا" اگر ہم ان کے ساتھ فلاں غزوے میں شریک ہوتے تو ہمیں بھی ان کی طرح تکلیف پہنچتی۔

۷۳ "ولئن اصابکم فضل من اللہ" اگر آپ کو فتح یا مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ "لیقولن" تو یہ منافق کہنے لگتے ہیں۔ یہاں الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ "کان لم تکن بینکم وبینہ مودۃ" یہ "فان اصابتکم مصیبۃ" کے متصل ہے اس کی تقدیری عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مسلمانوں کو مصیبت پہنچتی تو یہ کہتے کہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے کہ ہم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے ورنہ ہمیں بھی شکست سے دوچار ہونا پڑتا۔ "کان لم تکن" بعض قراء نے تکن پڑھا اور اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت آتی تو یہ لوگ کہتے "یالیتنی کنت معھم" اس غزوے میں ان کے ساتھ ہوتے تو "فافوز فوزا عظیما" تو ہمیں بھی مال غنیمت میں سے کچھ حصہ ملتا۔ "فافوز" منصوب ہے جواب تمنی کی وجہ سے کہا تقول جیسا کہ تو کہے کہ اگر میں کھڑا ہو جاتا تو قوم میری پیروی کرتی۔

۷۴ "فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ" بعض نے کہا کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یشرون کے معنی ہیں یشترون۔ وہ لوگ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس آیت کا معنی ہے ایمان لے آؤ پھر قتال کرو۔ بعض نے کہا کہ یہ مخلص مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے راستے میں قتال کرنے والے۔ انہوں نے اپنی دُنیاوی زندگی کے بدلے میں آخرت کو خرید لیا اور آخرت کو ترجیح دی۔ "ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل" وہ شہید ہوتا ہے۔ "او یغلب" یا وہ کامیابی کے ساتھ غالب آجاتا ہے۔

"فسوف نوتیہ" ان دونوں صورتوں میں "اجرا عظیما" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کا کفیل بن جاتا ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے وہ اپنے گھر سے صرف جہاد کی غرض سے نکلتا ہے (کسی اور غرض سے نہیں نکلتا) اور کلمہ کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل کردیتا ہے یا وہ اپنے گھر واپس لوٹ آتا ہے مال غنیمت اور ثواب کی غرض سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد کی مثال ایسی ہے جیسا کہ روزہ دار دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے (اور نماز سے ذرہ برابر غافل نہ رہا ہو) اور نہ ہی روزے سے غافل رہے۔ یہاں تک کہ وہ مجاہد اللہ کے راستے سے واپس گھر لوٹے مال غنیمت اور ثواب کے ساتھ یا وہ شہید ہو جائے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کردے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ
يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل

لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿۷۵﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿۷۶﴾

ترجمہ اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔ جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے

تفسیر ﴿۷۵﴾ "وما لكم لا تقاتلون" کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔ "فی سبیل اللّٰہ" اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اللہ ان کو جہاد کے ترک کرنے سے عتاب کر رہے ہیں۔ "والمستضعفين" ضعیف لوگ۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ ان کی خلاصی کے لیے کمزور لوگوں پر جہاد فرض نہیں یا اس سے مراد بعض نے کہا کہ مشرکین سے مجاہدین جو ضعیف و کمزور ہیں ان کی خلاصی کے لیے جہاد نہیں کرتے اور وہ کچھ مسلمان مکہ میں محبوس تھے۔ "من الرجال والنساء والولدان" مشرکین کی طرف سے اذیت پہنچی ہے بہت ساروں کو "الذین" جو پکارتے ہیں۔ "يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها" قریہ سے مراد مکہ ہے اور الظالم سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ "اهلها" سے مراد خاص وہ مشرکین ہیں جن کے ہاتھوں مسلمان تنگ ہیں۔ "الظالم" یہ صفت ہے "اهلها" کی۔ "واجعلنا من لدنك وليا" جو امر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ "واجعل لنا من لدنك نصيرا" کون ہے جو ان کو دشمن سے روکے گا۔ اللہ نے ان کی اس دُعا کو قبول فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو ظالم مشرکوں سے نجات دلائی۔

﴿۷۶﴾ "الذين امنوا يقاتلون في سبيل الله" اللہ کی طاعت میں لڑتے ہیں۔ "والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت" اس سے مراد شیطان کا راستہ ہے۔ "فقاتلوا" اے مؤمنین کی جماعت "اولياء الشيطان" کفار کی جماعت اور اس کا لشکر "ان كيد الشيطان" شیطان کا مکر و فریب "كان ضعيفا" جیسا کہ بدر کے دن ملائکہ کے ذریعے کفار پر رعب ڈال دیا گیا اور ان کی رسوائی کرائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۷۷﴾ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ط قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾

ترجمہ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو قصہ کیا ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسا کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور یوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرما دیا۔ ہم کو اور تھوڑی مدت مہلت دے دی ہوتی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جاوے گا تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ جاوے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو اور اگر ان منافقوں کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ ہو گئی اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے۔

تفسیر ⑦⑦ "الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا نزول عبدالرحمٰن بن عوف الزہری، مقداد بن الاسود کندی، قدامہ بن مظعون الجمحی سعد بن ابی وقاص اور ایک جماعت جن کو مشرکین مکہ نے ہجرت سے پہلے بہت اذیتیں دی ہیں اور یہ حضرات کہتے تھے کہ اللہ کے نبی ہمیں اجازت دیں ہم ان کے ساتھ قتال نہ کریں، انہوں نے ہمیں بہت اذیتیں دے رکھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے تھے "کفوا ایدیکم" کیونکہ مجھے ابھی قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔ "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" جب آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ بعض پر بہت مشقت اور گراں تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلما کتب" فرض کیا گیا۔ "علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس" مشرکین مکہ ڈرتے تھے۔ "کخشیۃ اللہ" جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے (او اشد) یا اس سے بڑھ کر (خشیۃ) اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ ڈر ہے۔

"وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال" جب تم پر جہاد فرض کیا گیا "لولا"......"ھلا" کے معنی میں ہے۔ "اخرتنا الی اجل قریب" اجل سے مراد موت ہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو چھوڑ دیا کہ وقت مقررہ آنے پر وہ مر جائیں۔ ان لوگوں کے متعلق آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ منافقین کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لم کتبت علینا القتال" یہ جملہ مؤمنین کی شایان شان نہیں ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہاں مؤمنین کا قول ہے جو علم میں ماہر نہیں تھے اور وہ یہ بات محض خوف اور بزدلی کی وجہ سے کہہ رہے تھے نہ کہ ان کا یہ اعتقاد تھا۔ پھر انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اہل ایمان فضیلت رکھتے ہیں ایمان والوں پر۔ بعض نے کہا کہ یہ مؤمنین کی جماعت ہے لیکن جب ان پر قتال فرض ہوا تو انہوں نے بزدلی کی بناء پر منافقت اختیار کر لی اور جہاد سے پیچھے رہے۔ "قل" کہہ دیجئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "متاع الدنیا" اس کی منفعت اور اس سے جتنا فائدہ اٹھایا گیا "قلیل والآخرۃ" اور آخرت اس سے کہیں افضل ہے۔ "لمن اتقی" جو بچا ہو شرک

اور رسول کی نافرمانی سے۔ "ولا تظلمون فتیلا" ابن کثیر اور ابو جعفر، حمزہ، کسائی رحمہم اللہ نے "یظلمون" پڑھا ہے۔ حضرت مستورد بن شداد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دُنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے پھر نکالے اور دیکھے کہ اس کی انگلی کو کتنا پانی لگا ہے۔

⑱ "اینما تکونوا یدرککم الموت" یعنی تم پر موت اُترے گی۔ یہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو اُحد کے دن قتل کر دیے گئے تھے کہ اگر وہ ہمارے ساتھ یا ہمارے پاس ہوتے تو اللہ ضرور ان کو واپس ہم پر لوٹاتا۔

"ولو کنتم فی بروج مشیدۃ" بروج کہا جاتا ہے اور مشیدہ کہا جاتا ہے بلند و بالا کو۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ وہ قصر میں ہوں گے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ مجصص ہوں گے اور الشید الجص کو کہا جاتا ہے۔ "وان تصبھم حسنۃ" یہ یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ کہتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پھلوں اور ہماری کھیتوں میں کمی اس شخص اور اس کے ساتھیوں کے آنے کی وجہ سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وان تصبھم" اگر یہود کو پہنچ جائے یعنی ان کو فراوانی اور تنگی سے نجات مل جائے۔ "یقولوا ھذہ من عند اللہ" تو وہ کہتے ہیں کہ یہ میرے رب کی طرف سے ہے۔ "وان تصبھم سیئۃ" یعنی ان کو قحط اور تنگی پڑ جاتی۔ "یقولوا ھذہ من عندک" محمد اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے اور بعض نے کہا کہ حسنۃ سے مراد کامیابی اور یوم بدر میں ان کو مسلمانوں کا مال غنیمت ملتا ہے اور "سیئۃ" سے مراد قتل اور ہزیمت ہے اُحد کے دن اور وہ یہ کہتے کہ یہ سب ان کی طرف سے ہے۔ اس صورت میں یہ منافقین کا قول ہے۔

"قل" ان کو کہہ دیجئے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "کل من عند اللہ" یعنی یہ سب کچھ اچھی یا برائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے عار دلائی گئی۔ "فمال ھؤلاء القوم" قوم سے مراد منافقین اور یہود ہیں۔ "لا یکادون یفقھون حدیثا" وہ آپ کی بات نہیں سمجھتے اور بعض نے کہا کہ یہاں حدیث سے مراد قرآن ہے۔ یعنی وہ قرآن کے معانی کو نہیں سمجھ سکتے۔ "فمال ھؤلاء" کلام میں اس کو کثرت سے لانے سے معلوم لگتا ہے کہ یہ لام متصل ہے اور ایک حرف ہے اور قراءۃ میں اتصال کی ہے اور اس کے لام پر وقف کرنا جائز نہیں۔

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ⑲

(ترجمہ) اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں۔

(تفسیر) ⑲ "ما اصابک من حسنۃ" حسنۃ سے مراد خیر اور نعمت ہے۔ "فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ" کوئی برائی یا ناپسندیدہ کام۔ "فمن نفسک" اس سے مراد تمہارے گناہ ہیں۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" ہے۔ اہل قدر نے اس آیت کے ظاہر کو لیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے برائی کی نفی کی ہے اور اس کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔ "وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" اس آیت کی مراد وہ نیکیاں نہیں جو کمائی سے حاصل ہوں اور نہ ہی برائیاں بلکہ اس سے مطلق طاعات اور معاصی ہیں یا اس سے مراد جو تمہیں اللہ کی طرف سے نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوئی ہیں اور یہ انعامات تمہارے فعل کی وجہ سے نہیں کیونکہ ان کی نسبت غیر کی طرف کی نہ کہ تمہاری طرف۔ "وما اصابک" اور نہیں کہا جاتا نیکی اور برائی میں کہ مجھے یہ پہنچی ہے بلکہ کہا جاتا ہے وہ ہمیں پہنچی ہے اور اسی طرح کسی امتحان اور آزمائش کے لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں تکلیف مجھے پہنچی ہے لیکن کسی چیز کے ثواب اور سزا کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاذا جاءتھم الحسنۃ قالوا لنا ھذہ وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسٰی ومن معہ" اور جب کوئی اپنی نیکیوں کو شمار کرتا ہے تو ان کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اس پر ثواب اور عقاب کا وعدہ ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا" بعض نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو ہمیں نیکی پہنچی ہے نصرت اور کامیابی کی صورت میں بدر کے دن وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ یعنی اللہ کے فضل سے ہے اور جو برائی ہمیں پہنچی ہے وہ جنگ اُحد میں قتل اور وقتی شکست کی صورت میں وہ ہماری غلطی کی وجہ سے ہے۔ یعنی ہمارے چند صحابہ کی خطاء کی وجہ سے ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے۔

اگر سوال کیا جائے کہ کیسے ان دو آیات کے درمیان جمع ممکن ہے "قل کل من عند اللّٰہ" اور یہی قول "فمن نفسک" ایک آیت میں ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے۔ اس کا جواب بعض نے کہا کہ "قل کل من عند اللّٰہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ شکست، مدد و نصرت سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہے۔ "فمن نفسک" کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی ہمیں پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہمارے گناہوں کے سبب اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" اور وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے "وما اصابک من سیئۃ من نفسک" وہ ہم تمہارے لیے لکھ دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ ماقبل آیت کے ساتھ متصل ہے اور اس میں یہ قول پوشیدہ ہے کہ اس قوم کا ہنوں کو کیا ہو گیا کہ جو بات سنتے اور سمجھتے نہیں اور وہ کہتے ہیں۔ "ما اصابک من حسنۃ فمن اللّٰہ، وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک"...... "قل کل من عند اللّٰہ"...... "وارسلناک" ہم نے بھیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "للناس رسولاً وکفٰی باللّٰہ شھیدًا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول بنا کر بھیجے جانے اور ان کی تصدیق پر گواہ ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ وہ گواہ کافی ہے۔ اس بات پر کہ اچھائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

ترجمہ: جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت مشورے کرتی ہے ان میں کی ایک جماعت برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں۔

تفسیر: ﴿۸۰﴾ "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تھے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی اس نے اللہ کے ساتھ محبت کی۔ بعض منافقین نے کہا کہ یہ شخص کس بات کا ارادہ رکھتا ہے کہ وہ بنائے اپنے لیے رب جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو رب مانا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" یعنی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کیا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ "ومن تولی" اور جس نے منہ موڑا اطاعت سے۔ "فما ارسلناک" اے محمد! "علیہم حفیظا" یعنی تمہارا محافظ اور تمہارا دوست رکھوں گا تمام کاموں میں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے سیف والی آیت سے اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے ساتھ قتال کرو۔

﴿۸۱﴾ "ویقولون طاعۃ" منافقین صرف زبان سے یہ کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہمارا کام صرف آپ کے ارشاد کی طاعت ہے۔ نحویوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارا کام اور شان یہی ہے کہ ہم اطاعت کریں۔ "فاذا برزوا" جب وہ نکلے "من عندک بیت طائفۃ منہم غیر الذی تقول" قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ بیت کا معنی ہے بدل ڈالا اس لیے بیت کا ترجمہ ہوا بدل ڈالتی ہے۔ ابوعبیدہ اور قتیبی رحمہما اللہ نے کہا اس کا ماخذ "بیتوتت" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رات کو مشورہ کر کے وہ بات طے کرتے ہیں جو ان میں کیے ہوئے وعدہ کے خلاف ہوتی ہے۔

حسن اور اخفش رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عرب جس چیز کا اندازہ کرتے ہیں اس کے لیے "بیت" کا لفظ بولتے ہیں۔ گویا اس کا اصل ماخذ بیت شعر ہے۔ "واللّٰہ یکتب" یعنی اللہ ان کو لکھتا ہے اور محفوظ بھی رکھتے ہیں۔ "ما یبیتون" جو وہ چھوڑتے ہیں اور جس کو وہ تبدیل کرتے ہیں اور مقدر رکھتے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو وہ نفاق میں سے کچھ چھپاتے تھے۔ "فاعرض عنہم" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کیجئے اور ان کی پرواہ نہ کریں۔ بعض نے کہا کہ

ان منافقین کے نام کسی کو نہ بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے نام بتلانے سے روکا گیا تھا۔ "وتوکل علی اللہ وکفٰی باللہ وکیلاً" اسی کو اپنا کارساز بنائیں اور وہی کافی ہے اور مددگار ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

ترجمہ تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

تفسیر ⑧② "افلا یتدبرون القرآن" کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ تدبر کہتے ہیں کسی کام میں آخری نظر تک غور و فکر کرنا۔ "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا" یعنی ان میں تفاوت اور تناقض بہت پایا جاتا ہے۔ اگر یہ قرآن کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ اگر وہ غیب اور پوشیدہ باتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں کیا وہ ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر غور و فکر کرتے ہوتے تو اس میں ان کو تناقض نظر نہ آتا اور وہ اس کو کلام اللہ ہونے کی ضرور تصدیق کرتے اس لیے کہ جو کلام من جانب اللہ ہو تو اس میں تناقض نہیں ہوتا۔

⑧③ "واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے اطراف میں مختلف جنگی دستے بھیجا کرتے تھے وہ جا کر یا غالب ہوتے یا مغلوب۔ بہرحال منافق ان کی خبریں قبل از وقت معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے اور پتہ لگتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے سے پہلے بیان کرنا شروع کر دیتے تھے تاکہ شکست کی خبریں سنا کر اہل ایمان کے دلوں میں ضعف پیدا کر دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "اذا جاءھم" اس سے مراد منافقین ہیں۔ "امر من الامن" اس سے مراد فتح و غنیمت، خوف، قتل اور ہزیمت شکست ہے۔ "اذاعوا بہ" اس کو پھیلا دیتے ہیں اشاعت کر دیتے ہیں۔ "ولو ردوہ الی الرسول" اپنی رائے کو رسول کی طرف لوٹاؤ گے اور اس کو اس وقت تک بیان نہیں کرو گے جب تک کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھ لیں۔ "والی اولی الامر منھم" اس سے مراد اصحاب الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ "لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" استنباط کا معنی ہے نکالنا استخراج کرنا استنباط کرنے والے علماء کرام ہی تھے

یعنی یہ جان لیں کہ اس خبر کو چھپانا مناسب ہے یا پھیلانا مناسب ہے۔
عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے یعنی وہ اس پر حرص کرتے ہیں اور ان مسائل کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو بات مؤمنین یا منافقین سے سنتے ہیں اگر اس خبر کو رسول یا اہل علم کی طرف لوٹاتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ حقیقت حال کیا ہے۔ یعنی وہ اس بات کو پسند کریں کہ اس کی حقیقت حال کیا ہے۔ "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان" تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے "الا قلیلا"

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے پیروکار ہوتے۔ کل سے قلیل کا استثناء کیسے کیا۔ جواب: اس سے مراد وہ ہے جو ما قبل میں تھوڑے افراد گزرے ہیں کہ ما قبل میں بھی تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ قلیل سے مراد مؤمنین ہیں۔ یہ قول کلبی اور فراء رحمہما اللہ کا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اسرار کا علم ہے کہ جب اہل علم کے استنباط سے اس کی وضاحت معلوم ہو جائے گی اور بعض کا قول ہے کہ استنباط کرنے والے علماء بہت کم ہوں گے۔ پھر فرمایا: "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان" بعض نے کہا کہ فضل اللہ سے مراد اسلام ہے اور رحمت سے مراد قرآن ہے۔ مطلب یہ ہوگا اگر ایمان ہوتا تو شیطان کی پیروی کرتے لیکن ہدایت پانے والے تھوڑے سے ہیں جو نزول قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سے مراد زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس سے استدلال کرنا جائز ہے اور جو چیز کتاب اللہ یا حدیث سے جو معلوم ہو وہ نص ہے اور جو استنباط سے حاصل ہو وہ قیاس ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

(ترجمہ) پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دے دیجئے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں جو شخص اچھی سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

(تفسیر) ⑧④ "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے وعدہ کیا تھا کہ ذی قعدہ کے ماہ میں بدر صغریٰ پر دونوں فریقوں کا پھر مقابلہ ہوگا۔ جب وقت مقررہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی مگر بعض لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک" یعنی دشمن کے ساتھ جہاد کو ترک نہ کرو اور کمزور ضعیف مسلمانوں کی نصرت کرو کیونکہ اللہ رب العزت نے مدد کا وعدہ کیا ہے اور ترک قتال کی وجہ سے ان کو سزا کا حکم ہے۔ فقاتل میں فاء جواب ہے اس آیت "ومن یقاتل فی سبیل اللہ" الآیۃ کا۔ "وحرض المؤمنین" یعنی مؤمنین کو جہاد پر ابھاریے اور ثواب کی طرف رغبت دلایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر گھڑ سواروں کو لے کر جہاد کے لیے نکلے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "عسی اللہ" شاید کہ اللہ تعالیٰ "ان یکف باس الذین کفروا" مشرکین کے ساتھ قتال کر کے۔ اللہ سے اُمید رکھنا واجب ہے۔ "واللہ اشد باسا" وہ بڑی طاقت والا اور بڑے دبدبے والا ہے۔ "واشد تنکیلا" اور بڑا عذاب دینے والا ہے۔

⑧⑤ "من یشفع شفاعۃ حسنۃ ...... تا ...... یکن لہ کفل منہا" کفل کا معنی نصیب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں باہم صلح کرانا شفاعت حسنہ ہے اور بری شفاعت یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان چغل خوری کرنا اور بعض نے کہا کہ شفاعت حسنہ لوگوں میں خیر کی بات کرنا ہے جو ثواب اور خیر کا ذریعہ بنے اور بری شفاعت یہ ہے کہ غیبت کرنا اور بری باتیں کرنا جو برائی کا باعث بنتا ہے۔ "کفل منہا" یعنی ان کے لیے حصہ ہوگا اور مجاہد کا قول ہے کہ بعض لوگوں کی بعض کے ساتھ شفاعت کرنا مراد ہے اور شفاعت کرنے والا شفیع اجر پائے گا اگرچہ اس کی شفاعت قبول نہ کی جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص کچھ مانگنے یا کسی اور کام کے لیے حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے سفارش کرو ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو الفاظ چاہے گا جاری فرما دے گا۔ "وکان اللہ علی کل شیء مقیتا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "مقیتا" کا ترجمہ "مقتدرا" سے کیا ہے۔ قابو پانے والا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ شاہد "حاضر و ناظر" سے کیا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ نگران سے کیا ہے اور بعض علماء کا قول ہے یعنی ہر جاندار کو روزی دینے والا مقیت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت وبقیت"

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ⑧⑥
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ⑧⑦

ترجمہ اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن میں اس میں کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

تفسیر ⑧⑥ "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا" تحیہ کہتے ہیں طویل زندگی کی دعا دینا، یہاں تحیہ سے مراد سلام ہے۔

سلام کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے

کہا جاتا ہے کہ جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کو جواب میں اس سے اچھا جواب دو یا جیسا اس نے سلام کیا ویسا ہی تم دے دو۔ جب کوئی تمہیں کہے السلام علیکم تو تم جواب میں کہو علیکم السلام ورحمۃ اللہ اور جب کوئی تمہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو اور اگر کوئی تمہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو تم اس کے جواب اسی طرح کہو۔

روایت کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر اس کے بعد کچھ اور زائد کہا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ سلام وبرکاتہ تک ہے۔ عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے جواب دے دیا اور فرمایا دس۔ وہ بیٹھ گیا اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دے کر ارشاد فرمایا بیس، وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے کر فرمایا تیس، وہ بیٹھ گیا۔ جان لو کہ سلام دینا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض علی الکفایہ ہے۔ یعنی کسی نے ایک جماعت پر سلام کیا۔ اس میں سے ایک شخص نے جواب دے دیا تو فرض پورا ہو جائے گا اور اسی طرح اگر پوری جماعت میں سے کسی ایک نے سلام کیا تو پوری جماعت کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ ایمان لے آئے اور تم میں سے اس وقت تک ایمان نہیں لاتے جب تک تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرو یا میں تمہیں ایسا کام نہ بتلاؤں جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے لگو گے، تم آپس میں خوب سلام پھیلاؤ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اور سلام دینا جس کو تم پہچانو یا نہ پہچانو۔ سائی الاسلام کا معنی ہے کہ اسلام کی کون سی خصلتیں بہتر ہیں؟ بعض نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب تمہیں کوئی مسلمان شخص سلام کرے" اور دوھا" کا معنی ہے اس کے مثل تم سلام کو لوٹاؤ جب سلام کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں کوئی یہودی سلام کرے اور وہ تمہیں یوں سلام کرے السام علیک (تم پر ہلاکت ہو) تو تم اس کو جواب میں "علیک" کہو۔ "ان اللّٰہ کان علی کل شیء حسیبا" اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے سلام کو اسی طرح لوٹانے سے یا اس سے بہتر لوٹانے کی صورت میں۔ "حسیبا" کا معنی ہے محاسبہ کرنے والا بدلہ لینے والا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ نگران سے کیا ہے ابوعبیدہ نے اس کا ترجمہ کفایت سے کیا ہے۔

⑪ "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو لیجمعنکم" لام قسم ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "واللّٰہ لیجمعنکم فی

الموت" یعنی تم کو موت کے ساتھ جمع کرے گا یا قبروں میں جمع کرے گا۔

"الی یوم القیامۃ" قیامت کو قیامۃ اس وجہ سے کہا گیا چونکہ قیامت کے دن ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یوم یخرجون من الاجداث سراعا" بعض نے کہا کہ حساب دینے کے لیے ان کو اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ رب العزت کا فرمان "یوم یقوم الناس لرب العالمین"...... "لاریب فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا" یعنی قول اور وعدہ کے ساتھ تصدیق کرنے والا۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ کے نزدیک صاد کے سکون کے ساتھ اور دال میں اشمام کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹا پھیر دیا ان کے عمل کے سبب کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر: ﴿۸۸﴾ "فما لکم فی المنافقین فئتین"

فی المنافقین فئتین کا شان نزول

اس کے نزول کے سبب میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول جنگ اُحد میں پیچھے رہنے والے منافقین کے بارے میں ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد سے واپس تشریف لائے تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان کو قتل کر دو کیونکہ یہ منافقین ہیں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو درگزر فرمایئے کیونکہ یہ زبان سے اسلام والا کلام کرتے ہیں۔

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحد کے لیے نکلے ان میں سے دو جماعتیں تھیں ایک جماعت وہ تھی جو یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جائیں گے اور ایک جماعت تھی وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا" اور بعض نے کہا کہ وہ ایسے پاک ہوئے جیسے آگ چاندی کو چمکا دیتی ہے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کچھ لوگ مدینے آئے اور اسلام لائے، پھر مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ واپس جا کر اپنا تجارتی مال لانے کی اجازت طلب کی اور چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی دو رائے ہو گئیں۔ بعض مسلمان کہتے کہ وہ منافق ہو گئے اور بعض مسلمان کی رائے یہ تھی کہ وہ مومن ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ کچھ

قریش مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے پھر ان کو پشیمانی ہوئی اور تفریح کرنے والوں کے طریقے پر مدینہ سے باہر نکل گئے۔ جب مدینہ سے دور ہو گئے تو وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ ہم اپنے سابقہ ایمان پر قائم ہیں مگر مدینہ کے اندر ہمارے پیٹ میں بیماری لگ گئی تھی اور اپنے وطن کا بھی شوق غالب آ گیا کچھ مدت کے بعد یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام گئے۔ مسلمانوں کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ ہم کو چاہیے کہ ہم جا کر ان سے لڑیں اور ان کو لوٹ لیں کیونکہ وہ ہمارے دین سے پھر گئے ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ ہم ایسے لوگوں سے جو تمہارے مذہب پر ہیں صرف اس وجہ سے کیسے لڑ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بستیاں نہیں چھوڑیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ قوم مکہ میں اسلام لائی۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی اور مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "فما لکم" اے مؤمنین کی جماعت! "فی المنافقین فئتین" یعنی وہ ہو گئے دو گروہ "واللہ ارکسھم" اور ان کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ "بما کسبوا" ان کے اعمال کی وجہ سے یعنی مرتد ہونے کی وجہ سے۔ "اتریدون ان تھدوا" کہ تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت یافتہ بن جاؤ۔ "من اضل اللہ" بعض نے کہا کہ کیا یہ لوگ راہ ہدایت پالیں گے حالانکہ اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔ "ومن یضلل اللہ" جیسے کافروں کو ان کی ہدایت سے گمراہ کر دیا۔ "فلن تجدلہ سبیلا" حق تک پہنچانے والا راستہ نہیں ملے گا۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

ترجمہ: وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ سو ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے منقبض ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

تفسیر ⓼⓽ "ودوا" تم تمنا کرتے ہو جس طرح وہ اپنے مذہب کی طرف لوٹ گئے تم بھی لوٹو۔ "لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء" کفر میں وہ برابر ہیں۔ جواب تمنی کی نہیں ہے کیونکہ جواب تمنی کی فاء منصوب ہوتی ہے بلکہ یہاں نسق مراد ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ کافر ہو جائیں اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایسے ہو جائے ان کے برابر ہو جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ودوا لو تدھن فیدھنون"...... "فلا تتخذوا منھم اولیاء" ان کے ساتھ موالات لین دین سے منع فرمادیا۔ "حتی یھاجروا فی سبیل اللہ" یہاں تک کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت نہ کرلیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے یہ ایک اور ہجرت ہے۔ ہجرۃ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ہجرت جو سب سے پہلے مؤمنین نے کی ابتداء اسلام میں۔ جیسا کہ "للفقراء المھاجرین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ ورسولہ" اور اسی طرح اور آیات میں اس ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ان تمام آیات سے مؤمنین کی ہجرت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا نکلنا۔ اس آیت میں مؤمنین کو منافقین کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے اس وقت تک کہ جب تک آپ کے ساتھ ہجرت نہ کریں اور تمام مؤمنین کی ہجرت اللہ کی منع کردہ چیزوں سے رُکنا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اہل مہاجر وہ ہے جو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ اشیاء سے رُکا ہو۔ "فان تولوا" اگر وہ اعراض کریں توحید اور ہجرت سے۔ "فخذوھم" ان کو پکڑ کر قیدی بنالو اس سے کہا جاتا ہے "الاخیذ" پکڑے ہوئے غلام کو۔ "واقتلوھم حیث وجدتموھم" حل اور حرم میں۔ "ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیراً" پھر اس سے ایک جماعت کا استثناء کیا۔

⓽⓪ "الا الذین یصلون الی قوم" یہاں سے ان لوگوں کا استثناء ہے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے باقی موالات کفار و منافقین کے ساتھ جائز نہیں۔ "یصلون" کا معنی ہے جو منسوب کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں یا عہد میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ شامل کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جو تمہارے ماتحت ہے۔ "بینکم وبینھم میثاق" یعنی ان کے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور وہ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے والے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن عویمر کے ساتھ عہد کیا تھا مکہ سے نکلنے سے پہلے۔ یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہلال نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کرے گا اور ہلال کے پاس اگر کوئی شخص اس کے قبیلے کا ہو یا غیر پہنچ کر پناہ پکڑ لے تو ہلال کی طرح وہ بھی مامون رہے گا۔ ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس قوم کے درمیان عہد ہوا تھا وہ بنی بکر بن زید بن مناۃ تھا ان کے ساتھ صلح کی تھی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ یہ بنی خزاعہ تھے۔

"او جاءوکم" یعنی وہ تمہاری معاہدہ رکھنے والی قوم کے پاس پہنچ جائیں۔ "حصرت صدورھم" ان کے سینے تنگ ہو جائیں۔ حسن اور یعقوب کی قرأت میں "حصرۃً" ہے۔ منصوب ہے ان کے سینے تنگ ہیں۔ یہ بنو مدلج قوم کے لوگ تھے ان کا قریش کے ساتھ معاہدہ تھا کہ ان کے ساتھ لڑیں گے نہیں۔ حصرت کا معنی ہے تنگ دل ہونا۔ "ان یقاتلوکم" ان دونوں فریقوں کے درمیان عہد تھا کہ وہ آپس میں لڑیں گے نہیں۔ "او یقاتلوا قومھم" جنہوں نے ان سے امان طلب کیا اور یہ بھی

درست ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے کہ نہ یہ کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر تم سے جہاد کریں گے اور نہ ہی تم کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔ یعنی قریش کے بیٹے ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کو پسند نہیں کرتے جن کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ بعض نے کہا کہ او بمعنی واؤ کے ہے گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ ان کا اور ان کا آپس میں معاہدہ ہے یا ان کا آپس میں لڑنا ناپسند ہے یہ قوم ہلال اسلمیون کی ہے اور بنوبکر کی جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے سے منع فرمایا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہو کیونکہ شرعی اُصول ہے کہ جو قوم کسی سے معاہدہ کر لیتی ہے تو اس معاہد قوم کا وہی حکم ہے جو اس کا ہے۔ اس کا خون، عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے۔ "ولو شاء اللہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم" یہاں پر مسلمانوں کے اوپر احسان کا تذکرہ کیا کہ ہم نے تم پر احسان کیا ان کے ساتھ معاہدہ کروا کر کہ ان کے دلوں کو تمہارے خوف دلوا کر تمہارے ساتھ لڑنے سے باز رکھا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تمہارے ساتھ لڑتا "فان اعتزلوکم" تم ان سے کنارہ کشی کرو گے۔ "فلم یقاتلوکم" اور وہ تم سے نہ لڑیں یا کسی اور قوم کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں۔ "والقوا الیکم السلم" سلم سے مراد صلح ہے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ "فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا" قتل اور قتال کا طریقہ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

ترجمہ بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو اس میں جا گرتے ہیں اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

تفسیر ⑨① "ستجدون اٰخرین" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسد اور بنی غطفان کے تھے۔ مدینہ میں آ کر رہنے لگے تھے، دکھاوے کے لیے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے مگر وہ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے جب ان میں سے کسی سے اس کی قوم والے کہتے تھے کہ تو کیوں مسلمان ہو گیا تو جواب دیتا کہ میں اس بندر اور بچھو پر ایمان لایا ہوں لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ہوتی تو کہتے ہم آپ کے دین پر ہیں۔ اس دوغلے پن سے ان کا یہ مقصد ہوتا تھا تا کہ دونوں طرف سے بے خطر ہو جائیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بنو عبدالدار ہیں جو اس صفت کے حامل تھے۔ "یریدون ان یامنوکم" ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ "ویامنوا قومھم" اور وہ اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہے۔ "کلما ردوا الی الفتنۃ" جب بھی ان کو شرک کی دعوت دی

جاتی۔ "ارکسوا فیھا" تو وہ لوٹ جاتے شرک کی طرف۔ "فان لم یعتزلو کم" اگر وہ تمہارے ساتھ قتال سے نہ رکیں یہاں تک کہ وہ مکہ کی طرف چلے جائیں۔ "ویلقوا الیکم السلم" یعنی تم سے انقادہ اور صلح کرنا چاہتے ہیں۔ "ویکفوا ایدیھم" اور وہ اپنے ہاتھوں کو قتال سے نہ روکیں۔ "فخذوھم" ان کو تم قید کرلو "واقتلوھم حیث ثقفتموھم" جہاں وہ تمہیں پائیں۔ "واولئکم" اس صفت کے ساتھ جتنے موصوف ہیں۔ "جعلنا لکم علیھم سلطاناً مبیناً" وہ دلیل و حجت جو ظاہر ہے یعنی قتل و قتال۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں۔

وما کان لمؤمن کی آیت کا شان نزول

تفسیر: ﴿۹۲﴾ "وما کان لمومن ان یقتل مؤمناً" یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا پھر اس کو اندیشہ ہوا کہ گھر والوں سے میرا مسلمان ہونا مخفی نہیں رہے گا اس لیے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر ایک گڑھی میں قلعہ بند ہو گیا۔ عیاش کے جانے کے بعد اس کی ماں کو بڑی بے تابی ہوئی اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوجہل اور حارث سے (جو ہشام کے نطفے سے تھے) کہا اللہ کی قسم جب تک تم عیاش کو نہ لاؤ گے میں کسی چھت کے سایہ میں نہ جاؤں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ ماں کی قسم سن کر دونوں عیاش کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور حارث بن زید بن ابی انیسہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ عیاش کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ گڑھی میں پہاڑی پر قلعہ بند ہے۔ اس سے کہا تم نیچے آ جاؤ تمہارے بعد تمہاری ماں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تم نہ پہنچ جاؤ گے وہ سایہ میں نہ جائے گی اور نہ کچھ کھائے پیئے گی اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کریں گے نہ تمہارے مذہب سے تم کو

روکیں گے۔ جب ان لوگوں نے ماں کی بے تابی کا ذکر کیا اور اللہ کی قسمیں کھائیں تو عیاش گڑھی سے اُتر آیا، یہ لوگ اس کو مدینہ سے نکال کر لے چلے۔ پھر ان کو تو ا ڑھ سے باندھ دیا اور ہر ایک نے سو سو درے اس کو مارے اور ماں کے پاس پہنچا دیا۔ ماں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم میں تیری بندش اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک تو اس چیز کا انکار نہ کر دے جس پر ایمان لایا ہے۔ پھر اس کو اسی طرح بندھا ہوا دھوپ میں ڈال دیا جب تک اللہ کی مشیت تھی وہ پڑا رہا، آخر کار جو لوگ چاہتے تھے عیاش نے وہی کر دی اور عیاش کو کھول دیا، اتنے میں حارث بن زید آ گیا اور وہ بولا کیا یہی وہ بات تھی جو تو نے اختیار کی تھی (یعنی تھوڑی سی تکلیف کی وجہ سے وہ تم نے چھوڑ دی) خدا کی قسم! جس بات کو تو نے اختیار کیا تھا اگر وہ ہدایت تھی تو تو نے ہدایت چھوڑ دی اور اگر وہ گمراہی تھی تو تو اب تک گمراہی پر تھا۔ عیاش کو اس کی بات پر غصہ آیا اور کہنے لگا خدا کی قسم! اگر تنہائی میں تو میرے ہاتھ لگ گیا تو تجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد عیاش پھر مسلمان ہو گئے اور مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلا گیا۔ عیاش کے کچھ دنوں کے بعد حارث بن زید بھی مسلمان ہو گیا اور ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حارث کے پہنچنے کے وقت عیاش وہاں موجود نہ تھا نہ اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی۔

ایک روز عیاش قبا کے باہر جا رہا تھا کہ سامنے سے حارث آ گیا۔ عیاش نے حارث کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا ارے تو نے یہ کیا کیا حارث تو مسلمان ہو گیا تھا یہ سنتے ہی عیاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا اور حارث کا یہ واقعہ ہوا ہے اور آپ واقف ہیں کہ مجھے اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا اور اس لاعلمی میں میں نے اس کو مار ڈالا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنًا الا خطأً" اس آیت میں مومن کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ "وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ"...... "الا خطأً" استثناء منقطع ہے لیکن اگر خطاء ہو۔ "ومن قتل مؤمنا خطأً فتحریر رقبة مؤمنة" اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ "ودیة مسلمة" یہ اس کی کامل دیت ہے۔ "الی اھلہ" مقتول کے ورثاء کو۔ "الا ان یصدقوا" دیت کو صدقہ کر دیں یعنی دیت معاف کر دیں یا مرنے سے پہلے مقتول معاف کر دے۔ "فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة" اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مسلمان دار الحرب میں رہ رہا ہو کفار کے ساتھ اس کو مسلمان مار ڈالیں اور اس کے اسلام کا مسلمانوں کو پتہ نہ ہو تو اس پر دیت نہیں ہے۔ البتہ کفارہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسلمان مقتول پایا جائے دار الاسلام میں لیکن وہ کافر خاندان سے تعلق رکھتا تھا یعنی اس کا خاندان کنبہ کافر تھا اور وہ دار الحرب میں تھا جس سے مسلمانوں کی جنگ تھی جیسے حارث بن زید تھے اس صورت میں قتل کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اس پر دیت واجب نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی معاہدہ نہیں۔ (اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت بھی جاری نہیں ہوتی)۔

"وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیة مسلمة الی اھلہ فتحریر رقبة مؤمنة" اس سے مراد جب کافر مقتول ذمی ہو یا معاہد ہو تو پھر اس پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

کفارہ ایک مؤمن گردن آزاد کروانا ہے۔ برابر ہے کہ مقتول مسلم ہو یا معاہد ہو۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام اور قاتل کے مال میں سے ہو۔ "فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین" قاتل اگر گردن آزاد کرتا پائے یا اس کو حاصل کرنے کی قدرت ہو یا یں طور پر کہ اس کے ثمن پر قادر ہے اور وہ ثمن اس کے اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ غلام کو خرید کر آزاد کرے۔ اس صورت میں وہ روزے نہیں رکھ سکتا۔ ہاں اگر وہ اس غلام کو حاصل کرنے سے عاجز آ جائے تو پھر دو ماہ کے روزے لگاتار رکھے۔ اگر دوران روزہ دو ماہ کے درمیان جان بوجھ کر توڑ دیا کسی ایک روزے میں نیت کرنا بھول گیا یا دوسرے روزے کی نیت کر لی تو اس پر دوبارہ از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ اگر ان کے روزوں میں ایک دن کا وقفہ آ گیا کسی مرض یا سفر کی وجہ سے تو پھر اس کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا وہ از سر نو روزے رکھے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض کا قول ہے کہ وہ اس طرح از سر نو روزے رکھے گا۔ یہ قول امام نخعی، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ از سر نو روزے نہ رکھے بلکہ جہاں سے اس نے چھوڑے ہیں وہاں سے آگے رکھے۔ یہ قول سعید بن المسیب، حسن و شعبی رحمہم اللہ کا ہے۔ اگر عورت ان دو ماہ کے روزوں کے درمیان حائضہ ہو گئی تو ایام حیض میں افطار کرے گی۔ اس کی لگاتار ترتیب منقطع نہیں ہوگی۔ جب وہ پاک ہو جائے تو جہاں سے اس نے روزے چھوڑے تھے وہیں سے دو ماہ رکھنا شروع کر دے کیونکہ عورتوں کے بارے میں عام طور پر اس کام سے نہیں بچ سکتے۔ اگر وہ شخص دو ماہ روزے رکھنے سے عاجز آ جائے تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہی ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جیسا کہ مسئلہ ظہار میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان روزوں سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ ان کا بدل ذکر نہیں کیا۔ "فصیام شھرین متتابعین" کی قید موجود ہے۔ "توبۃ من اللّٰہ" یہ قتل خطاء کے قاتل کی توبہ ہے۔ "وکان اللّٰہ علیما" جو خطاء قتل کر دے۔ "حکیما" جو تمہارے اوپر حکم لگایا ہے۔

دیت اور قتل کے احکام

دیت کے متعلق بعض حضرات نے یہ کلام کیا ہے کہ قتل کی تین اقسام ہیں۔ عمد محض: شبہ عمد، خطاء محض۔

عمد محض وہ ہے کہ ایک انسان دوسرے کو ایسے آلہ سے قتل کرنے کا ارادہ کرے جس سے عام طور پر دوسرے انسان کو قتل کیا جاتا ہے۔ اس میں قصاص ہے یا دیت مغلظہ ہے۔

شبہ عمد: وہ ہے کہ کسی چیز سے کسی کو مارنا جس سے عام طور پر انسان مرتا نہیں اس طور پر کہ وہ چھوٹی لاٹھی سے مارے یا چھوٹے پتھر سے مارے ایک دفعہ مارے یا دو مرتبہ اور وہ مر گیا تو اس پر قصاص نہیں بلکہ اس پر دیت مغلظہ ہے جو تین سال تک ادا کرے گا۔

خطاء محض: کسی انسان کو دوسرے کے قتل کا ارادہ نہ ہو بلکہ وہ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہا تھا تو وہ تیر اس شخص کو جا کے لگا جس سے وہ مر گیا۔ اس پر قصاص نہیں۔ البتہ اس کے عاقلہ پر دیت مخففہ ہے جو وہ تین سال تک ادا کریں گے اور اس پر کفارہ واجب ہوگا مختلف انواع سے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد کی صورت میں کفارہ واجب نہیں کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے۔ اگر وہ اونٹ نہ پائے تو درہم و دنانیر سے اس کی دیت ادا کرے گا۔

اور جن حضرات کے نزدیک دینار سے اس کی دیت ادا کی جائے گی ان کے ہاں ایک ہزار دینار ادا کیے جائیں گے یا بارہ سو دینار ادا کیے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرض دیت سونے چاندی والوں میں سے ہزار دینار اور چاندی میں سے بارہ ہزار درہم اور بعض حضرات کے نزدیک واجب دیت سو اونٹ ہیں یا ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم۔ یہ قول عروہ بن زبیر حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ایک سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ یہ سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا مذہب ہے اور عورت کی دیت مرد کی نصف دیت پر ہے اور اہل ذمہ اور معاہد کی دیت مسلمان کی تہائی دیت کے برابر ہے۔ اگر وہ کتابی ہو اور اگر وہ مجوسی ہو پھر دیت کا پانچواں حصہ اس پر واجب ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول سعید بن المسیب و حسن بصری کا ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور روایت کیا گیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔ یہ قول عمر بن عبدالعزیز کا ہے۔ یہی قول امام مالک، امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

عمد محض میں دیت اور شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے۔ اس میں تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس خلفۃ ہیں۔ یہ قول عمر بن خطاب، زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور یہی قول عطاء رحمہ اللہ کا ہے اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو کہ قتل عمد اور قتل خطاء جو کسی کو لاٹھی یا کوڑے سے مارے تو وہ مر جائے تو اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان میں چالیس خلفۃ۔

اور بعض حضرات کے نزدیک دیت مغلظہ چار طرح ادا کی جائے گی۔ پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ۔ یہ قول امام زہری اور ربیعہ کا ہے امام مالک، امام احمد اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ قتل خطاء کی دیت خفیف ہے اور وہ پانچ اس کے طریقے سے ادا ہوگی یعنی پانچ قسم کے اونٹ سے دینی ہوگی۔ بعض حضرات کے نزدیک بیس بنت مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس ابن لبون اور بیس حقہ اور بیس جذعہ ادا کرنے ہوں گے۔ یہ قول امام زہری اور ربیعہ کا ہے اور یہی قول اصحاب الرائی کا ہے اور عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار کا بھی ہے اور امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض حضرات نے بنت لبون کی جگہ بنت مخاض کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام احمد اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ قتل خطاء و شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر ہے اور میت کے عاقلہ ذکر عصبات ہیں اور جنایت کرنے والے پر کوئی چیز نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر دیت کو واجب قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے

تفسیر ﴿۹۳﴾ "ومن یقتل مؤمنا متعمداً"

من یقتل مؤمنا کا شان نزول

یہ آیت مقیس بن حبابہ کندی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اور اس کا بھائی ہشام اسلام لے آئے تھے ایک روز مقیس کو محلہ بنی نجار میں ہشام کی لاش ملی اور وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ایک فہری شخص کو بھیج دیا اور بنو نجار کو کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اگر تم ہشام کے قاتل سے واقف ہو تو اس کو مقیس کے حوالے کر دو تا کہ وہ اپنے بھائی کا قصاص لے لے اور نہیں جانتے ہو تو ہشام کی دیت ادا کرو۔ فہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ بنی نجار نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر، ہم کو ہشام کا قاتل تو معلوم نہیں ہاں ہم دیت ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقیس کو سو اونٹ دے دیئے۔ مقیس اور فہری لوٹ آئے، راستے میں مقیس کو شیطان نے بہکایا، اس نے خیال کیا کہ اگر میں دیت لے کر بیٹھ رہوں گا تو یہ بڑی ذلت کی بات ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ میں فہری کو قتل کر دوں تا کہ جی کا بدلہ بھی ہو جائے اور دیت مزید رہے۔ چنانچہ اس نے فہری کو غافل پا کر زور سے ایک پتھر مارا اور اس کا سر پھاڑ دیا۔ فہری مر گیا۔ پھر اونٹ پر سوار ہو کر باقی اونٹوں کو ہنکا کر مکہ لے گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن یقتل مؤمنا متعمدا"...... "فجزاؤہ جهنم خالدا فیها" اس میں ہمیشہ رہے گا اس کے کفر و ارتداد کی وجہ سے۔ اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اگر ابن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ چمٹا ہو تو پھر بھی اس کو قتل کر دو۔

"وغضب اللہ علیه ولعنه" اس کو رحمت سے دوری ہے۔ "واعد له عذابا عظیما" اس آیت کے حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مؤمن کو عمداً قتل کرنے والے کے لیے توبہ نہیں۔ کہا گیا کہ کیا سورۃ فرقان میں یہ نہیں فرمایا گیا "ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق" سے لے کر "ومن یفعل ذلک یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا الا من تاب" اس آیت میں تو صراحتاً موجود ہے کہ قاتل کی توبہ قبول کی جائے گی اور توبہ کرنے والا قاتل دوامی سزا سے مستثنیٰ ہے۔ فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کا حکم ہے کہ اس وقت لوگ مشرک تھے جنہوں نے قتل و زنا کے جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ ہم کو جس بات کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہے تو اچھی کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی بتلا دیجئے کہ جو کچھ ہم کر چکے ہیں یہ اس کا کفارہ ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "والذین لا یدعون مع اللہ الها آخر ...... الا من ...... تاب ...... وامن" تک یہ

وہی لوگ ہیں باقی سورۃ نساء میں یعنی "فجزاء ہ جھنم خالدًا فیھا" آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو گیا اور اسلام کے احکام سے اس کو واقفیت ہو گئی اور پھر اس نے مؤمن کو قتل کر دیا تو اس کی سزا جہنم ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ آیت "والذین لا یدعون مع اللّٰہ الھًا اٰخر" نازل ہوئی تو ہم کو اس کی نرمی پر تعجب ہوا۔ سات مہینے ہم اسی حالت میں رہے اس کے بعد سورۃ نساء کی آیت سخت نازل ہوئی اور نرم حکم والی آیت منسوخ کر دی گئی لیکن اس آیت کو نرم حکم والی آیت کا ناسخ قرار دینا اور منسوخ ماننا صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور یہ مدنی ہے لہٰذا کوئی ناسخ و منسوخ نہیں اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور یہی مذہب اہلسنت والجماعت کا ہے۔ مسلمان کا قاتل اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ لقولہ تعالیٰ "وانی لغفار لمن تاب وآمن و عمل صالحًا" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "انّ اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذٰلک لمن یشاء" اور جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ تشدید اور تغلیظ پر محمول ہے۔ جیسا کہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان کے بارے میں مروی ہے کہ اگر کسی نے کسی کو بھی قتل نہیں کیا تو اس پر توبہ کرنا ضروری نہیں ہاں اگر کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس آیت کا تعلق اس سے نہیں کہ جو شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں داخل ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس شخص کا ذکر ہے جو دوسرے کو کافر سمجھ کر قتل کر رہا ہو اور وہ مقیس بن حبابہ ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ "مخلد فی النار" کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو کسی کو حلال سمجھ کر قتل کرے اور جو شخص مؤمن کو مؤمن سمجھتے ہوئے قتل کرے تو وہ کافر ہونے کے سبب ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فجزاء ہ جھنم خالدًا فیھا" اس کو بدلہ دیا جائے گا اگر وہ اس فعل کو جائز سمجھ رہا تھا لیکن اللہ کو اختیار ہے چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ چاہے جس کو بخش دے۔

عمرو بن عبید سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ عمرو بن العلاء کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ کیا اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا "ومن یقتل مؤمنا متعمدًا فجزاء ہ جھنم خالدًا فیھا" ابو عمرو بن العلاء نے جواب دیا کہ کیا آپ عجم سے ہو کہ عرب لوگ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے بلکہ وہ وعدہ خلافی کو مذمت شمار کرتے ہیں۔ اس بات میں دلیل یہ ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا جو کچھ ہم نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی قسم کا کوئی شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ بدر کے دن حاضر ہوئے اور نقباء میں سے ایک تھے۔ "لیلۃ العقبہ" کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب ان کے ارد گرد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت موجود تھی، فرمایا کہ مجھ پر تم بیعت کرو اس شرط پر کہ تم شرک نہیں کرو گے، اللہ کے ساتھ اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت باندھو گے جو تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہے اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو

گے جس نے ان کو پورا پورا کیا اس کا اجر اللہ کے پاس ہے جو شخص ان میں سے کسی کو پہنچ گیا اور اس کو دُنیا میں سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ بن جائے گی اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ پوشی کی تو وہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو وہ اس پر سزا دے اور چاہے تو بخش دے ہم نے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

یایها الذین امنوا اذا ضربتم کا شان نزول

تفسیر ﴿۹۴﴾ "یا ایها الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا نزول بنی مرہ بن عوف کے بارے میں ہوا۔ اس کا نام مرداس بن نھیک تھا اور وہ اہل فدک میں سے ہے یہ مسلمان ہوا تھا لیکن اس کی قوم والے اسلام نہیں لائے تھے۔ جب قوم والوں کو مسلمانوں کے آنے کی خبر ملی تو سب بھاگ گئے مگر مرداس چونکہ مسلمان تھا یہ وہیں مقیم رہا۔ جب سواروں کو دیکھا تو اسے ڈر ہوا کہ یہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے علاوہ کوئی اور کوئی نہ ہوں اس لیے اس نے اپنی بکریاں پہاڑ کے کسی محفوظ مقام میں پہنچا دیں اور خود پہاڑ پر چڑھ گیا، جب سوار آہی پہنچے اور مرداس نے ان کی تکبیر کی آواز سنی تو پہچان گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں فوراً کلمہ پڑھتا ہوا نیچے اُتر آیا اور آ کر کہا السلام علیکم لیکن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار چھوڑ دی اور قتل کر دیا اور بکریاں ہنکا کر لے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹے اور واقعہ کی اطلاع دی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بہت رنج محسوس ہوا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کے مال کے لالچ میں اس کو مار ڈالا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے دُعائے مغفرت کر دیجئے۔ فرمایا "لا اله الا الله" کا کیا ہوگا یعنی اس نے تو کلمہ پڑھ لیا تھا پھر تم نے اس کو مار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین بار ارشاد فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ آخر تین بار انکار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دُعائے مغفرت کردی اور فرمایا ایک غلام آزاد کردو۔

ابوظبیان کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تو ہتھیاروں سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا کہ تجھے معلوم ہوجاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب گزرے۔ اس شخص کے ساتھ بکریاں تھیں اس شخص نے سلام کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اس نے ہم پر سلام کیوں کیا مگر یہ کہ ہم سے پناہ مانگنا چاہتا تھا وہ کھڑے ہوئے اور اس کو قتل کردیا اور اس کی بکریوں کو پکڑ کر لے آئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں پہنچے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی "یا یھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللّٰہ" یعنی تم جب جہاد کے لیے جاؤ اللہ کے راستے میں "فتبینوا" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے ان دونوں جگہوں پر اور سورۃ حجرات میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم کسی کو قتل کرنے سے اس وقت تک رُکے رہو جب تک کہ تمہیں معلوم نہ ہوجائے کہ یہ کافر ہے یا مسلمان اور دوسرے قراء نے یا اور نون "تبین" سے پڑھا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تبینت الامر" جب اس کام میں غور و تامل کیا جائے۔

"ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام" اسی طرح اہل مدینہ ابن عامر اور حمزہ نے پڑھا ہے۔ اس سے مراد معاذۃ ہے اور وہ اس کا قول "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" دوسرے حضرات نے السلام سے مراد تحیۃ السلام لیا ہے کیونکہ اس شخص نے مسلمانوں کے لشکر پر سلام بھیجا اور بعض نے کہا "السلم" اور "والسلام" واحد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم نہ کہو اس شخص کو مومن جو تم پر سلامتی بھیجے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "لست مؤمنا تبتغون عرض الحیٰوۃ الدنیا" سے مراد اس کی بکریاں اور اس کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے "عرض الحیٰوۃ الدنیا" اس سے مراد دُنیا کے منافع اور اس کا سامان مراد ہے۔ "فعند اللّٰہ مغانم" اس سے مراد مال غنیمت ہے۔ "کثیرۃ" جو شخص مومن کے قتل کرنے سے ڈرا اس کے لیے کثیر ثواب ہے۔

"کذلک کنتم من قبل" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مشرکین سے "فمن اللّٰہ علیکم" اسلام کے اظہار کے ساتھ تمہارے ساتھ احسان کیا۔ قتادہ نے اس مطلب کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ تم بھی پہلے اسی طرح گمراہ تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کی تم کو توفیق دی اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہجرت سے پہلے تم بھی اپنے ایمان کے ذریعے سے امن حاصل کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان والا معاملہ کیا کہ وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ "فتبینوا" کہ تم مومن کو قتل کرو "ان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرا" اگر مجاہدین اسلام کو کسی شہر یا بستی میں اسلام کی کوئی علامت نظر آجائے تو وہاں کے رہنے والوں کو قتل کرنے سے باز آجائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی پر حملہ کرنا چاہتے تو اذان سنتے تو پھر اس بستی پر حملہ نہ کرتے اور اگر اس بستی سے اذان کی آواز نہ آتی تو

پھر اس پر حملہ کردیتے۔ ابن عصام اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجتے تو ارشاد فرماتے کہ اگر تم کو وہاں مسجد نظر آئے یا مؤذن کی آواز سن لو تو کسی کو قتل نہ کرنا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھے رہنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے۔

لایستوی القاعدون کا شان نزول

تفسیر: ﴿۹۵﴾ "لایستوی القاعدون من المؤمنین" حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے مروان بن الحکم کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو میں ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور مجھے خبر دی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت سے کچھ لکھوا رہے تھے "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل اللہ" کہ اچانک حضرت ابن اُم مکتوم آگئے اور وہ یہ لکھ چکے تھے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ حضرت ابن اُم مکتوم نابینا شخص تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ثابت بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی اور نزول وحی کا میرے اوپر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے۔ اس کے بعد وحی ختم ہوگئی "غیر اولی الضرر" یہ آیت جہاد کی فضیلت اور اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا "لایستوی القاعدون من المؤمنین" اس سے مراد جہاد سے برابری ہے۔ "غیر اولی الضرر" قراءِ اہل مدینہ، کسائی، ابن عامر نے راء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں غیر بمعنی "الا" کے ہوگا۔ عبارت یہ ہوگی "الا اولی الضرر" اور دوسرے حضرات نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ "القاعدین" کی صفت ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ ایسے بیٹھے رہنے والے جو معذور نہ ہوں یا بیٹھ رہنے والے جو بیمار نہ ہوں خواہ وہ کمزوری بڑھاپے کی ہو یا کوئی اور ہو اندھا ہو۔ "والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم" یعنی وہ مؤمن جو جہاد سے بیٹھے رہے بغیر عذر کے اور وہ مجاہدین جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے لیکن جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے جہاد میں نہ جاسکے لیکن ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اگر

معذور نہ ہوتے تو ضرور جہاد میں شرکت کرتے۔ یہ حضرات ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب تشریف لائے تو فرمایا مدینہ کے قریب کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جتنی مسافت تم نے طے کی اور جس وادی کو تم نے قطع کیا وہ برابر تمہارے ساتھ رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ کیا مدینہ میں رہتے ہوئے فرمایا، ہاں وہ مدینہ میں ہی رہے ان کو عذر نے روک رکھا تھا۔ قاسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بدر کو جانے والے اور بدر کو نہ جانے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

"فضل اللّٰہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ" درجہ سے مراد فضیلت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں قاعد سے مراد اولی الضرر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فضیلت دی ہے ایک درجہ کیونکہ مجاہدین نے کفار کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور اولی الضرر لوگوں کو جہاد کرنے کی نیت تھی لیکن وہ کافروں سے نہیں ملے اس لیے ان کا ایک درجہ کم ہے۔ "وکلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ" ان کے ایمان کے سبب ان کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد مجاہد اور قاعد سے مراد معذور شخص ہے۔ "وفضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً" بیٹھنے والوں پر جن کے ساتھ کوئی عذر نہیں تھا۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

درجات سے کیا مراد ہے؟

تفسیر: ﴿۹۶﴾ ابن محیریز نے اس آیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد ستر درجات ہیں اور ہر درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال چلتا رہے۔ بعض نے کہا کہ درجات سے مراد اسلام، جہاد، ہجرت، شہادت جس پر مجاہدین فائز ہوتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے سعید! جو شخص اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو، اس کے لیے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور دوبارہ ارشاد کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمادیا۔ پھر فرمایا ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ جنت کے اندر بندے کے سو درجے بلند فرمائے گا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنی اونچائی ہوگی جیسے آسمان کی زمین سے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا بات ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، اللہ کی راہ میں جہاد۔ یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اللہ عزوجل پر حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے خواہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہو یا بیٹھا رہا ہو۔ اس زمین میں جس میں وہ پیدا کیا گیا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟ فرمایا جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور عرش سے ہی جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

جان لو کہ جہاد فی الجملہ فرض ہے۔ علاوہ اس بات کے کہ اس کی دو اقسام ہیں فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض عین وہ جہاد ہے کہ کفار لوگ مؤمنین کے گھروں میں داخل ہو جائیں تو اس صورت میں مردوں میں سے جو کوئی معذور نہیں تھا اور نہ ہی کوئی عذر تھا تو دشمن کی طرف ان کا خروج ضروری ہے خواہ وہ بندہ آزاد فقیر ہو یا غنی۔ اپنے آپ سے ان کو دور کرنے کی وجہ سے اور اپنے پڑوسیوں سے ان کو دور کرنے کی وجہ سے۔ ان لوگوں کے بعد جو پیچھے رہ گئے ہوں ان کے لیے جہاد فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر کوئی جہاد کفایہ پورا نہ کرتا ہو تو اس صورت میں مؤمنین کے لیے لازمی ہے کہ مجاہدین کی مدد کریں۔ اگر ان کے ساتھ اور مجاہدین بھی شامل ہو گئے اور ان کو فتح حاصل ہو جاتی ہے تو پھر دور والوں کے لیے فرض کفایہ ہے۔

اس حکم میں غلام شامل نہیں اور اسی طرح فقراء بھی شامل نہیں۔ جہاد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے شہر میں کفار کو جنگ کرنے کی جرأت نہ ہو اس لیے امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سال کسی جانب کوئی لشکر بھیجا کرے تاکہ کوئی سال جہاد سے خالی نہ ہو اور نہ ہی وہ اس سے معطل ہو سکے اور صاحب طاقت کو اختیار ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہونے کے باوجود بھی وہ جہاد سے بیٹھا نہ رہے لیکن اس شخص پر جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جہاد کرنے والوں اور بیٹھے رہنے والوں کو ثواب کا اعلان کیا ہے۔ "وكلاً وعد الله الحسنىٰ" اگر یہ فرض کفایہ نہ ہوتا تو بیٹھنے والوں کو مستحق عذاب قرار دیا جاتا نہ کہ ثواب کا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

ترجمہ: بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گناہگار کر رکھا تھا وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے وہ کہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم کو ترک وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہیے تھا سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری جگہ ہے لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ سے واقف ہیں۔

ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی کا شانِ نزول

تفسیر ⑰ "ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم" یہ اہل مکہ کے کچھ لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کیا لیکن ہجرت نہیں کی۔ ان میں قیس بن ولید بن مغیرہ اور ان کے مشابہ ہم عصر ہیں۔ جب مشرکین بدر کی طرف نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکلے تو کافروں کے ساتھ مارے گئے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "انّ الذین توفٰھم الملائکۃ" ملائکہ سے مراد ملک الموت اور ان کے ساتھی ہیں یا اکیلے ہی ملک الموت ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم" عرب کے ہاں یہ مشہور ہے کہ واحد کو جمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ "ظالمی انفسھم" ظلم سے مراد شرک ہے یہ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "فی حال ظلمھم" بعض نے کہا اس مقام سے مراد شرک ہے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اسلام کو قبول نہیں کرتا مگر ہجرت کے ساتھ۔ پھر ہجرت کا حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی بدر کے دن مارے گئے۔ ملائکہ نے ان کے چہروں اور پشتوں پر ضرب کاری لگائیں اور ان کو کہا تم کس کام میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "قالوا فیم کنتم" کہ تم کس حال میں تھے کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے کس کے ساتھ تھے کیا مسلمانوں کے ساتھ تھے یا مشرکین کے ساتھ۔ یہ سوال بطور توبیخ کے کرتے اور ان کو عار دلاتے پھر وہ عذر پیش کرتے اپنی کمزوری کا کہ ہم مشرکین سے جدا نہیں ہوسکتے تھے۔ "قالوا کنا مستضعفین" مستضعفین سے مراد عاجز ہیں۔ "فی الارض" مکہ کی سرزمین میں۔ "قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا" مدینہ کی طرف ہجرت۔ مشرکوں کے درمیان سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی اور ان کی تکذیب کا علم ان کو بتلا دیا اور فرمایا "فاولٰئک ماوٰھم" اس سے مراد ٹھکانا ہے۔ "جھنم وساءت مصیرا" ان کا برا ٹھکانا جہنم کی طرف لیکن معذورین کا ان سے استثناء کیا ہے اور ارشاد فرمایا۔

⑱ "الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لایستطیعون حیلۃ" نہ وہ کسی حیلہ پر قادر ہیں اور نہ ہی وہ نفقہ پر قادر ہیں اور نہ ان کو وہاں سے نکلنے کی قدرت حاصل ہے۔ "ولا یھتدون سبیلا" اور نہ ہی وہ راستے سے واقف ہیں کہ مدینہ کو کون سا راستہ جاتا ہے۔

فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿﴾ وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿﴾

ترجمہ: سو ان کے لئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے

والے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کر کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں

تفسیر ⑨٩ "فاولئک عسی اللہ ان یعفوا عنھم" جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اللہ سے اُمید رکھنا واجب ہے کیونکہ یہ بھی ایک خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی بندہ خواہش کرتا ہے اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے۔ "وکان اللہ عفوًا غفورًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور میری ماں ان میں سے تھی جن کو عذر لاحق تھا یعنی "مستضعفین" میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے "مستضعفین" کے لیے نماز میں دُعا کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کے لیے دُعا کرتے تو رکوع کے بعد اس کے لیے دُعا کرتے اور کبھی اس طرح کرتے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد" عشاء کی نماز میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد یہ دُعا کرتے تھے۔ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پامال کر دے۔ اے اللہ! ان کے سالوں کی طرح (قحط) کے بنا دے۔

⑩٠ "ومن یھاجر فی سبیل اللہ ...... تا ...... کثیرًا وسعۃ" علی بن ابی طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ "مراغمًا" کا معنی ہے منتقل ہونے کی جگہ جہاں منتقل ہو کر جا سکے۔ مجاہد نے کہا "مراغمًا" یعنی ناگوار اُمور سے ہٹنے کا مقام۔ ابوعبیدہ نے کہا "مراغمًا" یعنی ہجرت کا مقام۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "راغمت قومی و ھاجرتھم" میں نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا مضطرب اور مذہب پر بھی بولا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کو مہاجرۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی ناک خاک آلود کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف ترک وطن کر کے چلا جائے۔ بعض نے کہا کہ گمراہی سے ہدایت کی طرف چلنا۔

روایت کیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلہ بنی لیث کے ایک بہت بوڑھے بیمار شخص نے جس کا نام جندع بن حمزہ تھا۔ اس کو سن کر کہا خدا کی قسم میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کا اللہ نے استثناء کر دیا۔ مجھے تدبیر بھی آتی ہے اور میرے پاس اتنا مال بھی ہے کہ میں مدینہ تک بلکہ مدینہ سے بھی دور پہنچ سکتا ہوں۔ بخدا آج رات میں مکہ میں نہیں گزاروں گا مجھے مکہ سے باہر نکال لے چلو۔ چنانچہ ایک چارپائی پر ڈال کر لوگ اُٹھا کر مکہ سے تنعیم تک لے آئے۔ تنعیم میں پہنچ کر اس کا پیام موت آ گیا تو تالی بجا کر بولا اے اللہ! یہ تیرے اور تیرے رسول کے لیے ہے میں تجھ سے وہی عہد کرتا ہوں جو تیرے رسول نے تجھ سے کیا ہے اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا اگر وہ مدینہ تک پہنچ جاتا تو اس کا ثواب بالکل پورا اور کامل ہو جاتا۔ مشرک یہ حالت دیکھ کر ہنسنے اور کہنے لگے اس کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ومن یخرج من بیتہ مھاجرًا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت" وہاں پہنچنے سے پہلے "فقد وقع" اس پر واجب ہے۔ "اجرہ علی اللہ" اس نے جو اپنے اوپر لازم کیا یعنی ہجرت کی تو اس کو فضیلت ملی۔ "وکان اللہ غفورًا رحیمًا"

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں

تفسیر: ۱۰۱ "واذا ضربتم فی الارض" جب تم زمین پر سفر کرو "فلیس علیکم جناح" تو اس میں تمہارے لیے کوئی حرج ہے اور نہ ہی کوئی گناہ۔ "وان تقصروا من الصلوٰۃ" یعنی چار رکعتوں کے بدلے میں دو رکعتیں ادا کرنا اور یہ ظہر، عصر، عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے۔ "ان خفتم ان یفتنکم" مال لوٹنے سے یا قتل کرنے سے تمہیں خوف ہو۔ "الذین کفروا" نماز میں تمہیں یہ خوف ہو اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "علی خوف من فرعون وملئهم ان یفتنهم" یعنی ان کو تم قتل کرو گے۔ "ان الکافرین کانوا لکم عدوًّا مبینًا" ان کی دشمنی ظاہر ہوگی۔ سفر میں نماز کی قصر کرنا بالاجماع جائز ہے۔

سفر میں نماز کی قصر کا حکم

سفر میں نماز کو پورا کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک قصر واجب ہے یہ قول عمر، علی، ابن عمر، جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور حسن بصری عمر بن عبدالعزیز، قتادہ، امام مالک اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تھی تو اس وقت سفر و حضر میں دو رکعات فرض تھیں۔ سفر کی نماز تو اپنی حالت پر برقرار ہے۔ البتہ حضر کی نماز میں اضافہ ہو گیا اور بعض حضرات کے نزدیک پورا کرنا جائز ہے اور یہی روایت کیا گیا عثمان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ چاہے تو سفر میں اس کو پورا کر دو اور چاہو تو قصر کرو لیکن قصر کرنا افضل ہے۔

عطاء بن ابی الرباح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نماز کا اتمام بھی کیا اور قصر بھی کی اور ظاہر قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ" لفظ لا جناح یہ رخصت پر محمول ہے حتمی چیز کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر صرف خوف کے وقت جائز ہے حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ آیت کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر سفروں میں نازل ہوئیں اور اکثر رکعات تب پڑھی جائیں گی جب خوف نہ ہو اور قصر سفر میں جائز ہے۔ اگرچہ امن کی حالت ہو اہل علم کا یہی قول ہے۔

اس پر دلیل وہ روایت ہے جس کو یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" اور اب

لوگ امن سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی اس پر تعجب تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے لہٰذا اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔

صلوٰۃ خوف کے متعلق مسائل

محمد بن سیرین، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کیا، حالت امن میں ان پر کوئی خوف نہیں تھا پھر بھی دو رکعتیں پڑھا ئیں۔ بعض حضرات کے نزدیک قصر یہ ہے کہ خوف کی حالت میں ایک رکعت پڑھی جائے۔ یہی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے اور یہی قول عطاء، طاؤس اور حسن اور مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے۔ لہٰذا اس میں خوف کی شرط موجود ہے اور اکثر حضرات اہل علم کے ہاں ایک رکعات پر قصر کرنا جائز نہیں خواہ امن کی حالت ہو یا خائف (خوف) کی حالت ہو۔ اہل علم کے نزدیک قصر کی مسافت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ قصر جائز ہے لمبے سفر میں بھی اور چھوٹے سفر میں بھی اور اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرح عمرو بن دینار نے کہا۔ جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا عرفہ میں قصر کریں گے اور عام فقہاء کے نزدیک یہ قول ہے کہ چھوٹے سفر میں قصر کرنا جائز نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا ایک دن یوم کے سفر تک وہ قصر کر سکتا ہے۔

ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چار برد تک قصر اور افطار کریں گے اور وہ سولہ فرسخ بنتا ہے اور اسی طرح امام مالک، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہی قول حسن بصری، زہری رحمہما اللہ کا ہے۔ ان دونوں کے نزدیک دو یوم کی مقدار ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ گئے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ دو راتوں کی مقدار چلنا مراد ہے اور ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ چھیالیس میل ہاشمی ہے اور سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کے نزدیک تین دن تک اور بعض نے کہا "ان خفتم أن يفتنكم الذين كفروا" اس آیت کا تعلق ماقبل آیت کے ساتھ منفصل ہے اور مابعد آیت کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری نے اس آیت "فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوٰة" نازل ہوئی۔ پھر ایک سال کے بعد لوگوں نے صلوٰۃ خوف کے متعلق دریافت کیا تو نازل ہوا۔ "ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا، انّ الكافرين كانوا لكم عدوًّا مبينًا" ...... "واذا كنت فيهم" ایسی مثالیں قرآن میں بکثرت آئی ہیں۔ پہلے پوری خبر ذکر کردی جاتی ہے پھر ترتیب کلام میں ایک اور خبر لائی جاتی ہے جو بظاہر ماقبل سے مربوط ہوتی ہے مگر حقیقت میں جدا ہوتی ہے۔ "الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقين" یہ "امراء ة العزيز" کی حکایت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب" یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر ہے۔

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ

وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۞

ترجمہ: اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جاوے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کر بیٹھیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار کر رکھو اور اپنا بچاؤ لے لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے سزا اہانت آمیز مہیا کر رکھی ہے۔

خوف کی نماز کا بیان

تفسیر: ۞ "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ" کلبی نے ابی صالح رحمہ اللہ کے حوالے سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو ظہر کی نماز میں دیکھا کہ وہ سب اکٹھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کو ندامت ہوئی کہ ہم نے ان پر یکبارگی حملہ کیوں نہیں کیا۔ بعض نے بعض سے کہا کہ چھوڑیئے اس کے بعد ایک نماز آ رہی ہے جو ان کو اپنے آباء اور اپنے بیٹوں سے بھی پیاری ہے اور وہ عصر کی نماز ہے۔ جب وہ اس نماز میں کھڑے ہوئے ہوں گے تو ہم ان پر حملہ کر دیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ خوف کی نماز ہے اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ" پھر صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی کہ جب دشمن میدان جنگ میں برسرپیکار ہو اور وہ قبلہ کی سمت نہ ہو تو امام قوم کی دو جماعتیں بنائے۔ ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو اور دوسرا گروہ نماز پڑھے اور امام کے لیے مشروع ہے کہ وہ دو جماعتیں نماز میں بنائے۔ ایک گروہ کو وہ ایک رکعت پڑھا لے تو کھڑا ہو جائے اور اسی طرح کھڑا رہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پوری کر لیں۔ پھر وہ چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے۔ ان کے ساتھ سلام پھیرے، یہ سہل بن ابی حثمہ کے نزدیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع میں اسی طرح نماز پڑھائی۔ یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔ صالح بن خوات سے مروی ہے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع کے دن صلوٰۃ خوف پڑھی۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک جماعت کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور دوسری جماعت کو دشمن کے روبرو پھر اپنے ساتھ والوں کو

ایک رکعت پڑھائی، پھر وہ برابر کھڑے رہے اور مقتدیوں نے اپنی بقیہ نماز مکمل کی، پھر وہ چلے گئے اور دشمن کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دوسری جماعت نے امام کے ساتھ بقیہ رکعت پڑھی، پھر بیٹھے رہے اور مقتدیوں نے جب اپنی رکعت مکمل کی تو امام کے ساتھ انہوں نے سلام پھیرا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صلوٰۃ خوف کے متعلق اس سے اچھا اور کوئی نہیں سنا۔

سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جب امام ایک رکعت جماعت اولیٰ کو پڑھائے گا تو وہ دشمن کے سامنے چلی جائے گی اور دوسری جماعت آ کر امام کی دوسری رکعت میں شامل ہو گی امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے گا اور امام اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر دے گا۔ پھر یہ جماعت اپنی نماز کو مکمل کیے بغیر دشمن کے سامنے چلی جائے گی۔ پھر طائفہ اولیٰ واپس مسجد میں آئے گا اور اپنی نماز مکمل کرے گا۔ پھر اسی طرح دوسرا طائفہ آئے گا اور اپنی نماز مکمل کرے گا۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کی ہے اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے۔

زہری عن سالم سے منقول ہے اور وہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں کو صلوٰۃ خوف اس طرح پڑھائی کہ ایک گروہ کو نماز پڑھائی اور دوسرے گروہ کو دشمن کے سامنے بھیجا۔ پھر یہ گروہ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا گیا اور دوسرے گروہ نے آ کر امام کے ساتھ بقیہ ایک رکعت پڑھی۔ پھر امام نے دوسرے گروہ کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اختلاف مباح ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف گئے ہیں کیونکہ یہ قرآن کے موافق ہے اور نماز کے زیادہ قریب ہے اور دشمن کی حراست میں یہ زیادہ ابلغ ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم" جب تم نماز پڑھ چکو پھر آگے ارشاد فرمایا "ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طائفہ اولیٰ نماز پڑھ چکا اور فرمایا "فلیصلوا معک" یعنی اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پوری نماز پڑھے اور صلوٰۃ خوف میں تو ظاہر ہے کہ ہر گروہ اپنی نماز مکمل کیے بغیر امام سے جدا ہو جاتا ہے۔ نماز کے سلسلہ میں یہ احتیاط لازمی ہے کہ اس میں زیادہ چلنا پھرنا، آنا، جانا نہیں پایا جاتا اور اس بات میں احتیاط ہے کہ جب دونوں فریق حالت نماز میں نہ ہوں تو اس صورت میں جنگ کا امکان ہے اور اگر دوران جنگ نماز کا وقت آ جائے تو صلوٰۃ خوف کا حکم ہے یہ تو دو رکعات کا حکم ہے اگر چار رکعات والی نماز ہو تو پھر ہر ایک طائفہ کو دو رکعت پڑھائے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ ذات الرقاع میں گئے یہاں تک کہ ہم ایک خوب سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بیٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی، اچانک مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لٹکی ہوئی تلوار اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سونت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اس شخص نے کہا کون آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مجھے تم سے اللہ بچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی

اللہ عنہم آئے، اس شخص نے کہا کہ بیٹھ میرے ہاتھ سے تلوار گرگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا۔ پھر نماز کے لیے اذان دے دی گئی۔ پھر ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ پیچھے ہٹ گئے، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعات نماز پڑھائی۔

فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعات ہوئیں اور قوم کی دو رکعات ہوئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن نخلہ میں ظہر کی نماز صلوٰۃ خوف سے پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طائفہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر دوسرے طائفہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ خوف کے متعلق روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک رکعت نماز پڑھائی۔ ایک گروہ کو اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائی اور اس کی قضا نہیں کی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ قوم کی ایک رکعت ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعات اور بعض قوم نے اس کو بہت شدت خوف پر محمول کیا ہے اور انہوں نے کہا ایسی حالت میں ایک رکعت فرض ہے اور اکثر اہل علم نے کہا کہ شدت خوف کی وجہ سے رکعات کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی۔

اور اگر دشمن قبلہ کی سمت ہو تو اس صورت میں امام کے ساتھ مقتدی اسلحہ لے کر کھڑے ہوں گے اور سجدہ میں (اگلی صف پہلے جائے گی جب وہ اُٹھ کھڑے ہوں تو دوسری صف سجدہ کرے گی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خوف پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے دو صفیں بنائیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کی جانب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ تکبیر کہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا، ہم نے بھی رکوع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اُٹھایا تو ہم سب نے اُٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والی صف سجدہ میں گئی اور آخری صف دشمن کے لیے کھڑی رہی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے فارغ ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ پھر پچھلی صف سجدے میں گئی۔ پھر دوسری رکعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور سب نے ان کے ساتھ رکوع کیا، پھر سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع سے سر اُٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ والی صف والے سجدے میں گئے اور پھر جب وہ سجدے سے اُٹھے تو دوسری صف والے سجدہ میں گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلام پھیرا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسا کہ ہم اپنے امراء کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز خوف مشروع ہے یہی اہل علم کا قول ہے اور بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں اور عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو صلوٰۃ خوف کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے اس میں چھ یا سات وجہ ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں لکھا ہے۔ ابن عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان میں تھا اور مشرکین بھی تھے، خالد بن ولید بھی تھے۔

ظہر کی نماز پڑھی تو مشرکین نے کہا کہ ہمیں بہت بڑا دھوکہ پہنچا ہے۔ اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے تو کیا ہوتا، پھر نماز ظہر و عصر کے درمیان یہ آیت نازل ہوئی۔ "واذا کنت فیہم" اگر آپ ان کے ساتھ موجود ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے۔

"فلتقم طائفۃ منہم معک" چاہیے کہ آپ کھڑا کریں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ کا فرمان ہے "واذا اظلم علیہم قاموا" اس کا معنی ہے جب وہ ٹھہر رہے۔ "ولیاخذوا اسلحتہم"

اسلحہ لیکر نماز پڑھنے کا حکم

اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ کیا اسلحہ لے کر نماز میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوں اور اسلحہ ان کے ساتھ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسلحہ ان کو نماز سے مشغول نہ کر دے اور نہ ہی اپنے ساتھی کو نقصان پہنچائے۔ اگر اس کو نماز میں مشغول کر دے تو اُتار لے یا نماز میں اس کو اسلحہ بھاری معلوم ہو تو اس صورت میں وہ تہ لے۔ بعض نے کہا کہ "ولیاخذوا اسلحتہم" باقی لوگ اسلحہ لے کر دشمن کے سامنے کھڑے ہو جائیں "فاذا سجدوا" یعنی جب وہ نماز پڑھیں۔ "فلیکونوا من ورائکم" یعنی وہ جگہ جہاں دشمن موجود ہو۔ "ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا" وہ گروہ جو دشمن کے سامنے کھڑا تھا۔ "فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتہم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جو دشمن کے سامنے آئے اور بعض نے کہا کہ وہ مراد ہیں جنہوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ "وَدَّ الذین کفروا لو تغفلون" یعنی کفار یہ تمنا کرتے ہیں کہ اگر وہ تمہیں غافل پائیں۔ "عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ" وہ ارادہ کرتے ہیں اور یک بارگی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

"ولا جناح علیکم ان کان بکم اذًی من مطر او کنتم مرضٰی أن تضعوا اسلحتکم" حالت مرض اور بارش کی حالت میں اسلحہ اُتارنے کی اجازت ہے کیونکہ ان دونوں حالتوں میں اسلحہ اُٹھانا بھاری ہے۔ "وخذوا حذرکم" کسی محفوظ مقام پر پناہ گیر رہا کرو تا کہ دشمن ناگہاں تم پر حملہ نہ کر دے۔ کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی محارب اور بنی انمار سے جہاد کرنے تشریف لے گئے، ایک جگہ پڑاؤ کیا، وہاں دشمن کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، لوگوں نے ہتھیار کھول دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیار کھول کر تقاضائے حاجت کے لیے وادی قطع کر کے پار چلے گئے۔ بارش ہو رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان وادی حائل ہو گئی۔ ایک درخت کے نیچے قضاء حاجت کے لیے بیٹھ گئے۔ غورث بن حارث محاربی نے دور سے آپ کو دیکھ لیا، کہنے لگا اللہ مجھے قتل کر دے اگر میں اس کو قتل نہ کر دوں، پھر تلوار سونت کر پہاڑ سے نیچے آیا اور بولا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے غورث بن حارث سے بچا۔ غورث نے مارنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تلوار بڑھائی تھی کہ یکدم اس

کے دونوں شانوں کے درمیان درد اُٹھا اور درد کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر الگ جا پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اُٹھ کر تلوار لے لی اور فرمایا غورث اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا بولا کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور رسول ہے، میں تیری تلوار تجھے دے دوں گا، بولا نہیں، ہاں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کبھی نہیں کروں گا اور تمہارے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار دے دی۔ غورث بولا خدا کی قسم! تم مجھ سے بہتر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میں اس کا مستحق بھی تجھ سے زیادہ ہوں۔ غورث چلا گیا ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا ارے تجھے کیا ہو گیا کس چیز نے تجھے روک دیا۔ بولا میں نے مارنے کے لیے اس کی طرف تلوار بڑھائی ہی تھی کہ میں نہیں جان سکا کہ کس نے میرے دونوں شانوں کے درمیان درد پیدا کر دیا اور میں منہ کے بل گر پڑا اور پورا حال ذکر کیا اور فرمایا وادی میں خاموشی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی پار کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کی خبر دی اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم" تمہارے دشمنوں سے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف زخمی تھے۔ "انّ اللّٰہ اعدّ للکافرین عذاباً مہیناً" اہانت والا عذاب۔ جناح کہا جاتا ہے گناہ کو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے ارادے سے پھر جائے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

(ترجمہ) پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

(تفسیر) ۝ "فاذا قضیتم الصلوٰۃ" جب تم صلوٰۃ خوف سے فارغ ہو جاؤ۔ "فاذکروا اللّٰہ" اللہ کے ذکر میں لگ جاؤ۔ "قیاماً" صحت کی حالت میں کھڑے ہو کر "وقعوداً" اور حالت مرض میں بیٹھ کر۔ "وعلی جنوبکم" زخمی یا اپاہج ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا اللہ کو یاد کرو تسبیح، تحمید، تہلیل اور تمجید کے ساتھ ہر حال میں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ "فاذا اطماننتم" جب تم سکون اور اطمینان کی حالت میں ہو۔ "فاقیموا الصلوٰۃ" تو تم اس نماز کو تمام ارکان کے ساتھ پورا پورا ادا کرو۔ "ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً" بعض نے کہا کہ اس سے مراد واجب و فرض نماز ہے۔ یعنی حضر میں تمہارے اوپر چار رکعت فرض ہے اور سفر میں دو رکعات فرض ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ فرض ہے وقت کے اندر جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وقت متعین کیا ہے جبکہ حدیث میں نماز کے اوقات متعین ہیں۔

نمازوں کے اوقات کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میری امامت بیت اللہ کے قریب دو مرتبہ کی۔ پہلی بار ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمہ کے برابر تھا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز اپنے سایہ کی مثل ہوگئی تھی۔ پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈوب چکا تھا اور روزہ دار روزہ کھولتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روشنی پھوٹتی ہے اور روزہ رکھنے والے کے لیے کھانا منع ہو جاتا ہے۔

جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا جس وقت گزشتہ دن کے عصر کے وقت کی طرح جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا تھا۔ پھر مغرب اوّل وقت کی طرح پڑھائی اور عشاء ایک تہائی رات گئے تک پڑھائی۔ پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب زمین زرد ہوگئی تھی۔ پھر میری طرف رخ کر کے جبرئیل علیہ السلام نے کہا محمد آپ سے پہلے انبیاء کا یہی وقت ہے اور ان دونوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات کے متعلق پوچھا۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ پھر نماز قائم ہوئی، جب فجر طلوع ہوئی تو نماز پڑھ لی اور جب ظہر کا وقت آیا کہنے والے نے کہا کہ سورج زائل ہوا یا نہیں؟ اور وہ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا حکم دیا۔ جب سورج سامنے چمک رہا تھا۔ پھر مغرب کی نماز کا حکم دیا جب سورج غروب ہوگیا۔ پھر عشاء کی نماز کا حکم دیا جب شفق زائل ہوگئی تھی۔ راوی فرماتے ہیں کہ دوسرے دن فجر کی نماز اس وقت پڑھائی کہنے والے نے یوں کہا کہ طلوع شمس ہوا ہے یا نہیں؟ (ہمیں اس میں شک تھا) اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جس وقت پہلے دن تقریباً عصر کی نماز پڑھائی تھی اور دوسرے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سرخ ہوگیا تھا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی شفق کے غائب ہونے سے پہلے اور عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھائی۔ پھر ارشاد فرمایا نماز کے اوقات پوچھنے والا سائل کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

(ترجمہ) اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں

تفسیر ⑩ "ولا تهنوا فی ابتغاء القوم" اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب اُحد کے دن واپس لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ایک جماعت کو بھیجا جب انہوں نے اپنے زخموں کی شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "ولا تهنوا فی ابتغاء القوم"

یعنی تم کمزوری نہ دکھاؤ قوم کی تلاش میں ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے لیے "ان تکونوا تالمون" اگر تم (زخموں کا) دکھ محسوس کرتے ہو۔ "فانهم یالمون" وہ بھی تکلیف میں ہیں یعنی کفار "کما تالمون وترجون من الله مالا یرجون" اور تمہیں جو دُکھ و درد پہنچا ہے اس کی وجہ سے تمہیں اللہ سے ثواب کی اُمید ہے آخرت میں اور دُنیا میں اس کی مدد کی اُمید ہے جو کہ کافروں کو نہیں ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ رجاء سے مراد خوف ہے، ہر اُمید رکھنے والا خائف ہوتا ہے کہ معلوم نہیں اس کی اُمید پر مکمل اُتر سکے گا یا نہیں؟ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے اُمید رکھتے ہو یعنی اللہ سے ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہو جو کہ وہ نہیں ڈرتے۔ فراء کا قول ہے کہ رجاء بمعنی خوف کے نہیں کیونکہ کوشش کے ساتھ وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام الله" اس کا معنی ہے کہ وہ نہیں ڈرتے۔ "مالکم لا ترجون لله وقارا" وہ اللہ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ اس صورت میں رجاء بمعنی خوف کے نہیں ہوگا۔ "وکان الله علیما حکیما"

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۞ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۞

ترجمہ بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تا کہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمایئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

انا انزلنا الیک الکتاب کا شان نزول

تفسیر ⑪ کلبی نے ابوصالح کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول ایک انصاری شخص کے متعلق ہوا۔ اس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور خاندان بنی ظفر بن حارث میں سے تھا۔ اس نے اپنے ہمسائے قتادہ بن نعمان کی زرہ چرائی تھی۔ زرہ ایک تھیلے میں تھی جس کے اندر آٹا بھرا ہوا تھا، تھیلے میں شگاف تھا شگاف سے آٹا بکھرتا ہوا چلا گیا اور چور کے مکان تک یونہی چلا گیا۔ طعمہ نے زرہ لیجا کر ایک یہودی کے پاس جس کا نام زید السمین تھا چھپا دی، زرہ کی تلاش طعمہ کے پاس ہوئی۔ طعمہ نے قسم کھائی کہ نہ میں نے زرہ لی ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔ زرہ والوں نے کہا ہم نے آٹے کا نشان اس کے گھر تک دیکھا ہے لیکن طعمہ نے قسم کھائی تو زرہ والوں نے اس کو چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر تک آٹے کا نشان کے پیچھا کیا اور یہودی کو پکڑا۔ یہودی نے کہا کہ یہ زرہ مجھے طعمہ بن ابیرق نے دی ہے۔ طعمہ کی قوم والے یعنی بنی ظفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارے آدمی کی وکالت کریں، اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا آدمی رسوا ہو جائے گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسری روایت میں ہے وہ یہ کہ طعمہ نے زرہ اس تھیلے سمیت چرائی جس کے اندر بھوسی رکھی ہوئی اور سارے راستے بھوسی بکھرتی چلی گئی۔ طعمہ نے زید السمین کے گھر تک لے جا کر اس کے دروازے پر تھیلہ رکھ دیا اور زرہ اپنے گھر لے گیا۔ زرہ کا مالک بھوسی کے نشان پر زید السمین کے گھر پہنچا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ زید السمین نے طعمہ کے پاس زرہ بطور امانت رکھی تھی جس کا طعمہ نے انکار کیا۔ اس پر آیت "انا انزلنا الیک الکتاب" نازل ہوئی۔ "لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ" جو اللہ نے ان کو سکھلایا اور آپ کی طرف وحی کی اس کے ذریعے سے فیصلہ کریں۔ "ولا تکن للخائنین" اس سے مراد طعمہ ہے۔ "خصیمًا" مددگار اور ان سے دفاع کرنے والا۔

⑩٦ "واستغفر اللّٰہ" جو آپ یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کر چکے تھے اس کے بارے میں اللہ سے استغفار کیجئے۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے اللہ سے بخشش طلب کیجئے جو آپ نے طعمہ کے بارے میں جھگڑا کیا۔ "ان اللّٰہ کان غفورًا رحیمًا"

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہے جبکہ وہ خلاف مرضی الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں سو خدا تعالیٰ کے روبرو قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

تفسیر ⑩٧ "ولا تجادل" نہ جھگڑا کر۔ "عن الذین یختانون انفسہم" وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، خیانت کر کے اور

چوری کرکے۔ "ان اللّٰہ لایحب من کان خوانا اثیما" خوان سے مراد خیانت کرنے والا "اثیما" زرہ چوری کرکے اور اس کا الزام یہودی پر لگا کر گناہ کا مرتکب ہوئے اور بعض نے کہا کہ خطاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔ "فان کنت فی شک مما انزلنا الیک" انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں نبوت کے بعد تین وجوہ میں سے ایک وجہ سے استغفار کرنا جائز ہے۔ ❶ نبوت سے پہلے گناہ کے لیے استغفار کرنا۔ ❷ اپنی اُمت اور اہل قرابت کے گناہوں کے استغفار کے لیے۔ ❸ اس مباح عمل کے لیے استغفار جس کی شرعی ممانعت آنے پر اس کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں استغفار کا معنی سمع اور طاعت ہوگا۔

⓫ "یستخفون من الناس" لوگوں سے حیا کرکے ان سے چھپاتے ہو۔ اس سے مراد بنی ظفر بن الحارث ہے۔ "ولا یستخفون من اللّٰہ" جبکہ وہ اللہ سے نہ حیا کرتے ہیں اور نہ چھپاتے ہیں۔ "وھو معھم اذ یبیتون" وہ باتیں کرتے ہیں تہمت کہا جاتا ہے رات کو کسی کام کے متعلق تدبیر کرنا۔ "مالا یرضی من القول" طعمہ والوں کی قوم نے آپس میں یہ طے کیا کہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں چونکہ طعمہ مسلمان تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قول قسم کا اعتبار کرلیں گے اور یہودی چونکہ کافر ہے۔ اس لیے اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ اللہ نے قوم طعمہ کے اس مشورہ کو پسند نہیں فرمایا۔ "وکان اللّٰہ بما یعملون محیطا" پھر قوم طعمہ نے یہ کہا۔

⓬ "ھاانتم ھؤلاء" ہاں اے لوگو! تم ایسے ہو۔ "جادلتم" بمعنی جھگڑنا۔ "عنھم" طعمہ کے متعلق تم جھگڑتے ہو۔ "فی الحیوۃ الدنیا" جدال سخت جھگڑے کو کہتے ہیں وہ سخت قتل کردینا۔ یعنی وہ اس کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، دلیل و حجت کے ساتھ یا لفظ جدال جدالۃ سے ہے اس کا معنی ہے زمین۔ جدال کا معنی یہ ہوا کہ ہر حریف کا دوسرے حریف کو کشتی لڑا کر زمین پر گرا دینے کی کوشش کرنا۔ "فمن یجادل اللّٰہ عنھم" طعمہ کے متعلق۔ "یوم القیامۃ" قیامت کے دن اللہ تم کو اس کے بارے میں عذاب میں مبتلا کرے گا۔ "ام من یکون علیھم وکیلا" بمعنی کفیل کے ہے۔ تاکہ وہ امر کو اپنے موکل کی طرف سے دفع کرنے والا کیونکہ یہ بھی اپنے کام کو قیامت کی طرف پھیر دیتا ہے۔ پھر اس کو لوٹایا جائے گا۔

⓭ "ومن یعمل سوءا" بمعنی چوری کے ہے۔ "او یظلم نفسہ" دوسرے شخص کے اوپر بری تہمت لگانا۔ بعض نے کہا اس سے مراد جو برا کام کرے یعنی کسی کو شریک ٹھہرائے یا اس کے نفس پر ظلم کرے۔ شرک کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ کرے۔ "ثم یستغفر اللّٰہ" پھر وہ اس گناہ سے توبہ کرے اور استغفار کرے۔ "یجد اللّٰہ غفورا رحیما" یعنی طعمہ کے اوپر اس بارے میں توبہ کو پیش کیا گیا اور ان کو ترغیب دی گئی۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَىْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتا تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر دیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرما دیں گے۔

تفسیر ● "ومن يكسب اثما" طعمہ کا جھوٹی قسم کھانا یہ گناہ کی بات ہے کہ اس نے چوری نہیں کی، چوری تو یہودی نے کی۔ "فانما يكسبه على نفسه" جھوٹی قسم کھا کر اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ "وكان الله عليما" زرہ کی چوری کو اللہ ہی جانتا ہے۔ "حكيما" اور چور کا ہاتھ کاٹنے میں حکم دیتا ہے۔

● "ومن يكسب خطيئة" زرہ چوری کرے۔ "او اثما" اس سے مراد جھوٹی قسم ہے۔ "ثم يرم به" تہمت لگائے جس نے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ "بريئا" یہودی کی طرف چوری کی نسبت کرنے سے وہ بری ہے۔ "فقد احتمل بهتانا" بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس سے انسان حیران رہ جائے۔ "واثما مبينا" ایسا گناہ جو واضح ہے۔ "ثم يرم به" یہاں پر ضمیر طعمہ کی لائی ہے تثنیہ بھا نہیں ذکر کی حالانکہ ماقبل میں دو گناہ "خطيئة" اور "اثما" موجود ہیں یا یہاں پر "كناية اثم" مراد لیا ہے یا "خطيئة" اور "اثم" کو ایک چیز شمار کیا۔

● "ولولا فضل الله عليك ورحمته" یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ "لهمت" ارادہ کر چکے تھے۔ "طائفة منهم" اس سے مراد طعمہ کی قوم ہے۔ "ان يضلوك" فیصلے میں راہ حق سے ہٹا دیتے اور سارا معاملہ ملخص کر دیتے۔ یہاں تک کہ طعمہ کی طرف سے دفاع کرنے لگے تھے۔ "وما يضلون الا انفسهم" اس کا وبال ان ہی کی طرف لوٹے گا۔ "وما يضرونك من شيء" ان کا ضرر ان ہی کی طرف لوٹے گا۔ "وانزل الله عليك الكتاب" کتاب سے

مراد قرآن مجید ہے۔ "والحکمۃ" یہ فیصلہ وحی کے ذریعے کرنا۔ "وعلمک مالم تکن تعلم" احکام میں سے۔ بعض نے کہا علم الغیب میں سے۔ "وکان فضل اللہ علیک عظیما"

⑪۴ "لاخیر فی کثیر من نجواھم" اس سے مراد طعمہ کی قوم ہے اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت تمام انسانوں کے حق میں عام ہے۔ نجوی کہتے ہیں کسی کام کی تدبیر کو پوشیدہ رکھنا اور بعض نے کہا کہ کسی قوم کے متعلق اکیلے تدبیر کرنا خواہ وہ سراً ہو یا جہراً ہو۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سارے لوگوں کا آپس میں تدبیر کرنا ان کے لیے بہتر نہیں۔ (دین کے خلاف) "الا من امر بصدقۃ" مگر یہ کہ وہ حکم صدقہ سے متعلق ہو۔ اس صورت میں نجوی متصل ہوگا۔ بعض نے کہا کہ نجوی یہاں پر یہ ہے کہ بہت سارے لوگ آپس میں اس بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذھم نجوی الا من امر بصدقۃ" بعض نے کہا کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی وہ شخص جو ان کو صدقہ کرنے پر ابھارے۔ "او معروف" اللہ کی اطاعت میں اور جو کچھ انہوں نے شریعت سے حاصل کیا۔ نیک اعمال سارے کے سارے معروف میں داخل ہیں کیونکہ عقلیں اس کو جانتی ہیں۔

"او اصلاح بین الناس" حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں وہ عمل جو روزہ، صدقہ اور نماز سے افضل ہے۔ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کے باہمی تعلقات کو درست کر دینا اور تعلقات کو باہمی خراب کرنا نیکیوں کو مونڈنے والا ہے۔ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور وہ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کرے اور نیکی کی بات کرے اور خیر کی نصیحت کرے۔ "ومن یفعل ذلک" یہ اشیاء مذکورہ جن کا ذکر ہو چکا۔ "ابتغاء مرضات اللہ" اللہ کی رضا کے حصول کے لیے۔ "فسوف نوتیہ" آخرت میں "اجرا عظیما" ابو عمرو اور حمزہ نے "یوتیہ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ⑪۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا م بَعِيْدًا ⑪۶

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

تفسیر: ⑪۵ "ومن یشاقق الرسول" اس آیت کا نزول طعمہ بن ابیرق کے بارے میں ہوا۔ جب اس پر چوری کا ظہور ہوا تو

اس کو ڈر و خوف لاحق ہوا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ رسوا ہو جائے گا تو پھر یہ مکہ کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن يشاقق الرسول" یعنی مخالفت کرنا۔ "من بعد ماتبين له الهدى" توحید اور حدود کے ظاہر ہونے کے بعد "ويتبع غير سبيل المؤمنين" مؤمنین کے راستے کے علاوہ "نوله ماتولى" اس کو آخرت کی طرف پھیر دیں گے جس کو انہوں نے دُنیا میں چھوڑ دیا تھا۔ "ونصله جهنم وساءت مصيرا" روایت کیا گیا ہے کہ طعمہ بن ابیرق ایک شخص کے ہاں ٹھہرا جس کا تعلق قبیلہ بنی سلیم کے ساتھ تھا مکہ کا رہنے والا تھا اس کا نام حجاج بن علاط ہے۔ اس کے گھر پر کسی نے نقب لگایا اور اس پر پتھر آ گرا کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو جائے اور نہ ہی اس کو گھر سے نکلنے کی ہمت ہوئی حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر اس کو پکڑا گیا تاکہ قتل کیا جائے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس نے ہماری طرف پناہ پکڑی ہوئی ہے اور اس کو چھوڑ دو تاکہ مکہ کی طرف چلا جائے۔ پھر یہ وہاں سے تجارتی قافلے کے ساتھ نکل کر شام چلا گیا۔ راستے میں جب قافلہ ٹھہرا اس نے قافلہ والوں سے کچھ سامان چوری کیا اور کچھ کو مارا۔ پھر قافلہ والوں نے اس کو طلب کر کے اس کو پکڑا اور پتھروں کے ساتھ اس کو ہلاک کر دیا۔ پس اس کی قبر وہ پتھروں کی جگہ بن گئی۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک کشتی میں سوار ہوا تاکہ جدہ کی طرف جائے۔ اس نے اس کشتی سے کسی کا ایک تھیلا چرایا جس میں دینار تھے پھر یہ پکڑا گیا اس کو پھر اہل کشتی والوں نے سمندر میں پھینک دیا اور بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کے مقام حرہ میں اترا، یہ وہیں بتوں کی پوجا کرنے لگا، یہاں تک کہ مر گیا۔ اس پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

⑪ "ان الله لا يغفر ...... تا ...... ضل ضلالا بعيدا" وہ راستے سے بھاگ گیا، خیر سے محروم کر دیا گیا۔

ان الله لا يغفر کا شان نزول

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا نزول عرب کے شیوخ کے بارے میں ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بوڑھا گناہوں سے لت پت ہے صرف اس نے ایک گناہ نہیں کیا وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ جب ہم نے اس کو جانا اور اس نے ایمان قبول کیا اور نہ ہی اس نے اللہ کے سوا کسی کو پکارا اور نہ ہی ایسے گناہ کیے جس پر انسان جری ہو جاتا ہے نہ میرے دماغ میں کبھی یہ بات آئی کہ میں اللہ سے بھاگ کر بے بس کر دوں گا۔ اب میں پشیمان ہوں تو بہ کرتا ہوں، معافی چاہتا ہوں، میرا کیا حال ہوگا؟ اس پر آیات نازل ہوئی۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں

جو کہ علم سے باہر ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا اور میں ان کو گمراہ کردوں گا اور میں ان کو ہوسیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ چار پایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا

تفسیر ● "ان یدعون من دونه الا اناثا" اس آیت کا نزول مکہ والوں کے بارے میں ہوا کہ وہ نہیں پکارتے مگر انہی مورتیوں کو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وقال ربکم ادعونی" یعنی تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین"...... "من دونه" سے مراد اللہ کے سوا "الا اناثا" اناث سے مراد بت ہیں چونکہ وہ بتوں کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے۔ جیسا کہ لات، منات، عزیٰ۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہر ایک قبیلہ کا بت ہے جو مؤنث ہے "انثی بنی فلاں" ان بتوں میں سے ایک ایک کے ساتھ شیطان ہوتا تھا جو ان کے ساتھ کہانت اور کلام کرتا تھا (اور یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بت بول رہے ہیں) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وان یدعون الا شیطانا مریدا" یا کثر مفسرین کا قول ہے جو اس کی تاویل کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں اناث سے مراد بت ہیں۔ یہی قرأت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ "اثنا" جمع ہے وثن کی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ "الا اناثا" سے مراد کہ ایسے مُردے جن میں کبھی روح نہ آئی ہو چونکہ بت بھی انہی صفات کے حامل تھے اس لیے ان کو اناث کہتے ہیں ان کو مرنے کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان کے بتوں کو کوئی خبر نہ ہوتی اور اناث دونوں جنسوں میں بہت گھٹیا ہے۔ جیسا کہ موات حیوان سے ارذل ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کا مطلب اناث سے فرشتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ملائکہ اناث ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن اناثا وان يدعون الا شيطانا مريدا" یعنی وہ عبادت نہیں کرتے صرف شیطان مرید کی کیونکہ جب وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ مرید، مارد جو اطاعت سے خالی ہو اس سے مراد ابلیس ہے۔

● "لعنه الله" وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔ "وقال" ابلیس نے کہا "لاتخذن من عبادك نصيبا مفروضا" جو حق معلوم ہے اور ابلیس کے ساتھ اطاعت کرنا ایک مفروضہ ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ ایک ہزار میں نو سو ننانوے ابلیس کے پیروکار ہیں۔ اصل فرض لغت میں کہا جاتا ہے کاٹنے کو اور اسی سے "فرضة في النهر" بولا جاتا ہے۔

● "ولاضلنهم" حق سے گمراہ کرنا یعنی ان سب کو گمراہ کرنا ابلیس کے اس پوشیدہ کلام کرنے کے ساتھ ابلیس کو اسی وجہ سے ابلیس کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگوں پر حق کو ملتبس کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "لازينن لهم في الارض" کہ ہم زمین کو خوب مزین کردیں گے۔ "ولامنينهم" وہ تمنائیں ڈالتا ہے کہ نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ کوئی عذاب اور نہ ہی کوئی قیامت اور نہ جی کر اٹھنا اور بعض نے کہا معاصی کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ آخرت کے ادراک کی تمنا کرنا۔ "ولامرنهم فليبتكن اذان الانعام ولامرنهم فليغيرن خلق الله"

فلیغیرن خلق اللہ کی وضاحت

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری، مجاہد، قتادہ، سعید بن المسیب اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اللہ کا دین ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "لا تبدیل لخلق اللّٰہ"

اس کا مطلب ہے اللہ کا دین۔ یعنی وہ دین میں اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ حرام کو حلال قرار دیں اور حلال کو حرام قرار دیں۔ عکرمہ اور ایک مفسرین کی جماعت کہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرتے ہیں۔ اختصاء، داغنے، کان کاٹنے، یہاں تک کہ بعض نے خصی ہونے کو جائز قرار دیا اور بعض نے کہا کہ صرف جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے چونکہ ان میں غرض تو ظاہر ہے اور بعض نے کہا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو سوار ہونے اور کھانے اور بعض کو کھانے سے حرام قرار دیا ہے اور سورج، چاند، پتھر، مجر بندوں کے منافع کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ بس یہ لوگ ان کو معبود سمجھتے ہیں۔ "ومن یتخذ الشیطان ولیًا من دون اللّٰہ" ایسا رب جو اس کی اطاعت کرے۔ "فقد خسر خسرانًا مبینًا"

یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۖ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۖ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پاویں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جاوے گا اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار ملے گا

تفسیر: ۱۲۰ "یعدھم و یمنیھم" شیطان ان کو وعدے دیتا ہے اور اُمیدیں دلاتا ہے جو انسان کے دل میں واقع ہو وہ عمر کی طویلی اور دنیا میں ہمیشگی کی اُمیدیں دلاتا۔ یہ کبھی خوف دلاتا کہ خرچ نہ کرو فقر و فاقہ آجائے گا پھر وہ خرچ کرنے سے روکتا ہے اور صلہ رحمی سے روکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الشیطان یعدکم الفقر" ان کو شیطان یہ اُمیدیں دلاتا ہے کہ نہ دوبارہ اُٹھایا جائے گا اور نہ ہی کوئی جنت ہے اور نہ دوزخ۔ "وما یعدھم الشیطان الا غرورًا" غرور سے مراد باطل ہے۔

⓫ "اولئک ماواھم جھنم ولا یجدون عنھا محیصا" نہ ہی ان سے چھٹکارا پاسکیں گے اور نہ ہی اس سے بھاگ سکیں گے۔

⓬ "والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار" ان کے گھروں اور مکانوں کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ "خالدین فیھا ابدا وعدالله حقا ومن اصدق من الله قیلا"......

⓭ "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب"

لیس بامانیکم کی تفسیر

مسروق، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ "لیس بامانیکم" سے مراد مسلمانوں کو خطاب ہے اور "ولا امانی" سے مراد اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ اہل کتاب کہنے لگے کہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے مقدم ہے۔ لہٰذا ہم تمہارے سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں اور مسلمانوں نے ان سے کہا ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری کتاب کا فیصلہ سب کتابوں پر لاگو ہے اور ہمارا ایمان تمہاری کتاب پر بھی ہے مگر تمہارا ایمان ہماری کتاب پر نہیں ہے اس لیے ہم افضل ہیں اس شان نزول پر "بامانیکم" کا خطاب مؤمنوں کو ہوگا۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "لیس بامانیکم" سے مراد اہل کتاب کے مشرکین ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ نہ کوئی اُٹھائے جانے کا دن ہے اور نہ ہی کوئی حساب کتاب ہے اور اہل کتاب نے کہا کہ "لن تمسنا النار الا ایاما معدودة" کہ آگ ہمیں نہیں چھوئے گی مگر چند دن اور "لن یدخل الجنة الا من کان ھودا او نصاریٰ" کہ جنت میں یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لیس بامانیکم" حقیقت امر تمہاری آرزوؤں سے وابستہ نہیں بلکہ حقیقت تو عمل صالح کے ساتھ وابستہ ہے۔ "من یعمل سوء ا یجز بہ" ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کے نزدیک اس آیت کا تعلق ہر عامل کے ساتھ ہے۔

من یعمل سوء ا یجزبہ کی تفسیریں

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بڑا شاق ہوا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے علاوہ ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی بدی نہیں کی پھر سزا کس طرح ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دُنیا میں جو کچھ آتا ہے وہ اسی سزا کی ایک قسم ہے، پس جو شخص کوئی ایک نیک کام کرے گا اس کو دس نیکیاں دی جائیں گی اب اگر کسی بدی کی سزا دی گئی تو دس نیکیوں میں سے ایک کا ثواب گھٹ جائے گا اور نو نیکیاں رہ جائیں گے۔ افسوس ہے اس شخص پر جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں۔ رہا نیکیوں کا بدلہ تو وہاں نیکیوں اور بدیوں کا توازن کیا جائے گا۔ ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی ساقط کردی جائے

گی، اس کے بعد اگر تنگی باقی رہی تو جنت میں اس کا ثواب ملے گا اور ہر پیشی والے کو اس کی بیشی ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آیت "لمن یعمل سوءً یجزبه" نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! میں تم کو ایک آیت سناؤں جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت پڑھائی۔ یہ آیت سنتے ہی میری کمر سے درد نکلنے لگا، میں نے کمر کو سیدھا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر، کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، ہم میں سے کسی نے برا عمل نہیں کیا اور ہم کو ہر کیے ہوئے گناہ کی سزا ضرور دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مؤمن دُنیا ہی میں برائی کی سزا پالیں گے، اللہ کے سامنے جائیں گے تو گناہ سے پاک ہو کر، باقی دوسرے لوگوں کی بدیاں جمع رکھی جائیں گی یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کو سزا دی جائے گی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر: ﴿۱۲۴﴾ "ومن یعمل ...... تا ...... نقیرا" کھجور کی مقدار قلیل وہ گڑھا جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتا ہے۔ ابن کثیر، ابوجعفر اور اہل بصرہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک "یدخلون" یاء کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ اور سورۂ مریم، سورۂ حٰم المؤمن میں اسی طرح ہے۔ ابو عمرو نے "یدخلونها" پڑھا ہے سورۂ فاطر میں اور دوسرے قراء نے یاء کے فتح اور خاء کے ضمہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اعمش نے ابی الضحیٰ سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کیا۔ فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب من یعمل سوءً یجز به" اہل کتاب نے کہا ہم اور تم اس معاملے میں برابر ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن یعمل من الصالحات"

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملت ابراہیم کا اتباع کرے، جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنایا تھا۔

تفسیر: ﴿۱۲۵﴾ "ومن احسن دینا" اس سے مراد محکم دین ہے۔ "ممن اسلم وجهه لله" جس کا عمل خالص اللہ ہی کے

لیے ہو۔ بعض نے کہا کہ جس نے اپنا کام اللہ کے سپرد کردیا ہو۔ "وھو محسن" یحسن سے مراد مواحد ہے۔ "واتبع ملۃ ابراھیم" ابراہیم علیہ السلام کا دین۔ "حنیفا" یعنی مخلص مسلمان ہوکر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دین ابراہیم علیہ السلام سے مراد کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا، طواف کرنا اور مناسک حج مراد ہے۔ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام کو اس لیے خاص کیا کہ تمام اُمتوں کے نزدیک مقبول ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ ملت ابراہیمی پر ہوئی اور پھر دوسری چیزیں بھی عطا کیں۔ "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" اس کا معنی ہے سچا دوست اور "خلۃ" کہا جاتا ہے خالص محبت کو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا لقب دینے کا تفصیلی واقعہ

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ آپ بڑے مہمان نواز تھے آپ کا مکان سرراہ تھا جو ادھر سے گزرتا آپ اس کی میزبانی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں پر قحط شدید پڑا، لوگ کھانا طلب کرنے کے لیے آپ کے دروازے پر جمع ہوگئے۔ آپ کے لیے غلہ کی رسد ہر سال مصر سے ایک کے پاس آیا کرتی تھی۔ اس سال بھی آپ نے اپنے غلاموں کو اونٹ دے کر اس مصری دوست کے پاس بھیجا تاکہ غلہ لے آئیں۔ دوست نے غلاموں سے کہا اگر ابراہیم علیہ السلام اپنے لیے طلب کرتے تو ہم ان کی خاطر اس بار کو اٹھا بھی لیتے کیونکہ جو مصیبت لوگوں پر آئی ہے ہم پر بھی آئی ہے قاصد لوٹ پڑے۔ اثناء راہ میں ایک وادی کی طرف سے گزر ہوا، آپس میں کہنے لگے اونٹ خالی لے جاتے ہوئے تو ہم کو شرم آتی ہے مناسب یہ ہے کہ اس وادی کی کچھ مٹی لے کر ہم بوریوں میں بھرلیں تاکہ لوگ دیکھ کر خیال کریں کہ ہم غلہ لے کر آئے ہیں یہ کہہ کر بوریاں با آسانی بھرلیں اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ کی اطلاع دے دی۔

اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام سورہی تھیں، لوگ دروازہ پر تھے۔ حضرت کو یہ بات سن کر بڑا افسوس ہوا اسی دوران میں نیند میں مغلوب ہوکر سوگئے۔ سارہ بیدار ہوئیں تو دن چڑھ گیا تھا، کہنے لگیں تعجب ہے غلام نہیں آئے غلاموں نے آواز دی کیوں نہیں۔ حضرت سارہ نے جواب دیا تو پھر کچھ لائے نہیں، غلاموں نے کہا لائے کیوں نہیں، سارہ علیہا السلام اُٹھ کر بوروں کے پاس گئیں اور ان کو کھولا تو ان میں بڑا کھرا آٹا نکلا۔ آپ نے روٹی پکانے والوں کو حکم دیا حسب الحکم انہوں نے روٹیاں پکائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا، اتنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوگئے اور آپ کو کھانے کی خوشبو آئی، فرمایا سارہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ سارہ علیہا السلام نے کہا آپ کے مصری دوست کے پاس سے، فرمایا کہ یہ میرے خلیل کے پاس سے آیا جو اللہ ہے اسی روز اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اس دن سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کہلانے لگے۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خلیل اس کو کہا جاتا ہے جس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ "خلۃ" کا معنی ہے سچائی۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے محبت اور سچے ہوئے بندے ہیں اور بعض نے کہا کہ "خلۃ" حاجت کو کہا جاتا ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام اپنی حاجت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی رکھتے ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا "واتخذ اللہ

ابراھیم خلیلاً" "خلّۃ جانبین" سے تقاضا کرتا ہے اور حاجت جانبین سے نہیں ہوتی بلکہ جانب واحد سے ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اللہ نے تمہارے ساتھی کو خلیل بنالیا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو کہ قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو جوان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے ہو اور ان کیساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور کمزور بچوں کے باب میں اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو اور جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۝ "وللّٰہ مافی السمٰوٰت ...... تا ...... وکان اللّٰہ بکل شیء محیطا" اس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے۔

ویستفتونک کی تفسیر اور شان نزول

۝ "ویستفتونک فی النساء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ام کحہ کی لڑکیوں کی اس میراث کے متعلق ہوا تھا جو ان کو باپ کی طرف سے پہنچی تھی۔ اس کا قصہ سورۃ کے شروع میں گزر چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی جو ایک شخص کی نگرانی (پرورش) میں تھی اور وہ اس کا ولی تھا اور اس کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت رکھتا تھا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر یتیم بچی خوبصورت اور مال و دولت والی ہوتی تو اس کے ساتھ کم مال کے عوض نکاح کر لیتے اور اگر وہ بچی کم مال ہوتی یا حسن صورت والی نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ اس یتیمہ کے متعلق وارد ہے جو ایک شخص کی زیر پرورش تھی اور وہ شخص اس کے مال میں شریک تھا

اور وہ اس کے ساتھ شادی کی رغبت رکھتا تھا اور دوسرے شخص کے لیے اس کو شادی کروانا ناپسند سمجھتے تھے تاکہ کوئی دوسرا اس کے مال میں شریک نہ ہو جائے۔ اس عورت کو اپنے پاس قید کرتے نہ تو وہ اس کی کسی سے شادی کرنے دیتا اور نہ خود کرتا حتیٰ کہ وہ مر جاتی اور اس کے مال کا وہ وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں اس کی نہی فرمائی ہے۔ "یستفتونک" تجھیں عورتوں کے متعلق خبر دیتے ہیں "قل اللہ یفتیکم فیھن"

"وما یتلی علیکم فی الکتاب" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ تم کھول کر بیان کرو جو تمہارے اوپر تلاوت کیا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے ان عورتوں کے متعلق حکم کھول کر بیان کر دیا اور ان کی میراث کے متعلق تمہارے لیے کھول کر بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وآتوا الیتامیٰ اموالھم" ..... "فی یتامی النساء" یہاں "اضافت الشی الی نفسہ" ہے۔ یہاں یتامیٰ سے مراد عورتیں ہیں۔ "اللاتی لا تؤتونھن" ان کو عطا نہ کرنے والے۔ "ما کتب لھن" جو ان کے مہروں کے متعلق تمہارے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ "وترغبون ان تنکحوھن" ان کے مال کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور ان کی خوبصورتی کی وجہ سے اور ان کے مہر کم کرنے کی وجہ سے ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ حسن اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ اور نیت یہ ہوتی تھی کہ ان کو میراث کا حق نہیں دیتے تھے اس لیے کہ ان کے نزدیک عورتیں وارث نہیں بنتی اور ان عورتوں کے ساتھ خود نکاح کرنے کی رغبت رکھتے تاکہ کوئی اور ان سے نکاح نہ کر لے۔

"والمستضعفین من الولدان" اس سے مراد چھوٹے بچے ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ چھوٹے بچوں کو بھی میراث نہیں دیتے تھے اور نہ ہی ان کے حق پورے کے پورے ادا کرتے۔ لہٰذا یہ آیت جو یتیم بچوں کے بارے میں تم کو سنائی جاری ہے وہ بھی کھول کر حکم بیان کر رہی ہے اور وہ آیت یہ ہے "وآتوا الیتامیٰ اموالھم" چھوٹے بچوں کے حقوق کو ادا کرنے کے ساتھ۔ "وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط" یعنی یتیموں کے ساتھ عدل کرنے کا حکم بھی تم کو سنایا جا رہا ہے قسط سے مراد میراث اور ان کے مہر ہیں۔ "وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما" اس کا بدلہ ہی ظلم ہے اور قیامت کے دن اس کا بدلہ دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدو ماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

وان امرأۃ خافت کا شان نزول

تفسیر ❸ "وان امراءۃ خافت من بعلها نشوزًا او اعراضًا" یہ عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی جو خولہ بنت محمد بن مسلمہ کہا جاتا اور ان کے شوہر سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی یا حضرت رافع بن خدیج کے حق میں نازل ہوا جنہوں نے بنت محمد رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا۔ اس وقت خولہ جوان تھیں جب بوڑھی آ گئی تو رافع نے کسی دوسری بیوی کو ان پر ترجیح دی اور ان سے الگ ہو گئے۔ محمد بن مسلمہ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس بات کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک شخص تھا جس کی بیوی بوڑھی ہو گئی تھی۔ اس شخص کی اس بیوی سے بچے بھی تھے۔ مرد نے اس کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ عورت نے کہا مجھے طلاق نہ دو، اپنے بچوں پر مجھے رہنے دو اور اگر چاہو تو دو ماہ میں میرے لیے ایک باری مقرر کر دو نہ چاہو تو یہ بھی نہ کرو۔ مرد نے جواب دیا اگر تو اس پر رضامند ہے تو مجھے بھی یہ صورت پسند ہے۔ پھر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیت "وان امراءۃ خافت" نازل ہوئی۔

"من بعلها" اس سے مراد شوہر ہے۔ "نشوزًا" اس سے مراد بغض ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اس کا بستر علیحدہ کر دو اور اس سے اپنے چہرے کو پھیر دو اور اس سے کم گفتگو۔ "فلا جناح علیهما" اس سے مراد شوہر اور بیوی ہے۔ "ان یصلحا" یعنی وہ آپس میں مصالحت کرتے ہوں۔ اہل کوفہ نے "ان یُصلحا" اصلاح سے لیا ہے۔ "بینهما صلحًا" اس سے مراد تقسیم اور خرچ ہے کہ شوہر اس سے کہے کہ تم بوڑھی ہو گئی اور میں جوان عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں جو خوبصورت ہوگی اور باری کی تقسیم میں اس کو ترجیح دوں گا تو اس پر رضامند ہے تو میرے پاس رہتی رہ اگر تجھے ناگوار ہو تو تجھے طلاق دے دوں گا۔ ایسی حالت میں اگر عورت رضامند ہو جائے تو یہ اس کا احسان ہوگا۔ اس معاملہ پر اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا اور اگر رضامند نہ ہو تو پھر مرد پر لازم ہے یا تو اس کے مصارف اور باری کا حق پورا ادا کرے ورنہ حسن سلوک کے ساتھ آزاد کر دے۔ اگر اس کو نکاح میں رہنے دے گا اور اس کا حق ادا کرتا رہے گا بکراہت خاطر ہی ہو تو اس کو محسن کہا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اگر وہ بعض چیزوں میں صلح کر لیں تقسیم اور نفقہ کے بارے میں اس صورت میں جس پر وہ راضی ہے اتنا جائز ہے۔ اگر وہ صلح کے بعد منکر ہو جائے تو یہ اسی عورت کا ہوگا اور حق بھی عورت کا ہوگا۔

زوجات میں مساوات کا حکم

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اگر بوڑھی عورت کسی کے نکاح میں ہو پھر کسی جوان عورت سے مرد نکاح کرے اور بوڑھی عورت سے کہے میں تجھے اتنا مال دوں گا بشرطیکہ تو اپنے حق کی باری میں کمی کر دے اور دوسری عورت کو اپنی باری دے دے اور بوڑھی عورت رضامند ہو جائے تو بہتر اور اگر راضی نہ ہو تو مرد پر دونوں میں مساوات رکھنی لازم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا اگر کوئی عورت کسی کے نکاح میں ہو لیکن بدصورتی یا زیادتی عمر کے سبب مرد کی نظر میں نہ جچے اور عورت اس مرد سے جدا ہونا بھی پسند نہ کرے اور مرد کو کچھ مال دے دے تو یہ مال اس شخص کے لیے حلال ہے اور اپنی باریوں میں سے کوئی باری دے دے تب بھی درست ہے۔

"والصلح خیر" اس کو اختیار دینے کے بعد اس کو اپنے پاس روکے رکھنا اور مصالحت کہا جاتا ہے بعض حقوق کو چھوڑ دینا تقسیم میں یا نفقہ میں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہوگئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو جدا کردیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے طلاق نہ دیجئے اور اپنی زوجیت میں مجھے رہنے دیجئے تاکہ میں قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں اٹھائی جاؤں اور میں اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس روکے رکھا اس دن کے بعد تقسیم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن گزارتے تھے۔ ایک دن کی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اپنی باری اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی۔

"واحضرت الانفس الشح" شح زوجین میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ شح حقیقت میں کہا جاتا ہے خیر سے روکنے کی حرص کرنا۔ "وان تحسنوا" تم آپس میں صلح کرو گے۔ "وتتقوا" اور ظلم و جور سے بچو گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خطاب ہے۔ یعنی اگر تم ناپسندیدگی کے باوجود بھی ان کو اپنے پاس روکے رکھو گے اور ان کے ساتھ ظلم نہیں کرو گے۔ "فان اللہ کان بما تعملون خبیرا" وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۞

ترجمہ اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بی بی جدا ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ۞ "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" تم اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ تم عورتوں کے ساتھ محبت اور میلان قلب میں مساوات کر سکو۔ "ولو حرصتم" اگرچہ تم کتنا ہی ان کے درمیان عدل رکھنے کی خواہش کرو۔ "فلا تمیلوا" جن بیویوں کی طرف تمہارا میلان ہے۔ "کل المیل" مکمل طور پر جھک جاؤ یعنی تقسیم باری اور خرچ وغیرہ میں۔ یعنی تم اپنے افعال اور خواہش کی پیروی نہ کرو۔ "فتذروھا کالمعلقۃ" اور دوسری بیوی کو معلقہ چھوڑ دو نہ تو تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ

کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرے اور نہ ہی تم اس کے حقوق کو ادا کرو۔ قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ اس کو قید نہ رکھو۔ ابی بن کعب کی قرأت میں ہے " کانہا مسجونۃ"

حضرت ابو قلابہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں عدل کرتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے اے اللہ! میری طاقت میں جو کچھ ہے اس میں میری طرف سے برابری ہے اور جو بات میرے قبضہ میں نہیں وہ تیرے اختیار میں ہے اس کے متعلق مجھے نہ پکڑنا۔ بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابو قلابہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن یزید سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

ازواج میں ناانصافی کرنے والے کے بارے میں شدید وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف زیادہ مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ "وان تصلحوا وتتقوا" ظلم و زیادتی سے۔ "فان اللہ کان غفورًا رحیمًا"

● "وان یتفرقا" عورت اور مرد دونوں طلاق کی وجہ سے الگ الگ ہو جائیں۔ "یغن اللہ کلاً من سعتہ" وسعت کا معنی یہاں رزق سے کیا ہے یعنی عورت کو دوسرا شوہر دے دے گا اور مرد کو دوسری بیوی۔ "وکان اللہ واسعًا حکیمًا"

ازواج کے درمیان مساوات کے مسائل

واسعا کا معنی ہے فضل اور رحمت اور حکیما سے مراد جن امور میں حکم دیا گیا اور اس سے روکا گیا۔ من جملہ اس آیت کا حکم یہ ہے کہ جب ایک مرد کے پاس دو بیویاں ہوں یا اس سے زائد ہوں تو اس پر برابری لازمی ہے تقسیم میں اور اگر اپنی بیویوں میں تقسیم میں کمی برتے گا تو اللہ کے ہاں نافرمان لکھا جائے گا اور اسی پر فیصلہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ رات گزارنے میں برابری کرے نہ کہ جماع کرنے میں کیونکہ جماع تو نشاط اور عدم نشاط پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور اگر اس کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہے اور ایک باندی ہے تو آزاد عورت کے پاس دو راتیں اور باندی کے پاس ایک رات گزارے گا۔ اسی طرح اگر وہ پرانی بیویوں کی موجودگی میں نئی بیوی سے شادی کرے گا تو نئی کو ترجیح دے گا اور اس کے پاس کم از کم سات دن گزارے گا۔ اگر وہ نئی بیوی باکرہ ہو اور اگر وہ عورت ثیبہ ہو تو پھر اس کے ساتھ تین راتیں گزارے پھر اس کے بعد برابری اختیار کرے، ان راتوں میں پرانی عورتوں کے درمیان برابری لازمی نہیں۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سنت ہے کہ اگر پہلی بیوی پر کسی کنواری سے نکاح کرلے تو اس کے پاس سات رات رہے اور اگر شادی شدہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس

تین رات رہے۔ پھر سات اور تین راتوں کے بعد باری کی تقسیم کرے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیویوں میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے جائے قرعہ اندازی کر کے۔ پھر باقی عورتوں کے لیے واجب نہیں مدت سفر کی راتیں ان عورتوں میں تقسیم کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اس کو ساتھ لے جاتے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ہوتو پھر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض کو بعض کے ساتھ خاص نہ کرتے نہ قرعے کے ساتھ اور نہ ہی کسی اور وجہ سے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَنِيًّا حَمِيْدًا ۞ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۞

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر ناسپاسی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ملک میں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجت مند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں اگر ان کو منظور ہو تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(تفسیر) ۞ "وللہ ما فی السموت وما فی الارض" سب کچھ اسی کی ملکیت ہے خواہ غلام ہوں یا کچھ اور "ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" اس سے مراد اہل التورات اور انجیل ہے اور تمام اُمتیں جو ماقبل میں گزر چکی ہیں کتابوں میں۔ "وایاکم" اے اہل قرآن جو قرآن میں ہے۔ "ان اتقوا اللہ" اللہ کی توحید بیان کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ "وان تکفروا" جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے۔ "فان للہ ما فی السموت وما فی الارض" جو فرشتوں خواہ زمین میں ہیں یا آسمان وہ سب اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ "وکان اللہ غنیا" ساری مخلوق اور اس کی اطاعت کی اس کو ضرورت نہیں۔ "حمیدا" مخلوق اس کی نعمتوں پر حمد کرے یا نہ کرے۔

۞ "وللہ ما فی السموت وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا" عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے

لکھتے ہیں یعنی وہ گمراہ ہیں جو اس میں غلام رہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اجر ہیں۔ "وللّٰہ مافی السمٰوٰت والارض" میں تکرار لانے کا کیا فائدہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کو جدا جدا ذکر کرنے میں مختلف وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ "للّٰہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض" میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کی وصیت قبول کرو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "فان للّٰہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض وکان اللّٰہ غنیا" وہ غنی ہے اور اسی کے لیے بادشاہت ہے۔ لہٰذا جو چیز تمہیں مطلوب ہے اسی سے طلب کرو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ "وللّٰہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض وکفی باللّٰہ وکیلاً" اس کی بادشاہت ہے اس کو کارساز بناؤ، غیر پر بھروسہ نہ کرو۔

⑬ "ان یشاء یذھبکم" تمہیں وہ ہلاک کردے۔ "ایھا النّاس" اس سے مراد کفار ہیں۔ "ویات بآخرین" تمہارے علاوہ دوسری قوم لے آئے جو تم سے بہتر اور اطاعت گزار ہو۔ "وکان اللّٰہ علیٰ ذٰلک قدیرًا" اقتدیرًا بمعنی قادر کے ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿﴾

ترجمہ: جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ذات ہی پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اے ایمان والو تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔

تفسیر: ⑬ "من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللّٰہ ثواب الدنیا والاٰخرۃ" جو شخص اپنے نیک اعمال کے ذریعے دنیا میں فراوانی چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی میں کچھ حصہ دے دیتے ہیں یا اسی شکل

کے بدلے میں اس سے کوئی آزمائش دُنیا میں دور کردی جاتی ہے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملتا اور جو کوئی شخص اپنے اعمال کے ذریعے آخرت کا ثواب کا طالب ہے اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں بھی جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو جنت دی جاتی ہے۔ "وکان اللہ سمیعًا بصیرًا"

❸ "یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ" یعنی گواہوں کے ذریعے انصاف والا فیصلہ کرنے والے بن جاؤ۔ یعنی اللہ کے لیے عدل کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تم عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والے بن جاؤ جس کے بارے میں شہادت دی جارہی ہے۔ "ولو علٰی انفسکم او الوالدین والاقربین" یعنی ذی رحم کے لیے بھی انصاف کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حق بات کرو اگرچہ تمہیں اپنے بارے میں حق کے مطابق فیصلہ کرنا پڑ جائے یا اپنے والدین کے بارے میں یا قریبی رشتہ داروں کے بارے میں ان پر بھی اللہ کا فیصلہ قائم کرو کسی غنی کے مال و جاہ سے رعب میں نہ آؤ اور نہ ہی کسی فقیر کے فقر کی وجہ سے اس پر رحم کرو۔ "ان یکن غنیًا او فقیرًا فاللّٰہ اولٰی بھما" مشہود علیہ پر بھی حکم قائم کرو۔ اگرچہ وہ غنی ہو اور مشہود لہ کے لیے بھی فیصلہ برحق کرو۔ اگرچہ وہ فقیر ہو اللہ تعالیٰ کا تعلق ان دونوں سے زیادہ ہے۔ ان دونوں کے امر کو اللہ کی طرف چھوڑ دو۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے ان دونوں کا علم اللہ کے ہاں بہتر ہے۔ "فلا تتبعوا الھوٰی ان تعدلوا" کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور نہ ہی حق سے باطل کی طرف رُجحان کرو۔ بعض نے کہا کہ خواہشات کی طرف پیروی نہ کرو تا کہ تم ان دونوں پر انصاف کرسکو تا کہ تم عادل ہو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو تا کہ تمہارے سے اللہ راضی ہو جائے۔ "وان تلوٗا" یعنی شہادت سے تم اپنی زبان پھیر لو گے۔ یعنی شہادت میں کجی اختیار کرو گے اور کجی شہادت سے زبان پھیر لو گے۔ "او تعرضوا" تم اس سے اعراض کرو گے شہادت کو چھپا کر اور اس کو قائم نہیں کرو گے۔

بعض نے کہا کہ تم کجی شہادت دینے سے پہلوتہی کرو گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اس کے حق کو پھیر دیا۔ جب اس کی شہادت کو باطل قرار دیا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ حکام کو خطاب ہے یعنی اے حاکمو اگر تم اپنا رُخ کسی ایک فریق کی طرف جھکا دو گے یا ایک فریق سے اعراض کرو گے۔ ابن عامر اور حمزہ نے "تلوا" لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا اصل تلووا ہے ایک واؤ کو بطور تخفیف کے حذف کردیا اور بعض نے کہا کہ اگر تم اپنی شہادت دوسروں کے سپرد کردو گے یا ان سے اعراض کرو گے تو ان کا حق ادا کرنے میں کوتاہی برتو گے تو اسی کا نقصان ہوگا۔ "فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرًا"

❸ "یاایھا الذین آمنوا امنوا باللّٰہ ورسولہ" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن سلام واسد، اسید بن کعب، ثعلبہ بن قیس، سلام بن اخت، عبداللہ بن سلام، سلمہ بن اخی، یامین بن یامین۔ یہ سب لوگ اہل کتاب کے مؤمنین میں سے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی کتاب پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور توریت پر بھی اور عزیر علیہ السلام پر بھی ان کے علاوہ ہم کسی پیغمبر اور کتاب کو نہیں مانتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بلکہ تم ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لاؤ جو درحقیقت تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "یا یھا الذین آمنوا" ایمان لاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پر، موسیٰ علیہ السلام پر اور تورات پر۔ "آمنوا باللہ و رسولہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر "والکتاب الذی نزّل علی رسولہ" یعنی قرآن پر "والکتاب الذی انزل من قبل" اس سے پہلے تورات اور انجیل پر اور زبور پر اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو رحمہم اللہ نے "نُزِّل و اُنزِل" نون کے ضمہ اور الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "نَزَّل و اَنزَل" فتح کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ نے نازل فرمایا۔ "ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعیدا" جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر اور تمام رسولوں پر اور قرآن سے پہلے جتنی کتابیں نازل ہوئیں ان سب پر اور فرشتوں پر اور آخرت کے دن پر ان میں سے کسی سے فرق نہیں کرتے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔

ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض نے کہا "یاایھا الذین آمنوا" سے مراد موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ "آمنوا" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد (منافقین) ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "یا یھا الذین آمنوا" وہ زبان سے ایمان لائے۔ "آمنوا" ایمان لاؤ دل سے۔ ابوالعالیہ اور ایک جماعت کے نزدیک کہ یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ آیت کا معنی یہ ہوگا۔ "یا ایھا الذین آمنوا آمنوا" کہ تم اس پر قائم رہو اور ثابت قدم رہو ایمان پر۔ جیسا کہ کوئی کھڑا ہو تو اس کو کہا جائے کھڑا ہو جا یہاں تک کہ میں واپس لوٹ آؤں۔ یعنی تم یہاں کھڑے رہنا جب تک میں نہ آؤں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اہل شرک ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا۔ "یا یھا الذین آمنوا" لات اور عزیٰ پر "آمنوا" اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۞ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۞

ترجمہ بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے۔

تفسیر ۞ "ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا" قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے۔ پھر گوسالہ پرستی کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ پھر تورات پر ایمان لائے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہو گئے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کر کے کفر میں بڑھتے

چلے گئے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں کہ پہلے وہ اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے، پھر ان کا انکار کیا اور ان انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے پھر انکار کردیا اور اس کتاب پر عمل چھوڑ دیا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں مزید ترقی کی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آیت میں وہ مرتد مراد ہیں جو ایمان لا کر پھر ایمان سے پھر گئے تھے پھر مسلمان ہوگئے پھر مرتد ہوگئے، پھر مسلمان ہوگئے، پھر مرتد ہوگئے۔ اس طرح ان کے مثل، کیا ان کی توبہ قبول ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی بلکہ ان کو قتل کیا جائے گا۔ "لم یکن اللہ لیغفر لھم" وہ اس پر قائم نہیں رہے گا۔ "ولا لیھدیھم سبیلا" یعنی حق کی طرف سیدھا راستہ۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت کا معنی کیا ہے "لم یکن اللہ لیغفر لھم" اور یہ بات معلوم ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہوگی اگرچہ پہلی مرتبہ کیوں نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ معنی اس کا یہ ہے کہ جب کوئی کافر پہلی مرتبہ اسلام قبول کرلے اور اس پر دوام رکھے تو اس کے ماقبل کفر کو مٹا دیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام لے آیا پھر کفر اختیار کیا، پھر اسلام لے آیا پھر کفر اختیار کیا پھر اس سے ماقبل کفر کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اسلام پر دوام رکھے تو پھر ماقبل کفر معاف ہوجائے گا۔

⑬ "بشر المنافقین" ان کو خبر دیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "بان لھم عذابا الیما" بشارت ہر اس خبر کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا چہرہ بدل جائے۔ خواہ وہ خبر خوشی کی ہو یا شر ہو۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ معنی آیت یہ ہے کہ عذاب کی جگہ بشارت کا لفظ ذکر کرو۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے۔ "تحیتک و عتابک السیف" یہاں پر سزا کی جگہ تحیہ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ پھر منافقین کا وصف بیان کیا اور کہا۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۞ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۞ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۞

(ترجمہ) جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کردیں کہ

اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے۔ وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گئی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمان سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں عملی فیصلہ فرمائیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرماویں گے

تفسیر ⊛ "الذین یتخذون الکافرین اولیاء" یعنی یہودیوں کو اپنا مددگار اور یار غار بناتے ہیں۔ "من دون المؤمنین، ایبتغون عندھم العزۃ" وہ کافروں کی مدد اور دوستی سے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عزت وقوت کے طلبگار ہیں۔ بعض نے کہا کہ کیا تم ان کے ساتھ قوت کو طلب کرتے ہو۔ "فان العزۃ" غلبہ اور قوت وقدرت "للہ جمیعاً" سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

⊛ "وقد نزّل علیکم فی الکتاب" عاصم اور یعقوب نے "نَزّل" نون اور زاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے "نُزِّل" نون کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اے مسلمانوں کی جماعت! تم پر لازم ہے "ان اذا سمعتم آیات اللہ" اس سے مراد قرآن ہے۔ "یکفر بھا ویستھزاء بھا فلا تقعدوا معھم" ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جو استہزاء کرتے ہیں۔ "حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ" اس وقت تک ان کی باتوں اور گفتگو کو لے لو جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ استہزاء نہ کریں۔ یہ اشارہ ہے سورۃ انعام کی اس آیت کی طرف "واذا رأیت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ" ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قیامت کے دن تک جتنے بدعتی ہوں گے سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہوں گے۔ "انکم اذا مثلھم" اگر تم ان کے پاس بیٹھو گے یہاں تک کہ تم ان میں گھس جاؤ اور ان کے کفر واستہزاء کی حالت میں بیٹھو گے اور اس پر راضی رہو گے تو انہی جیسے کافر ہو جاؤ گے۔ اگر ان باتوں کے علاوہ اور باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہو گے تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ بیٹھنا کراہت سے خالی نہیں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں خواہ وہ استہزاء کو چھوڑ کر کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔ انعام کی آیت مکی ہے اور یہ مدنی ہے اور متاخر اونی ہوتی ہے۔ "انّ اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعاً"

⊛ "الذین یتربصون بکم" منافقین تم پر مصیبت پڑنے کے منتظر ہیں۔ "فان کان لکم فتح من اللہ" یعنی ان کو کامیابی اور مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ "قالوا" وہ تم کو کہتے ہیں "الم نکن معکم" کیا دین اور جہاد میں تمہارے ساتھ نہ تھے تو پھر ہمارے لیے مال غنیمت میں سے حصہ بنائیے۔ "وان کان للکافرین نصیب" ان کو مسلمانوں پر کچھ غلبہ مل گیا۔

"قالوا" پھر منافقین اور کافرین یہ کہتے۔ "الم نستحوذ علیکم" استحواذ کا معنی ہے غلبہ پانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "استحوذ علیہم الشیطان" وہ تمہارا والی اور غلبہ پانے والا ہے۔ وہ کہتے کہ کیا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوشیدہ اور رازی کی باتیں تمہیں بتلائیں۔

مبرد فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے تم کو تمہاری رائے سے تمہیں روک دیا اور مسلمانوں میں شامل ہوجانے سے باز نہیں رکھا تھا۔ "ونمنعکم" کیا تم کو ہم نے ان سے پھیر نہ دیا۔ "من المؤمنین" ان کے ساتھ شامل ہونے سے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہاری مدد نہیں کی اور تم سے مسلمانوں کو روکے رکھا کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو وہ تمہیں ذلیل کردیتے اور ہم ان کی خبریں اور ان کے امور تمہیں نہ پہنچاتے۔ گویا اس کلام سے منافقین، کافروں پر اپنا احسان جتلا رہے ہیں۔ "فاللّٰہ یحکم بینکم یوم القیامۃ" اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان "ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخرت میں (غالب نہیں کرے گا) عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ دلیل میں ان کو غالب نہیں کرے گا اور بعض نے کہا کہ کافروں کے غالب نہ کرنے کا مطلب ہے صحابہ رضی اللہ عنہم پر غالب نہ کرنا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر معلق ہورہے ہیں دونوں کے درمیان نہ ادھر نہ ادھر اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں ایسے شخص کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کرلو

تفسیر: ۱۴۲ "ان المنافقین یخادعون اللّٰہ وھو خادعھم" وہ دھوکہ دینے والوں جیسا معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنے دھوکہ دینے میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور اسی وجہ سے قیامت کے دن ان کو بھی نور دیا جائے گا۔ جیسا کہ مومنین کو دیا جاتا ہے مومنین ان کے نور کے پاس سے گزریں گے تو منافقین کے نور بجھ جائیں گے۔ "واذا قاموا الی الصلوۃ" منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں "قاموا کسالی" متر ہو جھل بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ کے لیے نہیں کھڑے ہوتے، اگر تم

ان میں سے کسی ایک کو نماز پڑھتے دیکھو تو وہ پڑھتے رہیں گے وگرنہ وہ چلے جائیں گے اور بغیر دکھاوے کے نماز نہیں پڑھیں گے۔

"یراءون الناس" وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں نہ کہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

"ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ کا قول ہے ان کے لیے یہ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ یہ دکھاوے اور شہرت کے لیے ہی کرتے ہیں۔ اگر یہ تھوڑا سا عمل بھی اللہ کی رضا کی خاطر اور صحیح نیت کے ساتھ کر لیتے تو یہ ان کے لیے کافی ہو جاتا اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے منافقین کے ساتھ ذکر قلیل کا ذکر اس لیے کیا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول نہیں کرتا۔ اگر اللہ ان کے سب اعمال کو قبول کر بھی لے تو یہ ان کے لیے کافی ہوتا۔

⊛ "مذبذبین بین ذلک" وہ جانبین سے متردد ہیں کفر اور ایمان کے درمیان درمیان میں ہیں۔ "لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء" یعنی نہ تو یہ مؤمنین میں سے ہیں کہ ان کے ساتھ مؤمنین والا معاملہ کیا جائے اور نہ ہی کفار میں شامل ہیں کہ ان سے وہی چیزیں لی جائیں جیسی کفار سے لی جاتی ہیں۔ "ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلاً" ہدایت کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری جو دو گلوں کے درمیان کبھی ایک کی طرف اور کبھی دوسری گھومتی ہے۔

⊛ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین" مؤمنین کو کفار کے ساتھ میل جول رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ "اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطاناً مبیناً" تمہارے عذاب کی واضح دلیل موجود ہے۔ پھر منافقین کے درجات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۞ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ۞ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۞

ترجمہ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جاویں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاوے گا لیکن جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں تو یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرماویں گے (اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر ⊛ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" اہل کوفہ نے "فی الدرک" راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دو لغات ہیں جیسے "ظَعْن، ظَعَن، نَھْر، نَھَر" ہے۔ ابن مسعود رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوزخ کے نچلے حصے میں لوہے کے صندوق میں ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صندوقوں کے اندر منافقین بند ہوں گے جن کے اندر منافقوں کے اوپر نیچے انگارے دھک رہے ہوں گے۔ "ولن تجد لھم نصیرا" جو ان کو دوزخ کے عذاب سے مانع ہو یا عذاب سے نکال دے۔

۝ "الا الذین تابوا" جنہوں نے توبہ کی نفاق سے اور خالص ایمان لائے۔ "واصلحوا" اور اپنے اعمال کی اصلاح کی۔ "واعتصموا باللہ" اللہ کے اوامر اور نواہی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ "واخلصوا دینھم اللہ" اس سے مراد دل سے اخلاص کرنا کیونکہ دل سے انکار کرنا نفاق ہے۔ لہٰذا دل سے اس کو زائل کرو یہ دل کی صفائی ہے۔ "فاولئک مع المؤمنین" فراء نے مع کو من کے معنی میں لیا ہے۔ "وسوف یؤت اللہ المؤمنین" آخرت میں "اجرا عظیما" اس سے مراد جنت ہے۔

۝ "مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم" تم ان کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ "وآمنتم" اس آیت میں کچھ لفظی تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے اگر تم ایمان لاؤ اور تم اس کا شکر ادا کرو کیونکہ شکر فائدہ مند نہیں ہے جب دل میں ایمان نہ ہو استفہام تقریری ہے۔ مؤمن شاکر کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور کسی بندے کو عذاب دینے سے اس کی بادشاہت میں اضافہ نہیں ہوتا اور ان کے فعل پر ان کو چھوڑ دینے سے اس کی بادشاہت میں ذرہ برابر بھی کم نہیں ہو سکتا۔ شکر کفر کی ضد ہے اور کفر کہتے ہیں نعمت کو چھپانا اور شکر یہ ہے کہ اس نعمت کا اظہار کیا جائے۔ "وکان اللہ شاکرا علیما" اگر شکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کا معنی اس کی رضامندی اور ثواب کا دوہرا ہونا اور اگر شکر کی اضافت بندے کی طرف ہو تو معنی یہ ہوگا فرمانبرداری اور اللہ کی طرف ہو تو ثواب۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے جانتے ہیں اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کرو تو اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے

معاف کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں بلکہ نہ سب پر ایمان ہو نہ سب کا انکار۔ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے اہانت آمیز سزا مقرر کر رکھی ہے۔

تفسیر ⑥ ......"لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم"

اللہ تعالیٰ بری بات کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتا بجز مظلوم کے جس پر ظلم کیا گیا۔ مظلوم ظالم کے ظلم کی فریاد اور اس کے لیے بددعا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ماعلیہم من سبیل" حسن رحمہ اللہ کا قول ہے وہ دُعا کرے ان الفاظ میں۔ اے اللہ! اس کے معاملے میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! اس سے میرے حق کی وصولیابی کی صورت مقدر فرما اور بعض نے کہا کہ اگر وہ اس کو گالی دینا چاہتا ہے تو اس کے مثل اس کو گالی دے اس پر زیادتی نہ کرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو گالیاں دینے والوں میں سے جو پہل کرے، الزام اس پر ہے۔ جب تک مظلوم حد مساوات سے آگے نہ بڑھ جائے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول مہمان کے حق میں ہوا اگر کوئی شخص کسی قوم کے پاس جا کر اترے اور وہ میزبانی نہ کریں اور ان کی طرف سے اچھی مہمان نوازی نہ ہو تو مہمان کے لیے شکوہ کرنا اور جیسا اس کے ساتھ سلوک کیا گیا ویسا بیان کرنا جائز ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو تبلیغ کے لیے بھیجتے ہیں اور ہم جا کر ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتے ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم لوگوں کے پاس جا کر اترو اور وہ تمہاری مناسب مہمانی کریں تو قبول کرلو اور اگر مناسب مہمانی کا اہتمام نہ دیں تو ان کے مناسب حال مہمانی کا حق ان سے وصول کرلو۔

ضحاک بن مزاحم و زید بن اسلم نے "الا من ظلم" ظاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ لیکن مظلوم اپنے قول کے ساتھ اس کی برائی کرسکتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ بری بات کو اونچی آواز سے پسند نہیں کرتا مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا۔ پہلی قراءت معروف کرے۔ "وکان اللہ سمیعاً" مظلوم کی دُعا سننے والے ہیں۔ "علیماً" ظالم کی سزا کو جانتے ہیں۔

⑥ "ان تبدوا خیراً" جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیاں دی جائیں گی اگر ان کا ارادہ بھی کرلیا۔ اگرچہ ان نیکیوں پر عمل بھی نہ کیا ہو تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ "او تخفوہ" اس سے مراد خیر ہے یا مال ہے۔ اگر تم جو صدقہ دیتے ہو اس کو جہراً دو یا تم چھپا کر دو۔ "او تعفوا عن سوء" اس کے ظلم سے معاف کردیں گے۔ "فان اللہ کان عفواً قدیراً" اور یہ بات اولیٰ ہے کہ اللہ ان سے درگزر کردے گا قیامت کے دن۔

⑥ "ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ" یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور توریت اور عزیر علیہ

السلام پر ایمان لائے اور عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا اور انجیل کا انکار کر دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار کیا۔ "ویریدون ان یفرقوا بین ...... تا ...... بین ذلک سبیلا" وہ راستہ جو یہود اور مسلمانوں کے درمیان ہے اور وہ راستہ جس پر وہ چلتے ہیں۔

⑥ "اولئک ھم الکافرون حقا" ان کا کفر متحقق ہو گیا کہ بعض چیزوں کا انکار کر دینا تمام چیزوں کا انکار کر دینا ہے۔ "واعتدنا للکافرین عذابا مھینا"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۞ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۞ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں اور بڑے رحم والے ہیں آپ سے اہل کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں سو انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات درخواست کی تھی۔ اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھلا دو جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر کڑک (بجلی) آ پڑی۔ پھر اس سے بڑھ کر (یہ کہ) انہوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے پھر ہم نے اس سے درگزر کر دیا تھا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا اور ہم نے ان لوگوں سے قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر معلق کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ یوں ہفتہ کے بارہ میں تجاوز مت کرنا اور اس کے علاوہ اور بھی ہم نے ان سے قول و قرار نہایت شدید لئے۔ سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء کو ناحق اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب ان قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے سو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر قدرے قلیل۔

تفسیر ⊛ ...... "والذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہ" ان سب پر ایمان لائے۔ "ولم یفرقوا بین احد منھم" اور رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کیونکہ وہ سب اہل ایمان ہی تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہم رسولوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتے۔ "اولٰئک سوف یؤتیھم اجورھم" اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور اس کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کو ضرور ثواب دے گا۔ بعض حضرات "نؤتیھم" یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں اور دوسرے قراء "نؤتیھم" پڑھتے ہیں۔ "وکان اللّٰہ غفورًا رحیمًا"

⊛ ...... "یسالک اھل الکتاب" یہود میں سے کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے لیے آسمان سے کتاب لائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لائے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ "ان تنزل علیھم کتابًا من السماء" ان کا یہ سوال تکبر اور اکڑپن اور حاکمانہ شان کے ساتھ تھا۔ عاجزی کے طور پر نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کسی حاکمانہ شانہ کے سوال پر آیات نازل نہیں فرمایا کرتا "فقد سالوا موسٰی اکبر من ذٰلک" وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے تھے جس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر آدمیوں کو پہاڑ کی طرف لے گئے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ "فقالوا ارنا اللّٰہ جھرۃ" جہرۃ کا معنی عیاناً یعنی سامنے دکھا دے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل نے اعلانیہ طور پر کہا کہ ہمیں خدا دکھا دو۔ "فاخذتھم الصعقۃ بظلمھم ثم اتخذوا العجل" انہوں نے دوسرا معبود اپنا بنا لیا۔ "من بعد ما جاءتھم البینٰت فعفونا عن ذٰلک" یعنی مکمل طور پر ان کی بیخ کنی نہیں کی۔ بعض نے کہا کہ اس سے صرف ان کو توبہ کی طرف دعوت دلانا مقصود تھا۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے گناہ سے معافی مانگ لی تو ہم نے ان کے گناہ کو معاف کر لیا۔ لہٰذا تم بھی توبہ کرو تا کہ ہم تمہارے گناہ معاف کریں۔ "واٰتینا موسٰی سلطٰنًا مبینًا" وہ واضح دلائل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے اور وہ نو تھے۔

⊛ ...... "ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم وقلنا لھم ادخلوا الباب سجدًا وقلنا لھم لاتعدوا فی السبت" اہل مدینہ کا قول ہے کہ "لا تعدّوا" تشدید دال کے ساتھ ہے اور ورش کی روایت کے مطابق اور دوسرے قراء نے ان کو جزم دیا۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم تجاوز نہ کرو اور نہ ہفتہ کے دن میں مچھلی کا شکار کر کے ظلم کرو۔ "واخذنا منھم میثاقًا غلیظًا"

⊛ ...... "فبما نقضھم میثاقھم" ان کے عہد کو توڑ کر۔ "فبما" میں ما موصولہ ہے جیسا کہ "فبما رحمۃ من اللّٰہ" اور اس کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی۔

"فلا یؤمنون الا قلیلًا" جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی۔ وہ لوگ مراد نہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ جن کے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس سے مراد بہت تھوڑے ایمان لانے والے ہوں گے۔ اس سے مراد عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تھوڑے ایمان نہیں لائیں گے اور نہ یا وہ لوگ ایمان لائیں گے۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم (علیہا السلام) پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں۔

تفسیر ● (وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما) بہتان سے مراد زنا کی تہمت لگانا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام پر جب گناہ کی تہمت لگائی

● "وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم" اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے ان کے گھر میں داخل ہوا اور بعض نے کہا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر کے رکھا ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اپنا رقیب اندر بھیجا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی تو لوگوں نے اس شخص کو قتل کر دیا اور بعض نے کہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ ہے۔ جیسا کہ ہم سورۂ آل عمران میں اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ "وان الذین اختلفوا فیہ" ان کے قتل کرنے میں عیسائیوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ "لفی شک منہ" ان کے قتل میں وہ شک کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے متعلق یہودیوں کا اختلاف

کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان میں یہ اختلاف تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کیا اور نصاریٰ کا ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ ہم نے ان کو قتل کیا اور ان میں سے ایک گروہ کا یہ کہنا تھا کہ نہ انہوں نے ان کو قتل کیا نہ کسی اور نے ان کو قتل کیا بلکہ اللہ نے ان کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا ہے اور ہم اس طرف دیکھ رہے تھے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ صطیافوس کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کے بقیہ جسم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ نہ کیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اختلاف کیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا کیونکہ وہ چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ

السلام کو قتل نہیں کیا گیا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے جسم جیسا اس کا جسم نہیں تھا۔ پس ان میں اختلاف واقع ہو گیا۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان لوگوں میں اس طور پر اختلاف واقع ہو گیا کہ انہوں نے کہا کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو تمہارا ساتھی کہاں ہے اور اگر یہ تمہارا ساتھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مالھم بہ علم" اس کی حقیقت کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں کہ وہ قتل کیے گئے ہیں یا قتل نہیں کیے گئے۔ "الا اتباع الظن" لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے میں اپنی گمان پر یقین رکھتے ہیں۔ "وما قتلوہ یقینا" حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً قتل نہیں ہوئے۔

● "بل رفعہ اللہ الیہ" بعض نے کہا کہ یقیناً وہ بعد میں واپس لوٹیں گے۔ "وما قتلوہ" تقدیری کلام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر ان کو اٹھا لیا اور وہ قتل نہیں کیے گئے۔ فراء کا قول ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو انہوں نے قتل کیا اس کے عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا ان کو یقین نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق مروی ہے کہ ان کے گمان کے مطابق یقیناً قتل نہیں کیا۔ "وکان اللہ عزیزا" یہودیوں کو سزا دینے پر قادر ہے۔ "حکیما" حکمت والا کہ یہودیوں پر لعنت و غضب نازل فرما اور ان پر طیطوس بن اسپیانوس کو ان پر مسلط کیا جس نے ان کی قوم کا عظیم الشان قتل کیا۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۞ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۞

ترجمہ اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے۔

تفسیر ●...... "وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" کوئی بھی اہل کتاب میں سے ایسا شخص نہیں کہ اپنے مرنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ "قبل موتہ" اس کنایہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے یہ کتابی سے کنایہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایک شخص باقی نہیں بچے گا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر کتابی اپنے مرنے سے پہلے ایمان لے آئے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا بتایئے اگر کوئی کتابی چھت سے گر جائے، فرمایا ہاں ہوا میں (یعنی زمین پر گرنے سے پہلے) عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لے گا۔ دریافت کیا گیا اگر اس کی گردن ماری جا رہی ہو تو کیا کرے گا فرمایا لڑکھڑاتی زبان سے بولے گا۔

لیؤمنن بہ اور قبل موتہ کی ضمیر کے مرجع میں ائمہ کے اقوال

بعض لوگوں نے کہا کہ "موتہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ

اہلِ کتاب میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ جب تک عیسیٰ علیہ السلام وفات نہ پا جائیں اور یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے کوئی شخص بھی باقی نہیں رہے گا جو آپ پر ایمان نہ لے آئے۔ یہاں تک کہ سب ایک ہی ملت یعنی ملت اسلامیہ پر جمع ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ تم میں ابن مریم نازل ہوں حاکم عادل اور صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے، مال بہا دیں گے کہ کوئی بھی مال قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (یہاں تک کہ اس وقت ایک سجدہ دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا) اور تمام ادیان باطلہ ختم ہو جائیں گے سب ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں گے اور وہ اسلام ہے اور دجال کو قتل کریں گے اور زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر ان کو موت آجائے گی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ پڑھو "وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تین بار دہرایا۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ "لیومنن بہ" کی ضمیر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ کوئی کتابی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آئے اور بعض نے کہا کہ اس ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے جیسے کہ کہا گیا کہ اہل کتاب میں سے ضرور اللہ پر ایمان لے آئے گا۔ اہل کتاب کو مرنے یا موت کے معائنہ کے وقت ان کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ "ویوم القیامۃ یکون" اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام "علیھم شھیدا" کہ انہوں نے اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور اپنے بندے ہونے کا اقرار کیا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی آیت میں ہے "وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم" اور ہر نبی اپنی اُمت کا شاہد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا"

ⓐ "فبظلم من الذین ھادوا" جو انہوں نے عہد توڑا تھا اور اللہ کی آیات کا انکار کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر جھوٹا بہتان باندھا اور ان کا قول کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ "حرمنا علیھم طیبات احلت لھم" جیسا کہ ماقبل سورۃ انعام میں گزر چکا۔ "وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر" آیت کا نظم اس طرح ہے "فبظلم من الذین ھادوا" "وبصدھم" اپنے نفسوں پر انہوں نے زیادتی کی۔ "عن سبیل اللہ کثیرا" یعنی اللہ کے دین سے بہت سارے لوگ روکنے کی وجہ سے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞

ترجمہ: اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ

لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے لیکن ان (یہود) میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس بھیجی گئی اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثواب عظیم عطا فرمادیں گے۔

تفسیر ❶ "واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ" اس سے مراد توریت ہے۔ "واکلھم اموال النّاس بالباطل" اس سے مراد رشوت خوری ہے اور کھانے کی چیزیں جن کو وہ استعمال کرتے تھے اللہ نے ان کے لیے حلال چیزیں حرام کردیں۔ جب بھی وہ کسی حرام کام کا ارتکاب کرتے تو ان سے پاک حلال چیزوں میں سے کوئی حرام قرار دی جاتی۔ "اذلک جزیناھم ببغیھم وانا لصادقون"......"واعتدنا للکافرین منھم عذابًا الیمًا"

❷ "لکن الراسخون فی العلم منھم" اہل کتاب میں سے کوئی بھی اس صفت کا نہیں تھا لیکن راسخین جو علم کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے والے ہیں اور بصیرت رکھنے والے ہیں اس سے مراد علماء یہود میں سے جو اسلام لائے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ "والمؤمنون" اس سے مراد مہاجر و انصار ہیں۔ "یؤمنون بما انزل الیک" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وما انزل من قبلک" نازل شدہ تمام کتابیں "والمقیمین الصلوٰۃ" اس طرح لکھنے کی وجہ میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کے چند اقوال ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابان بن عثمان کا قول منقول ہے کہ یہاں کاتب سے غلطی واقع ہوئی۔ اس کے لیے مناسب یہ تھا کہ یہ لکھنا چاہیے تھا "والمقیمون الصلوٰۃ" اور اسی طرح سورۃ مائدہ میں منقول ہے۔ "ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابئون" اور اس کا قول "ان ھذان لساحران" یہ کہتے ہیں کہ کاتب سے سہو ہوگیا اور عثمان کا قول ہے کہ اس مصحف میں کوئی غلطی ہے عرب پڑھتے وقت اپنی زبانوں پر خود اس کو ٹھیک کریں گے۔

عرض کیا گیا آپ اس کو تبدیل کیوں نہیں کردیتے، فرمایا یونہی رہنے دو۔ اس سے کسی حلال کی حرمت اور حرام کی حلت نہیں ہو جاتی اور عام صحابہ اور اہل علم کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ منصوب علی المدح ہے اور بعض نے کہا کہ منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے اور وہ فعل محذوف "اعنی" ہے۔ یعنی "مقیمین الصلوٰۃ" اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ مجرور کی جگہ واقع ہے اور اس کی وجوہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن جو علم میں راسخ ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ وہ ایمان لائے جو نازل کیا ہم نے اور انہوں نے نماز قائم کی۔ "والمؤتون الزکوٰۃ" اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ "والمؤمنون باللہ ...... تا ...... اجرًا عظیمًا" دوسرے قراء نے "سیؤتیھم" پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۞

ترجمہ ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح علیہ السلام کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔

تفسیر ۞ "انا اوحینا الیک" اس کا ربط بھی ماقبل کے ساتھ ہے۔ "یسالک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتابا من السماء" جب اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب اور گناہوں کو ذکر کیا تو یہ بہت غصہ ہوئے اور نازل کردہ کتاب کی توہین کی اور کہنے لگے کہ اللہ نے اپنے بندے پر کوئی چیز نہیں نازل کی۔ "وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء" اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "انا اوحینا الیک" ...... "کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ" ان تمام رسولوں اور انبیاء کو شمار کیا جن کی طرف وحی کی گئی اس کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے کی کیونکہ یہ بھی ابوالبشر ہیں آدم علیہ السلام کی طرح۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وجعلنا ذریتہ ھم الباقین" اور اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام شریعت میں سے پہلے نبی تھے اور شرک سے ڈرانے والے پہلے نبی ہیں اور ان ہی کی پہلی اُمت ہے جن کو دعوت رد کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور ان کی بددعا کی وجہ سے تمام روئے زمین والوں کو عذاب میں غرق کیا گیا۔ اس وقت انبیاء علیہم السلام کی عمریں طویل ہوتی تھیں اور ان کے معجزات بھی انہی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ ان کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ اس عمر میں نہ تو ان کا کوئی دانت ضعیف ہوا اور نہ ہی ان کو بڑھاپا آیا اور نہ ہی کوئی بال سفید ہوا اور نہ ہی آپ کی قوت اور ہمت میں کوئی فرق آیا اور جتنا انہوں نے اپنی اُمت کی اذیتوں کو جھیلا اور صبر کیا اتنا کسی نبی نے نہیں برداشت کیا کیونکہ ان کی عمر تمام انبیاء علیہم السلام سے طویل تھی۔ "واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط" اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ "وعیسیٰ وایوب ویونس وھٰرون وسلیمان وآتینا داؤد زبورا" اعمش اور حمزہ نے "زُبُوْرًا" پڑھا ہے۔ زاء کے ضمہ کے ساتھ اس کی جمع زبور آتی ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو کتاب اور صحیفہ زبور عطا کیا اور دوسرے قراء نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں وہ نام ہے اس کتاب کا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا زبور کی تلاوت کرنا چرند پرند سب کا سننا

اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد، بزرگی اور ثناء موجود تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام شہر سے باہر جنگل میں جا کر کھڑے ہو کر زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ اس وقت علماء بنی اسرائیل آپ کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوتے اور علماء کے پیچھے دوسرے لوگ اور سب

آدمیوں کے پیچھے جنات حسب تفاوت درجہ کھڑے ہوتے تھے۔ پہاڑی چوپائے بھی آپ کے سامنے آکر سن کھڑے ہوتے اور تعجب سے تلاوت کو سنتے تھے اور پرندے بازو پھیلائے لوگوں کے سروں پر منڈلاتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر رات تم مجھے دیکھتے میں تمہاری قراءت سن رہا تھا تم کو داؤد کے سُروں میں سے ایک سُر عطا کی گئی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو خدا کی قسم میں خوب خوش ادائگی سے کام لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ! ہم کو کچھ نصیحت کرو یعنی قرآن پڑھ کر سناؤ تاکہ ہم کچھ نصیحت حاصل کریں تو پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کچھ پڑھ کر سناتے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن کا حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ ان سب کو خوشخبری دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ۞ "ورسلاً قد قصصنھم علیک من قبل" اس سے پہلے جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی طرف۔ "رسلاً" منصوب بنزع الخافض ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم پر کسی رسول کا قصہ بیان کیجئے اور ابی بن کعب کی روایت میں "ورسل قد قصصناھم علیک من قبل" ہے۔ "ورسلاً لم نقصصھم علیک و کلم اللہ موسٰی تکلیماً" کلام عرب میں جو کلام انسان تک پہنچے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو لیکن اس کا تحقق مصدر سے نہیں ہو سکتا ہاں اگر مصدر کا تاکیداً ذکر کرتے ہیں تو اس وقت حقیقی فعل مقصود ہوتا ہے۔ مجازی معنی مراد نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اراد فلان ارادۃ" اس سے مراد حقیقی ارادہ ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے اراد الجدار اور یوں نہیں کہہ سکتے اراد الجدار ارادۃ کیونکہ دیوار حقیقی ارادہ کی اہل نہیں ہے۔

۞ "رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" کہ وہ یہ کہیں گے کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی کتاب بھیجی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان میں کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً"...... "وکان اللہ عزیزاً حکیماً".

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے پاس دیکھ لوں تو تلوار کی دھار سے اس کو ضرور قتل کر دوں۔ اس قول کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ کیا تم کو سعد کی غیرت سے تعجب ہے۔ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اللہ کی اسی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نے کھلی چھپی فحش کاریاں حرام کر دی ہیں۔ وہ اللہ سے زیادہ کسی کو عذر خواہی پسند نہیں، اسی لیے اس نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے پیغمبر بھیجے اور اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی اپنے علمی کمال کے ساتھ شہادت دے رہے ہیں اور فرشتے تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت کافی ہے جو لوگ منکر ہیں اور خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ منکر ہیں اور دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سوا جہنم کی راہ کے کوئی راہ دکھاویں گے اس طرح پر کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے۔ اے تمام لوگو تمہارے پاس یہ رسول سچی بات لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم منکر رہے تو خدا تعالیٰ کی ملک ہے یہ سب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ پوری اطلاع رکھتے ہیں کامل حکمت والے ہیں۔

تفسیر ❻ "لکن اللہ یشھد بما انزل الیک" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے یہودیوں سے تمہارے اور تمہارے اوصاف کے متعلق دریافت کیا کہ ان کی کتاب میں اس کا ذکر ہے یا نہیں؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم اس امر سے واقف نہیں اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔ "لکن اللہ یشھد بما انزل الیک" انہوں نے اس کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا۔ "انزلہ بعلمہ والملائکۃ یشھدون وکفی باللہ شھیدا"

❻ "ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپا کر "قد ضلوا ضلالاً بعیدا" خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

۱۶۸ "ان الذین کفروا و ظلموا" ظلم کی تابعداری کی اپنے کفر کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کا انکار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپا کر ظلم کیا۔ "لم یکن اللہ لیغفرلھم ولا لیھدیھم طریقا" طریق سے مراد دین اسلام ہے۔

۱۶۹ "الا طریق جھنم" اس سے مراد یہودی ہیں۔ "خالدین فیھا ابدا وکان ذلک علی اللہ یسیرا" ان پر یہ حکم سبقت کر چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۷۰ "یایھا الناس قدجائکم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیرا لکم" تم ایمان لے آؤ۔ یہ ایمان لانا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ "وان تکفروا ...... تا ...... وکان اللہ علیما حکیما"

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۖ وَلَا تَقُولُواْ ثَلَٰثَةٌۚ ٱنتَهُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٞۘ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلٗا ۱۷۱

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں۔

یا ھل الکتاب ...... لاتغلوا کا شان نزول اور نصاریٰ کے بڑے چار فرقوں کا بیان

تفسیر: ۱۷۱ "یاھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم" اس آیت کا نزول نصاریٰ کے متعلق ہوا کہ ان کے چار فرقے تھے۔ یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقسیہ۔ یعقوبیہ فرقہ یہ کہتا تھا کہ عیسیٰ اللہ ہے اور اسی طرح ملکانیہ کہتا تھا اور نسطوریہ کہتا تھا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے اور مرقسیہ کہتا تھا کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ملکانیہ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ ہیں اور فرقہ یعقوبیہ کہتا تھا کہ وہ ابن اللہ ہے اور نسطوریہ یہ کہتا تھا کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے۔ یہود میں سے ایک شخص تھا جس کا نام بولص تھا جس کا ذکر سورۃ توبہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ بات درست ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ ان

دونوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں غلو سے کام لیا۔ یہود آپ کی تنقیص بیان کرتے تھے کہ آپ کو جھوٹا کہتے اور نصاریٰ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں۔ یہ دین میں حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”لاتغلوا فی دینکم“ کہ تم اپنے دین میں اتنی شدت اختیار نہ کرو کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھنے لگ جاؤ۔ ”ولا تقولوا علی اللہ الا الحق“ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نہ اس کے لیے اولاد بناؤ۔ ”انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ“ کلمہ سے مراد (کن) ہے۔ ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور ان کے علاوہ دوسرے مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ کلمہ جو حضرت مریم علیہا السلام پر القا کیا تھا۔ ”القاھا الی مریم“ اس کو پہنچا دیا اور اس کی خبر مریم کو کر دی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے تمہاری طرف نیک کلمہ القا۔ ”وروح منہ“ وہ ایک روح ہے تمام ارواح کی طرح لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف کر دی۔ یہ اضافت تشریف کے لیے ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ پھونک ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکی تھی اور بحکم خدا اس پھونک سے حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہوگئی تھیں۔ پھونک کو روح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پھونک بھی ہوا ہوتی ہے جو روح سے خارج ہوتی ہے اور چونکہ یہ نفخ با مر خدا بغیر مادی سبب کے ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کر دی۔ بعض نے کہا کہ روح سے مراد رحمت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے کہا کہ روح سے مراد وحی ہے۔ مریم علیہا السلام کو وحی بصورت بشارت ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کو وحی نفخ کی ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ ہو جا وہ ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ“ اس سے مراد وحی ہے اور بعض نے کہا کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف اپنا کلمہ پہنچایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خدا وہ کلمہ پہنچا دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”تنزل الملئکۃ والروح“ اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور فرمایا ”فارسلنا الیھا روحنا“ اس سے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں اور اس کے کلمہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو پہنچایا تھا اور اس کی روح ہیں۔ جنت اور دوزخ حق ہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو جنت میں لے جائے گا عمل اس کے جیسے بھی ہوں۔ ”فامنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلثۃ“ نہ کہو کہ الٰہ تین ہیں۔ نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین ہیں۔

”انتھوا خیرا لکم“ یعنی تم اس سے رُکے رہو یہ رُکا رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ ”انما اللہ الٰہ واحد سبحانہ أن یکون لہ ولد“ جان لو کہ بیٹے کی نسبت کرنا اللہ کی طرف جائز نہیں۔ بیٹا ہونا اس شخص کے لیے متصور ہے جس کے لیے ولد کا ہونا متصور ہو۔ ”لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفٰی باللہ وکیلا“

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

ترجمہ: مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے اچھے کام کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا ثواب دیں گے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے اور جن لوگوں نے عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پاویں گے اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کریں گے اور اپنے فضل میں اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ بتلا دیں گے۔

تفسیر: ⓬ ..... "لن یستنکف المسیح أن یکون عبداللّٰہ" نجران کے وفد نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے آقا پر عیب لگاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں، وفد والوں نے کہا آپ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کا بندہ ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث عار نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "لن یستنکف المسیح" نہ ہی انہوں نے اس کو ذلت سمجھا اور نہ ہی بڑا امر۔ استنکاف کہا جاتا ہے کسی چیز کو تکبر کی وجہ سے حقیر سمجھنا۔ "ولا الملائکۃ المقربون" عرش کو اٹھانے والے۔ ان کو یہ بات ناگوار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جو لوگ انسان پر فرشتوں کی برتری کے قائل ہیں۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں مسیح کے بعد ملائکہ کا ذکر کیا گیا اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرشتوں کی طرف اٹھایا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اعلیٰ ہیں عیسیٰ علیہ السلام سے۔ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ محاورہ میں ہے زید اس سے عار نہیں کرتا اور نہ وہ شخص عار کرتا ہے جو زید سے برتر ہے۔ یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں بات سے زید عار نہیں کرتا۔ اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشریت کے مقام سے نہیں اٹھایا گیا بلکہ اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو ملائکہ کو الٰہ مانتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ کی تردید کی گئی کہ ان کے قول میں مسیح ابن اللہ ہیں اور اسی طرح نصاریٰ پر رد ہے ان کے زعم کے مطابق کیونکہ وہ ملائکہ پر

فضیلت دیتے تھے۔ "ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعاً" اخفش نے کہا کہ استنکاف تکبر کرنا ہے ناک چڑھانے کے ساتھ اور استکبار کا استعمال اس جگہ ہوتا ہے جہاں بڑائی کا استحقاق مطلق نہ ہو اور تکبر میں یہ شرط نہیں ہے۔

⑰ "فاما الذین ...... لہ ...... من فضلہ" دوگنا سے مراد قرب و دیدار کے وہ معاملات جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا۔ "واما الذین استنکفوا واستکبروا" اپنے بندوں سے تکبر کیا۔ "فیعذبھم عذاباً الیماً ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیاً ولا نصیراً"

⑱ "یایھا النّاس قد جاء کم برھان من ربکم" اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد قرآن، دلیل، برہان ہے۔ "وانزلنا الیکم نوراً مبیناً" اس سے مراد قرآن ہے۔

⑲ "فاما الذین آمنوا باللہ واعتصموا بہ" ان کو شیطان کے نرغے سے محفوظ کرلیا۔ "فسیدخلھم فی رحمۃ منہ و فضل" فضل سے مراد جنت ہے۔ "ویھدیھم الیہ صراطاً مستقیماً"

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑳

ترجمہ: لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص مرجاوے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے ایک (عینی وعلاتی) بہن ہو تو اس کو تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر (وہ بہن مرجاوے اور) اس کی اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر: ⑳ "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" اس آیت کا نزول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا، فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، مجھے کوئی ہوش نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا پانی میرے اوپر چھڑکا، مجھ کو ہوش آگئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری میراث کا وارث کون ہے؟ میں تو "کلالۃ" ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" ... کلالۃ کا معنی ماقبل میں ذکر

کیا گیا۔ اس آیت کا حکم بھی ابتداء سورۃ میں گزر چکا ہے اس آیت میں حقیقی بھائی، باپ، ماں شریک یا صرف علاتی بہن بھائی (باپ شریک) کے احوال کا بیان ہے۔ "یستفتونک" ہم تمہیں اس کے متعلق خبر دے دیں گے اور تجھ سے سوال کریں گے۔ "قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ"...... "ان امرؤٌ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا" جب بہن مرجائے تو اس کی میراث اس کے بھائی کو ملے گی (جب کوئی اور وارث موجود نہ ہو)...... "ان لم یکن لھا ولد" اگر اس کی بہن کا بیٹا موجود ہو تو بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی ہو تو پھر بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ حصہ ملے گا۔ "فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک" اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو ان کو ثلثان ملے گا۔ "وان کانوا اخوۃ رجالا ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین، یبیّن اللّٰہ لکم ان تضلوا" فراء اور ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے حق اور یہی بات کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ "واللّٰہ بکل شیءٍ علیم"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں کامل نازل ہونے والی سورۃ سورۃ براۃ ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورۃ نساء کی آخری آیت "یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت آیت ربوا ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "واتقوا یومًا ترجعون فیہ الی اللّٰہ" ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ سورۃ نصر کی آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال زندہ رہے اور سورۃ نصر کے بعد سورۃ براءت نازل ہوئی اور یہی سورت تھی جو سب سے آخر میں پوری نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ زندہ رہے۔ پھر حجۃ الوداع کے راستے میں آیت "یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ" نازل ہوئی۔ اس کا نام آیت الصیف ہے۔ پھر اس کے بعد وقوف عرفہ کے وقت آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن زندہ رہے۔ پھر آیت ربوا نازل ہوئی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "واتقوا یومًا ترجعون فیہ الی اللّٰہ" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن زندہ رہے۔

الحمد للہ تفسیر بغوی کی پہلی جلد مکمل ہوئی۔ دوسری جلد سورہ مائدہ سے شروع ہے۔ (مترجم)

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرالنظیم فی فضائل القرآن
والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ فاتحہ تا سورہ نساء

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار و برکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

حضرت امام ابو محمد

عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

ولادت ۶۷۸ھ وفات ۷۶۸ھ

آپ کی پیدائش عدن شہر میں ہوئی' وہیں تحصیل علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اس میں کمال حاصل فرمایا۔ اس کے بعد حج کیا اور واپس شام کی طرف لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے خلوت کو اور لوگوں سے انقطاع کو محبوب فرمایا اس کے بعد آپ ''حضرت شیخ علی طواشی صاحب حلی'' کی صحبت میں رہے اور انہی کے ہو رہے' یہی آپ کے شیخ ہیں جن سے آپ سلوک طریقت میں مستفید ہوتے رہے۔

روایت ہے کہ جب امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اقدس کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو فرمایا میں مدینہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ مجھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت مرحمت نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ مدینہ شریف کے دروازہ پر چودہ روز تک ٹھہرے رہے۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا۔ **یا عبداللہ انا فی الدنیا نبیک وفی الآخرۃ شفیعک وفی الجنۃ رفیقک**

اے عبداللہ! میں دنیا میں تمہارا نبی ہوں' آخرت میں تمہارا شفیع ہوں اور جنت میں تمہارا رفیق ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا (اے عبداللہ!) یاد رکھو یمن میں دس حضرات ایسے ہیں جس نے ان کی زیارت کی اس نے میری زیارت کی اور جس نے انکو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا پانچ حضرات زندہ ہیں اور پانچ مردہ۔

میں نے عرض کیا زندہ کون سے حضرات ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۱) شیخ علی طواشی صاحب حلی۔
(۲) شیخ منصور بن جعدار صاحب حرض (۳) محمد بن عبداللہ سوذن صاحب منصورہ الجیم
(۴) فقیہ عمر بن علی زیلعی صاحب السلامۃ (۵) شیخ محمد بن عمر النہاری صاحب برع اور مردوں میں۔
(۱) ابوالغیث بن جمیل۔(۲) فقیہ اسماعیل حضرمی۔
(۳) فقیہ احمد بن موسیٰ بن عجیل (۴) شیخ محمد بن ابوبکر حکمی (۵) فقیہ محمد بن حسین بجلی۔

حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پس میں ان حضرات کی طلب میں نکل کر کھڑا ہوا۔ ولیس الخبر کالمعاینۃ اور جو اس میں شک کرے وہ شرک کرتا ہے۔ پس میں زندہ حضرات کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے گفتگو فرمائی۔ پھر مردوں کے پاس گیا تو انہوں نے بھی مجھ سے گفتگو فرمائی پھر جب میں حضرت شیخ محمد نہاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو انہوں نے فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو خوش آمدید'' میں نے کہا آپ اس مرتبہ تک کیسے پہنچے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ) تم اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔ تو میں نے ان کے پاس تین دن قیام کیا۔ اس کے بعد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس ہوا تو بھی اس کے دروازہ پر چودہ دن ٹھہرا رہا۔

پھر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ان دس حضرات کی زیارت کر لی میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے حضرت ابوالغیث کی خوب تعریف کی۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ابوالغیث ان لوگوں کا کنبہ ہے جن کا کوئی کنبہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے مدینہ شریف میں حاضر ہونے کی اجازت عنایت فرمائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا داخل ہو جایئے آپ آمنین میں سے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کے متعلق اہم علمی مباحث

بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور قرآن کریم کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی مکتوب تحریر کرواتے ان میں سب سے پہلے بسم اللہ شریف لکھی جایا کرتی تھی۔

ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب فضائل القرآن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف جو مکتوب ارسال فرماتے سب سے پہلے لکھتے بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہی طریقہ رہا پھر بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا والی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ لکھوانے لگے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہی دستور جاری رہا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوانے لگے۔

منصور بن عمار جو بڑے حکیم و دانا تھے ان کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں راہ چلتے ایک کاغذ پڑا ہوا ملا جس میں بِسْمِ اللّٰہِ لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے وہ کاغذ اٹھایا اور کوئی جگہ اس کے رکھنے کو نہ پائی تو اسے نگل لیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی آدمی کہہ رہا ہے "اے منصور تو نے جو اس کاغذ کی عزت کی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے" اس وقت سے وہ عجوبات بھی کرتے دانائی کی کرتے تھے۔

ادب کی برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کاغذ میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم مبارک لکھا ہو اور وہ زمین پر گرا ہوا ہو جب تک اللہ تعالیٰ اس کو اٹھانے کے لئے اپنا کوئی دوست نہیں بھیجتے فرشتے اپنے بازوں سے اسے گھیرے رکھتے ہیں اور جو شخص اسے وہاں سے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے علیین میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔

حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے دیکھا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا سر راہ پڑا۔ پاؤں کے نیچے روندا جا رہا ہے انہوں نے اسے اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لکھا ہوا تھا انہوں نے ایک درہم کا عطر خرید کر اسے لگایا اور دیوار کی درز میں دے دیا۔ رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا ہے اے بشر تو نے میرے نام کو معطر کیا ہے۔ میں تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کروں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بڑے بڑے مالداروں کے نام مٹ گئے لیکن اس فقیر کا نام جس کے

پاؤں میں جوتا تک نہ ہوتا تھا آج تک زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنے خطوں اور رسالوں میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا کرو اور لکھتے وقت زبان سے پڑھا بھی کرو۔

اسم اعظم

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے بسم اللہ کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا یا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اس کے اور اسم اعظم کے درمیان اتنا قرب ہے جتنا کہ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کا قرب ہے اور فرمایا کہ بسم اللہ اللہ تعالیٰ کے اسم باطن پر دلالت کرتی ہے اور یہ وہ پوشیدہ اسم ہے کہ جس سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى میں كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد بِسْمِ اللّٰهِ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بسم اللہ کی ب کو میم تک نہ کھینچو کہ سین ختم ہی ہو جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بسم اللہ لکھنے والے کو سزا دی کیونکہ اس نے میم کو سین سے پہلے لکھ دیا تھا کسی نے پوچھا کہ امیر المومنین نے سزا کیوں دی ہے اس نے کہا بسم اللہ کی سین کی وجہ سے۔

تسمیہ کے اسرار و رموز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کے معانی میں غور کرنے کے لئے اسے تین دفعہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی تعظیم کی نیت سے بسم اللہ کو بہت عمدگی اور خوبصورتی کیساتھ لکھے اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

سب کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور یہ بھی اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت یا کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے تمہیں رات رہنے کے لئے گھر اور کھانا مل گیا ہے۔ ایک عارف کا ارشاد ہے کہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں اور دوزخ کے داروغے بھی انیس ہیں اللہ تعالیٰ ان انیس حروف کے سبب مومن سے دوزخ کے انیس داروغوں کو دور کر دیتا ہے اور بسم اللہ کے چار کلمات ہیں اور گناہ بھی چار قسم کے ہیں۔ رات کے گناہ دن کے گناہ پوشیدہ گناہ اور ظاہری گناہ لہذا جو مومن آدمی اخلاص اور محبت سے بسم اللہ پڑھتا ہے اس کے چاروں قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ب بہاء اللہ ہے (خوبی) سین سناء اللہ (اللہ کی روشنی) ہے اور میم ملک اللہ یا مجد اللہ (اللہ کا ملک یا بزرگی) ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا الف، لام، ہاء، سین، میم، ح، ہاء، حاء، نون، راء اور یاء بہت عظمت والے حروف ہیں اور یہی بسم اللہ کے حروف ہیں انہیں حروف سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے۔ باء اور میم سے ظاہری بادشاہت قائم

ہوئی۔ باء اور سین سے عالم ملکوت وجود میں آیا باء اور الف سے ناموں کو وجود ملا لام اور ہاء سے حالات نے ترتیب پائی راء اور حاء سے رحمت ظہور میں آئی اور نون و یاء سے نعلین کا حکم صادر ہوا۔

ربوبیت کی دو قسمیں

ایک محقق عارف نے مجھ سے بیان کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسم اعظم ہے کیونکہ جب اس کو ربوبیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس سے تعظیم کا اظہار ہے اور ایک قسم وہ جس سے شان کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ تعظیم اللہ کی وہ چادر ہے جو عالم میں ہمیشہ قائم ہے اور مخلوق میں پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مقربین اور اصحاب الیمین کی تعریف کے بعد فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ہے اور حق الیقین کے بعد مکذبین الضالین کی تعریف آئی ہے۔ تو جس شخص کو مقربین اصحاب الیمین اور مکذبین کا راز معلوم ہو گیا ہے اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اس نے عالم میں اللہ تعالیٰ کی پوری پوری عظمت کا مشاہدہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو خوب پہچان لیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف ہر اس شخص کے لئے جس کا دل خاکی میں اور حجابی کشف سے پاک صاف ہے کیونکہ شکلیں دو ہی قسم کی ہیں ایک ہبوطی اور دوسری عروجی اور یہ مذکورہ شکل ہبوطی ہے کیونکہ اسم اعظم دائرہ بحسبہ حقیقۃ ترکیبیہ میں شامل ہے اور شکل عروجی اسم کی اضافت ہے ربوبیت کی طرف لہٰذا مراتب علویہ تینوں پہلو سے ٹھوس ہیں ارواح قدسیہ میں اس کے بعد مقربین اور اس کے بعد اصحاب الیمین ہیں اور مراتب سفلیہ تین ہیں۔

الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى. تو مراتب علویہ عالم ایجاد میں مراتب سفلیہ کا باطن ہیں اور مراتب سفلیہ ظاہر ہیں اور اسم ربوبیت موجودات میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور اسم الوہیت حقائق موجودات پر غالب ہے تو جب اسم اللہ یعنی بسم اللہ کو مضاف کیا جائے تو رحمانیت ظاہر ہوتی ہے تو عظمت اور علو ربوبیت کی صفت ہے اور رحمانیت الوہیت کی صفت ہے مگر ربوبیت ظاہر ہے اور الوہیت باطن ہے۔ اور یہ نسبت فسبح کی سی ہے اور اسم کی نسبت اسم اللہ کی سی نسبت ہے اور اقرء کی نسبت بسم کی سی نسبت ہے اور اسم کی نسبت اللہ کی سی نسبت ہے اور رَبِّكَ کی نسبت رحمان کی سی نسبت ہے۔ اور الذی خلق کی نسبت رحیم کی سی نسبت ہے مگر یہ تین نسبتیں نیچے سے اوپر ترقی کرتی ہیں اور وہ تین اوپر سے نیچے کو آتی ہیں اور سفلیات کی کنجیاں علویات کے بعد ہیں تو سبح بحمدک غیبت ہے اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى دوسری غیبت ہے اور اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ تیسری غیبت ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم غیبت ہے اور ایسا ہی قرآن کریم میں سب کھتا چاہئے۔

تسمیہ کے اسرار

بسم اللہ الرحمٰن تین عالم پر مشتمل ہے عالم الملک، عالم الخلق اور عالم الامر چنانچہ ارشاد الٰہی ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اور بسم اللہ تمام عالموں کے بارے میں فائدہ مند ہے اور اس میں ابتداء و انتہا کا بھید ہے اور اس میں توحید کے مراتب ہیں کیونکہ بسم اللہ مقابل ہے شہد اللہ کے الرحمٰن مقابل ہے والملائکۃ کے اور الرحیم مقابل ہے واولوا العلم کے۔ لہٰذا بسم

اسکا اول اس کے آخر اور اس کا ظاہر اس کے باطن کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے موجودات کا درخت پیدا کیا اور اسی سے مخفی امور کے راز ظاہر فرمائے اسی لئے جو آدمی کثرت سے بسم اللہ کا ورد کرے وہ علوی و سفلی دونوں قسم کی مخلوقات کے نزدیک بارعب ہو جاتا ہے اور جو شخص اسکے وہ راز جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھے ہیں جان لے اور انہیں کسی چیز پر لکھدے تو وہ آگ میں نہیں جلے گی اور اسی میں اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا بھید ہے۔

ایک اہم وظیفہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں.... کہ اگر کسی آدمی کو کوئی حاجت ہو تو وہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھے اور جمعہ کے دن اچھی طرح صاف ستھرا ہو کر جمعہ کی نماز کو جاتا ہو اور راستہ میں ایک یا دو یا تین روٹیاں خیرات کرے اور نماز جمعہ سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الَّذِیْ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ الَّذِیْ مَلَأَتْ عَظَمَتُهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ وَخَشَعَتْ لَهُ الْاَبْصَارُ وَوَجِلَتْ مِنْهُ الْقُلُوْبُ وَفَرِقَتْ مِنْهُ الْعُيُوْنُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تُعْطِیَنِیْ حَاجَتِیْ وَهِیَ كَذَا وَكَذَا

تو اسکی حاجت فوراً پوری ہو جائے گی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل جاہل بیوقوفوں کو ہرگز نہ بتاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کے نقصان کے لئے یہ دعا پڑھ دیں اور وہ قبول ہو جائے۔

ایک اور وظیفہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو حاجت مند آدمی اچھی طرح وضو کرے دو رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور دوسری میں فاتحہ اور آمن الرسول آخر تک پڑھے اور تشہد پڑھ کر اور سلام پھیر کر یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ یَا مُؤْنِسَ كُلِّ وَحِیْدٍ وَّیَا صَاحِبَ كُلِّ فَرِیْدٍ وَّیَا قَرِیْبًا غَیْرَ بَعِیْدٍ وَّ یَا شَاهِدًا غَیْرَ غَائِبٍ وَّ یَا غَالِبًا غَیْرَ مَغْلُوْبٍ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَشَعَتْ لَهُ الْاَصْوَاتُ وَوَجِلَتْ مِنْ خَشْیَتِهِ الْقُلُوْبُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَقْضِیَ لِیْ كَذَا وَكَذَا (كَذَا وَكَذَا کی جگہ اپنی حاجت کو ذہن میں لائے)

قضاءِ حاجت کیلئے ایک وظیفہ

میں نے ایک عارف کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر کسی کو بہت ہی سخت حاجت پیش آئے تو وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے میں لکھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ اِلَى الرَّبِّ الْجَلِيْلِ رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

پھر اس کاغذ کو بہتے ہوئے پانی میں ڈال دے اور کہے

اِلٰهِيْ بِمُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَصَحْبِهِ الْمُرْتَضِيْنَ اِقْضِ حَاجَتِيْ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ

اور جو حاجت ہو اس کا نام لے ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہو جائیگی۔

میرے دوستوں میں سے ایک صاحب نے بیان کیا کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بارہ ہزار مرتبہ پڑھے اور ہر ہزار کے بعد دو رکعت نفل ادا کرے اور جو حاجت ہو اس کے پورے ہونے کی دعا مانگے پھر پڑھنا شروع کر دے اور ہر ہزار پر دو نفل بھی پڑھے اور دعا بھی مانگے اسی طرح بارہ ہزار ختم کرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حاجت پوری ہوگی۔

سورۃ الفاتحہ.....فضائل وتعارف

سورہ فاتحہ کے دیگر اسماء

اس سورۃ کا نام فاتحہ اس لئے ہے کہ قرآن کریم کا آغاز اسی سورۃ سے ہوا ہے اور چونکہ یہ سورۃ دوسری تمام سورتوں سے پہلے ہے اس لئے اس کا نام ام القرآن اور ام الکتاب بھی ہے اور اس سورۃ کا نام السبع المثانی بھی ہے۔ سبع اس لئے کہ اس کی آیات سات ہیں اور مثانی اس لئے کہ یہ نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہے یا اس لئے کہ دو دفعہ نازل ہوئی ہے۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں اور اس لئے بھی کہ یہ سورۃ صرف اسی امت کے لئے استثناء کی گئی ہے یعنی یہ سورۃ خاص امت محمدیہ کے لئے نازل ہوئی ہے اس سے پہلے کسی امت پر نہیں اتری۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس کا نام مثانی اس لئے ہے کہ اس کا آدھا حصہ ثنا ہے اور باقی آدھا دعا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایسی سورۃ بتاؤں کہ اس جیسی سورۃ نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں اور نہ زبور میں وہ سورۃ سبع المثانی اور والقرآن العظیم ہے جو مجھے عطا فرمائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ پڑھی گویا اس نے تورات و انجیل و زبور اور قرآن شریف کو پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ایک قوم پر یقینی طور پر عذاب اتارا جائے گا اس وقت ان کا ایک لڑکا باہر آ کر سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کی برکت سے چالیس سال تک ان سے عذاب اٹھالے گا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے

کہ اس نے مجھے وحی بھیجی کہ میں نے اپنے عرش کے خزانوں سے آپ کو سورۂ فاتحہ عنایت کی پھر میں نے اس کو اپنے اور تمہارے درمیان نصف نصف کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ سورۂ فاتحہ دوسری سورۃ کے قائم مقام ہوسکتی ہے مگر کوئی دوسری سورۃ سورۂ فاتحہ کی جگہ کافی نہیں ہوسکتی۔

معاویہ بن صالح ابی فروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو تین بار تکلیف پہنچی ایک جب جنت سے نکال کر زمین پر اتارا گیا اور فرشتوں نے اس کا جنتی لباس اتار لیا اور ایک اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ایک اس وقت جب سورۂ فاتحہ نازل کی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہم قول

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنی چاہوں تو ستر اونٹ کے بوجھ کے برابر لکھ سکتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا سرا اور ستون اور اس کی بلندی کی چوٹی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں جو اجمالی عظیم القدر ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو ام القرآن اور مفتاح فرمایا ہے اور اس کے بغیر نماز کو ناقص قرار دیا اس کی فضیلت دوسری سورتوں پر انہی پانچ ناموں کی برکت سے ہے۔

اسم اعظم

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعہ دعا مانگی جائے تو قبول ہو جاتی ہے اور جو چیز مانگی جائے مل جاتی ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہ پانچ نام جس طرح قرآن کریم کی ابتداء میں ہیں اسی طرح لوح محفوظ میں بھی پہلے ہی لکھے ہوئے ہیں اور یہی نام عرش وکرسی کے سرا پردہ پر بھی لکھے ہوئے ہیں۔ نیز ہم اگر ان اسماء میں غور وفکر کریں تو ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ ناموں پر پانچ نمازوں اور اسلام کے پانچ ارکانوں کو ترتیب دیا ہے اور غنیمت و دفینہ کے مال میں پانچواں حصہ مقرر فرمایا اور پانچ اونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اور لعان میں پانچ شہادتیں اور قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہیں اور پانچ حدیں مقرر کیں۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں پانچ پانچ بنائیں جن انبیاء کا قرآن کریم میں تذکرہ ہے وہ پچیس ہیں اور سورۂ فاتحہ کے کلمے پچیس ہیں۔

کیفیت نزول

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی اور آل عمران کی آیات

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ کو جب اللہ

تعالیٰ نے اتارنا چاہا تو یہ عرش سے چمٹ کر کہنے لگیں کیا آپ ہمیں زمین پر ان لوگوں کے ہاں اتار رہے ہیں جو آپ کے نافرمان ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میرے بندوں میں جو ہر نماز کے بعد تمہیں پڑھے گا میں اسے جنت میں جگہ دوں گا اور اسے حظیرۃ القدس میں رکھوں گا اور ہر روز اس کی طرف ستر بار دیکھوں گا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا جنت میں سے کم سے کم درجہ کی حاجت مغفرت ہے اور اسے اس کے ہر دشمن سے محفوظ رکھوں گا اور اسے دشمن پر غالب کر دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آواز سی سنائی دی۔ حضرت جبرئیلؑ نے اوپر دیکھا اور فرمایا آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے جو پہلے کسی امت کے لئے نہیں کھلا اور اس دروازہ سے ایک فرشتہ اترا ہے جو پہلے کبھی نہیں اترا پھر اس فرشتہ نے سلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور ایک سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان کا جو حرف پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ سورۃ ایسی ہے جس مقصد کے لئے پڑھی جائے گی وہی مقصد حاصل ہوگا۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے سورۂ فاتحہ ہر غم کی شفا ہے۔

(۳) ابوفروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شیطان کو تین دفعہ نقصان پہنچا ایک دفعہ جب اسے جنت سے نکالا گیا۔ دوسری مرتبہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تیسری مرتبہ جب سورۂ فاتحہ نازل کی گئی۔

فضل آیات سورہ فاتحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص چار دفعہ الحمد لله رب العلمین کہہ کر پھر پانچویں مرتبہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اس کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ تیری طرف ہے اس سے جو تو مانگتا ہے مانگ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو دیکھا تو فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اتنے میں میں نے دشمنوں کو دیکھا کہ زمین پر گر رہے ہیں اور فرشتے ان کو آگے پیچھے سے مار رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن کریم کی سب سے افضل آیت الحمد للہ رب العالمین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کے گھر میں غربت و بے سروسامانی ہو وہ اپنے گھر میں اگر سورۂ فاتحہ اور اخلاص پڑھے تو غربت و بے سروسامانی جاتی رہے گی اور اس کی جگہ خوشحالی آئے گی۔

عملیات سورہ فاتحہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم سوتے وقت سورۂ فاتحہ اور اخلاص پڑھ لو تو موت کے علاوہ باقی ہر مصیبت سے محفوظ ہو جاتے ہو۔

ہر بیماری سے شفاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص بارش کے پانی پر سورۃ فاتحہ ستر بار، آیۃ الکرسی ستر مرتبہ اور قل ھو اللہ احد ستر مرتبہ اور معوذتین ستر مرتبہ پڑھ کر دم کرے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ جو شخص اس دم کئے ہوئے پانی کو سات دن بلا ناغہ پئے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم سے ہر بیماری کو نکال دے گا اور اس کی رگوں ہڈیوں اور تمام اعضاء سے نکال دے گا۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی کو بخار ہو تو چالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر پانی پر دم کر لیا جائے اور اس کے منہ پر چھینٹیں ماری جائیں تو بخار جاتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اگر کسی کی آنکھیں آ گئی ہوں یا اس کی نظر میں کمزوری ہو تو چاند کی پہلی یا دوسری رات کو چاند کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیرتا رہے اور سورۃ فاتحہ بسم اللہ اور آمین سمیت دس مرتبہ سورۃ اخلاص تین بار اور اس کے بعد شِفَآءٌ مِنْ كُلِّ دَآءٍ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ سات بار اور یارب پانچ بار پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی بیماری ختم ہو جائے گی۔

اگر کوئی بیمار ہو اور اس کی بیماری نہ جاتی ہو تو اس سورۃ کو پڑھے یا کسی برتن میں لکھ کر پانی سے دھو کر پی لے اور منہ پر چھینٹے بھی مارے اور سارے جسم پر ملے اور ملتے وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ اَللّٰهُمَّ اكْفِ اَنْتَ الْكَافِيْ اَللّٰهُمَّ اعْفُ اَنْتَ الْمُعَافِيْ.

اگر اس کی موت نہیں آئی تو وہ اس عمل کرنے سے صحت مند ہو جائے گا۔

سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں پچیس کلمات اور ایک سو اکتالیس حرف ہیں۔ اس سورۃ میں جنس ثکلثر کے علاوہ باقی سب نقطہ والے حروف موجود ہیں اور جنس ثکلثر کے حروف آیت اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ میں موجود ہیں۔

سورۃ البقرۃ..... تعارف و فضائل

اس سورۃ میں بہت عجائبات کثیر احکام اور قصے ہیں اس لئے اس کا نام فسطاط بھی ہے۔ فسطاط اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں شہر کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بہت بڑے شہر کو بھی فسطاط کہتے ہیں اسی لئے مصر کو فسطاط کہتے ہیں اور بالوں کے خیمہ کو بھی فسطاط کہتے ہیں اور اس سورۃ کا ایک نام سنام القرآن بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَسَنَامُ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ہر چیز کی ایک کوہان (چوٹی) ہوتی ہے اور قرآن کریم کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔

اس سورۃ میں پانچ سو احکام اور پندرہ ضرب الامثال ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص کو شیطان ملا تو اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیطان کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ شیطان نے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جب تم اسے گھر میں پڑھو گے تو شیطان گھر سے جاتا رہے گا۔ جب انہوں نے چھوڑ دیا اور کہا کہ بتا تو شیطان نے کہا اب میں نہیں بتاتا۔ انہوں نے پھر پکڑ کر زمین پر پٹخا تو کہنے لگا اب مجھے چھوڑ دو تو ضرور بتاؤں گا۔ انہوں نے چھوڑا تو پھر انکار کرنے لگا انہوں نے پھر تیسری مرتبہ اٹھا کر زمین پر مارا تو شیطان نے ان کی انگلی پر کاٹا اور خدا کی قسم کھا کر کہا اب چھوڑ دو تو ضرور بتاؤں گا۔ انہوں نے کہا جب تک بتائے گا نہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں۔ تب شیطان نے بتایا کہ وہ چیز سورۃ البقرہ ہے۔ خدا کی قسم جس گھر میں اس سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے شیطان وہاں سے گدھے کی طرح ہوا خارج کرتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا وہ صحابی کون تھے؟ تو بتایا کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نگران مقرر کردیں گے اور صبح تک شیطان تمہارے پاس نہیں آسکے گا۔

شیطان سے حفاظت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص آیت الکرسی اور سورۃ اعراف کی تین آیتیں اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

اور وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ اور سورۂ رحمٰن سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ تک پڑھے تو وہ سارا دن شیطان، جادوگر، ہر تکلیف دینے والے آدمی، ہر ظالم حکمران، ہر چور اور ہر موذی درندے سے محفوظ رہے گا اور جو شخص رات کو پڑھے وہ رات کو ان سب سے محفوظ رہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو وہ اسے (جن کی و آفت اور شیطان وغیرہ سے تحفظ کے لئے) کافی ہو جاتی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس کی (تمام رات کی) عبادت کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر مکمل کیا ہے جو اس نے مجھے اپنے اس خزانہ سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے لہٰذا ان دو آیتوں کو خود پڑھو اپنی بیویوں اور اولاد کو پڑھاؤ کہ یہ دونوں آیتیں نماز بھی ہیں دعا بھی ہیں اور قرآن بھی۔

حروف مقطعات کے اسرار و رموز

حروف مقطعات جو کہ سورتوں کی ابتداء میں مذکور ہیں ان کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف ان متشابہات میں سے ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ان پر ایمان رکھنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے معانی و مفہوم جانتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب میں کوئی برگزیدہ چیز ہوتی ہے اور قرآن کریم میں برگزیدہ شئی حروف مقطعات ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اگر آدمی ان حروف کو صحیح ترتیب دے سکیں تو ان سے بننے والے اسمائے الٰہیہ کو جان لیں چنانچہ الٓرٰ .... حٰمٓ اور نٓ کو ملایا جائے تو الرحمٰن بن جاتا ہے۔ اسی طرح باقی مقطعات بھی ہیں مگر ہم ان کی صحیح ترتیب بنانے سے قاصر ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے الٓرٰ حٰمٓ اور نٓ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا ان کے ملا لینے سے الرحمٰن بنتا ہے۔

سدیؒ کلبیؒ اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم کے نام ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حرف اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات پر دلالت کرتا ہے چنانچہ الف میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اول آخر ازلی اور ابدی ہے اور لام میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور میم میں اشارہ ہے کہ وہ ملک مجید منان اور محسن ہے اور کٓھٰیٰعٓصٓ میں کاف اشارہ ہے کہ وہ کافی کبیر اور کریم ہے اور ہا اشارہ ہے کہ وہ ہادی ہے اور یا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور عین اشارہ ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور صاد اشارہ ہے کہ وہ صادق ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ ان میں سے بعض حروف اسم صفات پر دلالت کرتے ہیں اور بعض اسم ذات پر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الٓمٓ سے مراد انا اللہ اعلم ہے۔ یعنی میں ہوں اللہ بہت علم والا اور الٓمٓصٓ سے مراد انا اللہ افضل ہے اور الٓرٰ سے مراد انا اللہ رائی ہے یعنی میں ہوں اللہ بہت دیکھنے والا اور بعض نے کہا کہ ان میں سے ہر حرف صفات افعال پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ الف سے مراد آلاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور بخششیں ہیں اور لام سے مراد اس کا لطف ہے اور میم سے مراد اس کا مجد اور طاء سے مراد یہ ہے کہ وہ طیب و ذو الطول ہے۔ یعنی پاک و بخشش والا ہے اور سین سے مراد یہ ہے کہ

وہ سلام اور سمیع ہے اور راء سے مراد یہ ہے کہ وہ رب اور رحیم ہے اور حاء سے مراد یہ ہے کہ وہ حلیم حی اور حق ہے اور نون سے مراد یہ ہے کہ وہ نور اور نافع ہے اور قاف سے مراد یہ ہے کہ وہ قاہر قادر اور قوی ہے۔

اور بعض کا یہ کہنا ہے کہ ان میں سے بعض حروف اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر دلالت کرتے ہیں اور امام غزالی فرماتے ہیں یہ حروف کل چودہ ہیں سب سے پہلا الٓمٓ اور آخری نٓ ہے اور ان میں سے بعض مکرر سہ کرر آئے ہیں اور ان کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے مشتق ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حروف ہجا کے اٹھائیس حروف کے نصف ہیں جو کہ سورتوں کے شروع میں تکرار کے ساتھ آئے ہیں ان کے بعد قصے اور احکام مذکور ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ قرآن کریم کی کمی اور زیادتی سے حفاظت فرمائی ہے اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ایک عارف نے فرمایا کہ جو حروف ہم بولتے ہیں اٹھائیس ہیں ان میں سے چودہ حروف نور ہیں اور چودہ حروف ظلمت حروف نورانیہ ہے۔ ا' ح' ص' ر' س' ک' ع' ط' ق' ہ' ن' م' ل' ی اور باقی حروف ظلمت ہیں۔

چودہ نورانی حروف

اور ایک عارف کا فرمان ہے کہ حروف مقطعات تین کلمات اور اٹھائیس حروف ہیں اور وہ الٓمٓ' الٓمٓصٓ' الٓرٰ' الٓرٰ' الٓرٰ' الٓرٰ' الٓرٰ' الٓرٰ" کٓھٰیٰعٓصٓ' طٰهٰ' طٰسٓمٓ' طٰسٓ' طٰسٓمٓ' الٓمٓ' الٓمٓ' الٓمٓ' یٰسٓ' صٓ' حٰمٓ' حٰمٓ' حٰمٓ' حٰمٓ عٓسٓقٓ' حٰمٓ' حٰمٓ حٰمٓ' قٓ' نٓ ہیں اور اگر ان کی ترکیب کو دیکھا جائے تو بعض ایک ایک ہیں بعض دو دو اور بعض تین تین' بعض چار چار اور بعض پانچ پانچ حروف سے مرکب ہیں جیسا کہ کلام عرب کا قاعدہ ہے۔

اور امام سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اپنی ایک کتاب میں ایک فصل حروف کے بیان میں قائم کی ہے اس میں فرماتے ہیں کہ حروف میں سے افضل نو ہیں جن کے نور سے حروف مقطعات بنے ہیں وہ یہ ہیں۔ ا' ل' م' ص' ر' ح' ق' ک' ن' و اجسام ظاہرہ یعنی ساتوں آسمان اور عرش اور کرسی ان کی اشرفیت پر دلالت کرتے ہیں یہ وہ حروف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کنایۃً ان لفظوں سے بیان فرمایا ہے۔ الٓمٓصٓ' قٓ' نٓ' حٰمٓ اور یہی حروف لوح و قلم کے حروف ہیں اور چودہ حروف نورانیہ' ل' م' ص' ر' ک' ی' ع' ط' س' ا' ح' ق' ن' ھ ہیں یعنی وہ حروف جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ منازل قمری کل اٹھائیس ہیں اس طرح چاند چودہ منزلوں تک روشنی میں کمال حاصل کرتا ہے اور سورج کے قریب ہوتا ہے اسی طرح نفس انسانی ان چودہ حروف کی معرفت سے عقل کا نور حاصل کرتا ہے اور کمال کو پہنچتا ہے۔

حرف الف سے اللہ تعالیٰ کے وہ اسمائے گرامی تعلق رکھتے ہیں جن کے شروع میں الف آتا ہے یعنی اللہ' احد' اول اور آخر۔ حرف باء سے باسط' باعث' باقی اور باطن ہیں۔ حرف جیم سے جبار' جلیل' جمیل' جواد اور جامع ہیں۔ حرف دال سے دائم اور دیان

ہیں۔ حرف ہاء سے ہادی ہے۔ حرف واؤ سے وارث اور وہاب ہے حرف زاء سے زکی ہے۔ حرف حاء سے حی، حکیم، حلیم، حق، حکم، حفیظ اور حسیب ہیں۔ حرف طاء سے طاہر، طائب اور طائق ہیں۔ حرف یاء سے وہ اسم اعظم متعلق ہے جو عبرانی زبان میں ہی وہ ہے اور اب تک بنی اسرائیل اس کی تاویل نہیں جانتے۔ حرف کاف سے کریم، کفیل اور کبیر ہیں۔ حرف لام سے لطیف ہے حرف میم سے مالک، مومن، مہیمن، مصور، ماجد، مقتدر، موخر، معز، مذل، مطیع، مجیب، متین، محصی، مبدی، معید، محی، ممیت، متعال، منتقم، مالک الملک، مقسط، مغنی، معطی، مانع، منزل، مہلک، منشی اور مبین ہیں۔ حرف نون سے نور اور نافع ہیں۔ حرف سین سے سلام، سمیع اور سبوح ہیں۔ حرف عین سے عزیز، علی، عظیم، عدل اور عفو ہیں۔ حرف فاء سے فرد اور فتاح ہیں حرف صاد سے صبور، صمد اور صادق ہیں۔ حرف قاف سے قیوم، قہار، قاہر، قدوس، قائم، قدیر، قابض، قریب اور قدیم ہیں۔ حرف راء سے رحمٰن، رحیم، رب، رؤف، رافع، رقیب، رزاق اور رشید ہیں۔ حرف شین سے شاہد، شکور اور شدید العقاب ہیں۔ حرف تاء سے تواب ہے۔ حرف ثاء سے ثابت الوجود ہے۔ حرف خاء سے خالق، خبیر اور حافظ ہیں۔ حرف ذال سے ذوالجلال والاکرام ہے۔ حرف ضاد سے ضار، حرف ظاء سے ظاہر اور حرف غین سے غنی، غفار اور غالب ہیں۔

بہتر دعا وہ ہے جو اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اور چودہ حروف نورانیہ کے ساتھ مانگی جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اور انہیں میں اسم اعظم بھی ہے اور اسمائے حسنیٰ اور چودہ حروف نورانیہ کے ساتھ دعا یہ ہے (ا) یا اَللّٰہُ، یا اَحَدُ، یا اَوَّلُ یا آخِرُ یا لَطِیْفُ، (م) یا مَالِکَ الْمُلْکِ، یا مَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ یا مُحْیِیْ یا مُمِیْتُ (ص) یا صَمَدُ (ر) یا رَبَّ الْاَرْبَابِ یا رَحْمٰنُ، یا رَحِیْمُ (ک) یا کَرِیْمُ (ہ) یا ہَادِیْ اَنْتَ ھُوَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (ی) یرہ اہیا شراہیا و (ع) یا عَلِیُّ یا عَظِیْمُ (ط) یا طَالِبُ یا طَاہِرُ (س) یا سَمِیْعُ یا سُبُّوْحُ یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ (ن) یا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنُوْرَ الْاَنْوَارِ کُلِّھَا وَمُنَوِّرَھَا یَا نَافِعُ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی وَالتُّقٰی وَاَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَاَسْئَلُکَ رِزْقًا دَارًّا وَعَیْشًا قَارًّا وَعَمَلًا بَارًّا وَاِلْحَاقًا بِعِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَعَلٰی نَبِیِّنَا اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِکَ وَاَنْ تُسَلِّمَ عَلَیْھِمَا وَعَلٰی آلِھِمَا وَعَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَاَنْ تُعْطِیَنِیْ سُؤْلِیْ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ وَاَنْ تُصْلِحَ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ حَتّٰی اَلْقَاکَ وَاَنْتَ رَاضٍ عَنِّیْ وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

یہ بات جاننی چاہئے کہ جس طرح جسمانی طبیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسمانی بیماریوں کی تشخیص کر کے ہر بیماری کا علاج اس کی ضد سے کرے اور مفرد اور مرکب دوائیوں کی تاثیرات اور خواص جان کر ہر بیماری میں ہر دوا کو متوسط مقدار میں استعمال کرائے نہ کہ حد سے زائد یا کم مقدار دے کر مریض کو نقصان پہنچائے۔ اسی طرح روحانی طبیب کا بھی یہ فرض ہے کہ روحانی امراض کی اچھی طرح تشخیص کر کے علاج بالضد کرے اور اسماء و حروف کے خواص معلوم کر کے باندازۂ متوسط اس سے پڑھوائے مثلاً خوفزدہ شخص کو حاء جو ٹھنڈا تر ہے اور میم جو گرم خشک ہے اور وہ نام جو ان حروف کے ساتھ خاص ہیں یعنی حی، حنان،

منانؔ علیمؔ حکیمؔ اور مومن اڑتالیس بار پڑھنے کو کہے۔ پھر اس کے بعد خوف زدہ شخص خدا کا اسم اعظم ذاتی یااللہ یااللہ چھیس بار پڑھ کر جس سے ڈرتا ہے اس سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے پھر دوسری دفعہ وہی حروف اور وہی اسماء یا مومن تک اڑتالیس بار پڑھے اور یہ عدد دعاء اور میم کے ہیں اور چھیاسٹھ اللہ تعالیٰ کے عدد ہیں اور دو یا صمد سے دعا مانگے اور جو شخص پریشان و متحیر ہو وہ اسم ہادی اور رشید اور مرشد سے دعا کرے۔ فقیر و مفلس شخص اسم غنی مغنی منعم اور ذوالطول سے دعا مانگے اور کمزور و بے طاقت شخص قوی المتین سے اور ذلیل و بے قدر آدمی عزیز اور عظیم سے اور عاجز شخص قہار اور قدیر سے دعا مانگے اور کند ذہن شخص اسم معلم علیم اور محصی سے دعا مانگے اسی طرح ہر حاجت مند اپنی حاجت کے موافق اسم مبارک سے دعا مانگے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک عارف سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف زہری اپنے مال و اسباب اور گھروں اور جاگیروں پر یہ چودہ حروف نورانیہ لکھ دیا کرتے تھے اور وہ سب محفوظ رہتے تھے۔

حروف مقطعات کے خواص و فوائد

(۱) حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دشمن سے مقابلہ کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالنَّصْرِ وَالتَّاْيِيْدِ بِالمص وَ بِكهيعص وَ بِحمعسق وَ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ وَقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَبِنُوْنٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑائی میں مسلمانوں کے درمیان ایک علامت مقرر کر کے فرمایا کہ حٰم ولاینصرون

(۳) ایک عارف کا ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ دریائے دجلہ میں کشتی پر سوار ہوتے تو وہ چودہ حروف پڑھ لیتے جو سورتوں کے شروع میں ہیں۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ یہ کیوں پڑھتے ہیں؟ فرمایا جب یہ حروف کسی جگہ جنگل یا دریا میں جہاں بھی پڑھے جائیں تو پڑھنے والا اور وہ مقام جہاں پڑھے گئے ہیں دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کی جان و مال ہلاک ہونے اور غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک عارف نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر حٰمٓ عٓسٓقٓ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ نازل فرمایا تو میں جان گیا کہ اس میں کوئی الٰہی راز ہے۔ میں نے اس آیت کو اپنی تنگیوں اور مصیبتوں کے وقت اپنی ڈھال بنایا تو میں اس کے سبب ہمیشہ محفوظ رہا اور خوشحال ہی رہا۔

(۵) اور فرماتے ہیں کہ میں نے موصل میں ایک عارف کے پاس حروف مقطعات لکھے ہوئے دیکھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھ رکھے ہیں تو فرمایا یہ بہت برکت والی چیز ہے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے ہر آزمائش سے محفوظ رکھتے ہیں۔ رزق عطا فرماتے ہیں۔ جب بھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں

اور فوراً میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے انہیں حروف کی برکت سے دشمن سے محفوظ رہتا ہوں۔ چور، سانپ، بچھو، درندے اور حشرات الارض مجھ سے دور رہتے ہیں۔ جب سفر میں جاتا ہوں تو بھی انہیں ہی پڑھتا ہوں اور صحیح وسلامت واپس لوٹتا ہوں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس وقت مجھے کلمات کی برکات کا علم یقینی ہو گیا۔

(۶) امام غزالیؒ ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک عارف کی لونڈی کو مرگی کا دورہ ہوا تو انہوں نے آ کر اس کے کان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم الٓمّٓصٓ ، کٓھٰیٰعٓصٓ ، یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ حٰمٓ عٓسٓقٓ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ پڑھا اور پھونک ماری تو دورہ جاتا رہا اور باندی فوراً ہوش میں آ گئی آئندہ بھی اس مرض سے محفوظ رہی۔

(۷) بصرہ میں ایک شخص داڑھ کا درد کیلا کرتا تھا مگر بخیل تھا کسی کو بتاتا نہیں تھا۔ جب وہ شخص مرنے لگا تو ایک شخص کو بلا کر کہا میرے پاس قلم دوات اور کاغذ لا تاکہ میں تجھے داڑھ کیلا بتا دوں۔ پھر اس نے یہ کلمات لکھ دیئے۔

الٓمّٓصٓ طٰسٓمٓ کٓھٰیٰعٓصٓ حٰمٓعٓسٓقٓ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. اُسْکُنْ اُسْکُنْ بِالَّذِیْ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ وَاسْکُنْ بِالَّذِیْ سَکَنَ لَهٗ مَا سَکَنَ لَهٗ مَا فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اور کہا جسے داڑھ میں درد ہو اس کی داڑھ کو ان حرفوں سے کیل دیا کر۔

(۸) حسنیؒ کہتے ہیں جو شخص کسی مہینے کی چودھویں تاریخ اور جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد ہرن کے چمڑے پر گلاب اور زعفران سے سورۂ بقرۃ المفلحون تک سورۂ آل عمران وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ تک الٓمّٓصٓ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ تک الٓمّٓرٓ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ تک کھیعص ذِکْرُ تک طٰهٰ لِتَشْقٰی تک ، طٰسٓمٓ تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ تک یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ تک وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ شِقَاقٍ تک حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ مصیر تک حٰمٓعٓسٓقٓ کَذٰلِکَ یُوْحِیْ حَکِیْمٌ تک قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ اور نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ عَظِیْمٍ تک لکھ کر ٹوے کی ایک پھری میں ڈالے اور موم سے بند کر کے دوہرے کپڑے کے درمیان میں رکھ کر سی لے اور داہنے بازو پر باندھے۔ تو اس کا دل بہادر اور عزم مضبوط ہو جائے گا۔ اس سے دشمن ڈرے گا۔ سب لوگ اس کی عزت کریں گے اگر تنگ دست ہے تو مالدار ہو جائے گا۔ اگر خوف ہے تو وہ جاتا رہے گا۔ جادو کا مریض ہے یا پاگل پن کا تو اس سے نجات ملے گی۔ مقروض ہے تو قرضہ سے نجات ہو جائے گی۔ کوئی غم ہے تو خدا تعالیٰ اس کا غم دور کرے گا۔ مسافر ہے تو صحیح سلامت واپس لوٹے گا۔ بچوں کے گلے میں لٹکایا جائے تو وہ ہر خوف وخطرہ سے محفوظ رہیں گے۔ بے نکاحی عورت کے گلے میں ڈالیں تو اس کا نکاح ہو جائے گا۔ کسی دکان پر لٹکایا جائے اس پر گاہک کثرت سے آئیں گے۔ اگر کوئی کسی حاجت مندی میں مبتلا ہو وہ اسے اپنے پاس رکھے تو اس کی حاجت پوری ہو گی۔

(۹) علامہ بونیؒ فرماتے ہیں چودہ حروف جو کہ سورتوں کے شروع میں ہیں اگر کوئی شخص ان کو چاندی کی ایک گول تختی میں ایسے وقت کندہ کرائے جس وقت چاند برج ثور میں ہو اور ثور طالع ہو پھر اس تختی کو اپنے پاس رکھے تو وہ خوشحال رہے گا۔

(۱۰) اور جو شخص اسی طالع میں چاندی کی انگوٹھی پر کندہ کرا کر اس انگوٹھی کو پہنے تو اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

(۱۱) جو شخص رجب کے مہینہ کی پہلی تاریخ بروز جمعرات ان حروف کو انگوٹھی کے نگ میں کندہ کرا کے پہنے تو اگر اسے کوئی خوف ہے تو وہ جاتا رہے گا اگر بادشاہ (یا افسر) کے پاس جائے تو بادشاہ پر اس کی ہیبت چھا جائے گی اور وہ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا۔

(۱۲) جو شخص ان حروف کو کسی غضبناک آدمی کے سر پر پھیر دے تو وہ راضی ہو جائیگا۔

(۱۳) جو پیاسا شخص ان حروف کو منہ میں رکھ کر چوس لے تو سیراب ہو جائے گا۔

(۱۴) اگر کوئی آدمی ان حروف کو رات بھر بارش کے پانی میں بھگوئے اور صبح نہار منہ وہ پانی پی لے تو اس کا حافظہ بہت مضبوط ہو جائے گا۔

(۱۵) اگر کوئی بے کار و بے روزگار شخص ان حروف کو پہنے تو اس کو کوئی کام مل جائیگا۔

(۱۶) اگر بیوہ عورت پہنے تو اس کا نکاح ہو جائے گا۔

(۱۷) اگر یہ حروف مرگی والے پر رکھ دیے جائیں تو مرگی فوراً ختم ہو جائے گی۔

(۱۸) اگر یہ حروف بغیر تکرار کے اس ہفتہ کے دن میں لکھے جو چاند کے پہلے نصف میں ہو لکھ کر لٹکا جائے تو سارا سال اس کی آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوگی۔

اگر کوئی آدمی جو تنگدست ہو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک الکریم' الوہاب' ذوالطول کا ہمیشہ ورد رکھے تو اللہ تعالیٰ اس پر رزق فراخ کر دیں گے چنانچہ میں نے کئی آدمیوں کو یہ ورد بتایا اور اس کی عجیب برکتیں دیکھیں اور اگر کوئی آدمی ان کا نقش گلے میں پہنے تو اس کے سب کام آسانی سے ہوتے رہیں گے۔

اور اسمائے حسنیٰ سے دعا مانگنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس اسم کا ورد کرتا ہو اس کے حروف الف لام کے بغیر لے کر جمل کبیر کے اعداد کے موافق ان کے عدد نکالے اور تنہائی میں خشوع خضوع اور حضور دل کے ساتھ جتنے وہ عدد ہوں اتنی بار ان کو پڑھے اس سے کم یا زیادہ نہ پڑھے دعا قبول ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ کم پڑھنے میں نقصان ہے اور زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ مثلاً الکریم الوہاب ذوالطول کو پڑھنا ہے تو کریم وہاب ذوالطول کے عدد بغیر الف لام کے ایک ہزار ساٹھ ہیں اور اگر ایک ساقط کر دیں تو ایک ہزار ساٹھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک باسط اگر پڑھا جائے اور لکھ کر پاس بھی رکھا جائے تو اس سے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔ غم اور تکالیف دور ہوتی ہیں اور دل خوش و مطمئن رہتا ہے اور اگر چار دن تک روزانہ چار گھنٹے اس کا ورد رکھا جائے یا ۸۲ دن تک روزانہ ۷۲ بار اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کا شوق عنایت کرتا ہے اور ہر قسم کے بوجھ ہٹا دیتا ہے تنگی رزق دور ہو جاتی ہے۔

اور جب سورج سعد طالع میں ہو تو سونے کی تختی پر "ط" ۹ عدد اور "ھ" ۴ عدد کندہ کر کے پاس رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو خواہ وہ جن ہو یا انسان مغلوب کر دیتا ہے اور نیک اعمال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور جو اس تختی کو پانی میں دھو کر پی لے تو

اس کے جان و مال میں برکت ہوتی ہے اور نیکی کو پسند کرتا ہے اور دل میں انشراح ہو جاتا ہے اور بیماری سے شفا ملتی ہے اور اگر چاند کی نویں یا اٹھارویں یا ستائیسویں تاریخ کو ان حروف کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو موذی حشرات الارض سے محفوظ رہتا ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ ناپاکی کی حالت میں اسے اپنے پاس نہ رکھے۔

جو شخص چاند کی ساتویں تاریخ کی ساتویں ساعت میں جس مطلب یا حاجت کے لئے لکھنا چاہے اور اس کی نیت سے باوضو ہو کر ۳۰ بار یا سات بار رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو شخص رجب سے جمعے تک حلال رزق کا خیال رکھ کر کھائے پیئے اور قبلہ رو ہو کر طہارت کے ساتھ سوئے اور سوتے ہوئے یہ پڑھے یا عزیز یا ذو الطول تو وہ عالم روحانی کے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے اور میں تنگدست ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو صلوٰۃ الملائکۃ اور تسبیح الخلائق کیوں نہیں پڑھتا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے تو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ مَنْ يَّمُنُّ وَلَايُمَنُّ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مَنْ يُّجِيْرُ وَلَايُجَارُ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مَنْ تَبَرَّأَ مِنَ الْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ لَاسْتِفْتَاحِ الرِّزْقِ اِلَيْهِ سُبْحَانَ مَنِ الْتَّسْبِيْحُ مِنْهُ مِنَّةٌ عَلٰى مَنِ اعْتَمَدَ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَامَنْ يُسَبِّحُ لَهُ الْجَمِيْعُ تَدَارَكْنِيْ فَاِنِّيْ جَزِعٌ

اسے فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پڑھ کر سو بار استغفار پڑھا کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی روزانہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ سو بار پڑھے اس کے لئے رزق کے دروازے اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیا اس کے آگے ذلیل ہو کر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کلمہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو تسبیح پڑھتا رہتا ہے۔

عارف سہروردیؒ فرماتے ہیں شیخ ابوالربیع سلیمان نے مجھ سے فرمایا کیا میں تجھے ایسی چیز بتا دوں جس کو تو حسب ضرورت خرچ کر لیا کرے؟ میں نے کہا ہاں بتائیں فرمایا یہ پڑھا کر۔

قُلْ يَا اَللّٰهُ ' يَا وَاحِدُ ' يَا اَحَدُ اِقْضِنِيْ مِنْكَ بِنَفْحَةِ خَيْرٍ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

مال میں برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سو بار استغفار کرے تو جب تک وہ اپنے مال میں برکت نہ دیکھ لے گا اسے موت نہیں آئے گی۔ اور استغفار یوں کرے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ وَأَسْأَلُهُ التَّوْبَةَ وَالْمَغْفِرَةَ مِنْ جَمِيْعِ الذُّنُوْبِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ. إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

اولیاء میں سے ایک نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ایک تکلیف میں مبتلا ہوا میں نے اپنے ایک بھائی سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا یہ آیات لکھ کر اپنے گلے میں باندھ لے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ.

میں نے اس طرح کیا تو میری تکلیف دیکھ دیکھتی جاتی رہی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کاغذ پر قرآنی فتوح لکھ کر اپنے بازو پر باندھے اللہ تعالیٰ اس پر ہر ایک کام آسان کر دیتے ہیں اور وہ فتوح یہ ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ.... وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ....رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ.... وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ..... إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ....وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ....وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ.... وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ..... رَبِّ إِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ....مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ....حَتّٰى إِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا ....إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ....وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا تلك وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ....إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جو مقروض ہو وہ یہ پڑھے۔ اللهم اكفني بحلالك عن حرامك و بطاعتك عن معصيتك و بفضلك عمن سواك.

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی تنگ دست ہو وہ گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ رَضِّنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا قُدِّرَ لِيْ لَا أُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اور جو شخص مذکورہ بالا دونوں دعاؤں کو نماز جمعہ کے بعد پڑھے اللہ تعالیٰ اسے دولت مند کر دیتے ہیں اور یہ دعا بھی ساتھ ملا لے۔

اَللّٰهُمَّ يَا غَنِيُّ يَا حَمِيْدُ يَا مُبْدِئُ يَا مُعِيْدُ يَا رَحِيْمُ يَا وَدُوْدُ اِكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَّعْصِيَتِكَ وَأَغْنِنِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کاروبار ادھار پر چلتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر شروع کرو واللہ تعالیٰ

ادھار ادا کرادے گا کیونکہ بعض اخراجات قرض کی ادائیگی میں تقدیم یا تاخیر ہو جاتی ہے یا ظلم یا جھوٹ کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے کسی نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کاروبار چلانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا اس طرح کہ نفس کو دوسرے خیالات سے روکے رکھے اور دل کو بدعات سے ہٹائے رکھے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ عَلَيْکَ تَلَاتِيْتُ بِعَمِيْکَ الَّذِیْ عَمَلْتَنِیْ بِهٖ عَمَلْتُ فَعَلَيْکَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْکَ اَتَيْتُ وَاَمْرِیْ اِلَيْکَ فَوَّضْتُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْاُخُوْلِ لِیْ ذِی الْجَهْلِ وَالْبِسْلِ وَلِیَ الْعَادَاتِ وَلِیَ الشَّرِّ وَاللَّبْسِ وَالرِّجْسِ

اور اگر کوئی نفسانی خواہش آئے تو اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے بھاگے جس طرح آدمی آگ سے بھاگتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی نقصان پہنچائے اور یہ کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمِنْ عَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَاَنْقِذْنِیْ اِغْفِرْلِیْ يَاعَزِيْزُ يَا غَفَّارُ

اب ہم افادہ عام کے لئے چند چیزیں جو کہ مذکورہ اعمال سے استفادہ کے لئے ضروری ہیں یا جن کا تعلق علم میں اضافہ سے ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں یہ مترجم کی طرف سے اضافہ ہے سب سے پہلے اسمائے الٰہیہ کے اعداد پیش ہیں۔

فائدہ ا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ

(۱) اللہ معبود حقیقی ۶۶ (۲) الرحمن مہربان ۲۹۸ (۳) الرحیم ورحمت والا (۲۵۸) (۴) الملک بادشاہ ۹۰ (۵) القدوس ہر عیب ونقصان سے پاک ۱۷۰ (۶) السلام سلامتی والا ۱۳۰ (۷) المؤمن ہر خوف سے امن دینے والا ۱۳۶ (۸) المہیمن نگہبان ۱۴۵ (۹) العزیز غالب ۹۴ (۱۰) الجبار زبردست ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ۲۰۶ (۱۱) المتکبر بڑائی والا ۶۶۲ (۱۲) الخالق پیدا کرنے والا ۷۳۱ (۱۳) الباری صفت وخاصیت پیدا کرنے والا ۲۱۴ (۱۴) المصور شکل و صورت بنانے والا ۳۳۶ (۱۵) الغفار بہت بخشنے والا ۱۲۸۱ (۱۶) القہار سب پر غلبہ پانے والا ۳۰۶ (۱۷) الوہاب (بے غرض) بہت بخشش کرنے والا ۱۴ (۱۸) الرزاق رزق دینے والا ۳۰۸ (۱۹) الفتاح ہر کار بستہ کھولنے والا ۴۸۹ (۲۰) العلیم ہر چیز کا علم رکھنے والا ۱۵۰ (۲۱) القابض روزی تنگ کرنے والا ۹۰۱ (۲۲) الباسط روزی کشادہ کرنے والا ۷۲ (۲۳) الرافع بلندی دینے والا: ۳۵۱ (۲۴) الخافض پست کرنے والا: ۱۴۸۱ (۲۵) المعز عزت دینے والا: ۱۱۷ (۲۶) المذل ذلت دینے والا: ۷۷۰ (۲۷) السمیع سننے والا: ۱۸۰ (۲۸) البصیر دیکھنے والا: ۳۰۲ (۲۹) الحکیم حکمت والا: ۷۸ (۳۰) العدل انصاف کرنے والا: ۱۰۴ (۳۱) اللطیف نکتہ رس: ۱۲۹ (۳۲) الخبیر ہر ظاہر و باطن سے باخبر: ۸۱۲ (۳۳) الرقیب نگہبان ہر ایک کا حال دیکھنے والا: ۳۱۲ (۳۴) الحلیم بردبار: ۸۸ (۳۵) المجیب دعا کو قبول کرنے والا: ۵۵ (۳۶) الواسع وسعت دینے والا: ۱۳۷ (۳۷) الحکم فیصلہ کرنے والا: ۶۸ (۳۸) الودود محبت کرنے والا: ۲۰ (۳۹) العظیم بڑی عظمت والا: ۱۰۲۰ (۴۰) الغفور بخشنے والا: ۱۲۸۶ (۴۱) الشکور بڑا قدر شناس: ۵۲۶ (۴۲) العلی سب سے برتر: ۱۱۰

(۴۳)الکبیر سب سے بڑا:۲۳۲(۴۴)الحفیظ حفاظت کرنے والا:۹۹۸(۴۵)المقیت روزی رساں:۵۵۰(۴۶) الحسیب حساب لینے والا:۸۰(۴۷)الجلیل عظمت والا:۷۳(۴۸)الکریم کرم کرنے والا:۲۷۰(۴۹)المجید سب سے بزرگ:۵۷(۵۰)الباعث (زندگی بخش کر) اٹھانے والا:۵۷۳(۵۱)الشہید حاضر:۳۱۹(۵۲)الحق سچا:۱۰۸ (۵۳)القوی پوری قوت رکھنے والا:۱۱۶(۵۴)الوکیل کارساز:۵۶(۵۵)المتین قوت والا:۵۰۰(۵۶)الولی دوست:۴۶(۵۷)الحمید قابل تعریف:۶۲(۵۸)المحصی شمار کرنے والا:۱۴۸(۵۹)المبدی عدم سے وجود میں لانے والا:۵۶(۶۰)المعید دوبارہ پیدا کرنے والا:۱۲۴(۶۱)المحیی زندگی بخشنے والا:۶۸(۶۲)الممیت مارنے والا:۴۹۰ (۶۳)الحی ہمیشہ زندہ رہنے والا:۱۸(۶۴)القیوم ہمیشہ قائم رہنے والا:۱۵۶(۶۵)الواجد وجود میں لانے والا:۱۴ (۶۶)الماجد بزرگی عطا کرنے والا:۴۸(۶۷)الواحد تنہا:۱۹(۶۸)الاحد ایک:۱۳(۶۹)الصمد بے نیاز:۱۳۴ (۷۰)القادر قدرت والا:۳۰۵(۷۱)المقتدر قدرت پانے والا:۷۴۴(۷۲)المقدم آگے کرنے والا:۱۸۴(۷۳) المعطی عطا کرنے والا:۱۲۹(۷۴)المانع روکنے والا:۱۶۱(۷۵)الضار ضرر پہنچانے والا:۱۰۰۱(۷۶)النافع نفع پہنچانے والا:۲۰۱(۷۷)النور روشن کرنے والا:۲۵۶(۷۸)الہادی راہ دکھانے والا:۲۰(۷۹)البدیع ایجاد کرنے والا:۸۶(۸۰)الباقی ہمیشہ رہنے والا:۱۱۳(۸۱)الوارث سب کے بعد رہنے والا:۷۰۷(۸۲)المنتقم انتقام لینے والا:۶۳۰ (۸۳)المنعم انعام دینے والا:۲۰۰(۸۴)العفو گناہوں سے درگزر کرنے والا:۱۵۶(۸۵)الرؤف مہربان:۲۸۶(۸۶) الرب پروردگار:۲۰۲(۸۷) المقسط انصاف کرنے والا:۲۰۹(۸۸)الجامع جمع کرنے والا:۱۱۴(۸۹)الغنی بے نیاز:۱۰۶۰(۹۰)المغنی بے نیاز بنانے والا:۱۱۰۰(۹۱)المؤخر پیچھے کرنے والا:۸۴۶(۹۲)الظاہر کھلی ہوئی ہستی والا:۱۱۰۶ (۹۳)الباطن پوشیدہ:۶۲(۹۴)الوالی کارساز:۴۷(۹۵)المتعالی بزرگ و برتر:۵۵۱(۹۶)البر مہربان:۲۰۲(۹۷) التواب توبہ قبول کرنے والا:۴۰۹(۹۸)الاول سب سے پہلے:۳۷(۹۹)الآخر سب سے آخر قائم رہنے والا۔

نوٹ:۔ اسمائے حسنیٰ کے یہ اعداد ہر اسم مبارک کے خروج میں پائے جانے والے الف لام کے اعداد کے بغیر ہیں اگر الف لام سمیت اعداد معلوم کرنے ہوں تو ہر اسم مبارک کے اعداد میں ۳۱ اور جمع کر دیں تو آپ کا مقصود حاصل ہے کیونکہ الف کا عدد ایک ہے اور لام کے تیس ہیں۔

فائدہ ۲:۔ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا نام ہے نہایت عظیم اور بے پناہ قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے مگر تعیین کے ساتھ معلوم نہیں کہ کون سا کلمہ اسم اعظم ہے۔ اسم اعظم کے حصول کے لئے لوگوں نے لمبی عمریں صرف کر دیں۔ اسم اعظم کی خصوصیات و اثرات عقل و فہم کی حدود سے باہر ہیں۔ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ملکہ بلقیس کو جو جن پلک جھپکنے میں لے آیا تھا حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسے اسم اعظم معلوم تھا۔ اسم اعظم ہی کی اعجازی قوت سے اس نے یہ حیران کن کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ توراۃ میں بھی اسم اعظم

تھا۔ یہ حکمت الٰہیہ ہے کہ لیلۃ القدر جو کہ عظیم تر رات ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا جمعہ کے دن میں قبولیت کی ایک گھڑی اسے بھی مخفی رکھا اسی طرح اولیائے کاملین میں جو قطب اور صاحب خدمت بزرگ ہوتے ہیں جن کے ذمہ بعض دفعہ تکوینی خدمات بھی ہوتی ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا۔ اسی طرح اسم اعظم کو بھی مخفی رکھا۔ (اسم اعظم کے بارے میں مولف الدرالنظیم کی تحقیق آگے سورۂ آل عمران میں آرہی ہے)

احادیث میں بھی اسم اعظم کا تذکرہ اور اشارہ ہے مگر تعیین نہیں ہے۔ بہت ساری آیات اور دعاؤں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں اسم اعظم ہے مگر کسی کلمہ یا جملہ کو متعین کر کے نہیں فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ احادیث میں جن آیات و دعاؤں کے بارے میں نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ان میں اسم اعظم ہے ان میں سے ہر ایک میں حروف مقطعات میں سے کوئی نہ کوئی حرف موجود ہے اور غالب گمان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی حرف کی طرف ہو۔ یہ نکتہ بھی مقطعات میں اسم اعظم کے موجود ہونے کے غالب امکان کو روشن کرتا ہے۔

فائدہ ۳۔ (اضافہ از مترجم):۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری میں یہ واقعہ سنایا کہ ایک آدمی کو اسم اعظم معلوم تھا۔ بظاہر یہ شخص غریب و بے کس اور معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ پولیس والوں نے اسے کسی کیس میں خواہ مخواہ گرفتار کر لیا اور کیس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پولیس والوں نے مار پیٹ شروع کر دی وہ بے چارہ بار بار کہتا رہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے آپ لوگ بلاوجہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن پولیس والے اسے اذیت دیتے رہے اور وہ بے چارہ اذیت کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتا تھا۔ مگر اس نے اسم اعظم استعمال نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو اس کے پاس اسم اعظم کی بے مثال طاقت موجود تھی ایک لمحہ میں پولیس والوں کو تہس نہس کر سکتا تھا۔ مگر اس نے سختیاں برداشت کیں اور اس راز کو ظاہر نہ کیا۔ اسم اعظم اسی کو مرحمت کیا جاتا ہے جس میں بے مثال قوت برداشت ہو۔ ورنہ تو آدمی اپنے مفاد میں آکر خلق خدا کو پریشان کر کے رکھ دے۔

فائدہ ۴:۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نام جب الف لام کے ساتھ ہو یا حرف نداء کے ساتھ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا مخصوص صفاتی نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی صفت کے یہ صیغے استعمال ہوئے ہیں الف لام کے ساتھ آئے ہیں۔ مثلاً الاول والآخر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اسی طرح یا اول یا آخر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو سکتا ہے مگر جب یہی اول و آخر مخلوق کے لئے استعمال ہو تو نہ اس پر الف لام لگایا جا سکتا ہے نہ حرف نداء۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

جو شخص جمعرات کے دن پہلے پہر کسی پاک صاف برتن میں مشک و زعفران سے اس آیت کو لکھے اور میٹھے پانی سے دھو کر پی

لے اور اس دن کھانا وغیرہ نہ کھائے بلکہ اگر رات کو پیے اور دن کو روزہ رکھے تین دن یا پانچ دن اسی طرح کرلے تو اس کا حافظہ قوی اور علم مضبوط ہو جائے گا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

(۱) جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت کو پڑھے اگر وہ مقروض ہے تو بہت ہی جلد اس کا قرض ادا ہو جائیگا۔

(۲) اسی طرح مقروض آدمی اگر ہر نماز کے بعد درج ذیل آیات پڑھے تو بہت فائدہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُقَدِّمُ اِلَیْكَ بَیْنَ یَدَیْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ آخر تک شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ..... آخر تک قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ تک

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ تک۔

(۳) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص دن رات میں تینتیس آیتیں ایک دفعہ پڑھ لیا کرے وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ نہ کوئی درندہ اسے تکلیف پہنچا سکے گا اور نہ کوئی چور وہ آیات یہ ہیں۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ. وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ سورۂ صافات کی دس آیتیں شروع سے لازب تک سورۂ رحمٰن کی دو آیتیں يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ۔

سورۂ حشر کی آخری آیتیں

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور سورۃ الجن کی یہ آیات قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا

ان آیات کا نام آیات الخوف اور آیات الحرس ہے۔ یہ ایک مضبوط حفاظت ہیں اور ان میں ہر بیماری سے شفاء ہے۔ جن میں سے ایک جذام اور برص بھی ہے۔

خاصیت آیت ۲۵

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اگر کوئی درخت پھل نہ لاتا ہو تو اس کے لئے یہ آیت بہت مفید ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جمعرات کے دن روزہ رکھے اور صرف کاکی یا کسی اور کچے میوے سے افطار کرے اور نماز مغرب سے فارغ ہو کر ان آیات کو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھے لکھتے وقت کوئی بات نہ کرے۔ پھر اس کاغذ کو اس درخت کی کسی ٹہنی سے باندھ دے۔ واپس آتے ہوئے یہ کرے کہ اگر اسی درخت پر کوئی پھل ہو تو اس توڑ کر کھالے اگر اس پر نہ ہو تو اس کے ساتھ والے درخت سے ایک پھل توڑ کر کھالے اور پیچھے پلٹ کے تین گھونٹ پی کر واپس آ جائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس درخت کو خوب پھل لگیں گے۔

خاصیت آیت ۳۰ تا ۳۲

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

ان آیات سے جن و انسان مسخر ہوتے ہیں اور علوم و مکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔ طریقہ درج ذیل ہے۔ جس چاند کا پہلا دن جمعرات ہو اس دن پاک صاف ہو کر روزہ رکھے اور غروب کے وقت گڑ یا کسی اور میٹھی چیز مثلاً کھجور وغیرہ سے افطار کرے اور قبلہ رخ ہو کر تین مرتبہ ان آیات کی تلاوت کر کے کہے۔ أَيُّهَا الْأَرْوَاحُ الْقَاهِرَةُ الْوَاصِلَةُ الْقَيْسُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِهٰذِهِ الْآيَاتِ الْمُطِيْعُوْنَ لِأَمْرِ هَارُوْلِيبْرِقَا الْمُوْدَعِ فِيْهَا أَجِيْبُوْا الدَّعْوَةَ وَانْقَضُّوْا عَلَيَّ أَنْوَارَ رُوْحَانِيَّتِكُمْ حَتّٰى أَنْطِقَ بِمَا خَفِيَ وَأُخْبِرَ بِالْكَائِنِ صَادِقًا وَاصِلُوْا إِلٰى وُجُوْهِ بَنِيْ آدَمَ وَبَنَاتِ حَوَّا وَأَلْقُوْا وَاصِلُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمْ رَغْبًا وَرَهْبًا

پھر ان آیات کو شیشہ کے گلاس یا پیالہ میں آس کے پھولوں کے پانی اور زعفران سے جو مشک اور گلاب سے حل کیا ہوا ہو لکھ کر گلاب کے پانی سے دھو کر پی لے اور سو جائے پانچ دن یا سات دن اسی طرح کرے اور ساتویں دن جمعرات کی رات کو ستر بار ان آیات کو کسی تنہا جگہ پر بیٹھ کر پڑھے اور عود دہکائے۔ فارغ ہو کر اپنے انہی کپڑوں میں سو جائے تو خواب میں اسے اپنا مقصود مل جائے گا۔

خاصیت آیت ۴۰ تا ۴۲

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر کسی عورت سے کوئی بات حاصل کرنا مقصود ہو اور وہ نہ بتا رہی ہو تو اس آیت کو کسی کنواری لڑکی کے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھ لے اور جب وہ عورت سوئی ہوئی ہو تو اسے اس کے سینہ پر رکھ دے۔ وہ عورت خود بخود اپنی معلومات بتانا شروع کر دے گی۔

خاصیت آیت ۶۰

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

ان آیات کو مٹی کے پاکیزہ برتن میں لکھے جو چکنا ہو یا شیشہ یا پتھر کے پیالہ میں لکھے اور موسم بہار کی بارش کے پانی سے دھو کر بوتل میں ڈال لے۔ تین دن اس بوتل کو اسی طرح رہنے دے اس کے بعد اس پانی کو شربت گلاب میں ڈال کر اس میں تھوڑا سا سرخ بکری کا دودھ ملا کر آگ پر پکائے جب پک کر گاڑھا ہو جائے تو اس کو محفوظ کر لے۔

جس آدمی کو پیاس بہت لگتی ہو وہ اس میں سے دو درہم کی مقدار صبح کو کھالے اور اتنا ہی شام کو تو اس کی پیاس کی شدت ختم ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر سفر میں کہیں ایسی جگہ ہے جہاں پانی نہ ہو اور پیاس بہت لگی ہو یا بیماری کی وجہ سے پیاس ہو تو بھی اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۷۰

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ جو آدمی کوئی چیز خریدنا چاہتا ہو تو خریدتے وقت پہلے یہ پڑھے۔

یا معز یا مختار یا من الخیر منه یا من الخیر بیده یا دلیل الخیر یا مرشد یا هادی

پھر جب اس چیز کو دیکھ بھال رہا ہو تو مذکورہ بالا آیت پڑھے۔ جب تک خرید نہ لے پڑھتا رہے یا بعض نے کہا یہ آیت دیکھ بھال سے پہلے سات بار پڑھ لے ان شاء اللہ اس سودے میں نقصان نہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۷۴

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(۱) اگر کسی شخص کا دل سخت ہوگیا ہو اور وہ اپنے محب سے محبت نہ کرتا ہو تو خوشبودار مٹی کی پاک اور کوری ٹھیکری لے بلکہ ایسی ہو جو ابھی ابھی آوی سے پک کر نکلی ہو اس پر ریحان کی لکڑی کی قلم سے اس شخص کا نام جس کا دل سخت ہوگیا ہے لکھے پھر شراب کے سرکہ اور شہد سے جس کو آگ کی حرارت نہ پہنچی ہو اس سے اس نام کے اردگرد اس آیت کو دائرے میں لکھے اور ٹھیکری کو اس کوئیں یا اس مٹکے میں ڈال دے جس سے یہ شخص پانی پیتا ہے۔ تو اس شخص کا دل نرم ہوجائے گا۔

(۲) اگر کوئی شخص نیک اور اچھا تھا اور اب بدل کر برائی پر آگیا ہے تو اس کے لئے بھی مذکورہ بالا طریقہ پر استعمال کریں ان شاء اللہ وہ نیکی کی حالت پر لوٹ آئے گا۔ (۳) اگر بادشاہ یا افسر اپنی رعایا اور محکوموں سے بدسلوکی کرتا ہو تو مذکورہ بالا آیت کو مذکورہ طریقہ سے کسی کاغذ پر لکھ کر شہر کے کسی اونچے مکان پر یا ایسے مکان کے اوپر لٹکائے جو کہ پہاڑ کے اوپر ہو تو اس بادشاہ کا رویہ بدل جائے گا۔

(۴) اگر خاوند کو اپنی بیوی سے یا بیوی کو اپنے خاوند سے نفرت و دشمنی ہو تو زرد موم سے میاں بیوی دونوں کے دو پتلے بنا لیں مرد کے پتلے کے سینہ میں تانبے کی سوئی سے عورت اور اس کی ماں کا نام لکھے اور عورت کے پتلے کے سینہ میں مرد کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے پھر ایک کاغذ میں اس آیت کو لکھ کر ان دونوں کے درمیان دے کر دونوں پتلوں کو آپس میں جوڑ دے اور پھل دار درخت کے نیچے دفن کردے۔ ان کی آپس کی نفرت و دشمنی ختم ہوجائے گی۔ (۵) اگر کسی کنوئیں یا نہر کا پانی کم ہوگیا ہو تو اس آیت کو مٹی کی ٹھیکری پر لکھ کر اس میں ڈال دے ان شاء اللہ پانی بہت ہوجائے گا۔ (۶) اگر گائے یا بکری وغیرہ کا دودھ کم ہو یا بالکل نہ دیتی ہو تو سرخ تانبے کے تھال میں یہ آیت لکھ کر پاک پانی سے دھو کر پلا دیں دودھ بہت ہوجائے گا۔

خاصیت آیت ۹۳

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اگر کوئی بات دشمن سے پوشیدہ رکھنی ہو کہ اسے سمجھ نہ آئے (اور صورت ایسی ہو کہ وہ ہر وقت مجلس میں موجود رہتا ہے اس کے سامنے باتیں ضرور کرنی پڑتی ہیں) تو یہ آیت ہفتہ کے دن میٹھی روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر اس کو کھلا دے۔ اب جو بات آپ چاہیں گے کہ اس کی سمجھ نہ آئے تو اسے سمجھ نہیں آئے گی۔

خاصیت آیت ۱۲۵

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ میں نے علمائے عارفین کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص رات کو یہ آیت پڑھ کر نیت کرکے سوئے کہ میں فلاں وقت جاگوں تو اسی وقت ضرور جاگ جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۷

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

جو شخص اس آیت کو شیشہ کے گلاس میں زعفران اور گلاب سے لکھ کر سیاہ انگوروں کے پانی سے دھو کر اس میں تھوڑا سا کھیرا اور تھوڑی سی پسی ہوئی نبات ملا کر پی لے تو بواسیر کے مرض سے صحت ہو جائے گی اور اگر خون تھوکنے کی بیماری ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اور ظاہری و باطنی رنج کو بھی نفع دے گا۔

خاصیت ۱۴۴

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ

یہ آیت فالج لقوہ اور رنج کے مریضوں کے لئے مفید ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اسپادری تانبے کی تھالی کو خوب صاف و چمکدار کرکے اس میں گلاب مشک اور قند سیاہ سے اس آیت کو لکھیے اور پاک پانی سے دھو کر لقوہ والا اس پانی سے اپنا منہ دھوئے اور ان لکھی ہوئی آیتوں کو تقریباً تین گھنٹے دیکھتا رہے۔ تین دن تک اسی طرح کرے۔

خاصیت آیت ۱۴۸

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اگر کہیں سے کوئی سامان چوری ہو گیا یا کوئی آدمی بھاگ گیا ہو تو اس آیت کو نئے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر چور یا بھاگے ہوئے آدمی کا نام لکھیں پھر جس مکان سے چوری ہوئی یا جس مکان سے آدمی بھاگا اس کی دیوار پر اس ٹکڑے کو رکھ کر اوپر سے ایک میخ ٹھوک دیں تو بھاگنے والا شخص اور چور سامان لے کر واپس آجائے گا۔

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اگر کوئی آدمی سورج کے برج اسد میں ہوتے ہوئے اس آیت کو چاندی کی انگوٹھی میں لکھوا کر انگلی میں پہنے رکھے تو نہ کوئی اسے ستائے گا اور نہ اس کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔

خاصیت آیت ۱۸۶

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

ایک عارف فرماتے ہیں اس آیت سے کئی باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ (۱) سوال (۲) قرب (۳) قبولیت (۴) طلب قبولیت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے رمضان المبارک کی رات میں اپنے بیویوں سے قربت کر لی اور بعد میں بہت ندامت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم کس طرح توبہ کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آسمان ہم سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور پھر آسمان کا حجم بھی ہے تو اتنے فاصلے سے اللہ تعالیٰ ہماری پکار کو کس طرح سن لیتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے کہ ہم اس سے آہستگی سے مانگیں یا دور ہے کہ ہم اسے اونچی آواز سے پکاریں تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں عبادی سے مراد اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کا سوال ہی نہیں کرتے نہ وہ کسی امر کی حکمت کا سوال کرتے ہیں اور نہ کسی مخلوق کا اور نہ دنیا کی کسی اور چیز کا سوال کرتے ہیں کیونکہ ان کا مقصود و مطلوب تو فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ ان لوگوں میں سے نہیں جو کہ پہاڑوں، قیموں، محترم مہینوں یا حیض وغیرہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں اسی لئے یہاں ان کے جواب میں فرمایا فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ اور جن لوگوں نے پہاڑوں، قیموں اور حرام مہینوں وغیرہ کے بارے میں سوال کیا ان کا جواب قُلْ سے دیا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں بتا دیں۔ پہلے لوگوں کو بلاواسطہ جواب ملا اور دوسروں کو بالواسطہ کیونکہ ہر ایک سوال اس کی اپنی اندرونی کیفیت و حالت پر دلالت کرتا ہے۔ اب یہ مخصوص بندوں کا جو سوال ہے اس قسم کا سوال بعد مسافت کے قریب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کے جواب میں انی قریب کے بعد اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ فرمایا تا کہ یہاں پر قرب سے جہات و مسافات کا قرب نہ سمجھ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کا ذات جہات و مکانات میں آنے سے پاک اور روا ہے۔ لہٰذا اس قرب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس داعی کی دعا فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ

تعالیٰ کا بندہ کے قریب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اپنے بندہ کو دعا کی توفیق عطا فرماتا ہے پھر اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

اور یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے قریب ہے اور بندہ اپنے رب کے قریب ہے مگر اللہ تعالیٰ کا قرب جہات و مسافات کا قرب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ مقدار و مسافت وغیرہ کے معاملات سے پاک ہے اس لحاظ سے کوئی مخلوق اس کے ساتھ ملی ہوئی نہیں اور نہ کوئی دور ہے۔ بلکہ اللہ کا قرب یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور بعد یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اپنی بارگاہ سے دھتکار دیتا ہے اس دنیا میں بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی معرفت عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرماتا ہے اور آخرت میں قرب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی لغزشوں کو معاف فرما کر اسے عزت بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے قریب ہونا علم قدرت اور معاملہ سے ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۔ اور مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قریب تو ہے مگر اس کا قرب بے کیف ہے اور ذات کا قرب نہیں ہے کیونکہ اس کے حق میں ذاتی قرب محال ہے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا تین طرح سے ہوسکتا ہے۔ ایک اس طرح کہ بندہ اطاعت و عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے قریب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی جب سجدہ میں ہو تو دعا مانگنے میں خوب کوشش کرے اور حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ فرائض ادا کرنے سے زیادہ کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا اور نوافل سے مزید قرب بڑھتا رہتا ہے الخ۔

دوسرے اس طرح سے بندہ جب بری صفات کو چھوڑ کر اچھی صفات اختیار کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے بندہ جب نبوی اخلاق اپناتا ہے اور اس میں علم و بردباری عفو و درگزر پردہ پوشی اپناتا ہے اور دوست و دشمن نیک و بد سب پر برابر احسان کرتا ہے اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں تو یقیناً ان کے اختیار کرنے سے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے۔

تیسرے اس طرح سے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی عظمت اس کے جلال و جبروت پر یقین رکھتا ہے اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ قاہر ہے مقہور نہیں۔ غالب ہے مغلوب نہیں اور وہ کسی شے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور یہی قرب اعلیٰ درجہ کا قرب ہے اور یہی معرفت الٰہیہ کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ کسی کا شعر ہے۔

وتلت المنیٰ لما حللت بقربه ۔ و لم یبق لی شیٔ امنی به نفسی

اور جب میں اس کے قریب اترا تو میرا مقصد حاصل ہوگیا اب میری کوئی ایسی آرزو باقی نہیں رہی جسے میں اپنے دل میں لاؤں۔

اور جن کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ان کا دل اسی قرب کے نور سے روشن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ "کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا"۔

یہاں قرب کا لفظ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے بندوں اور ولیوں کے دلوں کی انسیت کے لئے فرمایا ورنہ قرب ذاتی جسمانی

اور قرب صفاتی سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَاتُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ معراج کی رات میں اگرچہ میں ایسے مقام پر پہنچا جہاں جبرئیل بھی نہ جا سکتا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل کر نیچے سے بھی نیچے لے گئی تھی پھر بھی میرے بارے میں یہ گمان نہ کرو کہ میں یونس علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بلندی و پستی سب برابر ہیں۔

یہاں پر سوال بھی ہوتا ہے جب اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے تو پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ بندہ جو چیز مانگتا ہے وہ اسے نہیں ملتی؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ساتھ مشیت الٰہیہ کی قید بھی ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو قبول فرماتا ہے دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں اجیب اسمع کے معنی میں ہے کہ میں دعا مانگنے والے کی دعا کو سن لیتا ہوں اور سننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے پورا بھی کر دیا جائے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اجیب کا معنی یہ ہے جو اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کہتا ہے رب تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لبیک عبدی (اے میرے بندے بتا) مگر یہ ضروری نہیں جواب دے کر سوال ضرور پورا کر دیا جائے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا عبادت کے معنی میں ہے اور اجابت سے مراد ثواب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگے بشرطیکہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض تین چیزوں میں سے ایک عنایت فرماتا ہے یا تو دنیا میں ہی اس کی مانگی ہوئی چیز اسے دیدی جاتی ہے۔ یا اس کے عوض اس سے کوئی مصیبت ہٹادی جاتی ہے یا اس کی اس دعا کا عوض آخرت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ جب کسی کی دعا قبولیت کے وقت میں واقع ہو جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کا دن افضل ہے اور اس میں ایک وقت ایسا ہے کہ جس میں مومن اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور وہ عطا فرماتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا اگر کوئی منافق جمعہ کے اس وقت میں دعا مانگے تو اس کا کیا ہو گا؟ آپؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ منافق کو اس وقت دعا کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ جب تک بندہ اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ ظلم نہ کرے نماز روزہ اور حج کو نہ چھوڑے۔ غیبت نہ کرے اور حرام نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ حلال کھایا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ کسی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ کی دعا کے قبول ہونے کی وجہ کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا اس لئے کہ میں اس وقت تک لقمہ منہ میں نہیں لے جاتا جب تک یہ معلوم نہ کرلوں کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک رات میں اور حضرت سعد کھجوروں کے ایک باغ میں ٹھہرے۔ ہم بھوکے تھے کھانے کی کوئی چیز ہمارے پاس نہ تھی اور نہ ہی باغ کا مالک ہمیں وہاں ملا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا اگر تو سچا مسلمان ہے تو یہاں کی ایک کھجور بھی نہ چکھنا۔ چنانچہ ہم نے وہاں پر اپنی سواری باندھی اور ساری رات بھوکے ہی گزاری۔ جب صبح ہوئی تو باغ کا مالک آیا اور ہم نے اس سے کچھ کھجوریں اور گھاس قیمت دے کر خریدا اور کھجوریں خود کھائیں اور گھاس اپنی سواری کو کھلایا۔

خاصیت ۲۴۶

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی چار آیتیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک میں دس دس قاف ہیں اور وہ آیات حرب ہیں۔ جو شخص ان آیات کو جھنڈے پر لکھ کر میدان جنگ میں جائے تو جس لشکر میں یہ جھنڈا ہوگا اس کو کبھی شکست نہ ہوگی بلکہ وہ دشمن پر فتح یاب ہوگا۔ (۲) اور جو شخص ان آیات کو کسی پتے پر لکھ کر سر پر رکھ لے اور امراء ورؤسا کے پاس جائے تو وہ اس کی عزت کریں گے۔ ان میں سے پہلی آیت:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

دوسری آل عمران میں ہے: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ

تیسری سورۂ نساء میں ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا

اور چوتھی سورۂ مائدہ میں ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ

خاصیت آیت ۲۵۵

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(۱) جو شخص ہر نماز کے بعد اس آیت کو پڑھے وہ شیطان کے مکر وفریب اور وسوسے اور جنات کی سرکشی سے محفوظ رہے گا۔ کبھی تنگدست نہ ہوگا اس کو ایسی جگہ سے رزق ملے گا جہاں سے اس کے خواب وخیال میں نہ ہوگا۔

(۲) جو شخص صبح شام گھر میں داخل ہوتے وقت اس آیت کو پڑھے تو وہ چوری، تنگدستی، آگ میں جلنے اور دوسری شرارتوں اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ ہمیشہ تندرست رہے گا۔ رات کو گھبراہٹ و پریشانی سے اور دل کے درد سے محفوظ رہے گا۔

(۳) جو شخص اس آیت کو ٹھیکری پر لکھ کر غلہ میں رکھے تو وہ غلہ چوری ہونے سے اور دیمک و کیڑا وغیرہ لگنے سے محفوظ رہے اور اس میں برکت بھی ہوگی۔ (۴) جو شخص گھر یا دکان کی دہلیز میں اوپر اس آیت کو لکھ دے تو اس گھر دکان یا باغ ہے تو اس میں بہت رزق ہوگا۔ کبھی تنگی نہ آئے گی اور کبھی چوری بھی نہ ہوگی۔

(۵) جو شخص ہر نماز کے بعد کثرت سے یہ آیت پڑھے تو وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا۔

(۶) جو شخص سفر میں ہو یا کسی خوفناک جگہ میں ہو تو وہ اپنی چھری سے اپنے اوپر ایک دائرہ کھینچ کر اس پر آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، معوذتین اور فاتحہ اور قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ پڑھ کر دم کرے تو کوئی چیز اس کے نزدیک نہیں آئے گی۔ اور نہ ہی کوئی جن یا انسان اسے تکلیف پہنچا سکے گا۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص آیت الکرسی کو زعفران سے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر سات بار لکھ کر ہر بار اسے چاٹ لے تو اس کا حافظہ اتنا بڑھ جائے گا کہ کبھی کوئی بات بھولے گا نہیں اور فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

خاصیت آیت ۲۶۶

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ اگر کسی کو دردسری ہو تو یہ آیت لکھنے سے اس کا مرض جاتا رہے گا۔

سورہ آل عمران

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران کو پڑھا کرو کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن دو بدلیوں کی طرح بن کر سائبان کی طرح ہو کر آئیں گی اور اپنے پڑھنے والے کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑیں گی اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں اس کی سفارش کریں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو اگر وہ عہدے و منصب والا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے ملک کی حفاظت فرمائیگا اور اسکے حال کو درست رکھے گا اور اگر ملک و منصب والا نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے ملک و منصب عطا فرمائے گا۔

خاصیت آیت اول

الٓمّٓ الله لا اله الا هو الحی القیوم .... وانزل الفرقان

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ

(۱) جو شخص اس آیت کو کاغذ پر زعفران اور گلاب و مشک سے لکھ کر ٹوے کی ایک پوری میں ڈال کر موم سے اس کو بند کر کے بچے کے گلے میں ڈال دے تو وہ بچہ شیطان سے اور ام الصبیان کی بیماری سے جنوں کی...... سے اور سب آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ ٹوا سورج طلوع ہونے سے پہلے کاٹا گیا ہو۔ (۲) جو شخص جمعرات کے دن دوسری ساعت میں اس آیت کو ہرن کی باریک کھال پر باریک قلم سے لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لے اور خالص نیت و پاک بدن کے ساتھ اس انگوٹھی کو پہنے رکھے گا تو وہ شخص خوش بخت ہو جائے گا۔ ہر شخص اس کا حکم مانے گا وہ ہر ایک کے شر سے محفوظ رہے گا اور اس کا دشمن اس سے خائف رہے گا۔

اسم اعظم کی مفید بحث

حافظ ابوالقاسم بیہقی کہتے ہیں کہ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم اعظم نہیں ہے اور احادیث و آثار میں جو اسم اعظم مذکور ہوا ہے وہاں اعظم عظیم کے معنی میں ہے جیسے اکبر بمعنی کبیر اور اھون بمعنی ھین آتا ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی اسم اعظم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی تعیین فرما کر امت کے لئے اس سے دعا مانگتے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت ہی مہربان ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی اسم اعظم نہیں ہے۔ سب فضیلت اور حکم میں برابر ہیں ان میں سے جس کے ذریعہ بھی دعا مانگی جائے اگر اللہ چاہے تو قبول فرما لیتا ہے اور نہ چاہے تو قبول نہیں فرماتا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب اسماء مبارکہ برابر ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے بھی اسے پکارو سب اسی کے نام ہیں۔

حافظ ابوالقاسم کہتے ہیں کہ اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ اسم اعظم کے وجود کے منکر ہیں ان کے انکار کی وجہ کیا ہے۔ آیا یہ عقلاً محال ہے یا شرعاً محال ہے چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عقلاً بھی محال نہیں اور نہ شرعاً عقلاً یہ بات محال نہیں ہے کہ ایک نیک عمل کو دوسرے نیک عمل پر فضیلت ہو یا ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ پر فضیلت ہو کیونکہ اس فضیلت کی بنیاد ثواب کی کمی یا بیشی ہے دیکھو فرائض کو نوافل پر بالاتفاق فضیلت ہے۔ اور نماز اور جہاد کو دوسرے اعمال پر فضیلت ہے چونکہ دعا اور ذکر بھی ایک عمل ہے تو بعید نہیں کہ کوئی دعا یا ذکر جلدی قبول ہو جائے اور آخرت میں اس کا ثواب بھی زیادہ ہو یہ بات بھی صحیح ہے کہ اسماء سے مراد ان کا مسمّی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم سب برابر ہے مگر جب ہم اسے اپنی زبان پر لائیں گے تو اب یہ ہمارا کلام اور ہمارا عمل ہے جس میں تفضیل جائز ہے اور جب اسماء میں تفضیل جائز ہے تو سورتوں اور آیتوں میں بھی جائز ہوگی کیونکہ یہ تفضیل بھی راجع ہوگی۔ تلاوت کی طرف جو کہ ہمارا فعل ہے اور ہمارا عمل ہے اس تفضیل کا تعلق متلو سے نہ ہوگا کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور منکرین یہ جو کہتے ہیں کہ اعظم بمعنی عظیم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ قرآن کریم میں اعظم آیت کونسی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالمنذر رضی تجھے تیرا علم مبارک ہو اب اگر اعظم بمعنی عظیم ہوتا تو اس مبارک کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن تو سارے کا سارا عظیم ہے اور قرآن کریم کی ہر آیت عظیم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اعظم بمعنی عظیم نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی کہے کہ بعض دفعہ کوئی آدمی اسم اعظم سے دعا کرتا ہے مگر قبول نہیں ہوتی اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی اسم مبارک کے بارے میں یہ قطعی یقین نہیں کہ یہی اسم اعظم ہے۔ صرف ظن ہوتا ہے کیونکہ اس کی تعیین میں اختلاف ہے تو جب دعا مانگنے والے کے نزدیک ہی اسم اعظم متعین نہیں تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے اسم اعظم سے دعا مانگی ہے اور وہ قبول نہیں ہوئی۔ اور اگر کہا جائے کہ ایک آدمی تمام اسمائے حسنیٰ کو جمع کر کے دعا مانگتا ہے پھر بھی اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی تو اس کا کیا جواب ہے۔ ہم کہتے ہیں اس طرح اب تک کسی نے تجربہ نہیں کیا۔

علامہ سہیلیؒ نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں (۱) یہ اسم ہم سے پہلے لوگوں کو بھی معلوم تھا مگر وہ اس کی بہت حفاظت اور عزت کیا کرتے تھے اور بغیر طہارت کے استعمال نہیں کرتے تھے اور اس اسم کا عامل متواضع اور انکساری کرنے والا ہوتا تھا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت ہوتی تھی اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا اور جب بھی وہ کسی مجلس یا دل لگی کی جگہ اس کا استعمال کرتا اور اس پر کما حقہ عمل نہ کرتا تو لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و ہیبت ختم ہو جاتی تھی اور اس اسم سے اس کی دعا بھی قبول نہ ہوتی تھی اور نہ اس کی کوئی حاجت پوری ہوتی چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں ان دو شخصوں سے جو آپس میں جھگڑا کرتے تھے امر بالمعروف کیا کرتا تھا اور وہ لڑائی جھگڑے کی حالت ہی میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے تو بے موقع اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی کراہت ان کے دل میں نہ رہتی تھی اور نیز آپ فرماتے ہیں کہ بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے پسند نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی عظمت اور حرمت بہت عمدہ شی ہے۔

(۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دعا جب دل سے ہو صرف زبان سے نہ ہو تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر قبولیت کی کئی صورتیں ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یا تو سائل کا مطلوب اسے مل جاتا ہے یا اس دعا کا عوض اس کے لئے قیامت کے دن تک ذخیرہ کر لیا جاتا ہے اور سائل کے لئے وہ ذخیرۂ آخرت کہیں بہتر ہوتا ہے اور یا اس دعا کے سبب سے اس کے سر سے کوئی بلا ٹال دی جاتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ میری امت دنیا کے کسی عذاب میں مبتلا نہ کی جائے اس لئے قبول نہ ہوئی تا کہ قیامت کے دن دنیا کے فتنوں کے عوض امت کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت مرحوم ہے آخرت کے دن اسے عذاب نہ ہوگا اور دنیا میں انہیں زلزلوں اور فتنوں کا عذاب ہوگا جب

دنیوی نفعے اخروی عذاب کے ٹلنے کا سبب ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک ناکام نہ ہوئی بلکہ بہ جا حسن قبول ہوگئی۔

شیخ ابوبکر فہری اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگنے والے کی دعا قبول ہوگی تو ضرور قبول ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جب یہ بات ہے تو پھر اسم اعظم سے دعا مانگنے کا کیا فائدہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی شخص کی زبان سے اسم اعظم نکلواتا ہے جس کی حاجت روائی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اور جس کی تقدیر میں حاجت روائی نہیں ہوتی اس کو اسم اعظم نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی کہے کہ سب دعاؤں کا یہی حال ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں قبولیت ہے تو دعا مانگی جاتی ہے ورنہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سب دعاؤں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ سب لوگ وہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہوتی ہے اور وہ بھی مانگتے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی ہوتی اور اسم اعظم کی دعا اسی وقت زبان پر آتی ہے جبکہ قبولیت کی سب شرطیں پائی جاتی ہیں اور رکاوٹیں ختم ہو چکی ہوں۔ پس اسم کے اعظم ہونے کا یہی معنی ہے اور اسی اصول پر سورتوں کی ایک دوسرے پر فضیلت کو سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سورۂ تبارک الذی اپنے پڑھنے والے کے حق میں جھگڑا کرے گی اور یہ فرمان کہ قل ھواللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔

بہرحال عقلاً ثابت ہو گیا کہ اسم اعظم ہے اور یہ باقی اسماء پر فضیلت رکھتا ہے اور جب اسم اعظم ہے تو یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ؕ

کوئی ایسی شیء نہیں ہے جو ہم نے قرآن میں نہ لکھی ہو۔ تو قرآن کریم میں اسم اعظم ضرور ہوگا۔ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس اسم مبارک سے محروم رکھے حالانکہ آپ افضل الانبیاء ہیں اور آپ کی امت خیر الامم ہے۔

لیکن یہ بات کہ اسم اعظم قرآن کریم میں کہاں ہے تو اس بارے میں بعض نے تو کہا ہے کہ اسم اعظم قرآن کریم میں اس طرح مخفی ہے جیسے جمعہ کے دن میں قبولیت کی گھڑی کو اور ماہ رمضان میں شب قدر کو مخفی رکھا گیا ہے تاکہ لوگ ان کی تلاش میں خوب کوشش کریں اور ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں۔

اسم اعظم کے بارہ میں احادیث و آثار

اب ہم ذیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

یعنی ان کو اس شخص کی خبر سنا دے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں اور وہ ان میں سے نکل گیا۔ حضرت ابن عباسؓ ابن اسحاقؒ سدیؒ اور مقاتلؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کا شخص بلعم باعور تھا اور اسے اسم اعظم معلوم تھا ایک دفعہ بلعم کو بادشاہ نے بلایا تو وہ چھپ گیا بالآخر پکڑا گیا اور بادشاہ نے اس سے کہا تو وہ شخص ہے جس کے پاس اسم اعظم ہے اس نے کہا ہاں بادشاہ نے کہا میرے لئے ایک بیل کی دعا کر جس سے ابھی کام نہ لیا گیا ہو اس نے دعا کی تو اسی

وقت ایک سرخ رنگ کا بیل موجود ہو گیا جس کے پاس کوئی نہیں آ سکتا تھا۔ بلعم نے اس کے پاس جا کر اس کے کان میں کوئی بات کہی اور بیل اسی وقت مر گیا۔ بلعم باعور نے بادشاہ سے کہا تو بنی اسرائیل کو ستانے سے باز آ ورنہ تیرا بھی یہی حال ہوگا جو اس بیل کا ہوا۔ اسی وقت وہ بادشاہ بنی اسرائیل کو ستانے سے رک گیا۔

اور اسی قسم کی یہ آیت ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ

اکثر مفسرین قتادہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ آصف بن برخیا ہے جس نے سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی بلقیس کا تخت لا حاضر کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دائیں طرف دیکھا تو آصف بن برخیا نے اسم اعظم سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے تخت اٹھا کر زمین کے نیچے سے زمین کو چیرتے ہوئے لے آئے اور زمین حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے سے پھٹ گئی اور تخت حاضر ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آصف بن برخیا نے جس اسم اعظم سے دعا مانگی تھی وہ یاحی یا قیوم تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں آصف بن برخیا کی دعا یہ تھی یَا اِلٰهَنَا وَاِلٰهَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِئْتِنِیْ بِعَرْشِهَا اس دعا سے فوراً تخت موجود ہو گیا اور بعض نے کہا اسم اعظم یاذوالجلال والاکرام ہے۔

اور اسی قسم سے یہ آیت وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

مفسرینؒ فرماتے ہیں ہاروت و ماروت دونوں دن بھر لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے اور شام کے وقت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے تھے۔ ایک دن زہرہ کا مقدمہ آ گیا جو شہر بھر کی عورتوں میں زیادہ حسین تھی اور ملک فارس کی شہزادی تھی۔ وہ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کو مباشرت کے لئے کہا اس نے انکار کیا اور کہا جب تک تم مجھے اسم اعظم نہیں بتلاؤ گے۔ تمہارا کام نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا اسم اعظم بسم اللہ اکبر ہے وہ اسے پڑھ کر آسمان کی طرف چڑھ گئی اور وہاں جا کر خدا کے حکم سے ستارہ بن گئی۔ اور اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ بابل میں ان دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اسم اعظم تھا جس کے ذریعہ زہرا آسمان پر چڑھ گئی اور دونوں فرشتے بھی غضب الٰہی نازل ہونے سے پہلے آسمان پر چڑھ جاتے تھے شیاطین نے بھی ان سے سیکھ کر اپنے دوستوں کو جادو سکھانا شروع کر دیا تھا۔

حدیث میں ہے کہ ملک الموت اسم اعظم کی دعا ہی سے روحیں قبض کرتا ہے۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسم اعظم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں زبان زد عام تھا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو آیت کی تفسیر میں ہے اور تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا تھا۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ یا اللہ ابن عباس کو تاویل کا علم عطا کر اور حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں اسم اعظم بیان کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی اسم اعظم کے متعلق ارشادات منقول ہیں ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ حَدَّثَنَا یحییٰ عن مَالِکٍ عَنْ مُعَاوِیَةَ عن عبدِاللّٰہِ بن ابی بریدۃ عَنْ اَبِیْهِ اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ

علیہ وسلم سمع رجلاً یقول اللھم انی اشھد انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد فقال لقد سالت اللہ بالاسم الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب واذا سئل بہ اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ پڑھتے سنا۔ اللھم انی اشھد انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد تو ارشاد فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے جس سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے اور مانگا جائے دیا جاتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اور الٓمّٓ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک آدمی کو یہ کہتے سنا اللھم انی اسئلک انک احد صمد لم تتخذ صاحبۃ ولا ولدا تو آپ نے ارشاد فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے جس سے دعا قبول ہو جاتی ہے اور جو مانگو مل جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو نماز میں پڑھ رہا تھا۔ اللھم لک الحمد لا الہ الا انت یا حنان یا منان یا بدیع السمٰوٰت والارض یاذوالجلال والاکرام ۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سے اسم کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے جس سے دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگو دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ۔ جعفر دمشقی کہتے ہیں میں ان تین سورتوں میں غور کی نظر سے دیکھا تو مجھے ان میں ایسی چیز نظر آئی جو دوسری سورتوں میں نہیں۔ اور وہ آیۃ الکرسی ہے اور آل عمران میں الٓمّٓ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے اور طٰہٰ میں وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اسم اعظم "اللہ" ہے چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہتے سنا اللھم انی اسئلک بان لک الحمد لا الہ الا انت الحنان المنان بدیع السماوات والارض ذوالجلال والاکرام تو آپؐ نے فرمایا اس نے اسم اعظم اللہ لا الہ الا ھو کے ساتھ اپنے خدا کو پکارا ہے کیونکہ اس کا کوئی ہم نام نہیں ہے اور اس نام کے ساتھ کوئی دوسرا موسوم نہیں ہے۔

ابوجعفر کہتا ہے کہ ابوحفص نے جو طٰہٰ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ اسم اعظم نکالا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ طٰہٰ میں جو آیا ہے۔

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى بھی اسم اعظم ہے۔ اس طرح احادیث میں تطبیق ہوگی۔

محمد بن حسنؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اسم اعظم "اللہ" کیا دیکھتے نہیں کہ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے، رب ربوبیت سے مشتق ہے اور "اللہ" کسی سے مشتق نہیں ہے۔ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ اسم اعظم "اللہ" ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے تمام اسماء اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں مگر "اللہ" کی ان کی طرف اضافت نہیں کی جاتی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم یا ظاہر ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ یا حی یا قیوم ہے۔

حافظ ابو القاسم سہیلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام سب کے سب ''اللہ'' کے تابع ہیں جس کے ساتھ مل کر پورے سو ہو جاتے ہیں اور جنت کے درجات بھی سو ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جنت کے درجے سو ہیں ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اسمائے حسنیٰ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اسماء کی تعداد جنت کے درجوں کے برابر ہے۔ ''اللہ'' کے اسم اعظم ہونے کی دلیل ہے کہ باقی تمام اسماء اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام عزیز ہے یوں نہیں کہتے کہ اللہ نام ہے عزیز کا۔

اور فہری کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا یہاں اسماء کو عام کیا۔ پھر فرمایا

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ

اس میں پہلے اسم اعظم کا ذکر کیا اور مخلوق کو ہدایت کی کہ اس نام سے پکاریں یہ اسم خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے کوئی دوسرا اس سے موسوم نہیں ہوسکتا۔ مخلوق میں سے کسی سرکش شیطان نے بھی اپنے آپ کو اللہ کہلوانے کی جرأت نہیں کی۔ فرعون جو اتنا بڑا ظالم و سرکش تھا اس نے مصر کے قبطیوں سے کہا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى جس کی وجہ سے دنیا ہی میں اس پر اور اس کی قوم پر عذاب آیا مگر اسے بھی یہ طاقت نہ ہوئی کہ انا اللہ کہہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اشرار کو بھی اس نام کے دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں دی اسی واسطے فرمایا

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا یہ وہ نام ہے جس کا ورد مخلوق کی زبان پر جاری کیا اور ہر ایک کو یہی سمجھایا کہ ہمیشہ خدا کا یہی نام لیں۔ اسی نام کے ساتھ ایمان کو متعلق کیا۔ اسی کو فریاد خواہوں کی فریاد مظلوموں اور خوفزدوں کی پناہ بنایا اور اسی کو عابدوں کی عبادت بنایا۔ جو شخص کسی مصیبت میں پھنس جائے یا کسی بلا کے منہ میں آجائے تو وہ اس نام سے خدا کو پکارتا ہے اور جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق پہلا حکم یہی ہے کہ اس کے کان میں یہی نام پکارو اور مرتے وقت بھی یہی نام لا الہ الا اللہ ہی کام بناتا ہے۔ اسی نام کو مخلوق اپنے بول چال اور معاملات میں استعمال میں لاتی ہے اور پیش کرتی ہے۔ چنانچہ انہیں روکا گیا کہ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اور گنجائش دیدی کہ جس اسم کے ساتھ تمہارا دل چاہے پکارو اگر مجھے میرے ذاتی نام سے نہ پکارو تو مجھے میری رحمت اور فضل سے پکارو اسی لئے شیخ واسطیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے کسی نام سے پکارتا ہے تو اس میں اس شخص کا حصہ ہوتا ہے مگر اسم ''اللہ'' کے ساتھ پکارنے میں اس کو کوئی حصہ نہیں ملتا کیونکہ واحدانیت میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ اسم تعلق کے لئے ہے۔ تخلق کے لئے نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ الوہیت مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کے کمال کی صفت ہے۔ حضرت ابو سعیدؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک کلمہ یعنی اللہ کی طرف بلایا۔ جس نے اسے سمجھ لیا اس نے دوسرے کلمات کو بھی سمجھ لیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ فرما کر اہل حقیقت کے لئے کلام ختم کیا۔ پھر خواص کے لئے احد بڑھایا

پھر اولیاء کے لئے اتنا اور فرمایا اَللّٰہُ الصَّمَدُ پھر عوام کی خاطر اور بڑھایا کہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

لفظ اللّٰھم اصل میں یااللہ تھا یا کو حذف کرکے آخر میں میم کا اضافہ کیا تاکہ یااللہ کا معنی قائم رہے اور اس واسطے بھی تاکہ عوض اور معوض جمع نہ ہوجائیں۔ بعض نے کہا اس میں میم زائد ہے۔ عرب کلمہ کے آخر میں میم زائد کیا کرتے ہیں۔

اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اللہ اور الٰہ ہے اور الٰہ اللہ کا اصل ہے۔ ہشام حضرت محمد بن حسن شیبانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے سنا کہ اسم اعظم اللہ اور الٰہ ہے اور صوفیائے کرام میں سے اکثر مشائخ کا بھی اعتقاد ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صاحب مقام کے لئے اسم ''اللہ'' سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ میں کہتا ہوں کہ اسی لئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اسم ''اللہ'' کے ذکر کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور امام ابوجعفر طحاویؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم ''اللہ'' ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ اسم اعظم الٓمٓ ' کٓھٰیٰعٓصٓ ' حٰمٓ عٓسٓقٓ وغیرہ ہیں اور جو شخص ان حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتا چلا جاتا ہے وہ اسم اعظم سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حروف مقطعات اسم اعظم ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اسم اعظم احد الصمد ہے بعض نے کہا ذوالجلال والاکرام ہے۔ اور بعض نے کہا ربنا ہے دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ قبولیت اسم اعظم کی علامت ہے۔ اور بعض نے کہا ارحم الراحمین اسم اعظم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف سے حکایت ہے۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ

حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ زید بن حارثہ نے طائف جانے کے لئے ایک آدمی کا خچر کرائے پر لیا۔ خچر والے نے شرط لگائی کہ میں جہاں اتاروں گا اترنا پڑے گا۔ راستہ میں ایک ویران جگہ میں خچر والے نے اتار دیا۔ وہاں بہت ساری نعشیں پڑی تھیں۔ خچر والے نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ٹھہرو مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس نے کہا پڑھ لو تم سے پہلے جو لوگ قتل ہوئے پڑے ہیں انہوں نے بھی پڑھی تھیں مگر انہیں ان کی نماز نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ زید کہتے ہیں کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو میں نے کہا یاارحم الراحمین تو فوراً ایک آواز آئی کہ اسے قتل نہ کر خچر والے نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے کوئی نظر نہ آیا وہ دوبارہ میری طرف بڑھا تو اس وقت ایک سوار ہاتھ میں خنجر لئے آتا ہوا نظر آیا جس نے خچر والے کو قتل کردیا۔

بعض کہتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اسی کو پڑھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن السنی نے نقل کیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جس کے پڑھنے سے مصیبت زدہ کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ وہ کلمہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے جو اس نے تاریکیوں میں پڑھا تھا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اور بعض کہتے ہیں کہ وھاب اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے ساتھ دعا مانگی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ خیر الوارثین اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہی اسم لے کر دعا مانگی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ غفار اسم اعظم ہے۔

ایک عارف سے سنا کہ ہر دعا مانگنے والے کی اپنی حالت کے مطابق اس کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔ جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگتا ہے اور یہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ ہر ایک کا اسم اعظم اس کے حالات کے موافق الگ ہوتا ہے۔

ایک اہم عمل

میرے ایک دوست نے بعض مشائخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے نام کے اعداد لے کر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا اسم تلاش کرلے جس کے اعداد اس کے نام کے اعداد کے برابر ہوں اگر ایک اسم ایسا نہ مل سکے تو دو اسم یا تین اسم یا چار اسم ایسے تلاش کرے جن کے مجموعہ کے اعداد اس کے نام کے اعداد کے برابر ہوں مثلاً محمد کے عدد ۹۲ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کوئی ایسا نہیں ملتا جس کے عدد ۹۲ ہوں مگر اول اور دو اسم یہ دو اسم ایسے ہیں جن کے عدد ۹۲ بنتے ہیں۔ اسی طرح حیٔ وھابٔ واجد اور ولی چار اسم ہیں ان کے عدد ۹۲ ہیں۔ اس طرح جب وہ اپنے نام کے اعداد کے برابر اعداد والا اسم الٰہی تلاش کرلے تو پھر پہلے تو اپنے اسم کے اعداد کی تعداد کے برابر پہلے سورۃ فاتحہ پڑھے پھر سورۃ الم نشرح اتنی بار پڑھے اور اسم الٰہی ایک ہو یا زیادہ وہ بھی اتنی بار پڑھے اور اس پر مداومت کرے اور اس کے بعد انہیں اسمائے الٰہیہ سے دعا مانگے۔ مثلاً جس کا نام محمد ہے وہ ۹۲ بار سورۃ فاتحہ پڑھے۔ ۹۲ بار سورۃ الم نشرح پڑھے اور پھر ۹۲ بار حیٔ وھابٔ واجد اور ولی پڑھے اور پھر یوں دعا مانگے یاحی احی قلبی و رزقی و ذکری یا ان کی جگہ اور جو مانگنا چاہے مانگے۔ یا وھاب ھب لی کذا یا واجد اوجد لی کذا یا ولی تولنی

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اسم اعظم قریب ہے۔ بعض کے نزدیک سمیع الدعاء ہے اور بعض کے ہاں اسم اعظم السمیع العلیم ہے۔ اب جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ ان سب اسمائے الٰہیہ کو جمع کرکے دعا مانگے تو وہ مخفی اسرار کا محرم ہوسکتا ہے اور بند خزانے کی چابی اس کو مل سکتی ہے۔ اور میں نے مندرجہ ذیل دعا میں ان سب اسمائے الٰہیہ کو جمع کردیا ہے۔ جن کے اسم اعظم ہونے کا قول کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَامَنَّانُ یَاحَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا خَیْرَ الْوَارِثِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا سَمِیْعَ الدُّعَاءِ یَااَللّٰهُ یَااِلٰهُ یَااَللّٰهُ یَااَللّٰهُ یَاعَلِیْمُ یَاعَالِمُ یَا سَمِیْعُ یَا عَلِیْمُ یَا حَکِیْمُ یَا مَالِکُ یَا مَلِکُ یَا سَلَامُ یَا حَقُّ یَا قَائِمُ یَا مُحْصِیْ یَا مُعْطِیْ یَا مَانِعُ یَا مُحْیِیْ یَا مُقْسِطُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَارَبُّ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا وَهَّابُ یَا غَفَّارُ یَا قَرِیْبُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب اسم اعظم سے دعا مانگنا چاہو تو پہلے سورۃ حدید کی چھ آیات اور سورۃ حشر کی آخری آیتیں پڑھو اس کے بعد یہ دعا مانگو یا من ھو کذلک افعل لی کذا اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر اس طرح کوئی بدبخت دعا مانگے گا تو وہ خوش بخت ہو جائے گا۔

الشیخ العلامۃ الامام ابوالشاہ محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ولی اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب آدمی اپنے دل کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرلے اور پورے ادب اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کے ساتھ بھی دعا مانگے گا وہی اسم اعظم ہے کیونکہ اس حالت میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

بعض کا خیال یہ ہے کہ اسم اعظم ایک خاص اسم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ سورۂ آل عمران میں جو اسم اعظم ہے وہ یہ ہے یَا اللّٰهُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ یَا مَنْ لَایَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وَ یَارَبِّ یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَارَیْبَ فِیْهِ یَامَنْ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یَا مَنْ شَهِدَ لِنَفْسِهٖ وَشَهِدَتْ لَهُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا عَلٰی خَلْقِهٖ بِالْقِسْطِ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یَا اللّٰهُ یَا اَللّٰهُ یَا مَالِکَ الْمُلْکِ یَا مَنْ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یَا مَنْ یُّوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَیُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

بعض نے کہا کہ اسم اعظم وہ ہے جس سے علاء بن الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں داخل ہوتے وقت دعا مانگی تھی۔ وہ یہ کہ انہوں نے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھی پھر یوں دعا مانگی۔ یا حلیم یا علیم' یا علی' یا عظیم اجرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اور الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ البقرۃ' سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ۔

کتاب لور الیقین میں حضرت شیخ ابوالحسن شاذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا کہ جو آدمی جمعرات کی شام کو نہا کر کسی گوشہ میں تنہا بیٹھ جائے۔ مغرب کی نماز ادا کر کے وہیں بیٹھا ذکر کرتا رہے پھر عشاء کی نماز پڑھ کر وتر کے آخری سجدہ میں سو بار کہے یا رب یا رحمن یا رحیم یا حی یا قیوم بک استغیث تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

انہی کے ہاتھ سے یہ ترکیب بھی لکھی ہے کہ اگر کسی آدمی کی کوئی حاجت ہو اور وہ پوری نہ ہو رہی ہو تو وہ جمعہ کی رات کی شام کو نہا کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہے اور کسی سے بات نہ کرے اور جب عشاء کی نماز پڑھے تو وتر کے آخری سجدہ میں سو بار کہے یا اللہ یا رب یا رحمن یا رحیم یا حی یا قیوم بک استغیث یا اللہ پھر اپنی حاجت مانگے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی ہلاکت یا نقصان کی دعا نہ کرے۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ یوں کہتے یا حی یا قیوم بک استغیث اور سنن الترمذی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے سبحان اللہ

العظیم اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں بہت کوشش کرتے تو فرماتے۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی غمگین ہوتے تو فرماتے یا حی یا قیوم علامہ بونی نے حی و قیوم کے بیان میں لکھا ہے کہ منگل بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھے اور جمعہ کی رات میں علی الصبح اذان کے بعد اول وقت میں صبح کی نماز پڑھے اور پھر اس اسم کا ورد کرے اور دوسری کسی طرف بالکل دھیان نہ دے اور مسلسل یہ ذکر کرتا رہے جب سورج طلوع ہونے لگے تو فوراً قلم لے کر کاغذ پر یا حی یا قیوم لکھ لے اور اس کاغذ کو لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لے تو وہ اپنے رزق میں کشادگی و برکت دیکھے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند آدمی صبح کی نماز کے بعد بولنے سے پہلے مذکورہ ذیل دعا پڑھے تو اس کی ضرورت پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا حَكِيْمُ يَا قَدِيْمُ يَا دَائِمُ يَا فَرْدُ يَا وِتْرُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ۔ شیخ یاسم نے شیخ عبدالنور کو خط میں لکھا کہ اے دوست میں آپ کو اسم اعظم کا تحفہ دیتا ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد ۷ مرتبہ یوں دعا مانگو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا قَدِيْمُ يَا دَائِمُ يَا صَمَدُ يَا وَدُوْدُ يَا وِتْرُ يَا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ شیخ ابوالحجاج اقصری کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد ۳ بار مذکورہ ذیل دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا مَنَّانُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ فَافْعَلْ لِيْ كَذَا وَكَذَا (خط کشیدہ جملہ کی جگہ اپنی حاجت کا نام لے)

خاصیت آیت ۷ تا ۹

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

اگر کسی آدمی کا حافظہ کمزور ہو اور ذہن سست ہو تو وہ ان آیات کو سبز رنگ کے نئے کاغذ پر جمعہ کے دن چھٹے گھنٹے میں زعفران و گلاب کے عرق سے لکھے اور دھو کر پی لے۔ مسلسل سات جمعے اسی طرح کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا حافظہ قوی اور تیز ہو جائے گا۔ اس بات کا خصوصی خیال کرے کہ کوئی شبہ والی چیز نہ کھائے۔

خاصیت آیت ۲۶، ۲۷

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(۱) جو آدمی مذکورہ آیتوں کو فرضوں اور نفلوں کے بعد اور سوتے وقت اکثر پڑھے تو اس کی تنگ دستی ختم ہو جائے گی۔

(۲) جو بادشاہ الملک القدوس کا ہمیشہ ورد رکھے اس کی سلطنت قائم رہے گی اور اس کی سلطنت دور دور تک پھیلے گی۔

(۳) جو شخص الملک کے حروف اس طرح لکھے۔ ا ل م ل ک ہر روز پاک صاف ہو کر چالیس بار دیکھا کرے اور دیکھتے وقت درمیانہ حرف پر نظر قائم رکھے اور اللھم مالک الملک الخ پڑھتا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیوی اور اخروی اسباب آسان فرما دے گا۔

(۴) جو شخص علم کیمیا یا دوسری مخفی چیزوں کا علم حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہو وہ چالیس دن مسلسل روزے رکھے حلال چیز سے افطار کرے اور ہر رات سوتے وقت ۷ بار سورۃ الشمس، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح پڑھے۔ پھر سات بار مذکورہ بالا آیت پڑھے پھر ستر بار یہ دعا مانگے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِقُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ یَاوَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا وِتْرُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تُیَسِّرَ لِیَ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَسَّرْتَہٗ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِکَ وَاَکْرَمْتَ بِہٖ کَثِیْرًا مِّنْ عِبَادِکَ وَاَغْنِنِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ فَاِنَّکَ مَالِکُ الْمُلْکِ وَبِیَدِکَ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ نیند یا بیداری میں اس کے پاس کوئی شخص بھیجیں گے جو اسے اس کا مطلوبہ علم سکھا دے گا۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص حاجت مند ہو اور وہ سجدہ میں جا کر یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ الخ یا اللہ ۳ بار اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ تَجَبَّرْتَ اَنّٰی یَکُوْنُ لَکَ وَلَدٌ وَتَعَالَیْتَ اَنّٰی یَکُوْنُ لَکَ شَرِیْکٌ وَ تَعَاظَمْتَ اَنّٰی یَکُوْنُ لَکَ نِدٌّ وَمُجِیْرٌ وَقَھَرْتَ اَنّٰی یَکُوْنُ لَکَ ضِدٌّ وَ تَکَرَّمْتَ اَنّٰی یَکُوْنُ لَکَ وَزِیْرٌ یا اللہ ۳ بار یَا اَللّٰہُ اَنْتَ الَّذِیْ تَنَزَّھْتَ وَتَنَزَّھْتَ وَنَزَّھْتَ جَمِیْعَ خَلْقِکَ لَاعَیْنٌ تَرَاکَ وَلَایُدْرِکُکَ بَصَرٌ یَا اَللّٰہُ ۳ بار یَا اَللّٰہُ اِقْضِ حَاجَتِیْ

اور اپنی حاجت کا نام لے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۳۵ تا ۳۷

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ فَلَمَّا وَضَعَتْھَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُھَآ اُنْثٰی ط وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُھَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّکَفَّلَھَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ط قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

(۱) ان آیات کو زعفران اور گلاب سے ہرن کے باریک چمڑے پر لکھ کر عورت کی بائیں کوکھ پر وضع حمل تک باندھ دیں

جائے تو وہ سب آفتوں سے امن میں رہے گی۔

(۲) اگر اس آیت کو مشک و زعفران سے لکھ کر بچہ کے گلے میں لوہے یا تانبے کی تختی میں بند کر کے باندھ دیا جائے تو وہ رونے اور ڈرنے اور بھوک لگنے سے محفوظ رہے گا اور اکثر سویا رہے گا اور اپنی ماں کے تھوڑے دودھ سے سیر ہو جایا کرے گا اور اگر اس کی ماں کا دودھ کم ہوگا تو وہ بہت ہو جائے گا اور وہ بچہ نیک بخت ہوگا۔

خاصیت آیت ۷۳

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۱) جو شخص جمعرات کے دن زہرہ یا عطارد کی ساعت میں اس آیت کو کسی پاک کاغذ پر لکھ کر کسی نیک آدمی کے کرتے کے ٹکڑے میں لپیٹ کر اپنی دکان یا گھر کے دروازے میں لٹکائے تو اس کی آمدنی بہت ہو گی۔ (۲) اگر کوئی شخص بے روزگار ہو یا کسی شخص کی شادی نہ ہوتی ہو تو وہ یہ آیت لکھ کر گلے میں لٹکائے اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۸۳ تا ۸۵

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اگر کوئی بیمار ہو تو یہ آیت مٹی کے کورے برتن میں لکھ کر بارش یا کنوئیں کے پانی سے جس پر دھوپ نہ پڑی ہو دھو کر پلایا جائے تو وہ صحت مند ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۱) اگر دو آدمیوں میں دشمنی و لڑائی ہو تو ایک آدمی اس آیت کو دوشنبہ کے دن جب چاند کی روشنی ترقی میں ہو سیاہ توت کے پتوں کے پانی سے ہرن کے باریک چمڑے میں لکھے اور آخر میں یہ لکھ دے یا مؤلف القلوب الف بین کذا اور ان دونوں کا نام آگے پیچھے لکھ دے اور اپنے گلے میں ڈال لے دوسرا شخص اس کا جتنا دشمن ہوگا وہ خود بخود آ کر اس سے مصالحہ کرے گا اور اس کی بات مانے گا۔

(۲) اگر اسی طرح یہ آیت لکھی ہوئی کوئی واعظ اپنے پاس رکھے تو اس کے کلام میں بہت تاثیر ہوگی ہر شخص اس کی بات مانے گا۔

خاصیت آیت ۱۱۱ تا ۱۱۲

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ط وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا

بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ جو آدمی ان آیتوں کو اپنے ہتھیار پر دوشنبہ کے دن آٹھویں ساعت میں پاک صاف اور روزہ کی حالت میں لکھے تو یہ ہتھیار جس کے پاس ہوگا دشمن اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۲ تا ۱۲۶

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ط وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

جو شخص بادشاہ یا حاکم سے خائف ہو تو وہ جمعہ کی رات آدھی رات کے بعد پاک ہو کر یہ آیت لکھے۔ پھر جب صبح کی نماز پڑھ لے تو سورج طلوع ہونے تک تسبیح و ذکر میں مشغول رہے جب سورج اونچا ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آمن الرسول آخر تک پڑھے۔ پھر سے بار استغفار پڑھ کرے بار کہے۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پھر دوبارہ وضو کر کے اس آیت کو اپنے پاس رکھے تو اس کا خوف جاتا رہیگا۔ اور اگر نیند یا بیداری میں کسی بھوت یا دشمن کا خوف ہے تو وہ بھی جاتا رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۳۴ تا ۱۳۶

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ

جو شخص ان آیات کو جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد کاغذ پر لکھ کر اپنے گلے میں ڈالے اور صبح کو اٹھ کر کسی بادشاہ یا دشمن یا کسی ظالم کے پاس جائے تو اسکے شر سے محفوظ رہیگا۔

خاصیت آیت ۱۴۴

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

جس آدمی کو نکسیر آتی ہو تو کاغذ پر اس آیت کو لکھے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھے۔ اِنْقَلِبْ يَا دَمُ بِاَكُفٍّ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ هج لج هج لج هج لج هج لج هج لج لحطاس هى اور ناک کے اوپر دونوں آنکھوں کے درمیان باندھ دے۔

خاصیت آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ

اگر کسی کو بادشاہ یا حاکم سے خوف ہو وہ اسے کسی سزا کی دھمکی دیتا ہو تو یہ آدمی اس آیت کو کاغذ پر لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ کر اس کے پاس بے خوف چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے شر سے محفوظ رکھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خوف پیدا ہوتا تھا تو آپ فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بادشاہ وغیرہ کے ہاں جاتا ہو تو یہ پڑھ کر جاؤ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَكِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَآؤُکَ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سبب سے غم ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اور فرماتے یہ دعا غم کو دور کرنے کے لئے ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَاتَنَامُ وَاكْنُفْنِیْ بِكَنَفِکَ الَّذِیْ لَایُرَامُ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ بِقُدْرَتِکَ عَلَیَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ وَرَجَائِیْ فَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ قَلَّ لَکَ بِهَا شُكْرِیْ وَكَمْ بَلِیَّةٍ ابْتَلَیْتَنِیْ بِهَا قَلَّ لَکَ بِهَا صَبْرِیْ فَیَامَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِیْ وَلَاتَحْرِمْنِیْ وَیَامَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلَائِهٖ صَبْرِیْ فَلَمْ تَخْذُلْنِیْ وَیَامَنْ رَآنِیْ عَلَی الْخَطَایَا وَلَمْ یَفْضَحْنِیْ اَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَآخِرَتِیْ بِالتَّقْوٰی وَاحْفَظْنِیْ فِیْمَا غِبْتُ عَنْهُ وَلَاتَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فِیْمَا حَضَرْتُهٗ یَامَنْ لَاتَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَاتَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ هَبْ لِیْ مَا لَایَنْقُصُکَ وَاغْفِرْلِیْ مَالَایَضُرُّکَ اِلٰهِیْ اَسْئَلُکَ فَرَجًا قَرِیْبًا وَّصَبْرًا جَمِیْلًا وَّاَسْئَلُکَ الْعَافِیَةَ مِنْ كُلِّ بَلِیَّةٍ وَّاَسْئَلُکَ دَوَامَ الْعَافِیَةِ وَاَسْئَلُکَ الشُّكْرَ عَلَی الْعَافِیَةِ وَاَسْئَلُکَ الْغِنٰی عَنِ النَّاسِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اس دعا کے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کو بہت سارے لوگوں نے لکھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اور جو شخص یہ دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے شریروں اور ظالموں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَسْبِلْ عَلَیْنَا كَنَفَ سِتْرِکَ وَاَدْخِلْنَا فِیْ مَكْنُوْنِ غَیْبِکَ وَاحْجُبْنَا عَنْ شِرَارِ خَلْقِکَ وَحُلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الرَّزَایَا وَالْبَلَایَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ...... اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

(۱) جو شخص اس آیت کو ہمیشہ پڑھتا ہے اس کا ایمان ثابت اور دل پاک ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۴) جو شخص رات کو تہجد کے وقت بیدار ہونا چاہے وہ اس آیت کو لکڑی کے برتن میں لکھے اور آب زمزم سے دھو کر پی لے۔ ہر رات جس وقت اٹھنے کا ارادہ کر کے سوئے گا اسی وقت بیدار ہو جائے گا۔

سورۃ النساء

خاصیت آیت ۱۷۴، ۱۷۵

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

یہ آیت آپ کے مد مقابل کی دلیل کو بے کار کر دے گی اور اس کے مقابلہ میں تمہاری دلیل و موقف کو مضبوط و غالب کر دے گی۔

طریقہ یہ ہے کہ اتوار کے روز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نفلی روزہ رکھو پھر اس آیت کو پاک چمڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر اپنے گلے میں لٹکا لو۔ اور یہی آیت دولہا کیلئے آزادی میں مفید ہے۔ اسے زعفران اور عرق گلاب سے لکھ کر دولہا اپنی پگڑی اور پیشانی کے درمیان رکھ لے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے لکھ لے اور پانی سے دھو کر پی جائے۔ (الدر النظیم)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب قرآنی تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے منتخب آیات کے فضائل و خواص

تسمیہ کی خاصیت

خواص (۱) جو شخص ایمان و اخلاص سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرے گا تو اس کے اُنیس حرفوں کی بدولت وہ شخص دوزخ کے اُنیسوں فرشتوں کے عذاب سے محفوظ رہے گا اور بسم اللہ میں چار کلمے ہیں۔ ان چار کلموں کی برکت سے اس کے چاروں طرح کے گناہ یعنی رات کے دن کے چھپے ظاہر سب معاف ہو جائیں گے۔

تسمیہ کی ایک اور خاصیت

جو کوئی بسم اللہ کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ہزار کے بعد دو نفل ادا کرے اور دعا مانگے بارہ ہزار پورا ہو چکنے پر بھی دو رکعت پڑھے اور خلوص نیت سے دعا مانگے تو ضرور اس کی دعا قبول ہوگی! جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد اللہ یا رحمٰن یا رحیم مغرب تک پڑھتا رہے اور درمیان میں نہ کسی سے بات کرے نہ دوسری جانب متوجہ ہو اس کے بعد دعا مانگے ان شاء اللہ اس کی کوئی حاجت کیوں نہ ہو ضرور پوری ہوگی! بعض مشائخ نے اللہ کو جو اسم ذات ہے اسم اعظم بتایا ہے بوقت نیم شب چالیس روز تین ہزار مرتبہ یا اللہ پڑھنا اور ورد رکھنا کشف قلب کا باعث ہے

فضائل وخواص سورہ بقرہ

اس سورت کے نام ہیں سورۃ البقرۃ' سورہ فسطاط القرآن۔ یہ قرآن میں سب سے بڑی اور پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ جس گھر میں یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اسمیں شیطان نہیں گھستا اور جو شخص اس سورۃ کا ورد رکھے گا قیامت کے دن اس کے سر پر تاج ہوگا ۱۲اق۔ شیخ جمال الدین یونس سجاوندی فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو سخت مصیبت درپیش ہو جس سے رہائی نظر نہ آتی ہو تو اس کو چاہیے کہ ایک کاغذ پر لکھے بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بسم اللہ الملک الحق المبین من العبد الذلیل الی المولی الجلیل مسنی الضروات ارحم الراحمین۔ اور کاغذ کو چلتے پانی میں ڈال دے۔ اگر ہفتہ کے اندر اس کی مراد پوری نہ ہو جاوے تو قیامت کے دن میرا دامن ہوگا اور اس کا ہاتھ۔

سورہ بقرہ آیت 186 کی خاصیت

خواص وتنبیہ۔ فلیستجیبوالی پر پہنچ کر دعا مانگے ان شاء اللہ مقبول ہوگی ۱۲ اور پڑھے اللھم امرت بالدعا و تکفلت بالاجابۃ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لک لا شریک لک اشھدانک فرداحد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد واشھد ان وعدک حق ولقاء ک حق والجنۃحق والنارحق والساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا وانک تبعث من فی القبور

سورہ آل عمران آیت 83

افغیر دین اللہ الخ اگر کسی کا گھوڑا سرزور ہو کر اپنی پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو یہ آیت افغیر دین اللہ سے لے کر والیہ یرجعون تک پڑھے اور اس کے دونوں کانوں میں پھونک دے پھر سوار ہو جائے ان شاء اللہ وہ ہرگز کچھ بھی نہ بولے گا۔ (تفسیر مظہری)

اغلاط نامہ .... جلد اوّل

معذرت:۔۔۔طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے

کے باوجود بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
63	لن یخلقوا ذبا	لن یخلقوا ذبابا
94	لُثَبِّتُ	نُثَبِّتُ
123	أنؤمن	نؤمن
145	ولله	وللّٰه
161	یرغب یمن	یرغب عن
203	بالمغفرة فما اصبرهم	بالمغفرة فی صبرهم
233	ویسئلونک	یسئلونک
237	افان انتهوا	فان انتهوا
258	واذكروا	واذكروه
342	علم بالظالمین	علیم بالظالمین
361	العزیز الحلیم	العزیز العلیم
362	السموت والارض	السموت وفی الارض
362	الا باذن	الا باذنه
367	ربی الذین	ربی الذی
373	بل بعث	بل لبثت
400	ویمحق الله	یمحق الله
407	تضل احمدا هما	تضل احداهما
431	من اللساء	من النساء
435	لاعا بالقسط	قائماً بالقسط
438	فان حاجرک	فان حاجوک
443	بانک علی	انک علی
450	وآية لهم ان	وآية لهم انا
473	یا عیسیٰ ان	یا عیسیٰ انی
482	وما كان	ما كان
504	ولن دخله	ومن دخله
522	ولا یرحل وجوههم	ولا یرحل وجوههم
531	بما تعملون	بما یعملون
534	فاستجاب ربکم	فاستجاب لکم ربکم
534	بلی ان تصبروا	بلی ان تصبروا
572	ان لاخوف	الاخوف
580	باللّٰه وان	باللّٰه ورسله وان
640	انه كانا حوبًا	انه كان حوبًا
665	اورکی اسمع	اورا سمع
674	الا مالات الی	الا مانات الی
676	واولی الام منکم	واولی الامر منکم
677	یزعمون انهم	یزعمون انهم
695	من الاجدات	من الاجداث
741	یحطون عنهم	ایحطون عنهم

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التّنزِیل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفرأ بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد دوم .... سورۃ المائدہ تا سورہ توبہ

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر

بشمول قرآنی فضائل وخواص

ازابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر بغوی اردو

جلد دوم ... سورۃ المائدہ تا سورۃ توبہ

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اردو میں

تفسیر بغوی اردو

المعروف معالم التنزیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد دوم ... سورۃ المائدہ تا سورۂ توبہ

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابو محمد عبد اللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
و حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

تفسیر بغوی اردو

تاریخ اشاعت............ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
ناشر..................... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت................... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ سید احمد شہید...... اردو بازار..... لاہور
دار الاشاعت...... اردو بازار.......... کراچی
مکتبہ علمیہ...... .... اکوڑہ خٹک...... پشاور
مکتبہ رشیدیہ...... سرکی روڈ...... کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر... خیابان سرسید..... راولپنڈی
مکتبہ دار الاخلاص... قصہ خوانی بازار...... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE (U.K.)

کلماتِ ناشر



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم الیٰ یوم الدین

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جوکہ تفسیر بغوی یعنی معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اردو زبان میں ترجمے کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم ومستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دوچند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔

تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام ومرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف وتبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ "البلاغ" میں تحریر فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام ومرتبے کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دے دیا گیا ہے جو گویا کتاب ہذا کے لیے بطور مقدمے کے ہے۔

تفسیر ہذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہو کر شائع کی جاری ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل وخواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدر النظیم فی فضائل القرآن "والآیات والذکر الحکیم" اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل وخواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور ادارہ کے تحت "اشرفی مجلس علم وتحقیق" جو کہ درج ذیل اہل علم حضرات پر مشتمل ہے:

مفتی مسعود کشمیری فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد،

مولوی حبیب الرحمٰن فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان،

مولانا قاری ابوبکر صاحب فاضل جامعہ دار العلوم اسلامیہ لاہور،

مولانا فضل الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

کی اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح وترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

"فجزاهم الله احسن الجزاء"

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

فہرست عنوانات

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ

یہ مکمل سورۃ مدنی ہے سوائے ایک آیت "الیوم اکملت لکم دینکم الآیة" کے کیونکہ یہ آیت میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورت کی ایک سوبیس آیتیں ہیں۔

ابو میسرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اٹھارہ ایسے حکم نازل کیے ہیں جو اس (سورۃ) کے علاوہ کسی (سورۃ) میں نازل نہیں کیے۔ مثلاً

"احلّت لکم بھیمة الانعام" اور "والمنخنقة والموقوذة والمتردیة الآیة ...... وطعام الّذین اوتوا الکتاب ...... الآیة ...... اذا قمتم الی الصلاة ......الآیة اور السارق والسارقة ...... الآیة اور ولا تقتلوا الصید وانتم حرم ...... الآیة اور ما جعل اللّٰہ من بحیرة ...... الآیة "اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "شھادة بینکم اذا حضر احدکم الموت " میں وہ احکام بیان کیے ہیں جو دوسری سورتوں میں بیان نہیں کیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۥ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۥ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

(ترجمہ) اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے لیکن شکار کو حلال نہ سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں۔

(تفسیر) اللہ تعالیٰ کا فرمان (یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود) عہد کو پورا کرو۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔عقود پختہ ترین عہد کو کہتے ہیں۔ عرب کے محاورات میں کہا جاتا ہے "عاقدت فلانا و عقدت علیه" یعنی میں نے فلاں کو از سر نو یہ (معاہدہ) لازم کیا اور اس (عقود) کی اصل یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری کے ساتھ گرہ لگا کر جوڑ دینا جیسا کہ رسی کو رسی کے ساتھ گرہ لگا کر جوڑا جاتا ہے۔

اوفوا بالعقود کی تفسیر۔عقود(جو آیت میں مذکور ہیں) کی تعیین میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔مطلب آیت کا یہ ہے کہ "اے وہ لوگو! جو پہلی کتب پر ایمان لائے ان عہدوں کو پورا کرو جو میں نے تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیے اور وہ (عہد جو یہود سے کیا گیا)" اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب الایۃ" میں ہے۔

اور دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں آیت میں عقود کا لفظ عام ہے (یعنی ہر معاہدہ دنیاوی واخروی مراد ہے) اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس (ایفاء عقود) سے وہ قسمیں مراد لی ہیں جو یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایمان اور قرآن کے عہد ہیں اور بعض حضرات کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ آیت میں "اوفوا بالعقود" سے مراد وہ معاہدے ہیں جو لوگ آپس میں کرتے ہیں۔

بھیمۃ الانعام کی وضاحت

(اُحِلّت لکم بھیمۃ الانعام) حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ "بھیمۃ الانعام" سے مراد تمام چوپائے ہیں یعنی اونٹ، گائے، بکری اور اللہ تعالیٰ کی مراد ان تمام جانوروں کو حلال کرنا ہے جو اہل جاہلیت نے اپنے اوپر حرام کیے ہوئے تھے۔

ابوظبیان رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ "بھیمۃ الانعام" سے مراد جنین ہیں (یعنی جانوروں کے وہ بچے جن کے اعضاء مکمل ہوں اور ان کی ولادت سے قبل ماں فوت ہو جائے)۔

اور اسی کی مثل حضرت شعبیؒ رحمہ اللہ سے منقول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ "بھیمۃ الانعام" سے مراد وہ بچے ہیں جن کی والدہ کو جب ذبح یا نحر کیا جائے تو وہ مردہ حالت میں ماں کے پیٹ میں ہوں۔اکثر اہل علم اس بچہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے کو ذبح کرتے ہیں تو ہم ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پاتے ہیں کیا ہم اس بچہ کو کسی گڑھے میں ڈال دیں یا کھالیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اس بچہ کو بھی کھالو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کو ذبح کرنا ہے۔(ابوداؤد، کتاب الاضاحی، الترمذی کتاب الصید)

اور ابوالزبیر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں کہ جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے اور بعض حضرات نے جنین کے حلال ہونے کے لیے اس کے بال نکلنا شرط قرار دیا ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مادہ جانور کا ذبح اس کے پیٹ کے بچہ کو اس وقت کافی ہوگا جب اس بچہ کے اعضاء مکمل ہو چکے ہوں اور جسم پر بال آچکے ہوں اور حضرت سعید بن المسیب سے بھی اسی کی مثل روایت ہے۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مادہ جانور کے ذبح ہونے کے بعد جب اس کا مُردہ بچہ نکلے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بهيمة الانعام" سے جنگلی جانور مراد ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی گدھا، جنگلی جانوروں کو "بهيمة" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کی پہچان پوشیدہ ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ ان کو قوت گویائی حاصل نہیں ہے۔

(اِلَّا ما يُتلٰى عليكم)...... "ما يتلٰى عليكم" سے مراد وہ جانور ہیں جو آیت "حرمت عليكم الميتة" میں "وما ذبح على النصب" تک بیان کیے گئے ہیں۔ (غير محلّى الصيد) یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ "تمہارے لیے تمام چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے جنگلی جانوروں کے کیونکہ یہ شکار ہونے کی وجہ سے حالت احرام میں تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وانتم حرم ان الله يحكم ما يريد.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ط وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

ترجمہ: اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

"لاتحلوا شعائر الله" کا شانِ نزول

تفسیر ② ......(يا يها الذين امنوا لاتحلّوا شعائر الله) یہ آیت حطم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا نام شریح بن ضبیعہ البکری تھا۔ یہ مدینہ آیا اور اپنے گھڑسوار ساتھیوں کو مدینہ سے باہر چھوڑ آیا اور تنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بات کی گواہی کی طرف کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی طرف۔ اس نے کہا یہ بہت اچھی بات ہے مگر میرے کچھ سردار ہیں، میں ان کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ شاید میں اسلام لے آؤں اور ان کو بھی ساتھ لاؤں حالانکہ اس کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرما چکے تھے کہ تمہارے

پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک آدمی آئے گا جو شیطان کی زبان بولتا ہے۔ یہ بات کر کے شریح خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہماری مجلس میں کافر چہرے کے ساتھ داخل ہوا اور دھوکہ دینے والے گدی کے ساتھ نکلا اور یہ آدمی بالکل مسلمان نہیں ہے۔ شریح کا گزر مدینہ کے جانوروں پر ہوا وہ ان کو ہانک کرلے گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ نہیں ملا۔ پھر اگلے سال شریح یمامہ کے قبیلہ بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے اس حالت میں گیا کہ اس کے پاس بہت زیادہ مال تجارت تھا اور ان سب لوگوں نے ہدی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا یہ حطم حج کرنے آیا ہوا ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے اس کا کام تمام کرنے کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے ہدی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یہ کام تو ہم جاہلیت میں بھی کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "یا یھا الذین امنوا لا تحلّوا شعائر اللہ" نازل فرمائی۔

شعائر اللہ کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد مناسک حج ہیں اور مشرکین حج کرتے تھے اور ساتھ ہدی کے جانور لاتے تھے تو مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ ان کا مال لوٹ لیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اس آیت میں منع کیا۔

اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد ہدی کے وہ جانور ہیں جن کو کوئی ایسی علامت لگائی گئی ہو جس سے ان کا ہدی ہونا معلوم ہو جائے اور وہ علامت یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کے جانب میں لوہے سے اتنا زخم لگایا جائے کہ خون بہہ پڑے اور یہ علامت لگانا ہدی کے اونٹ میں مسنون ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹوں کی رسی اپنے ہاتھ سے بٹی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس رسی کا قلادہ پہنایا اور زخم کی علامت لگائی اور ان کو ہدی بنایا اور آپ علیہ السلام پر وہ چیزیں حرام ہوگئیں جو آپ پر حلال تھیں (آپ علیہ السلام محرم ہو گئے) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے گائے (بھینس) کو اونٹ پر قیاس کیا ہے علامت لگانے کے مسئلہ میں اور بکری وغیرہ کو زخم کے ساتھ علامت نہیں لگائی جائے گی کیونکہ یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ایسا زخم نہیں برداشت کر سکتی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہدی کے جانور کو زخم کی علامت نہیں لگائی جائے گی اور عطیہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "لا تحِلُّوا شعائر اللّٰہ" کا مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو کیونکہ آیت کا اگلا حصہ "و اذا حللتم فاصطادوا" اس پر دلیل ہے کہ سابقہ حکم بھی محرم کو ہے اور امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر سے مراد اللہ کا حرم ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حرم میں قتل کرنے سے منع کرنا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور اس کی ناراضگی سے بچنا اور اطاعت کرنا ہے۔

(ولا الشھر الحرام) یعنی محترم مہینوں میں جنگ کر کے ان کو حلال نہ کرو اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نسئی سے منع کرنا ہے کیونکہ وہ لوگ ان محترم مہینوں کو ایک سال حلال سمجھتے تھے اور ایک سال حرام۔ (ولا الھدی) ہدی ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کو بیت اللہ کی طرف لے جایا جائے خواہ وہ اونٹ، گائے ہو یا بکری۔ (ولا القلائد) یعنی وہ جانور جن کو قلادہ پہنایا جائے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں قلائد سے اصحاب القلائد مراد ہیں کیونکہ جاہلیت میں جب لوگ حرم سے نکلنے کا ارادہ کرتے تھے تو اپنے اور اپنے اونٹ کے گلے میں حرم کے درختوں کی چھال ڈال لیتے تھے تاکہ کوئی ان کو لوٹ نہ سکے تو شریعت نے ان چیزوں میں سے کسی ایک کو حلال سمجھنے سے منع کیا ہے اور مطرف بن الشخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ آیت میں القلائد سے خود قلائد ہی مراد ہیں کیونکہ مشرکین مکہ کے درختوں کی چھال اُتار کر اس کو گلے میں ڈالتے تھے تو ان کو درختوں سے چھال اُتارنے سے منع کیا گیا۔ (ولا آمین البیت الحرام) یعنی بیت حرام کا ارادہ کر کے سفر کرنے والوں سے کوئی تعرض نہ کرو (یبتغون) وہ تلاش کرتے ہیں۔ (فضلا من ربھم) یعنی تجارت کے ذریعے رزق کو تلاش کرتے ہیں (ورضوانا) یعنی اپنے گمان کے مطابق اس لیے کہ کافروں کا اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں کوئی حصہ نہیں ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دُنیاوی معاش درست کر دیں گے اور سزا جلد نہیں دیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فضل (رزق) کی تلاش مؤمنین و مشرکین سب کے لیے عام ہے اور رضوان کی تلاش صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کہ مسلمان اور مشرک سب حج کرتے تھے اور آیت کا یہ حصہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم اور فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" کی وجہ سے منسوخ ہے۔ پس اب نہ مشرک کا حج جائز ہے اور نہ ہدی اور قلادہ کی وجہ سے کوئی کافر پُر امن ہوگا۔ (واذا حللتم) یعنی جب تم اپنے احرام سے حلال ہو۔ (فاصطادوا) یہ امر اباحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر محرم کے لیے شکار کو مباح کر دیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں (فاذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا فی الارض) میں امر اباحت کے لیے ہے۔ (ولا یجرمنکم) ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے نہ اُبھارے تم کو۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے "جرمنی فلان علی ان صنعت کذا" (فلاں نے مجھے اس کام کے کرنے پر اُبھارا) اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لایجرمنکم، لا یکسبنکم" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "لایجرمنکم، لا یدعونکم" کے معنی میں ہے۔ (شنآن قوم) یعنی ان کا بغض اور ان کی عداوت اور "شنان شنت" کا مصدر ہے۔ ابن عامر اور ابوبکر نے شنان قوم کو پہلے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے پہلے نون کے فتحہ کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں ٹھیک ہیں لیکن نون پر زبر پڑھنا بہت عمدہ ہے اس لیے کہ اکثر مصدر فعلان عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہیں جیسے ضربان، سیلان، نسلان وغیرہ۔

(ان صدوکم عن المسجد الحرام) ابن کثیر اور ابو عمرو نے ان کو الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نیا جملہ ہونے کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں زیادتی پر نہ اُبھارے اس لیے کہ انہوں نے تمہیں روکا ہے۔" اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ واقعہ حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی

اور مسلمانوں کو حج سے روکنے کا واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔(ان تعتدوا) ان کو قتل کر کے اور مال لے کر ان پر زیادتی کرو۔(وتعاونوا) یعنی تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔(علی البر و التقویٰ) بر سے مراد اوامر کو بجالانا اور تقویٰ سے مراد نواہی سے اجتناب ہے اور بعض نے کہا بر اسلام ہے اور تقویٰ سنت ہے۔

(ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان) کہا گیا ہے کہ اثم سے مراد کفر اور عدوان سے ظلم مراد ہے اور بعض نے کہا الاثم سے مراد تمام معاصی اور عدوان سے مراد بدعت ہے۔نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بر اور اثم کی مراد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بر اچھے اخلاق ہیں اور اثم جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

ترجمہ: تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جاوے اور جو کسی کی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

تفسیر ③ (حرّمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهلّ لغیر الله به) (یعنی وہ جانور جن کو ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو۔)

(والمنخنقة) یعنی ایسا جانور جس کا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل جاہلیت بکری کو گلا گھونٹ کر مارتے تھے اور کھاتے تھے (اور لکڑی سے مارا ہوا جانور) یعنی ایسا جانور جس کو لکڑی سے قتل کیا گیا ہو۔حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ جانور کو لاٹھی سے مارتے تھے جب وہ مر جاتا تو اس کو کھا لیتے تھے۔(والمتردیة) (اونچی جگہ سے گرنے

والا جانور) یعنی وہ جانور جو بلند جگہ سے لڑھک گیا ہو یا کنویں میں گر کر مر گیا ہو۔ (والنطیحۃ) (سینگ سے ہلاک ہونے والا) وہ ایسا جانور ہے جس کو دوسرا جانور سینگ مار کر ہلاک کر دے اور تانیث کی ھاء فعیل کے وزن پر اس وقت داخل ہوتی ہے جب وہ فاعل کے معنی میں ہو اور جب فعیل مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہیں جیسے "عین کحیل "یعنی سرگیں آنکھ اور "کف خضیب "مہندی والی ہتھیلی۔ پھر جب اسم کو حذف کر کے تنہا صفت کو لایا جائے تو ھاء داخل کر دیتے ہیں جیسے اہل عرب کہتے ہیں "رأینا کحیلۃ و خضیبۃ "ہم نے سرگیں آنکھ اور مہندی والی ہتھیلی دیکھی اور آیت میں "النطیحۃ" پر ھاء داخل کی گئی ہے کیونکہ اس کا اسم پہلے مذکور نہیں ہے اگر ھاء کو نہ لایا جاتا تو یہ معلوم نہ ہوتا کہ مؤنث کی صفت ہے یا مذکر کی اور اسی کی مثل "الذبیحۃ" اور "النسیکۃ" اور "اکیلۃ السبع" کے الفاظ ہیں۔ (وما اکل السبع) (اور جو جانور کھالے) اس سے مراد وہ جانور ہے جو درندے کے کھانے کے بعد بچ جائے۔ اہل جاہلیت اس کو کھا لیتے تھے۔ (الا ماذکیتم) (مگر جس کو تم ذبح کر دو) یعنی مذکورہ تمام جانوروں میں سے کسی کے مرنے سے پہلے اگر تم اس کو ذبح کر دو تو وہ حلال ہے اور تذکیہ کا اصل معنی کسی شے کو مکمل کرنا ہے۔ "ذکیت النار" اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ اسی کے شعلے مکمل بھڑکا لیں اور یہاں مراد "ذکیتم" سے یہ ہے کہ تمام رگوں کو کاٹ کر خون بہا دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا جائے تو اس کو کھالو سوائے دانت اور ناخن سے ذبح کیے ہوئے جانور کے جس جانور کے ذبح پر قدرت ہو اس میں ذبح کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ سانس اور کھانے والی نالی کاٹ دی جائے اور مکمل ذبح یہ ہے کہ ان دو کے ساتھ خون کی دو رگیں بھی کاٹ دی جائیں اور ہر دھار والے آلہ سے ذبح کرنا جائز ہے خواہ وہ لوہے کا ہو یا نرکل کا یا شیشے کا لیکن ناخن اور دانت سے ذبح جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ذبح کرنے سے منع کیا ہے اور درندے کے حملے سے زخمی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہے جب تو اس کو زندگی کی حالت میں پائے اور اس کو ذبح کرے اور جو جانور درندے کے حملے سے مرنے کے قریب ہو گیا ہو اس کو ذبح کر کے کھانا حلال نہیں کیونکہ یہ مردار کے حکم میں ہے اس کو اگرچہ ذبح کر دیا جائے یہ حلال نہ ہوگا۔ جیسا کہ مُردار کا حکم ہے اور یہی حکم اونچی جگہ سے گرنے والے اور سینگ سے زخمی جانور کا ہے کہ اگر تم اس کو زخم سے اس حالت میں پاؤ کہ اس کی زندگی کی اُمید ہے تو ذبح کر کے کھانا جائز ہے اور اگر وہ جاں بلب ہو چکا ہے تو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر فضا میں کسی پرندہ کو تیر مارا اور وہ پرندہ تیر لگنے کے بعد زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اس لیے کہ زمین پر گرنا تو ناگزیر تھا اور اگر تیر لگنے کے بعد درخت یا پہاڑ پر گرا اور اس سے لڑھک کر زمین پر گر کر مر گیا تو یہ متردیہ کے حکم میں ہے اور حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر تیر پرندہ کے ذبح کی رگوں کو لگے اور ان کو کاٹ دے تو وہ جس جگہ اور جس کیفیت سے گرے اس کا کھانا حلال ہے۔

(وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ) (اور جو جانور نصب کے نام پر ذبح کیا جائے) بعض حضرات نے کہا ہے کہ نصب جمع ہے اس کا مفرد نصاب ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ مفرد ہے اور اس کی جمع انصاب ہے جیسے عنق اور اعناق کا لفظ ہے اور نصب منصوب شے کو کہتے ہیں۔

نُصُبُ کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کے اقوال

اس کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت مجاہد وقتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے اِردگرد تین سو ساٹھ پتھر گاڑھے ہوئے تھے۔ اہل جاہلیت ان کی عبادت وتعظیم کرتے تھے اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اور یہ پتھر بت نہیں تھے کیونکہ بت تو منقش تصویریں ہوتے ہیں۔

اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ "نُصُب" سے مراد وہ بت ہیں جو وہاں رکھے ہوئے تھے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور نہ کھاؤ جو بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے ہیں۔

ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یہ دونوں ایک ہیں۔

قطرب کہتے ہیں کہ "علی النُّصُب" میں علی لام کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور بتوں کی وجہ سے ذبح کیا جائے۔

ازلام کی تفسیر

(وان تستقسموا بالازلام) (اور یہ حرام ہے کہ تم تیروں کے ساتھ تقسیم کرو) یعنی تم پر تیروں کے ساتھ تقسیم کو حرام کیا ہے اور استقسام کا معنی ہے تقسیم کو طلب کرنا اور ازلام اس تیر کو کہتے ہیں جس کے پَر اور بھالا نہ ہو اس کا واحد زَلم اور زُلم زا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آتا ہے۔ ان کے ازلام سات برابر سائز کے تیر ایک تھیلے میں ہوتے تھے یہ تھیلا کعبہ کے خادم کے پاس ہوتا تھا۔ ایک پر (ہاں) لکھا ہوتا تھا اور ایک پر (نہیں) اور ایک پر (تم میں سے) اور ایک پر (تمہارے علاوہ سے) اور ایک پر (ملا ہوا) اور ایک پر (دیت) اور ایک خالی ہوتا۔ اس پر کوئی چیز نہیں لکھی ہوتی تھی۔ پھر جب ان لوگوں کا ارادہ ہوتا کسی سفر یا نکاح یا ختنہ وغیرہ کی تقریب کا یا کسی کے نسب میں دیت ادا کرنے میں اختلاف ہوتا تو وہ مکہ میں قریش کے بڑے بت ھُبل کے پاس آتے تھے اور اپنے ساتھ سو درہم لاتے تھے وہ درہم اس تیروں والے کو دے دیتے تھے اور وہ تیروں کو گھماتا تھا اور وہ لوگ دُعا مانگتے تھے۔ اے ہمارے معبود! ہمارا اس کام کا ارادہ ہے اگر "ہاں" والا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر "نہیں" والا نکلتا تو ایک سال تک اس کام کو نہ کرتے اور سال بعد پھر تیر والے کے پاس آتے اور اگر کسی کے نسب میں جھگڑا ہوتا اور "تم میں سے" والا تیر نکلتا تو وہ بچہ ان کے درمیان ہوتا اور اگر "تمہارے غیر سے" والا تیر نکلتا تو وہ بچہ ان کا حلیف ہوتا اور اگر (ملا ہوا) والا تیر نکلتا تو اس بچہ کا نہ نسب ہوتا اور نہ کوئی حلیف اور جب کسی دیت کی ادائیگی میں اختلاف ہوتا تو جس کے حق میں (دیت) والا تیر نکلتا تو وہ اس دیت کے ادا کرنے کا پابند ہوتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو دوبارہ گھماتے رہتے۔ جب تک کسی لکھائی والا تیر نہ نکل آتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کام سے منع کیا اور اس کو حرام کیا اور فرمایا کہ یہ گناہ ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں جن کو وہ لوگ پھینکتے تھے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازلام فارس اور روم کے نرد کے مہرے تھے جن سے وہ جوا کھیلتے تھے اور امام شعبی رحمہ اللہ اور دیگر فرماتے ہیں تیر عرب کے لیے ہیں اور نرد کے مہرے عجم کے لیے اور سفیان بن وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازلام شطرنج ہے۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کے نام، آواز اور راستہ کاٹنے سے فال نکالنا اور کسی شے سے بدفال نکالنا اور منحوس سمجھنا اور کنکر پھینکنا یہ اس جبت میں سے ہے جس سے قرآن میں اجتناب کا حکم ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کہانت کی یا تیروں کی تقسیم طلب کی یا ایسی بدفالی کی جس کی وجہ سے سفر سے رُک گیا تو وہ قیامت کے دن بلند درجات کی طرف نہیں دیکھ سکے گا۔

(الیوم یئس الذین کفروا من دینکم) (آج کے دن کافر لوگ تمہارے دین سے نا اُمید ہو چکے ہیں) یعنی اس بات سے نا اُمید ہو گئے ہیں کہ تم کافر ہو کر ان کے دین کی طرف لوٹ جاؤ حالانکہ کافر لوگ اس سے پہلے یہ اُمید رکھتے تھے کہ مسلمان ان کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ پس جب اسلام مضبوط ہو گیا تو وہ نا اُمید ہو گئے اور "یئس" اور "أیس" کا ایک ہی معنی ہے۔ (فلا تخشوھم واخشونِ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا) (تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔) یہ بروز جمعہ عرفہ کے دن عصر کے بعد حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس وقت آپ علیہ السلام میدانِ عرفات میں اپنی اونٹنی عضباء پر سوار تھے اس وحی کے بوجھ سے اس اونٹنی کی پنڈلیاں ٹوٹنے کے قریب ہو گئیں تو وہ بوجھ کی تاب نہ لا کر بیٹھ گئی۔

طارق بن شہاب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ایک آدمی نے ان کو عرض کیا اے امیر المؤمنین! کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جس کو تم لوگ پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم لوگ اسی دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون سی آیت؟ اس نے کہا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہم اس دن اور اس جگہ کو اچھی طرح جانتے ہیں جس میں یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپ علیہ السلام جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں کھڑے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ دن ہمارے لیے پہلے سے عید کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس دن میں پانچ عیدیں تھیں۔ ① جمعہ ② عرفہ ③ یہود کی عید ④ نصاریٰ کی عید ⑤ مجوس کی عید۔ اس دن سے پہلے تمام ادیان والے ایک دن میں عید کے اعتبار سے جمع نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد ایسا ہوگا کہ ایک ہی دن میں تمام اہل ملل کی عید ہو۔ ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز نے آپ کو رُلایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اس بات نے رُلایا ہے کہ ہم اپنے دین میں زیادتی میں تھے جب دین مکمل ہو گیا تو ہر مکمل شے میں پھر کمی آتی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر تھی۔

آپ علیہ السلام اس آیت کے نزول کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی وفات پیر کے دن ۱۱ ہجری ۳ ربیع

الاوّل کو ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ بارہ ربیع الاوّل کو آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی اور بارہ ربیع الاوّل ہی کو آپ علیہ السلام نے ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”الیوم اکملت لکم ......الخ “کی تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا یعنی فرائض، سنن، حدود، جہاد، احکام، حلال وحرام وغیرہ۔

اس آیت کے نزول کے بعد نہ کوئی حلال وحرام کا حکم نازل ہوا اور نہ فرائض وسنن اور حدود واحکام کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی معنی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ آیت ربا اس کے بعد نازل ہوئی اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ”میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس تمہارے ساتھ کوئی مشرک حج نہ کرے“ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ”میں نے تمہارا دین غالب وظاہر کر دیا اور تم کو دشمنوں سے بے خوف کر دیا“ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ”واتممت علیکم نعمتی “کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے دوسری جگہ وعدہ کیا تھا کہ ”وَلِاُتِمَّ نعمتی علیکم “ تاکہ تم پر اپنی نعمت مکمل کروں تو میں نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا اپنی نعمت کو مکمل کر کے اور اس مکمل نعمت کی ایک علامت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما مکہ میں امن کی حالت میں غلبہ کے ساتھ داخل ہوئے اور اتنے اطمینان سے حج کیا کہ کوئی مشرک ان کے ساتھ کہیں بھی نہیں تھا۔

(ورضیت لکم الاسلام دینا) (اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جبرئیل علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دین میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کو صرف سخاوت اور اچھے اخلاق سے ہی درست کیا جاسکتا ہے تو تم اس دین کا ان دوصفتوں کے ساتھ اکرام کرو جب تک تمہارے پاس یہ دین ہے۔

(فمن اضطُرَّ فی مخمصۃٍ) (پس جو شخص بھوک کی حالت میں مجبور ہو جائے) یعنی جو شخص بھوک کی وجہ سے سخت مشقت میں ہو۔ ”مخمصۃ“ کا معنی ہے پیٹ کا غذا سے خالی ہونا۔ ”رَجُلٌ خمیصُ الْبَطْنِ“ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بہت زیادہ بھوکا ہو۔ (غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لاثمٍ) (گناہ کی طرف مائل ہونے والے نہ ہو) یعنی گناہ کی طرف مائل ہونے والے نہ ہو اور وہ میلان یہ ہے کہ پیٹ بھرنے کی مقدار سے بھی زائد کھالیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادہ میں گناہ کا قصد کرنے والے نہ ہو۔ (فان اللّٰہ غفورٌ رحیم) (پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے نہایت رحم کرنے والے ہیں) اور اس عبارت میں اضمار ہے یعنی پس اس نے مُردار وغیرہ کو کھالیا۔ ایسی حالت میں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے نہایت رحم کرنے والے ہیں۔ ابو واقد لیثی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایسے علاقوں میں ہوتے ہیں کہ ہمیں مخمصہ کی حالت آجاتی ہے تو ہمارے لیے مُردار کب حلال ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم صبح کو کچھ نہ پی سکو نہ پچھلے دن میں کچھ بھی پی سکو نہ زمین سے کچھ سبزی اکھاڑ کر کھاسکو، اس وقت تم جانور اور مُردار کو کھاسکتے ہو۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانوران کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دواور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں

تفسیر: ④ "یسئلونک ماذا اُحِلَّ لھم" (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی)

آیت مبارکہ کا شان نزول

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور زید بن المھلھل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ زید وہ صحابی ہیں جن کا نام زید الخیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔ ان دو حضرات نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایسی قوم ہیں جو کتوں اور بازوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں تو ہمارے لیے ان کے شکار سے کیا حلال ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کتوں کے مارنے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یارسول اللہ! اس مخلوق میں سے ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ جس کے قتل کا آپ علیہ السلام نے حکم دیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتوں کے پالنے کی اجازت دے دی جن سے شکار، چوکیداری وغیرہ کا نفع حاصل کیا جاسکے اور جن کتوں میں کوئی نفع نہ ہو ان کے پالنے سے منع کردیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کھیتی، شکار، ریوڑ کے علاوہ کے لیے کتا پالا تو اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہو جائے گا اور پہلا واقعہ حضرت عدی وزید رضی اللہ عنہما کا آیت کا سبب نزول ہونے میں زیادہ صحیح ہے۔ "قل اُحِلَّ لکم الطیبات" (آپ فرمادیجئے تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں) یعنی وہ جانور حلال کیے گئے ہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے ہوں اور کہا گیا ہے کہ "الطیبات" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو عرب پاکیزہ اور لذیذ سمجھتے ہوں اور اس کی حرمت پر قرآن وسنت کی کوئی صراحت نہ ہو۔

"وَمَا عَلَّمْتُمْ من الجوارح" (اور جن زخمی کرنے والے جانوروں کو تم تعلیم دو) یعنی تمہارے لیے ان جانوروں کا شکار بھی حلال کیا گیا ہے جن کو تم نے تعلیم دی ہو۔

وما علمتم من الجوارح کی مختلف تفاسیر

ان جوارح کی مراد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ضحاک اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جوارح سے مراد صرف کتے ہیں کتوں کے علاوہ کسی درندے کا شکار حلال نہیں ہے۔جب تک آپ خود اس کو ذبح نہ کرو لیکن اس قول پر کسی کا عمل نہیں ہے بلکہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جوارح سے مراد درندوں میں سے کام کرنے والے ہیں جیسے چیتا، تیندوا، کتا اور پرندوں میں سے باز، عقاب، شکرا اور ہر ایسا درندہ جو تعلیم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔تو ان تمام جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے۔ان جانوروں کو جوارح زخمی کرنے والا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنے شکار کو زخمی کر کے روزی حاصل کرتے ہیں۔(مُكَلِّبِيْنَ) (شکار پر دوڑانے کو) مکلب اس شخص کو کہتے ہیں جو کتوں کو شکار پر چھوڑتا ہے اور ان کتوں کو تعلیم دینے والے کو بھی مکلب کہتے ہیں۔ مکلب اور کلاب سے مراد کتوں والا اور کتوں سے شکار کرنے والے کو کلاب بھی کہتے ہیں اور مکلبین منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے یعنی ان شکاری جانوروں کو شکار پر چھوڑنے کی حالت میں اور کتوں کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان سے شکار کا عام معمول ہے ورنہ مراد تمام شکاری جانور ہیں۔(تُعَلِّمُوْنَهُنَّ) (ان کو تم سکھاتے ہو) ان کو شکار پکڑنے کے آداب سکھاتے ہو۔(مما علمکم اللّٰہ) (اس میں سے جو تم کو اللہ نے سکھایا) یعنی اس علم سے سکھاتے ہو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم کو اللہ نے سکھایا اس طرح تعلیم دیتے ہو۔آیت میں "مِنْ كَافْ" کے معنی میں ہے۔

فکلوا مما اَمْسَكْنَ علیکم واذکروا اسم اللّٰہ علیہ (سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر)

کلب معلم کے شکار کی شرائط

آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ شکاری جانور کو جب اس کا مالک کسی شکار پر چھوڑے اور وہ شکار کو پکڑ کر قتل کردے تو وہ حلال ہے اور شکاری جانور کی تعلیم یہ ہے کہ اس میں تین باتیں پائی جائیں۔ ① جب شکار پر اُکسایا و اُبھارا جائے تو بھڑک جائے۔ ② اور جب روکا جائے تو فوراً رک جائے۔ ③ اور جب شکار کو پکڑے تو اس سے کچھ بھی نہ کھائے اور جب یہ تین باتیں کئی دفعہ تجربہ میں آجائیں کم از کم تین دفعہ امتحان لیا جائے تو یہ شکاری جانور تعلیم یافتہ ہے۔اب اس کا مارا ہوا جانور حلال ہے بشرطیکہ شکار پر اس کے مالک نے اس کو چھوڑا ہو۔عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تو اپنے تعلیم یافتہ کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام لے اور وہ کتا کسی شکار کو پکڑ کر قتل کردے تو اس کو کھالے اور اگر وہ کتا اس شکار کو کھالے تو اس کو نہ کھا کیونکہ اس نے یہ شکار اپنے لیے پکڑا ہے اور جب کئی کتے مل کر شکار کریں اور ان میں سے بعض کو چھوڑتے وقت تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو اور وہ کسی شکار کو پکڑ کر قتل کردیں تو اس کو نہ کھا کیونکہ تو نہیں جانتا کہ کس کتے نے اس کو مارا ہے اور جب تو شکار کو تیر مارے اور وہ شکار ایک یا دو دن بعد ملے اور اسی پر تیر کے نشان کے علاوہ کوئی دوسرا زخم نہ ہو تو اس کو کھالے اور اگر پرندہ پانی میں گر جائے تو اس کو نہ کھا۔

شکاری جانور شکار سے کچھ کھالے تو اس کا حکم

فقہاء کا اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو کیا حکم ہے؟

اکثر اہل علم کے نزدیک ایسا شکار حرام ہے۔ یہی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور عطاء، طاؤس اور شعبی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے مطابق ثوری، ابن مبارک اور اصحاب الرائے نے قول کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح ترین قول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر شکاری جانور شکار میں سے کھالے تو تو نہ کھا کیونکہ اس نے شکار کو اپنے لیے روکا ہے۔''

اور بعض حضرات نے اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ یہی بات ابن عمر، سلمان فارسی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ابو ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کو کھالے اگرچہ کتے نے اس سے کھالیا ہو۔''

بہر حال غیر تعلیم یافتہ شکاری جانور جب کسی کو پکڑے یا تعلیم یافتہ شکاری جانور جب مالک کے چھوڑے بغیر کسی شکار کو پکڑ کر مار دے تو یہ شکار حلال نہیں ہے لیکن اگر ان کے پکڑنے کے بعد آدمی خود اس کو زندہ حالت میں پائے اور ذبح کر دے تو حلال ہو جائے گا۔ ابو ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اہل کتاب کی زمین میں ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھانا کھالیں؟ اور ہم شکار والی زمین میں ہیں، میں اپنی کمان اور اپنے غیر تعلیم یافتہ کتے سے شکار کروں یا تعلیم یافتہ کتے سے تو کون سا میرے لیے صحیح ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سوال آپ نے اہل کتاب کے برتنوں کے بارے میں کیا تو اگر تم اس کے علاوہ برتن پاؤ تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر کوئی اور برتن نہ ہوں تو ان کے برتن دھو کر ان میں کھالو اور جو شکار اپنی کمان سے کرے اور اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کو کھالے اور جو تو شکار کرے اپنے غیر تعلیم یافتہ کتے سے اور تجھے اس کے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو اس کو بھی کھالے۔

(**واتقوا اللہ انّ اللہ سریع الحساب**) (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں)

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا ذبح کیے جانے والے جانور کے حلال ہونے کی شرط ہے اور شکار میں شرط یہ ہے کہ تیر مارنے کے وقت یا شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگ والے قربان کیے، ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اللہ کا نام لیا اور تکبیر پڑھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک ان کے پہلو پر رکھا ہوا تھا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ رہے تھے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤

ترجمہ: آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں۔اور جولوگ کتاب دیئے گئے ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جبکہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل غارت ہو جاوے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔

تفسیر: ⑤ (اليوم اُحِلّ لكم الطيّبات) (آج حلال ہوئیں تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں) یعنی وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔(وطعام الّذين اوتوا الكتاب حِلّ لكم) (اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ذبح کردہ جانور حلال ہیں اسی طرح حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل کسی دین پر ایمان لانے والا اگر ان کے دین میں داخل ہو جائے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے لیکن جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہودی یا نصرانی ہوا اُس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور اگر یہودی یا نصرانی نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جیسے کوئی نصرانی مسیح کے نام پر ذبح کرے تو اس میں اختلاف ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جانور حلال نہیں اور یہی قول ربیعہ کا ہے اور اکثر اہل علم اس جانب گئے ہیں کہ یہ جانور حلال ہے اور یہی شعبی،عطاء،زہری اور مکحول رحمہما اللہ کا قول ہے۔امام شعبی اور عطاء رحمہما اللہ سے سوال کیا گیا کہ نصرانی مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرے تو کیا حکم ہے؟ ان دونوں نے فرمایا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحہ کو حلال کہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو خوب جانتے ہیں اور حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہودی یا نصرانی ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے اور تو سن لے تو اس کو نہ کھا اور اگر تیری غیر موجودگی میں ذبح کرے تو کھالے کیونکہ یہ تیرے لیے حلال ہے۔

(وطعامكم حلّ لهم) (اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کھانے کو ان کے لیے کیسے حلال کر دیا حالانکہ وہ تو کفار ہیں کسی شریعت کے مکلف نہیں؟ تو زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے حلال ہے کہ ان کو کھانا کھلا دو تو حلال ہونے کا خطاب مسلمانوں کو ہے اور بعض نے جواب دیا کہ اس کے بعد عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اور مسلمان عورتوں کا ان کے لیے حلال ہونا ذکر نہیں کیا تو گویا کہ آیت کے اس حصہ میں کہا کہ ان کو کھانا کھلانا تو حلال ہے لیکن ان کو مسلمان عورت نکاح میں دینا حرام ہے۔

(والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم) (اور حلال ہیں تمہارے لیے مسلمان پاک دامن عورتیں اور حلال ہیں ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی) یہ حکم پہلے حکم کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ یہ حصہ "طعامکم حلّ لھم" سے منقطع ہے۔ محصنات کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ انہوں نے ہر آزاد عورت کا نکاح جائز قرار دیا ہے خواہ وہ مؤمنہ ہو یا کتابیہ پاکدامن ہو یا فاجرہ اور یہی مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اہل کتاب لونڈی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات" میں لونڈی کے نکاح کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہ لونڈی مؤمنہ ہو اور اکثر اہل علم نے حربی کتابی لونڈی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ نکاح جائز نہیں اور دلیل میں آیت "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ...... الٰی قولہ ...... حتّٰی یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون" پڑھتے ہیں کہ جس نے جزیہ دے دیا اس کی عورتیں ہمارے لیے حلال ہیں اور جس نے جزیہ نہ دیا تو ہمارے لیے ان کی عورتیں حلال نہ ہوں گی۔

اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت میں محصنات سے مراد مؤمن واہل کتاب میں سے پاک دامن عورتیں ہیں خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں، ان حضرات نے کتابی لونڈی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور مؤمن و کتابی عورتوں میں سے بدکار عورتوں کے نکاح کو حرام کہا ہے اور یہی حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔

اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتابی عورت کا احسان یہ ہے کہ زنا سے پاک دامن ہو اور جنابت سے غسل کرے۔ (اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین) (جب تم ان کو ان کا مہر دے دو قید میں لانے کے لیے نہ کہ مستی نکالنے کے لیے) یعنی اعلانیہ زنا کرنے والے نہ ہو۔ (ولا متخذی اخدان) (اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو) یعنی پوشیدہ زنا کرنے والے نہ ہو۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہوت رانی کے لیے اور صرف دوستی لگانے کے لیے جماع کو حرام کیا ہے اور جماع احسان یعنی نکاح کے طریقے پر حلال کیا ہے (ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاخرة الخاسرین) (اور جو منکر ہوا ایمان سے تو اس کے عمل ضائع ہوئے اور آخرت میں وہ خسارے والوں میں ہے) مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا احسان ان عورتوں کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ ان کو کفر سے نکال دے یا ان کافر عورتوں سے ان کو مستغنی کر دے بلکہ یہ سب کے لیے عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ومن یکفر بالایمان" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو اللہ کا انکار کرے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمان سے مراد وہ تمام قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل ہوا اور بعض حضرات نے کہا کہ ایمان کے انکار سے مراد یہ ہے کہ حرام کو حلال سمجھے اور حلال کو حرام قرار دے تو اس کا عمل ضائع ہوگیا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثواب کا خسارہ ہوگا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ط وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ط وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْهُ ط مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۶

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین میں سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر: (یاایھا اللذین امنوا اذا قمتم الی الصلوة اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو) یعنی جب تم ارادہ کرو نماز کی طرف کھڑا ہونے کا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے جب تو قرآن کی قرأت کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ اور آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ جب بھی نماز کے قیام کا ارادہ ہو تو وضو واجب ہے لیکن سنت کے بیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یہ بات ہمیں معلوم ہوئی کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو اور تم پاکی پر نہ ہو تو وضو کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز ناپاکی کی حالت میں قبول نہیں کرتے جب تک وہ وضو نہ کرے۔ (البخاری کتاب الحیل، الترمذی کتاب الطہارة) اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن چار نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔

سلمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نیند سے اُٹھ کر نماز کی طرف قیام کا ارادہ کرو اور بعض نے فرمایا کہ "فاغسلوا" کا امر استحباب کے لیے ہے یعنی کہ جو شخص نماز کا ارادہ کرے تو اگرچہ پہلے سے وضو ہو پھر بھی دوسرا وضو کرنا مستحب ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے پاکی کی حالت میں دوبارہ وضو کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں دیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اور عبداللہ بن حنظلہ بن عامر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیا ہے خواہ پہلے

سے پاک ہو یا نہ ہو۔ پھر جب یہ حکم آپ علیہ السلام کو گراں معلوم ہوا تو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا۔ (الترمذی کتاب الطہارۃ) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو اطلاع دی گئی ہے کہ آپ علیہ السلام پر صرف نماز کے لیے وضو لازم ہے دیگر اعمال کے لیے نہیں۔ پس آپ علیہ السلام کو یہ اجازت دی کہ حدث کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ افعال ادا کر سکتے ہیں۔ سعید بن حویرث رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے تو آپ علیہ السلام قضائے حاجت سے تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لایا گیا تو عرض کیا گیا آپ علیہ السلام وضو نہیں کریں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نماز نہیں پڑھ رہا کہ وضو کروں۔

وضو کے مسائل

(**فاغسلوا وجوھکم**) (پس تم دھوؤ اپنے چہروں کو) اور چہرے کی حد لمبائی میں سر کے بال اُگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں دونوں کانوں کے درمیان ہے اس تمام حصہ کا وضو میں دھونا واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ پانی کپھنوؤں کے نیچے اور پلکوں کے اطراف میں اور مونچھوں و بچہ داڑھی کے نیچے تک پہنچائے۔ اگر چہ وہ گھنی ہو اور داڑھی اگر اتنی گھنی ہو کہ اس کے نیچے کی جلد نہ نظر آتی ہو تو اس کے اندر والے حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے بلکہ ظاہر حصہ کا دھونا واجب ہے اور جو بال ٹھوڑی سے نیچے لٹک جاتے ہیں ان کو دھونے کا کیا حکم ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ان لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا واجب نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اس لیے کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں مسح کے جائز ہونے میں ان کا حکم سر والا نہیں ہے اس لیے صرف ان کا مسح کرنے سے سر کا مسح نہ ہوگا۔ یہی حکم چہرے کی حد سے لٹکے ہوئے بالوں کا ہے کہ ان کو بھی چہرے کا حکم نہ ملے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان بالوں کے ظاہر پر پانی بہانا واجب ہے کیونکہ وجہ یعنی چہرہ اس کو کہتے ہیں جس سے آمنا سامنا ہو اور لغت میں بھی جب کسی کی داڑھی نکل آئے تو اس داڑھی پر وجہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "**بَقَلَ وجه فلان یا خرج وجهه**"

(**وایدیکم الی المرافق**) (اور دھوؤ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک) یعنی کہنیوں کے ساتھ یہاں الی بمعنی مع کے ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "**ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم**" مراد مع اموالکم کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ نہ کھاؤ اور فرمایا "**من انصاری الی اللّٰہ**" یہاں پر الی "مع" کے معنی میں ہے۔ کون ہے میرا مددگار اللہ کے ساتھ اور اکثر علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ کہنیوں کا دھونا واجب ہے اور پاؤں میں ٹخنوں کا دھونا واجب ہے اور امام شعبی اور محمد بن جریر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا واجب نہیں ہے اس لیے کہ اِلٰی کا حرف انتہا اور حد بتانے کے لیے آتا ہے تو یہ خود حد میں داخل نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حد کے لیے نہیں بلکہ مع کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ شے کی حد جب اس کی جنس سے ہو تو انتہا اس میں داخل ہوگی اور جب حد اس کی جنس سے نہ ہو تو انتہا داخل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**اتموا الصیام الی اللّیل**" اب یہاں رات روزے کے وقت میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ دن کی جنس سے نہیں ہے (**وامسحوا برؤسکم** اور مسح کرو اپنے سروں کا)

سر کے مسح کی مقدار کا حکم

سر کے مسح میں کتنی مقدار واجب ہے اس میں علماء رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ فرماتے ہیں مکمل سر کا مسح واجب ہے جیسا کہ تیمم میں تمام چہرے کا مسح واجب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سر کی چوتھائی کا مسح واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سر کی اتنی مقدار کا مسح واجب ہے جس پر مسح کا اطلاق ہو سکے اور جن حضرات نے سر کے بعض حصے کے مسح کو جائز قرار دیا۔

انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنی پیشانی اور عمامہ اور موزوں پر مسح کیا تو بعض اہل علم نے عمامہ پر مسح کو اس حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور اسی بات کے قائل ہیں۔

امام اوزاعی، امام احمد و اسحٰق رحمہما اللہ اور اکثر اہل علم نے سر کے بدلے عمامہ پر مسح کو جائز قرار نہیں دیا اور حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں کہا کہ پیشانی پر مسح کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا فرض مسح پورا ہو گیا تھا اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مکمل سر کا مسح واجب نہیں ہے (وارجلکم الی الکعبین اور اپنے پاؤں کو دھوؤ ٹخنوں تک) نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور حفص رحمہما اللہ نے "ارجلکم" کو لام کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے لام کی زیر کے ساتھ۔

پھر جن حضرات نے زبر پڑھی ہے تو اس کا عطف "وجوھکم وایدیکم" پر ہو گا یعنی "اغسلوا ارجلکم" تم اپنے پاؤں کو دھوؤ اور جنہوں نے لام پر زیر پڑھی ہے تو بہت تھوڑے اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ پاؤں پر مسح کرے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وضو میں دونوں چیزیں غسل اور مسح ہے اور یہی بات حضرت عکرمہ وقتادہ رحمہما اللہ سے مروی ہے اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام مسح کا حکم لے کر اُترے۔ کیا آپ خود نہیں دیکھتے کہ تیمم کرنے والا جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کا مسح کرتا ہے اور جن کا مسح کیا جاتا ہے ان کو چھوڑ دیتا ہے اور محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو کرنے والے کو اختیار ہے کہ موزوں پر مسح کرے یا پاؤں دھولے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین اہل علم کی ایک بڑی جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "ارجلکم" کے لام پر زیر "برؤوسکم" کے پڑوس کی وجہ سے ہے نہ کہ حکم میں موافقت کی وجہ سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عذاب یوم الیم" اب الیم عذاب کی صفت ہے لیکن یوم کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس کا اعراب لے لیا ہے اور اسی طرح اہل عرب کا قول ہے "جُحْرُ ضبٍّ خربٍ" اب "خربٍ جُحْرُ" کی صفت ہے لیکن ضب کا اعراب پڑوس کی وجہ سے لے لیا ہے۔ پاؤں کا دھونا واجب ہے اس پر دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں پیچھے رہ گئے تو ہمیں اس حالت میں پایا کہ عصر کی نماز کا وقت قریب تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی میں ہم اپنے پاؤں کا مسح کرنے لگے تو حضور علیہ السلام نے بلند آواز سے ہمیں پکارا "ہلاکت ہے پاؤں کی ایڑیوں کے لیے آگ سے" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت ہے کہ میں

3

نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں تو اپنے ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ پھر تین بار چہرہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ میرے وضو کی طرح وضو کیا۔ پھر ارشاد فرمایا جس نے میرے وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ اپنے آپ سے ان میں کوئی بات نہ کی تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "ارجلکم" سے مراد موزوں پر مسح کرنا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان ہاتھوں اور گھٹنوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی تھی۔ جیسا کہ کوئی کہے فلاں نے امیر کے سر اور ہاتھ کو بوسہ دیا تو اگرچہ اس کے سر پر پگڑی ہو اور ہاتھ پر آستین ہو لیکن کہا جاتا ہے کہ سر اور ہاتھ کو بوسہ دیا اسی طرح پاؤں پر مسح کو موزوں پر مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عروہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا جی۔ تو آپ علیہ السلام اپنی سواری سے اُتر آئے اور ایک طرف چل پڑے اور رات کی تاریکی میں مجھ سے چھپ گئے، پھر تشریف لائے تو میں نے برتن سے آپ علیہ السلام پر پانی ڈالا، آپ علیہ السلام نے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، آپ علیہ السلام پر اون کا ایک جبہ تھا تو آپ علیہ السلام اس کی آستین سے بازو نہ نکال سکے تو جبہ کے نیچے سے بازو نکال کر دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا پھر میں جھکا تا کہ آپ علیہ السلام کے موزے اُتار لوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان کو چھوڑ دو میں نے ان میں پاؤں پاکی کی حالت میں داخل کیے تھے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان پر مسح کیا۔

"الی الکعبین" (ٹخنوں تک) کعبان وہ ہڈیاں ہیں جو پاؤں کی جانب میں اُبھری ہوئی ہوتی ہیں۔ ان دو ہڈیوں میں پاؤں اور پنڈلی کا جوڑ جمع ہوتا ہے۔ ان کا دھونا پاؤں کے ساتھ واجب ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہنیوں میں ذکر کیا اور وضو کے فرائض تین اعضاء کو دھونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا اور سر کا مسح کرنا ہے۔ نیت کے واجب ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم نیت کے واجب ہونے کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ وضو ایک عبادت ہے تو تمام عبادات کی طرح نیت کی ضرورت ہے اور بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ وضو میں نیت واجب نہیں ہے اور یہی ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے اور علماء کا وضو کی ترتیب کے وجوب میں بھی اختلاف ہے اور وہ ترتیب یہ ہے کہ وضو کے اعضاء کو پے در پے اس ترتیب سے دھوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ ایک جماعت اس کے واجب ہونے کی قائل ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی، امام احمد و اسحٰق رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ" سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کی ابتداء صفا سے کی اور فرمایا ہم اس سے ابتداء کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تذکرہ میں ابتداء کی اور ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ ترتیب وضو میں سنت ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آیت میں جو حرف واؤ ذکر

کیے گئے ہیں یہ جمع کے لیے ہیں ترتیب کے لیے نہیں جیسا کہ دوسری آیت "انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ" میں واؤ جمع کے لیے ہے اور اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ صدقہ کے حق داروں میں صدقات خرچ کرنے کے لیے ترتیب کی رعایت واجب نہیں ہے اور جس نے وجوب کا قول کیا ہے انہوں نے جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی صدقات کی تقسیم میں ترتیب کی رعایت کی ہو لیکن وضو کی روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بغیر ترتیب کے وضو کیا ہو اور کتاب اللہ کا بیان اور وضاحت سنت سے لی جاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یا یھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رکوع کے ذکر کو سجدہ پر مقدم کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس ترتیب کے علاوہ کبھی نماز پڑھی ہو تو ترتیب کی رعایت جس طرح نماز میں واجب ہے اسی طرح وضو میں بھی واجب ہے۔ (وان کنتم جنباً فاطھروا اور اگر تم جنبی ہو تو خوب طرح پاک ہو) یعنی غسل کرلو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کے غسل کی ابتداء کرتے تو اپنے ہاتھ دھوتے پھر وضو کرتے۔ جیسا کہ نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔ پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کرتے۔ پھر ان کے ذریعے اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر اپنے سر پر اپنے ہاتھوں سے تین دفعہ پانی بہاتے پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے۔ (وان کنتم مرضٰی ...... وایدیکم منہ) اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی ملنا واجب ہے۔ (ما یرید اللہ لیجعل علیکم اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ تم پر) وضو، غسل اور تیمم کے فرض کرنے میں (من حرج یہاں حرج سے مراد تنگی ہے۔ ولکن یرید لیطھرکم لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے) حدث، جنابت اور گناہوں سے (ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم احسان مانو) محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نعمت کو پورا کرنا یہ ہے کہ وضو کے ساتھ گناہوں کو معاف کردے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر" تاکہ اللہ بخش دے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل نعمت گناہ معاف کرنے کو قرار دیا ہے۔ حمران رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا۔

تین تین مرتبہ تمام اعضاء کو دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اس کے گناہ اس کے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے نکل جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مقاعد جگہ پر ایک دن بیٹھے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مؤذن آیا اور عصر کی نماز کی اطلاع دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر قرآن مجید کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں وہ حدیث تمہیں کبھی بیان نہ کرتا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جو مسلمان اچھے طریقے سے وضو کرے پھر نماز پڑھے تو اس کے اس نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوسری نماز پڑھ لیتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آیت "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی بات کو ابن شہاب رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یکتمون ما انزلنا من البیّنات" ہے۔ نعیم المجمر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت قیامت کے دن اس حال میں پکاری جائے گی کہ ان کی پیشانی اور وضو کے اعضاء خوب روشن ہوں گے وضو کی وجہ سے۔ پس جو شخص تم میں سے اپنی روشنی کو لمبا کرنا چاہے تو ضرور کرے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

ترجمہ اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے۔

تفسیر ⑦ ......(واذکروا نعمة الله علیکم اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر) یعنی تمام نعمتوں کو یاد کرو (ومیثاقه الذی واثقکم به اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا) یعنی وہ وعدہ جو تم سے کیا تھا اے مؤمنو! (اذ قلتم سمعنا واطعنا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا) اور اس وقت کی بات ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ ہر چیز کی اطاعت پر خواہ پسند ہو یا ناپسند اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور مجاہد، مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ وعدہ جو تم سے اس وقت لیا تھا جب تم کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا۔ (واتقوا الله ان الله علیم بذات الصّدور اور تم ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات) یعنی ہر خیر و شر جو دل میں ہو اس کو جانتا ہے۔

⑧ (یایها الذین امنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط) (اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی) یعنی انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اس حال میں کہ سچ بات کہنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو

اعمال میں عدل کا حکم دیا اور اقوال میں سچ کہنے کا حکم دیا ہے۔(ولا یجرمنکم شنان قوم اور نہ اُبھارے تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر کہ انصاف نہ کرو) یعنی ان کے معاملہ میں انصاف چھوڑنے پر ان کی دشمنی کی وجہ سے۔ پھر فرمایا (علی أن لا تعدلو اعدل کرو) یعنی اپنے دوستوں اور دشمنوں کے معاملہ میں (اعدلوا هو اقرب للتقوی یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے) یعنی تقویٰ کی طرف۔(واتقوا الله ان الله خبیر بما تعملون اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔)

❾ (۹)......(وعد الله الذین امنوا وعملوا الصالحات لهم مغفره واجرٌ عظیم) (وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے) اور یہ نصب کی جگہ میں ہے اس لیے کہ "وَعَدَ" فعل مغفرت پر واقع اور اس کا مرفوع ہونا عبارت کے مقدر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی "وقال لهم مغفرة واجرٌ عظیم"

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

ترجمہ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

تفسیر ⑩ ......(والذین کفروا وکذبوا بآیتنا اولئک الجحیم) (اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے۔

⑪ (یایها الذین امنوا اذکروا نعمت الله علیکم) (اے ایمان والو! یاد رکھو احسان اللہ کے اپنے اوپر) جو تم سے دشمن کو ہٹا کر احسان کیا۔(اذهم قوم أن یبسطوا الیکم أیدیهم) (جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں) قتل کے ساتھ۔

اذهم قوم أن یبسطوا کا شانِ نزول اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخل میں تھے تو بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما جب نماز میں مشغول ہوں گے تو ان کو قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارادہ پر مطلع کر دیا اور خوف کی نماز کا حکم نازل کیا۔

اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان کا نخل مقام پر محاصرہ کیا ہوا تھا تو مشرکین میں سے ایک آدمی نے کہا کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ میں محمد کو قتل کر دوں؟ انہوں نے کہا تو ان کو کیسے قتل کرے گا؟ اس نے کہا میں ان کو غفلت میں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم دل سے چاہتے ہیں کہ تو اس کام کو کرلے تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار کولٹکائے ہوئے تھے تو اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنی تلوار دکھائیے تو آپ علیہ السلام نے اس کو وہ تلوار دے دی تو وہ آدمی اس تلوار کو حرکت دینے لگا اور کبھی تلوار کی طرف دیکھتا اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کہنے لگا کون آپ کو مجھ سے بچائے گا۔ اے محمد! آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ! تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے اس کو ڈرایا، اس نے تلوار پھینکی اور چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور مجاہد، عکرمہ، کلبی اور ابن یسار رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو الساعدی کو بھیجا۔ یہ منذر بیعت عقبہ کے افراد میں سے ایک ہیں۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس انصار اور مہاجرین سواروں کا امیر بنا کر بنو عامر بن صعصعہ کی طرف بھیجا تو یہ حضرات جب مدینہ سے نکلے تو ان کی ملاقات۔ عامر بن الطفیل سے بیئر معونہ پر ہوئی۔ یہ بنو عامر کا ایک کنواں ہے ان کی آپس میں لڑائی ہوئی تو حضرت منذر رضی اللہ عنہ اور ان کے سب ساتھی شہید ہو گئے، صرف تین آدمی بچے جو ایک گمشدہ اونٹ کو تلاش کرنے گئے ہوئے تھے۔ ان تین میں ایک عمرو بن اُمیۃ الضمری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان حضرات نے پرندوں کو آسمان میں چکر لگاتے دیکھا۔ ان کی چونچوں سے خون کے لوتھڑے گر رہے تھے تو اس منظر نے ان کو خوفزدہ کیا تو ان تین میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ساتھی شہید کر دیئے گئے ہیں۔ پھر ان صاحب نے پیٹھ پھیری اور دوڑے حتیٰ کہ ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوئی، دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ پس جب ان صحابی رضی اللہ عنہ کو تلوار لگی تو انہوں نے سر آسمان کی طرف بلند کیا اور اپنی آنکھیں کھول کر کہا اللہ اکبر! جنت اور تمام جہانوں کا رب۔ باقی دو حضرات واپس لوٹے تو ان کی ملاقات قبیلہ بنو سلیم کے دو آدمیوں سے ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو سلیم کے درمیان صلح کا معاہدہ تھا۔ یہ دو صحابی ان کو بنو عامر کا فرد سمجھے اور ان کو قتل کر دیا تو ان کی قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور دیت کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام حضرت ابو بکر، حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نکلے اور کعب بن اشرف اور بنو نضیر کے پاس گئے۔ ان سے دیت کی ادائیگی میں مدد لینے کیونکہ بنو نضیر کا حضور علیہ السلام سے یہ معاہدہ تھا کہ ہم قتال نہیں کریں گے اور دیت کی ادائیگی میں مدد کریں گے تو انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام پر ایسا وقت آ گیا ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور اپنی ضرورت کا سوال کیا آپ تشریف رکھیں ہم آپ علیہ السلام کو کھانا کھلاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو وہ رقم دیتے ہیں جو آپ علیہ السلام نے مانگی تو آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ گئے تو وہ یہودی ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آج کے دن سے زیادہ قریب تم نہیں پاؤ گے۔ پس کوئی ہے جو اس مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور ان پر پتھر کی چٹان گرا کر ہم کو ان سے راحت دے؟ تو عمر بن جحاش نے کہا میں! تو وہ ایک بڑی چکی کو لایا تا کہ اس کو حضور علیہ السلام پر پھینک دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ روک دیا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آپ علیہ السلام کو خبر دی تو حضور علیہ السلام مدینہ کی طرف لوٹے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسی جگہ کھڑے رہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما میں سے جو بھی آئے اور میرے بارے میں سوال کرے تو آپ کہنا کہ مدینہ کی طرف گئے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے ایسا کیا یہاں تک کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور آپ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور فرمایا (فکف ایدیھم ...... المؤمنون) (پھر روک دیئے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کو)

وَلَقَدْ اَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بیشک راہ راست سے دور جا پڑا۔

بارہ نقیبوں کی تفصیل

تفسیر ⑫ ......(وَلَقَدْ اَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا) (اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں بارہ سردار) اور یہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کو اور ان کی قوم کو مقدس زمین یعنی شام کا وارث بنائیں گے۔ اس سے پہلے وہاں کنعانی رہتے تھے جب بنی اسرائیل کے لیے ٹھکانہ مصر میں بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ شام کے علاقہ اریحاء کی طرف کوچ کریں یہی ارض مقدس ہے۔ اس ارض مقدس کی ایک ہزار بستیاں تھیں ہر بستی میں ایک ہزار باغ تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے اس علاقہ کو تمہارے لیے گھر اور ٹھکانہ مقرر کیا ہے۔ آپ علیہ السلام اس علاقہ کی طرف نکلیں اور وہاں جو دشمن ہیں ان سے جہاد کریں۔ بے شک میں تمہاری مدد کروں گا اور آپ علیہ السلام اپنی قوم کے ہر قبیلہ سے ایک سردار لیں، کل بارہ سردار ہو جائیں گے، ہر سردار اپنی قوم کے وعدہ کا ضامن ہوگا کہ وہ اللہ کے حکم کو پورا کریں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے سردار چن لیے اور بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے۔ جب اریحاء کے قریب پہنچے، یہ جبارین کا شہر تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جاسوسی کے لیے آگے بھیجا تا کہ ان کی خبر لائیں تو ان کی مڈبھیڑ جبارین کے ایک آدمی سے ہوئی جس کا نام عوج بن عنق تھا۔ اس کی لمبائی تین ہزار تین سو تینتیس گز تھی۔ وہ شخص بادل سے

منہ چھپالیتا تھا اور بادل سے پیاس بجھالیتا تھا اور مچھلی کو سمندر کی تہہ سے پکڑ کر سورج کی طرف بلند کر کے بھون کر کھا جاتا تھا اور یہ بات روایت کی گئی ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی زمین کے تمام پہاڑوں کے لیے پردہ بن گیا تھا لیکن عوج کے گھٹنوں سے اوپر نہیں ہوا تھا یہ شخص تین ہزار سال زندہ رہا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کرایا اور یہ ہلاکت اس طرح ہوئی کہ اس نے پہاڑ کی بہت بڑی چٹان اکھاڑی جو موسیٰ علیہ السلام کے پورے لشکر کو گھیر لیتی۔ تقریباً تین میل لمبی اور چوڑی تھی اور اس کو اُٹھایا تا کہ اس لشکر کے اوپر رکھ دے تو اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو بھیجا۔ اس نے اپنی چونچ سے اس چٹان کو گول کاٹ دیا تو وہ اس کی گردن پر گری اور وہ اوندھے منہ گر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور اس کو گرے ہوئے دیکھ کر قتل کر دیا۔ اس کی ماں آدم علیہ السلام کی ابتدائی بیٹیوں میں سے تھی اور یہ جب بیٹھتی تو زمین کا ایک جریب گھیر لیتی تھی۔ جب عوج نے ان سرداروں کو دیکھا تو اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا تو اس نے ان بارہ سرداروں کو پکڑ کر اپنی تہبند میں اڑس لیا اور اپنی بیوی کے پاس لے گیا اور کہنے لگا ان لوگوں کو دیکھا ان کو وہم ہوا ہے کہ یہ ہم سے جنگ کریں گے اور ان کو اپنے سامنے پھینک کر کہنے لگا کہ تمہیں اپنے پاؤں سے پیس کے رکھ دوں؟ تو اس کی بیوی کہنے لگی ایسا نہ کر ان کو چھوڑ دے تا کہ یہ اپنی قوم کو اس منظر کی خبر دیں تو اس نے ایسا کیا اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس نے ان کو اپنی آستین میں ڈال لیا تھا اور بادشاہ کے پاس لے گیا تھا اور اس کے سامنے پھینک دیا تھا تو بادشاہ نے ان حضرات کو کہا واپس چلے جاؤ اور جو کچھ دیکھا ہے اس کی خبر اپنی قوم کو دو۔ ان کے انگور کے خوشہ کو پانچ آدمی ایک لکڑی کے ساتھ اُٹھاتے تھے اور انار کے خالی چھلکے کے ایک حصہ میں پانچ آدمی داخل ہو جاتے تھے تو وہ سردار لوٹ گئے اور ان کے احوال اچھے طریقے سے معلوم کرتے گئے اور آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے اگر اس قوم کی خبر بنی اسرائیل کو دے دی تو وہ اللہ کے نبی سے مرتد ہو جائیں گے تم ان سے یہ باتیں چھپالو اور صرف موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خبر دو وہ ان کے بارے میں جو رائے قائم کریں ٹھیک ہے اور ایک دوسرے سے اس بات پر پختہ عہد لے لیا۔ پھر انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا اور ہر ایک اپنے قبیلہ کو اس قوم سے لڑنے سے روکنے لگا اور جو عجیب منظر دیکھا تھا اس کی خبر دینے لگا، سوائے دو آدمیوں کے سب نے عہد توڑ دیا۔

یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ سردار بھیجے۔ **(وقال اللہ انی معکم)** (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں) تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔

پھر کلام کی ابتداء کی اور فرمایا **(لئن اقمتم الصلاۃ)** (اگر تم نماز کو قائم کرو) اے بنی اسرائیل کی جماعت **(واتیتم ...... وعزرتموھم)** (اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو) یعنی ان کی مدد کرو تم اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ تم ان کی تعظیم کرو **(واقرضتم اللہ قرضًا حسنا)** (اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض) کہا گیا ہے کہ قرض سے مراد زکوٰۃ نکالنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد گھر والوں پر خرچ کرنا ہے (تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے) میں ضرور مٹا دوں گا تم سے تمہارے گناہوں کو **(لاکفرن عنکم سیاتکم)** (اور داخل کروں گا تم کو تو ہم تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے)۔ **(ولادخلنکم ...... السبیل)** (باغوں میں کہ جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں پھر جو کوئی کافر ہوا اس کے بعد تو وہ بے شک گمراہ ہوا

سیدھے راستے سے) یعنی سیدھے راستے سے چوک گیا اس سے مراد حق راستہ ہے اور سواء سے مراد ہر چیز کا درمیان مراد ہوتا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

ترجمہ تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے بجز ان کے معدود چند شخصوں کے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض و عداوت ڈال دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

تفسیر ⑬ ......(فبما نقضهم) (سوان کے توڑنے پر) ان کے توڑنے کی وجہ سے اور ما صلہ ہے (میثاقهم) (اپنے عہد کو) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کئی طرح سے عہد کو توڑا اس لیے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کو قتل کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل چھوڑ دیا اور اس کے فرائض کو ضائع کر دیا (لعناهم) (ہم نے ان پر لعنت کی) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو شکلیں مسخ کر کے عذاب دیا۔ (وجعلنا قلوبهم قاسية) (اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے قاسیۃ کو الف کے بغیر "قسيّة" پڑھا ہے یاء کی شد کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں ٹھیک ہیں جیسے ذاکیہ اور ذکیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قاسیۃ کا معنی خشک۔

اور بعض نے کہا کہ ایسے سخت جس میں نرمی بالکل نہ ہو اور بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ان کے دل ایمان کے لیے خالص نہیں ہیں بلکہ ان کا ایمان کفر و نفاق کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے "الدراهم القاسية" یعنی کھوٹے دراہم۔

(يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ) (پھیرتے ہیں کلام کو اس کے ٹھکانے سے) اور یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات میں ہیں ان کو تبدیل کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد تورات میں بری تاویلات

کرنا ہے۔ (وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ) (اور بھول گئے اس نصیحت سے نفع اُٹھانا جو ان کو کی گئی تھی) یعنی اور چھوڑ دیا احکامات کا وہ حصہ جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی صفات بیان کرنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا (ولا تزال) (اور ہمیشہ) اے محمد! (تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْھُمْ) (آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں ان کے کسی دغا پر) یعنی خیانت پر یہاں فاعلة کا وزن مصدر کے معنی میں ہے جیسے "کاذبة" اور "لاغیة" وغیرہ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فاعل کے معنی میں ہے اور ھاء مبالغہ کے لیے ہے جیسے "روّایة، علّامة، نسّابة، حسّابة" میں اور بعض نے کہا ہے کہ خائن جماعت پر آپ مطلع ہوتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "خائنة" کا معنی معصیت ہے اور ان کی خیانت عہد کو توڑنا اور مشرکین کی مدد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور آپ علیہ السلام کو زہر دینا اور اس کے علاوہ بہت سی خیانات جو ان سے ظاہر ہوئیں۔ (الا قلیلاً منھم) (مگر تھوڑے لوگ ان میں سے) انہوں نے خیانت نہیں کی اور عہد نہیں توڑا اور وہ ایسے لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے اسلام لے آئے تھے (فاعف عنھم) (سو معاف کرو اور درگزر کرو ان سے) یعنی ان سے اعراض کریں ان کو کچھ نہ کہیں۔ (اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ) (اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یہ آیت قتال کی آیات سے منسوخ ہوگئی ہے۔

⑭ (وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ) (اور وہ جو کہتے ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد) بعض نے کہا ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں لیکن ان میں سے ایک کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ آیت میں خاص نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ یہود کا تذکرہ تو گزر چکا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں اس پر دلیل ہے کہ نصاریٰ نام ان لوگوں نے خود رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ نام نہیں رکھا۔ ہم نے ان سے عہد لیا توحید اور نبوت کے بارے میں۔ (فنسوا ...... یوم القیامة) (پھر بھول گئے نفع اُٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی پھر ہم نے ان کی آپس میں دشمنی لگادی اور کینہ قیامت کے دن تک) مختلف نفسانی خواہشات اور دین میں جھگڑے کے ذریعے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان دشمنی مراد ہے اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف نصاریٰ کی آپس میں دشمنی مراد ہے کیونکہ یہ کئی فرقے ہوگئے، ان میں سے "یعقوبیة، نسطوریة، ملکانیة" ہیں یہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے تھے۔ (وسوف ...... یصنعون) (اور آخر اللہ تعالیٰ ان کو خبر دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے) آخرت میں

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ط قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ⑮ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ⑯ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ط قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ مِنَ

اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

ترجمہ: اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگذاشت کر دیتے ہیں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہیں آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور بلکہ جتنے زمین میں (آباد) ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تفسیر ⑮ ...... (یا ھل الکتاب) (اے کتاب والو!) یہاں دونوں اہل کتاب کو خطاب ہے۔ (يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ) (تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے) یعنی تورات وانجیل میں جو باتیں چھپاتے ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور رجم کی آیت وغیرہ۔ (ویعفوا عن کثیر) (اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے) یعنی بہت ساری چیزیں جو تم چھپاتے ہو ان سے درگزر کرتا ہے اور کوئی مؤاخذہ نہیں کرتا۔ (قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ) (بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے کہا اسلام مراد ہے (و کتاب مبین) (اور کتاب ظاہر کرنے والی) یعنی قرآن۔

⑯ ...... (يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سبل السلام) (جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں) اور بعض نے کہا السلام سے مراد خود اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ کے راستے سے مراد وہ دین ہے جو بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور اسی کے ساتھ رسولوں کو بھیجا ہے اور بعض نے کہا السلام سے سلامتی مراد ہے جیسے لذاذ اور لذاذۃ کا معنی ایک ہے اور اس سے مراد سلامتی کے راستے ہیں۔ (وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) (اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں) یعنی کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف (باذنہ) (اپنے حکم سے) اپنی توفیق اور ہدایت سے۔ (ویھدیھم الی صراط مستقیم) (اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ پر) اور وہ سیدھی راہ اسلام ہے۔

⑰ ...... (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ) (بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تو

وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا) اور یہ نصاریٰ کا یعقوبیہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ مسیح خدا ہے۔(قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا) (آپ کہہ دیجئے پھر کسی کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے) یعنی کون اس بات پر قادر ہے کہ جب اللہ کسی شے کا فیصلہ کر دے تو اس کو ٹال سکے۔ (ان اراد ...... شيءٍ قدير) (اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳

ترجمہ اور یہود اور نصاریٰ (دونوں فریق) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آپہنچے جو کہ تم کو (احکام) صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ (مدت سے) موقوف تھا تاکہ تم قیامت میں یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔

تفسیر ⑱ ......(وقالت ...... واحباء ہٗ) (اور کہتے ہیں یہود و نصاریٰ کے ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے) بعض نے کہا نصاریٰ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ شفقت اور رشتہ داری میں ہمارے باپ کی طرح ہیں اور ہم قرب اور مرتبہ میں اس کی اولاد کی طرح ہیں اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہود نے تورات میں لکھا ہوا پایا کہ اے میرے علماء کی اولاد تو انہوں نے احبارمی کے لفظ کو ابکاری سے تبدیل کر دیا۔ اسی وجہ سے خود کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اور بعض نے کہا ابناء اللہ کا معنی ہے کہ ہم اللہ کے

رسولوں کے بیٹے ہیں۔(قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ)(تو پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر) یعنی اگر معاملہ تمہارے گمان کے مطابق درست ہے کہ تم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو کوئی باپ اپنی اولاد کو عذاب نہیں دیتا، کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اپنے عذاب میں ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو کہ اللہ نے تم کو عذاب دیا اور بعض نے کہا "فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ" کا معنی ہے کہ تم سے پہلے آباء کو ان کے گناہوں کی وجہ سے بندر اور خنزیر بنانے کا عذاب کیوں دیا۔(بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ)(کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے) تمام بنی آدم کی طرح تم کو برے واچھے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔(يغفر لمن يّشاء)(بخشے جس کو چاہے) اپنے فضل سے۔(ويعذب من يشاء) (اور عذاب دے جس کو چاہے) انصاف سے۔(وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ)(اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

⑲......(يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا) (اے کتاب والو! آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔(يبين لكم)(کھولتا ہے تم پر) ہدایت کی علامات اور دین کی بڑی علامات۔(على فترة من الرسل)(رسول کے انقطاع کے بعد) یعنی رسولوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اور علماء کا اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان انقطاع کی مدت کتنی ہے۔ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چھ سو سال۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ سو ساٹھ سال۔معمر اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں پانچ سو چالیس سال۔اس زمانے کو فترت اس لیے کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک لگاتار رسول آتے رہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی رسول و نبی نہیں آیا۔(أن تقولوا) (کبھی تم کہنے لگو) تا کہ تم یہ نہ کہو۔(مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۔وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) (کہ ہمارے پاس کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا نہ آیا سو آپ کا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

⑳......(وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ)(اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کیے تم میں نبی) یعنی تم میں سے انبیاء علیہم السلام پیدا کیے۔(وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا) (اور کر دیا تم کو بادشاہ یعنی تم میں بادشاہ بھی بنائے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نوکر چاکر والے لوگ پیدا کیے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے لوگ ہیں جن کے خادم تھے ان سے پہلے کسی کے خادم نہیں ہوتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بنی اسرائیل کے کسی آدمی کے پاس نوکر، بیوی، جانور ہوتے تو اس کو بادشاہ لکھا جاتا تھا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ہم فقراء مہاجرین نہیں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیری بیوی نہیں ہے جس کی طرف تو ٹھکانہ پائے؟ اس نے کہا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیرے لیے رہائش کا مکان ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو مالداروں میں ہے؟ اس نے کہا ایک خادم بھی ہے۔آپ رضی اللہ

عنہ نے فرمایا تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور بنایا تم کو آزاد بادشاہ کہ اپنی ذات کے مالک ہو اس سے پہلے تم قبطیوں کے قبضہ میں تھے وہ تم کو غلام بناتے تھے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے گھر وسیع تھے، ان میں جاری پانی ہوتا تھا جس کا گھر وسیع ہو اور اس میں نہر جاری ہو تو وہ بادشاہ ہے۔ (اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں) یعنی تمہارے زمانے میں کسی کو یہ چیزیں نہیں دی تھیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ترنجبین، بٹیر، بادلوں کا سایہ وغیرہ۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑

ترجمہ: اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں لکھ دیا ہے اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

تفسیر: ㉑ (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ) (اے قوم! داخل ہو پاک زمین میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے)

ارض مقدسہ کی تعیین میں مفسرین کے اقوال

ارضِ مقدس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ طور اور اس کے اِردگرد کا علاقہ ہے۔

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایلیاء اور بیت المقدس ہے۔

اور عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اریحاء ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دمشق، فلسطین اور اُردن کا کچھ حصہ ہے۔

اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مکمل شام ہے۔

کعب فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب میں پایا کہ شام اس زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور اس میں اللہ کے اکثر خاص بندے ہیں۔ (مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے) یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ تمہاری رہائش گاہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے اللہ نے ھبہ کیا ہے اور بعض نے کہا کہ تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ نے تمہیں اس میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس جگہ رہنے کا ایسا حکم دیا تھا جس طرح نماز کا حکم دیا گیا یعنی ان پر وہاں رہنا فرض کر دیا۔ (ولا ترتدوا علی أدبارکم) (اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف) ایڑیوں کے بل اللہ کے حکم کے خلاف۔ (فتنقلبوا خاسرین) (پھر جا پڑو گے نقصان میں) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے، ان کو کہا گیا آپ نگاہ دوڑائیں جہاں تک آپ کی نگاہ جائے گی وہ پاک علاقہ ہے اور آپ کی اولاد کی میراث ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: کہنے لگے کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔

تفسیر ﴿۲۲﴾ (قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ) (بولے اے موسیٰ! وہاں ایک قوم ہے زبردست) اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہ سردار جاسوسی کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اپنے مشاہدہ کی خبر دی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان کی خبر کو چھپا لو اور لشکر میں کسی کو خبر نہ دو یہ لوگ بزدل پڑ جائیں گے تو ان سرداروں میں سے ہر ایک نے اپنے قریبی دوستوں اور چچا زاد بھائیوں کو خبر کر دی۔ صرف دو آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ ان میں سے ایک یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہم السلام اور دوسرے کالب بن یوقنا موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے جو حضرت مریم موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے خاوند تھے اور یہود کے قبیلوں میں سے حقیقی سردار یہی دو تھے۔ اب جب بنی اسرائیل نے یہ بات جان لی تو دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ کاش ہم مصر میں ہوتے، ہم اس جنگل میں مر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی زمین میں داخل نہیں کریں گے تو ہماری عورتیں، اولاد، مال ان کے لیے مال غنیمت بن جائیں گے تو ہر آدمی اپنے ساتھی کو کہنے لگا کہ آؤ ہم مصر کی طرف لوٹ جائیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی خبر دی ہے کہ (انہوں نے کہا اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست (قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ) اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جائیں اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے) جبار کا اصل معنی ایسا بڑا جو اپنے غلبہ کی وجہ سے دوسرے کو روکنے والا ہو۔ جب کھجور کا درخت اتنا لمبا ہو کہ اس تک ہاتھ کسی طرح نہ پہنچ سکے تو اس کو کہتے ہیں "نخلة جبارة" اس قوم کو جبارین بھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے قد بہت بڑے اور جسم بہت مضبوط تھے اور یہ قوم عمالقہ میں سے تھے اور قوم عاد کے بچے ہوئے افراد تھے۔ جب بنو اسرائیل نے یہ بات کی اور مصر جانے کا ارادہ کیا تو موسیٰ و ہارون علیہم السلام فوراً سجدہ میں چلے گئے اور یوشع و کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور انہی دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنے آئندہ قول میں ہے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ:۔ کہا ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے۔ اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں (اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے) تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں موسیٰ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر البتہ (پورا) اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان (مناسب) فیصلہ فرما دیجئے ارشاد ہوا (بہتر) تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا یوں ہی زمین میں سر مارتے پھریں رہیں گے سو آپ اس بے حکم قوم (کی اس حالت زار) پر (ذرا) غم نہ کیجئے۔

تفسیر ㉓ (قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ) (کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے) یعنی اللہ سے ڈرنے والوں نے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے "یخافون" کو یاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور کہا کہ یہ دو آدمی ان جبارین میں سے تھے جو اسلام لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے۔ (انعم اللّٰہ علیھما) (کہ خدا کی نوازش تھی ان دونوں پر) توفیق اور گناہوں سے بچانے کے ساتھ۔ (ادخلوا علیھم الباب) (گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں) یعنی جبارین کی بستی میں داخل ہو جاؤ۔ (فاذا دخلتموہ فانکم غالبون) (پھر جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور ہم نے ان کو دیکھا ہے کہ ان کے جسم تو بہت بڑے ہیں لیکن دل کمزور ہیں تم ان سے نہ ڈرو۔ (وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین) (اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم یقین رکھتے ہو) پھر بنی اسرائیل نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو پتھر ماریں۔

㉔ (قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) (بولے اے موسیٰ! ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ میں موجود تھا اگر میں ان کا ساتھی ہوتا تو یہ مجھے بہت پسند ہوتا۔ مقداد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے تو مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ علیہ السلام کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے دیا کہ "تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں" لیکن ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس بات سے آپ علیہ السلام کا چہرہ انور چمک اُٹھا اور بہت خوش ہوئے۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور یوشع اور کالب کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی۔

㉕(قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ) (موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی) بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں اور بعض نے کہا کہ قوم میں میری اطاعت میرے سوا میرا بھائی کر رہا ہے۔(فافرق بیننا) (سو جدائی کردے تو ہم میں) یعنی ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔(وبین قوم الفاسقین) (اور اس نافرمان قوم میں) گنہگار قوم میں۔

㉖(قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ) (فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر) بعض نے کہا ہے کہ یہاں کلام مکمل ہوگئی ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ شہر ان پر حرام کردیا گیا ہے ہمیشہ کے لیے۔ یہاں تحریم تعبدی مراد نہیں ہے بلکہ تحریم منع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ میں ان سب پر اس مقدس زمین میں داخلہ حرام کردوں گا۔ سوائے میرے بندوں یوشع اور کالب کے اور میں اس جنگل میں ان کو چالیس سال رکھوں گا، ان کی جاسوسی کے چالیس ایام میں سے ہر ایک دن کے بدلہ ایک سال اور میں ان کے مردہ جسموں کو اسی جنگل بیابان میں ڈال دوں گا۔ ان کی اولاد نے کیونکہ کوئی برائی نہیں کی تو وہ اس ارضِ مقدس میں داخل ہو جائیں گے۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (اربعین سنۃ) (تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس سال)...... (یتیھون فی الارض) (سرمارتے پھریں گے) حیران و پریشان پھریں گے۔(فلا تاس علی القوم الفاسقین) (ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان قوم پر) یعنی ان جیسے لوگوں پر آپ علیہ السلام افسوس نہ کریں۔ پس یہ چھے لاکھ جنگجو لوگ صرف چھ فرسخ (تقریباً اٹھارہ میل جگہ) جگہ پر چالیس سال رہے اور یہ لوگ ہر روز سفر کرتے تھے اور شام کو اسی جگہ پہنچ جاتے تھے جہاں سے سفر شروع کیا ہوتا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس وقت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ان کے ساتھ نہیں تھے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرات بھی ان کے ساتھ تھے لیکن یہ سزا ان حضرات کے لیے نہیں تھی بلکہ قوم کے لیے تھی۔ اسی وادی تیہ میں بیس سال سے زائد کا ہر آدمی مرگیا سوائے حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب کے اور موسیٰ علیہ السلام کو انکار کرنے والوں میں سے کوئی شخص بھی اریحاء مقام میں داخل نہ ہوسکا۔ پھر جب سب منکرین ہلاک ہوگئے اور چالیس سال گزر گئے اور ان کی نئی نسل جوان ہوگئی تو یہ لوگ جبارین سے لڑائی کے لیے چل پڑے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس لڑائی کا امیر و کمانڈر کون تھا اور کس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح دی تو ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اریحاء کو فتح کیا اور مقدمۃ الجیش کے کمانڈر حضرت یوشع علیہ السلام تھے تو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے باقی ماندہ افراد کو لے کر چلے۔

پہلے حضرت یوشع علیہ السلام داخل ہوئے اور جبابرۃ سے لڑائی کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرلی اور موسیٰ علیہ السلام کی قبر کسی کو معلوم نہیں ہے۔ یہ سب سے صحیح قول ہے اس لیے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عوج بن عنق کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور دیگر حضرات نے کہا کہ جبارین سے جنگ حضرت یوشع علیہ السلام نے کی اور یوشع علیہ السلام اس جنگ کے لیے لشکر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد لے گئے تھے اور ان حضرات نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام وادی تیہ میں انتقال کر گئے تھے۔

ہارون علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں ہارون علیہ السلام کو موت دینا چاہتا ہوں، آپ علیہ السلام ان کو فلاں پہاڑ پر لے جائیں تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اس پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں انہوں نے ایک ایسا خوبصورت درخت دیکھا اس جیسا پہلے کبھی نہیں دیکھا اور وہاں ایک خوبصورت گھر بنا ہوا تھا اس میں ایک تخت تھا جس پر بستر بچھا ہوا تھا اور بڑی عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ جب ہارون علیہ السلام کی اس پر نگاہ پڑی تو یہ سارا منظر ان کو اچھا لگا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا میرا دل چاہتا ہے کہ اس تخت پر سو جاؤں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا سو جاؤ تو ہارون علیہ السلام کہنے لگے مجھے خوف ہے کہ اس گھر کا مالک آ گیا تو بہت ناراض ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ فکر مت کریں اگر مالک آ گیا تو میں اس کو سنبھال لوں گا، آپ سو جائیں۔ ہارون علیہ السلام کہنے لگے آپ بھی ساتھ لیٹیں تاکہ اگر مالک آئے تو ہم دونوں پر غصہ ہو۔ جب دونوں حضرات سونے کے لیے لیٹے تو ہارون علیہ السلام کی روح قبض ہونے لگی تو ان کو جیسے ہی یہ بات محسوس ہوئی کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے مجھ سے بات چھپائی جب ان کی روح قبض ہوگئی تو وہ گھر اُٹھالیا گیا اور درخت چلا گیا اور وہ تخت ہارون علیہ السلام کو لے کر آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تنہا بنی اسرائیل کی طرف آئے تو وہ کہنے لگے آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل کیونکہ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے آپ کو حسد ہونے لگا تھا ان سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارا ناس ہو وہ میرے بھائی تھے میں ان کو کیسے قتل کر سکتا ہوں لیکن جب انہوں نے بار بار یہی بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر دُعا کی تو وہ تخت نیچے اُتر آیا اور لوگوں نے آسمان و زمین کے درمیان اس تخت پر ہارون علیہ السلام کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام پہاڑ پر چڑھے تو موسیٰ علیہ السلام زندہ بچے اور ہارون علیہ السلام انتقال کر گئے تو بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دینے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا وہ ہارون علیہ السلام کو اُٹھا کر بنی اسرائیل پر گزرے اور فرشتوں نے ان کی موت کے بارے میں گفتگو کی تو بنی اسرائیل نے پہچان لیا کہ وہ مر چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزام سے بری کر دیا۔ پھر فرشتوں نے ان کو اُٹھایا اور دفن کر دیا اور رخم کے علاوہ کسی کو بھی ان کی قبر کا پتہ نہ لگ سکا لیکن رخم کو اللہ تعالیٰ نے گونگا بہرہ بنا دیا اور عمر بن میمون کہتے ہیں کہ ہارون و موسیٰ علیہم السلام کی زندگی میں وادی تیہ میں وفات پا گئے تھے یہ دونوں حضرات پہاڑ کی کسی غار میں گئے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام وفات پا گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وہیں دفن کر دیا اور بنی اسرائیل کے پاس چلے آئے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ آپ نے ان کو ہماری محبت کی وجہ سے قتل کیا ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کو بہت محبوب تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان کو ہارون علیہ السلام کی قبر پر لے جایئے میں ان کو اُٹھا دوں گا تو موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر ہارون علیہ السلام کی قبر پر گئے وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی تو ہارون

علیہ السلام قبر سے اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے نکل آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا میں نے آپ کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ میری موت کا وقت آ گیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ اپنی آرام گاہ میں واپس چلے جائیں۔ بنی اسرائیل کی تسلی ہوگئی اور واپس چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام موت کو ناپسند سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو اس کی رغبت دلائیں تو یوشع بن نون کو خبر دی۔ یوشع بن نون صبح شام موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے تو جب وہ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے نبی اللہ نے کیا نئی وحی آپ کی طرف بھیجی؟ یوشع نے کہا اے اللہ کے نبی میں آپ کی صحبت میں اتنے سال رہا، میں نے آپ سے کبھی اللہ کی بھیجی ہوئی وحی کے بارے پوچھا جب تک آپ علیہ السلام نے خود بتانے کی ابتداء نہیں کی، یہ کہہ کر کچھ بھی نہیں بتایا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات دیکھی تو موت کو پسند کرنے لگے اور زندگی کو ناپسند۔

ھمام بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ بن عمران کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے رب کو جواب دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتے کی آنکھ پر طمانچہ مارا جس سے آنکھ پھوٹ گئی تو ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو موت کو نہیں چاہتا اور میری آنکھ پھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ٹھیک کر دی اور کہا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کیا آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیں تو آپ کا ہاتھ جتنے بالوں کو چھپا لے گا اتنے سال آپ زندہ رہیں گے۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد؟ ملک الموت نے کہا کہ آپ کو موت آ جائے گی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اب ٹھیک ہے۔ اے میرے رب! مجھے ارضِ مقدس سے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کی مسافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو میں تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو راستے کے ایک طرف سرخ ٹیلے کے پاس ہے اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت سے گھر سے نکلے تو فرشتوں کی ایک جماعت پر گزر ہوا جو ایک قبر کھود رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے اچھی اور اس جیسی قبر کبھی نہ دیکھی تھی کیونکہ اس میں سبزہ، رونق اور تروتازگی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا اے اللہ کے فرشتو! تم اس قبر کو کیوں کھود رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے ایک معزز بندے کے لیے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس بندے کا اللہ کے ہاں بہت مرتبہ ہوگا؟ میں نے آج تک ایسی آرام گاہ نہیں دیکھی تو فرشتوں نے کہا اے اللہ کے چنے ہوئے نبی کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ یہ آپ علیہ السلام کی ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو فرشتوں نے کہا اس میں اُتر کر سو جائیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام اس میں اللہ کی طرف متوجہ ہو کر سو گئے پھر آسانی سے سانس لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی اور فرشتوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قبر بند کر دی اور بعض نے کہا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جنت کا سیب لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سونگھا تو ان کی روح قبض کر لی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام

کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو خبر دی کہ اللہ نے جبابرہ سے جنگ کا حکم دیا ہے تو انہوں نے تصدیق اور اتباع کی تو یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اریحاء کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ساتھ میثاق کا تابوت تھا۔ انہوں نے اریحاء کا چھ ماہ محاصرہ کیا، ساتویں ماہ سینگوں میں پھونک مار کر پورے قبیلے نے ایک ساتھ آواز لگائی اور شور مچایا اور مدینہ کی دیوار گر گئی اور شہر میں داخل ہوئے اور جبارین نے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان کو گھیر کر قتل کیا اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت جبارین کے ایک آدمی کی گردن پر جمع ہو کر وار کرتے اور اس کے کٹنے تک لگے رہتے۔ یہ قتال جمعہ کے دن شروع ہوا تھا اور باقی چند افراد رہ گئے اور سورج غروب ہونے لگا اور ہفتہ کی رات داخل ہونے لگی تو یوشع علیہ السلام نے دُعا کی اے اللہ! تو سورج کو واپس کر دے اور سورج کو کہا کہ تو بھی اللہ کی اطاعت میں ہے اور ہم بھی تو ٹھہر جا اور چاند کو کہا تو بھی تا کہ ہم ہفتہ کا دن آنے سے پہلے اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے لیں تو سورج واپس کر دیا گیا اور دن میں کچھ گھڑی کا اضافہ کر دیا گیا حتیٰ کہ ان سب کو قتل کر دیا گیا۔

اور شام کے بادشاہوں کا ارادہ کیا اور ان میں سے اکتیس کو تباہ و برباد کر دیا اور تمام ملک شام پر غلبہ حاصل کر لیا اور تمام ملک شام بنی اسرائیل کا ہو گیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے عاملین کو ملک کے اطراف میں بھیج کر تمام مال غنیمت جمع کرایا لیکن اس پر آسمان سے آگ نہیں اُتری تو اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس مال میں خیانت ہوئی ہے تو آپ ان سب کو حکم دیں کہ وہ آپ کی بیعت کریں۔ جب سب نے بیعت کی تو اس خائن کا ہاتھ یوشع علیہ السلام کے ہاتھ سے جڑ گیا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ چھپایا ہے وہ لے آؤ تو سونے کا بنا ہوا بیل کا سر لایا جس پر یاقوت اور ہیرے موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس کی خیانت کی تھی۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے اس آدمی کو بھی مال غنیمت میں ڈال دیا اور آگ آئی اور اس آدمی سمیت سب مال کو جلا دیا۔ پھر یوشع علیہ السلام بھی وفات پا گئے اور جبل افرائیم میں دفن کیے گئے۔ ان کی عمر ایک سو چھبیس سال تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال تک بنی اسرائیل کی ذمہ داری سنبھالی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾

ترجمہ: اور آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے جبکہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی (یعنی ہابیل کی) تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہ ہوئی وہ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس ایک نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

تفسیر: ﴿27﴾ (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ) (اور آپ سنائیں ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا حقیقی حال) اور وہ دونوں ہابیل اور قابیل تھے اور اس کو قابین بھی کہا جاتا ہے۔

ہابیل وقابیل کا واقعہ

(اذ قربا قربانًا) (جب نیاز کی ان دونوں نے کچھ نیاز) اور ان کی اس قربانی کا سبب اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ حوا علیہا السلام سے ہر بطن میں ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی اور ان کی تمام اولاد چالیس بچے تھے۔ بیس بطن سے ان میں سے پہلا قابیل اور اس کی جڑواں بہن اقلیما تھی اور آخری عبدالمغیث اور اس کی جڑواں بہن اُمۃ المغیث تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں برکت دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم کی زندگی میں ان کی آل اولاد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ علماء کا ہابیل اور قابیل کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آدم وحوا علیہم السلام کے زمین پر اُترنے کے سو سال بعد قابیل اور اس کی جڑواں بہن اقلیما ایک بطن سے پیدا ہوئے۔ پھر ہابیل اور اس کی جڑواں بہن لبودا پیدا ہوئی اور محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے پہلی کتابوں کے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے شجرہ ممنوعہ کھانے سے قبل جنت میں ملاپ سے قابیل اور اس کی اقلیما حوا علیہا السلام کے پیٹ میں آچکے تھے تو حضرت حوا علیہا السلام سے بغیر کسی کمزوری اور خون اور تکلیف کے یہ پہلی اولاد ہوئی۔

اور بعد میں معاملہ برعکس رہا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد جب جوان ہو جاتی تو ایک بطن کے لڑکے کا دوسرے بطن کی لڑکی سے نکاح کر دیتے۔ اس وقت آدمی کا نکاح اپنی بہنوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا سوائے جڑواں بہن کے۔ اس لیے کہ اس وقت اپنی بہنوں کے علاوہ اور کوئی عورت تھی ہی نہیں۔ جب قابیل اور اقلیما پیدا ہوئے اور کلبی کے قول کے مطابق دو سال بعد ہابیل اور لبودا اور جب یہ بالغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ قابیل کا نکاح لبودا سے اور ہابیل کا نکاح اقلیما سے کر دیں۔ قابیل کی جڑواں بہن اقلیما لبودا سے زیادہ خوبصورت تھی۔ آدم علیہ السلام نے یہ حکم بیٹوں کو سنایا تو ہابیل راضی ہو گیا اور قابیل ناراض اور کہنے لگے یہ میری بہن ہے اس پر میرا حق زیادہ ہے اور ہم جنت کی اولاد ہیں اور یہ زمین کی۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا وہ تیرے لیے حلال نہیں اس نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اللہ نے یہ حکم نہیں دیا یہ آپ کی اپنی رائے ہے تو آدم علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا کہ تم کوئی قربانی دو جس کی قبول ہو گئی وہ اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہے۔ اس وقت صدقہ وقربانی کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ اُتر کر اس کو کھا جاتی تھی اور جو قبول نہ ہو اس کو آگ نہیں بلکہ پرندے اور درندے کھاتے تھے۔ یہ دونوں قربانی دینے گئے، قابیل کاشتکار تھا اس نے اپنی گھٹیا گندم کی ڈھیری رکھ دی اور دل میں کہا کہ مجھے کیا قبول ہو یا نہ ہو میں تو اپنی جڑواں بہن سے ہی نکاح کروں گا اور ہابیل بکریوں والا تھا اس نے عمدہ مینڈھا تلاش کیا ریوڑ میں سے اور دل میں اللہ کی رضا کی نیت کر لی، انہوں نے اپنی قربانیاں پہاڑ پر رکھ دیں اور آدم علیہ السلام نے دُعا کی تو آسمان سے آگ اُتری اور ہابیل کی قربانی کو کھایا مگر قابیل کی قربانی کو کچھ نہ کہا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (فتقبل من احدهما) (مقبول ہوئی ان میں سے ایک کی) یعنی ہابیل کی۔ (ولم يتقبل من الاخر) (اور نہیں قبول کی گئی دوسرے کی) یعنی قابیل کی۔ جب یہ پہاڑ سے اُتر آئے تو قابیل اپنی قربانی قبول نہ ہونے کی وجہ سے بہت غصہ میں تھا اور اپنے دل میں حسد

چھپا لیا۔ ایک دن آدم علیہ السلام مکہ آئے بیت اللہ کی زیارت کے لیے تو ان کی عدم موجودگی میں قابیل ہابیل کے پاس آیا وہ اپنے ریوڑ میں کھڑے تھے۔ (قال لاقتلنک) (کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی قبول اور میری رد کردی تو میری خوبصورت بہن سے نکاح کرے اور میں تیری بدصورت بہن سے۔ اس وجہ سے لوگ یہ باتیں کریں گے کہ تو مجھ سے بہتر ہے اور تیری اولاد میری اولاد پر ان باتوں کی وجہ سے فخر کرے گی۔ ہابیل نے کہا اس میں میرا کیا گناہ ہے۔ (قال انما یتقبل اللہ من المتقین) (اللہ تعالیٰ تو صرف پرہیزگاروں سے قبول کرتے ہیں)۔

لَئِنْ م بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ ا بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ فَقَتَلَہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں کیونکہ میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

تفسیر: ﴿۲۸﴾ (لَئِنْ م بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ) (اگر تو ہاتھ چلائے گا) میری طرف مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہابیل اپنے بھائی سے زیادہ طاقتور تھے لیکن ان کو یہ شرم آئی کہ میں اپنے بھائی پر ہاتھ کیسے اُٹھاؤں اور شریعت میں یہ جائز ہے کہ کسی کو قتل کیا جا رہا ہو تو وہ ثواب کے لیے مزاحمت نہ کرے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس وقت یہ بات فرض کی تھی کہ کوئی شخص کسی کو قتل کرنے لگے تو وہ صبر کرے، مزاحمت نہ کرے۔

﴿۲۹﴾ (اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ) (میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے) تو لوٹے اور بعض نے کہا تو اُٹھائے۔ (باثمی و اثمک) (میرا گناہ اور اپنا گناہ) یعنی میرے قتل کا گناہ اپنے دیگر گناہوں کے ساتھ جو اس سے پہلے تو کر چکا ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھ پر میری خطاؤں کا بھی بوجھ ہو جب تو مجھے قتل کرے گا اور اپنے گناہ اس کے علاوہ تو اس طرح تو میرا خون اور گناہ دونوں اُٹھائے گا اور بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنی اس نافرمانی کا گناہ بھی حاصل کرے جس کی وجہ سے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی یا اپنے حسد کا گناہ بھی حاصل کرے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ہابیل نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میرے اور اپنے گناہ کو حاصل کرے حالانکہ گناہ

کا ارادہ کرنا تو جائز نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ حقیقتاً ارادہ ان کا ارادہ نہیں تھا لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ بھائی مجھے ہر حال میں قتل کرے گا تو ثواب کی اُمید پر انہوں نے اپنے نفس کو راضی کر لیا تو مجازاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ حقیقتاً یہ مراد نہیں تھی اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میرے قتل کی سزا کو حاصل کرے تو یہ صحیح ارادہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے اور یہ قتل کا ارادہ نہیں بلکہ قتل کی سزا و گناہ کا ارادہ ہے۔ (فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ) (پھر تو ہو جائے دوزخ والوں میں سے اور یہی ہے ظالموں کی سزا)

⑳ (فطوعت له نفسه) (پھر راضی کیا اس کو اس کے نفس نے) یعنی اس کو تیار کیا اور اس کی مدد کی اور اُبھارا۔ (قتل اخيه) (اپنے بھائی کے خون پر) اپنے بھائی کے قتل کرنے میں اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کو نفس نے خوب اُبھارا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفس نے بھائی کا قتل بڑا خوبصورت کر کے دکھایا اور یمان کہتے ہیں کہ اس کو آسان بتلایا یعنی اس کے نفس نے اس بات پر آمادہ کیا کہ تیرے بھائی کا قتل بہت آسان ہے۔ پھر قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا جب اس نے پکا ارادہ کیا تو قتل کا طریقہ معلوم نہیں تھا تو ابن جریج فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل میں آیا اور ایک پرندہ پکڑ کر اس کو ایک پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اُٹھا کر اس کے سر پر مارا وہ مر گیا۔ قابیل نے یہ طریقہ سیکھ لیا اور ہابیل کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر پھاڑ دیا۔ بعض نے کہا ہابیل قتل کے وقت مطیع تھے اور بعض نے کہا وہ سوئے ہوئے تھے اس نے غفلت میں ان کا سر پھاڑ کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) (پھر اس کو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اُٹھانے والوں میں)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ㉛

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ (چونچ اور پنجوں سے) زمین کو کھودتا تھا تا کہ وہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو (اس بدحالی پر) بڑا شرمندہ ہوا۔

تفسیر: ㉛ (فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ) (پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو زمین کو کریدتا تھا تا کہ اس کو دکھلا دے کہ کیسے چھپاتی ہے اپنے بھائی کی لاش) جب قابیل نے کوے کو یہ کرتے دیکھا تو (قال ...... سوأة اخي) (بولا اے افسوس! مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہو جاؤں کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاؤں) یعنی بھائی کی لاش چھپاؤں بعض نے کہا اس کی شرمگاہ کو چھپاؤں کیونکہ قابیل نے ان کے کپڑے اُتار لیے تھے۔ (فاصبح من النادمين) (پھر پچھتانے لگا) اس کی لاش کندھے پر اُٹھانے پر شرمندہ ہوا نہ کہ قتل پر اور بعض نے کہا کہ بھائی کی جدائی پر افسوس ہوا اور بعض نے کہا اس کے قتل سے فائدہ کم ہوا کیونکہ والدین ناراض ہو گئے اس لیے شرمندہ ہوا کیونکہ اس قتل سے نفع کچھ نہ ہوا۔ اس قتل پر شرمندگی نہ ہوئی

تھی۔ عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قابیل نے بھائی کو قتل کر دیا تو زمین سات دن پیاسی رہی اور پھر ہابیل کا خون پیا پانی کی طرح۔ آدم علیہ السلام نے قابیل سے پوچھا کہ تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، میں اس کا نگران نہیں ہوں تو آدم علیہ السلام نے فرمایا تیرے بھائی کا خون مجھے زمین سے پکار رہا ہے۔ تو نے بھائی کو کیوں قتل کیا؟ تو قابیل نے کہا اگر میں نے قتل کیا ہے تو خون کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے زمین پر خون کا پینا حرام کر دیا ہے۔

ہابیل کے قتل ہو جانے پر ہر چیز کا ذائقہ کڑوا ہو گیا

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے مکہ جانے پر قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو درختوں کے کانٹے نکل آئے اور کھانے خراب ہو گئے اور میوے کھٹے اور پانی چل پڑا اور زمین غبار آلود ہو گئی تو آدم علیہ السلام نے سوچا کوئی نئی بات ہو گئی ہے تو ہندوستان تشریف لائے تو قابیل ہابیل کو قتل کر چکا تھا تو انہوں نے شعر کہا اور آدم علیہ السلام نے دُنیا میں پہلا شعر کہا:

تغیرت البلاد ومن علیها فوجه الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی طعم ولون وقل بشاشة الوجه الملیح

شہر اور ان پر آباد لوگ تبدیل ہو گئے۔ پس زمین کا چہرہ غبار آلود بدصورت ہو گیا۔ ہر ذائقہ اور رنگ والی چیز تبدیل ہو گئی۔ خوبصورت چہرہ کی تر و تازگی کم ہو گئی۔ میمون بن مہران نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ آدم علیہ السلام نے شعر کہا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ کہا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام شعر کی ممانعت میں برابر ہیں لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے سریانی زبان میں ان کا مرثیہ کہا اور حضرت شیث علیہ السلام کو کہا اے میرے بیٹے آپ میرے وصی ہو اس کلام کو بطور وراثت محفوظ کر لو تاکہ لوگوں کے دل اس سے نرم ہوں یہ مرثیہ نسل در نسل چلتا ہو یعرب بن قحطان تک پہنچ گیا۔ اس کو عربی اور سریانی پر مہارت تھی۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے عربی کو لکھا یہ شاعر تھا اس نے اس مرثیہ میں تقدیم و تاخیر کر کے شعر کے وزن پر کر دیا اور چند اشعار کا اضافہ کر دیا۔

ومالی لاأجود بسکب دمع وهابیل تضمنه الضریح

اری طول الحیاة علی غما فهل انا من حیاتی مستریح

"مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں آنسو بہانے میں سخاوت نہیں کرتا حالانکہ ہابیل تو قبر میں ہے۔ میں لمبی زندگی کو اپنے اوپر غم خیال کرتا ہوں۔ کیا میں اپنی زندگی سے راحت حاصل کر سکتا ہوں۔"

پھر جب ہابیل کے قتل کو پانچ سال گزر گئے اور آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال ہو گئی تو حضرت حواء علیہا السلام سے حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کا نام عبداللہ تھا اور یہ ہابیل کے اچھے جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رات و دن کی گھڑیوں کا علم دیا اور ہر گھڑی میں مخلوق کی عبادت کا بھی علم دیا اور ان پر پچاس صحیفے نازل کیے تو یہ آدم علیہ السلام کے وصی اور ولی عہد ہوئے۔

آگ کی پوجا کی ابتداء قابیل نے کی

بہر حال قابیل کو کہا گیا کہ تو یہاں سے چلا جا دھتکارا ہوا گھبرایا ہوا اور مرعوب تو جس کو دیکھے گا اس سے بے خوف نہ ہوگا۔ اس نے بہن اقلیما کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے کر عدن یمن کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں اس کے پاس شیطان آیا اور اس کو کہا کہ آگ نے ہابیل کی قربانی اس وجہ سے کھائی کہ وہ آگ کی عبادت کرتا تھا تو تو بھی آگ کو خدا بنا لے یہ تجھے اور تیری اولاد کو نفع دے گا تو اس نے ایک گھر بنایا، آگ کی عبادت کے لیے یہ پہلا شخص ہے جس نے آگ کی پوجا کی۔ قابیل کی اولاد میں جس کا بھی اس پر گزر ہوتا اس کو پتھر مارتے۔ ایک دن قابیل کا نابینا بیٹا اپنے بیٹے کے ساتھ آیا اس کے بیٹے نے نابینا کو کہا ابا جان! یہ آپ کے والد ہیں اس نابینا نے پتھر مار کر قابیل کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے کہا ابا جان آپ نے اپنے والد کو مار دیا؟ تو اس نابینا نے غصہ میں بیٹے کو تھپڑ مارا وہ بھی مر گیا۔ اب وہ نابینا کہنے لگا کہ میرے لیے ہلاکت ہے کہ میں نے ایک پتھر سے باپ کو اور تھپڑ سے بیٹے کو قتل کر دیا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قابیل کی ایک ٹانگ اور پاؤں باندھ کر اس کو لٹکا دیا گیا اور قیامت تک لٹکا رہے گا۔ اس کا چہرہ سورج کی طرف ہے جہاں جہاں سورج گھومتا ہے وہ بھی ساتھ گھومتا ہے اور فرمایا کہ قابیل کی اولاد نے بینڈ باجے طبلے وغیرہ آلات لہو بنائے اور شراب پینے، کھیل کود اور زنا آگ کی پوجا اور دیگر بے حیائیوں میں مست ہوگئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کو طوفان سے غرق کر دیا اور صرف شیث علیہ السلام کی نسل باقی رہ گئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے بیٹے پر اس کے خون کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے قتل کا طریقہ جاری کیا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾

ترجمہ: اسی (واقعہ کی) وجہ سے ہم نے (تمام مکلفین پر عموماً اور) بنی اسرائیل پر (خصوصاً) یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو (خواہ مخواہ) قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ (نبوت کے) لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے۔

تفسیر ⑶② (من اجل ذلک) (اسی سبب سے) ابو جعفر رحمہ اللہ نے "من اجل ذالک" کو نون کے کسرہ کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے

اور اکثر قراء نے نون کے جزم اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ جدا کر کے۔ یعنی اس قاتل کی سزا اور حق کی وجہ سے (کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَیْرِ نَفْسٍ) (لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے) قتل کیا اس کو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (اوفساد فی الارض) (یا ملک میں فساد کرنے کے بغیر) یعنی بغیر قصاص لینے اور کفر، زنا، ڈاکہ وغیرہ کے ذریعے ملک میں فساد کرنے کے بغیر قتل کیا۔ (فکانما قتل النّاس جمیعًا) (تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو) اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

نبی یا عادل بادشاہ کو قتل کرنا پوری اُمت کو قتل کرنے کے برابر ہے

عکرمہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ جس نے نبی یا عادل بادشاہ کو قتل کیا تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے نبی یا امام عادل کی قوت بڑھائی اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے ناحق کسی کو قتل کیا تو ایسی آگ بھڑکتی ہے جیسے اگر تمام لوگوں کو قتل کرتا تو بھڑکتی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اجر کو بڑا کیا اور گناہ کو بہت زیادہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے ناحق قتل کو حلال سمجھا گویا کہ اس کو تمام لوگوں کے قتل کرنے کا گناہ ہوا اس لیے کہ ایک کو قتل کر دیا تو باقی بھی اس سے محفوظ نہ ہوئے۔ (ومن احیاھا) (اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو) اور اس کے قتل سے پرہیز کیا۔ (فکانما احیا النّاس جمیعا) (تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو) کیونکہ سب لوگ اس سے محفوظ ہو گئے تو ثواب ملے گا۔

حسن رحمہ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایسا قصاص لینا واجب ہے جیسا اگر سب لوگوں کو قتل کرتا تو لیا جاتا اور "ومن احیاھا" کا مطلب یہ ہے کہ جس پر قصاص واجب تھا اس کو معاف کر دیا اور قتل نہیں کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا۔ سلیمان بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن کو کہا اے ابوسعید! کیا یہ حکم بنی اسرائیل کی طرح ہمیں بھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں بنی اسرائیل کے خون ہمارے خون سے اللہ کے ہاں زیادہ مرتبہ والے نہیں تھے۔ (وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ اور لا چکے ہیں ان کے پاس ہمارے رسول کھلے ہوئے حکم پھر بہت سے لوگ ان میں سے اس پر بھی دست درازی کرتے ہیں)۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾

(ترجمہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

انما جزاء الذین کی تفسیر

تفسیر ㉝......(اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا) (یہی سزا ہے ان لوگوں کی جولڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو۔الخ)

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین عہد تھا۔انہوں نے عہد توڑ دیا اور ڈاکہ مار کر زمین میں فساد مچانے لگے۔

اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ ہلال بن عویمر کی قوم کے بارے میں نازل ہوئی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہلال بن عویمر جو کہ ابو بردۃ الاسلمی ہیں سے یہ معاہدہ تھا کہ نہ ان کی کوئی مدد کریں گے اور نہ ان کے کسی دشمن کی ان کے خلاف اور جو شخص ہلال بن عویمر کے علاقہ سے گزر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنا چاہے وہ امن والا ہوگا اس کو کوئی تنگ نہ کرے گا تو بنی کنانہ کی ایک جماعت اسلام لانے کے ارادہ سے ہلال بن عویمر کی قوم کے چند مسلمانوں کے ساتھ چل پڑی۔اس وقت ہلال وہاں موجود نہ تھے تو ان کی قوم نے ان کو لوٹ کر قتل کر دیا تو جبرئیل علیہ السلام ان کے بارے میں یہ فیصلہ لے کر آئے۔

قبیلہ عرینہ کا قصہ

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت قبیلہ عرینہ اور عُکل کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کے چند لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کی لیکن یہ لوگ جھوٹے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کی طرف بھیجا تو یہ مرتد ہوگئے اور چرواہے کو قتل کر کے اونٹ ہانک کر لے گئے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عُکل کے چند لوگ آئے اور مسلمان ہوگئے اور مدینہ کی آب وہوا ان کے ناموافق تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پی لیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو تندرست ہوگئے اور مرتد ہو کر ان کے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں لشکر بھیجا جو ان کو گرفتار کر کے لایا۔آپ علیہ السلام نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور آنکھیں نکلوا دیں اور ان کے خون روکنے کا انتظام نہیں کیا۔اسی حال میں وہ مر گئے اور ابو قلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے پھر ان کی آنکھوں میں میخیں پھیری گئیں اور ان کو حرۃ میں پھینک دیا گیا وہ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہ دیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے قتل، چوری، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اور زمین میں فساد جیسے جرائم کیے۔ان عرینہ والوں کے حکم میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا یہ حکم منسوخ ہے اس لیے کہ اب مثلہ (شکل بگاڑ دینا) جائز نہیں اور بعض نے کہا یہ حکم اب بھی ہے صرف مثلہ اور آنکھیں نکالنا منسوخ ہوگیا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حد شرعی کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور ابوالزناد فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حد کا حکم نازل کیا اور مُثلہ سے روک دیا، دوبارہ ایسا نہیں کیا گیا اور قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور "مثلہ" سے منع کرتے تھے۔

مثلہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

سلیمان التیمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آنکھیں اس وجہ سے پھوڑی تھیں کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں اور لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ان کو یہ سزا دی جانی چاہیے تھی نہ کہ مثلہ اس لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو مثلہ سے منع کیا اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس حد کے کون لوگ مستحق ہیں تو ایک قوم نے کہا یہ حد ان لوگوں کے لیے ہے جو ڈاکہ ڈالیں اور مسلمانوں پر اسلحہ اُٹھائیں اور شہروں میں فساد ڈالیں اور یہی اوزاعی، امام مالک، لیث بن سعد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ شہر میں فساد مچانے اور غلبہ کرنے والوں کا یہ حکم نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور لڑائی کرنے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے: (اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ) (کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ امام کو جنگجو لوگوں کے بارے میں اختیار ہے کہ ان کو قتل کرے یا ہاتھ پاؤں کاٹے یا سولی چڑھائے یا جلاوطن کرے جیسا کہ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی سعید بن مسیب، حسن، نخعی اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے اور اکثر حضرات اس جانب گئے ہیں کہ یہ سزائیں جرائم کے مطابق ہیں اختیاری نہیں ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ڈاکوؤں کے بارے میں مروی ہے کہ جب ڈاکو قتل بھی کریں اور مال لوٹیں تو ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دو اور اگر صرف قتل کریں مال نہ لیں تو ان کو صرف قتل کیا جائے سولی پر نہ لٹکایا جائے اور جب وہ صرف مال لوٹیں قتل نہ کریں تو ان کے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں اور جب صرف مسافروں کو ڈرائیں اور مال نہ لیں تو ان کو جلاوطن کیا جائے اور یہی قتادہ، اوزاعی، امام شافعی رحمہما اللہ اور اصحاب الرائ کا قول ہے اور جب ڈاکو کسی کو قتل کر دیں تو مقتول کے ورثاء اگر معاف بھی کر دیں۔ تب بھی اس ڈاکو کو قتل کیا جائے گا اور اگر نصاب کی مقدار مال لیں یعنی ایک دینار کا چوتھا حصہ تو دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور جب مال لوٹ کر قتل کر دے تو قتل اور سولی چڑھایا جائے گا لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کو پہلے قتل کیا جائے، پھر سولی چڑھایا جائے اور بعض نے کہا زندہ حالت میں

سولی پر چڑھا کر نیزہ مار کر زخمی کیا جائے اور اسی حالت میں مرجائے اور یہی لیث بن سعد رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا تین دن زندہ حالت میں سولی پر لٹکایا جائے پھر اُتار کر قتل کیا جائے اور جب ڈاکو صرف ڈرائے دھمکائے تو جلاوطن کیا جائے گا۔ پھر اس جلاوطنی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ امام اس کی تلاش جاری رکھے گا جب بھی جس شہر میں مل جائے وہاں سے جلاوطن کر دیا جائے گا اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے اور بعض نے کہا اس کو حد جاری کرنے کے لیے تلاش کیا جائے گا اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لیث بن سعد کا قول اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ آیت میں نفی سے مراد قید کرنا ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال کر وہاں اس کو قید کیا جائے گا جب تک توبہ نہ کرلے اور مکحول فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جیلوں میں قید کیا اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ جب تک اس سے توبہ ظاہر نہ ہو جائے قید رہے، میں اس کو دوسرے شہر نہیں بھیجوں گا کہ وہاں تکلیف دے۔ (ذلک یہ) جو حد ذکر کی گئی ہے (لھم خزی ان کی رسوائی ہے) عذاب اور ذلت و رسوائی ہے (فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ دُنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کرلیں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرمادیں گے۔

تفسیر ﴿٣٤﴾ (إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جن حضرات کے نزدیک یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ مگر جن لوگوں نے اپنے شرک سے توبہ کی اور ان پر قابو پانے سے پہلے اسلام لے آئے اور مطیع ہو گئے تو ان پر کوئی حد جاری نہ ہوگی اور کفر کی حالت میں جو خون بہائے اور مال لوٹے وہ معاف ہوں گے اور بہر حال مسلمان جنگجو جو ان میں سے پکڑے جانے سے قبل توبہ کرلیں تو ان سے حقوق اللہ تو معاف ہو جائیں گے اور ان حقوق اللہ میں کوتاہی کی سزائیں بھی لیکن حقوق العباد میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ڈاکہ کے دوران کسی کو قتل کر دیا ہو اور پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو ان سے قتل کا پختہ حکم تو ٹل جائے گا لیکن قصاص کا معاملہ اولیاء مقتول کے سپرد ہوگا۔ اگر وہ چاہیں تو قصاص لیں ورنہ معاف کر دیں اور دیت لے لیں اور اگر توبہ سے قبل صرف مال لیا تھا تو قطع ید ساقط ہو جائے گا اور اگر مال لے کر قتل کیا تھا پھر توبہ کی اور پکڑے گئے تو قتل اور سولی کا حتمی حکم ختم ہو جائے گا اور مال کی ضمان واجب ہوگی۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ مسلمان ڈاکو جب پکڑے جانے سے پہلے خود توبہ کر کے آ جائے تو اس پر مال اور خون کا کوئی تاوان نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی کا مال اس وقت اس کے پاس موجود ہو تو وہ واپس کرنا ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حارثہ بن زید کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے خون بہایا اور مال لوٹا اور پکڑے جانے سے پہلے خود توبہ کر کے آ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کوئی تاوان نہ لیا تھا لیکن اگر پکڑے جانے کے بعد کوئی توبہ کرلے تو اس سے کوئی چیز معاف نہ ہوگی اور بعض نے کہا کہ حقوق کی وجہ سے جو سزا

واجب ہوئی ہو مثلاً ڈاکہ کی سزا، چوری کی سزا، زنا کی سزا، شراب پینے کی سزا وغیرہ تو یہ توبہ کی وجہ سے ہر حال میں معاف ہو جائے گی لیکن اکثر علماء کے نزدیک پکڑے جانے کے بعد معاف نہ ہوں گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾

ترجمہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آویں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں جو کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)۔

تفسیر ﴿٣٥﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اور طلب کرو (اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ) اس تک وسیلہ) یعنی قرب کا ذریعہ یہ فعیلة کے وزن پر ہے توسل الی فلان سے لیا گیا ہے یعنی فلاں کی طرف قریب ہو گیا اس کی جمع وسائل آتی ہے۔ (وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور جہاد کرو اس کے راستہ میں تا کہ تمہارا بھلا ہو)

﴿٣٦﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تا کہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا) اس آیت میں خبر دی ہے کہ کافر اگر تمام دُنیا اور اس کے مثل کا مالک ہو اور عذاب سے چھٹکارے کے لیے سب کچھ دے تو اس سے یہ فدیہ قبول نہ ہوگا (ولهم عذاب اليم اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے)

﴿٣٧﴾ (يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ارادہ کر کے اس سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (كلما ارادو أن يخرجوا منها) جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور دوسری یہ کہ صرف دل میں تمنا

کریں گے جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کی خبر دی (ربنا اخرجنا منها) اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال دے (وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ اوران کے لیے دائمی عذاب ہے)

38 ......(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا) اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ) اس سے مراد ان کے دائیں ہاتھ ہیں اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں لکھا ہوا ہے اور مکمل حکم یہ ہے کہ جو شخص مال کی ایک خاص مقدار ایسی حفاظت کی جگہ سے چوری کرے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو تو اس کے پہونچے سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اہل علم کے نزدیک نصاب سے کم مال کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔ ابن زبیر سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ تھوڑی سی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیتے تھے اور اکثر علماء اس کے خلاف ہیں۔

کتنی مقدار پر قطع ید ہوگا؟

مال کی کتنی مقدار پر ہاتھ کاٹا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ایک دینار کے چوتھے حصہ سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر دینار کا چوتھا حصہ یا سامان چرایا جس کی قیمت ربع دینار کو پہنچ جاتی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی حضرت ابوبکر، حضرت عمر و عثمان و علی (رضی اللہ عنہما) کا قول ہے اور عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس حدیث کی وجہ سے جو عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قطع ید دینار کی چوتھائی یا زائد میں ہوگا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے لیموں چوری کرنے والے کا ہاتھ کٹوایا۔ اس کی قیمت لگائی گئی تو تین درہم تھی اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہی قول ہے کہ تین درہم یا اس کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم یا اس کی مالیت سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرف سفیان ثوری اور اصحاب رائے گئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا پانچ درہم پر کاٹا جائے گا اور یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی کے ابن ابی لیلیٰ قائل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ چور پر لعنت کرے کہ وہ انڈہ اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ امام اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کے نزدیک اس حدیث میں لوہے کا انڈہ اور لوہے کی رسی مراد ہے اور یہ تین درہم کے برابر ہوتی تھی۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل لی ہے جن کے نزدیک تھوڑی مالیت کی چیز پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اکثر علماء کے نزدیک حدیث کا وہ مطلب ہے جو امام اعمش رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص غیر محفوظ جگہ سے چوری کرے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جیسے کسی باغ میں چوکیدار نہ ہو اور پھل چرالے یا جنگل بیابان میں چرواہا نہ ہو تو ریوڑ جانور چرالے یا ایسے گھر سے مال چوری کرے جو آبادی سے ہٹ کر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا لٹکے ہوئے پھل میں اور رسی سے بندھے ہوئے ریوڑ کی بکری چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے، مال غنیمت کو لوٹنے والے اور اچک کر مال لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر ایسا مال چوری کیا جس میں چور کا شبہ تھا جیسے غلام اپنے سردار کا مال چرالے یا بیٹا اپنے والد کا یا والد اپنی اولاد کا مال چرالے یا دو پارٹنرز میں سے ایک مشترک مال میں سے کچھ چرالے تو اس پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

چور بار بار چوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے

جب چور پہلی دفعہ چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔ پھر جب دوبارہ چوری کرے تو پاؤں کے جوڑ سے بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور تیسری دفعہ چوری کرے تو اس میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک تیسری دفعہ بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس کے بعد چوری کرے تو مناسب سزا دے کر قید کردیا جائے گا۔ جب تک توبہ نہ کرے اور یہی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی قتادہ، امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کا قول ہے ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر چوری کرے تو پاؤں کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو پاؤں کاٹ دو (الطبرانی) اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگر تیسری دفعہ چوری کرے اور اس سے پہلے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا ہو تو اب کوئی عضو نہ کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا اور یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس بات سے حیاء آتی ہے کہ میں استنجاء کے لیے اس کا کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں اور چلنے کے لیے کوئی پاؤں نہ چھوڑوں اور یہی امام شعبی اور امام نخعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی بات کے قائل امام اوزاعی اور احمد اور اصحاب رائے ہیں۔ (جزاء بما کسبا ان کی کمائی کی سزائیں) یہ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور نکالا بھی اسی طرح حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (تنبیہ ہے) یعنی سزا ہے (مِنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا)

فَمَنْ تَابَ مِنْ ۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ط يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ ، بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ط وَمَنْ يُّرِدِاللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

ترجمہ پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے بیشک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کر دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت کی) کیا تم نہیں جانتے کہ کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اے رسولؐ! جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر کر سنتے ہیں) جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آتے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوتا ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے سزائے عظیم ہے۔

تفسیر ㊴ **فمن تاب من بعد ظلمه** پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے بعد) یعنی اپنی چوری کے بعد (**واصلح** اور اصلاح کی) اپنے عمل کی (فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) یہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے کہ اس سے آخرت میں پکڑ نہ ہوگی۔ بہر حال دُنیا میں ہاتھ کٹنا تو اکثر علماء کے نزدیک توبہ سے ساقط نہ ہوگا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چور کو توبہ کی ضرورت نہیں جب ہاتھ کاٹا جائے گا تو توبہ حاصل ہو جائے گی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ ہاتھ کاٹنا جرم کی سزا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ "یہ اس کے عمل کی سزا ہے" اس کے بعد بھی توبہ کی ضرورت ہے اور چور کی توبہ یہ ہے کہ جو گناہ ہو گیا اس پر شرمندہ ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو چوری کیے ہوئے مال کا تاوان بھی اس پر واجب ہوگا۔

اکثر اہل علم کے نزدیک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ اور اصحاب رائے فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مالی تاوان نہیں ہے۔

لیکن اگر چوری شدہ مال اس کے پاس موجود ہو تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ مال اس کو واپس کرنا پڑے گا اور ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اس لیے ہاتھ کاٹنا اللہ کا حق ہے اور تاوان بندہ کا حق ہے تو ایک حق ادا ہو جانے سے دوسرا ادا نہ ہوگا جیسا کہ اگر مال اس کے پاس موجود ہو تو صرف قطع ید کافی نہیں بلکہ مال بھی واپس کرنا ضروری ہے۔

⑩ (اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی سلطنت) اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد تمام لوگ ہیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ "اے انسان تو نہیں جانتا" اس صورت میں یہ خطاب ہر انسان کو ہوگا (يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے) سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کفر پر مر گئے ان میں سے جس کو چاہے عذاب دے اور جو کفر سے توبہ کرے ان میں سے جس کو چاہے بخش دے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس کو چاہے صغیرہ گناہوں پر عذاب دے اور جس کے چاہے کبیرہ گناہ بخش دے (وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے)

⑪ (يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اے رسول غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں) یعنی کفار کی دوستی میں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے (مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں) اور یہ لوگ منافقین ہیں۔

(وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے) یعنی جھوٹ کو قبول کرتے ہیں جیسے نماز پڑھنے والا کہتا ہے "سمع الله لمن حمده" یعنی اللہ نے قبول کر لی اور بعض نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس لیے سنتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر جھوٹ بول سکیں کیونکہ یہ آپ علیہ السلام کی مجلس سے اُٹھ کر ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آپ علیہ السلام سے سنی نہیں ہوتی تھیں۔ (سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو آپ تک نہیں آئی) یعنی بنو قریظہ والے اہل خیبر کے جاسوس ہیں۔

یہود کے ایک مرد اور عورت کے زنا اور رجم کا واقعہ

واقعہ اس طرح ہے کہ خیبر کے مالدار و معزز لوگوں میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا اور یہ محصن تھے اور محصن کی حد تورات میں سنگسار کرنا تھا تو یہودیوں نے ان کے رُتبہ کی وجہ سے ان کے رجم کو ناپسند کیا اور یہ کہا کہ یثرب میں جو آدمی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کی کتاب میں صرف مارنے کا حکم ہے سنگساری کا حکم نہیں ہے تو اپنے بنی قریظہ کے بھائیوں کے پاس پیغام بھیجو کیونکہ وہ ان کے پڑوسی ہیں اور آپس میں صلح ہے وہ اس کا حکم معلوم کر لیں اور اپنی ایک خفیہ جماعت بھی ان کے ساتھ بھیج دی اور ان کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محصن مرد و عورت کے زنا کا حکم معلوم کرو۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو قبول کر لیں اور اگر سنگسار کرنے کا حکم دیں تو اس سے پرہیز کرنا اور قبول نہ کرنا اور اس جماعت کے ساتھ اس زانی مرد و عورت کو بھی بھیج دیا۔ وہ

جماعت مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے پاس آئی اور ان کو سارا معاملہ سنایا کہ اب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو کہ اس کا فیصلہ کریں تو وہ قریظہ اور نضیر کے لوگوں نے کہا اللہ تمہیں وہی حکم دے گا جس کو تم ناپسند کرتے ہو پھر ان دونوں قبیلوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں گئی جس میں کعب بن اشرف، کعب بن اسد، سعید بن عمرو، مالک بن صیف، کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ تھے اور کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں محصن زانی مرد اور عورت کا حکم بتائیں کہ آپ علیہ السلام کی کتاب میں کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو جبرئیل علیہ السلام رجم کا حکم لے کر آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حکم کی خبر دی تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ اس معاملہ کا فیصلہ ابن صوریا کو سپرد کر دیں اور ابن صوریا کے تمام اوصاف بیان کر دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم فدک کے بے ریش کانے نوجوان ابن صوریا کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ علیہ السلام نے پوچھا وہ تم میں کیسا آدمی ہے؟ تو انہوں نے کہا تورات کا اس وقت اس دُنیا میں وہ سب سے بڑا عالم ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو ابن صوریا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو یہود کا سب سے بڑا عالم ہے۔ اس نے کہا لوگوں کا گمان اس طرح ہے، اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم اپنے درمیان مجھے فیصل بناتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا اور تم لوگوں کو مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنایا اور تم کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا۔ اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ کو اُتارا اور تم پر اپنی کتاب اُتاری جس میں حلال وحرام کی باتیں ہیں۔ کیا تم اپنی کتاب میں محصن مرد وعورت پر رجم کا حکم پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا جی ہاں اس ذات کی قسم جس کا آپ نے تذکرہ کیا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تورات مجھے جلا دے گی اگر میں نے جھوٹ بولنا یا کوئی تبدیلی کی لیکن اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم آپ کی کتاب میں کیسے ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جب چار عادل گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے اس طرح معاملہ کیا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے تو اس پر رجم واجب ہو جائے گا تو ابن صوریا کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر تورات میں اسی طرح حکم اُتارا گیا تھا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا تم نے اللہ کے اس حکم میں رُخصت نکالنے کی ابتداء کب سے کی؟ وہ کہنے لگا ہم جب کسی معزز بندہ کو اس معاملہ میں پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کرتے تو ہمارے معزز لوگوں میں زنا کی کثرت ہوگئی یہاں تک کہ ہمارے بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کیا لیکن ہم نے اس کو رجم نہیں کیا، پھر دوسرے شخص نے زنا کیا عام لوگوں میں سے تو بادشاہ نے اس کے رجم کا ارادہ کیا تو اس کے حق میں بہت سے لوگ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس کو تب تک سنگسار نہیں کرنے دیں گے جب تک بادشاہ کے چچا کے بیٹے کو رجم نہ کیا جائے تو ہم نے کہا آؤ ہم مل کر رجم کے علاوہ کوئی اور ایسی سزا ایجاد کرتے ہیں جو ہر طرح کے

لوگوں کو دی جاسکے تو ہم نے کوڑے اور گدھے کی سواری کو مقرر کیا کہ چالیس کوڑے ایسی رسی کے مارے جائیں گے جس پر تارکول چڑھا ہوا ہو، پھر ان دونوں کے چہروں کو کالا کر کے ان کو دو گدھوں پر بٹھا دیا جائے اور ان کے منہ گدھے کی دُم کی طرف کر دیا جائے اور ان کو لوگوں میں چکر لگایا جائے تو یہ سزا رجم کی جگہ تجویز کی گئی۔

یہ سن کر یہود نے ابن صوریا کو کہا کہ کتنی جلدی تو نے ساری بات ان کو بتا دی ہے، ہم نے تیری پیٹھ پیچھے تعریف اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ تو اس کے لائق ہے بلکہ ہم نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی غیبت کرنا ناپسند سمجھا تو ابن صوریا نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تورات کی قسم دی اگر تورات کے ہلاک کر دینے کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی بھی یہ بات ان کو نہ بتاتا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد و عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ان کو مسجد نبوی کے دروازے کے پاس سنگسار کر دیا گیا اور آپ علیہ السلام نے دُعا مانگی اے اللہ! ان لوگوں نے تیرے حکم کو مردہ کر دیا تھا میں اس کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری (**یا یھا الرسول لایحزنک الذین یسارعون فی الکفر** اے رسول! غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ بات چھیڑی کہ ان کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تورات میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کو رسوا کریں اور ان کو کوڑے مارے جائیں تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کی آیت ہے تو وہ تورات لائے اس کو کھولا اور ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی عبارت پڑھ دی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اُٹھا۔ اس نے ہاتھ اُٹھایا تو رجم کی آیت لکھی ہوئی تھی تو وہ کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سچ کہا اس میں رجم کی آیت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرد و عورت کے رجم کا حکم دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آدمی کو دیکھا کہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھک جاتا تھا اور بعض حضرات نے کہا اس آیت کے نزول کا سبب قصاص ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنونضیر کو بنوقریظہ پر فضیلت حاصل تھی تو بنو قریظہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بھائی بنونضیر کا اور ہمارا باپ ایک ہے اور ہمارا دین اور نبی ایک ہے لیکن جب وہ ہمارا کوئی آدمی قتل کر دیں تو ہمیں قصاص نہیں دیتے اور اس کی دیت کھجور کے ستر وسق دیتے ہیں اور جب ہم ان کے کسی آدمی کو قتل کر دیں تو وہ قاتل کو بھی قتل کرتے ہیں اور ہم سے دُگنی دیت یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور وصول کرتے ہیں اور جب مقتول عورت ہو تو اس کے بدلے ہمارے ایک مرد کو اور اگر مرد ہو تو اس کے بدلے ہمارے دو مردوں کو قتل کرتے ہیں اور اپنے غلام کے بدلے ہمارے آزاد کو اور ہم کوئی زخم لگا دیں تو اس سے دُگنا تاوان دینا پڑتا ہے جو وہ ہمیں زخم لگانے پر ادا کرتے ہیں، آپ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو یہ آیت نازل ہوئی لیکن پہلا شان نزول زیادہ صحیح ہے۔

اس لیے کہ یہ آیت رجم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "سَمّٰعُوْنَ للکذب" میں لام "الی" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا یہ لام "کی" ہے یعنی اس لیے سنتے ہیں تا کہ آپ پر جھوٹ بول سکیں اور "لقوم" میں لام علت کے لیے

ہے یعنی دوسری قوم کے لیے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئی اور وہ اہل خیبر ہیں۔(یحرفون الکلم بدل ڈالتے ہیں بات کو) کلمۃ کی جمع ہے (من بعد مواضعہ اس کا ٹھکانہ چھوڑ کر)......(یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ہے تو قبول کر لینا) یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو (وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۚ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا)

یعنی اس کے کفر اور گمراہی کا۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو عذاب دینے کا ارادہ کیا (فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا سو تو اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں) یعنی تو اللہ کے امر کو دور کرنے پر بالکل قادر نہ ہوگا (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے اُن کے) اس میں تقدیر کا انکار کرنے والوں کی تردید ہے۔(لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ان کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے) یعنی منافقین اور یہود کے لیے۔منافقین کی رُسوائی ان کی ذلت اور ان کے نفاق کو ظاہر کرکے پردہ دری کرنا ہے اور یہود کی رُسوائی جزیہ ادا کرنا یا قتل یا قید یا جلاوطنی ہے اور ان کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اپنے بارے میں وہ چیزیں دیکھنا جو ان کو ناپسند تھیں (وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے) جہنم میں ہمیشہ رہنے کا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾

ترجمہ: یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کے کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال ہی نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿42﴾ (سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں) ابن کثیر، ابوجعفر، اہل بصرہ اور کسائی نے "لِلسُّحُتِ" کو حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے حاء کے سکون کے ساتھ۔

"سُحت" کا اصل معنی ہلاکت اور سختی ہے اور یہاں مراد "حرام" ہے۔قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے "فیسحتکم بعذاب" (پس تم کو عذاب سے ہلاک کر دے گا)

سمعون للکذب کا شانِ نزول

یہ آیت یہود کے حکام کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے تھے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے حاکم کے پاس جب کوئی رشوت لاتا تو اپنی آستین میں چھپا کر لاتا اور چپکے سے حاکم کو دکھا دیتا اور اپنی ضرورت بیان کرتا جس کو وہ توجہ سے سنتا اور اس کے مدمقابل کی طرف توجہ نہ کرتا اور جھوٹ سنتا اور رشوت کھاتا اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ حرمت اس وقت ہے جب اس لیے رشوت دے کہ وہ قاضی اس کے لیے باطل کو حق بنادے اور دوسرے کے حق کو باطل کر دے لیکن اگر آدمی کو کسی قاضی یا حاکم سے ظلم کا خوف ہو اور اس ظلم کو دور کرنے کے لیے رشوت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حسن رحمہ اللہ کے قول کے مطابق "سُحت" سے فیصلہ کرنے میں رشوت لینا مراد ہے اور مقاتل، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر چیز میں رشوت لینا مراد ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی کی سفارش کرے تاکہ اس سے ظلم کو دور کرے یا اس کا حق دلائے اور اس کے بدلے میں اس کو ہدیہ دیا جائے اور وہ سفارش کرنے والا قبول کر لے تو یہ "سُحت" ہے تو ان کو عرض کیا گیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم تو "سُحت" صرف فیصلہ کرنے میں رشوت لینے کو سمجھتے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فیصلہ کرنے کے لیے رشوت لینا تو کفر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو نہ فیصلہ کرے اللہ کے اُتارے ہوئے حکم کے مطابق تو یہی لوگ کافر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے اور لینے والے پر اور ہر حرام کمائی "سُحت" ہے۔ (**فان جاؤک فاحکم بینھم اواعرض عنھم وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئا** سو اگر آئیں وہ تیرے پاس تو آپ فیصلہ کر دیں ان میں یا منہ پھیر لیں ان سے اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں گے تو وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اختیار دیا ہے کہ اہل کتاب کے معاملات میں فیصلہ کریں یا نہ کریں۔

لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس زمانہ میں اگر ذمی لوگ اپنے مسائل لائیں تو حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اکثر اہل علم فرماتے ہیں یہ حکم اب بھی ثابت ہے اور اس سورۃ مائدہ میں کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اور مسلمانوں کے حکام کو اہل کتاب کے فیصلوں میں اختیار ہے اگر چاہیں تو فیصلہ کریں اور اگر چاہیں تو فیصلہ نہ کریں لیکن اگر فیصلہ کریں صرف شریعت اسلامیہ کے مطابق کر سکتے ہیں۔ یہی نخعی، شعبی، عطاء اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا کہ مسلمان حاکم پر واجب ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ اللہ تعالیٰ کا فرمان (**وان احکم بینھم بما انزل** اور آپ فیصلہ کیجئے ان کے درمیان اس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے) ہے۔ یہی مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ سورۃ مائدہ کی صرف دو آیتیں منسوخ ہیں ایک "**لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ**" اس کو اللہ تعالیٰ کے فرمان "**اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ**" نے منسوخ کر دیا ہے اور دوسری آیت "**فَاِنْ جَآءُوْكَ**

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ" ہے اس کو اللہ کے فرمان "وَاَنِ احْكُمْ بينهم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ" نے منسوخ کردیا ہے لیکن اگر ہمارے پاس مسلمان اور ذمی فیصلہ لائیں تو سب کا اتفاق ہے کہ فیصلہ کرنا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ مسلمان کے لیے ذمیوں کے فیصلہ کو مان لینا جائز نہیں (وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف کے ساتھ۔ ان الله يحب المقسطين بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ ط وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں۔

تفسیر: وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ اور وہ آپ کو کس طرح منصف بنائیں گے اور ان کے پاس تورات ہے) یہ تعجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور اس میں اختصار ہے یعنی وہ آپ کو اپنا منصف بنا کر آپ کے فیصلہ پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تو تورات ہے (فيها حكم الله جس میں اللہ کا حکم ہے) یعنی رجم کا حکم ہے (ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ ط وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ) پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں) یعنی آپ کی تصدیق نہیں کریں گے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے۔ سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلے میں متاع قلیل مت لو اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

تفسیر: ﴿۴۴﴾ (اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے) یعنی اللہ کے حکم کو ماننے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے تھے جیسا کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دی (اذ قال له ربه أسلم قال اسلمت لرب

العالمین کہ جب ان کو ان کے رب نے کہا آپ مطیع ہو جائیں تو انہوں نے کہا میں مطیع ہوا جہان والوں کے رب کا) اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا (ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرھا اور اسی کے فرمانبردار ہیں آسمان اور زمین والے خوشی اور ناپسندی سے) اس آیت میں وہ انبیاء مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے تاکہ تورات کے مطابق فیصلے کریں یہ حضرات تورات کے حکم کے فرمانبردار ہوئے اور اسی کے مطابق فیصلے کیے کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تورات کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا فرمان۔ لکل جعلنا منکم شرعةً ومنھا جاً حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں انبیاء علیہم السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام نے یہود پر رجم کا فیصلہ کیا۔ آپ علیہ السلام کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ان ابراھیم کان امة قانتا ابراہیم علیہ السلام کو اُمت کہا گیا ہے حالانکہ ابراہیم علیہ السلام ایک ہیں۔ (للذین ھادوا یہود کو) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اصل عبارت یوں تھی "هُدیً وّ نور للّذین ھادوا یحکم بھا النبیّون الّذین اسلموا والربانیون" اور بعض نے کہا عبارت میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے ان لوگوں پر جو یہودی ہیں۔ یعنی "للّذین ھادوا" میں لام علیٰ کے معنی میں ہے جیسے "وان اسأتم فلَهَا" میں لام علیٰ کے معنی میں ہے یعنی اگر تم برا کرو گے تو اس کا نقصان تم پر ہے۔ (والربانیون والاحبار اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم) یعنی علماء اور احبار حبر کی جمع ہے اور حبر حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن کسرہ زیادہ صحیح ہے۔ حبر کسی شے کے پختہ عالم کو کہتے ہیں۔ کسائی اور ابوعبیدہ کہتے ہیں حبر کا لفظ دوات سے لیا گیا ہے اور قطرب فرماتے ہیں کہ حبر اس حبر سے لیا گیا ہے جس کا معنی خوبصورتی ہے۔ حدیث میں ہے "قد ذَھَب حِبرہ وَسِبرُہ" کہ جہنم سے ایک ایسا شخص نکلے گا جس کا حسن اور ہیئت ختم ہو چکی ہوگی اور اسی سے تحبیر کا لفظ ہے جس کا معنی خوبصورت کرنا ہے عالم کو حبر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر علم کی خوبصورتی اور رونق ہوتی ہے اور بعض نے کہا آیت میں "ربانیون" نصاریٰ کے اور احبار یہود کے مراد ہیں۔ (بما استحفظوا من کتاب اللہ اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر) اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے کتاب میں ودیعت رکھا ہے (وکانو علیہ شھداء اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے) (فلا تخشوا الناس ......ھم الکافرون) سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور نہ خرید و میری آیتوں پر تھوڑی سی قیمت اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ کافر ہیں) قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ تین آیات یہود کے بارے میں ہیں اس اُمت کے برے لوگوں کے بارے میں نہیں ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیات میں "ظالمون" اور "فاسقون" سے کافر مراد ہیں اور بعض نے کہا یہ حکم تمام لوگوں پر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس فرماتے ہیں کہ آیت میں ایسا کفر مراد نہیں جو دین سے نکال دے بلکہ جب کسی نے اللہ کے اُتارے ہوئے حکم سے فیصلہ نہ کیا تو اس حکم کا انکار کر دیا لیکن یہ اللہ اور آخرت کے انکار کرنے والے کی طرح نہیں ہے اور

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے اُتارے ہوئے حکم کا انکار کر کے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہو گیا اور جس نے اس حکم کو مانا لیکن اس کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی سے ان آیات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے تمام احکامات ہیں اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے تمام حکموں پر فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر، ظالم، فاسق ہے اور جو شخص توحید کو مانے اور شرک کو چھوڑ دے لیکن شریعت کے بعض احکامات کے ساتھ فیصلہ نہ کر سکے تو وہ ان آیات کا مستحق نہیں ہے اور علماء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو اللہ کے حکم کو جانتے بوجھتے رد کر دے لیکن کسی پر کوئی حکم مخفی رہ گیا ہو یا کسی حکم کی تاویل میں غلطی کر دی جائے تو وہ مراد نہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

تفسیر ﴿45﴾ (**وكتبنا عليهم فيها** اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں) یعنی بنی اسرائیل پر تورات میں ہم نے یہ حکم واجب کیا (**أن النفس بالنفس** کہ جان کے بدلے جان) یعنی مقتول کی جان کے بدلے میں قاتل کی جان لی جائے گی (**والعین بالعین** اور آنکھ کے بدلے آنکھ) پھوڑی جائے گی (**والانف بالانف** اور ناک کے بدلے ناک) کاٹی جائے گیا (**والاذن بالاذن** اور کان کے بدلے کان) کاٹا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تورات کے احکام کی خبر دی کہ وہ یہ تھا کہ ایک جان کے بدلے ایک جان لی جائے گی تو ان یہود کو کیا ہو گیا ہے کہ اس حکم کی کھلی مخالفت کر کے ایک جان کے بدلے دو جانیں لیتے ہیں اور ایک آنکھ کے بدلے دو آنکھیں پھوڑتے ہیں (**والسن بالسن** اور دانت کے بدلے دانت) اکھاڑا جائے گا اور باقی زخموں کو اسی پر قیاس کیا جائے گا (**والجروح قصاص** اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر) خاص حکم بیان کرنے کے بعد عام حکم بیان کر دیا ہے کیونکہ آیت میں صرف آنکھ، کان، ناک، دانت کا حکم بیان کیا گیا اور باقی اعضاء ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جس زخم میں قصاص ممکن ہو تو قصاص لیا جائے اور جس زخم میں قصاص ممکن نہ ہو جیسے ہڈی کا توڑنا یا گوشت کا زخم جیسے پیٹ میں زخم لگ جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ کسائی رحمہ اللہ نے "والعین" اور اس کے بعد سب پر رفع پڑھا ہے اور ابن کثیر،

ابن عامر، ابوجعفر، ابوعمرو رحمہما اللہ نے صرف "والجروح" کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی تمام قراء نے سب کو "النفس" کی طرح نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ (**فمن تصدق به** پھر جس نے معاف کر دیا) یعنی بدلے کو معاف کر دیا (**فهو كفارة له** تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا) بعض نے کہا ہے کہ "لہ" میں ھاء زخمی اور مقتول کے ولی سے کنایہ ہے یعنی اس معاف کرنے والے کے لیے کفارہ ہے اور یہی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حسن، شعبی اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے جسم کے کسی حصہ کو صدقہ کر دیا تو اتنی مقدار اس کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ ھاء جارح اور قاتل سے کنایہ ہے یعنی جس پر جنایت ہوئی ہے اگر وہ جنایت کرنے والے کو معاف کر دے تو اس کا معاف کرنا اس جنایت کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہے جس کی وجہ سے اس سے آخرت میں پکڑ نہ ہوگی۔ جیسا کہ قاتل کے لیے قصاص بھی کفارہ ہے اور معاف کرنے والے کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فمن عفا واصلح فاجره على الله** کہ جس نے معاف کر دیا اور نیک کام کیے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی ابراہیم، مجاہد، زید بن اسلم رحمہما اللہ کا قول ہے (**ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون**) اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے سو وہی لوگ ہیں ظالم)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریمؑ کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے۔ اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے

ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدر آمد نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمادیں تو مفید باتوں کی طرف دوڑو تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر ㊻ (وقفینا علی اثارھم اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر) یعنی ان حکم بردار انبیاء کے پیچھے (بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ عیسیٰ مریم علیہا السلام کے بیٹے کو تصدیق کرنے والے ہیں تورات کی جو پہلے سے تھی اور ان کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور راہ بتانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو) مصدقاً سے مراد انجیل ہے۔

㊼ (وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے اس کے مطابق جو اللہ نے اُتارا) اعمش اور حمزہ نے "لیحکم" کو لام کی زیر اور میم کی زبر سے پڑھا ہے یعنی تا کہ وہ فیصلہ کریں اور باقی حضرات نے لام کے سکون اور میم کے جزم کے ساتھ امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درویشوں اور علماء کو حکم دیا کہ تورات کے مطابق فیصلہ کریں اور نصاریٰ کے علماء اور راہبوں کو حکم دیا کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں لیکن ان لوگوں نے کفر کیا اور کہنے لگے عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں (وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ) اور جو کوئی حکم نہ کریں اللہ کے اُتارے ہوئے کے مطابق سو وہی لوگ ہیں نافرمان) اللہ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

㊽ (وانزلنا الیک اور تجھ پر اُتاری ہم نے) اے محمد! (الکتاب) کتاب سے مراد قرآن (بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب سچی تصدیق کرنے والی سابق کتابوں کی و مھیمنا علیه اور ان کے مضامین پر نگہبان) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس پر گواہ اور یہی مجاہد، قتادہ، سدی اور کسائی رحمہما اللہ کا قول ہے۔ حسان فرماتے ہیں کہ کتاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گواہ ہے اور حق کو عقل والے پہچانتے ہیں اور عکرمہ فرماتے ہیں "مھیمنا" کا معنی دلالت کرنے والی۔ سعید بن جبیر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس پر اعتماد والی بعض نے "مھیمن" کی اصل "مؤیمن" ہے "مفیعل" کے وزن پر امین سے لیا گیا ہے جیسے "مُبیطر بیطار" سے لیا گیا ہے۔ پھر ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کر دیا گیا جیسا کہ "اَرقت الماء" کو "ھرقته" پڑھتے ہیں اور "ایھات" کو "ھیھات" وغیرہ۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ قرآن کے امانت ہونے کا معنی یہ ہے کہ قرآن اپنے سے پہلے کی کتب کے مضامین کا امین ہے۔ اب اگر اہل کتاب اپنی کتاب سے کوئی خبر دیں اگر وہ قرآن میں ہو تو اس کی تصدیق کردو ورنہ تکذیب کردو۔ سعید بن مسیّب اور ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن قاضی ہے اور خلیل فرماتے ہیں نگہبان اور حافظ ہے اور یہ سب معنی قریب قریب ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کتاب قرآن کی سچائی کی گواہی دے وہ اللہ کی کتاب ہے ورنہ نہیں۔ (فاحکم سو تو حکم کر) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! (بینهم ان میں) اہل کتاب میں جب وہ معاملہ آپ کے پاس لائیں۔ (بما انز ل الله اس کے مطابق جو اللہ نے اُتارا) قرآن میں (ولا تتبع أهواء هم عما جاء ک من الحق اوران کی خوشی پر مت چلیں چھوڑ کر سیدھا راستہ جو آپ کے پاس آیا) یعنی آپ علیہ السلام کے پاس جو حق آیا اس سے اعراض نہ کریں اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں (لکل جعلنا منکم شرعة ومنها جاً تم میں سے ہر ایک کو ہم نے دیا دستور اور راہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی دینی راستہ اور راہ سنت دی۔ پس شرعۃ اور منہاج سے مراد واضح راستہ اور جو کام اس دین میں جائز ہے وہ شریعت اور شرعۃ ہے اور اسی سے شرائع الاسلام کا لفظ ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ شریعتیں مختلف ہیں اور ہر دین والوں کی الگ شریعت ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطاب صرف تین اُمتوں کو ہے۔ (۱) موسیٰ علیہ السلام کی اُمت (۲) عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت (۳) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت۔ پس تورات، انجیل، قرآن الگ الگ شریعت (راستے) ہیں لیکن دین (منزل) ایک ہے اور وہ توحید ہے۔ (ولو شاء الله لجعلکم امة واحدة اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا) اس سے مراد ملت واحدہ ہے (ولکن لیبلوکم فی ما اتاکم لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیئے ہوئے حکموں میں) یعنی کتابوں میں جو حکم دیئے اور تمہارے لیے جو احکام بیان کیے تاکہ مطیع نافرمان سے اور موافق مخالف سے الگ ہو کر واضح ہو جائے۔ (فاستبقوا الخیرات تو تم دوڑ کر لو خوبیاں) یعنی نیک اعمال کی طرف جلدی کرو (اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر تم کو خبر دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا)

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچا دیں پھر گو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر ان کو سزا دیں اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ

چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔

تفسیر ㊾ (وان احکم بینھم بما انزل اللہ اور یہ فرمایا کہ آپ فیصلہ کریں ان میں اس کے موافق جو اللہ نے اُتارا) آپ کی طرف (وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ م بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اور نہ چلیں ان کی خوشی پر اور ان سے بچتے رہیں کہ آپ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اُتارا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کعب بن اسید، عبداللہ بن صوریا، شاس بن قیس یہود کے سردار آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں ان کو ان کے دین سے بہکاتے ہیں تو آپ علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء اور ان کے معزز لوگ ہیں اگر ہم آپ کی اتباع کریں تو یہود ہماری مخالفت نہ کریں گے، ہمارے لوگوں سے کچھ جھگڑے ہیں ہم ان کو آپ کے پاس لاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو حاکم بناتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور دوسرے لوگ بھی ہماری دیکھا دیکھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ان کا مقصد ایمان لانا نہ تھا یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرنے میں جانبداری کروانا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (فان تولوا پھر اگر نہ مانیں) ایمان اور قرآن کے فیصلہ سے اعراض کریں (فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچائے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی) یعنی آپ خوب جان لیں کہ ان کا اعراض اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی سزا دُنیا میں ہی دینا چاہتے ہیں (وان کثیراً من الناس اور لوگوں میں بہت ہیں) یعنی یہود (لفاسقون نافرمان)

㊿ (أفحکم الجاھلیة یبغون اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا) ابن عامر نے "تبغون" کو تاء کے ساتھ اور باقی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ طلب کرتے ہیں (ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یوقنون اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والے کے واسطے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں کہتے ہیں کہ

ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح کا ظہور فرمادے یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف۔ سے پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے۔

تفسیر ⑤① (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو! مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست) اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔

آیت لاتتخذوا الیھود و النصاری اولیاء کا شان نزول

اگرچہ اس کا حکم عام ہے تمام مؤمنین کو شامل ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان دونوں کا جھگڑا ہوا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے کئی یہودی دوست ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ اور قوت بہت ہے۔ میں ان سے برأت ظاہر کرتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا میرا کوئی دوست نہیں ہے لیکن عبداللہ بن اُبی کہنے لگا کہ میں یہود کی دوستی سے برأت ظاہر نہیں کرتا کیونکہ میں پریشانیوں کے آنے سے ڈرتا ہوں اور اس وقت ان کی ضرورت پڑے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالحباب تو نے عبادہ رضی اللہ عنہ کی دوستی پر یہود کی دوستی کو ترجیح دی ہے تو تیرے لیے صرف انہی کی دوستی ہوگی نہ کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی۔ اس نے کہا میں اس کو قبول کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ اُحد ہوئی تو بعض لوگوں کو شدید خوف ہوا کہ کفار ہم پر غلبہ حاصل نہ کرلیں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ میں فلاں یہودی کے ساتھ مل جاتا ہوں اور اس سے امان لیتا ہوں کیونکہ یہ خوف ہے کہ کل کو یہود ہم پر غلبہ حاصل کرلیں اور دوسرے شخص کہنے لگے کہ میں ملک شام کے فلاں نصرانی کے ساتھ مل جاتا ہوں اور ان سے امان لیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور ان دونوں حضرات کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تھا تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تھا تو ان لوگوں نے ہتھیار ڈالنے کے بارے میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور پوچھا اگر ہم ہتھیار ڈال دیں، ہمارے ساتھ کیا حشر ہوگا؟ تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلی حلق پر پھیر کر اشارہ کیا کہ قتل کیے جاؤ گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (بعضھم اولیاء بعض وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) مدد کرنے میں اور مسلمانوں کے خلاف یہ سب ایک ہیں (ومن یتولھم منکم اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے) تو پھر ان کی موافقت اور مدد کرے (فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین تو وہ انہی میں ہے اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو)

⑤② (فتری الذین فی قلوبھم مرض اب آپ دیکھیں گے ان کو جن کے دل میں بیماری ہے) یعنی نفاق ہے اس سے مراد عبداللہ بن اُبی اور اس کے منافق ساتھی ہیں جو یہود سے دوستی رکھتے تھے (یسارعون فیھم دوڑ کر ملتے ہیں ان میں) ان کی

مدد اور دوستی میں (یقولون نخشی أن تصیبنا دائرۃ کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آ جائے ہم پر گردش زمانہ کی) یعنی زمانہ کی کوئی مصیبت ہم پر آ جائے اور ہمیں ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں خوف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کامیاب نہ ہو اور مصیبت ہم پر آ جائے اور بعض نے کہا کہ ان کو یہ ڈر تھا کہ کوئی خشک سالی یا قحط آ جائے تو یہ لوگ ہمیں قرض اور خوراک نہ دیں گے (فعسی اللہ أن یأتی بالفتح سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمائے فتح) قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفین پر مدد کر کے کھلا فیصلہ کر دے اور کلبی و سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں فتح مکہ مراد ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کے علاقہ خیبر، فدک وغیرہ کی فتح مراد ہے۔ (أو أمر من عندہ یا کوئی حکم اپنے پاس) بعض نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مکمل کر کے اور بعض نے کہا ان کے لیے عذاب مراد ہے اور بعض نے کہا بنو نضیر کی جلاوطنی مراد ہے (فیصبحوا تو لگیں) یہ منافقین (علی ما أسروا فی أنفسھم اپنے نفس کی چھپی بات پر پچھتانے) یعنی یہود کی دوستی اور ان کی طرف خبریں پہنچانے پر۔ (نادمین)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور مسلمان کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان لوگوں کی ساری کارروائیاں غارت گئیں جس سے ناکام رہے اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۵۳﴾ (و) اور اس وقت (یقول الذین أمنوا کہتے ہیں مسلمان) اہل کوفہ نے "وَيَقُوْلُ" کو واؤ کے ساتھ اور لام کے رفع سے پڑھا ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اہل بصرہ نے واؤ کے ساتھ اور لام کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس کا عطف "اَنْ يَّاْتِيَ" پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ قریب ہے کہ مؤمن لوگ یہ بات کہیں گے اور باقی حضرات واؤ کو حذف کر کے لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل عالیہ کے مصاحف میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اس صورت میں حرف عطف کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ آیت اپنے ماقبل سے متصل ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ منافقین کا نفاق ظاہر کریں گے اس وقت مؤمنین کہیں گے (اھؤلاء

الذین أقسموا باللہ جھد ایمانھم کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے) یعنی پختہ قسمیں کھائیں (انھم لمعکم کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں) یعنی وہ مؤمن ہیں یعنی اس دن مؤمن ان کے جھوٹ اور باطل قسموں سے تعجب کریں گے (حبطت اعمالھم برباد گئے ان کے عمل) جو نیک اعمال انہوں نے کیے وہ باطل ہوگئے (فاصبحوا خاسرین پھر رہ گئے نقصان میں) رسوائی کی وجہ سے دُنیا کا نقصان ہوا اور عذاب اور ثواب ختم ہونے کی وجہ سے آخرت کا۔

۵۴ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لائے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں) اہل مدینہ اور شام "یَرْتَدِدْ" پڑھا ہے دو دال کے ساتھ۔ (اپنے دین سے) پس کفر کی طرف لوٹ جائے۔ حسن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک ایسی قوم کی خبر دی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے دین سے پھر جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے بدلے ایسی قوم لائیں گے جن کو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کو۔

یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ کی تفسیر۔ اس سے کون سی قوم مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن، قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پسندیدہ قوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مکہ، مدینہ اور بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کے علاوہ اکثر عرب مرتد ہوگئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات ناگوار گزری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ان سے لڑائی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "لا الہ الا اللہ" کہنے تک قتال کروں جس نے "لا الہ الا اللہ" کہہ دیا تو مجھ سے اپنا مال اور جان بچالیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا اللہ کی قسم میں اس سے قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اس کے نہ دینے کی وجہ سے ان سے قتال کروں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے قتال کو ناپسند سمجھا اور کہا کہ یہ اہل قبلہ ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی تلوار گلے میں ڈال کر تنہا نکل کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ان کے ساتھ جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابتداء میں ہم نے اس بات کو ناپسند سمجھا پھر بعد میں اسی کام کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خوب تعریف کی۔ ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحصین کو یہ کہتے سنا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ تحقیق انہوں نے مرتدین کے قتال میں انبیاء علیہم السلام والی جرأت و حوصلہ دکھایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تین جماعتیں مرتد ہوگئی تھیں۔

پہلا فرقہ

ان میں سے ایک فرقہ بنو مدلج تھا۔ ان کا سردار ذوالحمار عبہلۃ بن کعب عنسی تھا۔ اس کا لقب اسود تھا یہ کاہن اور شعبدہ باز تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یمن کے شہروں پر قبضہ کرلیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کی طرف خط لکھا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کو ترغیب دیں کہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسود کے لشکر کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اسود کو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اس کے بستر پر قتل کردیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات اسود قتل کیا گیا اسی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے اس کی موت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گزشتہ رات اسود مارا گیا ہے اور اس کو ایک بابرکت آدمی نے قتل کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہما نے پوچھا وہ کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا فیروز اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسود کی ہلاکت کی خوشخبری دی اور اگلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رحلت فرما گئے اور اسود عنسی کے قتل کی خبر ماہ ربیع الاوّل کے آخر میں مدینہ اس وقت آئی جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر نکل چکا تھا اور یہ پہلی فتح تھی۔

دوسرا فرقہ

یمامہ کا بنوحنیفہ قبیلہ تھا۔ ان کا سردار مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سن دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ گمان کیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط بھیجا جس کا عنوان یہ تھا۔ یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ امابعد: بے شک زمین آدھی میری ہے اور آدھی آپ کی اور اس خط کے ساتھ اپنے دو آدمی بھیجے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کیا جاتا ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اُڑا دیتا۔ پھر خط کا جواب دیا۔ یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کی طرف ہے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اس زمین کا مالک اللہ ہے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض ہوئے اور وفات پا گئے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہلاک کردیا۔ یہ وحشی وہی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یہ مطعم بن عدی کے غلام تھے۔ مسیلمہ کے لشکر سے بڑی زوردار لڑائی ہوئی۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت میں میں نے لوگوں میں سے بہترین کو قتل کیا اور اسلام لانے کے بعد لوگوں میں سے بدترین شخص کو قتل کیا۔

تیسرا فرقہ

بنواسد ہے اوران کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا۔ان تین فرقوں میں آخری مرتد طلیحہ تھا۔اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین میں یہ سب سے پہلے مارا گیا۔اس کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑی سخت جنگ کے بعد ان کو شکست دی۔طلیحہ وہاں سے غائب ہوگیا اور شام کی طرف بھاگ گیا پھر بعد میں اسلام لے آیا اور بڑا اچھا مسلمان بنا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت سارے لوگ مرتد ہوگئے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کافی ہوگیا اور اپنے دین کی مدد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کرائی۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور عرب مرتد ہوگئے اور نفاق سر اُٹھانے لگا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اتنی ذمہ داریاں آگئیں کہ اگر ٹھوس پہاڑوں پر آتیں تو ریزہ ریزہ ہوجاتے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم سے اشعری لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت عیاض بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب **"فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبّھم الخ"** آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ ان کی قوم ہے اور اشعر یمن کا قبیلہ ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس اہل یمن آرہے ہیں ان کے دل بڑے نرم اور کمزور ہیں ایمان یمانی ہے اور حکمت یمانی ہے۔کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے یمن کے اس وقت زندہ لوگ مراد ہیں۔دو ہزار قبیلہ نخع کے اور پانچ ہزار کندہ اور بجیلہ کے اور تین ہزار دیگر اطراف کے قادسیہ کی لڑائی میں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے جہاد کیا۔**(اذلۃ علی المؤمنین** نرم دل ہیں مسلمانوں پر) یعنی نرم دل، شفیق ہیں۔**لقولہ عزوجل واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ** اس سے ان کی کمزوری مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کے پہلو مسلمانوں پر نرم ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "ذُلّ" سے لیا گیا ہے یعنی عاجزی انکساری کرنے والے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا.**
(اعزۃ علی الکافرین زبردست ہیں کافروں پر) یعنی سخت مزاج ہیں کافروں پر ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان پر غالب آجاتے ہیں۔عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین پر ایسے نرم دل ہیں جیسے بچہ اپنے والد اور غلام اپنے آقا کے لیے اور کافروں پر ایسے زبردست ہیں جیسے درندہ اپنے شکار پر **(یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لائم** لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے) یعنی اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ اس وجہ سے کہا کہ منافقین کفار کی ملامت کا خوف کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، سننے اور اطاعت کرنے پر اور اس بات پر کہ حق پر قائم ہوں گے اور حق بات کہیں گے، ہم جہاں بھی

ہوں، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے (ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے) یعنی ان کا اللہ سے محبت کرنا اور مسلمانوں کے لیے نرم ہونا اور کافروں پر سخت ہونا اللہ کے فضل کی وجہ سے ہے (واللہ واسع علیم اور اللہ کشادگی کرنے والا ہے خبردار)

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔

تفسیر ﴿۵۵﴾ (اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو لوگ ایمان والے ہیں) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے یہود سے برأت ظاہر کی اور کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کو ولی بناتا ہوں تو یہ چھ آیات نازل ہوئیں "یایھا الّذین امنوا لا تتخذوا الیھود الخ سے انّما ولیّکم اللّٰہ ورسولہ" تک۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! بے شک ہماری قوم قریظہ اور نضیر نے ہم کو چھوڑ دیا ہے اور ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور قسمیں اُٹھائی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہ بیٹھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی دوستی پر راضی ہیں۔ اس تفسیر پر اللہ تعالیٰ کے قول "وھم راکعون" سے رات اور دن کی نفل نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون اور جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں) میں "راکعون" سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک سائل کا گزر ہوا وہ نماز کے رکوع میں تھے تو اپنی انگوٹھی اُتار کر دے دی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسولؐ سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔

تفسیر ﴿۵۶﴾ (ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو) یعنی دوستی قائم رکھے اللہ کی اطاعت پر قائم رہنے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی مدد کر کے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں (فان حزب اللہ تو اللہ کی جماعت) یعنی اللہ کے دین کی مدد کرنے والے (ھم الغالبون وہی سب پر غالب ہیں)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ
اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم ہی میں کونسی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں۔

تفسیر: ﴿57﴾ (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جو تمہارے دین کو بناتے ہیں ہنسی اور کھیل) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے اس اسلام کو ظاہر کیا پھر منافق ہو گئے۔ مسلمانوں کے ایک آدمی کی ان سے گہری دوستی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (اے ایمان والو! نہ بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل) اپنے کفر کو اندر چھپا کر اور اس مذاق کو زبان سے ظاہر کر کے۔ (من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے) یعنی یہود (والکفار اور نہ کافروں کو اہل بصرہ اور کسائی نے الکفار کو راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کفار سے اور باقی نے راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کفار کو نہ بناؤ (اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے)

﴿58﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لیے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی جب نماز کے لیے آواز لگاتا اور مسلمان اس کی طرف کھڑے ہوتے تو یہود کہتے وہ کھڑے ہو گئے نہیں کھڑے ہوئے۔ کھڑے ہوئے نماز پڑھی نہیں، نماز پڑھی اس طرح کے جملے مذاق اُڑانے کے لیے کہتے اور ہنستے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت مدینہ کے ایک نصرانی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ جب مؤذن کی آواز سنتا کہ وہ "اشھدانّ محمّد الرسول اللّٰہ" کہہ رہا ہے تو کہتا کہ جھوٹا جلایا جائے۔ ایک دن یہ نصرانی اور اس کے گھر والے سوئے ہوئے تھے کہ اس کا خادم آگ لایا تو اس سے ایک شعلہ اُڑا اور سارا گھر اور وہ نصرانی اور اس کے گھر والے جل گئے اور دیگر حضرات نے کہا کہ کفار نے جب اذان کی آواز سنی تو مسلمانوں سے حسد کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے

اور کہنے لگے اے محمد! آپ علیہ السلام نے ایسی چیز ایجاد کی ہے کہ ہم نے پہلی اُمتوں میں نہیں سنی۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے پہلے تمام انبیاء کی مخالفت کر دی ہے اور اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو پہلے انبیاء اس کے زیادہ حقدار تھے تو آپ نے یہ چیخنا اور بری آوازیں نکالنا کہاں سے لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے مؤذن کی شان میں یہ آیت نازل کی (**ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ** اور اس سے اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے)

⑤⑨ (**قل یا ھل الکتاب ھل تنقمون منا** آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! کیا ضد ہے تم کو ہم سے) کسائی نے "ھَلْ تَنقمون" کے لام کو تاء میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ اسی طرح "ھل" کی لام کو تاء، ثاء، نون میں ادغام کیا جاتا ہے اور حمزہ نے تاء اور ثاء میں موافقت کی ہے اور ابوعمرو نے "**ھل تری**" میں دو جگہوں میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی ایک جماعت آئی جن میں ابو یاسر بن اخطب، رافع بن ابی رافع وغیرہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ علیہ السلام کن انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور جو چیز ہماری طرف اُتاری گئی اور جو ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی طرف اُتاری گئی۔ جب آپ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ تمہارے دین سے برا کوئی دین ہمیں معلوم نہیں اور نہ کوئی ایسا دین ہے کہ جس کا حصہ دُنیا اور آخرت میں اتنا کم ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (اے کتاب والو! کیا ضد ہے تم کو ہم سے۔ تم اس کو ناپسند سمجھتے ہو۔ **الا أن امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فاسقون**) (مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں) یعنی تمہیں ہمارا ایمان لانا برا لگتا ہے اور تم ایمان سے خارج ہو یا معنی یہ ہے کہ تم ہمارے ایمان لانے کو برا سمجھتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔ اس لئے کہ تم نے مال اور اقوال کی محبت میں اپنے دین پر عمل کرنے سے نافرمانی کی۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ⑥⓪ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ⑥① وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑥② لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑥③

ترجمہ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو وہ ان

اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمت سے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے بھی بہت دور ہیں اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے واقعی ان کی یہ عادت بری ہے جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔ اس لیے کہ تم نے مال اور اقوال کی محبت میں اپنے دین پر عمل کرنے سے نافرمانی کی۔

تفسیر 60 (قل) (اے محمد (هل أنبئكم بشر من ذلك) آپ کہہ دیجئے میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بات بری) جو تم نے ذکر کی ہے یعنی انہوں نے جو کہا کہ اسلام سے کم کسی دین کا دُنیا اور آخرت میں کم حصہ نہیں اور اسلام سے برا کوئی دین نہیں (**مثوبة**) ان کو ثواب اور بدلہ دیا جائے گا۔ یہ منصوب ہے تفسیر کی بناء پر (**عند الله من لعنه الله** اللہ کے ہاں وہی جس پر اللہ نے لعنت کی) یعنی وہ برا ہے جس پر اللہ نے لعنت کی (**وغضب عليه** اور اس پر غضب نازل کیا) یعنی یہود (**وجعل منهم القردة والخنازير** اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سُور) بندر ہفتے والے ہوئے اور سُور عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کے منکر۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ شکلیں ہفتہ والوں کی بگڑی تھیں ان کے نوجوان بندر بنائے گئے تھے اور بوڑھے سُور۔ (**وعبدالطاغوت** اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی) یعنی ان میں سے بعض کو ایسا بنا دیا کہ انہوں نے شیطان کی عبادت کی۔ یعنی جو چیز شیطان نے دل میں ڈالی اس کی تصدیق کی اور اس کے پیچھے پڑ گئے۔ (**اولئک شر مکانا واضل عن سواء السبیل** وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بھکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے)

61 (**وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا** اور جب تمہارے پاس آتے ہیں) یعنی یہ منافقین اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا تھا (**امنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجه النهار وکفروا آخره** کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر اُتاری گئی دن کی ابتداء میں اور دن کے آخر میں انکار کر دو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں (**امنا** ہم ایمان لائے) آپ پر اور آپ کے اقوال کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ کفر کو چھپاتے ہیں (**وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ** اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ** اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے)

62 (**وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ** اور آپ دیکھیں گے ان میں سے بہتوں کو) یعنی یہود میں سے (**يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم پر) کہا گیا ہے کہ "**الاثم**" سے گناہ اور "**العُدوان**" سے ظلم مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ "**الاثم**" سے مراد جو کچھ انہوں نے تورات کے احکام چھپائے اور عدوان جو تورات میں زیادتی کی۔ (**وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ** اور

حرام کھانے پر) یعنی رشوت (لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔)

⑥③ (لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے درویش اور علماء) بعض نے کہا "ربانیون" سے نصاریٰ کے علماء اور احبار سے یہود کے علماء مراد ہیں۔ (عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ⑥④

(ترجمہ) اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ اس میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔

(تفسیر) ⑥④ (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا)

یداللہ مغلولۃ کی آیت کا شان نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو مال کی فراوانی دی یہاں تک کہ تمام لوگوں سے زیادہ مالدار ہو گئے اور زمین سرسبز ہو گئی جب انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اللہ نے وسعت رزق کو روک لیا تو اس وقت فنحاص بن عازوراء یہودی کہنے لگا کہ اللہ کے ہاتھ رزق سے بند ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کنجوس ہو گئے (نعوذ باللہ) یہ بات کہی تو صرف فنحاص نے کی تھی لیکن باقی یہود نے اس کو روکا نہیں تو وہ بھی اس بات میں شریک ہو گئے۔

حسن فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ رُکے ہوئے ہیں اب ہمیں صرف اتنی دیر عذاب دے گا جتنی دیر ہمارے آباء نے بچھڑے کی عبادت کی اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے عذاب دے گا۔

اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے (غلت ایدیھم انہی کے

ہاتھ بند ہو جائیں) یعنی انہی کے ہاتھ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔

زجاج فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ میں سخی ہوں، یہ کنجوس ہیں ان کے ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہیں اور بعض نے کہا کہ "غُلّت" سے جہنم کی بیڑیاں مراد ہیں قیامت کے دن (ولعنوا اور لعنت ہے) عذاب دیئے گئے (بما قالوا ان کو اس کہنے پر) ان کی لعنت میں سے یہ ہے کہ ان کو بندر اور سور بنایا گیا۔ دُنیا میں ان پر ذلت اور مسکنت ماری گئی اور آخرت میں جہنم (بل یداہ مبسوطتان بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) "یَدُ اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جیسے سمع، بصر، وجہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کی حقیقت خوب جانتے ہیں، بندوں پر لازم ہے کہ ان کی جو مراد اللہ کے ہاں ہے اس پر ایمان لائیں اور سر جھکائیں (ینفق خرچ کرتا ہے) رزق دیتا ہے (کَیْفَ یَشَآءُ ط وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا جس طرح چاہے اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی۔ اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار) یعنی جب بھی کوئی آیت اُترتی ہے اس کا انکار کرتے ہیں تو کفر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے (وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر) یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان۔ اسی کو حسن اور مجاہد رحمہما اللہ نے کہا ہے اور بعض نے کہا یہود کے گروہوں کے درمیان کہ ان کے دین میں مختلف جماعتیں ہیں آپس میں بغض رکھتی ہیں۔ (الی یوم القیامۃ کلما اوقدوا ناراً للحرب اطفأھا اللہ قیامت کے دن تک جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لیے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے) یعنی یہود نے فساد ڈالا اور تورات کے حکم کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو عذاب بنا کر بھیجا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر طیطوس رومی کو بھیجا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر مجوس کو مسلط کیا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر مسلمانوں کو بھیجا اور بعض نے کہا جب بھی اپنی قوت جمع کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں فساد ڈالنے کے لیے جنگ کی آگ بھڑکائی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور ان کو بھگا دیا اور مغلوب کیا اور اپنے نبی علیہ السلام اور دین کی مدد کی۔ یہی حسن رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے۔ یہود جس جنگ کی تیاری کریں گے وہاں ایسا ہوگا، آپ یہود کو دُنیا کے جس شہر میں پائیں گے وہاں یہ ذلیل لوگوں میں ہوں گے (وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو)

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ط مِنْھُمْ اُمَّۃٌ مُّقْتَصِدَۃٌ ط وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کر دیتے

اور ضرور ان کو چین کے باغ میں داخل کر دیتے اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں اے رسولؐ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

تفسیر (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (واتقوا) کفر سے **لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ**

⑥⑤ (**وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ** اور اگر وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو) یعنی ان کے احکام اور حدود کو قائم رکھتے اور ان پر عمل کرتے (وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور اس کو جو نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے) یعنی قرآن اور بعض نے کہا نبی اسرائیل کی کتابیں مراد ہیں۔(لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے) بعض نے کہا کہ ان کے اوپر سے بارش مراد ہے اور ان کے نیچے سے زمین کی پیداوار مراد ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پر بارش اُتاری جاتی اور زمین سے غلہ نکالا جاتا۔فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے رزق میں وسعت مراد ہے۔ ⑥⑥ (مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر) یعنی اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔یعنی عادل ہیں نہ غالب ہیں اور کوتاہی کرتے ہیں اور لغت میں اقتصاد کا معنی عمل میں اعتدال رکھنا نہ غلو کرنا نہ کوتاہی کرنا (وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ اور بہت سے ان میں) کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی (سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ برے کام کر رہے ہیں) یعنی ان کا عمل برا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے برے کام کیے۔

⑥⑦ (يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے) مسروق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اُتارے ہوئے کسی حکم کو چھپایا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا، تیرے رب کی طرف سے۔حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسولوں کو مبعوث کیا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ لوگ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی یہود کے عیب کے بارے میں کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو کہنے لگے ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں اور آپ علیہ السلام کا مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے کیا آپ کا ارادہ ہے کہ ہم آپ کو ویسے حنان بنالیں جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ رویہ دیکھ کر خاموش ہو گئے تو یہ

آیت نازل ہوئی اور آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہود کو کہیں (یا ھل الکتاب لستم علی شیء اے اہل کتاب تم کسی چیز (دین) پر نہیں ہو) اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ رجم اور قصاص کے بارے میں جو حکم آپ علیہ السلام پر نازل ہوا ہے اس کو پہنچادیں۔ یہ آیت یہود کے واقعہ میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ اور نکاح کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض نے کہا جہاد کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ منافقین نے جہاد کو ناپسند سمجھا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب نازل کی جاتی ہے ان پر کوئی محکم سورت اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جائے تو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ وہ آپ کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے موت کی غشی ان پر آ گئی ہو) بعض مؤمنین نے بھی جہاد کو ناپسند سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض مجالس میں جہاد کی ترغیب دینے سے رُک گئے کہ آپ علیہ السلام کو ان کی کراہت معلوم ہوگئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام) اہل مدینہ و شام، ابوبکر، یعقوب رحمہما اللہ نے "رسالاته" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "رسالته" مفرد پڑھا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ علیہ السلام نے بعض احکامات نہ پہنچائے تو کچھ بھی نہ پہنچایا۔ یعنی بعض احکام کی تبلیغ نہ کرنے کا جرم تمام احکام کی تبلیغ نہ کرنے جتنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ہم ایمان لاتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ بنالیں یہی لوگ پکے کافر ہیں) اور بعض نے کہا "بلّغ ما انزل الیک" کا مطلب ہے کہ یعنی اس کی تبلیغ کو ظاہر کریں۔ اللہ کے فرمان کی طرح (فاصدع بما تؤمر آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے) اگر آپ نے اس کی تبلیغ ظاہر نہ کی تو آپ نے بالکل پیغام نہ پہنچایا (وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے) لوگوں سے حفاظت کرے گا اور روکے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر زخم لگا آپ کے دندان شہید ہوئے اور کئی طرح کی تکلیفیں دی گئیں تو یہ کیسی حفاظت ہوئی؟ تو جواب دیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قتل سے بچائے گا کہ لوگ آپ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکیں گے اور بعض نے کہا یہ آیت آپ علیہ السلام کا سر زخمی ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس لیے کہ سورۃ مائدہ قرآن مجید میں سب سے آخر میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ اللہ نے لوگوں میں آپ علیہ السلام کو عصمت کے ساتھ خاص کیا ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو)

من یعصمک منی تمہیں مجھ سے کون بچائے گا

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹ رہے تھے تو ایک خاردار وادی میں قیلولہ کے لیے رُک گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُترے اور لوگ درختوں کا سایہ تلاش کرنے کے لیے بکھر گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنی تلوار اس پر لٹکا دی اور ہم سو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آواز دی ہم بیدار ہوئے تو آپ علیہ السلام کے پاس

ایک بدو بیٹھا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے میری تلوار اُٹھائی، میں سویا ہوا تھا، میں بیدار ہوا تو وہ اس کے ہاتھ میں تنی ہوئی تھی تو کہنے لگا آپ علیہ السلام کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو میں نے تین مرتبہ اللہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدو نے آپ علیہ السلام کی تلوار کھینچی اور کہنے لگا کہ اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ علیہ السلام نے کہا اللہ تو اس بدو کا ہاتھ کانپ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی اور اپنا سر درخت پر مارنے لگا یہاں تک کہ اس کا دماغ پھٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے تھے جب مدینہ آئے تو فرمانے لگے کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک شخص رات کو میری چوکیداری کرتا تو اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کون ہے؟ کہا میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہوں، آپ کی چوکیداری کے لیے آیا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری کی جاتی تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں سے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد سے سر نکالا اور فرمایا اے لوگو! تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾

(ترجمہ) آپ کہیے کہ اے اہل کتاب! تم کسی راہ پر بھی نہیں جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے اوران میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجیے۔ یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم

لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی اس سے اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی ان میں کے بہتیرے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑧ (قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے) یعنی تورات وانجیل کے احکام کو قائم کرو اور جو کچھ واجب ہے اس کو ادا کرو (وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ان میں سے بہت لوگوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو آپ افسوس نہ کریں اس قوم کفار پر)

⑥⑨ (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ) اس کا حق یہ تھا کہ "الصابئین" پڑھا جاتا لیکن سورت بقرہ میں ہم اس کے مرفوع ہونے کی وجہ بیان کر چکے ہیں۔ سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ "ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ من امن باللہ ......الخ" آیت کے آخر تک "والصابئون کذلک" (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک لوگ ایمان لائے) زبان کے ساتھ (مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر) یعنی دل سے اور کہا گیا ہے کہ "الذین امنوا" یعنی ایمان کی حقیقت پر ایمان لائے۔ "مَنْ اٰمَنَ باللہ" یعنی ایمان پر ثابت قدم رہے۔ (وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے)

⑦⓪ (لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے) توحید اور نبوت کے بارے میں (وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہت ساروں کو جھٹلایا) یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ اور بہت ساروں کو قتل کر ڈالتے تھے) جیسے یحییٰ اور زکریا علیہما السلام۔

⑦① (وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی) یعنی عذاب اور قتل نہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ آزمائش اور امتحان نہ ہوگا۔ یعنی ان کا خیال تھا ان پر آزمائش نہ آئے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے۔ اہل بصرہ، حمزہ، کسائی رحمہما اللہ نے تکون کو نون کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ اصل میں "انھا لا تکون" تھا اور باقی حضرات نے نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اگر تکون سے پہلے لا نہ ہوتا تو پڑھا جاتا۔ (فعموا سو اندھے ہوگئے) حق کے دیکھنے سے (وصموا اور بہرے) حق کو سننے سے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد حق بات سننے اور دیکھنے سے اندھے بہرے ہوگئے۔ (ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی) عیسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر (ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ پھر اندھے اور بہرے ہوئے

ان میں سے بہت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے (وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں)۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے خود فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا کیا پھر بھی خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت فرمانے والے ہیں مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں۔ اور ان کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں۔

تفسیر ﴿۷۲﴾ (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا) یہ یہود کا فرقہ ملکانیہ اور یعقوبیہ ہے (وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ اور مسیح علیہ السلام نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا۔ بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گناہ گاروں کی مدد کرنے والا)۔

﴿۷۳﴾ (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک) یعنی مرقوسیہ فرقہ۔ یہاں عبارت چھپی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تین خداؤں کا تیسرا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ خدائی اللہ تعالیٰ، مریم اور

عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ہر ایک معبود ہے تو یہ تین معبود ہوئے۔ اللہ تعالیٰ یہی بات عیسیٰ علیہ السلام کو بیان کررہے ہیں کہ (ءانت قلت للناس اتتخذونی و امی الھین من دون اللہ کیا آپ علیہ السلام نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ خدا بناؤ) اور جس نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے اور اس سے خدائی مراد نہ لی تو وہ کافر نہ ہوگا۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مایکون من نجوی ثلاثۃ الاھو رابعھم نہیں ہوتی تین کی سرگوشی مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا آپ کا کیا گمان ہے ان دو کے بارے میں کہ اللہ ان کا تیسرا ہے۔ پھر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ (وما من الہ الا اللہ ......لیمسن حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے اور اگر وہ باز نہ آئیں گے اس بات سے جو کہتے ہیں، تو بے شک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک) کفر پر قائم رہنے والوں کو اس حکم کے ساتھ خاص کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بعض لوگ ان میں سے ایمان لے آئیں گے۔

⑭ (اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے) فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استفہام کے الفاظ میں حکم ہے جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فھل انتم منتھون کیا تم باز آتے ہو؟) یعنی باز آجاؤ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں حکم دیتے ہیں توبہ اور اس بڑے گناہ سے استغفار کرنے کا (وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان)

⑮ (مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول، گزر چکے من قبلہ الرسل اس سے پہلے بہت رسول) یعنی وہ معبود نہیں ہے بلکہ ان رسولوں کی طرح ہیں جو پہلے گزر چکے معبود نہیں تھے (و امہ صدیقہ اور اس کی ماں ولی ہے)

وامۃ صدیقۃ کی تفسیر۔ کثرت سے سچ بولنے والی اور کہا گیا ہے کہ ان کو صدیقہ اس وجہ سے کہا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی (کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ دونوں کھاتے تھے کھانا) یعنی تمام انسانوں کی طرح غذا اور کھانے سے زندگی گزارتے تھے تو وہ کیسے معبود ہوسکتا ہے جو خود کھانے کا محتاج ہو اور کہا گیا ہے کہ یہ حدث سے کنایہ ہے کیونکہ جو کھائے پیئے تو لامحالہ اس کو پیشاب اور پاخانہ آئے گا اور جس کی یہ حالت ہو وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔ (اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ دیکھ ہم کیسے بتاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جارہے ہیں) یعنی حق سے پھرے جارہے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
⑯ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ
قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ⑰ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ⑱ كَانُوْا لَا

يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ⑦⑨

ترجمہ: آپ فرمایئے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔

تفسیر ⑦⑥ (قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ آپ کہہ دیں کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا)

⑦⑦ (قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا) یعنی حد سے تجاوز نہ کرو اور بڑائی اور کوتاہی میں سے ہر ایک دین میں برا ہے اور اللہ کا فرمان "غیر الحق" یعنی تمہارے دین میں جو حق کے مخالف بات ہو کیونکہ انہوں نے اپنے دین میں حق کی مخالفت کی۔ پھر اس پر ڈٹ کر غلو کیا۔ (اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے) "اھواء ھوی" کی جمع ہے اور "ھوی" وہ ہے جس کی طرف نفس کی شہوت بلائے (قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ جو گمراہ ہو چکے پہلے) یعنی یہود اور نصاریٰ کے گمراہ کرنے والے سردار اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو ہے ان کو ان کے اسلاف کی خواہشات سے ایجاد کی ہوئی چیزوں پر چلنے سے روکا گیا ہے (واضلوا کثیرا اور گمراہ کر گئے بہتوں کو) یعنی جنہوں نے ان کی خواہشات کی اتباع کی (وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور بہک گئے سیدھی راہ سے) پہلی اضلال تو ان کی اپنی تھی اور دوسرا اضلال گمراہوں کی تابعداری کرنے کی وجہ سے ہے۔

⑦⑧ (لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد علیہ السلام کی زبان پر) یعنی ایلہ والے جب انہوں نے ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کیا تو داؤد علیہ السلام نے بددعا کی۔ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو نشانی بنا دے تو ان کی صورت بگاڑ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا (وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور عیسیٰ مریم علیہا السلام کے بیٹے کی) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر دستر خوان والوں کو لعنت ہوئی جب وہ ایمان نہ لائے تو عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی۔ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت کی نشانی بنا دے تو ان کو خنزیر بنا دیا گیا (ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے)

⑦⑨ (كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے) یعنی ان میں

سے بعض کو منع نہ کرتے تھے (لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں جب کوئی آدمی ان میں سے کوئی گناہ کرتا تو روکنے والا اس کو روکتا پھر اگلے دن اس کے ساتھ بیٹھتا، کھاتا، پیتا گویا کہ کل اس سے کوئی گناہ دیکھا ہی نہیں تھا جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عمل دیکھا تو ان میں سے بعض کے دل بعض جیسے کر دیئے اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کرائی اس وجہ سے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزرتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور گناہ سے روکتے رہو اور بے وقوف کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اس کو حق پر چلنے پر مجبور کرتے رہو یا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک جیسے کر دیں گے اور تم پر بھی لعنت کریں گے جیسے ان پر لعنت کی۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑧⓪ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧① لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑧②

ترجمہ آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر توان لوگوں کو پائے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

تفسیر ⑧⓪ (تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ) بعض نے کہا کہ یہود میں سے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی مراد ہیں (يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا دوستی کرتے ہیں کافروں سے) مکہ کے مشرکین مراد ہیں سے جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکر نکالتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن رحمہما اللہ نے فرمایا کہ "منھم" سے وہ منافقین مراد ہیں جو یہود سے دوستی کرتے تھے۔ (لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے) یعنی آخرت کے لیے انہوں نے برا عمل بھیجا (اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر (وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں)

⑧① (وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (وما انزل الیه اور

جو نبی پر اُترا) قرآن کو(ماالتخذوھم تو نہ بناتے ان کو) کافروں کو(اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ دوست لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں) یعنی اللہ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

82 (لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو) یعنی عرب کے مشرکین کو(وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں) اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں اس لیے کہ نصاریٰ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں ایسے ہیں جیسے یہود مسلمانوں کو قتل کرنے اور قید کرنے اور ان کے شہروں کو برباد کرنے اور مساجد کو گرانے اور ان کے مصاحف کو جلانے میں ہیں نہیں اور ان کا کوئی اعزاز نہیں بلکہ آیت میں وہ نصاریٰ مراد ہیں جو اسلام لے آئے جیسے نجاشی اور اس کے ساتھی۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت تمام یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لیے کہ یہود بہت سخت دل اور نصاریٰ ان سے نرم دل ہیں اور یہ مشرکین کی مدد یہود کی بنسبت کم کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حبشہ کی طرف ہجرت اور نجاشی کا اسلام قبول کرنا۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے باہمی مشاورت کی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے فتنہ میں ڈالیں تو ہر قبیلہ کے لوگ جن میں مسلمان تھے ان کو تکلیفیں اور عذاب دینے لگے تو کچھ لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور اللہ نے جس کو چاہا اس فتنہ سے بچالیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعے محفوظ رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہما کو اس مشقت میں دیکھا کیونکہ اس وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے ان کفار کو روکنے کی بھی قدرت نہ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا اور فرمایا وہاں ایک نیک بادشاہ ہے نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اس کے پاس کسی پر ظلم کیا جاسکتا ہے تم وہاں چلے جاؤ جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کشادگی نہ دیں وہاں رہنا۔ اس حبشہ کے بادشاہ سے مراد نجاشی تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا اور نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے قیصر اور کسریٰ لقب تھے۔

تو حبشہ کی طرف گیارہ مرد اور چار عورتوں نے خفیہ ہجرت کی۔ پہلی ہجرت میں یہ حضرات تھے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو حذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلۃ بنت سہیل بن عمرو، مصعب بن عمیر، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی اُم سلمہ بنت ابواُمیہ، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ، حاطب بن عمرو اور سہل بن بیضاء (رضی اللہ عنہم)۔ یہ حضرات سمندری راستے سے گئے اور ایک کشتی نصف دینار میں حبشہ تک کرایہ پر لی اور یہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں ہوئی اور یہ پہلی ہجرت ہے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نکلے اور ان کے پیچھے کئی مسلمان گئے۔ حبشہ کی طرف مردوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مسلمانوں نے ہجرت کی۔ جب قریش کو یہ بات

معلوم ہوئی تو انہوں نے عمرو بن العاص اور اس کے ساتھی کو تحفے تحائف دے کر نجاشی اور اس کے وزراء کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان مسلمانوں کو واپس کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جس کا واقعہ سورۃ آل عمران میں آیت "اِنّ اولی الناس بابراھیم الخ" کے تحت آ چکا ہے۔ جب قریش کے یہ دو قاصد نامراد ہو کر لوٹ آئے تو مسلمان وہاں اچھے گھر اور اچھے پڑوس میں رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور آپ کا دین غالب آ گیا تو ہجرت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نجاشی کی طرف خط بھیجا کہ وہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہاں ان کے خاوند وفات پا گئے تھے۔ یہ پیغام سن کر نجاشی نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنی لونڈی ابرہہ کو بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کی خبر دے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشی میں اپنے کنگن اس لونڈی کو دے دیئے اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح چار سو دینار کے عوض کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کرنے والے نجاشی تھے۔ نکاح کے بعد نجاشی نے چار سو دینار ابرہہ کے ہاتھ بھجوا دیئے۔ جب وہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس دینار لائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے پچاس دینار اس کو دیئے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بادشاہ نجاشی نے مجھے آپ رضی اللہ عنہا سے کچھ بھی لینے سے منع کیا ہے اور کہنے لگی کہ میں بادشاہ کے تیل اور کپڑوں کا انتظام کرتی ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی ہوں اور آپ علیہ السلام پر ایمان لاتی ہوں اور آپ رضی اللہ عنہا سے مجھے یہ کام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا اسلام پہنچا دیجئے گا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا ٹھیک ہے۔ ابرہہ کہنے لگی کہ بادشاہ نے اپنی عورتوں کو کہا ہے کہ جس کے پاس جو عود اور عنبر کی خوشبو ہے وہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ان خوشبوؤں کو دیکھتے تھے لیکن منع نہ کرتے تھے۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے تو مسلمانوں میں کئی حضرات آپ علیہ السلام کے پیچھے خیبر گئے لیکن میں مدینہ میں ٹھہری رہی حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور میری رُخصتی ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے مجھ سے نجاشی کے بارے میں پوچھا تو میں نے ابرہہ کا سلام پڑھا تو آپ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (قریب ہے کہ اللہ کر دے تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں (کر دے) محبت کو)

یعنی ابوسفیان کے دل میں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وجہ سے محبت ڈال دے۔ جب ابوسفیان کے پاس حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خبر آئی تو کہنے لگے اس جوان کی ناک نیچی نہیں ہو سکتی۔

نجاشی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط بھیجنا اور اسلام قبول کرنا

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حبشہ جانے کے بعد نجاشی نے اپنے بیٹے ازہی بن اصحمۃ بن ابحر کو سات آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور آپ علیہ السلام کو خط لکھا۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں آپ علیہ السلام کی بیعت کرتا ہوں اور آپ علیہ السلام کے چچا کے بیٹے (جعفر) سے بیعت کرتا ہوں اور میں تمام جہانوں کے رب کا حکم بردار ہوتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے ازھی کو آپ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا ہے اگر آپ علیہ السلام چاہیں تو میں خود حاضر ہو جاؤں گا اور سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول۔ یہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پیچھے ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو سمندر کے درمیان میں ڈوب گئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ستر آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ ان پر اون کے کپڑے تھے ان میں سے باسٹھ آدمی حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سورۃ یٰسین آخر تک پڑھی۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو رونے لگے اور کہنے لگے یہ کلام کتنی مشابہ ہے اس کلام کے جو عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "ولتجدنّ اقربھم موذّۃ للّذین اٰمنوا الّذین قالوا انّا نصاریٰ" یعنی نجاشی کا وفد جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے یہ ستر افراد تھے اور عبادت خانوں والے (گرجا گھروں) میں تھے۔

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چالیس افراد تھے بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے اور عطاء کہتے ہیں اسّی افراد تھے۔ چالیس نجران کے قبیلہ بنو الحرث بن کعب کے اور بتیس حبشہ کے اور آٹھ رومی شام کے اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل عمل کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو انہوں نے آپ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اللہ نے اس آیت سے ان کی تعریف کی۔ (ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں) یعنی علماء۔ قطرب کہتے ہیں کہ قس اور قسیس روم کی لغت میں عالم کو کہتے ہیں (ورھبانا اور درویش ہیں) رھبان وہ بندے جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں رہتے ہیں اس کا مفرد راہب ہے جیسے فارس اور فُرسان، راکب اور رُکبان اور کبھی یہ واحد استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کی جمع رھابین ہوگی جیسے قربان کی جمع قرابین (وَّاَنَّھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے) یعنی ایمان اور حق کا یقین کرنے سے تکبیر نہیں کرتے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ 83 وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ
وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ 84 فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ 85 وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ 86 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ
لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ 87

ترجمہ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف سے بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر 83 ......(وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ اور جب سنتے ہیں اس کو جو اُترا رسول پر) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ تو آپ دیکھیں ان کی آنکھوں کو اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو) عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ ہے کہ اس سے نجاشی اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ میں ان پر سورۃ ''کھیٰعص'' کی تلاوت کی تو ان کے تلاوت ختم کرنے تک یہ لوگ روتے رہے۔(يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کہتے ہیں اے رب! ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں میں سے) یعنی اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھ کیونکہ دوسری آیت میں اس اُمت کو شہداء کہا گیا ہے۔

84 (وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ. اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے) اور یہ اس وجہ سے کہ یہود نے ان کو شرم دلائی اور کہنے لگے تم کیوں ایمان لائے ہو؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا

(وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ اور توقع رکھیں اس کی کہ داخل کرا ہمارا رب ہم کو نیک بختوں کے ساتھ) یعنی اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

85 (فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ پھر ان کو بدلے میں دیئے اللہ نے) ......(بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں) ان کے قول کو کامیاب قرار دیا اور ثواب کو قول سے اس لیے معلق کر دیا کہ یہ اخلاص کے ساتھ تھا۔ اس کی دلیل اللہ کا قول (وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ اور یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا) یعنی مؤمنین موحدین کا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "تَرٰی اعینھم تفیض ...... الخ" نے اس بات پر دلالت کی کہ اخلاص اور دل کی معرفت سے قول کرنا ایمان ہے۔

86 (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے)

87 (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں)

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ کی تفسیر

مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو نصیحت کی اس میں قیامت کا حال بیان کیا جس سے لوگوں کے دل نرم پڑ گئے۔ اور رونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہو گئے اور یہ حضرات حضرت ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، ابوذر غفاری، سالم مولی ابی حذیفہ، مقداد بن اسود، سلمان فارسی، معقل بن مقرن (رضی اللہ عنہما) تھے۔ مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے یہ بات طے ہو گئی کہ رہبانیت اختیار کریں گے اور ٹاٹ کا لباس پہنیں گے اور آلہ تناسل کاٹ دیں گے اور تمام زمانہ روزہ رکھیں گے اور رات کو عبادت کریں گے اور بستر پر نہیں سوئیں گے، گوشت نہیں کھائیں گے، عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ علیہ السلام عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو ان کو نہیں پایا تو ان کی بیوی اُم حکیم بنت ابی اُمیہ سے پوچھا ان کا نام خولاء تھا۔ پوچھا کہ جو بات آپ کے خاوند اور ان کے ساتھیوں سے مجھے پہنچی کیا وہ حق ہے؟ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی ناپسند کی اور اپنے خاوند کی بات ظاہر کرنا بھی ناپسند سمجھا تو کہنے لگیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ خبر آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ نے دی ہے تو آپ سے سچ کہا ہوگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر آئے اور بیوی نے خبر دی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے ان ان باتوں پر اتفاق کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول

اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا ارادہ خیر ہی کا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ پس تم روزہ رکھو اور افطار کرو اور رات کا قیام کرو اور نیند کرو کیونکہ میں رات کا قیام کرتا ہوں اور سوتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں اور گوشت اور چکنائی کھاتا ہوں اور بیویوں کے پاس جاتا ہوں پس جو اعراض کرے میری سنت سے پس وہ مجھ سے نہیں۔ پھر لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ عورتوں کو حرام کر دیا اور کھانے، خوشبو، نیند اور عورتوں کی خواہش کو حرام کر دیا۔

بہر حال میں تمہیں یہ حکم نہیں دوں گا کہ تم نصاریٰ کے عالم اور درویش بن جاؤ کیونکہ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو چھوڑنا اور گرجا گھر بنانا جائز نہیں۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور دین پر ثابت قدم رہو، تم میں سے پہلے لوگ سختی کی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔ یہود کے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں ان کے بقایا جات ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمیں مردانہ قوت ختم کرنے کی اجازت دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خصی ہوا یا خصی کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ میری اُمت کا اختصاء روزہ ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں سیاحت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں رہبانیت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی رہبانیت مسجد میں بیٹھنا اور نماز کا انتظار کرنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! میں نے گوشت کھایا تو طبیعت منتشر ہوگئی اور شہوت آگئی تو میں نے گوشت کھانے کو حرام کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیں) یعنی وہ لذیذ چیزیں نفس جن کی خواہش کرتا ہے جو اللہ نے حلال کیں یعنی لذیذ کھانے اور عمدہ مشروبات (وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے نہ بڑھو) یعنی حلال سے تجاوز کر کے حرام کی طرف نہ جاؤ اور کہا گیا ہے اس سے ذکر کا شمار مراد ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: ﴿۸۸﴾ (وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا اور کھاؤ اللہ کے دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال وہ ہے جو تو اپنے ارادہ سے حاصل کرے اور طیب وہ ہے جو بڑھنے والی ہو۔

بہرحال جامد چیزیں جیسے مٹی اور وہ چیزیں جو غذا کے لیے استعمال نہیں ہوتیں تو وہ دواء کے طور پر تو استعمال کی جاسکتی ہیں ورنہ مکروہ ہیں۔(وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ اورڈرتے رہواللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میٹھے اور شہد کو پسند کرتے تھے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کردو سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔

تفسیر: ﴿89﴾ (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت (لاتحرموا طیبات ما احل الله لکم نہ تم حرام کرو ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں) نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہما کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جو قسمیں کھا چکے ہیں ان کا ہم کیا کریں؟ کیونکہ یہ حضرات باہمی مشورہ سے اتفاق کر کے قسمیں کھا چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا) حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے "عقدتم" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر نے "عاقدتم" الف کے ساتھ اور باقی حضرات نے "عقدتم" شد کے ساتھ اور آیت میں معنی یہ ہے کہ تم اپنے عمد سے ارادہ کر چکے ہو۔(فکفارته سو اس کا کفارہ) یعنی جو تم نے مضبوط قسم اُٹھائی اور اس سے حانث ہو گئے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ (اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ دس مسکینوں کو کھانا دینا)

دس مسکینوں کو کھانا دینے کی مقدار اور تفصیل

اس کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مسکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد کے برابر ایک مُد دے اور یہ مُد ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے اور اس طرح تمام کفارات میں ہے اور یہی زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کے قائل ہیں۔ سعید بن مسیب، قاسم، سلیمان بن یسار، عطاء، حسن اور اہل عراق فرماتے

ہیں کہ ہر مسکین کو دو مُد دے اور یہ نصف صاع بنتا ہے اور یہی مروی ہے۔ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر گندم دے تو نصف صاع اور اگر اس کے علاوہ سے دے تو ایک صاع دے اور یہی شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد، حکم کا قول ہے اور اگر ان کو صبح اور شام کا کھانا کھلا دے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کفارہ میں دراہم، دینار، روٹی اور آٹا دینا جائز نہیں ہے بلکہ گندم دینا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور اگر سارا کفارہ ایک کو دے تو یہ جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو جائز کہا ہے کہ دس مسکینوں کی جگہ ایک مسکین کو دس دن کھانا دے۔ یہ کفارہ صرف آزاد محتاج مسلمانوں کو دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ذمیوں کو کفارہ دینا جائز کہا ہے اور اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ زکوٰۃ ذمیوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ (مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو) یعنی اپنے گھر والوں کی روزی میں سے بہترین۔ عبیدہ سلمانی فرماتے ہیں کہ اوسط سے روٹی اور سرکہ مراد ہے اور اعلیٰ روٹی اور گوشت اور ادنیٰ صرف روٹی ان میں سے جو بھی دے کافی ہے۔ (اَوْ كِسْوَتُهُمْ یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو) جس آدمی کو قسم کا کفارہ لازم ہو تو اس کو اختیار ہے۔ اگر چاہے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے اور اگر چاہے تو گردن آزاد کرے۔

پس اگر وہ کپڑے پہنانے کو اختیار کرے تو اس کپڑے کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مسکین کو ایک کپڑا پہنائے اتنی مقدار جس کو کپڑا کہا جاسکے جیسے تہبند یا چادر یا قمیص یا پگڑی وغیرہ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مجاہد، عطاء اور طاؤس رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے لیے اتنی مقدار واجب ہے جس میں نماز جائز ہو تو مردوں کو ایک کپڑا اور عورتوں کو دو کپڑے قمیص اور اوڑھنی دے اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو دو کپڑے دے (اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یا ایک گردن آزاد کرنی ہے) اور اگر غلام آزاد کرنا چاہے تو مؤمن غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔

قسم کے کفارے میں مومن غلام آزاد کرنا شرط ہے یا نہیں

اس طرح تمام کفارات میں مؤمن کی شرط ہے جیسے قتل، ظہار رمضان کے دن میں جماع کا کفارہ ان سب میں مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ نے کافر غلام کے آزاد کرنے کو تمام کفارات میں جائز قرار دیا ہے سوائے قتل کے کفارے کے کیونکہ قتل کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قید لگائی ہے۔ ہم (شوافع) کہتے ہیں کہ مطلق حکم کو مقید پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن میں گواہی پر عدل کی قید لگائی اور فرمایا تم (واشهدوا ذوی عدل منكم گواہ بناؤ اپنے میں سے عدل والے دو لوگ اور دوسری جگہ گواہی کو عدل کی قید کے بغیر ذکر کیا اور فرمایا واستشهدوا شهيدين من رجالكم تم گواہ بناؤ دو

گواہ اپنے مردوں میں سے۔ حالانکہ تمام گواہوں میں عدل شرط ہے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ اسی طرح یہ کفارہ بھی ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مرتد غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام مکمل غلام ہو حتیٰ کہ اگر اپنے کفارہ سے مکاتب یا اُم ولد یا ایسے غلام کو آزاد کردیا جو آزادی کی شرط کے ساتھ خریدا گیا ہے یا ایسے قریبی رشتہ دار کو کفارہ کی نیت سے خریدا جو اس کے خریدتے ہی آزاد ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں غلام تو آزاد ہو جائے گا لیکن کفارہ ادا نہ ہوگا اور اصحاب رائے نے اس مکاتب کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا ہے جس نے اپنے بدل کتابت کی کوئی قسط ادا نہ کی ہو اور قریبی رشتہ دار کی آزادی کو بھی جائز قرار دیا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام ہر اس عیب سے پاک ہو جو کام بہت سے نقصان دے۔ اس لیے ہاتھ کٹا ہوا اور ایک پاؤں کٹا ہوا اور نابینا اور اپاہج اور پاگل غلام آزاد کرنا جائز نہیں اور کانا اور بہرہ اور کان کٹا، ناک کٹا غلام جائز ہے اس لیے کہ یہ عیب عمل سے واضح نقصان نہیں دیتے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ایسا عیب جس کی وجہ سے منفعت کی کوئی جنس فوت ہو جائے تو اس عیب والے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں تو اس لیے آپ رحمہ اللہ نے ایک ہاتھ کٹے ہوئے کی آزادی کو جائز قرار دیا لیکن دونوں کان کٹے ہوئے کو ناجائز کہا (**فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام** پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے) یعنی جس پر کفارہ واجب ہے جب وہ کھانا دینے، کپڑے پہنانے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز آجائے تو اس پر تین دن کے روزے واجب ہیں۔

اور عجز یہ ہے کہ اس کے پاس اپنے مال میں سے گھر والوں اور اپنا راشن نکال کر اتنی مقدار نہ بچے کہ کھانا کھلا سکے یا کپڑے پہنا سکے یا غلام آزاد کر سکے تو وہ تین دن کے روزے رکھے اور بعض نے کہا کہ جب اتنے مال کا مالک ہو کہ کھانا کھلا سکے اگر اپنی ضرورت کا نہ بچے تو روزہ رکھنا جائز نہیں اور یہی حسن اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کا قول ہے۔

قسم کے کفارے کے روزے لگاتار رکھے یا وقفہ سے

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ روزے لگاتار رکھے یا نہ۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ لگاتار روزے رکھنا واجب نہیں لیکن افضل ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ لگاتار روزے رکھنے واجب ہیں۔ انہوں نے کفارہ ظہار اور قتل پر قیاس کیا ہے اور یہی سفیان ثوری اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں الفاظ یہ ہیں "**صیام ثلاثة ایام متتابعات**" (**ذلک یہ**) جو میں نے ذکر کیا (**كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** کفارہ ہے تمہارے قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو) اور حانث ہو جاؤ کیونکہ کفارہ تو حانث ہونے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اس کے جائز ہونے کی طرف گئی ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم تک پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے کسی کام کی قسم اُٹھائی پھر اس کے علاوہ کو بہتر دیکھا تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور جو کام بہتر ہے وہ کرے۔ (مسلم کتاب الایمان)

اور یہی ابن عمر، ابن عباس، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حسن اور ابن سیرین رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور

امام مالک، اوزاعی اور امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حانث ہونے سے پہلے کفارہ روزہ کے ذریعے ادا کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ بدنی کفارہ ہے۔ کھانے، کپڑے اور آزادی کا کفارہ حانث ہونے سے پہلے دینا جائز ہے۔ جیسا کہ سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

اور رمضان کا روزہ وقت سے پہلے رکھنا جائز نہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ کفارہ کو حنث پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (واحفظوا ایمانکم اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی) بعض نے کہا کہ اس سے قسم کا ترک مراد ہے یعنی قسم نہ کھاؤ اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جب تم قسم اُٹھاؤ تو اس کو نہ توڑو۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے تو اس صورت میں قسم کے ٹوٹنے سے حفاظت مراد ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب کسی مستحب کام کے چھوڑنے اور مکروہ کام کے کرنے پر قسم نہ اُٹھائی ہو لیکن اگر کسی مکروہ کام کے کرنے یا کسی مستحب کے چھوڑنے پر قسم کھائی ہو تو افضل یہ ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ دے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ (رضی اللہ عنہ)! تو امارت کا سوال نہ کر کیونکہ اگر وہ مانگنے سے دے دی گئی تو معاملہ تیرے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر بغیر مانگے دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کیا جائے گا اور جب تو قسم کھائے پھر اس کے علاوہ کو اس سے بہتر سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ کام کر جو بہتر ہے۔ (کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنے حکم تا کہ تم احسان مانو)

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے؟

تفسیر: ﴿۹۰﴾ (یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت) یعنی بت۔ ان بتوں کو انصاب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ مشرکین ان کو گاڑھتے تھے۔ اس کا مفرد نصب ہے نون کے زبر اور صاد کے سکون کے ساتھ اور نصب نون کے پیش کے ساتھ خفیف اور ثقیل (والازلام اور پانسے) یعنی وہ تیر جس کے ذریعے تقسیم کرتے تھے (رجس من عمل الشیطان سب گندے کام ہیں شیطان کے مزین کردہ ہیں، فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ)

﴿۹۱﴾ (اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ

ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے) شراب میں دشمنی یہ ہے کہ شرابی لوگ جب نشہ میں ہوتے ہیں تو اول فول بکتے ہیں اور باہم جھگڑتے ہیں جیسا کہ ان انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا جنہوں نے اونٹ کے جبڑے سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سر پھاڑا تھا اور بہرحال جوئے میں دشمنی تو قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی گھر والوں اور مال پر جوا کھیلتا تھا پھر جب ہار جاتا تو نہ مال رہتا اور نہ گھر والے تو غمزدہ رہتا۔ (وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے) اور یہ اس طرح کہ جو شخص شراب پینے اور جوا کھیلنے میں مشغول ہوتا ہے تو یہ اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور نماز میں تشویش اور غلطی ہوتی ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مہمانوں نے کیا اور ایک آدمی آگے ہوا تا کہ مغرب کی نماز پڑھائے، شراب پینے کے بعد تو سورۃ الکافرون پڑھی، لا کے بغیر صیغے پڑھے یعنی "اعبد ما تعبلون ...... الخ" (فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سو اب بھی تم باز آ ؤ گے؟) یعنی باز آ جاؤ لفظ سوال کے ہیں لیکن معنی حکم کا ہے جیسے اللہ کا فرمان "فھل انتم شاکرون" ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾

(ترجمہ) اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف (حکم کا) پہنچا دینا تھا ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس (حرمت) کے بعد (حد شرعی) سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔

(تفسیر) ﴿٩٢﴾ (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بچتے رہو) حرام چیزوں اور جن کاموں سے روکا گیا ان کے کرنے سے (فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر) شراب پینے والے کی وعید میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے اور اللہ پر پختہ بات ہے کہ

جو آدمی دُنیا میں اس کو پیئے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو طینۃ الخبال پلائیں گے اور تم جانتے ہو کہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ جہنمیوں کا پسینہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دُنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی تو آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ فرما رہے تھے اللہ نے لعنت کی شراب اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے اور اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور اس کے اُٹھانے والے اور جس کی طرف اُٹھائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر۔

❾❸ (لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کیے ان پر گناہ نہیں اس میں جو پہلے کھا چکے) اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو بھائی وفات پا گئے اور وہ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے تو ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (جو پہلے کھا چکے) اور شراب پی چکے اور جوئے کا مال کھا چکے (اذا ما اتقوا جب کہ آئندہ کو ڈر گئے) شرک سے (وامنوا اور ایمان لائے یعنی تصدیق کی) (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا اور عمل نیک کیے پھر ڈرتے رہے) شراب اور جوئے سے ان کے حرام ہو جانے کے بعد (وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا پھر یقین کیا پھر ڈرتے رہے) ان چیزوں سے جن کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا (وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو) اور کہا گیا ہے کہ پہلے کا معنی یہ ہے کہ جب شرک سے ڈرے اور یقین کیا اور تصدیق کی پھر ڈرتے رہے یعنی اس تقویٰ پر ہمیشگی رکھی اور ایمان لائے اور ایمان میں اضافہ ہوا پھر تمام گناہوں سے ڈرے اور نیک کام کیے اور کہا گیا ہے کہ وہ ڈرے احسان کے ساتھ اور ہر نیک کام کرنے والا متقی ہے اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

❾❹ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ اے ایمان والو! البتہ تم کو آزمائے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں) یہ آیت حدیبیہ کے سال نازل ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکار سے آزمائش کی وہ اس طرح کہ نیل گائے وہاں اتنی کثرت سے تھیں کہ ان کے کجاوں کو گھیر لیتی تھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آزمائش کا فائدہ اپنی اطاعت کرنے والے کو ظاہر کرنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو شکار میں آزمائش کی حاجت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے "بشیء" کی قید لگائی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش صرف خشکی کے شکار سے ہوئی تھی (تناله ايديكم جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے) یعنی پرندوں کے بچے اور انڈے اور وہ چھوٹے شکار جو بھاگ نہ سکیں۔ (ورماحكم اور تمہارے نیزے) یعنی بڑے شکار (ليعلم الله تاکہ معلوم کرے اللہ) تاکہ لوگوں کو دکھا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے (مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے) یعنی اس کو دیکھے بغیر ڈرتا ہے اور احرام کی حالت میں شکار نہیں کرتا۔ (فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد) یعنی حرمت نازل ہونے کے بعد شکار کیا (فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تو اس کے لیے عذاب درد

ناک ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کے کپڑے اُتار لیے جائیں اور اس کی پیٹھ اور پیٹ پر کوڑے مارے جائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا ۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾

ترجمہ: اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ (تخمینہ سے) تم میں سے دو معتبر آدمی کر دیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس (غلہ) کے برابر روزے رکھ لئے جاویں تا کہ اپنے کئے کی کشامت کا مزہ چکھے اور اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

تفسیر ﴿95﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اے ایمان والو! نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں)

حالت احرام میں شکار کا حکم

یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو اور یہ حرام کی جمع ہے۔ یہ ایک شخص ابوالیسر کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے حالت احرام میں ایک نیل گائے کا شکار کیا تھا (وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر) اس عمد کی مراد میں اختلاف ہے۔

ایک جماعت نے کہا کہ اس سے شکار کے قتل کا ارادہ مراد ہے جب اپنے احرام کی حالت کو بھول گیا ہو لیکن اگر احرام کی حالت یاد ہو اور شکار کرے تو اس پر کوئی حکم نہیں ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ یہی مجاہد اور حسن رحمہما اللہ کا قول ہے اور دیگر حضرات نے کہا کہ عمد یہ ہے کہ محرم جان بوجھ کر شکار کرے اور اپنا احرام یاد ہو تو اس پر کفارہ ہے۔ اگر شکار کو بھول کر مار دے تو اس میں اختلاف ہے۔

اکثر فقہاء رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ عمد اور خطاء کا حکم برابر ہے کہ کفارہ لازم ہوگا اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر شکار کرنے والے پر کتاب اللہ کی وجہ سے کفارہ ہوگا اور بھول کر کرنے والے پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول کر شکار کرنے کی وجہ سے شکار کا کفارہ واجب نہ ہوگا بلکہ یہ کفارہ صرف عمد کے

ساتھ خاص ہے (فَجَزَآءٌ مِّثْلُ تو اس پر بدلہ ہے برابر) اہل کوفہ اور یعقوب رحمہما اللہ نے "فجزاء" کو تنوین اور "مثلُ" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ بدل ہے "فجزاء" سے اور باقیوں نے اضافت کے ساتھ "فجزاءُ مثلِ" پڑھا ہے۔ (مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس مارے ہوئے کے مویشی میں سے) اس کا معنی یہ اس مقتول شکار کی خلقت کے اعتبار سے جو چوپایہ قریب ہوگا وہ دینا پڑے گا قیمت کا اعتبار نہ ہوگا (یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے) یعنی بدلہ کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں گے اور مناسب یہ ہے کہ دونوں فقیہ ہوں، یہ اس جانور کے زیادہ مشابہ کسی چوپایہ کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کریں گے اور جو لوگ گئے ہیں چوپایوں میں سے مثل واجب کرنے کی طرف ان میں عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابن عمر، ابن عباس (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں ان حضرات نے مختلف شہروں، مختلف زمانوں میں چوپایوں کی مثل کا فیصلہ کیا۔

ان کے حاکم نے شتر مرغ میں اونٹ کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ قیمت میں مساوی نہیں ہے اور جنگلی گدھے میں گائے کا حالانکہ یہ قیمت میں گائے کے برابر نہیں ہوتا اور بجو میں مینڈھے کا حالانکہ وہ قیمت میں مینڈھے کے برابر نہیں ہوتا تو ان فیصلوں نے دلالت کی کہ ان حضرات نے شکار کی خلقت کی مشابہت کی طرف نظر کی اور کبوتر میں بکری واجب ہوگی۔ حضرت عمر، عثمان اور ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ کے کبوتر میں ایک بکری کا فیصلہ کیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بجو میں ایک مینڈھے کا فیصلہ کیا اور ہرنی کے بچہ میں بکری کا اور خرگوش میں بکری کا سال سے کم بچہ (هَدْیًا م بٰلِغَ الْکَعْبَةِ اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک) یعنی وہ کفارہ کا جانور کعبہ کی طرف لایا جائے اور مکہ میں ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کے مساکین پر صدقہ کیا جائے (اَوْ کَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا یا اس پر کفارہ ہے چند مساکین کو کھلانا یا اس کے برابر روزے)۔

فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدل عین کی زیر کے ساتھ کسی چیز کی جنس سے اس کی مثل اور عدل زبر کے ساتھ شی کی خلاف جنس سے اس کی مثل۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ شکار کی جزاء میں اختیار ہے کہ چوپایوں میں سے اس کی مثل کوئی جانور ذبح کر کے گوشت حرم کے محتاجوں پر صدقہ کر دے یا اس مثل کی قیمت لگا کر اتنے دراہم کا کھانا گندم وغیرہ مساکین پر صدقہ کر دے یا گندم کے ایک مُد کے بدلے ایک روزہ رکھے اور روزہ جس علاقہ میں چاہے رکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں محتاجوں کا کوئی نفع نہیں ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جانور کی کوئی مثل نہ نکالی جاسکتی ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر اس قیمت کی گندم خرید کر صدقہ کی جائے گی یا وہ روزہ رکھ لے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوپایوں سے کوئی مثل واجب نہیں بلکہ ابتداء شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر اگر چاہے تو اس قیمت کو کسی چوپایہ کے ذبح کرنے میں خرچ کرے یا گندم لے کر صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو گندم کے نصف صاع کے بدلے یا جو کے ایک صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے اور امام شعبی اور نخعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء ترتیب وار ہے کہ اگر پہلی پر قادر نہ ہو تو دوسری جزاء دے۔ لیکن یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو شکار کی جزاء میں ترتیب کے قائل ہیں (لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی) یعنی اس کی نافرمانی کی جزاء (عَفَا اللّٰهُ

عَمَّا سَلَفَ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا) یعنی حرمت نازل ہونے اور آیت نازل ہونے سے پہلے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا جاہلیت میں (وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلہ لے گا اللہ) آخرت میں (وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا) اور جب محرم کئی دفعہ شکار قتل کرے تو اس پر جزاء بھی اتنی ہی دفعہ آئے گی۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب محرم جان بوجھ کر شکار کو مار ڈالے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے پہلے تو نے کوئی شکار مارا ہے؟ اگر وہ اقرار کرے تو اس پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو کہا جائے گا کہ تو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے خود انتقام لے گا اور اگر کہے اس سے پہلے میں نے کوئی شکار نہیں کیا تو اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد پھر شکار کیا تو اس پر فیصلہ نہ کیا جائے گا لیکن اس کی پیٹھ اور سینہ پر تکلیف دہ مار لگائی جائے گی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی وادی وَج میں فیصلہ فرمایا تھا۔

محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے کا حکم

پھر اس میں اختلاف ہے کہ شکار کا گوشت محرم کے لیے کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو ایک قوم اس جانب گئی ہے کہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہے اور یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی طاؤس رحمہ اللہ نے کہا قول ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حمار وحشی ہدیہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا اور جب حضرت صعب رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر افسوس کے آثار محسوس کیے تو فرمایا کہ ہم نے اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم احرام میں ہیں اور اکثر علماء رحمہم اللہ اس جانب گئے ہیں کہ محرم کے لیے اس شکار کا کھانا حلال ہے جو نہ اس نے خود کیا ہو اور نہ اس کی وجہ سے شکار کیا گیا ہو اور نہ اس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہو اور یہی حضرت عمر، عثمان، ابو ہریرہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا قول ہے اور عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک، شافعی، احمد، اسحٰق اور اصحاب رائے رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور صعب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار اس وجہ سے واپس کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان تھا کہ یہ شکار آپ علیہ السلام کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ اس کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستے میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین احرام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پیچھے تھے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ احرام میں نہ تھے تو انہوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا اور اپنے گھوڑے پر سیدھے ہو گئے اور ساتھیوں سے کہا مجھے میرا کوڑا دو، انہوں نے اُٹھا کر دینے سے انکار کر دیا تو ان سے نیزہ مانگا، انہوں نے وہ بھی نہیں دیا تو انہوں نے خود پکڑا اور اس کے پیچھے لگ گئے، اس کا شکار کیا اور اس کا گوشت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھایا اور بعض نے انکار کر دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو آپ علیہ السلام

سے اُس کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ کھانا تو تمہیں اللہ تعالیٰ نے کھلایا ہے۔

مطلب بن حنطب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شکار کا گوشت تمہارے لیے احرام کی حالت میں حلال ہے جب تم نے اس کو شکار نہ کیا ہو اور تمہارے لیے بھی شکار نہ کیا گیا ہو۔ ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ مطلب کا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سماع ہمیں معلوم نہیں ہے اور جب محرم کسی ایسے شکار کو ضائع کردے جس کی مثل چوپایوں میں سے نہ ملے مثلاً انڈہ یا کبوتر سے چھوٹا بچہ تو اس کی قیمت لگا کراتنی گندم صدقہ کی جائے گی یا ایک مد کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ ٹڈی کے شکار میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے محرم کے لیے اس کے شکار کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ یہ سمندر کے شکار میں سے ہے۔ یہی بات کعب احبار رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے اور اکثر حضرات کے نزدیک اس کا شکار حلال نہیں ہے۔ اگر شکار کیا تو اس پر صدقہ لازم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ٹڈی میں ایک کھجور ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ گندم کی ایک مٹھ صدقہ کرے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: ﴿٩٦﴾ (أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ حلال ہوا تمہارے لیے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے) آیت میں بحر سے تمام پانی مراد ہیں۔

سمندری مخلوق میں کون کون سا شکار حلال ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمندر کا شکار وہ ہے جو شکار کیا جائے اور سمندر کا کھانا وہ ہے جو اس کے ساتھ پھینکا جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سمندر کا کھانا وہ ہے جس کو پانی ساحل کی طرف مردہ حالت میں پھینک دے اور پانی کے تمام حیوانات دو قسم پر ہیں ❶ مچھلی ❷ اس کے علاوہ جانور۔ مچھلی کی تمام اقسام مری ہوئی ہوں تو بھی حلال ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مُردہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ ❶ مچھلی ❷ ٹڈی۔ (ابن ماجہ)

کسی سبب سے مرے یا بغیر سبب سے اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مُردہ مچھلی اس وقت حلال ہے جب کسی سبب سے مری ہوئی مثلاً کسی پتھر پر گری ہو یا پانی اس سے ہٹ گیا ہو وغیرہ۔

مچھلی کے علاوہ جانور دو قسم کے ہیں۔ ❶ وہ جانور جو اپنی زندگی خشکی میں بھی گزارتے ہیں جیسے مینڈک اور کیکڑا، ان کا کھانا حلال نہیں ہے۔ ❷ جو جانور پانی میں زندگی گزارتے ہیں خشکی میں زندہ نہیں رہ سکتے، اگر ان کو خشکی میں نکالا جائے تو ذبح شدہ جانور کی طرح تڑپنے لگتے ہیں تو ان میں اختلاف ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مچھلی کے علاوہ کسی سمندری جانور کا کھانا حلال نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ پانی کا مردار حلال ہے اس لیے کہ سب مچھلی ہی ہیں۔ اگرچہ ان کی صورت مختلف ہے۔ جیسا کہ جریث اس کو مارماہی یعنی پانی کا سانپ کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت بھی سانپ جیسی ہوتی ہے لیکن اس کا کھانا بالاتفاق حلال ہے۔ یہی حضرت عمر، ابوبکر، ابن عباس، زید بن ثابت، ابوہریرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول ہے۔

شریح، حسن اور عطاء رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ظاہر مذہب ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ جس سمندری جانور کی نظیر خشکی کا جانور کھایا جاتا ہو اس کو کھانا حلال ہے جیسے پانی کی گائے وغیرہ اور جس سمندری جانور کی مثال خشکی کا جانور نہ کھایا جاتا ہو تو وہ سمندری جانور بھی حلال نہ ہوگا جیسے پانی کا کتا اور خنزیر اور گدھا وغیرہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس جانور کی زندگی پانی میں گزرتی ہو تو وہ حلال ہے ان سے پوچھا گیا مگرمچھ؟ انہوں نے فرمایا ہاں وہ بھی اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے گھر والے سمندری مینڈک کھاتے تو میں ان کو کھلاتا اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُمید ہے کہ کیکڑے کے کھانے میں کوئی گناہ نہ ہوگا اور آیت کا ظاہری مفہوم ان حضرات کے حق میں حجت ہے جنہوں نے تمام سمندری جانوروں کو مباح قرار دیا اور اسی طرح حدیث بھی حجت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی رکھتے ہیں۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو پیاس سے مر جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمر نے خبر دی کہ میں نے ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں جیش الخبط کی لڑائی میں شریک ہوا، ہمارے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے ہم سخت بھوکے تھے تو سمندر نے اتنی بڑی مچھلی باہر پھینکی کہ ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھی تھی اس کو عنبر کہا جاتا تھا، ہم نے اس میں سے پندرہ دن کھایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی پکڑ کر سیدھی کی تو سواری پر ایک آدمی اس کے نیچے سے گزر گیا اور مجھے ابوزبیر نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو کھاؤ جب ہم مدینہ واپس آئے تو یہ بات ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم وہ رزق کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نکالا ہے اور ہمیں بھی کھلاؤ اگر تمہارے پاس ہے تو اس کا کچھ گوشت آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا۔

(وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے) سمندر کا شکار محرم کے لیے بھی اسی طرح حلال ہے جس

طرح غیرمحرم کے لیے لیکن خشکی کا شکار محرم پر حرم میں حرام ہے اور صید اس وحشی (جنگلی) جانور کو کہتے ہیں جس کا کھانا حلال ہو لیکن جس جانور کا کھانا حلال ہو یہ احرام کی وجہ سے حرام نہیں ہو جاتا بلکہ احرام میں صرف اس کو پکڑنا اور شکار کرنا حرام ہے اور اس کے مارنے والے پر کوئی جزاء نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ جانور ایسے دو جانوروں سے پیدا ہوا جن میں ایک حلال تھا اور ایک حرام مثلاً بھیڑیا اور ہرنی سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں اور اگر محرم اس کو قتل کردے تو محرم پر جزاء واجب ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں شکار کی جزاء ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پانچ چوپائے ایسے ہیں کہ ان کے قتل کرنے پر محرم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹ کھانے والے درندے میں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم نقصان پہنچانے والے درندے کو قتل کردے۔ (ابوداؤد) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزوں کا قتل حرم میں حلال ہے۔ ❶ سانپ ❷ بچھو ❸ چیل ❹ چوہا ❺ کاٹ کھانے والا درندہ۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "الکلب العقود" سے ہر درندہ مراد ہے اور اسی کی مثل امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اصحاب رائے اس طرف گئے ہیں کہ جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کو مارنے میں جزاء واجب ہوگی جیسے چیتا، تیندوا، سور وغیرہ صرف وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کے قتل کی حدیث میں اجازت دی گئی ہے اور ان پر بھیڑیئے کو قیاس کیا ہے اور اس میں کفارہ واجب نہیں کیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ان پانچ پر ان تمام جانوروں کو قیاس کیا ہے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا کیونکہ حدیث شریف میں بعض ایسے درندے بیان کیے گئے ہیں جو نقصان دینے والے ہیں اور بعض حشرات جو قتل کرنے والے ہیں اور بعض ایسے پرندے ذکر کیے گئے ہیں جو نہ درندے ہیں اور نہ حشرات ہیں صرف وہ ایسے حیوان ہیں جن کا گوشت خبیث ہے تو کھانا حرام ہونا ان تمام جانوروں کو جمع کرتا ہے تو اس علت کو معیار بنا کر جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان پر حدیث والے حکم کو مرتب کردیا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں۔

تفسیر: ﴿٩٧﴾ ...... (جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ اللہ تعالیٰ نے کردیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا)

کعبہ کی وجہ تسمیہ

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام کعبہ اس کے چوکور ہونے کی وجہ سے رکھا گیا کیونکہ اہل عرب ہر مربع شکل والے گھر کو کعبہ کہتے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی منفرد تعمیر کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا اور کہا گیا ہے کہ زمین سے بلند ہونے کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا ہے اور اس کا اصل معنی نکلنا اور بلند ہونا ہے ٹخنے کی ہڈی کو کعب اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتی ہے اور پاؤں کی دونوں جانب سے نکلی ہوئی ہوتی ہے اور اسی مادہ سے مشتق کر کے "تَکَعَّبت" کا لفظ بولا جاتا ہے اس لڑکی کے لیے جو بالغ ہونے کے قریب ہو اور اس کے پستان نکل رہے ہیں۔ کعبہ کا نام بیت الحرام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم بنایا اور اس کی حرمت کو بڑھایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا۔ (رواہ البخاری)

(قِیٰمًا لِّلنَّاسِ قیام کا باعث لوگوں کے لیے) ابن عامر رحمہ اللہ نے "قِیَمًا" پڑھا ہے بغیر الف کے اور باقی حضرات نے الف کے ساتھ یعنی ان کے دُنیاوی ودینی امور کے انتظام کا سبب بنایا ہے۔ دینی اُمور میں تو اس طرح کہ حج اور مناسک یہاں ادا کیے جاتے ہیں اور دینی اُمور میں اس طرح کہ ہر طرح کے پھل اور منافع یہاں کھنچے چلے آتے ہیں اور لوگ حرم میں قتل وغارت گری سے محفوظ ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا (اولم یروانا جعلنا حرما آمنا ویتخطف الناس من حولھم کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا حالانکہ لوگ ان کے اِردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں)......(وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور بزرگی والے مہینوں کو) اس سے مراد حرام مہینے ہیں اور وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو بھی لوگوں کے قیام کا باعث بنایا کہ ان میں قتال سے محفوظ رہتے ہیں (وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لے جائیں) مراد یہ ہے کہ وہ لوگ ہدی کے گلے میں پٹہ ڈال کر بے خوف ہو جاتے تھے (ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس کلام کا پچھلی کلام سے کیا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث اس وجہ سے بنایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خیر خواہی کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسے زمین وآسمان کی تمام باتیں جانتے ہیں اور امام زجاج رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ اس صورت میں کئی غیب کی خبریں دی گئیں اور پوشیدہ راز کھولے گئے جیسے کہا گیا "سمّاعون للکذب سمّاعون لقوم آخرین" اور یہود کی تورات میں تحریف اور دیگر کئی باتیں بیان کی گئیں تو اس حصہ کا تعلق ان جیسی خبروں سے ہے کہ یہ چند خبریں تمہیں بتائیں (ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ تا کہ تم جان لو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ آسمان اور زمین میں)

۹۸......(اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جان لوکہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

مَاعَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ۹۹ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوااللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۱۰۰ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَکُمْ ؕ عَفَااللّٰہُ عَنْھَا ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۱۰۱

ترجمہ: رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! تا کہ تم کامیاب ہو اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جاویں سوالات گزشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔

تفسیر: ۹۹ (مَاعَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچا دینا تبلیغ کے ذریعے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو)۔

۱۰۰ (قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ آپ کہہ دیجئے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک) یعنی حلال اور حرام (وَلَوْ اَعْجَبَکَ اگر چہ تجھ کو بھلی لگے کثیرۃ الخبیث ناپاک کی کثرت) یہ آیت شریح بن ضبعہ البکری اور حجاج بن بکر بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی (فاتقوا اللہ سو ڈرتے رہو اللہ سے) اور حاجیوں کو نہ چھیڑو اگر چہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اور یہ قصہ سورت کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔(یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اے عقلمندو! تا کہ تمہاری نجات ہو)

۱۰۱ (یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں)

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ کی تفسیر

قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوالات کیے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو زچ کر دیا تو آپ علیہ السلام ناراض ہو گئے اور منبر پر چڑھے اور فرمایا آج کے دن تم مجھ سے جس چیز کا پوچھو گے میں تم کو جواب دوں گا تو میں دائیں اور بائیں دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی اپنے سر کو کپڑے میں لپیٹ کر رو رہا تھا

اور ایک شخص کا جب بھی آدمیوں سے جھگڑا ہوتا تو لوگ ان کی نسبت ان کے والد کے علاوہ کی طرف کرتے کہ تو فلاں کا بیٹا ہے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا باپ کون ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا حذافہ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم راضی ہوئے اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں فتنوں سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر میں کوئی دن نہیں دیکھا یہاں تک کہ میرے لیے جنت اور جہنم کی صورت لائی گئی۔ حتیٰ کہ میں نے ان کو دیوار کے پیچھے دیکھ لیا اور قتادہ رحمہ اللہ جب اس کو بیان کرتے تو اس کے ساتھ یہی آیت پڑھتے۔ (اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں)۔

ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ عبد اللہ بن حذافہ کے والد نے ان کو کہا کہ میں نے تجھ سے بڑا نافرمان آج تک نہیں سنا۔ کیا تو اس بات سے بے خوف ہو گیا کہ اگر تیری ماں نے بھی جاہلیت کی عورتوں کی طرح کچھ کر دیا ہوتو تو اس سوال سے اس کو لوگوں پر رُسوا کر دے گا؟ تو عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا نسب کسی کالے غلام کے ساتھ ملا دیتے تو میں اس کے ساتھ مل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم جاہلیت کے زمانہ سے نئے نئے آئے ہیں آپ علیہ السلام ہم سے درگزر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے درگزر کریں گے تو آپ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض لوگ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم سے "استھزاءً" کچھ سوال کرتے تھے کوئی کہتا میرا باپ کون ہے؟ اور ایک آدمی کہتا جس کی اونٹنی گم ہو گئی ہوتی کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ (ولله على الناس حج البيت) اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر بیت اللہ کا حج) تو ایک شخص کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں حج ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے دو یا تین مرتبہ پھر پوچھا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ہاں کہنے تک آپ کو اطمینان نہ ہوگا؟ اللہ کی قسم اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال واجب ہو جائے گا اور اگر ہر سال واجب ہو گیا تو تم اس کی طاقت نہ رکھو گے تو جو بات میں چھوڑ دوں اس کو تم بھی چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے کثرت سوال اور انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پس جب میں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی طاقت رکھتے ہو اس پر عمل کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز آ جاؤ۔ (رواہ البخاری) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اور اگر تم پر کھولی جائیں تو بری لگیں تم کو) یعنی اگر تمہارے لیے ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اگر تم کو ان پر عمل کرنے کا حکم دے دیا جائے کیونکہ جس نے حج کا سوال کیا وہ اس بات سے بے خوف نہیں تھا کہ ہر سال میں حکم کر دیا گیا تو برا لگے گا اور جس نے نسب کا سوال کیا اگر اس کو کسی دوسرے کے ساتھ ملا دیا جاتا تو اس رُسوائی سے وہ بے خوف نہ تھا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بحیرہ سائبۃ، وصیلۃ اور حام کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی آپ خود بعد والی آیت کو دیکھ لیں کہ اس میں ہے کہ (وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر

ظاہر کر دی جائیں گی) مطلب یہ ہے کہ تم صبر کرو یہاں تک کہ خود قرآن میں فرض یا نہی یا کوئی اور حکم اُتر آئے کیونکہ ظاہر آیات میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کی شرح کی تم کو ضرورت ہو۔ اگر اب بھی سوال کرو گے تو تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔ (عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اللہ نے ان سے درگزر کی ہے اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے)

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ ۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجالائے اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو ولیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

تفسیر: ﴿۱۰۲﴾ (قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے) جیسے قوم ثمود نے اونٹنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دسترخوان کا سوال کیا (ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر) پس ہلاک کیے گئے۔ ابو ثعلبہ خشنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور کئی اشیاء سے منع کیا۔ ان کو نہ کرو اور کئی حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں سے بغیر نسیان کے درگزر کیا ان کے بارے میں بحث نہ کرو۔

﴿۱۰۳﴾ (مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ ۢ بَحِيْرَةٍ نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ) نہ اللہ نے اُتارا اور نہ اس کا حکم دیا (وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی کو)

بحیرہ سائبہ وصیلہ حام کی تفسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان اشیاء کا بیان یہ کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی کہ جب پانچ بچے جن لیتی تو اس کے کان کو کاٹ دیتے اور اس پر نہ بوجھ لادتے اور نہ خود سوار ہوتے اور اس کی اون نہ کاٹتے اور اس کو پانی اور چراگاہ سے بھی نہ روکتے اور اس کے پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اس کے نحر کر کے مرد و عورت کھاتے اور اگر مادہ ہوتا سو اس کا کان کاٹ کر چھوڑ دیتے، اب اس کا دودھ اور دیگر منافع عورتوں پر حرام ہوتے صرف مردوں کے لیے خاص ہوتے اور جب یہ مر جاتی تو عورتوں اور مردوں کے لیے حلال ہو جاتی اور کہا گیا ہے کہ اونٹنی جب لگاتار بارہ سال مادہ بچے دیتی تو اس کو چھوڑ دیا جاتا اس کی پیٹھ پر سواری نہ کی جاتی اور اس کی اون نہ کاٹی جاتی اور اس کا دودھ صرف مہمان پی سکتا تھا۔ اس کے بعد کوئی مادہ بچہ پیدا ہوتا تو اس کے کان کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا اور اس کو بھی ماں کی طرح اونٹوں میں چھوڑ دیا جاتا اور اس پر نہ کوئی سواری کر سکتا اور نہ اون کاٹ سکتا اور دودھ صرف مہمان پی سکتا تھا تو یہ بحیرہ بنت السائبہ ہے۔

اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹ جس کو چھوڑ دیا جائے، اس کی صورت یہ تھی کہ اہل جاہلیت میں جب کوئی شخص مریض ہو جاتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار گم ہو جاتا تو وہ منت مانتا کہ اگر اللہ مجھے شفاء دے یا میرے مریض کو شفاء ہو جائے یا میرا غائب

لوٹ آئے تو میرا یہ اونٹ آزاد ہے۔ پھر اس کو چھوڑ دیتا اور اس کو چراگاہ، پانی سے نہ روکا جاتا اور اس پر کوئی سواری بھی نہ کرتا تو یہ بحیرہ کے مرتبہ میں ہے اور علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہو جس کو چھوڑا جاتا تھا کہ اس پر نہ ولاء ہے اور نہ دیت اور نہ میراث۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس شخص کو ملے گی جس نے غلام کو آزاد کیا۔ (رواہ البخاری) اور سائبہ فاعلۃ کے وزن پر "مفعولۃ" کے معنی میں ہے یعنی وہ جانور جس کو چھوڑا گیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ماءٍ دافق" میں دافق مدفوق کے معنی میں ہے اور بہرحال وصیلۃ تو جو بکری سات بچے جن لیتی تو وہ دیکھتے کہ ساتواں بچہ نر ہے یا مادہ، اگر نر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے مرد و عورت سب کھاتے اور اگر مادہ ہوتی تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اگر ساتواں بچہ نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو اس نر کو اس مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اس مادہ نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور ذبح نہ کرتے اور اس مادہ کا دودھ عورتوں پر حرام تھا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی مر جاتا تو اس کو مرد و عورت سب کھاتے اور حام وہ نر جانور جس کے بچے کے بچے سواری کے قابل ہو جائیں اور کہا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں اس پر نہ سواری کی جاتی ہے اور نہ بوجھ لادا جاتا اور نہ گھاس اور پانی سے روکا جاتا۔ پھر جب یہ مر جاتا تو مرد اور عورتیں اس کو کھا لیتے۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بحیرۃ وہ جانور جس کا دودھ بتوں کے لیے روکا گیا ہو لوگ اس کا دودھ نہ نکالتے ہوں اور سائبۃ وہ جانور جس کو اپنے بتوں کے لیے لوگ چھوڑ دیں کہ اس پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے جانور کو بتوں کے لیے چھوڑا۔ (رواہ البخاری)

عمرو بن لحی کا دوزخ میں اپنی انتڑیاں کا کھینچنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعی کو ارشاد فرمایا کہ اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعۃ بن خندق کو دیکھا کہ اپنی انتڑیاں جہنم میں گھسیٹ رہا تھا میں نے تجھ سے زیادہ کسی کو اس کے مشابہ نہیں دیکھا اور اس سے زیادہ کسی کو تیرے مشابہ نہیں دیکھا۔ (رواہ البخاری) اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا اور بت گاڑھے اور بحیرۃ اور سائبۃ وصیلہ اور حام جانوروں کا معاملہ کیا۔ میں نے اس کو جہنم میں دیکھا کہ وہ جہنمیوں کو اپنی انتڑیوں کی بدبو سے تکلیف دے رہا تھا تو حضرت اکثم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی مشابہت مجھے نقصان دے گی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں بے شک تو مؤمن ہے اور وہ کافر تھا۔ (ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب اور لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں سے اکثر کو عقل نہیں) یعنی یہ کہنے میں بہتان باندھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کاموں کا حکم دیا ہے۔) وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا د

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا
يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کیا اگر چہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ اے ایمان والو اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۱۰۴﴾ (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آ ؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف) کھیتی اور چوپایوں کے حلال کرنے اور شرائع اور احکام کے بیان کرنے میں (قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا تو ہم کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو) یعنی دین (اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے؟)

﴿۱۰۵﴾ (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر) ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو۔ (اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر) اور تم اس آیت کو غلط جگہ منطبق کرتے ہو اور تم جانتے نہیں کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک لوگ جب کسی گناہ کے کام کو دیکھیں اور اس کو تبدیل نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عام عذاب میں پکڑ لے۔ (رواہ امام احمدؒ)

اور ایک روایت میں ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور گناہ سے روکتے رہو یا اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط کر دیں گے جو تم کو برا عذاب پہنچائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے تمہارے بہترین لوگ دُعا کریں گے لیکن ان کی دُعا تمہارے حق میں قبول نہ کی جائے گی۔ (ذکرہ الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر) ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس آیت کی باطل تاویل نہ شروع کر دیں۔ پھر یہ تاویل ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک تک نہ پہنچا دے تو ان کو پہلے ہی خبردار کر دیا کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ جس منکر کے تبدیل کرنے سے روکا گیا ہے وہ ان لوگوں کا شرک ہے جن سے معاہدہ ہو گیا ہو کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے لیکن مسلمانوں سے صلح کر چکے ہوں۔ بہرحال مسلمانوں سے جو فسق اور معاصی صادر ہوں وہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی تم پر اپنا آپ لازم ہے اہل کتاب میں سے جو گمراہ ہو گیا وہ تمہیں نقصان نہ دے گا تم

ان سے جزیہ لے کران کو چھوڑ دواور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نیکی کا حکم دواور گناہ سے روکو جب تم سے قبول کیا جائے۔ پس اگر تم پر لوٹا دیا جائے تو تم پر اپنا آپ لازم ہے۔

ابواُمیہ شعبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کون سی آیت؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان "علیکم انفسکم لایضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم" تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے اس آیت کے بارے میں باخبر ہستی سے پوچھا، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم نیکی کا حکم دواور گناہ سے روکو حتیٰ کہ جب تو دیکھے کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کے پیچھے چلا جارہا ہے اور دُنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحب رائے کو اپنی رائے اچھی لگتی ہے اور آپ ایسا کام دیکھیں کہ جس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اپنے آپ کو لازم پکڑو اور عوام کا معاملہ چھوڑ دو کیونکہ تمہارے سامنے اب صبر کے ایام ہیں۔ پس جو شخص ان ایام میں صبر کرے گا تو اس نے جلتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں لیا۔ اس زمانے میں نیک کام کرنے والے کو اس جیسا کام کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ راویوں نے یہ اضافہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے پچاس آدمیوں کے برابر اجر؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ہوگا۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول اہل البدعت کے بارے میں ہوا۔ ابو جعفر رازی نے ذکر کیا کہ صفوان بن محرز کے پاس ایک بدعتی نوجوان آیا اور اپنی کسی بات کا ذکر کرنے لگا۔ صفوان نے کہا میں تم کو کلام اللہ کی ایک خاص آیت سناتا ہوں جس میں اللہ نے اپنے اولیاء کا مخصوص طور پر ذکر کیا ہے اور وہ یہ آیت یا یھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم. (اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا) اس سے مراد گمراہ اور ہدایت یافتہ سب اللہ کی طرف لوٹیں گے۔ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ ۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو۔ وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جاوے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں خدا کی قسم

کھادیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگر چہ کوئی قرابتدار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گناہگار ہوں گے۔

تفسیر ۱۰۶ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اے ایمان والو! گواہ درمیان تمہارے)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ کا شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول وہ ہے جو روایت کیا گیا ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن زید مدینہ سے تجارت کے لیے شام کی طرف گئے، یہ دونوں نصرانی تھے اور ان دونوں کے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مولیٰ بدیل تھے جو کہ مسلمان ہو چکے تھے۔ شام پہنچ کر حضرت بدیل رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے ایک خط میں اپنے تمام سامان کی تفصیل لکھ کر اس کو تھیلے میں ڈال دیا اور اپنے دونوں ہم سفروں کو اس بات کی خبر نہیں کی۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو حضرت بدیل رضی اللہ عنہ نے تمیم اور عدی کو وصیت کی کہ ان کا سامان ان کے گھر والوں کو واپس جا کر دے دیں اور حضرت بدیل رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ ان دونوں نے سامان کی تلاشی لی اور اس میں سے چاندی کا ایک برتن ملا جس پر سونے کے نقش و نگار تھے۔ اس برتن میں تین سو مثقال چاندی تھی۔ انہوں نے وہ چھپالی اور اپنی تجارتی ضرورت پوری کر کے واپس مدینہ جا کر سامان ان کے گھر والوں کو دے دیا، انہوں نے تلاشی لی تو اس میں وہ خط مل گیا جس میں سامان کی تفصیل تھی تو وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا بدیل نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز بیچی تھی؟ ان دونوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا کیا کوئی تجارت کی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا مرض اتنا لمبا ہوا تھا کہ اپنے مال میں سے کچھ مرض پر خرچ کیا ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا نہیں تو گھر والے کہنے لگے ہمیں ان کے سامان میں ایک خط ملا ہے جس میں سامان کی تفصیل ہے لیکن اس سامان میں سے چاندی کا ایک برتن جس پر سونے کے نقش و نگار ہیں اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی وہ نہیں ہے تو وہ دونوں کہنے لگے اس برتن کا ہمیں علم نہیں، ہمیں انہوں نے سامان پہنچانے کی وصیت کی تھی وہ ہم نے کر دیا۔ اس برتن کا علم نہیں تو یہ لوگ یہ جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے وہ دونوں نصرانی انکار پر ڈٹ گئے اور قسم کھالی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنٰنِ اے ایمان والو! گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں) یعنی چاہیے کہ دو شخص گواہی دیں اس کے الفاظ خبر کے ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے امر ہے اور کہا گیا ہے کہ بے شک آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے درمیان وصیت پر گواہی موت کے وقت دو آدمی ہیں۔ ان دو آدمیوں کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ وہ دو گواہ مراد ہیں جو موصی کی وصیت پر گواہی دیں اور دیگر حضرات نے کہا کہ خود وصی مراد ہیں اس لیے کہ آیت دو وصی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس لیے کہ آگے فرمایا (کہ کھڑا کرو ان دونوں کو نماز کے بعد وہ دونوں قسم کھائیں) اور گواہ پر قسم لازم نہیں ہوتی اور وصی کو دو بنانا تاکید کے لیے

ہے۔اس صورت میں شہادت حاضر ہونے کے معنی میں ہوگی۔(ذوا عدل منکم تم میں سے) یعنی اے مؤمنو! تمہارے گروہ میں سے (اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ یا دو گواہ اور ہوں تمہارے سوا) یعنی تمہارے دین اور ملت کے علاوہ سے۔یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔اسی کے ابن عباس اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما قائل ہیں۔

اور سعید بن مسیّب ابراہیم نخعی سعید بن جبیر مجاہد اور عبیدہ کا یہی قول ہے پھر ان حضرات کا آیت کے حکم میں اختلاف ہے نخعی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کا حکم منسوخ ہے اہل ذمہ کی شہادت ابتداء میں مقبول تھی پھر منسوخ کر دی گئی اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہ حکم اب بھی ثابت ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب مسلمان گواہ نہ ملیں تو دو کافروں کو گواہ بنائیں گے۔ شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اجنبی ملک میں ہو اور کوئی ایسا مسلمان نہ مل رہا ہو جس کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے تو دو کافروں کو گواہ بنالے چاہے وہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں۔اہل کتاب ہوں یا بت پرست ان کی گواہی اس صورت میں جائز ہے۔ کسی کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف صرف سفر میں وصیت کے بارے میں ہی جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں۔

شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان شخص دقوق علاقہ میں مرگیا اور کوئی مسلمان اپنی وصیت پر گواہ بنانے کے لیے نہ ملا تو اس نے اہل کتاب کے دو آدمیوں کو گواہ بنا دیا، وہ دونوں اس کا ترکہ لے کر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس کی وصیت اور ترکہ کے بارے میں ان کو بتایا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والے معاملہ کے بعد نہیں ہوا تو ان دونوں سے قسمیں اُٹھوائیں اور ان کی گواہی کو جاری کر دیا اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ "ذوا عدل منکم" کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے خاندان یا قبیلے کے لوگ یا اس کے خاندان اور قبیلے کے علاوہ دو لوگ گواہ ہوں اور یہی حسن، زہری اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کافر کی گواہی کسی حکم میں بھی جائز نہیں ہے۔(اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃُ الْمَوْتِ اگر تم نے سفر کیا ہو زمین میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی) پھر تم نے ان دونوں کو وصیت کی ہو اور اپنا مال ان کو دے دیا ہو اور ان دونوں پر تمہارے بعض وارث خیانت کی تہمت لگائیں تو اس میں حکم یہ ہے کہ (تَحْبِسُوْنَھُمَامِنْ م بَعْدِ الصَّلٰوۃِ کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے) اور "من صلة" ہے۔اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔یہی شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، قتادہ اور اکثر مفسرین رحمہما اللہ کا قول ہے اس لیے کہ تمام دین والے اس وقت کی تعظیم کرتے ہیں اور اس میں جھوٹی قسم سے بچتے ہیں۔

اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے دین والوں کی نماز کے بعد کا وقت مراد ہے کیونکہ وہ کافر لوگ عصر کی نماز کی پروا نہیں کرتے۔(فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ اِنِ ارْتَبْتُمْ وہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے) یعنی اگر تمہیں ان گواہوں کے قول اور سچائی میں شک ہو جو تمہارے دین والے نہیں تو ایسا کرو لیکن اگر گواہ مسلمان ہوں تو ان پر قسم نہیں ہے۔(لانشتری ثمنا کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال) یعنی ہم اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے کہ اس کے بدلے کوئی عوض یا مال ہم حاصل کریں یا حق کا انکار کریں۔(وَلَوْ کَانَ ذَاقُرْبٰی اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو) اگرچہ جس کے حق میں گواہی دی گئی ہے وہ ہمارا قریبی

رشتہ دار ہو۔(وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللهِ اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی) یہاں گواہی کی نسبت اللہ کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کے دینے کا حکم دیا ہے اور اس کے چھپانے کو منع کیا ہے۔(اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ نہیں تو ہم بے شک گناہ گار ہیں) یعنی اگر ہم نے اس کو چھپایا تو ہم گناہ گاروں میں ہو جائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تمیم اور عدی کو بلا کر منبر کے پاس ان الفاظ سے قسم اُٹھوائی کہ اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ان دونوں نے کوئی خیانت نہیں کی اس چیز میں جوان کو دی گئی انہوں نے اس پر قسم اُٹھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ پھر برتن ظاہر ہو گیا اور اس کے ظاہر ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ وہ برتن مکہ میں پایا گیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ جب کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے اس برتن کو ظاہر کیا تو بنوسہم ان کے پاس پہنچے کہ یہ کہاں سے آیا؟ ان دونوں نے کہا کہ یہ ہم نے حضرت بدیل رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا تو انہوں نے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ بدیل نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز نہیں بیچی تھی تو وہ دونوں کہنے لگے کہ اس خریداری پر ہمارے پاس گواہی نہیں تھی تو ہم نے تمہارے سامنے اقرار کرنا نا مناسب سمجھا۔ اس لیے چھپالیا تو یہ حضرات ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ورنہ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو رہنمائی نہ کریں گے۔

تفسیر ۱۰۷......(فَاِنْ عُثِرَ ان کی خیانت پر مطلع ہو جاؤ۔ عثور کا اصل معنی کسی شے پر گرنا ہے (عَلٰٓى اَنَّهُمَا) یعنی وصی (اسْتَحَقَّآ اِثْمًا) اپنی خیانت اور جھوٹی گواہی کی وجہ سے گناہ کے مستحق ہوئے (فَاٰخَرٰنِ) میت کے اولیاء میں سے (يَقُوْمٰنِ

مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ) ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے۔ میں اکثر حضرات کی قرأت تاء کے پیش کے ساتھ مجہول کے صیغہ پر ہے اور علیٰ بمعنی فی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عَلٰى ملک سلیمان" یعنی سلیمان کے ملک میں اور حفص نے "استحق" پڑھا ہے تاء اور حاء کے فتحہ کے ساتھ اور یہی علی اور حسن رحمہما اللہ کی قرأت ہے یعنی ان پر گناہ ثابت ہو گیا۔ (عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے) یہ آخران کی صفت ہے۔ یعنی دوسرے دو میت کے قریبی رشتہ دار آخران نکرہ ہے اور اولیان معرفہ یہ اس وجہ سے ٹھیک ہے کہ آخران معنی کے اعتبار سے معرفہ کی طرح ہے کیونکہ اس کے بعد "من الذین" کا لفظ ہے۔ اولیان اولیٰ کا تثنیہ ہے۔ اس کا معنی قریب ترین۔ حمزہ، ابوبکر نے عاصم اور یعقوب سے "الاوّلین" پڑھا ہے جمع کا صیغہ بنا کر تو یہ اس صورت میں "الذین" سے بدل ہوگا اور اس جمع سے بھی مراد میت کے اولیاء ہی ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب قسم اُٹھانے والوں کی خیانت ظاہر ہو تو میت کے قریبی رشتہ داروں میں سے دو آدمی کھڑے ہوں (فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا) یعنی ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ حق ہے۔ (وَمَا اعْتَدَيْنَآ) اپنی قسموں میں (اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ) جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہما دونوں حصہ دار کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد قسم اُٹھائی تو برتن ان حضرات کو اور میت کے اولیاء کو دے دیا گیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا میں نے برتن چھپایا تھا، میں اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ یہاں قسم اولیاء کی طرف اس وجہ سے منتقل ہوئی کہ ان دونوں وصی حضرات نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے اس کو خریدا ہے اور وصی جب میت کے مال سے کوئی چیز لے اور کہے کہ اس چیز کی میت نے میرے لیے وصیت کی ہے تو انکار کی صورت میں وارث سے قسم لی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کے قبضہ میں موجود سامان کا دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور وہ شخص اقرار کرلے کہ اس کا تھا لیکن میں نے اس سے خرید لیا تھا تو مدعی سے قسم لی جائے گی کہ اس نے یہ چیز اس کو نہیں بیچی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ خود فرماتے تھے کہ ہم نے اس برتن کو ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تھا اور میں نے اور عدی نے اس کو تقسیم کرلیا۔ پھر جب میں اسلام لایا تو اس کو گناہ سمجھا اور میت کے رشتہ داروں کے پاس آیا اور ان کو خبر دی کہ اتنا ہی مال میرے ساتھی کے پاس بھی ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عمرو اور مطلب رضی اللہ عنہما نے قسم اُٹھائی تو عدی سے پانچ سو درہم لیا گیا اور میں نے بھی پانچ سو درہم واپس کر دیا۔

۱۰۸ (ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ) یہ جو ہم نے دوبارہ قسم اُٹھوانے کا فیصلہ کیا ہے یہ زیادہ مناسب ہے کہ وصی اور تمام لوگ ٹھیک طرح گواہی دیں گے یعنی یہ واقعہ کے مطابق گواہی دینے کا زیادہ قریب طریقہ ہے۔

اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ ۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ یعنی یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ ڈریں قسم کے اُلٹا پڑنے سے مدعی پر کیونکہ جب وہ لوگ ان کی قسم کے بعد قسم اُٹھائیں گے کہ انہوں نے خیانت کی اور جھوٹ بولا تو یہ رُسوا بھی ہوں گے اور تاوان بھی دینا پڑے گا تو اس ڈر سے جھوٹی قسم نہیں اُٹھائیں گے۔ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) جھوٹی قسم کھانے اور خیانت کرنے سے (وَاسْمَعُوْا) نصیحت کو (وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
۱۰۹ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًام بِاِذْنِيْ
وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۱۰

ترجمہ: جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے لیکن ان کے دل کی ہم کو کچھ خبر نہیں (اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جبکہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جبکہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل تعلیم کیں۔ اور جبکہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیماروں کو میرے حکم سے اور جبکہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے (یعنی تمہارے قتل و ہلاک سے) باز رکھا۔ جب تم انکے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔

تفسیر ۱۰۹ ...... (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اور وہ قیامت کا دن ہے (فَيَقُوْلُ) ان پیغمبروں کو (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) یعنی تمہاری اُمت نے تمہیں کیا جواب دیا تھا اور جب تم نے ان کو میری توحید اور اطاعت کی طرف بلایا تو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا؟ (قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو علم ہے آپ کو اس سے زیادہ علم ہے اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس سوال کی حکمت معلوم نہیں کیونکہ آپ کو تو اس کا ہم سے زیادہ علم ہے اور ابن جریج کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے بعد انہوں نے دین میں کیا باتیں ایجاد کیں اور ان کا انجام کیا ہوا اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ) یعنی آپ ہی پوشیدہ اور غیب کا علم رکھتے ہیں ہم تو صرف مشاہدہ کا علم رکھتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری

اُمت کے لوگ حوض پر آئیں گے حتیٰ کہ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن وہ مجھ سے دور روک دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا میرے ساتھی تو کہا جائے گا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں گھڑ لی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی بڑی ہولناکیاں اور جھٹکے ہیں کہ ان میں دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے تو اس ہولنا کی کی وجہ سے جواب دینا بھول جائیں گے پھر جب حواس واپس آ جائیں گے تو اپنی اُمتوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

⑩ (اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نعمت کے ذکر سے اس کا شکر کرنا مراد ہے اور آیت میں "نعمتی مفرد" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے لیکن معنی جمع کا ہے کہ میرے احسانات کا شکر کریں (وَعَلٰى وَالِدَتِكَ) پھر آگے نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا (اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) یعنی جبرئیل علیہ السلام سے (تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں رسول بنایا اور تیس سال رسالت کے بعد وہ دُنیا میں رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اپنی طرف زندہ اُٹھالیا۔ (وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ) لکھنا (وَالْحِكْمَةَ) یعنی علم اور سمجھ (وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا) یعنی زندہ ہو کر اُڑ جاتا (فَتَكُوْنُ طَيْرًام بِاِذْنِىْ) تندرست کرتے تھے (وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى) ان کی قبروں سے زندہ کر کے (بِاِذْنِىْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ) جب انہوں نے آپ علیہ السلام کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا (اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ) یعنی معجزات اور واضح نشانیاں جو ابھی ذکر ہوئیں آیت میں (فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ) یعنی جو نشانیاں عیسیٰ علیہ السلام لائے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ساحر مبین" پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ ہود اور صف میں بھی تو اس صورت میں یہاں ساحر کا لفظ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹے گا اور سورۃ ہود میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ⑪ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑫

ترجمہ: اور جبکہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریمؑ! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمادیں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔

تفسیر: ⑪ (وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ) یعنی ان کو الہام کیا اور ان کے دل میں ڈال دیا اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو حکم دیا اور "اِلٰى صلة" ہے اور حواری عیسیٰ علیہ السلام کے خاص ساتھی کو کہتے ہیں۔ (اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ

وَبِرَسُوْلِیْ) رسول سے مراد عیسیٰ علیہ السلام پر (قَالُوْآ) جب میں نے ان کو توفیق دی (اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ)۔

⑪② (اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ) کسائی رحمہ اللہ نے "هل تستطیع" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "ربک" کو باء کے زبر کے ساتھ اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ کی قراءت ہے یعنی کیا آپ کو یہ طاقت ہے کہ اپنے رب سے دُعا اور سوال کریں اور دیگر حضرات نے "یستطیع" کو یاء کے ساتھ اور "ربک" کو باء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ لوگ اللہ کی قدرت میں شک کرنے والے نہیں تھے بلکہ معنی یہ ہے کیا آپ کے رب ایسا دسترخوان اُتاریں گے یا نہیں؟ جیسے آدمی اپنے دوست کو کہتا ہے کہ کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ میرے ساتھ کھڑا ہو؟ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کام کی طاقت رکھتا ہے۔ صرف یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ یہ کام تو کرے گا یا نہیں؟ اور بعض نے کہا کہ "یستطیع"، "یطیع" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ اطاع اور استطاع کے ایک ہی معنی ہیں۔ جیسے اجاب اور استجاب کے۔

نزول مائدہ کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سوال

اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا آپ کا رب آپ علیہ السلام کے سوال کو قبول کر کے آپ کی اطاعت کرے گا؟ اور آثار میں بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے اللہ اس کی اطاعت کرتا ہے اور بعض مفسرین نے آیت کا ظاہری معنی ہی مراد لیا ہے کہ اس قوم سے غلطی سے یہ بات ہوگئی تھی ابھی اللہ تعالیٰ کی معرفت مستحکم نہ ہوئی تھی تو بشریت سے یہ غلطی ہوگئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اس غلطی کے وقت اس قول کو بہت بڑا سمجھتے ہوئے فرمایا یعنی اس کی قدرت میں شک نہ کرو (اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ) مائدہ وہ دسترخوان جس پر کھانا ہو۔ یہ فاعلة کے وزن پر ہے۔ "مَادَہٗ یَمِیْدُہٗ" سے یہ بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو کھانا دے اور اس کو کھلا دے اور مائدة کھانے والوں کو کھانے کی دعوت کو کہتے ہیں اور مجازاً کھانے کو بھی مائدة کہہ دیتے ہیں کیونکہ وہ بھی دسترخوان پر کھایا جاتا ہے۔

اہل کوفہ کہتے ہیں اس کا نام مائدہ رکھا گیا کیونکہ یہ کھانے والوں پر مائل ہوتا ہے اور اہل بصرہ کہتے ہیں فاعلة کا وزن تو مفعولة کے معنی میں ہے۔ یعنی اس کو کھانے والوں کی طرف مائل کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان (عيشة راضية) یعنی پسندیدہ ہے۔

(قال) عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو جواب میں (اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) تو اس کی قدرت میں شک نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اس چیز کے مانگنے سے تو تم سے پہلے کی اُمتوں نے نہیں مانگی تو ان کو ایمان لانے کے بعد نشانیوں کا مطالبہ کرنے سے منع کر دیا۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ⑪③ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪④ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہوجائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جاوے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہوجاویں عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے۔ کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور بعد میں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہوجاوے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرما دیجئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناس کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دینا جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

تفسیر: ﴿۱۱۳﴾ (قَالُوْا نُرِيْدُ) یعنی ہم نے یہ سوال اس وجہ سے کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ (اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا) بطور تبرک نہ کہ ضرورت کی وجہ سے تا کہ اللہ کی قدرت کا یقین ہوجائے۔ (وَ تَطْمَئِنَّ (پرسکون ہوجائیں) قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یعنی ہمارا ایمان و یقین بڑھ جائے اور بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تیس دن روزے رکھیں جب وہ ان کے بعد افطار کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا تو انہوں نے تیس دن بعد مائدہ کا سوال کیا اور کہنے لگے کہ ہم جان لیں کہ آپ اپنے اس قول میں سچے تھے کہ تیس روزوں کے بعد جو کچھ ہم اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے وہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیں گے (وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ) اللہ کی وحدانیت اور قدرت پر اور آپ کی رسالت اور نبوت پر اور کہا گیا ہے کہ اور رہیں ہم گواہ آپ کے بنی اسرائیل کے سامنے جب ہم ان کی طرف لوٹیں گے۔

﴿۱۱۴﴾ (قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ) اس وقت (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ) بعض حضرات نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے غسل کیا اور ٹاٹ کا لباس پہنا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اپنا سر جھکا لیا اور آنکھیں پست کرلیں اور روتے ہوئے یہ دُعا کی (تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا) یعنی ہم پر لوٹے اللہ کی طرف سے حجت اور واضح نشانی بن کر اور عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ رنج سے خوشی کی طرف لوٹتا ہے اور یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال میں لوٹ کر آتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس دن میں یہ اُترے گا ہم اس کو عید بنالیں گے اور ہم اور ہمارے بعد والے لوگ اس دن کی تعظیم کریں گے اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہم اس دن میں نماز پڑھیں گے۔ "لِاَوَّلِنَا" سے مراد اس زمانے کے لوگ اور "آخرنا" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد آئیں گے۔ (وَاٰيَةً مِّنْكَ) جو آپ کیلئے دلالت اور حجت ہو (وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ)

﴿۱۱۵﴾ (قَالَ اللّٰهُ) عیسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے (اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ) اہل مدینہ، ابن عامر اور عاصم نے "منزّلھا" کو شد کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ کئی مرتبہ اُتارا گیا تھا اور باب تفعیل تکرار پر دلالت کرتا ہے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ

پڑھا ہے۔(فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ) خوان کے اُترنے کے بعد(فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ) اس زمانہ کے لوگوں کو تو انہوں نے خوان کا انکار اور ناشکری کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ میں سے کافروں اور آل فرعون کو ہوگا۔

نزول مائدہ کا واقعہ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا یا نہیں؟ مجاہد اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے خوان کے انکار پر وعید بیان کی تو لوگوں کو خوف ہوا کہ کہیں ہم میں سے بعض لوگ کافر نہ ہو جائیں اس لیے وہ لوگ باز آ گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے تو وہ نہیں اُتارا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سوال کرو گے تو یہ اور صحیح قول جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں یہ ہے کہ مائدہ اُتارا گیا تھا کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اللہ تعالیٰ اپنی خبر کے خلاف نہیں کرتے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین سے متواتر خبریں موجود ہیں۔ پھر اس مائدہ کی کیفیت میں اختلاف ہوا ہے تو خلاس بن عمرو نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں گوشت روٹی اترتے تھے اور ان کو کہا گیا تھا کہ جب تک تم خیانت نہ کرو اور اس میں سے کچھ نہ چھپاؤ تو تم پر اُترتا رہے گا لیکن ایک دن بھی نہ گزرا کہ انہوں نے خیانت کی اور چھپا لیا تو ان کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا تھا کہ تیس دن روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے جو چاہو مانگو تمہیں دے گا تو انہوں نے روزے رکھے اور جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے اے عیسیٰ علیہ السلام! اگر ہم کسی کے لیے کام کرتے تو وہ ہمیں کھانا نہ کھلاتا؟ اور اللہ تعالیٰ سے مائدہ کا سوال کیا تو فرشتے مائدہ لائے اس پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں وہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو اس سے تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔

کعب احبار فرماتے ہیں کہ مائدہ منکوس شکل میں لایا گیا۔ اس کو فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اُڑا کر لے آئے اس پر گوشت کے علاوہ تمام کھانے تھے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مائدہ پر ہر چیز اُتاری گئی سوائے روٹی اور گوشت کے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر جنت کے پھل تھے اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے مچھلی اُتاری گئی جس میں ہر چیز کا ذائقہ تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر روٹی، چاول اور سبزی تھی اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جَو کی روٹیاں اور مچھلیاں اُتاریں اور یہ لوگ باری باری کھاتے رہے یہاں تک کہ سب کا پیٹ بھر گیا اور کھانا بچ گیا اور کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ روٹیاں اور مچھلی اُتاری تو انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ لوگ ایک ہزار سے زائد تھے جب وہ اپنی بستیوں کی طرف لوٹے اور یہ باتیں بتلائیں تو جو لوگ وہاں نہیں گئے تھے وہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے تمہارا ناس ہو تمہاری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہوگا۔ پس جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے بھلائی کا ارادہ کیا تھا ان کو اپنی بصیرت پر قائم رکھا اور جن کی آزمائش کا ارادہ کیا وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور شکلیں بگاڑ کر خنزیر بنادیئے گئے۔ ان میں کوئی بچہ اور عورت نہ تھی۔

تین دن اسی حالت میں رہے پھر ہلاک ہوگئے۔ آگے نہ ان کی نسل چلی اور نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اسی طرح ہر مسخ شدہ قوم کی آگے نسل نہیں چلی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مائدہ صبح، شام وہ جہاں ہوتے وہیں اُترتا جیسے بنی اسرائیل کے لیے من وسلویٰ اُترتا تھا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب حواریوں نے مائدہ کا سوال کیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے اون کا لباس پہنا اور رونے لگے اور دُعا کی تو سرخ چمڑے کا دسترخوان آسمان سے اُترا جس کے اوپر اور نیچے بادل تھا. لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ آہستہ سے نیچے اُتر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے بچھ گیا تو عیسیٰ علیہ السلام رو پڑے اور فرمانے لگے اے اللہ! مجھے شکر گزار بندوں میں بنا۔ اے اللہ! اس کو رحمت بنا سزا نہ بنا اور یہود وہ کھانے دیکھ رہے تھے انہوں نے نہ ان جیسے کھانے پہلے دیکھے نہ ایسی عمدہ خوشبو پہلے کبھی سونگھی تھی تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے اچھے اعمال والا کھڑا ہو اور اس کو کھولے اور اللہ کا نام لے تو حواریوں کے سردار شمعون صفار کہنے لگے کہ اس کام کے ہم سے زیادہ آپ لائق ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے، وضو کیا اور بہت لمبی نماز پڑھی اور بہت زیادہ روئے اور پھر کھانے پر سے رومال ہٹالیا اور فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ جو بہتر رزق دینے والا ہے۔ جب کھولا تو وہ بھنی ہوئی مچھلی تھی نہ اس کے سفنے تھے اور نہ کانٹے اس کے سر کی طرف نمک اور دُم کی طرف سرکہ تھا۔ اس کے اردگرد سبزیوں کی اقسام تھیں گندنے کے علاوہ اور پانچ روٹیاں تھیں ایک پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی اور چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر خشک گوشت کے ٹکڑے تو شمعون نے سوال کیا اے روح اللہ! (علیہ السلام) یہ دُنیا کے کھانوں میں سے ہے یا آخرت کے کھانوں میں سے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو نہ دُنیا کے کھانوں میں سے ہے نہ آخرت کے کھانوں میں سے لیکن یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی غالب قدرت سے وجود دیا ہے۔ کھاؤ اس سے جو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تم کو اپنے فضل سے زیادہ دے۔

تو وہ کہنے لگے اے روح اللہ! آپ علیہ السلام اس کھانے کی ابتداء کریں تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں اس کو کھاؤں جس نے سوال کیا ہے وہ خود کھائے تو وہ لوگ ڈر گئے تو عیسیٰ علیہ السلام نے فاقہ کش لوگوں اور مریضوں اور برص اور جزام والے لوگوں اور اپاہجوں کو بلایا اور کہا اللہ کے رزق سے کھاؤ تمہارے لیے نعمت ہے اور تمہارے علاوہ کے لیے آزمائش ہے تو ان لوگوں نے کھایا اور تیرہ سو مرد وعورت جن میں فقیر، مریض وغیرہ بھی تھے سیر ہوگئے اور مچھلی ویسی رہی جیسے نازل ہوئی تھی۔ پھر مائدہ آسمان کی طرف اُڑا اور وہ لوگ اس کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ پردہ میں چھپ گیا۔ اس سے جس مریض اور اپاہج نے کھایا تھا وہ تندرست ہوگیا اور جس فقیر نے کھایا غنی ہوگیا اور جنہوں نے نہیں کھایا تھا وہ نادم ہوئے۔ یہ خوان چالیس دن چاشت کے وقت اُترتا رہا۔ جب یہ اُترتا تو غنی، فقیر، بچے، بڑے مرد وعورت سب جمع ہو جاتے اور اس سے کھاتے لیکن جب سایہ لوٹتا تو یہ اُڑ جاتا۔ یہ دسترخوان ایک دن چھوڑ کر اُترتا جس طرح قومِ ثمود کی اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دودھ دیتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ

السلام کو وحی کی کہ میرے دستر خوان کو فقراء کے ساتھ خاص کر دیں، اغنیاء کو نہ کھانے دیں۔ یہ بات مال داروں کو ناگوار گزری اور خود بھی شک میں مبتلا ہوئے اور لوگوں کو شک میں ڈالنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ دستر خوان حق ہے جو آسمان سے اُترتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں نے یہ شرط کی تھی کہ جو شخص دستر خوان کے اُترنے کے بعد انکار کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جیسا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا تو عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا (اگر آپ ان کو عذاب دو تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف کر دیں تو بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں) تو ان میں سے تین سو تینتیس کی شکل بگاڑ دی گئی وہ رات کو اپنی بیویوں کے ساتھ سوئے تھے صبح کو سُور بن کر گلیوں اور گندگیوں میں دوڑتے پھرتے تھے اور گندگی کھاتے پھرتے تھے۔ جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو گھبرا کر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رونے لگے اور ان خنزیروں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو یہ بھی رونے لگے اور عیسیٰ علیہ السلام کے اِرد گرد چکر لگانے لگے عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر پکارتے تھے تو وہ اپنے سر سے اشارہ کرتے تھے اور روتے تھے لیکن بات کرنے پر قادر نہ تھے تین دن بعد ہلاک ہو گئے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ط اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں۔

تفسیر ۱۱۶ (وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

اذ قال اللہ یاعیسی ابن مریم والا قول کب ہوا

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ قول کب ہوگا؟ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھایا اس وقت یہ کہا کیونکہ "اِذْ" ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تمام مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہیں گے کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ نے کہا (یوم یجمع اللہ الرسل) اور اس کے بعد کہا (یوم ینفع الصادقین) تو ان دو سے بالاتفاق قیامت کا دن مراد ہے تو یہاں بھی ایسے ہے اور "اِذْ" کبھی "اذا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت کریمہ

"ولو تریٰ اذ فزعوا" میں "اذا" کے معنی میں ہے اور قیامت کا ہونا کیونکہ یقینی ہے اس لیے اس کو ماضی کے ساتھ ذکر کردیا جاتا ہے۔

(ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) اس سوال کا مقصد عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ڈرانا ہے جیسا کہ کوئی شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ کیا تو نے یہ یہ کام کیا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا لیکن صرف اطلاع دینے اور اس کام کے بہت بڑے ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے۔ اس سے استفہام مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود عبدیت کا اقرار کریں تو ان کی قوم یہ بات سن لے اور ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوجائے۔ اس بات میں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس کا حکم دیا تھا۔ ابوروق کہتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اس خطاب کو سنا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور جسم کے ہر بال سے خون کے آنسو نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ کو جواب میں عرض کیا۔ (قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ط اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ میرے غیب کو جانتے ہیں میں آپ کے تغیب کو نہیں جانتا اور کہا گیا ہے کہ آپ میرے راز کو جانتے ہیں اور میں آپ کے راز کو نہیں جانتا اور ابوروق کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ مجھ سے دُنیا میں ہوا اس کو جانتے ہیں اور میں جو کچھ آخرت میں آپ سے ہوگا اس کو نہیں جانتا اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفس نام ہے مکمل چیز اور اس کی حقیقت کا۔ یعنی آپ تو میرے معاملہ کی حقیقت کو جانتے ہیں اور میں آپ کے معاملہ کی حقیقت نہیں جانتا۔ (اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ) جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں

تفسیر ﴿۱۱۷﴾ (مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ) تنہا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ) اپنی طرف اٹھالیا (کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ) ان کے اعمال کی خبر رکھنے والا (وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۱۸﴾ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ)

شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ اعتراض ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے کافر ہونے کے باوجود ان کی مغفرت کا مطالبہ کیسے کر دیا۔

جواب ① مطلب یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر قائم ہونے کی حالت میں عذاب دے اور اگر ایمان لانے کے بعد ان کی مغفرت کر دے۔ یہ جواب سدی رحمہ اللہ کے قول پر درست ہے کہ یہ سوال قیامت کے دن سے پہلے ہو چکا کیونکہ قیامت میں ایمان نفع نہ دے گا۔

جواب ② یہ دیا گیا ہے کہ یہ قول دو جماعتوں کے متعلق ہے کہ اگر ان میں سے کافروں کو آپ عذاب دیں اور مغفرت کریں ان کی جو ان میں سے ایمان لائے اور کہا گیا ہے کہ یہ مغفرت کو طلب کرنے کے لیے نہیں کہا گیا اگر اس طرح ہوتا تو یوں کہتے "انت الغفور الرّحیم" لیکن یہ تو عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر سر جھکانے اور معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کے لیے کہا ہے اور دوسرا سوال تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو "ان تغفرلھم فانّک انت الغفور لھم فانّک انت الغفور الرّحیم" پڑھتے تھے اور ان کے مصحف میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے اور مشہور قرأت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "ان تغفرلھم فانھم عبادک و ان تعذّبھم فانّک انت العزیز الحکیم"

اور بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت کریں تو آپ اپنے ملک میں غالب اور اپنے فیصلہ میں حکیم ہیں۔ آپ کی عزت میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور آپ کے حکم سے کوئی چیز خارج نہیں ہے اور آپ کی حکمت، مغفرت وسعت رحمت میں کفار داخل ہوں گے لیکن آپ نے خبر دی کہ کفار کی مغفرت نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی خبر کیخلاف نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تلاوت کیا (رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ) اے میرے رب، بے شک ان لوگوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پس جو میرے پیچھے چلا پس بے شک وہ مجھ سے ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کا قول "ان تعذّبھم فانّھم عبادک الخ" تلاوت کیا اور اپنے ہاتھ اُٹھائے اور کہا اے اللہ! میری اُمت اور رو پڑے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا اے جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ حالانکہ تیرا رب خوب جانتا ہے ان سے پوچھو کس چیز نے آپ کو رُلایا ہے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا تھا اس کی خبر دی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان کو کہہ دو کہ آپ کی اُمت کے بارے میں عنقریب ہم آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو رُسوا نہ کریں گے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ط وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جولوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آوے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۱۹﴾ (قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ) نافع نے یوم کو میم کے زبر سے پڑھا ہے اور یہ اصل میں "فی یوم" تھا فی کو حذف کر کے یوم کو زبر دیا گیا اور باقی حضرات نے یوم کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "ھذا" کی خبر ہے یعنی سچوں کو دُنیا میں نفع دے گا ان کا سچ آخرت میں اور اگر وہ جھوٹ بولیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے اعضاء بول پڑیں گے جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ صادقین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین کو ان کا ایمان نفع دے گا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو گفتگو کرنے والے غلطی نہ کریں گے۔

❶ عیسیٰ علیہ السلام ان کا واقعہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔

❷ اللہ کا دشمن ابلیس اور وہ اللہ کے فرمان (وقال الشیطان لما قضی الامر اور کہے گا شیطان جب معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا) میں مذکور ہے تو اس دن اللہ کا دشمن سچ بولے گا اور اس سے پہلے جھوٹا تھا تو اس کا سچ اس کو نفع نہ دے گا اور عیسیٰ علیہ السلام دُنیا و آخرت میں سچے ہیں تو ان کا سچ ان کو نفع دے گا۔ (لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ)

﴿۱۲۰﴾ (لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ط وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ سورت مکی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیات ہیں یہ مکہ میں رات کو ایک مرتبہ مکمل نازل کی گئی، اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے انہوں نے مشرق و مغرب کے درمیان کا خلا پُر کر دیا تھا ان کی تسبیح، تحمید، تجید کی گنگناہٹ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبحان ربّی العظیم ...... سبحان ربّی العظیم" کہتے ہوئے سجدہ میں چلے گئے اور مرفوع روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ انعام پڑھی تو یہی ستر ہزار فرشتے اس دن اور اس کی رات اس کے لیے رحمت کی دُعا کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیات کے کہ یہ مدنی ہیں۔ "وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ" سے تین آیات اور "قل تعالوا" سے "لعلّکم تتقون" تک۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

ترجمہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

تفسیر ① (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ) کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تورات کی پہلی آیت ہے اور تورات کی آخری آیت (وقل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولداً اور آپ کہہ دیجئے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اولاد نہیں بنائی) ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتداء حمد سے کی اور فرمایا "الحمد للّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض" اور اس کو ختم بھی حمد کے ساتھ کیا اور کہا "وقضی بینھم بالحق مخلوقات کے درمیان وقیل الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین" (بعض نے کہا اس کا مطلب ہے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی بندوں کو سکھانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ صرف آسمان و زمین کو ذکر کیا اس لیے کہ یہ مخلوقات میں سب سے بڑے ہیں بندوں کی نگاہ میں اور ان دونوں میں کئی عبرتیں اور منافع ہیں

بندوں کے لیے۔(وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ) یہاں جعل خلق کے معنی میں ہے۔واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ظلمات اور نور مذکور ہیں وہ کفر اور ایمان ہیں۔سوائے اس آیت کے کیونکہ اس میں رات اور دن مراد ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنایا اندھیرا اور اُجالا یعنی کفر اور ایمان اور کہا گیا ہے کہ ظلمات سے جہالت اور نور سے علم مراد ہے اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یعنی جنت اور جہنم کو بنایا۔قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے پہلے اور تاریکی کو اُجالے سے پہلے اور جنت کو جہنم سے پہلے پیدا کیا۔عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ ڈال دیا تو جس کو وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جس سے چوک گیا وہ گمراہ ہو گیا۔(ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ)

یعنی اس کے بیان کے بعد بھی یہ کافر لوگ اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں۔عدل کا اصل معنی شے کے برابر کسی دوسری شے کو بنانا۔یعنی اللہ کے برابر غیر اللہ کو بناتے ہیں اور بعض نے کہا نضر بن شمیل نے کہا کہ باء عن کے معنی میں ہے یعنی اپنے رب سے اعراض کرتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے تحت بڑا لطیف معنی ہے جیسے کوئی کسی کو کہے کہ میں نے تم پر اتنے احسانات کیے پھر تم نے میرے احسانات کی ناشکری کی۔

هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَاللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں۔اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں

تفسیر: ② (هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ) یعنی آدم علیہ السلام کو۔تمام لوگوں کو یہ خطاب اس وجہ سے کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کیلئے زمین سے مٹی لینے کا واقعہ

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو زمین کی طرف بھیجا کہ اس کا کچھ حصہ لائیں تو زمین نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے کہ تو میرا کوئی حصہ کم کرے تو جبرئیل علیہ السلام خالی ہاتھ واپس لوٹ گئے اور کچھ نہ لیا اور کہا اے میرے رب! اس نے آپ کی پناہ لی ہے۔پھر میکائیل علیہ السلام کو بھیجا تو وہی معاملہ ہوا پھر موت کے فرشتے کو بھیجا۔اس نے اللہ کی پناہ مانگی تو اس نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ اس کے حکم کی مخالفت کروں تو زمین سے مٹی لی اور سرخ، سیاہ اور سفید مٹی کو ملا دیا۔اسی وجہ سے بنی آدم کے رنگ مختلف ہوگئے پھر اس کو میٹھے، نمکین اور کڑوے پانی سے گوندھا تو اس وجہ سے ان

کے اخلاق مختلف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو کہا کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے زمین پر رحم کیا اور تو نے رحم نہیں کیا تو اس مٹی سے میں جن کو پیدا کروں گا ان کی روح بھی تو اپنے ہاتھ سے نکالنا۔ (ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا ط وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک)

ثم قضی اجلاً کی تفسیر

حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے اجل سے مراد ولادت سے موت تک کا وقت ہے اور دوسرے اجل سے موت سے دوبارہ اُٹھنے تک کا اور وہ برزخ ہے اور یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک کے لیے دو مدتیں ہیں ایک مدت پیدائش سے موت تک اور دوسری موت سے بعثت تک۔ پس اگر نیک، متقی اور رشتوں کو جوڑنے والا ہو تو اس کی بعثت کی مدت سے زندگی کی مدت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور اگر گناہ گار رشتوں کو توڑنے والا ہو تو اس کی عمر کی مدت میں کمی ہو جاتی ہے اور بعثت کی مدت میں اضافہ اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی مدت دُنیا کی اور دوسری آخرت کی ہے اور عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "ثم قضی اجلاً" سے مراد نیند ہے کہ اس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر بیداری کے وقت لوٹا دی جاتی ہے۔ "واجلٌ مسمّی عنده" سے موت کا وقت مراد ہے۔ (ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ)

③ (وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ) یعنی آسمانوں اور زمین کا معبود اللہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا (اور وہی ہے آسمان میں معبود اور زمین میں معبود) اور محمد بن جریر رحمہ اللہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ آسمانوں میں ہے تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو زمین میں جانتا ہے اور زجاج فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی اور وہ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ اللہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو آسمانوں اور زمین (وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو)۔ جو تم خیر اور شر کو جانتے ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ
هُمْ ط فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ
قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ م بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥ وَلَوْ نَزَّلْنَا
عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

ترجمہ: اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں سو انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچی سو جلدی ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو

ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔

تفسیر ❹ (وَمَا تَاْتِيْهِمْ) یعنی مکہ والوں کے پاس (مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ) جیسے چاند کا ٹکڑے ہونا وغیرہ اور عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیات مراد ہیں (اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ) یعنی اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں۔

❺ (فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ) قرآن کو اور کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ) یعنی ان کے استہزاء کی خبر اور اس کا بدلہ یعنی عنقریب اپنے استہزاء کا انجام جان لیں گے جب ان کو عذاب دیا جائے گا۔

❻ (اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ)

قرن کی تفسیر

یعنی پہلی اُمتیں اور قرن لوگوں کی جماعت اس کی جمع قرون آتی ہے اور کہا گیا ہے کہ زمانے کی ایک مدت کو قرن کہتے ہیں۔ بعض نے وہ مدت اسی سال بعض نے ساٹھ سال بعض نے چالیس اور بعض نے تیس سال بتائی ہے اور سو سال کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن بشر مازنی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ ایک قرن زندہ رہیں گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔ ان تمام اقوال کے مطابق معنی یہ ہے کہ اہل قرآن کو (مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ) یعنی ان کو وہ کچھ دیا جو تمہیں نہیں دیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو عمر میں مہلت دی جیسے نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد و ثمود کو کہا جاتا ہے مکنته ومکنت له۔ (وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا) یعنی بارش کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "مدرارا" کا معنی یہ ہے کہ ضرورت کے وقت میں لگاتار برستی تھی اور باری تعالیٰ کا قول (مالم نمكن لكم) خطاب تکوین ہے۔ اپنے قول (الم یروا) خبر سے خطاب کی طرف رجوع کیا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول (حتى اذا كنتم فى الفلك وجرين بهم) ہے اور اہل بصرہ فرماتے ہیں ان کی خبر دی۔ (الم یروا) اس میں محمدؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے پھر ان کو ان کے ساتھ خطاب کیا۔ (وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ہم نے اس کو پیدا کیا اور اس کی ابتداء کی)

❼ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ اور نوفل بن خویلد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہنے لگے اے محمد! ہم آپ پر تب تک ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے

یہ لکھا ہوا نہ لائیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور چار فرشتے گواہ ہوں جو بتائیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اس کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَوْنَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ جو ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔

(فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ) یعنی اس کا معائنہ کر کے اپنے ہاتھ سے چھو لیں۔ آیت میں صرف چھونے کا ذکر ہے معائنہ کا نہیں کیونکہ چھونے سے معائنہ کی بنسبت زیادہ علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ جادو کا اثر آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیز پر تو ہو جاتا ہے لیکن چھونے والی چیز پر نہیں ہوتا۔ (لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ) مطلب یہ ہے کہ ان کو کوئی چیز نفع نہ دے گی کیونکہ ان کے بارے میں میرے علم میں یہی ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَکٌ ط وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ⑪

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا ہے پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب سے آ گھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

تفسیر: ⑧ (وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (مَلَکٌ ط وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ) یعنی عذاب واجب ہو جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے معاملہ میں طریقہ رہا ہے کہ جب وہ کسی نشانی کا مطالبہ کریں اور وہ اُتاری جائے اس کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو عذاب کے ذریعے ان کو جڑ سے اُکھاڑ دیا جاتا ہے (ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ) یعنی نہ ان کو کوئی مدت میعاد دی جائے گی اور نہ ہی مہلت دیئے جائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم فرشتہ اُتارتے پھر وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر جلدی عذاب آ جاتا اور آنکھ جھپکنے کی مہلت نہ دی جاتی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لقضی الامر" یعنی قیامت قائم ہو جاتی اور ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتہ اپنی صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ سب مر جاتے۔

⑨ (وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا) یعنی اگر ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجتے (لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا) کیونکہ وہ فرشتہ کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے اور دو فرشتے داؤد علیہ السلام کے پاس دو مردوں کی صورت میں آئے (وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ) یعنی ان پر معاملہ مشتبہ کر دیتے تو ان

کو پتہ نہ چلتا کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے اپنے دین میں فرقے کئے اور کلمات کو ان کی جگہ سے پھیرا تو اللہ نے ان پر معاملہ مشتبہ کردیا جوانہوں نے اپنے اوپر مشتبہ کیا تھا۔ اور زہری رحمہ اللہ نے (للبسنا) شد کے ساتھ پڑھا ہے تکریر اور تاکید کی بنا پر۔

⑩ (وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ) جیسا کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے (فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ) ان کے استہزاء کے بدلے عذاب نے۔

⑪ (قل) اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان جھٹلانے والوں اور ہنسی کرنے والوں کو (سیروا فی الارض) عبرت حاصل کرنے کے لیے (ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ) ان کے معاملہ کی جزاء کیا ہوئی؟ اور کفر اور تکذیب نے ان کو کیسے ہلاک کردیا۔ اس آیت میں کفار مکہ کو پہلی اُمتوں کے عذاب سے ڈرایا جارہا ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

ترجمہ آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے اس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں اور وہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا۔

تفسیر ⑫ (قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اگر جواب دیں تو ٹھیک ورنہ آپ خود کہہ دیں (قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ) فیصلہ کیا (عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفقت کا اظہار ہے ان لوگوں کے لیے جو اس سے پیٹھ پھیر رہے ہیں تا کہ وہ اس پر متوجہ ہوں اور خبر ہے کہ اللہ بندوں پر مہربان ہے جلدی سزا نہیں دیتا اور توبہ اور رجوع کو قبول کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ایک تحریر لکھی جو اللہ کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا میری رحمت میرے غصہ سے سبقت لے گئی ہے۔ (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتوں میں سے ایک رحمت دنیا کیلئے ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے سو رحمتیں ہیں ایک رحمت جن، انسانوں، جانوروں اور حشرات کے درمیان تقسیم کردی۔ پس اسی کی وجہ سے ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے

ہیں اور اسی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر شفیق ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے مؤخر کر دی ہیں ان کے ذریعے اپنے بندوں پر قیامت کے دن رحم کریں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے ان میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ نکل رہا تھا وہ قیدیوں میں جس چھوٹے بچے کو پاتی تو اس کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیتی اور دودھ پلا دیتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی تو ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس عورت کے اپنے بچے پر رحم کرنے سے زیادہ رحم کرتے ہیں (لَيَجْمَعَنَّكُمْ) اس میں لام قسم کا ہے اور نون تاکید کا ہے۔ یعنی اللہ کی قسم اللہ تم کو ضرور اکٹھا کرے گا (اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ) قیامت کے دن میں اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تم کو تمہاری قبروں میں قیامت کے دن تک جمع کرے گا (لَا رَيْبَ فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔

⑬ (وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ) قرار پکڑتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مراد وہ چیز ہے جو ساکن اور متحرک ہوتی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "سرابیل تقیکم الحر" میں مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں گرمی اور سردی سے بچاتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ سکون کو ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں نعمت زیادہ ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس چیز پر سورج طلوع اور غروب ہو وہ "ساكن الليل والنهار" ہے اور اس سے مراد زمین کی تمام چیزیں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اسی کے لیے ہے جس پر رات اور دن گزرتے ہیں۔ (وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ط قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ط وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

ترجمہ آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا کسی کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس شخص سے اس روز عذاب ہٹا دیا جاوے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور وہ صریح کامیابی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑭ (قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے آباء واجداد کے دین کی طرف بلایا گیا

تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا کسی کو میں اپنا رب اور معبود اور مددگار بناؤں؟ (فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) یعنی ان کا خالق اور ایجاد کرنے والا ہے۔ (وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ) یعنی وہ رزق دیتا ہے اس کو رزق نہیں دیا جاتا۔ جیسا کہ خود دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ان سے کسی رزق کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ (قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ) یعنی اس اُمت میں سے اور اسلام یہاں اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کے معنی میں ہے (وَلَا تَكُوْنَنَّ) یعنی مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تو ہرگز نہ ہو (مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)۔

⑮ (قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ) کہ اس کے غیر کی عبادت کروں (عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ) یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے۔

⑯ (مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ) یعنی جس سے وہ عذاب ٹال دیا گیا۔ حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے عاصم اور یعقوب سے روایت کر کے "یَصْرِف" یاء کے زبر اور راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جس سے اللہ عذاب ٹال دے تو اس پر رحم کیا اور باقی حضرات نے یاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (يَوْمَئِذٍ) یعنی قیامت کے دن (فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ) یعنی واضح نجات۔

⑰ (وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) خیر اور نقصان میں سے۔

اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والے کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر کسریٰ نے ہدیہ کیا تو آپ علیہ السلام بالوں کی ایک رسی ڈال کر اس پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے سوار کیا اور تھوڑا سا چلے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لڑکے! میں نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر اللہ کو اپنے سامنے پائے گا تو اللہ کو پہچان آسودگی میں وہ تجھے پہچانے گا سختی اور تنگی میں اور جب تو سوال کرے تو صرف اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر اور تحقیق قلم جاری ہو چکا ان چیزوں پر جو آگے ہوں گی اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے نفع دے اس چیز کا جو اللہ نے تیرے لیے فیصلہ نہیں کیا تو وہ اس پر قادر نہیں ہیں اور اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے وہ نقصان دے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر نہیں لکھا تو وہ اس پر قادر نہیں۔ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ تو صبر کرے یقین کے ساتھ تو ایسا کر اگر طاقت نہیں رکھتا تو صرف صبر کر کیونکہ ناپسند چیز پر صبر کرنے میں بہت بڑی بھلائی ہے اور بیشک کشادگی تکلیف کے ساتھ آتی ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی آتی ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑳

ترجمہ: اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے آپ کہیے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے۔

تفسیر ⑱ (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ) وہ غالب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ تدبیر میں منفرد ہے۔ مخلوق کو اپنی تدبیر پر مجبور کرتا ہے۔ فوق عبادہ یہ غلبہ کی صفت ہے جو تنہا اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کے معنی میں قدرت کے معنی سے زیادتی ہے۔ اس کا معنی دوسرے کو مراد کے پہنچنے سے روکنا (وَهُوَ الْحَكِیْمُ) اپنے کاموں میں (الْخَبِیْرُ) اپنے بندوں کے اعمال کی۔

⑲ (قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمیں وہ شخص دکھائیں جو یہ گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ کی تصدیق کرتا ہو اور ہم نے آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے بھی پوچھا ہے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری (قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً) (اگر وہ اس کا جواب دیں ورنہ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ ۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ) جو کچھ میں کہتا ہوں وہ میرے لیے حق ہونے کی اور تمہارے اوپر باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ (وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ) یعنی قیامت تک عجم اور دیگر قوموں تک پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل سے باتیں نقل کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جھوٹ بولا جان بوجھ کر وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ عبدالرحمٰن اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تر و تازہ رکھیں اس بندہ کو جس نے میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور آپ سے پہنچایا۔ پس بہت سے فقہ کو اُٹھانے والے جو خود فقیہ نہیں ہیں اور بہت سے فقہ کو اُٹھانے والے اس شخص کی طرف جو ان سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان پر کینہ نہیں کرتا، مسلمان کا دل ہمیشہ اللہ

کے لیے عمل کو خاص کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور اُن کی جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ اُن کی دُعا ان کے علاوہ کو بھی گھیر لیتی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں انسانوں اور جنوں میں سے جس تک قرآن پہنچ گیا تو قرآن اس کے لیے نذیر ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس شخص تک قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے سنا (اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی) اس لئے کہ تانیث جمع کو لاحق ہوجاتی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول (والله الاسماء الحسنى فادعوه بها) ہے اور فرمایا فما بال القرون الاولى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ تو کہہ دے اے محمد آپ گواہی دیں تو میں تو گواہی نہ دوں گا) کہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے (قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)

⑳ (اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) توریت اور انجیل (یَعْرِفُوْنَهٗ) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی صفات کے ساتھ (كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ) بچوں کے درمیان سے (اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ) جو لوگ نقصان میں ڈال چکے۔ یعنی غبن فاش۔

یہ نقصان اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کا ٹھکانہ جنت اور جہنم میں بنایا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جہنمیوں کے جنتی ٹھکانے دیں گے اور جہنمیوں کو جنت والوں کے جہنمی ٹھکانے۔ اور یہ خسارہ ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ㉒ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ㉓ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (۲۴)

ترجمہ اور اس سے زیادہ اور کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلادے ایسے بے انصافوں کو رستگاری نہ ہوگی اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے (بواسطہ یا بلاواسطہ توبیخ کے طور پر) کہیں گے کہ (بتلاؤ) تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہوگئیں۔

تفسیر ㉑ (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا) ظلم سے مراد کفر ہے۔ کذباً سے مراد اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے (اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ) کو (اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ) کافروں کو۔

㉒ (وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا) یعنی عابد اور معبود سب کو قیامت کے دن۔ یعقوب نے یہاں اور سورۃ سباء میں "یحشرهم" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور حفص نے ان کی موافقت سورۃ سباء میں کی ہے اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ (ثُمَّ نَقُوْلُ

10

لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ) کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے تمہارے رب کے سامنے۔

㉓ (ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ) حمزہ، کسائی اور یعقوب نے "یکن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ فتنہ افتتان کے معنی میں ہے تو فعل کو مذکر لانا جائز ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فتنة" کے مؤنث ہونے کی وجہ سے اور ابن کثیر، ابن عامر اور حفص نے عاصم رحمہما اللہ سے "فتنتھم" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کو "کَانَ" کا اسم قرار دیا ہے اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کو خبر بنایا ہے اور کان کا اسم "اَنْ قَالُوْا" کو بنایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد ان کی معذرت ہے۔ بعض علماء نے فتنہ کا ترجمہ تجربہ سے کیا ہے چونکہ ان کے اندرونی خیال کو ظاہر کرانے کا ایک تجربہ ہوگا۔ اس لئے جواب کو تجربہ فرمایا زجاج کا قول ہے کہ یہ لفظ اس جگہ ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض محب محبوب پر شیفتہ فریفتہ ہوتے ہیں لیکن جب اس شیفتگی اور عشق میں ان پر مصائب آتے ہیں تو وہ محبوب سے بیزار ہوجاتے ہیں۔ پھر اس وقت ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا عشق بس اتنا ہی ہوا کہ دکھ پڑا تو عشق بھول گیا۔ قیامت کے دن بتوں کی محبت سے بھی کافر اسی طرح بیزاری کریں گے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ. حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ربّنا" کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "منادیٰ مضاف" ہے اور باقی حضرات نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "واللّٰهِ" کی صفت ہے اور کہا گیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا منظر اور اہل توحید سے درگزر کا معاملہ دیکھیں گے تو آپس میں کہنے لگیں گے کہ آؤ ہم شرک کو چھپا لیتے ہیں تاکہ اہل توحید کے ساتھ نجات پا جائیں تو کہیں گے (اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ) تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے خلاف ان کے اعضاء کفر کی گواہی دیں گے۔

㉔ (اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ) باطل عذر کر کے اور شرک سے بیزاری ظاہر کر کے (وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ) یعنی جن بتوں کو خدا بنایا کرتے تھے وہ ان سے چلے گئے کیونکہ وہ تو ان کی شفاعت اور مدد کی اُمید رکھتے تھے قیامت کے دن ان سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ㉕ وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ یُّهْلِکُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ㉖

ترجمہ: اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان لاویں یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں اور یہ لوگ اس سے اوروں کو

بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔

تفسیر 25 (وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور اُمیہ اور اُبی خلف کے بیٹے اور حارث بن عامر۔

قرآن مجید کو کان لگا کر سنتے تھے تو انہوں نے نضر کو کہا اے ابو قتیبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا معلوم نہیں کیا کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو حرکت دے رہے ہیں اور پہلے لوگوں کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں جیسے میں تمہیں پہلی اُمتوں کے قصے سناتا ہوں۔ اس نضر کو پہلی اُمتوں کے بہت سے واقعات یاد تھے تو ابوسفیان نے کہا میرا خیال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتیں حق ہیں تو ابوجہل کہنے لگا ہرگز تو کسی چیز کا اقرار نہ کر اور ایک روایت میں ہے کہ موت ہم پر اس اقرار سے زیادہ آسان ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً) کنان کی جمع ہے جیسے "اَعِنَّة" عنان کی جمع ہے (اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا) بہرہ پن اور بوجھ اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹتے ہیں بعض کو ہدایت کے لیے کھول دیتے ہیں اور بعض کے اوپر پردے ڈال دیتے ہیں تو وہ اللہ کا کلام نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہیں (وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ) آیت سے مراد معجزات اور دلائل ہیں۔ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ) یعنی ان کے قصے اور اساطیر اسطورۃ اور اساطرۃ کی جمع ہے۔

26 (وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ) یعنی لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روکتے ہیں (وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ) یعنی اور خود دور ہوتے ہیں۔

ينهون عنه وينأون عنه کا شانِ نزول

محمد بن حنفیہ اور سدی وضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سے روکتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ علیہ السلام سے دور ہوتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی کہ لوگوں کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے روکتے تھے اور خود ایمان سے دور ہوتے تھے حتیٰ کہ مروی ہے کہ مشرکین کے سردار جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ ایک خوبصورت نوجوان لے لیں اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں تو ابوطالب نے کہا تم نے انصاف نہیں کیا۔ کیا میں تمہیں اپنا بچہ دے دوں کہ تم اس کو قتل کردو اور تمہاری اولاد کی پرورش کروں؟ اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی طرف بلایا تو انہوں نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے تو میں ایمان لاکر آپ کی آنکھوں کو ضرور ٹھنڈا کرتا لیکن جب تک زندہ رہوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتا رہوں اور چند اشعار کہے:

اللہ کی قسم وہ سب جمع ہو کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن ہو جاؤں
آپ اپنی ذمہ داری کو پورا کریں آپ پر کوئی پریشانی نہ ہو اور اس بات سے خوش ہو جائیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں

آپ نے مجھے دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں اور تحقیق آپ نے سچ کہا اور آپ وہاں امین ہیں
اور آپ نے مجھ پر ایسا دین پیش کیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مخلوق کے تمام ادیان میں سے بہتر دین
اگر ملامت اور برا بھلا کہا جانے کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین کا واضح مطیع پاتے

(وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ) یعنی ان کے افعال کا وبال ان ہی پر لوٹے گا۔ (وَمَا يَشْعُرُوْنَ)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ㉗ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ㉘ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ㉙ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ㉚

ترجمہ: اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ وہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جاویں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جاویں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ایمان والوں سے ہو جاویں بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال جینا ہے اور ہم زندہ نہ کیے جاویں گے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے۔ وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرماوے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو

تفسیر: ㉗ (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ) کہا گیا ہے کہ آگ پر پیش کیے جائیں گے اور "لَوْ" کا جواب محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں تو بڑا عجیب منظر دیکھیں گے۔ (فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ) دُنیا کی طرف (وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)

㉘ (بَلْ بَدَا لَهُمْ) یعنی معاملہ ویسا نہیں جیسا یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کو واپس بھیج دیا جائے تو وہ ایمان لائیں گے بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لیے (مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ) دُنیا میں اپنا کفر اور گناہ (وَلَوْ رُدُّوْا) دُنیا میں ان کے کفر اور معصیت کی طرف اور ما كانوا يخفون سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خصوصی اوصاف جو اہل کتاب جانتے تھے مگر ان صفات کو چھپاتے تھے۔ مبرد کا قول ہے کہ ما كانوا يخفون کو مبتدا متضمن شرط اور بدالهم کو خبر متضمن جزا کے ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا بدالهم کا معنی ہے بداعنهم پھر فرمایا (ولو ردوا) یعنی لوٹا دیئے جاتے۔ دنیا کی طرف (لعادوا لما) تو وہ لوٹ آئے جس سے ان کو روکا گیا (نُهُوْا عَنْهُ) یعنی کفر (وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ) اس قول میں کہ اگر ہمیں دوبارہ بھیج دیا جائے تو ہم اپنے رب کی

آیات کو نہ جھٹلائیں گے اور ایمان لائیں گے۔

㉙ (وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ) یہ ان کے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے انکار کی خبر دی۔

㉚ (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ) اس کے حکم پر اور اس کے فیصلہ پر اور بعض نے کہا کہ اپنے رب پر پیش کیے جائیں گے (قَالَ) ان کو اور کہا گیا ہے کہ جہنم کے داروغہ اللہ کے حکم سے یہ کہیں گے (اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ) یعنی دوبارہ اُٹھنا اور عذاب حق نہیں ہے؟ (قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا) کہ یہ حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں کئی جگہ مجلس لگے گی، ایک مجلس میں اقرار کریں گے، دوسری میں انکار کریں گے، ان کا یہ قول ایک مجلس میں ہوگا اور "واللّٰہ ربّنا ما کنّا مشرکین" والا قول دوسری مجلس میں ہوگا۔ (قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ㉛ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ㉜ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ㉝

ترجمہ بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آ پہنچے گا۔ کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے ہوں گے اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر ㉛ (قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ) یعنی اپنے آپ کو تباہ کیا اللہ کی طرف لوٹنے کے انکار کرنے کے ساتھ اور بعث بعد الموت کے انکار کرتا ہے۔ (حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس) ندامت کو نداء کے ذریعے ذکر کیا گیا ہے مبالغہ پیدا کرنے کے لیے۔ سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا کہ وہ کہہ رہے ہوں گے اے حسرت یہ تیرا وقت ہے (عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی) یعنی کہنا ماننے میں اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں آخرت کا عمل چھوڑ دیا اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فیھا" کی ھاء "صفقة" یعنی سودے کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جب ان پر ظاہر ہوا کہ ہم نے آخرت کو دُنیا کے بدلے بیچ کر خسارہ کا سودا کیا تو کہنے لگے اے افسوس کہ اس سودے میں ہم نے کوتاہی کی۔ آیت میں "صفقة" کے ذکر کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ "قد خسر" اس پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کہ خسران صرف بیع کے سودے میں ہوتا ہے حسرۃ یہ ندامت سے سخت

ہے(وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْ زَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ) اپنے بوجھ اور اپنے گناہ۔ سدی اور دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جب اپنی قبر سے نکالا جائے گا تو اس کا استقبال اچھی صورت اور عمدہ خوشبو والی چیز کرے گی اور اس سے پوچھے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں۔ تو وہ کہے گی میں تیرا نیک عمل ہوں مجھ پر سوار ہو جا۔ تحقیق دُنیا میں، میں نے بہت لمبا عرصہ تجھ پر سواری کی۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (جس دن ہم متقین کو جمع کریں گے رحمٰن کی طرف وفد بنا کر) کا یعنی سوار کر کے اور بہرحال کافر تو اس کا استقبال بدصورت چہرے والی اور انتہائی بدبودار چیز کرے گی اور کہے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں وہ کہے گی میں تیرے گندے اعمال ہوں دُنیا میں بہت لمبا عرصہ تو مجھ پر سوار رہا اب میں تجھ پر سواری کروں گی۔ یہی معنی ہے اللہ کے فرمان۔(اَوْ زَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وہ اُٹھائیں گے بوجھ اپنی پیٹھوں پر) کا۔(اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ بوجھ برا انہوں نے اٹھایا۔

㉜ (وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ) باطل اور دھوکہ اس کو بقا نہیں (وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ" پڑھا ہے اور "وار کعوا اخرة" کو دار کی طرف مضاف کیا گیا اور شے کو اس کی ذات کی طرف مضاف کیا جا سکتا ہے۔ جب دونوں لفظوں میں مختلف ہوں جیسے قرآن میں ہے "وحبّ الحصيد" اور لوگوں کا قول ربیع الاوّل، مسجد الجامع۔ دُنیا کو قریب ہونے کیوجہ سے دنیا کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا اس کے گھٹیا ہونے کی وجہ سے دنیا کہا گیا اور آخرت نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دُنیا کے بعد ہے۔(خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ) کہ آخرت افضل ہے دُنیا سے۔ اہل مدینہ، ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "افلا تعقلون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے یہاں اور سورۃ اعراف، سورۃ یوسف، سورۃ یٰسین میں اور ابوبکر رحمہ اللہ نے ان کی موافقت سورۃ یوسف میں کی ہے اور حفص رحمہ اللہ نے سورۃ یٰسین کے علاوہ تمام جگہ موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ تمام جگہ پڑھا ہے۔

㉝ (قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنس بن شریق اور ابوجہل بن ہشام کی ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابوجہل کو کہا اے ابوالحکم محمد بن عبداللہ کے بارے میں بتا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟

کیونکہ یہاں میرے علاوہ کوئی تیری بات سننے والا نہیں ہے۔ تو ابوجہل کہنے لگا اللہ کی قسم! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اگر "قُصی" کی اولاد جھنڈا، پانی پلانے کی خدمت، چوکیداری، مجلس مشورہ اور نبوت سب کچھ لے گئی تو باقی قریش کے قبیلوں کے لیے کیا بچے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ناجیہ بن کعب کہتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں لگاتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں صرف آپ کا وہ دین جھٹلاتے ہیں جس کو آپ علیہ السلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں) کہ آپ جھوٹے ہیں (فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ نافع اور کسائی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ اور تکذیب یہ ہے کہ تو کسی کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے اور اور اس کو کہے کہ تو نے جھوٹ کہا ہے اور

کذب یہ ہے کہ تو کسی کو جھوٹا پائے۔ عرب کہتے ہیں اجد بت الارض واخصبتھا جب تو زمین کو خشک سال اور بنجر پائے۔
لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) یعنی وہ چھپ کر آپ کی تکذیب نہیں کرتے کیونکہ آپ کا سچا ہونا تو ان کو معلوم ہے وہ تو میری وحی اور میری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا (وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم)

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾

(ترجمہ) اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد کو پہنچی۔ اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ ہدایت پر جمع کر دیتا سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔

(تفسیر) ﴿34﴾ (وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ) ان کو بھی ان کی قوموں نے ایسے ہی جھٹلایا جیسے آپ علیہ السلام کو قریش نے۔ (فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا) ان لوگوں کو عذاب دینے کے ساتھ جنہوں نے جھٹلایا۔ (وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ) اور جو اس نے فیصلہ کر دیا اس کو توڑنے والا کوئی نہیں اور اس نے اپنی کتاب میں اپنے انبیاء کی مدد کا فیصلہ لکھ دیا ہے اور فرمایا (ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون) وان جندنا لھم الغالبون اور فرمایا (انا لننصر رسلنا) اور فرمایا (کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی) اور حسن بن فضل فرماتے ہیں اس کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ (وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ) اور من صلہ ہے جیسے تو کہے اصابنا من مطر

﴿35﴾ (وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ) یعنی اگر ان کا آپ ایمان لانے سے اعراض کرنا آپ علیہ السلام پر گراں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے ایمان لانے کی بڑی خواہش تھی اور وہ جب کوئی نشانی مانگتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ نشانی دکھا دیں شاید وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى) تو ایسا کر لیں (اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر) تو سب ایمان لے آتے (فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ) یعنی اس حرف کے ساتھ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی) ہے اور جو کفر کرے گا وہ اللہ کے علم میں پہلے سے ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا
نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ
مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھاویں گے پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جاویں گے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرماویں لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے دفتر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (سب کو لکھ دیا ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جاویں گے۔

تفسیر ﴿۳۶﴾ (اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ) یعنی مؤمنین جو نصیحت کو سنتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں تو ان کو نفع دیتی ہے نہ کہ وہ لوگ جن کے کانوں پر اللہ نے مہر کر دی ہو۔ (وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ) یعنی کفار کو۔ (اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ)۔ پھر ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کریں گے۔

﴿۳۷﴾ (وَقَالُوْا) یعنی قریش کے سردار (لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ) کہ اس نشانی کے اُتارنے میں ان پر کیا مصیبت ہوگی۔

﴿۳۸﴾ (وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ)

امم امثالکم کی تفسیر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کی اقسام ہیں جو اپنے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ یعنی حیوان کی ہر جنس ایک اُمت ہے۔ پس پرندے ایک اُمت ہیں اور حشرات الگ اُمت اور مکھیاں الگ اُمت اور درندے الگ اُمت ہیں۔ ہر ایک اپنے نام سے پہچانی جاتی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد انسان اور ناس کے لفظ سے پہچانی جاتی ہے۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اگر کتے اُمتوں میں سے ایک اُمت نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے بالکل سیاہ کو قتل کر دو اور کہا گیا ہے کہ "امم امثالکم" کا مطلب یہ ہے کہ بعض بعض سے سمجھ حاصل کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ تمہاری طرح اُمت ہے پیدائش اور موت اور دوبارہ اُٹھنے میں اور عطاء فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح اُمت ہیں توحید اور معرفت میں۔ ابن قتیبہ رحمہ

اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح اُمت ہیں غذا اور رزق تلاش کرنے میں اور ہلاکت سے بچنے میں (مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ) لوح محفوظ میں (مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حشر سے موت مراد ہے

قیامت کے دن کافر بھی مٹی ہو جانے کی تمنا کرے گا

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو یعنی درندوں، چوپایوں، پرندوں وغیرہ کو جمع کریں گے پھر سینگ والے جانور سے بغیر سینگ والے کو مارنے کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم مٹی ہو جاؤ اس وقت کافر تمنا کریں گے اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب حق کو اس کا حق قیامت کے دن دیا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کے لیے سینگ والی سے بدلہ لیا جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ بہرے اور گونگے ہو رہے ہیں طرح طرح کی ظلمتوں میں ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگا دیں۔ آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو سب کو بھول بھال جاؤ۔ اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں پیغمبر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھلاتا رہا۔

تفسیر: ﴿۳۹﴾ (وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ) نہ خیر کی بات سنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں (فِی الظُّلُمٰتِ) کفر کے اندھیروں میں (مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) اور وہ اسلام ہے۔

﴿۴۰﴾ (قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ) کیا تم دیکھتے ہو؟ یہاں کاف تاکید کے لیے ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب "ارأیتک" کا لفظ بولتے ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ ہمیں خبر دو قراء اہل مدینہ ارأیتکم و ارأیتم و ارأیت دونوں ہمزہ کے ساتھ پڑھتے

ہیں کسائی ان دونوں ہمزوں کے محذوف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں بھلا بتاؤ تو (اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ) موت سے پہلے (اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ) یعنی قیامت کا دن (اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ) اپنے سے عذاب ہٹانے کے لیے (اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) مراد یہ ہے کہ اضطراری حالت میں کفار اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جیسے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ واذا غشیھم موج کا لظلل دعوا اللہ مخلصین لہ الدین

④① پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ) یعنی صرف اللہ کو پکارتے ہو اس کے غیر کو نہیں پکارتے (فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ) یہاں قبولیت دُعا کے لیے اپنے چاہنے کی قید لگائی ہے اسی طرح تمام کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں (وَتَنْسَوْنَ) چھوڑ دیتے ہو (مَا تُشْرِكُوْنَ)

④② (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ) سختی اور بھوک میں (وَالضَّرَّآءِ) بیماریوں میں (لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ) یعنی توبہ کریں اور عاجزی کریں۔ "تضرّع" کا معنی ذلت کے ساتھ سوال کرنا۔

④③ (فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا) یعنی کیوں نہیں ایمان لائے کہ ان سے عذاب دور کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ ایک قوم جو انتہائی سخت دل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان اور مال میں سختی کی لیکن وہ نہ جھکے اور نہ گڑگڑائے۔ پس یہی ہے اللہ کا فرمان (وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) یعنی ان کا کفر اور گناہ۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ④④ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ④⑤ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ④⑥

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو کہ تمام عالم کا پروردگار ہے آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دیدے آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔

تفسیر ④④ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ) یعنی جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اور جو احکام دیئے گئے تھے ان کو چھوڑ دیا۔ (فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ) ابو جعفر نے "فتحنا" کو شد کے ساتھ تمام قرآن میں پڑھا ہے اور ابن عامر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے جب اس کے بعد جمع ہو اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا ترجمہ استدراج اور مکر کے

ہوں گے مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آزمائش اور سختی کے بدلے نرمی اور صحت کو دیا (حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا) یہ اکڑنے کی خوشی تھی جیسے قارون دُنیا کے ملنے پر خوش ہوا تھا۔ (اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً) ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ایمان لائے جس پر وہ تھے اور جو کچھ دنیا میں ان کو دیا گیا تھا اس پر متعجب ہونے لگے...... (فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ) ہر خیر سے نا اُمید ہوگئے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مبلس شرمندہ غمگین کو کہتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کی پسندیدہ چیزیں دے رہا ہے اور وہ بندہ گناہوں پر ڈٹا ہوا ہے تو یہ استدراج ہے پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی "فَلَمَّا نسوا ما ذُكِّرُوْا به (الآية"

㊺ (فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا) مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے تو ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹنے پر اپنی تعریف کی ہے کیونکہ یہ اللہ کے رسولوں پر نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حمد ذکر کر کے مؤمنین کو تعلیم دی کہ وہ اللہ کی اس بات پر تعریف کریں کہ وہ ان کو ظالموں سے کافی ہوگیا۔ اور محمدؐ اور آپ کے ساتھی بھی اپنے رب کی حمد کریں جب وہ مکذبین کو ہلاک کردے۔

㊻ (قُلْ اَرَءَیْتُمْ) اے مشرکو! (اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ) حتیٰ کہ تم کچھ بھی نہ سن سکو (وَاَبْصَارَكُمْ) حتیٰ کہ بالکل کوئی چیز نہ دیکھ سکو (وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ) حتیٰ کہ تم کچھ بھی نہ سمجھ سکو اور دُنیا کی جن چیزوں میں مہارت ہے ان کو بھی نہ پہچان سکو (مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ)

سوال۔ یاتیکم بہ فرمایا بہ میں ہ ضمیر مفرد ہے جبکہ ماقبل میں کان، آنکھ، عقل، تین اشیاء کا ذکر ہے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔

جواب۔ یہ المذکور کی تاویل میں ہے کہ ان میں سے ایک چیز بھی چلی جائے تو وہ بھی کوئی نہیں لاسکتا۔

جواب۔ ہ ضمیر کا مرجع سمع کی طرف راجع ہے جو اولاً ذکر کیا ہے باقی اس کے تحت شامل ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے (واللہ ورسولہ أحق أن یرضوہ) یہاں پر ضمیرہ واحد ہے جبکہ ماقبل مرجع اللہ اور رسول دو ہیں لیکن یہاں پرہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ کی رضا میں رسول کی رضا کو شامل کیا گیا (اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ) ہم نبوۃ و توحید پر دلیل کیلئے کیا کیا علامات بیان کرتے ہیں۔ تکذیب کرنے والے اس سے اعراض کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ㊼ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ㊽ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ㊾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿50﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ
یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿51﴾

(ترجمہ) آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جاوے گا اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراویں پھر جو شخص ایمان لے آوے اور درستی کرلے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاویں ان کو عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرے سے نکلتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرلیتا ہوں آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتے ہیں سو کیا تم غور نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جاویں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا اس امید پر کہ وہ ڈر جاویں۔

(تفسیر) ﴿47﴾ (قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً) کہ تم اس کو اُترتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رات اور دن کو آئے۔ (هَلْ یُهْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ) ظالم سے مراد مشرک ہیں۔

﴿48﴾ (وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ) عمل فَلَا خَوْفٌ جس وقت جہنم والے ڈر رہے ہوں گے (عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ) جب وہ جہنم والے غمگین ہوں گے۔

﴿49﴾ (وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ) کس سے مراد پہنچنا۔ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ یعنی کفر کرتے تھے۔

﴿50﴾ (قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ) جب مشرکین نے نشانیوں کے مطالبات کیے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ان کو کہہ دیں کہ (قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ) یعنی اس کے رزق کے خزانے کہ جو تم مانگو تمہیں دیدوں۔ (وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ) کہ تمہیں پچھلی اگلی سب باتوں کی خبر دے دوں (وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ) یہ اس وجہ سے کہا کہ فرشتہ ان باتوں پر قادر ہوتا ہے جن پر انسان قادر نہیں ہوتا اور وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جو انسان نہیں دیکھ سکتا۔ مراد یہ ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات میں نے نہیں کی کہ جس کی وجہ سے تم میری بات کا انکار کرو (اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ) یعنی جو تمہارے پاس میں لاتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے ہے اور یہ بات عقلاً محال بھی نہیں ہے کیونکہ اس پر واضح دلائل موجود ہیں۔ (قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کافر اور مؤمن اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گمراہ اور ہدایت یافتہ اور کہا گیا ہے جاہل اور عالم۔ (اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

﴿51﴾ (وَاَنْذِرْ بِهِ) آپ قرآن کے ذریعے سے ان کو ڈرائیں (الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا) ان کو جمع کرے گا اور پھر

اٹھائے گا(اِلٰی رَبِّهِمْ) بعض نے کہا کہ یخافون سے مراد یعلمون ان کوخوف اپنے اعمال کی وجہ سے تھا اور وہ اس خوف کو جانتے بھی تھے۔ (لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ) اللہ کے سوا کوئی نہیں (وَلِيٌّ) کوئی قریبی جو ان کو نفع پہنچائے وَّ لَا شَفِيْعٌ اور نہ کوئی شفیع (لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ) ان چیزوں سے جن سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا سب کی سفارش کی نفی کر دی ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سفارش کریں کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کر سکیں گے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔

تفسیر: ﴿۵۲﴾ (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ) ابن عامر نے (بالغداۃ) غین کے پیش اور دال کے سکون اور اس کے بعد واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ الکہف میں بھی اور دیگر حضرات نے غین اور دال کے زبر اور دال کے بعد الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

لاتطرد الذین سے کون لوگ مراد ہیں: سلمان اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور ان کے قبیلہ کے مؤلفہ قلوب آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال، صہیب اور عمار و خباب رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے جو کہ غریب مؤمنین میں سے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد ان کو دیکھا تو ان کو حقیر سمجھا اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کسی اونچی جگہ بیٹھتے اور ہم سے ان لوگوں اور ان کے جبوں کی بدبو کو دور کر دیتے تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھتے اور آپ سے دین حاصل کرتے۔ ان حضرات نے اون کے جبے پہنے ہوئے تھے جس سے پسینے کی بدبو آ رہی تھی۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مؤمنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے الگ نشست گاہ بنائیں تا کہ عرب ہمارے مرتبہ کو پہچان لیں کیونکہ آپ کے پاس وفد آتے رہتے ہیں اور ہمیں حیاء آتی ہے کہ ہمیں عرب ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ علیہ السلام ان کو اپنے پاس سے کھڑا کر دیا کریں۔ جب ہم فارغ ہو لیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا آپ علیہ السلام اس بات پر ایک تحریر ہم کو لکھ دیں، آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلایا اور یہ ضعفاء مؤمنین بھی ایک طرف بیٹھے تھے کہ اچانک جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ

تحریر پھینک دی اور ہمیں بلایا اور آپ علیہ السلام یہ فرمارہے تھے (سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ)
تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتے تھے پھر جب آپ علیہ السلام کا قیام کا ارادہ ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدواۃ والعشی یریدون وجھہ) آپ علیہ السلام اپنے آپ کو روکے رکھئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اس کی رضا کو چاہتے ہیں) تو اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھتے اور ہم آپ کے اتنے قریب ہو جاتے کہ ہمارے گھٹنے آپ علیہ السلام کے گھٹنے کو چھو جاتے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا وقت ہوتا تو ہم آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تو آپ علیہ السلام بھی مجلس سے کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تب تک موت نہیں دی جب تک یہ حکم نہ دے دیا کہ میں اپنی اُمت کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھوں تمہارے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ساتھ موت ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ایک دن ہماری ملاقات کا مقرر کر دیں، ایک دن ان کی ملاقات کا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسا نہ کروں گا تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ رہیں اور ان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے کہا اگر بلال اور ابن اُم عبد رضی اللہ عنہما نہ ہوتے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''غداۃ'' اور ''عشی'' سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ کیونکہ کچھ غریب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس پر کچھ بڑے لوگوں نے کہا کہ جب ہم نماز میں شریک ہوں تو ان لوگوں کو آپ پیچھے کر دیا کریں یہ ہمارے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حقیقت دعا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ یعنی اپنی عبادت کے بدلے صرف اللہ کو چاہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے ثواب کے طالب ہیں۔ (مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ) وہ نہ آپ علیہ السلام کے معاملے کے مکلف ہیں اور نہ آپ علیہ السلام ان کے معاملہ کے اور بعض نے کہا کہ ان کا رزق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ نہیں کہ ان سے اُکتا جائیں۔
کہ آپ علیہ السلام ان کو دور کرنے لگیں کہ آپ کا رزق ان کے ذمہ ہے (فتطردھم) جواب ہے باری تعالیٰ کا قول ہے (ماعلیک من حسابھم من شیء) پس ہو جائیں گے آپ بے انصافوں میں) کا اور باری تعالیٰ کا قول فتکون من الظالمین جواب ہے باری تعالیٰ کے قول ولا تطرد کا ان میں سے ایک نفی کا جواب ہے اور دوسرا نہی کا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ م بَيْنِنَا ۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تا کہ یہ لوگ کہا کریں کہ یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر ﴿۵۳﴾ (وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ) مراد یہ ہے کہ مالداروں کو فقراء کے ذریعے اور شریفوں کو کمینوں کے ذریعے آزمایا ہے اور یہ آزمائش اس طرح ہے کہ اگر کوئی شریف کسی کمینے کو ایمان میں سبقت کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس وجہ سے وہ اسلام لانے سے رُک جاتا ہے۔ یہ اس کی آزمائش ہے۔ (لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا) تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا (اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ) یہ استفہام ہے لیکن معنیٰ میں خبر ہے۔ یعنی اللہ خوب جانتے ہیں کہ کس کو اسلام کی ہدایت دیں تو وہ شکر کرے گا۔

جنت میں داخلے کے وقت مالدار لوگوں سے سبقت کرنے والے کون لوگ ہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں غریب مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں سے بعض دوسروں کی آڑ لے کر اپنے جسم کو چھپا رہے تھے اور ایک قاری ہم کو تلاوت سنا رہے تھے کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم پر کھڑے ہوگئے تو قاری خاموش ہوگیا تو آپ علیہ السلام نے سلام کیا اور پوچھا کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک قاری ہم پر قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم اللہ کی کتاب کو توجہ سے سن رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں سے وہ لوگ بنائے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا کہ میں ان کے ساتھ اپنے آپ کو روکوں۔ پھر آپ علیہ السلام ہمارے درمیان میں بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا تا کہ سب ایک حلقہ بنالیں اور سب کے چہرے آپ علیہ السلام کے سامنے واضح ہوجائیں تو میں نے دیکھا کہ میرے سوا اس مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نہ پہچانتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن مکمل نور کے ساتھ خوش ہو جاؤ تم لوگ جنت میں مالدار لوگوں سے آدھا دن پہلے داخل ہوگے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کی مقدار ہوگا۔

واذا جاء ک الذین یؤمنون سے کون لوگ مراد ہیں

﴿۵۴﴾ (وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ) عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہی لوگوں

کے بارے میں نازل ہوئی جن کو دور کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو دیکھتے تھے تو سلام میں پہل کرتے تھے اور عطاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، بلال، سالم، ابوعبیدہ، مصعب بن عمیر، حمزہ، جعفر، عثمان بن مظعون، عمار بن یاسر، ارقم بن ابی ارقم، ابوسلمہ بن عبدالاسد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا م بِجَهَالَةٍ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال اور حرام کو نہ جانتا ہو اور اس ناواقفیت سے گناہ کر بیٹھا ہو اور بعض نے کہا کہ اس گناہ کے نقصان سے ناواقف ہو اور بعض نے کہا کہ وہ جاہل یوں ہے کہ گناہ کو عبادت پر ترجیح دی اور جلدی کی تھوڑی چیز کی وجہ سے بعد میں آنے والی کثیر چیز کو چھوڑ دیا۔

(ثُمَّ تَابَ مِنْ م بَعْدِهٖ) اپنے گناہ سے رجوع کرلے (وَاَصْلَحَ) اور اپنے عمل کو نیک کرلے بعض نے کہا کہ خالص توبہ کرے۔ (فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) ابن عامر، عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ نے "انّه من عمل فانه غفور" میں دونوں جگہ الف پر زبر پڑھی ہے اور اس کو رحمۃ سے بدل بنایا ہے۔ یعنی لکھ دیا ہے اللہ نے اپنے اوپر کہ جو کوئی کرے تم میں سے الخ۔ پھر دوسرے کو پہلے سے بدل بنایا ہے اور اہل مدینہ نے پہلے کو فتحہ دیا ہے اور دوسرے کو زیر دے کر نیا جملہ بنایا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں پر زیر پڑھی ہے اور نیا جملہ بنایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہوجاوے آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو بے راہ ہوجاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کررہے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

(تفسیر) ۵۵ (وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ) یعنی جس طرح اس صورت میں ہم نے اپنے دلائل واضح کیے مشرکین پر اسی طرح ہم آیتوں کو بیان کریں گے یعنی ہر اس حق بات میں آپ کے لیے دلائل بیان کریں گے جس کا باطل لوگ انکار کریں گے (وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ) یعنی مجرموں کا طریقہ۔ اہل مدینہ نے "لتستبين" کو تاء کے ساتھ اور سبیل المجرمین کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ یعنی تاکہ ہم پہچان لیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجرموں کا

راستہ اور حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے "لیستبین" کو یاء کے ساتھ اور سبیل کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے لتستبین کو تاء کے ساتھ اور سبیل کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی واضح ہو جائے راستہ اور سبیل کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے مذکر کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "وان یروا سبیل الرّشد لایتخذوہ سبیلا" اور مؤنث کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لِمَ تصدّون عن سبیل اللّٰہ من امن بہ وتبغونھا عوجا"

56 (قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَ كُمْ) بتوں کی عبادت کرنے اور فقراء کو دھتکارنے میں (قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ) یعنی اگر میں نے ایسا کیا تو میں نے حق راستہ کو چھوڑ دیا اور غلط راستہ پر چل پڑا۔

57 (قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ)۔ بیانٌ بصیرت اور برہان پر۔ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ جس کو میں لایا۔ (مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ) بعض نے کہا کہ وہ عذاب کو جلدی طلب کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول مذکور ہے (ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارة اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر) اور بعض نے کہا اس سے قیامت مراد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (قیامت کو جلدی چاہتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں لاتے)......(اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ) دیگر حضرات نے "یقضی" پڑھا ہے قاف کے سکون اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ۔

قضیت سے ہے یعنی حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا (وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ) اور فصل قضاء میں ہوتا ہے اور یاء کو حذف کیا الف اور لام کے ثقیل ہونے کی وجہ سے جیسے باری تعالیٰ کا قول (صال الجحیم) ہے اور بالحق نہیں کہا اس لئے کہ حق مصدر کی صفت ہے گویا کہ فرمایا یقضی القضاء الحق ۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ 58 وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ 59
وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ 60

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کے پاس میں خزانے کا مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ

سب کتاب مبین میں ہیں اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تا کہ میعاد معین تمام کر دی جاوے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر 58 (قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ) میرے ہاتھ میں (مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ) یعنی عذاب (لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ) یعنی میں عذاب دے کر تمہیں ہلاک کر کے تم سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ)

59 (وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ) غیب کی کنجیاں یعنی اس کے خزانے۔ مفتح کی جمع ہے۔

مفاتیح الغیب کی مختلف تفسیریں

مفاتیح الغیب کی تفسیر میں مفسرین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی چابیاں پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رحم میں کیا ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کل کیا ہونا ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بارش کب آئے گی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ کس زمین میں اس کی موت آئے گی اور قیامت کب قائم ہوگی اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غیب کی چابیوں سے زمین کے خزانے مراد ہیں اور عذاب نازل ہونے کا علم اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثواب اور عقاب میں سے کیا پوشیدہ ہے وہ مراد ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے سوائے غیب کی چابیوں کے علم کے

(وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ)

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "البر" سے جنگل اور چٹیل میدان مراد ہیں اور "البحر" سے شہر اور بستیاں۔ ان دونوں میں جو چیز بھی ہوتی ہے اللہ اس کو جانتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معروف معنی مراد ہیں یعنی جنگل اور سمندر۔ (وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا) یعنی جتنے پتے درختوں سے گرتے ہیں اور جو باقی رہتے ہیں ان کی تعداد کو جانتا ہے (اور اللہ تعالیٰ ان پتوں کو بھی جانتا ہے جو زمین پر گرے ہوئے ہیں کہ کب میں پلٹیں گے (وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ) بعض نے کہا کہ وہ دانہ جو زمین میں پوشیدہ ہے۔ بعض نے کہا وہ دانہ جو زمین کی تہہ پہاڑ کے نیچے چھپا ہوا ہے (وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رطب سے مراد پانی اور "یابس" سے مراد جنگل ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں اُگتی ہیں اور نہیں اُگتی وہ مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہر چیز مراد ہے۔ (اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ) یعنی سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

60 (وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ) یعنی جب تم رات کو سوتے ہو تو تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے۔ (وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ) یعنی دن میں تم کو بیدار کرتا ہے (لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی) یعنی زندگی کی مدت

پوری ہو(ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ) آخرت میں(ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جائیں۔

تفسیر: ⑥① (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً) یعنی وہ فرشتے جو بنی آدم کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ حافظ کی جمع ہے اس کی نظیر (وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین) ہے (حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ) حمزہ نے "توفّاہ" پڑھا ہے (رُسُلُنَا) یعنی ملک الموت کے مددگار فرشتے اس کو قبض کر کے ملک الموت کو دیتے ہیں وہ اس کی روح نکال لیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ملک الموت کے مددگار اس کے حکم سے خود روح قبض کر لیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ آیت میں "رُسُل" سے ملک الموت مراد ہے ایک کے لیے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات احادیث میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے سامنے دُنیا کو چھوٹے سے دسترخوان کی طرح کر دیا ہے وہ دُنیا کے تمام کونوں سے آسانی سے روح قبض کر لیتا ہے اور جب روحیں زیادہ ہوں تو ان کو بلاتے ہیں وہ ان کی دعوت کو قبول کر لیتی ہیں (وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ)۔ کوتاہی نہیں کرتے۔

⑥② (ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ) یعنی فرشتے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ انسان مراد ہیں جو مرنے کے بعد اپنے حقیقی مالک کی طرف پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ آیت مؤمن و کافر سب مرنے والوں کے بارے میں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا بھی مولیٰ ہے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انّ الکافرین لا مولٰی لھم" تو اس میں تطبیق کیسے ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مولیٰ بمعنی مالک کے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہیں اور جہاں کافروں سے مولیٰ کی نفی کی گئی ہے وہاں مولیٰ بمعنی مددگار کے ہے یعنی ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں صرف مؤمن مراد ہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کے پاس پہنچائے جائیں گے اور کفار ان کے تابع ہیں (اَلَا لَهُ الْحُكْمُ) نہ کہ اس کی مخلوق کا (وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ) یعنی جب حساب لے گا تو اس کا حساب بہت جلد ہوگا کیونکہ وہ حساب کے لیے غور و فکر کا محتاج نہیں ہے۔

⑥③ (قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ) یعقوب نے تخفیف کے ساتھ اور اکثر حضرات نے شد کے ساتھ پڑھا ہے (مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) یعنی ان کی سختیوں اور ہولناکیوں سے۔ وہ لوگ جب جنگل یا سمندر میں سفر کر رہے ہوتے اور راستہ بھول جاتے اور ہلاکت کا خوف ہوتا تو اللہ کے ساتھ اعتقاد کو خالص کر کے اس کو پکارتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتے۔ (تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً) ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "خیفۃ" خاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ الاعراف میں بھی اور باقی قراء نے دونوں جگہ خاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں (لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ) شکر نعمت کو پہچاننا اس کا حق ادا کرنے کے ساتھ۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ⑥④ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ⑥⑤

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو ٹھہرا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔ آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔

تفسیر: ⑥④ (قل الله ينجيكم منها) اہل کوفہ اور ابوجعفر نے ینجیکم تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے (قل من ینجیکم) اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (ومن کل کرب) کرب کہتے ہیں انتہائی غم کو جو انسان کے نفس کو پہنچتا ہے (ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ) یعنی یہ مشرکین خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کو وہ سختی کے وقت پکارتے ہیں تو وہ ان کو نجات دیتا ہے، پھر بھی اس کے ساتھ ان بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جن کے بارے میں ان کو علم ہے کہ وہ ان کو نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان۔

⑥⑤ (قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ) حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت اہل ایمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی چیخ، پتھر، ہوائیں اور طوفان جیسے قومِ عاد، ثمود اور قومِ لوط اور قومِ نوح کے ساتھ کیا ہے۔ (اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ) یعنی زلزلے اور دھنسا دینا جیسے شعیب کی قوم اور قارون کے ساتھ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اوپر سے عذاب ظالم حکمران اور نیچے سے عذاب برے غلام۔ (اویلبسکم شیعاً) یعنی تم میں مختلف فرقے ملا دے اور تم میں مختلف خواہشات پھیلا دے۔ (وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ) یعنی تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

قل هو القادر آیت کے نزول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعوذ پڑھنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل هو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں تیری کریم ذات کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر پڑھا "او من تحت ارجلکم" تو فرمایا میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر پڑھا "او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آسان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حق میں تین دعائیں مانگیں دو قبول کر دی گئیں ایک نہیں

عامر بن سعد بن وقاص اپنے والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو معاویہ کی ایک مسجد سے گزرے تو آپ علیہ السلام اس مسجد میں داخل ہوئے اور آپ علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں اور ہم نے بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ پڑھیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے بڑی لمبی دُعا کی۔ پھر فرمایا، میں نے اپنے رب سے تین دُعائیں مانگیں۔ میں نے دُعا مانگی کہ میری اُمت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی اور میں نے یہ دُعا مانگی کہ میری اُمت کو قحط سے نہ ہلاک کرے تو یہ بھی مجھے دے دی اور میں نے یہ دُعا مانگی کہ میری اُمت کی آپس میں لڑائی نہ ہو تو اس سے منع کر دیا۔ سلیمان بن بلال رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تین دُعائیں مانگی ہیں۔ دو قبول ہوئیں ایک قبول نہیں ہوئی۔ یہ دُعا کی کہ اللہ میری اُمت پر ان کے علاوہ کوئی ایسا دشمن نہ مسلط کر دے جو ان پر غالب ہو یہ قبول ہوئی اور یہ دُعا کی کہ ان کو قحط سے نہ ہلاک کرے یہ قبول ہوئی اور یہ دُعا کی کہ ان کی آپس میں لڑائی نہ ہو تو یہ قبول نہیں ہوئی۔ (اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں ہر چیز کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جاوے گا اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری

آیات میں عیب جوئی کرر ہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔

تفسیر ⑥⑥ (وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ) یعنی قرآن کو اور بعض نے کہا عذاب کو (وَهُوَ الْحَقُّ ط قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ) نگہبان اور بعض نے کہا تم پر مسلط نہیں کہ تم انکار کر دیا اقرار تم پر اسلام لازم کر دوں۔ میں تو بس پیغام پہنچانے والا ہوں۔

⑥⑦ (لِكُلِّ نَبَاٍ) پہلی اُمتوں کی خبروں میں سے خبر (مُّسْتَقَرٌّ) تا کہ اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے اور اس کا حق یا باطل ہونا معلوم ہو جائے چاہے دُنیا میں یا آخرت میں (وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ)۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ نے جو خبر دی ہے اس کا وقت اور جگہ متعین ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر قول اور فعل کی حقیقت ہے یا تو دُنیا میں یا آخرت میں جو دُنیا میں ہے اس کو عنقریب تم جان لو گے اور جو آخرت میں ہے وہ عنقریب تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

⑥⑧ (وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا) یعنی قرآن کا استہزاء کر کے (فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ) ان کو چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں (حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ط وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ) ابن عامر نے نون کے فتح اور سین کے شد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے نون کے سکون اور سین کی تخفیف سے پڑھا ہے۔ (فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) یعنی جب بھول کر آپ ان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو جب یاد آئے فوراً کھڑے ہو جائیں۔

⑥⑨ (وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنهم" تو مسلمان کہنے لگے ہم مسجد حرام میں کیسے بیٹھیں؟ اور بیت اللہ کا طواف کیسے کریں کیونکہ یہ تو ہمیشہ آیات میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم ان لوگوں کو نہ روکیں گے تو ہمیں گناہ کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (وما علی الذین یتقون) جھگڑنے سے "من حسابهم" یعنی جھگڑنے والوں کے گناہ سے۔ "من شیء" (وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنی ہے یعنی ان کو قرآن سے وعظ کریں اور ذکر اور ذکریٰ ایک ہے، مراد ہے ذکرهم وهم ذکری۔ تو یہ محل نصب میں ہے (لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ) جھگڑنے سے۔ جب تم ان کو وعظ کرو گے۔ آیت میں مسلمانوں کو اتنی رُخصت دی ہے کہ ان کے ساتھ نصیحت کرنے کے لیے بیٹھ سکتے ہیں تا کہ وہ حیاء کریں اور اس کام سے باز آ جائیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ م بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ م بِمَا كَانُوْا

يَكْفُرُوْنَ ۝٧٠ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١

ترجمہ: اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ وہ نہ ہم کو نفع پہنچاوے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچادے اور کیا ہم الٹے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کردی ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو۔ اس کے کچھ ساتھی بھی تھے۔ کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے۔

وذر الذين اتخذوا دينهم لعباً ولهوًا کی تفسیر

تفسیر ۝٧٠ (وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا) یعنی ان کفار کو چھوڑ دیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو سنا اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے عید مقرر کی ہے تو ہر قوم نے اپنی عید کو کھیل اور تماشا بنا دیا اور مسلمانوں کی عید نماز، تکبیرات اور اچھے کام کرنا ہے جیسے جمعہ، فطرانہ اور قربانی (وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ) قرآن سے وعظ کرے (اَنْ تُبْسَلَ کہ وہ تسلیم نہ ہو۔ نَفْسٌ بمعنی ہلاک بِمَا كَسَبَتْ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جائیں اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ قید کیے جائیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جلا دیا جائے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں پکڑا جائے اور معنی یہ ہے کہ ان کو نصیحت کریں کہ وہ ایمان لے آئیں تا کہ کوئی نفس اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ ہو اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں (تُبسل) بدلہ دیا جائے۔ اور بعض نے کہا ہے رسوا کیا جائے۔ اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں رہن رکھا جائے اور ابسال کی اصل حرام کرنا ہے اور ''البسل'' حرام ہونا۔ پھر ہر اس سختی کی صفت بنائی گئی ہے جس سے بچا جائے۔ (لیس لها اس نفس کیلئے (من دون الله ولی) اس سے مراد قریبی دوست (ولا شفیع) جو آخرت میں سفارش کرے (وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ) یعنی فدیہ دے (لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ

شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ م بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ)

⑦ (قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُنَا) اگر ہم ان کی عبادت کریں (وَلَا یَضُرُّنَا) اگر ہم ان کو چھوڑ دیں یعنی بت نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان (وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا) شرک کی طرف مرتد ہو کر (بَعْدَ اِذْ ھَدٰنَا اللّٰہُ کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ) یعنی ہماری مثال اس شخص کی طرح ہو گی جس کو شیاطین نے گمراہ کر دیا ہو۔ (فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَہٗٓ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَہٗٓ اِلَی الْھُدَی ائْتِنَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ اس شخص کی طرح ہے کہ وہ بھٹکتا ہوا متحیر پھر رہا ہو اس کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ (لَہٗٓ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَہٗٓ اِلَی الْھُدَی ائْتِنَا) یہ اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ جس شخص کے دوست ہوں کچھ اس کو متعدد خداؤں کی طرف بلاتے ہوں اور کچھ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو جنگل میں راستہ بھول جائے اس کے دوست اس کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں اور جن اس کو اپنی طرف بلائیں تو وہ اس وقت حیران و پریشان ہو گا۔ اگر جنوں کے پاس جاتا ہے تو ہلاک ہو جائے گا اور اگر ان دوستوں کی طرف جاتا ہے جو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں تو نجات پا جائے گا۔ (قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی) بتوں کی عبادت سے روکتی ہے۔ گویا کہ فرمایا تو یہ نہ کر کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں دیتا۔ (وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)

وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ ط وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ⑦ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ط قَوْلُہُ الْحَقُّ ط وَلَہُ الْمُلْکُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ط عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ط وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ⑦

ترجمہ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (حشر) تو ہو جا پس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا بااثر ہے اور جب کہ صور میں پھونک ماری جاوے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہو گی۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔

تفسیر ⑦ (وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ) یعنی ہمیں نماز قائم کرنے اور تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے (وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ)۔ حساب کے لیے موقف میں جمع کیے جاؤ گے۔

⑦ (وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ) بعض نے کہا کہ باء لام کے معنی میں ہے کہ حق کو ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا سب کو اس طرح پیدا کرنا اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔ (وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ)۔ کن فیکون یہ راجع ہے آسمان و زمین کی تخلیق کی طرف۔ یہاں خلق بمعنی قضاء اور قدر کے ہے مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کے فیصلے اور تقدیر کے تحت ہے۔

کن فیکون کی تفسیر

جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ کن فرمایا تو فیکون وہ ہوگیا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ قیامت کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں یہ قیامت کے جلدی وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب سب کو فرمائیں گے موتوا سب مرجائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اُٹھو تو سب اُٹھ جائیں گے۔ (قَوْلُهُ الْحَقُّ) یعنی جو وہ وعدے کرتا ہے وہ سچ ہے اور ضرور ہوگا۔ (وَلَهُ الْمُلْکُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ) یعنی بادشاہوں کی بادشاہی اس دن ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "مالک یوم الدین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "والامر یومئذٍ للّٰہ" ہر وقت میں اللہ ہی کا حکم ہے لیکن اس دن خاص طور پر اسی کا حکم چلے گا اس کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چل سکے گا اور صُور سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

مجاہد کا قول ہے کہ صور سینگ کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اہل یمن کی لغت میں ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور پوچھا صُور کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیسے خوش عیشی کی زندگی گزاروں حالانکہ صُور والا اس کو منہ میں لے کر اور کان لگا کر اور پیشانی جھکا کر بیٹھا ہے کہ اس کو کب حکم دیا جائے گا؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم کہو "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" (عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ) یعنی جو چیزیں بندوں سے پوشیدہ ہیں یا ان کے مشاہدہ میں ان سب کو جانتا ہے اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے۔ بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تا کہ وہ عارف ہو جائیں اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

تفسیر: ﴿۷۴﴾ (وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ) یعقوب رحمہ اللہ نے (آزرُ) پیش کے ساتھ یعنی (آزرُ) پڑھا ہے اور معروف قرأت نصب کے ساتھ ہے۔ آزر عجمی نام ہے غیر منصرف ہے اس لیے اس پر جر نہیں آ سکتی۔

آزرابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے یا چچا کا

محمد بن اسحاق، ضحاک، کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آزر اور تارخ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے جیسے اسرائیل اور یعقوب دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے نام ہیں اور مقاتل بن حیان اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہے اور اس کا نام تارخ تھا اور سلیمان تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزر گالی اور عیب ہے کیونکہ ان کی زبان میں اس کا معنی ٹیڑھا ضدی شخص ہے اور بعض نے کہا اس کا معنی بوڑھا کمزور آدمی ہے اور سعید بن میتب اور مجاہد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ آزر بت کا نام تھا اس صورت میں آزر محل نصب میں ہوگا۔ اصل عبارت یوں تھی "اتتخذ آزر اِلٰھًا" یعنی کیا تو آزر کو معبود بناتا ہے۔

(اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْٓ اَرٰىکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

⑮ (وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ) جیسے ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بصیرت عطا فرمائی۔ (مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ملکوت میں تاء مبالغہ کے لیے زیادہ کی گئی ہے جیسے جبروت، رحموت، رھبوت میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی آسمان اور زمین کی تخلیق اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی نشانیاں مراد ہیں۔ اس کی صورت یہ بنی کہ ابراہیم علیہ السلام کو چٹان پر کھڑا کر کے ان کے لیے آسمانوں اور زمین کے عجائبات کھول دیئے گئے اور انہوں نے عرش اور زمینوں کے نیچے تک اور اپنا جنت میں ٹھکانہ دیکھ لیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور بعض نے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ جب تمام چیزیں ابراہیم علیہ السلام پر منکشف ہوگئیں تو انہوں نے ایک شخص کو بے حیائی کا کام کرتے دیکھا، اس پر بددُعا کی وہ ہلاک ہوگیا۔ پھر دوسرے کو دیکھا اس پر بددُعا کی وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ پھر تیسرے کو دیکھا بددُعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! (علیہ السلام) آپ کی دُعا قبول ہوتی ہے آپ میرے بندوں کو بددُعا نہ کریں کیونکہ میرا اپنے بندوں سے تین طرح کا معاملہ ہے۔ ❶ وہ مجھ سے توبہ کریں اور میں قبول کرلوں۔ ❷ میں اس کی اولاد میں سے کوئی پیدا کردوں جو میری عبادت کرے۔ ❸ وہ مر کر مجھ تک آئے اگر چاہوں تو معاف کردوں اور اگر چاہوں تو اس کو سزا دوں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ملکوت السمٰوٰت" سورج چاند اور ستارے ہیں اور "ملکوت الارض" پہاڑ، درخت اور سمندر ہیں۔ (وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ) معنی پر عطف ہے اور اس کا معنی ہم اس کو آسمان و زمین کی سلطنتیں دکھائیں تاکہ ان کے ذریعے استدلال کرے اور یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے۔

نمرود کا واقعہ

⑯ (فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے

زمانہ میں ہوئی۔ نمرود دُنیا میں پہلا شخص ہے جس نے سر پر تاج رکھا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلایا اور اس کے کئی کاہن اور نجوی تھے۔ انہوں نے اس کو کہا کہ تیرے شہر میں اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو زمین والوں کا دین تبدیل کردے گا اور تیری اور تیری سلطنت کی ہلاکت اسی کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ بات پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں پائی تھی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا اور اس نے سورج اور چاند کی روشنی بالکل ختم کردی تو وہ اس خواب سے بہت زیادہ گھبرا گیا تو اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ایک بچہ اس سال تیرے ملک میں پیدا ہوگا۔ تیری اور تیرے گھر والوں اور تیری سلطنت کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔ تو اس نے حکم دیا کہ جو لڑکا اس سال پیدا ہو اس کو ذبح کردیا جائے اور حکم دیا کہ مرد اپنی عورت کے قریب نہ جائیں اور ہر دس لوگوں پر ایک نگران مقرر کردیا۔ جب عورت کو حیض آتا تو وہ نگران چلا جاتا کیونکہ وہ لوگ حالت حیض میں جماع نہ کرتے تھے۔ پھر جب عورت حیض سے پاک ہوتی تو وہ نگران اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان حائل ہوجاتا تو آزر آئے تو بیوی کو دیکھا کہ اس وقت حیض سے پاک ہوئی ہے تو اس سے جماع کیا جس سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ نمرود نے ہر حاملہ عورت کو اپنے پاس قید کرالیا لیکن ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو قید نہ کراسکے کیونکہ ان کی عمر بہت چھوٹی تھی اور جسم سے حاملہ ہونا معلوم بھی نہ ہوتا تھا اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نمرود مردوں کو عورتوں سے الگ کرنے کے لیے تمام مردوں کا ایک لشکر بنا کر شہر سے باہر لے گیا کہ اگر شہر میں ہوں گے تو کہیں بچہ نہ پیدا ہوجائے۔ کچھ مدت بعد اس کو شہر میں کوئی ضروری کام پڑا۔ آزر کے سوا کوئی قابل اعتماد شخص نہ ملا تو ان کو کہا کہ میں ایک کام سے آپ کو شہر بھیجتا ہوں لیکن آپ اپنے گھر نہ جانا، انہوں نے کہا کہ میں اپنے دین کے باقی رہنے پر اس سے زیادہ حریص ہوں، جب وہ شہر گئے اور نمرود کا کام کرلیا تو عیال کی خبر گیری کے لیے گھر بھی گئے وہاں صبر نہ ہوسکا اور ان کی اہلیہ حاملہ ہوگئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اُم ابراہیم علیہ السلام کو حمل ہوا تو نمرود کو کاہنوں نے کہا گزشتہ رات وہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں آگیا ہے تو اس نے بچوں کے قتل کا حکم دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت قریب ہوئی تو ان کی والدہ ڈر کے مارے شہر سے دور ایک خشک گھاس میں گئیں اور وہاں ان کو جنم دیا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو وہیں گھاس پر رکھ آئیں اور واپس آکر ولادت کی خبر اپنے خاوند کو دی اور جگہ بتادی تو آزر گئے اور اس نے وہاں جاکر بچہ کو لے کر ایک سرنگ کھود کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں رکھ کر اس سرنگ کے منہ پر پتھر رکھ دیا کہ کوئی درندہ نہ کھا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دن میں کئی دفعہ چکر لگا کر آپ علیہ السلام کو دودھ پلا جاتی تھیں۔ ابوروق کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے ایک دن ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک انگلی سے پانی ایک سے شہد ایک سے کھجور اور ایک سے دودھ اور ایک سے گھی چاٹ رہے ہیں۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ آزر نے اُم ابراہیم سے حمل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا بچہ پیدا ہوا تھا وہ مر گیا اور ابراہیم علیہ السلام کا جسم ایک ماہ میں ایک سال جتنا بڑھ رہا تھا۔ صرف پندرہ ماہ آپ علیہ السلام غار میں رہے اور والدہ کو کہا اب مجھے باہر نکال دیں، انہوں نے نکالا تو آپ علیہ السلام نے آسمانوں اور زمین میں غور و فکر کیا اور کہا کہ بے شک جس نے مجھے پیدا کیا اور رزق دیا، کھلایا اور پلایا وہی میرا رب ہے۔ اس کے سوا میرا کوئی معبود نہیں۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور ستارے دیکھے تو کہا یہ میرا رب ہے پھر اس کو دیکھتے رہے جب وہ چھپ گیا تو کہا میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر سورج طلوع ہوا تو یہی کہا۔ پھر اپنے والد کے پاس گئے اور آپ کو استقامت حاصل ہو چکی تھی اور اپنے رب کو پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے دین سے برأت ظاہر کر چکے تھے لیکن ان کو اس کی اطلاع نہیں دی اور والد کو خبر دی کہ میں آپ کا بیٹا ہوں اور ماں نے بھی تصدیق کی اور کس طرح پرورش کی ہے وہ بھی بتایا تو آزر اس سے بہت خوش ہوئے۔ بعض نے کہا کہ غار میں سات سال رہے اور بعض نے تیرہ سال اور بعض نے سترہ سال۔

مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام جوان ہوئے اور وہ ابھی اس گڑھے میں تھے تو اپنی والدہ سے پوچھا میرا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا میں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا آپ کا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا تیرا والد آزر۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میرے والد کا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا نمرود۔ پھر پوچھا نمرود کا رب کون ہے؟ تو والدہ نے کہا خاموش ہو جا۔ آپ علیہ السلام خاموش ہو گئے تو والدہ نے جا کر اپنے خاوند کو کہا کہ میرا خیال ہے کہ جس لڑکے نے زمین والوں کے دین کو تبدیل کرنا ہے وہ آپ کا بیٹا ہے اور ساری بات ان کو بتا دی تو آزر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بھی وہی سوال و جواب کیے۔ اس کے بعد کہا کہ مجھے اس گڑھے سے نکالیں تو وہ ان کو نکال کر غروب شمس کے بعد اپنے ساتھ لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اونٹ، گھوڑے، بکریوں کو دیکھا تو ان کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ والد نے بتایا تو آپ علیہ السلام کہنے لگے کہ ان کا بھی خالق اور رب ضرور ہوگا۔ پھر دیکھا تو مشتری ستارہ طلوع ہو چکا تھا اور بعض نے کہا زہرہ۔ یہ رات مہینے کی آخری راتوں میں سے تھی اس لیے چاند دیر سے طلوع ہوا اور ابراہیم علیہ السلام نے چاند سے پہلے ستاروں کو دیکھ کر یہ کلام کی (**فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ**) یعنی رات داخل ہوئی۔ کہا جاتا ہے "**جنّ الليل و اجنّ الليل وجنّة الليل و اجنّ عليه الليل يجنّ جنونا و جنانا**" جب رات تاریک ہو اور ہر چیز کو ڈھانپ لے اور جنون اللیل رات کی تاریکی۔ (**رأى كوكبا**) ابوعمرو نے (رأی) راء کے زبر اور الف کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر، حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے دونوں کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اگر کاف یا هاء کے ساتھ متصل ہو تو ان دونوں کو ابن عامر رحمہ اللہ زیر دیتے ہیں اور اگر ان کو ساکن ملا ہوا ہو تو راء کو زیر اور ہمزہ کو زبر دیتے ہیں اور دیگر حضرات ان دونوں کو زبر دیتے ہیں۔ (**قال هذا ربی**) اس قول سے ابراہیم علیہ السلام کی کیا مراد تھی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو ظاہری معنی پر جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک رہنمائی طلب کر رہے تھے اور توحید کے طالب تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو توفیق دی اور ان کو راہ دکھائی تو اس قول نے ان کو نقصان نہیں دیا اور ویسے بھی یہ بات انہوں نے بچپن کے زمانہ میں کہی تھی۔ اس وقت وہ مکلف نہ تھے اس لیے یہ قول کفر نہیں

ہے اور دیگر مفسرین رحمہما اللہ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو رسول بنانا ہوتا ہے وہ ہر وقت اللہ کی توحید کا قائل اور اللہ کو پہچاننے والا ہوتا ہے اور اللہ کے علاوہ ہر معبود سے بری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پر ایسے کفریہ قول کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان باتوں سے محفوظ کیا ہے اور ان کو پاک کیا اور پہلے سے سمجھ دی اور ان کے بارے میں خبر دی۔ (**اذ جاء ربّه بقلب سليم**) اور فرمایا (**وکذلک نری ابراهیم ملکوت السماوات والارض**) تیرا کیا خیال ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو سلطنتیں دکھائیں تا کہ ان کو یقین حاصل ہو جائے بعد جب ان کو یقین حاصل ہوا تو ستارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے اس کو عقیدہ بنالیا؟ یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہوسکتی، پھر اس کے کئی تاویلات کی گئی۔

ایک یہ ابراہیم علیہ السلام نے اس قول سے یہ ارادہ کیا کہ قوم کو ڈھیل دیں تا کہ ان کی غلطی ان پر واضح ہو جائے۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ تمام امور ان ستاروں کے سپرد ہیں تو ان کو یہ خیال دلایا کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ان چیزوں کی تعظیم کرتے ہیں جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت تلاش کرتے ہیں جس سے وہ تلاش کرتے ہیں۔ جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو ان کو ستاروں کا نقص وعیب دکھایا تا کہ ان کے دعویٰ کی خطاء واضح ہو جائے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے حواری بتوں کی عبادت کرنے والی قوم پر آیا تو ان کی تعظیم ظاہر کی تو بت پرستوں نے اس کا اکرام کیا اور کئی معاملات میں اس کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ ایک دن دشمن نے حملہ کیا تو لوگ حواری سے مشورہ کرنے آئے تو اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم اس بت سے مدد مانگو یہ ہماری مدد کرے گا تو وہ اس کے اردگرد جمع ہو کر آہ وزاری کرنے لگے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تو نفع نقصان نہیں دیتے تو ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تو انہوں نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کا خوف دور کر دیا تو وہ سب اسلام لے آئے، کہ تم ان ستاروں کی تعظیم کرتے ہو اور عبادت کرتے ہو حالانکہ ان میں تو عیب موجود ہے تو یہ کیسے معبود ہوسکتے ہیں؟

② تاویل یہ ہے کہ یہ قول استفہام تھا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ اور یہ استفہام ڈانٹ کے لیے ہے کہ کیا اس جیسی چیز رب ہوسکتی ہے؟ جیسے باری تعالیٰ کا قول (**افائن مت فهم الخالدون**) ہے یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؟ اور اس کو ڈانٹ کے طور پر ذکر کیا ہے ان کے فعل کا انکار کرنے کے لیے۔ یعنی کیا اس جیسی چیز اب ہوسکتی ہے۔ یعنی یہ میرا رب نہیں ہے۔ ③ تاویل ان پر استدلال قائم کرنا ہے۔ فرمایا یہ میرا رب ہے تمہارے گمان کے مطابق۔ جب وہ غائب ہوگیا تو فرمایا اگر یہ معبود ہوتا تو غائب نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا (**ذق انک انت العزیز الکریم**) یعنی تیرے نزدیک اور تیرے گمان میں اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا (**وانظر الی الٰهک الذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنّه**) مراد تیرا معبود ہے تیرے گمان کے مطابق۔

④ تاویل۔ وجہ اس میں عبارت مقدر ہے۔ اصل عبارت وہ کہتے ہیں یہ میرا رب ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (**واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسماعیل ربّنا تقبّل منّا**) یعنی وہ کہتے ہیں (**ربّنا تقبّل منّا**) (**فلمّا افل قال لا اُحبّ الآفلین**) اور جن میں دوام نہ ہو۔

فَلَمَّا رَاَالْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ
الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ
بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا
وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ
مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا اے میری قوم بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔ اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے۔ اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم پھر خیال نہیں کرتے۔

تفسیر: ⑦⑦ (فَلَمَّا رَاَالْقَمَرَ) بازغا کا معنی ہے طالعا (قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ) "لئن لم يهدنی ربی" کی تشریح بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت پر ثابت قدم نہ رکھتا، ہدایت نہ دیتا یہ معنی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بغیر ہدایت کے کسی نبی کو نہیں بھیجتے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ایمان پر ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں۔

⑦⑧ (فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ) یعنی چاند اور ستارے سے بڑا ہے یہاں "هٰذا" کہا ہے "هٰذه" نہیں کہا حالانکہ شمس مؤنث ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شمس کا معنی مراد لیا تھا یعنی روشنی اور نور رہے دوسرا یہ کہ اس کی روشنی ستاروں اور چاند سے زیادہ ہوتی ہے۔

(پھر جب وہ غائب ہو گیا (فلما افلت غروب ہو گیا) قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)۔

⑦⑨ (اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

⑧⓪ (وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ) جب ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کی طرف واپس آگئے اور آپ اتنے نوجوان ہو گئے تھے کہ والد کو ذبح کرنے والوں کا خوف نہ رہا تو اپنے ساتھ کام پر لگا دیا۔ آزر بت بناتے اور ابراہیم

علیہ السلام کو دیتے کہ ان کو بیچ آؤ تو ابراہیم علیہ السلام آواز لگاتے کون شخص ایسی چیز خریدے گا جو نہ اس کو نفع دے گا اور نہ نقصان تو ان سے کوئی بت نہ خریدتا اور ابراہیم علیہ السلام ان کو نہر پر لے جا کر ان کا سر پانی میں ڈبو کر کہتے کہ پانی پی لو یہ کام قوم سے استہزاء کے لیے کرتے تھے اور ان کی گمراہی کو واضح کرنے کے لیے جب ان کے استہزاء کی خبر قوم میں پھیل گئی تو وہ آپ علیہ السلام سے اپنے دین کے بارے میں جھگڑنے لگے۔(قال اتحاجونّی فی اللّٰہ) اہل مدینہ اور ابن عامر رحمہما اللہ نے نون کی تخفیف سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کی شد کے ساتھ۔ دو نونوں میں سے ایک کو دوسرے میں ادغام کرتے ہوئے اور جنہوں نے بغیر شد کے پڑھا ہے تو انہوں نے ایک نون کو تخفیف کی غرض سے حذف کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کیا تو مجھ سے اللہ کی توحید میں جھگڑا کرتا ہے؟ حالانکہ اللہ نے مجھے توحید اور حق کی ہدایت دی ہے۔(وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ) ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ بتوں سے ڈر کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔ مثلاً جنون وغیرہ تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یہ جواب دیا تھا جس شرک میں تم مبتلا ہو اس کے روکنے سے میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔(اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا) یہ پہلے کلام سے استثناء منقطع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لیکن اگر میرا رب کسی چیز کو چاہے اس کے علاوہ تو جو وہ چاہے وہ ہو جائے گا۔(وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا احاطہ کرلیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا) اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کرلیا ہے۔(اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ)

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾

(ترجمہ) اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو ان دو جماعتوں میں سے اس کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں بیشک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے اور ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق علیہ السلام دیا اور (ایک پوتا) یعقوب علیہ السلام دیا ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی اور (ابراہیم علیہ السلام سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح علیہ السلام کو

ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام کو اور سلیمان علیہ السلام کو اور ایوب علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کو اور موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑧١ (وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ) یعنی بتوں سے حالانکہ نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ نفع۔ (وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا) حالانکہ وہ غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے پھر بھی تم نہیں ڈرتے (فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ) میں اور میرے دین والے مطمئن ہیں یا تم۔ (اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ)

⑧٢ (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) اپنے ایمان میں شرک کو نہیں ملایا (اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ)

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کی تفسیر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ بہت گراں گزری اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے کیا تم نے وہ نہیں سنا جو لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا (يٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) (اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے)

⑧٣ (وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ) حتیٰ کہ جب ان سے جھگڑا ہوا تو دلیل میں غالب آگئے (نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ) علم کے ساتھ اہل کوفہ اور یعقوب رحمہما اللہ نے درجات کو یہاں اور سورۃ یوسف میں تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یعنی درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں علم اور سمجھ اور فضیلت اور عقل کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجات بلند کیے حتیٰ کہ وہ ہدایت پا گئے اور توحید کی دلیل میں اپنی قوم پر غالب رہے۔ (اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

⑧٤ (وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ط كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ) ہم نے توفیق دی اور سیدھا راستہ دکھایا اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت کی ان سب سے پہلے) یعنی ابراہیم علیہ السلام سے پہلے (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ) یعنی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مراد نہیں کیونکہ ان میں یونس اور لوط علیہما السلام کا بھی تذکرہ ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ (دَاوٗدَ) یہ داؤد بن ایشا ہیں (وَسُلَيْمٰنَ) یعنی داؤد علیہ السلام کے بیٹے۔

(وَاَيُّوْبَ) یہ ایوب بن اموص بن رازح بن روم ابن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (وَيُوْسُفَ اور یوسف) یہ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام پر (وَمُوْسٰى اور موسیٰ) یہ موسیٰ بن عمران بن یصھر بن فاھث ابن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام (وَهٰرُوْنَ) یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں ان سے ایک سال بڑے تھے (وَكَذٰلِكَ)

یعنی جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی توحید پر بدلہ دیا کہ ان کے درجات بلند کیے اور ان کو ایسی اولاد دی جو نبی اور متقی تھی اسی طرح (نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ) ان کی نیکی پر۔ ان انبیاء علیہم السلام کا آیت میں ذکر ان کے زمانے کی ترتیب پر نہیں ہے۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَ لُوْطًا ط وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ اور نیز زکریا علیہ السلام کو اور یحییٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور الیاس علیہ السلام کو (اور یہ) سب (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں تھے اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل علیہ السلام کو اور یسع علیہ السلام کو اور یونس علیہ السلام کو اور لوط علیہ السلام کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہانوں والوں پر (نبوت سے) ہم نے فضیلت دی اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (طریق حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ہم نے ان (سب) کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔ اللہ کی ہدایت وہ یہی دین ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے اور یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔

تفسیر ﴿٨٥﴾ (وَزَكَرِيَّا) یہ زکریا بن اذن ہیں (وَيَحْيٰى) زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں (وَعِيْسٰى) مریم بنت عمران کے بیٹے ہیں (وَاِلْيَاسَ) اس سے کون مراد ہیں اس میں مفسرین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں ان کے دو نام تھے۔ یعقوب اور اسرائیل کی طرح اور صحیح قول یہ ہے کہ الیاس، ادریس علیہم السلام کے علاوہ نبی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کا ذکر نوح علیہ السلام کی اولاد میں کیا ہے اور ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے والد کے دادا ہیں۔ الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران (علیہم السلام)

﴿٨٦﴾ (كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَاِسْمٰعِيْلَ) یہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں (وَالْيَسَعَ) یہ اخطوب بن عجوز کے بیٹے ہیں اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "الیسع" کو لام کی شد اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہاں بھی اور سورۃ ص میں بھی (وَيُوْنُسَ) یہ یونس بن متی ہیں (وَلُوْطًا) یہ لوط بن ہاران ابراہیمؑ کے بھتیجے ہیں (وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ) ان کے زمانہ کے جہان والوں پر۔

12

87 (وَمِنْ اٰبَآءِ هِمْ) یہاں "من تبعیض" کے لیے ہے کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کے آباء مشرک تھے (وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ) یہاں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد مراد ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی اولاد نہ تھی اور بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں کافر بھی تھے۔ (وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

88 (ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ) اللہ کا دین ہے (يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا) یعنی جن کا ہم نے نام لیا (لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

89 (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) یعنی جو کتابیں ان پر اُتاری گئیں (وَالْحُكْمَ) یعنی علم اور فقہ (وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ) یعنی اہل مکہ (فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ) یعنی انصار اور اہل مدینہ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قوم سے وہ اٹھارہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے یہاں تذکرہ کیا ہے اور ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر زمین والے انکار کریں گے تو ہم نے آسمان والوں یعنی فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ 90 وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ 91

ترجمہ: یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (صبر کی) ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلیے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر جاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی آپ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے۔

تفسیر: 90 (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمْ) یعنی ان کی سنت اور سیرت پر۔ اقتدہ میں ھاء وقف کی ہے۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ ھاء حالت وصل میں حذف کر دیتے ہیں اور باقی حضرات وصل اور وقف دونوں صورتوں میں اس کو ثابت رکھتے ہیں (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ)

۹۱ (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی ان نے اس کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے اس کا حق وصف بیان نہیں کیا۔(اِذْقَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی تفسیر

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی آیا جس کو مالک بن صیف کہا جاتا تھا اور مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا کیا تو توریت میں یہ بات نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ فربہ عالم کو ناپسند کرتے ہیں اور یہ یہودی بھی موٹا شخص تھا تو وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا اللہ نے کسی انسان پر کچھ نہیں اُتارا۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فنحاص بن عازوراء کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے یہ بات کہی تھی۔ جب مالک بن صیف کی بات یہودیوں نے سنی تو اس کو ڈانٹا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے توریت موسیٰ علیہ السلام پر نازل نہیں کی؟ تو تو نے یہ بات کیوں کی؟ تو مالک بن صیف کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غصہ دلا دیا تھا اس لیے میں نے یہ کہہ دیا تو یہود نے کہا جب بھی تجھے غصہ آئے گا تو تو اللہ پر ناحق باتیں کہے گا۔ اس لیے اس کو حبر کے مرتبہ سے اُتار دیا اور کعب بن اشرف کو اپنا بڑا عالم بنا دیا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہود نے کہا تھا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ نے آپ علیہ السلام پر کتاب اُتاری ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اُتاری تو یہ آیت نازل ہوئی (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ)۔ (قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ) آپ ان سے کہہ دیں کس نے اُتاری وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے لیے) یعنی توریت (تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا) یعنی توریت کو الگ الگ لکھتے ہو پھر جو چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں چھپاتے ہو مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور رجم کی آیت ابن کثیر اور ابوعمرو نے "یجعلونه ، ویبدونها، ویخفونها" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وما قدروا الله) کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول (قل من انزل الکتاب الذی جاء به موسی) کی وجہ سے۔

(وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا) اکثر مفسرین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ خطاب یہود کو ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تم کو وہ باتیں سکھائیں جن کو تم نہ جانتے تھے (اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آنے والے تھے اس کا علم ان کو دے دیا تھا لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا کوئی نفع نہ اُٹھایا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت یاد دلا رہے ہیں۔ ان کو محمد کی زبان سے تعلیم دی گئی (قُلِ اللّٰهُ) یہ اللہ تعالیٰ کے قول (قل من نزل الکتاب الذی جاء به موسیٰ) کی طرف لوٹ رہا ہے پس اگر وہ آپ کو جواب دیں تو ٹھیک ورنہ آپ

کہہ دیں (اللہ) یعنی آپ کہیں اللہ نے اتاردی ہے۔ اُتاری (ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۗ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

(ترجمہ) اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔

(تفسیر) ﴿۹۲﴾ (وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکر نے عاصم سے "لینذر" یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کتاب ڈرائے (اُمَّ الْقُرٰى) مکہ کا نام اُم القریٰ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ زمین مکہ کے نیچے سے بچھائی گئی ہے۔ تو یہ زمین کی اصل ہوئی جیسے ماں اپنی نسل کے لیے اصل ہوتی ہے اور یہاں مراد مکہ والے ہیں (وَمَنْ حَوْلَهَا) یعنی تمام دُنیا والے (وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ) اس کتاب پر (وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ) پانچوں نمازوں سے (یُحَافِظُوْنَ) یعنی مؤمن ہمیشہ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔

﴿۹۳﴾ (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا) اور یہ گمان کرے کہ اللہ نے اس کو نبی بنا کر بھیجا ہے (اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ)

مسیلمہ کذاب کا قتل

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مسجع کلام کرتا تھا اور کاہن تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور گمان کیا کہ اللہ نے اس کی طرف وحی بھیجی ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دو قاصد بھیجے تو

آپ علیہ السلام نے ان دو سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ نبی ہے؟ تو ان دونوں نے کہا جی۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر قاصد کو قتل نہ کیا جاتا ہوتا تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

ہمام بن منبہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہمیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے تمام خزانے دیئے گئے تو میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے تو وہ مجھے بڑے ناگوار لگے تو میری طرف وحی کی گئی کہ میں ان کو پھونک ماردوں تو میں نے پھونک ماری تو وہ چلے گئے تو میں نے ان دو کنگنوں کی تعبیر دو ایسے جھوٹوں سے کی ہے جن کے درمیان میں میں ہوں ایک صاحب صنعاء اور دوسرا صاحب یمامہ۔ صاحب صنعاء سے اسود عنسی اور صاحب یمامہ سے مسیلمہ کذاب مراد ہے۔

(وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) بعض نے کہا کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور آپ علیہ السلام جب اس کو "سمیعا بصیرا" لکھواتے تو یہ "علیمًا حکیمًا" لکھتا اور جب "علیمًا حکیمًا" لکھنے کا کہتے تو "غفوراً رحیمًا" لکھتا۔ جب آیت "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین" نازل ہوئی تو آپ نے لکھوائی تو عبداللہ کو انسان کی تخلیق بڑی عجیب لگی تو کہنے لگا "تبارک اللہ احسن الخالقین" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو لکھ لے اسی طرح نازل ہوئی ہے تو عبداللہ کو شک ہوا اور سوچنے لگا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو میری طرف بھی وحی کی گئی ہے جیسے ان کی طرف کی جاتی ہے تو اسلام سے مرتد ہو گیا اور مشرکین کے ساتھ جاملا۔ پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مرّ الظهران" جگہ پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت سے استہزاء کرنے والے مراد ہیں یہ ان کے قول "لو نشاء لقلنا مثل هذا" کا جواب ہے (وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ) موت کے سکرات میں یہ غمرة کی جمع ہے ہر چیز کا بڑا حصہ۔ اس کی اصل ایسی چیز جو اشیاء کو ڈھانپ لے۔ پھر اس کو سختیوں اور ناپسندیدہ چیزوں میں استعمال کیا جانے لگا (وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ) عذاب دینے کے لیے اور ان کے منہ اور پیٹھ کو مارنے کے لیے اور بعض نے کہا روح قبض کرنے کے لیے (اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ) یعنی اپنی روحوں کو مجبوراً نکالو کیونکہ مؤمن کی روح تو اپنے رب کی ملاقات کے لیے خوش ہو رہی ہوتی ہے اور "لَوْ" کا جواب محذوف ہے کہ اگر آپ ان کو اس حال میں دیکھ لیں تو بڑا عجیب منظر دیکھیں۔ (اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ) قرآن پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہو اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ اورتم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بارتم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کونہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ تم سب سے گیا گزرا ہوا۔

تفسیر ۹۴ (وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی) اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ قیامت کے دن کفار کوکہیں گے تم اکیلے آئے ہو نہ تمہارے پاس مال ہے اور نہ بیوی اور نہ اولاد اور نہ خادم۔ فرادی فردان کی جمع ہے جیسے سکاری سکران کی اور کسالی کسلان کی۔ اعرج نے اس کو ''فردیٰ'' پڑھا ہے بغیر الف کے ''سکریٰ'' کی طرح (کَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ) ننگے بدن، ننگے پاؤں، لاغر کمزور (وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ) اور چھوڑ آئے اپنے پیچھے مال، اولاد، خادم (وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ) دُنیا میں (وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا) کیونکہ مشرکین کا گمان تھا کہ وہ بتوں کی عبادت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے شریک ہیں اور اس کے پاس ان کے سفارشی ہوں گے۔ (لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ)۔ اہل مدینہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے عاصم رحمہ اللہ سے نون کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ تمہارے درمیان کے تعلقات ٹوٹ گئے اور نون کے پیش کے ساتھ یعنی تمہارا تعلق ٹوٹ گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قول (وتقطعت بهم الاسباب) کی مثل ہے یعنی تعلقات اور البین کا لفظ اضداد میں سے ہے کبھی ملانے اور کبھی جدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۹۵ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۹۶ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۹۷ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۹۸

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) تو تم کہاں الٹے چلے جارہے ہو وہ (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کرسکو

بیشک ہم نے (یہ) دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی بیشک ہم نے دلائل (توحید وانعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

تفسیر 95 (اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی) خلق کا معنی پھاڑنا۔ (الفلق) پھاڑنا۔ حسن، قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دانہ سے خوشہ کو اور گٹھلی سے پودا کو پھاڑ کر نکالتا ہے۔ "حبّ حبّۃ" کی جمع ہے جس چیز کی بھی گٹھلی نہ ہو اس کو "حبّ" کہا جا سکتا ہے جیسے گندم، جو، چاول وغیرہ۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں خشک دانہ اور خشک گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اسی سے سبز پتے نکالتا ہے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نویٰ نواۃ" کی جمع ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا دانہ نہ ہو جیسے کھجور، شفتالو وغیرہ۔ یعنی دو سوراخ جو ان دونوں میں ہیں یعنی پودوں سے پھاڑتا ہے اور پودوں کو ان سے نکالتا ہے اور گٹھلی کو کھجور سے پھاڑتا ہے اور کھجور کا درخت گٹھلی سے نکالتا ہے اور (النّوی نواۃ) کی جمع ہے وہ ہر چیز جس کا دانہ (بیج) نہ ہو جیسے کھجور، شفتالو وغیرہ۔ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں (فالق الحبّ والنّوی) یعنی دانہ (بیج) اور اس کی گٹھلی کو پیدا کرنے والا ہے۔ (یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ) حق سے پھر رہے ہو۔

96 (فَالِقُ الْاِصْبَاحِ) وہ ظلمت شب یا دن کی روشنی میں عمود صبح کو چیر کر نکالنے والا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کو پیدا کرنے والا ہے۔ الاصباح مصدر ہے اقبال کی اور ادبار کی طرح۔ بمعنی روشن کرنا اور اس سے صبح مراد ہے۔ یعنی دن کا ابتدائی ظاہر ہونے والا حصہ۔ مراد یہ ہے کہ وہ صبح کو ظاہر اور واضح کرنے والا ہے۔ (وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا) جس میں مخلوق آرام کرتی ہے اور اہل کوفہ رحمہما اللہ نے وجعل کو ماضی اور (اللیل) کو منصوب پڑھا ہے مصحف کی اتباع کرتے ہوئے اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے (فلق الاصباح) اور (وجعل اللیل سکنا) پڑھا ہے۔ (وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا) یعنی سورج اور چاند کو متعین حساب پر مقرر کیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے اور الحسبان مصدر ہے الحساب کی طرح اور بعض نے کہا ہے کہ حساب کی جمع ہے۔ (ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ)۔

97 (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ) یعنی ان کو تمہارے لیے پیدا کیا (لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو کئی فوائد کے لیے پیدا کیا۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سمندری سفر کرنے والے اور بیابان میں سفر کرنے والے رات کو اپنی منزل کا تعین ان کے ذریعے کرتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ آسمان کی خوبصورتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح) اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ شیطان کو بھگانے کے کام آتے ہیں۔ (کما قال اللہ تعالٰی وجعلناها رجومًا للشیاطین) ...... (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ)

98 (وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) یعنی آدم علیہ السلام سے فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ پھر ایک تو تمہارا ٹھکانہ ہے اور ایک امانت رکھی جانے کی جگہ ہے) ابن کثیر اور اہل بصرہ نے مستقر کو قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم میں سے ٹھکانہ پکڑنے والے ہیں اور تم میں امانت رکھنے والے اور باقی حضرات نے قاف کے فتحہ کے ساتھ۔

مستقر اور مستودع کی تفاسیر

مستقر اور مستودع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

① عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مستقر رحم میں پیدائش کے وقت تک اور مستودع قبر میں بعث تک۔

② سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستقر ماؤں کے رحم میں اور مستودع باپ کی پشت میں یہی عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تو نے شادی کر لی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں تو فرمایا کہ جو امانت تیری پیٹھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب باہر نکال دے گا۔

③ اُبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مستقر آباء کی پشت میں اور مستودع ماؤں کے رحموں میں۔

④ بعض نے کہا ہے مستقر رحم میں اور مستودع زمین کے اوپر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ونقرّ فی الارحام ما نشاء)

⑤ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مستقر دُنیا میں زمین کے اوپر اور مستودع آخرت میں اللہ کے پاس اور اس پر اللہ تعالیٰ کا قول (ولکم فی الارض مستقرّ ومتاع الیٰ حین) دلالت کرتا ہے۔

⑥ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں المستقر قبر میں اور المستودع دُنیا میں اور وہ فرماتے تھے اے ابن آدم! تو اپنے گھر والوں میں امانت ہے اور عنقریب تو اپنے ساتھی سے جا ملے گا۔

⑦ بعض نے کہا ہے المستودع قبر اور المستقر جنت اور جہنم کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے بارے میں فرمایا ہے (حسنت مستقراً ومقاما) اور جہنمیوں کے بارے میں فرمایا (ساء ت مستقرّا ومُقاما)...... (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو (مارے بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور (اسی پانی سے ہم نے) انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار (کے درخت پیدا کیے جو کہ) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور (بعضے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے (پھر) اس کے پکنے

کو دیکھوان میں (بھی) دلائل (توحید کے موجود ہیں ان کولوگوں کے لئے جو ایمان (لانے کی فکر) رکھتی ہیں۔

تفسیر ⑲ (وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ) پانی سے (نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ) پانی سے اور بعض نے کہا نبات سے (خَضِرًا سبز کھیتی) یعنی سرسبز جیسے العور اور الاعور ہے یعنی جو تروتازہ اور سرسبزان میں سے جو اُگتا ہے جَو اور گندم وغیرہ سے۔ (نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا) یعنی آپس میں ملے ہوئے جیسے گندم، جو اور چاول وغیرہ کی خوشوں میں دانے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ (وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ) طلع کا معنی کھجور کا ابتدائی پھل۔ قنوان قنو کی جمع ہے بمعنی ٹہنی سے صنو اور صنوان کی مثل ان دونوں کی کلام میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ (دَانِيَةٌ) کھانے والے کے قریب کہ کھڑا بیٹھا ہر شخص ان کو لے سکے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھرے ہوئے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں چھوٹے زمین سے لگے ہوئے، اس میں اختصار ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کھجور کے بعض گچھے قریب ہیں اور بعض دور یہاں صرف قریب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ دور خود ذہن کی طرف سبقت کرتا ہے اس لیے ذکر کی ضرورت نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (سرابیل تقیکم الحرّ) یعنی سردی اور گرمی سے۔ ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ (وجنات من اعناب) یعنی ہم نے اس سے باغات نکالے اور اعمش نے عاصم رحمہ اللہ سے (وجنّات) پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (قنوان) پر عطف ہے اور اکثر قراء اس کے خلاف ہیں۔ (والزّیتون والرُّمّان) یعنی زیتون اور انار کے درخت۔ (وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ) یعنی انگور اور انار کے درخت (مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے پتے مشابہ اور پھل مختلف ہیں کیونکہ زیتون کے پتے انار کے پتوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ دیکھنے میں ملتے جلتے اور ذائقے میں مختلف۔ (اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے ثاء اور میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں دونوں جگہ اور سورۃ یٰسین میں کہ یہ ثمار کی جمع ہے اور باقی حضرات ثاء اور میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ ثمرۃ کی جمع ہے جیسے بقرۃ کی جمع بقر۔ (اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ⑩⓪ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ⑩① ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ⑩② لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑩③

ترجمہ اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہیں ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان

کرتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو تم لوگ اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز (حقیقی) ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ ہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔

تفسیر ⑩⓪ (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ) یعنی کافر اللہ کا شریک جنوں کو بناتے ہیں (وَخَلَقَهُمْ) یعنی جنوں کو پیدا کیا ہے۔

زنادقہ کی تردید

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت زندیق لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ تخلیق میں ابلیس کو شریک بناتے تھے اور کہتے تھے اللہ نور اور لوگوں اور چوپایوں کا خالق ہے اور ابلیس تاریکی، درندوں، سانپوں، بچھوؤں کا خالق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول (وجعلوا بينه وبين الجنّة نسبا) کی طرح ہے اور ابلیس جنوب میں سے ہے۔ (وخرقوا) راء کی شد کے ساتھ تکثیر کے معنی کی بناء پر اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گھڑلیا (وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ م بِغَيْرِ عِلْمٍ) جیسے یہود نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے اور نصاریٰ نے کہا مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور کفار مکہ نے کہا فرشتے اللہ کے بیٹے ہیں (سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ)

⑩① (بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ان دونوں کو بغیر کسی مثال کے پیدا کیا۔ (اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ) اور وہ کیسے اس کیلئے اولاد کو منتخب کرتے ہیں۔ (وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ) حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ (وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)

⑩② (ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ) یعنی اس کی اطاعت کرو (وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ) اس کی حفاظت اور تدبیر کرکے۔ (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ)

رؤیت باری تعالیٰ کا ثبوت اور معتزلہ کی تردید

ان جیسی آیات کے ظاہر سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہیں۔

اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی "رؤیت عیانا" ثابت ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مؤمنین نے اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن نہ دیکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کافروں کو یہ عار نہ دلاتے کہ اس دن تمہارے سامنے پردہ ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی (للذين احسن الحسنىٰ ان لوگوں

کے لیے جنہوں نے نیکی کی حسنیٰ (جنت) ہے اور زیادتی) اور زیادتی کی تفسیر فرمائی کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے۔
جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو آمنے سامنے دیکھو گے۔
⑩③ (لا تدرکہ الابصار) ادراک کا معنی ہوتا ہے شے کی حقیقت پر مطلع ہونا اور اس کی حقیقت کا احاطہ کرنا اور رؤیت کا معنی ہوتا ہے دیکھنا، مشاہدہ کرنا اور کبھی دیکھنا بغیر ادراک کے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بیان کیا (فلما تراء الجمعان قال اصحاب موسی انا لمدرکون) پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم پکڑے گئے) کہا ہرگز نہیں۔ (لاتخاف درکا و لا تخشی تو نہ خوف کر پکڑے جانے کا اور نہ ڈر) تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ادراک کی نفی کی ہے اور رؤیت کو ثابت کیا ہے تو یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے بغیر ادراک اور احاطہ کے دیکھ لیں جیسا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے لیکن اس کی ذات کا احاطہ کوئی اپنی معرفت سے نہیں کر سکتا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ولا یحیطون بہ علماً اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا علم کے ذریعے) ثبوت علم کے ساتھ احاطہ کی نفی کی۔ سعید بن میتب فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی آنکھیں اس کے احاطہ سے عاجز آ گئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آخرت میں دیکھا جائے گا۔ (وھو یدرک الابصار) یعنی اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹ سکتی ہے۔ (وھو اللطیف الخبیر) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "اللطیف" اپنے اولیاء پر ان کے بارے میں باخبر ہے اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں (اللطیف) کا معنی اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا ہے اور بعض نے کہا ہے (اللطیف) کسی چیز کو نرمی کے ساتھ پہنچانے والا اور بعض نے کہا ہے (اللطیف) وہ ذات جو بندوں کو ان کے گناہ بھلا دے تا کہ وہ شرمندہ نہ ہوں اور (اللطف) کی اصل اشیاء میں باریک بینی۔ (وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ⑩④ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑩⑤

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تا کہ سب کو پہنچا دیں اور تا کہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور تا کہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں۔

تفسیر: ⑩④ (قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے، یعنی واضح دلائل جن کے ذریعے تم ہدایت کو گمراہی سے اور حق کو باطل سے دیکھ سکو۔ (فَمَنْ اَبْصَرَ) پھر جس نے دیکھ لیا اور اس پر ایمان لایا

(فَلِنَفْسِہٖ) سواپنے واسطے اس کا عمل اور اس کا نفع اس کے لیے ہے (وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا) اور جو اندھا رہا سواپنے نقصان کو) یعنی جو ان نشانیوں سے اندھا رہا ان کو نہ پہچانا اور ان کی تصدیق نہ کی تو اس کا نقصان اس کی ذات کو ہوگا (وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ) کہ تمہارے اعمال شمار کرتا رہوں میں تو رسول ہوں میرا کام اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دینا ہے۔ اللہ تمہارے اعمال پر نگہبان ہے اس پر تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں رہتا۔

١٠٥ (وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ) ، ہم ان کی تفصیل کرتے اور ہر صورت میں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ کہیں) بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تا کہ وہ نہ کہیں (وَلِیَقُوْلُوْا) اور بعض نے کہا ہے لام لام عاقبت ہے یعنی ان کے معاملہ کا انجام یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے (دَرَسْتَ) یعنی آپ نے کسی سے پڑھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوًا وّحزنا) اور یہ بات معلوم ہے کہ آل فرعون نے اس کو اس لیے نہیں اُٹھایا تھا لیکن ان کے اُٹھانے کا انجام یہ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تا کہ اہل مکہ کہیں جب آپ ان پر قرآن پڑھیں کہ آپ نے اس کو یسار اور جبر سے سیکھا ہے یہ دو رومی غلام تھے اور ان سے سیکھ کر آپ ہم پر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

یہ ان کے قول درست الکتاب اور سی درسا و دراست سے مشتق ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں آپ نے یہود سے سیکھا ہے اور ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا ہے (دارست) الف کے ساتھ سین کے زبر اور تاء کے سکون کے ساتھ۔ یعنی یہ پرانی خبریں جو آپ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ مٹ چکی ہیں یہ اہل عرب کے قول درس الاثر یدرس دروسا سے مشتق ہے۔ (وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ) یعنی قرآن اور بعض نے کہا ہے نصرف الآيات لقوم يعلمون۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد اس کے اولیاء ہیں جن کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے اور بعض نے کہا ہے یعنی آیات کا پھیر۔ تا کہ ان کے ذریعے ایک قوم بد بخت ہو اور دوسری قوم نیک بخت ہو جس نے کہا کہ آپ نے یہ کسی سے پڑھا ہے تو وہ بخت ہو۔ پس جس نے کہا کہ آپ نے یہ کسی سے پڑھا ہے تو وہ بد بخت ہے اور جس کے لئے حق واضح ہو گیا تو وہ نیک بخت ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ١٠٦ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا ؕ وَمَاجَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ ١٠٧ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًام بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ١٠٨

(ترجمہ) آپ خود اس طریقہ پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار ہیں اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے

ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

تفسیر ۱۰۶ (اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ) یعنی قرآن پر عمل کریں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ) ان سے نہ جھگڑیں۔

۱۰۷ (وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا) یعنی اگر چاہتا تو سب مؤمن ہوتے (وَمَاجَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ مشرکین کی اللہ کے عذاب سے حفاظت کریں آپ تو صرف مبلغ بنا کر بھیجے گئے ہیں (وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ) ۱۰۸ (اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا)

ولا تسبوا الذین کا شان نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ "انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جهنم" نازل ہوئی تو مشرکین کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائیں ورنہ ہم آپ علیہ السلام کے رب کی اشعار میں برائی کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے بتوں کو برا بھلا کہنے سے منع کر دیا اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمان کافروں کے بتوں کو برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا کہ کہیں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر سب وشتم نہ شروع کر دیں۔

اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو قریش کہنے لگے کہ ہم ابو طالب کے پاس چلتے ہیں اور ان کو کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو ہم سے روکے کیونکہ ہمیں اس سے شرم آتی ہے کہ آپ کے مرنے کے بعد ہم ان کو قتل کریں تو عرب کہیں کہ ان کا چچا رُکاوٹ تھا، اس کے مرتے ہی انہوں نے بھتیجے کو قتل کر دیا تو اس مقصد کے لیے ابو سفیان، ابو جہل، نضر بن حارث، اُمیہ اور اُبی دونوں خلف کے بیٹے، عقبہ بن ابی معیط اور عمرو بن عاص اور اسود بن ابی البختری ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے اے ابو طالب! آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہمارے خداؤں کو تکلیف دیتے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلا کر اس سے منع کریں کہ وہ ہمارے خداؤں کا تذکرہ نہ کیا کریں، ہم ان کو اور ان کے خدا کو چھوڑ دیں گے تو ابو طالب نے آپ علیہ السلام کو بلایا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کی قوم چاہتی ہے کہ آپ ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں تو یہ آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے ان لوگوں نے انصاف کی بات کی ہے آپ ان کی یہ بات قبول کر لیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دے سکتے ہو جس کو اگر تم کہہ لو تو پورے عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم تمہارے قریب ہو جائیں گے تو ابو جہل کہنے لگا ہاں تیرے باپ کی قسم! ایسے دس کلمے کہہ دیں گے اور پوچھنے لگا وہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہہ دو تو انہوں نے انکار کر دیا تو

ابوطالب کہنے لگے بھتیجے اس کے علاوہ کوئی بات کہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے چچا! میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا۔ اگر چہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھوں میں رکھ دیں تو وہ کہنے لگے کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رُک جائیں ورنہ ہم آپ کو اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو سب وشتم کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس سے مراد بت ہیں (فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا) ظلم اور سرکشی میں حد سے بڑھتے ہوئے (بِغَيْرِ عِلْمٍ) بغیر علم۔

یعقوب نے "عَدُوًّا" کو دال اور عین کی پیش اور واؤ کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ اپنے رب کو برا بھلا نہ کہو تو مسلمان ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رُک گئے۔ آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے سے نہی ہے کیونکہ ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنا سبب بنے گا اللہ تعالیٰ کے سب وشتم کا۔ (كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ) جیسے ان مشرکوں کے لیے بتوں کی عبادت اور شیطان کی اطاعت مزین کر دی ہے اسی طرح ہر گروہ کے لیے ان کے اچھے برے عمل مزین کر دیے ہیں (ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ اور ان کو بدلہ دیں گے بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آ جاوے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس پر ایمان لے آویں گے آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جاویں گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے

تفسیر ﴿۱۰۹﴾ (وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ)

آیت وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ کا شانِ نزول

محمد بن کعب قرظی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قریش کہنے لگے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لاٹھی تھی اس کو پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور یہ خبر دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو آپ ایسی کوئی نشانی ہمارے پاس لائیں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیا چیز پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں اور ہمارے کچھ مُردے زندہ کر دیں تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ حق ہے یا باطل اور ہمیں فرشتے دکھائیں جو آپ علیہ السلام کے حق میں گواہی دیں تو آپ علیہ السلام

نے فرمایا اگر میں ان میں سے کچھ باتیں کردوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو کہنے لگے جی ہاں اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کردیا تو ہم سب آپ کا اتباع کریں گے اور مسلمانوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان چیزوں کو ان پر اُتار دیں تا کہ یہ ایمان لے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگنے کے لیے کھڑے ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ صفا کو سونے کا بنا دیں لیکن اگر انہوں نے تصدیق نہ کی تو ان کو عذاب دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو ان کو چھوڑ دوں تا کہ ان کے لوگ توبہ کرلیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے لوگ توبہ کرلیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔(**واقسموا باللّٰہ جهد ایمانهم**) یعنی انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں یعنی قسموں کی جتنی تاکید پر قادر تھے اتنی تاکید سے قسمیں کھائیں۔کلبی اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اللہ کی قسم کھاتا ہے تو یہ اس کی پختہ قسم ہے۔(لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ) جیسے ان سے پہلی اُمتوں کے پاس آئی ہے (لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ط قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَاللّٰهِ تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے آپ کہہ دیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور اللہ ہی ان کے نازل کرنے پر قادر ہے اور تم کو اے مسلمانو! اور تمہیں کیا خبر ہے (وَمَا يُشْعِرُكُمْ)اور تمہیں کیا معلوم اس کے مخاطب کون لوگ۔مختلف اقوال ہیں۔بعض نے کہا ہے ان مشرکین کو خطاب ہے جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں اور بعض نے کہا ہے مؤمنین کو خطاب ہے اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آئیں گے)۔

(**انها اذا جاء ت لا یؤمنون**) آیت کے متعلق ابن کثیر اور اہل بصرہ اور ابو بکر نے عاصم رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ (**انها**) الف کی زیر کے ساتھ ہے ابتداء کی بناء پر اور ان حضرات نے کہا ہے کہ (**وما یشعر کم**) پر کلام مکمل ہوگئی تھی، پھر جنہوں نے کہا کہ یہ خطاب مشرکین کے لیے ہے انہوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے اور اے مشرکو! تمہیں کیا خبر ہے کہ اگر وہ نشانیاں آجائیں گی تو تم ایمان لے آؤ گے؟ اور جنہوں نے کہا کہ یہ خطاب مؤمنین کیلئے ہے انہوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے ''اے مؤمنو! تمہیں کیا خبر ہے کہ اگر وہ نشانیاں آجائیں تو یہ مشرکین ایمان لے آئیں گے؟ اس لیے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتے تھے کہ اللہ سے دُعا کریں کہ جو نشانیاں یہ مانگ رہے ہیں ان کو دکھا دیں تا کہ وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے (**وما یشعر کم**) سے ان کو خطاب کیا ہے۔پھر ابتداء کرتے ہوئے فرمایا (**انها اذا جاء ت لا یؤمنون**) یہ آیت مخصوص قوم کے بارے میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔اور دیگر حضرات نے (**انّها**)

الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ خطاب مؤمنین کیلئے ہے۔اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔یہ مخصوص قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا اور یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(**انها**) بعض حضرات نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور کہا ہے کہ یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔بعض حضرات نے لَا يُؤْمِنُوْنَ کو صلہ قرار دیا ہے۔وَمَا يُشْعِرُكُمْ کے

ماموصلہ کا۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے مؤمنین کی جماعت کہ جب آیات یا معجزات آبھی جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بعض نے کہا کہ انھا لعل کے معنی میں ہے اور یہی قرأت ابی بن کعب کی ہے۔ یعنی تم کو کیا معلوم کہ ظہور معجزہ کے بعد مشرکین کی کیا رفتار ہے۔ شاید وہ ایمان نہ لائیں۔ بعض حضرات کے نزدیک لایؤمنون کے بعد اویؤمنون محذوف ہے۔ یعنی تم کو نہیں معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد یہ ایمان نہیں لائیں گے یا لائیں گے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

تفسیر: ﴿۱۱۰﴾ (وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ)

کفارمکہ کی مزید ہٹ دھرمیاں

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یعنی ہم ان کے اور ایمان کے درمیان رُکاوٹ ہیں۔ اگر ہم ان کی منہ مانگی نشانیاں دے دیں تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے جیسے پہلی مرتبہ نہیں لائے یعنی اس سے پہلے چاند کے ٹکڑے ہو جانا اور بعض نے کہا کہ جس طرح یہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور دیگر معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو اب کیسے لا سکتے ہیں؟ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلی مرتبہ سے مراد دُنیا ہے یعنی اگر ان کو آخرت سے دُنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو بھی ہم ان کے دل اور آنکھیں ایمان سے اُلٹ دیں گے جیسے وہ دُنیا میں مرنے سے پہلے ایمان نہیں لائے۔ (وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ان کو رسوا کر دیں گے اور ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے اگر خدا چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۱۱﴾ (وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ) اور وہ ان کو اپنے سامنے دیکھ لیں (وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى) ہم ان کو زندہ کر دیں اور وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں جیسے ان کا مطالبہ ہے (وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا) اہل مدینہ اور ابن عامر رحمہما اللہ نے قبلا کو قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آمنے سامنے اور باقی حضرات نے قاف اور باء کے پیش کے ساتھ اور بعض نے کہا یہ قبیل کی جمع ہے یعنی "قبیلہ ای" فوج اور بعض نے کہا مقابلہ کے معنی میں ہے ان کے قول اتیتک قبلاً لا دبراً کی طرح ہے جب اس کے سامنے آئے۔ (مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ مرتکب ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔

تفسیر ﴿۱۱۲﴾ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا) اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے یعنی جس طرح اس قوم کے ذریعے ہم نے آپ کی آزمائش کی اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

شیاطین انس وجن کا بیان

عکرمہ، ضحاک، سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے شیطان ایسے جو انسانوں کے ساتھ اور

13

جنوں کے شیطان ایسے جو جنوں کے ساتھ اور انسانوں میں سے کوئی شیطان نہیں کیونکہ ابلیس نے اپنے لشکر کو دو حصے کر دیا ہے۔ ایک جماعت ان میں سے انسانوں کی طرف اور ایک جماعت جنوں کی طرف بھیجی اور یہ دونوں جماعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولیاء کی دشمن ہیں اور یہ دونوں جماعتیں آپس میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی کو یوں گمراہ کیا تو بھی اس کو اس طریقہ سے گمراہ کر اور یہی ان کی ایک دوسرے کی طرف وحی ہے۔

قتادہ، مجاہد اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں میں سے بھی شیاطین ہیں جیسا کہ جنوں میں سے شیطان ہیں اور شیطان ہر سرکش چیز کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیطان جب کسی انسان کو گمراہ کرنے سے تھک جاتا ہے تو سرکش انسان کی طرف جاتا ہے اور اس کو اُبھارتا ہے کہ وہ اس انسان کو گمراہ کرے اس پر دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو اللہ کی پناہ انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اور یہ جنوں کے شیاطین سے زیادہ برے ہیں۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے شیطان زیادہ نقصان دہ ہیں مجھ پر جنوں کے شیاطین سے کیونکہ جب میں تعوذ پڑھتا ہوں تو جنوں کا شیطان بھاگ جاتا ہے اور انسانوں کا شیطان میرے پاس آتا ہے اور مجھے گناہوں کی طرف لے جاتا ہے (یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا) زخرف ایسے قول کو کہتے ہیں جس پر باطل کا خوبصورت لبادہ چڑھایا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔ یعنی یہ شیاطین بنی آدم کے برے اعمال کو مزین کرتے ہیں اور ان کو دھوکہ دیتے ہیں (وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْهُ) یعنی ان کے دل میں وسوسہ نہ ڈالتے (فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ)

۱۱۳ (وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ) یعنی اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور الصغو مائل ہونا۔ کہا جاتا ہے صغوفلان معک یعنی مائل ہوا اور اس کا فعل صفی یصفی ' صفا و صفی یصفی اور یصغو اصغو ہے ای حاءزخرف القول کی طرف لوٹ رہی ہے وَلِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا اور وہ اس کو پسند بھی کر لیں اور کیے جائیں تا کہ وہ کمائیں۔ مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ) کہا جاتا ہے اقترف فلان مالاً جب وہ مال کمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (ومن یقترف حسنة) اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی تا کہ وہ جو گناہ کرتے ہیں وہ کر لیں۔

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۱۱۴ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۱۱۵ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۱۱۶ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۱۱۷

(ترجمہ) تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے واقفیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور آپ کے رب کا کلام واقفیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔

(تفسیر) ⓫⓮ (اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا) اس میں عبارت محذوف ہے یعنی اے محمد آپ ان کو کہیں کیا اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں) جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان کوئی منصف بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جواب دیا (وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا) اس میں امر اور نہی واضح ہیں اور بعض نے کہا مفصلاً کا معنی ہے پانچ پانچ اور دس دس آیتیں نازل کیں (وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) یعنی یہود اور نصاریٰ کے علماء جن کو ہم نے تورات اور انجیل دی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے مراد ہیں اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے (يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ) ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ نے "منزّل" کو شد کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ تنزیل باب سے ہے کیونکہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ انزل باب سے پڑھا ہے (مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ) شک کرنے والوں میں سے کہ وہ اس کو جانتے ہیں۔

⓫⓯ (وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ) اہل کوفہ اور یعقوب نے "کلمة" کو مفرد اور باقی حضرات نے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور کلمات سے مراد امر، نہی، وعدہ، وعید ہیں۔ (صِدْقًا وَّعَدْلًا) یعنی وعدوں اور وعید میں سچی ہے اور امر و نہی میں انصاف والی ہے (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی قضاء کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور اس کے حکم کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اور اس کے وعدہ کا خلاف نہیں (وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) بعض نے کہا ہے کہ کلمات سے قرآن مراد ہے کہ اس کو کوئی نہ تبدیل کر سکتا ہے اور نہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکتا ہے۔

⓫⓰ (وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اللہ کے دین سے کیونکہ اکثر دُنیا والے گمراہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے جھگڑا کیا تھا کہ تم جس کو خود ذبح کرتے ہو اس کو کھاتے ہو اور جس کو اللہ مار دے اس کو نہیں کھاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر مُردار کے کھانے میں آپ

علیہ السلام ان کی اطاعت کریں گے تو آپ کو بہکا دیں گے (اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ) یعنی ان کا موجودہ دین تو صرف گمان اور خواہشات ہے کوئی بصیرت نہیں (وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ) یعنی جھوٹ بولتے ہیں۔

۱۱۷ (اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ)

بعض نے کہا ہے کہ حرف صفت کو ہٹانے کی وجہ سے نصب کی جگہ ہے یعنی لمن یقتل اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا محل مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور اس کے لفظ استفہام کے ہیں اور معنی یہ ہے کہ تیرا رب ہی خوب جانتا ہے یعنی لوگوں کو کہ اس کے راستے سے کون گمراہ ہو رہا ہے۔ (وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ) یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ اور ہدایت یافتہ فریق کو خوب جانتے ہیں تو ہر ایک کو وہی بدلہ دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۱۱۸ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ۱۱۹ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۱۲۰

ترجمہ: سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم کو کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جاوے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ و اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو۔ بلا شبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔

تفسیر ۱۱۸ (فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ) یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ) کیونکہ وہ لوگ چوپایوں کی کئی اقسام کو حرام قرار دیتے تھے اور مُردہ جانوروں کو حلال سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ نے حلال کیا اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام کیا اس کو حرام سمجھو۔

۱۱۹ (وَمَا لَكُمْ) یعنی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے تم (اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ) یعنی ذبح کیا ہوا جانور (وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ) اہل مدینہ، یعقوب اور حفص نے (فصل اور حرم) دونوں میں زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل کی ہے جو تم پر حرام کیا ہے۔ لقولہ (اسم اللہ) اور ابن کثیر، ابن عامر، یعقوب اور ابو عمرو نے فاء کے پیش اور حاء کے پیش اور صاد اور راء کی زیر کیساتھ پڑھا ہے۔ مجہول کا صیغہ۔ اللہ تعالیٰ کے قول (ذکر) کی وجہ سے اور حمزہ، کسائی اور

ابوبکر نے (فصل) زبر کے ساتھ اور (حرم) پیش کے ساتھ حرام جانوروں کی تفصیل سے اشارہ ہے "حرّمت علیکم المیتة واللدم" آیت کی طرف۔ (اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ) یعنی ان چیزوں کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ تو اس وقت حلال ہیں۔ (وَاِنَّ کَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ)۔ اہل کوفہ نے یاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول (لیضلوا) سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ کے قول (یضلوک عن سبیل الله) کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے عمرو بن لحی اور اس کے علاوہ مشرکین مراد ہیں جن نے بحیرہ اور سائبہ کو حلال بتایا اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا اور دیگر حضرات نے زبر کیساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (من یضل) کی وجہ سے (بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ) جب وہ ان جانوروں کے کھانے سے رک گئے جن پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور مردار کھانے کی طرف بلائے کے (اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ) جو حلال سے تجاوز کر کے حرام کھاتے ہیں۔

⑫ (وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ) یعنی تمام گناہ چھوڑ دو کیونکہ کوئی بھی گناہ ان دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوگا یا چھپا ہوا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کی تفسیر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر گناہ وہ ہے جو انسان اپنے اعضاء سے کرتا ہے اور باطن گناہ وہ ہے جو وہ دل میں نیت کرتے ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا ظاہر اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہری گناہ زنا کا اعلان کرنا اور باطن سے مراد چپکے سے زنا کرنا کیونکہ عرب زنا کو بہت پسند کرتے تھے ان کے شرفاء تو چپکے سے زنا کرتے تھے اور غیر شریف لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس زنا کو ظاہر کر دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظاہر گناہ محارم سے نکاح کرنا اور باطن گناہ زنا ہے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر اثم ننگا ہو کر طواف کرنا اور باطن گناہ زنا۔

اور حیان نے کلبی رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ ظاہر اثم مردوں کا دن میں بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور باطن اثم عورتوں کا رات کو ننگے طواف کرنا (اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ) آخرت میں (بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ)۔ جو دنیا میں انہوں نے کمائی کی۔

وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـِٕهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ ۝ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے (بیکار) جدال کریں اور اگر (خدانخواستہ) تم ان لوگوں کی اطاعت (عقائد و افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔ ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے ایک

ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں سے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑪ (وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ) ذبح کے وقت جان کر یا بھول کر تسمیہ چھوڑ دینے کی صورت میں ذبیحہ کا حکم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت مُردہ جانوروں اور جو ان کے حکم میں ہیں ان کی حرمت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں وہ جانور مراد ہیں جن کو وہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اہل علم کا اس صورت میں اختلاف ہے کہ اگر مسلمان اللہ کا نام ذبح کے وقت نہ ذکر کرے تو کیا حکم ہے؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ چاہے نام لینا بھول گیا ہو یا جان بوجھ کر نہ پڑھے دونوں صورتوں میں یہ جانور حرام ہے۔ یہی امام شعبی اور ابن سیرین رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے اسی آیت کے ظاہری معنی سے استدلال کیا ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ دونوں صورتوں میں مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر مسلمان نے جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑ دی تو جانور حلال نہ ہوگا اور اگر بھول کر چھوڑ دی تو حلال ہے۔ خرقی نے امام احمد رحمہ اللہ کے شاگردوں سے نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے جنہوں نے اس جانور کو مباح قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ آیت میں مُردہ جانور اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں وہ مراد ہیں کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے فسق کہا ہے اور فسق غیر اللہ کا نام لینے ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے جیسا کہ اسی سورت کے آخر میں کہا "او فسقًا اهل لغير الله به" اور ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک قوم نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ہاں ایک قوم ہے جنہوں نے شرک سے نئی جان چھڑائی ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کا نام لے کر کھالو۔ اگر جانور کے حلال ہونے کے لیے تسمیہ شرط ہوتی تو اس کے پائے جانے میں جب شک ہوتو گوشت ممنوع ہوتا۔ جیسا کہ اگر جانور میں یہ شک ہو جائے کہ اس کو ذبح کیا گیا ہے یا نہیں تو وہ جانور ممنوع ہوتا ہے (وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ) اس جھگڑا کا واقعہ یہ ہے کہ مشرکین کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیں کہ جب بکری مر جاتی ہے تو اس کو کون مارتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ اس کو مارتا ہے تو کہنے لگے کیا آپ کا یہ گمان ہے کہ جس کو آپ اور آپ کے ساتھی ماردیں وہ حلال ہے اور جس کو کتا، شکرا، چیتا ماردے وہ حلال ہے؟ اور جس کو اللہ مار دے وہ حرام ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ) مُردار کھانے میں (اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں واضح دلیل ہے کہ جو حلال چیز کو حرام قرار دے یا حرام کو حلال قرار دے وہ مشرک ہے۔

⑫ (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ) نافع نے (میتًا) اور (لحم اخيه ميتا) اور (والارض الميتة احيينا ها) ان میں شد

کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ۔ یعنی کفر کی وجہ سے مُردہ تھا ہم نے ایمان کے ذریعے اس کو زندہ کر دیا۔

(وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا) تا کہ تم اس کے ذریعے سے روشنی حاصل کرو۔ (يَمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ) راستے کے ارادہ پر۔ بعض نے کہا کہ نور سے مراد اسلام ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یخرجهم من الظلمات الى النور نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف) اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روشنی اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے مؤمن کے لیے واضح دلیل ہے کہ اس کی روشنی میں عمل کرتا ہے اسی سے دلیل لیتا ہے (كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ یہاں المثل صلہ ہے گویا کہ وہ اندھیرے میں ہے لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا) یعنی کفر کی تاریکیوں میں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت دو متعین شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "جعلنا له نورًا" سے مراد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور "کمن مثله فی الظلمات" سے ابوجہل بن ہشام مراد ہے۔

اور ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عکرمہ اور کلبی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) یعنی کفر اور معصیت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان نے ان کے لیے بتوں کی عبادت کو مزین کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جاوے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام بھیجتا ہے عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔

ابوجہل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوجھڑی ڈالنا اور حضرت حمزہؓ کا اس سے بدلہ لینا

تفسیر: اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گوبر سے بھری اوجھڑی ڈالی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے لوٹ رہے تھے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ کو اس وقت یہ خبر ملی آپ اس وقت ایمان نہ لائے یہ خبر سنتے ہی

غصہ میں ابوجہل کے پاس گئے اور اپنی کمان ابوجہل کو ماری تو وہ گڑگڑانے لگا کہ اے ابویعلیٰ آپ کو پتہ نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا دین لائے ہیں؟ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ہمارے آباء واجداد کی مخالفت کرتے ہیں تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم سے زیادہ بے وقوف کون ہے؟ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

⑫ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا) جیسا کہ مکہ کے فساق مکہ کے سردار ہیں اسی طرح ہم ہر بستی کے گنہگار اس کے سردار بناتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ رسولوں کے پیروکار ہر بستی کے کمزور لوگ ہوا کرتے ہیں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا ہے "انؤمن لک واتبعک الارذلون" اور ان کے فاسق لوگوں کو ان کے بڑے اور سردار لوگ بنایا۔ (لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا) ان لوگوں نے مکہ کے ہر راستے پر چار آدمی بٹھائے ہوئے جو لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے اس شخص سے بچنا کیونکہ یہ نجومی، جادوگر، جھوٹا ہے۔ "نعوذ باللہ من ذلک" (وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ) کہ ان کے مکر کا وبال ان پر آئے گا۔

⑬ (وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی جو رسولوں کو نبوت دی گئی ہے وہ ہمیں دی جائے۔

واذ جاء تهم اية كا نزول كس كے حق ميں ہوا

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ کہنے لگا اگر نبوت حق ہوتی تو میں اس کا زیادہ حق دار تھا کیونکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بڑا ہوں اور مال میں زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے کہا تھا ہم سے بنوعبد مناف مرتبہ میں مزاحم تھے حتیٰ کہ ہم دونوں ہم مرتبہ تھے اب وہ کہیں گے کہ ہم میں نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ کی قسم ہم نہ اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی اتباع کریں گے مگر یہ کہ ہمارے پاس بھی اس کی طرح وحی آ جائے تو ٹھیک ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "واذا جاء تهم آية" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر حجت۔ وہ کہتے ہیں یعنی ابوجہل "لن نؤمن حتّٰی نؤتی مثل ما اُوتی رسل اللّٰه" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ) ابن کثیر اور حفص نے "رسالته" مفرد پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "رسالاته" جمع۔ یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ کون رسالت کا زیادہ مستحق ہے۔ (سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌ م بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ) بعض نے کہا کہ دُنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ

ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ط کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔

یشرح صدرہ للاسلام کی تفسیر اور علامات

تفسیر ﴿۱۲۵﴾ (فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ) یعنی اس کا دل کھول دیتا ہے اور اس کو روشن کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے تو سوال کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکے کے گھر (دُنیا) سے کنارہ کش ہونا اور موت کی تیاری کرنا موت آنے سے پہلے (وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا) ابن کثیر رحمہ اللہ نے "ضیقًا" کو یہاں اور سورۃ فرقان میں بغیر شد کے پڑھا ہے اور باقی نے شد کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں جیسے "ھین ھیّن و لین لیّن"...... "حرجًا" اہل مدینہ اور ابوبکر نے راء کے کسرہ اور باقی نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں بھی فصیح ہیں۔ یعنی اس کے دل کو بالکل تنگ کر دیتا ہے کہ ایمان داخل نہ ہو سکے اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اتنا تنگ کہ خیر کے لیے اس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے ذکر کو سنتا ہے تو اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور جب بتوں کی عبادت کا ذکر ہو تو راحت محسوس کرتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور کنانہ قبیلہ کے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ تمہاری لغت میں "حرجة" کا کیا معنی ہوتا ہے تو اس نے کہا کہ ایک ایسا درخت جو درختوں کے اتنے گھنے جھنڈ میں ہوتا ہے کہ نہ اس تک کوئی چرواہا پہنچ سکے اور نہ کوئی وحشی جانور اور نہ کوئی اور چیز تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی طرح منافق کی طرف کوئی خیر نہیں پہنچ سکتی۔ (کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے "یصعد" کو بغیر شد کے اور صاد کے سکون کے ساتھ اور ابوبکر نے عاصم رحمہ اللہ سے "یصاعد" الف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے عین اور صاد کی شد کے ساتھ "یصّعّد" پڑھا ہے۔ یعنی اس پر ایمان لانا ایسے مشکل ہے جیسے آسمان پر چڑھنا مشکل ہے اور الصعود کی اصل مشقت ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول "سارھقہ صعودًا" ہے یعنی مشکل گھاٹی۔ (کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد شیطان ہے کہ شیطان کو مسلط کر دے گا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجس جس میں خیر نہ ہو اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں رجس سے مراد عذاب اور بعض نے کہا نجاست مراد ہے۔ مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں رجس اور نجس سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجس دُنیا میں لعنت اور آخرت میں عذاب ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ان کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ (اقرارا) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے متعین فرمائی تھی (یعنی قیامت) اللہ تعالیٰ (سب کفار جن وانس سے) فرماویں گے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

تفسیر ﴿۱۲۶﴾ (وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا) یعنی جو ہم نے بیان کیا اور بعض نے کہا وہ راستہ جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ دین جو آپ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے بالکل سیدھا ہے کہ اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں۔ (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ)

﴿۱۲۷﴾ (لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ) یعنی جنت۔ اکثر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سلام اللہ تعالیٰ ہیں اور دار سے مراد جنت ہے۔

لهم دار السلام کی تفسیر

اور بعض نے کہا سلام سلامتی ہے۔ یعنی ان کے لیے آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔ یعنی جنت کو دار السلام اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جو بھی اس میں داخل ہوگا ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا اور بعض نے کہا اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ اس کے تمام حالات سلام کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "ادخلوها بسلام اٰمنين"...... "والملائكة يدخلون عليهم من كلّ بابٍ سلام عليكم" وقال "لايسمعون فيها لغواً ولا تاثيما الاقيلا سلامًا سلامًا"

(تحیتھم فیھا سلام)(سلام قولا من رب رحیم)......(وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) حسین بن فضیل فرماتے ہیں کہ ان کو دنیا میں ولی بنایا اپنی توفیق سے اور آخرت میں ان کو جزا دی جائے گی۔

۱۲۸ "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ" حفص نے "یحشرھم" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "جَمِيْعًا" یعنی جنوں اور انسانوں کو قیامت کے موقف میں جمع کرے گا اور کہے گا۔ "يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ" جن سے مراد شیاطین ہیں (قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ) سے یعنی تم نے گمراہ کر کے بہت سے انسان اپنے ساتھ ملا لیے۔ (وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ) یعنی شیطانوں کے وہ انسان دوست جنہوں نے ان کی اطاعت کی ہے۔ (رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں نے جنوں سے نفع یوں حاصل کیا کہ جب کوئی انسان جنگل بیابان میں سفر کرتا اور وہاں پڑاؤ ڈالتا اور جنوں کا خوف ہوتا تو وہ کہتا میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں آتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوفوں کے شر سے تو وہاں آسانی سے رات گزارتا اور جنوں نے نفع یہ اُٹھایا کہ وہ کہنے لگے کہ ہم جنوں کے ساتھ انسانوں کے بھی سردار ہو گئے کہ وہ ہماری پناہ مانگتے ہیں۔ تو وہ اپنی قوم میں مرتبہ میں بڑھ گئے اور خود کو عظیم سمجھنے لگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجنّ فزادوھم رھقًا"

اور بعض نے کہا کہ انسانوں نے جنوں سے یہ نفع اُٹھایا کہ وہ ان کو جادو اور کہانت وغیرہ بتاتے تھے اور جنوں نے فائدہ یہ حاصل کیا کہ انسان ان کے بدلے میں ان کی اطاعت کرتے تھے گمراہی اور معاصی کے اُمور میں جو ان کے لیے مزین کیے گئے تھے۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ایک دوسرے کی اطاعت کرنا اور ایک دوسرے کی موافقت کرنا ہے۔ (وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا) یعنی قیامت اور بعث (قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ) تمہارا ٹھکانہ (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ) اس استثناء میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "خالدین فیھا ما دامت السموات والارض الاّ ماشاء ربّک" میں۔ بعض نے کہا کہ اتنا عرصہ مراد ہے جو ان کے دوبارہ زندہ کرنے اور جہنم میں بھیجنے کے درمیان ہے۔ یعنی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر اتنی مدت اور بعض نے کہا کہ استثناء کا تعلق عذاب سے ہے کہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے سوائے اس کے کہ اللہ عذاب کی اقسام میں سے جو چاہے دے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق اس قوم سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ اسلام لے آئیں گے اور آگ سے نکالے جائیں گے۔ اس صورت میں ماشاء اللہ میں "مَا مَنْ" کے معنی میں ہوگا۔ (اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ) وہ دلوں کے اندر کو جاننے والا ہے کہ تم نیک ہو متقی پرہیز گار رہو۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۲۹ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۱۳۰

ترجمہ: اور اسی طرح ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب اے جماعت جنات اور

انسانوں کے کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر (جرم کا) اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ مقر رہوں گے کہ وہ کافر تھے۔

تفسیر 129 (وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) بعض نے کہا یعنی جیسے ہم نے نافرمان جن وانس کو ذلیل کیا حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع اُٹھایا۔ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیں گے اور ظالم سے ظالم کے ذریعے بدلہ لیں گے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ جس نے ظالم کی مدد کی اللہ اس ظالم کو اسی پر مسلط کر دے گا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ان میں سے بعض کو بعض کا دوست بنا دیں گے۔ پس مؤمن جہاں بھی ہو مؤمن کا دوست ہوگا اور کافر کافر کا دوست ہے جہاں بھی ہو اور معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے ہم ان میں سے بعض کو بعض کے آگے پیچھے لگا دیں گے۔ موالاۃ سے ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی ہم ظالم انسانوں کو ظالم جنوں کا اور ظالم جنوں کو ظالم انسانوں کا دوست بنا دیں گے اور ان کو ایک دوسرے کے سپرد کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "نُوَلِّه ما تَوَلّٰى" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ان کے بہترین لوگوں کے سپرد کرتے ہیں اور جب کسی قوم کے بارے میں شر کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ان کے برے لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں یعنی حکمران برے لوگ ہوتے ہیں۔

130 (يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ)

جنات میں رسول مبعوث ہوئے ہیں یا نہیں

اس میں اختلاف ہے کہ جنوں میں رسول بھیجے گئے ہیں کہ نہیں؟ ضحاک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا بالکل کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا "الم یاتکم رسل منکم" کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول انسانوں میں سے یا جنوں میں سے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے رسول جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے جاتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سب کی طرف بھیجے گئے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول انسانوں میں آئے ہیں اور جنوں میں ڈرانے والے آئے ہیں رسول نہیں آئے۔ پھر آیت پڑھی "ولوا الی قومهم منذرين" کہ جنوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سنی اور جنوں کو تبلیغ کی اس صورت میں "رسل منکم" کا تعلق صرف انسانوں سے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان نکلتے ہیں ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے) حالانکہ یہ تو کھارے سمندر سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ (وجعل القمر فيهن نوراً) یہ ایک ہی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

(يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ) تمہارے اوپر پڑھتے ہیں ایٰتِیْ میری کتابیں (وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا) قیامت کے دن سے (قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا) کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار اس وقت ہوگا جب

ان کے اعضاء ان کے خلاف شرک اور کفر کی گواہی دیں گے (وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا) حتیٰ کہ ایمان نہیں لائے (وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ)۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ ۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لیوے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کرے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر ﴿۱۳۱﴾ (ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ) یعنی یہ جو ہم نے آپ علیہ السلام پر رسولوں کے واقعات اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا عذاب بیان کیا اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں کو ان ان کے ظلم و شرک کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ "وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ" ان کو ڈرایا نہ گیا ہو حتیٰ کہ ان کی طرف رسولوں کو بھیجتا ہے جو ان کو ڈراتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں کہ ان کو ڈرایا نہ گیا ہو۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج دیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ بغیر تنبیہ اور بغیر تذکیر کے ان کو ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری کی ہے گناہ کے بعد ہی پکڑتا ہے اور گناہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی کو حکم دیا جائے اور وہ حکم نہ مانے یا کسی کام سے روکا جائے اور وہ نہ رُکے اور یہ سب کچھ رسولوں کے ڈرانے کے بعد ہو سکتا ہے۔

﴿۱۳۲﴾ (وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا) یعنی ثواب اور عقاب دُنیا میں جو انہوں نے عمل کیے اس کے مطابق ہوگا۔ بعض کو بہت سخت عذاب اور بعض کو بہت زیادہ ثواب ہوگا (وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ) ابن عامر نے "تعملون" تاء کے ساتھ اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿۱۳۳﴾ (وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ) اپنی مخلوق سے (ذُو الرَّحْمَةِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے اولیاء اور اطاعت کرنے والوں پر (اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ) تم کو ہلاک کر دے۔ یہ اہل مکہ کو وعید ہے (وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ ۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ) تمہارے علاوہ مخلوق کو جو زیادہ فرمانبردار ہو (كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ) یعنی تمہارے پچھلے آباء و اجداد سے نسل در نسل۔

134 (اِنَّ مَاتُوْعَدُوْنَ) یعنی حشر اور قیامت کے آنے کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے (لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ)۔ یعنی اس سے چھوٹنے والے نہیں ہیں یعنی جہاں بھی تم ہو گے موت تمہیں آئے گی۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾

ترجمہ: آپ یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے طریقہ کو مخبوط کر دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے۔

تفسیر: (قُلْ اے محمد آپ کہہ دیجئے يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ) ابوبکر نے عاصم سے "مکاناتکم" جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی جہاں بھی ہو۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس حالت پر تم ہو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر تم ہو اسی پر عمل کرتے رہو۔ آدمی جو جب وہ کسی حالت پر ہو اور اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم کیا جائے تو کہا جاتا ہے "علی مکانتک یا فلان" یعنی اپنی حالت پر ثابت قدم رہ اور یہ امر وعید میں مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کہہ دیں جو تم کرتے ہو کرتے رہو۔ "انی عامل" جو مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے۔ "فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار" یعنی جنت۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں اور سورۃ القصص میں اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے "العاقبة" کے مؤنث ہونے کی وجہ سے۔

135 (اِنِّيْ عَامِلٌ) جو مجھے میرے رب نے حکم دیا (فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے کفر کیا یا شرک کیا وہ نیک بخت نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ضحاک رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ وہ کامیاب نہ ہوگا۔

136 (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا)

کھیتوں میں اور چوپالوں میں مشرکین بتوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں

مشرکین اپنی کھیتیوں، مویشیوں اور پھلوں اور تمام اموال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ رکھتے تھے اور بتوں کا بھی حصہ رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا وہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے اور جو بتوں کے نام پر جو متعین کرتے وہ بتوں کے خدام کیلئے مقرر کرتے اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے بتوں کے حصہ میں گر جاتی اس کو نہ اُٹھاتے اور کہتے اللہ ان چیزوں سے غنی ہے اور اگر بتوں کے حصہ سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں گر جاتی تو اس کو اُٹھا لیتے اور کہتے یہ محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ کمی ہوجاتی یا سارا حصہ ہلاک ہوجاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے اور اگر بتوں کا حصہ ہلاک ہوجاتا یا کمی ہوجاتی تو اس کو اللہ تعالیٰ کے حصہ سے پورا کر لیتے۔ (فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ) زاء کے پیش کے ساتھ اور باقی حضرات نے زاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں اور اس کا معنی غیر حقیقی بات۔ (وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا) یعنی بتوں کا (فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ) اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نہیں کہا کہ وہ بتوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کے حصہ سے پورا کریں اور اللہ کا حصہ بتوں کے حصہ سے پورا نہ کریں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قحط آتا تو اللہ تعالیٰ کے حصہ کو کھا جاتے اور جو بتوں کا حصہ ہوتا اس کو نہ کھاتے، سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

137 (وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ) جیسا کہ کھیتی اور مویشیوں کی حرمت ان کے لیے مزین کی گئی اسی طرح اکثر مشرکین کے لیے مزین کر دیا (قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیاطین نے ان کے لیے بیٹیوں کے قتل کو مزین کر دیا۔ شیاطین کو شرکاء کہا کیونکہ انہوں نے ان کی اطاعت کی اللہ کی نافرمانی کرنے میں۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے شرکاء ان کے معبودوں کے خادم ہیں جنہوں نے کفار کے لیے اولاد کے قتل کو مزین کر دیا تو مشرکین یہ دُعا کرتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے پیدا ہوئے تو ایک کو ذبح کر دوں گا جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ پر قسم کھائی تھی اور ابن عامر رحمہ اللہ نے ''زُيِّنَ'' زاء کے پیش اور یاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ ''قتل'' مرفوع ہے۔ ''اولادھم'' منصوب ہے۔ ''شرکاء ھم'' منصوب کے ساتھ مقدم ہونے کی بناء پر۔ گویا کہ فرمایا ہے کہ بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء کا ان کی اولاد کو قتل کرنا مزین کیا گیا ہے۔ فعل اور فاعل کے درمیان مفعول ہے یعنی الاولاد کے ذریعے فاصلہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

فزججته متمکنا زجّ القلوص ابی مزادہ

یعنی زج ابی مزادہ القلوص تو فعل یعنی قتل کو الشرکاء کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کو نہیں کیا تھا لیکن

کیونکہ انہوں نے اس کو مزین کیا ہے اور اس کی طرف بلایا ہے تو گویا کہ انہوں نے خود یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "لیردوھم" تا کہ وہ ان کو ہلاک کر دیں۔ "ولیلبسوا علیھم" تا کہ وہ ان پر خلط کر دیں۔ "دینھم"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تا کہ ان پر ان کے دین میں شک کو داخل کر دیں یہ اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے شیطان کی تلبیس کی وجہ سے اس سے پھر گئے۔ (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَافَعَلُوْهُ) اگر اللہ چاہتے تو ان کو محفوظ کرتے جس کی وجہ سے کھیتی اور مویشی کو حرام نہ کر سکتے اور اولاد کو قتل نہ کرتے (فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ)

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۞

ترجمہ: اور وہ اپنے خیال (باطل) پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں اور (مخصوص) کھیت ہیں جن کا استعمال ہر چیز کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں (سے نکلتی) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے (منتفع ہونے کے جواز ہیں (مرد وعورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیے دیتا ہے بلا شبہ وہ بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

تفسیر: ⑬⑧ (وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ) یعنی حرام ہے۔ یعنی جو کھیتی اور مویشی اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے خاص کی ہے وہ حرام ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مویشیوں سے بحیرۃ، سائبہ، وصیلۃ، حام مراد ہیں۔ (لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ) یعنی مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں (وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا) یعنی حام کی پیٹھ پر سوار نہ ہوتے تھے (وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا) یعنی ان کو بتوں کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہیں۔ ابووائل کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ان پر نہ حج کرتے ہیں اور نہ کوئی نیکی کا کام۔ اس لیے کہ یہی عادت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر خیر کے کام پر لیا جاتا ہے تو یہاں اللہ کے ذکر سے فعل خیر مراد لیا ہے۔ (افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

⑬⑨ (وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا) ہماری عورتوں پر ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بحیرہ اور سائبہ کے بچے ہیں کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوتا وہ صرف مردوں کے لیے ہوتا عورتیں

نہ کھاسکتیں اور جومُردہ پیدا ہوتا اس کو مرد وعورت سب کھاتے۔(الخالصة) میں ہاء تاکید کے لیے ہے جیسے "عامة، علامة، نشابة" میں۔اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تانیث کی ہے اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خالص اور خالصۃ ایک ہیں جیسے وعظ وموعظۃ۔

وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَةً ابن عامر اور ابوجعفر رحمہما اللہ نے "تکن" تاء کے ساتھ "میتة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔فعل کو تانیث کی علامت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اس لیے کہ "المیتة" لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے اور ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "تکن" تاء کے ساتھ اور "میتة" زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اور نہ ہو مگر مُردہ بچہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے "وان یکن" یاء کے ساتھ اور "میتة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ "میتة" سے مرادمیت ہے۔یعنی جو پیٹوں میں ہے اگر وہ مُردہ ہو اور دیگر حضرات نے "وان یکن" یاء کے ساتھ "میتة" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔اس کو "ما" کی طرف لوٹایا ہے یعنی "وان یکن ما فی البطون میتة" اس پر دلالت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ) فیھا نہیں کہا۔اور مراد یہ ہے کہ مرد اور عورتیں اس میں شریک ہوتے ہیں۔(سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ) یعنی ان کے وصف کے بدلہ میں یا ان کے اللہ پر جھوٹے وصف بیان کرنے پر۔(اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے اور وہی (اللہ پاک) ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور پر کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو (انار انار) باہم (زیتون زیتون باہم) ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور (کبھی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو اور حد سے مت گزرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۴۰﴾ (قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ) ابن عامر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے "قتلوا" کو تاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یہ کثرت کا معنی دے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔(سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ) یہ آیت قبیلہ ربیعہ، مضر اور بعض دوسرے عرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو فقر اور قید کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے اور بنو کنانہ ایسا نہ

کرتے تھے۔(وَحَرَّمُوْا مَارَزَقَهُمُ اللّٰهُ) یعنی بحیرة، سائبة، حام، وصیلة کو(افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ) کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس کا اللہ نے حکم دیا ہے(قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ)۔

⑭ (وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ) مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ) یعنی اُٹھے ہوئے اور غیر مرفوع۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معروشات وہ جو زمین پر پھیل جائیں مثلاً انگور، تربوز وغیرہ اور غیر معروشات جو تنے پر کھڑے ہو جائیں جیسے کھجور، کھیتی اور تمام درخت اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں سے انگور مراد ہیں کہ بعض کو سہارا دے کر کھڑا کیا جاتا ہے اور بعض انگوروں کو ایسے چھوڑ دیا جاتا ہے(وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ) اور پیدا کیے اس میں (مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ) پھلوں میں مٹھاس وکھٹاس اچھے اور خراب (وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا) دیکھنے میں (وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ) ذائقے میں جیسے دو انار دیکھنے میں رنگ ان کا ایک ہو لیکن ذائقہ مختلف ہوگا(كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ) اہل بصرہ، ابن عامر اور عاصم رحمہما اللہ نے "حصادہ" کو حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے حاء کے کسرہ کے ساتھ اور دونوں کا معنی ایک ہے جیسے صرام اور صرام اور جذار اور جذار کا۔

وآتو حقه يوم حصاده کی تفسیر

اس حق کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، حسن جابر بن زید اور سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ اس سے فرض زکوٰۃ یعنی عشر اور عشر کا نصف مراد ہے اور علی بن حسین رحمہ اللہ، عطاء، مجاہد، حماد اور حکم رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے جس کے دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جھاڑو ہے اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنبل کے گرے ہوئے خوشے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ پھل کاٹنے کے وقت ایک خوشہ کو لٹکا دیتے تھے تو اس سے گزرنے والا کھاتا تھا۔

یزید بن اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ جب پھل کاٹتے تو ایک ٹہنی مسجد کی ایک طرف لٹکا دیتے تو مسکین آتا اس کو لاٹھی مارتا جو پھل گرتا اس کو لے لیتا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حق ابتداء میں واجب تھا عشر کے وجوب کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قرآن مجید میں موجود تمام نفقات کی فرضیت منسوخ ہو گئی ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا کی تفسیر میں مختلف اقوال

(وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ) بعض نے کہا ہے کہ اسراف سے سارا مال دینا مراد ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ ثابت بن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ نے پانچ سو کھجوروں کا پھل کاٹا اور ایک ہی دن میں تقسیم کر دیا اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے جا خرچ نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مال نہ دو کہ خود فقیر بن بیٹھو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سارا مال دے اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ رکھے تو اس نے اسراف کیا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اپنے عیال سے ابتداء کر۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ صدقہ سے نہ رُکو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بخل اور مال روکنے میں اتنا اسراف نہ کرو کہ واجب صدقات سے بھی رُک جاؤ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسراف وہ ہے کہ جس سے اللہ کے حق میں کوتاہی ہوتی ہو۔ اگر ابوقبیس پہاڑ سونے کا کسی آدمی کا ہو اور وہ سارا اللہ کے راستے میں خرچ کردے تو وہ اسراف کرنے والا نہیں اور اگر ایک درہم یا ایک مد اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو وہ اسراف کرنے والا ہے۔

ابن وہب نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ خطاب بادشاہوں کو ہے ان کو کہا ہے کہ تم اپنے حق سے زیادہ نہ لو۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: اور مواشی جو اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

تفسیر: ﴿۱۴۲﴾ (وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا) یعنی وہ چھوٹے اونٹ جو بوجھ نہ اُٹھا سکیں (كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ) یعنی اس کے آثار قدم پر نہ چلو کھیتی اور مویشی حرام کرنے میں۔ (اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) اب "حمولة" اور فرش کو بیان کررہے ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: (اور یہ مواشی) آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے) کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو۔

تفسیر: ﴿۱۴۳﴾ (ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ) اس پر نصب الحمولة اور الفرش سے بدل ہونے کی بنا کی وجہ سے ہے۔ یعنی چوپایوں سے آٹھ قسموں کو پیدا کیا (مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ) مذکر اور مؤنث تو مذکر ایک قسم ہے اور مؤنث ایک قسم۔ اور عرب ایک کو زوج کہتے ہیں جب وہ دوسرے سے جدا نہ ہوسکتا ہو۔

"ضأن" اون والی بھیڑ۔ اس کی مؤنث "ضائنة" اور جمع "ضوائن" ہے۔ "ومن المعز اثنين" ابن کثیر اور ابن عامر رحمہما اللہ اور اہل بصرہ نے "من المعز" عین کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے سکون کے ساتھ اور "المعز" اور

"المعزی" جمع ہے اس کے الفاظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ یہ بالوں والی بکری اور "الماعز" کی جمع "معزیٰ" ہے اور "الماعز" کی جمع "مواعز"۔ "قل" اے محمد!"ء الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ" یعنی بھیڑ اور بکری کے نر کو اللہ نے حرام کیا ہے (اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ) بھیڑ اور بکری کی مادہ (اَمَّااشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ) بچہ دان دونوں مادہ کے (کیونکہ رحم تو صرف مذکر یا مونث پر مشتمل ہوتا ہے) بتلاؤ مجھ کو سند زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو تم نے حرام کیے ہیں ان کی علم سے تفسیر کرو۔ اگر تم سچے ہو) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا ہے۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّااشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَاعَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (جنت کا راستہ آخرت میں) نہ دکھلاویں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

تفسیر: ۱۴۴ (وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ) وہ لوگ کہتے تھے "هٰذه انعام و حرث و حجر" اور کہتے تھے جو ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے اور ان لوگوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام کیا۔ وہ ان میں سے بعض کو مردوں اور عورتوں پر حرام کرتے تھے اور بعض کو صرف عورتوں پر، جب اسلام آیا وہ لوگ مختلف قسم کے جانور حرام کیا کرتے تھے جب اسلام آیا اور احکام ثابت ہوئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرنے آئے اور ان کا متکلم مالک بن عوف ابوالاحوض جشمی تھا۔ وہ کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ان اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو ہمارے آباء کیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کئی قسم کے جانور بغیر بنیاد کے حرام کر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان آٹھ قسموں کو کھانے اور نفع اُٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے تو یہ حرمت کہاں سے آئی؟ نر ہونے کی وجہ سے یا مادہ ہونے کی وجہ سے؟ تو اس سوال کو سن کر مالک بن عوف حیران رہ گیا اور جواب نہ دے سکا کیونکہ اگر وہ کہتا کہ یہ حرمت نر ہونے کی وجہ سے آئی ہے تو اس کا تقاضا تھا کہ تمام نر حرام ہونے چاہئیں اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آئی ہے تو تمام مادہ حرام ہونے چاہئیں۔ اسی طرح بچہ دانی میں موجود بچہ کو حرام کرنے کی وجہ سے رحم کا اس پر مشتمل ہونا ہے تو نر اور مادہ سب حرام ہونے چاہئیں کیونکہ رحم سب پر مشتمل ہوتا ہے اور پانچویں یا ساتویں بچہ کو حرام قرار دینا کہاں سے نکالا اور یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مالک! تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ تو وہ کہنے لگا آپ بات کریں میں سنتا ہوں (اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ) بعض نے کہا اس سے عمرو بن لحی اور اس کے بعد والے اس کے پیروکار مراد ہیں (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) پھر آگے بیان کیا کہ حرام و حلال تو وحی کے ذریعے پتہ چلتا ہے تو فرمایا۔

⑭⑤ (قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا) مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ پھر کون سی چیز حرام ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ) جو وہ کھاتا اور کھلاتا ہے۔ (اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً)

(اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا) "میتۃ" ابن عامر اور ابو جعفر رحمہما اللہ نے یکون یاء کے ساتھ "میتۃ" پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مگر یہ کہ وہ مُردہ واقع ہو اور ابن کثیر اور حمزہ رحمہما اللہ نے "تکون" یاء کے ساتھ "میتۃ" زبر کے ساتھ اسم مؤنث کی تقدیر پر ہے۔ یعنی مگر یہ کہ ہو نفس یعنی وہ جسم مُردار اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ "میتۃ" زبر کے ساتھ۔ یعنی مگر یہ کہ وہ کھانا مُردار ہو۔ "دما مسفوحا" یعنی بہایا ہوا بہنے والا یا بہتا ہوا خون) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو خون زندہ جانور سے اور جو رگوں سے ذبح کے وقت نکلے اس میں جگر اور تلی داخل نہیں کیونکہ جما ہوا خون ہیں اور شرع میں مباح ہیں اور جو خون گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ بھی حرام نہیں کیونکہ وہ بہتا نہیں۔

عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجاز سے اس خون کے بارے میں سوال کیا جو گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو اور اتنی مقدار جو اس میں خون کی سرخی دیکھی جاتی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ حلال ہے آیت میں بہنے والا خون حرام کیا گیا ہے۔ اور ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں رگ یا گودہ میں خون ہو تو کوئی حرج نہیں ہے مگر بہنے والا خون اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو مسلمان رگوں میں یہود کی اتباع کرتے۔ (اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) وہ جانور جو اللہ کے نام کے علاوہ پر ذبح کیا جائے۔ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ حرمت انہی اشیاء پر بند ہے یہی بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس میں مُردار، منخنقہ، موقوذۃ اور وہ چیزیں جو سورۃ مائدہ کے ابتداء میں ذکر کی گئیں یہ سب داخل ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ حرام نہیں اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ حرمت ان اشیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کتاب کی نص سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان میں سے بعض اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں

اور بعض کی حرمت سنت سے ثابت ہوئی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے منع کیا اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کے کھانے سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درندوں میں سے ہر کچلی والا حرام ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت کا ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت یا حلت کے بارے میں کوئی صراحت وارد نہیں ہوئی تو اگر شریعت نے اس کے قتل کا حکم دیا جیسے آپ علیہ السلام نے فرمایا، پانچ چیزوں کو حرم اور حل میں قتل کیا جائے یا شریعت نے اس کے قتل سے منع کیا ہے۔جیسا کہ آپ علیہ السلام نے چیونٹی کے قتل سے منع کیا ہے تو ایسی چیزیں حرام ہیں اور جو اس کے علاوہ ہیں تو اکثر عرب کی عادت کو دیکھا جائے گا کہ اکثر عرب اس کو کھاتے ہیں تو حلال ہے اور جس کو اکثر عرب نہیں کھاتے تو وہ حرام ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "قل احلّ لکم الطیّبات" سے عرب کو مخاطب کیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ جس کو عرب پسند کریں گے وہ حلال ہے۔(فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)

اللہ تعالیٰ نے ان حرام کردہ چیزوں کو اضطرار کے وقت مباح قرار دیا ہے جبکہ حد سے تجاوز نہ کریں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزاء) میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو (حکماً) یا جو ہڈی سے ملی ہو ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

تفسیر ⑭⑥ (وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ) مویشی اور پرندوں میں سے جس کی انگلیوں میں خلاء نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ۔

قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر پنجہ والا پرندہ اور کھر والا مویشی اور اس کو بعض مفسرین رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کھر کو ناخن کا نام دیا ہے استعارہ کی بناء پر۔

(وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی) یعنی پیٹ کی چربی اور وہ پردوں کی چربی اور دونوں گردوں کی چربی ہے۔(اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ) مگر وہ چربی جو پیٹ کے اندر پشت اور پہلو سے معلق ہو۔(اَوِ الْحَوَايَآ)۔اس کا واحد "حاوية" اور "حوية" ہے یعنی سمٹی ہوئی آنتوں پر جو چربی ہے۔پر (اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ) یعنی چکی کی چربی یہ ساری استثناء میں داخل ہیں اور حرمت خاص ہے پیٹ اور گردوں کی چربی کے ساتھ۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح کے دن کہ اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے شراب، مُردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مُردار کی چربی کے بارے میں آپ علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور چمڑوں کو تیل لگایا جاتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ حرام ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ یہود کو ہلاک کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جب چربی کو حرام کیا تو وہ اس کو پگھلا کر بیچ دیتے اور اس کی قیمت کھا لیتے (ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ) یہ حرمت ان کیلئے سزا کے طور پر ہے (بِبَغْيِهِمْ) یعنی ان کے ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، سود کھایا اور باطل طریقے سے لوگوں کے مال کو حلال سمجھا۔ (وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ) جو ہم نے ان پر حرام کیا اس کی خبر دیتے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔

تفسیر: ۱۴۷ (فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ) کہ تم سے عذاب کو مؤخر کر دیا (وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ) جب اس کا (عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ) وقت آ جائے گا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: یہ مشرک یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (رسولوں کی) تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

تفسیر: ۱۴۸ (سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) جب ان کو حجت لازم ہوگی اور اپنے شرک کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ) بحیرۃ، سائبۃ وغیرہ سے انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کے قول "لو شاء اللہ ما اشرکنا" کو اپنے شرک پر قائم ہونے کی دلیل بنائیں اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ ہمارے اور ہمارے اعمال کے درمیان رُکاوٹ بن جائیں کہ ہم ان کو نہ کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان افعال و اعمال سے راضی نہ ہوتے اور ہمیں اس کا حکم نہ دیا ہوتا اور ہم سے یہ نہ چاہتے ہوتے تو ہمارے درمیان حائل ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے

ہوئے فرمایا۔(کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ) پہلی اُمتوں کے کفار میں سے (حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا) ہمارا عذاب۔

منکرین تقدیر نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں مشرکین نے جب کہا ''اگر اللہ چاہتے تو ہم شرک نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کردی ہے اور ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''کذلک کذب الّذین من قبلھم'' ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قول ''لو شاء اللہ ما اشرکنا'' میں ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ یہ بات تو ان کی سچی تھی لیکن تکذیب ان کے اس قول کی تھی کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور ہمارے ان کاموں پر راضی ہے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں خبر دی ہے۔ ''و اذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا آباء نا واللہ امرنا بھا'' تو تردید ان کی اس میں تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء'' ہے اور اس پر دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی تردید ان کے قول ''لو شاء اللہ ما اشرکنا'' میں نہیں تھی بلکہ جو ہم نے ان کا قول نقل کیا اس پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا قول ''کذلک کذّب الّذین من قبلھم'' ہے شد کے ساتھ۔

اگر یہ ان کے قول ''لو شاء اللہ ما اشرکنا'' میں ان کے جھوٹ کی خبر ہوتی تو اللہ تعالیٰ ''کذب الّذین من قبلھم'' بغیر شد کے فرماتے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے لیکن یہاں تو ان کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اور حسن بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر انہوں نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے لیے ذکر کی ہوتی اور اس کی معرفت میں کمی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کا اس طرح عیب نہ بیان کرتے بلکہ یوں فرماتے ''ولو شاء اللہ ما اشرکوا'' اور فرمایا ''وما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ'' اور مؤمن بھی یہ بات کہتے ہیں لیکن انہوں نے یہ بات تکذیب کرتے ہوئے اور اللہ کی معرفت کے بغیر جھگڑے کے لیے کہی۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول ''وقالوا لو شاء الرّحمٰن ما عبدناھم'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مالھم بذلک من علم ان ھم الاّ یخرصون'' اور بعض نے کہا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ بات تو حق کرتے تھے لیکن یہ اس کو اپنا عذر اور اپنے ایمان چھوڑنے پر حجت بناتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی ہے کیونکہ اللہ کا حکم اس کی مشیت وارادہ سے الگ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا ارادہ کرنے والے ہیں لیکن اپنے ارادہ کی تمام چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور بندہ پر لازم ہے کہ اس کے حکم کا اتباع کرے، اس کی مشیت سے نہ معلق ہو کیوں کہ اس کی مشیت کسی کا عذر نہیں ہے۔ (قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِنْ عِلْمٍ) یعنی اللہ کی طرف سے کتاب وحجت۔ (فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا) تا کہ جو تم اللہ پر شرک اور اپنی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کا دعویٰ کرتے ہو وہ ظاہر ہو جائے۔ (اِنْ تَتَّبِعُوْنَ) یعنی جس پر تم ہو اس میں اتباع نہیں کرتے۔ (اِلَّا الظَّنَّ) بغیر علم ویقین کے اٹکل پر چلتے ہو۔وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ.

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑮

ترجمہ آپ کہیے کہ پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لے آتا آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر (باقاعدہ) شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (مذکورہ) چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو اس شہادت کی سماعت نہ فرمایئے اور (اے مخاطب) ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں آپ (ان سے) کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو ہم ان کو اور تم کو رزق (مقدر) دیں گے اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہو اور خواہ پوشیدہ ہو۔ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اس کا تم کو تاکیدی حکم ہے تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر ⑭⑨ (قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) اپنی مخلوق پر جو دلیل بیان کی ہے وہ پوری ہے اور دلیل کتاب، رسول اور بیان کے ذریعے سے۔ (فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ) کافر کا ایمان اگر وہ چاہتا تو اس کو ہدایت دیتا۔

⑮⓪ (قُلْ هَلُمَّ) "هَلُمَّ" واحد، تثنیہ اور جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ) تم اپنے گواہوں کو لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں (اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا) ہذا کا اشارہ ماقبل حرام کردہ اشیاء کی طرف ہے کہ انہوں نے جو اپنے اوپر اشیاء حرام کیں وہ آ کر دعویٰ کریں کہ واقعی اللہ نے ان پر حرام کی ہیں (فَاِنْ شَهِدُوْا) اگر وہ گواہی دیں تو وہ جھوٹی گواہی دیں گے (فَلَا تَشْهَدْ) اور تم (مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ) یعنی شرک کرتے ہیں۔

⑮① (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا) مشرکین نے سوال کیا کہ اللہ نے کون سی چیز کو حرام کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"قل تعالوا اتل" میں تم پر وہ پڑھتا ہوں جو تم پر تمہارے رب نے حقیقی اور یقینی طور پر حرام کیا ہے، وہ گمان اور جھوٹ نہیں جسے تم گمان کرتے ہو۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالیٰ کے قول "حرّم ربّکم علیکم الّا تشرکوا به شیئًا" کا کیا معنی ہے کیونکہ حرام تو شرک ہے نہ کہ شرک کا چھوڑنا؟ تو جواب یہ ہے کہ "انّ" کا محل رفع ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ ہے کہ تم شرک نہ کرو اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا محل نصب ہے اور اس کے نصب کی وجہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم پر

حرام کیا ہے کہ تم شرک کرو اور "لا" صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "ما منعک ان لاتسجد" یعنی سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا اور بعض نے کہا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول "حرّم ربّکم" پر مکمل ہوگئی تھی۔ پھر فرمایا تم پر لازم ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، یہ اُبھارنے کے طریقہ پر ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہے کہ معنی پر محمول ہو یعنی میں تم پر شرک کی حرمت کی تلاوت کرتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ معنی یہ ہو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ شرک نہ کرو۔

(وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ)(نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ) یعنی فقر کے خوف سے بیٹیوں کو زندہ دفن نہ کرو کیونکہ تمہیں اور ان کو میں رزق دیتا ہوں(وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ)

❶ ماظہر سے علانیہ اور ما بطن سے پوشیدہ گناہ ہیں۔ جاہلیت والے اعلانیہ زنا کو برا سمجھتے تھے اور چپکے سے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

❷ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر سے مراد شراب اور باطن سے زنا مراد ہے۔(وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ) اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور معاہد (جس سے معاہدہ ہوگیا ہو) کے قتل کو حرام کیا ہے مگر حق پر قتل کر سکتے ہیں۔ یعنی قصاص، ارتداد یا ایسا زنا جس کی سزا رجم ہو تو قتل مباح ہو جاتا ہے۔

مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین امور کی بناء پر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی ایسے شخص کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین صورتوں میں سے ایک کی وجہ سے ❶ شادی شدہ شخص زنا کرے ❷ جان کے بدلے جان ❸ اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جائے " ذٰلِكُمْ " جو میں نے ذکر کیا۔ "وَصّٰكُمْ بِهٖ "تم کو یہ حکم دیا ہے "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ"(تم کو یہ حکم کیا ہے تا کہ تم سمجھو)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْكَانَ ذَاقُرْبٰی وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحب ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف سے کہا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو)

یتیم کے مال کے کھانے کا کیا حکم ہے

تفسیر ⑫ (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ) یعنی جس میں اس کے مال کا نفع اور اضافہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مال میں تجارت کرنا مراد ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احسن طریقہ یہ ہے کہ اس کے مال سے تجارت کرے اور نفع میں سے خود کچھ نہ رکھے۔ (حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ) شعبی اور مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بالغ ہو جائے کہ اس کی نیکیاں اور گناہ لکھے جانے لگیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سمجھدار ہو جائے اور قوت والا ہو جائے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اشد" کا اطلاق اٹھارہ سال سے تیس سال تک کی عمر پر ہوتا ہے اور بعض نے کہا چالیس سال تک اور بعض نے ساٹھ سال تک اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیس سال۔ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تیس سال اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تینتیس سال۔ اور الاشد شد کی جمع ہے قد اور اقد کی طرح اور وہ جوانی کی قوت اور عمر کا مضبوط ہونا اور اسی سے "شد النہار" ہے جب دن خوب نکل آئے اور بعض نے کہا ہے کہ "بلوغ اشد" یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اس سے سمجھداری محسوس ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سمجھدار ہو تو اس کا مال اس کے حوالہ کر دو۔ (وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ) (لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) ماپ اور تول کے پورا کرنے میں کہ دینے والے کو اتنی مقدار کا مکلف بنایا جو اس پر واجب ہے زیادہ کو لازم نہیں تا کہ اس پر تنگی نہ ہو اور صاحب حق کو اپنے حق سے کم لینے کا مکلف نہیں بنایا تا کہ اس پر تنگی نہ ہو بلکہ ہر ایک کو اس کی گنجائش کے مطابق حکم دیا (وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا) فیصلہ اور گواہی میں سچ بولو (وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی) جس پر فیصلہ کیا جا رہا ہے یا جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے وہ قریبی رشتہ ہی کیوں نہ ہو (وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ) حمزہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے "تذکرون" ذال کی تخفیف کے ساتھ پورے قرآن میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے تمام کتب میں نازل ہوئی۔ اس میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اور تمام بنی آدم پر یہ چیزیں حرام تھیں، یہ کتاب کی اصل ہیں جو ان پر عمل کرے گا جنت میں داخل ہوگا اور جو ان کو چھوڑ دے گا جہنم میں داخل ہوگا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ⑬ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ⑭

ترجمہ اور یہ (بھی کہہ دیجئے) کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔ کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم (اس راہ کے

خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جاوے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لاویں۔

تفسیر ⓯⓷ (وَاَنَّ هٰذَا) یعنی جو ان دو آیتوں میں تم کو حکم کیا ہے (صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "و ان" کو الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے استئناف کی بناء پر اور دیگر حضرات نے الف کے زبر کے ساتھ۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ میں تم پر تلاوت کرتا ہوں کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اور ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ (وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ) اس دین کے علاوہ دین جیسے یہودیت، نصرانیت وغیرہ اور بعض نے کہا خواہشات اور بدعات مراد ہیں (فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ) یعنی اس کے پسندیدہ دین سے (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)

صراط مستقیم کی وضاحت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکیر کھینچی، پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں کئی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے جو اس کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آیت پڑھی (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ)

⓯⓸ (ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ) اگر یہ اعتراض ہو کہ "ثم اٰتینا" کیوں کہا ہے کیونکہ "ثم" تو کسی چیز کے بہت بعد میں آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تو قرآن کے آنے سے بہت پہلے دی گئی تھی؟ تو جواب یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ پھر میں نے تمہیں خبر دی کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی تو "ثم" کو خبر مؤخر ہونے کے لیے لایا گیا ہے نزول مؤخر ہونے کے لیے نہیں۔ (تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ) "الذی احسن" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے نیک کام کرنے والے مراد ہیں اس صورت میں "الذی" من کے معنی میں ہوگا کہ جس شخص نے ان کی قوم میں سے نیک کام کیا کیونکہ ان میں اچھے اور برے کام کرنے والے ہر قسم کے لوگ تھے۔ اس قول پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں لفظ "علی الذین احسنوا" ہے اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دے کر ان کی فضیلت کو مکمل کیا نیک کام کرنے والوں پر اور محسنین سے انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین مراد ہیں اور بعض نے کہا "الذی احسن" سے موسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں اور "الذی" ما کے معنی میں ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کو کتاب دی ان پر نعمت کو مکمل کرنے کے لیے ان کے عبادت، رسالت کی تبلیغ اور احکام کو ادا کرنے میں نیک ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ "الاحسان علم" کے معنی میں ہے اور "احسن عَلِم" کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر علم و حکمت کی نعمت پورا کرنے کے لیے۔ یعنی ہم نے ان کو کتاب اس پر زیادہ دی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر میرا احسان مکمل کرتا ہے۔ (وَ تَفْصِيْلًا) بیان کردی (لِّكُلِّ شَیْءٍ) ہر چیز کی تفصیل جن کا

شریعت دین میں جاننا ضروری ہے (وَهُدًى وَّرَحْمَةً) یہ توراۃ کی صفت ہے (لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تاکہ وہ دوبارہ اُٹھنے پر ایمان لائیں اور ثواب اور عذاب کی تصدیق کریں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو کبھی تم یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے سو اب تمہارے ہاں تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلاوے اور اس سے روکے ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

تفسیر: ﴿۱۵۵﴾ (وَهٰذَا كِتٰبٌ) یعنی قرآن (اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ) اس کے احکام پر عمل کرو (وَاتَّقُوْا) اطاعت کرو (لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ)

﴿۱۵۶﴾ (اَنْ تَقُوْلُوْا) "يبين الله لكم ان تضلوا" یعنی تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو اُتارا ہے، تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے "ان تقولوا" کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اے اہل مکہ تم یہ کہنے سے بچو۔ تاکہ تم نہ کہو (اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا) یعنی یہود و نصاریٰ (وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ) یعنی ہم ان کو نہ جانتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم پر ہم نے قرآن اس لیے اُتارا کہ تم یہ نہ کہو کہ بے شک کتاب تو ہم سے پہلے لوگوں پر ان کی زبان میں اُتاری گئی تھی تو ہم نے اس کے احکام نہ پہچانے اور اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل رہے تو تم یہ عذر نہ کرسکو۔

﴿۱۵۷﴾ (اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ) کفار کی ایک جماعت نے یہ بات کہی تھی کہ اگر جو کتاب یہود و نصاریٰ پر نازل ہوئی ہم پر اُترتی تو ہم ان سے بہتر ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ) اور ہدایت اور رحمت اور نعمت (فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (وَصَدَفَ) بمعنی اعراض کرنا (عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ) برا عذاب بدلے میں (بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ) جو اعراض کرتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: یہ لوگ صرف اس حکم کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا ان کے پاس آپ کا رب آوے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آوے جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۵۸﴾ (هَلْ يَنْظُرُوْنَ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے اور قرآن کا انکار کرنے کے بعد وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں (اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ) تا کہ ان کی روح قبض کریں اور بعض نے کہا عذاب کے ساتھ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یاتیھم" یاء کے ساتھ یہاں اور النحل میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ۔ (اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ) بغیر کسی کیفیت کے تا کہ قیامت کے اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کر دے (اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ) یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے اور اسی کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوعا روایت کیا ہے۔

(يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ) یعنی اس نشانی کے ظاہر ہونے کے وقت ایمان نفع نہ دے گا (اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا) مطلب یہ ہے کہ کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہ ہو گی (قُلِ انْتَظِرُوْٓا) اے اہل مکہ (اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ) تمہارے عذاب کی۔

قیامت کی چند علامات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت نہ قائم ہو گی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ جب سورج طلوع ہو جائے گا اور اس کو لوگ دیکھ لیں گے تو سارے ایمان لے آئیں گے اور یہ وہ وقت ہے کہ کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ کشادہ کرتے ہیں تا کہ دن کو برے کام کرنے والے توبہ کر لیں اور دن کو ہاتھ کشادہ کرتے ہیں تا کہ رات کو برے کام کرنے والا توبہ کر لے۔ یہ سلسلہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورج کے

مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیں گے۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں صفوان بن عسال، مرادی رضی اللہ عنہم کے پاس آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے توبہ کے لیے جس کی چوڑائی کی مسافت ستر سال ہے۔ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک سورج اس کی جانب سے طلوع نہ ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول (**یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل**) اور ابو حازم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جب نکلیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا نیک کام نہ کیے ہوں۔ ① دجال ② چوپایہ ③ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کردیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے پھر ان کا کیا ہوا ان کو جتلا دیں گے۔

تفسیر: ﴿١٥٩﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "فارقوا" الف کے ساتھ یہاں اور سورۃ روم میں پڑھا ہے۔ یعنی اپنے دین سے نکل گئے اور اس کو چھوڑ دیا اور باقی حضرات نے "فرّقوا" شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ کا دین ایک ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف ان لوگوں نے اس کے مختلف دین بنا کر یہودی اور نصرانی بن گئے۔ اس مطلب پر آیت کا یہ حصہ دلالت کر رہا ہے (وَكَانُوْا شِيَعًا) یعنی مختلف فرقے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہو گئے۔

وَكَانُوْا شِيَعًا سے کون سے فرقے مراد ہیں

یہ مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے اس اُمت کے بدعتی اور شبہ میں پڑنے والے لوگ مراد ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) جن لوگوں نے دین کو چھوڑا اور بہت سے فرقے ہو گئے وہ اس اُمت کے بدعتی اور شبہات میں پڑنے والے لوگ ہیں۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور بڑی بلیغ نصیحت کی جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل کانپ گئے۔ کہنے والے نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو الوداع کہنے والے کی نصیحت کی طرح نصیحت ہے۔ آپ ہمیں وصیت کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ حبشی غلام ہو کیونکہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ

اختلاف دیکھے گا تو تم لازم پکڑو میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو اس کو داڑھوں سے مضبوطی سے تھام لو اور بچو دین میں نئی ایجاد ہونے والی چیزوں سے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹے گی، سارے جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا وہ کون سا فرقہ ہے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو اس راستہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور تمام اُمور میں سے برے ترین نئی ایجاد کی ہوئی چیزیں ہیں۔ اسی حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوع نقل کیا ہے۔ (لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ) یعنی آپ کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کو جہاد کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے۔ یہ تاویل ان حضرات کے قول پر ہے جن کے نزدیک ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور جن کے نزدیک آیت سے خواہشات کے پیچھے چلنے والے مراد ہیں تو انہوں نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ان سے بری ہیں وہ آپ علیہ السلام سے بری ہیں عرب کہتے ہیں اگر تو نے اس طرح کیا تو تو مجھ میں سے نہیں ہے اور میں تجھ سے نہیں ہوں۔ یعنی ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے بری ہے۔ (اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ) سزا اور بدلہ دینے میں (ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ) جب وہ قیامت میں لائے جائیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے (اقل درجہ) ملیں گے اور جو شخص برے کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے مستحکم طریقہ ہے ابراہیم کا جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں

وہ اعمال جن پر دس گنا ثواب ملتا ہے

تفسیر ﴿۱۶۰﴾ (مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) یعنی اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں ہیں (وَمَنْ جَآءَ

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے اسلام کو اچھا کرلے تو جو نیکی وہ کرے گا تو اس کے لیے اس کی دس مثل سے سات سو گنا تک لکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی نیکی لائے تو اس کے لیے اس کے مثل دس ہے اور میں بڑھادوں گا اور جو کوئی برائی لاتا ہے تو اس برائی کی مثل سزا پائے گا یا میں معاف کردوں گا اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا تو میں اس سے ایک گز قریب ہوجاؤں گا اور جو مجھ سے ایک گز قریب ہوگا تو میں اس سے دونوں ہاتھ کے درمیانی فاصلہ کی بقدر قریب ہوجاؤں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا اور جو مجھے ملے زمین کے بھراؤ کے بقدر گناہوں کے ساتھ لیکن میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اس کی مثل مغفرت کے ساتھ اس کو ملوں گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت میں صدقات کے علاوہ نیکیاں مراد ہیں کیونکہ صدقات سات سو گنا تک دُگنے کیے جاتے ہیں۔

۱۶۱ (قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. دِيْنًا قِيَمًا) اہل کوفہ اور شام نے "قِيَمًا" قاف کی زیر اور یاء کے زبر کے ساتھ بغیر شد کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے قاف کی زبر اور یاء کی زیر کے ساتھ مشدد پڑھا ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور وہ سیدھا درست اور اس کا منصوب ہونا اس بناء پر ہے کہ اصل عبارت "هدانی دینا قیما" ہے کہ مجھے دین قیم کی ہدایت دی۔ (مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

۱۶۲ (قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ) بعض نے کہا "نسک" سے حج اور عمرہ کا ذبیحہ مراد ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نسک" سے حج مراد ہے اور بعض نے کہا دین مراد ہے (وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) یعنی وہ مجھے موت و حیات دیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "محیای" نیک عمل کے ساتھ اور "مماتی" جب میں ایمان پر مرجاؤں گا۔ "للّٰہ رب العالمین" اور بعض نے کہا ہے میری زندگی میں اطاعت میری اللہ کے لیے ہے اور میرے مرنے کے بعد میری "جزاء اللّٰہ رب العالمین" کی طرف ہے۔ اہل مدینہ نے "محیای" یاء کے سکون کے ساتھ اور "مماتی" یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر حضرات کی قرأت "محیای" یاء کے زبر کے ساتھ ہے تاکہ دو ساکن جمع نہ ہوجائیں۔

۱۶۳ (لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس اُمت میں سے پہلا مسلمان ہوں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۱۶۴ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

۔اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ کیا میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر (بعض چیزوں میں) رتبہ بڑھایا تاکہ ظاہراً تم کو آزماوے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

تفسیر: ﴿۱۶۴﴾ (قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سید اور معبود (وَّهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ) پس منظر یہ ہے کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے آپ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ کہنے لگا تم میرے پیچھے چلو میں تمہارے گناہ اُٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا) یعنی جو نفس کچھ لاتا ہے تو اس کا گناہ جرم کرنے والے پر ہے اور بوجھ نہ اُٹھائے گا (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) یعنی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ ایک کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔ ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔)

﴿۱۶۵﴾ (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) یعنی پہلی اُمتوں سے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تمہیں ان کے بعد زمین کا وارث بنایا ہے تمہیں ان کا خلیفہ و نائب بنایا، اسی زمین میں تم ان کے نائب ہو اور ان کے بعد زمین آباد کرتے ہو اور خلائف خلیفۃ کی جمع ہے جیسے "وصائف وصیفة" کی جمع ہے اور جو شخص کسی کے جانے کے بعد آئے وہ اس کا خلیفہ ہے کیونکہ وہ اس کے پیچھے آیا ہے۔ (وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ) یعنی تمہارے احوال ایک دوسرے کے خلاف کر دیئے تو تم میں سے بعض کو خلق، رزق، معاش، قوت اور فضل میں بعض پر بلند کر دیا (لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ) یعنی اپنے دیئے ہوئے رزق میں تمہارا امتحان کرے یعنی مال دار، فقیر، شریف، گھٹیا، آزاد، غلام سب کا امتحان کرے۔ تاکہ تم سے ثواب و عقاب کو ظاہر کردے۔ (اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ) تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اس لیے کہ ہر آنے والی چیز تیز اور قریب ہے۔ بعض نے کہا ہے دُنیا میں ہلاک ہونا مراد ہے۔ (وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے دشمنوں کو جلد سزا دینے والا اپنے اولیاء کو بہت بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

ساری سورت مکی ہے سوائے پانچ آیتوں کے۔ ان میں سے پہلی "واسالهم عن القرية التى كانت" ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ
② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ
اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

ترجمہ: الٓمّٓصٓ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعے سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو اور تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچایا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے سو جس وقت ان پر عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہیں نکلی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔

تفسیر: ② (كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ) یعنی قرآن (فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرج شک کے معنی میں ہے اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد اُمت ہے اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرج کا معنی تنگی ہے معنی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ آپ رسول بنائے گئے اس کی وجہ سے دل تنگ نہ ہو۔ (لِتُنْذِرَ بِهٖ) یعنی کتاب اتاری گئی ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے ڈرائیں (وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ) کتاب پر ایمان لانے والوں کو۔

③ (اِتَّبِعُوْا) یعنی آپ علیہ السلام ان سے کہیں کہ چلو اسی پر (مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

اَوْلِيَآءَ) یعنی اللہ کے علاوہ دوست نہ بناؤ جن کی اطاعت کرو اللہ کی نافرمانی میں (قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "یتذکرون" یاء اور تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

④ (وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا) عذاب کے ساتھ "کَمْ" کثرت کے معنی دیتا ہے اور "رُبَّ قلّت" کا معنی دیتا ہے۔ (فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا رات اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ) "قیلولة" مصدر سے ہے۔ اصل عبارت "فجاء ھا باسنا لیلا وھم نائمون اونھاراً وھم قائلون" قیلولہ کررہے ہوں گے۔ "او نائمون ظھیرة" "قیلولة" آدھے دن میں آرام کرنا اگرچہ نیند نہ آئے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس ہمارا عذاب آیا اور ان کو اُمید نہ تھی، رات کو یا دن کو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "او" عذاب کو پھیرنے کے لیے ہے یعنی ایک مرتبہ رات کو اور ایک مرتبہ دن کو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ بعض بستی والوں کو ہم نے رات کو ہلاک کیا اور بعض کو دن کے وقت ہلاک کیا یعنی ان کے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ پہلے کہا ہم نے ان کو ہلاک کردیا، پھر اس کے بعد عذاب آنے کا کیا معنی؟ تو جواب یہ ہے کہ "اَهْلَكْنَا" کا معنی ہے کہ ان کی ہلاکت کا ہم نے فیصلہ کیا تو ان پر ہمارا عذاب آیا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ "فجاء ھا باسنا" یہ اللہ تعالیٰ کے قول "اھلکناھا" کا بیان ہے جیسے کہنے والا کہتا ہے "اعطیتنی فاحسنت الیّ" اس قول اور اس کے اس قول "احسنت الیّ فاعطیتنی" میں کوئی فرق نہیں ہے ان میں سے ایک دوسرے سے بدل ہے۔

⑤ (فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ) یعنی ان کا قول اور پکار اور تضرع و عاجزی اور الدعویٰ کبھی ادعاء بمعنی دعاء کے ہوتا ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں عرب کہتے ہیں "اللھمّ اشرکنا فی صالح دعویٰ المسلمین" یعنی ان کی دُعاؤں میں (اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ) مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب کے ردّ کرنے پر قادر نہ ہوئے اور ان کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے جنایت کا اعتراف کرلیا لیکن اس اعتراف نے ان کو نفع نہ دیا۔

⑥ (فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ) یعنی اُمتوں سے کہ انہوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا یہ سوال توبیخی ہے یہ جاننے کے لیے سوال نہیں ہے۔ یعنی ہم ان سے سوال کریں گے ان کے بارے میں جو ان کو رسولوں نے پہنچادی ہیں۔ (وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ) پیغام پہنچانے کے بارے میں۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

ترجمہ: پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کردیں گے اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ

ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرنے لگے

تفسیر ⑦ (فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ) یعنی ہم ان کو اپنے علم سے خبر دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے خلاف ان کا اعمال نامہ بولے گا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ) رسولوں سے جوانہوں نے پہنچایا اور اُمتوں سے جوانہوں نے جواب دیا۔

⑧ (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ) یعنی سوال کے دن۔

قیامت کے دن وزن اعمال کا ہوگا یا صاحب اعمال کا؟

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ فیصلہ اسی دن انصاف کے ساتھ ہوگا اور اکثر حضرات نے فرمایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اعمال کا وزن ترازو کے ساتھ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک ترازو لگائیں گے اس کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ہر پلڑا مشرق و مغرب کے درمیان جتنا بڑا ہوگا اس وزن کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا۔

ہم تک روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی پر ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے لیے ایک کاغذ نکالا جائے گا جس پر "اشهد ان لا اله الاّ الله واشهد ان محمّدًا عبده و رسوله" لکھا ہوا ہوگا تو وہ تمام دفتر ایک پلڑے میں اور وہ کاغذ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ دفتر اُڑنے لگیں گے اور وہ کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا۔ (رواہ الامام ابن ماجہ) اور بعض نے کہا صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں روایت پہنچی کہ قیامت کے دن لمبے قد موٹے جسم والا شخص لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس مچھر کے پَر کے برابر وزن نہ ہوگا اور بعض نے کہا خود عمل کو تولا جائے گا۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو اچھے اعمال کو اچھی شکل میں اور برے اعمال کو بری شکل میں لایا جائے گا اور ترازو میں رکھ دیا جائے گا۔ اعمال کے وزن کی حکمت دُنیا میں اپنے بندوں کا امتحان لینا ہے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں اور آخرت میں ان کے خلاف حجت قائم کرنا ہے۔ (فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس کی نیکیاں ہیں (فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

⑨ (وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ اس شخص کی تولیں بھاری ہوں گی جس نے دُنیا میں حق کا اتباع کیا اور اس شخص کی تولیں ہلکی ہوں گی جس نے دُنیا میں باطل کا اتباع کیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ "موازینہ" جمع ہے حالانکہ ترازو تو قیامت کے دن ایک ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس جمع سے ایک مراد ہے جیسے "یاایّھا الرّسل" میں رسل جمع ہے لیکن مراد ایک ہے اور بعض نے کہا ہر بندے کا الگ ترازو ہوگا۔ بعض نے کہا کہ میزان دو پلڑوں دو گواہوں اور ایک زبان پر مشتمل ہے اور وزن ان کے مجموعہ سے مکمل ہوگا اس لیے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑩ وَلَقَدْ

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫

ترجمہ اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔

تفسیر ⑩ (وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ) "تمکین" سے مراد مالک بنانا اور قدرت دینا ہے۔ (وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ) یعنی ایسے اسباب جن کے ذریعے تم اپنی زندگی معاش حاصل کرتے ہو جیسے تجارت، مزدوری، کھانے، پینے، "معایش معیشة" کی جمع ہے۔ (قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ)

⑪ (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہارے آباء واجداد کو پیدا کیا۔ پھر تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ قتادہ، ضحاک، سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "خلقناکم" سے آدم علیہ السلام مراد ہیں اور "صوّرناکم" سے ان کی اولاد مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خلقناکم" آدم علیہ السلام کو۔ "ثمّ صوّرناکم" آدم کی پشت میں، جمع کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس لیے کہ وہ ابوالبشر ہیں تو ان کی تخلیق میں ان لوگوں کی بھی تخلیق ہے جو ان کی پشت سے نکلیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ "خلقناکم" آدم علیہ السلام کی پشت میں "ثمّ صورنا کم میثاق" کے دن جب تم کو چیونٹیوں کی طرح نکالا تھا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے تم کو مردوں کی پشتوں میں پیدا کیا اور عورتوں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنائیں اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کو رحم میں پیدا کیا پھر اس کی صورت بنائی تو اس کے کان، آنکھ، انگلیوں کی شکل دی اور بعض نے کہا ہے تمام آدم ہیں ان کو پیدا کیا اور ان کی صورت بنائی اور "ثمّ" واؤ کے معنی میں ہے۔ "ثمّ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم" اگر اعتراض ہو کہ فرشتوں کو سجدہ کا حکم بنو آدم کی تخلیق سے پہلے تھا تو اللہ تعالیٰ کے قول "ثمّ قلنا" کی کیا توجیہ ہوگی کیونکہ "ثمّ" تو ترتیب اور تراخی کے لیے آتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جن حضرات نے خلق اور تصویر کا تعلق صرف آدم علیہ السلام سے کیا ہے ان کے قول پر تو کلام بالکل درست ہے اور جن نے اس کا تعلق اولادِ آدم علیہ السلام سے کیا ہے تو ان کی طرف سے کئی جواب ہیں، ان میں سے ایک "ثمّ" واؤ کے معنی میں ہے یعنی اور ہم نے فرشتوں کو کہا تو یہ واؤ ترتیب اور تعقیب کے لیے نہ ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ پھر تمہیں خبر دی کہ ہم نے فرشتوں کو کہا تم سجدہ کرو اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں تقدیم و

تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "ولقد خلقناکم" یعنی آدم علیہ السلام کو "ثم قلنا للملائکة اسجدوا"...... "ثم صوّرناکم" (ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا) یعنی فرشتوں نے (اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں)

⑫ (قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) اللہ تعالیٰ نے اے ابلیس! (تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا) "الا تسجد" میں لاءزائد ہے جیسے "وحرامٌ علٰی قریة اهلکناها انهم لا یرجعون" میں لا زائد ہے (قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ) اور آگ مٹی سے بہتر اور روشن ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلا قیاس ابلیس نے کیا اور اس میں غلطی کی۔ پس جو شخص دین میں اپنی رائے سے قیاس کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی عبادت قیاس کے ذریعے کی گئی۔ محمد بن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس خبیث نے یہ گمان کیا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت ہے یہ نہ سمجھا کہ فضیلت اس شے کو حاصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ فضیلت دیں اور اللہ تعالیٰ نے مٹی کو آگ پر فضیلت دی ہے۔ حکماء فرماتے ہیں کہ مٹی کو آگ پر کئی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ مٹی کی خاصیت وزن، وقار، بردباری، صبر ہے۔ یہ چیزیں آدم علیہ السلام کے لیے داعی بنیں توبہ، تواضع، تضرع کی طرف جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور ہدایت دی اور توبہ قبول کی اور آگ کی خاصیت ہلکا پن، طیش، جرأت، بلند ہونا ہے اور یہی چیزیں ابلیس کی شقاوت کے بعد سبب بنیں تکبر اور گناہ پر ڈٹے رہنے کا تو اس کو ورثہ میں لعنت اور شقاوت ملی۔

اور اس لیے کہ مٹی اشیاء کو جمع کرنے کا سبب ہے اور آگ ان کو متفرق کرنے کا اور اس لیے کہ مٹی زندگی کا سبب ہے اس لیے کہ درختوں اور پودوں کی زندگی اس کے ذریعے ہے اور آگ ہلاکت کا سبب ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰

(ترجمہ) حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگے وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائے گا۔

تفسیر ⑬ (قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا) جنت سے۔ بعض نے کہا آسمان سے زمین کی طرف اُتر۔ پھر اس کو زمین سے سمندر کے جزیروں کی طرف نکال دیا اس کا تخت سبز سمندر میں ہے اب وہ زمین میں ڈرتے ہوئے چپکے سے چور کی طرح داخل ہوتا ہے اس بوڑھے کی طرح جس پر پرانے کپڑے ہوں جن میں لوٹ رہا ہو، یہاں تک کہ اس سے نکل جائے۔ (فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ) امر کی مخالفت کر کے یہاں جنت میں اور یہ مناسب نہیں کہ جنت اور آسمان میں متکبر، اللہ کے امر کی مخالفت کرنے والا رہے۔ ذلیل اور گھٹیا لوگوں میں سے ہے۔

⑭ (قَالَ) ابلیس اس وقت کہا (اَنْظِرْنِیْ) مجھے مہلت دیجئے اور موت نہ دیجئے (اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) یعنی نفخہ اخیرہ تک قیامت کے وقت تک۔ اس خبیث کا ارادہ تھا کہ وہ موت کا ذائقہ نہ چکھے۔

⑮ (قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ) اس مہلت کی مدت دوسری آیت میں بیان کی گئی ہے (معلوم وقت کے دن تک) یعنی نفخہ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق مرجائے گی۔

⑯ (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ) "ما" میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے یہ استفہام ہے یعنی کس چیز کے ساتھ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے؟ پھر نئی کلام شروع کی اور کہا "لَاَقْعُدَنَّ لهم" اور بعض نے کہا ہے کہ "ما" جزاء ہے یعنی اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے بیٹھوں گا اور بعض نے کہا ہے "ما" مصدر کی ہے قسم کی جگہ ہے۔ اصل عبارت تیرے مجھے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں ان کے لیے بیٹھوں گا۔ جیسے اس کا قول ہے "بما غفرلی ربّی" یعنی میرے رب کے مجھے معاف کرنے کی وجہ سے اور معنی یہ ہے تیری مجھ پر قدرت اور میری سلطان کو نافذ کرنے کی وجہ سے اور ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی وجہ سے جو آپ نے میرے دل میں گمراہی ڈالی جو میرے آسمان سے اُترنے کا سبب بنی۔ "اغویتنی" یعنی تو نے مجھے ہدایت سے گمراہ کیا اور بعض نے کہا ہے تو نے مجھے ہلاک کیا اور بعض نے کہا ہے تو نے مجھے رُسوا کیا۔ "لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ" یعنی میں بنو آدم کے لیے آپ کے سیدھے راستے یعنی اسلام پر بیٹھوں گا۔ میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر)

⑰ (ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ ۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ) علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "من بین ایدیھم" سے مراد آخرت ہے کہ ان کو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا کروں گا۔ "من خلفھم" سے مراد ان کو دُنیا میں رغبت دلاؤں گا۔ (وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ) ان کو دین میں شبہ ڈالوں گا (وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ) ان کو معاصی کی شہوت دلاؤں گا۔

من بین ایدیھم و من خلفھم و عن ایمانھم کی مختلف تفاسیر

عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "من بین ایدیھم" ان کی دُنیا کی طرف سے یعنی دُنیا کو ان کے دلوں میں مزین کر دوں گا "ومن خلفھم" آخرت کی جانب سے۔ میں کہوں گا کہ نہ دوبارہ اُٹھنا ہے نہ کوئی جنت اور جہنم ہے۔ "وعن ایمانھم" ان کی نیکیوں کی جانب سے "وعن شمائلھم" ان کی برائیوں کی جانب سے اور حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "من

بین ایدیھم" دُنیا کی جانب سے اس کو ان کے لیے مزین کیا گیا ہے۔"ومن خلفھم" آخرت کی جانب سے ان کو باز رکھے گا۔"وعن ایمانھم" حق کی جانب سے ان کو روکے گا۔"وعن شمائلھم" باطل کی جانب سے اس کو ان کے لیے مزین کرے گا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے سامنے سے ان کے پاس آئے گا اور ان کو خبر دے گا کہ دوبارہ اُٹھنا اور جنت دجہنم نہیں ہے۔"ومن خلفھم" دُنیا کے اُمور ان کے لیے مزین کرے گا اور ان کو اس کی طرف بلائے گا۔"وعن ایمانھم" ان کی نیکیوں کی جانب سے ان کو ان سے سست کرے گا۔"وعن شمائلھم" ان کے لیے گناہ اور نافرمانیاں مزین کردیں اور ان کو اس کی طرف بلایا۔ اے ابن آدم! وہ تیرے پاس ہر جانب سے آئے گا لیکن وہ تیرے اوپر سے نہ آئے گا، وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ تیرے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل ہوجائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "من بین ایدیھم وعن ایمانھم" ایسی جگہ سے کہ وہ دیکھ سکیں گے اور "من خلفھم وعن شمائلھم" ایسی جگہ سے کہ وہ دیکھ نہ سکیں گے اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حیث لایبصرون" کا معنی یہ ہے کہ ان کو علم نہ ہوگا کہ وہ خطا کررہے ہیں۔(وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ)۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اس خبیث کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس نے محض گمان کیا تھا جو درست ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے یہی بات فرمائی کہ (ولقد صدق علیھم ابلیس ظنه)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱ وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ⑳

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھردوں گا اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہوجایا کرتا ہے۔ پر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کردے اور کہنے لگا تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ دونوں کہیں فرشتے ہوجاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے ہوجاؤ۔

تفسیر: ⑱ (قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا) یعنی عیب دار ہوکر ذام شدید عیب کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے "ذامه یذامہ، ذاما فھو ملذوم و ذامه یذیمه ذاما فھو مذیم سَارَ یَسِیْرُ سیراً" کی طرح۔ اور مدحور دور کیا ہوا دھتکارا ہوا۔ کہا جاتا ہے "دحرہ یدحرہ دحراً" جب اس کو دور کردے اور دھتکار دے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "مذؤما"

یعنی مبغوض۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مذءً وَّمَا مدحورا" یعنی لعنتی بد بخت اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت اور ہر خیر سے دور۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مذء وَّمًا" نا اُمید (لَمَنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ) بنی آدم میں سے (لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ)۔لام قسم کا لام ہے (مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ) تمہاری اور تیری اولاد اور کفار کی اولاد جو بھی آدم کی ذریت ہو ان سب کو۔

⑲ (وَ یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّةَ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ)

⑳ (فَوَسْوَسَ لَھُمَا الشَّیْطٰنُ) وسوسہ وہ بات جو شیطان انسان کے دل میں ڈال دے (لِیُبْدِیَ لَھُمَا مَاوٗرِیَ عَنْھُمَا مِنْ سَوْاٰتِھِمَا) یعنی تا کہ ان دونوں کو ظاہر کردے جو پوشیدہ تھی ان کی شرمگاہ۔کہا گیا ہے کہ اس میں لام لام عاقبت ہے ابلیس نے اس لیے وسوسہ نہیں ڈالا تھا لیکن اس کے وسوسہ کا انجام یہ ہوا کہ ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فالتقطه آل فرعون لیکون لھم عدوّا وّحزنا" ہے۔آگے اس کا وسوسہ بیان کیا ہے (وَقَالَ) ابلیس نے آدم و حوا علیہما السلام سے کہا (مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ) یعنی تمہارے فرشتے بننے کو ناپسند کیا کہ تم کو خیر اور شر معلوم ہو جائے گا (اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ) یعنی تمہیں موت نہ آئے۔جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے (ھل ادلک علی شجرة الخلد)

وَقَاسَمَھُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ㉑ فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰھُمَا رَبُّھُمَآ اَلَمْ اَنْھَکُمَا عَنْ تِلْکُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ㉒

ترجمہ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانیے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔

تفسیر ㉑ (وَقَاسَمَھُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ) یعنی قسم کھائی یہ اس مفاعلہ باب سے ہے جو ایک کے ساتھ خاص ہے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی قسم کھا کر ان کو دھوکہ دیا اور کبھی مومن کو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیا جاتا ہے اور کہا میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں تم میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح رہنمائی کروں گا۔ابلیس پہلا شخص ہے جس نے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائی اور آدم علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے نام کی جو بھی قسم کھائے گا وہ سچ ہی بولے گا تو اس کے دھوکہ میں آگئے۔

㉒ (فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ) یعنی ان کو دھوکہ دیا۔ کہا گیا ہے کہ "مازال ابلیس یدلّ فلانا بالغرور" یعنی اس کو دھوکہ دیتا رہا اور چکنی چپڑی جھوٹی باتیں کرتا رہا۔بعض نے کہا کہ ان کو طاعت کے مرتبہ سے معصیت کی طرف اُتار دیا اور "تدلّی" کا معنی

اوپر سے نیچے لانا ہی ہوتا ہے۔ اور تدلیہ ڈول کو کنویں میں لٹکانا۔ کہا جاتا ہے تد کی بنفسہ ودعا غیرہ اور ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اصل "تدلیۃ العطشان البئر" (پیاسوں کو کنویں پر لانا) سے ہے تاکہ وہ پانی سے سیراب ہوں اور پانی نہ ہو تو "تدلّی بالغرور" یہ ہوا کہ خیر خواہی ظاہر کرے اور اندر دھوکہ اور کھوٹ چھپایا ہوا ہو۔ (فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کھانے کو چبانے سے پہلے ان کو سزا مل گئی وہ یہ کہ ان کے لباس گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ لی جو پہلے چھپی ہوئی۔ وہب فرماتے ہیں کہ ان کا لباس نور کا تھا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظفر بوٹی کے کپڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنائے تھے۔ جب ان دونوں سے لغزش ہوئی تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں تو ان کو شرم آئی۔ (وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ) یہ انجیر کے پتے تھے حتیٰ کہ کپڑے جیسے بنا لیے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں پتوں پر پتے رکھنے لگے تاکہ اپنا ستر ڈھانپ لیں۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد لمبا تھا۔ گویا کہ وہ کھجور کے درخت ہیں اور سر کے بال بہت زیادہ تھے۔ جب چوک ہوگئی اور شرمگاہ کھل گئی تو آپ خوف سے جنت میں بھاگنے لگے تو جنت کے درختوں میں سے ایک نے آپ کو آپ کے بالوں سے جکڑ لیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو کہا مجھے چھوڑ دے اس نے کہا میں نہ چھوڑوں گا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی۔ اے آدم علیہ السلام کیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا نہیں اے میرے رب لیکن مجھے آپ سے شرم آرہی ہے (وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ) یعنی اس کے کھانے سے۔

(وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) اس کو تمہارے درمیان عداوت ہے۔ محمد بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پکارا اے آدم آپ علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا حالانکہ میں نے آپ کو منع کیا تھا؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے حوا نے کھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حوا علیہا السلام سے پوچھا کہ کیوں کھلایا ہے؟ تو انہوں نے کہا مجھے سانپ نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سانپ کو کہا تو نے کیوں حکم دیا؟ اس نے کہا مجھے ابلیس نے کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حواء جیسے تو نے درخت کا خون نکالا تو بھی ہر ماہ خون بہائے گی اور اے سانپ میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا تو اپنے پیٹ اور چہرے سے چلنا جو تجھے دیکھے گا تیرا سر کچل دے گا اور اے ابلیس تو ملعون اور مردود ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت اور رحم نہ کریں

گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جاوے گا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔ اے اولاد آدمؑ کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

تفسیر ㉓ (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) وہ تمہیں معصیت کے ذریعے سے ضرر پہنچائے گا۔ (وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) ہلاک ہونے والے

㉔ (قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ)

㉕ (قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ) یعنی زمین میں زندگی گزارو گے (وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ) یعنی زمین میں اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "تخرجون" تاء کے زبر کے ساتھ یہاں اور زخرف میں پڑھا ہے۔ یعقوب رحمہ اللہ نے یہاں موافقت کی ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے زیادہ کیا ہے "وکذلک تخرجون" الروم کی ابتداء میں اور باقی حضرات نے تاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ ان میں پڑھا ہے۔

㉖ (يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ) یعنی تمہارے لیے پیدا کی (لِبَاسًا) یہاں لباس کے لیے "انزلنا" کہا ہے حالانکہ لباس تو زمین کی نباتات سے بنتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نباتات آسمان کے پانی سے ہوتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اُتارے لباس کے اسباب۔ بعض نے کہا زمین کی تمام برکات آسمان کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ فرمایا "وانزلنا الحدید" حالانکہ لوہا تو زمین سے نکلتا ہے۔

آیت لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ کا شان نزول

اس آیت کے نزول کا سبب یعنی شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور کہتے ہیں جن کپڑوں میں اللہ کی نافرمانی کی اس میں طواف کیسے کریں تو مرد دن کو اور عورتیں رات کو طواف کرتیں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عورت طواف کرتی اور اپنی شرم گاہ پر ہاتھ رکھ کر کہتی، آج کے دن یہ ساری یا تھوڑی ظاہر ہو جائے، جو حصہ اس کا ظاہر ہوگا میں اس کو نہ ڈھانپوں گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم دیا۔ اور فرمایا (قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوآتکم) تمہاری شرمگاہ ڈھانپے اس کا واحد "سوأۃ" ہے شرمگاہ کا نام سوأۃ (برائی) رکھا گیا ہے کیونکہ ہر شخص اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھتا ہے۔ پس تم ننگے طواف نہ کرو۔ (يُوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ) تو تم ننگے طواف نہ کرو (وَرِيْشًا) ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ضحاک اور سدی رحمہما اللہ کے قول میں اس سے مال مراد ہے کہا جاتا ہے "تریش الرّجل" جب وہ مال دار ہو جائے۔ اور بعض نے کہا جمال یعنی خوبصورتی مراد ہے یعنی وہ کپڑے اُتارے جن سے تم خوبصورتی حاصل کرتے ہو اور بعض نے کہا لباس مراد ہے۔

(وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ) اہل مدینہ، ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ نے "ولباس" سین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لباسا" پر عطف کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر (خیر) ہے اور "ذلک" کو کلام میں صلہ بنایا ہے۔ اس لیے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ولباس التقویٰ خیر" پڑھا ہے اور "لباس التقویٰ" میں اختلاف ہوا ہے۔

لباس التقوی کی تفسیر میں مختلف اقوال

① قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ سے ایمان مراد ہے۔ ② حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں حیاء مراد ہے کیونکہ وہ تقویٰ پر اُبھارتی ہے۔ ③ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نیک عمل مراد ہے۔ ④ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اچھے اخلاق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا لباس اللہ کا خوف ہے۔ ⑤ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ تقویٰ کا لباس اس کے صاحب کے لیے بہتر ہے۔ جب وہ خوبصورتی کے لیے پیدا کیے ہوئے لباس کو لے۔ ⑥ ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تقویٰ کا لباس وہی پہلا لباس ہے اس کا اعادہ کیا ہے یہ خبر دینے کے لیے کہ تنگیر کا ڈھانپنا طواف میں ننگا ہونے سے بہتر ہے۔ ⑦ زید بن علی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا لباس وہ آلات جن سے جنگ میں بچاؤ ہو سکے جیسے زرہ، خود، کلائیاں، پنڈلیاں۔ ⑧ بعض نے کہا اون کا لباس اور وہ کھردرے کپڑے جن کو پرہیزگار لوگ پہنتے ہیں۔ (ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ)

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اے اولاد آدم کی شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے۔ جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروا دیا تا کہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو عادۃً نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔

تفسیر 27 (یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ اے اولاد آدم نہ گمراہ کرے تم کو شیطان۔(کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ) یعنی تمہارے آباء آدم وحواء علیہما السلام کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھران دونوں کو اس سے نکال دیا۔(مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا) یعنی اے بنی آدم شیطان تم کو دیکھتا ہے(اِنَّهٗ یَرٰکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ) اس کا لشکر۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اور اس کی اولاد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن اور شیاطین کا قبیلہ مراد ہے(مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ) مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دشمن تجھے دیکھے اور تو اس کو نہ دیکھے تو یہ سخت نقصان دہ ہے مگر جن کو اللہ بچالے۔(اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر مسلط کردیا کہ ان کی سرکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔جیسا کہ فرمایا ہے"انّا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزّھم ازّا"

28 (وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا ننگے طواف کرنا مراد ہے۔عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں شرک مراد ہے اور "فاحشة" ہر اس برے فعل کو کہتے ہیں جو قباحت کی انتہاء تک پہنچ چکا ہو۔(قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَ نَا) یہاں کچھ عبارت مقدر ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب وہ برا کام کرتے ہیں اور ان کو روکا جائے تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے آباء کو پایا تھا اور جب کہا جائے کہ تمہارے آباء نے یہ کام کہاں سے لیا تو کہتے ہیں(وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ 29 فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ 30

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہوگے بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

تفسیر 29 (قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے کا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں توحید کا اور مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انصاف کا(وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ)

واقیموا وجوھکم عند کل مسجد کی تفسیر

مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی ہو نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ رہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب

یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آ جائے اور تم کسی مسجد کے پاس ہو تو اسی میں نماز پڑھ لو یہ نہ کہو کہ میں اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا اور بعض نے کہا کہ اپنے سجدوں کو خالص اللہ کے لیے بناؤ (وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور پکارو اس کو اس کی عبادت کرو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر طاعت وعبادت کو جیسا کہ تم کو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی تخلیق کی ابتداء مؤمن اور کافر کے اعتبار سے کی۔ جیسا کہ خود فرمایا (هو الذی خلقكم فمنكم كافر ومنكم مؤمن) پھر قیامت کے دن اسی طرح لوٹائیں گے جیسا کہ ان کو پیدا کیا تھا کہ بعض مؤمن بعض کافر۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس حالت پر مرے تھے اسی پر اُٹھائے جائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بندہ اسی چیز پر اُٹھایا جائے گا جس پر مرا تھا مؤمن اپنے ایمان پر اور کافر اپنے کفر پر۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے ان اعمال پر لوٹیں گے جو ان کے بارے میں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا تمہارے بارے میں لکھا گیا ہے تم ویسے ہو گے۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی تخلیق اللہ نے شقاوت پر کی۔ اسی کی طرف لوٹے گا اگر اہل سعادت والے عمل کرتا رہے جیسا کہ ابلیس نیک بختوں والے عمل کرتا رہا اور بدبختی کی طرف لوٹ گیا اور جس کی تخلیق کی ابتداء نیک بختی پر ہوئی ہے وہ اس کی طرف لوٹے گا۔ اگرچہ بدبختوں والے عمل کرتا رہے۔ جیسا کہ جادوگر بدبختوں والے عمل کرتے رہے لیکن نیک بخت ہو گئے۔ سہل بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ لوگوں کے سامنے جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے اور بے شک لوگوں کے سامنے جہنمیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے اور بے شک اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ تمہیں دُنیا میں ابتداءً پیدا کیا کہ تم کچھ نہ تھے، اسی طرح تم زندہ ہو کر قیامت کے دن لوٹو گے جیسا کہ ہم نے پہلے پیدا کیا ہم اس کو لوٹائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو مٹی سے ابتداءً پیدا کیا، مٹی کی طرف وہ لوٹیں گے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "منها خلقناكم وفيها نعيدكم" ہے۔

㉚ (فَرِيْقًا هَدٰى) یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اس میں دلیل ہے کافر خواہ ضد کی وجہ سے ہو یا انکار کی وجہ سے وہ اپنے کو دین میں حق گمان کرتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ㉛ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ㉜ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اے اولادِ آدمؑ کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کیلئے ہیں ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگادو جس کی تم سند نہ رکھو۔

تفسیر: ۳۱ (يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ زینت سے مراد کپڑے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز شرمگاہ کو ڈھانپ لے اگرچہ ایک عباء ہی کیوں نہ ہو اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زینت ہر وہ چیز جو طواف اور نماز کے لیے شرم گاہ کو ڈھانپ لے۔ (وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر حج کے ایام میں پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے اور چکنائی بھی نہ کھاتے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ ان کاموں کے ہم زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا کہ کھاؤ گوشت اور چربی اور پیو (وَلَا تُسْرِفُوْا) اس گوشت اور چکنائی کو حرام کر کے جس کو اللہ نے حلال کیا (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ) جو ایسے کام کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔ علی بن حسین بن واقد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے علم طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے اور وہ ہے "کلوا واشربوا"

۳۲ (قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ) یعنی طواف کے وقت کپڑے پہننا (وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ) یعنی گوشت اور چکنائی حج کے ایام میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اہل جاہلیت حرام قرار دیتے تھے جیسے بحیرۃ، سائبہ وغیرہ۔ (قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ) آپ کہہ دیں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دُنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن) عبارت محذوف ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ نعمتیں دُنیا میں مؤمنین اور مشرکین سب کے لیے ہیں کیونکہ مشرکین بھی مؤمنین کے ساتھ صاف ستھری چیزوں کے استعمال کرنے میں شریک ہیں اور آخرت میں یہ صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہیں، مشرکوں کا کوئی حصہ نہیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں ہر غم اور مشقت سے خالص ہو کر قیامت میں مؤمنین کو ملیں گی کیونکہ دُنیا میں تو غم اور مشقت کے ساتھ ملتی ہیں۔ نافع رحمہ اللہ نے "خالصة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آپ کہہ دیں یہ ایمان والوں کے لیے دُنیا میں مشترک

ہے، قیامت کے دن خالص ہےاور دیگر حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔(كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)

۳۳ (قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ) یعنی ننگے طواف کرنا۔"مَا ظَهَرَ" مردوں کا دن کو ننگے طواف کرنا اور"مابطن"عورتوں کا رات میں ننگے طواف کرنا۔بعض نے کہا اعلانیہ اور چھپ کر زنا کرنا مراد ہے۔عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں اسی لیے تو کھلے اور پوشیدہ برے کاموں کو حرام کیا اور اللہ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند نہیں اس لیے اپنی تعریف خود کی (وَالْاِثْمَ) یعنی چھوٹے اور بڑے گناہ کو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے جس میں حد جاری نہ ہو۔حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اثم سے شراب مراد ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے میں نے اثم یعنی شراب کو پیا تو میری عقل چلی گئی۔اسی طرح اثم یعنی گناہ عقل کو ختم کر دیتا ہے۔

(وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ) ظلم اور تکبر کو (وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا) یعنی حجت اور برہان (وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ) کھیتی اور مویشی کی حرمت میں یہ مقاتل کا قول ہے اور باقی فرماتے ہیں کہ آیت عام ہے بغیر یقین کے دین میں کوئی بھی بات کہنا حرام ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۳۴ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۳۷

ترجمہ: اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جاوے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔اے اولاد آدمؑ کی اگر تمہارے پاس پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہونگے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔اور جو شخص ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتلا دیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جاوے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آ دیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر

عبادت کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

تفسیر ㉞ (وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ) یعنی مدت اور کھانا، پینا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطاء اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ان پر عذاب اُترنے کا وقت مقرر ہے۔ (فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ) اور ان کا کھانا ختم ہوجائے گا (لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ) جب انہوں نے عذاب مانگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

㉟ (يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ) بعض نے کہا کہ تمام رسول مراد ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یابنی آدم سے عرب کے مشرکین اور رسل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے فرائض اور احکام سنائیں (فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ) یعنی شرک سے ڈرے اور نیک عمل کرے۔ (فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) جس وقت لوگوں پر خوف ہوگا (وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) جب وہ لوگ غمگین ہوں گے۔

㊱ (وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ) یعنی آیات پر ایمان لانے سے تکبر کیا، تکبر کو ذکر کیا کیونکہ ہر کافر اور تکذیب کرنے والا متکبر ہے (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ)

㊲ (فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا) اس کے لیے شریک بنائے (اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ) یعنی لوح محفوظ میں جو ان کا حصہ لکھا ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔ حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو ان کے لیے عذاب لکھا ہوا ہے اور ان کے چہرے سیاہ کرنے اور نیلی آنکھیں کرنے کا جو فیصلہ لکھا ہوا ہے۔ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ پر جھوٹ بولے اس کے لیے لکھا ہوا ہے کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(ویوم القیامة نرى الذين كذبوا على الله جوههم مسودة)اور قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہیں) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدبختی اور نیک بختی لکھ دی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی ان کے اعمال جو انہوں نے کیے ان کو لکھ دیا گیا ہے اور اس پر جو خیر اور شر جاری ہوگا وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا رزق اور عمل لکھ دیا گیا ہے (حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) یعنی فرشتے کفار کو کہیں گے کہ جن کی تم عبادت کرتے تھے یہ ڈانٹ کا سوال ہے (قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ) یہ اقرار موت کا معائنہ کرنے کے وقت کریں گے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ㊳ وَقَالَتْ

اُولٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ جس وقت بھی کوئی (کفار کی) جماعت داخل (دوزخ) ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن (ابھی) تم کو (پوری) خبر نہیں۔ وہ پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ بس پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلہ میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

تفسیر ﴿۳۸﴾ (قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ) یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو کہیں گے کہ دوسری جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ) پہلی اُمتوں کے کفار کے ساتھ (كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا) یہاں دینی بہن مراد ہے نہ کہ نسبی۔ تو یہود یہود کو اور نصاریٰ نصاریٰ کو لعنت کریں گے۔ ہر جماعت اپنے دینی بھائیوں کو اور متبعین اپنے قائدین کو لعنت کریں گے۔ یہاں اخ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اُمت اور جماعت مؤنث ہیں۔ (حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا) یعنی جہنم میں سب جمع ہو جائیں گے (قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اخریٰ" سے مراد وہ متبعین ہیں جو بعد میں جہنم میں داخل ہوں گے اور اولیٰ سے مراد قائدین ہیں کیونکہ یہ پہلے جہنم میں داخل ہوں گے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر اُمت کے بعد والے لوگ پہلوں کو کہیں گے (رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۥ قَالَ) اللہ تعالیٰ (لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ) کہ تمہارے فریق کیلئے کیسا عذاب ہے اور ابوبکر نے (لایعلمون) یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی پیروکار نہیں جانتے کہ قائدین کیلئے کیا ہے اور قائدین نہیں جانتے کہ متبعین کیلئے کیا ہے۔

﴿۳۹﴾ (وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ) یعنی قائدین (پچھلوں کو) پیروکاروں کو (فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ) کیونکہ تم نے بھی ہماری طرح کفر کیا تو کفر اور عذاب میں بھی ہم برابر ہوں گے (فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۥ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۥ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۥ وَنُوْدُوْٓا اَنْ

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾

ترجمہ جولوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اوران (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جاوے اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اوران کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک کام کئے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتلاتے ایسے لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کردیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے اوران سے پکار کر کہا جاوے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال کے بدلے اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا۔سو تم نے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا وہ کہیں گے ہاں پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان پر ظالموں پر۔

تفسیر ﴿40﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ) تاء کے ساتھ ابوعمرو نے بغیر شد کے پڑھا ہے اور یاء کے ساتھ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے اور باقی حضرات نے تاء اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔(لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ) نہ ان کی دُعاؤں کے لیے اور نہ اعمال کے لیے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کی روحوں کے لیے کیونکہ وہ خبیث ہیں ان کو آسمان پر نہیں چڑھایا جاتا بلکہ سجین میں لے جایا جائے گا۔آسمان کے دروازے مؤمنین کی روحوں کے لیے کھولے جائیں گے اوران کی دُعاؤں اوراعمال کے لیے (وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ) یعنی جب اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل نہ ہوجائے۔مخیط اور خیاط کا ایک معنی ہے یعنی سوئی مطلب آیت کا یہ ہے کہ وہ کبھی داخل نہ ہوں گے کیونکہ کسی شے کو جب محال شے کے ساتھ معلق کیا جائے تو یہ دلالت کرتا ہے کہ اس کا پایا جانا بالکل ممکن نہیں۔جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے کروں گا جب تک کوا بوڑھا نہ ہوجائے یا جب تک تارکول سفید نہ ہوجائے،مراد یہ ہوتی ہے کہ میں یہ کام کبھی نہ کروں گا۔(وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ)

﴿41﴾ (لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ)"غواش غاشية" کی جمع ہے یعنی لحاف۔مراد یہ آگ ان کو ہر طرف

سے گھیر لے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لهم من فوقهم ظلل من النار ومن تحتهم ظلل" (وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو)

42 (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ) یعنی ان کی طاقت کے مطابق اور جس میں کوئی حرج اور تنگی نہ ہو۔ (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ)

43 (وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ) کھوٹ اور دشمنی تھی ہم ان کو بھائی بنا دیں کہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے آپس میں کسی سے حسد نہ ہوگا (تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ) حسن رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ "ونزعنا مافی صدورهم من غلّ اخوانا علٰی سرر متقابلین" اللہ کی قسم ہم اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (نکال لیں ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی تھی)

پل صراط عبور کرنے کے بعد جنتیوں کے سینوں سے بغض نکال دیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنوں کو جہنم سے بچالیا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر ان کو روکا جائے گا اور ایک دوسرے پر جو ظلم کیے ہوں ان کا بدلہ لیا جائے گا جب ان کی کانٹ چھانٹ اور خوب صفائی ہو جائے گی تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ وہ مؤمن لوگ جنت کے گھر کا راستہ دُنیا کے گھر سے بھی زیادہ جانتے ہوں گے۔ سدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جنتی لوگ جب جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے تو جنت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑ میں دو چشمے ہوں گے ایک سے پئیں گے تو ان کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا، یہی شراب طہور ہے اور دوسرے سے غسل کریں گے تو ان پر نعمتوں کو تروتازگی آجائے گی اس کے بعد نہ ان پر میل آئے گی اور نہ پراگندہ ہوں گے "الی ھذا" یعنی جنت کے راستے کی طرف اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے ہمیں عمل کی ہدایت دی جس کا یہ ثواب ہے۔ "وما کنّا" ابن عامر رحمہ اللہ نے "ما کنّا" بغیر واؤ کے پڑھا ہے۔ "لنهتدی لولا ان هدانا الله لقد جاء ت رسل ربّنا بالحق" جب جنتی لوگ رسولوں کے وعدوں کو سامنے دیکھیں گے تو یہ کہیں گے۔ (اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بے شک لائے تھے رسول ہمارے رب کی سچی بات) یہ بات جنتی لوگ کہیں گے جب رسولوں کے کیے ہوئے وعدوں کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے (اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے) بعض نے کہا جب وہ جنت کو دور سے دیکھیں گے تو یہ آواز آئے گی اور بعض نے کہا جنت میں پہنچنے کے بعد۔

اہل جنت کو تمام مشکلات سے چھٹکارے کی بشارت کا اعلان

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں فرماتے ہیں کہ آواز دینے والا آواز دے گا کہ

تمہارے لیے یہ انعام ہے تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی اور تم جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور تم ہمیشہ ناز و نعم میں رہو گے کبھی فقر نہ آئے گا۔ آیت میں اسی آواز کا ذکر ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی سند سے اس کو مرفوع بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے لیے جنت و جہنم میں ٹھکانہ ہے۔ کافر مؤمن کے جہنم کے ٹھکانے کا وارث بنے گا اور مؤمن کافر کے جنت کے ٹھکانے کا وارث بنے گا۔

㊹ (وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَاوَعَدَنَا رَبُّنَا) ثواب کا (سچا سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو) عذاب کے وعدہ کو (حَقًّا اس سے مراد سچائی فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ اس سے مراد عذاب حَقًّا ط قَالُوْا نَعَمْ) کسائی رحمہ اللہ نے "نَعِم" کو عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی قرآن میں آیا ہے اور باقی حضرات نے عین کے فتحہ کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ (فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ م بَیْنَهُمْ) یعنی ایسی پکار ہوگی جس کو دونوں فریق سن لیں گے (اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ) اہل مدینہ اہل بصرہ اور عاصم نے (ان) کو بغیر شد کے "لعنة" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "اَن" کو شد اور "لعنة الله" کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ منصوب ہے ظالمین کی وجہ سے مراد کافرین ہے۔

الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ ㊺ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا م بِسِیْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ㊻

ترجمہ: جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہونگے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔

تفسیر ㊺ (الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ) پھیرتے تھے لوگوں کو (عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) اللہ کا کہنا ماننے سے (وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے تھے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے عظمت نہیں دی اس کو عظیم جانتے تھے۔ "عِوَج" عین کے کسرہ کے ساتھ دین میں یا زمین میں ٹیڑھا ہونا اور ہر وہ چیز جو سیدھی کھڑی نہ ہوتی ہو اس کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر عین پر فتحہ ہو تو کھڑی چیز پر بولا جا سکتا ہے جیسے دیوار نیزہ وغیرہ۔ (وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ)

㊻ (وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ) یعنی جنت اور جہنم کے درمیان اور بعض نے کہا جہنمیوں کے درمیان دیوار ہوگی اور یہ وہی سور ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ "فَضُرِبَ بینهم بسور له باب"..... (وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ) اعراف وہی سور ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگا۔

اصحاب الاعراف کی وضاحت اور مصداق

اعراف عرف کی جمع ہے ہر بلند جگہ کو عرف کہتے ہیں اور مرغے کی کلغی کو بھی "عرف الدّیک" کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی تمام جسم سے بلند ہوتی ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا نام اعراف اس وجہ سے رکھا گیا کہ اعراف والے لوگوں کو پہچانتے ہوں گے۔

اعراف پر کون لوگ ہوں گے؟ اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی یعنی ان کی برائیاں جنت میں جانے سے رُکاوٹ ہوں گی اور نیکیاں جہنم میں جانے سے۔ یہ لوگ اعراف پر ٹھہرے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے ان کے حق میں فیصلہ کریں گے اور ان کو جنت میں داخل کریں گے اپنے فضل سے اور یہ جنت میں داخل ہونے والے آخری لوگ ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا قیامت کے دن حساب کیا جائے گا۔ پس جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوئیں، اگرچہ ایک ہی زیادہ ہو تو جنت میں داخل ہوگا اور جس کی برائیاں اس کی اچھائیوں سے بڑھ گئیں اگرچہ ایک ہو تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی "**فمن ثقلت موازينه فاولئك هم المفلحون ومن خفت موازينه فاولئك الذين خسروا انفسهم**" پھر فرمایا کہ ترازو ایک رائی کے وزن کی وجہ سے جھک جاتا ہے یا اُٹھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو وہ اعراف والوں میں ہوگا تو یہ لوگ صراط پر ٹھہرے رہیں گے پھر وہ جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچاننے لگیں گے جب جنت والوں کی طرف دیکھیں گے تو ان کو سلام کریں گے اور جب اپنی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیریں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب تو ہمیں نہ کر ظالم قوم کے ساتھ نیکیوں والوں کو ایک نور دیا جائے گا جو ان کے آگے اور دائیں چلے گا اور ہر ایک کو نور دیا جائے گا لیکن جب پل صراط پر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر منافق مرد و عورت کا نور چھین لیں گے۔ جب جنتی لوگ یہ منظر دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! تو ہمارے لیے ہمارا نور مکمل کر دے لیکن اصحاب اعراف سے نور تو نہیں چھینا جائے گا لیکن ان کی برائیاں ان کو روک دیں گی تو ان کے دل میں اُمید رہ جائے گی کیونکہ ان کا نور ختم نہیں ہوا ہوگا تو اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ (لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ)

اور ان کو طمع اس نور کی ہوگی جو ان کے سامنے ہے، پھر وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور وہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوں گے اور شرحبیل بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے گئے ہوں گے اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں اس کو مرفوع نقل کیا ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے والدین کی نافرمانی کر کے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور شہید ہو گئے تو ان کو جہنم سے آزادی ملی اللہ کے راستے میں قتل ہونے کی وجہ سے اور والدین کی نافرمانی کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے سے روکے گئے تو یہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوں گے اور مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے والدین میں سے ایک ان پر راضی ہوگا اور دوسرا راضی نہ ہوگا۔ یہ اعراف

پرروکے جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ کردیں۔ پھر یہ جنت میں داخل ہوں گے اور عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ ہیں جو فترت کے زمانہ میں مرگئے اور انہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مشرکین کے بچے ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مؤمنین میں سے اہل فضل ہیں جو اعراف پر چڑھیں گے اور اہل جنت اور اہل جہنم پر جھانکیں گے اور دونوں فریقوں کے احوال کا مطالعہ کریں گے۔

(یعرفون کلابسیماھم) یعنی جنتیوں کو ان کے چہرے کی سفیدی اور جہنمیوں کو ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ **(وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ)** اس میں داخل ہونے کے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ طمع رکھی ان کو اعزاز دینے کے لیے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس ذات نے ان کے دلوں میں طمع ڈالی وہ ان کو ان کی طمع تک پہنچادے گا۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جاپڑیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا۔ ان کو یوں حکم ہوگیا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے۔ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کررکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا۔ اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

تفسیر ⑰ (وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ) تو اللہ کی پناہ مانگیں گے (قَالُوْا رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) یعنی کافروں کے ساتھ جہنم میں نہ ڈال۔

⑱ (وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا) جو جہنمی دُنیا میں بڑے لوگ تھے (يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ) یعنی دُنیا کا مال اور اولاد (وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ) ایمان لانے سے کلبی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ دیوار پر آواز دیں گے اے ولید بن مغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں پھر وہ جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس میں وہ فقیر اور کمزور لوگ ہوں گے جن کا وہ مذاق اُڑاتے تھے جیسے سلمان، صہیب، خباب اور بلال رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر حضرات تو اعراف والے ان کفار کو کہیں گے۔

⑲ (اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ) یعنی تم نے قسم اُٹھائی تھی کہ یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پھر اعراف والوں کو کہا جائے گا (اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ) یہاں ایک دوسرا قول ہے کہ جب اعراف والے جہنمیوں کو یہ باتیں کہیں گے تو وہ کہیں گے کہ اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہو گئے ہیں تو تم تو داخل نہیں ہوئے تو ان کو عار دلائیں گے اور قسم کھائیں گے کہ تم جہنم میں داخل ہو گے تو جو فرشتے اعراف والوں کو روکے ہوئے ہوں گے وہ کہیں گے کہ تم ان اعراف والوں کے بارے میں قسم کھا رہے ہو کہ ان کو اللہ کی رحمت نہ پہنچے گی؟ پھر ان اعراف والوں کو کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ ڈر ہے تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے۔

⑤⓪ ⑤① (وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ) اللہ نے جو تم کو جنت کے کھانوں سے رزق دیا کچھ ہم پر بھی کشادگی کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عطاء نے روایت کی ہے کہ جب اعراف والے جنت چلے جائیں گے تو جہنم والوں کو اُمید ہو گی کہ اب ہم پر کشادگی ہو جائے گی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہمارے رشتہ دار جنت میں ہیں تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ان کو دیکھ لیں اور بات کر لیں تو وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو جنت میں دیکھیں گے کہ وہ نعمتوں میں مزے کر رہے ہیں تو ان کو پہچان لیں گے لیکن جنت والے ان کی سیاہی کی وجہ سے ان کو نہ پہچان سکیں گے تو جہنم والے جنت والوں کو ان کے نام لے کر پکاریں گے اور ان کو رشتہ دار ہونے کی خبر دیں گے اور کہیں گے کہ تھوڑا پانی یا کھانا دے دو۔ (قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ) یعنی پانی اور کھانے کو۔

(الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا) جو شیطان نے ان کے لیے مزین کیا بحیرہ وغیرہ کا حرام کرنا اور بیت اللہ کے اردگرد سیٹیاں اور تالیاں بجانا اور وہ تمام برے افعال جو وہ جاہلیت میں کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے "دینھم" یعنی اپنی عید کو۔ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دُنیا کی زندگانی نے سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے) آگ میں چھوڑ دیں گے (فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا) یعنی جیسے انہوں نے اس دن کی ملاقات کے لیے عمل چھوڑ دیا (وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ⑤② هَلْ يَنْظُرُوْنَ

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾

ترجمہ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آوے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے۔ سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جاسکتے ہیں تا کہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں بیشک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں تراشتے تھے۔ سب گم ہو گیا۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں

تفسیر ﴿52﴾ (وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ) یعنی قرآن جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبرداری سے ہماری طرف سے وہ چیز جو ان کی مناسبت ہے (هُدًى وَّرَحْمَةً) یعنی ہم نے قرآن کو ہدایت دینے والا اور رحمت والا بنایا ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

﴿53﴾ (هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاویل سے جزاء مراد ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا انجام مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے امر کا انجام کیا ہوتا ہے یعنی عذاب اور ان کا جہنم میں جانا۔ (يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ) یعنی اس کی جزاء اور ان کا انجام کہنے لگیں گے (يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ) سو اس وقت اعتراف کیا جب ان کو اعتراف نفع نہ دے گا (فَهَلْ لَّنَا) سے آج کے دن (مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ) یا ان کو لوٹا دیں دنیا کی طرف (فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ)۔ یعنی عذاب سے ہلاک کر دیا (وَضَلَّ) اس سے مراد باطل ہے (عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

54 (اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ) یعنی چھ دن کی مقدار میں اس لیے کہ دن سورج کے طلوع سے غروب تک کا وقت ہے اور اس وقت نہ سورج تھا نہ آسمان اور نہ ایام۔ بعض نے کہا چھ دن آخرت کے دن کی طرح یعنی ہر دن ہزار سال کے برابر اور بعض نے کہا دُنیا کے دنوں کی طرح۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے ایک لحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھے لیکن چھ دن میں پیدا کر کے مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ اپنے کاموں میں تحمل و وقار اختیار کرو۔ تحقیق حدیث میں آیا ہے کہ وقار رحمٰن کی طرف سے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔ (ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ)

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی مختلف تفاسیر

کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ نے "استویٰ" کا معنی کیا ہے اس نے قرار پکڑا اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے معنی کیا ہے بلند ہوا۔ معتزلہ نے "استواء" کی تاویل "استعلاء" سے کی ہے یعنی غلبہ پایا عرش پر۔ اہل سنت فرماتے ہیں کہ "استواء علی العرش" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بغیر کسی کیفیت کے۔ ہر بندہ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر ایمان لائے اور اس کی حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرے کہ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ کسی شخص نے مالک بن انس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کے بارے میں سوال کیا کہ اس استویٰ کی کیفیت کیا تھی؟ تو آپ رحمہ اللہ نے کچھ دیر سر جھکایا اور پھر اس کو تھوڑا سا اُٹھایا اور کہا "استواء" کے معنی مجہول نہیں لیکن کیفیت عقل سے باہر ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے گمراہ سمجھتا ہوں پھر اس کے بارے میں حکم دیا اس کو مجلس سے نکال دیا گیا۔ سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ اہل سنت کے بہت سے علماء سے مروی ہے کہ صفات متشابہات کو ان کے معنی پر جاری کر دو بغیر کسی متعین کیفیت کے اور لغت میں عرش تخت کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا عرش سے ملک مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے عرش جو بلند ہو اور سایہ کرے۔ اسی سے عرش الکروم ہے۔ "یُغشی اللیل النّھار" حمزہ، کسائی اور ابوبکر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "یُغَشّی" شد کے ساتھ پڑھا ہے یہاں اور سورۃ الرعد میں اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی رات دن پر آتی ہے اور اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس میں حذف ہے یعنی "یغشی النھار اللّیل" اور کلام کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا اور دوسری آیت میں ذکر کیا ہے اور فرمایا۔ (يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ) اڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کیے سورج اور چاند اور تارے ابن عامر رحمہ اللہ نے تمام کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء اور خبر کی بناء پر اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح سورۃ النحل ہے عطف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول "خلق السماوات والارض" پر یعنی ان تمام چیزوں کو تابع پیدا کیا۔ تابعدار اپنے حکم کے سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا) یعنی اسی کی مخلوق ہے کیونکہ اس نے ان کو پیدا کیا اور اسی کے لیے حکم ہے اپنی

مخلوق کو جو چاہے حکم دے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق اور امر میں فرق کیا ہے جو ان کو جمع کرے وہ کافر ہے (تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ) یعنی بلند اور عظیم ہے اللہ۔ بعض نے کہا تبارک تفاعل ہے برکت سے بمعنی بڑھنا اور زیادہ ہونا یعنی برکت اس کے ذکر سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہر برکت کے ساتھ آیا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں برکت اسی کے پاس سے آتی ہے اور بعض نے کہا ہے بابرکت اور پاک ہے اور بعض نے کہا ہے تبارک اللہ یعنی ہر چیز میں اسی کے نام کے ساتھ برکت حاصل کی جاتی ہے۔ محققین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس صفت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت و دائم ہے نہ زائل ہوگا اور نہ زائل کیا جا سکتا ہے۔ اور برکت کی اصل ثبوت ہے۔ کہا جاتا ہے تبارک اللہ اور متبارک اور مبارک نہیں کہا جاتا۔ اس لیے کہ منقول نہیں ہے۔ "رب العالمین"

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

تفسیر: 55 (اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا) اپنے کو ذلیل کرتے ہوئے (وَّخُفْيَةً) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خفیہ دُعا اور اعلانیہ دُعا کے درمیان ستر گنا فرق ہے۔ مسلمان دُعا میں خوب کوشش کرتے تھے مگر ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ صرف سرگوشیاں ان کے رب کے ساتھ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خفیہ دُعا مانگنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نیک بندے کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے فعل سے راضی ہوئے (جس وقت اس نے اپنے رب کو پکارا چپکے سے) تو فرمایا (اذ نادی ربه نداءً خفيا) (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ) بعض نے کہا دُعا میں حد سے گزرنے والے۔ ابو مجاز رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے مرتبوں کا سوال کرتے ہیں۔ ابو نعامہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے اے اللہ! میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے اللہ سے جنت کا سوال کر اور اس سے جہنم سے پناہ مانگ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب اس اُمت میں ایک ایسی قوم جو پاکی میں اور دُعا میں حد سے تجاوز کرے گی۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں حد سے گزرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آواز کو دُعا میں بلند کیا جائے اور چیخا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی لڑائی کی تو لوگ ایک وادی پر چڑھے اور تکبیر

کہنے میں آواز کو بلند کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آپ پر رحم کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم ہر کسی کی سننے والے قریب کو پکار رہے ہو۔ (رواہ البخاری) عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معتدین وہ لوگ ہیں جو مؤمنین کے خلاف ایسی دُعائیں کرتے ہیں جو حلال نہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اے اللہ! ان کو رسوا کردے اے اللہ! ان پر لعنت کردے وغیرہ۔

56 (وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا) یعنی معاصی کر کے اور غیر اللہ کی اطاعت کی طرف بلا کر زمین میں خرابی مت ڈالو کیونکہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اور شریعت کو بیان کر کے اس کی اصلاح کر چکے ہیں اور یہی حسن، سدی، ضحاک، کلبی رحمہما اللہ کے قول کا معنی ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں نافرمانیاں نہ کرو پس اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیں گے اور تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے کھیتی کو ہلاک کردیں گے اس صورت میں "بعد اصلاحها" کا معنی یہ ہوگا کہ بارش اور فراوانی کے ذریعے اللہ نے اس کی اصلاح کردی اس کے بعد تم فساد نہ کرو (وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا) یعنی اللہ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی مغفرت اور فضل کی اُمید (اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ) "قریبة" نہیں کہا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں رحمت یہاں ثواب کے لیے ہے تو صفت معنی کی طرف لوٹ رہی ہے لفظ کی طرف نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "واذا حضر القسمة اولو القربٰی والیتامٰی والمساکین فارزقوهم منه" اور منها نہیں کہا اس لیے کہ اس سے میراث اور مال مراد ہے۔ خلیل بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریب اور بعید کے لفظ میں مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب برابر ہیں۔ ابو عمرو بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں القریب لغت میں قرب کے معنی میں ہوتا ہے اور مسافت کے معنی میں بھی۔ عرب کہتے ہیں "هٰذه امرأة قریبة منک" جب یہ قرابت کے معنی میں ہو اور قریب منک کہتے ہیں جب مسافت کے معنی میں ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا ۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ 57 وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ 58

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کردیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں یونہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کردیں گے تاکہ تم سمجھو اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار اور (اگر نکلی بھی تو) بہت کم نکلتی ہے اسی طرح ہم (ہمیشہ) دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

تفسیر 57 (وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا) عاصم رحمہ اللہ نے باء اور اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور شین کے سکون کے ساتھ یہاں اور الفرقان اور سورۃ النمل میں۔ یعنی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے "الریاح مبشرات" (بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ) اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "نشرا" نون اور زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ پاکیزہ نرم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والناشرات نشرا" اور ابن عامر رحمہ اللہ نے نون کے پیش اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کے پیش اور شین کے ساتھ پڑھا ہے نشور کی جمع صبور اور صبر اور رسول اور رسل کی طرح یعنی متفرق اور یہ وہ ہوائیں ہیں جو ہر جانب سے چلتی ہیں۔ "بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ" یعنی بارش سے پہلے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے کہ مکہ کے راستہ میں سخت ہوا چلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِردگرد والوں سے پوچھا کہ ہوا کے بارے میں تم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا پیغام پہنچا ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا تو یہ سوال مجھ تک پہنچا میں قافلہ کے آخر میں تھا میں نے سواری کو زبردستی دوڑایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور عرض کیا اے امیر المؤمنین! مجھے خبر پہنچی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہوا کے بارے میں سوال کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہوا اللہ کے حکم سے آتی ہے رحمت اور عذاب کے ساتھ آتی ہے۔ اس کو برا بھلا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ اسی روایت کو عبدالرزاق نے معمر عن الزہری سے اپنی سند سے نقل کیا ہے (حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا) بارش کے ساتھ (سُقْنٰهُ) تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ضمیر السحاب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ" یعنی ایسے مُردہ شہر کی طرف جو پانی کا محتاج ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی ایسے مُردہ شہر کو زندہ کرنے کے لیے جس میں کوئی نباتات نہ ہوں۔ ایک مردہ شہر کی طرف) جو پانی کا محتاج ہو (فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى) زمین کے بنجر ہونے کے بعد اس کے زندہ کرنے سے استدلال کیا ہے مُردوں کو زندہ کرنے پر (لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ)

ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ نفخہ اولیٰ سے مرجائیں گے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی منی کی طرح کی ایک بارش عرش کے نیچے کے پانی سے بھیجیں گے جس کا نام "ماء الحیوان" ہے تو وہ کھیتی کے اگنے کی طرح اپنی قبروں میں اُگ جائیں گے جب ان کے جسم مکمل ہوجائیں گے تو ان میں روح پھونکی جائے گی پھر ان پر نیند ڈال دی جائے گی تو وہ قبروں میں سوجائیں گے پھر دوسرے نفخہ کے ساتھ جمع کیے جائیں گے اور وہ نیند کا خمار اپنے سروں میں محسوس کررہے ہوں گے اس وقت وہ لوگ کہیں گے (یاویلینا من بعثنا من مرقدنا)

58 (وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ) یہ مثل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مؤمنوں کے لیے بیان کی ہے۔ مؤمن کی مثال اس پاکیزہ شہر کی سی ہے جس کو بارش کا پانی پہنچے تو اس سے اللہ کے حکم سے نباتات نکلیں۔

(وَالَّذِیْ خَبُثَ) یعنی شوریلی زمین (لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا) ابو جعفر رحمہ اللہ نے کاف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور

دیگر حضرات نے کاف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تھوڑی مقدار بڑی مشقت اور تنگی سے۔ پہلی مثال مؤمن کی ہے کہ جب قرآن سنتا ہے اس کو محفوظ کرتا ہے اور اس کو سمجھتا ہے تو اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور دوسری کافر کی مثال ہے کہ قرآن کو سنتا ہے لیکن وہ اس میں کوئی اثر نہیں کرتا جیسے بلد خبیث میں بارش کوئی اثر نہیں کرتی (کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ اس کثیر بارش کی ہے جو کسی زمین کو پہنچے تو اس زمین کا ایک حصہ پاکیزہ ہے جو پانی کو قبول کر کے چارہ اور سبز گھاس اُگاتا ہے اور ایک حصہ اس زمین کا خشک قحط زدہ ہے جو پانی کو روک لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع دیتے ہیں تو لوگ خود پیتے ہیں جانوروں کو پلاتے ہیں اور کاشت کرتے ہیں اور وہ بارش اس زمین کے ایک دوسرے حصے پر برستی ہے وہ چٹیل میدان ہے نہ پانی روکتا ہے اور نہ گھاس اُگاتا ہے تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کرے اور جس علم کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا وہ علم اس کو نفع دے وہ خود سیکھے اور سکھائے اور اس شخص کی مثال ہے جو اس علم کی طرف بالکل سر نہ اُٹھائے اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہ کرے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ان کی قوم کے آبرودار لوگوں نے کہا کہ ہم تو کو صریح غلطی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔

تفسیر: ۵۹ (لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ) وہ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ اور یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کے بعد بھیجا۔ یہ بڑھئی تھے اللہ تعالیٰ نے پچاس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں اور بعض نے کہا دو سو پچاس سال کی عمر میں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سو سال کی عمر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام اپنے اوپر کثرت سے نوحہ کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام نوح رکھا گیا پھر اس نوحہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اپنی قوم پر ہلاکت کی بددعا کرنے کی وجہ

سے افسوس کرتے تھے اور بعض نے اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مراجعت کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے اس لیے کہ وہ مجذوم کتے پر گزرے تو کہا اے بدصورت تو دور ہٹ جا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ تو نے میرا عیب نکالا ہے یا کتے کا عیب نکالا ہے؟ (فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ) ابوجعفر اور کسائی رحمہما اللہ نے "من الٰه غيره" راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ الالٰہ کی صفت پر ہے اور حمزہ نے سورۃ فاطر میں اس کی موافقت کی ہے۔ "هل من خالق غير الله" اور دیگر حضرات نے راء کے پیش کے ساتھ تقدیم کی بناء پر پڑھا ہے اس کی اصل عبارت "مالكم غيره من الٰه" ہے۔ (اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ) بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر اگر تم ایمان نہ لائے (عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ)

⑥⓪ (قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

⑥① (قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ) کہا آپ علیہ السلام (نوح علیہ السلام) نے اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں "لیست" نہیں کہا اس لیے کہ ضلالۃ کا معنی ضلال ہے یا فعل کی تقدیم کی بناء پر (وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ)

⑥② (اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ پہنچاتا ہوں تم کو ابوعمرو نے "ابلغكم" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو یہ ابلاغ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "لقد ابلغتكم" کی وجہ سے۔ اپنے رب کے پیغامات تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم تک تمہارے رب کا پیغام پہنچ چکا ہے۔

اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ تبلیغ سے پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان "بلّغ ما انزل اليک" کی وجہ سے۔ "رسالات ربّی" تاکہ تم جان جاؤ کہ میں نے تبلیغ رسالت تم تک پہنچا دیا ہے۔

(وانصح لكم) نصح یہ ہے کہ اپنے غیر کے لیے بھی اسی خیر کا ارادہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اللہ کا عذاب مجرم قوم سے دور نہیں کیا جاتا۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑥③ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ⑥④ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ⑥⑤ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ⑥⑥ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑥⑦

ترجمہ: اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی۔ تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم نہیں ڈرتے ان کی قوم میں جو آبرو دار لوگ کافر تھے انہوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

تفسیر ⑬ (اَوَعَجِبْتُمْ) الف استفہام کا واؤ عاطفہ پر داخل ہوا ہے (اَنْ جَآءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نصیحت۔ اور بعض نے کہا ہے بیان اور بعض نے کہا ہے پیغام۔ (عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اللہ کے عذاب سے اگر تم ایمان نہ لائے (وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ)

⑭ (فَكَذَّبُوْهُ) یعنی نوح علیہ السلام کو جھٹلایا (فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ) طوفان سے بچایا (وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ) یعنی کافر ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے دل اللہ کی معرفت حاصل کرنے سے اندھے ہو گئے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق اور ایمان سے اندھے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے "اجل عم عن الحق واعمى في البصر" اور بعض نے کہا "العمی" اور "الاعمى الخضر" اور الاخضر کی طرح ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب کے اُترنے سے اندھے ہو گئے اور غرق ہو گئے۔

⑮ (وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا) یہ قوم عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھی۔ یہ عادِ اولیٰ ہے۔ ہود علیہ السلام ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے ہود بن عبداللہ بن رباح بن جلود بن عاد بن عوص اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں نسب نامہ یہ ہے کہ ابن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ (قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ) تتقون تخافون کے معنی میں ہے۔

⑯ (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ) اے ہود (فِىْ سَفَاهَةٍ) حماقت اور جہالت میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ تو ایسے دین کی طرف بلا رہا ہے جس کو تو خود نہیں پہچانتا۔ (وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ہماری طرف۔

⑰ (قَالَ) ہود علیہ السلام سے فرمایا (يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ⑱ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ

17

فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اور کیا تم اس بات کا تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا (بشر) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ تم کو ڈراوے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا سو خدا تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ ہم ان کو چھوڑ دیں اور ہم کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے آپ ہی ٹھہرا لیا ہے ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) نہیں بھیجی سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ (تک) کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

تفسیر: ⑱ (اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ) خیر خواہ ہوں کہ توبہ کی طرف بلاتا ہوں۔ رسالت پر امین ہوں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کے دن سے پہلے میں تم میں امین تھا۔

⑲ (اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ) یعنی زمین میں ان کے ہلاک کرنے کے بعد (وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً) یعنی لمبائی اور طاقت۔ کلبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لمبے آدمی کا قد سو گز اور چھوٹے آدمی کا قد ساٹھ گز ہوتا تھا۔ ابوحمزہ ثمالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ستر گز اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسی گز۔ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر آدمی کی لمبائی بارہ گز تھی اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا سر بڑے گنبد کی طرح تھا۔ (فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ)

انعامات کو اور اس کا واحد الٰی ہے اور الٰی معی اور امعاء اور رقفا اور اقفاء کی طرح ہے اور اس کی نظیر "آناء اللیل" ہے۔ جیسے اناء کا واحد انی وانی ہے۔ (لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ)

⑦⓪ (قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ) جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ان کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں۔ اگر کوئی وعدہ عذاب ہے تو لے آؤ۔

⑦① (قَالَ) ھود علیہ السلام نے (قَدْ وَقَعَ) کہ تم پر عذاب پہنچتے ہو گیا اور نازل ہو گیا (عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ) کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور سین زاء سے تبدیل کی گئی ہے۔ "وَّغَضَبٌ" یعنی ناراضگی۔ "اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ" تم نے اس کو رکھا ہے۔ اور غصہ کیوں جھگڑتے ہو، مجھ سے ان ناموں پر کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان کے کئی بت تھے جن کی عبادت کرتے تھے اور ان کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے۔ (مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ) حجۃ اور برہان مراد ہیں (فَانْتَظِرُوْٓا) عذاب کے آنے کے (اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ)

⑦② (فَاَنْجَيْنٰهُ) ہم نے ھود علیہ السلام کو عذاب کے وقت نجات دی (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا) یعنی ہم ان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینک دیں گے اور ان کو ہلاک کر دیں گے (وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ)

عاد کا واقعہ

محمد بن اسحاق اور دیگر نے ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ یمن میں رہتے تھے ان کی رہائش احقاف پر تھی یہ عمان اور حضر موت کے درمیان ریت کے ٹیلے ہیں۔ یہ ساری زمین میں پھیلے اور اپنی طاقت سے زمین والوں کو مغلوب کر دیا۔ یہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ایک بت کو صداء ایک کو صمود اور ایک کو ھباء کہا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ھود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہ ان میں درمیانے نسب والے اور اعلیٰ حسب والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کا حکم دیا اور لوگوں پر ظلم کرنے سے روکا۔ اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیا تو انہوں نے جھٹلایا اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش کو روک لیا جس کی وجہ سے بہت مشقت میں پڑ گئے۔ اس زمانہ میں لوگ عموی مصیبت کے وقت مکہ میں بیت اللہ کے پاس جا کر دُعا مانگتے تھے خواہ مؤمن ہوں یا مشرک تو مکہ میں بہت سے لوگ مختلف ادیان کے جمع ہو گئے اور سب مکہ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس وقت میں عمالقہ قوم آباد تھی۔ ان کی نسل عملیق بن لاذ ابن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی۔

اس زمانہ میں مکہ کا سردار عمالقہ قوم کا شخص معاویہ بن بکر تھا اس کی والدہ کلہدہ تھی جو خیبری کی بیٹی تھی یہ خیبری قوم عاد کا ایک شخص تھا تو جب قحط پڑا تو قوم عاد کہنے لگی کہ اپنا ایک وفد مکہ بھیجو جو تمہارے لیے بارش کی دُعا مانگے تو انہوں نے قیل بن عنز اور نعیم بن ھوال، عقیل بن صندین بن عاد الاکبر، مرثد بن سعد بن عفیر کو یہ مرثد مسلمان تھے لیکن اسلام کو چھپاتے تھے۔ "جلھمۃ

بنت خیبری معاویہ بن بکر کے ماموں کو بھیجا تو ہر آدمی کے ساتھ اس کی قوم کی ایک جماعت تھی یہاں تک کہ ان کے وفد کی تعداد ستر کو پہنچ گئی۔ جب مکہ آئے تو معاویہ بن بکر کے مہمان ہوئے۔ یہ مکہ میں حرم سے باہر رہتا تھا تو ان کی خوب مہمان نوازی کی کیونکہ یہ اس کے ماموں اور داماد وغیرہ تھے تو یہ ایک مہینہ وہاں رہے شراب پیتے اور معاویہ کی دو لونڈیاں ان کو گانا سناتیں۔ ان کو آتے ہوئے ایک مہینہ لگ گیا اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا جب معاویہ نے ان کے لمبے قیام کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم نے ان کو مشکل سے نکلنے کی فریاد کرنے کے لیے بھیجا تھا اور یہ یہاں مزے کر رہے ہیں تو ان کو یہ بات ناگوار گزری اور کہا میرے ماموں اور رشتہ دار وہاں مر رہے ہیں اور یہ یہاں میرے مہمان بنے بیٹھے ہیں۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کروں، اگر جانے کا کہتا ہوں تو یہ ناراض ہوں گے کہ یہ ہمیں بوجھ سمجھتا ہے اور اگر کچھ نہیں کہتا تو میری قوم ہلاک ہوتی ہے تو انہوں نے ان گانے والی لونڈیوں کو چند اشعار لکھ کر دیئے کہ یہ ان کے سامنے گاؤ۔

اے قیل اور ہشم اٹھ شاید اللہ بارش سے ہم کو سیراب فرمادے جس سے قوم عاد سیراب ہو ان لوگوں کی تو ایسی حالت ہو گئی کہ سخت پیاس کی وجہ سیات بھی نہیں کر سکتے نہ بوڑھے کی امید ہے نہ بچے کی۔ پہلے عورتیں عافیت سے تھیں مگر اب عورتیں بھی سخت پیاسی ہو گئیں۔ قوم عاد کو کھانے کیلئے علی الاعلان درندے گشت کر رہے ہیں اور کسی عاد والے کے تیروں کا ان کو اندیشہ نہیں اور تم لوگ یہاں مزے میں سارے دن رات گزار رہے ہو اے وفد والو تمہارا برا ہو تم کو سلامتی اور خوش آمدید نصیب نہ ہو۔

جب انہوں نے گائے تو یہ آپس میں کہنے لگے کہ ہماری قوم نے ہمیں اس مصیبت پر فریاد کرنے کے لیے بھیجا تھا ہم نے دیر کر دی ہے تو اب حرم میں داخل ہو کر اپنی قوم کے لیے بارش طلب کرتے ہیں تو مرثد بن سعد بن عفیر جو کہ خفیہ ایمان لا چکے تھے انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم تمہاری دُعا سے بارش نہ ہو گی۔ لیکن اگر تم اپنے نبی کی اطاعت کر لو اور اپنے رب سے توبہ کر لو تو بارش ہو گی، اب انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا اور چند اشعار کہے۔

عاد نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے پیاسے ہو گئے آسمان پر ایک قطرہ نہیں برساتا ان کا ایک بت ہے جس کو صمود کہا جاتا ہے اور اس کے سامنے صدا اور ہبا بھی ہیں۔ اللہ نے رسول کے ذریعہ سے ہم کو راہ ہدایت دکھائی۔ ہم نے سیدھا راستہ دیکھ لیا اور نابینائی جاتی رہی جو معبود ہود کا ہے وہی میرا معبود ہے۔ اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور اسی سے آس ہے۔

تو وہ لوگ معاویہ بن بکر کو کہنے لگے اس کو ہم سے روک دو یہ ہمارے ساتھ مکہ نہ جائے کیونکہ اس نے ہمارا دین چھوڑ کر ہود علیہ السلام کے دین کی اتباع کی ہے تو ان کے مکہ کی طرف جانے کے بعد مرثد بھی مکہ پہنچ گئے اور دُعا مانگی کہ اے اللہ! میری دُعا صرف میرے حق میں قبول کرنا ان لوگوں کے حق میں قبول نہ کرنا اور قوم عاد کا وفد اپنے سردار قیل بن عنز کے ساتھ دُعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! ہمارے وفد کا سردار جو کچھ مانگ رہا ہے وہ ہمیں بھی دے اور قیل بن عنز نے یہ دُعا کی کہ اے اللہ! اگر ہود علیہ السلام سچے ہیں تو ہم پر بارش برسا کیونکہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تین بادل پیدا کیے سفید اور سرخ اور سیاہ اور قیل کو آواز آئی ان میں سے ایک کو اپنی قوم کے لیے چن لے۔ قیل نے کہا میں سیاہ کو چنتا ہوں کیونکہ اس میں پانی

زیادہ ہوتا ہے تو آواز آئی تو نے اپنی قوم کے لیے راکھ کو چنا ہے ان میں سے کوئی نہ بچے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سیاہ بادلوں کو قوم عاد کو سزا دینے کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ بادل قوم عاد پر پہنچے تو وہ خوش ہوگئے اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ عذاب ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔ اس عذاب کو سب سے پہلے قوم عاد کی ایک عورت نے دیکھا اور چیخ مار کر بیہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کیا دیکھا تو نے؟ اس نے کہا کہ میں نے ہوا دیکھی جس میں آگ کے شعلے تھے اس کے آگے کئی آدمی ہیں جو اس کو کھینچ کر لا رہے ہیں، اس عورت کا نام مھدد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بادل کو سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط کیا۔ اس نے قوم عاد کے تمام افراد ہلاک کر دیئے۔ ھود علیہ السلام اور مؤمنین پہلے سے الگ ہوگئے تھے ان کو ہلکی ہلکی ہوا لگی جو بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی اور قوم عاد پر بڑی شدید تھی کہ ان کو زمین سے آسمان کی طرف اُٹھاتی تھی پھر زمین پر پٹختی تھی۔

وہ وفد مکہ سے نکل کر معاویہ کے پاس آیا تو قوم عاد سے تین دن کی دوری پر ایک قوم آباد تھی۔ اس کا ایک شخص اونٹنی پر آیا، ایک تاریک رات میں اور خبر دی تو انہوں نے پوچھا ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھی کہاں تھے؟ اس نے کہا سمندر کے ساحل پر گویا ان کو ابھی بھی شک تھا۔ تو ہزیلۃ بنت بکر کہنے لگی اللہ کی قسم اس نے سچ خبر دی ہے اور یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے کہ مرثد بن سعد، لقمان بن عاد اور قیل بن عنز نے جب مکہ میں دُعا کی تو ان کو کہا گیا کہ تمہاری دُعا قبول ہوگئی اب اپنے لیے کچھ مانگو، سوائے ہمیشہ زندہ رہنے کے کیونکہ موت تو ہر ایک کو آنی ہے تو مرثد نے دُعا مانگی اے اللہ! مجھے سچائی اور نیکی دے۔ یہ ان کو مل گئی۔ لقمان نے کہا مجھے لمبی عمر دیں، کہا گیا تو خود اختیار کر کتنی ہو؟ اس نے سات گدھوں کی عمر پسند کی ہر گدھ اسی سال زندہ رہا اور ساتویں گدھ کے ساتھ یہ بھی مر گیا اور قیل نے کہا جو چیز میری قوم کو پہنچی مجھے بھی وہی دیں تو کہا گیا کہ ہلاکت؟ اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں ان کے بعد زندگی کی مجھے ضرورت نہیں تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا اور ہلاک ہوگیا۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عاد پر سخت آندھی بھیجی جب آندھی ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے اونٹوں اور مردوں کو دیکھا کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان میں اُڑ رہے ہیں جب ان لوگوں نے یہ دیکھا تو جلدی سے گھروں میں گھس کر دروازہ بند کر لیے تو آندھی نے دروازہ جڑ سے اُکھاڑ دیئے اور ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر ان کو گھروں سے نکال دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان پر سیاہ پرندے بھیجے جنہوں نے ان کو اُٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی وہ سات راتیں اور آٹھ دن ریت کے نیچے رہے اور وہ ریت کے نیچے آہ آہ کرتے رہے۔ پھر ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت ہٹا دی۔ پھر ان کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور جب بھی ہوا آتی ہے تو ایک اندازہ و مکیال سے آتی ہے لیکن اس دن داروغہ سے سرکشی کی اور ان پر غالب آگئی، ان کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کی مقدار کتنی تھی اور حدیث میں ہے کہ ہوا انگوٹھی کے سوراخ جتنی نکلی۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ھود علیہ السلام کی قبر اطہر حضر موت میں سرخ ٹیلہ میں ہے اور عبد الرحمٰن بن سابط کہتے

ہیں رکن اور مقام اور زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کی قبر ہے اور ہود، شعیب، صالح اور اسماعیل علیہم السلام کی قبر اسی جگہ میں ہے۔ یہاں تک کہ ساتویں پر آئے اور ہر گدھ اسی (۸۰) سال زندہ رہتا ہے اور ان میں سے آخری لبد تھا جب لبد مر گیا تو لقمان علیہ السلام بھی اس کے ساتھ فوت ہو گئے۔ بہر حال قیل تو اس نے کہا کہ میں وہی اختیار کرتا ہوں جو میری قوم کو پہنچا ہے تو اس کو کہا گیا ہلاکت؟ تو اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں ہے ان کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو جو عذاب قوم عاد پر آیا وہ اس پر بھی آپ تو وہ ہلاک ہو گیا اور روایت کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قوم جب ہلاک ہو جاتی تو وہ نبی علیہ السلام اپنی قوم کے نیک لوگوں کے ساتھ مکہ آتے اور وہاں وفات تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔

تفسیر: ۷۳ (وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا) یہ قوم ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ لیکن مراد یہاں ان کا قبیلہ ہے۔

ابو عمرو بن علاء فرماتے ہیں کہ ثمد کا معنی تھوڑا پانی۔ ان کا نام ثمود ان کے پانی کے کم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔ ان کی رہائش حجاز اور شام کے درمیان مقام حجر پر تھی۔ (اخاھم صالحا) ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے نسبی بھائی صالح کو بھیجا بھائی مراد نہیں (جو المؤمنون اخوۃ کے زمرہ میں آتا ہے) اور وہ صالح بن عبید بن آصف بن ماشح بن عبید بن خادر بن ثمود۔ (بولا) صالح علیہ السلام (قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ) اونٹنی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، فضیلت اور تخصیص کی بناء پر جیسا کہ کہا جاتا ہے بیت اللہ۔ " لَکُمْ اٰیَۃً" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ (فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ) تاکہ وہ چارہ وغیرہ کھائے (فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ) نہ اس کو پہنچو برائی کے ساتھ کہ تم اس کی کونچیں کاٹ ڈالو ورنہ (فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ)

وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ م بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُھُوْلِھَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ

اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کے دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالحؑ جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوائیے۔ اگر آپ پیغمبر ہیں۔

تفسیر ۷۴ (وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ م بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ) تم کو جگہ دی اور تم کو بسایا (فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا) یہ لوگ پہاڑوں میں سوراخ کر کے گھر بناتے تھے، گرمیوں میں مٹی کے گھروں میں رہتے اور سردیوں میں پہاڑوں کے گھروں میں اور بعض نے کہا صرف پہاڑ میں گھر بناتے تھے کیونکہ مٹی کے گھر ان کی عمر جتنا عرصہ باقی نہیں رہتے تھے۔ (فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ) عثو سخت ترین فساد کو کہتے ہیں۔

۷۵ (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ)

(قَالَ الْمَلَاُ) ابن عامر نے واو کے ساتھ پڑھا ہے (الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ) اس سے بڑے لیڈر اور سردار مراد ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کو اپنی ذلت سمجھتے تھے (لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا) حضرت صالح علیہ السلام کے متبعین کمزور لوگوں سے عار سمجھتے تھے (لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ) وہی مؤمن لوگ تھے یا کمزور اور غریبوں میں سے صرف مؤمنوں سے کہتے تھے (اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ)

۷۶ (قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ) انکار کرنے والے ہیں۔

۷۷ (فَعَقَرُوا النَّاقَةَ) زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں العقر اونٹ کی کونچیں کاٹنا پھر نحر کو عقر بنایا گیا، اس لیے کہ اونٹ کو نحر کرنے والا اس کو عقر یعنی زخمی کرتا ہے پھر نحر کرتا ہے۔ "وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ" اور العتو باطل میں غلو کرنا کہا جاتا ہے "عتا يعتو عتوا" جب انہوں نے تکبر کیا اور معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اونٹنی کے بارے میں اس کا حکم چھوڑ دیا اور اپنے نبی کی

تکذیب کی۔ (وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ) وعدہ کیا گیا عذاب کا (اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے۔ رہ گئے اس وقت صالح ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۷۸﴾ (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ) وہ زمین کا زلزلہ اور اس کی حرکت ہے اور ان کو چیخ اور زلزلہ سے ہلاک کیا گیا۔ "فاصبحوا فی دارھم" بعض نے کہا ہے مراد الدیار ہیں اور بعض نے کہا ہے ان کی سرزمین اور بستی مراد ہے۔ اس لیے دار کو واحد ذکر کیا ہے۔ اگر مکان یا گھر مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ جمع کا صیغہ ہوتا۔ "جاثمین" مُردہ اوندھے پڑے ہوئے۔ بعض نے کہا ہے اوندھے منہ مُردہ پڑے تھے۔ پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے)

﴿۷۹﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا (فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ) اگر یہ اعتراض ہو کہ صالح علیہ السلام نے ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کو کیسے خطاب کیا؟ ان الفاظ سے لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ تو جواب یہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے مقتولین میں سے ہر ایک کا نام لے کر آواز دی تھی اور ان کو کہا تھا کہ ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے کیا بات کر رہے ہیں جن میں کوئی روح ہی نہیں ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔ (رواہ النسائی)

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ صالح علیہ السلام نے ان مُردہ لوگوں کو خطاب کیا تا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے عبرت بنے۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل یہ ہے کہ "صالح علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا چکا تو ان کو زلزلہ نے آ پکڑا"۔

ثمود کا واقعہ

قوم ثمود کا واقعہ محمد بن اسحاق اور وہب وغیرہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قوم عاد جب ہلاک ہوگئی اور ان کا معاملہ ختم ہو گیا تو ثمود ان کے بعد زمین میں ان کی خلیفہ بنی تو ان کی تعداد بہت ہوگئی اور لمبی عمریں ہوئیں یہاں تک کہ وہ مٹی کے مکان بناتے تو وہ ان کی زندگی میں منہدم ہو جاتے تو انہوں نے پہاڑوں میں گھر بنانا شروع کر دیئے اور ان لوگوں کی معاش وسیع تھی تو انہوں نے زمین

میں فساد برپا کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان میں صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہ عرب قوم تھی صالح علیہ السلام اچھے حسب ونسب والے تھے۔ صالح علیہ السلام جوانی کے زمانہ میں نبی بنا کر بھیجے گئے اور ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہے یہاں تک کہ بالکل بوڑھے ہو گئے لیکن صرف چند غریب لوگوں نے آپ علیہ السلام کی اتباع کی۔ جب صالح علیہ السلام نے ان پر تبلیغ میں خوب محنت کی اور ان کو بہت زیادہ ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں جو آپ علیہ السلام کے سچا ہونے کی دلیل ہو تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کون سی نشانی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری عید کی طرف نکلیں۔ ان کی عید سال میں ایک بار آتی تھی جس میں یہ اپنے بتوں کی طرف جاتے تھے تو آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ اپنے معبود کو بلائیں ہم اپنے معبودوں کو بلائیں۔ اگر آپ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی ہم آپ کی اتباع کریں گے اور اگر ہماری دُعا قبول ہوئی تو آپ ہماری اتباع کرنا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے تو وہ اپنے بت لے کر عید کے دن نکلے اور صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے تو انہوں نے اپنے بتوں سے دُعا کی کہ صالح علیہ السلام کی کوئی دُعا قبول نہ ہو۔ پھر ثمود کا سردار جندع بن عمرو بن حراش کہنے لگے اے صالح! (علیہ السلام) ہمارے لیے اس چٹان سے ایک اونٹنی نکال جو بہت پشم والی ہو جو دس ماہ کی حاملہ ہو، بڑے پیٹ والی ہو، بختی اونٹ کے مشابہ نہ ہو اور اس نے پہاڑ کی ایک الگ چٹان کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے نکالیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ پر ایمان لائیں گے۔

صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لیے کہ اگر میں نے ایسا کر دیا تو مجھ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ کہنے لگے جی ہاں تو صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تو وہ چٹان حاملہ جانور کی طرح آواز نکالنے لگی اور پھر اس کے ایک حصہ نے حرکت کی اور اس سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی بڑے پیٹ والی بہت زیادہ پشم والی جیسی انہوں نے مانگی تھی آ گئی اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان کا فاصلہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں یہ سارا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ پھر اس کا بچہ پیدا ہوا جو اسی کی طرح بڑا تھا تو جندع بن عمرو اور اس کی قوم کے چند لوگ ایمان لے آئے اور قوم ثمود کے معزز لوگ بھی ایمان لانا چاہتے تھے مگر ان کو ذواب بن عمر بن لبید اور حباب جو ان کے بتوں کے پجاری تھے اور رباب بن صمغر جو کہ کاہن تھا تو ان لوگوں نے باقی لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا۔ جب اونٹنی نکلی تو صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے اس کی اور تمہاری پانی پینے کی باری متعین ہے تو وہ اونٹنی اور اس کا بچہ قوم ثمود میں ٹھہر گئے، درختوں سے چرتی اور پانی پیتی، وہ ایک دن کے وقفہ سے پانی پینے آتی اور اپنی باری کے دن اپنا سر کنویں میں ڈالتی اور سارا پانی پی جاتی ایک قطرہ پانی بھی نہ بچاتی۔ پھر سر اُٹھاتی اور ٹانگیں کشادہ کر لیتی، پھر وہ لوگ جتنا چاہتے دودھ نکالتے خود بھی پیتے برتن بھی بھر لیتے پھر وہ جس راستہ سے آئی ہوتی اس کے علاوہ راستے سے چلی جاتی۔ جب قوم ثمود کی پانی کی باری آتی تو وہ جتنا چاہتے پانی پیتے اور اونٹنی کی باری کے دن کے لیے بھی ذخیرہ کر لیتے۔ یہ اونٹنی سائے کے لیے جہاں جاتی وہاں سے پالتو جانور بھاگ جاتے تو ان کے چرواہوں کو یہ بات تکلیف دیتی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے پر تیار ہو گئے۔ قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں۔ ایک ذواب بن عمر کی بیوی اس کا نام عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھا، کنیت ام غنم تھی۔ یہ بوڑھی عورت تھی لیکن اس کی بیٹیاں بہت خوبصورت تھیں اور

اس کے پاس مال اور مویشیوں کی فراوانی تھی اور دوسری عورت کا نام صدوف بن محیا تھا یہ بہت خوبصورت عورت تھی اور بڑی مالدار اور اس کے پاس مویشی بہت زیادہ تھے۔ ان دو عورتوں کو صالح سے بہت زیادہ دشمنی تھی اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنا ان کو بڑا پسند تھا کیونکہ وہ ان کے جانوروں کو نقصان پہنچا رہی تھی تو ان دونوں نے ایک تدبیر نکالی کہ صدوف نے ثمود کے ایک آدمی حباب کو بلایا کہ تو اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دے تو میں تیری ہو جاؤں گی۔ اس نے انکار کر دیا تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو بلایا جس کا نام مصدع بن مھرج بن محیا تھا۔ یہ بڑا خوبصورت اور صاحب مال شخص تھا۔ اس پر اپنا آپ پیش کیا تو یہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے پر آمادہ ہو گیا اور عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف کو بلایا یہ سرخ رنگ نیلی آنکھوں والا چھوٹے قد کا شخص تھا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ قدار کسی زانی کی اولاد تھا، سالف کی اولاد نہ تھا لیکن اس کی بیوی سے پیدا ہوا ہے تو عنیزہ نے کہا اگر تو اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دے تو میری جو بیٹی تو چاہے تجھے دے دوں گی۔ یہ قدار اپنی قوم میں غالب شخص تھا۔

ہشام نے اپنے والد سے نقل کیا کہ ان کو عبداللہ بن زمعۃ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور اس کی ٹانگیں کاٹنے والے کے بارے میں فرمایا کہ ”اذا انبعث اشقاھا“ کہ اس کام کے لیے قوم ثمود میں سے قوت اور غلبہ والا شخص کھڑا ہوا جو ابو زمعۃ رضی اللہ عنہ کی مثل تھا تو قدار بن سالف اور مصدع بن مھرج چل پڑے اور قوم ثمود کے گمراہ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا تو سات آدمی ان میں سے بھی چل پڑے، وہ اونٹنی جب پانی پر آنے لگی تو قدار اس کے راستے میں چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور مصدع دوسرے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا تو وہ اونٹنی مصدع والے راستے سے گزری تو اس نے تیر مارا جو اس کی پنڈلی کے جوڑ میں لگا۔ اتنے میں اُم غنم عنیزہ اپنی بیٹی کے ساتھ آ گئی اور اس کو کہا کہ قدار کے سامنے چہرہ کھول دے۔ یہ لڑکی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی تو قدار نے یہ دیکھتے ہی اونٹنی پر تلوار سے سخت حملہ کیا جس سے وہ گر گئی اور ایک آواز لگائی جس سے اپنے بچہ کو ڈرا رہی تھی پھر دوسرا وار اس کی گردن پر کر کے اس کو نحر کر دیا اور سارے شہر والے نکل آئے اور اس کا گوشت تقسیم کر کے پکا لیا۔ اونٹنی کے بچہ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ بھاگ گیا اور ایک پہاڑ کے پاس آیا جس کو صنو کہا جاتا تھا اور بعض نے کہا پہاڑ کا نام قارۃ تھا اور صالح علیہ السلام آئے تو لوگوں نے بتایا کہ اونٹنی کو مار دیا گیا ہے تو آپ علیہ السلام وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اس کا گوشت لے رہے ہیں اور عذر کرنے لگے، اے اللہ کے نبی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے، ہمارا کوئی گناہ نہیں تو صالح علیہ السلام نے فرمایا تم اس کے بچہ کو تلاش کرو، اگر وہ مل گیا تو شاید اللہ تعالیٰ تم سے عذاب کو دور کر دیں تو لوگ اس بچہ کو تلاش کرنے نکل پڑے جب اس کو پہاڑ پر دیکھا تو اس کو پکڑنے کے لیے دوڑے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ اس بچہ کو لے کر آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ وہاں تک پرندے بھی نہ پہنچ سکتے تھے تو صالح علیہ السلام بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب اس بچہ نے صالح علیہ السلام کو دیکھا تو رونے لگا اور اس کے آنسو بہنے لگے پھر اس نے تین دفعہ آواز نکالی، پھر پہاڑ پھٹا اور وہ اس میں چلا گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام فرمانے لگے کہ ہر آواز ایک دن کی مہلت ہے تو تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اُٹھا لو یہ وعدہ

جھوٹا نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں نے ہفتے کے ایام کے نام رکھے ہوئے تھے اتوار کا اوّل، سوموار کا اھون، منگل کا دبار، بدھ کا جبار، جمعرات کا مؤنس، جمعہ کا عروبہ اور ہفتے کا نام شبار رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعرات کی صبح تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور عروبہ یعنی جمعہ کی صبح سرخ ہوں گے اور شبار یعنی ہفتے کی صبح سیاہ ہوں گے۔ پھر اتوار کے دن تمہارے پاس عذاب آئے گا۔ جب صالح علیہ السلام نے یہ بات کہی تو وہ نو افراد جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا کہنے لگے آؤ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دیں۔ اگر یہ سچے ہیں تو ان کو ہم اپنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں اور اگر جھوٹے ہیں تو ان کو ان کی اونٹنی کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ یہ لوگ رات کو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے گئے کہ ان کو قتل کر کے رات سکون سے اپنے گھر گزاریں گے تو فرشتوں نے ان کو پتھروں سے کچل دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس نہ پہنچے تو انہوں نے آکر دیکھا کہ ان کے سر کچلے پڑے ہیں تو صالح علیہ السلام کو کہنے لگے کہ آپ نے ان کو قتل کیا ہے تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے لگے تو آپ علیہ السلام کا قبیلہ ہتھیار لے کر آپ علیہ السلام کے دفاع کے لیے آگیا اور ان کو کہا کہ اللہ کی قسم تم ان کو کبھی قتل نہ کر سکو گے، انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تین دن میں تم پر عذاب آئے گا۔ اگر یہ سچے ہیں تو ان کو قتل کر کے تم اپنے رب کو مزید ناراض کر دو گے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو اپنا مقصد پورا کر لینا تو وہ چلے گئے۔ تو جب جمعرات کی صبح آئی تو ان سب کے چہرے زرد ہو گئے، چھوٹے بڑے مرد و عورت سب کے۔

ایسا لگتا تھا کہ خلوف بوٹی ان پر مل دی گئی ہے تو اس وقت ان کو عذاب اور صالح علیہ السلام کے سچا ہونے کا یقین ہو گیا تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کیلئے تلاش کرنے لگے، صالح علیہ السلام اس جگہ سے چلے گئے اور ثمود کی ایک شاخ بنو غنم کے پاس آگئے اور ان کے سردار نفیل جس کی کنیت ابو ھدب تھی کے مہمان ہوئے اس نے آپ علیہ السلام کو چھپا دیا۔ وہ آپ علیہ السلام کے قتل پر قادر نہ ہو سکے۔ یہ شخص مشرک تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھیوں کو تکلیفیں دینے لگے تاکہ وہ آپ علیہ السلام کا پتہ بتا دیں تو صالح علیہ السلام کے ایک ساتھی نے ان سے آکر پوچھا کہ وہ ہمیں آپ علیہ السلام کے بارے میں پوچھنے کے لیے تکلیف دے رہے ہیں، کیا آپ علیہ السلام کا پتہ بتا دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو انہوں نے بتا دیا وہ ابو ھدب کے پاس آئے۔ اس نے کہا ہاں صالح علیہ السلام میرے پاس ہیں لیکن تم ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے تو یہ لوگ چلے گئے اور پھر ان کو اپنی پڑ گئی۔ ایک دوسرے کے چہرے کی زردی دیکھ کر پریشان ہوتے تھے اور چیختے تھے۔ دوسرے دن چہرے سرخ ہو گئے۔ گویا کہ ان کو خون سے رنگ دیا گیا ہے تو رونے اور چیخنے چلانے لگے کہ عذاب کا ایک دن گزر گیا ہے۔ تیسرے دن کی صبح چہرے اتنے ایسے سیاہ ہو گئے جیسے ان پر تارکول چڑھا دیا گیا ہو اب وہ چیخنے لگے کہ عذاب آگیا۔ صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر شام کی طرف چل پڑے اور رملہ فلسطین کے علاقہ میں پڑاؤ ڈالا۔ اتوار کی صبح قوم ثمود نے کفن پہنے خوشبو لگائی اور زمین پر گر گئے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی زمین کی طرف کہ کس طرف سے عذاب آئے گا جب اتوار کے دن چاشت کا وقت ہو گیا تو آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں بجلی وغیرہ کی کڑک اور زمین کی ہر آواز والی چیز کی آواز تھی۔ اس آواز نے ان کے دل پھاڑ دیئے، ان میں سے کوئی چھوٹا یا بڑا زندہ نہ رہا سوائے ایک اپاہج لڑکی کے اس کا نام ذریعہ بنت سالف تھا یہ صالح علیہ السلام سے

شدید دشمنی رکھنے والی کافرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے وقت اس کی ٹانگیں ٹھیک کر دیں تو یہ بڑی تیزی سے اس جگہ سے اور حجاز اور شام کے درمیان وادی قزح تک پہنچ گئی وہاں کے لوگوں کو بتایا کہ میں نے قوم ثمود کے عذاب کا خود مشاہدہ کیا ہے پھر پانی مانگا، انہوں نے پانی پلایا تو پیتے ہی مر گئی۔

سدی نے قتل ناقہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کے پاس کے وحی بھیجی تیری قوم عنقریب اونٹنی کو قتل کر دے گی۔ حضرت نے یوم سے یہی بات کہہ دی قوم والوں نے کہا ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت صالح نے فرمایا اس مہینہ میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور آئندہ وہ قتل کرے گا اور اسی کے سبب سے تمہاری ہلاکت ہوگی کہنے لگے اس مہینہ میں ہمارا جو بچہ پیدا ہوگا ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اس مہینہ میں دس لڑکے پیدا ہوئے نو کو تو انہوں نے قتل کر دیا۔ ایک نیل گوں چشم سرخ رنگ والا بچہ بچ گیا اور اس کا بڑھاؤ بہت تیزی سے ہوا۔ مقتول بچوں کے باپ جب اس کو دیکھتے تو کہتے ہمارے بچے بھی اگر زندہ ہوتے تو ایسے ہی ہوتے یہ سوچ سوچ کر ان کو حضرت صالح علیہ السلام پر غصہ آیا کہ یہی شخص ہمارے بچوں کے قتل کا سبب ہے۔ پھر انہوں نے قسم کھا کر باہم معاہدہ کر لیا کہ ہم رات کو جا کر اس کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور مار ڈالیں گے۔ پھر مشورہ ہوا کہ ہم کو بستی سے نکل جانا چاہئے لوگ ہم کو جاتے دیکھ کر خیال کریں گے کہ ہم سفر کو جا رہے ہیں۔ ہم باہر جا کر کہیں غار میں چھپ جائیں گے اور صالح جس وقت (رات کو) مسجد کو جائیں گے ہم آکر ان کو قتل کر دیں گے۔ پھر لوٹ کر غار میں چلے جائیں گے پھر (صبح کو) گھروں کو واپس آجائیں گے اور کہیں گے ہم تو قتل کے وقت موجود بھی نہ تھے لوگ ہم کو سچا سمجھیں گے۔ کیونکہ ان کا تو یہی خیال ہوگا کہ ہم سفر کو گئے ہوئے تھے۔

حضرت صالح قوم کے ساتھ بستی میں نہیں سوتے تھے بلکہ اپنی مسجد میں جس کو مسجد صالح کہا جاتا تھا جا کر رات گزارتے تھے اور صبح کو آکر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے شام ہوتی تو پھر مسجد کو جا کر رات کو وہیں رہتے غرض وہ لوگ جن کے بچے قتل ہوئے تھے۔ بستی سے باہر جا کر ایک غار میں گھس گئے اور اللہ کے حکم سے غار ان پر گر پڑا اور سب مر گئے۔ اسی کو اللہ نے فرمایا ہے

فمکروا مکرا و مکرنا مکرا وھم لایشعرون.

کچھ لوگ جو اس بات سے واقف تھے نکل کر گئے جا کر دیکھا کہ سب لوگ کچلے پڑے ہیں۔ انہوں نے بستی میں آکر شور مچا دیا اللہ کے بندو! صالح نے بچوں کے قتل پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی مار ڈالا یہ سن کر بستی والے اونٹنی کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔ ابن اسحاق نے کہا اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد ان نو آدمیوں نے شب خون مار کر حضرت صالح کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ یعنی قتل ناقہ کا واقعہ حضرت صالح کو قتل کرنے کے معاہدہ سے پہلے ہو چکا تھا۔

سدی وغیرہ کا بیان ہے دسواں بچہ قدار جب قتل ہونے سے بچ گیا تو تیزی سے بڑھنے لگا ایک دن میں اتنا بڑھ جاتا جتنا دوسرے بچے ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور ایک ماہ میں اتنا بڑھ جاتا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں جب بڑا ہو گیا تو لوگوں کے ساتھ ایک روز شراب پینے بیٹھا اور شراب بنانے کیلئے پانی کی ضرورت ہوئی اور چونکہ وہ دن اونٹنی کے پانی پینے کا تھا۔ اس لئے پانی نہیں ملا۔ یہ

بات ان لوگوں کو بہت کھلی اور کہنے لگے ہم دودھ کا کیا کریں ہمیں تو اس پانی کی ضرورت ہے جو یہ اونٹنی پی جاتی ہے تاکہ مویشیوں کو پلائیں اور کھیتیاں سینچیں۔ قذار بولا کیا میں تمہارے لئے اس اونٹنی کو قتل کردوں۔ اہل مجلس نے کہاہاں! چنانچہ سب نے اونٹنی کو قتل کردیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے سفر میں مقام حجر پر پڑاؤ ڈالا تو حکم دیا کہ اس کنویں سے کوئی پانی نہ پئے اور نہ جانوروں کو پلائیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے اس پانی سے آٹا گوندھا ہے اور مشکیزوں میں پانی بھرا ہے تو آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ آٹا پھینک دو اور وہ پانی گرادو۔

ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ جب غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حجر سے ہوا تو صحابہ کو حکم دیا تم میں سے کوئی اس (ویران) بستی میں نہ جاتے نہ ان کا پانی پیوان عذاب یافتہ لوگوں کی طرف سے گزرو تو روتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آجائے جوان پر آیا تھا پھر فرمایا تم اپنے رسول سے معجزات نہ طلب کرو۔ یہ صالح کی قوم تھی جس نے اپنے رسول سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ نے ایک اونٹنی برآمد کردی جو اس پہاڑی راستہ سے پانی پر جاتی اور (پانی پی کر) اس راستہ سے واپس آتی تھی اور اپنی لوگوں کو ہلاک کردیا جو اس سرزمین میں مشرق سے مغرب لے کر مغرب تک آسمان کے خیمہ کے نیچے رہتے تھے صرف ایک آدمی بچا جس کو ابورغال کہا جاتا تھا یہ قبیلہ ثقیف کا مورث اعلیٰ تھا یہ اس وقت حرم کے اندر تھا اور حرم میں ہونے کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی عذاب آیا جو دوسروں پر آیا تھا اور وہیں دفن ہوگیا۔ دفن ہونے کے وقت اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اسی کے ساتھ زمین میں دب گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ابورغال کی قبر بھی دکھائی اور لوگوں نے تلواروں سے (کرید کر) زمین کھود کر سونے کی وہ ڈنڈی برآمد کرلی۔ قوم ثمود میں سے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لائے تھے ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ حضرت صالح ان لوگوں کو لے کر حضرموت چلے گئے۔ حضرموت میں پہنچ کر آپ کی وفات ہوگئی۔ اسی لئے اس بستی کا نام حضرموت ہوگیا پھر ان لوگوں نے ایک بستی بسائی جس کا نام حاصورا ہوا۔ بعض علماء روایت کا قول ہے کہ حضرت صالح کی وفات مکہ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 58 سال کی تھی آپ صرف بیس سال اپنی قوم میں رہے تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا (یعنی) تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزر گئے ہو

تفسیر: 80 (وَلُوْطًا) بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ یاد کریں لوط علیہ السلام کو یہ لوط بن ہاران بن تارخ بن اخی

ابراہیم (اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ) یہ سدوم کے رہنے والے ہیں کیونکہ لوط علیہ السلام بابل کے رہنے والے تھے اپنے چچا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سفر ہجرت کیا شام کی طرف تو ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں قیام کیا اور لوط علیہ السلام نے اُردن میں قیام کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سدوم والوں کی طرف رسول بنایا تو انہوں نے ان کو فرمایا (اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ) مردوں کے پاس آنا (مَاسَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ) عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے کوئی نر کسی نر پر کبھی نہیں چڑھا تھا۔

81 اِنَّکُمْ اہل مدینہ اور حفص نے (انکم) کاف کی زیر کے ساتھ خبر کی بناء پر پڑھا اور دیگر حضرات نے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے (لتاتون الرجال) ان کے پچھلے حصوں میں...... (اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ) یعنی مردوں کے پچھلے راستے کی طرف آنا تمہیں عورتوں کے اگلے راستے میں آنے سے زیادہ پسند ہے۔ (بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ) حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے۔

قوم لوط کا ذکر

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے ایسے پھل دار باغات تھے کہ اس وقت ان جیسے باغات کسی کے پاس نہیں تھے تو لوگ ان کے پھل توڑ کر ان کو تکلیف دیتے تھے تو ابلیس ایک بوڑھے دانا کی شکل میں آیا اور ان کو کہا اگر تم ان کے ساتھ یہ برا کام کرو تو ان سے نجات پا جاؤ گے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وہ بار بار اصرار کرتا رہا تو انہوں نے ایسا کرنے کی ٹھان لی تو اگلی صبح چند لڑکے پھل توڑنے آئے تو انہوں نے پکڑ کر ان کے ساتھ فعل خبیث کیا تو یہ ان کی عادت بن گئی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ صرف جوان لڑکوں سے نکاح کرتے تھے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدفعلی کرنے والا پہلا شخص ابلیس ہے کیونکہ ان لوگوں کے شہر بڑے سرسبز تھے تو لوگ وہاں چارہ کی تلاش میں آتے تھے تو ابلیس ایک خوبصورت لڑکے کی صورت میں آیا اور اپنے ساتھ یہ کام کرنے کی دعوت دی تو ان لوگوں نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا کہ ان پر پتھر برسائے اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو دھنسا دے۔

وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ 82 فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَھْلَہٗٓ اِلَّا امْرَاَتَہٗ کَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ 83 وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا ط فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ 84 وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ 85

ترجمہ: اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ انہی

لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کا تھا) سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔

تفسیر ⑧٢ (وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے اَخْرِجُوْهُمْ) یعنی لوط علیہ السلام اور ان کے دین والوں کو (مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ) مردوں کے پاس جانے سے بچتے ہیں۔

⑧٣ فَاَنْجَيْنٰهُ...... یعنی لوط علیہ السلام کو (وَاَهْلَهٗ) یعنی مؤمنین کو اور بعض نے کہا ان کی دو بیٹیاں مراد ہیں (اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ) یعنی عذاب میں گرفتار ہوئی اور بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ وہ لمبی عمر والے لوگوں میں سے تھی کہ لمبی عمر گزاری اور پھر قوم لوط کے لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ اور "من الغابرین" کہا ہے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے والے مردوں میں سے ہے۔ جب ان کا ذکر مردوں کے ذکر کی طرف ملایا تو (مذکر کا صیغہ) کہا "من الغابرین"

⑧٤ (وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا) وھب کا قول ہے کہ گندھک اور آگ کی بارش اور وہ پتھر نشان زدہ تھے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب کے بارے میں "اَمْطَر" کا لفظ اور "رحمت" کے بارے میں مطر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ

اہل مدین کون تھے

⑧٥ (وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا) یعنی مدین کی اولاد کی طرف ہم نے بھیجا۔ اور مدین ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ یہ "ایکۃ" والے ہیں۔ شعیب علیہ السلام ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شعیب علیہ السلام بن توبۃ بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام تھے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے نسب نامہ یہ بتایا ہے کہ شعیب بن میکائیل بن یزجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام اور میکائیل کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ شعیب بن یثرون بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا کیونکہ یہ اپنی قوم کو بڑے اچھے انداز میں نصیحت کرتے تھے۔ ان کی قوم کافرہ تھی اور ناپ و تول میں کمی کرتی تھی۔ (قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) یہ دلیل جو ان کے پاس آئی۔ اگرچہ یہاں ذکر نہیں کی گئی لیکن آئی تھی کیونکہ تمام قوموں کے پاس آنے والی نشانیوں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اور بعض نے کہا "بینۃ" سے مراد شعیب علیہ السلام کا آنا ہے (فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ) یعنی لوگوں کے حقوق کھا کر ظلم نہ کرو اور ان میں کمی نہ کرو۔ (وَلَا

تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا) یعنی انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور انصاف کا حکم دینے سے جو اصلاح ہوئی اس کے بعد فساد نہ کرو اور جس نبی کو کسی قوم کی طرف بھیجا گیا تو وہ اس قوم کی اصلاح ہے (ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) یعنی جس کا تم کو حکم دیا یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لے آئے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کیے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

تفسیر ۸۶ (وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ) ہر راستے پر (تُوْعِدُوْنَ) ڈرانے کی غرض سے (وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اور مت بیٹھو راستوں پر یہ راستے پر کہ ڈراؤ دھمکیاں دو اور روکو اللہ کے راستے سے اللہ کے دین سے۔(مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا) بعض نے کہا کہ تم دین میں عیب تلاش کرتے ہو اور سیدھے راستے سے نکلنے کا طریقہ کیونکہ وہ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو شخص شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے کا ارادہ کرتا۔ اس کو کہتے کہ شعیب علیہ السلام جھوٹا ہے وہ تجھے تیرے دین سے نہ پھسلا دے اور مؤمنین کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے (وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ) تمہاری تعداد زیادہ کی (وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ) یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام کیا ہوا۔

۸۷ (وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا) یعنی اگر میری رسالت میں تمہیں اختلاف ہے کہ دو فرقے ہو گئے ہو ایک ایمان لانے والوں کا ایک جھٹلانے والوں کا (فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا) جھٹلانے والوں کو عذاب دینے اور ایمان لانے والوں کو نجات دینے کا (وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیبؑ! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ ؤ شعیب نے جواب دیا کہ ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں گے تو گو ہم اس کو (بدلیل وبصیرت) مکروہ ہی سمجھتے ہوں ہم تو اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جاویں اگر (خدانہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں (خصوصاً) بعد اس کے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جاویں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے ہمارے لئے مقدر کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قوم کے (ان ہی مذکور) کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے۔

تفسیر ۸۸...... (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ) اس سے مراد شعیب علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے جو ایمان نہیں لائے تھے۔ (لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا) تم اس دین پر لوٹ آ ؤ جس پر ہم ہیں (قَالَ) شعیب علیہ السلام نے کہا (اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ) اگر ہم تمہارے دین پر آنے سے بیزار ہوں تو کیا ہمیں مجبور کرو گے؟

۸۹ (قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ)

اللہ تعالیٰ کے اس سے نجات دینے کے بعد (اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت میں یہ بات ہے کہ ہم واپس اسی پر لوٹ جائیں گے تو اس صورت میں اللہ کی قضاء ہم پر جاری ہوگی۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام کو دعوت دی کہ ہمارے دین میں واپس لوٹ آئیں اور شعیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ ہم اس دین پر نہیں لوٹ سکتے حالانکہ شعیب علیہ السلام تو کبھی بھی ان کے دین پر نہ تھے تو اس قول کا کیا مطلب ہوا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں عود کا لفظ دخول کے معنی میں ہے یعنی آپ ہمارے دین میں داخل ہوجائیں۔ بعض نے کہا کہ عاد صار کے معنی میں ہے کہ تم ہو جاؤ ہمارے دین میں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے کیونکہ پہلے وہ کافر تھے، بعد میں مؤمن ہوئے تو ان کے کافر ساتھیوں نے ان کو واپس بلایا تو ان کی طرف سے شعیب علیہ السلام نے جواب دیا (وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا) (عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا) جو تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو ان کے بارے میں۔ پھر جب شعیب علیہ السلام ان کے ایمان سے نا اُمید ہوگئے تو فرمایا (رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ) ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے انصاف کے ساتھ (وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ) تو بہتر حاکمین میں سے ہے۔

⑩ (وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا) تم اپنے دین کو چھوڑ دو گے (اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ) خسارہ میں ہوگے۔ عطاء فرماتے ہیں انکار کرنے والے ہوں گے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں عاجز ہوں گے۔

⑪ (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رجفة" سے زلزلہ مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا۔ اس سے سخت گرمی بھیجی جس نے ان کے سانس کو پکڑ لیا کہ اب نہ ان کو سایہ نفع دیتا تھا نہ پانی تو وہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوتے تھے تاکہ ٹھنڈ حاصل کریں لیکن جب داخل ہوتے تو اس کو باہر کھلی فضا سے بھی زیادہ گرم پاتے تو بھاگ کر کھلی جگہ میں نکل جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں پاکیزہ ہوا بھیجی تو اس نے ان کو سایہ دیا تو وہ ایک دوسرے کو بلا کر اس کے نیچے جمع ہوگئے کیونکہ وہ سائبان کی طرح تھی اور اس میں ٹھنڈک اور خنک ہوا تھی۔ جب سب عورتیں، مرد، بچے جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی میں سے آگ کے شعلے برسائے اور زمین بھی جلنے لگی تو وہ جل کر راکھ ہوگئے اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو سات دن کے لیے روک لیا۔ پھر ان پر گرمی کو سات دن کے لیے مسلط کردیا۔ پھر ان کے لیے دور سے ایک پہاڑ لایا گیا تو اس کے پاس ایک آدمی آیا تو دیکھا کہ اس کے نیچے چشمے اور نہریں ہیں تو وہ سارے اس کے نیچے جمع ہوگئے تو پہاڑ ان پر گر گیا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (عذاب یوم الظلہ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین کی طرف بھیجا۔ اصحاب ایکہ سائبان کے ذریعے ہلاک کیے گئے اور اصحاب مدین چیخ کے ذریعے کہ جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس سے سارے ہلاک ہوگئے۔ ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدین کے بادشاہوں کے نام یہ تھے ابوجاد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت۔ شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا بادشاہ کلمن تھا۔

⑨② (اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا) یعنی وہ ان میں رہائش پذیر نہ ہوئے تھے۔ یہ ان کے قول غنیت بالمکان سے مشتق ہے جب تو اس میں رہائش پذیر ہو اور مغانی منازل اس کا واحد مغنی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ گویا کہ انہوں نے اس میں ناز و نعم حاصل نہیں کیے۔ وہاں جنہوں نے جھٹلایا۔ شعیب علیہ السلام کو وہی ہوئے خراب نہ کہ مومنین جیسا کہ وہ کافر تھے۔

"الذین کذبوا شعیبًا کأن لم یغنوا فیھا" ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ وہاں رہتے ہی نہیں تھے وہاں کوئی آبادی ہی نہیں تھی۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے غنیت بالمکان میں نے اس جگہ قیام کیا۔ مغانی مکانات قیام گاہیں اس کا واحد "مغنی" آتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی گویا کہ ان کو کوئی نعمت عطا ہی نہیں کی گئی۔ (فِيْهَا اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ)

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ⑨③ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ⑨④ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨⑤ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑨⑥ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑨⑦

ترجمہ اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیے تھے۔ اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہوتا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور (اس وقت براہ کج فہمی) کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔

تفسیر ⑨③ (فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ) یعنی جس وقت ان لوگوں کے پاس عذاب آیا تو شعیب علیہ السلام ان سے اعراض کر کے چلے گئے (وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ) اور الاسی غم اور الاسی صبر کرنا۔

⑨④ (وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ) یہاں مقدر ہے یعنی پھر ان لوگوں نے اس نبی کو جھٹلایا (اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا) جب وہ ایمان نہ لائے ہوں۔

بِالْبَاْسَآءِ اور وَالضَّرَّآءِ کی مختلف تفاسیر

(بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "باساء فقر ہے اور "ضرّاء" سے مراد مرض ہے اور یہی معنی ہے ان لوگوں کے قول کا جنہوں نے کہا "باساء" کا تعلق مال سے اور "ضرّاء" کا تعلق جان سے ہے اور بعض نے کہا کہ "باساء" اور "بئوس" کا معنی معیشت کا تنگ ہونا اور "ضرّاء" اور "ضر" کا معنی بری حالت اور بعض نے کہا "باساء" سے مراد غم و پریشانی اور "ضرّاء" سے خشک سالی مراد ہے (لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ) اور توبہ کریں۔

95 (ثُمَّ بَدَّلْنَامَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ) یعنی نعمت، کشادگی، خوشحالی، سرسبزی اور صحت میں اس کو بدل دیا۔(حَتّٰى عَفَوْا) یعنی ان کی تعداد زیادہ ہوگئی یا ان کے مال زیادہ ہوگئے۔ جب بال زیادہ ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "عفا الشعر" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد میں اضافہ ہوگیا (وَّقَالُوْا) وہ نرمی اور عیش میں ہونے کے بعد اپنی غفلت سے کہنے لگے۔(قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ) یعنی زمانہ کی یہ پرانی عادت ہمارے اور ہمارے آباء کے ساتھ چلی آرہی ہے یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا نہیں ہے لہٰذا تم اسی دین پر چلتے رہو جس پر تمہارے آباء تھے کیونکہ ان تکالیف کی وجہ سے انہوں نے اپنا دین نہ چھوڑا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً (پھر پکڑا ہم نے ان کو اچانک وہ اپنی حالت پر بے خوف تھے)(وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) عذاب کے اُترنے کی۔

96 (وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ) یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات اور "برکة" اصل یہ ہے کہ کوئی چیز لگاتار رہے یعنی ہم ان پر لگاتار بارش برساتے اور نباتات اُگاتے اور ان سے قحط اور خشک سالی اُٹھالیتے۔(وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) خبیث اعمال سے۔

97 (اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى) جن نے کفر کیا اور جھٹلایا اس حکم سے مکہ والوں اور اس کے اردگرد والے (اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا) ہمارا عذاب (بَيَاتًا) رات رات کو (وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ)

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَاللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَاللّٰهِ اِلَّاالْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن

دھرے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے بے فکر ہوگئے (سمجھ رکھو کہ) خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا اور ان گذشتہ زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ (اب) زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات (ہنوز) نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے بھی نہیں ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے لے کر آئے تھے پھر جس چیز کو انہوں نے اول (وہلہ) میں (یکبار) جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں

تفسیر ⑨⑧ (اَوَاَمِنَ) اہل حجاز اور اہل شام نے واؤ کو ساکن اور باقی نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ (**اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى**) یعنی دن کو اور ضحیٰ دن کا ابتدائی حصہ اور سورج کے خوب روشن ہونے کا وقت۔ (**وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ**) غافل ہوں۔

⑨⑨ (**اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ**) اللہ تعالیٰ کا مکر ان لوگوں کو دنیا کی نعمتیں دے کر ڈھیل دینا ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا پکڑنا اور اس کا عذاب۔

①⓪⓪ (**اَوَلَمْ يَهْدِ**) قتادہ اور یعقوب نے "نہد" نون کے ساتھ پڑھا ہے کہ جمع تعظیم کے لیے ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے (**لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ**) ان کی ہلاکت کے بعد (**اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ**) یعنی ان کو پکڑ لیں اور ہم ان کو سزا دیں (**بِذُنُوْبِهِمْ**) جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو سزا دی ہے (**وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ**) ایمان کو اور نہیں قبول کرتے نصیحت کو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نطبع" ماقبل سے منقطع ہے کیونکہ "اصبناهم" ماضی ہے اور "نطبع" مستقبل ہے۔

①⓪① (**تِلْكَ الْقُرٰى**) یہ بستیاں جن کے بسنے والوں کے حالات ہم نے آپ علیہ السلام کو سنائے یعنی قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم لوط و شعیب علیہم السلام کے حالات (**نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا**) کیونکہ ان میں نصیحت ہے (**وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ**) معجزات و عجائبات (پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے) یعنی معجزات و عجائب دیکھنے کے بعد بھی اس دین پر ایمان نہ لا سکے جس پر ان کے دیکھنے سے پہلے ایمان نہ لائے تھے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "**قد سالها قوم من قبلكم ثم اصبحوا بها كافرين**" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نہیں تھا ان کفار جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے کہ وہ رسولوں کے بھیجنے کے وقت ایمان لے آتے، اس پر جس کی انہوں نے اس سے پہلے تکذیب کی تھی جب ان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ان سے میثاق لیا تھا تو انہوں نے زبان سے اقرار کیا اور دل میں تکذیب کو چھپایا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ہلاک کرنے کے بعد زندہ کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے اس پر جس کی تکذیب انہوں نے اپنی ہلاکت سے پہلے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولو

ردّوا لعادوا لمانهوا عنه" کی وجہ سے۔ یمان بن رباب فرماتے ہیں اس معنی پر ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ فرماتے ہیں وہ ان پر ایمان نہیں لانے والے جن کو گزشتہ اُمتوں نے جھٹلایا ہے بلکہ انہوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "کذلک ما اتی الّذین من قبلهم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون" ہے۔ (کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ) یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں کے دلوں پر مہر لگا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی قوم کے جن کافروں کے بارے میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ان کے دلوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔

وَمَاوَجَدْنَا لِاَکْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَکْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَامِنْ م بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْابِهَا فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّاالْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا اور موسیٰ نے فرعون کے پاس جا کر (بحکم الٰہی) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں میرے لئے یہی شایاں ہے کہ بجز سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے فرعون نے کہا کہ اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں بس آپ نے (فوراً) اپنا عصا ڈال دیا سو دفعۃً وہ صاف ایک اژدھا بن گیا۔

تفسیر ﴿۱۰۲﴾ (وَمَاوَجَدْنَا لِاَکْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ) یعنی میثاق کے دن جس دن تمہیں آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا اور عہد لیا تھا اس عہد کا پورا کرنا نہ پایا (وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَکْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ) یعنی عہد کو توڑنے والے۔

﴿۱۰۳﴾ (ثُمَّ بَعَثْنَامِنْ م بَعْدِهِمْ) یعنی نوح، ھود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے بعد (مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْابِهَا)۔ یعنی اس کا انکار کیا اور ظلم ایک شے کو دوسری کی جگہ رکھنے کو کہتے ہیں اور ان کا ظلم کفر کو ایمان کی جگہ رکھنا تھا (فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ) ہم نے ان کے ساتھ کیسے کیا۔

﴿۱۰۴﴾ (وَقَالَ مُوْسٰی) جب فرعون کے پاس گئے (یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ) تیری طرف تو فرعون نے

کہا آپ نے جھوٹ کہا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا۔

۱۰۵ (حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ) میں اس کا حق دار ہوں کہ اللہ پر صرف حق بات کہوں تو "علیٰ" باء کے معنی میں ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے "رميت بالقوس و رميت عن القوس" اور "جئت على حال حال حسنة و بحال حسنة" اس پر اُبی اور اعمش کی قرأت دلالت کرتی ہے "حقيق بان لا اقول" اور ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حریص ہوں اس بات پر کہ اللہ پر صرف حق بات کہوں اور نافع رحمہ اللہ نے "عَلَيَّ" یاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی حق اور واجب ہے مجھ پر تب تو کہ میں اللہ پر صرف حق کہوں۔ (قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ) یعنی عصا (فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ) یعنی ان کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ ارض مقدس چلے جائیں کیونکہ فرعون ان سے سخت مشقت والے کام کرایا کرتا تھا جیسے اینٹیں بنوانا مٹی ڈھونا وغیرہ۔ تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب یوں دیا۔

۱۰۶ (قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ)

۱۰۷ (فَاَلْقٰى) موسیٰ علیہ السلام نے (عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ)

ثعبان اور جان کی وضاحت

"ثعبان" بڑا اژدسانپ۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ دوسری جگہ آیت میں اس کو "جانّ" کہا گیا ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ حرکت کرنے میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا اور جسم کے اعتبار سے بڑا سانپ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سانپ بن گیا۔ اس کا رنگ زرد بالوں والا اس کے جبڑوں کے درمیان اسی گز کا فاصلہ تھا، زمین سے ایک میل اونچا اُٹھ گیا۔ اس طرح کہ دُم نیچے لگالی اور اپنا نچلا جبڑا بھی زمین پر رکھ لیا اور اوپر والا جبڑا محل کی چھت سے جالگا اور فرعون کو پکڑنے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ فرعون اس کے خوف سے بھاگا تو پاخانہ بیچ میں نکل گیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس دن چار سو مرتبہ اس کو پاخانہ آیا۔

اور وہ لوگوں پر متوجہ ہوا تو وہ چیخنے لگے اور پچیس ہزار لوگ بھگدڑ سے مر گئے تو فرعون کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام میں آپ علیہ السلام کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ علیہ السلام کو بھیجا ہے کہ اس کو پکڑ لیں، میں آپ پر ایمان لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دوں گا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ پھر فرعون نے کہا کیا کوئی اور نشانی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۱۰۸ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ
۱۰۹ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَا ذَا تَاْمُرُوْنَ ۱۱۰ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۱۱۱ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۱۱۲

ترجمہ اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکا یک سب دیکھنے والوں کے لئے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (ضرور) یہ (ہی) چاہتا ہے کہ تم کو ہماری (اس) سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی (ہارون) کو چندے مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)

تفسیر 108 (وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ) یعنی اپنے ہاتھ کو گریبان میں داخل کر کے نکالا اور بعض نے کہا کہ اپنی بغل سے نکالا تو وہ سفید تھا۔ اس میں ایسی روشنی تھی کہ سورج کی روشنی پر غالب آ گئی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی تھا۔ پھر اس ہاتھ کو گریبان میں داخل کیا تو پہلے جیسا ہو گیا۔

109 (قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ) یعنی لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان کو عصا سانپ لگنے لگا اور گندمی ہاتھ سفید لگنے لگا۔

110 (يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ) اے قبطی لوگو! (مِّنْ اَرْضِكُمْ) مصر سے (فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ) یعنی کیا مشورہ دیتے ہو۔ یہ فرعون نے کہا تھا اگرچہ اس کا تذکرہ نہیں ہے اور بعض نے کہا ان سرداروں نے کہا تھا فرعون اور اس کے خواص کو۔

111 (قَالُوْٓا) یعنی سردار ڈھیل دے "اَرْجِهْ" ابن کثیر، اہل بصرہ اور ابن عامر نے ہمزہ کے ساتھ اور ھاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ پھر نافع، ورش اور کسائی رحمہما اللہ نے ھاء کی زیر کا اتباع کیا ہے اور عاصم اور حمزہ رحمہما اللہ نے ساکن پڑھا ہے اور ابو جعفر اور قالون نے اس کو اختلاس کیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی اس کو مؤخر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے میں اس کو گمان کرتا ہوں۔ (وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ) یعنی سپاہیوں کو بھیج کہ وہ بڑے جادوگروں کو جمع کریں۔ انہوں نے کہا ہے ان مدائن کی طرف مردوں کو بھیج جو ان سے موجود جادوگروں کو تیرے پاس جمع کریں اور جادوگروں کے سردار مدائن الصعید کے آخر میں تھے اگر موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب ہو گئے تو ہم ان کی تصدیق کریں گے اور اگر جادوگر غالب آ گئے تو ہم جان جائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ (نعوذ باللہ)

112 (يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یہاں اور سورۃ یونس میں "سحار" پڑھا ہے اور سورۃ شعراء میں سب کا اتفاق ہے کہ "سحار" ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ساحر سے مراد وہ جو جادو سیکھا ہو لیکن آگے نہ سکھائے اور "سحار" جو آگے سکھائے اور عملاً جادو کرے اور بعض نے کہا ساحر وہ شخص جس کا جادو کسی وقت چلے اور سحار جس کا جادو دائمی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن اسحاق اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے جب عصا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھی تو سوچا کہ ہم اس سے اسی وقت غالب ہو سکتے ہیں جب کوئی اس سے زیادہ جادو جاننے والا ہو تو اس نے بنی اسرائیل کے کچھ لڑکے "غوصاء" بستی میں بھیجے کہ وہاں ان کو جادو کی تعلیم دی جائے تو وہاں جادوگروں نے ان کو بہت زیادہ جادو سکھایا۔ اُدھر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے

ایک دن کا وعدہ کر لیا اور جادوگروں کو بلوایا تو وہ لڑکے اور ان کے اُستاد سب آ گئے تو فرعون نے پوچھا تم نے کیا کیا؟
تو انہوں نے جواب دیا کہ ان لڑکوں کو ایسا جادو سکھایا ہے کہ زمین کے جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر آسمان سے کوئی معاملہ آئے تو یہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر فرعون نے اپنی سلطنت کے تمام جادوگر جمع کروائے۔

فرعون کے جادوگروں کی تعداد

ان جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر تھے دو قبطی اور ستر بنی اسرائیل کے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو مجوسی نینویٰ کے رہنے والے معلم تھے اور ان کے علاوہ ستر جادوگر تھے اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار سے زائد تھے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسّی ہزار تھے۔
مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے سردار کا نام شمعون تھا اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگروں کے سردار کا نام یوحنا تھا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے اگر ہم غالب آئے تو (کیا) ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور (مزید برآں) تم (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں موسیٰ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو کر دکھلایا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو (وحی کے ذریعہ سے) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنائے ہوئے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔

تفسیر: ﴿۱۱۳﴾ (وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا) فرعون کو (اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا) اور مال ہے (اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ) اہل حجاز اور حفص رحمہ اللہ نے "ان لنا" خبر کی بناء پر پڑھا ہے اور باقی حضرات نے استفہام کے ساتھ اور سورۃ الشوریٰ میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ استفہام ہے۔

﴿۱۱۴﴾ (قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ) مع مال کے ساتھ میرے ہاں تمہارا بلند مرتبہ ہوگا۔

﴿۱۱۵﴾ (قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ) اپنے عصا اور رسیاں۔

⑯ (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ) یعنی لوگوں کی آنکھوں کو اپنے کرتب کی حقیقت پہچاننے سے پھیر دیا اور یہی جادو ہے۔ (وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ) ان پر رعب ڈالا اور ان کو ڈرایا۔ کیونکہ انہوں نے موٹے رسے اور لمبی لکڑیاں ڈالی تھیں تو وہ پہاڑوں کی مثل بڑے سانپ بن گئے اور ساری وادی ان سے بھر گئی اور وہ سانپ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔ یہ میدان ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ لوگوں کو اس میں سانپ اور اژدھے ہی نظر آ رہے تھے۔

⑰ (وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ) جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ اتنا بڑا اژدھا بنا کہ اُفق کو اپنے جسم سے بند کر دیا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مقابلہ اسکندریہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ سانپ کی دُم سمندر تک پہنچ گئی اور اس نے اسّی گز بڑا منہ کھولا (فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ)۔ حفص رحمہ اللہ نے ''تلقف'' لام کے سکون اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو اور دیگر حضرات نے لام کے زبر اور قاف کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ نگلنے لگا۔ (مَا يَاْفِكُوْنَ) جو خیالی جھوٹ انہوں نے بنایا تھا وہ اژدھا ان کے سب عصا اور رسیوں کو ایک ایک کر کے نگل گیا تو بھگدڑ سے پچیس ہزار لوگ مارے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو وہ پہلے جیسا عصا بن گیا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑱ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ⑲ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ⑳ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ㉑ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ㉒ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ㉓ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ㉔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ㉕

ترجمہ: پس اس وقت حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا و نبایا تھا سب آتا جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ بیشک یہ ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عملدرآمد ہوا ہے اس شہر میں تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو کہ اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ (کچھ پروا نہیں) ہم مر کر اپنے مالک کے پاس ہی جاویں گے۔

تفسیر: ⑱ (فَوَقَعَ الْحَقُّ) حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں حق ظاہر ہو گیا۔ (وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) یعنی

جادو کیونکہ جادوگر کہنے لگے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا عمل جادو ہوتا تو ہماری لکڑیاں اور رسیاں باقی بچ جاتیں لیکن وہ تو نہیں تھیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے۔

⑲ (فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ) ذلیل اور مغلوب ہو کر۔

⑳ (وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ) اللہ کے لیے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ میں ڈال دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ سجدہ کریں تو انہوں نے سجدہ کیا۔

اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں اتنی تیزی سے سجدہ میں گئے گویا کہ کسی نے ان کو سجدہ میں گرا دیا۔

㉑ ㉒ (قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) فرعون کہنے لگا مجھے مراد لے رہے ہیں تو انہوں نے کہا (رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں کے سردار کو کہا تھا کہ اگر میں غالب آ گیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟ تو اس نے کہا میں ایسا جادو لایا ہوں کہ کوئی جادو اس پر غالب نہیں ہو سکتا اور اگر آپ علیہ السلام مجھ پر غالب ہو گئے تو میں آپ علیہ السلام پر ایمان لے آؤں گا حالانکہ اس وقت فرعون بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے یہ کہہ دیا۔

㉓ (قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ) کیا تم ایمان لے آئے۔ حفص رحمہ اللہ نے "آمنتم" جملہ خبریہ پڑھا ہے، یہاں اور سورۃ طٰہٰ اور الشعراء میں اور دیگر حضرات نے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ "أمنتم به" (قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ) کہ کیا تم نے میری اجازت کے بغیر موسیٰ کی تصدیق کر دی (اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ) یہ ایک سازش تھی جو تم نے اور موسیٰ نے مل کر تیار کی تھی (فی المدينة) تاکہ تم مصر پر غالب آ جاؤ (لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔

㉔ (لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ) وہ یہ کہ ہر جانب سے ایک عضو کاٹے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تمہارے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹوں گا۔ (ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ) مصر کی نہر کے کنارے پر۔

㉕ (قَالُوْٓا) یعنی جادوگروں نے فرعون کو کہا (اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ) آخرت میں اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾
وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ
ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا
بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

(ترجمہ) اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال لیجیے اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ کو اور ان کی قوم کو یونہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے

معبودوں کو ترک کیے رہیں فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہے مالک (حاکم) بنا دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر ۱۲۶ (وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ) یعنی تو ہم سے ناپسند نہیں کرتا اور ضحاک وغیرہ نے فرمایا ہے تو ہم پر عیب نہیں لگاتا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارا تیرے پر کوئی گناہ نہیں ہے جس پر تو ہمیں عذاب دے۔ (اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا) پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے (رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا لیکن دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ فرعون ان پر قدرت نہیں پا سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ (لایصلون الیکما بایاتنا أنتما ومن اتبعکما الغالبون) تم دونوں اور تمہارے تبعین ہی غالب رہو گے)

۱۲۷ (وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ) فرعون کو کہنے لگے (اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ) یہاں فساد سے ان کی مراد لوگوں کو فرعون کی عبادت سے ہٹانے کی دعوت دینا ہے (وَیَذَرَکَ وَاٰلِهَتَکَ) نہ وہ تیری عبادت کریں گے اور نہ تیرے بتوں کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرعون اپنی ایک گائے کی عبادت کرتا تھا اور جہاں کہیں کوئی خوبصورت گائے دیکھتا تو اس کی عبادت کا لوگوں کو حکم دیتا۔ اس لیے سامری نے ان کے لیے بچھڑا بنایا تھا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن پر صلیب لٹکائی ہوئی تھی اس کی عبادت کرتا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے بت بنائے تھے ان کی عبادت کا حکم دیتا تھا اور قوم کو کہتا تھا یہ تمہارے معبود ہیں یعنی میں تمہارا اور تمہارے معبودوں کا رب ہوں کہ ان کو میں نے بنایا ہے اس لیے تو وہ کہتا تھا "انا ربکم الاعلیٰ" ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور ضحاک رحمہما اللہ نے "ویذرک والھتک" الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تیری عبادت چھوڑ دیں گے کیونکہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی وہ کسی کی عبادت نہ کرتا تھا اور بعض نے کہا معبودوں سے سورج مراد ہے کیونکہ وہ لوگ سورج کی عبادت کرتے تھے (قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ) اہل حجاز نے "سَنُقْتِلُ" تخفیف کے ساتھ قتل سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "تقتیل" سے شد کے ساتھ کثرت کے معنی کی بناء پر پڑھا ہے۔ (وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو اس سال قتل کروا دیتا تھا جس سال کا اس کو کہا گیا تھا کہ اس سال ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیری بادشاہت ختم کر دے گا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت تک ان کو قتل کرواتا رہا تو اب اس مقابلہ کے بعد بھی کہنے لگا کہ ان پر قتل والا معاملہ پھر شروع کرو تو اس بات کی شکایت بنو اسرائیل نے کی۔

۱۲۸ (قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ) یعنی ملک مصر (یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ) مدد اور کامیابی اور بعض نے کہا نیک بختی اور شہادت اور بعض نے کہا جنت۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ: قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھیں گے اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ (حق بات کو) سمجھ جاویں۔ سو جہاں پر خوشحالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔

تفسیر: ﴿۱۲۹﴾ (قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا) جب جادوگر ایمان لے آئے تو چھ لاکھ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی تو وہ کہنے لگے کہ ہم پر تکلیفیں رہیں (مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا) رسالت ملنے سے پہلے بچوں کو قتل کرنے کی (وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا) دوبارہ بچوں کو قتل کرنے کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل تو آدھا دن ان سے کام لیتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد سارا دن بغیر مزدوری کے کام لیتا تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وہ فرعون کی مٹی سے اس کے لیے اینٹیں بناتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس نے حکم دیا کہ مٹی بھی خود لاؤ۔ (قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ) یعنی ان کے بعد تمہیں مصر میں رہائش دے (فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ)۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے ان کے شہروں اور مالوں کا بنی اسرائیل کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔

﴿۱۳۰﴾ (وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قحط شہر والوں کے لیے اور میووں کا نقصان دیہات والوں کے لیے تھا (لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ) کیونکہ سخت حالات دل کو نرم کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرتے ہیں۔

﴿۱۳۱﴾ (فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ) خوش حالی، عافیت، کشادگی (قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ) یعنی ہم اس کے مستحق ہیں اس کو اللہ کا فضل سمجھ کر شکر نہیں کیا (وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ) خشک سالی، آزمائش وغیرہ (يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ) اور کہتے کہ ان کو دیکھنے کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون کی بادشاہت چار سو سال رہی اور اس کی عمر چھ سو بیس سال تھی اس کو کبھی کوئی مزاج کے خلاف بات بھی نہیں پیش آئی۔ اگر اس مدت میں کبھی بھوک یا

ایک رات کا بخار یا تھوڑی سے جسمانی تکلیف آئی ہوتی تو کبھی رب ہونے کا دعویٰ نہ کرتا (اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ) کہ ان پر جو حالت آئی خشک سالی اور فراوانی اور خیر اور شر کی وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کی نحوست وہ ہے جو ان پر فیصلہ کیا اور ان کی تقدیر میں لکھ دیا اور انہی سے ایک روایت ہے کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ہے۔ یعنی ان پر نحوست ان کے اللہ کا کفر کرنے کی وجہ سے آئی ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بڑی نحوست جو ان کے لیے اللہ کے پاس ہے وہ جہنم کا عذاب ہے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ سو تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔

تفسیر: ﴿۱۳۲﴾ (وَقَالُوْا) یعنی قبطیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا "مهما" کہا "ما" یہ کلمہ شرط اور جزا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ "تاتنا به من آية" علامت۔ (مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا) تاکہ ہمیں ہمارے دین سے ہٹا دے (فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ) تصدیق نہ کریں گے۔

فرعون کی قوم پر مختلف قسم کے عذاب نازل ہوئے

﴿۱۳۳﴾ (فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ) ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما، قتادہ، محمد بن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان سب کے اقوال آپس میں ملتے جلتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون مغلوب ہوگیا تو اس نے اور اس کی قوم نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اور کفر پر ڈٹ گئے اور شر پھیلانے میں خوب کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار کئی نشانیاں بھیجیں اور ان پر قحط اور پھلوں کے نقصان کا وبال آیا لیکن ان چار نشانیوں عصا، ید بیضاء، قحط اور پھلوں کے نقصان کے بعد بھی انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور کہا اے میرے رب! تیرے بندے فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کی قوم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ توڑا۔ اے میرے رب! ان کو ایسی سزا میں پکڑ جو ان کے لیے سزا ہو اور میری قوم کے لیے نصیحت اور ان کے بعد والوں کے لیے نشانی اور عبرت ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی بھیجا۔ بنی اسرائیل اور قبطیوں کے گھر آپس میں ملے ہوئے اور قریب تھے۔ قبطیوں کے گھر پانی سے اتنے بھر گئے کہ وہ گردن تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان میں سے جو بیٹھتا تھا وہ ڈوب جاتا تھا اور ادھر بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ بھی پانی کا داخل نہ ہوا اور پانی قبطیوں کی زمینوں میں بھی ٹھہر گیا جس کی وجہ سے وہ نہ کاشت کر سکے اور نہ کوئی دوسرا کام۔ اور

یہ طوفان سات دن رہا ایک ہفتہ کے دن آیا اگلے ہفتہ کے دن تک رہا۔ مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد موت ہے اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یمن کی لغت میں طوفان کا معنی طاعون ہوتا ہے۔ ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد چیچک ہے دُنیا میں چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی پر آیا تھا اس کے بعد زمین میں باقی رہ گیا۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد پانی ہے جو ان کی کھیتیوں کے اوپر بلند ہو گیا۔ ابن ظبیان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ طوفان سے مراد اللہ کا امر ہے جس نے ان کا چکر لگایا پھر یہ آیت پڑھی **"فطاف علیها طائف من ربّک وهم نائمون"** کوفہ کے نحوی فرماتے ہیں کہ طوفان مصدر ہے اس کی جمع نہیں آتی جیسے رُجحان اور نقصان ہیں اور اہل بصرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے اس کا واحد "طوفانة" ہے۔ اس طوفان کے آنے کے بعد ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دُعا کریں کہ ہم سے بارش کو دور کر دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دُعا کی، ان سے طوفان ہٹا لیا گیا۔

پھر اس سال اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتنا چارہ اور فصلیں اور پھل اُگائے کہ اس سے پہلے اتنی فراوانی نہ ہوئی تھی ان کے شہر سرسبز ہو گئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ پانی تو ہمارے لیے نعمت اور خوش حالی تھا۔ پھر بھی ایمان نہ لائے اور ایک مہینہ عافیت سے گزر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈیوں کو بھیجا، انہوں نے ان کی کھیتیاں اور پھل اور درختوں کے پتے کھا لیے یہاں تک کہ دروازے اور گھروں کی چھتیں اور لکڑیاں اور کپڑے اور سامان اور دروازوں کی لوہے کی میخیں تک کھا گئیں۔ یہاں تک کہ ان کے گھر گر گئے اور ٹڈیاں بھوکی رہنے لگیں کہ کھانے کو کچھ نہ تھا اور بنی اسرائیل کو ان میں سے کوئی تکلیف نہ پہنچی تو وہ چیخنے چلانے لگے اور کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے اپنے رب سے دُعا کریں کہ اگر آپ ہم سے تکلیف کو دور کر دیں تو ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کو خوب عہد و میثاق دیئے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹڈیوں کا عذاب دور کر دیا۔ یہ عذاب بھی سات دن ہفتہ کے دن سے ہفتہ تک رہا اور یہ بھی خبر ہے کہ ہر ٹڈی کے سینے پر لکھا ہوا ہوتا تھا "جند اللّٰه الاعظم" اللہ کا بڑا لشکر اور کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کھلے میدان میں گئے اور اپنے عصا سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو ٹڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہاں چلی گئیں اور ان کے غلہ جات اور کھیتیوں میں سے کچھ باقی رہ گیا تھا تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں اتنی مقدار کافی ہے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے تو انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور اپنے برے اعمال کی طرف لوٹ گئے اور ایک مہینہ عافیت سے رہے۔

قُمّل کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر "قُمّل" کو بھیجا۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "قُمّل" وہ کیڑا ہے جو گندم سے نکلتا ہے اور مجاہد، سدی، قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "قُمّل" چھوٹی ٹڈی جس کے پَر نہ ہوں اور جراد بڑی ٹڈی جس کے پَر ہوں اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ

حمنان ہے یعنی چھوٹی چچڑی۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جوں ہے اور اسی وجہ سے ابوالحسن نے "القمل" کو قاف کے فتحہ اور میم کے سکون سے پڑھا ہے۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ مصر کے قریب ایک بستی عین شمس کے ایک ٹیلے پر جائیں تو موسیٰ علیہ السلام اس ٹیلہ پر گئے اس کو عصا مارا تو اس پر چچڑیاں اُمڈ آئیں اور قبطیوں کے باقی پھل اور کھیتیاں بھی کھا گئیں اور زمین تک کو بھی چاٹ لیا اور وہ ان کے کپڑوں میں گھس کر کپڑے اور جسم کو کاٹ دیتی تھیں کوئی کھانا کھا رہا ہوتا تو وہ کھانا چچڑیوں سے بھر جاتا اور ان پر چچڑیوں سے بڑی کوئی مصیبت نہ آئی تھی، انہوں نے ان کے بال، چمڑے، پلکیں، بھنویں تک لے لیں اور ان کے جسم پر چیچک کی طرح چمٹ گئیں وہ سو نہ سکتے تھے تو وہ چیختے چلاتے موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہم توبہ کرتے ہیں اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کریں کہ یہ مصیبت دور کر دے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی، یہ چچڑیاں چلی گئیں لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑا اور اپنے خبیث اعمال کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ آج سے پہلے ہمیں آپ علیہ السلام کے جادوگر ہونے کا یقین نہ تھا کہ آج تو آپ نے ریت کو کیڑے مکوڑے بنا دیا ہے اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم! ہم آپ کا کہنا نہ مانیں گے اور نہ آپ کی تصدیق کریں گے تو وہ عافیت سے ایک ماہ رہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک بھیجے جس سے ان کے گھر، صحراء، کھانے اور برتن بھر گئے جو کوئی بھی برتن کا کھانا کھولتا تو اس میں مینڈک ملتے اور آدمی مینڈکوں میں اپنی ٹھوڑی تک ڈوبا رہتا اور اس کو یہ ڈر ہوتا کہ اگر میں نے کسی سے بات کی تو مینڈک میرے منہ میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ مینڈک ان کی ہانڈیوں میں کود جاتے، کھانا خراب کر دیتے، آگ بجھا دیتے، کوئی سونے کے لیے پہلو پر لیٹا تو اس پر اتنے مینڈک سوار ہو جاتے کہ وہ پہلو نہ بدل سکتا تو اس سے ان کو سخت تکلیف پہنچی۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ مینڈک خشکی کے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو آل فرعون پر بھیجا تو انہوں نے اطاعت کی اور اپنے آپ کو جوش مارتی ہوئی ہانڈیوں اور بھڑکتے ہوئے تندوروں میں ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت سے خوش ہو کر پانی کو ٹھنڈا کر دیتے۔ جب آل فرعون نے یہ معاملہ دیکھا تو رونے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کو شکایت کی اور کہا کہ اس مرتبہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں اب دوبارہ غلطی نہ کریں گے اور بڑے عہد و پیمان لیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو مینڈک ان سے ہٹا لیے۔ یہ بھی سات دن رہے۔ ہفتے سے ہفتہ کے دن تک۔ پھر ایک مہینہ عافیت سے رہے۔ پھر عہد توڑا اور کفر کی طرف لوٹ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا تو دریائے نیل خون بن گیا اور ان کے پانی خون بن گئے اور وہ کنوؤں اور نہروں سے پانی نکالتے تو وہ سرخ خون بن جاتا تو انہوں نے فرعون کو شکایت کی اور کہا کہ ہمارے لیے پینے کا پانی نہیں ہے اس نے کہا کہ یہ تمہارا جادو ہے تو قوم کہنے لگی کہ ہمارا جادو کہاں سے آ گیا؟ ہم اپنے برتنوں میں پانی نہیں پاتے، صرف خون ہوتا ہے۔ فرعون ایک برتن پر قبطی اور اسرائیلی کو جمع کر دیتا تھا جو حصہ قبطی کے سامنے ہوتا وہ خون ہوتا اور جو اسرائیلی کے سامنے ہوتا وہ پانی ہوتا اور وہ مٹکے پر جاتے تو اسرائیلی نکالتا تو پانی ہوتا قبطی نکالتا تو خون ہوتا یہاں تک کہ قبطی عورت پیاس سے بے تاب ہو کر اسرائیلی عورت کے پاس آتی اور کہتی کہ اپنے منہ میں پانی لے کر میرے منہ میں کلی کر دے۔

تو اسرائیلی عورت ایسا کرتی جب اس کے منہ میں کلی کرتی تو وہ خون بن جاتا اور فرعون کو پیاس ستاتی تو وہ تر درختوں کو چباتا تو اس کا رس اس کے منہ میں جا کر نمکین کھارا بن جاتا۔ اسی حالت میں سات دن رہے صرف خون پیتے تھے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو خون ان پر مسلط کیا گیا وہ نکسیر تھا تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دُعا کا کہا کہ اب ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب دور کر دیا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ یہ تفصیل ہے اس آیت کی (وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ) اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر عذاب ایک ہفتہ رہتا اور دو عذابوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ہوتا۔ (فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ)

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آویں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہم ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۱۳۴﴾ (وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ) یعنی جو پچھلی آیت میں عذاب بیان ہوئے ان میں سے کوئی عذاب آتا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رجز سے مراد طاعون ہے۔ یہ ان پانچ عذابوں کے بعد چھٹا عذاب آیا تھا جس سے ایک دن میں شام تک ستر ہزار بندے مر گئے ان کو دفن نہ کیا جا سکا (قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ) یعنی تجھے وصیت کی ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ جو تجھے خبر دی ہے اور بعض نے کہا ہے جو آپ کے ساتھ عہد کیا ہے، آپ کی دُعا قبول کرنے کا۔ (لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ) عذاب سے مراد طاعون ہے۔ عامر بن سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو سنا کہ انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سزا ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجی گئی تھی یا تم سے پہلے لوگوں پر۔ پس جب تم کسی زمین کے بارے میں طاعون کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں طاعون آ جائے تو اس سے ڈر کر نہ نکلو۔

19

135 (فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ) یعنی دریا میں غرق ہونے تک (اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ) عہد توڑ تے تھے۔

136 (فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ) ہم نے ان کو دریا میں (فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ) عذاب کے آنے سے پہلے اور بعض نے کہا کہ ہماری آیات سے اعراض کرتے تھے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ 137 وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ 138 اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 139 قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ 140

ترجمہ اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب اور پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (جسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (منجانب اللہ بھی) تباہ کیا جاوے گا اور (فی نفسہ بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود تجویز کر دوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔

تفسیر 137 (وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ) مغلوب تھے اور ذلیل کیے جاتے تھے بیٹوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں سے خدمت کروا کر۔ یہ قوم بنی اسرائیل ہے (مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا) یعنی مصر اور شام (الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا) پانی اور درختوں اور پھلوں اور خوشحالی اور وسعت دے کر (وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ) یعنی اللہ کا کلمہ پورا ہو گیا اور وہ کلمہ اللہ کا ان سے مدد اور زمین پر قدرت دینے کا وعدہ ہے (بِمَا صَبَرُوْا) ان کے دین پر اور فرعون کے عذاب پر (وَدَمَّرْنَا) ہم نے ہلاک کر دیا (مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ) مصر کی عمارتیں (وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مکان اور محل بنایا کرتے تھے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ درختوں، پھلوں اور انگوروں سے محل بناتے تھے اور ابوبکر اور ابن عامر رحمہما اللہ نے

"یعرشون" راء کے پیش کے ساتھ یہاں اور النحل میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے راء کی زیر کے ساتھ۔

⑬⑧ (وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ عاشوراء کے دن دریا عبور کیا فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ بطور شکر رکھا " فَاَتَوْا" پس وہ گزرے "عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ" مقیم تھے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یعکفون" کاف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے کاف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔" عَلٰٓی اَصْنَامٍ "بتوں پر "لَّھُمْ" جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں اور یہ بچھڑے کے واقعہ کی ابتداء ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ لخم قبیلہ کے تھے اور رقہ مقام پر رہتے تھے تو بنی اسرائیل نے جب ان کو عبادت کرتے دیکھا تو (قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا) کوئی صورت یا مورتی جس کی ہم عبادت کریں (کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ) یہ بات بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک کی وجہ سے نہیں کہی تھی اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے لیے کوئی ایسی چیز بنادیں جس کی ہم تعظیم کریں اور اس کی تعظیم کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور ان کا خیال تھا کہ یہ بات دین کو نقصان نہ دے اور یہ بات انہوں نے سخت جہالت کی وجہ سے کہی تھی (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ) اللہ کی عظمت سے جاہل ہو۔

⑬⑨ (اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ) ہلاک کرنے والے ہیں (مَّا ھُمْ فِیْهِ) اور تتبیر بمعنی ہلاک کرنا (وَبٰطِلٌ) زائل ہونے والا ہے (مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ)۔

⑭⓪ (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ) تمہارے زمانے کے جہان والوں پر۔

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نکلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی جانب تو ہمارا گزر ایک بیری پر ہوا تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے چیزیں لٹکانے کے لیے کوئی جگہ مقرر کر دیں جیسا کہ کفار کے لیے ذات انواط تھی کہ کفار اپنے ہتھیار ایک بیری کے ساتھ لٹکا دیتے تھے اور اس کے اردگرد چکر لگاتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر یہ فرمائش ایسے ہے جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا "اجعل لنا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ" البتہ تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ⑭① وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ⑭② وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑭③

ترجمہ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں (کے ظلم وایذا) سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو (بکثرت) قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس (واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان تیس شب کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بہت ہی (لطف وعنایت کی) باتیں کیں۔ تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے پس اس کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی۔ تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات منزہ (اور رفیع) ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

تفسیر ⑭١ (وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ) ابن عامر نے "واذ انجاکم" پڑھا ہے اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے (مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ) نافع رحمہ اللہ نے تاء کو بغیر شد کے پڑھا ہے قتل سے اور باقی حضرات نے تاء کو شد کے ساتھ پڑھا ہے تقتیل مصدر سے کہ کثرت کے معنی میں ہے۔ (وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ط وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ)

⑭٢ (وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً) مکمل ذوالقعدہ (وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ) ذوالحجہ کے دس دن (فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَقَالَ مُوْسٰی) دعا کیلئے پہاڑ پر جانے کے وقت (لِاَخِیْہِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ) ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اُبھار کر ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ان کے ساتھ نرمی کرنا اور ان کی طرف احسان کرنا (وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ) یعنی جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی ان کی اطاعت نہ کرنا اور ان کے حکم کی موافقت نہ کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا جب وہ مصر میں تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے تو ان کو ایسی کتاب دیں گے جس میں ساری تفصیل ہوگی کہ کیا کام وہ کریں اور کیا چھوڑ دیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کتاب مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ تیس روزے رکھیں، جب تیس دن مکمل ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنے منہ سے آنے والی بدبو ناپسند ہوئی تو آپ علیہ السلام نے خرنوب کی لکڑی سے مسواک کر لیا تو فرشتے کہنے لگے ہم آپ علیہ السلام سے کستوری (مشک) کی خوشبو سونگھا کرتے تھے، آپ علیہ السلام نے مسواک کر کے اس کو زائل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذوالحجہ کے دس دن روزے رکھیں اور فرمایا کہ کیا آپ علیہ السلام کو معلوم

نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو مجھے مشک سے زیادہ پسند ہے ان کی آزمائش ان دس روزوں میں تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ کیا۔

⑭۳ (وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ) یعنی اس وقت جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ اپنے رب سے کلام کریں گے اس وقت کلام کیا۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جسم پاک کیا اور کپڑے پاک کیے اپنے رب کے وعدہ کے لیے۔ پس جب طور سینا پہاڑ پر آئے۔

باقی قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار فرسخ دور تاریکی اُتاری اور اس سے شیطان کو بھگا دیا اور زمین کے حشرات کو بھی بھگا دیا اور اس سے دونوں فرشتے الگ ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں کو آسمان میں ٹھہرے ہوئے دیکھا اور عرش کو بالکل واضح دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کی اور آپ علیہ السلام سے سرگوشی کی جس کو آپ نے تو سنا لیکن جبرئیل علیہ السلام ساتھ تھے انہوں نے اپنے رب کی کلام کو نہیں سنا اور آپ علیہ السلام کو اپنے سے قریب کیا یہاں تک کہ آپ نے قلم کے چلنے کی آواز سنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کی کلام بہت لذیذ محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا اشتیاق بڑھ گیا (قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ تو مجھے اپنا آپ دکھا میں تیری طرف دیکھوں۔ اگر یہ سوال ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیسے کیا حالانکہ آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو دُنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا؟ جواب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوق اتنا غالب ہوا کہ رؤیت کا سوال کر دیا اور بعض نے کہا رؤیت کا سوال اس وجہ سے کیا کہ آپ علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ دُنیا میں رؤیت ممکن تو ہے (قَالَ) اللہ تعالیٰ نے (لَنْ تَرٰىنِیْ) کسی بشر کے لیے یہ طاقت نہیں کہ وہ دُنیا میں میری طرف دیکھے جو میری طرف دُنیا میں دیکھنے کی کوشش کرے گا مر جائے گا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے معبود میں نے تیری کلام کو سنا تو تیری طرف نظر کرنے کا شوق ہوا اور میں تیری طرف دیکھ کر مر جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ زندہ رہوں اور آپ کو نہ دیکھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**لن ترانی ولکن انظر الی الجبل**)

یہ مدین کا سب سے بڑا پہاڑ تھا۔ اس کو زبیر کہا جاتا تھا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تو شیطان نے زمین میں غوطہ لگایا اور موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے نکل آیا اور آپ کو وسوسہ ڈالا کہ ابھی آپ علیہ السلام سے شیطان نے کلام کی ہے تو اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**لن ترانی**" جن لوگوں نے رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کی نفی کی ہے انہوں نے آیت کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کہ "لَنْ نفی کی تابید یعنی ہمیشگی کا معنی دیتا ہے۔ لیکن آیت میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ فی الحال یا دُنیا میں آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فی الحال رؤیت کا سوال کیا تھا اور "لَنْ" بھی تابید کے لیے نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں خبر دی "**لن یتمنوہ ابدا**" (وہ اس موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے) اور آخرت میں ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ موت کی تمنا کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک**" اور "**یالیتھا کانت القاضیۃ**" اور اس رؤیت کے امکان پر یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں ان کی نسبت

جہل کی طرف نہیں کی آپ علیہ السلام کو اتنی بات نہیں معلوم کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ایسا کہتے تو ان مخالفین کی دلیل ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو رؤیت کو معلق کر دیا پہاڑ کے استقرار پر اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے وقت پہاڑ کا اپنی جگہ ٹھہرا رہنا کوئی محال نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اس میں اس رؤیت کی قوت پیدا کر دیں اور جس چیز کو غیر محال چیز کے ساتھ معلق کیا جائے وہ بھی محال نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ)

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کی تفسیر

وہب اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے رؤیت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مویشیوں، بجلیوں اور تاریکی اور گرج اور بجلی کو بھیجا، انہوں نے چار فرسخ کے فاصلے تک اس پہاڑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس پر موسیٰ علیہ السلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر آئیں تو آسمان دُنیا کے فرشتے موسیٰ علیہ السلام پر گزرے، گائیوں کے ریوڑ کی طرح ان کے منہ سے تسبیح اور تقدیس کی بلند آوازیں آرہی تھیں جیسے سخت بجلی کی آواز۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترے ان کی تسبیح اور تقدیس کی بلند آوازیں تھیں تو کمزور بندے عمران کے بیٹے گھبرا گئے ان فرشتوں کو دیکھ کر اور ان کی آوازیں سن کر اور آپ علیہ السلام کے سر اور جسم کے بال کھڑے ہوگئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے سوال پر شرمندہ ہوں، کیا اب مجھے اس جگہ کوئی چیز نجات دے سکتی ہے؟ تو آپ علیہ السلام کو فرشتوں میں سے بہتر اور سردار نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے سوال پر صبر کریں جو آپ نے دیکھا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور جو باقی ہے وہ بہت زیادہ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ گدھوں کی مثل اُترے ان کی وجہ سے زمین کانپنے لگی اور سخت آوازیں آنے لگیں ان کے منہ سے تسبیح و تقدیس کی آوازیں آرہی تھیں جیسے بہت بڑا لشکر نعرے لگا رہا ہو ان کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے تو موسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ گھبرا گئے اور زندگی سے نا اُمید ہوگئے تو بہترین فرشتے نے کہا اے عمران کے بیٹے! اپنی جگہ ڈٹے رہیں حتیٰ کہ وہ چیز دیکھ لیں جس پر آپ علیہ السلام صبر نہ کر سکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اُترو تو وہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترے تو پہلے والے فرشتوں سے ان کی کوئی مشابہت نہ تھی، ان کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے اور باقی جسم سفید اولوں کی طرح، ان کی آوازیں تسبیح و تقدیس میں اتنی بلند تھیں کہ ان سے پہلے والوں کی آوازیں ان کی آواز کے قرب کو بھی نہ پہنچ سکتی تھیں تو آپ علیہ السلام کے گھٹنے تھک گئے اور دل کانپنے لگے اور بہت زیادہ رونے لگے تو بہترین فرشتے نے کہا اے عمران کے بیٹے! صبر کریں اپنے سوال پر یہ جو کچھ آپ نے دیکھا یہ تھوڑا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اُترو تو وہ اُترے ان کے سات رنگ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے نہ ان جیسے پہلے دیکھے تھے اور ان کی آوازوں جیسی پہلے آوازیں نہیں سنی تھیں تو موسیٰ علیہ السلام کا غم بہت زیادہ

ہو گیا اور بہت زیادہ رونے لگے تو فرشتوں کے سردار نے کہا اے عمران کے بیٹے! اپنی جگہ ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ بعض وہ چیزیں دیکھ لیں جس پر آپ صبر نہ کر سکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان والوں کو حکم دیا کہ تم موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ اُترے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی روشنی سورج سے زیادہ تھی اور ان کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا جب وہ تسبیح و تقدیس کرتے تو ان کی موافقت ان سے پہلے والے آسمان کے فرشتے بھی کرتے تھے، سارے بلند آواز سے یہ تسبیح کہتے "سبوح قدوس ربّ الملائكة والرّوح ربّ العزّة ابدًا لايموت" ان میں سے ہر ایک کے چار چہرے تھے جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو اپنی آواز ان کے ساتھ تسبیح کہتے ہوئے بلند کی اور روتے رہے اور کہنے لگے اے میرے رب! مجھے یاد رکھ اپنے بندے کو بھول نہ جانا مجھے خبر نہیں کہ اس حالت میں میں چھٹکارا پاسکوں گا یا نہیں؟ اگر نکلتا ہوں تو جل جاؤں گا اور اگر ٹھہرتا ہوں تو مر جاؤں گا تو فرشتوں کے سردار نے کہا اے عمران کے بیٹے! قریب ہے کہ تیرا خوف شدید ہو جائے اور تیرا دل نکل جائے۔ آپ اپنے سوال پر صبر کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کے عرش کو ساتویں آسمان کے فرشتے اُٹھائیں جب عرش کا نور ظاہر ہوا تو اللہ جل جلالہ کی عظمت کی وجہ سے پہاڑ کھل گیا اور تمام آسمانوں کے فرشتوں نے آوازوں کو بلند کیا اور کہنے لگے "سبحان الملك القدوس ربّ العزّة ابدًا لايموت" یہ بلند آوازوں سے کہنے لگے تو پہاڑ کانپنے لگا اور اس پر جتنے درخت تھے وہ اُکھڑ گئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے کہ ان کی روح بھی نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے روح کو بھیجا، اس نے ان کو ڈھانپ لیا اور جس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام تھے اس کو پلٹ کر ان پر سائبان بنا دیا تاکہ وہ جل نہ جائیں تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ تجھے کوئی زندہ آدمی نہیں دیکھ سکتا جس نے تیرے فرشتوں کو دیکھا اس کا دل نکل گیا پس تیری اور تیرے فرشتوں کی عظمت کی کیا نسبت، تو پالنے والوں کا پالنے والا، معبودوں کا معبود بادشاہوں کا بادشاہ ہے، تیرے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اے میرے رب! میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں، تمام تعریفیں تیرے لیے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

(فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے رب کا نور جبل زبیر پر ظاہر ہوا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے نور میں سے بیل کے نتھنے کے برابر نور ظاہر کیا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رحمہ اللہ کہتے ہیں سوئی کے ناکے کے برابر اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی انگلی کے برابر۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح اور انگوٹھے کو چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر رکھ کر اشارہ کیا۔ سھل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار نور کے پردوں میں سے ایک درہم کی مقدار ظاہر کیا تو پہاڑ برابر ہو گیا یعنی زمین کے برابر ہو گیا۔

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے (دکاء) الف ممدودہ کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ یہاں اور سورۃ کہف میں۔ عاصم رحمہ اللہ نے سورۃ کہف میں موافقت کی ہے اور دیگر حضرات نے (دکاء) الف مقصورہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے

الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس کا معنی ہوگا کہ اس کو کوٹا ہوا بنا دیا اور دک اور دق ایک ہیں اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی "دکہ اللہ دکا" اس کو پھاڑ دے گا جیسا کہ فرمایا ہے "اذا دُکت الارض دکّا" اور جنہوں نے الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس کو زمین کے برابر کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو دکاء بنا دیا اور دکاء ایسی اونٹنی جس کی کوہان نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کو مٹی بنا دیا اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہاڑ کو زمین میں گاڑ ھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ سمندر میں چلا گیا اور وہ اس کو بہا لے گیا اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ریت بن گیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جعلہ دکّا" یعنی توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے اور بعض تفاسیر میں واقع ہوا ہے کہ اس کی عظمت کے لیے چھ پہاڑ ہیں تین مدینہ میں واقع ہیں، احد، ودقان، رضوی اور تین مکہ میں۔ ثور، ثبیر اور حراء۔

(وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں غشی کھا کر اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مُردہ حالت میں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جمعرات کے دن یوم عرفہ کو بیہوش ہوئے اور یوم نحر بروز جمعہ کو آپ علیہ السلام کو توریت دی گئی۔ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گرے تو آسمان کے فرشتوں نے کہا ابن عمران اور رؤیت کے سوال کو کیا ہوا؟ اور بعض کتابوں میں ہے کہ آسمان کے فرشتے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے وہ بیہوش تھے ان کو پاؤں سے ہلانے لگے اور کہنے لگے اے حائضہ عورت کے بیٹے! کیا آپ کو رب العزت کی رؤیت کی طمع ہوئی تھی؟ (فَلَمَّآ اَفَاقَ) موسیٰ علیہ السلام کے بیہوشی سے حواس بحال ہوئے تو جان لیا کہ ان ایک ایسے عظیم امر کا سوال کیا تھا جو ان کے لیے مناسب نہ تھا۔ (قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ) کہ تو دُنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل میں پہلا شخص ہوں جو آپ پر ایمان لایا۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بہت ہے کہ) میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔ تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔

تفسیر: ﴿۱۴۴﴾ (قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ) یعنی میں نے آپ کو اختیار کیا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے "انی" کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "اخی اشدد" کو۔ اپنے پیغام بھیجنے کا) اہل حجاز نے "برسالتی" مفرد اور باقی نے جمع پڑھا ہے (وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ) اللہ کا اس کی نعمتوں پر۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو دیگر رسول بھی بنائے تو موسیٰ علیہ السلام کو "اصطفیتک علی النّاس برسالاتی" کا کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ رسالت تمام لوگوں کے حق میں عام نہیں ہے تو تمام لوگوں میں سے چند حضرات کو امتیاز دیا ہے یہ ایسے ہے جیسے

کوئی کسی کو کہے کہ میں نے اس بات کے مشورہ میں آپ کو خاص کیا ہے۔ تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جہاں میں اور کسی سے مشورہ ہی نہیں کیا۔ اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس آگئے تو نور نے آپ کے چہرے کو ڈھانپا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کے چہرے کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ آپ وفات تک اسی حالت پر رہے صرف آپ علیہ السلام کی بیوی نے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپ علیہ السلام کا چہرہ کھول دیا اور ان کو سورج کی شعاع کی طرح کسی چیز نے پکڑا تو انہوں نے ہاتھ چہرے پر پھیر لیا اور سجدہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگیں کہ اللہ سے دُعا کریں کہ جنت میں بھی میں آپ علیہ السلام کی بیوی رہوں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر میرے بعد نکاح نہ کیا تو یہ اعزاز ملے گا کیونکہ عورت اپنے آخری خاوند کو ملے گی۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں نیک بخت لوگوں کا تذکرہ دیکھا اور کہا کہ توریت میں میں نے پایا کہ ایک اُمت تمام اُمتوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے نفع کے لیے نکالی گئی ہے نیکی کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور اللہ پر اور پہلی کتابوں اور آخری کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور گمراہ لوگوں سے جہاد کریں گے یہاں تک کہ کانے دجال سے لڑائی کریں گے۔ اے میرے رب! ان کو میری اُمت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! (علیہ السلام) وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب توریت میں ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کا شکر کرنے والے ہوں گے جب کسی کام کا ارادہ کریں گے تو کہیں گے ہم یہ کام کریں گے ان شاء اللہ۔ تو اے اللہ! اس اُمت کو میری اُمت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ پھر عرض کیا کہ اے میرے رب! ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے کفارے اور صدقات خود کھاسکیں گے حالانکہ پہلے لوگوں کے صدقات آگ سے جلادیئے جاتے تھے اور ان کی دُعائیں قبول ہوں گی اور سفارش کریں گے ان کی سفارش قبول ہوگی تو اے اللہ! ان کو میری اُمت بنادے تو اللہ نے فرمایا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ جب وہ بلندی پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور جب نیچے اُتریں گے تو اللہ کی تعریف کریں گے، مٹی ان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہوگی اور تمام زمین ان کے لیے سجدہ کی جگہ جہاں چاہیں سجدہ کریں، وہ جنابت سے خوب اچھے طریقے سے پاکی حاصل کریں گے اور جب وہ پانی نہ پائیں گے تو مٹی سے پاکی حاصل کرنا ان کے لیے پانی کے حکم میں ہوگا۔ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے، وضو کے اثر سے تو اس اُمت کو میری اُمت بنادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایک اُمت کا تذکرہ پایا کہ ان میں سے کوئی جب نیکی کا ارادہ کرے گا اور نیکی نہ کرسکے گا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر نیکی کرلے گا تو اس کے لیے اس کی دس مثل سے سات سو گنا تک لکھا جائے گا اور جب گناہ کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر گناہ کرلے تو اس کے لیے اس کی مثل گناہ لکھا جائے گا تو ان کو میری اُمت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

پھر عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایک اُمت کا تذکرہ پڑھا کہ اس پر رحم کیا گیا ہے کہ وہ کتاب کے وارث ہوں گے

ان لوگوں سے جن کو تونے امتیاز دیا ہے۔ بعض ان میں سے ظالم ہیں اور بعض ان میں سے میانہ روی اختیار کرنے والے اور بعض نیکیوں پر سبقت کرنے والے، میں ان تینوں طبقوں میں سے ہر ایک کو مرحوم (رحمت کیا ہوا) پاتا ہوں تو آپ ان کو میری اُمت بنادیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ پھر عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایسی اُمت کا تذکرہ پایا کہ ان کے مصاحف ان کے سینوں میں ہوں گے وہ جنت والوں کے کپڑوں کے رنگ جیسے کپڑے پہنیں گے وہ اپنی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائیں گے، مساجد میں ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوں گی ان میں سے کوئی ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل نہ ہوگا تو ان کو میری اُمت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کو اتنی خیر مل رہی ہے تو انہوں نے کہا اے کاش! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو راضی کرنے کے لیے تین آیات ان کی طرف وحی کیں۔ "**یا موسٰی ان اصطفیتک علی النّاس برسالاتی وبکلامی**" الی قولہ: "**سأُریکم دار الفاسقین. ومن قوم موسٰی اُمّة یهدون بالحق وبه یعدلون**" تو موسیٰ علیہ السلام بالکل راضی ہو گئے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ⑭⑤

ترجمہ: اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو (بھی) حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں میں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔

الواح کی مختلف تفاسیر

تفسیر ⑭⑤ (وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ توریت کی تختیاں مراد ہیں اور حدیث میں ہے کہ یہ تختیاں جنت کی بیری کی تھیں، تختی کی لمبائی بارہ گز تھی اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور طوبیٰ درخت کو اپنے ہاتھ سے لگایا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لکڑی کی تختیاں تھیں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبز زمرد کی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرخ یاقوت کی تھیں ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ زمرد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا وہ ان کو عدن سے لائے اور اس قلم سے لکھا جس سے ذکر لکھا تھا اور نور کی نہر کی سیاہی استعمال کی۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سخت چٹان سے تختیاں توڑنے کا حکم دیا اور اس چٹان کو نرم کر دیا تو ان کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور تختیاں بنائیں اور موسیٰ علیہ السلام دس کلمات لکھنے کے لیے قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے

یہ ذی قعدہ کے پہلے دن ہوا اور یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کی قامت کے مطابق دس گز تھیں اور مقاتل اور وہب رحمہما اللہ فرماتے ہیں "و کتبنا فی الالواح" انگوٹھی کے نقش کی طرح اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں توریت نازل ہوئی تو وہ ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھی، اس کا ایک جزء ایک سال میں پڑھا جاتا تھا، اس کو مکمل صرف چار افراد نے پڑھا ہے۔ موسیٰ، یوشع، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام نے۔ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت توریت میں ہزار آیتیں تھیں۔ یعنی "و کتبنا له فی الالواح من کلّ شیء" جو ان کو حکم دیا گیا اور جن کاموں سے منع کیا گیا۔ "موعظة" جہالت سے نہی اور موعظت کی حقیقت اس چیز سے ڈرانا جس کا انجام خوفزدہ ہو۔ (مَّوْعِظَةً) جو ان کو حکم دیئے اور جن کاموں سے روکا)

(وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ) یعنی امر، نہی، حلال، حرام، حدود، احکام وغیرہ ہر چیز کا بیان۔ (فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ) کوششوں کے ساتھ اور بعض نے کہا دل کی قوت اور صحیح ارادے کے ساتھ (وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا) عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے حلال کو حلال سمجھیں اور حرام کو حرام جانیں اور اس کی مثالوں پر غور و فکر کریں اور اس کے محکم پر عمل کریں اور متشابہ سے رُک جائیں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اس لیے ان کو وہ حکم دیئے گئے جو قوم کو نہیں دیئے گئے تھے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "باحسنها" یعنی اس کا حسن اور یہ تمام حسن تھا اور بعض نے کہا ہے "احسنها" سے فرائض اور نوافل مراد ہیں اور یہ وہ ہیں جن پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے علاوہ مباح ہیں کیونکہ وہ ان پر ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اور بعض نے کہا ہے "باحسنها" یعنی دو کاموں میں سے اچھا کام ہر چیز میں جیسے درگزر کرنا قصاص لینے سے احسن ہے اور صبر کرنا انتقام لینے سے احسن ہے۔ "سارِیکم دار الفاسقین" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا آخرت میں ٹھکانا، حسن اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی جہنم، تم کو ڈراتا ہے کہ تم اس جیسے ہو جاؤ اور قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں عنقریب میں تمہیں شام میں داخل کروں گا تو تم کو گزشتہ اُمتوں کی جگہیں دکھاؤں گا جنہوں نے اللہ کے امر کی مخالفت کی تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد فرعون اور اس کی قوم کا گھر ہے وہ مصر ہے اس پر قسامہ بن زہیر کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ (سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دار الفاسقین" کفار کے مرنے کی جگہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر وہ گزرتے ہیں جب وہ عاد اور ثمود کے مکانات سے سفر کرتے ہیں اور پہلی اُمتوں کے مکانات سے جن کو ہلاک کیا گیا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِیَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَیِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

(ترجمہ) میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو

اپنا طریقہ نہ بناویں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور ان سے غافل رہے۔

تفسیر ⑭ (سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرتے ہیں اور اس کے اولیاء سے جنگ کرتے ہیں کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لاسکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حق سے عناد ہے اس لئے ان کو ہدایت سے محروم رکھوں گا اور قرآنی آیت کو قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے سے پھیردوں گا۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے۔ فرمایا فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم سفیان ساصرف کی تشریح اس طرح کی کہ میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے عجائبات کو جاننے سے روک دوں گا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش اور اس میں جو کچھ ہے اس میں غور وفکر وتدبر کرنے سے روک دوں گا۔ بعض نے کہا کہ یہ حکم خاص کرکے مصر والوں کیلئے ہے اور آیات سے مراد نو معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کو اپنے عموم پر رکھا ہے۔ (وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا) اس سے مراد متکبرین لوگ ہیں۔ "سبيل الرّشد" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "الرّشد" راء اور شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے راء کے پیش اور شین کے سکون کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "السُّقم" اور "السَّقم، البُخل" اور "البَخَل" اور "الحُزْن" اور "الحَزَن" کی طرح اور ابو عمران دونوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں "الرّشد" پیش کے ساتھ کسی کام میں درستگی اور زبر کے ساتھ دین میں استقامت۔ (وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں اور پالیں (لَا يَتَّخِذُوْهُ) اس لئے یہ اپنے لئے اس کو اختیار نہیں کرتے (سَبِيْلًا) (وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ) گمراہی والا راستہ (يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ) اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر اور اگر دیکھیں) یہ متکبرین (ہدایت کا راستہ تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرالیں راہ یہ اس لیے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے ان سے بےخبر) ان میں غور وفکر کرکے نصیحت حاصل کرنے سے بےخبر اور غافل رہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ ۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ⑭ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑭ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ ۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ

وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے اور ان کو وہی سزا دی جاوے گی جو کچھ یہ کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا ایک بچھڑا ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انہوں نے معبود قرار دیا تھا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تم مجھ پر (سختی کر کے) دشمنوں کو مت ہنساؤ اور مجھ کو ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو۔

تفسیر ﴿۱۴۷﴾ (وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ) آخرت کے گھر کی ملاقات کو جو ثواب اور سزا کے وعدہ کی جگہ ہے (حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ) وہ اعمال ضائع ہو گئے گویا کہ انہوں نے وہ اعمال کئے ہی نہیں (ھَلْ یُجْزَوْنَ) کیا ان کو آخرت میں بدلہ دیا جائے گا (اِلَّا مَا کَانُوْا) مگر جس بدلے کا یہ سوچ رہے ہیں (یَعْمَلُوْنَ) دنیا میں۔

﴿۱۴۸﴾ (وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ) ان کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد (مِنْ حُلِیِّھِمْ) جو انہوں نے قوم فرعون بطور عاریت لیا تھا (عِجْلًا) اور اس کے منہ میں جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی مٹی ڈال دی تو وہ بچھڑا تبدیل ہو گیا (جَسَدًا) زندہ اور گوشت وخون (لَّهٗ خُوَارٌ) گائے کی آواز کو خوار کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ وہ جسم بنایا گیا تھا اس میں روح نہ تھی اس سے آواز سنی جاتی تھی اور بعض نے کہا اس کے پیٹ میں ہوا داخل ہو کر نکلتی تو اس سے ہلکی آواز نکلتی تھی اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض نے کہا اس نے ایک ہی دفعہ آواز نکالی اور بعض نے کہا بہت دفعہ آواز نکالی، جب آواز نکالتا وہ لوگ سجدہ میں گر جاتے اور جب خاموش ہوتا تو سجدہ سے اُٹھ جاتے وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی آواز آتی تھی لیکن حرکت نہ کرتا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آواز نکالتا اور چلتا تھا۔ (اَلَمْ یَرَوْا) یعنی جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی (اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَ لَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ) یعنی انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ کافر تھے۔

﴿۱۴۹﴾ (وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْھِمْ) یعنی بچھڑے کی عبادت پر نادم ہوئے، عرب ہر نادم شخص کو کہتے ہیں "قد سقط فی

بدیہ" (وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا) ہمارا رب ہماری توبہ کو قبول کرے (وَيَغْفِرْلَنَا) اور ہماری خطاؤں کو معاف کرے (لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ "ترحمنا" اور "تغفرلنا" دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ربنا" باء کے زبر کے ساتھ۔ یہ ندامت اور استغفار موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے کے بعد ہوا تھا۔

150 (وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اسف" سخت غصہ کو کہتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اَسِفًا کا معنی ہے غمگین ہونا اور اسف سخت غم اور افسوس (قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ ۢ بَعْدِيْ) یعنی میرے جانے کے بعد تم نے برا عمل کیا۔ کہا جاتا ہے خلفہ بخیر اور بشر جب اس کو جانے کے بعد گھر والوں سے خیر یا شر پہنچے۔

(اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے جو چالیس دن کا وعدہ کیا تھا اس میں جلدی کیوں کی؟ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم آنے کے بغیر بچھڑے کی عبادت کی۔ (وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ) جن میں توریت تھی اور آپ علیہ السلام نے ان کو اٹھایا ہوا تھا اور شدت غضب سے ان کو زمین پر ڈال دیا راوی کہتے ہیں توریت کی سات تختیاں تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئیں اور چھ حصے اُٹھا لیے گئے اور ساتواں حصہ باقی رہ گیا تو غیب کی خبریں اُٹھالی گئیں اور نصیحت، احکام اور حلال وحرام کی آیات باقی رہ گئیں۔ (وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ) ان کی مینڈھیوں اور داڑھی سے (يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ) اور ہارون، موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ بنی اسرائیل کو محبوب تھے کیونکہ وہ نرم مزاج تھے (قَالَ) ہارون علیہ السلام (ابْنَ اُمَّ) اہل کوفہ اور شام نے یہاں اور طٰہٰ میں میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد یہ ہے یا ابن اُمی تو اضافت کی یاء کو حذف کر دیا گیا اور زیر کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ اضافت پر دلالت کرے جیسے باری تعالیٰ کا قول "یاعباد" ہے اور اہل حجاز اور اہل بصرہ اور حفص رحمہما اللہ نے میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یا ابن اماہ" کے معنی کی بناء پر اور بعض نے اس کو اسم اور مبنی علی الفتحہ قرار دیا ہے جیسے حضر موت اور خمسة عشر وغیرہ۔ اور ہارون موسیٰ علیہما السلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن ہارون علیہ السلام نے ماں کا بیٹا کہا تاکہ وہ ان پر نرمی کریں اور بعض نے کہا ہے کہ ماں شریک بھائی تھے۔ (اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ) لوگوں مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں گے (فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ میرا مواخذہ نہ کیجئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ 151 اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ 152

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں بیشک جن لوگوں نے

گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آویں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

تفسیر 151 (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام جب ان پر بھائی کا عذر واضح ہو گیا (رَبِّ اغْفِرْلِیْ) مجھے معاف کیجئے جو کچھ میں نے بھائی کے ساتھ کیا (وَلِاَخِیْ) اگر اس سے بچھڑے کے پجاریوں کے روکنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے (وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ)

152 (اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ) جنہوں نے اس کو اپنا معبود بنایا (سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ) آخرت میں (وَذِلَّۃٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا) ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ جوان کو اپنے آپ کو مارنے کا حکم دیا گیا وہ مراد ہے۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود مراد ہیں ان کو ان کے آباء کے کاموں سے عار دلائی جا رہی ہے اور غضب اور ذلت سے مراد جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کو قتل اور جلاوطنی پیش آئی وہ مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ذلت سے جزیہ مراد ہے (وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ) ابوقلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم قیامت تک ہر جھوٹ بولنے والے کی سزا یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کریں گے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعت ایجاد کرنے والے کی قیامت تک یہی سزا ہے۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِھَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِ ھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ 153 وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِھَا ھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَرْھَبُوْنَ 154 وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَلَمَّاۤ اَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ قَالَ رَبِّ لَوْشِئْتَ اَھْلَکْتَھُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ط اَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَھَآءُ مِنَّا اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ ط تُضِلُّ بِھَا مَنْ تَشَآءُ وَتَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ط اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ 155

ترجمہ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین (پر لانے) کے لئے منتخب کیے سو جب ان کو زلزلہ (وغیرہ) نے آ پکڑا تو موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے کیا آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں

ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ بہتر ہیں۔

تفسیر ⑮ (وَلَمَّا سَكَتَ) ساکن ہوگیا (عَنْ مُوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ) جوانہوں نے پھینک دی تھیں اور ان میں سے چھ حصے چلے گئے تھے۔ (وَفِيْ نُسْخَتِهَا) اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے تختیاں مراد ہیں۔ اس لیے کہ وہ لوح محفوظ سے لکھی گئی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تختیاں پھینک دیں تو وہ ٹوٹ گئیں اور ان سے دوسرا نسخہ لکھا گیا اور یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وفی نسختها" سے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو اس میں سے منسوخ کر دیا گیا تھا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس میں سے باقی رہا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں پھینک دیں تو وہ ٹوٹ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزہ رکھا تو وہ ان کو دو تختیوں میں لوٹا دی گئی۔ "هدی و رحمة" یعنی گمراہی سے ہدایت اور عذاب سے رحمت ہے۔ "للذین کفروا بربهم یرهبون" یعنی اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لیے اور "ربهم" میں لام تاکید کی زیادتی کے لیے ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "ردف لکم" ہے اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کو فعل پر مقدم کیا جاتا تو اچھا ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "للرؤیا تعبرون" ہے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ "من ربهم یرهبون" اور بعض نے کہا ہے راہبون ڈرنے والے اور بعض نے کہا ہے "راهبون لربهم" مراد ہیں۔ (هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ)

⑮ (وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا) اسی میں دلیل ہے کہ تمام لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ لائیں جو بچھڑے کی عبادت کی معذرت کریں تو موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی چنے (فَلَمَّا) وہ اس جگہ آئے تو کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں تو ان کو زلزلہ نے پکڑا تو وہ سب مر گئے اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو اختیار کیا تا کہ یہ لوگ اپنے فعل کی توبہ کریں اور جن کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں ان کے لیے توبہ کا سوال کریں تو یہ دلالت کرتا ہے کہ ان سب نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ قتادہ اور ابن جریج اور محمد بن کعب رحمہما اللہ فرماتے ہیں "اخذتهم الرّجفة" اس لیے کہ انہوں نے قوم کو بچھڑے کی عبادت کرنے سے نہیں روکا تھا اور نہ امر بالمعروف کیا اور نہ نہی عن المنکر کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ ستر (۷۰) لوگ جنہوں نے کہا تھا "لن نؤمن لک حتّی نری اللّٰه جهرة فاخذتهم الصاعقة" وہ ان ستر (۷۰) سے پہلے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو چنا تھا تا کہ وہ اپنے رب سے دُعا کریں تو ان کی دُعا میں یہ تھا کہ دُعا میں یہ تھا کہ انہوں نے کہا "اے اللہ! ہمیں وہ عطا کر جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیا اور اس کو ہم سے پہلے اور بعد میں کسی کو نہ دینا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا ناپسند کی تو ان کو زلزلہ نے آ پکڑا۔" وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ رجفہ آواز نہیں تھی لیکن جب قوم نے یہ ہیبت دیکھی تو ان کو کپکپی طاری ہوگئی اور دل کانپ گئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ ان کے اعضاء جدا ہو جاتے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے خیر کے وزیر اور مطیع و فرمانبردار تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے روتے ہوئے دُعا کی اور اپنے رب

سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ رجفہ ان سے دور کر دیا تو وہ مطمئن ہو گئے اور رب تعالیٰ کی کلام سنی۔ (اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے (رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ) یعنی بچھڑے کی عبادت سے پہلے ہلاک کر دیتا (وَاِيَّايَ) قبطی کے قتل کرنے سے پہلے (اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا) یعنی بچھڑے کی عبادت کرنے والوں نے۔

موسیٰ علیہ السلام کا گمان یہ تھا کہ ان پر یہ سزا بنی اسرائیل کے بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اتهلكنا" میں استفہام استعطاف یعنی شفقت طلب کرنے کے لیے ہے کہ ان کو ہلاک نہ کیجئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے جرم میں دوسرے کو نہ پکڑیں گے (اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ) جس میں یہ کم عقل لوگ واقع ہوئے ہیں یہ آپ کی آزمائش وامتحان ہے۔ آپ نے اس کے ذریعے ایک قوم کو گمراہ کیا اور ایک قوم کو ہدایت دی اور ان کو محفوظ رکھا حتیٰ کہ وہ آپ کے دین پر ثابت قدم رہے۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول۔ (تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ط اَنْتَ وَلِيُّنَا) گمراہ کر دے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو وہی ہمارا تھامنے والا (فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ)

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے تو وہ رحمت تو ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صیت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

20

تفسیر ⑯ (وَاكْتُبْ لَنَا) واجب کردے (فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً) نعمت وعافیت (وَّ فِی الْاٰخِرَةِ) مغفرۃ اور جنت مراد ہے (اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْکَ قَالَ) ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا) اللہ تعالیٰ نے (عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ) حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی رحمت دُنیا میں ہر نیک اور گناہ گار کو شامل ہے اور قیامت کے دن متقین کے ساتھ خاص ہے۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز پر وسیع ہے لیکن واجب صرف تقویٰ والوں کے لیے ہے کیونکہ کافر بھی مؤمنین کے ساتھ دُنیا میں رزق دیئے جاتے ہیں کیونکہ اللہ کی رحمت وسیع ہے تو وہ اس میں زندگی گزارتے ہیں تو جب آخرت میں جائیں گے تو یہ خاص مؤمنین کے لیے ہوگی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کی آگ سے روشنی حاصل کر رہا ہو جب چراغ والا چلا جائے گا تو روشنی بھی چلی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ اور ابن جریج رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب آیت نازل ہوئی "ورحمتی وسعت کل شیء" تو ابلیس نے کہا میں اس شئی میں سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ) یہود نے اس کی تمنا کی اور کہنے لگے کہ ہم تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے یہ انعام بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

⑰ (اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ) نوفل بکالی حمیری فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو لے کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میں تمہارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادوں گا جب نماز کا وقت ہو جہاں دل کرے نماز پڑھ لو مگر بیت الخلاء، حمام یا قبر کے پاس نہ پڑھ سکو گے اور میں تمہارے دل میں سکینہ ڈال دوں گا تم اپنی یادداشت سے توریت کو پڑھو گے، مرد وعورت، آزاد، غلام، بچہ، بڑا سب پڑھیں گے موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات قوم کو بتائی۔

تو وہ کہنے لگے ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ صرف کنیسوں میں نماز پڑھیں اور سکینہ کو دل میں اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اور توریت کو زبانی پڑھنے کی ہم میں طاقت نہیں، ہم تو اس کو دیکھ کر پڑھنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہ انعام اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے خاص کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان میں بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس اُمت میں نہیں ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں بنی اسرائیل کا وفد لایا اور آپ نے ہمارا انعام دوسروں کو دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ومن قوم موسٰی اُمّة یهدون بالحق وبه یعدلون" تو موسیٰ علیہ السلام راضی ہوگئے۔ "النبی الاُمّیّ" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ وہ اُمی تھے نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے اور نہ حساب وکتاب جانتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اُمی اُمت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب۔ (رواہ البخاری)

اُمی کی نسبت اُم بمعنی ماں کی طرف ہے یعنی وہ اسی حالت پر ہے جس پر اس کی ماں نے جنا تھا۔ بعض نے کہا یہ اُم القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے (الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ) اس کی صفات اور نبوت کا ذکر پاتے ہیں (مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ

وَالْاِنْجِیْلِ) عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ملا تو میں نے کہا کہ مجھے بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت میں کیا صفات بیان ہوئی ہیں۔ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ کی قسم! توریت میں ان کی بعض وہ صفات ہیں جو قرآن مجید میں بھی ہیں۔ اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اُمیوں کے لیے حرز بنایا تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا نہیں ہے سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا لیکن عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کہنے لگیں اور اس کے ذریعے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور بند دل کھل جائیں۔ اس حدیث میں متابع عبدالعزیز بن ابی سلمۃ ہیں۔ کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے توریت میں لکھا ہوا پایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نہ سخت مزاج نہ ترش دو اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اُن کی اُمت حمادون ہے کہ ہر مرتبہ میں اللہ کی تعریف کرتی ہے اور ہر اونچی جگہ پر اس کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ وہ اپنی نصف پنڈلی پر تہبند رکھتے ہیں اور اپنے اعضاء کا وضو کرتے ہیں، ان کی نماز کی صفیں اور جہاد کی صفیں برابر ہیں۔ ان کا منادی آسمان کی فضا میں آواز لگاتا ہے۔ رات میں ان کی بھنبھناہٹ شہد کی مکھیوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش مکہ میں اور ہجرت طابہ میں اور حکومت شام میں ہوگی (یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ) ایمان کا (وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ) یعنی شرک سے۔ بعض نے کہا معروف شریعت اور سنت ہے اور منکر وہ کام جو شریعت اور سنت میں نہ ہو (وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ) یعنی جو وہ جاہلیت میں حرام کرتے تھے جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام۔

(وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) یعنی مُردار، خون، خنزیر کا گوشت، زنا وغیرہ حرام چیزیں (وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "آصارھم" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور اصر ہر وہ قول یا فعل جو انسان پر بوجھل ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، ضحاک، سدی اور مجاہد رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یعنی وہ پختہ عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا توریت پر عمل کرنے کا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سختی جو ان پر دین کے معاملہ میں ہوئی تھی (وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ) جیسے اپنے آپ کو قتل کرنا اور گناہ گار اعضاء کو کاٹنا اور کپڑے سے نجاست کو کاٹ کر اُتارنا اور قتل کی صورت میں صرف قصاص متعین ہونا اور دیت کا لینا حرام ہونا اور ہفتہ کے دن کام حرام ہونا اور ان کی نماز کنیسہ کے علاوہ کہیں جائز نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ دیگر سختیاں ان کو بیڑیوں سے تشبیہ دی گئی جو ہاتھ گردن پر باندھ دیتی ہیں (فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (وَعَزَّرُوْهُ) اور ان کی توقیر کی (وَنَصَرُوْهُ) اور دشمنوں پر ان کی مدد کی۔ (وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ) یعنی قرآن (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ⑯

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم راہ (راست) پر آ جاؤ اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (دین) حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

(تفسیر) ⑮ (قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا نِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ) یعنی آیات پر اور وہ قرآن ہے اور مجاہد، سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور دلیل میں یہ آیت پڑھی "کلمة القها الی مریم" (وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ)

⑯ (وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى) یعنی بنی اسرائیل میں (اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ) حق کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ کلبی اور ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم چین کے پیچھے اقصیٰ مشرق میں نہر اُردن پر آباد تھی ان میں کسی کے پاس اپنے ساتھی سے کم مال نہ تھا، رات کو بارش ہوتی اور دن کو جانوروں کو وہی پانی پلاتے اور کاشت کرتے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے تو راستے میں ان سے کلام کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا، تمہیں علم ہے کہ کس سے بات کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اُمی ہیں تو وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں وصیت کی تھی کہ تم میں سے جو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پائے تو ان پر میری طرف سے سلام پڑھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے سلام کا جواب دیا۔ پھر ان کو قرآن کی دس سورتیں پڑھائیں جو مکہ میں اُتری تھیں اور ان کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنی جگہ رہیں، یہ لوگ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے ان کو اس کے چھوڑنے کا حکم دیا اور فرمایا جمعہ کے دن عبادت کیا کرو بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود میں سے ایمان لے آئے تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑰ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٦١ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٢

ترجمہ اورہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کردی اور (ایک انعام یہ کہا کہ) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جبکہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو بس (مارنے کی دیر تھی فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کرلیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے ان پر ابر کا سایہ افگن کیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں (اوراجازت دی کہ) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری (پچھلی) خطائیں معاف کردیں گے (یہ تو سب کیلئے ہوگا اور) جولوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دینگے سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔

تفسیر ۝١٦٠ (وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا) ہم نے بنی اسرائیلوں کو فرقہ فرقہ میں کردیا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اثنتی عشرہ" مؤنث ذکر کیا ہے حالانکہ سبط مذکر ہے اس وجہ سے کہ اس کا تعلق "اُمَمًا" سے ہے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو بارہ مختلف جماعتوں میں جدا جدا کردیا اور "اسباطا امما" جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ دس سے اوپر کی تفسیر جمع کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ پس "اتانی اثنا عشر رجالا" نہیں کہا جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ اسباط حقیقت میں مفسر محذوف کی صفت ہے اور وہ فرقۃ ہے یعنی "وقطعناهم اثنتی عشرة فرقة امما" اور بعض نے کہا ہے اس میں تقدیم اور تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "وقطعناهم اسباطا امما اثنتی عشرة" اور الاسباط قبائل اس کا واحد سبط ہے۔ (وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ) وادی تیہ میں (اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ) اور ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں جاری ہوئے پھر پھوٹ پڑے۔ (اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا) ہر جماعت کا ایک چشمہ (قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ) ہر جماعت ایک باپ کی اولاد تھی (وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ) وادی تیہ میں جوان کو سورج کی گرمی سے بچاتا تھا (وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ)

۝١٦١ (وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ) اہل مدینہ، ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "تغفر" تاء پر پیش کے ساتھ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی حضرات نے نون اور اس پر زبر پڑھی ہے اور فاء کے کسرہ کے ساتھ (خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ) اہل مدینہ اور یعقوب نے "خطيئاتكم" جمع اور پیش

کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے جمع کا صیغہ اور تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ)

162 (فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ)

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ 163 وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ 164

ترجمہ اور آپ ان (اپنے ہم عصر یہودی) لوگوں سے (بطور تنبیہ) اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھے جبکہ وہ ہفتہ کے بارہ میں حد (شرعی) سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتے کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے اس سبب کہ وہ (پہلے سے) بے حکمی کیا کرتے تھے۔ اور (اس وقت کا حال پوچھے) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کیوں نصیحت کیے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور (نیز) اس لئے کہ شاید یہ ڈر جاویں۔

تفسیر 163 (وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے پڑوسی یہودیوں سے اس بستی کے بارے میں سوال کریں جو دریا کے کنارے تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بستی کا نام ایلہ تھا۔ مدین اور طور کے درمیان دریا کے کنارے آباد تھی اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ طبریۃ الشام ہے (اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ) یعنی مچھلی کا شکار کر کے اللہ کے حکم سے تجاوز کیا (اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا) یعنی پانی کے اوپر ظاہر ہو کر کثیر تعداد میں یہ شارع کی جمع ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لگاتار آتیں اور قصہ میں یہ بات منقول ہے کہ ہفتہ کے دن سفید موٹے مینڈھوں کی طرح موٹی مچھلیاں ان کے سامنے آتیں۔ (وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ) حسن رحمہ اللہ نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ ہفتہ میں داخل نہ ہوتے تھے اور معروف قرأت یاء کے نصب کے ساتھ اور اسی کا معنی یہ ہے کہ وہ ہفتہ کی تعظیم نہ کرتے تھے (كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ) تو ان کو شیطان نے وسوسہ ڈالا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن شکار سے منع نہیں کیا بلکہ مچھلی کھانے سے منع کیا ہے تو تم شکار کر لو اور بعض نے کہا کہ ان کو یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہیں پکڑنے سے منع کیا گیا ہے تو تم سمندر کے کنارے ایک کھالا بنا لو اس میں ہفتہ کے دن مچھلیاں ہانک دیا کرو، پھر اتوار کے دن پکڑ لیا کرو تو کافی عرصہ وہ یہ کام کرتے رہے۔ پھر ہفتہ کے دن شکار کرنے پر ان کی جرأت بڑھ گئی اور کہنے لگے کہ ہمارا خیال ہے کہ

ہفتہ کا دن ہمارے لیے حلال کر دیا گیا ہے تو ان کو پکڑ کر کھا جاتے یا بیچ دیتے تو بستی والے تین جماعتوں میں بٹ گئے اور یہ ستر ہزار کے قریب تھے۔ ایک تہائی نے ان کو منع کیا اور ایک تہائی نے منع نہیں کیا بلکہ سکوت کیا اور کہنے لگے تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے اور ایک تہائی گناہ گار لوگوں کی تھی جب وہ باز آ گئے تو منع کرنے والے کہنے لگے کہ ہم ایک بستی میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے تو انہوں نے بستی کو دیوار کھڑی کر کے تقسیم کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے ایک دروازہ اور ان لوگوں کے لیے ایک دروازہ ہے اور ان کو داؤد علیہ السلام نے لعنت کی تو منع کرنے والوں نے ایک دن صبح کی تو حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے کوئی نہ نکلا تو وہ کہنے لگے کہ شاید شراب کا نشہ ان پر غالب آ گیا ہے تو وہ دیوار پھلانگ کر ان کے حصہ میں گئے تو دیکھا کہ وہ سب بندر اور خنزیر بنے ہوئے تھے تو بندروں نے اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچان لیا لیکن انسان اپنے بندر رشتہ داروں کو نہ پہچان سکے تو بندر اپنے رشتہ داروں کے پاس آ کر ان کے کپڑے سونگھ کر روتے تو وہ انسان کہتے کیا ہم نے تمہیں روکا نہیں تھا؟ تو وہ سر ہلا کر ہاں کرتے تو اس قوم میں سے صرف منع کرنے والے بچے باقی سب کی شکلیں بگڑ گئیں۔ یا سب ہلاک ہو گئے۔

۱۶۴ (وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ) اس قول کے قائلین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ہلاک ہونے والے فرقہ کے لوگ تھے کیونکہ جب ان کو کہا جاتا کہ تم اس برے عمل سے باز آ جاؤ عذاب آنے سے پہلے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرنے والا ہے اگر تم باز نہ آئے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے (اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ط قَالُوْا) اسی منع کرنے والے کہنے لگے (مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ) یعنی ہم یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت کرنے کے لیے کر رہے ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ ساکن فرقہ کا قول ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے اور مطلب یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا ہم پر واجب ہے۔ پس ہم پر نصیحت لازم ہے یہ عذر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف (وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ) یعنی اللہ سے ڈریں اور معصیت چھوڑ دیں، اگر خطاب حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہوتا تو "لعلکم تتقون" کہتے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۱۶۵ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۱۶۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۶۷ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۱۶۸

ترجمہ: سو (آخر) جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ مانا) تو ہم نے ان لوگوں تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان کو جو زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے

کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید تکلیف پہنچاتا رہے گا بلاشبہ آپ کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیدیتا ہے اور بلاشبہ وہ (واقعی اگر کوئی باز آ جائے) تو بری مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کردیں بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے (بھی) تھے (یعنی بد) اور ہم ان کو خوشحالیوں (صحت اور غنا) اور بدحالیوں (بیماری وفقر) سے آزماتے رہے کہ شاید باز آ جاویں۔

تفسیر ۱۶۵ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ) یعنی جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کو چھوڑ دیا (اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا) یعنی نافرمان جماعت کو (بِعَذَابٍ م بَئِیْسٍ) یعنی سخت تکلیف دینے والے میں البأس سے ہے یعنی سختی اس کی قرأت میں اختلاف ہے۔ اہل مدینہ اور ابن عامر نے (بِیْس) باء کی زیر کے ساتھ فعل کے وزن پر پڑھا ہے مگر ابن عامر اس کو ہمزہ دیتے ہیں اور ابوجعفر اور نافع ہمزہ نہیں پڑھتے اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں باء کے زبر اور باء کے سکون کے ساتھ اور ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ فیعل کے وزن پر صیقل کی طرح اور دیگر حضرات نے فعیل کے وزن پر بصیر اور صغیر کی طرح پڑھا ہے (بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے نافرمان اور فرمانبردار فرقہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تو سنا ''انجینا الّذین ینھون عن السّوء واخذنا الّذین ظلموا بعذاب بئیس'' لیکن یہ معلوم نہیں کہ خاموش فرقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سن کر عرض کیا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کردے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس خاموش فرقہ نے ان کے اس فعل کو ناپسند کیا اور کہنے لگے تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا ذکر نہیں کیا تو ان کو ہلاک کرنے کا بھی ذکر نہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میرا قول بڑا اچھا لگا اور میری رائے سے راضی ہوگئے اور مجھے دو چادریں پہنائیں اور فرمایا کہ خاموش فرقہ بھی نجات پا گیا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منع کرنے والے نجات پا گئے اور باقی دونوں فرقے ہلاک ہوگئے اور یہ سخت ترین آیت ہے۔ ''نھی عن المنکر'' کے چھوڑنے میں۔

۱۶۶ (فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے معصیت کو چھوڑنے سے انکار کردیا (قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ) دور کیے ہوئے تو وہ تین دن ٹھہرے رہے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور لوگ ان کو دیکھتے تھے پھر وہ ہلاک ہوگئے۔

۱۶۷ (وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ) یعنی اطلاع کردی۔ کہا جاتا ہے کہ ''تاذّن'' اور ''اٰذن تو عّد'' اور ''اوعد'' کی طرح ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''تاذّن قال'' کے معنی میں ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکم دیا تیرے رب نے۔ (لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ) اللہ تعالیٰ نے ان پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کی اُمت کو بھیجا جو ان سے اس وقت تک قتال کرتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دینے لگیں۔ (اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

۱۶۸ (وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو فرقوں میں تقسیم کر دیا تو ان کی قوت منتشر ہوگئی (مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ایمان لے آئے (وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ) یعنی جو کفر پر باقی رہے (وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ) ہریالی اور عافیت دے کر (وَالسَّیِّاٰتِ) خشک سالی اور سختی کے ساتھ (لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ) تا کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کی طرف آجائیں اور توبہ کر لیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۶۹

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے کہ کتاب (تورات) کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کی حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس (پھر) ویسے ہی مال و متاع (دین فروشی کے عوض) آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں کیا ان سے اس (کتاب) کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ (بھی) لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد و اعمال صبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں کیا پھر (اے یہود) تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: ۱۶۹ (فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ) یعنی ان لوگوں کے بعد آئے جن کی ابھی ہم نے صفات بیان کیں (خَلْفٌ) خلف زمانہ جو زمانہ کے بعد آئے۔ ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلف لام کے سکون کے ساتھ بمعنی اولا دواحد اور جمع اس میں برابر ہیں۔ "خَلَفَ" لام کے فتحہ کے ساتھ بمعنی بدل خواہ اولاد ہو یا مسافر۔ ابن الاعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلف لام کے فتحہ کے ساتھ نیک اور لام کے جزم کے ساتھ بد۔ اور نضر بن شمیل کہتے ہیں الخلف لام کی حرکت اور سکون کے ساتھ ہو تو اس سے برا قرن مراد ہے اور اگر لام کی حرکت کے ساتھ ہو تو پھر نیک قرن ہوتا ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اکثر مدح میں لام کے زبر کے ساتھ آتا ہے اور ذم میں لام کے سکون کے ساتھ کبھی ذم میں حرکت دی جاتی ہے اور مدح میں سکون۔ (وَّرِثُوا الْکِتٰبَ) ان کی طرف ان کے آباء سے کتاب یعنی توریت منتقل ہوئی۔ (یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی) عرض دُنیا کا سامان۔ اور "عَرِض" راء کے سکون کے ساتھ دراہم و دنانیر کے علاوہ مال اور ادنیٰ سے مراد جہاں یعنی یہ فانی دُنیا۔ یہ یہود توریت کے وارث ہوئے، اس کو پڑھا اور اس پر عمل کو ضائع کر دیا اور اس کے حکم کی مخالفت کی اللہ کے حکم میں اور اس کے کلمات کو تبدیل کرنے میں رشوت

لیتے تھے (وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا) ہمارے گناہ۔ اللہ پر باطل تمنا کرتے ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مندوہ ہے جس نے اپنے نفس کو جانا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور عاجز وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے پیچھے لگا دیا اور اللہ پر جھوٹی تمنائیں کرنے لگے (وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ) یہ ان کے دُنیا کے حرص اور گناہوں پر اصرار کی خبر دی ہے کہ جب ان کے سامنے دُنیا کی کوئی چیز آ جائے تو اس کو لے لیں گے حلال ہو یا حرام اور اللہ سے مغفرت کی تمنا کرنے لگیں اور اگلے دن پھر کوئی چیز ملے تو اس کو لے لیں گے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جس کو قاضی بناتے وہ فیصلہ کرنے کے لیے رشوت لیتا تو اس کو کہا جاتا تو رشوت کیوں لیتا ہے؟ تو وہ کہتا میری مغفرت ہو جائے گی تو دوسرا اس پر طعن کرتا۔ پھر وہ قاضی جب مر جاتا اور دوسرا جو اس پر طعن کرتا تھا وہ قاضی بنتا تو وہ بھی رشوت لیتا۔ (اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ) یعنی تورات میں ان سے عہد لیا ہے کہ وہ اللہ پر باطل نہ کہیں اور وہ گناہ پر ڈٹے رہنے کے باوجود مغفرت کی تمنا کرتے ہیں اور تورات میں گناہ پر اصرار کے ساتھ مغفرت کا وعدہ نہیں کیا گیا (وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ) اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ جو اس میں ہے اس نے پڑھا ہے اور ان کو یہ یاد بھی ہے اور اگر وہ اس کو سمجھ لیتے تو آخرت کے گھر کیلئے عمل کرتے اور درس الکتاب اس کا پڑھنا اور بار بار اس میں غور وفکر کرتا۔ اس میں لکھا ہے (وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو جو اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ (جلدی) قبول کرلو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے (یعنی تورات) مضبوطی کے ساتھ اور یاد کرو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے۔

تفسیر: ﴿۱۷۰﴾ (وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ) ابوبکر رحمہ اللہ نے عاصم سے "یمسکون" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور

اکثر کی قرأت شد کے ساتھ ہے اس لیے کہ کہا جاتا ہے "مسکت بالشیء" اور "امسکت بالشیء" نہیں کہا جاتا صرف "امسکته" کہا جاتا ہے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے "والذین تمسّکوا بالکتاب" ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور یہ قرأت عمدہ ہے کیونکہ آگے "واقاموا الصّلوٰة" ماضی ہے اور ماضی کا مستقبل پر عطف بہت کم ہے ہاں معنی کے اعتبار سے ہو تو وہ کثیر ہے اور مراد وہ لوگ ہیں جو کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب کے مؤمنین ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہ انہوں نے اس کتاب کو مضبوطی سے تھاما جو موسیٰ علیہ السلام پر اُتری نہ اس میں تحریف کی اور نہ اس کو چھپایا اور اس کو کمائی کا ذریعہ بھی نہیں بنایا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں (وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ)

⓫ (وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ) یعنی ہم نے اکھاڑا (كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ) مورج کا قول ہے کہ ہم نے پہاڑ کو ان سے جدا کیا۔ فراء کا قول ہے کہ ہم نے ان پر معلق کیا۔ بعض نے کہا کہ ہم نے اسے بلند کیا (کانه ظلة) عطاء کا قول ہے کہ ظلة سے مراد چھت ہے بعض نے کہا ہر وہ چیز جو سایہ کرے (وظنوا انهم واقع بهم خذوا) اور ہم نے ان کو کہا کہ پکڑ لو۔ (ما اٰتیناکم بقوة) کوشش اور اجتہاد سے (واذکروا ما فیه) مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے) اور اس کے ساتھ عمل کرو (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ اُٹھا دیا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر ایک سجدہ میں گر گیا بائیں پہلو پر اور اپنی دائیں آنکھ سے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے اس خوف سے کہ وہ ان پر گر پڑے۔ اسی وجہ سے یہودی اپنے بائیں پہلو پر سجدہ کرتے ہیں۔

ذریت آدم کو پشت آدم سے نکالنے اور عہد کا واقعہ

⓬ (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ) مسلم بن یسار جہنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام سے بھی یہی سوال کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے کچھ مخلوق نکالی اور فرمایا کہ ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے کام کریں گے۔ پھر ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس سے مخلوق نکالی تو فرمایا کہ ان کو میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتے ہیں تو اس کو جنتیوں کے کام

کرنے کی توفیق دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس کو جہنمیوں والے کاموں پر لگاتا ہے حتیٰ کہ وہ جہنمیوں کے عملوں میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ ابوعیسیٰ (امام ترمذیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسلم بن یسار کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ (اور بعض حضرات نے اس سند میں مسلم بن یسار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کا واسطہ ذکر کیا ہے مقاتل رحمہ اللہ و دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کے دائیں پہلو کو چھوا تو سفید اولاد نکالی، چیونٹیوں کی طرح حرکت کرتے تھے، پھر بائیں پہلو کو چھوا تو اس سے سیاہ اولاد نکالی، چیونٹیوں کی طرح اور فرمایا اے آدم! یہ تیری اولاد ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں تو سفید کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے میری رحمت کے ساتھ اور مجھے پرواہ نہیں۔ یہ اصحاب الیمین ہیں اور سیاہ کے بارے میں فرمایا یہ جہنم میں جائیں گے اور مجھے پرواہ نہیں ہے، یہ اصحاب الشمال ہیں، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا۔ پس قبروں والے محبوس ہیں یہاں تک کہ یثاق والے تمام لوگ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں سے نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں جنہوں نے پہلا عہد توڑا "**وما وجدنا لاكثرهم من عهد**" اور بعض مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سعادت والوں نے خوش دلی سے اقرار کیا اور کہا بلیٰ کیوں نہیں اور اہل شقاوت نے تقیہ کرتے ہوئے اور مجبور ہو کر کہا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "**وله اسلم من في السماوات والارض طوعا او كرها**" کا معنی ہے اور یثاق کی جگہ میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں عرفہ کی ایک جانب بطن نعمان نامی وادی میں ہوا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے کہ ہندوستان کی زمین بدھناء میں ہوا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آدم علیہ السلام اُترے تھے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ اور طائف کے درمیان اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے اُتارا لیکن آسمان سے نہیں اُتارا، پھر ان کی پیٹھ کو چھوا اور ان کی اولاد نکالی اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو نکالا اور ان کی صورت بنائی اور سمجھنے کے لیے عقل اور بولنے کے لیے زبان دی۔ پھر ان سے آمنے سامنے گفتگو کی اور فرمایا "**الست بربكم**"

اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چیونٹیوں جیسا بنایا ہو اور وہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے "**قالت نملة يا ايها النّمل ادخلوا مساكنكم**" اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا تم عمل کرو میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے میں تمہارا رب ہوں میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، میں عنقریب اپنے ساتھ شرک کرنے والوں سے انتقام لوں گا جو مجھ پر ایمان نہیں لائے اور میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و یثاق یاد دلائیں گے اور تم پر کتابیں نازل کروں گا تو ان سب نے کہا ہم نے گواہی دی کہ آپ ہی ہمارے رب اور معبود ہیں، ہمارا آپ کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے تو اس پر ان سے پختہ عہد لیے، پھر ان کی عمریں اور مصائب لکھے تو آدم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو ان میں فقیر و مال دار اور اچھی و بری صورتوں والے دیکھے تو کہا اے میرے رب! آپ

نے ان کو برابر کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے جب انہوں نے توحید کا اقرار کرلیا اور ایک دوسرے پر گواہ بن گئے تو ان کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں لوٹا دیا۔ پس قیامت تب تک قائم نہ ہوگی جب تک عہد کرنے والے تمام لوگ پیدا نہ ہوجائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم" کا مطلب ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو۔ اہل مدینہ، ابوعمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "ذریاتھم" جمع کا صیغہ اور تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "ذریتھم" واحد پڑھا ہے اور تاء کے زبر کے ساتھ۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم" کا کیا معنی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو آدم علیہ السلام یک پشت سے نکالا تھا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ایک دوسرے کی پشت سے اسی ترتیب سے نکالا تھا جیسے دُنیا میں نسل کا طریقہ ہے کہ پہلے باپ، پھر بیٹا پھر پوتا، تو آدم علیہ السلام کی پشت ذکر کر کے ان سب سے استغناء ہوگیا کیونکہ یہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ" یعنی ایک دوسرے پر گواہ بنایا۔ قولہ "شھدنا ان تقولوا" ابوعمرو رحمہ اللہ نے "ان یقولوا" اور "یقولوا" دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "شھدنا" میں اختلاف ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی خبر دی ہے کہ وہ بنو آدم کے اقرار پر گواہ ہیں اور بعض نے کہا ہے یہ بنو آدم کے قول "اشھد اللہ بعضھم علیٰ بعض" کی خبر ہے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے ان کو گواہ بنا دیا ہے اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ فرشتوں کا قول ہے اس میں عبارت محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے جب اولاد آدم نے کہا "بلیٰ" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا تم گواہ ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم گواہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان یقولوا" یعنی ان کو ان کے نفس پر گواہ بنایا کہ وہ کہیں یعنی تاکہ وہ یہ نہ کہیں، یا یہ کہنے کو ناپسند کیا اور جس نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو کلام کی اصل یہ ہے میں نے تم سے خطاب کیا (کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں) تاکہ تم نہ کہو "یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین" یعنی اس میثاق اور اقرار سے۔ (وَاَشْھَدَ ھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "شھدنا" اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بنی آدم کے اقرار پر گواہ ہیں (اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ) یعنی تاکہ تم قیامت کے دن نہ کہو (اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ) یعنی اس عہد اور اقرار کی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان پر حجت کیسے لازم ہوگی حالانکہ کسی کو میثاق یاد ہی نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر دلائل واضح کر دیئے اور رسولوں نے جو خبر دی ان کی تصدیق کی۔ اب اس کے بعد جو انکار کرے وہ ضدی اور عہد کو توڑنے والا ہے اس کو حجت لازم ہوگی اور ان کے بھول جانے اور یاد نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سچے مخبر معجزات والے خبر دے چکے ہیں۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ م بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے سو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں اور تا کہ وہ باز آ جاویں اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا۔

تفسیر ⑰ (اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ م بَعْدِهِمْ) یعنی تم سے میثاق اس لیے لیا گیا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے آباء واجداد نے کیا اور انہوں نے عہد توڑا اور ہم ان کی اولاد ان کے بعد آئے ہیں ہم نے ان کی اقتداء کی اور اس کو اپنے لیے عذر بنالو اور کہنے لگو (اَفَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ) یعنی کیا آپ ہمیں ہمارے آباء کے جرم کی سزا دیں گے تو ایسی دلیلیں لانے سے ان کو فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ توحید کے میثاق کو کئی دفعہ یاد دلوا چکے ہیں۔

⑱ (وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ) یعنی آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ ان میں بندے تدبر کریں (وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) کفر سے توحید کی طرف۔

⑲ (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ) اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "بلعم بن باعوراء" ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بلعام بن باعور" عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کنعانی لوگوں میں سے تھا جبارین کے شہر میں سے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلقاء شہر کا تھا۔

بلعم بن باعور کا واقعہ

اس کا واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن اسحاق، سدی رحمہما اللہ و دیگر حضرات کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جبارین سے لڑائی کا ارادہ کیا اور ملک شام میں بنی کنعان کی زمین میں پڑاؤ ڈالا تو وہ قوم بلعم کے پاس آئی۔ اس کے پاس اسم اعظم تھا تو یہ لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑا طاقتور بندہ ہے اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ وہ آیا ہے تا کہ ہمیں ہمارے شہر سے نکال دے اور ہمیں قتل کر کے بنی اسرائیل کو وہاں ٹھہرا دے۔ تیری دُعا قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دُعا کر کہ وہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو بلعم نے کہا تم ہلاک ہو اللہ کا نبی اس کے ساتھ فرشتے اور مؤمنین ہیں، میں ان پر بددُعا کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ میں اللہ سے علم رکھتا ہوں اگر میں نے ایسا کیا تو میری دُنیا اور آخرت چلی جائے گی تو وہ آہ و زاری کرنے لگے اور بار بار اصرار کرنے لگے تو بلعم نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کروں گا اور وہ تب تک دُعا نہ کرتا تھا جب تک خواب میں اس کو اس دُعا کا حکم نہ دیا جاتا تو اس نے ان پر بددُعا کرنے کا مشورہ کیا تو خواب میں کہا گیا کہ ان پر بددُعا نہ کرنا تو اس نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ میں نے اللہ سے مشورہ کیا، مجھے بددُعا سے روک دیا گیا ہے تو انہوں نے ہدیہ دیا، اس نے قبول

کرلیا، پھرانہوں نے وہی مطالبہ کیا تو اس نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں، جب مشورہ کیا تو کوئی اشارہ نہ ہوا تو اس نے کہا مجھے مشورہ میں کوئی اشارہ نہیں ہوا تو انہوں نے کہا اگر آپ کے رب کو ناپسند ہوتا آپ کا بددُعا کرنا تو جیسے پہلی مرتبہ آپ کو منع کردیا تھا ویسے ہی اب بھی منع کردیتے تو وہ گڑگڑاتے رہے یہاں تک کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہوگیا اور اپنی گدھی پر سوار ہوکر پہاڑ کی طرف چل پڑا کہ بنی اسرائیل کے لشکر پر جھانک سکے جب تھوڑا سا چلا تو وہ گدھی گھٹنے کے بل بیٹھ گئی۔

تو بلعم اس سے اُترا، اس کو مارا تو وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ سوار ہوا تھوڑا سا چلا کہ پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تو اس نے دوبارہ وہی کام کیا وہ پھر کھڑی ہوئی، ایسا کئی مرتبہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے گدھی کو بات کرنے کی اجازت دی تو اس نے کہا تیرا ناس ہو اے بلعم! تو کہاں جارہا ہے؟ کیا تو فرشتوں کو میرے آگے نہیں دیکھ رہا کہ وہ مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں؟ کیا تو مجھے لے کر اللہ کے نبی اور مؤمنین پر بددُعا کرنے جارہا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا تو وہ چل پڑی۔ جب وہ حسان پہاڑ پر چڑھی تو وہ ان پر بددُعا کرنے لگا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان اس کی قوم کی طرف پھیر دی کہ ان پر بددعا کر بیٹھا اور اپنی قوم کے لیے خیر کی دُعا کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بنی اسرائیل کی طرف پھیر دیا تو اس کی قوم نے کہا اے بلعم! تجھے پتہ ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تو ہم پر بددُعا اور بنی اسرائیل کے لیے دُعا کررہا ہے۔ تو وہ کہنے لگا میں اپنی زبان پر قادر نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس پر غالب آگئے ہیں پھر اس کی زبان باہر نکل کر سینہ پر آگئی تو اس نے کہا اب میری دُنیا اور آخرت برباد ہوگئی۔ اب صرف مکر اور حیلہ باقی رہ گیا ہے۔ میں تمہارے لیے حیلہ کروں گا تم عورتوں کو خوب سنوار کر ان کو سامان بیچنے لشکر میں بھیجو اور ان کو کہو کہ کوئی آدمی اگر کچھ کرنا چاہے تو نہ روکیں کیونکہ اگر ان میں سے ایک آدمی نے بھی زنا کیا تو تمہیں کافی ہے۔ انہوں نے ایسا کیا جب عورتیں لشکر میں گئیں تو ایک کنعانی عورت کشتی بنت صور بنی اسرائیل کے ایک بڑے آدمی زمری بن شلوم پر گزری۔ یہ شمعون بن یعقوب قبیلہ کا سردار تھا تو اس کو اسی عورت کا حسن بڑا اچھا لگا تو اس نے اس عورت کا ہاتھ پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لے آیا اور کہنے لگا کہ آپ اس کو کہیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ تجھ پر حرام ہے تو اس نے کہا اللہ کی قسم میں اس بات میں آپ علیہ السلام کی اطاعت نہ کروں گا۔ پھر اس عورت سے زنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بنی اسرائیل پر طاعون بھیج دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خاص آدمیوں میں سے فنحاص بن عیزار بن ہارون کہیں گیا ہوا تھا وہ آیا تو طاعون کی وجہ پوچھی اور ان کے خیمہ میں گیا تو وہ دونوں مرد وعورت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ہتھیار سے ان کے سر اُڑا دیئے اور ہتھیار پر بلند کرکے باہر لے آیا اور کہنے لگا، اے اللہ! جو تیری نافرمانی کرے گا ہم اس کے ساتھ ایسا ہی کریں گے تو طاعون ان سے دور کردیا گیا۔ زمری اور اس عورت کے برے کام اور فنحاص کے ان کو قتل کرنے کی مدت میں بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی طاعون سے مرگئے۔

یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل جو ذبیحہ کرکے ان کا دست جبڑا اور پہلو فنحاص کی اولاد کو دیتے تھے کیونکہ فنحاص نے زمری اور عورت کو نیزے میں پرو کر نیزہ ہاتھ میں اٹھا کر کہنی کو اپنے پہلو سے ٹیکا تھا اور لاشوں کو اپنے جبڑوں سے لگا کر روک رکھا تھا اور بنی اسرائیل اپنے اونٹوں میں سے ایک نوجوان اونٹنی بھی فنحاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فنحاص عیزاء کا جیٹھا بیٹا تھا۔

بلعم کے بارے میں یہ آیت اُتری تھی "واتل علیھم نبا الذی آتیناہ آیاتنا"

مقاتل کا بیان ہے کہ شاہ بلقاء نے بلعم سے کہا کہ موسیٰ کیلئے بددعا کرو۔ بلعم نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں۔ میں ان کے لئے بددعا نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے صلب کے تختے نصب کرائے (اور حکم دیا کہ بددعا کرو ورنہ تم کو صلیب پر لٹکا دوں گا) بلعم نے یہ حالت دیکھی تو خچر پر سوار ہو کر بددعا کرنے کیلئے بستی سے باہر نکلا۔ بنی اسرائیل کے لشکر کے سامنے پہنچا تو خچر رک گیا۔ بلعم نے خچر کو مارا خچر نے کہا تو مجھے کیوں مارتا ہے۔ مجھے تو حکم ہی یہ ملا ہے میرے آگے یہ آگ ہے جو مجھے چلنے سے روک رہی ہے۔ بلعم لوٹ آیا اور بادشاہ سے واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے کہا تم کو بددعا تو کرنی ہوگی ورنہ میں صلیب پر لٹکا دوں گا۔ آخر بلعم نے اسم اعظم پڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے بددعا کی کہ وہ اس شہر میں داخل نہ ہوں بددعا قبول ہوگئی اور اس کی بددعا کی وجہ سے بنی اسرائیل تیہ میں پھنس گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار ہم کس جرم کی وجہ سے تیہ میں پھنس گئے۔ اللہ نے فرمایا بلعم کی بددعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا پروردگار جس طرح تو نے اس کی بددعا میرے متعلق قبول فرمائی۔ میری بددعا اس کے متعلق بھی قبول فرمالے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے بددعا کی بلعم سے اسم اعظم اور ایمان چھن لیا جائے۔ موسیٰ کی بددعا سے اس کی معرفت سلب کر لی اور ایمان اس طرح کھینچ لیا۔ جیسے بکری کی کھال کھینچ لی جاتی ہے۔ سفید کبوتر کی شکل میں ایک صورت اس کے اندر سے نکل گئی۔ آیت فَانْسَلَخَ مِنْهَا سے یہی مراد ہے۔

(فَانْسَلَخَ مِنْهَا) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب اور زید بن اسلم اور لیث بن سعد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُمیہ بن ابی صلت ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ⑰⑥

(ترجمہ) اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑے تب بھی ہانپے یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔

(تفسیر) اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے پہلی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجنے والے ہیں اس کو اُمید تھی کہ وہ رسول میں ہی ہوں گا۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنایا گیا تو اس کو حسد ہوا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا انکار کیا۔ یہ حکمت اور اچھی نصیحت کرنے والا شخص تھا۔ یہ کسی بادشاہ کے پاس گیا ہوا تھا واپس آیا تو بدر کے مقتولین پر گزر ہوا تو

کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل نہ کرتے۔ جب اُمیہ مرگیا تو اس کی بہن گھبرائی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھائی کی وفات کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا وہ سویا ہوا تھا کہ دو آنے والے اس کے پاس آئے اور گھر کی چھت کھول دی اور نیچے اُترے، ایک اس کے پاؤں اور دوسرا سرہانے بیٹھ گیا، پاؤں والے نے سر والے کو کہا یہ زیادہ یاد رکھنے والا ہے اس نے جواب دیا پاکیزہ ہے اس نے کہا اس نے انکار کیا۔ وہ بہن کہتی ہے کہ میں نے اُمیہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے بارے میں بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ پھر اس پر غشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

زندگی کتنی ہی مدت تک لمبی ہو۔ اس کو کبھی زوال کی طرف جانا ہی ہے۔ جو حالت میرے سامنے آئی کاش اس سے پہلے ہی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہاڑی بکرے چراتا (یعنی گوشہ گیر ہو کر سب انسانوں سے الگ جا رہتا)

بلاشبہ حساب فہمی کا دن بڑا دن ہوگا ایسا بھاری دن ہوگا کہ (شدت ہول سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے شعر مجھ کو سناؤ تو اس نے کچھ قصیدے سنائے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے شعر ایمان لائے اور اس کا دل کافر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ آیت بسوس کے بارے میں نازل ہوئی یہ بنی اسرائیل کا آدمی تھا اس کو تین مقبول دُعاؤں کا کہا گیا۔ اس کی بیوی تھی جس سے ایک بیٹا تھا تو بیوی نے کہا ایک مقبول دُعا مجھے دے اس نے کہا کیا چاہتی ہے؟ اس نے کہا اللہ سے دُعا کر کہ وہ مجھے بنو اسرائیل کی خوبصورت ترین عورت بنادے، اس نے دُعا کی تو وہ خوبصورت عورت بنادی گئی جب اس کو یہ نعمت ملی تو خاوند سے بے رغبتی دکھانے لگی اور اکڑنے لگی تو خاوند کو غصہ آیا اور اس پر بددُعا کی تو وہ بھونکنے والی کتیا بن گئی تو دو دُعائیں چلی گئیں تو اس کا بیٹا آیا کہ ہماری زندگی کا کیا فائدہ؟ ہماری ماں کتیا بن گئی ہے لوگ ہمیں عار دلاتے ہیں آپ اللہ سے دُعا کریں کہ اس کو پہلے جیسا کردے تو وہ دُعا کی وہ عورت ٹھیک ہوگئی اور ساری دُعائیں بھی چلی گئیں اور پہلے دو قول زیادہ ظاہر ہیں۔ حسن اور ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اہل کتاب کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کی مثال بیان کی ہے جس پر ہدایت پیش کی گئی ہو اور اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "واتل علیھم نبأ الّذی آتیناہ آیاتنا" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے اللہ تعالیٰ عطا کرتے اور دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب دی گئی تو وہ اس سے ایسے نکلا جیسے سانپ اپنی کھال سے نکلتا ہے۔ (فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ)

⓱⓺ (وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ) یعنی اس کا مرتبہ اور درجہ ان آیات کے ذریعے بلند کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہم اپنے علم سے اس کو بلند کرتے ہیں اور مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہم ان سے کفر اُٹھا دیتے ہیں اور اس کو آیات سے بچا لیتے ہیں۔

(بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ) یعنی دُنیا میں رہائش رہی اور دُنیا کی طرف مائل رہا زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خَلَدَ" اور "اَخْلَدَ" ایک ہیں اور اس کی اصل خلود سے ہے اور وہ دوام اور مقام ہے کہا جاتا ہے "اَخْلَدَ فلان بالمکان جب وہ اس میں مقیم ہو اور الارض سے یہاں دُنیا مراد ہے اس لیے کہ دُنیا میں جو بیابان اور لہلہاتے کھیت ہیں سب ارض ہیں اور دُنیا کا سارا سامان زمین سے نکالا ہوا ہے۔ (وَاتَّبَعَ هَوٰهُ) جس طرف خواہش نے دعوت دی اس کا مطیع ہوگیا اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی خواہش قوم کے ساتھ تھی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کا طالب بنا اور اپنے شیطان کی اطاعت کی یہ سخت ترین آیت ہے علماء پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایک شخص کو اپنی آیات میں سے اسم اعظم دیا اور مستجاب دُعا اور علم وحکمت دیا تو وہ دُنیا کے میلان اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اس کا مستحق ہوا کہ اس پر نعمت تبدیل کردی جائے اور اس سے چھین لی جائے اور ان دو خصلتوں سے وہی عالم محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اتنی خرابی نہیں مچاتے جتنا آدمی کا مال پر حرص خرابی مچاتا ہے اور شرف اس کے دین کو ہے۔ (فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ) کہا جاتا ہے "لهث الكلب يلهث لهثا" جب وہ اپنی زبان نکالے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس کی مثال ہے جو کتاب پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر اگر اس کو ڈراؤ تو نہ ڈرے اور اگر چھوڑ دو تو ہدایت نہ پائے دونوں حالتیں اس پر برابر ہیں، کتے کی دونوں حالتوں کی طرح کہ اگر اس کو بھگایا جائے یا بوجھ لادا جائے تب بھی ہانپتا ہے اور اگر اس کو آرام سے بٹھایا جائے تب بھی ہانپتا ہے فرماتے ہیں ہر چیز یا بھوک سے ہانپتی ہے یا پیاس سے لیکن کتا بھوک، راحت، پیاس، ہر حال میں ہانپتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کی مثال بیان کی ہے جو اس کی آیات کو جھٹلائے تو فرمایا اگر آپ اس کو نصیحت کریں تو وہ گمراہ ہے اور اگر نصیحت چھوڑ دیں تو بھی وہ گمراہ ہے کتے کی طرح کہ اگر آپ اس کو دھتکار دو تو بھی ہانپتا ہے اور اگر اس کے حال پر چھوڑ دو تو بھی ہانپتا ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "وان تدعوهم الى الهدىٰ لا يتبعوكم سواء عليكم ادعوتموهم ام انتم صامتون" پھر تمام تکذیب کرنے والوں کے بارے میں عام مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ (ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ) بعض نے کہا یہ کفار مکہ کی مثال ہے کہ وہ تمنا رکھتے تھے کہ کوئی ہادی ان کے پاس آئے ان کو سیدھا راستہ دکھائے اور اللہ کی طاعت کی طرف بلائے۔ پھر جب ان کے پاس ایسے نبی آئے جن کے سچا ہونے میں ان کو ذرہ بھی شک نہ تھا تو انہوں نے ہدایت حاصل نہ کی۔

سَآءَ مَثَلَا ِۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: (حقیقت میں) ان لوگوں کی حالت بھی بری ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور (اس تکذیب سے) وہ

اپنا (ہی) نقصان کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے سوایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔

تفسیر ⑰⑦ (سَآءَ مَثَلًا ِ الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا) اس کی اصل عبارت "ساء مثلاً مثل القوم" ہے مثل کو حذف کردیا گیا ہے اور قوم کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔ اس لیے القوم پر پیش پڑھا گیا ہے۔ (وَاَنْفُسَهُمْ کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ)

⑰⑧ (مَنْ یَّهْدِاللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ⑰⑨ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑱⓪

ترجمہ اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ (بے راہ) ہیں یہ لوگ غافل ہیں اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں سے کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

تفسیر ⑰⑨ (وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر بدبختی کے ازلی کلمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے جس کو اللہ نے جہنم کے لیے پیدا کیا، اس کے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بچوں میں سے کسی کا جنازہ پایا تو میں نے کہا اس کے لیے خوشخبری ہے جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس نے خبر دی ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے حق دار بھی پیدا کیے حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اور جہنم کو پیدا کیا اور اس کے حق داروں کو بھی پیدا کیا حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے (لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا) یعنی ان سے خیر اور ہدایت کو نہیں جانتے (وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا) حق راستے کو (وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا) قرآن کی نصیحتیں کہ سن کر ان میں غور وفکر کریں۔ پھر ان کی جہالت اور کھانے پینے میں بندر ہنے کی مثال دی اور فرمایا کہ (اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ) یعنی چوپایوں کی طرح ہیں کہ ان کا بھی بڑا مقصد کھانا پینا اور شہوت پوری کرنا ہوتا ہے بلکہ یہ زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ جانوروں کو نفع ونقصان کی تمیز ہے نقصان وہ کام نہیں کرتے

اور یہ لوگ تو جاننے کے باوجود آگ میں جانے والے کام کر رہے ہیں (اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ)

⓲⓪ (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے دُعا میں رحمٰن کو پکارا تو مکہ کے بعض مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ وہ ایک رب کو بلاتے ہیں تو یہ دو کو کیوں بلا رہا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "وللّٰہ الاسماء الحسنٰی فادعوہ بھا" حسنٰی احسن کی مؤنث ہے جیسے کبریٰ اور صغریٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں سو سے ایک کم جو ان کو یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے (وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ) حمزہ رحمہ اللہ نے "یلحدون" یاء اور حاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو۔ کسائی رحمہ اللہ نے النحل میں اس کی موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے یاء کے پیش اور حاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور الحاد کا معنی سیدھے راستے سے اعراض کرنا۔ کہا جاتا ہے "الحد یلحد الحاداً ولحد یلحد لحوداً" جب وہ مائل ہو جائے۔ یعقوب سکیت رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ الحاد حق سے اعراض کرنا اور حق میں وہ چیز داخل کرنا جو اس میں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے "الحد فی الدین والحد بہ" حمزہ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ (سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ)

ملحدین سے مراد مشرکین مکہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے نام تبدیل کیے کہ ان ناموں کو بتوں کو دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کچھ حرف کم کر دیئے۔ مثلاً لات کو اللہ سے "عزّی" کو عزیز سے "مناۃ" کو منان سے مشتق کیا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کا الحاد بتوں کو معبود کا نام دینا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "یلحدون فی اسمائہ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اسماء میں الحاد یہ ہے کہ اللہ کو ایسا نام دینا جو نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء توقیفی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود کو جواد کہا ہے سخی نہیں کہا۔ اگرچہ معنی ایک ہے اور رحیم نام لیا ہے رفیق نہیں اور عالم نام رکھا ہے عاقل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یخادعون اللّٰہ وھو خادعھم" اور فرمایا "ومکروا ومکر اللّٰہ" اور دُعا میں "یا مخادع" اور یا مکار نہیں کہا جاسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء سے دُعا کی جاتی ہے جو تعظیم کے طور پر منقول ہیں۔ پس یوں کہا جاتا ہے یا اللہ! یا رحمٰن! یا رحیم! یا عزیز! یا کریم! وغیرہ۔ "سیجزون ما کانوا یعملون" آخرت میں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ⓲⓵ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ⓲⓶ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ⓲⓷

(ترجمہ) اور ہماری مخلوق جن وانس میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں

اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

تفسیر ⑮ (وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ) عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مراد ہے۔ یعنی مہاجرین و انصار اور احسان کے ساتھ ان کے پیچھے چلنے والے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور ایک قوم کو تم سے پہلے اس کی مثال دیا گیا تھا۔ "ومن قوم موسٰی اُمّة یهدون بالحق وبه یعدلون" عمیر بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری اُمت میں سے ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے حکم کے ساتھ قائم رہے گی ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا جو ان کو رسوا کرنا چاہے گا اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ تمام مخلوق میں سے ہیں۔

⑱ (وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسی جگہ سے مکر کریں گے کہ ان کو علم ہی نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہم ان کے اطمینان کی جگہ سے آئیں گے۔ جیسا کہ فرمایا "فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر کے ان کو ہلاک کر دیں گے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ نئی نافرمانی کریں گے ہم ان کے لیے نئی نعمت لائیں گے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر نعمتیں نچھاور کر دیں گے اور ان کو شکر بھلا دیں گے۔

اہل معانی فرماتے ہیں کہ استدراج یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف خفیہ تھوڑا تھوڑا چلا جائے، اس کو اعلانیہ ظاہر نہ کیا جائے، اسی سے درج الصبی ہے کہ جب بچہ اپنے چلنے میں قدم قریب قریب رکھے اور اسی سے درج الکتاب ہے جب کتاب کو ایک شئی کے بعد دوسری سے لپیٹ دے۔

⑱ (وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ) یعنی میں ان کی زندگی لمبی کروں گا تا کہ وہ نافرمانیوں میں بڑھیں۔ میرا پکڑنا سخت مضبوط ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مذاق اُڑانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک رات میں قتل کر دیا۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ⑱ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ⑱ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ⑱ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱٧

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے انکو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب آ پہنچی ہو پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا (پھر غم لاحاصل ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو انکی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا (اس لئے) وہ تم پر محض اچانک آ پڑے گی وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: ⑱٤ (اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور قریش کے ہر قبیلہ کو اس کے نام سے پکارا، ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ایک کہنے والے نے کہا کہ تمہارا یہ ساتھی مجنون ہے صبح تک یہی آوازیں لگاتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آیت میں صاحب سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ) پھر ان کو ایسے غور وفکر پر اُبھارا جو ان کو علم تک پہنچادے۔

⑱٥ پس کہا (اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ) یعنی آسمان وزمین میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں غور وفکر کرکے اس کی وحدانیت پر استدلال کرو (وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ) یعنی شاید کہ ان کا وعدہ قریب آ گیا ہو تو وہ ایمان لانے سے پہلے مرجائیں اور عذاب میں جا پڑیں۔ (فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ م بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ) یعنی قرآن کے بعد۔ مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب لائے اس کے علاوہ کس کتاب کی تصدیق کریں گے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی کتاب۔ پھر ان کے ایمان سے اعراض کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

⑱٦ (مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ) اہل بصرہ اور عاصم نے یاء کے ساتھ اور راء کے رفعہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یاء کے ساتھ اور راء کے جزم کے ساتھ اور راء کا جزم "یضلل" پر عطف کی وجہ سے ہوگا اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ اور راء کے رفعہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نئی کلام ہے۔ (فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ) اپنی سرکشی میں متردد اور متحیر ہیں۔

⑱٧ (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ بے شک ہمارے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے ہمیں یہ بتادیں کہ قیامت کب ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی (یسئلونک عن الساعۃ) قیامت کے بارے میں (قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو اس کے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ اس کا علم بھاری ہے اور اس کا معاملہ آسمان اور زمین والوں پر مخفی ہے اور ہر مخفی چیز ثقیل ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو آسمانوں اور زمین والوں پر بھاری ہوگی۔

(لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً) اچانک غفلت کی حالت میں آئے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ دو آدمیوں نے اپنے کپڑے پھیلائے ہوئے ہوں گے نہ ان کی بیع کر سکیں گے اور نہ اس کو لپیٹ سکیں گے اور البتہ قیامت قائم ہوگی کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر گیا ہوگا اس کو پی نہ سکے گا اور قیامت قائم ہوگی کہ وہ اپنے حوض کو لیپ رہا ہوگا تو اس میں پانی نہ ڈال سکے گا اور قیامت قائم ہوگی کہ آدمی نے اپنا لقمہ منہ کی طرف اُٹھایا ہوا ہوگا اس کو کھا نہ سکے گا۔ (یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا) یعنی اس کو جانتے ہیں۔ یہ مشتق ہے ان کے قول "احفیتُ بالمسئلۃ" سے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کے سوال میں مبالغہ کرے یہاں تک کہ اس کو جان لے (قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ) کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَااللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع (تکوینی کے حاصل کرنے) کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر (تکوینی کے رفع کرنے) کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی میں تو محض (احکام شرعیہ بتلا کر ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ ایسا (قادر ومنعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حواؑ) تا کہ وہ اس (اپنے جوڑے) سے انس حاصل کرے پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔

تفسیر ۱۸۸ (قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کہنے لگے اے محمد! آپ کا رب آپ کو سستے ریٹ کا ریٹ بڑھنے سے پہلے نہیں بتاتے کہ آپ علیہ السلام غلہ خرید کر ریٹ بڑھنے کے بعد نفع کمائیں اور اس زمین کا بھی نہیں بتاتا جو خشک ہونے لگی ہے تا کہ آپ علیہ السلام اس سے کوچ کر کے خوشحال زمین کی طرف چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (آپ کہہ دیں کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا) یعنی اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ تجارت میں نفع حاصل کرلوں اور نہ نقصان کا مالک ہوں کہ زمین کے بنجر ہونے سے پہلے وہاں سے چلا جاؤں مگر جو اللہ چاہے کہ میں اس کا مالک بنوں (وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ) یعنی اگر مجھے زمین کی ہریالی اور خشک سالی کا علم ہوتا تو میں قحط کے زمانہ میں بہت سارا مال جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی یعنی تکلیف، فقر، بھوک۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں اپنے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، یعنی ہدایت اور گمراہی کا مالک نہیں اور اگر غیب کا علم جانتا یعنی میں کب مروں گا تو میں خیر کو حاصل کر لیتا، یعنی نیک عمل کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں شر سے بچتا اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں جانتا کہ کب قیامت قائم ہوگی تو میں تمہیں خبر دیتا تا کہ تم ایمان لے آتے اور تمہاری تکذیب سے مجھے برائی نہ پہنچتی (اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ) اس شخص کو جو میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے (وَّ بَشِیْرٌ) جنت کی (لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) یؤمنون یصدقون کے معنی میں ہے۔

۱۸۹ (هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) یعنی آدم علیہ السلام سے (وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا) یعنی حواء علیہا السلام (لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا) تا کہ اس سے انس حاصل کرے (فَلَمَّا تَغَشّٰهَا) یعنی جماع کیا (حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا) یہ نطفہ سے حمل کی ابتداء ہے کہ ابتداء میں عورت پر ہلکا ہوتا ہے (فَمَرَّتْ بِهٖ) یعنی اس حمل کے ساتھ چلتی پھرتی اٹھتی بیٹھتی رہی، کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا (فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ) یعنی بچہ اس کے پیٹ میں بڑا ہو گیا اور اپنے حمل سے بوجھل ہو گئی اور اس کی ولادت قریب ہو گئی۔

(دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا) یعنی آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام نے (لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا) یعنی ہمارے جیسا تندرست بچہ (لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حواء علیہا السلام کو حمل ہوا تو ابلیس انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تو کہنے لگا آپ کے پیٹ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے نہیں پتہ۔ تو وہ کہنے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ کوئی درندہ یا کتا یا خنزیر نہ ہو اور یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ نکلے گا کہاں سے اگر پیچھے سے نکلا تو تجھے مار دے گا یا منہ سے نکلے گا یا پیٹ پھاڑ کر تو حضرت حواء علیہا السلام کو اس کی باتوں سے خوف آیا تو انہوں نے یہ باتیں آدم علیہ السلام کو بتائیں تو وہ دونوں اس فکر میں لگ گئے۔ پھر وہ دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ میرا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے اگر میں اللہ سے دعا کروں کہ اس کو تندرست بنا دے تو دعا قبول ہو گی اور بچہ آسانی سے پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بدلے میں کیا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ دے گی؟ ابلیس کا نام فرشتوں میں حارث تھا۔ حضرت حواء علیہا السلام نے یہ بات آدم علیہ السلام کو بتائی۔ انہوں نے کہا کہ شاید یہ وہی ساتھی ہے جس کو تو جانتی ہے ابلیس، بار بار آتا رہا حتیٰ کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

مروی ہے کہ حواء علیہا السلام کی آدم علیہ السلام سے جو اولاد ہوتی اس کا نام عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن رکھتیں تو وہ بچے مر جاتے تو ان کے پاس ابلیس آیا اور کہا کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد زندہ رہے تو اس کا نام عبدالحارث رکھو تو بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ زندہ رہا اور حدیث میں ہے کہ ان دونوں کو ابلیس نے دو مرتبہ دھوکہ دیا۔ ایک مرتبہ جنت میں اور دوسری مرتبہ دُنیا میں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا بچہ پیدا ہوا انہوں نے عبداللہ نام رکھا، اس سے پہلے بھی ان کا ایک عبداللہ نام کا بچہ فوت ہو چکا تھا تو ابلیس نے آکر پوچھا کیا نام رکھا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا عبداللہ تو اس نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو تمہارے پاس چھوڑ دیں گے؟ اللہ تو اس کو اپنے پاس بلالیں گے، میں تمہیں ایک نام بتاتا ہوں جس سے بچہ زندہ رہے گا تم اس کا نام عبد شمس رکھو، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

تفسیر اور بعض نے کہا کہ آیت میں یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد دی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مراد ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ اور عبداللات اور عبد مناۃ رکھا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق مخاطب ہے۔ اپنے قول "خلقکم" کے ساتھ یعنی ہر ایک کو اس کے باپ سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی یعنی اس کی جنس سے اس کی بیوی بنائی اور یہ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اگر اسلاف میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، سعید بن مسیب اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت کا یہ قول نہ ہوتا کہ یہ آیت آدم و حواء علیہما السلام کے بارے میں ہے۔

⑲ (**فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا**) اہل مدینہ اور ابوبکر رحمہم اللہ "شِرْكًا" شین کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی شرکت۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بمعنی حصہ اور باقی حضرات نے شرکاء شین کے ضمہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا کہ شریک کی جمع ہے یعنی ابلیس مراد ایک ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے۔ یعنی اس کا شریک بنایا جب بچہ کا نام عبدالحارث رکھا، یہ عبادت میں شریک کرنا نہیں تھا اور نہ ہی حارث آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کا رب تھا کیونکہ آدم علیہ السلام نبی تھے اور شرک سے معصوم تھے لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ حارث بچہ کی نجات کا سبب ہے اور عبد کا لفظ عاجزی کے لیے بھی بولا جاتا ہے ہر جگہ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ اس کو معبود مانتا ہے جیسے کسی کا مہمان آئے تو وہ تواضع میں خود کو عبدالضیف کہتا ہے تو یہ مطلب نہیں کہ مہمان کو معبود مان لیا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو کہا "رَبِّی" تو یہ مراد نہیں تھی کہ وہ ان کا معبود ہے (**فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ**) بعض نے کہا کہ یہ نئی کلام ہے اس سے مراد اہل مکہ کا شرک کرنا ہے اور اگر ما قبل سے تعلق ہو تو بھی معنی ٹھیک ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ شرک فی الاسم بھی نہ کرتے اور آیت کی تفسیر میں ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے اولادِ آدم علیہ السلام کے تمام مشرکین مراد ہیں۔ یہی حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول

ہے۔اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اپنی اولاد کو شریک بنادیا ہے تو یہاں اولاد کا لفظ محذوف ہے۔اور ان دونوں کو ان کا قائم مقام بنادیا گیا ہے جیسا کہ آباء کے فعل کی نسبت ابناء (اولاد) کی طرف کی ہے ان کو عار دلانے کے لیے یا ان آیات میں اور فرمایا "ثم اتخذتم العجل" اور "واذ قتلتم نفسا" اس سے ان یہود کو خطاب کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے حالانکہ یہ کام تو ان کے آباء نے کیا تھا۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑲١ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ⑲٢ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ⑲٣ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑲٤

ترجمہ کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو نہ بنا سکیں اور (بلکہ) وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتی اور (اس سے بڑھ کر یہ کہ) وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور (اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ) اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں (بہر حال) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو اور یا تم خاموش رہو واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو (اور) پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔

تفسیر ⑲١ (اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا) یعنی ابلیس اور بتوں کو (وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ) یعنی وہ خود مخلوق ہیں۔

⑲٢ (وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا) یعنی بت اپنا کہنا ماننے والوں کی مدد نہیں کر سکتے (وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان کو توڑنا چاہے تو وہ اپنے سے اس کو دور نہیں کر سکتے۔پھر مؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا۔

⑲٣ (وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى) اگر تم مشرکین کو اسلام کی طرف بلاؤ (لَا يَتَّبِعُوْكُمْ) نافع رحمہ اللہ نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "يتبعهم الغاوون" شعراء میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں میں شد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔کہا جاتا ہے "تبعه تبعا واتبعه اتباعا" (سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ) ان کو پکارنے سے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

جیسا کہ فرمایا ہے "سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون" اور بعض نے کہا ہے کہ اگر تم ان بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں گے اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔

⑲٤ (اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) یعنی بتوں کو (عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) کہ کیا وہ معبود تمہاری طرح مملوک ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ تمہاری طرح مسخر ہیں۔یعنی وہ مسخر اور تابع کیے گئے ہیں اس کام کے لیے جو ان سے مراد ہے۔مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عباد امثالکم" سے فرشتے مراد ہیں اور یہ خطاب فرشتوں

کی عبادت کرنے والی قوم کو ہے اور پہلا قول صحیح ہے۔ پھر ان کی عاجزی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھامیں یا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلالو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

تفسیر ﴿۱۹۵﴾ (اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ) ابو جعفر نے یہاں اور سورۃ قصص اور دخان میں طاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے طاء کی زیر کے ساتھ (اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا) مراد یہ ہے کہ مخلوق کی قدرت ان اعضاء اور آلات کے ذریعے ہے اور بتوں کے تو یہ آلات ہی نہیں ہیں تو ان بتوں سے تو تم خود افضل ہو کہ چلنے کے لیے پاؤں اور پکڑنے کے لیے ہاتھ اور دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سننے کے لیے کان ہیں تو تم ان کی کیسے عبادت کرتے ہو جن سے تم افضل ہو اور تمہاری قدرت ان سے زیادہ ہے؟ (قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ) اے مشرکوں کی جماعت (ثُمَّ كِيْدُوْنِ) تم اور وہ مل کر (فَلَا تُنْظِرُوْنِ) میری برائی میں جلدی کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم ان کی عبادت کرو کیا وہ تمہیں ثواب دیں گے یا تمہیں جزاء دیں گے اگر تم سچے ہو کہ تمہارا ان کے ہاں نفع ہے۔

﴿۱۹۶﴾ (اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ) یعنی قرآن کہ اس نے میری مدد کی کتاب اُتار کر (وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے برابر کسی کو نہیں کرتے تو اللہ اپنی مدد سے ان کی حمایت کرتا ہے ان کے دشمنوں کی دشمنی ان کو نقصان نہیں دیتی۔

⑲⑦ (وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ)

⑲⑧ (وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط یعنی بت وَتَرٰىهُمْ اے محمد يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) وہ بتوں کی طرف دیکھتے ہیں (وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) یہاں حقیقتاً دیکھنا مراد نہیں ہے کہ مقابلہ مراد ہے عرب کہتے ہیں داری تنظیر الی دارک یعنی اس کے مقابل ہے اور بعض نے کہا ہے وتراھم ینظرون الیک یعنی گویا کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول (وتری الناس سکاری) ہے یعنی گویا کہ وہ نشہ میں ہیں یہ مفسرین کا قول ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین نہ سنتے ہیں اور نہ اپنے دل سے اس کو سمجھتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ آنکھوں سے تو آپ کو دیکھتے ہیں لیکن اپنے دل سے نہیں دیکھتے اور سمجھتے۔

⑲⑨ (خُذِ الْعَفْوَ) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ لوگوں کے اخلاق سے چشم پوشی کریں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی لوگوں کے اخلاق میں چشم پوشی کریں اور ان کے اعمال کو بغیر تجسس کے قبول کر لیں۔ مثلاً عذر کو قبول کرنا اور عفو چشم پوشی اور اشیاء کی تفتیش کو چھوڑنا۔ روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ سے پوچھ نہ لوں کچھ نہیں جانتا، پھر لوٹے اور کہا کہ بے شک آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے کہ جو آپ علیہ السلام سے رشتہ توڑے اس سے جوڑیں اور جو آپ کو محروم کرے اس کو دیں اور جو آپ سے ظلم کریں اس کو معاف کریں۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سدی، ضحاک اور کلبی رحمہما فرماتے ہیں یعنی جو اموال میں سے بچ جائے وہ لے لیں اور وہ عیال سے بچنے والا مال ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "یسالونک ماذا ینفقون قل العفو" کا۔ پھر یہ آیت فرض صدقات سے منسوخ ہوگئی۔

(وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ) یعنی ہر وہ کام جس کو شریعت نیک قرار دے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرف یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا حکم دیں (وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ) ابو جہل اور اس کے ساتھیوں سے۔ اس کو جہاد کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے اور بعض نے کہا کہ جب کوئی جاہل آپ علیہ السلام پر کوئی حماقت کا کام کرے تو اس کو تلوار سے جواب نہ دیں جیسے دوسری جگہ فرمایا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً کہ جب ان سے جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ابو جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ اخلاق کا حکم دیا ہے اور قرآن میں اس آیت سے زیادہ جامع آیت مکارمِ اخلاق کے بارے میں نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو نہ تھے اور نہ تکلف سے فحش گوئی کرتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے عمدہ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے اور اچھے افعال کو مکمل کرنے کے لیے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

ترجمہ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

تفسیر ﴿۲۰۰﴾ (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ) شیطان کا نزغ اس کا وسوسہ ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نزغ کی نسبت آدمی کی طرف ہو تو تھوڑی سی حرکت اور شیطان کی طرف ہو تو تھوڑا سا وسوسہ کا معنی ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت "خذ العفو" نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ غصہ بھی تو ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ)

﴿۲۰۱﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ) یعنی مؤمنین (طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ) ابن کثیر، اہل بصرہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "طیف" پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے (طائف) مد اور ہمزہ کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے میت اور مائت اور ان دونوں کا معنی وہ چیز جو تجھے تکلیف پہنچائے اور ایک قوم نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ ابو عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں (الطائف) جو کسی چیز کے اِرد گرد چکر لگائے اور "الطیف" وسوسہ اور بعض نے کہا ہے الطائف جو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے اور "الطیف" مس کرنا اور چونکا لگانا۔ "تذکروا" انہوں نے پہچانا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شخص جو غصہ میں ہو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد آئے تو وہ غصہ پر ضبط کر لے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی گناہ کا پختہ ارادہ کر لے، پھر اللہ کی یاد آئے تو اس کو چھوڑ دے۔ "فاذا هم مبصرون" یعنی اپنی غلطیوں کی جگہ غور و فکر سے دیکھتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب پھسلتے ہیں تو بہ کرتے ہیں۔ چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک متقی جب اس کو شیطان چھیڑے تو وہ فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ گناہ ہے تو سمجھ کر اللہ کی مخالفت سے بچ جاتا ہے۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ معجزہ کیوں نہ لائے آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع

کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے یہ (گویا) بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

تفسیر ۲۰۲ (وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ) یعنی شیطانوں کے بھائی مشرکین میں سے ان کو شیطان کھینچتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر کا ایک شیطان بھائی ہے (فِی الْغَيِّ) یعنی ان کے لیے گمراہ کرنے کو طلب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس پر جاری رہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے ان کو گمراہی میں زیادہ کرتے ہیں اور اہل مدینہ نے "یمدونھم" یاء کے پیش اور میم کی زیر کے ساتھ امداد سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں لیکن معنی ایک ہے۔ (ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ) یعنی رُکتے نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ انسان اپنے برے اعمال سے رُکتے ہیں اور نہ شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے رُکتے ہیں۔ اس صورت میں "ثم لایقصرون" مشرکین اور شیاطین سب کا فعل ہوگا۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین گمراہی سے نہیں رُکتے اور نہ سمجھ رکھتے ہیں بخلاف مؤمنین کے کہ ان کو نصیحت کی جائے تو چونک جاتے ہیں اور ان کو سمجھ آ جاتی ہے۔

۲۰۳ (وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ) یعنی جب مشرکین کے پاس کوئی نشانی نہ آئے۔ تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو نے اس کو اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے کیوں نہ کیا؟ عرب کہتے ہیں "اجتبیت الکلام" جب تو اس کو گھڑ لے۔ تو کچھ اپنی طرف سے) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ضد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے تھے جب آپ تاخیر کرتے تو وہ کہتے کہ اپنی طرف سے کیوں نہیں ایجاد کر لیتے؟ (قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ) (قل) کہہ دیجئے اے محمد (انما اتبع ما یوحی الی من ربی ھذا بصائر من ربکم) اس کا واحد بصیرت ہے۔ اس کا اصل معنی شے کا ظاہر اور پختہ ہونا تا کہ اس کو انسان دیکھ لے اور اس کے ذریعے رہنمائی حاصل کر لے (وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

۲۰۴ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

آیت کا شانِ نزول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں اپنی ضروریات کی گفتگو کر لیتے تھے۔ پھر ان کو خاموش رہنے اور قرآن کی قرأت کو توجہ سے سننے کا حکم دیا گیا اور ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے اونچی آواز سے قرأت چھوڑنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں آوازوں کو بلند کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں جب جنت اور جہنم کی آیات سنتے تو آوازوں کو بلند کرتے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے چند لوگوں کو سنا کہ وہ امام کے ساتھ قرأت کرتے ہیں جب نماز ختم ہوئی تو فرمایا، کیا تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ جیسا کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ حسن اور زہری اور نخعی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، عطاء اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام کے جمعہ کے خطبہ کو سننے کے لیے خاموش ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فطر، اضحیٰ اور جمعہ کے دن خاموش ہونے کے بارے میں ہے اور جن نمازوں میں امام جہر کرتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر واعظ کے قول کے لیے خاموش ہونا مراد ہے اور پہلا قول ان سب میں بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں واجب ہوا ہے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے خاموش ہونے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے ساتھی کو امام کے خطبہ کے دوران کہے خاموش ہو جا تو تو نے لغو کام کیا اور اہل علم کا اختلاف ہے کہ امام کے پیچھے نماز میں قرأت کا کیا حکم ہے؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ واجب ہے امام جہراً قرأت کر رہا ہو یا "سراً" یہی بات حضرت عمر، عثمان، علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ہی امام اوزاعی اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرے ان میں مقتدی بھی قرأت کرے اور جن میں امام جہراً قرأت کرے ان میں نہ کرے یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام زہری، امام مالک، ابن مبارک، امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مقتدی بالکل قرأت نہ کرے خواہ امام سراً قرأت کر رہا ہو یا جہراً۔ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی کے سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اصحاب رائے قائل ہیں۔ جو حضرات امام کے پیچھے قرأت کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں اور جنہوں نے قرأت کو واجب کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فاتحہ کے علاوہ قرآن کے بارے میں ہے اور مقتدی جب فاتحہ پڑھے تو امام کے سکتوں کی اتباع کرے یعنی امام جب خاموش ہو تو وہ کچھ فاتحہ پڑھ لے اور قرأت میں امام سے جھگڑا نہ کرے۔ اس پر دلیل عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت بوجھل ہوگئی جب نماز ختم ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جی اللہ کی قسم! تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو مگر ام القرآن کیونکہ جو اس کو نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

ترجمہ اور (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

۲۰۵ (وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ذکر سے نماز میں قرأت کرنا مراد ہے۔ یعنی آہستہ اپنے دل میں قرأت کرے اور دون الجہر سے مراد یہ ہے کہ جہری نماز میں بھی بہت زیادہ آواز بلند نہ ہو بلکہ سکون کے ساتھ کچھ پست آواز ہو جو اپنے پچھلوں کو سنائی دے۔

مجاہد اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دعا میں اس کی طرف آہ و زاری کریں اور سینوں میں اس کا ذکر کریں۔ آواز بلند کریں اور نہ دعا میں چیخیں (بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ) یعنی صبح اور شام کو آصال کا واحد اصیل ہے یمین اور ایمان کی طرح یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

ترجمہ یقیناً جو (ملائکہ) تیرے رب کے نزدیک (مقرب) ہیں وہ اس کی عبادت سے (جس میں اصل عقائد ہیں) تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (جو کہ طاعت لسانی ہے) اور اس کو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ اعمال جوارح ہیں)

تفسیر ۲۰۶ (اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ) یعنی مقرب فرشتے (لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ) اس کو یاد کرتے ہیں اور پاکی بیان کرتے ہیں اور سبحان اللہ کہتے ہیں (وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے بربادی اس کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کر لیا اس کو جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی تو میرے لیے جہنم ہے۔ معدان سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مجھے ایک ایسی حدیث بیان کریں جس کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ نفع دیں تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور اس سے ایک گناہ مٹا دیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

یہ سورۃ مدنی ہے اور اس کی پچھتر آیات ہیں۔ بعض نے کہا سات آیات کی ہیں "واذ یمکربک الذین کفروا" سے آخر تک سات آیات یہ مکہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سات بھی مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اگرچہ واقعہ مکہ میں پیش آیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ یہ لوگ آپ سے (خاص غنیموں کا حکم) دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

سورۃ الانفال کا شان نزول

تفسیر: ① (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ) مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ جو اس جگہ آیا تو اس کے لیے مال غنیمت میں اتنا حصہ اور جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا حصہ اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا حصہ۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو نوجوانوں نے جلدی کی اور بزرگ حضرات نے ثابت قدمی دکھائی اور لوگوں کے چہرے جھنڈوں کی طرف تھے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

تو نوجوان مطالبہ کرنے آئے تو بزرگ حضرات نے کہا کہ ہم تمہارے پیچھے ڈھال تھے اگر تمہیں پسپائی ہوتی تو ہماری طرف لوٹتے تو اکیلے مال غنیمت نہ سمیٹو تو ابوالیسر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ بنی سلمہ کے بھائی کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! آپ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو اتنا حصہ اور جس نے قیدی بنایا تو اس کو اتنا حصہ ملے گا اور ہم نے ان کے ستر مار ڈالے اور ستر کو قیدی بنایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! جو

چیز یہ مانگ رہے ہیں اس سے ہمارے لیے نہ آخرت سے بے رغبتی رُکاوٹ بنی اور نہ دشمن کا خوف۔ بس ہمیں یہ ناپسند ہوا کہ ہم آپ علیہ السلام کو صفوں میں اکیلا چھوڑ دیں کہ مشرکین کا کوئی گھڑ سوار آپ کو نقصان پہنچا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حضرات سے اعراض کیا تو سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک لوگ زیادہ اور مال غنیمت کم ہے۔ اگر آپ صرف ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کا آپ علیہ السلام نے تذکرہ کیا تھا تو آپ علیہ السلام کے باقی ساتھیوں کے لیے کچھ نہیں بچتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "**یسئلونک عن الانفال**" ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت پورے لشکر سے جمع کرنے کا حکم دیا تو مسلمانوں میں اختلاف ہوا جنہوں نے مال غنیمت دشمن کے لشکر سے جمع کیا تھا، انہوں نے کہا یہ ہمارا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام پہلے یہ اعلان فرما چکے تھے کہ جس کے ہاتھ جو کچھ لگے وہ اس کا ہے اور جن حضرات نے لڑائی کی تھی انہوں نے کہا کہ اگر ہم نہ ہوتے تو تمہیں یہ نہ ملتا اور جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکیداری کی تھی، انہوں نے کہا کہ ہم بھی دشمن سے قتال اور مال غنیمت جمع کر سکتے تھے لیکن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی دشمن کے حملہ سے تو تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو۔

مکحول رحمہ اللہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے انفال کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی جب ہمارا مال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف ہوا اور ہمارے اخلاق برے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو ہمارے درمیان برابر تقسیم کیا تو اس میں اللہ کا تقویٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور باہمی معاملات کی درستگی بھی پائی گئی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدر کے دن میرا بھائی عمیر شہید ہوا اور میں نے سعید بن عاص بن اُمیہ کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی اس کا نام ذوالکتیفہ تھا وہ مجھے بڑی اچھی لگی، میں اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو مشرکین سے شفا دی ہے۔ آپ مجھے یہ تلوار ھبہ کر دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہ میری اور نہ تیری اس کو پھینک دے، میں نے اس کو مال غنیمت کے ڈھیر پر پھینک دیا اور واپس لوٹ گیا، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنے بھائی کی شہادت اور اس تلوار کے نہ ملنے کا مجھے کتنا غم تھا اور میں نے کہا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تلوار اس شخص کو دیں جس پر میرے جیسی آزمائش نہیں آئی۔ میں تھوڑا ہی آگے گیا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے۔ آپ علیہ السلام پر یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ مجھے ڈر ہوا کہ میرے بارے میں کوئی حکم نہ اُترا ہو جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے سعد! تو نے مجھ سے تلوار مانگی اس وقت مجھے اختیار نہ تھا اب مجھے اختیار ہے جا کر اس کو لے لو (قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ) وہ اس کو تقسیم کریں جیسے چاہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دوسری آیت "**واعلموا انما غنمتم من شیٔ فانّ للّٰہ خمسہ وللرّسول**" کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اس وقت مال غنیمت کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو خمس کے ذریعے منسوخ کر دیا۔

اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثابت ہے منسوخ نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کہہ دیں کہ غنیمت دُنیا اور آخرت میں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہے اس کو خرچ کریں گے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیں گے یعنی غنیمت کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور اس غنیمت کے مصارف "واعلموا انما غنمتم" میں بیان کردیے ہیں (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) یعنی اللہ کا کہنا مان کر اس سے ڈرو اور جھگڑا اور مخالفت چھوڑ کر آپس میں صلح کرو (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

ترجمہ: (کیونکہ) بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان اور زیادہ (مضبوط) کردیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

تفسیر: ② (ان كنتم مؤمنين) یعنی وہ لوگ مؤمن نہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں سچے مؤمن تو وہ ہیں (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) بعض نے کہا جب اللہ سے ڈرائے جائیں تو اس کے عذاب کے خوف سے مطیع ہوجائیں (وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا) تصدیق اور یقین میں۔ عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کو شرف صحابیت حاصل ہے کہ ایمان کے لیے بھی کمی اور زیادتی ہے۔ عرض کیا گیا اس کی زیادتی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب ہم اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے ہیں تو یہ ایمان کی زیادتی ہے اور جب ہم غفلت کرتے ہیں تو یہ ایمان کی کمی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن عدی کی طرف خط لکھا کہ ایمان کے فرائض، شرائع، حدود اور سنن ہیں جو ان کو مکمل کرلے تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس نے ان کو مکمل نہ کیا تو ایمان بھی مکمل نہ ہوا (وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ) یعنی اپنے تمام امور اس کے سپرد کرتے ہیں اور اس پر اعتماد رکھتے ہیں اس کے غیر سے نہ کوئی اُمید رکھتے ہیں اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈرتے ہیں۔

③ (الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ)

④ (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفر سے بری ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو مؤمن حق کہے اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صفت مخصوص صفات والے لوگوں کی بیان کی ہے اور ہر ایک میں یہ صفات پائی نہیں جاسکتیں۔ ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کیا آپ مؤمن ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن اور جنت اور جہنم اور دوبارہ جی اُٹھنے اور حساب پر ایمان رکھنے کے بارے میں پوچھ رہا ہے تو میں ان پر ایمان رکھتا ہوں اور اگر تو اس آیت کے بارے میں پوچھ رہا ہے "انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ الخ"، تو مجھے معلوم نہیں کہ میں ایسا مؤمن ہوں یا نہیں۔ علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے تو ہمیں ایک جماعت ملی تو ہم نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم مؤمنین حق ہیں تو ہم ان کو کوئی جواب نہ دے سکے یہاں تک کہ ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کے قول کی ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا کچھ نہیں کہا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے ان کو یہ کیوں نہ کہا کہ کیا تم جنتی لوگ ہو؟ کیونکہ مؤمنین تو جنتی لوگ ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کا گمان ہے کہ وہ عنداللہ مؤمن حق ہے پھر وہ اپنے جنتی ہونے کی گواہی نہیں دیتا تو وہ آدھی آیت پر ایمان لایا، آدھی پر نہیں لایا (لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت کے درجے ہیں جن پر اپنے اعمال کے ذریعے چڑھیں گے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستر درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان تیز رفتار گھوڑے کے ستر سال دوڑنے جتنا فاصلہ ہے (وَمَغْفِرَةٌ) ان کے گناہوں کی (وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ) اچھی یعنی جو ان کے لیے جنت میں تیار کی گئی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥

ترجمہ: جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جا رہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر: ⑤ (كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ) اس میں اختلاف ہے کہ باری تعالیٰ کے قول "کما اخرجک ربک" میں کاف کو لانے کی وجہ کیا ہے؟ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اصل عبارت "الانفال للہ والرّسول وان کرھوا کما اخرجک ربّک من بیتک بالحق وان کرھوا" ہے اور بعض نے کہا ہے اصل عبارت یہ ہے۔ انفال کے بارے اللہ کے حکم کو جاری کریں۔ اگر چہ وہ اس کو ناپسند کریں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے تجارتی قافلہ کی تلاش میں گھر سے نکلنے میں اللہ کے حکم کو جاری کیا تھا اور لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے اور عکرمہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے درمیان معاملہ کی اصلاح کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے گھر سے حق کے ساتھ نکالنا تمہارے لیے بہتر تھا۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اس کو ناپسند کیا تھا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ ایک فریق کے ناپسند سمجھنے کے باوجود آپ کے رب نے آپ کو گھر سے نکالا حق کے ساتھ اسی طرح وہ قتال کو ناپسند کرتے اور اس کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول "**لھم درجات عند ربھم**" کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے ان سے درجات کا وعدہ کرنا حق ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کریں گے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کو آپ کے گھر سے نکالا حق کے ساتھ اور مدد و کامیابی کا اپنا وعدہ پورا کیا اور بعض نے کہا ہے کہ کاف علیٰ کے معنی میں ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ آپ علیہ السلام اس پر جاری رہیں جس پر آپ کے رب نے آپ کو نکالا اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں یہ قسم کے معنی میں ہے مجازاً۔ "**والّذی اخرجک**" اس لیے کہ "**ما**" الذی کی جگہ ہے اور اس کا جواب "**یجادلونک**" ہے اور اس پر قسم واقع ہوگی۔ اس کی تقدیر "**یجادلونک واللّٰہ الذی اخرجک ربّک من بیتک بالحق**" ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کاف "**اذا**" کے معنی میں ہے۔ اصل عبارت "**واذکر اذا اخرجک ربّک**" ہے اور بعض نے کہا ہے اس اخراج سے مراد آپ علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ کی طرف نکالنا ہے۔ اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی) اکثر مفسرین کے نزدیک اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے بدر کی طرف نکلنا مراد ہے۔ یعنی جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو اپنے گھر مدینہ سے نکلنے کا حکم حق کے واسطے۔ بعض نے کہا ہے وحی کے ساتھ مشرکین کی تلاش کے لیے "**ان فریقا من المؤمنین**" ان میں سے۔ "**لکارھون**"

⑥ (**یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ**) قتال میں (**بَعْدَ مَاتَبَیَّنَ**) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مؤمنین کو جب لڑائی کا یقین ہو گیا تو یہ بات ناپسندیدہ ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ دشمن سے ٹکراؤ ہوگا تاکہ ہم بھی لڑائی کی تیاری کر لیتے ہم تو تجارتی قافلہ کے لیے نکلے تھے تو یہ ان کا جھگڑا ہے اس بات کے ظاہر ہونے کے بعد کہ آپ علیہ السلام وہی کرتے ہیں جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے (**کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ**) ان کے قتال کو سخت ناپسند سمجھنے کی وجہ سے (**وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ**) اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں بنے گی۔ "**وانّ فریقًا من المؤمنین لکارھون کانّما یساقون الی الموت وھم ینظرون یجادلونک فی الحق بعد ماتبیّن**"

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان مشرکین نے آپ علیہ السلام سے حق کے بارے میں جھگڑا کیا ہے۔ جب ان کو اسلام کی طرف بلایا جائے تو گویا کہ وہ موت کی طرف بلائے جا رہے ہیں کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ "**وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ**"

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ⑦

(ترجمہ) اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ

تمہارے ہاتھ آ جاوے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جاوے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً ثابت کر دے) اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے۔

تفسیر ⑦ (وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ)

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، محمد بن اسحاق اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ لے کر آ رہا تھا اس میں چالیس آدمی قریش کے بڑے بڑے تھے ان میں عمرو بن عاص اور مخرمہ بن نوفل زہری بھی تھے۔ اس میں قریش کا بہت زیادہ تجارتی سامان تھا، جب وہ بدر کے قریب پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اطلاع دی کہ مال زیادہ ہے اور تعداد تھوڑی ہے اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے اس میں تمہارے مال ہیں تم نکلو شاید اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے مال غنیمت بنا دے تو لوگوں نے جلدی تیاری کی اور بعض نے تھوڑا سامان اُٹھایا اور بعض نے زیادہ کیونکہ ان کو یہ خیال نہ تھا کہ آگے دشمن سے ٹکراؤ ہوگا، جب ابوسفیان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی خبر سنی تو ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت پر پیغام پہنچانے کے لیے مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو جا کر بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا مال لینے نکل پڑے ہیں۔

ضمضم بڑی تیزی سے مکہ کی طرف چلا، اس کے مکہ جانے سے تین دن پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے گھبرا گئی اور اپنے بھائی عباس کو کہا کہ ایک خواب تجھے سناتی ہوں جس کی وجہ سے خوفزدہ ہوں لیکن تو کسی کو نہ بتانا مجھے ڈر ہے کہ تیری قوم پر کوئی شر اور مصیبت داخل ہونے لگی ہے انہوں نے کہا کیا خواب دیکھا ہے؟ تو عاتکہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور وادی ابطح پر آ کر ٹھہر گیا، پھر بلند آواز سے چلایا سنو کوچ کر وائے غدار قوم اپنے مرھٹ کی طرف تین دن میں۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے اِردگرد جمع ہو رہے ہیں، پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے تھے۔ پھر وہ اس کے اِردگرد تھے وہ کعبہ کی چھت پر چڑھا اور پھر بلند آواز سے وہی اعلان کیا۔ پھر جبل ابی قبیس پر گیا اور پھر وہی اعلان کیا، پھر ایک چٹان لے کر نیچے کی طرف پھینکی، جب وہ چٹان زمین پر گری تو ریزہ ریزہ ہوگئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اس کی کنکری نہ گئی ہو تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ تو واقعی بڑا عجیب خواب ہے تو اس کو چھپا لے، کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ پھر عباس وہاں سے نکلے تو ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرت عباس کا دوست تھا، آپ نے وہ خواب اس کو سنایا اور چھپانے کا کہا اس نے اپنے باپ عتبہ کو سنایا پھر تو بات اتنی پھیل گئی کہ قریش اسی کی باتیں کرنے لگے۔

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اگلے دن بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ابوجہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا وہ لوگ عاتکہ کے خواب کی باتیں کر رہے تھے، جب ابوجہل نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل جب طواف سے

فارغ ہو جاؤ تو ہمارے پاس آنا۔ عباس کہتے ہیں جب میں طواف سے فارغ ہوا تو ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو ابوجہل نے کہا اے عبدالمطلب کی اولاد یہ دلیل تم میں کب ظاہر ہوئی؟ میں نے کہا کون سی؟ کہنے لگا وہ خواب جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا کیا دیکھا ہے؟ تو وہ کہنے لگا اے عبدالمطلب کی اولاد کیا تم اپنے مردوں کے جھوٹے نبی بننے سے راضی نہیں ہوئے، اس لیے تمہاری عورتیں بھی جھوٹی نبی بننے لگ گئی ہیں؟ عاتکہ نے اپنے خواب کے مطابق یہ خیال کیا ہے کہ آنے والے نے کہا تین دن میں کوچ کرو ہم تین دن انتظار کریں گے اگر اس نے جو کہا ہے سچ ہوا تو ٹھیک ورنہ اگر تین دن گزر گئے اور ایسی کوئی بات نہ ہوئی تو ہم تم پر ایک تحریر لکھ دیں گے کہ تم عرب میں سب سے جھوٹا گھرانہ ہو۔

عباس کہتے ہیں کہ میرے پاس انکار کے سوا چارہ نہ تھا، پھر جب میں گھر آیا تو بنو عبدالمطلب کی عورتیں مجھے آ کر طعن کرتی رہیں کہ تم نے اس خبیث فاسق کی بات مان لی۔ یہ پہلے تمہارے مردوں کو تنگ کرتا تھا اب تمہاری عورتوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے کیا تمہارے پاس غیرت نہیں ہے میں نے کہا اب اگر اس نے ایسا کچھ کیا تو میں اس کو کافی ہو جاؤں گا۔

ضمضم بن عمرو کا مکہ والوں کو خطرے سے آگاہ کرنا

تیسرے دن حضرت عباس عاتکہ کی طرف غصہ میں چلے کہ اس نے ایسی بے بنیاد بات کیوں کی تو اتنے میں ضمضم بن عمرو کی آواز آئی وہ اپنے اونٹ پر بیٹھا آواز لگا رہا تھا، اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دی تھی اور اپنے کجاوہ کو اُلٹ دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑی ہوئی تھی اور کہہ رہا تھا اے قریش کا گروہ! تمہارا مال جو ابوسفیان کے پاس ہے محمد اس کے درپے ہیں میرا نہیں خیال کہ تم اس تک پہنچ سکو گے مدد مدد۔ تو لوگوں نے جلدی سے تیاری کی اور قریش کے سرداروں میں سے کوئی پیچھے نہ رہا سوائے ابولہب کے وہ پیچھے رہ گیا اور اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ جب قریش چلنے کے لیے جمع ہو گئے تو ان کو یاد آیا کہ ان کے اور بنو بکر بن عبد مناف بن کنانۃ بن حارث کے درمیان دشمنی ہے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے پیچھے حملہ نہ کر دیں تو قریب تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتے تو شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں آیا۔ یہ سراقہ بنو بکر کے معزز لوگوں میں سے تھا اور کہنے لگا میں تمہیں پناہ دیتا ہوں کہ تمہارے پیچھے بنو بکر کوئی حملہ نہ کریں گے تو وہ جلدی سے روانہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رمضان کی چند راتیں گزرنے کے بعد چل پڑے۔ جب آپ علیہ السلام وادی ذوقرد پر پہنچے تو آپ علیہ السلام کے پاس قریش کے چلنے کی خبر پہنچی کہ وہ اپنے قافلہ کا دفاع کرنے آ رہے ہیں تو آپ علیہ السلام وہاں سے چل پڑے۔ مقام روحاء پہنچے تو ان کا ایک جاسوس پکڑا اور اس سے ساری خبر لی اور آپ علیہ السلام بھی انصار کے حلیف میں سے عبداللہ بن ارسقط کو جاسوس بنا کر بھیج چکے تھے۔ یہ جہینہ قبیلہ کے شخص تھے تو یہ بھی خبریں لائے تجارتی قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل گیا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا یا تو قافلہ یا قریش اور تجارتی قافلہ ان کو پسند تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور صحابہ کرام کی جانثاری

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ تجارتی قافلے کا پیچھا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بعد مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا وہ کام کریں جس کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنواسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں لیکن ہم تو یہ جواب دیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو ہم بھی ساتھ لڑیں گے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد یعنی حبشہ لے جائیں تو وہاں تک پہنچنے تک ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بہتر ہے اور ان کے لیے خیر کی دُعا کی۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو، آپ علیہ السلام کی مراد انصار تھے کیونکہ انصار سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر وہ دشمن کا مقابلہ نہ کریں گے اور جو دشمن مدینہ میں آ کر آپ علیہ السلام کو تنگ کرے تو وہ خوب دفاع کریں گے۔ جب آپ علیہ السلام نے فرمایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے شاید آپ علیہ السلام ہم سے مخاطب ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ جو دین آپ علیہ السلام لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم اس بات پر آپ علیہ السلام کو پختہ وعدہ دے چکے کہ آپ کی سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ آپ چلیں اے اللہ کے رسول! اپنے ارادہ کی طرف۔

پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں تیر کر اس سمندر کے پار کرنے کا حکم دیں گے تو ہم میں سے کوئی پیچھے نہ ہٹے گا اور اُمید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی تو آپ علیہ السلام کو حضرت سعد کی بات سے بڑی خوشی ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی برکت کے ساتھ چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں قوم کے مرنے کی جگہ دیکھ رہا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے اور آپ علیہ السلام اپنا دست مبارک زمین پر رکھتے اور اشارہ کرتے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے ہٹ کر نہ مرا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا (اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ) یعنی تجارتی قافلہ جس میں لڑائی نہ ہوتی۔ الشوکۃ شدت اور قوت اور ہتھیار کو بھی کہا جاتا ہے۔

(وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ) یعنی حق کو غالب کر دے تمہیں قتال کا حکم دے کر اور بعض نے کہا ہے کہ اپنے وعدہ کی وجہ سے جو پہلے سے طے ہے کہ وہ دین کو غالب کرے گا اور عزت دے گا (بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ) یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دے ان کفار عرب میں سے کوئی باقی نہ رہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨

ترجمہ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً ثابت کردے) گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آویں گے۔

تفسیر ⑧ (لِيُحِقَّ الْحَقَّ) یعنی اسلام کو ثابت کرے (وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ) کفر کو فنا کردے (وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ) مشرکین۔ بدر کا واقعہ جمعہ کے دن سترہ رمضان کو پیش آیا۔

⑨ (اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ) تم اس سے پناہ طلب کرنے لگے اور دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا، وہ ایک ہزار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تین سو سے کچھ زائد تھے آپ علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیمہ میں تشریف لے گئے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی کہ اے اللہ! جو تو نے مجھ سے وعدہ کیا اس کو پورا کر۔ اے اللہ! اگر تو مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کردیگا تو زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی، آپ علیہ السلام دُعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کی چادر کندھوں سے گرگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر پکڑ کر دوبارہ کندھوں پر ڈال دی۔ پھر آپ علیہ السلام کو چمٹ گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ پورا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "اذ تستغیثون ربکم" (فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ)

روایت کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام پانچ پانچ سو فرشتوں کے ساتھ آئے۔ یہ انسانی شکل میں تھے، چتکبرے گھوڑوں پر ان پر سفید کپڑے اور سر پر سفید عمامے تھے، ان عماموں کی ایک جانب کندھوں کے درمیان لٹکائی ہوئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں، اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے، اس پر لڑائی کے ہتھیار ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ملائکہ کی علامت بدر کے دن سفید پگڑیاں اور حنین کے دن سبز پگڑیاں تھیں اور فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی جنگ میں لڑائی نہیں کی۔ بدر کے علاوہ غزوات میں یہ تعداد بڑھانے اور مدد کے لیے آئے تھے۔ ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی نگاہ جب چلی گئی تو فرمانے لگے اگر میں آج تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری نگاہ ٹھیک ہوتی تو تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جس سے فرشتے نکلے تھے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ اِذْ يُوْحِيْ
رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس (حکمت کے) لئے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جاوے اور (واقع میں) تو نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو (حدث اکبر و اصغر سے) پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارا پاؤں جما دے اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کا رب ان فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (و مددگار ہوں) سو (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں بھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

تفسیر: ⑩ (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى) یعنی فرشتوں کی مدد (وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

⑪ (اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ) ابن کثیر اور ابو عمرو نے (یغشاکم) یاء کے زبر کے ساتھ اور (النعاس) پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ اس فعل کا فاعل ہے سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے قول (امنة نعاسا يغشى طائفة منكم) کی وجہ سے اہل مدینہ نے (یغشیکم) یاء کے پیش اور شین کی زیر کے ساتھ بغیر شد کے پڑھا ہے (النعاس) زبر کے ساتھ اس بناء پر کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ کے قول (فغشاها ما غشى) کی وجہ سے اور النعاس ہلکی نیند (اونگھ) (امنة) امن ہے (منه) مصدر ہے امنت امنا و امنة و امانا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتال میں اونگھ اللہ کی طرف سے سکون ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہے۔ (وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے غزوہ بدر میں ایسے ریتلے ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا کہ اس میں پاؤں اور گھوڑوں کے کھر دھنس جاتے تھے کیونکہ مشرکین ان سے پہلے اس جگہ پہنچ کر پختہ جگہ اور پانی کے کنویں پر قابض ہو چکے تھے تو صبح کو بعض مسلمانوں کو حدث لاحق ہوا اور بعض کو پیاس لگی تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تم کہتے ہو کہ ہم حق پر ہیں ہمارے ساتھ اللہ کا نبی ہے اور تم اللہ کے اولیاء ہو اور مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم جنبی اور بے وضو نماز پڑھ رہے ہو تو تم ان پر غالب کیسے آؤ گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بھیجی جس سے وادی بہہ پڑی اور مسلمانوں نے پانی پیا، غسل اور وضو کیا، جانوروں کو پلایا، برتن اور مشکیزے بھر لیے اور غبار جم گئی اور زمین سخت ہو گئی کہ اس پر پاؤں جمنے لگے اور شیطان کا وسوسہ دور ہو گیا (لیطھرکم به سے مراد حدث اور جنابت سے پاکی مراد ہے) (وَيُذْهِبَ

عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ) اوراس کا وسوسہ (وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ) یہاں تک کہ ریت میں نہ دھنسیں اور بعض نے کہا ہے کہ صبر اور دل کو مضبوط کر کے ثابت قدم رکھا۔

⑫ (اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ) ان فرشتوں کی طرف جن کے ذریعے مؤمنین کی مدد کی (اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کرو۔ بعض نے کہا یہ ثابت قدمی ان کے لڑائی میں حاضر ہونے اور مدد کرنے کے ذریعے ہوئی اور مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کو مدد کی خوشخبری دو، فرشتے صف کے آگے انسانی شکل میں چلتے تھے اور کہتے تھے خوش ہو جاؤ بے شک اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

(سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ) عطاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کا خوف مراد ہے (فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ) بعض نے کہا یہ خطاب مؤمنوں کو ہے اور بعض نے کہا یہ خطاب فرشتوں کو ہے اور یہ "فثبتوا الذین اٰمنوا" کے ساتھ متصل ہے (وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ) عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہر جوڑ کاٹو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جریج اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اطراف کاٹو "بنان بنانۃ" کی جمع ہے دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے اطراف مراد ہیں۔ ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسانوں کو کس طرح قتل کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تعلیم دی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان جنگ میں ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک مسلمان نے اپنے اوپر کوڑے اور گھوڑ سوار کی آواز سنی کہ وہ کہہ رہا ہے۔ حیزوم آگے دیکھا مشرک تو گرا پڑا ہے جا کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا اور اس کا چہرہ کوڑے کے لگنے کی وجہ سے پھٹ چکا تھا تو وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ یہ تیسرے آسمان سے مدد ہے تو اس دن ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید کیا۔ ابوداؤد مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ غزوہ بدر میں شریک تھے کہ میں ایک مشرک کے پیچھے قتل کرنے کے لیے لگا ہوا تھا تو میری تلوار اس کو لگنے سے پہلے اس کا سر کٹ گیا تو میں سمجھ گیا کہ اس کو میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو غزوۂ بدر میں دیکھا کہ ہم میں سے کوئی تلوار سے اشارہ کرتا تو مشرک کا سر، اس کے جسم سے الگ ہو جاتا تلوار لگنے سے پہلے۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اور ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا میں اور ام الفضل اسلام لا چکے تھے اور حضرت عباس پر ان کی قوم کا رعب تھا اور ان کی مخالفت سے ڈرتے تھے اور اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، ان کا بہت سارا مال جو ان کی قوم میں پھیلا ہوا تھا اور ابولہب اللہ کا دشمن بدر سے پیچھے رہ گیا تھا اور اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا۔ جب بدر والوں کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو اللہ نے اس کو ذلیل و رسوا کیا اور ہم اپنے دل میں قوت و عزت محسوس کرنے لگے، میں ایک کمزور شخص تھا اور پیالے بناتا تھا اور ان کو زمزم کے پاس بیٹھ کر کھرچتا تھا، اللہ کی قسم! میں وہاں بیٹھا پیالے کھرچ رہا تھا اور اُم فضل میرے پاس بیٹھی تھیں کہ فاسق ابولہب پاؤں گھسیٹتا ہوا آیا اور وہاں پتھر پر بیٹھ گیا، اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی وہ وہاں بیٹھا کہ لوگوں نے کہا ابوسفیان بن

حارث آ گئے تو ابولہب کہنے لگا اے بھتیجے میرے پاس آ تیرے پاس کوئی خبر ہے؟ تو وہ آ کر بیٹھ گیا اور لوگ اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ ابولہب نے پوچھا اے بھتیجے مجھے خبر دے لوگوں کا کیا معاملہ بنا؟ اس نے کہا کچھ نہیں اللہ کی قسم ہماری ان سے لڑائی ہوئی، وہ ہمیں قتل کرنے لگے اور قید کرنے لگے جیسے ان کا دل چاہے اور اللہ کی قسم! میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا، ہماری مڈبھیڑ سفید لوگوں سے ہوئی، وہ چتکبرے گھوڑوں پر آسمان وزمین کے درمیان تھے تو ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے تو ابولہب نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور میرے چہرے پر زور کا تھپڑ مارا اور مجھے اُٹھا کر زمین پر پھینک دیا، پھر مجھ پر چڑھ بیٹھا اور مجھے مارنے لگا، میں کمزور آدمی تھا، تو اُم فضل کھڑی ہوئیں اور حجرہ کے ایک ستون کی لکڑی پکڑی اور ابولہب کو ماری تو اس کے سر میں زخم ہو گیا اور کہا کہ اس کا آقا نہیں ہے تو تو اس کو کمزور سمجھتا ہے؟

تو وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ پس اللہ کی قسم! وہ اس کے بعد صرف سات راتیں زندہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک کنکر مار کر ہلاک کر دیا۔ مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس کو ابوالیسر کعب بن عمرو بن سلمہ کے بھائی نے قید کیا تھا حالانکہ حضرت عباس بڑے قدآور صحت مند تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے پوچھا کہ آپ نے عباس کو کیسے قید کر لیا؟ انہوں نے جواب دیا یارسول اللہ اس پر میری ایک آدمی نے مدد کی، میں نے نہ اس کو اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد اس کی ہیئت اس طرح تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری مدد معزز فرشتے نے کی ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑯

ترجمہ: یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

تفسیر: ⑬ (ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ)

⑭ (ذٰلِكُمْ) عذاب اور مار جو تم کو بدر میں جلدی ملی اے کافرو! (فَذُوْقُوْهُ) جلدی (وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ) اور

جان لو اور یقین کرلو کہ کافروں کا وقت مقرر ہے۔ (عذاب النار) عکرمہ رحمہ اللہ۔ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ السلام کو عرض کیا گیا۔ آپ اب قافلہ کے لیے نکلیں اس سے کوئی رُکاوٹ نہیں ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قید کی حالت میں آواز دی کہ وہ آپ کو نہ ملے گا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا اور آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کا وعدہ مل چکا ہے۔

⑮ (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا) یعنی اکٹھے ایک دوسرے میں گھستے ہوئے اور التزاحف قتال میں ایک دوسرے کے قریب ہونا اور الزحف مصدر میں اس لئے جمع نہیں لائی گئی ان کے قول قوم عدل ورضا کی طرح لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں ازحف جماعة یزحفون الی عدولهم بمرة فرماتے ہیں ان سے اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔ یعنی شکست کھا کر نہ بھاگو کیونکہ شکست کھا کر بھاگنے والا پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ (فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ) اس کا مطلب یہ ہے کہ ازحف اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن کو ایک ہی بار ملے۔

⑯ (وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی) آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار سے شکست کھا کر بھاگنا ممنوع ہے ہاں اگر جنگ کی کوئی چال اختیار کرنے کے لیے یا مسلمانوں کی جماعت میں ملنے کے لیے پیٹھ پھیرے کہ ان کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کروں گا تو جائز ہے اور جس کی یہ نیت نہ ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اس کو یہ وعید لاحق ہوگی (فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ) علماء رحمہم اللہ کا اس آیت میں اختلاف ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل بدر کے ساتھ خاص ہے ان کے لیے شکست کھا کر بھاگنا جائز نہ تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تھے اور آپ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور جماعت نہ تھی جس سے وہ جا کر ملتے۔ ان کے سوا وہاں صرف مشرکین کی جماعت تھی۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی جماعت ہیں تو اب میدان جنگ سے بھاگنے والا کسی جماعت ہی کو ملے گا تو اس کا بھاگنا کبیرہ گناہ نہ ہوگا اور یہی حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے۔ یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگ واجب کی ہے اس شخص کے لیے جو بدر کے دن بھاگتا۔ پھر جب اُحد کا دن آیا تو فرمایا (اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ) (ان کو پھسلایا ہے شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا ہے) پھر حنین کے دن فرمایا (ثم ولیتم مدبرین پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ توبہ قبول کریں گے اس کے بعد جس کی چاہیں گے)۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تو وہاں لوگ منتشر ہوگئے جس کی وجہ سے ہمیں شکست ہوئی تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم تو بھاگنے والے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بلکہ تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو ہم مسلمانوں کی جماعت ہیں۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خبر آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ میری طرف لوٹ آتے تو میں ان کی فوج اور جماعت ہوتا کیونکہ میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں اور بعض نے فرمایا ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو شکست کھا کر بھاگ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "الآن خفف اللہ عنکم" کی وجہ سے۔ اب کسی قوم کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی دو مثل جماعت سے بھاگ جائیں تو یہ فرار کا حکم منسوخ ہے صرف اتنی تعداد مستثنیٰ ہے اور اکثر اہل علم کی رائے بھی یہی ہے کہ مسلمان جب اپنے دشمن کا نصف ہوں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں۔ ہاں اگر جنگ کی کوئی تدبیر کر رہے ہوں یا کسی جماعت سے ملنا ہو تو پھر ہر وقت پیٹھ پھیرنا جائز ہے اور اگر دشمن کے نصف سے بھی کم ہوں تو ان کے لیے پیٹھ پھیرنا جائز ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تین سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں ہے اور جو دو سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

ترجمہ: سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور ان کے افعال و احوال کے) خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر ⑰ (فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد کوئی شخص کہتا میں نے فلاں کو مارا ہے، دوسرا کہتا میں نے فلاں کو مارا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی قوت سے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری مدد کر کے قتل کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ نے ان کو فرشتوں کی مدد بھیج کر قتل کیا ہے (وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى) اہل تفسیر رحمہما اللہ اور اہل مغازی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لڑائی کی طرف متوجہ کیا تو وہ چلے اور بدر میں پڑاؤ ڈالا تو ان پر قریش کے چرواہے گزرے، ان میں اسلم بنو حجاج کا سیاہ غلام اور ابو یسار بنو عاص بن سعید کا غلام تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں؟ تو ان دونوں نے کہا کہ اس ٹیلہ کے پیچھے اس ٹیلہ کا نام عقنقل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کتنے لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا بہت زیادہ۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا ان کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا معلوم نہیں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ ہر دن کتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن دس اونٹ، ایک دن نو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نو سو سے ہزار کے درمیان ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو فرمایا کہ قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہیں؟ ان دونوں نے کہا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر

بن حارث، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف اور حجاج کے بیٹے نبیہ اور مُنبہ سہیل بن عمرو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ مکہ ہے کہ اس نے تمہاری طرف اپنے اہم لوگ (اپنے جگر کے ٹکڑے) ڈال دیئے ہیں۔ جب قریش سامنے آئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عقنقل ٹیلہ سے آ رہے ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قریش اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آ رہے ہیں انہوں نے تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔ اے اللہ! تو اپنی مدد بھیج جس کا تو نے وعدہ کیا ہے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ علیہ السلام اپنی مٹھی میں مٹی پکڑ کر ان کی طرف پھینکیں۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے کنکریوں کی مٹھی پکڑی، اس پر مٹی تھی تو اس کو کفار کے چہروں کی طرف پھینکا تو کوئی مشرک ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں اور منہ اور ناک میں وہ مٹی نہ گئی ہو تو ان کو شکست ہوئی اور مسلمان ان کو پیچھے جا کر قتل کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے۔ قتادہ بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن تین کنکریاں پکڑیں، ایک کنکری لشکر کے میمنہ پر ایک میسرہ پر ایک ان کے درمیان میں پھینکی تو اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور آپ نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی) کیونکہ کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے کہ کنکریوں کی ایک مٹھی لشکر کی طرف پھینکے اور وہ سب کی آنکھوں میں جا پڑے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے کنکریوں کو نہیں پہنچایا، جب آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پہنچایا اور بعض نے کہا کہ جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو ان کے دل میں رعب آپ علیہ السلام نے نہیں ڈالا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈالا حتیٰ کہ ان کو شکست ہوئی (وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا) (إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) تمہاری نیتوں کو۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲

ترجمہ: ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا۔ اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی اور گو کتنی ہی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر: ⑱ (ذٰلِكُمْ) جو میں نے قتل اور رمی اور اچھی آزمائش کو ذکر کیا۔ (وَاَنَّ اللّٰهَ) بعض نے کہا ہے یہاں لفظ محذوف ہے یعنی "واعلموا انّ اللّٰہ" (موھن) کمزور کرنے والا ہے۔ "کیدالکافرین" ابن کثیر، نافع اور اہل بصرہ رحمہما اللہ نے (موھن) شد اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ (کید) کے زبر کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تخفیف اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے مگر حفص رحمہ اللہ اس کو مضاف بناتے ہیں اور تنوین نہیں پڑھتے اور کید پر زیر پڑھتے ہیں۔ (مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ)

⑲ (اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ) اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابوجہل ملعون بدر کے دن کہنے لگا جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں کہ ہم میں سے کوئی زیادہ فخر والا ہے؟ میں یا محمد جو رشتہ داری کو توڑنے والا ہے اور ہمارے پاس ایسا دین لایا جس کو ہم نہیں پہچانتے تو کل اس کو شکست دے تو وہ اپنے لیے فتح طلب کر رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں تھا، میں نے دائیں بائیں توجہ کی تو دو لڑکے تھے کم عمر تو میں ان کے ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ ہوا، اچانک ایک نے مجھے آہستہ سے کہا کہ اے چچا مجھے ابوجہل دکھا میں نے کہا اے بھتیجے! تو اس کا کیا کرے گا؟ اس نے کہا میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر اس کو دیکھا تو یا اس کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا تو دوسرے نے بھی آہستہ سے مجھ سے یہی بات پوچھی تو مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ ان کی جگہ دو مردوں کے درمیان ہوتا تو میں نے ان دونوں کو ابوجہل کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس پر عقاب کی طرح دوڑے اور اس کو مار دیا یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ کون ہمارے لیے یہ دیکھ کر آتا ہے کہ ابوجہل کے ساتھ کیا ہوا؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے تو اس کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب ہے تو اس کی داڑھی پکڑی اور کہا کہ تو ابوجہل ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ کیا اس آدمی کے اوپر جس کو اس کی قوم نے قتل کیا یا کہا تم لوگوں نے قتل کیا۔ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ ابوجہل بن ہشام کو مقتولین میں تلاش کیا جائے، جب میں نے یہ سنا تو میں اس کا ارادہ کر کے چلا تو میں نے اس کو ایک ضرب لگائی تو اس کے پاؤں ہوا میں اُڑ گئے اور مجھے اس کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کندھے پر تلوار ماری تو میرا ہاتھ کٹ گیا اور میری جلد سے لٹک کر رہ گیا اور مجھے اس کی وجہ سے لڑائی میں مشقت پیش آئی تو دن کا اکثر حصہ میں نے اس کو پیچھے لٹکا کر گزارا جب مجھے زیادہ تکلیف دینے لگا تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے رکھ کر زور لگایا تو اس کو جدا کر دیا۔ پھر ابوجہل پر گزر ہوا اس کو معاذ بن عفراء خاک آلود کر چکے تھے اس کو میں نے بھی ایک تلوار ماری اور اس میں کچھ زندگی باقی تھی کہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا وہ فرماتے ہیں کہ وہ آخری سانسیں لے رہا تھا، میں نے اس کو پہچان لیا اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور کہا کیا تجھے اللہ نے رسوا کر دیا ہے۔ اے اللہ کے دشمن! اس نے کہا کسی چیز کے ساتھ رسوا کیا ہے؟ تو مجھے بتا فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے ابوجہل نے کہا اے بکریوں کے چرواہے تو بڑی سخت جگہ پر چڑھا ہوا ہے۔ پھر میں نے اس کا سر الگ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ ابوجہل کا سر ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ میں نے کہا جی ہاں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ کی تعریف کی۔ سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین جب مکہ سے نکلنے لگے تو کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ اور دونوں جماعتوں میں سے ہدایت یافتہ جماعت اور دونوں گروہوں میں سے معزز اور دونوں دینوں میں سے افضل کی مدد کر، تو یہ آیت

نازل ہوئی "ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے تھے مشرکین ہمیں تنگ کرتے تھے تو ہم نے آپ کو شکایت کی کہ آپ علیہ السلام اللہ سے دُعا کریں تو آپ علیہ السلام جلدی سے اُٹھ بیٹھے اور چہرہ انور سرخ ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں کسی شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر زندہ ڈالا دیا جاتا تھا اور آرا لا کر اس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے یہ تکلیف اس کو اللہ کے دین سے نہ روکتی تھی اور لوہے کی کنگھی پھیری جاتی تھی جو اس کے گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتی تھی لیکن یہ تکلیف اس کو اللہ کے دین سے نہ روکتی تھی۔ اللہ کی قسم! اللہ اپنے اس دین کو مکمل کرے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت کی طرف چلے گا، راستے میں اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا نہ اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کا خوف ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو (وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ) یعنی اگر تم دوبارہ لڑائی اور قتال کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو بدر میں تمہارے ساتھ کیا اور بعض نے کہا کہ اگر تم دوبارہ فتح کی دُعا کرو گے تو ہم بھی فتح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے (وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ)

اہل مدینہ ما ابن عامر اور حفص نے (وان الله) ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اور اس لئے کہ اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔ اسی طرح (لن تغنی عنکم فئتکم شیئا) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا عطف اللہ تعالیٰ کے قول (ذلکم وان الله موهن کید الکافرین) پر ہے اور دیگر حضرات نے (وان الله) الف کی زیر کے ساتھ نئی کلام ہونے کی بنا پر پڑھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سناتے کچھ نہیں بیشک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

تفسیر ⑳ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ) قرآن اور اس کی نصیحتیں۔

㉑ (وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ) یعنی وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے کانوں سے سن لیا لیکن اس سننے سے نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور نہ سننا ان کو نفع دیتا ہے تو گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں۔

㉒ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ) یعنی زمین پر اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر (عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ) حق سے جو نہ حق سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں (جو نہیں سمجھتے) اللہ کے حکم کو ان کو (دواب) کہا ہے اس لئے کہ وہ اپنی عقل سے کم نفع اٹھاتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے (اولئک کالانعام بل هم اضل) ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ بنو عبدالدار بن قصی کے لوگ ہیں وہ کہتے تھے جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ہم اس سے گونگے بہرے اندھے ہیں۔ تو یہ سارے لوگ اُحد میں قتل کیے گئے اور یہ جھنڈوں والے تھے، ان میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے، مصعب بن عمیر اور سویط بن حرملۃ۔

㉓ (وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ) سمجھ اور قبولیت کا سنانا (وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ) ان کے ضد اور عناد کی وجہ سے اور حق ظاہر ہونے کے بعد اس کا انکار کرنے کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ ہمارے لیے قصی کو زندہ کر دیں وہ بڑے بابرکت بزرگ تھے وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ) قصی کی کلام (لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ)

㉔ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام ایمان ہے کیونکہ کافر مُردہ ہے ایمان سے زندہ ہوتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام قرآن ہے اس میں زندگی ہے اور اسی کے ساتھ نجات اور دونوں جہانوں میں حفاظت ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام جہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تمہیں عزت دی۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہادت ہے کیونکہ شہداء کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کہا ہے۔ ہم تک روایت پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر ہوا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو پکارا تو اُبی رضی اللہ عنہ نے جلدی نماز ختم کی۔ پھر آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری پکار کا جواب دینے سے آپ کو کس نے منع کیا ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا میں نماز میں تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ) تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا، اب اے اللہ کے رسول! آپ مجھے جب پکاریں گے میں جواب دوں گا اگرچہ نماز پڑھ رہا ہوں (وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور کافر اور ایمان کے درمیان اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور بعض نے کہا کہ قوم کو جب لڑائی کی طرف بلایا گیا تو وہ کمزوری کی حالت میں تھے تو ان کو بدگمانی ہونے لگی اور دل میں وسوسے آنے لگے تو ان کو کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں قتال کرو اور خوب جان لو کہ اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو اللہ خوف کو امن سے اور بزدلی کو جرأت اور بہادری سے

بدل دے گا (وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ) تو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دُعا مانگتے اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما دے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ علیہ السلام پر اور آپ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے تو کیا آپ کو ہم پر خوف ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ان کو جیسے چاہتا ہے پلٹتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

(تفسیر) ﴿۲۵﴾ (وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ) قولہ "لاتصیبنّ" یہ محض جزاء نہیں ہے۔ اگر یہ جزاء ہوتی تو اس پر نون داخل نہ ہوتا۔ یہ نفی ہے اور اس میں جزاء کی ایک طرف بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "**یا یھا النمل ادخلوا مساکنکم لایحطمنکم سلیمان وجنودہ**" ہے اور اس کی اصل عبارت "**واتقوا فتنة ان لم تتقوھا اصابتکم**" ہے یعنی تم فتنہ سے بچو، اگر نہیں بچو گے تو وہ تمہیں آ پہنچے گا۔ یہ کہنے والے کے قول "**انزل عن الدابة لاتطرحک ولا تطرحنک**" کی طرح ہے یعنی سواری سے اُتر یہ تجھے پھینک نے دے۔ تو یہ امر کا جواب ہے نفی کے الفاظ میں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تو اُتر آئے تو یہ تجھے نہ پھینکے گی۔ (الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً) مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس فتنہ سے بچو جو ظالم اور غیر ظالم کو پہنچے گا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک زمانہ تک یہ آیت پڑھی اور اس کا مصداق کوئی نہیں دیکھا تو ہم لوگ ہی اس سے مراد ہیں۔ یعنی جو جنگ جمل میں شریک ہوئے۔ سدی، مقاتل اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض مخصوص لوگوں کے بارے میں ہے جن کو جنگ جمل میں فتنہ پہنچا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی ناپسند کام کو اپنے درمیان رواج نہ پانے دیں ورنہ اللہ کا عمومی عذاب آئے گا جو ظالم اور غیر ظالم کو پہنچے گا۔ عدی بن عدی کندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے آزاد کردہ غلام نے بیان کیا کہ اس نے میرے دادا سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عام لوگوں کو چند خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عذاب نہ دیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان کسی ناپسند (گناہ کے کام) کام کو دیکھیں اور وہ اس کے انکار پر قادر ہونے کے باوجود انکار نہ کریں، جب وہ ایسا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ عام وخاص ہر ایک کو عذاب دیں گے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد باہمی مخالفت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ہوں گے کہ بیٹھا ہوا شخص ان میں کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کھڑا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور اس میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا جو ان کو

جھانکے گا وہ اس کو جھانکیں گے۔ پس جو شخص کوئی پناہ گاہ یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے۔ (وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ)

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ㉖ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ㉗

ترجمہ: اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں سو (ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینے میں) رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو (اس کا مضر ہونا) جانتے ہو۔

تفسیر: ㉖ (وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ) یعنی اے مہاجروں کی جماعت یاد کرو جب تم عدد میں تھوڑے تھے اور ابتداء اسلام میں مکہ کی زمین میں کمزور تھے (تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ) یعنی کفار عرب تم کو لے جائیں اور عکرمہ فرماتے ہیں کفار مکہ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس اور روم مراد ہیں (فَاٰوٰىكُمْ) مدینہ میں (وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ) یعنی بدر کے دن انصار کے ذریعے تمہیں قوت دی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتوں کے ذریعے قوت دی (وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ) یعنی مال غنیمت جو تمہارے لیے حلال کیا گیا اس سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

㉗ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتے پھر اس کو آگے بیان کر دیتے تو مشرکین تک پہنچ جاتی۔ زہری اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہما جو بنی عوف میں سے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے یہود کا محاصرہ کیا، اکیس راتیں تو انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے درگزر کریں اور ہم سے ویسی صلح کر لیں جو ہمارے بھائیوں بنونضیر سے کی ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی طرف شام کے علاقے اذرعات اور اریحاء کی طرف چلے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر اتر آئیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے پاس ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں وہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اولاد ان کے پاس تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیج دیا تو ان یہودیوں نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کیا رائے ہے ہم سعد بن معاذ کو فیصل مان لیں؟ تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی ایسا نہ کرو ذبح کیے جاؤ گے۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے ہلا بھی نہ تھا کہ میں نے پہچان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔ وہ وہاں سے چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے

باندھ لیا اور کہا میں یہاں سے نہ جاؤں گا اور نہ کچھ کھاؤں پیوں گا۔ یہاں تک کہ مرجاؤں یا اللہ! میری توبہ قبول کرلیں۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے پاس آتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا۔
لیکن اب انہوں نے جو کچھ کرلیا اس کے بعد میں بھی تب تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ کرلیں تو وہ اس حال میں سات دن بغیر کھائے پڑے رہے یہاں تک کہ بے ہوش کر گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ ان کو کہا گیا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے آ کر کھولیں۔ پھر آپ علیہ السلام آئے اور ان کو کھولا تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)
میری مکمل توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا پڑوس چھوڑ دوں جس کی وجہ سے میں اس گناہ میں واقع ہوا اور میں سارا مال بھی چھوڑ دوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تہائی مال آپ کو کفایت کرجائے گا تو آپ رضی اللہ عنہ نے تہائی مال کا صدقہ کیا تو اس واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) یعنی تم جانتے ہو کہ یہ امانت ہے اور بعض نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ حلق کی طرف اشارہ کرنا خیانت ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی تو اپنی امانت میں خیانت کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ سے خیانت نہ کرو اس کے فرائض چھوڑ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو، آپ علیہ السلام کی سنتیں چھوڑ کر۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوب جان لو کہ اللہ کا دین امانت ہے تو اللہ نے جو امانت دی یعنی فرائض اور حدود ان کو اس تک پہنچا دو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾

ترجمہ اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کردیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (میاں) اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔

تفسیر ﴿28﴾ (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) بعض نے کہا کہ یہ آیت بھی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے

میں اُتری ہے کہ ان کا مال اور اولاد بنوقریظہ میں تھا تو ان کے خوف سے یہ اشارہ کیا تھا اور بعض نے کہا کہ یہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو بوسہ دیا اور فرمایا، بہرحال یہ بچے بخل اور بزدلی کا سبب ہیں اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے پھولوں میں سے ہیں (وَاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ) اس کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی کرے اور اپنی امانت کو ادا کرے۔

㉙ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ) اس کی اطاعت کر کے اور نافرمانی چھوڑ کے (یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا) دُنیا اور آخرت میں نکلنے کا ذریعہ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین میں شبہات سے نکلنے کا ذریعہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کہ اس کے ذریعے تمہارے حق کو غالب کر دے گا اور تمہارے مخالف کے باطل کو بجھا دے گا۔ فرقان رجحان اور نقصان کی طرح مصدر ہے (وَیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ)

㉚ (وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا) اس آیت کا عطف "واذکروا اذ انتم قلیل" پر ہے (واذکر اذیمکر بک الذین کفروا واذقالوا اللھم) کیونکہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ مکر اور قول اگرچہ مکہ میں ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر مدینہ میں کیا ہے جیسے دوسری آیت "الا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ" ہے۔ اس مکر کی تفصیل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ نے یہ ذکر کی ہے کہ جب انصار اسلام لے آئے تو قریش کو ڈر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشورہ کریں۔ ان کے بڑے اس وقت ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوجہل بن ہشام، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ، اُمیہ بن خلف تھے تو شیطان بھی انسانی صورت میں ان کے پاس آ گیا، انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ نجد کا آدمی ہوں تمہارے اجتماع کا سنا تو حاضر ہو گیا کہ کوئی خیرخواہی کا مشورہ دے سکوں انہوں نے کہا آ جا۔ تو ابوالبختری نے مشورہ دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر کسی کمرہ میں قید کر دو، سخت بیڑیاں باندھ دو اور کمرے کا دروازہ بند کر دو صرف ایک چھوٹا سا سوراخ ہو جس سے تم کھانا اور پانی اندر رکھ دو اور انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مر جائیں جیسے پہلے شاعر مر گئے تو اللہ کا دشمن شیطان چیخ پڑا اور کہنے لگا یہ بہت برا مشورہ ہے اللہ کی قسم! اگر تم اس کو کسی کمرہ میں قید کرو گے اور یہ بات ان کے ساتھیوں تک پہنچ گئی تو وہ تم پر حملہ کر کے ان کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ ان سب نے کہا نجدی شیخ سچ کہتا ہے۔ پھر ہشام بن عمرو بنو عامر بن لوی کا آدمی بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو کسی اونٹ پر سوار کر کے کہیں دور بھیج دو تو وہ جو کریں گے تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور تم راحت حاصل کر لو گے۔ تو ابلیس ملعون کہنے لگا یہ کوئی ایسی رائے نہیں ہے جس پر تم بھروسہ کر سکو، ایک ایسا شخص جس نے تمہارے بتوں کو برا بھلا کہا تم اس کو دوسرے کی طرف نکال دو گے۔ تم کیا اس کی زبان کی مٹھاس اور دلوں پر اثر کرنے والی تاثیر سے واقف نہیں ہو؟ اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو وہ جا کر کسی اور قوم کا دل اپنی طرف مائل کرے گا۔ پھر ان کو لے کر تم پر حملہ کرے گا اور تمہیں تمہارے شہر سے نکال دے گا۔ وہ سب کہنے لگے نجدی شیخ نے ٹھیک کہا ہے تو ابوجہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں کہ تم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک

حسب نسب والا نوجوان لو، پھر ہر نوجوان کو تیز تلوار دو، پھر سب مل کر ان کو مار دو تو اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا تو بنو ہاشم ان تمام قریش سے لڑائی کی طاقت نہیں رکھ سکتے تو وہ دیت پر راضی ہو جائیں گے تو سب قریش مل کر ان کی دیت ادا کریں گے تو شیطان نے کہا کہ اس نوجوان نے سچ کہا اور یہ سب سے عمدہ رائے ہے۔ یہی بات ٹھیک ہے اس کے علاوہ کوئی رائے میں نہیں دیکھتا۔ تو سب لوگ ابوجہل کی بات پر اتفاق کر کے متفرق ہو گئے تو جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ خبر دی اور کہا کہ آپ علیہ السلام یہاں آج رات نہ گزاریں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی ہجرت کی اجازت دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ علیہ السلام کے بستر پر سو جائیں اور کہا کہ میری یہ چادر ڈال لو، آپ تک کوئی نہ پہنچ سکے گا۔ پھر آپ علیہ السلام نکلے اور مٹی کی ایک مٹھی لے لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو پکڑ لیا۔ آپ علیہ السلام ان کے سروں پر مٹی ڈالتے اور یہ پڑھتے "**انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً** الآیۃ اس قولہ **فھم لایبصرون**" رہے۔ اور آپ علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور چلے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مکہ چھوڑ دیا کہ وہ لوگوں تک ان کی وہ امانتیں پہنچا دیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں اور مشرکین ساری رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوکیداری کرتے رہے وہ یہ سمجھے کہ یہ آپ علیہ السلام ہیں جب صبح ہوئی تو وہ حملہ کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہنے لگے آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے معلوم نہیں تو آپ علیہ السلام کے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے غار ثور تک پہنچ گئے اور وہاں دیکھا تو غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بنایا ہوا تھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے ہوتے تو مکڑی کا جالا یہاں نہ ہوتا تین دن کے بعد آپ علیہ السلام مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "**واذ یمکربک الذین کفروا**" کا۔ (**لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ**) ضحاک فرماتے ہیں وہ کاریگری کرتے ہیں اور اللہ کاریگری کرتا ہے اور مکر تدبیر اور اللہ کی طرف نسبت ہو تو حق کی تدبیر کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کو مکر کا بدلہ دے گا (**وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ**)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں اور جبکہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر (اور

کوئی) دردناک عذاب واقع کردیجئے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو (ایسا) عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو (ایسا) عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر ㉛ (وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا) یعنی نضر بن حارث (قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ) کیونکہ نضر تجارت کی غرض سے فارس اور حیرۃ کی طرف جاتا رہتا تھا اور وہاں رستم اور اسفندیار کے قصے سنتا اور عجمیوں کی کہانیاں سنتا اور یہود و نصاریٰ پر گزرتا تو ان کو رکوع اور سجدہ میں دیکھتا اور یہ کہ وہ توریت اور انجیل پڑھتے ہیں تو وہ مکہ آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو نضر کہنے لگا ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل کہہ لیں (اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ) گزشتہ اُمتوں کی خبریں اور نام ہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا۔ "اساطیر اسطورۃ" کی جمع ہے بمعنی لکھا ہوا یہ مشتق ہے ان کے قول "سطرت" بمعنی "کتبت" سے۔

㉜ (وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا) یہ آیت بنو عبدالدار کے شخص نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں کے واقعات بیان کیے تو نضر کہنے لگا اگر میں چاہتا تو اس کی مثل کہہ لیتا، یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں۔ یعنی یہ تو وہ چیزیں ہیں جو پہلوں نے اپنی کتابوں میں لکھی تھیں تو اس کو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ سے ڈر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق بات کہتے ہیں، وہ کہنے لگا میں بھی حق کہتا ہوں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم "لا اِلٰه اِلاَّ اللّٰه" کہتے ہیں۔ نضر نے جواب دیا میں بھی "لا اِلٰه اِلاَّ اللّٰه" کہتا ہوں لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں، پھر کہنے لگا اے اللہ! محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر پتھر برسا آسمان سے (حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ) جیسے تو نے قوم لوط پر برسائے (اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ) یعنی جو پہلی اُمتوں پر بھیجا اس میں سے کوئی ہم پر بھیج۔ اس نضر کے بارے میں آیت "سال سائل بعذاب واقع" بھی نازل ہوئی ہے۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نضر بن حارث کے بارے میں دس سے زائد آیتیں نازل ہوئی ہیں، بدر کے دن جس عذاب کو اس نے مانگا تھا اسی نے اس کو گھیر لیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تین آدمیوں کو باندھ کر قتل کیا۔ ❶ طعیمہ بن عدی ❷ عقبہ بن ابی معیط ❸ نضر بن حارث۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل ملعون تھا۔ عبدالحمید صاحب الزیادی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنا کہ فرمارہے ہیں کہ ابوجہل نے کہا "اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السّماء او ائتنا بعذاب الیم" تو یہ آیت نازل ہوئی "وما کان اللّٰہ لیعذّبھم وانت فیھم وَما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون ومالھم الاّ یعذبھم اللّٰہ"

㉝ (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ)

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مشرکین کا قول نقل کیا ہے۔ یہ پہلی آیت سے متصل ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہم استغفار کرتے ہیں اللہ ہمیں عذاب نہ دیں گے اور اللہ کسی ایسی اُمت کو عذاب نہیں دیتا جن کا

نبی ان میں ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی جہالت، دھوکہ اور اپنے خلاف بددعا کرنے کو ذکر کیا۔ "واذ قالوا اللهمّ ان کان هٰذا هو الحقّ من عندک فامطر علینا حجارة من السماء" اور انہوں نے کہا "وما کان اللّٰه لیعذبهم وانت فیهم. وما کان اللّٰه معذبهم وهم یستغفرون" پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "ومالهم الّا یعذّبهم اللّٰه" اگرچہ آپ علیہ السلام ان کے درمیان ہوں اور وہ استغفار کرتے ہوں اور مسجد حرام سے روکتے ہوں۔

مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نئی کلام ہے اللہ تعالیٰ خود اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ) اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ضحاک رحمہ اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب تک آپ علیہ السلام ان میں مقیم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم تھے۔ جب آپ علیہ السلام وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (وَمَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) کیونکہ ابھی وہاں کچھ مسلمان تھے جو استغفار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ بھی نکل گئے تو کفار مکہ کو فتح مکہ کے ذریعے عذاب دیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہاں کے نبی اور مؤمنین وہاں سے نکل کر اس جگہ نہ چلے جائیں جہاں کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی "وما کان اللّٰه لیعذبهم الخ" ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں دو امن کی چیزیں ہیں (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) استغفار۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاچکے اور استغفار تم میں قیامت تک رہے گا۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے یہ استغفار مشرکین کی طرف لوٹ رہا ہے کیونکہ وہ طواف کے بعد غفرانک غفرانک کہتے تھے اور یزید بن رومان کہتے ہیں قریش نے کہا اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا تو شام کو اپنے کہے پر شرمندہ ہوئے اور کہا "غفرانک اللهمّ" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما کان اللّٰه معذبهم وهم یستغفرون" اور قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "وما کان اللّٰه معذبهم وهم یستغفرون" یعنی اگر وہ استغفار کریں لیکن وہ استغفار نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر وہ گناہ کا اقرار کرکے استغفار کرتے تو وہ مؤمن ہو جاتے اور بعض نے کہا ہے یہ اسلام کی طرف دعوت ہے اس کلمہ سے استغفار کرنا جیسے آدمی دوسرے کو کہے میں تجھے سزا نہ دوں گا اور تو میری اطاعت کرے گا۔ یعنی تو میری اطاعت کرتا کہ میں تجھے سزا نہ دوں اور مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "هم یستغفرون" یعنی وہ اسلام لے آئیں۔ فرماتے ہیں اگر وہ اسلام لے آئیں تو عذاب نہ دیئے جائیں گے اور والبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں کئی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے طے تھا کہ وہ اسلام لے آئیں گے اور استغفار کریں گے اور یہ ابوسفیان اور صفوان بن اُمیہ اور عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام وغیرہ ہیں اور عبدالوہاب نے مجاہد رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے "وهم یستغفرون" یعنی ان کی اولاد میں استغفار کرنے والے ہیں۔

وَمَالَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۳۴

ترجمہ: اور (نیز) ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ (بالکل ہی معمولی) سزا بھی نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے۔

تفسیر: ۳۴ (وَمَالَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ) یعنی ان پر عذاب آنے سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ علیہ السلام کے نکلنے کے بعد (وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) یعنی مؤمنین کو بیت اللہ کے طواف سے روکتے ہیں۔ بعض نے کہا پہلے عذاب سے جڑ سے اکھاڑنے والا عذاب مراد ہے اور اس آیت میں تلوار کا عذاب مراد ہے اور بعض نے کہا پہلی آیت سے دُنیا کا عذاب اور اس آیت سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت "وما كان الله ليعذبهم" منسوخ ہے اور ناسخ "ومالهم الا يعذبهم الله" ہے۔ (وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے کہ ہم مسجد حرام کے اولیاء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تردید کردی کہ "وما كانوا اولياءه" یعنی بیت اللہ کے اولیاء نہیں (اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ) یعنی وہ ایمان والے جو شرک سے بچتے ہیں (وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ ۳۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۞ ۳۶

ترجمہ: اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر (آخر) مغلوب (بھی) ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جاوے گا۔

الامکاء و تصدیة کی تفسیر

تفسیر: ۳۵ (وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاء بمعنی سیٹی لغت میں مکاء سفید رنگ کے پرندے کو کہتے ہیں جو حجاز میں پایا جاتا ہے اور اس کے لیے سیٹی جیسی آواز ہوتی

ہے۔ گویا کہ کہا ہے سیٹیوں کی آوازیں "تصدیۃ" بمعنی تالی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو عبدالدار کا ہر آدمی جب طواف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزرتا تو وہ استہزاء کرتے اور انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں بجاتے۔ اور تصدیہ تالیاں بجانا اور اسی سے صدیٰ ہے اور المکاء انگلیاں جبڑے میں رکھنا اور تصدیہ تالی بجانا اور اسی سے صدا اس بازگشت کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں آواز لگانے والے کی سنائی دیتی ہے۔ جعفر بن ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے اللہ تعالیٰ کے قول "الامکاء و تصدیۃ" کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے ان میں پھونک ماری۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں نماز پڑھتے تو دو آدمی آپ علیہ السلام کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھڑے ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تا کہ آپ علیہ السلام کی نماز میں خلل ڈالیں۔ یہ بنو عبدالدار کے لوگ تھے سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں التصدیہ مشرکین کا مؤمنین کو مسجد حرام اور دین اور نماز سے روکنا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ اصل میں التصددۃ دو دال کے ساتھ ہوگا۔ ایک دال کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تظنیت" ظن سے۔ ہے اور تقضی البازی اذا البازی کسر یعنی "تقضض البازی" سے ہے۔ ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا نام صلاۃ رکھا ہے کیونکہ ان کو مسجد حرام میں نماز کا حکم دیا گیا تھا، انہوں نے اپنے ان افعال کو اپنی نماز بنا دیا۔ (فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ)

㊱ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) کلبی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے دن قریش میں بارہ کھانے کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگ ہر ایک ان میں سے روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے کفار کے لشکر کو کھلاتا۔ یہ بارہ لوگ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، نبیہ، منبہ، ابوالبختری، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حارث بن عامر، عباس بن عبدالمطلب تھے۔ حکم بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے اُحد کے دن مشرکین پر چالیس اوقیہ خرچ کیے۔ (فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً) یعنی جو دُنیا میں خرچ کر رہے ہیں وہ آخرت میں ان پر حسرت بن جائے گا (ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ) کامیاب نہ ہوں گے (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا) ان میں سے (اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ) کفار کو خاص کیا اس لیے کہ بعض ان میں سے اسلام لے آئے تھے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ㊲ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ㊳ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ㊴ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ㊵

ترجمہ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کردے اور (ان سے الگ کرکے) ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے یعنی ان سب کو متصل کرکے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں گے تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام) سے پہلے ہوچکے ہیں سب معاف کردیے جاویں گے اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (ان کو منادیجئے کہ) کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہوچکا ہے اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہوجاوے پھر اگر یہ کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

تفسیر ㊲ (لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ) یعنی کافر کو مؤمن سے۔ پس مؤمن کو جنت اور کافر کو آگ میں ٹھکانہ دے گا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناپاک عمل کو پاک عمل سے جدا کردے۔ پس نیک اعمال پر جنت اور ناپاک اعمال پر جہنم دے گا اور بعض نے کہا شیطان کے راستے میں ناپاک خرچ کو اللہ کے راستے میں پاک خرچ سے جدا کردے۔ (وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَہٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَہٗ جَمِیْعًا) یعنی اس کو جمع کردے اسی سے السحاب الرکوم ہے گھنے بادلوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ (فَیَجْعَلَہٗ فِیْ جَھَنَّمَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ)

اس کو اپنے قول (ان الذین کفروا ینفقون اموالھم ......اولئک ھم الخاسرون) کی طرف لوٹایا ہے جن کی تجارت خسارہ میں پڑگئی۔ ان اپنے اموال سے آخرت کے عذاب کو خریدیں۔

㊳ (قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا) شرک سے (یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ) اسلام سے پہلے جو گناہ ہوچکے (وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ) اللہ کی اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد کرنے میں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں۔

㊴ (وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ) یعنی شرک۔ ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاکہ مؤمن اپنے دین سے فتنہ میں مبتلا نہ ہو (وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ) یعنی اس میں کوئی شرک نہ ہو (فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ)

یعقوب نے تعملون تاء کے ساتھ اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

㊵ (وَاِنْ تَوَلَّوْا) اگر وہ ایمان سے لوٹیں یا قتال سے (فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰکُمْ) تمہاری مدد (نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ) مدد کرنے والا۔

❁❁❁

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اوراس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ایک اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن یعنی جس دن کہ (بدر میں) دونوں جماعتیں (مومنین و کفار) باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ (ہی) ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑩ ......(وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ) مسلمانوں کو کفار سے جو مال حاصل ہوتا ہے اس کے لیے دو نام استعمال ہوتے ہیں ① غنیمت ② فئی۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں اور ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ دونوں مختلف ہیں۔ پس غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان لڑائی کے غلبہ سے حاصل کرلیں اور فئی وہ مال جو بغیر لڑائی کے صلح سے مل جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غنیمت کا حکم بیان کیا ہے اور فرمایا (لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ) اکثر مفسرین رحمہم اللہ اور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ لفظ اللہ کلام کی بطور برکت ابتداء کے لیے ہے اور مال کی اپنی طرف نسبت کرنا اس کے اعزاز کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ غنیمت کا کوئی حصہ صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ دُنیا اور آخرت تمام اللہ کی ہیں۔ یہی حسن، قتادہ، ابراہیم اور شعبی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ایک ہے اور غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ پانچ میں سے چار حصے مجاہدین کے لیے اور پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے) بعض نے کہا کہ غنیمت کے چھ حصے کیے جائیں گے اور یہی ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ کعبہ کی طرف خرچ کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ علیہ السلام کی زندگی میں تھا وہ اب مسلمانوں کی ضروریات اور اسلام کی قوت میں خرچ کیا جائے گا۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ سے ہتھیار اور جانور وغیرہ خریدتے تھے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ علیہ السلام کے بعد خلیفہ کو ملے گا اور بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ان پانچ حصوں میں لوٹا دیا جائے اور پھر چار قسموں پر تقسیم کیا جائے گا (وَلِذِي الْقُرْبٰى) یعنی خمس کا ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو ملے گا۔

والذی القربیٰ کا مصداق میں مفسرین کے اقوال

کون سے رشتہ دار مراد ہیں اس میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ تمام قریش مراد ہیں اور ایک قوم نے کہا کہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے لیے صدقہ واجب لینا حلال نہیں۔ مجاہد اور علی بن حسین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم مراد ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب مراد ہیں۔ بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہ ملے گا۔

اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے رشتہ داروں میں مال تقسیم کیا اور اس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہیں دیا اور محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب میں قریبی رشتہ داروں کا حصہ تقسیم کیا تو میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے بھائی بنو ہاشم میں سے ہیں ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ علیہ السلام کا نسب ان میں ہے لیکن ہمارے بھائی

بنو مطلب کے بارے میں کیا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو بھی دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری اور ان کی رشتہ داری ایک ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک چیز ہیں۔ اس طرح اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا دیا۔

ذوی القربیٰ کا حصہ اب بھی باقی ہے یا نہیں

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ اب بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ان کا حصہ ثابت ہے اور یہی امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور اصحاب رائے کا قول یہ ہے کہ حصہ اب ثابت نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور ذوی القربیٰ کا حصہ واپس خمس میں ملا دیا جائے گا۔ اب غنیمت کے پانچ حصے تین قسموں کو ملیں گے ❶ یتیموں ❷ مسکینوں ❸ مسافروں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ذوی القربیٰ میں سے فقراء کو دیا جائے گا نہ کہ اغنیاء کو اور کتاب وسنت اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء بھی یہ حصہ دیتے چلے آئے ہیں اور فقیر کو غنی رشتہ دار پر فوقیت نہ دی جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ان کے کثرتِ مال کے باوجود خمس میں سے حصہ دیتے رہے ہیں تو امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو میراث کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ جس طرح میراث قرابت کی وجہ سے ملتی ہے خواہ مالدار ہو یا غریب، اسی طرح خمس کا حال ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ خمس قریبی اور دور کے سب رشتہ داروں کو دینے کے قائل ہیں اور مذکر کو مؤنث پر فضیلت دیتے ہیں کہ مذکر کو دو حصے اور مؤنث کو ایک حصہ ملے گا۔

(وَالْیَتٰمٰی) یتیم کی جمع ہے یتیم وہ مسلمان بچہ جس کا باپ نہ ہو اور وہ فقیر ہو تو اس کا خمس میں حصہ ہے (اور محتاجوں) مسلمانوں میں سے ضرورت مند (وَالْمَسٰکِیْنِ) یعنی جو مسافر اپنے مال سے دور ہو یہ سب غنیمت کے ایک خمس کا مصرف ہیں اور باقی چار

حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔ سوار کے لیے تین حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل شخص کے لیے ایک حصہ مقرر کیا اور سوار کے لیے تین حصے ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے مقرر کیے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے اور اسی کی طرف ثوری، اوزاعی، مالک، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہما اللہ گئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سوار کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ اور غلام، عورتیں اور بچے بھی جب جنگ میں شریک ہوں تو ان کو انعام ملے گا مستقل حصہ نہ ہوگا اور جس زمین پر مسلمان غالب ہو جائیں وہ بھی منقول اشیاء کی طرح تقسیم ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین میں امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مجاہدین میں تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے وقف کر دے لیکن آیت کا ظاہر زمین اور منقولی اشیاء میں فرق نہیں کرتا اور جس شخص نے قتال میں مشرک کو قتل کر دیا تو اس کے سلب کا مستحق ہوگا۔ ابوقتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو اس کا سلب ملے گا۔ سلب سے مراد مقتول کا لباس، ہتھیار اور اس کا گھوڑا وغیرہ سامان ہے اور امام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس غنیمت کے علاوہ مسلمانوں کو مزید انعام کا اعلان کرے تا کہ وہ لڑائی میں خوب توجہ کریں اور مشقت برداشت کریں تو جو لوگ اس انعام کے حق دار ہوں گے وہ صرف انہی کو ملے گا اور باقی غنیمت میں مجاہدین کے ساتھ برابر شریک ہوں گے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لشکروں کو روانہ کرتے ہوئے ان کے لیے کسی خاص انعام کا اعلان کر دیتے تھے جو ان کے ساتھ خاص ہوتا تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ انعام کہاں سے دیا جائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ خمس کے خمس سے دیا جائے گا یہی سعید بن مسیّب کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی معنی ہے آپ علیہ السلام کے قول کا کہ میرے لیے اس مال میں خمس کے سوا کچھ نہیں جو اللہ نے تم کو بطور غنیمت دیا اور وہ خمس تم میں تقسیم کیا جائے گا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خمس کو الگ کر کے باقی چار حصوں میں سے انعام دیا جائے گا اور یہی امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ انعام مکمل غنیمت سے دیا جائے گا خمس نکالنے سے پہلے جیسے سلب قاتل کو تقسیم غنیمت سے پہلے ملتا ہے۔

بہرحال فئی وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کفار سے بغیر گھوڑے دوڑائے مل جائے اس طرح کہ وہ کفار مسلمانوں سے مال پر صلح کر لیں کہ وہ جزیہ دیں گے اور جو مال دارالاسلام میں نجات کے لیے داخل ہوتے وقت ان سے لیا جائے یا کوئی کافر دارالاسلام میں آ کر مر جائے اور یہاں اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ سب فئی ہے۔ مالِ فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خالص آپ علیہ السلام کے لیے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فئی کے ساتھ خاص کیا ہے کہ اس میں سے کسی اور کو کچھ نہیں دیا۔ پھر آیت پڑھی "ما فاء اللّٰه علی رسوله" آپ علیہ السلام اس مال کو اپنے اہل و عیال کے سالانہ خرچ پر خرچ کرتے پھر جو بچ جاتا اس کو اللہ کے راستے میں دے دیتے۔

مالِ فئی کا مصرف کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کے بعد مالِ فئی کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کے بعد والے آئمہ کو ملے گا۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ان مجاہدین کو ملے گا جن کے نام جہاد کے رجسٹروں میں مستقل درج ہیں کیونکہ یہ لوگ دشمن کو ڈرانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا۔ ابتداء مجاہدین سے کی جائے گی۔ ان کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا۔ پھر جو زیادہ اہم ہو۔

مالِ فئی کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں

تفسیر: اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مالِ فئی کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے گا وہ خمس غنیمت کے مستحقین پر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور چار خمس مجاہدین اور مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوں گے اور اکثر علماء کا قول ہے کہ فئی کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام مالِ فئی کا ایک ہی مصرف ہے اور تمام مسلمانوں کا اس میں حق ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ زمین پر جو بھی مسلمان ہے اس کا اس فئی میں حصہ ہے سوائے غلاموں کے۔ مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت ''انما الصدقات للفقراء والمساکین ...... علیم حکیم'' تک پڑھی۔ پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے۔ پھر ''واعلموا انّما غنمتم من شیء فانّ للّٰہ خمسہ...... وابن السبیل'' تک پڑھا۔ پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے پھر پڑھا ''ما افاء اللّٰہ علٰی رسولہ من اھل القریٰ ...... للفقراء والذین جاء وا من بعدھم'' تک پڑھی۔ پھر فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ پس اگر میں زندہ رہا تو ضرور میرے پاس چرواہا آئے گا تو اس کا اس مال میں حصہ ہوگا، اس کی پیشانی پسینے میں غرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا قول ''اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ'' بعض نے کہا ہے مراد ''واعلموا انما غنمتم من شیء فانّ للّٰہ خمسہ وللرّسول'' ہے۔ اس میں جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے تم اس کو قبول کرو۔ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو ''وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا'' یعنی اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے یعنی باری تعالیٰ کا قول ''یسالونک عن الانفال ...... یوم الفرقان'' یعنی بدر کے دن۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کردیا۔ ''يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ''

اللہ کی جماعت اور شیطان کی جماعت۔ یہ بدر کا واقعہ جمعہ کے دن سترہ رمضان المبارک کو ہوا تھا۔ "وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" تمہاری قلت اور ان کی کثرت کے باوجود تمہاری مدد پر قادر ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَّلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤٣﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: یہ وہ وقت تھا کہ تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ (یعنی کفار) اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور قافلہ (قریش کا تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) تھا اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھہراتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا لیکن تا کہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تا کہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ (ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں وہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ دکھلا دیتے تو تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور اس امر میں تم میں باہم (نزاع) واختلاف ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس کم ہمتی واختلاف سے) بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو جبکہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور (اسی طرح) ان کی نگاہیں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تا کہ جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے۔

تفسیر ﴿٤٢﴾ ......(اِذْ اَنْتُمْ) یعنی اے مسلمانوں کی جماعت جب تم ٹھہرے تھے۔ (بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا) یعنی وادی کے اس حصہ پر جو مدینہ سے قریب تھا۔ دنیا ادنی کی مؤنث ہے۔ (وَهُمْ) یعنی تمہارے مشرک دشمن۔ (بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى) وادی کے اس جانب جو مدینہ سے دور تھی اور "القصوىٰ" اقصیٰ کی مؤنث ہے۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "بالعدوة" عین کی زیر کے ساتھ دونوں میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے ان دونوں کی پیش کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "الکُسوة" اور "الکسوة" اور "الرِّشوة" اور "الرُّشوة" کی طرح۔ (وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ) یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ سمندر کے ساحل کی طرف

بدر سے تین میل دور تھا (وَلَوْتَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ) کیونکہ مسلمان تجارتی قافلہ کی نیت سے نکلے تھے اور کفار ان کو روکنے تو بغیر کسی وعدہ کے مڈبھیڑ ہوگئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد" تمہاری قلت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے۔ (وَلٰکِنْ) اللہ نے بغیر وعدہ کے تم کو جمع کیا (لِّیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا) اپنے اولیاء کی مدد اور دین کو غالب کرنا اور دشمنوں کو ہلاک کرنا (لِّیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ م بَیِّنَةٍ جو مرنے والا ہے وہ دلیل کا ثبوت دیکھ کر اور سبق آموز حقیقت کا معائنہ کر کے اور واضح دلیل کا مشاہدہ کر کے مرے (وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ م بَیِّنَةٍ اور جو زندہ رہے وہ بھی مشاہدہ حقانیت وصداقت کر کے زندہ رہے تا کہ کسی کو کوئی عذر و معذرت کا موقع باقی نہ رہے۔ جیسا کہ آیت میں (وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا) محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے کے بعد جس نے کفر کرنا ہے کفر کرے اور جس نے ایمان لانا ہے ایمان لائے تو آیت میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیاۃ سے مراد ایمان ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تا کہ جو گمراہ ہو وہ دلیل سے اور جو ہدایت حاصل کرے وہ بھی واضح دلیل سے ہو۔ اہل حجاز، ابوبکر اور یعقوب رحمہ اللہ نے "حَیِیَ" دو یاء کے ساتھ "خشی" کی طرح پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ایک یاء مشدد کے ساتھ اس لیے کہ وہ ایک یاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ)

㊸ (اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فِیْ مَنَامِکَ) یعنی نیند میں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کی آنکھ میں کیونکہ آنکھ نیند کی جگہ ہے (قَلِیْلًا ط وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ) تمہیں مخالفت اور بزدلی سے (اِنَّهٗ عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کو خوب جانتا ہے۔

㊹......(وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا)

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دشمن کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دی تو جب بدر میں ٹکراؤ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہ میں مشرکوں کو کم دکھایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری نگاہ میں اتنے کم ہوگئے کہ میں نے ایک صحابی کو کہا کہ یہ ستر کی تعداد لگتے ہیں اس نے کہا مجھے سو کی تعداد کے برابر لگتے ہیں، پھر جب ہم نے ایک کافر کو قید کیا تو اس سے ان کی تعداد پوچھی تو اس نے کہا ایک ہزار تھی (وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ تجارتی قافلہ حفاظت سے جا چکا ہے تم بھی واپس چلو تو ابوجہل کہنے لگا اب لوٹتے ہو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تمہارے سامنے آگئے ہیں؟ تم واپس نہ جاؤ جب تک ان کو جڑ سے نہ اکھاڑ دو، بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تو اونٹ کا لقمہ ہیں تم ان کو نہ مارو بلکہ رسیوں سے باندھ دو، یہ بات اس نے اپنی طاقت کی وجہ سے کہی تھی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کی نگاہ میں مسلمان تھوڑے دکھائے تا کہ لڑائی سے گریز نہ کریں اور مسلمانوں کی نگاہ میں مشرکین کو کم دکھایا تا کہ وہ ڈر نہ جائیں (لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا) اسلام کو بلند کرنا اور اہل

اسلام کو عزت دینا اور مشرکین کو ذلیل کرنا۔ (كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ اے ایمان والو جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کالحاظ) کیا کرو اور نزاع مت کرو (نہ اپنے امام سے نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

تفسیر ۴۵...... (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً) کافر جماعت سے (فَاثْبُتُوْا لڑائی کے وقت قتال میں ثابت قدم رہو (وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا) اللہ تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دُعا کرو (لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) تا کہ تم کامیابی کی امیدی پر ہو جاؤ۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد پاؤ)

۴۶ (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا) بزدل یا کمزور ہو جاؤ گے (وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری مدد۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں تمہاری جرأت۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری تیزی۔ نضر بن شمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری قوت۔ اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دولتکم" اور "الریح" یہاں کنایہ ہے امر کے نافذ ہونے اور اس کے مراد پر جاری ہونے سے۔ عرب کہتے ہیں "هبت ريح فلان" جب اس کا حکم اس کی مراد پر متوجہ ہو۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ مدد کی ہوا ہے۔ مدد ہمیشہ ہوا کے ذریعے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجتے ہیں جو دشمن کے چہروں کو مارتی ہے اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "میری بادِ صبا کے ذریعے مدد کی گئی ہے اور عاد دبور کے ذریعے ہلاک کیے گئے۔" اور نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا۔ آپ علیہ السلام جب دن کے ابتدائی حصہ میں لڑائی نہ کرتے تو سورج کے زوال کا انتظار کرتے جب ہوائیں چلتیں اور مدد اُترتی۔ (وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ) سالم ابوالنضر جو عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے کاتب تھے ان سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے خط لکھا تو میں نے عمر بن عبید اللہ کو پڑھ کر سنایا، اس میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بعض دنوں میں جن میں دشمن سے مقابلہ ہونا تھا سورج کے مائل ہونے کا انتظار کیا، پھر لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا۔

اے لوگو! دشمن کی ملاقات کی تمنا نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، پھر جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو اور خوب جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔ (رواہ البخاری) پھر فرمایا کہ اے اللہ کتاب کو اُتارنے والے بادلوں کو چلانے والے لشکروں کو شکست دینے والے ان کو شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

ترجمہ: اوران کافرلوگوں کے مشابہ مت ہونا جو(اسی واقعہ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اورلوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اورلوگوں کواللہ کے راستے (دین) سے روکتے تھے اوراللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو(اپنے علم میں) احاطہ میں لئے ہوئے ہے اوراس وقت کاان سے ذکر کیجئے جبکہ شیطان نے ان (کفار) کوان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والانہیں اور میں تمہارا حامی ہوں پھر جب دونوں جماعتیں (کفارومسلمین کی) ایک دوسرے کی مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میراتم سے کوئی واسطہ نہیں میں ان چیزوں کودیکھ رہاہوں جوتم کونظرنہیں آتیں (مرادفرشتے) میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔اوراللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

تفسیر: ④⑦ (وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ) بطر کا معنی ہے فخر اوراکڑ (ورئاء الناس) زجاج کا قول ہے کہ بطر کا معنی ہے نعمت پاکرسرکشی کرنااورشکر ادانہ کرنااوررئاء کا معنی دکھاوٹ یعنی اچھائی کودنیا کے سامنے ظاہر کرنااوراپنی برائی کو چھپانا۔(وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ) آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔جب وہ بدر کی طرف آئے توان کے لیے بڑافخر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! یہ قریش اپنے غرور وتکبر کے ساتھ آئے ہیں تجھ سے جھگڑتے اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔اے اللہ! پس تیری مدد جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان تجارتی قافلہ کوبچا گئےتو قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ واپس آجاؤ تو ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! ہم بدر جائے بغیر واپس نہ آئیں گے، بدرعرب کے موسموں میں سے ایک موسم تھا وہاں ہرسال ایک بازار لگتا تھا ہم وہاں تین دن ٹھہریں گے اونٹ نحر کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پئیں گے، لونڈیاں گانا سنائیں گی اور عرب ہمارے بارے میں سنیں گے تو ہمیشہ ہم سے ڈریں گے لیکن وہاں موت کے پیالے ان کو پلائے گئے شراب کی جگہ اوران پرگانے والیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے نوحے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوان جیسا ہونے سے روکا اوران کوخلوص نیت کا حکم دیا۔

④⑧ (وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ) یہ "تزیین" تھی کہ جب وہ نکلنے لگے تھے تو بنوبکر کا خوف تھا جس کی وجہ سے وہ واپس جانے ہی لگے تھے کہ شیطان اپنے شیطانوں کے لشکر کے ساتھ جھنڈا لے کر آ گیا اورخود سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں تھا (وَقَالَ

لَاغَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ) یعنی تمہیں بنوکنانہ سے پناہ دیتا ہوں (فَلَمَّا تَرَآءَ تِ الْفِئَتٰنِ) تو شیطان نے فرشتوں کے اثرات دیکھ لیے کہ وہ آسمان سے اُتر رہے ہیں اور جان گیا کہ یہ لوگ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے (نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ) ضحاک کا قول ہے کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ نضر بن شمیل کا قول ہے کہ قہقری پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپس میں آمنا سامنا ہوا تو اسی وقت شیطان مشرکین کی صف میں سراقہ کی شکل میں حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوا تھا تو وہ واپس لوٹنے لگا تو حارث نے کہا کیا بے لڑے بھاگ رہا ہے؟ وہ اس کو پکڑنے لگا تو اس نے سینے پر دھکا دیا اور بھاگ گیا اور مشرکین شکست کھا گئے۔

جب وہ مکہ آئے تو کہا کہ لوگوں کو شکست سراقہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ سراقہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے کہا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم کہتے ہو میں نے لوگوں کو شکست دلائی۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہارے جانے کا علم نہ تھا، اب تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھالی کہ نہیں آیا تھا۔ جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو پتہ چلا کہ وہ شیطان تھا (وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ چادر پہنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام ہے ابھی اس پر سوار نہیں ہوئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے ان کو سچ کہا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے (اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ) اس بات میں جھوٹا تھا کیونکہ اس کو اللہ کا کوئی خوف نہ تھا لیکن جب دیکھا کہ اب اس کے بس کی بات نہیں تو نکل گیا اور یہ اللہ کے دشمن کی عادت ہے کہ جب حق اور باطل کا آمنا سامنا ہو تو اپنے ماننے والوں کو حوالہ کر کے نکل جاتا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اللہ کا خوف ہے کہ وہ مجھے ہلاک ہونے والوں میں ہلاک نہ کر دے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو ڈر ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام اس کو پکڑ کر اس کی حالت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیں گے تو وہ اس کی اطاعت نہ کریں گے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ "انی اخاف اللّٰہ" یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ نے اپنے اولیاء سے جو وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے اس لیے کہ اس کو اس پر اعتماد تھا۔ "واللّٰہ شدید العقاب" اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں اور بعض نے کہا ہے کلام اس کے قول "اخاف اللّٰہ" پر ختم ہو گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" طلحہ بن عبداللہ بن کریز سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کبھی عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل، حقیر، گھٹیا اور غصہ میں نہیں دیکھا گیا اور یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اُترتے اور اللہ تعالیٰ کو بڑے گناہوں سے درگزر کرتے دیکھتا ہے لیکن بدر کے دن (اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ) تو عرض کیا گیا بدر کے دن اس نے کیا دیکھا تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اُترتے دیکھا تھا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ)

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾

ترجمہ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین اور جن کے دلوں میں (شک) کی بیماری تھی یوں کہتے تھے کہ ان کے دین نے ان کو بھول میں ڈال رکھا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والے (بھی) ہیں۔ اور اگر آپ (اس وقت کا موقعہ) دیکھیں جبکہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں (اور) ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا۔

تفسیر ㊾ (اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ) یعنی مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں کمزور تھے اسلام لا چکے تھے اور ان کے اقرباء نے ان کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ جب قریش بدر کی طرف نکلے تو ان کو زبردستی ساتھ لے آئے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو شک میں مبتلا ہو گئے یا مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ان کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈالا ہے، یہ سب بھی مارے گئے ان میں سے قیس بن مغیرہ، ابوقیس بن الفاکہ بن مغیرہ، مخزمیان حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، علی بن اُمیہ بن خلف جمحی، عاص بن منبہ بن حجاج۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ) یعنی اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اس پر اعتماد کرے (فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ) اپنے دشمنوں کے ساتھ جو چاہے کرتا ہے حکمت والا ہے) اپنے دوست اور دشمن کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کرتا۔

㊿ (وَلَوْ تَرٰٓی) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ) اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا موت کے وقت فرشتے کافروں کے چہروں پر آگ کے کوڑے مارتے ہیں اور بعض نے کہا کہ بدر میں جو کافر مارے گئے وہ مراد ہیں کہ ان کو مارتے تھے فرشتے (وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دبر سے ان کی پاخانہ کی جگہ مراد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کنایہ اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین جب مسلمانوں کی طرف رُخ کرتے تھے تو فرشتے ان کو چہروں پر تلواریں مارتے تھے اور جب مڑ کر بھاگنے لگتے تو فرشتے ان کی پیٹھ پر مارتے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ان کا اگلا اور پچھلا حصہ یعنی تمام جسم مراد ہے اور "توفّی" سے مراد قتل ہے (وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ) بعض نے کہا کہ فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے جن سے کفار کو مارتے تھے تو ان کے زخموں پر آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے داروغے کہیں گے چکھو جلنے کا عذاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد یہ بات کہیں گے۔

ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ (اور) یہ عذاب ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے (کافر) لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

تفسیر ﴿۵۱﴾ (ذٰلِكَ) یہ مار جو تم کو پڑی ہے (بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ) تو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہے (وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ)

﴿۵۲﴾ (كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی کفر کی عادت آل فرعون کی عادت کی طرح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آل فرعون کو یقین ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں پھر بھی انہوں نے ان کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سچ لے کر آئے پھر انہوں نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی ویسے سزا بھیجی جیسے آل فرعون پر بھیجی تھی۔ (وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ)

﴿۵۳﴾ (ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ) مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کیے ہوئے انعامات اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ ناشکری اور کفر کر کے اپنی حالت نہ بدل لیں۔ جب وہ ایسا کریں تو اللہ بھی ان کی حالت تبدیل کر دے گا اور نعمت کو چھین لیتا ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو قریش اور اہل مکہ پر بھیجا تو انہوں نے تکذیب کی اور کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو انصار کی طرف منتقل کر دیا (وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ)

﴿۵۴﴾ (كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ) بعض کو زلزلہ سے ہلاک کیا بعض کو دھنسا کر اور بعض کی صورت بگاڑ کر اور بعض کو آندھی سے اور بعض کو ڈبو کر ہلاک کیا۔ اسی طرح ہم نے بدر کے کافروں کو تلوار کے ساتھ ہلاک کیا جب انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔ (وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْبِھِمْ
مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں تو یہ ایمان نہ لاویں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر (بھی) وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں۔ سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان (پر حملہ کر کے اس) کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیں تا کہ وہ لوگ سمجھ جاویں اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر ﴿۵۵﴾ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَاللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ) کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ کے یہود میں سے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی۔

﴿۵۶﴾ (اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ) یہ بنو قریظہ والے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکین کی مدد کی ان کو ہتھیار دیئے، پھر کہنے لگے ہم بھول گئے تھے اور غلطی ہو گئی۔ پھر آپ علیہ السلام نے دوبارہ معاہدہ کیا پھر انہوں نے عہد توڑا اور غزوہ خندق میں کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا اور کعب بن اشرف مکہ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ان سے اتفاق کیا (وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ)

﴿۵۷﴾ (فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْبِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ علیہ السلام ان کو لڑائی میں پائیں۔ تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان کے پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے ذریعے پچھلوں کو ڈرا دیں اور تشدید کی اصل جدا کرنا ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہر عہد توڑنے والے کی قوت و جماعت کو متفرق کر دیں۔ یعنی جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کا عہد توڑا اور آپ علیہ السلام سے لڑائی کے لیے آئے ان کو قتل کریں اور ایسی سزا دیں کہ وہ عبرت بن جائیں جس کی وجہ سے ان کے پچھلے اہل مکہ واہل یمن آپ علیہ السلام سے ڈریں۔ (لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ) تا کہ وہ نصیحت وعبرت حاصل کریں اور عہد نہ توڑیں۔

﴿۵۸﴾ (وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً) جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر سے ظاہر ہوا (فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ) یعنی جنگ سے پہلے ان کو اطلاع کر دیں کہ آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا ہے تا کہ معاہدہ کے ٹوٹنے کے علم میں تم سب برابر ہو جاؤ تا کہ ان کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ علیہ السلام نے لڑائی کر کے عہد توڑا ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ) سلیم بن

عامر نے حمیر کے ایک شخص سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم کے درمیان معاہدہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ فوج لے کر ان کے شہروں کی طرف چل پڑے کہ جیسے ہی عہد ٹوٹے گا تو ان پر حملہ کردیں تو ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر! وعدہ پورا کرو دھوکہ نہ دو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ نہ گرہ باندھے اور نہ کھولے جب تک معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا ان کا معاہدہ توڑ کر ان کو بتا دے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾

ترجمہ اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ یقیناً وہ لوگ (خدا تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین نہ ہیں) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیدیا جاوے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی۔

تفسیر ﴿59﴾ (وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا) ابوجعفر، ابن عامر، حمزہ اور حفص رحمہما اللہ نے "یحسبن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ۔ "سبقوا" چھوٹ گئے۔ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن بھاگ گئے تھے۔ پس جنہوں نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ کہتے ہیں "لایحسبنّ الذین کفروا" مطلب یہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بھاگ نکلے اور جنہوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ خطاب کا صیغہ ہے۔ ابن عامر رحمہ اللہ نے "اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ" الف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس لیے کہ وہ عاجز نہیں کر سکتے اور مجھ سے چھوٹ نہیں سکتے اور دیگر حضرات نے الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے ابتداء کی بناء پر۔

﴿60﴾ (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ) الاعداد ضرورت کے وقت کے لیے کسی چیز کو تیار کرنا۔ یعنی وہ آلات جو تمہارے لیے قوت کا سبب بنیں جیسے گھوڑے، ہتھیار وغیرہ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے منبر پر فرمایا اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے، سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے، سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ اور اسی

سند کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب تم پر روم فتح کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں کافی ہو جائیں گے تو تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز نہ ہو کہ اپنے تیروں کے ساتھ کھیل کود کرے۔ حمزہ بن ابی اسید رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا جب ہم قریش کے لیے صف باندھ کر کھڑے تھے اور انہوں نے بھی صفیں بنالیں تھیں (جب دشمن تمہارے قریب آئے تو تم تیروں کو لازم پکڑو) ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طائف کا محاصرہ کیا تو میں نے آپ علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ جس کا تیر نشانہ پر لگا اللہ کے راستہ میں تو اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہوگا۔ ابو نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن میرے سولہ تیر نشانہ پر لگے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے اللہ کے راستے میں تیر پھینکا تو وہ (جہنم سے) آزاد کیا گیا۔

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کریں گے اس کے بنانے والے کو اور اس کے دینے والے کو اور اس کو اللہ کی راہ میں پھینکنے والے کو۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین بندوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ اس تیر کے بنانے والے کو جب اس نے بنانے میں خیر کی نیت کی ہو اور اس کے پھینکنے والے کو اور اس تیر دینے والے کو اور تم تیر اندازی کرو اور سوار رہو اور اگر تم تیر اندازی کرو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ تم سوار ہو۔ ہر کھیل جو آدمی کھیلے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان سے تیر پھینکنا اور اپنے گھوڑے کو تیار کرنا اور اپنی بیوی سے کھیل کود کرنا یہ حق میں سے ہے اور جس شخص نے تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دی اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے تو یہ نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے یا فرمایا اس نے اس نعمت کا انکار کیا (وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ) یعنی ان کو تیار کیا جہاد کے لیے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوت سے مراد نر گھوڑے اور رباط الخیل سے مراد مؤنث گھوڑیاں ہیں۔ عروہ بارقی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کی پیشانی میں خیر باندھی گئی ہے قیامت کے دن تک یعنی اجر اور غنیمت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑے کو روکا اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے تو بے شک اس کا پیٹ بھرنا اور سیراب ہونا اور اس کا گوبر اور پیشاب قیامت کے دن اس کے ترازو میں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے تین (طرح کے) ہوتے ہیں۔ ایک گھوڑا آدمی کیلئے (گناہ کا) بار ہوتا ہے۔ دوسرا گھوڑا آدمی کیلئے (بے آبروئی اور دوزخ سے) پردہ (آڑ حفاظت) ہوتا ہے اور تیسرا گھوڑا آدمی جہاد میں شریک ہونے کیلئے پالے اور اللہ نے جو حق گھوڑے کی سواری اور گھوڑے کی ذات سے وابستہ کردیا ہے۔ اس کو فراموش نہ کرے تو ایسا گھوڑا اس شخص کیلئے پردہ ہے اور جو گھوڑا کسی مسلمان کو جہاد میں شریک کرنے کیلئے کوئی پالے وہ باعث اجر ہے۔ اگر ایسے گھوڑے کو کسی چراگاہ یا سبزہ زار میں باندھ دے گا اور گھوڑا اس چراگاہ یا سبزہ زار سے کچھ کھائے گا تو جتنا

وہ کھائے گا اسی کے بقدر گھوڑے والے کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو لید یا پیشاب کرے گا۔ اسی کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جب گھوڑا رسی تڑوا کر کہیں ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر کلیلیں بھرے گا تب بھی اس کے قدموں کے نشانات اور لید اور پیشاب کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اگر گھوڑے کو پانی پلانے کیلئے دریا پر لے جائے گا اور وہ وہاں پانی پئے گا تو جتنا اس نے پانی پیا ہوگا۔ اس کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے) مجاہد، قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں بنو قریظہ والے مراد ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس والے مراد ہیں۔ حسن اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ منافقین مراد ہیں تم ان کو نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ لا الہ ا لا اللہ کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ کافر جن مراد ہیں (وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ) اور تمہارے اجر سے کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿61﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿62﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿63﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿64﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

ترجمہ اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اور اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں اے پیغمبر آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور اسی طرح اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے۔

تفسیر ⑥① (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ) یعنی صلح کی طرف مائل ہوں (فَاجْنَحْ لَهَا) یعنی ان سے صلح کرلیں۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے (وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

⑥② (وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ) وہ غداری کریں یا کوئی دھوکہ کریں تمہارے ساتھ بنو قریظہ کے لوگ (فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ) اللہ تمہیں کافی ہے۔ (هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ) انصار کے مددگاروں کے ساتھ۔

⑥③ (وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ) یعنی اوس اور خزرج میں کہ جاہلیت میں ان کے درمیان دشمنیاں تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھائی بھائی بنادیا۔ (لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

⑥④ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تینتیس (۳۳) مرد اور چھ عورتیں اسلام لائیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور (من) کے محل میں اختلاف ہوا ہے اکثر مفسرین فرماتے ہیں اس کا محل جر ہے (حسبک الله) کی کاف پر عطف کرتے ہوئے اور حسبک من اتبعک اور بعض نے کہا ہے یہ مرفوع ہے اللہ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے اس کا معنی اللہ اور آپ کے مومن متبعین آپ پر کافی ہیں۔

⑥⑤ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ) قتال پر ان کو ابھاریئے (اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ) بیس مرد ہوں (صٰبِرُوْنَ) صبر کرنے والے (يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ) دشمنوں پر غالب آجائیں (وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ) اگر ہوں ان میں سو جو صبر کرتے ہوں (يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) یہ اس وجہ سے کہ (بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ) یعنی مشرکین ثواب کی طلب کے بغیر لڑتے ہیں اس لیے ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ یہ آیت خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے۔ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ فرض کیا تھا کہ ایک آدمی مؤمنین میں سے دس کافروں سے لڑے تو مؤمنین پر یہ حکم بھاری ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کردی اور فرمایا

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ⑥⑥ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑥⑦

ترجمہ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دس ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔ نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال واسباب

چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑥ (اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا) یعنی ایک آدمی دس سے اور سو آدمی ہزار سے نہیں لڑ سکتے اور ابوجعفر نے (ضعفاء) عین کے زبر اور مد کے ساتھ جمع کی بناء پر پڑھنا ہے اور دیگر حضرات نے عین کے سکون کے ساتھ (فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ)

دس سے دو کی طرف حکم لوٹا دیا گیا۔ پس اگر مسلمان اپنے دشمن کی تعداد کا نصف ہوں تو ان کے لیے فرار جائز نہیں ہے اور سفیان اور ابن شبرمہ فرماتے ہیں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی اسی طرح سمجھتا ہوں۔ اہل کوفہ نے "وان یکن منکم مائة" دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل بصرہ نے پہلے میں ان کی موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور عاصم اور حمزہ نے "ضعفا" ضاد کے زبر کے ساتھ یہاں اور سورۃ الروم میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے ضاد کے پیش کے ساتھ۔

⑥⑦ (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى) ابوجعفر اور اہل بصرہ نے (تکون) تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ اور ابوجعفر رحمہ اللہ نے "اساری" اور دیگر حضرات نے "اسریٰ" پڑھا ہے۔ (حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا تم لوگ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم اور رشتہ دار ہیں ان کو زندہ رکھیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلیں اور ان سے فدیہ لے لیں جو ہمارے لیے کفار کے خلاف قوت کا سبب بنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ علیہ السلام کو مکہ سے نکالا، آپ ان کو ہمیں دیں ہم ان کی گردنیں اُڑائیں۔ علی رضی اللہ عنہ کو عقیل پر قدرت دیں کہ وہ عقیل کی گردن اُڑائیں اور مجھے میرے فلاں رشتہ دار پر قدرت دیں میں اس کی گردن کاٹوں کیونکہ یہ کفر کے بڑے امام ہیں اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایسی وادی میں ان کو داخل کردیں جہاں خشک لکڑیاں زیادہ ہوں، پھر ان کو آگ لگادیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا تو نے اپنی رشتہ داری کو توڑ دیا تو آپ علیہ السلام خاموش ہوگئے کسی کو جواب نہ دیا۔

پھر آپ گھر داخل ہوئے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہونا چاہیے، کچھ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر اور بعض نے کہا حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر۔ پھر جب آپ علیہ السلام گھر سے نکلے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا نرم کردیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا زیادہ سخت کردیا ہے کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہیں اور بے شک اے ابوبکر! تیری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو میری اتباع کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو اے اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور اے ابوبکر! تیری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کردے تو

بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور بے شک اے عمر تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا اے میرے رب! زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ اور اے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تیری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اے ہمارے رب! تو ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی فدیہ یا قتل کے بغیر نہ چھوٹ سکے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا سوائے سہیل بن بیضاء کے کہ میں نے ان کو اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے تو آپ علیہ السلام خاموش ہوگئے تو میں نے اس دن سے زیادہ اپنے آپ کو خوف میں نہ دیکھا، مجھے ڈر رہا کہ اس دن آسمان سے مجھ پر پتھر گریں گے حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے سہیل بن بیضاء کے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف تھا، میری رائے کی طرف نہ تھا۔ جب میں اگلے دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! مجھے تو بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس بات پر رو رہے ہیں؟ تو اگر مجھے بھی رونا آ گیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ رونے کی صورت ہی بنالوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تیرے ساتھیوں کی اس بات نے رُلا دیا کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تحقیق ان پر عذاب اس درخت سے بھی قریب آ چکا تھا آپ علیہ السلام نے اپنے قریب ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ" "حتی یثخن فی الارض اپنے قول (فکلوا مما غنمتم حلالاً طیبا) تک اتاری تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے غنیمت کو حلال کر دیا (اسریٰ) اسیر کی جمع ہے قطعی اور قتیل کی طرح (حتی یثخن فی الارض) یعنی مشرکین کو قتل اور قید کرنے میں مبالغہ کرے۔ (تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا) فدیہ لے کر (وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ) اللہ تمہارے لیے ثواب چاہتا ہے تمہیں دشمن پر غالب کر کے (وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ) ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حکم بدر کے دن تھا کیونکہ اس وقت مسلمان تھوڑے تھے، جب مسلمان زیادہ ہوگئے اور ان کی قوت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم اُتارا "فامّا منّا بعد واما فداء" تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام اور مؤمنین کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو ان کو آزاد کر دیں اور اگر چاہو تو ان کو غلام بنا دو اور اگر چاہو تو ان سے فدیہ لو۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿69﴾

ترجمہ: اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ (مقدر) نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑧ (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء اور اُمتوں پر غنیمت حرام تھی وہ اس کو قربانی کے لیے رکھ دیتے، آسمان سے آگ اُترتی اور اس کو کھا جاتی۔ جب بدر کا دن آیا تو مسلمانوں نے غنیمت سمیٹنے میں جلدی کی اور فدیہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ یعنی اگر لوح محفوظ میں یہ لکھا نہ جا چکا ہوتا کہ یہ غنیمت تمہارے لیے حلال ہے اور حسن، مجاہد رحمہما اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے سے یہ لکھا نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بدر کے حاضرین کو عذاب نہ دیں گے (لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے وہ تمام غنیمت کو پسند کرتے تھے سوائے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! جنگ میں خون بہانا مجھے زیادہ پسند ہے مردوں سے فدیہ لینے سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان سے عذاب اُترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی اس سے نہ بچتا۔

⑥⑨ (فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) روایت کیا گیا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ کے استعمال سے ہاتھ کھینچ لیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے غنیمت کو حلال کیا گیا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنیمت ہمارے سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا تو اس کو ہمارے لیے پاک کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦⓪ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑦①

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور (آخرت میں) تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت (نقض عہد) کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو (کچھ فکر نہ کیجئے) اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کروا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⑦⓪ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى) ابو عمرو اور ابو جعفر نے (من الاساری) الف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے بغیر الف کے) یہ آیت عباس بن عبد المطلب کے بارے میں نازل ہوئی ہے بدر کے دن قید کیے گئے تھے۔

یہ ان دس لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کفار کے لشکر کے کھانے کی ذمہ داری اُٹھائی تھی اور غزوۂ بدر کے دن انہی کی باری تھی۔ یہ اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لائے تھے تاکہ لوگوں کو کھانا کھلائیں تو جس دن کھانا کھلانے کا ارادہ کیا تو لڑائی ہوئی اور بیس اوقیہ بچ گئے تو جنگ میں یہ آپ سے لے لیے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان بیس اوقیہ کو اپنے فدیہ میں شمار کریں تو انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ ایسی چیز میں آپ کے پاس نہ چھوڑوں گا جس سے آپ ہمارے خلاف مدد حاصل کریں اور عباس کو ان کے بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیہ کا بھی مکلف بنایا گیا تو عباس نے کہا اے محمد! آپ نے مجھے اس حال میں چھوڑا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھروں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں ہے جو آپ نے اُم فضل کو مکہ سے نکلتے ہوئے دیا تھا اور کہا تھا مجھے پتہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے، اگر میں مرجاؤں تو یہ سونا تیرے اور عبداللہ اور عبیداللہ اور فضل اور قثم کے لیے ہے تو عباس نے پوچھا، کس نے آپ علیہ السلام کو یہ خبر دی ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے یہ خبر دی ہے تو عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ علیہ السلام سچے ہیں اور کہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ علیہ السلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ نے اس کے بدلہ مجھے بیس غلام دیئے، سارے تاجر اور وافر مال لاتے ہیں ان میں سے ادنیٰ بیس ہزار درہم لاتا ہے۔ ان بیس اوقیہ کے بدلے اور اللہ نے مجھے زمزم کی خدمت دی مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے بدلے میرے لیے مکہ کا سارا مال ہو۔ اب میں اپنے رب کی مغفرت کا منتظر ہوں۔

⑪ (وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ) یعنی قیدی (فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ) ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیانت سے کفر مراد ہے یعنی اگر وہ آپ کا انکار کرتے ہیں تو اس سے پہلے اللہ کا بھی انکار کرچکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بدر میں ان پر مؤمنین کو قدرت دی، ان کو قتل بھی کیا اور قید بھی کیا اور یہ ان کو دھمکی ہے کہ اگر دوبارہ مؤمنین سے لڑائی کرنے آئے تو بھی ایسا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ م بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ⑫ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ ⑬ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ⑭

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستے میں جہاد بھی کیا اور

جن لوگوں نے رہنے کو جگہ بھی دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس (حکم مذکورہ) پر تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ اول مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔

تفسیر ⑦② "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا" یعنی اپنی قوم اور گھروں کو چھوڑا۔ یعنی مکہ سے ہجرت کرنے والے مراد ہیں۔ "وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مہاجرین کو یعنی ان کو ٹھہرایا اپنے گھروں میں "وَّنَصَرُوْا" یعنی ان کی مدد کی ان کے دشمنوں پر اور یہ لوگ انصار رضی اللہ عنہما ہیں "اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" نہ کہ ان کے کافر رشتہ دار۔ بعض نے کہا مدد و نصرت میں ولی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میراث میں ولی ہیں اور یہ ہجرت کی وجہ سے وارث ہوں گے۔ مہاجرین وانصار ذوی الارحام سے پہلے وارث ہوتے تھے اور جو شخص ایمان لا چکا ہو لیکن ہجرت نہ کی ہو تو وہ اپنے قریبی رشتہ دار مہاجر سے وارث نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا ہجرت منقطع ہو گئی اور ذوی الارحام وارث ہونے لگے جہاں بھی ہوں اور یہ حکم منسوخ ہو گیا اللہ تعالیٰ کے فرمان "و اولوا الارحام بعضهم اولٰی ببعض فی کتاب اللّٰه" کی وجہ سے "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ" یعنی میراث میں "حَتّٰی یُهَاجِرُوْا" حمزہ رحمہ اللہ نے "ولایتهم" کو واؤ کے کسرہ کے ساتھ اور باقی حضرات نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک ہیں۔ "وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ" یعنی تم سے وہ مؤمن مدد طلب کریں جنہوں نے ہجرت نہیں کی "فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ" معاہدہ ہو تو ان کے خلاف مدد نہ کرو "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ"

⑦③ "وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" مدد اور نصرت میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میراث میں ولی ہے۔ یعنی مشرکین آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تم میراث میں وہ نہ لو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم باہمی مدد ونصرت نہ کرو۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو دین میں ولی بنایا ہے اور کافروں کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی بنایا ہے۔ پھر فرمایا "الّا تفعلوه" وہ یہ کہ مؤمن مؤمن کو چھوڑ کر کافر کو ولی بنائے تو "تکن فتنة فی الارض وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ" پس زمین میں فتنہ کفر کی طاقت ہے اور فساد کبیر اسلام کی کمزوری ہے۔

25

㉔ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں ہے۔ بعض نے کہا انہوں نے ہجرت اور جہاد کے ذریعے اپنے ایمان کو ثابت کر دیا۔ "لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ" جنت ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس آیت کے تکرار کا کیا مطلب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مہاجرین کے کئی طبقے تھے۔ بعض پہلی ہجرت والے ہیں جنہوں نے حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسری ہجرت والے تھے۔ یہ وہ لوگ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دو ہجرت والے تھے ہجرت حبشہ بھی کی اور ہجرت مدینہ بھی۔ تو پہلی آیت سے پہلی ہجرت مراد ہے اور دوسری آیت سے دوسری ہجرت مراد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ㊿

ترجمہ: اور جو لوگ ہجرت نبویہ کے) بعد زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے ساتھ برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ㊿ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ" یعنی تمہارے ساتھ ہیں۔ مراد یہ ہے تم ان میں سے ہو اور وہ تم میں سے ہیں۔ "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" یہ ہجرت کی وجہ سے وراثت کو منسوخ کرنا اور میراث ذوی الارحام کو دینا "فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ" یعنی اللہ کے حکم میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد ہے۔ یعنی وہ تقسیم جو سورۃ نساء میں بیان ہوئی وہ مراد ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ"

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ

سورۃ برأت کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری سورت مدنی ہے سوائے آخر کی دو آیتوں کے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ توبہ کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رسوا کرنے والی ہے۔ مشرکین کے بارے میں نازل ہوتی رہی یہاں تک کہ ان کو گمان ہونے لگا کوئی ان میں سے کسی کا تذکرہ اس سے نہ بچ سکے گا۔ پھر میں نے پوچھا سورۃ الانفال؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ سورۃ بدر ہے۔ میں نے سوال کیا سورۃ حشر؟ فرمایا تو اس کو سورۃ بنونضیر کہہ لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سورۃ انفال مثانی سورتوں میں سے ہے اور سورۃ برأۃ مئین میں سے ہے آپ کو کس چیز نے اُبھارا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور تم نے اس کو سبع طوال میں رکھ دیا؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام پر قرآن مجید کی سورتیں ہر وقت اُترتی رہتی تھیں۔ جب بھی کوئی آیت اُترتی تو آپ کاتبین میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھ دو جس میں ان ان باتوں کا تذکرہ ہے۔ مدینہ میں اور سورۃ براءۃ آخر میں نازل ہوئی ہے اور اس کے مضامین سورۃ انفال سے ملتے جلتے ہیں اور آپ علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے اور ہمیں یہ بیان نہیں کیا کہ یہ سورۃ توبہ انفال کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھی اور اس کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②

ترجمہ اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعیین مدت) عہد کر رکھا تھا سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی) جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ (بھی جان رکھو) کہ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو (آخرت میں) رسوا کریں گے۔

تفسیر ① "بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" یعنی یہ اللہ کی طرف سے برأت ہے اور یہ مصدر ہے نشاۃ اور دناءۃ کی طرح۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین جھوٹی خبریں پھیلانے

لگے اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد توڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد توڑنے کا حکم دیا اور یہ عہد توڑنے کا حکم اس آیت میں ہے "واما تخافن من قوم خیانة" الآیۃ۔ زجاج فرماتے ہیں کہ براءۃ یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عہد دینے اور اس کے پورا کرنے سے بری ہیں۔ جب خود انہوں نے اس کو توڑ دیا ہے "اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ" خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عہد کیا تھا اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عہد پر راضی تھے تو گویا انہوں نے خود عہد کیا۔

② "فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ" یہاں گفتگو میں خبر سے خطاب کے صیغوں کی طرف رجوع کیا ہے۔ یعنی آپ علیہ السلام ان کو کہہ دیں کہ چلو زمین میں آگے پیچھے امن کے ساتھ مسلمانوں میں سے کسی کے خوف کے بغیر "اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ" نہ اس سے بچ سکتے ہو اور نہ بھاگ سکتے ہو " وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ" یعنی دُنیا میں ان کو قتل کے ذریعے ذلیل کرنے والا ہے اور آخرت میں عذاب کے ذریعے۔

اشھرٌ حرم کون سے دن ہیں

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مدت اور وہ کون لوگ تھے جن کے عہد سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت کا اعلان کیا؟ ایک جماعت نے کہا کہ یہ مدت اللہ کی طرف سے مشرکین کو دی گئی ہے کہ جن کا معاہدہ چار ماہ سے کم تھا ان کے معاہدہ کی مدت چار ماہ کر دی گئی ہے اور جن کے معاہدہ کی مدت متعین نہ تھی اس کو چار ماہ کے ساتھ متعین کر دیا ہے کہ اس کے بعد جنگ ہوگی پھر جہاں وہ ملیں گے قتل کیے جائیں گے مگر یہ کہ وہ توبہ کر لیں اور اس مدت کی ابتداء حج اکبر کے دن سے اور اس کی مدت اختتام ربیع الثانی کی دس تاریخ تھی اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا ان کو مہلت دی تا کہ حرام مہینے ختم ہو جائیں اور یہ پچاس دن تھے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار مہینے شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ اس لیے کہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی اور پہلا قول زیادہ درست ہے اور اسی پر اکثر مفسرین ہیں۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چار مہینے کی مدت ان مشرکوں کے لیے تھی جن سے چار ماہ سے کم معاہدہ ہوا تھا کہ وہ چار ماہ مکمل کر لیں اور جن کے معاہدہ کی مدت چار ماہ سے زائد تھی تو اس مدت کے مکمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ کے فرمان "فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکوں سے لڑائی کا حکم دیا جنہوں نے آپ علیہ السلام سے لڑائی کی تو فرمایا "قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم" تو آپ علیہ السلام صرف ان مشرکوں سے لڑائی کرتے تھے جنہوں نے آپ علیہ السلام سے قتال کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں سے لڑائی کرنے اور ان سے بری ہونے کا حکم دیا اور ان کو چار ماہ کی مدت دی تو ان مشرکوں میں سے کسی کے لیے بھی چار ماہ سے زائد مدت نہ تھی خواہ ان سے اس اعلان براءت سے پہلے کوئی معاہدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو مدت سب کے لیے چار ماہ مقرر ہوئی اور ان چار ماہ کے بعد تمام

مشرکوں کے خون حلال کر دیئے گئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ محمد بن اسحاق اور مجاہد و دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے معاہدہ کیا کہ دس سال وہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کریں گے لوگ امن سے رہیں گے اور قبیلہ خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بنوبکر قریش کے عہد میں داخل ہو گیا۔ پھر بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا اور کافی نقصان پہنچایا اور قریش نے بنوبکر کی ہتھیاروں سے مدد کی۔

جب بنوبکر اور قریش خزاعہ پر غالب آگئے اور اپنا عہد توڑ دیا تو عمرو بن سالم خزاعی مدینہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر چند اشعار کہے جن میں سارا واقعہ بیان کر کے مدد کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی تو کسی کی مدد نہ کی اور آپ علیہ السلام نے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کی طرف لشکر کشی کی۔ جب ہجرت کا نواں سال تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا، پھر فرمایا کہ وہاں مشرکین آئیں گے اور ننگے طواف کریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سال حج کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کا حج قائم کریں اور آپ کو سورۃ براۃ کی ابتدائی چالیس آیتیں دیں کہ یہ تمام حاجیوں پر پڑھ کر سنا دیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی عضباء پر بھیجا کہ وہ لوگوں پر سورۃ براۃ کی شروع کی آیتیں پڑھیں اور یہ حکم دیا کہ وہ مکہ اور منیٰ اور عرفہ میں یہ اعلان کریں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہے ہر مشرک سے اب کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوٹے اور پوچھا اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں اور باپ آپ پر قربان، کیا میرے بارے میں کچھ حکم اُترا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن مناسب یہ تھا کہ یہ اعلان میرے گھر کا کوئی بندہ کرتا۔ کیا اے ابوبکر! کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ تو میرے ساتھ غار میں تھا اور حوض پر میرے ساتھ ہوگا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوچ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ حج کے امیر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ برأت کا اعلان کرتے پھر یوم الترویہ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کے مناسک بیان کیے اور حج قائم کیا اور عرب اس سال میں اپنے جاہلیت کے حج کے مرتبوں پر تھے۔ جب یوم النحر آیا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں اعلان کیا اور ان پر سورۃ برأت پڑھی۔ زید بن تبیع فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس سال کس چیز کے ساتھ بھیجے گئے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار چیزوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ (۱) کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے۔ (۲) جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ متعین مدت تک تھا تو وہ اس مدت تک باقی رہے گا اور جس کا معاہدہ کسی مدت تک نہ تھا تو وہ چار ماہ تک ہے۔

(۳) جنت میں صرف ایمان والا داخل ہوگا۔ (۴) مسلمان اور مشرک اس سال کے بعد جمع نہ ہوں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کیا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور پھر ان کو معزول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر حج کیوں بنا دیا؟ ہم جواب دیں گے کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا تھا آپ ہی امیر حج تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو ان آیات کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ عرب کی عادت اور عرف یہ تھا کہ جن سے معاہدہ کیا ہو یا تو ان کا سردار عہد توڑے یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ایسا کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے بھیجا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ یہ طریقہ ہمارے عرف وعادت کے خلاف ہے اور اس بات پر دلیل کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امیر حج تھے۔ وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حج میں نحر کے دن دو اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا کہ ہم منیٰ میں اعلان کریں کہ سن لو کہ آج کے سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بیت اللہ کا طواف کرے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ③

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین (کو امن دینے) سے پھر اگر تم (کفر سے توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر: ③ "وَاَذَانٌ" اس کا عطف "براءۃ" پر ہے یعنی اعلان ہے اور اس سے نماز کی اذان دینا ہے۔ "مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ" "حج اکبر کے دن میں اختلاف ہے۔

یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال

① عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عرفہ کا دن ہے اور یہی بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی عطاء، طاؤس، مجاہد اور سعید بن مسیب رحمہما اللہ کا قول ہے اور ② ایک جماعت نے کہا یہ قربانی کا دن ہے۔

③ یحییٰ بن جزار سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم النحر میں سفید خچر پر سوار ہو کر جبانہ کی طرف جانے لگے تو ایک شخص آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام پکڑ کر حج اکبر کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا یہ دن

ہے، اس کا راستہ چھوڑ دے اور یہی بات عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی شعبی، نخعی رحمہما اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

❹ ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا کہ حج اکبر کا دن منٰی کے تمام ایام ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ یوم الحج الاکبر سے مراد اوقات حج مراد ہیں۔ یعنی منی کے تمام ایام جیسے یوم صفین، یوم جمل، یوم بعاث سے مراد وقت اور زمانہ ہے۔ عبداللہ بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر کا دن وہ ہے جس میں آپ علیہ السلام نے حج کیا اور یہی ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ اس دن میں مسلمانوں کا حج اور یہود ونصاریٰ و مشرکین کی عید جمع ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور علماء کا حج اکبر میں بھی اختلاف ہے۔ ❺ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر قران اور حج اصغر افراد ہے۔

❻ اور زہری، شعبی اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے "اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی اور اس کا رسول بھی مشرکین سے بری ہے۔ یعقوب نے لام کے نصب کے ساتھ "اِنَّ اللّٰه ورسوله بریٌ" پڑھا ہے۔ "فَاِنْ تُبْتُمْ" کفر سے لوٹ جاؤ اور خالص توحید پر آ جاؤ" فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ" ایمان سے اعراض کرو" فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ"

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ❹ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ❺

ترجمہ ہاں مگر وہ مشرکین مستثنٰی ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو پکڑو باندھو اور داؤ گھات کے موقعہ پر ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

تفسیر ❹ "اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ" یہ استثناء ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "براءة من الله ورسوله" سے۔ یعنی بری ہے اللہ اور اس کا رسول ان عہدوں سے جو تم نے مشرکین سے کیے۔ سوائے اس عہد کے جو تم نے مشرکین سے کیا اور یہ بنوضمرہ کے لوگ ہیں یہ کنانہ قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عہد کی مدت پوری کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے عہد کی مدت نو ماہ باقی رہ گئی تھی۔ ان کی مدت اس لیے پوری کی گئی کہ انہوں نے عہد نہ توڑا تھا اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ثُمَّ

لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا كا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ"

⑤ "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ" بعض نے کہا یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم ہیں۔ مجاہد اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معاہدہ کے مہینے ہیں کہ جس کا معاہدہ ہے تو اس کا معاہدہ چار ماہ تک باقی رہے گا اور جس کا عہد نہیں تھا تو اس کی مدت محرم ختم ہونے تک۔ پچاس دن ہے ان مہینوں کو "حُروم" اس وجہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں مؤمنین پر مشرکوں کے خون حرام کر دیئے ہیں۔ مجاہد کے اس قول پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو پچاس دن ہوں گے۔ اشہر حرم تو پورے نہیں ہوں گے بلکہ اشہر حرم کا جزو اور حصہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اشہر حرم کا گزر جانا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے چونکہ دس ذی الحجہ سے آخر محرم تک ایک ایسی مدت تھی جس کا اتصال پچھلے مہینوں سے تھا اس لئے اشہر حرم کا لفظ ذکر کر دیا گیا۔ "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" حل یا حرم میں "وَخُذُوْهُمْ" ان کو قیدی بناؤ" وَاحْصُرُوْهُمْ ان کو گھیر لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشرک قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا محاصرہ کر لو۔ نکلنے نہ دو تا کہ وہ مجبور ہو کر یا جنگ کریں یا مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کرنا قبول کر لیں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے اور ممالک اسلامیہ میں گھومنے پھرنے سے کافروں کو روک دو۔ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ" یعنی ہر راستے پر مرصد وہ جگہ جس میں دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے رصدت الشئی میں نے اس چیز کی تاک لگائی۔ مطلب یہ ہے کہ تم مشرکوں کی گھات میں لگے رہو کہ جس طرف سے وہ آئیں تم ان کو گرفتار کر لو تا کہ مکہ میں داخل ہونے اور ملک میں پھیلنے نہ پائیں۔ بعض نے کہا مکہ کے راستوں پر بیٹھ جاؤ تا کہ وہ اس میں داخل نہ ہو سکیں۔ "فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ" ان کو چھوڑ دو کہ اپنے شہروں میں چلیں پھریں اور مکہ میں داخل ہوں۔ "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" اس کے لیے جو توبہ کرے "رحیم" حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ان تمام تر آیات کو منسوخ کر دیا جن میں مسلمانوں کو کافروں نے ظلم و ایذا پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین کی گئی۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧

(ترجمہ) اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے ان مشرکین

(قریش) کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا مگر جن لوگوں نے تم سے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں کیسے (ان کا عہد قابل رعایت رہے گا) حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

تفسیر ⑥ "وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ" یعنی جن مشرکین کے قتل کا میں نے حکم دیا ہے اگر ان میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے اور امن طلب کرے تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے "فاجرہ" تو اس کو پناہ اور امان دے دیں "حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ" یعنی اگر وہ اسلام نہ لائیں تو اس کو اس کی امن کی جگہ یعنی اس کی قوم کے پاس پہنچا دیں۔ پھر اگر وہ آپ سے لڑائی کرے اور آپ لڑنے پر قادر ہوں تو اس کو قتل کر دیں۔ "ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ" یعنی اللہ کے دین اور اس کی توحید کو نہیں جانتے تو وہ اللہ کی کلام سننے کے محتاج ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے قیامت کے دن تک۔

⑦ "كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ" یہ سوال تعجب کے طریقے پر ہے اور اس کا مطلب انکار کرنا ہے۔ یعنی یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اور عہد توڑتے ہیں تو ان کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی عہد نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے استثناء کیا اور فرمایا "اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قریشی ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل مکہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن معاہدہ کیا تھا "فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ" پھر وہ سیدھے نہیں رہے اور عہد کو توڑا اور بنی بکر کی خزاعہ پر حملہ میں مدد کی تو فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چار ماہ مدت مقرر کر دی کہ ان چار ماہ میں اسلام لے آئیں یا جس شہر میں چاہیں چلے جائیں تو وہ چار ماہ سے پہلے اسلام لے آئے۔ سدی، کلبی اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے بکر کے قبیلے بنو خزیمہ، بنو مدلج اور بنو ضمرہ اور بنو دیل مراد ہیں یہ لوگ حدیبیہ کے دن قریش کے عہد میں داخل ہو گئے تھے ان میں سے قریش اور بنو بکر کی شاخ بنو دیل نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد پورا کرنے کا حکم دیا جنہوں نے عہد نہیں توڑا یعنی بنو ضمرہ۔ یہ قول درستگی کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت قریش کے عہد توڑنے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو ایک گزر جانے والے واقعہ کے بارے میں کیسے مستقبل کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ کہ "فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ" اور یہ تو وہ لوگ مراد ہیں جن کے بارے میں کہا "الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئًا" یعنی وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قریش کی طرح عہد شکنی نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یعنی بنی خزاعہ کے خلاف بن بکر کی مدد نہیں کی۔ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ"

⑧ "كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ" یہ بھی پہلی آیت پر لوٹ رہا ہے یعنی کیسے ہو سکتا ہے ان کے لیے عہد اللہ کے پاس کہ اگر وہ غالب آ جائیں تم پر "لا يرقبوا فيكم اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیسے تم ان سے قتال نہیں کرتے حالانکہ اگر وہ تم

پر کامیاب ہو جائیں تو وہ حفاظت نہ کریں گے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا یرقبوا" کا معنی وہ نہیں انتظار کریں گے۔
قطرب کہتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ وہ تم میں کسی رشتہ داری کی رعایت نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اِلًّا" بمعنی قرابت ہے اور یمان کہتے ہیں رشتہ داری کے معنی میں ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اَلْاِلُّ" بمعنی عہد ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" دونوں کا معنی عہد ہے لفظوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کو ذکر کیا ہے۔ ابومجلز اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "اَلاِلُّ" سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا مسیلمہ کی کتاب پڑھو، انہوں نے پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کلام "اِلّ" یعنی اللہ تعالیٰ سے نہیں نکلی اور اس تاویل پر دلیل یہ ہے کہ عکرمہ کی قرأت میں "لا یرقبون فی مؤمن ایلاً" بالیاء کے ساتھ ہے بمعنی اللہ عزوجل "یرضونکم بافواھھم" یعنی صرف اپنی زبان سے تمہاری اطاعت کرتے ہیں دل سے نہیں کرتے "وتابٰی قلوبھم" ایمان کا "واکثرھم فاسقون" اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے اور وہ سارے فاسق تھے تو آیت میں اکثر کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں فسق سے معاہدہ توڑنا مراد ہے اور مشرکین میں بھی بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے عہد پورا کیا اور اکثر نے عہد توڑا تو اس لیے کہا "واکثرھم فاسقون"

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑪

ترجمہ انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں (دنیا کی) متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے سو یہ لوگ اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں (بھی) نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھدار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

تفسیر ⑨ "اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا" کیونکہ انہوں نے ان چند لقموں کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا جو ان کو ابوسفیان نے کھلائے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اپنے حلیفوں کو خوراک دی "فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ" تو انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے روکا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طائف والوں نے ان کو مال کی مدد دی تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر قوی ہو جائیں "اِنَّهُمْ سَآءَ" برا ہے۔ "مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ"

⑩ "لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" فرماتے ہیں اے مومنو تم ان پر شفقت نہ کرو جیسا کہ اگر وہ غالب

آ جاتے تو تم پر شفقت نہ کرتے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ" عہد توڑ کر۔

⑪ "فَاِنْ تَابُوْا" شرک سے "وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ" پس وہ تمہارے بھائی ہیں "فِی الدِّیْنِ" ان کو وہ فوائد ملیں گے جو تمہیں ملتے ہیں اوران پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو تم پر ہیں۔ "وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت نے اہل قبلہ کے خون حرام کر دیئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا اور عرب میں سے جس نے کافر ہونا تھا ہو گیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ "لا الٰہ الاّ اللّٰہ" نہ کہہ لیں جب وہ "لا الٰہ الاّ اللّٰہ" کہہ لیں تو وہ مجھ سے اپنا مال اور جان بچا لے گئے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ پر ہے؟

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور قتال کروں گا۔ اس سے جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اس کی وجہ سے ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ کو قتال کے لیے کھول دیا ہے تو میں نے پہچان لیا کہ یہ حق ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھایا تو یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

ترجمہ اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن تو تم اس قصد سے کہ یہ باز آ جائیں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو (کیونکہ اس صورت میں) ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے رہو سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر ⑫ "وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ" اپنے عہد کو توڑیں "مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ" یعنی قریش کے مشرکین "وَطَعَنُوْا فِيْ

دِيْنِكُمْ" اور اس میں عیب نکالیں۔ پس یہ دلیل ہے اس بات پر کہ جو ذمی دین اسلام میں عیب نکالے اعلانیہ تو اس کا کوئی معاہدہ باقی نہ رہے گا۔ "فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ" اہل کوفہ اور اہل شام نے (ائمہ) دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو اور باقی حضرات نے دوسرے ہمزہ کو لین کے ساتھ پڑھا ہے اور ائمۃ الکفر۔ مکہ کے مشرکین کے سرداروں اور قائدین کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور ابو جہل بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور قریش کے تمام سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے عہد توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالنے کا ارادہ کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس اور روم والے مراد ہیں۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق قتل کر دیئے گئے اور اب تک اس کا مصداق نہیں آئے "اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ" یعنی ان کے عہد نہیں ہیں۔ یمین کی جمع ہے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے عہد کو پورا کرتا نہیں ہے اور بعض نے کہا یہ امان سے ہے یعنی ان کو امن نہ دو اور جہاں پاؤ قتل کر دو "لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ" تاکہ وہ تمہارے دین میں عیب نکالنے سے اعتراض کر دیں اور تم پر غالب ہونے سے بھی اور بعض نے کہا کہ کفر سے باز آ جائیں۔ مسلمانوں کو قتال پر اُبھارا ہے۔

⑬ "اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیبیہ کی صلح کا عہد توڑا اور خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی۔ "وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ" مکہ سے جب وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے "وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ" قتال کے ساتھ "اَوَّلَ مَرَّةٍ" یعنی بدر کے دن کیونکہ جب قافلہ محفوظ ہو گیا تو وہ کہنے لگے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر دم لیں گے اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے خزاعہ کے قتال پر ابتداء کی "اتخشونهم" کیا تم ان سے ڈر کر ان سے قتال چھوڑ رہے ہو؟ "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ" ان سے قتال چھوڑنے میں "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰

(ترجمہ) ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل (وخوار) کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے (ایسے) مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ (وغضب) کو دور کرے گا اور جس پر منظور ہو گا اللہ تعالیٰ توجہ (بھی) فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان

لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اور مومنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہیں ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر ⑭ "قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ" ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے قتل کروائے گا۔ "وَيُخْزِهِمْ" قید اور مغلوبیت سے ان کو ذلیل کرے گا۔ "وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ" ان تکالیف سے جو مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں پہنچیں۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف خزاعہ کے سینے مراد ہیں کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے بنو بکر کے سینوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے شفادی۔

⑮ "وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ" دلوں کا قرب اور یہ بنو بکر نے قریش کی مدد کی مسلمانوں کے خلاف اس وجہ سے محسوس کیا ویتوب اللّٰہ علٰی من یّشآء" پس اس کو اسلام کی طرف ہدایت کردے۔ جیسا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو کے ساتھ کیا "واللّٰہ حکیم علیم" روایت کیا گیا ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خزاعہ کے بنو بکر کے علاوہ سب سے تلوار اٹھالو عصر تک۔

⑯ "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا" بعض نے کہا یہ خطاب منافقین کو ہے اور بعض نے کہا ان مؤمنین کو خطاب ہے جن پر قتال بھاری تھا تو فرمایا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے گا اور جہاد کا حکم دے کر تمہارا امتحان نہیں لیا جائے گا تاکہ جھوٹا سچے سے ظاہر ہو جائے۔ " وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً" اندرونی دوست کہ ان کو اپنے رازبیان کریں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ولیجة" یعنی خیانت ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دھوکہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اولیاء اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس کو تو دوسری چیز میں داخل کردے اور وہ اس میں سے نہ ہو تو یہ ولیجہ ہے اور آدمی کسی قوم کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ان میں سے نہیں ہوتا۔ اس کو "ولیجة الرّجل" کہا جاتا ہے جو اس کے اندرونی معاملات کے ساتھ خاص ہو۔ دوسرے لوگوں کے علاوہ اس کو کہا جاتا ہے "ھو ولیجتی" واحد اور جمع کے لیے "وھم ولیجتی" "وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"

⑰ "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن قید کیا گیا تو مسلمانوں نے ان کو کفر اور قطع رحمی پر شرم دلائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت باتیں کیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تم ہماری برائیاں ذکر کرتے ہو اور ہماری اچھائیاں ذکر نہیں کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تمہاری بھی کوئی خوبیاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم مسجد حرام کو آباد و تعمیر کرتے ہیں کعبہ کی چوکیداری کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے عباس رضی اللہ عنہما کی تردید میں یہ آیت اُتاری "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا

مَسٰجِدَ اللّٰهِ" یعنی مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو تعمیر کریں، مسلمانوں پر ان کو روکنا واجب کیا ہے۔

اس لیے کہ مساجد تنہا اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں تو جو شخص اللہ کا منکر ہے تو اس کے لیے اس کو تعمیر کرنا جائز نہیں۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد معروف تعمیر اور اس کی مرمت ہے کہ اس سے کافر کو روکا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ وصیت کرے تو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا اور بعض نے عمارۃ کے لفظ کو مسجد میں داخل ہونے اور اس میں بیٹھنے پر محمول کیا ہے۔ مساجد اللہ جمع کا لفظ ہے اور اس سے مراد صرف مسجد حرام ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے ورڈا جائے کہ وہ مسجد حرام کے اہل ہو جائیں۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ رحمہما اللہ نے (مسجد اللہ) واحد کا صیغہ پڑھا ہے اور اس سے مسجد حرام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وعمارة المسجد الحرام" اور "فلا يقربوا المسجد الحرام" کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے "مساجد اللّٰه" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور اس سے بھی مسجد حرام مراد ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمع کا لفظ کہا ہے اس لیے کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بسا اوقات عرب واحد بول کر جمع اور جمع بول کر واحد مراد لیتے ہیں جیسے آدمی گھوڑے پر سوار ہو تو کہتا ہے "اخذت في ركوب البراذين" (حالانکہ مراد ایک گھوڑے پر سوار ہونا ہے) اور کہا جاتا ہے "فلانٌ كثير الدرهم والدينار" مراد دراہم اور دنانیر ہوتے ہیں۔ " شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ خود کو کافر نہ کہتے تھے لیکن ان کی کفریہ کلام ان کے کفر پر گواہ ہے اور ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی ان کے کفر پر گواہی ان کا بتوں کو سجدہ کرنا ہے کیونکہ قریش نے بیت الحرام کے باہر بت گاڑھے ہوئے تھے اور بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے۔ جب ایک چکر مکمل ہوتا تو بتوں کو سجدہ کرتے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہوتی۔ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی خود پر کفر کی گواہی دینا کہ نصرانی سے پوچھا جائے تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے میں نصرانی ہوں اور یہودی سے پوچھا جائے تو وہ کہتا ہے میں یہودی ہوں اور مشرک سے پوچھا جائے تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہے گا مشرک ہوں۔ "اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اس لئے کہ یہ غیر اللہ کیلئے ہیں وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ "

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱

ترجمہ ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جاویں گے۔

تفسیر ⑱ "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ" دین کے معاملہ میں غیر اللہ سے نہ ڈرے اور اللہ کا حکم اس کے غیر سے ڈر کر نہ چھوڑے۔ "فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسیٰ اُمید کے معنی میں نہیں بلکہ واجب کے معنی میں ہوتا ہے یعنی پس یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامتے ہیں جو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کو آباد کر رہا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح یا شام کو مسجد کی طرف گیا تو جب بھی صبح شام وہ مسجد کی طرف جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جنت میں مہمانی تیار کریں گے۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور یہ چاہا کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ کام چھوڑ دیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس مسجد کی طرح کا گھر اس کے لیے جنت میں بنائیں گے۔ ابوعاصم نے اسی سند سے حدیث بیان کی اور اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

آیت کا شان نزول

تفسیر: ⑲ "اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ" نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے بعد مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کوئی عمل نہ کروں اور دوسرے نے کہا کہ مجھے پرواہ نہیں کہ کوئی عمل نہ کروں مسجد حرام کی تعمیر کے بعد اور تیسرے نے کہا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ان دونوں عملوں سے افضل ہے جو تم نے کہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو وہ جمعہ کا دن تھا لیکن جب میں نماز پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاؤں گا تو اس بارے میں پوچھوں گا جس میں تمہارا اختلاف ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قید کیے گئے تو کہنے لگے کہ اگر تم اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہو تو ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت اُتاری اور بتایا کہ ان کا مسجد حرام کو تعمیر کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا ان کو شرک کے ساتھ نفع نہ دے گا اور اللہ پر ایمان لانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنا ان اعمال سے بہتر ہے جو وہ کرر ہے ہیں۔

اور حسن، شعبی اور محمد بن کعب قرظی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب اور طلحہ بن شیبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے آپس میں فخر کیا تو طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں بیت اللہ کا نگران ہوں میرے ہاتھ میں اس کی چابیاں ہیں اور عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو، میں نے چھ مہینے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، لوگوں سے پہلے اور میں نے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "اجعلتم سقاية الحاج" سقایۃ مصدر ہے رعایۃ اور حمایۃ کی طرح "وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" اس میں اختصار ہے اصل عبارت یہ ہے کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کو اس شخص کے ایمان کی طرح سمجھتے ہو۔ الخ۔ اور بعض نے کہا سقایۃ اور عمارۃ بمعنی ساقی اور عامر ہے یعنی تم پانی پلانے والے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے کو اس شخص کی طرح سمجھتے ہو۔ جو شخص ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اللہ کے راستے میں جہاد کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول (والعاقبة للتقوى) یعنی متقین کی طرح ہے اس پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات دلالت کرتی ہے (اجعلتم سقاة الحاج وعمرة المسجد الحرام) ساقی اور عامر کی جمع کی بنا پر۔ الخ

"وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے پلانے والے کے پاس آئے اور پانی طلب کیا تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے فضل تو اپنی ماں کے پاس جا اور اس کے پاس سے پانی لے آ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو مجھے پلا تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگوں نے اس مشکیزہ میں اپنے ہاتھ ڈالے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے پلا پھر اسی سے پیا اور زمزم پر تشریف لائے تو لوگ پانی کھینچ کر پلا رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کام کرو کیونکہ تم ایک نیک کام پر ہو۔ پھر فرمایا اگر اس پر رسی نہ ہوتی اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔ بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا تھا تو ان کے پاس ایک بدو آیا اور پوچھا کیا ہے کہ میں تمہارے چچا کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ شہد اور دودھ لوگوں کو پلاتے ہیں اور تم نبیذ پلاتے ہو؟ کیا یہ تمہارے بخل کی وجہ سے ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الحمدللہ ہمیں کوئی حاجت اور بخل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف لائے اور آپ علیہ السلام کے پیچھے اسامہ بن زید تھے تو آپ علیہ السلام نے پانی مانگا ہم نے نبیذ کا برتن پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے نوش فرمایا اور باقی اسامہ کو دے دیا اور فرمایا تم نے اچھا کام کیا۔ اسی طرح کرتے رہو تو ہم نہیں چاہتے کہ جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کو تبدیل کر دیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ

مُّقِيْمٌ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا
اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ㉓

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی کی اور (جنت میں) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان (باغوں میں) دائمی نعمت ہوگی اور ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

تفسیر: ⑳ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً" درجہ سے مراد فضیلت ہے " عِنْدَ اللّٰهِ " ان لوگوں سے جو حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر پر فخر کرتے ہیں "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" آگ سے نجات پانے والے ہیں۔

㉑ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ

㉒ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

㉓ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ" یہ آیت ماقبل سے متصل ہے۔ حضرت عباس اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے قصہ اور ان کے ہجرت سے رُکنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو ان کو ان کے گھر والوں اور اولاد نے روکا اور ان کو قسمیں دیں کہ ہمیں ضائع نہ کرو تو ان کے دل نرم ہوگئے اور ہجرت چھوڑ کر ان کے پاس رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان نو لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مرتد ہوکر مکہ چلے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دوستی سے منع کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی "یا یھا الذین امنوا لاتتخذوا آباء کم واخوانکم اولیاء" اندرونی راز دان اور دوست کہ تم ان تک اپنے راز پہنچاؤ اور تم ہجرت اور جہاد میں ان کے ساتھ ٹھہرنے کو ترجیح دو۔ "اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ " اور ان کو مسلمانوں کے رازوں پر مطلع کرے اور ان کے ساتھ رہنے کو ہجرت اور جہاد پر ترجیح دے "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " کیونکہ اس وقت اسی کا ایمان معتبر تھا جس نے ہجرت کی ہو۔ پس یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " کا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ㉔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ㉕

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا تم کو خدائے تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تفسیر ㉔ "قُلْ" "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ہجرت سے پیچھے رہنے والوں کو کہہ دیں کہ "ان کان اٰباؤکم" جب پہلی آیت نازل ہوئی تو وہ لوگ کہنے لگے جو ایمان تو لائے تھے لیکن ہجرت نہ کی تھی کہ اگر ہم ہجرت کرتے تو ہمارے مال ضائع ہو جاتے اور تجارت ختم ہو جاتی اور گھر ویران ہو جاتے اور ہم رشتہ داری کو توڑ دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "عشراتکم" الف کے ساتھ جمع کا صیغہ ہونے کی بناء پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر الف کے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس لیے کہ عشیرۃ جمع پر واقع ہوا ہے اور اس قرأت کو یہ بات تقویت دیتی ہے کہ ابوالحسن اخفش رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عرب عشیرۃ کی جمع العشیرات لاتے ہیں اور ہم اس کی جمع العشائر لاتے ہیں۔ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ یعنی جن محلوں اور گھروں کو تم پسند کرتے ہو۔ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا تم انتظار کرو۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنا فیصلہ لائے اور مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ مراد ہے اور یہ دھمکی کا امر ہے" وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي توفیق نہیں دیتا اور رہنمائی نہیں کرتا۔ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ" طاعت سے نکلنے والوں کو۔

㉕ "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ" مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذی المجاز کے پہلو میں جگہ ہے۔ حنین کا واقعہ راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور

رمضان کے کچھ دن باقی تھے۔ پھر حنین کی طرف کوچ کیا قبیلہ ھوازن اور ثقیف سے لڑائی کے لیے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ دس ہزار مہاجرین اور انصار تھے اور دو ہزار وہ لوگ جو مکہ سے آزاد کیے گئے تھے (نومسلم) عطاء فرماتے ہیں کہ سولہ ہزار کا لشکر تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس ہزار تھے اور اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ہر غزوہ سے زیادہ تھی پہلے کبھی اتنی تعداد نہ ہوئی تھی۔

اور ہوازن اور ثقیف کے مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی ہوازن کا سردار مالک بن عوف نصری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبدیا لیل ثقفی تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو ایک انصاری صحابی سلمہ بن وقش رضی اللہ عنہ نے کہا آج ہم اپنی کم تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات ناگوار گزری اور ایک آدمی کے قول کی وجہ سے معاملہ ان کے سپرد کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اُٹھا لی گئی اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا قول پسند نہ آیا اور معاملہ انہی کی طرف سپرد کر دیا تو بڑے زور کی لڑائی ہوئی تو مشرکین کو شکست ہوئی۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ تم رسوائی کو یاد کرو تو وہ واپس پلٹے اور مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ فتح مکہ کے دن اسلام لانے والے لوگ اس دن لوگوں کے ساتھ گئے جب انہوں نے دوبارہ حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔

ابواسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کہا اے ابوعمار! آپ لوگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے انہوں نے فرمایا نہیں، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری لیکن آپ علیہ السلام کے صحابہ میں سے چند نوجوان بغیر ہتھیاروں کے لشکر کے ساتھ چل پڑے، ان کے پاس تھوڑا بہت ہتھیار تھا تو ان کا مقابلہ ایسی تیر انداز قوم سے ہوا ان کا کوئی تیر زمین پر نہ گرتا تھا۔ ہوازن اور بنونصر نے مل کر خوب تیر اندازی کی، ان کا نشانہ خطا نہ ہوتا تھا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس خچر کو کھینچ رہے تھے تو آپ نیچے اُترے اور مدد طلب کی اور فرمایا میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں ترتیب دیں۔

اسی روایت کو اسرائیل نے ابواسحاق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ اسی میں یہ اضافہ ہے کہ اس دن آپ علیہ السلام سے بڑا بہادر کوئی نہیں دیکھا گیا۔ اس بات کو زکریا نے بھی ابواسحاق سے روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ خوب تیز ہو جاتی تو ہم آپ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے اور ہم میں بہادر وہ شخص ہوتا جو آپ علیہ السلام کے برابر ہوتا۔ اس وقت شعبہ نے ابواسحاق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوازن بڑی تیر انداز قوم تھی۔ جب ہمارا ٹکراؤ ہوا تو ہم نے ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ پسپا ہو گئے تو مسلمان غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے تو انہوں نے تیروں سے ہمارا استقبال کیا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد تین سو لوگ بچے، باقی لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے اور دیگر حضرات نے کہا کہ اس دن آپ علیہ السلام کے ساتھ صرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما تھے۔

کثیر بن عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ حنین کے دن حاضر تھا تو میں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بالکل جدا نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن اسی سفید خچر پر تھے جو آپ علیہ السلام کو فروۃ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کیا تھا۔ جب مسلمانوں اور کفار کا ٹکراؤ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب ایڑھ لگانے لگے اور میں نے آپ علیہ السلام کے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی میں اس کو روک رہا تھا کہ کہیں وہ بھاگ نہ پڑے اور ابوسفیان نے خچر کی رُکاب پکڑی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس! آواز لگاؤ سمرۃ والوں کو، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے آواز لگائی کہ اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ تو اللہ کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو ایسے پلٹے جیسے گائے اپنے بچھڑے کی طرف تیزی سے دوڑتی ہے اور کہنے لگے لبیک لبیک تو انہوں نے کفار کے ساتھ لڑائی کی اور انہوں نے انصار کو پکارا، اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خچر پر بیٹھے ان کی لڑائی دیکھی اور چند کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور پھر وہ شکست کھائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم! تو میں بھی دیکھنے لگا کہ اب لڑائی خوب جاری ہے۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین کیا۔ جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ علیہ السلام خچر سے اُترے اور مٹی کی ایک مٹھی لے کر ان کے چہروں کی طرف پھینکی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں کو اس ایک مٹھی سے بھر دیا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کی۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کی۔ روایت میں ہے کہ بنونضر کے ایک آدمی شجرۃ نے لڑائی کے بعد مؤمنین کو کہا چتکبرے گھوڑے اور وہ مرد کہاں ہیں جن پر سفید کپڑے تھے؟ ہم تو ان کے ہاتھوں مارے گئے ہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ شیبہ بن عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے آیا کہ آپ کو قتل کر دوں طلحہ بن عثمان اور عثمان بن طلحہ کے بدلے جو اُحد کے دن مارے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے اس ارادہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا تو آپ علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے سینے پر ہاتھ مار کر کہا اے شیبہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں تو میرے پٹھے کانپنے لگے تو میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو آپ علیہ السلام مجھے اپنے کان و آنکھ سے زیادہ محبوب ہو گئے تو میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے آپ علیہ السلام کو میرے دل کے ارادے پر مطلع کیا ہے۔

جب مشرکین شکست کھا کر بھاگے تو سیدھے اوطاس گئے وہاں ان کے اہل و عیال اور مال تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کو جن کو ابو عامر کہا جاتا تھا مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنا کر اوطاس روانہ کیا اور بعض نے کہا درید بن اصمہ کو امیر بنایا تو مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی اور مسلمانوں نے ان کے عیال کو قیدی بنا لیا اور ان کا امیر مالک بن عوف

نضری بھاگ کر طائف چلا گیا اور وہاں پناہ لی اور مال واولاد بھی بطور غنیمت لے لیا گیا اور مسلمانوں کے امیر ابو عامر غزوہ اوطاس میں شہید ہوگئے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے مجھے خبر دی کہ اس دن چھ ہزار لوگ قیدی ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لائے اور باقی مہینہ ان کا محاصرہ کیا۔ جب ذوالقعدہ شروع ہوا تو یہ حرام مہینہ تھا اس لیے آپ علیہ السلام ان سے روانہ ہوگئے اور جعرانہ تشریف لائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور اوطاس اور حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور کئی لوگوں کو تالیف قلب کے لیے مال دیا جیسے ابوسفیان بن حرب حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور اقرع بن حابس۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوازن کے مال میں سے قریش کو سو اونٹ دینے لگے تو انصار کے چند لوگ کہنے لگے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کریں، قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی بات پہنچی تو آپ علیہ السلام نے انصار کو ایک قبہ میں جمع کیا اور انصار کے ساتھ وہاں کسی کو نہیں بلایا۔ جب سب جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ تمہاری طرف سے مجھے کیا بات پہنچی ہے؟ تو ان کے سمجھ دار لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے ذورائے لوگوں نے یہ بات نہیں کہی، ہمارے چند نوعمروں نے یہ بات کی ہے اور وہ بات نقل کی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو مال دے رہا ہوں جو نئے نئے کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے ہیں، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ؟ اللہ کی قسم! وہ تم سے بہتر چیز نہ لے کر جائیں گے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر ان کو فرمایا کہ تم میرے بعد بہت زیادہ ترجیح دیکھو گے تو صبر کرنا حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض پر آملو اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا۔

حضرت عبداللہ بن یزید بن عاصم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد قریش کے مؤلفۃ القلوب اور دوسرے عربوں کو حسب مرضی تقسیم کر دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک ایک کو سو سو اونٹ دیئے مگر انصار کیلئے کچھ نہ ہوا' نہ تھوڑا دیا نہ بہت۔ اس پر انصاریوں کے دلوں میں کچھ احساس ہوا اور چہ میگوئیاں خوب ہونے لگیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے یہ عجیب بات ہے۔ وہ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ اگر کوئی سخت مصیبت آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت ہم کو چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ یہ تقسیم کس کے حکم پر ہو رہی ہے؟ اگر اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے تو ہم صبر کریں گے اور اگر خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو رہی ہے تو ہم آپ کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک انصاری نے کہا میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ جب سب کام ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دوسروں کو تم پر ترجیح دیں گے۔ دوسرے لوگوں نے اس انصاری کو سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن اُمیہ اور عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیئے اور عباس بن مرداس کو اس سے کم دیا تو عباس بن مرداس نے اشعار میں کہا کہ کیا آپ میرا مال غنیمت میں حصہ عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس کے حصے کے برابر قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ حصن اور حابس کے کارنامے تو (میرے باپ) مرداس کے ہم پلہ نہیں تھے۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ کو بھی پورے سو اونٹ دے دیئے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مروان اور مسور بن مخرمہ نے ان کو خبر دی کہ تقسیم غنیمت کے بعد ہوازن کا ایک وفد مسلمان ہو کر آیا تو آپ علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہمارے مال اور قیدی واپس کر دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو اور سچی بات مجھے پسند ہے تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو مال یا قیدی تو انہوں نے کہا ہم قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا، اما بعد: بے شک یہ تمہارے بھائی تمہارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں تو تم میں سے جو کوئی دل کی خوشی سے ایسا کرنا چاہے تو کرے اور جو چاہے کہ اس کے بدلے ہم اس کو کچھ مال دیں تو وہ ایسا کرے ہم کو جو پہلا مال غنیمت اللہ دیں گے اس میں سے اس کو دے دیں گے تو سب نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم دل کی خوشی سے دیتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجمع میں ہمیں یہ پتہ نہیں کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں؟ اس لیے تم واپس چلے جاؤ اور اپنے معروف لوگوں کو بتاؤ، وہ آ کر ہمیں بتائیں تو لوگ چلے گئے اور اپنے معروف لوگوں سے بات کی اور انہوں نے آ کر کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) سب نے طیب نفس سے اجازت دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے حنین کے واقعہ میں یہ آیت اُتاری ”لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم“ حتیٰ کہ تم نے کہا آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے ”فلم تغن عنکم“ تمہاری کثرت نے ”شیئاً“ یعنی کامیابی کثرت تعداد سے نہیں ہوتی ”وضاقت علیکم الارض بما رحبت“ اپنی وسعت کے باوجود ”ثم ولیتم مدبرین“ شکست کھا کر۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿27﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿28﴾

ترجمہ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ (کے قلب) پر اور مومنین کے (قلوب) پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (امداد کیلئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی

(دنیا میں) سزا ہے پھر خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں اے ایمان والو مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو (تم خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا (ان کا) محتاج نہ رکھے گا بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر ۲۶ "ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ" شکست کے بعد "سَكِيْنَتَهٗ" کا معنی امن اور اطمینان سے کیا ہے۔ یہ فعلیہ کے وزن پر سکون کے ساتھ سے ہے۔ "عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" جنود سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ فرشتے قتال کے لیے نہیں اُتارے گئے تھے بلکہ کفار کو بزدل کرنے اور مؤمنین کو بہادر کرنے کے لیے اُتارے گئے تھے کیونکہ یہ بات روایت کی گئی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی جنگ میں قتال نہیں کیا۔ "وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" قتل، قید اور مال چھین کر عذاب دیا گیا "وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ"

۲۷ "ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" پس اس کو اسلام کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

انما المشرکون نجس کی وضاحت

۲۸ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" ضحاک اور ابو عبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پلید ہیں اور بعض نے کہا خبیث ہیں۔ نجس مصدر ہے اس میں مذکر، مؤنث، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں اور نجس نون کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ تو یہ اکیلا نہیں بولا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے "رِجْسٌ نِجْسٌ" اور جب اکیلا ذکر کیا جائے تو "نَجِسٌ" نون کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ آیت میں حکم کی نجاست مراد ہے نہ کہ جسم کی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو نجس کہا ہے کیونکہ وہ جنبی ہوں تو غسل نہیں کرتے اور حدث لاحق ہو تو وضو نہیں کرتے۔ "فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" مراد ان کو حرم میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے کیونکہ جب وہ حرم میں داخل ہوں گے تو مسجد حرام کے قریب ہو جائیں گے۔

شیخ امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کے تمام شہر کافروں کے حق میں تین قسم پر ہیں۔

جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کے رہنے کا حکم

ان میں سے ایک حرم ہے۔ پس کافر کے لیے جائز نہیں کہ اس میں داخل ہو، خواہ ذمی کافر ہو یا مستامن اس آیت کے ظاہر کی وجہ سے اور اگر دار الکفر سے کوئی قاصد امام کی طرف آئے اور امام حرم میں ہو تو اس کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے بلکہ اس کی طرف کوئی بندہ بھیجے جو حرم سے باہر اس سے پیغام سن لے اور اہل کوفہ نے معاہدے کے لیے حرم میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری قسم بلادِ اسلامیہ کی حجاز ہے اس میں کافر اجازت لے کر داخل ہوسکتا ہے لیکن تین دن سے زائد قیام نہیں کرسکتا۔ اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا، اگر میں زندہ رہا، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ یہاں تک کہ اس میں صرف مسلمانوں کو چھوڑوں گا تو آپ علیہ السلام دُنیا سے چلے گئے اور وصیت فرما گئے کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ اس کام کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مہلت نہیں ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلاوطن کیا اور جو ان میں سے تجارت کی نیت سے آئے اس کے لیے تین دن کی مدت مقرر کی۔

اور جزیرہ عرب طول میں اقصیٰ عدن سے عراق کے سبزہ زاروں تک اور عرض میں جدہ اور اس کے اطراف سے شام کے اطراف کے سمندری ساحل تک ہے۔ تیسری قسم تمام بلاد اسلامیہ کافر کے لیے جائز ہے کہ ان میں ذمہ یا امان (ویزہ) کے ذریعے رہ سکے لیکن مساجد میں مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے۔ " بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا "یعنی اس سال کے بعد جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برأت کا اعلان کیا۔ یہ ہجرت کا نواں سال تھا۔ " وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً " کیونکہ اہل مکہ کی معیشت تجارت سے تھی اور مشرکین مکہ میں غلہ لاتے اور تجارت کرتے جب ان کو حرم میں داخل ہونے سے منع کیا گیا تو ان کو فقر کا خوف ہوا تو انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ "عیلة" یعنی فقر وفاقہ۔ " فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ " عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کیا۔ اس طرح کہ ان پر بارش برسادی تو ان کی خیر بڑھ گئی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدہ، صنعاء اور جریش یمن کے لوگ اسلام لے آئے اور وافر غلہ مکہ کی طرف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سے کفایت کی جس کا ڈر تھا اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کو جزیہ دیا اور ان کو غنی کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت ہوکر جزیہ دینے منظور کریں۔

㉙ "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روم سے قتال کا حکم دیا گیا تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے غزوہ تبوک کیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح

کی اور مسلمانوں کو پہلا جزیہ ان سے ملا اور مسلمانوں کی طرف سے پہلی ذلت ان کو یہی ملی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اہل کتاب تو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے تو اس آیت سے وہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ مؤمنین جیسا ایمان نہ رکھتے تھے کیونکہ جب وہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں تو ان کا اللہ پر ایمان نہ ہوا۔ "**ولا یحرّمون ما حرّم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق**" یہاں اسم کی اضافت اپنی صفت کی طرف ہے۔ اصل عبارت "**الدین الحق**" تھی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ یعنی اللہ کا دین نہیں مانتے اور اللہ کا دین اسلام ہے اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی اہل حق کی طرح اطاعت نہیں کرتے۔ "**من الذین اوتوا الکتاب**" یعنی یہود و نصاریٰ "**حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید**" مغلوبیت اور ذلت کے ساتھ۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دل کی خوشی کے بغیر مجبوراً کوئی چیز دے تو اس کو کہا جاتا ہے "**اعطا عن ید**" اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ جزیہ خود اپنے ہاتھ سے آ کر دیں کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا جزیہ نہیں بھیج سکتے اور بعض نے کہا "**عن ید**" کا معنی یہ ہے کہ نقد دیں اُدھار نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ عن ید سے مراد یہ ہے کہ شکر گزار ہو کر جزیہ ادا کریں کہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا۔

وهم صاغرون کی تفسیر میں مختلف اقوال

"**وهم صاغرون**" ذلیل اور مغلوب ہوں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جزیہ کھڑے ہو کر دیں اور لینے والا بیٹھا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کی گردن روند کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے۔ کلبی کا بیان ہے کہ لیتے دیتے وقت اس کی گردن پر گھونسا رسید کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا جائے۔ بعض نے کہا اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے سختی کے ساتھ مقام تحصیل تک لایا جائے۔ بعض نے کہا کہ جزیہ پیش کرنا ہی ذلت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صغار یہ ہے کہ اسلام کے احکام ان پر جاری کیے جائیں۔ اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہود و نصاریٰ جب عرب نہ ہوں تو ان سے جزیہ لینا جائز ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ عربی کتابی اور عجم کے غیر کتابی کفار سے جزیہ لینے کا کیا حکم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جزیہ مذہب کی بناء پر ہے شخصیت کی بناء پر نہیں ہے کہ جزیہ تمام ادیان پر لازم ہے نہ کہ نسبوں کی وجہ سے اس لیے اہل کتاب خواہ عربی ہو یا عجمی، ان سے جزیہ لیا جائے گا اور کسی حال میں بتوں کی پوجا کرنے والوں سے نہ لیا جائے گا اور اس بات سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر دومہ سے جزیہ لیا تھا حالانکہ وہ عربی شخص تھا اور بعض نے کہا یہ غسان کا تھا اور یمن کے لوگوں سے ذمہ لیا تھا حالانکہ ان میں سے اکثر عرب تھے اور امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد کے علاوہ تمام کفار سے جزیہ لیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے تو ہر حال میں لیا جائے گا خواہ عجم ہوں یا عرب اور عجم کے مشرکین سے لیا جائے گا عرب کے مشرکین سے نہیں لیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب سے نہ لیا جائے گا خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرک اور عجم سے لیا جائے گا

خواہ کتابی ہوں یا مشرک۔ بہر حال مجوسی تو ان سے جزیہ لینے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔
عمرو بن دینار نے بجالہ بن عبیدہ کو کہتے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوس سے جزیہ نہ لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجوس کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا طریقہ اپناؤ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوس سے جزیہ کے لینے سے رُکنے میں یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا تو اس امتناع میں دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ہر مشرک سے جزیہ نہ لیا جائے گا صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا اور اس بات میں اختلاف ہے کہ مجوسی اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا نہیں؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ان کی ایک کتاب تھی جس کو وہ پڑھتے پڑھاتے تھے تو ایک دن صبح کی تو وہ کتاب ان سے اُٹھالی گئی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مجوسیوں کا ذبح کیا ہوا جانور اور ان سے نکاح حرام ہے۔ بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ ان سے جائز ہے۔ بہر حال جو دیگر مشرکین یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوگئے ان کے حکم میں نظر ہے۔
اگر اس دین کے تبدیل ہونے اور منسوخ ہونے سے پہلے داخل ہوئے ہوں تو ان کو جزیہ پر برقرار رکھا جائے گا اور ان سے نکاح حلال اور ذبیحہ بھی حلال ہوگا اور اگر آپ علیہ السلام کے تشریف لانے کی وجہ سے ان کے دین منسوخ ہونے کے بعد داخل ہوئے تو جزیہ پر برقرار نہ رکھے جائیں گے اور نہ ان کے نکاح حلال ہوں گے اور نہ ذبیحہ اور جس کا معاملہ ہم پر مشکوک ہو کہ وہ دین منسوخ ہونے سے پہلے داخل ہوئے یا بعد میں تو ان سے جزیہ لیا جائے گا ان کی جان کی حفاظت کو غلبہ دیتے ہوئے اور ان سے نکاح اور ذبیحہ حلال نہ ہوں گے حرمت کو غلبہ دیتے ہوئے۔ پس اس قسم میں سے عرب کے نصاریٰ تنوخ اور بھراء اور بنو تغلب ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جزیہ پر برقرار رکھا اور فرمایا کہ ان کے ذبیحہ ہمارے لیے حلال نہیں ہیں۔ بہر حال جزیہ کی مقدار تو کم سے کم ایک دینار ہے اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے اور ایک دینار فقیر، غنی، متوسط سب سے قبول کرلیا جائے گا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار لوں اور اس کے برابر خود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بالغ سے ایک دینار لینے کا کہا اور فقیر، غنی، متوسط کا فرق بیان نہیں کیا۔ اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ بچوں اور عورتوں پر جزیہ واجب نہیں۔ جزیہ صرف آزاد عاقل بالغ مردوں سے لیا جائے گا اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مالدار پر چار دینار اور ہر متوسط پر دو دینار اور ہر فقیر پر ایک دینار ہے اور یہی اصحاب رائے کا قول ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾

ترجمہ اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔

تفسیر ⑳ "وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی ایک جماعت آئی جن میں سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی، شاس بن قیس اور مالک بن قیس تھے تو یہ کہنے لگے ہم آپ علیہ السلام کی اتباع کیسے کریں حالانکہ آپ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں سمجھتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبید بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یہود کے صرف ایک شخص فنحاص بن عازوراء نے کہی تھی یہ وہی شخص ہے جس نے کہا تھا "انّ اللّٰہ فقیر ونحن اغنیاء" عطیہ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس وجہ سے کہا کہ عزیر علیہ السلام ان میں تھے اور ان کے پاس توریت بھی تھی اور تابوت بھی تھا تو انہوں نے توریت کو ضائع کیا اور ناحق کام کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تابوت اُٹھا لیا اور ان کو توریت بھلا دی اور اس کو سینوں سے مٹا دیا تو حضرت عزیر علیہ السلام نے گڑگڑا کر دُعا کی جو کتاب ان کے سینوں سے مٹائی گئی ہے وہ واپس آ جائے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نور اُتارا جو ان کے پیٹ میں چلا گیا اور توریت آپ علیہ السلام کے پاس واپس آ گئی تو آپ علیہ السلام نے قوم میں اعلان کیا اور فرمایا اے قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے توریت واپس کر دی ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے لگے۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے تابوت بھی اُتار دیا۔ جب انہوں نے تابوت دیکھا تو توریت کے نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کی تعلیم دی ہوئی توریت کا موازنہ کیا تو اس کی مثل پایا تو کہنے لگے توریت حضرت عزیر علیہ السلام کو اس وجہ سے دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بخت نصر بادشاہ جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو توریت کے پڑھنے والوں کو قتل کر دیا اور عزیر علیہ السلام اس وقت بہت چھوٹے تھے تو ان کو چھوٹا سمجھ کر قتل نہیں کیا۔

جب بنو اسرائیل بیت المقدس کی طرف لوٹے اور ان میں کوئی توریت پڑھنے والا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے توریت کی تجدید کریں اور سو سال بعد اللہ تعالیٰ کی نشانی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس فرشتہ ایک برتن میں پانی لایا، وہ آپ علیہ السلام کو پلایا تو توریت آپ علیہ السلام کے سینے میں آ گئی۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام ان کے پاس آئے تو کہا میں عزیر ہوں تو انہوں نے جھٹلایا اور کہا کہ اگر آپ ٹھیک کہہ رہے ہو تو ہمیں توریت لکھوائیں تو حضرت عزیر علیہ السلام نے ان کو لکھ کر دے دی تو ایک آدمی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے میرے دادا سے بیان کیا ہے کہ توریت ایک چمڑے میں رکھ کر ایک انگور کے درخت میں دفن کی گئی ہے۔ لوگ اس کے ساتھ گئے اور وہ نسخہ نکالا تو حضرت عزیر علیہ السلام والا نسخہ بعینہ اس جیسا تھا تو کہنے لگے اللہ کسی شخص کے دل میں ایسے توریت نہیں ڈالتے مگر یہ کہ وہ اس کا بیٹا ہو تو اس وقت یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور بہرحال نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس قول کا سبب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے

بعد اکیاسی سال نصاریٰ اپنے دین پر قائم رہے۔ نماز پڑھتے اور رمضان کے روزے رکھتے۔ پھر ان کی یہود سے جنگ ہوئی۔ یہود میں ایک بہادر شخص بولس تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا، پھر یہود کو کہنے لگا کہ اگر حق عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے تو ہم نے ان کا انکار کیا اس لیے جہنم ہمارا ٹھکانہ ہے تو ایک حیلہ کر کے ان کو گمراہ کرتا ہوں تا کہ وہ جہنم میں داخل ہوں اس کا گھوڑا تھا جس کو عقاب کہا جاتا تھا اس نے اس کو مار ڈالا اور سر پر مٹی ڈالی اور شرمندگی ظاہر کی۔

تو نصاریٰ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تمہارا دشمن بولس، مجھے آسمان سے آواز دی گئی ہے کہ تیری توبہ قبول نہیں ہے مگر یہ کہ تو نصرانی ہو جا تو میں نے توبہ کی ہے تو انہوں نے اس کو کنیسہ میں داخل کیا اور ایک کمرے میں داخل ہوا اور پورا سال نہ دن کو نکلا نہ رات کو یہاں تک کہ انجیل سیکھ لی۔ پھر نکلا اور کہنے لگا کہ مجھے ندا آئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے تو نصاریٰ نے اس کی تصدیق کی اور اس سے محبت کرنے لگے۔ پھر یہ بیت المقدس کی طرف چلا گیا اور ان پر نسطورا کو خلیفہ بنایا گیا اور اس کو سکھایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام اور خدا تین تھے پھر روم کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو لاھوت اور ناسوت سکھایا اور کہا عیسیٰ علیہ السلام نہ انسان تھے نہ جسم تھے بلکہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ بات ایک شخص یعقوب کو سکھائی۔ پھر ایک شخص کو بلایا اس کو ملک کہا جاتا تھا۔ اس کو کہا بے شک "اِلٰہ" نہ زائل ہو سکتا ہے اور نہ زائل کیا جا سکتا ہے عیسیٰ علیہ السلام۔ تو جب یہ عقائد ان میں پختہ ہو گئے تو ان تینوں میں سے ہر ایک کو بلایا اور کہا تو میرا خاص بندہ ہے اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو کہا کہ کل میں خود کو ذبح کرلوں گا تو تم لوگوں کو بلانا تیری بات مانیں گے۔ پھر مذبح میں داخل ہوا اور یہ کہا کہ میں خود کو عیسیٰ علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قتل کر رہا ہوں اور خود کو ذبح کر دیا تو تیسرے دن ان تین میں سے ہر ایک نے لوگوں کو بلایا تو ہر ایک کے کچھ لوگ متبع ہو گئے اور آپس میں لڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم**" وہ اپنی زبانوں سے بغیر علم کے کہتے ہیں "**یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ**" قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نصاریٰ کا قول ان سے پہلے والے یہود کے قول کے مشابہ ہے کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا قول اپنے سے پہلے مشرکین کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے لات، عزیٰ اور منات کو اللہ کی بیٹیاں کہا۔ حسن کا قول ہے کہ عیسائیوں کا یہ قول گزشتہ کافروں کے قول کی طرح کفر یہ ہے۔ یعنی عیسائیوں کا کفر گزشتہ کافروں کی طرح ہے۔ **کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم** انہی کے قول کی طرح یعنی ان کا کفر قدیمی ہے۔ قتیبی کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول بھی اپنے اسلاف کے قول کی طرح ہے یعنی ان کا کفر قدیمی ہے۔ "**قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی ان پر اللہ نے لعنت کر دی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حقیقتاً لڑائی کے لیے نہیں بلکہ تعجب کے لیے ہے۔ "**اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ**" جب دلائل اور براہین قائم ہو چکے ہیں تو پھر حق سے باطل کی طرف مڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا

لِيَعْبُدُوٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار طاعت کے) رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا کہ فقط ایک معبود برحق کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

تفسیر ۳۱ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ" یعنی اپنے علماء اور قراء کو احبار حبر کی جمع ہے حبر عالم اور دینی کتابیں پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ رہبان راہب کی جمع گرجوں میں رہنے والے عیسائیوں کو کہتے ہیں "اربابًا" اگر یہ اعتراض ہو کہ انہوں نے احبار اور رہبان کی عبادت تو نہیں کی تھی؟ تو ہم جواب دیں گے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی تھی اللہ کی نافرمانیوں میں اور جن چیزوں کو انہوں نے حلال سمجھا ان کو انہوں نے حلال سمجھا اور جن کو انہوں نے حرام سمجھا، ان کو انہوں نے حرام سمجھا تو ان کو خدا کی طرح بنا دیا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی تو آپ علیہ السلام نے مجھے کہا اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے پھینک دے تو میں نے اس کو پھینک دیا۔

جب میں آپ علیہ السلام کے قریب ہوا تو آپ علیہ السلام یہ آیت پڑھ رہے تھے **"اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ"** آپ علیہ السلام اس آیت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا ہم ان کی عبادت نہ کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وہ نہیں حرام کرتے تھے ان چیزوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے پھر تم بھی ان کو حرام سمجھتے تھے اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے تو تم بھی ان کو حلال سمجھتے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ان کی عبادت تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نہیں بدلا دین کو مگر بادشاہوں اور برے علماء اور انکے درویشوں نے

"والمسیح بن مریم" یعنی تم نے ان کو بھی معبود بنالیا **"وما امروا الّا لیعبدوا الٰھا واحداً لا الٰہ الّا ھو سبحانہ عمّا یشرکون"**

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کے بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

تفسیر ㉜ "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ" یعنی اللہ کے دین کو اپنی زبانوں کے ساتھ باطل کردیں اس کی تکذیب کرکے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نور سے قرآن مراد ہے یعنی ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی زبانوں کے ساتھ تکذیب کرکے قرآن کو رد کردیں۔ "وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ" یعنی اپنے دین کو بلند کردے اور اپنے کلمہ کو ظاہر کردے اور اس حق کو مکمل کردے جس کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ "وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ"

㉝ "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى" ھدی سے قرآن مراد ہے اور بعض نے کہا فرائض کو بیان کرکے " وَدِيْنِ الْحَقِّ" یعنی اسلام "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" تمام ادیان پر۔

ولو کرہ المشرکون کی مختلف تفسیریں

"وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "لیظھرہ" کی ھاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی تاکہ آپ علیہ السلام کو دین کے تمام احکام سکھا کر ان کو آپ علیہ السلام پر ظاہر کردیں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام پر دین کے شرائع میں سے کوئی مخفی نہ ہو۔ (۲) دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ ھاء دین الحق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دوبارہ اُترنے کے وقت ہوگا کہ ہر شخص ہر دین والا اسلام میں داخل ہوجائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کے زمانے میں تمام ادیان سوائے اسلام کے ختم ہوجائیں گے اور مقداد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "زمین پر کوئی کچا یا پکا مکان ایسا نہ رہے گا کہ اللہ اس میں اسلام کے کلمہ کو نہ داخل کردیں یا تو عزیز کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ" یا تو اللہ ان کو عزت دیں گے تو ان کو اس دین کا اہل بنادیں گے یا ان کو ذلت دیں گے تو وہ اس دین کو اختیار کرلیں گے تو میں نے کہا تو دین سارا اللہ کا ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات اور دن نہیں ختم ہوں گے حتیٰ کہ لات اور عزیٰ کی عبادت کی جائے گی تو میں نے عرض کیا اے اللہ! میں یہ خیال کرتی ہوں کہ یہ اس کے بعد ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" پھر فرمایا کہ یہ ہوگا جب اللہ چاہیں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے تو وہ ہر اس شخص کی روح قبض کرلے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی خیر ہوگی پھر وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر نہ ہوگی تو لوگ اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ادیان پر ظاہر کردیا کہ تمام سننے والوں پر ظاہر کردیا کہ یہ دین حق ہے اور جو اس کے مخالف ادیان ہیں وہ باطل ہیں اور اس دین کو شرک اور اہل کتاب اور اُمیوں کے دین پر غالب کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمیوں کو مغلوب کیا تو وہ اسلام کے قریب ہوگئے بعض خوشی سے بعض کرھا اور اہل کتاب کو قتل کیا اور قیدی بنایا یہاں

تک کہ بعض اسلام کے قریب آ گئے اور بعض نے ذلت کے ساتھ جزیہ دیا تو یہ اس دین کا تمام ادیان پر ظاہر ہونا ہے۔ واللہ اعلم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر: ۳۴ **"یا ایها لّذین امنوا اِنّ کثیرا من الاحبار والرّهبان"** یعنی اہل کتاب کے علماء اور قراء **"لیاکلون اموال النّاس بالباطل"** یعنی اپنے احکام میں رشوت لیتے ہیں اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اپنے بیوقوفوں سے اس پر کچھ قیمت لیتے ہیں یہ ان کے کمائی کے ذریعے ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے توریت میں موجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تبدیل کر دیں تا کہ ان کی کمائی نہ بند ہو جائے۔ **"ویصدّون عن سبیل اللّٰہ والّذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللّٰہ فبشرهم بعذاب الیم"** ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مال کی زکوۃ ادا کر دے وہ کنز نہیں ہے اگر چہ کہیں مدفون بھی ہو اور جس مال کی زکوۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے۔ اگر چہ وہ مدفون شدہ نہ ہو اور اسی کی مثل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق (زکوۃ) ادا نہ کرے گا۔ قیامت کے دن اس سونے چاندی سے اس کیلئے آگ کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو دہکا کر اس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ کچھ ٹھنڈی پڑ جائیں گی تو دوبارہ تپا کر داغ لگائے جائیں گے اور ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس شخص کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا جنت کو جانے والا یا دوزخ کو جانے والا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اور جو اونٹوں والا ان کا حق (یعنی زکوۃ) ادا نہ کرے گا اور پانی پلانے کے دن ان کو دوہنا (اور دودھ میں سے مساکین کو دینا بھی) منجملہ حقوق کے ہے۔ قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں اونٹوں کے سامنے اس کو لٹایا جائے گا۔ اونٹ سب موجود ہوں گے۔ ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا۔ یہ اونٹ اپنے موزوں (یعنی کھروں) سے اس کو روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے۔ اول حصہ جب روندتا چلا جائے گا تو پچھلا حصہ پھر (روندنے کیلئے) لوٹ پڑے گا (یعنی روندنے کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا) ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا۔ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ بتا دیا

جائے گا۔ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ان کا مالک اگر حق ادا نہ کرے گا تو ہموار میدان میں ان جانوروں کے سامنے اس کو پچھاڑ کر لٹایا جائے گا۔ جب سب جانور موجود ہوں گے۔ کوئی غیر حاضر نہ ہوگا۔ ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ اس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں نہ کوئی جانور منڈا ہوگا نہ سینگ ٹوٹا ہوا (سب کے سینگ نوک دار آگے کی طرف ہوں گے) یہ تمام جانور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے روندیں گے۔ اول حصہ گزرتا جائے گا اور پچھلا حصہ لوٹ کر آتا جائے گا۔ یہ عذاب اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا' جنت کا یا دوزخ کا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ مال دے پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں لایا جائے گا۔ اس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ قیامت تک اس کی گردن کو چمٹا رہے گا اور اس کے جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ولا يحسبن الذين يبخلون بما آتاهم الله" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر مال جو چار ہزار درہم سے زائد ہو تو وہ کنز ہے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہ کی جائے اور جو اس سے کم ہو وہ نفقہ ہے اور جو حاجت سے بچ جائے تو وہ کنز (خزانہ) ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا تو آپ علیہ السلام کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ لوگ خسارہ والے ہیں رب کعبہ کی قسم! ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آیا اور بیٹھ گیا پھر کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں اور باپ قربان ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جن کا مال زیادہ ہو مگر جو اس طرح کرے اور اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اشارہ کیا (یعنی ہر خیر کے کام میں خرچ کریں) اور یہ لوگ تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا تو اس کی چادر میں ایک دینار تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک داغ ہے۔ پھر دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کی چادر میں دو دینار تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دو داغ ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں ہے نہ کہ تمام مالِ حلال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک مال نیک آدمی کے لیے بہت اچھا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت گراں ہوئی اور کہنے لگے ہم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھے گا کہ اپنے بچوں کے لیے کچھ چھوڑ جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے تاکہ تمہارا باقی مال اس کے ذریعے پاک کر دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حکم زکوٰۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم اُتارا تو اس کو مال کے لیے پاکی کا ذریعہ بنا دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس

بات کی پرواہ نہیں کہ میرے لیے اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، میں اس کی تعداد جانتا ہوں اس کی زکوٰۃ ادا کروں اور اللہ کی طاعت میں لگا رہوں۔ "ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ" بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ "لاینفقونھما" کیوں نہیں کہا "لاینفقونھا" کیوں کہا ہے حالانکہ آیت میں سونے اور چاندی دونوں کا ذکر ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس مفرد کی ضمیر سے خزانہ مراد ہے خواہ چاندی ہو یا سونا۔ اور بعض نے کہا کہ ضمیر "فضّۃ" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ عام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واستعینوا بالصّبر والصّلوٰۃ وانّھا لکبیرۃ" یہاں بھی "انّھا" کی ضمیر نماز کی طرف لوٹ رہی ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ کے قول (واذا راٰوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا) میں ضمیر کو تجارت کی طرف لوٹایا ہے اس لئے کہ یہ زیادہ عام ہے۔ (فبشرھم بعذاب الیم) یعنی ان کو ڈرائیں کیونکہ وہ عام ہے اگرچہ ذکر دو چیزوں کا تھا۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۳۵ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۤفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۤفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۳۶

ترجمہ جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جاوے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاوے گا یہ ہے وہ چیز جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے اور ان میں سے چار خاص مہینے ادب کے ہیں یہی (امر مذکور) دین مستقیم ہے سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔

تفسیر ۳۵ "يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ" آگ میں داخل ہوں گے پھر ان خزانوں پر آگ بھڑکائی جائے گی۔ "فَتُكْوٰى بِهَا" جلائے جائیں گے اس کے ساتھ "جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ" ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینار کو دینار پر اور درہم کو درہم پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اس کی جلد اتنی وسیع کر دی جائے گی کہ ہر درہم الگ جگہ پر رکھا جائے گا۔ ابوبکر وراق رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرے پہلو اور پیٹھ کو کیوں خاص کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے کہ مال دار شخص جب فقیر کو دیکھتا ہے تو اس کی پیشانی سکڑ جاتی ہے اور اس سے پہلو موڑ کر اعراض کرتا ہے اور پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ "هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ" یعنی تم اپنے مال میں سے اللہ کے حقوق کو روکتے تھے۔ بعض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں سب کو شامل ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

㊱ "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ" یعنی مہینوں کی تعداد "عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ" محرم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جمادی الاوّل، جمادی الاخریٰ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔ "فی کتاب اللّٰہ" یعنی اللہ کے حکم میں اور بعض نے کہا لوح محفوظ میں " يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ " ان سے چاند والے مہینے مراد ہیں انہی مہینوں کا مسلمان اپنے روزوں اور حج اور عید اور تمام معاملات میں اعتبار کرتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا چوتھا حصہ ہوتا ہے اور قمری مہینوں کا سال تین سو ساٹھ دن سے کچھ کم ہوتا ہے جتنے دن چاند کم ہو۔ اکثر تین سو چون دن کا ہوتا ہے۔ " مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ " رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ، محرم " ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ " یعنی سیدھا حساب ہے "فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ" یعنی سال کے تمام مہینوں میں گناہ کر کے اور نیکی چھوڑ کر اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان چار مہینوں میں نیک عمل کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور ان میں گناہ کرنے کا گناہ دوسرے مہینوں سے زیادہ ہے۔ اگرچہ گناہ ہر حال میں بہت برا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حرام کو حلال کر کے اور ان میں قتل و غارت کر کے ظلم نہ کرو۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اس کے حلال کو حرام نہ بناؤ اور نہ اس کے حرام کو حلال بناؤ اہل شرک کے فعل کی طرح اور وہ نسئی ہے" وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً تمام کو اور سب کو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ.

علماء رحمہم اللہ کا ان چار مہینوں میں قتال کے حرام ہونے میں اختلاف ہے تو ایک قوم نے کہا کہ یہ پہلے کبیرہ گناہ تھا پھر اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔ "وقاتلوا المشرکین کافۃ" گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چار مہینوں اور ان کے علاوہ میں قتال کرو۔ یہی قتادہ، عطاء خراسانی، زہری اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا قول ہے اور ان حضرات نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین کے مقام پر جنگ اور ثقیف سے طائف میں جنگ اور ان کا محاصرہ شوال اور ذی القعدہ کے بعض دنوں میں کیا اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے اللہ کی قسم اُٹھا کر کہا کہ لوگوں کے لیے حرم اور اشہر حرام میں قتال جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ان سے قتال کریں اور یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ㊲

ترجمہ: یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے جس سے (عام) کفار گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال (نفسانی غرض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے

جو مہینے حرام کیے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کرلیں پھر اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کہتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

تفسیر ⑳ "انما النسیء زیادۃ فی الکفر" بعض نے کہا یہ سعیر اور حریق کی طرح مصدر ہے اور بعض نے کہا یہ جریح اور قتیل کی طرح مفعول ہے بمعنی تاخیر۔ اسی سے اُدھار بیع کو "نسیئہ" کہتے ہیں اور نسیٔ کا معنی ایک مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینے کی طرف مؤخر کرنا کیونکہ عرب اشہر حرام کی تعظیم کا اعتقاد رکھتے تھے اور یہ بات انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے دین سے لی تھی اور ان کی اکثر گزران (معیشت) شکار اور لوٹ مار کے ذریعے تھی تو لگاتار ان تین مہینوں کے لیے رُکنا ان پر بڑا گراں تھا اور بسا اوقات ان حرام مہینوں میں ان کی کوئی لڑائی شروع ہوجاتی تو وہ اس لڑائی کو ٹالنا پسند نہ کرتے تو ان مہینوں کی حرمت کو دوسرے مہینوں کی طرف مؤخر کردیتے تو محرم کی حرمت صفر کی طرف مؤخر کردیتے اور صفر کو حرام سمجھتے اور محرم کو حلال سمجھتے۔ پھر جب صفر میں کوئی ضرورت پڑتی تو اس کی حرمت ربیع الاوّل تک مؤخر کردیتے۔ اسی طرح مہینہ مہینہ آگے کرتے رہتے یہاں تک کہ حرمت مکمل سال پر گھومتی رہتی۔ جب اسلام قائم ہوا تو بہت عرصہ کے بعد محرم اپنی اس جگہ پر آگیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مقرر کی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس کو بیان کیا۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک زمانہ اپنی کی طرح گھوما ہے جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ سال بارہ مہینے کا ان میں سے چار محترم ہیں تین لگاتار ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب جو شعبان اور جمادی کے درمیان ہے اور پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتا ہے تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال محمد کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح جو اس شہر میں اس مہینہ میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے تو وہ تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ سن لو! میرے بعد گمراہ ہوکر نہ لوٹنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، سن لو! حاضر غائب کو پہنچادے۔ پس شاید کہ بعض وہ لوگ جن تک میرا پیغام پہنچے اس کو زیادہ محفوظ کرنے والے ہوں۔ سن لو کیا میں نے پہنچادیا؟ کیا میں نے پہنچادیا؟ وہ فرماتے ہیں کہ نسیٔ ان میں جاری رہتا تھا تو وہ بسا

اوقات کسی سال میں ایک مہینے میں حج کرتے اور اگلے سال دوسرے مہینے میں حج کرتے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مہینہ میں دو سال حج کرتے تھے۔ ذوالحجہ میں دو سال پھر دو سال محرم میں حج کرتے، پھر دو سال صفر میں اسی طرح تمام مہینوں میں کرتے تو حجۃ الوداع سے ایک سال قبل جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو وہ ذوالقعدہ میں ہوا۔ پھر اگلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ میں حجۃ الوداع کیا تو آپ علیہ السلام کا حج اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر حج کا مہینہ موافق ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے نو ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کیا اور دس کو منیٰ میں خطبہ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ نسیٔ کے مہینے زمانہ کے گھومنے سے منسوخ ہوگئے ہیں اور معاملہ ویسے ہوگیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے دن مقرر کیا تھا اور ان کو حکم دیا کہ ان کو یاد رکھیں تاکہ آئندہ زمانے میں یہ پھر تبدیل نہ ہوجائے۔

نسیٔ کا بانی کون تھا

اس میں اختلاف ہے کہ نسیٔ کی ابتداء کس نے کی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نسیٔ کی ابتداء بنو مالک بن کنانہ کے شخص ابو ثمامہ جنادہ بن عوف بن اُمیہ کنانی نے کی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی ابتداء بنو کنانہ کے ایک شخص نعیم بن ثعلبہ نے کی ہے اور اس کے بعد جنادہ بن عوف۔ یہ وہ شخص ہے جس کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ بنو کنانہ کے ایک شخص قلمس نے ابتداء کی۔ ان کا شاعر کہتا تھا: ''اور ہم میں مہینوں کو مؤخر کرنے والا قلمس ہے'' اور وہ لوگ یہ کام صرف ذی الحجہ میں کرتے تھے جب عرب والے موسم کے لیے جمع ہوتے تھے۔

ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نسیٔ کا طریقہ پہلے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندق نے جاری کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندق کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ وہ نسیٔ ہے جس کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**انّما النسیٔ زیادۃ فی الکفر**'' مراد یہ ہے کہ ان کے کفر پر کفر کی زیادتی ہے۔ ''**یضلّ به الّذین کفروا**'' حمزہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے ''**یضلّ**'' یاء کے پیش اور ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول ''**زیّن لھم سوء اعمالھم**'' کی طرح اور یعقوب رحمہ اللہ نے یاء کے پیش اور ضاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی حسن اور مجاہد رحمہ اللہ کی قرأت ہے معنی یہ ہوگا ''**یضلّ**'' اس کے ساتھ کافر لوگوں کو اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور ضاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ وہ خود گمراہ ہیں یہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے فرمان ''**یُحلّونه**'' کی وجہ سے ہے۔ یعنی نسیٔ کو۔ ''**عاما ویحرّمونه عاما لیواطئوا**'' یعنی تاکہ وہ موافقت کریں اور مواطاۃ موافقت کرنا۔ ''**عدّۃ ما حرّم اللّٰه**'' مراد یہ ہے کہ انہوں نے اشہر حرام میں سے جس مہینہ کو حلال کیا اس کی جگہ حلال مہینوں میں سے ایک مہینہ حرام کردیا اور حلال مہینوں میں سے ایک مہینے کو حرام کیا تو اس کے بدلے حرام مہینوں میں سے ایک کو حلال کردیا تاکہ حرام مہینے چار سے زیادہ نہ ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں تاکہ تعداد

میں موافق ہو جائیں۔ "فیحلوا ما حرّم اللہ زیّن لھم سوء اعمالھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ان کے لیے شیطان نے مزین کردیا۔ "واللہ لایھدی القوم الکافرین" "یُضِلّ به الذین کفروا زیّن لھم سوء اعمالھم یحلّونه عامًا ویحرّمونه عامالیو اطئوا عدّة ما حرّم اللہ فیحلّوا ما حرّم اللہ زیّن لھم سوء اعمالھم واللہ لا یھدی القوم الکافرین"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کرلی سو دنیوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت تھوڑا ہے اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب دے گا (یعنی تم کو ہلاک کردے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کردے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کرچکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کردیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی کہ تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کردی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر ﴿۳۸﴾ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ"

آیت کا شانِ نزول

یہ آیت غزوہ تبوک پر اُبھارنے کے لیے نازل ہوئی ہے کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے تو غزوہ روم کے جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس وقت مسلمان بڑے تنگدست تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا اور پھل خوب پک چکے تھے اور آپ علیہ

السلام جب کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تو اپنے ارادہ کو ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ کسی اور جگہ کی طرف توریہ کرتے۔ لیکن اس غزوہ میں کیونکہ لمبا سفر سخت گرمی میں کرنا تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی تو آپ علیہ السلام نے تمام صورت حال مسلمانوں کے سامنے ظاہر کردی اور کوئی توریہ نہیں کیا تا کہ وہ دشمن کے مقابلہ کے لیے خوب تیاری کرلیں تو مسلمانوں پر اس غزوہ کے لیے نکلنا بہت گراں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ" یعنی تم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "انفروا" تم اللہ کے راستے میں نکلو۔ "اثاقلتم الی الارضی یعنی تم اپنی زمین اور ساکن کو چمٹ جاتے ہو۔ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ یعنی دنیا کو ترجیح دینا اور آخرت کی نعمتوں کو اس کے بدلے چھوڑ دینا فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ" پھر جہاد چھوڑنے پر ان کو دھمکی دی۔

39 "اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" آخرت میں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بعض نے دُنیا میں ان سے بارش کو روک لینا مراد ہے۔ نجدۃ بن نفیع نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلہ کو غزوہ کے لیے نکلنے کا کہا تو وہ اپنے گھروں میں رہ گئے تو ان سے بارش روک لی گئی تو یہ ان کا عذاب تھا۔ " وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ " تم سے بہتر اور زیادہ فرمانبردار۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ فارس والے ہیں اور بعض نے کہا وہ یمن والے ہیں۔" وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"

40 "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہے کہ وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اپنے دین کے اعزاز کا خود کفیل ہے چاہے وہ مدد کریں یا نہ کریں کیونکہ اس نے اپنے رسول کی اس وقت مدد کی جب دوست کم اور دشمن زیادہ تھے تو آج تو بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے کہ دوستوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔" اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ "یعنی وہ دو میں سے ایک تھے اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔" اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ، جبل ثور میں۔

"اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام زمین والوں کو عتاب کیا ہے۔ جمیع بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تو میرا غار میں ساتھی تھا اور حوض پر بھی ساتھی ہوگا۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہ تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرے تو وہ مبتدع (بدعتی) ہے کافر نہیں۔ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حزن بزدلی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کی وجہ سے تھا اور کہا کہ اگر میں قتل کیا گیا تو ایک آدمی ہوں اور اگر آپ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تو اُمت ہلاک ہو جائے گی۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت میں تھے تو کبھی آپ علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا ہو گیا ہے اے ابوبکر؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے پیچھے سے حملہ آور کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلتا ہوں اور جب آگے سے کسی کے گھات لگانے کا خیال آتا ہے تو آگے چلتا ہوں، جب غار میں پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ یہاں ٹھہریں میں غار کی صفائی کرلوں تو آپ رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کو صاف کیا، پھر عرض کیا اب آپ آئیں یا رسول اللہ! تو آپ علیہ السلام اندر داخل ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ رات عمر اور اس کی آل اولاد سے بہتر ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بیان کیا کہ میں نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا کہ وہ ہمارے سروں کے اوپر ہیں اور ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو ہمیں دیکھ لے گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے ابوبکر! تیرا ان دو لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے کہ اللہ ان کا تیسرا ہے۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب میں نے ہوش سنبھالا میرے والدین دین اختیار کر چکے تھے اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ دن کے صبح شام آپ علیہ السلام تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مکہ میں مسلمانوں پر آزمائش آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے۔ جب آپ برک الغماد جگہ پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ کو ابن الدغنہ ملا وہ قارہ کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا اے ابوبکر کہاں کی تیاری ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے تو میرا ارادہ ہے کہ زمینی سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں تو ابن الدغنہ نے کہا بے شک تیری مثل شخص اے ابوبکر نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے بے شک تو معدوم (فقیر) کے لیے کماتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور بوجھ اُٹھاتا ہے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے اور حق پر مدد کرتا ہے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ رضی اللہ عنہ واپس جائیں اور اپنے شہر میں جا کر اپنے رب کی عبادت کریں تو آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور ابن الدغنہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا اور شام کو تمام اشراف قریش کا چکر لگایا اور ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اوصاف بیان کر کے اپنی پناہ کا کہا تو انہوں نے ابن الدغنہ کی پناہ کا انکار نہیں کیا اور ابن الدغنہ کو کہا کہ ابوبکر کو کہو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں اور اس میں نماز پڑھیں اور جو چاہے قرأت کریں اعلانیہ یہ کام کر کے ہمیں تکلیف نہ دیں تو ابن الدغنہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہی تو کچھ عرصہ اپنے گھر میں عبادت کی اور نہ اعلانیہ نماز پڑھتے اور نہ گھر کے علاوہ قرأت کرتے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تو ان پر مشرکین کی عورتیں اور بچے جمگھٹا کر دیتے اور ان پر تعجب کرتے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب قرآن پڑھتے تو بہت زیادہ روتے تھے تو اشراف قریش اس بات سے گھبرا گئے اور ابن الدغنہ کو پیغام بھیجا۔

تو وہ مکہ آیا، انہوں نے کہا کہ آپ کی پناہ کی وجہ سے ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں گے لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا ہے اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر اعلانیہ نماز اور قرأت کرتے ہیں ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے آپ ان کو روکیں۔ اگر وہ اس بات کو مان لیتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں تو آپ اپنی امان باقی رکھیں۔ اگر وہ اعلانیہ عبادت کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہو آپ کا ذمہ واپس کر دیں کیونکہ آپ کے ذمہ کو خراب کرنا پسند نہیں کرتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلانیہ عبادت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کے لیے عقد امان کیا تھا۔ اگر آپ اس پر کار بند رہتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میرا ذمہ واپس کر دیں کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ عرب کہیں کہ میں نے ایک شخص سے عقد کر کے توڑ دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیری پناہ واپس کرتا ہوں اور اللہ کی پناہ میں راضی ہوں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کو فرمایا کہ میں نے تمہاری ہجرت کا علاقہ دیکھا ہے وہ کھجور کے درختوں والا ہے دو دو سیاہ پتھروں والی وادیوں کے درمیان ہے۔ پھر جن لوگوں نے ہجرت کرنی تھی مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حبشہ کے مہاجرین میں سے اکثر مدینہ لوٹ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کی تو آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ٹھہر جاؤ، مجھے اُمید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دی جائے گی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ علیہ السلام کو بھی اس کی اُمید ہے۔ میرا باپ آپ پر قربان ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے رُک گئے اور اپنی دو اونٹنیوں کو چارہ وغیرہ کھلا کر تیار کیا۔ چار ماہ ایسا کیا۔

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں چاشت کے وقت بیٹھے تھے کہ کسی نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منہ چھپا کر ایسے وقت میں تشریف لا رہے ہیں کہ جس کا معمول نہیں تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں اور باپ ان پر فدا ہوں اللہ کی قسم! اس وقت میں آپ علیہ السلام کسی اہم کام کی وجہ سے آئے ہوں گے تو آپ علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اپنے پاس سے ہر کسی کو نکال دو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ علیہ السلام کے گھر والے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا قیمت کے ساتھ لوں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی جلدی ان کی تیاری کرا دی اور ان دونوں کے لیے چمڑے کا ایک توشہ دان تیار کیا تو حضرت اسماء بنت ابی بکر نے اپنے کمر بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین پڑ گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثور پہاڑ

پر ایک غار میں چلے گئے اور اس میں تین دن رہے، رات کو ان کے پاس عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جاتے اور دن بھر قریش سے جو باتیں سنتے ان کو یاد کر کے آپ علیہ السلام کو سناتے اور صبح منہ اندھیرے وہاں سے واپس آ جاتے اور صبح کو قریش میں پھرتے رہتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فُہیرۃ بکریاں چراتے ہوئے رات کو وہاں پہنچ جاتے اور دودھ پلاتے اور صبح سے پہلے وہاں سے ریوڑ لے کر چلے جاتے۔ یہ معاملہ تینوں راتوں میں رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو راستہ دکھانے کے لیے اُجرت پر لیا ہوا تھا یہ شخص کفار مکہ کے دین پر تھا تو انہوں نے اپنی اونٹنیاں اس کو دے دیں کہ وہ تین راتوں کے بعد صبح کے وقت اونٹنیاں لے کر آ جائے گا۔

سراقہ کا قصہ

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے سراقہ کی روایت سے اور امام احمد و یعقوب بن سفیان نے حضرت ابوبکر کے حوالے سے بیان کیا۔ سراقہ کا بیان ہے کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے قتل یا گرفتار کرنے والے کیلئے ایک انعام مقرر کیا اور کہا کہ دونوں میں جس کسی کو کوئی قتل یا گرفتار کرے گا۔ اس کو سو اونٹنیاں دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آ کر کھڑا ہوا اور اس نے کہا: سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر کچھ اشخاص دیکھے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین سوار دیکھے ہیں میرے خیال میں وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے۔ یہ سنتے ہی میں پہچان گیا کہ ہوں نہ ہوں وہی ہوں گے۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو۔ وہ خاموش ہو گیا۔

میں اٹھ کر گھر میں گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا لے کر بطن وادی میں پہنچا دے اور خود اپنے خیمہ کے پیچھے سے ہتھیار لے کر نکل چلا اور نیزہ کو گھسیٹتا گیا۔ بلم کا بالائی حصہ کو نیچے کو کر دیا۔ اس طرح گھوڑے تک پہنچا اور سوار ہو کر تیز دوڑاتا ہوا چل دیا۔ یہاں تک کہ میری دونوں اشخاص پر نظر پڑ گئی۔ قریب پہنچا ہی تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں نیچے گر پڑا۔ پھر میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے فال لینے کیلئے تیر نکالے کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں۔ فال لینے پر تیر وہی نکلا جو مجھے پسند نہ تھا۔ یعنی فال یہ نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ مگر مجھے امید تھی کہ میں اس فال کو الٹ دوں گا اور سو اونٹنیاں لے لوں گا۔ چنانچہ میں پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال نہ مانی اور گھوڑے کو تیز دوڑاتا چلا تا کہ وہ مجھے قریب پہنچا دے۔

میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز میں نے سن لی۔ آپ کی توجہ میری طرف نہ تھی مگر حضرت ابوبکر میری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اسی حالت میں اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر پڑا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا اور خود اٹھا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا۔ گھوڑے نے کوشش کی کہ قدم باہر نکال لے۔ اس کوشش میں دھوئیں کی طرح غبار اٹھ کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال نکالی مگر وہی فال نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ آخر میں جان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ غالب آئیں گے۔ مجبوراً میں

نے امان کیلئے پکارا اور کہا دیکھو! میری کیا حالت؟ میں خدا کی قسم! ہرگز تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور میری طرف سے تمہارے لئے کوئی ناخوشگوار حرکت نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کے سلسلہ میں انعام مقرر کیا ہے۔ غرض لوگوں کا جو مقصد تھا میں نے اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔ کچھ زادراہ اور سامان کی بھی پیشکش کی مگر آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی نہ کچھ مانگا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے درخواست کی کہ (آئندہ کیلئے) مجھے کوئی پروانہ امن کیلئے لکھ دیجئے۔ آپ نے حکم دیا: ابوبکر! اس کو لکھ دو۔

" فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ " بعض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے سکینت پر تھے۔ " وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍلَّمْ تَرَوْهَا " یہ وہ فرشتے تھے جو کافروں کے چہرے اور نگاہیں پھیرنے کے لیے اُترے تھے اور بعض نے کہا کفار کے دلوں میں رُعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ واپس لوٹ گئے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتوں کے ساتھ مدد کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی تدبیر آپ علیہ السلام سے غار میں پھیری۔ پھر اپنی مدد کو فرشتوں کے ذریعے بدر میں ظاہر کیا۔ " وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى " اور ان کا کلمہ شرک بھی قیامت تک نیچا ہے۔ " وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا " قیامت کے دن تک۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ " لا اِلٰہ اِلاّ اللّٰہ " مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے " كلمة الّذين كفروا " جو انہوں نے آپس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے تدبیر کی تھی اور " كلمة اللّٰه " اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وہ ان کی مدد کریں گے اور یعقوب رحمہ اللہ نے " وكلمة اللّٰه " تاء کے زبر کے ساتھ اس بناء پر پڑھا ہے کہ اس کا " جعَلَ " کے پہلے مفعول " كلمة الّذين كفروا " پر عطف ہے اور اصل عبارت " وجعل كلمة الّذين كفروا السفلٰى. وجعل كلمة اللّٰه هى العليا " ہے۔ تو " كلمة اللّٰه " پہلے کا مفعول پر معطوف ہے اور " العليا " دوسرے مفعول پر معطوف ہے اور باقی حضرات نے " كلمة اللّٰه " پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ استئناف کی بناء پر۔ گویا کہ کلام باری تعالیٰ کے قول " وجعلوا كلمة الّذين كفروا السفلٰى " پر مکمل ہو گئی تھی۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا " وكلمة اللّٰه هى العليا " مبتداء اور خبر ہے کلمۃ اللہ مبتداء اور العلیا اس کی خبر ہے۔ " وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ "

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿42﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾

ترجمہ: نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے (ہو) اور خواہ زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کر دیہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو) اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی خدا کی قسمیں کھاجاویں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول بول) کر اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دیدی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں رخصت نہ مانگیں (بلکہ وہ حکم کے ساتھ دوڑ پڑیں گے) اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے البتہ وہ لوگ (جہاد میں نہ جانے سے) آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔

تفسیر: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس کی وجہ سے بڑی سختی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور فرمایا "لیس علی الضعفاء و لا علی المرضیٰ" پھر ان منافقین کے بارے آیت نازل کی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔

⑪ "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" حسن، ضحاک، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بوڑھے اور جوان نکلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چست اور غیر چست سب نکلو۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیدل اور سوار۔ ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خفافًا" یعنی فقراء۔ "ثقالًا" یعنی مالدار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "خفافًا" جن کو مال کی وسعت ہو اور ثقالاً جن پر مالی تنگی ہو اور بعض نے کہا "خفافًا" کم ہتھیار والے اور ثقالاً زیادہ ہتھیار والے۔ حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصروف ہو یا فارغ۔ مرۃ ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تندرست ہو یا مریض۔ یمان بن رباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کنوارے ہو یا شادی شدہ اور بعض نے کہا کہ "خفافًا" یعنی جب کوچ کا اعلان سنو تو جلدی سے نکل پڑو۔ "ثقالًا" غور و فکر اور تیاری کے ساتھ نکلو۔ " وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی آنکھ ختم ہو چکی تھی پھر بھی جہاد کے لیے نکلے تو ان کو عرض کیا گیا کہ آپ کو تکلیف ہے آپ نہ جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خفیف و ثقیل سے نکلنے کا کہا ہے۔ اگر میں لڑ نہیں سکتا تو مسلمانوں کی تعداد بڑھاؤں گا اور سامان کی حفاظت کروں گا۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان "وما کان المؤمنون لینفروا" کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔

㊷ "لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا" اور کان کا اسم مضمر ہے یعنی جس کی طرف ہم ان کو بلا رہے ہیں وہ ایسی غنیمت ہوتی جس کا حاصل کرنا قریب ہو " وَّسَفَرًا قَاصِدًا" قریب اور آسان " لَّا تَّبَعُوْكَ" تو وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ نکلتے " وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ " یعنی مسافت۔ شقہ دور کے سفر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان پر گراں ہوتا ہے اور بعض نے کہا "شقة" وہ انتہا جس کا ارادہ کر کے چلا جائے۔ " وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ" یعنی جھوٹی قسموں کے ساتھ " وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ" اپنی قسموں میں کیونکہ ان کے پاس طاقت تھی۔

㊸ "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو کام ایسے ہیں جو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کیے ہیں۔ ❶ منافقین کو اجازت دینا ❷ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جگہ عتاب فرمایا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی اور لطف کو تو دیکھو کہ ابتداء معافی سے کی ہے پھر عار دلائی ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی عزت کی ہے اور آپ علیہ السلام کا مقام بلند کیا ہے اور بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے دائمی عفو کریں۔ " لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ پیچھے رہ جانے کی حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا اپنے عذروں میں وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ" یعنی آپ علیہ السلام جان لیں کہ کون اپنا عذر بیان کرنے میں سچے ہیں اور کن کو کوئی عذر نہ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن آپ علیہ السلام منافقین کو نہ جانتے تھے۔

㊹ "لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی آپ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت نہ مانگیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ"

㊺ "اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی شک میں ہیں اور منافق ہیں فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ" حیران و پریشان ہیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ㊻ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ㊼ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ㊽

(ترجمہ) اور اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوا اس کے کہ اور دونا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے اور (اب بھی) تم میں ان کے کچھ

جاسوس موجود ہیں اوران ظالموں کواللہ خوب سمجھے گا انہوں نے تو پہلے (جنگ احد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی تھی اور آپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور (اس کا آنا یہ کہ) اللہ کا حکم غالب رہا اوران کو ناگوار ہی گزرتا رہا۔

تفسیر ㊻ "وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ" جنگ کی طرف "لَاَعَدُّوْا لَهٗ یعنی اس کیلئے تیاری کریں عُدَّةً" تیاری اور قوت ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کے ذریعے۔ "وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ" ان کا نکلنا "فَثَبَّطَهُمْ" ان کو نکلنے سے روک دیا "وَقِیْلَ اقْعُدُوْا" اپنے گھروں میں "مَعَ الْقٰعِدِیْنَ" مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ اور بعض نے کہا عورتوں اور بچوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا قول (وقیل) یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو کہا تم بیٹھ جاؤ اور کہا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں وحی کی اور رسوائی کے اسباب کا ان کو ابہام کیا گیا ہے۔

㊼ "لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبوک کی طرف جہاد کا حکم دیا تو اپنے لشکر کو ثنیۃ الوداع پر مقرر کیا اور عبداللہ بن ابی کو ثنیۃ الوداع سے نیچے اس کا لشکر کافی تعداد میں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تو پیچھے عبداللہ بن ابی کے پاس منافقین اور شک والے رہ گئے، اور یہ جہاد کیلئے نہیں نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے یہ آیت اُتاری "لو خرجوا" یعنی منافقین "فیکم تمہارے ساتھ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا" یعنی فساد اور شر اور فساد کا مطلب یہ ہے کہ وہ تم میں بزدلی ڈال دیتے۔ "وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ "تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیتے، چغلی اور ایک کی بات دوسرے کی طرف نقل کر کے۔ "یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ یعنی تمہارے لیے وہ تلاش کرتے ہیں جس کے ذریعے تم فتنہ میں پڑ جاؤ۔ وہ کہتے ہیں تمہارے لیے یہ اور یہ جمع کیا گیا ہے اور تم شکست کھا گئے ہو اور عنقریب تمہارے دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یبغونکم الفتنة" یعنی شر اور سرکشی اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فتنہ شرک ہے اور کہا جاتا ہے "بغیة و ابغیعه بغیا اذا التمسته له" یعنی میں نے اس کے لیے سرکشی کی۔ وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ " مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کے مخبر ہیں جو تمہاری بات سن کر ان تک پہنچا دیتے یعنی جاسوس اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کی اطاعت کرنے والے لوگ ہیں یعنی ان کی کلام سن کر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ "وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ"

㊽ "لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ " یعنی انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو دین سے روکنے کی کوشش کی اور لوگوں کے ہاتھوں آپ لوگوں کو رُسوا کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے جیسے عبداللہ بن اُبی غزوہ اُحد کے دن اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ " وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ آپ کے دین اور رائے کو باطل کرنے کی کوشش کی۔ آپ علیہ السلام سے لوگوں کو ورغلانے اور متفرق کرنے کے ذریعے۔ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ مدد اور کامیابی آ جائے وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا دین وَهُمْ كٰرِهُوْنَ"

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ ؕ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌ ۢ

بِالْكٰفِرِيْنَ ۝49 اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا
مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝50 قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝51 قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ
بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ (۵۲)

ترجمہ اور (ان منافقین متخلفین) میں سے بعض شخص وہ جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیے خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ (آخرت میں) ان کافروں کو گھیرے گی۔ (اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے اور آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو (وہ خوش ہو کر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور (یہ کہ) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں آپ فرما دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا یا آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے سو تم (اپنے طور پر) انتظار کرو اور ہم تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) انتظار میں ہیں۔

جد بن قیس کے متعلق آیت کا نزول

تفسیر 49 "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ" یہ آیت جد بن قیس منافق کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی طرف سفر کی تیاری کی تو جد نے کہا اے اللہ کے رسول! میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بہت خواہش مند ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے بنو اصغر کی لڑکیاں دیکھیں تو ان سے صبر نہ کر سکوں گا۔ مجھے جنگ میں نہ جانے کی اجازت دیں اور ان عورتوں کے ذریعے میری آزمائش نہ کریں، میں آپ علیہ السلام کی مالی مدد کر دوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جد بن قیس نے یہ وجہ بیان کی حالانکہ نفاق کے علاوہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "ومنھم" منافقین میں سے "من یقول ائذن لی" پیچھے رہ جانے کی۔ "ولا تفتنی" بنو اصغر کی لڑکیوں سے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ مجھے گناہ گار نہ کریں۔ " اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا " یعنی شرک اور گناہ میں اپنے نفاق کی وجہ سے واقع ہو گئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کر کے " وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ " ان کو اپنے اندر جمع کرنے والی ہے۔

⑤⓪ "اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَةٌ " نصرت اور غنیمت "تَسُؤْهُمْ " ان کو غمگین کردیتی ہے یعنی منافقین کو " وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِيْبَةٌ" قتل اور شکست " یَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا یعنی ہم نے جنگ سے پیچھے رہ جانے کا فیصلہ سمجھ سے لیا۔ مِنْ قَبْلُ اس معصیت سے پہلے وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ خوش ہوتے ہیں اس مصیبت کی وجہ سے جو آپ کو پہنچی ہے۔

⑤① "قُلْ ان کو اے محمدؐ لَّنْ یُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ہم پر لوح محفوظ هُوَ مَوْلٰنَا ہمارا امدد گار اور حافظ ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری ذات سے اولیٰ ہے موت اور زندگی میں وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ"

⑤② "قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ " اے منافقو! کیا تم انتظار کر رہے ہو "اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ " یا تو مدد اور غنیمت یا شہادت اور مغفرت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرے اور گھر سے صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے کلمات کی تصدیق اس کو نکالے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے یا وہ اپنے گھر لوٹ آئے اجر اور غنیمت لے کر۔

"وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ برائیوں میں سے ایک کا اَنْ یُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ تو تمہیں پہلی اُمتوں کی طرح ہلاک کردے گا۔ اَوْ بِاَيْدِيْنَا مؤمنین کے ہاتھوں سے اگر تم اپنے دل کا بغض ظاہر کردو۔ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم شیطان کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم اللہ کے وعدوں کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کو ظاہر کرے گا اور مخالفین کی بیخ کنی کرے گا۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑤③ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ⑤④ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ⑤⑤

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے کسی طرح (خدا کے نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو اور ان کے خیر خیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ سفر کیا اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں (بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے گا اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جاوے۔

تفسیر ⑤③ "قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا "امر شرط اور جزاء کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر تم خوشی سے یا جبراً خرچ کرو۔ یہ آیت جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس نے جنگ میں نہ جانے کی اجزت مانگی اور کہا کہ میں اپنے مال سے مدد کروں

گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ اس لئے کہ تم كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ"

۵۴ "وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یقبل" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فعل کے مقدم ہونے کی وجہ سے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ اس لیے کہ فعل جمع مؤنث (نفقات) کی طرف مسند ہے۔ اس لیے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فاعل مؤنث ہے۔ نَفَقٰتُهُمْ ان کے صدقات اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ان کے نفقات کے قبول کرنے سے مانع ان کا کفر ہے۔ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى" بوجھل قدموں کے ساتھ کیونکہ وہ اس نماز کی ادائیگی پر ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اس کے چھوڑنے پر عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ منافقین کی تو نماز ہی قبول نہیں، پھر نماز میں سستی پر کیوں مذمت کی؟ جواب یہ ہے کہ مذمت اس کفر پر ہے جو ان کو نماز میں سستی پر اُبھارتا ہے کیونکہ کفر سست کر دیتا ہے اور ایمان چست کرنے والا ہے۔ "وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ" اس لیے کہ وہ اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔

۵۵ "فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ" اعجاب کسی عجیب چیز کو دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی آپ اس مال اور اولاد کو اچھا نہ سمجھیں جو ہم نے ان کو دیا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو ڈھیل دیتے ہیں تو اس کا مال اور اولاد زیادہ کر دیتے ہیں۔" اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اگر یہ اعتراض ہو کہ مال اور اولاد میں کیسا عذاب ہے حالانکہ وہ لوگ تو دُنیا میں اس کو بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی اصل ہے "فلا تعجبک اموالهم ولا اولادهم في الحيٰوة الدنيا انّما يريد اللّٰه ليعذبهم بها في الأخرة" اور بعض نے کہا عذاب جو مال اور اولاد میں مصائب کی صورت میں آئیں گی۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو دُنیا میں عذاب دے گا اس مال سے زکوٰۃ لے کر اور اللہ کے راستے میں خرچ کروا کر۔ اور بعض نے کہا ہے ان کو اس کے جمع کرنے میں تھکا کر اور اس کی حفاظت میں اُکتا کر اور اس کے خرچ کو ناپسند کر کے اور اس کا وارث ایسے لوگوں کو بنا کر جو اس کی تعریف نہیں کرتے، ان سب کے ذریعے عذاب دیتے ہیں۔" وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ یعنی نکلتا ہے وَهُمْ كٰفِرُوْنَ "یعنی کفر پر مریں گے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۵۸

ترجمہ اور یہ (منافقین) لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں سے نہیں لیکن (بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی تو یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی خدا سی جگہ یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات (تقسیم کرنے) کے بارہ میں آپ پر

طعن کرتے ہیں سو اگر ان صدقات میں سے (ان کی خواہش کے موافق) ان کو مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے موافق) نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ⑤⑥ "وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ" یعنی تمہارے دین پر ہیں۔ "وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ" اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کا دین نہ ظاہر ہو جائے۔

⑤⑦ "لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً" کوئی ٹھکانہ یا قلعہ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائے فرار اور بعض نے کہا ہے کہ حفاظت کا مقام جن میں پناہ لی جا سکتی ہے۔ "اَوْ مَغٰرٰتٍ" پہاڑوں میں غاریں مغارۃ کی جمع ہے وہ پہاڑی غار جس میں تو چھپے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرنگ اور تہہ خانے۔ "اَوْ مُدَّخَلًا" داخل ہونے کی جگہ یہ ادخل یدخل سے ہے اس کی اصل مدتخل بروزن مفتعل ہے۔ دخل یدخل سے مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائے پناہ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہہ خانہ مراد ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوہوں کی بل کی طرح زمین میں کوئی بل حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا طریقہ جس میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف داخل ہوں اور یعقوب رحمہ اللہ نے "مَدْخَلاً" میم کے زبر اور دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی داخل ہونے کی جگہ۔ "لَوَلَّوْا اِلَيْهِ" تو وہ اس کی طرف بھاگتے تم سے پیٹھ پھیر کر "وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ" وہ انکار میں دوڑ رہے ہوتے۔ ان کو کوئی چیز واپس نہیں لاسکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کوئی اور راستہ پاتے تو تم سے جدا ہو جاتے۔

⑤⑧ "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ" یہ آیت ذوالخویصرۃ تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے۔ یہی خوارج کی بنیاد ہے۔

آیت کا شانِ نزول

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ علیہ السلام مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ علیہ السلام کے پاس ذوالخویصرہ آیا۔ یہ بنوتمیم کا آدمی ہے کہنے لگا اے اللہ کے رسول! آپ انصاف کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو برباد ہو، میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا، میں خسارہ والا ہو گیا، اگر میں انصاف نہ کروں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کے کچھ ساتھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ یہ قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ان کی گردن سے نیچے نہیں اُترتا۔ یہ دین سے اس طرح گزر جائیں گے جیسا کہ تیر اپنے ہدف سے تیزی سے گزر جاتا ہے گوبر اور خون کے پار ہو جاتا ہے (اس کے باوجود) اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا کہ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو اس میں خون کا کوئی اثر نہ پایا جائے۔ دونوں پروں کو دیکھا جاتا ہے تو ان پر کچھ نہیں ہوتا اور شکار پر بھی کچھ نہیں پایا جاتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنی اور گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک منافق شخص جس کو ابوالجوط کہا جاتا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ نے برابری کے ساتھ تقسیم نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ومنهم من يلمزك في الصدقات" یعنی آپ پر عیب لگاتا ہے۔ جب تو کسی کو عیب لگائے کہا جاتا ہے "لَمْزَہ وهَمَزَہ" یعنی منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہیتے لوگوں کو دیتے ہیں۔ اور یعقوب رحمہ اللہ نے "يلمزك" اور اسی طرح الحجرات میں "يلمزون" اور "ولا تلمزوا" ہر ایک کو میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "يلمِز ويلمُز" اور "يعكِف اور يعكُف" کی طرح اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "يلمزك" یعنی آپ کی زیارت کرتے ہیں یعنی آپ کا امتحان لیتے ہیں۔ " فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَاهُمْ يَسْخَطُوْنَ " بعض نے کہا جب ان کو زیادہ دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر کم دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ترجمہ اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسولؐ دینگے ہم (اول سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑاتے رہنے اور قرض داروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ﴿۵۹﴾ "وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے جو تقسیم کر دیں اس پر قناعت کریں۔ "وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ" ہمیں اللہ کافی ہے۔ "سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ" جن کے ہم محتاج ہیں۔ " إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ " اس بات میں کہ وہ ہم پر اپنے فضل سے وسعت کرے اور ہمیں صدقہ وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے اموال سے غنی کر دے اور "لو" کا جواب محذوف ہے۔ یعنی ان کے لیے بہتر ہوتا۔

صدقات کے مصارف کا بیان

﴿۶۰﴾ "إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقین بیان کیے ہیں اور ان کی

آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے بیعت کی تو ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا مجھے صدقات میں سے کچھ دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقات میں نہ اللہ اپنے نبی کے فیصلہ پر راضی ہیں اور نہ کسی اور کے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ کیا ہے اور ان کو آٹھ قسموں پر مقرر کر دیا ہے اگر تو ان قسموں میں سے کسی قسم پر ہے تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا۔

"لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" صدقہ کی اقسام میں سے پہلی قسم فقراء ہیں۔ دوسری، مساکین۔ علماء کا فقیر اور مسکین کی تعریف میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر جو سوال نہ کرے اور مسکین جو سوال کرے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں ہے جو ایک ایک درہم جمع کرے اور ایک ایک کھجور جمع کرے لیکن جو اپنے نفس اور کپڑے کو صاف کرے اور کسی شے پر قادر نہ ہو۔ ان کو جاہل سوال نہ کرنے کی وجہ سے مال دار سمجھتے ہوں تو یہ فقیر ہے۔

فقیر و مسکین کی تعریف اور مختلف اقوال

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر اپاہج محتاج اور مسکین تندرست محتاج۔ عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فقراء مسلمانوں میں سے اور مساکین اہل کتاب میں سے مراد ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ شخص جس کے پاس نہ مال ہو نہ ہنر، خواہ اپاہج ہو یا تندرست اور مسکین وہ شخص جس کے پاس مال یا ہنر تو ہو لیکن اس کو غنی نہ کرتا ہو۔ وہ خود سوال کرے یا نہ کرے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسکین کی حالت فقیر سے بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اما السفینة فکانت للمساکین" کہ ان کے لیے ملکیت کو ثابت کرنے کے باوجود ان کو مسکین کہا ہے اور اصحاب رائے کے نزدیک فقیر کی حالت مسکین سے بہتر ہوتی ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقراء سے مراد مہاجرین اور مساکین سے مراد جن مسلمانوں نے ہجرت نہ کی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ فقر و مسکنت حاجت اور ضعف مال کا نام ہیں۔ پس فقیر وہ محتاج کہ ضروریات نے اس کی کمر توڑ دی ہو اور مسکین وہ شخص کہ اس کی جان کمزور ہو گئی ہو اور روزی کی تلاش میں حرکت سے عاجز آ گیا ہو۔

عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ان کو خبر دی کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے صدقہ کا سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے ان کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر تم دونوں چاہو تو میں تمہیں دوں گا اور ان صدقات میں مالدار اور قوت والے کمانے والے کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

غناء کی مقدار کتنی ہے جس کیلئے صدقہ لینا جائز نہیں

علماء کا اس غناء کی حد میں اختلاف ہے جو صدقہ لینے سے مانع ہو۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کے اور اس کے عیال کو ایک سال کے لیے کافی ہو اور یہی امام مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے اور اصحاب

رائے رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ دوسودرہم کا مالک ہو اور ایک قوم نے کہا ہے کہ جو شخص پچاس درہم کا مالک ہو اس کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں سے سوال کیا اور اس کے لیے اتنا مال ہے جو اس کو کافی ہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک زخم ہوگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا۔ یارسول اللہ! کتنا مال بندہ کو غنی کردیتا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پچاس درہم یا اس کی قیمت سونا اور یہی سفیان ثوری رحمہ اللہ، ابن مبارک، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ آدمی کو زکوٰۃ میں سے پچاس درہم سے زیادہ دیئے جائیں اور بعض نے کہا چالیس درہم کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر مال ہے تو اس نے اصرار سے سوال کیا۔ **"والعاملین علیھا"** یہ وہ لوگ ہیں جو صدقات کی مال داروں سے وصولی میں کوشش کرتے ہیں اور اس کو مستحقین پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ خواہ مال دار ہو یا فقیر ان کے عمل کی اُجرت کے برابر ان کو دیا جائے گا۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو صدقہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

مؤلفۃ قلوب کا مصداق کون ہیں؟

"والمؤلفۃ قلوبھم" صدقہ کے مستحقین کی چوتھی قسم مؤلفۃ قلوب ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) کافر۔ پھر مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک قسم وہ لوگ جو اسلام میں تو داخل ہوگئے تھے لیکن ان کی نیت کمزور تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل کو جمانے کے لیے دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عیینہ بن بدر اور اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم کو دیا۔ وہ لوگ جو اسلام لائے اور ان کی نیت اسلام میں پختہ تھی اور یہ اپنی قوم کے معززین تھے جیسے عدی بن حاتم، زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیتے تھے ان کی قوم کو مائل کرنے اور ان جیسے دوسروں کو ترغیب دینے کے لیے تو ان لوگوں کو امام غنیمت کے خمس اور فیئی میں سے دے سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیتے تھے لیکن صدقات میں سے نہ دیتے تھے اور دوسری قسم وہ مسلمان بھی داخل تھے جن کے ہاں کافروں کے مقابلہ کیلئے کوئی مسلمان فوج اتری ہو مگر مسلمانوں کی مقامی امداد کے بغیر وہ لشکر اپنے نشانہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مقامی مسلمان جہاد میں شرکت کیلئے تیار نہ ہوں' خواہ اپنی بدحالی کی وجہ سے یا ایمان کی کمزوری کے سبب سے' ایسی صورت میں حاکم کیلئے جائز ہے کہ مجاہدوں کے حصہ کے مال غنیمت میں سے اور بقول بعض مؤلفۃ القلوب کے زکوٰۃ کے حصہ میں سے ان مسلمانوں کو کچھ دے دے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ کے تین سو اونٹ وصول کرکے لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اُس میں سے تیس اونٹ دیئے اور کافروں میں سے **"مؤلفۃ قلوب"** وہ ہیں کہ جن کے اسلام کی اُمید ہو یا اس کے شر کا خوف ہو تو امام ان کے شر سے بچنے کے لیے یا ان کو اسلام کی طرف راغب

کرنے کے لیے کچھ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خمس کا خمس دیتے تھے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے صفوان بن اُمیہ کے اسلام کی طرف میلان کو دیکھ کر ان کو بھی دیا لیکن اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی ہے (اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں) اور اس سے بے پرواکر دیا ہے کہ اسلام کی طرف لوگوں کو مائل کریں تو کسی مشرک کو کسی حال میں دینا جائز نہیں ہے۔

اکثر اہل علم اسی بات کے قائل ہیں ان کا حصہ اب ختم ہے۔ یہی بات اور شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اسی کے امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ اور اصحاب رائے قائل ہیں اور ایک قوم نے کہا ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ یہی بات حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی زہری اور ابوجعفر رحمہم اللہ محمد بن علی اور ابوثور رحمہما اللہ کا قول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو تو ان کو دیا جائے گا۔ ''وفی الرّقاب'' پانچویں قسم رقاب ہے اور یہ وہ مکاتب ہیں کہ ان کا صدقہ میں حصہ ہے۔ یہی اکثر فقہاء کا قول ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، نخعی، زہری، لیث بن سعد اور شافعی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس مال کے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں اور یہ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام مالک اور احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ ''والغارمین'' چھٹی قسم غارمین ہے ان کی دو قسمیں۔ ایک قسم وہ لوگ جنہوں نے اپنی ضرورت کے لیے قرض لیا ہو لیکن کسی گناہ کے کام کے لیے قرض نہ لیا ہو تو اگر ان کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنا قرضہ اُتار سکیں تو صدقہ میں سے ان کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر قرضہ ادا کرنے کا مال ہو تو ان کو نہ دیا جائے گا اور ایک قسم وہ لوگ جنہوں نے نیکی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے قرض لیا ہو تو ان کو بھی صدقہ کے مال سے اتنا دیا جائے گا کہ وہ قرضہ ادا کرلیں۔ اگرچہ یہ مالدار ہوں۔

غنی کیلئے صدقہ لینے کی اجازت کس طرح ہے

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ آدمیوں کے ① اللہ کے راستے میں لڑنے والا ② مقروض کے لیے ③ ایسے شخص کے لیے جو اس صدقہ کو اپنے مال سے خریدلے۔ ④ یا ایسے آدمی کے لیے کہ اس کے مسکین پڑوسی ہوں ان پر صدقہ کیا جائے تو کوئی مسکین اس غنی کو ہدیہ کردے۔

⑤ اس صدقہ کی وصولی کے لیے کام کرنے والے کے لیے لیکن جس نے کسی معصیت کے کام کے لیے قرضہ لیا ہو تو اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ ''وفی سبیل اللّٰہ'' اس سے مراد مجاہدین ہیں ان کے لیے صدقہ میں حصہ ہے کہ جب وہ غزوہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کریں گے تو ان کو صدقہ دیا جائے گا اور جہاد میں جن چیزوں کی ضرورت ہو وہ بھی دی جائیں گی جیسے سفر خرچ، کپڑے، ہتھیار، سواری۔ اگرچہ یہ مال دار ہوں اور حج کرنے کے لیے صدقہ نہ دیا جائے گا اکثر اہل علم کے نزدیک۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کا حصہ حج کے لیے بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی حسن اور احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔

''وابن السبیل'' اور آٹھویں قسم ابناء السبیل کی ہے۔ پس جو شخص مباح سفر کا ارادہ کرے اور اس کے لیے اس سفر کا کرایہ

نہ ہو تو اس کو صدقہ میں سے اتنا حصہ دینا جائز ہے کہ وہ اپنا سفر کر سکے چاہے جس شہر کی طرف جا رہا ہے وہاں اس کا مال ہو یا نہ ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن السبیل مسافر ہے اور عراق کے فقہاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن السبیل سے وہ حاجی مراد ہے جو قافلہ سے پیچھے رہ گیا ہو۔ "فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"

صدقات کی تقسیم کیسے کی جائے گی

اہل علم اور فقہاء رحمہم اللہ کا صدقات کی تقسیم کی کیفیت سے اختلاف ہے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ بعض اصناف کی طرف خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جب تمام اصناف موجود ہوں تو سارا مال بعض پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور یہی عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے مال میں سے ان چھ قسموں میں سے ہر ایک پر خرچ کرے جن کا حصہ ثابت ہے برابر خرچ کرے اور علماء رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر سارا صدقہ ان اقسام میں سے ایک قسم یا ان میں سے کسی قسم کے ایک شخص پر خرچ کر دے تو بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ قسموں کا نام لے کر یہ بتا دیا کہ ان کے علاوہ کسی مصرف میں نہیں خرچ کر سکتے۔ یہ واجب نہیں کیا کہ تمام قسموں میں برابر تقسیم کرنا ہے۔ یہی حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور سعید بن جبیر اور عطاء رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور اسی کی طرف سفیان ثوری اور اصحاب رائے گئے ہیں اور اسی کے امام احمد رحمہ اللہ قائل ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک قسم کو دینا بھی جائز ہے لیکن مال کو سب قسموں پر تقسیم کرنا اولیٰ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حاجت مندوں کو تلاش کرے اور جو زیادہ ضرورت مند ہو وہ اولیٰ ہے۔ اگر کسی سال فقراء زیادہ ضرورت مند ہوں تو ان کو مقدم کرے اور اگر دوسرے سال دوسری قسم میں سے کوئی زیادہ ضرورت مند ہو تو ان کو مقدم کرے۔

اور جس کو صدقہ دیا جائے اس کے استحقاق سے زیادہ نہ دیا جائے۔ فقیر کو اس کے غنا کی مقدار پر زائد نہ دیا جائے۔ جب اس کو تھوڑا اتنا حاصل ہو جائے تو پھر اس کو نہ دیا جائے۔ اگر وہ ہنر مند ہے لیکن ہنر کے اوزار نہیں ہیں تو اس کو اتنی مقدار دی جائے جس سے ہنر کے اوزار خرید سکے اور عامل کو اس کے عمل کی اُجرت سے زیادہ نہ دیا جائے اور مکاتب کو بدل کتابت سے زیادہ نہ دیا جائے اور مقروض کو اس کے قرضہ سے زائد نہ دیا جائے اور مجاہد کو اس کے آنے جانے اور معرکہ جنگ میں قیام اور جن ہتھیاروں اور سواری کی ضرورت ہے اتنا نفقہ دیا جائے اور مسافر کو اس کی منزل مقصود اور اپنے مال تک پہنچنے جتنا خرچ دیا جائے۔

صدقات ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو سکتے ہیں

اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف صدقہ کو منتقل کرنے میں اختلاف ہے جب اس شہر میں بھی مستحقین موجود ہوں تو اکثر اہل علم نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا، آپ اہل کتاب کی قوم کے پاس جارہے ہیں، ان کو اس بات کی گواہی کی طرف بلائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو دیا جائے گا، اگر وہ اس کو مان لیا تو آپ ان کے عمدہ مال کو لینے سے بچیں اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیونکہ اس کی (بددعا) اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے تو اس حدیث نے دلالت کی ہے کہ ہر قوم کے صدقات اسی قوم کے فقراء پر خرچ کیے جائیں گے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جب صدقات ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیئے جائیں تو فرض ادا ہو جائے گا مگر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے زمانہ میں صدقات خراسان سے شام منتقل کیے گئے تھے تو انہوں نے واپس خراسان منتقل کر دیا تھا۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

ترجمہ اور ان (منافقین) میں سے بعضے ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ نبی کان دیکر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر (ہی خیر) ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مومنین کا یقین کرتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہو گی یہ لوگ تمہارے سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں (جس میں مال و جان محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں۔

تفسیر ⑥١ "وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ" یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے تھے اور نامناسب باتیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کہتے کہ ایسا کام نہ کرو کیونکہ ہمیں خوف کہ ان تک تمہاری باتیں پہنچ گئیں تو ہم پر کوئی مصیبت آجائے گی تو جلاس بن سوید کہنے لگا ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ان کے پاس جا کر انکار کر دیں گے اور قسمیں اُٹھائیں گے تو وہ ہماری بات کی تصدیق کر دیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذن ہیں۔ جب کوئی شخص جو کچھ اس کو کہا جائے اس کو سن لے اور قبول کر لے تو اس کو کہا جاتا ہے "فلان اذن سامعة" اور بعض نے کہا اذن بمعنی کان والے ہیں یعنی ذو اذن۔ اور محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے ایک شخص نبتل بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص کان کٹا ہوا سرخ آنکھوں، سیاہ رُخساروں والا بدصورت تھا۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو شیطان کی طرف دیکھنا پسند ہو تو وہ نبتل بن حارث کی طرف دیکھ لے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں منافقین کو جا کر بتاتا تھا۔ اس کو کہا گیا کہ ایسا نہ کر تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذن ہیں جو ان کو کوئی بات کہے اس کی تصدیق کر دیتے ہیں تو ہم جو چاہیں کہہ لیں۔ پھر جب ان کے پاس آتے ہیں اور اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو وہ ہماری تصدیق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ" یعنی خیر اور تمہاری بھلائی کی باتیں سنتے ہیں شر اور فساد کی باتیں نہیں سنتے۔ یہ معنی اس وقت ہے جب اذن کو خیر کی طرف مضاف کیا جائے جیسا کہ اکثر حضرات کی قرأت ہے اور اعشی اور برجمی نے ابوبکر رحمہ اللہ سے دونوں کو تنوین کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے "اذنٌ خيرٌ" یعنی اگر وہ تم سے سن کر تمہاری تصدیق کر دیتے ہیں تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کریں اور تمہاری بات کو قبول نہ کریں۔ پھر ان کی بات کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ " يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ" یعنی نہیں بلکہ وہ تو اللہ پر ایمان لاتے ہیں "وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی مؤمنین کی بات کی تصدیق کرتے ہیں نہ کہ منافقین کی بات کی۔ کہا جاتا ہے امنته و امنت له یہ (صدقتہ میں نے اس کی تصدیق کی) "ورحمۃ حمزہ نے (وَرَحْمَةٍ) زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی کی بناء پر کہ (اذن خیرلکم) و (اذن رحمة) اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ھو اذن خیر وھو رحمة لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ" کیونکہ یہ مؤمنین کے ایمان کا سبب ہے۔" وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"

⑥② "يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ" قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ منافقین کے کچھ لوگ جمع ہوئے، ان میں جلاس بن سوید اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم چھوٹے گدھے سے بھی برے ہیں اور ان کے پاس ایک انصاری لڑکے عامر بن قیس رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے تو انہوں نے ان کی بھی تحقیر کی اور یہ باتیں بھی کہیں تو اس لڑکے کو غصہ آ گیا اور کہا اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ حق ہے اور تم چھوٹے گدھے سے بھی برے ہو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ علیہ السلام کو ساری بات بتائی تو آپ علیہ السلام نے ان کو بلوایا اور پوچھا تو وہ مل کر قسمیں کھانے لگے کہ عامر جھوٹا ہے اور عامر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کر دی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ! سچے کو سچا کر دے اور جھوٹے کو جھوٹا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ علیہ السلام واپس آئے تو آپ علیہ السلام کے پاس آ کر عذر کرتے اور قسمیں کھاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "یحلفون باللہ لکم لیرضوکم وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ"

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ⑥③ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ⑥④

ترجمہ: کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کا عذاب اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (اور) یہ بڑی رسوائی ہے منافق لوگ اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت (مثلاً یا آیۃ) نازل نہ ہو جاوے جو ان کو ان کے مافی الضمیر پر اطلاع دے دے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزا کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

تفسیر: 63 "اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جانب میں ہو جائیں فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ" یعنی بڑی رسوائی۔

64 "یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ" یعنی منافقین ڈرتے ہیں کہ " اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ "یعنی مؤمنین پر " سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ " یعنی جو حسد اور دشمنی منافقین کے دلوں میں ہے یہ باتیں وہ آپس میں کرتے تھے اور چھپاتے تھے اور اس رسوائی سے ڈرتے تھے کہ قرآن ان کی حالت نہ بیان کر دے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا نام فاضحہ (رسوا کرنے والی) مجثرہ اور مثیرہ ہے کیونکہ اس نے ان کی رسوائیاں پھیلائیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر منافقین کے نام بمع ولدیت قرآن میں اُتارے۔ پھر مؤمنین پر شفقت کرتے ہوئے ان کے ناموں کا ذکر منسوخ کر دیا کیونکہ ان منافقین کی اولاد مؤمن تھی تو کوئی ان کو عار نہ دلائے۔ "قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ ظاہر کرنے والا ہے مَّا تَحْذَرُوْنَ"

آیت کا نزول بارہ منافقین کے بارے میں ہوئی

ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بارہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو یہ لوگ ایک گھاٹی میں چھپ گئے تاکہ آپ علیہ السلام کو قتل کر سکیں، ان کے ساتھ ایک مسلمان بھی تھے جو اپنی حالت چھپائے ہوئے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کی ساری تدبیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھیج کر ان کی سواریوں کے چہروں کو مروائیں۔ اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی سواری کو کھینچ رہے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانک رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کی سواریوں کے چہروں کو ماریں تو انہوں نے مارا اور ان کو بھگا دیا۔ جب آپ علیہ السلام نے پڑاؤ کیا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس قوم میں سے آپ رضی اللہ عنہ کس کو پہچانتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کسی کو نہیں پہچانتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں اور فلاں تھے اور سب کے نام ذکر کر دیئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ان کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ عرب کہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے

ساتھی کامیاب ہوئے تو ان کو قتل کرنا شروع ہو گئے بلکہ ہمیں اللہ ان کی طرف سے کافی ہے دبیلہ (پھوڑے کے ساتھ)۔

قیس بن عبادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کہا کہ کیا تمہارا اقتال اپنی رائے ہے؟ کیونکہ رائے تو غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی یا کوئی وصیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کی ہو؟ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی وصیت نہیں کی جو تمام لوگوں کی طرف نہ کی ہو اور فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری اُمت میں۔ شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ مجھے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے ان میں سے آٹھ کو پھوڑا جو کافی ہو گیا جو ان کے کندھوں میں ظاہر ہوا تھا یہاں تک کہ ان کے سینوں تک پہنچ گیا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥⑤ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ⑥⑥ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑥⑦

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ (ان سے) کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے تو اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے۔ بسبب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر) مخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان واتباع نبویؐ) سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں۔

تفسیر: ⑥⑤ "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ"

اس آیت کا نزول تین منافقین کے متعلق ہوا

کلبی، مقاتل اور قتادہ رحمہم اللہ نے آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں تھے تو آپ کے آگے تین منافق چل رہے تھے، دو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑا رہے تھے اور تیسرا ہنس رہا تھا، بعض نے کہا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ وہ روم پر غالب آ جائیں گے اور ان کے شہر فتح کر لیں گے، کتنی

عجیب بات ہے۔ اور بعض نے کہا وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ ہمارے ان ساتھیوں کے بارے میں جو مدینہ میں ہیں قرآن نازل ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اپنی سواریوں پر رک جاؤ اور ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے یہ بات کی ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو گپ شپ کر رہے تھے جیسے مسافر سفر طے کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا کہ وہ آپ علیہ السلام کے آگے دوڑتا آ رہا ہے اور پتھر اس کو زخمی کر رہے ہیں اور کہتا آ رہا تھا ہم تو صرف گپ شپ کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو فرما رہے تھے کہ کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تم استہزاء کرتے ہو اور اس کی طرف متوجہ نہ ہو رہے تھے اور اس پر کوئی بات زیادہ نہ کر رہے تھے۔ "قل یعنی اے محمد منافقین کو کہہ دیں قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ اس کی کتاب وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ"

⑥⑥ "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" اگر یہ اعتراض ہو کہ وہ تو پہلے سے ہی مؤمن نہ تھے پھر ان کو یہ کیسے کہا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کو ظاہر کیا ہے۔ " اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ" یہاں طائفہ سے ایک شخص مراد ہے۔ " نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ" استہزاء کی وجہ سے اور عاصم نے (نعف) نون اور اس کے زبر اور فاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ (نعذب) نون کے ساتھ اور دال کی زیر پر (طائفۃ) زبر اور دیگر حضرات نے (یعف) یاء اور اس کے پیش اور فاء کے زبر کے ساتھ (تعذب) تاء اور ذال کے زبر کے ساتھ (طائفۃ) مرفوع نائب فاعل ہونے کی بناء پر پڑھا ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص مخشی بن حمیر اشجعی کی توبہ قبول کی گئی۔ کہا گیا ہے کہ یہ شخص ہنستا تھا لیکن ان کی گفتگو میں حصہ نہ لیتا تھا اور ان کے ایک طرف ہو کر چل رہا تھا اور ان کی بعض باتوں کا انکار بھی کیا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی اور کہا اے اللہ! میں ہمیشہ ایک ایسی آیت سنتا جو مجھ پر پڑھی جاتی تھی اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل کمزور ہو جاتے۔ اے اللہ! تو میری وفات اپنے راستے میں شہادت کے ساتھ کر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے اس کو غسل دیا، میں نے اس کو کفن دیا، میں نے اس کو دفن کیا۔ تو یہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس جنگ میں شہید ہر شخص کی لاش ملی سوائے ان کے۔

⑥⑦ "اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ" یعنی وہ ایک دین پر ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ نفاق پر جمع ہونے میں ان کا معاملہ ایک ہے۔ " يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ" شرک اور معصیت کا حکم دیتے۔ " وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ" یعنی ایمان اور طاعت سے روکتے۔

" وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ " یعنی اپنے ہاتھوں کو صدقہ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں اور خیر کے کام میں ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ "نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ " انہوں نے اللہ کی طاعت چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دینا اور دنیا میں ہدایت دینا چھوڑ دیا اور آخرت میں ان پر رحمت کرنا چھوڑ دیا اور ان کو اپنے عذاب میں چھوڑ دیا۔ "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

وَعَدَاللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (علانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے لئے (سزائے) کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کردے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا (اے منافقو) تمہاری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہوچکے ہیں جو شدت قوت میں اور کثرت اموال واولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسا وہ لوگ گھسے تھے اور ان لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ضائع کئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔

تفسیر ﴿٦٨﴾ "وَعَدَاللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ" ان کو کافی ہے ان کے کفر میں جزاء وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کردیا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ" اور ان کیلئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

﴿٦٩﴾ "كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" یعنی تم نے اللہ کے حکم سے پھرنے میں وہی کام کیا جو تم سے پہلوں نے کیا تو تم پر ان کی طرح لعنت کی گئی۔ "كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً پکڑ اور روکنے میں وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ" یعنی ان کے شہوات کی پیروی کر کے اپنے دُنیا کے حصہ کے ساتھ نفع اُٹھالیا اور اس کو آخرت کا بدلہ سمجھ کر راضی ہوگئے۔ " فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ" اے کفار اور منافقین" كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ " اور تم ان کا راستہ چلے ہو۔"وخضتم" باطل میں اور اللہ پر جھوٹ بولنے میں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے اور مؤمنین سے استہزاء کرنے میں۔ "کالذی خاضوا یعنی جیسے وہ گھسے اور بعض نے کہا ہے کالذی یعنی کالذین خاضوا یہ اس وجہ سے کہ الذی اسم ناقص ہے (ما اور من) کی طرح اس کے ذریعے واحد اور جمع کو تعبیر کیا جاتا ہے اس کی نظیر باری تعالیٰ کا قول (کمثل الذی استوقد نارا) پھر فرمایا (ذھب اللہ بنورھم)...... اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ " یعنی جیسے ان کے اعمال ضائع ہوئے اور وہ خسارہ میں پڑے اسی طرح تمہارے اعمال ضائع ہوگئے اور تم خسارہ میں ہوگئے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہلے لوگوں کے طریقے

کا اتباع کرو گے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے ساتھ حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم ان کا اتباع کرو گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا پس اور کون؟ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نہیں ہیں لوگ مگر وہی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اُمتوں میں بنی اسرائیل کے زیادہ مشابہ ہو طریقہ اور سیرت میں، تم ان کے اعمال کی پیروی کرو گے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ تم بچھڑے کی عبادت بھی کرو گے یا نہیں؟

اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ⑦⓪ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ⑦① وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ⑦②

ترجمہ کیا ان لوگوں کو (ان) کے عذاب و ہلاک کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبرؑ صاف نشانیاں (حق کی) لے کر آئے (لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے) سو (اس بربادی میں) اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان کی ہمیشگی باغوں میں ہوں گے (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے یہ (جزائے مذکور) بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر ⑦⓪ "الم یاتهم" یعنی منافقین "نبا خبر الذین من قبلهم" جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی مخالفت کی اور ہماری مخالفت کی کیسے ہم نے ان کو عذاب دیا اور ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ "قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک کیے گئے "وعاد" ہوا کے ذریعے ہلاک کیے گئے۔ "وثمود" زلزلہ کے ذریعے "وقوم ابراهیم" نعمت کو سلب کرنے اور نمرود کو ہلاک

کرنے کے ساتھ۔ "واصحاب مدین" یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم سائبان کے دن کے عذاب سے ہلاک کی گئی۔
"والمؤتفکات" پلٹی ہوئی بستی ہم نے جس کا نچلا حصہ اوپر کردیا اور یہ لوط علیہ السلام کی قوم اوران کی بستیاں تھیں۔ "اتتھم رسلھم بالبیّنات" انہوں نے ان کی تکذیب کی اوران کی نافرمانی کی جیسے تم نے کیا اے کفار کی جماعت! تو عذاب کے جلد آنے سے ڈرو۔ "فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون"

⑪ "والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض" دین میں اور کلمہ اور مدد ونصرت ایک ہونے میں۔ "یأمرون بالمعروف" ایمان، طاعت اور خیر کا "وینھون عن المنکر" شرک اور معصیت اور اس کام سے جو شریعت میں معروف نہ ہو۔ "ویقیمون الصّلوٰۃ فرض کی ہوئی ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اُولٰئِک سیرحمھم اللہ اِنّ اللہ عزیز حکیم"

⑫ "وعد اللّٰہ المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ومساکن طیّبۃ پاکیزہ رہائش گاہیں۔فی جنّات عدنٍ" یعنی ہمیشگی کے باغات۔کہا جاتا ہے "عَدِنَ بِالْمَکَانِ" جب وہ اس میں رہائش پذیر ہو۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کا وسط ہیں۔عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہا جاتا ہے اس کے اِردگرد ستون ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں، اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید داخل ہوں گے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سونے کا محل ہے اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران داخل ہوں گے۔
عطاء بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن جنت میں ایک نہر ہے اس کے دونوں کناروں پر باغات ہیں۔
مقاتل اور کلبی نے کہا عدن جنت کے اندر ایک بہت اونچا درجہ ہے اس میں تسنیم کا چشمہ ہے اس درجہ کے اردگرد گھنے درخت ہیں جن سے ابتدائے آفرینش سے وہ گھرا ہوا اور ڈھانپا ہوا ہے اور اس وقت تک چھپا رہے گا کہ اس میں انبیاء، صدیق، شہید، صالح الاعمال اور وہ لوگ داخل ہوں گے جن کا داخلہ اللہ کی مشیت میں ہے عدن موتی یاقوت اور سونے کے محل ہیں۔عرش کے نیچے سے ایک پاکیزہ خوشبودار ہوا چلے گی اور اہل عدن کے پاس ڈھیروں سفید مشک لے کر آئے گی۔
"ورضوان من اللہ اکبر" یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان نعمتوں سے بڑی ہے جن میں وہ ہوں گے۔ "ذٰلک ھو الفوز العظیم"
ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے اے اہل جنت کیا تم راضی ہو؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ راضی ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تمہیں اس سے افضل نہ دوں؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! کون سی چیز اس سے افضل ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تم پر اپنی رضامندی اُتاری، اب میں تم پر اس کے بعد ہمیشہ ناراض نہ ہوں گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اے نبی کفار سے (بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کی اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری) کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہوگئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی اور یہ انہوں نے صرف اس کا بدلہ دیا تھا کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کرلیں تو ان کے لئے (دونوں جہانوں میں) بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔

تفسیر: ﴿۷۳﴾ "يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ" تلوار اور قتل کے ساتھ " وَالْمُنٰفِقِيْنَ "منافقین سے جہاد کے طریقے میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اگر طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کے ساتھ اور اگر طاقت نہ ہو تو اپنے دل کے ساتھ اور فرماتے ہیں کہ منافقین کو سخت چہرے کے ساتھ طلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زبان کے ساتھ اور نرمی چھوڑ کر اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سخت گفتگو کر کے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر حدود قائم کر کے۔ " وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَاْوٰهُمْ "آخرت میں" جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ "عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت نے عفو و درگزر کی تمام آیات کو منسوخ کر دیا ہے۔

آیت يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر

﴿۷۴﴾ "يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے سائے میں تشریف فرما تھے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بے شک عنقریب تمہارے پاس ایک ایسا انسان آئے گا جو تمہاری طرف شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا۔ جب وہ آئے تو تم اس سے کلام نہ کرنا۔ تھوڑا وقت نہ گزرا تھا کہ ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو پکارا اور فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہو؟ تو وہ آدمی گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا اور ان سب نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جلاس کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تبوک میں خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو "رِجْسٌ" (گندگی) قرار دیا اور ان کا عیب بیان کیا تو جلاس بن سوید نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ کہہ رہے ہیں تو ہم جھوٹے گدھے سے بھی بدتر ہوئے۔ تو یہ بات عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے سن لی تو آپ علیہ السلام کو جلاس کی بات کی خبر دی تو جلاس نے کہا یا رسول اللہ! اس نے مجھ پر جھوٹ بولا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ منبر کے پاس قسم اُٹھائیں تو عصر کے بعد جلاس

نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم اُٹھائی کہ اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے یہ بات نہیں کہی۔ عامر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر جھوٹ کہا ہے پھر عامر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے یہ بات کہی ہے اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں کہا، پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا، اے اللہ! ہم میں سے سچے کی تصدیق اپنے نبی پر اُتار دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین نے آمین کہا تو ان حضرات کے متفرق ہونے سے پہلے جبرئیل علیہ السلام آسمان سے یہ آیت لے کر اُترے یہاں تک کہ اس پر پہنچے۔ اور پھر کلبی رحمہ اللہ نے وہی واقعہ بیان کیا جو جلاس اور انصاری لڑکے عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کا ماقبل میں چند صفحے پہلے گزر چکا ہے۔ "فان یتوبوا یک خیراً لهم" تو جلاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اللہ تعالیٰ کی بات سنی کہ مجھ پر توبہ پیش کی۔ عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے سچ کہا میں نے یہ بدگوئی کی تھی میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات قبول کر لی اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی اسلام اور ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کو ظاہر کیا اور بعض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ کفر کا کلمہ۔ جلاس کا یہ کہنا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم گدھے سے بھی برے ہیں اور بعض نے کہا کفر کا کلمہ ان کا یہ قول ہے "لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل" اور یہ قصہ مکمل تفصیل سے سورۃ منافقوں میں آئے گا۔ " وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان نے ان کا یہ قول سنا" کہ ہم گدھے سے زیادہ برے ہیں" تو اس کے قتل کا ارادہ کیا تا کہ وہ ان کا راز نہ پھیلا دے اور بعض نے کہا کہ یہ وہ بارہ منافق مراد ہیں جو تبوک کے راستے میں گھاٹی پر ٹھہرے تھے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر سکیں تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حکم دیا کہ ان کی سواریوں کے چہروں کو مروائیں تو آپ علیہ السلام نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب منافقین نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ آئیں گے تو عبداللہ بن اُبی کے سر پر تاج رکھیں گے تو وہ اس مقصد تک نہ پہنچ سکے۔ "وَمَا نَقَمُوْٓا اور ان نے ناپسند کیا اور نہ اس کا انکار کیا ہے اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" اس کی صورت یہ بنی کہ جلاس رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام قتل کر دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم دینے کا حکم دیا تو حضرت جلاس مال دار ہو گئے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ان کی معیشت تنگ تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو وہ غنیموں کے ذریعے مال دار ہو گئے۔ " فَاِنْ يَّتُوْبُوْا" اپنے نفاق اور کفر سے "يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا" ایمان سے اعراض کریں۔ " يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" دُنیا میں رسوائی اور آخرت میں آگ۔ " وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ"

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾

ترجمہ: اور ان (منافقین) میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) عطا فرما دے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم (اس کے ذریعہ سے) خوب نیک نیک کام کیا کریں۔

ثعلبہ بن حاطب کا مال کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانا اور قبولیت دعا کا اثر

تفسیر 75 "وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ" ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے مال دے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر کرے اس زیادہ سے بہتر ہے جس کی تو طاقت نہ رکھتا ہو۔ پھر وہ اس کے بعد آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دُعا کریں کہ مجھے مال دے تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں اچھا طریقہ نہیں ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں ارادہ کروں کہ میرے ساتھ پہاڑ سونے اور چاندی کے ہوکر چلیں تو ضرور چلیں گے۔ پھر وہ اس کے بعد آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے مال دے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق دوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے۔ کہا (ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے) کہ پھر اس نے ایک بکری لی وہ ایسے بڑھنے لگی جیسے کیڑے بڑھتے ہیں تو اس پر مدینہ تنگ ہوگیا تو وہ مدینہ سے نکل گیا اور مدینہ کی وادیوں میں سے ایک میں پڑاؤ ڈالا اور اس کی بکریاں کیڑوں کی طرح بڑھتی جارہی تھیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز پڑھتا اور باقی نمازیں اپنی بکریوں میں پڑھتا۔ پھر بکریاں اور زیادہ ہوگئیں تو وہ مدینہ سے اتنا دور ہوگیا کہ صرف جمعہ نماز میں حاضر ہوتا۔

پھر بکریاں اور زیادہ ہوئیں تو اور بھی دور ہوگیا۔ یہاں تک کہ نہ جمعہ میں آتا اور نہ جماعت میں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو وہ لوگوں کو ملتا اور خبریں معلوم کرتا۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پوچھا ثعلبہ نے کیا کیا؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ثعلبہ نے اتنی بکریاں بنالیں کہ ایک وادی میں سماتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ثعلبہ کا افسوس! اے ثعلبہ کا افسوس! اے ثعلبہ کا افسوس۔

ثعلبہ کا زکوٰۃ دینے سے انکار کرنا

اللہ تعالیٰ نے صدقات کی آیت نازل کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسلیم کے ایک شخص اور جہینہ کے شخص کو بھیجا اور ان دونوں کو صدقہ کی عمریں اور لینے کا طریقہ لکھوادیا۔ پھر فرمایا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنوسلیم کے ایک شخص کے پاس جانا اور ان دونوں سے ان کے صدقات وصول کرنا تو وہ دونوں ثعلبہ کے پاس گئے اس سے صدقہ مانگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا پڑھ کر سنایا تو ثعلبہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن (اس کی مثل) ہے۔ تم آگے چلے جاؤ، جب صدقہ لے کر فارغ ہوجاؤ تو میری طرف لوٹ آنا۔ یہ وہاں سے گئے جب سلمی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کے اپنے اونٹوں میں سے بہترین صدقہ

کے لیے الگ کرر کھے تھے۔ پھران دونوں کا استقبال کیا۔ جب ان دونوں نے یہ عمدہ جانور دیکھے تو کہا کہ یہ آپ پر لازم نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ لے جاؤ میرا دل اس پر خوش ہے تو وہ دونوں اسی طرح دوسرے لوگوں کے پاس گئے اور صدقہ وصول کیا۔ پھر ثعلبہ کے پاس گئے تو اس نے کہا مجھے وہ تحریر دکھاؤ، اس کو پڑھا اور کہا یہ تو جزیہ کی مثل ہے تو چلے جاؤ تا کہ میں سوچ لوں۔ تو وہ دونوں واپس آ گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کی گفتگو کرنے سے پہلے فرمایا "یاویح ثعلبہ ...... یاویح ثعلبہ" پھر مسلمانوں کے لیے خیر کی دُعا کی تو ان دونوں نے ثعلبہ کی کارگزاری سنائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾

ترجمہ: سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) دیدیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی) اور (اطاعت سے) روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کر کے (پہلے ہی سے) عادی ہیں۔

ثعلبہ کے بارے میں آیت کا نزول

تفسیر: "ومنهم من عاهد الله لئن اٰتنا من فضله ...... وبما كانوا يكذبون" اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی بیٹھا تھا۔ اس نے یہ بات سنی تو ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا "ويحک يا ثعلبة" تیرا ناس ہوا ے ثعلبہ! اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں یہ آیت نازل کی ہے تو ثعلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سوال کیا کہ آپ علیہ السلام اس کا صدقہ قبول کرلیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے تو وہ اپنے سر میں مٹی ڈالنے لگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تیرا اپنا عمل ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے میری اطاعت نہ کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے گھر آ گیا اور آپ علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میرا صدقہ قبول کرلیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے قبول نہ کیا میں بھی قبول نہ کروں گا۔ پھر حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا میں بھی قبول نہ کروں گا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انہوں نے بھی قبول نہ کیا تو ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مر گیا۔

ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثعلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور ان کو گواہ بنایا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ دے تو میں اس میں سے ہر حق والے کو دوں گا اور اس سے صدقہ کروں گا اور صلہ رحمی کروں گا اور قریبی رشتہ داروں پر احسان کروں گا تو اس کا چچا زاد بھائی مر گیا تو وہ وراثت میں اس کو مال ملا تو اپنے وعدہ کو پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے بارے میں نازل

ہوئی ہے، یہ دونوں بنو عمرو بن عوف کے تھے۔ یہ ایک مجلس میں گئے جہاں چند لوگ بیٹھے تھے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! اگر ہمیں اللہ تعالیٰ مال دیں تو ہم اس میں سے صدقہ کریں، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مال دیا تو اس پر بخل کرنے لگے۔ "ومنھم" یعنی منافقین میں سے "من عاھداللّٰہ لئن اٰتانا من فضلہ لنصّدقن" اور ہم اس میں سے اللہ کا حق ادا کریں گے۔ "ولنکوننّ من الصالحین" ہم نیک لوگوں والے کام کریں گے صلہ رحمی اور اچھے کاموں میں خرچ کرنا وغیرہ۔

⑦⑥ ......"فلمّا اٰتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولّوا وھم معرضون"

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑦⑦ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ⑦⑧ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑦⑨

ترجمہ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ (اس وعدہ میں شروع ہی سے) جھوٹ بولتے تھے کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوص ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز مزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا اور (مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا) کہ ان کے لئے (آخرت میں) دردناک سزا ہوگی۔

تفسیر ⑦⑦ "فَاَعْقَبَهُمْ ان کے پیچھے لایا نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ" یعنی ان کے معاملہ کا انجام نفاق کر دیا۔ کہا جاتا ہے اعقب فلله تا ندامة جب اس کے کام کا انجام یہ ہو۔ اور بعض نے کہا ہے ان کا انجام ان کے دلوں کا نفاق کر دیا۔ عاقبۃ اور اعقبۃ ایک معنی میں ہیں "اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ" یعنی قیامت تک ان پر توبہ حرام کر دی۔ "بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

⑦⑧ "اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ" یعنی جو اپنے دل میں چھپایا ہوا ہے اور جو آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ "وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ"

⑦⑨ "اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مؤمنین کو صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم لائے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال آٹھ ہزار تھا میں آپ علیہ السلام کے پاس چار ہزار لایا ہوں، آپ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کردیں اور چار ہزار میں نے اپنے گھر والوں کے لیے رکھے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس مال میں بھی برکت دے جو تو نے دیا ہے اور اس میں بھی جو تو نے روک لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں اتنی برکت دی جس دن ان کی وفات ہوئی تو دو ان کی بیویاں تھیں ان کے مال کا آٹھواں حصہ ان دونوں کے لیے ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم بنا۔

اور اس دن عاصم بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ نے کھجور کے ایک سو وسق صدقہ کیے اور ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ آئے، ان کا نام حبحاب تھا یہ ایک صاع کھجور لائے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے گزشتہ رات ایک باغ میں پانی لگانے کی مزدوری کی، مجھے دو صاع کھجور کے ملے تو میں نے ایک اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیا اور آپ علیہ السلام کے لیے دوسرا لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو صدقہ میں بکھیر دیا جائے تو منافقین نے ان حضرات میں عیب نکالنے شروع کیے کہ عبدالرحمٰن اور عاصم نے تو ریاکاری کرتے ہوئے مال دیا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو عقیل کے ایک صاع سے مستغنی ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہے صدقہ دینے والوں میں ان کا بھی تذکرہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ" عیب نکالتے ہیں۔ "المطوّعین من المؤمنین فی الصدقات" یعنی عبدالرحمٰن بن عوف اور عاصم رضی اللہ عنہما" وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ "یعنی ابو عقیل رضی اللہ عنہ اور جهد بمعنی طاقت ہے۔ پیش کے ساتھ قریش اور اہل حجاز کی لغت میں اور اعرج نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جُهد" پیش کے ساتھ طاقت اور زبر کے کے ساتھ مشقت۔ "فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ" ان سے استہزاء کرتے ہیں سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ یعنی ان کو اللہ تعالیٰ بدلہ دیں گے استہزاء کا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

(ترجمہ) آپ خواہ ان (منافقین) کے لئے استغفار کریں اور اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو آپ کہہ

دیجئے کہ جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ گرم ہے یہ خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔ سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور بہت دنوں (آخرت میں) روتے ہیں ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ (کفر ونفاق وخلاف) کیا کرتے تھے۔

تفسیر ⑧⓪ "اِسْتَغْفِرْلَهُمْ اَوْلَاتَسْتَغْفِرْلَهُمْ" الفاظ اگرچہ امر کے ہیں لیکن معنی خبر کا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کے لیے استغفار کیا ہو یا نہ کیا ہو "اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" ستر کے عدد کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے کہ ان کی مغفرت سے نااُمیدی ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رُخصت دی ہے۔ پس میں ستر سے زائد کروں گا۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ "سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفرلهم لن يغفرالله لهم ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ"

⑧① "فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ" غزوہ تبوک سے اور مخلف بمعنی پیچھے چھوڑا ہوا شخص "بِمَقْعَدِهِمْ" یعنی ان کے بیٹھنے کی وجہ سے "خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی وجہ سے کہ آپ علیہ السلام تو تشریف لے گئے اور یہ گھروں پر رہ گئے۔ "وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ" اور غزوہ تبوک سخت گرمی میں تھا۔ "قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ" یعلمون یعنی جانتے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے۔

⑧② "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا" دُنیا میں "ولیبکوا کثیرا" آخرت میں۔ تقدیر عبارت یہ ہے "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا"...... "جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْايَكْسِبُوْنَ"

موسیٰ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم رویا کرو، اگر رونے کی طاقت نہیں رکھتے تو رونے کی صورت بنالو کیونکہ جہنم والے جہنم میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوان کے چہرے پر اتنے بہیں گے کہ گویا وہ چھوٹے نالے ہیں۔ پھر آنسو ختم ہوجائیں گے تو خون کے آنسو بہیں گے۔ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو چل پڑیں۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ط اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْامَعَ الْخٰلِفِيْنَ ⑧③

ترجمہ تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو (اس سفر سے مدینہ کو صحیح سالم) ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن

سے لڑو گے تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو واقعی پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں۔

تفسیر ⑧③ "فَاِنْ رَّجَعَکَ اللّٰہُ" یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو غزوہ تبوک سے واپس کر دیں۔ " اِلٰی طَآئِفَۃٍ مِّنْھُمْ" پیچھے رہ جانے والوں کی ایک جماعت کی طرف کیونکہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تمام لوگ منافق نہ تھے۔ " فَاسْتَاْذَنُوْکَ لِلْخُرُوْجِ" آپ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے غزوہ میں " فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا" سفر میں۔ " وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ط اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ" یعنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ اور بعض نے کہا مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ جو بغیر عذر کے پیچھے رہ گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ خالفین کے ساتھ قراء فرماتے ہیں صاحب خالف اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی مخالف ہو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ط اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَاتُوْا وَھُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧④ وَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُھُمْ وَاَوْلَادُھُمْ ط اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الدُّنْیَا وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ ⑧⑤

ترجمہ اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہوجیے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔ اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جاوے۔

تفسیر ⑧④ "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے حالت مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا۔ جب آپ علیہ السلام اس پر داخل ہوئے تو اس کو فرمایا کہ تجھے یہود کی محبت نے ہلاک کر دیا تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ میں نے آپ کے پاس پیغام اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ مجھے تنبیہ کریں، میں نے اس لیے پیغام بھیجا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے لیے استغفار کریں اور آپ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ علیہ السلام اس کو اپنی قمیص میں دفن کریں اور اس پر نماز پڑھیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مر گیا تو اس کے جنازہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو میں لپک کر پہنچا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ابن ابی ابن سلول پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کہا؟ اور آپ علیہ السلام پر وہ باتیں شمار کرائیں۔

تو آپ علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ اے عمر! مجھ سے ہٹ جا جب میں نے بار بار یہی بات کہی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے میں نے اس کو اختیار کر لیا ہے۔ اگر میں جانتا کہ میں ستر پر زائد کروں تو اس کی مغفرت ہوگی تو میں

اس پر زیادتی کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ پھر لوٹے تو تھوڑا وقت ہی ٹھہرے تھے کہ سورۃ براۃ کی دو آیتیں نازل ہوگئیں۔ "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دن اپنی جرأت کرنے پر بڑا تعجب ہوا اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے قبر میں داخل کیے جانے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو آپ علیہ السلام نے حکم دیا اس کو نکالا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب پھونک دیا اور اس کو اپنی قمیص پہنائی۔ واللہ اعلم۔ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی۔ سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قمیصیں تھیں تو عبداللہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کو وہ قمیص پہنا دیں جو آپ علیہ السلام کے جسم اطہر کو لگی ہوئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی کو مرنے کے بعد قمیص پہنانے کی وجوہات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا اور عباس رضی اللہ عنہ کو بھی لایا گیا تو ان پر کوئی کپڑا نہ تھا تو عبداللہ بن اُبی کی قمیص ان کو پوری آجاتی تھی تو آپ علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کی قمیص پہنادی۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص اُتار کر عبداللہ کو پہنادی۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا تو آپ علیہ السلام نے پسند کیا کہ اس کا بدلہ دیں اور روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا جو کچھ آپ علیہ السلام نے عبداللہ کے ساتھ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں میری قمیص اور میری نماز اس کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ اللہ کی قسم مجھے اُمید ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ جب منافقین نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سے عبداللہ برکت حاصل کر رہا ہے تو اس کی قوم کے ایک ہزار لوگ اسلام لے آئے۔ قولہ "ولا تصلّ علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره" اس پر نہ ٹھہریں اور اس کو خود دفن نہ کریں، یہ ان کے قول قام فلان بامر فلان سے مشتق ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس کے امر کو کافی ہو جائے۔ "انهم كفروا بالله ورسوله" "وماتوا وهم فاسقون" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور نہ کسی کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

۸۵ "وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۸۶ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُالْعَظِيْمُ ۞وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَالَّذِيْنَ كَذَبُوااللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

ترجمہ اور جب کوئی حصہ قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم (خلوص دل سے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان کے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جاویں وہ لوگ (غایت بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس سے وہ (حمیت بے حمیتی کو) سمجھتے ہی نہیں۔ ہاں لیکن رسولؐ اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انہوں نے (اس حکم کو مانا اور) اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور ان ہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تا کہ ان کو (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنہوں نے خدا اور اس کے رسول سے (دعویٰ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو (آخرت تک کافر رہیں گے) ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر ⑯ "وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ" مال اور فراوانی والے ان میں سے جنگ سے پیچھے رہ جانے میں۔ "وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ" اپنے کجاووں میں۔

⑰ "رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ" یعنی عورتوں اور بعض نے کہا گھٹیا اور بے وقوف لوگوں کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے "فلان خالفة قومه" جب وہ ان میں کم حیثیت ہو۔ "وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ"

⑱ "لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ" یعنی نیکیاں اور بعض نے کہا خوبصورت عورتیں جنت میں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فيهن خيرات حسان" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ خیر کا معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين"...... "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

⑲ "اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُالْعَظِيْمُ"......

⑳ "وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ" یعقوب اور مجاہد رحمہما اللہ نے "الْمُعْذِرُوْنَ" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ وہ لوگ جو عذر میں مبالغہ کرنے والے ہوں ضرب المثل ہے "لقد اعذر من انذر" یعنی جس شخص نے عذر میں مبالغہ کیا اور

دیگر حضرات نے "اَلْمُعَذِّرُوْن" شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کوتاہی کرنے والے۔ کہا جاتا ہے "عَذَّرَ" یعنی کوتاہی کی اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المعذّرون" اصل میں "المعتذرون" تھا تاء کا ذال میں ادغام کر دیا گیا ہے اور تاء کی حرکت عین کو منتقل کر دی گئی ہے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کا تذکرہ

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معذرون سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اپنا دفاع کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! اگر ہم غزوہ میں شریک ہوتے تو قبیلہ طئی کے بدو ہماری عورتوں اور بچوں اور جانوروں پر غارت گری کرتے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ " وَقَعَدَ الَّذِیْنَ کَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ " یعنی منافقین۔ ابو عمر بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں فریق برا فعل کرنے والے تھے۔ ایک وہ قوم جنہوں نے باطل عذر کرنے کی تکلیف کی اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے مراد لیا ہے۔ "وجاء المعذرون" اور دوسری وہ قوم جنہوں نے کسی عذر کی تکلیف ہی نہیں کی اور پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جرأت کی۔ یہ منافقین ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے وعید بیان کی۔ " سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ " پھر عذر والوں کا تذکرہ کیا۔

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں اور نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ و الزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں پس الزام (اور مواخذہ) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل

سامان اور قوت (ہونے کے) گھر رہنے کی اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ (غایت بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس سے وہ (گناہ وثواب کو) جانتے ہی نہیں

تفسیر 91 "لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی اپاہجوں، بوڑھوں اور عاجز لوگوں پر اور بعض نے کہا بچے مراد ہیں۔ بعض نے کہا عورتیں مراد ہیں۔ " وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَاعَلَی الَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ" یعنی فقراء "حَرَجٌ "گناہ۔ "اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ "ان سے غائب ہونے کے وقت اور ایمان کو خالص کیا ہو اور عمل اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہو۔ " مَاعَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ " کوئی راستہ سزا کا۔ "وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زید بن عمر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ نابینا تھے۔

92 "وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآاَتَوْکَ لِتَحْمِلَھُمْ" مطلب یہ ہے کہ نہ پہلے لوگوں پر کوئی سبیل ہے اور نہ ان لوگوں پر جو آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ سات افراد تھے۔ ان کا نام کثرت سے رونے والے پڑ گیا۔ "بکائین" معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، صخر بن خنساء، عبداللہ بن کعب انصاری، عبلہ بن زید انصاری، سالم بن عمیر، ثعلبۃ بن غنمۃ، عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہم یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا ہے، ہمیں سوار کر دیں۔ مفسرین رحمہم اللہ کا اس لفظ "لتحملھم" کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے سوال کیا کہ ان کو جانوروں پر سوار کر دیں اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ان کو پیوند لگے موزوں اور گھسے ہوئے جوتوں پر سوار کر دیں یعنی دے دیں تا کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ جنگ میں شریک ہو سکیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ " قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ تَوَلَّوْا" روتے ہوئے " وَّاَعْیُنُھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ"

93 "اِنَّمَا السَّبِیْلُ "سزا کی "عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ پیچھے رہ جانے کی وَھُمْ اَغْنِیَآءُ رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ عورتوں اور بچوں کے ساتھ وَطَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٤ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٥ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝٩٦ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٩٧ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٩٨

ترجمہ یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے (سوائے محمدؐ) آپ (سب کی طرف سے صاف) کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری (واقعی حالت کی) خبر دے چکے ہیں (کہ تم کو کوئی عذر صحیح نہ تھا) اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو جو کچھ تم کرتے تھے ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاویں گے (کہ ہم معذور تھے) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور (اخیر میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ (نفاق وخلاف) کیا کرتے تھے (نیز) یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر (بالفرض) تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو (ان کو کیا نفع کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا (ان منافقین میں جو) دیہاتی لوگ (ہیں وہ) کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کا (حال) ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے (زمانہ کی) گردشوں کا منتظر رہتا ہے برا وقت ان ہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

تفسیر ⑨④ "يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ" روایت کیا گیا ہے کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی تعداد بیاسی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لے آئے تو وہ آ کر باطل عذر کرنے لگے۔ "قُلْ لَّا

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ" آئندہ وقت میں کہ کیا تم نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی ہے یا اس پر قائم ہو؟" ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

⑮ "سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ" جب تم ان کی طرف جہاد سے لوٹو گے "لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ" تا کہ تم ان سے درگزر کرو۔" فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ "ان کو چھوڑ دو اور جو انہوں نے اپنے لیے نفاق کو اختیار کیا ہے "اِنَّهُمْ رِجْسٌ" یعنی بے شک ان کا عمل بہت برا ہے۔"وَّمَاْوٰهُمْ" آخرت میں "جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ یہ اسی (۸۰) منافقین تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو فرمایا ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور ان سے بات بھی نہ کرنا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی قسم کھائی کہ اس کے بعد کسی جنگ سے پیچھے نہ رہے گا اور مطالبہ کیا کہ آپ علیہ السلام اس سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

⑯ "يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ"......

⑰ "اَلْاَعْرَابُ" یعنی دیہات والے " اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا" شہر والوں سے "وَاَجْدَرُ" زیادہ لائق ہیں۔" وَاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ " کیونکہ وہ قرآن کے سننے اور سنتوں کی پہچان سے بہت دور ہیں۔" وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ جو کچھ اس کی مخلوق کے دل میں ہے حَكِيْمٌ" جو اپنے فرائض مقرر کیے۔

⑱ "وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے دینے پر ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اس کے روکنے پر عذاب سے نہیں ڈرتے وہ تو صرف خوف اور دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اور مغرم اس چیز کو لازم کرنا جو لازم نہ ہو۔" وَيَتَرَبَّصُ انتظار کرتا ہے۔ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ"

یعنی زمانے کے پھرنے کا جو کبھی خیر لاتا ہے اور کبھی شر اور یمان بن رباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی زمانہ تم پر پلٹ جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں اور مشرکین غالب ہو جائیں۔" عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ "ان پر بلائیں اور غم چکر لگاتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کے بارے میں بھی برا ہی خیال کرتے ہیں۔ اور ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے "دائرۃ السوء" یہاں اور سورۃ فتح میں سین کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی نقصان دہ، آزمائش والی اور ناپسندیدہ چیز اور دیگر حضرات نے سین کے زبر کے ساتھ مصدر کی بناء پر پڑھا ہے اور بعض نے کہا ہے زبر کے ساتھ فساد، اور پیش کے ساتھ نقصان دہ اور ناپسندیدہ چیز۔" وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" یہ آیت اسد غطفان اور تمیم کے دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر بعض کا استثناء کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لئے موجب قربت ہے ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے

تفسیر: ﴿٩٩﴾ "وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مزینہ کے بنو مقرن ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلم، غفار اور جہینہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلم اور غفار اور جہینہ کا کچھ حصہ اور مزینہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بہتر ہوں گے تمیم، اسد بن خزیمہ، ہوازن اور غطفان سے۔ "وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ قربات قربۃ کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتا ہے۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ" یعنی اس کی دُعاء اور استغفار۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں رغبت کرتے ہیں "اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ نافع نے ورش کی روایت سے قربۃ راء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے سکون کے ساتھ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اپنی جنت میں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

﴿١٠٠﴾ "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" مرفوع ہے باری تعالیٰ کے قول "والسابقون" پر عطف ہے۔

سابقون الاولون مہاجرین والانصار میں سے کون ہیں

سابقون سے کون مراد ہیں اس میں اختلاف ہے۔ سعید بن مسیب، قتادہ، ابن سیرین اور جماعت نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ یہ اہل بدر ہیں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں حاضر ہوئے تھے اور بیعت رضوان حدیبیہ میں ہوئی اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد کون پہلے ایمان لایا اور اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائیں تو بعض نے کہا پہلے ایمان لانے والے اور نماز پڑھنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسی کے مجاہد رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ قائل ہیں کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعض نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور بعض نے فرمایا کہ پہلے اسلام لانے والے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی زہری اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسحاق بن ابراہیم حنظلی رحمہ اللہ نے ان اقوال کے درمیان تطبیق کی ہے۔

پس وہ فرماتے ہیں کہ مردوں سے پہلے مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں سے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نرم مزاج شخص تھے اور قریش کے اچھے نسب والے اور بڑے عالم تھے اور یہ بڑے اچھے اخلاق والے تاجر تھے اور ان کی قوم کے مردان کے پاس آتے تھے اور کئی باتوں پر مشورہ کرتے تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ علم والے اور اچھی مجلس والے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اعتماد کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے تو ان کے ہاتھوں پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ جب انہوں نے اسلام کے بعد نماز بھی پڑھ لی۔ یہ آٹھ افراد وہ ہیں جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی۔ پھر لوگ لگاتار اسلام میں داخل ہونے لگے اور انصار میں اسلام میں سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقبہ کی رات بیعت کی اور یہ عقبہ اولیٰ میں چھ افراد تھے اور عقبہ ثانیہ میں ستر افراد تھے اور وہ لوگ جو ایمان لائے جب ان کے پاس ابوزرارہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ گئے اور ان کو قرآن کی تعلیم دی تو ان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد اسلام لائی۔

"**والسّابقون الاوّلون من المهاجرين**" جنہوں نے اپنی قوم اور قبیلہ کو چھوڑا اور اپنے وطن کو ترک کیا۔ "**والانصار**" مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کو ٹھکانہ دیا۔ "**وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ**"، بعض نے کہا "**سابقون اوّلون**" کے سوا بقیہ مہاجر و انصار مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور ہجرت یا دین کی مدد کرنے میں قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ترحم اور دُعا کے ساتھ کیا۔ ابوصخر حمید بن زیادہ کہتے ہیں کہ میں محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا اور ان کو عرض کیا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ رحمہ اللہ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت میں ہوں گے خواہ نیک ہوں یا کسی سے کچھ فروگذاشت ہوگئی ہو۔ میں نے عرض کیا یہ بات آپ نے کہاں سے کہہ دی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان "**والسّابقون**

الاوّلون من المهاجرين ...... رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ " تک پڑھا اور فرمایا کہ "والذين اتبعوهم باحسان" سے تابعین میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نیک افعال میں اتباع کریں۔ ابوصخر کہتے ہیں کہ گویا میں نے اس سے پہلے کبھی یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی۔ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا نہ کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان میں سے کسی ایک کے ایک مُد یا اس کے نصف کو نہ پہنچ سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ثواب میں سب کو جمع کر دیا اور فرمایا "رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ابن کثیر نے (من تحتها الانهار) پڑھا ہے اور اسی طرح اہل مکہ کے مصاحف میں ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جو کچھ تمہارے گرد و پیش میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں (کہ) آپ (بھی) ان کو نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں پس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں ہم ان کو (اور منافقین سے آخرت سے پہلے) دہری سزا دیں گے ایک نفاق کی دوسرے کمال نفاق کی) پھر (آخرت میں) وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

تفسیر: ﴿۱۰۱﴾ "وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ" اور یہ مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے لوگ ہیں ان کے گھر مدینہ کے اِرد گرد تھے۔

"وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ" یعنی اوس اور خزرج مدینہ کے ہیں ان میں سے بھی منافق ہیں۔ " مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ یعنی نفاق پر سرکشی کی لَا تَعْلَمُهُمْ آپ اے محمدؐ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ "ان دونوں عذابوں کی تعیین میں اختلاف ہے۔ کلبی سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں تو نکل جا کیونکہ تو منافق ہے تو کئی لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کیا۔ تو یہ پہلا عذاب ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا عذاب قتل اور قید ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے اور انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ ان کو دو مرتبہ بھوک کا عذاب دیا گیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھوڑے کا عذاب دُنیا میں اور قبر کا عذاب۔

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا عذاب دُنیا میں مال اور اولاد کی مصیبتیں اور دوسرا آخرت کا عذاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پہلا عذاب ان پر حدود قائم کرنا اور دوسرا قبر کا عذاب اور بعض نے کہا پہلا عذاب ان کی روح قبض کرتے ہوئے فرشتوں کا ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارنا اور دوسرا عذاب قبر اور بعض نے کہا پہلا مسجد ضرار کو جلانا اور

دوسرا ان کو جہنم کی آگ سے جلانا۔ " ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ " یعنی جہنم کے عذاب کی طرف۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑩

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے (سو) اللہ سے امید ہے کہ ان (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرماویں (یعنی توبہ قبول کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر: ⑩ "و آخرون" یعنی اہل مدینہ اور اعراب میں سے دوسرے لوگ مراد ہیں۔ یہ منافقین کی طرف نہیں لوٹ رہا۔ "اعترفوا انہوں نے اقرار کیا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحًا" اور وہ ان کا اپنے گناہوں اور اپنی توبہ کا اقرار کرنا ہے۔ "و آخر سیئًا" یعنی دوسرے برے اعمال کے ساتھ۔ باء کو واؤ کی جگہ لایا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے خلطت الماء واللبن یعنی باللبن برا عمل ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانا اور نیک عمل ان کا شرمندہ ہونا اور خود کو ستونوں سے باندھنا ہے اور بعض نے کہا کہ نیک عمل ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات ہیں۔

غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عذر

"عسیٰ اللہ ان یتوب علیھم اِنّ اللہ غفور رحیم" یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر اس پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ وہ عورتوں کے ساتھ سایوں میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد اور تکلیفوں میں تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب آئے تو یہ حضرات کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیں گے اور اپنے آپ کو آزاد نہ کریں گے جب تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آزاد نہ کردیں اور ہمارا عذر قبول نہ کرلیں تو ان حضرات نے خود کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب آپ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان پر گزر ہوا، ان کو بندھے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ علیہ السلام سے پیچھے رہ گئے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ خود کو آزاد نہ کریں گے جب تک آپ علیہ السلام ان سے راضی ہو کر ان کو آزاد نہ کردیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو آزاد نہ کروں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا جب تک مجھے ان کے آزاد کرنے کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ انہوں نے مجھ سے بے رغبتی کی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جانے سے پیچھے رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کرکے ان کو کھلوادیا۔ جب وہ آزاد ہو گئے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے مال ہیں جنہوں نے ہمیں آپ سے پیچھے کردیا، آپ علیہ السلام اس کو صدقہ کرکے ہمیں پاک

کر دیں اور ہمارے لیے استغفار کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "خذ من اموالھم صدقة"

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے اور ان کے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں اور ان کی ندامت کو) خوب جانتے ہیں۔

توبہ کرنے والے افراد کی تعداد

تفسیر: ان توبہ کرنے والے حضرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دس تھے، ان میں سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ پانچ تھے۔ ان میں سے ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آٹھ تھے۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سات تھے اور یہ سب کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ صرف حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ پھر ان کے گناہ میں اختلاف ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ کا ذکر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے بنوقریظہ کو کہا تھا کہ اگر تم ان کے فیصلہ پر آ گئے تو حلق کی طرف اشارہ کرکے ذبح کا بتایا اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا تھا اور کہا تھا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا اور نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا اللہ! میری توبہ قبول کرلیں تو سات دن اسی حال پر رہے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ان کو کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں خود کو نہ کھولوں گا جب تک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں تو آپ علیہ السلام تشریف لائے اور ان کو کھولا۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا پڑوس چھوڑ دوں جس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوا ہوں اور اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کر دوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے ابولبابہ! تجھے تہائی کافی ہے، آگے سب حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے مالوں کا

30

تہائی حصہ قبول کیا اور دو تہائی ان لوگوں کے پاس رہنے دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "خذ من اموالھم" کہ مال میں سے کچھ لیں، یہ نہیں فرمایا تھا کہ سارا مال لے لیں۔ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ان تین کے علاوہ ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے۔

⑩۳ "خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم" اس کے ذریعے ان کے گناہوں کو "وتزکیھم بھا" ان کو منافقین کے مرتبہ سے بلند کر کے مخلصین کے مرتبہ تک پہنچادیں اور بعض نے کہا کہ ان کے مال بڑھ جائیں "وصلّ علیھم" ان کے لیے دُعا اور استغفار کریں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صدقہ وصول کرنے والے کا صدقہ دینے والے کو یہ کہنا ہے "آجرک اللّٰہ فیما اعطیت و بارک لک فیما ابقیت" (اللہ تیرے دیئے ہوئے پر اجر دیں اور باقی مال میں برکت دیں) اور الصلاۃ کا معنی دُعا کرنا ہے۔ "انّ صلاتک" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "صلاتک" واحد کا صیغہ اور یہاں تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ ہود میں "اصلاتک" اور سورۃ المؤمنین میں "علٰی صلاتھم" سب کو واحد کا صیغہ۔ حفص رحمہ اللہ نے ان دونوں کی یہاں اور سورۃ ہود میں موافقت کی ہے اور دیگر حضرات نے ان سب میں جمع کا صیغہ اور یہاں تاء کی زیر پڑھی ہے اور سورۃ مؤمنین میں بھی اور الانعام میں اختلاف نہیں ہے۔ "وھم علی صلاتھم یحافظون" اور المعارج میں جو ہے "وھم علی صلاتھم دائمون" یہ دونوں واحد کے صیغے ہیں۔ "انّ صلاتک سکن لھم" یعنی بے شک آپ کی دُعا ان کے لیے رحمت ہے۔ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے لیے سکون و اطمینان ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اور ابوعبیدہ فرماتے ہیں ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھنے والی ہے "واللّٰہ سمیع علیم"

مسئلہ:۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ صدقہ وصول کرنے کے وقت امام پر دُعا دینا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ واجب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مستحب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فرض صدقات کی وصولی کے وقت دُعا واجب ہے اور نفلی صدقات کے وقت مستحب ہے۔ عمرو بن مرۃ رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا (یہ اصحاب شجرہ میں سے ہیں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی قوم صدقہ لاتی۔

تو آپ علیہ السلام فرماتے "اللّٰھم صلّ علیھم" تو میرے والد آپ علیہ السلام کے پاس صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا "اللّٰھم صلّ علٰی آلِ ابی اوفٰی" اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرض صدقہ میں نہیں ہے بلکہ قسم کے کفارہ کے صدقہ میں ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرض صدقہ میں ہے۔ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو جن لوگوں نے پیچھے رہ جانے کے باوجود توبہ نہیں کی تھی وہ کہنے لگے کہ یہ لوگ کل تو ہمارے ساتھ تھے کہ نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا نہ کوئی ساتھ بیٹھتا تھا۔ اب ان کو کیا ہوگیا؟ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آ کر منافقین سے گفتگو اور ہم نشینی سے منع فرمادیا تھا۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ⑩۴ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑩۵ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ

لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑯

ترجمہ: کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور (کیا ان کو) یہ (خبر نہیں) کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے (کی صفت میں اور رحمت کرنے (کی صفت میں) کامل ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان اور (پھر آخرت میں) ضرور تم کو ایسے (اللہ) کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیر: ⑩۴ "اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ یعنی ان کو قبول کرتے ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں ہے کوئی بندہ جو اپنی پاکیزہ کمائی سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتے ہیں اور آسمان کی طرف پاکیزہ چیز ہی بلند ہوتی ہے مگر اس کو رحمٰن کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے تو وہ اس کی ایسے پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ قیامت کے دن بڑے پہاڑ کی مثل آئے گا۔ پھر آپ علیہ السلام نے پڑھا "ان اللّٰه هو يقبل التوبة عن عباده و ياخذ الصدقات"

⑩۵ "وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے وعید ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کا آپ علیہ السلام کو خبر دینا ہے اور مؤمنین کا دیکھنا ان کے دلوں میں نیک لوگوں کی محبت ڈالنا اور برے لوگوں کا بغض ڈالنا۔

⑩۶ " وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابوبکر کے علاوہ "مرجون" بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ہمزہ کے ساتھ اور "الارجاء" تاخیر کرنا۔

آخرون مرجون سے کون لوگ مراد ہیں

"مرجون" یہ وہ تین لوگ تھے جن کا واقعہ آگے تفصیل سے آرہا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ہلال بن اُمیہ، مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم ان حضرات نے توبہ کرنے اور عذر کرنے میں اتنی کوشش نہیں کی جو ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کی تھی تو نبی کریم نے پچاس راتیں ان کا معاملہ موقوف رکھا اور لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع کر دیا تو یہ چیز ان پر بہت گراں گزری اور زمین تنگ ہوگئی، یہ بدر کے شرکاء میں سے تھے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہلاک ہوگئے اور دوسرے لوگ کہنے لگے کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیں تو یہ اللہ کے حکم کے منتظر تھے نہیں جانتے

تھے کہ ان کو عذاب دیں گے یا ان پر رحم کریں گے یہاں تک کہ پچاس راتوں کے بعد ان کی توبہ کا حکم نازل ہوا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچاویں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور (پوچھو تو) قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۰۷﴾ "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا" اہل مدینہ اور اہل شام نے "الذین" بغیر واؤ کے پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے اور دیگر حضرات نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔

مسجد ضرار کی بناء کا پس منظر

مَسْجِدًا ضِرَارًا" یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی جس کے ذریعے مسجد قباء کی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ یہ بارہ منافق تھے۔ ودیعہ بن ثابت، خذام بن خالد اسی کے گھر سے یہ مسجد نکالی گئی اور ثعلبہ بن حاطب، حارثہ بن عمرو اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، معتب بن قشیر، عباد بن حنیف، سہل بن حنیف کا بھائی، ابوحبیبہ بن ازعر، نبتل بن حارث بحاد بن عثمان اور ایک آدمی جس کو بحذج کہا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ مسجد بنائی مسلمانوں کو تکلیف دینے کے لیے۔ "وَّكُفْرًا" اللہ اور اس کے رسول کا "وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" اس لیے کہ تمام مسلمان مسجد قباء میں نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے مسجد ضرار بنائی تا کہ ان میں سے بعض وہاں نماز پڑھیں تو ان میں اختلاف پیدا ہوں، ان کو نماز مجمع بن حارثہ پڑھاتا تھا۔ جب تعمیر سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ علیہ السلام اس وقت تبوک کے سفر کی تیاری فرما رہے تھے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے مریضوں اور حاجت مندوں کی نماز کے لیے مسجد بنائی ہے اور بارش اور سردیوں کی راتوں کے لیے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام وہاں تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لیے برکت کی دُعا کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں سفر کے لیے جا رہا ہوں اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ تمہارے پاس آ کر اس میں نماز پڑھیں گے۔ " وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ "یعنی اس شخص کے انتظار اور تیاری کے لیے جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس سے پہلے۔ یہ شخص ابوعامر راہب تھا یہ انہی منافقین میں سے تھا اور یہ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد ہے۔ یہ جاہلیت میں نصرانی ہو کر راہب بن گیا تھا اور ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کو ابوعامر نے کہا وہ دین کیا ہے جس کو آپ

علیہ السلام لائے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں دین حنیف ابراہیم علیہ السلام کا دین لایا ہوں تو ابو عامر کہنے لگا کہ میں بھی اسی دین پر ہوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس پر نہیں ہے کہنے لگا کیوں نہیں لیکن آپ علیہ السلام نے تو دین حنیف میں وہ باتیں داخل کر دی ہیں جو اس میں نہیں تھیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا میں تو اس دین کو سفید صاف ستھرا لے کر آیا ہوں تو ابو عامر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں سے جھوٹے کو موت دے اس حال میں کہ اکیلا مسافری کی حالت میں ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا (آمین) اور اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا۔

جب اُحد کا دن آیا تو ابو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ میں جس قوم کو بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ قتال کرتا پاؤں گا تو آپ علیہ السلام کے ساتھ اس سے قتال کروں گا تو آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر جنگ حنین تک لڑائی کرتا رہا۔ پھر جب ہوازن کو شکست ہوئی تو نا اُمید ہو کر شام کی طرف بھاگ گیا اور منافقین کو پیغام بھیجا کہ جتنا ہو سکے قوت اور ہتھیار تیار کرو اور میرے لیے ایک مسجد بناؤ، میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور روم سے ایک بڑا لشکر لاؤں گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا تو ان لوگوں نے مسجد قباء کے پہلو میں مسجد ضرار بنائی تو یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل" یعنی ابو عامر فاسق جب شام سے آئے تو اس میں نماز پڑھے اور نہ اس مسجد ضرار کے بننے سے پہلے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کر چکا ہے۔ "وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى" یعنی اس کی تعمیر سے اچھے کام کا ارادہ ہے اور وہ اچھا کام مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک جانے سے عاجز اور ضعیف لوگوں کے لیے سہولت۔ "وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ" اپنے قول اور قسم میں۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب ذی اوان جگہ پر پڑاؤ کیا تو وہ آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی مسجد میں چلنے کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص منگوائی تا کہ اس کو پہن کر ان کے پاس جائیں تو آپ علیہ السلام پر قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مسجد ضرار کی خبر اور ان لوگوں کا ارادہ بتایا تو آپ علیہ السلام نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ، معن بن عدی، عامر بن سکن اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو فرمایا کہ اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے لوگ ظالم ہیں اس کو گرا دو اور جلا دو تو یہ حضرات بڑی تیزی سے روانہ ہوئے۔ جب بنو سالم بن عوف پر پہنچے جو مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے تو مالک رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے مہلت دو تا کہ میں اپنے گھر سے آگ لے آؤں تو وہ گھر گئے اور کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو آگ لگائی۔ پھر یہ حضرات وہاں سے نکلے اور دوڑتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور اس میں کچھ لوگ تھے تو اس کو آگ لگا دی اور گرا دیا اور مسجد والے ایک طرف ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو کوڑی بنا دیا جائے اس میں مُردہ جانور، بدبودار چیزیں وغیرہ ڈالی جائیں اور ابو عامر شام میں اکیلا مسافری کی حالت میں مر گیا۔

روایت کیا گیا ہے کہ بنو عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قباء بنائی تھی یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان

کے پاس آئے اور کہا کہ مجمع بن حارثہ کو اجازت دیں کہ مسجد قباء میں ہماری امامت کیا کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کیا یہ مسجد ضرار کا امام نہیں تھا؟ تو مجمع رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرض کیا اے امیر المؤمنین! میرے بارے میں جلدی نہ کریں، اللہ کی قسم! میں نے اس مسجد میں نماز تو پڑھی تھی لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ اگر میں یہ بات جانتا تو ان کے ساتھ اس مسجد میں نماز نہ پڑھتا۔ میں نوجوان لڑکا تھا، قرآن پڑھنے والا تھا، وہ بوڑھے تھے قرآن نہ پڑھ سکتے تھے تو میں نے ان کو نماز پڑھا دی، میں تو یہی سمجھتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں لیکن میں ان کے دل کی بات نہ جانتا تھا تو اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا عذر قبول کر کے ان کی تصدیق کی اور ان کو مسجد قباء میں نماز پڑھانے کی اجازت دے دی اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شہروں کی فتوحات کیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنائیں کہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: آپ اس میں کبھی (نماز کیلئے) کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا ہے) وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر: ﴿۱۰۸﴾ "لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس میں نماز نہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ مسجد ضرار میں نماز نہ پڑھیں۔ لام ابتداء کیلئے ہے اور بعض نے کہا ہے لام قسم ہے اصل عبارت (واللہ لمسجد اسس) یعنی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی سو (من اول یوم) یعنی جس دن پہلے اس کی بنیاد رکھی گئی تھی "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ" نماز پڑھنے کے لیے۔ اس مسجد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ کی مسجد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ابو سلمہ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے پاس سے عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہم کا گزر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد سے "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے والد نے کہا ہے کہ میں آپ علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کی بعض ازواج میں کسی کے گھر داخل ہوا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دو مسجدوں میں سے کون سی تقویٰ پر بنائی گئی ہے تو آپ علیہ السلام نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور اس کو زمین پر مارا اور فرمایا وہ تمہاری یہ مدینہ کی مسجد ہے تو میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی آپ کے والد سے اسی طرح سنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو حصہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ مسجد قباء ہے اور یہی عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہی عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ عبداللہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء تشریف لاتے، پیدل چل کر اور سوار ہو کر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے کرتے تھے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دو رکعت پڑھتے تھے۔ "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" حدث اور جنابت اور نجاست سے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے اور رات کو جنابت کی حالت میں نہ سوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت قباء والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ"

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩⑨

ترجمہ: پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہے رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ ہی نہیں دیتا۔

تفسیر: ⑩⑨ "اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ" ابن عمرو اور حمزہ اور ابو بکر رحمہم اللہ نے راء کے سکون کے ساتھ اور باقی حضرات نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ جرف ایسا کنواں جس کی منڈیر نہ ہو "هَارٍ" یعنی ہارا اور بمعنی وہ گرنے والا ہے۔ "فَانْهَارَ بِهٖ" یعنی بنانے والے ساتھ گر پڑے "فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ" مراد یہ ہے کہ اس مسجد ضرار کو تعمیر کرنا جہنم کے کنارے پر تعمیر کی طرح ہے کہ وہ اپنے اور پر آباد لوگوں کے ساتھ جہنم میں گر جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کا نفاق ان کو جہنم میں لے جائے گا "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑪⓪

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑪①

ترجمہ: ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے

(وہ) دل ہی اگر فنا ہو جاویں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی (اور خدا کے ہاتھ مال و جان کے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں اس پر (جنت کا) سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر ⑪ "لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً شک اور نفاق کے طور پر فِیْ قُلُوْبِهِمْ" وہ خیال کرتے تھے کہ وہ اس مسجد کو بنا کر نیک کام کر رہے ہیں جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بچھڑے کی بڑی محبت تھی۔ یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسرت اور ندامت ہے کیونکہ وہ اس کی تعمیر پر نادم تھے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی تعمیر کا گرنا شک اور غصہ کا سبب ہے ان کے دلوں میں۔" اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ "یعنی ان کے دل پھٹ جائیں اور وہ مر جائیں۔ اور ابن عامر، ابو جعفر، حفص اور حمزہ رحمہما اللہ نے "تقطع" تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "تقطع" تو دو تاء میں سے ایک کو حذف کیا گیا ہے تخفیف کی غرض سے اور دیگر حضرات نے "تقطع" تاء کے پیش کے ساتھ تقطیع سے پڑھا ہے اور صرف یعقوب رحمہ اللہ نے "الی ان" لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے غایت ہونے کی بناء پر اور دیگر حضرات نے "الاّ ان" لام کی شد کے ساتھ استثناء کی بناء پر پڑھا ہے اور یعقوب کی قرأت پر ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ کی تفسیر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے شک اور شرمندگی میں رہیں گے یہاں تک کہ جب وہ مریں گے تو اس وقت ان کو یقین آ جائے گا۔ "وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ"

جان و مال کے بدلے میں جنت کا سودا

⑪ "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ" محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی مکہ میں عقبہ کی رات کو اور یہ ستر افراد تھے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام اپنے رب اور اپنے لیے جو چاہے شرط طے کر لیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے اور اپنے لیے یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم مجھ سے ہر اس چیز کو روکو گے جس کو اپنے آپ اور اپنے مال سے روکتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جنت۔ تو انصار کہنے لگے بڑے نفع کا سودا ہے ہم نہ خود اس کو ختم کریں گے اور نہ ختم کرنے کا مطالبہ کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اور اعمش رحمہ اللہ نے "بالجنة" پڑھا ہے۔ "یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "فیقتلون" یاء کے پیش اور تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مفعول کے

فعل کے فاعل کے فعل پر مقدم ہونے کی بناء پر۔ یعنی "یقتل بعضھم ویقتل الباقون" اور باقی حضرات نے "فیقتلون" یاء کے زبر اور تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ویقتلون" یاء کے پیش اور تاء کے زبر کے ساتھ فاعل کے فعل مفعول کے فعل پر مقدم ہونے کی بناء پر اور وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے کفار کو قتل کرتے ہیں پھر شہید ہوتے ہیں یہ وجہ زیادہ ظاہر ہے اور اس کی قرأت اکثر ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقا" یعنی جنت کا ثواب ان کے لیے وعدہ ہے اور حق ہے۔ "فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ کیا اور اس کو ان کتابوں میں بیان کیا۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام ملتوں والوں کو جہاد کا حکم دیا گیا جنت کے ثواب کے بدلے۔ پھر ان کو خوشخبری دی اور فرمایا "وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا تم خوش ہو جاؤ بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

مؤمنین کیلئے سستا سودا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے بیعت کی اور دونوں سودے تمہارے مقرر کر دیئے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ثمن (قیمت) طے کیا پھر ان کے لیے اس میں مزید اضافہ کر دیا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم دوڑو نفع والی بیع کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن سے کی ہے اور انہی سے روایت ہے کہ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے دُنیا دی ہے تو دُنیا کے کچھ حصہ کے بدلے جنت کو خرید ے۔ پھر ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السّٰٓائِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے (اور) حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے (ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

سودا کرنے والے مومنین کی صفات

تفسیر: ﴿۱۱۲﴾ "اَلتَّآئِبُوْنَ" فراء فرماتے ہیں رفع کے ساتھ نئی کلام شروع کی گئی ہے پہلی آیت کے مکمل اور کلام کے ختم

ہونے کی وجہ سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "التائبون "مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی توبہ کرنے والے جنتی ہیں خواہ انہوں نے جہاد میں شرکت نہ کی ہو مگر ان کے اندر عداوت وعناد کا جذبہ نہ ہو اور یہ ارادہ نہ ہو کہ جب اللہ جہاد کی طاقت دے گا تب بھی جہاد نہیں کریں گے تو جس کی یہ صفت ہوگی تو اس کے لیے بھی جنت ہے اور یہ معنی اچھا ہے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمنین کے لیے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے (وکلا وعداللہ الحسنی) پس جس نے اس کو پہلے کے تابع بنایا ہے تو ان کیلئے بھی جنت کا وعدہ ہے اور اگر جنت کا وعدہ ان مجاہدین کے لئے ہو جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ "التائبون "یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک سے توبہ کی اور نفاق سے بری ہوئے۔ "الْعٰبِدُوْنَ" اطاعت کرنے والے جنہوں نے خالص اللہ کے لیے عبادت کی ہو۔ "الْحٰمِدُوْنَ "یعنی جو خوشحالی وتنگ حالی ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں خوشی اور تنگی میں۔ " السَّآئِحُوْنَ "ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ روزہ دار مراد ہیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کو سائح اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ کھانے پینے اور نکاح کی تمام لذات چھوڑ دیتا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سائحون" سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مراد ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سائحون" سے طالب علم مراد ہیں۔" الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ "یعنی نماز پڑھنے والے" الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایمان کے ساتھ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ شرک سے اور کہا گیا ہے کہ معروف سے مراد سنت ہے اور منکر سے مراد بدعت ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اللہ کے اوامر پر قائم رہنے والے اور حسن فرماتے ہیں کہ اہل وفا مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کی ہوئی بیعت کو پورا کیا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ"

مشرکین کیلئے استغفار کی ممانعت

⑪③ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ "اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا سبب نزول وہ ہے جو سعید بن میتب نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو آپ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کو بیٹھے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، اے چچا! "لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا کلمہ کہہ دے میں تیرے لیے اللہ کے ہاں اس کلمہ کے ذریعے زوردار سفارش کروں گا تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کہنے لگے کیا تو عبدالمطلب کے دین سے اعراض کر رہا ہے؟ تو آپ علیہ السلام ان پر اپنی بات پیش کرتے رہے اور وہ یہ بات بار بار کرتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آخری بات یہ کہی۔

میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور "لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے سے انکار کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی

قسم میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک اسی سے روک نہ دیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ" اورابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل کی "انک لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء"

ابوطالب کے سامنے کلمہ پیش کرنا اوران کا انکار کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو کہا اے چچا لا الٰہ الا اللہ کہہ دو میں تمہارے لیے قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ اس کو کلمہ کہنے پر موت کے خوف نے مجبور کیا ہے تو میں اس کلمہ کے ذریعے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ علیہ السلام کے چچا ابوطالب کا تذکرہ ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ شاید اس کو میری شفاعت قیامت کے دن نفع دے اور اس کو جہنم کے ایک گڑھے میں ڈالا جائے کہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے جس کی وجہ سے اس کا دماغ جوش مارے۔

حضرت ابوہریرہ اور بریدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو اپنی والدہ آمنہ کی قبر پر آئے اور اس پر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگے اس اُمید پر ٹھہرے کہ آپ علیہ السلام کو اجازت دی جائے تو آپ علیہ السلام ان کے لیے استغفار کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو اتنے روئے کہ ساتھ والوں کو بھی رونا آ گیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں ان کے لیے استغفار کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دی گئی تو تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیے استغفار کروں گا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ما کان للنبی والذین امنوا الخ" اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دی کہ انہوں نے اپنے والد کو یہ کہا تھا "سلام علیک ساستغفر لک ربی" تو میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کر رہا ہے تو میں نے اس کو کہا کہ تو ان کے مشرک ہونے کے باوجود ان کے لیے استغفار کر رہا ہے؟ تو اس نے کہا کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار نہیں کیا تھا؟ تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور یہ بات ذکر کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم ...... اِلَّا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک"

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ⑪۴

ترجمہ اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہوکر مرا) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے واقعی ابراہیمؑ بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے

تفسیر ⑪۴ "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ" بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "ایاہ" کی ھاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور وعدہ ان کے والد کی طرف تھا وہ یہ کہ ان کے والد نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلام لے آئیں گے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا عنقریب میں آپ کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا یعنی جب آپ مسلمان ہوگئے۔

اور بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "ایاہ" کی ھاء اب کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں گے کیونکہ ان کے اسلام کی اُمید تھی اور وہ باری تعالیٰ کا قول (ساستغفر لک ربی) ہے اس پر حسن کی قرأت (وعدها اباه) باء کیساتھ دلالت کرتی ہے اور اس پر دلیل کہ یہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تھا اور استغفار والد کے شرک کی حالت میں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**قد كانت لكم اسوة حسنة فى ابراهيم ...... اِلاّ قول ابراهيم لابيه لاستغفرنّ لک**" تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صراحت کردی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اس استغفار میں پیروی نہ کی جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے جو استغفار کیا تھا اس کے اسلام لانے کی امید کی وجہ سے یا اس وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا لاستغفرن الک۔ "**فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ**" اس کے کفر پر مرنے کی وجہ سے "تبرّا منه" اور بعض نے کہا جب آخرت میں ان پر واضح ہوگا کہ یہ اللہ کا دشمن تھا تو اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو کہیں گے کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں تو ان کے والد جواب دیں گے کہ آج کے دن میں تیری نافرمانی نہ کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اس دن رسوا نہ کریں گے جس دن سب اُٹھائے جائیں گے تو میرے والد سے بڑی رسوائی کون سی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کردیا ہے۔ پھر آزر کو اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن ابراہیم علیہ السلام اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ "**اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ**"......

اواہ کی تفسیر میں ائمہ کے اقوال

"اوّاہ" کے معنی میں اختلاف ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "اوّاہ" عاجزی کرنے والے گڑگڑانے والے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اوّاہ" بمعنی دُعا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "اوّاہ" بمعنی توبہ کرنے والا مؤمن۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" بمعنی اللہ کے بندوں پر رحم کرنے والا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" بمعنی یقین رکھنے والا اور کعب احبار فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" وہ شخص اواہ وہ شخص جو اللہ کے خوف کی وجہ سے بہت زیادہ آہیں (آہ آہ) کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زندگی میں دوزخ کے خوف سے بکثرت آہیں بھرتے تھے۔ عقبہ بن عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" جو اکثر اللہ کا ذکر کرے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اوّاہ" بمعنی خیر کی تعلیم دینے والا اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بمعنی فقیہ ابوعبیدہ نے کہا کہ اواہ سے وہ شخص مراد ہے جو خوف سے آہ آہ کرنے والا یقین کی وجہ سے گڑگڑانے والا اور طاعت کا التزام کرنے والا زجاج نے کہا کہ ابوعبیدہ کا قول ان تمام معانی کو جامع ہے جو اواہ کے بیان کیے جاتے ہیں اواہ وہ آواز جو سینے سے سانس لیتے وقت آواز سے نکلے (جس کو آسان الفاظ میں ٹھنڈا سانس بھی کہا جاتا ہے) اور والحلیم وہ شخص جو اس کو گالی دے یا ناپسند بات کہے اس سے درگزر کرے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی دھمکی کا جواب سلام سے دیا۔ "لئن لم تنته لارجمنک واهجرنی ملیا قال سلام علیک ساستغفرلک ربی" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حلیم بمعنی سردار ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کے پیچھے گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلادے جن سے وہ بچتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ⑪⑤ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اوامر کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہی کا فیصلہ کرنے والے نہ تھے تمہارے مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔...... "حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ" مراد یہ ہے کہ حتیٰ کہ تمہارے سامنے نہی آ جائے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بیان کر دے اور تم اس کو نہ لو تو اس وقت تم گمراہی کے مستحق ہو گے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیان مؤمنین کو مشرکین کے لیے استغفار چھوڑنے کے بارے میں خاص ہے اور اپنی معصیت چھوڑنے اور طاعت کرنے کے بارے میں عام ہے، پس تم کرو اور چھوڑ دو۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک ان کو یہ بیان نہ کر دیں کہ کیا انہوں نے چھوڑنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ احکام کے بارے میں ہے کیونکہ ایک قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک نہ شراب حرام ہوئی تھی اور نہ قبلہ کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تھا تو وہ

اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور اسی حالت پر رہے اور شراب حرام کردی گئی اور قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا اور ان کو اس کا بالکل علم نہ تھا۔ پھر وہ مدینہ آئے تو معلوم ہوا کہ شراب حرام کردی گئی ہے اور قبلہ پھیر دیا گیا ہے تو عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام ایک دین پر تھے اور ہم اس کے علاوہ دین پر چلتے رہے تو ہم گمراہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وما کان اللّٰہ لیضل قومًا بعد اذ ھدٰھم" یعنی اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کے عمل کو باطل نہیں کرتے جو منسوخ حکم کو جانتی ہو۔ یہاں تک کہ ان کو ناسخ بیان کردے۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" پھر اپنی تعظیم کی اور فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ اور بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان (گروہ) کے حال پر توجہ فرمائی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

تفسیر ﴿۱۱۶﴾ "اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو چاہے حکم کرے یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ"

﴿۱۱۷﴾ "لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ" یعنی اللہ تعالیٰ نے درگزر کردیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی توبہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے منافقین کو جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی اور بعض نے کہا کہ کلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع کیا اس لیے کہ آپ علیہ السلام ان کی توبہ کا سبب تھے۔ جیسے فرمایا "فانّ للّٰہ خمسہ و للرّسول" اور اسی کی مثل کئی جگہوں پر "وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ" یعنی تنگی کے وقت میں یہاں کوئی متعین گھڑی مراد نہیں ہے اور غزوہ تبوک کا نام غزوۃ العسرۃ رکھا گیا ہے اور لشکر کا نام جیش العسرۃ رکھا گیا ہے اور عسرۃ بمعنی سختی تنگی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر سواریوں، سفرخرچ اور پانی میں تنگی تھی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے، ایک شخص تھوڑی دیر سوار ہوتا پھر وہ اُتر جاتا تو دوسرا سوار ہو جاتا اور ان کا سفرخرچ کیڑے لگی ہوئی کھجوریں اور خراب جو تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت اس حال پر نکلی کہ ان کے پاس چند کھجوریں تھیں۔ جب ان کو بھوک لگتی تو ایک کھجور کو چاٹ لیتا تو اس کا ذائقہ آجاتا۔ پھر اپنے ساتھی کو دے دیتا تو وہ اس کو چوس لیتا پھر اس پر ایک گھونٹ پانی پی لیتا۔ اسی طرح سب لوگ کرتے یہاں تک کہ اس کھجور پر صرف گٹھلی باقی رہ جاتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی

سچائی اور یقین کے ساتھ چلتے رہے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سخت گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف نکلے تو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ہمیں وہاں سخت پیاس لگی حتیٰ کہ ہمیں لگنے لگا کہ ہم عنقریب ختم ہو جائیں گے حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی شخص پانی کی تلاش میں جاتا تو وہ نہ لوٹتا حتیٰ کہ گمان ہوتا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہوگا اور یہ حالت آگئی کہ کوئی شخص اونٹ کو نحر کرتا پھر اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پانی پی لیتا اور باقی کو اپنے جگر پر ڈال دیتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام دُعا کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھائے اور ان کو نیچے نہیں کیا تھا کہ بوجھل بادل آئے اور سایہ کیا پھر خوب برسے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے ساتھ جو مشکیزے تھے وہ بھر لیے۔ پھر ہم گئے تو دیکھتے تھے کہ اس بارش نے لشکر سے تجاوز نہ کیا تھا یعنی لشکر کے پڑاؤ سے آگے کی جگہ بارش نہ تھی۔

"مِنْ م بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ حمزہ اور حفص رحمہما اللہ نے "یزیغ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "کاد" کی وجہ سے اور "کادت" نہیں کہا اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور الزیغ مائل ہونا، یعنی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ مائل ہو جائیں۔ "قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ "یعنی ان میں سے بعض کے دل۔ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ " یہاں دین سے انحراف مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جنگ سے انحراف اور واپس چلے جانے کا دل میں خیال آیا، سفر کی تنگیوں کی وجہ سے۔ "ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ "اگر یہ اعتراض ہو کہ کیسے توبہ کا اعادہ کیا حالانکہ اس سے پہلی آیت میں فرما دیا ہے کہ "لقد تاب الله علی النبی" تو جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں توبہ کا ذکر گناہ سے پہلے تھا اور یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ پھر جب گناہ کو ذکر کیا تو توبہ کو دوبارہ ذکر کیا کہ ان کی توبہ قبول کر لی۔ " اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیں تو اس کو اس پر کبھی عذاب نہ دیں گے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾

(ترجمہ) اور ان شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی (اللہ کی طرف) رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گردو پیش (رہتے ہیں) ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ (زیبا تھا) کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے صحابہ اور کعب بن مالک کا واقعہ

(تفسیر) ⑪⑧ "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا" یعنی غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے اور بعض نے کہا ہے کہ "خلفوا" یعنی ان کا معاملہ مؤخر کیا گیا ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ سے اور یہ تین حضرات کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا جس غزوہ پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے میں کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سے سوائے غزوہ تبوک کے پیچھے نہیں رہا۔ ہاں غزوہ بدر میں ساتھ نہیں گیا تھا (اور بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ نہ تھا کیونکہ) جو لوگ بدر کو نہ جاسکے ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا۔ وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے (لڑائی کا ارادہ ہی نہ تھا) لیکن بغیر کسی مقررہ وعدہ کے دشمن سے بحکم خدا مڈ بھیڑ ہوگئی۔ میں عقبہ والی رات میں بھی حاضر تھا (یعنی تیسرے عقبہ کے موقع پر جب انصار نے بیعت کی تھی میں بھی موجود تھا) وہاں ہم سب نے اسلام پر مضبوط عہد و پیمان کیا تھا۔ اگرچہ لوگوں میں بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے مقابلہ میں بدر کی شرکت میرے خیال میں افضل نہیں ہے۔

میرا واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں میں بڑا طاقتور اور فراخ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں اتنا مرفہ الحال اور طاقتور نہ ہوا۔ اس زمانہ میں پہلی ہی مرتبہ میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں ہوئیں۔ اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو سواریاں نہیں ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تھے تو بطور توریہ کسی دوسرے جہاد کا نام لے دیتے تھے اور فرماتے تھے لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔ جب تبوک کے جہاد کا موقع آیا تو گرمی سخت تھی، سفر طویل تھا، راستہ میں بیابان تھے، دشمنوں کی تعداد بہت تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کھول کر بیان فرمادیا تھا اور اپنے رخ کی صحیح

اطلاع دے دی تھی تاکہ اپنے جہاد کی تیاری کرلیں۔ مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت تھی۔ بقول مسلم دس ہزار مسلمان ساتھ تھے۔ حاکم نے اکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کو جانے کے وقت ہماری تعداد تیس ہزار سے بھی زائد تھی۔ ابوزرعہ نے کہا: کسی کتاب میں ان کے نام محفوظ نہ تھے۔ زہری نے کہا کتاب سے مراد رجسٹر ہے جو آدمی بھی غیر حاضر ہونا چاہتا تھا۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے' میرا معاملہ پوشیدہ ہے (کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا ارادہ ایسے وقت کیا جب پھل اور (درختوں کے) سائے خوشگوار ہوگئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تیاریاں کرلیں اور جمعرات کے دن روانہ ہوگئے۔ آپ سفر پر خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور غرض سے' جمعرات کو روانہ ہونا ہی پسند فرماتے تھے۔ میں بھی (روزانہ) صبح کو تیاری کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا تھا مگر بغیر کچھ کئے واپس آجاتا تھا اور دل میں کہتا تھا: مجھ میں استطاعت ہے' جب چاہوں گا فوراً کرلوں گا۔ یونہی وقت ٹلتا رہا' یہاں تک کہ گرمی سخت ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے اور میں اپنی کچھ بھی تیاری نہ کرسکا اور دل میں خیال کرلیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دو روز میں تیاری مکمل کرکے پیچھے سے جا پہنچوں گا۔ مسلمانوں کی روانگی کے بعد میں تیاری کرنے کیلئے صبح کو نکلا مگر بغیر کچھ کئے لوٹ آیا۔ پھر دوسرے روز صبح کو نکلا' تب بھی کچھ نہیں کیا۔ اسی طرح مدت بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگ دور چلے گئے اور تیزی کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھ گئے اور میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ (جلد) کوچ کرکے ان کو پیچھے سے جالوں گا۔ کاش! میں نے ایسا کرلیا ہوتا' مگر میرے مقدر میں ہی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا تھا تو گھومنے کے بعد مجھے یا تو صرف وہ لوگ نظر آتے تھے جو منافق کہے جاتے تھے یا وہ کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جن کو اللہ نے معذور بنا دیا تھا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ تبوک پہنچنے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا تذکرہ نہیں کیا۔ تبوک پہنچ کر ایک روز آپ صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دریافت فرمایا: کعب بن مالک کو کیا ہوگیا؟ بنی سلمہ کے یا میری قوم کے ایک آدمی نے (جس کا نام حسب روایت محمد بن عمر' عبداللہ بن انیس سلمی تھا) کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو اس کی دو چادروں نے اور (غرور و فخر کے ساتھ) اپنے دونوں پہلوؤں پر دیکھنے نے نہیں آنے دیا (یعنی آج کل وہ مرفہ الحال ہے' ایک چادر باندھتا ہے' ایک اوڑھتا ہے اور دونوں طرف گردن موڑ موڑ کر اپنے مونڈھوں کو دیکھتا ہے' اسی وجہ سے وہ نہ آسکا) حضرت معاذ بن جبل یا ابوقتادہ نے کہا: تم نے بری بات کہی (ایسا نہیں ہے) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں نے اس کے اندر سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے: جب مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آنے کیلئے چل پڑے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کیلئے عذر بنانے لگا اور ایسی بات کی تیاری کرنے لگا کہ کل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے میں کس طرح بچ سکوں گا۔ مختلف اہل الرائے اور گھر والوں سے میں نے اس معاملہ میں مدد بھی لی۔ پھر جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آپہنچے ہیں تو میرے دل سے تمام غلط خیالات جاتے رہے اور

میں سمجھ گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہوگی اس کے ذریعہ سے میں ناراضگی سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور یقین کرلیا کہ سچائی ہی مجھے نجات دے سکتی ہے۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

ابن سعد نے کہا رمضان میں (واپس پہنچے) کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر سے واپس) آتے تھے تو دن چڑھے مدینہ میں پہنچتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر وہیں بیٹھ جاتے تھے پھر وہاں سے حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد امہات المومنین کے ہاں جاتے تھے۔ حسب دستور آپ نے سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر وہیں لوگوں کے (معاملات سننے کے) لئے بیٹھ گئے۔ اب تبوک کی شرکت سے رہنے والے لوگ آنے لگے اور (اپنے اپنے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ سب لوگ کچھ اوپر اسی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کرلیا ان سے بیعت لے لی اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیا۔ جب میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ مسکرا دیئے مگر مسکراہٹ غصہ آلود تھی اور فرمایا آؤ۔ میں چلتا چلتا سامنے پہنچ کر بیٹھ گیا۔ ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ کعب نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے میری طرف سے کیوں منہ پھیرلیا؟ واللہ! میں منافق نہیں ہوں نہ مجھے (اسلام کی صداقت میں) کوئی شک ہے نہ میں (عقیدہ اسلام سے) بدل گیا ہوں۔ فرمایا پھر تم (ساتھ جانے سے) کیوں رہ گئے کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟ میں نے عرض کیا: بیشک (میں نے سواری بھی خرید لی تھی) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں کسی اور دنیا دار کے پاس اس وقت بیٹھا ہوتا تو خدا کی قسم! کوئی عذر معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ مجھ میں قوت کلامیہ (اور دلیل کی طاقت) موجود ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بنا بھی دوں گا اور آپ راضی بھی ہو جائیں گے تب بھی عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر سچ کہہ دوں گا تو گو آپ ناراض ہو جائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ مجھے معاف فرما دے گا۔ بخدا! مجھے کوئی عذر نہ تھا نہ اس سے پہلے میں اتنا طاقتور اور فراخ حال (کبھی ہوا) تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچی بات کہہ دی۔ اب تم اٹھ جاؤ اور اللہ جو کچھ چاہے گا۔ تمہارے متعلق فیصلہ کر دے گا۔

میرے سچ بولنے کی وجہ سے بنی سلمہ کے کچھ لوگ برانگیختہ ہوگئے اور کہنے لگے: تو نے اس سے پہلے تو کوئی جرم کیا نہ تھا نہ اتنا کمزور تھا کہ جس طرح دوسرے شرکت نہ کرنے والوں نے اپنی عدم شرکت کے عذر کئے (اور عتاب سے بچ گئے) تو کوئی عذر نہ پیش کرسکتا (آئندہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت تیرے (اس) گناہ کے معاف ہونے کیلئے کافی تھی۔ غرض وہ برابر مجھے ڈانٹتے اور سرزنش کرتے رہے اور اتنی سرزنش کی کہ میرا ارادہ ہوگیا کہ دوبارہ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنے پہلے قول کی تکذیب کردوں۔ لیکن میں نے کہہ دیا مجھ سے دو جرم یکجا نہیں ہوسکتے کہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہیں گیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بھی بولوں۔

پھر میں نے لوگوں سے دریافت کیا: کیا میرے ساتھ ایسا کوئی اور بھی ہے جو تبوک کو نہیں گیا ہو (اور اس نے کوئی عذر تراشی

بھی نہ کی ہو) لوگوں نے کہا: ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اسی طرح کی بات کہی تھی جیسی تو نے کی تھی اور ان کو بھی وہی ہدایت کی گئی جو تجھے کی گئی۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔

حضرت کعب کا بیان ہے کہ: لوگوں نے میرے سامنے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہو چکے تھے اور جن کی پیروی کی جا سکتی تھی۔ ان کا نام سن کر میں اپنی سابق بات پر قائم رہا جو لوگ تبوک کو نہیں گئے تھے ان میں سے صرف ہم تینوں سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کلام کرنے کی ممانعت فرمادی۔ لوگ اس فرمان کے بعد ہمارے لئے بالکل بدل گئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے: ہم صبح کو لوگوں میں نکلتے تھے مگر کوئی ہم سے سلام کلام نہیں کرتا تھا' نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا۔ عبدالرزاق کی روایت ہے: لوگ ایسے بدل گئے کہ گویا وہ ہم کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ در و دیوار اجنبی ہو گئے' وہ در و دیوار ہی نہ رہے جن کو ہم پہچانتے تھے۔ میرے لئے سب سے زیادہ رنج آفریں یہ خیال تھا کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میری یہی حالت قائم رہے گی کہ نہ کوئی مجھ سے کلام کرے گا نہ میرے جنازے کی نماز پڑھے گا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سرزمین ہی میرے لئے اجنبی ہو گئی' وہ بستی وہ نہ رہی جو میری شناسا تھی۔ یہ حالت پچاس رات قائم رہی۔ میرے دونوں ساتھی تو کمزور تھے' وہ گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں طاقتور اور جوان تھا' گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے کلام سلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جلسہ میں بیٹھے ہوتے تو میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور دل میں کہتا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کیلئے لب مبارک ہلائے یا نہیں' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر (دانستہ) نماز پڑھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا (کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری طرف ہوئی یا نہیں (جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف منہ کر لیتے' لیکن جب میں التفات نظر کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔ جب مدت تک لوگ مجھ سے یونہی دور دور رہے تو ایک روز دیوار پھلانگ کر میں ابوقتادہ کے پاس ان کے باغ میں پہنچ گیا۔ ابوقتادہ میرے چچازاد تھے یعنی قبیلہ بنی سلمہ سے تھے' میرے باپ کے بھائی کے بیٹے نہ تھے۔ مجھے ان سے بڑی محبت تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا مگر خدا کی قسم! انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: ابوقتادہ! یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ ابوقتادہ خاموش رہے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ خاموش رہے' کوئی بات نہیں کی۔ تیسری یا چوتھی بار کہنے کے بعد انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور لوٹ کر دیوار پھلانگ کر میں آ گیا۔ ایک روز میں بازار میں جا رہا تھا کہ علاقہ شام کا رہنے والا ایک دیہاتی نظر پڑا' یہ شخص غلہ لے کر مدینہ میں بیچنے آیا تھا۔ کسی سے اس نے پوچھا: مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتادے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور ایک خط مجھے دیا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا (یعنی بادشاہ شام کی طرف سے) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی شام میں تھا' اس نے بھیجا تھا۔ خط ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم

کو دور کر دیا ہے اور پرے پھینک دیا ہے اور اللہ نے تم کو ایسا نہیں بنایا کہ ذلت کے مقام میں رہو اور تمہارا حق ضائع کیا جاتا رہے۔ اس لئے اگر تم سکونت منتقل کرنا چاہتے ہو تو ہم سے آملو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ خط پڑھ کر میں نے کہا: یہ بھی (اللہ کی طرف سے) آزمائش ہے کہ کافر بھی میرا لالچ کرنے لگے (میری ذات کافروں کے لالچ کی جولان گاہ بن گئی) پھر میں نے تحریر کو تنور میں جھونک دیا۔ ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت کا شکوہ کیا اور عرض کیا: آپ کی مجھ سے روگردانی اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مشرک میرا لالچ کرنے لگے۔

جب پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس پہنچا۔ محمد بن عمر نے اس قاصد کا نام خزیمہ بن ثابت بتایا ہے' یہی قاصد مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گیا۔ قاصد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا: کیا طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ اس نے کہا: طلاق کا حکم نہیں ہے۔ اس سے الگ رہو' قربت نہ کرو۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی حکم پہنچا۔ حسب الحکم میں نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے گھر چلی جا اور فیصلہ قطعی ہونے تک وہیں رہ۔ ہلال بن امیہ کی بیوی یعنی خولہ بنت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہلال بن امیہ بوڑھا آدمی ہے' اپنا کام خود نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ کیا اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو آپ کی ناگواری کا باعث ہوگا؟ ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: وہ بوڑھا ہے' نظر بہت کمزور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (کام کر دینے کی ممانعت نہیں ہے) مگر وہ تجھ سے قربت نہ کرے۔ عورت نے کہا: خدا کی قسم! اس کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں ہے۔ جب سے اس کا یہ واقعہ ہوا ہے برابر آج تک رونے میں مشغول ہے۔ حضرت کعب کا بیان ہے مجھ سے بھی میرے کسی گھر والے نے کہا اگر ہلال بن امیہ کی بیوی کی طرح تم بھی اپنی بیوی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لو وہ تمہاری خدمت کر دیا کرے تو مناسب ہے میں نے کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ کیا معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں اور میں تو جوان آدمی ہوں (مجھے دوسرے سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے) اسی حالت میں دس راتیں اور گزر گئیں اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

کعب کا بیان ہے پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر کی چھت پر (بیٹھا) تھا اور میری حالت وہ تھی جو اللہ نے بیان فرمائی ہے (ضاقت علیهم الارض بما رحبت) زمین باوجود فراخ ہونے کے میرے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ یکدم ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی جو کوہ سلع پر چڑھ کر انتہائی اونچی آواز سے چیخا تھا: اے کعب بن مالک! تجھے خوشخبری ہو۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ وہ کوہ سلع پر چڑھنے والے حضرت ابوبکر تھے۔ آپ نے ہی پکار کر کہا تھا: اللہ نے کعب پر رحم فرما دیا۔ اے کعب! خوش ہو جا۔ عقبہ کی روایت ہے کہ دو آدمی دوڑے ہوئے حضرت کعب کو بشارت دینے کیلئے گئے' ایک آگے بڑھ گیا جو پیچھے رہ گیا تھا' وہ کوہ سلع پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس نے ندا کی: اے کعب! توبہ قبول ہونے کی تجھے بشارت ہو۔ اللہ نے تم لوگوں کے بارے میں قرآن نازل فرما دیا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کیلئے دوڑنے والے یہ دونوں حضرات حضرت ابوبکر و حضرت عمر تھے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے آواز سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ کشائش کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہم کو بشارت دینے کیلئے آ گئے۔ کچھ اور لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کیلئے پہنچے۔ ایک شخص گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر نے کہا: یہ حضرت زبیر بن عوام تھے۔ قبیلہ اسلم کا ایک اور شخص بھی دوڑ پڑا مگر گھوڑے کے پہنچنے سے پہلے مجھے آواز پہنچ گئی تھی۔ اس لئے جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی یعنی حمزہ اسلمی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے۔ خدا کی قسم! میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کپڑے ہی نہ تھے۔ ابوقتادہ (بروایت میں محمد بن عمر) سے دو کپڑے عاریۃً لے کر میں نے پہنے۔ ہلال بن امیہ کو قبول توبہ کی خوشخبری دینے سعید بن زید گئے تھے۔ ہلال نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا مسلسل روزے رکھ رہے تھے اور برابر رونے میں مشغول تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے ان کی جان نکل جائے گی۔ مرارہ بن ربیع کو بشارت سلکان بن سلامہ نے دی۔ یہ سلامہ بن وقش کے باپ تھے۔
حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں کے گروہ در گروہ مبارک باد دینے کیلئے مجھ سے ملتے رہے۔ آخر میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد لوگ بھی موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبیداللہ اٹھے اور لپک کر میری طرف بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے سوائے طلحہ کے اور کوئی نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ بات نہیں بھولوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دن سے بہتر دن کی تجھے بشارت ہو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ فرمایا: نہیں اللہ کی طرف سے ہے۔ تم لوگوں نے اللہ سے سچا معاملہ کیا اللہ نے بھی تم کو سچا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ خوشی کے وقت آپ کا چہرہ چمکنے لگتا تھا معلوم ہوتا تھا چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم دیکھ کر پہچان لیتے تھے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوش ہیں) جب میں سامنے بیٹھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنے کل مال سے دستبردار ہو جاؤں اور بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول کے خدمت میں پیش کر دوں۔ فرمایا کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: اچھا! نصف مال (سے دستبردار ہوتا ہوں) فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: تو ایک تہائی (قبول کر لیجئے) فرمایا اچھا۔ میں نے عرض کیا تو خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو روکے رکھتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات دی ہے۔ لہٰذا میری توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ سچ ہی بولوں گا۔ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے جو کرم اللہ نے مجھ پر کیا ہے کسی اور پر اس سے بہتر احسان کیا ہوگا۔ چنانچہ اس عہد کے بعد آج تک میں نے

کبھی جھوٹ نہیں بولا اور امید ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ اللہ جھوٹ بولنے سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

اللہ نے توبہ قبول فرمانے کے سلسلہ میں لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار سے وکونوا مع الصادقین تک آیات نازل فرمائیں۔

"حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ" غم کی وجہ سے "وظنّوا" یعنی انہوں نے یقین کرلیا۔ "اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ سے کوئی جائے فرار نہ ہے اِلَّآ اِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا" یعنی تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں کیونکہ توبہ تو وہ پہلے کر چکے تھے۔ "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

⑲ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہو جاؤ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو جاؤ اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "للفقراء المهاجرین" سے "اولئک هم الصادقون" تک کی وجہ سے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جن کی نیتیں سچی ہیں اور دل اور عمل سیدھے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف اخلاص نیت کے ساتھ نکلے اور بعض نے کہا ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جنہوں نے گناہ کا اعتراف کرنے میں سچ بولا اور جھوٹے عذر نہیں کیے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پڑھتے تھے "وکونوا مع الصادقین" اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ نہ سنجیدگی میں درست ہے اور نہ مذاق میں اور تم میں سے کوئی اپنے بچے سے ایسا وعدہ نہ کرے کہ پھر اس کو پورا نہ کر سکے۔ اگر سچا ہو تو یہ آیت پڑھو "کونوا مع الصّادقین"

⑳ "مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ" اس کا ظاہر خبر ہے اور حقیقی معنی نہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ" ہے۔ "وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ" مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے دیہاتوں کے رہنے والے۔ "اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ" جب وہ کسی غزوہ پر تشریف لے جائیں۔ "وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، مدد اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے میں۔

حسن فرماتے ہیں وہ بے رغبتی ظاہر نہ کریں اس بات سے کہ ان کو سختیاں پہنچیں تو وہ پستی اختیار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی مشقت اور تھکاوٹ میں ہوں۔

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ" ان کے سفر میں "ظَمَاٌ" پیاس "وَّلَا نَصَبٌ" تھکاوٹ "وَّلَا مَخْمَصَةٌ" بھوک "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا" زمین "يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ ان کا اس کو روندنا وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا" یعنی ان کو ان کے دشمنوں سے قتل یا قید یا غنیمت یا شکست نہیں پہنچی۔ "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ"

عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے لیے جا رہا تھا تو مجھے راستے میں ابو عبس رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں تو اللہ تعالیٰ ان قدموں کو آگ پر

حرام کردیں گے۔ اس آیت کے حکم میں علماء رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ جب آپ علیہ السلام خود کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جارہے ہوں تو کسی کے لیے اس سے پیچھے رہ جانا جائز نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آئمہ اور حکمران اگر جائیں تو مسلمانوں میں سے جو چاہے جنگ سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ جب مسلمانوں کو اس کے جانے کی ضرورت نہ ہو اور ولید بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوزاعی، ابن مبارک، ابن جابر، سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کو سنا کہ اس آیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ بے شک یہ اس اُمت کا ابتداء اس کا آخر ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب اسلام والے تھوڑے تھے جب ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کردیا اور جنگ سے پیچھے رہ جانے کو جائز قرار دے دیا اور فرمایا "وما كان المؤمنون لينفروا كافة"

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫١

ترجمہ: اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے (ان سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

تفسیر ⑫١ "وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً" اللہ کے راستے میں "صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا" وہ اپنے سفر میں کسی وادی سے تجاوز نہیں کرتے آتے اور جاتے اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ یعنی ان کے آثار اور قدموں کے نشانات لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" خزیم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں کچھ مال خرچ کیا تو اس کے لیے سات سو گنا تک اجر لکھا جائے گا۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک شخص نکیل ڈالی ہوئی اونٹنی لے کر آیا اور کہا یہ اللہ کے راستے میں ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، تیرے لیے اس کے بدلے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی سب کو نکیل ڈالی ہوئی ہوں گی۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کیا اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی اچھی خبر گیری کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ⑫٢

ترجمہ: اور (ہمیشہ کیلئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس

آویں ڈراویں تا کہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔

تفسیر ⑫ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً" کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے عیب بیان کیے غزوہ تبوک میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو لشکر بھیجتے تو تمام مسلمان غزوہ کی طرف نکل کھڑے ہوتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔ "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ" یعنی کیوں نہیں نکلتی جنگ کی طرف ایک جماعت ہر قبیلہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت باقی رہ جائے۔ "لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ" یعنی پیچھے رہ جانے والے قرآن اور سنن اور فرائض واحکام سیکھیں۔ پھر جب لشکر واپس آجائیں تو ان کو خبر دیں کہ ان کے بعد کیا احکام نازل کیے گئے ہیں۔ پھر وہ لشکر کے لوگ ان احکام کو سیکھنے کے لیے ٹھہر جائیں اور دوسری جماعت بھیج دیں تو یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ" اور تا کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے ذریعے ڈرائیں۔ "اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" جہالت سے ہیں وہ اس کے خلاف عمل نہ کریں حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سمجھ اور ڈرانا اس جماعت کی طرف لوٹ رہا ہے جو جہاد کے لیے کی گئی تھی اور معنی یہ ہے کہ کیوں نہیں نکلی ایک جماعت کہ وہ سمجھ حاصل کرلیں۔ وہ بصیرت حاصل کرلیں اس سے جو اللہ ان کو مشرکوں پر غلبہ اور دین کی مدد کر کے دکھائے گا اور اپنی کافر قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف جہاد سے لوٹیں۔ پھر ان کو خبر دیں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کی مدد کی تا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے باز آجائیں کہ کہیں ان پر وہ مصیبت نہ آجائے جو ان کے کافر ساتھیوں پر آئی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا ایک اور مطلب بھی ہے وہ یہ کہ بنو اسد اور خزیمہ کے قبیلوں پر سخت قحط آیا تو وہ اپنی اولاد کے ساتھ مدینہ آگئے اور مدینہ کے راستوں کو گندگی سے خراب کر دیا اور اس کی چیزوں کے نرخ بڑھا دیئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

"وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كلّ فرقة منهم طائفة" یعنی ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سارے نکل کھڑے ہوں لیکن ہر قبیلہ سے ایک جماعت جو دین میں سمجھ حاصل کرے۔ مجاہد کا قول ہے کہ کچھ لوگ تبلیغ کرنے اور دعوت وہدایت دینے کیلئے دیہات اور صحراء کی طرف گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا تم ہمارے پاس تو تبلیغ کرنے آگئے اور اپنے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آگئے۔ یہ بات سن کر ان حضرات کے دلوں میں کچھ اور ہی ہوا وہ فوراً دیہات سے لوٹ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح (مرکز) کانیں پاؤ گے پس جو ان میں سے بہتر جاہلیت میں تھے وہ اسلام بھی بہتر ہیں۔ وہ دین کی سمجھ (فقہ) اختیار کرلیں۔ فقہ دین کے احکام کو پہچاننا اور یہ تقسیم ہوتا ہے فرض عین اور فرض کفایہ کی طرف۔

پس فرض عین جیسے طہارت، نماز، روزے کا علم تو ہر مکلف پر اس کا جاننا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا طلب کرنا

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے اور اسی طرح ہر وہ عبادت جس کو شریعت نے ہر ایک پر واجب کیا ہو تو اس کی معرفت اور اس کے علم کی معرفت واجب ہے جیسے زکوٰۃ کا علم۔ اگر کسی کے پاس مال ہو اور حج کا علم اگر حج واجب ہو اور بہر حال فرض کفایہ یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرے کہ اجتہاد اور فتویٰ کے مرتبہ تک پہنچ جائے جب سارے شہر والے اس علم کے حاصل کرنے سے بیٹھ گئے تو سارے گناہ گار ہوں گے اور اگر کسی شہر سے ایک شخص بھی اس فرض کفایہ علم کو حاصل کرنے نکل کھڑا ہو تو دوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا اور ان پر اس عالم کی تقلید واجب ہے نئے پیش آنے والے مسائل میں۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر میری تمہارے ادنیٰ پر فضیلت کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ زیادہ بھاری ہے شیطان پر ہزار عبادت گزاروں سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا نفل نماز سے افضل ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ⑫③ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ⑫④ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ⑫⑤

ترجمہ: اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس (رہتے ہیں) اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے پس ان سے ڈرو د بومت) اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین (غرباء و مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ (کہو) اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے (تو) ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ (اس ترقی کے ادراک سے) خوش ہو رہے ہیں اور جن کے دلوں میں (نفاق) کا آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کو (پہلی) گندگی کے ساتھ اور (نئی) گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔

تفسیر ⑫③ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ" آیت میں گھر اور نسب کے اعتبار سے قریبی لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جیسے بنوقریظہ، بنونضیر اور خیبر وغیرہ اور بعض نے کہا اس سے روم مراد ہیں اس لیے کہ وہ شام کے رہائشی ہیں اور ملک شام عراق کی بنسبت مدینہ سے زیادہ قریب ہے۔ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" سختی اور غیرت۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا جہاد پر صبر۔ "وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" مدد اور تصرف کیساتھ۔

⑫④ "وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا" یقین، منافقین یہ بات استہزاء کے لیے کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" یقین اور تصدیق "وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ" قرآن کے اترنے پر خوش ہوتے ہیں۔

⑫⑤ "وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" شک اور نفاق "فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ" یعنی ان کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ ہر سورت کے نزول کے وقت وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو اس کے ذریعے ان کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اشارہ

ہے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ایک یا دو کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے آؤ ہم ایمان کو زیادہ کر لیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بے شک دل میں سفید نقطے کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب ایمان زیادہ ہوتا ہے تو وہ نقطہ بھی زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ مکمل دل سفید روشن ہو جاتا ہے اور بے شک دل میں سیاہ دھبہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب بھی نفاق زیادہ ہوتا ہے تو وہ سیاہ دھبہ بھی بڑھتا ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ کی قسم! اگر تم کسی مسلمان کا دل کھول کر دیکھو تو اس کو بالکل سفید پاؤ گے اور اگر کسی منافق کا دل چیر کر دیکھو تو اس کو بالکل سیاہ پاؤ گے۔ "وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ⑫⑥ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑫⑦ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑫⑧

ترجمہ: اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی (اپنی حرکات شنیعہ سے) باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں (جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو) اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں) کہ تم کو کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں (یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے) خدا تعالیٰ نے ان کا دل (ہی ایمان سے) پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں (کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں) (اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بابت نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

تفسیر: ⑫⑥ "اَوَلَا يَرَوْنَ" حمزہ اور یعقوب نے (ترون) تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو خطاب ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ مذکورہ منافقین کی خبر ہے (اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ) وہ آزمائے جاتے ہیں۔ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ" بیماریوں اور سختیوں کے ساتھ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قحط اور سختی کے ساتھ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اور جہاد کے ساتھ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کو رسوا کیا جاتا ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منافق ہوتے ہیں پھر ایمان لاتے ہیں پھر منافق ہو جاتے ہیں اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ اپنا عہد توڑتے ہیں " ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ "عہد توڑنے سے اور نہ نفاق سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ " وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نصرت اور کامیابی کے وعدوں کی تصدیق دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

⑫⑦ "وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ" اس میں منافقین کے عیوب اور ان کو ڈانٹ ہے۔ "نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ" بھاگنے کا

ارادہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشارہ سے کہتے ہیں کہ "هَلْ يَرٰكُمْ مِّنْ اَحَدٍ" مؤمنین میں سے کوئی ایک۔ اگر وہ کھڑے ہوں اور کوئی مؤمن نہ دیکھ رہا ہو تو مسجد سے نکل جاتے ہیں اور اگر پتہ لگے کہ کوئی ایک ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں۔ "ثُمَّ انْصَرَفُوْا" ان پر ایمان لانے سے اور بعض نے کہا ان جگہوں سے پھر جاتے ہیں جہاں وہ سنتے ہیں۔ "صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" ایمان سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اس فعل کے بدلے اللہ نے ان کو گمراہ دیا۔ " بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اپنے دین کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم نماز پڑھ لو تو یوں نہ کہا کرو کہ ہم نماز سے پھر (لوٹ) رہے ہیں کیونکہ ایک قوم پھری تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا لیکن تم یوں کہو کہ ہم نے نماز ادا کر لی۔

⑫⑧ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" تم اس کا حسب و نسب جانتے ہو۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب سے بنی اسماعیل سے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرب کے ہر قبیلہ میں آپ علیہ السلام کا نسب جا ملتا ہے۔ جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں جاہلیت کی کوئی پیدائش نہیں ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جاہلیت کے طریق زنا سے نہیں پیدا ہوا بلکہ اسی نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوا۔ جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔ نہیں جنا مجھے مگر اسلام کے نکاح کی طرح نکاح نے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، زہری اور ابن محیصن رحمہم اللہ نے "من انفسکم" فاء کی زبر سے پڑھا ہے۔ یعنی تم میں سے افضل اور اشرف لوگوں میں سے ہیں۔ " عَزِيْزٌ عَلَيْهِ" گراں ہے ان پر "مَا عَنِتُّمْ" بعض نے کہا "ما" صلہ ہے یعنی "عنتکم" اور وہ تم پر مشقت اور ضرر کا داخل ہونا ہے۔ قتیبی نے کہا کہ وہ چیز رسول پر شاق ہے جو تم کو دشواری میں ڈال دے اور تم کو دکھ پہنچائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ " حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ" تمہارے ایمان اور تمہاری خیر خواہی پر اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے گمراہ لوگوں پر حریص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں۔ "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" بعض نے کہا ہے کہ نیک لوگوں پر شفیق اور گناہ گاروں پر رحیم ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ⑫⑨

ترجمہ: پھر اگر (اس پر بھی) یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لئے (تو اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

تفسیر ⑫⑨ "فَاِنْ تَوَلَّوْا" یعنی اگر وہ ایمان سے اعراض کریں۔ "فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں آخر میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ "لقد جاء کم رسول" سے آخر سورت تک اور فرمایا کہ اللہ کے پاس سے آنے والی آیت میں قریب ترین زمانہ والی یہی دو آیات ہیں۔

الحمد للہ تفسیر بغوی کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔

تیسری جلد سورہ یونس سے شروع ہے۔

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن
والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ مائدہ تا سورہ توبہ

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار و برکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورہ مائدہ

خاصیت آیت ۲۰

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

اور وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ

جو آدمی یہ آیات سات دن تک ہر روز طلوع آفتاب سے پہلے اپنی دائیں ہتھیلی پر لکھ کر زبان سے چاٹ کر تھوک نگل لے گا تو اسے معافی وعافیت' قناعت وصبر اور دل کی نرمی وتمام مسلمانوں کیلئے رحمت عطا ہوگی۔

خاصیت آیت ۵۹

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ

یہ آیات دشمن کے چہرہ کو سیاہ کرنے' اسے رسوا کرنے اور اسکے ذہن کو کند کرنے کیلئے مفید ہیں۔

جب یہ مقصد حاصل کرنا ہوتو جمعرات کے دن روزہ رکھو اور مغرب وعشاء پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ کہو۔

يَا قَدِيْمَ الْاَزَلِ يَااَزَلِيُّ لَمْ يَزَلْ يَامَنْ يَّعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ خُذْ (فلان بن فلانہ (یہاں دشمن کا نام اور اسکی ماں کا نام) اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ

پھر مذکورہ بالا آیات تین دفعہ پڑھے پھر یہی آیات ویران گھر سے ایک مٹھی مٹی کی لیکر اس پر تیس بار پڑھے پھر وہ مٹی دشمن کے گھر پھینک دے اور اسکے مال وجان میں قدرت کے کرشمے دیکھے۔

خاصیت آیت ۶۴

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

جب کچھ لوگ کسی غیر شرعی اور ناجائز کام پر متفق ہو جائیں اور اس پر ایک دوسرے کا تعاون کر رہے ہوں تو ان کو آپس میں متفرق

کرنے کیلئے مفید ہیں۔طریقہ یہ ہے کہ ان میں سے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے کے کچھ بال لے کر انہیں جلاؤ۔حتی کہ راکھ ہو جائیں۔پھر یہ آیات کسی پاک برتن میں یا نئے کپڑے کے گول ٹکڑے میں جو کہ ہفتہ کے دن کاٹا گیا ہو لکھو پھر اسے حرمل کے پتوں سے نچوڑے ہوئے پانی سے دھولو اور اس پانی ور اکھ کو ان کے گھروں اور بیٹھکوں میں بکھیر دو۔وہ آپس میں بکھر جائیں گے۔

خاصیت آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْکُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَکُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ

یہ آیات رزق میں وسعت، راحت، برکت اور خوشحالی لاتی ہیں اور بھوک وافلاس کو دور کرتی ہیں۔جو رزق کی تنگی میں مبتلا ہو تو ان آیات کو جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے بنے ہوئے برتن میں اپریل کے مہینہ کے پہلے دن چاندی کے قلم سے نقش کر لے اور وہ خود پاکی کی حالت میں ہو اور اس برتن کو اپنے پاس رکھ لے۔جب ضرورت ہو اس کو پانی سے بھر لے اور جس جگہ کام کرنے کا ارادہ ہو اسی جگہ جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے چھڑک دے۔خواہ گھر میں یا کھیت میں یا باغ میں یا جہاں چاہے۔اور اگر کسی انسان کی حاجت کیلئے کرنا ہو تو وہ اس پانی کو مسلسل تین جمعوں کو پیئے تو وہ جو بھی کرے گا۔اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔اپنے مال، کھیت اور شان ومرتبہ سب میں اچھا نتیجہ دیکھے گا اور اس کی تمام تکالیف دور ہو جائیں گی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الانعام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سورۃ انعام کی تلاوت کرے اور درمیان میں کلام کر کے اسکی تلاوت کے تسلسل کو نہ توڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔اور جو آدمی اسے سچی نیت سے دو رکعت نفل میں تلاوت کرے اور مہینہ بھر میں ہر قسم کے خوف و درد سے حفاظت کا سوال کرے تو وہ اس مہینہ میں ہر ناپسندیدہ اور خوف والی چیز سے محفوظ رہے گا۔

اگر اس سورۃ کو لکھ کر جانوروں کے گلے میں لٹکایا جائے تو وہ ہر آفت و تکلیف سے محفوظ رہیں گے۔جو رات کو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا وہ اس رات میں مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ

جو اسے صبح شام پڑھ کر سات مرتبہ اپنے بدن پر دم کریگا تو وہ ہر قسم کے درد سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۳

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

جس آدمی کو غصہ آئے یا گھبراہٹ یا حسرت و پریشانی محسوس ہو رہی ہو تو وہ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور یہ آیت کثرت سے پڑھے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے گی۔

خاصیت آیت ۱۷، ۱۸

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ

رات کو سحری کے وقت کسی کاغذ پر یہ آیت لکھ کر پہلو کے درد کیلئے یا پستانوں کے درد کیلئے گلے میں لٹکائے تو اس کی برکت سے صحیح ہو جائے گا۔ جسے سخت پریشانی ہو اور گھبراہٹ و گھٹن ہو خواہ اس کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو تو وہ سوتے وقت پہلے ان آیات کو سات مرتبہ پڑھے پھر سوئے جب سو کر اٹھے گا تو یہ سب پریشانی وغیرہ ختم ہو گی۔

خاصیت آیت ۳۶

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ

جس آدمی کو نامردی کی تکلیف ہو یا کوئی عضو بے کار ہو تو وہ تین دن روزے رکھے اور ہر روزہ دودھ اور شکر کے ساتھ افطار کرے۔ پھر آدھی رات کو اٹھے اور یہ آیت اپنے دائیں ہاتھ کے درمیان میں تانبے کے قلم اور عرق گلاب وزعفران سے لکھے اور اسے چاٹ لے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرمائے گا۔

جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئے تو وہ پہلے خالص نیت سے توبہ کرے پھر دو رکعت نفل کی نیت باندھے اس میں پہلے فاتحہ پڑھے پھر سورۃ انعام بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ تک پڑھے پھر

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا پوری آیت پڑھے پھر سجدہ تلاوت کرے اور اس میں اپنی حاجت ذکر کر کے جو چاہے مانگے پھر کھڑا ہو اور

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ

یَصۡدِفُوۡنَ قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ بَغۡتَۃً اَوۡجَھۡرَۃً ھَلۡ یُھۡلَکُ اِلَّاالۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ تک پڑھے پھر سجدہ والی آیت پڑھے اور سجدہ تلاوت کر کے اس میں اپنی حاجت کیلئے دعا کرے پھر کھڑا ہو کر

وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ کن فیکون تک پڑھے پھر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ تلاوت کرے اور اس میں دعا مانگے پھر کھڑا ہو کر الحق وله الملک رسول الله تک پڑھے پھر آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ تلاوت کر کے اس میں دعا مانگے پھر کھڑا ہو کر

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّھُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ والی پوری آیت پڑھے اور پہلی رکعت کا رکوع کرے پھر سجدہ کر کے دوسری رکعت میں کھڑا ہو تو فاتحہ اور سورۃ انعام شروع سے پڑھے

بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡہِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِکُوۡنَ

تک اور دوسری رکعت میں اسی طرح پانچ دفعہ کرے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا پھر دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیر کر ختم کر دے۔اس دعا بفضل الٰہی قبول ہے۔

خاصیت آیت ۴۴، ۴۵

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡھِمۡ اَبۡوَابَ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰھُمۡ بَغۡتَۃً فَاِذَا ھُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ فَقُطِعَ دَابِرُالۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

اگر کسی ظالم دشمن کا گھر اجاڑنا ہو اور ان کے اتحاد کو توڑنا ہو اور ان کی جڑ کھودنی ہو تو ذبح کیے ہوئے اونٹ کی پرانی ہڈی تلاش کرے اور اس پر یہ آیت لکھ کر اس کے گھر ڈال دے تو اس کا گھر ویران ہو جائے گا۔یہ آیت ناز بو کے پانی سے تانبے کے پرات میں لکھے اور زیرہ کے پانی سے دھوئے اور اسی پانی میں عشاء سے صبح تک بھگوئے رکھے اور یہ پانی بہت مچھروں اور پسوں والی جگہ میں چھڑکے۔دو دفعہ یہ عمل کرے ان شاء اللہ مچھروں اور پسوں کا نشان بھی نہیں رہے گا۔

خاصیت آیت ۵۹ تا ۶۲

وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُھَاۤ اِلَّا ھُوَ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُھَاوَلَاحَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّ لَایَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ وَھُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ وَھُوَ الۡقَاھِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ وَیُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا وَھُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰھُمُ الۡحَقِّ ؕ اَلَا لَہُ الۡحُکۡمُ وَھُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ

جو آدمی اس آیت کو ریشم (کتان) کے ٹکڑے میں لکھ کر اسے اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ جو معاملہ مجھ پر مشتبہ ہے وہ واضح ہو جائے تو وہ اسے دیکھ لے گا۔

جو آدمی اس آیت کو طہارت کی حالت میں پاک بستر پر بیٹھ کر لکھے پھر اسے اپنے بازو کے ساتھ باندھ کر سو جائے تو صبح کو یہی باندھے ہوئے اٹھ کر جہاں جائے اور جو بھی اسے ملے گا وہ اس سے کوئی نہ کوئی عجیب بات کرے گا۔

خاصیت آیت ۶۳، ۶۴

مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ

جب سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اس سے موجیں اٹھ رہی ہوں تو یہ آیت ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر اس میں ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کی طغیانی ختم ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۷۲

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اگر چور پکڑنا ہو یا بھاگے ہوئے کو واپس لانا ہو تو اس کا معروف نام اور اس کی ماں کا نام معلوم کر کے پھر کسی خشک چیز کا ٹکڑا یا خشک کدو کا خشک چھلکا لیکر اس میں پرکار سے ایک دائرہ لگا لے پھر اسے لیکر کسی الگ جگہ میں چلا جائے جس کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ پھر اس دائرہ کے درمیان میں یہ آیات لکھے پھر چور یا بھگوڑے کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے۔ پھر اسے ایسی جگہ دفن کر دے جہاں کوئی نہ چلتا ہو تو اس کا دماغ چکرانے لگے گا حتی کہ واپس آجائے گا۔

خاصیت آیت ۷۵، ۷۹

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

جو آدمی یہ آیت عرق گلاب اور زعفران سے چینی کی پلیٹ میں لکھ کر نہر کے پاک پانی سے دھو کر پی جائے تو اسے ہدایت اور رائے و فیصلہ کرنے میں راستی و درستی کی توفیق ملے گی۔

جو آدمی یہ آیت لکھ کر شیشہ کے گلاس میں رکھے اور پانی کے ساتھ لکھے اور اسی پانی کا آنکھوں میں سرمہ لگائے تو اسے

بادشاہوں اور حکام اور تمام لوگوں کے ہاں قبولیت اور قدرومرتبہ ملے گا۔

جو آدمی اس آیت کو بادام کے پتے پر زعفران سے لکھ کر اس عرق گلاب سے دھوئے جس میں انیسوں اور آس کا پانی ابالا گیا ہے پھر ہر بدھ کو اس میں سے پئے اور تین بدھ ایسا کرے تو اس کو فصاحت کلام اور زور بیان عطا کیا جائے گا جس سے اس کا دشمن اور مقابل مقہور و مغلوب ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۹۳'۹۴

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ

جس آدمی کو دشمن اذیت دیتے ہوں اور یہ ان کی ہلاکت اور ان کے شہر کی بربادی چاہتا ہو تو وہ ان آیات کو سورج نکلنے سے پہلے بید کے تین پتوں پر ایک طرف موٹے قلم سے لکھے اور دوسری طرف دشمنوں کے نام لکھے پھر پتے کو ان کے پینے کے پانی میں ڈال دے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اسے یہ عمل کرتے ہوئے کوئی دیکھے نہیں۔

خاصیت آیت ۹۵

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ

اس آیت کو زعفران اور کافور کے ساتھ پاک برتن میں لکھے اور پانی سے دھو کر درخت یا فصل کا بیج جو کاشت کرنا چاہتا ہے اس میں ڈال دے پھر اسے کاشت کرے تو یہ درخت و فصل عمدہ ہوگی یہ کاشت برکت والی ہوگی اس کا پھل میٹھا ہوگا۔ اور اگر پہلے سے کاشت شدہ درخت یا فصل ہے تو اس پانی کو اس کی جڑوں میں ڈالے تو بھی برکت ہوگی۔

خاصیت آیت ۹۶'۹۷

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ

پاک ہو کر اس آیت کو لکڑی کی تختی میں جمعہ کے دن لکھ کر یا نقش کر کے کشتی کے اگلے حصہ میں گاڑ دیا جائے تو وہ رات و دن میں ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

جو آدمی اس آیت کو لازورد کے نگینہ میں بدھ سے لیکر جمعہ تک کے کسی دن تیسری ساعت میں نقش کرے اور انگوٹھی میں جڑ دے تو جو بھی اس انگوٹھی کو پہنے گا اس کی حاجت پوری ہوگی اور وہ جو بھی مانگے گا۔ خواہ رزق خواہ قبولیت عامہ و محبت و دبدبہ ہو اس کی دعا رد نہیں ہوگی۔

خاصیت آیت ۹۹

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

اس آیت کو کھجور کے تازہ ترین شگوفہ میں جمعہ کے دن کی کسی ساعت میں لکھ کر چلتے ہوئے کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کنویں کے پانی میں برکت عطا فرمائیں گے اس کا پانی چلتا ہی رہے گا اور عمدہ ومفید ہوگا۔ انسانوں اور جنوں کی نظر بد سے محفوظ رہے گا اور اس کے پانی سے جو بھی درخت یا کھیتی سیراب ہوگی اس میں برکت ہوگی۔

خاصیت آیت ۱۰۳

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

اس آیت کا پڑھنا آندھی کو روکنے اور اندھیرے میں حفاظت کیلئے مفید ہے۔

خاصیت آیت ۱۶۴

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب کوئی تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے تو یوں کہے۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ ذَاالَّذِیْ یَدْعُوْكَ فَلَمْ تُجِبْهُ وَمَنْ ذَالَّذِیْ سَاَلَكَ فَلَمْ تُعْطِهٖ وَمَنْ ذَاالَّذِیْ اِسْتَجَارَكَ فَلَمْ تُجِرْهُ وَمَنْ ذَاالَّذِیْ تَوَكَّلَ عَلَیْكَ فَلَمْ تَكْفِهٖ وَاغَوْثَاهُ بِكَ اَسْتَغِیْثُ اَللّٰهُمَّ اَغِثْنِیْ یَامُغِیْثُ وَاشْفِنِیْ شِفَآءً عَاجِلًا وَفَرِّجْ عَنِّیْ فَرَجًا قَرِیْبًا بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

پھر جو چاہے اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

خاصیت آیت ۱۴۱

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ

جو آدمی ان آیات کو زیتون کی لکڑی کی تختی میں نقش کر کے گھر کے دروازے کی چوکھٹ کے اوپر رکھے گا تو اسکے درختوں اور باغات کے پھلوں میں برکت اور عمدگی آئے گی۔

اور جو آدمی انہیں مینڈھے کے رنگے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر جانوروں کے گلے میں لٹکائے گا تو اس کے جانوروں میں زیادتی اور برکت ہوگی اور آفتوں سے محفوظ رہیں گے۔

سورہ اعراف

خاصیت آیت اول

الٓمّٓصٓ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ

یہ آیات حکمرانوں' افسروں اور ججوں اور قاضیوں اور دیگر افسروں کیلئے مفید ہیں۔ یہ آیات خالص چاندی کی ٹکڑی میں نقش کراکے انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لے جو اس انگوٹھی کو پہنے گا اسے ہر کام صحیح کرنیکی توفیق ملے گی اور اسکا کردار اعلیٰ ہو جائیگا اور اسکے ذریعہ عوام الناس کیلئے مفید کام ہونگے۔

خاصیت آیت ۱۰

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ

جمعہ کے دن جب جمعہ نماز پڑھ کر فارغ ہو تو یہ آیت لکھ کر گھر میں یا دکان میں یا اپنی رہائش کی جگہ میں رکھ دے رزق وسیع ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۲۶

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ط ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ

جس کا ارادہ توبہ کرنے کا ہو تو وہ چڑھتے ہوئے چاند کی تاریخوں میں جمعرات کے دن نئی قمیص پہنے پھر دو رکعت نماز نفل اس نئی قمیص کے شکرانہ کیلئے پڑھے پھر اس آیت کو خالص روغن یاسمین کے ساتھ شیشے کے گلاس پر لکھے پھر اسے عرق گلاب کے ساتھ دھو کر اس تیل کو اپنے چہرے اور جسم پر لگائے پھر اس آیت کو زیتون کے پتے پر لکھ کر قمیص کے گریبان میں ڈالے جو بھی اس قمیص کو پہنے گا اسے اطاعت الٰہی اور نیکیوں کی توفیق ملے گی۔

خاصیت آیت ۳۱ تا ۳۲

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ط کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ

یہ آیت نئے سبز رنگ کے برتن میں سفید انگور اور زعفران کے ساتھ لکھے پھر اسے عرق گلاب سے دھو لے جو اس پانی سے نہائے گا تو اس سے ... جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ جو اس پانی کو پئے گا اور اپنے کھانے میں ملائے گا وہ زہر اور جادو اور نظر بد کے اثر سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۳۸

اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ط کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّۃٌ لَّعَنَتْ اُخْتَھَا ط حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَکُوْا فِیْھَا جَمِیْعًا قَالَتْ اُخْرٰھُمْ لِاُوْلٰھُمْ رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِھِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ط قَالَ لِکُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ

جس کا کوئی دشمن جیل میں ہو اور یہ چاہتا ہوں کہ اسے رہائی نہ ملے اور دیر تک جیل میں رہے تو یہ آیت سرخ رنگ کے رنگے ہوئے چمڑہ پر لکھے اور اس دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لکھے اور یہ بھی لکھے مکثًا مکثًا یافلاں بن فلانۃ تثبیطا مکثا بلازوال پھر اس لکھے ہوئے کو اس کے قید خانہ کے دروازہ کے نیچے دفن کردے تو دشمن اس جیل میں قید ہی رہے گا۔

خاصیت آیت ۴۳

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

خالی قلم سے مٹھائی پر یہ آیت لکھ کر آپس میں نفرت رکھنے والے لوگوں کو کھلا دی جائے تو ان کی دشمنی ختم ہو جائے گی اور جو آپس میں دوست ہیں انہیں کھلا دی جائے تو ان کی دوستی و محبت و اتفاق قائم رہے گا۔ یا ان لوگوں کی تعداد کے مطابق پتوں پر یا پھلوں پر یا انجیروں پر لکھ کر کھلائے تو بھی درست ہے۔ اور یہ آیت دل کے درد کیلئے بھی مفید ہے۔ مٹی کا نیا پختہ برتن پرس کے تندور سے نکلتے ہی زعفران اور عرق گلاب سے لکھے اور انجیر کے پانی سے اسے دھو کر اس پانی سے پیئے تو دل کے درد کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۵۴

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِہٖ ط اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

جو آدمی سوتے وقت یہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے شیطان اور اس کے لشکروں سے محفوظ رکھیں گے اور کمزوری فالج سے بھی محفوظ رکھیں گے۔

خاصیت آیت ۵۴ تا ۵۶

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِہٖ ط اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ط اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

جو آدمی یہ آیات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی نیند کم ہونے کی دعا مانگے تو اس کی نیند کم ہو جائے گی اور جو ان آیات کے ساتھ حرز اور سورۃ براۃ کی آخری آیت بھی اپنی دکان پر یا سامان پر یا مال پر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و کفایت فرمائیں گے۔

خاصیت آیت ۵۷، ۵۸

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ زیتون کی لکڑی کو کھرچ کر بنایا ہوا پیالہ لیکر اس میں سیب اور زعفران کے پانی سے لکھ کر اسے انگور کے پانی سے دھو کر درختوں کی جڑوں میں خالص پانی کے اوپر ڈالا جائے تو درخت دیمک' کیڑوں' سوکڑے سے اور چوہوں اور ٹڈیوں اور نقصان دہ پرندوں وغیرہ سے محفوظ ہو کر سرسبز و شاداب رہیں گے۔

خاصیت آیت ۹۷ تا ۹۹

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ آیت ایک کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھو لے اور پھر اس پانی کو گھر یا مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دے تو تکلیف دہ و مضر مچھروں اور حشرات سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۸۰

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے انہیں یاد کیا وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور وہ طاق کو پسند کرتا ہے اور وہ ننانوے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیْ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیْ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیْ الْمُتَعَالِیْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَلْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیْ الْبَدِیْعُ الْبَاقِیْ الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ.

خاصیت آیت ۲۰۰، ۲۰۱

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ جس آدمی کو وساوس' گھبراہٹ' فضول خیالات آنے کی شکایت ہو یا کپکپی ہوتی ہو تو وہ اس

آیت کو عرق گلاب اور زعفران کے ساتھ یوم کے دن سات پتوں میں طلوع آفتاب کے وقت لکھے اور روزانہ پتا نگل جائے اور اس پر ایک گھونٹ پانی پیئے تو یہ شکایت و تکلیف جاتی رہے گی۔ جب کسی کے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو وہ یہ پڑھے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور جب وسوسہ آئے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھنا مستحب ہے کیونکہ شیطان جب توحید و رسالت کی شہادت سنتا ہے تو دور بھاگ جاتا ہے۔

سورۃ الانفال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سورۃ انفال اور سورۃ برأت پڑھتا رہے میں اس کا سفارشی ہوں اور گواہوں کو وہ نفاق سے بری ہے اور ہر منافق مرد اور عورت کے بدلہ اسے دس نیکیاں دی جائیں گی اور عرش عرش اٹھانے والے فرشتے جب تک وہ دنیا میں ہے اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو آدمی روزانہ سات مرتبہ یہ آیت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کی مشکلات میں اس کی کفایت فرمائیں گے۔ خواہ اس نے صحیح تدبر اختیار کی ہو یا غلط اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی کسی دیوار کے نیچے آکر اور ڈوب کر اور جل کر اور لوہے کے ہتھیار سے نہیں مرے گا۔ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابومعشر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی ٹانگ ران سے ٹوٹ گئی۔ اس کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا جہاں تجھے درد محسوس ہوتا ہے اس جگہ ہاتھ رکھ کر فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اس نے ایسا ہی کیا تو اس کی ران درست ہوگئی۔ جو آدمی اس آیت کو لکھ کر گلے میں لٹکائے تو وہ جس افسر کے پاس کسی کام کیلئے جائے گا وہ اسکا کام کر دیگا۔

خاصیت آیت ۲

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

جس آدمی کا دل سخت ہو گیا ہو اور اس پر کوئی نصیحت و وعظ اثر نہ کرتا ہو اور اس کا دل اچھائی کے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو وہ خالص جو کا آٹا لیکر اس کی روٹی بنائے اور طلوع آفتاب سے پہلے اس پر خالی قلم سے سات مرتبہ یہ آیت لکھے پھر اس دن روزہ رکھے اور اسی روٹی سے افطار کرے تو اس کا دل نرم ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۰

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اس آیت کو ستائیس رمضان کے دن ایک کاغذ پر لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لیا جائے تو جو بھی اس انگوٹھی کو پہنے گا وہ خوش و خرم رہے گا اور اپنے ہر دشمن کے مقابلہ میں غالب و منصور رہے گا۔

خاصیت آیت ۶۲، ۶۳

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ ؕ ھُوَالَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ؕ لَوْاَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

جو آدمی رمضان کے پہلے جمعہ کے دن ظہر وعصر کے درمیان کے وقت میں پاکی کی حالت میں اون یا ریشم کے ٹکڑے پر یہ آیت لکھے اس ٹکڑے کی اون کے تین رنگ ہوں' سبز زرد اور سرخ' پھر اس ریشم یا اون سے اسی دن ٹوپی بنالے پھر جب تک کوئی حاجت پیش نہ آئے اس ٹوپی کو پہن کر کسی پاک اونچی جگہ میں بیٹھا رہے۔ تو اس ٹوپی کو جو بھی پہن کر جہاں بھی جائے گا تو وہاں اس کی عزت وقدر ہوگی اور رعب ودبدبہ ہوگا اور کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی جو اس کے سامنے آئے گا گونگا ہو جائے گا اس کے تمام حالات بہتر ہو جائیں گے اور اس کیلئے محبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں اس کی محبت ڈال دیں گے اور مخلوق کو اس کیلئے مسخر کر دیں گے۔ اسے مخلوق کی طرف سے محبت وبھلائی ملے گی۔

خاصیت آیت ۶۶

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

جو آدمی اس آیت کو سات دن ہر نماز کے بعد پڑھے اور شروع اس طرح کرے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد مغرب تک پڑھے پھر ہر نماز کے بعد اور رات دن میں جب فارغ ہو پڑھے۔ اس طرح سات دن تک پڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بوجھوں اور ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بخار والے مریض کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے اور وہ مریض تندرست ہو جاتا تھا۔ دیکھا گیا تو اس تعویذ میں لکھا ہوا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

سورۃ التوبہ

خاصیت آیت ۳۲، ۳۳

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْکَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ

اس آیت کو شیشہ کے نئے گلاس میں لکھے اور اسے عود وعنبر کی دھونی دے پھر اسے یاسمین کے خالص عطر سے دھوئے اور سبز شیشہ کے برتن میں اونچی جگہ رکھ دے جب ضرورت پڑے اس عطر کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان لگالے تو اسے لوگوں میں

محبت اور عزت ومرتبہ ملے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت کو ہرن کے چمڑے پر زعفران اور عرق گلاب سے لکھے اور کستو
کی دھونی دے۔ اس کو جو آدمی اپنے دائیں بازو پر باندھے گا اسے لوگوں میں محبت وعزت اور مرتبہ ودبدبہ حاصل ہوگا۔

خاصیت آیت ۴۶

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ
اس آیت کو ریشم کے گول کاٹے ہوئے ٹکڑے میں لکھے جو ٹکڑا مہینہ کے اول دنوں میں کاتا گیا ہو اور آیت کے اردگرد بھاگنے والے یا چور کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے (فلاں بن فلانہ) پھر اسے لیکر شہر سے باہر ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھے اور اس گول ٹکڑے کے درمیان میں نئی میخ گاڑے پھر اسے مٹی سے چھپادے تو بھگوڑا اور چور واپس آجائے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۹

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ جمعہ کی رات میں آدھی رات کو اسے تین سو مرتبہ پڑھے اور ہر بار کے آخر میں کہے۔ يَا رَبِّ حَسْبِيْ عَلٰى فُلَانِ بِنْ فُلَانَةَ اِعْطِفْ قَلْبَهٗ وَذَالَهُ اِلَيَّ تو بہت جلد اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اس پر شفقت ومحبت ڈال دیں گے اور اسے اسکا مسخر وتابع بنادیں گے۔ یہ مجربات میں سے ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب قرآنی تفسیر
''تفسیر میرٹھی'' سے منتخب آیات کے فضائل وخواص

فضیلت وخاصیت سورہ اعراف

فضائل۔ جو اس سورت کو پڑھے گا قیامت کو اللہ پاک اس کے اور شیطان کے درمیان پردہ حائل کردے گا آدم علیہ السلام اس کی شفاعت کریں گے۔

فضیلت وخاصیت سورہ انفال وتوبہ

فضائل۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ انفال اور توبہ پڑھا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ وہ نفاق سے مبرا ہے اور اس کا پڑھنے والا ہر منافق وہر منافقہ کی تعداد پر دس دس نیکیاں پائے گا' جب تک دنیا میں زندہ رہے گا عرش اور اس کے اٹھانے والے فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

بحمد اللہ تم

اغلاط نامہ .... جلد دوم

معذرت:۔...طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
36	الجحیم	اصحب الجحیم
48	قوم الفاسقین	القوم الفاسقین
71	اللہ سبحان	اللہ سبحانہ
93	الہ الا اللہ	الہ الا الہ
127	لانشتری ثمنا	لانشتری بہ ثمنا
144	واللہ الاسماء	وللہ الاسماء
157	ربهم بالغدواة	ربهم بالغداوة
174	يَعْقُوْب	يَعْقُوْبَ
175	يَعْقُوْب	يَعْقُوْبَ
184	الْاَبْصَارُ وَهُوَ	الْاَبْصَارَ وَهُوَ
185	يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ	يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ
185	يومئذ لمعجوبون	يومئذ لمحجوبون
205	اِلٰى لِشُرَكَآئِهِمْ	اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ
206	اورچوپالوں	اورچوپایوں
206	لِشُرَكَآئِهِمْ	شُرَكَآئِهِمْ
209	وآتو حقه	وآتوا حقه
211	حرث و حجر	حرث حجر
238	يَوْمَ الْقِيٰمَةَ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
239	يَوْمَ الْقِيٰمَةَ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
241	القيامة نزى	القيامة ترى
243	تِلْكُمُ الْجَنَّةِ	تِلْكُمُ الْجَنَّةُ
249	الَّيْلَ النَّهَارَ	الَّيْلُ النَّهَارَ
250	الَّيْلَ النَّهَارَ	الَّيْلُ النَّهَارَ
261	وَاِلٰى ثَمُوْدُ	وَاِلٰى ثَمُوْدَ
275	مَكْرَاللّٰهِ	مَكْرَاللّٰهِ
276	مَكْرَاللّٰهِ	مَكْرَاللّٰهِ
278	رنيت بالقوس	رميت بالقوس
298	وكتبنا فى	وكتبنا له فى
315	طوعا او كرها	طوعا و كرها
348	اللّٰهُ وَعَنْهُمْ	اللّٰهُ عَنْهُمْ
365	والدى القربى	ولذى القربى
371	ورثاء الناس	ورثاء الناس
375	الْخَآئِنِيْنَ	الْخَآئِنِيْنَ
401	وَاَمْوَالٌ	وَاَمْوَالُ ن
421	الى الارضى	الى الارض
434	فكانت للمساكين	فكانت لمساكين
440	میں ہوئی	میں ہوا
451	جَزَآءُ مِمَّا	جَزَآءٌم بِمَا
452	جَزَآءُ مِمَّا	جَزَآءٌم بِمَا
458	لَتُعْرِضُوْا	لِتُعْرِضُوْا
459	لَتُعْرِضُوْا	لِتُعْرِضُوْا
469	عبارت	عبارت

محبت اور عزت د
کی دھونی دے۔
خاصیت آیہ
وَلَوْاَرَادُ
اس آیتَ
والے یا چور کا نا
اور اس گول ٹکڑ
خاصیت آ
فَاِنْ تَوَلَّ
اسے تین سو مر
اس کے دل م
فضیلت و
فضائل
اس کی شفاء
فضیلت
فضائل
شفاعت کر
گا جب تک

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التّنزِیل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفرأ بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد سوم ... سورۃ یونس تا سورۃ کہف

بشمول قرآنی فضائل وخواص

ازابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

خصوصیات

قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں

ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ

فقہی احکام اور مسائل کا التزام

مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر

تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح وتفسیر

قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا

صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر

تفسیر کے مطابق قرآنی متن وترجمہ اپنی جگہ پر

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِيل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد سوم ... سورۃ یونس تا سورۃ کہف

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل وخواص

بشمول قرآنی فضائل وخواص

از امام ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے قلم سے

ترجمہ از

اشرفیہ مجلس علم وتحقیق

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

0322-6180738, 061-4519240

تفسیرِ بغوی اُردو

تاریخ اشاعت............ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

ناشر.........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت............... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان

مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار......لاہور | دارالاشاعت......اُردو بازار..........کراچی

مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک......پشاور | مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ

اسلامی کتاب گھر......خیابان سرسید......راولپنڈی | مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ ناشر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جو کہ تفسیر بغوی جو کہ معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اُردو زبان میں ترجمہ کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم و مستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دوچند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔ تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف و تبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ "البلاغ" میں قلمبند فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام و مرتبہ کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دیدیا گیا ہے جو گویا کتاب ہذا کے لیے بطور مقدمہ کے ہے۔

تفسیر ہذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہو کر شائع کی جارہی ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل وخواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدر النظیم فی فضائل القرآن "والآیات والذکر الحکیم" اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل وخواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح و ترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔ "فجزاھم اللہ احسن الجزاء"

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تعارفِ تفسیر

از حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفاسیر میں معالم التنزیل (تفسیر بغوی) کا مقام وخصوصیات

آج سے 28 سال قبل جب ادارہ نے معالم التنزیل (عربی) شائع کی.........تو سیدی حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے زیرادارت ماہنامہ ''البلاغ'' میں بطور تبصرہ کے ایک مختصر وجامع مضمون تحریر فرمایا تھا۔حضرت کی یہ تحریر تفسیر بغوی کے مقام وخصوصیات کے تعارف میں آج بھی تروتازہ ہے۔اس لئے اسے شروع تفسیر میں دیا جارہا ہے......(ناشر)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر جو''معالم التنزیل''یا''تفسیر بغوی'' کے نام سے مشہور ہے،علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل کے بزرگ ہیں اور انہوں نے یہ تفسیر اس غرض سے لکھی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں روایت ودرایت کو جمع کرتے ہوئے ایک ایسی اوسط ضخامت کی کتاب سامنے آئے جو نہ بہت مختصر ہو، نہ بہت طویل، تفسیر سے متعلق ضروری مواد آجائے اور ان کی تفسیر کو علماء ومحققین کی نظر میں مندرجہ ذیل امتیازات حاصل ہوئے۔

❶ ...... یہ متوسط ضخامت کی تفسیر ہے جو قرآنِ کریم کی فہم میں بہت مدد دیتی ہے اور جس میں قرآن کریم کے مضامین تفسیری مباحث کی تفصیلات میں گم نہیں ہو پاتے۔

❷ ......امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ایک جلیل القدر محدث بھی ہیں،اس لیے اس کتاب میں عموماً مستند روایات لانے کا

اہتمام موجود ہے، ضعیف اور منکر روایات اس تفسیر میں کم ہیں۔

③ ...... وہ اسرائیلی روایات جن سے اکثر تفسیریں بھری ہوئی ہیں، اس کتاب میں زیادہ نہیں ہیں۔

④ ...... امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ تر زور قرآن کریم کے مضامین کی تفہیم پر دیا ہے اور نحوی اور کلامی مباحث کی تفصیلات سے گریز کیا ہے۔

اسی لیے علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرطبی، زمخشری اور بغوی رحمہم اللہ کی تفاسیر میں امام بغوی رحمہ اللہ کی تفسیر کو باقی دونوں پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: ''فأسلمها من البدعة والاحاديث الضعيفة البغوی'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۲، ص:۱۹۴)

یعنی ان تینوں میں بدعتی نظریات اور ضعیف احادیث سے محفوظ ترین تفسیر امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔

معالم التنزیل متعدد بار مصر سے شائع ہو چکی ہے لیکن آخر دور میں یہ خالد بن عبدالرحمٰن العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق اور مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی جو اس کتاب کا سب سے بہتر ایڈیشن ہے۔ اوّل تو اس میں پیراگرافوں اور فقروں کی تقسیم و ترقیم کا اہتمام کر کے اس سے استفادہ کو آسان بنا دیا گیا ہے، دوسرے ان دونوں نے اپنے ذیلی حواشی میں امام بغوی رحمہ اللہ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا ہے۔ تیسرے بہت سی جگہوں پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ چوتھے کتاب کے شروع میں اُصولِ تفسیر اور امام بغوی رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل ایک اچھا مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیکن یہ نسخہ پاکستان میں دستیاب نہیں تھا، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ کے مالک مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ نے جن کی شائع کی ہوئی مطبوعات کی تعداد ماشاء اللہ تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس نسخے کا فوٹو لے کر شائع کیا ہے۔ طباعت کا معیار بہت اچھا ہے اور اُمید ہے کہ اہل علم اس گراں قدر علمی تحفے کی پوری قدر دانی کریں گے۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی جمادی الاخریٰ، ۱۴۰۸ھ)

فہرست عنوانات

سُورۃ یُوسُف

سورة بنی اسرائیل

سُورۃُ الکہف

سُوْرَةُ يُوْنُس

سورۂ یونس مکی ہے سوائے تین آیات کے "فان کنت فی شک ممّا انزلنا" سے آخر تک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①

ترجمہ: الٓر یہ پُرحکمت کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

تفسیر ① "الٓر" اور "الٓمّر" اہل حجاز، اہل شام اور حفص نے راء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی حضرات نے راء کے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الٓر" میں اللہ دیکھ رہا ہوں اور "المر" بمعنی میں اللہ جانتا اور دیکھتا ہوں اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "الٓر" اور "حٰمٓ" اور "ن" یہ حروف رحمٰن کے اسم ہیں اور مکمل کلام حروف تہجی کی بحث میں گزر چکی ہے۔ "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ" یعنی یہ اور کتاب حکیم سے مراد قرآن ہے اور بعض نے کہا آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو اس سے پہلے نازل کردی تھیں۔ اسی لیے تو تلک فرمایا ہے کیونکہ تلک غائب مؤنث کے لیے اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور حکیم بمعنی حلال وحرام حدود اور احکام میں پختہ یہاں فعیل کا وزن مفعل کے وزن پر ہے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا "کتاب احکمت آیاته" اور بعض نے کہا ہے کہ حکیم بمعنی حاکم ہے فعیل کا وزن فاعل کے معنی میں ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "وانزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین النّاس" اور بعض نے کہا محکوم کے معنی میں ہے فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں انصاف، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ، بے حیائی، زنا سے روکا گیا اور جو یہ باتیں مانے اس کے لیے جنت اور جو نافرمانی کرے اس کے لیے جہنم کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ
قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ

حَقًّا ۔ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

ترجمہ کیاان (مکہ کے) لوگوں کواس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ ان سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر) ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کو رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) وہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے بلاشبہ تمہارا رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کردیا (پس اعلیٰ درجہ کا قادر ہے) پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قائم ہوا وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے (اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش) نہیں (کرسکتا) بدون اس کی اجازت کے۔ ایسا اللہ تمہارا رب (حقیقی) ہے سو تم اس کی عبادت کرو اور شرک مت کرو) کیا تم (ان دلائل سننے کے بعد) پھر بھی نہیں سمجھتے۔ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اللہ نے (اس کا) سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی (قیامت) کو پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ (پوری پوری جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے (آخرت میں) کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

تفسیر ② "اکان للنّاس عجبا" عجب وہ حالت جو خلاف عادت چیز دیکھنے کی وجہ سے بندہ پر طاری ہوتی ہے۔ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو مشرکین کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بڑے ہیں کہ اس کا رسول کوئی انسان ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اکان للنّاس" یعنی مکہ والوں کو یہاں الف ڈانٹ کے لیے ہے۔ "عجبا ان اوحینا الٰی رجل منھم" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "ان انذر النّاس" یعنی ان کو خوف دلانے کے ساتھ بتادیں۔ "وبشر الّذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربّھم" اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو اعمال آگے بھیجے ان کے بدلے اچھا بدلہ ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سچا ثواب ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ نیک بختی ہے پہلے ذکر میں۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا سچا مقام جس کو نہ کوئی زوال ہوگا اور نہ اس میں کوئی تنگی ہوگی اور بعض نے کہا بلند مرتبہ اور یہاں قدم موصوف کی اپنی صفت صدق کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسے مسجد الجامع حب الحصید میں اضافت ہے۔ "قال الکافرون اِنّ ھٰذا لساحر مبین" نافع اور اہل بصرہ اور اہل شام نے بغیر الف کے "لسحر" پڑھا ہے کہ قرآن مجید مراد ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ اور اہل کوفہ نے الف کے ساتھ "لساحر" پڑھا ہے کہ اور اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتے ہیں۔

③ "انّ ربّکم اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض فی ستّۃ ایام ثم استویٰ علی العرش یدبّر الامر" تنہا

ان کے فیصلے کرتا ہے۔"ما من شفیع الامن بعد اذنه"مطلب یہ ہے کہ سفارش کرنے والے اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کرسکیں گے۔اس آیت میں نضر بن حارث کی تردید ہے وہ کہتا تھا کہ قیامت کے دن لات اور عزیٰ میری سفارش کریں گے۔ "ذلكم الله ربكم" یعنی جس نے یہ کام کیے وہی تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی تمہارا رب نہیں ہے۔"فاعبدوه افلا تذكرون" نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

④"اليه مرجعكم جميعًا وعدالله حقًّا" سچا ہے وعدہ اس کا خلاف نہ ہوگا۔ یہ مصدر کی وجہ سے منصوب یعنی "وعدكم وعداً حقًّا" "انّه يبدؤا الخلق ثم يعيده" یعنی ابتداءً ان کو زندہ کیا پھر ان کو موت دے گا پھر ان کو زندہ کرے گا۔

اکثر کی قرأت "انّه" الف کی زیر کے ساتھ ہے استئناف کی بناء پر اور ابوجعفر نے "انّه" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔معنی "بانه" (اس وجہ سے) یا"لانه" (اس لیے) ہے۔

"ليجزى الّذين امنوا وعملوا الصالحات بالقسط" انصاف کے ساتھ "والّذين كفروا لهم شراب من حميم" گرم پانی کہ اس کی حرارت انتہاء کو پہنچ چکی ہو۔"وعذاب اليم بما كانوا يكفرون"

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّابِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦

ترجمہ وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا اور اس (کی چال) کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (خدا کا) ڈر مانتے ہیں جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں (آخرت کی طلب اصلا نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا بیٹھتے ہیں (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔

تفسیر ⑤"هو الّذى جعل الشمس ضياء ضیاء دن کی روشنی کو کہتے ہیں والقمر نوراً" رات میں چاند کو نور والا بعض نے کہا ہے کہ سورج کو ضیاء والا اور قمر کو نور والا بنایا۔"وقدّره منازل" یعنی ان کی منازل مقرر کیں کہ نہ ان سے آگے بڑھ سکتا ہے نہ پہلے رُک سکتا ہے۔یہاں تثنیہ کی ضمیر استعمال کر کے "قدّرهما" کیوں نہیں کہا؟ تو بعض نے جواب دیا کہ منازل تو دونوں کے لیے مقرر کی ہیں لیکن ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا"والله ورسوله احقّ ان يرضوه"

اور بعض نے کہا کہ ضمیر قمر کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ چاند کے ذریعے مہینوں اور سالوں کے ختم ہونے کی پہچان ہوتی ہے نہ کہ سورج کے ذریعے اور چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں ان کے نام یہ ہیں: شرطین، بطین، ثریا، دبران، ھقعۃ، ھنعۃ، ذراع، نسر، طوف، جبھۃ، زبرۃ، صرفہ، عواء، سماک، غفر، زبانی، اکلیل، قلب، شولہ، نعایم، بلدۃ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیۃ، فرغ الدلوالمقدم، فرغ الدلوالمؤخر بطن الحوت اور یہ منزلیں برجوں پر تقسیم ہیں اور وہ بارہ برج ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ ہر برج کی دو منزلیں مکمل اور ایک منزل کا تیسرا حصہ ہے۔ چاند ہر رات ایک منزل طے کرتا ہے۔ اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو راتیں چھپتا ہے اور اگر انتیس کا ہو تو ایک رات چھپتا ہے۔ تو یہ منزلیں ہوئیں اور سورج کا قیام ہر منزل میں تیرہ دن مکمل اور ایک دن کا تیسرا حصہ ہوتا ہے تو سال کا اختتام اس کے منزلیں طے کرنے سے ہوتا ہے۔ "لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ" یعنی منزل مقرر کیں تا کہ تم سالوں کے داخل ہونے اور ختم ہونے کو جان سکو "وَالْحِسَابَ" یعنی مہینوں، دنوں اور گھڑیوں کا حساب جان سکو "مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ" ذلک کا اشارہ منازل کی تقدیر کی طرف ہے۔ اگر سورج اور چاند کی طرف ہوتا تو تلک سے اشارہ فرماتے۔ "اِلَّا بِالْحَقِّ" یعنی ان کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ اپنی کاریگری اور اپنی قدرت کی دلیل ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ "یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ" ابن کثیر، ابوعمرو، حفص اور یعقوب رحمہما اللہ نے "یفصل" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "ما خلق" کی وجہ سے اور باقی حضرات نے "نفصل" نون کے ساتھ تعظیم کی وجہ سے۔

⑥ "اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ" ایمان لاتے نہیں۔

⑦ "اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا" یعنی نہ ہمارے عذاب سے ڈرتے ہیں اور نہ ہمارے ثواب کی اُمید کرتے ہیں۔ رجاء خوف اور طمع کے معنی میں ہوتا ہے۔

"وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" پس اس کو اختیار کیا اور اسی کے لیے عمل کیا "وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ" یعنی ہمارے دلائل سے غافل ہیں ان سے عبرت نہیں لیتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عن ایاتنا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن سے غافل ہیں یعنی اعراض کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑩ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ⑪

ترجمہ:۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کا رب ان کو بوجہ ان کے مومن ہونے کے ان کے مقصد (یعنی جنت) تک پہنچا دے گا ان کے

(مسکن کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی چین کے باغوں میں ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور ان کی (اس وقت کی ان باتوں میں) اخیر بات یہ ہوگی کہ الحمد للہ رب العالمین اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کے جلدی مچانے کے موافق) جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ (عذاب) کبھی کا پورہو چکا ہوتا سو (اس سے) ان لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر (بلا عذاب چند روز) چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

تفسیر ⑧ "اولئلک ماواھم النّار بما کانوا یکسبون" کفر اور تکذیب اور معاصی پر جمے رہنے کی وجہ سے۔

⑨ "انّ الّذین امنوا وعملوا الصّالحات یھدیھم ربّھم بایمانھم" اس میں عبارت مقدر ہے۔ یعنی ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کی جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ "تجری من تحتھم الانھار، مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو صراط پر جنت کی طرف ہدایت دے گا ان کے لیے نور بنائے گا جس کے ذریعے وہ چلیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ "یھدیھم" کا معنی یہ ہے کہ ان کو ثواب اور بدلہ دے گا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کو اپنے دین کی ہدایت دے گا۔ یعنی ان کے اپنی ہدایت کی تصدیق کرنے کی وجہ سے۔ "تجری من تحتھم الانھار" یعنی ان کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "قد جعل ربک تحتک سریا" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کے نیچے تھا اور وہ اس پر بیٹھی تھیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ان کے سامنے تھا اور بعض نے کہا ہے "تجری من تحتھم" یعنی ان کے حکم کے ساتھ۔ "فی جنّت النعیم"

جنتیوں کا کلام اور ان کے کھانے کی صفات

⑩ "دعواھم" یعنی ان کا قول اور کلام اور بعض نے کہا ان کی دعاء "فیھا سبحانک اللّٰھُمَّ" یہ پاکی بیان کرنے کا کلمہ ہے اللہ تعالیٰ ہر برائی سے پاک ہیں۔ ہم تک روایت پہنچی کہ بے شک جنت والے حمد اور تسبیح الہام کیے جائیں گے جیسے سانس الہام کیے گئے ہیں۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ جنتیوں اور ان کے خدام کے درمیان علامت ہوگا جب کھانے کا ارادہ کریں گے تو "سبحانک اللّٰھُمَّ" کہیں گے تو وہ جو یہ چاہیں گے ان کے پاس لائیں گے دستر خوانوں پر۔ ہر دستر خوان ایک میل لمبا ایک میل چوڑا ہر دستر خوان پر ستر ہزار پیالے ہوں گے ہر پیالے میں الگ رنگ کا کھانا ہوگا وہ کھانے آپس میں ملتے جلتے نہ ہوں گے جب کھانے سے فارغ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وآخر دعواھم ان الحمدللہ ربّ العالمین" کا۔

"وتحیّتھم فیھا سلام" ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور بعض نے کہا فرشتے ملاقات کے وقت ان کو سلام کریں گے اور بعض نے کہا ان کے پاس فرشتے ان کے رب کے پاس سے سلام لائیں گے۔ "وآخر دعواھم ان الحمدللہ ربّ العالمین" مراد یہ ہے کہ وہ اپنی کلام کو تسبیح سے شروع کریں گے اور حمد کے ساتھ ختم کریں گے۔

غصہ کی حالت میں اپنے اہل وعیال کیلئے بددعا نہیں کہنی چاہئے

⑪ "ولو یعجّل اللّٰہ للنّاس الشرّ استعجالھم بالخیر" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ غصہ کے وقت آدمی اپنے اہل وعیال کو جو کچھ کہتا ہے وہ مراد ہے جیسے "لعنکم اللّٰہ" اور "لا بارک اللّٰہ فیکم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے آپ اور اہل وعیال اور مال پر ایسی بددعا کرنا جس کی قبولیت کو وہ خود بھی پسند نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر کے بارے لوگوں کی دُعا جلدی قبول کر لیں، جیسے وہ خیر کے بارے میں جلدی قبولیت چاہتے ہیں تو "لقضی الیھم اجلھم"

ابن عامر اور یعقوب نے (لقضی) قاف اور ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (اجلھم) زبر کے ساتھ یعنی البتہ جس پر بددعا کی ہے۔ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور موت دے دیتا اور دیگر حضرات نے (لقضی) قاف کے پیش اور ضاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے (اجلھم) پیش کے ساتھ۔

یعنی ان کی ہلاکت سے فارغ ہو چکے ہوتے اور وہ سب مر چکے ہوتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے۔ "فنذر الّذین لایرجون لقاء نا" یعنی بعث اور حساب کا خوف نہیں کرتے۔ "فی طغیانھم یعمھون" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میں نے آپ سے ایک عہد کیا تھا جس کے خلاف آپ نہ کریں گے کیونکہ میں ایک انسان ہوں مجھ سے بھی وہ باتیں صادر ہو جاتی ہیں جو کسی انسان سے صادر ہوتی ہیں تو جس مؤمن کو بھی میں نے تکلیف دی ہو یا برا بھلا کہا ہو یا کوڑا مارا ہو یا لعنت کی ہو تو آپ اس کو اس کے لیے رحمت اور صفائی ستھرائی اور قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنا دیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭

ترجمہ: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی پھر ہم جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں جس طرح ہم نے بھی بیان کیا ہے) اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو (انواع عذاب سے) ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں

نے ظلم کیا (یعنی کفر و شرک) حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ (بوجہ غایت عناد کے) ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ہے) پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ (ظاہری طور پر) ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

تفسیر ⑫ "واذا مسّ الانسان الضّر" ضر سے مراد مشقت اور سختی ہے۔ "دعانا لجنبه" اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے "او قاعدًا او قائما" یعنی تمام حالات میں کیونکہ انسان ان حالتوں میں کسی حالت سے باہر نہیں ہوتا۔ "فلمّا کشفنا ہم دور کردیں عنه ضُرّہ مرّ کان لم یدعنا الٰی ضرٍّ مَسّه" یعنی تکلیف پہنچنے سے پہلے جو حالت تھی اسی پر آ جاتا ہے اور اپنی مصیبت اور مشقت بھول جاتا ہے۔ گویا کہ اس نے ہم سے اس تکلیف دور کرنے کی دُعا ہی نہ کی تھی۔ "کذلک زیّن للمسرفین" کفر اور معصیت میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے "ما کانوا یعملون" نافرمانیوں میں سے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسرفین کے لیے یہ مزین کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت دُعا کریں اور راحت کے وقت شکر چھوڑ دیں۔

⑬ "ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لمّا ظلموا" ظلم سے مراد شرک کیا۔ "وجاء تھم رسلھم بالبیّنات وما کانوا لیؤمنوا کذالک" یعنی جیسے ہم نے ان کو ہلاک کیا ان کے کفر کی وجہ سے "نجزی ہم سزا دیتے اور ہلاک کرتے ہیں القوم المجرمین" کافروں کو ان کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے کی وجہ سے۔ اس آیت میں کفار مکہ کو پہلی اُمتوں کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

⑭ "ثم جعلناکم خلائف" یعنی خلیفے "فی الارض من بعدھم" ان اُمتوں کے بعد جن کو ہم نے ہلاک کیا۔ "لننظر کیف تعملون" حالانکہ وہ ان کو خوب جانتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو یہ دُنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا خلیفہ بنائے گا تاکہ دیکھ لے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَایَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑮ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰

ترجمہ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے یوں کہتے ہیں) کہ اس کے سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لائیے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں پس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے اگر میں (بالفرض) اپنے رب کی

نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اس سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے۔ یقیناً ایسے مجرموں کو اصلا فلاح نہ ہوگی بلکہ معذب ابدی ہوں گے)

مشرکین مکہ کی بے جا من مانیاں

تفسیر ⑮ "واذا تتلٰی علیھم آیاتنا بینات" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی مکہ کے مشرکین۔ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ افراد تھے۔ عبداللہ بن اُمیہ مخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس عامری اور عاص بن عامر بن ہشام۔ "قال الّذین لایرجون لقاء نا" یہ وہی لوگ جن کا ابھی تذکرہ ہوا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ اگر آپ علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں تو "ائت بقرآن غیر ھٰذا" کہ جس میں لات، عزیٰ اور مناۃ کی عبادت چھوڑنے اور ان کے عیوب کا ذکر نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ ایسا قرآن نہ اُتاریں تو آپ علیہ السلام اپنی طرف سے ایسی باتیں کہہ دیں۔ "او بدّله" عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کردیں اور حرام کی جگہ حلال کردیں یا حلال کی جگہ حرام کردیں۔ "قل" "اے محمد ما یکون لی ان ابدّله من تلقاء نفسی" میری اپنی جانب سے "ان اتّبع الاّ ما یوحٰی الیّ" یعنی جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور منع کرتا ہوں اس میں اسی کی پیروی کرتے ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے ان اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم"

⑯ "قل لو شاء اللّٰه ما تلوتُه علیکم" یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ قرآن مجھ پر نہ اُتارتے "ولا ادراکم به" اور نہ تمہیں اس کی خبر دیتے بزی نے ابن کثیر رحمہما اللہ سے "ولا دراکم به" قصر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم کو اس کا علم میرے تم پر پڑھنے کے بغیر نہ دیتا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو "ولا انذرتکم به" پڑھا ہے۔ باب انذار سے۔ "فقد لبثت فیکم عمرا" چالیس سال "من قبله" قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اور میں تمہارے پاس اس عرصہ میں کچھ نہیں لایا۔ "افلا تعقلون" کہ یہ میری طرف سے نہیں ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں وحی سے پہلے چالیس سال رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ پھر مکہ میں وحی کے بعد تیرہ سال رہے، پھر ہجرت کی اور مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور تریسٹھ برس کی عمر میں دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ وحی کے بعد مکہ میں دس سال اور مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی اور پہلا قول زیادہ مشہور اور ظاہر ہے۔

⑰ "فمن اظلم ممن افترىٰ علی اللّٰه کذبا" پس گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک یا اولاد ہے۔ "او کذّب بآیاته" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو۔ "انه لایفلح المجرمون" مشرکین نجات نہیں پائیں گے۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰہِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ⑱وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا ط وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ فِیْمَا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ⑲وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ⑳ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً مِّنْ م بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْھُمْ اِذَا لَھُمْ مَّکْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا ط قُلِ اللّٰہُ اَسْرَعُ مَکْرًا ط اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ ㉑

ترجمہ اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔ اور تمام آدمی ایک ہی طریقے کے تھے پھر (اپنی کجروی سے) انہوں نے اختلاف پیدا کیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا کو ہے (مجھ کو نہیں) سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور جب ہم ان لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارہ میں شرارت کرنے لگتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

تفسیر ⑱ "وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَضُرُّھُمْ" اگر اس کی نافرمانی کریں اور اس کی عبادت چھوڑ دیں۔ "وَلَا یَنْفَعُھُمْ" اگر ان بتوں کی عبادت کریں۔ "وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰہِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ" کیا تم اللہ کو خبر دیتے ہو "بِمَا لَا یَعْلَمُ" اللہ اس کے صحیح ہونے کو اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم اللہ کو خبر دیتے ہو کہ اس کا کوئی شریک ہے اور اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر بھی سفارش کرنے والے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو اپنا کوئی شریک معلوم نہیں۔ "فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ"

حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "تشرکون" تاء کے ساتھ یہاں اور سورۃ النحل میں دو جگہ پڑھا ہے اور سورۃ الروم میں بھی اور دیگر حضرات نے تمام کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑲ "وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً" یعنی اسلام پر اور ہم اس میں اختلاف کو سورۃ بقرہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ "فَاخْتَلَفُوْا" مؤمن اور کافر گروہ بن گئے۔ "وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ" بایں طور کہ ہر اُمت کے لیے ایک وقت مقرر

کر دیا ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس اُمت کو مہلت دینا اور دُنیا میں عذاب دے کر ہلاک نہ کرنا ہے۔ "لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ" عذاب نازل کر کے اور جھٹلانے والوں کو جلدی سزا دے کر اور یہ عذاب فیصلہ ہوتا ان کے درمیان۔ "فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے حکم میں یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ قیامت سے پہلے ان کے ثواب اور عقاب میں اختلاف کا فیصلہ نہ کریں گے تو دُنیا میں ہی ان کا فیصلہ کر کے مؤمن کو جنت میں اور کافر کو جہنم میں داخل کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے وعدہ کا وقت قیامت کے دن کو مقرر کر دیا ہے۔

⑳ "وَیَقُوْلُوْنَ" یعنی مکہ والے "لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر "اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ" جس کا ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ "فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ" یعنی آپ علیہ السلام فرما دیں کہ تم نے مجھ سے غیب کی بات کا سوال کیا ہے اور غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، کوئی اور نہیں جانتا اور بعض نے کہا غیب سے مراد آیتوں کا نازل ہونا ہے کہ وہ کب نازل ہوں گی اس کو کوئی نہیں جانتا۔ "فَانْتَظِرُوْا" ان کے نازل ہونے کا "اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ" اور بعض نے کہا کہ تم اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو جو ہمارے درمیان حق کو باطل پر ظاہر کر کے کرے گا۔

㉑ "وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ" یعنی کفار کو "رَحْمَةً مِّنْ م بَعْدِ ضَرَّآءَ" یعنی راحت اور نرمی مصائب کے بعد اور بعض نے کہا قحط کے بعد بارش۔ "مَسَّتْهُمْ" یعنی ان کو پہنچے "اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا"

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکذیب اور مذاق اُڑانا اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہاں ستارے کی وجہ سے بارش آئی ہے۔ "قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا" جلدی عذاب دینے والا اور سخت پکڑنے والا جزاء پر مکمل بااختیار ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کا عذاب حق کو ٹالنے کی ان کی کوششوں سے بہت تیزی سے آئے گا۔ "اِنَّ رُسُلَنَا" ہمارے حفاظت کرنے والے "یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ"

روح نے یعقوب سے "یمکرون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ㉒ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ㉓

ترجمہ: اور (اللہ) ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے یہاں تک کہ جب (بعض اوقات) تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار)

سے خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعۃً) ان پر ایک جھونکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ) اگر آپ ہم کو اس (مصیبت سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جاویں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو (اس مہلک سے) بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ (اطراف واقطار) زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (بس) دنیوی زندگی میں (چندے اس سے) حظ اٹھارہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے (اور اس کی سزا دینگے)

تفسیر ㉒ "هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ" تم کو چلاتا اور سوار کراتا ہے اور ابوجعفر اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "ینشر کم" نون اور شین کے ساتھ نشر سے پڑھا ہے اور وہ پھیلانا۔ فِی الْبَرِّ" جانور کی پیٹھوں پر۔ "وَالْبَحْرِ" کشتیوں پر "حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ" فلک کا استعمال واحد اور جمع دونوں ہوتا ہے۔ "وَجَرَیْنَ بِهِمْ" کشتیاں لوگوں کو لے کر چلیں۔ یہاں خطاب کے صیغوں سے غائب کے صیغہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ "بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ" نرم "وَّفَرِحُوْا بِهَا" ہوا سے " جَآءَتْهَا رِیْحٌ" کشتیوں پر سخت آندھی آجاتی ہے۔ عَاصِفٌ" کا معنی سخت آندھی "رِیْحٌ عَاصِفٌ" نہیں کہا کیونکہ الریح عاصف کے ساتھ مختص ہے اور بعض نے کہا ہے الریح مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ "وَّجَآءَهُمُ" کشتی کے سواروں پر "الْمَوْجُ" پانی کی حرکت اور اوپر نیچے ہونا۔ "مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ" ہلاکت کے قریب ہوگئے۔ یعنی ان کو ہلاکت نے گھیر لیا۔ "دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ" خالص اللہ کو پکارتے ہیں اللہ کے غیر کو نہیں پکارتے۔ اور کہتے ہیں کہ "لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ" اس سخت طوفانی ہوا سے "لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ" تیرے ایمان لاکر اور اطاعت کر کے۔

㉓ "فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ" ظلم کرتے ہیں اور زمین میں اللہ کے حکم کے علاوہ کی طرف جاتے ہیں۔ "بِغَیْرِ الْحَقِّ" قتال کے ساتھ "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ" اس لیے کہ اس کا وبال تم پر ہی لوٹے گا۔ پھر نئی کلام شروع اور فرمایا "مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" یعنی "هٰذا متاع الحیٰوة الدُّنیا" یہ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ط بَلٰغٌ" ہے۔ یعنی یہ بلاغ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کلام متصل ہے "البغی" مبتداء ہے اور متاع اس کی خبر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تمہاری سرکشی دُنیا کی زندگی کا تھوڑا سا نفع ہے یہ تمہاری آخرت کا ذخیرہ نہیں بن سکتا کیونکہ اس کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہوگئے ہو اور حفص رحمہ اللہ نے متاع کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تم دُنیا کی زندگی کا تھوڑا نفع اُٹھا رہے ہو۔ "ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ط حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ

عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ㉕

ترجمہ: پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس (پانی) سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا (جیسے پالا یا خشکی یا اور کچھ) سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دارالبقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

تفسیر ㉔ "انّما مثل الحیوٰۃ الدّنیا" اس کے فنا اور زوال میں "کماء انزلناہ من السّماء فاختلط بہ" بارش کے ساتھ "نبات الارض" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پانی سے ہر رنگ کی چیزیں اُگیں۔ "مما یاکل النّاس" غلہ اور پھل "والانعام" گھاس چارہ "حتّٰی اذا اخذت الارض زخرفھا" اپنے حسن اور رونق اور سرسبز ہوگئی۔ "وازّینت" یعنی تزئین وآرائش وزیبائش اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت میں تزینت ہے۔ "وظنّ اھلھا انھم قادرون علیھا" اس کے کاٹنے اور چننے پر۔ ضمیر الارض کی طرف لوٹ رہی ہے لیکن مراد نباتات ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے اس کو "الغلّۃ" کی طرف لوٹایا ہے اور بعض نے کہا ہے "الزینۃ" کی طرف۔ "اتاھا امرنا" ہمارا فیصلہ اس کو ہلاک کرنے کا "لیلاً او نھاراً فجعلناھا حصیداً" یعنی کٹی ہوئی "کان لّم تغن بالامس" گویا کہ گزشتہ کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اس کی اصل غنی بالمکان سے ہے جب وہ اس میں مقیم ہو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دُنیا کو چمٹنے والے پر اللہ کا حکم اور عذاب آتا ہے اور وہ غافل ہوتا ہے۔ "کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکّرون"

㉕ "واللہ یدعوا الی دار السّلام" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلام اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کا گھر جنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سلام سلامتی کے معنی میں ہے جنت کو دارالسلام اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جو اس میں داخل ہوگا آفات سے محفوظ ہو جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے۔ آپ علیہ السلام سو رہے تھے تو وہ کہنے لگے کہ تمہارے اس ساتھی کی ایک مثال ہے اس کے لیے مثال بیان کرو تو ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا بے شک آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل جاگ رہا ہے۔ پھر وہ فرشتے کہنے لگے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور اس میں دسترخوان سجایا اور ایک داعی بھیجا (اس دسترخوان کی طرف) پس جس نے داعی کی بات کو قبول کر لیا وہ گھر میں داخل ہوا اور دسترخوان سے کھایا اور جس نے داعی کی بات کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل نہ ہوا اور دسترخوان سے نہ

کھایا۔ پھر وہ فرشتے کہنے لگے کہ اس بات کی تفسیر کردو تا کہ وہ اس کو سمجھ لیں تو بعض نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھ سو رہی ہے اور دل جاگ رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ گھر جنت ہے اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق ہیں۔ ''ویھدی من یّشاء الی صراطٍ مستقیم'' پس صراطِ مستقیم اسلام ہے۔ دعوت کو عام کیا حجت کو ظاہر کرنے کے لیے اور ہدایت کو خاص کیا مخلوق سے مستغنی ہونے کی وجہ سے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿26﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۭ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿27﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿28﴾

ترجمہ جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید برآں (خدا کا دیدار بھی) اور ان کے چہروں پر نہ کدورت (غم کی) چھاوے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھالے گی ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا (ان کے چہروں کی کدورت کی ایسی حالت ہوگی کہ) گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب (خلائق) کو (میدان قیامت میں) جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک (ذرا) اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان (عابدین ومعبودین) کی آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء (ان سے خطاب کر کے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

حسنِ عبادت کا صلہ جنت میں کیا ہوگا

تفسیر 26 ''للّذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ'' یعنی جو لوگ دُنیا میں اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے حسنٰی ہے اور حسنٰی جنت ہے اور زیادۃ اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حذیفہ، ابوموسیٰ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم ہیں اور یہی حسن، عکرمہ، عطاء، مقاتل، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی ''لِلّذین احسنوا الحسنٰی

پھر فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں تو ایک پکارنے والا آواز دے گا اے اہل جنت تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک وعدہ تھا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ پورا کر دیں تو جنتی کہیں کہ وہ کون سا وعدہ ہے؟ کیا ہمارا ترازو بھاری نہیں کیا اور ہمارے چہرے سفید، چمک دار نہیں کیے اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور ہمیں جہنم سے نہیں بچایا؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ حجاب اُٹھا دیے جائیں گے تو سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہ دی گئی ہوگی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حسنیٰ نیکی کی مثل نیکی، نیکی کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھانا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ نیکی کی مثل نیکی اور زیادۃ مغفرت اور رضا مندی۔ "وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ "غبار قترۃ کی جمع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چہرے کی سیاہی "ولا ذلۃ ذلت اور قتادہ فرماتے ہیں مشقت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں یہ ان کے اپنے رب کی طرف دیکھنے کے بعد ہے اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"

㉗"وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ م بِمِثْلِهَا "یعنی ان کے لیے اس کی مثل ہوگا جیسے دوسری جگہ فرمایا "وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا"......"وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اور من صلہ ہے یعنی ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے "كانّما اغشيت" پہنائے گئے "وجوههم قطعا" قطعۃ کی جمع ہے "من اللّيل مظلمًا" ہمارے نزدیک اس پر نصب حال ہونے کی وجہ سے نہ کہ صفت ہونے کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے تو "مظلمة" نہیں کہا۔ اصل عبارت یوں ہے "قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اوقطعا من الليل المظلم" اور ابن کثیر کسائی اور یعقوب نے (قطعاً) طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی بعض کا فرمان (بقطع من الليل) "اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"

㉘وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ یعنی تم اپنی جگہ کو لازم پکڑو انتم و شرکاؤکم" یعنی بت: اور مطلب یہ ہے کہ پھر ہم ان شرک کرنے والوں کو کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ کو لازم پکڑو وہاں سے نہ ہٹو۔ "فزيّلنا" ہم مؤمنین کو ان سے دور کر دیں گے اور ان کے آپس کے دنیاوی رشتے کاٹ دیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے معبود بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ "بينهم" مشرکین اور ان کے شرکاء کو اور دُنیا کا جو تعلق تھا وہ ختم کر دیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبود اپنی عبادت کرنے والوں سے بے زاری اور برأت ظاہر کریں گے "وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ" یعنی بت "مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ" ہمارے مطالبہ کی وجہ سے تو وہ مشرکین کہیں گے کیوں نہیں ہم تو تمہاری عبادت کرتے تھے تو بت جواب میں کہیں گے:

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا م بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ㉙هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉚قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کرلے گا اور یہ لوگ (اللہ کے عذاب) کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب (اور گم) ہو جائیں گے۔ آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا (یہ بتلاؤ وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمہارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تو ان سے کہیے کہ پھر شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے سو یہ ہے اللہ جو تمہارا رب حقیقی ہے اور جب امر حق ثابت ہوا) پھر (امر) حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے پھر (حق کو چھوڑ کر) کہاں (باطل کی طرف) پھرے جاتے ہو۔

تفسیر: ㉙ "فکفٰی باللّٰہ شھیداً بیننا وبینکم اِن کُنّا عن عبادتکم لغافلین" ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے کیونکہ نہ ہم سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ عقل رکھتے تھے۔

㉚ "ھنالک تبلوا" یعنی آزمالے گا اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جان لے گا اور واقف ہو جائے گا اور حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے "تتلوا" پڑھا ہے دو تاء کے ساتھ یعنی پڑھ لے گا۔ "کل نفس" اپنے نامہ اعمال کو "ما اسلفت" جو خیر یا شر آگے بھیجا اور بعض نے کہا ہے معائنہ کرلے گا۔ "ورُدّوا الی اللّٰہ" اس کے حکم کی طرف۔ "مولاھم الحقّ" جو ان کے معاملہ کا مالک ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وان الکافرین لا مولیٰ لھم" اور یہاں اللہ تعالیٰ کو ان کا مولیٰ کہا جا رہا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مولیٰ بمعنی مالک ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنی مددگار ہے کہ کافروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ "وضلّ عنھم ما کانوا یفترون" دنیا میں تکذیب کرنے کی وجہ سے۔

㉛ "قل من یرزقکم من السّماء والارض" یعنی آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے نباتات کے ذریعے۔ "ام من یملک السمع والابصار یعنی تمہیں کان اور آنکھیں دے کر ومن یخرج الحیّ من المیت ویخرج المیت من الحیّ" زندہ کو نطفہ سے نکالتا ہے اور نطفہ کو زندہ سے۔ "ومن یدبر الامر یعنی امور کا فیصلہ کرتا ہے فسیقولون اللّٰہ" کہ وہ اللہ ہی یہ تمام کام کرتا ہے۔ "فقل افلا تتقون" کیا تم اس کا شریک کرنے میں اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

㉜ "فذالکم اللّٰہ ربّکم" جو یہ تمام کام کرتا ہے وہ ہی تمہارا رب ہے "الحق فماذا بعدالحقّ الاّ الضّلال فانّی تصرفون" پس تم اس کی عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو حالانکہ تم اس کا اقرار کرتے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝

ترجمہ: اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تمام متمرد (سرکش) لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے آپ (ان سے) یوں (بھی) کہیے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی (مخلوق) کو پیدا کرے پھر (قیامت میں) دوبارہ پیدا کردے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ آپ کہیئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ (بھی بتلاتا ہے) تو پھر آیا جو شخص امر حق کا راستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے ہوئے خود ہی رستہ نہ سوجھے تو اے مشرکین تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو۔

تفسیر: ㉝ "کذٰلک" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہکذا اسی طرح "حقّت" واجب ہو گیا۔ "کلمة ربّک" اس کا سابق حکم "علی الّذین فسقوا" کفر کیا۔ "انّھم لا یؤمنون"

ابوجعفر اور نافع اور ابن عمر نے کلمات ربک جمع کا صیغہ پڑھا ہے یہاں اور المومن میں اور دیگر حضرات نے واحد کا صیغہ۔

㉞ "قل ھل من شرکائکم" تمہارے بتوں میں سے "من یبدؤ الخلق" مخلوق کو بغیر کسی اصل اور بغیر مثال کے پیدا کردے۔ "ثم یعیدہ" پھر موت سے اس کو پہلے جیسا زندہ کردے۔ اگر وہ آپ کو جواب دیں تو ٹھیک ورنہ پس "قل" آپ کہہ دیں "اللّٰہ یبدؤ الخلق ثم یعیدہ فانّی تؤفکون" یعنی پھیرے جا رہے ہو سیدھے راستے سے۔

㉟ "قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق" جب وہ کہیں نہیں اور لازمی طور پر وہ یہ کہیں گے "قل اللّٰہ یھدی للحق" "حق کی طرف" "افمن یھدی الی الحقّ احقّ ان یتّبع امّن لّا یھدی الّا ان یُّھدیٰ" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے ھاء کے سکون کے ساتھ دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دال کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر ابوجعفر اور قالون نے ھاء کی سکون کے ساتھ دونوں طرح پڑھا ہے اور ابوعمرو زبر اور سکون کے درمیان ھاء داخل کرتے ہیں اور حفص نے یاء کے زبر اور یاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوبکر دونوں یاء کو زیر اور باقی حضرات دونوں کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کا معنی تمام صورتوں میں "ہدایت دیتا" ہے۔ پس جنہوں نے دال کو بغیر شد کے ذکر کیا ہے اس نے کہا ہے "ھدیتہ فھدی" یعنی اس نے ہدایت حاصل کی اور جس نے دال کی شد پڑھی ہے تو تاء کا دال میں ادغام کیا ہے۔ پھر ابوعمرو تخفیف کو ترجیح

دینے میں اپنے مذہب کا قصد کرتے ہیں اور جنہوں نے ھاء کو ساکن پڑھا ہے انہوں نے ھاء کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا ہے۔
جیسا کہ "تعدوا یخصمون" میں کیا ہے اور جس ھاء کو زبر دی ہے انہوں نے مدغم ھاء کی زبر کو ھاء کی طرف نقل کیا ہے اور جس نے ھاء کو زیر دی ہے تو التقائے ساکنین کی وجہ سے اور جزم فرماتے ہیں کسرہ کی حرکت دی جائے گی اور جس نے یاء کو ھاء کے ساتھ زیر دی ہے تو کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "الّا ان یُھدیٰ" ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو حق کی طرف راہ دکھاتا ہے وہ زیادہ اتباع کا حق دار ہے یا وہ بت جو خود راہ پر نہیں چل سکتے مگر یہ کہ ان کو راہ دکھائی جائے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ بتوں کے بارے میں یہ کیسے کہہ دیا "الّا ان یُھدیٰ" حالانکہ بتوں سے تو ہدایت پر چلنے یا ہدایت حاصل کرنے کا تصور ہی نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ بتوں کے حق میں ہدایت کا معنی منتقل ہونا ہے یعنی وہ بت خود ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتے جب تک ان کو اٹھا کر منتقل نہ کیا جائے۔ اس آیت میں بتوں کا عاجز ہونا بیان کیا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت کو مجازاً ذکر کیا ہے کہ مشرکین نے جب بتوں کو معبود بنایا اور ان کو سننے اور عقل رکھنے والوں کے مرتبہ میں اُتارا تو اللہ نے ان کے لیے وہ تعبیر اختیار کی وہ علم اور عقل رکھنے والے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ "فما لکم کیف تحکمون" تم کیسے فیصلے کرتے ہو جب تم نے گمان کیا کہ اللہ کا شریک ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۚ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿37﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿39﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿40﴾

ترجمہ: اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں (خیر) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے (وقت پر سزا دے دے گا) اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل (نازل) ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ (الٰہیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک (وشبہ) کی نہیں (اور وہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو افتراء کر لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورۃ (بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو (مدد کے لئے) بلا لو اگر تم سچے ہو بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس (کے صحیح وسقیم ہونے) کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس (قرآن کی تکذیب) کا اخیر نتیجہ نہیں ملا جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں

اسی طرح انہوں نے بھی امور حقہ کو) جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا (برا) ہوا (اسی طرح ان کا ہو گا) اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آویں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لاویں گے اور آپ کا رب (ان) مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر ㊱ "وما يتبع اكثرهم الاّ ظنًّا" ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ بت معبود ہیں اور ان کا گمان ہے کہ وہ آخرت میں ان کی سفارش کریں گے۔ اس ظن پر نہ کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی رسول اور اکثر سے مراد یہ بات کہنے والے تمام لوگ مراد ہیں۔ "ان الظّنّ لايغني من الحقّ شيئًا" یعنی ان سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتا۔ اور بعض نے کہا علم کے قائم مقام ہے۔ "انّ الله عليم بما يفعلون"

㊲ "وما كان هٰذا القرآن ان يّفترىٰ من دون الله" فراء فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کی مثل کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے غیر سے گھڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وما كان لنبي ان يغلّ" کی طرح اور بعض نے کہا ہے کہ "ان" لام کے معنی میں ہے یعنی "وما كان هٰذا القرآن ليفترىٰ من دون الله" "ولٰكن تصديق الّذى بين يديه" قرآن کے سامنے توریت اور انجیل کی اور بعض نے کہا کہ قرآن کے آگے قیامت اور بعث کی تصدیق ہے۔ "وتفصيل الكتاب" یعنی کتاب میں جو حلال وحرام، فرائض واحکام ہیں ان کا بیان ہے۔ "لاريب فيه من رّبّ العالمين"

㊳ "ام يقولون" ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ام" واؤ کے معنی میں ہے یعنی اور وہ کہتے ہیں۔ "افتراه" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قرآن گھڑ لیا ہے۔ "قل فأتوا بسورة من مثله" قرآن کے مشابہ "وادعوا من استطعتم" ان میں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو "من دون الله" تاکہ وہ تمہاری اس پر مدد کریں۔ "ان كنتم صادقين" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ پھر فرمایا۔

㊴ "بل كذّبوا بمالم يحيطوا بعلمه" یعنی قرآن کو جھٹلایا حالانکہ اس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہ کیا تھا۔ "ولمّا يأتهم تاويله" یعنی اس کا انجام جو اللہ نے قرآن میں وعدہ کیا۔ مراد یہ ہے کہ ان کو معلوم نہ تھا کہ ان کے معاملہ کا انجام کیا لوٹے گا۔ "كذٰلك كذّب الّذين من قبلهم" یعنی جس طرح ان کفار نے قرآن کو جھٹلایا۔ اسی طرح ان سے پہلی اُمتوں کے کفار نے بھی جھٹلایا۔ "فانظر كيف كان عاقبة الظّالمين" مشرکین کا انجام ہلاکت کے ساتھ۔

㊵ "ومنهم من يؤمن به" یعنی آپ علیہ السلام کی قوم میں سے بعض قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ "ومنهم من لاّ يؤمن به" اللہ کے علم سابق کی وجہ سے "وربّك اعلم بالمفسدين" ایسے جو ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ㊶ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ㊷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ㊸ اِنَّ اللّٰهَ لَا

یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَۃً مِّنَ النَّھَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ ط قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ اور (ان دلائل کے بعد بھی) اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو (بس خیر بات) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا صاحب) میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا تم تو میرے کئے ہوئے کے جواب دہ نہیں ہو۔ اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جواب دہ نہیں ہوں اور آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ ان میں (گو) بعض ایسے (بھی) ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں کیا آپ بہروں کو سنا (کران سے ماننے کا انتظار کرتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہرا) آپ کو (مع معجزات وکمالات) دیکھ رہے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ وہ ایسا سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں) سارے دن کی (ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے (بھی) واقعی (اس وقت سخت) خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے۔

تفسیر ﴿۴۱﴾ "وان کذّبوک" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "فقل لی عملی" اور میرے عمل کی جزاء "ولکم عملکم" اور اس کے عمل کی جزاء "انتم بریئون ممّا اعمل وانا بریٔ مما تعملون" یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "لنا اعمالنا ولکم اعمالکم اور لکم دینکم ولی دین" کی طرح ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ پھر خبر دی کہ ایمان کی توفیق اس کے ساتھ ہے نہ کہ اس کے غیر کے ساتھ۔

﴿۴۲﴾ "ومنھم من یستمعون الیک" اپنے ظاہری کانوں کے ساتھ تو وہ ان کو نفع نہیں دیتا۔ "افانت تسمع الصمّ" مراد دل کا بہرا ہے۔ "ولو کانوا لایعقلون"

﴿۴۳﴾ "ومنھم من ینظر الیک" اپنی ظاہری آنکھوں کے ساتھ۔ "افانت تھدی العمی" مراد دل کے اندھے ہیں۔ "ولو کانوا لایبصرون" اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ علیہ السلام اس کو سنانے پر قادر نہیں جس کی سماعت میں نے سلب کرلی ہو اور نہ آپ علیہ السلام اس کو راہ دکھا سکتے ہیں جس کی میں نے نگاہ سلب کرلی ہو اور نہ آپ اس کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں جس کے بارے میں میں نے فیصلہ کردیا ہو کہ وہ ایمان نہ لائیگا۔

﴿۴۴﴾ "اِنّ اللہ لایظلم النّاس شیئاً" اس لیے کہ وہ اپنے تمام افعال میں عادل ہے۔ "ولکن النّاس انفسھم یظلمون" کفر اور معصیت کے ساتھ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ولکن النّاس" نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لکن" اور "النّاس" کو پیش

دیا ہے اور باقی حضرات نے "ولکنّ النّاس" نون کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لکن" اور "النّاس" زبر کے ساتھ۔

۴۵ "ویوم یحشرھم" حفص رحمہ اللہ نے یاء کے ساتھ اور دیگر حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ **کان لم یلبثوا الاساعۃً من النّھار** "ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا وہ دُنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گویا وہ اپنی قبروں میں نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی "یتعارفون بینھم" ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ جب وہ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے جیسے دُنیا میں پہچانتے تھے۔ پھر جب قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے تو پہچان ختم ہو جائے گی اور بعض آثار میں ہے کہ انسان قیامت کے دن اپنے پہلو والوں کو پہچانتا ہوگا لیکن ہیبت اور خوف سے بات نہ کر سکے گا۔ "**قد خسر الّذین کذّبوا بلقاء اللّٰہ وما کانوا مھتدین**" یہاں خسارہ سے جان کا خسارہ مراد ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ہے۔

وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ۴۶ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۴۷ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۴۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُہٗ بَیَاتًا اَوْ نَھَارًا مَّا ذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْہُ الْمُجْرِمُوْنَ ۵۰

ترجمہ تو جس (عذاب) کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی ہم آپ کو وفات دیدیں سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے اور ہر ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا (ہوا) ہے سو جب ان کا وہ رسول (ان کے پاس) آ چکتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا جاتا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اے نبی اور اے مسلمانو) یہ وعدہ (عذاب کا) کب (واقع) ہوگا اگر تم سچے ہو تو واقع کیوں نہیں کرا دیتے)۔ آپ فرما دیجئے کہ میں (خود) اپنی ذات خاص کے لئے تو کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور کسی ضرر (کے دفع کرنے) کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا (اختیار) خدا کو منظور ہوا ہدایت کے (عذاب کے) لئے (اللہ کے نزدیک) ایک وقت معین ہے سو جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں آپ اس کے متعلق (ان سے) فرما دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو تو عذاب میں کون چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔

تفسیر ۴۶ "**واِمّا نرینّک بعض الّذی نعدھم**" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی زندگی میں تھوڑا سا عذاب آپ کو دکھا دیں "**او نتوفینک**" ان کو عذاب دینے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں "**فالینا مرجعھم**" آخرت میں "**ثم اللّٰہ شھید**

علیٰ ما یفعلون" پھران کواس کا بدلہ دے گا۔ آیت میں "ثمّ" واؤ کے معنی میں ہے اصل عبارت تھی "واللہ شھید" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض سے میرا خیال ہے کہ بدر کے دن ان کا قتل مراد ہے اور ان کے مرنے کے بعد عذاب کی تمام اقسام۔

㊼ "ولکلّ امّۃ" جو پہلے گزر چکی "رسول فاذا جاء رسولھم" اور انہوں نے اس کی تکذیب کی تو "قضی بینھم بالقسط" یعنی دُنیا میں عذاب دیئے گئے اور عذاب کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ یعنی رسول کے آنے سے پہلے نہ کوئی ثواب اور نہ کوئی عقاب مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے دن ان کے وہ رسول آئیں جو ان کی طرف بھیجے گئے تھے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ "وھم لایظلمون" نہ بغیر گناہ کے عذاب دیئے جائیں گے اور نہ بغیر حجت کے مؤاخذہ کیے جائیں گے اور نہ نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور ان کی برائیوں پر زیادتی کی جائے گی۔

㊽ "ویقولون" یعنی شرک کرنے والے "متٰی ھٰذا الوعد" جس عذاب کا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ قیامت کا قائم ہونا مراد ہے۔ "ان کنتم صادقین" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے۔

㊾ "قل لا املک لنفسی ضرّاً و لا نفعا" یعنی نہ نقصان کو دور کرنے کا اور نہ نفع حاصل کرنے کا "الاّ ماشاء اللّٰہ" کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں "لکل اُمّۃ اجل" مدت متعین کی گئی ہے۔ "اذا جاء اجلھم" ان کی عمروں کے فناء ہونے کا وقت "فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" نہ تو ایک گھڑی مؤخر ہو سکتی ہے اور نہ پہلے آسکتی ہے۔

㊿ "قل ارأیتم ان اتاکم عذابہ بیاتًا" رات کو "اونھاراً ماذا یستعجل منہ المجرمون" یعنی مشرک لوگ اللہ تعالیٰ سے کیا چیز جلدی طلب کر رہے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مجرم لوگ عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں حالانکہ وہ اس میں واقع ہو چکے ہیں اور حقیقی معنی یہ ہے کہ وہ عذاب کو جلدی طلب کر رہے تھے اور وہ کہتے تھے "اللّٰھُمّ ان کان ھٰذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم" اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں "مایستعجل" یعنی مجرمین نہیں جانتے کہ وہ کیا جلدی طلب کر رہے ہیں جیسے آدمی اپنے غیر کو کہتا ہے جس نے برا کام کیا ہو کہ تو نے خود پر کیا جنایت کی ہے؟

اَثُمَّ اِذَا مَاوَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: کیا پھر جب وہ (اصل موعود آ ہی پڑے گا) اس وقت اس کی تصدیق کرو گے ہاں اب مانا حالانکہ (پہلے

سے) تم (بقصد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ پھر ظالموں (یعنی مشرکوں) سے کہا جاوے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو تو تمہارے ہی کیے کا بدلہ ملا ہے اور وہ (غایت تعجب وانکار سے) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی امر ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم میرے رب کی کہ وہ واقعی امر ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا (مال) ہو کہ ساری زمین میں بھر جاوے تب بھی اس کو دیکر اپنی جان بچانے لگے اور جب عذاب دیکھیں گے تو (مزید فضیحت کے خوف سے) پشیمانی کو (اپنے دل ہی میں) پوشیدہ رکھیں گے اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان پر (ذرا) ظلم نہ ہوگا یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (پس قیامت ضرور آوے گی لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔

تفسیر ⑤① "اثم اذا ما وقع" بعض نے کہا اس کا معنی ہے کیا وہاں اور اس وقت اور یہ حرف عطف نہیں ہے۔ عذاب اُترے "آمنتم به" یعنی اللہ پر نا اُمیدی کے وقت میں اور بعض نے کہا "امنتم به" یعنی تم عذاب کی تصدیق کرو گے، اس کے اُترنے کے وقت "آلآن" یہاں عبارت محذوف ہے یعنی تم کو کہا جائے گا۔ اب جب عذاب واقع ہو گیا تم ایمان لاتے ہو "وقد کنتم به تستعجلون" تکذیب اور مذاق اُڑا کر۔ ورش نے نافع سے "الان" پڑھا ہے۔ اس ہمزہ کو حذف کر کے جو لام ساکن کے بعد ہے اور اس کی حرکت لام پر ڈالنے کے ساتھ اور پہلے ہمزہ کو مد دی جاتی ہے، عالان کے وزن پر اور اسی طرح آخری حرف ہے اور زمعہ بن صالح نے "الان" کو "علان" کی مثل روایت کیا ہے بغیر مد کے اور لام کے بعد ہمزہ کے بغیر اور باقی حضرات نے "الان" ہمزہ ممدودہ کے ساتھ پہلے میں اور لام کے بعد ہمزہ کو ثابت رکھ کر اور اسی طرح قالون اور اسماعیل نے نافع سے پڑھا ہے۔

⑤② "ثم قيل للذين ظلموا" جنہوں نے شرک کیا۔ "ذوقوا عذاب الخلد هل تجزون الا بما كنتم تكسبون" دُنیا میں۔

⑤③ "ويستنبئونك" یعنی وہ خبر طلب کرتے ہیں آپ علیہ السلام سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "احقٌّ هو" یعنی جو عذاب اور قیامت قائم ہونے کی آپ دھمکی دیتے ہیں "قل اى و ربى" یعنی ہاں میرے رب کی قسم! "انه لحق وما انتم بمعجزين" عذاب سے بچنے والے کہا جاتا ہے عجز عن شی وہ شخص فلاں چیز سے عاجز ہو گیا۔ یعنی وہ چیز اس سے فوت ہو گئی۔

⑤④ "ولو انّ لكلّ نفس ظلمت" یعنی شرک کیا۔ "مافى الارض لافتدت به" قیامت کے دن اور افتداء یہاں یہ ہے کہ اس چیز کو خرچ کریں جو عذاب سے نجات دے۔ "واسرّوا النّدامة" ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ ندامت کو ظاہر کریں گے اس لیے کہ اس دن کوئی بناوٹ نہ ہو سکے گی اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ سردار کمزور لوگوں سے شرمندگی کو چھپائیں گے، ان کی ملامت اور عار کے خوف سے۔ "لمّا رأوا العذاب وقضى بينهم بالقسط وهم لايظلمون"

⑤⑤ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ......

⑯هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ⑰قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ⑱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ⑲ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ⑳

ترجمہ اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے ایک چیز ایسی آئی ہے (جو برے کاموں سے روکنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں میں جو (برے کاموں سے) روگ (ہو جاتے) ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ جب قرآن ایسی چیز ہے پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے وہ اس (دنیا) سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (انتفاع کے) لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے (اپنی گھڑت سے) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا آپ (ان سے) پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا (محض) اللہ پر اپنی طرف سے افتراء ہی کرتے ہو اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی بے قدر ہیں (ورنہ توبہ کر لیتے)۔

تفسیر ⑰ "یا یّها النّاس قد جاء تکم موعظة" نصیحت "من ربّکم وشفاء لما فی الصدور" یعنی دلوں میں جو جہالت کی بیماری ہے اس کی دواء اور بعض نے کہا ہے کہ "لما فی الصدور" کا مطلب یہ ہے کہ دلوں کے اندھے پن کے لیے شفاء ہے۔ "وھُدیً" گمراہی سے "ورحمة للمؤمنین" رحمت محتاج کو نعمت دینے کو کہتے ہیں کیونکہ اگر ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو کوئی چیز ہدیہ کرے تو یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس پر رحم کیا ہے اگرچہ وہ ہدیہ نعمت کا ہو کیونکہ وہ نعمت کسی محتاج کو نہیں دی۔

⑱ "قل بفضل اللّٰه وبرحمته" مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فضل ایمان ہے اور اس کی رحمت قرآن ہے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت یہ ہے کہ ہمیں اس کا اہل بنایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فضل اسلام ہے اور اس کی رحمت اسلام کو دلوں میں مزین کر دینا۔ خالد بن معدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فضل اسلام ہے اور اس کی رحمت سنتیں ہیں اور بعض نے کہا کہ اللہ کا فضل ایمان اور اس کی رحمت جنت ہے۔ "فبذٰلک فلیفرحوا" یعنی مؤمن خوش ہوں کہ اللہ نے ان کو اس کا اہل بنا دیا۔ "ھو خیر ممّا یجمعون" یعنی کافر جو مال جمع کر رہے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے یہ دونوں کفار کے بارے میں خبر ہیں اور بعض نے کہا ہے مؤمنین کے بارے میں اور ابوجعفر اور ابن عامر نے "فلیفرحوا" یاء کے ساتھ پڑھا

ہے اور "تجمعون" تاء کے ساتھ اور یعقوب رحمہ اللہ نے دونوں کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قرأت کی وجہ یہ ہے کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ پس اسی کی وجہ سے مؤمن خوش ہوجائیں، یہ اس مال سے بہتر ہے جو تم جمع کررہے ہو، یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔

⑤⑨ "قل ارأیتم ما انزل اللّٰہ لکم من رزق یہاں پر تخلیق کو انزال (اترنے) سے تعبیر کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ ان چیزوں کی تخلیق بالائی ذریعہ یعنی بارش سے ہوتی ہے اور بارش اوپر ہی سے اترتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق اتارا ہے رزق سے مراد کھیتی یا مویشی دودھ والے مراد ہیں۔

فجعلتم منه حراما و حلالاً" یعنی جوانوں نے کھیتیاں اور جانور حرام کیے جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول مراد ہے۔ "وجعلوا للّٰہ ممّا ذرأ من الحرث والانعام نصیبًا ...... قل آللّٰہ اذن لکم" اس حرام اور حلال کرنے کی "ام" بلکہ "علی اللّٰہ تفترون" اور وہ ان کا قول "واللّٰہ امرنا بھا" ہے۔

⑥⓪ "وما ظنّ الّذین یفترون علی اللّٰہ الکذب یوم القیامة" کیا ان کا خیال ہے کہ اللہ نہ ان سے مواخذہ کرے گا اور نہ اس پر ان کو عذاب دے گا۔ "انّ اللّٰہ لذوفضل علی النّاس ولکنّ اکثرھم لایشکرون"

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم سے) کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکور سے) چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں ہے یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں وہ اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

تفسیر ⑥① "وما تکون" اے محمد "فی شان" اعمال میں سے کسی عمل پر "وما تتلوا منه" اللہ سے "من قرآن" اُترنے والا۔ اور بعض نے کہا ہے منہ یعنی قرآن کی شان میں آپ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی پھر آپ علیہ السلام اور اُمت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ولا تعملون من عمل الاّ کنّا علیکم شھودًا اذ تفیضون فیه" یعنی تم داخل ہوتے ہو اور گھستے ہو اس میں۔ ھاء عمل کی طرف لوٹ رہی ہے اور افاضت کا معنی عمل میں داخل ہونا۔ ابن انباری رحمہ اللہ

فرماتے ہیں تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور بعض نے کہا ہے کثرت کرتے ہو اور اضافہ کثرت کے ساتھ رفع کرنا۔"وما یعزب عن ربّک" نہیں غائب ہوتا تیرے رب سے اور کسائی رحمہ اللہ نے "یعذب" زاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح سورۃ سباء میں اور دیگر حضرات نے زاء کے پیش کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔"من مثقال ذرّۃ"من صلہ ہے اور ذرہ سرخ رنگ کی چھوٹی سی چیونٹی "فی الارض ولا فی السّماء ولا اصغر من ذلک" ذرہ سے "ولا اکبر حمزہ اور یعقوب رحمہما اللہ نے راء کے پیش کے ساتھ دونوں میں پڑھا ہے۔المثقال کی جگہ پر عطف کرتے ہوئے "من" کے داخل ہونے سے پہلے اور دیگر حضرات نے ان دونوں کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔الافی کتاب مبین "اور وہ لوح محفوظ ہے۔

62 "الا انّ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون" اس میں اختلاف ہے کہ اس نام کے کون لوگ مستحق ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ وہ لوگ جن کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں

63 "الّذین اٰمنوا و کانوا یتّقون" بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء ان پر انبیاء اور شہداء ان کے قرب اور اللہ کے ہاں مرتبہ کی وجہ سے قیامت کے دن رشک کریں گے۔ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ایک کونہ میں ایک دیہاتی شخص بیٹھا تھا وہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور ہاتھ نیچے رکھ کر کہا اے اللہ کے رسول! ہمیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟

ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر خوشی کے آثار دیکھے۔پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ بندے ہیں جو متفرق شہروں سے ہیں ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں جس کو جوڑ رہے ہوں اور نہ دُنیا ہے کہ جس کا تبادلہ کر رہے ہوں، وہ آپس میں اللہ کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں، اللہ ان کے چہروں کو نور کا کردے گا اور ان کے لیے رحمٰن کے سامنے موتیوں کے منبر ہوں گے، لوگ گھبرا رہے ہوں گے اور وہ نہ گھبرائیں گے اور لوگ ڈر رہے ہوں گے وہ نہ ڈریں گے اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے اولیاء کون لوگ ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگ جن کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں کہ وہ یاد کیے جائیں میرے ذکر کے ساتھ اور میں یاد کیا جاؤں ان کے ذکر کے ساتھ۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ 64 وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ 65

ترجمہ: ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے بچنے کی) خوشخبری

ہے(اور) اللہ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ (اور قدرت بھی خدا ہی کے لئے (ثابت) ہے وہ ان کی باتیں) سنتا ہے (اور ان کی حالت) جانتا ہے۔

مبشرات کیا چیزیں ہیں

تفسیر ⑥④"لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدّنیا وفی الآخرۃ" اس بشریٰ میں اختلاف ہے۔عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدُّنیا" کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اچھے خواب ہیں جن کو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ نہیں باقی رہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نیک خواب۔بعض نے کہا ہے کہ دُنیا میں بشریٰ اچھی تعریف ہے۔عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آدمی اپنی ذات کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کو لوگ پسند کرتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو مؤمن کی جلدی خوشخبری ہے۔زہری اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ملائکہ کا موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری لانا ہے،خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تتنزل علیھم الملائکۃ ان لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنّۃ الّتی کنتم توعدون"

عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ دُنیا میں "البشریٰ" موت کے وقت فرشتوں کا خوشخبری لانا ہے اور آخرت میں مؤمن کی روح نکلنے کے وقت جو اس کو اللہ کی طرف لے جارہا ہوگا وہ اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دے گا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اپنی کتاب میں جنت اور اچھے ثواب کی خوشخبریاں دی ہیں وہ مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "وبشّر الّذین امنوا وعملوا الصالحات" اور "بشّر المؤمنین" اور "ابشروا بالجنّۃ" کی طرح۔اور بعض نے کہا ہے کہ دُنیا میں کتاب اور رسول کے ساتھ ان کو خوشخبری دی کہ وہ اللہ کے اولیاء ہیں اور قبروں اور ان کے اعمال نامہ میں جنت کی خوشخبری دیں گے۔"لا تبدیل لکلمٰت اللہ" اس کے قول کو کوئی تغیر نہیں ہے اور اس کے وعدہ میں خلاف ورزی نہیں ہے۔ذٰلک ھو الفوز العظیم"

⑥⑤"ولا یحزنک قولھم" یعنی مشرکین کا قول نافع رحمہ اللہ نے "ولا یحزنک" یاء کے پیش اور زاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "یَحْزُنْک" یاء کے زبر اور زاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں۔کہا جاتا ہے "حزنہ الشیء واحزنہ" یہاں کلام مکمل ہوگئی ہے پھر نئی کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا ہے۔"انّ العزّۃ للّٰہ" یعنی غلبہ اور قدرت اللہ کی ہے۔"جمیعا" وہی آپ علیہ السلام کا اور آپ علیہ السلام کے دین کا مددگار ہے اور ان سے انتقام لے گا۔سعید بن مسیب رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ "انّ العزّة للّٰه جميعا" یعنی اللہ جس کو چاہے عزت دے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا "وللّٰه العزّة ولرسوله وللمؤمنين" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مؤمنین کی عزت اللہ کی وجہ سے ہے تو تمام عزت اللہ کی ہوئی۔ "هو السّميع البصير"

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ یادرکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں یعنی جن وانس اور فرشتے یہ سب اللہ ہی کے مملوک ہیں اور جولوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کررہے ہیں (خدا جانے) کس چیز کا اتباع کررہے ہیں محض بے سند خیال کا اتباع کررہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کررہے ہیں وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ (بوجہ روشن ہونے کے دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے اس (بنانے) میں دلائل توحید ہیں ان لوگوں کے لئے جو (تدبر کے ساتھ ان مضامین کو) سنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیسی سخت بات کہی) وہ تو کسی کا محتاج نہیں اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس (بجز بیہودہ دعویٰ کے) اس (دعوے) پر کوئی دلیل (بھی) نہیں (تو) کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم (کسی دلیل سے) علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جولوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں (جیسے مشرکین) وہ (کبھی) کامیاب نہ ہوں گے یہ دنیا میں (چندروزہ) تھوڑا سا عیش ہے (جو بہت جلد ختم ہوا جاتا ہے) پھر (مرکر) ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے پھر (آخرت میں) ہم ان کو ان کے کفر کے بدلہ سزائے سخت (کا مزہ) چکھاویں گے۔

تفسیر ﴿۶۶﴾ "الا انّ للّٰه من في السّمٰوات ومن في الارض وما يتّبع الّذين يدعون من دون اللّٰه شركاء" یہ یا تو استفہام ہے معنی یہ ہوگا کہ کون سی چیز ہے جس کی اتباع وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ کے لیے شریک پکارتے ہیں؟ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ حقیقت کی اتباع نہیں کرتے اس لیے کہ وہ بتوں کی اس گمان پر عبادت کرتے ہیں کہ وہ شرکاء ہیں اور ہماری سفارش کریں گے حالانکہ معاملہ ان کے گمان کے مطابق نہیں ہے۔ "ان يتّبعون الّا الظنّ" ان کا گمان ہے کہ وہ ان کو اللہ کے قریب کردیں گے۔ "وان هم الّا يخرصون" جھوٹ بولتے ہیں۔

⑥⑦ "ھو الّذی جعل لکم اللّیل لتسکنوا فیه والنھار مبصرا" روشن کہ اس میں دیکھا جائے ان کے قول "لیل نائم" اور "عیشة راضیة" کی طرح ہے۔ قطرب کہتے ہیں عرب کہتے ہیں "اظلم اللیل واضاء النھار والبصریعی" رات تاریکی والی اور دن روشنی اور بصارت والا ہوگیا۔ "انّ فی ذلک لآیات لقوم یسمعون" عبرت کا سننا کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن پر صرف عالم قدرت والا ہی قادر ہوسکتا ہے۔

⑥⑧ "قالوا" یعنی مشرکین "اتّخذ اللّٰہ ولداً" اور یہ ان کا قول کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں "سبحانه ھو الغنی" اپنی مخلوق سے "له مافی السّمٰوٰت وما فی الارض غلام اور مملوک ان عندکم" نہیں ہے تمہارے پاس "من سلطان حجت اور برہان من صلہ ہے اصل عبارت ماعندکم سلطان بھٰذا اتقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون"

⑥⑨ "قل انّ الّذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لایفلحون" نجات نہ پائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ دُنیا میں باقی نہ رہیں گے اور لیکن

⑦⓪ "متاع" تھوڑا اس سے نفع اُٹھالیں اپنی عمروں کے ختم ہونے تک اور (متاع) مرفوع ہے ضمیر کی وجہ سے یعنی ھو متاع "فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثمّ نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون"

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنَ ⑦① فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑦② فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ⑦③

ترجمہ: اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنایئے۔ جو کہ اس وقت واقع ہوا تھا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا (یعنی وعظ گوئی) کی حالت میں اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری (اور ناگوار) معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے سو تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کرلو پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن (اور دل تنگی) کا باعث نہ ہونا چاہئے پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو (یہ سمجھ کہ) میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے اور چونکہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں رہوں سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس (اس پر عذاب طوفان کا مسلط ہوا اور) ہم نے (اس عذاب سے) ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو (زمین پر آباد کیا اور (باقی جو لوگ رہے تھے) جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو (اس

طوفان میں) غرق کردیا سو دیکھنا چاہیے کیسا (برا) انجام ہوا ان لوگوں کا جو (عذاب الٰہی سے) ڈرائے جاچکے تھے۔

تفسیر ⑦① "واتلُ علیهم نبا نوح یعنی اے محمد آپ اہل مکہ پر نوح علیہ السلام کی خبر پڑھیں اذ قال لقومه" اور وہ قابیل کی اولاد تھے۔ "یقوم ان کان کبر علیکم مقامی" میری عمر کا لمبا ہونا اور تم میں ٹھہرنا "وتذکیری" اور میرا تمہیں نصیحت کرنا "بآیات اللّٰه" اس کے دلائل اور واضح نشانیوں کے ساتھ جس کی وجہ سے تم نے میرے قتل کا ارادہ کیا "فعلی اللّٰه توکلت فاجمعوا امرکم" یعنی اپنی تدبیر کو پختہ کرو اور اس پر پختہ ارادہ کرلو۔ "وشرکاء کم" یعنی اپنے معبودوں کو بھی بلاؤ کہ وہ تمہاری مدد کریں تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ جمع ہوجائیں۔

اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی تم اپنے امر کو اپنے شرکاء کے ساتھ جمع کرو۔ جب "مع" کو چھوڑ دیا گیا تو نصب دیا گیا اور یعقوب رحمہ اللہ نے "وشرکاؤکم" پر پیش پڑھا ہے یعنی تم اور تمہارے شرکاء اپنا امر جمع کرو اور قاری رویس نے یعقوب سے "فاجمعوا" الف وصلی اور میم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ جمع تجمع سے ہے اور مراد "فاجمعوا ذوی امرکم" ہے یعنی اپنے مشورہ والوں کو جمع کرو مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کردیا گیا اور معنی یہ ہے کہ اپنے سرداروں کو جمع کرو۔ "ثمّ لا یکن امرکم علیکم غُمّة" یعنی خفیہ مبہم یہ ان کے قول "غمّ الهلال علی النّاس" سے مشتق ہے یعنی چاند ان پر مخفی ہوگیا۔ "ثمّ اقضوا الیّ" یعنی جو تمہارے دل میں ہے کر گزرو اور اس سے فارغ ہوجاؤ اور کہا جاتا ہے "وقضی فلان" جب وہ مرجائے اور گزر جائے "وقضی دینه" جب اس سے فارغ ہوجائے۔ بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ میری طرف قتل کرنے کے لیے متوجہ ہوجاؤ۔ اور بعض نے کہا ہے تم جو کرنا چاہتے ہو کرلو اور یہ جادوگروں کے قول کی طرح ہے جو انہوں نے فرعون کو کہا تھا "فاقض ما انت قاض" یعنی جو کرنا چاہتا ہے کرلے۔ "ولا تنظرون" اور مجھے مہلت نہ دو۔ یہ عاجز کرنے کے طریقے پر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ ان کو اللہ کی مدد پر پورا اعتماد تھا اپنی قوم کی تدبیر کا ذرا بھی خوف نہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم اور ان کے معبود کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

⑦② "فان تولّیتم" تم نے میرے قول اور نصیحت کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔ "فما سالتکم" اپنے لیے رسالت اور دعوت کی تبلیغ پر۔ "من اجر عوض ان اجری" نہیں ہے میرا اجر اور ثواب۔ "الّا علی اللّٰه وامرت ان اکون من المسلمین" یعنی مؤمنین میں سے اور کہا گیا ہے کہ اللہ کے حکم پر سر جھکانے والوں میں سے۔

⑦③ "فکذّبوه" یعنی نوح علیہ السلام کو "فنجّیناه ومن معه فی الفلک وجعلنا هم خلائف" یعنی جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ہم نے ان کو ہلاک ہونے والوں کا خلیفہ بنادیا۔ "واغرقنا الّذین کذّبوا بآیاتنا فانظر کیف کان عاقبة المنذرین" یعنی ان لوگوں کا آخری امر جن کو رسولوں نے ڈرایا پر وہ ایمان نہیں لائے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ پھر نوحؑ کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے (مگر) پھر (بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی کیفیت یہ تھی کہ) جس چیز کو انہوں نے اول (وہلہ) میں (ایک بار) جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے (اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے) اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں پھر ان (مذکورین) پیغمبروںؑ کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات (عصا) اور ید بیضا دے کر بھیجا سو انہوں نے) دعویٰ کے ساتھ ہی ان کی تصدیق کرنے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے پھر جب (بعد دعویٰ کے) ان کو ہمارے پاس سے (نبوت موسویہ پر) صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو (کہ یہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے اور (اس لئے آئے ہو کہ) تم دونوں کو دنیا میں ریاست (اور سرداری) مل جائے اور (تم خوب سمجھ لو کہ) ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو (جو ہماری قلمرو میں ہیں) حاضر کرو (چنانچہ جمع کئے گئے سو جب وہ آئے (اور موسیٰ علیہ اسلام سے مقابلہ ہوا) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو (میدان میں) ڈالنا ہے۔

تفسیر ﴿۷۴﴾ "**ثم بعثنا من بعده رسلا**" یعنی نوح علیہ السلام کے بعد رسولوں کو "**الٰی قومهم فجاؤهم بالبیّنات**" واضح دلائل کے ساتھ "**فما کانوا لیؤمنوا بما کذّبوا به من قبل**" جس کو نوح علیہ السلام کی قوم اس سے پہلے جھٹلا چکی تھی۔ "**کذلک نطبع**" مہر کر دیتے ہیں "**هم علٰی قلوب المعتدین**"

⑮ "ثم بعثنا من بعدهم موسٰی و هارون الٰی فرعون وملائه" یعنی اس کی قوم کے معززین کی طرف "بآیاتنا فاستکبروا و کانوا قومًا مجرمین"

⑯ "فلمّا جاء هم" یعنی فرعون اور اس کی قوم کے پاس آیا۔ "الحقّ من عندنا قالوا انّ هٰذا لسحر مبین"

⑰ "قال موسٰی اتقولون للحق لمّا جاء کم اسحرٌ هٰذا" اصل عبارت یوں تھی "لما جاءَ کم سحرٌ اَسحرٌ هٰذا" پہلے سحر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی تھی۔ "ولا یفلح الساحرون"

⑱ "قالوا" یعنی فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کو "اجئتنا لتلفتنا" تا کہ ہمیں پھیر دے۔ "عمّا وجدنا علیه آباءَ نا وتکون لکما الکبریاء" بادشاہی اور سلطنت "فی الارض" مصر میں اور ابوبکر نے یکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے "وما نحن لکما بمؤمنین" تصدیق کرنے والے۔

⑲ "وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ"

⑳ "فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ"

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَاجِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ⑧١ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧٢ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ط وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ⑧٣

ترجمہ: سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح (یعنی معجزہ) کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم (اور کافر) لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں پس (جب عصا کا معجزہ ہوا تو) موسیٰ (علیہ السلام) پر (شروع شروع میں) ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں (ظاہر ہونے پر) ان کو تکلیف (نہ) پہنچاوے اور واقع میں (ڈرنا ان کا بے جا نہ تھا کیونکہ) فرعون اس ملک میں زور (سلطنت) رکھتا تھا اور یہی بات تھی کہ وہ حد (انصاف) سے باہر ہو جاتا تھا۔

تفسیر: ⑧١ "فلمّا القوا قال موسٰی ما جئتم به السحر" ابوعمرو اور ابوجعفر نے "آلسحر" الف قطعی اور مد کے ساتھ استفہام کی بناء پر پڑھا ہے اور "ما" اس قرأت میں استفہام کے لیے ہے اور موصولہ نہیں ہے اور یہ مبتداء ہے اور "جئتم به" اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ تم کون سی چیز لائے ہو؟ اور باری تعالیٰ کا قول "آلسحر" اس سے بدل ہے اور باقی حضرات

نے "ما جئتم به السحر" بغیر مد کے ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے اور "ما" اس کی قرأت موصول ہے "الّذی" کے معنی میں "وجئتم به" اس کا صلہ ہے اور یہ اپنے صلہ کے ساتھ موضع رفع میں ہے ابتداء کی وجہ سے اور باری تعالیٰ کا قول "السحر" اس کی خبر ہے یعنی "الّذی جئتم به السحر" اور اس قرأت کی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت تقویت کرتی ہے۔ "ما جئتم به سحر" الف اور لام کے بغیر۔ انّ اللّٰه سیبطله انّ اللّٰه لایصلح عمل المفسدین"

⑧٢ "ویحق اللّٰه الحق بکلماته اپنی آیات کے ساتھ ولو کره المجرمون"

⑧٣ "فما اٰمن لموسیٰ" موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہیں۔ ان آیات کے باوجود جو ہم نے ان کو دی تھیں "الّا ذریة من قومه" قومہ کی ھاء کے مرجع میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس سے بنی اسرائیل کے وہ مؤمنین مراد ہیں جو مصر میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وہاں سے نکلے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی اولادیں تھیں جن کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا آباء ہلاک ہوگئے اور اولاد باقی رہ گئی اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ قومہ کی ھاء فرعون کی طرف لوٹ رہی ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی قوم کے چند لوگ ایمان لائے تھے ان میں سے فرعون کی بیوی، آل فرعون کا مؤمن شخص، فرعون کا خزانچی اور خزانچی عورت اور فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آل فرعون کے قبطیوں کے ستر ہزار گھر ایسے تھے جن کی مائیں بنی اسرائیل کی تھیں تو مرد اپنی ماں اور ماموؤں کے پیچھے چلے اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو فرعون کے قتل سے بچ گئے تھے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب فرعون نے بچوں کے قتل کا حکم دیا تو بنی اسرائیل کی جس عورت کا لڑکا پیدا ہوتا وہ قتل کے خوف سے وہ بچہ قبطی عورت کو دے دیتی تو ان لوگوں نے قبطیوں کے گھروں میں پرورش پائی اور جس دن جادوگر مغلوب ہوئے یہ بھی اسلام لے آئے۔ فراء فرماتے ہیں کہ ان کا نام ذریۃ اس وجہ سے رکھا گیا کہ ان کے باپ قبطی اور مائیں بنی اسرائیل سے تھیں۔ جیسے اہل فارس کی اولاد جو یمن کی عورتوں سے پیدا ہوئی اس کو ابناء کہتے ہیں کیونکہ ان کی مائیں ان کے باپ کی جنس کے علاوہ سے ہیں۔ "علیٰ خوف من فرعون وملئهم"

بعض نے کہا ہے کہ فرعون سے آل فرعون مراد ہے کہ آل فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف سے جیسے "واسئل القریة" کا مطلب ہوتا ہے بستی والوں سے سوال کریں اور بعض نے کہا ہے کہ "ملئهم" کی ضمیر سے مراد فرعون ہے اور یہ اگرچہ ایک ہے لیکن جب بادشاہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھی بھی ساتھ سمجھ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے قدم الخلیفة بادشاہ آیا تو یہ مطلب نہیں کہ تنہا آیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں "ذرّیة" کے ملاء مراد ہیں کیونکہ ان کے ملاء قوم فرعون میں سے تھے۔ "ان یفتنهم" یعنی ان کو دین سے پھیر دے۔ "یفتنو" جمع کا صیغہ نہیں لائے صرف فرعون کی خبر دی ہے کیونکہ اس کی قوم بھی اس جیسی تھی۔ "وان فرعون لعال" تکبر کرنے والا ہے۔ "فی الارض وانّه لمن المسرفین" حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ وہ بندہ تھا لیکن اس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو (سوچ بچار مت کرو بلکہ) اسی پر توکل کرو اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافروں سے نجات دے اور موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں گھر برقرار رکھو اور (نماز کے اوقات میں) سب اپنے ان ہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور (یہ ضروری ہے کہ نماز کے پابند رہو اور (اے موسیٰ) آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (دعاء میں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب (ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ) آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کردیں اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کردیجئے اور ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کردیجئے جس سے ہلاکت کے مستحق ہوجاویں) سو یہ ایمان نہ لانے پاویں یہاں تک کہ عذاب الیم (کے مستحق ہوکر اس) کو دیکھ لیں۔

تفسیر ﴿۸۴﴾ "وقال موسٰی" اپنی قوم کے مؤمنین کو "یا قوم ان کنتم اٰمنتم باللّٰہ فعلیہ توکّلوا ان کنتم مسلمین"

﴿۸۵﴾ "فقالوا علی اللّٰہ توکّلنا" ہم نے بھروسہ اور اعتماد کیا۔ پھر دُعا مانگتے ہوئے کہنے لگے "ربّنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین" یعنی ان کو ہم پر غالب نہ کریں اور ہمیں ان کے ہاتھوں ہلاک نہ کریں کہ وہ گمان کرنے لگیں گے کہ ہم حق پر نہیں تو وہ سرکشی میں بڑھیں گے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے عذاب نہ دیں تو قوم فرعون کہنے لگی کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو عذاب نہ دیئے جاتے تو وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔

﴿۸۶﴾ "ونجّنا برحمتک من القوم الکافرین"

﴿۸۷﴾ "واوحینا الٰی موسٰی واخیہ" ہارون علیہ السلام "ان تبوّا لقومکما بمصر بیوتا کہاجاتا ہے بوأفلان لنفسہ

بیتا ومضجعا جب اس کو بنالے وبوأته جب میں نے اس کیلئے بنالیا۔ واجعلوا بیوتکم قبلة" اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل صرف اپنے عبادت خانوں میں عبادت کرتے تھے اور یہ عبادت خانے ظاہر ہوتے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے تو فرعون نے ان عبادت خانوں کو گرانے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کو نماز سے منع کر دیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں مسجدیں بنالیں اور ان میں نماز پڑھیں۔ یہ ابراہیم، عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو فرعون کا ڈر ہوا۔ اگر عبادت خانوں میں نماز پڑھیں تو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ گھروں میں مسجدیں بنائیں قبلہ رُخ ان میں چھپ کر نماز پڑھیں اور مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کے رُخ قبلہ کی طرف کرو۔ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کعبہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا قبلہ تھا۔ "واقیموا الصّلٰوۃ وبشّر المؤمنین" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

⑧⑧ "وقال موسٰی ربّنا انّک اٰتیت فرعون وَملاه زینة" دُنیا کے سامان سے "واموالاً فی الحیٰوۃ الدُّنیا ربّنا لیضلّوا عن سبیلک"...... "لیضلّو" کے لام میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ لام کی ہے۔ معنی یہ ہے کہ تو نے ان کو دیا تاکہ تو ان کو آزمائے تو وہ خود گمراہ ہوئے اور تیرے راستے سے گمراہ کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لاسقیناهم ماء غدقًا لنفتنهم فیه" اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لام عاقبت ہے یعنی تاکہ وہ گمراہ ہو جائیں تو ان کے معاملہ کا انجام گمراہ ہونا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فالتقطه اٰل فرعون لیکون لهم عدوًّا وّحزنًا ...... ربّنا اطمس علٰی اموالهم" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہلاک کر دے اور طمس بمعنی مٹا دینا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے مال، کھیتیاں، جواہر وغیرہ سب کچھ پتھر ہو گیا۔

محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی صورتیں پتھر ہو گئیں، آدمی اپنی بیوی کے ساتھ بستر میں سویا ہوا تھا وہ دونوں پتھر ہو گئے اور عورت روٹی پکا رہی تھی وہ پتھر ہو گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ دراہم اور دنانیر منقش پتھر ہو گئے جس طرح کے درہم ہوتے ہیں۔ نصف، ثلث وغیرہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک تھیلا منگوایا جس میں آل فرعون کے بقایاجات تھے تو اس میں سے ایک منقش انڈہ اور کھلا ہوا اخروٹ نکالا، یہ دونوں پتھر کے تھے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کھجور، پھل، آٹا، غلہ وغیرہ کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا تو یہ نو آیات میں سے ایک ہے۔ "و اشدد علٰی قلوبهم" یعنی ان پر مہر لگا دے کہ وہ نرم بھی نہ ہوں اور ایمان کے لیے نہ کھلیں۔ "فلا یؤمنوا" بعض نے کہا ہے کہ یہ جواب دُعا ہونے کی وجہ سے فاء کے ساتھ منصوب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا عطف "لیضلّوا" پر ہے یعنی "لیضلّوا فلا یؤمنوا" اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دُعا ہے اور محلاً مجزوم ہے گویا کہ فرمایا "اللّٰهُمَّ فلا یؤمنوا"...... "حتی یروا العذاب الالیم" اور وہ غرق ہے۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑧⑨ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ⑨⓪

ترجمہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی سوتم (اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ پر) مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جن کو علم نہیں اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کردیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے (دریا میں) چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا (اور ملائکہ عذاب کے نظر آنے لگے) تو (سراسیمہ ہوکر) کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔

تفسیر سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر پر موت دے۔

⑧⑨ "قال" اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو کہا "قد اجیبت دعوتکما" یہاں دُعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ حالانکہ دُعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دُعا کررہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور آمین کہنا دُعا ہے اور بعض قصص میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور قبولیت کے درمیان چالیس سال کا وقفہ تھا۔ "فاستقیما" رسالت اور دعوت پر اور میرے حکم کو جاری رکھو یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب آجائے۔ "ولا تتبعان سبیل الّذین لایعلمون"

⑨⓪ "وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتبعھم" ان کو پالیا۔ "فرعون و جنودہ کہا جاتا ہے "اتبعہ وتبعہ" جب اس کو پالے اور جاملے اور "اتّبعہ" شد کے ساتھ جب اس کے پیچھے چلے اور اس کی اقتداء کرے اور بعض نے کہا ہے یہ دونوں ایک ہیں۔ بغیًا وعدوًا" یعنی ظلماً اور دشمنی سے اور بعض نے کہا قول میں سرکشی اور فعل میں دشمنی اور دریا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے پھٹ چکا تھا۔

جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سمندر تک پہنچا تو اس میں داخل ہونے سے ڈر گئے تو ان کے آگے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خوبصورت گھوڑی پر آئے اور دریا میں گھس گئے تو ان کے پیچھے باقی گھوڑے بھی داخل ہوگئے تو جب ان کا آخری شخص داخل ہوا اور پہلا نکلنے ہی والا تھا کہ پانی ان پر رل گیا۔ "حتّٰی اذا ادرکہ الغرق" یعنی پانی نے اس کو ڈھانپ لیا اور اس کی ہلاکت قریب ہوگئی۔ "قال اٰمنت انّہ"

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "انّہ" الف کی زیر کے ساتھ ہے یعنی میں ایمان لایا اور میں نے کہا "انہ" اور دیگر حضرات نے "انّہ" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اٰمنت" کے اس پر واقع ہونے کی بناء پر اور حرف خبر کو مقدر ماننے کی بناء پر۔ یعنی "آمنت بانّہ" تو باء کو حذف کردیا گیا اور فعل کو بغیر صلہ کے ملادیا گیا تو یہ نصب کی جگہ میں ہے۔

"لا اِلٰہ اِلَّا الّذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین" تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں دریا کی کیچڑ ٹھونس دی۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَھُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہوں اور (معائنۂ آخرت کے) پہلے سے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا (اب نجات چاہتا ہے) سو (بجائے نجات مطلوبہ کے) آج ہم تیری لاش کو (پانی میں تہ نشین ہونے سے) نجات دیں گے تا کہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد (موجود) ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ (پھر بھی) بہت سے آدمی ہماری (ایسی ایسی عبرتوں سے غافل ہیں (اور مخالفت احکام الٰہیہ سے نہیں ڈرتے) اور ہم نے (غرق فرعون کے بعد) بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ رہنے کو دیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں (نعمائی جنات وعون وغیرہ) کھانے کو دیں سوانہوں نے (جہل کی وجہ سے) اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس (احکام کا) علم پہنچ گیا یقینی بات یہ ہے کہ آپ کا رب ان (اختلاف کرنے والوں) کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ (عملی) کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۹۱﴾ "آلآن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو وہ کہنے لگا "آمنت انہ لا الٰہ الّا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل" تو جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھے دیکھتے کہ میں دریا کی کیچڑ اُٹھا کر اس کو منہ میں ٹھونس رہا تھا۔ اس خوف سے کہ اس کو رحمت نہ پکڑے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کی خبر دی تو بنو اسرائیل کہنے لگے کہ فرعون نہیں مرا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے فرعون کو ساحل پر ڈال دیا وہ سرخ چھوٹا ہو گیا تھا۔ گویا کہ وہ بیل ہے تو اس کو بنی اسرائیل نے دیکھ لیا اور اسی وقت سے اس کی لاش کو پانی قبول نہیں کرتا۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول۔

﴿۹۲﴾ "فالیوم ننجّیک" یعنی ہم تجھے بلند زمین پر ڈالیں گے۔ اور یعقوب رحمہ اللہ نے "ننجیک" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ببدنک" تیرے جسم کے ساتھ جس میں روح نہ ہوگی اور بعض نے بدن یعنی ذرہ کے معنی میں ہے کہ اس کی ایک ذرہ مشہور تھی جس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے تو ان لوگوں نے اس کو اس کی ذرہ میں دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی "لتکون لمن خلفک آیۃ" عبرت اور نصیحت "وانّ کثیراً من النّاس عن آیاتنا لغافلون"

﴿۹۳﴾ "ولقد بوّأنا بنی اسرائیل" ہم نے بنی اسرائیل کو اتارا فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد "مبوّأ صدق" سچی منزل یعنی مصر

اور بعض نے کہا اُردن اور فلسطین یہی وہ مقدس زمین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اوران کی اولاد کی میراث بنایا۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مصراور شام مراد ہے۔ "ورزقنا هم من الطيّبات" حلال چیزیں "فما اختلفوا" یعنی وہ یہودی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے آپ علیہ السلام کی تصدیق میں اور اس بات میں کہ آپ علیہ السلام نبی ہیں "حتّی جاء هم العلم" یعنی قرآن اور بیان کہ آپ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ علیہ السلام کا دین حق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حتی کہ ان کے پاس ان کا معلوم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے کیونکہ وہ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے تو آیت میں العلم بمعنی معلوم ہے جیسے مخلوق کو خلق کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "هٰذا خلق الله" اور کہا جاتا ہے ہذا الدرہم ضرب الامیر ہے یعنی مضروب الامیر ہے۔ "انّ ربّک یقضی بینهم یوم القیامة فیما کانوا فیه یختلفون" دین میں اختلاف کرتے ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

ترجمہ پھر اگر (بالفرض) آپ اس (کتاب) کی طرف سے شک (اور شبہ) میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں مراد توریت وانجیل ہیں تو وہ قرآن کو سچ بتلائیں گے بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں اور (نہ شک کرنے والوں سے بڑھ کر) ان لوگوں میں ہوں۔ جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں آپ (نعوذ باللہ) تباہ نہ ہو جاویں یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی (یہ ازلی) بات (کہ ایمان نہ لاویں گے) ثابت ہو چکی ہے وہ (کبھی) ایمان نہ لاویں گے گو ان کے پاس تمام دلائل (ثبوت حق کے) پہنچ جائیں جب تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان نافع نہیں ہوتا) کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا ہاں مگر یونس (علیہ السلام) کی قوم جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص (یعنی وقت موت) تک (خیر وخوبی کے ساتھ) عیش دیا اور ان اقوام وقری کی کیا تخصیص ہے۔

تفسیر ﴿۹۴﴾ "فان کنت فی شکّ ممّا انزلنا الیک" یعنی قرآن "فاسأل الّذین یقرؤن الکتاب من قبلک" تو وہ آپ کو خبر دیں گے کہ ان کے پاس توریت میں بھی آپ علیہ السلام کا لکھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس سے مراد آپ علیہ السلام کے علاوہ لوگ ہیں جیسے عرب کی عادت ہے کہ وہ کسی کو خطاب کرتے ہیں اور مراد کوئی

اور ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یایھا النّبی اتق اللّٰہ" یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا حالانکہ مراد مؤمنین ہیں کیونکہ آگے چل کر فرمایا "ان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرا"...... "بما تعمل" نہیں کہا تو معلوم ہوا مؤمنین مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ تین طرح کے تھے۔(۱) تصدیق کرنے والے (۲) تکذیب کرنے والے (۳) شک میں پڑے ہوئے۔ تو یہ خطاب اہل شک کو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگر تو اس میں شک کرتا ہے جو ہم نے تیری طرف ہدایت اُتاری ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تو ان لوگوں سے پوچھ جو کتاب پڑھتے ہیں تیرے سے پہلے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی جو اہل کتاب میں سے ایمان لے آئے ہیں ان سے پوچھ جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تو وہ عنقریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے پر اور آپ علیہ السلام کی نبوت پر گواہی دیں گے۔ فراء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل شک نہیں ہے لیکن عرب کی عادت کے موافق کلام کی ہے کہ عرب لوگ غلام کو کہتے ہیں اگر تو میرا غلام ہے تو میرا کہنا مان اور بیٹے کو کہتے ہیں کہ اگر میرا بیٹا ہے تو اس اس طرح کر تو یہ کلام شک کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ "لقد جاء ک الحق من ربّک فلا تکونن من الممترین"

⑨⑤ "ولا تکوننّ من الّذین کذّبوا بآیات اللّٰہ فتکون من الخاسرین" اور یہ تمام خطاب ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مراد اس سے آپ علیہ السلام کا غیر ہے۔

⑨⑥ "انّ الّذین حقت علیھم کلمۃ ربّک" بعض نے کہا ہے اس کی لعنت اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول مراد ہے کہ یہ لوگ جہنم میں جائیں گے اور مجھے کوئی پروا نہیں "لا یؤمنون"

⑨⑦ "ولو جاء تھم کلّ ایۃ دلالت حتی یروا العذاب العلیم"

اخفش فرماتے ہیں کل کے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے اس لئے کہ یہ مؤنث کی صرف مضاف ہے اور وہ اس کا قول آیۃ ہے اور لفظ کل مذکر اور مؤنث کیلئے برابر استعمال ہوتا ہے۔

⑨⑧ "فلولا کانت قریۃ" اور معنی یہ ہے کہ نہیں تھے کوئی بستی والے اس لیے کہ استفہام انکار کی ایک قسم ہے۔ "آمنت" عذاب کے مشاہدہ کے وقت "فنفعھا ایمانھا" ناامیدی کی حالت میں۔

⑨⑧ "الّا قوم یونس" کیونکہ اس وقت میں ان کو ان کے ایمان نے نفع دیا۔ لفظ "قوم" استثناء منقطع کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت ہے "ولکن قوم یونس لمّا اٰمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا ومتّعناھم الی حین" اور وہ ان کی عمروں کے ختم ہونے کا وقت ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کرلیا تھا یا نہیں؟ تو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انہوں نے عذاب کی دلیل دیکھ لی تھی اور اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کرلیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کشفنا عنھم عذاب الخزی" اور کشف چیز کے واقع ہونے کے بعد یا قریب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اوران کی قوم کا واقعہ

"وقصة الآية" آیت کا قصہ جو عبداللہ بن مسعود، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما، وھب رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ قوم یونس علیہ السلام موصل کے علاقہ نینوی میں آباد تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا کہ ان کو ایمان کی طرف دعوت دیں۔ یونس علیہ السلام نے انہیں ایمان کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے انکار کیا تو ان کو کہا گیا کہ آپ علیہ السلام ان کو خبر دے دیں کہ عذاب ان کو تین دن کے بعد صبح کو آئے گا تو یونس علیہ السلام نے ان کو خبر دے دی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے اس پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا تم دیکھو اگر یہ آج کی رات تم میں گزارتے ہیں تو یہ عذاب کچھ بھی نہیں اور اگر نہیں گزارتے تو جان لو کہ عذاب صبح کے وقت تم پر آئے گا تو اس رات کے درمیان میں یونس علیہ السلام وہاں سے چلے گئے۔

جب انہوں نے صبح کی تو عذاب ان کو ڈھانپ چکا تھا اور ان کے سروں پر ایک میل کے بقدر اوپر تھا اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان پر بڑے ہولناک سیاہ بادل تھے جن سے سخت دھواں نکل رہا تھا تو وہ نیچے اُترا اور ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ان کی چھتیں سیاہ ہوگئیں۔ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو عذاب کا یقین ہوگیا تو اپنے نبی حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا وہ نہ ملے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ ڈال دی تو وہ اپنی عورتوں، بچوں، جانوروں کو لے کر چٹیل میدان میں آگئے اور ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور توبہ اور ایمان کو ظاہر کیا اور نیت کو خالص کیا اور ہر بچہ کو اس کی والدہ سے جدا کر دیا خواہ انسان کا ہو یا جانور کا اور اونچی آواز سے رونے لگے کہ آوازیں گڈمڈ ہوگئیں اور خوب گڑگڑائے اور کہنے لگے جو دین یونس علیہ السلام لائے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان کی دُعا قبول کر لی اور ان سے عذاب دور کر دیا۔

یہ عاشورہ کا دن تھا اور یونس علیہ السلام شہر سے باہر قیام کر کے ان کے عذاب اور ہلاکت کا انتظار کر رہے تھے لیکن ایسی کوئی چیز نہ دیکھی اس قوم کا دستور تھا کہ جو جھوٹ بولے اور اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو قتل کیا جاتا تھا تو یونس علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی قوم کے پاس واپس کیسے جاؤں حالانکہ میں نے تو ان سے خلاف واقعہ بات کی ہے؟ تو یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے اور قوم پر غصہ ہوتے ہوئے وہاں سے چل پڑے اور ایک دریا پر آئے۔ وہاں کچھ لوگ کشتی پر سوار تھے، انہوں نے یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کر لیا۔ جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچی تو رُک گئی نہ آگے جائے نہ پیچھے ہٹے تو کشتی والے کہنے لگے کہ ہماری کشتی کی ایک حالت ہے تو یونس علیہ السلام نے فرمایا میں اس کی وجہ پہچان گیا ہوں اس پر ایک بڑی غلطی والا شخص سوار ہوا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم مجھے دریا میں ڈال دو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ علیہ السلام کو ایسے نہ ڈالیں گے تو انہوں نے قرعہ اندازی کی تو تین مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا اور ایک مچھلی کشتی کے پاس منہ کھولے اپنے رب کے حکم کی منتظر کھڑی تھی تو یونس علیہ السلام فرمانے لگے کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے ورنہ مجھے ڈال دو تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا اور آپ علیہ السلام کو مچھلی نے منہ میں لے لیا اور کشتی چل پڑی۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ نے ایک بڑی مچھلی کو حکم دیا اس نے کشتی کا قصد کیا جب اس کو کشتی والوں نے دیکھا کہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑی ہے اور منہ کھولے کشتی والوں کو دیکھ رہی ہے جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو تو اس سے ڈر گئے جب یونس علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یونس علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر بحر روم آئے تھے اور کشتی والوں نے یہ کہا تھا کہ یہاں کوئی گناہ گار شخص یا بھگوڑا غلام ہے اور کشتی کا یہی طرز ہے کہ اگر اس میں بھگوڑا غلام ہو تو وہ نہیں چلتی اور ہمارا طریقہ اس وقت یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کو پہچاننے کے لیے قرعہ ڈالتے ہیں جس کا قرعہ نکلا اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ ایک کا ہلاک ہونا سب کے ہلاک ہونے سے بہتر ہے تو تینوں مرتبہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا تو یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی عاصی اور عبد آبق ہوں تو اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا اور مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا۔ پھر اس مچھلی سے بڑی مچھلی آئی اور اس نے چھوٹی مچھلی کو نگل لیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کے ایک بال کو بھی تکلیف نہ پہنچے کیونکہ میں نے تیرے پیٹ کو ان کا قید خانہ بنایا ہے نہ کہ تیرا کھانا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی آپ علیہ السلام کو نگل کر ساتویں زمین تک چلی گئی۔ آپ علیہ السلام چالیس راتیں اس کے پیٹ میں رہے تو کنکریوں کی تسبیح سنی تو اندھیروں میں پکارا ''ان لا الٰہ الاّ انت سبحانک انی کنت من الظالمین'' تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کی اور مچھلی کو حکم دیا تو اس نے ان کو سمندر کے ساحل پر رکھ دیا اور آپ علیہ السلام اس چوزے کی طرح تھے جس کے جسم پر بال نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی بیل اُگا دی جس کے نیچے سایہ لیتے تھے اور ایک پہاڑی بکری آ کر ان کو دودھ پلاتی تھی تو وہ بیل خشک ہوگئی تو یونس علیہ السلام رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ علیہ السلام بیل کے خشک ہونے پر روتے ہیں ایک لاکھ سے زائد لوگوں پر نہیں روتے جن کے بارے میں آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ میں ان کو ہلاک کر دوں؟ جب یونس علیہ السلام یہاں سے نکلے تو ایک غلام جانور چرا رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا اے لڑکے تو کون ہے؟ اس نے کہا قوم یونس سے ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو ان کے پاس جائے تو کہنا کہ میں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا ہے تو لڑکا کہنے لگا کہ اگر میرے پاس کوئی گواہی نہ ہوئی تو میں قتل کر دیا جاؤں گا تو یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زمین اور یہ درخت تیری گواہی دیں گے تو لڑکے نے کہا آپ علیہ السلام ان کو حکم دیں تو یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا، ان دونوں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو غلام واپس گیا اور بادشاہ کو کہا کہ میں یونس علیہ السلام کو ملا ہوں تو بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو لڑکے نے کہا میرے پاس گواہی ہے۔ میرے ساتھ کچھ لوگ بھیجو، پھر ان کو لے کر زمین کے اس ٹکڑے اور درخت کے پاس گیا تو ان کو کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ کیا تمہیں یونس علیہ السلام نے گواہ بنایا تھا؟ ان دونوں نے کہا ہاں تو قوم واپس گئی اور بادشاہ کو کہا کہ اس لڑکے کی گواہی درخت اور زمین نے دی ہے تو بادشاہ نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا تو مجھ سے اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے تو وہ لڑکا چالیس سال تک ان کا بادشاہ رہا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا ط اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ⑲ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ⑩ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ⑪

ترجمہ: اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے سو (جب یہ بات ہے تو) کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں میں ایمان ہی لے آویں حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا بدون خدا کے حکم (یعنی مشیت) کے ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر (کفر کی) گندگی واقع کر دیتا ہے آپ کہہ دیجئے تم غور کرو (اور دیکھو) کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں (یہ بیان ہوا ان کے عناد کا)

تفسیر: ⑲ "ولو شاء ربّک اے محمدؐ لاٰمن من فی الارض کلّھم جمیعًا افانت تکرہ النّاس حتّٰی یکونوا مؤمنین" یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کو یہ شدید تمنا تھی کہ سارے لوگ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے سعادت لکھی جا چکی اور وہی گمراہ ہوں گے جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی۔

⑩ "وما کان لنفس کسی نفس کیلئے مناسب نہیں ہے اور بعض نے کہا نہیں ہے کوئی نفس ان تؤمن الّا باذن اللّٰہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے ساتھ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی مشیت کے ساتھ اور بعض نے کہا اللہ کے علم کے ساتھ۔ "ویجعل الرّجس" ابوبکر رحمہ اللہ نے نجعل نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ۔ "الرّجس" بمعنی عذاب "علی الّذین لا یعقلون" اللہ کا حکم اور نہی۔

⑪ "قل انظروا" یعنی ان مشرکین کو کہہ دیں جو آپ سے نشانیاں مانگتے ہیں کہ تم دیکھو "ماذا فی السّمٰوٰت والارض" آیات اور دلائل اور عبرت۔ پس آسمانوں میں سورج، چاند اور ستارے وغیرہ ہیں اور زمین میں پہاڑ، سمندر، دریا، درخت وغیرہ ہیں۔ "وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون" یہ اس قوم کے بارے میں ہے جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں ہے۔

فَھَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِھِمْ ط قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ⑫ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑬ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑭ وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ⑮ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ⑯

ترجمہ: سو وہ لوگ (بدلالت حال) صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کررہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اچھا تو تم (تو اس کے) انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ (اس کے) انتظار کرنے والوں میں ہوں پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے (جس طرح ان مومنین کو ہم نے نجات دی تھی ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف شک اور تردد) میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو (منجانب اللہ) یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین اندر کو (توحید خالص) کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ سب طریقوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور (مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ) کبھی مشرک مت بننا) اور (یہ حکم ہوا کہ خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ (عبادت کرنے کی حالت میں) کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ (ترک عبادت کی حالت میں) کوئی ضرر پہنچا سکے پھر اگر (بالفرض) ایسا کیا تو تم اس حالت میں حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

تفسیر: ⑩ "فهل ينتظرون" مکہ کے مشرکین یاد ہیں "الا مثل ايام الّذين خلوا من قبلهم" پہلی اُمتوں کے تکذیب کرنے والوں کے مثل۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی اللہ کے وہ عذاب جو قوم نوح علیہ السلام وقوم عاد وثمود پر واقع ہوئے اور عربی محاورہ میں ایام کے لفظ سے عذاب بھی مراد لیا جاتا ہے اور انعامات بھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وذكّرهم بايّام الله" یعنی ہر خیر اور شر جو ان پر گزرے وہ ایام ہے۔ "قل فانتظروا انّي معكم من المنتظرين"

⑩ "ثمّ ننجّي رسلنا" یعقوب (تنجی) پڑھا ہے تخفیف کے ساتھ "والّذين اٰمنوا" ان رسولوں کے ساتھ عذاب کے اُترنے کے وقت۔ یہاں "ننجّي" مستقبل کا صیغہ ہے لیکن ماضی "نجّينا" کے معنی میں ہے۔ (گزشتہ زمانے میں ہم نے ایسا کیا تھا اور یہی ہمارا دستور ہے) "كذالك" جیسے ہم نے ان کو نجات دی۔ "حقًّا علينا نُنج المؤمنين" کسائی اور حفص و یعقوب نے (تنجی) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تشدید کے ساتھ اور نجا اور انجی کا ایک معنی ہے۔

⑩ "قل يا ايّها النّاس ان كنتم في شكٍّ من ديني" جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ کفار تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو باطل سمجھتے تھے پھر ان کو یہ کیسے کہہ دیا کہ اگر شک ہو؟ جواب یہ ہے کہ ان کفار میں کئی لوگ شک میں تھے۔ آیت میں وہ لوگ مراد ہیں یا جب ان سب نے آیات دیکھیں تو شک میں پڑ گئے تو اس وقت ان کو یہ کہا گیا۔ "فلا اعبد الّذين تعبدون من دون الله" یعنی بت "ولكن اعبد الله الّذي يتوفّاكم" تمہیں موت دے گا اور تمہاری روح قبض کرے گا۔ "وامرت ان اكون من المؤمنين"

⑩ "وان اقم وجهك للدّين حنيفًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اپنے عمل کو اور بعض دین پر قائم ہو یکسو ہو کر۔ "ولا تكوننّ من المشركين"

⑩⑥ "ولا تدع" اور تو نہ عبادت کر "من دون اللہ مالا ینفعک" اگر تو ان کی اطاعت کرے۔ "ولا یضرّک" اگر تو ان کی نافرمانی کرے "فان فعلت" اگر تو نے غیر اللہ کی عبادت کی "فانک اذا من الظالمین" اپنا نقصان کرنے والوں میں سے جو عبادت کو اس کی جگہ کے علاوہ رکھتے ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑩⑦ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ⑩⑧ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ⑩⑨

ترجمہ اور (مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ) اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچاوے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں مبذول فرماویں اور وہ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو تمہارے پاس (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے (بدلیل) پہنچ چکا ہے سو (اس کے پہنچ جانے کے بعد) جو شخص راہ راست پر آ جاوے گا سو وہ اپنے (نفع) کے واسطے راہ راست پر آوے گا اور جو شخص (اب بھی) بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال بھی) اسی پر پڑے گا اور میں تم پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کیا گیا اور آپ اس کا اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (ان کا) فیصلہ کردیں گے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہے۔

تفسیر ⑩⑦ "وان یمسسک اللہ بضرّ" پہنچے تجھے سختی اور مصیبت۔ "فلا کاشف له" اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے "الّا ھو وان یردک بخیر" نرمی، نعمت، کشادگی "فلا رادّ لفضله" پس نہیں ہے کوئی روکنے والا اس کے رزق کو "یصیب به" نفع اور نقصان میں سے ہر ایک۔ "من یّشاء من عباده وھو الغفور الرّحیم"

⑩⑧ "قل یا یھا النّاس قد جاء کم الحق من ربّکم" یعنی قرآن اور اسلام "فمن اھتدیٰ فانّما یھتدی لنفسه ومن ضلّ فانّما یضل علیھا" اس کا وبال اس کی جان پر ہوگا۔ "وما انا علیکم بوکیل" بکفیل کہ تمہارے اعمال کی نگرانی کروں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قتال کی آیت نے اس کو منسوخ کردیا ہے۔

⑩⑨ "واتّبع ما یُوحی الیک واصبر حتّی یحکم اللّٰہ" آپ علیہ السلام کی مدد کا اور آپ علیہ السلام کے دشمنوں کو مغلوب کرنے اور آپ علیہ السلام کے دین کو غالب کرنے کا "وھو خیر الحاکمین" پس اس نے مشرکوں کے قتال اور اہل کتاب پر جزیہ کا حکم دیا جس کو وہ ذلت سے ادا کریں گے۔

سُورَۃ هُوْد

یہ سورۃ مکی ہے سوائے اس آیت "واقم الصّلوٰۃ طرفی النّھار" کے۔ اور اس سورت کی ایک سوتیئس (۱۲۳) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ①

ترجمہ: الر (کے معنے تو اللہ کو معلوم) یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے۔

تفسیر ① "الٓر کتاب" یعنی یہ کتاب "احکمت اٰیاتہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی دوسری کتاب کے ذریعے منسوخ نہیں کی گئیں جیسے پہلی کتابیں اور شریعتیں قرآن کے ذریعے منسوخ کی گئی ہیں۔

"ثمّ فصّلت" احکام حلال وحرام کو بیان کیا گیا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امر و نہی کے ذریعے محکم کی گئی اور وعد و وعید کے ذریعے تفصیل کی گئی۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احکمت یعنی اللہ نے اس کو محکم کیا کہ نہ اس میں کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تناقض مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فصّلت" یعنی اس کی تفسیر کی گئی اور بعض نے کہا "فصّلت" یعنی تھوڑی تھوڑی اُتاری گئی۔ "من لّدن حکیم خبیر"

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ② وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

ترجمہ: یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں اور

یہ (بھی ہے) کہ تم لوگ اپنے گناہ (شرک وکفر وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف (عبادت سے) متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (دنیا میں) خوش عیشی دے گا اور (آخرت میں) پھر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر ایمان لانے سے) تم لوگ اعراض (ہی) کرتے رہے تو مجھ کو (اس صورت میں) تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے تم (سب) کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ باتیں ظاہر کرتے ہیں (کیونکہ) بالیقین وہ (تو) دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔

تفسیر ❷ "ان لاّ تعبدوا الاّ الله" یعنی اس کتاب میں یہ حکم ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو اس صورت میں ان محل رفع میں ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ محل جر میں ہے۔ اصل عبارت ہے "بان لاّ تعبدوا الاّ الله"...... "انّنی لکم منه" اللہ سے "نذیر" نافرمانوں کے لیے ڈرانے والے "بشیر" اطاعت گزاروں کے لیے خوشخبری دینے والے ہیں۔

❸ "وان" پہلے اَن پر عطف ہے۔ "استغفروا ربّکم ثمّ توبوا الیه" یعنی اسی کی طرف لوٹو طاعت کے ساتھ۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ثمّ" یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔

یعنی "وتوبوا الیه" اس لیے کہ استغفار توبہ کرنا ہے اور توبہ کرنا استغفار ہے۔

"یمتّعکم متاعًا حسنًا" تم کو اچھی زندگی دے گا جس میں امن وکشادگی ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ اچھی زندگی تھوڑے پر راضی ہونا اور تقدیر الٰہی پر صبر کرنا ہے۔

"الی اجل مسمّی" کیونکہ ہر شخص کی مدت زندگی مقرر ہے۔

"ویؤت کلّ ذی فضل فضله" یعنی دُنیا میں ہر نیک عمل کرنے والے کو آخرت میں اس کا اجر وثواب دے گا۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں جس کی عبادت زیادہ ہوگی آخرت کے دن جنت میں اس کے درجات زیادہ ہوں گے۔

اس لیے کہ درجات اعمال کی وجہ سے ملیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر زیادہ ہوں گی، جنت میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ اعراف میں رہے گا، بعد میں جنت میں داخل ہوگا۔ بعض نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو اللہ کے لیے عمل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی اس کو عبادت کرنے کی توفیق دیں گے۔ "وان تولّوا فانّی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر" اور وہ قیامت کا دن ہے۔

❹ "الی الله مرجعکم وهو علی کلّ شیء قدیر"

آیت کا شان نزول

⑤ "اَلاَ اِنَّھم یثنون صدورھم" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص شیریں کلام والا اچھی صورت والا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے طریقے سے ملتا اور دل میں ناپسندیدگی ہوتی۔ "یثنون صدورھم" یعنی دل میں جو بغض اور عداوت ہے اس کو مخفی رکھتے ہیں۔ عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو اپنے سینے کو جھکا لیتا، سر نیچے کر لیتا اور چہرہ ڈھانپ لیتا تاکہ آپ علیہ السلام اس کو نہ دیکھ سکیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے سینوں کو موڑتے تھے تاکہ اللہ کی کتاب اور اس کا ذکر نہ سن سکیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک کافر شخص اپنے گھر داخل ہوتا اور پردہ ڈال لیتا اور کمر جھکا لیتا اور کپڑوں سے خود کو ڈھانپ لیتا اور کہتا کیا اللہ میرے دل کی بات کو جانتا ہے۔ اور سدی فرماتے ہیں یثنون یعنی اپنے دلوں کے ساتھ اعراض کرتے ہیں۔ یہ ان کے قول ثنیت عنانی سے مشتق ہے اور بعض نے کہا ہے نرمی کرتے ہیں اس سے ثنی الثوب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہمانے "یثنونی" تحلولی کے وزن پر پڑھا ہے۔ فعل کو صدور کے لیے قرار دیا ہے اور اس کا معنی ثنی میں مبالغہ کرنا ہے۔

"لیستخفوا منہ" یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاکہ وہ اللہ سے چھپ جائیں اگر ان کو طاقت ہو۔ "الا حین یستغشون ثیابھم" اپنے سروں کو کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں۔ "یعلم ما یسرون وما یعلنون انّہ علیم بذات الصّدور" ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوری آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی چھپاتے ہیں ہم پر ان کا حال چھپا ہوا نہیں ہے۔ محمد بن عباد بن جعفر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت "الاَ انّھم یثنون صدورھم" پڑھتے سنا تو ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ چند قضائے حاجت کرنے سے حیاء کرتے تھے کہ یہ آسمان کی طرف چڑھے گا اور بیویوں سے جماع کرنے سے حیاء کرتے تھے کہ یہ بھی آسمان کی طرف چڑھے گا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ م بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

ترجمہ اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (بھی منضبط و مندرج) ہیں اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن (کی مقدار) میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ تم کو آزماوے کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد (قیامت کے دن دوبارہ) زندہ کیے جاؤ گے تو (ان میں) جو لوگ کافر ہیں وہ (قرآن کی نسبت جس میں بعثت کی خبر ہے) کہتے ہیں کہ یہ تو نرا صاف جادو ہے۔

تفسیر ⑥ "وما من دابّة في الارض" یعنی کوئی دابہ ایسا نہیں ہے من صلہ ہے اور دابہ ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جو زمین پر رینگے۔ "الاّ علی اللہ رزقها" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کے رزق کی ذمہ داری لی ہے اگر چاہے تو رزق دے اور اگر چاہے تو رزق نہ دے اور بعض نے کہا ہے کہ علی بمعنی من ہے یعنی اللہ کی طرف سے اس کا رزق ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو رزق اس کے پاس آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بسا اوقات اس کو رزق نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر جاتا ہے۔

مستقر اور مستودع کی مختلف تفاسیر

"ويعلم مستقرّها ومستودعها"

1۔ ابن مقسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ مستقر وہ جگہ جس کو وہ ٹھکانہ بنائے اور رات اور دن کو اس میں قرار پکڑے اور مستودع وہ جگہ جس میں مرنے کے بعد دفن کیا جائے گا۔

2۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مستقر ماؤں کے رحم اور مستودع وہ جگہ جہاں موت آئے گی۔

3۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستقر ماؤں کے رحم اور مستودع آباء کی پشت اور اسی کو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، علی بن طلحہ اور عکرمہ رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

4۔ بعض نے کہا کہ مستقر جنت یا جہنم اور مستودع قبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کے بیان میں فرمایا ہے "حسنت

مستقراً و مقامًا"......"کلّ فی کتاب مبین"یعنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہے۔

⑦"وھو الّذی خلق السّموٰت والارض فی ستّة ایّام و کان عرشه علی الماء" آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے پہلے اور یہ پانی ہوا کی پشت پر تھا۔ کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت کو پیدا کیا پھر رعب کی نگاہ اس پر ڈالی تو وہ پانی بن گیا۔ پھر ہوا کو پیدا کیا اور پانی کو اس کی پشت پر رکھ دیا اور پھر عرش کو پانی پر رکھ دیا۔ ضمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا اور اس سے جو مخلوق پیدا کرنی تھی وہ بھی لکھی اور جو کچھ آگے ہونے والا ہے مخلوق سے وہ بھی لکھا۔ پھر اس کتاب نے ہزار سال اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے۔

"لیبلوکم تاکہ تمہیں تمہارا امتحان لے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے تمہارے اعمال کو ایکم احسن عملاً" اللہ کی طاعت والے عمل کیے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچا۔ "ولئن قلت" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولنّ الّذین کفروا ان ھذا الّا سحر مُبین" ان کی مراد قرآن تھا اور حمزہ اور کسائی نے "ساحر" پڑھا ہے یعنی ان کی مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑧ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫

(ترجمہ) اور اگر تھوڑے دنوں تک (مراد دنیوی زندگی ہے) ہم ان سے عذاب (موعود) کو ملتوی رکھتے ہیں (کہ اس میں حکمتیں ہیں) تو (بطور انکار واستہزاء کے) کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو کون چیز روک رہی ہے یاد رکھو جس دن (وقت موعود پر) وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کے ساتھ وہ استہزاء کر رہے تھے وہ ان کو آگھیرے گا اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھاویں تو ایسا اتراتا ہے (کہ) کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا (اب کبھی نہ ہوگا پس) وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے سو شاید آپ (تنگ ہو کر) ان احکام میں سے جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں بعض کو (کہ

وہ تبلیغ ہے) چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو (ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ (جو ہم سے بھی بولتا جاتا) کیوں نہیں آیا آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور پورا اختیار رکھنے والا ہر شے پر (تو) اللہ ہی ہے۔

تفسیر ⑧ "ولئن اخرنا عنهم العذاب الٰی اُمّة معدودة" متعین وقت تک اور اُمت کا اصل معنی جماعت ہے۔ گویا کہ فرمایا کہ ایک اُمت کے ختم ہونے اور دوسری کے آنے تک۔ "لیقولنّ مایحبسه" یعنی کون سی چیز اس کو روک رہی ہے۔ یہ بات وہ عذاب کو جلدی طلب کرنے اور مذاق اُڑانے کے لیے کرتے تھے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ عذاب کچھ بھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الا یوم یاتیهم" یعنی عذاب "لیس مصروفا عنهم وحاق بهم ما کانوا به یستهزؤن" یعنی ان کے استہزاء کا وبال۔

⑨ "ولئن اذقنا الانسان منا رحمةً" نعمت اور کشادگی "ثمّ نزعناها منه" یعنی ہم اس سے اس کو چھین لیں "انه لیؤس" سخت ناامید ہوجاتا ہے "کفور" نعمت کا۔

⑩ "ولئن اذقناه نعماء بعد ضرّاء مسته" مصیبت کے بعد جو ان کو پہنچی ہو "لیقولنّ ذهب السیئات عنّی" سختیاں مجھ سے چلی گئیں "انه لفرح فخور" متکبر ہے فرح بمعنی دل میں لذت اپنی پسندیدہ چیز کے ملنے کی وجہ سے اور فخر اپنے مناقب شمار کرکے لوگوں پر بڑا بننا اس سے روکا گیا ہے۔

⑪ "الاّ الّذین صبروا" یہ استثناء منقطع ہے اس کا معنی ہے "لکن الّذین صبروا" الا بمعنی لکن کے ہے "وعملوا الصالحات" کیونکہ ان کو اگر کوئی شدت پہنچے تو صبر کرتے ہیں اور اگر نعمت ملے تو شکر کرتے ہیں۔ "اولئک لهم مغفرة" ان کے گناہوں کی "واجر کبیر" اور وہ جنت ہے۔

⑫ "فلعلّک" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "تارک بعض ما یوحٰی الیک" کہ وہ ان کو نہ پہنچائیں۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کفار مکہ نے جب کہا "ائت بقرآن غیر هٰذا" جس میں ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا گیا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ظاہراً ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

"فلعلّک تارک بعض ما یوحٰی الیک" یعنی معبودوں کو برا بھلا کہنا "وضائق به صدرک" شاید کہ آپ کو دلی تنگی ہو رہی ہے "ان یقولوا لولا انزل علیه کنز" جس کو خرچ کرے "او جاء معه ملکٌ" یا کوئی فرشتہ جو اس کی تصدیق کرے۔ اس بات کو عبداللہ بن اُمیہ مخزومی نے کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انّما انت نذیر" آپ تو صرف آیات عذاب پہنچانے والے ہیں "واللّٰه علٰی کلّ شیءٍ وکیل" وہ ہر چیز کا محافظ ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑬ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ

اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮

ترجمہ: کیا (اس کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو (اپنی طرف سے) خود بنالیا ہے آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں لے آؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر یہ کفار اگر تم لوگوں کا کہنا (کہ اس کی مثل بنا لاؤ) نہ کر سکیں تو تم (ان سے کہہ دو کہ اب تو) یقین کر لو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم (اور قدرت سے) اترا ہے اور یہ (بھی یقین کر لو) کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں تو پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو (یا نہیں) جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیات دنیوی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

تفسیر: ⑬ "ام یقولون افتراہ" بلکہ وہ کہتے ہیں آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے "قل فاتوا بعشر سورۃ مثلہ مفتریات" اگر یہ اعتراض ہو کہ سورۃ یونس میں فرمایا "فاتوا بسورۃ مثلہ" وہ اس سے عاجز تھے پھر ان کو یہ کیسے کہہ دیا کہ "فاتوا بعشر سور مثلہ" یہ تو ایسے ہو گیا کہ کوئی آدمی دوسرے کو کہے مجھے ایک درہم دے وہ اس سے عاجز ہو تو اس کو کہے مجھے دس درہم دے؟ اس کا جواب بعض حضرات کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ سورۃ ھود پہلے نازل ہوئی تھی اور سورۃ یونس بعد میں۔ لیکن مبرد رحمہ اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ سورۃ یونس پہلے نازل ہوئی تھی اور سوال کا جواب یہ دیا کہ سورۃ یونس میں "فاتوا بسورۃ مثلہ" کا معنی یہ ہے کہ اس کی مثل غیب کی خبر دینے اور احکام اور وعد و وعید میں کوئی ایک سورۃ لاؤ تو وہ عاجز ہو گئے تو ان کو سورۃ ھود میں فرمایا کہ اگر تم اس سورۃ کی مثل اخبار، احکام اور وعد و وعید یں سورت لانے سے عاجز ہو تو محض بلاغت میں اس کی مثل دس سورتیں لاؤ جو خبر اور وعد و وعید میں اگرچہ اس جیسی نہ ہوں۔ "وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین"

⑭ "فان لّم یستجیبوا لکم" اے محمد کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا لفظ جمع کا ہے اور مراد تنہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "فاعلموا" بعض نے کہا یہ خطاب مؤمنین کو ہے اور بعض نے کہا کہ خطاب مشرکین کو ہے۔ "انما انزل بعلم اللہ" یعنی قرآن اور بعض نے کہا ہے کہ اس کو اُتارا اور اس میں اس کا علم ہے۔ "وان لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھو" یعنی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ "فھل انتم مسلمون" اس کا لفظ استفہام ہے اور معنی امر ہے یعنی اسلام لے آؤ۔

⑮ "من کان یرید الحیٰوۃ الدّنیا" یعنی جو شخص اپنے علم سے دُنیا کا ارادہ کرتا ہو۔ "وزینتھا" یہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کوئی بھی نیک کام کرے اور اللہ کے غیر کا ارادہ کرتا ہو۔ "نُوَفِّ الیھم اعمالھم فیھا" یعنی ان کے اعمال کا اجر دُنیا میں وسعت رزق اور تکالیف دور کرنے کی صورت میں دے دیں گے۔ "وھم فیھا لا یُبخسون" یعنی دُنیا میں ان کا حصہ کم نہ ہوگا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا
وَّرَحْمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ فَلَا تَکُ فِیْ
مِرْیَۃٍ مِّنْہُ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑰

ترجمہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب وغیرہ) نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب (کا سب) ناکارہ (ثابت) ہوگا اور (واقع میں تو) جو کچھ کر رہے ہیں وہ (اب بھی) بے اثر ہے کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کرسکتا ہے جو قرآن پر قائم ہو جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ ایک گواہ تو اسی میں موجود ہے اور (ایک) شخص اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب سے کہ (احکام بتلانے کے اعتبار سے امام ہے اور رحمت ہے ایسے لوگ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور (کافر کا یہ حال ہے کہ) جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے سو (اے مخاطب) تم قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑنا۔ بلا شک وشبہ وہ سچی کتاب ہے تمہارے رب کے پاس سے (آئی ہے) لیکن (باوجود ان دلائل کے غضب ہے کہ) بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر ⑯ "اولئک الّذین لیس لھم فی الأخرۃ الا النّار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون" اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ریاکار لوگ مراد ہیں۔ ہم تک روایت پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ خوف مجھے تم پر شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ریاء۔ اور بعض نے کہا آیت کفار کے بارے میں ہے اور بہرحال مؤمن تو وہ دُنیا اور آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کا آخرت کا ارادہ غالب ہوتا ہے تو اس کو دُنیا میں نیکیوں کی جزاء اور آخرت میں ان پر ثواب دیا جاتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کی نیکی کا ظلم نہیں کرتے۔ اس نیکی پر دُنیا میں رزق دیا جاتا ہے اور آخرت میں جزاء دی جاتی ہے اور بہرحال کافر تو اس کی اچھائیوں کے بدلے دُنیا میں اس کو کھلایا جاتا ہے حتیٰ کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہ ہوگی جس پر اس کو خیر دی جائے۔

⑰ "افمن کان علی بیّنۃ بیان پر من ربّہ" بعض نے کہا ہے کہ آیت میں حذف ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بیان پر ہو اس شخص کی طرح ہے جو دُنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا ارادہ رکھتا ہو یا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو گمراہی اور جہالت میں ہو اور "علی بیّنۃ من ربّہ" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "ویتلوہ شاھد منہ" یعنی اس کے پیچھے وہ ہے جو اس کے سچے ہونے کی گواہی دے۔

"ویتلوہ شاھد" سے کیا مراد ہے

اس شاہد میں اختلاف ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما، علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شاہد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے اور ابن جریج نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرشتہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا تھا اور آپ علیہ السلام کو راہ دکھاتا تھا اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شاہد قرآن اور اس کے الفاظ اور اس کا اعجاز ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شاہد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ قریش کے ہر آدمی کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے تو ان سے ایک شخص نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کون سی آیت نازل ہوئی ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ویتلوہ شاھد منہ" اور بعض نے کہا ہے کہ شاہد انجیل ہے۔ "ومن قبلہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے اور بعض نے کہا ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے "کتاب موسٰی" یعنی تھی موسیٰ علیہ السلام کی کتاب "امامًا و رحمۃً" ان کے لیے جواب کی اتباع کریں۔یعنی توریت جو قرآن کی تصدیق کرنے والی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہد تھی۔ "اولئک یؤمنون بہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض نے کہا ہے کہ اہل کتاب میں سے اسلام لانے والے مراد ہیں۔ "ومن یکفر بہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بعض نے کہا قرآن کا۔ "من الاحزاب" تمام ملتوں کے کفار میں سے "فالنّار موعدہ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اس امت (دعوت) میں سے جو کوئی کافر اور مشرک اور یہودی و عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جس (ہدایت) کو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہوگا تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا۔ "فلاتک فی مریۃ منہ" اس سے شک میں نہ پڑ "انّہ الحق من ربّک ولکنّ اکثر النّاس لا یؤمنون"

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ ⑱ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲

(ترجمہ) اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے ایسے لوگ (قیامت کے روز) اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاویں گے اور (اعمال کے) گواہ فرشتے (علی الاعلان) یوں کہیں گے کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی (زیادہ) لعنت ہے جو کہ (اپنے کفر و ظلم کے ساتھ) دوسروں کو بھی خدا کی راہ (یعنی دین) سے روکتے تھے اور (اس راہ میں) کجی (اور شہادت) نکالنے کی تلاش (اور فکر) میں رہا کرتے تھے (تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں) اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے

تفسیر ⑱ "ومن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا" پس گمان کیا کہ اللہ کی اولاد یا شریک ہے۔ یعنی اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں۔ "اولئک" یعنی جھوٹ بولنے والے اور جھٹلانے والے۔ "يعرضون على ربّهم" پس وہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ "ويقول الاشهاد" یعنی وہ فرشتے جو ان کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ بات مجاہد رحمہ اللہ نے کہی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہی ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق مراد ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کو قریب کریں گے۔ پس اس پر اپنا بازو رکھیں گے اور اس کو ڈھانپ لیں گے اور پوچھیں گے کہ کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے تو وہ عرض کرے گا جی اے میرے رب حتیٰ کہ جب تمام گناہوں کا اقرار کرالیں گے تو بندہ دل میں خیال کرے گا کہ وہ ہلاک ہوگیا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دُنیا میں تجھ پر میں نے پردہ ڈالا اور آج کے دن میں تجھے بخشتا ہوں پھر اس کو اس کی نیکیوں کا صحیفہ دیا جائے گا اور بہر حال کافر اور منافق ان کو سب لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا۔ "هٰؤلاءِ الّذين كذبوا علىٰ ربّهم الا لعنة الله على الظالمين"

⑲ "الّذين يصدّون عن سبيل الله" روکتے ہیں اللہ کے دین سے "ويبغونها عوجًا وهم بالآخرة هم كافرون"

اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ⑳

ترجمہ یہ لوگ (تمام) زمین (کے تختہ) پر (بھی) خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے اور نہ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار ہوا (کہ بعد گرفتاری کے چھڑا لیتا) ایسوں کو (اوروں سے) دونی سزا ہوگی یہ لوگ (مارے نفرت کے احکام الٰہی کو) سن نہ سکتے تھے اور نہ غایت عناد سے راہ حق کو) دیکھتے تھے۔

تفسیر ⑳ "اولئک لم يكونوا معجزين" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سبقت لے جانے والے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھاگنے والے۔ "في الارض وما كان لهم من دون الله من اولياء" یعنی مددگار جو ان کی ہمارے عذاب سے حفاظت کریں۔ "يضاعف لهم العذاب" یعنی ان کا عذاب زیادہ کیا جائے گا اور بعض نے کہا ہے کہ دوسروں کو گمراہ کرنے اور دوسروں کے اور ان کی اتباع کرنے کی وجہ سے ان کو دُگنا عذاب ہوگا۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے (يضعّف) عین کی شد کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی حضرات نے (يضاعف) الف کے ساتھ عین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ما كانوا يستطيعون السّمع وما كانوا يبصرون" ہدایت کو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق کے سننے سے بہرے ہیں کہ اس کو نہیں سنتے اور ہدایت کو دیکھ نہیں سکتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ مشرکین اور ان کے دُنیا اور آخرت میں اللہ کی اطاعت کرنے کے درمیان حائل اور رُکاوٹ ہے۔ بہر حال دُنیا میں فرمایا کہ "ما كانوا يستطيعون السّمع" اور یہ اللہ کی اطاعت ہے اور آخرت کے بارے میں فرمایا کہ "فلا يستطيعون خاشعة ابصارهم"

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ㉑ لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی
الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ㉒ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ㉓ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ
وَالسَّمِیْعِ ؕ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ㉔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ
نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ㉕ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ㉖

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے اور جو معبود انہوں نے تراش رکھے تھے (آج) ان سے سب غائب (اور گم) ہوگئے (کوئی بھی تو کام نہ آیا بس) لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کیے اور (دل سے) اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہل جنت ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے دونوں فریق (مذکورین یعنی مومن و کافر) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص ہو اندھا بھی اور بہرا بھی اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو (اس کو سمجھنا بہت آسان) کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں کیا تم (اس تفاوت کو نہیں سمجھتے) اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر (یہ پیغام دیکر) بھیجا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو میں تم کو (درصورت عبادت غیر اللہ کے) صاف صاف ڈراتا ہوں میں تمہارے حق میں ایک بڑے تکلیف دینے والے کے دن عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں۔

تفسیر ㉑ **"اولئک الّذین خسروا انفسھم"** اپنے آپ کا خسارہ کیا **"وضلّ عنھم ما کانوا یفترون"** وہ فرشتوں اور بتوں کو سفارشی خیال کرتے تھے۔

㉒ **"لاجرم"** یعنی حق ہے اور بعض نے کہا کیوں نہیں اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لامحالہ **"انّھم فی الآخرۃ ھم الاخسرون"** یعنی اپنے غیر کی بنسبت اگرچہ تمام خسارہ میں ہوں گے۔

㉓ **"ان الّذین اٰمنوا وعملوا الصالحات واخبتوا"** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے خوف کیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجوع کیا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطمئن ہوگئے۔ **"الی ربّھم"** یعنی اپنے رب کا **"اولئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون"**

㉔ **"مثل الفریقین"** فریقین سے مراد مؤمن اور کافر **"کالاعمٰی والاصمّ والبصیر والسّمیع ھل یستویان مثلًا ھل یستویان"** فرمایا یستوون نہیں فرمایا کیونکہ اعمٰی اور اصم دونوں ایک ہی چیز میں واقع ہیں گویا کہ یہ دونوں کافر کی صفات ہیں اور بصیر اور سمیع ایک ہی جانب میں واقع ہیں گویا کہ یہ مومن کی صفات ہیں **"افلا تذکّرون"**

㉕ **"ولقد ارسلنا نوحًا الی قومہ انّی لکم نذیر مبین"**

㉖ "ان لّا تعبدوا الّا اللّٰہ انّی اخاف علیکم عذاب یوم الیم" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنا کر بھیجا اور اپنی قوم کو نو سو پچاس سال دین کی طرف دعوت دی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اور ان کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سو سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور بعض نے کہا ہے کہ پچاس سال کی عمر میں اور بعض نے کہا ہے کہ دو سو پچاس سال کی عمر میں بھیجے گئے اور نو سو پچاس سال دعوت دی اور طوفان کے بعد دو سو پچاس سال زندہ رہے تو نوح علیہ السلام کی عمر کل چودہ سو پچاس سال ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاماً) یعنی ان میں داعی بن کر اتنی مدت رہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ م بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ㉗ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ ط اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ ㉘ وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا ط اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰکِنِّیْۤ اَرٰکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ㉙ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ط اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ㉚

ترجمہ: سو ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے وہ جواب میں کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنا ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا اتباع ان ہی لوگوں نے کیا ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں (جن کی عقل اکثر خفیف ہوتی ہے پھر) وہ (اتباع) بھی محض سرسری رائے سے اور ہم تم لوگوں میں (یعنی تم میں اور مسلمانوں میں) کوئی بات اپنے سے زیادہ بھی نہیں پاتے بلکہ تم کو (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہوئی ہے) اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو پھر وہ نبوت یا اس کی حجت) تم کو نہ سوجھتی ہو تو (میں کیا کروں مجبور ہوں) کیا ہم اس کو تمہارے گلے مڑھ دیں اور تم اس سے نفرت کیے چلے جاؤ اور اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں تو ایمان والوں کو نکالتا نہیں (کیونکہ) یہ لوگ اپنے رب کے پاس (عزت و مقبولیت کے ساتھ) جانے والے ہیں لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو اور (بالفرض والتقدیر) اگر میں ان کو نکال بھی دوں تو (یہ بتلاؤ) مجھ کو خدا کی گرفت سے کون بچالے گا کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر ㉗ "فقال الملأ الّذین کفروا من قومہ" ملأ قوم کے سردار اور معزز لوگ "ما نراک اے نوح الّا

بشرا ایک آدمی ہے مثلنا وما نراک اتبعک الا الّذین ھم اراذلنا" اراذلنا سے مراد ہمارے نچلے طبقہ کے لوگ والرذل ہر نچلے درجے کی چیز کو رذل کہا جاتا ہے۔ رذل کی جمع ارذل آتی ہے اور ارذل کی جمع اراذل آتی ہے جیسے کلب کی جمع اکلب اور اکلب کی جمع اکالب آتی ہے۔ سورۃ شعراء میں ہے واتبعک الارذلون مراد نچلے طبقے کے لوگ۔ عکرمہ نے کہا نچلے طبقے سے مراد جولاہے موچی نہیں۔ "بادی الرأی" ہمزہ کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہوگا پہلی رائے میں یعنی ان کا ارادہ تھا کہ پہلی رائے میں بغیر غور وفکر کے آپ کی اتباع کرلیں۔ "وما نریٰ لکم علینا من فضل بن نظنکم کاذبین"

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

㉘ "قال" نوح علیہ السلام "یا قوم ارأیتم ان کنت علٰی بیّنة من ربّی و اٰتانی رحمةً" یعنی ہدایت اور معرفت "من عندہ فعمیت علیکم" یعنی تم پر مخفی رہ گئی ہو یا تم پر وہ چیز ملتبس رہ گئی ہو۔ اور حمزہ، کسائی اور حفص نے (فعمیت علیکم) عن کے پیش اور میم کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مشتبہ اور خلط ملط ہوگئی تم پر "انلزمکموھا" یعنی کیا ہم تم کو بینہ اور رحمت لازم کردیں گے۔ "وانتم لھا کارھون" تم اس کو نہ چاہتے ہوگے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام اس پر قادر ہوتے کہ اپنی قوم کو ہدایت لازم کردیں تو لازمی ایسا کرتے لیکن وہ اس پر قادر نہ تھے۔

㉙ "ویاقوم لا اسألکم علیہ مالاً" وحی اور رسالت کے پہنچانے پر "ان اجری الاعلی اللّٰہ وما انا بطارد الّذین اٰمنوا" یہ دلیل ہے کہ انہوں نے نوح علیہ السلام سے مؤمنین کو ہٹانے کا مطالبہ کیا تھا۔ "انّھم ملاقوا ربّھم" یعنی قیامت میں اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں تو وہ ان کو دھتکارنے والے کو بدلہ دے گا۔ "ولکنی اراکم قومًا تجھلون"

㉚ "ویاقوم من ینصرنی من اللّٰہ" کون روکے گا مجھ کو اللہ کے عذاب سے "ان طردتھم افلا تذکّرون"

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ㉛ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ㉜ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ㉝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِىْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ㉞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَىَّ اِجْرَامِىْ وَاَنَا بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ㉟ وَاُوْحِىَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ㊱

ترجمہ: اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیب کی

باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں ذلیل ہوں میں ان کی نسبت (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ (ہی خوب جانتا ہے میں تو اگر ایسی بات کہہ دوں تو اس صورت میں ستم ہی کروں وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی بہت کر چکے سو (اب ہم بحث و حجت نہیں کرتے) جس چیز سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو (کہ عذاب آ جاوے گا) وہ ہمارے سامنے لاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ بشرطیکہ اس کو منظور ہو تمہارے سامنے لاوے گا۔ اور (اس وقت پھر) تم اس کو عاجز نہ کر سکو گے اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی گو میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو وہی تمہارا مالک ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (نعوذ باللہ) یہ قرآن تراش لیا ہے۔ آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ اگر (بالفرض) میں نے تراشا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر (عائد) ہوگا (اور تم میرے جرم سے بری الذمہ ہو گے) اور میں تمہارے اس جرم سے بری الذمہ رہوں گا اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو (اس وقت تک) ایمان لا چکے ہیں اور کوئی (نیا) شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لاوے گا سو جو کچھ یہ لوگ (کفر و ایذا و استہزاء) کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو۔

تفسیر ㉛ "**ولا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ**" کہ جو تم مطالبہ کرو گے وہ میں لے آؤں گا۔ "**ولا اعلم الغیب**" کہ جو تم چاہو تمہیں بتلا دوں اور بعض نے کہا ہے ان لوگوں نے جب نوح علیہ السلام کو کہا جو لوگ آپ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں وہ صرف ظاہر میں آپ کے متبع ہیں۔ نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے غیب کے خزانے ہیں جن میں سے لوگوں کی پوشیدہ باتیں جان لیتا ہوں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں کہ جو لوگ دل میں چھپاتے ہیں اس کو جان لوں میرے ذمہ تو ان کے ظاہری ایمان کو قبول کرنا ہے۔ "**ولا اقول انی ملک**" یہ ان کے قول "**وما نراک الا بشرا مثلنا**" کا جواب ہے۔ "**ولا اقول للذین تزدری اعینکم**" یعنی تمہاری آنکھیں ان کو حقیر سمجھتی ہیں یعنی مؤمنین کیونکہ انہوں نے مؤمنین کو "**ھم اراذلنا**" کہا تھا۔ "**لن یؤتیھم اللّٰہ خیرا**" یعنی توفیق اور ایمان اور اجر "**اللّٰہ اعلم بما فی انفسھم**" خیر اور شر مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ "**انی اذا لمن الظالمین**" اگر میں نے یہ کہا۔

㉜ "**قالوا ینوح قد جادلتنا**" "**جدا خاصمنا**" کے معنی میں ہے "**فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا**" عذاب کا جو وعدہ کیا تھا۔ "**ان کنت من الصادقین**"

㉝ "**قال انما یاتیکم بہ اللّٰہ ان شاء**" یعنی عذاب کو "**وما انتم بمعجزین**"

㉞ "**ولا ینفعکم نصحی**" میری نصیحت "**ان اردت ان انصح لکم ان کان اللّٰہ یرید ان یغویکم ھو ربکم**" اسی کے لیے حکم اور معاملہ ہے۔ "**والیہ ترجعون**" پس تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

㉟ "**ام یقولون افتراہ**" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی نوح علیہ السلام اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم "قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامی" یعنی میراہ گناہ اور میرے جرم کا وبال۔ اجرام گناہ کرنے کو کہتے ہیں۔
"وانا بری مما تجرمون" مجھ سے تمہارے گناہوں کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

㊱ "واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومک الاّ من قد امن" ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر پڑتے پھر وہ ان کو کسی گھر کے کونے میں ڈال دیتے کہ وہ مر چکے ہیں۔

وہ دوسرے دن پھر نکلتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ روایت کیا گیا ہے کہ ان کی قوم کا ایک بوڑھا شخص لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا اپنے بیٹے کے ساتھ جارہا تھا تو بیٹے کو کہنے لگا یہ مجنوں بوڑھا تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے تو بیٹے نے کہا ابا جان! مجھے اپنی لاٹھی دیں تو وہ لاٹھی لے کر نوح علیہ السلام کو اتنا مارا کہ سر پھاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ "انہ لن یؤمن من قومک الاّ من قد آمن فلا تبتئس" آپ نہ غم کریں۔ "بما کانوا یفعلون" کیونکہ میں ان کو ہلاک کرنے والا ہوں اور اس ہلاکت سے ان کو کوئی چھٹکارا نہیں تو اس وقت نوح علیہ السلام نے بددُعا کی۔

"ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیّاراً" عبید بن عمیر لیثی سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ وہ لوگ نوح علیہ السلام کو گلے میں کپڑا ڈال کر گھسیٹتے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام بیہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو کہتے اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے یہ نہیں جانتے۔ حتیٰ کہ جب وہ نافرمانی میں بہت بڑھ گئے اور ان کو سخت تکالیف پہنچائیں اور کئی نسلوں کا انتظار کیا لیکن ہر آنے والی نسل پہلی سے بری تھی حتیٰ کہ آخر والی نسل کہنے لگی کہ یہ ہمارے آباء واجداد کے ساتھ اسی طرح مجنون تھا وہ اس کی بات نہ مانتے تھے تو نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو شکایت کی اور کہا "ربّ انّی دعوت قومی ...... الخ" تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔

وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ ㊲ وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ وَکُلَّمَا مَرَّعَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ㊳

ترجمہ: اور تم اس طوفان سے بچنے کے لئے) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ گفتگومت کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جاویں گے۔ اور وہ کشتی تیار کرنے لگے اور (اثناء تیاری میں) جب کبھی ان کی قوم میں سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گزر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے آپ فرماتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو۔

حضرت جبرائیل کی نگرانی میں حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانا

تفسیر ㊲ "**واصنع الفلک باعیننا**" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے علم کے ساتھ اور بعض نے کہا ہماری حفاظت میں۔ "**ووحینا**" یعنی ہمارے حکم کے ساتھ۔ "**ولا تخاطبنی فی الّذین ظلموا انّھم مغرقون**" طوفان کے ساتھ۔ بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ کفار کو مہلت دینے میں مجھ سے مخاطب نہ ہوں کیونکہ میں نے ان کو غرق کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اپنے بیٹے کنعان اور اپنی بیوی واعلہ کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کریں کیونکہ وہ دونوں قوم نوح کے ساتھ ہلاک ہوں گے۔ قصہ میں یہ بات بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نوح علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کشتی بنائیں تو نوح علیہ السلام نے کہا میں کشتی کیسے بناؤں، میں بڑھئی تو نہیں ہوں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ کے رب نے کہا ہے کہ آپ بنائیں آپ میری نگرانی میں ہیں تو نوح علیہ السلام نے تیشہ وغیرہ اوزار لیے اور بالکل ٹھیک بنادی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانے کا واقعہ

㊳ "**ویصنع الفلک**" جب اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا تو نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے خود لکڑیاں کاٹتے اور لوہا رگڑتے اور تارکول وغیرہ کے ذریعے کشتی کی ہیئت پر لکڑیاں جوڑتے جب لوگ آپ کے پاس سے گزرتے تو مذاق اُڑاتے اور کہتے اے نوح علیہ السلام! نبوت کے بعد بڑھئی بھی ہوگیا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عورتوں کو بانجھ کردیا کہ پھر ان کا کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ اہل توریت کا گمان ہے کہ ساگوان کی لکڑی سے کشتی بنانے کا حکم ملا اور اوزار سے بنانے کا حکم ہوا اور اس کو اندر اور باہر سے تارکول ملنے کا حکم دیا اور اس کا طول اسی گز اور عرض پچاس گز رکھا اور اونچائی تیس گز اور ایک ذراع کندھے تک کا تھا اور حکم ہوا اس کے تین حصے بنانے کا اور ان میں روشندان رکھنے کا تو نوح علیہ السلام نے ویسا ہی کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دو سال میں کشتی بنائی اور کشتی کی لمبائی تین سو گز اور چوڑائی پچاس گز اور اونچائی تیس گز تھی اور یہ ساگوان کی لکڑی کی تھی۔

اور اس کے تین حصے بنائے۔ نیچے والے حصے میں وحشی جانوروں، درندوں، کیڑے مکوڑوں کو سوار کیا اور درمیانے حصہ میں چوپایوں اور مویشیوں کو اور نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے اپنا زادِ سفر لے کر اوپر والے حصہ میں سوار ہوئے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام نے سو سال درخت لگائے اور ان کو کاٹا۔ پھر سو سال کشتی بنائی اور بعض نے کہا چالیس سال درخت لگائے اور چالیس سال لکڑی خشک کی اور کعب احبار سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام نے تیس سال میں کشتی تیار کی اور مروی ہے کہ جب جانوروں کے گوبر وغیرہ زیادہ ہوگئے تو نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ ہاتھی کی دُم کو دبائیں جب دبایا تو اس سے ایک خنزیر اور خنزیرنی نکلے تو وہ ساری گندگی، گوبر لید وغیرہ کھا گئے۔ پھر

چوہا کشتی کی رسیوں کو کاٹنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ شیر کی آنکھوں کے درمیان ہاتھ ماریں تو اس کے نتھنے سے بلی اور بلا نکلے اور چوہوں کو کھا گئے۔ "و کلّما مرّ علیه ملأ من قومه سخروا منه" کیونکہ وہ کہنے لگے کہ یہ کہتا تھا کہ یہ نبی ہے اب یہ بڑھئی بن گیا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ وہ نوح علیہ السلام سے پوچھتے آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ جواب دیتے گھر بنا رہا ہوں جو پانی پر چلے گا تو وہ ہنستے۔ "قال ان تسخروا منا فانّا نسخر منکم کما تسخرون" اگر یہ اعتراض ہو کہ نبی علیہ السلام سے مذاق اُڑانا کیسے ممکن ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو عنقریب اپنے مذاق کا انجام دیکھ لوگے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ سو ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ہمارا حکم (عذاب کا قریب) آ پہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا ہم نے (نوح علیہ السلام) سے فرمایا کہ ہر قسم (کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو عدد اس کشتی میں چڑھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (چڑھا لو) باستثنا اس کے جس پر (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہ لایا تھا۔

تفسیر ⑲ "فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه" اس کو ذلیل کر دے "ویحلّ علیه" ثابت ہو اس پر "عذاب مقیم" دائمی عذاب ہے۔

⑳ "حتّٰی اذا جاء امرنا" ہمارا عذاب "وفار التنّور" اس تنور میں اختلاف ہے۔ عکرمہ اور زہری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زمین کا ظاہر مراد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کو کہا گیا تھا کہ جب آپ پانی کو دیکھیں کہ زمین کے ظاہر سے پھوٹ رہا ہے تو آپ علیہ السلام کشتی پر سوار ہو جائیں۔

تنور سے کیا مراد ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "فار التنور" یعنی فجر طلوع ہوئی اور صبح روشن ہوگئی اور حسن، مجاہد اور شعبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تندور مراد ہے جس میں روٹی لگائی جاتی ہے اور یہی اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تندور پتھر کا تھا۔ حضرت حواء اس میں روٹیاں پکاتی تھیں تو نوح علیہ السلام کو کہا گیا کہ جب اس تندور سے پانی جوش مارے تو آپ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار

ہو جائیں۔ علماء کا اس تندور کی جگہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کی ایک جانب تھا اور شعبی رحمہ اللہ تو اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ تندور نے کوفہ کی ایک جانب سے جوش مارا تھا اور فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے کوفہ کی مسجد کے وسط میں کشتی بنائی تھی اور تندور داخل ہونے والے کے دائیں جانب باب کندہ کے قریب تھا اور اس سے پانی کا پھوٹنا نوح علیہ السلام کے لیے علامت تھا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تندور آدم علیہ السلام کا تھا اور شام کی ایک جگہ عین وردہ میں تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ تندور ہندوستان میں تھا اور فوران بمعنی جوش مارنا۔

"قلنا احمل فیھا" کشتی میں سوار کیجئے "من کلٍّ زوجین اثنین" زوجان ہر ایسی دو چیزیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے مستغنی نہ ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو زوج کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے زوج خف اور زوج نعل یہاں زوجین سے مراد مذکر اور مؤنث ہیں۔ حفص نے یہاں اور سورۃ المومنین میں "من کلٍّ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہر قسم سے دو جوڑے اس کو تاکید کے یہ ذکر کیا ہے اور قصہ میں یہ بھی ہے کہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں ہر قسم کے جوڑے کیسے سوار کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے تمام وحشی جانور اور درندے اور حشرات اور پرندے ان کے پاس جمع کر دیئے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر جنس کو اُٹھاتے، ان کے دائیں ہاتھ میں مذکر اور بائیں میں مؤنث آتی، ان کو کشتی میں سوار کراتے۔

"و اھلک" یعنی اور اپنے گھر والوں یعنی اولاد و عیال کو سوار کریں۔

"الّا من سبق علیہ القول" ہلاکت کا قول سبقت کر چکا ہو۔ یعنی نوح علیہ السلام کی بیوی واعلہ اور بیٹا کنعان "و من اٰمن" جو ایمان لائے ان کو بھی سوار کر لیں۔

متبعین نوح علیہ السلام کی تعداد

"وما آمن معہ الّا قلیل" ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قتادہ، ابن جریج اور محمد بن کعب قرظی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کشتی میں صرف آٹھ افراد تھے۔ نوح علیہ السلام، آپ کی بیوی اور تین بیٹے سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سات افراد تھے نوح علیہ السلام اور ان کے تین بیٹے اور تین بہوئیں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے علاوہ دس افراد تھے نوح علیہ السلام، ان کے بیٹے سام، حام، یافث اور چھ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی بیویاں بھی۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر ۷۲ افراد مرد و عورت تھے اور نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں تو کل اٹھہتر ۷۸ ہوئے۔ آدھے مرد اور آدھی عورتیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں اسی (۸۰) مرد تھے۔ ان میں ایک جرہم بھی تھے۔

حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت نوح نے اپنے ساتھ اسی آدمیوں کو سوار کر لیا تھا اور آپ کی زبان عربی تھی۔
یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت نوح نے کشتی میں چھوٹی چیونٹی کو لیا اور سب سے آخر میں گدھے کو۔
گدھا داخل ہونے لگا اور اس کا سینہ اندر آ گیا تو ابلیس اس کی دم سے لٹک گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اٹھ نہ سکیں۔ حضرت

نوح نے فرمایا: ارے! اندر آ جا۔ گدھا اٹھا' مگر اٹھ نہ سکا۔ حضرت نوح نے فرمایا ارے اندر آ جا' خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو۔ یہ لفظ بیساختگی میں آپ کی زبان سے نکل گیا۔

ان الفاظ کو سنتے ہی شیطان نے گدھے کا راستہ چھوڑ دیا۔ گدھا اندر آ گیا اور شیطان بھی اس کے ساتھ داخل ہو گیا۔ حضرت نوح نے فرمایا دشمن خدا تجھے کس نے داخل کیا؟ شیطان نے کہا آپ نے (گدھے سے) نہیں فرمایا تھا کہ اندر آ جا' خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا: دشمن خدا! نکل جا۔ شیطان نے کہا: اب تو مجھے اپنے ساتھ سوار کرنے کے بغیر آپ کیلئے کوئی چارہ نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شیطان کشتی کی پشت پر تھا۔

بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ سانپ اور بچھو حضرت نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمیں بھی چڑھا لیجئے۔ حضرت نوح نے فرمایا: تم ضرر رساں اور سبب مصیبت ہو' میں تم کو نہیں چڑھاؤں گا۔ کہنے لگے: آپ ہمیں چڑھا تو لیجئے ہم ذمہ دار ہیں کہ جو بھی آپ کا ذکر کرے گا ہم اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ جس سانپ اور بچھو کے ضرر کے خوف سے **سلام علی نوح فی العالمین** پڑھا۔ اس کو سانپ اور بچھو نے کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔

حسن کا قول ہے کہ حضرت نوح نے کشتی میں صرف ان جانوروں کو چڑھایا تھا جو بچہ یا انڈہ دیتے ہیں۔ جو کیچڑ سے پیدا ہیں جیسے مچھر' پسو وغیرہ ان کو کشتی میں سوار نہیں کیا تھا۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ࣙابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) اور نوحؑ نے فرمایا کہ (آؤ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ) اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (سب) اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے (ایک سگے یا سوتیلے) بیٹے کو پکارا اور وہ (کشتی سے) علیحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور (عقیدے میں) کافروں کے ساتھ مت ہو وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی (میں غرق ہونے) سے بچا لے گا نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے اور دونوں باپ (بیٹوں) کے بیچ میں ایک موج حائل ہو گئی پس وہ (بھی مثل دوسرے کافروں کے) غرق ہو گیا۔

تفسیر ⑪ "وقال ارکبوا فیھا یعنی ان کو نوح نے کہا تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ بسم اللّٰہ مجریھا ومرسھا انّ ربّی لغفور رحیم"

ضحاک کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب ارادہ کیا کہ کشتی روانہ ہو جائے تو بسم اللہ کہا کشتی چل پڑی اور جب کشتی کو ٹھہرانا چاہا تو بسم اللہ کہا کشتی ٹھہر گئی۔

حمزہ کسائی اور حفص نے (مجرىٰھا) میم کے فتحہ کے ساتھ (مُرسھا) میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ محمد بن محیص نے (مجرىٰھا ومرساھا) دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے مادہ جرت اور رست ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "بسم اللہ جریھا واسوھا" یہ دونوں مصدر ہیں۔ دوسرے قراء نے "مجراھا مرساھا" دونوں میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ بسم اللہ اجراء ھا وارساؤھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان انزلنی منزلا مبارکاً وادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق اس سے مراد انزال ادخال اور اخراج ہے۔

⑫ "وھی تجری بھم فی موج کالجبال موج اس پانی کو کہتے ہیں جو تیز ہوا کے چلنے سے بلند ہو جائے اس کو پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی اس کے بڑا اور بلند ہونے میں ونادیٰ نوح ن ابنہ" کنعان اور عبید بن عمیر نے کہا ہے کہ سام مراد ہے۔ اور یہ کافر تھا "وکان فی معزل" کشتی پر سوار نہ ہوا تھا۔ "یا بُنیّ ارکب معنا" نافع، ابن عامر، حمزہ اور بزی رحمہما اللہ نے ابن کثیر سے اور ابوبکر نے عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ سے "ارکب" باء کو ظاہر کر کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات باء کو میم میں ادغام کرتے ہیں۔ ولا تکن مع الکافرین" پس تو ہلاک ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس دن کسی پر رحم کرتے تو اس بچہ کی ماں پر ضرور کرتے

⑬ "قال" ان کے بیٹے نے "ساٰوی عنقریب میں پناہ لوں گا الی جبلٍ یعصمنی من الماء جو مجھے غرق سے بچائے گا قال کہا اس کو نوح علیہ السلام نے لا عاصم الیوم من امر اللّٰہ" اللہ کے عذاب سے "الّا من رحم بعض نے کہا ہے "من" محل رفع میں ہے یعنی اللہ کے عذاب سے صرف اللہ رحم کرنے والا ہی بچانے والا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "من محل نصب میں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی محفوظ نہیں ہے مگر جس پر اللہ رحم کردے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فی عیشۃ راضیۃ" یعنی "مرضیۃ" ہے۔ و حال بینھما الموج فکان من المغرقین" اور روایت کیا گیا ہے کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے چالیس گز بلند ہو گیا اور بعض نے کہا یہ پندرہ گز اور روایت کیا گیا ہے کہ جب گلیوں میں پانی زیادہ ہوا تو ایک بچہ کی ماں اس کی محبت میں بچہ کو پہاڑ کے تیسرے حصے تک لے گئی۔ جب پانی پہاڑ کے ثلث تک پہنچ گیا تو وہ دو ثلث چڑھ گئی جب وہاں پانی پہنچ گیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئی۔ جب پانی اس عورت کی گردن تک پہنچا تو اپنے دونوں ہاتھوں سے بچہ کو بلند کر لیا لیکن پانی دونوں کو ڈبو گیا۔ اگر اس دن قوم نوح علیہ السلام میں سے اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرتے تو اس بچہ کی ماں پر ضرور کرتے۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ اور (جب کفار سب غرق ہو چکے تو) حکم ہوگیا کہ اے زمین اپنا پانی (جو کہ تیری سطح پر موجود ہے) نگل جا اور اے آسمان (برسنے سے) تھم جا (چنانچہ دونوں امر واقع ہو گئے) اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی (کوہ) جودی پر آ ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص (ہمارے علم ازلی میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں (جو ایمان لا کر نجات پاویں گے بلکہ) یہ (خاتمہ تک) تباہ کار (یعنی کافر رہنے والا) ہے سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادان نہ بن جاؤ۔

کشتی نوح کی ساخت

تفسیر ⑭ "وقیل" یعنی طوفان کا معاملہ ختم ہونے کے بعد "یا ارض ابلعی" تو پی جا "ماء ک ویاسماء اقلعی" تو روک لے "وغیض الماء" خشک ہوگیا۔ کہا جاتا ہے غاض الماء یغیض غیضا جب وہ ختم ہو جائے اور غاضہ اللہ یعنی جب اللہ اس کو خشک کر دے "وقضی الامر" قوم کی ہلاکت کے امر سے فارغ ہو گئے "واستوت" یعنی کشتی ٹھہر گئی "علی الجودی" یہ پہاڑ موصل کے قریب جزیرہ میں ہے۔ "وقیل بُعدًا" ہلاکت ہے۔ "للقوم الظالمین"

طوفان نوح سے بچنے والا ایک شخص

اور روایت کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا تا کہ وہ زمین کی خبر گیری کر آئے تو وہاں کسی مردار کو دیکھ کر اس کو کھانے لگ گیا اور واپس نہ آیا تو کبوتر کو بھیجا تو وہ زیتون کا پتہ اپنی چونچ میں پکڑ کر اور دونوں پاؤں کو کیچڑ لگا کر آ گیا تو نوح علیہ السلام نے جان لیا کہ پانی خشک ہو گیا ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام نے کوے کو بددعا کی تو اسی وجہ سے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا اور وہ پتہ لے کر کبوتر کی گردن میں ڈال دیا اور اس کے لیے دُعا کی تو اس وجہ سے وہ گھروں سے مانوس ہوتا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام رجب کی دس تاریخ کو کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی چھ ماہ چلتی رہی اور بیت اللہ کے پاس سے گزری تو سات چکر لگائے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو بلند کر لیا تھا اور اس کی صرف جگہ باقی تھی اور کشتی سے عاشورہ کے دن

6

اُترے تو نوح علیہ السلام نے روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بھی شکرانے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور بعض نے کہا ہے کہ کفار میں سے صرف عوج بن عنق غرق ہونے سے بچ گیا، پانی اس کی کمر تک پہنچا اس کی نجات کا سبب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو ساگوان کی لکڑی کی ضرورت تھی تو اس کو نقل نہ کر سکے تو عوج اس لکڑی کو شام سے لے آیا تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دی۔

㊺ "ونادیٰ نوح ربّه فقال ربّ انّ ابنی من اهلی" کیا آپ نے مجھ سے میری گھر والوں کی نجات کا وعدہ نہ کیا تھا؟ "وان وعدک الحق" اس میں کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی "وانت احکم الحاکمین" ایک قوم پر نجات اور دوسری پر ہلاکت کا فیصلہ کیا۔

کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ نے "عَمِل" میم کی زیر اور لام کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (غیر) راء کے نصب کے ساتھ فعل کی بناء پر یعنی شرک اور تکذیب کا عمل اور دیگر حضرات نے میم کے زبر اور لام کے پیش اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ (غیر) راء کے پیش کے ساتھ۔

㊻ "قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا نوح انّه لیس من اهلک انّه عمل غیر صالح" کسائی اور یعقوب نے (عمل) میم کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ غیر منصوب فعل کی وجہ سے دوسرے قراء نے میم کے فتحہ اور لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور غیر کو بھی مرفوع پڑھا ہے۔ یعنی تمہارا مجھ سے نجات کے متعلق سوال کرنا یہ عمل غیر صالح ہے۔ "فلا تسألن اے نوح "ما لیس لک به علم" اہل حجاز اور اہل شام نے "فلا تسالنی" لام کے زبر اور نون کے شد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ حضرات ابن کثیر کے علاوہ نون کو زیر دیتے ہیں۔

ابن کثیر نون کو زبر دیتے ہیں اور دیگر حضرات نے لام کے جزم اور نون کی زیر اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابو جعفر، ابو عمرو اور ورش نے یاء کو وصل کی صورت میں باقی رکھا ہے نہ کہ وقف کی صورت میں اور یعقوب رحمہ اللہ نے اس کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے۔ انّی اعظک ان تکون من الجاهلین" ابن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لڑکا نوح علیہ السلام کے زمانے میں پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی نوح علیہ السلام کو اس کا علم تھا اس لیے فرمایا "ما لیس لک به علم" اور حسن نے دلیل میں آیت "فخانتاهما" پڑھی ہے۔

ابو جعفر باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کی بیوی کا بیٹا تھا اور نوح علیہ السلام کو اس کا علم تھا اس لیے "من اهلی" کہا ہے "منّی" نہیں کہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا ان کی اپنی پشت سے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے قول "لیس من اهلک" کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین والوں میں سے نہیں ہے اور "فخانتاهما" کا مطلب یہ ہے کہ دین اور عمل میں خیانت کی نہ کہ بستر میں۔

"انّی اعظک ان تکون من الجاهلین" یعنی پہلے کفار کی ہلاکت کی دُعا کی پھر کافر کی نجات کا سوال کر رہے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ ۚ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (آئندہ) آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھ کو خبر نہ ہو اور (گذشتہ خطاؤں کو معاف کر دیجئے کیونکہ) اگر آپ میری مغفرت نہ فرمادیں گے اور مجھ پر رحم نہ فرمادیں گے تو میں بالکل تباہ ہی ہو جاؤں گا۔ کہا گیا کہ اے نوح (اب جودی پر سے زمین پر اترو ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر کہ تمہارے ساتھ ہیں اور بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم ان کو (دنیا میں) چندروز عیش دینگے پھر (آخرت میں) ان پر ہماری طرف سے سزائے سخت واقع ہوگی یہ قصہ (آپ کے اعتبار سے) منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو پہنچاتے ہیں اس (قصہ) کو اس (ہمارے بتلانے) کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم سو صبر کیجئے یقینا نیک انجامی متقیوں ہی کے لئے ہے اور ہم نے (قوم عاد کی طرف ان کے (برادری یا وطن کے) بھائی (حضرت ہود علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں تم محض مفتری ہو۔

تفسیر ⑰ "قال" نوح علیہ السلام نے کہا رب انّی اعوذبک ان اسئلک مالیس لی به علم والّا تغفرلی وترحمنی اکن منّ الخاسرین"

⑱ "قیل یا نوح اهبط" کشتی سے اُترآ "بسلام منّا ہماری طرف سے امن وسلامتی کے ساتھ وبرکات علیک" برکت خیر کا ثابت ہونا اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو قیامت تک باقی رکھا۔ "وعلٰی امم ممّن مّعک" وہ لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ وہ خود بھی جماعتوں کی شکل میں تھے اور تمام اقوام انہی کی نسل سے پیدا ہونیوالی تھیں۔ اس لئے ان کو امم فرمایا۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک ہر مؤمن اس لفظ (امم) میں داخل ہوگا۔ "و امم سنمتّعهم یہ مبتداء ہے یعنی امتیں ہم ان کو عنقریب نفع دیں گے ثمّ یمسهم منا عذاب الیم" اور وہ کافر اور بدبخت لوگ ہیں۔

⑲ "تلک من انباء الغیب غیب کی خبروں سے" نوحیها الیک ما کنت تعلمها انت ولا قومک من

قبل ھذا" قرآن کے نازل ہونے سے پہلے۔ "فاصبر" اللہ کے حکم پر قائم ہونے اور رسالت کی تبلیغ پر۔ جیسے نوح علیہ السلام نے صبر کیا۔ "انّ العاقبۃ" انجام سعادت اور مدد کے ساتھ "للمتّقین" تقویٰ والوں کیلئے ہے۔

⑩ "و الی عاد" یعنی ہم نے بھیجا عاد کی طرف۔ "اخاھم ھودا" یہاں بھائی سے مراد نسبی ہیں۔ دینی بھائی مراد نہیں جو انما المؤمنون اخوۃ کے تحت شامل ہوتا ہے۔ "قال یا قوم اعبدوا اللہ تم اللہ کی توحید بیان کرو مالکم من الٰہ غیرہ ان انتم الاّ مفترون" یعنی تم اپنے شریک ٹھہرانے میں جھوٹے ہو۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾

ترجمہ اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو صرف اس (اللہ) کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو (عدم محض سے) پیدا کیا پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے اور اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر خوب بارشیں برسا دے گا اور ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دیکر تمہاری قوت (موجودہ) میں ترقی دے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر ایمان سے اعراض مت کرو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں اور ہم آپ کے (مجرد) کہنے سے تو اپنے معبودوں (کی عبادت) کو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں۔ (اور) ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں (مثل جنون وغیرہ کے) مبتلا کر دیا ہے ہود (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں (علی الاعلان) اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی (سن لو اور) گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے (بالکل) بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک (عبادت) قرار دیتے ہو سو تم (اور وہ) سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کا) داؤ گھات کر لو (اور) پھر ذرا مجھ کو مہلت نہ دو میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر (چلنے سے ملتا) ہے۔

تفسیر ⑤١ "یا قوم لا اسئلکم علیه" رسالت کی تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ "اجرا" عوض "ان اجری" نہیں ہے میرا ثواب "الّا علی الّذی فطرنی" مجھے پیدا کیا ہے "افلا تعقلون"

⑤٢ "ویاقوم استغفروا ربّکم" یعنی اس پر ایمان لاؤ، استغفار یہاں ایمان کے معنی میں ہے۔ "ثمّ توبوا الیه" اس کے غیر کی عبادت سے اور اپنے پچھلے گناہوں سے۔ "یرسل السّماء علیکم مدرارا" یعنی تم پر ضرورت کے وقت لگا تار بارش بھیجیں گے۔ "ویزدکم قوّۃً الٰی قوّتکم" اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال کے لیے بارش روک دی اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا تو ھود علیہ السلام نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر بارش برسائیں گے تو تمہارا مال زیادہ اور تمہاری اولاد پیدا ہونے لگ جائے گی تو مال اور اولاد کے ذریعے تمہاری قوت بڑھ جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ بدن کی قوت کے ساتھ دین کی قوت مل جائے گی تو تمہاری قوت بڑھ جائے گی۔ "ولا تتولّوا مجرمین" یعنی نہ پیٹھ پھیرے شرک کرتے ہو۔

قوم ھود کا واقعہ

⑤٣ "قالوا یا ھود ما جئتنا ببیّنة برھان" اور واضح دلیل اپنے قول پر "وما نحن بتارکی آلھتنا عن قولک وما نحن لک بمؤمنین" تصدیق کرنے والے۔

⑤٤ "ان نقول الّا اعتراک بعض الھتنا بسوءٍ" آپ نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا تو انہوں نے آپ سے انتقام لیا ہے کہ آپ کو مجنون کر دیا ہے۔ "قال" ان کو ھود علیہ السلام نے "انّی اشھد اللّٰه" اپنی ذات پر "واشھدوا" میری قوم "انّی بریءٌ ممّا تشرکون"

⑤٥ "من دونه" اس سے مراد بت ہیں "فکیدونی جمیعا" مجھے نقصان پہنچانے کی تم اور تمہارے بت تدبیر کرو۔ "ثمّ لا تنظرون" مجھے مہلت نہ دو۔

⑤٦ "انّی توکّلت" میں نے اعتماد کیا "علی اللّٰه ربّی وربّکم ما من دابّةٍ الّا ھو آخذ بناصیتھا"

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ کرنے والا اور موت دینے والا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک اور اس پر قادر اور بعض علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی پیشانی کو پکڑا ہوا ہے کہ وہ صرف اسی طرح متوجہ ہوتا ہے جو وہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر غالب ہے اس لیے کہ جو کسی کی پیشانی پکڑ لے وہ اس پر غالب ہو جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ناصیہ کو ذکر کیا ہے اس لیے کہ عرب جب کسی انسان کی ذلت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو ناصیۃ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "ناصیة فلان بید فلان" اور جب کسی انسان کو خوش ہو کر چھوڑنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتے تھے تا کہ وہ اس بات کو اس پر فخر سمجھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عرف کے مطابق ان کو خطاب کیا ہے۔ "انّ ربّی علٰی صراط مستقیم" یعنی میرا رب اگرچہ ان پر قادر ہے لیکن ان پر ظلم نہیں کرتا اور احسان اور عدل والا معاملہ کرتا ہے۔ پس

نیک کواس کی نیکی اور برے کواس کی برائی کا بدلہ دیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میرے رب کا دین سیدھے راستے پر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں عبارت پوشیدہ ہے یعنی میرا رب تم کو اُبھارتا ہے سیدھے راستے پر۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾

(ترجمہ) پھر اگر اس بیان بلیغ کے بعد بھی) تم (راہ حق سے) پھرے رہو گے تو میں تو (معذور سمجھا جاؤں گا کیونکہ) جو پیغام دے کر مجھ کو بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا ہوں اور تمہاری جگہ میرا رب دوسرے لوگوں کو زمین میں آباد کر دے گا اور اس کا تم کچھ نقصان نہیں کر رہے ہو بالیقین میرا رب ہر شے کی نگہداشت کرتا ہے اور (سامان عذاب شروع ہوا سو) جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) پہنچا ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے بچالیا اور ان کو (کیسی چیز سے بچالیا) ایک بہت ہی سخت عذاب سے بچالیا اور یہ (جن کا ذکر ہوا) قوم عاد تھی جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم (اور) ضدی تھے۔

(تفسیر) ﴿57﴾ "فان تولّوا یعنی تتولوا اگر تم اس سے اعراض کرو جس کی طرف تمہیں بلاتا ہوں فقد ابلغتکم ما ارسلت به الیکم ویستخلف ربّی قومًا غیر کم" تم اعراض کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر کے تمہارے بدلے دوسری قوم لے آئیں گے جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہوگی اور اس کی توحید کی قائل اور عبادت کرے گی۔ "و لا تضرّونه شیئًا" یعنی تم اعراض کر کے اپنے آپ کا نقصان کر رہے ہو اور بعض نے کہا ہے کہ جب وہ تم کو ہلاک کر دے گا تو تم اس کا کچھ نقصان نہ کرو گے کیونکہ تمہارا ہونا نہ ہونا اس کے ہاں برابر ہے۔ "انّ ربّی علٰی کلّ شیء حفیظ" یعنی ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے وہ میری حفاظت کرے گا تم سے برائی پہنچنے سے۔

﴿58﴾ "ولمّا جاء امرنا" جب ہمارا عذاب "نجینا هودا والّذین اٰمنوا معه" یہ چار ہزار لوگ تھے۔ "برحمة" نعمت کے ساتھ منا ونجیناهم من عذاب غلیظ" یہ وہ ہوا ہے جس سے قوم عاد کو ہلاک کیا اور بعض نے کہا ہے کہ عذاب غلیظ قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے ان کو دُنیا میں عذاب سے نجات دی اسی طرح ان کو آخرت میں نجات دیں گے۔

﴿59﴾ "وتلک عاد" ضمیر کو قبیلہ کی طرف راجع کیا ہے "جحدوا بآیات ربّهم وعصوا رسله" صرف ھود علیہ السلام کی لیکن جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ جس نے ایک رسول کی تکذیب کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تمام رسولوں

کی تکذیب کی۔"واتبعوا امر کلّ جبّار عنید"جبار بمعنی متکبر اور عنید بمعنی وہ شخص جو حق کو قبول نہ کرے۔

کہا جاتا ہے عندالرجل بعندعنودا جب وہ انکار کردے کسی چیز کو قبول کرنے اگرچہ اس کو جانتا ہو اور ابوعبیدہ فرماتے ہیں۔عنید'عنود'عاند'معاند'مخالفت کرنے والے مقابل کو کہتے ہیں۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ⓺⓪ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ⓺① قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⓺② قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِیْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ⓺③

ترجمہ اور (ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی خوب سن لو قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خوب سن لو رحمت سے دوری ہوئی (دونوں جہاں میں) عاد کو جو کہ ہود (علیہ السلام) کی قوم تھی اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا (معبود ہونے کے قابل) نہیں۔اس نے تم کو زمین (کے مادہ) سے پیدا کیا اور تم کو اس (زمین) میں آباد کیا۔تو تم اپنے گناہ (شرک و کفر وغیرہ) اس سے معاف کراؤ یعنی ایمان لاؤ پھر ایمان لا کر (اس کی طرف) عبادت سے متوجہ ہو بیشک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے وہ لوگ کہنے لگے کہ اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار (معلوم ہوتے) تھے کیا تم ہم کو ان چیزوں کے عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں (یعنی تم اس سے منع مت کرو) اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو (یعنی توحید) واقعی ہم تو اس کی طرف سے (بھاری) شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے آپ نے (جواب میں) فرمایا اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو سو (اس حالت میں) اگر میں خدا کا کہنا نہ مانوں تو (یہ بتلاؤ کہ) پھر مجھ کو خدا کے عذاب سے کون بچالے گا تو تم سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو۔

تفسیر ⓺⓪ "واتبعوا فی هٰذه الدنیا لعنة" ان کے پیچھے لعنت لگائی گئی جو ان کو لاحق ہے اور ان کے ساتھ پھرتی ہے اور اللعنۃ دور کرنا اور رحمت سے ہٹانا لعنت رحمت سے دور ہونا۔"ویوم القیامة" یعنی قیامت کے دن بھی دُنیا کی طرح لعنت کیے

جائیں گے۔"الا اِنّ عادًا کفروا ربّھم" یعنی اپنے رب کا' کہا جاتا ہے کفرتہ وکفرت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے شکرتہ وشکرت لہ ونصحۃ و نصحت ہے۔الا بعداللعادٍ قوم ھود"بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی رحمت سے دوری ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہلاکت ہے اور "بُعد" کے دو معنی ہیں ایک قرب کی ضد اور دوسرا معنی ہلاک ہونا۔ پہلے معنی کا باب۔"بَعُدَ یَبْعُدُ بُعدًا" ہے اور دوسرے بمعنی ہلاکت کے ہے۔جیسے کہا جاتا ہے بعد یبعید بعداًاور ایک باب یہ بھی ہے بعد یبعد بعدا و عبدا۔

قوم ثمود کا تذکرہ

⑥① "والی ثمود اخاھم صٰلحا ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے نسبی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا یہاں دینی بھائی مراد نہیں۔قال یاقوم اعبدوا اللّٰہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانو."مالکم من الٰہ غیرہ ھو انشاکم" تمہاری تخلیق کی ابتداء کی۔"من الارض" کیونکہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔
"واستعمرکم فیھا" تم کو اس کا رہائشی بنایا۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری عمر کو لمبا کیا یہاں تک کہ ان کی عمریں تین سو سال سے ہزار سال تک ہوتی تھیں اور اسی طرح قوم عاد کی عمریں لمبی تھیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اعمرکم عمریٰ" سے ہے یعنی تمہارے لیے وہ چیزیں بنائیں جن سے تم زندہ رہ سکو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم کو اس میں ٹھہرایا۔"فاستغفروہ ثمّ توبوا الیہ انّ ربّی قریب" مؤمنین سے قریب "مجیب" ان کی دُعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

⑥② "قالوا" یعنی ثمود والے کہنے لگے "یا صالح قد کنت فینا مرجوّاً قبل ھٰذا" یعنی ہمیں اُمید تھی کہ تو ہمارا سردار ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ ہمیں اُمید تھی کہ تو ہمارے دین کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ ان کو یہ لگتا تھا کہ صالح علیہ السلام بھی اپنے قبیلے کے دین پر چلیں گے لیکن جب صالح علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور بتوں کو چھوڑا تو ان کو لگا کہ ان کی اُمیدیں دم توڑ گئی ہیں تو کہنے لگے "اتنھانا ان نعبد ما یعبد آباؤنا" معبودوں کی "واننا لفی شکّ مما تدعونا الیہ مریب" شک میں واقع ہونے کی جگہ۔

⑥③ "قال یا قوم ارأیتم ان کنت علٰی بیّنۃ من ربّی واٰتانی منہ رحمۃً" نبوت اور حکمت۔
"فمن ینصرنی من اللّٰہ" یعنی مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔"ان عصیتہ فما تزیدوننی غیر تخسیر" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تخسیر کا ترجمہ کیا ہے خسارے کو دیکھنا مطلب یہ ہے کہ تمہاری تکذیب سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے۔بڑے خسارے میں رہو گے۔حسین بن فضل کا قول ہے کہ حضرت صالح تو کبھی بھی خسارے میں نہیں رہے۔آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تم میرے لئے خسارہ بڑھا رہے ہو۔بلکہ تخسیر کا معنی ہے کسی کی طرف خسارہ کی نسبت کردینا خسارہ یاب قرار دینا۔جیسے تکفیر اور تفسیق کا معنی ہے کسی کو کافر اور فاسق قرار دینا کفر وفسق کی طرف منسوب کرنا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿64﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾

ترجمہ اور اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو فوری عذاب آ پکڑے (کہ دیر بھی نہ لگے) سو انہوں نے اس (اونٹنی) کو مار ڈالا تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا (خیر) تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کرلو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں سو جب ہمارا حکم (عذاب کیلئے) آ پہنچا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے) بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے بچالیا بے شک آپ کا رب ہی قوت والا غلبہ والا ہے اور ان ظالموں کو ایک نعرہ نے آ دبایا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

تفسیر ﴿64﴾ "ويقوم هٰذه ناقة الله لكم اية" یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے مطالبہ کیا تھا کہ اس چٹان سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے تو صالح علیہ السلام نے دُعا کی تو اس چٹان سے اونٹنی نکلی اور نکلتے ہی اپنے جیسا بچہ جن دیا۔ یہ پورا قصہ ہم سورۃ اعراف میں بیان کر چکے ہیں۔ "فذروها تاكل في ارض الله" گھاس پھوس اور جڑی بوٹیاں تمہارے ذمہ اس کا خرچہ نہیں ہے۔ "ولا تمسّوها بسوء فياخذكم" اگر تم نے اس کو مار ڈالا۔ "عذاب قريب"

﴿65﴾ "فعقروها فقال" ان کو صالح علیہ السلام نے ان کو کہا "تمتّعوا" عیش کرلو چند روز زندہ رہو "في داركم" اپنے محلوں اور کوٹھیوں میں تین دن "ثلاثة ايّام" پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ "ذلك وعد غير مكذوب" یہ وعدہ جو تمہارے ساتھ کیا گیا جھوٹا نہیں ہے۔ مروی ہے کہ صالح علیہ السلام نے ان کو کہا کہ تم پر تین دن کے بعد عذاب آئے گا۔ پہلے دن تم صبح کرو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہوں گے اور چوتھے دن عذاب آئے گا تو جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔

﴿66﴾ "فلمّا جاء امرنا نجّينا صالحا والّذين امنوا معه برحمة منّا ومن خزي يومئذ" یعنی اس دن کے عذاب سے۔ ابو جعفرؒ نافع اور کسائی نے (خزي يومئذ اور عذاب يومئذ) میم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے زیر کیساتھ "انّ ربّك هو القوي العزيز"

﴿67﴾ "واخذ الّذين ظلموا" ظلم سے مراد کفر ہے "الصيحة" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان پر ایک زوردار چیخ ماری

تو وہ سب ہلاک ہوگئے اور بعض نے کہا ہے کہ ان پر آسمان سے چیخ آئی جس میں آسمانی بجلیوں اور زمین کی ہر چیز کی آواز تھی۔ ان کے دل ان کے سینوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اخذ مذکر ہے اور الصیحۃ مؤنث ہے یہاں پر الصیحۃ بمعنی الصیاح کی ہے۔ "فاصبحوا فی دیارھم جاثمین" بہت جلد ہلاک ہوئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾

ترجمہ (اور یہ حالت ہوگئی) جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (قوم) ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خوب سن لو (کفر کا یہ خمیازہ ہوا کہ) رحمت سے ثمود کو دوری ہوئی اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (بشکل بشر) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے اور (آنے کے وقت) انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا (فربہ) بچھڑا لائے سو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں بڑھتے تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے وہ فرشتے کہنے لگے ڈرو مت ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم (علیہ السلام) کی بی بی (حضرت سارا کہیں) کھڑی سن رہی تھیں پس ہنسیں سو ہم نے ان کو (مکرر) بشارت دی اسحاق (کے پیدا ہونے) کی اور اسحاق سے پیچھے یعقوب کی۔

تفسیر ⑥⑧ "کان لم یغنوا فیھا" نہیں آباد رہے۔ "اَلا اِن ثمود کفروا ربھم اَلا بُعدًا لثمود" کسائی رحمہ اللہ نے "لثمود" دال کی جر اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے دال کی نصب کے ساتھ۔ جنہوں نے جر دی ہے تو اس وجہ سے کہ یہ کسی مذکر کا نام ہے اور جنہوں نے نصب دی ہے انہوں نے قبیلہ کا نام قرار دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے والے فرشتوں کی تعداد

⑥⑨ "ولقد جاء ت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ" رسل سے فرشتے مراد ہیں۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین فرشتے تھے۔ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نو تھے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں بارہ تھے۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ سات فرشتے تھے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نوجوان لڑکوں کی صورت میں گیارہ فرشتے تھے، چمکدار چہرے والے، اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری لائے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کی خبر لائے تھے۔ "قالوا سلامًا قال

سلام" یعنی علیکم سلام اور بعض نے کہا ہے کہ حکایت کی وجہ سے مرفوع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وقولوا حطّۃ" پر رفع حکائی ہے۔ سورۃ الذاریات سین کے کسرہ بغیر الف کے ہے۔ بعض نے کہا سلم بمعنی السلام کے ہے۔ بعض نے کہا سلمٌ بمعنی صلح کے ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری تم سے دشمنی اور جنگ نہیں ہے۔ دوستی اور صلح ہے۔ "فما لبث ان جاء بعجل حنیذ" حنیذ بمعنی محنوذ یعنی جس کو زمین میں گڑھا کر کے پتھر پر بھونا گیا ہو اور یہ موٹا تازہ تھا اس سے چکنائی ٹپک رہی تھی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "فجاء بعجل سمین" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا اکثر مال گائیں تھیں۔

⑩ "فلمّا رای ایدیھم لاتصل الیہ" بھونے ہوئے بچھڑے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے "نکرھم نکر اور انکر خوشگوار حالت سے بدل کر کسی کا ناگوار حالت پر پہنچ جانا واوجس منھم خیفۃ" مقاتل کا بیان ہے اوجس یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہو گیا۔ وجوس کا اصل معنی ہے داخل ہونا یعنی خوف حضرت ابراہیم کے دل میں پیدا ہو گیا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں جب مہمان آتا اور کچھ نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ خیر کے ارادہ سے نہیں آیا بلکہ شر کے ارادہ سے آیا ہے۔ "قالوا لاتخف" اے ابراہیم علیہ السلام "انّا" اللہ کے فرشتے ہیں۔ "ارسلنا الیٰ قوم لوط"

فضحکت کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال

⑪ "وامرأتہ" ان سے مراد سارہ بنت ہاران بن احور یہ ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی بیٹی تھیں۔ "قائمۃ" پردے کے پیچھے ان کی بات سن رہی تھیں اور بعض نے کہا کہ مہمانوں کی خدمت کے لیے کھڑی تھیں اور ابراہیم علیہ السلام بیٹھے تھے۔

"فضحکت" مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "ضحکت" بمعنی اسی وقت حیض آ گیا عرب کہتے ہیں "ضحک الارنب" جب خرگوش کو حیض آ جائے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ آیت میں معروف ضحک یعنی ہنسنا مراد ہے۔ اس ضحک کے سبب میں اختلاف ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اپنے اور ابراہیم علیہ السلام سے خوف دور ہونے کی وجہ سے ہنسی تھی۔ جب انہوں نے کہا ڈرو نہ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہ کھایا تو ابراہیم علیہ السلام کو ان سے خوف ہوا کہ یہ چور نہ ہوں تو ان کو فرمایا کیوں نہیں کھاتے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بغیر قیمت ادا کیے کھانا نہیں کھاتے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی قیمت ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانے کی ابتداء میں اللہ کا نام لو اور کھا کر اس کی تعریف کرو تو جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا یہ اس بات کے حق دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا خلیل بنائیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگا رہے ہے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اور کہا ہمارے مہمانوں پر تعجب ہے کہ ہم ان کے اعزاز میں ان کی خود خدمت کر رہے ہیں اور وہ ہمارا کھانا ہی نہیں کھاتے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ قومِ لوط کی غفلت اور ان سے عذاب قریب ہونے پر ہنسیں اور مقاتل اور

کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے تین آدمیوں سے خوف کرنے پر ہنسیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر میں تھے اور نوکر چاکر بھی موجود تھے اور بعض نے کہا ہے کہ خوشخبری کی خوشی میں ہنسیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تعجب کر کے ہنسیں کہ ان کے اور ان کے خاوند کے اس بڑھاپے میں اولاد ہوگی۔ اس قول پر آیت میں تقدیم و تاخیر ہوگی۔ اصل عبارت یوں بنے گی۔ "وامراتہ قائمۃ فبشرناھا باسحق ومن وّراء اسحق یعقوب فضحکت وقال یاویلتی ء الدوانا عجوز؟"......"فبشّرناھا باسحق ومن وراء اسحق یعقوب" اس سے مراد بیٹے کا بیٹا ہے تو یہ خوشخبری دی گئی کہ وہ بیٹا زندہ رہیں گے اور آگے اس بیٹے کی اولاد بھی دیکھیں گی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَ اَلِدُوَاَنَاعَجُوْزٌ وَّهٰذَابَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: کہنے لگیں ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں (بیٹھے) ہیں بالکل بوڑھے واقعی بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو (اور خصوصاً) اے خاندان کے لوگو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی (قسم قسم کی) برکتیں (نازل ہوتی رہتی ہیں) بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) تعریف کے لائق (اور) بڑی شان والا ہے۔

بچے کی ولادت کی خوشخبری کے وقت والدہ و والد اسحاق کی عمریں

تفسیر: ⑫ "قالت یاویلتا" یہ کلمہ انسان تعجب والی چیز دیکھنے کے وقت کہتا ہے یعنی بڑا تعجب ہے۔ "االِد وانا عجوز" ابن اسحاق رحمہ اللہ کے قول میں ان کی عمر نوے سال تھی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ننانوے سال تھی۔ "وھذا بعلی" یعنی میرا خاوند۔ زوج کو بعل کہا ہے کیونکہ وہ عورت کے معاملہ میں نگہبان ہوتا ہے۔ "شیخا" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

ابن اسحٰق کے قول کے مطابق اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سو سال تھی اور اس خوشخبری اور بچے کی ولادت کے درمیان ایک سال وقفہ ہوا۔ "انّ ھٰذا لشیء عجیب"

⑬ "قالوا" فرشتے کہنے لگے۔ "اتعجبین من امر اللّٰہ" معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے تعجب نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے۔ "رحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت" یعنی ابراہیم علیہ السلام کے گھر والو بعض علماء نے کہا یہ جملہ دعائیہ ہے۔ بعض نے کہا کہ خبر یہ ہے کہ رحمت سے مراد نعمت یا محبت اور برکت ہے اور برکات جمع ہے۔ برکۃ کی اور وہ ثبوت چیز ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ بیویاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ "انّہ حمید مجید" حمید جس کے افعال میں اس کی تعریف کی جائے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) کا وہ خوف زائل ہوگیا اور ان کو خوشی کی خبر ملی (کہ اولاد پیدا ہوگی) تو ہم سے لوط (علیہ السلام) کی قوم کے بارے میں جدال کرنا شروع کیا واقعی ابراہیمؑ بڑے حلیم الطبع رحیم المزاج رقیق القلب تھے اے ابراہیمؑ اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا حکم (اس کے متعلق) آچکا ہے اور (اس کے سبب سے) ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح سے ہٹنے والا نہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط علیہ السلام) کے پاس آئے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے اور (اس وجہ سے) ان کے (آنے کے) سبب تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے۔

تفسیر ⑦④ "**فلمّا ذھب عن ابراھیم الرّوع وجاء ته البشریٰ**" اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی خوشخبری آئی۔ "**یجادلنا فی قوم لوط**" اس میں عبارت محذوف ہے۔

یعنی **اخذوظل یجادلنا** بعض نے کہا ہے کہ ہم سے گفتگو کرنے لگے ابراہیم علیہ السلام کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے جھگڑا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے تو سوال کیا تھا اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے رسولوں سے جھگڑنے لگے اور وہ جھگڑا یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو فرمایا کہ اگر لوط علیہ السلام کے شہروں میں پچاس مؤمن ہوں تو کیا تم ان کو ہلاک کردو گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا اگر چالیس ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا اگر تیس ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں، ایسے کرتے پانچ تک پہنچے، پھر پوچھا کہ اگر وہاں ایک مسلمان شخص ہو تو کیا تم ان کو ہلاک کردو گے؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

"**انّ فیھا لوطا**" یعنی اس میں لوط علیہ السلام ہیں تو ان فرشتوں نے کہا کہ ہم جو لوگ وہاں ہیں ان کو خوب جانتے ہیں تو اس مکالمہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے یوں دی: "**یجادلنا فی قوم لوط**"

⑦⑤ "**انّ ابراھیم لحلیم اوّاہ منیب**" ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں میں چالیس لاکھ افراد آباد تھے تو اس وقت فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو کہا۔

⑦⑥ "**یا ابراھیم اعرض عن ھٰذا**" یعنی اس گفتگو سے اعراض کریں اور یہ بحث چھوڑیں۔ "**انه قد جاء امر ربّک**" یعنی تیرے رب کا عذاب اور تیرے رب کا حکم "**وانّھم اٰتیھم عذاب غیر مردود**" یعنی ان سے ہٹایا نہ جائے گا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ

⑰ "ولمّا جاء ت رسلنا" یہی فرشتے "لوطا" بے ریش خوبصورت لڑکوں کی صورت میں "سیء بھم" یعنی ان کے آنے کی وجہ سے لوط علیہ السلام غمگین ہوگئے۔ "وضاق بھم ذرعًا" یعنی دل کہا جاتا ہے ضاق ذرع فلان بکذا ذرع کا معنی دل سے کیا ہے۔ جب وہ کسی ایسے ناپسند کام میں واقع ہو جائے جس سے نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ جب لوط علیہ السلام نے ان کے حسین چہروں اور عمدہ خوشبو کو دیکھا تو ڈرے کہ ان کی قوم ان سے برائی کا ارادہ کریں گے اور یہ بھی جان لیا کہ اب ان کا دفاع کرنا پڑے گا۔ "وقال ھذا یوم عصیب" یعنی سخت گویا کہ شر اور آزمائش اس میں باندھ دیئے گئے ہیں۔

قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے نکلے لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف تو دن چڑھے لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اپنی زمین میں کاشت کر رہے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ لکڑیاں جمع کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کہا تھا کہ اس قوم کو تب تک نہ ہلاک کرنا جب تک ان کے خلاف لوط علیہ السلام چار گواہیاں نہ دے دیں تو انہوں نے لوط علیہ السلام سے مہمان بنانے کا کہا، لوط علیہ السلام ان کو لے گئے جب تھوڑا چلے تو انہوں نے کہا اس بستی والوں کے معاملہ کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟ انہوں نے پوچھا ان کا معاملہ کیا ہے؟ تو لوط علیہ السلام نے کہا میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ زمین میں سب سے برا کام کرنے والی بستی ہے۔ یہ بات چار مرتبہ کہی۔ جب وہ لوط علیہ السلام کے گھر داخل ہوئے اور روایت کیا گیا ہے کہ لوط علیہ السلام نے لکڑیاں اُٹھائیں اور فرشتے آپ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑے جب قوم کی ایک جماعت پر گزرے تو انہوں نے آپس میں آنکھوں سے اشارے کیے۔

تو لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میری قوم اللہ کی مخلوق میں سب سے بری ہے۔ پھر دوسری جماعت پر گزرے تو انہوں نے بھی اشارے کیے تو لوط علیہ السلام نے پھر وہی بات کی۔ پھر ایک اور جماعت پر گزرے تو وہی بات کی۔ جب بھی لوط علیہ السلام یہ بات کہتے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو کہتے تم گواہ ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ لوط علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے اور روایت کیا گیا ہے کہ فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے تو وہ گھر میں تھے اور ان کے آنے کا لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے علاوہ کسی کو پتہ نہ تھا تو لوط علیہ السلام کی بیوی نے جا کر قوم کو بتا دیا اور کہا کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں چند لڑکے ہیں، میں نے ان جیسے چہرے کبھی نہیں دیکھے۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: اور ان کی قوم ان کے پاس اڑی ہوئی آئی اور پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے لوطؑ فرمانے لگے کہ اے میری قوم یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں وہ تمہارے (نفس کی کامرانی کے) لئے (اچھی) خاصی ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو۔ اور

میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے (یہاں آنے سے) جو ہمارا مطلب ہے۔ لوط فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا (کہ خود تمہارے شر کو دفع کرتا) یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔

تفسیر ⑱ "وجاءہ قومہ یُھرعون الیہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوڑتے ہوئے آئے۔ مجاہدہ کا قول ہے کہ وہ لپکتے ہوئے آئے۔ شمر بن عطیہ نے کہا کہ تیز چال اور لپکنے کے درمیان چال سے آئے "ومن قبل" لوط علیہ السلام کے پاس آنے سے پہلے۔ "کانوا یعملون السیّآت" مردوں کے پچھلے حصے میں آتے تھے "قال" ان کو لوط علیہ السلام نے کہا جب انہوں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں کو لڑکے سمجھ کر بدفعلی کا ارادہ کیا۔ "یا قوم ھؤلاءِ بناتی ھنّ اطھر لکم" نکاح کے ذریعے تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں۔

اس وقت کافر کا مسلمان عورت سے نکاح جائز تھا۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کا نکاح عتبہ بن ابی لھب اور ابو العاص بن ربیع سے کیا تھا وحی کے آنے سے پہلے اور یہ دونوں کافر تھے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اپنی بیٹیاں اسلام کی شرط کے ساتھ پیش کیں۔

اور مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "بناتی ھُنّ اطھر لکم" سے ان کی بیویاں مراد ہیں ان کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ ہر نبی اپنی اُمت کا باپ ہوتا ہے اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "النبیّ اولٰی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم" کے آگے "وھو ابٌ لھم" کا لفظ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کو ٹالنے کے لیے کہا تھا نہ کہ حقیقتاً تو وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ "فاتقوا اللّٰہ ولا تخزون فی ضیفی" اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو۔ "الیس منکم رجل رشید" نیک درست رائے والا عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا آدمی جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا آدمی جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہو۔

⑲ "قالوا لقد علمت" اے لوط علیہ السلام "مالنا فی بناتک من حق" یعنی وہ ہماری بیویاں نہیں ہیں کہ نکاح کی وجہ سے ہم ان کے مستحق ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ ہمارے لیے ان میں کوئی حاجت اور عزۃ نہیں ہے۔ "وانک لتعلم ما نرید" مردوں سے بدفعلی کا۔

⑳ "قال" ان کو لوط علیہ السلام نے اس وقت "لو انّ لی بکم قوّۃ" بدن اور پیروکاروں کی قوت مراد ہے۔ "او آوی الٰی رکن شدید" یعنی ایسے قبیلہ میں ملتا جو تمہیں روکنے والا ہوتا اور "لَوْ" کا جواب مضمر ہے یعنی ہم تم سے لڑائی کرتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہر نبی کو اس کے مضبوط قبیلہ میں بھیجا ہے۔

اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام کی بخشش کریں وہ مضبوط قبیلہ کی طرف ٹھکانہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ
مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ط اِنَّہٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ط اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ط اَلَیْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ
مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ ط وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: فرشتے کہنے لگے کہ اے لوط ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں آپ تک (بھی) ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے باہر) چلے جایئے۔ اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی (بوجہ مسلمان نہ ہونے کے) نہ جاوے گی اس پر بھی یہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آوے گی ان کے (عذاب کے) وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں سو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا تو ہم نے اس زمین کو الٹ کر اس کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے۔ جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشانیاں بھی تھیں۔

تفسیر: ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور فرشتے آپ علیہ السلام کے ساتھ گھر میں تھے اور یہ سارا مناظرہ اور واسطے ان کو دروازہ کے پیچھے سے دیئے تھے اور وہ دیوار پھلانگنے کی کوشش کر رہے تھے جب فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو ان کی وجہ سے پریشانی میں دیکھا۔

نوح علیہ السلام کا فرشتوں سے مکالمہ

⑧١ "قالوا یا لوط" آپ کا قبیلہ مضبوط ہے "انّا رسل ربّک لن یّصلوا الیک" آپ دروازہ کھول دیں اور ہمیں اور ان کو چھوڑ دیں تو آپ علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا، وہ داخل ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے اپنے رب سے ان کو سزا دینے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تو جبرئیل علیہ السلام اس صورت میں کھڑے ہوئے جس میں تھے تو اپنے پَر کھولے اور اپنے پَر ان کے چہروں پر مارے تو ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں وہ راستہ نہ دیکھ سکتے تھے اور گھر نہ پہنچ پائے اور بچاؤ بچاؤ کہتے بھاگ گئے اور کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں زمین کی سب سے بڑی جادوگر قوم ہے، انہوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے اور لوط علیہ السلام کو کہنے لگے اے لوط! (علیہ السلام) تو صبح ہونے دے تو دیکھ لے گا کہ ہم سے تجھے کیا چیز پہنچتی ہے اور دھمکیاں دینے لگے تو فرشتوں نے کہا آپ علیہ السلام نہ ڈریں ہم ان کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں تو لوط علیہ السلام نے پوچھا کہ ان کی ہلاکت کا وقت کون سا ہے؟

انہوں نے کہا صبح تو لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ پس اگر تم ان کو ابھی ہلاک کر دو تو انہوں

نے کہا "الیس الصّبح بقریب" پھر کہنے لگے "فاسرِ" اے لوط علیہ السلام "باھلک اہل حجاز نے "فاسروان اسیر" الف وصلی کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی قرآن میں آیا ہے سری یسری سے اور باقی حضرات نے الف قطعی کے ساتھ "اسریٰ یسری" سے اور ان دونوں کا معنی ایک ہے اور وہ رات کو چلنا۔

بقطع من اللّیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رات کے حصہ میں اور ضحاک فرماتے ہیں بقیہ حصہ میں اور قتادہ فرماتے ہیں رات کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد اور بعض نے کہا ہے وہ پہلا وقت سحر ہے۔

ولا یلتفت منکم احد الاّ امراٗتک" ابن کثیر اور ابوعمرو رحمہما اللہ نے "امراٗتک" تاء کے پیش کے ساتھ التفات سے استثناء کی بناء پر پڑھا ہے۔ یعنی "لایلتفت منکم احد الا امراٗتک" کیونکہ وہ متوجہ ہوگی اور ہلاک ہو جائے گی اور لوط علیہ السلام اس کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور اپنے ساتھ والوں کو کہا تھا کہ کوئی اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہو، اپنی بیوی کو نہ روکا جیسے ہی عذاب کی آواز آئی وہ اس طرح متوجہ ہوگئی اور کہنے لگے ہائے میری قوم! تو اس کو ایک پتھر آ لگا اور وہیں مرگئی۔ "انہ مصیبھا ما اصابھم انّ موعدھم الصبح یعنی ان کی ہلاکت کا وقت موعود صبح کا وقت ہے تو لوط نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا الیس الصبح بقریب"

قوم لوط کی بستی کی تعداد اور عذاب کا ذکر

⑧② "فلما جاء امرنا" ہمارا عذاب "جعلنا عالیھا سافلھا" جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پَر کو قوم لوط کی بستی کے نیچے داخل کر کے اس کو پلٹ دیا۔ یہ پانچ شہر تھے اور ان میں چار لاکھ لوگ آباد تھے اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس لاکھ لوگ تھے تو ان سب شہروں کو اتنا بلند کیا کہ آسمان والوں نے مرغوں کی آوازیں اور کتوں کا بھونکنا سنا، اتنا بلند جانے کے باوجود نہ ان کا کوئی برتن اُلٹا گیا اور نہ کوئی سونے والا جاگا۔ پھر اس کو پلٹ کر نیچے مارا۔

"وامطرنا علیھا" ان کے متفرق لوگوں اور مسافروں پر اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے پلٹنے کے بعد ان پر پتھر برسائے۔

"حجارۃ من سجیل" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سنک کل" فارسی کا لفظ ہے عربی بنایا گیا ہے۔ قتادہ اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سجیل بمعنی مٹی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لنرسل علیھم حجارۃ من طین" ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا پہلا پتھر اور آخر مٹی تھا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پتھروں کی اصل مٹی تھی لیکن ان کو ٹھوس کر دیا گیا تھا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی پختہ اینٹ کے اور بعض نے کہا ہے کہ سجیل آسمان دُنیا کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آسمان میں ایک پہاڑ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وینزل من السماء من جبال فیھا من برد" اللہ تعالیٰ کا فرمان "منضود" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لگاتار آئے، یہ نضد سے مفعول ہے اور نضد بعض شی کا بعض کے اوپر رکھنا۔

قوم لوط کے ہر شخص کا نام اس کے نصیب کے پتھر پر تھا

⑧③ "مُسَوَّمَةً" یہ حجارۃ کی صفت ہے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا معنی ہے نشان لگے ہوئے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر علامتیں تھیں زمین کے پتھروں سے ان کی شکل نہ ملتی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ جس کو لگنا ہوتا اس کا نام پتھر پر لکھا ہوا ہوتا۔ "عند ربک وما ھی" یعنی یہ پتھر "من الظالمین" یعنی مکہ کے مشرکین سے "ببعید" قتادہ رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی اس اُمت کے ظالمین سے۔ اللہ کی قسم! اللہ نے ان پتھروں سے اس کے بعد کسی ظالم کو پناہ نہیں دی اور بعض آثار میں ہے کہ جو بھی ظالم ہوگا وہ پتھر والی زمین میں ہوگا، اس پر پتھر پڑیں گے، ایک وقت سے قیامت تک۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ پتھر ان کے متفرق لوگوں اور مسافروں کے پیچھے لگے رہے وہ جس شہر میں بھی تھے ان کو ہلاک کیا اور ان کا ایک شخص حرم میں داخل ہو گیا تو پتھر چالیس دن آسمان میں معلق رہا۔ جب وہ نکلا تو اس کو لگا اور اس کو ہلاک کر دیا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ⑧④ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ⑧⑤

ترجمہ: اور یہ بستیاں (قوم لوط کی) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا انہوں نے (اہل مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (بننے کے قابل) نہیں اور تم ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو (کیونکہ) میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھ کو تم پر اندیشہ ہے ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہوگا اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور (شرک اور نقص حقوق کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے حد (توحید وعدل) سے مت نکلو۔

تفسیر: ⑧④ "والی مدین" اور ہم نے مدین کی اولاد کی طرف بھیجا "اخاھم شعیبا قال یاقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہٍ غیرُہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان" ناپ تو نہ کرو۔ یہ شرک کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ "انّی اراکم بخیر" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مال دار اور نعمتوں میں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوشحالی اور شادابی میں ہو تو ان کو نعمت کے زوال سے ڈرایا۔ "وانّی اخاف علیکم عذاب یوم محیط" جو تم کو گھیر کر ہلاک کر دے گا۔

⑧⑤ "ویاقوم اوفوا المکیال والمیزان ان کو پورا کرو بالقسط" انصاف کے ساتھ میزان ترازو کی زبان برابر کر دو۔ "ولا تبخسوا تم نہ کم کرو النّاس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین"

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾

ترجمہ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے (اس حرام کمائی سے) بدرجہا بہتر ہے اگر تم کو یقین آوے (تو مان لو) اور میں تمہارا پہرہ دینے والا تو ہوں نہیں وہ لوگ (یہ تمام نصائح سن کر) کہنے لگے کہ اے شعیبؑ کیا تمہارا (مصنوعی اور وہمی) تقدس تم کو (ایسی ایسی باتوں کی تعلیم کر رہا ہے کہ ہم ان چیزوں (پرستش) کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں واقعی آپ میں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے شعیب علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ میں نے آپ کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے ایک عمدہ دولت (یعنی نبوت) دی ہو تو پھر کیسے تبلیغ نہ کروں اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تم کو منع کرتا ہوں میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرے امکان میں ہے اور مجھ کو جو کچھ (عمل واصلاح کی) توفیق ہو جاتی ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف (تمام امور میں) رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم میری ضد (اور عداوت) تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جاوے کہ تم پر بھی (اسی طرح کی مصیبتیں آپڑیں جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں اور قوم لوط تو (ابھی) تم سے (بہت) دور (زمانہ میں) نہیں ہوئی۔

تفسیر ﴿٨٦﴾ "بقیت اللّٰہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو حلال مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے باقی رکھا ہے ماپ اور تول کو پورا کرنے کے بعد وہ تمہارے لیے بہتر ہے اس سے جو تم کی کر کے لیتے ہو اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "بقیت اللّٰہ" یعنی اللہ کی طاعت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو کہ جو تمہارے پاس ہے وہ اللہ کے رزق اور اسی کی عطاء سے ہے۔ "وما انا علیکم بحفیظ" وکیل۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا کہ ان کو قتال کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

﴿٨٧﴾ "قالوا یا شعیب اصلاتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰباؤنا" جن بتوں کو ہم پوجا کرتے آ رہے ہیں۔ ان کو چھوڑ

دیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے اس لیے کافروں نے آپ کی نماز کا تذکرہ کیا۔ "او ان نفعل فی اموالنا ما نشآء" یا یہ کہ ہم اپنے مال میں جو کچی چاہے، کمی، زیادتی کرتے ہیں، اس کو چھوڑ دیں اور کہا گیا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے ان کو دراہم اور دنانیر کے کاٹنے سے منع کیا کہ یہ ان پر حرام ہیں تو انہوں نے یہ کہا "انّک لانت الحلیم الرّشید" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم ورشید بطور طنز کہا تھا عرب لوگ ایک مفہوم کی تعبیر اس کی ضد سے کر لیتے ہیں۔ اس شخص کو جس کو بچھو ڈس لے۔ سلیم کہتے ہیں اور خطرناک بیابان کو مغازہ (کامیابی کی جگہ) کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا انہوں نے حلیم ورشید بطور استہزاء کے کہا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ آپ اپنے گمان میں حلیم ورشید ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بات انہوں نے صحیح معنی کے لیے ہی کہی تھی جیسے صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا "قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا"

⑱ "قال یاقوم ارأیتم ان کنت علی بیّنۃ بصیرت اور واضح بیان من ربّی ورزقنی منہ رزقا حسنا" حلال رزق سے مراد ہے اور بعض نے کہا بہت زیادہ رزق مراد ہے کیونکہ شعیب علیہ السلام کثیر المال تھے اور بعض نے کہا ہے کہ رزق حسن علم اور معرفت ہے۔ "وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنہ" یعنی میرا یہ ارادہ نہیں کہ تمہیں کسی کام سے روک کر خود وہ کروں۔ "ان ارید جو میں تمہیں حکم کرتا ہوں اور نہی کرتا ہوں اس سے میرا ارادہ "الّا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الّا باللہ" توفیق خیر اور طاعت کے راستے کو آسان کر دینا۔ "علیہ توکلت میں نے اعتماد کیا "والیہ انیب" جو مجھ پر مصیبت آئے گی اس کی طرف رجوع کروں گا اور بعض نے کہا ہے کہ آخرت میں۔

⑲ "ویاقوم لایجرمنّکم شقاقی" شقاق سے مراد میری مخالفت "ان یصیبکم" ان کاموں کے کرنے پر جن سے میں نے روکا ہے۔

"مثل ما اصاب قوم نوح" جسے قوم نوح کو غرق کیا "او قوم ھود" ہوا سے ہلاک کیا "او قوم صالح" چیخ سے ہلاک کیا "وما قوم لوط منکم ببعید" کیونکہ یہ قوم لوط علیہ السلام کی ہلاکت سے زمانہ کے اعتبار سے قریب تھے اور بعض نے کہا ہے کہ قوم لوط علیہ السلام کے گھر تم سے دور نہیں ہیں کیونکہ یہ قوم لوط علیہ السلام کے پڑوس میں تھے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ⑳ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا
مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ㉑
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ㉒ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ㉓

(ترجمہ) اور تم اپنے رب سے اپنے گناہ (یعنی شرک وظلم) معاف کراؤ پھر (اطاعت وعبادت کے ساتھ) اس کی

طرف متوجہ ہو۔ بلاشک میرا رب بڑا مہربان بڑی محبت والا ہے وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیبؑ بہت سی باتیں تمہاری
کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو اپنے (مجمع) میں کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تمہارے خاندان کا (کہ
ہمارے ہم مذہب ہیں ہم کو) پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ
توقیر ہی نہیں شعیب (علیہ السلام) نے (جواب میں) فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک (نعوذ
باللہ) اللہ سے بھی زیادہ باتوقیر ہے اور اس کو (یعنی اللہ تعالیٰ کو) تم نے پس پشت ڈال دیا یقیناً میرا رب تمہارے
سب اعمال کو اپنے علم میں (احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنے
طور پر) عمل کرر رہا ہوں۔ (سو) اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے
جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا تھا اور تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

تفسیر ⑨⓪ **"واستغفروا ربّکم ثمّ توبوا الیه اِنّ ربّی رحیم ودودٌ"** ودود کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مؤمنین سے
محبت کرنے والا ہے اور دوسرا یہ کہ مؤمنوں کا محبوب ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء علیہم السلام تھے۔

⑨① **"قالوا یا شعیب مانفقه"** ہم نہیں سمجھتے **"کثیراً ممّا تقول وانّا لنراک فینا ضعیفا"** کیونکہ ان کی نگاہ کمزور
تھی تو اس ضعیف سے ان کی مراد کمزور نگاہ والا ہے۔ **"ولولا رهطک"** آپ علیہ السلام کا قبیلہ۔ وہ اپنی قوم کی حمایت میں تھے
"لرجمناک" ہم آپ کو قتل کر دیتے۔ رجم قتل کی قبیح ترین صورت ہے۔ **"وما انت علینا"** ہمارے نزدیک **بعزیز"**

⑨② **"قال یاقوم ارهطی اعزّ علیکم من اللّٰه"** کیا میرے قبیلے کا مرتبہ زیادہ بارعب ہے تمہارے نزدیک اللہ سے۔
یعنی اگر تم میرا قتل میرے قبیلے کی وجہ سے چھوڑ رہے ہو تو اللہ کی وجہ سے زیادہ مناسب تھا کہ تم میری حفاظت کرتے۔
"واتخذتموه وراءَ کم ظهریّا" تم نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ **اِنّ ربّی بما تعملون محیط"**

⑨③ **"ویا قوم اعملوا علٰی مکانتکم** یعنی اپنے تمکن ووقار پر جیسے کہا جاتا ہے **فلان یعمل علٰی مکانته اذا عمل علٰی
تؤدة وتمکن انّی عامل سوف تعلمون"** کہ ہم میں سے کون اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے اور اپنے فعل میں غلطی کرنے والا ہے۔
"من یّاتیه عذاب یّخزیه ومن هو کاذب وارتقبوا" اور عذاب کا انتظار کرو۔ **"انّی معکم رقیب"** انتظار کرنے والا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ⑨④ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا
بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ⑨⑤ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑨⑥ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا
اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ⑨⑦ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ
الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ⑨⑧ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ⑨⑨ ذٰلِكَ

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) شعیب (علیہ السلام) کو اور جو ان کی ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت (خاص) سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے (کہ نعرہ جبرئیل تھا) آ پکڑا سو اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے رہ گئے (اور مرگئے) جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (اور عبرت پکڑلو) مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو (بھی) اپنے معجزات اور دلیل روشن دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا سو وہ لوگ (بھی) فرعون (ہی) کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی رائے کچھ صحیح نہ تھی وہ (فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا پھر ان (سب) کو دوزخ میں جا اتارے گا اور وہ دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جاویں گے اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا یہ ان (غارت شدہ) بستیوں کے بعض حالات تھے جس کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (سو) بعضی بستیاں تو ان میں (اب بھی) قائم ہیں اور بعض کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا سو ان کے وہ معبود جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے جب آپ کے رب کا حکم (عذاب کیلئے) آ پہنچا (کہ ان کو عذاب سے بچالیتے) اور الٹا ان کو نقصان پہنچایا۔

تفسیر ⑭ **"ولمّا جاء امرنا نجّينا شعيبا والّذين اٰمنوا معه برحمة منّا واخذت الّذين ظلموا الصيحة"** بعض نے کہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تو ان کی روحیں نکل گئیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے اوپر آسمان سے چیخ آئی ان کو ہلاک کردیا۔ **"فاصبحوا في ديارهم جاثمين"** مردہ پڑے رہے۔

⑮ **"كان لم يغنوا"** گویا کہ وہ نہیں مقیم رہے **"فيها الا بُعداً"** ہلاکت **"لمدين كما بعدت"** ہلاک ہوگئے **"ثمود"**

⑯ **"ولقد ارسلنا موسٰى بآياتنا وسلطان مبين"** واضح حجت کے ساتھ۔

⑰ **"الٰى فرعون وملئه فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشيد"** ہر پسندیدہ اور قابل ستائش امر کو رشد اور ہر برے امر کو غی کہا جاتا ہے۔

⑱ **"يقدم قومه** ان کے آگے ہوتا ہے **يوم القيامة فاوردهم"** پس ان کو داخل کردیا۔ **"النار وبئس الورد المورود"** یعنی بری ہے داخل ہونے کی جگہ اور جو اس میں داخل کیے گئے۔

⑨⑨ "واتبعوا فی ھٰذہ" اس دُنیا میں "لعنۃ ویوم القیامۃ بئس الرّفد المرفود" مدد جو مدد کی گئی اور بعض نے کہا ہے کہ عطاء جو عطا دی گئی کیونکہ ان پر دو لعنتیں آئیں، ایک لعنت دُنیا میں اور دوسری آخرت میں آباد۔

⑩⓪ "ذالک من انباء القریٰ نقصّہ علیک منھا قائم" "قائم کا ترجمہ آباد اور حصید کا ترجمہ "ویران اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے قائم یعنی جن کی دیواریں باقی ہیں اور چھتیں گرگئی ہیں اور حصید جن کے آثار ونشانات مٹ گئے۔ مقاتل کا قول ہے کہ قائم سے مراد وہ ہیں جن کے نشان دکھائی دے رہے ہوں اور حصید سے مراد وہ ہیں جن کی نمود بھی دکھائی نہیں دیتی۔

⑩① "وما ظلمناھم" اور ہم نے عذاب اور ہلاکت کے ساتھ ظلم نہیں کیا۔ "ولکن ظلموا انفسھم" کفر اور معصیت کے ساتھ خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ "فما اغنت عنھم آلھتھم الّتی یدعون من دون اللّٰہ من شیء لمّا جاء امر ربّک" امر ربک سے مراد تیرے رب کا عذاب۔ "ومازادوھم غیر تتبیب" بربادی ہلاکت اور نقصان۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ⑩② اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ⑩③ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ⑩④ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ⑩⑤ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ⑩⑥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ⑩⑦

ترجمہ اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی (سخت) ہے جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیر کرتا ہے جبکہ وہ ظلم (و کفر) کیا کرتے ہوں بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے۔ ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو وہ (آخرت کا دن) ایسا ہوگا کہ اس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے (بعض مصلحتوں سے) ملتوی کئے ہوئے ہیں (پھر) جس وقت وہ دن آوے گا کوئی شخص بدوں خدا کی اجازت کے بات تک (بھی) نہ کر سکے گا پھر (آگے) ان میں (یہ فرق ہوگا کہ) بعضے تو شقی (یعنی کافر) ہوں گے اور بعض سعید (یعنی مومن) ہوں گے سو جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ وپکار پڑی رہے گی۔ (اور) ہمیشہ (ہمیشہ) کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (کیونکہ) آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے۔

تفسیر ⑩② "وکذلک" اور اسی طرح "اخذ ربّک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ انّ اخذہ الیم شدید" ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو

ڈھیل دیتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب اس کو پکڑتے ہیں تو بالکل مہلت نہیں دیتے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔
وکذالک اخذ ربک اذا اخذ القری الآیۃ

⑩③ "انّ فی ذلک لآیۃ عبرت ہے لمن خاف عذاب الآخرۃ ذلک یوم مجموع لّہ الناس" قیامت کے دن "وذلک یوم مشھود" اس کی گواہی آسمان اور زمین والے دیں گے۔

⑩④ "وما نؤخّرہ" ہم اس دن کو مؤخر نہ کریں گے تم پر قیامت قائم نہ کریں گے۔ یعقوب نے وما یؤخرہ یاء کے ساتھ پڑھا ہے "الاّ لاجل معدود" جو اللہ کو معلوم ہے۔

شقی کون ہے اور سعید کون

⑩⑤ "یوم یات" یاء کو ثابت رکھ کر اور حذف کر کے "لا تکلّم" یعنی یہ اصل میں "لاتتکلم نفس اِلاّ باذنہ فمنھم شقی وسعید" یعنی پس بعض ان میں سے وہ ہیں جن کے لیے شقاوت مقدر ہو چکی اور بعض کے لیے سعادت مقدر ہو چکی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ پر نکلے جب ہم جنت البقیع میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں چھوٹی لاٹھی تھی۔ آپ علیہ السلام تشریف لائے اور بیٹھ گئے پھر اس کے ذریعے زمین کو کھودنے لگے۔ پھر فرمایا کہ نہیں ہے کوئی جان سانس لینے والی مگر اس کی جگہ جنت یا جہنم سے لکھ دی گئی ہے مگر تحقیق اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیا گیا ہے تو ایک آدمی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! تو ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں اور عمل چھوڑ دیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں۔ لیکن تم عمل کرتے رہو۔ پس ہر شخص کو توفیق دی گئی ہے اسی عمل کی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ بہرحال اہل شقاوۃ۔ پس وہ توفیق دیے جائیں گے اہل شقاوت کے عمل کی اور بہرحال اصل سعادت وہ توفیق دیے جائیں گے اہل سعادت کے عمل کی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی "فامّا من اعطٰی واتّقٰی وصدّق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسریٰ وامّا من بخل واستغنٰی وکذّب بالحسنٰی فسنیسّرہ للعسریٰ"

⑩⑥ "فامّا الّذین شقوا ففی النّار لھم فیھا زفیر و شھیق" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زفیر شدید آواز اور شھیق ضعیف آواز اور ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زفیر گدھے کی آواز کی ابتداء اور شھیق اس کی آواز کا آخر اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زفیر حلق میں اور شھیق سینے میں۔

اہل جنت اور اہل جہنم کا زمانہ

⑩⑦ "خالدین فیھا" اس میں ٹھہرے رہیں گے "مادامت السّمٰوٰت والارض" ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک جنت اور جہنم کے آسمان اور ان کی زمین باقی رہیں گے اور ہر وہ چیز جو تیرے اوپر ہو اور سایہ کرے تو وہ سماء ہے اور جس چیز پر

تیرے قدم تک جائیں گے وہ ارض ہے۔ اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کی عادت کے مطابق یہ ہیشگی سے کنایہ ہے۔ وہ کہتے ہیں میں تیرے پاس نہ آؤں گا جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں۔

الا ماشاء کے استثناء کی تفسیر

"الاّ ماشاء ربّک" ان دونوں استثناء کے بارے میں اختلاف ہے تو بعض فرماتے ہیں کہ یہ استثناء مؤمنین کے ان اہل شقاوت کے بارے میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل کریں گے۔ پھر ان کو جہنم سے نکال دیں گے تو یہ استثناء غیر جنسی سے ہوگا۔ اس لیے کہ جو لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے وہ سعداء ہوں گے ان کا استثناء اللہ تعالیٰ نے جملہ اشقیاء سے کیا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کئی اقوام کو ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی آگ کی سزا پہنچے گی پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے فضل سے جنت میں داخل کردیں گے تو ان کو جہنمی کہا جائے گا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کی جائے گی ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا اور بہر حال استثناء اہل سعادت کے بارے میں تو جنت میں داخل ہونے سے ان کے جہنم میں ٹھہرنے کی مدت کی طرف لوٹے گا اور بعض نے کہا ہے کہ استثناء کا تعلق موت اور بعث کے درمیان برزخ کے زمانے اور دُنیا کی عمر سے ہے یعنی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے سوائے دُنیا کی زندگی اور برزخ کی زندگی کے جتنی اللہ چاہیں۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اللہ تعالیٰ نے کیا ہے لیکن ایسا کریں گے نہیں جیسے تو دوسرے کو کہے اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور ماروں گا مگر یہ کہ میں اس کے علاوہ کوئی رائے رکھوں اور تیرا اس کو مارنے کا پختہ ارادہ ہو۔ "انّ ربّک فعال لما یرید"

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے (اور) وہ اس میں (داخل ہونے کے بعد) ہمیشہ (ہمیشہ) کو رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

تفسیر: ﴿۱۰۸﴾ "واما الّذین سعدوا" حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "سُعِدوا" سین کے پیش اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی سعادت دیئے گئے۔

اور دیگر حضرات نے سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "شَقُوا" پر قیاس کرتے ہوئے۔ "ففی الجنّة خالدین فیها ما دامت السّمٰوٰت والارض الاّ ماشاء ربّک" ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مگر وہ مدت جو وہ آگ میں ٹھہریں گے حتیٰ کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے استثناء کو خوب جانتا ہے۔ "عطاء غیر مجذوذ" یعنی ختم نہ ہوگی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اہل جنت کے لیے وہ کیا چاہتے ہیں تو فرمایا "عطاء

غیر مجذوذ" اور ہمیں یہ خبر نہیں دی کہ اہل جہنم کے لیے کیا چاہتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہنم پر ضرور ایک زمانہ آئے گا کہ ایسا کوئی نہ ہوگا اور یہ اس کے بعد ہوگا جب وہ اس جہنم میں کئی حقب رہ چکے ہوں گے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل روایت ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہے تو ایمان والوں میں سے کوئی جہنم میں نہ ہوگا ورنہ کفار کی جگہیں تو بھری ہوئی ہوں گی۔

فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا یہ لوگ بھی اسی طرح (بلادلیل بلکہ خلاف دلیل) عبادت (غیر اللہ کی) کر رہے ہیں جس طرح ان کے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم یقیناً (قیامت کو ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچا دیں گے اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی سو اس میں (بھی مثل قرآن کے) اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال (کی جزا) کا پورا پورا حصہ دے گا وہ بالیقین ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

تفسیر ﴿۱۰۹﴾ "فلا تک فی مریة" شک میں "ممّا یعبد هؤلاء" کہ یہ گمراہ ہیں۔ "ما یعبدون الا کما یعبد" اس میں عبارت مقدر ہے یعنی کما کان یعبد آباؤهم من قبل وانّا لموفّوهم نصیبهم ان کا جزا کا حصہ غیر منقوص"

﴿۱۱۰﴾ "ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب" کتاب سے مراد تورات ہے فاختلف فیه" بعض نے تصدیق کی بعض نے تکذیب جیسے آپ علیہ السلام کی قوم نے قرآن کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے نبی علیہ السلام کو تسلی دی ہے۔ "ولولا کلمة سبقت من ربّک" ان سے عذاب کو مؤخر کرنے میں "لقضی بینهم" یعنی فی الحال عذاب دیے جاتے اور ان کے عذاب اور ہلاک کرنے سے فراغت ہو چکی ہوتی۔ "وانّهم لفی شک منه مریب"

﴿۱۱۱﴾ "وان کلاًّ لمّا..... انّه بما یعملون خبیر"

ابن کثیر اور نافع اور ابوبکر (وان کلا) نون ساکن تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے نون کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ (لما) یہاں پر سورۃ یٰسین اور سورۃ طارق میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر عاصم حمزہ نے اور اس جگہ ابوجعفر

نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے (لما) اصل میں "لمن ما" تھا نون کو میم سے بدل دیا۔ تین میم جمع ہو گئے اول میم کو حذف کر دیا۔ پھر ایک میم کو دوسرے میم میں ادغام کر دیا۔ یہاں پر ما بمعنی من کے ہے۔ لوگوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ما صلہ ہے۔ یہ دو میموں کے درمیان زیادہ لایا گیا۔

بعض نے کہا ما من کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ لمن یوفینھم۔ یہاں لما میں لام تاکید کیلئے ہے جو ان کی خبر پر داخل ہے اب تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ لیوفینھم ربک اعمالھم ان کے اعمال کا بدلہ انہ بما یعملون خبیر۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑫ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ⑬ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ⑭

ترجمہ: تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے (راہ دین پر) مستقیم رہیے اور وہ لوگ بھی (مستقیم رہیں) جو کفر سے توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور دائرہ (دین) سے ذرا مت نکلو یقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اور اے مسلمانو ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہارا ذرا بھی نہ ہو اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول و آخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو یہ بات ایک (جامع) نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

ایمان لا کر پھر اس پر ڈٹ جاؤ

تفسیر ⑫ "فاستقم کما امرت" یعنی اپنے رب کے دین پر ڈٹے رہیں اور اس پر عمل کرنے اور اس کی طرف بلانے میں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ "ومن تاب معک" یعنی جو آپ علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی ڈٹے رہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ امر اور نہی پر قائم رہے۔ اور لومڑی کی طرح چالبازی نہ کرے۔ سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات کہیں کہ میں اس کے بارے میں آپ علیہ السلام کے بعد کسی سے سوال نہ کروں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو کہہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر ڈٹ جا۔ "ولا تطغوا" یعنی میرے امر سے تجاوز نہ کرو اور میری نافرمانی نہ کرو اور بعض نے کہا ہے کہ غلو نہ کرو کہ میرے امر اور نہی پر زیادہ کرو "انہ بما تعملون بصیر" اس پر تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے سخت کوئی آیت نہیں اُتری۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے سورت ہود اور اس کی بہنوں (ہم مثل سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے۔

دین پر چلنا آسان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک دین آسان ہے اور ہرگز اس دین سے کوئی شخص مقابلہ نہ کرے گا مگر یہ اس پر غالب آ جائے گا۔ پس تم ٹھیک ٹھیک چلو اور قریب ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ اور صبح اور شام اور رات کے کچھ حصہ میں مدد طلب کرو۔

⑬ "ولا ترکنوا الی الّذین ظلموا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم نہ مائل ہو۔ "الرکون" محبت اور دل کا میلان۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم ان کے اعمال پر راضی نہ ہو۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم لوگوں سے دین میں مداہنت نہ کرو اور عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو۔ "فتمسّکم النّار وما لکم من دون من اولیاء" یعنی مددگار جو تم کو اس کے عذاب سے بچالیں۔ "ثمّ لا تنصرون"

طرفی النهار وزلفا من اللیل کی تفسیر

⑭ "واقم الصّلٰوۃ طرفی النّهار" یعنی صبح و شام۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دن کے دو طرف صبح اور ظہر اور عصر کی نماز۔ "وزلفًا من اللّیل" مغرب اور عشاء کی نماز اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فجر اور ظہر کی نماز ایک طرف ہے اور عصر اور مغرب کی نماز ایک طرف ہے اور "زلفًا من اللّیل" یعنی عشاء کی نماز۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دن کی دو طرفیں صبح اور عصر کی نماز اور "زلفًا من اللّیل" مغرب اور عشاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دن کے دو طرف صبح اور شام یعنی صبح اور مغرب کی نماز "وزلفًا من اللّیل" یعنی اس کی گھڑی۔ اس کا زلفۃ ہے اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے "زُلفًا" لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔

"انّ الحسنات یذھبن السیئات" یعنی بے شک پانچ نمازیں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ⑮

ترجمہ: اور صبر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے

شان نزول میں صحابی کا واقعہ

تفسیر: روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت ابو الیسر کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کھجور خریدنے آئی، میں نے اس کو کہا کہ گھر میں اس سے عمدہ کھجور ہے وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو میں نے اس کا بوسہ لے لیا۔

پھر میں شرمندہ ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو یہ بات بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات چھپالے اور توبہ کر کسی کو نہ بتانا تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ان کو یہ بات بتائی۔ انہوں نے فرمایا اپنے اوپر پردہ کر اور توبہ کر اور کسی کو یہ بات نہ بتا، مجھ سے صبر نہ ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور یہ بات ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کے بارے میں خیانت کی۔ حتیٰ کہ اس نے تمنا کی کہ وہ اس وقت ایمان لایا ہوتا حتیٰ کہ اس نے گمان کیا کہ وہ جہنم والوں میں سے ہوگیا تو آپ علیہ السلام نے سر جھکایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔

"**واقم الصلاۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل**" الآیۃ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کیا اسی کے لیے خاص ہے یا عام ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بلکہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام کو خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "**واقم الصلاۃ تایذھبن السیّئات**" نازل کی تو وہ شخص کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ میرے لیے ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا میری تمام اُمت کے لیے ہے۔

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہیں جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دیکھتے ہو کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر ہو اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے جسم پر کوئی میل رہے گی؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کچھ میل باقی نہ رہے گی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، پس یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ "**ذلک**" یہ جو ہم نے ذکر کیا اور بعض نے کہا ہے کہ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ "**ذکریٰ نصیحت للذاکرین**" یعنی جو اس کو یاد کرے۔

⑮ "**واصبر**" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس پر جو تکلیف آپ علیہ السلام کو پہنچے اور بعض نے کہا ہے کہ نماز پر صبر کریں۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ "**وامر اھلک بالصّلوٰۃ واصطبر علیھا**"

"**فانّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین**" نیک اعمال کرنے والوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھنے والوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتی۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ⑯ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ⑰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ⑱ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑲

ترجمہ تو جو امتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو کہ (دوسروں کو) ملک میں فساد (یعنی کفر وشرک) پھیلانے سے منع کرتے بجز چند آدمیوں کے کہ جن کو ان میں سے ہم نے (عذاب سے) بچالیا تھا اور جو لوگ نافرمان تھے وہ جس ناز ونعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہو گئے اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کردے اور ان کے رہنے والے (اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں لگے ہوں اور اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا اور (آئندہ بھی) ہمیشہ اختلاف (ہی) کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں سے بھر دوں گا۔

تفسیر ⑯ "فلولا" پس کیوں نہیں "کان من القرون" جن کو ہم نے ہلاک کردیا۔ "من قبلکم" آیت توبیخ کے لیے ہے۔ "اولوا بقیّة" یعنی تمیز والے لوگ۔ اور بعض نے کہا طاعت والے اور بعض نے کہا ہے خیر والے۔ کہا جاتا ہے "فلان ذو بقیّة" جب اس میں کوئی خیر ہو۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے پہلی اُمتوں میں کیوں نہیں تھے وہ لوگ جن میں خیر ہے کہ وہ فساد فی الارض سے روکتے؟ اور بعض نے کہا ہے "اولوا بقیة من خیر" کہا جاتا ہے "فلان علی بقیة من الخیر" جب وہ اچھی خصلت وعادت پر ہو۔ "ینھون عن الفساد فی الارض" یعنی فساد سے روکنے کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ "الاّ قلیلاً" یہ استثناء منقطع ہے معنی یہ ہے کہ "لکن قلیلا ھو"......

"ممن انجینا منھم" اور وہ انبیاء علیہم السلام کے پیروکار فساد فی الارض سے روکتے تھے۔ "واتّبع الّذین ظلموا ما اترفوا" خوش عیش ہوتے فیه اور المترف خوش عیش ناز ونعم والا اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مزین کیے گئے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں نعمتوں اور لذات اور دُنیا کو ترجیح دینے کی عادت بنائے گئے۔ یعنی ظالم لوگوں نے اس کی اتباع کی جو ان کی نعمتوں اور لذات اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی عادت بنی ہوئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ ان کو اپنے ظلم سے ہلاک نہیں کرتا، جب وہ اچھے اعمال کرنے والے ہوں لیکن ان کو ان کے کفر اور کثرت سے گناہ کرنے کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔ و کانوا مجرمین"

⑰"وما کان ربّک لیھلک القریٰ بظلمھم" یعنی نہیں ہلاک کرے گا ان کے شرک کی وجہ سے۔

"واھلھا مصلحون" آپس میں کسی پر ظلم نہ کرتے ہوں انصاف کرتے ہوں اور ان کو اس وقت ہلاک کردیتا ہے جب وہ آپس میں ظلم کرنے لگیں۔

⑱"ولو شاء ربّک لجعل النّاس" اگر اللہ چاہتا سارے کے سارے لوگ " اُمّۃ واحدۃً" ایک دین پر ہو جاتے۔

"ولا یزالون مختلفین" مختلف ادیان پر یہودی، نصرانی، مجوسی اور مشرک وغیرہ۔

⑲"الّا من رّحم ربّک" مطلب یہ ہے کہ لیکن جس پر تیرا رب رحم کرے تو ان کو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ پس وہ آپس میں اختلاف نہیں کرتے۔

"ولذلک خلقھم" حسن اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اور اختلاف کے لیے ان کو پیدا کیا ہے اور اشہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ان کو پیدا کیا تاکہ ایک فریق جنت میں ہو اور ایک فریق دوزخ میں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رحمت کے لیے ان کو پیدا کیا ہے یعنی وہ لوگ جن پر رحم کیا ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل رحمت کو رحمت کے لیے اور اہل اختلاف کو اختلاف کے لیے پیدا کیا ہے اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ اہل باطل مختلف ہیں اور اہل حق متفق ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو اتفاق کے لیے پیدا کیا اور اہل باطل کو اختلاف کے لیے پیدا کیا۔

"وتمت کلمت ربّک اور تیرے رب کا حکم مکمل ہو گیا لاملئنّ جھنم من الجنّۃ والنّاس اجمعین"

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ⑫٠ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ⑫١ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ⑫٢ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ⑫٣

ترجمہ: اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسے مضمون پہنچا ہے جو خود ہی راست (اور واقعی) ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے اور یاددہانی ہے اور جو لوگ (باوجود ان حجج قاطعہ کے (بھی) ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ (میں تم سے الجھتا نہیں) تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو ہم بھی (اپنے طور پر عمل کر رہے ہیں اور (ان اعمال کے نتیجہ کے) تم بھی منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں عنقریب (حق و باطل) کھل جائے گا اور

آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور آپ کی طرف رجوع ہوں گے تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اسی کی عبادت کیجئے (جس میں تبلیغ بھی داخل ہے) اور اسی پر بھروسہ رکھیئے اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔

تفسیر ⑫⓪ "و کلاً نقصّ علیک من انباء الرّسل ما نثبت به فؤادک" معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کی رسولوں کی خبروں اور ان کی اُمتوں کے تذکروں کی آپ کو ضرورت تھی تا کہ ہم آپ کے یقین کو زیادہ کریں اور آپ علیہ السلام کے دل کو مضبوط کریں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو سنتے تھے تو اس میں آپ علیہ السلام کے دل کو صبر پر تقویت ملتی اپنے قوم کی تکلیف پر۔ "وجاء ک فی هٰذه الحق" حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس دُنیا میں اور ان کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس سورت میں اور یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اس سورت کو خاص کیا ہے اعزاز کے لیے اگر چہ تمام سورتوں میں جو آیا ہے وہ حق ہے۔ "وموعظة و ذکریٰ للمؤمنین"

⑫① "وقل للّذین لا یؤمنون اعملوا علیٰ مکانتکم" یہ امر دھمکی اور وعید کے لیے ہے۔ "انّا عاملون"

⑫② "وانتظروا" جو ہم پر اللہ کی رحمت اُترے۔ "انا منتظرون" جو تم پر اللہ کا عذاب اُترے۔

⑫③ "وللّٰه غیب السّمٰوٰت والارض" جو بندوں سے ان دونوں میں غائب ہیں۔ "والیه یرجع الامر کلّه" معاد میں نافع اور حفص رحمہما اللہ نے "تُرْجَعُ" یاء کے پیش اور جیم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی لوٹایا جائے گا اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور جیم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تمام امر اسی کی طرف لوٹیں گے۔

یہاں تک کہ مخلوق کے لیے کوئی امر نہ ہوگا "فاعبده وتوکّل علیه اس پر اعتماد کر وما ربّک بغافل عمّا تعملون" اہل مدینہ اور اہل شام اور حفص اور یعقوب رحمہما اللہ نے "تعملون" یہاں تاء کے ساتھ اور سورۃ النمل کے آخر میں اور دیگر حضرات نے دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توریت کا خاتمہ بھی سورۃ ھود کے خاتمہ جیسا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ علیہ السلام بوڑھے ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے سورۃ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتساء لون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ مجھے سورۃ ہود اور اس جیسی مفصل سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

سُورۃ یُوسُف

سورۃ یوسف علیہ السلام مکی ہے اور اس کی ایک سو گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ. تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ. وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

ترجمہ: الر یہ آیتیں ہیں ایک کتاب واضح کی ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم (بوجہ اہل لسان ہونے کے اولا) سمجھو (اور تمہارے واسطے سے اور لوگ سمجھیں) ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس (کے بھیجنے) کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور اس (ہمارے بیان کرنے) کے قبل آپ (اس سے) محض بے خبر تھے۔

تفسیر: ① "آلر تلک آیات الکتاب المبین" یعنی اس کا حلال و حرام اور حدود و احکام واضح ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر ہے اللہ کی قسم! اس کی برکت اور ہدایت۔ پس یہ "بان" سے بمعنی ظہر اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا حق باطل سے اور حلال حرام سے واضح کیا گیا ہے۔ پس یہ "اَبَانَ" سے ہے بمعنی اظہر۔

② "اِنّا انزلناہ" یعنی کتاب "قرآنا عربیّا لعلّکم تعقلون" یعنی ہم نے اس کو تمہاری لغت میں اُتارا تاکہ تم اس کے معانی جان لو اور جو احکام اس میں ہیں وہ سمجھ لو۔

③ "نحن نقصّ علیک احسن القصص" اور قاص وہ شخص جو آثار کی پیروی کرے اور ٹھیک خبر دے۔ معنی یہ ہے کہ ہم بیان کرتے ہیں آپ کے لیے گزشتہ اُمتوں اور گزشتہ زمانوں کی خبریں اچھے انداز بیان میں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد صرف یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اس کا نام احسن القصص اس وجہ سے رکھا ہے کہ اس میں عبرت، حکمتیں اور ایسے نکتے اور فوائد ہیں جو دُنیا اور آخرت کے لیے مفید ہیں جیسے بادشاہوں اور ملکوں اور علماء کے حالات اور عورتوں کے مکر اور دشمنوں کی تکلیف پر صبر اور ان پر قدرت پانے کے بعد ان سے اچھا درگزر کرنا اور اس کے علاوہ دیگر فوائد ہیں۔ خالد بن معدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ یوسف علیہ السلام اور سورۃ مریم ان سے اہل جنت جنت میں لطف حاصل کریں گے اور ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

سورۃ یوسف کو جو غمزدہ شخص سنے گا وہ راحت پائے گا۔ "بما او حینا الیک (ما) مصدر یہ ہے یعنی ہمارا آپ کو وحی کرنا۔ ھٰذا القرآن وان کنت من قبلہ" ہماری وحی سے پہلے۔ "لمن الغافلین" اس قصہ سے ناواقف تھے اس کو نہیں جانتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر کافی عرصہ اس کی تلاوت کی۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر آپ علیہ السلام ہمیں حدیث بیان کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "اللّٰہ نزّل احسن الحدیث" پھر انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہم پر کوئی قصہ بیان کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "نحن نقصّ علیک احسن القصص" پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں نصیحت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "الم یان للّذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ"

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ④ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ⑤

ترجمہ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ یوسف (علیہ السلام نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے (جواب میں فرمایا کہ بیٹا اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو بیان مت کرنا پس (یہ سمجھ کر) وہ تمہارے (ایذا رسانی کے) لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے بلاشبہ شیطان آدمی کا صریح دشمن ہے۔

لفظ یوسف کی تحقیق

تفسیر ④ "اذ قال یوسف لابیہ" یعنی اس وقت کو یاد کریں جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو کہا اور یوسف عبرانی نام ہے۔ اسی وجہ سے منصرف نہیں ہوتا اور بعض نے کہا ہے کہ عربی نام ہے۔ ابوالحسن اقطع رحمہ اللہ سے لفظ یوسف علیہ السلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ الاسف لغت میں بمعنی غم ہے اور اسیف لغت میں غلام کے معنی میں ہے اور یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوگئیں۔ اس لیے ان کا نام یوسف رکھا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک کریم بیٹا کریم کا یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا تذکرہ

"یا ابت ابوجعفر اور ابن عمر رحمہما اللہ نے "یا ابت" تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے تمام قرآن میں "یا ابتاہ" کی تقدیر پر

اور وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "یا ابتاہ" الف کے ساتھ ہے اور یہ یاء اضافت سے بدل ہے تو الف کو حذف کر دیا گیا۔ جیسا کہ تاء کو حذف کیا جاتا ہے تو زبر باقی رہ گیا جو الف پر دلالت کر رہا ہے جیسا کہ زیر باقی ہو تو یاء کے حذف کے وقت یاء پر دلالت کرتی ہے اور دیگر حضرات نے "یا ابت" تاء کی زیر کے ساتھ تمام قرآن میں پڑھا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "یا ابتی" ہے تو یاء کی تخفیف کی غرض سے حذف کر دیا گیا اور زیر پر اکتفاء کیا گیا۔ اس لیے کہ نداء میں حذف ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا قول "یا عباد فاتقون" دلالت کرتا ہے اور دیگر حضرات نے "یا ابت" تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ اس کی اصل "یا اَبتُ" ہے اور جزم کو زیر کی حرکت دی جاتی ہے۔ "انّی رأیت احد عشر کوکبا" یعنی آسمان کے ستاروں میں سے ستارے اور کوکب کا نصب تفسیر کی بناء پر ہے۔ "والشّمس والقمر رأیتھم لی ساجدین"......

"رأیتھا الیّ ساجدات" نہیں کہا حالانکہ ھاء اور میم اور یاء اور نون ذوالعقول سے کنایہ ہے۔ اس لیے کہ جب ان کا ایسا فعل بتایا جو ذوی العقول سے ہو سکتا ہے یعنی سجدہ کرنا تو تعبیر بھی ذوی العقول کی اختیار کی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا یّھا النمل ادخلوا مساکنکم" اور اس خواب کی تعبیر میں ستارے ان کے بھائی ہیں اور یہ گیارہ تھے اور سورج ان کے والد اور چاند ان کی والدہ۔ یہ قتادہ نے کہا ہے اور سدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قمر سے ان کی خالہ مراد ہیں کیونکہ ان کی والدہ راحیل وفات پا چکی تھیں اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قمر ان کے والد اور شمس والدہ ہیں اس لیے کہ شمس مؤنث ہے اور قمر مذکر ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں یہ خواب دیکھا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر میں یہ خواب دیکھا۔ جب خواب دیکھا تو والد کو بتایا۔

خواب کی تعبیر کے ساتھ والد کی نصیحت

⑤ "قال یا بُنیّ لا تقصص رُؤیاک علی اخوتک" کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ جب بھائی اس کو سنیں گے تو حسد کریں گے۔ اسی لیے اس کے چھپانے کا حکم دیا۔

"فیکیدوا لک کیدا" پس وہ آپ کے ہلاک کرنے کی تدبیریں کریں گے کیونکہ وہ اس خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔ لک کا لام صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "لربھم یرھبون" اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کے قول "نصحتک ونصحت لک" اور شکرتک "وشکرتک لک" کی طرح ہے۔

"انّ الشیطان للانسان عدو مبین" یعنی شیطان اپنی پرانی دشمنی کی وجہ سے ان کو تدبیروں پر اُبھارے گا۔ ابوسلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں خواب دیکھتا تھا وہ مجھے بڑے اہم لگتے تھے یہاں تک کہ میں نے ابوقتادہ رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ میں ایسے خواب دیکھتا تھا جو مجھے مریض کر دیتے تھے حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ پس جب تم میں سے کوئی وہ چیز دیکھے جس کو پسند کرتا ہے تو وہ کسی پسندیدہ شخص کو ہی بیان کرے اور جب کوئی ناپسند چیز دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے اس

کے شر سے پناہ مانگے اور شیطان کے شر سے اور تین دفعہ تھوک پھینک دے اور وہ کسی کو بیان نہ کرے کیونکہ وہ اس کو نقصان نہ دے گا۔ حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رؤیا صالحہ نبوت کے چالیس اجزاء یا چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں۔

"وھی علی رجل طائر" جب تک اس کو بیان کرنے، پس جب اس کو بیان کیا تو وہ واقع ہو جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس کو صرف دوست یا سمجھدار آدمی کو بیان کرے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦

ترجمہ: اور اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب کرے گا اور (تم کو علوم دقیقہ بھی دے گا مثلاً) تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور (اور نعمتیں دیگر بھی) تم پر اور یعقوبؑ کے خاندان پر اپنا انعام کامل کرے گا جیسا اس کے قبل تمہارے دادا پڑدادا یعنی ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) پر اپنا انعام کامل کر چکا ہے واقعی تمہارا رب بڑا علم و حکمت والا ہے یوسف (علیہ السلام) اور ان کے (علاتی) بھائیوں کے قصے میں دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو (آپ سے ان کا قصہ) پوچھتے ہیں۔

تفسیر ⑥ "وکذلک یجتبیک ربک" تجھے چن لے گا۔ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کہا جیسا کہ اس خواب کے ذریعے تیرا مرتبہ بلند کیا، اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا۔ **ویعلّمک من تاویل الاحادیث** "تاویل" سے مراد خوابوں کی تعبیر ہے۔ اس کا نام تاویل رکھا گیا ہے اس لیے کہ اس کا معاملہ اس کی طرف لوٹتا ہے جو اس نے خواب میں دیکھا تھا اور تاویل اس کو کہتے ہیں جس کی طرف کسی کام کا انجام ہو۔ "**ویتمّ نعمته علیک**" یعنی نبوت کے ساتھ "**وعلیٰ آل یعقوب**" یعنی ان کی اولاد پر کیونکہ ان کی ساری اولاد انبیاء علیہم السلام تھے۔

"**کما اتمّھا علی ابویک من قبل ابراھیم واسحٰق انّ ربّک علیم حکیم**" اور بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر نعمت مکمل کرنے سے مراد ان کو خلیل بنانا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کو ذبح سے نجات دینا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو ان کی صلب سے نکالنا مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب اور اس کی حقیقت کے درمیان چالیس سال کا وقفہ تھا اور یہی اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسّی سال کا وقفہ تھا۔ پس جب یہ خواب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پہنچا تو انہوں نے حسد کیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم بھائی تمہارے آگے سجدہ کرنے پر اس وقت تک راضی نہیں جب تک کہ تمہارے والدین تم پر سجدہ نہ کریں۔ ان کے بھائی بغاوت اور حسد پر اتر آئے۔

⑦ "لقد کان فی یوسف و اخوته" یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں کے قصہ میں بکثرت نشانیاں ہیں۔ان کے نام روبیل اور بعض نے روبین نون کے ساتھ کہا ہے یہ بھائیوں میں سے بڑا تھا۔شمعون، لاوی، یہوذا، زبالون اور بعض نے کہا کہ زبلون، آشراوران کی ماں لیا بنت لابان یہ یعقوب علیہ السلام کے ماموں کی بیٹی تھی۔

یعقوب علیہ السلام کی دو باندیوں سے چار بچے ہوئے۔ایک باندی کا نام زلفة اور دوسری کا بلھمة ہے اور بچوں کے نام دان، نفتالی اور بعض نے کہا ہے نفتولی، جاد اور اشیر۔

پھر لیا کی وفات ہوگئی تو یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کیا تو ان سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے اور بعض نے کہا ہے ابن یامین، تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بارہ ہوگئے۔

آیت للسائلین کی تفسیر

"آیات ابن کثیر رحمہ اللہ نے "آیة" واحد کا صیغہ پڑھا ہے یعنی نصیحت وعبرت اور بعض نے کہا ہے تعجب اور دیگر حضرات نے "آیات" جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔للسّائلین"

کیونکہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں سوال کیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے کنعان سے مصر منتقل ہونے کا سبب پوچھا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ سنا دیا تو انہوں نے اس قصہ کو توریت کے موافق پایا تو بڑا تعجب کیا تو یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "آیات للسائلین" کا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دال ہے اور بعض نے کہا ہے سوال کرنے والوں اور سوال نہ کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کے قول "سواء للسّائلین" کی طرح ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ یہ عبرت ہے عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کیونکہ یہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حسد اور حسد کے انجام اور یوسف علیہ السلام کے قضاء شہوت پر صبر کرنے اور غلامی اور قید پر صبر کرنے اور اس کے انجام میں بادشاہی ملنے اور یعقوب علیہ السلام کے غم اور فراقِ یوسف علیہ السلام پر صبر کرنے پر مشتمل ہے۔

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ ⑧ ۚۖ اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡهُ اَبِیۡکُمۡ وَتَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ⑨

ترجمہ وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان (علاتی) بھائیوں نے (باہم بطور مشورہ کے) یہ گفتگو کی کہ (یہ کیا بات ہے کہ) یوسفؑ اور ان کا بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں واقعی ہمارے باپ (اس مقدمہ میں) کھلی غلطی میں ہیں یا تو یوسف کو قتل کرڈالو یا ان کو کسی (دور دراز) سرزمین میں ڈال آؤ تو (پھر) تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف ہو جاوے گا اور تمہارے سب کام بن جاویں گے۔

تفسیر ⑧ "اذ قالوا لیوسف لام جواب قسم ہے اصل عبارت "واللّٰہ لیوسف" ہے۔ واخوہ اس سے مراد ان کے بھائی بنیامین ہیں احبّ الی ابینا منّا" یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین ایک ماں سے تھے اور یعقوب علیہ السلام کو یوسف سے بڑی شدید محبت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو اپنے والد کا زیادہ میلان دیکھتے جوان کے ساتھ نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے بیٹوں نے یہ کہا۔

عصبۃ کی مختلف تفاسیر

"ونحن عُصبۃ" یعنی جماعت ہیں اور یہ دس تھے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصبہ دس یا زائد کی جماعت اور بعض نے کہا ایک سے دس تک بعض نے کہا ایک سے دس تک مراد ہے اور بعض نے کہا ہے تین سے دس تک بعض نے کہا ایک دس تک مراد ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس سے پندرہ تک۔ بعض نے دس سے چالیس تک کہا ہے بعض نے کہا کہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو آپس میں متفق اور ایک دوسرے کا تعاون کرنے والی ہو۔

عصبۃ کا لفظوں میں واحد نہیں آتا۔ جیسے نفر اور رھط کا واحد نہیں آتا۔ "انّ ابانا لفی ضلال مبین" یعنی یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو ہم پر ترجیح دینے میں واضح غلطی پر ہیں۔ یہاں دین سے گمراہ ہونا مراد نہیں ہے اگر وہ یہ مراد لیتے تو کافر ہو جاتے بلکہ دُنیاوی تدبیر میں غلطی کرنا مراد ہے کہ ہم دُنیا میں زیادہ نفع دینے والے ہیں کہ کاشت کاری کرتے ہیں جانوروں کو چرانے میں یوسف سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار ہیں تو ہم محبت کے زیادہ لائق ہیں۔ وہ ہم سے محبت پھیر کر غلطی کرنے والے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ کس نے دیا

⑨ "اقتلوا یوسف" اس کے قائل میں اختلاف ہے۔

① ۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شمعون نے کہا۔ ② کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دان نے کہا۔

③ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روبیل نے کہا "او اطرحوہ ارضا" ایسی زمین میں ڈال دو جو اس کے باپ سے دور ہو۔ اور بعض نے کہا ایسی زمین میں کہ درندے ان کو کھا جائیں۔

"یخل لکم تا کہ تم اس سے چھٹکارا حاصل کر لو اور باپ کی محبت تمہاری طرف خالصتاً ہو جائے "وجہ ابیکم یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ متوجہ ہونے سے ہٹ جائے۔

وتکونوا من بعدہ" یوسف علیہ السلام کے قتل کے بعد توجہ ہماری طرف ہو جائے گی "قومًا صالحین" توبہ کرنے والی یعنی یہ کام کرنے کے بعد توبہ کرلیں گے، اللہ تعالیٰ گناہ معاف کردیں گے۔ مقاتل کا قول ہے کہ صالحین کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے معاملات باپ کے ساتھ درست ہو جائیں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّیَّارَةِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ⑩ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ⑪

ترجمہ ان ہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو (اور) (اس کی صورت یہ ہے کہ) ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تاکہ ان کو کوئی راہ چلتا نکال لے جائے۔ اگر تم کو (یہ کام) کرنا ہے سب نے (مل کر باپ سے) کہا کہ ابا اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم ان کے (دل وجان) سے خیرخواہ ہیں۔

تفسیر ⑩ "قال قائل منهم لاتقتلوا یوسف" یہ قائل یہوذا تھا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روبیل تھا یہ سب بھائیوں میں بڑا اور اچھی رائے رکھنے والا تھا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ یہوذا تھا۔ اس نے قتل سے منع کیا اور کہا کہ قتل کبیرہ گناہ ہے۔ "والقوہ فی غیابت الجبّ ابوعلی جعفر اور نافع رحمہما اللہ نے غیابات الجب پڑھا ہے جمع کا صیغہ دونوں حرفوں میں اور باقی حضرات نے "غیابت الجب" واحد کا صیغہ۔ یعنی کنویں کے نیچے اور اس کی تاریکی میں اور "الغیابة" ہر وہ جگہ جو تجھ سے کسی چیز کو ڈھانپ لے اور غائب کردے اور الجب وہ کنواں جس کی منڈیر نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ ٹوٹا ہوا ہے اور منڈیر نہیں بنائی گئی۔ "یلتقطه" اس کو لے۔ "التقاط" کسی چیز کا ایسی جگہ سے لینا جس کا انسان کو وہم وگمان نہ ہو۔ "بعض السیارة" یعنی مسافروں میں سے کوئی اور اس کو کسی دوسری طرف لے جائیں تو تم اس سے راحت پا جاؤ۔

ان کنتم فاعلین "اگر تم نے اپنے فعل کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔ وہ اس وقت بالغ تو تھے لیکن ابھی تک نبوت نہیں ملی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ بالغ نہ تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ خود انہوں نے کہا ہے کہ "وتکونوا من بعده قوما صالحین" اور کہا "یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا" اور بچے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے بھائیوں کا فعل کئی جرائم پر مشتمل تھا۔ اس میں قطع رحمی، والدین کی نافرمانی، چھوٹے معصوم بچے پر رحم نہ کرنا، امانت میں خیانت، وعدہ توڑنا اور باپ سے جھوٹ بولنے جیسے جرائم داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے گناہ معاف کردیئے تاکہ کوئی بھی اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو اور بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھائی کے قتل کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان سے بچایا۔ اگر وہ ایسا کرلیتے تو سارے ہلاک ہو جاتے۔ یہ سارے کام ان سے نبوت ملنے سے پہلے صادر ہوئے۔ ابوعمرو بن علاء رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا "نلعب" حالانکہ وہ تو نبی تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کام ان کو نبوت ملنے سے پہلے کے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والد سے جدا کرنے کا مشورہ کرلیا تو اس بارے میں کوئی بہانہ تلاش کرنے لگے کہ کیسے جدا کیا جائے۔

⑪ "قالوا" یعقوب کو "یا ابانا مالک لا تامنّا علی یوسف" ابوجعفر نے "تامنّا" بغیر اشمام کے پڑھا ہے اور یہی نافع سے روایت ہے اور باقی حضرات نے پیش کا پہلے مدغم نون میں اشمام کیا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس کی اصل "لا تامننا" دونوں کے

ساتھ ہے۔ "تفعلنا" کے وزن پر تو پہلے نون کو دوسرے نون میں ادغام کیا گیا ہے اس کے انکار سے ابتداء کی ہے کہ یعقوب یوسف علیہما السلام کو ان کے ساتھ نہ بھیجیں گے۔ گویا کہ یوں کہا ہے آپ اس کو ہمارے ساتھ نہ بھیجیں گے، کیا آپ علیہ السلام کو ہم سے اس کے معاملہ میں کوئی ڈر ہے؟ وانّا له لناصحون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کیونکہ انہوں نے اپنے والد کو کہا تھا "ارسله معنا" تو ان کے والد نے کہا "انی لیحزننی ان تذهبوا به" تو اس وقت بیٹوں نے کہا "یا ابانا مالک لاتأمنّا علی یوسف وانا له لناصحون" النصح یہاں خیر خواہی کے ساتھ قائم ہونا اور بعض نے کہا ہے نیکی اور شفقت۔ ہم اس پر شفیق ہیں اس کی خیر خواہی کریں گے ہم اس کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ہم یوسف علیہ السلام کو آپ کے پاس لے آئینگے۔

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ⑫ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ⑬ قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ⑭ فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَـتُنَبِّئَنَّهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ⑮

ترجمہ آپ ان کو کل کے روز ہمارے ساتھ (جنگل کو) بھیجئے کہ ذرا وہ کھاویں کھیلیں اور ہم ان کی پوری محافظت رکھیں گے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ اس کو تم لے جاؤ اور (خوف یہ کہ) میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جاوے اور تم (اپنے مشاغل میں) اس سے بے خبر رہو وہ بولے کہ اگر ان کو بھیڑیا کھا جاوے اور ہم ایک جماعت کی جماعت (موجود) ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گزرے ہوئے سو جب ان کو لے گئے اور سب نے پختہ عزم کر لیا کہ ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ (ایک دن وہ ہوگا کہ) تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ تم کو پہچانیں گے بھی نہیں۔

تفسیر ⑫ "ارسله معنا غداً" صحراء کی طرف بھیج دیا "یرتع ویلعب" ابو عمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ نے دونوں میں نون کے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور "نرتع" میں عین کے جزم کے ساتھ اور یعقوب نے "نرتع" نون کے ساتھ اور "یلعب" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل کوفہ نے دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "یرتع" کی عین کو جزم دیا ہے یعنی یوسف علیہ السلام اور دیگر حضرات نے "نرتع" نون کے ساتھ اور "ویلعب" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "الرتع" پناہ گاہ میں وسعت دینا کہا جاتا ہے۔ "رتع فلان فی ماله" جب اپنے مال کو شہوات میں خرچ کرے۔ مراد یہ ہے کہ ہم کھائیں اور پئیں اور کھیل کود کریں اور اہل حجاز نے "یرتع" عین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ "یفتعل" کے وزن پر رعی سے ہے، پھر ابن کثیر رحمہ اللہ نے دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم پہرہ دیں اور ایک دوسرے کی حفاظت کریں اور ابو جعفر اور نافع نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے، یعنی جانور چریں جیسا کہ ہم کھاتے پیتے ہیں۔ وانا له لحافظون"

⑬"قال ان کو یعقوب علیہ السلام نے "انّی لیحزننی ان تذھبوا بہ" تمہارا اس کو لے جانا مجھے غمگین کردے گا اور الحزن یہاں محبوب کے فراق پر دل کی تکلیف۔و اخاف ان یاکله الذئب و انتم عنه غافلون" کیونکہ یعقوب نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بھیڑیے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا تو وہ اس سے ڈرتے تھے۔اسی وجہ سے کہا مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔

ابن کثیر، اسماعیل اور قالون رحمہما اللہ نے نافع، عاصم اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "الذّئب" ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح ابوعمرو نے پڑھا ہے "اذا لم یدرج" اور حمزہ نے جب وقف نہ کیا جائے اور کسائی اور ورش نے نافع سے اور ابوعمرو نے اور الدرج میں اور حمزہ نے وقف میں۔ "الذیب" ہمزہ کو چھوڑنے کے ساتھ کہ یہ اصل ہے اس لیے کہ یہ ان کے قول "تذئبت الرّیح" سے ہے جب ہر طرف سے آئے اور "الذّئب" کی جمع "اذؤبا و ذئابا" ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمزہ کو تخفیف کی غرض سے یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے اس کے سکون کی وجہ سے اور ماقبل کی زیر کی وجہ سے۔

⑭"قالوا لئن اکله الذّئب ونحن عصبة دس افراد ہیں "انّا اذاً لخاسرون" کمزور اور عاجز ہو جائیں گے۔

آزمائش یوسف

⑮"فلمّا ذھبوا به واجمعوا یعنی جب انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا۔ ان یجعلوه ان کو ڈال دو فی غیابة الجبّ و اوحینا الیه لتنبّئنّھم بامرھم ھذا وھم لایشعرون" ہم نے یوسف علیہ السلام کو وحی کی کہ ہم آپ کے خواب کو سچ کر دکھائیں گے اور آپ کے بھائیوں کو آپ ان کے فعل کی خبر دیں گے اور ان کو اللہ کی اس وحی کی خبر ہی نہ تھی۔مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کچھ عرصہ کے بعد نہیں پہچانیں گے۔جب ان کو خبر دی جائے گی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں یہ ایسا ہی ہوا کہ جب یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا لیکن ان بھائیوں نے ان کو نہیں پہچانا۔وہب اور ان کے علاوہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو انتہائی اکرام سے لیا اور ان کو اُٹھا کر لے گئے۔پھر جب جنگل میں گئے تو ان کو سواری سے نیچے پھینک دیا اور ان کو مارنے لگے۔جب ان کو ایک مارتا تو وہ مدد کے لیے دوسرے کے پاس بھاگتے وہ بھی ان کو مارتا۔

تو وہ سب مل کر ان کو مارتے رہے کسی کو رحم نہ آیا یہاں تک کہ وہ قتل کرنے لگے اور یوسف علیہ السلام رو رو کر یہ کہتے رہے کہ اے ابا جان! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا کر رہے ہیں تو یہوذا نے ان کو کہا کیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس کو قتل نہ کرو گے؟ تو وہ یوسف علیہ السلام کو کنویں کے پاس لے گئے تا کہ اس میں ڈال دیں۔اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر بارہ سال اور بعض نے کہا اٹھارہ سال تھی۔تو وہ راستہ سے ہٹ کر ایک ایسے کنویں پر آئے جس کا منہ تنگ اور نیچے سے وسیع تھا۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تین فرسخ دور تھا۔کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدین اور مصر کے درمیان تھا اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُردن کی زمین میں تھا۔قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بیت المقدس کا کنواں تھا وہ

لوگ یوسف علیہ السلام کو جب کنویں میں ڈالنے لگے تو آپ علیہ السلام کنویں کی منڈیر سے چمٹ گئے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے اور قمیص اُتار لی۔ تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اے بھائیو! میری قمیص تو واپس کر دو کہ میں جسم چھپا لوں، تو انہوں نے کہا سورج اور چاند اور ستاروں کو بلا کہ وہ تجھے چھپالیں اور ان کو کنویں میں ڈال دیا اور بعض نے کہا ہے کہ ڈول میں بٹھا کر نیچے اُتار دیا۔ جب آدھے کنویں تک پہنچے تو رسی چھوڑ دی تا کہ وہ چوٹ لگنے سے مر جائیں لیکن کنویں میں پانی تھا۔ یوسف علیہ السلام اس میں گر گئے پھر وہیں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور بعض نے کہا ہے کہ جب نیچے ڈال دیا تو یوسف علیہ السلام رونے لگے تو انہوں نے آواز دی یوسف علیہ السلام سمجھے کہ ان کو یوسف علیہ السلام پر رحم آ گیا ہے اس لئے آپ نے آواز دی اوپر سے، انہوں نے پتھر مار کر کچلنے کی کوشش کی تو یہوذا نے ان کو روک دیا اور یہوذا روزانہ ان کے پاس کھانا لاتا تھا۔ یوسف علیہ السلام اس کنویں میں تین رات رہے۔

"واوحینا الیه لتنبئنهم" اور اکثر حضرات کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی طرف اس کی وحی کی اور ان کی طرف جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا جو ان کا جی بہلائیں اور نکلنے کی خوشخبری دیں اور یہ خبر دیں کہ یوسف علیہ السلام ان کو ان کے فعل کی خبر دیں گے اور اس کی جزاء دیں گے اور ان کو شعور نہ ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا دیا۔

وَ جَآءُوْ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱

ترجمہ اور (ادھر) وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے کہنے لگے کہ ابا ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنی چیز بست کے پاس چھوڑ دیا بس (اتفاقاً) ایک بھیڑیا (آیا اور) ان کو کھا گیا اور آپ تو ہمارا کاہے کو یقین کرنے لگے گو ہم کیسے ہی سچے (کیوں نہ) ہوں اور یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنائی ہے سو (خیر) صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے۔

تفسیر ⑯ "وجاؤا اباهم عشاء یبکون" اہل معانی فرماتے ہیں کہ وہ لوگ رات کی تاریکی میں آئے تا کہ جھوٹے عذر پر زیادہ جرأت کر سکیں اور روایت کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے جب ان کی چیخ و پکار اور واویلا سنا تو گھر سے نکلے اور پوچھا اے میرے بیٹو! کیا بکریوں کا کوئی نقصان ہو گیا؟ انہوں نے کہا نہیں، کہا کہ پھر کیا تکلیف پہنچی ہے؟ اور یوسف علیہ السلام کہاں ہے؟

⑰ "قالوا یا ابانا انا ذهبنا نستبق" ہم تیراندازی کرنے لگ گئے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پیدل دوڑ لگائی

"وترکنا یوسف عند متاعنا ہمارے کپڑوں وغیرہ کے پاس ان کو چھوڑا فاکلہ الذئب وما انت بمؤمن لنا آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں "ولو کنّا" اگرچہ ہم ہیں "صادقین" اگر یہ اعتراض ہو کہ انہوں نے یعقوب علیہ السلام پر کیسے تہمت لگادی کہ آپ علیہ السلام سچے کی تصدیق نہ کریں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ اس معاملہ میں ہمیں متہم سمجھیں گے کیونکہ ابتداء میں ہی آپ کو ہم سے خوف اور آپ علیہ السلام اس کے حق میں ہم پر اعتماد نہ کر رہے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری تصدیق نہ کریں گے کیونکہ ہماری سچائی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ ہم اللہ کے ہاں سچے ہیں۔

⑱ "وجاؤا علٰی قمیصہ بدم کذب" جھوٹا خون اس لیے کہ وہ یوسف علیہ السلام کا خون نہ تھا۔

قمیص یوسف اور ام کذب

اور بعض نے کہا ہے ایسے خون کے ساتھ جس میں جھوٹ بولا گیا تو مصدر کو اسم کی جگہ رکھا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قمیص کو خون سے لت پت کر دیا تھا لیکن اس کو پھاڑا نہ تھا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ بھیڑیے نے یوسف علیہ السلام کو کیسے کھایا ہے کہ قمیص بالکل نہیں پھٹی تو ان کو متہم سمجھا۔ "قال بل سوّلت مزین کیا ہے لکم انفسکم امرا فصبر جمیل" معنی یہ ہے کہ میرا معاملہ صبر جمیل ہے یا مجھ پر صبر جمیل لازم ہے۔ "واللّٰہ المستعان علٰی ما تصفون" یعنی میں صبر پر اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں، صبر جمیل وہ صبر جس میں کوئی شکوہ اور واویلا نہ ہو۔ وہ لوگ ایک بھیڑیا بھی پکڑ لائے کہ اس نے یوسف علیہ السلام کو کھایا ہے تو یعقوب علیہ السلام نے پوچھا کہ اے بھیڑیے تو نے میرے بیٹے اور میرے دل کے ٹکڑے کو کھایا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت گویائی دی تو اس نے عرض کیا اللہ کی قسم! میں نے آپ علیہ السلام کے بیٹے کا چہرہ بھی کبھی نہیں دیکھا۔ یعقوب علیہ السلام نے پوچھا تو کنعان کی زمین میں کیا کرنے آیا ہوا ہے؟ اس نے کہا میں رشتہ داروں کے پاس آیا ہوا تھا، ان لوگوں نے مجھے شکار کر لیا الحاصل یوسف علیہ السلام کنویں میں تین دن رہے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲

ترجمہ: اور ایک قافلہ آ نکلا (جو مصر کو جاتا تھا) اور انہوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے واسطے (یہاں کنویں پر بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا کہنے لگا کہ ارے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا اور ان کو مال (تجارت) قرار دے کر چھپا لیا اور اللہ کو ان سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں

معجزہ یوسف... یوسف کی برکت سے کھارا پانی میٹھا ہو گیا

تفسیر ⑲ "وجاءت سیّارۃ" یہ مسافر لوگ تھے۔ یہ زمین میں سیر کرتے ہیں اس لیے ان کو سیارہ کہا گیا ہے۔ یہ مدین کے

لوگ تھے مصر جارہے تھے، راستہ بھول گئے اور اس کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا یہ کنواں آبادی سے دور تھا اس کا پانی کھارا تھا، جب یوسف علیہ السلام کو اس میں ڈالا گیا تو پانی میٹھا ہوگیا۔ ان لوگوں نے اپنا ایک آدمی جس کا نام مالک بن ذعر تھا پانی تلاش کرنے بھیجا۔ پس یہی مطلب ہے اللہ کے قول "فارسلوا واردھم" وارد وہ شخص جو اپنے ساتھیوں سے پانی پر پہلے پہنچے۔ اس نے رسیاں اور ڈول سنبھالے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن اپنی دادی سارہ سے وراثت میں ملا

"فادلٰی دلوہ" اس کو کنویں میں ڈال دیا تو یوسف علیہ السلام رسی کو چمٹ گئے جب مالک نے ڈول نکالا تو وہ بڑا خوبصورت لڑکا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ حسن یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی سارہ سے وراثت میں ملا تھا ان کو حسن کا چھٹا حصہ دیا گیا تھا اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ حسن کے دوثلث لے گئے۔ جب مالک بن ذعر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا "قال یا بُشریٰ اکثر حضرات نے الف اور یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور وجہ یہ ہے کہ بشری یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور یہ منادی مضاف ہے۔ اس کی جگہ نصب ہے اور کوفی حضرات نے "یا بشری" یاء اضافت کے بغیر پڑھا ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے راء کا امالہ کیا ہے اور عاصم نے اس کو زبر دی ہے اور اس کو یاء متکلم سے الگ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بشریٰ یہاں نکرہ ہے تو اس کو نکرہ کی طرح ندا کی ہے جیسے تیرا قول "یا راجلاً و یا راکباً" جب تو نے نداء کو عام بنادیا ہے تو اس کی جگہ نصب ہے تنوین کے ساتھ مگر فعلیٰ کے وزن میں تنوین کا راستہ نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بشری منادی ہو اور ادہ سے معرفہ بنا ہو۔

جیسے "**یا رجل نادی المستقی رجلا من اصحابه اسمه بشری فنکون بشری فی موضع رفع وقیل بشر المستقی اصحابه یقول ابشروا**" "**ھٰذا غلام**"

ابن مجاہد رحمہ اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ کنویں کی دیواریں جب یوسف علیہ السلام کو نکالا گیا تو رونے لگیں۔

"**واسرّوہ بضاعة**" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالک بن ذعر اور اس کے تاجر ساتھیوں نے یوسف علیہ السلام کو چھپالیا اور کہنے لگے کہ یہ پونجی ہے اس کو چھپالیا تاکہ دوسرے قافلہ والے ان سے شرکت کا مطالبہ نہ کریں اور بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کی اصلیت چھپالی اور کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا۔ "**واللّٰہ علیم بما یعملون**" پھر یہوذا یوسف علیہ السلام کے پاس کھانا لایا لیکن آپ علیہ السلام کنویں میں نہ تھے تو اس نے دوسرے بھائیوں کو بتایا سب نے مل کر تلاش کیا تو مالک اور اس کے ساتھیوں تک پہنچ گئے، ان کے پاس یوسف علیہ السلام تھے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ ۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ⑳ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ㉑

ترجمہ اور (بھائیوں نے) ان کو بہت ہی کم قیمت کو بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض اور وہ لوگ کچھ ان کے قدر دان تو تھے ہی نہیں اور جس شخص نے مصر میں ان کو خریدا تھا (یعنی عزیز مصر) اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو خاطر سے رکھنا کیا عجب ہے کہ (بڑا ہو کر) ہمارے کام آوے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور ہم نے اسی طرح یوسف (علیہ السلام) کو اس سرزمین (مصر) میں خوب قوت دی (مراد اس سے سلطنت ہے) اور تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے (چاہے ہوئے) کام پر غالب (اور قادر) ہے (جو چاہے کرے) لیکن اکثر آدمی (اس بات کو) جانتے نہیں۔

تفسیر تو ان کو کہا کہ یہ ہمارا بھگوڑا غلام ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دھمکیاں دیں تو انہوں نے بھی یہی بات کہی، پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔ پس یہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

خریدار یوسف اور ان کے سکے

⑳ "وشروہ" یعنی انہوں نے بیچ دیا۔ "بثمن بخس" ضحاک، مقاتل اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بمعنی حرام ہے اس لیے کہ آزاد کی قیمت حرام ہے اور حرام نام بخس رکھا گیا ہے اس لیے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بخس بمعنی کھوٹے۔ اور عکرمہ اور شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی قیمت کے بدلے۔ "دراھم" یہ ثمن سے بدل ہے۔ "معدودۃ" یہاں عدد کا ذکر عبارت ہے ان کے کم ہونے سے اور بعض نے کہا ہے کہ "معدودۃ" اس وجہ سے کہا ہے کہ اس زمانے میں وہ لوگ چالیس درہم سے کم کا وزن نہ کرتے تھے ان کو گنتے تھے جب ایک اوقیہ ہو جاتے تو وزن کرتے۔ ان دراہم کے عدد میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیس درہم تھے ان سب کو دو دو درہم آئے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بارہ درہم تھے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چالیس درہم تھے۔ "وکانوا" یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی "فیہ" یوسف علیہ السلام کے بارے میں "من الزاھدین" اس لیے کہ ان کو یوسف علیہ السلام کا عنداللہ مرتبہ معلوم نہ تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ثمن سے بے رغبت تھے کیونکہ ان کا مقصد قیمت حاصل کرنا نہ تھا ان کا مقصد تو یوسف علیہ السلام کو ان کے والد سے دور کرنا تھا۔

پھر مالک بن ذعر اور اس کے ساتھی چلے گئے ان کے پیچھے یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی گئے اور کہنے لگے کہ اس کو مضبوط باندھ دو، یہ بھاگ نہ جائے تو وہ لوگ یوسف علیہ السلام کو مصر لے گئے، وہاں مالک نے یوسف علیہ السلام کو بیچنے کے لیے پیش کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ان کو قطفیر نے خریدا۔ یہ مصر کے خزانوں کا نگران اور بادشاہ کا معتمد تھا، اس کو عزیز کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں مصر اور اس کے اطراف کا بادشاہ قوم عمالقہ کا شخص ریان بن ولید بن شروان تھا اور کہا گیا ہے کہ یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور یوسف علیہ السلام کی اتباع کی تھی۔ پھر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مرگیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تو قطفیر کی مالک سے ملاقات ہوئی تو اس نے یوسف علیہ السلام کو بیس

دینار ایک جوڑی جوتوں کی اور دو سفید کپڑوں کے عوض خرید لیا۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مسافر مصر آئے تو بازار میں یوسف علیہ السلام کو بیچنے کے لیے پیش کیا تو اتنی بولی لگی کہ آپ علیہ السلام کی قیمت آپ علیہ السلام کے وزن سونا اور چاندی اور کستوری اور ریشم بنی۔ اس وقت یوسف علیہ السلام کا وزن چار سو رطل تھا اور عمر تیرہ سال تھی تو قطفیر نے مالک بن ذعر سے اس قیمت پر یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

مصر میں یوسف کے خریدار

㉑ "وقال الّذی اشتراہ من مصر لامرأتہ" اس کا نام راعیل تھا اور بعض نے کہا کہ زلیخا تھا۔ "اکرمی مثواہ" یعنی ان کا کھانا پینا، پہننا، رہائش وغیرہ اور بعض نے کہا ہے کھانے، پہننے، رہائش میں اس کا اکرام کر، اور قتادہ اور ابن جریج رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے رہنے کی جگہ میں ان کا اکرام کرو۔ "عسٰی ان ینفعنا" ہم اس کو نفع کے ساتھ بیچ دیں۔ اگر بیچنے کا ارادہ ہو یا جب ہمارے کچھ کام کرلیں۔ "او نتّخذہ ولدا" یعنی ہم اس کو متبنیٰ بنالیں۔

تین اشخاص بڑے فہم وفراست

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین لوگ بڑے فراست والے تھے۔ ایک عزیز جس نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا "اکرمی مثواہ عسٰی ان ینفعنا" اور شعیب علیہ السلام کی بیٹی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد کو "یا ابت استاجرہ" کہا۔

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے فراست والے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ "وکذلک مکنّا لیوسف فی الارض" یعنی مصر کی زمین میں۔ جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو قتل سے نجات دی اور کنویں سے نکالا اسی طرح ہم نے ان کو زمین مصر میں قدرت دی اور ان کو اس کے خزانوں کا نگران بنایا۔ "ولنعلّمہ من تاویل الاحادیث" یعنی ہم نے ان کو زمین میں قدرت دی تھی تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر بتائیں۔ "واللہ غالب علٰی امرہ" بعض نے کہا ہے ھاء اس کے امر میں اللہ تعالیٰ سے کنایہ ہے۔ فرماتے ہیں بے شک اللہ اپنے امر پر غالب ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کوئی چیز غالب نہیں ہے اور اس پر کسی رد کرنے والے کا حکم رد نہ کیا جائے اور بعض نے کہا ہے یہ یوسف علیہ السلام کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اس کا معنی بے شک اللہ یوسف علیہ السلام کے امر پر غالب ہے تدبیر کے ساتھ اس کو کسی کے سپرد نہ کرے گا یہاں تک کہ اس کو ان کے علم کی انتہاء تک پہنچادے۔ "ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون" کہ اللہ کیا کرنے والے ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ㉒ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉓

ترجمہ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور جس عورت کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) رہتے تھے وہ (ان پر مفتون ہوگئی اور) ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کو ان کو پھسلانے لگی اور (گھر کے) سارے دروازے بند کردیئے اور (ان سے) کہنے لگی کہ آ جاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔ یوسفؑ نے کہا اللہ بچائے وہ (یعنی تیرا شوہر) میرا مربی (اور محسن) ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

بلغ اشدہ کی تفسیر

تفسیر ㉒ "ولمّا بلغ اشُدّہ" اپنی جوانی کی انتہا اور قوت کو جب پہنچ گئے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تینتیس سال کی عمر ہوتی ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیس سال اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیس سال اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ سے تیس سال تک۔ اور مالک سے (اشدہ) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا بالغ ہونا۔ "آتیناہ حُکما وّ علمًا" حکم سے مراد نبوت اور علم سے فقہ فی الدین اور بعض نے کہا حکما یعنی قول کی درستگی اور علم یعنی خواب کی تعبیر اور بعض نے کہا ہے کہ عالم اور حکیم میں فرق یہ ہے کہ عالم وہ ہے جو اشیاء کو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو اپنے علم کے مقتضاء پر عمل کرتا ہو۔ "وکذالک نجزی المحسنین" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مؤمنین کو اور انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں کو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو جیسے یوسف علیہ السلام نے صبر کیا۔

㉓ "وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ" یعنی عزیز کی بیوی نے اور مراودہ فعل کو طلب کرنا اور یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا تا کہ وہ اس سے جماع کریں۔ "وغلّقت الابواب" یعنی ان کو بند کردیا۔ سات دروازے تھے۔

ہیت کی مختلف قراتیں

"وقالت ھیت لک" یعنی آ اور متوجہ ہو۔ اہل کوفہ اور بصرہ نے "ھَیْتَ لک" ھاء اور تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل مدینہ اور اہل شام نے "ھیت" ھاء کی زیر اور تاء کے زبر کے ساتھ اور ابن کثیر نے "ھیت" ھاء کے زبر اور تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس کلمہ میں تین لغتیں ہیں۔ "ھیتَ وھِیتَ و ھَیْتُ" اور سارے ھلم یعنی ادھر آ۔ کے معنی میں ہیں اور سلمٰی اور قتادہ رحمہما اللہ نے "ھِئتَ لک" ھاء کی زیر اور تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ مہموز جئت کی مثال پر۔ یعنی میں آپ کے لیے تیار ہوا اور ابو عمرو اور کسائی رحمہما اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور ان دونوں نے کہا ہے کہ یہ عرب سے منقول نہیں ہے اور پہلا عرب کے ہاں مشہور ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ھیت لک" پڑھایا تھا۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسائی کہتے تھے یہ اہل حوران کی لغت ہے جو حجاز میں واقع ہوئی ہے اس کا معنی ہے ادھر آ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ

بھی حورانیہ میں ھلم ہے۔ مجاہد اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ عربی لغت ہے یہ کلمہ کسی کام پر اُبھارنے اور کسی چیز پر متوجہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب "ھیت" کو تثنیہ اور جمع نہیں پڑھتے اور مؤنث پڑھتے ہیں اور یہ ہر حال میں واحد کی صورت میں ہے۔ "قال" یوسف علیہ السلام نے اس کو اس وقت کہا "معاذ اللّٰہ" یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور اللہ سے حفاظت مانگتا ہوں اس کام سے جس کی طرف تو مجھے بلا رہی ہے "انّہ ربّی" یعنی تیرا خاوند قطفیر میرا سید ہے۔

احسن مثوی کی دو تفسیریں

"احسن مثوای" میرا ٹھکانہ اچھا کیا۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ھاء اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے میرا ٹھکانہ اچھا کیا ہے، یعنی مجھے ٹھکانہ دیا اور کنویں کی مصیبتوں سے مجھے عافیت دی۔ "انّہ لا یفلح الظالمون" یعنی اگر میں نے یہ کام کیا اور اس کے گھر والوں میں خیانت کی اس کے اچھا ٹھکانہ دینے کے بعد تو میں ظالم ہوں گا اور ظالم فلاح نہیں پاتے اور بعض نے کہا کہ ظالم سے زانی مراد ہیں یعنی زانی نیک بخت نہیں ہوتے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰبُرْهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ㉔

ترجمہ اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال (عزم کے درجہ میں) جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا (مگر) ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی تفسیر

تفسیر ㉔ "ولقد همّت به وهمّ بها"...... "ھمّ" بمعنی فعل کے قریب ہونا لیکن اس میں داخل نہ ہونا۔ پس اس عورت کا "ھمّ" اس کا معصیت اور زنا کا پختہ ارادہ تھا اور بہرحال یوسف علیہ السلام کا "ھمّ" تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنا کمر بند کھول لیا تھا اور خائن کی جگہ بیٹھ چکے تھے اور مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اپنی شلوار کھول لی تھی اور کپڑے اُتارنے لگے تھے اور یہ اکثر متقدمین مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے جیسے سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حسن اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان ان دونوں کے درمیان جاری ہو چکا تھا۔ پس اس نے ایک ہاتھ یوسف علیہ السلام کی گردن پر اور دوسرا ہاتھ اس عورت کی گردن پر مار کر ان دونوں کو جمع کر دیا۔ ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک قوم نے اس قول کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے حال کے مناسب نہیں ہے اور قول وہی جو اس اُمت کے متقدمین نے کہا ہے اور وہ زیادہ جاننے والے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہیں اور سدی اور اسحٰق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ

جب عزیز کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کا ارادہ کیا تو ان کی خوبیاں بیان کرنے لگی اور اپنی طرف شوق دلانے لگی۔ پس کہنے لگی اے یوسف! آپ کے بال کتنے اچھے ہیں تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرے جسم سے سب سے پہلے جھڑیں گے تو وہ کہنے لگی کہ آپ کی آنکھیں کتنی اچھی ہیں، یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ میری قبر میں یہ سب سے پہلے میرے چہرے پر بہیں گی۔ کہنے لگی آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے، یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ مٹی کے لیے ہے وہ اس کو کھائے گی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس نے کہا کہ ریشم کا بستر بچھا ہوا ہے پس آپ اس پر لیٹ کر اپنی ضرورت پوری کرلیں۔ یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ تب تو میرا جنت کا حصہ چلا جائے گا تو وہ ان کو لالچ دلاتی رہی اور یوسف علیہ السلام بھرپور نوجوان تھے۔ آپ کے بھی وہی جذبات تھے جو ایک نوجوان کے ہوسکتے ہیں اور وہ بڑی خوبصورت عورت تھی حتیٰ کہ یوسف علیہ السلام بھی تھوڑے نرم ہونے لگے اور ارادہ کرنے ہی لگے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی کی اس برھان سے دستگیری کی جس کا قرآن میں تذکرہ ہے اور بعض متاخرین کا گمان ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حال کے مناسب نہیں ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ کلام "**ولقد همّت به**" پر مکمل ہوچکی ہے۔ پھر یوسف علیہ السلام کی خبر دینے کے لیے نئی کلام لائے اور فرمایا "**وهمّ بها لولا ان رّای برهان ربّه**" اس میں بھی تقدیم وتاخیر ہے۔

یعنی "**لولا ان رّای برهان ربّه لهمّ بها**" لیکن انہوں نے برھان دیکھ لی اس لیے ارادہ نہیں کیا اور نحویوں نے متاخرین کی اس توجیہ کا انکار کیا ہے کہ عرب "**لَوْلَا**" کو فعل سے مؤخر نہیں کرتے اس لیے جس شخص کا ارادہ یہ کہنے کا ہو "**لَوْلَا زيد لَقمتُ**" تو وہ یہ نہیں کہتا "**لقد قمت لولا زيد**" اور بعض نے کہا ہے کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ ارادہ کیا کہ وہ اس کو بچھونا بنالیں اور یوسف علیہ السلام نے اس کا ارادہ کیا یعنی یہ تمنا کی کہ وہ ان کی بیوی ہوتی اور یہ تاویل اور اس کی مثل دیگر تاویلات پسندیدہ نہیں ہیں کیونکہ یہ ان متقدمین علماء کے اقوال کے خلاف ہیں جن سے علم اور دین حاصل کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا یہ صغائر میں سے ہے اور صغائر انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب قید سے نکل کر بادشاہ پر داخل ہوئے اور عورت نے بھی اقرار کرلیا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ "**ذلک ليعلم انّی لم اخنه بالغيب**" تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کو کہا کہ اس وقت بھی خیانت نہ کی تھی جب آپ نے اس عورت کا ارادہ کرلیا تھا اے یوسف علیہ السلام؟

تو یوسف علیہ السلام نے اس وقت کہا "**وما ابرّئ نفسی**" الآیۃ۔ اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذنوب قرآن مجید میں ان کو عار دلانے کے لیے نہیں بیان کیے بلکہ ان کو اس لیے ذکر کیا ان پر اپنی نعمت کے مواقع کو بیان کردیں اور تاکہ کوئی شخص بھی اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ذنوب (خلاف اولیٰ کاموں) میں مبتلا کیا تاکہ وہ تنہا طہارت اور عزت والا رہے اور قیامت کے دن تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کو معصیت کی وجہ سے انکساری کے ساتھ ملے اور بعض نے کہا ہے کہ تاکہ ان کو اہل ذنوب کا مقتداء بنادے کہ وہ بھی رحمت کی اُمید رکھیں اور

مغفرت اور معافی سے نا اُمیدی چھوڑ دیں اور بعض اہل حقائق رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ "ھمّ" دو قسم کے ہیں۔ (۱) "ھمّ" جو ثابت ہو اور وہ جب اس کے ساتھ پختہ ارادہ اور رضامندی ہو جیسے عزیز کی بیوی کا "ھمّ" اور اس "ھمّ" پر بندہ سے مواخذہ ہوگا اور دوسرا "ھمّ" عارض۔ اور یہ خطرہ اور دل میں خیال آنا ہے جس میں نہ اختیار ہوتا ہے اور نہ پختہ ارادہ۔ جیسے یوسف علیہ السلام کا "ھمّ" اور بندہ سے اس "ھمّ" پر مواخذہ نہ ہوگا جب تک اس کا تکلم نہ کرلیں یا اس کے مطابق عمل نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں نیکی کروں گا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں جب تک عمل نہ کرے پھر جب وہ اس کو کر لیتا ہے تو میں اس کے لیے اس کی نیکی کی دس مثل لکھتا ہوں اور جب دل میں خیال کرتا ہے کہ کوئی برائی کا کام کرے گا تو میں اس کو بخشتا جب تک وہ اس کام کو کر نہ لے۔ پھر جب وہ کام کر لیتا ہے تو میں اس کے لیے اس کی مثل گناہ لکھ لیتا ہوں۔

برہان سے کیا مراد ہے؟

"لولا انّ رّأی برھان ربّہ" اس برحان میں اختلاف ہے۔

❶ قتادہ اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھ لی تھی۔ وہ آپ علیہ السلام کو کہہ رہے تھے اے یوسف علیہ السلام تو بیوقوفوں والا کام کر رہا ہے حالانکہ تیرا نام انبیاء علیہم السلام میں لکھا ہوا ہے۔

❷ حسن، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے لیے گھر کی چھت پھٹ گئی تو یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی انگلی کو دانتوں میں دبایا ہوا ہے۔

❸ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے یعقوب علیہ السلام کی شکل بنا دی گئی تو آپ علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مارا تو شہوت آپ علیہ السلام کی انگلیوں کے پوروں سے نکل گئی۔

❹ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو غیبی آواز آئی یوسف تو جب تک اس پر نہیں پڑا۔ تیری حالت اس پرندے کی طرح ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہو اور اس کو کوئی پکڑ نہ سکتا ہو اور جب تو اس میں پڑ جائے گا تو تیری حالت اس پرندے کی طرح ہو جائے گی جو مر کر زمین پر گر گیا ہو کہ کسی چیز کو دفع نہ کر سکتا ہو۔ قبل از وقوع تیری حالت اس سرکش بیل کی طرح ہے جو کسی کے قابو میں نہ آسکتا ہو اور وقوع کے بعد تیری حالت اس بیل کی طرح ہو جائے گی جو مردہ پڑا ہو اور اس کی سینگوں کی جڑوں میں چیونٹیاں گھس رہی ہیں اور وہ کسی کو دفع نہ کر سکتا ہو۔

❺ مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وھمّ بھا" کی تفسیر میں کہ آپ علیہ السلام نے شلوار کھول لی اور اس جگہ بیٹھ گئے جہاں ایک آدمی عورت کے لیے بیٹھتا ہے تو اچانک ایک ہتھیلی بغیر بازو اور جوڑ کے ظاہر ہوئی اس پر لکھا ہوا تھا "وان علیکم لحافظین کرامًا کاتبین یعلمون ماتفعلون" تو آپ علیہ السلام خوف سے

کھڑے ہوگئے اور وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر جب ان دونوں سے رعب ختم ہوگیا تو دونوں دوبارہ لوٹے تو پھر وہ ہتھیلی ظاہر ہوئی جس پر لکھا ہوا تھا کہ "ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا" تو گھبرا کر کھڑے ہوگئے اور وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر جب دونوں سے رعب جاتا رہا تو دوبارہ لوٹے تو وہی ہاتھ ظاہر ہوا، اس پر لکھا ہوا دیکھا "واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله" تو گھبرا کر کھڑے ہوگئے وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر جب دونوں سے رعب جاتا رہا تو دونوں لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ میرے بندے کو گناہ میں پڑنے سے پہلے پکڑلو تو جبرئیل علیہ السلام اپنی انگلی کو دانتوں میں دبائے ہوئے نیچے اُترے اور کہنے لگے اے یوسف علیہ السلام آپ بیوقوفوں والا عمل کر رہے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام کا نام انبیاء میں لکھا ہوا ہے۔

⑥ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بدن سے لگادیا جس کی وجہ سے سارا جوش انگلیوں کے پوروں سے نکل گیا۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ارادہ کیا اور چھت کی طرف سر اٹھایا تو کسی دیوار پر لکھا ہوا دیکھا۔ لاتقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلاً۔

⑦ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول "برہان رب" کے متعلق نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرشتے کی صورت دیکھ لی تھی۔

⑧ جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ برہان سے مراد وہ نبوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں ودیعت رکھی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے اور ان کے درمیان حائل ہوگئی۔

⑨ اور علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کمرہ میں بت تھا، اس عورت نے اس کو کپڑے سے ڈھانپ دیا تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا تو نے یہ کیوں کیا؟ اس نے کہا مجھے اس سے حیاء آتی ہے کہ یہ مجھے کسی گناہ میں دیکھے۔ تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو اس سے حیاء کرتی ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ سمجھتا ہے؟ تو میں تو زیادہ حق دار ہوں کہ میں اپنے رب سے حیاء کروں اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ "لولا ان رّای برھان ربّه" ...... "لَوْلَا" کا جواب محذوف ہے یعنی اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو معصیت میں واقع ہوجاتے۔

سوء اور فحشاء کی تفسیر

"کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء"

"السوء" گناہ اور بعض نے کہا ہے "السوء" برا کام اور "الفحشاء" بمعنی زنا ہے۔ "انّه من عبادنا المخلصلین" اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے "المخلصین" لام کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو جب اس کے بعد "الذِین" کا لفظ نہ ہو۔ کوفیوں نے "مخلصا" سورۃ مریم علیہا السلام میں زیادہ کیا ہے۔

پس انہوں نے فتحہ دیا ہے اور "المخلصین" کا معنی نبوت کے لیے چنے ہوئے۔ اس کی دلیل "انا اخلصنا بخالصة ذکری

الدّار" اور دیگر حضرات نے لام کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی طاعت اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے والے ہیں۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف کو دوڑے اور اس عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں نے (اتفاقاً) اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا عورت بولی کہ جو شخص تیری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا بجز اس کے اور کیا (ہوسکتی) ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جاوے یا اور کوئی دردناک سزا ہو یوسف (علیہ السلام) نے کہا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے مجھ کو پھسلاتی تھی اور (اس موقعہ پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی کہ ان کا کرتہ (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور یہ جھوٹے۔

تفسیر ﴿۲۵﴾ "واستبقا الباب" جب یوسف علیہ السلام نے اپنے رب کی دلیل دیکھی تو دروازے کی طرف دوڑے اور وہ عورت بھی آپ علیہ السلام کو پکڑنے کے لیے پیچھے بھاگی تاکہ یوسف علیہ السلام باہر نہ نکل سکیں۔ تو یوسف علیہ السلام آگے بڑھے اور عورت نے آپ علیہ السلام کو پکڑ لیا اور پیچھے سے ان کی قمیص کو چمٹ گئی تو زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچا تاکہ وہ باہر نہ نکل سکیں۔ "**وقدت قمیصه من دبر والفیا سیدها لدی الباب**" یعنی اس عورت کا خاوند قطفیر دروازے کے پاس راعیل کے چچا کے لڑکے کے ساتھ بیٹھا تھا تو اس کو دیکھ کر ڈر گئی اور "**قالت**" اپنے خاوند کو جلدی سے کہتے ہوئے "**ما جزاء من اراد باھلک سُوا**" سوء سے مراد زنا۔ پھر اس کو ڈر ہوا کہ کہیں یوسف علیہ السلام کو قتل ہی نہ کردے تو کہنے لگی "**الّا ان یُسجن**" قید کیا جائے "**او عذاب الیم**" کوڑوں کی مار جب یوسف علیہ السلام نے اس کی یہ بات سنی تو فرمایا۔

﴿۲۶﴾ "**قال ھی راودتنی عن نفسی**" مجھ سے بے حیائی کو طلب کیا تو میں نے انکار کردیا اور بھاگ گیا اور بعض نے کہا ہے یوسف علیہ السلام یہ بات کرنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے جب اس عورت نے کہا "**ما جزاء من اراد باھلک سوء**" تو یوسف علیہ السلام نے اس کو ذکر کیا اور کہا "**ھی راودتنی عن نفسی**" **وشھد شاھد** فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا **من اھلھا**" اس شاہد میں اختلاف ہے۔

شاہد یوسف اور پنگھوڑے میں بات کرنے والے چار بچے

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پنگھوڑے میں ایک بچہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت گویائی دی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ماں کی گود میں چار بچوں نے کلام کی ہے فرعون کی بیٹی کو کنگھی دینے والی کے بچہ نے اور یوسف علیہ السلام کے شاہد نے اور جریج کے صاحب نے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ شیر خوارگی میں بولنے والے گیارہ بچے ہوئے جن کو میں نے ان اشعار میں جمع کردیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی محمد ویحییٰ وعیسیٰ والخلیل ومریم
ومبری جریج ثم شاهد یوسف وطفل لذی الاخد وبردیه مسلم
وطفل علیه مبریا لامه التی یقال لها تزنی ولاتتکلم
وما شطة فی عهد فرعون طفلها وفی زمن الهادی المبارک یختم

بعض نے کہا ہے کہ یہ بچہ اس عورت کے ماموں کا بیٹا تھا۔

اور حسن اور عکرمہ، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی بچہ نہ تھا بلکہ یہ بڑا دانا مرد تھا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ راعیل کے چچا کا بیٹا تھا اس نے یہ فیصلہ کیا۔ ''ان کان قمیصه قدّ من قبل اگر یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے .فصدقت وهو من الکاذبین''

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَا قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو (عادۃً یقینی ہے کہ) عورت جھوٹی اور یہ سچے سو جب (عزیز نے) ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا (عورت سے) کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بیشک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں اے یوسف اس بات کو جانے دو (اس کا چرچا مت کیجیو) اور (عورت سے کہا کہ) تو (یوسف سے) اپنے قصور کی معافی مانگ۔ بیشک سرتاسر تو ہی قصوروار ہے اور چند عورتوں نے جو کہ شہر میں رہتی تھیں یہ بات کہی کہ عزیز کی بی بی اپنے غلام کو اس سے اپنا (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے واسطے پھسلاتی ہے اس کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے ہم تو اس کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔

تفسیر ㉗ '' وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ''

㉘ ''فلمّا رای قطفیر نے ''قمیصه قدّ من دبر'' اپنی بیوی کی خیانت اور یوسف کی براءت کو پہچان گیا تو قال انه من کید کنّ انّ کید کنّ عظیم''، بعض نے کہا ہے کہ یہ اس شاہد کا قول ہے۔ پھر قطفیر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔

㉙ ''یوسف'' اے یوسف! (علیہ السلام) ''اعرض عن هذا'' یعنی اس بات کو بھول جاؤ۔ اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا کہیں بات پھیل نہ جائے۔ اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس کی پرواہ نہ کریں آپ کا عذر اور پاک دامنی ظاہر

ہوگئی ہے۔ پھر اپنی بیوی کو کہا "واستغفری لذنبک" اللہ کی طرف توبہ کر "انک کنت من الخاطئین" گناہ گاروں میں سے اور بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام اور راعیل کو یہ بات اس شاہد نے کہی تھی اور "استغفری لذنبک" سے اس کی مراد یہ تھی کہ اپنے خاوند سے سوال کر کہ وہ تجھے سزا نہ دے اور تجھ سے درگزر کرے۔

"انک کنت من الخاطئین" گناہ گاروں میں سے ہے۔ یہاں تک کہ تو نے نوجوان کو پھسلایا اور اپنے خاوند سے خیانت کی۔ جب وہ بچ گیا تو تو نے اس پر جھوٹ بولا اور "من الخاطئین" کہا ہے "من الخاطئات" نہیں کہا۔ اس لیے کہ عورتوں کے بارے میں خبر دینا مقصود نہیں تھا بلکہ ایسا کام کرنے والوں کی خبر دینا مقصود تھا۔ اصل عبارت "من القوم الخاطئین" ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "و کانت من القانتین" کی طرح۔ اس کا بیان اللہ تعالیٰ کا قول "انها کانت من قوم کافرین" ہے۔

یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا مصر میں چرچا

㉚ "وقال نسوة فی المدینة" یوسف علیہ السلام اور اس عورت کا واقعہ شہر مصر میں پھیل گیا اور عورتوں میں باتیں ہونے لگیں۔ یہ کل پانچ عورتیں تھیں۔ بادشاہ کے دربان کی بیوی اور جانوروں کے رکھوالے کی بیوی، نان بائی کی بیوی، شراب پلانے والی کی بیوی اور قید کے داروغہ کی بیوی۔ یہ بات مقاتل رحمہ اللہ نے کہی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مصر کے معزز لوگوں کی بیویاں تھیں۔ "امرأة العزیز تراود فتاها" امراۃ عزیز مصر اپنے کنعانی غلام کو پھسلانے لگی "عن نفسه" اس سے زنا کا مطالبہ کرتی ہے۔ "قد شغفها حُبًّا" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی محبت نے اس کے دل پر پردہ ڈال دیا ہے کہ اس کے سوا کو نہیں سمجھ سکتی۔

اور بعض نے کہا زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے محبت کی یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کی محبت زلیخا کے دل کے اندر داخل ہوگئی۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الشغاف دل پر نرم جلد ہے۔ کہتے ہیں محبت جلد میں داخل ہوگئی یہاں تک کہ دل تک پہنچ گئی اور شعبی اور اعرج نے "شعفها" عین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی اس کی محبت ہر جگہ چلی گئی اور اسی سے شعف الجبال پہاڑ کی چوٹیوں کو کہتے ہیں۔

"انّا لنراها فی ضلال مبین" یعنی ظاہر خطاء پر اور بعض نے کہا ہے کہ اس نے وہ عفت اور پردہ چھوڑ دیا ہے جو اس جیسی عورت کا ہونا چاہیے تھا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ㉛

ترجمہ: سو جب اس عورت نے ان عورتوں کی بدگوئی (کی خبر) سنی تو کسی کے ہاتھ ان کو بلا بھیجا (کہ تمہاری دعوت ہے) اور ان کے واسطے مسند تکیہ لگایا اور ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چاقو (بھی) دیدیا اور کہا کہ ذرا ان کے سامنے تو آ جاؤ سو عورتوں نے جوان کو دیکھا تو (ان کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور (اس حیرت

میں) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاش للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

تفسیر ⑳ "فلمّا سمعت" زلیخا "بمکرھن" ان کی باتیں۔ یہ بات قتادہ اور سدی رحمہما اللہ نے کہی ہے اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے مکر کرتے ہوئے کہی تھی کیونکہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی شہرت ان تک پہنچ چکی تھی۔ "ارسلت الیھنّ" وھب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک دسترخوان سجایا اور چالیس عورتوں کو دعوت دی، ان میں یہ عار دلانے والیاں بھی تھیں۔ "واعتدت لھنّ متکأ" یعنی جس پر وہ سہارا لے سکیں۔

ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "متکأ" بمعنی کھانا۔ اس کھانے کو "متکأ" کا نام اس وجہ سے دیا ہے کہ کھانے والوں کی عادت یہ ہے کہ جب بیٹھتے ہیں تو تکیوں پر سہارا لگاتے ہیں تو طعام کا نام "متکأ" رکھ دیا استعارۃً۔ کہا جاتا ہے "اتّکانا عند فلان" یعنی ہم نے فلاں کے پاس کھانا کھایا۔ اور کہا جاتا ہے "المتکأ" تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لیموں ہے اور مجاہد رحمہ اللہ سے اسی کی مثل روایت کیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حبشہ کی زبان میں لیموں کو کہتے ہیں اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو چھری سے کاٹی جائے اور ابوزید انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو چھری سے کاٹی جائے وہ عرب کے نزدیک متکأ ہے۔ بہرحال اس نے دسترخوان کو انواع واقسام کے پھلوں اور کھانوں سے سجایا اور تکیے رکھوا دیئے۔ "وآتت کلّ واحدۃٍ منھنّ سکّینا" ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی۔ کیونکہ اس وقت چھری سے گوشت کھاٹ کر کھاتے تھے۔ "وقالت اخرج علیھنّ" کیونکہ اس نے یوسف علیہ السلام کو دوسری جگہ بٹھایا ہوا تھا تو یوسف علیہ السلام ان پر نکلے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی حسن میں تمام لوگوں پر ایسے فضیلت تھی جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس رات دیکھا جس رات مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا یوسف علیہ السلام کو چودھویں رات کے چاند کی طرح۔ اسحٰق بن ابی فروۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو ان کے چہرے کی چمک دیواروں پر پڑتی۔ "فلمّا رأینہ اکبرنہ" اس کو عظیم جانا۔

ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مبہوت ہوگئیں اور بعض نے کہا ہے "اکبرنہ" یوسف علیہ السلام کی خوبصورتی کی وجہ سے ان کے لیے حیض آ گیا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ "وقطّعن ایدیھنّ" اور ان کو خیال تھا کہ وہ لیموں کاٹ رہی ہیں اور یوسف علیہ السلام پر ان کے دل ایسے مشغول ہوئے کہ تکلیف ہی محسوس نہ ہوئی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ کر جدا کر دیا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کاٹنا بغیر جدا کرنے کے تھا اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک جماعت مرگئی۔

"وقُلنَ حاش للّٰہِ ماھٰذا بشراً" یعنی اللہ کی پناہ کہ یہ انسان ہو۔ حاشاء اللہ دو حرفوں کے درمیان الف کو ثابت رکھنے کے ساتھ۔ ان دونوں کو ابوعمرو نے وصل کی صورت میں اصل پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں حرفوں میں الف کو حذف کر کے

کیونکہ زبان پر اکثر جاری ہوتا ہے۔ وقول "ما ھٰذا بشرا" حرفِ صفت کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی "بشر" "ان ھٰذا" یعنی نہیں ہے یہ "الّا ملک" فرشتوں میں سے "کریم" اللہ پر۔

قَالَتۡ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىۡ لُمۡتُنَّنِىۡ فِيۡهِ ؕ وَلَقَدۡ رَاوَدْتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ وَلَئِنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسۡجَنَنَّ وَلَيَكُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ‌ ۚ وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّىۡ كَيۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ وَاَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ كَيۡدَهُنَّ‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰيٰتِ لَيَسۡجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۳۵﴾

ترجمہ وہ عورت بولی تو (دیکھ لو) وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھ کو برا بھلا کہتی تھیں (کہ اپنے غلام کو چاہتی ہے) اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور اگر آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا (جیسا اب تک نہیں کیا) تو بیشک جیل خانہ بھیجا جاوے گا اور بے عزت بھی ہوگا یوسف (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان عورتوں کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی (صلاح کی) طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا سو ان کی دعا ان کے رب نے قبول کی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے پھر مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو (یعنی عزیز اور اس کے متعلقین کو) بھی مصلحت معلوم ہوا کہ ان کو ایک وقت (خاص) تک قید میں رکھیں۔

تفسیر ﴿۳۲﴾ "قالت" راعیل نے کہا "فذا لِكُنَّ الَّذِىۡ لمتننی فیه" یعنی اس کی محبت میں مجھے ملامت نہ کیجئے۔ پھر اپنے فعل کی صراحت کی۔ "ولقد راودته عن نفسه فاستعصم" ان کے سامنے صراحت اس لیے کر دی کہ اس کو ان کی ملامت کا خوف نہ تھا کیونکہ ان کی کیفیت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر وہی ہوئی تھی جو اس کی ہوئی تھی۔ تو ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا اپنے مولیٰ کی اطاعت کر، تو راعیل نے کہا "ولئن لم یفعل ما آمره" اور اگر اس نے میری دعوت میں میری بات نہ مانی "لیسجنن" یعنی اس کو قید کی سزا دی جائے گی۔

"ولیکونا من الصّاغرین" ذلیل لوگوں میں سے اور نون تاکید ثقیل اور خفیف پڑھا جاتا ہے اور وقف باری تعالیٰ کے قول "لیسجننّ" پر نون کے ساتھ ہے اس لیے کہ یہ مشدد ہے اور باری تعالیٰ کے قول "ولیکونا" پر الف کے ساتھ ہے اس لیے کہ یہ مخفف ہے اور یہ اسماء میں نون اعرابی کے مشابہ ہے۔ جیسے اس کا قول "رایت رجلا" ہے اور جب تو وقف کرے گا تو "رایت رجلا" الف کے ساتھ کہے گا اور اس کی مثل "لنسفعًا بالناصیة" ہے۔ یوسف علیہ السلام نے قید کو معصیت پر ترجیح دی۔ جب عورت نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی۔ "ولئن لّم یفعل ما آمره لیُسۡجَنَنَّ ولیکونا من الصّاغرین"

㉝ "قال ربّ" اے میرے رب "السجن احبّ الیّ ممّا یدعوننی الیه" بعض نے کہا ہے کہ بلاوا تو صرف اس عورت کی طرف سے تھا لیکن یوسف علیہ السلام نے ان سب کی طرف نسبت کردی۔ صراحت کی جگہ کنایہ استعمال کرلیا اور بعض نے کہا ہے کہ ان سب نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام یہ نہ کہتے کہ قید مجھے زیادہ محبوب ہے تو قید میں نہ مبتلا ہوتے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرے۔ "والّا تصرف عنی کیدھن اصب الیھنّ ان کی طرف مائل ہوں گا اور ان کی اتباع کروں گا۔ کہا جاتا ہے "صبا فلان الی کذا یصبوا صبواً وصبوّاً و صُبوّۃ" جب کسی کی طرف مائل ومشتاق ہو۔ واکن من الجاھلین" اس میں دلیل ہے کہ مؤمن جب کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ یہ کام جہالت کی وجہ سے کرتا ہے۔

㉞ "فاستجاب له ربّه فصرف عنه کیدھنّ انّه ھو السمیع العلیم" ان کے بلاوے کو سننے والا اور ان کے مکر کو جاننے والا ہے۔

㉟ "ثمّ بدالھم" یعنی عزیز اور اس کے ساتھیوں کے لیے رائے میں کیونکہ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ یوسف علیہ السلام سے اعراض کر کے ان کا قصہ بند کردیں پھر ان کو یہ بات ظاہر ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کو قید کردیں۔

"من بعد ما رأوا الآیات" جو یوسف علیہ السلام کی برأت پر دلالت کرنے والی نہیں جیسے قمیص کا پیچھے سے چاک ہونا اور بچے کا کلام کرنا اور عورتوں کی عقل مغلوب ہونے کی وجہ سے ہاتھوں کو کاٹنا "لیسجننه حتّٰی حین"

جیل میں ڈالنے کی میعاد کتنی تھی

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ لوگوں کی باتیں ختم ہوجائیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سات سال۔ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ سال، سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قید کی نوبت اس وجہ سے آئی کہ عزیز کی بیوی نے اس کو کہا کہ یہ عبرانی غلام مجھے لوگوں میں رسوا کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اس کو پھسلایا ہے یا تو مجھے اجازت دے کہ لوگوں کو اپنی صفائی دیتی پھروں یا اس کو قید کردے تو اس نے یوسف علیہ السلام کو قید کردیا اور ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قید کو یوسف علیہ السلام کے لیے پاکی کا ذریعہ بنایا، ان کے عورت کے ارادہ کرنے سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام سے تین لغزشیں ہوئیں جب اس عورت کا ارادہ کیا تو قید کیے گئے۔ جب قید کے ساتھی کو کہا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے میرا تذکرہ کرنا تو چند سال قید میں اور رہنا پڑا اور جب بھائیوں کو کہا کہ تم چور ہو تو انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ㊱

ترجمہ: اور یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی اسی زمانہ میں) اور بھی دو غلام (بادشاہ کے) جیل خانہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو خواب میں (کیا) دیکھتا ہوں کہ (جیسے شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے

نے کہا کہ میں اپنے کو اسی طرح دیکھتا ہوں کہ (جیسے) اپنے سر پر روٹیاں لئے جاتا ہوں (اور) اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر) کھاتے ہیں ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلایئے۔ آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

بادشاہ کے ساقی اور خانسامہ کا واقعہ

تفسیر ㊱ "**ودخل معه السجن فتيان**" یہ مصر کے بڑے بادشاہ ریان بن ولید بن شروان کے دونو جوان تھے۔ ایک اس کی روٹیاں پکانے والا اور خانسامہ تھا اور دوسرا اس کا ساقی تھا۔

بادشاہ کسی بات سے ان دونوں پر غصہ ہوا اور ان کو قید کرا دیا۔ اس ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ مصر کی ایک جماعت نے بادشاہ کو مارنے کا پروگرام بنایا تو ان دونوں سے مال کا وعدہ کیا کہ یہ بادشاہ کے کھانے اور شراب میں زہر ملا دیں۔ انہوں نے ابتداء قبول کر لیا، پھر ساقی نے انکار کر دیا اور خانسامہ نے رشوت قبول کر کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ جب کھانا لایا گیا تو ساقی کہنے لگا اے بادشاہ! کھانا نہ کھانا اس میں زہر ہے اور خانسامہ کہنے لگا کہ شراب نہ پینا اس میں زہر ہے تو بادشاہ نے ساقی کو کہا تو شراب پی اس نے پی لی۔ اس کو کچھ نہ ہوا، خانسامہ کو کہا تو کھانا کھا، اس نے انکار کر دیا تو اس کھانے کا تجربہ کسی جانور پر کیا تو جانور فوراً ہلاک ہو گیا تو بادشاہ نے دونوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔

ان دونوں قیدیوں کا خواب دیکھنا اور یوسف علیہ السلام کا تعبیر دینا

یوسف علیہ السلام جب قید میں گئے تو ان پر اپنا علم ظاہر کیا اور کہا کہ میں خواب کی تعبیر بتاتا ہوں تو یہ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ اس عبرانی کا امتحان لیتے ہیں تو انہوں نے بغیر کچھ دیکھے یوسف علیہ السلام سے خواب بیان کیا کہ اس کی تعبیر بتائیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا تھا انہوں نے خواب گھڑ لیا تاکہ یوسف علیہ السلام کا امتحان لیں اور ایک قوم نے کہا ہے کہ انہوں نے حقیقتاً خواب دیکھا تھا تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم بادشاہ کے خادم تھے اس نے ہمیں قید کرا دیا۔ اب ہم نے خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے پریشان ہیں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ دیکھا ہے مجھے بتاؤ "**قال احدهما**" یہ ساقی تھا۔

"**انی ارانی اعصر خمراً**" یعنی انگور۔ شراب کا نام انگور کو مایؤل کے اعتبار سے دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عمان کی لغت میں انگور کو خمر کہتے ہیں۔ "**وقال الآخر انّی ارانی احمل فوق راسی خبزاً تاكل الطير منه نبئنا بتأويله انّا نراک من المحسنين**" یعنی خواب کی تعبیر جاننے والوں میں سے اور احسان علم کے معنی میں ہے۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "**انّا نراک من المحسنين**" کے بارے میں پوچھا گیا کہ یوسف علیہ السلام کا احسان کیا تھا؟

جیل کے قیدیوں کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا نیک سلوک

تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی قیدی بیماری ہوجاتا تو آپ علیہ السلام اس کی عیادت کرتے اور جب مجلس تنگ ہوتی تو آپ کشادہ کرتے اور جب کسی کو کوئی چیز ضرورت ہوتی تو وہ مہیا کردیتے اور اس کے ساتھ عبادت میں خوب کوشش کرتے اور ساری رات نماز میں قیام کرتے اور بعض نے کہا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام قید میں داخل ہوئے تو اس میں کچھ لوگوں کو پایا جو بڑی مصیبت میں تھے اور نا اُمید ہوچکے تھے تو یوسف علیہ السلام ان کو تسلی دیتے اور کہتے تم خوش ہوجاؤ صبر کرو اجر دیئے جاؤ گے تو وہ کہتے اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دیں اے نوجوان! تیرا چہرہ، تیرا اخلاق اور تیری گفتگو کتنی اچھی ہے۔ آپ کے پڑوس کی وجہ سے ہم میں برکت آئی ہے۔ اے نوجوان! تو کون ہے؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں یوسف بن صفی اللہ یعقوب بن ذبیح اللہ اسحٰق بن خلیل اللہ ابراہیم علیہم السلام۔ تو جیل کے داروغہ نے کہا اللہ کی قسم! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آپ کو چھوڑ دیتا۔ لیکن میں یہاں آپ کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔ آپ جس کمرے میں چاہیں رہ لیں اور روایت کیا گیا ہے کہ ان دو نوجوانوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگے کہ جب سے ہم نے آپ کو دیکھا ہے۔

آپ علیہ السلام سے محبت ہوگئی ہے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھ سے محبت نہ کرو، اللہ کی قسم! مجھ سے جس نے بھی محبت کی اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر آزمائش آئی ہے۔ میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو مجھ پر آزمائش آئی، میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو میں کنویں میں ڈالا گیا اور عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو میں قید میں ڈالا گیا۔ جب ان دونوں نے خواب بیان کیا تو یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتانے کو مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ ان میں سے ایک کے حق میں خواب اچھا نہ تھا تو ان کے سوال سے اعراض کرکے توحید کی طرف بلانے اور معجزہ ظاہر کرنے پر متوجہ ہوگئے۔

قَالَ لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِہٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا بِتَاْوِیْلِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَکُمَا ؕ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(ترجمہ) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لئے (جیل خانہ) میں ملتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں یہ بتلا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے میں نے تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ

تفسیر ㊲ "قال لا یاتیکما طعام ترزقانه" بعض نے کہا ہے کہ نیند مراد ہے کہ نیند میں جو کھانا بھی تمہارے پاس آئے گا "الاّ نبأ تکما بتاویله" بیداری میں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بیداری میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارا گھر سے جو کھانا آئے گا اور تم اس کو کھاؤ گے تو میں تمہیں اس کے آنے سے پہلے اس کے رنگ اور مقدار اور وقت کا بتادوں گا۔ "قبل ان یاتیکما" تم تک پہنچنے سے پہلے کہ کون سا کھانا اور کتنا اور کب کھاؤ گے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا "وانبئکم بما تاکلون وما تدّخرون فی بیوتکم" تو ان دونوں نے کہا کہ یہ نجومیوں اور کاہنوں کا فعل ہے۔ آپ کو یہ علم کہاں سے آیا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کاہن نہیں ہوں۔

"ذلکما ممّا علّمنی ربّی انّی ترکت ملّة قوم لا یؤمنون باللّٰه وهم بالآخرة هم کافرون" اور (ہم) کا تکرار تاکید کی بنا پر ہے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ㊳

ترجمہ اور میں نے اپنے ان (بزرگوار) باپ دادوں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا اور یعقوبؑ کا اور ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک (عبادت) قرار دیں (اور) یہ (عقیدہ توحید) ہم پر اور (دوسرے) لوگوں پر (بھی) خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے (کہ اس کی بدولت دنیا اور آخرت کی فلاح ہے) لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر (ادا) نہیں کرتے۔

تفسیر ㊳ "واتّبعت ملّة آبائی ابراهیم و اسحٰق ویعقوب" یہ ظاہر کیا کہ آپ علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ "ما کان لنا ان نشرک باللّٰه من شیء" مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرک سے بچایا ہے۔ "ذلک" یہ توحید اور علم۔

"من فضل اللّٰه علینا وعلی النّاس جو ان کیلئے ہدایت کو بیان کیا ولکنّ اکثر النّاس لا یشکرون" پھر ان کو اسلام کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ㊴ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ㊵ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ

خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿41﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ
ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿42﴾

ترجمہ: اے قید خانہ کے رفیقو! کیا متفرق معبود اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا تم خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل (نقلی یا عقلی) نہیں بھیجی (اور) حکم (دینے کا اختیار صرف) خدا ہی کا ہے (اور) اس نے یہ حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو (پس اسی حکم پر عمل کرنا چاہئے) یہی (توحید) سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اے قید خانہ کے رفیقو تم میں ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پاکر) سولی دیا جائے گا اور اس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ) کھاویں گے جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا پھر اس کو اپنے آقا سے (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا دیا تو (اس وجہ سے) قید خانہ میں اور بھی چند سال ان کا رہنا ہو۔

تفسیر ﴿39﴾ "یا صاحبی السجن ان دونوں کو قید کا ساتھی بنایا کیونکہ وہ بھی قید میں تھے جیسا کہ جنت کے رہائشیوں کو اصحاب الجنہ اور جہنم کے باشندگان کو اصحاب النار کہا جاتا ہے۔ ء ارباب متفرقون" یعنی مختلف معبود کوئی سونے کا کوئی چاندی کا کوئی لوہے کا اور کوئی اعلیٰ اور ادنیٰ اور اوسط۔ جدا جدا نہ نفع دے سکیں نہ نقصان۔ "خیر ام اللّٰہ الواحد القهّار" جس کا کوئی ثانی نہیں۔ "القهّار" جو ہر چیز پر غالب ہے۔ پھر بتوں کے عجز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿40﴾ "ما تعبدون من دونه اللّٰہ کے علاوہ اور جمع کے لفظ کو ذکر کیا ہے اور خطاب کی ابتداء دو سے کی ہے اس لیے کہ تمام قید والے مرد تھے اور ہر وہ مشرک شخص جو ان دونوں جیسی حالت پر تھا۔ الّا اسماء سمّیتموها "معبود اور رب یہ معنی سے خالی ہیں۔ ان ناموں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ "انتم و اٰباؤکم ما انزل اللّٰہ بها من سُلطٰن حجت و برہان ان الحکم نہیں ہے قضاء اور امر و نہی الّا للّٰہ امر الّا تعبدوا الّا ایّاه ذلک الدّین القیّم مستقیم ولکن اکثر النّاس لایعلمون" پھر ان کے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا۔

﴿41﴾ "یا صاحبی السجن امّا احدکما" ایک ان میں سے ساقی تھا۔ "فیسقی ربّه خمراً" اور تین گچھے جو خواب میں دیکھے تھے اس سے مراد یہ تھا کہ تین دن قید میں رہے گا پھر بادشاہ اس کو بلوا لے گا۔ "و امّا الاٰخر" یعنی خانسامہ۔ اس کو بھی تین دن بعد بادشاہ بلوائے گا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دے گا "فیصلب فتاکل الطیر من راسه" ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کی یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا ہم تو وقت گزاری کر رہے تھے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا "قضی الامر الّذی فیه تستفتیان" یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے اور تمہارے بارے میں اللہ کا وہ حکم ثابت ہو چکا ہے جو میں نے تمہیں خبر دی چاہے تم نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔

⑫ "وقال یوسف علیہ السلام نے اس وقت "للذی ظنّ جان لیں انہ ناج منھما" اور وہ ساقی تھا "اذکرنی عند ربک" یعنی بادشاہ کے سامنے۔ اس کو کہنا کہ جیل میں ایک نوجوان قید ہے جو مظلوم ہے اس کی قید کی مدت لمبی ہو چکی ہے۔

"فانساہ الشیطٰن ذکر ربّہ" بعض نے کہا ہے کہ ساقی کو شیطان نے یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے سامنے تذکرہ کرنا بھلوا دیا تو اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی۔ "فانساہ الشیطن ذکرہ لربّہ" اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کی یاد بھلا دی جب انہوں نے آزادی کی کوشش کی کہ مخلوق سے مدد طلب کی یہ غفلت یوسف علیہ السلام کو شیطان کی طرف سے آئی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ اور بادشاہ (مصر) نے کہا کہ میں (خواب میں کیا) دیکھتا ہوں کہ سات گائیاں فربہ ہیں جن کو سات لاغر گائیں کھا گئیں اور سات بالیں سبز ہیں اور ان کے علاوہ سات اور ہیں جو کہ خشک ہیں اے درباروالو اگر تم (خواب کی) تعبیر دے سکتے ہو تو میری اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو۔

بضع سنین کی تفسیریں

تفسیر "فلبث پس ٹھہرے فی السجن بضع سنین" بضع کے معنی میں اختلاف ہے۔

❶ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین سے سات تک۔ ❷ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین سے نو تک۔

❸ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دس سے کم۔

❹ اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت میں بضع سے سات سال مراد ہیں۔ اس سے پہلے پانچ سال گزر چکے تھے تو کل بارہ سال ہو گئے۔ ❺ وھب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام پر آزمائش سات سال رہی اور یوسف علیہ السلام قید میں سات سال رہے اور بخت نصر کو عذاب دیا گیا، درندوں میں سات سال پھرتا رہا۔

❻ مالک بن دینار نے کہا جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے فرمایا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو کہا گیا یوسف مجھے چھوڑ کر تو نے دوسرے کو اپنا وکیل بنایا۔ اب میں ضرور تیری قید طویل کر دوں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام رونے لگے اور عرض کیا اے میرے رب مصائب کی کثرت نے میرے دل پر فراموشی طاری کر دی، اور میں نے (بے سمجھے) ایک بات کہہ دی آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

❼ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں آئے، جب یوسف علیہ السلام نے دیکھا تو پہچان لیا اور کہا اے میرے بھائی! کیا ہو گیا کہ میں آپ کو ان گناہ گاروں میں دیکھ رہا ہوں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا

اے پاکیزہ!لوگوں کے پاس تیرا رب تجھ پر سلام پڑھ رہا ہے اور آپ علیہ السلام کو کہا ہے کہ جب آدمیوں سے آپ علیہ السلام نے شفاعت طلب کی تو مجھ سے حیاء نہ آئی ؟ پس میری عزت اور جلال کی قسم !میں آپ کو جیل میں چند سال ٹھہراؤں گا تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں تو یوسف علیہ السلام نے کہا پھر مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

کعب کا بیان ہے کہ حضرت جبرائیل نے حضرت یوسف سے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ تجھے کس نے پیدا کیا؟ حضرت یوسف نے جواب دیا: اللہ نے۔ حضرت جبرائیل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے باپ کا چہیتا کس نے بنایا؟ حضرت یوسف نے جواب دیا: اللہ نے۔ حضرت جبرائیل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے کنویں کی تکلیف سے کس نے نجات دی؟ حضرت یوسف نے جواب دیا: اللہ نے۔ حضرت جبرائیل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) تجھے خواب کی تعبیر کس نے سکھائی؟ حضرت یوسف نے جواب دیا: اللہ نے۔ حضرت جبرئیل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) چھوٹے بڑے گناہ کا رخ کس نے تیری طرف سے پھیر دیا؟ حضرت یوسف نے جواب دیا۔ اللہ نے۔ حضرت جبرائیل نے کہا (اللہ فرماتا ہے) پھر تو نے اپنے جیسے آدمی سے کیسے سفارش کی درخواست کی؟

غرض جب سات سال گزرے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی کشائش کا وقت قریب آ گیا تو مصر کے شاہ اعظم یعنی ریان بن ولید نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ سات موٹی گائیوں دریا سے برآمد ہوئیں اور ان کے پیچھے سات گائیں اور دریا سے نکلیں جو نہایت دبلی تھیں۔ پھر دبلی گائیں موٹی گائیوں کو نگل گئیں اور موٹی گائیں دبلی گائیوں کے پیٹ میں گھس گئیں۔ ان کا کوئی نشان بھی نہیں رہا۔ پھر (غلہ کی) سات سبز بالیاں دیکھیں جن میں دانہ پڑ چکا تھا اور سات خشک بالیاں دیکھیں جو کاٹنے کے قابل ہو گئی تھیں۔ خشک بالیاں سبز بالیوں سے لپٹیں اور ان پر غالب آ گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی سبزی بالکل جاتی رہی۔ بادشاہ نے جادوگروں کو کاہنوں کو اہل دانش و فہم کو اور خواب کی تعبیر دینے والوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔

⑬ "وقال الملک انی اریٰ سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف وسبع سنبلات خضر واُخر یابسات توان کو کہا **یا یّھا الملأ افتونی فی رؤیایٰ ان کنتم للرُّؤیا تعبرون"**

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ. وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّىْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا. فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾

ترجمہ وہ لوگ کہنے لگے کہ یونہی پریشان خیالات ہیں اور (دوسرے) ہم لوگ (کہ صرف امور سلطنت میں ماہر

ہیں) خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے اور ان (مذکورہ) دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا (وہ مجلس میں حاضر تھا) اس نے کہا اور مدت کے بعد اس کو خیال آیا میں اس کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں آپ لوگ مجھ کو ذرا جانے کی اجازت دیجئے اے یوسف اے صدق مجسم آپ ہم لوگوں کو اس (خواب) کا جواب (یعنی تعبیر) دیجئے کہ سات گائیاں موٹی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہری ہیں اور اس کے علاوہ (سات) خشک بھی ہیں تا کہ میں ان لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں تا کہ ان کو بھی معلوم ہو جائے آپ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر (خوب) غلہ بونا پھر جو فصل کاٹو اس کو بالوں میں رہنے دینا (تا کہ گھن نہ لگ جائے) ہاں اگر تھوڑا سا جو تمہارے کھانے میں آدے پھر اس (سات برس) کے بعد سات برس اور ایسے سخت (اور قحط کے) آویں گے جو کہ اس (تمام تر) ذخیرہ کو کھا جاویں گے جس کو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہو گا ہاں مگر تھوڑا سا جو (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے۔

تفسیر ㊹ "قالوا اضغاث احلام" ملا جلا خواب ہے۔ ضغث کی مختلف قسم کے گھاس پھوس اور احلام حلم کی جمع بمعنی خواب اور اس کا فعل حلمت احلم لام کے زبر کے ساتھ ماضی میں اور لام کے پیش کے ساتھ غابر میں۔ حلما وحلما مشدد اور مخفف۔ "وما نحن بتاویل الاحلام بعالمین"

㊺ "وقال الذی نجا" قتل سے "منھما" ان دو نو جوانوں میں سے یعنی ساقی "واذکر" یوسف علیہ السلام کی بات کو کہ اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کرنا۔ "بعد امّۃ" ایک زمانے کے بعد یعنی سات سال۔ "انا انبئکم بتاویلہ" یہ نوجوان گھٹنوں کے بل بادشاہ کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ قید میں ایک شخص ہے جو خواب کی تعبیر بیان کرتا ہے۔ "فارسلون" اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ اے بادشاہ! مجھے اس کے پاس بھیج۔ اس نے بھیج دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ جیل شہر میں نہ تھی۔

㊻ "یوسف ایھا الصّدیق" صدیق بمعنی کثرت سے سچ بولنے والا "افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلھنّ سبع عجاف وسبع سنبلٰت خضر واخر یابسات" کیونکہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے...... "لعلّی ارجع الی النّاس مصر والوں کی طرف لعلّھم یعلمون" خواب کی تعبیر اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا علم میں مرتبہ تو یوسف علیہ السلام نے تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ موٹی تازی گائیں اور سرسبز خوشے تو سات سال خوشحالی کے ہیں اور کمزور گائیں اور خوشے خشک سالی کے سال ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

㊼ "قال تزرعون سبع سنین دأبا" یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی سات سال اپنی عادت کے موافق کاشتکاری کرو۔ "داب" بمعنی عادت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ خوب محنت اور کوشش سے۔ اور عاصم نے حفص کی روایت میں "دابا" ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے "دأبت فی الدمر اداب دأبا ودأبا" جب اس میں کوشش کرے۔ "فما حصدتّم فذروہ فی سنبلہ" گندم کو خوشے میں رکھنے کا حکم دیا تا کہ لمبی مدت پڑی رہے خراب نہ ہو۔ "الّا قلیلا ممّا تاکلون" تم کھانے کے لیے تھوڑا چھوڑو، ان کو حکم دیا کہ وہ زیادہ محفوظ کریں اور تھوڑا بقدر ضرورت کھائیں۔

㊽"ثم یاتی من بعد ذلک سبع شداد" قحط کے سالوں کا نام شداد رکھا ہے کیوں کہ وہ لوگوں پر سخت ہوتے ہیں۔ "یا کلن" یعنی فنا کردیں گے۔ "ما قدمتم" ان سالوں میں وہ غلہ کھایا جائے گا جو تم نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ کھانے کی نسبت السنین کی طرف کی ہے بطورتوسّع کے۔ "الا قلیلاً مما تحصنون" جو تم بیج کے لیے ذخیرہ کرلو۔

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ㊾ وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ㊿ قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٝ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ㊿ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ㊿

ترجمہ: پھر اس (سات برس) کے بعد ایک برس ایسا آوے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں شیرہ بھی نچوڑیں گے اور شرابیں پوینگے) اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ چنانچہ یہاں سے قاصد چلا) پھر جب ان کے پاس (وہ) قاصد پہنچا (اور پیغام دیا تو) آپ نے فرمایا کہ تو اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا پھر اس سے دریافت کر کہ (کچھ تم کو خبر ہے) ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب ان عورتوں کے فرقہ کے فریب کو خوب جانتا ہے کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف (علیہ السلام) سے اپنے مطلب کی خواہش کی عورتوں نے جواب دیا کہ حاشاللہ ہم کو ان میں ذرا بھی تو برائی کی بات نہیں معلوم ہوئی عزیز کی بی بی (جو کہ حاضر تھی) کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہی ہوگئی (اب اخفاء بیکار ہے سچ یہی ہے کہ) میں نے ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام (جو میں نے کیا) محض اس وجہ سے تاکہ عزیز کو (زائد) یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی اور یہ (بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تفسیر ㊾ "ثم یاتی من بعد ذلک عام فیه یغاث الناس" یعنی بارش برسائے جائیں گے۔ غیث سے ہے بمعنی بارش اور بعض نے کہا ہے کہ بچائے جائیں گے۔ یہ عرب کے قول "استغثت فلانا فاغاثنی" سے مشتق ہے۔ "وفیه یعصرون" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "تعصرون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ ساری کلام خطاب پر ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، لوگوں کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ انگور کو نچوڑ کر شراب اور زیتون سے زیتون کا تیل اور تلوں کو نچوڑ کر ان کا تیل نکالیں گے۔ مراد یہ ہے کہ خیر اور نعمتیں زیادہ ہوں گی اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یعصرون" یعنی خشک سالی اور تکلیف سے نجات دیئے جائیں گے۔

⑤⓪"وقال الملک ائتونی به" جب ساقی نے ساری تعبیر بادشاہ کو جا کر بتائی تو بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ ایسا ہو گا تو اس نے یہ بات کہی۔"فلمّا جاء ہ الرّسول حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو جواب دیا کہ بادشاہ کو یہ کہہ دینا کہ اس نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ میری برأت کو ظاہر نہ کر دے۔ قال ارجع الٰی ربّک یعنی اپنے بادشاہ کے پاس جاؤ۔ فاسأله ما بال النسوة اللّاتی قطّعن ایدیھن"عزیز کی بیوی کا نام نہیں لیا، ادب اور احترام کی وجہ سے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں قید میں اتنی لمبی مدت رہتا جو یوسف علیہ السلام رہے تو میں بادشاہ کے بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔"انّ ربّی بکیدھنّ علیم" یعنی اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیاں جاننے والے ہیں۔ اتنی مدت کے بعد بھی یوسف علیہ السلام نے ان کا تذکرہ کیا تاکہ آئندہ بادشاہ آپ کی طرف تہمت اور خیانت کی نگاہ سے نہ دیکھے تو وہ بندہ یہ پیغام لے کر بادشاہ کے پاس گیا تو اس نے عورتوں کو بلوایا اور عزیز کی بیوی کو بھی۔

⑤①"قال ان سب عورتوں کو کہا "ما خطبکنّ" کیا ہے تمہاری شان اور تمہارا معاملہ۔"اذ راودتّن یوسف عن نفسه" ان عورتوں کو خطاب کیا اور مراد عزیز کی بیوی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عزیز کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو پھسلایا تھا اور باقی تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو اس کی بات ماننے کا کہا تھا اس لیے ان سب کو خطاب کیا ہے۔ قلن حاشا للّٰه"اللہ کی پناہ"ما علمنا علیه من سُوء" ہم نے نہیں دیکھی اس میں خیانت"قالت امرأۃ العزیز الاٰن حصحص الحق"اب حق ظاہر ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ عورتیں عزیز کی بیوی کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اقرار کرانے لگیں تو اس نے اقرار کیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کو خوف ہوا کہ یہ عورتیں میرے خلاف گواہی نہ دے دیں تو اس نے کہا"انا راودته عن نفسه وانّه لمن الصادقین" اپنے اس قول میں"ھی راودتنی عن نفسی" جب یوسف علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو فرمایا۔

⑤②"ذلک" یعنی یہ جو میں نے بادشاہ کے قاصد کو واپس بھیج کر کیا"لیعلم" تاکہ عزیز مصر جان لے"انّی لم اخنه"اس کی بیوی کے بارے میں میں نے کبھی اس کی موجودگی یا عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی۔

"بالغیب وان اللّٰه لا یھدی کیدالخائنین" یہ کلام یوسف علیہ السلام تھا جو عزیز کی بیوی کے کلام"انا راودته عن نفسه" سے متصل ہے اس میں کوئی تمیز نہیں کی گئی کیونکہ سامعین پہچانتے ہیں کہ کون سی کلام کس کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت ہے"ارجع الی ربّک فاسأله ما بال النسوة اللّاتی قطّعن ایدیھن انّ ربی بکیدھن علیم ذلک لیعلم انّی لم اخنه بالغیب" کہا گیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ بات کہی تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا جب اس کا ارادہ کیا تھا اس وقت بھی خیانت نہ کی تھی؟ تو یوسف علیہ السلام نے کہا"وما ابرّیٔ نفسی"سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی نے کہا اس وقت بھی خیانت نہ کی جب آپ نے شلوار کھولی اے یوسف! (علیہ السلام) تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیۡ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ط اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ 53

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ. فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ 54

ترجمہ اور (باقی) میں اپنے نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس (بعض) کے جس پر میرا رب رحم کرے بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے اور (یہ سن کر) بادشاہ نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا پس جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو بادشاہ نے (ان سے) کہا کہ تم ہمارے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور معتبر ہو

تفسیر 53 "وما ابرّئ نفسی" اور میں اپنے نفس کو خطاء اور پھسلنے سے بری نہیں کہتا "ان النّفس لامّارة بالسّوء" نفس تو نافرمانی پر ہی ابھارتا ہے۔ "الاّ ما رحم ربّی" مگر جس پر میرا رب رحم کرے اور اس کو بچالے۔ یہاں ماَمن کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فانکحوا ما طاب لکم" میں ہے یعنی "من طاب لکم" یہ فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شہوت سے بچایا ہوا ہے۔ "انّ ربّی غفور رحیم" جب بادشاہ کے سامنے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی واضح ہوگئی اور ان کی امانت کو پہچان لیا تو ملاقات کا شوق ہوا تو کہنے لگا۔

54 "وقال الملک ائتونی به استخلصه لنفسی" میں برائے راست اس کو اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں "فلمّا کلّمه" اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ قاصد آیا اور یوسف علیہ السلام کو کہا۔ اب بادشاہ کے پاس چلیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام وہاں سے کھڑے ہوئے تو قیدیوں کے لیے دُعا کی اے اللہ! ان پر نیک لوگوں کے دل نرم کردیں اور ان پر خبریں مخفی نہ رکھنا تو وہ لوگ ہر شہر میں لوگوں سے زیادہ خبریں جاننے والے ہوئے۔ جب جیل سے نکلے تو اس کے دروازہ پر لکھا کہ یہ زندوں کی قبر ہے اور غموں کا گھر ہے اور سچوں کی تجربہ گاہ ہے اور دشمنوں کی خوشی کی جگہ ہے۔ پھر غسل کیا اور صاف ستھرے ہوئے اور اچھے کپڑے پہنے اور بادشاہ کی طرف چل پڑے۔

وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے دروازے پر ٹھہر کر کہا "حسبی ربّی من دنیای وحسبی ربّی من خلقه عزّجاره وجلّ ثناؤه ولا اله غیره" پھر بادشاہ پر داخل ہوکر کہا "اللهمّ ان اسالک بخیرک من خیره واعوذبک من شرّه وشرّ غیره" یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو عربی میں سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرے چچا اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے پھر اس کو عبرانی میں دُعا دی۔ اس نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے؟ تو فرمایا یہ میرے آباء کی زبان ہے۔ بادشاہ ان دونوں زبانوں کو نہ جانتا تھا۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ ستر زبانوں میں گفتگو کرتا تھا وہ جس زبان میں گفتگو کرتا یوسف علیہ السلام اسی زبان میں جواب دیتے اور عربی اور عبرانی زبان میں

اس پر اضافہ کردیتے تو بادشاہ اتنی کم عمری میں یہ کمالات دیکھ کر حیران رہ گیا تو یوسف علیہ السلام کو بٹھایا۔

"**قال انک الیوم لدینا مکین امین**"یعنی سچا۔روایت کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے کہا کہ میں اپنا خواب آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں تو یوسف علیہ السلام نے پورا خواب سنایا اے بادشاہ! تو نے سات موٹی تازی سفید خوبصورت گائیں دیکھی ہیں جو تیرے سامنے دریائے نیل کے کنارے سے آئی تھیں، ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے اور بچے پیچھے آرہے تھے تو ان کو دیکھ رہا تھا اور ان کی خوبصورتی تجھے بھلی معلوم ہو رہی تھی کہ اچانک دریائے نیل خشک ہو گیا اور اس کے کیچڑ سے سات لاغر کیچڑ میں لت پت گائیں نکلیں جن کے پیٹ سکڑے ہوئے تھے نہ ان کے تھن تھے اور نہ دودھ پینے والے بچے۔ان کے دانت (کچلیاں) اور داڑھیں تھیں اور ہتھیلیاں کتوں کی ہتھیلیوں جیسی تھیں اور ناک درندوں کی ناک کی طرح تھیں۔انہوں نے موٹی گائیوں کو درندوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالا اور ان کا گوشت کھالیا، ان کے چمڑے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ کردیں اور ان کا گودہ صاف کردیا۔پس آپ یہ دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ اچانک سات سرسبز بالیاں اور سات سیاہ بالیاں ایک تنا میں تھیں ان کی جڑیں پانی اور نمناک مٹی میں تھیں تو اپنے دل میں کہہ رہا تھا یہ کیا چیز ہے؟ سرسبز پھل آور اور یہ سیاہ خشک اور ان کا تنا اور جڑ ایک ہے تو ہوا چلی اور خشک بالیوں کے پتے سرسبز بالیوں پر ڈال دیئے تو ان میں آگ بھڑک اٹھی وہ جل کر سیاہ ہوگئیں یہ تو نے دیکھا ہے تو تو گھبرا کر بیدار ہو گیا تو بادشاہ نے کہا اللہ کی قسم! یہ خواب اس سے بھی عجیب تھا جو میں نے آپ سے سنا۔اے دوست! آپ میرے خواب کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ تو بعد میں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ غلہ جمع کریں اور خوب کاشتکاری کرائیں، ان خوشحالی کے سالوں میں اور غلہ گوداموں میں رکھوادیں بالیوں اور سیٹوں میں تاکہ سٹے اور بالیاں جانوروں کی خوراک بن جائیں گی اور دانے لوگوں کی خوراک بن جائیں اور لوگوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے غلہ کا خمس نکالیں تو جو غلہ آپ نے جمع کیا ہوگا وہ مصر والوں کے لیے کافی ہو جائے گا اور دیگر علاقوں سے لوگ غلہ کے لیے آئیں گے تو آپ ان کو غلہ بیچنا تو آپ کے پاس اتنا خزانہ بھی جمع ہو جائے گا جو کسی کے پاس نہ ہوگا تو بادشاہ کہنے لگا یہ سارا انتظام کون کرے گا کون بیچے گا؟

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ. اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۞55

ترجمہ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کردو میں (ان کی) حفاظت (بھی) رکھوں گا (اور) خوب واقف ہوں۔

تفسیر 55 "**قال یوسف** علیہ السلام نے **اجعلنی علی خزائن الارض**"خزائن خزانہ کی جمع ہے اس سے مراد غلہ اور مال کے گودام ہیں اور ارض سے مراد مصر کی زمین ہے۔"**انی حفیظ علیم**"یعنی ان گوداموں پر حفیظ اور اس کے مصالح کو جاننے والا ہوں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام پر رحم کرے۔اگر وہ یہ نہ کہتے "**اجعلنی علی خزائن الارض**"تو وہ اسی وقت ان کو امیر بنا دیتا لیکن ان کے یہ کہنے کی وجہ ایک سال مؤخر کردیا۔آپ علیہ السلام ایک سال بادشاہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہے اور اسی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے مروی ہے کہ جب وہ سال مکمل ہوگیا جس میں یوسف علیہ السلام نے امارۃ کا سوال کیا تھا تو بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو بلوایا اور آپ علیہ السلام کو تلوار پہنائی اور آپ علیہ السلام کے لیے سونے کا تخت بچھوایا۔

جس پر یاقوت اور موتی لگے ہوئے تھے اور ریشم کا استر اس پر چڑھوایا اور تخت کی لمبائی تیس گز اور چوڑائی دس گز تھی۔ اس پر تیس بچھونے تھے اور ساٹھ تکیے تو یوسف علیہ السلام کو آنے کا کہا جب آپ علیہ السلام تاج پہنے نکلے تو آپ کا رنگ برف کی طرح اور چہرہ چاند کی طرح تھا، کوئی بھی آپ علیہ السلام کے چہرے میں اپنی صورت دیکھ سکتا تھا۔ آپ علیہ السلام تخت پر آ کر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے قطفیر کو معزول کر کے سارے معاملات آپ علیہ السلام کے سپرد کر دیئے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن زید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مصر کے بادشاہ کے بہت خزانے تھے سب کا انتظام آپ علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر کچھ دن بعد قطفیر مر گیا تو بادشاہ نے اس کی بیوی راعیل کا نکاح یوسف علیہ السلام سے کر دیا تو یوسف علیہ السلام جب اس کے پاس گئے تو کہا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں جس کی طرف تو مجھے بہلاتی تھی؟ تو اس نے کہا اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے میں خوبصورت اور ناز و نعم میں پلی ہوئی عورت تھی میرا خاوند عورتوں کے پاس نہ آتا تھا اور آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال دے رکھا تھا تو میرا نفس مغلوب ہوگیا اور شہوت قوی ہوگئی اور آپ کی محبت میں عقل کھو بیٹھی تو یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا، اس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ افراثیم بن یوسف علیہ السلام اور میشا بن یوسف علیہ السلام اور مصر کا نظام بڑے احسن انداز میں چلایا کہ مرد و عورت سب آپ سے محبت کرنے لگے۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿56﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿57﴾

ترجمہ اور ہم نے ایسے (عجیب) طور پر یوسف (علیہ السلام) کو ملک میں باختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بڑھ کر ہے ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے۔

تفسیر 56 "**وکذالک مکنا لیوسف فی الارض** یعنی مصر کی زمین کا ان کو مالک بنایا اور جو چاہے اس میں کرتے ہیں۔ صرف ابن کثیر نے (نشاء) نون کے ساتھ پڑھایا ہے اللہ تعالیٰ کے قول (مکنا) پر کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول یتبوا پر لوٹاتے ہوئے (**نصیب برحمتنا**) اپنی نعمت کے ساتھ۔ یتبوأ ٹھہرتے ہیں جہاں **منها حیث یشآء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین**" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے مرد مراد ہیں۔ مجاہد اور ان کے علاوہ لوگ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام بادشاہ کو برابر اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ وہ اور بہت سے لوگ اسلام لے آئے، یہ تو دُنیا کے معاملہ میں ہوا۔

57 "ولا جر الآخرة اجر سے مراد آخرت کا ثواب خیر للذین امنوا و کانوا یتقون" جب یوسف علیہ السلام نے اچھی تدبیر کے ساتھ غلہ جمع کرلیا اور بہت سے محل اور قلعے بنوالیے اور ان میں غلہ بھروادیا تو خوشحالی کے سال چلے گئے اور پھر ایسے قحط کے سال آئے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا تو پہلے سال میں لوگوں کا سارا غلہ ختم ہوگیا جو انہوں نے خوشحالی کے سالوں میں جمع کیا تھا۔

تو اہل مصر یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے آئے تو پہلے سال یوسف علیہ السلام نے ان کو نقد کے بدلے غلہ دیا یہاں تک کہ مصر میں کوئی دینار اور درہم نہ بچا جو یوسف علیہ السلام نے نہ لے لیا ہو اور دوسرے سال زیورات اور موتیوں کے بدلے غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ لوگوں کے زیور وغیرہ بھی باقی نہ بچے اور تیسرے سال جانور اور مویشی دے کر غلہ لیا، وہ بھی ختم ہوگئے اور چوتھے سال غلام اور لونڈیاں دے کر غلہ خریدا یہاں تک کہ کسی کے پاس کوئی غلام اور لونڈی نہ رہی اور پانچویں سال زمین اور گھر اور گھریلو سامان کے بدلے غلہ لیا اور چھٹے سال اپنی اولاد کو غلام بنا کر غلہ لیا اور ساتویں سال خود اپنے آپ کو غلام بن کر غلہ خریدا۔

تو مصر میں کوئی آزاد مرد یا عورت نہ رہی تو لوگوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کی بادشاہت جیسی بادشاہت ہم نے کبھی نہیں دیکھی تو یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے مشورہ مانگا۔ اس نے کہا آپ علیہ السلام کی رائے چلے گی ہم آپ علیہ السلام کے تابع ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کردیا اور ان کی املاک ان کو واپس کردیں اور روایت کیا گیا ہے کہ ان ایام میں یوسف علیہ السلام نے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا تو ان سے عرض کیا گیا کہ آپ علیہ السلام بھوکے رہتے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام کے قبضہ میں زمین کے خزانے ہیں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے پیٹ بھرا تو بھوکے لوگوں کو بھول جاؤں گا اور یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خانسامہ کو کہا کہ بادشاہ کو آدھا دن گزرنے کے بعد کھانا دیا کرتا کہ وہ بھوکے لوگوں کو نہ بھول جائے۔ یہ قحط اطراف کے علاقوں تک بھی پہنچا اور لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس آنے لگے اور یہ قحط کنعان اور شام تک بھی پہنچا۔ یوسف علیہ السلام کسی کو بھی ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ یعقوب علیہ السلام کو بھی قحط کی آزمائش پہنچی تو اپنے بیٹوں کو غلہ کے لیے مصر بھیجا اور یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾

ترجمہ اور (کنعان میں بھی قحط ہوا تو) یوسف کے بھائی آئے پھر یوسف کے پاس پہنچے سو یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا اور انہوں نے یوسفؑ کو نہیں پہچانا۔

تفسیر 58 "وجاء اخوة یوسف" یہ دس تھے ان کے گھر فلسطین کی زمین کے قریب تھے۔ غور الشام پر یہ دیہات کے رہنے والے اونٹوں اور بکریوں والے تھے تو یعقوب علیہ السلام نے ان کو بلا کر فرمایا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے میرے بیٹو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ مصر کا بادشاہ نیک ہے غلہ بیچتا ہے۔ تم تیاری کرکے اس سے غلہ خریدنے جاؤ، وہ مصر آئے۔ "فدخلوا علیه فعرفهم وهم له منکرون" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کیونکہ اس زمانے اور کنویں میں ڈالنے کے درمیان چالیس سال کا وقفہ تھا۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لیے نہ پہچانا کہ یوسف علیہ السلام تخت شاہی پر تاج پہنے بیٹھے تھے تو یوسف علیہ السلام کو اپنا تعارف کرایا اور یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ ہم جاسوس نہیں ہیں ہم ضرورت مند ہیں ایک باپ کی اولاد ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے کہا بارہ تھے، ایک بھائی جنگل میں ہلاک ہوگیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم دس ہو، گیارھواں کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ہمارے باپ کے پاس اس کے لیے کہ وہ اس ہلاک ہونے والے کا ماں شریک بھائی ہے۔

ہمارے والد اس کے ذریعے دل کی تسلی کرتے ہیں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کون جانتا ہے کہ تم سچے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس شہر میں ہم اجنبی ہیں ہمیں یہاں کوئی نہیں جانتا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے اس بھائی کو لاؤ جو تمہارے والد کے پاس ہے اگر تم سچے ہو تو میں راضی ہو جاؤں گا تو وہ کہنے لگے ہمارے والد اس کی جدائی پر غمگین ہوں گے لیکن ہم ان کو منائیں گے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے میں سے کسی کو میرے پاس رہن رکھ جاؤ اور اپنے بھائی کو لے آؤ تو انہوں نے قرعہ ڈالا جو شمعون کے حق میں نکلا۔ یہ ان سب میں یوسف علیہ السلام کے بارے میں اچھی رائے رکھتا تھا تو اس کو پیچھے چھوڑ دیا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ. اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾

ترجمہ اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان (غلہ کا) تیار کر دیا تو (چلتے وقت) فرمایا کہ اپنے علاتی بھائی کو بھی (ساتھ) لانا (تاکہ اس کا حصہ بھی دیا جا سکے) تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں اور اگر تم (دوبارہ آئے اور اسکو میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا وہ بولے (دیکھئے) ہم (اپنے حد امکان تک تو) اس کے باپ سے اس کو مانگیں گے اور ہم اس کام کو ضرور کریں گے اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی ان (ہی) کے اسباب میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر جاویں تو اس کو پہچان لیں شاید کہ (یہ احسان و کرم دیکھ کر) پھر دوبارہ آویں۔

تفسیر ﴿59﴾ "ولمّا جهّزهم بجهازهم ان سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ہر ایک کو اونٹ جتنا سامان دیا۔ قال ائتونی باخ لکم من ابیکم" بنیامین کو لے آؤ" الا ترون انّی او فی الکیل" پورا تول دیتا ہوں کچھ کمی نہیں کرتا تو تمہیں ایک اونٹ کا غلہ زیادہ دوں گا تمہارے بھائی کی وجہ سے اور تمہاری اچھی مہمانی کروں گا۔" وانا خیر المنزلین" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے اچھا مہمان نواز کیونکہ یوسف علیہ السلام نے ان کے خوب طرف داری کی تھی۔

﴿60﴾ "فان لم تاتونی به فلا کیل لکم عندی تمہارے لئے میرے پاس کوئی غلہ نہ ہوگا جس کو کیل کر کے دوں ولا تقربون"

میرے گھر اور اس شہر میں داخل نہ ہونا"لاتقربون" یا نہی کا صیغہ ہے یا نفی کا۔ معنی یہ ہے کہ میرے پاس یا میرے قریب بھی نہ آؤ۔

⑥۱"قالوا سنراود عنه اباه ان سے یہ مطالبہ کریں گے کہ وہ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

وانّا لفاعلون" جو آپ نے ہمیں حکم دیا۔

⑥۲"وقال لفتیانه حمزہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے "لفتیانه" الف اور نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "لفتیته" تاء کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ مراد ان کے خدمت گار ہیں اور یہ دو لغتیں ہیں الصبیان اور الصبیۃ کی طرح۔اجعلوا بضاعتهم"ان کے غلہ کی قیمت، یہ چند دراہم تھے۔ اور ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ جوتے اور چمڑے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ گندم کے ستو کے آٹھ توشے دان تھے اور پہلا قول اصح ہے۔"فی رحالهم" ان کے ظروف میں۔ یہ رحل کی جمع ہے۔"لعلهم یعرفونها اذا انقلبوا الٰی اهلهم لعلّهم یرجعون" اس سبب میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے یہ کام کیا تھا۔

بعض علماء نے کہا کہ حضرت یوسف نے تکمیل احسان اور اتمام نوازش کے جذبہ کے زیر اثر بھائیوں کا سامان واپس رکھوا دیا تا کہ وہ جانیں کہ بادشاہ کی ہم پر بڑی عنایت ہے کہ اس نے سامان بھی واپس کر دیا اور اسی خیال کے تحت دوبارہ مصر کو لوٹ آئیں۔ بعض نے کہا: حضرت یوسف نے باپ اور بھائیوں سے غلہ کی قیمت وصول کرنا اچھا نہ سمجھا اور ایسی حالت میں کہ باپ بھائی محتاج تھے۔ قیمت لینے کو کمینہ پن خیال کیا۔ کلبی نے کہا: حضرت یوسف کو اندیشہ ہوا کہ کہیں باپ کے پاس اور روپیہ نہ ہو اور روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ لوٹ کر نہ آئیں۔ بعض نے کہا: حضرت یوسف کو معلوم تھا کہ یہ امانت دار لوگ ہیں۔ ان کی دیانت ان کو آمادہ کرے گی کہ یہ سرمایہ لوٹا کر لائیں۔ یہ اس پونجی کو اپنے لئے حلال نہ سمجھیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑥۳
قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ⑥۴
وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ⑥۵

ترجمہ: غرض جب لوٹ کر اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے ابا ہمارے لئے (مطلقاً) غلہ کی بندش کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم (پھر) غلہ لا سکیں اور ہم ان کی پوری حفاظت رکھیں گے یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بس (رہنے دو) میں اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسے ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو (اللہ کے سپرد ہے) وہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے اور اس گفتگو کے بعد

جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو (اس میں) ان کو ان کی جمع پونجی (بھی) ملی کہ ان ہی کو واپس کر دی گئی کہنے لگے کہ اے ابا (لیجئے) اور ہم کو کیا چاہئے یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی اور اپنے گھر والوں کے واسطے (اور) رسد لاویں گے اور اپنے بھائی کی خوب حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور زیادہ لاویں گے یہ تو تھوڑا سا غلہ ہے۔

تفسیر 63 "فلمّا رجعوا الی ابیھم قالوا یا ابانا" ہم ایک بہت اچھے آدمی کے پاس سے آ رہے ہیں اس نے ہمیں مہمان بنایا اور اتنا اکرام کیا کہ اگر یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی کوئی ہوتا تو ہمارا اتنا اکرام نہ کرتا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا جب تم مصر جاؤ تو اس کو میرا اسلام کہنا اور اس کو کہنا کہ ہمارے والد آپ کے لیے دُعا کریں گے۔ پھر پوچھا کہ شمعون کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ شاہِ مصر نے اس کو رہن رکھ لیا ہے اور ساری بات بتائی تو یعقوب علیہ السلام نے پوچھا تم نے اس کو گیارہویں بھائی کا کیوں بتایا؟ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے ہمیں جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا تھا جب ہم نے عبرانی زبان میں گفتگو کی اور پوری بات بتائی اور کہنے لگے اے ہمارے والد "منع منا الکیل" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم اپنے ساتھ اپنا بھائی نہ لے گئے تو وہ ہمیں غلہ نہ دے گا اور بعض نے کہا ہے کہ صرف ہمارے اونٹوں کا بوجھ دیا گیا بنیامین کے حصہ کا غلہ روک لیا گیا۔ یہاں کیل سے غلہ مراد ہے۔ "فارسل معنا اخانا" بنیامین "نکتل" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یکتل" یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ اپنے لیے کیل (ماپ) کرے گا جیسے ہم کیل ماپا کریں گے اور دیگر حضرات نے "نکتل" نون کے ساتھ پڑھا ہے، ہم اور وہ غلہ کو ماپیں گے اور بعض نے کہا ہے "نکتل" سے ہم اس کے لیے ماپ کریں۔ "وانا له لحافظون"

64 "قال هل آمنکم علیه الّا کما امنتکم علی اخیه یوسف من قبل" یعنی کیسے تم پر مطمئن ہو جاؤں حالانکہ تم اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا کر چکے ہو۔ "فالله خیر حافظا" حمزہ اور کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے "حافظا" الف کے ساتھ تفسیر کی بناء پر پڑھا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ھو خیر رجلا" اور دیگر حضرات نے "حفظا" بغیر الف کے مصدر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی "خیر کم حفظا" فرمایا کہ اس کی حفاظت تمہاری حفاظت سے بہتر ہے۔ "وھو ارحم الرّاحمین"

65 "ولمّا فتحوا متاعھم" جو وہ مصر سے لائے تھے۔ "وجدوا بضاعتھم" اپنے غلہ میں اپنے سکوں کو موجود پایا جو ان کو واپس لوٹائے گئے تھے "ردّت الیھم قالوا یا ابانا ما نبغی" کیا ہم اور کون سی چیز ہم تلاش کرتے ہیں؟ کیونکہ انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو بادشاہ کا احسان یاد دلایا اور بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر اُبھارا، پھر جب انہوں نے سامان کھولا اور اپنی رقم مل گئی۔ کہنے لگے "یا ابانا ما نبغی" "ھذہ بضاعتنا رُدّت الینا" یعنی ہم گفتگو سے کیا چیز طلب کر رہے تھے یہ اس کا احسان اور سخاوت ہے کہ تول پورا دیا اور قیمت بھی واپس کر دی۔ "ونمیر اھلنا" ہم ان سے گندم خریدیں گے اور گھر والوں کی طرف لائیں گے۔ "مَا رَاھله یمیر میراً" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی دوسرے شہر سے گندم گھر لائے اور اسی کی مثل "امتار یمتار امتیاراً" ہے۔ "ونحفظ اخانا" بنیامین اس سے جس کا آپ کو ڈر ہے "ونزداد" اپنے کجاووں پر "کیل بعیر" اس لیے کہ یوسف علیہ السلام ہر شخص کے نام پر ایک اونٹ کا بوجھ دیتے تھے۔ "ذلک کیل یسیر" یعنی جو ہم اب لے کر آئے ہیں

یہ تھوڑا ہے ہماری اور گھر والوں کی ضرورت کے لیے کافی نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ ہم ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ کریں گے یہ آسان غلہ ہے جس میں نہ کوئی مشقت ہے اور نہ کوئی خرچ۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعیر سے یہاں گدھا مراد ہے کہ ایک گدھے کا بوجھ زیادہ لائیں گے اور یہ بھی ایک لغت ہے کہ گدھے کو بعیر کہا جاتا ہے اور ان لوگوں کے پاس گدھے تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ بعیر سے معروف معنی یعنی اونٹ مراد ہے۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے کہ تم اس کو ضرور لے ہی آؤ گے ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے (چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی) سو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ کو قول دے چکے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں یہ سب اللہ ہی کے حوالے ہے اور (چلتے وقت) یعقوب (علیہ السلام) نے (ان سے) فرمایا کہ اے میرے بیٹو سب کے سب ایک ہی دروازے سے مت جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا اور خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر اور بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے اور جب (مصر پہنچ کر) جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا (اسی طرح شہر کے) اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا (باقی) ان کے باپ کو ان سے (یہ تدبیر بتلا کر) خدا کا حکم ٹالنا مقصود نہ تھا لیکن یعقوب (علیہ السلام) کے جی میں (درجہ تدبیر میں) ایک ارمان (آیا) تھا جس کو انہوں نے ظاہر کر دیا اور وہ بلاشبہ بڑے عالم تھے بایں وجہ کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔

تفسیر ⑯ "قال" ان کو یعقوب علیہ السلام نے "لن ارسله معكم حتّٰى تؤتون موثقا" عہد و پیمان "من اللّٰه" اور عہد موثق جس کو قسم کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہو اور بعض نے کہا ہے اپنے اوپر اللہ کو گواہ بنا کر مؤکد کیا گیا ہو۔ "لتأتنّنی به" اور لام اس میں داخل کیا گیا ہے اس لیے کہ کلام کا معنی قسم ہے۔ "لتأتنّنی به الّا ان یّحاط بكم" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مگر یہ

کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مگر یہ کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور مقابلہ کی طاقت نہ رکھو۔ اور واقعہ میں یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بہت دل گرفتہ ہوئے اور بہت کوشش کی اور یعقوب علیہ السلام کے پاس بنیامین کو بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ”فلمّا اتوہ موثقھم قال“ یعنی یعقوب علیہ السلام ”اللّٰہ علی ما نقول و کیل“ گواہ ہے۔ کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام نے ”فاللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الرّاحمین“ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری عزت کی قسم! تو نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ میں ان دونوں کو ضرور آپ کے پاس واپس لاؤں گا۔

⑰ ”وقال“ جب وہ یعقوب علیہ السلام سے روانہ ہونے لگے تو فرمایا۔ ”یا بَنیَّ لا تدخلوا من باب وّاحد وادخلوا من ابواب متفرّقۃ“ کیونکہ وہ لوگ بڑے خوبصورت دراز قد اور مضبوط جسم والے تھے تو یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا کہ ان کو نظر نہ لگ جائے تو ان کو حکم دیا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ نظر لگنے سے بچ جائیں کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے اور اثر میں وارد ہوا ہے کہ نظر بندے کو قبر اور اونٹ کو قدر (ہنڈیا) میں داخل کر دیتی ہے۔ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو یہ اُمید تھی کہ اگر وہ جدا جدا ہو کر داخل ہوں گے تو یوسف علیہ السلام کو بھی دیکھ لیں گے اور پہلا قول اصح ہے۔ ”وما اغنی عنکم من اللّٰہ من شیء“ معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیا ہے تو وہ تم کو ضرور پہنچے گا چاہے تم اکٹھے ہو یا جدا کیونکہ مقدر ہو کر رہتا ہے اور تدبیر تقدیر کے آگے نفع نہیں دیتی۔ ”ان الحکم“ نہیں ہے حکم ”الاّ للّٰہ“ یعقوب علیہ السلام نے اللہ کی طرف معاملہ سپرد کر دیا ہے ”علیہ توکّلت وعلیہ فلیتوکّل المتوکّلون“

⑱ ”ولمّا دخلوا من حیث امر ھم ابوھم“ یعنی مختلف دروازوں سے اور بعض نے کہا ہے کہ شہر فرماء کے چار دروازے تھے ان سے داخل ہوئے۔ ”ما کان یغنی عنھم من اللّٰہ شیء“ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی بات کی تصدیق کر دی ہے۔ ”الاّ حاجۃ فی نفس یعقوب قضاھا“ ان پر ویسی شفقت کی جیسی کوئی بھی باپ اپنی اولاد پر کرتا ہے جب وہ سفر پر جانے لگے۔ ”وانّہ لذو علم“ یعنی جو کچھ وہ کرتے تھے علم کی وجہ سے کرتے تھے نہ کہ جہالت کی وجہ سے۔ ”لما علّمناہ“ یعنی ہماری تعلیم کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اس کو محفوظ رکھتے ہیں جو ہم نے ان کو علم دیا۔ ”ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون“ جو کچھ یعقوب علیہ السلام جانتے تھے اس لیے کہ وہ درست علم کے راستے پر نہیں چلے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرک نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو کیا الہام کیا ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْکَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑲

ترجمہ اور جب یہ لوگ (برادران یوسفؑ) یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے (تو) انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا (اور تنہائی میں ان سے) کہا کہ میں تیرا بھائی یوسفؑ ہوں سو یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکی) کرتے رہے ہیں اس کا رنج مت کرنا۔

اوی الیہ اخاہ کی تفسیر

تفسیر ⑲ "ولمّا دخلوا علٰی یوسف" تو کہا یہ ہمارا بھائی ہے جس کے لانے کا آپ علیہ السلام نے حکم دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے کہاتم نے اچھا کیاعنقریب تم اس کی جزا پاؤ گے۔ پھران کومہمان بنایااور خوب اکرام کیااور دسترخوان پر دو دو کوبٹھایاتو بنیامین اکیلے رہ گئےتو وہ غمزدہ ہوکر کہنے لگے کہ اگر میرا بھائی یوسف علیہ السلام آج زندہ ہوتاتو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتاتو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اکیلارہ گیا ہےتو ان کو اپنے ساتھ بٹھالیااور رات کو بھی اپنے ساتھ سلایا کیونکہ ہر دو آدمیوں کو ایک بستر دیا تھا۔ بنیامین اکیلے رہ گئے تو اپنے ساتھ سلالیا۔ پھرصبح کو ان کو کہا کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں، میں اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ پھران کو الگ جگہ دی اور بنیامین کو اپنے ساتھ ٹھہرایا۔

تو یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "آوىٰ اليه اخاه" اوران سے ساری تفصیل پوچھی کہ آپ کا نام کیا ہے؟ والدہ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہاراحیل بنت لاوی۔ پھر پوچھا کہ آپ کی کوئی اولاد بھی ہے انہوں نے کہادس بچے ہیں۔ پھر پوچھا کہ کوئی ماں شریک بھائی بھی ہے؟ انہوں نے کہاایک بھائی تھا وہ فوت ہوگیا تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تیرے اس بھائی کے بدلے بھائی بن جاؤں؟

تو بنیامین نے کہا کہ آپ علیہ السلام جیسا بھائی کس کو ملے گا؟ لیکن آپ علیہ السلام یعقوب اور راحیل کی اولاد نہیں ہیں تو یوسف علیہ السلام رو پڑے اوران کو گلے لگا کر کہا "انّی انا اخوک فلا تبتئس" یعنی غم نہ کر "بما کانوا یعملون" کچھ بھی ماضی میں ہمارے ساتھ کر چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور جو بات میں نے تجھے بتائی وہ ان کو نہ بتانا۔ پھر یوسف علیہ السلام نے ان کو پورا غلہ دیا اور ایک ایک کو ایک اونٹ کا غلہ دیا اور بنیامین کو بھی ایک اونٹ کا سامان دیا۔ پھر بادشاہ کا پیالہ بنیامین کے کجاوہ میں رکھنے کا حکم دیا۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کے کجاوہ میں پیالہ رکھوایا لیکن اس کومعلوم نہ تھا۔ کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام نے کہامیں تیرا بھائی ہوں تو بنیامین نے کہا کہ میں اب آپ کو چھوڑ کر نہ جاؤں گا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو میری وجہ سے والد کے غم کو جانتا ہے اب میں نے تجھے روک لیا تو ان کا غم اور بڑھ جائے گا، اب میں تجھے ایک ہی صورت میں روک سکتا ہوں کہ تجھے کسی رسوا کردینے والی چیز سے مشہور کردوں گا تو انہوں نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے آپ کچھ بھی کریں مجھے اپنے سے جدا نہ کریں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنا پیمانہ آپ کے کجاوہ میں چھپادوں گا پھر آپ کے چوری کرنے کی خبر پھیلادوں گا تا کہ آپ میرے پاس رہ سکیں تو بنیامین نے کہا جو آپ چاہیں کریں۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ⑰ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ⑱ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ

جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوۡا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو وہ ان (تلاش کرنے والوں) کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہی کا پیمانہ نہیں ملتا (وہ غائب ہے) اور جو شخص اس کو لا کر حاضر کرے اس کو ایک بار شتر غلہ ملے گا اور میں اس (کے دلوانے) کا ذمہ دار ہوں یہ لوگ کہنے لگے کہ بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور ہم لوگ چوری کرنے والے نہیں ان ڈھونڈنے والے) لوگوں نے کہا اچھا اگر تم جھوٹے نکلے تو اس (چور) کی کیا سزا؟

السقایۃ کی مختلف تفاسیر

تفسیر ⑦⓪ "فلمّا جهّزهم بجهازهم جعل السقاية فى رحل اخيه" یہ پیالا تھا جس میں بادشاہ پانی وغیرہ پیتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زمرد کا تھا اور ابن اسحٰق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چاندی کا تھا اور بعض نے کہا ہے سونے کا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے اس کو مکیال بنالیا تھا تا کہ اس کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ کیل نہ کیا جائے۔ یوسف علیہ السلام اس سے پانی وغیرہ پیتے تھے اور سقایہ اور صواع ایک ہیں، اس کو بنیامین کے غلہ میں رکھ دیا۔ پھر وہ چل پڑے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو مہلت دی وہ چلتے ہوئے ایک منزل تک سفر کر گئے اور بعض نے کہا ہے وہ آبادی سے نکل گئے۔ پھر ان کے پیچھے آدمی بھیجے جنہوں نے ان کو روکا۔ "ثمّ اذّن مؤذّن" آواز لگانے والے نے آواز لگائی "ايّتها العير وہ قافل جس میں غلہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تجارتی قافلہ گدھوں پر سوار تھا اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اونٹوں پر۔ انكم لسارقون" یہ بات انہوں نے یوسف علیہ السلام کے حکم کے بغیر کہی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے حکم سے یہ بات کہی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے تاویل کے ساتھ ان کو چور کہا تھا کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو ان کے والد سے چرایا تھا۔ جب قاصد ان تک پہنچے تو ان کو کہا کہ کیا ہم نے تمہاری خوب ضیافت نہیں کی؟ اور تمہیں اچھا ٹھکانہ نہیں دیا؟ اور تمہارا تول پورا نہیں دیا؟ اور تمہارے ساتھ وہ رویہ اپنایا جو کسی دوسرے کے ساتھ نہیں اپنایا؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں تو انہوں نے پوچھا اب کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے اور تمہارے علاوہ ہمیں کوئی مشکوک نہیں لگتا۔

⑦① "قالوا و اقبلوا عليهم اعلان کرنے والے اور اسی کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے ماذا تفقدون" تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے اور فقدان وجدان کی ضد ہے۔

⑫ "قالوا نفقد صواع الملک ولمن جاء به حمل بعیر جواس کو لے آئے گا اس کو انعام کے طور پر ایک اونٹ بوجھ زیادہ دیا جائے گا۔ وانا به زعیم" ضامن یہ آواز لگانے والے نے کہا۔

⑬ "قالوا" یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی کہنے لگے "تاللّٰہِ" واللہ۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے صرف اسی اسم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ واؤ کو تاء کے ساتھ تبدیل کردیا جاتا ہے۔ "لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض" مصر میں چوری کرنے نہیں آئے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان کو کیسے کہہ دیا کہ تم جانتے ہو کہ ہم فساد فی الارض والے نہیں ان کو یہ علم کیسے ہوا تھا؟ جواب یہ ہے کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تھے تو اپنے جانوروں کے منہ ڈھانپ دیئے تھے کہ یہ کسی کی چیز پر منہ نہ مار سکیں تو ان کے بارے میں معروف ہوگیا کہ جو چیز ان کی نہ ہو یہ اس کو نہیں لیتے۔ "وما کنّا سارقین"

⑭ "قالوا" آواز لگانے والا اور اس کے ساتھی کہنے لگے "فما جزاؤہ" چور کی سزا کیا ہے۔ "ان کنتم کاذبین" تمہارے کہنے پر کہ تم چور نہیں ہو۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ⑮ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ⑯

ترجمہ: انہوں نے جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جس شخص کے اسباب میں ملے پس وہی شخص اپنی سزا ہم لوگ ظالموں (یعنی چوروں) کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں پھر یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی (کے اسباب) کے تھیلے سے قبل تلاشی کی ابتدا اول دوسرے بھائیوں کے (اسباب کے) تھیلوں سے کی پھر (آخر میں) اس (برتن) کو اپنے بھائی (کے اسباب) کے تھیلے سے برآمد کرلیا ہم نے یوسفؑ کی خاطر سے اس طرح تدبیر فرمائی یوسف اپنے بھائی کو اس بادشاہ (مصر) کے قانون کے رو سے نہیں لے سکتے تھے مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجوں تک بڑھا دیتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔

تفسیر ⑮ "قالوا" یوسف علیہ السلام کے بھائی کہنے لگے "جزاؤہ من وّجد فی رحله فهو جزاؤہ" پس چور اس کی جزاء ہے یہ کہ چور کو چوری کے مال کے ساتھ جس کی چوری کی ہے اس کے حوالے کردیا جائے گا وہ اس کو ایک سال غلام بنائے رکھے گا۔ چور کے بارے میں یہی آل یعقوب علیہ السلام کا طریقہ تھا اور ملک مصر کا قانون چور کے بارے میں یہ تھا کہ چور کو مارا جائے گا کہ وہ چوری کیے ہوئے مال کے دُگنے مال کا تاوان دے گا تو یوسف علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیں تو فیصلہ کا اختیار انہی کو دے دیا تا کہ ان کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو روک سکیں۔ "کذالک نجزی

الظالمین" غیر کا مال چوری کرنے والے کے ساتھ تو اس وقت قاصد نے کہا کہ اب تمہارے سامان کی تفتیش کی ضرورت ہے۔

⑯ "فبدأ باوعیتھم" تہمت کو دور کرنے کے لیے "قبل وعاءِ اخیہ "ان سب کے سامان کی باری باری تلاشی لی گئی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ وہ جس کا سامان کھول کر اس میں دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتے کہ ان پر تہمت لگائی ہے۔ یہاں تک کہ صرف بنیامین باقی رہ گئے تو کہا میرا خیال نہیں کہ اس نے وہ پیالہ لیا ہوگا تو ان کے بھائیوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ ان کے سامان کو بھی ضرور دیکھیں کیونکہ اس سے تمہارے اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے گا۔ جب انہوں نے بنیامین کا سامان کھولا تو اس سے پیالا نکال لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ثمّ استخرجھا من وعاء اخیہ" "استخرجھا" کی ضمیر کو مؤنث لائے ہیں اور الصواع مذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول "ولمن جاء بہ حمل بعیر" کی دلیل کی وجہ سے۔ اس لیے کہ یہاں ضمیر کو "العقابۃ" کی طرف لوٹایا ہے اور بعض نے کہا ہے الصواع مذکر و مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ جب انہوں نے پیالہ بنیامین کے کجاوے سے نکالا تو سارے بھائیوں نے شرم سے سر جھکا لیا اور پھر بنیامین پر متوجہ ہوئے اور کہنے لگے تو نے کیا کیا؟ ہمیں رسوا کر دیا اور ہمارے چہرے سیاہ کر دیئے اے راحیل کے بیٹے!"کذلک کدنا لیوسف" اس جگہ کید سے مراد ہے کید یہاں کید پہلی کید کی جزاء کے معنی میں ہے۔ یعنی ان لوگوں نے جیسے ابتداء میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ تدبیر کی ہم نے بھی ان کے ساتھ ویسے کیا اور یعقوب علیہ السلام نے بھی یوسف علیہ السلام کو کہا تھا "فیکیدوا لک کیدا" کید کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو بمعنی حیلہ اور اللہ کی طرف کی ہو تو بمعنی حق تدبیر۔ "ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک" یعنی اس کے قانون میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی سلطنت میں "الاّ ان یشاء اللّٰہ" یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے پر قادر نہ ہوتے بادشاہ کے قوانین کے مطابق اگر ہم اپنی مہربانی سے ان کو ایک حق تدبیر نہ بتاتے جس سے ان کو راستہ مل گیا۔ "نرفع درجات من نّشاء" علم کے ذریعے جیسے ہم نے یوسف علیہ السلام کا درجہ ان کے بھائیوں پر بلند کیا۔

اور یعقوب رحمہ اللہ نے "یرفع" اور "یشآء" دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور درجات کی اضافت اس سورت میں "من" کی طرف کی ہے اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں فعل اللہ تعالیٰ کی طرف مسند ہے اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول "الاّ ان یشاء اللّٰہ" میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور باقی حضرات نے ان دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے مگر کوفی حضرات نے (درجات) تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے علاوہ سے اضافت کے ساتھ۔ یعنی ہم اس کو بلند کرتے ہیں اور یہاں بھی واقع اللہ تعالیٰ ہیں۔

"وفوق کلّ ذی علم علیم" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہوتا ہے یہاں تک کہ علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عالم کے اوپر ہیں۔

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ. فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ. قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّکَانًا. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ⑦⑦ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا کَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَهٗ. اِنَّا نَرٰىکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ⑦⑧

ترجمہ کہنے لگے کہ (صاحب) اگر اس نے چوری کی تو (تعجب نہیں کیونکہ) ایک بھائی (تھا وہ) بھی (اسی طرح) اس سے پہلے چوری کر چکا ہے پس یوسفؑ نے اس بات کو (جو آگے آتی ہے) اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے (زبان سے ظاہر نہیں کیا یعنی (دل میں) یوں کہا کہ اس (چوری کے) درجہ میں تو تم (اور بھی زیادہ) برے ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کی حقیقت کا اللہ ہی کو خوب علم ہے کہنے لگے اے عزیز اس (بنیامین) کے ایک بہت بوڑھا باپ ہے سو آپ (ایسا کیجئے) اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے (اور اپنا مملوک بنا لیجئے) ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں۔

تفسیر ⑦⑦ "قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل" اس کے ماں شریک بھائی سے مراد یوسف علیہ السلام تھے۔ اس چوری میں اختلاف ہے جس کے ساتھ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو موصوف کیا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے رشتہ دار کا بت تھا جس کی وہ عبادت کرتا تھا تو یوسف علیہ السلام نے اس کو چپکے سے اُٹھا کر راستے میں ڈال دیا یا توڑ دیا تا کہ اس کی عبادت نہ کی جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے پاس ایک سائل آیا تو گھر سے ایک انڈا اُٹھا کر اس کو دے دیا سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعقوب علیہ السلام کے گھر سے ایک مرغی پکڑ کر سائل کو دے دی تھی۔ اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دستر خوان سے فقراء کے لیے کھانا چھپا لیتے تھے اور محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی جو اسحٰق رحمہ اللہ کی بیٹی تھیں کے گھر رہتے تھے، اپنی والدہ راحیل کی وفات کے بعد تو ان کی پرورش ان کی پھوپھی نے کی اور ان سے بہت زیادہ محبت ہوگئی جب یوسف علیہ السلام چلنے لگے تو یعقوب علیہ السلام نے کہا اے بہن! یوسف علیہ السلام مجھے واپس کر دے، مجھ سے وہ ایک گھڑی دور ہوں مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

اس نے کہا اللہ کی قسم! میں اس کو نہ چھوڑوں گی اور کہا کہ کچھ دن اور میرے پاس رہنے دیں۔ یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ یوسف علیہ السلام کی پھوپھی کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک پٹکا تھا جو ان کی وراثت میں آیا تھا اور یہ خاتون کیونکہ ان کی بڑی بیٹی تھیں تو یہ ان کو ملا تو انہوں نے وہ پٹکا یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، وہ بچے تھے پھر کہنے لگیں کہ اسحاق علیہ السلام کا پٹکا گم ہوگیا ہے، سب گھر والوں کی تلاشی لو۔ جب تلاشی لی تو وہ یوسف علیہ السلام کے پاس ملا تو انہوں نے کہا کہ اب اس کو میرے حوالے کیا جائے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اگر یوسف نے ایسا کیا ہے تو آپ کے حوالے ہے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے مرتے دم تک اپنے پاس رکھا تو اس وجہ سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا "ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل فاسرّها اس کو چھپایا یوسف فی نفسه ولم یبدها لهم اور یہاں

"یبدھا" کی ضمیر مؤنث لائے ہیں اس لیے کہ اس سے "الکلمۃ" مراد ہے اور وہ باری تعالیٰ کا قول "قال انتم شرّ مکانا" ہے اس کو اپنے دل میں ذکر کیا اور اس کی صراحت نہیں کی۔ مراد یہ ہے کہ "انتم شرّ مکانا" مرتبہ میں اللہ کے ہاں اس سے یوسف علیہ السلام جس پر تم نے چوری کی تہمت لگائی ہے اس لیے کہ یوسف علیہ السلام نے حقیقت میں چوری نہ کی تھی اور تمہاری خیانت حقیقت میں ہے۔ قال انتم شرّ مکانا" یہ بات اپنے دل میں کہی ان کو صراحتاً نہ کی تھی۔ "واللہ اعلم ما تصفون"

⑱ "قالوا یایّھا العزیز انّ لہ ابا شیخا کبیرا" ان لوگوں کو اس وقت بڑا سخت غصہ آیا اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو جب غصہ آتا تو ان سے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہ تھی اور روبیل کو جب غصہ آتا تو اس کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی اور جب وہ چیخ مارتا تو جو حاملہ عورت اس کی آواز سن لیتی اس کا حمل گر جاتا لیکن اگر یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی اس کے غصہ کی حالت میں اس کو ہاتھ لگا دیتا تو اس کا غصہ ختم ہو جاتا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حالت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے شمعون کی تھی۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ اس نے بھائیوں کو کہا کہ مصر کے بازاروں کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا دس۔ اس نے کہا تم لوگ بازاروں کو کافی ہو جاؤ۔ اور میں تمہیں بادشاہ کی طرف سے کافی ہو جاتا ہوں یا میں بازار والوں کو کافی ہو جاتا ہوں اور تم بادشاہ کو کافی ہو جاؤ تو یہ لوگ یوسف علیہ السلام پر داخل ہوئے اور روبیل نے کہا کہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دو ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ مصر میں کوئی عورت حاملہ نہ رہے گی سب کے حمل گر جائیں گے اور غصہ سے اس کے جسم کے بال کھڑے ہو کر کپڑوں سے نکل آئے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا کہ روبیل کے پہلو میں ٹھہر کر اس کو ہاتھ لگا دو اور روایت کیا گیا ہے کہ اس کو کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آ۔ وہ بچہ گیا اور ہاتھ لگایا تو روبیل کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو روبیل کہنے لگا کہ یہاں یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے کوئی ہے تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ یعقوب علیہ السلام کون ہیں؟ روایت کیا گیا ہے کہ اس کو دوبارہ غصہ آ گیا تو یوسف علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اس کو ٹانگ مار کر نیچے گرا دیا اور کہا اے عبرانیو! تم سمجھتے ہو کہ تم سے طاقتور کوئی نہیں ہے؟ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اب یہاں چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے تو کہنے لگے اے عزیز! اس کا بوڑھا والد ہے جو اس سے محبت کرتا ہے۔ "فخذ احدنا اس کے بدلے مکانہ انّا نراک من المحسنین"

قَالَ مَعَاذَاللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ⑲ فَلَمَّا اسْتَايْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِىْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِىْۤ اَبِىْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِىْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ⑳

ترجمہ یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ ایسی (بے انصافی کی) بات سے خدا بچاوے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کے رکھ لیں اس حالت میں تو ہم بڑے بے انصاف سمجھے جاویں گے پھر جب ان کو یوسفؑ سے تو بالکل امید نہ رہی (کہ بنیامین کو دینگے تو (اس جگہ سے) علیحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے

ان سب میں جو بڑا تھا اس نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر پکا قول لے چکے ہیں اوراس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں کس قدر کوتاہی کر ہی چکے ہو سو میں تو اس زمین سے ٹلتا نہیں تاوقتیکہ میرے باپ مجھ کو (حاضری کی) اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اس مشکل کو سلجھائے اور وہی خوب سلجھانے والا ہے۔

تفسیر آپ علیہ السلام کے ان افعال میں جو ہم سے کیے کہ ماپ پورا کیا اور اچھی مہمان نوازی کی اور قیمت بھی واپس کردی اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے یہ مراد لیا تھا کہ اگر آپ نے یہ کیا تو آپ نیکی کرنے والوں میں ہوں گے۔

⑲ "**قال یوسف** نے "**معاذ اللّٰہ**" میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں "**ان ناخذ الاّ من وجدنا متاعنا عندہ**" یہ نہیں کہا کہ جس نے ہماری چوری کی جھوٹ سے بچنے کے لیے۔ "**انا اذا لظالمون**" اگر ہم مجرم کی جگہ بے گناہ کو پکڑ لیں۔

⑳ "**فلمّا استیئسوا منہ**" ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو یقین ہو گیا کہ ان کا بھائی ان کے ساتھ نہ بھیجا جائے گا۔ "**خلصوا نجیّا**" آپس میں سرگوشیاں اور مشورے کرنے لگے۔ **النجی** جماعت کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور ایک کے لیے بھی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وقرّبناہ نجیّا**" یہ ایک اور جمع کے لیے اس لیے جائز ہے کہ یہ مصدر ہے۔ صفت بنایا جاتا ہے، عدل اور زور کی طرح اور اسی کی مثل نجویٰ کا لفظ اسم اور مصدر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**واذھم نجویٰ**" یعنی متناجون اور فرمایا "**ما یکون من نجویٰ ثلاثۃ**" اور مصدر استعمال کر کے فرمایا "**انّما النجویٰ من الشیطان**" ...... "**قال کبیرھم**" یعنی عقل اور علم میں نہ کہ عمر میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ یہوذا تھا جوان میں زیادہ سمجھدار تھا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شمعون تھا۔

اس کے لیے بھائیوں پر سرداری تھی اور قتادہ، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روبیل تھا یہ ان میں عمر میں بڑا تھا اور ابتداء میں یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے سے بھی اس نے منع کیا تھا۔ "**الم تعلموا ان اباکم قد اخذ علیکم موثقا من اللّٰہ ومن قبل ما فرّطتم**" تم نے کوتاہی کی "**فی یوسف**" اور "**ما**" کے محل میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے اس کا محل نصب ہے اس پر علم واقع کرنے کے ساتھ۔ یعنی کیا تم نہیں جانتے۔ اس سے پہلے تمہاری یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی اور بعض نے کہا ہے یہ محل رفع میں ہے ابتداء کی بناء پر اور کلام اس کے قول "**من اللّٰہ**" پر مکمل ہو گئی ہے۔ پھر فرمایا "**ومن قبل**" یہ تمہاری یوسف علیہ السلام کے بارے میں زیادتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "**ما**" صلہ یعنی اس سے پہلے تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں زیادتی کی۔ "**فلن ابرح الارض**" جس میں میں ہوں یعنی مصر۔ "**حتی یاذن لی ربی**" اس سے نکلنے کی اور مجھے گھر بلائے۔ **فلن ابرح الارض حتّی یاذن لی ابی** "واپس بلالے۔

"**او یحکم اللّٰہ لی**" میرے بھائی کو لوٹا دے یا میرے نکلنے کا بھائی کو چھوڑ کر اور بعض نے کہا ہے کہ یا اللہ! میرے بارے میں تلوار کا فیصلہ کر دے کہ میں ان سے قتال کر کے بھائی کو لے جاؤں۔ "**وھو خیر الحاکمین**"

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَ مَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡہَا وَ الۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡہَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِہِمۡ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۸۳﴾

ترجمہ تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ اور (جا کران سے) کہو کہ اے ابا آپ کے صاحبزادے (بنیامین) نے چوری کی (اس لئے گرفتار ہوئے) اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کو (مشاہدہ سے) معلوم ہوا ہے اور ہم غیب کی باتوں کے تو حافظ تھے نہیں اور اس بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم (اس وقت) موجود تھے اور اس قافلے والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر (یہاں) آئے ہیں اور یقین جانیے ہم بالکل سچ کہتے ہیں یعقوبؑ فرمانے لگے بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا مجھ کو) اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو مجھ تک پہنچادے گا (کیونکہ) وہ خوب واقف ہے بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر ⑧① "**ارجعوا الی ابیکم**" جو بھائی مصر میں رُک گیا اس نے اپنے بھائیوں کو یہ کہا "**فقولوا یا ابانا انّ ابنک سرق وما شهدنا الاّ بما علمنا**" ہم نے وہی بات کی جس کا ہم نے مشاہدہ کیا کہ وہ پیالہ اس کے سامان سے برآمد ہوا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آدمی (بادشاہ) کو یہ بات تمہاری وجہ سے معلوم ہوئی کہ چوری کے مال کے بدلے میں بندہ کو قید کیا جاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کے سامنے وہی گواہی دی جو ہم جانتے تھے کہ چور کو غلام بنایا جاتا ہے اور یہ قانون یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے ہاں تھا۔ "**وما کنّا للغیب حافظین**" مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ علیہ السلام کا بیٹا چوری کرے گا اور یہ قانون ہماری ہی طرف لوٹے گا۔

اور ہم نے نے جو تحفظ بھائی کے بارے میں کہا تھا مطلب یہ تھا کہ جو اس کی حفاظت میں ہم سے ہو سکے گی کریں گے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اس کے دن اور رات اور آنے اور جانے کے حافظ نہ تھے اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ **وما کنا للغیب حافظین** شاید اس نے رات کو اپنے کجاوہ میں وہ چھپالیا ہو۔

⑧② "**واسأل القریة الّتی کُنّا فیها**" یعنی بستی والوں سے اور وہ مصر کے لوگ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ مصر کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے انہوں نے اس سے مصر کی طرف کوچ کیا تھا۔ "**والعیر الّتی اقبلنا فیها**" یعنی وہ قافلہ جس میں ہم تھے کیونکہ ان کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کے پڑوس میں کنعان کی ایک اور قوم بھی سفر میں تھی۔ "**وانّا لصادقون**" اگر یہ اعتراض ہو کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو اطلاع دیئے بغیر اپنے بھائی کو اپنے پاس کیسے روک لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ والد کو اس سے شدید محبت ہے اور اس کے نہ جانے کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگی تو یوسف علیہ السلام کے لیے والد کو تکلیف

دینا کیسے جائز ہوگیا؟ تو جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا کہ یعقوب علیہ السلام کی آزمائش زیادہ کرکے ان کے اجر میں اضافہ کریں اور ان کو ان کے گزشتہ آباء کے درجہ میں پہنچادیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر اپنا آپ ظاہر نہیں کیا اس لیے کہ وہ ان سے مطمئن نہ تھے کہ وہ اب بھی ان کے بارے میں کوئی تدبیر کرکے ان کو والد سے چھپادیں، اور پہلا قول اصح ہے۔

⑧③ "قال بل سوّلت لکم" مزین کردیا ہے "انفسکم امراً" اور اس میں اختصار ہے اس کا معنی پس وہ لوٹے اپنے والد کی طرف اور ان کے بڑے بھائی نے جو کچھ کہا تھا وہ والد کو بتایا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا "بل سوّلت لکم انفسکم امرا" تمہارا اپنے بھائی کو جلدی نفع کو لینے کے لیے مصر لے جانا۔ "فصبر جمیل عسی اللّٰہ ان یاتینی بھم جمیعا" یوسف علیہ السلام، بنیامین اور ان کا بھائی جو مصر میں رہ گیا۔ "انّه هو العلیم" میرے غم کو ان کے گم ہونے پر "الحکیم" اپنی مخلوق کی تدبیر میں۔

وَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰی عَلٰی يُوۡسُفَ وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ ⑧④ قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰی تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ⑧⑤ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ⑧⑥

ترجمہ: اور ان سے دوسری طرف رخ کرلیا اور کہنے لگے ہائے یوسف افسوس اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑگئیں اور وہ (غم سے جی ہی جی میں) گھٹا کرتے تھے بیٹے کہنے لگے بخدا (معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کے دم بلب ہوجاؤ گے یا یہ کہ (بالکل) مرہی جاؤ گے یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

تفسیر ⑧④ "وتولّی عنھم" جب یعقوب علیہ السلام کو بنیامین کی خبر پہنچی تو غم انتہاء کو پہنچ گیا اور اس کے غم نے یوسف علیہ السلام کا غم بھی تازہ کردیا تو ان بیٹوں سے اعراض کیا اور کہا "وقال یا اسفا ہائے غم علی یوسف اور اسف سخت ترین غم وابیضّت عیناہ من الحزن یعنی نابینا ہوگئے تھے۔ مقاتل فرماتے ہیں چھ سال سے کچھ نہ دیکھ سکے تھے۔ "فھو کظیم" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے اپنے والد سے جانے اور دوبارہ ملاقات کے درمیان اسّی (۸۰) سال کا عرصہ لگ گیا لیکن اس عرصہ میں یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور روئے زمین پر یعقوب علیہ السلام سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔

⑧⑤ "قالوا" یعقوب علیہ السلام کی اولاد "تاللّٰہ تفتؤ تذکر یوسف حتّٰی تکون حرضًا" یعنی ہمیشہ یوسف علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حرضًا کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دفن ہوجائیں گے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الحرض موت سے کم حالت یعنی موت کے قریب ہوجانا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاسد جس میں عقل نہ ہو اور الحرض جس کا

جسم اور عقل خراب ہو چکی ہو اور بعض نے کہا غم میں پگھل رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ حرض کا معنی ہے غم یا ضعف پیرانہ سالی کی وجہ سے بدن کا یا مذہب کا' یا عقل کی بگاڑ پیدا ہوگئی ہو اور آیت کا معنی یہ ہے کہ حتیٰ کہ آپ کمزور جسم مخبول العقل ہو جائیں گے۔ "او تکون من الهالكين" یعنی مُردہ لوگوں میں سے۔

⑧⑥ "قال" یعقوب علیہ السلام نے اس وقت جب ان کی سختی دیکھی۔ "انّما اشكوا بثّی و حزنی الی اللّٰه" بث شدید غم۔

انما اشكوا بثى وحزنى الى الله كا شانِ نزول

روایت کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا ایک پڑوسی آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا اے یعقوب علیہ السلام آپ کی حالت کس چیز نے تبدیل کر دی ہے آپ تو بالکل کمزور اور فناء ہو چکے ہیں حالانکہ اس عمر کو نہیں پہنچے جس کو آپ علیہ السلام کے والد پہنچے تھے تو یعقوب علیہ السلام نے کہا مجھے اس آزمائش نے کمزور اور فناء کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا غم دے کر مجھ سے لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے یعقوب کیا آپ میری مخلوق کے سامنے میری شکایت کر رہے ہیں؟ تو یعقوب علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ پھر جب بھی یعقوب علیہ السلام سے ایسا سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے "انّما اشكوا بثّی و حزنی الی اللّٰه"

اور روایت کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز نے آپ علیہ السلام کی نگاہ ختم کر دی اور آپ علیہ السلام کی کمر جھکا دی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے یوسف علیہ السلام پر رونے نے میری نگاہ ختم کر دی اور اس کے بھائی کے غم نے میری کمر جھکا دی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کیا آپ علیہ السلام میری شکایت کر رہے ہیں؟ پس میری عزت اور جلال کی قسم! میں آپ علیہ السلام کی مصیبت دور نہ کروں گا جب تک آپ مجھے نہ پکاریں تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے کہا "انّما اشكوا بثّی و حزنی الی اللّٰه"

تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی میری عزت اور جلال کی قسم! اگر وہ دونوں مر بھی گئے ہوتے تو میں ان کو آپ کے لیے زندہ کر دیتا اور میں نے تم پر یہ آزمائش اس وجہ سے ڈالی کہ تم نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ تمہارے دروازے پر ایک مسکین کھڑا تھا تم نے اس کو کھانے کے لیے کچھ نہ دیا اور مجھے اپنی مخلوق میں سب سے محبوب انبیاء علیہم السلام ہیں پھر مساکین تو آپ علیہ السلام کھانا تیار کرا کے مساکین کو دعوت دیں تو آپ علیہ السلام نے کھانا تیار کرا کے اعلان کرایا کہ جو روزہ دار ہو آج آل یعقوب علیہم السلام کے پاس افطار کرے اور روایت کیا گیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی صبح دوپہر کا کھانا کھاتے تو کسی کو آواز لگانے کا کہتے کہ جس نے کھانا کھانا ہو تو یعقوب علیہ السلام کے پاس آجائے اور جب افطار کرنا ہوتا تو آواز لگواتے کہ جس نے افطار کرنا ہو یعقوب علیہ السلام کے پاس آجائے اور صبح و شام کا کھانا مساکین کے ساتھ کھاتے۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کو وحی کی کہ کیا آپ علیہ السلام جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ عتاب کیوں کیا اور آپ علیہ السلام کے بیٹے کو آپ علیہ السلام سے اسّی (۸۰) سال کیوں جدا کیا؟ یعقوب علیہ السلام نے کہا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری کا بچہ بھونا تھا اور اپنے پڑوسی پر بخل کیا تھا، خود کھایا اس کو نہ کھلایا۔

وہب اور سدی وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل جیل خانہ کے اندر حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور پوچھا: صدیق! کیا آپ نے مجھے پہچانا؟ حضرت یوسف نے فرمایا: میں ایک پاک صورت دیکھ رہا ہوں اور پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا میں روح الامین ہوں، رب العالمین کا قاصد ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: آپ تو سب سے بڑھ کر پاکیزہ، مقربین کے سردار اور رب العالمین کے امین ہیں اور یہ گناہ گاروں کے داخل ہونے کی جگہ ہے۔ یہاں آپ کے آنے کا کیا سبب ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا: یوسف! کیا آپ واقف نہیں کہ انبیاء کی پاکی کی وجہ سے اللہ (ناپاک) گھروں کو پاک کر دیتا ہے اور جس زمین میں پیغمبر داخل ہوتے ہیں، وہ ہر زمین سے زیادہ پاک ہو جاتی ہے۔ اے اطہر الطاہرین اور اے منتخب نیک بندوں کی اولاد! آپ کی وجہ سے اللہ نے قید خانہ کو اور اس کے ماحول کو پاک کر دیا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: آپ نے مجھے صدیق کے نام سے کیوں پکارا اور منتخب پاک لوگوں میں میرا شمار کیوں کیا؟ مجھے تو گناہ گاروں کے مقام میں داخل کیا گیا ہے اور بدچلن لوگوں کے ناموں میں میرا نام بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا: اللہ نے آپ کا نام صدیقوں میں شامل کیا، مخلص منتخب بندوں میں آپ کا شمار کیا اور آپ کے صالح اسلاف کی فہرست میں آپ کو داخل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل کو فتنہ میں نہ پڑنے دیا اور اپنی مالکہ کے کہے کو نہیں مانا۔ حضرت یوسف نے پوچھا: روح الامین! کیا آپ کو حضرت یعقوب کی بھی کوئی اطلاع ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا: جی ہاں، اللہ نے ان کو صبر جمیل عطا فرمایا۔ وہ آپ کے غم میں مبتلا ہوئے اور غم سے جی ہی جی میں گھٹتے رہے۔ حضرت یوسف نے پوچھا: ان کے غم کا کچھ اندازہ بھی ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا: ان ستر عورتوں کے غم کے برابر جن کے بچے مر گئے ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: جبرئیل! پھر ان کو اس کا اجر کس قدر ملے گا؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا: سو شہیدوں کے برابر۔ حضرت یوسف نے فرمایا: کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ میری ان سے ملاقات بھی (کبھی) ہوگی۔ حضرت جبرئیل نے جواب دیا: جی ہاں۔ یہ سن کر حضرت یوسف کا دل خوش ہو گیا اور فرمایا: جو کچھ مجھے پیش آیا اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر میں حضرت یعقوب کو دیکھ لوں۔

"واعلم من اللّٰہ مالا تعلمون" یعنی میں یوسف علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں جو بات جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عزرائیل، حضرت یعقوب کی ملاقات کو گئے تو حضرت یعقوب نے پوچھا: اے پاکیزہ خوشبو اور حسین صورت والے فرشتے! کیا آپ نے میرے بچہ کی روح قبض کی ہے؟ حضرت عزرائیل نے جواب دیا: نہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب کو کچھ سکون ہو گیا اور آپ کو حضرت یوسف کے دیکھنے کی تمنا ہوئی۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے: میں جانتا ہوں کہ یوسف کا خواب سچا ہے، میں اور تم سب آئندہ اس کو ضرور سجدہ کریں گے۔ سدی نے بیان کیا: جب بیٹوں نے باپ کو بادشاہ کے حسن سلوک کی اطلاع دی تو آپ کو حضرت یوسف کے زندہ ہونے کا خیال پیدا ہو گیا اور (ملنے کی) خواہش بھی اور فرمایا: شاید وہ یوسف ہو۔

یعقوب اسرائیل اللہ (عبداللہ) بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے شام مصر کے نام! حمد و ستائش کے بعد

واضح ہو کہ ہم ایسے گھرانے والے ہیں جو ہمیشہ سپرد مصائب رہے ہیں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ پھر اللہ نے اس آگ کو ان کیلئے ٹھنڈا اور سلامتی بنا دیا۔ میرے باپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی گردن پر چھری رکھ دی گئی۔ تا کہ ان کو ذبح کر دیا جائے مگر اللہ نے کا فدیہ (جنت سے مینڈھے کی شکل میں) بھیج دیا (اور ان کو محفوظ رکھا) اب رہا میں تو میرا ایک بیٹا تھا جو سب اولاد سے مجھے پیارا تھا۔ اس کے بھائی اس کو جنگل میں لے گئے۔ پھر (شام کو) اس کا خون آلودہ کرتا لا کر مجھے دے دیا اور کہا: اس کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اس پر روتے روتے میری آنکھیں جاتی رہیں۔ پھر میرا ایک بیٹا اور تھا جو مرحوم کا ماں جایا بھائی تھا۔ میں اس کو دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتا تھا۔

اب آپ نے اس کو روک لیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ ہم ایسے خاندان والے ہیں جو چوری نہیں کرتے نہ چور ہمارے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ میرے بیٹے کو مجھے واپس کر دیں تو بہتر ہے ورنہ آپ کو ایسی بددعا دوں گا کہ اس کا اثر آپ کی ساتویں نسل تک پڑے گا۔ حضرت یوسف نے خط پڑھا تو آنسوؤں کو روک نہ سکے اور سامنے آکر فرمایا **هل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیه اذ انتم جاهلون** یعنی جبکہ تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف آخر میں کس مرتبہ تک پہنچے گا۔ اس وقت تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ کچھ معلوم بھی ہے۔ بعض لوگوں نے جاهلون کا ترجمہ کیا ہے۔ قصوروار گنہگار۔ حسن بصری نے ترجمہ کیا: جبکہ تم جوان تھے اور جوانی کی جہالت میں مبتلا تھے اس وقت تم نے کیا کیا تھا۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور ان کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں پھر جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور ہم کچھ یہ نکمی چیز لائے ہیں سو آپ پورا غلہ دے دیجئے اور ہم کو خیرات (سمجھ کر) دے دیجئے بیشک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزا (ئے خیر) دیتا ہے یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا (کہو) وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا۔

تفسیر ⑧⑦ **"یا بُنی اذهبوا فتحسّسوا"** اس کی خبر لاؤ اور اچھی طرح اس کو ڈھونڈو **"من یوسف و اخیه"**...... **"تحسّسُ"** حاء اور جیم کے ساتھ معنی میں ایک دوسرے سے دور نہیں ہیں مگر تحسس حاء کے ساتھ خیر میں اور جیم کے ساتھ شر میں

بولا جاتا ہے اور تحسس کا معنی کسی چیز کو اپنے حواس سے تلاش کرنا۔ "ولا تیاسوا من روح اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی کشادگی سے۔ "انّہ لاییأس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون"

⑧⑧ "فلمّا دخلوا علیہ قالوا یا یّھا العزیز مسّنا واھلنا الضرّ" شدت اور بھوک۔ "وجئنا ببضاعۃ مُزجٰۃٍ" یعنی تھوڑے ردی پیسے جو غلہ کی قیمت نہیں بن سکتے مگر بائع کے چشم پوشی کرنے سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دراہم کھوٹے اور ردی تھے اور بعض نے کہا ہے کہ دیہاتیوں کے سامان اون پنیر وغیرہ تھی اور بعض نے کہا ہے کہ گندم کا ستو تھا اور بعض نے کہا ہے کہ چمڑا اور جوتے تھے۔ "فاوف لنا الکیل" جو آپ عمدہ پیسوں کے بدلے میں دیتے ہیں وہ ہمیں ان پیسوں کے بدلے میں دیدیں "وتصدّق علینا" عمدہ اور ردی قیمت کے درمیان جو فرق ہے اس کا ہم پر احسان کریں اور غلہ میں کمی نہ کریں۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور ابن جریج اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج کر ہم پر احسان کریں۔ "ان اللّٰہ یجزی المتصدّقین" ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوں نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء دیں گے کیونکہ ان کو عزیز کے مؤمن ہونے کا علم نہ تھا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صدقہ حرام تھا؟ تو سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتصدّق علینا انّ اللّٰہ یجزی المتصدّقین" نہیں سنا۔ سفیان رحمہ اللہ کی مراد یہ تھی کہ صدقہ ان کے لیے حلال تھا اور روایت کیا گیا ہے کہ حسن رحمہ اللہ نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا "اللّٰھمّ تصدّق علیّ" تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقہ نہیں کرتا صدقہ تو وہ کرتا ہے جو ثواب کو طلب کرتا ہے تو یوں کہہ "اللّٰھمّ اعطنی یا تفضّل علیّ"

⑧⑨ "قال ھل علمتم مافعلتم بیوسف واخیہ اذ انتم جاھلون" عطاء رحمہ اللہ کا اختلاف ہے کہ کس بات نے یوسف علیہ السلام کو یہ کلام کرنے پر اُبھارا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جب انہوں نے یہ کلام کی تو یوسف علیہ السلام کا دل نرم ہوا اور آنسو بہنے لگے اور جو چیز وہ چھپا رہے تھے وہ ظاہر ہوگئی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کا وہ خط پڑھا جو بھائی لائے تھے تو آنسوؤں پر ضبط نہ کر سکے اور یہ بات کہی۔ "ھل علمتم مافعلتم بیوسف الخ ......

اذ انتم جاھلون" کہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ کا انجام کیا ہوگا؟ اور بعض نے کہا ہے کہ "جاھلون مذنبون و عاصون" کے معنی میں ہے کہ جب تم گناہ کرنے والے تھے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم نوجوان تھے اور تمہارے ساتھ جوانی کی جہالت تھی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے بھائی کو تو کچھ نہ کہا تھا پھر یوسف علیہ السلام نے "ما فعلتم بیوسف و اخیہ" کیسے کہہ دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ جب پیالہ بنیامین کے کجاوہ سے ملا تو انہوں نے بنیامین کو کہا اے راحیل کے بیٹے ہم نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی اور بعض نے جواب دیا کہ یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد وہ بنیامین کو تکلیف دیتے تھے کیونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے ماں شریک بھائی تھے۔

قَالُوْٓا ءَ اِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ
وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ⑨⓪ قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا
لَخٰطِئِیْنَ ⑨① قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ⑨②

ترجمہ: کہنے لگے کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو انہوں نے فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا (حقیقی) بھائی ہے ہم پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے وہ کہنے لگے کہ بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی بیشک ہم (اس میں) خطاوار تھے یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں تم پر آج کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

تفسیر: ⑨⓪ "قالوا ء انک لانت یوسف" ابن کثیر اور ابوجعفر نے (انک) خبر کی بنا پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے استفہام کی بنا پر۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام پردہ کے پیچھے سے گفتگو کر رہے تھے جب یوسف علیہ السلام نے "ھل علمتم مافعلتم بیوسف" کہا تو پردہ ہٹا دیا تو انہوں نے پہچان لیا اور ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ بات کہی تو مسکرائے تو انہوں نے پروئے ہوئے موتیوں کی طرح چمکدار دانت دیکھ کر آپ کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی اور استفہاماً کہا "ائنک لانت یوسف؟" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نہ پہچانا تھا تو یوسف علیہ السلام نے اپنا تاج نیچے رکھ دیا تو ان کے سر پر ایک علامت تھی جو یعقوب علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور ان کی والدہ سارہ علیہا السلام کے سر پر بھی تھی تو اس وجہ سے پہچان لیا اور بعض نے کہا ہے کہ اندازہ کے طور پر کہا تھا "قال انا یوسف وھذا اخی" بنیامین "قدمنّ اللہ علینا" ہم پر احسان کیا کہ ہمیں جمع کر دیا۔ "انہ من یتق" فرائض کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب کے ساتھ۔ "ویصبر" ان سے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنا سے بچے گا اور کنوارہ ہونے پر صبر کرے گا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معصیت سے بچے گا اور قید پر صبر کرے گا۔ "فانّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین"

⑨① "قالوا" معذرت کرتے ہوئے "تاللہ لقد آثرک اللہ علینا" اللہ نے تجھے اختیار کیا اور ہم پر فضیلت دی "وان کنا لخاطئین" جو کچھ تیرے ساتھ ہم نے کیا نہ یہ کہ گناہ گار تھے۔ کہا جاتا ہے خطئی خطأ جب جان بوجھ کر کرے اور اخطأ کہا جاتا ہے جب بغیر عمد کے کرے۔

⑨② "قال" یوسف علیہ السلام نے اور وہ بردبار تھے "لاتثریب علیکم الیوم" تم پر کوئی عار نہیں ہے اور آج کے بعد میں تمہارے گناہ کا تذکرہ نہ کروں گا۔

"یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الرّاحمین" جب یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کرا دیا تو والد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رو رو کر ان کی نگاہ ختم ہوگئی ہے تو اپنی قمیص ان کو دی اور کہا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾

ترجمہ: اب تم میرا یہ کرتہ (بھی) لیتے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو (اس سے) ان کی آنکھیں روشن ہو جاویں گی اور اپنے (باقی) گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو (تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے وہ پاس والے کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔

تفسیر: ﴿93﴾ "اذھبوا بقمیصی ھٰذا فالقوہ علٰی وجہ ابی یاتِ بصیرا" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا تھا کہ اس طرح کرنے سے نگاہ ٹھیک ہو جائے گی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قمیص جنت کی بنی ہوئی تھی۔ مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ اپنی قمیص بھیج دیں یہ قمیص ابراہیم علیہ السلام کی تھی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے کپڑے اُتار کر ان کو عریان آگ میں ڈالا گیا تھا تو جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس جنت کے ریشم کی قمیص لائے تھے اور ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دی تھی۔ یہ قمیص ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہ گئی پھر آپ علیہ السلام کے بعد وراثت میں اسحاق علیہ السلام کو ملی۔ پھر ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کو ملی جب یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے ایک سرکنڈے میں یہ قمیص ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا اور اس سرکنڈے کو یوسف علیہ السلام کے گلے میں لٹکا دیا کیونکہ ان کو نظر لگ جانے کا خوف تھا تو وہ ہر وقت ان کے گلے میں رہتا۔ جب بھائیوں نے قمیص اُتار کر آپ علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور اس تعویذ سے قمیص نکال کر آپ علیہ السلام کو پہنا دی اور اس وقت بھی جبرئیل علیہ السلام آئے اور یوسف علیہ السلام کو کہا کہ یہ قمیص اپنے والد کے پاس بھیج دیں کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے جس بیمار یا مصیبت زدہ پر پڑے گی، اس کو عافیت ملے گی تو یوسف علیہ السلام نے یہ قمیص بھائیوں کو دے دی۔ اور کہا (القوہ علی وجہ ابی یات بصیرا) "واتونی باھلکم اجمعین"

﴿94﴾ "ولمّا فصلت العیر" جب وہ قافلہ مصر کی جھونپڑیوں سے نکل کر کنعان کی طرف متوجہ ہوئے۔ "قال ابوھم" یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں کو کہا "انّی لاجد ریح یوسف" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو تین دن کی مسافت سے آگئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ آٹھ راتوں کی مسافت سے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان اسّی فرسخ کا فاصلہ تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ بادِ صبا چلی اور قمیص کو پھڑ پھڑایا تو اس قمیص

کی خوشبو یعقوب علیہ السلام تک آئی تو انہوں نے جنت کی خوشبو محسوس کی تو جان لیا کہ زمین میں جنت کی خوشبو اس قمیص کے علاوہ نہیں ہے اس وجہ سے فرمایا انی لا جدریح یوسف اس قافلہ کے آنے سے پہلے "لو لا ان تفندون" تم مجھے کم عقل سمجھو گے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تم مجھے جاہل سمجھو گے اور فند کی اصل فساد ہے۔

⑮ "قالوا" یعنی یعقوب علیہ السلام کے پوتے کہنے لگے۔ "تاللہ انک لفی ضلالک القدیم" اپنی پرانی غلطی میں ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی یاد نہیں بھولتے۔ ضلال سے مراد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت اس کی یاد کی کثرت اور امید وصال رکھنے کی وجہ سے آپ کی عقل صحیح راستے سے ہٹ گئی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یوسف علیہ السلام مر چکے تھے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا. قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ. اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ⑯ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ⑰ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُلَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ⑱

ترجمہ پس جب خوشخبری والا آ پہنچا تو (آتے ہی) اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا پس فوراً ہی (ان کی) آنکھیں کھل گئیں آپ نے (بیٹوں) سے فرمایا کیوں نہیں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے سب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ ہمارے لئے (خدا سے) ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجئے بیشک ہم خطاوار تھے یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر ⑯ "فلمّا ان جاء البشیر" یوسف علیہ السلام کی طرف سے خوشخبری لانے والا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بشیر قافلہ کے آگے آیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ یہودا تھا۔ اس نے کہا میں خون میں لت پت قمیص یعقوب علیہ السلام کے پاس لے گیا تھا اور میں نے ان کو خبر دی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ آج میں یہ قمیص لے کر جاؤں گا اور ان کو خبر دوں گا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے تو جیسے میں نے ان کو غمگین کیا تھا آج خوش کروں گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہودا نے قمیص اُٹھائی اور ننگے پاؤں سر دوڑتا ہوا چل پڑا اور اس کے پاس سات روٹیاں تھیں، اپنے والد تک پہنچنے تک ان کو ختم نہیں کر سکا اور مسافت اسّی (۸۰) فرسخ کی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ بشیر مالک بن ذعر تھا۔ القاہ علی وجھہ" یعنی خوشخبری لے کر آنے والے نے یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی۔ "فار تدّ بصیرا" یعنی نگاہ ٹھیک ہوگئی اور کمزوری کے بعد قوت لوٹ آئی اور بڑھاپے کے بعد جوانی لوٹ آئی اور غم کے بعد خوشی۔ "قال الم اقل لکم انّی اعلم من اللہ مالا تعلمون" یوسف علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کریں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری دینے والے سے پوچھا تو یوسف علیہ السلام کو کس

حال پر چھوڑ آیا ہے؟ اس نے کہا وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بادشاہ کا کیا کروں تو اس کو کس دین پر چھوڑ آیا ہے؟ تو اس نے کہا دین اسلام پر تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت مکمل ہوگئی۔

⑰ "**قالوا یا ابانا استغفرلنا ذنوبنا انّا کنّا خاطئین**" گناہ گنار تھے۔

⑱ "**قال سوف استغفرلکم ربّی**" اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے دُعا کو سحر کے وقت تک مؤخر کردیا کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا کوئی دُعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دُعا قبول کروں۔ جب وعدہ کا وقت آیا تو سحر کی نماز کے لیے یعقوب علیہ السلام کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوکر دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی اے اللہ! میرے یوسف علیہ السلام کے فراق پر جزع وفزع کرنے پر میری مغفرت کردے اور میرے کم صبر کرنے پر مغفرت کردے اور میری اولاد نے جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا اس کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میں نے آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد کی بخشش کردی۔

عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "**سوف استغفرلکم ربّی**" سے مراد جمعہ کی رات ہے۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی رات کو بیس سال سے زائد عرصہ ان کے لیے مغفرت کرتے رہے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُعا کو جمعہ کی رات تک مؤخر کیا تھا اس رات عاشورہ کی رات بھی ہوگئی اور شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ "**سوف استغفرلکم ربّی**" کا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام سے پوچھوں گا اگر انہوں نے تمہیں معاف کردیا ہے تو تمہارے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ "**انّه هو الغفور الرّحیم**" روایت کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بشیر کے ساتھ دوسو سواریاں کثیر سامان کے ساتھ بھیجی تھیں تا کہ وہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھر والوں اور اولاد کو لے آئیں تو یعقوب علیہ السلام مصر کی طرف جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ کل بہتر مرد وعورت مصر کی طرف چل پڑے۔ مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہتر تھے۔ جب مصر کے قریب گئے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے سے بڑے بادشاہ سے کہا تو یہ دونوں چار ہزار کے لشکر کے ساتھ مصر سے نکلے اور مصر کے لوگ ان دونوں کے ساتھ چل پڑے یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لیے۔ یعقوب علیہ السلام یہوذا پر سہارا لگا کر چلتے آرہے تھے، دور سے اتنے گھوڑے اور لوگ دیکھے تو پوچھا اے یہوذا یہ مصر کا فرعون ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ جب قریب ہوئے تو یوسف علیہ السلام سلام کرنے لگے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا نہیں پہلے یعقوب علیہ السلام سلام کریں گے۔

تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا السلام علیک یا مذہب الاحزان اے غموں کو دور کرنے والے تجھے سلامتی ہو اور روایت کیا گیا ہے کہ وہ دونوں سواریوں سے اُترے اور معانقہ کیا۔ ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یعقوب اور یوسف علیہما السلام گلے ملے تو دونوں رو پڑے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے ابا جان! آپ اتنا روئے کہ نگاہ ختم ہوگئی کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں کہ قیامت ہمیں جمع کرے گی؟ تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں اے میرے بیٹے! لیکن تو مجھ سے بچپن میں جدا ہوگیا تھا، مجھے یہ ڈر رہا کہ کہیں تیرا دین نہ چھن جائے جو تیرے اور میرے درمیان حائل بن جائے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿99﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿100﴾

ترجمہ پھر جب یہ سب کے سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے پاس (تعظیماً) جگہ دی اور کہا سب مصر میں چلئے (اور) خدا کو منظور ہے) وہاں) امن چین سے رہئے اور اپنے والدین کو تخت (شاہی) پر اونچا بٹھایا اور سب کے سب یوسف کے آگے سجدے میں گر گئے اور یہ حالت (دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے ابا یہ ہے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانہ میں دیکھا تھا جس کو میرے رب نے سچا کر دیا اور خدا نے میرے ساتھ احسان فرمایا کہ (ایک تو) اس نے مجھے قید سے نکالا اور (دوسرا یہ کہ) تم سب کو جنگل سے یہاں لایا (یہ سب کچھ) بعد اس کے ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوا دیا تھا بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے بلاشبہ وہ بڑے علم اور حکمت والا ہے۔

تفسیر ﴿99﴾ "فلمّا دخلوا علٰی یوسف آویٰ الیه ابویه" اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ابویہ سے یوسف علیہ السلام کے والد اور خالہ لیا مراد ہیں ان کی والدہ بنیامین کے پیدا ہونے کے کچھ دن بعد وفات پا گئی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے والد اور حقیقی والدہ مراد ہیں وہ زندہ تھیں۔ اور بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی والدہ کو زندہ کر دیا اور وہ یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر آئیں۔ "وقال ادخلوا مصر ان شاء اللّٰه آمنین" اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور استثناء اس استغفار کی طرف لوٹ رہا ہے جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا "سوف استغفرلکم ربّی ان شاء اللّٰه"

﴿100﴾ "ورفع ابویه علی العرش" یعنی تخت پر ان دونوں کو بٹھایا۔ "وخرّو اله سُجّداً" یعنی یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کی خالہ اور ان کے بھائی اور اس زمانے میں لوگوں کا سلام سجدہ کرنا ہے۔ یہاں سجود سے پیشانی زمین پر ٹکانا مراد نہیں ہے بلکہ تواضع کے ساتھ جھکنا مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پیشانی زمین پر رکھی تھی سلام اور تعظیم کے لیے نہ کہ عبادت کے طور پر۔ یہ گزشتہ اُمتوں میں تو جائز تھا لیکن اس اُمت میں منسوخ کر دیا گیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کیا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ "وقال" یوسف علیہ السلام نے اس وقت "یا ابت هٰذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلها ربّی حقًّا" وہ خواب اس کا قول "انّی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتهم لی ساجدین" ہے۔ "وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن" یہاں کنویں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ آزمائش قید کی آزمائش سے زیادہ سخت تھی ایک تو اس لیے کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں

کیونکہ ان کو پہلے کہہ چکے تھے "لا تثریب علیکم الیوم" اور اس لیے بھی کہ قید سے نکالنے کی نعمت خداوندی کنویں والی نعمت سے بڑی تھی کیونکہ کنویں سے نکلنے کے بعد یوسف علیہ السلام عبدیت اور غلامی کی طرف گئے اور قید سے نکلنے کے بعد بادشاہ ہوگئے اور اس وجہ سے کہ کنویں میں واقع ہونا بھائیوں کے حسد کی وجہ سے تھا اور قید یوسف علیہ السلام کی ایک لغزش کا بدلہ تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ "وجاء بکم من البدو" بدو کشادہ زمین جہاں جانوروں والے اپنے جانوروں کے ساتھ رہیں۔ یہ لوگ دیہات اور مویشیوں والے تھے۔ "من بعد ان نزغ الشیطان بینی وبین اخوتی" حسد اور بغض کے ساتھ۔ "انّ ربّی لطیف لما یشاء" اور بعض نے کہا ہے کہ من یشاء کے معنی میں ہے اور لطف کی حقیقت ایسی چیز جو احسان کو نرمی کے ساتھ دوسرے تک پہنچا دے۔ "انّه هو العلیم الحکیم" مؤرخین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں چوبیس سال قیام کیا بڑی قابل رشک اور آسودہ حالت میں۔

پھر مصر میں وفات پائی۔ جب وفات کا وقت آیا تو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کو وصیت کی ان کے جسد اطہر کو یہاں سے لے جا کر حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ دفن کیا جائے تو یوسف علیہ السلام نے ایسا کیا ان کو ملک شام دفنانے گئے اور پھر مصر واپس آگئے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کو ساگوان کی لکڑی کے تابوت میں بیت المقدس لے جایا گیا اور اسی دن عیص کی بھی وفات ہوئی اور ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ دونوں ایک ہی بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان دونوں کی عمر ایک سو سینتالیس سال تھی۔ جب یوسف علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتیں جمع کر دیں تو دُنیا کی نعمتیں دائمی نہیں ہیں اس لیے آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اچھے انجام کا سوال کیا اور کہا:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا (جو کہ علم عظیم ہے) اے خالق آسمانوں کے اور زمین کے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر لیجئے۔

تفسیر ﴿۱۰۱﴾ "ربّ قد اٰتیتنی من الملک" یعنی ملک مصر اور ملک جس کو سیاست اور تدبیر حاصل ہو اس کی قدرت کا وسیع ہونا۔ "وعلّمتنی من تاویل الاحادیث" خواب کی تعبیر "فاطر السّمٰوٰت والارض" یعنی ان دونوں کا خالق ہے۔ "انت ولیّی فی الدّنیا والآخرة توفّنی مسلمًا والحقنی بالصالحین" میرے انبیاء آباء کے ساتھ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں سے یوسف علیہ السلام کے سوا کسی نے موت کا سوال نہیں کیا۔ جب یوسف علیہ السلام کے والدین بھی پہنچ گئے تو آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق ہوا تو اس وقت یہ دُعا مانگی تھی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس دُعا کے بعد کئی سال زندہ رہے اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ جب یہ بات کہی تو اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ وفات پا گئے۔ یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کے بعد تیئس سال زندہ رہے اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی اور توریت میں ہے کہ ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی بیوی سے یوسف علیہ السلام کے تین بچے پیدا ہوئے۔ افرائیم، میشا اور رحمۃ جن کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے ہوا تھا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ والد کے بعد یوسف علیہ السلام ساٹھ سال زندہ رہے اور بعض نے کہا ہے اس سے بھی زیادہ اور اسی میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ کر نیل میں دفن کیا گیا کیونکہ جب آپ علیہ السلام کا انتقال ہوا تو لوگوں میں جھگڑا ہوا ہر محلّہ والے چاہتے تھے کہ وہ ان کے محلّہ میں دفن کیے جائیں تا کہ برکت ہو۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ قتال کی نوبت آ گئی۔ تو سب کی رائے یہ ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تا کہ پانی آپ علیہ السلام سے گزر کر تمام لوگوں تک برکت پہنچا دے۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نیل کے دائیں جانب دفن کیے گئے تو یہ جانب ہری بھری اور دوسری جانب خشک ہو گئی تو انہوں نے بائیں جانب دفن کیا وہ ٹھیک ہو گئی دائیں جانب خشک ہو گئی تو آپ علیہ السلام کو نیل کے درمیان میں دفن کر دیا اور وہ زنجیروں کے ساتھ یہ کام کرنے پر قادر ہوئے تو تمام جانبین ہری بھری ہو گئیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو یہاں سے نکال کر ان کے آباء کے قرب میں شام جا کر دفن کیا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْکُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: (اے محمد) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم (ہی) نے وحی کے ذریعہ سے آپ کو بتایا اور آپ ان کے (یوسف کے بھائیوں) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو اور آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ تو چاہتے نہیں یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف (اصلاً) توجہ نہیں کرتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔

تفسیر: ⑩۲ "ذٰلک" جو میں نے ذکر کیا "من انباء الغیب نوحیه الیک وما کنت لدیهم" اے محمد آپ اولاد

یعقوب کے پاس نہ تھے۔ اذا جمعوا امرھم" یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔
"وھم یمکرون" یوسف علیہ السلام کے ساتھ۔

⑩③"وما اکثر النّاس" اے محمد! "ولو حرصت بمؤمنین" ان کے ایمان پر حریص ہیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ یہود اور قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوسف علیہ السلام کا واقعہ پوچھا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توریت کے موافق واقعہ بتایا تو پھر بھی ایمان نہ لائے تو اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔ اس لیے اس آیت میں آپ علیہ السلام کو کہا گیا ہے کہ اگرچہ آپ علیہ السلام ان کے ایمان پر حریص ہیں لیکن وہ ایمان نہ لائیں گے۔

⑩④"وما تسألهم علیه" تبلیغ رسالت اور اللہ کی طرف بلانے پر "من اجر ان هو" نہیں ہے وہ قرآن "الّا ذکر للعالمین"

⑩⑤"وکایّن" اور کتنی "من اٰیة" عبرت اور دلالت "فی السمٰوٰت والارض یمرّون علیها وهم عنها معرضون" نہ ان میں غور کرتے ہیں اور نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں......

⑩⑥"وما یؤمن اکثرهم باللّٰه الّا وهم مشرکون" ان کا ایمان یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اور جب ان سے سوال کیا جائے کہ بارش کون برساتا ہے؟ تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پھر اس کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت مشرکین کے تلبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے۔ "اللّهم لبّیک لبّیک لاشریک لک الّا شریک هو لک تملکه وما ملک" اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دُعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ خوشحالی میں اپنے رب کو بھول جاتے تھے جب مصیبت ہوتی تو خالص اللہ کے لیے دُعا کرتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ "وظنّوا انّهم احیط بهم دعوا اللّٰه مخلصین له الدّین" اور دوسری جگہ فرمایا "فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللّٰه مخلصین له الدّین" فلما نجاهم الی البراذا هم یشرکون اور اس کے علاوہ آیات۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑩⑦ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ. عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ⑩⑧ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ط اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩⑨

ترجمہ: سو کیا پھر بھی اس بات سے مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہ ان پر خدا کے عذاب کی کوئی ایسی آفت آپڑے جو

ان کو محیط ہو جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جاوے اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہو آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے سب آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے (کوئی بھی فرشتہ نہ تھا اور یہ لوگ جو بے فکر ہیں) تو کیا یہ لوگ ملک میں (کہیں) چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے (کافر ہو گزرے ہیں اور البتہ عالم آخرت ان لوگوں کے لئے نہایت بہبودی کی چیز ہے جو احتیاط رکھتے ہیں سو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر ⑩⑦ "**افامنوا ان تاتیھم غاشیۃ من عذاب اللّٰہ**" یعنی جلدی سزا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا عذاب جو ان کو ڈھانپ لے۔ قتادہ نے غاشیہ ترجمہ کیا پڑنے والی آفت ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد ہیں آسمانی بجلیاں اور غیبی حوادث **او تاتیھم الساعۃ بغتۃ**" اچانک جس کی پہلے سے کوئی علامت نہ ہو نہ وقت معین ہو۔ "**وھم لایشعرون**" اس کے قیام کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ بازاروں میں مشغول ہوں گے اور ایک سخت چیخ لوگوں کو ہیجان میں ڈالے دے گی۔

⑩⑧ "**قل ھذہ سبیلی**" میری سنت اور میرا طریقہ۔ "**ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ**" یقین پر۔ بصیرت ایسی معرفت جس کے ذریعے حق اور باطل کی تمیز ہو جائے۔ "**انا ومن اتّبعنی**" جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی وہ بھی اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ یہ کلبی اور ابن زید رحمہما اللہ کا قول ہے۔ فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اس پر حق ہے کہ وہ اس کی طرف بلائے جس طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور بعض نے کہا ہے کہ کلام "**ادعوا الی اللّٰہ**" پر مکمل ہو چکی ہے۔ "**علٰی بصیرۃ انا ومن اتّبعنی**" یہ نئی کلام ہے۔

میں اپنے رب کی طرف سے بصیرت پر ہوں اور میرے متبعین بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہ اچھے طریقہ اور سیدھی ہدایت پر تھے۔ علم کے معدن اور ایمان کے خزانے اور رحمٰن کے لشکر تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی طریقہ اپنانا چاہتا ہے تو وہ ان کا طریقہ اپنائے جو مر چکے ہیں کیونکہ زندہ پر فتنہ سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اس اُمت کے افضل لوگ ہیں اُمت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل اور گہرے علم اور کم تکلف کرنے والے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا ہے۔ پس تم ان کی فضیلت سمجھو اور ان کے نشان قدم پر چلو اور جتنا ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے تھامو کیونکہ وہ لوگ سیدھی راہ پر تھے۔ "**وسبحان اللّٰہ**" اور آپ کہہ دیں سبحان اللہ، اللہ کو ان چیزوں سے پاک کرنے کے لیے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ "**وما انا من المشرکین**"

⑩⑨"وما ارسلنا من قبلک" اے محمدؐ "الا رجالا" فرشتے "نوحی الیھم" ابوجعفر اور حفص نے (نوحی) نون اور حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء اور حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ من اھل القری" شہر والوں میں سے نہ کہ بستی والوں میں سے۔ اس لیے کہ شہر والے دیہات والوں سے زیادہ عقل مند ہوتے ہیں کیونکہ دیہات کے لوگ سخت مزاج ہوتے ہیں۔ "افلم یسیروا فی الارض" یہ تکذیب کرنے والے مشرکین "فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم" یعنی وہ امتیں جنہوں نے تکذیب کی تو وہ عبرت حاصل کریں "ولدار الآخرة خیر للذین اتقوا" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ہماری اطاعت کرتے ہیں ان سے ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم ان کو نجات دیتے ہیں عذاب آنے کے وقت اور جو آخرت کے گھر میں ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے۔

پس جو ہم نے ذکر کیا وہ آیت میں چھوڑ دیا گیا ہے کلام کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کا قول (ولدار الآخرة) بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کے گھر کا حال بہتر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شی کی اضافت اپنی ذات کی طرف ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان (ان هذا لهو حق اليقين) اور جیسے ان کا قول یوم الخمیس اور ربیع الآخر (افلا تعقلون) کہ تم ایمان لے آؤ۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑪⓪ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ⑪①

ترجمہ: یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان (پیغمبروں) کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی ان کو ہماری مدد پہنچی پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصے میں سمجھدار لوگوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے یہ قرآن (جس میں یہ قصے ہیں) کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں (کہ اس سے عبرت نہ ہوتی) بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت ورحمت ہے۔

تفسیر ⑪⓪"حتّٰی اذا استیأس الرّسل وظنّوا انّھم قد کذّبوا جاء ھم نصرنا" قراء کا "کُذّبوا" میں اختلاف ہے۔ اہل کوفہ اور ابوجعفر نے تخفیف کے ساتھ "کذبوا" پڑھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس قرأت کا انکار کیا کرتی تھیں۔

اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ پڑھا ہے جنہوں نے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورت میں ظن یقین کے معنی میں ہوگا اور اس کی ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہوگی تو معنی یہ ہے کہ حتیٰ کہ جب رسول اپنی قوم کے ایمان سے نا اُمید ہو گئے "ظنوا" اور یقین ہوگیا رسولوں کو کہ اُمتوں نے ان کی تکذیب کی ان کے ایمان کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ یہاں ظن بمعنی یقین ہے۔ یہ تفسیر قتادہ رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں کذبوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہوگی اور ظن اپنے معنی میں ہے۔معنی یہ ہے کہ حتیٰ کہ جب رسول نا اُمید ہو گئے ان سے جنہوں نے ان کی قوم میں سے ان کی تکذیب کی، اس سے نا اُمید ہوئے کہ وہ ان کی تصدیق کریں گے اور گمان کیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں وہ بھی سخت امتحان اور مصائب کی وجہ سے ان کی تکذیب کر کے دین سے مرتد ہو جائیں گے مدد کو مؤخر سمجھنے کی وجہ سے۔

اور جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے حتیٰ کہ جب رسول اپنی قوم کے ایمان سے نا اُمید ہو گئے "وظنوا" اور قوم نے گمان کیا کہ رسولوں نے عذاب کی وعید کے بارے میں ان سے جھوٹ کہا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان کے دل کمزور ہو گئے۔اور رسولوں نے گمان کیا کہ ان سے مدد کے وعدوں میں کذب اختیار کیا گیا تو وہ بشر تھے ان کا دل کمزور ہو گیا اور نا اُمید ہو گئے کہ ان سے وعدہ کا خلاف کیا گیا ہے۔

پھر تلاوت کی (حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله جاء هم) یعنی رسولوں کے پاس ہماری مدد آئی (فنجی من نشاء) اکثر حضرات نے دو نونوں کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم نجات دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور ابن عامر اور حمزہ اور عاصم اور یعقوب نے ایک نون مضموم اور جیم کے شد اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ مجہول ہے۔اس لئے کہ مصحف میں ایک نون مضموم کے ساتھ لکھا ہوا ہے تو اس قرأت میں (من) کا محل رفع ہوگا اور پہلی قرأت میں نصب ہوگا پس ہم نجات دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عذاب کے نزول کے وقت اور وہ فرمانبردار مومن ہیں۔"ولا یُرَدُّ بأسنا" ہمارا عذاب "عن القوم المجرمین" قوم سے مراد مشرکین ہیں۔

⑪ "لقد کان فی قصصهم" یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں "عبرة" نصیحت ہے "لاولی الالباب" ما کان یعنی قرآن میں ہے حدیثاً یفتریٰ من دون الله ولکن تصدیق الّذی بین یدیه" یعنی توریت اور انجیل "وتفصیل کلّ شیءٍ ہر اس چیز کی تفصیل جس کے بندے محتاج ہیں یعنی حلال وحرام اور امر و نہی وهدی و رحمة بیان اور نعمت ہے لقوم یؤمنون"

سُورَةُ الرَّعْد

یہ سورت مکی ہے سوائے ان دو آیاتوں کے "ولا یزال الذین کفروا" اور "ویقول الذین کفروا لست مرسلاً" اس کی ۴۳ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

ترجمہ: المرا یہ (جو آپ سن رہے ہیں) آیتیں ہیں ایک بڑی کتاب (یعنی قرآن) کی اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ بالکل سچ ہے اور لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے اللہ ایسا (قادر) (ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدوں ستون کے اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان (آسمانوں) کو (اسی طرح) دیکھ رہے ہو پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقت معین پر چلتا رہتا ہے وہی (اللہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے (اور) دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو۔

تفسیر ① "المر" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں اللہ ہوں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں "تلک آیات الکتاب" وہ خبریں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں اور وہ آیات (نشانیاں) تورات، انجیل اور ماقبل کتابوں میں گزر چکی ہیں۔ "والذی انزل الیک" یہ قرآن جو آپ پر نازل کیا گیا "من ربک الحق" یہ حق ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یہ عبارت اس طرح تھی "ھو الحق فاعتصم بہ" اس صورت میں یہ محل رفع میں واقع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور "والحق" اس کی خبر ہے اور بعض نے کہا کہ یہ حالت نصب میں واقع ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی "تلک آیات الکتاب و آیات الذی انزل الیک" اور وہ آیات جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہیں۔ پھر حق کو ابتداء میں لے کر آئے

عبارت یہ ہوئی۔ "ذلک الحق" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ یہ قرآن کی نشانیاں ہیں۔ آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ یہ قرآن جو آپ کی طرف نازل کیا گیا تمہارے رب کی طرف سے وہ حق ہے۔ "ولکن اکثر الناس لا یؤمنون" مقاتل کا قول ہے کہ یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے کہا کہ محمد اپنی طرف سے کہتے ہیں ان کے قول کی تردید کی، پھر ربوبیت کے دلائل ذکر کیے اور ارشاد فرمایا۔

② "اللہ الذی رفع السمٰوٰت بغیر عمد ترونها" اس کا معنی ستون ہے اس کا مفرد عمود آتا ہے۔ جیسے اُدیم جمع ہے ادم کی۔ اسی طرح عمد ہے جیسے رسول کی جمع رسل ہے۔ معنی یہ ہے کہ آسمان بغیر ستونوں کے بنایا گیا ہے۔ یہی صحیح ہے۔ آسمان کے نہ کوئی ستون ہیں جن پر وہ کھڑا ہے اور نہ ہی اس کے اوپر کوئی چیز ہے جس سے باندھ کر اس کو لٹکایا گیا ہو۔ ایاس بن معاویہ کا قول ہے۔ آسمان زمین کو ڈھانپے ہوئے ہے مثل "قبۃ" کے۔ بعض نے کہا کہ "ترونها" راجع ہے عمد کی طرف۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے ستون ہیں لیکن نظر نہیں آرہے اور بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آسمان کے ستون بڑے بڑے پہاڑ ہیں جو پوری دُنیا کو احاطہ میں لیے ہوئے ہیں اور آسمان ان پر مشتمل ہے۔ (قبہ) کی طرح۔ "ثم استوىٰ علی العرش" اس پر اس کو بلند کیا۔ "وسخر الشمس والقمر" اور اس سے منافع حاصل کرنے کے لیے تمہارے لیے جھکایا۔ "کل یجری" یہ چلتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ رکھتے ہیں۔ "لاجل مسمّی" وقت مقررہ تک جب تک دُنیا کو فنا نہیں کیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اجل مسمی سے مراد اس کے درجات اور منازل ہیں جن سے آگے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا۔ "یدبر الامر" ان تمام امور کے فیصلے وہ اکیلے کرتا ہے۔ "یفصل الآیات" وہی تمام دلائل کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ "لعلکم بلقاء ربکم توقنون" تاکہ تم اس کی ملاقات پر یقین رکھو اور اس کے وعدے پر بھی اور اس کی تصدیق کرو۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو قسم کے پیدا کئے شب (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو چھپا دیتا ہے ان امور (مذکورہ) میں سوچنے والوں کے (سمجھنے کے) واسطے (توحید پر) دلائل (موجود) ہیں اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور ہیں جن میں بعضے تو ایسی ہیں کہ ایک تنہ سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں

میں فوقیت دیتے ہیں ان امور (مذکورہ) میں (بھی) سمجھداروں کے واسطے (توحید کے) دلائل (موجود) ہیں۔

تفسیر ③ "**وھو الذی مد الارض**" مد کا معنی ہے بچھانا۔ "**وجعل فیھا رواسی**" ثابت شدہ پہاڑ (جمے ہوئے پہاڑ) اس کی واحد راسیۃ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کوہ ابوقبیس زمین پر سب سے پہلے قائم کیا گیا۔ "**وانھاراً**" اور اس زمین میں نہریں جاری کیں۔ "**ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین**" دوقسم کے پھل۔ ان میں سے بعض سرخ ہیں اور بعض زرد ہیں اور بعض ان میں کڑوے ہیں اور بعض کھٹے۔ "**یغشی اللیل النھار**" رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے اور دن کی روشنی سے رات کے اندھیرے کو زائل کر دیتا ہے۔ "**ان فی ذلک لایات لقوم یتفکرون**" تفکر کہا جاتا ہے اشیاء کے مختلف معانی کی وجہ سے دل کو پھیرنا۔

④ "**وفی الارض قطع متجاورات**" یعنی وہ بعض بعض کے ساتھ قریب قریب ہیں۔ بعض زمین اُگانے کے قابل ہے اور بعض زمین بنجر ہے جو کوئی چیز اُگا نہیں سکتی اور کسی زمین میں سبزہ کم ہے اور کسی زمین میں سبزہ زیادہ ہوتا ہے۔ "**وجنات**" اور اس میں باغات بھی ہیں۔ "**من اعناب وزرع ونخیل صنوان**" ابن کثیر ابوعمر حفص یعقوب کے نزدیک یہ مرفوع ہیں اور جنات پر عطف ہے اور بعض حضرات نے ان کو مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں اعناب پر عطف نسق ہوگا۔ صنوان جمع ہے صنو کی۔ اس کھجور کو کہا جاتا ہے جن کی جڑیں تو ایک ہوں اور اوپر شاخیں مختلف ہوں۔ "**وغیر صنوان**" اس سے مراد وہ اکیلی کھجور جو ایک ہی تنے پر کھڑی ہو۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ صنوان جو مجتمع ہوں اور غیر صنوان جو مجتمع نہ ہوں۔ جیسے قنوان جمع ہے "قنو" کی۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں منقول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا آدمی کا چچا اس کے باپ کا صنو ہوتا ہے۔ صنوان اور قنوان کے تثنیہ اور جمع ہونے میں کوئی فرق نہیں مگر اعراب میں فرق ہے۔ صنوان کے نون تثنیہ میں مکسور ہوتا ہے اور بغیر تنوین کے ہوتا ہے اور جمع میں تنوین کے ساتھ ہوتا ہے۔ "**یسقی بماء واحد**" ابن عامر، عاصم، یعقوب نے "**یسقی**" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ تمام پانیوں کے ساتھ بولا جاتا ہے (اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے) اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

"**وجنات**" اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد "**ونفضل بعضھا علی بعض**" ذکر کیا۔ یہاں پر بعضہ ذکر نہیں کیا۔ پانی وہ جس کا جسم پتلا اور مائع ہے، ہر بڑھنے والی چیز کی حیات اس پانی میں ہے۔ "**ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل**" اس سے مراد پھل اور کھانے کی اشیاء حمزہ اور کسائی نے "**ویفضل**" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے "**یدبر الامر یفصل الآیات**" اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ "**نفضل**" پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہم کھانے کی بعض چیزوں کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم بعض کھانے کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔ فارسی میں کہا جاتا ہے۔ اچھی کھجور، دقل، میٹھی، کڑوی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باپ سے سب بنی آدم پیدا ہوئے لیکن کوئی اچھا ہے کوئی برا۔

بنی آدم کی مثال زمین جیسی ہے کہ بعض زمین بنجر ہے اور بعض زرخیز

حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے دلوں سے دی ہے۔ زمین کا ایک خمیر تھا، اللہ نے اپنے دست قدرت سے اس کو پھیلایا، بچھایا اور پاس پاس اس کے جدا جدا ٹکڑے کر دیئے۔ پھر اس پر آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے نکالے پھل پھول، کھیتیاں، درخت پیدا کیے اور دوسرے حصے کو شوریلا، نمکین، کلر اور بنجر کر دیا۔ باوجودیکہ سب پر ایک ہی طرح کا پانی برسایا، آدمیوں کی حالت بھی اسی طرح ہے سب کو آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور سب کے لیے ہدایت نامہ آسمان سے اُتارا، کچھ دل تو اس کی وجہ سے نرم پڑ گئے اور ان کے اندر خشوع پیدا ہو گیا اور کچھ سخت ہو گئے اور غافل بن گئے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے خدا کی قسم جو بھی قرآن کا ہم نشین ہوا تو اُٹھنے کے وقت کچھ زیادتی لے کر اُٹھایا یا نقصان لے کر اُٹھایا، اللہ نے فرمایا"ونننزل من القرآن ما هو شفاءٌ ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خساراً"......"ان فی ذلک" جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔"لآيات لقوم يعقلون"

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۬ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۬ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

(ترجمہ) اور (اے محمدؐ) اگر آپ کو تعجب ہو تو (واقعی) ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے کیا پھر ہم از سر نو (قیامت کے روز) پیدا ہوں گے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اور ایسے لوگوں کی گردنوں میں (دوزخ میں) طوق ڈالے جاویں گے اور ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت (کی ختم میعاد) سے پہلے آپ سے مصیبت (کے نزول) کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (اور کفار پر) واقعات عقوبت گزر چکے ہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب لوگوں کی خطائیں باوجود ان کی بے جا حرکتوں کے معاف کر دیتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت سزا دیتا ہے اور یہ کفاریوں (بھی) کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے خاص معجزہ (جو ہم چاہتے ہیں) کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ صرف ڈرانے والے (نبی) ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں۔

وان تعجب فعجب قولھم کی تفسیر

تفسیر ⑤ "وان تعجب فعجب قولھم" تعجب اس کیفیت کا نام ہے کہ کسی امر بعید کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس قول پر تعجب نہ کریں کہ یہ اس بات کا اقرار تو کرتے ہیں کہ اوّل تخلیق اللہ نے کی لیکن یہ دوبارہ پیدا کیے جانے کے منکر ہیں کیونکہ مشرکین مکہ دوبارہ اُٹھائے جانے کے منکر تھے۔ اگرچہ ابتداء پیدا کیے جانے کے قائل تھے اور یہ بات دل میں بار بار کھٹکتی ہے کہ پہلی بار کسی چیز کو بنانا مشکل ہے بنسبت دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے، یہ جگہ بطور تعجب کے ہے یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرک جو آپ کے دعوائے رسالت کی تکذیب کررہے ہیں اور واضح دلائل کے باوجود پھر بھی ایسی چیزوں کی پوجا کررہے ہیں جن میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کی طاقت اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے ان کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کے اس قول کی بناء پر آپ کو تعجب ہو رہا ہے اور یہ لوگ بھی تعجب کررہے ہیں کہ "اء ذا کنا ترابًا" مرنے کے بعد مٹی مٹی ہو جائیں گے "ائنا لفی خلق جدید" آپ کو لوٹایا جائے گا نئی تخلیق کے ساتھ جس طرح کہ تم مرنے سے پہلے تھے۔ نافع، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے "ائذا" ہمزہ استفہام کے ساتھ نقل کیا ہے۔ "ء انا" خبر کے ترک پر۔ ابوجعفر اور ابن عامر نے اس کے برعکس لیا ہے۔ اسی طرح "سبحان الذی" دونوں جگہوں "المؤمنون" اور "الم سجدہ" پر اسی طرح پڑھا ہے اور باقی قراء نے اس میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح صافات کی دونوں جگہوں میں لیکن ابوجعفر نے نافع کی موافقت کی ہے صافات کے شروع میں۔ انہوں نے جملہ استفہام کو مقدم کیا اور یعقوب دوسری جگہ استفہام کو ذکر نہیں کرتے۔ "اولئک الذین کفروا بربھم و اولئک الاغلال فی اعناقھم" قیامت کے دن۔ "واولئک اصحب النارھم فیھا خالدون"

⑥ "ویستعجلونک بالسیئۃِ قبل الحسنۃ" استعجال کہا جاتا ہے کسی کام کو جلدی طلب کرنا یا مقررہ وقت سے پہلے کسی چیز کی طلب کرنا۔ یہاں "سیئۃ" سے مراد سزا و عذاب ہے اور "حسنۃ" سے مراد نعمت و عافیت یعنی مشرکین مکہ عافیت کی جگہ عذاب کے طالب تھے اور استہزاء کے طور پر کہتے تھے۔

اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کردے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔ "وقد خلت من قبلھم المثلات" ان سے پہلے اُمتیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور رسولوں کو جھٹلایا۔ اس وجہ سے ان کو سزائیں پڑیں۔ مثلات جمع ہے مثلہ کی۔ میم کے فتحہ اور ثاء کے ضمہ کے ساتھ جیسے صدقہ اور صدقات ہے۔ "وانّ ربک لذو مغفرۃ للنّاس علی ظلمھم وانّ ربک لشدید العقاب"

⑦ "ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا۔ "آیۃ من ربہ" اس کی نبوت پر دلیل اور حجت بنے۔ "انما انت منذر" بمعنی ڈرانے والا "ولکل قوم ھادِ" یعنی ہر ایک قوم کے لیے

ایک نبی جوان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایک دعوت دینے والا ان کو دعوت دیتا ہے حق کی طرف یا گمراہی کی طرف۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہادی سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ علیہ السلام تو صرف ڈرانے والے اور ہر قوم کو سیدھا راستہ دکھانے والے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہادی اللہ تعالیٰ ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ ۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ ۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ ۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر شے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے (مقرر) ہے وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا (اور) عالیشان ہے تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جاوے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب برابر ہیں ہر شخص (کی حفاظت) کے لئے کچھ فرشتے (مقرر ہیں) جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدل دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔

تفسیر ⑧ "اللّٰہ یعلم ما تحمل کل انثی" مذکر ہو یا مؤنث جو وہ اپنے پیٹ میں اُٹھائے ہوئے ہے برابر ہے کہ وہ تمام الخلقت ہے یا ناقص الخلقت ہے۔ ایک ہے یا دو یا اس سے زائد۔

وما تغیض الارحام وماتزداد کی تفسیر

"وما تغیض الارحام" اور جو رحموں میں کم بیشی ہوتی ہے۔ "وما تزداد" بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ تغیض الارحام سے مراد حالت حمل میں حیض کا آنا۔ جب حاملہ عورت کو حیض آنے لگ جائے تو بچے کے لیے نقصان ہوتا ہے کیونکہ رحم میں حیض کا خون بچے کے لیے غذا کا سبب ہوتا ہے۔ جب حیض جاری ہو گیا تو اس کی غذا منقطع ہو گئی، اس سے بچے کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور اگر خون جاری نہ ہو تو یہ بچے کی غذائیت میں فائدہ مند ہوتا ہے اور اس سے بچہ بڑھتا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ جب حاملہ عورت کو حیض آنے لگ جائے تو بچے کی غذا میں کمی آئے گی اور حمل کی مدت میں اضافہ ہوگا۔

مثال کے طور پر اگر اس حاملہ نے نو ماہ پاکی کی حالت میں گزارے، پھر اس کے بعد اس نے پانچ دن حیض کے دیکھے تو اب ان پانچ دنوں میں بچے کی غذا میں نقصان ہوا۔ لہٰذا اتنی مدت حمل میں زیادتی بڑھے گی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "غیضھا" سے مراد نو ماہ کی مدت حمل میں نقصان ہے اور "والزیادۃ" نو ماہ سے زیادتی مراد ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد نقصان اور بچے کا گر جانا اور زیادتی سے مراد تمام الخلقت ہو جانا بناوٹ کا پورا ہو جانا۔

مدت حمل کی کم از کم چھ ماہ ہے۔ اس مدت کے دوران وہ زندہ رہ سکتا ہے اور پرورش بھی پا سکتا ہے اور اس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے۔

رضاعت کی مدت مقدار میں ائمہ کے مختلف اقوال

بعض نے کہا کہ اکثر مدت دو سال ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور بعض حضرات کے نزدیک اس کی اکثر مدت چار سال ہے۔ اسی طرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ گئے ہیں۔ حماد بن سلمہ کا قول ہے کہ ھرم بن حیان کو ھرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی ماں کے پیٹ میں چار سال تک رہا۔ "وکل شیء عندہ بمقدار" یہ حد مقرر سے کوئی چیز نہ بڑھ سکتی ہے اور نہ گھٹ سکتی ہے۔

⑨ "عالم الغیب والشھادۃ الکبیر" ہر چیز اس سے پست اور کم درجہ ہے۔

"المتعال" کہ وہ اپنی قدرت سے ہر چیز پر غالب ہے۔

⑩ "سواء منکم من اسرّ القول ومن جھر بہ" کہ اللہ کے علم میں سب برابر ہیں خواہ وہ اپنی بات پوشیدہ طور پر کریں یا جہر کے طور پر۔ "ومن ھو مستخف باللیل" رات کے اندھیروں میں دوسروں کو چھپائے رکھنا۔ "وسارب بالنھار" جو دن کو نکلے تو سب اسی کی طرف دیکھیں۔ "سَرْب" سین کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ راستہ کو کہتے ہیں۔

مستخف باللیل وسارب بالنھار کی تفسیر

قتیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "سارب بالنھار" سے مراد دن میں اپنے کام کاج میں مشغول ہونے والا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت میں فرمایا گیا کہ مستخف سے مراد رات کو چھپ کر زنا کرنے والا اور "سارب بالنھار" کا مطلب ہے کہ دن میں باہر نکل کر وہ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ میں جرم سے پاک ہوں اور بعض نے کہا کہ مستخف باللیل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قول کو ظاہر کر دینا جیسا کہ کہا جاتا ہے پوشیدہ چیز کو جب ظاہر کر دیا جائے اور اس بات کو پوشیدہ رکھنا جس کو وہ چھپائے۔

⑪ "لہ معقبات" اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو دن رات اُترتے اور چڑھتے ہیں۔ جب رات والے فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو دن والے فرشتے زمین کی طرف اُترتے ہیں اور جب دن والے فرشتے اوپر جاتے ہیں تو رات والے فرشتے نیچے

اُترتے ہیں۔ "تعقیب" کسی چیز کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا لوٹ جانا۔ اس کو مؤنث کے لفظ سے ذکر کیا کیونکہ اس کا واحد معقب ہے اور جمع معقبات آتی ہے۔ جیسا کہ ابناوات سعد اور رجالات بکر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہوتا رہتا ہے، رات بھر جو فرشتے تم میں رہتے ہیں جب وہ چڑھ جاتے ہیں تو ان کا رب باوجود یہ کہ بخوبی واقف ہے پھر بھی فرشتوں سے پوچھتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، فرشتے عرض کرتے ہیں ان کو ہم نے نماز پڑھتے چھوڑا ہے۔ جب ہم ان میں پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ "**من بین یدیه و من خلفه**" یعنی چھپنے والے اور ظاہر ہونے والوں میں سے ہر ایک کے آگے **یحفظو نه من امر الله** یعنی اللہ کا حکم آ گیا، اللہ کی اجازت سے وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں جب تک کہ تقدیر نہ آ جائے۔ جب تقدیر کا لکھا ہوا آ جاتا ہے تو یہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اللہ کے امر کی حفاظت کرتے ہیں جس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر ایک فرشتہ مؤکل موجود نہ ہو جو اس کے سوتے وقت جاگتے وقت اس کی حفاظت کرتا ہے اور ہر جن وانس اور کیڑے مکوڑے سے اس کی نگہداشت کرتا ہے جو چیز بندے پر آنا چاہتی ہے فرشتہ اس سے کہتا ہے ہٹ جاؤ، ہاں اللہ ہی کا حکم کسی چیز کے آ پہنچنے کو ہوتا ہے تو وہ چیز پہنچ جاتی ہے۔ کعب احبار کا بیان ہے کہ اگر اللہ فرشتوں کو تم پر مامور نہ کر دیتا جو کھانے پینے اور برہنگی کے وقت تمہارے قریب رہتے ہیں تو جنات تم کو جھپٹ لیتے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس آیت میں امراء کے قیدوبند سے تمہیں حفاظت دی جائے گی، ان کے سامنے اور ان کی پیٹھ پیچھے۔ بعض نے کہا کہ اس سے دو فرشتے مراد ہیں جو دائیں اور بائیں کندھے پر بیٹھے ہوئے ہیں جو نیکیاں اور بدیاں لکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید**" ابن جریج کا قول ہے کہ "**یحفظو نه**" کا معنی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی حفاظت کرتے ہیں یعنی نیکیوں اور برائیوں سے (نیکی پر عمل کرنے اور برائیوں سے بچنے کے بارے میں) اور بعض حضرات نے کہا کہ ھا ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

جویبر سے روایت ہے کہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اللہ کی طرف سے کچھ فرشتے مقرر ہیں جو آپ کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور شیاطین، جن وانس کے شر اور حوادث سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کے سلسلے میں ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوصالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل عامری اور اربد بن ربیعہ عامری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔ عامر بن طفیل کانا تھا مگر بہت حسین تھا، خوبصورتی کی وجہ سے لوگ نظر

اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک شخص نے عرض کیا یہ عامر بن طفیل آپ کی طرف آ رہا ہے، فرمایا آنے دو، اگر اللہ کو اس کی بھلائی منظور ہوئی تو اس کو ہدایت کر دے گا، عامر آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا: فرمایا جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہوں گے وہ تمہارے ہوں گے، کہنے لگا اپنے بعد یہ حکومت میرے سپرد کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا اختیار مجھے نہیں، یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس طرح چاہے کرے، کہنے لگا آپ صحرائیوں میں مجھے حاکم بنا دیں اور شہریوں پر آپ حاکم رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا، بولا پھر آپ علیہ السلام مجھے کیا دیں گے؟ میں گھوڑوں کی لگامیں تمہارے سپرد کر دوں گا جن پر سوار ہو کر تم جہاد کرو گے، بولا کیا آج تک میرے پاس یہ نہیں ہیں، اچھا آپ میرے ساتھ اُٹھ کر آئیں، میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ عامر نے اربد سے کہہ دیا تھا کہ جب تو (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مشغول دیکھے تو ان کے پیچھے سے آ کر تلوار سے حملہ کر دینا۔ چنانچہ عامر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ جھگڑا اور گفتگو میں لوٹ پوٹ کرنے لگا تو اربد حملہ کرنے کے ارادے سے گھوم کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آ گیا اور ایک بالشت تلوار نیام سے کھینچ بھی لی لیکن اللہ نے اس کو روک دیا اور وہ پوری تلوار نہ کھینچ سکا۔ عامر اس کی طرف اشارے بھی کرتا رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منہ پھیر کر اربد کو دیکھا اور تلوار نکالنے میں مشغول پایا تو دُعا کی، اے اللہ! جس طرح تو چاہے میری طرف سے ان کا کام تمام کر دے، اس روز ابر نام کا بھی نہ تھا، سخت گرمی کا دن تھا اور فضا صاف تھی یکدم اربد پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اس کو سوختہ کر دیا، عامر پیٹھ پھیر کر بھاگا اور کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے اپنے رب سے دُعا کی، اس نے اربد کو مار ڈالا، خدا کی قسم میں تیرے اوپر اتنے کم مو (تھوڑے بال والے) گھوڑے اور نوجوان چڑھا کے لاؤں گا کہ اس سارے میدان کو بھر دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے ایسا کرنے ہی نہ دے گا اور قیلہ کی دو شاخیں قبائل اوس و خزرج بھی تجھے ایسا نہ کرنے دیں گے۔ غرض عامر ایک سلولیہ عورت کے گھر جا کر اُترا اور صبح کو اُٹھ کر ہتھیار باندھے، چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا، گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑھی لگائی اور دوڑتا ہوا صحرا میں پہنچا اور غرور سے کہنے لگا اے موت کے فرشتے میرے سامنے نکل کر آ، پھر کچھ شعر پڑھنے لگا اور بولا، قسم ہے لات و عزیٰ کی، اگر میں دوپہر تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی یعنی ملک الموت تک پہنچ گیا تو اپنا یہ برچھا دونوں کے آر پار کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اپنے پَر کی ایک جھپٹ اس کے منہ پر رسید کی اور عامر چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ اس وقت اس کے زانو پر ایک بڑی گلٹی نکل آئی، مجبوراً سلولیہ عورت کے گھر لوٹ آیا اور کہنے لگا، اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی اور سلولیہ عورت کے گھر میں موت، پھر گھوڑا منگوا کر سوار ہوا اور دوڑتا ہوا چل دیا۔ آخر گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا قبول فرمائی۔ عامر طاعون کی بیماری سے مرا اور اربد بجلی سے ہلاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔ "**سواء منکم من اسرّ القول ...... تا ...... له معقبات من بین یدیه**" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وہ فرشتے کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے ہیں۔

"ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم" کسی قوم کی عافیت ونعمت کونہیں بدلتا۔"حتّٰی یغیروا ما بانفسھم" یہاں تک کہ وہ برے اعمال کی جگہ اچھے اعمال کواختیار نہ کرلیں۔"واذا اراد اللّٰہ بقوم سوءٍ"یعنی عذاب کے ذریعے یا ہلاکت کے ذریعے۔"فلا مَرَدَّ لہ"تواس کوکوئی لوٹانے والانہیں۔"ومالھم من دونہ من وّال"کوئی ایسا ٹھکانا جواس کو دے دے اوربعض نے کہا کہ ان سے عذاب کودفع کرسکے۔

هُوَالَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِیُٔ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ. وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَآءُ وَھُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰہِ. وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ⑬

ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ تم کوبجلی دکھلاتا ہے جس سے [illegible]ی ہوتا ہے اورامید بھی ہوتی ہے اوروہ بادلوں کو(بھی) بلند کرتا ہے جو پانی سے بھرے ہوتے ہیں اوررعد(فرشتہ)اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور(دوسرے فرشتے بھی اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھرجس پرچاہے گرادیتا ہے اوروہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑا اشدیدالقوت ہے۔

تفسیر: ⑫"ھو الذی یریکم البرق خوفًا و طمعًا"بعض نے کہا کہ خوف سے مراد بجلی کی کڑک اورطمعاً سے مراد بارش سے ہونے والانفع۔اوربعض نے کہا کہ سفرمیں بارش کے ضررکاخوف یامشقت کاپہنچنااورمقیم کاطمع کرنا کہ اس سے برکت ونفع حاصل ہوگا۔بعض نے کہا کہ خوف اس سے جب وہ اپنے گھروں سے دورہوں اورطمع جب کرتے جب وہ اپنے مکانات میں موجودہوں۔
"وینشیٔ السحاب الثقال" بھاری بھاری بادل اُٹھاتا ہے۔جیسا کہ کہاجاتا ہے کہ اللہ نے بادلوں کواُٹھایا توبادل ظاہر ہوگئے۔"سحب"جمع ہے اس کی واحد"سحابۃ"آتی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کاقول ہے کہ بادل پانی کی چھلنی ہے۔

رعد فرشتے کی تسبیح

"ویسبح الرعد بحمدہ"اکثرمفسرین رحمہم اللہ کاقول ہے کہ رعدفرشتے کا نام ہے جوبادلوں کوہنکاتا ہے اوربادلوں سے نکلنے والی آوازاس کی تسبیح ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کاقول ہے کہ جوشخص رعد کی آوازسن کر"سبحان الذی یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ وھو علٰی کل شیءٍ قدیر"اگراس پربجلی گرپڑے تووہ اپنے دین اسلام پرمرے گا۔
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رعد کی آوازسنتے تھے باتیں کرنا چھوڑدیتے تھے اوریہ کہتے تھے۔"سبحان الذی من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ"اورفرماتے تھے کہ یہ زمین والوں کے لیے سخت دھمکی ہے۔بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ اگرمیرے بندے اطاعت کرتے،تورات میں ان کوبارش سے میراب کرتااوردن میں ان پردھوپ نکال دیتااوران کورعد کی آوازبھی نہ سناتا۔

حضرت جویبر نے ضحاک رحمہ اللہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ رعد فرشتہ بادلوں پر مامور ہے جہاں حکم ہوتا ہے بادلوں کو چلاتا ہے اور پانی کے سمندر اس کے انگوٹھے کے گڑھے میں ہیں اور وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور جب وہ پاکی بیان کرتا ہے تو آسمان کا کوئی فرشتہ ایسا باقی نہیں رہتا جو اس کی تسبیح کے ساتھ خود بھی بلند آواز سے تسبیح نہ کرے۔ اس وقت بارش اُترتی ہے "والملائکۃ من خیفتہ" ملائکہ کی تسبیح اللہ عزوجل کے خوف اور خشیت کی وجہ سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ان فرشتوں سے مراد رعد کے مددگار فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتے ہیں، عاجزی اختیار کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

"ویرسل الصواعق" جمع ہے صاعقہ کی، ہلاک کرنے والی بجلی جو آسمان سے عذاب کی شکل میں زمین پر اُترتی ہے۔

"ویصیب بھا من یشاء" جیسا کہ بجلی کی کڑک اربد بن ربیعہ کو پہنچی۔ محمد بن علی باقر کا قول ہے بجلی مسلمان اور غیر مسلم سب پر گرتی ہے مگر ذکر کرنے والے مسلمان پر نہیں گرتی۔

وھم یجادلون فی اللہ کی تفسیر

"وھم یجادلون" اور وہ جھگڑتے ہیں۔ "فی اللہ" یہ آیت اربد بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تمہارا رب کس چیز کا ہے موتی کا ہے یا قوت کا ہے یا سونے کا ہے اس پر آسمان سے ایک بجلی گری جس نے اربد کو جلا دیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت "ویرسل الصواعق" کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ عرب کے شیطانوں میں سے ایک شخص تھا جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا۔ وہ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، بتاؤ کس چیز کا بنا ہوا ہے سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے، تانبے کا ہے، ان لوگوں نے اس کے قول کو بڑی گستاخی سمجھا اور واپس آ کر خدمت گرامی میں عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے ہمیں ایسے آدمی کے پاس بھیجا کہ اس سے بڑھ کر کافر دل اور اللہ کا سرکش اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کے پاس پھر جاؤ، حسب الحکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوبارہ گئے۔ اس شخص نے پہلی بار سے زیادہ گستاخانہ کلمات زبان سے نکالے اور کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے سے میں ایسے رب کو مان لوں جو نہ مجھے دکھائی دیتا ہے نہ میں اس کو پہچانتا ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم لوٹ آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ اس نے تو پہلی دفعہ سے زیادہ بری بات کہی ہے، فرمایا پھر لوٹ کر جاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پھر لوٹ گئے، اس سے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ وہ اپنی سابقہ بات کہہ رہا تھا کہ اچانک بادل آئے اور سب کے سروں پر آ گئے اور اس میں گرج اور چمک پیدا ہوئی اور ایک کڑک اس شخص پر گر پڑی وہ سب کے سامنے سوختہ ہو گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کیلئے دوڑتے ہوئے آئے، راستے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور مل گئی اور انہوں نے کہا وہ آدمی جل گیا، لوٹ کر آنے

والوں نے دریافت کیا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیجی اور یہ آیت نازل فرمائی "ویرسل الصواعق فیصیب بھا من یشاء وھم یجادلون فی اللّٰہ"......

"وھو شدید المحال" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ بہت سخت پکڑ' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس سے مراد شدید الحول ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سخت کینہ والا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سخت قوت والا۔ ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے سخت سزا دینے والا۔ بعض نے کہا کہ سخت مکر وفریب۔ "محال مما حلة" اور "مماکرۃ" مغالبہ سب کے ایک معنی ہیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (آیت سجدہ) ⑮ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۔ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

(ترجمہ) سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوتا ہے۔ اس کے منہ تک (اڑ کر) آ جاوے وہ (اس کے منہ تک از خود) آنے والا نہیں اور کافروں کی درخواست (ان معبودان باطلہ سے کرنا) محض بے اثر ہے اور اللہ ہی کے سامنے سب سر تسلیم خم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے وقتوں میں آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہے پھر آپ یہ کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے خدا کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے آپ یہ (بھی) کہیئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے یا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انہوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہو جیسا خدا پیدا کرتا ہے پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے غالب ہے۔

له دعوة الحق کی تفسیر

تفسیر ⑭ "له دعوة الحق" اس سے مراد اللہ کے لیے سچائی کی دُعا کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "دعوة حق" سے مراد توحید ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ "دعوة الحق" سے مراد "شهادة أن لا اله الا الله" بعض نے کہا کہ اس سے مراد اخلاص سے دُعا کرنا اور خالص دعا صرف اللہ عزوجل کے لیے ہوتی ہے۔ "والذين يدعون من دونه" وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر "لايستجيبون لهم بشيء" نہ ان سے کسی بات کا جواب دیتے ہیں نہ نفع کا اور نہ ضرر کا۔ "الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغيه" اس ہاتھ پھیلانے والے کی طرح تا کہ وہ پانی کو پکڑ سکے اور پانی کو پکڑنے والا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں آتی اور نہ ہی وہ کسی حد تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ان بتوں کی پوجا کرنے والا اس کو نہ یہ بت نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ ایسے ہے جیسے پیاسا شخص کنویں کے کنارے بیٹھا ہوا اور پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور یہ آواز لگا تا رہے آ پانی' آ پانی نہ تو وہ خود پانی تک پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی پانی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ہاتھوں کا پھیلانا اور اس کا پانی کو پکارنا کچھ نفع نہیں دیتا اور نہ ہی وہ پانی اس کے منہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں نہ تو ان کا پکارنا ان کو نفع دیتا ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز پر قادر ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس پیاسے شخص کی طرح جس نے پانی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ پانی اسے اس وقت تک نفع نہیں دے سکتا جب تک اس سے چلو نہ بھرلے اور نہ ہی پانی اس کے منہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر چہ وہ اپنے بازو پھیلائے رکھے، ایسی مثال کافروں کے متعلق بیان کی ہے کہ کفار کا بتوں کی پوجا کرنا محض نقصان کے اور کچھ نہیں۔ "وما دعاء الكفرين" کافروں، بتوں کو پکارنا "الا فی ضلال" ان کو گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، جب یہ اس کی طرف احتیاجیت رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وضل عنهم ما كانوا يفترون وما كانوا يدعون" ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ تشریحی قول نقل کیا ہے کہ کافروں کا اپنے رب کو پکارنا بالکل بے سود ہے کیونکہ ان کی آواز (دعائیں) رب تک پہنچتی ہی نہیں۔

⑮ "ولله يسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعًا" اس سے مراد فرشتے اور مؤمنین ہیں۔ "و كرهًا" منافقین و کافرین جو تلوار کے ڈر کی وجہ سے سجدہ کرتے ہیں۔ ناپسندیدگی سے سر جھکاتے ہیں۔ "وظلالهم" بالتبع ان کے سائے بھی سربسجود ہوتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے مؤمنین کے سائے سجدہ کرتے ہیں خوشی سے کیونکہ مؤمنین کو سجدہ سے صرف رضا الٰہی مقصود ہوتا ہے اور کافر کا سجدہ مجبوری سے کیونکہ وہ سجدہ کرتا ہے مگر ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ "بالغدو والاصال" جب وہ صبح و شام سجدہ کرتے ہیں تو ان کے سائے بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔ اصال جمع ہے اصیل کی عصر اور غروب شمس کے درمیان وقت کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ "ضلالهم" سے مراد اشخاص ہیں جو صبح کے وقت اور عشاء کے وقت سجدہ کرتے ہیں۔

⑯ "قل من رب السمٰوٰت والارض" یعنی ان دونوں کو پیدا کرنے والا اور ان کو پھیرنے والا کون ہے تو وہ کہیں گے

اللہ۔ مشرکین، کفار اس بات کو مانتے تھے کہ ان کا خالق اللہ ہے، آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے تو جب آپ کو یہ جواب دیں تو اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی کہہ دیجئے اللہ۔ روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں سے پوچھا کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو انہوں نے جواب دیا آپ ہی بتایئے اس پر اللہ نے فرمایا "قل" "اے محمد "اللّٰہ" یہ کہنے سے ان پر حجت لازم کردی ہے۔ "قل افاتخذتم من دونه أولياء" کیا تم اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہو، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، بغیر کسی کی مدد کے اور تم اس کے سوا کسی اور کو پوجتے ہو۔ یعنی بتوں کو پوجتے ہو۔

"لا يملكون لانفسهم نفعًا ولا ضرًّا" تو پھر تمہارے لیے کیسے مالک ہوں گے پھر ان کی مثال بیان کی۔ "قل هل يستوى الاعمى والبصير" اسی طرح کافر اور مؤمن برابر نہیں ہوسکتے۔ "ام هل تستوى" حمزہ، کسائی، ابوبکر کے نزدیک "يستوى" یاء کے ساتھ ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الظلمات والنور" جیسے اندھیرا اور نور برابر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کفر اور ایمان برابر نہیں ہوسکتے۔ "ام جعلوا" یعنی بنا رکھے ہیں شریک "لله شركاء خلقوا كخلقه فتشابه الخلق عليهم" انہوں نے جن معبودوں کو شریک بنا رکھا ہے وہ کسی چیز کے خالق نہیں کہ ان کو اللہ کی تخلیق اور معبودوں کی تخلیق میں اشتباہ ہوجاتا اور یہ کہتے کہ اللہ خالق ہے اس لیے معبود ہے اور ہمارے معبود بھی خالق ہیں، اس لیے وہ بھی مستحق عبادت ہیں۔ "قل الله خالق كل شيء وهو الواحد القهار" اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی مثال بیان کی ہے حق و باطل کی۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ م بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ط وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ⑰

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے پھر وہ سیلاب خس وخاشاک کو بہا لایا جو اس (پانی) کے اوپر (آرہا) ہے اور جن چیزوں کو آگ کے اندر زیور اور اسباب بنانے کی غرض سے تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل ہے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی اسی طرح مثال بیان کررہا ہے سو جو میل کچیل تھا وہ تو پھینک دیا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہے وہ دنیا میں (نفع رسانی کے ساتھ) رہتی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح (ہر ضروری مضمون میں) مثالیں بیان کیا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑰ "انزل" نازل کیا اللہ عزوجل نے "من السماء ماءً" مراد بارش ہے "فسالت" اس پانی سے "اودية بقدرها" وادیوں کے اندازے کے مطابق چھوٹی ہوں یا بڑی۔ "فاحتمل السيل" وادیوں میں بہنے والا پانی "زبدًا رابيًا" وہ جھاگ جو پانی کے اوپر آجاتی ہے۔ "رابيًا" کا معنی ہے وہ عالی اور بلند جو پانی کے اوپر جمع ہوتی ہے، میل کچیل اور باقی پانی صاف شفاف رہ جاتا ہے، یہی مثال حق کی ہے اور وہ جھاگ جو وادی کے کنارے پر پڑے یا درختوں کے ساتھ لگی

13

وہ باطل ہے۔ بعض نے کہا کہ "انزل من السماء ماءً" یہ مثال ہے قرآن کی اور وادی کی مثال دل ہیں کہ قرآن ان دلوں میں اُترتا ہے اور مختلف قسم کے دل جتنے یقین کے پختہ ہوں گے اتنا ہی وہ اس قرآن کو مانیں گے۔ بعض اس سے مشکوک ہوں گے اور بعض دل مردہ ہوں گے، یہ دونوں مثالیں بیان کی ہیں۔

"ومما یوقدون علیه فی النار" حمزہ اور کسائی وحفص نے "یوقدون" پڑھا ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان "یوم ینفع الناس" اور اس کا خطاب یہاں نہیں ہے۔ "وممّا توقدون" اور وہ اشیاء جن کو آگ پر تپاتے ہیں، ایقاد کہا جاتا ہے پگھلانے کے لیے کسی چیز کو آگ میں تپانا۔ "ابتغاء حلیة" زینت کو طلب کرنے کے لیے اس سے مراد سونا چاندی ہیں کیونکہ عام طور پر یہی آگ سے پگھلائے جاتے ہیں۔ "او متاع" اس سے سامان طلب کرتے ہیں جس سے یہ فائدہ اُٹھاتے ہیں یا کھیتی کے اوزار کے لیے لوہا وغیرہ پگھلایا جاتا ہے یا ظروف بنانے کے لیے تانبا، پیتل پگھلایا جاتا ہے۔

"زبدٌ مثله کذلک یضرب اللّٰه الحق والباطل" جب ان کو پگھلایا جاتا ہے تو پانی کی جھاگ کی طرح ہوجاتے ہیں اور باقی اس جھاگ سے صاف ستھرے ہوکر جواہرات کی شکل بن جاتے ہیں، یہ مثال حق کی ہے اور وہ جھاگ جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا گیا۔ اس کی مثال باطل کی سی ہے۔ "فاما الزبد" وہ ندی جو اوپر سے بہتی ہے۔ "فیذهب جفاءً" وہ میل کچیل جو سیلاب یا پگھلائی ہوئی دھات کے اوپر آکر اِدھر اُدھر منتشر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وادی اور سیلابی نالے نے کوڑا کرکٹ اِدھر اُدھر پھینک دیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ جفاء کا معنی ہے منتشر پراگندہ، اسی طرح کہا جاتا ہے "اجفات القدر" جب ہنڈیا اُبلنے لگے اور جھاگ چھوڑنے لگے جب وہ جوش مارنا چھوڑ دے تو اس میں کوئی جھاگ باقی نہ رہے۔

اگر باطل کچھ دیر کے لیے اُٹھے گا تو پھر وہ خاموش ہوجائے گا۔ بعض نے کہا کہ "جفاءً" سے مراد متفرق جدا جدا ہونا، ہوا نے ماحول کو پراگندہ کردیا جب وہ جدا جدا اور منتشر ہوجائے۔ "واما ما ینفع النّاس" یعنی اصل پانی اور دھات تو زمین پر قائم رہتا ہے۔ "فیمکث فی الارض" باقی رہے اور ضائع نہ ہو۔ "کذلک یضرب اللّٰه الامثال" اللہ تعالیٰ نے یہی مثال بیان کی ہے حق و باطل کی۔ باطل کی مثال جھاگ کی طرح ہے یہ حق کو ضائع کردیتا ہے جیسے پانی کہ جھاگ نکل جانے کے بعد پانی خالص ہوجاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ مؤمنین کی تسلی کے لیے کہا۔ یہ مثال مشرکین کی ہے کہ حقیقت میں یہ اس جھاگ کی طرح ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں اور مؤمنین کی مثال وحقیقت اس پانی کی طرح ہے جو اپنے مکان میں بقاء وثابت رہے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑱ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑲ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ⑳

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے رب کا کہا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر تمام دنیا بھر کی چیزیں (موجود) ہوں اور (بلکہ) اس کے ساتھ اسی کے برابر بھی ہو تو وہ سب اپنی رہائی کے لئے دے ڈالیں ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا قرار گاہ ہے جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے کیا ایسا شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ اندھا ہے پس نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور یہ (سمجھدار) لوگ ایسے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں۔

تفسیر ⑱ "للذین استجابوا" رب کا کہا مانا۔ "لربھم" اس کی اطاعت کی۔ "الحسنی" اس سے مراد جنت ہے۔ "والذین لم یستجیبوا له لو أنّ لهم ما فی الارض جمیعًا و مثله معه لافتدوا به" یعنی قیامت کے دن اگر کل زمین کی دولت ان کو مل جائے تو دوزخ سے اپنی رہائی کے لیے وہ دے دیں گے۔

"اولئک لهم سوء الحساب" ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ سوء حساب یہ ہے کہ ان سے سختی کے ساتھ حساب فہمی کی جائے گی اور کوئی گناہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ "وماواهم" آخرت میں ان کا ٹھکانا۔ "جهنم وبئس المهاد" اس کا معنی ہے بچھونا وہ حجرا ہے جو ان کے لیے بچھایا جائے گا۔

⑲ "أفمن یعلم ان ما انزل الیک من ربّک الحق" اس پر وہ ایمان لے آئیں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کریں۔ "کمن هو اعمی" جو نہ اس کو جانتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حمزہ اور ابی جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ یہ عمار اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں پہلا قول یہ ہے کہ حمزہ اور عمار ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد ابوجہل ہیں اور وہ اعمی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کیا حق کو دیکھنے والا اور اس کی پیروی کرنے والا اور جو حق کو نہ دیکھنے والا اور نہ پہچاننے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ "انما یتذکر" یعنی نصیحت کے ہے۔ "اولوا الالباب" عقل والے مراد ہیں۔

⑳ "الذین یوفون بعهد الله" جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جو ان پر فرض کیا گیا تو تم اس کی مخالفت نہ کرو۔ "ولا ینقضون المیثاق" عہد سے مراد وہ ہے جب سب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا گیا تھا اور ان سے عہد لیا تھا۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ㉑

ترجمہ: اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم کیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

تفسیر ㉑ "والذین یصلون ما امر الله به أن یوصل" اس سے مراد ایمان لانا ہے تمام کتب اور رسولوں پر اور ان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ کرنا۔

والذین یصلون ما امر اللہ کی تفسیر

اکثر مفسرین رحمہم اللہ نے کہا کہ اس سے مراد صلہ رحمی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے فرمایا ہے میں ہی اللہ ہوں، میں ہی رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے لفظ رحم کو مشتق کیا ہے جو اس کو جوڑے رکھے گا میں اس کو اپنے ساتھ جوڑے رکھوں گا اور جو اس کو کاٹے گا اس سے میں قطع تعلق کرلوں گا۔

صلہ رحمی کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، پیدا کر چکا تو رحم نے کھڑے ہو کر رحمٰن کی کمر پکڑلی۔ اللہ نے فرمایا، کیا ہے رحم نے عرض کیا یہ اس کی جگہ ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ چاہتا ہے، اللہ نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں جو تجھے جوڑے رکھے گا میں اسے جوڑے رکھوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا، رحم نے عرض کیا بے شک میں اس پر راضی ہوں، اے میرے رب! اللہ نے فرمایا پس یہ تیرے لیے ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا چاہو تو یہ پڑھو "**فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم**"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گے۔ قرآن مجید، امانت رحم، قرآن حجت کرے گا اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور رحم ندا کرے گا خوب سن لو جس نے مجھے جوڑے رکھا اللہ اس سے تعلق رکھے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اس سے قطع تعلق کرلے گا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں درازی عطا کرے گا تو وہ قرابت داروں کو جوڑے رکھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ دُنیا ہی میں دے دے اور اس کو آخرت میں بدلہ دیا جائے گا، وہ ہے قطع رحمی کرنا۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یہ فرماتے ہوئے کہ قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حضرت ابوایوب انصاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور عرض کیا مجھے خبر دیجئے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے، فرمایا اللہ کی بندگی کر، کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دے نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور رشتہ داری کو جوڑے رکھ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رشتہ قرابت کو

جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ دے دے بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ قرابت ٹوٹ گیا ہو تو وہ اس کو جوڑ لے۔ سفیان عن قطر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب قطع رحمی کی جائے تو اس کو جوڑ دو۔ "ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب"

وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہ کر مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس جہان میں نیک انجام ان لوگوں کے واسطے ہے یعنی رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیٹیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق ہوں گے وہ بھی داخل ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس (ہر سمت کے) دروازے سے آتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ تم صحیح سلامت رہو گے بدولت اس کے کہ تم (دین حق پر) مضبوط رہے تھے سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے معاہدوں کو ان کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں خدا تعالیٰ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہوگی۔

تفسیر: ﴿۲۲﴾ "والذین صبروا" اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ثابت قدم رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے جو احکام ان کے سپرد کیے ان پر ثابت قدم رہے۔ عطاء کا قول ہے کہ مصائب و شدائد پر صابر رہے اور بعض علماء نے کہا کہ صبر سے مراد نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا۔ "ابتغاء وجه ربھم" اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ان بتوں کی مخالفت کرے۔ "واقاموا الصلوٰة وانفقوا مما رزقنھم سراً وعلانیةً" وہ زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔

گناہ اگر ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو کیونکہ نیکی گناہوں کو مٹا دیتی ہے

"ویدرؤن بالحسنة السیئة" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نیک اعمال برے اعمال کو مٹا دیتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا فرمان "ان الحسنات یذھبن السیئات" کا معنی یہی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی برا عمل کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ نیک عمل بھی کرے تاکہ اس کی

نیکی اس کی برائی کو مٹادے۔ اگر برائی چھپ کر کی ہے تو نیکی بھی ویسے کرے اور اگر برائی علانیہ کی ہے تو نیکی بھی اعلانیہ کرو۔

عقبہ بن عامر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص گناہوں کے بعد نیکیاں کر لیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی اتنی تنگ زرہ پہن رکھی ہو جس سے اس کا دم گھٹ رہا ہو، پھر اس نے ایک نیکی کر لی تو ایک کڑی ٹوٹ گئی، پھر دوسری کڑی ٹوٹ گئی یہاں تک کہ وہ زمین پر گر پڑی۔ ابن کیسان کا قول ہے آیت کا معنی ہے کہ وہ توبہ کے ذریعے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ شر کو شر کے ساتھ بدلہ نہ دو بلکہ شر کو خیر کے ساتھ بدلہ دو۔ قتیبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب برائی کرے تو اس کے بدلے میں نیکی کرو۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو نیکی کے ساتھ بدلہ دو، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلامًا" حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب کوئی تمہیں کسی چیز سے محروم کر دے تم اس کو عطا کرو اور جو تمہارے اوپر ظلم کرے تو تم ان کو معاف کر دو اور کوئی شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ عبداللہ بن مبارک کا قول ہے: "اولئک لهم عقبى الدار" اس سے مراد جنت ہے یعنی اللہ ان کو آخرت میں ثواب عطا کرتا ہے، پھر اس کو بیان فرمایا۔

㉓ "جنات عدن" اس کی اقامت کی جگہ باغات ہوں گے۔ "يدخلونها ومن صلح من آبائهم وازواجهم وذرياتهم والملائكة يدخلون عليهم من كل باب" بعض نے کہا اس سے جنت کے دروازے ہیں اور بعض نے کہا کہ قصور کے ابواب مراد ہے۔

㉔ "سلام عليكم" وہ کہتے تھے سلام علیکم اور بعض نے کہا کہ جنتی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آفات سے سلامت رکھے جن سے تم دُنیا میں ڈرتے تھے۔ مقاتل کا قول ہے ان پر فرشتے ایک دن رات کی مقدار کے برابر ان کے پاس آتے، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایا اور تحائف لے کر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔

"بما صبرتم فنعم عقبى الدار" ارطاۃ بن منذر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص "مشيخة الجند" سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ابوالحجاج نے کہا کہ میں ابوامامہ کے پاس بیٹھا اور کہا کہ جنت کے اندر اپنی مسند پر مؤمن راحت اندوز ہوں گے، خادموں کی دو قطاریں اس کے سامنے ہوں گی، دونوں قطاروں کے سروں پر ایک بند دروازہ ہوگا، دروازے پر فرشتہ اندر آنے کا طلب گار ہوگا، مؤمن اپنے قریبی خادم سے اور وہ خادم اپنے برابر والے خادم سے اور یونہی سلسلہ وار ہر خادم اپنے متصل خادم سے کہے گا کہ فرشتہ دروازہ پر خواستگار اجازت ہے۔ یہاں تک کہ آخری خادم جو دروازے سے متصل ہوگا، وہ دروازہ کھول دے گا، فرشتہ اندر آ کر سلام کرے گا اور واپس چلا جائے گا۔

㉕ "والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه" جو کفار کے ساتھ کیا تھا۔ "ويقطعون ما امر الله به أن يوصل" یعنی وہ بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔ بعض نے کہا کہ وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ "ويفسدون في الارض" یعنی وہ گناہوں والے اعمال کرتے تھے۔ "اولئک لهم اللعنة ولهم سوء الدار" اس سے مراد آگ ہے۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا
فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ㉖ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ
یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ ㉗ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ؕ
اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ㉘

ترجمہ اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے اور یہ (کفار) لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں اور یہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ ان کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

تفسیر ㉖ "**اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر**" اللہ جس پر چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ "**وفرحوا بالحیٰوۃ الدنیا**" اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جو شرارت اور تکبر میں ملوث ہیں۔ فرح کہا جاتا ہے من چاہی چیز کے ملنے سے دل کا سرور آ جانا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دُنیا سے خوشی حاصل کرنا (دُنیا ملنے کی بناء پر خوش ہونا) حرام ہے۔ "**وما الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الّا متاع**" یعنی تھوڑا سا فائدہ جو زائل ہونے والا۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کی مثال چھوٹی پیالی، پلیٹ، پیالہ، ہنڈیا کی سی ہے کہ ان سے نفع لے کر ان کو پھینک دیا جاتا ہے اس کی مثال دُنیا کی ہے۔

㉗ "**ویقول الذین کفروا**" اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ "**لو لا انزل علیہ آیۃ من ربہ قل ان اللّٰہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب**" جس کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کو دین کی طرف ہدایت دے دیتا ہے جو دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

㉘ "**الذین اٰمنوا**" یہ محل نصب میں واقع ہے "**من اناب**" سے بدل ہے۔ "**وتطمئن**" ان کے دل سکون میں ہو جاتے ہیں۔ "**قلوبھم بذکر اللّٰہ**" مقاتل کا بیان ہے کہ **بذکر اللّٰہ** سے مراد قرآن ہے۔ دل کو سکون ہوتا ہے یقین کے ساتھ اور اضطراب ہوتا ہے شک کی بناء پر۔ "**الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب**" مؤمنین کے دلوں کو تسکین اور ان کا یقین پختہ ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد پختہ عہد ہے کہ جب کوئی مسلمان اللہ سے پختہ عہد کرتا ہے کسی چیز پر تو ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سوال۔ اگر کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں ارشاد فرمایا "**انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم**" مؤمن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور اس جگہ ذکر الٰہی کو مؤمن کے قلب کا اطمینان فرمایا گیا ہے۔ ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ عذاب کے ذکر کے وقت مؤمن کا دل ڈر جاتا ہے اور ثواب کے وعدہ کے ذکر کے وقت اس کے اندر اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل ڈر جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس سے سخت حساب لے گا اور چین پاتا ہے اللہ کے فضل و کرم کے ذکر سے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور نیک انجامی ہے (اور) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس (امت) سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ ان کی وہ کتاب پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے اور وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناسپاسی کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا مربی اور نگہبان ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرا دی جاتیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے یہ سن کر پھر بھی کیا ایمان والوں کو اس بات میں دل جمعی نہیں ہوئی کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو تمام (دنیا بھر کے) آدمیوں کو ہدایت کر دیتا۔ اور یہ (مکہ کے) کافر تو ہمیشہ (آئے دن) اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے (بد) کرداروں کے سبب ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جاوے گا یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں کرتے

تفسیر: ﴿٢٩﴾ "الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت" یہ جملہ مبتداء ہے اور "طوبیٰ لھم" اس کی خبر ہے۔

طوبیٰ لھم کی تفسیر

طوبیٰ کی تفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طوبیٰ کا معنی کیا ہے خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ عکرمہ نے کہا کہ ان کا مآل اچھا ہوگا اور قتادہ کا قول ہے ان کے لیے بھلائی ہوگی اور معمر قتادہ سے مروی ہے کہ اگر تم کو کوئی بھلائی

اور فائدہ حاصل ہو جائے تو دوسرا آدمی تم سے کہتا ہے "طوبیٰ لک" یعنی تجھے اچھی بات پہنچے ابراہیم کا قول ہے نیکوکار مومنوں کے لیے بھلائی اور عزت ہوگی۔ فراء کا قول ہے طوبیٰ اصل میں طیب سے ہے اس میں واؤ طا کے ضمہ کی وجہ آئی ہے اس کی دو لغات ہیں۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے "طوباک و طوبیٰ لک" دونوں کا ایک معنی ہے ان کے لیے خوشی ہے۔ "وحسن مآب" ان کا اچھا لوٹنا ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حبشی زبان میں طوبیٰ باغ کو کہتے ہیں۔

ربیع کا قول ہے ہندوستان میں ایک باغ کا نام ہے۔ ابی امامہ ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم نے فرمایا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جو تمام جنتوں پر سایہ فگن ہے اور عبید بن عمیر کا قول ہے کہ طوبیٰ جنت کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں ایک درخت ہے، جس کی شاخیں مکان اور بالا خانہ پر سایہ فگن ہیں سوائے سیاہ رنگ کے ہر رنگ اور ہر پھول اور ہر پھل اور ہر میوہ اللہ نے اس درخت میں پیدا کیا ہے اس کی جڑ سے دو چشمے نکلتے ہیں کافور اور سلسبیل۔ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا ہر پتہ ایک جماعت پر سایہ کیے ہوئے ہے اور ہر پتہ پر ایک فرشتہ اللہ کی طرح طرح کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا طوبیٰ کیا ہے؟ فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کا پھیلاؤ سو سال کی رفتار کے برابر ہے۔ اہل جنت کے کپڑے اس کے شگوفوں سے برآمد ہوں گے۔ حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد سے مرفوع روایت ذکر کرتے ہیں کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا۔ اس درخت سے زیور اور کپڑے پیدا ہوں گے اور اس کی شاخیں حصار جنت کے باہر سے دکھائی دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھوڑا سوار سو برس تک چلتا رہے تب بھی قطع نہ کر سکے۔ اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھ "وظل ممدود" یہ بات کعب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو فرمایا آپ نے سچ کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا۔ اگر کوئی شخص تین سالہ یا چار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس تنہ کے گرداگرد چکر لگائے تو دورہ پورا نہ کر سکے یہاں تک کہ وہ گر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور اپنی روح اس میں پھونکی ہے۔ اس کی شاخیں جنت کے باہر سے نظر آئیں گی۔ جنت کی ہر نہر اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہا جاتا ہے، اللہ اس سے فرمائے گا میرا بندہ جو کچھ کہتا ہے تو شگافتہ ہو کر اپنے اندر سے اس چیز کو برآمد کر دے۔ حسب الحکم درخت پھٹے گا اور اس کے اندر سے بندہ کی خواہش کے مطابق گھوڑا زین اور لگام پورے ساز سمیت برآمد ہو جائے گا اور بندے کی خواہش کے مطابق اونٹنی اپنے کجاوے نکیل اور سامان سمیت برآمد ہو جائے گی اور کپڑے بھی پھٹ کر اس درخت سے نکلیں گے۔

㉚ "کذلک ارسلناک فی امة" جس طرح ہم نے پہلے انبیاء کو بھیجا اُمتوں کی طرف اس طرح اس اُمت کی طرف بھیجا۔ "قد خلت" اس کا معنی گزر چکا۔ "من قبلها اُمم لتتلوا" کا معنی ہے کہ اس کو پڑھ کر سنائیں۔ "علیهم الذی او حینا الیک

وھم یکفرون بالرحمٰن" قتادہ، مقاتل اور ابن جریج کا قول ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس وجہ سے کہ جب سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور باہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا آپس میں صلح نامہ لکھوانے پر اتفاق ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** قریش بولے ہم رحمٰن کو نہیں جانتے ہم تو صرف یمامہ والے رحمٰن (مسیلمہ کذاب) کو جانتے ہیں تم وہی لکھو جو پہلے لکھتے تھے یعنی "**باسمک اللّٰھُمّ**" (سے لکھو) یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "**وھم یکفرون بالرحمٰن**"

مشہور یہی ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے قریب یا اللہ یا رحمٰن فرما رہے تھے ابوجہل نے یہ لفظ سن لیا، فوراً مشرکوں سے جا کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو معبودوں کو پکار رہے تھے، اللہ کو اور رحمٰن کو اور ہم تو یمامہ والے رحمٰن کے علاوہ کسی اور رحمٰن سے واقف نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "**قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن أیامّا تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ**"

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حوالہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے حق میں نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو کافروں نے جواب میں کہا رحمٰن کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل" آپ ان کو کہہ دیجئے کہ جس رحمٰن کے جاننے کے تم منکر ہو وہی میرا خالق اور کارساز ہے۔ "**ھو ربی لا الٰہ الاّ ھو علیہ توکلت**" اسی پر اعتماد کیا۔ "**والیہ متاب**" اسی سے توبہ کرتا ہوں اور اسی طرف میرا رجوع ہے۔

ولو أن قرآنا سیرت بالجبال کا شانِ نزول

31 "**ولو أن قرأنًا سیرت بہ الجبال**" یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جن میں ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن اُبی اُمیہ یہ کعبہ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص عبداللہ بن ابی اُمیہ نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ ہم کو اپنا پیروکار بنانا چاہتے ہیں تو قرآن کے ذریعے سے مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیں تاکہ کشائش پیدا ہو جائے، ہماری کھیتی کے لیے اس وقت زمین تنگ ہے اور یہاں سے چشمے اور نہریں بھی نکال دیجئے تاکہ ہم درخت لگائیں، کھیتیاں بوئیں اور باغ تیار کریں، آپ اپنے دعوے کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام سے کم مرتبہ تو نہیں ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ چلا دیئے گئے تھے جو ان کے ساتھ مل کر پاکی بیان کرتے تھے۔ آپ ہوا کو بھی ہمارا تابع بنا دیجئے کہ ہم غلہ کو حاصل کرنے اور دوسری ضروریات کو فراہم کرنے کے لیے جو شام کو جاتے ہیں ہوا پر چلے جایا کریں اور ہم روز لوٹ آیا کریں۔ آخر آپ کا قول ہے کہ ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر حکم کر دیا گیا تھا اور آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "**ولو ان قرأنًا سیرت بہ الجبال**" زمین کے اوپر سے لے جائے۔ "**او قطعت بہ الارض**"

زمین کو پھاڑا اوراس سے نہریں اور چشمے پیدا کیے۔ ”او کلم به الموتیٰ“ لوشرطیہ کے جواب میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔
اس شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ سامعین کے سننے پر اکتفاء کیا گیا۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی ”لکان ھذا القرآن“ اگر ہوتا قرآن اس طرح تو ہم اس طرح کر دیتے۔ جیسا کہ شاعر کا شعر ہے ترجمہ: (پس قسم کھا، اگر اس کے علاوہ ان کا رسول کوئی چیز لے آتا تو پھر ان کو (قبول کرنے کے سوا) چھٹکارا نہ ملتا۔) قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر ہم اس قرآن کے ذریعے ایسا کر دیتے ان کے کہنے سے پہلے تو ہم ان پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے ہٹا لیتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جواب مقدم ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی ”وھم یکفرون بالرحمٰن“ گویا کہ یوں کہا گیا کہ ”لو سیرت به الجبال“
”او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ“ اگر ایسا کر دیا جاتا تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ جیسا کہ پہلے ہمیں ان کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ولو اننا نزلنا الیھم الملائکة و کلمھم الموتیٰ وحشرنا علیھم کل شیء قبلاً ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللّٰہ“ اگر ہم فرشتوں کو اُتار کر ان کے پاس بھیج دیتے اور مُردے ان سے کلام کرتے اور ہر چیز کو جمع کر کے ان کے سامنے لے آتے۔ ”بل للّٰہ الامر جمیعًا“ ان تمام امور میں وہ چاہے تو کرے اور چاہے نہ کرے۔ ”افلم ییاس الذین اٰمنوا“ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ”ییاس“ بمعنی علم، ”افلم یعلم“ کیا وہ نہیں جانتے۔
کلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ نخع (قبیلہ) کی لغت ہے اور بعض نے کہا کہ ھوازن کی لغت ہے جس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت دلالت کرتی ہے ”افلم یتبین الذین اٰمنوا“ (ان کے ہاں ”لم ییئس“ کی جگہ ”لم یتبین“ آیا ہے اور اس کا معنی ہے ”لم یعلم“) فراء نے اس قول کا انکار کیا ہے کہ اس کا معنی جاننا نہیں اور بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اس کا سماع کلام عرب میں نہیں ہے کہ ”یأس“ کا معنی علم ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”یئست“ بمعنی علمت۔ لیکن یہاں علم کا معنی پوشیدہ ہے یا ”ایاس“ کا معنی مجازاً علم کے لیا گیا ہو۔
جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ بات سنی کہ مشرکین مکہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے اللہ ایسا کر دے تو یہ لوگ ایمان لے آئیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ”افلم ییاس الذین اٰمنوا“ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کے ایمان لانے سے نا اُمید نہیں ہوئے۔
”ان لو یشاء اللّٰہ لھدی الناس جمیعا ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا“ ان کے کفر اور اعمال خبیثہ کی وجہ سے ”قارعة“ یعنی ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے کوئی مصیبت بلاء، آفت خواہ بصورت قحط ہو یا بصورت قید و قتل یا مال کی تباہی اور غارت گری قید و بند وغیرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں قارعة سے مراد ہیں وہ فوجی دستے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں پر بھیجتے رہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قارعة سے مراد سرایا ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر بھیجا۔ ”او تحل“ اس سے مراد سریہ ہے یا ”قارعة“ (قیامت ہے)۔ ”قریبًا من دارھم“ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود ان کی بستیوں کے قریب جا کر اُتریں گے۔
”حتیٰ یاتی وعد اللّٰہ“ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد فتح اور نصرت اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دُنیا میں تشریف لانا اور دین محمدی کے ظہور کے لیے۔ "ان اللّٰہ لایخلف المیعاد" کفار ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں استہزاء کرتے ہوئے۔ اللہ رب العزت نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ جو آپ کے قبل ہو چکے ہیں استہزا ہو چکا ہے پھر میں ان کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے ان پر دارو گیر کی سو میری سزا کس طرح کی تھی پھر (بھی) کیا جو (خدا) ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو وہ اور ان لوگوں کے شرکاء برابر ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں نے خدا کے لئے شرکاء تجویز کیے ہیں آپ کہیے کہ (ذرا) ان (شرکاء) کا نام تو لو کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا (بھر) میں اس (کے وجود) کی خبر اللہ تعالیٰ کو نہ ہو یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان کو شریک کہتے ہو بلکہ ان کافروں کو اپنے مغالطہ کی باتیں مرغوب معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں رکھے اس کا کوئی ان کے لیے دنیوی زندگانی میں (بھی) عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بدر جہا زیادہ سخت ہے اور اللہ (کے عذاب) سے ان کا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا (اور) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی)) عمارت و اشجار) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان ہی گروہ میں بعضے ایسے ہیں کہ اس کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں آپ فرمایئے کہ مجھ کو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھ کو جانا ہے۔

تفسیر: ۳۲ "ولقد استھزی برسل من قبلک" جیسے کہ آپ کی استہزاء کرتے ہیں۔ "فاملیت للذین کفروا" یعنی ان کو مہلت دی اور مدت لمبی ہوگئی۔ اسی سے ملوان ہے یعنی دن ورات۔ "ثم اخذتھم" دُنیا میں ان کو قتل کی سزا دیں گے اور

آخرت میں آگ کی "فکیف کان عقاب" میری سزا ان کے لیے کیسی ہوگی۔

㉝ "افمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت" اس کا محافظ اس کا رزاق اور ان سب کا جاننے والا ہے اور ان کے اعمال کا بدلہ بھی دینے والا ہے۔ اس کا جواب محذوف ہے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "کن لیس بقائم بل عاجزٌ عن نفسہ"...... "وجعلو اللّٰہ شرکاء قل سموھم" یعنی ان کے نام آپ بیان کریں۔ بعض نے کہا کہ آپ ان کو صفوں میں کھڑا کردیں، پھر ان کی طرف غور وفکر سے نظر دوڑائیں کہ وہ اس کے اہل ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ "اُم تنبؤنہ" کیا وہ تمہیں اللہ کے بارے میں خبر دیں گے۔ "بما لایعلم فی الارض" اس لیے ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ زمین میں ان کا کوئی شریک ہے اور نہ زمین میں ان کے علاوہ کوئی اور معبود ہے؟ "ام بظاھر" یعنی یہ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ "من القول" جو ان سے سنی جائے چونکہ یہ حقیقت میں باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک قول کو زائل کرنا (اس کی بات کی طرف دھیان ہی نہ رکھنا)

"بل زین للذین کفروا مکرھم" اس سے مراد ان کا دھوکہ دینا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور اللہ پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے۔ "وصدوا عن السبیل" دین سے ان کو پھیر دیا گیا ہے۔ اہل کوفہ اور یعقوب کے نزدیک "وصدوا" پڑھا ہے اور سورۃ حم المؤمن میں "وصد" صاد کی میم کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے صاد پر زبر پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "انّ اللذین کفروا ویصدون عن سبیل اللّٰہ" اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے "اللذین کفروا وصدوا عن سبیل اللّٰہ" ان دونوں جگہوں میں صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ومن یضلل اللّٰہ" جس کو اللہ رسوا کردے۔ "فمالہ من ھاد"

㉞ "لھم عذاب فی الحیٰوۃ الدنیا" عذاب سے دُنیاوی عذاب قتل اور قید ہونا ہے۔ "ولعذاب الاخرۃ اشق" بمعنی اشد کے ہے۔ "ومالھم من واق" ان کو اللہ کے عذاب سے روکنے والا کوئی نہیں۔

㉟ "مثل الجنۃ التی وعدالمتقون" جنت کی صفات یہی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وللّٰہ المثل الاعلیٰ" اس کی صفات میں سے جنت کا بلند وبالا ہونا ہے۔ "تجری من تحتھا الانھار" اس جنت کی صفات جس کے متعلق متقین کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے اعمال کا بدلہ ایسی جنت کے ساتھ ہے جس کا وعدہ متقین کے ساتھ کیا گیا اور وہ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ "اکلھا دائمٌ" اس کے پھل اور اس کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ "وظلھا" اس کا سایہ بھی ایسا ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس آیت میں فرقہ جہمیہ کی تردید ہے۔ ان کے نزدیک جنت کی نعمتیں فانی ہیں۔ "تلک عقبی" سے مراد انجام ہے۔ "اللذین اتقوا" اس سے مراد جنت ہے۔ "وعقبی الکافرین النار"

㊱ "واللذین آتیناھم الکتاب" کتاب سے مراد قرآن ہے یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ "یفرحون بما انزل الیک" اس سے مراد قرآن ہے۔ "ومن الاحزاب" وہ کفار جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جماعت بندی کی تھی اور وہ یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

"من ینکر بعضہ" دوسرے حضرات کا قول ہے کہ الرحمٰن کا لفظ قرآن میں کم آیا ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن سلام اور

آپ کے ساتھی مسلمان ہو گئے قرآن میں رحمٰن کا ذکر کم پایا تو یہ چیز ان کو کچھ اچھی معلوم نہیں ہوئی کیونکہ تورات میں یہ لفظ بکثرت آیا ہے اس کے بعد جب یہ لفظ بار بار قرآن میں آیا تو ان کو اس سے خوشی ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "والذین آتیناهم الکتاب یفرحون بما انزل الیک ومن الاحزاب من ینکر بعضه" جب مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ لکھوانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوائی تو مشرکین کہنے لگے ہم تو رحمٰن یمامہ کے علاوہ کسی اور رحمٰن سے واقف نہیں اس سے مراد ان کی مسیلمہ کذاب ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی "وهم بذکر الرحمٰن هم کافرون" اور آیت "وهم یکفرون بالرحمٰن" اس آیت میں "بعضه" کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مشرکین اللہ کے ذکر کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ رحمٰن کا لفظ ذکر کرنا ان کو گوارہ نہ تھا۔ "قل" کہہ دیجئے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "انما امرت أن اعبدالله ولا اشرک به الیه أدعوا والیه مآب" اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے عربی زبان میں اور اگر آپ (بفرض محال) ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی آپ کا مددگار رہوگا اور نہ کوئی بچانے والا اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے اور کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں ہوا کہ ایک آیت بھی بدوں خدا کے حکم کے لا سکے ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں خدا تعالیٰ (ہی) جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہیں کے پاس ہے۔

تفسیر ﴿۳۷﴾ "وکذلک أنزلناه حکمًا عربیًا" وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے گزشتہ قوموں کے لیے انہی کی زبانوں میں کتابیں نازل کیں اس طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں فیصلہ بنا کر اُتارا ہے تا کہ تمہارے اور تمہاری قوم کے لیے اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو۔ اس کو عرب کی طرف منسوب کیا کیونکہ قرآن کو انہی کی لغت میں اُتارا ہے اس پر گروہوں نے ان کو جھٹلایا ہے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے ماقبل ان کی لغات پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے یہ قرآن تمہاری ہی لغت میں اُتارا ہے۔ "ولئن اتبعت اهواء هم" اس سے مراد ملت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قبلہ ہے۔ "بعد ما جاء ک من العلم مالک من الله من وّلی وّلا واق" کوئی مددگار اور حامی نہ ملے۔

㊳ "ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک" روایت میں آتا ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ اس شخص کا مطمع تو صرف عورتیں ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ" اور ہم نے ان کے لیے فرشتوں کو پیغمبر نہیں بنایا کہ جو نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں۔ "وما کان لرسول أن یأتی بآیۃ الا باذن اللّٰہ" یہ عبداللہ بن ابی کو جواب ہے۔ پھر ارشاد فرمایا "لکل اجل کتاب" یعنی اللہ نے ہر امر اپنے فیصلہ سے لکھ دیا ہے (لوح محفوظ میں) اور بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے عبارت اس طرح تھی "لکل کتاب اجل" یعنی ہر مدت اور ہر وقت کے لیے اللہ نے حکم نازل فرمایا ہے۔

㊴ "یمحوا اللّٰہ ما یشاء ویثبت" ابن کثیر، ابو عمر، عاصم اور یعقوب کے ہاں "یثبت" بغیر تشدید کے ہے۔ دوسرے قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

یمحوا اللہ مایشاء کی تفسیر میں ائمہ مفسرین کے اقوال

اس آیت کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے کہ جن فرائض اور احکام کو اللہ چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور بدل دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے منسوخ نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لوح محفوظ میں سے جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اس میں ثبت کر دیتا ہے سوائے رزق اور عمر اور نیک بختی اور بد بختی کے یہ امور نہیں بدلے جاتے۔

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نطفہ کے قرار پکڑنے کے چالیس یا پینتالیس دن کے بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے اے میرے رب! یہ شقی ہے یا سعید یہ دونوں باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ پھر فرشتہ کہتا ہے اے رب! یہ نر ہے یا مادہ۔ یہ دونوں اُمور بھی لکھ دیئے جاتے ہیں، پھر اس کا عمل اثر عمر اور رزق لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں جن کے اندر اس کے بعد نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی ہوتی ہے۔

حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں حضرات نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سعادت اور شقاوت کو بھی مٹا دیتا ہے اور رزق وموت وحیات کو بھی اور کچھ ثابت رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ جب بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ! اگر تو نے مجھے اہل سعادت میں لکھا ہے تو ان میں قائم رکھ اور اگر تو نے میرے لیے شقاوت لکھ دی ہے تو اس سے میرا نام مٹا دے اور اہل سعادت اور مغفرت میں لکھ دے۔ بلاشبہ جو تو کچھ چاہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہے قائم رکھتا ہے، تیرے ہی پاس اُم الکتاب ہے۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض آدمیوں کی عمر کے تیس سال باقی ہوتے ہیں لیکن جب وہ قطع تعلق کرتا ہے تو اس کے تیس سال کو تین دن کر دیئے جاتے ہیں اور بعض لوگوں کی عمر کے تین دن باقی ہوتے ہیں تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے تین دن کو کھینچ کر تیس سال بنا دیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت رات کے آخری حصہ میں نزول، اجلال فرماتا ہے۔ ان تین گھڑیوں میں سے پہلی گھڑی میں درج شدہ چیز کو دیکھتا ہے اس کے سوا کوئی بھی اس کتاب کو نہیں دیکھ سکتا، پس جو کچھ چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حفاظت والے فرشتے انسان کے تمام اعمال لکھ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دیوان (رجسٹرڈ) سے ان چیزوں کو مٹا دیتا ہے جن پر نہ ثواب ملتا ہے نہ عتاب۔ جیسے کہ کھانا، پینا، دخول، خروج اور ان جیسے کلام جو صادق تو ہیں مگر ان پر نہ ثواب ہے نہ عتاب۔ یہ قول ضحاک اور کلبی رحمہما اللہ کا ہے۔ اور کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تمام اشیاء ان کے لیے لکھی جاتی ہیں لیکن جب جمعرات کا دن آتا ہے تو ان چیزوں کو مٹا دیا جاتا ہے جن پر نہ ثواب مرتب ہوتا ہے اور نہ ہی عذاب مرتب ہوتا ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے لیکن آخر میں نافرمانی کرنے لگتا ہے اور اسی گمراہی پر مر جاتا ہے تو اللہ اس کے پچھلے نیک اعمال مٹا دیتا ہے اور جو شخص مرتے دم تک اطاعت پر قائم رہتا ہے اللہ اس کی نیکیاں قائم رکھتا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے "**یمحوا اللہ ما یشاء**" کا مطلب ہے کہ جس کی موت کا وقت آجاتا ہے اللہ اس کو لے جاتا ہے اس کی زندگی کا نقش مٹا دیتا ہے اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا ہوتا اس کو قائم رکھتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے "**یمحوا اللہ ما یشاء**" اللہ اپنے بندوں کے جو گناہ چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے مٹا دیتا ہے اور جن گناہوں کو چاہتا ہے ان کو معاف نہیں کرتا۔

عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے "**یمحوا اللہ مایشاء**" کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے جو گناہ توبہ سے معاف کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور گناہوں کے بدلے نیکیاں ثبت کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات**" سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "**یمحوا اللہ مایشاء**" کا مطلب ہے کہ مٹا دیتا ہے۔ چاند کی چاندنی کو "ویثبت" اور باقی رکھتا ہے یعنی سورج یا دھوپ کو لے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ "**فمحونا ایۃ اللیل وجعلنا ایۃ النھار مبصرۃ**" ہم نے رات کی نشانی (چاندنی) مٹا دی اور ہم دن کی نشانی نظروں کے سامنے لے آئے۔ ربیع رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "**یمحوا اللہ مایشاء**" اس آیت کا تعلق ارواح کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیند کی حالت میں ارواح کو قبض کر لیتا ہے اس کے بعد جس کو موت دینا چاہتا ہے اس کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور جس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے اس کی روح واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**اللہ یتوفی الانفس حین موتھا**"...... "**وعندہ اُم الکتاب**" اُم الکتاب سے کتاب کی اصل (جڑ) سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

ام الکتاب کی تفسیر

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے پاس دو کتابیں ہیں، ایک کتاب اُم الکتاب کے علاوہ ہے۔ اس کتاب سے جو چاہیں مٹاتے ہیں اور جس کو چاہیں باقی رکھیں اور اُم الکتاب میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔

عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی ایک لوح محفوظ ہے۔ اس کی مقدار پانچ سو برس

کے ہے یا وہ سفید موتی کی بنی ہوئی ہے اس کے دونوں پٹھے یاقوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو روزانہ تین سو تیس بار ملاحظہ فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اُم الکتاب کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ علم الکتاب یعنی اللہ تعالیٰ کا علم

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

ترجمہ اور جس بات کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا بعض واقعہ اگر ہم آپ کو دکھلا دیں خواہ ہم آپ کو وفات دے دیں پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور دارو گیر کرنا تو ہمارا کام ہے کیا اس امر کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور وہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ ہو چکے ہیں انہوں نے تدبیریں کیں سو اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے اس کو سب خبر رہتی ہے جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اور ان کفار کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم میں نیک انجامی کس کے حصہ میں ہے اور یہ کافر لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ پیغمبر نہیں آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے کافی گواہ ہیں۔

تفسیر ﴿٤٠﴾ "**واما نرینک بعض الذی نعدھم**" آپ کی وفات سے ان مشرکین کو عذاب دیں۔ "**او نتوفینک**" اس سے پہلے۔ "**فانما علیک البلاغ**" اس پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ "**وعلینا الحساب**" ان کو بدلہ دے گا قیامت کے دن۔

﴿٤١﴾ "**اولم یروا**" اس سے مراد اہل مکہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے۔

ننقصها من اطرافها کی مختلف تفاسیر

"**انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها**" اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے علاقوں کا فتح کرنا ہے۔ اس سے دیار اسلام میں اضافہ اور دیار شرک میں نقصان ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "**اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها**" ان زمینوں کے بعد ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فتوحات میں اضافہ نہیں کیا۔ کیا ان کو اس کا مشاہدہ نہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ خراب الارض کا معنی ہے

کہ کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ ہم ان کی آبادیوں کو اُجھاڑ رہے ہیں اور آبادیوں کے رہنے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خراب الارض کا معنی ہے زمین والوں کو موت دے دینا۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد لوگوں کو موت دینا اور شعبی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور ایک جماعت کا قول ہے کہ نقصان سے مراد علماء کی موت ہے اور فقہاء کا اس دنیا سے چلے جانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو قبض نہیں کرے گا، ان کے سینوں سے اُٹھائے جانے کے ساتھ بلکہ علم کو اُٹھایا جائے گا، علماء کے اُٹھائے جانے کے ساتھ، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جہلاء کو اپنا سردار بنائیں گے اور ان سے مسائل دریافت کریں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور ان کو بھی گمراہ کریں گے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ عالم کی موت اسلام میں ایسا رخنہ ہے جس کا ازالہ کوئی چیز نہیں کر سکتی، رات اور دن کا اختلاف بھی اس کا تدارک نہیں کر سکتی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تم علم کو لازم پکڑے رکھو، اس کے قبض ہونے سے پہلے اور اہل علم کے قبض ہونے سے پہلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ فقہاء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہتھیلی جب ایک مرتبہ کٹ جائے تو پھر جڑتی نہیں۔ سلیمان فارسی کا قول ہے لوگ اس وقت تک خیر پر باقی رہیں گے۔ سعید بن جبیر سے کہا گیا کہ لوگوں کی ہلاکت کی علامت کیا ہے فرمایا ان کے علماء کا ہلاک ہونا ہے۔ **"واللّٰہ یحکم لا معقب لحکمہ"** اس کی قضاء کو رد کرنے والا اور اس کے حکم کو توڑنے والا کوئی نہیں۔ **"وھو سریع الحساب"**

㊷ **"وقد مکر اللذین من قبلھم"** اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں۔ مکر کہا جاتا ہے نامعلوم طریقے سے کسی کو دُکھ پہنچانا۔ **"فللّٰہ المکر جمیعًا"** اللہ ہی کے پاس ہے ان کے مکر کی سزا۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ ہی ان کے فریب کا خالق ہے خیر وشر اس کے قبضہ میں ہے، نفع اور ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کسی کا فریب کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ **"یعلم ما تکسب کل نفس وسیعلم الکفار"** اہل حجاز اور ابو عمرو کے نزدیک (الکافر) واحد ذکر ہے۔ دوسرے قراء کے نزدیک کفار جمع کا صیغہ ہے۔ **"لمن عقبی الدار"** ان کا انجام آخرت ہے، جب دوزخی آگ میں چلے جائیں گے اور مؤمن جنت میں چلے جائیں گے۔

㊸ **"ویقول اللذین کفروا لست مرسلاً قل کفی باللّٰہ شھیدًا بینی وبینکم"** تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا۔ **"ومن عندہ علم الکتاب"** ایمان رکھنے والے اہل کتاب کی شہادت کافی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے عبداللہ بن سلام مراد ہیں۔ شعبی رحمہ اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا کہ سورۃ مکی ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے۔ ابو بشر نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا **"ومن عندہ علم الکتاب"** سے کیا عبداللہ بن سلام ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس سے عبداللہ بن سلام کیسے مراد ہو سکتے ہیں حالانکہ سورۃ مکی ہے۔ حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ **"ومن عندہ علم الکتاب"** سے اللہ عزوجل ہیں جس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ **"ومن عندہ"** میم اور دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ عزوجل کے پاس۔ حسن اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قرأت میں **"ومِنْ عِنْدِہٖ"** آیا ہے۔ اس پر دلیل یہ قرأۃ ہے **"وعلمناہ من لدنا علمًا"** اور **"الرحمٰن علم القرآن"**

سُورۃ ابراھیم

یہ سورت مکی ہے اس کی اکیاون آیات ہیں۔اس سورۃ میں صرف دو آیات مدنی ہیں۔
"الم تر الی الذین بدلوا نعمة اللّٰہ کفراً" الی قولہ "فان مصیر کم الی النار" تک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ②

ترجمہ: الر۔ یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف یعنی خدائے غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لاویں وہ ایسا خدا ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے۔

تفسیر: ① "الر کتب" کتاب خبر ہذا مبتداء محذوف کی۔"انزلناہ الیک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا۔"لتخرج الناس من الظلمات الی النور" تاکہ وہ تمہیں دعوت دے گمراہی سے نور ایمان کی طرف۔"باذن ربھم" اپنے رب کے حکم سے۔بعض نے کہا کہ اپنے رب کے علم سے۔"الی صراط العزیز الحمید" اپنے دین کی طرف، عزیز غالب اور حمید وہ ہے جو حمد کا مستحق ہو۔

② "اللّٰہ" ابوجعفر، نافع، ابن عامر نے لفظ اللہ کو مرفوع پڑھا کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس کے مابعد اس کی خبر ہے اور دوسرے حضرات نے مجرور پڑھا ہے۔اس صورت میں "للعزیز الحمید" کے لیے صفت ہوگی۔یعقوب جب اس کو ملا کر پڑھتے تو مجرور پڑھتے۔ابوعمرو کا قول ہے کہ مجرور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ہے۔عبارت اس طرح ہوگی۔"الی صراط اللّٰہ العزیز الحمید"......"الذی لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وویل للکافرین من عذاب شدید"

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ ۭ بَعِيْدٍ ③ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

ط فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
نِسَآءَكُمْ ط وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥

ترجمہ ان کافروں کو جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور (بلکہ) اللہ کی راہ (مذکور سے) روکتے ہیں اوراس میں کجی (یعنی شبہات) کے متلاشی رہتے ہیں ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو (بھی) ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ ان سے (احکام الٰہیہ کو) بیان کریں پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور وہی (سب امور پر) غالب ہے حکمت والا ہے اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کی) کی روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ بلاشبہ ان معاملات میں عبرتیں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے۔ اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑا امتحان تھا۔

تفسیر ③ "الذین یستحبون" اس سے مراد جو کچھ وہ اختیار کرتے ہیں۔ "الحیٰوۃ الدنیا علی الاخرۃ ویصدون عن سبیل اللّٰه" یعنی وہ لوگوں کو اللہ کے دین قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ "ویبغونھا عوجًا" وہ تلاش کرتے ہیں کجی کو اور حق سے منہ موڑ کر اللہ کے راستے کے طلبگار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ھا ضمیر لوٹ رہی ہے دُنیا کی طرف، معنی اس کا یہ ہوگا کہ راہِ حق سے منہ موڑ کر دُنیا کے طلبگار ہوتے ہیں بمعنی حرام مال چاہتے ہیں۔ "اولئک فی ضلال بعید"

④ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لھم" ان کی لغت کے مطابق تا کہ اس سے بات کو سمجھ لیں۔ اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ عرب میں ان کی زبان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تھا۔ دوسرے لوگ عرب کے تابع ہیں، پھر انبیاء علیہم السلام نے اپنے اطراف لوگوں کو مختلف زبانوں میں ترجمہ سکھلا کر بھیجا تا کہ ان کو ان کی زبانوں میں تبلیغ کرے۔

"فیضل اللّٰه من یشاء و یھدی من یشاء وھو العزیز الحکیم"

⑤ "ولقد ارسلنا موسٰی بایاتنا أن اخرج قومک من الظلمت الی النور" دعوت کے ذریعے وہ کفر کو ایمان

کی طرف لے آئے۔ "وذکرھم بایام اللّٰہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما وابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجاہد وقتادہ نے اس کا معنی "بنعم اللّٰہ" کیا ہے۔ (اللہ کی نعمتیں) مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد ماقبل اُمتوں کے واقعات ہیں۔ جیسا کہ محاورات میں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایام العرب کا عالم ہے یعنی عرب کی لڑائیوں سے واقف ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات بتلاؤ جو اللہ نے گزشتہ ایام میں ظاہر کیے خواہ وہ نعمت کی صورت میں ہوں یا مصیبت یا مشکل کی صورت میں ہوں۔ ان کو وہ ایام یاد دلاؤ کیونکہ ان کے ہاں یہ دن معلوم ہیں۔ "ان فی ذلک لایات لکل صبّار شکور" صبار کہتے ہیں بہت زیادہ صبر ادا کرنے والا اور شکور کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں اور صبر وشکر مؤمن کی خصلتوں میں سے ہونی چاہیے۔

⑥ "واذ قال موسیٰ لقومه اذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ انجاکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب ویذبحون أبناء کم" فراء کا قول ہے کہ یہاں واؤ کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آل فرعون کو مختلف قسم کے عذاب دیئے گئے ذبح کرنے کے علاوہ۔ اور اگر یہاں سے واؤ کو حذف کردیں تو اس صورت میں "یذبحون" اور "یقتلون" کی تفسیر ہوگی کہ ان کو عذاب دیا گیا۔ قتل کی صورت میں اور بچوں کو ذبح کرنے کی صورت میں۔ "ویستحیون نساء کم" عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔ "وفی ذلک بلاء من ربکم عظیم"

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ ⑦ وَقَالَ مُوۡسٰٓى اِنۡ تَكۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ⑧ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۛ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۛ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ⑨ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ⑩

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو (سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (یہ بھی) فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ بالکل بے احتیاج ستودہ صفات ہیں (اے کفار مکہ) کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود

(قوم صالح) اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ان کے پیغمبران کے پاس دلائل لے کر آئے سوان قوموں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دیدیے اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم تو اس کی جانب سے بڑے شبہ میں ہیں جو (ہم کو) تردد میں ڈالے ہوئے ہیں ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے۔ جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلا رہا ہے تا کہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور معین وقت تک تم کو (خیر و خوبی کے ساتھ) حیات دے انہوں نے کہا کہ تم محض ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں تم یوں چاہتے ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد جس چیز کی عبادت کرتے تھے (یعنی بت) اس سے ہم کو روک دو سو کوئی صاف معجزہ دکھلاؤ۔

تفسیر ⑦ "واذ تاذن ربکم" تاذن بمعنی اعلم کے ہے، اطلاع دے دی بتلا دیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اذن و تاذن" ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے جیسے "اوعد، توعد" ہے۔ "لئن شکرتم" میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے باایں معنی ان پر ایمان لاؤ گے اور اطاعت کرو گے۔ "لازیدنکم" تمہیں نعمت میں اور زیادہ دیں گے۔ (شکر کہتے ہیں کہ موجود چیز پر اور جو چیز ضائع ہو جائے اس پر صبر کرے) یا شکر موجودہ نعمت کو برقرار رکھتا ہے اور غیر موجود کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر تم نیکی کرنے میں میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہارے ثواب میں زیادتی کروں گا۔ "ولئن کفرتم" میری نعمتوں کا انکار کیا اور ان پر شکر ادا نہ کیا تو "انّ عذابی لشدید"

⑧ "وقال موسٰی ...... تا ...... لغنی حمید" اللہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ حمید وہ اپنے افعال میں قابل ستائش ہے۔ اس لیے کہ وہ فضل و عادل والا ہے۔

⑨ "الم یاتکم نبأ الذین" یہ خبر ہے الذین کی۔ "من قبلکم قوم نوح وعادوثمود والذین من بعدھم لایعلمھم الا اللّٰہ" بعد قوم سے مراد نوح عاد، ثمود ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عدنان کے درمیان تیس قرن ہوئے ہیں جن سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی واقف نہیں۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو یہ امر پسندیدہ نہ تھا کہ کوئی شخص مسلسل اپنے اسلاف کا سلسلہ پشت در پشت حضرت آدم علیہ السلام تک جوڑتا چلا جائے اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی رائے ہے۔ "جاء تھم رسلھم بالبینات" واضح نشانیوں کے ساتھ "فردوا ایدیھم فی افواھھم" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو کاٹتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: "عضوا علیکم الا نامل من الغیظ" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب انہوں نے اللہ کی کتاب سنی تو تعجب کیا تو اس تعجب واستہزاء کی وجہ سے اپنے ہاتھ منہ میں دے دیے۔

مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور جو وہ لے آئے اس کی تردید کی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کی بات اس کے منہ میں لوٹا دی اور اس کی تکذیب کر دی۔ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کے

پیغمبروں کو خاموش رہنے کے لیے اشارے کر دیئے اور اشارہ کر کے بتلایا کہ منہ بند رکھو، ایسی باتیں نہ کرو۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ پر ان کو خاموش کرنے کے لیے رکھ دیئے۔ بعض نے کہا کہ "ایدی نعمت کے معنی میں ہے۔ یعنی انہوں نے پیغمبروں کے احکام اور شریعت کو پیغمبروں کے منہ پر لوٹا دیا اور انکار کیا۔ "افواھھم" سے مراد ان کی نعمتیں ہیں۔ "وقالوا" اُمتیں کہنے لگیں اپنے اپنے رسولوں کو "انا کفرنا بما ارسلتم بہ وانا لفی شک مما تدعوننا الیہ مریب" شک کا مؤجب ہے۔

⑩ "قالت رسلھم أفي اللہ شک" یہ استفہام بمعنی نفی کے ہے جس کا ہم اعتقاد کرتے ہیں اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ "فاطر السمٰوٰت والارض" ان دونوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ "یدعوکم لیغفرلکم من ذنوبکم" اس سے مراد تمہارے گناہ۔ "من صلۃ" ہے "ویؤخرکم الی اجل مسمًّی" جس مدت میں اللہ نے ان کو زمین میں چھوڑے رکھا۔ اس مدت میں وہ عذاب دینے سے جلدی نہیں کرتا۔ "قالوا" رسول ان سے کہنے لگے "ان انتم الا بشرٌ مثلنا" صورت میں اور جسم میں ہماری طرح ہو فرشتے تو ہو نہیں۔ "تریدون" اس قول و دعوت سے تمہارا مقصد یہ تھا۔ "ان تصدونا ...... تا ...... بسلطن مبین" ان کے دعوے میں یہ واضح دلیل و حجت ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

ترجمہ: ان کے رسولوں نے (ان کے جواب میں) کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمائے اور یہ بات ہمارے قبضہ کی نہیں کہ ہم تم کو کوئی معجزہ دکھلا سکیں بغیر خدا کے حکم کے اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے اور ہم کو اللہ پر بھروسہ نہ کرنے کا کون امر باعث ہوسکتا ہے حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے (منافع دارین کے) رستے بتلا دیئے اور تم نے جو کچھ ہم کو ایذا پہنچائی ہے ہم اس پر صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

تفسیر: ⑪ "قالت لھم رسلھم ...... تا ...... علی من یشاء من عبادہ" نبوت اور حکمت کے ساتھ۔ "وما کان اللہ ...... تا ...... فلیتوکل المؤمنون"

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮

ترجمہ: اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب

میں پھر آ جاؤ پس ان رسولوں پر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) وحی نازل فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان کے (ہلاک کرنے کے) بعد تم کو اس سرزمین پر آباد رکھیں گے (اور) یہ ہر اس شخص کے لئے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے اور کفار فیصلہ چاہنے لگے اور جتنے سرکش (اور) ضدی (لوگ) تھے وہ سب بے مراد ہوئے۔

تفسیر ⑫ "وما لنا أن لا نتوکل علی اللّٰہ" اور یہ پہچانتے ہیں کہ کوئی چیز اس کی قضاء وقدرت کے ان کو نہیں پہنچتی۔ "وقد ھدانا سبلنا" ہمارے لیے واضح کردے، ہدایت کے راستے کو اور نجات کا راستہ دکھلا دے۔ "ولنصبرن" لام برائے قسم کے لیے ہے۔ اصل میں اس طرح تھا۔ "واللّٰہ لنصبرن"...... "علٰی ما آذیتمونا وعلی اللّٰہ فلیتوکل المتوکلون"

⑬ "وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا" یا لوٹ جاؤ ہمارے دین کی طرف۔ "فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظالمین"

⑭ "ولنسکننکم الارض من بعدھم" ان کی ہلاکت کے بعد "ذلک لمن خاف مقامی" جو میرے سامنے قیامت کے دن کھڑے ہونے سے ڈرتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" بندے کی اضافت اپنی طرف کی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "ندمت علٰی ضربک" اس کا مطلب یہ ہے کہ "علٰی ضربی ایاک" ...... "وخاف وعید" اور میری سزا سے ڈرا۔

⑮ "واستفتحوا" اس کا مطلب ہے کہ ان سے مدد طلب کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس کی ضمیر ماقبل اُمتوں کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ اُمتیں کہا کرتی تھیں کہ اگر یہ انبیاء ورسل علیہم السلام صادق ہیں تو پھر ہم پر عذاب نازل فرما۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان "و اذ قالوا اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء" اے اللہ! اگر یہ ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کردے۔

مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ "استفتحوا" کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب رسولوں نے دیکھا کہ ان کی قوم ایمان نہیں لاتی تو وہ اللہ سے مدد مانگنے لگتے اور قوم کے لیے عذاب کی دُعا کرتے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا "ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیّارًا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "ربّنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم"...... "وخاب" خسارے میں پڑ گیا اور بعض نے کہا کہ وہ ہلاکت میں پڑ گیا۔ "کل جبّار عنید"

جبار عنید کی تفسیر میں مختلف اقوال

جبار کہتے ہیں کو جو اپنی ذات سے اعلیٰ اور بالا کسی کو نہ سمجھے۔ جبر یہ کہا جاتا ہے کہ انتہائی بلندی کو طلب کرتا کہ اس سے اونچی کوئی چیز نہ ہو۔ اس معنی کی بناء پر اس صفت کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ جبار اس کو کہا جاتا ہے جو مخلوق کو اپنے حکم پر چلنے کے لیے مجبور کرے اور عنید کا معنی ہے حق سے عناد رکھنے والا اور سچائی سے بیزار ہونے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عنید کا ترجمہ کیا ہے حق سے روگردانی کرنے والا۔ مقاتل رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا تکبر کرنے والا۔ قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ عنید وہ شخص ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرے۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ⑯ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ⑰ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱

ترجمہ اس کے آگے دوزخ ہے اور اس کو (دوزخ میں) ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو کے مشابہ ہوگا۔ جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا اور گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور ہر (چہار) طرف سے اس پر (سامان) موت کی آمد ہوگی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے ان لوگوں نے جو کچھ عمل کیے تھے اس کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔

تفسیر ⑯ "من ورائه جهنم" ان کے آگے جہنم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وکان وراء هم ملکٌ" یعنی "امامهم" (ان کے آگے) ابوعبیدہ کا قول ہے کہ یہ اضداد میں سے ہے۔ اخفش کا قول ہے کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ کام تمہارے پیچھے آرہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام بعد میں تمہارے پاس ہوگا اور میں فلاں کے پیچھے کھڑا ہوں۔ یعنی اس کی آڑ میں ہوں اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے اس کے پیچھے جہنم ہے اس کے بعد "ویسقی من ماءٍ صلید" یعنی وہ پانی جو دوزخیوں کے پیٹ اور کھالوں سے بہے گا وہ پیپ اور خون ہوگا۔ محمد بن کعب کا قول ہے وہ پانی جو زناکاروں کے اعضاء نہانی سے بہے گا وہ کافروں کو پلایا جائے گا۔

⑰ "یتجرعه" اس کو گھونٹ گھونٹ کر پیے گا۔ ایک ہی مرتبہ نہیں پیے گا بلکہ گھونٹ گھونٹ کر کے اس کی کڑواہٹ اور اس کا بہت زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے۔ "ولا یکاد یسیغه" یکاد صلۃ ہے۔ آسانی کے ساتھ اس کو نہیں پی سکے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لم یکد یراها" وہ نہیں دیکھے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کو آسانی کے ساتھ نگل نہیں سکے گا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں درد محسوس کرے گا (اس کو ہضم نہیں کر سکتا)۔

حضرت ابوامامہ رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں اس فرمان کے بارے میں "ویسقی من ماء صدید یتجرعه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخی جب اس کو پینے کے لیے منہ کے قریب کرے گا تو وہ ناپسند کرے گا۔ جب وہ اپنے منہ کے قریب کرے گا تو اس کا چہرہ بھون جائے گا اور سر بمع بالوں وکھال کے اس

میں گر جائے گا اور جب وہ اس کو پیئے گا اس کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے پیچھے سے نکل جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد "وسقوا ماء حمیما فقطع أمعاء ھم" کہ ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جس وجہ سے ان کی آنتیں کٹ جائیں گی اور وہ کہیں گے "وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ"...... "ویأتیه الموت من کل مکان" وہ موت کی سختیاں اور شدائد ہیں اور "من کل مکان" سے مراد جسم کا ہر حصہ۔ ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کا قول ہے یہاں تک کہ ہر بال کے نیچے سے ان پر موت کی سختی محسوس ہوگی۔ بعض نے کہا کہ موت کا فرشتہ ان کے سامنے سے پیچھے سے اوپر سے نیچے سے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے آئے گا۔ "وما ھو بمیت" وہ اس سے راحت نہیں پائے گا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کی سانس گلے میں اٹکی رہے گی، نہ منہ سے باہر نکلے گی اور نہ اندر ہی اُترے گی کہ اس سے زندگی حاصل ہو۔ اس کی مثال "لا یموت فیھا ولا یحییٰ"...... "ومن ورائه" اور اس عذاب کے بعد۔ "عذاب غلیظ" بہت سخت عذاب ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد ہے دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔

⑱ "مثل الذین کفروا بربھم أعمالھم" جن لوگوں نے اعمال کے ساتھ اپنے رب سے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ویوم القیامة تری الذین کذبوا علی اللّٰہ وجوھھم مسودة" ان لوگوں کے چہروں کو دیکھو جنہوں نے اللہ کے ساتھ جھوٹ بولا، وہ کالے ہیں۔

"کرماد اشتدت به الریح فی یوم عاصف" دن کو عصوف کہا گیا اس کا معنی ہے ہوا کا تیز چلنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دن گرم ہے یا دن ٹھنڈا ہے۔ وہ ہوا ٹھنڈی یا گرم ہوتی ہے نہ کہ دن۔ بعض نے کہا کہ عبارت اس طرح تھی "یوم عاصف الریح" ریح کو حذف کر دیا گیا۔ اس سے اللہ رب العزت نے کفار کے اعمال کی مثال بیان کی ہے کہ کافروں نے دُنیا کے اندر جو نیک اعمال کیے وہ ان کو کچھ نفع بخش نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا تھا جیسے ہوا کے ساتھ مٹی کے ذرات موجود ہوں تو اس ہوا سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "لا یقدرون" اس سے مراد کفار ہیں۔ "ممّا کسبوا" جو انہوں نے دُنیا میں کمایا۔ "علی شیءٍ" آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ہوگا۔ "ذلک ھو الضلال البعید"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ⑲ وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ⑳ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ط قَالُوْا لَوْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَھَدَیْنٰکُمْ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَالَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ㉑

ترجمہ کیا (اے مخاطب) تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اس سے اس کا قادر ہونا معلوم ہوگیا پس اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور ایک دوسری نئی مخلوق پیدا کردے

اور یہ خدا کو کچھ بھی مشکل نہیں اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے پھر چھوٹے درجہ کے لوگ (یعنی عوام وتابعین) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم سے ہٹا سکتے ہو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو کوئی راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی (وہ) راہ بتلا دیتے (اور اب تو) ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور (جب قیامت میں) تمام مقدمات فیصل ہو چکیں گے۔

تفسیر ⑲ "الم تر أن الله خلق السموات والارض" حمزہ اور کسائی نے "خالق السموات والارض" پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ نور میں ہے "خالق كل دابة" ان صورتوں میں یہ مضاف ہوگا اور دوسرے قراء نے خلق ماضی پڑھا ہے اور آگے جملہ منصوب پڑھا ہے۔ "بالحق" ان دونوں کو پیدا کیا ہے حق کے لیے یعنی امر عظیم کے لیے پیدا کیا، بے فائدہ نہیں بنایا۔ "ان يشا يذهبكم ويات بخلق جديد" تمہارے علاوہ کسی اور کو وہ لے آئے جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو۔

⑳ "وما ذلک علی الله بعزيز" یہ تمام چیزیں اس کی قدرت میں آسان ہیں کوئی بھی چیز اللہ کے ہاں دشوار نہیں، وہ بزرگ اور بلند عظمت والا ہے۔

㉑ "وبرزوا لله جميعًا" یعنی وہ سب کے سب اپنی قبروں سے باہر نکل آئے اور سب ظاہر ہو جائیں گے۔ "فقال الضّعفاء" ان کی پیروی کرنے والے لوگ کہیں گے "للذين استكبروا" یعنی ان لیڈروں سے کہیں گے جو پیغمبروں کی پیروی سے روکتے تھے۔ "انّا كنا لكم تبعًا" جمع تابع کی ہے جیسے حرس جمع ہے حارس کی۔ "فهل انتم مغنون" دفاع کرنے والے ہو۔ "عنا من عذاب الله من شيءٍ قالوا" اپنے پیروکاروں سے کہو کہ وہ تمہیں اس عذاب سے نجات دیں۔ "لو هدانا الله لهدينا كم" اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو بھی ہدایت دیتے لیکن جب ہم گمراہ ہوئے تو پھر ہم نے تمہیں گمراہی کی طرف دعوت دی۔ "سواء علينا أجزعنا أم صبرنا مالنا من محيص" نہ ان کے لیے بھاگنے کی جگہ ہوگی اور نہ ہی وہ اس (جہنم) سے نجات پائیں گے۔

دوزخیوں کی فریاد

مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ دوزخی آگ میں کہیں گے آؤ ہم سب مل کر خوب فریاد کریں۔ چنانچہ وہ پانچ سو برس تک فریاد کریں گے۔ ان کو یہ فریاد کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گی۔ پھر وہ کہیں گے کہ آؤ سب اس پر صبر کریں۔ چنانچہ وہ پانچ برس تک صبر کریں گے اور جب دیکھیں گے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو پھر کہیں گے "سواء علينا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محيص"

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ دوزخی، دوزخ کے منتظمین سے کہیں گے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وقال الذين في النار لخزنة جهنم ادعوا ربكم يخفف عنا يومًا من العذاب" اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ایک دن ہی ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ منتظمین دوزخ جواب دیں گے "اولم تک تاتيكم رسلكم

بالبینات قالوا بلٰی" کیا تمہارے پاس رسول واضح دلائل لے کرنہیں آئے تھے، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر جہنم کے خازنین کہیں گے "ادعوا وما دعا الکافرین الا فی ضلال" کہ تم خود دُعا کرو کافروں کی دُعا سوائے ناکامی کے اور کچھ نتیجہ نہیں۔

جب وہ اس سے مایوس ہو جائیں گے تو آواز دیں گے "یا مالک لیقض علینا ربک" اے مالک! تمہارا رب تو ہمارا کام تمام ہی کر دے، مالک ان کو اسّی (۸۰) برس تک کوئی جواب نہیں دے گا۔ اسی برس میں ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہی ہوگا لیکن ہر دن ہزار برس کا ہوگا، اسّی برس کے بعد جواب دے گا تم کو یہیں رہنا ہوگا، جب وہ نا اُمید ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے کہیں گے تم پر جو مصیبت آنی تھی وہ آ ہی گئی، ہم کو صبر کرنا چاہیے، شاید یہ صبر ہمارے لیے کچھ نفع مند کارگر ہو۔ جس طرح دُنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا تھا تو ان کو فائدہ ہوا، وہ صبر کرنے پر جمع ہو جائیں گے اور طویل مدت صبر پر قائم رہیں گے۔ پھر جزع فزع کریں گے اور طویل مدت تک کرتے رہیں گے پھر پکاریں گے "سواءٌ علینا اجزعنا اُم صبرنا مالنا من محیص" یعنی کوئی نجات کا مقام نہیں۔ پھر ان میں ابلیس کھڑے ہو کر ان کو خطاب کرے گا اور کہے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: تو شیطان (جواب میں) کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کیے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کیے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کیے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور نہ چلتا تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا سو تم نے (باختیار خود) میرا کہنا مان لیا تو تم مجھ پر (ساری) ملامت مت کرو اور (زیادہ) اپنے آپ کو کرو نہ میں تمہارا امددگار (ہو سکتا) ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہو سکتے) ہو میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس کے قبل (دنیا میں) مجھ کو (خدا کا) شریک قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے۔

وقال الشیطان لما قضی الأمر کی تفسیر

تفسیر ㉒ "وقال الشیطان لما قضی الامر انّ اللّٰہ وعدکم وعدالحق" جب وہ شیطان کی بات سن لیں گے تو اپنے آپ سے نفرت ہو جائے گی، اس پر ان کو آواز دی جائے گی جتنی نفرت آج تم کو اپنے آپ سے ہو رہی ہے، اس سے زیادہ نفرت اللہ کو تم سے اس وقت تھی جب تم کو ایمان کی دعوت دی جا رہی تھی اور تم انکار کر رہے تھے، یہ سن کر وہ پکار اُٹھیں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھر لوٹا دے ہم اچھے عمل کریں گے ہم کو یقین آ گیا، اللہ تعالیٰ ان کی تردید میں

فرمائے گا۔"ولو شئنا لاتینا کل نفس ھداھا" پھر وہ تیسری بار پکاریں گے، اے ہمارے رب! ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور پیغمبروں کا بھی اتباع کریں گے تو ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت دے دے، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا"اولم تکونوا أقسمتم من قبل مالکم من زوال" کیا تم نے اس سے پہلے قسم کھا کر نہیں کہا تھا کہ ہم کو فنا نہیں۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ پکاریں گے۔اے ہمارے رب! تو ہمیں یہاں سے نکال دے، ہم جو کچھ پہلے کر چکے ان کے سوا دوسرے عمل کریں گے۔ پھر ان کو جواب دیا جائے گا"ألم تکن آیاتی تتلی علیکم فکنتم بھا تکذبون" کہ کیا ہم نے تم کو ایسی اور اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت پکڑنے والا تھا نصیحت پکڑ لیتا اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا۔ پھر ایک مدت تک ٹھہرنے کے بعد اللہ ان سے فرمائے گا کہ میرے احکام تم کو پڑھ کر نہیں سنائے گئے تھے اور تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ بات سن کر وہ کہیں گے کیا ہم پر آئندہ ہمارا رب رحم نہیں کرے گا۔ اس کے بعد پکار اٹھیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی ہے ہم لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔اے ہمارے رب! ہم کو یہاں سے نکال دے، اگر پھر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو ہم بلاشبہ ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا اس میں ذلت کے ساتھ رہو، مجھ سے بات بھی نہ کرو، اس وقت وہ بالکل مایوس ہوں گے اور دُعا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور باہم نوحہ کریں گے اور دوزخ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔"وقال الشیطان" اس سے ابلیس مراد ہے۔

"لما قضی الامر" جب وہ فیصلے سے فارغ ہو جائے گا جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ دوزخ میں شیطان کے لیے منبر بنایا جائے گا، تمام کفار اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ اس کے آس پاس جمع ہوں گے اور یہ ان سے کہے گا۔"انّ اللّٰہ وعدکم وعدالحق" بے شک اللہ نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا وہ سچا تھا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔(ووعدتکم فاخلفتکم) (بس میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اب اس کے وعدہ کے ساتھ خلاف ورزی کی) اور پھر کہا جائے گا کہ شیطان ان سے کہے گا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ نہ کوئی جنت ہے اور نہ ہی دوزخ (وما کان لی علیکم من سلطن اور نہ ہی کوئی اس پر میرے پاس دلیل تھی) اور بعض نے کہا کہ اس وقت وہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی دلیل کیوں نہ دی۔ (الاأن دعوتکم) شیطان کہے گا کہ میں نے تو صرف تمہیں دعوت دی تھی یہ مستثنٰی منقطع ہے (فاستجبتم لی فلاتلوموني ولوموا انفسکم) اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ لہٰذا اب تم مجھ پر ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ تم نے میری دعوت کو اور میری پیروی کو بغیر کسی دلیل اور حجت کے اختیار کیا۔

"ما انا بمصرخکم" میں تمہاری دادرسی نہیں کرسکتا۔"وما انتم بمصرخی" اور نہ ہی تم میری مدد کو پہنچ سکو گے۔ حمزہ اور اعمش نے "بمصرخی" یاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے جن کے نزدیک کسرہ ہے وہ کہتے ہیں کہ التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو کسرہ دیا کیونکہ یاء کسرہ کو چاہتی ہے۔ نحویین کے نزدیک یہ جائز نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ لغت بنی یربوع کے نزدیک ہے۔ یہ اصل میں "بمصرخینی "نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ پھر دو یاؤں میں التقاء ساکنین آیا یاء کو یاء میں مدغم کردیا۔

"انی کفرت بما اشر کتمونی من قبل" آج سے پہلے دُنیا میں جو تم مجھ کو اللہ کے ساتھ عبادت وطاعت میں شریک کرتے تھے آج اس شرک کا میں انکار کرتا ہوں اور تم سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔"انّ الظالمین" سے مراد کافر ہیں۔"لھم عذاب الیم"

امت مسلمہ کی شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے

اور کافروں کا سفارشی شیطان ہوگا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حدیث شفاعت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگ سفارش کرواتے کرواتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے تو آپ کہیں گے کہ میں تم کو پتہ بتاتا ہوں تم نبی اُمی کے پاس جاؤ وہ سب سے زیادہ صاحب فضیلت والے ہیں۔ آخر لوگ میرے پاس آئیں گے اور اللہ مجھے کھڑے ہو کر گزارش کرنے کی اجازت دے گا۔ پھر میری مجلس ایک بے مثال پاکیزہ ترین خوشبو سے مہکا دی جائے گی۔ ایسی مہک ہوگی کہ کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی، پھر میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر شفاعت کروں گا۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک مجھے نور ہی نور کر دے گا۔ سر تا قدم نور ہی نور کر دے گا، یہ دیکھ کر کافر کہیں گے کہ مسلمانوں کو تو سفارشی مل گیا، اب ہماری سفارش کون کرے گا؟ خود ہی جواب دیں گے اب تو ابلیس ہی جس نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہمارے سامنے ہے کوئی سفارشی موجود ہی نہیں ہے۔ جب یہ لوگ ابلیس کے پاس پہنچیں گے اس کو کہیں گے کہ تو ہمارے لیے سفارش کر۔ ابلیس جونہی اُٹھے گا اس کی مجلس میں بدترین بو اُڑنے لگی گی، ایسی بدبو پہلے کسی نے نہیں سونگھی ہوگی، پھر ابلیس ان کو جہنم کی طرف لے جائے گا اور ان سے کہے گا "انّ اللّٰہ وعدکم وعدالحق"

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

(ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جاویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) وہاں ان کو سلام اس

لفظ سے کیا جاوے گا السلام علیکم کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (یعنی کلمہ توحید) کی وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں وہ خدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے اس لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ خوب سمجھ لیں اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر وشرک کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کچھ ثبات نہ ہو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر ㉓ "**وادخل الذین آمنوا وعملوا الصلحت ...... تا ...... فیھا سلامٌ**" بعض، بعض کو سلام کرتے ہیں اور فرشتے ان پر سلامتی بھیجتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ

㉔ "**الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلاً**" کہ کیا تم نہیں جانتے مثل کہتے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ من کل الوجوہ تشبیہ دی جائے۔ "**کلمۃ طیبۃ**" اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "**کشجرۃ طیبۃ**" اس سے مراد کھجور ہے کہ جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ ابوظبیان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ درخت جنت میں ہے۔ "**اصلھا ثابت**" زمین میں اس کی جڑیں "**وفرعھا**" اس کی بلندی "**فی السماء**" اسی طرح یہ کلمہ مؤمن کے دل میں راسخ ہے۔ معرفت وتصدیق کے ساتھ جب ان الفاظ کے ساتھ کلام کرتا ہے تو اس کی طرف چڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ عز وجل کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ**"

㉕ "**تؤتی اکلھا**" اس کے پھل اس کو ڈھانپ لیں گے۔ "**کل حین باذن ربھا**" لغت میں حین ایک وقت کو کہا جاتا ہے۔

کل حین کی مختلف تفاسیر

اس کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہاں حین سے مراد ایک مکمل سال ہے کیونکہ کھجور سال میں ایک مرتبہ پھل دیتی ہے۔ سعید بن جبیر وقتادہ وحسن رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے چھ ماہ مراد ہیں کہ اس مدت میں پھل کا ظاہر ہونا پھر پکنا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چھ ماہ ہی ہیں۔ بعض نے کہا کہ چار ماہ اس کے ظاہر ہونے سے لے کر اس کے پانے تک سعید بن المسیب نے کہا کہ اس سے مراد دو ماہ ہیں، اتنی مدت میں پھل کاٹنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ربیع بن انس کا قول ہے کہ "**کل حین**" سے مراد صبح وشام ہے کیونکہ صبح وشام، دن ورات، گرمی وسردی، تر ہو یا خشک ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح مؤمن کا عمل دن کے اوّل وآخر اوپر جاتا رہتا ہے اس کے ایمان کی برکت کی وجہ سے وہ کبھی اس سے نہیں کٹے گا بلکہ ہر وقت اس کا نیک عمل اوپر جاتا رہتا ہے۔

ایمان کی مثال درخت کے ساتھ دینے میں حکمت

ایمان کی مثال درخت کے ساتھ دینے میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح درخت تین چیزوں کے بغیر درخت نہیں رہ سکتا، پانی، مضبوط تنا اوراس کی اونچائی، اسی طرح ایمان تین چیزوں کے بغیر تام نہیں ہوسکتا، تصدیق بالقلب، زبان سے اقرار کرنا اور عمل بالارکان۔

انسان کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دینے کی حکمت

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، اس کی مثال مسلمان جیسی ہے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس درخت کے متعلق آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے حیا آئی (کہ مجھ سے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود ہیں) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں اس کے متعلق بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے وہاں یہ بات کیوں نہ کہی، اگر تم اس طرح کہہ دیتے تو میرے لیے ایسا ایسا ہوتا۔ کھجور کے ساتھ تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ نخلہ تمام درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جو انسان کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس طور پر کہ اگر کھجور کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ خشک ہو جاتی ہے جبکہ دوسرے درختوں کے سر کاٹ دیئے جائیں تو وہ نہیں سوکھتے اور انسان کے ساتھ ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ یہ پھل اس وقت نہیں دیتی جبکہ اس کے ساتھ نر مادہ کو جوڑا نہ جائے اور اس وجہ سے بھی کہ اس کو آدم علیہ السلام کے بچے ہوئے گارے سے بنایا گیا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی پھوپھی کا اکرام کرو، کہا گیا کہ کیا یہ ہماری پھوپھی ہے، فرمایا کھجور۔ "ویضرب اللّٰہ الامثال للنّاس لعلھم یتذکرون"

㉖ "ومثل کلمۃ خبیثۃ" کلمہ خبیثہ سے مراد شرک ہے۔ "کشجرۃ خبیثۃ" اس سے مراد حنظل (کوڑتما) کا درخت ہے۔ بعض نے کہا کہ لہسن کا درخت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد پیلو کا درخت ہے۔ "اجتثت" وہ زمین سے اُکھڑ جائے۔ "من فوق الارض مالھا من قرار" وہ زمین پر ثابت نہیں یعنی اس کی جڑیں زمین میں مضبوط نہیں اور نہ ہی اس کی شاخیں بلندی پر پہنچتی ہیں۔ یہی مثال کافر کی ہے کہ اس کے کسی کام میں خیر نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اچھا کام اوپر جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا نیک عمل ہوتا ہے۔

قول ثابت کی وضاحت

㉗ "یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت" اس سے کلمہ توحید مراد ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "فی الحیٰوۃ الدنیا" موت سے پہلے۔ "وفی الاخرۃ" اس سے مراد قبر ہے۔ یہی اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ "فی الحیٰوۃ

الدنیا" سے مراد قبر میں سوال و جواب کا ہونا ہے اور آخرت میں جی اُٹھنے کے بعد سوال و جواب ہوگا۔ یہی صحیح ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال پوچھا جائے گا تو وہ گواہی دے گا "أن لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ" اللہ تعالیٰ کے فرمان "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ" کا یہی مطلب ہے۔

اسی سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، فرمایا "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت" یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی کہ کہا جائے گا تمہارا رب کون ہے؟ تو وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت"

اثبات عذاب القبر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جانے کی قدموں کی آہٹ سنتا ہے، پھر اس میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں تو وہ دونوں فرشتے میت سے کہتے ہیں کہ اس رجل (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اگر میت مؤمن ہو تو وہ کہے گی کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں فرشتے اس کو کہیں گے دیکھو اپنی جگہ کی طرف جو جہنم میں تمہارے لیے بنائی گئی تھی، اللہ نے تمہیں اس کے بدلے میں جنت میں جگہ عطا کی ہے تو وہ دونوں جگہیں دیکھتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح حدیث نقل کی ہے۔ اگر وہ میت منافق یا کافر ہوئی تو جب اس سے کہا جائے گا کہ تم اس رجل کے متعلق کیا کہتے ہو تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کچھ کہتا ہوں جو لوگ کہا کرتے ہیں تو اس سے کہا جائے گا نہ تو جانتا ہے اور نہ تو کہہ سکتا ہے۔ پھر اس کو لوہے کے ہتھوڑے کے ساتھ مارا جائے گا، پھر وہ چیخے گا اس کی چیخ و پکار جن و انس کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتی ہے جب لوگ قبر سے واپس جاتے ہیں پھر اس میت کو بٹھاتے ہیں اور اس کے کفن کو اس کی گردن میں ڈال دیتے ہیں پھر اس سے سوال کرتے ہیں۔

قبر مؤمن کیلئے کشادہ اور منافق و کافر کیلئے تنگ کر دی جاتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قبر میں دو فرشتے کالے رنگ نیلگوں آنکھوں والے آئیں گے ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے تو وہ دونوں کہتے ہیں کہ تو اس رجل کے متعلق کیا کہتا ہے؟ تو وہ مؤمن شخص کہتا ہے کہ وہ عبداللہ اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں "أن لا الہ الا

اللہ و ان محمدًا عبدہ ورسولہ" پھر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے پھر اس کی قبر کو ستر ذراع وسیع کر دیا جاتا ہے، پھر اس کو منور کر دیا جاتا ہے، پھر ان کو کہا جاتا ہے سو جا۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ اپنے اہل والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو خبر دو، پھر اس کو کہا جائے گا کہ سو جاؤ لہن کے سونے کی طرح جس کو سوائے اس شخص کے جو سب گھر والوں میں اس کو پیاری ہوتی ہے اور کوئی نہیں اُٹھاتا یہاں تک کہ اللہ اس کو خواب گاہ سے اُٹھائے گا اور اگر مُردہ منافق ہوگا تو جواب دے گا کہ میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا، میں نے بھی ویسے ہی کہہ دیا، مجھے کچھ معلوم نہیں، فرشتے کہیں گے ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو یہ بات کہے گا پھر زمین کو حکم دیا جائے گا تو اس پر وہ مل جا۔ زمین اس منافق کو اتنا دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جائیں گی۔ اس طرح برابر عذاب میں مبتلا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اُٹھائے گا۔

قبر میں مردے کو زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے حساب کتاب لیا جاتا ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی روح جب قبض کی جاتی ہے تو قبر میں اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور میت کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے اور تمہارا نبی کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس کو دوسری مرتبہ کہا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ یہی آخری فتنہ ہے جو مؤمنین پر پیش آتا ہے اللہ اس پر ثابت قدم رکھتے ہیں۔ پھر وہ شخص کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ فرمایا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا "یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاخرۃ"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن سے فارغ ہوئے، آپ قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی مانگو کیونکہ اس سے اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کے سامنے جب موت کا تذکرہ آتا تو اس پر وہ خوب روتے اور ارشاد فرماتے کہ جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ نوحہ کرنے والی اور نہ آگ کو میرے ساتھ لایا جائے۔ جب مجھے دفن کر چکو، میری قبر پر مٹی برابر کر لو اور قبر کو کوہان نما بنا دینا، پھر میری قبر کے اِردگرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کو تقسیم نہیں کیا جاتا تاکہ میں تمہارے کھڑے ہونے سے مانوس رہوں اور فرشتوں کی واپسی تک تم واپس نہ لوٹ جانا۔ "یضل اللّٰہ الظالمین" مشرکین قبر میں سوال کے جوابات کی رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے۔ "ویفعل اللہ ما یشاء" اس کی توفیق سے اور اس کی رُسوائی اور ثابت قدمی کا باقی رہنا یا اس کا باقی نہ رہنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿29﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے بجائے نعمت الٰہی کے کفر کیا اور جنہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچا دیا وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تا کہ (دوسروں کو بھی) اس کے دین سے گمراہ کریں آپ کہہ دیجئے کہ چندے عیش کرلو کیونکہ اخیر انجام تمہارا دوزخ میں جانا ہے) جو میرے خالص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور آشکارا خرچ کیا کریں ایسے دن کے آنے سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی۔

تفسیر: 28 "الم تر الی الذین بدلوا نعمة اللّٰہ کفراً" عمرو عطاء سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ واللہ وہ قریش کفار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ناشکرے قریش تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ "واحلوا قومھم دار البوار" بوار سے مراد بدر کا دن ہے۔ "بدلوا نعمة اللّٰہ" سے مراد جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کو بدل ڈالا اس طور پر کہ ان میں ایک بڑی نعمت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے بھیجی اس کا انہوں نے انکار کیا اور ان لوگوں کی پیروی کی جو کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اور وہ ہلاکت کی جگہ پڑے رہے، پھر دار البوار کی وضاحت کردی۔

29 "جھنم یصلونھا" اس میں وہ داخل ہوں گے۔ "وبئس القرار" جہنم بری جگہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا انکار کرکے اس سے مراد کفار قریش ہیں کہ بدر کے دن انہوں نے فخر کیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش کے دو بڑے گروہ جو سب سے زیادہ بدکار تھے ان میں بنی مغیرۃ اور بنی اُمیہ ہیں۔ بنی مغیرہ کے شر سے تو بدر کی لڑائی میں تمہاری حفاظت ہوچکی اور بنو اُمیہ کو ایک وقت تک مزے اُڑانے کا موقع دیا گیا۔

30 "وجعلوا للّٰہ اندادًا" اس سے مراد اللہ کی مثل دوسروں کو قرار دیا۔ باوجودیکہ اللہ کا کوئی مثل نہیں۔ "لیضلوا" ابن کثیر اور ابوعمرو نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ اسی طرح سورۃ حج میں لقمان اور زمر میں بھی پڑھا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ "عن سبیلہ قل تمتعوا" زندہ رہو دُنیا میں۔ "فان مصیر کم الی النار"

31 "قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلٰوة" یہ مجزوم ہے جزا ہونے کی وجہ سے۔ "وینفقوا مما رزقناھم سرا وعلانیة من قبل أن یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلال" نہ ان میں کوئی دوستی ہوگی اور نہ ہی کوئی خرید وفروخت۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ. وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ. سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا
سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْقَالَ
اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ
اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ. فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ. وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

ترجمہ اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی (یعنی مینہ) برسایا پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا اور تمہارے نفع کے واسطے کشتی (اور جہاز) کو مسخر بنایا تا کہ وہ خدا کے حکم (قدرت) سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو (اپنی قدرت) کا مسخر بنایا اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر بنایا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) مسخر بنایا اور جو جو چیز تم نے مانگی تم کو ہر چیز دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے (مگر) سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیے۔ اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا پھر جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور جو شخص (اس بات میں) میرا کہنا نہ مانے سو آپ تو کثیر المغفرت (اور) کثیر الرحمت ہیں۔

تفسیر ﴿۳۲﴾ **"اللہ الذی خلق السمٰوٰت ...... تا ...... فی البحر بامرہ"** اس کی اجازت سے **"وسخرلکم الانہار"** ان کو تمہارے تابع کر دیا جس طرف تم چاہو اس کو جاری کر سکتے ہو۔

﴿۳۳﴾ **"وسخرلکم الشمس والقمر دائبین"** یہ دونوں دن و رات چلتے رہتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے بندے اپنے مصالح کو انجام دیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ نے اپنی اطاعت میں ان کو تیز رفتار بنا دیا۔ **"وسخرلکم اللیل والنہار"** یہ ایک دوسرے کے پیچھے آتی ہے اور دن رات کے پیچھے اور رات دن کے پیچھے آتی ہے۔

"واٰتاکم من کل ماسالتموہ" وہ تمہارے پاس سب کچھ آ گئی جو تم نے ان سے سوال کیا تھا۔ دوسرے شئی کو محذوف قرار دیا جس پر پہلا شئی دلالت کر رہا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ تکثیر پر دلالت کر رہا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تمام اشیاء کو جانتا ہے اور اس کے پاس بہت سارے لوگ آتے ہیں اور ان میں سے تم بعض لوگوں کا ارادہ رکھتے ہو۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان **"فتحنا علیہم ابواب کل شیءٍ"** حسن نے "کُلٍّ" کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور ما بمعنی نفی کے ہے۔ اس صورت میں آیت

کا معنی ہے کہ تمہیں وہ چیزیں بھی عطا کی گئیں جو انہوں نے طلب کیں اور وہ اشیاء بھی دیں جو انہوں نے طلب نہیں کیں۔ "وان تعدوا نعمة اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو "لاتحصوھا" ان نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ "ان الانسان لظلومٌ کفار" نافرمانی کر کے اپنی جان کے ساتھ ظلم کرتے ہو اور اس کی نعمتوں کا انکار کر کے رب کی ناشکری کرنے کا ظلم، بعض نے کہا کہ ظلوم یہ ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا جو اس پر نہیں اور کافر وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کرے۔

35 "واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد" بلد سے مراد حرم ہے۔ "آمنا" امن والا شہر "واجنبنی" اور دور فرما۔ "وبنی ان نعبد الاصنام"...... "اجنبته جنبًا، جنبته، تجنیبًا، اجتنابًا" ان سب کا معنی ایک ہی ہے۔

شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کی پوجا کرنے سے معصوم تھے، پھر یہ سوال کرنا درست نہیں۔ دوسرا یہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی وبنی أن نعبد الاصنام حالانکہ کیسے کر رہے ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے بعض لوگوں نے بت پرستی کو شروع کیا ہوا تھا، پھر یہ کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دُعا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ہوئی کہ آپ ہمیشہ بتوں کی پوجا سے محفوظ رہے۔ باقی آپ کی اولاد میں دُعا بایں طور پر قبول ہوئی کہ سب بت پرستی کی طرف نہیں گئے۔ بعض نے کہا کہ بنی سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلبی اولاد ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اپنی اولاد میں سے ان کے لیے تھی جو ایمان والے تھے۔

36 "رب انھن اضللن کثیراً من النّاس" ان بتوں کی پوجا کرنے کی وجہ سے بہت سارے لوگ راہ ہدایت سے بھٹک گئے۔ حتیٰ کہ بہت سارے لوگ بتوں کی عبادت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاء ہ" اور بعض نے کہا کہ یہاں گمراہی کی نسبت بتوں کی طرف کی کیونکہ انہی کے سبب کی وجہ سے جیسا کہ کہنے والے نے یوں کہا کہ مجھے دُنیا نے فتنے میں ڈالا ہوا ہے۔ یہاں فتنہ کی نسبت دُنیا کی طرف کی کیونکہ یہ فتنہ کا سبب ہے۔ "فمن تبعنی فانہ منی" یعنی وہ میرے دین اور ملت کا پیروکار ہے۔

"ومن عصانی فانک غفور الرّحیم" سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس نے میری نافرمانی کی پھر اس نے توبہ اختیار کی۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ جس نے شرک کے علاوہ کوئی گناہ کیا اور بعض نے کہا کہ یا اس کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ 37

ترجمہ: اے رب ہمارے میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک (کف دست) میدان میں جو زراعت

کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے رب ہمارے تا کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تا کہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔

تفسیر ㊲ "ربّنا انی أسکنت من ذریتی"......"من تبعیضیه" داخل کیا۔ اس آیت سے مجازاً یہ مراد لیا ہے کہ میں نے اپنی اولاد کو باشندہ کر دیا۔ "بواد غیر ذی زرع" اس سے مراد مکہ ہے کیونکہ ان دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ "عند بیتک المحرم" اس کو محرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے قریب ہر وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جو اس کے باہر حرام نہیں ہوتی۔

حضرت ھاجرہ علیہا السلام کا قصہ

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سب سے پہلے نطاق حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس غرض سے پہنا کہ قدموں کے نشانوں کو پیچھے سے نطاق کا سرا مٹاتا چلے اور حضرت سارہ کو ان کا نشان قدم معلوم نہ ہو۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر بیت اللہ کے پاس پہنچے اور وہ اس وقت دودھ پیتے بچے تھے اور مسجد کے بالائی مقام پر زمزم کے اوپر ایک بڑے درخت کے پاس دونوں کو بٹھایا اور اس وقت نہ مکہ میں کوئی اور شخص تھا اور نہ ہی وہاں پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خورجین جس میں چھوہارے تھے اور ایک مشکیزہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس رکھ دیا، پھر لوٹ پڑے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پیچھا کیا اور کہا اے ابراہیم! (علیہ السلام) آپ ہم کو اس ویران وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہ بات کئی بار کہی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چہرہ پھیر کر نہیں دیکھا۔ آخر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام بولیں تو اللہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا، پھر لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چل دیئے، جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی نظر سے غائب ہو گئے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ان الفاظ میں دُعا کی۔ "ربّنا انی أسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع لا یشکرون" تک۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ مشکیزہ کا پانی پیتی رہی اور بچہ کو دودھ پلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا اور پیاس لگی اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا تو چل دیں، بچہ کی طرف نظر اُٹھائی تو بچہ اپنی زبان منہ میں گھما رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر تاب نہ لا سکیں اور ان سے نظر پھیر لی اور چل کر کوہ صفا پر پہنچ گئیں۔ وہاں سے قریب پہاڑ صفا ہی تھا صفا پر چڑھ کر اوپر کھڑی ہو کر وادی کی طرف دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے جب کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اُتر کر وادی میں پہنچیں اور قوت کے ساتھ دوڑنے والے آدمی کی طرح کُرتا کا دامن اوپر کو اُٹھا کر دوڑ کر وادی سے گزر کر مروہ پر پہنچیں اور اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ کوئی نظر پڑ جائے لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا اس طرح سات بار کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسی لیے حاجی ان دونوں کے درمیان

دوڑتے ہیں۔ آخر جب مروہ پر پہنچیں تو ایک آواز سنی اور خود اپنے آپ سے کہنے لگیں چپ پھر کان لگا کر سنا تو پھر آواز سنائی دی تو کہنے لگیں میں نے آواز سن لی، اگر تیرے پاس کچھ مدد کا سامان ہو تو لا، اچانک زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ نمودار ہوا اور زمین کو ایڑی یا پَر مار کر اس نے کھودا، فوراً پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی کا گھیرا بنانے لگیں اور اپنے ہاتھ سے چلو بنا کر پانی لے کر مشکیزے میں بھرنے لگیں جونہی چلو بھر کر اُٹھاتی تھیں پانی اور اُبل آتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحمت فرمائیں، اگر وہ زمزم کو یوں ہی رہنے دیتیں یا یہ فرمایا کہ اگر وہ چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ ہو جاتا، غرض حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے خود پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ بھی پلایا۔ فرشتے نے کہا کہ تم ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو، یہاں اللہ کا گھر ہے یہ لڑکا اور اس کے والد اللہ کے گھر کی تعمیر کریں گے، اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ کعبہ اس زمانے میں ٹیلہ کی شکل پر زمین سے کچھ اونچا تھا، سیلاب آکر اس کے دائیں بائیں کناروں کو کاٹ کر لے جاتا تھا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اسی حالت میں رہتی رہیں آخر بنی جرہم کا ایک قافلہ اِدھر سے گزرا اور آکر مکہ کے نشیبی مقام پر اس نے پڑاؤ ڈالا۔ قافلے والوں نے دیکھا کہ کچھ پرندے پانی پر منڈلا رہے ہیں، کہنے لگے یہ پرندے یقیناً پانی پر گھوم رہے ہیں لیکن ہم تو اس وادی سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تو پہلے کوئی پانی نہ تھا کچھ لوگوں کو بھیجا، انہوں نے جا کر دیکھا تو پانی موجود پایا، لوٹ کر آئے اور ساتھیوں کو اطلاع دے دی، اس کے بعد قافلہ والوں نے آکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے گزارش کی کہ ہم کو اپنے پاس رہنے کی آپ اجازت دے دیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا اچھا لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہ ہوگا، قافلے والوں نے اس کا اقرار کر لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اُنس کی طالب تھیں۔ (تنہائی کی وحشت کو دور کرنا چاہتی تھیں) پانی پر قبضہ انہی کا رہا۔ قافلہ والوں نے اپنے متعلقین کو بھی اپنے پاس بلوالیا اور سب وہیں مقیم ہو گئے، رفتہ رفتہ بہت سارے خاندان بن گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی جوان ہو گئے۔ بنی جرہم سے عربی بھی انہوں نے سیکھ لی اور جوان ہونے کے بعد سب کے محبوب بن گئے۔ بنی جرہم نے اپنی ہی ایک عورت سے ان کا نکاح بھی کر دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی وفات بھی ہوگئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دُعا کی برکت کا معائنہ کرنے آگئے، اس کا بقیہ قصہ سورۃ بقرہ کی آیت "**واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی**" کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ "**ربّنا لیقیموا الصلٰوۃ فاجعل أفئدۃً من الناس**" افئدۃ فواد کی جمع ہے۔ "**تھوی الیھم**" شوق ومحبت میں ان کی طرف تیزی سے بڑھیں۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف جھک جائیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر بغیر "مِنْ" کے "**افئدۃ من النّاس**" فرماتے تو تمام فارسی، رومی، ہندی اور ترک تم پر ہجوم کر آتے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی کعبہ کا حج کرنے لگتے مگر "**من الناس**" فرمایا اب صرف مسلمان ہی حج کرتے ہیں۔ "**وارزقھم من الثمرات**" اس وادی کے ویران ہونے کی وجہ سے کھیتی باڑی اور باغ نہیں ہیں۔ "**لعلھم یشکرون**"

رَبَّنَا اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی
السَّمَآءِ ﴿38﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ
﴿39﴾ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ. رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿40﴾ رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ
وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿41﴾ وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُہُمۡ
لِیَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِیۡہِ الۡاَبۡصَارُ ﴿42﴾ مُہۡطِعِیۡنَ مُقۡنِعِیۡ رُءُوۡسِہِمۡ لَا یَرۡتَدُّ اِلَیۡہِمۡ طَرۡفُہُمۡ ۚ وَاَفۡـِٕدَتُہُمۡ ہَوَآءٌ
﴿43﴾ وَاَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡہِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ نُّجِبۡ
دَعۡوَتَکَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمۡ تَکُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَکُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿44﴾

ترجمہ اے ہمارے رب آپ کوتو سب کچھ معلوم ہے جو ہم اپنے دل میں رکھیں اور جو ظاہر کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے (تو) کوئی چیز بھی مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں تمامی حمد (وثنا) خدا کے لئے (سزاوار) ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے حقیقت میں میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے اے میرے رب مجھ کو بھی نماز کا (خاص) اہتمام رکھنے والا رکھئے اور میری اولاد میں بھی بعضوں کو اے ہمارے رب اور میری (یہ) دعا قبول کیجئے اے ہمارے رب میری مغفرت کر دیجئے اور میرے ماں باپ کی بھی اور کل مومنین کی بھی حساب قائم ہونے کے دن اور (اے مخاطب) جو کچھ ظالم (کافر) لوگ کر رہے ہیں اس سے خدائے تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ (کیونکہ) ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جاویں گی دوڑتے ہوں گے اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے (اور) ان کی نظر ان کی طرف ہٹ کر نہ آوے گی اور ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑے گا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو اور مہلت دیدیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے۔

تفسیر 38 "**ربّنا انّک تعلم ما نخفی وما نعلن**" ہمارے تمام اُمور کو آپ جانتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ وہ درد جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنے کا غم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا "**وما یخفی علی اللّٰہ من شیءٍ فی الارض ولا فی السماء**" بعض نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے۔ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "**وما یخفی علی اللّٰہ من شیءٍ فی الارض ولا فی السماء**"

㊴ "الحمدللّٰہ الذی وھب لی علی الکبر" عطا کریں میرے بڑھاپے کی عمر میں۔ "اسماعیل و اسحاق انّ ربی لسمیع الدعاء" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال تھی اور ایک سو بارہ سال کی مدت میں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک سو سترہ سال کی عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

㊵ "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ" ان میں سے وہ لوگ جو نماز کو اس کے تمام ارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اس پر محافظت کرتے ہیں "ومن ذریتی" میری ذریت میں سے نماز کو قائم کرنے والا بنا دے۔

"ربّنا وتقبل دعاء" میرے عمل اور میری عبادت کو قبول فرما۔ یہاں پر عبارت کو دُعا کے ساتھ ذکر فرمایا۔ حدیث میں آیا کہ دُعا عبادت کا مغز ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اس نے میری دُعا کو قبول فرمایا۔ ㊶ "ربّنا اغفرلی ولوالدی"

ایک شبہ اور اس کا جواب

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے کیسے استغفار فرمایا حالانکہ وہ دونوں مؤمن نہیں تھے؟

جواب: بعض نے کہا کہ آپ کی والدہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ وہ اسلام لے آئیں اور توبہ کرلیں۔ بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب آپ کو آپ کے باپ کے متعلق وضاحت بیان نہیں کی گئی تھی لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے متعلق سورۃ توبہ میں بیان کردیا گیا تو آپ ان کے متعلق استغفار سے رُک گئے۔ "وللمؤمنین" اور تمام مؤمنین کو بخش دے۔ "یوم یقوم الحساب" خواہ وہ اس وقت ظاہر ہے یا موجود ہے اور بعض نے کہا کہ یوم الحساب سے مراد جس دن لوگ حساب دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ کھڑے ہونے کی نسبت حساب کی طرف مجازی ہے۔ ㊷ "ولا تحسبن اللّٰہ غافلا عما یعمل الظالمون" غفلت کا معنی ہے کہ انسان کو روکنا اس بات سے کہ اس کو حقیقت کا علم نہ ہو۔ اس آیت میں مظلوم کے لیے تسلی کا پیغام اور ظالم کے لیے عذاب کی دھمکی مراد ہے۔ "انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار" اس دن کے ہول سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ بعض نے کہا کہ نظریں اُٹھ جائیں گی اور اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گی۔

㊸ "مھطعین" حضرت قتادہ کا قول ہے تیزی کے ساتھ بلانے کی طرف دوڑیں گے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تیزی کے ساتھ دوڑنا جیسے کہ بھیڑیا کا بھاگنا۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ٹکٹکی باندھے ہوئے ہوں گے اور لگاتار نظر جمائے ہوئے ہوں گے۔ یہاں اھطاع کا معنی ہے کہ وہ دائیں بائیں نہیں دیکھیں گے اور نہ وہ جانیں گے کہ ان کے قدم کہاں پڑ رہے ہیں۔ "مقنعی ر ءوسھم" اپنے سر اُٹھائے ہوں گے۔ قتیبی کا قول ہے کہ مقنع اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سر اُٹھائے اپنے سامنے دیکھتا رہے اور اپنے سامنے سے سر نہ اُٹھائے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے منہ آسمان کی طرف ہوں

گے کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھے گا۔ "لا یرتد الیھم طرفھم" ان کی شدت نظر کی وجہ سے وہ اپنی آنکھوں کو دوسری طرف نہیں لوٹائیں گے بلکہ ٹکٹکی باندھے اوپر ہی کی طرف نظریں جمائے رکھیں گے۔ "وافئدتھم ھواء" ان کے دل بالکل حواس سے خالی ہوں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کے دل سینے کی طرف آجائیں گے اور گلے میں اٹک جائیں گے، نہ منہ سے باہر آئیں گے اور نہ ہی واپس اپنی جگہ لوٹیں گے۔ ان کے دل ہوا ہو جائیں گے، یعنی ان کے اندر کچھ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے آسمان اور زمین کے درمیانی خلاء کو ہوا کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان کے دل خوف کی وجہ سے خالی ہوں گے۔ اخفش کا قول ہے کہ ان کا دماغ خالی ہو جائے گا، اس میں کوئی عقل نہ ہوگی اور عرب کے نزدیک ہر اس شخص کو خالی کہتے ہیں جس میں کوئی فہم نہ ہو۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ان کے دل ہوا ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل بے تاب اور بے قرار ہوں گے، کسی جگہ ان کو قرار نہیں ہوگا۔ اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہوں گے اور نظریں اوپر کو اُٹھی ہوئی ٹکٹکی باندھے تک رہے ہوں گے۔

㊹ "وانذر الناس" ان کو ڈرایئے "یوم" اس دن سے "یأتیھم العذاب" قیامت سے، "فیقول الذین ظلموا" اس سے مراد شرک ہے۔ "ربنا اخرنا" ہمیں مہلت عطا کر۔ "الٰی اجلٍ قریب" ان کے سوال کی تردید کر رہے ہیں کہ وہ کہیں گے ہم کو دُنیا کی طرف واپس لوٹا دے، ہم تیری طرف رجوع کر لیں گے۔ "نجب دعوتک ونتبع الرسل" وہ جواب دیں گے تا کہ ہم تیری دعوت کو قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں۔ "اولم تکونوا اقسمتم من قبل" کہ کیا تم نے دُنیا میں قسمیں کھا کر نہیں کہا تھا کہ ہم ہمیشہ یہاں رہیں گے۔ "مالکم من زوال" یعنی تم کو دوبارہ نہیں اُٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان "واقسموا باللہ جھد ایمانھم لایبعث اللہ من یموت" انہوں نے پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ جو مرے گا اس کو اللہ دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

وَّسَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: حالانکہ تم ان (پہلے) لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے بہت سی اپنی بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاویں پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے جس روز دوسری زمین بدل دی جاوے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے۔

تفسیر ㊺ "وسکنتم" دُنیا میں رہائش اختیار کی۔ "فی مساکن الذین ظلموا انفسھم" کفر اور نافرمانی کی وجہ سے

اس سے مراد قوم نوح، عاد، ثمود وغیرہ ہے۔ "وتبین لکم کیف فعلنا بھم" یعنی تم جان چکے ہو ان قوموں کے احوال اور سزائیں۔ "وضربنالکم الامثال" کیا ہم نے تمہارے لیے قرآن میں مثالیں بیان نہیں کیں۔

46 "وقد مکروا مکرھم و عند اللہ مکرھم" ان کے فریب کا بدلہ۔ "وان کان مکرھم" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "وان کاد مکرھم" دال کے ساتھ پڑھا ہے اور عام قراء نے اس کو نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لتزول منہ الجبال" عام قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے لام کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان کا مکر ایسا تھا کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتا۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کے مکر پہاڑوں کو ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے مکر و فریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور شریعت الٰہی کو زائل نہیں کر سکتے جو پہاڑوں کی مانند پائیدار ہیں۔ ابن جریج اور کسائی رحمہما اللہ نے "لتزول" لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے لام کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک ان کا مکر بلاشبہ ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے پہاڑ بھی ہل جائیں۔ (یعنی ان کا شرک بہت سخت تھا) لیکن پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمور شریعہ کو نقصان نہیں پہنچا سکے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کا مکر (شرک) بہت سخت تھا کہ اس سے پہاڑ ہل جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتخر الجبال ھدًا ان دعوا للرحمٰن ولدًا"

نمرود کا آسمان پر چڑھنے کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اس آیت کے معنی میں کہ اس کا نزول نمرود کے حق میں ہوا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ نمرود نے کہا کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کا قول سچا ہے تو میں آسمان تک پہنچ کر خود دیکھوں گا کہ وہاں کون ہے، کیا ہے۔ چنانچہ آسمان تک چڑھنے کی ایک صورت بنائی کہ گدھ کے چار بچے لے کر ان کو پالا اور ٹریننگ دی۔ جب وہ جوان ہو گئے ایک صندوق بنوایا جس کے دروازے قائم کیے، ایک بالائی جانب ایک نیچے کی طرف اور چار لکڑیاں لے کر صندوق کے ہر گوشہ میں ایک ایک لکڑی کھڑی کی اور ہر ایک لکڑی کی بالائی نوک پر گوشت کا ٹکڑا باندھ دیا۔ پھر صندوق کو گدھوں کی ٹانگوں سے باندھ دیا۔ اس کے بعد نمرود ایک آدمی کو ساتھ لے کر صندوق میں بیٹھ گیا اور گدھوں کو اُڑایا، گدھ اُڑے اور گوشت حاصل کرنے کے لیے اوپر اُٹھتے گئے۔ اسی طرح اوپر چڑھتے رہے اور دور ہوا میں پہنچ گئے۔ ایک روز گزر گیا تو نمرود نے ساتھی سے کہا اوپر کا دروازہ کھول کر دیکھو، آسمان قریب آ گیا یا نہیں، ساتھی نے دروازہ کھول کر دیکھا اور بولا آسمان تو ویسے ہی دور ہے جیسے پہلے تھا۔ نمرود نے کہا کہ اب نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھو ساتھی نے نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھا اور کہا زمین ایک تالاب کی طرح اور پہاڑ دھوئیں کی مانند دکھائی دے رہے ہیں۔ غرض گدھ اوپر اُٹھتے اُڑتے گئے یہاں تک کہ ایک دن اور گزر گیا۔ اب خلاء گدھوں کی اُڑان میں رکاوٹ پیدا کرنے لگی، نمرود نے ساتھی سے کہا اب دونوں دروازے کھول کر دیکھو، اوپر کا دروازہ کھولا تو آسمان ویسے ہی اپنی ہیئت پر نظر آیا اور نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو

زمین کی جگہ صرف ایک تاریک سیاہی نظر آنے لگی اور غیب سے ندا آئی ، باغی تو کہاں جانا چاہتا ہے؟

عکرمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ نمرود کے ساتھ تابوت میں ایک غلام بھی تیر کمان لیے موجود تھا، غلام نے تیر پھینکا، تیر خون آلود ہو کر لوٹ آیا، کوئی مچھلی سمندر سے تڑپ کر خلاء میں پہنچ گئی، تیر اس کے خون سے رنگین ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا کہ کسی پرندے کے خون سے آلودہ ہو گیا تھا، نمرود نے کہا کہ آسمان والے خدا کے کام سے فارغ ہو گیا۔ پھر ساتھی کو حکم دیا کہ اب لکڑیوں کو اُلٹ دو اوپر کا رُخ نیچے کی طرف کر دو، ساتھی نے اس حکم کی تعمیل کی، اس طرح گوشت نیچے کی طرف ہو گیا اور گدھ گوشت کو نیچے کی طرف دیکھ کر نیچے اُترنے لگے، پہاڑوں نے صندوق اور گدھوں کی سرسراہٹ سنی تو خوفزدہ ہو گئے، ان کو خیال ہوا کہ آسمان سے کوئی نئی مصیبت آ گئی اور قیامت برپا ہو گئی، خوف زدہ ہو کر قریب تھا کہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا "وان کان مکرھم لتزول منه الجبال"

47 "فلا تحسبن اللّٰه مخلف وعده رسله" اپنی دوستوں کی مدد یعنی انبیاء و رسولوں کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا جو وعدہ کیا ہے۔ اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی "فلا تحسبن اللّٰه مخلف رسله وعده"...... "انّ اللّٰه عزیزٌ ذوانتقام" "یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوٰت"

یوم تبدل الارض کی تفسیر

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس کا رنگ خاکستری ہوگا اور چھنے ہوئے آٹے کی ٹکیہ کی طرح ہوگی جس کی کوئی نشانی نہیں ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوگی جو اللہ اپنے ہاتھ سے اہل جنت کی مہمانی کے لیے تیار کرے گا جیسے تم لوگ سفر کے لیے روٹی تیار کرتے ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ زمین بدل کر ایسی زمین کر دی جائے گی جو چاندی کی طرح ہوگی نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی اس پر گناہ کیا گیا ہوگا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اس دن زمین کو چاندی کا اور آسمان کو سونے کا بنا دیا جائے گا۔ محمد بن کعب اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ زمین کو سفید روٹی بنا دیا جائے گا جس سے مؤمن اپنے قدموں سے اُٹھا کر کھائیں گے اور بعض نے کہا کہ آسمان کو جنان اور زمین کو نیران بنایا جائے گا اور بعض نے کہا کہ زمین کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف بدل دیا جائے گا، پہاڑوں کو چلایا جائے گا، نہروں کو خشک کر دیا جائے گا اور مختلف وادیوں کو برابر کر دیا جائے گا اور اس کے درختوں کو اکھاڑا جائے گا اور زمین ہو جائے گی چٹیل میدان کی طرح اور آسمان کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ سورج کو بے نور کر دیا جائے گا اور چاند کو گرہن لگا دیا جائے گا اور ستاروں کو پھیلا دیا جائے گا، یہ سب کچھ ہو جائیں گے دھواں کی طرح اور کبھی تلچھٹ کی طرح ہو جائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کے متعلق دریافت کیا "یوم تبدل الارض

غیرالارض والسمٰوات" اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پل صراط پر ہوں گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریافت کیا اور کہا کہ جب زمین اور آسمان کو تبدیل کر دیا جائے گا تو لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پل سے دور تاریکی میں۔ "وبرزوا" جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ "للّٰہ الواحد القھار" وہی جو چاہے گا کرے گا اور وہی فیصلہ کرے گا جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿49﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿50﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾

ترجمہ اور تو مجرموں (یعنی کافروں) کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا (اور) ان کے کرتے قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر (مجرم) شخص کو اس کے کئے کی سزا دے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے یہ (قرآن) لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرائے جاویں اور تاکہ اس بات کا یقین کر لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر ﴿49﴾ "وتری المجرمین یومئذٍ مقرنین" بعض کو بعض کے ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ "فی الاصفاد" بیڑیاں، ہتھکڑیاں اور طوق، اصفاد جمع ہے صفد کی۔ جس چیز کو مضبوطی کے ساتھ باندھا جائے اس کو صفاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ عرب کا قول ہے کہ "صفدت الرجل فھو مصفود" جس کو زنجیروں میں مضبوطی کے ساتھ باندھا گیا ہو۔ بعض نے کہا کہ ہر کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ باندھا جائے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے "احشروا الذین ظلموا و ازواجھم" یعنی ان کو شیطان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو گردنوں سے ملا کر زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ پہاڑوں کو باندھ دیا جائے گا۔

﴿50﴾ "سرابیلھم" ان کی قمیصیں، "سرابیلھم" کا واحد سربال ہے۔ "من قطران" وہ جو اونٹوں پر ملا جاتا ہے۔ عکرمہ اور یعقوب کی روایت میں "مِنْ قِطْرٍ اٰنٍ" پڑھا ہے۔ قطر کہتے ہیں پگھلے ہوئے تانبے کو۔ یہاں اس کی گرمی کی انتہا مراد ہے۔ "یطوفون بینھا وبین حمیم اٰن"...... "وتغشٰی وجوھھم النّار" ان کو آگ لپیٹ لے گی۔

﴿51﴾ "لیجزی اللّٰہ کل نفس ما کسبت" اس سے مراد خیر اور شر ہے۔ "ان اللّٰہ سریع الحساب"......

﴿52﴾ "ھذا" اس سے مراد قرآن ہے۔ "بلاغ" اس سے تبلیغ و نصیحت ہے۔ "للنّاس ولینذروا" تمہیں ڈرائیں۔ "بہ ولیعلموا انما ھو الہ واحد" تاکہ ان آیات سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کرے۔ "ولیذکر اولو الالباب" تاکہ اس سے عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

سورة الحجر

مکیہ ہے اس میں ننانوے آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ. تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ❶

ترجمہ الر یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب اور قرآن واضح کی۔

تفسیر ❶ ...... "الر" اس کا معنی ہے کہ میں اللہ ہوں اور دیکھنے والا ہوں۔ "تلک آیات الکتاب" یہ اس کتاب کی واضح نشانیاں ہیں۔ "وقرآن" قرآن کی نشانیاں ہیں۔ "مبین" حلال وحرام اور حق و باطل کے درمیان واضح دلائل اور نشانیاں موجود ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

سوال یہ ہے کہ پہلے کتاب کا ذکر کر کے پھر دوبارہ وقرآن مبین کہنے کا کیا مطلب ہے؟ دونوں کا معنی تو ایک ہی ہے؟ اس کا جواب دیا گیا کہ ہر ایک کا ذکر علیحدہ فائدے کے لیے ہے کیونکہ کتاب کہا جاتا ہے جو اس کے اندر لکھا جائے اور قرآن کہتے ہیں بعض اشیاء کا جمع کرنا۔ بعض نے جواب دیا کہ کتاب سے مراد توریت وانجیل ہے اور قرآن سے مراد یہ کتاب ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ② ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③

ترجمہ: کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ (یعنی ہم دنیا میں) مسلمان ہوتے آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔

تفسیر: ''ربما'' ابوجعفر، نافع، عاصم نے باء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ''رُبَّ'' تقلیل کے لیے آتا ہے لیکن مجازاً اظہار کثرت کے لیے آتا ہے۔ رب اسم پر داخل ہوتا ہے اور کبھی کبھار فعل پر بھی داخل ہوتا ہے۔ جیسے ''رب رجل جاء نی وربما جاء نی رجلٌ'' یہاں پر یہ فعل پر داخل ہے۔ ''یودُّ'' وہ آرزو کریں گے ''الذین کفروا لو کانوا مسلمین''

لو کانوا مسلمین کی مختلف تفاسیر

جس حالت میں کافر اسلام کی تمنا کریں گے اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب ان کا معائنہ کیا جائے گا یا اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ بعض نے کہا قیامت کے دن۔ مشہور قول یہی ہے کہ جب مؤمنین کو اللہ دوزخ سے نجات دے گا اس وقت یہ تمنا کریں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب دوزخی دوزخ میں جمع ہو جائیں گے اور حسب مشیت خدا ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کافر مسلمانوں سے کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہ تھے۔ مسلمان کہیں گے، تھے، کیوں نہیں۔ کافر کہیں گے تو اسلام سے کیا فائدہ ہوا؟ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آ گئے، مسلمان کہیں گے ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہم کو پکڑ لیا۔ یہ گفتگو اللہ سنے گا تو حکم دے گا اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہو اس کو نکال لیا جائے۔ چنانچہ سب مسلمان نکال لیے جائیں گے، دوزخی کافر جب یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان کی طرح نکال لیا جاتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ''ربما یودّ الذین کفروا لو کانوا مسلمین'' تلاوت فرمائی۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: یہاں پر ''ربما'' کیسے فرمایا حالانکہ ربما تقلیل کے لیے آتا ہے اور یہ تمنا کرنے والے کافر بہت زیادہ ہوں گے؟
جواب یہ دیا کہ ''ربما'' کو تکثیر کے لیے ذکر کیا گیا یا اس وجہ سے کہ وہ سب عذاب میں مشغول ہوں گے وہ ندامت کیلئے

فارغ نہیں ہوں گے اور ان کے دلوں میں کبھی کبھار یہ آرزو آتی ہے۔

③ "ذرھم" اے محمد! ان کافروں کو "یاکلوا" یعنی ان کو چھوڑ دو دُنیا میں "ویتمتعوا" اس کی لذت سے فائدہ اُٹھالیں۔ "ویلھھم" ان کو مشغول رکھے۔ "الامل" اپنے حصے سے لے لیں، ایمان واطاعت سے۔ "فسوف یعلمون" جب قیامت کے دن وارد ہوں گے اور اپنی سزا کا مزہ چکھ لیں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا اس کا انجام دیکھ لیں گے، یہ کافروں کے لیے بطور تہدید اور وعید ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ان کی تہدید کو رہنے دو اور "فسوف یعلمون" دوسری تہدید ہے تو یہاں زندگی میں کہاں عیش ہوسکتی ہے ان دونوں تہدیدوں کے متعلق یہ آیت جہاد کی آیت سے منسوخ ہوگئی۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩

ترجمہ اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لئے ایک معین وقت نوشتہ ہوتا رہا ہے کوئی امت اپنی میعاد مقرر سے نہ پہلے ہلاک ہوئی اور نہ پیچھے رہی ہے اور ان کفار (مکہ) نے یوں کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے تم مجنون ہو (اور نبوت کا غلط دعویٰ کرتے ہو) (ورنہ) اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے ہم فرشتوں کو صرف فیصلہ ہی کے لئے نازل کیا کرتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اس وقت ان کو مہلت بھی نہ دی جاتی ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں اور ہم نے آپ کے قبل بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا۔

تفسیر ④ (وما اھلکنا من قریۃ) اہل قریہ میں سے کتنی ہلاک کیں (الا ولھا کتاب معلوم) ان کیلئے ایک وقت متعین تھا نہ اس سے پہلے یہاں تک کہ ان پر عذاب پہنچ گیا اور نہ ہی عذاب ان سے مؤخر ہوگا۔

⑤ "ما تسبق من امّۃ أجلھا" نہ اس کی ہلاکت ہوسکتی ہے وقت سے پہلے۔ "وما یستأخرون" ان کی موت نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ دیر سے آسکتی ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کے عذاب میں جلدی یا تاخیر نہیں ہوسکتی۔ بعض نے کہا کہ ان کی زندگی کا وقت متعین ہے۔

⑥ "وقالوا" مشرکین مکہ کہتے تھے "یا یھا الذی نزّل علیہ الذکر" اس سے مراد قرآن ہے اور اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "انک لمجنون" وہ بطور استہزاء کے کہتے کہ اس شخص پر قرآن اُتارا گیا ہے؟

⑦ "لوما" ھلا کے معنی میں ہے یعنی برانگیختہ کرنا۔ "تاتینا بالملائکۃ" اپنے دعوے کی صداقت کی شہادت دیں تاکہ وہ گواہی دیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ "ان کنت من الصدقین" کہ آپ نبی ہیں۔

⑧ "ما ننزل الملائکۃ" اہل کوفہ میں سے ابی بکر کے علاوہ دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ الملائکۃ منصوب ہے اور ابو بکر نے ان کو تنزل پڑھا تھا اور ملائکہ کو مرفوع پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے بھی تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور الملائکۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔ "الا بالحق" اس سے مراد عذاب ہے۔ اگر ان پر فرشتے نازل ہوتے تو یہ عذاب لانے میں جلدی کرتے۔ "وما کانوا اذًا منظرین" عذاب کو مؤخر کرنے والے۔ کفار فرشتوں کے نزول کے متعلق یہ مطالبہ کرتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح جواب دیا۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر کفار کو ہم فرشتے سامنے دکھادیں تو کفار سے مہلت ختم کردی جائے گی اور ان کو فی الحال عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

⑨ "انّا نحن نزلنا الذکر" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وانّا له لحافظون" کہ ہم اس قرآن کو شیطان سے محفوظ کرلیں گے کہ نہ وہ اس میں زیادتی کرسکے گا اور نہ اس میں کمی کرسکے گا اور نہ اس کو تبدیل کرسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه" والباطل سے مراد ابلیس ہے کہ وہ قرآن میں کسی قسم کی زیادتی پر قادر ہوگا اور نہ ہی وہ اس قرآن سے کسی قسم کی کمی کرسکے گا۔ بعض نے کہا کہ "له" کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائیں گے ان کے ساتھ کوئی برائی کا ارادہ نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ "واللّٰہ یعصمک من النّاس"

⑩ "ولقد ارسلنا من قبلک" اس سے مراد اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ "فی شیع الاوّلین" اس سے مراد پہلے کی اُمتیں اور زمانہ ماضی شیع سے مراد وہ جماعت ہے جو متفق الرائے ہو اور کسی بات پر متفق ہو۔

وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ کَذٰلِکَ نَسْلُکُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ⑫ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ⑰

ترجمہ جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرمین کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور دستور (پہلوں) سے ہی ہوتا آیا ہے (پس آپ غمگین نہ ہوں اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں (سے آسمان پر) چڑھ جاویں تب بھی یوں کہہ دیں کہ ہماری نظر بندی کردی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو کر رکھا ہے اور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کئے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو آراستہ کیا اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا۔

تفسیر ⑪ "وما یاتیهم من رسول الا کانوا به یستهزؤن" اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا بیان ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

⑫"کذلک نسلکہ" جس طرح گزشتہ کافر اُمتوں کے دلوں میں ہم نے تکذیب اور استہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح مکہ کے ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر واستہزاء کو داخل کرتے ہیں۔"فی قلوب المجرمین" اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں۔اس آیت میں فرقہ قدریہ کی تردید ہے کیونکہ ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

⑬"لا یؤمنون بہ" یہ ایمان نہیں لائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نہ ہی قرآن پر۔"وقد خلت" اس سے ماقبل گزر چکی ہیں۔"سنۃ الاوّلین" اللہ تعالیٰ نے ماقبل اُمتوں کو انبیاء کے جھٹلانے کے بسبب ہلاک کیا۔اس کے ذریعے اہل مکہ کو ڈرانا مقصود ہے۔(کہ اگر تم نے بھی اپنے نبی کو جھٹلایا تو تمہیں بھی ماقبل اُمتوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔)

⑭"ولو فتحنا علیھم" یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے۔"بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون" ان کافروں کو اپنی آنکھوں سے فرشتے چڑھتے دکھائی دیں۔حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "یعرجون" اور "ظلّوا" کی ضمیریں کافروں کی طرف لوٹ رہی ہیں۔مطلب یہ ہوگا کافر خود آسمان کی طرف چڑھنے لگیں (اور دن کی روشنی میں عجائب آسمانی دیکھتے رہیں)۔

⑮"لقالوا انما سکرت" اس کا معنی ہے روک دینا۔"ابصارنا"

سکرت ابصارنا کی تفاسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہماری آنکھوں کو جادوزدہ کر دیا گیا۔قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہماری آنکھوں کو اُچک لیا گیا۔کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نابینا کر دیا گیا ہے۔ابن کثیر کے نزدیک (سکرت) کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔معنی اس کا یہ ہے کہ اس کو روک دیا گیا ہے جیسے نہر کو روک دیا جاتا ہے پانی کے سامنے بند باندھنے کے ساتھ۔"بل نحن قوم مسحورون" ہم سحر زدہ لوگ ہیں ہم پر "نعوذ باللہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا۔

⑯"ولقد جعلنا فی السماء بروجًا" بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔یہ ظہور سے ماخوذ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "تبرجت المراۃ" عورت نمودار ہوگئی۔بروج سے مراد منازل ہیں جہاں پر سورج چاند ستارے گردش کرتے ہیں۔یہ بارہ برج ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ابن عطیہ کا قول ہے کہ بروج آسمان کے اندر بڑے بڑے محلات ہیں۔"وزیناھا" آسمان کو سورج، چاند، ستاروں کے ساتھ مزین کیا۔"للناظرین"

⑰"وحفظناھا من کل شیطان رجیم" مرجوم کے معنی میں ہے۔بعض نے کہا کہ ملعون کے معنی میں ہے۔

شیطان کو آسمانوں میں جانے سے کب بندش کر دی گئی

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ پہلے آسمانوں تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دلوں میں القاء کرتے تھے۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمانوں پر جانے سے

شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو باقی چار آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کردی گئی۔ اب کوئی شیطان چوری چھپے کوئی بات سن پاتا ہے فوراً اس پر انگارا مارا جاتا تھا ان شیطانوں کی جب کامل بندش ہوگئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی حادثہ ہوا ہے اسے جا کر دیکھو، شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تلاوت کرتے پایا، کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ⑳ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉑ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ㉒

ترجمہ: ہاں مگر کوئی بات (فرشتوں کی) چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی (ضرورت کی نباتی) چیز ایک معین مقدار سے اگائی اور ہم نے تمہارے واسطے اس میں معاش کے سامان بنائے اور ان کو بھی معاش دی کہ جن کو تم روزی نہیں دیتے اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے سب خزانے کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں ہم اپنی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے۔

تفسیر: ⑱ ''الا من استرق السمع'' لیکن جو چوری سے سن لیتا ہے ''فاتبعه شهاب مبين'' شہاب آتشیں شعلہ جو ستارے سے نکلتا ہے۔

شیطان پر شہاب ثاقب مارے جانے کے متعلق احادیث

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیاطین نیچے سے آسمان دُنیا تک ایک کے اوپر دوسرا سوار ہوتا ہے اور آسمان دُنیا تک پہنچ جاتا ہے اور چوری سے وہ فرشتوں کی بات سن لیتے ہیں۔ فرشتے ان پر شہاب ثاقب مارتے ہیں تو ان کا یہ انگارہ ضائع نہیں جاتا۔ انگارہ پڑنے سے کوئی مرجاتا ہے، کسی کا چہرہ یا پہلو یا ہاتھ یا کوئی اور حصہ حسب مشیت الٰہی جل جاتا ہے۔ کوئی بدحواس پاگل ہو جاتا ہے اور بھوت بن جاتا ہے جو زمین پر آ کر جنگلوں میں مسافروں کو سیدھے راستے سے بھٹکاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب آسمان میں اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اطاعت میں فرشتے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر کسی

زنجیر کے لگنے سے ہوتی ہے۔ جب دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا بلاشبہ حق ہے وہی بزرگ و بالا ہے چوری سے، سننے والے ایک کے اوپر دوسرے لگے ہوتے ہیں۔ سفیان نے ہاتھ سے نشان بنا کر بتایا کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر۔ چنانچہ چوری سے سننے والا کوئی بات سن پاتا ہے اور اپنے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور نیچے والا اپنے سے نیچے کو بتا دیتا ہے۔ اسی طرح سب سے نیچے والا جادوگر یا کاہن کی زبان پر وہ بات لے آتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نیچے والے تک پہنچانے سے پہلے اوپر والے پر شعلہ آتشیں آ پڑتا ہے اور کبھی آتشیں شعلہ پہنچنے سے پہلے وہ نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ ساحر یا کاہن اس کو سو جھوٹ ملا کر بتلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کاہن نے ہم سے ایسی ایسی بات پہلے ہی نہ کہہ دی تھی۔ چنانچہ ایک آسمانی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے بادل میں اُترتے ہیں اور وہاں اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہوتا ہے کوئی شیطان اس کو چوری سے سن پاتا ہے اور جا کر کاہن کے دل میں ڈال دیتا ہے، کاہن اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔

جان لو کہ اس کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہیں ہوا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے کسی نے اس کو بیان کیا۔ اس کا ظہور اس امر کے بعد ہوا یہ نبوت کی علامت قرار دی گئی۔ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس بن شریق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ستارے کے شعلہ سے سب سے پہلے ڈرنے والا ثقیف قبیلہ تھا۔ قبیلہ ثقیف کے کچھ لوگ ایک آدمی کے پاس آئے جس کا نام عمرو بن اُمیہ قبیلہ بنی علاج کا تھا اور عرب لوگ اس کے پاس تحفے تحائف بھیجتے تھے۔ ان لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آسمان میں کون سا نیا کام سرانجام پایا جس کی وجہ سے آسمان سے ستارہ پھینکا گیا۔ وہ کہنے لگا کیوں نہیں۔ دیکھو اگر تم ستاروں کے علم کو جانتے ہو جن کے ذریعے ہم خشکی اور سمندر میں ہدایت پاتے ہیں اور ان کے ذریعے گرمیوں اور سردیوں میں موسموں کو پہچانتے ہیں جس موسم میں لوگوں کی معیشت وابستہ ہوتی ہے اور ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور اس میں تمام مخلوق کو ہلاک کر دے گا۔ معمر نے زہری کے حوالے سے لکھا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں بھی شہاب ثاقب پھینکا جاتا تھا، فرمایا جی ہاں، میں نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "**وانّا کُنّا نقعد منها مقاعد للسمع**" اس نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے کے بعد اپنے اُمور میں سختی اور شدت بڑھ گئی۔

ابن قتیبہ کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے شہاب ثاقب پھینکے جاتے تھے لیکن اس میں پہروں کی شدت نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد چوکیداری اور رجم میں خوب اہتمام ہونے لگا۔ بعض نے کہا کہ شیطان کو شہاب الثاقب مار کر واپس اپنی جگہ آ جاتے ہیں۔

⑲ "**والارض مددناها**" پانی پر ہم نے اس کو بچھا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی اس طرح پانچ سو سال اس کے مثل چلتا رہے تو اتنی مقدار کعبہ کے نیچے ہم نے زمین کو پھیلایا۔ "**والقينا فيها رواسى**" بڑے بڑے پہاڑ اس میں گاڑھ دیئے، زمین پہاڑوں

کے بغیر لرز رہی تھی تو اس میں پہاڑ بطور میخوں کے گاڑھ دیئے۔ "وانبتنا فیھا" اس زمین میں "من کل شیءٍ موزون" معلوم مقدار میں۔ بعض نے کہا کہ موزون سے مراد پہاڑوں میں معدنیات ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا، ہڑتال، سرمہ وغیرہ۔ ان تمام اشیاء کا وزن کیا جائے گا۔ ابن زید کا قول ہے یہ وہ چیزیں ہیں جن کا وزن کیا جائیگا۔

⑳ "وجعلنا لکم فیھا معایش" یہ جمع ہے معیشہ کی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کھانے پینے اور پہننے کی اشیاء ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ اشیاء مراد ہیں جن سے آدمی کی زندگانی وابستہ ہوتی ہے۔ "ومن لستم لہ برازقین" ہم نے تمہارے لیے اسی میں روزگانی پیدا کردی ہے خواہ وہ چوپایوں کے متعلق ہو یا جانوروں کے متعلق۔ یعنی ہم نے تمہارے لیے اس میں رزق بنایا جو تمہارے لیے کافی ہو۔ اس آیت میں (من) ما کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "فمنھم من یمشی علی بطنہ" ان دونوں مقامات میں ما کے معنی میں ہے۔ "ممالیک" سے مراد دواب (جانور) ہیں اور بعض نے کہا کہ نصب میں واقع ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف "لکم" پر ہوگا۔

㉑ "وان من شیءٍ" یہاں ما کے معنی میں ہے۔ "الا عندنا خزائنہ" ان خزانوں کی چابیاں بعض نے کہا کہ اس سے مراد بارش ہے۔ "وما ننزلہ الا بقدر معلوم" ہر زمین پر ایک مقدار معلوم ہے۔ بعض نے کہا کہ آسمان سے کوئی قطرہ بارش کا نہیں اُترتا کہ اس کے ساتھ فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے جو اس کو جہاں سے چاہے کھینچ کے لاتا ہے اور فرشتہ اس بوند کو اسی جگہ تک ضرور پہنچاتا ہے جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔

جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کہ عرش میں جو کچھ ہے اس کی مثال تمام مخلوق کی ہے جو خشکی اور تری میں پیدا کی ہے اس کی تاویل اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔

㉒ "وارسلنا الریاح لواقح" اس سے مراد حاملہ ہیں کیونکہ ہوائیں بادلوں میں پانی کو بھر دیتی ہیں۔ یہ "لاقحۃ" کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "ناقۃ لاقحۃ" اس اونٹنی کے لیے بولا جاتا ہے جو حاملہ ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے ہوا پانی کو اُٹھا کر لاتی ہے بادل پانی کو لے کر ہوا کی وجہ سے چلتا ہے، پھر وہ بارش برساتا ہے۔ ابوعبیدہ کا قول ہے لواقح کا معنی ہے ملاقح اور اس کا مفرد "ملقحۃ" آتا ہے۔ بمعنی حاملہ کرنے والی ہوائیں یعنی وہ ہوائیں جو پھلوں کے تخم درختوں میں ڈالتی ہیں اور ان کو حاملہ کرتی ہیں۔

ہوائیں بھی اپنا اپنا کام سرانجام دیتی ہیں

عبید بن عمیر کا قول ہے کہ پہلے اللہ خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو زمین کو صاف کر دیتا ہے۔ پھر بادلوں کو اُٹھا کر لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اُٹھا کر لاتی ہیں۔ پھر منتشر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو ابر کے مختلف ٹکڑوں کو یکجا کر کے تہ بہ تہ کر دیتی ہیں۔ پھر حاملہ کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو درختوں میں پھل پیدا کر دیتی ہیں۔ ابوبکر بن

عیاش نے کہا جب تک چاروں ہوائیں اپنا اپنا عمل پورا نہیں کرتیں کوئی قطرہ نہیں اُترتا، سامنے والی ہوائیں بادل کو اُٹھا کر لاتی ہے، شمالی ہوا بادل کو جمع کرتی ہے، جنوبی ہوا بادل کو برساتی ہے اور پچھلی ہوا بادلوں کو منتشر کردیتی ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جب جنوبی ہوا چلتی ہے انگور کے خوشے اُٹھا کر لاتی ہے اور ریح عقیم عذاب کو لاتی ہے پھل پیدا نہیں کرتی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب کوئی تیز ہوا چلتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً دوزانو بیٹھ کر دُعا کرتے تھے، اے اللہ! اس کو رحمت بنادے، عذاب نہ بنا، اے اللہ! اس کو رحمت کی ہوائیں کردے، عذاب کی آندھی نہ کردینا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کی کتاب میں ارشاد ہے "فارسلنا علیھم ریحًا صرصرًا" اور "اذ ارسلنا علیھم الریح العقیم" اور "ارسلنا الریاح لواقح" ان آیات میں ریح سے مراد وہی ریاح ہیں جو ان میں مذکور ہیں اور فرمایا کہ خوش خبری دینے والی ہوائیں۔ حمزہ نے اس کو مفرد پڑھا ہے۔ "وارسلنا الریح لواقح" ریح سے مراد جنس اور کثرت مراد ہے۔ اسی وجہ سے اس کو جمع بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسرے قراء نے اس کو (ریاح) جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ لواقح جمع ذکر کی ہے جو موصوف ہے اور صفت بھی جمع ہوگی نہ کہ مفرد تاکہ موصوف صفت میں مطابقت ہو جائے۔ "فانزلنا من السماء ماءً فاسقیناکموہ" اس بادل کو تمہارے لیے پینے کا پانی بنایا۔ جیسا کہ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے۔ "سقیت الرجل ماءً اولبنا، اسقی فلانًا و فلانًا" جب اس کو پینے کے لیے پانی دیا جائے اور "اسقیت الرجل" اس وقت بولا جاتا ہے معنی ہوگا کہ میں نے اس کو پانی دے دیا تاکہ وہ اپنی زمین یا جانور کو سیراب کردے۔ "وما انتم لہ بخازنین" یعنی بارش کا خزانہ ہمارے پاس ہے تمہارے پاس نہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: اور ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور (سب کے مرنے کے بعد) ہم ہی (باقی) رہ جائیں گے اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو (قیامت میں) محشور فرمائے گا بیشک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا اور جن کو اس کے قبل آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی پیدا کرچکے تھے اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے (ارشاد) فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ

سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا سو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدمؑ) کو سجدہ کیا۔

تفسیر ㉓ "وانا لنحن نحی ونمیت ونحن الوارثون" تمام مخلوقات کو ہم موت دیں گے اللہ کے سوا کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ وارث سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ بعض نے کہا کہ مخلوقات کے فنا کے بعد باقی رہنے والی ذاتؑ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

مستقدمین اور مستاخرین کی مختلف تفاسیر

㉔ "ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مستقدمین سے مراد مُردے اور مستاخرین سے مراد زندے ہیں۔

شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اوّلین وآخرین ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور اپنے آباء کی پشت سے برآمد ہو گئے اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اور نہ اپنے باپوں کی پشت سے باہر آئے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "مستقدمین" سے مراد گزشتہ اقوام کے لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد اُمت محمدیہ ہیں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مستقدمین سے مراد طاعات میں آگے بڑھنے والے اور مستاخرین سے مراد طاعت وخیر میں سستی کرنے والے۔

بعض نے کہا کہ "مستقدمین" سے مراد نماز میں صف اوّل میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد پیچھے صفوں میں رہ جانے والے۔ یہ اس وجہ سے کہ عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوتی ہیں اور ان کو یہی حکم ہے کہ وہ مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑی ہوں۔ بسا اوقات کچھ مردوں کے دلوں میں شیطانی خیال ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہ جاتا ہے تاکہ عورتوں کی صفوں کے قریب ہو جائے اور بسا اوقات کسی عورت میں شیطانی وسوسہ آ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اگلی صفوں میں آنا چاہتی ہیں تاکہ مردوں کی صفوں کے قریب آ جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ بہترین صفوں میں سے مردوں کی پہلی صفیں ہیں اور بری صفیں آخری ہیں اور عورتوں کے لیے بہترین صفیں آخری ہیں اور پہلی صفیں ان کے لیے شر ہیں۔ اوزاعی کے نزدیک اوّل وقت اور آخر وقت میں نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جہاد میں آگے پیچھے رہنے والے مراد ہیں۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جو لوگ مسلمان ہو چکے اور جو لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔

㉕ "وان ربک ھو یحشرھم انہ حکیم علیم" ان سب کو جمع کرے گا جو اس کے علم میں ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے۔ وہ اوّلین وآخرین سب کو جمع کرے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جس چیز پر مرے گا اللہ اسی چیز پر اس کو اُٹھائے گا۔

㉖ "ولقد خلقنا الانسان" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہاں انسان سے اس لیے تعبیر کیا اس کا معنی ہے ظہور اور انسان ظاہر ہے، آنکھ سے دکھائی دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ انسان نسیان سے مشتق ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا تھا مگر وہ اس کو بھول گئے۔ "من صلصال" وہ خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن بولتی ہو۔

صلصال کی تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اس کو ہلایا جاتا ہے تو کھڑکھڑ کی آواز دیتی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بدبودار کیچڑ کو "صلصال" کہتے ہیں۔ کسائی نے اسی کو اختیار کیا ہے، بعض نے کہا کہ "صلصال" کہتے ہیں "صل اللحم" گوشت بدبودار ہو گیا۔ "من حمأ" وہ کیچڑ جو پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے کائی پڑ جائے۔ "مسنون" متغیر کر دینے کو کہتے ہیں۔

مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اس سے خراب، بدبودار ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے بہانا۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے "سننت الماء" پانی بہایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے وہ بدبودار کیچڑ ہے جو خشک ہونے کے بعد کھن کھن کرنے لگے اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے مٹی کا گارا تیار کروایا اور اس کو چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ وہ بدل کر کالا ہو گیا، پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا۔

الجان خلقناه کی تفسیر

㉗ "والجانّ خلقناه من قبل" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "الجان" سے مراد ہے تمام جنات کا باپ، جیسے حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے اس سے مراد ابلیس ہے، جس کو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا اور کہا گیا کہ الجان جنات کا باپ ہے اور ابلیس شیطان کا باپ ہے جنات میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ کافر، زندہ بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں اور شیطانوں میں کوئی بھی مسلمان نہیں، نہ کسی کو موت آتی ہے، جب ابلیس مرے گا تو اس کے ساتھ سب مریں گے۔

وہب کا قول ہے کہ کچھ جنات تو آدمیوں کی طرح ہیں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور کچھ جنات ہوا کی طرح ہیں ان میں توالد تناسل نہیں ہوتا نہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔

من نار سموم کی تشریح

"من نار السموم" سموم وہ گرم ہوا جو مسامات کے اندر گھس جائے اور اس کو ہلاک کر دے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سموم دن کی اور حرور رات کی گرم لو۔

کلبی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے وہ آگ جس میں دھواں نہیں ہے اور صواعق بھی انہی میں سے ہے، وہ آگ جو آسمان اور حجاب کے درمیان سے نکلتی ہے۔ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو صاعقہ زیر حجاب کو پھاڑ کر حسب مشیت الٰہی کہیں گر جاتی ہے حجاب کو پھاڑنے والی آواز ہی کڑک کہلاتی ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے آگ کے شعلے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے آتش جہنم۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کی ایک خاص شاخ میں سے ہے اس شاخ کو جن کہا جاتا ہے اس صنف کی تخلیق نار سموم سے ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں ان جنات کی تخلیق آگ سے بتائی گئی ہے۔ باقی ملائکہ کی تخلیق نور سے کی گئی ہے۔

㉘ "واذ قال ربک للملائکة انی خالق بشراً" کہ میں عنقریب ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ "من صلصال من حمأ مسنون"

㉙ "فاذا سویته" جب میں اس کو پورا بنالوں اور جان ڈال لوں۔ "فنفخت فیه من روحی" تو وہ زندہ انسان بن جائے، روح وہ جسم لطیف ہے جس سے انسان زندہ ہوتا ہے، روح کی اضافت اپنی طرف تشریف کے لیے کی۔ "فقعوا له سٰجدین" اس سے مراد تحیہ والا سجدہ مراد ہے، عبادت والا سجدہ مراد نہیں۔

㉚ "فسجد الملائکة" جنہوں نے سجدہ کا حکم دیا۔ "کلهم اجمعون"

سوال: "کلهم اجمعون" کیوں کہا حالانکہ اس کا مقصود "فسجد الملائکة" سے پورا ہو جاتا ہے؟

جواب: خلیل اور سیبویہ کے نزدیک اس کو تاکیداً ذکر کیا ہے اور مبرد کا قول ہے کہ "فسجد الملائکة" میں یہ احتمال تھا کہ بعض فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لہٰذا "کلهم" ذکر کر کے اس احتمال کو دور کر دیا۔ پھر بھی احتمال تھا کہ کیا سب نے ایک وقت میں سجدہ کیا یا مختلف اوقات میں سجدہ کیا اس احتمال کو "اجمعون" نے دور کر دیا۔

عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کی ایک جماعت سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ نہیں کیا، اللہ نے ان پر آگ بھیجی کہ وہ سب جل کر راکھ ہو گئے، پھر دوسری جماعت کو کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، پھر انہوں نے سجدہ کیا۔

اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ㉛ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ
㉜ قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ㉝ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا
فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ㉞ وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَةَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ㉟ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ
㊱ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ㊲ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ㊳ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ
لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ㊴ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ㊵

ترجمہ: مگر ابلیس نے کہ اس نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اے ابلیس تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے ارشاد ہوا (تو اچھا پھر تو) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر (میری) لعنت رہے گی قیامت کے دن تک کہنے لگا تو پھر مجھ کو (مرنے سے) مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ارشاد ہوا تو (جا) تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی کہنے لگا اے میرے رب بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے (بحکم تکوین) گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں۔

تفسیر ㉛ "الا ابلیس أبی ان یکون مع السجدین"

㉜ "قال یا ابلیس مالک الّا تکون مع الساجدین"

㉝ "قال الم أکن لا سجد لبشر خلقته من صلصال من حماٍ مسنون" شیطان نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ یہ گارے سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے اور آگ مٹی کو کھا جاتی ہے۔

㉞ "قال فاخرج منھا" اس جنت سے نکل جا "فانک رجیم" کیونکہ تو دھتکارا ہوا ہے۔

㉟ "وان علیک اللعنۃ الٰی یوم الدین" کہ آسمان والے ابلیس پر لعنت بھیجتے ہیں جیسے اہل زمین والے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ گویا یہ زمین وآسمان دونوں جگہ ملعون ہے۔

㊱ "قال رب فانظرنی الٰی یوم یبعثون" اس سے مراد خبیث شیطان مردود ہے جس نے اللہ سے اپنی موت کی مہلت مانگی کہ مجھے کبھی موت نہیں آئے گی قیامت تک۔

㊲ "قال فانک من المنظرین"

㊳ "الٰی یوم الوقت المعلوم" اس سے مراد جب تمام مخلوق مرجائے گی اور وہ نفحہ اولیٰ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابلیس کی موت کا وقت چالیس سال ہے جو دونوں نفحوں کے درمیان میں ہوگی اور بعض نے کہا کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے موت سے بالکل محفوظ رہنے کی دُعا کی اور اغوا کرنے کی بھی دُعا کی۔ اللہ نے اغوا کرنے کی دُعا قبول کرلی لیکن موت سے محفوظ رہنے کی دُعا قبول نہیں کی۔ اس کی ایک دُعا کی قبولیت اس کی عزت افزائی کے لیے نہیں بلکہ بدبختی اور مصیبت میں اضافہ کرنے کیلئے فرمائی۔

㊴ "قال رب بما اغویتنی" مجھے گمراہ کر ہی دیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رحمت سے دور کر ہی دیا۔ "لا زینن لھم فی الارض" دُنیا کی محبت کو اور گناہوں کو خوب مزین کر کے پیش کردے گا۔ "ولا غوینھم" ان کو گمراہ کردے گا۔ "اجمعین"

㊵ "الا عبادک منھم المخلصین" مؤمنین کی وہ جماعت جو تیری خالص پیروی اور اطاعت کریں گے۔ لام کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص توحید کو خالص طور پر اپنائے گا، اللہ اس کو ہدایت سے سرفراز کرے گا اور اپنے مقرب بندوں میں اس کو شمار کرے گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿41﴾

ترجمہ:۔ارشاد ہوا کہ (وہاں) یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے۔

تفسیر 41 "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "هذا صراط علی مستقیم" حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حق کا سیدھا راستہ مراد ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے حق کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف راہ حق بھی اللہ کی طرف پہنچتی ہے کسی اور طرف نہیں مڑتی۔

اخفش رحمہ اللہ کا قول ہے سیدھا راستہ بتانا مجھ پر ہے۔ کسائی کا قول ہے کہ ھذا سے اشارہ ابلیس کے راستے کی طرف ہوگا جو اس نے اپنے لیے اختیار کیا تھا یعنی اغوا اور گمراہ کرنے کا راستہ، جیسے کوئی شخص اپنے مخالف سے کہتا ہے کہ تیرا راستہ مجھ پر ہے، یعنی تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "انّ ربک لبالمرصاد" بے شک آپ کا رب گھات لگائے بیٹھا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کے راستے میں سیدھا رہے، بیان کے ساتھ دلیل کے ساتھ توفیق اور ہدایت کے ساتھ۔ ابن سیرین قتادہ اور یعقوب کے نزدیک صراط مستقیم علو (بلندی) کا درجہ ہے۔ اس میں بعض کو رفع کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ یا تو وہ خود صراط مستقیم تک پہنچ جائے گا اور یا وہ کسی اور کا ذریعہ بنے گا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿42﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿43﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿45﴾

ترجمہ واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں سے تیری راہ پر چلنے لگے (تو چلے) اور (جو لوگ تیری راہ پر چلیں گے) ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے (میں سے جانے) کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں بیشک خدا سے ڈرانے والے (یعنی اہل ایمان) باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے۔

تفسیر 42 "ان عبادی لیس لک علیهم سلطان" اس سے مراد قوۃ ہے۔ اہل معانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یعنی ان کے دلوں پر تمہارا کوئی بھی بس نہ چلے۔ سفیان بن عیینہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے نزدیک کوئی بس نہیں کہ تو ان کو گناہوں میں مبتلا کرے تو میں ان کو معاف کر دوں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو ہدایت یافتہ ہوگا اور اپنے آپ کو تجھ سے محفوظ رکھے گا۔ "الا من اتبعک من الغاوین"

43 "وانّ جهنم لموعدهم أجمعين" ابلیس اور اس کی تابعداری کرنے والوں کے ساتھ جہنم کا وعدہ ہے۔

44 "لها سبعة ابواب" اس کے سات کواڑ ہیں۔

دوزخ کے دروازے اور سات طبقات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ دوزخ کے دروازے کیسے ہوں گے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر اور انگلیوں کو الگ کر کے فرمایا، دوزخ کے دروازے اس طرح ہوں گے یعنی ہر دروازے کے اوپر ایک دروازہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے جنت کو عرضاً پھیلایا ہے اور دوزخ کو ایک دوسرے کے اوپر۔

ابن جریج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آگ کے سات طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ جہنم دوسرا لظی، تیسرا حطمۃ، چوتھا سعیر، پانچواں سقر، چھٹا جحیم، ساتواں ہاویہ۔ "لکل باب منھم جزءٌ مقسوم" ہر طبقہ میں ایک قوم سکونت اختیار کرے گی۔

دوزخ کے ان سات طبقات میں کون لوگ ہوں گے

ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ پہلے درجہ میں وہ اہل توحید ہوں گے جن کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا اور گناہوں کے بقدر وہ دوزخ میں رہیں گے، پھر نکال لیے جائیں گے۔ دوسرے درجے میں نصاریٰ، تیسرے درجے میں یہودی، چوتھے درجے میں صابی، پانچویں درجہ میں مجوسی، چھٹے درجہ میں مشرک اور ساتویں درجہ میں منافق۔ اس لیے اللہ رب العزت کا فرمان ہے "انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

روایت کیا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جہنم کے سات ابواب ہیں۔ ان میں سے ایک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میری اُمت پر تلوار سونتی یا فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر تلوار کھینچی۔

⑮ "انّ المتقین فی جنّٰتٍ وعیون" وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ⑯ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ⑰ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ⑱ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ⑲ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ⑳

ترجمہ: تم ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کریں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح (الفت و محبت سے) رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے (اے محمدؐ) آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت والا اور رحمت والا بھی ہوں اور (نیز) یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

تفسیر: ⑯ "ادخلوھا" ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ "بسلام" سلامتی کے ساتھ۔ "آمنین" آئندہ موت، آفت اور یہاں نکلنے سے تم محفوظ ہو۔

㊼ "ونزعنا" نکال دیں گے۔ "مافی صدورھم من غل" یعنی کینہ، دشمنی، بغض اور حسد کو نکال دیں گے۔ "اخوانًا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ "علی سرر" اس کی جمع سریر آتی ہے۔ "متقابلین" وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے ان میں سے کوئی دوسرے کی پیٹھ کو نہیں دیکھے گا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جنتی جب جنت کے اندر اپنے مؤمن بھائی سے ملنا چاہے گا تو مسہری اس کو لے کر وہاں پہنچ جائے گی، اس طرح دونوں کی ملاقات اور بات چیت ہو جائے گی۔

㊽ "لایمسھم" نہیں پہنچے گی ان کو "فیھا نصب" کوئی تھکاوٹ۔ "وما ھم منھا بمخرجین" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اس سے نکلیں گے نہیں۔

آیت نبی عبادی کا شان نزول

㊾ "نبیٔ عبادی أنی أنا الغفور الرحیم" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کریں گے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے پاس تشریف لائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہنستے دیکھ کر ارشاد فرمایا، دوزخ تم لوگوں کے سامنے ہے، پھر بھی ہنس رہے ہو، فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہو گئے اور فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب فرماتا ہے کہ تم کیوں میرے بندوں کو میری رحمت سے نا اُمید کرتے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

㊿ "وانّ عذابی ھو العذاب الالیم" قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر بندہ اللہ کی مقدار عفو کو جان لیتا تو حرام سے پرہیز نہ کرتا اور اگر اللہ کی مقدار عذاب کو جان لیتا تو خوف کے مارے اس کی جان ہی نکل جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر مؤمن بندہ کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جاتا تو پھر جنت کی اُمید ہی کسی کو نہ رہتی اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کی مقدار معلوم ہو جاتی تو جنت سے مایوس نہ ہوتا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تخلیق رحمت کے دن اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ننانوے رحمتیں اپنے پاس روک لیں اور ایک رحمت ساری مخلوق میں پھیلا دی جو رحمتیں اللہ کے پاس ہیں اگر ان سب سے کافر واقف ہو جائے تو جنت سے نا اُمید نہ ہو اور جو عذاب اللہ کے پاس ہے، اگر مؤمن کو اس کا علم ہو جائے تو دوزخ سے بے خوف نہ ہو۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۔ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ

رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ اور آپ ان (لوگوں) کو ابراہیمؑ کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع دیجئے جبکہ وہ ان کے پاس آئے پھر (آکر) انہوں نے السلام علیکم کہا ابراہیمؑ کہنے لگے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں انہوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں ہم آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا ابراہیمؑ کہنے لگے کہ کیا تم مجھ کو اس حالت پر فرزند کی بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آگیا سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو۔ وہ (فرشتے) بولے کہ ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔ بجز گمراہ لوگوں کے فرمانے لگے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) اب تم کو کیا مہم درپیش ہے۔ اے فرشتو فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (مراد قوم لوطؑ ہے) مگر لوط (علیہ السلام) کا خاندان کہ ہم ان سب کو بچالیں گے ۔بجز ان کی (یعنی لوطؑ کی) بی بی کے کہ اس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اسی مجرم قوم میں رہ جاوے گی

تفسیر ﴿۵۱﴾ "ونبئهم عن ضيف ابراهيم" ان کے مہمانوں کی اطلاع دے دو۔ (ضیف) کا اطلاق واحد، جمع، تثنیہ، مذکر، مؤنث سب پر ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی بشارت دینے اور قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے۔

﴿۵۲﴾ "اذ دخلوا عليه فقالوا سلامًا قال" ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "انا منكم وجلون" ہم تم سے خوف زدہ ہیں کیونکہ ہماری طرف سے پیش کیا گیا کھانے سے تم نے انکار کر دیا تھا۔

﴿۵۳﴾ "قالوا لا توجل" یعنی نہ ڈرو۔ "انا نبشرک" بلکہ ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں حمزہ نے اس کو واحد "نبشرک" نون کے فتحہ باء کے ساکن اور شین کے ضمہ اور بغیر تشدید کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے "نُبَشِّرُکَ" نون کے ضمہ باء کے فتحہ کسر مکسور مشدد کے ساتھ پڑھا ہے۔ "بغلام عليم" ایسے غلام کی جو چھوٹی عمر میں لڑکا ہوگا اور بڑی عمر میں بڑا عالم ہوگا۔ اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ میں بھی بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی بوڑھی ہے۔

﴿۵۴﴾ "قال أبشرتموني" ہم آپ کو لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ "على أن مسني الكبر" ہمارے بڑھاپے کی حالت میں ہمیں خوشخبری دیتے ہو۔ "فبم تبشرون" کس چیز سے خوشخبری دیتے ہو۔ نافع نے نون کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "تبشرونِ" اور ابن کثیر کے نزدیک کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ "تبشرونني" نون کو نون میں مدغم کر کے پڑھا اور دوسرے قراء نے نون کے فتحہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا۔

﴿۵۵﴾ "قالوا بشرناک بالحق" اس سے مراد سچائی ہے۔ "فلا تكن من القانطين"

﴿۵۶﴾ "قال ومن يقنط" ابوعمر، کسائی، یعقوب رحمہم اللہ نون کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا،

اس میں دولغتیں ہیں۔ "قنط، یقنط" باب ضرب "قَنِط یقنط" اور باب سمع سے۔ یعنی مایوس نہ ہو۔ "من یقنط من رحمۃ ربہ الا الضالون" اس سے مراد خسارہ پانے والے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا ایسا کبیرہ گناہ ہے جیسا غضب سے بے فکر ہو جانا۔

57 "قال" ان کو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ "فما خطبکم" تمہارا معاملہ کیا ہے۔ "أیھا المرسلون"

58 "قالو انا أرسلنا الی قوم مجرمین" اس سے مراد مشرکین ہیں۔

59 "الا ال لوط" ان کی تابعداری اور ان کے دین کے پیروکاروں کو "انا لمنجوھم اجمعین" رجم کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء حمزہ و کسائی نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

60 "الا امرأتہ" اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ "قدرنا" قضاء کے معنی میں ہے۔ "انھا لمن الغابرین" وہ عذاب باقی رہنے والوں میں شمار ہوگا۔ استثناء نفی سے اثبات کی طرف ہے اور اثبات سے نفی کی طرف۔ اس میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا استثناء کیا ہے کہ وہ بھی ان ہلاک شدگان میں شامل ہوں گی۔ ابوبکر رحمہ اللہ نے یہاں پر "قدرّنا" دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ نمل میں دال کی تخفیف کے ساتھ اور باقی قراء اس کو تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ 61 قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ 62 قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ 63 وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ 64 فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ 65 وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ 66 وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ 67 قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ 68 وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ 69 قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ 70

ترجمہ: پھر جب وہ فرشتے خاندان لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے کہنے لگے کہ تم تو اجنبی آدمی (معلوم ہوتے ہو انہوں نے کہا نہیں ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جایئے اور آپ سب کے پیچھے ہو لیجئے اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھے اور جس جگہ (جانے) کا تم کو حکم ہوا ہے اس طرف سب چلے جانا اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ان کی بالکل جڑ کٹ جاوے گی (یعنی بالکل ہلاک ہو جاویں گے) اور شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے پہنچے لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو فضیحت مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے۔

تفسیر: 61 "فلما جاء آل لوط المرسلون"

62 "قال" ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے کہا "انکم قوم منکرون" میں تمہیں نہیں جانتا۔

63 "قالوا بل جئناک بما کانوا فیه یمترون" کہ آپ اس عذاب کے بارے میں شک کرتے تھے وہ عذاب لے کر آئے ہیں کیونکہ ان کے لیے عذاب کا وعدہ کیا گیا اور آپ ان کی تصدیق نہیں کریں گے۔

64 "و آتیناک بالحق" یقینی طور پر وہ اس عذاب کو لیکر آئے ہیں۔ "و انا لصادقون"

65 "فاسر باهلک بقطع من اللیل و اتبع أدبارهم" ان کے پیچھے۔ "و لا یلتفت منکم احد" یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی عذاب سے بچ کر نہ نکلے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے علامت بیان کی ہے جو آل لوط میں سے جو نجات یافتہ ہوں گے۔ "و امضوا حیث تؤمرون" ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام کو چلے جاؤ۔ مقاتل رحمہ اللہ کے نزدیک زغر مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اُردن مراد ہے۔

66 "و قضینا الیه ذلک الامر" ہم نے لوط علیہ السلام کے پاس یہ حکم بھیجا کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہونے سے پہلے ہی جڑ سے کاٹ دی جائے ہم نے اس کام کا فیصلہ کیا اور عمل کیا جو قوم لوط کے متعلق حکم دیا گیا۔ "أنّ دابر هولاء" عبداللہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قرأت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں وابر حولاء سے مراد ان کے اُصول ہیں۔ یعنی ان کی جڑ بھی ختم کر دی جائے گی۔ "مقطوع" جڑ سے ان کو کاٹا گیا۔ "مصبحین" جب صبح داخل ہو جائے۔

67 "و جاء اهل المدینة" اس سے سدوم بستی مراد ہے۔ "یستبشرون" لوط علیہ السلام کے مہمانوں نے۔ یعنی اس بستی کے بعض لوگ بعضوں کو اپنی خواہشات کے پیش نظر ایک دوسرے کو خوشخبری دینے لگے۔

68 "قال" حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا "انّ هؤلاء ضیفی" میزبان کے اوپر یہ حق ہے کہ وہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرے، ان کا اکرام کرے۔ "فلا تفضحون" ان کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو۔

69 "و اتقوا الله و لا تخزون" ان کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کرو۔

70 "قالوا أولم ننهک عن العالمین" کیا ہم ان کو تمہارے کہنے پر چھوڑ دیں باوجود یکہ ہم تمہیں اس معاملے میں پہلے منع کر چکے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کو اس بات سے منع نہیں کیا تھا کہ کسی اجنبی خوبصورت کو اپنے شہر میں پناہ نہ دو۔ ہم تو ان سے جو چاہتے ہیں کریں گے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ 71 لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ 72 فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ 73 فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ 74 اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ 75 وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ 76 اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ 77 وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ 78 فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ 79 وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ 80

ترجمہ: لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے بس سورج نکلتے نکلتے ان کو آواز سخت نے آ دبایا پھر ہم نے ان بستیوں کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی حیرت ہے اور بن والے (یعنی شعیب علیہ السلام کی امت بھی) بڑے ظالم تھے سو ہم نے ان سے (بھی) بدلہ لیا اور دونوں (قوموں) کی بستیاں صاف سڑک پر (واقع) ہیں اور حجر والوں نے (بھی) پیغمبروں کو جھوٹا بتلایا۔

تفسیر: ⑪ "قال هؤلاء بناتی" یہ تمہارے لیے حلال بیویاں ہیں اگر تم قبول کرو تم حلال کو اختیار کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔ "ان کنتم فاعلین" جس کام میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔ یہاں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے مردوں کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہا کیونکہ نبی اپنی اُمت کے لیے والد کی جگہ ہوتا ہے۔

⑫ "لعمرک" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری زندگی کی قسم "انهم لفی سکرتهم" حیرانگی اور اپنی گمراہی میں مست ہیں۔ "یعمهون" شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ لعب ولہو میں پڑے ہوئے ہیں۔

ابوالجوزاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز اللہ نے کسی اور کی جان نہیں پیدا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

⑬ "فاخذتهم الصیحة مشرقین" جب سورج ظاہر ہوا۔ عذاب کی ابتداء اس وقت ہوئی جب صبح ہوئی، اس وقت عذاب کی ابتداء ہوئی اور اس کا اختتام جب ہوا جب سورج طلوع ہو رہا تھا۔

⑭ "فجعلنا عالیها سافلها وأمطرنا علیهم حجارةً من سجیل"

⑮ "انّ فی ذلک لآیات للمتوسمین" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس سے مراد دیکھنے والے اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے شناخت کرنے والے، قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد عبرت حاصل کرنے والے۔ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا غور کرنے والے۔

⑯ "وانها" قوم لوط کی بستی "لبسبیل مقیم" واضح راستہ۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے ایسا راستہ جس کے نشانات واضح ہوں، مٹے ہوئے نہ ہوں نہ اس میں کوئی خفا ہو اور نہ ہی اس راستے سے بھول جانے کا اندیشہ ہو۔

⑰ "انّ فی ذلک لآیة للمؤمنین"

⑱ "وان کان" اور تھے ایکہ بستی والے "اصحاب الایکة" اس سے مراد گھنے درخت جھاڑی والے "لظالمین" کافر تھے۔ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو گھنے جنگل میں رہتی تھی وہاں عموماً درخت گوگل کے تھے۔

⑲ "فانتقمنا منهم" ہم نے عذاب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن گرمی کو مسلط کیا۔ پھر ان پر ایک بادل نمودار ہوا، لوگ آرام لینے اور کچھ سانس لینے کے لیے بادل کے نیچے آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بادل سے آگ برسائی اور سب جل بھن کر خاک

ہوگئے۔ اس عذاب کو عذاب یوم الظلہ کہا گیا۔ "فاخذھم عذاب یوم الظلة"...... "وانھما" قوم لوط اور اصحاب الایکہ یعنی سدوم اور ایکہ "لبامام مبین" کھلا ہوا راستہ واضح راستہ جس کو دیکھ کر مکہ والے عبرت حاصل کر سکتے تھے۔

⑧⓪ "ولقد کذّب اصحاب الحجر" اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ "المرسلین" اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی تصدیق حضرت صالح علیہ السلام نے کی۔ یہاں لفظ جمع کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ جس نے ایک رسول کی تکذیب کی۔ گویا اس نے سب کی تکذیب کی۔

وَاٰتَیۡنٰھُمۡ اٰیٰتِنَا فَکَانُوۡا عَنۡھَا مُعۡرِضِیۡنَ ⑧① وَکَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ ⑧② فَاَخَذَتۡھُمُ الصَّیۡحَةُ مُصۡبِحِیۡنَ ⑧③ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡھُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ⑧④ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ ⑧⑤ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ⑧⑥ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ⑧⑦ لَاتَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡھُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡھِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ⑧⑧

ترجمہ اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں سو وہ لوگ ان سے روگردانی (ہی) کرتے رہے اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کران میں گھر بناتے تھے کہ امن میں رہیں سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے آ پکڑا سو ان کے (دنیوی) ہنر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کی درمیانی چیزوں کو بغیر مصلحت کے نہیں پیدا کیا اور ضرور قیامت آنے والی ہے سو آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق بڑا عالم ہے اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھیے۔

تفسیر ⑧① "وآتیناھم آیاتنا" آیات سے مراد اونٹنی اور اس کا بچہ ہے۔ پتھر سے اونٹنی کا برآمد ہونا اور بچہ دینا اور اس کا دودھ بکثرت سے ہونا۔ "فکانوا عنھا معرضین"

⑧② "وکانوا ینحتون من الجبال بیوتاً آمنین" وہ لوگ پہاڑ تراش تراش کران میں گھر بناتے تھے کہ امن میں رہیں۔

⑧③ "فاخذتھم الصیحة" اس عذاب کی چیخ "مصبحین" وہ اسی بستی میں داخل ہوئے صبح کے وقت۔

⑧④ "فما اغنی عنھم ما کانوا یکسبون" شرک اور برے اعمال ان کو اس عذاب سے نجات نہ دلا سکے۔ سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے حجر میں سے گزر رہے تھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ان کی بستی میں داخل ہو تو روتے ہوئے جانا

کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جوان پر آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اونٹنی پر سوار تھے، چادر سے منہ چھپا کر تیزی کے ساتھ اونٹنی کو دوڑاتے ہوئے وادی سے گزر گئے۔ یہ قول عبدالرزاق نے معمر رحمہما اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

85 "وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینهما الا بالحق وانّ الساعة" اس سے مراد قیامت ہے۔ "لاٰتیة" اس دن احسان کرنے والے کو احسان کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور برائی کرنے والے کو برا بدلہ دیا جائے گا۔ "فاصفح الصفح الجمیل" آپ ان سے اعراض کریں اور ان سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کیجئے۔

86 "انّ ربک هو الخلّاق العلیم" اپنی مخلوقات کو خوب جاننے والا ہے۔

87 "ولقد آتیناک سبعًا من المثانی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مثانی سے مراد سورۃ فاتحہ لی ہے۔ یہی قول قتادہ، عطاء، حسن اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے۔

سبع مثانی اور قرآن عظیم کی تفسیر میں مختلف اقوال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُم القرآن وہ سات آیات ہیں اور مثانی بار بار پڑھی جانے والی ہے۔

"والقرآن العظیم" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبع مثانی سے مراد فاتحۃ الکتاب ہے اور قرآن عظیم ہے۔ سورۃ فاتحہ کو مثانی کیوں کہتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن، قتادہ کے نزدیک نماز میں بار بار یعنی ہر رکعت میں اس کو پڑھا جاتا ہے، اس لیے مثانی کہا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس کو مثانی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بندے اور اللہ کے درمیان تقسیم کی گئی ہے۔ اس میں آدھی تو بندے کے لیے دُعا ہے اور آدھی رب تعالیٰ کی ثناء ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میں نے صلوٰۃ (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے لیے آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے۔

حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو مثانی اس وجہ سے کہا گیا کہ اس کا نزول دو مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ ہر دفعہ اس کے نزول کے وقت ستر (۷۰) ہزار فرشتے نازل ہوئے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کو مثانی اس وجہ سے کہا گیا کہ اللہ نے اسی سورۃ کا استثناء فرمایا اور اس کو اپنے پاس ذخیرہ رکھا اور سوائے اس اُمت کے کسی اور اُمت کو نہیں دیا۔ ابو زید بلخی کا قول ہے کہ اس کو سبع مثانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ سورۃ بھی شریروں اور بدکاروں کو بدکاری سے پھیر دیتی ہے۔ جیسا کہ عرب میں کہتے ہیں "ثنیت العنان" میں نے لگام کو پھیر دیا، موڑ دیا۔ بعض نے کہا کہ مثانی ثناء سے ہے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سبع مثانی سے مراد سبع طوال ہیں۔ ان میں پہلی سورۃ البقرۃ اور آخری سورۃ الانفال بمع سورۃ توبہ کے۔ بعض نے کہا کہ سورۃ یونس ہے انفال کی جگہ پر۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توریت کی جگہ سبع

طوال عطا فرمائے اور "مئین" عطا کی انجیل کی جگہ پر اور زبور کی جگہ مثانی عطا فرمائی اور مفصلات کے ساتھ مجھے فضیلت دی گئی۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع طوال عطا کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھے عطا کی گئی تھیں۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں تو دو سورتیں اُٹھالی گئیں چار باقی رہ گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مثانی کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان ساتوں سورتوں میں فرائض، حدود و امثال، خیر و شر اور عبرت آفریں الفاظ کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔

اور طاؤس رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قرآن سارا کا سارا مثانی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھا مثانی**" قرآن کو مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں واقعات وقصص کا بیان لوٹ لوٹ کر بار بار کیا گیا ہے۔ اس قول کی بناء پر سبع سے مراد سات سورتیں ہوں گی۔ اس تقدیر کی بناء پر اس سے مراد قرآن عظیم ہے اور بعض نے کہا کہ "**سبعاً من المثانی**" اور قرآن عظیم مراد ہے۔

⑧⑧ "**لاتمدن عینیک**" یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "**الی ما متعنا به ازواجاً**" اس سے مراد جوڑے ہیں۔ "**منھم**" کفار کو جن چیزوں سے نوازا آپ ان کی طرف رغبت اور طمع کی نظر سے نہ دیکھیں۔ (آپ کو جو قرآن دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں یہ ساری نعمتیں حقیر ہیں)۔ "**ولا تحزن علیھم**" تم کو جو کافروں کی طرح دُنیا میں عیش وعشرت نہیں ملی اس کی وجہ سے کچھ رنج نہ کرو۔ جہم بن اوس بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی مریم سے سنا۔ یہ عبداللہ بن رستم کے پاس سے گزرے کہ انہوں نے ابن ابی مریم سے کہا کہ میں آپ کی مجلس میں بیٹھنا چاہتا ہوں اور آپ کی باتیں سننا چاہتا ہوں، جب یہ چلے گئے تو ابن مریم نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کرو، تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کو کیا پیش آئے گا۔ اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے جو نہیں مرے گا۔ وہب بن منبہ کو جب اس حدیث کی اطلاع ملی تو انہوں نے ابوداؤد اعور کو بھیج کر دریافت کرایا کہ نہ مرنے والے قاتل کا کیا مطلب ہے؟ ابن ابی مریم نے کہا اس سے مراد ہے دوزخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اوپر والے کو نہ دیکھو، اللہ کی جو نعمت تم کو حاصل ہے اس کو حقیر نہ سمجھنے کے لیے یہی زیادہ مناسب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت ماقبل کے ساتھ متصل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن کی نعمت دے کر احسان فرمایا تو اس رغبت فی الدنیا سے منع فرمایا۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "**لیس منا من لم یتغن بالقرآن**" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن کی نعمت پا کر بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿89﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿90﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿91﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿94﴾ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴿95﴾

ترجمہ اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا (تم کو عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں جیسا ہم نے (درعذاب) ان لوگوں پر نازل کیا ہے جنہوں نے حصے کرر کھے تھے یعنی آسمان کتاب کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے سو آپ کے پروردگار کی قسم (یعنی اپنی) ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو (تو) صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے یہ لوگ جو ہنستے ہیں۔

تفسیر ﴿89﴾ "وقل انی أنا النذیر المبین"

﴿90﴾ "کما انزلنا علی المقتسمین" فراء کا قول ہے تمہارا ان کو عذاب سے ڈرانا جائز ہے جیسے "مقتسمین" کے عذاب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

﴿91﴾ "الذین جعلوا القرآن عضین" یعنی اس کے اجزاء اور اعضاء کردیئے۔ یعنی بعض پر وہ ایمان لے آئے اور بعض کا انکار کیا۔

مقتسمین اور عضین کی مختلف تفسیریں

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "المقتسمین" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور قرآن سے مراد وہ کتابیں ہیں جو اہل کتاب پڑھتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتاب کو پہچان تو لیا تھا مگر اس کو چھوڑ دیا تھا۔

بعض علماء نے کہا کہ "المقتسمین" سے مراد ہیں قرآن کے متعلق مختلف خیالات رکھنے والے کافر، کوئی قرآن کو جادو کہتا تھا کوئی شاعری، کوئی کہانت اور کوئی داستان پارینہ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اقتسام سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے اقوال بٹے ہوئے تھے، کوئی آپ کو جادوگر کہتا تھا کوئی شاعر، کوئی کاہن۔

مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ولید اور مغیرہ نے سولہ آدمی مکہ کی گھاٹیوں، مختلف راستوں اور موریوں پر اس غرض سے مقرر کردیئے تھے کہ جو کوئی باہر سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس سے کہہ دیں کہ تم اس کے فریب میں نہ آنا، مقرر کردہ لوگوں میں سے کچھ لوگ تو کہیں یہ شخص دیوانہ ہے، کچھ کہیں کہ کاہن ہے اور کچھ شاعر کہیں خود ولید کعبہ کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا تھا، جب اس سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ ساحر کچھ شاعر کچھ مجنون کہتے ہیں، تمہارا کیا فیصلہ ہے، ولید نے کہا یہ سب باتیں ٹھیک ہیں سب لوگ سچ کہتے ہیں۔

"عضین" اس کی اصل عضوۃ ہے۔ اسی سے "عضی الشاۃ" بولا جاتا ہے۔ بکری کے اعضاء جدا جدا کردیئے۔ اب اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو اجزاء اجزاء کردیا تھا۔ بعض نے اس کو جادو کہا اور بعض نے اس کو کہانت اور بعض نے اس کو

پچھلوں کی کہانیاں اور بعض نے کہا کہ یہ "عضة" کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے "عضة وعضين" اور بعض نے کہا کہ "عضين عضة" کی جمع ہے اور "عضة" کی اصل "عضهة" تھی جیسے "شفة" اصل میں "شفهة" تھا اور اس کی تصغیر "شفيهة" ہے۔

یہاں "عضة" سے مراد جھوٹ اور بہتان ہے اور بعض نے کہا "عضين عضة" سے مشتق ہے سحر کو کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس قرآن کا نام جادو رکھ دیں۔

⑨② "فوربك لنسالنهم أجمعين" قیامت کے دن ضرور بضرور ان سے پوچھا جائے گا۔

⑨③ "عما كانوا يعملون" محمد بن اسماعیل بخاری کا قول ہے کہ متعدد علماء کے نزدیک "عما كانوا يعملون" سے مراد ہے۔ لا الٰه الا الله کہ ہم اس کی باز پرس کریں گے۔ سوال کیا جائے کہ اس آیت اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے درمیان کیا تطبیق ہوگی۔ "فيومئذٍ لا يسال عن ذنبه انس ولا جان" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے علم سے باخبر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ ضرور پوچھے گا تا کہ یہ عمل تم نے ایسا کیوں کیا اور قطرب نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا کہ سوال کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم حاصل کرنے کے لیے جس کو استفہامیہ سوال کیا جاتا ہے۔

(۲) زجر و توبیخ کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فيومئذٍ لايسال عن ذنبه" اس سے مراد استعلاء ہے۔ "لنسألنهم اجمعين" میں زجر و توبیخ کے لیے سوال کرنے کی صراحت ہے۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کا دن بہت طویل ہے جس میں متعدد مواقف راہ اور روکے جانے کے مقامات ہوں گے۔

بعض مقامات پر اعمال کی باز پرس ہوگی۔ بعض مقامات پر کوئی سوال نہ ہوگا۔ یہی تاویل ان آیات کی ہے جس میں بولنے اور نہ بولنے کا تضاد معلوم ہوتا ہے۔ ایک آیت میں ہے "هذا يوم لا ينطقون" اور دوسری آیت "ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون" قیامت کے دن تم رب کے پاس جھگڑا کرو گے۔

فاصدع بما تومر کی مختلف تفاسیر

⑨④ "فاصدع بما تؤمر" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ظاہر کر دو، اللہ نے اپنے رسول کو اظہار دعوت کا حکم دیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا کام کر گزریے۔ ضحاک نے کہا کہ اطلاع دیدو، اعلان کردو، اخفش نے کہا کہ قرآن کے ذریعے حق کو باطل سے جدا کر دو، سیبویہ نے کہا کہ جیسا تم کو حکم دیا جارہا ہے اس کے موافق فیصلہ کرو۔

لغت میں صدع جدا کرنے اور فرق کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے دعوت کے اظہار کرنے کا حکم دیا ہے۔ عبداللہ بن عبیدہ کی روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام و

ایمان کی دعوت پوشیدہ دیا کرتے تھے۔اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے ساتھی کھل کر سامنے آگئے۔"واعرض عن المشرکین" سے یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔

⑨⑤"انا کفیناک المستھزئین" اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم پکار کر سناؤ، اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو، تمہارے لیے اللہ کافی ہے، تمہارے دشمنوں سے جیسے اللہ کافی ہے مذاق کرنے والوں کے متعلق۔

استہزاء کرنے والے قریش کے بڑے بڑے سرغنہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنے والے رؤسا قریش کی تعداد پندرہ تھی۔ولید بن مغیرہ یہ سب گروہ کا سرغنہ تھا اور دوسرے سردار عاص بن وائل سہمی، اسود بن مطلب بن حارث بن اسعد بن عبد العزی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددُعا کی تھی اور فرمایا تھا "اللّٰھم اعم بصرہ" اے اللہ! اس کو اندھا کردے، اس کو لاولد کردے۔اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرۃ۔حارث بن قیس بن الطلالۃ۔

حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت ٹھٹھا کرنے والے کعبہ کا طواف کررہے تھے۔ولید بن مغیرہ آپ کی طرف سے گزرا، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوگئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے نزدیک یہ کیسا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا برا بندہ ہے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ کا کام پورا کردیا گیا۔پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا۔چنانچہ ایک روز ولید کسی خزاعی آدمی کی طرف سے ہوکر نکلا، وہ شخص اپنے تیروں کے پَر ٹھیک کررہا تھا۔ولید اس وقت یمنی چادر اوڑھے تہبند زمین میں کھینچتا ہوا چل رہا تھا۔خزاعی شخص کے تیر کی بوری ولید کے تہبند سے اٹک گئی۔انتہائی غرور کے ساتھ نیچے جھک کر بوری کو تہبند سے نکالنا گوارہ نہ کیا اور زور سے اپنی پنڈلی کو دے پٹکا، بوری سے پنڈلی میں خراش لگ گئی اور اسی خراش سے یہ مرگیا۔

اسی طرح عاص بن وائل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ یہ کیسا بندہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، بُرا بندہ ہے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عاص کے پاؤں کے تلووں کی طرف اشارہ کرکے کہا آپ کا کام ہوگیا۔چنانچہ ایک روز عاص تفریح کرنے کے لیے اونٹنی پر سوار ہوکر اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر مکہ سے باہر نکلا اور کسی گھاٹی میں جاکر اُترا، وہاں کپڑے کا کوئی ٹکڑا تھا، عاص نے اس پر قدم رکھا، کپڑے میں کوئی کانٹا تھا، کانٹا اس کے تلووے میں چبھ گیا۔عاص فوراً چلایا کہ مجھے کسی کیڑے نے ڈس لیا، لوگوں نے تلوے کو دیکھا لیکن ڈھونڈنے کے بعد بھی کوئی چیز نظر نہ آئی، ٹانگ سوج کر اونٹ کی گردن کی طرح ہوگئی، آخر وہیں اسی وقت واصل جہنم ہوگیا۔

اسی طرح اسود بن مطلب کا گزر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کرنے

پر جواب دیا کہ یہ بُرا بندہ ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے کی طرح کہا اور اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ نابینا ہوگیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک سبز پتہ اسود پر مارا، اس سے وہ اندھا ہوگیا اور آنکھوں میں اتنا درد ہوا کہ وہ اپنا سر دیوار پر مارنے لگا، آخر وہ اسی مرض میں مرگیا۔

کلبی رحمہ اللہ کی روایت کا بیان ہے کہ اسود اپنے غلام کے ساتھ درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اس کا سر درخت کے ساتھ پٹخنے لگے اور منہ پر کانٹے مارنے لگے۔ اسود نے خوب شور برپا کیا اور غلام سے مدد طلب کی۔ غلام نے کہا کہ مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا، آپ خود ہی یہ حرکت کررہے ہیں، اس پر وہ کہنے لگا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے قتل کردیا، یہ کہتے کہتے مرگیا۔

اور اسود بن یغوث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ فرمایا یہ بُرا بندہ ہے۔ باوجود یہ کہ میرے ماموں کا بیٹا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ اس کے متعلق فکرمند مت ہوئیے اور اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا استسقاء بطن ہوگیا اور مرگیا۔

کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ اسود گھر سے نکلا، باہر گرمی کی لُو لگ رہی تھی، لُو لگنے سے اس کا رنگ کالے حبشی کی طرح ہوگیا، گھر کو لوٹا تو گھر والوں نے اسے پہچانا بھی نہیں اور باہر نکال کر دروازہ بند کرلیا۔ اسی حالت میں وہ مرگیا اور مرتے مرتے کہتا رہا مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے قتل کیا ہے۔

حارث بن قیس کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا تھا کہ یہ بُرا بندہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حارث کے سر کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا کہ آپ کا کام کردیا گیا۔ اب آپ کو ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کی ناک سے پیپ کی ریزش ہونے لگی، اسی سے وہ بھی مرگیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حارث بن قیس نے نمکین مچھلی کھائی تھی جس سے پیاس کی شدت ہوگئی اور برابر پانی پیتا رہا۔ آخر پیٹ پھٹ گیا اور وہ مرگیا۔ اس آیت "انّا کفینٰک المستھزئین" کا مطلب یہی ہے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿97﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿98﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿99﴾

ترجمہ: (اور) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے ہم کافی ہیں سو ان کو بھی معلوم ہوا جاتا ہے اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے تھے اس سے آپ تنگدل ہوتے ہیں سو (اس کا علاج یہ ہے) کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہئے اور آپ اپنے رب کی

عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جاوے۔

تفسیر ⑯ "الذین یجعلون مع اللّٰہ الٰھا اٰخر فسوف یعلمون"

بعض نے کہا کہ وہ لوگ استہزاء اور بعض قرآن کو مانتے اور بعض کو نہ مانتے یعنی تقسیم کرتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ، سورۃ نحل، سورۃ نمل اور سورۃ عنکبوت نازل فرمائی تو یہ لوگ جمع ہو کر کہنے لگے اور قرآن کے متعلق مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے کہ یہ سورۃ البقرہ ہے یہ سورۃ النمل ہے اور کہتے دیکھو یہ سورۃ عنکبوت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

⑰ "ولقد نعلم انّک یضیق صدرک بما یقولون

⑱ فسبح بحمد ربّک" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے۔ "وکن من الساجدین" ساجدین سے مراد ہیں تواضع اور اظہار فروتنی کرنے والے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "فسبح بحمد ربّک" سے مراد سبحان اللہ اور "من الساجدین" سے مراد نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل کام پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف رجوع فرماتے۔

⑲ "واعبد ربّک حتّٰی یاتیک الیقین" یقین سے مراد ہے موت۔ یعنی ہر زندہ کے لیے موت کا آنا یقینی ہے۔ ایسا ہی سورۃ مریم میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا "او صانی بالصلٰوۃ والزکٰوۃ ما دمت حیًّا"

حضرت جبیر بن نفیر کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے مال جمع کرنے اور تاجر نہ بن جانے کا حکم بذریعہ وحی نہیں دیا گیا بلکہ میرے پاس تو وحی بھیجی گئی کہ "سبح بحمد ربّک وکن من الساجدین واعبد ربّک حتّٰی یاتیک الیقین"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر کو مینڈھے کی کھال اوڑھے اور اسی کا نطاق باندھے سامنے سے آتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا، اس کو دیکھو، اللہ نے اس کے دل کو نورانی کر دیا۔ میں نے وہ وقت بھی اس کا دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ قسم کی غذا کھلاتے پلاتے تھے۔ ایک جوڑا اس کے بدن پر دو سو درہم کا تھا لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اس کی یہ حالت کر دی جو تمہارے سامنے ہے۔ واللہ اعلم

سُورۃ النّحل

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں ایک سو اٹھائیس آیات ہیں۔ سوائے آخری تین آیات کے
"وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" سے آخر سورۃ تک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ❶ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ❷

ترجمہ خدا تعالیٰ کا حکم آ پہنچا سوتم اس میں جلدی مت مچاؤ وہ لوگوں کے شرک سے پاک و برتر ہے وہ فرشتوں (کی جنس یعنی جبرئیل) کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں (یعنی انبیاء پر) نازل فرماتے ہیں یہ کہ خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو مجھ سے ڈرتے رہو۔

تفسیر ❶ "اتی" اللہ کا حکم آ گیا اور قریب آ گیا۔ "امر اللہ" ابن عرفہ نے کہا کہ جس چیز کی یقینی توقع ہو عرب اس کے لیے کہتے ہیں وہ چیز ہوگئی یا وہ کام بعد میں متوقع پذیر ہونے والا ہو اس کو ماضی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کا امر آ گیا۔ "فلا تستعجلوہ" اس کے وقوع پذیر ہونے میں جلدی نہ کرو۔ "امر اللہ" کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے "اقتربت الساعة" تو کفار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شخص کہتا ہے کہ پچھلی گھڑی قریب آ گئی تم اپنے بعض کاموں کو چھوڑ دو تاکہ تم بھی دیکھ لو کہ آخر کیا ہونے والا ہے۔ جب کوئی چیز نازل نہ ہوئی تو کہنے لگے تم جس چیز سے ہم کو ڈرا رہے ہو اس کا تو نام ونشان بھی نہیں پیدا ہوا۔ اس پر آیت "اقترب للناس حسابهم" نازل ہوئی۔ یہ آیت سن کر کافر خوفزدہ ہوگئے۔ پھر کچھ مدت تک مزید انتظار کیا لیکن طویل انتظار کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہم کو ڈراتے ہو اور ہوا کچھ بھی نہیں اس وقت "اتی امر اللہ" نازل ہوئی۔ اس جملہ کے سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے جلدی کھڑے ہوئے اور لوگوں نے اپنا سر اوپر اُٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی۔ اس پر "فلا تستعجلوہ" نازل ہوا۔ اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا۔ استعجال کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو ان دونوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ قریب ہے کہ وہ مجھ تک سبقت کر جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا گیا اور اثناء راہ میں آپ آسمان والوں کی طرف سے گزرے تو اہل سماوات نے کہا اللہ اکبر قیامت برپا ہوگئی اور بعض نے کہا کہ امر سے مراد یہاں جھٹلانے والوں کی سزا اور عذاب تلوار کے ذریعے۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ نضر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کردے۔ پس کافروں نے وقت سے پہلے عذاب کی مانگ کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نضر کو بدر کے دن قتل کیا گیا۔

"سبحانه و تعالٰی عما یشرکون" جن اوصاف کے ساتھ یہ مشرکین متصف کرتے ہیں اللہ ان سے پاک ہے۔

② **"ینزل الملائکة"** عام قراء نے یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ **"والملائکة"** منصوب ہے۔ یعقوب نے تاء کے فتحہ کے ساتھ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ اور والملائکہ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ **"بالروح"** اس سے مراد وحی ہے اس کو روح کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ اس سے دل اور حق زندہ ہوتا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نبوت مراد ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد رحمت ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں روح سے مراد مع الروح ہے اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ **"من امرہ علی من یشاء من عبادہ أن انذروا"** تم جان لو۔ **"انه لا الٰه الا أنا فاتقون"** اس کا معنی ہے کہ ان کو حکم کرو، اس فرمان (لا الٰہ الا اللہ) کے ساتھ اور ڈراؤ، خوف دلاؤ قرآن کے ساتھ۔ اگر وہ ایسا کلمہ نہ کہیں تو پھر ان کو ڈراؤ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ⑤ وَلَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ⑦ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧

(ترجمہ) آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے بنایا وہ ان کے شرک سے پاک ہے (اور) انسان کو نطفہ سے بنایا پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا اور اسی نے چوپایوں کو بنایا اس میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ (ان کو) شام کے وقت لاتے ہو اور جبکہ (ان کو) صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ بھی (لاد کر) اپنے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدوں جان کو محنت میں ڈالے ہوئے (خود بھی) نہیں پہنچ سکتے تھے واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تا کہ ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

تفسیر ③ "خلق السمٰوٰت والارض بالحق تعالٰی عمّا یشرکون" ان کے شرک سے اللہ تعالیٰ بالاتر ہے۔

④ "خلق الانسان من نطفۃٍ فاذا ھو خصیم" باطل پر جھگڑنے والا۔ "مبین" اس آیت کا نزول ابی بن خلف جمحی کے متعلق ہوا کہ یہ بعث بعد الموت کا منکر تھا۔ یہ ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ کیا آپ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، اس کے لیے اللہ رب العزت نے "وضرب لنا مثلاً و نسی خلقہ" نازل فرمائی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے اور اس میں قدرت کا بیان ہے اور جو قبیح فعل کرتے تھے اس کو ظاہر کر دیا کہ اللہ نے ان پر جو نعمتیں کی ہیں ان پر انکار کرتے ہیں۔

⑤ "والانعام خلقھا" انعام سے مراد ابل، گائے، بکریاں ہیں۔ "لکم فیھا دِفْءٌ" جانوروں کے بال، اون کو تم لباس بنا کر پہنتے ہو اور کمبل وغیرہ سردی سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہو۔ "ومنافع" اس سے مراد افزائش نسل، دودھ، باربرداری، سواری کے منافع ہیں۔ "ومنھا تاکلون" یعنی ان کے گوشت تم کھاتے ہو۔

⑥ "ولکم فیھا جمال" اس سے مراد زینت ہے۔ "حین تریحون" جب تم اپنے چوپایوں کو شام کے وقت چرا کر لاتے ہو۔ "وحین تسرحون" جب تم صبح کے وقت اپنے گھروں سے چراگاہ کی طرف چرانے کے لیے لے جاتے ہو۔ یہاں رواح کو مقدم کیا کیونکہ منافع راحت کے بعد لی جاتی ہیں اور مالک کو اپنا منافع لے کر اس کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

⑦ "وتحمل اثقالکم" سامان کو لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔ "الی بلد" دوسرے شہر لے جاتے ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بلد سے مراد مکہ ہے۔ "لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس" بوجھ اُٹھانے کی مشقت اور کوشش۔ شق کہتے ہیں کسی چیز کے دو حصے کر دینا۔ تم ان تک نہیں پہنچ سکتے مگر نقصان کے ساتھ، جسم کی تکلیف کے ذریعے یا سامان کے نقصان کے ذریعے۔ ابوجعفر کا قول ہے کہ "بشَق شین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں۔ مثل رَطل اور رِطل کے۔

"انّ ربکم لرؤف رحیم" یہ منافع تمہارے لیے پیدا کیے۔

⑧ "والخیل" اور گھوڑے کو پیدا کیا۔ اس سے مراد جنس ہے نہ کہ ایک ہی اونٹ۔ جیسے کہ نساء جنس ہے اور سماء جنس ہے۔ "والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ" اور ان کو تمہارے لیے زینت بنایا ان منافع کے ساتھ ساتھ۔

گھوڑے اور خچر کے گوشت کا حکم

اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کا استدلال کیا گیا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت میں سواری کرنے کا حکم دیا نہ کہ کھانے کا۔ یہی قول امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا ہے اور ایک جماعت نے گھوڑے کے گوشت کھانے کو مباح قرار دیا۔ یہ قول حسن، شریح، عطاء، سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے اور یہی قول امام شافعی اور اسحاق رحمہما اللہ کا ہے جو حضرات اس کی اباحت کے قائل ہیں ان کے نزدیک آیت کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی حلت وحرمت بیان نہیں کی بلکہ اپنے بندوں پر اپنے انعامات کو جتلایا ہے اور اپنے بندوں پر متنبہ کیا ہے اپنی کمال قدرت وحکمت کو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گدھے کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کھانے کی رُخصت دی۔ عطاء بن ابی الرباح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گھوڑے کا گوشت کھاتے تھے اور خچر وگدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ خالد بن ولید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ "**ویخلق مالا تعلمون**" یعنی جنت میں مؤمنوں کے لیے اور دوزخ میں کافروں کے لیے ایسی ایسی راحتیں اور تکلیفیں پیدا کی ہیں جن کا تمہیں پتہ بھی نہیں نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی شخص کے دل میں اس کا خیال آیا۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نباتات میں گھن (ایک قسم کا کیڑا) کا لگنا اور پھلوں میں کیڑوں کا ہونا۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫

ترجمہ اور سیدھا رستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعضے رستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو (منزل) مقصود تک پہنچا دیتا وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس (کے سبب) سے درخت (پیدا ہوتے) ہیں جن میں تم چرنے چھوڑ دیتے ہو (اور) اس (پانی) سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل (زمین سے) اگاتا ہے بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے (توحید کی) دلیل (موجود) ہے اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو (اپنا) مسخر (قدرت) بنایا اور ستارے (بھی) اس کے حکم سے مسخر ہیں بیشک اس میں (بھی) لوگوں کے لئے چند دلیلیں (موجود) ہیں۔

تفسیر ⑨ "**وعلى الله قصد السبيل**" گمراہی سے ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کا بیان ہے۔ بعض نے کہا کہ حق کو بیان کرنا نشانیوں اور دلائل کے ساتھ اور قصد سے مراد صراطِ مستقیم ہے۔ "**ومنها جائر**" راہ مستقیم سے یا اللہ کے رُخ سے کٹا ہوا۔ "**قصد من السبيل**" سے مراد دین اسلام ہے اور "**جائر**" سے مراد یہودیت ونصرانیت ہے یا تمام مذاہب کفار ہیں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قصد السبیل سے شریعت اور فرائض کا بیان ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سہل

بن عبداللہ کے نزدیک قصد السبیل سے مراد سنت ہے اور ”ومنها جائر“ سے مراد خواہشات اور بدعات ہیں۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وأنّ هذا صراطي مستقيمًا فاتبعوه ولا تتبعوا السبل“...... ”ولو شاء لهداكم أجمعين“ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ولو شئنا لآتينا كل نفس هداها“ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک نفس کو ہدایت دے دیتے۔

⑩ ”هو الذي انزل من السماء ماء لكم منه شرابٌ“ جس سے تم پیتے ہو۔”ومنه شجر“ اس پانی کے ساتھ تم اپنے درختوں کو پلاتے ہو اور تمہاری کھیتی کا ذریعہ ہیں۔”فيه“ ان درختوں میں ”تسيمون“ اس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو۔

⑪ ”ينبت لكم“ نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ابوبکر نے عاصم کے حوالے سے ”ننبت“ نون کے ساتھ پڑھا ہے۔”الزرع والزيتون ...... تا ...... لقوم يتفكرون“

⑫ ”وسخر لكم“ تمہارے لیے ان کو مسخر کرلیا۔”الليل ...... تا ...... مسخرات“ ان تمام اشیاء کو تمہارے تابع کرلیا۔”بامره“ اس کے حکم سے حفص اور عاصم نے ”والنجوم مسخرات“ کو مرفوع پڑھا ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے۔”ان في ذلك لايات لقوم يعقلون“

وَمَا ذَرَاَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱

ترجمہ اور ان چیزوں کو بھی (بنایا) جن کو تمہارے لئے زمین میں اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں بیشک اس میں (بھی) سمجھدار لوگوں کے لئے دلیل (توحید موجود) ہے اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو (بھی) مسخر بنایا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے (موتیوں کا) گہنا نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس (دریا) میں (اس کا) پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم خدا کی روزی تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تا کہ وہ (زمین) تم کو لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے اور اس نے نہریں اور رستے بنائے تا کہ منزل مقصود تک پہنچ سکو اور بہت سی نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں سو کیا جو شخص پیدا کرتا ہو وہ اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کرسکتا پھر کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑬ ”وما ذرأ“ اور تمہارے لیے ان چیزوں کو پیدا کیا۔”لكم“ تمہارے لیے ان پیدا کی ہوئی اشیاء کو مسخر کیا۔

"فی الارض" خواہ ان پیدا کردہ اشیاء کا تعلق دواب کے ساتھ ہو، درختوں کے ساتھ ہو اور پھلوں کے ساتھ ہو وغیرہ۔ "مختلفًا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ "الوانه ان فی ذلک لایة لقوم یذکرون" اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

⑭ "وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منه لحمًا طریًّا" اس سے مراد مچھلی ہے۔ "وتستخرجوا منه حلیة تلبسونھا" حلیۃ سے مراد موتی اور زیور ہے۔ "وتری الفلک مواخر فیه" اس میں کشتیاں چلتی ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ہے آنے جانے والی۔ ایک جاتی ہے اور دوسری آتی ہے۔ باجود یہ کہ ہوا کی رفتار ایک ہی ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بھری ہوئی، فراء اور اخفش کا قول ہے پانی کو اپنے دونوں بازوؤں سے پھاڑنے والیاں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے ہواؤں کی رفتار کے سامنے سے کشتیاں آتی ہیں اور ہواؤں کو پھاڑتی ہیں۔ مخر اصل میں کہا جاتا ہے پانی کو پھاڑنا یا کشتی کی آواز۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی کو پیشاب کرنے کا ارادہ ہو تو ہوا کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی پیٹھ ہوا کے مقابل کر دو تا کہ ہوا پھٹ کر دائیں بائیں سے نکل جائے اور پیشاب بھی تمہارے جسم کی طرف عود کر کے نہ آئے۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ تیز ہوا چلنے کے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو مخر کہا جاتا ہے۔ "ولتبتغوا من فضله" اس کے ذریعے اپنا فضل (تجارت) تلاش کرو۔ "ولعلکم تشکرون" جب تم دیکھو کہ اللہ کی تمام بنائی ہوئی اشیاء تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں اس پر تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

⑮ "والقی فی الارض رواسی أن تمید بکم" تا کہ وہ حرکت نہ کرے اور ایک دوسرے کی طرف مائل نہ ہو۔ مید اضطراب کو کہا جاتا ہے اور اس پر کسی چیز کا نہ ٹھہرنا اور بعض نے کہا کہ اس سے وہ جگہ مراد ہے جہاں کشتیاں آ کر رکتی ہیں۔

وہب کا قول ہے جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ لرز رہی تھی۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہ تو اپنی پشت پر کسی کو قرار نہیں پکڑنے دے گی لیکن جونہی صبح ہوئی تو زمین کے اندر پہاڑ قائم ہو گئے اور فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کہاں سے پیدا ہوئے۔ "وانھارا وسبلًا" اور اس زمین میں مختلف قسم کی نہریں پیدا کی ہیں اور مختلف قسم کے راستے بنائے ہیں۔ "لعلکم تھتدون" تم ان راستوں کے ذریعے ہدایت کا راستہ حاصل کرو گمراہ ہونے سے بچو۔

⑯ "وعلامات" ان راستوں پر کچھ نشانیاں بھی بنائی ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہاں کلام پورا ہو گیا۔ آگے پھر نئے کلام کی ابتداء کی۔

وبالنجم ھم یھتدون کی مختلف تفاسیر

"وبالنجم ھم یھتدون" محمد بن کعب اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ علامات سے مراد پہاڑ ہیں۔ دن کے وقت پہاڑوں سے راستہ معلوم ہوتا ہے اور رات کے وقت ستاروں سے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد تمام ستارے ہیں جن کے ذریعے علامات پہچانی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ النجم سے مراد ثریا ہے بنات النعش اور دونوں فرقد، جدی ان سے لوگ راہ بھی معلوم کر لیتے ہیں

اور جہت قبلہ بھی اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین وجوہ سے پیدا کیا آسمان کی زینت کے لیے، راستے معلوم کرنے کے لیے اور شیطان کو مارنے کے لیے اور جن لوگوں نے کہا کہ ستاروں کو اس کے علاوہ بھی پیدا کیا تو انہوں نے تکلف سے کام لیا اور ان کے پاس اس کا علم بھی نہیں۔

⑰ "أفمن يخلق" اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا۔ "كمن لا يخلق" یعنی ان بتوں نے۔ "افلا تذكرون"

⑱ "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ان الله لغفورٌ" تمہارے گناہوں کی پاداش میں، وہ اپنی نعمتوں کو منقطع نہیں کرتا۔ "رحیم" تمہارے لیے نعمتوں کو وسیع قرار دی ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ⑲ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑳ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ㉑ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ㉒ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ㉓

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں وہ (معبودین) مردے (بے جان) ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں وہ مردے کب اٹھائے جاویں گے تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل (معقول بات سے) منکر ہو رہے ہیں اور وہ (قبول حق سے) تکبر کرتے ہیں (اور) ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال پوشیدہ و ظاہر کو جانتے ہیں یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر ⑲ "والله يعلم ما تسرون وما تعلنون"

⑳ "والذين يدعون من دون الله" جو پکارتے ہیں بتوں کو، عاصم اور یعقوب نے "یدعون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لايخلقون شيئًا وهم يخلقون"

㉑ "اموات" یہ بت بے جان ہیں۔ "غير احياء وما يشعرون" یہ بت شعور نہیں رکھتے۔ "أیّان" کہ قیامت کب آئے گی۔ "يبعثون" قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کے دن ان بتوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان کو زندگی دی جائے گی، یہ بت ان کے پجاریوں سے برأت کر لیں گے۔ بعض نے کہا کہ کفار کو معلوم نہیں کہ بتوں کو کب اُٹھایا جائے گا۔

㉒ "الهكم اله واحد فالذين لا يؤمنون بالاخرة قلوبهم منكرة" اس کا معنی ہے "جاحدةً" انکار کرنا۔ "وهم مستكبرون" اور وہ قبول حق سے تکبر کرتے ہیں۔

㉓ "لاجرم" حق بات ہے۔ "انّ الله يعلم ما يسرون وما يعلنون انه لا يحب المستكبرين" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر تکبر ہوگا اور وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا لباس خوبصورت ہو،اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ جمال والا ہے، جمال کو پسند کرتا ہے،تکبر حق سے روگردانی اور لوگوں کو حقیر سمجھنے سے ہوتا ہے۔(بعض نے کہا کہ حق کے مقابلے میں مغرور ہو جانا اور حق کو حق نہ جاننا)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ㉔ لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ㉕ قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ㉖ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ㉗

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تو محض بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں نتیجہ اس (کہنے) کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو یہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بڑا بوجھ ہے (اور) جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی اور (علاوہ ناکامی کے) ان پر (خدا کا) عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور یہ کہے گا کہ میرے شریک جن کے بارے میں تم لڑا جھگڑا کرتے تھے (وہ اب) کہاں ہیں جاننے والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے۔جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر پر قبض کی تھی (یعنی) آخر وقت تک کافر رہے۔

تفسیر: ㉔ "واذا قیل لهم" وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لائے۔یہ مشرکین مکہ تھے ان کی سزائیں تقسیم کردی ہیں جب کہ انہوں نے حاجیوں سے سوال کیا۔"ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاوّلین" پچھلوں کی باتیں ہیں یا وہی باطل حکایتیں ہیں۔

㉕ "لیحملوا" کہ وہ اُٹھائیں گے "اوزارهم" اپنے نفسوں کے گناہ "کاملة" یہاں کمال کو ذکر کیا کیونکہ جب ان کو دنیا میں مصیبتوں نے گھیر لیا تو ان کے پاس کوئی نیکیاں نہیں تھیں جو ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتیں۔"یوم القیامة ومن اوزار الذین یضلونهم بغیر علم" بغیر دلیل کے ان کو ایمان سے روکتے تھے۔"ألاساء ما یزرون" جو گناہ وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہدایت کی طرف بلائے گا اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ کرنے والے پر اور گناہ کرنے والے کے بوجھ سے اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

18

قد مکر الذین من قبلهم سے کون مراد ہے

㉖ "قد مکر الذین من قبلهم" اس سے مراد نمرود بن کنعان ہے اور اس نے آسمان کی طرف چڑھنے کے لیے بابل میں ایک اونچی عمارت بنوائی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب کا بیان ہے کہ اس عمارت کی اونچائی پانچ ہزار ذراع تھی۔ کعب اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس کی بلندی دو فرسخ تھی۔ لیکن تیز آندھی آنے کی وجہ سے وہ سمندر میں جاگری اور اس کا کچھ ان لوگوں پر گر پڑا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگئے۔ جب ان پر وہ عمارت گری تو وہ اپنی زبان کے ساتھ جزع فزع کرنے لگے اور وہ ایک دوسرے کو تہتر زبانوں میں پکارنے لگے۔ اسی وجہ سے اس کا نام بابل پڑ گیا۔ اس سے پہلے ان لوگوں کی زبانیں سریانی تھیں۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فاتی الله بنیانهم من القواعد" ان کے بنائے ہوئے گھر کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ "فخرّ علیهم السقف" اور وہ عمارت ان کے گھروں کی چھتوں پر آگری۔ "من فوقهم وأتاهم العذاب من حیث لایشعرون" وہ اپنے امن میں تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔

㉗ "ثم یوم القیامة یخزیهم" ان کو عذاب کے ذریعے مزید رُسوا کرے گا۔ "ویقول أین شرکائی الذین کنتم تشاقون فیهم" جس وجہ سے تم مؤمنین کی مخالفت کرتے تھے، تم ان کو حاضر نہیں کرسکو گے تاکہ وہ تمہارے سے عذاب کو دور کریں۔ نافع نے "تشاقون" نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اضافت کی بناء پر اور دوسرے حضرات نے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ "قال الذین اوتوا العلم" اس سے مراد مؤمنین ہیں۔ "انّ الخزیَ" بلاشبہ ان کے ذلت "الیوم والسوء" عذاب ہے۔ "علی الکافرین"

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ㉘ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ㉙ وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ㉚ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ㉛ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ㉜

ترجمہ پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے کیوں نہیں بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے سو جہنم کے دروازوں میں (سے جہنم میں) داخل ہو جاؤ (اور) اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو غرض تکبر کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ بڑی خیر نازل فرمائی ہے جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم

آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے اور واقعی وہ شرک سے بچنے والوں کا اچھا گھر ہے وہ گھر ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہاں ان کو ملے گی (بلکہ) اسی طرح کا عوض اللہ تعالیٰ سب شرک سے بچنے والوں کو دے گا جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔

تفسیر ㉘ "الذین تتوفاھم الملائکۃ" جن کی جان فرشتوں نے قبض کرلی تھی۔ حمزہ نے "یتوفاھم" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے بعد جن کی روح قبض کی ہے۔ "ظالمی انفسھم" کفر کی وجہ سے یا کفر کی حالت میں منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ کفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ "فألقوا السلم" وہ تسلیم ہوجائے یا پیروی کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور کہنے لگے۔ "ما کنا نعمل من سوءٍ" اس سے مراد شرک ہے ان کو فرشتوں نے کہا "بلی ان اللہ علیم بما کنتم تعملون" عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ کفار ہیں جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔

㉙ "فادخلوا" ان کو کہا جائے گا کہ داخل ہوجاؤ۔ "ابواب جھنم خالدین فیھا فلبئس مثوی المتکبرین" ایمان سے منہ پھیرنے والوں کا یہی انجام بد ہوگا۔

㉚ "وقیل للذین اتقوا" اور یہ اس وجہ سے کہ عرب کے بعض قبیلے موسم حج میں لوگوں کو بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر معلوم کریں تو وہ مشرک حاجیوں کے راستے میں بیٹھ جاتے تو ان بیٹھنے والوں سے گزرنے والا اگر پوچھتا تو یہ جواب دیتے کہ وہ ساحر، کاہن، جھوٹا، شاعر اور مجنون ہے۔ (نعوذ باللہ) اگر پوچھنے والے کو اچھی خبر نہ ملتی تو وہ ان بیٹھنے والوں کے متعلق کہتا کہ یہ سب شر ہیں۔ اگر وہ وفد مکہ داخل ہونے سے پہلے واپس چلا جاتا تو اپنے حامیوں سے جاکر یہی خبر بیان کرتے اور اگر وہ مکہ میں داخل ہوجاتے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو صحیح خبر دیتے کہ وہ سچے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اندر مبعوث ہوئے ہیں۔

ماذا انزل ربکم قالوا خیرًا" یعنی ہم پر بہتر چیز نازل فرمائی۔ پھر وہ اسی پر ابتداء کرتے۔ "للذین أحسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ" اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ثواب کو دس گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد فتح اور نصرت ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے اچھی روزی مراد ہے۔ "ولدار الاخرۃ" اس گھر سے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ "خیر ولنعم دار المتقین" حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دار المتقین سے مراد دُنیا ہے۔ اہل تقویٰ یہیں سے آخرت کا سامان لے کر جاتے تھے۔ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک اس سے مراد جنت ہے۔ پھر اس جنت کی تفسیر بیان کردی ہے۔

㉛ "جنات عدن یدخلونھا تجری من تحتھا ...... تا ...... المتقین"

㉜ "الذین تتوفاھم الملائکۃ طیبین" وہ مؤمن جو شرک سے پاک ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اپنے اقوال و افعال میں پاکیزہ۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بیان کیا ہے۔ یعنی خوش، جنت کی خوشخبری پاکر خوش و خرم ہونے والے "یقولون" فرشتے ان کو کہیں گے۔

"سلام علیکم" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے سلامتی پہنچا دو۔ "ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون"

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آ جاویں یا آپ کے پروردگار کا حکم (یعنی قیامت) آ جاوے ایسا ہی ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے بھی کیا تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ذرا ظلم نہیں کیا لیکن وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے آخر ان کے اعمال بد کی ان کو سزائیں ملیں اور جس عذاب پر وہ ہنستے تھے ان کو اسی نے آ گھیرا اور مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو خدا کے سوا کسی چیز کی نہ ہم عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بدوں (حکم کے) کسی چیز کو حرام کہہ سکتے جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ایسی ہی حرکت انہوں نے بھی کی تھی سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (احکام کا) صاف صاف پہنچا دینا ہے اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کے رستہ) سے بچتے رہو سو ان میں بعضے وہ ہوئے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعضے ان میں وہ ہوئے۔ جن پر گمراہی کا ثبوت ہو گیا تو (اچھا) زمین میں چلو پھرو پھر (آثار) سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا ان کے راہ راست پر آنے کی اگر آپ کو تمنا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں کیا کرتا جس کو گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی حامی نہ ہوگا۔

تفسیر ﴿۳۳﴾ "هل ينظرون الا أن تأتيهم الملائكة" ان کی ارواح کو قبض کر کے "او يأتى امر ربك" اس سے مراد قیامت کا دن۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عذاب ہے۔ "وكذلك فعل الذين من قبلهم" انہوں نے انکار کیا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں نے انکار کیا۔ "وما ظلمهم الله" ان کے جھٹلانے کی وجہ سے ان پر ظلم نہیں کیا۔ "ولكن كانوا انفسهم يظلمون"

﴿۳۴﴾ "فاصابهم سيئات ما عملوا" ان کے کفر کے سبب اور ان کے برے اعمال کے سبب "وحاق بهم" ان پر عذاب نازل ہوا۔ "ما كانوا به يستهزءون"

㉟ "وقال الذين أشركوا لو شاء الله ما عبدنا من دونه من شيء ...... تا ...... من شيء" اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ سے ہم سے راضی ہو گیا تو ہمارے لیے ہدایت یافتہ ہو گا اس کے علاوہ۔ "كذلك فعل الذين من قبلهم فهل على الرسل الا البلاغ المبين" یہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے۔ آپ کے اوپر صرف تبلیغ کرنا ہے۔

㊱ "ولقد بعثنا في كل أمة رسولاً" جیسا کہ تم میں ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ "أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت" وہ معبود ہے اللہ کے سوا۔ "فمنهم من هدى الله" اللہ نے ان کو اپنے دین کی طرف رہنمائی کی۔ "ومنهم من حقت عليه الضلالة" ان کے لیے گمراہی پختہ ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ کفر پر ہی مرے۔ "فسيروا في الارض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين" ان کے کاموں کا انجام کہ ان کے مکانات کو عذاب سے منہدم کر دیا اور تمہیں ہلاک کر دیا گیا۔

㊲ "ان تحرص على هداهم" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے متعلق کتنی ہی تمنا کریں۔ "فان الله لا يهدى من يضل" اہل مکہ کے قراء نے "یَهدِیْ" یاء کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ جس کو گمراہ رکھنا چاہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دیتا۔ دوسرے قراء نے یاء کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من يضلل الله فلا هادى له"...... "وما لهم من ناصرين" ان کو عذاب سے کوئی نہیں روک سکتا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ㊳ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ㊴ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَىْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ㊵ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْ م بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ㊶

ترجمہ: اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا کیوں نہیں زندہ کرے گا اس وعدے کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں لاتے تا کہ جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے ان کے روبرو اس کا (بطور معائنہ کے) اظہار کر دے اور تا کہ کافر لوگ (پورا) یقین کر لیں کہ واقعی وہی جھوٹے تھے ہم جس چیز کو (پیدا کرنا) چاہتے ہیں بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا (کافی) ہوتا ہے کہ تو (پیدا) ہو جا پس وہ (پیدا) ہو جاتی ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے کاش ان (کافروں) کو (بھی) خبر ہوتی وہ ایسے ہیں۔

تفسیر ㊳ "واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم لا یبعث اللّٰہ من یموت" اور وہ بعثت کے انکار کرنے والے تھے۔ ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "بلیٰ وعدًا علیہ حقًّا ولکن اکثر النّاس لا یعلمون"

㊴ "لیبین لھم الذین یختلفون" تاکہ ان پر وہ امر واضح کردے جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے ہیں۔ "فیہ ولیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین"

㊵ "انما قولنا لشیءٍ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون" کہ جب ہم مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کو زندہ کرنے میں کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوتی اور نہ اس چیز کے پیدا کرنے میں جو فنا ہو چکی ہے، صرف ہم یہی کہتے ہیں "کن" تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی آدم نے مجھے جھٹلایا اور اس کے لیے یہ مناسب نہیں تھا اور بنی آدم نے مجھے برا بھلا کہا حالانکہ یہ اس کے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا کہ اللہ نے جیسے شروع میں مجھے پیدا کیا ایسا دوبارہ ہرگز مجھے پیدا نہیں کرے گا حالانکہ ابتدائی تخلیق دوبارہ پیدا کرنے سے آسان نہ تھی اور برا بھلا یہ کہا کہ اس نے کہا کہ اللہ نے میرے لیے اولاد اختیار کر لی ہے حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں نہ میں کسی کا باپ ہوں نہ کسی کا بیٹا، میری مثل کوئی بھی نہیں ہے۔

آیت والذین ھاجروا کا شانِ نزول

㊶ "والذین ھاجروا فی اللّٰہ من بعد ما ظلموا" اللہ کے معاملے میں ان کو عذاب دیا گیا اور تکلیفیں دی گئیں۔ اس آیت کا نزول حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت عمار، عابس، جبیر، ابی جندل بن سہل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں ہوا۔ مشرکین مکہ نے ان کو پکڑ کر بہت اذیتیں پہنچائیں۔

قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا جن پر مکہ والوں نے مظالم ڈھائے تھے اور ان کو گھروں سے نکال کر باہر کر دیا، انہی مظلوموں میں سے ایک جماعت ملک حبشہ کو چلی گئی۔ پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانہ دے دیا۔ مدینہ کو ان کے لیے دار الہجرت بنا دیا اور کچھ مؤمنوں کو ان کا مددگار بنا دیا۔ "لنبوئنّھم فی الدنیا حسنۃ" اس ٹھکانے سے مراد مدینہ ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب کسی مہاجر کو کچھ عطا فرماتے تھے تو کہتے تھے یہ لے لو اللہ تمہیں مبارک کرے یہ چیز تو وہ ہے جس کے دینے کا اللہ نے تم سے دُنیا میں وعدہ کیا تھا اور آخرت میں تمہارے لیے رکھ چھوڑا ہے وہ بہت بہتر ہے۔ پھر آپ یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم دُنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ بعض نے کہا کہ دُنیا میں بھلائی سے مراد ہے ایمان کی توفیق اور نیکی کی ہدایت۔ "ولاجر الاخرۃ اکبر لو

کانوا یعلمون"......"لو کانوا یعلمون" سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ مؤمنین تو آخرت کے اجر کے متعلق جانتے تھے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

ترجمہ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ہم نے آپ کے قبل (بھی) صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزات اور کتابیں دے کر بھیجے ہیں کہ ان پر وحی بھیجا کرتے تھے سو اگر تم کو علم نہیں تو (دوسرے) اہل علم سے پوچھ دیکھو اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تا کہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا ایسے لوگ پھر بھی اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں غرق کر دے یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آپڑے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے (کسی آفت میں) پکڑ لے یہ لوگ خدا کو ہرگز ہرا (بھی) نہیں سکتے یا ان کو گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے سو تمہارا رب شفیق مہربان بڑا ہے۔

تفسیر ﴿۴۲﴾ "الذین صبروا" کافروں کی طرف سے ان پر جو مصائب ومشکلات آئی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں۔ "وعلی ربھم یتوکلون"

﴿۴۳﴾ "وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم" یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور وہ کہنے لگے کہ اللہ بہت بڑا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی آدمی اللہ کا پیغمبر نہیں ہوسکتا، اللہ نے ہماری ہدایت کے لیے کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا؟ "فاسئلوا اھل الذکر" اس سے مراد اہل کتاب کے مؤمن مراد ہیں۔ "ان کنتم لاتعلمون"

﴿۴۴﴾ "بالبیّنات والزبر" اس کا تعلق ماقبل آیت "وما ارسلنا" کے ساتھ ہے۔ پھر اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تم سے پہلے واضح نشانیاں اور کتابیں نہیں بھیجیں اور جن کی طرف بھیجی گئیں وہ کیا مرد نہیں تھے؟ اور ہم نے اس سے پہلے بھی فرشتے نہیں بھیجے اور بعض نے کہا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو بھیجا ہے واضح دلائل اور کتابیں دے کر۔ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للنّاس ما نزّل الیھم" اس ذکر سے مراد وحی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو بیان کرنے والے ہیں اور اسی کتاب کی وضاحت سنت سے معلوم ہوتی ہے۔ "ولعلھم یتفکرون"

﴿۴۵﴾ "أفا من الذین مکروا" جنہوں نے ان جیسے عمل کیے۔ "السیئات" اس سے پہلے مراد نمرود بن کنعان وغیرہ کفار کے مراد ہیں۔ "ان یخسف اللّٰہ بھم الارض او یأتیھم العذاب من حیث لا یشعرون"

㊻ "أو يأخذهم" ان کو عذاب سے پکڑ لے۔ "في تقلبهم" ان کو سفر کی طرف پھیر دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ اختلاف سے کیا گیا اور ابن جریج کے نزدیک اس کا معنی اقبال و ادبار (دونوں ہم معنی) مراد لیے ہیں۔ "فماهم بمعجزين" وہ اللہ تعالیٰ سے ہرگز سبقت نہ کر سکتے۔

㊼ "أو يأخذهم على تخوف" تخوف کا معنی ہے گھٹانا ان کے اطراف اور ان کے مختلف قبیلے بعد از دیگرے کاٹے گئے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تخوفه الدهر" زمانے نے اس کو جسمانی و مالی نقصان پہنچایا۔ یہ بنو ہذیل کی لغت میں ہے۔ ضحاک اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے اس کا معنی خوف ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک جماعت کو ہلاک کر دیا گیا تا کہ بعد میں آنے والے اس سے خوف زدہ ہو جائیں کہ ان کو بھی وہی ہلاکت پہنچ سکتی ہے جس طرح ان کو پہنچی ہے۔ "فان ربكم لرؤف رحيم" اسی وجہ سے وہ جلدی نہیں کرتا عذاب دینے میں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ㊽ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ㊾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (آیت سجدہ) ㊿

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ کی ان پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے کبھی ایک طرف کو کبھی دوسری طرف کو اس طور سے جھکتے جاتے ہیں کہ (بالکل) خدا کے (حکم کے) تابع ہیں اور وہ چیزیں بھی عاجز ہیں اور اللہ کی مطیع ہیں جتنی چیزیں چلنے والی آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں اور (بالخصوص) فرشتے (بھی) اور وہ تکبیر نہیں کرتے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ ان پر بالادستی ہے اور ان کو جو کچھ حکم کیا جاتا ہے۔ وہ اس کو کرتے ہیں

تفسیر ㊽ "أولم يروا الى ما خلق الله من شيء" حمزہ اور کسائی نے "تروا" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ عنکبوت میں ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "يتفيؤا" ابو عمر اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ظلاله" اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ایک طرف سے دوسری طرف وہ چکر لگاتے ہیں، دن کے اوّل حصے میں ایک طرف کو جھکتے ہیں اور دن کے آخری وقت میں دوسری جانب جھکتے ہیں اور یہ دونوں طرف بحکم الٰہی جھکتے ہیں۔ ان کا ایک طرف سے دوسری طرف میلان ہونا گویا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے شام کے وقت سایہ مغرب سے مشرق کی طرف لوٹتا ہے۔ اس سایہ کا لوٹنا اور سجدہ کا میل کرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے "سجدت النخلة" کھجور کا درخت سجدہ کرنے لگا۔ یعنی پھلوں کا زیادہ بار پڑنے کی وجہ سے جھک گیا۔ "عن اليمين والشمائل سجدًا لله" قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے یمین سے مراد دن کا اوّل حصہ اور شمال سے دن کا آخری حصہ مراد ہے۔ ان کا سایہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ سایہ جو طلوع شمس سے پہلے ہوتا ہے خواہ وہ دائیں طرف سے ہو یا بائیں طرف سے یا

سامنے سے یا پیچھے سے۔ اسی طرح جب وہ طلوع ہو یا غروب ہو۔ جب یہ طلوع ہوتا ہے تو سامنے سے اور تھوڑا اوپر آ جائے تو دائیں طرف سے اور اگر اس کے اوپر آ جائے تو پیٹھ کے پیچھے اور غروب شمس سے پہلے اس کا سایہ بائیں طرف ہوتا ہے تو یہ ان کے سائے کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب سورج زوال ہوتا ہے تو ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ بعض نے کہا کہ ظلال سے مراد اشخاص کا سجدہ کرنا۔ اگر سوال کیا جائے کہ یمین کو واحد اور شمال کو جمع کے ساتھ ذکر کیوں کیا؟ جواب دیا گیا کہ کلام عرب میں ایک چیز کی دو علامت کو ایک ہی چیز کی طرف بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم**" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "**یخرجھم من الظلمات الی النور**" اور بعض کا قول ہے کہ یمین لوٹتی ہے اللہ کے اس فرمان کی طرف "**ما خلق اللّٰہ**" اور لفظ ما واحد ہے اور الشمائل جمع ہے جو معنی کی طرف لوٹتی ہے۔ "**وھم داخرون**" اور وہ بھی عاجز ہیں۔

㊾ "**وللّٰہ یسجد ما فی السمٰوٰت وما فی الارض**" یہاں پر ان لوگوں کو غلبہ دیا گیا جو لا یعقل ہیں عقل مندوں کو۔ یہاں حکم اغلب کا ہے۔ جیسا کہ مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا گیا ہے (اور مذکر کو ذکر کرتے ہیں مؤنث کو ذکر نہیں کرتے)...... "**من دابۃ**" اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جو زمین پر رینگ کر چلتا ہے اور اسی طرح کہا جاتا ہے کہ سجدہ طاعات کے لیے بولا جاتا ہے اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مطیع ہیں خواہ وہ حیوانات میں سے ہو یا جمادات میں سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**قالتا اتینا طائعین**" اور بعض حضرات کے نزدیک ان اشیاء کا سجدہ کرنے سے مراد تذلل اور مسخر ہونا ہے اور بعض نے کہا کہ سجود سے مراد ہے کہ ہر چیز میں اللہ کی پُرحکمت صنعت کا ظہور جو اہل عقل کو دعوت سجدہ دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**سنریھم آیاتنا فی الآفاق**"...... "**والملائکۃ**" یہاں پر ملائکہ کو علیحدہ ذکر کیا حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کے ذکر میں یہ بھی شامل ہیں۔ جواب یہ دیا ہے کہ ان کی شرافت اور کرامت کے باعث ان کو علیحدہ ذکر کیا۔

اور بعض نے کہا کہ ان کو موصوف کیا ہے دبیب کے ساتھ اور دبیب جسمانی حرکت کو کہتے ہیں کہ جب ان کے پَر ہوں گے اور وہ اس میں اُڑیں گے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو آسمانوں میں وہ اللہ کے لیے سجدہ کرتی ہے، اس سے فرشتے مراد ہیں اور جو زمین میں ہیں اس سے مراد چوپائے ہیں۔ "**وھم لا یستکبرون**" ......

㊿ "**یخافون ربھم من فوقھم**" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "**وھو القاھر فوق عبادہ**"...... "**ویفعلون ما یؤمرون**" میں ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں عذاب ان کے اوپر سے نازل نہ ہو جائے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے، آسمان خوب چرچرایا اور اس کو خوب چرچرانا ہی چاہیے تھا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آسمان میں کہیں بھی چار انگلی کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی نہ رکھے ہوئے ہو۔ خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ

ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے چیختے چلاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بولے کاش میں درخت ہوتا تا کہ اس کو کاٹ دیا جاتا۔ اور یہی روایت ابوعیسیٰ نے احمد بن منیع ابی احمد زبیدی نے اسرائیل کے ذریعے سے روایت کی اور کہا کہ آسمان پر کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پر فرشتوں نے سجدہ نہ کیا ہو۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دو (یا زیادہ) معبود مت بناؤ بس ایک معبود وہی ہے تو تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرو اور اسی کی (ملک) ہیں سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور لازمی طور پر اطاعت بجالانا اسی کا حق ہے تو کیا پھر بھی اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تم کو (ذرا) تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کی ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں خیر چند روز عیش اڑالو اب جلدی خبر تم کو ہوئی جاتی ہے اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان (معبودوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں قسم ہے خدا کی تم سے تمہاری ان افتراپردازیوں کی ضرور بازپرس ہوگی۔

تفسیر ⑤①"وقال اللّٰہ لاتتخذوا ...... تا ...... فارھبون"

⑤②"ولہ ما فی السمٰوٰت والارض ولہ الدین" اس سے مراد طاعت اور اخلاص ہے۔ "واصبًا" دائم اور ثابت ہے۔ کسی شخص کے لیے ایسا نہیں کہ وہ اطاعت کے بغیر ہلاکت اور فنا سے بچ جائے کیونکہ طاعت ایسی ہے کہ اس سے نہ زوال آتا ہے اور نہ ہی وہ منقطع ہوتی ہے۔ "افغیر اللّٰہ تتقون" کیا تم ڈرتے ہو اللہ کے سوا کسی اور سے۔ استفہام انکار کے معنی میں ہے۔

⑤③"وما بکم من نعمۃ فمن اللّٰہ" یعنی جو کچھ تمہیں نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ "ثم اذا مسّکم الضر" اس سے مراد قحط اور مرض ہے۔ "فالیہ تجئرون" یعنی دُعا کے وقت تم اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور زاری کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔

⑤④"ثم اذا کشف ...... تا ...... یشرکون"

⑤⑤"لیکفروا" تم ان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو۔ "بما اٰتیناھم" "لیکفروا" میں لام عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی ان کے شرک کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی۔ "فتمتعوا" اس دُنیا میں خوب عیش و عشرت کرو۔

اس کی بہت جلد ہی تم کو خبر ہو جائے گی۔"فسوف تعلمون" یہ تمہارے کام کا انجام ہے اور ان کے لیے وعید ہے۔

56 "ویجعلون لما لا یعلمون" اس سے مراد بت ہیں۔"نصیبًا مما رزقناھم" اس سے مراد کھیتی، مویشی، پھل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان بتوں کے لیے حصے مقرر کر رکھے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے اور اس میں ہمارے بت شریک ہیں۔"تاللّٰہ لتسئلن" قیامت کے دن تم سے ضرور بضرور پوچھا جائے گا۔"عمّا کنتم تفترون" ان کو تم نے دُنیا میں جو معبود بنا رکھا تھا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝57 وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝58 يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝59 لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝60

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ اور اپنے لئے چاہتی چیز اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کے عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو (زندہ یا مار کر) مٹی میں گاڑ دے خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑی اعلیٰ درجہ کی صفات ثابت ہیں اور وہ بڑے زبردست ہیں بڑے حکمت والے۔

تفسیر: 57 "ویجعلون للّٰہ البنات" اس سے مراد خزاعہ اور کنانہ والے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ "سبحانہ ولھم ما یشتھون" وہ اپنے لیے تو لڑکوں کو پسند کرتے تھے اور (نعوذ باللہ) اللہ کے لیے لڑکیاں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں "ولھم ما" میں ما محل نصب میں واقع ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابتداء میں واقع ہو، اس صورت میں یہ مرفوع ہوگا۔

58 "واذا بشر احدھم بالانثٰی ظل وجھہ مسودًا" ان کا چہرہ غم اور ناپسندیدگی سے متغیر ہو جاتا۔"وھو کظیم" وہ غصے کی وجہ سے اور غم کی وجہ سے سرخ ہو جاتے نہ تو وہ غصے کی وجہ سے اپنے اوپر قابو پا سکتے تھے اور نہ اس کو ظاہر کر سکتے تھے۔

59 "یتواری" وہ اس کو چھپاتے پھرتا۔"من القوم من سوء ما بشر بہ" غم اور عار کی وجہ سے وہ اپنی قوم سے چھپتا۔ پھر وہ اس پر غور و فکر کرتا۔"ایمسکہ" یہاں کنایۃ ذکر کیا گیا ہے یہ ماقبل (ما) کی طرف سے رد ہے۔"علٰی ھون" اس کو اپنے پاس روکے رکھے۔

ام یدسہ فی التراب کی تفسیر

"اُم یدسہ فی التراب" اس کو چھپائے یا زمین میں زندہ درگور کرلے۔ قبیلہ مضر اور بنی خزاعہ اور بنی تمیم لڑکیوں کو زندہ

درگور کردیا کرتے تھے۔ایک تو ان کو ناداری کا اندیشہ ہوتا تھا کہ لڑکیاں کچھ کما کر نہیں لاسکتیں اور دوسرا خوف ان کو یہ ہوتا تھا کہ غیر کفوان سے کہیں نکاح کرنے کالالچ نہ کرنے لگیں۔عرب کے بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو ان کو اون کا یا بالوں کا کُرتہ پہنا کر جانور چرانے کی خدمت پر لگا دیتا تھا اور اگر قتل کردینا چاہتا تو چھٹے سال کی عمر تک اس کو چھوڑے رکھتا، جب وہ چھ سال کی ہوجاتی تو اس کی ماں کو کہتا کہ اس کو بنا سنوار کر تیار کردے، پھر اس کو کہیں جنگل میں لے جاتا، وہاں پہلے سے ایک گہرا گڑھا کھود کر تیار رکھتا، جب لڑکی کو لے کر وہاں پہنچتا تو لڑکی سے کہتا دیکھ تو اس گڑھے میں کیا ہے، لڑکی دیکھنے کو جونہی جھکتی یہ سنگدل باپ پیچھے سے اس کو دھکا دے دیتا اور اوپر سے مٹی ڈال کر زندہ دفن کردیتا اور گڑھے کو ہموار کردیتا۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "أیمسکه علی هون أم یدسه فی التراب" کا یہی مطلب ہے۔

فرزدق کے دادا صعصعہ کو اگر کہیں اس کی حس مل جاتی تو لڑکی کے باپ کے پاس لڑکی کے عوض کچھ اونٹ بھیج دیتا اور اس طرح وہ لڑکی کی طرف سے چھٹکارا پالیتا۔فرزدق نے بطور فخر اسی واقعہ کی طرف درج ذیل شعر کہا ہے:

وعمی الذی متع الوائدات فاحیا الوئید فلم یواد

میرا دادا وہ تھا جس نے زندہ دفن کرنے والوں کو زندہ دفن کرنے سے روکا اور زندہ درگور ہونے والی کو زندگی عطا کی۔

"الاساء مایحکمون" کیسی بری ہے جس کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اپنے لیے تو بیٹے تصور کرتے ہیں اور (نعوذ باللہ) اللہ کے لیے بیٹیاں۔حالانکہ اللہ ہر چیز سے پاک ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ألکم الذکر وله الانثیٰ تلک اذًا قسمة ضیزی" بعض نے کہا کہ ان کا یہ بچیوں کو زندہ درگور کرنے والا فیصلہ بہت برا ہے۔

⑥⓪ "للذین لا یؤمنون بالاخرة" یعنی وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ بیٹیوں کو موصوف کرتے تھے اور اپنے لیے بیٹوں کو "مثل السوء" اس کی بری صفت ہے کہ اپنے لیے لڑکوں کے محتاج ہیں اور لڑکیوں سے ناپسندیدگی اختیار کرتے ہیں اور فقر کے خوف سے ان کو قتل کرتے ہیں۔"وللہ المثل الاعلیٰ" بلندی والی صفت وہ کلمہ طیبہ ہے اور وہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔بعض نے کہا کہ مثل الاعلیٰ سے مراد تمام صفات کمالی و جلالی اور علمی اور قدرت اور بقاء والی صفات اسی ذات یکتا میں ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مثل السوء سے مراد آگ ہے اور المثل الاعلیٰ سے مراد گواہی دینا ہے کہ ان لا الٰہ الا اللہ "وهو العزیز الحکیم"

وَلَوْيُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ⑥① وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَاجَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ⑥② تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑥③ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ⑥④

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے سبب دارو گیر فرماتے تو سطح زمین پر کوئی (حس و) حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے لیکن ایک میعادِ معین تک مہلت دے رہے ہیں پھر جب ان کا وقت معین آ پہنچے گا اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبان سے جھوٹے وعدے کرتے جاتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے لئے) ہر طرح کی بھلائی ہے لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بیشک وہ لوگ سب سے پہلے (دوزخ میں) بھیجے جاویں گے بخدا آپ سے پہلے جو امتیں ہو گزری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا سو ان کو بھی شیاطین نے ان کے اعمال (کفریہ) مستحسن کر کے دکھلائے پس وہ آج ان کا رفیق تھا اور ان کے واسطے دردناک سزا مقرر ہے اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور (دین) میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ (عام) لوگوں پر اس کو ظاہر فرماویں اور ایمان والوں کی ہدایت (خاصہ) اور رحمت کی غرض سے۔

تفسیر ⑥① "**ولو یؤاخذ اللّٰہ الناس بظلمھم**" ان کو سزا دینے میں جلدی کرے یا مواخذہ کرنے میں جلدی کرے ان کے کفر کی وجہ سے اور نافرمانی کی وجہ سے۔ "**ما ترک علیھا**" زمین پر یہ کنایۃً ذکر کیا گیا ہے جو مذکور نہیں ہے۔ "**من دابۃ**" حضرت قتادہ نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ ایسا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہو چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں جو جانور چڑھ گئے وہ بچ گئے اور باقی ہلاک کر دیئے گئے۔

ظلم کی وجہ سے چڑیاں بھی اپنے گھونسلے میں بھوکی مر جاتی ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے نفس کو ہی ضرر پہنچاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں، خدا کی قسم! یہاں تک کہ ظالم کے ظلم کی پاداش میں چڑیاں اپنے آشیانوں میں بھوکی مر جاتی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ابن آدم کے گناہ کی وجہ سے جعل اپنے سوراخ میں عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر کافروں کے آباؤ اجداد کو ان کے ظلم کی پاداش میں فوراً پکڑ لیتا تو نسل ہی منقطع ہو جاتی۔ ان کی اولاد بھی زندہ نہ بچتی اور زمین پر کوئی باقی نہ رہتا۔ "**ولکن یؤخّرھم الی أجل**" ان کو ایک مدت تک مہلت دی گئی۔ "**مسمّٰی**" ان کی مدت انتہا تک اور ان کی منزلوں کے بوسیدہ ہونے تک۔ "**فاذا جاء اجلھم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون**"

⑥② "**ویجعلون للّٰہ ما یکرھون**" اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے۔ "**وتصف**" وہ کہتے ہیں "**السنتھم الکذب أن لھم الحسنیٰ**" اس سے مراد لڑکے ہیں۔ محل نصب میں واقع ہے بدل ہونے کی وجہ سے۔ یمان نے کہا کہ حسنیٰ سے مراد

ہے جنت، کافر کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول کے مطابق اگر قیامت ہوئی بھی تو ہمارے لیے جنت ہوگی۔ "لاجرم" یقیناً۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ہے کیوں نہیں۔ "انّ لھم النار" آخرت میں ان کے لیے آگ ہوگی۔ "وانھم مفرطون" حضرت نافع نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے اسراف کرنے والے۔ ابوجعفر نے راء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی یہ ہوگا اللہ کے حکم کو ضائع کرنے والا اور دوسرے قراء کے نزدیک راء کے فتحہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کہ ان کو آگ میں بھلا دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ رحمت اور نجات سے دور کر دیئے جائیں گے۔ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دوزخ میں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ دوزخ میں جلد بھیج دیئے جائیں گے۔ فراء کا قول ہے کہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے گئے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میں تمہارا پیشرو ہوں گا اور حوض پر سب سے پہلے پہنچوں گا۔

⑥③ "تاللّٰہ لقد ارسلنا الی اُمم من قبلک" جیسا کہ ہم نے بھیجا اس اُمت کی طرف۔ "فزیّن لھم الشیطان أعمالھم" اس سے برے اعمال مراد ہیں۔ "فھو ولیھم" ان کے مددگار رہوں گے۔ "الیوم" شیطان ان کا ولی تھا ان کے طاعت کے عوض۔ "ولھم عذاب الیم" ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

⑥④ "وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبیّن لھم الذی اختلفوا فیہ" دین اور احکام میں ان کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ "وھدی ورحمۃً لقوم یؤمنون" جو ہم نے تمہارے اوپر کتاب نازل کی وہ محض واضح، ہدایت اور رحمت ہے۔ ھدیٰ اور رحمت کا عطف "لتبیّن" پر ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ⑥⑤ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ⑥⑥ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑥⑦

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا اس میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سنتے ہیں اور (نیز) تمہارے لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ (بنا کر) ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں اور (نیز) کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

تفسیر ⑥⑤ "واللّٰہ انزل من السماء ماءً" اس سے مراد بارش ہے۔ "فاحیا بہ الارض" زمین کو زندہ کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ اس میں نباتات کو اُگاتے ہیں۔ "بعد موتھا" اس کے بنجر ہونے یا پودوں کے سوکھ جانے کے بعد "ان فی ذلک لاٰیۃ لقوم یسمعون" جن کے دل سنتے ہیں نہ کان۔

⑥⑥ "وان لکم فی الانعام لعبرۃ" اس میں ان کے لیے نصیحت ہے۔ "نسقیکم" نون کے فتحہ کے ساتھ یہاں مذکور ہے اور سورۃ مؤمنین میں بھی اسی طرح ہے اور دوسرے قراء نافع، ابن عامر، ابوبکر، یعقوب اور باقی کے نزدیک ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں۔ "مما فی بطونہ" اس کی ضمیر کنایۃ انعام کی طرف لوٹ رہی ہے نعم انعام واحد ہیں اور لفظ نعم مذکر استعمال ہوتا ہے اور ابوعبیدہ و اخفش نے "نعم" کو مذکر و مؤنث دونوں طرح ذکر کیا ہے اور جو اس کو مؤنث ذکر کرتے ہیں وہ جمع والا معنی ذکر کرتے ہیں۔ کسائی نے "بطونہ" کی ضمیر ما کی طرف راجع کیا ہے یعنی اس چیز کے پیٹ کے اندر سے جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا۔ مؤرخ نے کہا سب انعام کے پیٹ سے تو دودھ نہیں نکلتا اس لیے بعض مراد ہیں اور بعض ہی کی طرف بطور کنایہ ضمیر کا رجوع ہے۔ بعض کے نزدیک جنس انعام مراد ہے۔ "من بین فرث" وہ گوبر جو اوجھڑی کے اندر ہو اور جب وہ باہر آ جاتا ہے تو اس کو (فرث) نہیں کہا جاتا۔ "ودم لبنا خالصًا" اور خالص دودھ جو خون اور لید سے نکلتا ہے لیکن اس میں نہ خون کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی لید وغیرہ کی بُو ہوتی ہے۔ "سائغًا للشاربین" وہ آسانی کے ساتھ حلق سے اُتر جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو پینے سے اُکتا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جانور جب چارہ گھاس کھاتا ہے تو کھایا ہوا چارہ انتڑیوں میں جا کر ٹھہراتا ہے پھر وہاں اس کی مزید پسوائی ہوتی ہے پسنے کے بعد اس کا نچلہ حصہ تو گوبر ہو جاتا ہے اور بالائی حصہ خون اور درمیانی حصہ دودھ اور یہ سب کام جگر کے زیر تسلط ہوتا ہے۔ یہ اس کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ خون رگوں میں جاری کر دیا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں اور باقی گوبر کو وہیں رکھتا ہے۔

⑥⑦ "ومن ثمرات النخیل والاعناب" اور تمہارے لیے اس میں عبرت ہے جس میں تمہیں پلاتے ہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ کھجوروں کے پھلوں اور انگور کے شیروں سے۔ "تتخذون منہ" یہ ضمیر ما محذوفہ کی طرف راجع ہے۔ عبارت یہ بنے گی "ماتتخذون منہ ...... سکرًا و رزقًا حسنًا"

رزقًا حسنًا کی تفسیر

بعض لوگوں نے کہا کہ سکر سے مراد خمر ہے اور رزق حسن سرکہ، چھوہارے اور کشمش۔ یہ حکم خمر کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، سعید جبیر رضی اللہ عنہم، حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے اور شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سکر سے پینے کی چیز مراد ہے اور رزق حسن سے کھانے کی چیز مراد ہے اور عوفی کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے ان کے ہاں سکر سے مراد حبشی زبان میں سرکہ کو کہتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک سکر سے مراد نبیذ مسکر ہے اور وہ سکر چھوہاروں اور کشمش کے گاڑھے پانی کا نام ہے اور یہی قول ضحاک اور نخعی رحمہما اللہ کا ہے اور جو لوگ نبیذ تمر کو مباح قرار دیتے ہیں اور جو حرام قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں اس سے مراد آیت اخبار ہے اور "تتخذون منہ سکرًا" یہ منسوخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے فرماتے ہیں کہ سکروہ پھل ہے جو حرام کردیئے گئے ہیں اور رزق حسن سے مراد حلال پھل ہیں۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سکر سے مراد ہے کھانا جیسا کہ عرب بولتے ہیں کہ "ھذا سکر لک" یہ آپ کا کھانا ہے۔ "ان فی ذلک لایة لقوم یعقلون"

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْ ۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

ترجمہ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا لے اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے اس میں بھی ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم کو (الو) پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرتا ہے اور بعضے تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑧ "واوحی ربک الی النحل" اس سے مراد الہام کرنا، دل میں ڈالنا، نحل کہتے ہیں شہد کی مکھی کو۔ اس کی واحد نحلۃ آتی ہے۔ "أن اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر وممّا یعرشون" وہ اپنے لیے بناء تعمیر کرتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کے چھتے کو مکان کہنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ انسانی مکان کی طرح مکھیوں کے چھتوں میں بھی ضروری حصے ہوتے ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد کروم ہے۔

⑥⑨ "ثم کلی من کل الثمرات" یہاں کل سے معنی عموم مراد نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "وأوتیت من کل شیء" ...... "فاسلکی سبل ربّک ذللا" وہ راستے تیرے گویا یہ طرق کی صفت ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شہد کی مکھی اپنے سردار کے ملنے کے بغیر آگے چھتے میں نہیں جاسکتی اور دوسرے حضرات کے نزدیک "ذللا" یہ نحل کی صفت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں لگی رہنا اور اپنے حکم کے زیر اثر راستوں پر چلنا۔ کہنے والوں کا قول ہے کہ مکھیوں کے سردار تمام مکھیوں کو ساتھ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہو جاتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رُک جاتا ہے تو سب ٹھہر جاتی ہیں۔ "یخرج من بطونها شراب" اس سے مراد عسل ہے۔ "مختلف الوانه" سفید، سرخ اور زرد رنگ۔ "فیه شفاءٌ للنّاس" یہ قرآن پر عمل کرنے والوں کے لیے شفاء ہے۔

مجاہد نے فیہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ قرآن میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

شہد میں شفاء ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے، فرمایا شہد پلاؤ، حسب الحکم اس شخص نے شہد پلایا، وہ پھر خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے بھائی کو شہد پلایا تھا مگر شہد سے اسہال میں اور اضافہ ہوگیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے جا کر پھر شہد پلایا اور مریض اچھا ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہد ہر بیماری کی دوا ہے اور قرآن شفاء ہے اور دلوں کی بیماری کی قرآن شفاء ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تم دونوں شفاؤں کو لازم پکڑو قرآن اور شہد سے۔ "انّ فی ذلک لایة لقوم یتفکرون" جو اس میں غور وفکر کرتے ہیں۔

⑩ "واللّٰه خلقکم ثم یتوفاکم" پہلے آپ کو بچپن دیا پھر جوانی اور پھر بڑھاپا۔ "ومنکم من یرد الی ارذل العمر" مقاتل رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے مراد بڑھاپا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نوے سال ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ارذل عمر ۷۵ سال ہے اور بعض کا قول ہے کہ اسّی سال عمر ارذل العمر ہے۔ "لکیلا یعلم بعد علم شیئًا" یعنی تمام معلومات کے ہونے کے باوجود سب کچھ بھول جائے۔ "انّ اللّٰه علیم قدیر" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو مجھے بخل، سستی اور ارذل عمر اور عذاب قبر اور فتنہ دجال اور فتنہ محیا وممات سے پناہ دے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ⑪ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ⑫ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ⑬

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ (مالک ومملوک) سب اس میں برابر ہو جاویں کیا پھر بھی خدائے تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہی میں سے تمہارے لئے بیبیاں بنائیں اور (پھر) ان بیبیوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے پینے کو دیں کیا پھر بھی بے بنیاد چیز پر ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں

گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ قدرت رکھتی ہیں۔

تفسیر ⑪ "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق" کسی پر اللہ تعالیٰ نے رزق کو کشادہ کیا ہے اور بعض پر اس کو تنگ کیا ہے، کسی کو بہت کم دیا ہے اور کسی کو بہت زیادہ عطا کیا ہے۔ "فما الذین فضّلوا برادی رزقھم علٰی ما ملکت ایمانھم" اس سے مراد غلام ہیں۔ "فھم فیه سواءٌ" یہاں تک کہ وہ اور ان کے غلام برابر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لا یرضون ان یکونوا ھم ومما لیکھم فیما رزقھم اللّٰہ سواءٌ" وہ اس بات پر راضی نہیں کہ وہ اور ان کے غلام ان کے برابر ہو جائیں۔ لہٰذا وہ رزق اپنے غلاموں کو نہیں دیتے بلکہ غلام اپنا رزق کھاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے اور انہوں نے اپنے غلاموں کو میرے ساتھ شریک قرار دیا، میری بادشاہت وسلطنت میں۔ یہ مشرکین پر واضح حجت دلیل ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تمہاری بیوی اور بستر میں شریک رہے اور تمہارے مال میں شریک رہے (تو جب اپنے لیے ان شرکاء کو پسند نہیں کرتے) تو تم اللہ کی پیدا کردہ مخلوق کو ان کے ساتھ کیسے شریک ٹھہراتے ہو۔ "افبنعمة اللّٰہ یجحدون" اس شرک کے ساتھ اور ابوبکر نے اس کو تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق" اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑫ "واللہ جعل لکم من انفسکم أزواجًا" اس سے مراد بیویاں ہیں۔ "جعل لکم من أنفسکم" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ پھر باقی تمام عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے بنایا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے یہ بیوی تمہاری ہی جنس سے پیدا کی ہیں۔ "وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدة"

آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام نخعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے مراد داماد ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے مراد خسر ہیں۔ اسی قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے تمہاری بیویوں سے تم کو نر اور مادہ اولاد عطا کی ہے اور ان کے نکاح کر دینے سے خسر اور داماد تمہارے لیے مقرر کیے۔

عکرمہ، حسن، ضحاک رحمہم اللہ کے نزدیک آیت سے مراد خادم ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کارگزار کارندے مراد ہیں۔ عطاء کا قول ہے کہ وہ اولاد مراد ہے جو مددگار اور خادم ہوتی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ اولاد مراد ہے جو تمہاری خدمت اور کام کاج کرتی ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ بنین سے چھوٹے بچے اور حفدۃ سے بڑی اولاد مراد ہے۔

مجاہد اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ حفدہ سے مراد اولاد کی اولاد ہے اور عوفی کی روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اپنی بیوی کے بچے مراد ہیں جو پہلے شوہر سے ہوں۔ "ورزقکم من الطیّبات" دُنیا کی نعمتیں اور حلال چیزیں ہیں۔ "أفبالباطل" اس سے مراد بت ہیں۔ "یؤمنون وبنعمة اللّٰہ ھم یکفرون"

اس سے توحید اور اسلام مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ باطل سے مراد شیطان ہے کہ اس نے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کی حرمت کا حکم دیا اور "بنعمة الله" سے مراد اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے یہ لوگ اس کو حرام تصور کرتے ہیں۔

⑬ "ویعبدون من دون الله مالا یملک لهم رزقًا من السمٰوات" آسمان سے رزق کا مطلب ہے بارش کا برسنا۔ "والارض" نباتات کا اُگنا "شیئًا" اخفش کا قول ہے کہ یہ رزق سے بدل ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ رزق میں کسی چیز کے مالک نہیں، نہ ہی تھوڑے رزق کے مالک ہیں اور نہ ہی زیادہ رزق کے۔ فراء کا قول ہے کہ "رزقًا" مفعول مطلق اور "شیئًا" مفعول بہ ہے۔ عبارت یہ ہوگی "لا یرزق شیئًا" کہ ایک ذرہ برابر بھی یہ رزق نہیں دے سکتے۔ "ولا یستطیعون" اور یہ کسی چیز پر قادر نہیں کیونکہ یہ بت عاجز ہیں نفع اور نقصان دینے سے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑭ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑮ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ⑯

ترجمہ: سو تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت گھڑو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) ایک (تو) غلام ہے (کسی کا) مملوک کی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب نعمت دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے لائق ہیں بلکہ ان میں اکثر تو جانتے ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں ایک تو گونگا (بھی) ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک وبال جان ہے وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں۔ جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود بھی ایک معتدل طریقہ پر (چلتا) ہو۔

تفسیر: ⑭ "فلا تضربوا لله الامثال" اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو اللہ کی مثالیں بیان کرتے ہو اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو وہ اکیلا ہے اس کا کوئی مثل نہیں۔ "انّ الله یعلم و انتم لاتعلمون" جو تم اللہ کے متعلق مثالیں بیان کرتے ہو وہ تمہاری غلطی ہے۔ پھر اللہ نے مؤمن اور کافر کی مثال بیان کی۔

⑮ "ضرب الله مثلا عبدًا مملوكًا لایقدر علی شیءٍ" یہ مثال کافر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال دیا لیکن اس نے اس کو اچھی جگہ خرچ نہیں کیا۔ "ومن رزقناه منا رزقًا حسنًا فهو ینفق منه سرًّا وجهرًا" یہ مثال مؤمن کی ہے کہ اللہ نے ان کو

مال عطا کیا۔ انہوں نے اس کو اس کی راہ میں خرچ کیا جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ پوشیدہ طور پر بھی اور اعلانیہ طور پر بھی خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں اس کو جنت عطا فرمائی۔ "هل يستوون" یہاں پر هل يستويان نہیں فرمایا (من) کی وجہ سے کیونکہ یہ اسم واحد جمع، تثنیہ سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "لايستطيعون" جمع کے ساتھ ذکر کیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا فقیر و بخیل، غنی اور سخی برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کافر سرکش اور مؤمن فرمانبردار برابر ہو سکتے ہیں۔

ابن جریج نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ "عبداً مملوكاً" سے مراد ابوجہل بن ہشام ہے اور "من رزقناه" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ "الحمدلله بل اكثرهم لا يعلمون" یہ بات اس طرح نہیں جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں نہ تو ان کے بتوں کے ہاتھوں میں کچھ ہے اور نہ یہ کچھ جانتے ہیں بلکہ اللہ ہی تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ لہٰذا وہی ہر ستائش کا مستحق ہے اس کے سوا اور کوئی نعمت دینے والا نہیں۔ حقیقی خالق اور رزاق وہی ہے لیکن اکثر کفار نہیں جانتے پھر بتوں کی مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"وضرب الله مثلاً رجلين احدهما ابكم لايقدر على شيءٍ وهو كلٌّ على مولاه" كل بوجھ کو کہتے ہیں جو اپنے مولیٰ پر وبال ہو۔ "اين مايوجهه" اس کو جہاں بھی بھیجتا ہے وہ ٹھیک کام نہیں کر کے لاتا۔ "لا ياتيه بخير" کیونکہ جو کچھ اس کو کہا جاتا ہے وہ اچھے طریقے سے نہیں سمجھتا۔ یہ مثال بتوں کی ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں نہ کچھ سمجھتے ہیں۔ "وهو كل على مولاه" اس کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اُٹھانے کے اور بیٹھنے کے اور خدمت گاروں کے محتاج ہیں۔ "هل يستوى هو ومن يامر بالعدل" اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ یعنی اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی تمثیل دی ہے۔ "وهو على صراط مستقيم" کلبی نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ وہ انصاف کا حکم دیتے ہیں اور وہ صراط مستقیم ہے اور بعض نے کہا کہ یہ دونوں مثالیں کافر اور مؤمن کی ہیں۔ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہی لکھا ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ "ابكم" سے مراد ابی بن خلف ہے اور "ومن يامر بالعدل" سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ قبیلہ ربیعہ کا ایک شخص تھا جس کا نام ہاشم بن عمرو بن حارث تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا اور بہت ہی شریر تھا۔ اس کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عثمان اور ان کے کافر غلام اسید بن ابوالعیص کے متعلق نازل ہوئی۔ اسید کو اسلام سے سخت نفرت تھی اور اسلام کو ناپسندیدہ سمجھتا تھا۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ

جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ
لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ
وَیَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ وَمِنۡ اَصۡوَافِهَا وَاَوۡبَارِهَا وَاَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: اورآسمانوں اورزمین کی (تمام) پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور قیامت کا معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل تا کہ تم شکر کرو (اور استدلال علی القدرت کے لئے) کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے (تلے) میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے ان میں ایمان والوں کے لئے چند دلیلیں (موجود) ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر (یعنے خیمے) بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام (کرنے) کے دن ہلکا (پھلکا) پاتے ہو اور ان کی اون اور ان کے رووں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لئے بنائیں۔

تفسیر ⑰ "وللّٰه غیب السمٰوات والارض وما امر الساعة" اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ "الا کلمح البصر" جب وہ یہ لفظ کہے گا "کُن" تو قیامت ہو جائے گی۔ "او ھو اقرب" بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب "ان اللّٰه علٰی کل شیءٍ قدیر" یہ ان کافروں کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے اس کی جلدی کے متعلق استہزاء کی۔

⑱ "واللّٰه اخرجکم من بطون امھاتکم" کسائی وغیرہ نے (بطون) کی جگہ "بیوت" بھی پڑھا ہے۔ "اُمھاتِکم" کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ نے میم اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لاتعلمون شیئًا" یہاں پر کلام تام ہوتا ہے۔ پھر آگے اللہ عزوجل فرماتے ہیں "وجعل لکم السمع والابصار والافئدة" ان تمام اشیاء کو ماؤں کے پیٹوں سے نکلنے سے پہلے ہی بنا دیا تھا۔ البتہ ان اشیاء کا علم اور دوسری چیزوں کا علم اس کے بعد دیا گیا۔

"لعلکم تشکرون" کہ تم ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو، سننے اور دیکھنے اور دوسری تمام چیزوں کا۔ دیکھئے بچہ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہے۔ ان صفات کے علاوہ تمام جوارح ایسے ہی ہیں۔ گویا وہ وجود میں نہیں آئے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ وہ حق نہیں سنتا اور جائے عبرت کو نہیں دیکھتا اور ثواب کا اُمیدوار نہیں۔ گویا کہ وہ "صمٌّ، بکمٌ، عمیٌ، فھم لایرجعون" کا مصداق ہیں کہ وہ کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

⑲ "الم یروا" ابن عامر، حمزہ، یعقوب نے تاء کے ساتھ (تروا) پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

"الی الطیر مسخرات" یعنی وہ تمہارے لیے بازو بچھائے ہوئے ہیں۔ "فی جوّ السماء" آسمان اور زمین کی درمیانی ہوا۔ کعب احبار کا قول ہے کہ پرندے بارہ میل تک بلندی میں اُڑ سکتے ہیں اس سے اوپر نہیں اُڑ سکتے۔ "ما یمسکھن" وہ ہوا میں نہیں رُک سکتے۔ "الا اللّٰہ ان فی ذلک لایات لقوم یؤمنون"

⑧⓪ "واللّٰہ جعل لکم من بیوتکم" گھر خواہ پتھر کے ہوں یا مٹی کے ہوں۔ "سکنًا" اور ان کو اپنے لیے ٹھہرنے کی جگہ بناؤ۔ "وجعل لکم من جلود الانعام بیوتًا" اس سے مراد خیمے، قباب (گنبد نما گھر) چٹائیاں، خواہ وہ اون کی ہوں یا کھال کی۔ "تستخفونھا" جن کو اُٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ "یوم ظعنکم" اپنی سواریوں کو سفر پر بھیجنے کی غرض سے۔ ابن عامر اور اہل کوفہ نے عین کے ساکن کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے اس کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ویوم اقامتکم" یعنی تمہارے شہروں میں۔ الحاصل دونوں صورتوں میں یہ گھر تمہارے لیے بوجھ کا سبب نہیں بنتے۔ "ومن اصوافھا و او بارھا و اشعارھا اثاثًا" بھیڑوں کی اون اور اونٹنی سے حاصل شدہ روئی اس کو عربی میں وبر کہتے ہیں اور بال بکری کے ہوتے ہیں۔ یہ کنایہ انعام کی طرف راجع کی ہیں۔ "اثاثًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد مال ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد سامان ہے۔ قتیبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اثاث تمام مال کو کہا جاتا ہے خواہ اس مال کا تعلق اونٹوں کے ساتھ ہو یا بھیڑ بکریوں کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ گھر کے سامان کو بھی اثاث کہتے ہیں۔ فرش، بستر، چادر، کمبل، لباس وغیرہ مراد ہیں۔ "ومتاعًا" ایسا سامان جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ "الی حین" اس مدت تک جب تک وہ زندہ رہے اور بعض نے کہا کہ اس وقت تک جب کہ وہ بوسیدہ نہیں ہوا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ⑧① فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑧② يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ⑧③ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ⑧④

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گری سے تمہاری حفاظت کریں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں اللہ تعالیٰ تم پر اسی طرح (کی) اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم فرمانبردار رہو پھر اگر یہ لوگ (ایمان سے) اعراض کریں تو آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے وہ لوگ خدا کی نعمت کو (تو) پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں اور زیادہ ان میں ناسپاس ہیں اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کو حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی فرمائش کی جاوے گی۔

تفسیر ⑧① "واللّٰہ جعل لکم مما خلق ظلالاً" وہ گرمی سے بچنے کے لیے چھاؤں میں بیٹھتے ہیں۔ خواہ وہ چھاؤں

درخت کی ہوں یا ٹیلے وغیرہ کی۔ "وجعل لکم من الجبال أکنانا" پہاڑ اور غار میں چھپنے کی جگہ۔ "اکنانا کنٌّ" کی جمع ہے چھپنے کا مقام، مکان وغیرہ۔ "وجعل لکم سرابیل" اور بنائے تمہارے لیے سوت، اون، کتان، ریشم وغیرہ کے کچھ حصے۔ "تقیکم" جس سے تم بچتے ہو۔ "الحر" اہل معانی نے لکھا ہے کہ تم اس سے سردی اور گرمی میں بچتے ہو۔ یہاں پر صرف (حر) کو ذکر کیا اور سردی کو اس پر چھوڑ دیا۔ ایک کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیا۔

"وسرابیل تقیکم بأسکم" اس سے مراد زرہیں، خود اور جنگی لباس۔ تم لڑائی میں اس سے اپنا بچاؤ کرتے ہو۔ "کذلک یتم نعمته علیکم لعلکم تسلمون" تاکہ تم ان کی طرف مخلص ہو کر طاعت کرنے والے بن جاؤ۔ عطاء خراسانی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سمجھ کے موافق قرآن نازل کیا اور فرمایا دیکھو پہاڑوں میں پناہ گاہیں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور میدان وصحرا جو پہاڑوں سے بڑے ہیں ان کا ذکر نہیں کیا اور چونکہ وہ خیموں اور بالوں والے تھے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا "وینزل من السماء من جبال فیها من برد" اللہ آسمانی پہاڑوں سے اولے اُتارتا ہے۔ یہاں برف کا ذکر نہیں کیا کیونکہ بارش برفباری سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ برف باری سے واقف بھی نہ تھے اور فرمایا "تقیکم الحر" آیت مذکورہ بالا میں گرمی سے حفاظت کو لباس کا فائدہ قرار دیا ہے، سردی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں کو گرمی سے ہی زیادہ واسطہ پڑتا تھا۔

㉒ "فان تولوا" اگر وہ آپ سے اعراض کریں تو آپ ان سے رنجیدہ اور تنگ دل نہ ہوں، آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ "فانما علیک البلاغ المبین"

㉓ "یعرفون نعمة الله" سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مراد ہے۔ "ثم ینکرونها" پھر انہوں نے اس نعمت کو جھٹلا دیا۔ بعض نے کہا کہ اس نعمت سے مراد اسلام ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ اللہ نے اس سورت میں جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے کافر ان کو پہچانتے ہیں، پھر جب ان سے کہا گیا کہ اس بات کی تصدیق بھی کرو ان نعمتوں کے احکام کی تعمیل بھی کرو تو پھر اس کا انکار کرنے لگے اور کہنے لگے ہمیں تو یہ نعمتیں باپ دادا کی وراثت سے ملی ہیں۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اقرار کیا اور کہا ہاں یہ نعمتیں اللہ ہی نے دی ہیں لیکن ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔

عوف بن عبداللہ کا قول ہے کہ نعمتوں کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کی طرف نعمتوں کی حقیقی نسبت کر دینا مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اگر فلاں بات ہوتی تو یہ کام ہو جاتا یا یہ کام نہ ہونے پاتا۔ "واکثرهم الکافرون" اور اکثر ان نعمتوں کو جھٹلانے والے ہیں۔

㉔ "ویوم نبعث من کل أمة شهیدا" شہید سے مراد پیغمبر ہے جو اپنی اُمت کے کفر و ایمان کی شہادت دے گا۔ "ثم لا یؤذن للذین کفروا" پھر ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں ملے گی اور بعض نے کہا کہ ان کو بات کرنے کی بالکل اجازت نہیں ملے گی۔ "ولا هم یستعتبون" ان سے یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اپنے رب کو راضی کرلو، روز آخرت تو عمل کا دن ہی نہ ہوگا

اور نہ ہی دُنیا میں واپس جا کر توبہ وعمل کی اجازت ہوگی۔ الحاصل یہ کہ اس دن ان کو اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوگی اور یہ بات ثابت ہے کہ آخرت میں کافروں کے لیے رضامندی کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔

وَاِذَا رَاَالَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ وَلَاهُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا شُرَکَآءَهُمۡ قَالُوۡا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡهِمُ الۡقَوۡلَ اِنَّکُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰهِ یَوۡمَئِذِ ۣالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّاکَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یُفۡسِدُوۡنَ ﴿۸۸﴾ وَیَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَجِئۡنَابِکَ شَهِیۡدًاعَلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلۡنَاعَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًالِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُبِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ اور جب ظالم (یعنی کافر) لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ عذاب نہ ان سے ہلکا کیا جاوے گا اور نہ وہ کچھ مہلت دیئے جاویں گے اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہمارے پروردگار وہ ہمارے شریک یہی ہیں۔ کہ آپ کو چھوڑ کر ہم ان کو پوجا کرتے تھے سو وہ ان کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو اور یہ (مشرک اور کافر) لوگ اس روز اللہ کے سامنے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افترا پردازیاں کرتے تھے وہ سب گم ہو جاویں گی جو لوگ کفر کرتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ ان کے فساد کے بڑھا دیں گے اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جو انہی کا ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی) باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

تفسیر ﴿۸۵﴾ ''واذا رأی الذین ظلموا'' ظلم سے مراد کفر کرنا، انکار کرنا مراد ہے۔ ''العذاب'' اس سے مراد جہنم ہے۔ ''فلایخفف عنهم ولاهم ینظرون''

﴿۸۶﴾ ''واذا رأی الذین أشرکوا'' قیامت کے دن ''شرکاء هم'' ان بتوں کو ''قالوا ربنا هولاء شرکاء نا الذین کنا ندعوا من دونک'' وہ دوست اور جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ''فالقوا'' ان بتوں کی طرف رُخ کریں

گے۔ "الیھم القول" اوران کو کہیں گے "انکم لکاذبون" کہ تم ہمیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے یا اس دعوے میں جھوٹے ہو کہ حقیقت میں تم ہماری پوجا کرتے تھے۔

⑧⑦ "والقوا" اور مشرک لوگ اللہ کے سامنے اس روز باتیں کرنے لگیں گے۔ "الی اللہ یومئذ السلم" وہ اطاعت کرنے اوراس کے حکم کی فرمانبرداری کا اظہار کریں گے اوراس دن ان کے معبودان کو کسی چیز کا فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ "وضلّ" وہ گم ہو جائیں گی۔ "عنھم ما کانوا یفترون" اس طور پر کہ وہ ان کی سفارش کریں۔

⑧⑧ "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ" وہ لوگوں کو راہ حق سے روکتے تھے۔ "زدناھم عذابًا فوق العذاب" عبداللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بچھو ہیں جن کے ڈنگ کھجور کے لمبے درختوں کے برابر ہوں گے۔ سعید بن جبیر نے کہا سانپ ہوں گے، بختی اونٹوں کی طرح اور بچھو ہوں گے خچروں کے مثل جن کے ایک مرتبہ کاٹنے کا اثر چالیس سال تک ڈسا ہوا آدمی محسوس کرتا رہے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ عرش کے نیچے سے پگھلے ہوئے تانبے پیتل کے پانچ دریا نکلتے ہیں جو آگ کی طرح ہیں، ان دریاؤں میں ان کو ڈبونے کی سزا دی جاتی ہے۔ تین دریاؤں میں سے ایک رات کی مدت کے برابر اور دو دریاؤں میں دن کی مدت کے برابر سزا پاتے رہیں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ گرمی کے عذاب سے سردی کے عذاب کی طرف ان کو نکال کر لایا جائے گا، سردی کی شدت کی وجہ سے وہ چیخیں گے اور فریاد کریں گے اور دوزخ کی گرمی میں جانا پسند کریں گے اور بعض نے کہا کہ ان کے عذاب کو دُگنا کر دیا جائے گا۔ "بما کانوا یفسدون" فساد سے مراد دُنیا میں کفر ہے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے سے، ان کے عذاب کو دُگنا کیا جاتا ہے۔

⑧⑨ "ویوم نبعث فی کل امۃ شھیدًا علیھم من انفسھم" اس سے مراد ہر اُمت کا پیغمبر ہے کیونکہ انبیاء کو ان کی اُمتوں کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے۔ "وجئنابک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "شھیدًا علٰی ھولاء" جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گواہ ہیں۔ "ونزلنا علیک الکتاب تبیانًا" اس سے مراد بیان ہے۔ "لکل شیءٍ" ہر دینی مسئلہ اس کی طرف احتیاجیت ہے خواہ اس کا تعلق امر، نہی، حلال، حرام، حدود، احکام کے ساتھ ہو۔ "وھدیً" گمراہی سے۔ "ورحمۃ و بشریٰ" اوران کے لیے خوشخبری ہے۔ "للمسلمین"

⑨⓪ "ان اللہ یامر بالعدل" اس سے مراد انصاف ہے۔ "والاحسان" اور لوگوں پر احسان کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عدل سے مراد توحید ہے اور احسان سے مراد فرائض کی ادائیگی اوراسی طرح احسان سے مراد توحید میں خالص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا معنی یہی ہے کہ "الاحسان ...... الخ" احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کر اس حال میں کہ تو اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا کہ عدل سے مراد توحید اور احسان سے مراد لوگوں سے درگزر کرنا ہے۔

"وایتاء ذی القربیٰ" اس سے مراد صلہ رحمی ہے۔ "وینھی عن الفحشاء" جو بات بری ہو خواہ اس کا تعلق بات چیت

سے ہو یا فعل سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد زنا ہے۔ "والمنکر" اس کو کہتے ہیں جو نہ شریعت سے پہچانا جاتا ہو اور نہ ہی سنت سے۔ "والبغی" اس سے مراد تکبر وظلم ہے۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ ظاہر اور باطن کا برابر ہو جانا عدل ہے اور باطن کا ظاہر سے اچھا ہونا احسان ہے اور ظاہر بنسبت باطن کے اچھا ہو تو یہ فحشاء ومنکر ہے۔ "یعظکم لعلکم تذکرون" تاکہ تم ان کی نصیحت حاصل کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ جامع آیت یہی ہے۔

ایوب نے عکرمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت ولید کو سنائی تو ولید بولا بھتیجے ذرا اس کو دوبارہ پڑھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تلاوت فرمائی، ولید کہنے لگا خدا کی قسم! اس میں عجیب شیرینی اور ایک خاص حسن ہے۔ اس کا بالائی حصہ ثمر آفریں اور نچلا حصہ خوشوں سے بھرا ہوا ہے، یہ انسان کا کلام نہیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ ۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اس کو (تخصیصا) یا (تعمیما) اپنے ذمہ کر لو اور قسموں کے بعد ان کے مستحکم کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جاوے بس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے۔

تفسیر ⑨① "واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم" عہد یہاں پر یمین کے معنی میں ہے۔ شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عہد یمین ہے اور اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔ "ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها" اس کے پختہ ہو جانے کے بعد پھر اس قسم سے حانث ہو جاؤ۔ "وقد جعلتم الله علیکم کفیلا" اس قسم کو پورا کرنے کا گواہ۔ "ان الله یعلم ما تفعلون" اس آیت کے نزول میں اختلاف ہے، اگر اس کا حکم عام ہے اس صورت میں جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اللہ نے ان کو اس بیعت کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول حلف جاہلیت کے متعلق ہوا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نقض عہد کی مثال بیان فرمائی ہے۔

آیت ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها کا شان نزول

⑨② "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة" اس کے بٹنے اور مضبوط کرنے کے بعد کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ یہ ایک عورت خرقاء (توڑنے والی) تھی جو احمق اور بیوقوف تھی اور اس کا تعلق قریش سے تھا، اس کا نام ربطہ بنت

عمرو بن سعد بن کعب بن زید بن مناۃ بن تمیم ہے۔ اس کا لقب جعر تھا۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی تھی اس نے ایک چرخہ ہاتھ بھر کا اور اس میں ایک میخ انگل بھر کی اور دمر کہ بہت بڑا بنا رکھا تھا وہ اون روائیں اور بالوں کی کتائی کرتی تھی اور اپنی باندیوں سے بھی کتواتی تھی، سب مل کر دوپہر تک کاتتی تھیں، دوپہر کو وہ سب کا تا ہوا دھاگہ کھول ڈالتی تھی۔ یہی اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اس واقعہ کے بعد اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عورت جو کاتنے کا کام برابر کرتی تھی کاتنا ترک نہیں کرتی تھی اور کاتنے کے بعد کتے ہوئے سوت کو توڑنے سے بھی باز نہیں رہتی تھی تم اس کی طرح نہ ہو جاؤ یا تو عہد ہی نہ کرو اور کرو تو اس کو پورا بھی کرو، ہر دفعہ معاہدہ کر کے اس کو مت توڑو۔ ''انکاثاً'' وہ اس کو توڑ دیتی تھی اس کا واحد نکث آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اون کاتنے کے بعد اس کو توڑ دینا یا رسی کو توڑ دینا۔ ''تتخذون أیمانکم دخلاً بینکم'' دخل بگاڑ دھوکہ، خیانت کو کہتے ہیں۔ دخل لغوی اعتبار سے اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کسی چیز کے اندر اس کو خراب کرنے اور بگاڑنے کے لیے داخل کیا جائے اور بعض نے کہا کہ دخل اور دغل یہ ہے کہ ظاہر میں تو وفائے عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ ''أن تکون'' کہ تم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاؤ۔

''اُمة ھی اربیٰ'' تعداد افرادی اور مال میں زیادہ ''من اُمة'' مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عرب کا دستور یہ تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا بقسم معاہدہ کر لیتی تھی لیکن جب ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمن جماعت زیادہ طاقتور یا مالدار نظر آتی ہے تو اپنے حلیفوں سے غداری کر کے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے محالفہ کر لیتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ''انما یبلو کم اللہ بہ'' اللہ تمہیں اس کام کے متعلق آزماتا ہے کہ کیا تم اس پر پورا عہد نبھاتے ہو۔ ''ولیبینن لکم یوم القیامة ما کنتم فیه تختلفون'' دُنیا میں تم ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿94﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿95﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿97﴾

ترجمہ: قیامت کے دن اس سب کو تمہارے سامنے (عملاً) ظاہر کر دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقے کا بنا دیتے لیکن جس کو چاہتے ہیں بے راہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں اور تم سے تمہارے سب اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ کبھی کسی اور کا قدم جمنے کے بعد پھسل جائے پھر تم کو اس سبب سے کہ تم راہ خدا سے مانع ہوئے تکلیف بھگتنا پڑے اور تم کو بڑا

عذاب ہوگا اور تم لوگ عہد خداوندی کے عوض میں (دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ مت حال کرو بس اللہ کے پاس کی جو چیز ہے وہ تمہارے لئے بدر جہا بہتر ہے اگر تم سمجھنا چاہو اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جاوے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجران کو ضرور دیں گے جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

تفسیر 93 "**ولو شاء اللہ لجعلکم اُمة واحدة**" اس سے ملت واحدہ اسلام ہے۔ "**ولکن یضل من یشاء**" ان کو اس کے کاموں کے سبب رُسوا کر دیا یا اسلام سے عدول فرمانے کی وجہ سے اس کو اس سے دور رکھا۔ "**ویھدی من یشاء**" اس کی توفیق کے سبب ان پر اللہ نے فضیلت بخشی۔ "**ولتسئلن عما کنتم تعملون**" قیامت کے دن۔

94 "**ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً**" ان کو دھوکہ دینا اور فساد برپا کرنا۔ "**بینکم**" کہ تم لوگوں کو دھوکہ نہ دو اور تم ان کی قسموں پر اعتماد کرلو اور تم ان کی طرف سے خوب مطمئن ہو جاؤ اور پھر وہ تم کو فریب و دھوکا دے کر قسمیں اور معاہدے توڑ دے۔ "**فتزل قدم بعد ثبوتھا**" بے خوف اور مطمئن ہو جانے کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ۔ عرب کا محاورہ ہے کہ عافیت کے بعد اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے یا سلامتی کے بعد کسی گڑھے میں گر پڑتا ہے تو کہتے ہیں اس کا قدم پھسل گیا۔ "**وتذوقوا السوء بما صددتم عن سبیل اللہ**" بعض نے کہا کہ تمہارے لیے لوگوں کے ساتھ نقض عہد کو آسان کر دیا گیا ہے کہ تم ان کے ساتھ نقض عہد کرو۔ "**ولکم عذاب عظیم**"

95 "**ولا تشتروا بعھد اللہ ثمنًا قلیلاً**" اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد تم ان چند چیزوں سے نہ توڑو کہ دُنیا کا کچھ مال تمہیں مل جائے لیکن تم اس عہد کو پورا کرو۔ "**انما عند اللہ ھو**" اسی کے پاس تمہارے لیے ثواب جو تم نے عہد پورا کیا ہے۔ "**خیرلکم ان کنتم تعلمون**" ان دونوں عوضوں سے بڑھ کر یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

96 "**ما عندکم ینفد**" جو کچھ دُنیا میں ہے اور دُنیا بھی فانی ہے۔ "**وما عند اللہ باقٍ ولنجزین**" ابوجعفر، ابن کثیر، عاصم نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "**الذین صبروا**" عہد کی پاسداری میں خواہ خوشی میں ہو یا تنگی میں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی دُنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ اپنی دُنیا کا ضرر کرتا ہے۔ تم باقی رہنے والی چیز کو فناء ہونے والی پر ترجیح دو۔

97 "**من عمل صالحًا من ذکر اوانثیٰ وھو مؤمن فلنحیینه حیاةً طیبةً**" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد رزق حلال ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے قناعت مراد ہے۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ طاعت میں زندگی گزارنا مراد ہے۔

ابوبکر وراق کا قول ہے کہ اس سے مراد طاعت کی شیرینی پاکیزہ زندگی ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔ عوف نے حسن سے روایت نقل کی ہے کہ حسن نے فرمایا کہ جنت کے علاوہ کسی کی زندگی طیب نہیں ہوتی۔ ''ولنجزینھم اجرھم بأحسن ما کانوا یعملون''

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں بس اس کا قابو تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افترا کرنے والے ہیں بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق لائے ہیں تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری (کا ذریعہ) ہو جاوے۔

تفسیر ⑨⑧ ''فاذا قرأت القرآن'' جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرلو۔ ''فاستعذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا'' تعوذ پڑھنا قراءۃ قرآن کے وقت مسنون ہے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے کہ قرآن کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھا جائے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے کہ قرأت کے بعد تعوذ پڑھے۔ ان کے ہاں یہ الفاظ ہیں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو جاتے تھے تو تین بار اللہ اکبر کبیراً اور تین بار الحمدللہ کثیراً اور تین بار ''سبحان اللّٰہ بکرۃ وّ اصیلا'' کہنے کے بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے تھے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ''اللھم انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم من ھمزہ و لمزہ و نفخہ ونفثہ'' میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے، اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے وسوسے سے۔

⑨⑨ ''انہ لیس لہ سلطان'' نہ اس کے لیے ان کے پاس کوئی حجت اور ولایت ہوگی۔ ''علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون'' سفیان نے اس کا مطلب یہ ہے نہ ان کے لیے اس دن کوئی مددگار ہوگا جس پر یہ اپنے گناہ کا بار ڈال سکیں اور ان کو بخش دیں۔

100 "انما سلطانه على الذين يتولونه" جو شیطان کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی ولایت میں داخل ہیں۔ "والذين هم به مشركون" یعنی وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ کنایۃ یہ شیطان کی طرف راجع ہے۔ یعنی شیطان کی وجہ سے اس کے اغواء کے سبب شرک کرتے ہیں۔

101 "واذا بدلنا آية مكان آية" یعنی جب ہم ایک حکم کو بدل کر اس کی جگہ دوسرے حکم کو لے آتے ہیں۔ "والله اعلم ما ينزل" وہی زیادہ جانتا ہے کہ میری مخلوق کے زیادہ مناسب کیا ہے کس احکام کو تبدیل یا بدلنا ہے۔ "قالوا انما انت" یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "مفتر" مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہیں۔ آج ایک حکم دیتے ہیں اور کل اس کی ممانعت کر دیتے ہیں یہ از خود تراش کر اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں۔ "بل اكثرهم لايعلمون" قرآن کی حقیقت کو اکثر نہیں جانتے اور ناسخ منسوخ کے بیان کو بھی نہیں جانتے۔

102 "قل نزله" اس سے قرآن کریم مراد ہے۔ "روح القدس" حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ "من ربك بالحق" اس سے سچائی مراد ہے۔ "ليثبت الذين امنوا" تاکہ اس کے ذریعے مؤمنین کے دلوں کو ثابت قدم رکھے اور ان کے ایمان کو اور زیادہ پختہ کرے۔ "وهدى و بشرى للمؤمنين"

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ 103 اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 104 اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ 105

ترجمہ: اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھلا جاتا ہے جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ پر نہ لاویں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی بس جھوٹ افتراء کرنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔

تفسیر: 103 "ولقد نعلم أنهم يقولون انما يعلمه بشر" ان کو یہ کلام آدمی سکھلا جاتا ہے یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

انما يعلمه بشر کی تعیین میں مفسرین کے اقوال

اس بشر کی تعیین میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مکہ میں ایک عیسائی عجمی غلام تھا جو لوہار تھا۔ اس کا نام بلعام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ مشرکوں نے آپ کو بلعام کے پاس آتا جاتا دیکھ کر کہا کہ اس کو بلعام سکھا دیتا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ بنی مغیرہ کا ایک غلام تھا جس کا نام یعیش تھا وہ کتابیں پڑھتا تھا، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قرآن سکھاتے تھے۔ قریش کہنے لگے ان کو یعیش سکھا دیتا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ حویطب بن عبدالعزیٰ کا ایک غلام تھا جس کی زبان عجمی تھی، اس کا نام عائش تھا، مشرک کہنے لگے یہ عائش سے سیکھ لیتے ہیں۔ آخر میں عائش مسلمان ہو گیا اور اسلام میں پختہ رہا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پہاڑی کے قریب ایک رومی عیسائی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے، اس کا نام جبر تھا، یہ بنی الحضرم قبیلہ میں سے کسی کا غلام تھا اور کتابیں پڑھا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسلم حضرمی کا قول ہے ہمارے دو غلام تھے جو یمن کے تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا، یسار کی کنیت ابوفکیہہ تھی، دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور تورات وانجیل پڑھا کرتے تھے کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے گزرتے تھے اور وہ پڑھتے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر کر سننے لگتے۔ ضحاک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار دکھ دیتے تو آپ ان دونوں غلاموں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے اور ان کے کلام سے کچھ سکھ محسوس کرتے۔ مشرک کہنے لگے محمد انہی دونوں سے سیکھ لیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مشرکوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا۔ "**لسان الذی یلحدون الیہ**" ان کی طرف مائل ہوا یا ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ "**أعجمی**" عجمی وہ شخص جو فصاحت و بلاغت پر قادر نہ ہو۔ اگرچہ وہ عجمی جگہ رہنے والا ہو۔ عجمی یہ منسوب ہے عجم کی طرف۔ اگرچہ وہ فصیح ہو۔ اعرابی بدوی کو کہتے ہیں عربی منسوب ہے عرب کی طرف۔ اگرچہ وہ غیر فصیح ہو۔

"**وھذا لسان عربیٌّ مبین**" اس سے مراد فصیح زبان ہے۔ یہاں لسان سے قرآن مراد ہے اور عرب کہتے ہیں لغت لسان اور انہی سے مروی ہے کہ وہ شخص جو اسلام لے آئے اور اچھا اسلام لائے، عرب اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

⑩④ "**ان الذین لا یؤمنون بآیات اللّٰہ لا یھدیھم اللّٰہ**" اللہ ان کو ہدایت نہیں دے گا۔ "**ولھم عذاب الیم**" پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ کفار ہی جھوٹ باندھتے ہیں۔

⑩⑤ "**انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بآیات اللّٰہ واولئک ھم الکذبون**" یہ سب لوگ جھوٹے ہیں نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ جب پہلے یہ کہہ دیا "**انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون**" پھر آگے۔ "**اولئک ھم الکذبون**" کا معنی کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ "**انما یفتری الکذب**" ان کے فعل کی خبر دینا ہے اور "**وھم الکاذبون**" اس کی صفت ہے۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ تو نے جھوٹ بولا اور تو جھوٹا ہے۔ "**ای کذبت فی ھذا القول**" کہ تم اپنی بات میں جھوٹے ہو۔

حضرت عبداللہ بن جراد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا مؤمن زنا کر سکتا ہے؟ فرمایا کبھی ایسا ہو سکتا ہے میں نے عرض کیا کیا مؤمن چوری کر سکتا ہے؟

فرمایا کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کیا مؤمن جھوٹ بول سکتا ہے؟ فرمایا نہیں، اللہ نے فرما دیا ہے۔ "**انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بآیات اللّٰہ**"

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جاوے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر اطمینان ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی (اور) یہ (غضب و عذاب) اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس سبب سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ (انجام سے) بالکل غافل ہیں (اس لئے) لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے۔

الامن اکرہ کا شان نزول

تفسیر ﴿۱۰۶﴾ "من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے حضرت عمار کو اور ان کے والد حضرت یاسر کو اور ان کی ماں حضرت سمیہ کو اور حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت حبیب، حضرت سالم کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور شرمگاہ میں نیزہ ڈال کر کاٹ دیا گیا۔ حضرت یاسر کو بھی قتل کر دیا گیا، اسلام میں سب سے پہلے یہی دونوں شہید ہوئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بامر مجبوری وہ بات زبان سے نکال دی جو مشرک چاہتے تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی مغیرہ نے حضرت عمار کو پکڑ کر چاہ میمون میں غوطے دیئے اور کہا محمد کا انکار کر۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے وہی بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے مگر آپ کا دل اس بات سے نفرت کرتا تھا، دل کو انکار رسالت گوارہ نہ تھا، کسی نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ عمار کافر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ حضرت عمار کے اندر تو سر کی چوٹی سے لیکر قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ اس کے خون و گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔ آخر حضرت عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا بات ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بات بری ہے، میں نے آپ کو برا کہہ دیا ہے اور (بطور انکار کے) آپ کا ذکر کیا۔ فرمایا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تم کو محسوس ہو رہی تھی۔ عرض کیا دل تو ایمان پر مطمئن تھا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ

عنہ کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا، اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسی حرکت کریں تو تم دوبارہ لوٹا سکتے ہو۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔
مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ کے چند مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو لکھا تھا کہ مکہ چھوڑ آؤ، جب تک ہجرت کر کے ہمارے پاس نہ آجاؤ گے ہم تم کو اپنے میں شمار نہیں کریں گے۔ اس تحریر پر وہ لوگ مکہ چھوڑ کر مدینہ چل دیئے، راستے میں ان کو قریش نے پکڑ لیا اور سخت دکھ دیئے، مجبوراً بنفرت خاطر ناگواری کے ساتھ کلمات کہہ دیئے۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول عامر بن حضرمی کے غلام جبر کے حق میں ہوا۔ ان کے آقا نے ان پر زبردستی کی تھی۔ مجبوراً جبر سے کلمہ کفر کہلوا دیئے تھے۔

"وقلبه مطمئن بالایمان" پھر جبر کا آقا بھی مسلمان ہو گیا اور اسلام میں پختہ رہا اور جبر کو ساتھ لے کر اس نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔ "ولکن من شرح بالکفر صدرًا" اور جو شخص کفر کو دل سے اختیار کر لے۔ "فعلیھم غضبٌ من اللّٰہ ولھم عذاب عظیم" علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لیے زبان سے کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔ اگر اس کو زبان سے بغیر عقیدہ کے کہہ دیا تو یہ کفر نہیں اور اگر اس نے کلمہ کفر کہنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا تو یہ اس کے لیے افضل ہے۔ بعض اہل علم نے مکرہ کی طلاق پر اختلاف ذکر کیا ہے تو بعض کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

⑩⑦ "ذلک بانھم استحبوا" انہوں نے اس کو ترجیح دی۔
"الحیوٰۃ الدنیا علی الاخرۃ و انّ اللّٰہ لا یھدی القوم الکافرین" ان کو ہدایت نہیں دیتا۔
⑩⑧ "اولٰئک الذین طبع اللّٰہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون"......
⑩⑨ "لاجرم" لازمی بات ہے۔ "انھم فی الاخرۃ ھم الخاسرون" وہ آخرت میں گھاٹے میں ہوں گے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑪⓪ یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑪① وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً کَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ⑪②

(ترجمہ) پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد (ایمان لا کر) ہجرت کی پھر جہاد کیا اور (ایمان پر) قائم رہے تو آپ کا رب ان (اعمال) کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا (اور دوسرے کو نہ پوچھے گا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن واطمینان میں (رہتے) تھے اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے

ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں سوانہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

تفسیر ⑩ "ثم ان ربّک للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا" ان کو تکالیف دی گئیں اور اسلام سے ان کو روکا گیا اور مشرکوں نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا۔ "ثم جاھدوا و صبروا" ایمان، ہجرت اور جہاد پر صبر کرتے رہے۔ "انّ ربّک من بعدھا" اس فتنہ اور غفلت کے بعد "لغفورٌ رحیم" اس آیت کا نزول عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کے رضاعی بھائی اور ابوجندل بن سہیل بن عمرو اور ولید بن ولید بن مغیرہ، سلمہ بن ہشام، عبداللہ بن ابی اسید ثقفی کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ انہوں نے مشرکوں کو ایذاء سے بچنے کے لیے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیئے جو مشرک کہلوانا چاہتے تھے پھر مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چلے گئے۔

حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق ہوا۔ عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا۔ پھر مرتد ہو کر عیسائی ہوگیا اور کافروں سے جاملا تھا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کردینے کا حکم دے دیا تھا۔ عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا اخیافی بھائی تھا۔ اس لیے اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی۔ اس کے بعد عبداللہ پکا مسلمان ہوگیا اور وہ خوب اسلام میں پختہ رہا۔ اسی کے متعلق یہی آیت نازل ہوئی۔ ابن عامر نے "فَتَنُوا" فاء کے فتحہ اور تاء کے فتحہ کے ساتھ۔ یعنی کافر ہونے اور مسلمانوں کو دُکھ پہنچانے کے بعد ایمان لا کر انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا۔

⑪ "یوم تاتی کل نفس تجادل" جھگڑا کرے گا اور محتاج ہوگا۔ "عن نفسھا" جو اس نے اپنے لیے آگے بھیجا ہوگا اس کے لیے وہ فکر مند ہوگا۔ اس کو کسی دوسرے کی فکر نہیں ہوگی۔ "وتوفی کل نفس ما عملت وھم لایظلمون"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے فرمایا ہمارے اندر خوف پیدا کرو۔ کعب احبار نے عرض کیا امیر المؤمنین اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پائیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا۔ جہنم ایک ایسا دم کھینچے گی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم بھی کہہ اُٹھیں گے میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: "یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا"

روح اور بدن کی مثال اندھے اور اپاہج کی ہے

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا، روح کہے گی اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی بدن کہے

گا تو نے مجھے لکڑی کی طرح پیدا کیا تھا، میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا میرے پاؤں نہ تھے کہ میں ان سے چلتا نہ میری آنکھیں تھیں کہ میں ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آ گئی تو میری زبان بولنے لگی، میری آنکھ بینا ہوگئی اور میرے پاؤں رواں ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک اپاہج کسی کے باغ میں پہنچ گئے، باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے، اندھا تو پھلوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا اور اپاہج تو دیکھ سکتا تھا، پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا تھا، آخر اندھے نے اپاہج کو اپنے اوپر سوار کر لیا، اسی طرح دونوں نے پھل حاصل کر لیے۔ روح اور بدن دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

⑪۲ "وضرب اللّٰہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ" قریۃ سے مراد مکہ ہی ہے نہ اس میں رہنے والے کسی چیز کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ "مطمئنۃ" اپنی جگہ برقرار رہنے والے، دوسری جگہ منتقل ہونے کے محتاج نہیں۔ جیسے دوسری بستیوں کو ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ اپنی جگہ بدل دیتے ہیں ایسے یہاں بھی ہے۔ "یاتیھا رزقھا رغدًا من کل مکان" اس کی طرف بھیجا جاتا ہے خشکی کے راستے سے بھی اور سمندر کے ذریعہ سے بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "تجبیٰ الیہ ثمرات کل شیءٍ"...... "فکفرت بانعم اللّٰہ" جمع ہے نعمۃ کی اور بعض نے کہا کہ نعماء کی جمع ہے۔ جیسے "باساء وابوس"......"فاذاقھا اللّٰہ لباس الجوع"

مکی دور میں فاقہ کی حالت

اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کی آزمائش سات سال تک دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام عرب نے مکہ کو کھانے پینے کا سامان بھیجنا بند کر دیا، ہر طرف سے رسد کی بندش ہوگئی اور اس قدر فاقوں کی نوبت آگئی کہ لوگوں نے جلی ہوئی ہڈیاں، مردار جانور، مردہ کتے، اونٹوں کے اون اور خون سے پکا ہوا مخلوط قوام تک کھا لیا۔ فاقوں کی وجہ سے نظر کی یہ حالت ہوگئی کہ آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے تھے تو دھواں سا نظر آتا تھا، اس حالت میں مجبور ہو کر سرداران مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دشمنی تو مردوں سے ہے عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے؟ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلہ کی رسد پہنچانے کی اجازت دے دی اور عرب مکہ کو خوردنی جنس بھیجنے لگے۔ اہل مکہ اس زمانے میں مشرک تھے، لباس سے مراد ہے وہ اثر جو بھوک اور خوف کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے لاغری اور رنگ کا متغیر ہونا۔ "والخوف" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی دستے کے حملہ کرنے کا خوف ہوا۔ "بما کانوا یصنعون"

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑪۳ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ⑪۴ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اوران کے پاس ان ہی میں کا ایک رسول بھی (منجانب اللہ) آیا سو اس (رسول) کو (بھی) انہوں نے جھوٹا بتلایا تب ان کو عذاب (الٰہی) نے آ پکڑا جبکہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ بالکل بے قرار ہو جاوے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے اور ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ تہمت لگاتے ہیں وہ فلاح نہ پاویں گے یہ (دنیا میں) چند روزہ عیش ہے اور (مرنے کے بعد) ان کے لئے دردناک سزا ہے۔

تفسیر: ⑪۳ "ولقد جاء ھم الرسول منھم" اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ "فکذبوہ فاخذھم العذاب وھم ظالمون"

⑪۴ "فکلوا مما رزقکم اللہ ...... تا ...... ایّاہ تعبدون" ⑪۵ "انما حرّم علیکم المیتۃ ...... تا ...... غفور رحیم"

⑪۶ "ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب" اور نہ کہو تم اپنی زبانوں کے ساتھ جھوٹ یا جھوٹ کے وصف کے ساتھ کوئی بات زبان سے نہ نکالو، ازخود کسی کو حلال اور کسی کو حرام بناتے ہو۔ یہ محض تمہارے کذب کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ "ھذا حلال وھذا حرام" بحیرہ اور سائبہ "لتفتروا علی اللہ الکذب" اور وہ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حکم اللہ نے دیا ہے۔ "ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون" وہ اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکتے۔

⑪۷ "متاعٌ قلیل" جو ان کے پاس تھوڑا سا سامان ہے یا ان کے لیے دُنیا میں تھوڑا سا سامان بطور فائدے کے لیے تھا۔ "ولھم عذابٌ الیم" آخرت میں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

⑫١ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑫٢ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑫٣

ترجمہ: اور صرف یہودیوں پر ہم نے دو چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم اس کے قبل آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کیا کرتے تھے پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور (آئندہ کے لئے) اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے رستہ پر ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقے پر جو کہ بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے چلئے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

تفسیر ⑪٨ "وعلى الذين هادوا حرمنا ماقصصنا عليك من قبل" سورۃ انعام میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ "وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر"...... "وما ظلمناهم" ان چیزوں کے حرام کرنے کی وجہ سے ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی۔ "ولكن كانوا انفسهم يظلمون" ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر کچھ اشیاء حرام کر دی گئی تھیں۔

⑪٩ "ثم انّ ربک للذين عملوا السوء بجهالة ثم تابوا من بعد ذلک واصلحوا" اپنی توبہ پر استقامت ہونے کے باوجود کوئی گناہ سرزد ہو گیا۔ "انّ ربک من بعدها" ان کی جہالت کی وجہ سے یا خواہش نفس کی وجہ سے اور گناہ کے نتیجہ پر غور نہ کرنے پر "لغفورٌ رحيم" تو اس گناہ کو معاف فرما دیں گے۔

⑫٠ "انّ ابراهيم كان اُمةً" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معلم خیر تھے۔ تمام دُنیا کے لوگ آپ کی اقتداء کرتے تھے۔ وہ تمام خصلتیں آپ علیہ السلام میں موجود تھیں جو کسی اُمت میں موجود نہیں تھیں۔ مجاہد کا قول ہے تنہا آپ ہی مؤمن تھے باقی سب لوگ کافر تھے۔ قتادہ کا قول ہے وہ اہل دین میں سے نہیں جو ان کی پیروی نہ کرے۔ "قانتا لله" اس سے مراد مطیع ہے۔ اللہ کے اوامر کو قائم کرنے والا۔ "حنيفًا" دین اسلام پر قائم رہنے والا اور بعض نے کہا دین اسلام میں مخلص رہنے والا۔ "ولم يک من المشركين"

⑫١ "شاكرًا لانعمه اجتباه" اس کو اختیار کیا۔ "وهداه الى صراط مستقيم" اس سے مراد دین حق ہے۔

⑫٢ "وآتيناه فى الدنيا حسنةً" اس سے پیغمبری اور خالص دوستی مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ سچی زبان اور اس کی تعریف۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس سے مراد درُود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کے لیے دُعا فرمائی کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر نازل کی گئی تھی۔ آپ نے دُعا کی تھی "اللّٰهم صلّ على محمّد وعلى آل محمّد كما صلّيت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم"۔ بعض نے کہا کہ ایسی اولاد جو تکبر سے بری ہو۔ بعض نے کہا کہ

تمام اُمتوں میں قبولیت "وانه في الاخرة لمن الصالحين" اپنے آباء کے ساتھ جنت میں (صالحین) جگہ دے۔ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل عبارت اسی طرح "و آتيناه في الدنيا و الآخرة حسنةً وانه لمن الصالحين"

⑫۳ "ثم اوحينا اليک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ "ان اتبع ملة ابراهيم حنيفًا" حج کرنے میں اور اسلام لانے میں "وما كان من المشركين" اہل اُصول کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر مامور تھے مگر وہ اُمور جو اس شریعت میں منسوخ ہیں اور جو منسوخ نہیں ہوئے وہ ہماری شریعت میں برقرار ہیں۔ ان کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھی۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: بس ہفتہ کی تعظیم تو صرف ان ہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا بیشک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں باہم فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستے سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو ہم یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہوجائے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

ہفتہ کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے یہودیوں پر اللہ کی لعنت پڑی

تفسیر: ⑫۴ "انما جعل السبت على الذين اختلفوا فيه" یعنی انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ جن لوگوں نے ہفتہ کے دن میں اختلاف کیا ان پر لعنت ہے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ نے ہفتہ کے دن کی تعظیم اور حرمت صرف ان لوگوں کے لیے لازم کی تھی جنہوں نے اس کے سلسلے میں اختلاف کیا تھا یعنی یہودیوں پر ہفتہ کے دن کی تعظیم لازم کی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہفتہ کا دن سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا

کر کے جمعہ کے دن فارغ ہو گیا اور سنیچر کے دن آرام کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اتوار کا دن سب سے زیادہ عظمت والا ہے، اللہ نے اسی روز مخلوق کو پیدا کرنے کا افتتاح کیا تھا۔ غرض یہ کہ اللہ نے ان کے لیے جمعہ کی تعظیم فرض کی تھی مگر اللہ کے فرض کردہ دن کے علاوہ انہوں نے دوسرے ایام کی تعظیم کو اختیار کیا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ ہر سات دن میں ایک روز یعنی جمعہ کے دن کوئی کام اور کوئی پیشہ نہ کریں صرف عبادت کیا کریں، چھ دن اپنے کام کاج کیا کریں۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم تو وہ دن چاہتے ہیں جس روز اللہ سارے عالم کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا۔ یعنی سنیچر کا دن۔ اللہ نے سنیچر کا دن مقرر کر دیا اور سختی کر دی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے جمعہ کے دن کو پیش کیا کہنے لگے ہم کو تو یہ بات پسند نہیں کہ ہماری عید کے بعد ہی ان کی عید ہو جائے۔ غرض عیسائیوں نے اتوار کا دن پسند کر لیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن اس اُمت کو دے دیا اور اس اُمت نے عطاء الٰہی کو قبول کر لیا اور اللہ نے اُمت اسلامیہ کو اس دن کی برکات بھی عطا فرما دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم پیچھے ہیں، قیامت کے دن آگے ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے بعد۔ پھر یہ ان کا دن تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا، یعنی جمعہ کا دن مگر انہوں نے اس کی مخالفت کی لیکن اللہ نے ہم کو اس کی ہدایت کر دی، سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں، یہودیوں کے لیے کل کا دن اور عیسائیوں کے لیے کل کے بعد کا دن (اتوار) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ**" قتادہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ یہود ہیں جنہوں نے بعض چیزوں کو حلال کر دیا اور بعض کو حرام کر دیا۔ "**وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ**"

125 "**ادع الی سبیل ربک بالحکمة**" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**والموعظة الحسنة**" اس سے مراد قرآن کی نصیحتیں ہیں اور بعض نے کہا کہ "**موعظة حسنة**" سے مراد دُعا ہے جس میں ترغیب اور ترہیب بھی ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ "**موعظة حسنة**" سے مراد ایسا نرم کلام ہے جس میں درشتی اور چڑ چڑا پن نہ ہو۔ "**وجادلھم بالتی ھی احسن**" ان کے ساتھ مناظرہ یا جھگڑا احسن انداز سے کرو، ان کو اذیت دینے سے بچو اور رسالت کی تبلیغ میں اور حق کی طرف بلانے میں کوئی کمی نہ کرو۔ یہ آیت قتال سے منسوخ ہو گئی ہے۔ "**اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ**"

126 "**وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به**"

وان عاقبتم فعاقبوا کا شانِ نزول

یہ آیات مدینہ میں نازل ہوئیں شہداء احد کے متعلق۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب مسلمانوں نے مشرکوں کے فعل کو دیکھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے شہداء کے ساتھ مثلہ اور ان کے پیٹوں کو چیرا گیا۔ احد کے شہداء میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جس کا انہوں نے مثلہ نہ کیا ہو، سوائے حنظلہ بن راہب کے کیونکہ ان کا والد عامر الراہب ابوسفیان کے ساتھ تھا اس وجہ سے اس کو

مثلہ کرنے سے چھوڑ دیا۔ اس پر مسلمانوں نے کہا اگر ہم کو کسی روز ایسا موقع ہاتھ لگا تو ہم بھی ان کی حالت قابل رحم بنا دیں گے۔ جیسا کہ عرب میں سے کسی نے ایسا عمل نہیں کیا ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کے پاس کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ ان کے ناک' کان اور شرمگاہ اور پیٹ کو چیر دیا گیا ہے اور ہندہ بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا لیکن اس کو نگل نہ سکی تو پھر باہر تھوک دیا۔ اس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی لاش کے قریب پہنچے اور فرمایا، اگر یہ اس کو کھالیتی تو وہ کبھی دوزخ میں نہ جلتی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معظم ومکرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے جسم کے کسی حصہ کو بھی جہنم میں داخل نہیں کرے گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اتنا رنجیدہ ہوا جتنا کسی اور چیز کو دیکھ کر نہیں ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھ پر اللہ کی رحمت ہو (اے ابوالسائب) مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑے نیک کردار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر آپ کے بعد رہنے والوں کے رنجیدہ ہونے کا خیال نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی کہ آپ کو یونہی چھوڑ دوں تاکہ آپ کا حشر متعدد گرہوں کے اندر سے ہو۔ خدا کی قسم! اگر اللہ نے مجھے ان پر فتح عنایت کی تو آپ کی جگہ میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور ضرور مثلہ کردوں گا، اس پر اللہ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔ "وان عاقبتم فعاقبوا"...... "ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین" اگر تم ان کو معاف کردو گے تو تمہارا ان کے لیے معاف کردینا بہتر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلکہ ہم اس پر صبر کریں گے اور جس کا تم ارادہ کرتے ہو اُس سے رُک جاؤ اور اپنی قسموں کا کفارہ دو۔ ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے کہ اس آیت کا حکم برأت کے نزول سے پہلے تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود آغاز قتال سے منع کیا گیا تھا اور لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم دیا تھا لیکن جب اللہ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور سورۃ برأت نازل ہوگئی تو یہ آیت منسوخ کردی گئی۔ امام نخعی، ثوری' مجاہد اور ابن سیرین کا قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہوئی۔ جن لوگوں نے ظلم کیا ہو ان کے ظلم کے مطابق انتقام لینے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ یہی اس کا شان نزول ہے۔ ظالم نے جتنا ظلم کیا ہو اس سے زیادہ انتقام لینا جائز نہیں۔ بقدر ظلم بدلہ لیا جاسکتا ہے اور معاف کردینا بہتر ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

⑫⑦ "واصبروا ما صبرک الا باللّٰہ" اس کی مدد وتوفیق سے۔ "ولا تحزن علیھم" ان کے اعراض کرنے کی وجہ سے ان سے رنج نہ کرو۔ "ولاتک فی ضیق مما یمکرون" وہ کافر جو مؤمنوں کے خلاف مکاریاں کرتے ہیں۔ آپ ان کی پرواہ نہ کریں۔ یہاں ابن کثیر نے اسی طرح پڑھا ہے اور نمل میں ضاد کے کسرہ "ضِیق" کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ضاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل کوفہ کا قول ہے کہ اس میں دونوں لغتیں ہیں۔ مثل رَطل، رِطل کے اور ابو عمر نے کہا کہ ضیق ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہو تو غم کو کہتے ہیں اور کسرہ کے ساتھ ہو تو تنگی کو کہتے ہیں اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ضیق ضاد کے کسرہ کے ساتھ قلت معایش کو کہتے ہیں اور جو دل، سینے میں درد اُٹھے اس کو ضیق فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ یہ تخفیف کے ساتھ ہے۔ مثل "ھیّن اور ھین" کے "لیّن اور لین" کے۔ اس قول کی بناء پر ضیق صفت کا صیغہ ہوگا۔ یعنی تنگ امر۔ آپ ان کی خاطر ان کے مکر کے باعث تنگ دل نہ ہوں۔

⑫⑧ "ان اللّٰہ مع الذین اتقوا" جن سے منع کیا گیا۔ "والذین ھم محسنون" اللہ کی مدد ونصرت کا ساتھ ہونا۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد کو شب کے وقت) مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تا کہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلائیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں

تفسیر: ① "سبحن الذی أسریٰ بعبدہ لیلاً" اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ہر اس برے وصف سے جس کی برأت کی جائے بطور مبالغہ کے۔ اس صورت میں سبحان بمعنی تعجب کے ہوگا۔ "اسریٰ بعبدہ" اس کو سیر کرائی۔ اسی سے بولا جاتا ہے "سرّی بہ" عبد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "من المسجد الحرام" اس سیر کی ابتداء مکہ سے ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انس نے مالک بن صعصعہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد حرام میں حجر اسود کے قریب نینداور بیداری کی حالت کے درمیان میں تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج والی حدیث بیان کی۔

اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اُم ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے معراج ہوئی۔ اس صورت میں "من المسجد الحرام" سے مراد حرم ہوگا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سال ہجرت سے پہلے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ رجب میں ہوئی اور بعض نے کہا کہ رمضان میں ہوئی۔ "الی المسجد الاقصیٰ" اس سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کو مسجد اقصیٰ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ ان تمام مساجد سے دور ہے جن کی زیارت کی جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مسجد الحرام سے دور ہے۔ "الذی بارکنا حولہ" نہروں، درختوں اور پھلوں کے ساتھ برکت دی اور مجاہد کا قول ہے اس کو مبارک اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور فرشتوں کے اُترنے کی جگہ ہے اور اس میں ایک چٹان ہے اور اسی کے گرد قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جاتا۔ "لنریہ من آیاتنا" اس کی عجیب قدرتوں کو دیکھے۔ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور ہماری بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھے۔ "انہ ھو السمیع البصیر" سمیع کو اس لیے ذکر کیا کہ وہ ہماری دُعاؤں کو خوب سننے والا ہے اور ان کو قبول کرنے والا ہے اور بصیر کو اس وجہ سے ذکر کیا کیونکہ وہ رات کے اندھیرے میں موذی اشیاء سے بچانے والا ہے۔

واقعہ اسراء

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نہیں کہتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسد کے ساتھ معراج کرائی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو روح کے ساتھ سیر کرائی اور اکثر مفسرین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج

کرائی گئی جسم کے ساتھ حالت بیداری میں۔ اس کے متعلق بہت ساری احادیث متواتر دلالت کرتی ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ طویل سند کے ذکر کرنے کے بعد ایک روایت لائے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ تک بعض احادیث پہنچی ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت کھولی گئی، پھر جبرئیل علیہ السلام آئے، پھر انہوں نے میرے سینے کو چیرا، پھر اس کو زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا، جو حکمت وایمان سے بھرا ہوا تھا اس کے لیے میرے سینے کو فارغ کر دیا گیا، پھر واپس میرے دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔

مالک بن صعصعہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ اسریٰ کے متعلق بیان کیا اور فرمایا کہ میں حطیم کے درمیان میں تھا اور کہا کہ میں حجر اسود کے درمیان نیند اور بیداری کی حالت میں تھا اور بعض نے ذکر کیا کہ دو آدمیوں کے درمیان تھے تو ایک سونے کا طشت تھا اس میں ایمان اور حکمت بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے میرے سینے کو پیٹ تک چاک کیا اور اس سے دل کو نکالا، پھر اس کو دھویا، پھر اس کو حکمت سے بھر دیا اور بعض نے کہا کہ میرے دل کو گرہ لگائی پھر اس کو لوٹایا گیا۔

واقعہ معراج میں امامت انبیاء علیہم السلام کا واقعہ

سعید وہشام کا قول ہے پھر بطن کو پانی کے ساتھ دھویا، پھر سینے کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا۔ پھر براق لائی گئی، وہ سفید جانور تھا، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا ایک قدم نظر جہاں پڑتی تھی وہاں جا کر رُکتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا اور میں نے حلقے کے ساتھ سواری کو باندھا جیسے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم پھر مسجد میں داخل ہوئے اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وہاں سے نکلے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے آئے، ان میں ایک برتن کے اندر شراب تھی اور دوسرے برتن میں دودھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے برتن کو اختیار کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔

آسمان دنیا پر آدم علیہ السلام کی ملاقات

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں سے چلے یہاں تک کہ آسمان دُنیا پر پہنچ گئے، آسمان کا دروازہ کھلوایا گیا۔ کہا گیا آپ کون ہیں؟ فرمایا جبرئیل! (علیہ السلام)۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کہا گیا کہ آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر کہا گیا خوش آمدید ہو آپ پر اور جو آپ کے ساتھ آئے ہیں پھر دروازہ کھولا گیا۔ دیکھا تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ مجھے کہا گیا کہ یہ آپ کے آدم باپ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سلام بھیجا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا خوش آمدید ہو نبی صالح اور ابن صالح پر۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب ہم آسمان دُنیا پر تشریف لے گئے تو ناگہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے دائیں

بائیں ذریت تھی۔ جب وہ شخص دائیں طرف دیکھتے تو وہ خوشی سے مسکراتے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو وہ رو پڑتے۔ فرمایا خوش خبری ہو نبی صالح اور ابن صالح کو۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے والد آدم علیہ السلام ہیں اور جوان کے دائیں بائیں دیکھ رہے ہو یہ ان کی ذریت ہے۔ ان کے دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ جب وہ جنتیوں کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب ناروالوں کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے ہیں۔

دوسرے آسمان پر یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام دوسرے آسمان کی طرف چڑھے۔ دوسرے آسمان کے دروازے کو کھلوایا گیا، کہا گیا، آپ کون ہیں؟ فرمایا جبرئیل، آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کہا گیا کہ کیا ان کی طرف آپ کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا جی ہاں۔ کہا گیا خوش آمدید ہو، کیا خوب ہے آنے والا پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب دوسرے آسمان پر پہنچے تو اس میں حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے، دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ فرمایا یہ یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ ان کو سلام کیا، دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ان دونوں پیغمبروں نے کہا خوش آمدید ہو، نیک بھائی اور نیک نبی پر۔

تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام کی ملاقات

پھر وہاں سے تیسرے آسمان کی طرف چڑھے، اس کو کھلوایا گیا، کہا گیا آپ کون ہیں؟ فرمایا جبرئیل، پھر کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کہا گیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر کہا گیا آپ پر خوش آمدید اور آنے والے پر بھی۔ آسمان کا دروازہ کھولا گیا، اوپر دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو حسن کا ایک حصہ عطا کیا گیا تھا۔ فرمایا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، ان پر سلام بھیجا گیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا، خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبی پر۔

چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے ملاقات

پھر وہ میرے ساتھ چوتھے آسمان کی طرف چڑھے، اس کا دروازہ کھلوایا گیا، پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوچھا گیا ان کی طرف آپ کو بھیجا گیا، جواب دیا جی ہاں۔ کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، دروازہ کھولا گیا، جب اوپر پہنچے تو دیکھا حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ فرمایا یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں ان پر سلام بھیجا تو انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور فرمایا خوش آمدید ہو صالح بھائی اور نبی صالح پر۔

پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام کی ملاقات

پھر وہ پانچویں آسمان کی طرف چڑھے، پھر اس کو کھلوایا گیا، پھر پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ فرمایا جبرئیل علیہ السلام، پھر پوچھا

گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، پھر پوچھا گیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا، فرمایا جی ہاں۔ کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے۔ جب ان سے آگے بڑھے تو دیکھا حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ کہا گیا کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیا گیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نبی صالح پر۔

چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات

پھر وہ چھٹے آسمان پر چڑھے، اس کو کھلوایا گیا، کہا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام، کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

پھر ان سے کہا گیا کہ آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا؟ فرمایا جی ہاں، پھر کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ان کے لیے دروازہ کھولا گیا، جب آسمان پر چڑھے تو دیکھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرمایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ان پر سلام بھیجا گیا، انہوں نے بھی مجھ پر سلام بھیجا، ان کے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا خوش آمدید، نبی صالح اور بھائی صالح پر، فرمایا جب ان سے آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، ان سے کہا گیا آپ کو کس چیز نے رُلایا ہے، فرمایا کہ میں اس بات پر روتا ہوں کہ ان کو میرے بعد بھیجا گیا لیکن ان کی زیادہ اُمت جنت میں جائے گی میری اُمت سے۔

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات

پھر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے، اس کو کھلوایا گیا، پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرئیل ہوں، کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کو بھیجا گیا تھا جواب دیا جی ہاں، کہا گیا خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، جب آپ آسمان پر چڑھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، فرمایا یہ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ہم پر سلام کیا ہم نے بھی ان کو سلام کیا، سلام کا جواب دیا گیا، پھر فرمایا خوش آمدید نبی صالح اور ابن الصالح پر۔

آگے بیت المعمور کا سفر

پھر مجھے اُٹھالیا گیا، بیت معمور کی طرف، میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، جواب دیا کہ یہ بیت معمور ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کے گرد طواف کرتے ہیں جو ایک دن طواف کر چکے ہیں وہ دوبارہ طواف نہ کر سکیں گے۔

ثابت بن انس کی روایت میں ہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا کہ وہ بیت معمور کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس بیت معمور میں ہر ایک روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور جو طواف کر چکے ان کی قیامت تک دوبارہ باری نہیں آئے گی۔ فرماتے ہیں کہ پھر ہمیں سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لیجایا گیا۔ اس کے بیر مکہ کے مٹکوں کے برابر تھے اور ان کے ورق ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے۔ انہوں نے ڈھانپا اللہ کے حکم سے جس طرح ڈھانپا وہ ایسی خلقت تھی کہ کسی کے بس و طاقت میں نہیں کہ اس کی صفات

بیان کرے۔اس کی جڑ میں چار نہریں تھیں دو باطن تھیں اور دو ظاہر تھیں۔ میں نے کہا اے جبرئیل! (علیہ السلام) یہ کیا ہے جو باطن نہریں ہیں وہ دو جنتی ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں، پھر میری طرف وحی کی گئی جو وحی اللہ نے بھیجنی تھی۔

پچاس نمازوں کا حکم تخفیف کرتے کرتے پانچ نمازوں کا حکم باقی رہا

پھر اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں دن و رات میں فرض کیں۔ پھر میں واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے رب نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا، میں نے کہا پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ اس میں تخفیف کرے، آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی کیونکہ بنی اسرائیل کو آزمایا گیا اور اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں پھر اللہ رب العزت کی طرف لوٹا اور کہا کہ اے میرے رب! اس میں تخفیف کیجئے۔ اللہ رب العزت نے ان سے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ پھر واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹے اور کہا کہ پانچ نمازیں کم کی گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی اُمت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، واپس اللہ تعالیٰ کے پاس جاؤ اور مزید تخفیف کی درخواست کرو، فرمایا کہ میں لگاتار اللہ رب العزت اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں دن و رات اور ہر نماز کا اجر و ثواب دس نمازوں کے اجر و ثواب کے برابر ہے۔

گویا پانچ نمازیں ادا کریں گے تو پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اب اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو شخص ایک نیکی کا ارادہ کرے گا لیکن اس کو عمل میں نہیں لائے گا تو اس کو ایک نیکی کا ثواب لکھ دیا جائے گا اور اگر اس نیکی کو کرے گا تو اس کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب لکھ دیا جائے گا اور اگر کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور اگر اس برائی پر عمل کیا تو ایک ہی لکھ دی جائے گی۔ فرمایا کہ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ (پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ پھر جائیں اپنے رب سے اس کے بارے میں تخفیف فرمائیں تو میں نے کہا کہ مجھے اب اپنے رب سے سوال کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔ لیکن میں اب اسی پر راضی ہوں اور اسی کو تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں وہاں سے آ گیا تو آواز دینے والے نے کہا کہ ہم نے اپنا فریضہ پورا کر لیا اور اپنے بندوں پر اس کی تخفیف کی۔ پھر مجھے جنت کی سیر کرائی۔ اس کے پیالے موتی کے اور جنت کی مٹی مشک جیسی ہے۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبانہ انصاری رضی اللہ عنہ دونوں فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں ان کی طرف (آسمان) پر چڑھا۔ یہاں تک کہ مجھے قلمیں چلنے کی آواز آئی۔ ابن حزم اور انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میرے پاس براق لائی گئی جس کی لگام اور زین بھی تھی، اس پر مجھے سوار کیا گیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا سوار ہو جایئے کیونکہ لوگوں میں سے کوئی بھی ایک اس پر سوار نہیں ہوتا مگر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت واکرام والا ہو اور اس سواری سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس پہنچے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے کہا، اس نے پتھر میں سوراخ کر دیا اور اس پر براق کو باندھ دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معراج کے دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا ان کی صفات یہ بیان کیں کہ وہ ایک شریف الطبع مرد معلوم ہوتے تھے لیکن ان کے چہرے میں اضطراب معلوم ہوتا تھا۔

اور ان کا سر مبارک ایسا تھا جیسے قبیلہ شنوء کا آدمی ہو۔ فرمایا میں نے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ ان کی یہ صفات بیان کیں اور فرمایا ان کا چہرہ سرخ تھا ایسے جیسے کہ انار نچوڑا ہو اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کے مشابہ اولاد میں سے ہوں۔ فرمایا کہ میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی۔ مجھے کہا گیا ان دونوں میں سے جو چاہو لے لو، تو میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا اور اس کو پی لیا۔ پھر مجھے کہا گیا کہ آپ نے اپنی فطرت کو لیا ہے، اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی اُمت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی۔

حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اس فرمان کے بارے میں "**وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس**" فرمایا یہ وہ خواب ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی مسجد حرام سے بیت المقدس تک اور فرمایا کہ شجرۃ ملعونہ سے مراد قرآن میں شجرۃ زقوم ہے۔ اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ دوسری روایت لائے ہیں۔

شریک بن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، فرماتے ہیں کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج کرائی گئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں موجود تھے، ان کے پاس تین شخص آئے آپ کے پاس وحی آنے سے پہلے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سو رہے تھے، ان میں سے ایک شخص نے کہا، کہ وہ کیسا ہے، ان تین افراد میں سے درمیان والے نے کہا کہ وہ سب سے بہتر ہیں اور پھر تیسرے شخص نے کہا اس خیر کو لے لو، اس رات انہوں نے کچھ نہ دیکھا یہاں تک کہ دوسری رات آ گئی جس رات انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو دیکھا یا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو دیکھا کہ وہ سو رہی ہیں نہ کہ ان کا دل۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل نہیں سوتے۔ پھر انہوں نے آپس میں کوئی کلام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے زمزم کے کنویں کے پاس بٹھا دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ، ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک چاک کیا اور اندرون صدر کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے معراج کی پوری حدیث بیان کی جس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آسمان دُنیا میں

پہنچے تو وہاں سے دو دریا نکلتے دیکھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ نیل و فرات ہیں، دونوں کا سرچشمہ یہاں ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان میں لے چلے وہاں ایک اور دریا دیکھا جس پر موتی اور زبرجد کا محل بنا ہوا تھا۔ دریا میں ہاتھ مارا تو وہ یکدم خالص مشک بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا پھر آپ کو ساتویں آسمان تک لیجایا گیا جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔

یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور اللہ جبار رب العزت کا قرب ہوگیا۔ اللہ رب العزت کچھ نیچے آئے یہاں تک کہ دو کمانوں کے فاصلے کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا اور ہر رات دن میں پانچ نمازوں کا حکم بذریعہ وحی دیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام بار بار لوٹا کر آپ کو رب العزت کے پاس بھیجتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی روکر کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس سے کم کا بہت تجربہ کیا ہے لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے اور ادائیگی کو چھوڑ بیٹھے اور آپ کی اُمت بنی اسرائیل کے مقابلے میں جسم و دل اور گوش و چشم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے، آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجئے تاکہ وہ تخفیف کردے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جتنی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درخواست تخفیف کی تلقین کی تھی ہر بار آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ طلب نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو نامناسب نہیں خیال کرتے تھے۔ آخر پانچویں مرتبہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف کی دُعا کی اور عرض کیا اے رب! میری اُمت کے بدن بھی کمزور ہیں اور دل بھی اور گوش بھی تو ہمارے لیے اپنے حکم میں تخفیف فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے عرض کیا میں حاضر ہوں اور سعادت اندوز ہوں، اللہ نے فرمایا میرے ہاں حکم نہیں بدلا جاتا جیسے میں نے لوح محفوظ میں فرض کردیا ہے، ہر نیکی کا ثواب دس گنا مقرر ہے، پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں مگر تمہارے لیے پانچ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پھر اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بار بار اتنی مرتبہ آمدورفت کی کہ اب مجھے رب سے تخفیف کا سوال کرتے شرم آتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں ہی تھے۔

اس حدیث کو اختصار کے ساتھ انہوں نے ہارون بن سعید ایلی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے وہب سے اور انہوں نے سلیمان بن بلال سے نقل کیا ہے کہ ہمارے شیخ امام نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سوائے حدیث مذکور کے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس سے منامی معراج کا ثبوت ملتا ہو۔ صرف یہی ایک حدیث ہے جس سے خواب کے اندر معراج ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس روایت کا مدار شریک بن عبداللہ پر ہے اور شریک منکر الحدیث ہے اور اس میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس معراج کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ تو وحی آنے سے پہلے واقع ہوئی تھی اور اہل علم کے ہاں اس بات

کا اتفاق ہے کہ معراج کا وحی کے بعد ذکر آیا وہ آغاز وحی سے بارہ سال کے بعد یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "دنا فتدلی" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ہمارے شیخ امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ اعتراض میرے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ یہ خواب کا قصہ ہے کہ جس کو اللہ رب العزت نے وحی سے پہلے خواب دکھلا دیا تھا۔ اس کی تصدیق دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ میں جاگ اُٹھا دیکھا تو مسجد حرام میں ہوں۔ پھر مجھے حالت بیداری میں آسمان کی طرف لیجایا گیا ہجرت سے ایک سال پہلے مجھے معراج کرائی گئی۔ اس کو مزید محقق کرنے کے لیے ہجرت سے ایک سال پہلے اللہ نے بیداری کی حالت میں آپ کو معراج کرادی جس طرح حدیبیہ کے سال یعنی چھ ہجری میں آپ کو فتح مکہ دکھائی گئی تھی پھر ۸ ہجری میں عالم ظاہر میں مکہ کی فتح عنایت کر دی گئی۔ اللہ عزوجل کا فرمان "لقد صدق اللّٰہ رسوله الرؤیا بالحق"

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے اور مقام ذی طوی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیل علیہ السلام میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

معراج کے واقعہ کی پہلے تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے لیجایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا ہوا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ ایک گوشہ میں الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہوا تھا اتنے میں اس طرف سے ابوجہل کا گزر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں مجھے آج رات لیجایا گیا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت المقدس کو۔ ابوجہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں ابوجہل انکار نہ کر سکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ آپڑے، کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کر دو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ ابوجہل نے کہا اے گروہ کعب بن لوی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے پاس آگئے، ابوجہل بولا اب جو کچھ تم نے مجھے بیان کیا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لیجایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں، فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو، فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی کچھ لوگ مذاق میں تالیاں بجانے لگ گئے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا اور کچھ لوگ جو ایمان لا چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے وہ اسلام سے

پھر گئے اور ایک مشرک بھاگتا ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو وہ کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لیجایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا انہوں نے ایسا کہا ہے، لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے، لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے گئے اور صبح سے پہلے بھی آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی تصدیق کرتا ہوں کہ ان کے پاس جو صبح وشام آسمان سے خبریں آتی ہیں تو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی لیے کہا جانے لگا۔

راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو بیت المقدس جا چکے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے بیت المقدس کی تفصیل بیان کرنی شروع کر دی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہو گیا تو فوراً نظروں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی قریب لاکر اس کو رکھ دیا گیا اور میں مسجد کو دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بے شک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔ پھر بولے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قافلے کی کچھ خبر بھی بیان کرو، ہمارے لیے وہ بہت ہی اہم ہے تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا، فرمایا ہاں۔ فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔

اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے ان کے پڑاؤ پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا مجھے پیاس لگی تھی میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالے میں پانی ملا تھا، لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا کہ میں فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کے پاس سے گزرا تھا فلاں فلاں دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے، یہ واقعہ مقام ذی مرکا ہے۔ مجھے دیکھ کر اونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا، ان دونوں شخصوں سے دریافت کر لینا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی ایک نشانی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا میں تنعیم جگہ پر اونٹ والوں کی طرف سے گزرا تھا، لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان پر جو لدا ہوا تھا وہ کیا تھا؟ ان کی ہیئت کیا تھی؟ فرمایا مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی۔ پھر مقام حرورا میں وہ مکمل شکل کے ساتھ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے، ان کی ہیئت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریاں سلی ہوئی لدی ہوئی تھیں۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آ جائے گا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی ایک نشانی ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑے ہوئے گھاٹی پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تا کہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا اور یہ اونٹ بھی سامنے آ گئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور فلاں

فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر اسود کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریافت کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہیں تھا اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اُٹھا کر میرے سامنے لے آیا۔ اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے میں دیکھ کر اس کو بتا دیتا تھا، میں نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ چھریرے بدن اور گھنگھریالے بالوں والے شخص تھے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنوء کا کوئی آدمی ہو۔ ان کی مشابہت عروۃ بن مسعود ثقفی میں سب سے زیادہ ہے۔ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساتھی ہے۔ پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں، ان کو سلام کرو، میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ② ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

ترجمہ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے (آلہ) ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا (اپنا کوئی) کارساز مت قرار دو اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا تھا وہ نوح بڑے شکر گزار بندہ تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات (بطور پیشین گوئی) بتلا دی تھی کہ تم سرزمین (شام) میں دو بار خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے۔

تفسیر ②"واٰتینا موسٰی الکتاب وجعلناہ ھدًی لبنی اسرائیل أن لا" یہاں لا تھا۔ "تتخذوا من دونی وکیلاً" کسی دوسرے کو رب قرار نہ دو جس پر تم بھروسہ کرلو۔ بعض حضرات نے "یتخذوا" پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہم نے ان سے کہا کہ کسی دوسرے کو ولی نہ بناؤ۔

③"ذریۃ من حملنا" مجاہد کا قول ہے کہ یہ ندائیہ جملہ ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "یا ذریۃ من حملنا"......"مع نوح" نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں ان کو طوفان سے نجات دے دی۔ "انہ کان عبدًا شکورًا" حضرت نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے اور پانی پیتے یا جدید کپڑا پہنتے تو الحمد للہ فرماتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو عبد شکور فرمایا۔ بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے۔

بنی اسرائیل کے فساد فی الارض کا واقعہ

❹"وقضینا الٰی بنی اسرائیل فی الکتاب" ربیع بن خراش حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فارس کے بادشاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کیا اور وہ سات سال ان پر حکمرانی کرتا رہا اور وہ ان کی طرف چلا۔ یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں داخل ہوگیا اور اس کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے خون پر ستر ہزار افراد کا خون بہایا۔ پھر بیت المقدس کے حواریوں کو اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو قید کر لیا اور بیت المقدس کے زیورات وغیرہ چھین لیے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار جانوروں کے بوجھ کے بقدر وہ لے گئے۔

میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس تو عظیم جگہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں۔ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے سونا، چاندی، یاقوت اور زبرجد (موتیوں) کے ساتھ تعمیر کیا۔ اس کے ستون سونے کے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو دیئے تھے اور شیاطین کو ان کے لانے پر مسخر کیا تھا، وہ ہر طرف سے ان چیزوں کو لے آتے تھے پھر یہ سب کچھ بخت نصر کے قبضہ میں چلا گیا۔ وہ اس مال کو لے کر بابل شہر چلا گیا اور وہ اس میں سو سال تک رہا اور وہ سب مجوسی بن گئے اور وہ سب مل کر اس کی عبادت کرنے لگے۔ پھر ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کی موجودگی نے ان پر رحم کھایا۔

ان پر ملک فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو ان پر مسلط کر دیا جس کا نام کورش تھا اور یہ مسلمان تھا تاکہ یہ بنی اسرائیل کو ان سے چھٹکارا دے سکے اور ان کو بت پرستی سے نجات دے دے۔ کورش بنی اسرائیل کے پاس پہنچا اور ان سے بیت المقدس کے تمام زیورات لے کر ان کو واپس کر دیئے۔ پھر بنی اسرائیل سو سال تک اللہ کی فرمانبرداری میں رہے، پھر وہ گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف مائل ہونے لگے۔ پھر اللہ نے ان پر ایک بادشاہ جس کا نام انطیانوس کہا جاتا ہے۔

اس نے بنی اسرائیل سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ بیت المقدس تک پہنچ گیا۔ بیت المقدس کے اہل والوں کو اس نے قید کر لیا اور بیت المقدس کو جلا دیا اور ان کو کہا کہ اے بنی اسرائیل کی جماعت! جب تک تم نافرمانی میں برقرار رہو گے اس وقت تک تم قید میں رہو گے، پھر وہ اس پر لوٹ آئے اور پھر ان پر فاقس بن اُستیانوس کو مسلط کر دیا۔ اس نے ان کے ساتھ خشکی اور سمندر میں جنگ کی۔ اس نے ان سب کو قید کر دیا اور بیت المقدس کے زیورات بھی اپنے قبضے میں لے لیے اور اور پھر بیت المقدس کو جلا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قصہ ہے بیت المقدس کا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ حضرت مہدی علیہ السلام ایک ہزار ستر کشتیوں کے ہمراہ آئیں گے اور وہ بیت المقدس کی سرزمین کی طرف تیر پھینکیں گے، پھر وہ بیت المقدس پر قبضہ کر لیں گے، پھر وہ پچھلوں اور اگلوں سب کو ایک بیعت کے نیچے جمع کریں گے۔

بنی اسرائیلیوں کے بادشاہ صدیقہ اور شعیاء علیہ السلام کا واقعہ اور سخاریب کی تباہی کا منظر

محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل برابر نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگزر فرماتا تھا اور اپنے انعامات واحسانات سے نوازتا تھا۔ ان کے گناہوں کے سبب جوان پر سب سے پہلے مصیبت آئی جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کروادیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ ہوگا جس کا نام صدیقہ ہوگا۔ اس زمانے میں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لیے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر کو بھی مبعوث فرمادیا کرتا تھا۔ ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ تورات کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی رہنمائی کے لیے اللہ نے شعیاء بن اصفیاء کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ شعیاء کی بعثت حضرت زکریا و یحیٰ علیہما السلام سے پہلے تھی۔ شعیاء نے ہی حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی اور کہا تھا اے یروشلم! تجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا اشتر سوار آئے گا۔

یہ ایک طویل زمانے تک بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا۔ جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کو آ گیا تو اللہ نے سخاریب شاہ بابل کو بھیج دیا۔ سخاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے۔ سخاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا۔ شعیاء نبی نے صدیقہ سے کہا اے شاہ اسرائیل! سخاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اُڑاتا آ پہنچا، لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہوجا۔ صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی! کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس کی کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سخاریب کا فیصلہ کیا ہوگا؟ حضرت شعیاء نے کہا کہ وحی تو کوئی نہیں آئی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیاء کے پاس وحی آ گئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دیدو کہ تیرا وقت آ گیا، اب تو گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کردے اور اپنا جانشین بنادے۔ حضرت شعیاء نے جا کر صدیقہ سے کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے اوپر وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آ گیا ہے اب تو جو وصیت کرنا چاہتا ہے کردے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنادے۔ صدیقہ یہ پیغام سن کر قبلہ رو ہوکر نماز کو کھڑا ہوگیا۔ دُعا کی اور اللہ کے سامنے رویا اور زاری کی اور خلوص قلب سے گڑگڑا کر عرض کیا:

اے اللہ! رب الارباب! اے تمام معبودوں کے معبود! اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے، اے رحمٰن اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اے اللہ جو کام میں نے کیے اور جو اعمال کیے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے۔ میرا ظاہر اور باطن تیرے سامنے ہے (مجھ پر رحم فرما)۔ یہ اللہ کا نیک بندہ تھا، اللہ نے اس کی دُعا قبول فرمالی اور شعیاء کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دُعا قبول کرلی، تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سخاریب سے نجات دے دی اور تیری میعاد زندگی پندرہ سال بڑھادی۔ شعیاء

نے آ کر یہ پیغام پہنچا دیا، یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل میں دشمن کا خوف جاتا رہا۔ رنج وفکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دُعا کی اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود! میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں، تیری تعظیم کرتا ہوں، تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر اور باطن کو جانتا ہے تو ہی اوّل تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کرتا ہے اور بے قراروں کی دُعاء قبول کرتا ہے، تو نے ہی میری دُعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا، جب سر اُٹھایا تو اللہ نے شعیاء نبی کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ صدیقہ کو کہہ دو کہ اپنے خادموں میں سے کسی کو حکم دے کہ انجیر کا پانی منگوا کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفاء دے دے گا، صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے ان کو تندرست کر دیا۔

بادشاہ نے حضرت شعیاء سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دُعاء کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتا دے کہ ہمارے دشمن کا کیا ہوگا؟ اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اللہ نے حضرت شعیاء کو وحی بھیجی کہ بادشاہ کو کہہ دو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچا لیا۔ صبح تک سب مر جائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہلکار بچ جائیں گے (تم ان کو پکڑ لینا) صبح ہوئی تو کسی پکارنے والے نے چیخ کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ! اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا، تیرے دشمن کو تباہ کر دیا، باہر نکل کر دیکھ لے سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا۔ بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کروایا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی، بادشاہ نے اس کی طلب میں آدمی دوڑائے، آخر کار انہوں نے اس کو ایک غار میں پناہ لیتے ہوئے اس کو اس کے پانچ اہلکاروں سمیت گرفتار کر لیا۔ اس میں بخت نصر بھی تھا، سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے، فوراً بادشاہ سجدے میں گر پڑا اور طلوع آفتاب سے عصر تک سجدے میں پڑا رہا، پھر سخاریب سے کہا تم نے دیکھا کہ ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ تم بے خبر تھے اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کیا، سخاریب نے کہا کہ مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا، اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی خبر مل چکی تھی مگر میں نے صحیح رہنما کا کہنا نہیں مانا، میری کم عقلی نے مجھے اس بدنیتی اور بدبختی میں مبتلا کر دیا، اگر میں رہنما کی بات سن لیتا یا سمجھ سے کام لے لیتا تو تم سے جنگ ہی نہ کرتا۔

صدیقہ نے کہا کہ اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تمہیں تباہ کر دیا، اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اس لیے زندہ رکھا کہ دُنیا میں تمہاری بدنصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب اور بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دیدو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ڈرا دو، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کروا دیتا۔ تیرا اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چیچڑی کے خون سے بھی حقیر ہے۔ اگر میں تجھے قتل کروا دیتا، پھر کوتوال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گرد اگرد پھرایا، ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جاتی تھیں، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے۔ شاہ اسرائیل نے ان کو قتل نہ کرنے کو سمجھو دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیاء کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ سخاریب کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ رہا کر دو تا کہ وہ ان لوگوں کو

جوان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں، بادشاہ کو چاہیے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک بھیج دے۔ شعیاء نے بادشاہ کو اللہ کا حکم پہنچا دیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت بابل پہنچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتلائی۔ کاہنوں اور نجومیوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے بنی اسرائیل کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہیں مانا، بنی اسرائیل ایسی اُمت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے نہیں لڑ سکتا۔

سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لیے ہوا تھا۔ اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی۔ اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا، پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جانشین اپنے پوتے بخت نصر کو بنا دیا۔ بخت نصر اپنے دادا کے راستہ پر چلا اور وہی کام کیے جو اس کے دادا نے کیے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔ صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی، قوم میں گڑبڑ ہوگئی، باہم حکومت کے لیے دوڑ شروع ہوگئی اور آپس میں خوب کشت وخون ہوا۔ شعیاء موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانتا تھا۔ جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیاء کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دو، میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا۔ شعیاء قوم کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اللہ نے ان کی زبان پر وحی کے الفاظ جاری کر دیئے، اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی اپنے کان دھر لے، اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ نے اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا ان کو اپنے لیے منتخب کیا، اپنی طرف سے خصوصی عزت عطاء کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی۔ یہ لوگ بھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگران و نگہبان نہیں تھا، اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا، بیمار کو تندرست کر دیا، لاغر کو فربہ کر دیا اور فربہی کی حفاظت کی۔ اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہوگئے اور آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کو سینگ مارنے لگے۔ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آ جاتا، ہلاکت ہو اس خطا کار اُمت کے لیے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے مقدر کر دیا، اونٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے، گدھے کو اپنی خوید یاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھرا کرتا ہے تو وہ خوید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو سبزہ زار یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا۔

تو وہ سبزہ زار کی طرف آ جاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں، گدھے نہیں ہیں، اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں، تم ان سے کہہ دو کہ ایک ویران زمین تھی جو مدت تک ویران پڑی رہی، بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحب قدرت اور حکمت والا شخص تھا۔ مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی، اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں کہ اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے، پھر بھی اس نے زمین کو ویران رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش والا ہے۔ اس کے باوجود اس نے زمین کو برباد کر دیا۔ یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنائی، اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں، زیتون، انار، کھجور اور

رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقل مند باسمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا۔ جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے، لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گرا دی جائیں، محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے دہانے بند کردیئے جائیں، درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے زمین پہلے ہی بنجر تھی ویسے ہی کردیا جائے، تم ان سے کہہ دو کہ دیوار میرا دین ہے محل میری شریعت ہے نہر میری کتاب ہے نگران زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لیے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لیے جاری کردیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان کے لیے بیان کی ہے۔ یہ گائے، بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے کہ نہ میں اسے کھاتا ہوں ان کو اس بات کی دعوت دی جارہی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کردیا اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا تقرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ ناحق خون سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خون ریزی سے آلودہ ہیں، یہ لوگ میرے لیے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں اور ان کے اندرونی حصوں کو بھی پاک رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندا اور میلا رکھتے ہیں۔ مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو ویران اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں، مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے، میں تو ان میں رہتا نہیں اور ان میں پردے لٹکانے کی مجھے کیا ضرورت ہے میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے اوپر نہیں اُٹھائے جاتے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں لیکن ہماری نمازیں نور پیدا نہیں کرتیں، ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح چیخ چیخ کر دُعا کرتے ہیں اور بھیڑوں کی آوازوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔ تم ان سے دریافت کرو، دُعاء قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور ارحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح اوپر اُٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں، میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بارآور ہوں وہ تو پرایا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہل خیر ہوں، میں ان کی دُعا کیسے قبول کرسکتا ہوں، ان کی دُعاء تو صرف قول بے عمل کی ہوتی ہے ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دُعاء اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحب اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے، جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیغام تم کو پہنچاتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بنائی ہوئی باتیں اور وہی پرانے قصے ہیں جو باپ دادا سے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جادوگر کاہن جیسے جوڑ لگاتے ہیں، ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا

دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔

سنو! میں نے جس روز زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ (قیامت) کا کر دیا تھا اور اپنے او پر اس فیصلے کو لازمی اور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے ایک مقرر میعاد بنا دی تھی وہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا۔ اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعوے میں سچے ہیں تو تم کو بتا دیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانے میں ہوگا۔ اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر دیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں کہ جس سے میں اس فیصلے کو نافذ کروں گا، میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا، خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں اور ایسی حکومت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء کو تدبیر کرتا ہوں اور میں نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نچلے طبقہ کے عوام کو دوں گا اور بے عزتوں کو عزت، کمزوروں کو قوت محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر وہ جانتے ہوں تو بتائیں ایسا کب ہوگا اور یہ کام کون کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کارگزار اور مددگار ہوں گے، یہ یقینی امر ہے کہ میں ان کاموں کے لیے ایک نبی اُمّی بھیجوں گا جن میں بڑا پن اور درشت مزاج نہ ہوگا، بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا، فحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔

میں اس کو سیدھا چلاؤں گا، تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا، وقار کو اس کا لباس بناؤں گا، نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار (اندرونی لباس) تقویٰ کو اس کا ضمیر حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عہد کو اس کا خمیر، عفو و خیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہوگا، میں اس کے ذریعے سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گمناموں کو بلندیٔ ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زردار بناؤں گا۔ پراگندہ لوگوں کو جمعیت منتشر دلوں میں ملاپ متفرق خواہشات رکھنے والوں میں باہم اُلفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی اُمت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کے لیے پیدا کی جائے گی، بھلائی کا حکم دے گی، برائی سے روکے گی۔ وہ مجھے واحد مانے گی، مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لیے (اپنے افکار و اعمال کو) خالص کرے گی، وہ نمازیں پڑھے گی (نماز میں) قیام کرے گی، قعود و رکوع اور سجود کرے گی، وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہو کر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی، وہ اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضامندی کی طلب میں نکلے گی۔

میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا تکبیر توحید، تسبیح، تحمید، مدح تمجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی، پاکی، حمد و ثناء اور بزرگی) کا اعتراف و اقرار اور اظہار، سفر میں بھی ان کی مجلسوں میں بھی، خواب گاہوں میں بھی، آمد و رفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی۔ وہ تکبیریں کہیں گے، تنہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے، ٹیلوں کی بلندیوں پر (چڑھ کر) چہروں اور ہاتھ اور پاؤں کو میرے لیے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے، ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے، ان کے

سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہوں گے، وہ راتوں میں راہب (اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دار) اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں اور میں بڑے فضل والا ہوں۔

جب حضرت شعیاء اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لیے بنی اسرائیل نے آپ کے اوپر حملہ کر دیا۔ آپ بھاگ پڑے، راستہ میں ایک درخت ملا (درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی! میرے اندر آجائیے) اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیاء اس کے اندر داخل ہو گئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا (آپ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہو گیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا) شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھا دیا (اور کہا شعیاء اس کے اندر ہیں، ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے) لوگوں نے آرے سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیاء کو بھی چیر ڈالا۔

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا، بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس کی رفاقت و ہدایت کے لیے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ارمیا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہ ہی خضر علیہ السلام تھے جن کا نام ارمیا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ (ایک بار) خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اُٹھے تو وہ سر سبز ہو کر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ارمیا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لیے مامور فرمایا۔

بنی اسرائیلیوں کی نافرمانیاں اور بخت نصر کا ان پر مسلط ہونا

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہو گئیں۔ معاصی کی کثرت ہو گئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو، میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہیں، وہ بتاؤ، ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! اگر تیری طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں (بجائے خود) کمزور ہوں، اگر تو مجھے (مقصد تک) نہ پہنچائے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے تو (میری مدد کہیں سے نہ ہو گی) میں بے یار و مددگار رہوں، اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں، تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں، میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دُکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔

الغرض ارمیا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں، فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان (بنی اسرائیل) پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہو جائے گا (کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا) اور ایک ظالم سنگدل کو ان پر غالب کر دوں گا جس کو میں ہیبت کا لباس پہنا دوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہو گا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا، اس کے ساتھ ایک لشکر ہو گا،

تاریک رات کی سیاہی کی طرح (ہر طرف ہر چیز پر چھا جانے والا) اس کے بعد اللہ نے ارمیا علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں یافث سے بنی اسرائیل کو تباہ کراؤں گا۔ یافث باشندگانِ اہل بابل تھے (شاید اہل بابل یافث بن نوح کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر (بابلی) کو مسلط کر دیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہوگیا۔ شام کو روند ڈالا، بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کر دیا، بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈال دے، اس طرح بیت المقدس کو سپاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کر لے گئے۔

بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کر دیئے گئے۔ بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لیے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لیے منتخب کر لیے) اور مالِ غنیمت فوج کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ سواروں نے کہا مالِ غنیمت تو کل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کرا دیجئے۔ بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کیے ہیں یہ فوج کو تقسیم کر دیجئے۔ بخت نصر نے یہ بات مان لی اور بچوں کو بطور غلام سرداران فوج کو تقسیم کر دیا، ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے، پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کر دیں۔ بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا، ایک تہائی کو قیدی بنا لیا گیا اور تہائی کو قتل کر دیا گیا۔ ناشیہ کو اور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔ آیت "فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ" میں یہی تباہی مراد ہے اور عباد سے مراد بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا دیکھا تھا۔ دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلوایا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں، بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا، تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑوا لوں گا۔ یہ بے چارے (یہ ظالمانہ حکم سن کر) دربار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ وزاری کی۔

اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتا دیا، جواب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک مورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانو اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر وگردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اُتارا، پتھر نے مورتی کو ریزہ ریزہ کر دیا، یہی وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔ انہوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم (کمزور) ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی کی بہت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت اور کسی کی پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے

اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے، پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے، سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اُترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا غیبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آ کر اس ساری مورتی کو چکنا چور کر دے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہوگئی تو ایک روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کیے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رُخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہوگئے ہیں۔ آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کرا دیجئے۔ بخت نصر نے کہا تم کو اختیار ہے چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ وزاری کی اور عرض کیا اے الٰہی ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ رہ گئے انہی میں سے دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل بھی تھے۔

بالآخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور غارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا؟ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے۔ یہ لوگ نسل انبیاء علیہم السلام سے تھے لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نے ان کی خطار کاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کیے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا لیکن غالب آنے والا مغرور ہوگیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔

بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کرلوں، زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہوگیا ہوں۔ بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہنے لگا تم کو ایسا کرنا تو ہوگا (آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہوگی ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ یہ بات سن کر سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑگڑائے اور عاجزی کے ساتھ دُعا کی، اللہ نے (ان کی مدد کی اور) اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں گھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بے تاب ہوگیا، اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا، جب تک سر پر ضربیں نہ لگتی تھیں۔ آخر اسی حالت میں مرگیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی جھلی پر ڈنک مارتا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے، اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں، ان کی تعداد بھی بہت ہوگئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بھی بہتر حالت ہوگئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آ کر شامل ہوگئے۔

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی۔ تورات جلادی گئی تھی، حضرت عزیر علیہ السلام بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے۔ آپ تمام لوگوں سے الگ (کہیں جنگل میں جاکر) دن رات (تورات کے غم میں) روتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں، فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلادیا گیا) نہ رہا۔

اس کے بغیر نہ ہماری دُنیا درست ہوسکتی ہے نہ آخرت، اس شخص نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ تورات آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھئے (نفس کو) پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھئے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے روزہ بھی رکھا، جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے۔ حسب وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا، یہ شخص فرشتہ تھا، اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اس نے کچھ پانی پلایا۔ پانی پیتے ہی تورات آپ کے سینے میں منقش ہوگئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور تورات پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہوگئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی، آپ محبوب قوم بن گئے، پھر کچھ مدت کے بعد اللہ نے آپ کو بلالیا اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہوگئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجتا رہا۔ بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو (صرف) تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کردیتے تھے (تصدیق نہیں کرتے تھے) سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بھیجا۔ یہ تینوں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی موت سے مرگئے۔ بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام کو شہید کردیا گیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے جرم میں بنی اسرائیلیوں پر عذاب کا تسلط

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کردیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھالیا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کردیا، خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی، ملک میں داخل ہوکر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہوگیا۔ جب کامل تسلط پالیا تو اپنے ایک فوجی سردار سے جس کا نام بیورزاذان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہوگی تو میں ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہہ بہہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آجائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لیے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ بیورزاذان اس حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہوگیا اور بیت المقدس میں داخل ہوکر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے اُبل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا اُبل رہا ہے؟

بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون اُبل رہا ہے۔ ویسے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہی ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں

ہوئی۔ یبورزاذان نے کہا تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا، کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلۂ وحی و نبوت۔ اسی لیے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔

اس کے بعد اسی مقام پر یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے سات سوستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھما، یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سات سولڑکے اور قتل کرا دیئے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا، یبورزاذان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ کم بختو مجھے سچ سچ بتا دو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو۔ ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ سچ بتا دو۔

جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور نا قابل برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہہ دی۔ کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لیے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں نے ہم کو تمہارے متعلق بھی اطلاع دی تھی مگر ہم نے ان کو سچا نہ جانا اور بجائے تصدیق کے ان کو قتل کر دیا یہ خون انہی کا ہے۔ یبورزاذان نے پوچھا ان کا نام کیا تھا؟

بنی اسرائیل نے کہا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام۔ یبورزاذان نے کہا اب تم نے سچی بات بتا دی، تم سے تمہارا رب اسی کا انتقام لے رہا ہے اس کے بعد یبورزاذان سجدے میں گر پڑا اور جو لوگ اس کے گرد اگرد تھے ان کو حکم دیا کہ خردوش کے لشکر کے جو آدمی یہاں ہیں ان کو باہر کر دو اور شہر کے دروازے بند کر دو۔ جب بنی اسرائیل کے ساتھ تنہا رہ گیا تو کہا اے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام آپ کے قتل کی وجہ سے جس مصیبت میں آپ کی قوم گرفتار ہوئی اور جتنے مارے گئے اس کو میرا اور آپ کا رب جانتا ہے۔ اب آپ اپنے رب کے حکم سے ٹھہر جائیں، قبل اس کے کہ آپ کی قوم کے کسی شخص کو میں زندہ نہ چھوڑوں، فوراً اللہ کے حکم سے خون تھم گیا اور یبورزاذان نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور بولا بنی اسرائیل جس پر ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں، پھر بنی اسرائیل سے کہا خردوش نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو اتنا قتل کروں کہ تمہارا خون بہہ بہہ کر اس کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچ جائے اور میں اس کے حکم عدولی کی طاقت نہیں رکھتا۔ بنی اسرائیل نے کہا خردوش نے جو تم کو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔

یبورزاذان نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا، خندق تیار ہو گئی تو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، گائیں، بھینسیں اور بکریاں، بھیڑیں ہیں سب کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا جائے، اس کی تعمیل بھی کر دی گئی۔ یہاں تک کہ ان جانوروں کا خون لشکر گاہ کے وسط تک بہہ کر پہنچ گیا اور ان جانوروں کے اوپر ان مقتولوں کی لاشوں کو ڈلوا دیا جن کو پہلے قتل کرا چکا تھا، خردوش سمجھا کہ خندق کے اندر صرف لاشیں ہی بھری پڑی ہیں، خون تو لشکر گاہ تک پہنچ ہی چکا تھا اس لیے خردوش نے یبورزاذان کو قتل بند کر دینے کا حکم دے دیا، پھر بابل کو واپس چلا گیا۔ اس حادثے میں سارے

بنی اسرائیل فنا ہو گئے یا فنا ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہی وہ دوسرا واقعہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:
"لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ" پہلا واقعہ تو بخت نصر اور اس کے لشکر کا ہوا اور دوسرا واقعہ خردوش اور اس کی فوج کا۔ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ سے زیادہ سنگین تھا اس کے بعد بنی اسرائیل کو استقلال نصیب نہیں ہوا، شام اور علاقہ شام کی حکومت رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ ہاں جو بنی اسرائیل بچ گئے تھے ان کی نسل بکثرت ہو گئی اور بیت المقدس اور اس کے علاقہ میں ان کی ریاست قائم ہو گئی، مستقل حکومت نہ بن سکی۔ پھر بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ان کو حاصل ہوئیں اور آسائش و آرام سے بسر کرنے لگے، لیکن پھر انہوں نے طرح طرح کے جرائم کیے اور نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر ٹیطس بن اسپانش رومی کو مسلط کر دیا۔ ٹیطس نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور بیت المقدس سے ان کو نکال باہر کیا۔ ریاست ان سے چھین لی اور ایسی ذلت کی مار دی کہ آئندہ جس قوم میں یہ رہے ذلت کے ساتھ اور جزیہ ادا کر کے رہے اور بیت المقدس اجڑا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔

قتادہ نے کہا پہلی مرتبہ اللہ نے جالوت کو مسلط کیا، جالوت نے ان کو قید کیا اور آبادیوں کو تباہ کر دیا۔ "ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ"، یعنی پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ نے ان کی باری پھیر دی۔ "فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ" یعنی جب دوسری تباہی کا وقت آیا تو بخت نصر کو اللہ نے ان پر مسلط کیا۔ بخت نصر نے ان کو قیدی بنایا اور بستیوں کو اُجاڑا۔ "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ"، یعنی اُمید رکھو کہ آئندہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے پھر مختلف زمانوں میں شرارتیں کیں اور اللہ نے بھی سزا اور عقوبت ان کو دی۔ آخر کار عرب کو ان پر مسلط فرمایا۔ اللہ نے خود فرمایا "وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ" اور جب آپ کے رب نے آگاہی دے دی تھی کہ قیامت کے دن تک ان (یہودیوں پر) ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیتے رہیں گے۔ لہٰذا یہودی ہمیشہ عربوں کے ہاتھوں سے عذاب میں رہیں گے۔

سدی نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی ویرانی ایک یتیم لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی جو بابل کی ایک بیوہ کا لڑکا ہوگا اور اس کا نام بخت نصر ہوگا (اس زمانہ میں) بنی اسرائیل چونکہ سچ بولتے تھے اس لیے ان کا خواب بھی سچا ہوتا تھا۔ یہ شخص خواب دیکھنے کے بعد بخت نصر کی جستجو میں نکلا۔ یہاں تک کہ اس کی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ بخت نصر لکڑہارا تھا، اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے آیا، گٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا، اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں، پھر اس کو تین درہم دیئے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤ، بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت، ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا، سب نے مل کر کھانا کھایا اور شراب پی۔

اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا (روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھایا) پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے لیے پروانہ امان ابھی سے لکھ دو (تاکہ

تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے) بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے، اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ امان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو۔ بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا، اس شخص نے کہا جب تمہارے گرداگرد لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت پہنچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہوگی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

حضرت یحییٰ بن زکریا کو شہید کرنے کا پلان اور بدلے میں بنی اسرائیلیوں کا برا انجام

قتادہ نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی بڑی عزت کرتا تھا، آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا (اتفاقاً) بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی بھانجی سے گہری محبت ہوگئی۔ حضرت یحییٰ سے اس نے مسئلہ پوچھا، آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی (بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعت یہود میں بھی حرام تھا) اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے فتوے کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہوگیا۔ ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے، خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہہ دیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب تیری طرف کو مائل ہو تو اوّل تو اس سے شرط کرا لینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہوگا، جب وہ زبان دے دے تو اس سے کہنا مجھے یحییٰ بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہوا درکار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔

میں تیرا سوال پورا کر دوں گا۔ یحییٰ کے سر کی طلبگار نہ ہو۔ لڑکی نے اصرار کیا، آخر یحییٰ کا سر بادشاہ نے منگوا دیا، سر لا کر رکھ دیا گیا تو سر سے آواز آ رہی تھی یہ عورت تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون اُبلتا رہا۔ بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھما اور مٹی ڈلوائی تب بھی خون اُبلتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لیجایا گیا اور خون جوش مارتا رہا۔ اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر بھیج دیا۔ جب یہ فوج حدودِ بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہوگئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لیے، بخت نصر محاصرہ کیے پڑا رہا۔ آخر طویل محاصرہ سے تنگ آ کر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کیے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہوگیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتاتی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہوگی جس کو قتل کرنے کا میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رُک جائیں۔

بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر

سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہیں یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلبگار ہیں۔ اُمید ہے کہ دُعا مانگتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی، بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہوگئی۔ بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے خون کے پاس پہنچی اور کہا (لوگوں کو گرفتار کرا کے) اس خون پر قتل عام اس وقت تک کرو کہ اس کا خون اُبلنا بند ہو جائے۔ بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون تھم گیا۔ خون رُک گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔

جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو اور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے۔ اتنے میں پروانۂ امن والا پروانۂ امان لے کر آ گیا۔ بخت نصر نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو امان دے دی اور بیت المقدس کھنڈر کر دیا اور اس میں مُردار جانور ڈلوا دیئے۔ بیت المقدس کی بربادی میں رومیوں نے بھی بخت نصر کی مدد کی کیونکہ بنی اسرائیل نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا (اور یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی) بخت نصر اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے کچھ سرداروں کو لے گیا جن میں حضرت دانیال اور دوسرے انبیاء زادے تھے اور جالوت کے سر کو بھی ساتھ لے گیا۔

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مر چکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اسی کو بادشاہ بنا دیا، بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے۔ بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا۔

ہاں ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی ان میں ڈلوا دیا اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے لیکن دن گزرنے کے بعد شام کو جا کر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا۔ شیر بھی پاؤں پھیلائے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ (برابر ہر سال) صورت مسخ کرتا رہا۔ وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے (ایک سال) بشکل گدھ رکھا، پھر (ایک برس تک) بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔

اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کا رہا۔ آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرما دی اور وہ مؤمن ہو گیا۔ وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مؤمن تھا؟ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہل کتاب کے اقوال مختلف پائے، کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانۂ خدا تھا۔ اللہ کی کتابوں کو سوختہ کیا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔

سدی کا بیان ہے کہ مسخ شکل کے بعد اللہ نے جب بخت نصر کو اس کی اصلی شکل پر کر دیا اور حکومت بھی اس کو دوبارہ عطا فرما دی تو

دانیال اور اس کے ساتھیوں نے اس کی بڑی عزت و تعظیم کی، مجوسیوں کو اس بات پر حسد ہوا، انہوں نے بخت نصر سے کہا دانیال شراب پی لیتا ہے تو پیشاب ضرور کرتا ہے۔ یہ بات ان لوگوں کی سوسائٹی میں بہت بری مانی جاتی تھی۔ اس پر بخت نصر نے حضرت دانیال اور ان کے ساتھیوں کو کھانا اور شراب بھیجی اور دربانوں سے کہہ دیا، دیکھو جو شخص پیشاب کے لیے سب سے پہلے نکل کر جائے اس کو تیر سے مارنا خواہ وہ یہ بھی کہے کہ میں بخت نصر ہوں تب بھی تم یقین نہ کرنا اور ضرور مارنا اور کہہ دینا کہ تو بخت نصر نہیں جھوٹا ہے۔ بخت نصر نے تو ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص باہر نکلے اس کو مارنا (اتفاق کی بات ہے کہ) سب سے پہلے پیشاب کے لیے بخت نصر ہی گیا اور دربان نے اس پر حملہ کر دیا، بخت نصر نے ہر چند کہا میں بخت نصر ہوں مگر دربان نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور مارتے مارتے مار ہی ڈالا۔

اربابِ تاریخ کے نزدیک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بعد بخت نصر کا بنی اسرائیل پر چڑھائی کرنا ثابت نہیں بلکہ اہل تاریخ اس امر پر متفق ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب حضرت شعیاء کو قتل کر دیا تو اس کے بعد بخت نصر نے حضرت ارمیا علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا۔ حضرت ارمیا علیہ السلام ولادت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے درمیان چار سو اکسٹھ برس کا فصل ہے۔ بہمن بن اسفندیار (شاہ ایران) کی طرف سے کیرش بن اخشورش بن اصبہبد بابل کا نواب تھا، اس کے زمانے میں ہی دوبارہ بیت المقدس کی تعمیر ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب بخت نصر کے ہاتھوں سے بیت المقدس کو برباد ہوئے ستر سال گزر چکے تھے۔ پھر تعمیر بیت المقدس سے اٹھاسی سال بعد سکندر نے بیت المقدس پر تسلط کیا اور عہد سکندر سے تین سو تریسٹھ سال بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی (اس حساب سے تو بخت نصر کے ہاتھوں سے جو تخریب ہوئی اس سے ۵۲۱ برس بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، ۴۶۱ کی میزان مذکورہ تفصیل کے لحاظ سے غلط ہے۔ مترجم) بغوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔

④ "وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب" ہم نے ان کو اس بات کی خبر دی جو ہم نے ان کو دیا یعنی کتاب کہ وہ زمین پر فساد برپا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں فیصلہ کرنا ان کے فساد اور فتنہ برپا کرنے کی وجہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وقضی ربّک" اور ہم نے ان کو حاکم بنایا اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "انّ ربّک یقضی بینھم" تمہیں پیدا کرنے کا۔ "فقضاھن سبع سموات" ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ کا قول ہے ان کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے۔ الی بمعنی علی کے ہوگا۔ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ "لتفسدن" لام قسم عبارت یہ ہوئی "واللہ لتفسدن" ...... "فی الارض مرّتین" اس سے مراد معاصی ہے۔ ارض سے مراد شام کی سرزمین اور بیت المقدس ہے۔ "ولتعلن" اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ "علوًا کبیرًا"

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

ترجمہ پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر اپنے ایسے بندوں جالوت والوں کو مسلط کردیں گے جو بڑے جنگ جو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے (اور یہ) ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کردیں گے اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھادیں گے اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر (پھر) تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی ہم پھر دوسروں (بابل والوں) کو مسلط کردیں گے تا کہ (مار مار کر) تمہارا منہ بگاڑ دیں۔اور جس طرح وہ لوگ مسجد (بیت المقدس) میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کرڈالیں۔

تفسیر ⑤"فاذا جاء وعد اولهما" دو فسادوں میں پہلے فساد کا وعدہ آ گیا۔قتادہ کا قول ہے کہ پہلی دفعہ اس کا فساد کرنا کیونکہ انہوں نے تورات کے احکام کو اور حرام کردہ چیزوں کو حلال جاننے کے باوجود (ان پر یہ عذاب آیا) اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ پہلے بگاڑ سے مراد حضرت شعیاء علیہ السلام کو شہید کردینا اور ممنوعات کو اختیار کرنا۔"بعثنا علیکم عبادًا لنا" قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جالوت اور اس کا لشکر ہے۔یہ جالوت وہی تھا جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کیا۔سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نینوی کے رہنے والے سخاریب اور اس کے ساتھی ہیں۔ابن اسحاق کا قول ہے کہ بخت نصر اور بابلی مراد ہے اور یہی اظہر ہے۔

"اولی بأس" ان کی پکڑ بہت سخت تھی "شدید" جنگ میں۔"فجاسوا" یعنی تم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنے کے لیے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے۔"خلال الدیار" وہ تمہارے درمیان موجود تھے اور تمہیں تلاش کرکے قتل کررہے تھے۔جوس کہا جاتا ہے کسی چیز کی انتہائی کوشش کے ساتھ اس کو طلب کرنا۔فراء کا قول ہے کہ "جاسوا" کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے گھروں کے اندر تم کو قتل کیا۔"وکان وعدًا مفعولاً" اس کا ایسا وعدہ ہے جس کیخلاف کوئی نہیں کرسکتا اور وہ اپنے وعدہ سے خلاف نہیں کرتا۔

⑥"ثم رددنا لکم الکرة" پھر ہم نے تمہاری سلطنت اور طاقت کو پھیر دیا۔"علیهم وامددناکم بأموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرًا" نفیر ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے کسی آدمی کے ساتھ دشمن کی طرف مارچ کرتے ہیں۔

⑦"ان احسنتم أحسنتم لانفسکم" ان کے لیے ثواب ہے۔"وان اساتم فلها" اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہی آئے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فسلام لک" یعنی تم پر سلام ہو۔اگر برائی کرو گے تو اس کی جزا وسزا تم خود پاؤ گے۔"فاذا جاء وعد الاخرة" اور ان کا دوسرا فساد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا جب ان کو آسمان کی طرف اُٹھالیا۔انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیر لیا۔اللہ نے ان پر فارس وروم کو مسلط کردیا۔خردوش طیطوس کو یہاں تک کہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور بعضوں کو قید کیا اور بعضوں کو اپنے گھروں سے باہر نکالا۔

"لیسوء اوجوهکم" کہ تمہارے چہروں کی ایسی حالت کردیں جس سے برائی اور خرابی کے آثار واضح طور پر نمایاں نظر آئیں۔کسائی اور یعقوب کے نزدیک "لنسوء ا" پڑھتے ہیں جبکہ دوسرے قراء کے نزدیک اس کو یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے چہروں کو غمزدہ کردے گا اور بعض نے کہا کہ اپنے وعدہ کے ساتھ ان کے چہروں کو

غمزدہ کردے گا جب کہ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ اور ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بندوں کی اُداسی کا سبب ان کی سخت پکڑ اور ان کے چہروں کے غمزدہ ہونے کے بسبب ہے۔

"ولیدخلوا المسجد" بیت المقدس اور اس کے آس پاس مراد ہے۔ "کما دخلوہ اوّل مرّۃ ولیتبروا" ہم ان کو ہلاک کردیں۔ "ما علوا" جس شہر پر ہم غلبہ پائیں گے ان کو مکمل طور پر تباہ کردیں گے۔ "تتبیرًا"

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ⑧ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ⑨ وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ⑩ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ⑫

ترجمہ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے۔ اور اگر تم پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو (ایسے) کافروں کا جیل خانہ بنا (ہی) رکھا ہے بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے (یعنی سلام) اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اور (بعضا) انسان برائی (یعنی عذاب کی) ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست اور انسان (کچھ طبعًا ہی) جلد باز (ہوتا) ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا تا کہ (دن کو) اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تا کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرلو اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تفسیر ⑧ "عسٰی ربکم" اے بنی اسرائیل "ان یرحمکم" تمہارے انتقام لینے کے بعد تمہیں تمہاری بادشاہت واپس لوٹادی جائے گی۔ "وان عدتم عدنا" یعنی اگر تم واپس معصیت کی طرف لوٹو گے تو ہم بھی تمہیں سزا دینے کی طرف رُخ کریں گے۔ قتادہ کا قول ہے پھر وہ لوٹ آئے ہم نے ان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو ان لوگوں سے جزیہ لیتے تھے۔

"وجعلنا جهنم للكافرين حصيرًا" اس جہنم کو ان کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے وہ اس سے کبھی نکل نہ سکیں گے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "حصیرًا" سے مراد فرش ہے۔ ہم کافروں کیلئے جہنم کو بچھونا کردیں گے۔

⑨ "ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم" ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو درست ہوتا ہے۔ بعض نے

کہا کہ اس سے وہ کلمہ مراد ہے جو تمام کلمات سے زیادہ صحیح ہے۔ اس وقت کلمہ سے مراد ہوگی "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی شہادت دینا۔ "ویبشر" اور اس قرآن کے ذریعے خوشخبری دو۔ "المؤمنین الذین یعملون الصالحات أنّ لھم" ان کے لیے ہے۔ "اجرًا کبیرًا" اس سے مراد جنت ہے۔

⑩ "وان الذین لایؤمنون بالاخرۃ اعتدنا لھم عذابًا الیمًا" اس سے دوزخ کا عذاب مراد ہے۔

⑪ "ویدع الانسان" یہاں لفظوں میں واؤ کو حذف کردیا گیا۔ دو ساکن جمع ہوگئے، واؤ ساکن اور لام ساکن تو پہلے ساکن کو حذف کردیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ "سندع الزبانیۃ" اور اسی طرح خط سے ہم نے اس کو حذف کردیا۔ "یدعوا الانسان" سے مراد اپنے مال اپنی اولاد اور اپنے نفس کے لیے دُعا کرتا ہے۔ "بالشر" اور کبھی انسان غصہ سے یہ بددُعائیں اپنی زبان سے نکالنا شروع کردیتا ہے کہ اے اللہ ان پر لعنت کر اور ان کو ہلاک کر اور ان جیسی باتیں۔ "دعاء ہ بالخیر" اپنے رب سے دُعا کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نعمت اور عافیت بخشی ہے۔ اگر اس کی اپنے نفس کے لیے جو دُعائیں کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو قبول کردے تو وہ ہلاک ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس دُعا کو قبول نہیں کرتا۔ "وکان الانسان عجولا" جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے کہ وہ فوراً ہوجائے انجام پر غور نہیں کرتا کہ اس کی دُعا کو قبول کردیا جائے تو اس کو کتنا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صبر نہیں کرتا نہ اس کو تکلیف میں قرار آتا ہے اور نہ ہی سکھ میں۔

⑫ "وجعلنا اللیل والنھار آیتین" یعنی دو نشانیاں ایسی بنائی ہیں جو اس کے وجود اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت پر بھی دال ہیں۔ "فمحونا آیۃ اللیل" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی چمک کے ستر حصے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کیے۔ پھر چاند کی روشنی کے ۶۹ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کردیئے۔ یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا پَر چاند کے چہرے پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی، صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، یہ روشنی کو مٹانے کا نشان ہے۔ "وجعلنا آیۃ النھار مبصرۃً" چمکتا ہوا روشنی والا بنادیا۔ اس کو تم آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے ہو جیسے کہ عرب کا محاورہ ہے کہ دن نظر آ گیا جب چاند سامنے آجائے اور نظر آنے لگے۔

"لتبتغوا فضلاً من ربکم ولتعلموا عددالسنین والحساب" اگر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو اس طرح چھوڑ دیتا جیسے ان کو پیدا کیا تو تم دن اور رات کو نہ پہچان سکتے اور روزے دار یہ نہ پہچان سکتا کہ وہ روزہ کب افطار کرے اور نہ تمہیں حج کا وقت معلوم ہوتا اور نہ ہی راحت کا اور سکون کے وقت کا پتہ چلتا۔ "وکل شیءٍ فصلناہ تفصیلاً"

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ⑭ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

ترجمہ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے اور (پھر) قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر سامنے کر دیں گے جس کو ہو کھلا ہوا دیکھ لے گا اپنا نامہ اعمال (خود) پڑھ لے پر آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے جو شخص (دنیا میں) راہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے سو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھاوے گا اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

کل انسان الزمناہ طائرہ کی مختلف تفاسیر

تفسیر ⑬ "وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ انسان کا عمل اور مقدر انسان کے ساتھ رہتا ہے، انسان جہاں کہیں بھی ہو امر مقدر اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ خیر ہو یا شر، اس کے ساتھ ہمیشہ رہے گا تا کہ اس کے ذریعے اس کا محاسبہ کیا جائے۔ حسن کا قول ہے کہ طائر سے مراد برکت ونحوست۔ مجاہد کا قول ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے گلے میں ایک پرچہ ڈالا جاتا ہے جس میں سعید یا شقی لکھا ہوتا ہے۔

ابوعبیدہ اور قتیبی کا قول ہے کہ طائر سے اس جگہ نصیب مراد ہے۔ اچھا ہو یا برا جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ "طار سهم فلان بکذا و کذا" یہاں بھی طار بمعنی نصیب اور حصہ کے ہے۔ یہاں پر گردن کو ذکر خاص کیا کیونکہ تمام اعضاء میں یہ ایسا عضو ہے کہ اس میں پڑے ہوئے ہار یا طوق سے آدمی کی زینت یا بدنمائی کا خصوصی تعلق ہے اور عرب کے لوگ جدا نہ ہونے والی چیز کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ چیز فلاں شخص کے گلے میں پڑ گئی۔ یعنی لازم ہو گئی اس سے جدا نہیں ہوتی۔

"ونخرج لہ" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے لیے نکالتے ہیں "یوم القیامۃ کتابًا" حسن مجاہد اور یعقوب کے نزدیک "یخرج لہ" پڑھیں گے۔ قیامت کے دن ان کے لیے اُڑتا ہوا کتاب نامہ نکالیں گے۔ ابوجعفر کے نزدیک "یخرج" یاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "یلقاہ" ابن عامر اور ابوجعفر نے یاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ اور قاف مشدد کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اس دن اس کے سامنے ڈال دی جائے گی اور دوسرے قراء نے یاء کے فتحہ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ای یراہ (منشورا) بعض آثار میں آیا ہے کہ جب آدمی کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس آدمی کا اعمال نامہ روز قیامت سے پہلے نہیں کھولا جائے گا۔

⑭ "اقراء کتابک" اس کو کہا جائے گا کہ اپنے اعمال نامے کو پڑھ۔ "کفی بنفسک الیوم علیک حسیبًا" محاسبًا کے معنی میں ہے۔ حسن کا قول ہے جس نے تیری ذات کو خود ہی تجھ پر محاسب بنا دیا اس نے یقینًا تیرے لیے انصاف کیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ جو شخص دُنیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوگا اس روز بھی پڑھ لے گا۔

⑮ "من اهتدی فانما یهتدی لنفسہ" اس کو اس کی ہدایت کے بدلے میں ثواب ملے گا۔ "ومن ضلّ فانما یضل

علیھا" جو گمراہ ہوتا ہے اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا۔"ولا تزروازرۃ وزر اُخریٰ" یعنی کوئی شخص دوسرے شخص کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ یعنی کسی کے گناہ کے بسبب دوسرے کو نہیں پکڑا جائے گا۔"وما کنا معذبین حتّی نبعث رسولاً" ان پر اوپر دلیل قائم کرنے کی وجہ سے اور ان کے عذر کو ختم کرنے کی وجہ سے۔ یہ آیت اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کو پیغمبر کی دعوت نہ ملی ہو فقط عقل وہوش ملنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتقادی یا عملی حکم واجب نہیں ہوتا۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ⑯ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲

ترجمہ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اسکے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر (جب وہ) لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوح (علیہ السلام) کے بعد کفر ومعصیت کے سبب ہلاک کیا ہے اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا دیکھنے والا کافی ہے جو شخص دنیا (کے نفع) کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال وہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ (درگاہ) ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی

تفسیر ⑯"واذا اردنا ان نھلک قریۃ أمرنا مترفیھا" مجاہد کا قول ہے کہ "اَمَّرْنَا" تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں حاکم بنا دیتے ہیں۔ حسن قتادہ اور یعقوب کے نزدیک "اٰمرنا" مد کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا یعنی راحت ونعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور دوسرے قراء نے اس کو بغیر مد کے پڑھا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کو طاعت کا حکم دیا لیکن انہوں نے نافرمانی کی۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ہم نے تمہیں امراء بنایا یا بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ہم نے آپ کو زیادہ بنایا ہے، اللہ نے ان کو زیادہ کر دیا اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ بہترین مال کھجور کے درختوں کی ہموار قطار ہے یعنی وہ کثیر النسل ہے۔ یہاں امر سے مراد فعل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

ابو عبیدہ اور عام قراء نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ اس میں تینوں معنوں کی گنجائش ہے، تینوں معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

امر، امارہ اور کثرۃ۔ "مترفیھا" وہ عیش وعشرت اور نعمتوں میں ہوں گے۔ "ففسقوا فیھا فحق علیھا القول" ان پر عذاب واجب ہے۔ "فدمرنا ھا تدمیرًا" یعنی ہم نے اس کو تباہ، بوسیدہ اور ہلاک کردیا۔

زینت بنت جحش کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز گھبرائے ہوئے خوف زدہ میرے پاس تشریف لائے، آپ فرمارہے تھے "لا الہ الا اللہ" شر قریب آگیا عرب کے لیے اس سے تباہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے اور کلمے والی انگلی کو ملا کر ایک حلقہ بنا کر فرمایا۔ آج اتنا یاجوج ماجوج نے سوراخ کھول دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ عرب میں تو نیک لوگ بھی ہیں کیا وہ بھی ہلاک ہوجائیں گے؟ فرمایا ہاں اگر گندگی بڑھ جائے گی۔

⑰ "وکم اھلکنا من القرون" جنہوں نے تکذیب کی۔ "من بعد نوح" اس کے ذریعے کفار مکہ کو ڈرایا۔ "وکفٰی بربک بذنوب عبادہ خبیرًا بصیرًا" حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا قول ہے کہ قرن ایک سو بیس سال کا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرن کے پہلے حصہ میں مبعوث کیا گیا اور اس کے آخر میں یزید بن معاویہ آئے اور بعض نے کہا کہ قرن سو سال کا ہوتا ہے۔

محمد بن قاسم عبداللہ بن بشر مازنی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سر کے نیچے رکھا اور کہا کہ یہ غلام ایک قرن زندہ رہے گا۔ محمد بن قاسم کا قول ہے کہ میں برابر شمار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سو سال پورے ہوئے، پھر موت آگئی۔ کلبی کا قول ہے کہ قرن اسی سال کا ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس سال کا ایک قرن ہوتا ہے۔

⑱ "من کان یرید العاجلۃ" جس کا مقصد دُنیا کا حصول ہوتا ہے ہم اس کو دُنیا سے دے دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں۔ "عجلنا لہ فیھا ما نشاء" ہم اس کو کشادہ کردیتے ہیں یا اس کو تنگ کردیتے ہیں۔ "لمن نرید" جس کے ہلاک کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں۔ "ثم جعلنا لہ" آخرت میں "جھنم یصلاھا" اس کو دوزخ میں داخل کردیں گے۔ "مذمومًا مدحورًا" یعنی دھتکارا ہوا دور کیا ہوا۔

⑲ "ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا" ان کے عمل جیسا عمل کرے گا۔ "وھو مؤمن فاولٰئک کان سعیھم مشکورًا" بمعنی مقبول ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ㉑ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ㉒ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ㉓

(ترجمہ) آپ کے رب کی (اس) عطا (دنیوی) میں سے تو ہم ان کو بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور آپ کے رب کی (یہ) عطا (دنیوی کسی پر) بند نہیں آپ دیکھ لیجئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے اور البتہ

آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اللہ (برحق) کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ تو بدحال بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا۔

تفسیر ⑳ "کلاًّ نمد ھو لاء وھو لاء" ہم ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اور اس فریق کو بھی جو دُنیا کا ارادہ کرتا ہے اور آخرت کا ارادہ کرے۔ "من عطاء ربّک" ان دونوں فریقوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک فی الحال بھی اس کا خلیفہ بنایا ہے۔ "وما کان عطاء ربّک" تمہارے رب کی طرف سے رزق "محظورًا" اپنے بندوں سے روکتے ہیں عطاء سے مراد ہے دُنیا کے اندر عطا کرنا اور کفار کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

㉑ "انظر" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "کیف فضلنا بعضھم علٰی بعض" رزق میں عمل صالح میں۔ بعض اس میں ہم سے جلدی طلب کرتے ہیں اور بعض آخرت میں طلب کرتے ہیں۔ "وللاٰخرۃ أکبر درجات واکبر تفضیلاً"

㉒ "لاتجعل مع اللّٰہ الٰھًا اٰخر" خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد اس سے دوسرے لوگ ہیں یا مخاطب ہر شخص ہے۔ اے انسان! تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔ "فتقعد مذمومًا مخذولاً" مذموماً بغیر تعریف کے اور مخذولاً امداد سے محروم۔

㉓ "وقضٰی ربّک" اور آپ کے رب نے حکم دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ، حسن کا قول ہے کہ ربیع بن انس نے فرمایا تمہارے رب نے تمہارے اوپر واجب کیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ تمہارے رب نے وصیت کی۔ ضحاک بن مزاحم سے حکایت کی ہے کہ انہوں نے اس کو پڑھا ہے۔ "ووصّی ربّک" اور انہوں نے کہا کہ واؤ کو صاد کے ساتھ ذکر کیا، واؤ کو قاف سے بدل دیا۔ "الاّ تعبدوا الا ایّاہ وبالوالدین احسانًا" والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ "امّا یبلغن عندک الکبر" حمزہ اور کسائی نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "احدھما او کلاھما" یہ جملہ مستانفہ ہے۔ "ثم عموا وصموا کثیرًا منھم" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "واسروا النجوی الذین ظلموا" اور "الذین ظلموا" اور دوسرے قراء نے "یبلغن" واحد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

"فلا تقل لھما اف" اس میں تین لغات ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو جعفر، نافع، حفص نے کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے فاء کے کسرہ اور بغیر تنوین کے ذکر کیا ہوگا۔ ان تمام لغات میں معنی ایک ہی ہے۔ یہ لفظ کراہت اور تنگدلی پر بولا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اصل لغت کے اعتبار سے اف اور تف اس میل کو کہتے ہیں جو انگلیوں پر جم جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اف وہ ناخن جو کاٹ کر پھینک دیا ہو اور تف کہتے ہیں انگلیوں کی میل کو اور بعض نے کہا

وسخ کان کی میل اور تف ناخنوں کی میل اور بعض نے کہا کہ اف ناخن کی میل اور تف وہ چیز جو زمین سے حقیر چیز اُٹھائی جائے۔

"ولا تنهرهما" اور والدین میں سے کسی کو بھی نہ جھڑکو۔ "وقل لهما قولاً كريما" اچھی نرم بات۔ ابن مسیب کا قول ہے کہ جیسے کوئی قصوروار اپنے بدخو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے۔ اسی طرح ان کا بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو اور ان کو اُف بھی نہ کہو۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ㉔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ㉕

ترجمہ: اور یوں دعا کرتے رہنا اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

تفسیر ㉔ "واخفض لهما جناح الذل" اور ان کے لیے عاجزی کے ساتھ اپنے بازو بچھا دو۔ عروۃ بن زبیر کا قول ہے کہ ان سے نرمی کرو جس چیز کو وہ چاہتے ہیں اس سے ممانعت نہ کرو۔ "من الرحمة" اس سے مراد شفقت ہے۔ "وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرًا" جب وہ دونوں مسلمان ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ اس فرمان سے منسوخ ہے۔ "ما كان للنبي والذين امنوا أن يستغفروا للمشركين"

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، باپ جنت کا وسطی دروازہ ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا کھو دو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں داخل نہ ہوگا احسان جتلانے والا اور نہ نافرمان اور نہ شراب کا پینے والا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ آیا ہو اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک بوڑھے ہو گئے اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

㉕ "ربكم أعلم بما في نفوسكم" والدین کی فرمانبرداری کی نیت اور تعظیم کے اندرونی خیال سے اللہ خوب واقف ہے۔ "ان تكونوا صالحين" والدین کے ساتھ کوئی خطاء ہو جانے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کا ارادہ رکھے یا

توبہ کرلے تو وہ اس آیت کے حکم میں نہیں ہوگا۔ ''فانّه کان للاوّابین'' اس نافرمانی کے بعد ''غفورًا'' بخشنے والا ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جس سے بے سوچ بلا ارادہ اچانک ماں باپ سے کوئی بے ادبی، بدسلوکی ہو جائے اور نیت ان کی نیکی کی ہو تو اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔

سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ اواب وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلے، پھر گناہ کرے اور توبہ کرلے اور پھر گناہ کرے اور گناہ کے پیچھے توبہ کرلے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اواب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہر حال میں مصیبت کے وقت اور حادثے کے وقت۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس طرح آیا ہے کہ اوّابین سے مراد ہے اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں سے فرمایا تھا ''یا جبال اوّبی'' قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نمازی ہیں۔ عون عقیلی کا قول ہے کہ جو چاشت کی نماز پڑھنے والے ہیں۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾

ترجمہ اور قرابتدار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بیشک بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اگر اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی امید ہو اس کے انتظار میں تجھ کو ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دینا اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

تفسیر ㉖ ''وآت ذا القربیٰ حقه'' اس سے مراد صلہ رحمی ہے اور اس سے مراد قرابت داری ہے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قربیٰ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے۔ ''والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرًا'' یعنی اپنے مال کو نافرمانی کے معاملے میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کردے تو اس کو تبذیر نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تبذیر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حق کے علاوہ راستے میں مال خرچ کرنا۔ شعبہ کا قول ہے کہ میں محمد اسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستے میں جارہا تھا، سرِ راہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی

ہوئی ملی۔ ابواسحاق نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول پر یہ تبذیر ہے حق کے راستے کے علاوہ مال کا خرچ کرنا ہے۔

㉗"ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" یعنی شیطان کے دوست ہیں۔ عرب کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے طریقے کا پابند ہو جائے تو وہ اس قوم کا بھائی ہے۔

"وکان الشیطان لربہ کفورًا" اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے۔

㉘"واما تعرضنّ عنھم" اس آیت کا نزول صحیح، بلال وصہیب وسالم وخباب کے بارے میں ہوا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو وہ کوئی چیز نہیں پاتے تھے (کہ اس سے اپنی حاجت پوری کریں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا حیاء کے بسبب اور ان کی بات سے خاموشی اختیار کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "واما تعرضنّ عنھم" آپ ان سے اعراض نہ کریں بلکہ ان کی حاجت رسائی کریں۔ "ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوھا" اللہ کی طرف سے رزق کا انتظار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کہیں سے دے گا تو آپ کو عطا کر دیں گے۔ "فقل لھم قولاً میسورًا" ان کے ساتھ نرم کلام کرو، ان کے ساتھ وعدہ کرا چھا وعدہ کرنا۔ بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ یہ کلام کرو ان کو کہو کہ اللہ تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔

㉙"ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک لڑکے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں آپ سے پہننے کے لیے ایک کُرتہ مانگ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے اس کرتے کے جو پہنے ہوئے تھے اور کوئی کُرتہ نہ تھا۔ فرمایا اُمید ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت کچھ آ جائے، تم کسی اور وقت آنا، لڑکا لوٹ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا، پھر لوٹ کر آیا اور عرض کیا میری ماں کہتی ہے جو کرتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے ہیں وہی مجھے دے دیجئے۔ یہ درخواست سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے گئے اور کُرتہ اتار کر اس لڑکے کو دے دیا اور برہنہ ہونے کے سبب گھر میں بیٹھے رہے۔ پھر نماز کے لیے حضرت بلال نے اذان دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ نہ آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کوئی بے چینی پیدا ہوئی اور کچھ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے تو آپ کو برہنہ پایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک" اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ حق کے راستے میں خرچ کرنے سے ہاتھ کو نہ روکو جیسے وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھ گلے میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہاتھوں کو پھیلا نہ سکتا ہو۔ "ولا تبسطھا" ان کو عطا کرنے کے ساتھ۔ "کل البسط" تم سب کچھ ان کو دے دو جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے۔ "فتقعد ملومًا" سائل کو ملامت نہ کرو اس سے روک کر کیونکہ جب تم اس کو عطا نہیں کرو گے تو اس کو ملامت ہوگی۔ ملامت یہ کہ فضول خرچ کرو گے تو اپنے نفس پر ملامت ہوگی اور اگر سائل کو کچھ نہ دو گے تو اس کو ملامت کرو گے۔ "محسورًا" خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ گے جس کے پاس خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے "حسرتہ بالمسئلۃ" تو نے سوال کرنے سے اس کو تنگ کر دیا، تو نے اس

سے لپٹ چمٹ کر مانگا۔ حسرۃ السفر اس کو سفر نے چور کر دیا یا شکستہ کر دیا۔ قتادہ کا قول ہے انہوں نے اس کا ترجمہ پشیمان سے کیا ہے اور اس کا تعلق دونوں سے قرار دیا ہے یعنی انتہائی کنجوسی پر پشیمان ہو جاؤ گے اور بربادکنی پر بھی۔

اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے مت قتل کرو (کیونکہ) ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے اور جس شخص (کے قتل کو) اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے۔ تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے سو اس کو قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جاوے اور عہد (مشروع) کو پورا کیا کرو بیشک (ایسے) عہد کی بازپرس کرنے والی ہے اور جب ناپ تول کر دو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو یہ (فی نفسہ بھی) اچھی بات ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔ اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد مت کیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے) پوچھ ہوگی۔

تفسیر ⑳ "انّ ربک یبسط الرزق" اس کا معنی ہے کہ وہ وسیع کر دے گا۔ "لمن یشاء ویقدر" اس کو تنگ کر دے گا اور کم کر دے گا۔ "انّه کان بعباده خبیرًا بصیرًا"

اولاد کے قتل کی ممانعت

㉛"ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق" املاق سے فقر مراد ہے۔"نحن نرزقھم وایّاکم" زمانہ جاہلیت میں لوگ فقر کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرلیا کرتے تھے۔اس آیت میں اس فعل سے نہی کی گئی ہے اوران کو خبر دی کہ تمہارا رزق اور تمہاری اولاد کا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"ان قتلھم کان خطأً کبیرًا" ابن عامر اور جعفر کا قول ہے کہ "خطأً" طاء کے فتحہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ابن کثیر نے خاء کے کسرہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے۔دوسرے قراء نے خاء کے کسرہ اور طاء کے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی بڑا گناہ۔

㉜"ولا تقربوا الزناء انه کان فاحشة وساء سبیلاً"

㉝"ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ الاّ بالحق"اس کے حق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں مگر تین وجوہ سے۔ایک وہ شخص جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے، یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا کسی نفس کے قتل کرنے کے بدلے میں اس کو قتل کردیا جائے گا۔"ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً" قوت اور ولایت حاصل ہو اس کے قتل کرنے کے ساتھ۔مجاہد کا قول ہے انہوں نے ضحاک کا قول نقل کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات کا اختیار رکھتا ہے اگر چاہے تو وہ اس سے خود مستفید ہو اور اگر چاہے تو اس سے دیت لے اور اگر چاہے تو اسے معاف کردے۔

اسراف فی القتل کی تفسیر

"فلایسرف فی القتل" حمزہ اور کسائی نے (تسرف) پڑھا ہے۔اسی صورت میں مقتول کے ورثاء کی طرف خطاب ہوگا اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورت میں خطاب غائب کو ہوگا۔ولی اس کے قتل میں اسراف سے کام نہ لے، یعنی اس کو مثلہ نہ کرے۔

اس اسراف کے معنی میں مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے۔یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے اونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ایک قتل کے عوض بے قصور جماعت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔

زمانہ جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا تو قصاص میں تنہا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابت داروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔اس کے رشتہ داروں کو بھی۔قتادہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قاتل کو مثلہ نہ کیا جائے۔

انه کان منصوراً کی ضمیر کا مرجع

"انه کان منصورًا" ضمیر لوٹ رہی ہے مقتول کی طرف۔ "ومن قتل مظلومًا" جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو، اللہ کی طرف سے اس کی مدد و نصرت دُنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہوگا۔ اللہ اس کے گناہ ساقط کردے گا اور اس کے قاتل کے لیے دوزخ لازم کردے گا۔

قتادہ کا قول ہے کہ ھا ضمیر ولی مقتول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے۔ قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔ بعض حضرات کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے۔ اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو گناہ کا بوجھ اس پر پڑے گا لہٰذا قاتل کی حمایت کی جائے۔

㉞ "ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتّٰی یبلغ اشدہ واوفوا بالعھد" اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو اس کو بھی پورا کرو۔ بعض نے کہا کہ یہاں عہد سے مراد ہے جو انسان اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے اس کو بھی پورا کرے۔ "العھد کان مسئولاً" سدی کا قول ہے تمہیں اس کے بارے میں طلب کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ صاحب عہد سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور عہد شکنی پر اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور بعض نے کہا کہ جنہوں نے عہد کو توڑ دیا ان سے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس لیے اس کو قتل کیا گیا۔

㉟ "واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس" حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "بالقسطاس" قاف کے کسرہ کے ساتھ اور باقی حروف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغتیں ہیں اس سے مراد میزان ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ حسن نے کہا کہ اس سے مراد گنبد نما چیز ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ رومی لغت میں ترازو کو کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے کہا کہ قسطاس عربی لفظ ہے قسط سے بنا ہے قسط کا معنی ہے عدل۔ "المستقیم ذلک خیر و احسن تاویلاً" ان کا انجام۔

㊱ "ولا تقف مالیس لک به علم" قتادہ نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ تم بغیر دیکھے یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا اور بغیر سنے یہ نہ کہو کہ میں نے سنا اور یہ نہ کہو کہ میں جانتا ہوں بغیر جاننے کے۔ مجاہد کا قول ہے کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ جس چیز کا تم کو قطعی علم نہ ہو اس کے بارے میں تم کسی کو متہم نہ کرو۔ قتیبی کا قول ہے کہ اٹکل اور گمان کے پیچھے مت چلو، جس کو لغت میں کہتے ہیں کہ کسی کے اثر کے پیچھے نہ چلو۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "قفوت فلانا اقفوہ وقفیته واقفیته" یہ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی کے نشان قدم پر چلے۔ قتیبی کا قول ہے کہ یہ قفو سے ماخوذ ہے معنی اس کا یہ ہے کہ کسی کو کسی کام پر لگانا۔ اس سب کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان کسی پر گمان کرتے ہوئے بات نہ کر۔

"ان السمع والبصر والفؤاد کلُّ اولٰئک کان عنه مسئولاً" بعض نے کہا کہ انسان سے پوچھا جائے گا کانوں

کے بارے میں، آنکھوں کے بارے میں اور دل کے بارے میں (کہ ان کو کس مصرف میں لگایا ہے) بعض نے کہا کہ کان، آنکھ، دل سے پوچھا جائے گا کہ بندے نے ان کے ساتھ کیسا کیا۔ "کلٌّ اولئک" یہ اعضاء و جوارح مراد ہیں۔

حضرت شکل بن حمید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری درخواست پر مجھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہہ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کان کے شر سے، اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے، میں نے یہ دُعا یاد کر لی۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا. اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا 37 كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا 38

ترجمہ اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے یہ سارے برے کام تیرے رب کے نزدیک (بالکل) ناپسندیدہ ہیں۔

تفسیر 37 "**ولا تمش فی الارض مرحًا**" غرور، تکبر، مستانہ چال چلنا۔ "**انک لن تخرق الارض**" اپنے تکبر کے ساتھ اس کو تم پھاڑ نہ سکو گے۔ "**ولن تبلغ الجبال طولاً**" اس سے تم قادر نہیں کہ پہاڑ کی بلندی تک پہنچ جاؤ اور اپنے تکبر کے ساتھ اس کے برابر ہو جاؤ۔

تکبر سے چلنے کی ممانعت

معنی آیت کا یہ ہوگا کہ انسان اپنے تکبر کے ساتھ اور غرور کے ساتھ کسی چیز کو نہیں پہنچ سکتے۔ جیسا کہ وہ زمین کے پھاڑنے کا ارادہ کریں یا پہاڑ تک پہنچنے کا ارادہ کریں تو ان کو کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی۔ اور بعض نے کہا کہ جو شخص تکبر سے چلتا ہے تو وہ کبھی ایڑیوں کے بل چلتا ہے اور کبھی اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل چلتا ہے۔ اس طرح ایڑی پر چلنے والوں کو کہا گیا کہ تم زمین پر ایڑی سے زمین میں سوراخ نہیں کر سکتے۔ اگر پنجوں کے اوپر چلیں تو کہا گیا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچ سکتے۔

38 جبیر بن مطعم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو جھک کر چلتے جیسے کہ اونچائی سے ڈھلوان کی طرف آ رہے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے زیادہ حسین کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ گویا کہ سورج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں چلتا ہے اور میں نے نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز چلنے والا کسی کو۔ گویا کہ ان کے لیے زمین کو لپیٹ دیا گیا ہو اور ہم اپنے نفسوں کے لیے کوشش کرتے تھے لیکن ان تک پہنچنے کے لیے تھک جاتے تھے۔

"**کل ذلک کان سیئۃ عند ربک مکروھًا**" ابن عامر اور اہل کوفہ نے ہمزہ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ اضافت ہونے کی وجہ سے۔ یعنی مذکورہ بالا تمام اُمور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**وقضٰی ربک الا تعبدوا**

الا ایّاہ" ...... "کان سیئۃ" یعنی امور مذکورہ میں سے جو بُرے ہیں اور ان کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ "و آت ذالقربٰی حقہ" ...... "واخفض لھما جناح الذل" اور دوسرے قراء نے "سیئۃٍ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "و لا تقتلوا اولادکم" اس مقام میں بھی برائی کا ذکر ہے نہ کہ نیکی کا، یہ سب امور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے نہ کہ اس کے علاوہ سے۔ یہاں پر مکروہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہر وہ کام جو ناپسندیدہ ہو وہ برا ہے۔ "مکروھا" یہ تکریر کے لیے ہے نہ کہ صفت کے لیے۔ یعنی ہر وہ چیز جو بُری ہوگی وہ مکروہ بھی ہوگی۔ یہاں معنی کا اعتبار کیا گیا نہ کہ لفظ کا اس لیے کہ "سیئۃ" سے مراد ذنب ہے اور وہ مذکر ہے۔

ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ ط وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَھَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ط اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا ط وَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہیں اور اللہ برحق کے ساتھ کوئی معبود تجویز مت کرنا ورنہ تو الزام خوردہ اور درماندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا تو کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنائی ہیں بیشک تم بڑی (سخت) بات کہتے ہو اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ (اس کو) اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے آپ فرمائیے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے تک انہوں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت زیادہ برتر ہے تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو وہ بڑا حکیم ہے بڑا غفور ہے۔

تفسیر ﴿۳۹﴾ "ذلک" یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں۔ "مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ" ہر وہ کام جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کام سے روکا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔ "و لا تجعل مع اللہ اللہ آخر" خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد اُمت ہے۔ "فتلقی فی جھنم ملومًا مدحورًا" ہر خیر سے دھتکارا ہوا۔

⑩"افاصفاکم ربکم" تمہارے اس اختیار کرنے کے باعث کہ تم نے اس کے لیے اس چیز کو پسند کیا۔ (یعنی لڑکیاں) جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ "بالبنین واتخذ من الملائکۃ اناثًا" کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ لڑکیاں اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ)......"انکم لتقولون قولاً عظیمًا" اس سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے۔

⑪"ولقد صرفنا فی ھذا القرآن" اس قرآن میں متعدد مقامات پر چند عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں وعیدات، تشدیدات بیان کی ہیں۔ "لیذکروا" تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور ان امور سے باز رہیں۔ حمزہ، کسائی نے ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور کاف کے ضمہ کے ساتھ "وما یزیدھم" یعنی ہمارا ان کو بار بار بیان کرنا نصیحت کرنا "الا نفورًا" ان کی دوری اور حق سے نفرت کا سبب بنتی ہے۔

⑫"قل" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مشرکین کے لیے کہہ دیجئے۔ "لو کان معه الٰھة کما یقولون" حفص اور ابن کثیر نے "یقولون" پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ "تقولون" پڑھا ہے۔ "اذًا لابتغوا" وہ طلب کر چکے ہوتے یعنی دوسرے خدا۔ "الٰی ذی العرش سبیلاً" بطور مبالغہ کے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ ایسا ہوتے یا ایسا کر چکتے ہوتے ابھی تک اللہ کی بادشاہت ختم ہو جاتی۔ جیسا کہ ایک بادشاہ کی ملکیت دوسرے بادشاہ کی ملکیت کے زوال کا سبب بنی۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے بادشاہوں کے دستور کے مطابق وہ عرش والے خدا سے لڑ پڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ اللہ کے فضل کو جان لیتے اور اس سے تقرب حاصل ہو جاتا۔ پہلا قول اصح ہے۔

⑬"سبحانه وتعالٰی عما یقولون" بعض قراء تقولون پڑھتے ہیں اور دوسرے قراء یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "علوًا کبیرًا"

⑭"تسبح له السمٰوت السبع والارض ومن فیھن" ابوعمرو، حمزہ، کسائی، حفص اور یعقوب کے نزدیک تاء کے ساتھ (تسبح) ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ "یسبح" پڑھا ہے۔

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے

"وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو چیز بھی زندہ ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ درخت اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس لکڑی سے بنا ہوا ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔ مقدام بن معدی کرب کا قول ہے کہ مٹی تسبیح کرتی ہے جب تک کہ وہ سڑ نہ جائے، جب سڑ جاتی ہے تو وہ تسبیح بیان نہیں کرتی اور زمین پر تنکے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ جب تک کہ وہ ہوا کے ذریعے اُڑ نہ جائیں، جب وہ ہوا کے ذریعے اُڑ جائیں تو تسبیح نہیں کرتے۔

پتہ بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے جب تک وہ درخت پر لگا ہوا ہو جب وہ سوکھ کر گر جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا اور کپڑے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جب تک کہ وہ نئے ہوتے ہیں جب وہ پرانے اور پھٹ جائیں تو تسبیح کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور پانی بھی اللہ

23

کی تسبیح کرتا ہے جب کہ وہ جاری ہو، جب وہ رُک جاتا ہے تو تسبیح کرنا چھوڑ دیتا ہے، وحشی جانور اور پرندے بھی تسبیح کرتے ہیں جب وہ بولتے یا چیختے ہیں جب وہ چپ ہوتے ہیں تسبیح رُک جاتی ہے۔ ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ ہر چیز خواہ جماد ہو، اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے یہاں تک کہ گھر کے دروازے کی چرچراہٹ اور چھت کی شہتیر اور ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی تسبیح ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ تمام اشیاء اللہ کی تسبیح کرتی ہیں، خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ پتھر ہوں ان کی تسبیح سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم آیات کو معجزات جانتے ہیں اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکاب تھے کہ پانی کی کمی پڑ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانی جو کچھ بچا ہوا ہے میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک پانی کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھایا جاتا تھا اور کھانے کے اندر سے ہم سبحان اللہ کی آواز سنا کرتے تھے۔ بعض اہل معانی کا قول ہے کہ آسمان وزمین جمادات اور تمام حیوانات سوائے عقلاء، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی لطیف ترکیب اور اس کے عجائبات اور اس کی مختلف پیدا شدہ چیزوں پر دلالت کرتی ہے۔ ان سب کا مختلف ہیئت پر پیدا کرنا دراصل ان کی تسبیح کرنے کے مترادف ہے۔ پہلا قول سلف سے منقول ہے۔ "ولکن لاتفقھون تسبیحھم" ان کی تسبیح کو کوئی نہیں جانتا ان کی لغات اور ان کی زبان کوئی نہیں جانتا۔ "انه كان حليمًا غفورًا"

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں اور (وہ پردہ یہ ہے کہ) ہم ان کے دلوں پر حجاب ڈالتے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔

تفسیر ⑮ "واذا قرأت القرآن جعلنا بينك وبين الذين لا يؤمنون بالاخرة حجاباً مستورًا" ان کے دلوں پر پردہ ہے کہ وہ ان کے قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے۔ قتادہ نے کہا کہ اس پردے سے مراد اکنۃ ہے۔ وہ پردہ جو مشرکوں کے بارے میں فرمایا کہ "قلوبنا غلف ...... في اكنة مستور بمعنی ساتر کے ہے وہ پردہ حسی نہیں ہوتا جو اس سے چھپا ہوا ہے۔ "وكان وعده مأتيا" یہاں مفعول بمعنی فاعل کے ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں کے

سامنے پردہ ہے، لوگ اس کو دیکھ نہیں سکتے اور بعض نے اس کی تفسیر حجاب سے کی ہے۔

جیسا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "تبت یدا ابی لھب و تب" تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے لیکن عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی تمہارا ساتھی کہاں ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم! وہ تو شعر نہیں پڑھتے نہ شعر کہتے ہیں، عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ کیے رہا۔

⑯ "وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنّۃ" اس کا معنی پردے کے ہیں۔ "أن یفقھوہ" اس بات کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کہ وہ ان کو سمجھ نہ سکیں۔ بعض نے کہا تا کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔

"وفی آذانھم وقرًا" ان کے کانوں میں بوجھ پڑے ہوئے ہیں تا کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔ "واذا ذکرت ربّک فی القرآن وحدہ" یعنی جب آپ یہ کہہ دیں لا الٰہ الا اللہ قرآن سے پڑھ لیں۔ "ولّوا علی ادبارھم نفورًا" نافر کی جمع ہے جیسے قاعد جمع ہے قعود اور جالس جلوس کی جمع ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِہٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ وَ اِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِکُمْ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ط قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھُوَ ط قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جبکہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو راستہ نہیں پا سکتے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا ہو جاویں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا اور زندہ کئے جاویں گے آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تم پتھر اور لوہا یا اور کوئی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ فرما دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اس پر آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ (اچھا بتلاؤ) یہ کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ عجب نہیں یہ قریب ہی آ پہنچا ہو۔

تفسیر ⑰ "نحن اعلم بما یستمعون به" بعض نے کہا کہ یہاں ما صلہ ہے۔ اس کا مطلب ہے جب وہ سننے کو طلب کرتے ہیں۔ "اذ یستمعون الیک" جب آپ قرآن کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ "واذھم نجوی" اس کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ وہ مجنون ہے اور بعض ان کو کاہن کہتے اور بعض جادوگر کہتے اور بعض ان کو شاعر کہتے۔ "اذ یقول الظالمون" اس سے مراد ولید بن مغیرہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ "ان تتبعون الا رجلاً مسحورًا" جادوزدہ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مسحور کہتے ہیں فریب خوردہ۔ بعض نے کہا کہ حق سے پھر جانے والا جیسے بولا جاتا ہے "ما سحرک عن کذا" کہ تجھے کس چیز نے پھیر دیا۔ ابوعبیدہ نے مسحور کا ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھیپھڑا، مراد یہ ہے کہ وہ شخص جو تم جیسے پھیپھڑوں والا آدمی ہے کھاتا ہے، پیتا ہے سانس لیتا ہے۔

⑱ "انظر" اے محمد (خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے) "کیف ضربوا لک الامثال" اس کا مشابہ ہے۔ ان میں سے بعض نے ان کو شاعر و ساحر اور کاہن اور مجنون کہا۔ "فضلوا" کسی نے ان کو سخت سست کہا۔ "فلا یستطیعون سبیلاً" وہ سیدھے راستے تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

⑲ "وقالوا ء اذا کنا عظاماً ورفاتًا" ان کے مرنے کے بعد مجاہد کا قول ہے کہ ان کا مٹی مٹی ہو جانے کے بعد اور بعض نے کہا کہ جب اس دن سب بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ ہو جائیں گے۔ "ء انا لمبعوثون خلقًا جدیدًا"......

⑳ "قل" کہہ دیجئے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "کونوا حجارۃ او حدیدًا" شدۃ اور قوت میں۔ یہ ان پر لازمی حکم نہیں بلکہ یہ امر ان کو عاجز قرار دینے کے لیے ہیں۔ یعنی اگر وہ اپنے دلوں میں یہ جان لیں کہ اگر تم پتھر بن جاؤ یا قوت میں لوہا کی طرح ہو جاؤ۔

㉑ "او خلقا مما یکبر فی صدورکم" کہا گیا کہ وہ آسمان و زمین اور پہاڑ ہو جائیں۔ مجاہد کا قول ہے اور یہی قول عکرمہ اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا ہے کہ اس سے مراد موت ہے۔ ابن آدم کے بارے میں موت سے زیادہ کوئی چیز بڑی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم ان کو موت ان کی آنکھوں کے سامنے دیتے اور ان کو دوبارہ اُٹھنے کا حکم کرتے۔ "فسیقولون من یعیدنا" تو وہ کہتے ہیں کہ کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ "قل الذی فطرکم" تمہیں کس نے پیدا کیا۔ "اوّل مرّۃ" جو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، دوبارہ جی اُٹھانے پر بھی قادر ہے۔ "فسینغضون الیک رؤسھم" جب آپ ان کو یہ کہتے ہو تو وہ آپ کی استہزاء کرتے ہیں۔ "ویقولون متی ھو" بعثت اور قیامت۔ کب آئے گی۔ "وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبًا"

یَوۡمَ یَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝۵۲ وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ۝۵۳ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡكُمۡ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ۝۵۴ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۝۵۵

ترجمہ یہ اس روز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم کو پکارے گا اور تم (بالاضطرار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرلو گے اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے اور آپ میرے (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے تم سب کا حال تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تم پر رحمت فرما دے یا اگر وہ چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ (تک) کو انکا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور ہم داؤد (علیہ السلام) کو زبور دے چکے ہیں۔

فتستجیبون بحمدہ کی تفسیر

تفسیر 52 "یوم یدعوکم" تمہاری قبروں سے تمہیں اُٹھایا جائے گا قیامت کے دن کھڑے ہونے کے لیے۔ "فتستجیبون بحمدہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کے حکم کی بناء پر۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کی اطاعت میں جواب دیں گے اور بعض نے کہا اس وقت وہ اقرار کرلیں گے پیدا کیے جانے پر اور دوبارہ اٹھائے جانے پر۔ اس وقت یہ اللہ کی حمد وثناء کریں گے لیکن اس وقت ان کو حمد وثناء کسی کے کام نہیں آئے گی۔ بعض نے کہا کہ یہ خطاب مؤمنین کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی ہے کیوں کہ جب ان کو اُٹھایا جائے گا تو یہ اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اُٹھیں گے۔ "وتظنّون ان لبثتم" کہ تم اس دُنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے یا قبروں میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ "الّا قلیلاً" اگر انسان ایک ہزار سال بھی دُنیا میں ٹھہر جائے یا قبروں میں ٹھہر جائیں لیکن وہ قیامت کے دن کے مقابلے میں وہ اس مدت کو کم پائیں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ دُنیا کی اس حقیر مدت کو قیامت کے مقابلے میں بہت حقیر سمجھیں گے۔

53 "وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن" کلبی کا بیان ہے کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو زیادہ دُکھ پہنچانے شروع کیے تو مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔ "وقل لعبادی یقولوا" بندوں سے مراد کافر لوگ ہیں۔ "التی ھی احسن" ہم ان کی مکافات نہیں کرتے ان کی بے وقوفی کی وجہ سے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو کہہ دو کہ اللہ تمہیں ہدایت دے یہ جہاد سے اجازت سے پہلے کا حکم تھا اور بعض نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کفار نے ان کو برا بھلا کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کرنے کا حکم دیا اور بعض نے کہا کہ اللہ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ وہ بھی معاف کریں اور جوان کے ساتھ بھلائی کریں اور بعض نے کہا کہ احسن سے مراد اخلاص والا کلمہ ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "ان الشیطان ینزغ بینھم" وہ ان کے درمیان فساد اور دشمنی ڈالتا ہے۔ "انّ الشیطان کان للانسان عدوًا مبینًا" اس کی دشمنی سب کے سامنے ظاہر ہے۔

54 "ربّکم اعلم بکم ان یشایرحمکم" تم کو اللہ توفیق دے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ۔ "او ان یشایعذبکم" تمہیں شرک کی حالت میں موت دے دے اور تم کو عذاب دے۔ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ یہ خطاب اللہ کی

طرف سے مؤمنوں کو ہے یعنی اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے پنجہ سے تم کو بچالے گا اور چاہے گا تو تم کو اپنے ہاتھوں سے دُکھ دے گا۔ ”وما ارسلناک علیهم وکیلاً“ حفاظت کرنے والا کفیل ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔

⑮ ”وربُّک اعلم بمن فی السمٰوٰت والارض“ یعنی تمہارا رب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ان سب کو مختلف صورتیں دے کر اور ہر ایک کو الگ الگ اخلاق سے آراستہ کر کے اور ان کو مختلف احوال سے اور بادشاہت سے نوازا۔ ”ولقد فضلنا بعض النبیین علٰی بعض“ بعض نے کہا کہ اس سے مراد آسمان والے اور زمین والے ہیں کہ بعض آسمان والوں کو زمین والوں سے بلند مرتبہ عطا کیا اور بعض زمین والوں کو بعض زمین والوں سے فضیلت بخشی۔

جیسے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی۔ قتادہ کا بیان ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”کن فیکون“ کے لفظ سے پیدا کر کے ان امور سے سرفراز فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو عظیم سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہیں ملی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ ”وآتینا داؤد زبورًا“ زبور وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھائی جو ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل تھی۔ اس میں سب دُعائیں اور اللہ کی حمد وثناء تھی اس میں کوئی حلال وحرام اور کوئی چیز فرض نہیں کی گئی اور نہ ہی اس میں کوئی حدود وغیرہ تھے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اس فضیلت کے منکر نہیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے منکر کیسے ہوگئے اور ان کو جو قرآن دیا گیا اس کے منکر کیسے ہوگئے۔ یہ خطاب ان تمام لوگوں کے ساتھ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی فضیلت کے قائل ہیں۔ اہل کتاب میں سے اور ان کے علاوہ اور مذاہب کے لوگوں میں سے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٥٨﴾

ترجمہ آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو (یقیناً) وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل اور (کفار کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا (قیامت کے روز) اس کو سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر ⑤⑥ "قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ" مشرکین کو بہت شدید قحط پڑا۔ یہاں تک کہ وہ کتوں کا گوشت اور مردار کھانے لگے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تا کہ ان سے مدد طلب کریں اور ان سے دُعا کروائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قل" کہہ دیجئے مشرکین مکہ سے "ادعوا الذین زعمتم انها آلهة من دونه"...... "فلا یملکون کشف الضر" اس سے مراد قحط اور بھوک ہے۔ "عنکم ولا تحویلا" تم کو اس حال کے علاوہ دوسرے حال کی طرف پھیر دے گا یا تنگی سے آسانی کی طرف پھیر دے گا۔

⑤⑦ "اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة" وہ معبودان باطلہ جن کو مشرکین مکہ پکارتے ہیں کہ وہی "آلهة" ہیں ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کا قول ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ یا اس سے حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے ہیں۔ سورج، چاند، ستارے یہ سب اپنے رب کی قربت کو تلاش کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہاں وسیلہ سے مراد درجہ ہے وہ اللہ کے آگے عاجزی اختیار کرتے ہیں، بلند درجہ حاصل کرنے کی غرض سے۔ بعض نے کہا کہ وسیلہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے۔ "ایهم اقرب" وہ دیکھتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہے جس سے وہ توسل اختیار کرتے ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ ان میں سے جو اعمال صالحہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے، اس سے وسیلہ پکڑتے ہیں۔ "ویرجون رحمته" رحمت سے مراد جنت ہے (کہ وہ اس کی جنت کی اُمید رکھتے ہیں)۔

"ویخافون عذابه انّ عذاب ربّک کان محذورًا" ان سے ڈرنا چاہیے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرب کا ایک گروہ جنوں کے گروہ کے ساتھ عبادت کرتے تھے، جن اسلام لے آئے، انسانوں کو ان کے اسلام لانے کا علم نہیں ہوا، جن کے ساتھ مل کر وہ عبادت کرتے تھے، وہ ان کی عبادت کرنے سے رُک گئے، اللہ نے ان کو عار دلائی، ان پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "الذین تدعون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑤⑧ "وان من قریة" اور کوئی بستی ایسی نہیں۔ "الّا نحن مهلکوها قبل یوم القیامة" اس بستی کو ہم بوسیدہ اور ہلاک نہ کر دیں اور اس بستی میں رہنے والوں کو ہلاک نہ کر دیں۔ "او معذبوها عذابًا شدیدًا" عذاب کی مختلف قسم کے انواع ان کو دیئے جائیں گے، ان کے کفر کے بسبب یا نافرمانی کے بسبب۔ مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ ہلاک کرنے سے مراد ہے مار ڈالنا، موت کو مسلط کر دینا۔ یعنی بستی والے اگر مؤمن ہوں تو ہم ان پر موت مسلط کر دیتے ہیں، زندگی ختم کر دیتے ہیں اور اگر کافر ہوں تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیں گے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

"کان ذلک فی الکتاب" کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ "مسطورًا" لکھا ہوا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے اوّل اللہ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا، پھر اس سے فرمایا، لکھ، قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر کو لکھو، حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا ابد تک ہونے والی ہے۔

وَمَامَنَعَنَآاَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآاَنْ كَذَّبَ بِهَاالْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَاثَمُوْدَا النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْابِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿59﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْ يَاالَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿60﴾

ترجمہ: اور ہم کو خاص (فرمائشی) معجزات کے بھیجنے سے صرف یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی (سوان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں اور آپ وہ وقت یاد کر لیجئے جبکہ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کا رب (اپنے علم سے) تمام لوگوں کو محیط ہو رہا ہے اور ہم نے جو تماشہ آپ کو دکھلایا تھا اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

وما منعنا ان نرسل بالایات کا شان نزول

تفسیر: ﴿59﴾ "وما منعنا أن نرسل بالايات الّا أن كذّب بها الاوّلون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ صفا پہاڑی کو ہمارے لیے سونا بنا دے اور یہ کہ ان پہاڑوں کو اپنی جگہ سے دور ہٹا دے تا کہ ہم اس جگہ کھیتی باڑی کر لیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی، اگر آپ چاہیں تو ان کی اس بات کے مطابق ہم کر لیں، اگر آپ چاہیں تو ان کے لیے اس بات کو اختیار نہ کریں۔ (اگر ان کے سوال کے مطابق ہم اگر صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں اور ان پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں تا کہ وہ اسی جگہ کھیتی باڑی کریں) اگر اس پر وہ ایمان نہ لائیں تو پھر ہم ان کو اس طرح ہلاک کریں گے۔ جیسا کہ پہلی اُمتوں کو ہلاک کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں "وما منعنا أن نرسل بالايات" وہ نشانیاں یا معجزے جن کا کفار قریش نے مطالبہ کیا۔ "الّا ان كذب بها الاوّلون" ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو اگر ہماری نشانیاں آنے کے بعد ان کے ان معجزوں کو طلب کرنے کے بعد ایمان نہ لائے تو پھر ان کو ہلاک کر دیا جائے گا کیونکہ ہمارا اس کے متعلق یہ اُصول وضابطہ رہا ہے کہ جو قوم نشانیاں مانگتی ہیں ہم ان کو وہ نشانیاں دے دیتے ہیں پھر ان نشانیوں کے بعد وہ ایمان نہ لائیں تو ہم ان کو مہلت نہیں دیتے بلکہ ان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ہم اس اُمت کو تباہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ مہلت دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان "بل الساعة موعدهم والساعة ادهى و امر" پھر آگے ارشاد فرمایا

"و آتینا ثمود الناقة مبصرة" ان کے لیے واضح نشانی بیان کردی۔ "فظلموا بھا" انہوں نے ان آیات کا انکار کیا کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وما کانوا بآیتنا یظلمون" اس کا معنی ہے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان معجزوں کا انکار کر کے اور وہ عذاب جلدی طلب کرتے ہیں۔ "ما نرسل بالایات" عبرت کے لیے اور خوف دلانے کے لیے بھیجتے ہیں۔ "الّا تخویفا" بندوں کے ڈرانے کے لیے تا کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جیسے چاہتا ہے ڈراتا ہے اپنی نشانیوں میں سے تا کہ وہ اس کی طرف لوٹے۔

⑥⓪ "واذ قلنا لک انّ ربّک احاط بالناس" وہ ہمارے قبضہ میں ہیں ہم سے بھاگ کر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ تمہاری محافظ ہے اور تمہارے آنے والے دشمنوں کو تم سے روک دے گی۔ لہٰذا تبلیغ کے کام میں کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام کو انجام دیجیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واللّٰہ یعصمک من النّاس"...... "وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک الّا فتنة للناس" اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات عجائبات اور آیات نہیں دیکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رؤیا سے مراد رؤیت یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کا قول ہے "رأیت بعینی رؤیة ورؤیًا" میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کیا تو بعض نے اس کا انکار کر دیا اور بعض لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا یہی فتنة للناس ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ معراج ہوئی، ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کی اور ایک بار دل سے دیکھنے کی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ رؤیا سے مراد وہ خواب ہے جو حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے ساتھی مکہ میں داخل ہو گئے ہیں، آپ مقررہ میعاد سے پہلے مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا تو آپ لوٹ آئے۔

پہلے تو آپ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اسی سال حدیبیہ سے واپس لوٹنا پڑا، اس سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور بعض لوگوں میں شک پڑ گیا۔ پھر جب دوسرے سال مکہ میں داخل ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "لقد صدق اللّٰہ رسوله الرؤیا بالحق"...... "والشجرة الملعونة فی القرآن" اس سے زقوم (تھوہر) کا درخت مراد ہے۔ "شجرة ملعونة" کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

شجرۃ ملعونۃ کی تفسیر

عرب کے ہاں ہر ناپسندیدہ کام کے لیے ملعون کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا کھانے والا ملعون ہے۔ شجرہ منسوب ہے رؤیا پر عطف ہونے کی وجہ سے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خواب کو جو ہم نے آپ کو دکھلایا اور شجرہ ملعونہ ان

دونوں کولوگوں کی آزمائش کے لیے بنایا۔ خواب میں فتنہ کا ہونا تو پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ شجرہ ملعونہ کا فتنہ ہونا دو وجوہ سے ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ ابن ابی کبشہ تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلادے گی لیکن خود ہی یہ کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اُگے گا تم اگر جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

۲۔ عبداللہ بن زبعری فرماتے ہیں کہ محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی مکھن اور چھوہارے ہی جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کو دوسرا معنی معلوم نہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے اپنی لونڈی کو آواز دی "**یا جاریہ تعالی فزقمینا**" جاریہ ہمارے لیے زقوم لا باندی فوراً مکھن اور چھوہارے لے آئی۔ ابوجہل بولا لوگو! زقوم کھاؤ، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو اسی سے ڈراتے ہیں، زقوم کا ذکر اللہ نے سورۃ صافات میں کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ شجرہ ملعونہ سے مراد وہ بیل ہے جو درخت کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ گویا اس نے درخت کے گلے کو گھونٹ دیا اس سے درخت خشک ہو جاتا ہے۔ "**ونخوفهم فما يزيدهم**" اس سے مراد خوف دلانا ہے۔ "**الا طغیاناً کبیرًا**" طغیان، سرکشی اور تمرد میں زیادتی یہ بڑا گناہ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ⑥① قَالَ اَرَءَ يْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ⑥② قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ⑥③

ترجمہ اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو سو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا اور) کہا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے کہنے لگا کہ اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتایئے تو خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانہ تک مہلت دے دی تو میں (بھی) بجز قدرے قلیل لوگوں کے اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا ارشاد ہوا جا جو شخص ان میں سے تیرے ساتھ ہولے گا سو تم سب کی سزا جہنم ہے۔ سزا پوری۔

تفسیر ⑥① "**واذ قلنا ...... تا ...... خلقت طیناً**" اس کو مٹی سے بنایا اور میں اس کو دیکھ چکا ہوں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھیجا تا کہ وہ زمین کی مٹی سے ایک مٹھی لے آئے جو شیریں بھی اور نمکین بھی۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا۔ پس جس کو میٹھی خاک سے بنایا وہ تو خوش نصیب ہو گیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق نمکین خاک سے بنی وہ بد بخت ہوا، خواہ وہ انبیاء زادہ ہی کیوں نہ ہو۔

⑥② "**قال**" ابلیس نے کہا "**ارأیتک**" کہ میں خبر دیتا ہوں کاف مخاطب کی تاکید کے لیے ہے۔ "**ھذا الذی کرّمت علیّ**" اس کو مجھ پر فضیلت بخشی۔ "**لئن اخرتنی**" مجھے مہلت دے دے۔ "**الی یوم القیامة لاحتنکن ذریته**" ان کو گمراہی کی طرف کھینچ لوں گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "**احتنک الجراد الزرع**" جب ٹڈی سارے کھیت کو کھا جائے اور بعض نے کہا کہ عرب کا قول ہے "**حنک الدابة یحنک**" گھوڑے کا نچلا جبڑا، رسی سے باندھ دیا تا کہ جس

طرف چاہے مالک کھینچ کر لے جائے۔بعض نے کہا کہ ان کو اغوا کر کے ان کی بیخ کنی کروں گا۔''الا قلیلاً''مگر وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔''ان عبادی لیس لک علیھم سلطان''

63 ''قال''اللہ تعالیٰ نے فرمایا''اذھب فمن تبعک منھم فانّ جھنم جزاء کم''تمہارا بدلہ اور تمہاری اتباع کرنے والوں کا یہی بدلہ ہوگا۔''جزاء موفورًا''مکمل بدلہ۔جیسے کہا جاتا ہے''وفرته أوفره وفرًا''

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا 64

ترجمہ اوران میں سے جس پر جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدہ کرنا اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

تفسیر 64 ''واستفزز''ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اور جس پر کوشش کر کے ورغلا سکے۔''من استطعت منھم''آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے''بصوتک''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک صوت سے مراد گناہ ہے جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ازہری کا بیان ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔مجاہد کا بیان ہے کہ اس سے مراد ہے گانا بجانا۔''واجلب علیھم بخیلک ورجلک''اپنے لشکر کو اغوا اور مکر کے تمام ذرائع کو جمع کر لیا۔جیسا کہ کہا جاتا ہے''اجلبوا وجلبوا اذا اصاحوا . لرزا چیخا''

مقاتل کا بیان ہے کہ اس کے لیے مدد طلب کی،اپنے لشکر کے ساتھ۔بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکری ہے۔سوار ہو کر چلے یا پیادہ چلے۔مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی ہیں جو بھی معصیت کے راستے میں لڑے وہ ابلیس کا لشکری ہے۔''والرجل والراجلة والرجالة''ان سب کا معنی ایک ہی ہے راجل رجل مثل تاجر تجر کے ہے راکب رکب کے معنی میں ہے۔حفص نے''ورجلک''جیم کے کسرہ کے ساتھ۔اس میں دونوں لغات ہیں۔''وشارکھم فی الاموال والاولاد''شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور ان کو جمع کر کے رکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔

عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد سود کا لین دین ہے۔قتادہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد وہ جانور بحیرہ سائبہ وصیلہ حام جو مشرکین نے حرام کر رکھے تھے۔ضحاک کا قول ہے کہ وہ جانور ہیں جو اپنے بتوں کے نام ذبح کرتے تھے۔شرکت فی الاولاد سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں ہیں۔مجاہد اور ضحاک کا قول ہے کہ اس سے مراد اولاد زنا ہے۔حسن اور قتادہ نے کہا ہے کہ اولاد کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنانا مراد ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ

ہے کہ اولاد کا ناجائز نام رکھنا مراد ہے۔ جیسے عبدالحارث، عبدالشمس، عبدالعزی، عبدالدار وغیرہ۔

جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اگر وہ شخص بسم اللہ کے بغیر کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کی اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس سے مراد مغربین ہیں۔ دریافت کیا گیا مغرب لوگ کون ہیں؟ فرمایا جن میں شیطان ہوتے ہیں۔ روایت کیا گیا کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میری بیوی بھاگی اس کی شرم گاہ میں آگ کا شعلہ تھا، فرمایا یہ جن کے وطی کرنے کا ہے۔

بعض آثار میں نقل کیا گیا ہے کہ ابلیس کو جب جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرما دے۔ اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا، فرمایا ابلیس نے کہا مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا "**استفزز من استطعت منهم بصوتک**" آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کیا ہے اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہوگی میں اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دوں گا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا اور کیا ہے اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ کی قبولیت سامنے رہے گی۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا اور کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**یا عبادی الذین أسرفوا علٰی انفسهم**"

شیطانی کلام

بعض روایات میں آتا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لیے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شعر، ابلیس نے کہا کہ میری تحریر کیا ہوگی؟ فرمایا جسم کا گودنا۔ ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں؟ فرمایا کاہن اور عرض کیا میرے رہنے کا مقام کون سا ہے؟ فرمایا حمام۔ عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے؟ فرمایا بازاروں میں۔ عرض کیا میرا کھانا کیا ہے؟ فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرض کیا میرے پینے کی کیا چیز ہے؟ فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کون سا ہے؟ فرمایا عورتیں۔ عرض کیا میرا سامان کیا ہے؟ فرمایا باجے۔

"**وعدهم**" ان میں سے جو تمہاری پیروی کریں ان کو اپنے لیے پسند کرلے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو کہو ان کے لیے جنت ہے اور نہ آگ ہے اور نہ دوبارہ اُٹھایا جانا ہے۔ "**وما یعدهم الشیطان الا غرورًا**" غرور کہتے ہیں باطل کو اس طرح مزین کر دینا کہ اس کو حق سمجھا جانے لگے۔ یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا کیسے حکم دیا گیا حالانکہ "**انّ اللّٰہ لا یامر بالفحشاء**" اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ بطور تہدید کے فرمایا۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا: "**اعملوا ماشئتم**"

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّکُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ
لَکُمُ الْفُلْکَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ
فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَکَانَ الْاِنْسَانُ
کَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا
لَکُمْ وَکِیْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ
فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

ترجمہ میرے خاص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کافی کارساز ہے تمہارا رب ایسا (منعم) ہے کہ تمہارے لئے کشتی کو دریا میں لے چلتا ہے تاکہ تم اس کے رزق کو تلاش کرو بیشک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے اور جنتوں کی عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم پھر پھر جاتے ہو اور (واقعی) انسان ہے بڑا ناشکرا تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے کہ تم کو خشکی کی جانب لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاوے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے پھر اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو نہ ملے۔

تفسیر ⑥⑤ "انّ عبادی لیس لک علیهم سلطان و کفٰی بربک وکیلا" وہی تمام اُمور کا محافظ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اپنے تمام اُمور اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔

⑥⑥ "ربکم الذی یزجی لکم الفلک" جو کھینچتا ہے اور چلاتا ہے کشتی کو۔ "فی البحر لتبتغوا من فضله" تاکہ وہ اس کے رزق سے تلاش کریں۔ "انه کان بکم رحیمًا"

⑥⑦ "واذا مسّکم الضر" جب ڈوبنے کا سخت خوف واندیشہ ہو۔ "فی البحر ضلَّ" سمندروں کی موجوں میں چڑھتے ہوئے تو اس وقت یہ بت باطل اور تمہاری نظروں سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ "من تدعون" جن معبودوں کو تم پکارتے تھے۔ "الا ایّاہ" ان بتوں کو چھوڑ کر اللہ کو پکارتے ہو۔ اس کے علاوہ تم کسی کو مددگار نہیں پاتے۔ "فلما نجاکم" وہ تمہاری پکار سنتا ہے اور تمہیں سمندر کے ہول سے نجات دیتا ہے اور تمہیں اس سے نکالتا ہے۔ "الی البرأ عرضتم" تم ایمان سے اعراض کرتے ہو اور اخلاص وطاعت سے منہ موڑنے لگتے ہو اور اس کی اس نعمت کا انکار کرتے ہو۔ "وکان الانسان کفورًا"

⑥⑧ "افامنتم" اس کے بعد "ان یخسف بکم" تمہیں اس میں غرق کر دیتا۔ "جانب البر" سمندر کے کنارے پر۔ "او

یرسل علیکم حاصبًا" تم پر ایسے پتھر برسائے جس طرح قوم لوط پر پتھر برسائے۔ ابوعبیدہ اور قتیبی رحمہما اللہ کا قول ہے حاصب وہ ہوا ہے جو اپنے ساتھ سنگریزے بھی اُڑائے۔ "ثم لا تجدوا لکم وکیلا" قتادہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے روک دینے والا۔

⑥⑨ "ام أمنتم ان یعیدکم فیه" کیا وہ تمہیں دوبارہ دریا میں نہیں لوٹائے گا۔ "تارۃً" کبھی کبھار "اخریٰ فیرسل علیکم قاصفًا من الریح" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عاصف تیز آندھی طوفان کو کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ قصف کا معنی ہے کوٹنا توڑ دینا۔ قاصف وہ ہوا جو اپنی قوت سے ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ ہوا جو درختوں کو توڑ ڈالے۔

"فیغرقکم بما کفرتم ثم لا تجدوا لکم علینا به تبیعًا" مددگار یا انتقام کا طلب گار۔ تبیع بمعنی تابع کے ہے وہ تابع جو انتقام لینے کا منتظر ہو۔ بعض نے کہا کہ جو تابع ہونے سے منکر ہو جائے۔ ابن کثیر، ابوعمرو نے (نخسف، نرسل، نعیدکم، فنرسل، فنغرقکم) نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوجعفر اور یعقوب نے "فتغرقکم" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس سے مراد ریح ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ⑦⓪ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ⑦①

(ترجمہ) اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے نامہ اعمال سمیت بلاویں گے پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو ایسے لوگ اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔

(تفسیر) ⑦⓪ "ولقد کرمنا بنی آدم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ انگلیوں سے کھانا بھی عزت بخشی ہے اور انسان کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ زمین سے اپنے منہ کے ذریعہ سے کھاتے ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ ان کے نزدیک اس سے مراد عقل ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم کی مختلف تفاسیر

ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد گویائی ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ قد کا اعتدال، مزاج میں اعتدال اور دواب وہ ہیں جن پر سوار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس عزت سے مراد حسن صورت ہے اور بعض نے کہا کہ مردوں کو عزت بخشی، داڑھی کے بالوں کے ساتھ اور عورتوں کو زلفوں کے ساتھ۔ بعض نے کہا کہ "کرمنا" سے مراد تمام اشیاء ہیں جو انسانوں کے لیے مسخر کر دیئے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد خیر اُمت ہے جس کو "اخرجت للنّاس" لوگوں کی بھلائی اور تبلیغ کے لیے حکم دیا

گیا۔ "وحملناهم في البر والبحر" خشکی میں سوار ہونے کے لیے چوپائے عطا کیے اور سمندر میں کشتیاں بنائیں۔ "ورزقناهم من الطيبات" کھانے پینے کی لذیذ اشیاء اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد مکھن، پنیر، چھوہارے اور میٹھی اشیاء۔ ان اشیاء کے علاوہ دوسری چیزوں کا رزق جو اس سے کوئی مخفی نہیں۔

انسان اگر نیک ہے تو فرشتوں سے بھی افضل ہے

"وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاً" ظاہر آیت یہی ہے کہ ان کو فضیلت دی ہے۔ بعض اشیاء میں نہ کہ تمام چیزوں میں اور بعض نے کہا کہ ان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی مگر ملائکہ پر ان کو فضیلت نہیں دی۔ کلبی نے کہا کہ سوائے چند فرشتوں کے باقی فرشتوں سے بھی انسان کو برتری حاصل ہے۔ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت کے علاوہ سب پر انسان کو فضیلت دی گئی ہے۔ انسان فرشتوں سے افضل ہیں یا فرشتے انسان سے افضل ہیں اس کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے یہاں تک کہ تمام ملائکہ سے بھی افضل ہے اور بعض اکثر کو کل کا قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "هل انبئكم على من تنزل الشياطين" سے لے کر "واكثرهم كاذبون" اس سے مراد تمام کے تمام ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اور ان کی ذریت کو پیدا کر دیا تو فرشتوں نے عرض کیا، اے رب تو نے ان کو پیدا کر دیا، وہ کھائیں گے، پئیں گے، عورتوں سے قربت کریں گے اور سواریوں پر سوار ہوں گے۔ پس ان کے لیے تو دُنیا کر دے اور ہمارے لیے آخرت خاص کر دے۔ اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو پیدا کرنے کے لیے میں نے کن کہا اور وہ ہو گئی۔ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے عوام المؤمنین افضل ہے عوام الملائکہ سے اور خواص المؤمنین افضل ہیں خواص الملائکہ سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم خير البرية" بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن اللہ کے نزدیک ان ملائکہ سے بھی جو اس کے پاس ہیں، زیادہ عزت والا ہے۔

(71) "يوم ندعوا كل اناس بامامهم" مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ امام سے مراد ہے ہر اُمت کا نبی۔ ابو صالح اور ضحاک کا قول ہے کہ وہ کتاب الٰہی مراد ہے جو ہر اُمت کو دی گئی تھی۔ حسن اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ امام سے مراد ہیں وہ اعمال جو زندگی میں انسان پہلے ہی بھیج دیتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ امام سے مراد ہے اعمال نامہ، کتاب کو امام کہا جاتا ہے۔ اس آیت کے سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے۔ "فمن اوتي كتابه بيمينه" اور کتاب کو امام کہا گیا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ "وكل شيء احصيناه في امام مبين" سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ امام سے مراد ہر قوم کا وہ امام وقت جو اپنی قوم کو گمراہ کرتا یا

ہدایت کی طرف بلاتا تھا۔ اللہ نے ان دونوں کے متعلق ارشاد فرمایا "وجعلناهم آئمة يهدون بامرنا" یعنی آئمہ ھدی اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وجعلناهم آئمة يدعون الى النار" بعض نے کہا کہ ان کے معبود کی وجہ سے۔
سعید بن المسیب کا قول ہے کہ ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی خیر کا سردار ہو یا شر کا سردار۔ محمد بن کعب کا قول ہے "بامامهم" امام جمع ہے اُم کی جیسے خفاف جمع ہے خف کی۔ یعنی ماؤں کے نام کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اکرام اور اعزاز اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی عظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ اولادِ زنا رسوانہ ہونے پائے۔ "فمن اوتی کتابه بیمینه فاولئک یقرء ون کتابهم ولا یظلمون فتیلا" فتیل وہ باریک سوتا جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ.وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾

ترجمہ اور جو شخص دنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا اور یہ (کافر) لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت نہ کر دیں اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے (اور) اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم بھی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت کم ٹھہرنے پاتے۔

تفسیر ﴿٧٢﴾ "ومن کان فی هذه اعمی" اس اشارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ھذہ سے مراد اللہ کی وہ نعمتیں جن کا اظہار اللہ نے "ربکم الذی یزجی لم الفلک سے تفصیلا" تک ذکر کیا ہے۔ یعنی اللہ کی ان کھلی ہوئی نعمتوں کو دیکھتے ہوئے جو شخص نابینا رہا وہ آخرت کے مقابلے میں تو بہت ہی زیادہ اندھا ہوگا کیونکہ آخرت کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔ "فهو فی الاخرة اعمی واضل سبیلا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے اور دوسرے حضرات کا قول ہے کہ یہ راجع ہے دُنیا کی طرف راجع ہے۔ یعنی جو شخص اس دُنیا میں دلائل توحید اور حق کو دیکھنے سے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور معجزات انبیاء کو دیکھنے سے نابینا ہے تو وہ آخرت کے معاملے میں اس سے زیادہ نابینا ہوگا۔ بعض نے کہا

کہ اس اعتبار سے جو شخص دُنیا میں نابینا رہا وہ آخرت میں بھی عذر پیش کرنے سے نابینا رہے گا۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص اس دُنیا میں گمراہ اور کافر رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ رہے گا کیونکہ دُنیا میں تو اللہ توبہ قبول کر لیتا ہے، آخرت میں توبہ قبول نہیں کرتا۔ بعض قراء ان دونوں الفاظ پر امالہ کرتے ہیں اور بعض قراء ان دونوں الفاظ پر فتحہ دیتے ہیں۔ ابوعمرو پہلے حرف کو کسرہ اور دوسرے کے فتحہ کے قائل ہیں۔ یعنی وہ آخرت میں دُنیا کی بنسبت زیادہ اندھا ہوگا۔

آیت وان کادوا لیفتنونک کے مختلف شان نزول

⑦③ "وان کادوا لیفتنونک عن الذی أوحینا الیک" اس کے سبب نزول میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو چومتے تھے۔ اس پر مشرکین نے کہا کہ ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہ دیں گے تاوقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا اگر میں ایسا کرلوں تو کیا حرج ہے جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔

بعض نے کہا کہ مشرکین نے ان کو طلب کیا کہ وہ ان کے بتوں کو چھوئیں یہاں تک کہ وہ بھی اسلام لے آئیں اور ہم آپ کی پیروی کرلیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ہم آپ کے ہاتھ پر تین شرائط کی بناء پر بیعت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں، وفد والوں نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر نہیں جھکیں گے اور اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسرا یہ کہ ہم بت لات سے ایک سال تک تمتع حاصل کرتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دین کے اندر رکوع وسجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھوں سے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے باقی لات وعزیٰ سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے یارسول اللہ! ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرمادی جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی۔ اب اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دے دی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جواب میں فرمادیں گے کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر خاموش ہوگئے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کرلیا کہ آپ ایسا کردیں گے۔ اس پر آیت "کادوا لیفتنونک" نازل ہوئی۔ یعنی ان کو ہم آپ سے پھیر دیں گے۔ "عن الذین اوحینا الیک لتفتری" تاکہ آپ کی طرف کوئی من گھڑت بات منسوب کردیں۔ "علینا غیرہ واذًا" اگر وہ ایسا کر گزرتے۔ "لاتخذوک خلیلاً" تو ہم ان کو اپنا رفیق اور ساتھی بنالیتے۔

⑦④ "ولولا أن ثبتناک" اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے۔ "لقد کدت ترکن" تحقیق آپ اس طرف مائل ہو

جاتے۔ "الیھم شیئًا قلیلا" اگر آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا۔ اس پر سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں پھر ان سے گناہ کا صدور کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں گناہ کا آنا ہے، عزم کرنا مراد نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ حدیث النفس کو معاف کرتا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد یہ دُعا فرمایا کرتے تھے "اللّٰھُمّ لاتکلنی الی نفسی طرفة عین" صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنا دیا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور آپ ان کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے "وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَا تَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا" اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل کیا اور آپ نے اس کی پیروی نہیں کی۔

⑮ "اذًا لاذقناک ضعف الحیوۃ وضعف المماۃ" اگر آپ اس طرح کر لیتے اور ان کی طرف مائل ہو جاتے تو دُنیا و آخرت میں ہم دوسروں سے دُگنے عذاب کا مزہ آپ کو چکھاتے۔ مطلب یہ ہے کہ اس فعل کے مجرموں کو جتنا عذاب ہوگا اس سے دُگنا عذاب آپ پر ہوتا کیونکہ بڑے رُتبے والے کی تھوڑی سی فروگذاشت بھی بڑی ہوتی ہے۔ "ثم لاتجد لک علینا نصیرًا" ہم تمہارے مددگار رہیں تمہیں عذاب سے بچائیں گے۔

⑯ "وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا"

وان کادوالیستفزونک کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال

اس آیت کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت مدنی ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہاں کے یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو ناپسند کیا، ان سے حسد کرنے کی وجہ سے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے ابوالقاسم! آپ جانتے ہیں کہ یہ سرزمین انبیاء کی نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سرزمین شام میں ہے اور وہ ارض مقدسہ ہے اور وہی زمین حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی رہنے کی جگہ ہے۔ اگر آپ ان کی طرح نبی ہیں تو پھر شام چلے جائیے۔ آپ جو شام کی سکونت پسند نہیں کرتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کو رومیوں سے ڈر لگتا ہے لیکن اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ رومیوں سے آپ کی ضرور حفاظت کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکل کر تین میل کے فاصلے پر اور بقول بعض ذی الحلیفہ میں لشکر گاہ قائم کی تاکہ آپ کے صحابی وہاں جمع ہو جائیں تاکہ اس کی طرف سب روانہ ہو جائیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی "والارض" اس سے مراد مدینہ کی سرزمین ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ زمین سے مراد مکہ کی سرزمین ہے۔ آیت مکی ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو روک لیا تھا، آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرما دیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لی۔ یہی اس آیت کی تفسیر کے زیادہ لائق ہے کیونکہ اس سے ماقبل بھی اہل مکہ کی خبر کا

ذکر ہے اور سورۃ بھی مکی ہے اور بعض کا قول ہے کہ عرب کے تمام کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی سرزمین سے نکالنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو ناکام کردیا اور اپنے رسول کو محفوظ رکھا۔

"واذًا لا یلبثون خلافک" اس کے بعد وہ آپ کے پیچھے تھوڑی مدت ٹھہرتے۔ ابن عامر، حمزہ، کسائی، حفص اور یعقوب نے "خلافک" اس آیت کے اعتبار سے ذکر کیا۔ "فرح المخلفون بمقعدھم خلاف رسول اللّٰہ" ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ "الّا قلیلًا" اگر یہ آپ کو مکہ (یا مدینہ) سے نکال دیتے تو پھر آپ کے بعد یہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتے بلکہ ان کو ہلاک کردیا جاتا۔ پہلے قول کے مطابق ان کو حیات دی گئی اور دوسرے قول کے مطابق کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف نکالا تو بدر کے مقام پر ان کا بدلہ لیا گیا۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا 77 اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا 78 وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ. عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا 79

ترجمہ جیسا ان صاحبوں کے باب میں (ہمارا) قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے (اس) قاعدے میں تغیر نہ پاویں گے آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی بیشک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ لئے زائد چیز ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

تفسیر 77 "سنة من قد ارسلنا قبلک من رسلنا" ہمارا یہ طریقہ چلا آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب اُمتیں ان کو جھٹلاتیں ہیں اور ان پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک ان کے اندر نبی موجود ہوتا ہے اور جب نبی ان کے درمیان سے نکل جاتا ہے تو پھر ہم ان کو عذاب میں مبتلا کردیں گے۔ "ولا تجد لسنتنا تحویلًا" ہم اس کو تبدیل کردیتے ہیں۔

أقم الصلوة لدلوک الشمس کی تفسیر میں ائمہ کے اقوال

78 "أقم الصلاة لدلوک الشمس" دلوک کی تفسیر میں آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دلوک سے مراد غروب شمس ہے۔ یہی قول ابراہیم نخعی، مقاتل بن حیان اور ضحاک وسدی کا قول ہے۔ ابن عباس ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اس سے زوال شمس مراد ہے۔ یہ قول عطاء، قتادہ، مجاہد، حسن اور اکثر تابعین کا قول ہے۔ اس لفظ کا معنی دونوں کا جمع کرنا کیونکہ دلوک کا اصل معنی ہے زائل ہونا اور سورج مائل ہوتا ہے کبھی زوال شمس ہوتا ہے اور کبھی غروب شمس ہوتا ہے۔ زوال پر اس کو محمول کرنا دونوں قولوں میں سے زیادہ راجح قول یہی ہے۔ اس لفظ کو معنی مذکور کی طرف محمول کرنے سے یہ آیت

مواقیت نماز کے بارے میں جامع ہو جائے گی۔ دلوک شمس ظہر وعصر کی نماز کو بھی شامل ہو جائے گا اور "غسق اللیل" مغرب وعشاء کو شامل ہو جائے گا۔ وقرآن الفجر فجر کی نماز کو شامل ہو جائے گا۔ "الی غسق اللیل" اس کے اندھیرے کو ظاہر ہونے کے وقت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے رات کے ظاہر ہونے کے وقت۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مغرب کی نماز کا وقت ہے اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد غروب شمس ہے۔ "وقرآن الفجر" اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ فجر کو قرآن سے تعبیر اس لیے کیا کہ فجر کی نماز میں اور کوئی چیز جائز نہیں مگر صرف تلاوت۔ قرآن پر نصب دو وجہوں سے کی گئی۔ اس کا عطف نماز پر ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا قائم کیجئے فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا۔ فراء اور اہل بصرہ کا قول ہے کہ اغراء کی بناء پر منصوب ہے۔ لازم پکڑ و فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا۔ "ان قرآن الفجر کان مشھودًا" رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہونے کا وقت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ پڑھو "انّ قرآن الفجر کان مشھودًا"

⑲ "ومن اللیل فتھجدبہ" اپنی نیند کے بعد کچھ قیام کیجئے کیونکہ تہجد کا وقت رات سونے کے بعد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سو گیا پھر وہ بیدار ہو گیا۔ اس آیت سے مراد قیام اللیل ہے۔ تہجد کی نماز ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر بھی فرض تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "یا یھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً" پھر اس کے بعد تخفیف نازل ہوئی۔ پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اُمت کے حق میں اور پانچ نمازیں فرض ہو گئیں اور استحباب باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاقرء وا ما تیسر من القرآن" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وجوب باقی رہا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اشیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت ہیں۔ وتر، مسواک اور رات کا قیام۔ (تہجد)

"نافلۃ لک" اور وہ تمہارے لیے زائد ہیں۔ اس سے مراد زائد فضیلت ہے۔ تمام فرائض پر کیونکہ آپ پر اللہ نے اس کو فرض کیا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک تہجد کا وجوب منسوخ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی جس طرح اُمت کے حق میں منسوخ ہو گیا تھا۔ اب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نفل ہو گیا۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے "نافلۃ لک" ارشاد فرمایا اور یہ ارشاد نہیں فرمایا "علیک" آپ پر سوال یہ ہوگا کہ پھر اس میں تخصیص کی کیا وجہ ہے جس طرح آپ پر خاص تھا اسی طرح تمام مسلمانوں پر تہجد فرض تھی۔ تخصیص یہ تھی کہ بندوں کے نوافل ان کے گناہوں کا کفارہ بنتا تھا اور آپ کے نوافل آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے "ماتقدم من ذنبہ وما تاخر" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوافل گناہوں کا کفارہ جب نہیں بنتے تو رفع درجات کا ذریعہ بنتے ہیں۔

نوافل نماز کے متعلق احادیث

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کا قیام کرتے تھے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ آپ اتنا تکلف کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے پچھلے اور اگلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”افلا عبدًا شکورًا“ کہ میں شکر کرنے والا بندہ کیوں نہ بنوں۔

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لیے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگائے دیکھتا رہا۔ آپ اُٹھے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں، دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں، اس کے بعد وتر پڑھے، یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کی کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں (رات کی نماز) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی چار رکعتوں کی خوبی اور طول کے حال کے کیا کہنے۔ پھر چار رکعتوں کی خوبی اور طول بھی ناقابل بیان ہے۔ پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وتر پڑھنے سے پہلے آپ سو جاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ! (رضی اللہ عنہا) میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد فجر تک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور آخر میں ایک رکعت پڑھتے تھے اور دو سجدے کرتے تھے جس کی مقدار سر اُٹھانے سے پہلے اتنی ہوتی تھی کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے اور مؤذن اذان فجر کہہ کے جب خاموش ہو جاتا اور فجر نمودار ہو جاتی تو آپ اُٹھ کر دو خفیف رکعتیں پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے، پھر مؤذن آ کر نماز کی اطلاع دیتا اور آپ نماز کے لیے باہر تشریف لے جاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بھی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مشغول دیکھتے تو آسانی سے دیکھ سکتے تھے اور جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے دیکھنا چاہتے تو آسانی سے دیکھ لیتے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ماہ کے روزے رکھنے لگتے تو ہم کہنے لگتے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی افطار نہیں کریں گے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرنے لگتے تو ہم کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔

”عسٰی ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا“ جب عسٰی کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال کیا جائے تو اس کا معنی واجب کا ہوگا کیونکہ وہ کسی بندے کو کوئی چیز دے کر اس کو ترک نہیں کر دیتا۔

مقام محمود سے کیا مراد ہے؟

مقام محمود سے مراد شفاعت کا مقام ہے جہاں اپنی اُمت کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔"اولون و آخرون"تمام محامد فرمائیں گے۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مؤذن کی آواز سنو تو تم بھی مؤذن کی طرح الفاظ کہو، پھر مجھ پر دُرود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ پھر وہ میرے لیے وسیلہ کی دُعا کرے کیونکہ وہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے، بندوں کے لیے مناسب نہیں کسی ایک کے لیے ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دُعا کرے گا اس کے لیے شفاعت ہوگی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اذان کی آواز سننے کے بعد ارشاد فرمایا"اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقامًا محمودًا الذی وعدتہ"اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے اس کی دُعاء قبول کی جاتی ہے اور مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں اپنی اُمت کے لیے شفاعت کی دُعا کروں اور وہ تمہیں پہنچنے والی ہے اگر اللہ چاہے جو شرک پر نہ مرا ہو۔

شفاعتِ کبریٰ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا جس کی وجہ سے ان کو فکر ہوگی اور وہ کہیں گے کاش! ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا۔ چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھا دیئے، آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرما دے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے میں تمہارے لیے اس مقام پر نہیں ہوں، آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہوگا۔ فرمائیں گے تم لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں، آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہوگا کہ نادانی میں (اپنے بیٹے کے لیے) نجات کی درخواست کی۔ پھر آپ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، آپ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے

نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے، حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لیے اپنے کو بیمار کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپ کہیں گے تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے تورات عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہوگی کہ ایک آدمی کو (غلطی سے) قتل کر دیا تھا۔ فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ عبداللہ تھے، رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمۃ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، آپ علیہ السلام جواب دیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں، تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلبگار رہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا۔ پھر اللہ فرمائے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اُٹھاؤ اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سجدے سے سر اُٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد وثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھا دے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے ایک حد مقرر کر دے گا (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دے دے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہِ الٰہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار رہوں گا اور اجازت مل جائے گی اور اندر داخل ہوں گا اور جونہی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اُٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، میں سر اُٹھاؤں گا اور حسب تعلیم الٰہی اپنے رب کی حمد وثناء کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لیے (دوزخ سے لوگوں کو باہر نکال لانے کی) حد مقرر فرما دے گا، میں بارگاہِ خداوندی سے باہر آکر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا (تیسری مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں داخل ہونا سجدہ میں گر پڑنا اللہ کی طرف سے خطاب ہونا سجدے سے سر اُٹھا کر حمد وثناء کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو (ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کر دی ہے اور) قرآن نے (ہمیشہ کے لیے ان کو) دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہوگا جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے کر لیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے۔ اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں، میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کردے گا جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، اللہ فرمائے گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اُٹھاؤ اور (جو کچھ گزارش کرنا چاہتے ہو) بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یا رب اُمتی اُمتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہو اس کو نکال لاؤ، میں جا کر حکم کی تعمیل کروں گا، پھر واپس آ کر وہ کلمات ثنائیہ (حسب سابق) عرض کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جا کر اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو، میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا اور فرمایا میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دے دے جو لا الٰہ الا اللہ کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت وجلال و کبریا اور عظمت کی جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج اتنا قریب آ جائے گا کہ ہر شخص پسینے کی وجہ سے ڈوبا ہوگا۔ اسی حالت میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آ جائے گی اور وہ شفاعت کریں گے اور اللہ فیصلہ کرے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جا کر جنت کا دروازہ پکڑ لیں گے، اس روز اللہ ان کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا، یہ مقام ایسا ہوگا کہ میدان قیامت میں جمع ہونے والے سب لوگ اس کی تعریف کریں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلے اُٹھنے والا ہوں گا جب قبروں سے اُٹھایا جائے گا اور میں سب کے آگے ہوں گا جب تمام وفود آئیں گے اور میں بولوں گا جس دن سب خاموش ہو جائیں گے اور میں ہی سب کی شفاعت کرنے والا ہوں گا جب سب کو روکا جائے گا اور میں ہی خوشخبری سنانے والا ہوں گا جب سب مایوس ہو جائیں گے۔ اس دن عزت اور خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور تعریف کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے میں سب سے عزت والا ہوں گا، میرے اِرد گرد ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے کہ وہ چمکتے ہوئے موتی ہیں یا جڑے ہوئے موتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور پہلے جس کی قبر کھودی جائے گی وہ میری ہوگی اور میں ہی پہلا شفیع اور مشفع ہوں گا۔ شفاعت کے متعلق بہت ساری احادیث مروی ہیں ان کا انکار کرنے والا عمرو بن عبید تھا جو اہل سنت والجماعت کی متفقہ رائے کے مطابق بدعتی ہے۔

یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا تھا، ایک بار حج کے ارادے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینے کی طرف سے گزر ہوا تو وہاں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنمیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا۔ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں (اللہ نے تو فرمایا ہے "انک من تدخل النار فقد اخزیته، کلما ارادوا ان یخرجوا منها اعیدوا فیها" بے شک تو جس کو آگ میں داخل کر دے گا اس کو رسوا کر دے گا اور دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹایا جائے گا۔

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا اور تمہارا صاحب بھی اللہ کا دوست ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "عسٰی ان یبعثک ربُّک مقامًا محمودًا" مجاہد کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں "عسٰی ان یّبعثک ربُّک مقامًا محمودًا" فرمایا وہ اپنے عرش پر بیٹھے، عبداللہ بن سلام کا قول ہے کہ فرمایا وہ اپنی کرسی پر متمکن ہوا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ⑧⓪ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ⑧①

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو اور کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا (اور) واقعی باطل چیز تو یونہی آتی جاتی رہتی ہے۔

تفسیر: ⑧⓪ "وقل رب أدخلني مدخل صدق و أخرجني مخرج صدق" اس سے مراد داخل ہونا اور خارج ہونا ہے۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدق کی تفسیر

اہل تفسیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن وقتادہ کا بیان ہے کہ "ادخلنی مدخل صدق" سے مدینہ مراد ہے۔ "واخرجنی مخرج صدق" سے مراد مکہ ہے۔ یہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ مجھے مکہ سے امن کی حالت میں نکال کر مشرک مجھے دُکھ نہ پہنچا سکیں اور مدینہ میں اس طرح داخل فرما کہ مجھے وہاں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ داخل کرنے سے مراد یہ ہے کہ فریضہ نبوت کی ادائیگی میں داخلہ اور خارج کرنے سے مراد یہ ہے کہ فرض نبوت کی انجام دہی سے فراغت یعنی جو امر نبوت تو نے میرے سپرد کیا ہے اس میں صدق کے ساتھ مجھے داخل فرما اور صدق ہی کے ساتھ مجھے اس فرض کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما، جب میں دُنیا میں جاؤں تو نبوت کے فریضے کو کامل طور پر ادا کر چکا ہوں۔

حسن کا قول ہے کہ مدخل صدق سے مراد جنت ہے اور مخرج صدق سے مراد مکہ ہے۔ بعض نے کہا کہ مدخل صدق سے مراد اپنی طاعت میں داخل فرما اور ممنوعات سے نکال دے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو مجھے ایسے داخل فرما جیسے تو نے مجھے سچائی میں داخل فرمایا اور مجھے سچائی (صدق) کے ساتھ نکالنا۔ یعنی نہ تو مجھے ان میں سے بنا جو دوزخ اور دوغلے پن والا ہو کیونکہ ایسا شخص اللہ کے نزدیک باعزت نہیں ہوتا۔ "واجعل لی من لدنک سلطانًا نصيرًا" مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد واضح حجت ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایسی طاقت و حکومت جس سے مخالفوں پر غلبہ حاصل ہو جائے، ایسی نمایاں طاقت جس سے دین کا قیام و استحکام ہو جائے اس دُعاء کے نتیجہ میں اللہ نے فارس اور روم وغیرہ کی حکومتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرما لیا۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اللہ کی مدد کے بغیر اقامت دین اور احکام قرآنی کا قیام نہیں ہو سکتا اس لیے آپ نے سلطان نصیر کی درخواست کی۔

(81) "وقل جاء الحق" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وزهق الباطل" اس سے مراد شیطان ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ حق سے مراد اسلام اور باطل سے مراد شرک ہے۔ بعض نے کہا کہ حق سے مراد اللہ کی عبادت ہے اور باطل سے مراد بتوں کی عبادت ہے۔

"انّ الباطل كان زهوقًا" جانے والا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "زهقت نفسه" اس کی جان نکل گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے قریب تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور اپنی لاٹھی کے ساتھ ان کو کچوکا دینے لگے اور فرمانے لگے "جاء الحق وزهق الباطل، جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد"

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (82) وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا (83) قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (84)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء اور رحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک رستہ پر ہو۔

تفسیر: (82) "وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين"...... "من تبعيضيه" نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن میں جو چیزیں نازل کی ہیں وہ سب کی سب شفاء ہیں یعنی گمراہی اور جہالت اس میں واضح بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں مختلف اور مشکل باتیں اور شبہات والی چیزوں سے اس کو شفاء بخشی اور یہ دلوں کے لیے بھی شفایاب ہے کہ اس کے ذریعے سے جہالت کو زائل کیا گیا اور ان کو

رحمۃ للعالمین بنایا۔ "ولا یزید الظالمین الا خسارًا" ظالم اس سے نفع نہیں اُٹھا سکتا اور مؤمن اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اس صورت میں یہ اس کے لیے رحمت ہوگی۔ بعض نے کہا کہ ظالم کے لیے خسارے میں زیادتی اس طور پر ہے کہ ہر نئی آیت کے نزول پر وہ اس کو جھٹلاتا ہے۔ اس بناء پر اس کو خسارہ ہوگا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس قرآن کے ساتھ جو بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لے کر اُٹھتا ہے یا کچھ نقصان کر کے اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لیے موجب خسارہ ہے۔

⑧③ "واذا انعمنا علی الانسان أعرض" اس کے ذکر اور اس کی دُعاء سے "ونأبجانبه" وہ اپنے آپ کو اس سے دور رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قربت کو دور کرتا ہے عطاء کا قول ہے کہ وہ پہلو موڑ لیتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔ "ونا" جاء کی طرح ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے قریبی ہونا۔ بعض نے کہا کہ پہلو تہی کرنا اور کھڑے ہو جانا۔ "واذا مسّه الشر" اس سے سختی اور تنگی ہے۔ "کان یؤسا" وہ مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہے تنگی وشدت کے وقت۔ جب اس کی دُعاء کی قبولیت میں تاخیر ہو جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دُعاء کی قبولیت میں مایوس ہو جائے اور جب دُعاء کی قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو وہ دُعاء کرنا ہی ترک کر دے۔

⑧④ "قل کل یعمل علی شاکلة" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کنارہ۔ حسن اور قتادہ کا قول ہے اس کی اپنی نیت پر۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس کا معنی سرشت فراء کا قول ہے کہ خلقی اور سرشتی طریقے پر ہر شخص کام کرتا ہے۔ قتیبی رحمہ اللہ کا قول ہے طبیعت اور پیدائشی حالت کہا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیدھے راستے پر جس کو اس کے نفس نے اختیار کیا۔ بعض نے کہا کہ "علی شاکلته" کا معنی ہے کہ ہر شخص اسی راستہ پر چلتا ہے جو اس نے اپنے لیے اختیار کر لیا ہوتا ہے۔ "فربکم أعلم بمن هو أهدی سبیلا" وہ واضح راستہ ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ⑧⑤
وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ⑧⑥ اِلَّا
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ⑧⑦ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰٓی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ⑧⑧

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کو (امتحاناً) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور اگر ہم چاہیں تو جو آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں پھر اس کے واپس لانے کے) لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے مگر (یہ) آپ کے رب ہی کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کیلئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جاوے۔

ویسئلونک عن الروح کی تفسیر

تفسیر 85 "ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی ایک کھیتی میں چل رہے تھے اور وہ ایک لکڑی کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس سے یہود کی ایک جماعت گزری۔ ان میں سے بعض نے بعض سے پوچھا کہ ان سے روح کے متعلق سوال کرو اور ان میں سے بعض نے کہا کہ تم اس کے بارے میں سوال نہ کرو کہ تم ایسی چیز کے بارے میں پوچھتے ہو جو ناپسندیدہ ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ضرور بالضرور ان سے سوال کریں گے۔ ان میں سے ایک شخص نے اس کے متعلق سوال کیا، اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ اس پر آپ خاموش ہوگئے تو میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی آرہی ہے تو میں کھڑا ہوگیا، جب ان سے وحی کا اثر ختم ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الاّ قلیلاً" اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی "وما اوتوا من العلم الاّ قلیلاً"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہوکر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت وسچائی کے حامل رہے ہیں، کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کراؤ، وہ اہل کتاب ہیں، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جاکر یہودیوں سے دریافت کیا۔ یہودیوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دے دیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱)......ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے (بھاگ کر کہیں) پناہ پکڑی تھی ان کا کیا واقعہ تھا؟

(۲)......وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا؟

(۳)......روح کیا ہے؟ اس کے متعلق بھی جاکر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تینوں سوال کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دے دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا۔ اس لیے وحی آنے میں تاخیر ہوگئی۔ مجاہد کے قول میں بارہ دن۔ بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی صراحت آئی ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن اتنی مدت ہوگئی کچھ بھی نہیں بتایا۔ اُدھر نزول وحی میں تاخیر ہوئی۔ اُدھر اہل مکہ ایسی باتیں کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی اثناء میں اچانک ایک روز جبرئیل علیہ السلام یہ وحی لے کر آئے۔ "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ" پھر اوّل سوال کے متعلق نازل ہوا۔ "اَمْ حَسِبْتَ

ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا مِنْ اٰیٰتِنَا عجبًا" دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا "یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَین" اور روح کے متعلق ارشاد ہوا: "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" ترمذی نے یہ قصہ اختصار کیساتھ نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے دونوں حدیثوں کا تعارض دور کرنے کے لیے تکرارِ نزول کا قول اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور اتنا زائد بھی لکھا ہے یا یہودیوں کے سوال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس اُمید پر کہ شاید بیان میں کچھ زیادتی کردی جائے۔ اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کوشش نہ کی جائے تو لازمی طور پر کسی روایت کو ترجیح دینی پڑے گی اور ظاہر ہے کہ صحاح کی روایت ہی قابل ترجیح ہے۔ اس کے علاوہ بخاری کی روایت کے راجح ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو راوی ہیں) یہودیوں کے وقت اسی جگہ موجود تھے اور بغوی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دورانِ قصہ میں موجودگی مذکور نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے (یعنی جبرئیل علیہ السلام کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔

میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے ان کے ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں اور فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو

ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نگل سکتا ہے۔ اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوگا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہوگا اور اہل توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیان نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختہ ہو جائیں۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے عکرمہ کا قول بیان کیا کہ روح فرشتوں سے بھی بڑی مخلوق ہے اور کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ روح ضرور ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے اور "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" کا معنی ہے "من وحی اللّٰہ" بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام ویسے نہیں جیسا یہود ان کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہ ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمہ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد روح مرکب ہے جس کی طرف انسان محتاج ہے اور اس وجہ سے اس کی زندگی وابستہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد خون ہے کیا دیکھتے نہیں کہ کسی جانور کی موت واقع نہیں ہوتی مگر خون کے نکلنے کی وجہ سے۔

اور بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد نفس ہے کہ کسی جاندار چیز کی نفس (سانس) کو گھونٹ دینے یا دبا دینے سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ روح ایک عرض ہے۔ بعض نے کہا کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور بعض نے کہا کہ روح چند اشیاء کے مجموعے کا نام ہے۔ نور، خوشبو، بلندی، علم اور بقاء۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے متعلق کسی فرشتے کو مطلع نہیں کیا اور نہ ہی کسی جن کو۔ یہی قول اہلسنّت والجماعت کا ہے۔ "قل الروح من امر ربّی" اس سے مراد میرے رب کا علم ہے۔

"وما اوتیتم من العلم الّا قلیلاً" اللہ تعالیٰ کے علم سے۔ بعض نے کہا کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب یہود کو ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں تورات عطا کی گئی اور اس میں کثیر علم ہے اور بعض نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روح کا معنی جانتے تھے لیکن اس کے متعلق کسی کو خبر نہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خبر دینے سے ترک کرنا یہ نبوت کے عمل کی وجہ سے ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

⑧⑥ "ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک" اس سے مراد قرآن ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جیسے ہم نے علم الروح کے متعلق آپ کو منع کر دیا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو ہم نے ان کی طرف جو وحی کی اس کو لے جاتے یعنی قرآن کو۔ "ثم لاتجدلک به علینا وکیلاً" تو تم کوئی ایسی ہستی نہ پاؤ جو اس قرآن کو واپس لوٹا دے۔

⑧⑦ "الّا رحمة من ربّک" لیکن ہم نے اپنے رب کی رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ "انّ فضله کان علیک کبیرًا" اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے ہمارے سینوں سے مٹ جاتا حالانکہ یہ تو کلام اللہ ہے۔ اس کا جواب دیا کہ مصاحف سے مٹ جانا اور سینے سے بھول جانا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، قیامت سے پہلے قرآن کو اُٹھا لیا جائے گا۔ قبل اس کے کہ قرآن اُٹھا لیا جائے تم اس کو پڑھا کرو (یعنی اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو) ایک شخص کہنے لگا یہ تحریریں تو اُٹھائی جاسکتی ہیں (کہ نئی نقلیں کرنا لوگ چھوڑ دیں اور پرانی تحریریں بوسیدہ فرسودہ ہو کر مٹ جائیں۔ مترجم) لیکن جو قرآن سینوں میں ہوگا وہ کیسے اُٹھا لیا جائے گا، فرمایا لوگ رات گزاریں گے سینوں میں قرآن ہوگا، پھر اُٹھا لیا جائے گا، صبح کو اُٹھیں گے تو کچھ بھی یاد نہ ہوگا اور نہ لکھے ہوئے کاغذوں میں کچھ ملے گا۔ آخر شاعری میں لگ جائیں گے۔ (اور قرآن کی جگہ شاعری لے لے گی)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا قیامت برپا ہونے سے پہلے قرآن لوٹ کر وہیں چلا جائے گا جہاں سے اُترا تھا، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح عرش کے گرداگرد اس کی گن گناہٹ ہوگی، اللہ فرمائے گا کیوں کیا بات ہے؟ قرآن کہے گا اے میرے مالک مجھے پڑھا تو جاتا ہے مگر مجھ پر عمل نہیں کیا جاتا۔

⑧⑧ "لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثله" اس کے مثل لانے پر قادر نہ ہوتے۔ "ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا" مددگار اور اس کو ظاہر کرنے والا۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا "لو نشاء لقلنا مثل ھذا" اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا یہ قرآن اس کی طرف سے ایک معجزہ تھا۔ ویسا ہی ہوا جیسا کہ اس آیت میں دعویٰ کیا

گیا کہ یہ ایسا کلام ہے جو نظم، تالیف، اخبار عن الغیب سے مزین ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جو اعلیٰ طبقات پر مشتمل ہے کوئی بشری کلام نہیں۔ اگر کسی مخلوق یا بشر کا کلام ہوتا تو وہ اس کا مثل لے آتے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کئے ہوئے نہ رہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک آپ ہمارے لئے (مکہ کی) زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردیں یا خاص آپ کے لئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کردیں یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لاکھڑا کردیں آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (ہمارے سامنے) نہ چڑھ جاویں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھنے کا بھی کبھی باور نہ کریں جب تک کہ (وہاں سے) آپ ہمارے پاس ایک نوشتہ نہ لاویں جس کو ہم پڑھ بھی لیں آپ فرمادیجئے سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں (مگر) پیغمبر ہوں۔

تفسیر ⑧⑨ "ولقد صرفنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل" یعنی ہر مقصد اور معنی، عبرتیں احکام، وعدہ وعید وغیرہ سب شامل ہیں۔ "فابی اکثر الناس الا کفورًا" انکار کرنا۔

⑨⓪ "وقالوا لن نؤمن لک" ہم اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ "حتّی تفجر لنا من الارض ینبوعًا" تفجر تاء کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ اور بغیر تشدید کے۔ "ینبوعًا" واحد ہے اور باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں ہے "فتفجر الانهار خلالها تفجیرًا" انہار جمع ہے تشدید کے ساتھ ہے جو کثرت پر دلالت کرتا ہے اور اس کے بعد "تفجیرًا" فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور قبیلہ عبدالدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نضر بن حارث) اور ابوالبختری، اسود بن المطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی اُمیہ، اُمیہ بن خلف، عاص بن وائل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج کر ان کو

بلواؤاوران سے بات چیت کرواور جھگڑا طے کرلوتا کہ تمام حجت ہوجائے اور (پھرتم جو کچھ کرو) تم کو معذور سمجھا جائے۔ چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام کہلوایا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں آ کر بات چیت کرلو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہوجائے، پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے، جب آ کر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آدمی بھیج کرتم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کردیں، کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات نہیں لایا جوتم اپنی قوم پر لائے ہوتم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا، اہل عقل کو سبک سر قرار دیا، ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی، کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جوتم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کردی ہو، اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصولِ زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہوجاؤ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہوتو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور حکومت چاہتے ہوتو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہوگیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کاہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اُتار کرادیں گے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلبگار ہوں نہ عزت وسیادت کا، نہ حکومت واقتدار کا مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ (ماننے والوں کو جنت کی) خوشخبری دے دوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں، اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا، اگر مان لوگے تو یہ دُنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہوگی ردّ کردو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر رہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ کہنے لگے محمد جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو وہ قبول نہیں تو (اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو) تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے (ہر طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے) اور ہمارے پاس مال بھی سب (یعنی اہل یمن وشام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دُکھی ہے۔ پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے۔

یہاں سے ہٹوادو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام وعراق کی طرح (ہمارے ملک میں بھی) ہمارے لیے دریا بہادو اور یہ بھی اپنے رب سے کرادو کہ ہمارے آباء واجداد زندہ ہوجائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا۔ پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے یا جھوٹ، اگر وہ تمہاری تصدیق کردیں گے تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے جو پیام مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا، اگر مان لوگے تو دُنیا وآخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کروگے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔ کہنے لگا اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرادو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لیے ایک فرشتے کو

بھیج دے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دے دے کہ جس تکلیف (اور افلاس) میں ہم تم کو دیکھ رہے ہیں اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا، مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گر وا دو کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوا دو یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور (راستہ میں) کہنے لگے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا۔

پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا، پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آ جاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گزرو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل "بَشَرًا رَّسُوْلًا" تک نازل ہوئیں۔

⑨① "**او تکون لک جنّة**" جنت سے مراد باغ ہے۔ "**من نخیل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرًا**" ایسا چشمہ جو کبھی خشک نہ ہو۔

⑨② "**او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفًا**" نافع ابن عامر اور عاصم نے "کِسَفًا" سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد ٹکڑا ہے۔ یہ "**کسفة**" کی جمع ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک سین کے سکون کے ساتھ واحد ذکر کیا اور اس کی جمع اُکساف اور کسوف ذکر کی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے جوانب اس پر نہ گر جائیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کاٹنا اور یہ جمع تکسیر ہے جیسے سدرۃ اور سدر ہے۔

سورۃ شعراء اور سورۃ سبا میں ہے۔ "**او تاتی بالله والملائكة قبيلًا**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "**قبیلًا**" کا ترجمہ "**کفیلًا**" سے کیا ہے۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ ضامن سے کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ قبیلہ سے کیا ہے۔ یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔ قتادہ کا قول ہے کہ "**قبیلًا**" کا ترجمہ کیا ہے "**مقابلًا**" آمنے سامنے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء کا قول ہے کہ عرب کہتے ہیں "**لقیت فلانًا قبیلًا**" یعنی فلاں شخص سے دو در دو ملاقات کی۔ اس صورت میں "**قبیلًا**" "**الملائكة**" سے حال ہوگا۔

⑬"او یکون لک بیت من زخرف" اس سے مراد سونا ہے۔اس سے زینت حاصل کرنا مراد ہے۔"او ترقی" اور وہ اوپر کی جانب چڑھتا ہے۔"فی السماء" یہ عبداللہ بن اُسیہ کا قول ہے۔"ولکن نؤمن لرقیک" اور وہ یہ کہتے کہ ہم اوپر آسمان پر چڑھنے کا یقین نہیں رکھتے۔"حتّی تنزل علینا کتابًا نقرأه" ہم آپ کو اس کے ساتھ اتباع کرنے کا حکم دیتے ہیں۔"قل سبحان ربّی" ابن کثیر وابن عامر نے "قَالَ" پڑھا ہے۔اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور دوسرے قراء نے اس کو امر کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔کہہ دیجئے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "هل کنت الا بشرًا رسولًا" اس کو حکم دیا کہ ان کی پاکی اوران کی بزرگی بیان کرے۔اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر آپ اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں وہ اللہ نازل فرمادیں لیکن اللہ تعالیٰ کسی بشر کے معجزہ طلب کرنے پر کوئی آیت یا نشانی پیش نہیں کرتے اور میں بھی ایک بندہ ہی ہوں۔

جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانیاں اور معجزات عطا کیے جو ان کو تمام ماسوا سے مستغنی کرنے والے ہیں۔جیسے قرآن کا معجزہ شق قمر کا معجزہ آپ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے چشمے کا جاری ہونا اوران جیسے معجزات اور قوم عام طور پر ان معجزات و آیات کا انکار کرتی ہیں۔اب ان کے لیے یہ نہیں کہ وہ اور کوئی دلیل طلب کریں تا کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کو ان پر لوٹا دیا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰۤئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّاؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

ترجمہ اور کیا ہوں اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی (قابل التفات) بات مانع نہیں ہوئی کہ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے (رہتے) ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے آپ (اخیر بات) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے (کیونکہ) وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے اور اللہ جس کو راہ پر لاوے وہی راہ پر آتا ہے اور جس کو بے راہ کردے تو خدا کے سوا آپ کسی کو بھی ایسوں کا مددگار نہ پاویں گے اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا گونگا بہرا کر کے منہ کے بل چلاویں گے (پھر) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے آگ جب ذرا دھیمی ہونے لگے تب ہی ہم ان کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

تفسیر ⑭"وما منع الناس أن يؤمنوا ...... تا ......الا ان قالوا" ان کی جہالت کی وجہ سے۔"ابعث الله بشرًا رسولًا"

کفار یہ کہتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ آپ بشر ہیں تو ہم آسمان سے ان کے لیے رسول بنا کر کسی فرشتہ کو اُتار دیتے۔

⑮ "قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین" فرشتے تمہاری طرح آباد رہتے اور مقیم رہتے۔ "لنزلنا علیھم من السماء ملکًا رسولا" انہی کی جنس سے ہم نے نبی بنا کر بھیجا کیونکہ قلب غیر جنس کے علاوہ اپنی ہی جنس کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

⑯ "قل کفٰی باللّٰہ شھیدًا بینی وبینکم" میں تمہاری طرف اس کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ "انہ کان بعبادہ خبیرًا بصیرًا"

⑰ "ومن یھد اللّٰہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجدلھم اولیاء من دونہ" اس کے علاوہ کوئی نہیں جو ان کو ہدایت کا راستہ بتلائے۔ "ونحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن کافر منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا، فرمایا جس خدا نے اس کو ٹانگوں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل اس کو چلا نہیں سکتا اور ایک حدیث میں آیا کہ وہ چہروں کے بل چلنے سے ڈرتے ہیں، اُترتے وقت اور جھاڑیوں کے کانٹوں سے۔ "عمیا وبکما وصمًا" سوال کیا گیا ان کے ساتھ یہ وصف کیوں ذکر کیا کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے حالانکہ آیات میں اس کے برعکس ہے۔ دیکھئے "ورأی المجرمون النار" مجرم دوزخ میں دیکھیں گے۔ "دعوا ھنالک ثبورًا" وہ ہلاکت کو پکاریں گے اور پھر فرمایا "سمعوا لھا تغیظًا وزفیرًا" غصے اور جھنجلاہٹ کو سنیں گے۔ ان آیات میں کافروں کا قیامت کے دن سننا، پکارنا اور دیکھنا ثابت ہو رہا ہے۔ بعض نے اس کا جواب دیا کہ پہلے ان کو ایسا بنا دیا جائے گا پھر جب جہنم میں داخل کیا جائے گا تو یہ تینوں اشیاء ان کو واپس دی جائیں گی۔

بعض نے کہا کہ حساب کے بعد جب موقف سے دوزخ کی طرف ان کو لیجایا جائے گا تو اس وقت ان کے حواس غائب ہو جائیں گے۔ اس وقت گویائی سلب ہو جائے گی، بینائی اور شنوائی زائل ہو جائے گی۔ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب ان کو خطاب کیا جائے گا تو اس وقت ان کو گویائی اور سماعت دی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ دوزخیوں کو جواب دیا جائے گا "اخسئوا فیھا ولا تکلمون" پھر اس کے بعد دوزخیوں کو اندھا، گونگا اور بہرہ کر دیا جائے گا نہ وہ دیکھ سکیں گے اور نہ ہی بات کر سکیں گے اور نہ ہی وہ سن سکتے ہیں۔ "ماواھم جھنم کلما خبت" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب وہ جل کر راکھ ہو جائیں گے اور مجاہد کا قول ہے کہ جب ان کو خوب روندا جائے گا اور قتادہ کا قول ہے کہ جب وہ کمزور ہو جائے گا۔ بعض نے کہا کہ جب کفار کو جہنم کی سزا میں نقصان کم ہونے لگے گا تو پھر ہم ان کی تکلیف بڑھا دیں گے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ جب ہم اس کے سمجھانے کا ارادہ کریں گے۔ "زدناھم سعیرًا" ہم اس آگ کو ان کے لیے بھڑکا دیں گے۔

بعض نے کہا کہ "کلما خبت" کا معنی ہے کہ جب ان کی چمڑیاں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوبارہ اپنی حالت میں لوٹا دیں گے تاکہ مزید ان کو جہنم کی آگ کا عذاب دیا جا سکے۔

ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿98﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿99﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ
خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿100﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿101﴾

ترجمہ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور یوں کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جاویں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے (قبروں سے) اٹھائے جاویں گے کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کیے وہ اس بات پر (بدرجہ اولیٰ) قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے اور ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں اس پر بھی بے انصاف لوگ بے انکار کیے نہ رہے آپ فرما دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم (اس کے) خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی ہے بڑا تنگ دل اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزات دیئے جبکہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

تفسیر 98 "ذلک جزاء هم ...... تا ...... خلقاً جديدًا" اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

99 "اولم يروا انّ الله الذی خلق السمٰوت والارض" اس کی عظمت اور اس کا زمین و آسمان بنانے میں بہت بڑی طاقت ہے۔ "قادر علی أن يخلق مثلهم" اس کے بچپن اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "لخلق السمٰوت والارض اكبر من خلق النّاس" ...... "وجعل لهم أجلاً" ان کے عذاب کا وقت۔ "لا ريب فيه" ان کی طرف سے آنے والے معجزات میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ بعض نے کہا کہ اجل سے مراد موت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "فأبی الظالمون الاّ كفورًا" ان کا انکار کرنا محض عناد و دشمنی کی وجہ سے ہے۔

100 "قل لو انتم تملكون خزائن رحمة ربی" اپنے رب کی نعمت۔ بعض نے کہا کہ اس نعمت سے مراد رزق ہے۔ "اذًا لامسكتم" ان کے بخل اور ان کے گمان کے مطابق۔

"خشية الانفاق" فاقہ کے خوف کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ ناداری کے خوف کی وجہ سے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "أنفق الرجل" اس کا ہاتھ خالی ہو گیا اور اس کا مال ختم ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ وہ خرچ کرنے سے رکتے ہیں، فقر کے خوف

کی وجہ سے۔ ''وکان الانسان قتورًا'' انسان بخیل ہے خرچ کرنے سے رُکتا ہے۔

⑩① ''ولقد آتینا موسٰی تسع آیات بینات'' کھلے معجزات اور کھلے دلائل۔

تسع آیات کی تفسیر

آیات تسع سے مراد ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے کہ نو معجزات ہیں۔ عصا، ید بیضا، زبان کی گرہ کھل جانا، سمندر کا لاٹھی کی ضرب سے کھل جانا، طوفان، ٹڈیاں، مینڈک، خون

عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد نو معجزات ہیں وہ یہ ہیں طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، قحط، پھلوں کی کمی۔ محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ طمس (صورتوں کا بدل جانا) اور بحر (سمندر کو پھاڑنا) اور پھلوں کی کمی کا ہونا ہے اور فرمایا کہ قبطیوں میں سے ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ سو رہا تھا، وہ دونوں پتھر بن گئے اور ایک عورت کھڑی روٹی پکا رہی تھی وہ پتھر بن گئی اور بعض نے کہا کہ یہ سب کتاب کی نشانیاں ہیں۔

صفوان بن عسال مرادی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے ایک یہودی نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس نبی کے پاس، اس نے کہا ارے اس کو نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور نو واضح آیات دریافت کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نو واضح آیات یہ ہیں:

(۱) کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنائیں (۲) چوری نہ کریں (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق کسی کو قتل نہ کرو۔

(۵) کسی بے قصور کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ ظلماً اس کو قتل کر دے (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ۔

(۸) کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ (۹) جہاد میں پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔

اے یہودیو! خاص کر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ ہفتہ کے دن کی حرمت میں تجاوز نہ کرو اور دونوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ سن کر ان دونوں یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم لیے اور بول اُٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کون سی چیز مانع بن رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ ہمیں یہودی قتل کر دیں گے۔ ''فسئل'' اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے ''بنی اسرائیل اذ جاء ھم'' کہ جب ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے۔ خطاب یا تو موسیٰ علیہ السلام کو ہے مراد اس سے موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ لوگ ہیں اور یہ بھی قول ہے کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بنی اسرائیل سے وہ واقعات دریافت کیجئے جو فرعون و موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئے تھے اور آیات بینات کے متعلق پوچھئے تاکہ ان یہودیوں کا جھوٹ واضح ہو جائے۔

''فقال لہ فرعون انی لاظنک یا موسٰی مسحورًا'' آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ (موسیٰ علیہ السلام پر) ابن عباس

رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دھوکہ دیا ہوا ترجمہ کیا۔ بعض نے ترجمہ کیا کہ حق سے پھرنے والا۔ فراء اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ جادوگر کیا ہے۔ محمد بن جریر رضی اللہ عنہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا سحر کی تعلیم دیا ہوا یعنی تجھے جادو سکھا دیا ہے۔ یہ تمام باتیں جو ظاہر کر رہا ہے یہ سحر کا کرشمہ ہے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ. وَاِنِّیْ لَاَ ظُنُّکَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: موسیٰ نے فرمایا تو (دل میں) خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے لئے (کافی) ذرائع ہیں اور اور میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں پھر اس نے چاہا کہ بنی اسرائیل کا اس سرزمین سے قدم اکھاڑ دے سو ہم نے اس (ہی) کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ (اب) تم اس سرزمین میں رہو سہو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر لا کریں گے۔

تفسیر: ﴿۱۰۲﴾ "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "لقد علمت" تاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ خطاب فرعون کو ہوگا۔ کسائی کے نزدیک تاء پر ضمہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو برحق نہیں مانتا تھا۔ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام کو حق جان لیتا تو وہ مامون ہو جاتا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے بارے میں جانتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق جانتا تھا لیکن عناد کی وجہ سے انکار کرتا تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: "وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلمًا و علوًا" اس صورت میں تاء پر فتحہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اکثر قراء کا اتفاق ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے لیے دلیل قائم کرنے کی حجت نہیں رکھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو مرفوع پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ رفع والی روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے والا ایک شخص تھا، وہ شخص مجہول ہے اور قراء میں سے کوئی بھی شخص اس سے دلیل نہیں پکڑتا۔ "ما انزل علی هولاء" یہ نو آیات ہیں۔ "الّا رب السمٰوٰت والارض بصائر" یہ بصیرت کی جمع ہے وہ ان تمام معجزات کو تمہارے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس کا انکار کر رہے ہیں۔ "وانّی لاظنّک یا فرعون مثبورًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ ملعون سے کیا ہے اور مجاہد نے اس کا ترجمہ ہلاک ہونے سے کیا ہے۔ فراء نے کہا کہ عرب کا محاورہ ہے۔ "ماثبرک عن هذا" اس سے تجھے کس چیز نے روک دیا۔

﴿۱۰۳﴾ "فاراد أن یستفزهم" موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس ملک سے اُکھاڑ دے۔ "من الارض" مصر کی سرزمین سے۔ "فاغرقناه ومن معه جمیعًا" ہم نے موسیٰ اور اس کی قوم کو نجات دے دی۔

⑩۴ "وقلنا من بعدہ" فرعون کی ہلاکت کے بعد "لبنی اسرائیل اسکنوا الارض" یعنی مصر اور شام کی زمین سے۔ "فاذا جاء وعد الاخرۃ" قیامت کے دن "جئنا بکم لفیفا" یعنی تم اور وہ دونوں قیامت کے دن مخلوط ہو کر آؤ گے۔ لفیف مختلف قبائل کا مجموعہ مخلوط قیامت کے دن ایسا ہی ہوگا۔ شروع میں مؤمن کافر نیک بد مخلوط ہوں گے۔ کلبی کا بیان ہے وعدہ آخرت آنے سے مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے آنا اور "جئنا بکم لفیفا" کا یہ مطلب ہے کہ اِدھر اُدھر ہر طرف سے مختلف قومیں آئیں گی۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (آیت سجدہ) ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ راستی ہی کیساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر خواہ ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب (وعدہ خلافی سے) پاک ہے بیشک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھاوتیا ہے۔

تفسیر ⑩۵ "وبالحق أنزلناہ وبالحق نزل" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وما ارسلناک الا مبشّرا" اطاعت کرنے والوں کو خوشخبری دیں۔ "و نذیرًا" اور نافرمانوں کو ڈرانے والے۔

⑩۶ "قرآنا فرقناہ" ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا، یکدم نہیں اُتارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں۔ "وقرآنا فرّقناہ" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے عام قراء نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہم نے اس کو کھول کھول کر بیان کیا۔ حسن کا بیان ہے کہ اس سے مراد حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ "لتقراء ہ علی النّاس علی مکث" اس کو ہم نے تیئس سالوں میں آپ پر نازل کیا۔ "ونزلناہ تنزیلاً"

⑩۷ "قل آمنوا بہ أولا تؤمنوا" یہ وعید اور بطور تہدید کے فرمایا۔ "انّ الذین اوتوا العلم من قبلہ" بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد اہل کتاب کے مؤمنین ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حق کی تلاش میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ ان پر اسلام لے آئے۔ ان میں سے زید بن عمر بن نفیل، سلمان فارسی، ابی ذر وغیرہ ہیں۔ "اذا یتلی علیھم" اس سے مراد قرآن ہے۔ "یخرون للاذقان" وہ ٹھوڑی کے بل گریں گے۔ ابن عباس

رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس سے مراد چہرے ہیں کہ وہ چہروں کے بل گریں گے۔ "سجدًا"

⑩⑧ "ویقولون ...... تا ...... لمفعولا" یعنی یہ واقعہ ہونے والا ہے۔

⑩⑨ "ویخرون للاذقان یبکون" وہ چہروں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں۔ بکاء مستحب ہے قرأۃ قرآن کے وقت۔ "ویزیدھم" قرآن کے نزول کے وقت "خشوعًا" اپنے رب سے عاجزی کرتے ہوئے، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "اذا تتلی علیھم آیات الرحمٰن خرّوا سجدًا وبکیًا" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں مسلمانوں کے نتھنوں میں جمع نہیں ہوگا۔ بہز بن حکیم کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تین قسم کی آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف میں روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جو جہاد میں پہرہ کرتے ہوئے جاگی ہو اور تیسری وہ آنکھ جو بدنظری سے بچی ہو۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ⑪⓪ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا ⑪①

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھیے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ (پاک) کے لئے (خاص ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کا سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔

تفسیر: ⑪⓪ "قل ادعوا اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ میں ایک رات کو سجدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یا اللہ! یا رحمٰن، ابوجہل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو تو ہمارے معبودوں سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکارتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی ذات کے دونوں نام ہیں، بولنے میں تعدد ہے مگر یہ تعدد وحدت ذات سے مانع نہیں۔ وہی ذات مستحق عبادت ہے۔

"ایامّا تدعوا" ماصلۃ ہے یعنی تم میں کوئی ان دو ناموں سے پکاریں یا تمام اسماء میں سے کسی نام سے پکاریں۔ "فلہ الاسماء الحسنٰی ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قرأت اونچی آواز سے کرتے تھے۔ جب مشرک قرآن کو سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن اُتارنے والے کو اور جس پر اُتارا گیا تھا

اس کو سب کو برا کہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ولا تجهر بصلاتک" کہ آپ قرأت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں اور اتنے آہستہ بھی نہ پڑھو کہ اپنے ساتھی بھی سن نہ سکیں۔ "وابتغ بین ذلک سبیلاً" درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن لیں اور مشرکوں تک قرأت کی آواز نہ پہنچے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا نزول دُعا کے بارے میں ہوا۔ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، امام نخعی، مجاہد اور مکحول کا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ "ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها" اس آیت کا نزول دُعا کے متعلق ہوا۔ حضرت عبداللہ بن شداد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے جواب میں بلند آواز سے کہتے تھے "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَالاً وَّوَلَدًا" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایات قابل قبول نہیں۔

حضرت عبداللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم پست آواز سے قرأت کر رہے تھے، میں تمہاری طرف سے گزرا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو سنا دیا تھا، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں تمہاری طرف سے گزرا تھا تو تم (قرآن پڑھنے میں) آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں (اپنی قرأت سے) سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔

⑪ "وقل الحمدلله الذی لم یتخذ ولدًا" اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ وہ اللہ کی وحدانیت کی تعریف بیان کریں۔ حمد کا معنی ہے تعریف و بزرگی کرنا اس ذات کی جو اس کی اہل ہے۔ حسین بن فضل کا قول ہے کہ الحمدللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ "ولم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرًا" وہ تعظیم عظمت والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی ولی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دُکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حمد شکر کی چوٹی (یعنی مدار) ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ (رواہ البیہقی وعبدالرزاق فی الجامع)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے اچھی دُعا الحمدللہ ہے اور سب سے اعلیٰ ذکر لا الٰه الا الله ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پیارے چار جملے ہیں۔ لا الٰه الا الله اور سبحان الله اور الله اکبر اور الحمد لله جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں)۔ (رواہ مسلم واحمد بسند صحیح)

سُورۃُ الکھف

سورۃ کہف مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ①

ترجمہ: تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی

تفسیر: ① "الحمدللّٰہ الذی أنزل علٰی عبدہ الکتاب" اللہ تعالیٰ نے قرآن کا انعام کر کے اپنی ثناء کی اور اس میں بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی تعلیم بھی دے دی۔ یہاں خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کیونکہ قرآن کا نزول خصوصی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نعمت ہے اور باقی اُمت پر عموی طور پر نعمت ہے۔ "ولم یجعل لہ عوجًا"

قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ
اَجۡرًا حَسَنًا ② مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ③ وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ④ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ
عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّکَ
بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی
الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡہَا صَعِیۡدًا جُرُزًا ⑧

ترجمہ: بالکل استقامت کے ساتھ موصوف بنایا کہ وہ ایک سخت عذاب سے جو کہ منجانب اللہ ہوگا ڈرائے اور ان اہل ایمان کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دے کہ ان کو اچھا اجر ملے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جو یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ داداؤں کے پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور) وہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں (اور آپ جو ان پر اتنا غم کرتے ہیں) سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر ایمان

نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے (یعنی اتنا غم نہ کریں کہ قریب بہلاکت کر دے ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعث رونق بنایا تا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان (یعنی فنا) کر دیں گے۔

تفسیر ② "قیمًا" اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی جس میں کوئی کجی نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے، عدل سے فراء کا بیان ہے کہ یہ کتاب ماقبل تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ اپنے بندے پر نازل فرمایا اس میں کوئی کجی نہیں لیکن اللہ نے اس کتاب کو راہ ہدایت بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولم یجعل له عوجًا" اس میں اختلاف نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ولو کان من عند غیر اللّٰه لوجدوا فیه اختلافاً کثیرًا" بعض نے کہا کہ اس کو مخلوق نہیں بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے "قرآنًا عربیا غیر ذی عوج" وہ مخلوق نہیں۔ "لینذر باسا شدیدًا" تا کہ وہ سخت عذاب سے ڈرائے۔ "من لدنه" اس کی طرف سے۔ "ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات أن لهم اجرًا حسنًا" اس سے مراد جنت ہے۔

③ "ماکثین فیه ابدًا" اس میں وہ مقیم رہیں گے۔

④ "وینذر الذین قالوا اتخذ اللّٰه ولدًا"

⑤ "مالهم به من علم ولا لاٰبائهم" یہ انہوں نے جہالت کی بناء پر کہا نہ کہ علم کی بنا پر (یعنی اللہ کی اولاد قرار دینے کا علم) "کبرت" وہ بہت بڑی تہمت ہے۔ "کلمةً" منصوب ہے تمیز ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ عبارت اس طرح تھی "کبرت الکلمة کلمة" ایک کلمہ کو حذف کر دیا گیا۔ اس محذوف من کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ "تخرج من افواههم" ظاہر کرتے ہیں، اپنی زبانوں سے "ان یقولون" جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ "الا کذبًا"

⑥ "فلعلک باخع نفسک علی آثارهم" اس کے بعد وہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔ "ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث" اس سے مراد قرآن ہے۔ "أسفًا" وہ غمگین اور بعض نے کہا کہ وہ غصہ ہوں گے۔

⑦ "انا جعلنا ما علی الارض زینة لها"

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال کیا جائے کہ زینت میں تو ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جو بظاہر نقصان دہ ہیں۔ سانپ، بچھو، شیاطین۔ اس کا جواب یہ دیا کہ زینت اس اعتبار سے ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد خاص طور پر مرد ہیں کیونکہ یہی زمین کی زینت ہیں۔ بعض نے کہا کہ زینت سے مراد علماء وصلحاء ہیں۔ بعض نے کہا کہ زینت سے مراد

نباتات، درخت اور نہریں ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "حتّٰی اذا اخذت الارض زخرفها وازّينت"...... "لنبلوهم" تا کہ ہم تمہیں اس کی خبر دیں۔ "ايهم احسن عملاً" تا کہ ہم ان کے اعمال کی اصلاح کریں۔ بعض نے کہا کہ کون ہے جو دُنیا کو ترک کر دے۔

⑧ "وانا لجاعلون ما عليها صعيدًا جرزًا" صعید اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر ہو یعنی (مٹی) بعض نے کہا کہ اس سے مراد مٹی ہے۔ "جرزًا" ان سب اشیاء کو ہم مٹی کر دیں گے اور یہ سب چٹیل میدان بن جائے گی جیسے کہا جاتا ہے "جرزت الارض" جب زمین سب کچھ نگل جائے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩

ترجمہ: کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے ہماری عجائبات میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمایئے اور ہمارے لئے (اس) کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔

تفسیر: ⑨ "ام حسبت أن اصحاب الكهف والرقيم كانوا من اٰياتنا عجبًا" اے محمد! کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ کہف ورقیم والے ہماری عجائبات میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کہف ورقیم والے کوئی عجیب نشانی تھے ایسا نہیں ہے بلکہ زمین و آسمان اور اس میں جو کچھ ہم نے پیدا کیا وہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں۔ کہف پہاڑی میں کشادہ غار کو کہتے ہیں۔

الرقیم کی مختلف تفاسیر

رقیم کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ ایک پتھر کی تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ لکھا ہوا تھا۔

یہ تمام قولوں میں اظہر قول ہے، پھر اس تختی کو کہف والوں کی غار کے باہر لگا دیا گیا۔

بعض نے کہا کہ رقیم سے مراد پتھر ہے۔ اس صورت میں رقیم مرقوم کے معنی میں ہوگا۔ یعنی لکھا ہوا اور رقم کا معنی ہے لکھنا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رقیم اس وادی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف کا غار تھا۔ اس قول پر رقیم کا اشتقاق "رقمة الوادی" سے ہوگا۔

کعب احبار نے کہا رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف اور اصحاب الرقیم دونوں ایک ہی تھے، الگ الگ نہ تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ پہاڑ کا نام ہے جس میں اصحاب کہف کا نام تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر کیا ہے۔

اصحاب کہف کا واقعہ

⑩"اذ اوی الفتیة الی الکھف" انہوں نے اپنی طرف ٹھکانہ بنالیا۔ مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ لوگ پہاڑ کی غار میں پناہ گزین کیوں ہوئے۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے اور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہوگیا تھا، بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہوگئے تھے لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی ایک بادشاہ تھا، اس کی حکومت بلادِ روم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کرادیتا، اپنے ملکوں کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کرتا جو بت پرستی اختیار کرلیتا، اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا، اس کو قتل کرادیتا تھا۔

حسب عادت ایک بار یہ شہر افسوس میں جا کر اُترا، جو لوگ اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اُٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے، ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی، اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ورنہ قتل کردیا جاتا اور مقتولین کے ٹکڑے کرکے شہر پناہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔ چند مؤمن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے، ایمان میں بڑے پختہ اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے، سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہوکر زاری کے ساتھ انہوں نے دُعا کی "ربنا رب السموات والارض ......" ہمارا رب وہی ہے جو زمین وآسمان کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے ورنہ یہ بڑی زیادتی اور حق سے تجاوز ہوگا۔

اے رب! اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کردے ان کی مصیبت دفع کردے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کرسکیں۔

یہ لوگ مسجد کے اندر سجدوں میں پڑے یہ دُعا کر ہی رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آپہنچے اور سب کو گرفتار کرکے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لیے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں، آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کرو، یہ نوجوان پیش کیے گئے، سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو ورنہ میں تم کو قتل کرادوں گا۔

مکسلمینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لیے حمد، بزرگی اور پاکی ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی سے نجات اور خیر کے طلبگار ہیں، آپ جو چاہیں کریں، ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کرسکتے۔ مکسلمینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی

جواب دیا۔ یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیرانہ کپڑے اتروا لیے جائیں۔ حکم کی تعمیل کر دی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہولوں تو تم کو وہ سزادوں گا جو تمہارے لیے میں نے تجویز کی ہے، تم ابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا، اسی لیے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہوں اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کر لو۔

اس کے بعد ان کے سارے امیرانہ زیور اُتار لیے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا (اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا) جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے، اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لیے رکھ لے، پھر سب شہر کے قریب کوہ بنجلوس کے غار میں جا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں، جب دقیانوس آ جائے تو اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو جائیں، پھر وہ جو کچھ چاہے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لیے تیار ہو کر دقیانوس کے پاس جانا چاہیے) حسب مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جا کر کچھ روپیہ لے آیا، کچھ اس میں سے خیرات کر دیا اور باقی اپنی گزر بسر کے لیے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہو گئے۔ ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہو لیا، وہ بھی غار میں چلا گیا۔ سب غار میں جا کر ٹھہر گئے۔ کعب احبار کا بیان ہے اثناء راہ میں ایک کتا ان کے پیچھے ہو لیا، انہوں نے بھگا دیا لیکن وہ پھر لوٹ آیا، انہوں نے پھر بھگا دیا، کتا پھر لوٹ آیا، ایسا چند مرتبہ کیا تو کتا بولا لوگو! تم چاہتے کیا ہو میری طرف سے اندیشہ نہ کرو، جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہاری چوکیداری کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے، کل سات آدمی تھے، ایک چرواہے کی طرف سے گزرے جس کے پاس کتا تھا، چرواہا بھی ان کا ہم مذہب ہو گیا اور ساتھ ہو لیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آ گیا، سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قریبی غار کی طرف چلے گئے (اور اس میں داخل ہو گئے) اور وہیں قیام پذیر ہو کر نماز، روزے، تحمید، تسبیح اور تکبیر (اللہ کی حمد کرنے اس کی پاکی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے) میں مشغول ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہر شغل کو چھوڑ دیا اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر، خوبصورت اور بہادر تھا، شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لیے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا، تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اُتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکہ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا یا نہیں، پھر لوٹ کر آ جاتا اور ساتھیوں کو مطلع کر دیتا، اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے، مدت کے بعد دقیانوس شہر میں (واپس) آیا اور سرداران شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا۔

اہل ایمان میں پھر کھلبلی مچ گئی، تملیخا بھی اس وقت شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے گیا تھا، غریب تھوڑا سا کھانا لے کر روتا ہوا لوٹ آیا اور آ کر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ظالم شہر میں آ گیا ہے اور وہ اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں، یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑگڑا کر اللہ سے دُعا کرنے اور فتنہ سے پناہ

مانگنے میں مشغول ہوگئے۔ تملیخا نے کہا یارو! سروں کو اُٹھاؤ، کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اُٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر سب نے کھانا کھایا۔ یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا، کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہوگئے، غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی۔ اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا رہا۔

دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کرایا لیکن کسی کو نہ پاسکا، کہنے لگا مجھے اُن جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لیے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے، اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بار نہیں ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں، نافرمانوں اور بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہیے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دے دی تھی، اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے تو توبہ ہی نہیں کی، بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہوگیا اور اصحاب کہف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سرتابی کی۔

وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی نہیں کی، پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا (یعنی فقیروں کو بانٹ دیا) یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ آدمیوں کو کوہ بنجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کہف داخل ہوئے تھے اس کا منہ بند کرادے، اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کہف کو عزت عطا فرمادے اور آنے والی قوموں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنادے اور لوگوں کو دکھادے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اُٹھایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مُردوں کو زندہ کر کے اُٹھائے گا۔

غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کرادیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لیے قبریں بنادو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں۔ اس کا خیال تھا کہ اصحاب کہف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کہف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کہف سوتے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لیے کروٹ لینا ضروری تھا)۔

شاہ دقیانوس کے خاندان میں دو آدمی مؤمن بھی تھے اور جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ایک کا نام بیندروس اور دوسرے کا رایاش تھا، دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد اصحاب کہف کے نام نسب، خاندان اور پورا واقعہ رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر

تانبے کے صندوق میں تختی کو رکھ کر ایک بنیاد میں صندوق کو اس خیال سے دفن کر دیا کہ قیامت سے پہلے ممکن ہے اہل ایمان کا کوئی گروہ اس جگہ قابض ہو جائے اور اس تحریر کو پڑھ کر ان کو اصحاب کہف کا واقعہ معلوم ہو جائے۔ دقیانوس اور اس کی قوم کے بعد صدیاں گزر گئیں اور پے در پے بادشاہ آتے جاتے رہے (اور اصحاب کہف غار کے اندر استراحت فرماتے رہے اور صندوق دفن رہا) عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو گلے میں طوق اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوئے تھے، زُلفیں چھوڑی ہوئی تھیں، ایک شکاری کتا ان کے ساتھ تھا کسی بڑے تہوار کے موقع پر بن سج کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور ساتھ میں ان بتوں کو بھی لے لیا جن کو پوجتے تھے، اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا، ان میں سے ایک وزیر بھی تھا سب در پردہ مؤمن تو ہو گئے لیکن ہر ایک نے دوسرے سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور ہر ایک نے دل میں طے کر لیا کہ ان کافروں کے ساتھ مجھے نہ رہنا چاہیے کہیں ان کے جرائم پر آنے والا عذاب مجھ پر نہ آ جائے۔

غرض سب الگ الگ ہو گئے۔ پہلا ایک جا کر کسی درخت کے سایہ میں تنہا بیٹھ گیا، دوسرے نے اس کو تنہا بیٹھے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید اس کی حالت بھی میری حالت کی طرح ہو گئی ہے، اس لیے زبان سے ظاہر کیے بغیر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، پھر تیسرا اسی خیال کو لے کر چلا اور دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اس طرح ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے۔ پھر ایک نے ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے دوسرے سے کہا، آپ حضرات یہاں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں، دوسرے نے بھی یہی پوچھا اور تیسرے چوتھے غرض سب نے یہی سوال کیا۔ پھر دو دو کی ٹکڑیاں بنا کر انتہائی رازداری کے ساتھ ایک نے دوسرے پر حقیقت ظاہر کی اور معلوم ہوا کہ سب مؤمن ہیں، پہاڑ میں قریب ہی ایک غار تھا، سب نے مشورہ کر کے اس کی طرف رُخ کیا اور غار میں چلے گئے، شکاری کتا بھی ساتھ تھا اندر جا کر سب سو گئے اور ۳۰۹ برس تک سوتے رہے۔ قوم والوں نے ان کو تلاش کیا لیکن اللہ نے غار کو ہی ان کی نظر سے غائب کر دیا اور تمام نشانات محو کر دیئے۔ مجبوراً ان کے نام، نسب، خاندان ایک تختی پر تحریر کیے اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فلاں فلاں بادشاہ (امراء) کے بیٹے تھے، فلاں بادشاہ کے دورِ حکومت میں فلاں سال فلاں مہینے کھو گئے اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، پھر یہ تختی سرکاری محافظ خانہ میں رکھ دی گئی، کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مر گیا اور صدیاں گزرتی گئیں۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک حواری اصحاب کہف کے شہر کو گیا تھا، شہر کے اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا، کسی نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بت ہے، پہلے اس بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے، پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، حواری نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور شہر کے قریب ایک حمام میں جا کر حمام والے کی نوکری کر لی اور کام کرنے لگا، حمام والے کو حواری کے آتے ہی بڑی برکت حاصل ہوئی (اس کے کام کو بہت ترقی ہوگئی) شہر کے بعض نوجوانوں کا بھی اس حواری سے کچھ تعلق ہو گیا، وہ اس کے پاس بیٹھنے لگے، حواری ان کو آسمان و زمین کی خبریں سناتا تھا (اور وہ شوق سے سنتے تھے) آخر وہ لوگ حواری پر ایمان لے آئے اور عیسائی ہو گئے۔ حواری نے حمام والے سے شرط کر لی تھی کہ رات کو میری نماز میں کوئی مداخلت نہ کرے، رات میری ہے، رات کو کوئی کام نہیں کروں گا۔

ایک روز شہزادہ ایک عورت کو لے کر حمام میں آیا۔ حواری نے کہا آپ شہزادے ہیں اور اس عورت کو لے کر حمام میں داخل ہورہے ہیں۔ شہزادہ کو شرم آئی اور واپس چلا گیا لیکن دوسری مرتبہ پھر آیا اور حواری نے پہلی بار کی طرح نصیحت کی۔ اس مرتبہ حواری کی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ اس کو جھڑک دیا، دونوں حمام میں داخل ہوگئے، بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہزادہ کو حمامی نے قتل کردیا ہے، بادشاہ نے حمامی کی تلاش کے لیے آدمی بھیجے مگر وہ بھاگ گیا، ہاتھ نہیں آیا، بادشاہ نے پوچھا اس کے ساتھ کون لوگ رہتے ہیں، لوگوں نے بتلایا فلاں فلاں جوان رہتے تھے، ان جوانوں کی جستجو کی گئی لیکن وہ بھی شہر سے باہر نکل گئے اور راستہ میں ایک اور شخص کو بھی ساتھ لے لیا جو انہیں کی طرح ایمان پر قائم تھا۔

ایک کتا بھی ساتھ ہوگیا اور طے کرلیا کہ آج رات یہیں رہو، صبح ہوگئی تو کچھ سوچیں گے۔ چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سوگئے، بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور غار پر جا پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ اندر جاچکے ہیں، بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر جانے کا ارادہ کیا مگر دہشت زدہ ہوگیا، پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی، ایک شخص نے بادشاہ سے کہا اگر وہ آپ کے ہاتھ آجائے تو کیا آپ کا ارادہ ان کو قتل کرا دینے کا نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی ارادہ تھا۔ اس شخص نے کہا تو اب غار کے دروازے کو بند کرا کے کوئی دیوار بنوا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں، چنانچہ بادشاہ نے تو ایسا ہی کیا۔

وہب کا بیان ہے کہ دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزرتا چلا گیا، کچھ مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بارش نے آگھیرا، وہ بکریاں بھیڑیں لے کر پناہ لینے کے لیے اس غار کی طرف آیا اور بکریوں کو سائے میں محفوظ رکھنے کی کوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا۔ اُدھر صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی روحیں لوٹا دیں، ان کو ایسا معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو اُٹھے ہوئے ہوں۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے (مدت کے بعد) وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ آگئی۔ اس شخص کا نام بیدوسیس تھا۔ اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مؤمنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا۔

بیدوسیس کو یہ پھوٹ اور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا، وہ اللہ کے سامنے رو دیا، گریہ وزاری کی اور اس کو اس بات سے بڑا دُکھ ہوا کہ اہل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے چلے جارہے ہیں، اہل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کو مانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی ریجھے ہوئے تھے، بیدوسیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ آئمہ حق اور اصحاب خیر ہیں، جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین و مذہب سے مرتد بنا دینے اور لوٹا دینے کے خواستگار ہیں، یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ بند کرلیا، کمبل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا اور دُعا کرتا رہا کہ الٰہی تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کردے جس سے ان

لوگوں کو اپنے عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمٰن و رحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا تباہ ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدوسیس کی دُعا قبول فرمالی اور اصحاب کہف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مُردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لیے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا، اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا بکھرا شیرازہ پھر مجتمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بستی میں اصحاب کہف کا غار تھا وہیں ایک باشندہ کے دل میں یہ ارادہ پیدا کر دیا کہ غار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لیے ایک باڑہ بنا دے اس شخص کا نام اولیاس تھا۔ اولیاس نے دو مزدور رکھ کر غار کے دروازے کی عمارت کے پتھر اکھڑوانا اور اپنی بکریوں کیلئے باڑہ بنوانا شروع کر دیا۔ آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا۔ پھر اللہ نے اصحاب کہف کو اُٹھا کر بٹھا دیا، وہ خوش خوش شگفتہ رو، ہشاش بشاش اُٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے۔ پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا۔ وہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ دقیانوس ہماری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم آج کچھ زیادہ سوئے۔ اس لیے انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا ہم کتنی دیر سوئے، کسی نے کہا ایک دن، دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (تعیین کے ساتھ صحیح مقدار خواب کوئی نہ بتا سکا) بالآخر بول اُٹھے اللہ ہی جانے ہم کتنے وقت (سوتے) رہے۔ نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام تملیخا تھا اور جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہا ذرا جا کر خبر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمارے آنے کے بعد) لوگوں نے کیا باتیں کہیں، تملیخا نے کہا کیا تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑ والے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کرادے جو اللہ چاہے گا وہ ہوگا (فکر کس بات کی ہے) مکسلمینا بولا دوستو! خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے، اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا، اس کے بعد سب نے تملیخا کو مامور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا تذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کہی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لیے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا، ہم سب بھوکے ہیں۔ تملیخا تیار ہو گیا، اوّل بھیس بدلا، کپڑے اُتار کر دوسرے پہنے اور دقیانوسی سکہ لے کر باہر نکلنے کے لیے چل دیا، غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں، دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پروا نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتراتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا، وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھا تھا، اس لیے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے۔ اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کا ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا، یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا

اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا، پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں، خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے، کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آرہا ہے، وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے۔ غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا، پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آگیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں، یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں، کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں، پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں، آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہوگیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا۔ اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کرلیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آنکلا، ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سرزمین پر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہوگئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر رہا ہے۔ شاید میں کسی انجان شہر میں آگیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تملیخا نے اس شہر کا نام پوچھا، جوان نے کہا اس شہر کا نام افسوس ہے۔ تملیخا نے دل میں کہا شاید میں مسلوب الحواس اور بے عقل ہوگیا۔ اب تو میرے لیے یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں، اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں، پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگا قبل اس کے لوگ مجھے جان لیں، یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے، یہ سوچ کر فوراً نان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لایا تھا نکال کر ایک نان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا۔ نان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا، مہر اور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا، پھر ایک اور آدمی کی طرف اس کو پھینک دیا، اس نے بھی غور سے دیکھا، اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے، ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتا اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا پرانے زمانے کا گڑا ہوا کوئی پوشیدہ دفینہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ تملیخا نے جوان لوگوں کو سکے کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا، خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ بھی مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں، کچھ دوسرے لوگ اور بھی آگئے اور تملیخا کو انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تملیخا نے ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا، مجھ پر مہربانی کر دتم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو، لوگوں نے پوچھا اے شخص تو کون ہے اور واقعہ کیا ہے؟ یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دفینہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل اور دفینہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے ورنہ حاکم

کے پاس لے جائیں گے، اس کے سپرد کردیں گے اور تو مارا جائے گا۔ تملیخا نے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا، لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم! اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا، تملیخا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے، ڈر کے مارے خاموش رہا۔ کچھ بھی نہیں بتایا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لیے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس (پرانا) دفینہ ہے۔

غرض شہر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تملیخا کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا تو نہیں ہے ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا، تملیخا ڈر کے مارے خاموش تھا، بات ہی نہیں کرتا تھا لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابت دار اسی شہر میں موجود ہیں اور اس شہر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آ کر چھڑالیں گے۔ بیچارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شہر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شہر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطیوس تھا، تملیخا سمجھا تھا کہ دقیانوس کے پاس لے جائیں گے لیکن وہ لے گئے شہر کے ان دو حاکموں کے پاس جن سے تملیخا واقف نہ تھا، راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔

تملیخا نے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور کہا اے اللہ! تو آسمانوں اور زمین کا اللہ ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیل علیہ السلام) یا اور کوئی غیبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے۔ غریب تملیخا آنسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا، دوستوں سے مفارقت ہوگئی، میں ان سے بچھڑ گیا جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جاتی تو وہ یقیناً آ جاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کرلیا تھا کہ کوئی جدا نہ ہو سب ساتھ رہیں گے، زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔

وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطیوس کے پاس لے پہنچے، جب تملیخا نے دیکھا کہ مجھے دقیانوس کے پاس نہیں لیجایا جائے گا تو ہوش درست ہوگئے اور رونا موقوف کر دیا۔ اریوس اور اشطیوس نے روپیہ لے کر دیکھا اور اچنبھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دفینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے؟ تملیخا نے کہا مجھے تو کوئی دفینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور ٹکسال اسی شہر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی (کہ میں کہاں ہوں، کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں) کہوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو؟ تملیخا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے؟ تملیخا نے باپ کا نام بتایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے سچی بات نہیں بتاتا۔ تملیخا نے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیوانہ ہے، دوسرا بولا دیوانہ نہیں ہے چھوٹنے کے لیے دیوانہ بن رہا ہے، حاکم

نے تملیخا کو سخت نظروں سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ سکہ تجھے باپ دادا سے ملا ہے، اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں، نوجوان لڑکا ہے ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اُڑانا چاہتا ہے حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چلے ہیں اور تیرے گرداگرد شہر کے سردار اور کرتا دھرتا ہیں۔ اس شہر کے تمام دفینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں، ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے۔ میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کر دینے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دفینہ ملنے کا اقرار کر لے، حاکم کی یہ تقریر سن کر تملیخا نے کہا میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ اس کا جواب دے دیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتا دوں گا۔

حاضرین نے کہا پوچھو ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تملیخا نے کہا دقیانوس بادشاہ کہاں گیا؟ لوگوں نے جواب دیا آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے۔ بہت پرانے زمانے میں دقیانوس بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تملیخا نے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے۔ بادشاہ نے ہم کو بت پرستی پر مجبور کیا، ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے، صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لیے نکلا، کوہِ بنجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔ تملیخا کی یہ بات سن کر اریوس، اسطیوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کہف کو دیکھنے کے لیے تملیخا کے ساتھ چل پڑے۔

اُدھر اصحاب کہف کے پاس کھانا لے کر جب تملیخا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تملیخا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر دقیانوس کے پاس لے گئے، وہ یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی، فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لیے ان کو بھیجا گیا ہے، فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور (نماز کے بعد) ایک نے دوسرے کو دعاءِ سلامتی دی اور (حق پر قائم رہنے کی) وصیت کی۔ پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تملیخا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے پہنچنے کے انتظار میں ہوگا وہ غار کے اندر سامنے کے رُخ پر بیٹھے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آ کھڑے ہو گئے اور تملیخا آگے بڑھ کر روتا ہوا اندر آ گیا اور اس کو روتا دیکھ کر اصحاب کہف نے حالات دریافت کیے۔

تملیخا نے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت میں اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے۔ اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مُردوں کے اُٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اُٹھا سکتا ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کر کے اُٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے) تملیخا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا، دروازہ پر اس کو تانبے کا ایک صندوق دکھائی دیا جس پر چاندی کی مہر لگی تھی، اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رانگ کی دو

تختیاں ملیں، ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلمینا، مخشلمینا، تملیخا، مرطونس، بشرطونس، بیربوس، دیومس اور یطونس ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تا کہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر گھس گئے۔

بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دے دیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لیے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھا دی، پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کہف سے جا کر ملے۔ اصحاب کہف بیٹھے ہوئے تھے، چہرے نور سے دمک رہے تھے، ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے۔ اصحاب کہف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔

اس کے بعد اصحاب کہف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی۔ اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدروس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آ جائیں تا کہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دورِ سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مُردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اُٹھا دیا، بادشاہ نے جونہی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا اور اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں کے زمین کے مالک! میں تیری عبادت کرتا ہوں (تمام عیوب و نقائص سے) تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں، تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء واجداد اور نیک بندے قسطنطیوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی، میرے لیے اس نور کو نہیں بجھایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی شہر افسوس میں آ گئے اور سب بیدروس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدوروس کو دیکھ کر اصحاب کہف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

بیدروس ان کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اور دوزانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اصحاب کہف نے بیدروس سے کہا اب رُخصت۔ فی امان اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو (شر سے) محفوظ رکھے اور جن وانس کے شر سے بچائے۔ ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں، بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا۔ بادشاہ نے ان کو کپڑے اوڑھا دیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوقوں میں رکھ دیا جائے۔

جب رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کہف نے آ کر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا، ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لیے قیامت تک ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے۔ قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اُٹھائے گا، یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سار کی لکڑی کے صندوق بنوا دیئے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے، پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور

خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا نہ غار کے اندر جاسکا۔ بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لیے ایک مسجد بنوادی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لیے جمع ہونے کا حکم دے دیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تملیخا کو جب بادشاہ کے سامنے لیجایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے؟ تملیخا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، فلاں جگہ میرا مکان ہے، فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں، کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تملیخا کو پہچانا نہ ان ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تملیخا نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے بھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی تختی پر لکھے ہوئے ہیں۔ تملیخا کی بات سن کر اس نے تختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تملیخا کا نام اس کے اندر موجود ہے۔

باقی لوگوں کے متعلق تملیخا نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں۔ اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تملیخا کی نشاندہی پر چل پڑا۔ غار کے دروازے پر پہنچ کر تملیخا نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوشخبری دے دوں کیوں کہ اگر تم (بغیر اطلاع کے) میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے۔ تملیخا اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی، خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روحیں قبض کرلیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو اوجھل کردیا، کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا۔ آیت "اِذْ اَوَی الْفِتیة الی الکھف" میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر بادشاہ نے کہف والوں پر ایک مکان تعمیر کیا۔ یہ غار جبل تخلوس میں ہے۔ کہف کا نام خیرم ہے۔ "فقالوا ربّنا آتنا من لدنک رحمة" رحمت سے مراد دین میں ہدایت پر ہونا۔ بعض نے کہا کہ رحمت سے مراد رزق ہے۔ "وھیٔ لنا" آسان کردے ہمارے لیے اس کام کو "من امرنا رشدًا" کہ ہم تلاش نہیں کرتے اس خیر میں تیری رضا اور تیری طرف ہدایت کا راستہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد غار سے سلامتی کے ساتھ کسی راستے کی رہنمائی فرما۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫

ترجمہ اور ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا پھر ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ ہم معلوم کرلیں کہ ان دونوں گروہوں میں کونسا گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا ہم ان کا واقعہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔

تفسیر ⑪ "فضربنا علی آذانھم" ہم نے ان کے کانوں پر نیند کا غلبہ ڈال دیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہوسکتی تھی۔ ہم نے ان کو ایسا سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہوسکتے تھے۔ "فی الکھف سنین عددًا" ہم نے ان پر نیند کو مسلط کیا کچھ سال۔ عدد کا تذکرہ بطور تاکید کے کیا

ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا ذکر کثرت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کم چیز کو کوئی گنا نہیں کرتا۔

⑫ "ثم بعثناھم" پھر ان کو نیند سے اُٹھایا۔ "لنعلم" اپنے علم کے مشاہدہ سے معلوم کرلیں۔ "ای الحزبین" وہ دو جماعتیں "احصی لمالبثوا أمدًا" ان بستی والوں نے اس میں اختلاف کیا کہ وہ یہاں کتنی مدت ٹھہرے رہے۔ جتنی دیر میں ہم نے ان پر نیند کو مسلط کر رکھا تھا، ہم نے ان کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ مجاہد کا قول ہے کہ عددًا منصوب ہے تفسیر ہونے کی وجہ سے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ⑭ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ ۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑮ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ⑰

ترجمہ:۔ وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں اور ترقی کردی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کردیئے جبکہ وہ (دین میں) پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ اس صورت ہم نے یقیناً بڑی ہی بے جا بات کہی یہ جو ہماری قوم ہے انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے تو اس شخص سے زیادہ کون غضب ڈھانے والا ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگا دے اور جب تم ان لوگوں سے الگ ہوگئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی مگر اللہ سے تو تم (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں کامیابی کا سامان درست کردے گا اور اے مخاطب جب دھوپ نکلتی ہے تو تو اس کو دیکھے گا کہ وہ داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹی رہتی ہے اور وہ لوگ اس غار کے ایک فراخ موقع میں تھے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ بے راہ کردیں تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتلانے والا نہ پاویں گے۔

تفسیر ⑬ "نحن نقص علیک" ہم آپ پر پڑھتے ہیں۔ "نباھم" اصحاب کہف کا واقعہ "بالحق" سچائی کے ساتھ۔ "انھم فتیۃ" کہ وہ جوان شخص تھا "امنوا بربھم وزدناھم ھدًی" ایمان اور بصیرت کے ساتھ۔

⑭ "وربطنا" اور ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا۔ "علی قلوبھم" صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا نور ایمان کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں اور اپنی قوم والوں کو چھوڑنے اور اپنی راحت والی زندگی کو ترک کرنے اور کہف کے دین پر ثابت قدم رکھنے کی توفیق اور صبر سے نوازا۔

"اذ قاموا" جب دقیانوس نے بت پرستی ترک کرنے پر ان کو ملامت کی تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر فخر سے کہا "فقالوا ربّنا رب السمٰوٰت والارض لن ندعوا من دونه الٰھًا" یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کی قوم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ "لقد قلنا اذًا شططًا" اگر وہ پکاریں گے غیر اللہ کو تو پھر یہ ایسا ہوگا کہ وہ حق سے دور اور جدا ہو گیا اور ظلم میں داخل ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ ظلم میں داخل ہوگا اور قتادہ کا قول ہے کہ وہ جھوٹ ہوگا۔ شطط واستطاط کہتے ہیں قدرت اور افراط سے تجاوز کرنا۔

⑮ "ھٰؤلاء قومنا" اس شہر والوں نے "اتخذوا من دونه" اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے۔ "الھة" بت جن کو وہ پوجتے تھے۔ "لولا" کیوں نہیں "یاتون علیھم" ان کی عبادت پر "بسلطان بین" واضح حجت کے ساتھ "فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللّٰہ کذبًا" ان کا یہ گمان تھا کہ اس کا کوئی شریک ہے یا اس کی کوئی اولاد ہے۔

⑯ پھر بعض نے بعض کے ساتھ کہا "واذ اعتزلتموھم" تمہاری قوم "وما تعبدون الا اللّٰہ" بعض نے کہا کہ اس کو یعبدون بھی پڑھ سکتے ہیں۔ معروف ومشہور قرأت یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے اور ان کے ساتھ بتوں کی بھی عبادت کرتے۔ اس لیے ان کی عبادت کے ساتھ ساتھ الا اللہ کہنے کی ضرورت پیش آئی۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے فرمایا کہ اصحاب کہف اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ "فاؤوا الی الکھف" یعنی غار کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ "ینشر لکم" تمہارے لیے رزق کو کشادہ کر دے گا۔ "ربکم من رحمته ویھیی لکم" اور اس کو تمہارے لیے آسان کر دے گا۔ "من امرکم مرفقًا" وہ ذریعہ جس سے فائدہ حاصل ہو۔ ابو جعفر، نافع ابن عامر وغیرہ نے "مرفقًا" فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور فاء کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ایک ہی ہے۔

⑰ "وتری الشمس اذا طلعت تزاور" ابن عامر، یعقوب نے زاء کے سکون کے ساتھ اور راء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے تحمر کے وزن پر۔ اہل کوفہ نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے زاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سب کا معنی ایک ہی ہے، مڑ جانا پھر جانا۔ "عن کھفھم ذات الیمین" وہ دائیں جانب "واذا غربت تقرضھم" ان کو چھوڑ دیتا ہے اور ان کو کاٹ دیتا ہے۔ "ذات الشمال" قرض اصل میں کاٹنا پھر جانے کو کہا جاتا ہے۔ "وھم فی فجوۃ منه" کشادہ جگہ، اس کی جمع "فجوات" آتی ہے۔

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ غار کا رُخ بنات النعش کی طرف تھا۔ غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق ومغرب راس سرطان کا مشرق ومغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بجانب یمین ہوتا اور غروب کے وقت غار میں مقابل سورج بجانب شمال ہوتا۔ اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی دونوں شعاعیں

پڑتیں اور عفونت پیدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہوا میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کہف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس نہ جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے کہا کہ بنات النعش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کارفرما تھی کہ اللہ اصحاب کہف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا، اس کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا۔ "ذلک من آیات اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی صفت کی، اعجوبہ کاری اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ ان کے لیے جو اس نشانی سے عبرت حاصل کرنے والے ہوں۔ "من یھد اللّٰہ فھو المھتدی و من یضلل" جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ "فلن تجد لہ ولیا" اس کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ "مرشدًا"

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ. وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ. وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۔ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱

ترجمہ: اور اے مخاطب تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا حالانکہ وہ سوتے تھے اور ہم ان کو (کبھی) داہنی طرف اور (کبھی) بائیں طرف کروٹ دے دیتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا اگر (اے مخاطب) تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جاتی۔

تفسیر: ⑱ "وتحسبھم ایقاظا" ان کو تم بیدار سمجھو گے۔ ایقاظ جمع ہے یقظ کی۔ "وھم رقود" راقد کی جمع ہے اور وہ سور ہے ہوں گے۔ اس حالت کے ساتھ تشبیہ اس لیے دی کہ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ وہ سانس لیتے تھے لیکن کلام نہیں کرتے تھے۔ "ونقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال" ایک مرتبہ وہ دائیں جانب کروٹ لیتے اور ایک مرتبہ بائیں جانب کروٹ لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ کروٹ لیتے تھے تاکہ ایک جانب کو مٹی نہ کھا جائے۔ بعض نے کہا کہ وہ عاشوراء کے روز کروٹ بدلتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ سال میں دو مرتبہ کروٹ لیتے تھے۔

اصحاب کہف کے کتے کے بارے میں تفصیل

"وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید" اہل تفسیر کا قول ہے کہ وہ کہف والوں کا کتا ہی تھا جو اسی جنس (کتا) میں شامل ہو۔ ابن جریج نے کہا کہ وہ کتا نہیں تھا وہ شیر تھا یا شیر کو کتا کہہ دیا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب کو بددعا دیتے ہوئے کہا تھا الٰہی اپنے کتوں میں سے اس پر کوئی کتا مسلط کردے، پھر عتبہ کو شیر نے پھاڑ دیا تھا۔ پہلا قول مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ چت کبرا کتا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ قلطی سے بڑا اور کردی (کتے) سے چھوٹا۔ قلط چینی کتے کو کہتے ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس کا رنگ زرد تھا۔ قرظی کا قول ہے گہرا زرد مائل بسرخی تھا۔ کلبی کا قول ہے اس کا رنگ دھنی ہوئی اون کی طرح تھا۔ بعض نے کہا کہ حجری رنگ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا

نام قطمیر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس کا نام ریان تھا۔ اوزاعی کا قول ہے کہ اس کا نام یثور تھا۔ سدی کا قول ہے کہ اس کا نام بور تھا۔ کعب کے نزدیک اس کا نام صہبا تھا۔

خالد بن معدان کا بیان ہے کہ جنت میں جانوروں میں سے کوئی جانور نہیں جائے گا مگر اصحاب کہف کا کتا اور بلعم بن باعور کا گدھا۔ "بالوصید" مجاہد اور ضحاک نے وصید کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء کا قول ہے کہ وصید سے مراد دہلیز ہے۔ سدی کا قول ہے کہ وصید دروازے کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اصحاب کہف نہ تو دروازے میں تھے اور نہ ہی دہلیز میں؟ وہ دروازے کی جگہ پر ہے اور دہلیز پر اس کتے کے بازو تھے جو اس نے پھیلائے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ ان کی طرف تھا۔ سدی کا قول ہے کہ جب اصحاب کہف والے کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کہف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنے بائیں بل پر ہو جاتا اور اصحاب کہف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بائیں کان توڑ کر (بائیں) بل ہو جاتا تھا۔ "لو اطلعت علیھم" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "لولیت منھم فرارًا" اللہ تعالیٰ نے ان پر ہیبت ڈال دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی ان کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ ہمارا لکھا ہوا ان تک پہنچ جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو نیند سے اُٹھالے گا۔ "ولملئت منھم رعبًا" اس سے مراد خوف ہے۔ اہل حجاز نے لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس رعب کے متعلق ان کے اقوال میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ جگہ کے سنسان اور وحشت کی وجہ سے ہے۔

کلبی کا بیان ہے کہ اصحاب کہف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اب بولنے ہی والے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہوگئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس ہولناکی اور رُعب آگینی کی وجہ سے کوئی وہاں جا نہیں سکتا۔ اس مقام کی رُعب آگینی مانع دخول ہے۔

سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ہم معاویہ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے، راستہ میں اصحاب کہف کے غار کی طرف سے گزر ہوا۔ معاویہ بولے اگر غار کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کہف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک لیا تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا "لو اطلعت علیھم لولیت منھم فرارًا" معاویہ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لیے بھیج دیا، وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے کوئی ہوا ایسی پیدا کردی کہ سب جل گئے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے ان کو جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کس قدر رہے ہو گے بعضوں نے کہا کہ (غالباً) ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے دوسرے بعضوں نے کہا کہ یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کونسا کھانا حلال ہے اور اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آوے اور (سب) کام خوش تدبیری سے کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے (کیونکہ) اگر وہ لوگ کہیں تمہاری خبر پا جاویں گے تو تم کو یا تو پتھروں سے مار ڈالیں گے یا تم کو (جبراً) اپنے طریقہ میں پھر کرلیں گے اور ایسا ہوا تو تم کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔

تفسیر ⑲ "وکذلک بعثناھم" جیسے ہم نے اصحاب کہف کو نیند سلایا اور ان کے جسموں کو سڑنے سے محفوظ رکھا اس طویل مدت میں۔ اسی طرح اس موت نما خواب میں ان کو بیدار کیا۔ "لیتساء لوا بینھم" تا کہ وہ اس کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کریں۔ "لیتسالوا" لام سے لام عاقبت مراد ہے۔ ان کے اُٹھانے کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے باہم سوال و جواب کیے اصل غرض یہ نہ تھی۔ "قال قائلٌ منھم" ان کے سردار مکسلمینا نے کہا "کم لبثتم" اس نیند سے۔ ان کو اس بات میں شک ہوا کہ طول نوم رہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ زیادہ دیر سونے سے ان کی کچھ نمازیں فوت ہوگئی تھیں اس لیے انہوں نے بطور تعجب کے یہ بات کہی۔ "قالوا لبثنا یومًا" غار میں وہ صبح کو داخل ہوئے اور شام کو بیدار ہوئے۔ اس لیے انہوں نے دن بھر سوتے رہنا ظاہر کیا لیکن آفتاب ڈوبا نہ تھا یہ دیکھ کر کچھ کم ایک دن کہا۔ "فقالوا" اور وہ کہنے لگے جب انہوں نے اپنے بالوں اور اپنے ناخنوں کو دیکھا تو خیال کیا کہ ایک دن نہیں بلکہ ہم کو سوتے سوتے کوئی لمبی مدت ہوگئی اس لیے "قالوا ربکم أعلم بما لبثتم" بعض نے کہا کہ ان کا سردار مکسلمینا نے ان کے اس اختلاف کو سنا تو کہنے لگا کہ اس اختلاف کو چھوڑو جتنی مدت اللہ کو منظور تھی ہمیں یہاں رکھا۔

"فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ" تملیخا کو چاندی کے کچھ سکے دے کر بھیجے۔ ابوعمر، حمزہ اور ابوبکر نے "بورْقکم" راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ورق چاندی ٹھپہ دار ہو یا سادہ۔ "الی المدینۃ" بعض نے کہا کہ طرسوس کے شہر بھیجا۔ اس کا زمانہ جاہلیت میں نام اُفسوس تھا، اسلام میں اس کا نام طرسوس رکھا۔

"فلینظر ایھا أزکی طعامًا" اس شہر کے رہنے والوں میں کون زیادہ حلال کھانا بیچتا ہے جو کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور کسی حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا بھی نہ ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جانے والا ہو۔ یہ ایمان والے لوگ تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس کا معنی پاکیزہ ترین۔ مقاتل بن حیان کا بیان ہے کہ اس سے مراد نہایت عمدہ ہے اور عکرمہ کا قول ہے کہ اس کا معنی مقدار میں زیادہ اور بعض نے کہا کہ بہت سستا۔ "فلیاتکم برزق منه" وہ قوت جو کھانا کھانے سے حاصل ہوتی ہے۔ "ولیتلطف" اپنے آپ کو راستے میں پوشیدہ رکھے یا شہر میں۔ "ولا یشعرن" اور تم میں سے کوئی تجھے پہچان نہ لے۔ "بکم أحدًا" لوگوں سے۔

20 "انهم ان يظهروا عليكم" وہ تمہاری جگہ کو پہچان گئے۔ "يرجموكم" ابن جریج کا قول ہے کہ وہ تمہیں برا بھلا کہیں گے اور تمہیں زبانی ایذاء دیں گے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ تمہیں قتل کردیں گے اور بعض نے کہا کہ ان لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ ایمان والوں کو پتھر مار مار کر بری طرح قتل کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ وہ تمہیں ماردیں گے۔ "او يعيدكم في ملتهم" یا وہ تم کو اپنی ملت کی طرف پھیر دیں گے (کفر کی طرف)...... "ولن تفلحوا اذًا ابدًا" اگر تم ان کی طرف لوٹ جاؤ گے تو کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۗ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا 21 سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۗ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا 22

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کردیا تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اس زمانے کے لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوادو اور ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنادیں گے بعضے لوگ تو کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعضے کہیں گے کہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے (اور) یہ لوگ بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعضے کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کا شمار خوب (صحیح صحیح) جانتا ہے ان کو بہت قلیل لوگ جانتے ہیں سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے اور آپ ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے۔

تفسیر 21 "وكذلك اعثرنا" اسی طرح ہم نے ان کو مطلع کردیا۔ "عليهم" کہا جاتا ہے۔ "عثرت على الشئ" جب وہ کسی چیز پر مطلع ہوجائے۔ "ليعلموا انّ وعدالله حقّ" اس سے مراد اصحاب بیدروس جو بعث کا منکر تھا۔ "وانّ الساعة لاريب فيها اذ يتنازعون بينهم أمرهم" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جنگل میں ان لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ مسلمانوں نے کہا کہ اس جگہ مسجد بنادی جائے تاکہ اس میں لوگ نماز پڑھیں کیونکہ وہ ہمارے دین پر تھے اور مشرکین کا قول ہے کہ ہم ان کی جگہ عمارتیں بنائیں گے کیونکہ یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ان میں بعث بعد الموت کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ مسلمان کہنے لگے کہ قیامت کے دن اجسام اور ارواح دونوں کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے اور بعض نے کہا کہ جسموں کو نہیں صرف ارواح کو جمع کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھا دیا کہ قیامت کے دن اُٹھایا جانا جمع مع الروح کے ساتھ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ ان کے یہاں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف واقع ہوگیا اور بعض نے کہا کہ ان میں

اختلاف اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق ہوا۔ "فقالوا ابنوا علیھم بنیانًا ربھم اعلم بھم قال الذین غلبوا علی امرھم" بیدروس اور بادشاہ اوران کے ساتھی۔ "لنتخذن علیھم مسجدًا"

㉒ "سیقولون ثلاثة رابعھم کلبھم" روایت کیا گیا ہے کہ سید اور عاقب بھی ان میں شامل تھے اور نصاریٰ کے چند لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اصحاب کہف کے واقعہ کے متعلق ذکر چل پڑا۔ سید جو یعقوبی فرقہ کا بانی تھا، وہ کہنے لگا کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا، عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ مسلمانوں نے کہا کہ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ نصاریٰ کے قول کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قول کی تائید کردی اور فرمایا "ویقولون خمسة سادسھم کلبھم رجما بالغیب" ان کا گمان اوران کا تخمینہ بغیر یقین کے ہے۔ یہ فرمان ان لوگوں کے بارے میں نہیں فرمایا جنہوں نے سات کا عدد ذکر کیا ہے۔ "ویقولون" مسلمان کہتے ہیں "سبعة وثامنھم کلبھم" واؤ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

عدد کے ساتھ واو ذکر کرنے کا قاعدہ

عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی گنتی بغیر واؤ کے ذکر کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واؤ عطف سے شروع کرتے ہیں۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "التائبون العابدون الحامدون" اور آخر میں "والناھون عن المنکر" (آٹھویں پر واؤ ذکر کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق فرمایا۔ "عسٰی ربه ان طلقکن أن یبدله أزواجا خیرًا منکن مسلمات، مؤمنات، قانتات، تائبات، عابدات، سائحات، ثیبات، وابکارًا" یہاں پر ابکارًا کے ساتھ واؤ کو ذکر کیا گیا۔ "قل ربی اعلم بعدتھم" ان کے اعداد کے متعلق۔ "ما یعلمھم الاقلیل" ان لوگوں میں تھوڑے سے جانتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قلیل سے مراد سات کا عدد ہے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس سے آٹھ مراد ہیں اور یہ پڑھا "وثامنھم کلبھم" صحیح قول پہلا ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اصحاب کہف کے نام اس طرح ذکر کیے ہیں۔ مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، وبینونس، سارینونس، ذونوانس، کشفیططنونس۔ یہ آخری شخص چرواہا تھا اور کتے کا نام قطمیر تھا۔ "فلا تمار فیھم" ان کے بارے میں نہ جھگڑا کیجئے اور نہ ہی ان کے عدد اور شان کے بارے میں گفتگو کیجئے۔ "الا مراءً ظاھرًا" جو ہم نے تمہارے سامنے بیان کیا ہے وہ صاف ظاہر ہے۔ ان کے متعلق مزید غور وخوض اور بحث ومباحثہ میں نہ پڑو، اس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں۔ "ولا تستفت فیھم منھم" اہل کتاب میں سے "احدًا" ہماری اس بیان کردہ تفصیل کے بعد مزید تحقیق کے لیے کسی کی طرف نہ جاؤ۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ㉓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ㉔ وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ㉕

ترجمہ اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کردوں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (نبوت کی) دلیل بننے کے اعتبار سے اس سے بھی نزدیک تر بات بتلا دے اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور رہے۔

تفسیر ㉓ "ولا تقولن لشیءٍ انی فاعل ذلک غدًا"

جو کام بعد میں کرنا ہو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہنا چاہئے

㉔ "الا ان یشاء اللّٰہ" جب آپ کل کے دن کسی کام کرنے کا ارادہ فرمائیں تو یہ نہ کہیں کہ میں یہ کام کل کروں گا مگر یہ کہ آپ کہہ دیں کہ ان شاء اللہ یہ اس وجہ سے کہ اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق، اصحاب کہف کے متعلق اور ذی القرنین کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے متعلق کل خبر دوں گا اور ان شاء اللہ نہیں فرمایا، وحی کچھ دن نہ آئی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "واذکر ربّک اذا نسیت" ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن کا قول ہے کہ ان شاء اللہ اگر کہنا بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مستثنیٰ منقطع کو جائز قرار دیا ہے اور کہا کہ ایک سال کے بعد بھی ان شاء اللہ کہنا درست ہے۔ حسن کا قول ہے کہ جب تک مجلس برخاست نہیں ہوئی اس وقت تک اس کو استثناء کا اختیار حاصل ہے اور بعض نے کہا کہ جب زمانہ قریب آجائے اور اگر زمانہ دور ہو جائے تو "فلا" پھر درست نہیں اور ایک جماعت نے اس استثناء کو جائز قرار نہیں دیا۔ الا یہ کہ کلام متصل ہو اور عکرمہ کا قول ہے کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت تم کو غصہ آئے تو اللہ کو یاد کرو۔ وہب کا قول ہے کہ انجیل میں آیا ہے کہ اے ابن آدم! تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر، جب مجھے غصہ آئے گا تو میں بھی تیری یاد کروں گا۔

ضحاک اور سدی کا بیان ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم نماز سے متعلق ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے تو پڑھ لو۔ "وقل عسیٰ أن یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدًا" آپ کو ایسے راستے پر ثابت قدم رکھے گا جو اس کے زیادہ قریب کرنے والا ہوگا۔

بعضوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ جب کوئی چیز بھول جائیں تو اس کو یاد کریں اور یہ کہو کہ اُمید ہے کہ اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کردے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی۔ یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچادے گا۔

بعض علماء نے کہا کہ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کے متعلق پوچھا اور اللہ نے اصحاب کہف کا قصہ بیان کردیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتادیں کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہان نبوت عطا کردے گا۔ چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاء کے علوم بلکہ ماضی اور مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرمادیئے۔ اصحاب کہف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کی سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء مرسلین کے علوم وگزشتہ

اور آئندہ کے واقعات وحالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ اور پھر یاد آ جائے تو ان شاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو "عسٰی أن یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدًا"......

25 "ولبثوا فی کھفھم" اس سے اصحاب کہف مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اہل کتاب ہی کا قول ہے کہ انہوں نے اس طرح کہا تھا۔ اگر یہ خبر اللہ عزوجل کی طرف سے ہے ان کے ٹھہرنے کی مدت کے برابر۔ پھر اس کو اس طرح نہ فرماتے "قل اللّٰہ اعلم بما لبثوا" اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنی مدت وہاں ٹھہرے رہے۔ یہ حضرت قتادہ کا قول ہے اور اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ وقالوا "لبثوا فی کھفھم" پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی اور ارشاد فرمایا "قل اللّٰہ اعلم بما لبثوا" اور دوسرے قراء کا قول ہے کہ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کی جانب ہی سے ہے کہ اللہ ہی ان کی مدت ٹھہرنے کو جانتا ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

باقی رہا وہ فرمان "قل اللّٰہ اعلم بما لبثوا" اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کے متعلق آپ نے ذکر کر دیا اور آخر میں یہ حکم دے دیا کہ اب اگر یہ لوگ تعیین مدت میں نزاع کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو، اللہ ان کی مدت قیام سے بخوبی واقف ہے اور ان کی مدت لبث میں نے تمہیں بتلا دی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ہی یہ قول ہے غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت "اللّٰہ اعلم بما لبثوا" میں اس کی تردید فرمائی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری ہے۔ اللہ ہی کو اس کا علم ہے وہی بخوبی واقف ہے۔ "ثلث مائة سنین" حمزہ اور کسائی کے نزدیک "ثلثمائة" بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔

سوال کیا جائے کہ "ثلث مائة سنین" ذکر فرمایا۔ "سنة" ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ولبثوا فی کھفھم ثلثمائة" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس سے مراد دن ہیں، مہینے ہیں یا سال ہیں۔ پھر یہ "سنین" نازل ہوا۔ فراء کا قول ہے عرب میں مشہور ہے کہ وہ سنین بول کر ایک سال مراد لیتے تھے اور بعض نے کہا کہ اصحاب کہف تین سو سال وہاں ٹھہرے رہے۔ "وازدادوا تسعًا" کلبی کا قول ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ تین سو برس رہنے کا علم تو ہم کو بھی ہے مزید نو برس رہنے کا علم ہمیں نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا لَهٗ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِهٖ وَاَسۡمِعۡ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا 26 وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا 27

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کے رہنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ سننے والا ہے ان کا خدا کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے اور

آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ سے آئی ہے وہ پڑھ دیا کیجئے اس کی باتوں کو (یعنی وعدوں کو) کوئی بدل نہیں سکتا اور آپ خدا کے سوا اور کوئی پناہ نہ پاویں گے اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے۔

تفسیر ⑳ "قل اللہ اعلم بمالبثوا" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف شمسی حساب سے تین سو برس تک سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال شمسی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہو گئے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے فرمایا "وازدادو اتسعًا"

"لہ غیب السموٰت والارض" غیب جو چیز تمہارے ادراک سے پوشیدہ ہو اور اللہ عزوجل کے ادراک سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ "ابصربہ واسمع" اس موجود کل میں جو بھی دیکھنے والا ہے ان سے زیادہ خوب دیکھنے والا اور ان سب سے زیادہ سننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ دیکھنے میں اور نہ ہی سننے میں۔ "مالھم" نہیں ہے اس کے سواء جو زمین و آسمان میں ہے۔ "من دونہ" اللہ کے سوا "من ولی" کوئی مددگار "ولا یشرک فی حکمہ احدًا" ابن عامر و یعقوب "ولا تشرک" تاء کے ساتھ پڑھا ہے خطاب کا صیغہ اور دوسرے قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں۔ بعض نے کہا کہ حکم سے یہاں غیب کا علم مراد ہے۔ اس کے علم غیب میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

㉗ "واتل ماوحی الیک" اس کو پڑھیے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "ما اوحی الیک من کتاب ربک" اس کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کیجئے۔ "لامبدل لکلماتہ" کلبی کا قول ہے کہ قرآن میں جس کا حکم دیا گیا ہے اس کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور بعض کا قول ہے کہ گناہگاروں کو جو ان کلمات سے وعید سنائی گئی ہے اس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ "ولن تجد" اور تم۔ "من دونہ" اگر آپ قرآن کی اتباع نہیں کریں گے۔ "ملتحدًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد چھپنے کی جگہ۔ حسن کا قول ہے کہ جائے قرار نہیں ملے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ٹھکانا نہیں ملے گا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے مھرب۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰهُ وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ㉘ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ㉙

ترجمہ: جو صبح و شام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے ہٹنے نہ پاویں اور ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا چاہئے

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا (یہ) حال حد سے گزر گیا ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ (یہ دین) حق تمہارے رب کی طرف سے (آیا) ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لے آوے اور جس کی جی چاہے کافر رہے بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس کی آگ کی قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی اور اگر (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جاوے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا مونہوں کو بھون ڈالے گا کیا ہی برا پانی ہوگا اور وہ دوزخ (بھی) کیا ہی بری جگہ ہوگی۔

واصبر نفسک کا شان نزول

تفسیر ㉘ "واصبر نفسک" اس آیت مذکورہ کا نزول عیینہ بن حصن فزاری کے حق میں ہوا۔ یہ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسی بھی تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آ رہا تھا۔ عیینہ بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دُکھ نہیں پہنچتا۔ ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں، اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کی اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹا دیں تو ہم آپ کا اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لیے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے جدا کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "واصبر نفسک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے نفس کو ان سے روکے رکھیے۔

"**مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی**" اس سے دن کے اطراف مراد ہیں۔ "**یریدون وجھہ**" یہ لوگ جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں یہ صرف اللہ کو چاہتے ہیں نہ کہ دُنیاوی زندگی میں سے کچھ حصہ۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کا نزول اصحاب صفہ کے بارے میں ہوا جن کی تعداد سات سو تھی۔ یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فروکش تھے، نہ کسی کی کھیتی تھی اور نہ ہی دودھ کے جانور نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے، ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لیے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جمے رہنے کا حکم دیا۔ "**ولا تعد**" نہ ان سے پھیریئے اور نہ ہی تجاوز کیجئے۔ "**عیناک عنھم**" اپنے غیر کی طرف سے۔ "**ترید زینۃ الحیاۃ الدنیا**" دولت مندوں کے ساتھ بیٹھنے اور مال دار دُنیاداروں کی مصاحبت اختیار کرنے کے لیے تم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرنے والے (نادار) لوگوں سے آنکھیں پھیر لو، ایسا نہ کرو۔

"**ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا**" ہم نے ان کے دلوں کو ذکر کرنے سے غافل کر دیا۔ اس سے مراد عیینہ بن حصن ہے۔ بعض نے کہا کہ اُمیہ بن خلف ہے۔

"**واتبع ھواہ**" ان کی مراد صرف اپنی خواہشات کا حصول ہے۔ "**وکان امرہ فرطاً**"

فرطاً کی تفسیر

قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی ضیاعاً ہے یعنی ضائع شدہ کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا امر ضائع ہو گیا اور زندگی کے دن رائیگاں گئے۔ بعض نے فرطاً کا معنی ندامت بیان کیا ہے۔ مقاتل ابن حیان کا قول ہے کہ بیکار چھوڑا ہوا۔

فراء نے ان کا ترجمہ کیا ہے چھوڑا ہوا اور بعض نے اس کا ترجمہ باطل سے کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے مخالف حق۔ اخفش کا قول ہے کہ حد سے آگے بڑھا ہوا۔ بعض نے کہا کہ حد میں تجاوز کرنا، یہ قول عیینہ کا ہے کہ اگر ہم اسلام لے آئے تو ہمارے سب لوگ اسلام لے آئیں گے، اس کو افراط کہتے ہیں۔

㉙ "**وقل الحق من ربکم**" یعنی جو ہم نے ایمان اور قرآن کے بارے میں ذکر کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو کہہ دیجئے کہ جن لوگوں کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہیں کہ اے لوگو! یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے اور اسی کی طرف توفیق اور رُسوائی ہے اسی کے ہاتھ میں ہدایت اور گمراہی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس ہدایت نہیں۔ "**فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر**" اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بطور تہدید اور وعید کے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**اعملوا ماشئتم**" بعض نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے میں مؤمنین کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں ہوں، تمہاری خواہشات کی بناء پر اگر تم چاہو تو ایمان لے آؤ اور اگر تم چاہو تو کفر اختیار کرو، اگر تم انکار کرو گے تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں تمہیں گھیر لیں گی۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے تو تمہیں بھی انہیں صفات کے ساتھ متصف کیا جائے گا جو اطاعت کرنے والوں کو ملیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیں گے ایمان کو قبول کریں گے اور جس کے لیے کفر چاہیں گے وہ کافر رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ**"......

"**انا اعتدنا للظالمین**" ہم نے ان کے لیے شمار کر کے رکھا ہے۔ "**نارًا احاط بھم سرادقھا**" سرادق آڑ کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرادق النار چار دیواریں ہوں گی، ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سرادق النار سے مراد آگ کی دیوار ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آگ کی لپٹ ہوگی جو کافروں کو باڑہ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض حضرات نے کہا کہ ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا ذکر آیت "**انطلقوا الی ظل ذی ثلث شعب**" میں کیا ہے۔ "**وان یستغیثوا**" اگر شدت پیاس کی وجہ سے وہ پانی مانگیں گے۔ "**یغاثوا بماء کالمھل**"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**بماء کالمھل**"

کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ سیاہ ہوگیا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ یا وہ گاڑھا پانی ہوگا زیتون کے تیل کی گاد کی طرح۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا معنی لہو، پیپ، خون۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر پگھلایا جب پگھل گیا تو فرمایا کہ یہ مھل کی طرح ہے اور اس کے ہم شکل ہے۔

"یشوی الوجوہ" اس کے گرم ہونے کی وجہ سے وہ چہرے کو بھون ڈالے گا۔ "بئس الشراب وساء ت" اس سے مراد آگ ہے۔ "مرتفقا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ منزل (فرودگاہ) سے کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ مجتمع سے کیا ہے۔ عطاء نے اس کا معنی قرارگاہ سے کیا ہے۔ قتبی نے اس کا ترجمہ مجلس سے کیا ہے، مرتفق اصل میں ٹیک لگانے کو کہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ وَّیَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ۝۳۱ وَاضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَیۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِہِمَا جَنَّتَیۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰہُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَیۡنَہُمَا زَرۡعًا ۝۳۲ کِلۡتَا الۡجَنَّتَیۡنِ اٰتَتۡ اُکُلَہَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡہُ شَیۡئًا ۙ وَّفَجَّرۡنَا خِلٰلَہُمَا نَہَرًا ۝۳۳

ترجمہ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے (پس) ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے (مساکن کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا صلہ ہے اور (بہشت) کیا ہی اچھی جگہ ہے اور آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں (باغوں) کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پھس میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی اور ان دونوں کے درمیان میں نہر چلا رکھی تھی۔

تفسیر ۳۰ "ان الذین امنوا ...... تا ...... احسن عملاً" اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس فرمان کا جواب کہاں ہے "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات" اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "اولئک لھم جنات عدن تجری" اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "انّا لانضیع اجر من احسن عملاً" یہ کلام جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ بعض نے کہا کہ اس میں اضمار ہے۔ "انّ الذین آمنوا وعملوا الصالحات" ان لوگوں کے اعمال کو ہم ضائع نہیں کرتے بلکہ ہم ان کو اس کا بدلہ دیں گے۔ پھر اس کے بعد جزاء کا ذکر فرمایا۔

㉛ "اولئک لھم جنات عدن" ان کے رہنے کی جگہ۔ اس کو عدن کے ساتھ تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مؤمنین ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

"تجری ...... تا ...... من ذھب" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو تین تین کنگن پہنائے جائیں گے۔ ایک سونے کا ایک چاندی کا اور ایک جواہر اور موتیوں کا۔ "ویلبسون ثیابًا خضر من سندس" باریک ریشمی کپڑا "واستبرق" موٹا ریشمی کپڑا۔ یعنی اس کی بناوٹ میں مضبوطی ہوگی۔ "متکئین فیھا" مسہریوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ "علی الارائک" وہ پردے مسہری کے ہوں گے اس کا واحد اُریکہ ہے۔

"نعم الثواب" ان کے لیے اچھا بدلہ ہے۔ "وحسنت" ان کی مسہری "مرتفقًا" بیٹھنے کی جگہ اور قرار کی جگہ مراد ہے۔

رجلین سے کون سے دو فرد ہیں

㉜ "واضرب لھم مثلاً رجلین" کہا گیا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخزوم کے دو بھائی رہتے تھے۔ ایک مؤمن تھا دوسرا کافر، مؤمن کا نام ابوسلمہ عبداللہ (اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سابق شوہر) بن عبدالاسود بن عبد یالیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبدالاسود بن عبد یالیل انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تحقیق بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے جن میں سے ایک کا نام برقول ابن عباس یہودا اور برقول مجاہد تملیخا تھا اور دوسرے کا نام قطروس اور برقول وہب قطفر تھا۔ اوّل مسلمان تھا دوسرا کافر، سورۂ والصافات میں بھی انہی کا قصہ بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن مالک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

ایک شخص کے دو بیٹے تھے، دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے۔ دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا، ایک بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی، دوسری نے ہزار دینار خیرات کر دیئے اور کہا اے اللہ! میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے، میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں۔ اوّل شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دُعا کی، اے اللہ! اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے، میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدتا ہوں۔ پھر اوّل شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی اور دوسرے نے ہزار دینار راہِ خدا میں دے کر کہا اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی جنت کی عورت سے میرا نکاح کر دے۔ پھر اوّل شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی غلام اور گھر کا سامان خریدا اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا

مجھے بھائی کے پاس جانا چاہیے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے۔ یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جابیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزرا اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے؟ اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں، آپ کے پاس کچھ بھلائی کی اُمید لے کر آیا ہوں، دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے، چلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا۔ غرض اس نے غریب کو دھتکار دیا۔ آخر دونوں مر گئے اور ان ہی کے متعلق آیت "فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسآءَلُوْنَ" نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھرا کر سب طرح کا مال دکھایا۔

ان دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "واضرب لھم مثلاً رجلین" یاد کیجئے ان دو شخصوں کے متعلق خبر۔ "جعلنا لاحدھما جنتین" دو باغ ہیں۔ "من اعناب وحففناھما بنخل" انگور کے باغوں کے گرداگرد باڑھ کی طرح کھجور کے درخت تھے۔ انگور کے باغ کھجور کے درختوں کے باڑھ کے اندر تھے۔ والحفاف کنارے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع "أحفة" آتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے اس کو قوم نے گھیر لیا۔ یعنی اس کو جانبین نے اردگرد سے گھیر لیا۔

"وجعلنا بینھما ذرعًا" یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بنجر نہ تھی بلکہ اس میں ایک کھیتی تھی۔ اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور بعض نے کہا کہ ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی اور ان دونوں باغوں کے درمیان بنجر زمین نہیں تھی۔

㉝ "کلتا الجنتین آتت" دونوں باغ اپنے پورے پھل دیتے تھے۔ "اکلھا" اس کے پھل تام (مکمل) تھے۔ "ولم تظلم" اور وہ پھل کم نہیں ہوئے۔ "منہ شیئًا وفجرنا" عام قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یعقوب نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "خلالھما نھرًا" ہم نے اس کو پھاڑا اور اس کے درمیان سے نہر کو جاری کیا۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ㉞ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ㉟ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ㊱ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ㊲ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ㊳

ترجمہ: اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو (ایک بار) اپنے اس (دوسرے) ملاقاتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے اور وہ اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا (اور) کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ (میری مدت حیات میں) کبھی

بھی برباد ہوا اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آوے گی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ مجھ کو ملے گی اس سے اس کے ملاقاتی نے (جو کہ دیندار اور غریب تھا) جواب کے طور پر کہا کہ کیا تو اس ذات (پاک) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو (اول) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھ کو صحیح وسالم آدمی بنایا لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا رب (حقیقی) ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

تفسیر ㉞ "و کان له" اور اس کے ساتھی کے پاس باغ تھے۔ (ثمر) عاصم اور ابو جعفر اور یعقوب کے نزدیک ثاء کے فتحہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ۔ ابو عمرو نے ثاء کے ضمہ اور میم کے ساکن کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

ثمرہ کے مصداق میں ائمہ مفسرین کے اقوال

جمع ثمرۃ ہے اور اس سے مراد وہ پھل ہیں جو کھائے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ثمر پڑھا ہے ان کے نزدیک طرح طرح کا کثیر مال مراد ہوگا اور جنہوں نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے ان کے نزدیک مال کثیرہ سے مراد ہر قسم کے اموال ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ثمر سے مراد سونا چاندی ہے اور بعض نے کہا کہ تمام پھل مراد ہیں۔ ازہری کا قول ہے کہ پھل جو تمام پھلوں کا مجموعہ ہے۔ "فقال" اس سے باغ کا مالک ہے۔ "لصاحبه" اس سے مراد مؤمن ہے۔ "وهو يحاوره" اس کے مخاطب ہوتے وقت اور جواب دیتے وقت "أنا اكثر مالاً واعزّ نفرًا" اس کے نوکر، چاکر اور اس کی جماعت۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کے خدمت گار اور اس کا جاہ ولشکر۔ مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد اس کی اولاد ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "ان ترن أنا اقل منک مالاً وولدًا"

㉟ "ودخل جنته" اور وہ اس کے باغ میں داخل ہوا۔ اس سے مراد کافر ہے کہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کا ہاتھ پکڑا اور اس کو پورے باغ میں چکر لگوایا اور اس کو پھل دکھائے۔ "وهو ظالم لنفسه" اپنے کفر کے ذریعے "قال ما اظن أن تبيدًا" اس کا معنی ہلاکت سے کیا ہے۔ "هذه ابدًا" اہل معانی کا قول ہے کہ اس باغ کی شادمانی اور اس کے پھل پھول کے چمکنے نے اس کو اس گمان میں مبتلا کر دیا کہ وہ کبھی بھی فنا ہونے والا نہیں ہے اور اسی سے اس نے بعثت کا انکار کر لیا۔

㊱ "وما اظن الساعة قائمةً" قیامت ہونے والی ہے۔ "ولئن رددت الى ربى لاجدنّ خيرًا منها منقلبًا" اہل حجاز اور اہل شام نے اس کو تثنیہ ہی پڑھا ہے۔ اس کے دو باغوں میں سے ملے گا۔ (اور اسی طرح میرے لیے ہی مقدر ہوگا) اور دوسرے قراء نے "منها" سے مراد وہ باغ ہے جس میں وہ ابھی داخل ہوا۔ "منقلبًا" اس سے مراد رجوع کرنے والا لوٹنے والا امر اد ہے۔

سوال کیا جائے کہ وہ یہ بات کیسے کہتا ہے "ولئن رددت الى ربى" حالانکہ وہ تو بعثت کا منکر ہے؟

جواب اس کا معنی یہ ہے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو مجھے اس سے بہتر ملے گا کیونکہ اللہ نے جو کچھ مجھے دُنیا میں یہ باغات دیئے تو آخرت میں اس سے بھی بہتر دے گا۔

㊲ "قال له صاحبه" مسلمان بھائی نے کہا۔ "وهو يحاوره أكفرت بالذى خلقك من تراب" کہ

تو نہیں جانتا کہ اس نے ہمیں اصل مٹی سے پیدا کیا۔ "ثم" پھر اس نے ہمیں پیدا کیا۔ "من نطفة ثم سواک رجلا"، پھر ہر شخص کو اس کے باپ کے نطفہ سے پیدا کیا۔

㊳ "لکنا هو الله ربی" ابن عامر اور یعقوب نے "لکنّا" الف کے ساتھ لکھا ہے اور باقی قراء نے بغیر الف کے لکھا ہے اور اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وقف کی حالت میں یہ الف کے بغیر ہے۔ یہ اصل میں "لکن، أنا" تھا۔ ہمزہ کو تخفیف کے لیے حذف کیا، کثرت استعمال کی وجہ سے پھر ان دونوں نون کو آپس میں مدغم کر دیا۔ کسائی کا بیان ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ "لکنا الله هو ربّی"......"ولا اشرک بربی أحدًا"

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ㊴ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ㊵ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ㊶ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ㊷ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ㊸ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ㊹

ترجمہ: اور تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اور بدوں خدا کی مدد کے (کسی میں) کوئی قوت نہیں اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دے دے اور اس (تیرے) باغ پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ دفعۃً ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر (زمین میں) اتر (کر خشک ہو) جاوے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے اور اس شخص کے سامان تمول کو آفت نے آ گھیرا پھر اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود (ہم سے) بدلہ لے سکا ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہے اسی کا ثواب سب سے اچھا اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔

تفسیر: ㊴ "ولولا اذ دخلت جنتک" داخل ہوتے وقت تم نے کیوں نہیں کہا۔ "قلت ما شاء الله" جو کام اللہ چاہے اور بعض نے کہا کہ اس کا جواب پوشیدہ ہے کہ جو اللہ چاہے۔ "لاقوّة الّا بالله" یعنی تو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا یا اس سے کوئی چیز دور نہیں کی مگر اللہ کے سوا۔

ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ عروہ کو جب اپنا کوئی مال پسند آتا اور عجیب معلوم ہوتا تھا یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے "ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ" پھر فرمایا "ان ترن انا اقل منک مالاً وولدًا" اقل کونصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اگر چہ تو دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے اس وجہ سے تو نے تکبر کیا اور مجھ پر بڑائی کی۔

⑩ "فعسی ربی" شاید کہ میرا رب "أن یوتین" مجھے آخرت میں عطا کرے۔ "خیرًا من جنتک ویرسل علیھا" تیرے باغ پر کوئی عذاب بھیج دے۔ "حسبانًا" قتادہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب ہے عذاب بھیج دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے آگ مراد ہے۔ قتیبی کا قول ہے کہ اس پر پتھریلا طوفان آجائے گا۔ "من السماء" آسمان سے کڑک اور کوئی اور چیز ہلاکت کا ذریعہ بن رہی ہو۔ "حسبانًا" کا واحد "حسبانۃ" ہے۔

"فتصبح صعیدًا زلقًا" یعنی وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے۔ یعنی کوئی درخت اس پر باقی نہ رہے، صاف میدان ہو جائے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ہے ہولناک ریگستان۔

⑪ "او یصبح ماؤھا غورًا" وہ پانی ہاتھوں سے اتنا دور چلا جائے کہ ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں اور نہ ہی اس تک ڈول پہنچ سکے۔ غور مصدر ہے اس کو اسم کی جگہ رکھ دیا گیا ہے جیسے زور اور عدل ہے۔ "فلن تستطیع له طلبًا" اگر تم اس کو طلب کرو گے تو اس کو نہیں پاؤ گے۔

⑫ "واحیط بثمرہ" عذاب نے اس کے باغ کے پھلوں کو یا ہر طرح کے مال کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور خلاف اُمید تباہ کر دیا۔ احاطہ سے مراد ہے غالب آ جانا، برباد و تباہ کر دینا۔ "فاصبح" اس کا ساتھی جو کافر تھا۔ "یقلب کفیه" وہ ایک ہاتھ کے ذریعے سے دوسرے ہاتھ کو پونچھنے گا افسوس و حسرت کے ساتھ۔ "علی ما انفق فیھا وھی خاویة" اور وہ گر پڑا ہے۔ "علی عروشھا" اپنی چھتوں کے ساتھ۔ "ویقول یالیتنی لم اشرک بربی احدًا"

⑬ "ولم تکن له فئة" اس سے مراد جماعت ہے۔ "ینصرونه من دون اللّٰہ" وہ اللہ کے عذاب سے روکنے والے ہیں۔ "وما کان منتصرًا" کوئی شخص نہیں تھا جو اس سے عذاب کو روک سکتا تھا یا اس کا بدلہ لے سکتا اور نہ ہی یہ خود اپنے لیے مدد کر سکتا۔ بعض نے کہا کہ اس کے باغ ضائع ہونے پر کوئی اس کو لوٹانے والا نہیں ہے۔

⑭ "ھنالک الولایة للّٰہ الحق" یعنی قیامت کے دن حمزہ اور کسائی نے "الولایة" واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد سلطان ہے اور دوسرے قراء نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس سے مراد موالدۃ اور مددگار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللّٰہ ولی الذین آمنوا" قتیبی کا قول ہے کہ اس دن یہی آیت پڑھیں گے اور معبودان باطلہ کی برأت اختیار کریں گے۔

بعض نے کہا کہ ولایۃ واؤ کے فتحہ کے ساتھ معنی ربوبیت کا ہے اور کسرہ کے ساتھ اس کا معنی امارۃ آتا ہے۔ (الحق) قاف کے رفع کے ساتھ۔ ابو عمرو کسائی نے اس کو ولایۃ کی صفت کہا ہے۔ اس کی تصدیق حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے "ھنالک الولایة للّٰہ الحق" اور دوسرے قراء نے جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ لفظ اللہ کی صفت ہوگی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم ردّوا الی اللہ مولاھم الحق"......"ھو خیرٌ ثواباً" اہل طاعات کے لیے بہتر بدلہ ہے۔ "وخیر عقبا" اس کی نیکی کا اجر بہتر ہے دوسرے کی طاعت کے اجر سے۔ "عاقبۃ" سے مراد نیکی ہے۔ "عقبًا" قاف کے سکون کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿45﴾ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ﴿46﴾ وَيَوۡمَ نُسَيِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَى الۡاَرۡضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿47﴾ وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ لَكُمۡ مَّوۡعِدًا ﴿48﴾

ترجمہ اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمایئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اس دن کو یاد کرنا چاہئے جس دن ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کو جمع کر دیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب کے سب آپ کے رب کے روبرو کھڑے کر کے پیش کئے جاویں گے دیکھو آخر تم ہمارے پاس آئے بھی جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے۔

تفسیر ⑮ "واضرب لھم" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کو بیان کیجئے۔ "مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلنٰہ من السماء" اس سے مراد بارش ہے۔ "فاختلط بہ نبات الارض" اس سے ہر قسم کے رنگ دار پھول و سبزہ اُگایا۔ "فاصبح" پھر تھوڑی ہی دیر میں (ھشیما) وہ سبزہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہوگیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ ہشیم کہا جاتا ہے کہ جو خشک ہو جائے اور نباتات سے گر جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ "تذروہ الریاح" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کو ہوائیں اِدھر اُدھر لے جائیں۔ ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ "وکان اللہ علی کل شیءٍ مقتدرًا" اس کا ترجمہ قادر ہے سے کیا ہے۔

⑯ "المال والبنون" یعنی وہ مال و اولاد جن پر عیینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے۔ محض دُنیاوی رونق کی چیزیں ہیں۔ آدمی ان پر فخر کرتا ہے، پھر عنقریب یہ چیزیں فنا ہو جاتی ہیں۔ "زینۃ الحیوۃ الدنیا" یہ آخرت کے لیے زادِ راہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مال اور اولاد دُنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لیے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ "والباقیات الصالحات" اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

باقیات صالحات سے کیا مراد ہے' مختلف اقوال ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سبحان الله والحمد لله ولا الله الا الله والله اکبر کہنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل کلام چار ہیں۔ سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم باقیات الصالحات کی کثرت رکھو، کہا گیا کہ وہ کیا ہیں، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کہ ملت ہے۔ کہا گیا وہ کیا ہے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا (ملت سے مراد) تکبیر تہلیل اور تسبیح ہے اور الحمد لله ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ مسروق اور ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ الباقیات الصالحات سے پانچ نمازیں ہیں۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور انہی سے دوسری روایت ہے کہ اس سے اعمال صالحہ ہیں۔ یہی قول حضرت قتادہ کا ہے۔ "خیر عند ربک ثوابًا" اس سے مراد بدلہ ہے۔ "وخیرا أملا" جس کی طرف انسان مائل تھا۔

㊼ "ویوم نسیر الجبال" ابن کثیر اور ابوعمرو اور ابن عامر کا قول ہے کہ یہ (تسیر) ہے تاء کے ساتھ اور یاء فتحہ کے ساتھ اور الجبال مرفوع ہے اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے "واذا الجبال سیّرت" اور دوسرے قراء نے نون اور یاء کے کسرہ (الجبال) یہاں پر منصوب ہے۔ سیر الجبال کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ "وتری الارض بارزةً" اس زمین کو صاف چٹیل دیکھو گے۔ اس میں نہ تو کوئی درخت ہوگا اور نہ ہی کوئی پہاڑ اور نہ ہی کوئی گھاس وغیرہ اگے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فیذرھا قاعاً صفصفا لا تری فیھا عوجًا" عطاء کا قول ہے کہ "بارزة" کا مطلب ہے زمین کا اندرونی حصہ اوپر آ جائے گا جو مُردے وغیرہ اس کے اندر ہوں گے وہ برآمد ہو جائیں گے۔ "وحشرناھم" اور ہم لوگوں کو قبروں سے اُٹھائیں گے اور حساب کتاب کے لیے سب کو جمع کریں گے۔ "فلم نغادر منھم" کسی کو ہم نہیں چھوڑیں گے۔ "احدًا"

㊽ "وعرضوا علی ربّک صفا" وہ سامنے لائے جائیں گے فوج در فوج اور صف در صف نہ کہ ایک صف میں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیام ہے۔ پھر کفار کو کہا جائے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان "لقد جئتمونا کما خلقناکم اوّل مرّة" یعنی پہلی مرتبہ زندہ کرنے میں اس کو کوئی مشکل نہیں۔ بعض نے اس کا ترجمہ (فرادی) سے کیا ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ غرلاً سے کیا ہے۔ "بل زعمتم أن لن نجعل لکم موعدًا" قیامت کے دن یہ وہ لوگ کہیں گے جو قیامت کے دن اُٹھنے پر یقین نہیں رکھیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین طریقوں سے جمع کیا جائے گا۔ کچھ اللہ سے اُمید کی رغبت رکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے اور دو دو اونٹوں پر آئیں گے اور تین و چار اور دس دس اونٹ پر آئیں گے اور باقیوں کو آگ کے ساتھ جمع کیا جائے گا، وہ آگ انہی کے ساتھ دن کو قیلولہ کرے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے اور آگ وہیں رُکے گی جہاں رات گزاریں گے اور آگ ان کے ساتھ صبح کرے گی جہاں وہ صبح کریں گے اور ان کے ساتھ وہ شام کرے گی جہاں وہ شام کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کو قیامت کے دن قبروں سے اُٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لیجایا جائے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "**کما بدأنا اوّل خلق نعیدہ**" پھر سب مخلوقات میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم صحابی ہیں صحابی ہیں تو ان کو کہا جائے گا کہ تم برابر پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے یا اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ گئے تھے جب میری وفات ہوگئی تھی۔ جیسا کہ ایک نیک شخص اس بارے میں گواہی دے گا "**وکنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم، العزیز الحکیم**" تک۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے قیامت کے دن سب کو جمع کیا جائے گا؟ برہنہ پا، برہنہ جسم، غیر مختون۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتیں بھی، فرمایا عورتیں بھی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت حیا ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا کہ کوئی کسی دوسرے کو دیکھ بھی نہیں سکے گا۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا 49
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا 50 **مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا** 51

ترجمہ: اور نامہ اعمال رکھ دیا جاوے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کیے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ (چھوڑا) اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا اور جب کہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز

کے وہ جنات میں سے تھا سواس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا سو کیا پھر بھی تم اس کو اوراس کے چیلے چانٹوں کو دوست بناتے ہو مجھ کو چھوڑ کر حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے میں نے ان کو نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت (بلایا) اور میں ایسا (عاجز) نہ تھا کہ (کسی کو خصوص) گمراہ کرنے والوں کو اپنا (دست) بازو بناتا۔

تفسیر ⑲"ووضع الکتاب" بندوں کے اعمال نامے رکھے جائیں گے، ان کے دائیں ہاتھ میں اور بائیں ہاتھ میں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال رکھے جائیں گے۔ "فتری المجرمین مشفقین" وہ اس سے ڈر رہے ہے "ممافیہ" اعمال سیئہ کی۔ "ویقولون" جب وہ ان اعمال کو دیکھیں گے تو کہیں گے "یاویلتنا" ہائے ہماری ہلاکت۔ ویل اور ویلہ دونوں کا معنی ہلاکت ہے اور ہر وہ چیز جس پر ہلاکت واقع ہو جائے۔ اس کو ویل کے ذریعے پکارتے ہیں اور یاء ندا کے ذریعے سے مخاطبین کو تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

"مال ھذا الکتاب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ" ہمارے گناہوں میں سے نہ چھوٹے گناہ چھوڑے اور نہ ہی بڑے گناہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ صغیرہ سے مراد بے جا تبسم اور کبیرہ گناہ قہقہہ ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صغیرہ کا معنی ہے چھولینا، بوسہ لینا اور کبیرہ زنا ہے۔ "الا احصاھا" ان کو شمار کر دیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو لکھ کر ثابت کر دیا ہے۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ ان سب کو یاد رکھا ہے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان گناہوں سے بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی کے اندر اُترے ہوں، پھر کوئی ایک لکڑی لائے، کوئی دوسری لکڑی اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے لوگ روٹی پکالیں، حقیر گناہ ہلاک کرنے والے کبائر ہیں۔

"ووجدوا ماعملوا حاضرًا" وہ اپنی کتاب میں لکھا ہوا ثبت پائیں گے۔ "ولا یظلم ربک احدًا" کسی شخص کے نیک اعمال سے کمی نہیں کرے گا۔

قیامت کے دن لوگوں کو تین پیشیوں کے ساتھ پیش کیا جائیگا

ضحاک کا قول ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس بات سے جو اس نے جرم نہ کیا ہو۔ عبداللہ بن قیس کا قول ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین پیشیوں میں لایا جائے گا دو پیشیوں میں ان کے جھگڑے اور ان کے اعذار سنے جائیں، تیسری پیشی میں سب کے اعمال نامے اُڑ کر ان کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ بعض اس کو دائیں ہاتھ سے لیں گے اور بعض اس کو بائیں ہاتھ سے لیں گے۔

⑳"واذقلنا للملائکۃ اسجدوا لادم" یاد کریں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت کو جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ "فسجدوا الاّ ابلیس کان من الجن" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ کے ہی ایک گروہ میں تھا۔

اس گروہ کو جن کہا جاتا تھا اور اس کی تخلیق لپٹ والی آگ سے ہوئی تھی۔ حسن کا قول ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا نہ کہ فرشتوں میں سے اور اس کی اصل جن تھا جیسا کہ انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ "ففسق" وہ نکل گیا۔ "عن امر ربه" اپنے رب کی طاعت سے۔ "افتتخذونه" اے بنی آدم! "وذریته اولیاء من دونی وهم لکم عدو" اور وہ سب تمہارے دشمن تھے۔

کیا شیطان کی ذریت ہے

مجاہد سے شعبی کے حوالے سے روایت ہے کہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے "افتتخذونه و ذریته اولیاء من دونی" کہ اولاد بغیر بیوی کے نہیں ہوسکتی۔ میں نے کہا جی ہاں۔ قتادہ نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح توالد وتناسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دُم اپنے دبر میں داخل کرلیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہوجاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطان کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔

شیطان کی کنیت اور اس کی قسمیں

مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقیس، ولہان، ہفاف، مرہ، ذلنبور، اعور، مطوس، یثور، واسم، ولہان، وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابومرہ مشہور ہے۔ ذلنبور بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تناسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک ماردیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ یثور مردہ کے وارثوں کے منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ واسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو یہ شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کیے آدمی کھانے لگتا ہے تو واسم بھی اس کے کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔ اعمش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹا نظر آیا، میں نے کہا اس کو یہاں سے اُٹھاؤ، پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا یہ واسم ہے واسم ہے۔

حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے وسوسے سے بچتے رہو۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے۔ خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا

رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان دخل انداز ہو جاتا ہے اور نماز کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔ (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے، جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم" پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھتکار دو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں) روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آ کر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کیے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا، پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بیوی میں علیحدگی کرادی۔ ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا، پھر اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔ اعمش کا بیان ہے میرا خیال ہے راوی نے یہ بھی کہا، پھر ابلیس اس کو چمٹالیتا ہے۔ (رواہ مسلم)

"بئس للظالمین بدلاً" قتادہ کا قول ہے کہ جنہوں نے ابلیس واس کے پیروکاروں کا اتباع کیا، ان کا برُا انجام ہے۔

⑤① "مااشھدتھم" جوانہوں نے حاضر کیا۔ ابوجعفر نے پڑھا ہے "ما اشھدناھم" نون والف کے ساتھ اس صورت میں یہ تعظیم کے لیے ہوگا۔ ہم ابلیس اور ان کی ذریت کو حاضر کریں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کفار ہیں۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ "خلق السمٰوات والارض ولا خلق أنفسھم" ان سے کہا جائے گا کہ تم ان کو حاضر کرو جن کو تم نے پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے پر ان سے مدد مانگو اور ان سے مشورہ طلب کرو۔ "وما کنت متخذا المضلین عضدًا" وہ شیطان جس نے تمہیں گمراہ کیا وہ ہی تمہارا مددگار و حامی ہوگا۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ⑤② وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ⑤③ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ⑤④ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ⑤⑤

ترجمہ اور اس دن کو یاد کرو کہ حق تعالیٰ فرما دے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان میں ایک آڑ کر دیں گے اور (اس وقت) مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہ پاویں گے اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں اور (اس پر بھی منکر) آدمی جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان

لانے سے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی امر مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو اس کا انتظار ہو کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب (الٰہی) رو در رو ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔

تفسیر ⑫ "ویوم یقول" حمزہ اور دوسرے قراء نے (نقول) پڑھا ہے۔ اللہ قیامت کے دن ان سے کہیں گے۔ "نادوا شرکائی" اپنے معبودوں کو پکارو "الذین زعمتم" کہ یہ تمہارے شرکاء ہیں۔ "فدعوهم" ان سے مدد طلب کرو۔ "فلم یستجیبوا لهم" یہ نہ تمہاری اس پکار کو سنیں گے اور نہ ہی وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔ "وجعلنا بینهم" ان کے اور بتوں کے درمیان اور بعض نے کہا کہ ان کے درمیان اور اہل ہدایت کے درمیان۔ "موبقًا" ہلاکت کا مقام بنا دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ موبق دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد کا قول ہے گرم پانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ موبق ایک آگ کا دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خچروں کے برابر سانپ ہیں۔

ابن الاعرابی کا قول ہے دونوں چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو اس کو موبق کہتے ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ ہم دُنیا میں ان کے ساتھ جوڑ پیدا کرا کے آخرت میں ہلاک کر دیں گے۔ (یعنی دُنیا میں جو کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان ملاپ اور جوڑ تھا قیامت کے دن ہم اس کو ہلاکت بنا دیں گے) یہی مضمون دوسری آیت "لقد تقطع بینکم" تمہارا باہمی اتصال پارہ پارہ ہو گیا۔

⑬ "ورأی المجرمون" مجرمین سے مراد مشرکین ہیں۔ "فظنوا" وہ یقین کرتے تھے۔ "أنهم مواقعوها" وہ اس میں داخل ہونے والے ہیں یا اس میں گرنے والے ہیں۔ "ولم یجدوا عنها مصرفًا" عدول کرنے والے پھرنے والے نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لینے والی ہوگی۔

⑭ "ولقد صرفنا" ہم نے اس کو کھول کر بیان کر دیا۔ "فی هذا القرآن للنّاس من کل مثل" تا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔ "وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلاً" باطل چیزوں میں وہ جھگڑتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد نضر بن حارث ہے جو قرآن کے متعلق جھگڑا کرتا تھا۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد اُبی بن خلف جمحی ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد کفار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ویجادل الذین کفروا بالباطل" اور بعض نے کہا کہ یہ اپنے عموم پر ہے اور یہی اصح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آ پہنچے اور فرمایا تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری جانیں اللہ کے قبضے میں ہیں، وہ جب آپ کو اُٹھانا چاہتا ہے ہم کو اُٹھا دیتا ہے۔ میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے، مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے۔ "وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلاً"

⑮ "وما منع الناس أن یؤمنوا اذ جاء هم الهدی" اس سے مراد قرآن، اسلام اور اللہ عزوجل کی طرف سے بیان ہے۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ "ویستغفروا ربهم الاّ أن تأتیهم سنة الاوّلین" ہمارا

پہلوں میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے تو ہم ان کو ہلاک کر دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم پہلوں کی طرح کہ جب وہ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں تو پھر ہم ان کے طلب کرنے پر عذاب بھیجتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ کا یہ لایا ہوا دین برحق ہے تو ہم پر پتھر برسایا اور دناک عذاب لے آ۔ "او یاتیھم العذاب قبلا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس کا معنی رو در رو سامنے آنا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا معنی ناگہانی۔ ابوجعفر اور اہل کوفہ کا قول ہے کہ "قُبلاً" قاف کے ضمہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قبیل کی جمع ہوگی، ان پر عذاب کی قسمیں نوع در نوع آئیں گی۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿56﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿58﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿60﴾

ترجمہ: اور رسولوں کو تو ہم صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا کرتے ہیں اور کافر لوگ ناحق کی باتیں پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے حق بات کو بچلا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس (عذاب) سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاوے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں (گناہ) سمیٹ رہا ہے اس (کے نتیجہ) کو بھول جائے ہم نے اس (حق بات) کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور (اس کے سننے سے) ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور (اس وجہ سے) اگر آپ ان کو راہ راست کی طرف بلاویں تو ایسی حالت میں ہرگز بھی راہ پر نہ آویں اور آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت والا ہے اگر ان سے ان کے اعمال پر دارو گیر کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا (مگر ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے واسطے ایک معین وقت ہے (یعنی قوم قیامت) کہ اس سے اس طرف (یعنی پہلے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتے اور یہ بستیاں (جن کے قصے مشہور مذکور ہیں) جب انہوں نے (یعنی ان کے باشندوں نے) شرارت کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لئے وقت معین کیا تھا اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

تفسیر ⑯"وما نرسل المرسلین ...... تا ...... بالباطل" وہ اس بات کے متعلق جھگڑا کرتے تھے کہ کیا اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ولولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا، یہ بھی کافروں نے کہا تھا کہ جوتم ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے اور جو اللہ مار دے وہ حلال نہیں۔ "لیدحضوا" کہ وہ اس کو باطل کر دے۔ "بہ الحق" دحض اصل میں کہا جاتا ہے پھسلنے کو، وہ باطل کے ذریعے سے جھگڑا کر کے حق کو اس کی جگہ سے ہٹا دیں۔ "واتخذوا ایاتی وما انذروا ھزوًا" آیات سے مراد وہ ہیں جو قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔ "ھزوًا" اس کا ٹھٹھا کرتے ہیں مذاق اُڑاتے ہیں۔

⑰"ومن اظلم ممن ذکر" جس کو نصیحت کی گئی ہو۔ "بایات ربہ فاعرض عنھا" اس سے پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ "ونسی ماقدمت یداہ" اور جو وہ اس سے پہلے معاصی میں سے کر چکے تھے۔ "انّا جعلنا علٰی قلوبھم أکنۃ" ان کے کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ "ان یفقھوہ" رب کی طرف سے آیات کے سمجھنے سے عاجز آ گیا۔ "وفی آذانھم وقرًا" ان کے کانوں پر ڈاٹ اور بوجھ پڑے ہوئے ہیں۔ "وان تدعھم" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "الی الھدی" دین کی طرف۔ "فلن یھتدوا اذًا ابدًا" ان قوموں کے متعلق جانتے تھے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

⑱"وربک الغفور ذوالرحمۃ" اس سے نعمت والا ہونا مراد ہے۔ "لو یواخذھم" کفار کا مؤاخذہ ان کا تعاقب "بما کسبوا" گناہوں میں سے جو کچھ انہوں نے کمایا۔ "لعجل لھم العذاب" دُنیا میں عذاب کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ "بل لھم موعدھم" بعث اور حساب کتاب کے لیے۔ "لن یجدوا من دونہ موئلًا" اس کا ٹھکانا۔

⑲"وتلک القریٰ اھلکناھم" اس سے مراد قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور اس کے علاوہ اور قومیں مراد ہیں۔ "لما ظلموا" جب انہوں نے کفر کیا۔ "وجعلنا لمھلکھم موعدًا" مدت میعاد مقرر ہے۔ ابوبکر نے "لمُھلَکھم" میم اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حفص نے میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ نمل میں ذکر کیا گیا۔ "مھلک" ان کی ہلاکت کے وقت دوسرے قراء نے میم کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑳"و اذ قال موسٰی لفتاہ لا ابرح حتّٰی ابلغ مجمع البحرین" عام اہل علم کے نزدیک ان کے باپ کا نام موسیٰ بن عمران ہے اور بعض نے کہا کہ یہ موسیٰ بن میشا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خضر علیہ السلام کی تلاش میں سفر

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز)

موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے کسی نے سوال کرلیا۔ (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، میں۔ اللہ کو موسیٰ کی یہ بات ناپسند ہوئی کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جانے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی، موسیٰ علیہ السلام تم سے زیادہ عالم میرا ایک اور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کیسے ہوگی؟ اللہ نے فرمایا ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے کنارے چل دو جہاں مچھلی (اُچھل کر پانی میں چلی جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی۔

موسیٰ علیہ السلام توشہ دان یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے اور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے، چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے۔ مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جا گری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنالیا، اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی۔ (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جا گری تھی) موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اُٹھے اور چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰ علیہ السلام دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے، دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے، کھانا لاؤ، جب تک موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے تڑپنے کے مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔ جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا۔ یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جا گری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے، پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات

یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آ گئے وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا، موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سلام کیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ خضر علیہ السلام نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔ خضر علیہ السلام نے کہا موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے، مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔

عہد و پیان کے بعد دونوں چل دیئے۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے، اُدھر سے ایک کشتی گزری۔ کشتی والوں سے ان بزرگوں نے سوار کر لینے کے لیے کہا، کشتی والے خضر کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہو گئے (اور چل دیئے تو اثناء راہ میں) اچانک موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں، کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں، ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو پھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔ خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بھول گیا تھا، آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی اور دُشواری نہ ڈالئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً یا لا رادہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی پی لیا۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا اور آپ کا علم، علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کر دی (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحر بیکراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا) پھر (کشتی سے اُتر کر) دونوں چل دیئے۔

خضر علیہ السلام کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی، ایک معصوم کو بے قصور قتل کر دیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رُک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضر علیہ السلام کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی (اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بے تاب ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لیے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا، وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرنے ہی والی تھی۔ خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کو ٹھیک کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم اس بستی میں آئے، بستی والوں سے کھانا مانگا، کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے۔

خضر علیہ السلام نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اس کے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت وحکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش! موسیٰ علیہ السلام صبر کیے رہتے (اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

''ذلک تاویل مالم تستطع علیہ صبرا'' سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ پڑھا کرتے تھے کہ ان کے سامنے ایک بادشاہ تھا جو ہر نیک صالح شخص کی کشتی کو چھین لیتا تھا اور حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما پڑھتے تھے کہ رہا غلام وہ تو کافر تھا اور اس کے والدین مؤمنین تھے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے کہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ جب قوم والوں کے آنسو بہنے لگے اور ان کے دل کمزور پڑ گئے تو ایک آدمی سامنے آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے زیادہ بھی اس دُنیا میں کوئی عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا کیونکہ اس نہ جاننے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہیں فرمائی۔ ان سے کہا گیا کہ کیوں نہیں میرا بندہ خضر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ۔ فرمایا کہ لو ایک مچھلی۔ جب اس کے اندر روح پھونکی جائے تو سمجھ لینا کہ یہی تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک روایت میں آیا کہ ان سے کہا گیا کہ ایک بھنی ہوئی مچھلی لیں جہاں پر آپ وہ مچھلی گم پائیں وہ مطلوبہ جگہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لی اور اس کو اپنے توشہ دان میں رکھا۔ اس کی تفسیر اس آیت میں مذکور ہے۔ "واذ قال موسٰی لفتاہ" اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں۔ "لا ابرح" میں ہمیشہ سفر کرتا رہوں گا۔ "حتی ابلغ مجمع البحرین" قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بحر فارس، بحر روم ہے جو مشرق کی جانب ہے۔

محمد بن کعب نے کہا کہ اس سے مراد طنجہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔ "او امضی حقبا" اس سے مراد طویل زمانہ ہے۔ اس کی جمع احقاب، حقب اور حقبا آتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقب اسّی (۸۰) سال کو کہا جاتا ہے۔ اپنے توشہ دان میں روٹی اور بھنی ہوئی مچھلی لی۔ یہاں تک کہ وہ اس چٹان پر پہنچے جہاں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے۔ وہاں رات کے وقت پہنچے۔ اس چٹان کے پاس نہر حیات تھی، اس کا پانی جس مُردہ چیز پر پہنچ جاتا تو وہ زندہ ہو جاتی۔ جب اس مچھلی پر پانی پہنچا تو وہ توشہ دان میں تڑپی اور اُچھل کر دریا میں چلی گئی۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ: پس جب (چلتے چلتے) دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی پھر جب دونوں (وہاں سے) آگے بڑھ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف پہنچی۔

تفسیر: ⑥١ "فلما بلغ" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون وہاں پہنچے۔ "مجمع بینھما" ان دونوں فریقوں کے ملنے کی جگہ پر یا دونوں (دریاؤں) کے درمیان۔ "نسیا" بھول گئے یعنی ان دونوں نے اس کو وہیں چھوڑ دیا۔ "حوتھما" وہ مچھلی حضرت یوشع کے پاس تھی جس کو وہ بھول گئے۔ نسیان کی اضافت ان دونوں کی طرف کر دی کیونکہ ان دونوں

نے سفر کے لیے زادِ راہ باندھا تھا۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لیے انہوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اُٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں۔ اس لیے سب کی طرف ساتھ لینے اور اُٹھانے کی نسبت کردی جاتی ہے۔ "**فاتخذ**" بنالیا مچھلی نے سوراخ "**سبیله فی البحر سربا**" راستہ بنالیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مچھلی کے پانی میں چلے جانے کی وجہ سے اس پانی کو روک دیا گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس راستے سے چلے جہاں سے مچھلی نے راستہ بنایا تھا۔ وہاں انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پالیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مچھلی نے سمندر میں چھلانگ لگائی تو سمندر کا پانی اس کو نہیں لگا اور نہ ہی وہ پانی سے گیلی ہوئی۔ کلبی کا بیان ہے کہ یوشع بن نون نے نہر حیات کے پانی سے وضو کیا۔ اس وضو کا پانی مچھلی پر چھڑکاؤ کیا جس کی وجہ سے وہ زندہ ہوگئی اور پانی میں چلی گئی۔ وہ مچھلی جس طرف اپنا پَر مارتی تو وہ جگہ خشک ہو جاتی اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو ان دونوں کو نیند آ گئی اور دونوں سو گئے۔ مچھلی توشہ دان میں تڑپی اور وہاں سے نکل گئی اور سمندر میں اپنا راستہ بنالیا۔ اس مچھلی کے چلے جانے کی وجہ سے پانی میں خشک راستہ بنالیا، جب وہ اپنی نیند سے جاگے تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ان کو بتلانا بھول گئے۔ یہاں تک کہ دوسرا دن آ گیا۔

⑥② "**فلما جاوزا**" اس جگہ اور وہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے۔ "**قال**" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "**لفتاه آتنا غداء نا**" ہمارا کھانا لے آؤ، غدا اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح کے وقت کھایا جاتا ہے اور عشاء کہتے ہیں شام کے وقت کے کھانے کو۔

"**لقد لقینا من سفرنا هذا نصبًا**" تھکاوٹ اور سختی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا تا کہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آ جائے اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں آیا کہ جب تک مقررہ مقام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے نہیں تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا ⑥③ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ⑥④

ترجمہ خادم نے کہا کہ لیجئے دیکھئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے سو میں اس مچھلی (کے تذکرہ) کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی موسیٰ نے (یہ حکایت سن کر) فرمایا کہ یہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے سو (وہاں پہنچ کر)

تفسیر ⑥③ "**قال**" خادم نے یاد کر کے کہا "**اراء یت اذ اوینا الی الصخرة**" وہ پتھر جس کے پاس ہم سوئے ہوئے

تھے۔ معقل بن زیاد کا قول ہے کہ وہ پتھر وہی تھا جو دریائے زیت سے ورے تھے۔

"فانی نسیت الحوت" اس کو وہاں چھوڑ دیا اور گم کر آئے۔ حضرت یوشع بن نون نے جب یہ واقعہ دیکھا تو کھڑے ہو گئے تا کہ اس کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلائیں، وہ اس پر بھول گئے یہاں تک کہ وہ ایک دن رُکے رہے حتیٰ کہ دوسرے دن ظہر کا وقت آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب فرمایا تو حضرت یوشع بن نون کو مچھلی یاد آ گئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔

"وما انسانیہ الا الشیطان أن اذکرہ" کہ مجھے اس مچھلی کے غائب ہونے کا واقعہ نہیں بھلایا مگر شیطان ہی نے۔ حفص رحمہ اللہ نے اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

"علیہ اللّٰہ" ھاء کے ضمہ کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ مجھے بھلا دیا گیا کہ میں اس کو یاد کروں۔ "واتخذ سبیلہ فی البحر عجبًا" یہ حضرت یوشع بن نون کا قول ہے کہ وہ کہنے لگے کہ اس مچھلی نے دریا میں راستہ بنالیا۔ جیسا کہ سرنگ بنالی ہو وہ واقعہ عجیب تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اتخذ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کر لینے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عجیب سمجھا۔

گویا کہ انہوں نے کہا کہ یہ واقعہ تو بہت عجیب ہے۔

ابن زید کا قول ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کا تعجب اس لیے کیا کہ اس کو کچھ زمانہ کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا کچھ حصہ کھایا جا چکا تھا کہ وہ پھر سے زندہ ہو کر اس پانی میں چلی گئی۔

64 "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "ذلک ما کنا نبغ" کہ یہی ہماری مطلوب شدہ جگہ تھی۔ "فارتد اعلی اثارھما قصصا" وہ واپس اپنے اپنے قدموں کے نشانات کے بل لوٹے اور اس جگہ کو تلاش کرنے لگے۔ پھر انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا۔

بعض نے کہا کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا۔ صحیح وہی ہے جو تاریخ میں آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور ان کا نام بلیا بن ملکان ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ شہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے اور خضر علیہ السلام لقب تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کو خضر کہنے کی وجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خضر کو خضر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام جب خشک زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد کا قول ہے کہ جس جگہ حضرت خضر علیہ السلام نماز پڑھتے تھے اس کے گرداگرد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک

شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے، کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے اور ایک روایت میں ہے کہ اس وقت خضر علیہ السلام وسط سمندر میں ایک جھالر دار سبز مسند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَکَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِىْ لَکَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِىْ فَلَا تَسْئَلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَکِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

ترجمہ انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا موسیٰ نے (ان کو سلام کیا اور) ان سے فرمایا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ جو علم مفید آپ کو (منجانب اللہ) سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں ان بزرگ نے جواب دیا آپ سے میرے ساتھ رہ کر (میرے افعال پر) صبر نہ ہو سکے گا اور (بھلا) ایسے امور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں موسیٰ نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر (یعنی ضابط) پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا ان بزرگ نے فرمایا تو (اچھا) اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اتنا خیال رہے کہ) مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ اس کے متعلق میں خود ہی ابتداءً ذکر نہ کروں پھر دونوں (کسی طرف) چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بزرگ نے کشتی میں چھید کر دیا موسیٰ نے فرمایا کہ آپ نے اس کشتی میں اس لئے چھید کیا ہوگا کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں آپ نے بڑی بھاری (یعنی خطرہ کی) بات کی۔

تفسیر ⑥⑤ **"فوجد اعبدًا من عبادنا آتیناہ رحمة"** رحمت سے مراد نعمت ہے۔ **"من عندنا وعلمناہ من لدنا علمًا"** اس سے مراد باطن کا علم ہے جو بطور الہام کے حاصل ہوتا ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے کہا جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔

⑥⑥ **"قال له موسیٰ هل أتبعک"** کہ آپ کی صحبت اختیار کر سکتا ہوں۔ **"علی أن تعلمن مما علمت رشدًا"** ابو عمرو یعقوب نے رشداً راء کے فتحہ اور شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے راء کے ضمہ اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد صواب ہے اور بعض نے کہا کہ ایسا علم جو راہ ہدایت پر لانے والا ہو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے یہ بات کہی تھی (ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا

کہ علم کے لیے تورات کافی ہے اور عمل کے لیے بنی اسرائیل کا مشغلہ کافی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں ادب وتہذیب کو ملحوظ خاطر رکھا۔)

⑥⑦ "قال" حضرت خضر علیہ السلام نے کہا "انک لن تستطیع معی صبرًا" حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سختی سے انکار کیا کیونکہ جب وہ ایسے امور منکرہ کو دیکھیں گے تو ضرور تردید کریں گے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ منکرات کو دیکھ کر خاموش رہیں اور اسی پر صبر کریں۔ پھر اپنے عذر کو بیان کریں، صبر کے ترک کرنے کے باعث۔ ان کو کہا

⑥⑧ "وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرًا" اس سے مراد علم ہے۔

⑥⑨ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ستجدنی ان شاء اللّٰہ صابرًا" یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استثناء فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ وہ منکر بات پر صبر نہیں کر سکتے۔ "ولا اعصی لک امرًا" اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا جس بات کا آپ حکم دیں گے۔

⑦⓪ "قال" حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ "فان اتبعتنی" اگر آپ ہماری صحبت اختیار کریں گے تو اس کے لیے یہی شرط ہے کہ آپ "فلا تسالنی" ابوجعفر، نافع، ابن عامر کے نزدیک لام کے فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ اور دوسرے قراء نے سکون اللام اور نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

"عن شیء" میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناگوار گزرے اور آپ کو اس بات پر اعتراض ہو۔ "حتّی احدث لک منہ ذکرًا" حتی ابتدائیہ ہے۔ جب تک اس کام کی وجہ میں خود آپ کو نہ بتلا دوں۔

⑦① "فانطلقا" یہاں تک کہ وہ ساحل کے کنارے کنارے کشتی کی تلاش میں چلنے لگے۔ بالآخر کشتی مل گئی اور اس میں دونوں سوار ہو گئے۔ اس کشتی میں جو لوگ سوار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ دونوں چور ہیں۔ ان کو کشتی سے نکال دو، کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء علیہم السلام کے چہرے معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک کشتی ان کی طرف سے گزری۔ موسیٰ اور خضر علیہما السلام نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کر لیا۔

جب کشتی دریا کے درمیان موجوں میں پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے بسولے کے ذریعے ایک تختہ کو اُکھاڑ دیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان "حتّی اذا رکبا فی السفینۃ خرقھا قال" ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ "اخرقتھا لتغرق اھلھا" حمزہ اور کسائی نے "لیغرق" پڑھا ہے یاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ۔

"اھلھا" کو مرفوع پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور تاء کے ضمہ کے ساتھ اور راء کے کسرہ کے ساتھ۔ "اھلھا" کو منصوب پڑھا ہے۔ "لقد جئت شیء امرًا" اس سے مراد منکر ہے۔

عربی زبان میں امراً کا معنی ہے بڑی مصیبت ہر بڑی سخت چیز۔ ہر وہ چیز جو بڑی اور کثیر ہو۔ بولا جاتا ہے "امرا القوم" جب وہ کثرت ہو جائے اور ایک کام پر شدت اختیار کر لے۔

قتیبی کا قول ہے کہ "امرًا" کا معنی ہے تعجب، روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا تو اس میں پانی داخل نہیں ہوا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جب اس جگہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھٹا ہوا دیکھا تو فوراً اس میں کپڑا ڈال دیا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بڑا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا۔ پیالہ سوراخ میں اٹک گیا اور پانی اندر نہ آسکا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَاتُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّةً م بِغَیْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّکْرًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ان بزرگ نے کہا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا موسیٰ نے فرمایا کہ (مجھ کو یاد نہ رہا تھا) آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے پھر دونوں (کشتی سے اتر کر آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک (کمسن) لڑکے سے ملے تو ان بزرگ نے اس کو مار ڈالا موسیٰ (گھبرا کر) کہنے لگے آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا (اور وہ بھی) بے بدلے کسی جان کے بیشک آپ نے (یہ تو) بڑی بے جا حرکت کی۔

تفسیر: ⑦② "قال" حضرت خضر علیہ السلام نے کہا "اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا"

⑦③ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ "لَاتُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھولے نہیں تھے۔ نسیان کا تذکرہ ضمنی طور پر آ گیا۔

گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ اور بھولے تھے اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو میں نے آپ کے ساتھ عہد کیا تھا اس عہد کو بھول جانے کا فرمایا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلی مرتبہ بھول گئے اور دوسری مرتبہ بطور شرط رکھ لی اور تیسری مرتبہ قصداً کیا۔

"ولا ترهقنی" اس پر مجھے مشقت میں نہ ڈالئے۔ "من امری عسرًا" کہا گیا کہ مجھے تکلف میں نہ ڈالئے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ارهقه عسرًا" مشکل کام کا مکلف نہ بنائیے، مطلب یہ ہے کہ میرے اس کام کی وجہ سے مجھ سے تنگ دل نہ ہو جائیے اور میرے ساتھ آسانی والا معاملہ کیجئے اور تنگی والا میرے ساتھ برتاؤ نہ کیجئے۔

⑦④ "فانطلقا حتّٰی اذا لقیا غلامًا فقتله" جب وہ دونوں سمندر سے باہر نکلے تو پیدل چلنے لگے۔ یہاں تک کہ دو لڑکوں

کے پاس سے گزرے جو کھیل میں مصروف تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو پکڑا جس کا چہرہ بارونق، حسین اور خوش کلام تھا۔ اس کو لٹایا اور ذبح کر دیا۔ سدی کا قول ہے کہ وہ سب سے زیادہ حسین تھا۔ اس کا چہرہ چمکیلا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کو سر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کا سر جسم سے جدا کر دیا۔

عبدالرزاق کی روایت کے مطابق اس کا سر ہاتھ کی انگلیوں کے اشارے سے جدا کر دیا۔ تین انگلیاں ابہام، سبابہ اور وسطی ہیں۔ اس طرح اس کا سر جدا ہو گیا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور بعض نے کہا کہ اس کا سر دیوار پر مار کر اس کو قتل کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ لڑکا نابالغ تھا۔

قرآن مجید کے لفظ غلام سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اقتلت نفسا ذکیّۃ" کہ آپ نے معصوم جان کو قتل کر دیا۔ اگر وہ نابالغ بچہ نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام "نفسًا ذکیّۃ" نہ فرماتے۔ حسن کا قول ہے کہ وہ پورا مرد تھا۔ کلبی نے کہا کہ وہ جوان تھا جو راستہ لوٹتا تھا اور پھر اپنے والدین کے پاس پناہ گزین ہو جاتا تھا۔ ضحاک کا قول ہے کہ وہ لڑکا تھا جو بگاڑ کا کام کرتا تھا اور ماں باپ اس سے دُکھ پاتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ غلام جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ سرشتی کافر تھا۔ اگر زندہ رہتا تو ماں باپ کو اللہ کی نافرمانی اور کفر میں مبتلا کر دیتا۔ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اقتلت نفسا ذکیّۃ" ابن کثیر، نافع، ابو جعفر اور ابو عمرو کے نزدیک "ذاکیۃ" ہے اور دوسرے قراء نے "ذکیۃ" پڑھا ہے۔ کسائی اور فراء کا قول ہے کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ ابو عمر بن علاء کا بیان ہے کہ "ذاکیۃ" وہ نفس معصوم جس نے گناہ نہ کیا ہو اور "ذکیّۃ" وہ نفس جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی ہو۔ (بغیر نفس) اس نے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں کیا جو موجب قصاص ہو۔

"لقد جئت شیئًا نکرًا" اس سے مراد منکر ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ نکر کی برائی امر سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امرًا فرمایا، کشتی کو توڑنے سے صرف لوگوں کو ڈوبنے کا خطرہ تھا اور دوسری مرتبہ نکرا فرمایا کیونکہ اس میں حقیقتاً قتل کا صدور ہو چکا تھا۔

بعض نے کہا کہ امر کا درجہ نکراً سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی توڑنے سے ایک جماعت کے ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ اس لیے وہ امراً فرمایا اور دوسری بار صرف ایک شخص کا قتل تھا اس لیے نکراً کہا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَآ اَتَیَآ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ۝٧٧

(ترجمہ) ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ (خیر اب کے اور جانے دیجئے) اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیئے بیشک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں پھر دونوں (آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا (کہ ہم مہمان ہیں) سوانہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اس کو (ہاتھ کے سہارے سے) سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ آپ چاہتے تو اس (کام) پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔

(تفسیر) ⑮ "قال" حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا "**الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرًا**" یہاں تاکید میں مزید زیادتی کی ہے کیونکہ نقض عہد دو مرتبہ ہو چکا تھا۔ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہر مرتبہ یہی فرماتے تھے کہ اپنے اس وعدہ کو یاد کریں جو آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے کیا تھا۔

⑯ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "**ان سالتک عن شیء بعدھا**" اس مرتبہ کے بعد۔ "**فلا تصاحبنی**" آپ مجھے اپنے آپ سے جدا کر لینا۔ یعقوب نے اس کو پڑھا "**فلا تصاحبنی**" بغیر الف کے مصاحبت سے ماخوذ ہے۔ "**قد بلغت من لّدنی عذرًا**" ابو جعفر، نافع اور ابوبکر نے "**من لدنی**" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے۔ اگر میں آپ کے سامنے عذر بیان کروں جو میں نے اور تمہارے درمیان عہد کیا ہے۔ کہا گیا کہ میں پھر ڈرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ میری طرف سے عذر قبول نہ فرمائیے گا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو۔ اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب واقعات دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے "**ان سالتک عن شیءٍ بعدھا فلا تصاحبنی قد بلغت من لدنی عذرًا**" فرمایا۔

⑰ "**فانطلقا حتّی اذا اتیا اھل قریة**" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد انطاکیہ بستی ہے۔ ابن سیرین کا قول ہے کہ یہ ایکہ بستی تھی، کسی نے اس کا نام برقہ کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے "**استطعما أھلھا فابوا ان یضیفوھما**" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ بیان کیا ہے کہ اس بستی والے کنجوس تھے، دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے، ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا۔ حق مہمانی طلب کی تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ وہ بدترین بستی ہے جو مہمانوں کی میزبانی نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا۔ آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دے دیا۔ اس پر دونوں نے وہاں مردوں پر لعنت کی۔ یہ عورت بربر والوں

میں سے تھی۔ "فوجدا فیها جدارًا یرید ان ینقض" وہ دیوار گر چکی تھی، یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جو چیز کسی کے قرب میں واقع ہو، اس کا وہی حکم لگا دیتے ہیں، وہ دیوار گری نہیں تھی بلکہ گرنے کے قریب تھی۔ عرب بولتے ہیں کہ میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔ "فاقامه" اس کو سیدھا کر دیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ دیوار کو سیدھا کر دیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دیوار کو ہاتھ لگا دیا، فوراً دیوار سیدھی ہوئی۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو گرا کر دوبارہ از سر نو تعمیر کر دیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہوں نے پہلے گارا بنایا، پھر دیوار کو بنا دیا۔

"قال" موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ "لو شئت لاتخذت علیه اجرًا" ابن کثیر، ابو عمرو اور یعقوب نے "لتخذت" پڑھا ہے۔ تاء کی تخفیف کے ساتھ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے "لتخذت" تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور خاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ اس دیوار کی اصلاح میں اگر آپ چاہتے تو ان سے اُجرت لے لیتے۔ "اُجرًا" اس کی بدل قیمت کہ آپ جانتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ کنجوس ہیں۔ انہوں نے ہماری مہمانی نہیں کی، اگر آپ چاہتے تو اس کام کے بدلے میں ان سے اجرت لے لیتے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا. فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ. وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ط ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

(ترجمہ) ان بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے (جیسا کہ خود آپ نے شرط کی تھی) میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا وہ لڑکا سو اس

کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کے ساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے) ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور (یہ سارے کام میں نے بالہام الٰہی کئے ہیں کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

تفسیر ⑦⑧ "قال" حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا "**هذا فراق بيني وبينك**" یہ میری اور آپ کی جدائی کا وقت ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کا یہ تیسرا اعتراض کرنا آپ کی اور میری جدائی کا سبب ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ یہ ہمارے درمیان جدائی ہے۔ یعنی ہمارے اکٹھے رہنے سے جدائی کا وقت آ گیا۔ "**سانبئک**" میں عنقریب آپ کو اس بات کی خبر دوں گا۔ "**بتاويل مالم تستطع عليه صبرًا**" بعض تفامیر کی کتب میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چلنے سے پہلے حضرت خضر علیہ السلام کا دامن پکڑ لیا اور کہا ان واقعات کا جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتائیے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

⑦⑨ "**اما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر**" کعب کا بیان ہے کہ یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو اپاہج تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر نا کافی ہو، بقدر ضرورت نہ ہو اصلی ضرورتوں سے زائد نہ ہو۔ وہ دریا میں کشتی کے ذریعے کمائی کرتے تھے۔ "**فاردت أن اعيبها**" اس کو عیب دار بنا دیا۔ "**وكان وراء هم**" ان کے سامنے۔ "**ملک**" جیسا کہ کہا جاتا ہے "**من وراء ه جهنم**" ان کے پیچھے اور بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے آگے۔ واپسی میں اس ظالم بادشاہ کی حدود سے ان کو گزرنا تھا۔ اوّل تفسیر صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں "**ورائهم**" کی جگہ "**امامهم**" آیا ہے۔ "**ياخذ كل سفينة غصبًا**" ہر وہ کشتی جو صحیح سلامت ہو اس کو وہ قبضہ میں لے لیتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو اس طرح پڑھتے تھے "**فخرقها وعيبها الخضر**" تا کہ اس کشتی کو ظالم بادشاہ اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔ اس ظالم بادشاہ کا نام جلندی تھا اور وہ کافر تھا۔ محمد بن اسحاق نے متولہ بن جلندی ازدی لکھا ہے اور شعیب جبائی نے ہدد بن بدد ذکر کیا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑنے کی وجہ بطور معذرت کشتی والوں کے سامنے بیان کی اور ظالم بادشاہ کے واقعہ کی اطلاع دی۔ خضر علیہ السلام کے بتلانے سے پہلے ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔ جب اس بادشاہ کی حدود سے کشتی والے

آگے بڑھ گئے تو انہوں نے کشتی کو درست کرلیا، کسی نے کہا کہ روغن قیر کا پالش کرلیا۔ بعض نے کہا کہ سوراخ میں شیشہ لگالیا۔

⑧⓪ "**واما الغلام فکان ابواہ مؤمنین فخشینا**" مجھے علم ہوا یا مجھے اندیشہ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں "**وأما الغلام فکان کافرًا و کان ابواہ مؤمنین فخشینا**" پڑھتے ہیں۔ "**أن یرھقھما**" ان دونوں کو ڈھانپ دے۔ کلبی کا بیان ہے کہ ہم اس کو مکلف بنادیں۔ "**طغیانًا و کفرًا**" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا اپنے ماں باپ کو اپنی محبت میں اپنے دین کا پیروکار بنالے۔

⑧① "**فاردنا ان یبدلھما**" ابوجعفر، نافع اور ابوعمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ تحریم میں اور سورۃ قلم میں اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں دونوں لغات جائز ہیں اور اس میں بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا کہ تبدیل عام ہے۔ نفس شئ کو ہی بدل دینا یا اس کی حالت کو بدل دینا دونوں کو تبدیل کہتے ہیں اور ابدال اصل شئ کو بدلنے کو کہتے ہیں۔ "**ربھما خیرًا منه زکاۃً**" اس کی اصلاح اور اس کا تقویٰ۔

"**واقرب رحمًا**" ابن عامر، ابوجعفر و یعقوب نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک جزم پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ رحمت پر عطف ہوگا اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد رحم اور قرابت داری ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ بڑا صلہ رحم کرنے والا اور ماں باپ کا بڑا فرمانبردار، خدمت گزار۔ کلبی کا بیان ہے کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض اس کے والدین کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس نے ایک اُمت کو ہدایت یافتہ بنادیا۔ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ اللہ نے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی نسل سے ستر پیغمبر پیدا ہوئے۔ ابن جریج نے کہا کہ اس کے عوض اللہ نے ایک فرمانبردار مسلم لڑکا عنایت کیا۔ مطرف نے کہا کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے، پھر جب وہ قتل ہوگیا تو والدین کو غم ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی یقینی تھی۔ آدی کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے۔ اللہ مؤمن کے لیے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے، تب بھی مؤمن کے لیے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یتیم غلاموں کے نام اور خزانہ کس چیز کا تھا

⑧② "**واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینة**" ان دونوں لڑکوں کا نام اصرم اور صریم تھا۔ "**وکان تحته کنزلھما**" کنز کا ترجمہ وتفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے، چاندی کا خزانہ تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ مال تھا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا تعجب ہے کہ جس کا موت پر یقین ہو وہ خوش کیسے ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جس کا تقدیر پر یقین ہو وہ رنجیدہ کیونکر ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جس کو رزق ملنے کا یقین ہو وہ تھکتا کیوں ہے۔ تعجب ہے

کہ جس کو حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جو زوال دُنیا کا یقین رکھتا ہے وہ دُنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تختی کی دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں نے خیر وشر کو پیدا کیا، خوشی ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کرایا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔

زجاج کا قول ہے اگر کنز بے قید بولا جاتا تو اس سے مالی خزانہ مراد ہوتا ہے اور قید کے ساتھ بولا جاتا ہے تو دوسری چیزوں کا خزانہ بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسے کنز العلم علم کا خزانہ اور تختی میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔

ابوھما صالحاً سے کون مراد ہے

"وکان ابوھما صالحًا" بعض نے کہا کہ اس کا نام کاشح تھا اور یہ بزرگوں میں سے تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے ان دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی۔ بعض نے کہا کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا۔ محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ بندے کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھا دیتا ہوں۔

"فاراد ربّک ان یبلغا أشدھما" کہ وہ دونوں بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں اور عقل وشعور حاصل ہو جائے۔ بعض نے کہا کہ وہ کامل قوت اور کمال رشد تک پہنچ جائے۔ بعض نے کہا کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچ جائے۔

"ویستخرجا کنزھما رحمۃ" اس وقت ان دونوں کے لیے خزانے کی نعمت نکالے۔

"من ربّک وما فعلتہ عن أمری" میرے اختیار اور میری رائے سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اپنے رب کی طرف سے اختیار کیا۔ "ذلک تاویل مالم تسطع علیہ صبرًا" جو اس پر طاقت نہ رکھے صبر کرنے کی۔ تستطع اور تسطع دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لیے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لیے علم کی طلب کرنا۔

(خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا نہیں؟)

اس بارے میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وحضرت الیاس علیہ السلام دونوں زندہ ہیں۔ ہر سال دونوں حج کرنے کے لیے آتے ہیں اور وہاں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ خضر علیہ السلام نے آب حیات پی لیا تھا۔ ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو خضر علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گیا۔ خضر علیہ السلام ہراول دستے میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضر علیہ السلام چشمہ پر پہنچ گئے، اُتر کر انہوں نے چشمے کے پانی

سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکرادا کیا، ذوالقرنین راستہ بھول گیا اور کام واپس آیا۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پاگئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد" آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بقاء دوامی نہیں دی۔ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے تمہاری یہ رات دکھادی گئی آج سے آئندہ سو برس کی انتہاء تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے مرجائے گا زندہ نہیں رہے گا۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس کے بعد وہ وفات پاچکے ہوتے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ط قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ط قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿87﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا چنانچہ وہ (بارادۂ فتوحات) ملک مغرب کی ایک راہ پر ہولئے یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور اس موقعہ پر انہوں نے ایک قوم دیکھی ہم نے (الہاماً) یہ کہا اے ذوالقرنین خواہ سزادو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو ذوالقرنین نے عرض کیا کہ (بہت اچھا اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سزا دے گا۔

تفسیر: ﴿83﴾ "ویسألونک عن ذی القرنین قل سأتلوا علیکم منہ ذکرًا" اس سے خبر مراد ہے۔

ذی القرنین کون تھے

ذی القرنین کی نبوت کے متعلق آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ نبی تھے۔ ابوطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ نبی تھے یا بادشاہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ ہی بادشاہ تھے، وہ ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی، اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر پکار رہا تھا۔ فرمایا

پیغمبروں کے نام پر اپنے نام رکھتے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے نام پر اپنے نام رکھنے لگے ہو اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وہ فرشتہ عادل وصالح تھا۔

ذی القرنین کی وجہ تسمیہ

ذی القرنین کی وجہ تسمیہ میں آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ زہری کا قول ہے کہ یہ آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب، ذوالقرنین دونوں کناروں پر جا پہنچا۔

اور بعض نے کہا کہ روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ روشن دُنیا میں بھی رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا۔ انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لیے ہیں۔ یا ان کے دو خوبصورت گیسو تھے۔ اس کی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا تھا۔ ان کے دو سینگ تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتے تھے۔

ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے ان کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مرگیا اور اللہ نے اس کو زندہ کر دیا اور اس نے قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مرگیا مگر اللہ نے پھر اس کو زندہ کر دیا۔

ان کا نام کیا تھا

ان کے نام میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان کا نام مرزبان بن مرزبۃ یونانی تھا۔ یہ یونان میں یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ رومی شخص تھا، سکندر بن قبلیس بن فیلقوس نام تھا۔ بعض نے کہا کہ سکندر بن فیلفوس بن یاملوس رومی تھا۔

(84) "انا مکنا لہ فی الارض" زمین کو ان کے لیے وطن ٹھہرنے کی جگہ بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا۔ ابر پر وہ سوار ہوتا تھا، اس کے ذرائع دراز کر دیئے گئے تھے۔ اس کے لیے روشنی پھیلا دی گئی تھی، رات دن اس کے لیے برابر تھے، زمین پر رفتار اس کے لیے آسان کر دی گئی تھی اور سارے راستے اس کے لیے کھول دیئے گئے تھے۔ "وآتیناہ من کل شیء" ہر وہ چیز جس کی طرف مخلوق محتاج ہوتی ہے وہ سب کچھ ہم نے اس کو عطا کر دیا تھا یا بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دے دی تھی۔ "سببًا" جس طرف کا وہ ارادہ رکھتے تھے اس کی طرف اسباب مہیا کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین کے تمام کنارے اس کے قریب کر دیئے۔ حسن کا قول ہے کہ مقصد تک پہنچنے کے لیے جو اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دے دیئے تھے۔

(85) "فاتبع سببًا" میں برابر اس کے پیچھے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو پہنچ گیا۔ اہل حجاز اور بصرہ نے "فاتبع ثم اتبع"

موصولاً اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے الف کے بغیر "فتبع" پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ بعض نے ان دونوں صورتوں میں معنی کے اندر فرق بیان کیا ہے جو حضرات بغیر الف کے پڑھتے ہیں ان کے نزدیک اس کا معنی ہے پانا ملنا اور جن حضرات کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے، ان کے نزدیک اس کا معنی ہے سارَ جیسا کہ کہا جاتا ہے "مازلت اتبعته حتّی اتبعته" میں نے برابر اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا۔ بعض نے کہا کہ "سببًا" سے مراد طریقہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد منزل ہے۔

⑧⑥ "حتّی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئة" ابوجعفر، ابو عامر، حمزہ اور کسائی نے اور ابوبکر نے "حامیة" پڑھا ہے۔ الف کے ساتھ بغیر ہمزہ کے۔ اس سے مراد گرمی ہے اور دوسرے قراء نے "حمئة" پڑھا ہے۔ ہمزہ کے ساتھ بغیر الف کے ساتھ (ذات حماۃ) اس سے مراد کالا گارا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے پوچھا سورج کیسے غروب ہوتا ہے؟ تورات میں تم نے اس کے متعلق کیا پڑھا ہے۔ کعب نے کہا کہ ہم نے تورات میں پایا ہے کہ سورج، پانی اور کیچڑ میں غروب ہوتا ہے۔ قتیبی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب "فی عین حمئة" کہ سورج کو دلدل میں ڈوبتا محسوس کیا۔ "ووجد عندھا قومًا" اس چشمے کے پاس ایک قوم کو پایا۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ وہ ایک شہر تھا جس کے بارہ دروازے تھے۔ "قلنا یا ذالقرنین" اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے ورنہ اللہ تعالیٰ اس طرح خطاب نہ کرتے۔ اصح یہی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ یہاں اس سے مراد الہام ہے۔ "اما ان تعذب" اگر تم چاہو تو اسلام نہ لانے کی صورت میں تم ان کو قتل کردو۔ "واما ان تتخذ فیھم حسنًا" ان کو تم معاف کردو یا سزا دو یا تم ان کو ہدایت کی طرف دعوت دو جو تمہارے لیے بہتر ہو وہی اختیار ہے۔

⑧⑦ "قال اما من ظلم" ظلم سے مراد کفر ہے۔ "فسوف نعذبه" ہم اس کو قتل کردیں گے۔ "ثم یرد الی ربه" آخرت میں۔ "فیعذبه عذابًا نکرًا" آگ کا عذاب دے گا۔ دُنیا میں اس کو قتل کرکے سزا دی جائے گی اور آخرت میں آگ کا عذاب۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰی. وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ کَذٰلِکَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

(ترجمہ) اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی اور ہم (بھی دنیا میں) اپنے برتاؤ میں اس کو آسان (اور نرم) بات کہیں گے پھر ایک (دوسری) راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کرکے) طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سامان

وغیرہ) تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے پھر (مشرق و مغرب فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہو لئے۔

تفسیر ⑧⑧ "واما من امن وعمل صالحًا فله جزاء الحسنیٰ" حمزہ، کسائی، ابوجعفر، یعقوب نے "جزاءً" منصوب پڑھا ہے۔ "ای فله الحسنی" ان کو اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ جزاء منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ دوسرے حضرات نے مرفوع پڑھا ہے اضافت کی وجہ سے۔ حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ حسنیٰ کی اضافت اس طرح ہے جیسے فرمایا "ولدار الاخرة خيرٌ" دار سے مراد آخرت کا گھر ہے۔ بعض نے کہا کہ حسنیٰ سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال صالحہ کا بدلہ ہے۔ "وسنقول له من امرنا يُسرًا" ان کی بات نرم اور ان کے ساتھ ہم نرمی والا معاملہ کریں گے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اس سے مراد "يُسرًا" آسانی ہے۔

⑧⑨ "ثم اتبع سببًا" پھر اس کے راستے پر چلا اور منزل مقصود تک پہنچا۔

⑨⓪ "حتّى اذا بلغ مطلع الشمس" اس کے طلوع کی جگہ۔ "وجدها تطلع على قوم لم نجعل لهم من دونها سترا" قتادہ اور حسن کا قول ہے کہ ان کے درمیان اور سورج کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں تھا کیونکہ وہ ایسی جگہ رہتے تھے کہ اس جگہ پر کوئی مکان کی عمارت ٹھہر نہیں سکتی۔ وہ سورج کی اوٹ میں رہتے تھے۔ جب سورج غروب ہو جاتا یا زوال ہو جاتا تو پھر اپنے کسب و معاش کے لیے نکلتے۔ حسن کا قول ہے کہ جب سورج طلوع ہو جاتا تو وہ پانی میں چلے جاتے اور جب وہ ان سے دور ہو جاتا تو پھر وہ نکلتے۔ کلبی کا بیان ہے کہ وہ قوم ننگی تھی وہ ایک کان کو بچھاتی تھی اور دوسرے کان کو اپنے اوپر اوڑھتی تھی۔

⑨① "كذلك" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جس طرح سورج مغرب والوں کے لیے پہنچایا اسی طرح مشرق والوں کے لیے طلوع ہونے کی جگہ بنایا۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ جس طرح ذوالقرنین نے سورج کو دلدلی چشمہ میں ڈوبتا محسوس کیا تھا اسی طرح دلدل سے برآمد ہوتے پایا تھا۔ "وقد احطنا بما لديه خبرًا" جو ان کے پاس تھا اور جو ان کے پاس لشکر تھا اور جنگی آلات ہیں۔

⑨② "ثم اتبع سببًا"

حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ⑨③ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ⑨④

ترجمہ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے انہوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج و ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں (کبھی کبھی) بڑا فساد مچاتے ہیں سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنا دیں (کہ وہ پھر آنے نہ پاویں)۔

تفسیر ⑨③ "حتّٰی اذا بلغ بین السدین" ابن کثیر، ابوعمر، حفص نے السدین اور "سدًا" پڑھا ہے۔ سین کے فتحہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ یٰسین میں فتحہ کے ساتھ ہے اور وہاں پر باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان میں سے بعض قراء کا قول ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

عکرمہ کا قول ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی بندش کو سد کہتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا "سُد" سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہی ابوعمرو کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ "سَد فتحہ کے ساتھ ہے، مصدر ہے اور ضمہ کے ساتھ نام ہے۔ سدین سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی تھی۔

"وجد من دونھما قومًا" دونوں پہاڑوں کے سامنے "لایکادون یفقھون قولا" حمزہ اور کسائی کے نزدیک یاء کے ضمہ کے ساتھ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نہ وہ دوسرے کی بات سمجھتے تھے نہ کوئی دوسرا ان کی بات سمجھتا تھا۔

⑨④ "قالوا یا ذالقرنین" سوال: وہ تو کچھ بات سمجھتے نہیں تو پھر ان کو کیسے کہا؟

جواب: ان کے ساتھ کلام کیا ترجمان کے ساتھ۔ اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے کہ وہ کسی کی بات سمجھتے نہیں تھے، آپ نے ان کے علاوہ لوگوں کو کہا اے ذوالقرنین "انّ یاجوج وماجوج" عاصم نے ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے بغیر ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں۔ یہ اصل میں "اجیج النار" ہے۔ آگ کا شعلہ، بھڑک شرارہ کثرت تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی۔

یاجوج ماجوج کس نسل سے ہیں

بعض نے کہا کہ یہ ہمزہ کے ساتھ یاجوج وماجوج۔ بعض کے نزدیک یہ عجمی ہیں۔ ہاروت وماروت کی طرح یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ وہ ترکوں کی نسل میں سے ہیں۔

سدی نے کہا کہ ترک یاجوج ماجوج کا ایک فوجی دستہ تھا جو نکل آیا تھا۔ جب ذوالقرنین نے دیوار بنادی تو وہ دستہ پہاڑوں سے ادھر ہی رہ گیا، تمام ترک اسی کی نسل سے ہیں۔

قتادہ کا قول ہے کہ یاجوج کے ۲۲ قبائل تھے۔ ذوالقرنین نے سد بنائی تو ایک قبیلہ ادھر ہی رہ گیا۔ ۲۱ قبائل اُدھر چلے گئے۔ اسی ایک قبیلہ کو ترک کہا جاتا ہے کیونکہ سد سے ورے اس کو ترک کردیا چھوڑ دیا گیا۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے سام، حام، یافث۔ سارے عرب، فارس اور روم والے سام کی نسل سے ہیں اور حام کی نسل سے حبش، زنج اور نوبہ کے لوگ ہیں اور یافث کی نسل سے ترک خزر صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ سارے آدمی تو ایک حصہ ہیں اور یاجوج ماجوج دس حصے ہیں۔

یاجوج ماجوج کی مختلف قسمیں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاجوج ایک الگ قوم ہے اور ماجوج دوسری قوم ہے۔ ہر ایک کی تعداد چار سو ہزار (چار لاکھ) ہے وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنی پشت سے پیدا شدہ ایک ہزار آدمی ایسے نہ دیکھ لے جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں، یہ لوگ غیر آباد دُنیا کی طرف پھیلتے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ یاجوج ماجوج تین طرح ہیں ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے، ان میں سے ہر شخص کا قد ایک سو بیس ہاتھ لمبا ہے، دوسری قسم جن کا طول و عرض برابر ہوتا ہے ایک سو تیس ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ان کے سامنے کوئی پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسری قسم وہ ہے۔

جو ایک کان بچھاتے اور ایک کان اوڑھتے ہیں (قیامت کے قریب جب یہ برآمد ہوں گے تو) جو گھوڑا یا خنزیر یا جنگلی وحشی جانور ان کے سامنے آ جائے گا، اس کو بغیر کھائے نہیں چھوڑیں گے، ان میں سے جو کوئی مر جاتا ہے اس کو کھا لیتے ہیں۔ ان کا اگلا دستہ شام میں اور پچھلا حصہ خراسان میں ہوگا۔ مشرق کے (تمام) دریاؤں اور بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ مُردار) کا پانی پی جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان میں سے بعض کا طول ایک بالشت اور عرض ایک ہاتھ ہے اور بعض بہت زیادہ لمبے ہیں۔ کعب احبار نے کہا وہ اولاد آدم میں ایک عجیب مخلوق ہیں۔ ایک روز حضرت آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا اور نطفہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔ اس نطفہ سے اللہ نے یاجوج و ماجوج کو پیدا کر دیا، وہ باپ کی طرف سے تو ہمارے (علاتی) بھائی ہیں لیکن ہماری ماں کی نسل سے نہیں ہیں۔

ذوالقرنین کا واقعہ

بغوی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ذوالقرنین رومی تھا اور ایک بڑھیا کا بیٹا تھا، جوان ہوا تو نیک مؤمن بندہ ہوا اور اللہ نے اس سے فرمایا میں تجھے ایسی قوموں (کی اصلاح) کے لیے بھیجوں گا جن کی زبانیں مختلف ہوں گی۔ ان میں سے دو قومیں ایسی ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کے طول کا فاصلہ ہوگا۔ ایک غروب آفتاب کے مقام پر ہوگی جس کو ناسک کہا جائے گا اور دوسری سورج نکلنے کے مقام پر ہوگی جس کو منسک کہا جائے گا اور دو قومیں اور ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کا عرض فاصل ہوگا۔ جنوب کی طرف والی قوم کو ہاویل کہا جائے گا اور شمالی والی کو قاویل، باقی اقوام وسط ارض پر آباد ہوں گی جن میں جنات بھی ہوں گے اور انسان بھی اور یاجوج و ماجوج بھی۔

ذوالقرنین نے عرض کیا پھر کس قوم کو ساتھ لے کر میں ان سے قوت و کثرت میں مقابلہ کروں گا اور کس زبان میں ان سے گفتگو کروں گا، اللہ نے فرمایا میں تجھے طاقت عطا کروں گا، تیری زبان میں پھیلا دوں گا اور تیرا بازو مضبوط کر دوں گا، تجھے کوئی چیز

خوف زدہ نہ کرے گی، تجھے ہیبت کا لباس پہناؤں گا کہ تجھے کوئی شے روک نہ سکے گی، میں نور و ظلمت کو تیرا فرماں بردار بنادوں گا اور دونوں کو تیرا مددگار کردوں گا۔ نور تجھے آگے آگے راستہ دکھائے گا اور تاریکی پیچھے پیچھے سے تجھے گھیرے میں لیتی رہے گی۔

حسب الحکم ذوالقرنین چل دیا اور آفتاب کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔ وہاں اس کو دشمنوں کی ایک جماعت ملی جو بے شمار تھی، ان کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذوالقرنین نے ظلمت سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا، سب کو ایک جگہ جمع کر کے اللہ کی عبادت کی، ان کو دعوت دی، کچھ لوگوں نے دعوت کو مان لیا، کچھ کترا گئے جو لوگ روگرداں ہوگئے ان پر ذوالقرنین نے ظلمت کو مسلط کردیا، تاریکی ان کے پیٹوں اور گھروں کے اندر گھس گئی۔

آخر وہ ذوالقرنین کی دعوت میں داخل ہوگئے۔ اسی جگہ مغرب والوں کا ذوالقرنین نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو ساتھ لے کر ہاویل (جنوبی قوم کے پاس پہنچ گیا اور یہاں بھی وہی سلوک کیا جیسا ناسک کے ساتھ کیا تھا پھر منسک کی طرف گیا جو طلوع آفتاب کے مقام کے قریب آباد تھے، یہاں پہنچ کر ذوالقرنین اور اس کے لشکر نے وہی عمل کیا جو مذکورہ دونوں قوموں کے ساتھ کر چکا تھا، پھر قاویل (شمالی قوم) کی طرف رُخ کیا اور ان سے بھی وہی معاملہ کیا جو مندرجہ بالا اقوام کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے بعد وسطی اقوام کی طرف توجہ کی، مشرقی جانب ترکوں کی سرحد پر پہنچا تو وہاں نیک ایمان دار آدمیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا اور کہا ذوالقرنین ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کی ایک مخلوق ایسی ہے جو بہائم (چوپایوں) کی طرح ہے اور درندوں کی طرح ان کے نوکیلے دانت اور کچلیاں ہیں۔ سانپوں اور بچھوؤں کو کھا جاتے ہیں اور گھوڑوں گدھوں اور جنگلی جانوروں کو پھاڑ کھاتے ہیں، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعداد نہیں ہے اور اتنی ہی ان کی افزائش نسل ہے کہ کسی مخلوق کی نہیں ہے، وہ ہماری سرزمین پر آجاتے ہیں، تسلط جماتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں، کیا ہم آپ کے لیے چندہ جمع کردیں کہ آپ ہمارے ان کے درمیان ایک آڑ بنادیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ میرے رب نے مجھے طاقت و دولت وغیرہ) عطا فرمائی ہے وہ (تمہارے چندہ سے) بہتر ہے، تم لوگ میرے لیے پتھر کی چٹانیں اور لوہا اور تانبا فراہم کردو اور میں جا کر ان کے حالات معلوم کرتا ہوں۔ یہاں سے ذوالقرنین ان لوگوں کے احوال دریافت کرنے کے لیے چلا اور ان کی بستیوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قد کے ہیں، ہمارے متوسط القامت آدمی کے طول سے ان کا طول قامت آدھا ہے۔

ان کے پنجے اور نوکیلے دانت اور کچلیاں درندوں کی طرح ہیں اور سارے بدن پر سخت بال اتنی کثرت سے ہیں کہ جسم کو چھپائے ہوئے ہیں، سردی گرمی سے بچاؤ ان کو ان بالوں ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کے دو بڑے بڑے کان ہیں ایک کان بچھاتا ہے اور دوسرا اوڑھتے ہیں، ان کانوں ہی سے موسم سرما میں کام چلاتا ہے جہاں جمع ہوتے ہیں آپس میں جانوروں کی طرح جماع کرتے ہیں۔ ذوالقرنین یہ کیفیت دیکھ کر لوٹ آیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان پہنچ کر انہوں نے پیمائش کی، پھر نیچے پانی کی تہہ تک بنیاد کھود کر پتھر کی چٹانوں سے اس کو بھر دیا اور تانبا پگھلا کر اس سے مصالحہ کا کام لیا۔ اس طرح دیوار مکمل ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے نیچے سے ایک پہاڑ پھوٹ آیا ہے۔

"مفسدون فی الارض" کلبی کا بیان ہے کہ ان لوگوں کا فساد یہ تھا کہ یہ لوگ موسم بہار میں نکلتے تھے، کوئی سبزہ بھی ان کو نظر آ جاتا تو یہ کھا جاتے اور جو خشک چیز نظر آئے اس کو روند ڈالتے، یہ ان کی زمینوں میں داخل ہو گئے، یہ لوگوں کو بہت اذیت دیتے اور لوگوں کو قتل کر دیتے۔

اور بعض نے کہا کہ ان کا فساد یہ تھا کہ یہ انسانوں کو کھا جاتے۔ بعض نے کہا کہ جب یہ نکلتے تو زمین میں فساد پھیلاتے۔

"فھل نجعل لک خرجًا" حمزہ اور کسائی نے (خراجاً) الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "خرجًا" پڑھا ہے بغیر الف کے دونوں لغتوں میں ان کا معنی ایک ہی ہے۔ مزدوری واُجرت۔ ابوعمرو نے کہا کہ خراج وہ چیز ہے جس کا ادا کرنا تم پر لازم ہو اور خرج وہ چیز ہے جس کو دے کر تم دوسرے کو راغب کرتے ہو۔ بعض نے کہا کہ خراج زمین کا ٹیکس اور خرج فی کس شخصی ٹیکس ہوتا ہے۔ عرب کا قول ہے کہ "او خرج راسک و خراج مدینتک" کہ اپنی ذات کا خرچ ادا کرو اور اپنے شہر کا خراج۔ بعض نے کہا کہ جو چیز زمین پر لازم ہو یا شخصی طور پر وہ خراج ہے۔

"علی ان تجعل بیننا وبینھم سدًا" ان کے درمیان اور ہمارے درمیان ایک آڑ بنا دیجئے تا کہ وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿96﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿97﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿98﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾

(ترجمہ) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو (مال کی مجھے ضرورت نہیں البتہ) ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب (روے ملاتے ملاتے) ان کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو (دھونکنا شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کر دیا تو (اس وقت) حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرا لیا ہو گا) کہ اس پر ڈال دوں سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور (غایت استحکام کے باعث) نہ اس میں نقب دے سکتے تھے ذوالقرنین نے کہا کہ یہ (تیاری دیوار کی) میرے رب کی ایک رحمت ہے پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا (یعنی اس کے فنا کا وقت آوے گا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دے گا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے اور ہم روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جاویں گے اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے۔

تفسیر ⑮"قال"ان کوذوالقرنین نے کہا۔"مامکنی فیه"ابن کثیر نے"مکننی"پڑھا ہے دونون کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ایک نون کے ساتھ پڑھا ہے ادغام کرکے، وہ چیزیں جو مجھے اس بارے میں قوت دے دیں۔"ربی خیر"جو میرے لیے اس نے بنایا ہے۔"فاعینونی بقوة"میری مدد کرو۔ مال کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اور اپنی قوت کے ساتھ۔"اجعل بینکم وبینھم ردمًا"تاکہ میں ایک دیوار بنا سکوں۔ وہ کہنے لگے کون سی قوت آپ کو چاہیے؟ فرمایا معمار، مزدور، کارکن جو تعمیر میں اچھا کارگر ثابت ہوں اور اس قسم کے آلات۔ انہوں نے کہا کہ کون سے آلات فرمایا

⑯"اٰتونی"ابوبکر نے"ائتونی"پڑھا ہے کہ میرے پاس تم لے آؤ۔"زبر الحدید"لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے۔ اس کی واحد"زبرة"ہے۔ ان کو میرے پاس لے آؤ اور لکڑیاں بھی لے آؤ، لوگ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آئے، لکڑیاں اور کوئلے بھی ساتھ لے آئے، ذوالقرنین نے لوہے لکڑی اور کوئلوں کو تہ بہ تہ چنا اوپر لوہا، نیچے لکڑی، پھر کوئلے، پھر لوہا پھر لکڑی۔"حتّی اذا ساوی بین الصدفین"ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو اور یعقوب نے صاد کے ضمہ اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوبکر نے دال کے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں پہاڑیوں کے نام ہیں۔ ساوی: ان دونوں پہاڑیوں کے طرفوں کو ملا دیا۔

"قال انفخوا"انہوں نے تانبے کو لوہے پر ڈالا اور جب لکڑی کوئلہ سب جمع ہوگئے اور اس پر تانبا ڈالا فرمایا کہ اب اس کو پھونکو۔"حتّی اذا جعله نارًا"وہ لوہا آگ بن گیا۔"قال آتونی"حمزہ اور ابوبکر نے وصلاً پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے۔"افرغ علیه قطرًا"کہ اس پر تانبا لے آؤ افراغ کہتے ہیں بٹونا، بہا دینا، قطر پگھلا ہوا تانبا۔ لوگ تانبا لے کر آئے، پھر پگھلا ہوا تانبا دہکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا، آگ سے لکڑی اور کوئلہ جل گیا، پگھلے ہوئے تانبے نے اس کی جگہ لے لی۔ اسی طرح لوہے کی اینٹیں پگھلے ہوئے تانبے کے مصالحہ سے باہم پیوست ہوگیا اور آہنی دیوار پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس دیوار کی چوڑائی پچاس ذراع اور اس کی بلندی سو ذراع اور اس کی لمبائی ایک فرسخ ہے۔

⑰"فما اسطاعوا أن یظھروه"وہ دیوار بلند ہونے اور چکنی ہونے کی وجہ سے وہ اس پر نہیں چڑھ سکتے۔

"وما استطاعوا له نقبًا"اس دیوار کے سخت ہونے کی وجہ سے اس میں سوراخ نہیں کرسکیں گے۔ حمزہ نے"فما اسطّاعوا"پڑھا ہے طاء کی تشدید کے ساتھ اور تاء کے ادغام کی وجہ سے۔

⑱"قال"ذی القرنین نے کہا"ھذا"یہ دیوار"رحمة"نعمت ہے۔"من ربی فاذا جاء وعد ربی"اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور بعض نے کہا کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت مراد ہے۔

"جعله دکاءً"اہل کوفہ نے"دکاء"مد کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ کے ساتھ۔ یعنی زمین پر پھیلا کر اس کو ہموار کردے گا اور دوسرے قراء نے اس کو مد کے بغیر پڑھا ہے۔ اس کو زمین کے ساتھ ہموار کردے گا۔"وکان وعد ربّی حقا"

یاجوج ماجوج کا خروج قرب قیامت میں ہوگا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مرفوع بیان نقل کیا ہے کہ یاجوج وماجوج روز دیوار کو کاٹتے ہیں اور اتنا کھودتے ہیں کہ سورج کی کرنیں (دوسری طرف کی) چمکنے کے قریب ہو جاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے اب لوٹ چلو، باقی کل کو کھودلیں گے لوگ چلے جاتے ہیں، رات میں اللہ دیوار کو پھر حسب سابق کر دیتا ہے۔ دوسرے دن آ کر وہ پھر کھودتے ہیں اور اتنا کھودتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے کے قریب ہو جاتی ہے تو سردار روک دیتا ہے اور کہتا اب واپس چلو کل کو اس کی تکمیل کرلیں گے، سب واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ رات میں پھر دیوار کو پہلے کی طرح کر دیتا ہے، روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں، جب مقررہ وقت آ جائے گا اور حسب معمول دیوار کو کھود کر اتنا کردیں گے کہ ایک ورق رہ جائے گا، قریب ہوگا کہ پار کی روشنی نظر آ جائے اور سردار ان سے کہے گا اب واپس چلو کل کو ان شاء اللہ ہم اس کو کھود دیں گے۔

ان شاء اللہ کہنے کا یہ اثر ہوگا کہ واقعی دوسرے دن آ کر دیکھیں گے کہ دیوار کو جس طرح (ورق کے برابر) چھوڑ کر گئے تھے ویسی ہی ہے۔ پس بقیہ دیوار کو بھی کھود دیں گے اور پار نکل آئیں گے اور جہاں جہاں پانی ہوگا ان مقامات کی تلاش کر کے پہنچیں گے (سارے تالابوں، چشموں، کنوؤں، جھیلوں اور دریاؤں کا پانی پی جائیں گے) لوگ ان کے خوف سے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے، وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو ایسا سرخ کر کے لوٹا دے گا جیسے وہ خون آلود ہوں (اور کسی شکار کے لگ کر واپس لوٹے ہوں) وہ خوش ہو کر کہیں گے ہم زمین والوں پر بھی غالب آ گئے اور آسمان والوں پر بھی۔ اس کے بعد اللہ ان کی گدیوں (گردنوں کے پچھلے حصہ) میں گلٹیاں (یعنی وہ کیڑے جو اونٹ بکری وغیرہ کی ناک میں پیدا ہو کر باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور انسان کی گردن بغل وغیرہ میں داخل ہو کر گلٹیوں اور سرطانی زخموں کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں) برآمد کر دے گا، سب مر جائیں گے۔

دجال کے نکلنے کے بارے میں چند احادیث

امام مسلم نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صبح کے وقت دجال کا ذکر کیا (دوران ذکر میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پست بھی ہو جاتی تھی اور بلند بھی جاتی تھی یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ دجال (یہیں) نخلستان میں موجود ہے۔ پھر (دوسرے وقت) جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خوف کا اثر ہمارے اندر پہچان لیا اور) فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے دجال کا تذکرہ کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں پستی بھی تھی اور بلندی بھی، اس سے ہمارا خیال ہوا کہ کہیں (اس جگہ) نخلستان میں ہی ہے۔

فرمایا دجال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو تمہارے لیے زیادہ خوفناک ہے، دجال تو میری زندگی میں اگر برآمد ہوگیا تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کرلوں گا اور میں نہ ہوا تو اس وقت ہر شخص خود اپنی طرف سے اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔ دجال ایسا نوجوان ہوگا، اس کی ایک آنکھ پٹ ہوگی، میرے نزدیک وہ عبدالعزیٰ بن قطن سے ملتا جلتا ہوگا جو شخص اس کو پائے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات اس کے سامنے پڑھے، وہ عراق اور شام کے درمیان برآمد ہوگا اور دائیں بائیں لوٹ اور تباہی مچائے گا، اللہ کے بندو! تم (ایمان پر) ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کا قیام زمین پر کتنی مدت رہے گا، فرمایا چالیس دن۔ جن میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔

ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا جو دن سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لیے صرف ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا نہیں مقدار کا اندازہ کرلینا۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کی سرعت رفتار کی کیا حالت ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے آندھی ہو۔ کچھ لوگوں کی طرف سے اس کا گزر ہوگا، ان کو وہ اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا وہ مان لیں گے۔ دجال آسمان کو حکم دے گا ان پر بارش ہو جائے، فوراً بارش ہو جائے گی، زمین کو حکم دے گا سبزہ پیدا کر، فوراً زمین سرسبز ہو جائے گی، ان کے اونٹ جنگل سے چر کر واپس لوٹیں گے تو ان کے کوہان خوب اونچے، تھن خوب لمبے دودھ سے بھرے ہوئے اور کوکھیں (چارہ کھانے کی وجہ سے) پھولی ہوئی ہوں گی۔

اس کے بعد دجال کا گزر ایک اور قوم کی طرف ہوگا اور وہ ان کو دعوت دے گا وہ لوگ دجال کی دعوت کو رد کردیں گے، جب دجال ان کے پاس سے لوٹے گا تو فوراً وہ سب قحط زدہ ہو جائیں گے، کوئی چیز ان کے مال میں سے باقی نہیں رہے گی، دجال ویرانے کی طرف سے گزرے گا اور حکم دے گا اپنے دفینے برآمد کردے، فوراً ویرانے سے دفینے نکل کر شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر دجال ایک شخص کو طلب کرے گا جو جوانی سے بھرپور ہوگا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ دو طرف کو رسائی تیر کے فاصلے پر رکھ دے گا اور (اس شخص کو) آواز دے گا (دونوں ٹکڑے جڑ کر) وہ شخص زندہ ہو جائے گا اور ہنستا کھلکھلاتا چلا آئے گا۔ دجال اسی حال میں ہوگا کہ اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیج دے گا۔ آپ علیہ السلام دمشق کے مشرقی جانب سفید میناروں کے پاس (یا منارے پر) دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے اُتریں گے، سر جھکائیں گے تب اور سر اُٹھائیں گے تب پسینے کے قطرے چاندی کے موتیوں کی طرح آپ کے چہرے سے لڑھک کر گریں گے، آپ کے سانس کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں آپ کی نگاہ پہنچے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کی تلاش کریں گے اور لد (ایک بستی کا نام جو فلسطین میں ہے) کے پاس پہنچ کر دجال کو قتل کریں گے۔ اسکے بعد آپ ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے جن کو اللہ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہوگا، ان کے چہروں سے غبار صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں اس کی بشارت دیں گے۔ اسی دوران میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئے گی کہ میں (سد ذوالقرنین سے) اپنے ان بندوں کو نکال کر لے آیا ہوں جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے (یعنی سد ٹوٹ گیا اور یاجوج وماجوج اندر آ گئے ہیں) آپ میرے بندوں کو کوہِ طور پر لے جا کر حصار بند ہو جائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکم کی تعمیل کریں گے۔ یاجوج وماجوج آ جائیں گے، ہر ٹیلہ کی آڑ سے نکل کر پھیل پڑیں گے، ان کا اگلا گروہ بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ مردار) پر پہنچ کر تمام پانی پی جائے گا، پچھلا گروہ جب بحیرۂ طبریہ پر پہنچے گا تو وہ کہے گا یہاں کبھی پانی ضرور تھا (یعنی صرف نمی کو دیکھ کر ان کی یہ رائے ہوگی کہ یہاں کبھی پانی ضرور تھا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لیے حصار بند رہیں گے (اور پہاڑ پر اتنی غذائی قلت ہو جائے گی کہ) جتنی سو دینار کی تم لوگوں کی نظر میں آج قیمت تھی، اس سے زیادہ اس زمانہ میں گائے، بیل کی ایک سری کی ان کی نظر میں قدر ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ سے دُعا کرتے رہیں گے۔ آخر اللہ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں جراثیمی پھنساں پیدا کر دے گا جن کی وجہ سے وہ سب کے سب (یکدم) ایک آدمی کی طرح مر جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساتھیوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے اُتریں گے لیکن ان کو زمین پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں (یاجوج وماجوج کی لاشوں کی) عفونت اور سڑاند پھیلی ہوئی نہ ہو، آپ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی دُعا کریں گے اللہ ایسے پرندے بھیج دے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے، یہ پرندے تمام لاشوں کو اُٹھا کر وہاں پھینک دیں گے۔

جہاں اللہ کی مرضی ہوگی، پھر بحکم خدا ایک عظیم بارش ہوگی جو ہر گھر میں پہنچے گی، ڈیرہ، خیمہ ہو یا مٹی کا بنا ہوا مکان بارش کو کوئی آڑ روک نہ سکے گی، بارش سے ساری زمین دُھل کر صاف چکنی ہو جائے گی، پھر اللہ کے حکم سے زمین میں غلہ اور پھلوں کی خوب پیداوار ہوگی اور حاصل ارضی میں بڑی برکت ہوگی اور یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک انار ایک گروہ کے کھانے کے لیے کافی ہوگا اور اس کا چھلکا ایک جماعت کے لیے سائبان کا کام دے گا، دودھ میں بھی بڑی برکت ہوگی، ایک اونٹنی کا دودھ ڈھیروں آدمیوں کے لیے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلہ کو اور ایک بکری کا دودھ قبیلہ کی ایک شاخ کے لیے کفایت کرے گا۔ اسی حالت میں اللہ ایک خوشگوار خوشبودار ہوا چلا دے گا اور یہ ہوا ہر شخص کے بغل کے نیچے (یعنی پہلو پر) لگے گی جو مؤمن اور مسلم ہوگا اس کی روح ہوا کا جھونکا لگتے ہی پرواز کر جائے گی اور صرف برے لوگ زمین پر رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح اپنی شہوت پوری کریں گے اور آپس میں لڑتے رہیں گے انہی پر قیامت برپا ہوگی۔

مسلم کی دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ طبریہ جھیل پر پہنچ کر پچھلا گروہ کہے گا یہاں کبھی پانی تھا۔ اس کے بعد یاجوج و ماجوج کوہِ خمر پر پہنچیں گے، کوہ خمر بیت المقدس کے ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں پہنچ کر کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں، یہ کہہ کر آسمان کی طرف چھوٹے تیر پھینکیں گے، اللہ ان کے تیروں کو خون سے رنگین کر کے لوٹا دے گا۔ (تیروں کو خون سے رنگا ہوا دیکھ کر وہ خوش ہو جائیں گے)۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ پرندے ان کی لاشوں کو اُٹھا کر گڑھوں اور غاروں میں پھینک دیں گے اور مسلمان ان کے تیروں، کمانوں اور ترکشوں کو سات برس تک ایندھن کے طور پر

جلائیں گے۔ بغوی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا پھر یاجوج وماجوج سمندر پر پہنچ کر اس کا پانی پی جائیں گے اور سارے سمندری چوپائے اور جانور کھا جائیں گے یہاں تک کہ لکڑیاں اور درخت بھی اور جو آدمی ان کے پنجے میں آ جائے گا اس کو بھی کھا جائیں گے لیکن مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاجوج وماجوج کے بعد کعبہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا۔ ذوالقرنین کے قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ظلمات میں گھس گیا، پھر لوٹ کر آیا تو شہر زور میں اس کی وفات ہوگئی۔ بعض کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی عمر چھ اوپر تیس برس کی ہوئی۔

⑲ "وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ" بعض علماء نے کہا یہ واقعہ اس وقت ہوگا جب یاجوج وماجوج سد کو توڑ چکے ہوں گے یعنی دیوار توڑ کر یاجوج وماجوج پانی کی طرح لہریں مارتے داخل ہوں گے، کثرت اور ریل پیل کی وجہ سے ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہے گا اور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ بعض کا قول ہے کہ ایسا واقعہ اس وقت ہوگا کہ قیامت برپا ہو جائے گی اور لوگ قبروں سے باہر آ جائیں گے اور جنات بھی انسانوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب حیرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ "ونفخ في الصور" یاجوج ماجوج کا خروج قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور یہ قرب قیامت ظاہر ہوں گے۔ "فجمعناهم جمعًا" ایک میدان میں جمع کریں گے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: اور دوزخ کو اس روز کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے (یعنی دین حق دیکھنے سمجھنے سے) پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے۔ سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (یعنی معبود حاجت روا) قرار دیں ہم نے تو کافروں کی دعوت کے لئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے آپ (ان سے) کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہیہ کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہوگئے تو قیامت کے روز ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

تفسیر ⑩⓪ "وعرضنا" اس دن ہم سامنے لے آئیں گے۔ "جھنم یومئذ للکافرین عرضًا" یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے۔

⑩① "الذین کانت اعینھم فی غطاء" غطاء کسی چیز کو چھپانے والا پردہ۔ "عن ذکری" ذکر سے مراد ایمان اور قرآن ہے۔ ہدایت اور بیان ہے۔ بعض نے کہا کہ ذکر سے مراد دلائل و براہین کو دیکھنا ہے۔ "وکانوا لایستطیعون سمعًا" قبولیت والا سماع نہیں سن سکتے اور ایمان اس وجہ سے نہیں لا سکتے کہ ان پر بدبختی غالب آئی ہوئی ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ شعور نہیں رکھتے اور بعض نے کہا کہ وہ اس بات پر قادر نہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں اس کو اچھی طرح سمجھ سکیں، یہ ان کی شدت عداوت کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں شخص کی بات دشمنی کی وجہ سے نہیں سن سکتا۔

⑩② "افحسب" ان کافروں کا گمان ہے۔ "الذین کفروا أن یتخذوا عبادی من دونی أولیاء" اس سے مراد ارباب ہیں۔ عبادی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے ہیں بلکہ یہ معبودان باطلہ جن کو اپنا معبود بناتے ہیں اور دوست رکھتے ہیں، یہ ان کے دشمن ہیں اور قیامت کے دن ان سے برأت کرلیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شیطان ہیں جن کی اطاعت اللہ کے سوا کفار کرتے ہیں۔ مقاتلؒ کے نزدیک بت مراد ہیں، بتوں کو اس جگہ اصنام کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان الذین تدعون من دون اللہ عبادًا امثالکم" اس استفہام کا جواب محذوف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد کہ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفسوں پر ملامت کریں۔ کہتے ہیں کہ کیا وہ لوگ جو کافر ہیں گمان کرتے ہیں کہ وہ ان کے علاوہ کو اپنا مددگار بنالیں گے اور میں نہ اپنے لیے غضب کروں گا اور نہ ہی اس کا انجام برا ہوگا اور بعض نے کہا کہ کیا وہ اس بات پر گمان کرتے ہیں کہ ان کو نفع دیا جائے گا کہ میرے بندوں نے میرے سوا معبود اور کارساز پکڑ لیے۔ "انا اعتدنا جھنم للکافرین نزلًا" اس سے مراد منزل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ مقام نزول یا طعام مہمانی ہے۔

⑩③ "قل ھل ننبئکم بالاخسرین أعمالًا" وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کی پیروی ایسے عمل کے ساتھ کی جن سے وہ فضل کے اُمیدوار تھے، ان کی ساری محنتیں ہلاک اور اکارت ہوگئیں۔ جیسا کہ کسی شخص نے کوئی سامان خریدا اور اس سامان میں نفع کا اُمیدوار تھا لیکن اس کو سراسر خسارہ اُٹھانا پڑا۔ آیت میں خسارہ پانے والے لوگوں سے کون مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد رھبان ہیں جو اپنے خیال میں آخرت کے طالب اور لذائذ دُنیا سے روگرداں ہیں حالانکہ وہ شریعت اسلامیہ کے منکر ہیں، ان کی یہ ساری کوششیں سراب اور ناکارہ ثابت ہوگئیں۔

⑩④ "الذین" وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت گاہوں میں مقید کردیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حروراء والے۔ "ضل سعیھم" ان کے اعمال باطل اور ان کی کوشش رائیگاں چلی جائے گی۔ "فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا" ان کے اعمال کا بدلہ ان کو دیا جائے گا۔

⑩⑤ "اولٰئک الذین کفروا بایات ربھم ولقائه فحبطت" ان کے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ "أعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامة وزنا" قیامت کے دن ان کے لیے کوئی حصہ یا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ میرے پاس فلاں کے لیے کوئی قدر یعنی کوئی وزن نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک موٹے تازے آدمی کو لایا جائے گا۔ اس کا وزن اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر نہیں ہوگا، فرمایا اس کی تصدیق کے لیے پڑھو "فلا نقیم لھم یوم القیامة وزنًا"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے وہ اعمال اتنے بڑے ہوں گے جیسے تہامہ کے پہاڑ۔ لیکن تولنے کے بعد ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے۔ "فلا نقیم لھم یوم القیامة وزنًا"

ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ⑩⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ⑩⑦ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ⑩⑧ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ⑩⑨ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ⑪⓪

ترجمہ (بلکہ) ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا اور (یہ کہ) میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس (یعنی جنت) کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو کوئی نکالے گا) اور نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے (اور باتیں احاطہ میں نہ آویں) اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر (اس کی) مدد کے لئے ہم لے آویں اور آپ یوں بھی کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تفسیر ⑩⑥ "ذٰلک" جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے اعمال کا حبوط اور ان کی گھٹیا حرکت کی وجہ سے۔ "جزاء ھم جھنم بما کفروا واتخذوا آیاتی" آیات سے مراد قرآن ہے۔ "ورسلی ھزوًا" ان کے ساتھ مذاق اور استہزاء کیا۔

جنت الفردوس کے بیان میں

⑩⑦ "ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنت الفردوس" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ سے مانگا کرو تو فردوس ملنے کی دُعا کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے وسط میں ہے اور دوسری جنتوں سے اعلیٰ ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

حضرت کعب کا قول ہے کہ جنت میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے، بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ فردوس ربوۃ الجنۃ کو کہتے ہیں۔

کعب کا بیان ہے کہ فردوس اس باغ کا نام ہے جس میں انگور ہوں۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ باغ جو رومی کہلاتا ہے اس کو فردوس کہا جاتا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حبشہ کی زبان میں باغ کو کہا جاتا ہے جس میں گھنے درخت ہوں۔ زجاج کا قول ہے کہ یہ لفظ رومی ہے، منقول ہو کر عربی زبان میں مستعمل ہونے لگا۔

ضحاک کا قول ہے کہ فردوس اس گھنے باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت باہم گھنے ہوں۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہر پسندیدہ خوبصورت باغ کو فردوس کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں طرح طرح کا سبزہ اُگا ہوا ہو، فردوس کی جمع فرادیس آتی ہے۔ "نُزُلاً" اس سے مراد منزل ہے۔ وہ ایسی جگہ اُتریں گے جس میں پھل اور اس میں طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی۔ "کانت لھم" کا معنی یہ ہے کہ اس کا علم اس وقت بھی اللہ کو تھا جب یہ لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ "خالدین فیھا لا یبغون" وہ طلب نہیں کرتے۔ "عنھا حولاً" ان کو اس سے دور کوئی نہیں ہٹا سکے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ اس بات کا ارادہ کریں کہ وہ اس کو پھیر لیں۔ جیسا کہ کسی کو ایک جگہ موافق نہیں آتی تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں نہیں ہوگا۔

"قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا کہ آپ کا خیال ہے کہ ہم کو حکمت عطا کی گئی ہے اور آپ ہی کی کتاب میں یہ بھی ہے کہ اس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر فرمایا "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ جب یہ آیت "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" نازل ہوئی تو یہودیوں نے کہا کہ ہمیں تورات دی گئی اور اس میں ہر چیز کا علم ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "قل لو کان البحر مداداً" اس کو مداد کے ساتھ مسمّی اس لیے کیا کہ یہ کاتب کو لکھنے کے لیے مدد پہنچائی جاتی ہے۔ اس کا اصل زیادتی ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ اگر سب سمندر سیاہی بن جائیں قلموں کے لیے اور قلم لکھنے لگیں۔ "لنفد البحر" اس کا پانی ختم ہو جائے۔ "قبل أن تنفد" حمزہ اور کسائی نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فعل کی تقدیم کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ "کلمات ربی" کلمات سے مراد اس کا علم وحکمت ہے۔ "ولو جئنا بمثلہ مدداً" اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ساری

مخلوق لکھنا شروع ہو جائے تو پھر بھی اللہ کی صفات کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ اگر چہ اس سے بھی زیادہ اس کے مثل پیدا کیے جائیں۔ پھر بھی اللہ کی تعریف ختم نہیں ہوگی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان **"لو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر مانفدت کلمات اللّٰه"** یعنی جو کچھ زمین میں درخت ہیں اگر ان کی قلمیں بنائی جائیں اور سمندر کو سیاہی بنائی جائے اور اس سمندر کے بعد سات سمندر مزید سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

"قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انّما الھکم اله واحدٌ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کی تعلیم دی تا کہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے، میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ **"فمن کان یرجوا لقاء ربه"** اس تک پہنچنے کے لیے اللہ سے خوف رکھیں اور بعض نے کہا کہ اپنے رب کی رؤیت پر غور و تامل فرمائیں۔ رجاء کا معنی خوف بھی ہے اور اُمید بھی ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

فلا کل ما ترجو من الخیر کائن ولا کل ما ترجو من الشر واقع

یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم اُمیدوار ہو وہ ہو ہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے۔ یہاں پر دونوں معنوں کو جمع کیا گیا۔ **"فلیعمل عملا صالحًا ولا یشرک بعبادة ربه احدًا"** اپنے اعمال کسی کو دکھانا مقصود نہ ہو۔

حضرت جندب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرتا ہے اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے (نیکی) کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاوے کا برتاؤ کرتا ہے۔

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت پر خوف شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا (اعمال صالحہ کا دکھاوا کرنا)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساجھے دار بناتا ہے میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص سورۃ کہف کی پہلی دس آیات یاد کرے گا اس کو دجال کے فتنہ سے محفوظ کیا جائے گا۔

ابن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورۃ کہف کی اوّل و آخر پڑھی تو اس کے قدم اور سر تک نور ہی نور ہوگا اور جو پوری سورت پڑھے گا اس کے لیے زمین سے آسمان تک نور ہوگا۔

الحمدللہ تفسیر بغوی کی تیسری جلد مکمل ہوئی۔ چوتھی جلد سورہ مریم سے شروع ہے۔

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن

والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل و خواص سورہ مائدہ تا سورہ توبہ

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار و برکات اور فضائل و خواص اور اس کے روحانی و جسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورۃ یونس

سورۃ یونس کو تانبے کے پرات میں لکھ لیں پھر اس پرات میں اس پانی سے آٹا گوندھیں جو کھڑے ہوئے پانی سے تیزی کے ساتھ بھرلیا گیا ہو۔ آٹے کی مقدار ان لوگوں کے مطابق ہو جن پر چوری کا شبہ والزام ہے پھر اس آٹے کے ملزموں کی تعداد کے مطابق ٹکڑے بنالیں اور ہر ایک کو ایک ٹکڑا کھانے کیلئے دیں جو چور ہوگا وہ نہیں کھا سکے گا۔

خاصیت آیت ۱ تا ۳

الٓرٰ. تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ط قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ

شعبان کے مہینہ کے ایام بیض (13,14,15) کے تین روزے رکھے اور سرکہ وسبزی اور جو کی روٹی اور پسے ہوئے نمک سے افطاری کرے۔ پھر مغرب کی نماز کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے اور درود شریف پڑھتا رہے۔ عشاء تک پھر عشاء کی نماز پڑھ کر جب تک چاہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتا رہے پھر ایک کاغذ میں آس کے پانی اور زعفران کے ساتھ یہ آیت لکھے اور اسے سر کے نیچے رکھ کر سو جائے جب صبح ہو تو نماز پڑھے اور وہ لکھا ہوا اپنے پاس رکھ کر لوگوں کے پاس جہاں کام ہو جائے تو اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ اسے سرداری ملے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صحیح ومناسب گفتگو کرے گا اور لوگوں کے ہاں وہ معزز ومقبول ہوگا۔

خاصیت آیت ۱۲

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ ط کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

یہ آیت پنڈلیوں پاؤں اور پورے جسم کے درد کیلئے مفید ہے۔ استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ مٹی کے کورے برتن میں سیاہی سے لکھ کر برتن کو زیتون کے تیل سے بھر لو اور اسے ہلا کر لکھے ہوئے کو دھو لو پھر اسے دھیمی آنچ پر پکالیں۔ جب اور جہاں درد ہو اس جگہ پر اس تیل کی مالش کریں درد ختم ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۳۱

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

اسے میٹھے کدو کے چھلکے پر لکھ کر عورت کے دائیں بازو پر باندھنے سے بچہ کی ولادت آسانی سے ہو جائے گی۔

اگر اس آیت کو چاندی پر لکھا جائے اور پھر اسے آگ پر چڑھا کر مکھن ملائی ہوئی شہد سے دھولیا جائے جب خالی پانی سے کسی کے کان میں درد ہو تو اس کے تین قطرے ڈال دینے سے درد ختم ہو جائیگا۔

جو آدمی اس آیت کو کیلے کے پتے پر لکھ کر اس پر نیلے رنگ کا کپڑا چڑھا کر اپنے بازو سے باندھے گا تو اس کیلئے رزق آسان ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۵۷، ۵۸

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

یہ آیت اس آدمی کے گھر کے برتن پر لکھی جائے جس نے کبھی جماع نہ کیا ہو اور خالص کوفی سیاہی سے لکھی جائے اور شمر کے سبز پودے کے پانی سے دھو کر اس میں سفید ملا کر رکھ دیا جائے۔ پیٹ کی تمام بیماریوں اور گھبراہٹ وکپکی کیلئے اس کا پینا مفید ہے۔

خاصیت آیت ۸۰، ۸۱

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ

بارش کا پانی پہاڑ کے دامن میں رکا ہوا ہو اس سے ایک گھڑا بھرا جائے اس طرح کہ کوئی دیکھ نہ رہا ہو اور ایک گھڑا ایسے کنویں سے بھرا جائے جو ویران پڑا ہو پھر جمعہ کے دن ایسے درختوں کے سات پتے لئے جائیں جن کا پھل نہ کھایا جاتا ہو پھر دونوں گھڑوں کے پانی کو ملا کر پتے ان میں ڈال دیئے جائیں اور اس آیت کو پانی کی سطح پر لکھے اور اس پانی سے نہائے اس طرح کہ نہر کے کنارہ پر جا کر پاؤں نہر میں لٹکالے اور سر کے اوپر پانی ڈالے۔ اس عمل سے اس پر کیے گئے جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۸۷ تا ۱۰۷

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

یہ آیات سفید مصری پرنئی سوئی سے لکھ کر مصری کو نہر کے اس میٹھے پانی میں پگھلا دیا جائے جورات کو صبح کی اذان کے وقت نہر سے بھرا گیا ہو۔ یہ پانی جس قسم کے مریض کو پلایا جائیگا وہ تندرست ہو جائیگا۔

سورۃ ھود

جو اس سورۃ کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر اپنے پاس رکھے گا۔ اسے ہر مد مقابل طاقت ونصرت حاصل ہوگی اگر سو آدمی بھی اس کے مقابلہ پر آئیں گے تو مغلوب ہو جائیں گے اگر کوئی اسے دیکھے تو اس سے ڈرے گا جو بھی بات کرے گا اس کی موافقت میں کرے گا۔

اگر زعفران سے لکھ کر صبح شام اس کا پانی پیئے گا تو دل مضبوط ہو جائے گا اگر جن بھی مقابلہ میں آئیں تو ان سے گھبراہٹ نہیں ہوگی۔

خاصیت آیت ا تا ۴

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۙ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اروی کے سبز پتے پر طلوع فجر کے وقت کستوری اور زعفران اور عرق گلاب سے لکھ کر اس نہر کے پانی سے دھولے جس کا پانی اروی کو لگتا تھا پھر چار دن صبح شام اس پانی کو پیئے تو اس کا دل علوم کیلئے کھل جائے گا اور جو چاہے گا حاصل کرے گا۔

خاصیت آیت ۴۱

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖ۩ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

یہ آیت ساگوان کی لکڑی میں نقش کر کے کشتی کے اگلے سرے میں میخ ٹھونک کر لگا دے یا پچھلے حصہ میں تو یہ کشتی کیلئے حفاظت و بچاؤ ہوگا کشتی سمندر کے طوفانوں، گردابوں سے سلامت رہیگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے لوگوں کیلئے غرق ہونے سے تحفظ یہ ہے کہ جب وہ کشتی پر سوار ہوں تو وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖ۩ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ آخر آیت تک پڑھ لیں۔

بعض عارفین نے لکھا ہے کہ جب کشتی پر سوار ہو تو قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا (مکمل آیت) پڑھ لے اور کشتی کے پچھلے حصہ میں کھڑا ہو کر اگلے حصہ کی طرف منہ کر کے دائیں بائیں اشارہ کرے اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ اور پیچھے کی طرف اشارہ کر کے کہے عثمان رضی اللہ عنہ اور سامنے کی طرف اشارہ کر کے کہے علی رضی اللہ عنہ اور کہے بِسْمِ اللّٰهِ سَمَّيْنَا بِكٓهٰيٰعٓصٓ كُفِيْنَا بِحٰمٓعٓسٓقٓ حُمِيْنَا وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (آخر سورہ تک)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا جو آدمی کسی چوپائے یا سواری پر سوار ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الْمُلْکُ لِلّٰهِ وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (مکمل آیت) اور وَقَالَ ارْکَبُوْا (مکمل آیت) کہے تو اگر ان میں سے کوئی ہلاک ہوجائے یا ڈوب جائے تو اس کی دیت میرے ذمہ ہے۔

حضرت ابن شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ساحل پر پہنچا تو کشتی کے ساتھ پیوست تھی بائیس کشتیاں کھڑی تھیں جو غلہ سے بھری ہوئی تھیں میں ان میں سے ایک میں داخل ہوا اور مذکورہ بالا کلمات پڑھ لئے۔ تو تہائی رات تک کشتی موافق ہوا کے ساتھ چلتی رہی پھر تیز وتند ہوائیں چل پڑیں اور موجیں اٹھنے لگیں۔

چنانچہ جس کشتی میں میں سوار تھا اس کے سوا کوئی کشتی اندلس کے ساحل تک نہ پہنچ سکی اور نہ ہی ان کا کوئی نشان نظر آتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا غرق ہونے اور ہلاک ہونے سے تحفظ یہ ہے کہ جو کشتی پر سوار ہو تو وہ یہ پڑھ لے بسم اللہ الرحمن الرحیم وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (مکمل آیت) فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَکَ عَلَى الْفُلْکِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ م بَعْدِهٖ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو آدمی سمندر میں سفر کرتا ہے وہ سوار ہوتے وقت یہ پڑھ لے۔
بِسْمِ اللّٰهِ الْمُلْکُ لِلّٰهِ یَامَنْ لَهٗ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ خَائِفَةٌ وَالْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ طَائِعَةٌ وَالْجِبَالُ الشَّامِخَاتُ خَاشِعَةٌ وَالْبِحَارُ الزَّاخِرَاتُ خَاضِعَةٌ اِحْفَظْنِیْ اَنْتَ خَیْرٌ حَافِظًا وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ وَمَا قَدَرُوْ اللّٰهِ حَقَّ قَدْرِهٖ (مکمل آیت) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَعَلٰى جَمِیْعِ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْهَا (مکمل آیت)

پھر آپ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر ان کا پڑھنے والا غرق یا ہلاک ہوجائے تو اس کی دیت میرے ذمہ ہے۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ط مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِهَا ط اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
جس آدمی کو کسی شیر سے یا ظالم انسان سے یا دشمن سے یا بادشاہ و حاکم سے خوف ہو تو وہ سوتے وقت اور جاگتے وقت اور صبح و شام کو یہ آیت کثرت سے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و کفایت فرمائیں گے۔

جو آدمی سفر میں اور کشتی میں اس آیت کو کثرت سے پڑھتا رہے گا تو وہ ہر قسم کے شر و آفت اور مصیبت اور سمندری طوفانوں وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

جو بادشاہ وافسر کے پاس اسے پڑھے گا تو وہ اس کے شر سے محفوظ ہوجائے گا اور اس کا مال و جان سب محفوظ ہوجائے گا۔

اگر اس آیت کو لکھ کر اور تعویذ میں محفوظ کر کے بچہ کے گلے میں لٹکایا جائے تو وہ آفات سے محفوظ رہیگا۔

سورۂ یوسف

جو آدمی سورۂ یوسف کو لکھ کر پھر اسے پانی میں دھو کر وہ پانی پیئے اور اللہ تعالیٰ سے رزق اور تمام لوگوں میں عزت پانے کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے رزق و عزت نصیب کریں گے۔

اگر مرد اس سورۃ کو لکھ کر اور تعویذ بنا کر گلے میں لٹکائے تو اس کی بیوی اس سے بہت زیادہ محبت کرے گی۔

خاصیت آیت ۵۴ تا ۵۶

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ. فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ. اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْھَا حَیْثُ یَشَآءُ ط نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

اگر کوئی آدمی بے روزگار ہو تو وہ قمری مہینہ کی پہلی جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھے اور جمعہ کی رات میں سونے کے لئے بستر پر جانے کے وقت اس آیت کو پڑھے اور جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان اسے لکھے اور شام کو جب روزہ افطار کرنے لگے تو اس وقت بھی پڑھے اور رات کو سو سو مرتبہ لاالٰہ الا اللہ ' اللہ اکبر ' الحمد للہ اور سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہہ کر سو جائے جب صبح کو اٹھتے تو یہ نیت کرے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا اور اپنے حق سے آگے نہیں بڑھوں گا پھر وہ لکھا ہوا گھر کے باہر لٹکا دے تو اسے روزگار ملے گا اور پورا ہفتہ اس کی مدد ہوتی رہے گی۔

خاصیت آیت ۹۱ تا ۹۳

قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ

اصفہانی سرمہ ایک حصہ' مصری آدھا حصہ' زعفران چوتھائی حصہ' پانی چوتھائی حصہ' اور موسم خزاں کی پہلی بارش کا پانی نہر اور چشمہ کا پانی جو کہ ماہ دسمبر یا جنوری میں جمعرات کے دن طلوع آفتاب سے پہلے لیا گیا ہو۔ یہ اجزاء جمع کر لینے کے بعد ہر دوائی کو علیحدہ علیحدہ کوٹ لیں پھر سب کو ملا کر شمر کے سبز پودے کے پانی میں کھرل کر کے چھوڑ دیں جب خشک ہو جائے تو پھر دوسری مرتبہ خزاں کی بارش کے پانی میں کھرل کریں اور خشک کر لیں پھر تیسری بار دسمبر یا جنوری میں بھرے ہوئے پانی میں کھرل کریں پھر چوتھی مرتبہ ایسے شہد میں جو آگ کے قریب نہ گیا ہو اور سرکہ میں کھرل کر لیں۔ جب خشک ہو جائے تو مذکورہ بالا آیات کو شیشہ کے پیالہ میں زعفران کے ساتھ لکھیں اور دسمبر والے پانی سے دھو لیں۔ پھر سرمہ کو دوائیوں کے کشتہ سمیت اسی پانی میں کھرل کریں اور اسے خشک کر لیں۔ اب اسے آنکھ کی ہر قسم کی تکلیف کے لئے استعمال کریں۔ خصوصاً آنکھ میں سفیدی آنے کے لئے شفاء ہو گی۔

خاصیت آیت ۹۹، ۱۰۰

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا. وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

اگر کوئی آدمی ناحق قید میں ہوتو وہ یہ آیت لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھ لے اور کثرت سے اس کی تلاوت بھی کرے رہا ہو جائے گا۔ اگر کوئی دشمن ستارہا ہوتو بھی یہی عمل کرے اس کی اذیت سے چھٹکارا مل جائے گا۔

سورۃ الرعد

سخت اندھری رات میں جبکہ بارش برس رہی ہو۔ بادل گرج رہے ہوں اور بجلی چمک رہی ہوتو اس وقت میں یہ سورۃ لکھے اور بارش کے پانی سے دھوکر یہ پانی اندھیری رات میں ظالم حکمران یا افسر کے دروازے کے باہر چھڑک دے تو اس دن کو جب وہ ظالم گھر سے باہر نکلے گا تو اپنے عہدہ سے معزول کردیا جائے گا۔

اور اندھیری رات میں آگ کی روشنی میں یہ سورۃ لکھ کر اور پانی سے دھوکر اسی وقت ظالم عہدے دار کے دروازے پر چھڑک آئے تو بھی وہ ظالم اپنے عہدہ سے معزول کردیا جائیگا۔

خاصیت آیت ۱ تا ۳

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

یہ آیت زیتون کے چار پتوں پر لکھ کر باغ یا گھر یا دکان وغیرہ جس کی ترقی و برکت اور آبادی مقصود ہو اس کے چاروں کونوں میں ایک ایک پتہ دفن کردے تو ترقی و برکت حاصل ہوگی اور اگر کسی نے دکان تعمیر کرنا ہو اور اس میں مشکلات درپیش ہوں تو اپنے پلاٹ کے چاروں کونوں میں ایک ایک پتہ دفن کردے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد اس کے لئے مکان کی تعمیر کے اسباب ہوتے چلے جائیں گے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ

اگر کوئی آدمی یہ معلوم کرنا چاہے کہ حاملہ خاتون کے پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ یا اگر کسی نے زمین میں کہیں کوئی چیز دفن کی تھی یا کہیں کوئی چیز رکھی تھی اور اب وہ جگہ بھول گیا ہے اور اس جگہ کا پتا لگاتا ہے یا کسی غائب شدہ کی واپسی کے بارے میں خبر حاصل کرنی ہے کہ وہ واپس آئے گا یا نہیں؟ یا مریض کے بارے میں یہ تجسس ہے کہ اب یہ صحت یاب ہو سکے گا یا نہیں؟ یا اسی طرح کا کوئی ایک اور مسئلہ ہے تو وہ آدمی نہا دھو کر باوضو ہو کر صاف ستھرا لباس پہنے خوشبو لگائے اور سوموار کے دن کا روزہ رکھے۔ رات کو باوضو ہو کر سو جائے اور منگل کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے یہ آیات سبز کپڑے کے ٹکڑے میں زعفران اور عرق گلاب کے ساتھ لکھے اور اس ٹکڑے کو عود اور عنبر کی دھونی دے کر کسی ڈبیہ میں اس طرح سے بند کرے کہ سورج چاند اور کوئی انسان وغیرہ کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ جب بدھ کی رات آئے تو عشاء کی نماز کے بعد اپنے بستر پر بیٹھ کر یہ پڑھے۔

یَا عَالِماً بِخَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ یَامَنْ هُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اِطَّلِعْنِیْ عَلیٰ کُلِّ مَآ اُرِیْدُ اِنَّکَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے تو خواب میں کوئی آ کر اسے اس کی مطلوبہ چیز کے بارے میں بتائے گا۔ اگر اس رات میں کوئی نہ آئے تو یہی عمل جمعرات کے دن روزہ رکھے اور جمعہ کی رات میں پھر یہی عمل کرے تو یقیناً خواب میں اسے خبر دیدی جائے گی۔

خاصیت آیت ۱۸، ۲۱ تا ۲۵

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰی ط وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْاَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ط اُولٰٓئِکَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ اور

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّ یَدْرَءُ وْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْ م بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ

اگر کسی دشمن کی ہلاکت اور بربادی مطلوب ہو تو قمری مہینہ کی اٹھائیس تاریخ کو روزہ رکھے اگر اٹھائیس کا یہ دن ہفتہ کا دن ہو تو بہت ہی خوب ہے۔ اس روزہ کی افطاری جو کی روٹی سے کرے۔ رات کو آدھی رات کو جس وقت کہ شدید اندھیرا ہوا تھے اور خالی جنگل بیابان میں یا کسی خالی گھر کی چھت پر جائے اور صنوبر کی لکڑی اور سندرس (ایک قسم کا گوند جو دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے) جلا کر مذکورہ آیات سات مرتبہ پڑھے اور ہر دفعہ یہ بھی ساتھ کہے۔

اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ بفلان بن فلانة (یہاں دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام لے)

اَللّٰهُمَّ اعْکِسْ اَمْرَهٗ وَاَخْذُلْهُ وَلَا تُثَبِّتْ قَدَمَهٗ وَاَحْلُلْ بِهٖ مَا اَحْلَلْتَ بِکُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ

اس کے دشمن کے حالات خراب ہونے شروع ہو جائیں اور ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھنا شروع ہو جائے گا۔

سورۂ ابراہیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو مومن سورۂ ابراہیم پڑھے اسے تمام بت پرستوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملتا ہے۔

اگر اس سورۃ کو سفید ریشم کے ٹکڑے پر باوضو ہو کر لکھا جائے اور بچہ کے بازو پر باندھ دیا جائے تو بچہ کا رونا' ڈرنا ختم ہو جائے گا نظر بد سے محفوظ رہے گا اور اس کا دودھ چھڑانا آسان ہوگا۔

خاصیت آیت ا تا ۴

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ نِ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ط اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ م بَعِیْدٍ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ط فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

جو آدمی ان آیات کو صاف پانی پر پڑھے اور اس پانی سے کھانا بنا کر اپنی اولاد یا اپنے شاگردوں کو کھلائے تو وہ انہیں بہت ہی ذہین وفطین اور فصیح پائے گا۔

خاصیت آیت ۱۲

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ط وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ط وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ

یہ آیت لکھ کر گلے میں لٹکانے سے ہاتھوں اور پاؤں کی تکلیف والا مریض صحت یاب ہو جاتا ہے اور جس کو نظر بد لگی ہو خواہ کسی انسان کی یا جن کی تو وہ کسی بیکار چھوڑے ہوئے کنوئیں سے ایک گھڑا پانی کا بھر کر اس پر یہ آیت پڑھے اور کسی چوک پر جا کر اسی پانی سے تین راتیں نہائے تو اس پر سے نظر کا اثر ختم ہو جائے گا۔

جو آدمی مچھروں اور پسوؤں سے پریشان ہو وہ پانی پر سات مرتبہ یہ آیت پڑھے۔ سات مرتبہ یہ کہے ان کنتم آمنتم باللہ فکفوا شرکم عنا ایتھا البراغیث اور اس پانی کو اپنے سونے کی جگہ کے اردگرد چھڑک دے۔

بعض عارفین کی تحریروں میں دیکھا ہے کہ کتے پر وَکَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ پڑھے تو وہ کچھ نہیں کہے گا

اور بچھو پر سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ پڑھے تو وہ کچھ نہیں کہے گا

اور پسوؤں پر وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ط وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ط وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ

والی پوری آیت پڑھے تو وہ بھی پریشان نہیں کریں گے۔

خاصیت آیت ۱۳ تا ۱۷

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ م بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ

اگر کسی کھیت کو کیڑے یا چوہے یا ٹڈیاں وغیرہ خراب کر رہی ہوں تو وہ یہ آیات زیتون کی لکڑی کی چار تختیوں پر بدھ کے دن سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے لکھے اور کھیت کے ہر ایک کونے میں ایک تختی دفن کرے اور ہر تختی دفن کرتے ہوئے یہ آیات تین مرتبہ پڑھے تو سب موذی جانور اس کے کھیت سے چلے جائیں گے۔

خاصیت آیت ۲۴

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ

بارش کے پانی پر یہ آیت اکیس مرتبہ پڑھ کر وہ پانی کھجوروں، درختوں اور کھیتوں کی جڑوں میں ڈالیں تو باغات اور کھیتی میں برکت ہوگی اور ان میں نقصان وخسارہ نہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۳۲ تا ۳۴

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ. وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ. سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ

اگر کوئی آدمی صبح شام اور سوتے وقت اور اپنے ہمسایوں کے ہاں آتے جاتے وقت اور اپنے کھیت و باغ میں کام کرتے ہوئے اس آیت کو پڑھتا رہے تو اس کی ہر چیز میں برکت ہوگی اور اس کی ہر چیز محفوظ رہے گی۔

سورۂ حجر

(۱) اگر کسی عورت کا دودھ کم ہو تو یہ سورۃ حجر زعفران سے لکھ کر اسے پلا دی جائے تو اس کا دودھ بہت ہو جائے گا۔

(۲) اگر کوئی اس سورۃ کو زعفران سے لکھ کر اپنی جیب میں رکھے تو اس کے پاس بہت مال آئے گا اور خرید و فروخت میں کوئی اس سے ناراض نہ ہوگا لوگ اس کے معاملات سے خوش ہونگے۔

خاصیت آیت ۹

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ

(۱) اس آیت کو چاندی کی پتری پر لکھے جمعہ کی رات کو اس پتری پر چالیس دفعہ اس آیت کو پڑھ کر دم کر کے لپیٹ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ کر پہن لے تو اللہ کوئی ایسا بندوبست فرمادیں گے کہ جس سے اس کے مال واولاد اور سب چیزوں کی حفاظت ہوگی۔

اور اگر اس انگوٹھی سے خالص موم پر مہر لگا کر جس درد والے کو اس کی دھونی دی جائے گی اس کا درد فوراً ختم ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۶، ۱۷

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ

اس آیت کو انگوٹھی کے نگینہ پر کندہ کرالیا جائے تو جو آدمی وہ انگوٹھی پہنے یا اس آیت کو ہرن کی باریک کھال پر لکھ کر گلے میں لٹکایا جائے تو حاکم وافسر اور رؤسا سب اس آدمی کی عزت کریں گے اور سب اس کی بات مانیں گے چاہے کوئی عورت پہنے یا مرد۔

سورۂ نحل

(۱) جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر باغ کی دیوار میں لگا دے اس باغ میں جتنا پھل ہوگا سب گر پڑیگا۔

(۲) اگر یہ سورۃ لکھ کر دشمن کے گھر ڈالی جائے تو وہ سب ایک سال کے اندر اندر تباہ و برباد ہو جائینگے۔

تنبیہ:۔ ایسے اعمال میں سخت احتیاط اور خوف خدا کی ضرورت ہے سوائے ظالموں کے کسی کے ساتھ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل

(۱) اگر اس سورۃ کو زعفران کے ساتھ لکھ کر پانی میں گھول کر اس بچہ کو پلا دیا جائے جو باتیں نہ کرتا ہو تو وہ فوراً باتیں کرنے لگے گا۔

خاصیت آیت ۴۵ تا ۴۷

وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَکَ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا وَّجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا

(۱) اگر کوئی شخص ڈرتا ہو یا اسے برے خیالات آتے ہوں تو اس سورۃ کے پڑھنے سے یہ شکایت ختم ہو جائے گی۔

(۲) جس آدمی کے پیچھے کوئی جن لگا ہوا ہو۔ یہ سورۃ پشمینہ کے نیلے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر اس کے بازو پر باندھ دیں۔ جن بھاگ جائے گا۔

امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں قرآن کریم کی چار آیتیں ضرور یاد کر لینی چاہئیں۔

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ہیں۔اور انہیں ہر خوف' بیماری اور مصیبت کے لئے لکھ لینا چاہئے۔پہلی آیت سورۃ انعام میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ

دوسری آیت سورۃ نحل میں ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ

تیسری آیت سورۃ کہف میں ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا تک اور چوتھی سورۃ جاثیہ میں ہے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

خاصیت آیت ۸۲

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

(۱) ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا بچہ لائی اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ۔میرے اس بچہ کو مرگی ہے آپ دعا فرمائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ تو وہ لڑکا تندرست ہو گیا۔

(۲) امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک شخص ہر قسم کی بیماری کے لئے دم کیا کرتا اور مریض شفایاب ہو جاتے۔ایک دفعہ اس سے پوچھا گیا کہ آپ کیا پڑھتے ہیں؟

تو اس نے کہا بیماریاں کئی ہیں دم ایک ہے اور شفا دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ دم یہ ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بچوں کی نظر کے لئے پڑھتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ' فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ سورۃ کے آخر تک

خاصیت آیت ۱۰۶،۱۰۵

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا

جو شخص غمگین اور تنگ دل ہو اور وسوسوں اور برے خیالات میں مبتلا ہو وہ دس دن یا جتنے رکھ سکے متفرق روزے رکھے اور اپنے ہاتھ کی حلال کمائی سے افطار کرے پھر عشاء کی نماز کے بعد پانی کے ایک کوزہ پر اس آیت کو دس بار دم کرے چار دفعہ دم کرے اور اس میں سے کچھ پانی پی کر سو جائے اور جب رات کو جاگے تو بھی تھوڑا سا پی لے اس کی تمام پریشانی و تکلیف جاتی رہے گی۔

سورۂ کہف

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی سورۃ بتاؤں جس کی عظمت سے آسمان اور زمین کا درمیانی خلا بھر گیا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بھی اسی قدر اجر و ثواب ملتا ہے جو شخص اس سورۃ کو جمعہ کے دن پڑھے تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے اس کے سارے گناہ اور اس سے تین دن زیادہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو شخص جمعرات کے دن سوتے وقت اس سورۃ کی آخری آیات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنا دیتے ہیں۔

(۲) اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن پڑھے اس کو اتنا نور ملتا ہے جو اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان میں سما جائے۔

(۳) جو شخص اس سورۃ کو لکھا کر کسی شیشہ کے برتن میں ڈال کر اپنے گھر میں رکھ دے تو اسکے گھر سے فاقہ و تنگ دستی دور رہتی ہے اور قرض اور لوگوں کی ایذا سے محفوظ رہتا ہے کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

(۴) اگر اس سورۃ کو لکھ کر غلہ میں رکھ دیں تو وہ ہر قسم کے کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ) کی نایاب قرآنی تفسیر ''تفسیر میرٹھی'' سے منتخب آیات کے فضائل وخواص

سورہ یونس آیت 82-81

خواص- فلما القوا الخ کسی شخص نے کسی پر جادو کردیا ہو تو ایک برتن میں پانی بھر کر رکھ لے پھر پڑھے (فلما القو سے المجرمون تک) اور فوقع الحق وبطل ما کانو یعملون' چار آیتوں کے آخر تک اور (انما صنعوا کید ساحر) آخر آیت تک اور پانی پر دم کر کے اس مسحور کے سر پر ڈال دے ان شاء اللہ شفا ہوگی۔

سورہ ھود آیت 41 کی خاصیت

خواص- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ مجریھا و مرسھا انّ ربیّ لغفور رحیم وما قدر واللہ حق قدرہ آخر آیت تک پڑھنا میری اُمت کو غرق سے محفوظ رکھتا ہے۔

سورہ رعد آیت 8 کی خاصیت

خواص- اللہ یعلم الخ جس عورت کے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں اور لڑکا نہ ہوتا ہو اس کے لئے مفید ہے حمل پر مہینے گزرنے سے پیشتر اللہ یعلم سے لے کر متعال تک اور ایک آیت سورہ مریم کی یازکریاانا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہٗ من قبل سمیاط ہرن کی جھلی پر گلاب اور زعفران سے لکھے اور پھر اس کے نیچے یہ عبارت لکھے بحق مریم وعیسیٰ ابنھا صالحا طویل العمر بحق محمد وآلہ اور یہ متبرک تعویذ حاملہ باندھے ہے۔

سورہ رعد آیت 31 کی خاصیت

خواص- ولوان اس آیت کو جمیعا تک ہرن کی جھلی پر لکھ کر بانجھ عورت کی گردن میں ڈالے ان شاء اللہ صاحب اولاد ہوگی۔

سورہ ابراہیم وسورہ حج کی خاصیت

خواص- حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ ابراہیمؑ اور دوسری رکعت میں سورہ حجر تو اس کو فقر اور جنون اور مصیبت نہ آوے۔

خاصیت آیات شفا

خواص وفضائل۔تمام قرآن جسمانی روحانی ہر مرض کی شفا کا باعث ہے اگر عقیدہ پختہ ہو تو کوئی مرض ایسا نہیں کہ جو قرآن کے باعث نہ دور ہو جاوے البتہ موت سے چارہ نہیں۔

سورہ بنی اسرائیل آخری دو آیتوں کی خاصیت

خواص: قل ادعو اللہ آخر سورت تک چوری سے امن کا باعث ہے۔

سورہ کہف کی فضیلت وخاصیت

خواص۔قل الحمد الخ اس آیت کا نام آیت العز ہے ہر رنج کے لئے دافع ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کبھی مجھ کو کوئی رنج وغم پیش آیا فوراً جبرئیلؑ نے آ کر کہا اے محمد پڑھو قل الحمد للہ آخر سورہ تک۔ (یعنی مکمل سورہ کہف)

سورہ کہف کی مزید خاصیت

خواص۔سورہ کہف یوں تو قرآن کی ہر سورت بلکہ ہر ہر لفظ موجب برکت وثواب ہے مگر جمعہ کے دن اس سورۃ کا پڑھنا بڑی برکت وثواب کا باعث ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز یا شب جمعہ کو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا تو اس شخص کو پڑھنے کے مقام سے مکہ معظمہ تک نور عنایت ہوگا اور دوسرے جمعہ تک معہ تین دن زیادہ اس کے گناہ معاف ہوں گے اور ستر فرشتے اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں گے۔اس کے خواص سے ہر درد سر اور درد دل اور جزام اور جمیع بلیات سے محفوظ رہے گا جو شخص شروع کی دس آیتیں حفظ کر لے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور جو اس مقدس سورہ کے اول وآخر حصہ کو پڑھے گا اس کے سر سے پیروں تک نور ہوگا۔اور جو تمام سورہ پڑھے گا اس کے زمین سے آسمان تک نور جگمگاتا ہوگا۔

سورہ کہف آیت 39 کی خاصیت

خواص۔حدیث ہے کہ جس کو اللہ پاک مال یا اولاد مرحمت فرمائے اور وہ شخص ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہے تو موت کے سوا ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

سورہ کہف آخری چار آیات کی خاصیت

خواص۔جو شخص رات کسی وقت اٹھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اس سورت کی آخر آیتیں پڑھ کر سو رہے جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اس وقت آنکھ کھل جائے گی۔

اغلاط نامہ .... جلد سوم

معذرت:۔...طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
22	لِجَنْمبۃ	لِجَنْبِۃ
34	من مثله	مثله
46	هم علٰی قلوب	علٰی قلوب
79	مجرسٰها	مجريها
79	واسوها	ورسوها
107	واقم الصّلٰو	واقم الصّلٰوة
122	ام كذب	وم كذب
126	وراداته	وراودته
127	احسن مثوی	احسن مثوٰی
130	المخلصلين	المخلصين
160	والله اعلم ما	والله اعلم بما
161	لی ربی	لی ابی
166	یا بُنی	یا بُنَیَّ
178	يبين يديه	بين يديه
178	كلّ شيءٍ	كلّ شيءٍ
183	اء ذا كنا	ء اذا كنا
188	بقوم سوءٍ	بقوم سوءً
189	ويصيب	فيصيب
196	واانفقوا	وانفقوا
201	سيرت با لجبال	سيرت به لجبال
214	كان الله	كان لنا
239	اِنَّکَ لَمَجْنُوْن	اِنَّکَ لَمَجْنُوْنَ
227	سَخَّرَلَكُمْ	وَسَخَّرَلَكُمْ
248	فنفخت	ونفخت
249	قال الم	قال لم
264	سبح بحمد	فسبح بحمد
279	لَا يَسْتَكْبِرُوْن	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
299	السواء بما	السوء بما
301	ما ينزل	بما ينزل
301	و بشرىٰ للمؤمنين	وبشرىٰ للمسلمين
307	هم الرسول منهم	هم رسول منهم
340	منثورا	منشورا
367	يزجي لم الفلک	يزجي لكم الفلک
385	ولكن نؤمن	ولن نؤمن
389	ما انزل علی هولاء	ما انزل هولاء
409	فهو المهتدی	فهو المهتد
436	فلما بلغ	فلما بلغا

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِيل

ازامام الکبیر ابومحمد حسین بن مسعود الفرأ بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد چہارم... سُورۃ مریم تا سُورۃُ العنکبوت

خصوصیات

قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ
فقہی احکام اور مسائل کا التزام
مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح وتفسیر
قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
تفسیر کے مطابق قرآنی متن وترجمہ اپنی جگہ پر

بشمول قرآنی فضائل وخواص

ازابومحمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفِیّہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التَّنزِیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد چہارم... سُورۃ مریم تا سُورۃُ العنکبوت

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابومحمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

تفسیر بغوی اردو

تاریخ اشاعت..........رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ
ناشر............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.................. سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور | دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک......پشاور | مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ......کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی | مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

سُورَۃ مَرْیَم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مکی سورت ہے اور اس کی اٹھانوے آیات ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ❶ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ❷ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ❸ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ❹ وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ❺ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ❻

ترجمہ: کھیعص یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (جس میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں (بوجہ پیری) کے کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی اور (اس کے قبل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دے دیجئے کہ وہ (میرے علوم خاصہ میں میرا وارث بنے یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب (اپنا) پسندیدہ بنائیے

تفسیر: ❶ "کٓھٰیٰعٓصٓ" ابوعمرو نے ھاء کے کسرہ اوری کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر اور حمزہ نے دونوں کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی، ابوبکر اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قسم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی تھی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "کٓھیعص" میں کاف سے مراد کریم، کبیر ہے اور ھاء سے مراد ھادٍ (ہدایت دینے والا) اوری سے رحیم عین سے علیم و عظیم اور صاد سے صادق ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کافی ہے اور اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا، ان کے ہاتھوں پر اُس کا ہاتھ، تمام عالم کو جاننے والا اور اپنے وعدہ میں صادق ہے۔

❷ "ذِکْرُ" وہ جو ہم آپ کے سامنے ذکر کریں گے۔ "رَحْمَتِ رَبِّکَ" اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ "ذکر ربک" تمہارے رب کا ذکر "عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا" ان کو اپنی رحمت ملنے کی وجہ سے عبد کہا۔

③ " اِذْنَادٰی "جب پکارا" رَبَّهٗ "محراب سے" نِدَآءً خَفِیًّا" آہستہ آوازرات کے نصف حصے میں۔

④ "قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ" جب وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے۔" اَلْعَظْمُ مِنِّیْ" ہڈیاں بوڑھی ہوگئیں۔قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دانتوں کا گرجانا ہے۔"وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ" جب سر کے بال سفید ہو گئے۔"شَیْبًا" وہ سفید ہوگیا۔"وَلَمْ اَكُنْ م بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا" پہلے زندگی میں جو میں نے تجھ سے دُعائیں مانگیں تو نے قبول فرمائیں، میری دُعا کو قبول کرنا تیرا معمول رہا ہے اس معاملے میں تم نے مجھے رُسوانہیں کیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے ایمان کی طرف دعوت دی، میں نے تیری دعوت قبول کی، ایمان کو ترک کر کے بدبخت اور نامراد نہیں ہوا۔

⑤ "وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ" موالی چچا کے بیٹوں کو کہتے ہیں یا وہ لوگ جو میرے بعد میری اُمت کے درستگی کے متولی ہوں گے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اس سے مراد عصبات ہیں۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلالہ ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد ورثہ ہیں۔ "مِنْ وَّرَآءِ یْ "میری موت کے بعد۔ ابن کثیر نے "مِنْ وَّرَآءِ یْ " یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا" جو بچے نہ جنتی ہو۔" فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ" اپنی طرف سے مجھے عطا کیجئے۔"وَلِیًّا"

⑥ " یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ" ابوعمرو اور کسائی نے ثاء کے جزم کے ساتھ دُعا کے جواب میں فرمایا اور دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے حال اور صفت ہونے کی وجہ سے یعنی "ولیًا وارثًا"

وراثت کے متعلق ائمہ کے اقوال

وراثت میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو میرے مال اور آل یعقوب کا وارث ہو جوان کا ذمہ دار اور متولی ہو اور خاندان یعقوب کا بھی صحیح متولی ہو۔ بعض نے کہا کہ میراث سے مراد نبوت اور علم کی میراث ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد احبار کی وراثت ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام احبار کے بڑے تھے۔ زجاج کا قول ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہاں اس کو محمول کیا جائے غیر مال پر کیونکہ تمام نسل یعقوب کا میراث کا وارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا اور حضرت زکریا علیہ السلام نبی برحق تھے آپ علیہ السلام کی شان سے بعید تھا۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اللہ کا دین ان کے ہاتھوں متغیر نہ ہو جائے اور احکام کو تبدیل نہ کرلیں جس طرح کہ بنی اسرائیلیوں نے اللہ کے احکام کو تبدیل کر کے پھر انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کیا۔ میں اپنے رب سے نیک صالح اولاد کا سوال کرتا ہوں جس سے ان کی اُمت محفوظ وسلامت رہے اور وہ میری نبوت کا وارث ہو اور اس پر عمل کا وارث ہو۔ "وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا" یعنی تو اس کو اپنا پسندیدہ بنانا اور ان کے قول وعمل کو پسند فرمانا۔

یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰی

یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ⑧ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَۃً ط قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ⑩

ترجمہ: اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں ارشاد ہوا کہ حالت (موجودہ) یونہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا) تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ (امر) مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے (تب) زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے، رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے ارشاد ہوا کہ تمہاری (وہ) علامت یہ ہے کہ تم تین رات (اور تین دن تک) آدمیوں سے بات نہ کرسکو گے حالانکہ تندرست ہوگے۔

تفسیر ⑦ "یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ" اس میں اختصار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی دُعا کو سن لیا اور فرمایا اے زکریا! (علیہ السلام) ہم آپ کو اس غلام کی خوشخبری دیتے ہیں۔ "بِغُلٰمِ" اس سے مراد لڑکا ہے۔ "اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا" قتادہ اور کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہم نام ہے اور صراحت کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء کا قول ہے کہ اس سے شبیہ اور مثل مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**ھل تعلم لہ سمیا**" اس کی مثال اور اس کی شبیہ کو جانتے ہو۔ معنی اس کا یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں کیونکہ اس نے نہ کبھی نافرمانی کی اور نہ ہی نافرمانی کا ارادہ کیا اور بعض نے کہا کہ انہوں نے کبھی عورتوں کی طرف میلان نہیں کیا کیونکہ یہ سیداً وحصوراً ہیں۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفسیری قول نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مثل ہوتا اور بعض نے کہا کہ جو فضائل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھے وہ فضائل کسی اور نبی میں نہیں تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بحیثیت مجموعی تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہوں گے کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ ان سے پہلے گزر چکے تھے جو ان سے افضل ہیں۔

⑧ "قَالَ رَبِّ اَنّٰی" وہ کہاں سے آئے گا۔ "یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا" انتہا کی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں۔ قتادہ کا قول ہے کہ کیا ہماری ہڈیوں کو واپس جوان کیا جائے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے "**عتا الشیخ یعتو عتیا**" جب وہ انتہائی بڑھاپے میں پہنچ جائے تو اس کے اعضاء وغیرہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ عاتی وہ بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں خشکی کی طرف مائل ہو جائیں، سوکھنے لگیں "عتا الشیخ" اس بوڑھے کی عمر انتہا کو پہنچ گئی۔

⑨ "قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ" بمعنی آسان ہے۔ "وَّقَدْ خَلَقْتُکَ" حمزہ اور کسائی نے "خلقناک"

پڑھا ہے۔نون اورالف کے ساتھ تعظیم کے معنی میں ہے۔" مِنْ قَبْلُ "حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے۔" وَلَمْ تَکُ شَیْئًا"

⑩ " قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً " میری بیوی کے حمل کی کوئی نشانی بتلا دیجئے۔" قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا " ایسی حالت میں کہ وہ صحیح سالم ہوگا۔یعنی کوئی بیماری لاحق نہ ہوگی گونگا پن نہیں ہوگا۔مجاہد نے کہا کہ کلام سے روکنے والا کوئی مرض نہیں ہوگا۔بعض نے سویا کا ترجمہ کیا ہے مسلسل متواتر،اوّل ترجمہ صحیح ہے۔روایات میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تین دن تین رات کسی سے بات نہیں کرسکے،صرف اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّعَشِیًّا ⑪ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۔وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوةً ۔وَکَانَ تَقِیًّا ⑬ وَّبَرًّام بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ⑮ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِیًّا ⑯

ترجمہ پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور ان کو اشارے سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو اور ہم نے ان کو (ان کے) لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی اور وہ بڑے پرہیز گار اور اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور وہ (حق کے ساتھ) سرکشی کرنے والے (یا حق تعالیٰ کی) (نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان کو (اللہ تعالیٰ کا) سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کتاب میں مریم کا ذکر بھی کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ (ہوکر) ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا (غسل کے لئے) گئیں پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔

تفسیر ⑪ "**فخرج علی قومه من المحراب**" لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا علیہ السلام اندر سے دروازہ کھولیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں۔اچانک زکریا علیہ السلام دروازہ کھول کر باہر آگئے،چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا،لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارے سے ان کو تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا۔"فاوحی الیهم" مجاہد فرماتے ہیں کہ اوحی کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر لکھ دیا۔"ان سبحوه" کہ اللہ کے لیے نماز پڑھو۔"بکرة" صبح کے وقت "وعشیا" میرے ساتھ۔جب حضرت زکریا علیہ السلام صبح و شام اپنی قوم پر نکلتے تو وہ ان کو تسبیح و صلوٰۃ کا حکم دیتے۔جب ان کی زوجہ کو حمل ہوا تو ان کو بات کرنے سے روکا گیا۔پھر یہ نماز وغیرہ کا حکم اشارے کے ساتھ کرتے تھے۔

⑫ "یایحیی" اس میں حذف کلام ہوا ہے۔پورا کلام اس طرح تھا زکریا علیہ السلام کی بیوی حاملہ ہوگئی،پھر یحییٰ علیہ السلام

پیدا ہوگئے، پھر جب وہ بولنے کے قابل ہوئے تو ہم نے ان کو خطاب کیا۔ "خذالکتاب" تورات کو پکڑو۔ "بقوۃ" کوشش کے ساتھ۔ "واتیناہ الحکم" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ "صبیا" اور وہ تین سال کے تھے۔ بعض نے کہا کہ حکم سے مراد کتاب کی سمجھ، وہ تورات پڑھتے تھے بچپن میں۔ بعض سلف وصالحین کا قول ہے کہ جس نے بلوغت سے پہلے قرآن یاد کرلیا، سیکھ لیا، وہ ان میں سے شمار ہوگا جن کو بچپن میں حکمت عطا کی گئی۔

⑬ "وحنانا من لدنا" ہماری طرف سے رحمت۔ "وزکاۃ" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زکوٰۃ سے مراد اخلاص اور فرمانبرداری ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے۔ یہی امام ضحاک کا قول ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی، وہ اپنے بندوں پر دل کی نرمی سے پیش آتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طاعت کی طرف بلائیں اور ان کے ذریعے لوگوں سے عمل صالح کروائیں۔

کلبی کا بیان ہے کہ زکوٰۃ سے مراد ہے محض عطیہ الٰہی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والدین کو بصورت یحییٰ عطا ہوا تھا۔ "وکان تقیا" وہ اطاعت شعار، طاعت گزار جس نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

⑭ "وبرّا بوالدیه" والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا، ان پر بوجھ بننے والا نہیں تھا بلکہ ان پر احسان کرنے والا۔ "ولم یکن جبارًا عصیا" اس سے مراد جبار متکبر ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جبار وہ شخص ہے جو شدت غضب سے مارتا اور قتل کرتا ہو۔

⑮ "وسلام علیه" ہر دُکھ اور اذیت سے اللہ کی طرف سے اس کے لیے سلامتی ہے۔ "یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیًا" سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دُنیا میں آتا ہے دُنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دُنیا میں اس کو کبھی نظر نہیں آئے۔ زندہ ہوکر میدان حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ان تینوں حالات ومقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

⑯ "واذکر فی الکتاب" کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ "مریم اذ انتبذت" الگ ہوگئیں اور دور ہوگئیں۔ "من اهلها" اپنی قوم سے "مکانا شرقیا" مکان کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ چونکہ سردی کا زمانہ اور سرد دن تھا۔ اس لیے حضرت مریم علیہا السلام مکان کی شرقی جانب سر میں کنگھا کرنے کے لیے بیٹھیں اور بعض نے کہا کہ حیض سے طہارت کا غسل کرنے کے لیے سب سے الگ اور دور چلی گئیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس وجہ سے عیسائی مشرق کی طرف منہ کرکے عبادت کرتے ہیں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ⑰ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ⑱ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ⑲ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ⑳ قَالَ كَذٰلِكِ

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا 21 فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا 22

ترجمہ پس (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرئیلؑ کو بھیجا اوران کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (کچھ) خداترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جاوے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں وہ (تعجباً) کہنے لگیں کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اوراس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں اور باعث رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی) پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس حمل کو لئے ہوئے (اپنے گھر سے) کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔

تفسیر 17 "فاتخذت" پس ڈال دیا۔ "من دونهم حجابًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حجاب سے مراد پردہ ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دیوار کی اوٹ میں بیٹھ گئیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ پہاڑ کی اوٹ میں بیٹھ گئیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام مسجد میں رہتی تھیں لیکن ایام حیض میں مسجد سے ہٹ کر اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی تھیں اور فراغت کے بعد پھر مسجد میں آ جاتی تھیں۔ اتفاقاً ایک روز کپڑے اُتارے، غسل کر رہی تھیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خوش رو بے ریش و برودت، روشن چہرہ، گھنگھریالے بال متناسب القامت نوجوانوں کے بھیس میں آ کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فارسلنا اليها روحنا" اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ "فتمثل لها بشرًا سويًا" بعض لوگوں نے کہا کہ روح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ہے جو بشر کی شکل میں آ گئی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مریم علیہا السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ان کو آدمی ہی خیال کیا تو دور سے ہی پکارا۔

18 "قالت انى اعوذ بالرحمٰن منك ان كنت تقيا" اگر تو مؤمن مطیع ہے۔ سوال یہ ہے کہ فاجر شخص سے تعوذ طلب کیا جاتا ہے پھر حضرت مریم علیہا السلام نے کیسے فرمادیا۔ "انى اعوذ بالرحمٰن منك ان كنت تقيا" اس کا جواب دیا گیا۔ یہ اس قول کی طرح ہے جیسے کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اگر تو مؤمن ہے تو تم مجھ پر ظلم نہیں کرو گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مناسب ہے کہ تمہارا ایمان ظلم سے مانع ہو۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ مناسب یہ ہے کہ تمہارا تقویٰ تمہارے لیے فجور سے مانع ہو۔ خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ اگر تو پرہیز گار بھی ہے تب بھی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور اگر پرہیز گار نہیں ہے بدکار ہے تب تو اللہ کی پناہ کی خواستگار بدرجہ اولیٰ ہوں۔

19 "قال" حضرت مریم علیہا السلام کو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ "انّما انا رسول ربّك لاهب لك" تافع اور اہل

بصرہ کی یہی قرأت ہے ''لیھب لک'' تاکہ تجھے تیرے رب کی طرف سے ہبہ کروں۔ دوسرے قراء نے ''لاھب لک'' پڑھا ہے فعل کی نسبت رسول کی طرف کی ہے۔ اللہ کی طرف ہبہ کی نسبت اس لیے کی کیونکہ فرشتہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ ''غلامًا زکیا'' نیک صالح لڑکا جو گناہوں سے پاک ہے۔

⑳ ''قالت'' حضرت مریم علیہا السلام نے کہا ''انّی'' وہ کہاں سے آئے گا۔ ''یکون لی غلام ولم یمسسنی بشرٌ'' مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا، یعنی میرا کوئی شوہر نہیں جس نے میری قربت کی ہو۔ ''ولم اک بغیًا'' اور نہ ہی میں گناہ گار عورت ہوں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی مراد یہ تھی کہ لڑکے کا ہونا یا تو نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے یا برے کام سے جبکہ یہاں دونوں نہیں۔

㉑ ''قال'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا ''کذلک'' بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے مریم! (علیہا السلام) جس طرح آپ کہتی ہو اسی طرح ہوگا لیکن ''قال ربک'' تمہارے رب نے کہا ''ھو علیّ ھیّن'' کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کرنا میرے لیے آسان ہے۔ ''ولنجعلہ ایۃ'' علامت بنادیں گے۔ ''للناس'' جو ہماری قدرت پر دلالت کرنے والی ہوگی۔ ''ورحمۃ منا'' اور نعمت بنادیں گے جو اس کے دین کی تابعداری کرے گا۔ ''وکان'' اور یہ کام ''امرًا مقضیا'' یہ فیصلہ ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا جا چکا نہ اس کام کو رد کیا جائے گا اور نہ ہی تبدیل کیا جائے گا۔

㉒ ''فحملتہ'' بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کُرتے کے گریبان کو چٹکی سے پکڑ کر کھینچا اور پھر گریبان پر پھونک ماردی، جب انہوں نے وہ کُرتا پہنا تو وہ حاملہ ہوگئیں اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے دوپٹہ کو انگلی سے پکڑ کر کھینچا اور اس پر پھونک ماردی۔ بعض نے کہا کہ قمیص کی آستین میں پھونک ماردی۔ بعض نے کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے منہ میں پھونک ماردی اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دور سے ان کے گریبان میں پھونک ماردی۔ ''فانتبذت بہ'' جب وہ حاملہ ہوگئیں تو حمل کو لیے ہوئے گھر سے دور چلی گئیں۔ ''مکانًا قصیا'' اپنے گھر والوں سے دور ہوگئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وادی بیت المقدس کے آخری حصے میں چلی گئیں تاکہ لوگ بدنام نہ کریں تہمت سے بچنے کے لیے وہ سب سے علیحدہ چلی گئیں۔ ان کے مدت حمل اور وضع حمل میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حمل اور ولادت ایک ہی گھڑی میں ہوئی۔ بعض کا قول ہے کہ ان کی مدت حمل نو ماہ ہوئی جیسے عام عورتوں کی مدت حمل ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ حمل کی مدت رہی۔ دوسری آیت میں ہے کہ کوئی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں آٹھ ماہ زندہ نہیں رہتا۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ رہے، اتنی مدت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ میں رہے اور پیدا ہوئے۔ بعض نے چھ ماہ کا قول نقل کیا ہے۔ مقاتل بن سلیمان کا قول ہے کہ وہ ایک ساعت میں حاملہ ہوئیں۔ دوسری ساعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بنی اور تیسری ساعت میں زوال کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی عمر دس سال کی تھی اور حاملہ ہونے سے پہلے دو بار حیض ہو چکا تھا۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

ترجمہ پھر دردِ زہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی نیست و نابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی پس جبرئیل نے ان کی (اس) پائیں (مکان) سے ان کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو تمہارے رب نے تمہاری پائیں میں ایک نہر پیدا کردی ہے اور اس کھجور کے تنہ کو (پکڑ کر) اپنی طرف کو ہلاؤ اس سے تم پر خرمائے تر و تازہ جھڑیں گے پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے سو آج میں کسی آدمی سے نہیں بولوں گی پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔

تفسیر ﴿۲۳﴾ "فاجاء ھا" درد ولادت نے ان کو مجبور کیا اور ان کو لے آیا۔ "المخاض" ولادت کا درد "الی جذع النخلة" یہ کھجور کا درخت صحرا میں سخت گرمی کی وجہ سے خشک کھڑا تھا اور اس پر کوئی پتہ وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے سایہ حاصل کرسکیں اور بعض نے کہا کہ درد ان کو لے آیا، درخت کے ایک تنے کی طرف تا کہ وہ اس کے ساتھ سہارا بھی لگائیں اور اس سے پردہ بھی کریں۔ "قالت یالیتنی مت قبل ھذا" وہ موت کی تمنا کرنے لگیں، لوگوں سے حیا کرنے کی وجہ سے اور رُسوائی کے خوف سے "وکنت نسیا" حمزہ اور حفص نے (نسیا) نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغتیں ہیں جیسے وَتر اور وِتر، جَسر، جِسر، وہ چیز جو بھولی جا چکی ہو، لغت میں نسی وہ چیز جو پھینک دی گئی ہو اور حقیر ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو۔ "منسیا" چھوڑی ہو (بھولی بسری) ایسی چیز جو نہ پہچانی جائے اور نہ ہی اس کا تذکرہ کیا جائے۔ عکرمہ اور ضحاک کا قول ہے اور مجاہد کا قول ہے کہ مُردار جو پھینک دیا گیا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی۔

﴿۲۴﴾ "فناداھا من تحتھا" ابوجعفر، نافع، حمزہ اور کسائی نے "من تحتھا" کے میم و تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ٹیلے سے پیچھے نشیبی جانب سے حضرت مریم علیہا السلام کی بے صبری اور بے قراری سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آواز لگائی غمگین نہ ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آواز لگائی "الا تحزنی" یہ قول مجاہد اور حسن کا ہے۔ اول قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ یہی قول امام سدی، قتادہ، ضحاک کا بھی ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی جزع فزع سنی۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آواز لگائی کہ غمگین نہ ہو۔ "قد جعل ربک تحتک سریًا" والسری چھوٹی نہر کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر تو حکم دے گی تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور رُکنے کا حکم دے گی تو رُک جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا اور بہنے لگا اور بعض حضرات نے کہا کہ وہاں پر خشک نہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نہر کو جاری کر دیا اور اس نہر کی وجہ سے خشک کھجور کا درخت تر و تازہ ہو گیا اور پھل دار ہو گیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سری تھے یعنی عالی قدر سردار تھے۔

25 "وھزی الیک" حضرت مریم علیہا السلام کو کہا گیا کہ وہ اس کو حرکت دیں۔ "بجذع النخلۃ" عرب کہتے ہیں کہ "ھزہ وھزّبہ" جیسا کہ کہا جاتا ہے "حزّ رأسہ و حزّ برأسہ" اس نے سر ہلایا اور اس نے اپنے سر کو جھکایا۔ "تساقط علیک" تاء کے فتحہ کے ساتھ معروف قرأت ہے۔ تاء اور کاف کے فتحہ کے ساتھ اور سین کی تشدید کے ساتھ۔ یہ اصل میں "تتساقط" یہاں پر دو تائیں میں ادغام کیا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس کھجور کے تنہ کو ہلاؤ گی تو اس سے تر کھجوریں گریں گی۔ حمزہ نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور تاء کو حذف کیا ہے۔ حضرت حفص نے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور قاف کے کسرہ کے ساتھ تفاعل کے وزن پر اس صورت میں تساقط بمعنی "أسقط" کے ہوگا۔ اس میں تانیث نخلۃ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعقوب نے (یساقط) پڑھا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ اس صورت میں یہ جذع کی طرف راجع ہوگی۔ "رطبا جنیا" بمعنی "مجنیًا" کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا کہ جنی اس کو کہتے ہیں جو انتہائی درجہ تک پہنچ جائے۔ ربیع بن خثیم کا قول ہے۔

26 "فکلی واشربی" اے مریم! ان تر کھجوروں سے کھاؤ اور اس پانی کی نہر سے پیو۔ "وقری عینا" اس سے اپنے آپ کو خوش کر بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "قرّ اللہ عینک" اللہ تیری آنکھ کو قرار دے۔ یعنی آنکھ کو صاف رکھے یا اللہ تیرے دل کو قرار دے خوش کرے اور خوش کن مناظر دکھائے۔ بعض نے کہا کہ تمہیں اللہ اس سے سلا دے۔ کہا جاتا ہے کہ "قرّ یقرّ اذا سکن" جب آنکھ سے خوشی کے آنسو نکلتے ہیں تو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غمی کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے ان کی آنکھ ٹھہرا دی، یعنی سلا دیا۔ "فاما ترینّ من البشر أحدًا" اس پر نون تاکید داخل ہو گیا تو یاء کو کسرہ دے دیا۔ "التقاء ساکنین" کی وجہ سے۔ "فقولی انی نذرت للرحمٰن صومًا" اس سے مراد خاموش رہنا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ صوم لغت میں مطلق رکنے کو کہتے ہیں کھانے پینے اور کلام سے۔ سدی کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں جو لوگ زیادہ مجاہدہ کرتے تھے وہ جس طرح روزہ میں کھانا نہیں کھاتے تھے، کلام بھی کسی سے نہیں کرتے تھے

شام تک خاموش رہتے تھے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ "فلن اکلم الیوم انسیًا" کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ملائکہ سے بات کرتی تھی انسان سے بات نہیں کرتی تھی۔

㉗ "فاتت به قومها تحمله" بعض نے کہا کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریم علیہا السلام آئی تھیں۔ حضرت کلبی کا بیان ہے کہ یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو ایک غار میں لے جا کر رکھا تھا وہاں آپ چالیس دن تک رہیں جب ایام نفاس ختم ہوگئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر نکلیں، راستے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، اماں تم کو بشارت ہو میں اللہ کا بندہ اور مسیح ہوں جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھائے ہوئے قوم والوں کے پاس پہنچیں، وہ لوگ بڑے دیندار اور نیکوکار تھے۔ مریم علیہا السلام کے پاس بچے کو دیکھ کر اتنے رنجیدہ ہوئے کہ رو پڑے اور ان کے گھر والے صالحین میں سے تھے۔

"قالوا یا مریم لقد جئت شیئًا فریًّا" بڑا منکر کام۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ کلام ہو یا عمل جو بھی فائق یا عجیب ہو اس کو فریٔ کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "فلم اریٰ عبقریا یفری فریة" کہ میں نے کوئی کامل حاذق ایسا نہیں دیکھا جو عمر کے عمل کی طرح عجیب تعجب آفریں عمل کرتا ہو۔

㉘ "یا اخت هارون" مراد اس سے حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا۔

یا اخت هارون سے کون مراد ہیں؟

قتادہ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں ہارون بہت نیک صالح شخص تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب یہ نیک صالح شخص مرا تو اس کے جنازے میں چالیس ہزار ہارون نام کے شامل ہوئے دوسرے لوگوں کے علاوہ۔ حضرت مریم علیہا السلام بھی بڑی عبادت گزار تھیں، نیکی اور عبادت کی وجہ سے ان لوگوں نے مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہہ دیا۔ نسبی بہن مراد نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے "انّ المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" فرمایا ہے اور فضول مال برباد کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا۔ یعنی شیطانوں کی طرح نہ کہ شیطان کا نسبی بھائی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں خراسان پہنچا تو اہل خراسان نے مجھ سے کہا کہ تم قرآن میں "یا اخت هارون" پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنا نام رکھتے تھے۔

کلبی کا بیان ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاتی بھائی کا نام ہارون تھا۔ بنی اسرائیل میں وہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھا۔ سدی کا قول ہے کہ اخت ہارون کہنے سے ان کی مراد تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام

کی نسل میں سے ہونا۔ تمیم کے قبیلہ کے فرد کو اخوتمیم کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا بد چلن آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا۔ "ما کان ابوک" اس سے مراد حضرت عمران ہیں "امرا سوء" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی زانیا ہے "وما کانت امک" ماں سے مراد حضرت حنا ہیں "بغیا" اس سے مراد زانی ہے تو یہ بچہ کہاں سے لائی ہو۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿29﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىْ نَبِيًّا ﴿30﴾

ترجمہ: پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے خود بھی بات چیت کرتا ہو اور یہ بچہ بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں۔ اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بناوے گا)

تفسیر: ﴿29﴾ "فاشارت" حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کیا۔ "الیہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف تا کہ وہ کلام کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔ روایت میں آتا ہے جب حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو قوم والے غصہ ہونے لگے اور کہنے لگے کہ ایک تو تم نے جرم کیا اور دوسرا ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہو۔ پھر فرمایا "قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا" آپ کی گود میں کون ہے؟ مہد سے مراد گود ہے۔ کان بمعنی ھو کے ہے۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ کان صلہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ بچہ گود میں کیسے کلام کرے گا۔ بعض جگہ آیا کہ کلام میں یہ زائد معنی کا اعتبار ہے، اس کا کوئی معنی نہیں۔ جیسا کہ ان کا قول "ھل کنت الا بشرًا رسولاً" اس کا مطلب ہے "ھل انا" کیا میں ہوں۔ سدی کا قول ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رُخ کر کے بول اُٹھے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جونہی حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹالیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا۔

﴿30﴾ "قال انی عبداللّٰہ" وہب نے کہا جب حضرت مریم کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریا علیہ السلام آ گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، اگر تجھے حکم دیا گیا ہے تو اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول اُٹھے، اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔ حضرت مقاتل کا بیان ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا اور سب سے پہلے یہی کلام کیا تھا تا کہ لوگ آپ کو اللہ نہ سمجھنے لگیں۔

"اٰتانی الکتاب و جعلنی نبیا" بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو عنقریب کتاب دیں گے اور آپ کو اپنا نبی منتخب کریں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ خبر ہے جو لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب

دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد انجیل ہے کہ بچپن میں ہی آپ کو انجیل عطا کردی گئی تھی جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پہنچے بھی نہ تھے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو تورات اس وقت عطا کی گئی تھی جب یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے۔

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا ﴿31﴾ وَّبَرًّام بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿32﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿33﴾ ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿34﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿35﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿36﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿37﴾

ترجمہ اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ ہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں اور جس روز میں (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو) اولاد اختیار کرے وہ (بالکل) پاک ہے وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو سو وہ ہو جاتا ہے اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو (صرف) اسی کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال دیا سو ان کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی (ہونے والی) ہے جس روز یہ لوگ (حساب وجزا کے لئے) ہمارے پاس آویں گے۔

تفسیر ﴿31﴾ "وجعلنی مبارکا اینما کنت" جس طرف آپ متوجہ ہوں گے اس جانب کو ہم آپ کیلئے نافع بنا دیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے معلم خیر ہونا مراد ہے۔ عطاء نے کہا اللہ کی توحید و عبادت کی طرف بلانے والا۔ بعض نے کہا مجھے اللہ نے ان لوگوں کے لیے جو میری پیروی کریں مبارک بنایا ہے۔ "واوصانی بالصلاۃ والزکاۃ" مجھے ان دونوں کا حکم دیا گیا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مال نہیں تھا، پھر زکوٰۃ کا حکم کیسے دے دیا؟

جواب ❶ بعض حضرات نے کہا کہ اگر آپ مال دار ہوتے تو پھر زکوٰۃ ہوگی۔

❷ آپ کو زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کا حکم آگے جاری کریں۔ جو صاحب استطاعت ہوں وہ اپنی زکوٰۃ نکالیں۔ ❸ بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد اس جگہ مالی زکوٰۃ نہیں بلکہ بکثرت بھلائی کرنا مراد ہے۔ "ما دمت حیا"

32 "وبرًّا بوالدتی" اور مجھے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا بنا۔ "ولم یجعلنی جبارًا شقیا" اور اپنے رب کا نافرمان نہ بنا اور بعض نے کہا کہ شقی وہ ہے جو گناہ تو کرے لیکن توبہ نہ کرے۔

33 "والسلام علیّ یوم ولدت" پیدائش کے وقت شیطان کی چونک سے محفوظ رہے۔ "ویوم اموت" اور موت کے وقت شرک سے حفاظت کروں گا۔ "ویوم ابعث حیًّا" اور اُٹھائے جانے والے ھول سے حفاظت کروں گا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا تو اس کلام کے بعد سب لوگ سمجھ گئے کہ مریم گناہ سے پاک ہیں۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہوگئے اور اس عمر تک کوئی بات نہیں کی جس عمر تک معمولاً بچے بات نہیں کرتے۔

34 "ذلک عیسی بن مریم" زجاج کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا "انی عبداللہ عیسیٰ بن مریم"...... "قول الحق" ابن عامر عاصم، یعقوب نے لام کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ نصب مصدر کی وجہ سے ہے۔ بعض نے کہا کہ اس نے حق کہا۔ "الذی فیہ یمترون" اس کا معنی ہے اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ کہنے والے نے کہا کہ نعوذ باللہ وہ اللہ کا بیٹا ہے اور بعض کہنے والوں نے کہا کہ وہ نعوذ باللہ اللہ ہے اور بعض نے نعوذ باللہ کہا کہ وہ ایک جادوگر ہے اور دوسرے قراء نے لام کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہی حق ہے۔ قول کی اضافت حق کی طرف کر دی۔ جیسے کہا جاتا ہے "حق الیقین، وعد الصدق" اور بعض نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ برحق ہیں۔ وہ جس میں لوگ شک کرتے ہیں اور اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ اس کو ناحق سمجھتے تھے۔ پھر اپنے سے ولد کی نفی کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

35 "ما کان للہ أن یتخذ من ولد" اللہ کے لیے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی اولاد اختیار کرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ لام منقول ہے۔ "ای ما کان اللہ أن یتخذ ولدًا"...... "سبحانہ اذا قضی أمرًا" جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ "فانما یقول لہ کن فیکون"

36 "وان اللہ ربی وربکم" اہل حجاز اور ابوعمرو نے "ان اللہ" الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ ماقبل جملہ کی طرف لوٹے گا۔ "و اوصانی بالصلوٰۃ والزکاۃ" اور اس وجہ سے کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اہل شام کوفہ، یعقوب نے الف کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ نقل کیا ہے۔ "فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم"

37 "فاختلف الاحزاب من بینھم" اس سے مراد یہودی وعیسائی یا نصاریٰ کے تینوں فرقے مراد ہیں۔ عیسائیوں کے تین بڑے فرقے ہوگئے۔ نسطوریہ، ملکانیہ، یعقوبیہ۔ "فویل للذین کفروا من مشھد یوم عظیم" یوم سے قیامت کا دن مراد ہے۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ 38 وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ‌ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ 39

ترجمہ: کیسے شنوا اور بینا ہو جاویں گے لیکن یہ ظالم آج (دنیا میں کیسی) صریح غلطی میں ہیں اور آپ ان لوگوں کو

جائے گا۔ تا کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ نیکی کرتا (تو اس کو یہ ملتا) اس کو اس پر حسرت ہوگی۔

حضرت یحییٰ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُبی سے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا پشیمانی کیسی؟ فرمایا اگر نیکوکار ہوگا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہے۔ "وهم فی غفلة" آخرت میں ان سے جو معاملہ کیا جائے گا اس کی طرف سے بھی غافل ہیں۔ "وهم لا يؤمنون" اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝٤٠ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝٤١ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝٤٢ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝٤٣ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝٤٤ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝٤٥ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا ۝٤٦

ترجمہ تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس لوٹائے جاویں گے اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا (قصہ) ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا) کہا اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو میں سیدھا رستہ بتلاؤں گا اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیمؑ اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مارے پتھروں کے سنگسار کر دوں گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔

تفسیر ⑩ "انا نحن نرث الارض ومن عليها" جب زمین میں رہنے والے سب کو موت دی جائے گی اور سب کو ہلاک کر دیا جائے گا اللہ رب العزت اکیلے رہ جائیں گے جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث رہ جاتا ہے۔ "والينا يرجعون" ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

⑪ "واذكر فی الكتاب ابراهيم انه كان صديقا نبيًا" صدیق کہا جاتا ہے جو بہت سچ بولنے والا ہو اور اس پر وہ قائم ہو۔ بعض نے کہا کہ صدیق اس کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی وحدانیت اور انبیاء اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہو اور قیامت پر بھی ایمان رکھتا ہو اور

جن امور کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو بجالائے، وہ صدیق ہے، نبی وہ ہوتا ہے جس کو براہِ راست اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے۔

㊷"اذ قال" جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا "لابیه" اپنے والد آذر سے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے "یا ابت لم تعبد مالا یسمع" جو آواز نہیں سنتے۔"و لا یبصر" اور کوئی چیز نہیں دیکھتے۔"و لا یغنی عنک" نہ وہ ان کو کفایت کرے۔"شیئًا"

㊸"یاابت انی قد جاء نی من العلم" اللہ کی ذات وصفات کا جو علم مجھے ملا ہے "مالم یأتک فاتبعنی" میرے دین پر "اهدک صراطًا سویا" اس سے صراط مستقیم مراد ہے۔

㊹"یا ابت لاتعبدالشیطان" آپ شیطان کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ آپ کے سامنے کفر وشرک کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔"ان الشیطان کان للرحمٰن عصیا" اس سے مراد نافرمان ہے۔کان حال کے معنی میں ہے یعنی وہ اسی طرح ہے۔

㊺"یا ابت انی أخاف" میں جانتا ہوں۔"أن یمسک" آپ کو پہنچ جائے۔"عذاب من الرحمٰن" اگر آپ کفر پر قائم رہیں۔"فتکون للشیطان ولیا" وہ دوزخ میں ساتھی ہوگا۔

㊻"قال" ان کے والد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے عرض کیا:"اراغب أنت عن الهتی یا ابراهیم لئن لم تنته" اگر تو میرے لیے خاموش نہ ہوا اور میرے معبودوں کے عیوب کا تذکرہ کیا یا ان کو برا بھلا کہا "لارجمنک" کلبی مقاتل اور ضحاک کا قول ہے کہ میں تجھے گالیاں دوں گا اور سخت سست کہوں گا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تجھے بہت سخت ماروں گا۔ حسن کا قول ہے کہ میں تمہیں پتھروں سے زخمی کردوں گا۔"واهجرنی ملیا" کلبی کا بیان ہے کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ طویل مدت تک۔مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ملیا کا ترجمہ ہے وقت، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہمیشہ، اس کا اصل معنی ہے ٹھہرنا اور اسی لیے کہا جاتا ہے "تملیت حینًا" ملوان کہا جاتا ہے دن ورات۔قتادہ اور عطاء کا قول ہے صحیح سالم الگ ہو جا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ میرے پاس سے صحیح سالم چلا جا ورنہ تجھے میری طرف سے دُکھ پہنچے گا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّىْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّىْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّىْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ط وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ابراہیم نے کہا میرا سلام لو تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور (علیحدہ ہو کر اطمینان سے) اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔

پس جب ان لوگوں سے اور جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرما دیا اور ہم نے (ان دونوں میں) ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے وہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا۔

تفسیر 47 "قال سلام علیک" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے سلامتی ہو میں آپ کو کوئی ناپسندیدہ امر (جس سے آپ کو تکلیف ہو) نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ان کو اس وقت ان کے کفر کی وجہ سے قتال کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ جدائی اور مفارقت کا سلام تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ سلام نیکی اور لطف کا تھا۔ یہ جواب حلم ہے جو بے وقوف کو دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلامًا"...... "سأستغفر لک ربّی" اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اللہ سے مشرک باپ کی مغفرت کی دُعا کروں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب سے دُعا کروں گا کہ وہ آپ کو شرک وکفر سے توبہ کرنے اور اسلام وایمان اختیار کرنے کی توفیق دے جو امر موجب مغفرت ہو اس کے حاصل ہونے کی توفیق ملنے کی دُعاء مشرک کے لیے کی جاسکتی ہے۔ "انه کان بی حفیا" وہ مجھ پر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ وہ عالم ہے میری دُعاء کو جانتا اور قبول فرماتا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس نے مجھے دُعاء کا عادی بنا دیا ہے۔

48 "واعتزلکم وما تدعون من دون الله" میں کنارہ کشی کرتا ہوں ان معبودوں کی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ مقاتل کا بیان ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے جدائی اختیار کر کے ارض مقدسہ کی طرف چلے گئے۔ "وادعوا ربّی" کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ "عسى أن لا اكون بدعاء ربی شقیا" جس طرح تم اپنے بتوں کی پوجا کر کے اور ان کو پکارنے کے بعد بھی ناکام رہتے ہو اس طرح میں اپنے رب کو پکار کر اور اس کی عبادت کر کے نامراد نہیں رہوں گا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اُمید ہے کہ جب میں اس سے دُعاء کروں تو وہ میری دُعاء قبول کرے گا اور تمہارے معبود تمہاری دعا قبول نہیں کرتے۔

49 "فلما اعتزلهم وما يعبدون من دون الله" وہ یہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔

50 "ووهبنا لهم من رحمتنا" ہمیں انعام دیا۔ کلبی کے نزدیک رحمت سے مال اور عزت مند اولاد مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ کتاب و نبوت مراد ہے۔

"وجعلنا لهم لسان صدق علیا" یعنی وہ باتیں جن کی تمام مذاہب والے تعریف کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں ان کی ایسی خوبیاں ہیں جو امتداد زمانہ کے باوجود پوشیدہ نہیں ہیں۔

51 "واذكر فی الكتاب موسىٰ انه كان مخلصا" اللہ عزوجل کی خالص عبادت جس میں کسی قسم کا کوئی دکھاوا نہ ہو۔ اہل کوفہ نے "مخلصا" لام کے فتحہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی داغ وغیرہ سے خالص کر دیں گے۔ "وکان رسولاً نبیًا"

⑤②"وناديناه من جانب الطور الايمن" وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب تھا، مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کو طور کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس پہاڑ کا نام زبیر کہا ہے۔ حضرت موسیٰ مدین سے واپس آ رہے تھے۔ مصر کی طرف جانے کا ارادہ تھا، دور سے آپ نے آگ روشن دیکھی اور ندا آئی "یا موسٰی انّی انا اللّٰہ رب العالمین"......"وقربناه نجيًا" ان کے ساتھ مناجات کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے معنی اس کا یہ ہے کہ اس کو قریب کیا اور ان کے ساتھ کلام کیا۔ تقرب کا معنی ہے کہ اس کا کلام انہوں نے سنا اور بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے مقرب ہوئے کہ قلم سے لکھنے کی آوازیں آئیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ⑤③ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ⑤④ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ⑤⑤ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ⑤⑥ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ⑤⑦

ترجمہ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا اور اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کیجئے بیشک وہ بڑے راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند مرتبہ تک پہنچایا۔

تفسیر ⑤③"ووهبنا له من رحمتنا أخاه هارون نبيًّا" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعاء کی اور کہا "واجعل لی وزيرًا من اهلي هارون أخي" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سن لی اور ان کو حضرت ہارون علیہ السلام عطا کیے اور اسی وجہ سے ان کو ہبہ کیے گئے تھے۔

⑤④"واذكر في الكتاب اسماعيل" اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں۔ "انه كان صادق الوعد" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ وعدے کے سچے تھے جب بھی کوئی وعدہ کرتے اس کو پورا کرتے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو واپس نہیں آئے گا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا، وہ شخص تین روز میں یا برقول کلبی سال کے بعد واپس آیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ منتظر پایا۔ "وكان رسولاً" جرہم قبیلے کی طرف بھیجا گیا تھا۔ "نبيًّا" اللہ عزوجل نے اس کی خبر دی۔

⑤⑤"وكان يامر أهله" انہوں نے اپنی قوم کو حکم دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ نے اپنے اہل وعیال اور پوری اُمت کو حکم دیا۔ "بالصلاة والزكاة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو شریعت فرض کی ہے اور جس کی تعمیل اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام پر فرض کی تھی اور وہی ملت حنفیہ ہم پر بھی فرض ہے۔ "وكان عند ربه مرضيا" اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم اور اعمال وافعال کی استقامت کے پابند تھے۔ اس لیے اللہ ان سے راضی تھا۔

⑯"واذكر في الكتاب ادريس" یہ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ ان کا نام اخنوخ تھا۔ کتب کے زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ان کا نام ادریس پڑ گیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام قلم سے لکھنے اور کپڑے سینے اور سلا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں۔ آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم اور اس کے حساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔ "انه كان صديقًا نبيًّا"

مکاناً علیاً کی مختلف تفسیریں

⑰"ورفعناه مكانًا عليًّا" اس سے مراد جنت ہے اور بعض حضرات کے نزدیک دُنیا میں بلند مرتبہ کا حاصل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد چوتھے آسمان پر اُٹھایا گیا یہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا۔ یہ حدیث سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم میں بیان کر دی گئی۔

کعب احبار کا بیان ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ایک روز دن بھر چلے اور دھوپ کی تیزی اور تپش سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، میرے رب ایک روز دھوپ کی تپش میں چلنے سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی، پانچ سو برس کی مسافت جو ایک دن میں چلنے پر مجبور ہو اس کی کیا حالت ہوگی؟ اے میرے رب! اس سورج کی گرمی ہلکی کر دے اور جو فرشتہ اس کو چلاتا ہے اس کا بار کم کر دے۔ دوسری صبح کو فرشتہ کو محسوس ہوا کہ سورج میں گرمی ہلکی ہوگئی جو روز کے معمول کے خلاف تھی۔ عرض کیا اے میرے رب! تیرے اس حکم (تخفیف) کی کیا وجہ ہے؟ اللہ نے فرمایا، میرے بندے ادریس نے درخواست کی تھی کہ میں سورج کی گرمی کم کر کے تیرے اوپر سے اس کا بار ہلکا کر دوں، میں نے اس کی دُعا قبول کر لی، فرشتہ نے عرض کیا، پروردگار! میری اس سے دوستی کرا دے، اللہ نے اجازت دے دی، آفتابی فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا۔ ادریس علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی عزت ہے تو ملک الموت سے میری سفارش کر دے کہ وہ میری موت میں کچھ مدت ڈھیل کر دے تاکہ میں اللہ کے شکر و عبادت میں مزید اضافہ کر سکوں۔ فرشتے نے کہا آئی ہوئی اجل کو تو اللہ کسی کے لیے نہیں ٹالتا۔ بہر حال میں ملک الموت سے کہوں گا۔ اس کے بعد آفتابی فرشتہ ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا کر لے گیا اور طلوع آفتاب کے مقام کے قریب ان کو ٹھہرایا۔ پھر ملک الموت سے جا کر کہا، میرا آپ سے ایک کام ہے بنی آدم میں سے میرا ایک دوست ہے جس نے مجھ سے سفارش کرائی ہے کہ آپ اس کی موت کو کچھ پیچھے کر دیں۔

ملک الموت نے کہا مجھے اس کا اختیار نہیں، ہاں اگر تم چاہتے ہو تو اتنا کر سکتا ہوں کہ اس کو اس کے مرنے کی اطلاع پہلے سے دے دوں تاکہ وہ پہلے سے تیاری کر لے۔ آفتابی فرشتے نے کہا اچھا ملک الموت نے اپنے رجسٹر میں ادریس علیہ السلام کا نام دیکھا، دیکھ کر بولا، آپ نے مجھ سے ایسے شخص کے متعلق گفتگو کی ہے جو میرے خیال میں آئندہ کبھی نہیں مرے گا (کیونکہ اس کا

نام زندوں کے اس رجسٹر میں نہیں ہے جو مرنے والے ہیں) آفتابی فرشتے نے کہا یہ کیسے ملک الموت نے کہا، میں نے اپنے رجسٹر میں یہ بات پائی کہ وہ آدمی طلوع آفتاب کے قریب مرے گا (چنانچہ وہ مرگیا اب زندہ نہیں ہے) آفتابی فرشتے نے کہا میں جو آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کو چھوڑ کر آیا ہوں ملک الموت نے کہا اب جا کر دیکھو تم اس کو مردہ پاؤ گے اس کی زندگی کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے، فرشتے نے جا کر دیکھا تو ادریس علیہ السلام کو مردہ پایا۔

آسمان پر کون سے انبیاء زندہ ہیں

وہب بن منبہ نے کہا آسمان پر ادریس علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں۔ ایک جماعت نے کہا وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور صرف وہی ہی نہیں بلکہ چار انبیاء زندہ ہیں خضر اور الیاس زمین پر اور ادریس و عیسیٰ علیہم السلام آسمان پر۔ وہب نے بیان کیا آسمان پر روزانہ ادریس علیہ السلام کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی، فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک الموت کو ادریس علیہ السلام سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ ادریس علیہ السلام کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا۔ ادریس علیہ السلام ہمیشہ روزے رکھتے تھے جب افطار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا، ملک الموت نے کھانے سے انکار کر دیا، تین روز ایسا ہی ہوتا رہا، اب ادریس علیہ السلام کو ملک الموت کا انکار ناگوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں، اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں۔ ادریس علیہ السلام نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے؟ ادریس علیہ السلام نے کہا کہ آپ میری روح قبض کر لو، فرشتے نے روح قبض کر لی، پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کر دی۔ ملک الموت نے پوچھا، آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی تھی اس کی غرض کیا تھی؟ ادریس علیہ السلام نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مر جانا میرا مقصد نہیں تھا) تاکہ موت کے لیے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اُٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے، ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے؟

ادریس علیہ السلام نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں۔ اللہ نے ملک الموت کو ادریس علیہ السلام کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ملک الموت ادریس علیہ السلام کو لے گئے، دوزخ پر پہنچے تو ادریس علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (دوزخ کے داروغے) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلوا دیجئے کہ میں (اندر جا کر اور) اتر کر دیکھ لوں؟ ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا۔ ادریس علیہ السلام نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے؟ ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے

دروازے کھلوا کر اندر لے گئے، اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرارگاہ پر واپس جاؤ، ادریس علیہ السلام ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر چمٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا ردّ و بدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کو بھیجا۔

فرشتے نے آ کر ادریس علیہ السلام سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے؟ ادریس علیہ السلام نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اُترے گا تو میں دوزخ میں اُتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکالیں گے اس لیے میں اب نہیں نکلوں گا۔ اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی، میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہوا اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکالنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ ادریس علیہ السلام وہاں زندہ ہیں۔ ''وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' کی یہی تشریح ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (آیت سجدہ) ⑤⑧

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدمؑ کی نسل سے اور ان کی نسل سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل سے اور (یہ سب حضرات) ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

تفسیر ⑤⑧ ''اولئک الذین أنعم الله عليهم من النّبيين من ذرية آدم'' یعنی حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہما السلام ''ومن حملنا مع نوح'' میری ذریت جو میرے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے خصوصاً خود نوح علیہ السلام کی نسل سے جیسے ابراہیم واسرائیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

''ومن ذرية ابراهيم'' اس سے مراد حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق علیہما السلام اور یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ''واسرائيل'' اسرائیل کی اولاد میں سے موسیٰ، ہارون علیہما السلام، زکریا اور یحییٰ علیہما السلام ہیں۔ ''وممن هدينا واجتبينا'' یہ وہ شخصیات ہیں جن کو ہم نے چنا اور ہم نے ان کو اعزاز نبوت سے نوازا۔

''اذا تتلىٰ عليهم آيات الرحمٰن خروا سجدًا وبكيا'' سجداً ساجد کی جمع ہے اور ''بکیا'' جمع ہے ''باکٍ'' کی۔ اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور عذاب کے ڈر سے روتے ہیں۔

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿59﴾ اِلَّا
مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ﴿60﴾ جَنّٰتِ
عَدۡنِ ۨالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿61﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا
لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا‌ ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾

ترجمہ پھران کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے ہاں مگر جس نے توبہ کرلی۔ اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا وہ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (اور) اس کے وعدے کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے اس (جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز سلام کے اور ان کو ان کا کھانا صبح وشام ملا کرے گا۔

تفسیر ﴿59﴾ "**فخلف من بعدهم خلف**" پھر ان مذکورہ انبیاء کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوں گے، برے لوگ آئیں گے "خلف" لام کے فتحہ کے ساتھ اچھا جانشین اور لام کے جزم کے ساتھ برا جانشین مراد ہے۔ سدی کا قول ہے اس سے مراد یہودی ہیں۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ اس اُمت کے لوگ ہیں۔ "**اضاعوا الصلٰوة**" جنہوں نے فرض نماز چھوڑ دی تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے، نماز وقت کو ٹال کر پڑھی۔ سعید بن مسیب نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ ظہر کی نماز عصر کی نماز آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے۔ "**واتبعوا الشهوات**" اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور شراب پی۔ انہوں نے اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا اور اللہ کی اطاعت سے منہ موڑا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس قوم کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔

غیًّا کی تفسیر

"**فسوف يلقون غيًّا**" وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک بہت گہری وادی کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جہنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم بھی اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زنا کاروں کے لیے، دوامی شراب خوروں کے لیے اور ان سود خوروں کے لیے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے اور جھوٹے گواہوں کے لیے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس کے اندر بجائے پانی کے پیپ اور خون بہتا ہے۔ کعب نے کہا غی جہنم کے اندر ایک بہت ہی گہری اور گرم ترین وادی ہے جس کے اندر ایک کنواں ہے

3

کنویں کو ہیم کہا جاتا ہے۔ دوزخ کی آگ جب کچھ بجھنے لگتی ہے تو اس کنویں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑکنے لگتی ہے۔ بغوی نے بروایت زکریا بن ابو مریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابو امامہ باہلی نے فرمایا، جہنم کے بالائی کنارہ سے گہرائی تک اتنی دوری ہے کہ موٹی دس ماہ عظیم الجثہ اونٹنیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کو لڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے؟ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں غی اور اثام ہے۔

ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد گمراہی اور خسارہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہلاکت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد عذاب ہے۔ **"فسوف یلقون غیا"** اس کا معنی یہ نہیں کہ فقط وہ دیکھیں بلکہ معنی یہ ہے کہ اجتماع ملابست ہے رؤیت کے ساتھ ساتھ۔

60 **"الا من تاب و امن وعمل صالحا فاولٰئک یدخلون الجنة ولا یظلمون شیئاً"**

61 **"جنات عدن التی وعد الرحمٰن عبادہ بالغیب"** جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ **"انہ کان وعدہ مأتیا"** مفعول بمعنی فاعل کے ہے۔ یہاں اتیاذ کر نہیں کیا کیوں کہ جو آتا ہے وہ پہنچ ہی جاتا ہے۔ عرب کے ہاں بھی کہنے والے کا قول کے اعتبار میں کوئی فرق نہیں جیسے کوئی کہے **"اتت علیّ خمسون سنة"** اور اس قول کے درمیان کہ وہ کہے **"اتیت علی خمسین سنة"** کہ مجھ پر پچاس سال گزر گئے یا میں پچاس سال پر گزر گیا اور اس طرح کوئی کہے **"وصل الی الخیر ووصلت الی الخیر"** ابن جریر کا قول ہے کہ وعدہ کا معنی ہے موعود پورا کیا ہوا اور وہ جنت ہے جس میں اولیاء اور فرمانبردار ضرور آئیں گے۔

62 **"لایسمعون فیہا"** اس جنت میں نہیں سنیں گے۔ **"لغوًا"** باطل فحش لغو کلام۔ مقاتل کا بیان ہے وہ جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔ **"الاسلامًا"** غیر جنس سے استثناء ہے۔ صرف جنت میں سلام ہی سنیں گے ان کا قول سلام ہی ہوگا۔ سلام خیر کے لیے جامع نام ہے کیونکہ یہ سلامتی کو متضمن ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جنتی لوگ گناہ کی کوئی بات نہیں سنیں گے بلکہ وہ سنیں گے جو ان کو سلام کریں گے۔ وہ اللہ کی طرف فرشتوں کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام کی آواز سنیں گے۔ **"ولھم رزقھم فیھا بکرة وعشیا"** بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ جنت میں رات نہیں ہوگی جس کی وجہ سے صبح یا شام کا ادراک کیا جا سکے بلکہ ان کے لیے نور ہی نور ہوگا بلکہ ان کو دن کے بقدر رزق دیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ جنتی وقت کا ادراک کرلیں گے، پردے کے اُٹھنے کے بعد اور رات کا وقت پردے کے پڑ جانے کے ساتھ پہچان لیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے عیش و آرام ہے اور رزق کا کشادہ ہونا ہے بغیر تنگی کے۔ حضرت حسن کی روایت بیان کی گئی ہے، عرب لوگ اس عیش کو نہیں جانتے جو رزق سے افضل ہو، صبح و شام سے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو اس کے ساتھ موصوف کیا۔

تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ﴿63﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ﴿64﴾

ترجمہ: یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنا دیں گے جو کہ خدا سے

ڈرنے والا ہو اور ہم (یعنی فرشتے) بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

تفسیر ⑥③ "**تلک الجنة التی نورث من عبادنا**" جو ہم ان کو دیتے ہیں اور جو ان پر نازل کرتے ہیں۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ مؤمنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لیے تھے۔ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک و قابض ہوتے "**من کان تقیا**" اس سے مراد اپنے متقین بندے ہیں۔

"**وما نتنزل الا بامر ربک**" سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل علیہ السلام کس چیز نے آپ کو ہم سے زیارت کرنے سے روکا آپ تو ہماری کثرت سے زیارت کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "**وما نتنزل الا بامر ربک له مابین ایدینا وما خلفنا**" یہی جواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا۔ ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں کل کو بتاؤں گا، اس وعدے کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں فرمایا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کافی مدت تک نہیں آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام کے نہ آنے کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، آپ نے بہت دیر کردی؟ میرا خیال تو خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں، مجھے جب بھیجا جاتا ہے، آجاتا ہوں، روک دیا جاتا ہوں، تو رُک جاتا ہوں۔ اس پر یہ آیت اور "**والضحٰی واللیل اذا سجی ما ودعک**" پڑھی۔ "**له مابین ایدینا وما خلفنا وما بین ذلک**" اس کے پاس وہ علم ہے جو ان کے درمیان ہے۔

مابین ایدینا وما خلفنا کی مختلف تفسیریں

اس معنی میں مفسرین کرام کا آپس میں اختلاف ہے کہ سعید بن جبیر، قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ "**مابین ایدینا**" سے مراد آخرت کا امر ثواب اور عقاب ہے۔

"**وما خلفنا**" سے مراد جو دُنیا میں گزر چکا اور ان کے درمیان فی الحال جو کچھ ہو رہا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "**مابین ایدینا**" سے مراد جو کچھ آخرت کے امور میں سے ہے اور "**وما خلفنا**" سے مراد دُنیاوی امور ہیں۔ "**وما بین ذلک**" سے مراد دونوں نفخوں کے درمیان کا وقت ہے۔ ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ مراد ہے۔

اور بعض نے کہا کہ "**مابین ایدینا**" سے مراد جو دُنیا میں باقی ہے۔ "**وما خلفنا**" سے مراد جو دُنیا میں گزر گیا۔ "**وما بین**

ذلک" سے مراد دُنیاوی زندگی ہے اور بعض نے کہا کہ "ما بین ایدینا" سے مراد مرنے کے بعد "وما خلفنا" سے مراد پیدائش سے پہلے "وما بین ذلک" سے مراد ان دونوں کے درمیان کی زندگی ہے اور بعض نے کہا کہ "مابین ایدینا" سے مراد زمین ہے کہ جب اس زمین پر انسان کا نزول ہوا۔ "وما خلفنا" سے مراد آسمان ہے جب اس سے اُترے "وما بین ذلک" سے مراد ھواء ہے۔ مراد اس سے ہر چیز ہے کوئی بھی اس پر قادر نہیں مگر اللہ ہی کے حکم سے۔ "وما کان ربک نسیا" وہ بھولنے والا کہا جاتا ہے کہ آپ کا رب آپ کو بھولا نہیں۔ مطلب یہ کہ اس نے آپ کو نہیں چھوڑا اور جو بھولنے والا ہوتا ہے وہ چھوڑ دینے والا ہوتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿66﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿67﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿70﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿71﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿72﴾

ترجمہ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں سوائے مخاطب تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے اور انسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا کیا (یہ) انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو اس کے قبل (عدم سے) وجود میں لا چکے ہیں اور یہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت میں) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت سے حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتا تھا پھر ہم (خود) ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (یعنی اول) مستحق ہیں اور تم میں کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گزر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ (مارے رنج و غم کے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔

تفسیر ﴿65﴾ "رب السموت والارض وما بینهما فاعبده واصطبر لعبادته" آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس پر صبر کریں اور جس سے روکا گیا۔ "هل تعلم له سميا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد مثال ہے۔ سعید

بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا معنی عدل ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ کیا تم کسی کو جانتے ہو، اللہ کے سوا جو اس کا ایسا نام ہو، یا ایسا مثل جو عبادت کیے جانے اور الٰہ کہلانے کا مصداق ہو۔

66 "ویقول الانسان" اس سے مراد ابی بن کعب جمحی ہے جو بعثت کا منکر تھا۔ یہ کہتا تھا "ء اذا مامت لسوف اخرج حیا" قبر سے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا، یہ بطور استہزاء اور بعثت کی تکذیب کے طور پر کہی۔

67 "او لا یذکر" اس کو یاد کرو اور اس پر غور و فکر کرو۔ یذکر تخفیف کے ساتھ ہے۔ "الانسان" اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔ "أنا خلقناہ من قبل ولم یک شیئًا" اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ تم اس کے پیدا کرنے پر انکار کرتے ہو جس نے ابتداءً پیدا کیا، کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ پھر اپنے نفس کی قسم کھائی اور پھر ارشاد فرمایا۔

68 "فوربک لنحشرنھم" ہم ان کو جمع کر دیں گے وعدہ کے دن۔ مشرکین اور منکرین بعثت کو۔ "والشیاطین" شیاطین کے ساتھ یہ اس وجہ سے کیونکہ اس دن ہر کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر لایا جائے گا۔ "ثم لنحضرنھم حول جھنم" بعض نے کہا کہ ان کو جہنم میں جمع کیا جائے گا۔ "جثیا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد جماعت در جماعت ہے جثوۃ کی جمع ہے۔ حسن اور ضحاک کا قول ہے کہ جاث کی جمع ہے۔ زانو کے بل بیٹھے ہوئے سدی نے ترجمہ کیا تنگی مقام کی وجہ سے زانو کے بل کھڑے ہوئے۔

69 "ثم لننزعن" پھر ہم ان کو ضرور بضرور نکالیں گے۔

"من کل شیعۃ" ہر اُمت میں سے اور کفار میں سے سب اسی میں شامل ہوں گے۔ "ایھم اشد علی الرحمٰن عتیا" بے جا غرور کو کہا جاتا۔ یہ اصل میں "عتوًا" تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی جرأت ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ فجور ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ ان کا قائد اور ان کے سردار شریر ہوں گے، ان کو جہنم میں داخل کریں گے اور آخر میں بہت سخت ہیں اور بعض آثار میں آیا ہے کہ وہ سب کے سب جہنم کے کنارے حاضر ہوں گے پھر کافر پھر ان کے بعد کافر جمع کیے گئے (یعنی کفر کے بقدر ان کو جہنم کے باہر کھڑا کیا جائے گا)...... "أیھم" کا معنی "الذی" ہے۔ ان کو کہا جاتا ہے کون ہے سخت جو رحمٰن پر زیادہ سرکشی کرتا تھا اور بعض نے کہا کہ جملہ مستانفہ ہے۔

70 "ثم لنحن أعلم بالذین ھم اولٰی بھا صلیا" آگ میں داخل ہونے کا زیادہ حق دار ہے۔ کہا جاتا ہے "صلی یصلی صلیا" یہ ایسے ہے "لقی یلقی لقیا" اور "صلی یصلی صلیا" جیسے معنی "یمضی مضیا" جب وہ آگ میں داخل ہوں گے اور جل جائیں گے۔

71 "وان منکم الا واردھا" نہیں ہے کوئی جو اس کے اوپر سے نہ گزرے اور بعض نے کہا کہ اس میں قسم پوشیدہ ہے اس کا معنی ہے "واللہ ما منکم من أحد الا واردھا"

وان منکم الا واردھا کی مختلف تفسیریں

وارد کہتے ہیں مکان کا موافق آجانا۔ ورد کے معنی میں آئمہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ورد کا معنی دخول ہے اور کنایۃ یہ راجع ہے، آگ میں دخول کے ساتھ اور ان لوگوں نے کہا کہ معنی یہ ہوگا کہ اس آگ میں نیک اور فاجر سب داخل ہوں گے۔ پھر اللہ متقین کو نجات دے دیں گے اور اس آگ سے نکال دیں گے۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ ورد سے مراد دخول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں کہا "**یقدم قومه یوم القیامة فاوردهم النّار**"

ابن عیینہ سے مروی ہے کہ عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ارزق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ورد کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کہ اس کا معنی دخول ہی ہے۔ نافع کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں ورد سے مراد دخول نہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے استشہاد کے لیے یہ آیت تلاوت کی "**انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم انتم لها واردون**" کہ اس میں وہ داخل ہوں گے یا داخل نہیں ہوں گے۔ پھر فرمایا، اے نافع! تم اور میں سب اس میں داخل ہوں گے مجھے تو اُمید ہے کہ اللہ مجھے نکال لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ تجھے نہیں نکالے گا کیونکہ تو داخل ہونے کا ہی منکر ہے۔

ایک قوم کا قول ہے کہ اس سے مراد دخول ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مؤمن کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ان الذین سبقت لهم منّا الحسنیٰ اولٰئک عنها مبعدون لایسمعون حسیسها**" اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہ کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "**وان منکم الا واردها**" کا یہی مطلب ہے۔ اس سے اس میں حاضر ہونا اور دیکھنا مراد ہے نہ کہ اس میں داخل ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "**ولما ورد ماء مدین**" اس سے مراد وہاں حاضر ہونا ہے۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا، دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔ اس سے کنایۃ یہ مراد لیا ہے کہ اس کی طرف لوٹے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت "**وان منکم الا واردها**" کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگ دوزخ پر اُتریں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ اوّل شخص بجلی چمکنے کی طرح پھر ہوا کی طرح، پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح، پھر اونٹ کی دوڑ کی طرح جس پر سامان لدا ہوا ہو، پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح، پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ "**وان منکم الا واردها**" سے مراد قیامت ہے۔ اوّل زیادہ صحیح ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ پہلے سب کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ پھر اہل ایمان کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "**ثم ننجی الذین اتقوا**" جو شرک سے بچتے رہے وہی مؤمنین ہیں اور نجات کسی چیز کے

دخول کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس کے اوپر سے گزرنے کے ساتھ۔ سعید بن مسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور وہ آگ میں داخل ہو۔ وہاں صرف قسم پوری کرنے کے لیے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "وان منکم الا واردھا"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ سے اس شخص کو بھی نکالا جائے گا جو لا الٰہ الا اللہ کہے اور اس کے دل میں ایک جَو کے دانے کے برابر نیکی ہو اور آگ سے اس شخص کو بھی نکالا جائے گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے ایک دانے کے برابر خیر ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے نکال دیں گے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں نیکی کا ایک ذرّہ موجود ہو۔ ابان عن قتادہ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک من ایمان کی جگہ من خیر ذکر کیا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک آواز دیتا رہے گا، اے حنان! اے منان! اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام کو فرمائیں گے کہ جاؤ اور اس شخص کو میرے پاس لے آؤ۔ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام اس شخص کو پائیں گے جو رورہے ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام واپس لوٹیں گے۔ اللہ عزوجل کو اس کے متعلق بتلائیں گے۔ فرمایا کہ جاؤ وہ فلاں فلاں جگہ پر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جائیں گے۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس شخص کو لے کر اللہ رب العزت کے پاس پہنچیں گے۔ اللہ رب العزت اس شخص سے کہیں گے کہ تم نے اپنی جگہ اور اپنے ٹھکانے کو کیسے پایا، وہ کہے گا اے میرے رب! وہ برا مکان اور برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہیں گے میرے بندے کو واپس لوٹا دو، وہ بندہ کہے گا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ جس شخص کو ایک دفعہ دوزخ سے نکال دیا جائے۔ اس کو واپس نہیں لوٹایا جاتا۔ اللہ عزوجل فرمائیں گے فرشتوں سے کہ میرے بندے کو بلاؤ۔ اللہ عزوجل کے فرمان "لایسمعون حسیسھا" کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس وقت کا تذکرہ کیا کہ جنت میں لوگ اس وقت بری بات نہیں سنیں گے اور یہ بات جائز ہے کہ وہ یہ بات جنت میں دخول سے پہلے سن لیں کیونکہ اس بات کا تذکرہ نہیں کہ وہ بری بات نہیں سنیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جنت میں دخول کے وقت یہ بات سن لیں کیونکہ جنت میں دخول کے بعد ان کو سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

خالد بن معدان کا قول ہے کہ اللہ رب العزت جنتیوں سے فرمائیں گے کہ کیا تمہارے رب نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہیں آگ پر سے وارد ہونا ہے۔ ان کو کہا جائے گا کیوں نہیں لیکن تم اس کے اوپر سے گزر گئے ہو اور ایک حدیث میں منقول ہے کہ آگ مؤمنین سے کہے گی کہ تمہارا یہ بدلہ ہے کہ تمہیں بچانے کے لیے ہمارے نور (تپش) کو ختم کردیا گیا۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل کا قول ہے "وان منکم الا واردھا" کہ مسلمانوں کے لیے اس گرمی کو ٹھنڈا کردیا جائے گا۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حمی بخار کو کہتے ہیں جو جہنمیوں کو دیا جائے گا اور مؤمنین کو بھی تھوڑا سا آئے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بخار جہنم کی تپش ہے، اس کو پانی سے بجھاؤ۔ "کان علی ربک حتما مقضیا" کہ تمہارا دوزخ کے اوپر سے گزرنا پختہ ہے اور اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

72 "ثم ننجی الذین اتقوا" شرک سے بچو۔ کسائی نے ننجی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ونذر الظالمین فیھا جثیا" اس کا معنی ہے "جمیعًا" بعض نے کہا کہ وہ گھٹنوں کے بل آئیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں سب داخل ہوں گے۔ پھر اس سے متقین کو نکالا جائے گا اور دوزخ میں ظالمین اور مشرکین کو چھوڑ دیا جائے گا۔

سعید بن مسیب اور عطاء بن یزید کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان دونوں نے خبر دی کہ لوگ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! کہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو جب کوئی بادل نہیں ہوتا تو لوگوں نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول! پھر فرمایا کہ کیا تم سورج کو دیکھتے ہو، جب بادل نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اسی طرح قیامت کے دن اس کو دیکھو گے قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کو اپنے ساتھ لائے گا۔ ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو سورج کی پوجا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چاند کی پوجا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور اس اُمت کے منافقین رہ جائیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔

جب اللہ عزوجل ان کے سامنے آئیں گے تو وہ پہچان لیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے آپ ہمارے رب ہیں اور پل صراط ان کے پیچھے ہوگی۔ میں اس اُمت میں سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت کے دن بولنے اور شفاعت کی اجازت ملے گی اور اس دن کوئی بھی بات نہیں کر سکے گا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس دن رسولوں کا کلام سلم سلم ہے اور جہنم میں کلالیب ہوں گے۔ نیز جہنم میں سعدان کے کانٹوں جیسے آنکڑے ہوں گے، ان آنکڑوں کی لمبائی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ کیا تم نے "شوک السعدان" دیکھے ہیں۔ وہ کہیں گے جی ہاں! پھر فرمایا "شوک السعدان" کے مثل ان کی عظمت کی قدر اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مناسب اُٹھایا جائے گا۔ ان میں سے بعض جو اپنے اعمال کی وجہ سے منہ کے بل گریں گے اور ان میں بعض جو تھوڑی دیر اس میں گریں گے پھر نجات پالیں گے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی نکالنے کا ارادہ کرے گا جس نے یہ کہا ہوگا "اشھد ان لا الہ الا اللہ" اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے ان کو دوزخ سے نکالو جو میری عبادت کرتے تھے۔

چنانچہ فرشتے ان لوگوں کو دوزخ سے نکالیں گے اور ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات کے ذریعہ ان کی شناخت کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر یہ حرام کردیا ہے کہ وہ سجدوں کے نشان کو کھالے۔ اس لیے دوزخ کی آگ ابن آدم کے سارے جسم کو کھا جائے گی مگر سجدوں کے نشان کو نہیں کھائے گی۔ بہرحال وہ لوگ دوزخ سے اس حالت میں باہر لائے جائیں گے کہ وہ آگ میں جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ پس ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا اور وہ اس طرح ترو تازہ ہو جائیں گے جس طرح سیلاب کے کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ اُگ آتا ہے۔

سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونیوالے شخص کا رب کے ساتھ مکالمہ

اور ایک شخص جو دوزخیوں میں سے جنت میں داخل ہونے والا آخری شخص ہوگا، جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا رکھا جائے گا، اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، دوزخ کی آگ کی بدبو نے مجھے سخت اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کے شعلوں کی تیزی و گرمی مجھے بھسم کیے دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میں ایسا کردوں تو ہوسکتا ہے کہ تو پھر کچھ اور بھی مانگنے لگے۔ وہ شخص عرض کرے گا کہ تمہیں تمہاری عزت کی قسم! میں اور کچھ نہیں مانگوں گا، پھر وہ کچھ عہد و پیمان کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا مگر جب اس کا منہ جنت کی طرف پھیر دے گا اور وہ جنت کی زیبائش و آرائش اور تر و تازگی دیکھے گا تو اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ کوئی درخواست پیش نہیں کرے گا، وہ گڑگڑائے گا کہ میرے پروردگار! تو مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا مگر جب وہ جنت کے دروازے تک پہنچے گا اور جنت کی چمک دمک اور اس کے اندر کی چیزوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھے گا تو پہلے اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے اندر پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

ابن آدم! افسوس تو کس قدر عہد شکن ہے اور وعدہ فراموش ہے؟ کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ جو تیری خواہش کے مطابق منظور کرلی گئی تھی کوئی اور درخواست پیش نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا! غرضیکہ وہ اسی طرح گڑگڑاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ جب راضی ہو جائے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو اور جو کچھ آرزو اور خواہش رکھتا ہو تو اس کو ظاہر کر اور جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے۔ چنانچہ وہ اپنی آرزوئیں بیان کرے گا اور جب اپنی آخری آرزو بھی پوری کرالے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں فلاں چیز کی بھی خواہش کیوں نہیں ظاہر کرتا! گویا پروردگار اس کو یاد دلانا چاہے گا کہ تو نے فلاں فلاں چیز تو مانگی ہی نہیں، ان چیزوں کو بھی مانگ لے، میں آج تجھے ہر چیز عطا کروں گا، یہاں تک کہ جب وہ آرزوئیں بھی پوری ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لیے ہیں بلکہ ان ہی جیسی مزید نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں اور حضرت ابو سعید کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لیے ہیں بلکہ ان کے ساتھ دس گنا اور نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں۔

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے یہ الفاظ بہت خوب یاد ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا (لک ذلک) "ومثلہ معہ" ابو سعید فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح سنا اور میں نے

آپ سے یہ الفاظ اس طرح نقل کیے "لک وعشرۃ امثالہ" اور محمد بن اسماعیل بخاری نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئیں گے۔ ایسی صورت کے ساتھ جس سے وہ پہچان نہیں سکیں گے۔ اللہ ان سے کہے گا میں تمہارا رب ہوا۔ وہ کہیں گے ہم اس جگہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

یہاں تک کہ ان کو رب کے پاس پہنچایا جائے گا۔ جب وہ اللہ رب العزت کے پاس آئیں گے ان کو پہچان لیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس صورت میں ان کے سامنے آئیں گے کہ یہ لوگ ان کو پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تو وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے تو اس کی پیروی کرنے لگیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل توحید کو جہنم میں سزا دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر ان پر رحمت پڑے گی۔ فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلیں گے اور جنت کے دروازوں کے سامنے ان کو ڈال دیا جائے گا۔ فرمایا کہ اہل جنت ان پر پانی پھینکیں گے تو وہ اس طرح اُگیں گے جس طرح گارے سے دانا اُگتا ہے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

سب سے ادنیٰ جنتی کو بھی جنت میں دس گنا عطا کیا جائیگا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں جس شخص کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اس کو کہا جائے گا اس طرف سے پھر جا اور جنت میں چلا جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ جائے گا تاکہ جنت میں داخل ہو جائے، وہ دیکھے گا کہ لوگوں نے تو اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں، وہ لوٹ آئے گا اور کہے گا اے میرے رب! لوگوں نے تو اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں، اس کو کہا جائے گا کہ کیا تمہیں وہ زمانہ یاد ہے جس زمانے میں تو نے گزارہ کیا، وہ کہے گا جی ہاں، اس کو کہا جائے گا کہ تو تمنا کر، پس وہ تمنا کرے گا اس کو کہا جائے گا وہ تیرے لیے ہے جو تو نے تمنا کی اور اس سے دس گنا تیرے لیے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کہے گا اے میرے رب! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ یہاں تک کہ ان کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر اللہ چاہے تو شہداء بدر اور حدیبیہ والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا "وان منکم الا واردھا کان علی ربّک حتما مقضیا" فرمایا کہ کیا تو نہیں سنتی یہ کہتے ہوئے "ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا"

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْیًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی ؕ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾

ترجمہ اور جب ان (منکر) لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی (کہیں) اچھے تھے آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) رحمٰن ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو (دوسرے عالم میں) سو (اس وقت) ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے۔

تفسیر ﴿۷۳﴾ "و اذا تتلٰی علیهم آیاتنا بینات" اس سے مراد واضح آیات ہیں۔ "قال الذین کفروا" اس سے مراد نضر بن حارث اور قریش کے بڑے سردار ہیں۔ "للذین آمنوا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غرباء صحابہ جو پراگندہ خشک بال، زندگی بدحال، فرسودہ لباس اور مشرک مال دار تھے۔ بالوں میں تیل ڈالتے، کنگھا کرتے اور اعلیٰ لباس وعمدہ لباس پہنتے۔ ان لوگوں نے مؤمنین سے کہا "ای الفریقین خیر مقامًا" ان کی جگہ اور ان کا مقام اور اقامت کی جگہ بہتر ہے۔ ابن کثیر نے "مُقامًا" میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جائے اقامت "واحسن ندیا" ندیا بمعنی مجلس کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿۷۴﴾ "وکم اهلکنا قبلهم من قرن هم احسن أثاثًا" اس سے سامان اور اموال ہیں۔ مقاتل نے کہا کپڑے اور لباس "ورء یا" اکثر قراء نے پڑھا منظر اور دکھاوٹ۔ ابن عامر، ابوجعفر اور نافع نے "ی" مشدد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی سیرابی ہے یعنی نعمتوں سے سیری۔

﴿۷۵﴾ "قل من کان فی الضلالة فلیمدد له الرحمٰن مدًّا" یہ امر بمعنی خبر کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے، اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا ہے اور مہلت دیتا رہتا ہے۔ "حتّٰی اذا رأو ا ما یوعدون اما العذاب" ان کو قید کرنا اور دنیا میں قتل کرنا ہے۔ "و اما الساعة" اس سے قیامت مراد ہے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ "فسیعلمون"

اس وقت وہ جان لیں گے "من ھو شر مکاناً" وہ جگہ "واضعف جنداً" ان کے مددگار کم ہوں گے اور مؤمنین امن میں ہوں گے کیونکہ کفارتو دوزخ میں اور مؤمنین جنت میں ہوں گے۔ یہ ان پر رد ہے۔ "ای الفریقین خیر مقاما و احسن ندیا"

76 "ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدی" اللہ ان کے ایمان اور یقین میں مزید اضافہ کریں گے۔ "والباقیات الصالحات" اس سے مراد اذکار اور اعمال صالحہ ہیں جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ فانی بھی ہیں۔ "خیر عند ربک ثوابًا و خیر مردًا" ان کا انجام اور ان کا ٹھکانا۔

77 "افرأیت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالا وولدًا" مسروق سے روایت ہے کہ وہ خباب نے بیان کیا۔ حضرت خباب نے بیان کیا کہ میں لوہاری کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام بنایا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہوگئی۔ ایک روز مزدوری مانگنے میں اس کے پاس گیا۔ عاص نے جواب دیا، خدا کی قسم! جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرے گا میں تیرا قرض ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے، خدا کی قسم! جب تک تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھے گا اس وقت تک میں بھی کفر نہیں کروں گا۔ عاص بولا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "افرأیت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالا وولدًا"

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا 78 كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا 79 وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا 80 وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا 81 كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا 82 اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا 83

ترجمہ کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے ہرگز نہیں محض غلط کہتا ہے (اور) ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آوے گا اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ (عنداللہ) باعث عزت ہوں (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ) وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جاویں گے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاءً) چھوڑ رکھا ہے۔

تفسیر 78 "اطلع الغیب" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ کیا اس کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے کہ وہ آخرت میں مال و اولاد حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

"ام اتخذ عندالرحمٰن عھدًا" عہد سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ قتادہ نے کہا کہ عہد سے مراد ہے کہ اس نے جو نیک

عمل کیا اور اس کو آگے بھیجا۔ کلبی کا قول ہے کہ عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

79 "کلاَّ" ہرگز ایسا نہیں ہے۔ "سنکتب" ہم اس کو محفوظ کریں گے۔ "ما یقول" ہم اس کو آخرت میں بدلہ دیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان کو لکھ دو۔ "ونمد له من العذاب مدًا" ہم ان کے لیے عذاب کو مزید زیادہ کریں گے اور بعض نے کہا کہ ہم ان کے مدت عذاب کو مزید طویل کریں گے۔

80 "ونرثه ما یقول" ان کے پاس جو مال واولاد ہے اور جن کی ملکیت کا دعویٰ ہے ہم اس کو ہلاک کر کے وہ مال واولاد ہم اپنے قبضہ میں لے لیں گے کیونکہ ان کا یہ گمان تھا کہ یہ مال واولاد ہمیں آخرت میں کام آئیں گے۔ ہم نہ قیامت کے دن ان کو یہ مال عطا کریں گے اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور کو دیں گے اور بعض نے کہا کہ ان کے اس قول کا معنی "ونرثه ما یقول" کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم اس کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان کو بدلہ دیں گے۔ "ویاتینا فردًا" ان کو قیامت کے دن اکیلے اکیلے لائیں گے نہ تو ان کے پاس مال ہوگا اور نہ ہی اولاد۔

81 "واتخذوا من دون الله آلهة" اس سے مراد مشرکین قریش ہیں جنھوں نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ "لیکونوا لهم عزًا" ان کو روکنے والے۔ یہ لوگ ان بتوں کی اس وجہ سے پوجا کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کو سفارشی بنایا ہوا ہے کہ قیامت کے دن یہ بت ان کے گمان کے مطابق ان کی سفارش کریں گے۔

82 "کلاَّ" ایسا امر نہیں جیسا کہ ان لوگوں کا گمان ہے۔ "سیکفرون بعبادتهم" اس وقت یہ بت اور معبود ان سے انکار کر لیں گے اور ان سے برأت کر لیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی "تبرأنا الیک ما کانوا ایانا یعبدون"

"ویکونون علیهم ضدًا" کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور مخالف ہو جائیں گے۔ ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے اور بعض نے کہا کہ قیامت کے دن یہ کافر اپنے اللہ کے مخالف ہو جائیں گے۔ دُنیا میں تو ان کی پوجا کرتے تھے لیکن آخرت میں منکر ہو جائیں گے۔

83 "الم ترأنا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین" یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب شیطان سے فرمایا "واستفزز من استطعت منهم بصوتک" ...... "تؤزهم ازًا" یعنی جھوٹ فریب دے کر گناہوں پر آمادہ کرنا اور بہکا کر خواہشات کے پیچھے لگا دینا۔ "ازّ" اور "والهزّ" حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ یعنی ان کو حرکت دیتے، آمادہ کرنے اور گناہوں پر آمادہ کرنا۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا 84 يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا 85
وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا 86 لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا 87 وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا 88 لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا 89 تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

ترجمہ کہ وہ ان کو (کفر وضلال پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں سو آپ ان کے لئے جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتیں خود شمار کر رہے ہیں اور جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دارالنعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے (وہاں) کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس (سے) اجازت لی ہے اور (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد (بھی) اختیار کر رکھی ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ وہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔

تفسیر ⑧④ "ولا تعجل علیھم" ان کی سزا کو نہ طلب کرو۔ "انما نعدلھم عدًا" کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد راتیں، دن اور مہینے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد انفاس ہے کہ دُنیا میں اپنی زندگی کی بقدر وہ سانسیں لیتے ہیں، اپنے عذاب کے آنے تک۔

⑧⑤ "یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدًا" یاد کیجئے اے محمد! اس وقت کو جس دن سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا جس شخص نے دُنیا میں رحمٰن کی اطاعت کو اختیار کیا وہ جنت میں گروہ در گروہ جائیں گے۔ وفد بمعنی جماعات کے ہے۔ جیسے راکب جمع ہے رکب کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا معنی سوار ہو کر کرنے سے کرتے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جنت میں جائیں گے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا خدا کی قسم! کہ ان کو پیدل نہیں لیجایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے، سوار کیا جائے گا اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لیجایا جائے گا جن کی زینیں یاقوت کی ہوں گی، اگر اہل جنت چاہیں گے تو سواریاں اُڑنے لگیں گی۔

⑧⑥ "ونسوق المجرمین" جھوٹے کافروں کو "الی جھنم وردًا" اس کا معنی پیدل ہے اور بعض نے کہا کہ وہ پیاسے آئیں گے کہ شدت پیاس سے ان کی گردنیں ٹوٹ رہی ہوں گی، ورد کہتے ہیں پانی پر اُترنے والی جماعت کو۔

⑧⑦ "لایملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمٰن عھدًا" اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شفاعت نہیں کریں لیکن وہ جن کا اللہ کے ہاں عہد ہے اور وہ مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لایشفعون الا لمن ارتضٰی من رسول" اور بعض نے کہا کہ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر جس شخص نے یہ گواہی دی لا الٰہ الا اللہ۔ الحاصل مؤمن کے بغیر کوئی گواہی نہیں دے سکتا۔

⑧⑧ "وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور وہ لوگ جن کا یہ گمان تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے "وُلدًا" واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس جگہ پر اور سورۃ زخرف اور سورۃ نوح میں۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور یعقوب قراء کے ساتھ سورۃ نوح میں ان کی متابعت کی ہے اور دوسرے قراء نے واؤ کے فتحہ سے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے عرب والعرب اور عجم والعجم ہے۔

⑱ "لقد جئتم شیئًا ادًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "ادًّا" کا ترجمہ منکر سے کیا ہے۔ یعنی بُری، مجاہد اور قتادہ نے اس کا معنی سخت بُری کیا ہے۔ مقاتل نے اس کا معنی کیا ہے، بہت بڑا، عربی زبان میں اڈ کا معنی ہے، بہت بڑا حادثہ۔

⑲ "تکاد السموات" نافع اور کسائی نے (یکاد) پڑھا ہے اور "حمعسق" فعل کی تقدیم کی وجہ سے اس طرح پڑھا ہے اور باقی قراء نے (تکاد) تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

"یتفطرن منه" یہاں پر اسی طرح ہے جبکہ "حمعسق" میں نون کے ساتھ (انفطار) ذکر کیا ہے۔ ابو عمرو، یعقوب، ابو بکر نے ابن عامر اور حمزہ کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ تفطر سے ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ "انفطر الشیء وتفطر" وہ ٹوٹ جائیں گے۔

"وتنشق الارض وتخر الجبال هدًا" وہ ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ "تنشق الارض" سے مراد زمین میں دھنس جانا۔ "انفطار فی السماء" آسمان پھٹ کر اس پر گر جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر جائیں گے۔

"ان دعوا" تا کہ ان کو بنا لے "للرحمٰن ولدًا" ابن عباس وکعب رضی اللہ عنہم کا قول ہے سوائے جن وانس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہوگئی۔ قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ فرشتے بھی غضبناک ہوگئے اور جہنم بھی بھڑک اُٹھی۔ جب انہوں نے کہا "اتخذ اللّٰه ولدًا" پھر آنے والی آیات میں اس کی نفی فرمائی۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

ترجمہ: حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں (اور) اس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو شمار کر رکھا ہے اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کر دیا ہے (سو) کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

تفسیر ⑨②"وما ينبغي للرحمٰن أن يتخذ ولدًا" مناسب یہ ہے کہ اس کے لیے ولد قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی اس کی طرف نسبت کی جائے۔

⑨③"ان كل من في السموات والارض الا آتي الرحمٰن" وہ آئے گی قیامت کے دن۔ "عبدًا" ذلیل ورسوا ہو کر کیونکہ ساری مخلوق اسی کی غلام ہے۔

⑨④"لقد احصاهم وعدهم عدًا" سب کو اس نے گن کر رکھا ہے ان کے نفسوں کو ان کے دنوں کو اور ان کے آثار کو شمار کر رکھا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

⑨⑤"وكلهم آتيه يوم القيامة فردًا" وہ اکیلا آئے گا اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

⑨⑥"ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمٰن ودًا" اس سے مراد محبت ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ بھی اپنے مؤمن بندوں سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب اللہ اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں۔ آپ بھی اس کے ساتھ محبت کرو، اس کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان میں آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ آپ بھی ان کے ساتھ محبت کرو، آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت آسمان میں سے زمین کی طرف ڈالی جاتی ہے۔

ھرم بن حیان کا قول ہے جس بندے کا دل اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی دل کی محبت مؤمنین کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو محبت دی جاتی ہے۔

⑨⑦"فانما يسرناه بلسانك" کہ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا اے محمد! "لتبشر به المتقين" اس سے مؤمنین مراد ہیں۔ "وتنذر به قومًا لدًا" سخت جھگڑالو، یہ الد کی جمع ہے۔ حسن کا قول ہے کہ حق سے بہرا ہونا مجاہد کا قول ہے کہ اللد اس ظالم کو کہتے ہیں جو کبھی راہِ راست پر نہ آئے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے الد وہ شخص ہے جو باطل کا مدعی ہو اور حق کا منکر ہو۔

⑨⑧"وكم اهلكنا قبلهم من قرن هل تحس" بعض نے کہا کہ کیا تم دیکھتے ہو۔ بعض نے کہا کہ کیا تم پاتے ہو۔ "منهم من احد أو تسمع لهم ركزًا" آواز کو کہا جاتا ہے اور یہ پست آواز کو کہتے ہیں۔ حسن کا قول ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں نہ ان میں کوئی باقی بچ جائے گا اور نہ ہی ان کا کوئی نشان باقی ہوگا۔

سُوْرَۃ طٰہٰ

مکی سورت ہے۔اس میں ۱۵۳ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰہٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ② اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ③ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ⑤ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ⑥

ترجمہ: طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) کہ جو (اللہ سے) ڈرتا ہو یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے اسی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورت دی گئی جو سورۃ بقرہ سے پہلے ذکر کی گئی اور مجھے طٰہٰ اور طواسین دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کے الواح میں سے تھی اور مجھے فاتحۃ القرآن اور خواتیم السورۃ دی گئی۔سورۃ بقرہ عرش کے خزانوں میں سے ہے اور مفصلات زائد عطا کی گئیں۔

① "طٰہٰ" ابوعمرو نے طا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ھاء کے کسرہ کے ساتھ۔حمزہ، کسائی، ابوبکر نے دونوں کے کسرہ کے ساتھ ذکر کیا اور دوسرے قراء نے دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔بعض نے کہا کہ یہ لفظ قسم ہے۔بعض نے کہا کہ اللہ کے اسماء میں سے ہے۔مجاہد، عطاء، ضحاک کا قول ہے کہ "طٰہٰ" کا معنی ہے اے مرد! قتادہ نے کہا سریانی زبان میں اس کا معنی ہے اے مرد! کلبی کا قول ہے کہ قبیلہ عک کے محاورے میں "طٰہٰ" کا ترجمہ ہے اے انسان! مقاتل کا بیان ہے کہ طٰہٰ کا معنی ہے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو یعنی تہجد کی نماز میں۔محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ یہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُٹھائی ہے۔سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ طاء سے طاہر اور ھا سے مراد ھاد ہے۔کلبی کا بیان ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے۔ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں ٹیکتے کبھی دوسرا اُٹھاتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اُٹھا لیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اپنے نفس کیلئے تخفیف کریں۔

②"ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" بعض نے کہا کہ جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت میں بہت زیادہ مشغول دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اوپر قرآن نازل ہوا، آپ کو اس نے مشقت میں ڈال دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی مشقت کے لیے نازل نہیں فرمایا۔ شقی اصل میں سختی اور تنگی کو کہتے ہیں۔

③"الا تذکرۃ لمن یخشی" اس کا نازل ہونا نصیحت ہے جو شخص ڈرا اور بعض نے کہا کہ تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ ہم نے اس کو اس وجہ سے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا تا کہ اس سے نصیحت حاصل کرے وہ شخص جو ڈرے۔

④"تنزیلا" تذکرۃً کے بدلے میں ذکر کیا۔ "ممن خلق الارض" اس ذات کی طرف سے ہے جس نے زمین کو پیدا کیا۔ "والسموات العلیٰ" اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ "العلیٰ" جمع ہے علیا کی جیسے کبری جمع ہے کبر کی۔......

⑤"الرحمٰن علی العرش استویٰ"

⑥"لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینھما" اس سے مراد ہوا ہے۔ "وما تحت الثری" ثری سے مراد نمناک جو مٹی کے نیچے ہوتی ہے۔ ضحاک کا قول ہے جو مٹی کے نیچے چھپی ہوئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زمینیں مچھلی کی پشت پر ہیں اور مچھلی سمندر پر اور مچھلی کی دُم اور سر عرش کے نیچے باہم مل گئے ہیں۔ سمندر پتھر کی ایک آسمانی رنگ کی چٹان پر ہے۔ یہ چٹان وہی ہے جس کا ذکر حضرت لقمان کے قصہ میں اللہ نے کیا ہے "فتکن فی صخرۃ" چٹان بیل کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے اور بیل ثری پر قائم ہے اور ثری سے نیچے کیا ہے۔ اسے سوائے اللہ کے اور کوئی واقف نہیں۔ بیل منہ کھولے ہوئے ہے جب اللہ سب سمندروں کو ملا کر ایک سمندر کر دے گا تو یہ سب سمندر اس بیل کے منہ کے اندر جا کر پیٹ میں اُتر کر خشک ہو جائیں گے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ⑦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ⑧ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ⑩ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ⑪ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ⑫ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ⑬ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ⑭

ترجمہ: اور (علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ مخفی کو جانتا ہے وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ)

کی خبر بھی پہنچی ہے جبکہ انہوں نے (مدین سے آتے ہوئے رات کو) ایک آگ دیکھی سو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس رستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے سو وہ جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو ان کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنے طویٰ میں ہو (یہ اس کا نام ہے) اور میں نے تم کو (نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم تو میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

تفسیر ❼......"وان تجهر بالقول" اگر تم اس کا اعلان کرو گے۔ "فانه یعلم السر و اخفی"

سر اور اخفی کی تفسیر

حسن کا قول ہے کہ سر وہ خفی بات ہے جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہہ دیتا ہے اور اخفی وہ پوشیدہ بات جس کو اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے فرمایا سر وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور اخفی وہ بات جو آئندہ اللہ دل میں پیدا کردیتا ہے اور اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آئندہ اللہ کی طرف سے دل میں کیا بات پیدا ہوگی ہم آج جس چیز کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں اس سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن کل کو ہمارے دل میں کیا بات آئے گی اس سے ناواقف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آج کے پوشیدہ خیال سے بھی واقف ہے اور آئندہ جو کچھ ہم دل میں پوشیدہ رکھیں گے اس سے بھی واقف ہے۔

علی بن طلحہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس طرح آیا ہے کہ سر وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے اور اخفی وہ بات ہے جو آدمی کو خود بھی نہیں معلوم کہ وہ آئندہ کیا کرے گا جب تک کر نہ لے، اس کو معلوم نہیں ہوتی۔

مجاہد کا قول ہے سر وہ پوشیدہ کام ہے جس کو تم لوگوں سے چھپاتے ہو اور اخفی سے مراد وہ وسوسہ ہے۔

بعض علماء نے کہا سر سے مراد ہے عزیمت کسی بات کا پختہ ارادہ اور اخفی وہ خیال ہے جو دل میں گزرتا ہے مگر اس کا پختہ ارادہ نہیں ہوتا۔

زید بن اسلم نے کہا کہ اللہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور اپنے بندوں سے ان کو پوشیدہ رکھا ہے۔ کسی کو اپنے اسرار پر واقف نہیں۔

❽......"الله لا اله الا هو له الاسماء الحسنیٰ"......

❾"وهل اتک حدیث موسیٰ" استفہام تقریری ہے۔ یقیناً موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تمہیں پہنچ گیا ہے۔

❿"اذ رأی نارًا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے مصر لوٹ کر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی والدہ اور بہن کی زیارت کرسکیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ آپ اپنی بی بی کے ساتھ چل پڑے

، سردی کا موسم تھا، بادشاہان شام کے خوف سے آپ عام راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے لگے۔ بیوی ایام سے تھیں، صبح شام کا بھروسہ نہ تھا، راستوں سے واقف نہ تھے، صحرا میں بغیر جانے ایک راستے پر چل پڑے، وہ راستہ کوہ طور کے دائیں مغرب جانب جاتا تھا، رات تاریک اور فضا ٹھنڈی تھی، راستہ میں بیوی کو دردزہ ہونے لگا۔ آپ نے چقماق کو رگڑا، اس سے آگ نہیں نکلی۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غیرت مند آدمی تھے چونکہ بی بی ساتھ تھی اس لیے رفقاء سفر کے ساتھ رات کو چلتے تھے اور دن کو علیحدہ ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً راستہ بھٹک گئے، تاریک رات تھی اور برف زدہ بھی، چقماق کو رگڑا، آگ نہیں نکلی، نظر اُٹھائی تو دور آگ روشن دکھائی دی جو طور کی جانب سے راستہ کے بائیں طرف تھی۔

"**فقال لاهله امكثوا**" آپ یہیں ٹھہرو۔ حمزہ نے ھا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**انی آنست**" کہ میں نے دیکھی ہے۔ "**نارًا لعلی آتیکم منها بقبس**" آگ کا ایک ٹکڑا لے آؤں۔ قَبس کہتے ہیں آگ کے انگارے کو۔ آگ کا وہ تھوڑا حصہ جو زیادہ آگ سے حاصل کیا جائے۔ "**او اجد علی النار هدی**" یا میں اس آگ کے پاس کسی سے راستہ کا پتہ معلوم کرلوں۔

⑪ "**فلما اتاها**" جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے آپ نے ایک درخت کو دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گردا گرد شفاف سفید، آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھی نہ درخت کی سبزی آگ کی روشنی اور سفیدی میں مخل آتی، نہ آگ کی نورانیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مانع تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ درخت کا رنگ گندمی سبز تھا۔

قتادہ، مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ وہ عوسج کا درخت تھا اور بعض نے کہا کہ وہ عناب کا درخت تھا۔ یہی ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ اہل تفسیر یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی نور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ ہی خیال کیا تھا اس لیے اللہ نے بھی اس کو نار ہی فرمایا۔ اکثر مفسر اس بات کے قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا۔ یہ قول ابن عباس، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا تھا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ حقیقت میں آگ ہی تھی۔ آگ ہی چہرہ خداوندی کا حجاب ہے، جس پر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا حجاب آگ ہے، اگر اس حجاب آتشیں کو کھول دے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کر دے جو اس کی حد نگاہ تک ہو۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہوگئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ علیہ السلام پیچھے ہٹ جاتے تھے تو آگ قریب آجاتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہو کر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی، اس وقت آپ کے اوپر سکینہ کا القاء ہوا۔ (**نودی یا موسیٰ**)

⑫ "**انی انا ربک**" ابو جعفر، ابن کثیر، ابو عمرو نے اسی طرح پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کہا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہب کا بیان ہے کہ درخت سے آواز آئی کہ میں تیرا رب ہوں۔ جب کہا گیا اے موسیٰ! تو انہوں نے بہت جلدی جواب دیا، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کو کہاں سے پکارا جا رہا ہے۔ کہا میں آپ کی آواز سن رہا ہوں لیکن آپ کی جگہ معلوم نہیں، آپ کہاں ہیں؟ آواز آئی میں آپ کے اوپر، آپ کے ساتھ، آپ کے سامنے اور آپ کے

پیچھے اور آپ کے نفس کے زیادہ قریب ہوں، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے، یہ شان تو اسی کی ہے۔

"فاخلع نعلیک" اس کا سبب وہ ہے جو ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتے مُردار گدھے کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ چمڑا غیر مدبوغ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ ننگے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم محروم نہ رہیں، پاک سرزمین کی برکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کو حاصل ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جوتے اُتار کر وادی کے دوسری طرف پھینک دیئے۔ "انک بالواد المقدس" کہ آپ پاک وادی میں ہیں۔ "طوی" یہ وادی کا نام ہے۔ اہل کوفہ اور شام نے طویً تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور سورت نازعات میں بھی اور دوسرے قراء نے تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ یہ طاو سے معدول ہو کر آیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ وادی طویٰ گہری تھی اور طور کی طرح مستدیر تھی۔

13 "وأنا اخترتک" اور ہم نے آپ کی رسالت کو شمار کیا۔ حمزہ نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ بطور تعظیم کے ہم نے آپ کو چنا۔ "فاستمع لما یوحی" جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔

14 "انّنی انا اللہ لا الٰہ الا أنا فاعبدنی" میرے علاوہ کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں۔ "واقم الصلوٰۃ لذکری" مجاہد کا قول ہے کہ نماز قائم کریں تاکہ اس کے ذریعے سے میری یاد ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب تم نماز چھوڑو، پھر مجھے یاد کرو، اس کو قائم کرو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز سے بھول جائے جب اس کو یاد آئے تو اس کو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے۔ پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے فرمایا: "اقم الصلوٰۃ لذکری"

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ ۢ بِمَا تَسْعٰى 15 فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى 16 وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى 17 قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى 18

ترجمہ: اور (دوسری بات یہ سنو کہ) بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو (تمام خلائق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل جاوے سوتم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی (نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ (اے موسیٰ انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے (کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں۔

تفسیر 15 "ان الساعة آتية اكاد اخفيها" اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے، میں اس کے مقررہ وقت کو پوشیدہ رکھوں گا۔ اکاد صلہ ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھتا۔ اسی طرح ابی بن کعب

رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے کہ اگر میں اس کو اپنے سے بھی پوشیدہ رکھتا تو مخلوق کو کیسے پتہ چلتا اور بعض قرأت میں ہے کہ پھر تمہارے لیے کیسے ظاہر ہوتی۔ عرب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پوشیدہ ہونے میں مبالغہ کرتے تو کہتے کہ میں نے اس چیز کو اپنے آپ سے بھی چھپا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اور کہا اکاد میں ارادہ کرتا ہوں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ میرا ارادہ اس کو مخفی رکھنے کا ہے۔ اس کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ جب لوگ اس کے وقوع کا علم نہیں جانیں گے تو ہر وقت اسی کا خوف ان کے دامن گیر رہے گا۔

حسن نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ میں ظاہر کردوں۔ جیسے کہا جاتا ہے "خفیت الشیء" کہ میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا "اخفیته" میں نے اس کو چھپا دیا۔ "لتجزی کل نفس بما تسعی" تمہارے عمل کا بدلہ دیں خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔

⑯ "فلا یصدنک عنها" قیامت کے بارے میں لوگوں کے مختلف سوالات کی وجہ سے اپنے ایمان سے نہ پھر جانا۔ "من لا یؤمن بها واتبع هواه" اللہ کے حکم کے خلاف "فتردی" اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں۔

⑰ "وما تلک بیمینک یا موسی" اس سوال میں یہ حکمت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مانوس بنانے اور ان کی وحشت خاطر کو دور کرنے کے لیے یہ سوال کیا گیا کیونکہ جب اس لاٹھی کو سانپ کی شکل دی جائے گی تو یہ معلوم کرلیں کہ یہ عظیم معجزہ ہے۔ عرب کے ہاں بھی یہ عادت تھی کہ کسی کی بات کو پختہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے تاکہ اس کو بعد میں شک نہ ہوتا کہ اس کے ذریعے سے قلب کی معرفت زبان سے ادا ہو۔

⑱ "قال هی عصای" اس کا بالائی سرا دوشاخہ تھا اور نچلی جانب برچھی پیوست تھی۔ مقاتل نے کہا اس لاٹھی کا نام تبعہ تھا۔ "اتو کأ علیها" کہ جب میں چلتا ہوں تو اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور جب میں تھک جاتا ہوں تو اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہوں۔ "وأهش بها علی غنمی" اس کے ذریعے سے میں درخت پر مارتا ہوں اور اس سے سوکھے پتے جھڑتے ہیں جن کو بھیڑ بکریاں کھاتی ہیں۔ عکرمہ اس کو "اهس" سین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے ذریعے سے بکریوں کو چلاتا ہوں۔ ھس کہتے ہیں بکریوں کو زجر کرنا۔ "ولی فیها مآرب اخری" اس لاٹھی کے ذریعے اور کام بھی سرانجام دیتا ہوں اور منافع بھی اس سے حاصل کرتا ہوں۔ "مآرب" جمع "ماربة" کی راء کے فتحہ کے ساتھ۔ مآرب سے مراد وہ امور ہیں جو سفر میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس کے ذریعے سے زاد و راحلة کا لٹکانا اور اس کے ساتھ رسی کا باندھ دینا اور کنویں سے پانی نکالنا اور اس کے ذریعے سے موذی جانور سانپ اور درندوں کو مارنا اور اس کے ذریعے سے گرمی میں سر پر چھاؤں کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لاٹھی پر اپنا زاد و راحلة اور پانی کا مشکیزہ بھی لٹکایا کرتے تھے۔ اس کے ذریعے سے وہ ٹیک لگا کر چلتے اور اسی سے اور کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس لاٹھی کو زمین پر مارتے تھے اور اس سے اس دن کا طعام نکل جاتا اور اس کو گاڑتے تھے، اس کے ساتھ اس سے پانی نکلتا تھا۔ جب اس کو اُٹھاتے تھے تو وہ پانی بند ہو جاتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی پھل کے کھانے کی خواہش کرتے تو اس کو گاڑتے تو وہ

سرسبز ٹہنی بن جاتی اور اس پر پتے لگتے اور پھل لگتے اور جب پیاس لگتی تو کنویں سے پانی نکالنے کے لیے اس لاٹھی کو کنویں میں ڈالتے تو اس لاٹھی میں اس طرح پانی آجاتا جیسے ڈول میں آجاتا ہے۔ پھر اس سے پیتے تھے اور رات کے وقت وہ لاٹھی چراغ کا کام دیتی اور جب کوئی دشمن آجائے تو اس لاٹھی کے ذریعے اس دشمن کو مار دیتے۔

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ⑲ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ⑳ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ㉑ وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ㉒ لِنُرِیَکَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْکُبْرٰی ㉓

ترجمہ ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا کا یک وہ (خدا کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم ابھی اسکو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے اور تم اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی) بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا کہ یہ دوسری نشانی ہوگی۔ تا کہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔

تفسیر ⑲ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "القها یا موسیٰ" اس کو ڈال دے۔ وہب کا بیان ہے کہ پھینک دینے کا حکم سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھے کہ اس لاٹھی کو بھی جوتوں کی طرح پھینک۔

⑳ "فالقاها" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پھینک دیا، پھر تعمیل حکم کے بعد نظر موڑ کر دیکھا تو کیا "فاذا هی حیة" زرد رنگ کا بڑا سانپ "تسعی" وہ زمین پر بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ دوسری جگہ میں اس طرح ذکر کیا گیا "کانها جانٌّ" چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے جو بہت خفیف الحرکت ہوتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ثعبان" اس کا ترجمہ ہے اژدھا جو سانپوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ لفظ "حیة" کا اطلاق سانپ پر ہوتا ہے، بڑا ہو یا چھوٹا ہو یا مادہ ہو یا نر۔ جان سانپ کی ابتدائی حالت کو کہتے ہیں، پھر وہ لاٹھی کی طرح بڑا ہونے لگا، پھر وہ بڑھتا گیا اور پھولتا گیا حتیٰ کہ اژدھا بن گیا اور ثعبان انتہائی حالت کی وجہ سے کہا اور بعض نے کہا کہ بڑا جثہ ہونے کے اعتبار سے اس کو ثعبان کہا اور تیزی میں چلنے کی وجہ سے جان کہا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی لاٹھی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاٹھی کے ایک بڑا اژدھا نظر آیا۔ لاٹھی کا دو شاخہ سانپ کی دو باچھیں بن گیا تھا اور لاٹھی کی موٹھ سانپ کی گردن ہوگئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے، انگارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکر کی طرح آواز سنائی دے رہی تھی۔ تیزی کے ساتھ اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا، بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رُک کر کھڑے ہوگئے، آواز آئی۔

21 "قال خذھا" دائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ لیجئے "ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ" ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس کو عصا بنا دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اونی جبہ پہنے ہوئے تھے، جب حکم ہوا "خذھا" اس کو پکڑ لو تو آپ نے جبہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا، اللہ نے حکم دیا کہ ہاتھ کھول دو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے اس کو کھول دیا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ پر دامن کا جبہ لپیٹ لیا تو فرشتے نے کہا، دیکھو آپ کو کس بات کا خوف ہے؟ اگر اس کے واقع ہو جانے کا اللہ حکم دے دے تو کیا یہ جبہ اس کو دور کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن میں کمزور ہوں اور میرا ضعف خلقی ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ کھول کر سانپ کے منہ میں دے دیا۔ یکدم سانپ لاٹھی بن گیا اور ویسی ہی کھڑی ہوگئی جیسے پہلے تھی اور لاٹھی کا وہ دوشاخہ سرا ہاتھ میں آ گیا جس پر سہارا دے کر آپ کھڑے ہوتے تھے۔ مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰ علیہ السلام یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔ "سیرتھا" منصوب ہے الی کے حذف ہونے کے ساتھ۔

22 "واضمم یدک الی جناحک" اپنی بغل سے اپنے ہاتھ نکالیں۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اپنے پہلو سے نکالو۔ جناح آدمی کا بازو بغل کے اندر تک جناح کہلاتا ہے۔ "تخرج بیضاء" وہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ "من غیر سوء" بغیر کسی کے عیب سے سوء سے مراد یہاں برص ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے روشن، چمک دار نور برآمد ہوتا تھا جو دن میں یا رات میں ہر وقت چاند سورج کی طرح جھلکتا تھا۔ "آیۃ اخریٰ" یہ دوسری نشانی ہے آپ کی صداقت پر عصا کے علاوہ۔

23 "لنریک من آیاتنا الکبریٰ" کبریٰ ذکر نہیں کیا اور بعض نے کہا کہ اس میں اضمار ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا تاکہ ہم اس کے ذریعے سے بڑے بڑے معجزے دکھائیں۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بڑی بڑی نشانیاں واضح ہوئیں۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى 24 قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ 25 وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ 26 وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ 27 يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ 28 وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ 29 هٰرُوْنَ اَخِي 30 اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ 31 وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ 32

ترجمہ: (اب یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے اور میرا (یہ) کام (تبلیغ کا) آسان فرما دیجئے اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت کی) ہٹا دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔

تفسیر: 24 "اذھب الی فرعون انه طغی" وہ نافرمانی میں حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس کو میری عبادت کی طرف دعوت دو۔

㉕"قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا"رب اشرح لی صدری" حق کے لیے میرے سینے کو کشادہ کردے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تیرے سوا کسی سے بھی نہ ڈروں۔ بات یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر اور اقتدار کی وہ شان و شوکت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے شرح صدر اور بے خوف ہوجانے کی دُعا کی۔

㉖"ویسرلی أمری" فرعون کو تبلیغ و دعوت دینے کے امر میں میری مدد اور آسانی فرما۔"واحلل عقدة من لسانی" یہ اس وجہ سے کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی پرورش میں تھے کہ آپ نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا اور اس کی داڑھی نوچ ڈالی۔ فرعون نے اپنی بیوی آسیہ سے کہا کہ یہ میرا دشمن ہے میں اس کو قتل کروائے دیتا ہوں۔ آسیہ نے کہا کہ یہ بچہ ہے، بے سمجھ، اس کو کچھ تمیز نہیں، اچھے اور برے کو نہیں پہچانتا۔

㉗ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دودھ چھڑایا تو واپس لاکر آسیہ کو دے دیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی بیوی کی گود میں پرورش پائی۔ دونوں نے آپ کو بیٹا بنالیا۔ ایک روز فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، یکدم چھڑی فرعون کے سر پر ماردی، فرعون نے غضبناک ہوکر قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ آسیہ نے کہا بادشاہ سلامت یہ بے سمجھ بچہ ہے، اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں۔ چنانچہ آسیہ نے دو طشت منگوائے، اس میں ایک کے اندر انگارے بھر دیئے اور دوسرے میں جواہرات اور یاقوت وغیرہ اور دونوں طشت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بڑھا کر جواہرات کے طشت میں ڈالنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں والے طشت میں ڈال دیا، آپ نے انگارا پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور زبان میں گرہ پیدا ہوگئی۔

㉘"یفقهوا قولی" میری اس گرہ کو کھول دیجئے تاکہ وہ میرا کلام سن سکیں۔

㉙"واجعل لی وزیرًا" میرے لیے وزیر اور مددگار بنایئے۔"من اهلی" وزیر یوازرک سے ہے۔ ایسا وزیر جو میرے ساتھ کچھ بوجھ اُٹھالے۔ پھر بیان کیا کہ وہ وزیر کون ہوگا۔

㉚"هارون اخی" حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چار سال بڑے تھے اور وہ فصیح لسان تھے اور خوبصورت تھے۔ سفید رنگ کے تھے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم کی طرح۔

㉛"اشدد به ازری" اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط کردے۔

㉜"واشر که فی امری" میری نبوت اور تبلیغ رسالت میں ہارون کو میرا ساتھی بنادے۔ بعض قراء نے ہمزہ کے فتحہ سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو دُعاء اور سوال پر محمول کیا۔ جیسا کہ ماقبل میں گزرا ہے۔"رب اشرح لی صدری و یسرلی امری"

كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ

سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی ﴿۳۸﴾
اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ
وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ
عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ
مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ﴿۴۰﴾

ترجمہ یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے اور ان کو میرے (اس تبلیغ کے) کام میں شریک کر دیجئے تا کہ ہم دونوں آپ کی خوب کثرت سے پاکی (شرک کے نقائص سے) بیان کریں اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں ارشاد ہوا کہ تمہاری (ہر) درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی (اس کے قبل بے درخواست ہی) تم پر احسان کر چکے ہیں جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو الہام سے بتلانے کی تھی (وہ) یہ کہ موسیٰ کو (جلادوں کے ہاتھوں سے بچانے کیلئے) ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو دریا میں ڈال دو پھر دریا ان کو (مع صندوق کے) کنارے تک لے آوے گا (آخرکار) ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو (کافر ہونے کی وجہ سے) میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اور اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا (تا کہ جو تم کو دیکھے پیار کرے) اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ (یہ قصہ اس وقت کا ہے) جبکہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو اچھی طرح) پالے رکھے پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے اور تم نے (غلطی سے) ایک شخص (قبطی) کو جان سے مار ڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا پھر (مدین پہنچے اور) مدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر تم (یہاں) آئے اے موسیٰ۔

تفسیر ⑬ "کی نسبحک کثیرًا" کلبی کا قول ہے کہ تسبیح سے نماز پڑھنا۔

⑭ "ونذکرک کثیرًا" ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری ثناء کرتے ہیں جن نعمتوں کا ولی بنایا۔

⑮ "انک کنت بنا بصیرًا" احوال کو جاننے والا۔

⑯ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قد اوتیت" تو نے عطا کیا۔ "سوء لک" وہ تمام اشیاء جن کا میں نے تم سے سوال کیا۔ "یاموسیٰ"

⑰ "ولقد مننا علیک" ہم نے آپ پر نعمت دی۔ "مرۃ اخریٰ" یعنی اس سے پہلے ایک اور وقت بعض نے کہا کہ یہ ایک ہی بار مراد ہے۔ ⑱ "اذ اوحینا الیٰ امک" یہ وحی الہام ہے۔ "ما یوحی" جو الہام ہوتا ہے۔ پھر الہام کی تفسیر بیان کی اور آپ پر جو نعمتیں کی ہیں ان کو شمار کیا۔

㊴"ان اقذفیه فی التابوت" ہم نے ان کو الہام کیا کہ اس کو تابوت میں ڈال دو۔ "فاقذفیه فی الیم" اس کو نیل کے سمندر میں ڈال دے۔ "فلیلقه الیم بالساحل" دریا اس کو نہر میں لا ڈالے گا یہ امر ہے بمعنی خبر کے۔ یعنی دریا اس کو لا ڈالے گا۔ "یاخذه عدوّلی وعدوّله" فرعون جو اس کا اور میرا دشمن ہے اس کو لے لے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام دراڑیں اور شگاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا، نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا اس شاخ کے اندر چلا گیا، فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا۔ فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ لائے، سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت شگفتہ رنگ کا خوبصورت بچہ برآمد ہوا۔ فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہو کر ضبط نہ کر سکا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "والقیت علیک محبة منّی" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ میں نے اس سے محبت کی۔ پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ کا قول ہے جو بھی اس بچے کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی کہ جو بھی آپ علیہ السلام کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔ "ولتصنع علی عینی" اس کی خوب خدمت کی اور نگہداشت کی۔ ابوجعفر نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔

㊵"اذ تمشی أختک" ان کا نام مریم تھا۔ ان کی خبر لینے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں۔ "فتقول هل ادلکم علی من یکفله" ایسی عورت پر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے اور اس کو اپنے ساتھ لائے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے تو جب انہوں نے ان کی بات سنی تو کہنے لگے کہ ان کو لے آئیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ آئیں انہوں نے دودھ پلایا تو وہ پینے لگے۔

"فرجعناک الی أمک کی تقرعینها" تمہاری ملاقات سے "ولا تحزن" تا کہ اس سے غم چلا جائے۔ "وقتلت نفسًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرمایا کہ ایک قبطی کافر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کروا دیا۔ کعب احبار کا بیان ہے اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ "فنجیناک من الغم" حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے قتل کرنے کے بعد اللہ کا خوف تھا۔ "وفتناک فتونًا"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے آپ کی خوب آزمائش کی۔ ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کی خوب جانچ کر لی۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہم نے خالص بنا لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا قول نقل کیا کہ فتون سے مراد ہے مصیبتوں میں پڑنا جن سے بالآخر اللہ نے آپ کو نجات عطا فرما دی۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ آپ اس سال ماں کے پیٹ میں آئے جو سال فرعون کی طرف سے نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کا تھا۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ تیسرا امتحان کا موقع وہ تھا کہ آپ نے ماں کے سوا کسی اور

عورت کی پستان منہ میں بھی نہیں لی۔ چوتھا نزول مصیبت وقت وہ تھا کہ آپ نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اور فرعون نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن آسیہ کی سفارش سے جب آپ کے پاس ایک طشت میں انگارے اور ایک میں یاقوت لائے گئے اور آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا۔ پانچویں مصیبت قبطی کو قتل کرنے اور مدین کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کی تھی۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ اس جگہ "فتناک" کا معنی "خلصناک" سے کیا۔ ان مشکلات سے جیسا کہ سونے کو آگ سے پگھلانے سے اس کی ساری کھوٹ دور ہو جاتی ہے، فتون مصدر ہے۔ "فلبثت" پھر وہ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے رہے۔ پھر وہ مصر کی سرزمین سے نکل کر مدین کی طرف آئے وہاں رہے۔ "سنين في اهل مدين" انہوں نے دس سال وہاں بکریاں چرائیں۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور یہ مصر سے آٹھ کوس دور تھا۔ وہب کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس اٹھائیس برس رہے۔ دس سال تو مہر زوجہ کے عوض اور اٹھارہ سال اس کے بعد، آپ کی اولاد وہیں ہوئی۔ "ثم جئت على قدر يا موسٰى" مقاتل کا بیان ہے یہ ہمارا ان کے ساتھ وعدہ ہے اور یہ مقررہ مدت کا وعدہ اللہ کی تقدیر میں تھا۔

محمد بن کعب کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنے کا اندازہ عمر جو مقرر کر دیا گیا تھا تم اس کو پہنچ گئے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی چالیس سال کی عمر میں آتی تھی جبکہ ان کے پاس اس عمر سے کم میں سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی کے پاس نہیں آئی۔ یہی قول عبدالرحمٰن بن کیسان کا ہے اور یہ معنی اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کی قدرت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو رسالت چالیس سال کے بعد دیتا ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

ترجمہ: اور (یہاں آنے پر) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا (سواب) تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں (یعنی معجزات) لے کر جاؤ اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کر لے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے دونوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ (کہیں) وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں سو تم اس کے پاس جاؤ اور

(اس سے) کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں (کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے) سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اوران کو تکلیفیں مت پہنچا ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کا) نشان (یعنی معجزہ بھی) لائے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جو (سیدھی) راہ پر چلے ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہوگا جو (حق کو) جھٹلادے اور (اس سے) روگردانی کرے۔

تفسیر 41 "واصطنعتک لنفسی" یعنی ہم نے آپ کو اپنے لیے منتخب کرلیا اور چن لیا اپنی وحی اور اپنی رسالت کو۔ یہ سب کچھ آپ کو اس لیے دیا کہ آپ نے کامل محبت صرف اللہ ہی سے کی۔ زجاج کا قول ہے کہ آپ نے ہمارے حکم کو اختیار کیا اور تمہیں اپنی حجت کے لیے قائم کردیا اور مخاطب ہمارے اور مخلوق کے درمیان آپ کو بنایا۔

42 "اذھب انت واخوک بایاتی" میری دلالت سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ "ولا تنیا" اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میرے ذکر میں کمی نہ کرنا۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ سستی نہ کرنا۔ "فی ذکری"

43 "اذھبا الی فرعون انہ طغی" ابوعمرو اور اہل حجاز نے اسی طرح پڑھا ہے۔ "لنفسی اذھب"...... "فی ذکری اذھبا"...... "انّ قومی اتخذوا"...... "من بعدی اسمہ" سب مقامات میں یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اس کو یاء ساکن کے ساتھ پڑھا ہے۔

44 "فقولا لہ قولا لینا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بات کرنے میں درشتی نہ کرنا۔ سدی اور عکرمہ کا بیان ہے کہ کنیت کہہ کر کلام کرنا چونکہ فرعون کی کنیت ابوالعباس یا ابوالولید تھی۔ مقاتل نے کہا کہ نرم کلام کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کہنا "ھل لک الی ان تزکی واھدیک الی ربّک فتخشی" اور بعض نے کہا کہ نرم کلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرعون کے زیر پرورش موسیٰ علیہ السلام رہ چکے تھے اسی کو حق تربیت حاصل تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ نرم کلام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ کرلیا تھا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو تم کو دوبارہ ایسی جوانی مل جائے گی جو کبھی پیری میں تبدیل نہیں ہوگی اور مرتے دم تک تمہاری حکومت قائم رہے گی اور کھانے پینے کی لذت اور صنفی مقاربت کی کیفیت وقت موت تک تم کو حاصل ہوتی رہے گی اور مرنے کے بعد جنت ملے گی۔ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات پسند آ گئی لیکن وہ ہامان کے کسی مشورے کے بغیر عمل نہیں کرتا تھا۔ ہامان اس وقت موجود نہیں تھا جب آیا اور فرعون نے اس سے موسیٰ علیہ السلام کی باتیں نقل کیں اور مشورہ لیا اور قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہامان نے کہا کہ میں آپ کو دانش مند اور صاحب رائے سمجھتا تھا، کیا آپ رب ہوکر مربوب بننا چاہتے ہیں۔ اب تک آپ کی پوجا ہوتی ہے تو کیا آپ دوسرے کی عبادت کرنے کے خواہش مند ہیں۔ غرض ہامان نے فرعون کی رائے پلٹ دی۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس دن مصر میں تھے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کریں اور وہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک منزل دور تھے اور ان کو خبر دو کہ میری طرف اللہ نے وحی کی ہے۔ "لعلہ یتذکر او یخشی" اس کو

نصیحت کریں شاید کہ وہ اللہ کے خوف سے ڈر جائے اور اسلام لے آئے۔ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے فرمادیا "لعله یتذکر" حالانکہ ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نہ اُس کو نصیحت کام کرے گی اور نہ ہی وہ اسلام لائے گا۔ اس کا جواب بعض حضرات نے دیا کہ تم دونوں اس کے پاس جاؤ، شاید کہ اس پر تمہاری سچائی ظاہر ہو جائے اور وہ طمع کرنے لگ جائے، آپ دونوں کے کام کے پیچھے اللہ کا فیصلہ ہے۔

حسین بن فضل کا بیان ہے کہ شاید وہ غیر فرعون کی طرف لوٹ جائے۔ مطلب یہ کہ وہ نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے۔ جب وہ آپ کی رائے اور آپ کے لطف سے کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور اس پر اللہ کی نعمت، پھر اس کو ربوبیت کی دعوت دینا۔ ابوبکر محمد بن عمر الوراق کا بیان ہے کہ "لعلّ" جب اللہ تعالیٰ کیلئے آئے تو وجوب کو ظاہر کرتا ہے اور یقیناً اس کو نصیحت تو آ گئی جب اس کو سمندر میں ڈالا گیا تو کہنے لگا کہ "أنه لا اله الا الذی آمنت به بنی اسرائیل و انا من المسلمین" یحییٰ بن معاذ کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو وہ زاروقطار رونے لگے اور عرض کیا اے اللہ! یہ تیری نرمی تو اس شخص کے ساتھ ہے جو اپنے بارے میں کہتا ہے "انا الٰہ" کہ میں معبود ہوں اس کے ساتھ تیری نرمی کا معاملہ کیا ہوگا جو کہتا ہے "انت الا لہ" کہ تو میرا معبود ہے۔

㊺ "قالا" حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں کہنے لگے "ربّنا اننا نخاف ان یفرط علینا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "ان یفرط علینا" کا مطلب یہ ہے کہ تکمیل دعوت اور اظہار معجزات سے پہلے ہی کہیں وہ ہم کو قتل کرنے اور عذاب دینے کا حکم نہ دے بیٹھے۔ عربی محاورے میں فرط علیہ کا معنی ہوتا ہے دُکھ پہنچانے میں، جلدی کرنا۔ اصل میں یہ فرط کا معنی ہے آگے بڑھ گیا، فارط آگے بڑھنے والا۔ "او ان یطغیٰ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں وہ اور زیادہ سرکش نہ ہو جائے تیری شان میں مزید گستاخی کرنے لگ جائے۔

㊻ "قال لا تخافا اننی معکما أسمع و اری" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسمع کا معنی ہے کہ میں سننے والا ہوں تمہاری دُعاؤں کو ان کو قبول کروں گا۔ "و اری" جو تمہارے خلاف ارادہ کیا جائے۔ بس میں رُکاوٹ ڈالنے والا ہوں، میں تمہارے احوال سے بے خبر نہیں تم پرواہ نہ کرو۔

㊼ "فاتیه فقولا انا رسولا ربّک" ہم دونوں کو تیری طرف بھیجا ہے۔ "فارسل معنا بنی اسرائیل" یعنی ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ملک شام چلے جانے کی اجازت دیں۔ ان کو اپنی ماتحتی سے آزاد کردے۔ "ولا تعذبهم" ان کو سخت تکلیفیں اور دُکھ نہ دے۔ فرعون بنی اسرائیل سے دُشوار ترین مشقت کے کام لیا کرتا تھا۔ "قد جئناک بایة من ربک" فرعون نے کہا کہ وہ نشانی کیا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نکالا، وہ چمکنے لگا جیسے سورج چمکتا ہے۔ "والسلام علی من اتبع الهدیٰ" اس سلام سے مراد سلام تحیہ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام لاتا ہے وہ اللہ کے عذاب سے سلامت رہتا ہے۔

㊽ "انا قد اوحی الینا أن العذاب علی من کذّب و تولی" بے شک اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے جو اس کی طرف سے دی ہوئی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا
بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِىْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً. فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ. اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾

ترجمہ وہ کہنے لگا پھر (یہ بتلاؤ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا (ہمارا سب کا) رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر اعمال میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے وہ (رب) ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے (اور تم کو اجازت دی کہ) خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مواشی کو (بھی) چراؤ ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں ہیں۔

تفسیر ﴿۴۹﴾ "قال فمن ربکما یا موسیٰ" تم دونوں کا رب کون ہے کس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔

﴿۵۰﴾ "قال ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدی" حسن اور قتادہ کا بیان ہے اس نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے جس میں ہماری بھلائی اور بہتری کا سامان تھا۔ پھر اس کو اس چیز کے حصول کا جس میں اس کی بھلائی ہے راستہ بتا دیا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی، آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی نہیں بنائی، پھر کھانے پینے اور قربت صنفی کرنے کی طرف اس کی رہنمائی کی۔

ضحاک کا بیان ہے اس نے ہر چیز پیدا کی وہ ہمیں عطا کی۔ اس سے مراد ہاتھ، چھونے کے لیے پاؤں، چلنے کے لیے زبان، بولنے کے لیے آنکھ، دیکھنے کے لیے اور کان سننے کے لیے بنائے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا، مرد کو عورت، اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی، پھر صنفی قربت کا طریقہ اس کو فطرتاً بتا دیا۔

﴿۵۱﴾ "قال" فرعون نے کہا "فما بال القرون الاولی" یہاں بال سے مراد حالت ہے یعنی گزری ہوئی قوموں کا کیا حال ہوا جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور دوسری اقوام کا کیا ہوگا جو بت پرستی اور منکر قیامت تھی ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

﴿۵۲﴾ "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا "علمھا عند ربی" ان کے اعمال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں وہی ان کو بدلہ دے گا۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی کہ وہ اس کے متعلق نہیں جانتے تھے کیونکہ تورات تو فرعون کے غرق ہونے کے بعد نازل ہوئی۔

"فی کتاب" لوح محفوظ میں "لا یضل ربی" وہ غلطی کرنے والا نہیں اور بعض نے کہا اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ "ولا ینسی" وہ ان کے اعمال کو بخوبی جانتا ہے یہاں تک کہ ان کو بدلہ دے گا اور بعض نے کہا کہ وہ انتقام ضرور لے گا وہ انتقام لینے سے نہیں بھولا اور مؤمن کو اچھا بدلہ دے گا۔

53 "الذی جعل لکم الارض مهدًا" قراء اہل کوفہ نے "مهدًا" نقل کیا ہے اور سورۃ زخرف میں مصدر ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد فرش ہے اور دوسرے قراء نے "مهادًا" پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "الم نجعل الارض مهادًا" اس کو بچھونا بنایا، یہ اس بچھونے کا نام ہے جیسے باسط اس کا نام ہے جس کو بچھایا جاتا ہے۔

"وسلک لکم فیها سبلاً" سلک کہتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین میں راستے داخل کردیئے تاکہ تم ان پر چلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تمہارے لیے راستہ ہے اس پر تم چلو۔ "وانزل من السماء ماءً" بارش نازل فرمائی۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ "ماءً" تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ختم ہوگیا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ ہم نے پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کیا۔ "فاخرجنا به" اس پانی کے ذریعے "ازواجًا" طرح طرح کی اصناف پیدا کیں۔ "من نبات شتی" مختلف قسموں کو اور مختلف کھانے پینے کی اشیاء کو اور ان سے منافع پیدا کیے۔ خواہ وہ سفید ہوں، سرخ ہوں، سبز ہوں، ہر ایک صنف کو جوڑا جوڑا بنایا، ان میں سے بعض لوگوں کے لیے فائدہ مند بنایا اور بعض چوپایوں کے لیے بنایا۔

54 "کلوا وارعوا" چراؤ اس میں "أنعامکم" اپنے چوپایوں کو جیسا کہ عرب کا قول ہے "رعیت القوم" میں نے قوم کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ فراعت پس وہ محفوظ ہوگئی۔ یعنی اس میں تم اپنے جانوروں کو چراؤ۔

"ان فی ذلک" جو ہم نے ذکر کیا "لایات لاولی النهی" اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔ اس کی واحد "نهیه" ہے۔ عقل کو "نهیة" اس لیے کہتے ہیں چونکہ یہ بھی انسان کو بری اور ضرررساں اور غلط باتوں سے روکتی ہے اس لیے عقل کو "نهیه" کہتے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ "اولی النهی" ان کو کہتے ہیں جو اللہ کی حرام کردہ اشیاء سے روکتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے تقویٰ والے لوگ مراد ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿55﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿57﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿60﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿61﴾

ترجمہ: ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو (بعد موت) لے جاویں گے اور (قیامت کے روز) پھر

دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکال لیں گے۔ اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں سو (جب بھی) وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو (گے) کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرو سواب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کرلو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں (تا کہ سب دیکھ لیں) موسیٰ نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے اور (جس میں) دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں غرض (یہ سن کر) فرعون (دربار سے اپنی جگہ) لوٹ گیا پھر اپنا مکر کا (یعنی جادو کا) سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا اس وقت موسیٰ نے ان (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ ارے کم بختی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ وافترامت کرو کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کردے اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ (آخر کو ناکام رہتا ہے۔

تفسیر ⑮ "**منها**" اسی زمین سے "**خلقناكم**" پیدا کیا تم کو اور تمہارے باپ آدم کو بھی۔ عطاء خراسانی نے بیان کیا کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے۔ پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "**منها خلقناكم**"...... "**وفيها نعيدكم**" اور موت کے بعد اور دفن کے وقت اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا۔ "**ومنها نخرجكم تارةً اخرىٰ**" قیامت کے دن واپس تمہیں اُٹھایا جائے گا۔

⑯ "**ولقد اريناه**" فرعون کو ساری نشانیاں دکھائیں۔ "**آياتنا كلها**" تو نشانیاں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں۔ "**فكذّب**" اس نے ان نشانیوں کو جھٹلایا کہ وہ جادو ہے۔ "**وابى**" کہ وہ اسلام لائے۔

⑰ "**قال**" فرعون نے کہا "**اجئتنا لتخرجنا من أرضنا**" مصر کی سرزمین "**بسحرك يا موسى**" تو اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ تو ہمارے شہر پر قابض ہو کر ہمیں وہاں سے نکال دے۔

⑱ "**فلنأتينك بسحر مثله فاجعل بيننا وبينك موعدًا**" یعنی ہمارے اور اپنے درمیان ایک میعاد اور وقت مقرر کرلے۔ "**لانخلفه**" ابوجعفر نے "**لانخلفه**" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ تم اس سے تجاوز نہیں کرسکو گے۔ "**نحن ولا انت مكانًا سوى**" ابن عامر، عاصم، حمزہ اور یعقوب نے سین کے ضمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو کسرہ کے ساتھ ذکر کیا، اس کی دونوں لغتیں ہیں۔ جیسے عدی وعدی اور طوی وطوی۔ مقاتل اور قتادہ کا بیان ہے کہ اس کا معنی برابر ہے یعنی ہمارے تمہارے درمیان مسافت برابر ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے۔ ابوعبیدہ اور قتیبی نے بیان کیا دونوں فریقوں کے درمیان مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے برابر۔ کلبی کا بیان ہے کہ سوی اس جگہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام۔

⑲ "**قال موعدكم يوم الزينة**" مجاہد، قتادہ، مقاتل اور سدی کا قول ہے کہ مصر والوں کا ایک تہوار سالانہ ہوتا تھا جس میں لوگ آراستہ پیراستہ ہو کر میلہ کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے یوم عاشوراء مراد ہے۔ "**وأن يحشر الناس ضحىً**" چاشت کے وقت دن چڑھے تا کہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ ہے۔

⑥⓪ "فتولی فرعون فجمع کیدہ" مکر وحیلہ سے مراد جادوگر ہے۔ "ثم أتی" وقت مقررہ۔

⑥① "قال لھم موسی" یہ ضمیر جادوگروں کی طرف راجع ہے جن کو فرعون نے جمع کیا تھا۔ یہ بہتر (۷۲) جادوگر تھے اور ان میں ہر ایک کے پاس ایک لاٹھی یا رسی تھی اور بعض نے کہا کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی۔ کعب کا بیان ہے ان کی تعداد بارہ سو بتائی ہے اور بعض نے اس سے زیادہ کہا ہے۔

"ویلکم لاتفتروا علی اللّٰہ کذبًا فیسحتکم بعذاب" حمزہ، کسائی اور حفص "فیسحتکم" یاء کے ضمہ کے ساتھ حاء کے کسرہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ حاء کے فتحہ کے ساتھ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ بیخ و بن سے تم کو اُکھاڑ پھینکے۔ "وقد خاب من افتری"

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

(ترجمہ) پس جادوگر (یہ بات سن کر) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے (آخری نتیجہ سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے) تم کو تمہاری زمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ (مذہبی) طریقہ کا دفتر ہی اٹھا دیں تو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے (مقابلہ میں) آؤ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہوا۔

(تفسیر) ⑥② "فتنازعوا أمرھم بینھم" کہ وہ آپس میں مناظرہ کرنے لگ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں فرعون سے مشورہ کرنے لگے۔ کلبی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اس مشورے کو چھپائے رکھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام ہم پر غالب آ گئے تو ہم ان کا اتباع کر لیں گے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو جادوگروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادوگر کا نہیں ہے۔ بعض نے بعض کے ساتھ کہا کہ یہ بات ساحر کی نہیں ہے۔ "واسروا النجویٰ" یہ مناجات ہے یہ مصدر ہے "ناجیتہ" یعنی اس کا معنی ہے خفیہ بات کی۔

⑥③ "قالوا" بعض لوگ بعض کے ساتھ سرگوشی کرنے لگے۔ "ان ھذان لساحران" ان دونوں کے متعلق کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ابن کثیر اور حفص نے نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ھذان"...... "ای ما ھذان" کہ یہ دونوں نہیں مگر جادوگر۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے "وان نظنک لمن الکاذبین" یعنی میں ان کو گمان نہیں کرتا مگر جھوٹ۔

ابن کثیر نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے "ھذانّ" میں اور ابوعمرو کی قرأت کی "اِنّ" مشددہ آیا ہے۔ یہ نحو کے عام ضابطہ کے مطابق آیا ہے لیکن ابوعمرو کے علاوہ ھذان ہی جمہور کی قرأت ہے۔ بعض حضرات نے "ھذان" کے الف کے ساتھ

ذکر کیا ہے۔ اس کی قرأت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے لیکن یہ بعض لوگوں نے کہا یہ قبائل ابوالحارث اور خثعم اور کنانہ کے محاورہ کے موافق ہے۔ تثنیہ ہو یا کوئی ایسی ساکن یاء جس سے پہلے فتحہ ہو۔ ان قبائل نے اس کو الف بہرحال پڑھا ہے۔ "اتانی الرجلان رأیت الرجلان مررت بالرجلان" بہرحال تثنیہ کو الف ہی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نصب اور جر کسی بھی حالت میں یاء کو قبول نہیں کرتے۔ مثلاً عصا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے "کسرت یداہ و رکبت علاہ" کہتے ہیں "یدیہ و علیہ" نہیں کہتے۔ شاعر کا قول ہے

ان اباھا وأباھا قد بلغا فی المجد غایتھا

دوسرے "اباھا" کو الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ "ابیھا" نہیں آیا۔ بعض نے اس کی تقدیر میں فرمایا کہ "انہ ھذان" ھا کو حذف قرار دیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں "انّ" نعم کے معنی میں ہے۔ ایک اعرابی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگا، آپ نے نہیں دیا، اعرابی نے کہا کہ "لعن اللہ ناقۃ حملتنی الیک" کہ اللہ کی لعنت ہو اس اونٹنی پر جو مجھے آپ کے پاس سوار کر کے لائی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "انّ و صاحبھا" بے شک اور اس کے مالک پر بھی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

"ویقلن شیب قد علاک و قد کبرت فقلت انہ" یہاں بھی نعم کے معنی میں ہے۔ "یرید ان یخرجاکم من ارضکم" اس سے مراد مصر کی سرزمین ہے۔ "بسحرھما ویذھبا بطریقتکم المثلی" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ طریقہ سے مراد سرداران قوم بڑے لوگ مثل تانیث الامثل ہے، وہ افضل ہے۔

بطریقتکم المثلی کی تفسیر

شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ یعنی لوگوں کا رُخ اپنی طرف پھیر دیں گے۔ قتادہ نے کہا کہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل تعداد میں بھی ساری قوم سے زیادہ تھے اور مال میں بھی اس لیے طریقہ "مثلی" سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ فرعون کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے کہا کہ "مثلی" سے مراد دین ہے جس پر اہل مصر قائم تھے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں طریق مثلی ہے مراد اس سے صراط مستقیم ہے۔

64 "فاجمعوا کیدکم" ابوعمرو نے "اجمعوا" کے الف کو وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔ میم کے فتحہ کے ساتھ، جمع سے ہے یعنی تم ان اشیاء کو نہ پکارو یا جمع نہ کرو جو تمہارے ساتھ دھوکہ کرے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا معنی عزم اور محکم ہو۔ یعنی تم فیصلہ کرو اس کو اجماعی فیصلہ قرار دو باہمی اختلاف نہ کرو۔ "ثم ائتوا صفاً" سب کے سب۔ مقاتل اور کلبی نے یہی بیان کیا ہے اور بعض قوم نے کہا کہ تم سب جمع ہو کر ایک قطار میں ہو کر آؤ تاکہ دیکھنے والوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ صف کا معنی ہے جمع ہونے کی جگہ، جائے نماز کو صف اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو مقرر ہے اس جگہ پہنچ جاؤ۔ "وقد افلح الیوم من استعلی" جو غالب ہوا کامیاب ہو گیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى 65 قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى 66 فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى 67 قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى 68 وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى 69 فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى 70 قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى 71

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اور (اس کی صورت یہ ہے) کہ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ (سانگ) بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے (معجزے کے مقابلے میں کہیں) کامیاب نہیں ہوتا سو جادوگر سجدہ میں گر گئے اور (بآواز بلند) کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں (یعنی میری خلاف مرضی) تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی (معلوم ہوتا ہے کہ) وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے سو میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

تفسیر: 65 "قالوا" جادوگروں نے کہا "یا موسیٰ اما ان تلقی" اپنی لاٹھیاں ڈالیں۔ "واما ان نکون اوّل من القی" جو کچھ ہمارے پاس ہے۔

66 موسیٰ علیہ السلام نے کہا "بل القوا" تم پہلے ڈالو۔ "فاذا حبالھم" اس میں اضمار ہے کہ تم اپنی لاٹھیاں یا رسیاں ڈالو۔ "وعصیھم" عصا کی جمع ہے۔ "یخیل الیہ" ابن عامر اور یعقوب نے تخیل تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں ضمیر ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کی طرف راجع ہے اور دوسری صورت میں ان کے مکر وفریب اور جادو کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "من سحرھم انھا تسعی" ڈالی ہوئی چیزوں کے متعلق تخیل پیدا ہوا کہ وہ چل رہی ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ جب انہوں نے لاٹھیاں زمین پر پھینکی تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور نظر بندی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اور

دوسرے حاضرین کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک ایک میل تک سانپوں سے بھر گئی ہے اور سانپ دوڑ رہے ہیں۔

⑥⑦ "فاوجس فی نفسه خیفة موسٰی" اس کو خوف پایا۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے اپنے دل میں خوف کو چھپایا۔ اس خوف کے متعلق بعض نے کہا کہ بشریت کے تقاضے کی بناء پر کچھ خفیہ خوف پیدا ہوا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں گے اور میرے معجزے میں ان کو شک پڑ جائے گا اور حق واضح نہ ہوگا۔

⑥⑧ "قلنا" ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا "لاتخف انک انت الاعلٰی" آپ غالب رہیں گے۔ غلبہ آپ کے لیے ہے اور کامیابی آپ ہی کی ہے۔

⑥⑨ "والق مافی یمینک" اس عصا کو ڈال دیجئے۔ "تلقف" وہ سب کو نگل لے گا اور ہڑپ کر لے گا۔ "ماصنعوا" ابن عامر نے "تلقف" فاء کے رفع کے ساتھ اور دوسرے قراء نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ "انما صنعوا" جو انہوں نے بنایا ہے وہ سب جادو ہے۔ "کید ساحر" جادوگروں کا حیلہ ہے۔ اسی طرح حمزہ اور کسائی نے سین کے کسرہ کے ساتھ بغیر الف کے ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے ساحر پڑھا ہے کیونکہ کید کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ "ولا یفلح الساحر حیث اتی" یعنی جادوگر جہاں اور جس زمین میں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ بعض نے "اتی" کا ترجمہ حیث احتال کیا ہے یعنی جو تدبیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔

⑦⓪ "فالقی السحرة سجدًا قالوا امنا برب هارون و موسٰی"

⑦① قال آمنتم له قبل ان آذن لکم انه لکبیرکم" کہ یہ تمہارا سردار اور تمہارا استاد سکھانے والا ہے۔ "الذی علمکم السحر فلاقطعن أیدیکم و أرجلکم من خلاف ولاصلبنکم فی جذوع النخل" درخت کھجور کے تنوں میں لمبا ہوتا ہے۔ دور سے نظر آتا ہے۔ "ولتعلمن أینا اشد عذابًا" یعنی میں تم کو اب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ علیہ السلام کا رب تم کو زیادہ سخت عذاب دے سکتا ہے۔ اگر تم اس پر ایمان نہ لاتے۔ "وابقی" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَ نَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ. اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ⑦② اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَکْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ⑦③ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ. لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ⑦④ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِکَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ⑦⑤

(ترجمہ) ان لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو (دل کھول کر) کر ڈال تو بجز اس کے کہ اس

دنیاوی زندگانی میں کچھ کرلے اور کرہی کیا سکتا ہے بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے تاکہ ہمارے (پچھلے) گناہ (کفر وغیرہ) معاف کردیں اور تونے جو جادو (کے مقدمہ) میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے) بدر جہا اچھے ہیں اور زیادہ بقا والے ہیں جو شخص (بغاوت کا) مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہو گا سو اس کے لئے دوزخ (مقرر) ہے اس میں نہ مرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا اور جو شخص رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کیے ہوں سوایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں۔

تفسیر 72 "قالوا" جادوگر کہنے لگے۔ "لن نوثرک" کہ تمہیں اختیار نہیں کریں گے۔ "**علی ما جاء نا من البیّنات**" ان دلائل کے مقابلے میں مقاتل کا بیان ہے کہ دلائل سے مراد ید بیضاء عصا اور باقی معجزات ہیں اور بعض نے کہا کہ اگر یہ جادو ہے تو پھر ہماری رسیاں اور لاٹھیاں کہاں جائیں گی اور بعض نے کہا کہ "بینات" سے مراد یقین وعلم ہے۔ قاسم بن ابی ابزی سے حکایت کی جاتی ہے کہ جب جادوگر سجدہ میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو سجدہ سے اس وقت تک نہیں اُٹھائے گا جب تک کہ ان کو سجدہ میں جنت و دوزخ دکھا نہ لیں اور جنت کے اہل والوں کو ان کے اعمال کا ثواب اور جو کچھ جنت میں ہے وہ دیکھ نہ لیں۔ اس آیت "**قالوا لن نوثرک علی ما جاء نا من البینات**" کا مطلب یہی ہے۔ "**والذی فطرنا**" اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تجھے ترجیح نہ دیں گے۔ یعنی جس فطرۃ پر پہلے سے ہم ہیں اس کو چھوڑ دیں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ قسم ہے۔ "**فاقض ما انت قاض**" تو کر ڈال جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے۔ "**انما تقضی فی هذه الحیوة الدُّنیا**" یعنی یہ سب کچھ تو دُنیا میں کر سکے گا تیری یہ بادشاہت اور سلطنت دنیا ہی تک ہے جو عنقریب زائل ہونے والی ہے۔

73 "**انا امنا بربنا لیغفرلنا خطایانا وما اکرهتنا علیه من السحر**"

سوال یہ ہوتا جادوگر تو اپنے اختیار سے آئے تھے، فرعون نے ان کو مجبور کب کیا تھا، خود ہی انہوں نے فرعون کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم غالب رہیں گے، پھر "**ما اکرهتنا علیه من السحر**" کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: حسن رحمہ اللہ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو فرعون جادو سیکھنے پر مجبور کرتا۔ تاکہ جادو کی جڑ قائم رہے۔ "**ما اکرهتنا**" سے یہی مراد ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جادوگر بہتر تھے۔ دو قبطی اور ستر اسرائیلی فرعون نے اسرائیلیوں کو جادو سیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔ عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادوگروں نے فرعون سے درخواست کی کہ پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتے کی حالت میں دکھا دیجئے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے تھے اور لاٹھی آپ کا پہرہ دے رہی تھی۔ اس وقت فرعون نے جادوگروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معائنہ کروادیا۔ جادوگر دیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے کیونکہ جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جادوگروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ "**ما اکرهتنا علیه فی السحر**" کا یہی مطلب ہے۔ "**واللّٰہ خیر وابقی**" محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کو بہتر ثواب دیا جائے گا اور ان کے لیے عذاب کو باقی رکھا۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ تمہارے لیے ثواب بہتر ہے۔ اگر تم ہماری اطاعت کرو گے اور تمہارے لیے عذاب

کو باقی رکھا جائے گا، اگر تم نے ہماری نافرمانی کی۔ گویا اس کا جواب ہے "ولتعلمن اینا اشد عذابًا و ابقی"

⑭ "انه من یات ربه مجرمًا" اللہ تعالیٰ کے کلام کی ابتداء ہے اور بعض نے کہا کہ جادوگروں کا آخری کلام ہے۔ یعنی جو حالت شرک پر مرے گا۔ "فان له جهنم لایموت فیها" اس کو جہنم میں راحت حاصل نہیں ہوگی۔ "و لا یحیی" اور نہ ہی ایسی زندگی جس سے ان کو نفع حاصل ہو۔

⑮ "و من یاته" ابوعمرو نے ھا کے سکون کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ دوسرے قراء کے نزدیک اشباع کے ساتھ ہے۔ "مؤمنًا" جو شخص حالت ایمان پر فوت ہوا۔ "قد عمل الصالحات فاولئک لهم الدرجات العلیٰ" ان کے لیے بلند مرتبہ ہے۔ "العلی" جمع ہے "علیا" کی، تانیث ہے اعلیٰ کی۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی ⑯ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی ⑰ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ⑱ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی ⑲ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ⑳ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ㉑

ترجمہ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور جو شخص (کفر و معصیت) سے پاک ہو اس کا یہی انعام ہے اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے (ان) بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (عصا مار کر) خشک رستہ بنا دینا نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا پس فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر جیسا ملنے کو تھا آ ملا اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ لایا اور نیک راہ ان کو نہ بتلائی اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور (وادی تیہ میں) ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا (اور اجازت دی کہ) ہم نے یہ نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جاوے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔

تفسیر ⑯ "جنات عدن تجری من تحتها الانهار خالدین فیها و ذلک جزاء من تزکی" تمہیں گناہوں

سے پاک کرلیں گے۔کلبی کا بیان ہے کہ اپنے نفس کی زکوٰۃ ادا کرو۔لا الٰہ الا اللہ کے قول کے ساتھ۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما انہی میں سے ہوں گے۔

⑰ "**ولقد اوحینا الی موسٰی أن اسر بعبادی**" ان کو مصر سے راتوں رات باہر لے جاؤ۔"**فاضرب لهم طریقا فی البحر**" بنالو ان کے لیے راستہ سمندر میں لاٹھی کے مارنے کے ساتھ۔"**یبسا**" وہ ایسا خشک ہو جائے گا کہ نہ اس میں مٹی ہوگی اور نہ ہی پانی اور نہ ہی کیچڑ۔اللہ تعالیٰ سمندر کے پانی کو جام کردیں گے۔"**لاتخاف درکا**" حمزہ نے اس کو "**لاتخف**" پڑھا ہے۔مجزوم نہی کی وجہ سے اور باقی قراء نے رفع اور الف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔"**ولا تخشی**" بعض نے کہا کہ آپ اس وجہ سے خوف نہ کھائیں کہ آپ کے پیچھے فرعون آگیا اور نہ ہی اس بات سے خوف کھائیں کہ آگے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔

⑱ "**فاتبعهم**" فرعون اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چل پڑا۔"**فرعون بجنوده**" بعض نے کہا کہ فرعون نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے جائیں۔بعض نے کہا کہ باء زائدہ ہے اور فرعون ان میں شامل تھا۔"**فغشیهم**" ان کو پہنچا۔"**من الیم ما غشیهم**" اور وہ غرق ہوگیا۔یعنی فرعون کو ایسی موجوں نے ڈھانپ لیا جو اوپر سے بھی آئیں جن کی مقدار اور حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ایک تو سمندر کا اندھیرا اور دوسرا موجوں کے جوش مارنے کا اندھیرا۔اور بعض نے کہا کہ ان کو ایسے اندھیرے نے سمندر میں لپیٹا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نہیں کیا۔فرعون کی قوم غرق ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بچ گئی۔

⑲ "**واضل فرعون قومه وما هدی**" فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کردیا تھا اور ان کو سیدھا راستہ نہیں دکھایا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وما اهدیکم الا سبیل الرشاد**"

⑳ "**یا بنی اسرائیل قد انجیناکم من عدوکم**" اس سے مراد فرعون ہے۔"**وواعدنکم جانب الطور الا یمن ونزّلنا علیکم المنّ والسلویٰ**"

㉑ "**کلوا من طیّبات مارزقناکم**" حمزہ اور کسائی نے "**انجیتکم، وواعدتکم، ورزقتکم**" تاء کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ ذکر کیا ہے تعظیم کی بناء پر اور "**نزّلنا**" میں اختلاف نہیں کیا کیونکہ ان کو الف کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔"**ولا تطغوا فیه**" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔کلبی کا بیان ہے کہ تم نعمت کی ناشکری نہ کرو وگرنہ سرکش ظالم بن جاؤ گے۔

بعض نے کہا کہ ہماری پاکیزہ اشیاء برائی میں خرچ نہ کرو۔بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نعمتوں کو معاصی میں تقویت نہ دو۔بعض نے کہا کہ تم ہماری نعمتوں کو ذخیرہ نہ کرو۔"**فیحل**" اعمش کسائی نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور "**ومن یحلل**" لام کے ضمہ کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے اُترنا اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا۔اس صورت میں اس کا معنی ہے واجب "**علیکم غضبی ومن یحلل علیه غضبی فقد هوی**" تو وہ ہلاک ہوا اور آگ میں جا گرا۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى 82 وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى 83 قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى 84 قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ ۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ 85 فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا.قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًاحَسَنًا.اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ 86

ترجمہ اور (نیز اس کے ساتھ یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی راہ پر) قائم (بھی) رہیں اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا انہوں نے (اپنے گمان کے موافق) عرض کیا کہ وہ لوگ یہی تو ہیں میرے پیچھے پیچھے (آرہے ہیں) اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے (چلے آنے کے) بعد ایک بلا میں مبتلا کردیا اور ان کو سامری نے گمراہ کردیا غرض موسیٰ (بعد انقضاء میعاد کے) غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے (اور) فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر (میعاد مقرر سے کچھ) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو۔اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو خلاف کیا۔

تفسیر 82 ”وانی لغفار لمن تاب“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے شرک سے توبہ کرنا۔ ”و آمن“ ووحد اللہ، اللہ کی وحدانیت اور اس کی تصدیق کرنا۔ ”وعمل صالحا“ فرائض کو ادا ”ثم اهتدى“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس نے ہدایت پائی یعنی جان لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ملا ہے۔قتادہ اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ اسلام پر مرتے دم تک قائم رہا۔شعبی، مقاتل، کلبی کا بیان ہے کہ یعنی یہ جان لیا کہ اللہ کی طرف سے اس کا ثواب مجھے ملے گا۔زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس نے علم حاصل کیا تا کہ اس کے مطابق عمل کرے۔ضحاک کا قول ہے ہدایت پر قائم رہنا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔

83 ”وما اعجلک“ قوم کے جلدی آنے کا سبب کیا ہے۔ ”عن قومک“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لے جانے کے لیے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا تا کہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کرلیں۔ پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الٰہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آجانا۔اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے چلے آئے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما اعجلک عن قومک (یاموسی)

84 ”قال“ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کو جواب دے رہے تھے۔

"ھم اولاء علی اثری" اس مقام کی طرف جہاں عزت قرب عطا فرمانے اور تجلیات نازل کرنے اور کلام کرنے کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔ "وعجلت الیک رب لترضٰی" تا کہ آپ زیادہ خوش ہوں۔

85 "قال فانا قد فتنا قومک من بعدک" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور وہ ستر ہزار لوگ جنہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، بارہ ہزار کے علاوہ باقی سب گمراہ اور گوسالہ پرست ہو گئے۔

"واضلھم السامری" اس نے لوگوں کو بچھڑے کی پوجا کرنے کی طرف پھیر دیا۔ سامری کی طرف اضافت اس لیے کی اس کے بسبب سب گمراہ ہوئے۔

86 "فرجع موسٰی الٰی قومہ غضبان أسفا" غمگین ہو کر۔ "قال یاقوم ألم یعدکم ربکم وعدًا حسنًا" اس سے مراد سچائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات دی۔

"أفطال علیکم العھد" آپ سے جدا ہونے کی مدت کتنی تھی۔ "أم اردتم أن یحل علیکم غضب من ربکم" اگر تم نے ایسا کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر تم اپنے رب کے غضب کو پہنچ گئے۔ "فاخلفتم موعدی"

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَۃِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰھَا فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ 87 فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی فَنَسِیَ 88 اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا 89 وَلَقَدْ قَالَ لَھُمْ ھٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ 90

ترجمہ: وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کو اپنے اختلاف سے خلاف نہیں کیا۔ لیکن قوم (قبط) کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (بھی) ڈال دیا پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک (بے معنی) آواز تھی سو وہ احمق) لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر اور نفع پر قدرت رکھتا ہے اور ان لوگوں سے ہارون نے (موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری قوم تم اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب (حقیقی) رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

تفسیر: 87 "قالوا ما اخلفنا موعدک بملکنا" نافع، ابو جعفر اور عاصم کے نزدیک "بملکنا" میم کے فتحہ کے ساتھ حمزہ اور کسائی نے ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ ہم آپ کے حکم کے

مالک ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کیا اور بعض قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ آپ کی قدرت اور اختیار سے کیا۔ بعض نے کہا کہ جب کسی شخص پر کوئی مصیبت یا مشکل افتاد آپڑے تو پھر اس کو اپنے نفس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ”ولکنا حملنا“ ابوعمرو، حمزہ، کسائی، ابوبکر، یعقوب نے حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ میم کی تخفیف کے ساتھ، دوسرے قراء نے حاء کے ضمہ کے ساتھ اور میم کی تشدید کیساتھ

”اوزارًا من زینة القوم“ فرعون کی قوم کے زیورات ان کو اوزار اس لیے کہا کہ انہوں نے فرعون کی قوم سے عاریۃً زیورات لیے۔ یہ اس وجہ سے کہ جب بنی اسرائیل نے قبطیوں سے سونا عاریۃً لیا تو اس وقت قبطی ان کے ساتھ ساتھ مصر سے باہر نکلے اور بعض نے کہا کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریا نے ان کا زیور باہر پھینک دیا۔ بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مال غنیمت ان کے لیے جائز نہ تھا اس لیے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔

”فقذفناها“ بعض روایات میں آتا ہے کہ سامری کے کہنے سے انہوں نے ایک گڑھا کھود کر سارا زیور اس میں ڈال دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئیں تو زیور کے متعلق شرعی حکم بتائیں۔

سدی کا قول ہے کہ ان کو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ جو زیورات تمہارے پاس ہیں یہ غنیمت تمہارے لیے حلال نہیں تو ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دو۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔ پھر وہ اس کے متعلق رائے دیں۔ پھر انہوں نے ایسے ہی کیا۔ ”فقذفنها“ ڈال دیا ہم نے اس زیورات کو گڑھے میں۔ ”فکذلک القی السامری“ اور اس میں سامری نے بھی ڈال دیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ بھی ڈال دیا۔

سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان منقول ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آگ جلوا کر بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے پاس جو زیور ہے وہ اس میں ڈال دو، حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے سارا زیور آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک (جو اس کے پاس تھی) آگ میں ڈال دی۔ قتادہ کا بیان ہے کہ سامری نے وہ مٹی اپنے عمامے کے گوشے میں رکھی تھی۔

88 ”فاخرج لهم عجلا جسدًا له خوار فقالوا هذا الهكم واله موسى فنسى“ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ترک کر دیا اور خدا کی تلاش میں چلا گیا۔ (نعوذ باللہ) بعض نے کہا کہ سیدھا راستہ چھوڑ کر بھٹک گیا۔

89 ”افلا یرون الا یرجع الیهم قولا“ انہوں نے ایسا بچھڑا نہیں دیکھا جو بولتا بھی ہو اور جواب بھی دیتا ہو، جب اس کو پکارا جائے۔

”ولا یملک لهم ضرًا ولا نفعًا“ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سامری بچھڑا بنا رہا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ کیا کر رہا ہے۔ سامری نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو مفید ہوگی، ضرر رساں نہیں ہوگی، آپ میرے لیے کامیابی کی دُعا کریں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے اللہ! یہ جو کچھ تجھ سے مانگ رہا ہے اس کو اس کی دلی مراد کے مطابق عطا فرما دے۔ آپ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور سامری نے جب بچھڑے کے منہ میں خاک ڈال دی تو وہ بولا چیختا

ہوا بچھڑا بن جا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگیا۔ حقیقت میں یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو مبتلا کر دیا تھا۔

90 "ولقد قال لھم ھارون من قبل" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس لوٹنے سے پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ "یاقوم انما فتنتم بہ" کہ تم کس میں مبتلا ہوگئے ہو۔ "وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی" میرے دین پر چلو، میری اتباع کرو۔ "واطیعوا امری" اور بچھڑے کی پوجا کو چھوڑ کر میرے حکم کی اطاعت کرو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى 91 قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا 92 اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ 93 قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ 94 قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ 95 قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ 96

ترجمہ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس ہو کر آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے (موسیٰ نے) کہا اے ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہوگئے تو (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے تم میری ڈاڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) (پکڑو مجھ کو اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے میری بات کا پاس نہ کیا (پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے) کہا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھالی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

تفسیر 91 "قالوا لن نبرح" ہم ہمیشہ اس پر برقرار رہیں گے جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں لوٹتے۔ "علیہ" اس کی عبادت پر ہمیشہ رہیں گے۔ "عاکفین" اسی پر جمے رہیں گے۔ "حتی یرجع الینا موسٰی" اس جواب کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام اپنے ساتھ بارہ ہزار افراد کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو آپ نے دور سے کچھ شور و غل کی آواز سنی کیونکہ لوگ بچھڑے کے گرد ناچ کود رہے تھے اور شور برپا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو ستر آدمی گئے تھے انہوں نے کہا کہ یہ آواز تو کسی فتنہ سے خالی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر لوگوں کو بچھڑے کے پاس ناچتے دیکھا تو غضبناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑ لی۔

92 "قال" ان کو کہا "یا ھرون ما منعک اذ رأیتھم ضلوا" کہ تم شرک کرنے لگے ہو۔

93 "الا تتبعن" کہ تم میری پیروی کرتے "لا" صلۃ ہے کہ میرے حکم کی پیروی کرتے اور میرا کہنا مانتے اور آپ ان کے

ساتھ قتال کرتے اور تم جانتے ہو کہ اگر میں ان کے درمیان میں ہوتا تو ان کے ساتھ قتال کرتا ان کے کفر کی وجہ سے۔ بعض علماء نے اس کا معنی یہ بیان کیا کہ تمہیں میرے پیچھے آنے اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینے سے کیا مانع ہوا، تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ "افعصیت امری" کہ تم نے میرے کام کی مخالفت کی۔

94 "قال یا ابن أم لا تاخذ بلحیتی و لا برأسی" یعنی میرے سر کے بال پکڑ کر نہ کھینچئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب میں حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر کھینچے تھے۔ "انی خشیت" مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کرتا تو یہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے اور ایک دوسرے کی گردن مارتے تو آپ مجھے کہتے (أن تقول فرقت بین بنی اسرائیل) تو مجھے اس بات سے ڈر لگا کہ اگر ان کو روکوں) تو لامحالہ ان کے دو فرقے ہو جائیں گے۔ ایک میرا حامی اور دوسرا وہ جس کے ساتھ میں قتال کرتا اور پھر آپ کہتے کہ بنی اسرائیل کے تو نے دو ٹکڑے کر دیئے۔ "ولم ترقب قولی" اور میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری جگہ تو ان کی درستی اور اصلاح کرتے رہنا اور ظاہر ہے کہ اصلاح نرمی سے سمجھانے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی اس لیے میں نے نرمی سے ان کو سمجھایا، خون ریزی نہیں کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔

95 "قال فما خطبک" سامری تیرا کیا معاملہ ہے تو نے یہ کس طرح کر دیا۔ (یا سامری)

96 "قال بصرت بما لم یبصروا بہ" میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی اور میں نے وہ چیز پہچانی جو اوروں نے نہیں پہچانی۔ حمزہ اور کسائی نے "مالم تبصروا" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے خبر ہونے کی وجہ سے "فقبضت قبضة من اثر الرسول" وہ فرستادہ خداوندی کے گھوڑے کے نقش قدم سے "فنبذتھا" اور اس کو بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ سامری نے وہ خاک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے سے اُٹھائی تھی کیونکہ اس کی پیدائش اسی سال ہوئی تھی جس سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ قتل کیے جارہے تھے۔ سامری کی ماں نے اس کو لیجا کر ایک غار میں رکھ دیا تھا۔ اللہ نے اس کی پرورش کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مامور کر دیا تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں بپا کرنا تھا۔

جبرئیل علیہ السلام اس کی غذائی پرورش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ خود اپنے پاؤں پر چلنے لگا، اس وقت سے یہ جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ "و کذلک سوّلت" میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنا دیا۔ "لی نفسی"

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۪ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ إِلٰٓى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا 97 إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا 98 كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا 99 مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا 100 خٰلِدِيْنَ

فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے اس (دنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے کہ جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں (یعنی آخرت میں جو عذاب ہوگا) اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا (دیکھ) ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے بس تمہارا (حقیقی) معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے (جس طرح ہم نے موسیٰ کا قصہ بیان کیا) اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گذشتہ کی خبریں بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ (عذاب کا) لادے ہوں گے (اور) وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے برا (بوجھ) ہوگا۔

تفسیر: 97 "قال فاذهب فان لک في الحيوة" جب تک تو اس دُنیا میں زندہ رہے گا۔ "أن تقول لامساس" میرے قریب تم میں سے کوئی نہ آئے اور نہ ہی وہ مجھے چھوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دے دیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اور اس کے پاس بھی نہ جانا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "لامساس" کا معنی ہے نہ تجھے چھونا ہے اور نہ ہی تیری اولاد کو۔ مساس مماستہ سے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض بعض کو نہ مس کرے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کردی۔ اس لیے وہ جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور اسی حالت میں مرگیا۔ جو شخص بھی اس کے ساتھ ملتا تو سامری کہتا لامساس یعنی میرے قریب نہ آؤ اور نہ ہی مجھے چھوؤ۔ بعض حضرات نے کہا کہ جو شخص اس کو چھولیتا یا جس کو سامری چھولیتا اس کو بخار آ جاتا۔ اس دن وہ سب یہی کہتے کہ لامساس اور ان لوگوں میں سے بھی کوئی شخص سامری کے چھونے والے کو چھوتا تو اس کو بھی بخار آ جاتا۔ "وانّ لک" تمہارے لیے اے سامری "موعدًا" آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔ "لن تخلفه" ابن کثیر، ابو عمرو اور یعقوب نے "لن تخلفه" پڑھا ہے لام کے کسرہ کے ساتھ کہ اس دن نہ تو کسی سے غائب رہ سکے گا اور نہ ہی اس دن بھاگ سکے گا بلکہ اس دن تجھے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ دوسرے قراء نے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ نہ اس دن تو کسی کی تکذیب کرسکے گا اور نہ ہی تیرا کوئی خلیفہ ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ تمہارے فعل کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اس کے سامنے کوئی عمل بھی پوشیدہ نہیں ہوگا۔

"وانظر الى الهک" اپنے معبود کو دیکھ۔ "الذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنه" جب تک تو اس پر جما بیٹھا رہے اور اس کی عبادت کرتا رہے۔ عرب کہتے ہیں "ظلت افعل کذا" اس کا معنی ہے کہ مجھے مس نہ کرو۔ ابو جعفر کا قول ہے کہ یہ احراق سے ہے۔ یعنی ہم اس کو جلا ڈالیں گے۔

"ثم لننسفنه" خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے۔ "فی الیم" سمندر میں "نسفًا" روایت میں آتا

ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو پکڑا اور اس کو ذبح کر دیا۔ اس سے خون نکلا کیونکہ وہ گوشت اور خون بن چکا تھا۔ پھر اس کو آگ میں جلا دیا۔ پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا۔ ابن محیصن نے "لنحرقن" نون کے فتحہ کے ساتھ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی پھر ہم اس کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ سدی کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو پکڑا اور اس کو ذبح کر دیا، پھر اس کو جلا دیا اور اس کو سمندر میں پھینک دیا۔

⑱ "انما الهكم الله الذى لا اله الا هو وسع كل شيء علمًا" ہر چیز کا علم اس کے پاس ہے۔

⑲ "كذلک نقص علیک من انباء ماقد سبق" جو امور گزر چکے ہیں۔ "وقد اتیناک من لدنا ذكرًا" اس سے مراد قرآن ہے۔

⑩ "من اعرض عنه" جس نے اس قرآن سے اعراض کیا اس پر ایمان نہیں لایا اور نہ ہی اس پر عمل کیا۔ "فانه یحمل یوم القیامة وزرًا" گناہوں کا بھاری بوجھ لے کر آئے گا۔

⑩ "خالدین فیه" بھاری بوجھ لاد کر کھڑے رہیں گے۔ "وساء لهم یوم القیامة حملاً" قرآن سے انکار کے بسبب وہ برا بوجھ ہوگا جو وہ قیامت کے دن اُٹھائے ہوں گے۔

⑩ "یوم ینفخ فی الصور" ابوعمرو نے "ننفخ" پڑھا ہے فاء کے ضمہ کے ساتھ "ونحشر" دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فاء کے فتحہ کے ساتھ "المجرمین" اس سے مشرکین مراد ہیں۔ "یومئذٍ زرقا" اس سے مراد ہے نیلی آنکھوں والے آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو زرقت کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ زرقا سے مراد اندھا ہونا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد پیاسا ہونا ہے۔

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ⑩ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ⑩ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ⑩ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ⑩ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ⑩ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ⑩

ترجمہ: جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی (جس سے مردے زندہ ہو جاویں گے) اور ہم اس روز مجرم (یعنی کافر) لوگوں کو (میدان قیامت میں) اس حالت سے جمع کریں گے کہ آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہوگے جس (مدت) کی نسبت وہ بات چیت کریں گے ہم اس کو خوب جانتے ہیں (کہ وہ کس قدر ہے) جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا

کیا حال ہوگا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا اس روز سب کے سب (خدائی) بلانے والے (یعنی صور پھونکنے والا فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے اس کے سامنے (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جاویں گے سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا۔

تفسیر ⑩③ "**یتخافتون بینهم**" وہ آپس میں مشاورت کرتے ہیں اور چپکے چپکے باتیں کرتا ہے۔ "**ان لبثتم**" کہ کتنا عرصہ تم دُنیا میں ٹھہرے رہے۔ "**الا عشرًا**" مگر دس راتیں۔ بعض نے کہا کہ قبروں میں دس راتیں ٹھہرے رہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں "نفخوں" کے درمیان کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ وہ چالیس سال کا عرصہ ہے، ان دونوں صوروں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، آرام کی مدت قلیل معلوم ہوگی اس لیے وہ چالیس سال کو دس روز کہیں گے۔

⑩④ "**نحن أعلم بما یقولون**" جو وہ آپس میں مشاورت کرتے ہیں۔ "**اذ یقول امثلهم طریقة**" یعنی زیادہ سمجھ دار اور بھرپور عقل والا اور سب سے بڑھ کر معتدل العقل یا معتدل العمل "**ان لبثتم الا یومًا**" ان کی آنکھوں کے سامنے اس کی مدت میعاد بہت کم ہوگی کیونکہ اس وقت ان کے دل مرعوب اور ہول زدہ ہوں گے اس لیے چپکے چپکے باہم کہیں گے کہ ہم لوگ دُنیا میں صرف چند دن رہے۔ بعض نے کہا کہ کثرت اور شدت ھول کی وجہ سے وہ ٹھہرنے کی مدت کو ہی بھول جائیں گے۔

⑩⑤ "**ویسألونک عن الجبال فقل ینسفها ربّی نسفا**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کسی ثقفی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا ہوگا، اس کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ نسف کہا جاتا ہے کسی چیز کو جڑ سے اُکھاڑنا، اس دن یہ پہاڑ اُڑتی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

⑩⑥ "**فیذرها**" پہاڑوں کو نشیبی زمین کے اِردگرد پہاڑیاں اور ٹیلے ہٹ گئے ہوں۔ "**قاعًا صفصفا**" ہموار زمین جس میں کوئی نباتات نہیں ہوگا۔ قاع نرم نشیبی زمین کو کہا جاتا ہے اور صفصف ہموار زمین کو کہا جاتا ہے۔

⑩⑦ "**لاتری فیها عوجًا و لا أمتًا**" مجاہد کا قول ہے کہ نہ اس میں بلندی دکھائی جائے گی اور نہ ہی پستی۔ حسن کا قول ہے کہ عوج کہا جاتا ہے جو زمین سے ذرا نیچے ہو اور امت جو زمین سے اونچی ہو اکہ نہ تو اس دن زمین کو نہ نیچے دیکھے گا اور نہ ہی اونچا۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نہ اس میں کوئی بھی نظر آئے گی اور نہ ہی اُبھار۔

⑩⑧ "**یومئذٍ یتبعون الداعی**" پکارنے والے کی آواز جو قیامت کے دن روز محشر کی طرف جمع ہونے کے لیے پکارے گا۔ وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اے بوسیدہ ہڈیو، اے پارہ پارہ کھالو، اے ٹوٹے ہوئے بالو، تم کو اللہ فیصلے کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے۔ "**لا عوج له**" ان کے سامنے کسی کا ٹیڑھا پن نہیں رہے گا اور یہ مقلوب ہے یعنی پکارے جانے پر بلانے والے سے دائیں بائیں کی طرف نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔

"وخشعت الاصوات للرحمٰن" رحمٰن کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔"فلا تسمع الّا همسا"محشر کی طرف چلنے کی آواز۔همس خفیف آواز جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی آواز ہوتی ہے۔مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ همس کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز۔

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ بغیر بات کیے لب ہلانا۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿109﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿110﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿111﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿112﴾ وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿113﴾ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ. وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿114﴾

ترجمہ: اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا اور (اس روز) تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہو گا اور جس نے نیک کام کیے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو گا سو اس کو (کامل ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہو گا اور نہ کمی کا اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ (سننے والے) لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالیشان ہے اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔

تفسیر: 109 "یومئذٍ لا تنفع الشفاعة" اس دن لوگوں میں سے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔"الا من اذن له الرحمٰن" مگر جس کو اللہ رب العزت اجازت فرمائیں گے۔"ورضی له قولاً" جس کی بات سے وہ راضی ہو گا جس کی شفاعت کو وہ پسند کرے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد لا اله الا الله ہے۔یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مؤمن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

110 "یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم" اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو اس کے سامنے ہے اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے اور جو کچھ یہ دنیا میں چھوڑ کر آیا ہے۔بعض نے کہا کہ "مابین ایدیهم" سے مراد آخرت کے احوال ہیں اور "وما خلفهم"

سے مراد اعمال ہیں۔ "ولا یحیطون به علمًا" یعنی ان کا علم اللہ کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

⑪ "وعنت الوجوه للحی القیوم" ذلیل ہوں گے عاجز ہوں گے۔ جیسے قیدی بادشاہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں۔ طلق بن حبیب کا قول ہے کہ اس دن سارے حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے۔ "وقد خاب من حمل ظلمًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھاٹے میں رہے گا جس نے اللہ کا کسی کو شریک قرار دیا۔

⑫ "ومن یعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا یخاف" ابن کثیر نے "فلا یخف" پڑھا ہے جواب نہی ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے "فلا یخاف" خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔ "ظلمًا ولا هضمًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کو اپنی برائیوں کے بڑھ جانے کا خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی اپنی نیکیوں کے کم ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کو نیکیوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی اس امر کا خوف ہوگا کہ دوسرے گنہگار کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں۔ ضحاک کا بیان ہے کہ اس کو ناکردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی عمل کو اچھائی تلف ہونے کا خطرہ هضم کا لغوی معنی ہے کم کرنا، ہضم الطعام اسی سے بنا ہے۔

⑬ "وکذلک" اسی طرح ہم نے اس سورۃ میں بیان کیا۔ "انزلناه" یعنی نازل کیا اس کتاب کو "قرآنًا عربیًا" جو ہم نے قرآن نازل کیا وہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے، سب کا اسلوب اور طرز ایک ہے۔ "وصرفنا" اور ہم نے اس کو بیان کیا۔ "فیه من الوعید" ہم نے اس کے قول کو پھیر دیا وعید کے ذکر کرنے کے ساتھ۔ یعنی بار بار وعید کی آیات کو ذکر کیا تاکہ لوگ شرک و معاصی سے اجتناب کریں۔ "لعلهم یتقون" تاکہ وہ شرک سے بچیں۔ "او یحدث لهم ذکرًا" اور قرآن کو ان کے لیے نصیحت بنایا تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت پکڑیں اور اس میں ماقبل اقوام کے عتاب کے ساتھ ذکر کیا۔

⑭ "فتعالی اللّٰه الملک الحق" جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ اس طرح اس کا کلام بھی مخلوق کی کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے۔ پس وہ جو برتر اور منزہ ہے۔ مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے۔ "ولا تعجل بالقرآن" جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن نازل کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جلدی جلدی یاد فرماتے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی پہنچانے سے پہلے پہلے۔ بھول جانے اور نسیان کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نہی فرمائی اور فرمایا۔

"ولا تعجل بالقرآن" اس کو جلدی جلدی نہ پڑھئے۔ "من قبل ان یقضی الیک وحیه" حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی کے مکمل ہونے سے پہلے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "لاتحرک به لسانک لتعجل به" یعقوب نے (نقض) پڑھا ہے نون کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ، یاء کے فتحہ کے ساتھ۔

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن پڑھانا اور لکھوانا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک، آپ کے لیے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے۔ گویا مکمل بیان آنے سے

پہلے مجمل آیات کی تبلیغ کی ممانعت کی گئی۔ "وقل رب زدنی علمًا" اس سے قرآن اور اس کے معانی مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ کو جو علم دیا گیا اس کے حصول تک۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو فرماتے تھے "اللّٰھُمَّ زدنی ایمانًا ویقینًا" اے اللہ! تو میرے ایمان میں اور یقین میں زیادتی فرما۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ⑮ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى ⑯ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ⑰ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ⑱ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ⑲

ترجمہ: اور اس سے (بہت زیادہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدۂ (تحیت) کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (کہ اس نے انکار کیا پھر ہم نے (آدم سے) کہا اے آدم (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا (اس وجہ سے) دشمن ہے (کہ تمہارے معاملہ میں یہ مردود ہوا) سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

تفسیر: ⑮ "ولقد عهدنا الٰی آدم من قبل" ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا اور نصیحت کر دی کہ درخت کے قریب نہ جائے اور اس درخت سے نہ کھائے۔ "فنسی" حضرت آدم علیہ السلام اس امر کو بھول گئے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اور وہ بھول گئے۔ "ولم نجدله عزمًا" حسن کا قول ہے کہ جس چیز سے ان کو روکا گیا اس سے کما حقہ نہ رُک سکے بلکہ بھول گئے۔ عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ جس چیز کا ان کو حکم کیا گیا اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ شیطان نے آپ کو پختہ عزم دیا جس وجہ سے وہ غلطی کر بیٹھے اور وہ ان کے ساتھ حسد کرتا تھا اور اسی نے آپ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔ ابوامامہ باہلی کا بیان ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے حلم کے ساتھ تمام بنی آدم کے حلم کا وزن کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا حلم راجح ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "ولم نجد له عزمًا"

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بھول گئے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ وہ بھول گئے ہوں اور اس وقت نسیان انسان سے معاف نہیں تھا بلکہ قابل مواخذہ تھا بلکہ آپ سے معاف کیا گیا۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ وہ عقوبت کو بھول گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔

⑯ "واذقلنا للملائكة اسجدوا لادم فسجدوا الّا ابليس أبى" اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

⑰ "فقلنا يا آدم انّ هذا عدوٌّ لک ولزوجک" حضرت حواء علیہا السلام کا بھی دشمن ہے۔ "فلايخرجنكما من

الجنة فتشقى" پھر تھک جاؤ گے تعب میں پڑ جاؤ گے۔ آپ کی زندگی دائیں ہاتھ کی کمائی سے ہوگی کہ اس ہاتھ سے کما کر پسینہ بہا کر ایک دانہ حاصل کر کے اس پر طرح طرح کی مشقتیں کاٹ کر حاصل کرو گے۔ سدی کا بیان ہے اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا، پھر اس پیداوار کو کاٹنا، پھر اس کو پیس کر آٹا گوندھنا، پھر گرم آگ پر اس کو پکانا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام کے لیے ایک سرخ بیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعے سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ تشقی کا مفہوم ہے۔ یہاں خطاب صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ شقاء سے مراد روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم علیہ السلام کا تھا۔ حضرت حواء علیہا السلام کا نہ تھا ۔اس لیے خطاب صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔

⑪⑧ "انّ لک أن لاتجوع فيها" جنت میں "ولا تعرى"

⑪⑨ "وانک" نافع ابوبکر نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جملہ مستانفہ ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الا تجوع فيها"...... "لاتظما" کہ وہ اپنی پیاس بجھائیں۔

"فيها ولا تضحى" یعنی دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیوں کہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں، ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ⑫⓪ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ⑫① ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ⑫② قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ⑫③

ترجمہ: پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی خاصیت) کا درخت بتلا دوں اور ایسی بادشاہی کا کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے پھر (جب انہوں نے معذرت کی تو) ان کو ان کے رب نے (زیادہ) مقبول بنا لیا سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ (راست) پر (ہمیشہ) قائم رکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اترو (اور دنیا میں) ایسی حالت سے (جاؤ) کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ یعنی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ (دنیا میں) نہ گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا۔

تفسیر ⑫⓪ "فوسوس اليه الشيطان قال يا آدم هل ادلک على شجرة الخلد" وہ درخت جس کے

کھانے کی وجہ سے انسان ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ "**وملکٍ لایبلی**" جس کو کبھی زوال نہ ہوگا اور نہ ہی وہ فنا ہوگا۔

⑫١ "**فاکلا**" حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام دونوں نے کھالیا۔ "**منھا فبدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنة وعصی آدم ربّه**" اس درخت سے کھالیا۔ "**فغوی**" ان سے ایسا فعل صادر ہوا جو ان سے صادر ہونے والا نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام منزل مقصود کے راستے سے بھٹک گئے اور صحیح راستہ کھودیا۔ ہمیشگی والی زندگی کی خاطر ممنوعہ شجرہ سے کھا کر خسارے میں پڑ گئے اور اس مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ابن العربی کا بیان ہے کہ غویٰ کا معنی ہے کہ ان کی آرام کی زندگی ختم ہوگئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے دُکھ کی طرف چلے گئے۔

ابن قتیبہ نے کہا کہ اگرچہ "**عصٰی آدم ربه**" کہنا درست ہے لیکن آدم کو عاصی کہنا غلط ہے کیوں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو عصیان کا عادی اور خوگر ہو۔ اگر کسی نے ایک بار کوئی کپڑا سی لیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کپڑا سی لیا لیکن جب تک سینے کا اعادہ بار بار نہ کرے اور سینے کا عادی نہ ہو جائے اس کو خیاط نہیں کہا جاسکتا۔

آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر آنے کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب کے سامنے آدم و موسیٰ علیہما السلام کا باہم کچھ مباحثہ ہوا اور آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا، آپ آدم ہیں، آپ کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے بنایا، آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اُتروادیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لیے اپنا قرب عنایت کیا کہ آپ بتاسکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھ دی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ چالیس برس پہلے آدم علیہ السلام نے کہا کہ کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں آدم نے کہا، پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کررہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

⑫٢ "**ثم اجتباہ ربّه**" یعنی ہم نے آپ کو چُن لیا برگزیدہ بنادیا۔ "**فتاب علیه**" ہم نے ان سے درگزر کیا۔ "**وھدیٰ**" اور ہم نے ان کی توبہ کی طرف رہنمائی کی۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے "**ربّنا ظلمنا أنفسنا**"

⑫٣ "**قال اھبطا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدوّ، فامّا یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدایٰ**" اس سے مراد کتاب اور رسول ہے۔ "**فلا یضل ولا یشقی**" سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ

جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دُنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرما دیا ہے۔ "فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقی" شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دُنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدنصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ م بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا ارشاد ہوگا۔ کہ ایسا ہی (تجھ سے عمل ہوا تھا اور وہ یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا اور اسی طرح (ہر) اس شخص کو ہم (مناسب عمل کے) سزا دیں گے جو حد (اطاعت سے) گزر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (میں سے بعض) کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں اس میں تو اہل فہم کے لئے (کافی) دلائل موجود ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی۔ (کہ وہ قیامت کا دن ہے تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔

تفسیر: ﴿١٢٤﴾ "ومن اعرض عن ذکری" ذکر سے مراد قرآن ہے جو اس پر ایمان نہیں لایا اور نہ ہی اس کی پیروی کی۔ "فان له معیشة ضنکا"...... "ضنکا" کا معنی ہے تنگ کر دینا۔

اللہ کے ذکر سے اعراض رزق کی تنگی کا باعث ہے

حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ "معیشة ضنکا" سے مراد عذاب قبر ہے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً منقول

ہے کہ اس پر قبر اس طرح سمٹے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جائیں گی اور قبر سے اُٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا۔ حسن کا قول ہے کہ "معیشۃ ضنکًا" سے مراد ہے زقوم اور ضریع (تھوہر اور سینڈ کے دوزخی درخت) اور غسلین مراد ہے۔

عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حرام رزق ہے۔ ضحاک نے کہا کہ اس سے ناپاک کمائی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بدبختی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا گیا ہے کہ بندے کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ اختیار نہ کرے تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ یہی "معیشۃ ضنکًا" ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگمانی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ اس کی جگہ ان کو دوسری معاش عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس سے قناعت چھین لیتے ہیں کہ کسی طرح وہ مال سے سیر ہی نہیں ہوتا۔

"ونحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "اعمٰی" سے مراد ہے اندھا اور مجاہد کے نزدیک کور بصیرت مراد ہے۔ یعنی اس کو کوئی دلیل بھی کام نہیں دے گی۔

⑫⑤ "قال ربّ لما حشرتنی أعمی وقد کنت بصیرًا" آنکھوں سے وہ اندھا ہے یا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس وجہ سے اس کو اندھا کہا۔

⑫⑥ "قال کذلک" ایسے ہی ہمارے احکام "اتتک آیاتنا فنسیتھا" اس کو چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کیا۔ "وکذلک الیوم تنسی" تمہیں آگ میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر میں تمہیں اس دن بھول جاؤں گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم تمہاری بھلائیوں کو بھول جائیں گے اور تمہیں عذاب دینے سے نہیں بھولیں گے۔

⑫⑦ "وکذلک" اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں جیسے قرآن سے اعراض کرنے کا بدلہ دیتے ہیں۔ "نجزی من اسرف" جس نے شرک کیا۔ "ولم یؤمن بآیات ربہ ولعذاب الاخرۃ أشد" اس عذاب سے جو تمہیں دُنیا میں اور قبر میں دیا گیا اس سے سخت ہوگا۔ "وابقٰی" اور وہ ہمیشہ والا عذاب ہے۔

⑫⑧ "أفلم یھد لھم" کیا قرآن نے ان کے لیے اور واضح نہیں کر دیا۔ یعنی کفار مکہ کے لیے۔ "کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم" ان کے گھروں اور ان کے ٹھکانوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یہاں خطاب قریش مکہ کو ہے کہ جب وہ شام کی طرف سفر کرتے ہیں تو وہ ان اقوام کی ہلاک شدہ بستیوں کو دیکھتے ہوں جیسے اصحاب حجر، ثمود اور قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ "انّ فی ذلک لایات لاولی النھی" اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔

⑫⑨ "ولولا کلمۃ سبقت من ربّک لکان لزاما واجل مسمی" اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: "ولولا کلمۃ سبقت من ربّک لکان لزاما وأجل مسمّی" کلمۃ یہ فیصلہ ہے ان کے تاخیر عذاب کا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر تاخیر عذاب کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو دُنیا میں فوری عذاب اور وہ عذاب جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے دونوں لازمی ہو جاتے اور گزشتہ انبیاء کی کافر اُمتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا.وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَامَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا. لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ. وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ: پس (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو) آپ ان کی (کفرآمیز) باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح کیجئے (اس میں نماز بھی آ گئی) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً نماز فجر) اور اس کے غروب سے پہلے (مثلاً نماز ظہر و عصر) اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے (مثلاً نماز مغرب وعشاء اور دن کے اول وآخر میں تاکہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ (اس سے) خوش ہوں اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

تفسیر: ﴿۱۳۰﴾ "فاصبر علی ما یقولون" یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔ "وسبح بحمد ربک" اپنے رب کے حکم سے نماز پڑھئے۔ بعض نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے آپ کو نماز اور تسبیح کی توفیق دی۔ "قبل طلوع الشمس" اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ "وقبل غروبھا" اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ "ومن اناء اللیل" آناء ایک گھڑی کو کہتے ہیں۔ "فسبح" اس سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد رات کے پہلے حصے کی نماز ہے۔ "واطراف النھار" اس سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ ظہر کا نام اس وجہ سے دیا کہ یہ دن کے کنارے پر ہوتی ہے اور اس کا وقت دن کے ڈھلنے یعنی زوال کے بعد ہوتا ہے۔ یہ نصف اوّل ہے دن کے آخری حصے کا اور دن کے اوّل حصے کا آخر ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا "آناء اللیل" سے مراد عشاء کی نماز ہے اور اطراف النہار سے ظہر اور مغرب کی نماز ہے کیوں کہ ظہر طرف آخر اوّل نہار ہے اور دن کے طرف آخر کی ابتداء ہے چونکہ یہ طرفین کے درمیان ہے اور طرف ثالث غروب شمس ہے۔ اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ "لعلک ترضٰی" تاکہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ کسائی ابوبکر نے عاصم سے ضاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ ان کا ثواب دے دو۔ بعض نے کہا کہ تاکہ اللہ اس سے تمہارے ساتھ راضی ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے "وکان عند ربہ مرضیًّا" بعض حضرات نے خوش ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولسوف یعطیک ربک فترضٰی"۔

جریر بن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی رُکاوٹ نہیں ہوتی۔ پس جہاں تک تم سے ہو سکے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی تمام نمازیں تمہاری ضائع نہ ہو جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا"

آیت کا شان نزول

⑬١ "ولا تمدّن عینیک" ابورافع کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آ کر اُترا۔ آپ نے مجھے ایک یہودی کے پاس آٹا قرض خریدنے کے لیے بھیجا یہ فرمایا کہ مجھے رجب کا چاند دیکھنے تک کے لیے آٹا دے دو۔ یہودی نے کہا کہ بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا، میں نے حاضر خدمت ہو کر یہودی کا جواب عرض کر دیا، ارشاد فرمایا، اگر وہ میرے ہاتھ بیچ ڈالتا یا فرمایا قرض بیچ ڈالتا تو میں ضرور ادا کرتا اور میں بلاشبہ آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں، جاؤ میرے لوہے کی زرہ اس کے پاس لے جاؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکلنے نہ پایا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی "ولا تمدن عینیک" ان چیزوں کی طرف ہرگز اُٹھا کر نہ دیکھنا۔ "الٰی ما متعنا به" ان کو ہم نے دُنیاوی آرائش کے لیے دیا ہے۔ "ازواجًا" مختلف قسموں کی چیزیں۔ "منهم زهرة الحيوة الدُّنيا" زینت، تروتازگی، یعقوب نے "زهرة" ھاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور عام قراء نے مجزوم پڑھا ہے۔ "لنفتنهم فيه" ہم نے ان کو یہ دُنیا کی رونق اس لیے دی ہے تا کہ یہ ان کے لیے مزید فتنہ بنے اور ان کے کفر اور سرکشی میں مزید اضافہ کریں۔ "ورزق ربّک" اور تمہارے رب کی طرف سے وعدہ کیا ہوا رزق ہے جنت میں۔ "خير وابقٰى" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی تسکین دہی اور اطمینان بخشی سے اگر کسی کو تسکین قلبی اور اطمینان خاطر حاصل نہ ہو تو اس کا سانس حسرت دُنیا میں ہی نکلتا ہے اور جو لوگوں کے مال کی طرف چشم تمنا سے دیکھتا ہے اس پر غم چھایا رہتا ہے اور جو شخص خیال کرتا ہے کہ کھانا پینا اور لباس ہی اللہ کی نعمت ہے تو اس کے اعمال کم ہو جاتے ہیں اور عذاب سامنے آ موجود ہوتا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. لَانَسْئَلُکَ رِزْقًا. نَحْنُ نَرْزُقُکَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ⑬٢
وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑬٣ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ
بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ⑬٤
قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا. فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ⑬٥

(ترجمہ) اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مومنین کو) بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے ہم آپ سے معاش (کھانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے اور وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے۔ (جواب یہ ہے کہ) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے (سزائے کفر میں) کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر کے) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول (دنیا میں) کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں خود) بے قدر

ہوں اور (دوسروں کی نگاہ میں) رسوا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو (بھی معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا۔

تفسیر ⑬٢ "وامر اهلک بالصلاة" اہل سے مراد قوم والے ہیں یا قبیلہ والے یا ہم مذہب۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وكان يامر اهله بالصلوٰة"...... "واصطبر عليها" نماز پر صبر کریں یعنی اس کی پابندی کریں کیونکہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے بچاتی ہے۔ "لا نسئلک رزقا" ہم آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کرتے کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق کہیں سے دیں یا اپنا رزق خود پیدا کریں بلکہ ہم نے آپ کو عمل کرنے کا مکلف بنایا ہے۔ "نحن نرزقک والعاقبة" اس کے بعد اچھا بدلہ دیں گے۔ "للتقوىٰ" متقین کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کو سچا جانا اور مانا اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور مجھ سے ڈرتے رہے ان کا انجام اچھا ہے۔

بعض سندوں سے روایت منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا تھا تو آپ ان کو نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے۔

⑬٣ "وقالوا" اور مشرکین کہتے ہیں "لولا ياتينا باية من ربه" مشرکین محض عناد کی وجہ سے اس نشانی کو نہیں مانتے تھے حالانکہ نشانیاں تو بہت ساری آ چکی تھیں۔ "او لم تاتهم بينة" اہل مدینہ، اہل بصرہ وحفص بن عاصم نے "تاتهم" پڑھا ہے "بينة" کے مؤنث ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کی تقدیم کی وجہ سے۔ دوسری وجہ یہ کہ "بينة" بیان سے ہے اس کے معنی کی طرف اس کو لوٹایا گیا۔ "ما فی الصحف الاولیٰ" جو کچھ اس میں بیان کیا گیا اس سے مراد قرآن ہے جو دلائل کے اعتبار سے قوی اور آیات کے اعتبار سے ہے اور اس کی واضح ہے اور بعض نے کہا کہ "اولم یاتهم" بیان ہے۔ "ما فی الصحف الاولیٰ" کا۔ اس سے مراد توریت اور انجیل ہے اور دوسری وہ اخبار جو ماقبل اُمتوں پر نازل ہوئیں اور جن کا انہوں نے انکار کیا اور ان پر ایمان نہیں لائے۔ کیسے وہ عذاب کی جلدی کرتے تھے اور ہم نے ان کو ہلاک کیا جو آیت (نشانی) ان کے پاس آتی اس پر ایمان نہ لاتے، ان کا حال بھی ان کے حال کی طرح تھا۔ ⑬٤ "ولو انا اهلكنا هم بعذاب من قبله" ان پر رسول کو بھیجنے سے پہلے اور قرآن کے نزول سے پہلے۔ "لقالوا ربنا لولا" بمعنی ھلا کے ہے "ارسلت الينا رسولا" کہ ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا جو ہمیں ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا۔ یہ سب کچھ قیامت کے دن کہیں گے۔ "فنتبع آیاتک من قبل ان نذل و نخزی" ان کو عذاب کے ذریعے ذلیل کرتے اور قید اور قتل ہونے کی ذلت اُٹھاتے۔

⑬٥ "قل كلّ متربص" ہم منتظر ہیں زمانے کے چلنے کے ساتھ کیونکہ مشرکین کہا کرتے تھے ہم منتظر ہیں کہ محمد پر زمانے کی گردشیں آئیں اور وہ حوادث دھر میں مبتلا ہو جائیں۔ جب وہ مر جائیں گے اسی وقت ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔ "فتربصوا" تم انتظار کرو۔ "فستعلمون" جب اللہ کا حکم آ جائے گا اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ "من اصحب الصراط السوّی" وہ سیدھا راستہ ہے "ومن اهتدى" اور گمراہی سے راستہ پانے والے ہم ہیں یا تم۔

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاء

مکی سورۃ ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ❶ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ❷ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ط وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ❸ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ❹

ترجمہ ان (منکر) لوگوں سے ان کا (وقت) حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ (ابھی) غفلت میں (پڑے) ہیں (اور) اعراض کیے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (حسب حال ان کے) آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے ساتھ) ہنسی کرتے ہیں (اور) ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ یعنی ظالم اور کافر لوگ آپس میں) چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) محض تم جیسے ایک معمولی آدمی ہیں تو کیا پھر بھی تم جادو کی بات سننے کو (ان کے پاس جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو پیغمبر نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو خواہ آسمان میں (ہو) اور (خواہ) زمین میں (ہو) جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر ❶ "اقترب للنّاس" لام بمعنی من کے ہے۔ حسابھم یعنی لوگوں کے ان کے حساب کا وقت قریب ہے۔ وہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا وقت جان لیں گے قیامت کے دن۔ یہ آیت بعثت کے منکرین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ❷ "وھم فی غفلة معرضون" اور وہ اس سے روگرداں ہوں گے۔

❸ "ما یأتیھم من ذکر من ربھم محدث" قرآن میں سے جو چیز اللہ تعالیٰ نازل کرے خواہ وہ کوئی وعظ ہو یا نصیحت ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہونا اور بعض نے کہا کہ ذکر من ربھم محدث سے مراد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن اور نصائح جو قرآن کے علاوہ ہیں "من ربھم" اللہ رب العزت نے جو فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے حکم کے بغیر کچھ نہیں بولتے۔ "وما ینطق عن الھوی"...... "الا استمعوہ وھم یلعبون" وہ صرف ہنسی مذاق کے لیے سنتے ہیں نہ کہ نصیحت اور عبرت پکڑنے کے لیے۔

③ "لاھیۃ" وہ بھول جانے اور غافل رہنے والے ہیں۔ "قلوبھم" اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والی "لاھیۃ" ماقبل اسم کے لیے صفت ہے اور موصوف صفت اعراب میں ایک ہی ہوتے ہیں اور جب موصوف اسم سے مقدم ہو جائے تو اس کی دو حالتیں ہیں، فصل والی اور وصل والی۔ فصل والی حالت میں نصب آئے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "خشعا ابصارھم"...... "ودانیۃ علیھم ظلالھا"...... "ولاھیۃ قلوبھم" اور وصل کی صورت میں یہ ماقبل کے اعراب کی طرح ہوگا۔ "ربّنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم أھلھا"...... "واسروا النجوی الذین ظلموا" اس سے مراد شرک ہے۔ "واسروا" یہ فعل ہے جو جمع سے مقدم ہے۔

کسائی کا قول ہے کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے۔ اس سے مراد جنہوں نے ظلم کیا اور چھپ کر سرگوشی کی اور بعض نے کہا کہ یہ ابتداء (مبتداء) ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چھپ چھپ کر سرگوشیاں کرتے تھے۔ پھر فرمایا جن لوگوں نے ظلم کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ مرفوع ہے بدل ہونے کی وجہ سے۔ "اسروا" کی ضمیر سے بدل ہے۔ مبرد کا قول ہے کہ یہ اس قول کی طرح ہے کہ کوئی یوں کہے "ان الذین فی الدار انطلقوا بنو عبداللہ" یہ بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ "انطلقوا" کی ضمیر سے بدل ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی سرگوشی کو بیان کیا جو وہ آپس میں کر رہے تھے۔ "ھل ھذا الا بشرٌ مثلکم" وہ بشر کی رسالت کے منکر ہو گئے اور ملائکہ کی رسالت طلب کرنے لگے۔ "أفتاتون السحر" یعنی تم اس کو جادو مانتے ہو اور وہ یہ کہتے کہ اس کی دعوت کو قبول کرنے جاتے ہو۔ "وانتم تبصرون" حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ جادو ہے۔

④ "قال" ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ربّی یعلم القول فی السماء والارض" حمزہ، کسائی اور حفص نے یونہی پڑھا ہے "قال ربّی" خبر ہونے کی وجہ سے۔ مبتداء لفظ (محمد) ہے۔ "یعلم القول فی السماء والارض" اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ "وھو السمیع" وہ تمہاری باتوں کو سننے والا "العلیم" اور تمہارے افعال کا جاننے والا ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩

ترجمہ: (بلکہ یوں) بھی کہا کہ یہ (قرآن) پریشان خیالات ہیں بلکہ انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہیے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی (بڑی) نشانی لاویں جیسا پہلے لوگ رسول بنائے گئے ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو (یہ بات)

معلوم نہ ہوتو اہل کتاب سے دریافت کرلو اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسٹ نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں (یعنی فرشتہ نہ بنایا تھا) اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے پھر ہم نے جوان سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو (نجات دینا) منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد (اطاعت سے) گزرنے والوں کو ہلاک کیا ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی) موجود ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے اور نہیں مانتے۔

تفسیر ⑤"بل قالوا أضغاث احلام" وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ باطل اور پرانے قصے کہانیاں اور مخلوط وگڑبڑ خوابوں کا مجموعہ ہے۔"بل افتراہ" اس کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔"بل ھو شاعر" بعض مشرکین نے کتاب اللہ کو پراگندہ خواب کہا، کچھ لوگوں نے من گھڑت دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر "فلیأتنا" لے آئیں محمد "بایۃ" اگر وہ سچے ہیں۔"کما أرسل الاوّلون" رسول کو اور ان کے ساتھ معجزوں کو بھیجا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

⑥"ما آمنت قبلھم" اس سے پہلے مشرکین مکہ بھی ایمان نہیں لائے۔"من قریۃ" بستی والوں کے پاس نشانیاں نہیں آئیں۔ "أھلکناھا" تو انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو ہلاک کیا جھٹلانے کی وجہ سے۔"افھم یؤمنون" یہ استفہام انکاری ہے یعنی مکہ کے مشرک تو گزشتہ کافروں سے کفر میں سخت ہیں۔ جب گزشتہ کافر ایمان نہیں لائے تو یہ لوگ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔

⑦"وما ارسلنا قبلک الا رجالاً نوحی الیھم" یہ اس قول کا جواب ہے۔"ھل ھذا الا بشر مثلکم" کہ ہم نے پہلے بھی انبیاء فرشتوں میں سے نہیں بھیجے بلکہ ان اقوام کی طرف بھی تم میں سے تمہاری طرح بشر کو نبی بنا کر بھیجتے رہے۔ "فاسئلوا اھل الذکر" پس تم سوال کرو توریت والوں سے اور انجیل والوں سے ان سے پوچھنے کا حکم دینے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اہل کتاب پر اعتماد تھا، ان سے مشورہ لیا کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ اہل کتاب رسولوں کے منکر نہیں تھے کہ وہ بشر ہی ہوتے ہیں۔ بشر ہونے سے انکار نہ کرتے۔ اگرچہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے۔ مشرکین کو حکم دیا کہ وہ ان سے پوچھیں تا کہ ان کو اس بات کی تصدیق ہوجائے، ان لوگوں سے بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے، ان سے زیادہ قریب ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ابن زید کا بیان ہے کہ ذکر سے مراد قرآن ہے کہ مؤمنین سے سوال کریں جو اہل قرآن میں سے ہیں۔"ان کنتم لاتعلمون"

⑧"وما جعلناھم" اس سے مراد رسول ہیں۔"جسداً" اجساد نہیں کہا کیونکہ یہ اسم جنس ہے۔"لا یاکلون الطعام" یہ اس قول کی تردید ہے۔"ما لھذا الرسول یأکل الطعام" کافر یہ کہتے تھے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے، ان کی اس آیت میں تردید ہے۔"وما کانوا خالدین" اور نہ ہی وہ دُنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

⑨"ثم صدقناھم الوعد" پھر ہم نے جوان کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کا وعدہ کیا تھا سچ کر دکھایا۔"فانجیناھم ومن نشاء" اور ہم نے ان مؤمنین کو نجات دی جنہوں نے تصدیق کی اور ایمان لائے۔ ان کو اپنے عذاب اور کفار کی ایذاء رسانیوں سے محفوظ فرمایا۔"واھلکنا المسرفین" مشرکین مکذبین کو جھٹلا دیا اور ہر مشرک اپنے آپ پر زیادتی کرنے والا ہے۔

⑩"لقد انزلنا الیکم کتابًا" اے قریش کے گروہ "فیہ ذکرکم" ذکر سے مراد فضیلت و بزرگی ہے۔ "وانہ لذکرلک ولقومک" وہ باعث عزت و تعظیم ہیں جو ایمان لائے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس جگہ باتیں مراد ہیں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذکر سے مراد دین کی طرف جس کی زیادہ احتیاجیت ہو وہ ہے "افلا تعقلون"

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَاهُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰

ترجمہ اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے غارت کر دیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی سو جب ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا بھاگو مت اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف چلو شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے اور وہ لوگ (نزول عذاب کے وقت) کہنے لگے کہ ہائے ہماری کمبختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے سو ان کی یہی غل پکار رہی حتیٰ کہ ہم نے ان کو ایسا (نیست و نابود) کر دیا جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں اور اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔

تفسیر ⑪"وکم قصمنا" اس سے بکثرت ہلاک ہونا ہے قصم کسرہ کے ساتھ ہے۔ "من قریۃ کانت ظالمۃ" ظالمۃ سے مراد کافر بستی ہے اور اس کے اہل خانہ۔ "وانشأنا بعدھا" ہم نے اس بستی کو تباہ کرنے کے بعد وارث بنا دیا۔ "قومًا آخرین"

⑫"فلما احسوا باسنا" یعنی جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ "اذا ھم منھا یرکضون" وہ ایڑی لگا کر بھاگنے لگے۔

⑬"لاترکضوا" گویا کہ ان کو کہا گیا کہ نہ بھاگو اور نہ واپس چلو۔ "وارجعوا الی ما اترفتم فیہ" جس عیش میں تم پڑے رہے اس کی طرف پلٹو۔ "ومساکنکم لعلکم تسئلون" قتل نبی کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ شاید تم سے دُنیاوی متاع وغیرہ مانگا جائے۔ اس آیت کا نزول حضرموت کے باشندوں کے متعلق ہوا۔ یہ یمن کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک نبی کو مبعوث فرمایا۔ پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ ان بستی والوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا اور اللہ نے شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ بخت نصر نے ان کو قتل اور قید

کردیا۔ جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور بستی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگو مت اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو، شاید تم سے کچھ مانگا جائے۔

قتادہ کا بیان ہے کہ شاید تم سے کچھ دُنیاوی مال و متاع مانگا جائے اور پھر جس کو چاہو تم دے دو اور جس کو چاہو نہ دو، تم بڑے مال دار اور اہل ثروت ہو۔ غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتف نے اوپر سے آواز دی، انبیاء کا انتقام، یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی لیکن اقرار قصور نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض سے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو، شاید تم سے بطور تاوان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ۔ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام، لیکن جب انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تو اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا لیکن اس وقت ان کو توبہ نے نفع نہیں دیا۔

⑭ "قالوا یا ویلنا انا کنا ظالمین"

⑮ "فما زالت تلک دعواھم" وہ بار بار یہ کلمہ پکارتے رہے۔ "یا ویلنا" وہ اس طرح پکارتے رہے اور اس کا جواب ان کو اسی وقت ملتا رہا۔ "حتّٰی جعلناھم حصیدًا" تلوار کے ساتھ اسی طرح کردیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو۔ "خامدین" مُر دے بجھے ہوئے۔

⑯ "وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لاعبین" اس سے مراد عبث اور باطل ہے۔

⑰ "لو اردنا أن نتخذ لھوًا" لھو کے معنی میں اختلاف ہے۔

عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لھو سے مراد عورت ہے۔ یہی قول حسن اور قتادہ کا ہے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لھو سے مراد اولاد ہے سدی کا بھی یہی قول ہے۔ اظہر قول یہی ہے کہ اس سے مراد عورت ہو کیونکہ جماع کو لغت میں لھو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے۔ "لا تخذناہ من لدنا" جو حورعین سے ہو نہ کہ وہ عورتیں جو دُنیا میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم لھو کرنے والے ہی ہوتے تو اپنی شان کے مطابق ان چیزوں کو ذریعہ لھو بناتے جو ہماری ذات کی مناسب تھیں۔ اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدہ کی تردید ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا اور مسیح کی ماں کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کی اور فرمایا "لاتخذناہ من لدنا" اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ مرد کی بیوی اور بیٹا اس کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ کسی اور کے پاس۔ "ان کنا فاعلین"

قتادہ، مقاتل اور ابن جریج کے نزدیک "اِن" نافیہ ہے۔ یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کا نتیجہ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ شرط ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم ان میں سے ہوتے جو یہ کرتے ہیں اور ہم ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ ہمارے حق میں محال ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ⑱ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ⑲ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ㉑ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ㉒ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ㉓

ترجمہ بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سووہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کردیتا ہے) وہ (مغلوب ہوکر) دفعۃً جاتا رہتا ہے اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو اور (حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ) جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں اور (ان میں سے) جو اللہ کے نزدیک بڑے مقبول ومقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب وروز (اللہ کی) تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے کیا (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہیں؟ زمین (میں یا) آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود (واجب الوجود) ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے سو (ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا اور اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔

تفسیر ⑱ "بل" ان باتوں کو چھوڑ دیجئے جو انہوں نے کہا کیونکہ یہ جھوٹ اور باطل ہے۔ "نقذف" ہم پھینکتے ہیں یا مسلط کردیتے ہیں۔ "بالحق" حق سے مراد ایمان ہے۔ "علی الباطل" اس سے مراد کفر ہے۔ بعض نے کہا کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ باطل سے مراد کفر اور جھوٹ ہے۔ "فید مغه" اس کو فنا کردیتا ہے۔ دمغ اصل میں کہا جاتا ہے سر توڑ دینا، بھیجا نکل دینا جس سے ہلاکت واقع ہو جائے۔ "فاذا هو زاهق" ہلاک ہونے والا جس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا کذب باطل ہوگیا، حق کے ظاہر ہونے کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ تباہ اور ہلاک ہوگیا۔ "ولكم الويل" اے کفار کے گروہ "مما تصفون" جو نامناسب اوصاف تم بیان کرتے ہو اور جو اللہ کی شان کو زیبا نہیں ہیں ان کی وجہ سے تمہارے لیے ہلاکت ہوگی۔

⑲ "وله من في السموات والارض" جو میرے بندے اور جو بھی میری ملک ہیں۔ "ومن عنده" اس سے مراد فرشتے ہیں۔ "لايستكبرون عن عبادته" وہ عبادت سے نہیں تھکتے اور نہ ہی اس میں تکبر کرتے ہیں۔ "ولايستحسرون" اور نہ ہی وہ اس سے ہارتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "حسر واستحسر" جب وہ تھک جائے اور ہار جائے۔ سدی کا قول ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں کبھی بھی نہیں تھکتے۔

⑳ "يسبحون الليل والنهار لايفترون" کمزور نہیں پڑتے۔ کعب احبار کا بیان ہے ملائکہ کے لیے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمیوں کے لیے سانسیں۔

㉑ "ام اتخذوا آلهة" استفہام بمعنی جحد کے ہے کہ خدا کے سوا تم معبود نہ پکڑو۔ "من الارض" اس سے مراد بت

ہیں خواہ وہ لکڑی تراشیدہ ہوں یا پتھر کے تراشیدہ ہوں۔ "ھم ینشرون" کیا وہ مُردوں کو زندہ کر کے اُٹھائیں گے اور کہا وہ اللہ کہنے کے مستحق ہیں مگر وہ مستحق عبادت ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے مُردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعویٰ واقعیت کے خلاف ہے۔

㉒ "لو کان فیھما" زمین و آسمان میں "آلھة الا اللّٰہ" اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا۔ "لفسدتا" تو زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے اور دونوں کی طرف سے حکم صادر ہوتا اور ٹکراؤ پیدا ہوتا۔ اس طرح نظام میں اکثر بگاڑ پیدا ہوتا۔ اللہ رب العزت نے اس کی تردید فرمائی۔

"فسبحان اللّٰہ رب العرش عمّا یصفون" یعنی مشرکین جو ان کے لیے اللہ کی بیوی، بچے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

㉓ "لایسئل عما یفعل" وہ اپنی مخلوق پر حاکم ہے کیونکہ وہ رب ہے دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس لئے اس سے نہیں پوچھا جائے گا "وھم یسئلون" اور مخلوقات سے پوچھا جائے گا۔ ان کے اعمال وافعال کے بارے میں کیوں کہ وہ اس کے بندے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ㉔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ㉕ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ㉖ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ㉗ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ㉘ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ㉙

ترجمہ: کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (ان سے) کہیے کہ تم اپنی دلیل (اس دعویٰ پر) پیش کرو یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (یعنی قرآن) اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں (یعنی توراۃ وانجیل وغیرہ) موجود ہیں بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے سو (اس وجہ سے) وہ اعراض کر رہے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہیں بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق نہیں) پس میری ہی عبادت کیا کرو اور یہ (مشرک) لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے اس کے) بندے ہیں مگر (ہاں) معزز وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں (وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے

احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اس کے جس کے لئے (شفاعت کرنے کی) خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں سے جو شخص (فرضاً) یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے (اور) ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

تفسیر ㉔ "ام اتخذوا من دونه الهة" استفہام انکاری توبیخ کے لیے ہے۔ "قل هاتوا برهانكم" اس پر حجت اور دلیل لے آؤ۔ پھر جملہ کو دوبارہ ذکر کیا۔ "هذا" اس سے مراد قرآن ہے۔ "ذكر من معى" اس میں خبر وہ موجود ہے جو میرے پاس ہے اور یہ میری اُمت کے لیے بھی نصیحت نامہ ہے کہ جنہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی اطاعت کی۔ ان کو ثواب کامل حاصل ہوا۔ "وذكر" خبر ہے۔ "من قبلى" ماقبل اُمتوں میں بھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی آخرت میں اس کا کوئی شریک ہوگا۔

عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ "ذكر من معى" سے مراد قرآن ہے اور "ذكر من قبلى" سے مراد توریت اور انجیل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بتاؤ کہ کسی جگہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک یا بیٹا بنایا ہو یا اپنے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہو۔ "بل اكثرهم لا يعلمون الحق فهم معرضون"

㉕ "وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحى اليه" حمزہ، کسائی، حفص نے عاصم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ "نوحى اليه" نون کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما ارسلناك" اور دوسرے قراء نے یاء اور حاء کے فتحہ کے ساتھ فعل مجہول پڑھا ہے۔ "انه لا اله الا انا فاعبدون" اس سے مراد توحید ہے۔

㉖ "وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا" یہ آیت قبیلہ خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ "سبحانه" ان کے اس قول سے برأت اختیار کی۔ "بل عباد" ہم اس کے بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔ "مكرمون"

㉗ "لايسبقونه بالقول" اس کی بات کے آگے کوئی کلام نہ کرتے اور اللہ کی اجازت اور اِذن کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ "وهم بامره يعملون" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی مخالفت نہیں کرتے نہ قولاً اور نہ ہی عملاً۔

㉘ "يعلم مابين ايديهم وما خلفهم" جو انہوں نے عمل کر لیے اور جو عمل ابھی تک انہوں نے نہیں کیے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو اس سے پہلے پیدا کیا اور جو ان کے بعد پیدا ہوئے۔ "ولا يشفعون الا لمن ارتضى" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد ہے جو شخص لا اله الا الله کہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ جس سے اس کا رب راضی ہو۔ "وهم من خشيته مشفقون" وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی طرف سے دُکھ پہنچنے سے ڈرتے ہیں۔

㉙ "ومن يقل منهم انى اله من دونه" مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے مرا ابلیس ہے جو حقیقتاً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا کہ جب اس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلایا اور اپنے نفس کی طرف اطاعت کرنے کا کہا حالانکہ فرشتوں میں سے

کسی کا کوئی کلام ایسا نہیں کہ کوئی یہ کہہ دے "انی الہ من دون اللّٰہ"...... "فذلک نجزیہ جھنم کذلک نجزی الظالمین" جو الوہیت کا دعویٰ کرے اور جس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ کی عبادت کرے۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ رستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو (مثل) ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے اور یہ لوگ اس (آسمان کے اندر) کی (موجودہ) نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں (یعنی ان میں تدبر نہیں کرتے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے (وہ نشانیاں یہی ہیں) ہر ایک ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

تفسیر ۳۰ "اولم یر الذین کفروا" عام قراء نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے "لم یر" پڑھا ہے بغیر واؤ کے۔ اسی طرح ان کے مصحف میں بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر جان لیتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ "ان السمٰوات والارض کانتا رتقا" ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، عطاء و قتادہ کا بیان ہے کہ آسمان و زمین سب باہم چسپاں اور ایک ہی تھے۔

ففتقناھما کی مختلف تفاسیر

"ففتقناھما" پھر ہوا داخل کر کے ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ "رتق" لغت میں کہا جاتا ہے بند باندھنا ملا دینا اور فتق کا معنی ہے پھاڑ دینا، کھول دینا۔ کعب نے کہا کہ اللہ نے آسمان و زمین کو اوپر نیچے بنایا تھا۔ پھر ہوا پیدا کر کے اس کو دونوں کے بیچ میں داخل کر کے دونوں کو کھول دیا۔ مجاہد اور سدی نے کہا کہ آسمان و زمین چسپاں اور ایک ہی طبقہ تھے۔ پھر اللہ نے ایک آسمان کے سات کر دیئے اور اسی طرح ایک زمین تھی اس کے سات طبقے بنا دیئے۔ عکرمہ اور عطیہ نے کہا کہ آسمان بند تھا، اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی بند تھی، اس سے کوئی سبزہ نہیں اُگتا تھا۔ پھر اللہ نے بارش کے ذریعے سے آسمان میں شگاف اور سبزہ اُگا کر زمین میں سوراخ بنا دیئے۔ اس مطلب پر "السمٰوات" سے مراد ہوگا آسمان دُنیا اور چونکہ اس کے اجزاء بہت ہیں اس لیے

"سموات" کے لفظ کا اس پر اطلاق کیا یا سماوات سے متعدد آسمان ہی مراد ہیں اور سب آسمانوں کو بارش برسانے میں دخل ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ "رتقًا" مفرد ہے۔ اس صورت میں یہ صفت ہوگی "سماوات والارض" کی کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر قائم مقام اسم کے ہے جیسے زور اور صوم ہیں۔ "وجعلنا" اور ہم نے اس سے پیدا کیے۔ "من الماء کل شیءٍ حی" جس کو پانی کے ذریعے زندگی دی جاتی ہے۔ اس کا نزول آسمان سے ہوتا ہے تاکہ اس سے تمام اشیاء کو حیات نو حاصل ہو۔ اس حیات میں انسان، حیوان، شجر وغیرہ ہیں۔ یعنی یہ بارش ان کے لیے زندگی کا سبب ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز زندہ ہے اور وہ پانی سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "واللّٰہ خلق کل دابۃ من ماءٍ" ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد نطفہ ہے۔

سوال: یہ سوال کیا جائے کہ بعض اشیاء اللہ نے پیدا کیں مگر ان کی پیدائش پانی کے ساتھ نہیں ہوئی؟

جواب: یہ بطور تفکیر کے ہے۔ یعنی زمین پر جتنی اشیاء کو پیدا کیا گیا ان کی پیدائش کا سبب پانی ہی ہے یا ان کی زندگی کا بقاء پانی ہے۔ "أفلا یؤمنون"

㉛ "وجعلنا فی الارض رواسی" جمے ہوئے پہاڑ اور گڑھے ہوئے پہاڑ "ان تمید بھم" تاکہ وہ اپنے باشندوں کو لے کر نہ لرزے۔ "وجعلنا فیھا" زمین میں یا پہاڑوں میں "فجاجًا" کشادہ راستے بنائے دو پہاڑوں کے درمیان۔ فج اسی کو کہتے ہیں کہ ہم نے ان پہاڑوں کے درمیان راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنے مقاصد اور کام کاج میں لگے رہو۔ "سبلاً" فجاج کی تفسیر ہے۔ "لعلھم یھتدون"

㉜ "وجعلنا السماء سقفا محفوظًا" کہ وہ تم پر گر جائے۔ اس کے گرنے سے محفوظ بنالیا۔ "ویمسک السماء أن تقع علی الارض الا باذنہ" بعض نے کہا کہ آسمان کو محفوظ کر دیا شہاب ثاقب کے ساتھ۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "وحفظناھا من کل شیطان رجیم"...... "وھم" اس سے کفار مراد ہیں۔ "عن ایاتھا" یعنی چاند، ستارے، سورج اور ان کے مختلف احوال جو صانع کے وجود وحدوث اور کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے وہ لوگ روگرداں ہیں غور نہیں کرتے۔ "معرضون" اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ ہی عبرت پکڑتے ہیں۔

㉝ "وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون" تیرتے ہیں، تیز چلتے ہیں جیسے سمندر میں تیزی سے بھاگ رہے ہوں۔ "یسبحون" فرمایا۔ "تسبح" نہیں فرمایا کیونکہ یہ اشیاء ذوی العقول میں سے نہیں ہیں اور "تسبح" پڑھنا ذوی العقول کا کام ہے۔ "فلک" یعنی مدار نجوم جو سب ستاروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ "فلک" کلام عرب میں ہر گول گھیرے کو فلک کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع افلاک ہے۔ حسن کا قول ہے کہ چکی سے مراد یہ ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح ستارے دائرہ میں چلتے ہیں یعنی ستاروں کی رفتار مستدیر ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح چکر کاٹتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ فلک آسمان ہی ہے۔ آسمان دُنیا ہی پر سب ستارے چلتے ہیں اور فلک کی تنوین بتلا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے، تمام ستاروں کے مدار مختلف

متعدد گھیروں پر ہیں جو اس کے لیے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ کلبی نے کہا کہ فلک آسمان کی گولائی کو کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا آسمان کے نیچے موج بستہ کا نام فلک ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں اور پھر (اس زندگی کے ختم پر) تم سب ہمارے پاس آ چلے آؤ گے اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں اور (خود) یہ لوگ (حضرت) رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے ہم عنقریب (اس کے وقت آنے پر) تم کو اپنی نشانیاں (قہر کی یعنی سزائیں) دکھائے دیتے ہیں پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔

تفسیر ﴿۳۴﴾ "وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد" دُنیا میں ہمیشہ رہنا۔ "افان مت فهم الخالدون" کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ رہیں گے آپ کے وفات پا جانے کے بعد۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا چکر پڑے۔

﴿۳۵﴾ "کل نفس ذائقة الموت و نبلو کم" ہم تمہارے ساتھ ایسا ہی عمل کریں گے جیسا کہ امتحان لینے والا کرتا ہے۔ "بالشر و الخير" سختی کے وقت اور نرمی کے وقت صحت کے زمانے میں اور بیماری کے زمانے میں، امیری کی حالت میں، فقیری کی حالت میں ہر طرح سے ہم تمہاری جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ خواہ تم اس چیز کو پسند کرتے ہو اور یا ناپسند کرتے ہو۔ "فتنة" تمہیں مبتلا کر دیں گے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تم مرغوب و محبوب مقصد کو حاصل کر کے شکر ادا کرتے ہو یا ناشکری اور دُکھ پر صبر کرتے ہو یا شکوہ و شکایت و بے صبری "والينا ترجعون"

﴿۳۶﴾ "واذا رآک الذين كفروا ان يتخذونک" وہ آپ کا ٹھٹھا نہیں کرتے۔ "الا هزوًا" مگر مسخرة کے طور پر سدی کا قول ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی کہ یہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہنس پڑا اور کہا کہ یہ عبد مناف کا نبی ہے۔

"اهذا الذی" وہ بعض، بعض کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ ہے وہی۔ "یذکر آلهتكم" یعنی کیا یہ ہی وہی شخص ہے جو تمہارے

معبودوں کو برا کہتا ہے۔ چونکہ دشمن کا ذکر برائی کے ساتھ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر اچھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "فلاناً یذکر فلاناً" فلاں شخص اس آدمی کی برائی کر رہا ہے۔ "و فلان یذکر اللّٰہ" فلاں شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے یعنی اللہ کی اچھی صفات بیان کرتا ہے۔ "وھم بذکر الرحمٰن ھم کافرون" اور یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے کہ رحمٰن یمامہ مسیلمہ کے علاوہ ہم کسی اور کو نہیں جانتے۔ "وھم" یہ ثانی صلہ ہے۔

㊲ "خلق الانسان من عجل" اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض قوم نے کہا انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی نیت اور اس کی خلقت میں عجلت ہے اور اسی کی طبیعت میں سرشت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وکان الانسان عجولاً"

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سدی کا قول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سر اور آنکھوں میں روح داخل ہوگئی تو جنت کے پھلوں پر فوراً نظر پڑی۔ اس کے بعد روح پیٹ کے اندر پہنچی تو آپ کو کھانے کی اشتہاء پیدا ہوگئی اور فوراً ٹانگوں تک روح پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھل لینے کے لیے اُٹھنے لگے لیکن اُٹھ نہ سکے اور گر پڑے۔ اسی لیے کہا گیا "خلق الانسان ضعیفًا...... خلق الانسان من عجل" انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کی اولاد میں عجلت وراثت میں عطا کی گئی۔ عرب لوگ کہتے ہیں جس چیز کی زیادہ عجلت پسندی ہو تو اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ "خلقت منه" جیسے کہا جاتا ہے۔ "خلقت من تعب...... خلقت من غضب" اس کے وصف میں "مبالغةً" بولا جاتا ہے۔ اس پر اللہ رب العزت کا فرمان دلالت کرتا ہے۔ "وکان الانسان عجولاً"

بعض اہل مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے وقت میں پیدا کیا، آدم علیہ السلام کی تخلیق میں عجلت سے کام لیا تھا۔ آپ کی پہلے دن کے آخری حصے تک پیدائش کی جا چکی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں جب روح داخل ہوگئی تو آپ نے عرض کیا الٰہی غروب آفتاب سے پہلے میری تخلیق پوری کر دے، یہ مجاہد کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جلدی میں پیدا کیا گیا۔ ان کو تمام اشیاء کے پیدا کرنے کے بعد جمعہ کے آخری حصہ میں پیدا کیا گیا، ان کی پیدائش میں مغرب سے پہلے پہلے جلدی کی۔

اور بعض نے کہا کہ ان کو جلدی اور تیزی سے بنایا بغیر ترتیب کے جیسے کہ دوسرے آدمیوں کو ترتیب سے بنایا۔ پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغۃ وغیرھا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ عجل کا معنی ہے گیلی مٹی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

والنبع فی صخرة الصماء منبتة والنخل ینبت بین الماء والعجل

ترجمہ:......(درخت نبع کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کھجور کا درخت پانی اور کیچڑ سے پیدا ہوتا ہے۔)

"ساوریکم آیاتی فلا تستعجلون" یہ خطاب مشرکین کو ہے۔ مشرکین عذاب کے طلب کرنے میں جلدی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا اور بعض نے کہا کہ اس کا نزول نضر بن حارث کے متعلق ہوا۔ اللہ تبارک و

تعالیٰ نے فرمایا "ساوریکم آیاتی" کہ یہ میری طرف سے وعدہ کیا ہوا ہے اس میں جلدی نہ کریں۔ وقتی عذاب کا مطالبہ نہ کریں۔ پھر اللہ نے بدر کے دن ان کو عذاب دکھا دیا اور بعض نے کہا کہ آخرت کے عذاب میں وہ جلدی کرتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم (وقوع عذاب کی خبر میں) سچے ہو کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ (اس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا بلکہ وہ (آگ) تو ان کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دے گی پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہو گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی (کفار کی طرف سے) تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے اور یہ بھی (ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں (ہی) ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

تفسیر ﴿۳۸﴾ "ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین"

﴿۳۹﴾ "لو یعلم الذین کفروا حین لا یکفون" نہ وہ پھیر سکیں گے۔ "عن وجوھھم النار ولا عن ظھورھم" بعض نے کہا کہ وہ اپنی پیٹھوں کی جانب سے بھی نہ روک سکیں گے۔ "ولا ھم ینصرون" اور نہ ہی ان سے عذاب کو روکا جائے گا۔ (لو) کا جواب اس قول میں ہے "لو یعلم الذین" یہ محذوف ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر کافر جان لیں اس وقت کو جب کہ ہر طرف سے ان کو آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور اس کو وہ نہ خود دفع کر سکیں گے نہ کوئی اور ایسا مددگار بنے گا جو عذاب کو دفع کر سکے تو وہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہیں گے یا عذاب آنے میں جلدی کریں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا وعدہ کب آئے گا۔

﴿۴۰﴾ "بل تاتیھم" قیامت کی گھڑی ان پر آپڑے گی۔ "بغتۃ" اچانک ناگہاں "فتبھتھم" اس وقت یہ حیران رہ جائیں گے۔ جیسے کہا

جاتا ہے کہ فلاں متحیر پریشان ہے یعنی وہ حیران ہے۔"فلا یستطیعون ردھا ولاھم ینظرون"اور ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔

41 "ولقد استھزیٔ برسل من قبلک فحاق" جس چیز کی وہ استہزاء کرتے تھے اسی کی سزا اور عذاب ان پر نازل ہوا۔"بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزء وْن"

42 "قل من یکلؤکم" تمہاری کون حفاظت کرتا ہے۔"باللیل والنھار من الرحمٰن" اگر اس کی طرف سے تم پر عذاب نازل ہوگیا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اگر رحمٰن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا؟"بل ھم عن ذکر ربھم" ذکر سے مراد قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہے۔"معرضون"

43 "أم لھم" یہ صلہ ہے۔"الھة تمنعھم من دوننا" اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ کیا ان کے علاوہ کے لیے کوئی معبود ہے جو تمہیں اس عذاب سے روکے گا؟ پھر ان کے معبودوں کے ضعف کو بیان کیا۔فرمایا"لایستطیعون نصر انفسھم" کہ وہ اپنے آپ سے کوئی اذیت دور نہیں کرسکتے تو اپنے پجاریوں کی حفاظت کس طرح کریں گے؟

"ولاھم منّا یصحبون"ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ"یمنعون"سے کیا ہے۔مجاہد نے"یصحبون"کا ترجمہ کیا ہے"ینصرون"کے ساتھ یعنی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔قتادہ نے کہا کہ ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے،اذن شفاعت اور مدد نہ ہوگی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ 44 قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ 45 وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ 46 وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ 47

ترجمہ بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک عرصہ دراز گزر گیا کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (ان کی) زمین کو (بذریعہ فتوحات اسلامیہ کے) ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں اور (ان کی عالی ہمتی کی کیفیت یہ ہے کہ) اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم خطاوار تھے اور (ہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو (وہاں) حاضر کردیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

تفسیر 44 "بل متعنا ھولاء" ہم نے کفار کو خوب مہلت دی۔"وآباء ھم" دُنیا میں ان کے باپ دادا کو بھی خوب منافع

دیئے اور بعض نے کہا کہ ہم نے ان کو خوب نعمتیں دیں۔ "حتّٰی طال علیھم العمر" یعنی ان کی مدت زندگی طویل ہوگئی۔ "افلا یرون أنا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا" ہم مشرکین کی سرزمین کو گھٹا رہے ہیں اور مؤمنین کے اطراف کو بڑھا رہے ہیں۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور مشرکین کے علاقوں کو فتح کرنا ہے کہ زمین در زمین، مشرکین کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگیں۔ "افھم الغالبون" تو کیا ایسی حالت میں کافر مسلمانوں پر غلبہ پا سکیں گے۔

㊺ "قل انما انذرکم بالوحی" کہ میں تمہیں قرآن کے ذریعے سے ڈراتا ہوں۔ "ولا یسمع الصم الدعاء" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تاء کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الصم" منصوب ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ کہ کافر بہرے ہیں آپ کی پکار کو نہیں سمجھتے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ اور ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور میم کے فتحہ کے ساتھ اور اس صورت میں "الصم" مرفوع ہوگا۔ "اذا ما ینذرون" ان کو ڈرایا جاتا ہے۔

㊻ "ولئن مستھم" اگر ان کو تھوڑا سا عذاب چھو جائے۔ "نفحة" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "نفحة" کا ترجمہ کیا ہے کنارہ۔ بعض نے کیا تھوڑا سا۔ ابن جریج نے کہا کہ ایک حصہ مراد ہے۔ "نفح فلان لفلان فلاں نے فلاں" کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا اور بعض نے "نفحة" کا ترجمہ کیا ہے مارنا "نفحت الدابه برجلھا" گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری، لغوی اعتبار سے "نفحة" خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

"من عذاب ربک لیقولن یاویلنا انا کنا ظالمین" ہم نے ان کو اس وجہ سے ہلاک کیا کہ وہ مشرکین ہیں۔ جب وہ اپنی ہلاکت کو دیکھ لیں گے تو اس وقت اپنے شرک کا اقرار کر لیں گے۔

㊼ "ونضع الموازین القسط" قسط سے مراد عدل ہے۔ "لیوم القیامة فلاتظلم نفس شیئًا" ان کی نیکیوں سے کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا اور بعض احادیث میں ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھا دیجئے۔ اللہ نے ان کو میزان دکھا دی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب تک اس کی وسعت تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کو دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا الٰہی ایسا کون ہے جو اپنی نیکیوں کے ساتھ اس پلڑے کو بھر سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوہارے (کو خیرات کرنے سے) اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دوں گا۔ "و ان کان" اگرچہ وہ چیز "مثقال حبة" ایک دانے کے بقدر اس کا وزن ہو۔ "من خردل" اہل مدینہ نے مثقال کے لام کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک مدینہ کے قراء نے مثقال لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ لقمان میں بھی اسی طرح ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ایک مثقال دانے کے برابر بھی ہو۔ دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ "أتینابھا" ہم اس کو بھی حاضر کر دیں گے اور اس کا بدلہ دیں گے۔ "و کفٰی بنا حاسبین" سدی کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ محصنین گنتی میں احاطہ کرنے والے سے کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ جاننے والے یاد رکھنے والے سے کیا ہے، یعنی یاد رکھنے والے جو شخص کسی چیز کی گنتی کرتا ہے۔ یقیناً اس چیز کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کو یاد ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿49﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾

ترجمہ: اور ہم نے (آپ کے قبل) موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز (یعنی توریت) عطا فرمائی تھی جو (متقی) اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت سے (بھی) ڈرتے ہیں اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب ہے) جس کو ہم نے نازل کیا تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو اور ہم نے اس (زمانہ موسوی) سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی (شان کے مناسب) خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ان کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ کیا (واہیات مورتیں ہیں) جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو وہ لوگ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادے (ان کو) لائق عبادت سمجھنے میں صریح غلطی میں ہو وہ کہنے لگے کہ کیا تم (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جو لائق عبادت ہے) وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا (بھی) کیا اور میں اس (دعویٰ) پر دلیل بھی رکھتا ہوں اور خدا کی قسم تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے تو ان کے چلے جانے کے بعد)

فرقان کا مصداق

تفسیر: ﴿48﴾ "ولقد اٰتینا موسٰی و ھارون الفرقان" وہ کتاب جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور وہ توریت ہے۔ ❶ ابن زید کا قول ہے کہ فرقان سے مراد دشمنوں پر مدد کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وما انزلنا

علٰی عبدنا یوم الفرقان" ❷ اس سے مراد بدر کا دن ہے اس لیے فرمایا "وضیاءً" اس میں واؤ داخل کیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نصرت اور روشنی دی اور وہ توریت ہے اور جن حضرات نے کہا کہ فرقان سے مراد توریت ہے وہ کہتے ہیں کہ "ضیاءً" میں واؤ زائد ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ ہم نے توریت روشن عطا کی اور بعض نے کہا کہ یہ توریت کی دوسری صفت ہے۔ "وذکرًا" اور یہ یاد دلاتی ہے "للمتقین"

㊾ "الذین یخشون ربھم بالغیب" جو بن دیکھے اس سے ڈرتے ہیں۔ "وھم من الساعة مشفقون" وہ خوف زدہ ہیں ڈرنے والے ہیں۔

㊿ "وھذا ذکر مبارکٌ" اس سے مراد قرآن ہے جو اس کو یاد کرے گا اس کے لیے نصیحت ہے اور باعث برکت ہے اس شخص کے لیے جو اس سے برکت حاصل کرے اور اس سے خیر کا طلب گار رہو۔ "انزلناہ أفأنتم" اے اہل مکہ "له منکرون" وہ انکار کرنے والے ہیں۔ استفہام توبیخ کے طور پر ہے۔

51 "ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ" قرطبی نے اس کا معنی اصلاح سے کیا ہے۔ "من قبل" موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پہلے۔ بعض اہل تفسیر نے من قبل کی تشریح کی ہے۔ بالغ ہونے سے پہلے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچہ ہی تھے اور غار سے باہر آئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے بچپن ہی میں ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا کر دی تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا "وآتیناہ الحکم صبیا" ...... "وکنا به عالمین" ہم جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہدایت اور نبوت کے اہل ہیں۔

52 "اذ قال لابیه وقومه ماھذہ التماثیل" اس سے مراد صورتیں ہیں، مورتیاں ہیں۔ "التی أنتم لھا عاکفون" جن کی عبادت کرنے پر وہ قائم ہیں۔

53 "قالوا وجدنا آباء نا لھا عابدین" پس تم نے ان کی اقتداء کی۔

54 "قال" ابراہیم علیہ السلام نے کہا "لقد کنتم أنتم و آباء کم فی ضلال مبین" یعنی تم سب کھلی ہوئی غلطی پر ہو۔

55 "قالوا أجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین" تمہاری بات مبنی برحق تو نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم دل لگی کر رہے ہو۔

56 "قال بل ربکم ربّ السمٰوٰت والارض الذی فطرھن" ان کو پیدا کیا۔ "وانا علٰی ذٰلکم من الشاھدین" یہ وہی اللہ ہے جو مستحق عبادت ہے اور بعض نے کہا کہ میں بھی شہادت دینے والوں میں سے ہوں کہ وہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔

57 "وتاللہ لاکیدن أصنامکم" ان کو توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔ "بعد أن تولوا مدبرین" یعنی جب ان کو پیچھے چھوڑ کر میلے میں چلے جاؤ گے تو میں ان کو نقصان پہنچانے اور توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔
مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات چپکے سے کہی تھی سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں سن سکا

تھا، اسی نے یہ بات پھیلا دی کہ اس نے کہا تھا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے، بتوں کا ذکر کر رہا تھا، ہم نے خود سنا تھا۔ سدی نے کہا قوم نمرود کا سالانہ تہوار ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے، ان کو سجدے کرتے تھے، پھر گھروں کو جاتے تھے۔ حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہبی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ساتھ ہو لیے، کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کو زمین پر گرا لیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آ گئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کمزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لیے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بندر رکھے ہوئے تھے، بت خانہ کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا، اس کے برابر اس سے چھوٹا، پھر اس کے برابر اس سے بھی چھوٹا، اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا، کھانا اس لیے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں برکت آ جائے اور میلہ سے واپس آ کر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا، تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھا "تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ" بتوں پر ضرب لگائی۔ آیت میں آیا ہے: "فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ" اور یمین دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿58﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿60﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿61﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿62﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿63﴾

ترجمہ انہوں نے ان بتوں کو (تبر و غیرہ سے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز ان کے ایک بڑے بت کے کہ شاید وہ لوگ ابراہیمؑ کی طرف (دریافت کرنے کے لئے) رجوع کریں کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا (برائی سے) تذکرہ کرتے سنا ہے (پھر) وہ لوگ بولے کہ (جب یہ بات ہے) تو اچھا اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ لوگ (اس اقرار کے) گواہ ہو جاویں (غرض وہ سب کے روبرو آئے) ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم انہوں نے (جواب میں)

فرمایا کہ نہیں ان کے اس بڑے (گرو) نے کی سوان (ہی) سے پوچھ لو (تا) اگر یہ بولتے ہوں۔

تفسیر ⑱ "فجعلهم جذاذًا" کسائی نے جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جذاذ جمع کا صیغہ ہے یہ جذ سے ماخوذ ہے۔ جذ کا معنی ہے کاٹنا یہ مثل خفیف وخفاف کے ہے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مثل حطام ورفات کے ہوگا۔ "الا کبیرًا لهم" اس بڑے کو نہیں توڑا اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ بعض نے کہا کہ کلہاڑا اس کے ہاتھ کے ساتھ باندھ دیا، وہاں ۷۲ بت تھے ان میں سے بعض سونے کے تھے اور بعض چاندی کے تھے۔ بعض ان میں سے لوہے کے تھے اور بعض پیتل کے تھے اور بعض لکڑی کے تھے اور بعض پتھر کے اور ان بتوں میں سے بڑا بت سونے کا تھا، ان کی آنکھوں میں جواہرات تھے یاقوت کے۔

"لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ" کہ شاید وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف (دریافت کرنے کے لیے) لوٹیں۔

الیہ یرجعون کی ضمیر کا مرجع

① الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں سے دشمنی رکھنے اور بت پرستی کی مخالفت کرنے میں مشہور تھے اس لیے حضرت نے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ یہ خیال کر کے جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو میرے پاس آئیں گے اس وقت میں ان کو جتلا دوں گا کہ تمہارے معبود ایک آدمی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

② "اِلَيْهِ" کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرست لوگ جب میلہ سے واپس بڑے بت کے پاس آئیں گے تو اس سے دریافت کریں کہ چھوٹے بتوں کی یہ حالت کس نے کی۔ معبود کو علم ہونا اور جواب دینا چاہیے، وہ معبود ہی کیا جو نہ کچھ جانے نہ جواب دے، آخر جواب نہ پا کر خود ہی ذلیل ہوں گے۔

③ الیہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے مطلب یہ کہ جب بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر ہوگی تو شاید وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

⑲ "قالوا من فعل هذا بالهتنا انه لمن الظالمين" جس نے بتوں کی یہ حالت کی وہ بڑا مجرم ہے۔

⑳ "قالوا" وہ لوگ کہنے لگے جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات سنی تھی "وتالله لاكيدن اصنامكم"...... "سمعنا فتًى يذكرهم" ہم ایسے جوان کو جانتے ہیں جو ہمارے معبودوں پر عیب اور برائی کر رہا تھا۔ "يقال له ابراهيم" ان لوگوں کا گمان تھا کہ اسی نے ہی ایسا کیا ہے۔ پھر نمرود اور اس کے بڑے بڑے اشراف اور اس کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچی۔

㉑ "قالوا فاتوا به على اعين النّاس" نمرود نے کہا کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ اس کے قول وفعل کی شہادت دیں۔ "لعلهم يشهدون" کہ یہ کام اس ہی نے کیا، اس پر یہ گواہی دیں کیونکہ ان کے مذہب میں بغیر گواہوں کے کسی کو پکڑا نہیں جاتا۔ یہی حسن، قتادہ اور سدی کا بیان ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ "يشهدون" کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ہم ان کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض لوگ جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو کہنے لگے:

کہ کیا تو نے ہمارے معبودوں کا یہ حشر برپا کیا ہے۔

62 "قالوا" کہنے لگے ان کو "ءَ انت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم"

63 "قال" ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ "بل فعله كبيرهم هذا" حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے بت پر غصہ تھا اور آپ کو اس سے نفرت بھی زیادہ تھی کیوں کہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ ان پر حجت قائم کرنا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے پوچھا "فاسئلوهم ان كانوا ينطقون" کہ ان سے پوچھو کہ یہ فعل کس کا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لیے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریض اقرار نما کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی پوجا سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے، آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔ قتیبی نے کہا کہ معنوی حیثیت سے "كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" کا تعلق "فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ" سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بول نہیں سکتے تو ایسا کر بھی نہیں سکتے۔ گویا اس ضمن میں آپ نے بت شکنی کا اقرار کر لیا (اور بتوں کا عجز ظاہر کر دیا) قتیبی کی یہ توجیہ غلط ہے کیونکہ کسائی نے کہا ہے جب ابراہیم نے اعراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اگر ضمنی اقرار مانا جائے گا تو ایسا ہوگا جیسے کوئی کہے میں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ منفی مثبت کا اجتماع غلط ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ "فَعَلَهٗ" پر وقف نہیں ہے بلکہ "فَعَلَهٗ" کا تعلق "كَبِيْرُهُمْ" سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جگہ ذو معنی کلام کیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے تین بار کے علاوہ (صورۃً بھی) جھوٹ نہیں بولا، دو بار ذاتِ خداوندی کے متعلق ❶ "اِنِّیْ سَقِيْمٌ" کہا تھا۔ ❷ اور "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ" کہا تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ) کسی روز ابراہیم علیہ السلام اور سارہ کا گزر کسی ظالم بادشاہ کی طرف سے ہوا۔ بادشاہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک شخص (نووارد) ہے جس کے ساتھ بہت ہی حسین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میری بہن ہے۔ پھر (واپس آکر) سارہ سے کہا اگر اس ظالم کو معلوم ہو جاتا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا، اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم یہی کہنا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مؤمن نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست درازی کرنی چاہی لیکن فوراً پکڑ لیا گیا (یعنی غیبی پکڑ ہوگئی) یہاں تک کہ پاؤں زمین پر پٹکنے لگا اور سارہ سے درخواست کی میرے لیے اللہ سے دُعا کردے، میں تجھے (اچھا ہوکر) کوئی دُکھ نہیں دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دُعا کی، اللہ نے بندش کھول دی، دوبارہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے پھر دُعا کی درخواست کی اور ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا، سارہ نے پھر دُعا کی اور اللہ نے رہائی دے دی۔ رہائی کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلایا اور کہا تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے ہاجرہ کو خادمہ کے طور پر سارہ کو دے کر رُخصت کردیا۔ سارہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے؟ سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ (مجھے) دی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماء السماء کی اولاد (آسمانی پانی مراد خالص نسب کا دعویٰ کرنے والا) یہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متفق علیہ۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے آواز دی۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے حالانکہ وہ چور نہیں ہیں۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ناحق پر ہو (کہ جو ایسا عاجز ہوگا وہ کیا معبود ہوگا) پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا (اور یہ بولے کہ) اے ابراہیمؑ تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت (کچھ) بولتے نہیں ابراہیمؑ نے فرمایا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے تف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے باطل پر مصر ہو) اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے (آپس میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلاؤ اور اپنے معبودوں کا (ان سے) بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔

تفسیر ⑥④ "فرجعوا الی انفسھم" اس وقت انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور غور وفکر کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بات حق ہے اور ہم غلطی پر ہیں۔ "فقالوا" ہم نہیں دیکھتے جیسا کہ انہوں نے کہا۔ "انکم انتم الظالمون" ان کی عبادت کے ساتھ جو نہ بات کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ تم ظالم ہو اور یہ شخص حاضر ہے اور یہ تمہارے معبود بھی حاضر ہیں لہٰذا تم ان سے سوال کرو۔

⑥⑤"ثم نکسوا علی رؤسھم" بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں پر حق جاری کردیا۔ پہلی بات میں پھران پر بدبختی غالب آ گئی۔ یہی اس کا معنی ہے "ثم نکسوا علی رؤسھم" پہلے انہوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ جوظلم کیا اس کا اقرار کرنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے جیسے کہا جاتا ہے "نکس المریض" جب وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹے اور وہ کہنے لگے۔ "لقد علمت ما ھولاء ینطقون" پھر ہم کیسے ان سے سوال کریں۔ جب یہ بولتے ہی نہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت مکمل ہوگئی تو ان سے کہا۔

⑥⑥"قال" ان کافروں کو کہا۔ "أفتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئًا" اگر تم ان کی عبادت کرو گے۔ "ولا یضرکم" اگر تم ان کی عبادت کو چھوڑ دو گے تو وہ تمہیں کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

⑥⑦"اف لکم" یعنی ہلاکت ہو اور تمہارے لیے گندگی ہو۔ "ولما تعبدون من دون اللہ أفلا تعقلون" کیا تمہارے پاس کوئی عقل وشعور ہے کہ جس کے ذریعے سے تم اس کو پہچان لیتے۔ اب کیسے تمہارے اوپر حجت تام ہوگئی اور جواب دینے سے عاجز آ گئے۔

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کا قصہ

⑥⑧"قالوا حرّ قوہ وانصروا آلھتکم ان کنتم فاعلین" اور کہنے لگے اس کو آگ میں جلا دو اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرتے ہو۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ یہ اس شخص نے کہا جو اکراد بستی کا تھا بعض نے کہا کہ اس کا نام ھیزن تھا۔ بعض نے کہا اس کا نام ہنون ہے، اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی۔ جب نمرود اور اس کی قوم کا متفقہ فیصلہ ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کردیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا یا قریہ کوثی میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کو جلانے کے لیے وہاں اکٹھی کیں اور عوام جوش اس حد تک بڑھ گیا کہ بیمار منت مانتا تھا کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہوگئی تو ہم ابراہیم علیہ السلام کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے، لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کردینا، عورتیں چرخہ کات کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر باُمید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے اس طرح ایک ماہ تک لوگ لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ جب حسب منشا لکڑیاں جمع کر چکے تو ڈھیر میں ہر طرف سے آگ لگادی، آگ بھڑک اُٹھی، جب خوب تیز ہوگئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ پرندہ بھی آگ کے اوپر سے نہ اُڑ سکتا تھا اس خوف سے کہ کہیں وہ جل نہ جائے تو انہوں نے مزید سات روز تک بھڑکنے دیا اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالنا چاہا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آگ میں کیسے پھینکیں، ابلیس نے آکر منجنیق (گوپھن یا چرخی) قائم کرنے کی تدبیر بتائی، لوگوں نے چرخی بنائی اور سب سے اونچی عمارت کی چوٹی پر اس کو قائم کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر اس میں بٹھایا، یہ دیکھ کر آسمان وزمین

ملائکہ اور سوائے جن وانس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا، اے ہمارے رب! ابراہیم علیہ السلام تیرا خلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جارہا ہے اس کے سوا روئے زمین پر اور کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے، ہم کو اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں، اللہ نے فرمایا، ابراہیم میرا خلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا خلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں، میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں، اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دُعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کرسکتا ہے میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا وہ کسی سے مدد کا طلبگار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں۔ میں ہی اس کا کارساز ہوں، میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو جونہی لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہوا کا مؤکل بھی آیا، اس نے کہا اگر آپ کا منشاء ہو تو میں آگ کو ہوا میں اُڑا دوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں، میرے لیے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ علیہ السلام نے کہا "**لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الْمُلْکُ لَا شَرِیْکَ لَکَ**" اس کے بعد منجنیق میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا۔ اسی دوران میں جبرئیل علیہ السلام نے سامنے آ کر کہا، ابراہیم اگر تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے، میری حالت کا اس کو علم ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔

کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا (تاکہ مزید اشتعال پیدا ہو)۔ سعید بن مسیب نے حضرت اُم شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا، یہ ابراہیم علیہ السلام پر (بھڑکتی آگ) میں پھونکیں مار رہا تھا (اور آگ کو بھڑکا رہا تھا)۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ (جب انہوں نے متفق ہو کر آگ میں ڈال دیا تو اس وقت) ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی سو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور (ان کے برادر زادے) لوطؑ کو ایسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے (خیر و) برکت رکھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا

تفسیر ⑥⑨ "قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ" (ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا ابراہیم کے لیے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر اللہ سلاماً نہ فرماتا تو آگ کی (انتہائی) سردی کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام مر جاتے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سلاماً (کونی) کی خبر نہیں ہے بلکہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کامل طور پر سالم رکھا۔ بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی، دُنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اُٹھا سکا۔ اگر اللہ "علٰی ابراھیم" نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لیے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔ میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہ ضرر رساں نہیں رہی تھی۔ "عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ" کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

سدی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا۔ آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوبصورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے۔ کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متاثر نہیں ہوا۔ صرف بندھن کی رسی جل گئی۔ اہل روایت نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔ ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے مؤکل کو ابراہیم علیہ السلام کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آ کر ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لیے بیٹھ گیا اور بحکم خدا حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت کی ایک قمیص اور مسند لے کر آئے، قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا اور مسند پر بٹھایا اور خود بھی آپ کے ساتھ مسند پر باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور اللہ کی طرف سے پیام پہنچایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرر نہیں پہنچایا کرتی ہے۔

کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک اونچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا اور ایک فرشتہ کو (بصورتِ انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیم! (علیہ السلام) تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس (آگ) کے درمیان حائل ہوا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام تو اس سے نکل بھی سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ نمرود نے کہا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دُکھ پہنچائے گی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اُٹھ کر وہاں سے نکل آ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آ گئے۔ نمرود نے کہا ابراہیم! (علیہ السلام) وہ کون آدمی تھا جو تمہارے پہلو میں میں نے بیٹھا دیکھا تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، وہ سایہ کا مؤکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لیے اس کو

میرے پاس بھیج دیا تھا۔ نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لیے کچھ قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا، میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کرلے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گائیں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ کر دیا۔ شعیب جبائی کا بیان ہے کہ جس وقت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ سولہ سال کے تھے۔

⑳ **"وارادو به كيدًا فجعلناهم الاخسرين"** بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی کوشش خسارے میں پڑ گئی اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کا کچھ حاصل نہ ہوا اور بعض نے کہا کہ اللہ نے مچھروں کی فوج بھیج دی جو اس پر اور اس کے گھر والوں پر عذاب بن گئی جس نے ان کے گوشت کھا لیے اور ان کا خون چوس لیا اور ان مچھروں میں سے ایک مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔

㉑ **"ونجيناه و لوطاً"** حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود سے اور ان کی قوم کو عراق کی سرزمین سے نجات دی۔ **"الى الارض التى باركنا فيها للعالمين"** اس سے شام مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی۔ سرسبزی، کثرت اشجار اور کثرت پھل اور نہروں کے ساتھ اور ان برکتوں میں سے کہ ان کی نسل سے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت ابی بن کعب نے ارض مبارکہ کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہاں شیریں پانی کی کثرت ہے اور صخرۂ بیت المقدس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری ہے۔

ارض شام کی فضیلت

بروایت قتادہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم مدینہ میں منتقل کیوں نہیں ہو جاتے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت ہے اور روضۂ مبارک بھی وہیں ہے۔ کعب نے کہا امیر المؤمنین! میں نے اللہ کی کتاب (توریت) میں پڑھا ہے کہ ارض شام تمام زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور وہیں اللہ کے (خاص) بندوں کا خزانہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آئندہ ہجرت ہوگی (لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر بھاگیں گے) پس بزرگ مرتبہ والے لوگ ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت کی طرف چلے جائیں گے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے جو لوگ چمٹے رہیں گے وہ زمین کے تمام باشندوں میں برگزیدہ ہوں گے اور (باقی) زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے۔ ان کی زمینیں ان کو باہر نکال پھینکیں گی، اللہ ان

سے نفرت کرے گا، بندروں اور سوروں کے ساتھ ایک آگ ان کو ہنکائے گی جہاں وہ رات کو قیام کریں گے، آگ بھی رات کو ان کے ساتھ رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو ٹھہریں گے آگ بھی دوپہر کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ (رواہ ابوداؤد)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لیے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) منجملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن تارخ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا۔ تارخ بن ثالث تھا، ثالث کو ناخور بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہاران بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قریہ کوثی (علاقۂ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط و سارہ کو ساتھ لے کر ترکِ وطن کر دیا۔ آپ کا یہ ترک وطن اللہ کے واسطے تھا۔ اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کے لیے تھا۔ آپ نے فرمایا تھا "اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ" لوط کے مؤمن ہونے کا ذکر اللہ نے آیت "فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ" میں فرمایا ہے۔ کوثی سے چل کر آپ حران پہنچے۔ کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے۔ پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سبع کے مقام پر اُترے۔ یہاں سے مؤتفکات کی بستیاں (سدوم وغیرہ) جو بحیرۂ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام مؤتفکہ میں اُترے۔ ایک دن اور ایک رات چلے یا اس سے قریب۔ اللہ نے ان کو نبی بنا کر مبعوث کیا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی اور لوگوں میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہجرت کی۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ⑫ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ⑬ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ⑭ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑮ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ⑯ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑰

ترجمہ: اور (ہجرت کے بعد) ہم نے ان کو اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب پوتا عطا کیا اور ہم نے ان سب کو (اعلیٰ درجہ کا) نیک کیا اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں

کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ (حضرت) ہماری عبادت (خوب) کرتے تھے اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکمت اور علم (جو شان انبیاء کے مناسب ہوتا ہے) عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کیا کرتے تھے بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کیا (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے اور نوحؑ (کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جب کہ اس (زمانہ ابراہیمی) سے (بھی) پہلے انہوں نے دعا کی۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی اور (نجات اس طرح دی کہ) ہم نے ایسوں لوگوں سے ان کا بدلہ لیا جنہوں نے ہمارے حکموں کو (جو کہ نوحؑ لائے تھے) جھوٹا بتایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے اس لئے (ہم نے ان سب کو) غرق کر دیا۔

تفسیر ⑫ "**وو هبنا له اسحاق و يعقوب نافلة**" مجاہد اور عطاء نے کہا ہے کہ **نافلة** کا معنی ہے عطیہ، اسحاق اور یعقوب دونوں اللہ کے عطا کردہ ہیں اس صورت میں **نافلة** دونوں سے حال ہوگا۔ حسن اور ضحاک نے کہا کہ **نافلة** کا معنی ہے فضل۔ یعنی ہم نے اپنی مہربانی سے ابراہیم علیہ السلام کو (بیٹا) اسحاق اور (پوتا) یعقوب عطا کیا اور فرمایا "**هب لی من الصالحين**" اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو زیادہ ذکر کیا، یہ بیٹے کے بیٹے ہیں اور **نافلة** بھی زیادتی کو کہتے ہیں۔ "**و کلاً جعلنا صالحين**" اس سے مراد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ہیں۔

⑬ "**وجعلناهم آئمة يهدون بأمرنا**" ہم نے ان کو بھلائیوں اور اعمال میں لوگوں کا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہمارے دین کا راستہ بتاتے تھے۔ "**واوحينا اليهم فعل الخيرات**" وہ عمل جس نے شریعت کو اچھا قرار دیا۔ "**واقام الصلوٰة**" نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ "**وايتاء الزكوة**" زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ "**وكانوا لنا عابدين**" وہ عبادت کرنے اور موحد ہونے میں مخلص تھے۔

⑭ "**ولوطًا آتيناه**" اور ہم نے لوط علیہ السلام کو دیا۔ بعض نے کہا کہ یاد کرو لوط علیہ السلام کو کہ ہم نے ان کو عطا کیا۔ "**حكما**" مقدمات کے درمیان فیصلے کرنے کا علم۔ "**وعلمًا**"...... "**ونجيناه من القرية التى كانت تعمل الخبائث**" اس سے مراد سدوم بستی ہے۔ اس بستی والے لوگ لواطت کرتے تھے اور بڑی بڑی مجلسوں میں دبر سے اونچی آواز (گوز) نکالتے تھے اور یہ لوگ ایسے اعمال کرتے تھے جو شریعت میں منع کردہ ہیں۔ "**انهم كانوا قوم سوء فاسقين**"......

⑮ "**وأدخلناه فى رحمتنا انه من الصالحين**"

⑯ "**ونوحًا اذ نادىٰ**" جب اس کو پکارا "**من قبل**" ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے پہلے۔ "**فاستجبنا له فنجيناه واهله من الكرب العظيم**" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوئی اور سختیاں بھی سب سے زیادہ برداشت کیں اور کرب غم سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

⑰ "ونصرناہ" اور ہم نے ان کی مدد کی ان کو روک دیا۔ "من القوم الذین کذبوا بایتنا" اور وہ لوگ برائی کے ذریعے سے اس تک پہنچے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ جس قوم میں یہ خرابیاں پائی جائیں۔ "انھم کانوا قوم سوء فاغرقناھم أجمعین"

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ. وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ⑱ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ. وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ط وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ⑲

ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس (کھیت) میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں (اور اس کو چر گئیں) اور ہم فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور (یوں) ہم نے دونوں کو حکمت اور علم فرمایا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ (ان کی تسبیح کے ساتھ) وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔

تفسیر ⑱ "وداود و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث" حرث کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ کھیتی انگوروں کی بیل کی تھی جس پر حرث کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ وہ کھیتی تھی۔ "اذ نفشت فیہ غنم القوم" اس نے رات کو بکریاں چرائیں پھر اس کو فاسد کر دیا۔ نفش کہا جاتا ہے رات کو بکریاں چرانا اور ھمل کہا جاتا ہے بغیر چرواہے کے بکریوں کا چرنا۔ "وکنا لحکمھم شاھدین" اس کا علم ہمیں ہے اور اس کو ہم دیکھتے تھے تو یہ ہم سے کیسے مخفی ہوسکتا ہے۔ فراء نے کہا کہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ جمع کا صیغہ بول کر تثنیہ کا صیغہ ہوسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس" اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس کی ماں کا کل مال کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اخوۃ سے مراد کم از کم دو بھائی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور (سارا کھیت چر گئیں) کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سے دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا جو فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا، دونوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ

السلام نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لیے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی ہوگئی۔ آپ نے سلیمان علیہ السلام کو بلوا کر فرمایا تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی نبوت اور حق پدری کا واسطہ دے کر فرمایا مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لیے سودمند ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا بکریاں کھیت والے کو دے دیجئے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجئے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہوتا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت کھیت والے کو دے دے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا۔ پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی باغ میں داخل ہوگئی۔ اس میں نقصان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باغ والے دن کے وقت اس کی حفاظت کریں (اور جانوروں والے رات کو اپنے جانوروں کی حفاظت کریں) اگر رات کے وقت کسی کا جانور کسی کو نقصان پہنچا دے تو وہ ذمہ دار ہے۔ اصحاب الرائی کا قول ہے کہ اگر جانور کے ساتھ اس کا مالک نہ ہو تو پھر مالک پر ضمان نہیں ہوگا خواہ وہ دن کو نقصان پہنچائے یا رات کو نقصان پہنچائے۔

79 "**ففهمناها سليمان**" ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس فیصلہ کا طریقہ سکھا دیا۔ "**و كلاً**" اس سے مراد داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ "**اتينا حكمًا و علمًا**" حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو فیصلہ کرنے والے ہلاک ہو جاتے لیکن ٹھیک تعریف کرنے والوں کی اللہ نے تعریف کی ہے اور اس اجتہاد کی تعریف کی ہے۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ اجتہاد سے تھا یا نص کے ساتھ، اسی کے ذریعے سے سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کیا۔ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کیا ہے اور بعض نے کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی اجتہاد کرنا جائز ہے تاکہ ان کو بھی مجتہدین کا ثواب حاصل ہو جائے۔

مگر یہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاء ہوگئی اور سلیمان علیہ السلام مصیب ہوئے اور بعض مفسرین نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے خطاء ہو جاتی ہے لیکن اس کو شمار نہیں کیا جاتا اور علماء ان اشیاء میں اجتہاد کرتے ہیں جو قرآن وسنت میں نہیں پاتے۔ پھر اگر اس اجتہاد میں غلطی واقع ہو جائے تو پھر ان پر کوئی گناہ نہیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے اپنے اجتہاد سے، اگر اس کا اجتہاد درست ہو جائے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے اور جب اس نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا اور اس میں غلطی واقع ہوگئی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت داؤد

علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وحی کے ذریعے سے فیصلہ کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے لیے ناسخ ہوتا تھا۔

بعض حضرات کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کرنے سے مستغنی ہیں کیونکہ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ اسی وجہ سے فیصلے میں کسی نبی سے غلطی واقع نہیں ہوسکتی۔ بعض حضرات اس آیت کے ظاہر سے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور حدیث میں مجتہد کے لیے ثواب کا وعدہ جب ہے کہ وہ خطاء کرلے۔ یہی اصحاب الرائی کا قول ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں بلکہ جب کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف واقع ہوجائے تو ان میں سے کوئی ایک مصیب ہوگا نہ کہ معین شخص۔ اگر ان میں سے ہر ایک شخص مصیب ہوتا تو پھر تقسیم کا کوئی معنی نہیں۔

آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان کہ مجتہد نے اپنے اجتہاد میں خطا کردی تو اس کے لیے ایک اجر ہوگا۔ اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوگا کہ اگر اس کا اجتہاد درست ہوگیا تو پھر وہ مصیب ہوگا بلکہ اجتہاد فی نفسہ عبادت ہے۔

داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دو عورتوں کے درمیان فیصلہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے دو عورتیں تھیں، ہر ایک کا ایک ایک بچہ اس کے ساتھ تھا، بھیڑیا آیا، ایک بچہ کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا، بھیڑیا تیرے بچہ کو لے گیا، میرا بچہ محفوظ ہے۔ دوسری نے اس کی تردید کی اور کہا تیرے بچہ کو لے گیا، میرا بچہ یہ ہے جو موجود ہے، دونوں جھگڑا لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے بڑی کو ڈگری دے دی اور (چھوٹی ہار گئی) اس کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہوا اور آپ سے تفصیل بیان کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس چھری لے آؤ، میں بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دوں گا، یہ سنتے ہی چھوٹی بولی آپ پر اللہ کی رحمت ہو، یہ بچہ بڑی کا ہی ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی کو دلوا دیا۔

"وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر" جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھنے باہر جاتے تو ان کے ساتھ پہاڑ پرندے بھی تسبیح پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، وہب نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قتادہ نے کہا یعنی جب داؤد علیہ السلام نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ "یسبحن" مسباحت سے ماخوذ ہے اور (سباحت کا معنی ہے تیرنا، چلنا) حضرت داؤد علیہ السلام چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آجاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ

تسبیح پڑھنے لگتے تھے تاکہ پہاڑوں کی تسبیح سن کر داؤد علیہ السلام میں ذکر الٰہی کرنے کی تازہ چستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ الطیر کا عطف الجبال پر ہے، پرندوں کی تو پھر بھی ظاہری زبان ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ بولتے ہی ہیں لیکن پہاڑوں کی کوئی زبان بظاہر نہیں ہوتی، پہاڑوں کا تسبیح خداوندی میں مشغول ہونا بہت ہی تعجب آفریں ہے۔ اسی لیے الجبال کا ذکر الطیر سے پہلے کیا۔ "وکنا فاعلین" حضرت داؤد علیہ السلام کو علم وحکمت کی فہمائش اور پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر ہمارا فعل ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ. فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ⑧⓪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ⑧①

ترجمہ: اور ہم نے ان کو (زرہ) بنانے کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھائی تاکہ وہ (زرہ) تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے سو تم شکر کرو گے بھی (یا نہیں) اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے (مراد ملک شام ہے) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں۔

تفسیر ⑧⓪ "وعلمناه صنعة لبوس لكم" لبوس ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں، عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لیے ہوتا ہے، اس جگہ لوہے کی زرہ مراد ہے۔ قتادہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اوّل آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

"لتحصنكم" تاکہ وہ صنعت یا زرہ تم کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھے۔ سدی نے کہا اسلحہ کی مار پڑنے سے تم کو محفوظ رکھے۔ "من بأسكم" تمہارے دشمن کے حملے سے۔

ابوجعفر، ابن عامر، حفص اور عاصم و یعقوب نے "لتحصنكم" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد صنعت کاریگری ہے۔ ابوبکر اور عاصم نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے "ليحصنكم الله" پڑھا ہے۔ "فهل انتم شاكرون" یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو کہا گیا اور بعض نے کہا کہ یہ اہل مکہ کو کہا گیا کہ کیا تم اب بھی شکر نہیں کرو گے، رسول اللہ کی اطاعت والی نعمت پر۔

"ولسليمان الريح عاصفة" ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، ہوا ان کے حکم کے مطابق حرکت کرتی تھی۔ ہوا کو قبضہ کرنا ہاتھ میں پکڑنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کی حرکت سے اس کا احساس ہوتا ہے۔ ریح مذکر و مؤنث بھی ہوتا ہے۔ "عاصفة" بہت تیز تند ہوا کو کہا جاتا ہے۔

سوال: بعض جگہ پر آیا ہے کہ ہوا ان کے حکم سے آہستہ اور نرم چلتی تھی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ ہوا آپ کے حکم کے تابع تھی۔ جب آپ تیز چلنے کا حکم دیتے تو وہ تیز چلتی۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کہتے کہ تیز چلے تو وہ تیز چلتی۔ "تجری بامره

الی الارض التی بارکنا فیھا" اس سے مراد شام ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے اس کے ذریعے سے کہیں چلے جاتے، پھر واپس ملک شام میں آ جاتے۔ "وکنا بکل شیء" ان کو سکھلا دیا۔ "عالمین" اپنی اچھی تدبیر کے ساتھ۔ ہم نے سکھلا دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور ہوا وغیرہ کو سلیمان علیہ السلام کے تابع بنا دینے کی غرض یہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام اپنے رب کے سامنے جھک جائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت

وہب نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن (صف بستہ) کھڑے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے مرد مجاہد تھے۔ دُنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں رواں کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہل روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لیے پہلے تختے (بصورت تخت) بچھائے جاتے، پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا، پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے، پھر حسب الحکم تند ہوا تختوں کے نیچے آ جاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی کھیتی کی طرف سے گزرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد و غبار بالکل نہ اُڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی، سبک سیر اتنی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اوّل میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔

وہب نے یہ بھی بیان کیا کہ دجلہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھا یا آدمی۔ ہم یہاں اُترے، ہم یہاں نہیں رہے، ہم رات کو یہاں نہیں رہے، صبح اصطخر سے چلے تھے، دوپہر کو یہاں قیلولہ کیا، پچھلے دن میں ان شاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام میں رہیں گے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات نے سونے اور ریشم کے تاروں سے ایک فرش بُنا تھا جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی، اس فرش کے وسط میں حضرت کے لیے سنہری منبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور منبر کے اِرد گرد سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ انبیاء علیہم السلام سونے کی کرسیوں پر اور علماء چاندی کی کرسیوں پر فروکش ہوتے تھے، اوپر سے پرندے اپنے پر پھیلائے سایہ فگن ہوتے تاکہ دھوپ کسی پر نہ پڑے کرسیوں کے گردا گرد دوسرے آدمی ہوتے اور آدمیوں کے پیچھے جنات ہوا اس فرش کو (اور فرش والوں کو) اوپر اُٹھاتی تھی اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی۔

سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے، پرندے اوپر سے سایہ کیے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اُٹھاتی تھی۔

حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے فوت ہو گئی تو آپ کو لوجہ

اللہ غصہ آ گیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کرا دیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرما دیئے، ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی سے آپ کو اُٹھا کر لے جاتی تھی، صبح کو ایلیا سے چلتے تو قیلولہ (دو پہر کا قیام) اصطخر میں کرتے، پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

ابن زید نے بیان کیا تختوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے، ہر پایہ (کھوکھلا تھا جس کے اندر ہزار خانے تھے، آپ کے ساتھ انس وجن سوار ہوتے تھے، ہر پایہ کے نیچے (اُٹھانے والے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اُٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہو جاتا تو نرم ہوا آ کر اس تخت کو اُٹھا لیتی (صبح کو چل کر) آپ دو پہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے، پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آ پہنچتے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام عراق سے صبح کو چلے، مرو میں دو پہر کو پہنچے، وہاں قیام کیا، پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی، پھر بلخ سے روانہ ہو کر ترکستان میں داخل ہوگئے۔ پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے، ہوا کے کندھوں پر یہ راستہ طے کیا اور پرندے سر پر سایہ فگن رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی دور پہنچ جاتے تھے۔ یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رُخ کیا۔ یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے، پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے، پھر یہاں سے گزر کر بلاد فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے۔ پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر دو پہر کو کسکر پہنچے، پھر شام تک ملک شام میں آ گئے، آپ کی (اصل) قرارگاہ شہر تدمر میں تھی، شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنائیں۔ چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید و زرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی تھی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

الا سلیمان اذ قال الملیک له قم فی البریة فاحددها عن العقد

وجیش الجن انی قد اذنت لهم یبنون تدمر بالصفاح والعمد

(جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اور تیزی کے ساتھ ایک تعمیر بناؤ جن کے سردار نے کہا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا۔ اس نے تعمیر بنائی تدمر شہر میں پتلے پتھروں کے ساتھ اور ستونوں کے ساتھ۔)

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿82﴾

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿83﴾

ترجمہ: اور بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمانؑ کے لئے (دریاؤں میں) غوطہ لگاتے تھے (تا کہ موتی نکال کر لا دیں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ کرتے تھے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (بعد مبتلا

ہونے مرض شدید کے) اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

تفسیر ⑧② "ومن الشیطان" اور ہم نے شیطان کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ "من یغوصون له" وہ سمندر کے نیچے داخل ہوتے اور وہاں سے موتی نکال کر لاتے۔ "ویعملون عملاً دون ذلک" اور اس کام کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ "یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل"...... "وکنا له حافظین" ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں وہ آپ کے حکم سے نکل نہ جائیں۔ زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیزوں کو تباہ نہ کر دیں۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرما دیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا، ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔

⑧③ "وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى" اور ایوب کا تذکرہ کیجئے۔ جب اس نے (مصائب میں) اپنے رب کو پکارا۔ اے رب! مجھے دُکھ لگ گیا ہے۔ نادیٰ یعنی دُعا کی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت ایوب رومی تھی، آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب ابن احرص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کی والدہ حضرت لوط بن ہاران کی اولاد میں سے تھیں۔

آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے، اللہ نے آپ کے لیے دُنیا وسیع کر دی تھی، سرزمین شام میں ایک گھاٹی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی، آپ کی ملک تھی اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے، پانچ جوڑ بیلوں کے کھیتی کرنے کے لیے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر جوڑ کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہر جٹ کا (یعنی کھیتی کرنے اور ہل جوتنے وغیرہ کا) سامان اُٹھانے کے لیے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دو دو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے۔ اللہ نے آپ کو اہل وعیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک، پرہیزگار، غریبوں پر رحم کرنے والے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں کی سرپرستی کرنے والے اور بڑے مہمان نواز تھے۔ مسافروں کو خرچ دے کر وطن تک پہنچا دیتے تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے، اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ ابلیس دوسرے مال داروں اور عزت یاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے۔ آپ کے ساتھ تین جماعتیں تھیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کی۔ ایک شخص اہل یمن میں سے تھا اس کو نغر کہا جاتا ہے اور دو شخص ان کے شہر ہی کے تھے۔ ان میں سے ایک کو یلاد اور

دوسرے کوصافر کہا جاتا ہے اور یہ سب ادھیڑ عمر کے تھے اور ابلیس سے آسمان میں رونما ہونے والا کوئی واقعہ پوشیدہ نہیں تھا، وہ دیکھ لیتا تھا، جب بھی یہ ارادہ کرتا، کوئی بات سننا چاہتا تو سن لیتا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھالیا۔ پھراس پر چار آسمانوں کو محجوب کردیا کہ وہ چار آسمانوں میں سے کسی کی بات سن نہیں سکتا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے تو باقی تین آسمان سے بھی اس کو روک دیا گیا۔ ابلیس نے سنا کہ ملائکہ حضرت ایوب علیہ السلام پر درُود بھیج رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیا۔ اس وقت سے ابلیس میں حسد اور سرکشی پیدا ہوئی۔ پھر وہ جلدی سے آسمان کی طرف گیا اور ایک جگہ رُک کر کہنے لگا۔ الٰہی! میں دیکھتا ہوں تیرے بندے ایوب (علیہ السلام) کو کہ تو نے اس پر خوب انعام کیا اور اس کا شکرادا کیا اور اس کے ساتھ عافیت والا معاملہ کیا اور تو اس کی تعریف بھی کرتا ہے۔ اگر آپ اس کو کسی تکلیف میں مبتلا کردیں تو پھر جس حالت میں آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں شکر وعبادت میں، وہ ایسی طاعت وعبادت چھوڑ دے گا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے اس کے مال پر مسلط کردیا۔ وہاں سے ابلیس مڑا اور اس سرزمین میں آ گیا۔ پھر اس نے بڑے جنوں کو جمع کیا اور بڑے بڑے شیطانوں کو جمع کیا اور ان سب کو کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی طاقت ہے، ہمیں ایوب کے مال پر مسلط کیا گیا اور اس پر ایسی مصیبت جو فنا کردینے والی ہے اور اس پر کوئی شخص صبر نہیں کرسکتا۔

عفریت جس کا تعلق شیطان سے تھا وہ کہنے لگا کہ مجھے اتنی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آگ بن کر اس کا سب کچھ جلا دوں۔ ابلیس نے اس کو کہا کہ تم اس کے اونٹ اور اس کے چرواہوں کو لے آؤ، وہ اونٹوں کو لے آیا، جب ان اونٹوں کو باندھا گیا اور لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اچانک زمین کے نیچے سے آگ نکلی، اس آگ کے قریب کوئی نہیں جاسکتا تھا، جو بھی اس کے قریب جاتا آگ اس کو جلا ڈالتی۔ اس آگ نے باڑے کے اندر تمام اونٹوں کو جلا دیا۔ یہاں تک کہ آخری اونٹ بھی جل کر راکھ ہوگیا۔ پھر اللہ کا دشمن بری شکل لے کر آیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوگیا، اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ اس نے کہا اے ایوب! (علیہ السلام) آگ آئی، اس نے تمہارے سارے اونٹوں کو گھیراؤ میں ڈالا اور سب کو جلا کر راکھ کردیا۔ اس کے جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا **"الحمدللّٰہ الذی ھو اعطاھا وھو اخذھا"** تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ مال عطا کیا اور اس کو لیا۔ اس کے علاوہ میں اور میرا مال بھی ایک دن فناء ہوجائے گا۔ اس پر ابلیس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ نازل کی اس سے سب کچھ جل گیا اور اس نے لوگوں کو حیران زدہ چھوڑ دیا اور پھر ان لوگوں میں سے بعض کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) حضرت ایوب علیہ السلام جس کی عبادت کررہے ہیں وہ دھوکہ ہی ہے اور ان میں سے بعض یہ کہتے کہ اگر ایوب علیہ السلام کا خدا قادر ہوتا (نعوذ باللہ) تو وہ اس آگ سے ان کے مال کو بچاتا اور ان میں سے بعض یہ کہتے، یہ اس کے ساتھ ایسا اس لیے ہوا تاکہ اس کے دشمن ہنسیں اور اس کے دوست غمزدہ ہوجائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا کہ **"الحمدللّٰہ حین أعطانی وحین نزع منی"** تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ مال عطا کیا اور

جس نے مجھ سے چھینا۔ اس نے مجھے اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا کیا اور ننگا قبر میں جاؤں گا اور ننگا ہی قیامت کے دن اُٹھایا جاؤں گا۔ یہ بات میرے لیے مناسب نہیں کہ وہ مجھے کوئی چیز عطا کرے تو میں خوش ہوں اور مجھ سے کوئی چیز چھین لیے تو میں صبر نہ کروں۔ اللہ ہی اس کو خوب بہتر جانتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے کہ بندے کے لیے کونسی چیز بہتر ہے تو اس کو ہمارے لیے خوشی کا سامان کر دیتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے کہ یہ چیز میرے بندے کے لیے شر ہے وہ اس کو لے لیتا ہے۔

یہ سن کر ابلیس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، ذلیل و رسوا ہو کر، ان کو کہا کہ تمہارے ساتھ کیا قوت ہے، میں ایوب علیہ السلام کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا سکا۔ عفریت نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی قوت ہے کہ میں اگر چیخ ماروں تو میری چیخ ذی روح میں سے جو بھی سن لے گا وہ مر جائے گا۔ ابلیس نے کہا کہ بھیڑ اور ان کے چرواہوں کو لے آؤ۔ پھر وہ چلا گیا اور ان کے درمیان پہنچ گیا اور اتنی زوردار چیخ ماری کہ سب ذی روح مر گئے حتیٰ کہ چرواہے بھی اس چیخ سے مر گئے۔ پھر ابلیس چرواہے کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا، وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے آپ علیہ السلام کو پہلے کی طرح کہا۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ پھر ابلیس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بتاؤ!

تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا۔ ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اُڑا کر لے جائے گی۔ ابلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا، خبیث جن چلا گیا اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اُڑا کر لے گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھیتی باڑی کے منیجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا، آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ابلیس نے وہی پہلے والی بات کی اور آپ نے بھی وہی سابقہ کا جواب دے دیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جما لیا، آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور ابلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا، الٰہی! ایوب علیہ السلام جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لیے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط عطا فرما دے گا، یہ مصیبت ایسی ہے جس پر (بڑے بڑے) آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا (جا) میں نے تجھے ایوب علیہ السلام کی اولاد پر دسترس عطا کی، دشمن خدا چلا آیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد ایک قصر کے اندر تھی۔ ابلیس نے اس قصر کے در و دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا۔ دیواروں کو باہم ٹکرا دیا، لکڑیاں اور پتھر اوپر سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اُٹھا کر اُلٹ دیا، سب لوگ سرنگوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، خود بھی اس وقت زخمی تھا، چہرے پر خراشیں تھیں، خون بہہ رہا تھا، جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، پیٹ پھٹ گئے تھے، انتڑیاں بکھری پڑی تھیں، اسی حالت میں قصر اُلٹ گیا اور سب اُلٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ابلیس برابر اسی طرح

کے (دردناک) الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب علیہ السلام سنتے رہے۔ آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹھی خاک اپنے سر پر ڈالی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوب علیہ السلام کی بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا۔ اُدھر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ واستغفار کی اور آپ علیہ السلام کی توبہ واستغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پہنچنے سے پہلے ہی جا پہنچے اور بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دی، اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا (ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہوگئی) ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ الٰہی تو نے ایوب علیہ السلام کو تندرستی دی ہے، جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال واولاد دوعنایت کر دے گا۔ اس لیے مال واولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کر دے گا (تو اس کا قدم ڈگمگا جائے گا) اللہ نے فرمایا، جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر تیرا تسلط نہیں ہے، زبان ودل کے علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کر دیا گیا۔

اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لیے عطا فرمایا تھا کہ ایوب علیہ السلام کے ثواب میں اضافہ ہو، صبر کرنے والوں کے لیے مثال ہو۔ ہر دُکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور با اُمید ثواب ہر اذیت پر ان کو صبر ہو۔ اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب علیہ السلام اس وقت سجدے میں تھے، سر اُٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آ گیا اور چہرے کی طرف سے آ کر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوب علیہ السلام کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے دمبل نکل آئے جیسے بکری کی کلیجی اور ان میں کھجلی پیدا ہوگئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ناخنوں سے اس کو کھجانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے، پھر کھردرے ٹاٹ سے کھجایا، ٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، پھر نوک دار کھردرے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھجایا اور اتنا کھجایا کہ گوشت کٹنے لگا۔ بودینے لگا، سڑ گیا۔ بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک کوڑے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا، صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب نے ساتھ دیا۔ بعض نے رحمت کو حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی صاحبزادی کہا ہے۔ رحمت آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں۔ جب حضرت کے تینوں رفقاء الیفن، یلدو اور صافر نے حضرت ایوب علیہ السلام کی یہ ابتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے اور (شرعی جرم کرنے کی) آپ پر تہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرات ان کے پاس آئے اور خوب سخت سست کہا اور کہنے لگے آپ کو اللہ کی طرف سے یہ گناہ کی سزا دی گئی، اللہ سے توبہ کیجئے۔

راوی کا بیان ہے ایک نوجوان مؤمن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا اے عمر رسیدہ لوگو! آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کلام بہترین رائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے، کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توہین اور بے عزتی کی، وہ کیسی شخصیت ہے جس پر تم نے عیب تھوپے اور نکتہ چینی کی، کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے، اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے، پھر تم کو یہ بھی نہیں معلوم اور نہ

اللہ نے تم کو بتایا ہے کہ جب سے ایوب علیہ السلام کو پیغمبری ملی کبھی بھی اللہ نے اس کی کسی حرکت کو ناپسند کیا ہو یا جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا ہو، نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم اس کے ساتھ ہوئے ہو کبھی بھی آج تک اس نے اللہ کے سلسلہ میں کوئی ناحق بات کہی جس (دُکھ اور تکلیف) کو تم ایوب علیہ السلام کے لیے اپنے خیال میں باعث تذلیل وتحقیر سمجھتے ہو (وہ ایسا نہیں ہے) اللہ اپنے پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کو دُکھ میں مبتلا کرتا چلا آیا ہے، اس کی طرف سے یہ دُکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہو گئے بلکہ یہ امر تو ان کے لیے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوب علیہ السلام اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہیں بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو، مدت تک تم ان کے ساتھ رہے ہو) اور کسی دانش مند کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت وملامت کرے، وہ تو خود غم رسیدہ اور دُکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنی اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں، کسی طرح درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے، اس کے رونے میں شرکت کی جائے، اس کے لیے دُعائے مغفرت کی جائے اور جو تدبیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔ دانش منداور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جو ان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو! اللہ کی عظمت وجلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلیغ البیان، دانش مند اور عالم ہیں نہ گونگے ہیں نہ بیان سے عاجز، اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے۔ جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں (ماسوا کے تذکرے سے) کٹ جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش وحواس پراں ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب (ان کو ہوش آتا ہے اور) استقامت حال نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطا واروں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصور واروں اور گنہگاروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ بڑے دانش منداور اصحاب قوت ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اس نوجوان کی یہ تقریر سن کر فرمایا، اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی تخم پاشی کرتا ہے، پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اس کو ظاہر فرما دیتا ہے، حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر، اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خداداد ہے اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے رب کی طرف رُخ کر کے فریاد وزاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب! تو نے مجھے کس لیے پیدا کیا، کاش تو نے مجھے پیدا

نہ کیا ہوتا، اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کون سی خطا ہو گئی اور میں نے کون سا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رُخ میری طرف سے پھیر لیا۔ اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباء واجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لیے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لیے قیام گاہ اور مسکینوں کے لیے قرارگاہ نہیں بنا ہوا تھا؟

کیا میں یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سرپرست نہیں تھا؟ الٰہی میں تیرا بندہ ہوں، اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے تو نے مجھے مصیبتوں کی آماجگاہ اور دُکھوں کا نشانہ بنا دیا، مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اُٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے؟ تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بدحال بنا دیا اور میرے جسم کو دُبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں، پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو اُمید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بچاؤ عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا واعلیٰ ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے، میں اسے نہیں دیکھتا، وہ میری بات سنتا ہے، میں اس کی آواز نہیں سنتا، اس کی نظر (عنایت) میری طرف نہیں، نہ وہ مجھ پر رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی برأت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یکدم ایک بادل چھا گیا، ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اُٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی برأت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اُٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتور کا دفاع کرتا ہے۔ اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو، اے ایوب! تیرے نفس نے تجھے آرزومند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا؟ کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس اندازے سے اس کو بنایا؟ کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا؟ کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اُٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے؟ تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ اوپر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان سے بندھا لٹک رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اُٹھائے ہوئے ہیں، کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہا دے یا ستاروں کو چلا دے؟ کیا تیرے حکم سے رات ودن کا ادل بدل ہو رہا ہے؟ جس روز دریاؤں کے فوارے میں نے (زمین سے) نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو تو کہاں تھا؟ کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں؟ یا مدت حمل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے؟ جب میں نے پانی کو خاک پر روکا تھا اور اونچے پہاڑ برپا کیے تھے تو کہاں تھا؟ کیا تجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے؟ یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے، کیا تیرے پاس ایسی کلائیاں ہیں جو ان کا بوجھ اُٹھا

سکیں؟ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اُتارتا ہوں وہ کہاں سے آتا ہے؟ کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے؟ برف کا خزانہ کہاں ہے؟ اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں؟ دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے؟ اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہے؟ درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں؟ کس نے انسان کے جوف (سینہ یا پیٹ یا سر) میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کے یہ شگاف بنائے؟ فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی قہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آثارِ قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

ایوب علیہ السلام کا بارگاہ الٰہی میں دعا

ایوب علیہ السلام نے عرض کیا، الٰہی جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے (اور جواب دینے) سے (میری حالت اور) میرا مرتبہ حقیر ہے۔ میری زبان گنگ ہوگئی، میری عقل اور دانش کند ہوگئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی۔ اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا، وہ تیرے ہی دست قدرت کی کاریگری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر حکمت و صنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے، کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی، کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، میرے معبود مجھ پر دُکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا، مصیبت نے ہی میری زبان چلا دی۔ کاش! زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی۔ کاش! اس سے پہلے ہی سخت ترین دُکھ سے پیدا ہونے والے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا۔ میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لیے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرمالے اور خاموش رہا تو اس لیے کہ تجھے مجھ پر رحم آ جائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور دانتوں کے نیچے زبان دبالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اور سخت دکھ سے تیرے ہی جوارِ رحمت کا خواستگار ہوں، مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لیے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں۔ میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلب گار ہوں، میری مدد کر، میں تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں، میرا کام پورا فرما دے، میں تیرے ہی ذریعہ سے بچاؤ کا خواہاں ہوں، مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف فرما دے، میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کی قبولیت اور خوشخبری

اللہ نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا، تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، میں نے تیرا قصور معاف کیا، تیرے اہل و عیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید

تجھے دے دیا تا کہ پیچھے آنے والوں کے لیے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لیے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لیے باعث عزت ہو جائے، اپنی ایڑی زمین پر مار (دیکھ) یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اس میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کرا اور ان کے لیے دُعائے مغفرت کر، انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے (یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے) حسب الحکم ایوب علیہ السلام نے زمین پر اپنی ایڑی ماری، فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب علیہ السلام نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دُکھ دور کر دیئے، آپ چشمہ سے نکل کر آ کر بیٹھ گئے، اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آ گئی اور ایوب علیہ السلام جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پا کر متحیر دیوانی ہو کر اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگی۔ آخر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب علیہ السلام سے ہی پوچھنے لگی، اللہ کے بندے! تم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا، ایوب علیہ السلام نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں، یہ کہہ کر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور (دوڑ کر) گلے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبداللہ (بن عباس) کی جان ہے، بی بی ایوب علیہ السلام کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے مویشی اور اولاد (جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہو کر) ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اس کا تذکرہ آیت ذیل میں ہے۔

83 "وايوب اذ نادىٰ ربه أنّي مسني الضر" وقت ندا میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ پکارنے کا سبب یہی تھا کہ ان کو تکلیف پہنچی اور اس کی مدت تکلیف میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کتنے عرصے بعد دُعا کی

ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں آٹھ سال تک رہے۔ وہب کا بیان ہے کہ پورے تین سال مبتلا رہے۔ ایک دن بھی زائد نہیں ہوا۔ کعب احبار کے نزدیک حضرت ایوب علیہ السلام سات سال آزمائش میں مبتلا رہے۔ حسن بصری کے نزدیک حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ بنی اسرائیل کے کوڑے پر پڑے رہے، آپ کے بدن میں کیڑے رینگتے تھے۔ سوائے بی بی رحمت کے کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا۔ صرف رحمت آپ کے ساتھ جمی رہیں، آپ کے لیے کھانا لاتی تھیں اور جب ایوب علیہ السلام اللہ کی حمد کرتے تھے تو بی بی بھی حمد میں شریک ہوتی تھی، اس حالت میں بھی ایوب علیہ السلام ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے۔ ابلیس یہ بات دیکھ کر چیخ پڑا اور اطراف زمین سے اپنے تمام لاؤ لشکر کو بلا کر جمع کر کے کہنے لگا، مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے نہ میں نے اس کا مال چھوڑا نہ اولاد۔ اس حالت میں بھی یہ صبر کرتا رہا بلکہ پہلے سے زیادہ اس نے صبر کا اظہار کیا، پھر مجھے اس کے بدن پر بھی اختیار مل گیا تو میں نے اس کے بدن کو پھوڑا بنا کر چھوڑ دیا کہ یہ کوڑے پر پڑا رہتا ہے اور سوائے اس کی بیوی کے اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا ہے۔ اب میں تم سے فریاد کرتا ہوں تم ہی میری مدد کرو، اب میں کیا کروں؟ ابلیس کے ساتھیوں نے کہا وہ تدبیر کیا ہوئی جس کی وجہ سے آپ

نے گزشتہ لوگوں کو برباد کر کے چھوڑا۔ ابلیس نے کہا وہ ساری تدبیریں بیکار گئیں، مجھے کچھ اور مشورہ دو، ساتھیوں نے کہا آدم علیہ السلام تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو جنت سے نکال دیا ہے۔ ابلیس نے کہا میں نے اس کی عورت کا ذریعہ اختیار کیا تھا، ساتھیوں نے کہا تو اب بھی ایوب علیہ السلام کے سلسلے میں اس کی عورت کے ذریعے سے کچھ تدبیر کیجئے، ایوب علیہ السلام بیوی کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا اور بیوی کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس جاتا نہیں ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تمہارا مشورہ ٹھیک ہے، اس کے بعد ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس پہنچا اور مرد کی شکل میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دریافت کیا، اللہ کی بندی تیرا شوہر کہاں ہے؟ بیوی نے کہا وہ یہی تو ہیں جو اپنے پھوڑوں سے خارش کر رہے ہیں اور ان کے بدن پر کیڑے رینگ رہے ہیں، شیطان نے بی بی کے منہ سے یہ بات سنی تو اس کو اُمید ہوئی، اس نے خیال کیا کہ شاید یہ الفاظ بے صبری کے ہوں۔ چنانچہ اغوا کے طور پر ان کی بیوی کو وہ دور یاد دلایا جس سے وہ گزر چکی تھی، مویشیوں کا اور مال کا تذکرہ اور حضرت ایوب علیہ السلام کے گزشتہ شباب کا تذکرہ کیا اور موجودہ دُکھ اور تکلیف کا بھی بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ دُکھ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ سن کر بی بی چیخ پڑی، ان کی چیخ سن کر ابلیس سمجھ گیا کہ اب اس عورت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ایک بکری کا بچہ بی بی کو لا کر دیا اور کہا کہ ایوب علیہ السلام کو چاہیے کہ اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دے، اس طرح وہ تندرست ہو جائے گا۔ بی بی حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف لوٹیں اور چیختی ہوئی آئی۔ ایوب علیہ السلام کب تک آپ کا رب آپ کو دُکھ دیتا رہے گا، مال کہاں گیا، اولاد کہاں گئی، دوست کہاں گئے؟ آپ کا خوب صورت رنگ کیا ہوا، آپ کا حسین جسم کہاں چلا گیا؟ بکری کے اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیجئے؟ یہ دُکھ جاتا رہے گا، آپ آرام سے ہو جائیں گے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، دشمن خدا تیرے پاس جا پہنچا اور تیرے اندر اس نے پھونک ماردی، تیرا برا ہو یہ تو بتا کہ جس مال مویشی، اولاد اور صحت پر تو رو رہی ہے وہ کس نے دی تھی؟ بی بی نے کہا اللہ نے، ایوب علیہ السلام نے کہا اور کتنے زمانے تک ہم مزے اُڑاتے رہے؟ بی بی نے کہا اسّی برس تک، ایوب علیہ السلام نے کہا اب کتنے زمانے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ بی بی نے کہا سات برس اور چند ماہ سے۔ ایوب علیہ السلام نے کہا تو کیا یہ تیرے انصاف کی بات ہوئی، اگر تو اسّی برس تک مصیبت نہ جھیلے جس طرح ہم اسّی برس تک راحت سے بہرہ اندوز رہے، اگر اللہ نے مجھے شفا دے دی تو میں خدا کی قسم! تجھے سو تازیانے ماروں گا تو مجھے مشورہ دے رہی ہے کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کروں تو جو کھانا پینا لے کر آئی مجھ پر حرام ہے اور آئندہ جو کچھ تو لے کر آئے گی اس کو چکھنا بھی میرے لیے حرام ہے، میرے پاس سے تو الگ ہو جا، مجھے صورت نہ دکھا۔ غرض ایوب علیہ السلام نے بی بی کو نکال دیا اور وہ چلی گئی۔ اس کے بعد جب حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھا کہ اب تو میرے پاس نہ تو کچھ کھانے کو ہے، نہ پینے کو، نہ میرا کوئی دوست ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور دُعا کی اے میرے رب! مجھے دُکھ لگ گیا۔

"وانت ارحم الراحمین" ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا سر مبارک اُٹھائیں۔ اللہ نے آپ کی دُعا قبول کر لی۔ آپ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، اس سے چشمہ پیدا ہوا، حکم ہوا کہ اس چشمے سے غسل فرمائیں۔ غسل کرتے ہی آپ کی ظاہری

بیماری ختم ہوگئی اور جوانی واپس لوٹ آئی اور اسی طرح خوبصورت ہوگئے۔ پھر دوسرے پاؤں سے زمین پر مارا تو دوسرا چشمہ اُگل پڑا۔ اس سے انہوں نے پیا تو کوئی بیماری باقی نہیں رہی اور آپ علیہ السلام صحیح سلامت کھڑے رہے اور اس کے بعد آپ نے لباس زیب تن کیا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال واولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو دُگنا کردیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہوگئی کہ جس پانی سے آپ غسل کررہے تھے اس کی چھینٹیں جب سینے پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام ان کو پکڑنے کے لیے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی، ایوب کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کردیا، آپ علیہ السلام نے عرض کیا، بے شک تو نے مجھے غنی بنادیا لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہوسکتا ہے۔

پھر آپ علیہ السلام وہاں سے جاکر ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے۔ ادھر بیوی نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ایوب علیہ السلام نے مجھے نکال ہی دیا ہے تو پھر بھی میں کس کے بھروسے پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں۔ یوں وہ بھوکے مرجائیں گے اور ان کو درندے کھا جائیں گے۔ یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ کوڑا ملا اور نہ ہی گزشتہ حالت کا نشان، سب اشیاء بدل گئی تھیں۔ جہاں پہلے کوڑا تھا بیچاری چکر کاٹنے اور رونے لگی۔ یہ سب واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے ہوا اور چونکہ آپ اچھا لباس پہنتے تھے اس لیے وہ بی بی آپ کے پاس آکر پوچھنے سے ڈر رہی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا، اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے؟ بی بی رونے لگی اور کہا یہاں کوڑے پر ایک بیمار پڑا تھا، مجھے اس کی تلاش ہے، معلوم نہیں کہ وہ مرگیا یا کیا اس کو واقعہ پیش آیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا وہ تمہارا کیا تھا؟ بی بی نے روکر کہا وہ میرا شوہر تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا کہ اگر اس کو تو دیکھ لے تو پہچان لے گی؟ بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچانا نہ ہو، پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، میں ہی ایوب ہوں جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کہا نہ مانا، میں نے اللہ سے دُعا کی، اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کردے دیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

وہب کا بیان ہے ایوب علیہ السلام برسوں دُکھ میں رہے اور ابلیس پر غالب آئے اور شیطان ان پر بالکل قابو نہ پاسکا تو ایک گھوڑے پر سوار ہوکر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا، ظاہری شکل آدمی کی بنائی تھی لیکن عجیب ہیبت تھی۔ دوسرے آدمیوں سے جسم، قد اور حسن کے لحاظ سے بالکل ممتاز تھا اور گھوڑے کی جسامت نظر فریبی اور اعضاء کی مکمل ساخت بھی دوسرے گھوڑوں سے اعلیٰ تھی۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی اِدھر سے گزری تو شیطان نے اس سے کہا کیا تم اس دُکھی ایوب کی بیوی ہو؟ بیوی نے کہا ہاں شیطان نے کہا کیا تم مجھے پہچانتی ہو، بیوی نے کہا نہیں، شیطان نے کہا میں زمین کا دیوتا ہوں، میں نے ہی ایوب علیہ السلام کا یہ حال کر رکھا ہے کیونکہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پوجا کی تھی اور مجھے ناراض کردیا تھا، اب بھی اگر وہ مجھے ایک سجدہ بھی کرلے تو میں نے ایوب کا جو مال واولاد لے لی ہے وہ تم دونوں کو لوٹا دوں گا، وہ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر شیطان نے وادی کے اندر عورت کو تمام وہ جانور دکھادیئے جو مرچکے تھے۔ وہب کا

بیان ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابلیس نے زوجۂ ایوب۔ سے یہ بھی کہا کہ اگر تیرا آدمی بغیر بسم اللہ کیے کھانا کھالے گا تو اس کو تندرست کردیا جائے گا اور جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ دُکھ دور کردیا جائے گا۔

ابلیس کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس آنے کا واقعہ

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا تو مجھے ایک سجدہ کرلے، میں تیرا مال و اولاد واپس کردوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنادوں گا۔ عورت نے واپس آ کر حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع دی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لیے آ پہنچا۔ پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کردے گا تو میں سو تازیانے تیرے ماروں گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چکا ہے کہ آپ کی بیوی اس کو سجدہ کرلے گی اور اس نے بیوی کو اور مجھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرأت کی ہے اس وقت آپ نے دُعا کی ''رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ'' چونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا، اس لیے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لیے حکم میں تخفیف کردی اور حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بتادی کہ (سوشاخوں کا) ایک گٹھا لے کر ایک دم رحمت کے ماردو، اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سوشاخوں کا ایک گٹھا بنا کر بیوی کے ایک مرتبہ ماردیا۔ ''**وخذ بیدک ضغثًا فاضرب به ولا تحنث**''

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس ایک صندوقچہ میں دوائیں بھر کر (طبیب کی ہیئت بنا کر) حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے راستہ میں آ کھڑا ہوا۔ بی بی اِدھر سے گزری اور طبیب کو دیکھا تو اس سے کہا میرا ایک بیمار ہے، کیا تم اس کا علاج کردو گے۔ ابلیس نے کہا ہاں علاج کردوں گا اور اس کے سوا اور کسی معاوضہ کا طلبگار بھی نہیں ہوں گا کہ جب میں اس کو تندرست کردوں تو اتنا کہہ دے کہ تم نے مجھے صحت مند کردیا۔ بیوی نے جا کر حضرت ایوب علیہ السلام سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا وہ ابلیس ہے جس نے تجھے فریب دیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے شفا عطا فرمادی تو میں تیرے سو قمچیاں ماروں گا۔

وہب وغیرہ کا بیان ہے کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کچھ محنت مزدوری کر کے ایوب علیہ السلام کے لیے کھانا لے آتی تھی۔ جب ایوب علیہ السلام کا دُکھ اور بڑھ گیا تو لوگوں نے آپ کی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ایک روز تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کسی نے اس کو کام پر لگایا ہی نہیں، دن بھر اس نے کام کی تلاش کی مگر کوئی کام نہیں ملا، مجبوراً اس نے اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک روٹی کے عوض اس کو بیچ ڈالا۔ روٹی لے کر ایوب علیہ السلام کے پاس آئی تو آپ نے پوچھا، سر کی لٹ کیا ہوئی؟ بی بی نے واقعہ بیان کردیا، اس وقت آپ نے کہا ''مَسَّنِیَ الضُّرُّ''، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے، جب زخموں کے کیڑے آپ کے دل اور زبان کی طرف جانے لگے تھے، آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اللہ کے ذکر و فکر سے بھی جاؤں گا۔

حبیب بن ثابت نے کہا جب تین باتیں حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آ گئیں۔ اس وقت مجبوراً آپ نے "مَسَّنِيَ الضُّرُّ" کہا۔ ❶ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی اطلاع پا کر آپ کے دو دوست آئے اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور عام حال بھی برا ہے، کہنے لگے، اگر اللہ کے ہاں تمہارا کچھ بھی مرتبہ ہوتا تو یہ دُکھ تم کو نہ پہنچتا۔

❷ بیوی نے آپ کے لیے کھانا تلاش کیا لیکن قیمت موجود نہ ہونے کی وجہ سے میسر نہ آیا، مجبوراً اپنا ایک گیسو کاٹ کر (فروخت کر کے اس کی قیمت سے) کھانا لے کر آئی اور آپ کو کھلایا۔ ❸ ابلیس نے کہا تھا کہ میں ایوب علیہ السلام کا علاج کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ شفاء پانے کے بعد وہ یہ اقرار کر لے کہ تو نے مجھے تندرست کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ (شاید) بیوی نے حرام زنا کیا اور گیسو کاٹ دیا اور اس وسوسہ کے پیدا ہونے پر آپ کے لیے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور بیوی کو بلا کر بقسم کہا کہ میں تیرے سو تازیانے ماروں گا اور پھر دُعا کی۔

"مَسَّنِيَ الضُّرُّ" کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ دشمنوں کی شماتت کا مجھے دُکھ لگ گیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ تندرست ہو جانے کے بعد جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصیبت کے زمانے میں سب سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز آپ کے لیے کیا تھی، فرمایا میرے دُکھ پر دشمنوں کا خوش ہونا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ ایک کیڑا ران سے نیچے گر گیا، آپ نے اس کو اُٹھا کر پھر اس کی جگہ (ران میں) رکھ دیا اور فرمایا کیا مجھے اللہ نے تیری غذا بنایا ہے اس وقت کیڑے نے ایسا کاٹا کہ جتنے کیڑوں نے اس سے پہلے کاٹا تھا سب کی تکلیف سے اس کیڑے کے کاٹنے کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے (بے ساختہ) "مَسَّنِيَ الضُّرُّ" کہا۔

سوال: اللہ نے تو ایوب علیہ السلام کو صابر کے خطاب سے سرفراز فرمایا حالانکہ اپنے دُکھ کا شکوہ کیا اور بے صبری کا مظاہرہ کیا "اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ" بھی کہا اور "مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ" بھی فرمایا؟

جواب: یہ شکایت نہ تھی دُعا تھی کیونکہ اللہ نے اس دُعا کے سلسلہ میں فرمایا: "فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ" ہم نے اس کی دُعا قبول کی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جزع اور بے صبری تو مخلوق سے بیماری کی شکایت کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اللہ سے بیماری کے اظہار کا نام جزع اور بے صبری نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: "اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ" میں اللہ سے اپنے اندرونی اندوہ و غم کا شکوہ کرتا ہوں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلہ خداوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دُکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے (بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے) جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے مزاج کیسا ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ امام احمد نے حضرت (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے) بیان کیا کہ بقیع سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دُکھ تھا (یعنی درد سر تھا) میں نے کہا ہائے سر۔ فرمایا (تم ہی نہیں) میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔ الحدیث)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور (بلا استدعا) ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

تفسیر: ﴿۸۴﴾ "فاستجبنا له فكشفنا مابه من ضرٍّ" تکلیف سے ان کو دور اس طرح کیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ جب انہوں نے پاؤں زمین پر مارا تو ایک چشمہ جاری ہوگیا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، ان کو حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کریں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری بیماری کو دور کر دیا۔ پھر چالیس قدم چلے، پھر حکم ہوا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، حضرت نے ایسا ہی کیا، پھر چشمہ نکل پڑا، حکم ہوا کہ اس چشمہ سے پئیں۔ جب انہوں نے اس چشمہ سے پیا، اندرونی تمام بیماریاں ختم ہوگئیں۔ پھر اس کے بعد تمام لوگوں سے حسین و جمیل ہوگئے۔ "واٰتینٰه اهله ومثلهم معهم" اس بارے میں مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم، قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے بعینہ وہی (مرے ہوئے) اہل وعیال زندہ کر دیئے تھے اور اتنے ہی اور بھی عطا فرما دیئے تھے۔ ظاہر آیت اسی تفسیر پر دلالت کر رہی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اتنے ہی مویشی اور اولاد اسی مویشی اور اولاد کی نسل سے پیدا کر دیئے (جن کو مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کیا تھا) اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتی ہے جو بروایت ضحاک آیا ہے کہ اللہ نے اس بیوی کو دوبارہ جوان کر دیا اور اس کے بطن سے اس کے بعد چھبیس (۲۶) لڑکے پیدا ہوئے۔ وہب نے کہا سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ابن یسار نے کہا حضرت ایوب علیہ السلام کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو خرمن تھے۔ ایک گیہوں کا دوسرا جَو کا۔ اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں، ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہا دی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا، اللہ نے آپ کو آپ کے صبر کی وجہ سے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے خرمن کو باہر نکل کر دیکھو۔ حسب الحکم آپ باہر نکلے، اللہ نے آپ کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں۔

ایک ٹڈی جو اُڑی تو ایوب علیہ السلام نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر واپس لے آئے۔ فرشتے نے کہا جو کچھ (ٹڈیاں) خرمن کے اندر ہیں کیا وہ آپ کے لیے کافی نہیں تھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا یہ تو میرے رب کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور میں اپنے رب کی نوازشوں سے سیر نہیں ہوسکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مویشی اور اہل وعیال مر چکے تھے، اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا بلکہ ان جیسے دوسرے عطا فرما دیئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تیری اولاد آخرت میں تجھے ملے گی۔ اب اگر تو چاہتا ہے تو ہم اس دُنیا میں تیرے پاس بھیج دیں اور اگر تیری خواہش ہو تو وہ اولاد آخرت

میں تیرے لیے رکھ دیں اوران کی مثل ویسی ہی اولاد تجھے دُنیا میں دے دیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے آخری شق کو پسند کیا کہ مرنے والی اولاد تو آخرت میں عطا کردی جائے اور ان کی مثل دوسری اولاد دُنیا میں مل جائے۔ اس روایت کے بموجب آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے ایوب کو اس کی (مرجانے والی) اولاد تو آخرت میں عطا کرنے کے لیے رکھ لی اور انہی کی طرح دوسری اولاد دُنیا میں مرحمت فرمادی۔ آیت میں اہل سے مراد ہے اولاد۔

"رحمة من عندنا" ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی طرف سے نعمت سے نوازا۔ "وذکریٰ للعابدین" نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے اور عبرت ہے دوسرے لوگوں کے لیے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَاالْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿85﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿86﴾ وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿87﴾

ترجمہ اور اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے (یہ) سب (احکام الٰہیہ پر) ثابت قدم رہنے والے لوگوں سے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت (خاصہ) میں داخل کرلیا تھا بیشک یہ کمال صلاحیت والے لوگوں میں تھے اور مچھلی والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دارو گیر نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں۔

تفسیر 85 "واسماعیل" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے (و ادریس) یعنی اخنوخ "وذالکفل کل من الصابرین" اللہ کے حکم پر۔

ذالکفل کون تھے؟

ذالکفل کون تھے؟ پیغمبر تھے یا نہ تھے، اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سامنے اپنی حکومت رکھئے اور جو شخص اس بات کی ذمہ داری لے کہ وہ رات میں نماز پڑھے گا، سستی نہیں کرے گا اور دن کو ہمیشہ روزے رکھے گا، کسل نہیں کرے گا اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے گا، اس کو غصہ نہیں آئے گا، اس کو حکومت سپرد کردیجئے۔ پیغمبر نے بنی اسرائیل کے سامنے معاملہ رکھا، مجلس میں سے ایک جوان اُٹھا اور عرض کیا، میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں، اس جوان نے ذمہ داری قبول بھی کرلی اور اس کو پورا بھی کیا اور اللہ نے بھی اس کی قدر افزائی کی اور اس کو نبوت سے سرفراز فرمادیا، اسی جوان کا نام ذوالکفل ہوا۔

مجاہد نے کہا جب الیسع پیغمبر بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کسی کو اپنی جگہ مقرر کرنا چاہا لیکن یہ طے کر لیا کہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا پورا کام سپرد کر کے دیکھ لوں کہ وہ لوگوں کا انتظام کیسے کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جو شخص میری تین باتیں پوری کرنے کی ذمہ داری لے گا، میں اپنا کام اس کے سپرد کروں گا۔ ❶ ہمیشہ دن کو روزہ رکھے۔ ❷ رات کو نماز پڑھے۔ ❸ اور (لوگوں کے معاملات طے کرنے میں) غصہ نہ کرے۔

یہ سن کر ایک شخص جو دیکھنے میں حقیر سا معلوم ہوتا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ حضرت الیسع نے اس کو قبول نہیں کیا، پھر دوسرے روز بھی یہی اعلان کیا۔ اس وقت بھی سب لوگ خاموش رہے، صرف وہی جوان کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ آخر الیسع نے اس کو اپنا جانشین بنا دیا۔ جب یہ خلیفہ اپنی خوابگاہ میں قیلولہ کرنے کے لیے پہنچا اور دن رات میں وہی وقت اس کے سونے کا تھا، فقط قیلولہ کے وقت ہی وہ ایک نیند لے لیتا تھا۔ اچانک ایک کمزور بوڑھے کی شکل میں ابلیس آ پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ نے پوچھا کون ہے؟ ابلیس نے جواب دیا ایک بہت بوڑھا مظلوم، خلیفہ نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھے نے کہا میرے اور میری قوم کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ حرکتیں کی ہیں۔ بوڑھے نے اپنی بات کو اتنا طول دیا کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا اور پچھلا دن آ گیا۔ خلیفہ نے کہا شام کو جب میں جاؤں گا تو تیرا حق دلوا دوں گا، ابلیس چلا گیا اور خلیفہ پچھلے دن میں جب اپنی مجلس میں پہنچا تو اس بوڑھے کو تلاش کرنے کے لیے اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ دوسرے دن صبح کو بھی جب خلیفہ نے لوگوں کے مقدمات طے کرنے کے لیے اجلاس کیا، تب بھی بوڑھے کو تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اجلاس کے بعد قیلولہ کرنے کے لیے جب اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو بوڑھے نے دروازہ کھٹکھٹایا، خلیفہ نے دروازہ کھول دیا، بوڑھا آ گیا، خلیفہ نے کہا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ جب اجلاس کروں اس وقت آنا، بوڑھے نے کہا وہ بہت برے لوگ ہیں، جب آپ اجلاس میں بیٹھے تھے اور ان کو معلوم ہو گیا تو انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے اور جب آپ اجلاس سے اُٹھ گئے تو انہوں نے اداءِ حق سے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا اب تو جا پھر جس وقت میں پچھلے دن میں اجلاس کروں تو میرے پاس آنا، اس گفتگو میں اس دوپہر کا آرام بھی خلیفہ کا جاتا رہا اور پچھلے دن میں جب وہ مجلس میں لوٹے تو بوڑھے کو اِدھر اُدھر دیکھنے لگے لیکن کسی کو نہ پایا، پھر اونگھ سے مغلوب ہو گئے تو (تیسری دوپہر کو) خلیفہ نے گھر والے (خادم) کو حکم دیا کہ کسی کو دروازے کے قریب آنے کی بھی اجازت نہ دینا تا کہ میں سو جاؤں، میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو رہا ہے۔

غرض جب (سونے) کا وقت آیا تو وہ بوڑھا آ پہنچا مگر خادم نے اجازت نہیں دی۔ بوڑھا بے بس ہو گیا۔ اسی اثناء میں اس کو کمرے کا روشن دان نظر آیا، فوراً کود کر اس کے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا (تا کہ خلیفہ بیدار ہو جائے) خلیفہ بیدار ہو گیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص! کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے تو کوئی آیا ہی نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے، خلیفہ نے اُٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو مقفل پایا لیکن وہ شخص کمرے کے اندر موجود تھا، وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل

معاملہ دروازے پر موجود ہوں۔ اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے، ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لیے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا۔ اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابلیس ذوالکفل کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرا ایک قرض دار ہے جو ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے، آپ میرے ساتھ ذرا اُٹھ کر چلئے اور میرا حق وصول کرا دیجئے۔ آپ اس کے ساتھ اُٹھ کر چل دیئے لیکن ابلیس بازار میں پہنچ کر ذوالکفل سے علیحدہ ہو گیا اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ذوالکفل سے معذرت کی اور کہا میرا مدعا علیہ مجھ سے بھاگ گیا۔ بعض اہل روایت نے کہا کہ ذوالکفل وہ شخص تھا جس نے مرتے دم تک ہر رات کو سو رکعت پڑھنے کا عہد کیا تھا اور اس عہد کو پورا کیا۔ بعض علماء نے کہا کہ ذوالکفل نبی تھے، عبارت قرآنی کی رفتار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کون سے نبی تھے (اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی) بعض نے ذوالکفل زکریا کو ہی قرار دیا۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا ذوالکفل نبی نہیں تھے، ایک نیک آدمی تھے۔

۸۶ ''وادخلناھم فی رحمتنا'' وہ انعامات جو ہم نے ان پر دُنیا میں کیے۔ مثلاً نبوت، جنت کی سیر اور ثواب۔ ''انھم من الصالحین''

۸۷ ''وذالنون'' اور یاد کیجئے مچھلی والوں کو۔ اس سے مراد یونس بن متی ہیں۔ ''اذ ذھب مغاضبا'' اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب وہ انتہائی غصہ سے چل دیئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

یہی روایت عوفی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اور فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو قبیلوں کو قید کر کے لے گیا، صرف اڑھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تم حرقیا بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقت ور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کی قید سے رہا کرائے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کر دوں گا۔ شعیا نبی شاہ حرقیا کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حرقیا کی سلطنت میں پانچ پیغمبر تھے۔ حضرت شعیا سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں؟ حضرت شعیا نے کہا یونس کو، وہ طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ بادشاہ نے یونس علیہ السلام کو بلوایا اور جانے کا حکم دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو میرے بھیجنے کا حکم دیا ہے؟ بادشاہ نے کہا نہیں۔ یونس علیہ السلام نے کہا کیا مجھے اللہ نے نامزد کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا نہیں، یونس علیہ السلام نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقت ور پیغمبر ہیں، کسی اور کو بھیج دو، لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا۔ یونس علیہ السلام بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر

غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس علیہ السلام نے حسب حکم خدا کو عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن (جب قوم یونس علیہ السلام نے علامات عذاب کو دیکھ کر توبہ واستغفار کیا تو) اللہ نے عذاب ٹال دیا۔ یونس علیہ السلام کو اس پر ناگواری ہوئی، ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے، ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹل جانے کی وجہ کیا ہوئی؟ آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہو گیا۔ آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا دستور تھا کہ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی عذاب ٹل جانے کی وجہ سے یہی اندیشہ ہوا کہ عذاب موعود نہیں آیا، اب لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ "مغاضبت" (باب مفاعلة) اس جگہ اشتراک طرفین کے لیے نہیں ہے بلکہ مسافرت اور معاقبت کی طرح ثلاثی مجرد کے معنی میں ہے یعنی "مغاضبا" کا معنی ہے غضبان۔ حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو، یونس علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے۔ جواب ملا معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔ یونس علیہ السلام نے درخواست کی مجھے جوتہ پہن لینے کی تو اجازت دے دی جائے لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوت حلم کی کمی تھی اس لیے روانہ تو ہو گئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس علیہ السلام نیک آدمی تھے۔ پھر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے۔ اسی لیے اللہ نے آپ کو اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے، مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے۔

"فظن أن لن نقدر عليه" قدر کا معنی ہے فیصلہ الٰہی یعنی یونس علیہ السلام کو خیال ہوا کہ ہم اس کو سزا دینے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ یہی قول مجاہد، قتادہ، ضحاک اور کلبی کا ہے اور یہی روایت عوفی سے منقول ہے جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز مقدر کر دی ہے۔ قدر یقدر رقدرًا اس کا معنی ایک ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "نحن قدرنا بينكم الموت" جن لوگوں نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے جو عمر بن عبدالعزیز اور زہری سے منقول ہے۔ "فظنّ أن لن نقدر عليه" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ عطاء اور بہت سے علماء کے نزدیک ایسے ہی ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یونس علیہ السلام کا یہ خیال ہوا کہ ہم اس پر بندش کی تنگی نہیں کریں گے۔ قدرت کے معنی اس جگہ تنگی کرنے کے ہیں۔ یہی معنی دوسری آیت میں بھی آئے ہیں۔ "يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر" یہاں اس کے معنی تنگی کے ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ جملہ سوالیہ ہے۔ حرف استفہام محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا یونس علیہ السلام نے خیال کر لیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پائیں گے۔

یعقوب نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مجہول اور بغیر تشدید کے ہوگا۔ حسن کا قول ہے کہ جب مجھے اطلاع ملی ہے کہ یونس علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوگیا اور وہ اللہ سے ناراض ہوکر چل دیئے تو شیطان نے ان کو راہِ حق سے پھسلانا چاہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے خیال کرلیا کہ میں خدا کے قبضہ سے نکل جاؤں لیکن ان کی گزشتہ نیکیاں اور عبادت گزاریاں تھیں اس لیے اللہ نے نہ چاہا کہ ان کو شیطان کے لیے چھوڑ دیا جائے بلکہ مچھلی کے پیٹ میں ان کو ڈال دیا۔ وہاں وہ چالیس دن ورات رہے۔ عطاء کا قول ہے کہ سات روز رہے بعض کے نزدیک تین روز رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مچھلی اپنے پیٹ میں اس کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ساتوں زمین کی حدود تک لے گئی۔ پھر آپ نے اپنے رب سے مچھلی کے پیٹ میں دُعا کی اور اپنے آپ کو اس کی طرف رجوع کرلیا اور کہا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" جب میں نے تمہاری نافرمانی کی۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کیا اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

پھر اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکال دیا۔

ماقبل میں جن تاویلات کا تذکرہ کیا گیا یہ ہی بہتر تاویلات ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں کے لیے جن کو اللہ نے مبعوث کیا۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے غصہ کی حالت میں چلے تھے۔

ظلمات جمع کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ

"فنادیٰ فی الظلمت أن لا الٰہ الاّ انت سبحانک انّی کنت من الظّالمین"

ظلمات جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کیونکہ ایک اندھیرا رات کا، دوسرا اندھیرا سمندر کے پانی کا اور تیسرا اندھیرا مچھلی کے پیٹ کا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا، یونس علیہ السلام کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے، نہ کوئی ہڈی ٹوٹے، حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی۔ جب سمندر کی تہہ میں لے کر پہنچی تو یونس علیہ السلام نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی، دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے، اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے۔ یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنا شروع کردی۔ ملائکہ نے تسبیح یونس علیہ السلام کی آواز سنی تو عرض کیا، اے ہمارے رب! ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کردیا، فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جاتا تھا۔ اللہ نے فرمایا، ہاں اس وقت ملائکہ نے یونس علیہ السلام کے لیے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو اُگل دے۔ مچھلی نے کنارے پر آکر یونس علیہ السلام کو اُگل دیا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ"

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ
رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ
زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾
وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

ترجمہ سوہم نے ان کی دعا قبول کی اوران کواس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب وبلا سے) نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو (یعنی مجھ کو فرزند دیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحیٰی (فرزند) عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو (جو کہ بانجھ تھیں) اولاد کے قابل کر دیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے اور اس بی بی (مریمؑ) کا (بھی) تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو (مردوں سے) بچایا (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) پھر ہم نے ان میں (بواسطہ جبرائیل) اپنی روح پھونک دی اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند (عیسیٰؑ) کو دنیا جہاں والوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی) نشانی بنا دی یہ ہے تمہارا طریقہ کہ (جس پر تم کو رہنا واجب ہے اور) وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سو تم سب میری عبادت کیا کرو۔

تفسیر ﴿۸۸﴾ "فاستجبنا له" جب ہم نے ان کی پکار کو سن لیا۔ "و نجیناہ من الغم" ان اندھیروں سے نجات دی۔ "و کذلک ننجی المؤمنین" مؤمنین کو بھی ہر مصیبت سے نجات دیتے ہیں۔ جب وہ ہمیں اخلاص کے ساتھ پکاریں اور مجھ ہی سے مدد طلب کریں۔ ابن عامر، عاصم نے ابوبکر کی روایت کے مطابق ایک نون اور جیم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء کے سکون کے ساتھ چونکہ ان کے مصاحف میں ایک نون کے ساتھ ہی لکھا ہوا ہے۔

نحویوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایک نون والی قراءۃ درست ہے کہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ بڑی غلطی ہے کیونکہ اگر یہ مفعول "مالم یسم فاعلہ" ہوتا تو اس کی یاء ساکن نہ ہوتی اور لفظ مؤمنین مرفوع ہوتا اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے۔ فراء نے کہا کہ یہاں ایک اور وجہ ہے اور وہ اضمار مصدر ہے۔ "ای نجا النجاۃ المؤمنین" جیسا کہ ضرب الضرب "زیدًا"۔ پھر "زیدًا" کو منصوب پڑھا جائے۔ اضمار مصدر کی وجہ سے۔ یاء ساکن ہے "نجی" میں جیسا کہ "بقی" میں یاء ساکن ہے۔

قتیبی کا بیان ہے کہ جن حضرات نے ایک نون اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں "ننجی" تنجیہ کے معنی میں ہوگا۔ الا یہ کہ ان دونوں میں ادغام کیا گیا۔ نون کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا لیکن نحویوں کے نزدیک نون اور جیم کا مخرج دور دور ہونے

کی وجہ سے ادغام نہیں ہوسکتا جبکہ ادغام تو اس صورت میں ہوتا ہے جب دونوں قریب المخرج ہوں۔
عام قراء نے "ننجی" دونوں نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ انجاء کے معنی میں ہوگا اور جن لوگوں نے ایک نون کے ساتھ ذکر کیا ہے چونکہ دوسرا نون ساکن تھا اور ساکن زبان پر ظاہر نہیں۔ اس لیے اس کو حذف کر دیا تخفیف کی وجہ سے۔

حضرت یونس بن متی کو کب پیغمبر بنایا؟

حضرت یونس بن متی کو کب پیغمبر بنایا گیا؟ اس بارے میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے رہائی کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا کیونکہ سورۃ الصافات میں پہلے "**فنبذناہ بالعراء وھو سقیم**" کے بعد "**وارسلناہ الی مائة الف او یزیدون**" آیا ہے اور دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ ان کو نبوت مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ملی۔ اس پر دلیل یہ فرمان باری ہے: "**وان یونس لمن المرسلین اذ ابق الی الفلک المشحون**"

⑧⑨ "**وزکریا اذ نادیٰ ربّہ**" کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا۔ "**رب لا تذرنی فردًا**" ان کو اکیلا چھوڑ دیا کہ میرا کوئی لڑکا نہیں اور میرا وارث بنا۔ "**وانت خیر الوارثین**" اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کہ مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد اللہ ہی باقی رہنے والا ہے۔

⑨⓪ "**فاستجبنا له ووھبنا له یحییٰ**" اس سے مراد لڑکا ہے۔ "**وأصلحنا له زوجه**" ہم نے آپ کو اولاد دی اس حال میں کہ آپ کی زوجہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ وہ پہلے بدخلق تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن خلق سے نوازا۔ "**انھم**" وہ انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر ہم نے اس سورۃ میں کیا ہے "**کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا**" رغبا کا معنی ہے طمع۔ "**ورھبًا**" یعنی خوف اللہ کی رحمت کی طمع رکھتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ "**وکانوا لنا خاشعین**" وہ تواضع کرنے والے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو عاجزی سے کرنے والے۔
مجاہد کا قول ہے کہ "**خاشعین**" سے مراد وہ خوف ہے جو دل کے ساتھ لازم ہے (یعنی دل میں پیدا ہونے والا ڈر)

⑨① "**والّتی احصنت فرجھا**" حرام اشیاء سے اس کی حفاظت کی۔ اس سے مراد مریم بنت عمران ہیں۔ "**فنفخنا فیھا من روحنا**" ہم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے سینہ بند میں پھونک ماریں اور پھر اس پھونک کے ذریعے ہم ان کے پیٹ سے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدا کریں گے۔ روح کی اضافت ان کی طرف کی عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت کی وجہ سے۔ "**وجعلناھا وابنھا آیة للعالمین**" اپنی کمال قدرت کی دلیل مخلوق کے سامنے واضح کرنا تھی کہ اللہ بغیر باپ کے اولاد دے سکتا ہے۔ یہاں پر "آیة" واحد کا ذکر کیا، تثنیہ کا ذکر نہیں کیا۔ "آیتین" یا "آیتان" نہیں فرمایا کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کی شان اور دونوں کے حکم کو نشانی بنائی ہے، چونکہ آیت ایک ہی ہے اور یہ نشانی بھی ایسی کہ جو بغیر مرد کے ہے۔

⑨② "**انّ ھذہ اُمتکم**" تمہاری ملت اور تمہارے دین پر ہی ہیں۔ "**اُمّة واحدۃ**" اور وہ ایک دین اسلام ہے۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں۔ لفظ اُمت اُم سے ماخوذ ہے۔ اُم کا معنی ہے قصد کرنا جو جماعت ایک مقصد پر متفق ہو یا

دین وسنت پر متفق ہو، اس کو اُمت کہا جاتا ہے۔''وانا ربکم فاعبدون''

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿93﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿94﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾ حَتّٰٓي اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿96﴾

ترجمہ اوران لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا (سوان کی سزا دیکھیں گے کیونکہ) سب ہمارے پاس آنے والے ہیں سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور ہم جن بستیوں کو (عذاب سے یا موت سے) فنا کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جاویں گے۔

تفسیر ⑬⑨ ''وتقطعوا أمرهم بينهم'' وہ دین میں اختلاف کرنے لگے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے (فرقہ فرقہ) ہوگئے۔ کلبی کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی شروع کردی۔ ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگے اور وہ ایک دوسرے پر گناہ ڈالنے لگے۔ تقطع یہاں پر تقطیع کے معنی میں ہے۔''کل الینا راجعون'' ہم ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیں گے۔

⑨④ ''فمن یعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا کفران لسعیه'' اس کی کوشش کا انکار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے عمل کو باطل قرار دیا جائے گا بلکہ اس کا ثواب دیا جائے گا۔''وانا له کاتبون'' اس کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بعض نے کہا شکر گزاری کا مطلب ہے ثواب عطا کرنا اور کفران سے مراد ثواب کا نہ ملنا۔

⑨⑤ ''وحرام علی قریة'' حمزہ، کسائی، ابوبکر نے (حرم) حاء کے کسرہ کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ جیسے ''حله و حلال'' ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ کردیا اس کا دُنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں۔ اس مطلب پر ''لایرجعون'' میں لام زائدہ ہوگا۔''اهلکناها'' کہ جس بستی کو ہم ہلاک کردیں وہ واپس لوٹ کر آئے۔ اس صورت میں ''لاصلة'' ہوگا اور دوسرے قراء نے کہا کہ حرام بمعنی واجب کے ہے۔ اس صورت میں ''لا ثابتة'' ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ واجب وضروری ہے کہ ہم ان بستی والوں کو ہلاک کریں اور ان کے نیک اعمال ختم نہ کریں۔''انهم لایرجعون'' دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ زجاج نحوی کا قول ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا حکم صادر کردیں اور ان کے نیک اعمال کو قبول کریں وہ تو کبھی لوٹنے والے نہیں ہیں یعنی توبہ کرنے والے نہیں ہیں۔ اس معنی پر دلیل ماقبل والی آیت ہے جو ابھی اوپر گزری ہے۔''فمن یعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا کفران لسعیه أی یتقبل عمله'' یعنی اس کے عمل کو ہم قبول کرلیں گے۔ پھر اس کے بعد اس آیت کو ذکر کیا کیونکہ کافر کا نیک عمل قابل قبول نہیں۔

⑯ "حتّی اذا فتحت" ابن عامر، ابوجعفر اور یعقوب نے "فتّحت" تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی تکثیر سے ہوگا اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یاجوج و ماجوج" اس سے مراد یاجوج و ماجوج کی دیوار کا کھل جانا۔ "وھم من کل حدب"

حدب ہر اونچی جگہ سے اُترنے کو کہتے ہیں۔ "ینسلون" وہ جلدی جلدی اُتریں گے، اونچے اونچے ٹیلوں جیسے کہ بھیڑ کے بچے نمودار ہو رہے ہوں اور وہ بہت تیز چلنے والے ہوں گے۔ اس کنایۃ کا ذکر کرنے کے بارے میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد یاجوج و ماجوج ہیں۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نقل کرتے ہیں۔ حضرت نواس بن سمعان کی روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو بھیج دے گا اور وہ ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑیں گے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوق ہے کہ جب وہ قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف جمع ہوں گے۔ اس پر دلیل حضرت مجاہد کی قرأۃ ہے۔ ان کے نزدیک "حَدَبٍ" نہیں بلکہ "جَدَثٍ" ہے۔ جیم اور ث کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون"

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری کی روایت ہے کہ ہم لوگ کچھ باہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو، ہم نے عرض کیا، ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دخان کا، خروج دجال کا، دابۃ الارض کا، مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا، خروج یاجوج و ماجوج کا، تین مقامات پر زمین کے دھسنے کا، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، اس کا ذکر فرمایا۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِينَ ⑰ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُونَ ⑱ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ؕ وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ⑲ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ⑳

ترجمہ اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے (جیسے پہاڑ اور ٹیلہ) نکلتے (معلوم) ہوں گے اور (وہ رجوع و بعث کا) سچا وعدہ نزدیک آ پہنچا ہوگا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی (اور یوں کہتے نظر آ ویں گے) کہ ہائے ہماری کم بختی ہم اس (امر) سے غفلت میں تھے بلکہ (واقعہ) یہ ہے کہ ہم ہی قصوروار تھے بلاشبہ تم (اے مشرکین اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے (اور) تم سب اس میں داخل ہو گے اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ) اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس

10

(جہنم) میں کیوں جاتے اور سب (عابدین ومعبودین) اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اور) ان کا اس میں شور ہو گا اور وہاں (اپنے غل وشور میں کسی کی) کوئی بات سنیں گے بھی نہیں (یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا۔

تفسیر ⑰ "واقترب الوعد الحق" حق سے مراد قیامت ہے۔

فراء اور ایک علماء کی جماعت کا قول ہے کہ واؤ زائدہ ہے اور اقترب کو شرط کی جزاء قرار دیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہو گا جب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور پھیل جائیں گے تو اس وقت قیامت قریب آ جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے "فلمّا اسلما وتلّه للجبين وناديناه" ہم نے اس کو آواز دی۔ اس پر دلیل جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی نے بچھڑا پالا ہو گا تو خروج یاجوج وماجوج کے بعد وہ بچھڑا سواری کے قابل نہیں ہو گا کہ قیامت آ جائے گی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ واؤ زائدہ ہو اور مابعد والی واؤ جزاء ہو ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کو کھولا جائے گا اس وقت سچا وعدہ قریب آ جائے گا۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔

"فاذا هى شاخصة ابصار الذين كفروا" اس قول میں تین وجوہ جائز ہیں۔

❶ یہ کنایہ ہو دیکھنے سے، پھر اس کے بعد ابصار کو بطور بیان کے نقل کیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہو گا کہ اس وقت ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جیسا کہ کفر کرنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

❷ دوسرا یہ کہ ان کی آنکھیں جان کر پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فانها لاتعمى الابصار"

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ "هى" تک کلام مکمل ہو جائے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا کہ وہ قریب اتنی زیادہ ہے گویا کہ وہ حاضر ہے۔ "شاخصة ابصار الذين كفروا" خبر مقدم ہے ابتداء ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں کی آنکھیں اس وقت پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کلبی کا قول ہے کہ اس دن کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی شدت خوف کی وجہ سے، وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھ سکیں گے اور اس وقت وہ یہ کہہ رہے ہوں گے "يا ويلنا قد كنا فى غفلة من هذا" آج کے دن "بل كنا ظالمين" یہاں ظلم کا معنی بیان کیا ہے۔ عبادت کو اصل مقصود کے علاوہ جگہ پر کرنا۔ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا، عبادت کا بے محل استعمال ہے۔ اس لیے اس کو ظلم قرار دیا ہے۔

⑱ "انكم" مشرکین کو خطاب ہے۔ "وما تعبدون من دون الله" اس سے مراد بتوں کی پوجا کرنا ہے۔ "حصب جهنم" اس کا ایندھن ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ اہل یمن کی لغت میں حصب جلائی جانے والی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے جلائی جانے والی لکڑیاں۔ ضحاک کا قول ہے کہ ان کو آگ میں پھینکا جائے گا۔ جیسا کہ لکڑیوں کو آگ میں پھینکا جاتا ہے۔ حصب اصل میں پھینکنے کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "أرسلنا عليهم حاصبًا" ہم نے ان پر ہوا کے ذریعے پتھر برسائے۔ حضرت علی بن ابی

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پڑھا ''حطب جهنم وانتم لها واردون'' وہ اس میں داخل ہوں گے۔

⑲ ''لو كان هولاء'' یہ بات ''الهة'' حقیقی معبود ہوتے۔ ''ماوردوها'' تو ان کو دوزخ میں داخل نہ کیا جاتا۔ ''وكل فيها خالدون'' عابد اور معبودین سب کو اس میں داخل کریں گے۔

⑩ ''لهم فيها زفير وهم فيها لايسمعون'' ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر حبس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی۔ پھر ان صندوقوں کو آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی۔ پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصے میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۖ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۖ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۖ وَعْدًا عَلَيْنَا ۖ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

(ترجمہ) اور) جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ لوگ اس (دوزخ) سے (اس قدر) دور رکھے جاویں گے (کہ) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کو بڑی گھبراہٹ (یعنی نفخہ ثانیہ سے زندہ ہونے کی) غم میں نہ ڈالے گی اور (قبر سے نکلتے ہی) فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے کہ) یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ دن (بھی) یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم (نفخہ اولیٰ کے وقت) آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے اور ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کی) ابتدا کی تھی اسی طرح (آسانی) سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے اور ہم (سب آسمانی) کتابوں میں لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے بلاشبہ اس (قرآن) میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دیکر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین پر) مہربانی کرنے کے لئے۔

تفسیر ⑩١"انّ الذین سبقت لھم منّا الحسنیٰ" بعض حضرات نے کہا کہ یہاں "انّ" بمعنی "الاّ" کے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ مگر وہ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ اس سے مراد نیک بختی اور جنت میں رہنے کی خوشگوار زندگی یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ "اولٰئک عنھا مبعدون" بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس کو اللہ کی طرف سے بھلائی حاصل ہو، وہ نیک بخت اور اچھا درجہ پاتا ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص جو اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے اور پھر وہ اللہ سے اُمید بھی لگائے رکھتا ہے تو اس کی عبادت کو اللہ تعالیٰ اکارت کر دیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران قریش حطیم میں موجود تھے اور کعبہ کے اِردگرد (۳۶۰) بت رکھے ہوئے تھے۔ نضر بن حارث گفتگو کرنے کو آگے بڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلام کیا۔ یہاں تک کہ اس کو خاموش کر دیا۔ پھر آپ نے اس کو "انکم وما تعبدون" سے تین آیات پڑھ کر سنائیں۔ پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے، اتنے میں سامنے سے ابن الزبعری آ گیا ولید بن مغیرہ نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کر دی ابن الزبعری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے کہا کیا آپ کہتے ہیں "انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں ابن الزبعری نے کہا، کیا یہودی عزیر علیہ السلام کی اور عیسائی مسیح علیہ السلام کی اور بنو ملیح ملائکہ کی پوجا نہیں کرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں بلکہ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں، اس پر آیت "انّ الذین سبقت لھم منّا الحسنیٰ" نازل ہوئی۔ اس سے مراد عزیر علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتے ہیں۔ "اولٰئک عنھا مبعدون" ابن الزبعری کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ماضربوہ لک الا جدلاً بل ھم قومٌ خصمون" اور ایک جماعت کے نزدیک اس آیت سے مراد بت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وما تعبدون من دون اللّٰہ" اگر اس سے مراد فرشتے یا انسان ہوتے تو یوں کہتے "ومن تعبدون من دون اللّٰہ"

⑩٢ "لایسمعون حسیسھا" اس کی آواز اور اس کی حرکت بھی نہ سن پائیں گے۔ یعنی ان کو جہنم سے اتنا دور رکھا جائے گا کہ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سن سکیں گے۔ حس اور حسیس صوت خفی کو کہا جاتا ہے۔ "وھم فیما اشتھت أنفسھم خالدون" اس میں وہ مقیم ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وفیھا ما تشتھی الا نفس وتلذ الاعین"

⑩٣ "لایحزنھم الفزع الاکبر" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فزع اکبر سے مراد صور کا آخری نفخہ ہے کیوں کہ اللہ نے فرمایا "ونفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوات ومن فی الارض" حسن کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے کو جہنم میں داخلے کا حکم دیا جائے گا، وہ وقت اس کے لیے فزع اکبر ہوگا۔ ابن جریج نے اس کا معنی بیان کیا جب موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنتیوں کو آواز دی جائے گی کہ تم جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو، تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو، تمہیں اس میں کبھی مرنا نہیں ہوگا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سربند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سرپوش اس وقت بند کیا جائے گا

جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جاچکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔ "وتتلقاهم الملائكة" اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ جنت کے دروازوں پر ان کو مبارکباد دیں گے اور وہ کہیں گے "هذا يومكم الذين كنتم توعدون"

۱۰۴ "يوم نطوى السماء" ابوجعفر نے تاء (تطوی) کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ۔ عام قراء نے نون کے ساتھ اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ واؤ کے کسرہ کے ساتھ اور "السماء" منصوب ہے "كطى السجل للكتب" حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم کے حوالے سے "للكتب" جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے للکتاب واحد کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

سجل سے کیا مراد ہے

سجل سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ سجل اس فرشتے کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھا کرتا ہے اور "للكتب" میں لام زائدہ ہے۔ "كطى السجل اللكتب" ہے۔ یہ "ردف لكم" کی طرح ہے اس میں لام زائدہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس طرح لکھے ہوئے کثیر مضامین کی وجہ سے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ سجل مساجلۃ سے مشتق ہے۔ لکھی ہوئی تحریر کو کہتے ہیں جس کو باہم مل کر لکھا گیا ہو۔ یعنی ہم انسانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کاغذ کو لکھنے کے لیے تہہ کیا جاتا ہے اور "الطی" لپیٹنا یہ نشہ کے مقابل ہے۔ "كما بدأنا أوّل خلق نعيده" یعنی جس طرح ابتدائی طور پر ہم نے ان کو ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا۔ تم اس وقت برہنہ بدن غیر مختون برہنہ پاؤں تھے۔ اسی طرح قیامت کے دن تمہیں واپس اُٹھایا جائے گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولقد جئتمونا فرادى كما خلقناكم أوّل مرة" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا، لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر مختون، برہنہ پاؤں اُٹھا کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے آیت "كما بدأنا أوّل خلق نعيدهٗ" تلاوت فرمائی۔ "وعدًا علينا انّا كنا فاعلين" یعنی ہم ضرور بضرور دوبارہ ان کو اُٹھائیں گے۔

۱۰۵ "ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر" سعید بن جبیر اور مجاہد کا قول ہے کہ زبور سے مراد تمام کتب الٰہیہ ہیں اور ذکر سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد ہم نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ زبور سے مراد توریت ہے اور ذکر سے مراد ہیں وہ تمام آسمانی کتابیں جو توریت کے بعد اُتاری گئیں۔

شعبی کا قول ہے کہ زبور سے مراد زبور داؤد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اُتاری گئی تھی اور ذکر سے مراد ہے توریت۔

یہ بھی کہا گیا کہ زبور سے مراد ہے زبور، داؤد اور ذکر سے مراد قرآن ہے اور "بَعْدَ" بمعنی قبل کے ہے۔ کقولہ تعالیٰ "وكان وراء هم ملك" ان کے سامنے "والارض بعض ذالك دحاها" یہاں بھی بعد بمعنی قبل کے ہے۔ "أن الارض"

اس سے جنت کی زمین مراد ہے۔"یرثھا عبادی الصالحون" مجاہد کا قول ہے کہ صالحین سے مراد اُمت محمد یہ ہے۔ اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "الحمدللّٰہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ الارض سے مراد کافروں کی سرزمین جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ الارض سے مراد ارض مقدسہ ہے۔

⑩⑥ "انّ فی ھذا" اس قرآن میں "لبلاغاً" جن لوگوں نے قرآن کی پیروی کی اور اس پر عمل کیا تو اس کو وہ ثواب حاصل ہو جائے گا اور بعض نے کہا منزل مقصود تک پہنچنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں چیز اس کو پہنچ گئی۔ مطلب اس کو کافی ہوگئی اور قرآن جنت کے لیے زادِراہ ہے۔ جیسا کہ مسافر کے لیے کھانا اور سواری زادِراہ ہے۔ "لقوم عابدین" ان مؤمنوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد علماء ہیں۔ کعب احبار کا قول ہے کہ اس سے اُمت اسلام مراد ہے جو پانچ وقت نمازیں پڑھتے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔

⑩⑦ "وما ارسلناک الاّ رحمۃً للعالمین" ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد مؤمنین کے لیے رحمت چونکہ وہ مؤمنین کے لیے خاص طور پر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ ان لوگوں کے حق میں بھی جو ایمان لائے اور ان لوگوں کے حق میں بھی جو ایمان نہیں لائے۔ جو ایمان لائے ان کے لیے رحمت بایں طور پر ہیں کہ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شفاعت کریں گے اور کافروں کے لیے بایں طور پر رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دُنیا میں عذاب نہیں بھیجا۔ صورت کا مسخ ہونا، زمین میں دھنسائے جانا اور بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور سب کیلئے ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑩⑧ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ⑩⑨ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ⑪⓪ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ⑪① قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑪②

(ترجمہ) آپ (بطور خلاصہ مکرر) فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (حقیقی) ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں یعنی اب تو مان لو) پھر (بھی) اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو (بطور اتمام حجت کے) آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دور دراز ہے (البتہ وقوع ضرور ہوگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تمہاری) پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دل میں رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے اور میں بالیقین نہیں جانتا (کہ کیا مصلحت ہے)

شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے صورۂ امتحان ہو اور ایک وقت (یعنی موت) تک زندگی سے فائدہ پہنچاتا ہو
پیغمبر نے (باذن الٰہی) کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ
ہمارا رب (ہم پر) بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

تفسیر ⑩⑧ "قل انما یوحی الیّ انما الھکم الہ واحد فھل انتم مسلمون" کہ تم اطاعت کرنے والے ہو۔

⑩⑨ "فان تولّوا فقل اذنتکم" اگر وہ آپ کی دعوت سے روگرداں ہو جائیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ جنگ کے معاملے میں تم جان چکے ہو۔ اب ہماری اور تمہاری کوئی صلح نہیں ہوگی۔ "علی سواء" میں نے وحی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔ سب کو برابر اطلاع دے دی۔ "آذنتکم" کہ ہم اور آپ دونوں برابر ہیں، یہ چیز جاننے میں اور بعض نے کہا کہ تم سب لوگ ایمان میں برابر ہو۔ "وان ادری" میں نہیں جانتا۔ "اقریب اُم بعید ما توعدون" اس سے مراد قیامت ہے۔

⑪⓪ "انه یعلم الجھر من القول ویعلم ما تکتمون"

⑪① "وان ادری لعلّه" شاید کہ تم سے عذاب مؤخر ہو جائے۔ "فتنة" یعنی تمہارا امتحان۔ "لکم" تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم تاخیر عذاب کی وجہ سے کیا کرتے ہو۔ "ومتاع الی حین" اس وقت تک تم اس سے فائدہ اُٹھاتے رہو۔

⑪② "قال رب احکم بالحق" حفص اور عاصم نے اسی طرح پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "قل ربّ احکم" پڑھا ہے۔ یعنی ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کیجئے جنہوں نے حق کو جھٹلایا۔

سوال: یہ کیسے فرمایا: "احکم بالحق"؟

جواب: حق یہاں پر عذاب کے معنی میں ہے کیوں کہ وہ لوگ عذاب آنے کی جلدی کرتے تھے۔ پھر اللہ نے بدر کے دن ان کو عذاب دے دیا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ربّنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق" اہل معانی نے کہا کہ اس کا معنی ہے "ربّ احکم بحکمک الحق" حکم کو حذف کر کے حق کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے گا، خواہ وہ حق کا مطالبہ کریں یا حق کا مطالبہ نہ کریں۔ طلب کا معنی یہ ہے کہ طالب سے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی رغبت رکھنا۔ "وربّنا الرحمٰن المستعان علی ماتصفون" جو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہو اور ان کی طرف باطل اشیاء کی نسبت کرتے ہو۔

سُوْرَةُ الْحَجّ

یہ سورۃ مکی ہے۔ سوائے دو آیات کے "ومن النّاس من یعبد اللّٰہ" اور دوسری "ھٰذان خصمان"۔ اس سورت میں ۷۸ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ. اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

ترجمہ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی جس روز تم لوگ (اس زلزلہ) کو دیکھو گے اس دن تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے کو بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (پورے دن ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہوں گے ولیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

تفسیر ① "یا یھا النّاس اتقوا ربّکم" اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگے رہو۔ "انّ زلزلة الساعة شیءٌ عظیم"...... "والزلزلة و الزّلزال" کسی چیز کا شدت سے حرکت کرنا۔ یہ زلزلہ کب آئے گا اس بارے میں علقمہ اور شعبی کا قول ہے کہ یہ قیامت سے پہلے آئے گا اور یہ قیامت کی خصوصی نشانی ہوگی۔ حسن اور سدی کا قول ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن آئے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کا زلزلہ اس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

② "یوم ترونھا" اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد زلزلہ ہے۔ "تذھل" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے "تشتغل" اپنے بچے میں مشغول ہو جائے گی۔ بعض نے کہا کہ وہ اس دن اپنے دودھ پینے والے بچے کو بھول جائے گی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ "ذھلت عن کذا" جب وہ کسی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وقت یہ بولتے ہیں اور وہ دوسرے کام میں مشغول ہو جائے۔ "کل مرضعة عمّا ارضعت" ہر وہ عورت جس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ ہو جس کو وہ دودھ پلاتی ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے "امراٰة مرضع" بغیر ھا کے۔ جب کہ اس کی صفت مراد لی جائے۔ اگرچہ فی الوقت وہ دودھ نہ پلا رہی ہو۔ پھر بھی اس کو دودھ پلانے والی عورت کہا جاتا ہے۔ جیسے حائضہ اور حاملہ کہا

جاتا ہے۔ جب کسی چیز کے فعل کا ارادہ کیا جائے تو اس وقت اس پر ھا داخل کی جاتی ہے۔ "**وتضع کل ذات حمل حملها**" یعنی وہ اپنے بچے کو گرا دے گی اس دن کی ہیبت کی وجہ سے۔

حسن کا قول ہے کہ اس دن مرضعہ اپنے دودھ پیتے بچے کو دودھ چھڑانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ کو ناقص اسقاط ہو جائے گا۔ یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ زلزلہ دُنیا پر برپا ہوگا نہ کہ قیامت کے دن کیوں کہ قیامت کے دن اُٹھ جانے کے بعد کوئی عورت حاملہ نہیں ہوگی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن آئے گا وہ اس امر کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مجھے فلاں کام کی وجہ سے بڑھاپا آ گیا۔ اس سے مراد اس کام کی شدت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ "**وتری النّاس سکاری وما هم بسکاری**"

حمزہ اور کسائی نے "**سکری وماهم بسکری**" پڑھا ہے بغیر الف کے، اس میں دونوں لغات ہیں۔ یہ سکران کی جمع ہے جیسے کسلی اور کسالی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ خوف کی وجہ سے تم کو لوگ سکر کی حالت میں نظر آئیں گے، وہ شراب کا نشہ نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا کہ تو لوگوں کو دیکھے گا کہ گویا وہ نشے کی حالت میں ہیں۔ "**ولکن عذاب الله شدید**"

یاجوج ماجوج کا قصہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے، اے آدم! کھڑے ہوں اور جہنم میں جانے والی اولاد میں سے نکالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، حاضر ہوں میں حاضر ہوں، خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں بھیجا جانے والا حصہ نکالو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے دوزخ کا کتنا حصہ ہے، اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اسقاط حمل کر دے گی، تم لوگوں کو متوالا دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ ہزار میں سے ایک ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا تم میں سے (ایک جنتی) ہوگا اور یاجوج و ماجوج میں سے ہزار کم ایک (دوزخی ہوں گے) پھر فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم جنت والوں کا چہارم حصہ ہو گے۔ ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے، ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، فرمایا میں اُمید کرتا ہوں کہ تم لوگ اہل جنت کے آدھے ہوں گے، ہم نے اللہ اکبر کہا، فرمایا تم لوگ دوسرے لوگوں کی بنسبت اتنے ہو گے جیسے ایک کالا بال سفید بیل کی کھال پر یا جیسے ایک سفید بال کالے بیل کی کھال پر۔

حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی مصطلق کے دوران رات کے وقت نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کرا کے سب کو بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ آیات کو سن

کرلوگ اتنا روئے کہ اس رات سے زیادہ رونے والے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اُتاریں نہ ڈیرے لگائے نہ ہانڈیاں پکائیں، کچھ لوگ روتے رہے، کچھ غمگین پریشان سوچ میں بیٹھے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہوگا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانیں، فرمایا یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے، کیا سب میں سے، کتنا کتنا اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔

یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت شاق گزری، وہ رونے لگے اور عرض کیا، یا رسول اللہ، پھر کون نجات پائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم خوش ہو جاؤ اور سیدھی چال رکھو، تمہارے ساتھ دو مخلوقیں اور بھی ہوں گی جو ہر قوم سے زائد ہوں گی۔ یعنی یاجوج وماجوج۔ پھر فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم کل اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے، یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کی حمد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہوگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے تو اب یہ اُمید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔ اہل جنت کی ایک سو بیس قطاریں ہوں گی۔ ان میں سے اسی (۸۰) قطاریں میری اُمت کی ہوں گی۔ کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگی جیسے اونٹ کے پہلو پر تل یا گھوڑے کے پاؤں پر دوسرے رنگ کی لکیر یا (دھبہ) بلکہ جیسے سفید بیل کی پشت پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی پشت پر ایک سفید بال۔ پھر فرمایا میری اُمت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ستر ہزار فرمایا، ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار یہ سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ فرمایا، تم ان میں سے ہو، اس کے بعد ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے دُعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③

ترجمہ اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں (یعنی ذات یا صفات میں) بے جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

تفسیر ③ "ومن النّاس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم" اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے حق میں ہوا ہے۔ نضر بڑا جھگڑالو شخص تھا، وہ کہتا تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی (داستان) ہے۔ یہ شخص حشر جسمانی کا منکر تھا اور یہ کہتا تھا جو چیز خاک ہوگئی اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ "ویتبع" اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں بغیر دلیل کے وہ لڑتا تھا۔ "کل شیطان مرید" جو خیر سے خالی ہو اور شر میں ڈوبا ہوا ہو۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ④ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ط وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ج وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ م بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ م بَهِيجٍ ⑤

ترجمہ جس کی نسبت (خدا کے یہاں سے) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے تعلق رکھے گا یعنی اس کا اتباع کرے گا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (راہ حق سے) بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا اے لوگو اگر تم (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے سے شک (وانکار) میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے (جو غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم (ماں کے) رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک مدت معین (یعنی وقت وضع) تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ اور (بعضے) تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی) مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر (یعنی زیادہ بڑھاپے) تک پہنچا دیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے اور (آگے دوسرا استدلال ہے کہ) اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

تفسیر ④ "کتب علیه" اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص اس کے پیچھے چلے گا۔ "انه من تولاه" اور جو اس شیطان کی پیروی کرے گا۔ "فانه" وہ اسی میں سے ہوگا۔ "یضله" جو اس کی پیروی کرے گا شیطان ضرور اس کو بھٹکا دے گا۔ "ویهدیه الی عذاب السعیر" اپنی حجت تام کر لیتا ہے اور بعثت کا منکر بنا دیتا ہے۔

⑤ "یا یها النّاس ان کنتم فی ریب" اس میں کوئی شک نہیں۔ "من البعث فانا خلقناکم" ہم نے تمہاری اصل کو یعنی آدم کو پیدا کیا جس سے تمہاری نسل جاری ہوئی ہے۔ "من تراب ثم من نطفة" آدم علیہ السلام کی اولاد کو نطفہ سے پیدا کیا اور وہ نطفہ منی کا تھا۔ اصل میں یہ ماء قلیل پر بولا جاتا ہے اس کی جمع نطاف آتی ہے۔ "ثم من علقة" اور وہ جما ہوا خون جو ایک لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی جمع علق ہے اور یہ اس وجہ سے کہ نطفہ پہلے خون بنتا ہے، پھر گوشت کا لوتھڑا۔ "ثم من مضغة" یہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا۔ "مخلقة وغیر مخلقه" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے کہ مخلقہ کا معنی ہے مکمل

بناوٹ والا اور ناتمام ساخت والا اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد مصورہ اور غیر مصورۃ (جس کی صورت بنادی گئی یا وہ جس کی صورت ابھی نہیں بنائی گئی) بعض نے لکھا ہے کہ مخلقہ سے وہ بچہ مراد ہے جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے اور غیر مخلقہ سے مراد ہے وہ بچہ جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔

علقمہ سے روایت ہے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں کہ رحم کے اندر جب نطفہ کا ٹھہراؤ ہو جاتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کرتا ہے، اے میرے رب! یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ، اگر اللہ فرماتا ہے غیر مخلقہ تو رحم اس کو خون کی شکل میں (باہر) پھینک دیتا ہے اور وہ نسمہ نہیں بن سکتا اور اگر اللہ مخلقہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے، نر یا مادہ، بد بخت یا سعید ،اس کی مدت زندگی کتنی ہے، اس کا عمل کیسا ہے؟ اس کا رزق کیا ہے؟ حکم ہوتا ہے جالوح محفوظ کو جا کر دیکھ تجھے سب کچھ اس میں مل جائے گا، فرشتہ جاتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا پاتا ہے اور اس کی نقل کر لیتا ہے اور وہ نقل اس کے پاس رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے پاس وہ مدت میعاد آ جاتی ہے "لنبیّن لکم" ہم ان کو ظاہر کر دیتے ہیں اپنی قدرت کے مطابق اور اپنی حکمت کے مطابق کہ ہم نے ان کو کن کن ادوار سے گزارا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ابتداء پیدا کرنے پر قدرت مند ہے تو دوبارہ جی اُٹھانے پر بھی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہم تمہارے سامنے یہ کھول کر بیان کر دیں گے کہ تم کیا کرو گے اور کیا نہیں کرو گے اور تم اپنی عبدیت میں کن چیزوں کے ضرورت مند ہو۔

"ونقرّ فی الارحام ما نشاء" اس مدت میں نہ بچے کو باہر پھینکتے ہیں اور نہ ہی اسقاط حمل کرتے ہیں۔ "الی اجل مسمّی" ایک مدت تک ہم اس کو رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ جب تک کہ اس کی خلقت پوری نہ ہو جائے اور مدت تام نہ ہو جائے۔ "ثم نخرجکم" پھر تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالتے ہیں۔ "طفلاً" اس سے مراد بچہ ہے۔ اطفال نہیں فرمایا کیوں کہ عرب لوگ جمع کے صیغہ کو واحد کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مصدر کے ساتھ تشبیہ دی۔

"ثم لتبلغوا اشدکم" جب تم اپنی عقلی اور جسمانی طاقت کے اس کمال کو پہنچ جاؤ جو اللہ کی طرف سے تمہارے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ "ومنکم من یتوفی" بوڑھاپے سے پہلے۔ "ومنکم من یرد الی ارذل العمر" انتہائی پیری اور سن خرافت تک۔ "لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً" اتنی عمر تک پہنچ جائے کہ جس عمر میں عقل متغیر ہو جائے اور اس کی سمجھ کمزور پڑ جائے۔ پھر دوسری دلیل بعث پر ذکر کی ہے۔ "وتری الارض ھامدۃ" وہ خشک زمین تھی اس پر کوئی سبزہ نہ تھا۔ "فاذا انزلنا علیھا الماء" پھر ہم نے اس پر بارش برسائی۔ "اھتزت" وہ سبزہ کی روئیدگی کے سبب ہلنے لگی۔ "وربت" اور وہ بڑھ گئی، اُبھر آئی، پھول گئی۔ ابوجعفر نے اس کو "وابت" پڑھا ہے ہمزہ کے ساتھ اور اسی طرح حم سجدہ میں پڑھا ہے۔ یعنی وہ بلند ہو گئی اور حرکت کرنے لگی۔ مبرد کا قول ہے کہ زمین کی طرف لہلہانے اور اُبھرنے کی نسبت بطور مجاز آ کی گئی ہے اس کو مؤنث ذکر کیا الارض کی وجہ سے۔

اور بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ عبارت اصل میں یوں تھی "ربت اھتزت"...... "وانبتت من کل زوج بھیج" ہر صنف اور ہر قسم کے خوبصورت جوڑے جو دیکھنے میں بھلے لگتے ہیں۔ یہ دوسری دلیل ہے جو بعث بعد الموت پر دلالت کرتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ وَّاَنَّ السَّاعَةَ
اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ
وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ
فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

ترجمہ یہ سب اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (نیز اس سبب سے ہوا کہ) قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ (قیامت میں) قبر والوں کو دوبارہ پیدا کر دے گا اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت (یعنی علم ضروری اور بدوں دلیل) یعنی علم استدلال عقلی) اور بدوں کسی روشن کتاب (یعنی علم استدلال نقلی) کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے (یعنی دین حق سے) بے راہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے (اور اس سے کہا جاوے گا کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (پس تم کو بلا جرم سزا نہیں دے گا) اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے کسی چیز کے) کنارے پر (کھڑا ہو) پھر اگر اس کو کوئی (دنیوی) نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پالیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہوگئی منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان (کہلاتا) ہے۔

تفسیر ⑥ "ذلک بأن اللّٰہ ھو الحق" کہ جان لو کہ وہی حق ہے۔ "وأنہ یحیی الموتٰی وانہ علٰی کل شیءٍ قدیر"

⑦ "وانّ الساعۃ آتیۃ لاریب فیھا وأنّ اللّٰہ یبعث من فی القبور"

⑧ "ومن النّاس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم" اس سے مراد نضر بن حارث ہے۔ "ولا ھدی" وہ بیان جو معرفت الٰہیہ تک پہنچانے والا ہو۔ "ولا کتاب منیر"

⑨ "ثانی عطفہ" روگردانی کرنا تکبر کی وجہ سے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد ہے گردن پھیرنا۔ ابن جریج کا قول ہے حق سے پھر جانا تکبر کی وجہ سے۔ عطف ایک جانب کو کہتے ہیں۔ عطف الرجل کہا جاتا ہے جو شخص اپنی گردن دائیں یا بائیں موڑ دے۔ انسان اعراض کے وقت جس حصہ بدن کو موڑ لیتا ہے اور گھما لیتا ہے اس کو عطف کہتے ہیں۔ اس کی مثال "واذا تتلٰی علیہ

آیاتنا ولی مستکبرًا" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:"واذا قیل لهم تعالوا یستغفرلکم رسول اللّٰہ لووا رؤسهم"......"لیضل عن سبیل اللّٰہ" تا کہ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کو گمراہ کرے۔"له فی الدنیا خزیٌ"اس سے مراد عذاب ہے جو بدر کے دن قتل کردیئے گئے۔اس دن نضر بن حارث،عقبہ بن ابی معیط بدر کے دن قتل کیے گئے۔"ونذیقه یوم القیامة عذاب الحریق"

⑩"ذلک بما قدمت یداک وأن اللّٰہ لیس بظلام للعبید" وہ گناہ کے بغیر سزا دے،یہ اس کی شان نہیں۔اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر تصرف کا اختیار ہے جس طرح چاہے کرے۔اس کا سارے کا سارا فیصلہ عدل ہی ہے وہ ظالم نہیں۔

⑪"ومن النّاس من یعبد اللّٰہ علی حرف" ان آیات کا نزول ان بدوی دیہاتیوں کے متعلق ہوا جو صحرا کو چھوڑ کر مدینے میں آ کر مسلمان ہو جاتے اور وہیں رہ پڑتے تھے۔اگر قیام مدینہ کے زمانے میں ان کی صحت درست رہتی،بیویوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور گھوڑیوں کے خوبصورت بچھڑے ہوتے تو کہتے یہ اچھا مذہب ہے اور اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور اگر اس کے خلاف ہوتا،یعنی ان کی صحت بگڑ جاتی،عورتوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوتیں تو کہتے کہ ہم اس مذہب میں داخل ہوئے ہم کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی،یہ کہہ کر اسلام سے مرتد ہو جاتے اور اسلام سے منہ موڑ لیتے۔یہی فتنہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:"ومن النّاس من یعبد اللّٰہ علی حرف"

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حرف کا معنی کنارہ ہے۔شک کرنے والا،منافق دونوں گروہوں کے کنارے پر ہوتا ہے۔مؤمنوں کے گروہ کے کنارے پر اور کافروں کے گروہ کے کنارے پر۔کبھی اِدھر مڑ جاتا ہے،کبھی اُدھر اور منافق بھی فوج کے آخری کنارے پر ہوتا ہے اگر فتح محسوس کرتا ہے تو ٹھہرا رہتا ہے اور اگر شکست محسوس کرتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

منافق میں ثابت قدمی نہیں ہوتی اور اگر ٹھہر بھی جائے تو پہاڑ کی ایک طرف ٹھہرنے کی طرح ٹھہرتا ہے کہ جو شخص پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوتا ہے اور وہ پہاڑ اگر جامد نہ ہو تو پھر خطرہ ہوتا ہے کہ کسی جانب گر جائے تو یہ منافق بھی اسی طرح ہے،ڈرتا رہتا ہے کہ کب میرے اوپر پہاڑ گر جائے گا۔اگر یہ اللہ کی عبادت کرتے اور تنگی کی حالت میں شکر کرتے اور مصیبت کے وقت صبر کرتے تو یہ ایک طرف (کنارے) نہ رہتے۔

حسن بصری کا قول ہے کہ منافق زبان سے عبادت کرتا ہے نہ کہ دل سے۔"فان اصابه خیر"ان کو صحت و عافیت مل جائے اور معیشت زندگی آسان ہو جائے۔"اطمأن به" وہ اس پر رضا مند رہتا ہے اور سکون میں رہتا ہے۔"وان اصابته فتنة"اور اگر ان کے جسم میں کوئی آفت آ جائے اور ان کو مالی تنگ دستی ہو جائے۔"انقلب علی وجهه"تو وہ مرتد ہو جاتے ہیں جیسے کہ پہلے کفر پر تھے۔"خسر الدنیا" یہ اس شک کا انجام ہے کہ دُنیا میں بھی خسارہ کہ اس نے جو اُمیدیں لگائی ہوئی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔"والاخرة" دین حق کو چھوڑنے کی وجہ سے آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔یعقوب نے (خاسر) پڑھا ہے اور "والاخرة" کو مجرور پڑھا ہے۔"ذلک هوا لخسران المبین"اور اس کا یہ کھلا ہوا نقصان ہے۔

يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

ترجمہ: خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر ایسے کی عبادت کرنے لگا جو نہ اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتا ہے یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے وہ ایسے کی عبادت کر رہا ہے کہ اس (کی عبادت) کا ضرر بہ نسبت اس کے نفع کے زیادہ قریب الوقوع ہے ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا۔

تفسیر: ⑫ "یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ" وہ ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے کہ اگر اس کی پوجا نہ کرتے تو وہ چیز ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ "ومالا ینفعہ" اور اس کو پوجے تو وہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ "ذلک ھو الضلال البعید" حق کا راستہ نہ ملنا، راہِ مستقیم سے دور ہو جانا۔

⑬ "یدعوا لمن ضرہ اقرب من نفعہ" یہ آیت مشکلات قرآن میں سے شمار کی جاتی ہے۔ اس میں چند سوالات ذکر کیے جاتے ہیں۔

سوال: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ ومالا ینفعہ" اور اس آیت میں ارشاد فرمایا "لمن ضرہ اقرب من نفعہ" ان دونوں آیات میں توفیق کیسے ممکن ہے؟

جواب: پہلی آیت میں "یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ" اس آیت سے مراد ہے کہ ترک عبادت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اگر وہ بتوں کی عبادت نہیں بھی کرے گا تو وہ بت اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور دوسری آیت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ اس کا ان بتوں کی عبادت کرنا زیادہ ضرر رساں ہے۔

سوال: یہاں کیسے فرمادیا کہ "لمن ضرہ اقرب من نفعہ" حالاں کہ بتوں سے بالکل ہی نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جو چیز بالکل موجود نہ ہو، اس کے بعد متعلق "بُعد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شئی بعید ہے یعنی معدوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ذلک رجع بعید" یہ لوٹنا بعید ہے، یعنی ہو نہیں سکتا چونکہ بتوں سے فائدہ حاصل ہونا ممکن نہیں تھا، اس لیے "ضرّہ اقرب من نفعہ" فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کا ضرر ضرور ہوگا۔

جواب: بعض حضرات نے کہا کہ کسی چیز کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

"لمن ضرّہ أقرب من نفعہ" یہ لام کون سا ہے اس کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ صلہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسے معبود کو پکارتے ہو جس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور بعض نے کہا کہ "یدعوا" بمعنی یقول کے ہے۔ اس کی خبر محذوب ہے۔ "أی یقول لمن ضرّہ أقرب من نفعہ ھو الٰہ"

بعض نے کہا کہ یہاں پر دوسرا "یدعوا" محذوف ہے۔ عبارت یوں ہوگی "یدعوا لمن ضرّہ اقرب من نفعہ"

یدعوا یہاں عبارت میں دوسرے یدعو کو محذوف قرار دیں، پہلے یدعو کی بناء پر
بعض نے کہا کہ "یدعوا من" یہ صلہ ہے۔ ان کا قول "ذلک ھو الضلال البعید" گویا اس نے یوں کہا "ھو الضلال البعید یدعوا" اس کے بعد جملہ کو دوبارہ ذکر کیا۔ اس صورت میں "من" محل رفع میں مبتداء ہے اور اس کی خبر "لبئس المولی" ہے۔ مولیٰ کا معنی مددگار ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد معبود ہے۔ "ولبئس العشیر" اس کا ساتھی اس کا رفیق یعنی بت۔ عرب کے ہاں زوج کو عشیر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت کا ساتھی اور رفیق معاشرت ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

ترجمہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے جو شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کر کے) اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر (اس کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر اگر ہو سکے) اس وحی کو موقوف کرا دے تو پھر (خوب) غور کرنا چاہئے آیا اس کی یہ تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو (یعنی وحی کو) موقوف کر سکتی ہے ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اتارا ہے جس میں کھلی کھلی دلیلیں تعیین حق کی ہیں اور بات یہ (ہی) ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (حق کی) ہدایت کرتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صائبین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کر دے گا۔ (مسلمانوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کافروں کو دوزخ میں) بیشک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

تفسیر ⑭ "ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصالحات" (الآیہ)

⑮ "من کان یظن أن لن ینصرہ اللہ" جو یہ گمان کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اللہ نہیں کرے گا "فی الدنیا والاخرۃ فلیمدد بسبب" رسی تان لے۔ "الی السماء" اس سے مراد گھر کی چھت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چھت کے ساتھ ایک رسی باندھ کر اس کو اپنے گلے میں ڈال لو تا کہ مر جائے۔ "ثم لیقطع" پھر اسی رسی کو کاٹ دو۔ بعض نے کہا کہ پھر تو اس کو کاٹ دے۔ یعنی تم اس رسی کو لمبا چھوڑ دو تا کہ اس کے ذریعے سے رگیں کٹ جائیں یا دب جائیں اس سے وہ مر

جائے۔"فلینظر هل یذهبن کیده"اس کی کاریگری اوراس کا حیلہ۔"مایغیظ" مابمعنی مصدر کے ہے۔کیا اس کا غصہ اور مکروفریب چلا جائے۔اس کا معنی ہے کہ وہ غصے کے ساتھ اپنی گردن کو رسی سے باندھ لے تاکہ غصہ کی وجہ سے مرجائے۔ جیسا کہ حاسد کے لیے کہا جاتا ہے اگر تو اس بات پر راضی نہیں تو اپنا گلا گھونٹ کر مرجا۔

ابن زید کا قول ہے کہ آیت میں "السماء" سے مراد آسمان دُنیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو شخص خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ کو جڑ سے ہی کاٹ دے اور رسی تان کر آسمان دُنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے آنے والی خداوندی نصرت کو روک دے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان دُنیا تک پہنچ کر وہاں سے وحی کا آنا بند کردے۔تو پھر وہ دیکھ لے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرلے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا۔ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمارے لیے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہوگا، وہ ہم کو غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کی جگہ،اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے کہا کہ نصر کا معنی ہے رزق اور ھاء راجع ہے من کی طرف اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دُنیا میں اور آخرت میں رزق عطا نہیں کرے گا اس کے برے گمان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کیوں کہ اس کو یہ خوف ہے کہ اس کو کوئی رزق نہیں دے گا اور تحقیق مدد آپہنچی۔اس سے مراد رزق ہے۔جیسا کہ عرب کا قول ہے "من ینصرنی نصره الله" جو کچھ مجھے عطا کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ عربی زبان میں ارض منصورہ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر بارش ہوگئی۔ابوعمرو، نافع، ابن عامر اور یعقوب نے "ثم لیقطع" پڑھا ہے۔پھر وہ فیصلہ کرے، لام کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے "ولیوفوا ولیطوفوا" میں دونوں جگہ لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات کسرہ پڑھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں "ثم لیقطع، ثم لیقضوا" میں فرق ہے کہ "ثم" دونوں کلاموں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور واؤ کے ساتھ کلمہ کا ذکر کرنا ایسا ہے گویا کہ وہ نفس کلمہ ہے، جیسے "فلینظر" میں فاء ہے۔

⑯ "وکذلک" جس طرح ہم نے وہ آیات نازل کیں جن سے امکان حشر، توحید صداقت اور دوسری آیات قرآنی مراد ہیں۔"أنزلناه" اس سے مراد قرآن ہے۔"آیات بینات وأن الله یهدی من یرید"

⑰ "انّ الذین آمنوا والذین هادوا والصابئین والنصاریٰ والمجوس والذین أشرکوا" شرک سے مراد بتوں کی پوجا کرنا ہے۔

"انّ اللّٰہ یفصل بینھم" ان کے درمیان ہم فیصلہ کرتے ہیں۔ "یوم القیامۃ انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ شھید"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (آیت سجدہ) ⑱ ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ ⑲

ترجمہ اے مخاطب کیا تجھ کو (عقل سے یا مشاہدہ سے) یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مناسب) عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے (تو) آدمی بھی اور بہت سے ایسے ہیں جن پر (بوجہ منقاد نہ ہونے کے) عذاب ثابت ہو گیا ہے اور (سچ یہ ہے کہ) جس کو خدا ذلیل کرے (اور اس کو توفیق ہدایت نہ ہو) اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں (اور) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے) جو چاہے کرے (جن کا اوپر آیۃ میں ذکر ہوا) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے (دین کے) باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر تھے ان کے (پہننے کے) لئے (قیامت میں) آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔

تفسیر ⑱ "اَلَمْ" کیا آپ نہیں جانتے۔ بعض نے کہا "اَلَم"...... "تَرَ" تم اپنے دل کی آنکھوں سے "انّ اللّٰہ یسجد لہ من فی السمٰوات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب" مجاہد کا قول ہے ان کا سجدہ کرنا ان کے سایہ کا دوسری طرف مائل ہونا ہے۔ ابو العالیہ کا بیان ہے آسمان میں جو کچھ بھی ہے ستارے ہوں یا سورج یا چاند غروب شمس کے وقت یہ سب سجدے میں ہوتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے دن اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کو اجازت نہ دی جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سجود سے مراد طاعت وفرمانبرداری ہے۔ جماد میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرتی ہو۔ اللہ ہی کے لیے عاجزی اور تسبیح نہ کرتی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے متعلق خبر دی ہے۔ "قالتا أتینا طائعین" بعض نے پتھر کی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا "وانّ منھا لما یھبط من خشیۃ اللّٰہ" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" یہ اہل سنت کے موافق صحیح قول ہے۔

"وکثیر من النّاس" ان تمام اشیاء میں وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں سے بہت سے لوگ (یعنی مسلمان) اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ "وکثیر حق علیہ العذاب" اس سے مراد کفار ہیں۔ ان کے کفر اور ترک سجود کے باعث ان پر اللہ کا عذاب ثابت ہو چکا۔ "وکثیر حق علیہ العذاب" اس میں جملہ واؤ مستانفہ ہے۔ "ومن یھن اللّٰہ" جس کو اللہ ذلیل کر دے۔ "فمالہ من مکرم" اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ "انّ اللّٰہ یفعل ما یشاء" اللہ تعالیٰ جس کو چاہے

اپنی طرف سے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، نیک بختی اور بدبختی اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔

⑲ ”ھذان خصمان اختصموا فی ربھم“ وہ جھگڑتے ہیں اپنے دین میں اور اس کے حکم میں۔ ”خصم“ اسم شبیہ ہے مصدر کا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اختصموا“ لفظ جمع کے ساتھ۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ”وھل أتاک نبأ الخصم اذ تسوروا المحراب“

ھذان خصمان کی تفسیر

ان دونوں خصمین کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت ”ھذان خصمان اختصموا فی ربھم“ کا نزول حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ عتبہ بن ربیعہ کے متعلق ہوا۔ اوّل تینوں حضرات مؤمن تھے اور آخری تینوں اشخاص کافر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہمارے متعلق اور بدر کے دن کافروں سے ہمارے مقابلے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ انہی سے دوسری روایت منقول ہے جو قیس بن عبادہ نے نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، قیامت کے دن کافروں سے جھگڑا کرنے کے لیے سب سے پہلے میں ہی رحمت (الٰہی) کے سامنے دوزانوں بیٹھوں گا۔ قیس نے کہا کہ انہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جن لوگوں نے بدر کے دن باہم مقابلہ کیا تھا۔ علی، حمزہ، عبیدہ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ انہی کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

بدر کے روز حضرت علی حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کا کافروں سے مقابلہ کرنا

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر آئے اور صف تک پہنچ کر انہوں نے اپنے حریفوں کو میدان میں نکل کر آنے کی دعوت دی۔ ان کے مقابلے میں عبداللہ بن رواحہ اور تین انصاری جوان عوف، معاذ و معوذ نکل کر سامنے آئے۔ مؤخر الذکر تینوں جوان حارث کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔ فریق اوّل نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ فریق دوم نے کہا ہم انصاری ہیں اور نسب میں تمہارے ہم سفر اور شرفاء ہیں۔ فریق اوّل کی منادی نے پکارا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلے کے لیے ہمارے ہمسروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن حارث اُٹھو، حمزہ بن عبدالمطلب اُٹھو، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اُٹھو۔ حسب الحکم تینوں حضرات نکل کر میدان میں پہنچے۔ فریق اوّل نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ فریق دوم نے اپنے نام بتائے۔ فریق اوّل نے کہا ہاں تم ہم سر اور شرفاء ہو۔ عبیدہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ انہوں نے عتبہ کو للکارا اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ پر نکلے اور

حضرت علی ولید بن عتبہ کے مقابلے میں پہنچے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقابل کو تو دم ہی نہیں لینے دیا فوراً ہی شیبہ کو قتل کر دیا اور علی نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان چوٹیں رہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہے، یہ دیکھ کر حمزہ اور علی اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ کٹ گئی تھی اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ جب یہ حضرات حضرت عبیدہ کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے تو عبیدہ نے کہا، کیا میں شہید نہیں ہوں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ عبیدہ نے کہا کہ اگر حضرت ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا میں ہی زیادہ مستحق ہوں اور ان کے اشعار یہ تھے:

ونسلمه حتّى نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

(ہم اس وقت تک ان کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک اپنے اہل و عیال کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کے گرد ہماری لاشیں نہ پڑی ہوں۔)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ نے کہا کہ یہ آیت مسلمانوں کے اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی۔ اہل کتاب نے کہا تھا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے۔ مسلمانوں نے کہا ہم قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ہمارے نبی کو بھی پہچانتے ہو اور ہماری کتاب کو بھی اور محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہو۔ فریقین کا اللہ کے معاملہ میں یہی جھگڑا تھا۔

مجاہد اور عطاء بن رباح نے کہا کہ ”**هذان خصمان**“ سے تمام مسلمان مراد ہیں۔ بعض علماء نے کہا اس آیت ”**انّ الذين امنوا والذين هادوا**“ میں چھ مذاہب کا تذکرہ کیا گیا۔ ایک مذہب والوں کو جنتی اور پانچ مذاہب والوں کو دوزخی قرار دیا گیا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ باہم جھگڑا کرنے والی دو چیزیں جنت اور دوزخ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہوا۔ دوزخ نے کہا کہ میں اعلیٰ ہوں، مجھے تکبر کرنے والوں اور مغروروں کے لیے پسند کیا گیا ہے۔ جنت نے کہا میری کیا حالت ہے، میرے اندر تو سوائے کمزوروں، گرے پڑے لوگوں اور مسکینوں کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہوگا، اللہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے، میں اپنے جس بندے سے چاہوں گا تیرے ذریعہ سے رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ تم دونوں میں سے ہر ایک کو ضرور بھرا جائے گا۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی، جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ایڑھی مبارک نہ رکھ لیں۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے اندر اپنا قدم مبارک رکھ دے گا تو دوزخ بھر جائے گی اور کہے گی بس بس اور وہ باہم سمٹ جائے گی۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت کے لیے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر دے گا۔

”**فالذين كفروا قطعت لهم ثياب من نار**“ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا پگھلائے ہوئے تانبے کے کپڑے ہوں

گے، کوئی دھات بھی ایسی نہیں کہ تپانے کے بعد اس لباس سے زیادہ گرم ہو چونکہ لباس کی طرح پگھلا ہوا تانبا کافروں کے جسم کو محیط ہوگا، اس لیے اس کو لباس قرار دیا۔

بعض علماء نے کہا کہ دوزخیوں کو آگ کے ٹکڑے پہنائے جائیں گے۔ "یصب من فوق رؤسھم الحمیم" حمیم سے مراد گرم پانی ہے جو اپنی حرارت میں آخری درجہ تک پہنچ جائے۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِي بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ㉑ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ㉒ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ㉓ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ㉔

ترجمہ (اور) اس سے ان کے پیٹ میں کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے گھٹے (گھبرا جائیں گے) اور اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور (ان کو) کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کے لئے) چکھتے رہو (اور) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور (یہ سب انعام ان کے لئے اس لئے ہے کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (کے اعتقاد) کی ہدایت ہوگئی تھی اور ان کو اس (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے (وہ راستہ اسلام ہے)

تفسیر ⑳ "یصھر بہ" وہ گرم پانی کی وجہ سے پگھل جائے گا۔ "مافی بطونھم" جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے ان سب کو جلا دے گی، انتڑیاں اور چربی۔ جب ان پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو بیرونی جسم کے ساتھ ساتھ اندرونی جسم بھی پگھل جائے گا۔ "والجلود" اس کی گرمی کی وجہ سے ان کی جلد گر جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گرم پانی ان کے سروں کے اوپر ڈالا جائے گا اور بہہ کر پیٹ کے اندر داخل ہو کر دونوں قدموں کے درمیان سے نکل جائے گا، صہر کا یہی معنی ہے کہ بار بار ایسا ہی کیا جائے گا۔

"ولھم مقامع من حدید" لوہے کے گرز ہوں گے اس کی واحد "مقمعة" ہے۔ لیث کا قول ہے کہ یہ لوہے کے گرز کے مشابہ ہے۔ یہ "قمعت راسہ" کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ قمعت میں نے سخت ضرب رسید کی۔ اگر اس گرز کو زمین پر گاڑھ دیا جائے، پھر جن وانس جمع ہو جائیں تو اس کو زمین سے نکال نہ سکیں۔

㉑ "کلما ارادوا أن یخرجوا منھا من غم" جب بھی وہ آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو دوبارہ اسی غم و تکلیف

میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ "اعیدوا فیھا" ان کو گرزوں کے ذریعے واپس لوٹایا جائے گا۔ تفسیر میں ہے کہ جہنم میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے، وہ آگ ان کو اوپر سے ڈھانپ دے گی، وہ اس سے نکلنے کی کوشش کریں گے، ان کو لوہے کے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا تو وہ ستر سال زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ "وذوقوا عذاب الحریق" ان کو فرشتے کہیں گے کہ اب چکھو مزہ آگ کا کہ تم جلتے رہو دردناک عذاب اور دردناک تکلیف کے ساتھ۔ زجاج نے کہا یہاں تک ایک فریق کا ذکر تھا، دوسرے فریق کا تذکرہ اگلی حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

㉓ "ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصالحات جنات تجری من تحتھا الانھار یحلّون فیھا من اساور من ذھب" اساور سوار کی جمع ہے۔ "ولؤلؤً" قراء اہل مدینہ اور عاصم نے "لؤلؤً" منصوب کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ الملائکہ میں بھی اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعقوب نے اس جگہ معنیٰ موافقت کی ہے اور مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف "من ذھب" پر ہوگا اور پورے قرآن میں ہمزہ اولیٰ کو چھوڑ دیا پورے قرآن میں، ابوبکر و ابوجعفر نے ان کی موافقت کی ہے۔ باقی رہی بات الف کو باقی رکھا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس کے الف کو باقی رکھا جائے گا۔ جیسا کہ قالوا اور کانوا میں الف کو باقی رکھا جاتا ہے۔ کسائی کا قول ہے کہ ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا جیسا کہ ہمزہ کو ثابت رکھا جاتا ہے۔ "ولباسھم فیھا حریر" کہ جنت میں لوگ ریشم کا لباس پہنیں گے، وہ لباس دُنیا میں ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا اس کو آخرت میں ریشم نہیں ملے گا اور اگر وہ جنت میں پہنچ بھی جائے تب بھی اس کو ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

㉔ "وھدوا الی الطیب من القول" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طیب قول سے مراد یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر والحمدللہ کی شہادت۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر والحمدللہ و سبحان اللہ۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور بعض نے کہا کہ اہل جنت کا قول الحمدللہ ہے کہ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ "وھدوا الی صراط الحمید" اس سے مراد اللہ کا دین اسلام ہے۔ حمید سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، محمود سے مراد اچھے افعال ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ ۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ㉕ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ㉖ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ㉗ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا

رَزَقَهُمْ مِّنْ م بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ. فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ بیشک جولوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام (یعنی حرم) سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم (یعنی شرک وکفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا (یہ ان کے مابعد والوں کو سنانا ہے) اور میرے (اس) گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام ورکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تا کہ اپنے (دینیہ اور دنیویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں اور (اس لئے آویں گے) تا کہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاء کئے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم (کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو اور (مستحب ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔

تفسیر ㉕ "انّ الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللّٰه" مستقبل کا عطف ماضی پر ہے کیوں کہ یہاں لفظ مستقبل سے ماضی مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللّٰه" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے "انّ الذین کفروا" سے جو ماقبل میں گزر چکے ہیں "ویصدون عن سبیل اللّٰه" سے حال مراد ہے۔ یعنی وہ روکنے والے ہیں۔ "والمسجد الحرام" اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ "الذی جعلناه للنّاس" ان کے لیے قبلہ بنایا تا کہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں اور حج کرنے کی جگہ بنائی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے "وضع للنّاس"...... "سواءً" حفص نے عاصم ویعقوب کے حوالے سے منصوب پڑھا ہے۔ "سواءً" اس صورت میں یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا۔ "العاکف فیه والباد" دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مبتداء ہوگا اور اس کے مابعد والا جملہ خبر کہلائے گا۔ "للنّاس" تک یہ کلام تام ہو جائے گا۔ عاکف سے مراد مقیمین ہیں۔

العاکف فیه والباد کی تشریح

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ شہری اور دیہاتی دونوں برابر ہیں۔ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت میں اور حج کے مناسک ادا کرنے میں اور اسی طرف مجاہد، حسن اور ایک جماعت گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مسجد حرام ہے اور تسویہ سے مراد کعبہ کی تعظیم اور مسجد حرام میں نماز کی فضیلت افضل ہے اور بیت حرام میں طواف کرنا۔ اس اعتبار سے یہ افضل

ہے۔بعض نے کہا کہ اس سے مراد پوری مسجد حرام ہے۔تسوی کا معنی یہ ہے کہ مقیم اور بدوی اس میں برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں، جو شخص بھی حرم کے اندر کسی جگہ پہلے ٹھہر جائے اس کو پیچھے آنے والا نکال نہیں سکتا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ مقیم ہو یا مسافر حرم کے اندر مکانوں اور فرودگاہوں پر سب کا حق برابر ہے۔عبدالرحمٰن بن سابط کا قول ہے کہ حاجی جب مکہ میں آتے ہیں تو مکہ کے باشندوں کو بھی اپنے مکانوں پر ترجیحی حقوق باقی نہیں رہے۔حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موسم حج میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع فرماتے تھے۔اسی قول کی بناء پر کہ مکہ کے گھروں کو فروخت کرنا اور ان کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔یہی قول اوّل ہے اور یہی صواب کے زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق**" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا جو ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔اس کے لیے امان ہے، آیت اور حدیث دونوں میں مکان کی اضافت مکان والوں کی طرف کی گئی جو ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مکانوں کے مالک مہاجرین نہ ہوتے تو ان کو مظلوم قرار نہ دیا جاتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھر بطور جیل خانہ کے لیے خریدا چار ہزار دینار کے عوض۔یہ بات جواز بیع پر دلالت کرتی ہے۔

یہ قول طاؤس، عمرو بن دینار اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔"**ومن یرد فیه بالحاد بظلم**" فیہ کی ضمیر مسجد حرام کی طرف راجع ہے خواہ اس سے کعبہ مراد ہو یا عام حرم۔بالحاد میں باء زائد ہے۔مبرد نے اس بات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص حرم میں الحاد کا ارادہ کرے گا ظلم کے ساتھ۔

الحاد کی تفسیر

الحاد کے بارے میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کے نزدیک اس جگہ شرک اور غیر اللہ کی پرستش مراد ہے۔بعض علماء نے کہا کہ تمام ممنوعات کا ارتکاب مراد ہے خواہ قولی ہو یا فعلی، یہاں تک کہ خادم کو گالی دینا بھی اس میں داخل ہے۔عطاء کا قول ہے کہ بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا۔

اور حرم کے اندر خلاف حرمت حرم کوئی کام کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا مراد ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ جو شخص تم کو قتل نہ کر رہا ہو تم اس کو قتل کر دو اور جو شخص تم پر ظلم نہ کر رہا ہو تم اس پر ظلم کرو، یہ قول ضحاک کا بھی ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ مکہ کے اندر گناہ کا درجہ بھی (باہر کے گناہ کے مقابلے میں) چند گنا ہو جاتا ہے جیسے حرم کے اندر نیکیوں کا درجہ چند گنا ہوتا ہے۔

حبیب بن ابی ثابت کا بیان ہے کہ حرم میں طعام کا ذخیرہ کرنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "**من یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم**" کہ جس شخص نے صرف گناہ کا ارادہ کیا اور ارتکاب نہیں کیا تو

اس کے اعمال نامے میں گناہ نہیں لکھا جائے گا لیکن اگر کسی شخص کو مکہ میں قتل کرنے کا ارادہ کسی نے کیا اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ عدن میں ہے یا کسی اور شہر میں ہے تو ایسا ارادہ کرنے والے کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔ سدی کا قول ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دو خیمے تھے۔ ایک حل میں لگا ہوا تھا، دوسرا حرم کے اندر جب گھر والوں کو آپ کچھ سخت سست کہنا چاہتے تھے تو حل والے خیمہ میں جا کر کہتے تھے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ہم اپنی گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ حرم کے اندر "کلا و اللہ" اور "بلی و اللہ" کہنا بھی الحاد ہے۔

㉖ "واذ بوأنا لابراهيم مكان البيت" ہم نے ان کے لیے اس کو وطن کی جگہ بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا، ہم نے بنایا اور بعض نے کہا کہ ہم نے ان کے لیے جگہ مقرر کر دی۔ زجاج کے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ معین کر دی۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے اس کو بلند کیا، اوپر اُٹھا لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانے میں کعبہ کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا گیا تھا۔ پھر جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حیران ہوئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کعبہ کا مقام کہاں ہے اور کہاں بناؤں۔ بحکم خدا ایک تند آندھی آئی جس کی وجہ سے کعبہ کے خطوط اساسی پر پڑی ہوئی ریت اور مٹی ہٹ گئی اور آپ کو کعبہ کی بنیادیں معلوم ہو گئیں۔

کلبی کا بیان ہے کہ اللہ نے مسافت کعبہ کے بقدر ایک ہوا بھیجی جو کعبہ کے مقام پر آ کر کھڑی ہوئی۔ اس کے اندر سر تھا جو کہہ رہا تھا ابراہیم علیہ السلام میری قد کے برابر عمارت بناؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار کے بموجب تعمیر کی۔ "أن لاتشرک بی شیئاً" ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا اور ہم نے اس کو کہا کہ وہ ہماری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ "وطهربيتى للطائفين" جو لوگ اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔ "والقائمين" اور جو اس میں مقیم ہیں۔ "والركع السجود" اور جو اس میں نماز پڑھتے ہیں۔

㉗ "وأذن فی النّاس" اور لوگوں میں اس کا اعلان کر دو۔ "بالحج" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، اے اللہ! میری آواز کو پوری دُنیا تک کون پہنچائے گا؟ حکم ہوا آپ کے اوپر اعلان کرنا ہے، پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر کھڑے ہوئے، فوراً وہ مقام اُٹھ کر بلند ترین مقام کے برابر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں، بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو۔ سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹوں کے اندر سے "لبيک اللّهم لبيک" کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے سب سے پہلے "لبیک" کہنے والے اہل یمن تھے۔ اسی لیے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کوہ ابا قبیس پر چڑھ کر ندا دی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس آیت میں ''النّاس '' سے مراد اہل قبلہ ہیں۔حسن کا قول ہے کہ ''اذن فی النّاس بالحج'' علیحدہ کلام ہے۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لیے بلائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، حج کرو۔''یأتوک رجالاً'' وہ پیدل چل کر حج کرنے آئیں گے، رجالاً جمع ہے راجل کی۔جیسے قائم قیام اور صائم صیام ہے۔''وعلٰی کل ضامر'' ضمر دبلا لاغر اونٹ جو کثرت سفر کی وجہ سے دُبلا ہو گیا ہو، اس سے مراد شاق سفر۔''یأتین من کل فج عمیق'' وہ دور راستہ سے آئیں گے یاتین جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کیونکہ حج کے سفر کے لیے آنے والے اکثر لوگ اونٹ پر ہی آئیں گے۔

28 ''لیشھدوا'' تاکہ ان کو حاضر کردے۔''منافع لھم'' سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ منافع سے اس جگہ مراد ہے عفو و مغفرت۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے نزدیک منافع سے مراد تجارت ہے، یہی ایک روایت ابن زید عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور کہا ہے کہ اس سے مراد بازار ہیں۔مجاہد نے کہا کہ تجارت بھی مراد ہے اور وہ تمام دُنیاوی اور اخروی امور مراد ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

''ویذکر واسم اللّٰہ فی ایام معلومات'' اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے اور معلومات کہنے سے ان دنوں کی گنتی جاننے کی ترغیب دینا مقصود ہے کیوں کہ اس عشرے کے خاتمے پر حج کا وقت آتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ ان ایام سے مراد ہے قربانی کا دن اور تین روز اس کے بعد کے۔

عطاء سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت منقول ہے کہ ایام معلومات سے مراد ہے عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق۔مقاتل نے ایام معلومات کو صرف ایام تشریق کہا ہے۔''علٰی مارزقھم من بھیمۃ الانعام'' اس سے مراد قربانی کے جانور جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔خواہ قربانی واجب ہو یا مستحب، آیت میں کوئی قید نہیں۔ہدایہ اور قربانی ''نعم'' سے کی جائے گی۔نعم سے مراد اونٹ بقر، غنم ہے۔زجاج نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ ایام معلومات سے مراد یوم النحر ایام تشریق ہے۔''بھیمۃ الانعام'' کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ان جانوروں کو نحر کیا جائے تو ان ایام میں جائز ہے۔''فکلوا منھا'' یہ حکم اباحت کے لیے ہے واجب نہیں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی قربانی کا گوشت کھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس بات میں علماء کا اتفاق ہے کہ ہدی اگر نفلی ہو تو پھر حاجی کے لیے اس سے کھانا جائز ہے اور اسی طرح نفلی اضحیہ سے کھانا بھی جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جو حجۃ الوداع کے بیان میں اس کی شاہد ہے۔اس روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے کچھ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قربانی کے لیے لے کر آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ قربانی کیلئے پیش کیے۔ان میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ ذبح کیے۔پھر حسب الحکم باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیے، ذبح کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک کر لیا تھا۔پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے، حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ گوشت کھایا اور شوربہ پیا۔

واجب ہدی حاجی کیلئے کھانا جائز ہے کہ نہیں

واجب ہدی کے متعلق شریعت میں اختلاف ہے، کیا اس سے مہدی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے دم تمتع، دم قران اور دم واجب اور حج کے فساد ہونے سے جو دم واجب ہوتا ہے اس کے کھانے سے اور شکار کرنے کی صورت میں جو جزاء واجب ہوتی ہے اس سے کھانا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دموں (قربانیوں) میں سے کھانا جائز نہیں اور اسی طرح جو کسی نے اپنے اوپر خود واجب کی ہوں، ان کو کھانا جائز نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شکار کی جزاء اور نذر کے ذبیحہ کا گوشت نہیں کھا سکتا اور اس کے علاوہ کا گوشت کھا سکتا ہے۔

امام احمد واسحاق اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ تمتع کی ہدی سے کھا سکتا ہے اور ہر اس قربانی سے کھا سکتا ہے جو اس پر واجب ہوئی ہے لیکن وہ قربانی جو اس کے جرم کے باعث لازم ہوئی یا شکار کے بدلے میں لازم ہوئی یا نذر کے بدلے میں لازم ہوئی اس سے نہیں کھا سکتا۔ اور عام اصحاب الرأی کا قول ہے کہ وہ دم تمتع اور قران کی قربانی سے کھا سکتا ہے اور اس کے ماسواء قربانی سے نہیں کھا سکتا۔ "واطعموا البائس الفقیر" جو سخت محتاجی والا ہو جس کے پاس کوئی چیز نہیں اور البائس اس کو کہتے ہیں جس کو سخت احتیاجیت نے گھیر لیا ہو۔ البؤس شدت فقر کو ہی کہتے ہیں۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (ان ہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں یہ بات تو ہو چکی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ (وقعت کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثناء ان (بعض بعض) کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

تفثھم کی تفسیر

تفسیر ﴿۲۹﴾ "ثم لیقضوا تفثھم" تفث میل کچیل کو کہتے ہیں اور قذارہ کہتے ہیں کہ بالوں اور ناخنوں کا لمبا ہونا اور

پراگندہ ہونا۔ عرب کا قول ہے کہ جس چیز کو انسان ناپسند سمجھتا ہو، اس کیلئے یہ لفظ بولتے ہیں یعنی جس سے انسان نفرت کرے اور حاجی بھی پراگندہ بال اور غبار آلود ہوتے ہیں جو اپنے بالوں کو نہ کاٹے اور اپنے ناخنوں کو نہ کاٹے۔ قضاء تفث کہتے ہیں ان تمام اشیاء سے نکلنا ہے تا کہ اپنی میل کچیل کو دور کریں۔ مراد یہاں احرام سے نکلنا ہے، مونچھوں کا کاٹنا اور بغلوں کے بالوں کا لینا اور اپنے ناخنوں کا کاٹنا اور کپڑے پہننا ہے۔ ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس سے مراد حج کے مناسک کو پورا کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "تفث" سے مراد ہیں مناسک حج لبیں کترنا، زیر ناف اور بغلوں کو صاف کرنا، ناخن تراشنا۔

اور بعض نے کہا کہ "تفث" اس جگہ رمی جمار ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ تفث کا لفظ ہم کو قرآن ہی سے معلوم ہوا۔ یعنی یہ لفظ کلام عرب میں زیادہ مستعمل نہیں۔ "**ولیوفوا نذورھم**" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس سے مراد حج اور ہدی اور وہ چیز جو انسان دوران حج کسی چیز کی نذر مانتا ہے تا کہ وہ اس کو پورا کرے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو اس نے نذر مانی ہے اس کو پورا کرے۔ بعض نے کہا کہ اس نذر سے خروج ہے خواہ وہ اس نے مانی ہو یا نہ مانی ہو۔ عرب کے نزدیک ہر واجب کو پورا کرنے سے نکلنے کو کہتے ہیں کہ اس نے اپنی نذر کو پورا کیا۔ عاصم نے ابوبکر کی روایت میں یہ پڑھا ہے "**ولیوفوا**" واؤ کے نصب اور فاء کی تشدید کے ساتھ "**ولیطوفوا بالبیت العتیق**" اس سے مراد طواف واجب ہے اور وہ طواف افاضۃ ہے جو یوم النحر کو رمی اور حلق کے بعد کیا جاتا ہے۔

طواف کی اقسام

طواف کی تین اقسام ہیں: اول طواف قدوم، یہ وہ طواف ہے جب آفاقی مکہ آئے تو اس وقت جو طواف کرتا ہے پہلے تین چکروں میں رمل کرتا ہے اور چار چکروں میں چلتا ہے، یہ طواف سنت ہے اس کو ترک کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جس کی تفصیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ بتائی کہ مکہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے وضو کر کے طواف کیا، اس کے بعد کوئی عمرہ نہ تھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا، اب بھی عمرہ نہ تھا اس کے بعد، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) آکر سب سے اوّل جو حج یا عمرہ کا طواف کیا اس میں پہلے تین چکر لپک کر (تیزی کے ساتھ) کیے اور چار چکر معمولی چال سے، پھر دو سجدے کیے، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔

الثانی: یہ طواف افاضۃ ہے۔ یوم النحر رمی اور حلق کے بعد کیا جاتا ہے یہ طواف افاضہ ہے اسی طواف کے بعد احرام سے نکل کر انسان حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ کو مکہ سے روانگی کے دن حیض آنا شروع ہو گیا تو کہنے لگی کہ مجھے روک دیا گیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہوں نے قربانی کے دن طواف (زیارت) کر لیا؟ عرض کیا گیا جی ہاں، فرمایا تو روانہ ہو۔

ثالث: یہ طواف وداع ہے اس میں کوئی رُخصت نہیں جو شخص مکہ سے جانے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ سات چکر لگائے اور جو شخص اس طواف کو چھوڑ دے، اس پر دم واجب ہو جاتا ہے مگر وہ عورت جس کو حیض آ جائے تو اس کے لیے طواف وداع ترک کرنا جائز ہے۔ حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا کہ لوگوں کا اپنا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے مگر حائضہ عورت کو رُخصت دی ہے۔ پہلے تین چکروں میں رمل یہ طواف قدوم کے ساتھ خاص ہے اور طواف افاضہ اور طواف وداع میں ضروری نہیں۔

عتیق کے معنی میں مفسرین کے اقوال

"**بالبیت العتیق**" عتیق کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت زبیر، مجاہد اور قتادہ کے حوالے سے مذکور ہے۔

❶ اس کو عتیق کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہر جابر اور بادشاہ ظالم کے قبضہ سے اللہ نے اس گھر کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے، کوئی جابر حاکم کبھی اس پر قبضہ نہ کر سکا، نہ کر سکے گا، اس لیے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔

❷ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس کو عتیق کہا گیا کیونکہ اس کا کوئی مالک نہیں ہوگا۔

❸ حسن اور ابن زید کا قول ہے کہ عتیق اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ قدیم گھر تھا اور سب سے پہلے بنایا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے دینار عتیق یعنی وہ پرانا دینار ہے۔

❹ اور بعض نے کہا کہ اس کو عتیق کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طوفان نوح سے غرق ہونے سے بچایا۔

"**ذلک**" جو ہم نے اعمال حج کے بارے میں ذکر کیا۔ "**ومن یعظم حرمات اللّٰہ**" اللہ کی نافرمانی سے بچو یعنی جن چیزوں سے رُکنے کا حکم دیا، ان سے رُک جائیں۔ لیث کا قول ہے کہ حرمات اللہ سے وہ امور مراد ہیں جن کی پابندی لازم ہے یعنی تمام اوامر اور نواہی حرمات الٰہیہ ہیں۔

زجاج نے کہا کہ حرمت وہ چیز ہے جس کو پورا پورا ادا کرنا واجب ہے اور کسی طرح کی اس میں کمی کرنا حرام ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ حرمات اللہ سے مراد ہیں آداب حج۔ ابن زید نے کہا کہ اس جگہ حرمات اللہ سے مراد ہیں بلد حرام اور بیت حرام اور ماہ حرام "**فھو خیر لہ عند ربّہ**" ان حرمات کی تعظیمات اللہ کے نزدیک بہتر ہے آخرت میں۔ "**واحلت لکم الانعام**" جب تم ان کو ذبح کرو تو ان کے گوشت سے کھاؤ اس سے مراد اونٹ، گائے اور بھیڑ ہیں۔ "**الا ما یتلی علیکم**" مگر جن کی حرمت ہم نے تمہارے لیے بیان کر دی ہے اس کا ذکر سورۃ مائدہ میں "**حرمت علیکم المیتۃ والدم**"

"**فاجتنبوا الرجس من الاوثان**" ان کی عبادت کرنے سے۔ یہ رجس کا سبب ہے، یہ عذاب کا سبب بنتا ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ مِن یہاں پر تجنیس کے لیے ہے کہ تم ان بتوں سے بچو کیوں کہ یہ رجس ہیں۔ "**واجتنبوا قول الزور**" زور سے مراد جھوٹ اور بہتان ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا، اے لوگو! جھوٹی گواہی سے اجتناب کرو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے بچو، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اور بعض نے کہا کہ جھوٹی گواہی سے مراد مشرکین کا تلبیہ کہنا کیونکہ وہ لبیک کہتے وقت یہ کہتے تھے "لبیک لا شریک لک الاّ شریکا تملکه و ما ملک" تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۞ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۞ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۞ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۞

ترجمہ اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ رکھنا (خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے سو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا معبود (حقیقی) ایک خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو (یعنی موحد خالص رہو) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجئے۔

تفسیر ۞ "حنفاء للّٰه" اس کے ساتھ خالص رکھنے والے "غیر مشرکین به" قتادہ کا قول ہے دور شرک میں لوگ حج کرتے تھے لیکن ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو روکتے تھے اور اپنے کو حنیف کہتے تھے یعنی دین ابراہیمی پر قائم، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "حنفاء للّٰه غیر مشرکین به" وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مسلمان موحدین سے لڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے وہ مؤحد نہیں وہ حنیف نہیں۔ "ومن یشرک باللّٰه فکانما خرّ" وہ گر جاتا۔ "من السماء" آسمان سے زمین پر "فتخطفه الطیر" اس کو پرندے اُچک لیتے اور لے جاتے خطف اور اختطاف کسی چیز کو جلدی کے ساتھ اُچک لینا۔

قراء اہل مدینہ نے خاء کے فتحہ کے ساتھ اور طاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، "یتخطّفهٗ"......"او تهوی به الریح"

وہ اس کی طرف مائل ہو جائے اور اس کو لے جائے۔ "فی مکان سحیق" دور مکان۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے کرتے شرک کرنے لگے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ وہ آسمان سے گرا اور پرندے اس کو لے جائیں یا ہوا کے ذریعے کسی اور جگہ چلا جائے تو وہ اپنی حالت پر نہیں پہنچ سکتی۔

بعض نے کہا کہ مشرک کی حالت کو آسمان سے گرنے کے ساتھ تشبیہ دی کہ جب وہ آسمان سے گرتا ہے تو اس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہوتا، تو وہ ہوا کے سپرد ہو جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اس کا گوشت پرندے کھاتے ہیں یا کسی گھاٹی میں جا کر گر جاتا ہے۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفار کے اعمال کو اس حالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ ان کو ہلاکت کی جگہ لے جاتا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہوتے کہ اپنے آپ کو اس آفت سے بچا سکیں۔

㉜ "ذلک" جو ہم نے ذکر کیا کہ گندگی اور جھوٹ سے بچنا۔ "ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں کیونکہ انہی کے ذریعے دلوں کا تقویٰ حاصل ہوتا ہے، ان دونوں کی تعظیم دل کا تقویٰ ہی ہے۔

㉝ "لکم فیھا" اس قربانی میں ہدی سے پہلے نام کرنے سے "منافع" بہت سارے منافع ہیں۔ یعنی ان پر سوار ہونا ان کی نسل بڑھانا اور ان کے اون اور ان پر بوجھ لادنا وغیرہ کے کام میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ "الی اجل مسمّی" ان کو نام رکھنے (قربانی کا جانور مقرر کرنے سے پہلے) اور ان کو ہدیہ کے لیے واجب کرنے سے، جب تم اس جانور کو اس کام کے لیے متعین کر دو تو پھر اس سے یہ منافع حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ مجاہد کا قول ہے اور یہی قتادہ اور ضحاک کا قول ہے اور یہی روایت مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

عطاء بن رباح، امام مالک اور امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا۔ ان حضرات کا مسلک ہے کہ قربانی کے نامزد اونٹوں اور اونٹنیوں پر سوار ہونا بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا بشرطیکہ اس عمل سے ان کو ایذاء نہ پہنچے جائز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ خود پیدل چل رہا تھا اور قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا، اس شخص نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کا اونٹ ہے، فرمایا سوار ہو جا، اس نے پھر کہا، قربانی کا اونٹ ہے، فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا برا ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا کہ قربانی کے جانور سے دودھ کا استعمال کر لے، جب وہ اپنے بچے کو پلانے کے بعد باقی بچ جائے۔ اصحاب الرأی کا قول ہے کہ قربانی کے جانور پر سوار نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس کو ضرر حاصل نہ ہو وہ اس پر سوار نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد شعائر حج اور مکہ میں حاضر ہونا ہے۔ اس میں تمہارے لیے تجارت کے منافع اور بازار ہیں، مقررہ مدت تک یہ جب ہے جب مکہ سے نکل جائیں۔ بعض نے کہا کہ "لکم فیھا منافع" سے مراد اجر و ثواب ہے۔ حج کے مناسک مقررہ مدت تک ادا کرنے میں۔ جب تک حج کے دن پورے نہ ہو جائیں

اس وقت تک ثواب ملتا رہتا ہے۔ "ثم محلها" اس سے مراد اس کا نحر کرنا ہے۔ "الی البیت العتیق" اس کی قربانی بیت عتیق کے پاس کی اس سے مراد پورا حرم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلا تقربوا المسجد الحرام" سارا کا سارا حرم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ قربانی کرو اور منیٰ سارا کا سارا قربان گاہ ہے۔ لہٰذا تم اپنے ٹھہرنے کی جگہ بھی قربانی کر سکتے ہو۔ جن حضرات نے کہا کہ شعائر سے مراد حج کے فرائض ہیں تو اس قول کا معنی "ثم محلها الی البیت العتیق" یہ ہوگا کہ لوگوں کا احرام کھولنا بیت اللہ پہنچ کر۔ اس سے مراد طواف زیارت ہے۔

㉞ "ولکل امة" ایک صالح قوم ماقبل اقوام میں گزر چکی ہے۔ "جعلنا منسکا" حمزہ اور کسائی نے سین کے کسرہ کے ساتھ اس جگہ اور اس سورۃ کے آخر میں یہ اسم کے معنی میں ہے جیسے مسجد اور مطلع ہے اور وہ قربان گاہ ہے جہاں پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دوسرے قراء نے سین کے فتحہ کے ساتھ مصدر پڑھا ہے جیسے مدخل اور مخرج ہے۔ اس کا معنی خون بہانا، اس کو قربت کے لیے ذبح کرنا۔ "لیذکروا اسم اللہ علی مارزقهم من بهیمة الأنعام"

اس کے نحر کے وقت اور اس کے ذبح کے وقت اس کو "بهیمة" کے نام سے موسوم کیا کیونکہ یہ کلام نہیں کرتے۔ بعض نے کہا کہ "بهیمة الانعام" بہیمہ کے ساتھ "نعم" کی قید لگائی ہے اور کچھ چوپائے انعام کے علاوہ بھی ہوں گے جیسے گھوڑا، گدھا، خچر، بہائم تو ہیں لیکن ان کو انعام نہیں کہا جاتا، اسی لیے اس کی قربانی جائز نہیں۔ "فالٰهکم اله واحد" تم ان جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرو جو اکیلا ہے۔ "فله اسلموا" اسی کی پیروی کرو اور اسی کی اطاعت کرو۔ "وبشر المخبتین" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ عاجزی کرنے والے تواضع کرنے والے۔ مجاہد کا قول یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں مگن، مطمئن، خبث نشیبی مقام کو کہتے ہیں۔ اخفش نے اس کا ترجمہ کیا خشوع کرنے والے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اہل اخلاص اطمینان کلبی نے اس کا ترجمہ کیا نرم دل لوگ۔ عمرو بن اوس نے کہا کہ "مخبتین" وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ㉟ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ㊱

ترجمہ: جو ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (بقدر حکم اور توفیق کے) خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح

کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی کروٹ کے بل) گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو (اور ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم (اس پر اللہ تعالیٰ کا) شکر کرو۔

تفسیر ㉟ "الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم والصّابرین علی ما اصابھم"...... "اصابھم" سے مراد بلائیں اور مصائب ہیں۔ "والمقیمی الصلاۃ" اوقات نماز میں نماز کو قائم کریں۔ "وممّا رزقنھم ینفقون" جو وہ صدقہ کرتے ہیں۔

㊱ "والبُدنَ" جمع ہے "بدنۃ" کی۔ اس کو بدنہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے اس کو بدن کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بدن الرجل بدنًا وبدانۃً" جب وہ خوب موٹا تازہ ہو جائے یا جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے اور اس کا گوشت ڈھیلا پڑ جائے۔

عطاء اور سدی نے کہا کہ اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔ "جعلناھا لکم من شعائر اللّٰہ" اللہ کے دین کے خاص نشانات ہیں۔ ان کو شعائر سے مسمّی کیا کیونکہ ان جانوروں کا شعار کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ لوہے کے ساتھ ہدی کے جانور کو نشان لگانا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ "لکم فیھا خیرٌ" دُنیا میں نفع اور آخرت میں اجر۔ "فاذکروا اسم اللّٰہ علیھا" ان کے نحر کے وقت اللہ کا نام لینا۔ "صوّاف" جب ان کے تین پائے باندھ دیے ہوں اور ان کو صف میں کھڑا کریں۔ اس کے اگلے پاؤں کو باندھ دیا جائے یا پچھلے پاؤں کو، پھر اس کو نحر کرے۔

زیاد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے کہ انہوں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا، پھر اس کا نحر کیا، فرمایا کہ ایک شخص کو کھڑا کیا کہ وہ اس کو قائم کرے کیونکہ یہ سنت محمد یہ ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ صواف اس کو کہتے ہیں جب کہ اس کے دائیں پاؤں کو باندھ دیا جائے اور وہ تین ٹانگوں کے اوپر کھڑا ہو جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "صوافن" پڑھا ہے کہ اس کو باندھا اور پھر اس کا نحر کیا۔ اُبی، حسن اور مجاہد کے نزدیک (صوافی) پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے پاک صاف۔ اس کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرے، اس میں دوسرا اور کوئی شریک نہ ہو۔ "فاذا وجبت جنوبھا" جب وہ نحر کے بعد گر جائیں۔ وجوب اصل میں کہا جاتا ہے گر جانا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "وجبت الشمس" جب سورج غروب ہو جائے۔ "فکلوا منھا" یہ امر اباحت کے لیے ہے۔ "واطعموا القانع والمعتر" اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

قانع اور معتر کی مختلف تفاسیر

❶ عکرمہ، ابراہیم اور قتادہ کا بیان ہے، قانع وہ ہوتا ہے جو گھر میں بیٹھا رہے۔ **متعفف** اسے کہتے ہیں جو اسے دیا جائے، اسی پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معتر اس کو کہتے ہیں جو سوال بھی کرے۔

❷ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ قانع وہ ہوتا ہے کہ وہ سوال نہ کرے اور معتر وہ ہے جو

دوسرے پر نظر رکھے کہ اس سے کچھ ملے اور اس سے کچھ سوال نہ کرے، ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ نکلا کہ قانع قناعت سے ہے، "قنع قناعة" کہا جاتا ہے وہ راضی ہو جائے جو کچھ اسے تقسیم کیا جائے۔

3 سعید بن جبیر، حسن، کلبی کا قول ہے کہ القانع وہ ہے جو سوال کرے، معتر وہ ہے جو ہاتھ تو پھیلائے لیکن سوال نہ کرے۔ اس صورت میں "قانع، قنع، یقنع، قنوعًا" سے ہے جب وہ سوال کرے۔

4 حسن نے "والمعتری" پڑھا ہے جو معتر کے مثل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "عرّه واعتره وعداه واعتراه اذا اتی یطلب معروفه" جب وہ معروف چیز کا مطالبہ کرے۔

5 ابن زید کا قول ہے کہ القانع سے مراد مسکین ہے اور "المعتر" اس کو کہتے ہیں جو مسکین نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ایک قوم کے پاس آئے جن کے پاس ذبح شدہ جانور رکھے ہوئے ہوں تو وہ ان کے سامنے جا کر ان کے متعلق مانگے۔

"کذلک" اسی طرح جس طرح نحر کرنے کے لیے جانوروں کو صف بستہ کھڑے رکھتے ہیں۔

"سخرناها لکم" یہ تمہارے لیے نعمت ہے جن کے ذریعے سے تم ان جانوروں کے نحر کرنے میں قدرت رکھتے ہو۔

"لعلکم تشکرون" تاکہ تم اس انعام کے سبب شکر ادا کرو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿39﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿40﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اللہ کی راہ میں ان کو قربانی کر کے) اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم کو (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی اور (اے محمد) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ وغیرہ کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا

رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو اپنے اپنے زمانے میں نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے)

تفسیر ㊲ "لن ینال اللّٰہ لحومھا و لا دماؤھا" زمانہ جاہلیت میں یہ رسم بد تھی کہ مشرک جب کسی جانور کی قربانی کرتے اس جانور کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور اس خون کے ذریعے سے کعبہ پر چھینٹے مارتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یعقوب نے "تنال و تنالہ" دونوں کے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ عام قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اُٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا بلکہ تمہارے اعمال صالحہ اللہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ "ولکن ینالہ التقویٰ منکم کذلک سخرھالکم" اس سے مراد بدنہ ہے۔ "لتکبروا اللّٰہ علی ماھداکم" اس بات پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو کہ اس نے اپنے دین کے نشانات اور آداب حج بتلائے۔ جانوروں کو تابع بنالینے کا راستہ دکھایا اور پھر انہوں نے یوں کہا "اللّٰہ اکبر علی ماھدانا والحمدللّٰہ علی ما ابلانا و اولانا"...... "وبشر المحسنین" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد موحدین ہیں۔

㊳ "انّ اللّٰہ یدافع عن الذین اٰمنوا" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے (یدفع) پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے (یدافع) الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد بڑے بڑے مشرکین کو مؤمنین سے دور ہٹا دیں گے۔ "انّ اللّٰہ لا یحب کلّ خوان کفور" اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرنے والے کو کوئی پسند نہیں کرتا یا خوان کہا جاتا ہے امانت الٰہیہ میں بڑی خیانت کرنے والا، کفور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ خانوا اللّٰہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اس کی نعمت کو ٹھکرانا۔ زجاج کا قول یہ ہے کہ جو شخص ذبح کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیتا ہے اور دوسرے کے نام پر قربانی کرتا ہے اور بھینٹ چڑھا کر بتوں کا تقرب حاصل کرتا ہے وہ خوان کفور ہے۔

㊴ "أذن" اہل مدینہ، بصرہ نے اور عاصم نے "أذن" الف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ "للذین یقاتلون" اہل مدینہ، ابن عامر وحفص نے "یقاتلون" تاء کے فتحہ کے ساتھ وہ مؤمنین جو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔

بعض ایک تفاسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسی کا سر پھٹا ہوتا، کوئی زخمی ہوتا، کوئی پٹ کر آتا، سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایک سلوک کیا جارہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر کرو، ابھی مجھے لڑنے کا حکم

نہیں دیا گیا ہے۔اس کے بعد یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم دیا گیا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ یہ آیت اس قوم کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے تو یہ مشرکین ان لوگوں کو ہجرت کرنے سے روکتے تھے۔ان لوگوں کے خلاف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔

''بانّھم ظلموا'' اس سبب کے باعث کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور مسلمانوں کو ایذاء دینے میں حد سے تجاوز کر رہے تھے۔''وانّ اللّٰہ علی نصرھم لقدیر''

⑩ ''الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق'' یہ پہلے الذین سے بدل ہے۔''الا أن یقولوا ربّنا اللّٰہ'' وہ اپنی بستی سے صرف اسی وجہ سے نکالے گئے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

''ولو لا دفع اللّٰہ النّاس بعضھم ببعض'' اس سے مراد جہاد اور اقامت حدود ہے۔''لھدمت'' قراء اہل مدینہ نے دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔تشدید کے ساتھ پڑھنے والے کثیر ہیں اور تخفیف کے ساتھ پڑھنے والے قلیل ہیں۔''صوامع'' مجاہد اور ضحاک کا قول ہے کہ صوامع سے مراد ہیں تارک الدنیا درویشوں کے عبادت خانے اور خانقاہیں۔قتادہ نے کہا کہ صابیوں کے عبادت گھر مراد ہیں۔''وبیع'' عیسائیوں کے گرجا گھر۔''وصلوات'' یہودیوں کی عبادت گاہیں۔عبرانی زبان میں یہودیوں کے عبادت خانوں کو صلوات کہا جاتا ہے۔''ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرًا'' مساجد سے مراد ہیں مسلمانوں کی مسجدیں جو اُمت محمدیہ میں سے ہیں۔آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو ہر نبی کے دور میں اس کی اُمت کے عبادت خانے ڈھا دیئے جاتے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صابیوں کے عبادت گھر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عیسائیوں کے گرجے اور صابیوں کے عبادت خانے اور عہد محمدی میں مسجدیں۔

ابن زید کا قول ہے کہ ''بالصلوات'' سے مراد اہل اسلام کی نمازیں ہیں کیوں کہ ان کی صفوں میں دشمن بھی پہنچ جائیں تو اپنی نماز کو توڑتے نہیں۔''ولینصرن اللّٰہ من ینصرہ'' وہ ان کے دین اور اس کے نبی کا مددگار ہے۔''ان اللّٰہ لقویّ عزیز''

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

ترجمہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو

خدا ہی کے اختیار میں ہے اور یہ (مجادل) لوگ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں تو (آپ مغموم نہ ہوجئے) (کیونکہ) ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیمؑ اور قوم لوط اور اہل مدین بھی (اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام) کی تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی (قبط کی طرف سے) کاذب قرار دیا گیا سو (تکذیب کے بعد) میں نے (ان) کافروں کو (چندے) مہلت دی پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو (اب ان کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (اسی طرح ان بستیوں میں) بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل سو کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں۔

تفسیر ⑪ **"الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر"** زجاج کا قول ہے کہ یہ ماقبل نصرت کی صفت ہے۔ **"مکناھم"** کا معنی ہے کہ ہم نے دشمن پر آپ کو مدد دی یہاں تک کہ آپ شہر میں ٹھہرے رہے۔ اس سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد یہی اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ **"وللہ عاقبۃ الامور"** تمام مخلوقات کا آخری امر اور ان کا لوٹنا ان کی طرف ہوگا اور تمام بادشاہوں کی بادشاہت اس دن ختم ہوجائے گی سوائے اللہ کی بادشاہت کے اور تمام اُمور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

⑫ **"وان یکذبوک"** اگر آپ کو یہ جھٹلاتے ہیں۔ **"فقد کذبت قبلھم قوم نوح و عاد و ثمود"** آپ سے پہلے اقوام بھی اپنے انبیاء کو جھٹلا چکی ہیں اس لیے آپ اس وجہ سے غم نہ کھائیں۔

⑬ **"وقوم ابراھیم و قوم لوط"**

⑭ **"واصحاب مدین و کذب موسیٰ فاملیت للکافرین"** یعنی ہم نے تمہیں مہلت دی اور تمہاری سزاؤں کو مؤخر کردیا۔ **"ثم اخذتھم"** پھر ہم نے تمہیں پکڑ لیا۔ **"فکیف کان نکیر"** یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ہماری ان پر کیسی پکڑ ہوئی کہ ہم جھٹلانے والوں کو کس طرح عذاب دیتے ہیں اور کس طرح ہلاک کرتے تھے۔ لہٰذا اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو ڈراتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔

⑮ **"فکاین"** اور ان کے ساتھ۔ **"من قریۃ اھلکناھا"** قراء اہل بصرہ اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے **"أھلکناھا"** نون اور الف کے ساتھ تعظیم کی بناء پر پڑھا ہے۔

"وھی ظالمۃ" اور اس کے اہل والے ظالم تھے۔ **"فھی خاویۃ"** ان کے اوپر گری پڑی ہیں۔ **"علی عروشھا"** اس کی چھتیں **"وبئر معطلۃ"** اور بہت سارے کنویں بے کار پڑے رہ گئے، کوئی ان سے پانی نکالنے والا ہی نہیں رہا۔ **"وقصر مشید"** قتادہ، ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد اونچے بلند۔ جیسا کہ عربی محاورہ ہے **"شادَ بناہ"** اس کی عمارت کو اونچا کیا۔ سعید بن جبیر، عطاء، و مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے کہ شید کا معنی ہے چونا، گچ، مصالحہ، اس لیے مشید کا ترجمہ یہ ہوا چونے اور گچ سے چنے ہوئے۔

بعض نے کہا کہ "بئر معطلة" اور قصر مشید دونوں یمن میں تھے۔قصر پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور کنواں دامن کوہ میں۔ ہر ایک کے مالک کچھ لوگ تھے بڑے عیش وراحت میں غرق لیکن جب انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا، قصر اور کنواں ویران ہو گیا۔

ابوروق نے ضحاک کے حوالے سے بیان کیا کہ وہ کنواں حضرموت کے ایک شہر میں تھا، شہر کا نام حاصورا تھا۔ یہ شہر چار ہزار مؤمنوں نے آباد کیا تھا جو حضرت صالح علیہ السلام کے ہم رکاب حضرموت میں آ گئے تھے۔اسی حضرموت میں حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔اسی لیے اس بستی کو حضرموت کہنے لگے، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے حاصورا کی تعمیر کی اور کنویں پر مستقل قیام کر لیا اور اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو امیر اور حاکم بنالیا۔مدت دراز تک رہتے رہے، نسلیں بڑھیں اور آبادی وسیع ہو گئی۔آخر کچھ لوگ بگڑ گئے اور بتوں کی پوجا کرنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا۔حضرت حنظلہ قلی تھے، لوگوں کا بوجھ اُٹھایا کرتے تھے، آپ نے نصیحت کی، قوم نے نصیحت نہ مانی، تکذیب کی اور بازار میں ان کو قتل کر دیا۔نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا، ان کے محل ویران اور کنویں بیکار پڑے رہ گئے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ جس سے ان کے دل ایسے ہو جاویں کہ اس سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہو جاویں جن سے سننے لگیں بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ نکالنے کے لئے) آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (امتداء میں یا اشتداء میں) برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کی شمار کے موافق۔

تفسیر ⑯ "أفلم يسيروا في الارض" اس سے مراد کفار مکہ ہیں کہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ماقبل اُمتوں کا کیا حشر کیا جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔

"فتكون لهم قلوب يعقلون بها او آذان يسمعون بها" جو ہم نے ماقبل اقوام کا تذکرہ کیا، ان سے عبرت حاصل کرو۔"فانها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور" "التی فی الصدور" کو بطور تاکید کے ذکر کیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "يطير بجناحيه" اس کا معنی یہ ہے کہ اعمی ضار سے مراد دل کا اندھا اور اعمی البصر یہ دین کے امور میں ضرر نہیں دیتا۔قتادہ کا قول ہے کہ آنکھ کی بینائی پہنچنے اور فائدہ اُٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی ہے۔

㊼ "ویستعجلونک بالعذاب" یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی جس نے یہ دُعا کی تھی اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ "ولن یخلف اللّٰہ وعدہ" اس وعید کو بدر کے دن پورا کیا گیا۔

"وانّ یومًا عند ربک کالف سنة مما تعدون" ابن کثیر، حمزہ و کسائی نے "یعدون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ پہلے "یستعجلونک" میں ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ "تعدون" پڑھا ہے کیونکہ خطاب مستعجلین مؤمنین کے بارے میں ہے اور سورۃ تنزیل السجدہ والی آیت میں ان کے ساتھ تاء سے موافقت کی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ چھے دنوں میں ایک دن مراد ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے کہ ایام آخرت میں ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فقراء، مہاجرین کے گروہ تم کو بشارت ہو کہ قیامت کے دن کو نور کامل حاصل ہوگا، تم جنت کے اندر مال داروں سے آدھا دن پہلے داخل ہوگے اور تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ابن زید کا قول ہے "وانّ یومًا عند ربک کالف سنة مما تعدون" یہ دن آخرت کے ایام میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "مقدارہ خمسین الف سنة مما تعدون" اس سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ جس عذاب کے یہ لوگ فوری طلب گار ہیں۔ اس کا ایک دن شدت تکلیف اور طول میں انسانوں کی گنتی کے ہزار سال کے برابر ہے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ تو پھر یہ لوگ کس طرح عذاب میں جلدی کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شدت تکلیف کے دن لمبے ہیں اور خوشی کے دن بہت مختصر ہیں۔

عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ کے پاس ایک دن اور تمہارے ایک ہزار سال مہلت دینے کے برابر ہیں کیونکہ اللہ قادر ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا، کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں۔ تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز، اللہ کے دست قدرت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ عذاب کو فوراً نازل کر دینا اور کچھ مدت مؤخر کر دینا، دونوں باتیں اس کی قدرت کے لیے مساوی ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا. وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ㊽ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ㊾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ㊿ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿51﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿52﴾

ترجمہ اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے (ان کی طرح) مہلت دی تھی اور وہ (ان ہی کی طرح) نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹنا ہوگا (اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگوں میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں سو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کرتے رہتے ہیں (نبی کو اور اہل ایمان کو) ہرانے کے لئے ایسے لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جوابات قاطعہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات (کے مضامین) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا خوب حکمت والا ہے۔

تفسیر ⑱ "و کاین من قریة املیت لها" ہم نے ان کو مہلت دی۔ "وھی ظالمة ثم اخذتها والیّ المصیر"

⑲ "قل یا یھا النّاس انّما أنا لکم نذیر مبین"

⑳ "فالذین آمنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة ورزق کریم" رزق کریم سے مراد وہ اشیاء جو کبھی ختم نہ ہونے والی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنت ہے۔

㉑ "والذین سعوا فی ایاتنا" اور جو لوگ ردّ کرنے کے لیے ہماری آیات کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں۔ "معاجزین" ابن کثیر اور ابو عمرو نے معجزین تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ سبا میں بھی تا کہ وہ لوگوں کو ان کے ایمان سے ورغلائیں اور دوسرے قراء نے معاجزین الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد معاندین ہیں۔ قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے خیال میں ہمیں ہرانا چاہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ دوزخ اور نہ ہی جنت اور "یعجزوننا" کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کو فوت کر دیں گے اور وہ ہم پر قادر نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "أم حسب الذین یعملون السیئات أن یسبقونا" "اولئک اصحاب الجحیم" کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں۔ ہر ایک کے سامنے دوسرا عاجز ہو جائے، دوسرا ہار جائے۔

㉒ "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته"

حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قوم والوں نے رُخ پھیر لیا اور کلام اللہ سے ان کا دور دور رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزرا تو آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! اللہ کی طرف سے کوئی ایسا طریقہ پیدا ہو جاتا جس سے قوم والے آپ کے قریب آ جاتے۔ آپ کو قوم والوں کے مسلمان ہو جانے کی بڑی ہی رغبت تھی۔ چنانچہ ایک روز آپ قریش کے جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ نجم نازل ہوئی۔ آپ نے لوگوں کے سامنے

پڑھ کر سنائی۔ جب پڑھتے پڑھتے آیت "افرائیتم الات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو شیطان نے وہ دلی خواہش جو آپ کے سینے میں پیدا ہوتی رہتی تھی، زبان سے نکلوا دی اور آپ کی زبان سے آیت مذکورہ کے بعد نکل گیا۔

"تلک الغرانیق العلیٰ واِنّ شفاعتھن لترتجی"

قریش نے جب یہ الفاظ سنے تو بڑے خوش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلاوت میں مستغرق رہے اور اسی طرح سورۃ ختم کر لی تو آخر سورۃ میں سجدہ کیا، آپ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور کعبہ میں جو مشرک تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا، کوئی مسلمان یا مشرک بغیر سجدہ کے نہیں رہا، صرف ولید بن مغیرہ اور سعید بن عاص نے سجدہ نہیں کیا اور ایک ایک مٹھی کنکریاں اُٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لیں۔ بات یہ تھی کہ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے، سجدہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں تھی۔ اس کے بعد قریش منتشر ہو گئے اور اپنے معبودوں کا ذکر جو سنا تھا، اس سے بڑے خوش تھے اور اب کہہ رہے تھے اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کر دیا، ہم کو اقرار ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے اور رزق دیتا ہے لیکن ہمارے یہ معبود اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے۔ اب جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو ان کا حصہ دے دیا تو اب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے یہ کیا کیا کہ جو کلام میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لایا تھا اس کے سوا دوسرے کلام کی لوگوں کے سامنے آپ نے تلاوت کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر بہت غمگین ہوئے اور آپ کو اللہ کا بڑا ڈر لگا۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت "وما ارسلنا من قبلک" نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی عطا فرمائی ہے جو صحابی اس زمانہ میں حبش میں تھے ان کو جو اطلاع ملی کہ قریش نے بھی سجدہ کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ قریش مسلمان ہو گئے تو ان میں سے اکثر لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپسی کے ارادے سے چل دیئے اور بولے مکہ والوں سے ہمیں محبت ہے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی جو خبر ان کو پہنچی تھی، وہ غلط تھی۔ چنانچہ یہ لوگ مکہ میں چھپ چھپا کر داخل ہوئے یا کسی کی پناہ لے کر۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قریش نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات پر ندامت ہے کہ انہوں نے ہمارے معبودوں کی تعریف کیوں کی اور یہ دونوں حرف شیطان نے آپ کی زبان پر القا کیے اور ہر مشرک کی زبان پر بھی یہ لفظ تھا۔ اس لفظ کی وجہ سے مشرکین کا اور شر بڑھ گیا اور جو لوگ مسلمان تھے، ان پر بہت گراں گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما ارسلنا من قبلک من رسول" آپ سے پہلے بھی جن کو ہم رسول بنا کر بھیجتے ہیں ان پر حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر جاتے ہیں اور نبی جس کو نبوت الہام و خواب کے ذریعے سے ہو، ہر رسول نبی تو ہو سکتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہو سکتا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے جب اس نے پسند کیا، جب اس نے دلی خواہش کی جب اس نے دل ہی دل میں ایسی بات کی جس کا علم اس کو نہیں دیا گیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "القی الشیطان" کا معنی ہے وسوسہ کا راستہ پا لینا اور مراد نبی

میں (کچھ) ڈال دینا۔کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ جب اس نے قوم کے ایمان لانے کی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کی تمنا میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دی ہو، جو اس کی قوم کے لیے دل پسند ہو۔

اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ تمنی کا معنی ہے کہ پڑھا اور امنیه کا معنی ہے قرأت یعنی پیغمبر نے جب اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے اس کی قرأت میں مداخلت کی۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ایک شاعر نے کہا:

تمنى كتاب الله اوّل ليلة وآخرها لاقى حمام المقادر

(شروع رات میں آپ نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخر رات میں موت مقدرہ سے ملاقات کی۔)

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ نماز کے اندر تلاوت کی ہے یا باہر۔بعض حضرات نے کہا کہ نماز میں قرأت کی اور بعض نے کہا کہ نماز کے باہر قرأت کی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

سوال: یہ بات کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت میں ایسی غلطی واقع ہو جائے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور اصل دین میں آپ سے غلطی ممکن نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه**" شیطان ان کے پاس نہیں آ سکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے؟

جواب: علماء نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

❶ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ نہیں پڑھے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے سنے۔صرف شیطان نے (آپ کی آواز بنا کر) مشرکوں کے کانوں میں یہ الفاظ ڈال دیئے، مشرکوں نے خیال کرلیا کہ یہ الفاظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہے ہیں۔

❷ قتادہ کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اس وقت نیم بیہوشی کی تھی کہ القاء شیطانی کی وجہ سے یہ الفاظ آپ کی زبان سے سہواً نکل گئے لیکن فوراً ہی اللہ نے آپ کو متنبہ فرما دیا۔

❸ بعض نے کہا کہ ایک شیطان جس کا نام ابیض تھا اس نے یہ حرکت کی تھی اور یہ ایک بڑی آزمائش تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرح طرح سے آزمائش کرتا ہے۔"**ثم یحکم الله آیاته**" پھر ہم اس کے بعد اپنی آیات کو اور مضبوط کرتے ہیں۔"**والله علیم حکیم**"

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ م بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْيَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۗ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ
56 وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ 57 وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ 58

ترجمہ (اور یہ قصہ اس لئے کیا ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل (بالکل) ہی سخت ہیں اور واقعی (یہ) ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں اور تاکہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان اجوبہ اور نور ہدایت سے) اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے وہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جاویں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھلاتا ہے اور (رہ گئے) کافر لوگ (سو وہ) ہمیشہ اس (پڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر دفعۃً قیامت آ جاوے یا ان پر کسی بے برکت دن کا (کہ قیامت کا دن ہے) عذاب آ پہنچے بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب (مذکورین) کے درمیان (عملی) فیصلہ فرمائے گا سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا (وہ فیصلہ یہ ہوگا) اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے لئے) اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ (کفر کے مقابلہ میں) قتل کئے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ایک عمدہ رزق دے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا (دینے والا) ہے۔

تفسیر 53 **"لیجعل ما یلقی الشیطان فتنة"** آزمائش اور مصیبت۔ **"للذین فی قلوبھم مرض"** مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ **"والقاسیة"** جامد ہیں۔ **"قلوبھم"** حق کے قبول کرنے سے وہ سخت ہیں اس سے مراد مشرک لوگ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ مشرکین نے جو کچھ سنا تھا اس سے ان کو خوشی حاصل ہوئی تھی۔ پھر اس کلام کو ختم کر دیا گیا اور اس پڑھنے کی بناء پر ہم نے ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہی کیا اور ان لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے۔ پھر ان کو اس بات سے ندامت حاصل ہوئی۔ **"وان الظالمین"** ظالمین سے مراد مشرکین ہیں۔ **"لفی شقاق"** اس سے مراد گمراہی ہے۔ **"بعید"**

54 **"ولیعلم الذین اوتوا العلم"** اس سے مراد توحید اور قرآن ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منسوخ کردہ احکامات کی تصدیق کرنا۔ **"انه"** اس سے مراد محکم آیات قرآنی ہیں۔ **"الحق من ربک فیؤمنوا به"** یہ اعتقاد رکھو کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ **"فتخبت له قلوبھم"** اس کے ذریعے سے اپنے دلوں میں سکون حاصل کرتے ہیں۔ **"وان اللّٰه لهاد الذین اٰمنوا الی صراط مستقیم"** سیدھا راستہ اور وہ اسلام ہے۔

55 **"ولا یزال الذین کفروا فی مریة منه"** وہ لوگ اس بات میں شک کے اندر پڑے ہوئے ہیں کہ یہ شیطان نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے القا کیا اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ پہلے انہوں نے ہمارے بتوں کے متعلق ذکر خیر کیا، پھر اس سے رجوع کرلیا۔ ابن جریج کا قول ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ دین (صراط مستقیم) کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ "حتّٰی تاتیهم الساعة بغتة" اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے۔

"او یأتیهم عذاب یوم عقیم" ضحاک اور عکرمہ کا اس بارے میں یہ قول ہے، ایسا دن جس کی رات نہیں ہوگی۔

یوم عقیم کی تفسیر

اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک یوم عقیم سے مراد بدر کا دن ہے اور ساعة سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یوم بدر کو عقیم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس دن کفار کو کوئی خیر حاصل نہیں ہوگی اور اسی طرح ریح عقیم بغیر بارش کے ہوا کو کہتے ہیں۔ لغت میں عقیم ممنوع کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے رجل عقیم۔ جب اس کو اپنے بیٹے سے روک دیا گیا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس عظیم کام میں اس کا کوئی مثل نہیں کہ وہ فرشتوں کے ساتھ قتال کرے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ وہ رات تک انتظار نہیں کریں گے جب تک کہ شام سے پہلے پہلے وہ قتل نہ کر دیئے جائیں۔

56 "الملک یومئذٍ" اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "للّٰه" اس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔ "یحکم بینهم" پھر ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ "فالذین آمنوا وعملوا الصالحات فی جنات النعیم"

57 "والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا فاولٰئک لهم عذاب مهین"

58 "والذین هاجروا فی سبیل اللّٰه" جو لوگ اپنے وطن سے اور اپنے قبیلہ والوں سے اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی۔ "ثم قتلوا او ماتوا" قتلوا تشدید کے ساتھ بھی ہے۔ "لیرزقنهم اللّٰه رزقًا حسنًا" رزق حسن سے مراد جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو اور وہ جنت کا رزق ہے۔ "وانّ اللّٰه لهو خیر الرازقین" بعض نے کہا کہ اس قول کا مطلب دوسری آیت سے واضح ہے۔ "بل احیاء عند ربّهم یرزقون"

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ 59 ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا
عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ 60 ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ
فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ م بَصِيْرٌ 61 ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ
وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ 62 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ 63 لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ 64 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿65﴾

ترجمہ (اور رزق حسن کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ (بہت ہی) پسند کریں
گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر بات (کی مصلحت) کو خوب جاننے والا ہے بہت حلم والا (بھی) ہے یہ (مضمون تو) ہو چکا
اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی (اور)
پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے (ایسے
وقائق پر داروگیر نہیں کرتا) یہ (مومنین کا غالب کر دینا) اس سبب سے ہے کہ اللہ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن
(کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور (نیز) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ (ان سب احوال واقوال کو) خوب
سننے والا خوب دیکھنے والا ہے یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں
کی اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور (سب سے) بڑا ہے (اور
اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی بیشک اللہ تعالیٰ بہت
مہربان (اور) سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی
وہ سب کا مالک ہے) اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں (اور) ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے (اور اے
مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو (بھی) کہ وہ
دریا میں اس (خدا) کے حکم سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔

تفسیر 59 "**ليدخلنهم مدخلا يرضونه**" کیوں کہ اس میں ان کی من پسند اشیاء ہوں گی اور ایسی اشیاء ہوں گی جو آنکھوں کو لذت بخشیں۔ "**وان الله لعليم**" ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ "**حليم**" وہ بڑے تحمل والا ہے، فوری سزا نہیں دیتا۔

60 "**ذلک**" جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا۔ "**ومن عاقب بمثل ما عوقب به**" ظالم کو اس کے ظلم کے بدلے میں جزا دی جائے گی۔ حسن نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے من عاقب جس نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی۔ "**ثم بغى عليه**" اس کو گھر سے نکال کر اس کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ وہ ظلم و جور جو مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ کیے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔

اس آیت کا نزول مشرکین کی قوم کے بارے میں ہوا کہ کچھ مشرک مسلمانوں کی ایک جماعت پر ۲۸ محرم کو لڑنے کے لیے چڑھ آئے۔ مسلمانوں نے ماہ محرم کے احترام کی وجہ سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا اور مشرکوں سے درخواست کی کہ محرم میں جنگ نہ کرو لیکن مشرکوں نے یہ درخواست رد کر دی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ مشرکوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتی ہوئی، مسلمان

اپنی جگہ قائم رہے اور اللہ کی طرف سے ان کی مدد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لینصرنه الله" عقاب اوّل کی جزاء کے معنی میں ہے۔ "انّ الله لعفوّ غفور" مسلمانوں سے جو غلطی ہوگئی اللہ نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

⑥١ "ذلک" یہ مدد و نصرت "بأن الله" وہ قادر ہے جس پر وہ چاہے اور اس کی قدرت کی یہ بھی ایک نشانی ہے۔ "یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل وأنّ الله سمیع بصیر"

⑥٢ "ذلک بانّ الله هو الحق وان ما یدعون" اہل بصرہ، حمزہ، کسائی، حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے، اس سے مراد مشرکین ہیں۔ "من دونه هو الباطل وأن الله هو العلی" وہ ہر چیز سے بلند و بالا ہے۔ "الکبیر" وہ عظیم الشان اور عالی مرتبہ ہے۔ ایسا کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔

⑥٣ "الم تر أنّ الله انزل من السماء ماء فتصبح الارض مخضرة" اس سے نباتات مراد ہیں۔ "انّ الله لطیف" اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے اور اپنے بندوں کے لیے زمین سے سبزہ نکالا۔ "خبیر" جو بندوں کے دلوں میں ہے اس کو جانتا ہے جب ان سے بادل (بارش) کو روک لیا جاتا ہے تو بندوں کے دلوں میں اس کے متعلق کیا ہوتا ہے۔

⑥٤ "له ما فی السموات وما فی الارض" زمین میں خواہ اس کے بندے ہوں یا اور کوئی چیز اس کی ملکیت میں ہو۔ "وانّ الله لهو الغنی" اپنے بندوں سے "الحمید" اس کے افعال میں۔ یعنی وہ اپنے افعال میں خود محمود ہے، خواہ اس کی حمد کوئی بھی نہ کرے۔

⑥٥ "الم تر انّ الله سخرلکم ما فی الارض والفلک" اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا۔ "تجری فی البحر بأمره" اور خشکی میں جو چوپائے ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

اور کشتیاں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ "ویمسک السماء أن تقع علی الارض" تاکہ وہ زمین پر نہ گرے۔ "الا باذنه ان الله بالنّاس لرؤف رحیم"

وَهُوَ الَّذِيٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ⑥٦ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ⑥٧ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑥٨ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ⑥٩ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦٠ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ⑦١

ترجمہ: ہاں اگر اسی کا حکم ہو جائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں (کے حال) پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا

ہے اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر (وقت موعود پر) تم کو موت دے گا پھر (قیامت میں دوبارہ) تم کو زندہ کرے گا واقعی انسان ہے بڑا بے قدر (جتنی امتیں اہل شرائع گزری ہیں) ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کر دیا ہے کہ وہ اسی پر ذبح کیا کرتے تھے سوان (معترض) لوگوں کو چاہئے کہ آپ سے اس امر (ذبح) میں جھگڑا نہ کریں اور آپ (ان کو) اپنے رب (یعنی اس کے دین) کی طرف بلاتے رہئے (کیونکہ) آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں اور اگر (اس پر بھی) یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ (اخیر بات یہ) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے روز (عملی) فیصلہ فرما دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے (آگے اس کی تائید ہے کہ) اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یقینی بات یہ ہے کہ یہ (سب ان کا قول فعل) نامۂ اعمال میں ہے۔ (پس) یقیناً (ثابت ہو گیا کہ) یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہت) آسان ہے اور یہ (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت (اپنی کتب میں) نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی (عقلی) دلیل ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا

تفسیر ⑥⑥ ”**وھو الذین احیاکم**“ تمہیں اس نے پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے تم کچھ نہ تھے۔ ”**ثم یمیتکم**“ پھر تمہاری مدت پوری ہونے پر تمہیں موت دے دے گا۔ ”**ثم یحییکم**“ پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، قیامت کے دن ثواب اور عقاب کے لیے۔ ”**ان الانسان لکفور**“ انسان اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔

⑥⑦ ”**لکل اُمة جعلنا منسکاھم ناسکوہ**“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت کے لیے ایک شریعت مقرر کر دی تھی جس پر وہ چلتے تھے۔

بعض نے منسک کا ترجمہ تہوار کے ساتھ کیا ہے۔

مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قربان گاہ ہے جس میں وہ جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ منسک سے مراد عبادت کی جگہ ہے اور بعض نے کہا کہ مرکز انس جس سے وہ مانوس تھے۔ عربی میں منسک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کسی اچھے یا برے کام کے لیے لوگ جمع ہونے کے عادی ہوں۔ مناسک حج کو مناسک اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں۔

”**فلا ینازعنک فی الامر**“ ذبح کرنے کے معاملے میں۔ اس آیت کا نزول بدیل بن ورقاء یزید بن خنیس اور بشر بن سفیان کے متعلق ہوا۔ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جس کو خدا براہِ راست مار دیتا ہے اس کو نہیں کھاتے۔ زجاج نحوی نے کہا بظاہر نزاع کی ممانعت مشرکوں کو ہے لیکن حقیقت میں ممانعت کا رُخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں شخص تم سے جھگڑا نہ کرے، یعنی تم

اس سے جھگڑا نہ کرو لیکن ایسا ان افعال میں ہوتا ہے جو طرفین سے صادر ہوں۔ جب ایک فریق اپنا حق چھوڑ دے تو دوسرے کو اختیار نہیں۔ "وادع الی ربک" اپنے رب کی طرف بلاؤ کہ وہ اللہ رب العزت پر ایمان لائیں۔ "انک لعلی هدیً مستقیم"

⑱ "وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون"

⑲ "اللہ یحکم بینکم یوم القیامة فیما کنتم فیه تختلفون" اس وقت تم لوگ پہچان لو گے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اختلاف کا معنی ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے خلاف ہو جانا۔

⑳ "الم تعلم أن اللہ یعلم ما فی السماء والارض انّ ذلک" سب کچھ وہ جانتا ہے۔ "فی کتاب" لوح محفوظ میں۔ "ان ذلک" اس کا علم تمام چیزوں میں۔ "علی اللہ یسیر"

㉑ "ویعبدون من دون اللہ مالم ینزل به سلطانًا" سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔ "ومالیس لهم به علم" جو کچھ انہوں نے کام کیا، وہ محض جہالت کی بناء پر کیا نہ کہ علم کی بنیاد پر۔ "وما للظالمین" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ "من نصیر" ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا سکے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ㉒ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ㉓ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ㉔

(ترجمہ) اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں (بوجہ ناگواری باطنی کے) برے آثار دیکھتے ہو قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر اب حملہ کر بیٹھیں (گے) جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ کیا میں تم کو اس (قرآن) سے زیادہ ناگوار چیز بتلا دوں وہ دوزخ ہے (کہ) اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک (ادنیٰ) مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں سکتے ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔ (افسوس ہے) ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم کرنا چاہئے تھی (کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے) وہ نہ کی (کہ شرک کرنے لگے) حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب (بھی) ہے۔

تفسیر ⑦② "واذا تتلٰی علیھم آیاتنا بینات" بینات سے مراد قرآن مجید ہے۔"تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر" غصہ اور ناگواری وترش روئی کی وجہ سے آثار انکار ان کے چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں۔"یکادون یسطون" پکڑلیں گے یا ضرر پہنچانے کے لیے تلاوت کرنے والوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے اور بعض نے کہا وہ پھیلائیں گے۔ "بالذین یتلون علیھم آیاتنا" اس سے مراد محمد اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو آیات پڑھتے ہیں ان پر شدت غصہ کی وجہ سے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "سطا علیه، سطابه" دونوں ہم معنی ہیں۔ سطو اور سطوۃ مصدر ہے اس پر حملہ کیا یا پکڑنے کے لیے جبر کیا۔"قل" اے محمد!"افانبئکم بشر من ذلکم" یہ تمہارے لیے زیادہ بری اور زیادہ ناگوار ہوگی جو کچھ تم قرآن سے سنتے ہو۔"النار" اس سے مراد آگ ہے۔"وعدھا اللہ الذین کفروا وبئس المصیر"

⑦③ "یا یھا النّاس ضرب مثل" ضرب کا معنی جعل ہے۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے۔ بادشاہ نے لوگوں کی ایک جماعت بھیجی یا بادشاہ نے ذمیوں پر جزیہ لازم کیا۔ یعنی ان پر یہ ڈال دیا۔ مشرکین نے بتوں کے ہی ساتھ ساتھ شریک کرلیا اور انہی بتوں کو شریک کرکے ان کی عبادت کرتے ہیں۔"فاستمعوا له" آپ ان کی حالت اور ان کے وصف کو سن لو، پھر اس کو بیان کردیا اور فرمایا:"انّ الذین تدعون من دون اللّٰہ" اس سے مراد بت پرست ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔"لن یخلقوا ذباباً" ان کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کو واحد ذکر کیا۔ وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہوتیں۔ اس کی واحد اور جمع بھی استعمال ہوتی ہے، تھوڑی کے لیے "أذبة" اور کثیر کے لیے ذباب بولا جاتا ہے۔ جیسے "غراب، وأغربة اور غربان" ہے۔"ولو اجتمعوا له" اس کو پیدا کیا۔"وان یسلبھم الذباب شیئًا لایستنقذوہ منه"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بتوں کو زعفران کے ساتھ لیپ کرتے تھے۔ جب وہ خشک ہو جاتا تو مکھی جا کر اس کو اُٹھا کر لے آتی۔ سدی کا قول ہے کہ بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوتا تھا اس میں مکھی گر جاتی تو وہ اس کو بھی کھا جاتے۔ ابن زید کا قول ہے کہ وہ اپنے بتوں کو زیورات وجواہرات سے مزین کرتے تھے اور ان پر خوشبو لگاتے تھے۔ بسا اوقات ان سے کوئی چیز گر جاتی تو وہ اس کو لے لیتی یا کوئی مکھی اس کو لے لیتی تو وہ معبود اس سے چھڑانے پر قادر نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "وان یسلبھم الذباب شیئًا" اگر مکھی بتوں کے اوپر سے کوئی چیز اُچک لے تو وہ اس سے چھڑانے کے قادر نہیں۔"ضعف الطالب والمطلوب"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طالب سے مراد ہے مکھی جو اس چیز کی طلب گار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے چھینتی ہے اور مطلوب سے مراد ہے بت جس سے مٹھائی وغیرہ مکھی طلب کرتی ہے، طالب کمزور اور مطلوب بالکل ہی بے بس اور بعض نے اس کے برعکس تفسیر کی ہے۔ طالب بت اور مطلوب مکھی لیکن بت تو بے جان ہیں وہ کسی چیز کی بھی طلب نہیں رکھتا اس لیے اس کو طالب قرار دینا صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کہا جائے گا اور طالب استنقاد فرض کرلیا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہیں۔

⑦④ "ما قدروا الله حق قدره" اس طرح اس کی تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنی چاہیے تھی اور اس کے پہچاننے کا جس طرح حق تھا اس طرح اس کو نہیں پہچانا اور جن اوصاف کا حق تھا وہ اوصاف آپ نے بیان نہیں کیے۔ اسی لیے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔ "ان الله لقویٌّ عزیز"

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ⑦⑤ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑦⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت سجدہ) ⑦⑦

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے (جس کو چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے) احکام پہنچانے والے (مقرر فرما دیتا ہے) اور اسی طرح آدمیوں میں سے یقینی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) وہ ان (سب فرشتوں اور آدمیوں) کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو (خوب) جانتا ہے اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے (یعنی وہ مالک مستقل بالذات ہے اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور (تم ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

تفسیر: ⑦⑤ "الله يصطفى" منتخب کیے۔ "من الملائكة رسلاً" مرسل ملائکہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ ہیں۔ "ومن النّاس" اور انسانوں میں سے رسول منتخب کیے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علاوہ بھی ایک انبیاء کی جماعت ہے۔

یہ آیت اس وقت اُتری جب مشرکوں نے کہا تھا "ء انزل عليه الذكر من بيننا" کیا ہماری جماعت میں سے اس معمولی شخص پر قرآن اُتارا گیا۔ اس کی تردید میں فرمایا کہ پیغمبر بنانے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے پیغمبری کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ "انّ الله سميع بصير" ان کے قول کو سننے والا اور بصیر ہے ان کے لیے جن کو رسالت کے لیے منتخب کیا۔

مابين ايديهم وماخلفهم کی مختلف تفاسیر

⑦⑥ "يعلم ما بين ايديهم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آگے پیچھے کی تشریح میں فرمایا جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا۔ "وما خلفهم" اور جو کچھ انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ حسن کا قول ہے کہ "مابين ايديهم" سے مراد جو کچھ وہ عمل کر چکے اور "وما خلفهم" سے مراد جو اس کے بعد وہ عمل کریں گے۔ بعض نے کہا کہ "مابين ايديهم" سے مراد فرشتے، آسمانی کتابیں اور رسول ہیں جو ان کے پیدا کرنے سے پہلے گزر چکے ہیں اور "وما خلفهم" سے مراد ان پیغمبروں کے بعد کے احوال سے اللہ واقف ہیں۔ "والى الله ترجع الامور"

⑦⑦ "یا یھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا" اس سے مراد نماز پڑھو کیونکہ نماز ہی ایسی عبادت ہے جس میں رکوع اور سجود ہوتے ہیں۔ "واعبدوا ربکم" اور تم اکیلے رب کی عبادت کرو۔ "وافعلوا الخیر" اور نیکی کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس سے مراد قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنا ان کو جوڑے رکھنا "لعلکم تفلحون" تاکہ تم سعادت مندی اختیار کرو اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔

یہاں پر سجدہ تلاوت ہے کہ نہیں ائمہ کے اقوال

اس آیت کے پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں اس کے متعلق اہل علم کا آپس میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کے بعد سجدہ واجب ہوتا ہے۔ یہ قول عمر و علی و ابن مسعود اور ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور فقہاء میں سے ابن المبارک، شافعی، احمد و اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ کیا سورۃ حج کو یہ فضیلت ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ فرمایا، ہاں۔ جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے اور بعض دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت نہیں ہے۔ یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کا ہے۔

قرآن پاک کے چودہ سجدے شمار کیے ہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ان میں سے تین تو مفصلات اور بعض قوم کے نزدیک مفصل میں سجدہ نہیں۔ یہ قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۃ اقراء میں سجدہ کیا ہے اور "اذا السماء انشقت" میں بھی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام صحابی ہیں۔

سورۃ صاد کے سجدہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سجدہ شکر ہے اور سجود قرآن میں سے نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس میں سجدہ ہے اور یہی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی قول سفیان ثوری، ابن المبارک، اصحاب الرائے، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ابن المبارک، اسحاق، احمد اور ایک جماعت کا قول ہے کہ سجود قرآن پندرہ ہیں۔ انہوں نے سورۃ حج کے دونوں "سجدلوں" اور سورۃ "ص" میں بھی سجدہ کو شمار کیا ہے۔ اس پر دلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے شمار کیے ہیں۔

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ⑦⑧

ترجمہ اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے لئے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں اور (اس شہادت رسولؐ کے قبل) تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو سو تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقۃً ضرر نہ دے گی) سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

وجاهدوا فی اللہ حق جهاده کی تفسیر

تفسیر ⑦⑧ "وجاهدوا فی اللّٰہ حق جهاده" اللہ کے راستے میں دشمن کے خلاف لڑنا جیسا کہ لڑنے کا حق ہے، اتنی طاقت کے ساتھ لڑنا کہ اپنی آخری حد تک کی طاقت لگ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اللہ کے دین میں کسی برا کہنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا ہی حق جہاد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **"یجاهدون فی سبیل اللّٰہ ولا یخافون لومة لائم"** ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ کے لیے کام کرو۔ جیسا کہ کام کرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت کرو جیسا کہ عبادت کا حق ہے۔ مقاتل بن سلیمان کا بیان ہے کہ یہ اس آیت سے منسوخ ہے۔ **"فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم"**

اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ حق جہاد یہ ہے کہ نیت خالص اللہ کے لیے ہو۔ سدی نے کہا کہ حق جہاد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ عبد اللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ نفس اور نفسانی ہوا و ہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر ہے اور حق جہاد ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ اس صورت میں جہاد اصغر سے مراد جہاد مع الکفار ہے اور جہاد اکبر سے مراد نفس سے جہاد کرنا ہے۔ **"هو اجتباكم"** تمہیں اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔ **"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"** کا معنی ہے تنگی۔

بعض اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مؤمن جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے لیے گناہ کی سزا سے نکلنے کا راستہ ضرور بنا دیتا ہے۔ توبہ کے ذریعے سے ہو یا دنیاوی سزا یا اداء حقوق کی صورت میں ہو یا کفارہ دے کر ہو۔ بہر حال اللہ نے دین اسلام میں ایسی تنگی نہیں رکھی کہ کسی طرح اس گناہ سے پاک ہونے کی گنجائش ہی نہ ہو۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ تنگی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اداء فرائض کے اوقات میں کوئی اشتباہ نہیں رکھا۔ فرائض کو ادا کرنے کے لیے اوقات مقرر فرما دیئے۔ مثلاً ہلال رمضان، ہلال فطر وقت حج وغیرہ۔

مقاتل کا بیان ہے کہ تنگی نہیں کی یعنی ضرورت کے وقت سہولت کا باب کھول دیا۔ مثلاً سفر میں نماز کا قصر، پانی نہ ملنے یا

نقصان رساں ہونے کی صورت میں تیمم سخت ضرورت کے وقت مُردار کو کھانا، مجبوری کے وقت بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر نماز ادا کرنا یہی قول کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تنگی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر سخت احکام کے جو بار تھے اور سخت بندشیں تھیں، اللہ نے اس اُمت سے اس کو ساقط کر دیا۔ "ملة ابیکم ابراهیم"...... "ابیکم منصوب بنزع الخافض" ہے۔ بعض نے کہا کہ منصوب علی الاغراء ہے۔ یعنی تم پیروی کرو۔ اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کا حکم دیا کیونکہ وہ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں داخل ہیں۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ "ملة ابیکم" کہنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ تمام مسلمانوں کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے؟

جواب: اس سے خطاب صرف عرب کو ہے کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے لیے والد کی طرح ہیں۔ لہٰذا اس معنی کی بناء پر ان کا احترام تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت بھی واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وازواجه امهاتهم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔ "هو سماكم" اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لکھا۔ "المسلمین من قبل" قرآن کے نزول سے پہلے کتابوں میں۔ "وفی هذا" اور اس کتاب میں یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔

ابن زید کا قول ہے کہ ھو کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی اس زمانے سے پہلے اپنے زمانے میں ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اس وقت سے پہلے اور اس وقت میں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں کہا "ربّنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امةً مسلمة لک" اے ہمارے رب! ہم کو اپنا مطیع بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان اُمت بنادے۔ "لیکون الرسول شهیدًا علیکم" اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت دیں گے کہ ہم نے پیغام پہنچادیا تھا۔ "وتکونوا" اور تم "شهداء علی النّاس" کہ تمہارے رسولوں نے ان تک پیغام پہنچادیا۔ "فاقیموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة واعتصموا باللّٰه" اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرو۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اپنے رب سے مانگو وہ تمام مکروہات سے تم کو محفوظ رکھے گا۔ بعض نے کہا کہ اپنے رب سے دُعا کرو تا کہ وہ دین پر تم کو ثابت قدم رکھے۔ بعض نے کہا کہ اعتصام باللہ سے مراد ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ "هو مولکم" وہی تمہارا ولی اور تمہارا مددگار ہے اور وہی تمہارا محافظ ہے۔ "فنعم المولی ونعم النصیر" جو تمہارا مددگار ہے۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

مکی سورت ہے۔اس میں ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں۔

تفسیر: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم گنگناہٹ کی آواز سنتے جیسے کہ شہد کی مکھیوں کی آواز۔ہم ان کے پاس کچھ دیر ٹھہر جاتے اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، میں ان کے پاس ایک گھڑی رُکا رہا اور قبلہ کی طرف رُخ کیا اور اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور فرمایا: ”اللهمّ زدنا ولا تنقصنا واكرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارض عنّا“ اے اللہ! ہمیں خوب عطا فرما اور ہمیں نقصان میں مبتلا نہ فرما اور ہمیں عزت دے اور ہمیں عطائے رکھ اور دوسروں کو ہم پر فوقیت عطا نہ فرما اور ہم سے ہمیشہ راضی رہ۔ پھر فرمایا کہ ہم نے آپ پر ایسی دس آیات نازل کیں جو ان کو قائم رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ”قد افلح المؤمنون“ سے دس آیات تک اور احمد بن حنبل اور علی بن المدینی اور ایک جماعت نے عبدالرزاق سے روایت نقل کی ہے اور کہا ”واعطنا ولا تحرمنا وأرضنا و ارض عنّا“ اور ہمیں عطا کر محروم نہ کر اور ہم سے راضی ہوجا۔

① ”قد افلح المؤمنون“ قد حرف تحقیق وتاکید کے لیے ہے۔ محققین کے نزدیک قد ماضی کو حال کے قریب کردیتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کامیابی ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ فلاح نجات اور بقاء کو کہتے ہیں۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

خشوع کی مختلف تفسیریں

② ”الذين هم فى صلاتهم خاشعون“ خشوع کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ ① ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد عاجزی کرنے والے اللہ کے سامنے اظہار عجز کرنے والے۔ ② حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ڈرنے والے۔ ③ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد تواضع کرنے والے ہیں۔ ④ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ہے کہ اس سے مراد نظریں نیچی رکھنے والے اور اپنی آواز کو پست کرنے والے۔ خشوع وخضوع کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ خضوع کا تعلق انسان کے ظاہری بدن کے ساتھ ہے اور خشوع کا تعلق انسان کے باطن قلب، بصر اور صوت کے ساتھ ہے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "**وخشعت الاصوات للرحمٰن**" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت آئی ہے کہ نماز میں اِدھر اُدھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ 5 سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کہ کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ ایک اچکنا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اُچک لیتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے۔ جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ اِدھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔

6 عمرو بن دینار نے کہا کہ خشوع سے مراد ہے۔ 7 سکون اور حسن ہیئت۔ ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تو اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ سے نہ ہٹانا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز میں اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی "**الذین ھم فی صلاتھم خاشعون**" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نظروں کو سجدے کی جگہ جما کر رکھتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف بلند کیوں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملے میں اتنا سخت تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ لوگوں کو اس حرکت سے باز آنا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اُچک لی جائیں گی۔

8 عطاء کا قول ہے کہ اپنے بدن کے کسی حصے کے ساتھ نہ کھیلنا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیلتے دیکھا۔ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اعضاء بدن میں بھی ہوتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ کنکریوں کو مسح نہ کرے کیونکہ اس پر اس وقت اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

9 بعض نے کہا کہ نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور وفکر کرنا چاہیے۔

3 "**والذین ھم عن اللغو معرضون**" عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ لغو سے مراد

شرک ہے اور حسن کا قول ہے کہ لغو سے مراد گناہ اور نافرمانیاں ہیں۔ زجاج کا قول ہے لغو سے مراد ہر باطل اور لھو چیز ہے، خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کفار کے ساتھ معارضہ کرنا ہے، برا بھلا کہنے کے ساتھ یا گالی گلوچ کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ امروا باللغو مروا کرامًا" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩

ترجمہ اور جو (اعمال واخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (ہاں) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔

تفسیر ④ "والذین هم للزکٰوة فاعلون" جو ان پر زکوٰۃ واجب ہے وہ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو فعل کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ فعل کا وقوع نفس مال پر نہیں ہو سکتا بلکہ فعل کا تعلق ادا کرنے سے ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد عمل صالح ہے۔ یعنی وہ نیک عمل کرنے والے ہیں۔

⑤ "والذین هم لفروجهم حافظون" فوج اسم جمع ہے خواہ شرم گاہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ حفظ الفرج حرام سے پاک دامن رہنا۔

⑥ "الاعلی ازواجهم" سوائے اپنی بیویوں کے علی بمعنی من کے ہے۔ "او ما ملکت ایمانهم" ما یہاں پر محل خفض (حالت جر) میں ہے۔ یہ آیت خاص طور پر مردوں کے بارے میں ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے "او ما ملکت ایمانهم" کیونکہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مملوک غلام سے استمتاع بالفرج کرے۔ "فانهم غیر ملومین" اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی اور باندی سے کیونکہ ان دونوں سے استمتاع کی صورت میں ملامت کا مستحق نہیں ہوتا شریعت کی حدود میں رہ کر۔ یعنی حالت حیض ونفاس نہ ہو۔

⑦ "فمن ابتغٰی وراء ذلک" جس نے ان عورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت تلاش کی۔ مثلاً متعہ کی یا کسی اور چیز کی۔ "فاولئک هم العادون" ظلم اور زیادتی میں تجاوز کرنے والے ہوں گے یا حلال وحرام میں تجاوز کرنے والے ہوں گے اور یہ آیت

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ استمتاع بالید بھی حرام ہے۔ یہی اکثر علماء کا بیان ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ کچھ لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے عطاء سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا مکروہ ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کچھ لوگ اپنے آلات مردمی سے خود کھیلتے ہیں، اللہ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

⑧ "والذین ھم لاماناتھم" ابن کثیر نے اس کو مفرد پڑھا ہے اور سورۃ معارج میں بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وعھدھم" دوسرے قراء نے اس کو جمع کے ساتھ ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "انّ اللّٰہ یامرکم أن تؤدوا الامانات الی اھلھا" یہاں آیت میں امانات جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ "وعھدھم راعون" وہ حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے اور وہ قسمیں جو لوگوں کے ساتھ کھاتے ہیں ان کو وہ پوری کرتے ہیں۔ امانتوں کی مختلف اقسام ہیں یا تو امانت بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگی جیسے نماز، روزہ، عبادات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کی ہیں اور بعض امانتیں بندوں کے درمیان جیسے کوئی چیز ودیعت رکھی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

⑨ "والذین ھم علی صلواتھم" حمزہ اور کسائی نے "صلاتھم" واحد ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "یحافظون" اور ان کی ادائیگی میں مداومت اختیار کرتا ہے اور اوقات کی رعایت رکھتے ہیں، نماز کو تکرار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان کی محافظت واجب ہے۔ جیسا کہ ان میں خشوع واجب ہے۔

⑩ "اولٰئک" اس صفت والے "ھم الوارثون" دوزخیوں کے جو درجات جنت میں تھے یہ اہل جنتی ان درجات کے وارث ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لیے دو گھر ہیں، ایک گھر جنت میں اور دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے جنت والے گھر کے وارث ہو جاتے ہیں، اللہ کے فرمان "اولٰئک ھم الوارثون" کا یہی مطلب ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر ایک کے لیے منزل ہے۔ ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں۔ مؤمن کے لیے جنت میں اس کی جگہ ہے اور اس کے لیے جو دوزخ میں مقام ہوتا ہے اس کو گرا دیا جاتا ہے اور کافر کے لیے جو جگہ جنت میں متعین ہوتی ہے وہ گرا (مٹا) دی جاتی ہے اور دوزخ والی جگہ اس کے لیے مقرر کی جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ وارث ہونے کا یہ معنی ہے کہ مآل کار ان کو جنت ملے گی جیسے وارث بالآخر میراث پاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ

اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿14﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿15﴾

ترجمہ: جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبہ) کے ضروری مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے

تفسیر ⑪ "الذین یرثون الفردوس" فردوس جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ ہم نے سورۃ کہف میں ذکر کیا ہے۔ "ھم فیھا خالدون" اس میں نہ ان کو موت آئے گی اور نہ وہ اس جہنم سے نکل سکیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین اشیاء اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا، توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا، فردوس کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر فرمایا میری عزت کی قسم! کہ اس میں کوئی شرابی داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی دیوث۔

⑫ "ولقد خلقنا الانسان" ہم نے جنس انسان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ انسان اسم جنس ہے یہ واحد اور جمع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ "من سلالۃ" ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "سلالۃ" سے مراد پانی کا خلاصہ ہے۔ ❷ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد بنی آدم ہیں۔ ❸ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "سلالۃ" سے مراد ہے وہ پانی جو پشت سے کھینچا جاتا ہے عرب نطفے کو "سلالۃ" کہتے ہیں اور ولد کو سلیل کہتے ہیں کیونکہ وہ ان دونوں سے ہی کھینچا جاتا ہے۔ "من طین" اس سے مراد طین آدم ہیں۔ سلالۃ کہتے ہیں مٹی سے پیدا ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے چونکہ دوسرے انسان نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔

کلبی نے کہا طین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا ہے اور اسی مٹی سے انسان کے نطفہ کو کھینچا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ "من سلالۃ" ان کی مٹی کو ہر جگہ سے کھینچا گیا تھا۔

⑬ "ثم جعلناہ نطفۃ" یعنی وہ انسان جس کو ہم نے نطفہ سے بنایا۔ "فی قرار مکین" ٹھہرنے کی جگہ اور وہ رحم مادر ہے اور وہ ایک مقررہ مدت تک اس میں قرار پکڑتا ہے۔

"ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظامًا" ابن عامر اور ابوبکر کے نزدیک عظماً پڑھا ہے۔ "فکسونا العظام" ظاء کے سکون کے ساتھ واحد استعمال ہوتا ہے اور دوسرے قراء نے جمع کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے کیونکہ انسان کئی عظام پر مشتمل ہے۔ اس آیت میں ہر خلق پر چالیس دن کا وقفہ ہوتا ہے، چالیس دن کے بعد یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ "فکسونا العظام لحمًا" ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھایا۔ "ثم انشأناہ

خلقا آخر" مفسرین رحمہم اللہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک اور ابوالعالیہ نے کہا کہ "خلقا آخر" سے مراد ہے روح پھونکنا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دانتوں اور بالوں کا اُگ آنا۔ ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مکمل جوان ہونا مراد ہے۔ حسن نے کہا کہ نر یا مادہ ہونا مراد ہے۔

عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفسیری قول نقل کیا ہے کہ ولادت کے بعد انسان کے تدریجی احوال مراد ہیں کہ پیدائش سے لے کر دودھ پینے کے وقت تک اور اس کے بیٹھنے سے لے کر لیٹنے تک، چلنے سے عاقل مند ہونے تک کہ وہ کھائے پیئے، یہاں تک کہ وہ حلم کی عمر تک پہنچ جائے اور پھر اس کے بعد ایک شہر سے دوسرے شہر گھومنا سب ہی انشاء خلق کی آخری صورتیں ہیں۔ "فتبارک اللہ" کہ وہی تعظیم اور ثناء کا مستحق ہے۔ اسی طور پر کہ نہ اس پر زوال آیا ہے اور نہ آئے گا۔ "احسن الخالقین" وہ اچھی صورت بنانے والا اور اندازہ کرنے والا اور خلق لغت میں تقدیر (اندازہ) کو کہتے ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ بندے بھی بناتے ہیں اور اللہ بھی بناتا ہے اور اللہ سب بنانے والوں میں سے بہتر بنانے والا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "رجل خالق ای صانع" وہ بنانے والا ہے۔

ابن جریج کا قول ہے کہ خالقین جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح پیدا کیا۔ "انی اخلق لکم من الطین" یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے کہا کہ وہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

⑮ "ثم انکم بعد ذلک لمیتون" میت تشدید کے ساتھ آتا ہے اور مائت جو اس کے بعد کبھی نہ مرے اور ہم عنقریب تمہیں موت دے دیں گے۔ "میت، تخفیف کے ساتھ لیکن اس میں تخفیف جائز نہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ⑯ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ⑰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ ۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ⑱

ترجمہ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کردینے پر (بھی) قادر ہیں

تفسیر ⑯ "ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون"

⑰ "ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق" اس سے مراد سات آسمان ہیں کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے پر چڑھا ہوا ہے۔ اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ اس سے طارق النعل ہے کہ جب کوئی دوسرے شخص کے نشان قدم پر چلے اور بعض نے کہا کہ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گزرگاہیں ہیں۔ "وما کنا عن الخلق غافلین" ہم ان کے ذریعے سے تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں کہ وہ تم پر

گریں گے نہیں کہ تم اس سے ہلاک ہو جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ویمسک السماء أن تقع علی الارض الا باذنہ" بعض نے کہا کہ ہم نے آپ کو بے کار نہیں چھوڑا بغیر امر و نہی کے۔ بعض نے کہا کہ ہم مخلوق کو پیدا کرنے میں غافل نہیں۔ ہم نے تمہارے اوپر آسمان بنائے اور اس میں شمس و قمر اور ستارے تمہارے فائدے کے لیے لگا دیئے ہیں۔

⑱ "وانزلنا من السماء ماء بقدر" اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا اندازہ ہے کہ کتنی بارش ہماری معیشت کے لیے کافی ہے۔ "فاسکناہ فی الارض" کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں پانی کو جمع کر دیا تا کہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے، پانی کو زمین چوس لیتی ہے، زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے، پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں، زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔

"وانّا علی ذهاب به لقادرون" یہاں تک کہ تم پیاسے ہلاک ہو جاتے اور تمہارے مویشی ہلاک ہو جاتے اور تمہاری زمین بھی بنجر ہو جاتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے چار دریا نازل کیے ہیں۔ سیحان، جیحان، دجلہ، فرات مقاتل نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل علیہ السلام کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل علیہ السلام نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے اور لوگوں کے لیے فائدہ بخش بنا دیئے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "وأنزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض" سے اس طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام علم کو اور حجر اسود کو جو بیت اللہ کا رُکن ہے اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اُٹھا لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وانّا علی ذهاب به لقادرون" جب یہ اشیاء زمین سے اُٹھا لی جائیں گی تو اہل ارض دُنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑲ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ⑳ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ㉑

(ترجمہ) پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کا سالن لئے ہوئے اور

تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے جوف میں چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور (نیز) ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو

تفسیر 19 "فانشأنا لکم بہ" اس سے مراد پانی ہے۔ "جنات من نخیل و اعناب لکم فیھا" ان باغات میں "فواکہ کثیرۃ ومنھا تاکلون" تم گرمیوں اور سردیوں میں اس کو کھاتے ہو۔ نخیل اور اعناب کو ذکر کیا کیونکہ عرب کے اندر یہی کثیر پھل ہیں۔

20 "وشجرۃ" اور ہم نے تمہارے لیے ایک اور درخت پیدا کیا۔ "تخرج من طور سیناء" اور وہ زیتون کا درخت ہے۔ قراء اہل حجاز اور ابوعمرو نے "سِیناء" سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

1 مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی برکت ہے یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

2 قتادہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے حسن، ہم نے زیتون کو اچھے پہاڑ سے پیدا کیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے۔

3 عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ 4 کلبی نے اس کا معنی یہ نقل کیا ہے کہ "سیناء" کا معنی ہے درختوں والا۔

5 بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ 6 مقاتل نے کہا کہ جس پہاڑ پر بکثرت پھل دار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ 7 مجاہد کا قول ہے کہ سیناء خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے۔ یہ طور میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ 8 ابن زید کا قول ہے کہ "طور سیناء" پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی تھی۔ "تنبت بالدھن" ابن کثیر اہل بصرہ، یعقوب نے "تنبت" تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے فتحہ کے اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اگر تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے پھل سے تیل حاصل کرتے ہیں اور وہ زیتون ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ نبت اور انبت کی دونوں لغات ہیں معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ زہیر کا قول ہے۔

رأیت ذوی الحاجات حول بیوتھم قطینالھم حتی اذا أنبت البقل

ہم نے زیتون کو غریب گھروں کے اِردگرد پایا، ہم نے ان لوگوں میں سے بہت ہی کم کو پایا کہ وہ اپنے لیے زیتون کو نہ اُگاتے ہوں۔ "وصبغ للاکلین" صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آجاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ نے اس درخت کو ادام بھی بنایا ہے اور دھن بھی۔ "روغن زیت" ادام سے مراد زیتون اور دھن سے مراد زیت ہے۔ طور کے ساتھ زیتون کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ سب سے پہلے طور میں ہی زیتون کا درخت پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سب سے پہلے زیتون کا ہی درخت پیدا ہوا۔

21 "وان لکم فی الانعام لعبرۃ" یہ نشانی ہے جس کے ساتھ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ "نسقیکم" عام قراء نے نون کے ساتھ

ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اس جگہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور فتحہ کے ساتھ۔ "مما فی بطونها ولكم فيها منافع كثيرة ومنها تأكلون"

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: اور ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔ اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا سو انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو پس (نوح کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں وکا فر رئیس تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک (معمولی) آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے (اس دعویٰ سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر اللہ کو (رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں بھی نہیں سنی بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک وقت خاص (یعنی اس کے مرنے کے وقت تک اس (کی حالت) کا اور انتظار کرلو نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اس کے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے پس ہم نے (اس کی دعا قبول کی اور) ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم (عذاب قریب) آ پہنچے اور (علامت اس کی یہ ہے کہ) زمین سے پانی ابلنا شروع ہو تو (اس وقت) ہر قسم (کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کرلو) باستثناء اس کے جس پر ان میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے

ساتھی (مسلمان) کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے (یعنی ان کے افعال اور تکالیف سے) نجات دی اور یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو (زمین پر) برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو) آزماتے ہیں۔

تفسیر ㉒"وعليها وعلى الفلك تحملون" خشکی میں اونٹوں پر سوار ہوتے ہو اور سمندر میں کشتی پر۔

㉓"ولقد ارسلنا نوحًا الىٰ قومه فقال يا قوم اعبدوا الله" اسی کی توحید بیان کرو۔ "مالكم من الله غيره" اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ "أفلا تتقون" تم اس کے خوف سے ڈرتے ہو کہ وہ تمہیں غیر اللہ کی پوجا کرنے پر سزا دے گا۔

㉔"فقال الملاء الذين كفروا من قومه ما هذا الا بشر مثلكم يريد أن يتفضل عليكم" اس کو ہم نے تم پر فضیلت بخشی تو وہ تمہارا متبوع اور تم اس کے تابع ہو۔ "ولو شاء الله" یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ "لا نزل ملائكة" تو وحی پہنچانے میں "ما سمعنا بهذا" جس بات کا حضرت نوح علیہ السلام مدعی ہیں۔ "فى أباء نا الاوّلين" بعض نے کہا کہ ہم نے یہ نہیں سنا کہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہو۔

㉕"ان هو الا رجل به جنةٌ" اس سے مراد جنون ہے۔ "فتربصوا به حتّى حين" یعنی اس کو برداشت کرو اور اس وقت کا انتظار کرو کہ یہ خود ہی مر جائے گا اور راحت پالے گا۔

㉖"قل رب انصرنى بما كذبون" یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا بسبب ان کی تکذیب کے۔

㉗"فاوحينا اليه أن اصنع الفلك باعيننا ووحينا فاذا جاء امرنا وفار التنور فاسلك فيها" اس کشتی میں داخل ہو جایئے۔ "من كل زوجين اثنين واهلك الا من سبق عليه القول منهم" مگر ان کو اس پر سوار مت کیجئے جن پر ہلاک کرنیوالا حکم سبقت کر چکا ہے۔ "ولا تخاطبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون"

㉘"فاذا استويت" جب تم اس میں بیٹھ چکو۔ "أنت ومن معك على الفلك فقل الحمدلله الذى نجانا من القوم الظالمين" اس سے مراد کافر لوگ ہیں۔

㉙"وقل ربّ أنزلنى منزلا مباركًا" ابوبکر نے عاصم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ "منزلاً" میم کے فتحہ کے ساتھ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ اس سے مراد اُترنے کی جگہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ کشتی ہے جو سوار ہونے کے بعد اُترے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ زمین ہے جس میں طوفان کے بعد اُترے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد کشتی ہی ہو اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کشتی سے نکلنے کے بعد کشتی میں برکت سے مراد عذاب سے نجات کا حاصل ہونا۔ کشتی سے نکلنے کے بعد ان کی اولاد ثلاثہ میں بہت کثرت سے بڑھا ہے۔ "وانت خير المنزلين"

㉚"انّ فى ذلك" جو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے متعلق ذکر کیا ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا۔ "لايات" ان کی قدرت کی نشانیاں۔ "وان كنا لمبتلين" ہم نے ان کا امتحان لیا نوح علیہ السلام کو بھیج کر،

ان کی نصیحت کے ساتھ اور ہم نے ان کا انتظار کیا کہ وہ نزول عذاب سے پہلے اس پر عمل کریں گے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٣١ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٣٢ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝٣٣ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝٣٤ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝٣٥ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٣٦ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝٣٧

ترجمہ پھر ہم نے (قوم نوحؑ کے بعد) دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں کے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود (حقیقی) نہیں کیا تم (شرک سے) ڈرتے نہیں ہو اور ان پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں سے جو رئیس تھے جنہوں نے (خدا اور رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیوی زندگانی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک معمولی آدمی ہیں (چنانچہ) یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور اگر تم اپنے جیسے ایک (معمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ کیے جاویں گے۔

تفسیر ⑶① "ثم أنشانا من بعدهم" اس کے ہلاک کرنے کے بعد۔ "قرنًا اٰخرین"

⑶② "فارسلنا فیھم رسولاً منھم" اس سے مراد ھود علیہ السلام اور ان کی قوم مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم مراد ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ "أن اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہ غیرہ أفلا تتقون"

⑶③ "وقال الملاء من قومه الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاخرة" جب آخرت میں پہنچ جائیں گے۔ "وأترفناھم" ہم نے ان پر نعمت کی اور ان پر وسعت کی۔ "فی الحیوة الدنیا ما ھذا الا بشر مثلکم یأکل مما تأکلون منه و یشرب مما تشربون" اس سے وہ پیتے ہیں۔

⑶④ "ولئن أطعتم بشرًا مثلکم انکم اذًا لخاسرون" وہ لوگ بے وقوف اور جاہل تھے۔

⑶⑤ "ایعدکم أنکم اذا متم وکنتم ترابًا و عظامًا انکم مخرجون" تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ اُٹھایا جائے گا اور پھر

اسی میں لوٹایا جائے گا۔ کیا تم اس بات کا وعدہ کرتے ہو کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ اس کی نظیر قرآن پاک میں ہے: "الم یعلموا انه من یحادد اللّٰه ورسوله فان له نار جهنم خالدًا فیها"

㊱ "هیهات هیهات لما توعدون" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ بمعنی بعد کے ہے۔ یہ بہت دور ہے۔ "هیهات هیهات" تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ نصر بن عاصم نے اس کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں ساری لغات صحیح ہیں۔ یہ أین اور کیف کی طرح اور جنہوں نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ وہ مثل منذ وقط اور حیث کی طرح ہے اور جو حضرات اس کو کسرہ پڑھتے ہیں وہ اس کو امس اور هولاء کی طرح ہے۔

㊲ "ان هی" اس سے مراد دُنیا ہے۔ "الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا" اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ یعنی نحیا و نموت۔ ہم ہی زندہ کرنے والے اور موت دینے والے ہیں کیوں کہ وہ بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنے آباء کو تو مُردہ سمجھتے تھے اور بیٹوں کو زندہ سمجھتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ ایک قوم کو زندہ سمجھتے تھے اور دوسری کو مُردہ۔ "وما نحن بمبعوثین" موت کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائیں گے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ࣙ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ㊳ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنَ ㊴ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ㊵ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً. فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ㊶ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ㊷ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ㊸ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ㊹

(ترجمہ) بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے (یعنی عذاب نے) موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا (جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے) پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک (کی طرح پامال) کر دیا سو خدا کی مار کافر لوگوں پر پھر ان (عاد یا ثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا کوئی امت (ان امتوں میں سے) اپنی مدت معینہ سے (ہلاک ہونے میں) نہ پیش دستی کر سکتی تھی اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے پھر (ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کیلئے) بھیجا جب کبھی کسی امت کے پاس اس امت کا (خاص) رسول آیا انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنا دیں سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو (انبیاء کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے

14

تفسیر ㊳"ان ھو"اس سے مراد رسول ہیں۔"الا رجل افتری علی اللّٰہ کذبا وما نحن لہ بمؤمنین"بعث بعدالموت کی تصدیق کرتے ہیں۔

㊴"قال رب انصرنی بما کذبون"

㊵"قال عما قلیل"اس سے مراد تھوڑے سے ماصلہ ہے۔"لیصبحن"تو وہ ہوجائیں گے۔"نادمین"کفر وتکذیب پر۔

㊶"فاخذتھم الصیحۃ"عذاب کی چیخ وپکار"بالحق" بعض نے کہا کہ ہلاک کرنے والی چیخ اور بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس کے ذریعے سے ان کے دل پھٹ گئے۔"فجعلناھم غثاءً"ہم نے ان کو ہلاک کردیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آجاتا ہے۔ہم نے اس کوڑے کی طرح ان کو کردیا۔"فبعدًا للقوم الظالمین"

㊷"ثم انشأنا من بعدھم قرونًا اٰخرین"اس کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں۔

㊸"ماتسبق من اُمۃ أجلھا"جو مدت ان کے لیے مقرر تھی اس سے تقدیم وتاخیر نہیں ہوئی۔"من صلۃ"ہے اس کی ہلاکت کے وقت"وما یستأخرون"اور نہ ہی ہلاکت سے پہلے ان کو مؤخر کیا جاسکتا ہے۔

㊹"ثم ارسلنا رسلنا تتری"تواتر اور متواترہ چیزوں کا پے در پے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا اور دوسرے کے بعد تیسرے کا آنا اور بغیر کسی اجتماعیت کے تسلسل قائم ہونا اور اس وجہ سے کہ دونوں نبیوں کے درمیان ایک طویل زمانہ ہے۔اصمعی کا قول ہے کہ"واترت الخبر"اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک کے پیچھے دوسری خبر دی جائے اور دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔

قراء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ابوجعفر،ابن کثیر،ابوعمرو نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور یعقوب نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ابوعمرو حالت وقف میں آخر الف کے ساتھ نہیں پڑھتے۔جیسے"رأیت زیدًا"میں آخر میں الف ہے اور باقی قراء نے اس کو بلاتنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ہمارے نزدیک اس کے آخر میں یاء کے ساتھ وقف ہے اور اسی کی طرف حمزہ اور کسائی گئے ہیں۔ان کا قول غضبی وسکری کی طرح ہے اور یہ اسم جمع ہے جیسے شتی۔دونوں قرأتوں کی صورت میں تاء اولیٰ واؤ سے بدل کر آئی ہے۔"تتری"اصل تری تھا۔متواتر قرأۃ کے ساتھ واؤ اور تاء تقویٰ اور تکلان کی طرح ہے۔

"کلما جاء اُمۃ رسولھا کذبوہ فاتبعنا بعضھم بعضًا"بعض کو بعض کے ذریعے سے ہلاک کردیا۔یعنی جس طرح ہم نے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔اسی طرح اُمتوں کو بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کردیا۔"وجعلناھم احادیث"یعنی ہم نے ان کو کہانیاں بنادیا۔ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔احادیث احدوثہ کی جمع ہے۔احدوثہ وہ قصہ ہے جس کو لوگ دل بہلانے کے لیے تعجب کے ساتھ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں۔

اخفش کا بیان ہے یہ لفظ احدوثہ اور احادیث کا استعمال شر کے موقع پر ہوتا ہے اور خیر کے موقع پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے ان کو احادیث بنادیا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حدیث (ایک افسانہ یا واقعہ) ہوگیا۔"فبعدًا لقوم لا یؤمنون"

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ. بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ
اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا سو ان لوگوں نے (ان کی تصدیق و اطاعت سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر چنانچہ وہ (باہم) کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں (اور ان کے مطیع بن جاویں) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کئے گئے (اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توراۃ) عطا فرمائی تاکہ (اس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰؑ) کو اور ان کی ماں (حضرت مریمؑ کو بڑی نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو (بوجہ غلات اور میوہ جات پیدا ہونے کے) ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی اے پیغمبرو تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام (یعنی عبادت) کرو (اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں اور (ہم نے ان سب سے یہ بھی کہا کہ) یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ) میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

تفسیر ﴿۴۵﴾ "ثم ارسلنا موسٰی واخاہ ھارون بایاتنا و سلطان مبین" واضح دلیل کے ساتھ یعنی ید بیضاء اور عصی کے ساتھ اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات کے ساتھ۔

﴿۴۶﴾ "الٰی فرعون و ملائہ فاستکبروا" وہ ایمان کی تعظیم اور ماننے سے تکبر کرنے لگے۔ "و کانوا قومًا عالین" یعنی وہ لوگ مغرور تھے، لوگوں پر جبر اور ظلم کیا کرتے تھے۔

﴿۴۷﴾ "فقالوا" یعنی فرعون اور اس کی قوم نے کہا "انؤمن لبشرین مثلنا" اس سے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہیں کہ کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں۔

"وقومھما لنا عابدون" وہ ان کی اطاعت کرنے والے اور عاجزی کرنے والے ہیں۔ عرب لوگ ہر اس شخص کو عابد کہہ دیتے ہیں جو کسی کا خدمتی اور حکم بردار ہو۔

﴿۴۸﴾ "فکذبوھما فکانوا من المھلکین" وہ سب غرق کر دیئے گئے۔

㊾"ولقد اتینا موسٰی الکتاب"اس سے مراد توریت ہے۔"لعلھم یھتدون"تاکہ اس کی قوم ہدایت یافتہ ہوجائے۔

㊿"وجعلنا ابن مریم و امه آیة"ہماری قدرت کی نشانی۔ یہاں پر آیتان نہیں۔ فرمایا، بعض نے کہا کہ ان دونوں کی شان یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو نشانی بنایا اور بعض حضرات نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو نشانی بنایا ہے۔ "...... کلتا الجنتین آتت أکلھا"......"وآوینا ھما الی ربوة"ربوۃ بلند مقام کو کہا جاتا ہے۔

ربوہ مقام کی تفصیل

اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ❶ عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ یہ دمشق تھا۔ ❷ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ ❸ ضحاک کا قول ہے کہ غوطہ دمشق مراد ہے۔ ❹ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا"ربوة"سے مراد رملہ ہے۔ ❺ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ ربوۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ ❻ کعب نے کہا کہ ربوۃ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ❼ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے۔ ❽ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد مصر ہے۔ ❾ سدی کے نزدیک فلسطین کی سرزمین مراد ہے۔"ذات قرار"ہموار زمین جس پر رہنے والے ٹھہر سکیں۔"ومعین"معین جاری پانی کو کہتے ہیں جو ظاہراً جاری ہوتا ہے۔

51"یا یھا الرسل"حسن، مجاہد اور قتادہ، سدی، کلبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عرب کے نزدیک واحد کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں۔"کلوا من الطیبات"جو تمہارے لیے حلال ہیں۔ "واعملوا صالحًا"صلاح کہتے ہیں شریعت کے وجوب کردہ احکام کو صحیح طریقے سے چلنا۔"انی بما تعملون علیم"

52"وان ھذہ"اہل کوفہ"اِن"میں الف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور باقی قراء نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے نون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے ان کو صلہ قرار دیا ہے۔ دوسرے قراء نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں پر عبارت محذوف ہے۔"بان ھذہ اُمتکم"اس سے مراد تمہاری ملت و شریعت جس پر تم ہو۔

"امتکم اُمة واحدة"ملت واحدہ سے مراد اسلام ہے۔"وانا ربکم فاتقون"یعنی میں چونکہ تمہارا رب ہوں اس لیے مجھ سے ڈرو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں اسی بات کا حکم کرتا ہوں جو حکم پہلے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے ہم سب کا حکم (تبلیغ) ایک ہی ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿54﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ

ط بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿58﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾

(ترجمہ) سوان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے سو آپ ان کو ان کی (اسی) حالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے اس میں کوئی شک نہیں جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(تفسیر) ﴿53﴾ "فتقطعوا أمرهم" اپنے اپنے دین میں نئے نئے الگ الگ طریقے ایجاد کردیئے۔ "بینهم" انہوں نے آپس میں تفرقہ پیدا کردیا تو وہ آپس میں یہودی، نصرانی اور مجوسی ہوگئے۔ "زبرًا" وہ گروہ گروہ ہوگئے، فرقہ فرقہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اس کا واحد زبور ہے۔ زبور کا معنی ہے ٹکڑا، فرقہ۔ اس سے (زبر الحدید) لوہے کے ٹکڑے۔ وہ فرقے فرقے ہوگئے جیسے لوہے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ بعض اہل شام کے قراء نے زبر اباء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

بعض نے کہا کہ انہوں نے کتاب کے مختلف حصے بنالیے تھے وہ بعض پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ بعض کتاب کی تحریف کی۔ "کل حزب بما لدیهم" ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں۔ "فرحون" وہ تعجب اور خوشی کرتے ہیں۔

﴿54﴾ "فذرهم فی غمرتهم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کفر وگمراہی میں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے غفلت۔ "حتی حین" ایک مقررہ مدت تک جب تک ان کو موت نہ آجائے۔

﴿55﴾ "ایحسبون أنما نمدهم به من مال و بنین" جو کچھ ہم ان کو مال واولاد دیتے چلے آتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی زیادہ فائدہ دے رہے ہیں۔

﴿56﴾ "نسارع لهم فی الخیرات" ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ دے رہے ہیں اور ان کے ثواب کو مقدم کریں گے۔ ان کے نیک اعمال کے سبب اور ان کی رضامندی کے سبب۔ "بل لا یشعرون" ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

﴿57﴾ "ان الذین هم من خشیة ربهم مشفقون" وہ خوف رکھتے ہیں۔ اشفاق کا معنی خوف سے کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مؤمنین جو اللہ سے خوف رکھتے ہیں اور اس کی سزا سے ڈرتے ہیں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤمن نیکی بھی کرتا ہے اور پھر ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بے فکر بھی رہتا ہے۔

⑱"والذین هم بایات ربهم یؤمنون" اس کا معنی ہے کہ وہ تصدیق کرتے ہیں۔

⑲"والذین هم بربهم لایشرکون"

⑳"والذین یؤتون ما آتوا" وہ عطا کرتے ہیں جو زکوٰۃ اور صدقات سے دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "والذین یؤتون ما آتوا" جو اعمال کرتے ہیں نیک اعمال۔ "وقلوبهم وجلة" وہ اللہ کے عذاب سے نجات نہیں پاتے اور ان کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔ "انهم الی ربهم راجعون" اس لیے کہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے حضور ایک دن ضرور حاضر ہونا ہے۔

حسن بصری کا قول ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت رد نہ کی جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "والذین یؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة" کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں، فرمایا نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ طاعت ردّ نہ کی جائے، یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۞ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۞ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۞ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۞

ترجمہ: اور جو لوگ (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور ہم (تو) کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (بس جو کام بتلا رکھے ہیں سب آسان ہی ہیں) اور ہمارے پاس ایک دفتر (نامۂ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت (اور شک) میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (برے برے) عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب (بعد الموت) میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے (اس وقت ان سے کہا جاوے گا) کہ اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

تفسیر ㉑"اولئک یسارعون فی الخیرات" جو نیک اعمال میں آگے بڑھتے ہیں۔ "وهم لها سابقون"

اور وہ اس کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''لمانهوا'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے سعادت پہلے ہی سے مقدر ہو چکی ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ یہ تمام اُمتوں پر اعمال صالحہ کے لحاظ سے سبقت کر گئی۔

⑥② ''ولا نکلف نفسا الا وسعها'' اس کی طاقت کے بقدر جو شخص قیام پر قادر نہیں تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو شخص روزے کی طاقت نہ رکھے اسے چاہیے کہ وہ افطار کرے۔ ''ولدينا كتاب ينطق بالحق'' وہ لوح محفوظ ہے وہ حق بات کرتے ہیں اور سچ کو واضح کرتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بنایا مگر جس کی وہ قدرت رکھتا ہے اور ہم نے اس کو لوح محفوظ میں ثابت رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد بندوں کے اعمال ہیں جو حفاظت کے فرشتے لکھتے ہیں۔

''وهم لايظلمون'' ان کی نیکیوں کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی برائیاں بڑھائی جائیں گی۔ پھر اس کے بعد کفار کا تذکرہ کیا۔

⑥③ ''بل قلوبهم في غمرة'' چھا جانے والی غفلت اور جہالت۔ ''من هذا'' اس قرآن سے ''ولهم اعمال من دون ذلك'' کفار کے اعمال خبیثہ جو ان مؤمنین کے اعمال سے ہٹ کر ہیں، وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیے۔ ''انّ الذين هم من خشية ربهم مشفقون''...... ''هم لها عاملون'' ان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ جو وہ اعمال بد کرتے ہیں ان کے بسبب وہ دوزخ میں چلے جائیں کیوں کہ ان پر شقاوت اور بدبختی غالب آ گئی۔ یہی قول اکثر مفسرین کا ہے۔

⑥④ ''حتّى اذا أخذنا مترفيهم'' کہ ہم ان کو پکڑ لیتے ہیں، ان کے اغنیاء اور ان کے سرداروں کو۔ ''بالعذاب''

مترفيهم بالعذاب سے کونسا عذاب مراد ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد بدر کا دن ہے۔

ضحاک کا قول ہے کہ وہ قحط مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان پر پڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا میں فرمایا تھا، اے اللہ! قبیلہ مضر پر سخت قحط نازل کر دے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کی طرح قحط ڈال دے۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ کتوں کو اور مُردار کو اور جلی ہوئی ہڈیوں کو بھی کھا گئے۔ ''اذا هم يجئرون'' وہ جزع فزع کرنے لگے اور مدد طلب کرنے لگے۔ جار اصل میں عاجزی کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کو کہتے ہیں۔

''لا تجأروا اليوم'' تم لوگ مت چلاؤ۔ ''انكم منّا لا تنصرون'' تم سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور نہ ہی تمہیں وہ نفع دے گا، تمہاری اس عاجزی اور چیخ و پکار کو۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ⑥⑥ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ⑥⑦ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑥⑧ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ⑥⑨ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿70﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿71﴾

ترجمہ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبانی) سنائی جایا کرتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے اس قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے ہوئے تو کیا ان لوگوں نے اس کلام (الٰہی) میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے منکر ہیں یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (سو ان میں تو کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (ان کی اصلی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور بفرض محال اگر دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت (نافعہ) سے بھی روگردانی کرتے ہیں

تفسیر 66 "قد كانت آياتي تتلى عليكم" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**فكنتم على اعقابكم تنكصون**" وہ اُلٹے پاؤں واپس لوٹ جاتے ہیں۔ قہقری کہتے ہیں کہ وہ ایمان سے پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں۔

67 "**مستكبرين به**" اس کنایہ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ان کے قصے واضح ہیں۔ ان کا مرجع بیت الحرام قرار دیا ہے اور کنایہ مذکور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات سے تکبر کرتے کہ ہم ہی بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے ہیں اور وہ یہ کہتے کہ ہم ہی اہل ہیں اس کے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم پر کوئی خوف نہیں اور تمام لوگوں میں سے وہ اپنے آپ کو امن میں سمجھتے تھے۔

بعض نے کہا کہ وہ قرآن سے تکبر کرتے تھے اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ پہلا قول واضح اور ظاہر ہے۔ "**سامرًا**" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کے وقت داستانیں، قصے، کہانیاں کرتے کعبہ کے اردگرد حلقے بناتے اور اس میں یہ قصے گوئیاں کرتے۔ "**تهجرون**" نافع نے "**تهجرون**" تاء کے ضمہ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**اهجار**" سے "کلام میں بہت زیادہ فحش گوئی، یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یا قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے تھے۔ بعض نے کہا کہ ہجر سے ہے بمعنی کٹ جانا۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنی اپنی زبانوں سے ایسے الفاظ نکالتے تھے جو ان کو خود معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا نکالتے ہیں جیسے کوئی شخص نیند میں بول رہا ہو۔

68 "**افلم يدبروا**" وہ اس پر غور وفکر کرے۔ "**القول**" کیا وہ اس قول پر غور وفکر نہیں کرتے، قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے۔ اگر غور وفکر کرتے رہتے تو وہ ان دلائل کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جان چکے ہوتے۔ "**ام جاء هم مالم يأت آباء هم الاوّلين**" انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اس سے مراد یہ کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی ان کی طرف رسول بھیجے، اسی طرح

آپ کو بھی ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ بعض نے کہا کہ اُم یہاں بل کے معنی میں ہے یعنی ہم نے ان کے آباؤاجداد کی طرف پہلے انبیاء ورسل بھیجے ہیں لیکن ان لوگوں نے ان کا انکار کیا۔

69 "ام لم یعرفوا رسولھم" رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "فھم لہ منکرون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن، بڑے میں اور ان کے نسب ان کی صداقت اور ان کی امانت اور ان کے عہد ووفا کو نہیں جانتے، ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان پر ایمان نہیں لاتے۔

70 "ام یقولون بہ جنۃ" وہ آپ کو مجنون زدہ کہتے ہیں حالانکہ آپ ایسے نہیں۔ "بل جاء ھم بالحق" وہ سچی بات لے کر آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کسی کے سامنے مخفی نہیں کہ وہ صحیح ہی ہے ہر عاقل شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ "واکثرھم للحق کارھون"

71 "ولو اتبع الحق أھواء ھم" ابن جریج، مقاتل، سدی اور اہل حق کی ایک جماعت کے نزدیک الحق سے مراد اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی مراد کے مطابق عمل کر لیتا۔ بعض نے کہا کہ اگر اللہ ان کی مراد کی موافقت کرتا اور دوسروں کو اپنا شریک بنالیتا یا اپنے لیے اولاد اختیار کر لیتا۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں "لفسدت السماء والارض" فراء اور زجاج کا قول ہے کہ حق سے مراد قرآن ہے کہ اگر میں ان کی مراد کے مطابق قرآن نازل کر دیتا یعنی شریک یا ولد بنا تا ان کے اعتقاد کے مطابق تو آسمان وزمین اور جو کچھ اس میں ہے اس میں فساد برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا"...... "ومن فیھن بل اٰتیناھم بذکرھم" جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ذکر ہم سے مراد ہے، وہ کتاب جس میں ان کی بزرگی اور شرف کا بیان ہے یعنی قرآن مجید۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لقد انزلنا الیکم کتابًا فیہ ذکرکم" یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا، اس میں تمہارے لیے بزرگی اور تمہاری قوم کے لیے بھی بزرگی ہے۔ "فھم عن ذکرھم معرضون" وہ ایسی کتاب کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جو ان کے لیے باعث شرف ہے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ 72 وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 73 وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ 74 وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ 75 وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ 76 حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ 77

ترجمہ یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے

والوں سے اچھا ہے اور (خلاصہ ان کی حالت کا یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف (جس کو اوپر حق کہا ہے) بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرماویں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے (پورے طور سے) فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے۔ تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے۔

تفسیر 72 "ام تسئلھم" جو لوگ تم لے کر آئے ہو۔ "خرجًا" اجر و سامان۔ "فخراج ربّک خیر" یعنی جو کچھ اللہ نے تمہیں رزق میں سے اور ثواب میں سے دیا وہ بہتر ہے۔ "وھو خیر الرازقین" حمزہ اور کسائی نے "خراجًا" پڑھا ہے۔ ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن عامر نے ان دونوں کو الف کے بغیر، دوسرے قراء نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔

73 "وانک لتدعوھم الی صراط مستقیم" صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔

74 "وان الذین لا یؤمنون بالاخرۃ عن الصراط" اس سے مراد دین حق ہے۔ "لنکبون" وہ عادل اور ان کی طرف مائل ہوں گے۔

75 "ولو رحمناھم وکشفنا مابھم من ضر" اس سے مراد قحط ہے۔ "للجوا" تب بھی یہ اڑے رہے۔ "فی طغیانھم یعمھون" اور وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

76 "ولقد اخذناھم بالعذاب" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لیے یہ دُعا کی کہ اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح ان پر قحط نازل فرما۔ اللہ نے ان پر قحط مسلط کر دیا۔ ابو سفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو اللہ کا اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں۔ اب تو ہم اون اور خون بھی کھانے لگے، بھوک سے انتہائی مجبور ہو گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فما استکانوا لربھم" انہوں نے نہ توبہ کی اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی۔ "وما یتضرعون" یعنی انہوں نے اپنے رب سے عاجزی اور خشوع نہیں کیا۔

77 "حتّٰی اذا فتحنا علیھم بابًا ذا عذاب شدید" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یوم بدر میں قتال ہے۔ یہی قول مجاہد کا بھی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ "اذاھم فیه مبلسون" ہر بھلائی سے مایوس ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ 78 وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ 79 وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ

وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿80﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿81﴾ قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا
وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿82﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿83﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿84﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿87﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿88﴾

ترجمہ اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں) اسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا سو کیا تم (اتنی بات نہیں سمجھتے بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اس کا تو ہم سے اور (ہم سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کی ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے (اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اس کا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے (اس وقت) آپ کہیئے کہ پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے آپ (ان سے) یہ بھی کہئے (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے

تفسیر 78 "وهو الذی أنشأ لكم السمع" تمہارے لیے کان سننے کے لیے پیدا کیے۔ "والابصار والافئدة" تا کہ تم اس کو سنو اور دیکھو اور پھر اس پر غور و فکر کرو۔ "قليلاً ما تشكرون" ان نعمتوں پر وہ شکر ادا نہیں کرتے۔

79 "وهو الذی ذرأكم" تمہارے لیے پیدا کیا۔ "فی الارض واليه تحشرون" تمہیں اُٹھائے گا مرنے کے بعد۔

80 "وهو الذی يحی ويميت وله اختلاف الليل والنهار" رات اور دن کی تدبیر زیادتی اور نقصان کے ساتھ۔ فراء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو مختلف اشیاء پیدا کی ہیں اور دونوں سفید اور کالے میں بھی تفاوت ہے۔ "افلا تعقلون" کیا تم نہیں دیکھتے اللہ کی اس کارکردگی (صنعت) کو اور پھر اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔

81 "بل قالوا مثل ما قال الاوّلون" انہوں نے جھٹلایا جیسے کہ پہلوں نے جھٹلایا۔

82 "قالوا ء اذا متنا و کنا ترابا وعظامًا ء انا لمبعوثون" ہم ان کو جمع کریں گے۔ یہ سوال انکاری بطور تعجب کے ہے۔

83 "لقد وعدنا نحن و آباء نا هذا" وعدہ جو ہم نے تم سے پہلے اگلوں سے کیا تھا۔ "من قبل" ان لوگوں کے وہم کے مطابق یہ کہتے تھے کہ ہم سے پہلے ہمارے بڑوں سے بھی یہ وعدہ چلا آ رہا ہے یہ کچھ نہیں محض بے سند باتیں ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ "ان هذا الا اساطير الاوّلين" پہلوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

84 "قل" اے محمد آپ اہل مکہ کو جواب دیتے ہوئے کہہ دیجئے "لمن الارض ومن فيها" مخلوقات میں سے "ان كنتم تعلمون" اگر تم اس کی پیدائش اور ملکیت کے بارے میں جانتے ہو۔

85 "سيقولون لله" اور یہ بات ان کے لیے کہنا لازمی ہے کیوں کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ "قل" جب وہ اس بات کا اقرار کریں تو اس وقت آپ ان سے کہہ دیں۔ "افلا تذكرون" وہ یہ جانتے ہیں کہ جو ان سب کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

86 "قل من ربّ السّمٰوٰت السبع وربّ العرش العظيم"

87 "سيقولون لله" عام قراء نے للہ پڑھا ہے اور اہل بصرہ نے اس کو (اللہ) پڑھا ہے۔ اسی طرح اہل بصرہ اور دوسرے تمام مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا ہے۔ "قل افلا تتقون" اور تم ڈرتے ہو۔

88 "قل من بيده ملكوت كل شيءٍ" ملکوت کا معنی ہے حکومت، عزت، غلبہ، ملکوت میں واؤ اور تاء مبالغہ کے لیے ہے۔ "وهو يجير" وہ جس کو چاہتا ہے برائی سے بچاتا ہے۔ "ولا يجار عليه" اور جس کو اللہ پناہ نہ دے اس کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اللہ جس کو دُکھ پہنچانا چاہے اس کو دُکھ پہنچنے سے کوئی بچا نہیں سکتا اور کوئی شخص اللہ کو ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ "ان كنتم تعلمون" اس کا معنی یہ ہے کہ تم اگر جانتے ہو تو پھر جواب دو۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ 89 بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ 90 مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ ۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ 91 عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 92 قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ 93 رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ 94 وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ 95 اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ 96 وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ 97 وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ 98

ترجمہ (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ (اس وقت) کہئے کیا

کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں اللہ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ ان (مکروہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کی نسبت) بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر ہے آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں قادر ہیں آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا اور (نرم) ہو ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ یہ آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں۔

تفسیر 89 "**سیقولون للّٰہ قل فانی تسحرون**" وہ اس بارے میں دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت میں اسراف کرتے ہیں یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تو پھر تم حق کو باطل کس طرح خیال کرتے ہو۔

90 "**بل اتیناھم بالحق**" حق سے مراد صدق ہے۔ "**وانھم لکاذبون**" جو یہ لوگ ہمارے بارے میں شرک اور ولد کے بارے میں دعویٰ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

91 "**مااتخذ اللّٰہ من ولد وما کان معہ من الٰہ**" وہ شریک سے پاک ہے۔ "**اذًا لذھب کل الٰہ بما خلق**" اس نے مخلوقات کو اکیلے میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ ان کا کوئی مددگار ہو مخلوقات کے پیدا کرنے میں۔ "**ولعلا بعضھم علٰی بعض**" بعض لوگ بعض پر غلبہ پاتے ہیں۔ جیسا کہ دُنیاوی بادشاہوں کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے برأت کی ہے۔ "**سبحان اللّٰہ عما یصفون**"

92 "**عالم الغیب والشھادۃ**" اہل مدینہ کوفہ نے عالم کے میم پر ضمہ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ صفت ہوگی ماقبل آیت "**سبحان اللّٰہ عما یصفون**" سے "**فتعالٰی عما یشرکون**" ان چیزوں کی تعظیم کرتے ہیں جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت کا معنی ہے کہ وہ لوگ جس صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔

93 "**قل ربّ اما ترینی ما یوعدون**" اگر وہ عذاب مجھے دکھا دے جو ان لوگوں کے ساتھ عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

94 "**ربّ**" اے میرے رب! "**فلاتجعلنی فی القوم الظالمین**" ان کے ہلاک ہونے کے ساتھ مجھے نہ ہلاک کر دینا۔

95 "**وانا علٰی أن نریک مانعدھم**" ان کو عذاب کے وقت "**لقادرون**"

96 "**ادفع بالتی ھی احسن**" سب سے اچھی خصلت سے مراد ہے درگزر کرنا، رُخ پھیر لینا، صبر کرنا اور بھلائی کرنا۔

"السیئۃ" ان کی برائی پر یعنی ان کی برائی کے مقابلے میں اپنی طرف سے ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اذیت پر مؤمنون کو صبر کرنے اور ان کے ساتھ قتال کرنے سے روکنا یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ "نحن اعلم بما یصفون" وہ اس کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اس سے شرک کرتے ہیں۔

97 "وقل ربّ اعوذبک" ان کو مجھ سے روک دے اور ان کے شر سے بچا۔ "من ھمزات الشیاطین" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد شیطان کے دھوکے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد وساوس شیطان ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان کا پھونکنا۔ اہل معانی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ان کو معاصی کی طرف اغوا کر لینا۔ "ھمز" اصل میں کسی چیز کی سختی کے لیے بولا جاتا ہے یا اس کا معنی ہے زور سے دھکا دینا۔

98 "واعوذبک ربّ أن یحضرون" اور میں اپنے امور میں ان سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ یہاں (حضور) کا لفظ ذکر کیا مطلب یہ ہے کہ شیطان جب بھی حاضر ہوتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق خبر دی جو بعث کے منکر ہیں وہ موت کے وقت دُنیا میں واپس لوٹنے کا سوال کریں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾

ترجمہ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر) پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجیے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اس کی) ایک بات ہی بات جس کو وہ کئے جارہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے مراد اس سے موت ہے) قیامت کے دن تک پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں (جو) باہمی رشتے ناتے (تھے) اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا سو جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب (یعنی ناجی) ہوں گے۔

تفسیر 99 "حتّی اذا جاء أحدھم الموت قال ربّ ارجعون" ارجعنی نہیں کہا۔ عرب کی عادت یہ تھی کہ جب وہ رب کو پکارتے تو واحد کا صیغہ ذکر کرتے اور کبھی کبھار واحد کے صیغہ کو جمع کے ساتھ تعظیم کرنے کی وجہ سے ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے "انّا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" اور اسی طرح قرآن میں بہت ساری جگہوں پر واحد کے صیغہ کو جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ رب اور روح قبض کرنے والے ملائکہ سب کو خطاب ہے۔ اوّل سب کو مخاطب بنایا کیونکہ فریاد اصل میں اس سے کی، پھر ملائکہ سے درخواست کی کہ وہ دُنیا میں پھر لوٹا دیں۔

⑩⓪ "لعلی اعمل صالحا فیما ترکت" کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لا الٰہ الا اللہ کو ضائع کر دیا۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کروں گا اور اعمال صالحہ بجالاؤں گا۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان کی طرف جانے کی تمنا نہیں کرے گا اور نہ ہی مال جمع کرنے اور نفسانی شہوات کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ تمنا نہیں کرے گا بلکہ اس کی تمنا صرف یہی ہوگی کہ وہ اللہ کی اطاعت کے مطابق عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو ایسے عمل کی تمنا کرے جس کی کافر کر رہا ہے جب وہ رب کے عذاب کو دیکھ لیتا ہے۔ "کلا" یہ کلمہ ردع اور زجر کے لیے ہے۔ یعنی اس کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ "انھا" اس کے لوٹنے کا سوال "کلمة ھو قائلھا" وہ اس مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ "ومن ورائھم برزخ" اس کے سامنے اور اس کے پیچھے ایک آڑ ہے۔ "الٰی یوم یبعثون" برزخ دو چیزوں کے درمیان رُکاوٹ وحائل ہے۔ اس کے معنی میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا کہ ان لوگوں کے اور واپسی کے درمیان حجاب ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ برزخ سے مراد ہے دُنیا کی باقی عمر۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس سے مراد برزخ ہے، موت سے قیامت تک کی مدت، بعض نے کہا کہ برزخ سے مراد قبر ہے۔

⑩① "فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم" اس نفخہ کے متعلق مفسرین آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے جس کے متعلق ارشاد فرمایا "ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض"...... "فلا انساب بینھم"...... "ولا یتساء لون" پھر دوسرا نفخہ پھونکا جائے گا۔ اس وقت سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے سوال کریں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی ندا دے گا یہ فلاں بن فلاں ہے، اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے۔ اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت "فلا انساب" پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

"فلا انساب بینھم" یعنی دُنیا میں شرافت نسب پر ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی فخر نہیں کر سکے گا اور نہ ہی تو اصل والا سوال ایک دوسرے سے کرے گا۔ جیسا کہ دُنیا میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے کہ تو کون ہے، تمہارا کس قبیلہ سے تعلق ہے؟

دو سوال اور ان کے جوابات

سوال: حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن تمام رشتے خواہ سببی ہوں یا نسبی سب منقطع ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نسبی اور سسرالی رشتہ کے علاوہ؟

جواب۔ بعض حضرات نے اس کا جواب دیا ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہیں ہوگا سوائے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن اور ایمان کے۔

سوال: اس آیت میں فرمایا کہ "ولا یتساء لون" جبکہ دوسری جگہ آیت میں ارشاد فرمایا "واقبل بعضھم علٰی بعض یتساء لون"؟

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے احوال اور مواقع مختلف ہوں گے کسی مقام پر تو اتنا خوف طاری ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے کہ ذرا افاقہ اور سکون ہوگا۔ اس وقت ایک دوسرے کی حالت دریافت کرے گا۔ ⑩② "فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ھم المفلحون"

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ⑩③ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ⑩④ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑩⑤ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ⑩⑥ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ⑩⑦ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ⑩⑧

ترجمہ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلستی ہوگی اور اس (جہنم) میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے کیوں کیا تم کو میری آیتیں (دنیا میں) پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے (یہ اس کی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب واقعی اپنے ہاتھوں ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

تفسیر ⑩③ "ومن خفت موازینہ فاولٰئک الذین خسروا أنفسھم فی جھنم خالدون"

⑩④ "تلفح وجوھھم النار" ان کو جھلسا دے گا۔ بعض نے کہا کہ آگ ان کو جلا دے گی۔ "وھم فیھا کالحون" ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وھم فیھا کالحون" کہ آگ ان کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اُٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا کے لگے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کافر کے جسم کی چوڑائی سات رات چلنے کے بقدر ہوگی۔ پس اس کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے ہونٹ ایسے ہوں گے جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور وہ کالے رنگ کے قبیح شکل والے ہوں گے۔

⑩⑤ "الم تکن آیاتی تتلی علیکم" اس قرآن کے ذریعے ہم تمہیں ڈراتے ہیں۔ "فکنتم بھا تکذبون"

⑩⑥ "قالوا ربّنا غلبت علینا شقوتنا" حمزہ اور کسائی نے "شقاوتنا" پڑھا ہے شین کے فتحہ کے ساتھ۔ اس میں دونوں لغات

جائز ہیں یعنی ہم نے تمہارے لیے بدبختی لکھ دی، پس تمہیں کوئی ہدایت نہیں دے گا۔ "و کنا قوما ضالین" ہدایت سے بہرہ ور ہیں۔

⑩⑦ "ربّنا اخرجنا منھا" اس آگ سے "فان عدنا" اگر ہم دوبارہ اس کی طرف لوٹے۔ "فانا ظالمون"

⑩⑧ "قال اخسئوا" دور ہو جاؤ۔ "فیھا" جیسا کہ کتے کو دور کرنے کے وقت کہا جاتا ہے۔ "اخسئوا" دُر "و لا تکلمون" اور جو عذاب ہم نے تم پر کیے ہیں ان عذاب کو دور کرنے کی بات مت کرو یہ عذاب تم سے کبھی کم نہیں کیا جائے گا، اس کلام کے بعد وہ ہر قسم کی اُمید سے نا اُمید ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائیں گے۔

دوزخیوں کی پکار داروغہ جہنم کا جواب

حسن کا قول ہے کہ دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا۔ اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے، کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے مالک۔ جہنم کا داروغہ چالیس سال ان کو جواب نہیں دے گا۔ چالیس سال کے بعد جواب دے گا اور کہے گا "انکم ماکثون" تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ یہ جواب ملنے کے بعد وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے "ربّنا اخرجنا منھا فان عدنا فانّا ظالمون" اللہ ان کو دُنیا کی مدت سے دُگنی مدت تک کوئی جواب نہیں دے گا یوں ہی پڑا رہنے دے گا۔ اس مدت کے بعد جواب دے گا تو فرمائے گا "اخسئوا فیھا و لا تکلمون" اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور کوئی بات نہیں کر سکیں گے، سوائے دم گھٹنے اور گڑ گڑ کرنے کے ایک کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔ قرطبی کا قول ہے کہ جب ان سے "اخسئوا فیھا و لا تکلمون" کہا جائے گا تو ان کی ساری اُمیدیں کٹ جائیں گی اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بھونکیں گے، اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ⑩⑨ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ⑪⓪ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑪① قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ⑪② قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ⑪③ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪④

ترجمہ: میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلا دیا کہ وہی کامیاب ہوئے ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ بتلاؤ)

کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہو گے وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے (لیکن) کیا خوب ہوتا کہ تم (یہ بات دنیا میں) سمجھتے ہوتے

تفسیر ⑩⑨ "انه كان فريقًا من عبادی" اس سے مراد مؤمنین ہیں۔ "يقولون ربّنا آمنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خير الراحمين" ⑪⓪ "فاتخذتموهم سخريا" قراء اہل مدینہ حمزہ و کسائی نے سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ ص میں بھی پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ زخرف میں سب نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ خلیل نحوی کا قول ہے کہ اس میں دونوں لغات ہیں۔ جیسے کہ "لُجی" لام کے ضمہ اور "لِجی" لام کے کسرہ کے ساتھ۔ جیسے "كوكب دُرِّیٌ" اور "دِرِّیٌ" دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ فراء اور کسائی کے نزدیک کسرہ کی صورت میں استہزاء بالقول والا معنی ہوگا اور ضمہ کی صورت میں اس کا معنی ہوگا اس کو روک دیا یا مجبور کر دیا۔ ایسے کام کا مکلف کیا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔

"حتّى انسوكم" اس مشغلہ استہزاء نے تم کو ہماری یاد بھلا دی۔ "ذكرى وكنتم منهم تضحكون" اس کی نظیر یہ آیت ہے "ان الذين اجرموا كانوا من الذين آمنوا يضحكون" مقاتل نے کہا کہ اس آیت کا نزول فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا جیسے عمار، حضرت صہیب، حضرت سلمان، حضرت حباب رضی اللہ عنہم۔ ان صحابہ کے متعلق کفار قریش استہزاء کرتے تھے۔

⑪① "انی جزيتهم اليوم بما صبروا" تمہاری اذیتوں اور تمہاری اس استہزاء کی بنا پر جو انہوں نے دُنیا پر کیا۔ "انهم هم الفائزون" حمزہ اور کسائی نے "انّهم" ہمزہ کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا۔ دوسرے قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے، اس صورت میں یہ مفعول ثانی ہوگا۔ یعنی آج کے دن ان کے صبر کے بسبب ان کو بدلہ دوں گا جو جنت کی صورت میں ہوگا۔

⑪② "قال كم لبثتم" حمزہ اور کسائی کا قول ہے کہ یہ "قل اِن" ہے، امر اور نہی کے معنی میں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ کہیے اے کافرو! یہاں پر کلام کو واحد کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ مراد اس سے جماعت ہے۔ جب اس کا معنی مفہوم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ خطاب ان میں سے ہر ایک کو ہو۔ "ای قل يا يها الكافرون" ابن کثیر نے پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ خبر ہے کیونکہ دوسرا جملہ اس کا جواب ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کو ایسے ہی پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کہیں گے کہ تم کتنا عرصہ دُنیا میں ٹھہرے ہو۔ "فی الارض" دُنیا اور قبر میں "عدد سنين" ⑪③ "قالوا لبثنا يومًا او بعض يوم" وہ دُنیا میں رہنے کی مدت عذاب کے خوف کی وجہ سے بھول جائیں گے۔ "فسئل العادين" اس سے مراد فرشتے ہیں جو بنی آدم کے اعمال کو لکھتے اور شمار کرتے ہیں۔ ⑪④ "قال ان لبثتم" جتنی مدت تم دُنیا میں ٹھہرے۔ "الّا قليلا" اس کو قلیل اس وجہ سے کہا کہ اگرچہ دُنیا میں کتنی مدت ہی وہ ٹھہرا رہے تو وہ قیامت و آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی مدت کو قلیل ہی سمجھیں گے اور قبر اس کا منتہیٰ ہے۔ "لو انكم كنتم تعلمون" جتنی مقدار میں تم دُنیا میں ٹھہرے ہو۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ⑪⑤ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ⑪⑥ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ⑰ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ⑱

ترجمہ ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یا (خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو (اس سے کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں (اور وہ) عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلیل قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا (جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابدالآباد معذب رہیں گے) اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کر اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر ⑮ "**افحسبتم انما خلقناکم عبثا**" لہو ولعب کے لیے نہ کہ اس کی حکمت کے لیے منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ اس کو عبث پیدا نہیں کیا تا کہ تم اس میں کھیلو، کودو، بیکار زندگی گزارو جیسا کہ چوپایوں کو پیدا کیا گیا نہ ان کے لیے ثواب ہے اور نہ ہی عقاب (سزا)۔ یہ اس قول کے مثل ہے "**ایحسب الانسان أن یترک سدًی**" بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عبادت کے لیے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کے لیے۔ "**وانکم الینا لا ترجعون**" کیا تم گمان کرتے ہو کہ آخرت میں تم کو ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا، بدلہ لینے کیلئے۔ حمزہ، کسائی، یعقوب نے "**لاترجعون**" پڑھا ہے۔ تاء کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن ہبیرہ نے حنش سے روایت نقل کی کہ ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، آپ نے ان کے دونوں کانوں میں آیت "**افحسبتم انما خلقناکم**" آخر تک پڑھ کر دم کر دی، اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے واقعہ عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اس چیز سے منزہ قرار دے دیا جس کی طرف مشرکین موصوف کرتے تھے۔

⑯ "**فتعالی اللّٰہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم**" اچھا ٹھکانا۔ بعض نے کہا کہ بلند مقام۔

⑰ "**ومن یدع مع اللّٰہ الٰھا اٰخر لابرھان لہ بہ**" نہ اس کے پاس کوئی حجت ہے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی دلیل ہے اس شرک کے دعویٰ میں۔ "**فانما حسابہ**" اس کا بدلہ "**عند ربہ**" اس کے عمل کا بدلہ اس کو دے گا۔ "**ثم انّ علینا حسابھم**" ...... "**انہ لایفلح الکافرون**" نہ تو وہ کوئی دلیل و حجت ان کے کام آئے گی اور نہ ہی ان کا جھوٹ

⑱ "**وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین**"

سُوْرَةُ النُّوْر

اس میں ۶۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کے (الفاظ) کو (بھی) ہم (ہی) نے نازل کیا ہے اور اس (کے معنی یعنی احکام) کو (بھی) ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم سمجھو اور عمل کرو۔

تفسیر: ① "سورة" یہ سورت "انزلنها وفرضناها" ابن کثیر ابو عمرو "وَفرّضناها" راء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

ہم نے وحی کے ذریعے سے تم پر جو احکام لاگو کیے ہیں ان پر عمل کرنا تمہارے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ بعض اہل تفاسیر کا قول ہے کہ ہم نے اس کے اندر حدود مقرر کر دی ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان "فنصف ما فرضتم" ہم نے تمہارے لیے یہ حد مقرر کر دی ہے اور تخفیف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "انّ الذی فرض علیک القرآن" تشدید کی صورت ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کو تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کر دیا اور بعض نے کہا کہ ھو بمعنی فرض کے ہے جو ایجاب کے معنی میں ہے۔ تشدید تکثیر کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ تم پر اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والے کے لیے ہم نے اس کو واجب کر دیا ہے۔ "وأنزلنا فیها آیات بیّنات" واضح دلالت ہیں۔ "لعلّکم تذکرون" تا کہ تم ان سے نصیحت حاصل کرو۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں ہر ایک کے سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کو سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کو حاضر رہنا چاہئے ۔ زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے اور ۔

تفسیر ❷ "الزّانية والزّاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة" مراد اس سے جب وہ دونوں آزاد بالغ ہوں، عاقل ہوں، باکرہ ہوں اور شادی شدہ نہ ہوں تو پھر ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں گے ۔ کہا جاتا ہے جلدہ جب اس کی جلد پر مارا جائے ۔ جیسا کہ اس کو کہا جاتا ہے اس کا سر اور اس کا پیٹ جب اس کے سر اور پیٹ پر مارا جائے ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "فاجلدوا" کہنے سے اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو، ایسا نہ مارو جو کھال کو اُدھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے ۔

اسی بناء پر فقہاء کرام نے اس سے یہ مسئلہ معلوم کیا ۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے اور ایک سال شہر بدر کرنا ہے اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم ہے جس کا ذکر سورۃ نساء میں گزر چکا ہے ۔ "ولا تاخذكم بهما رافة" یہ تمہارے لیے رحمت اور آسانی ہے ۔ ابن کثیر نے "رأفة" الف کے ساتھ پڑھا ہے ۔ سورۃ الحدید میں اس لفظ میں قراء کا اختلاف نہیں ہے ۔ "رأفة" کا تعلق دل سے ہوتا ہے اس سے کوئی روکتا نہیں کیوں کہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے ۔

ولاتأخذكم بهما رأفة کی مختلف تفاسیر

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی باندی کو کوڑے لگائے جب اس نے زنا کیا تھا ۔ آپ نے جلاد سے فرمایا کہ اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارو ۔ آپ کے ایک بیٹے نے کہا "لا تاخذكم بهما رافةٌ في دين الله" حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں، میں نے کوڑے مار دیئے اور درد پہنچا دیا ۔

اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے ❶ کہ تم لوگ ان دونوں پر نرمی اختیار نہ کرو کہ تم حدود قائم نہ کر سکو ۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر، نخعی، شعبی کا قول ہے ❷ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو، ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو ۔ ❸ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں سختی کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے ۔ ❹ قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں نرمی برتی جائے، زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے ۔ "في دين الله" اللہ کے حکم میں "ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر" اس کا معنی یہ ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی حدود نافذ کرنے میں نرمی اختیار نہیں کرتا ۔ جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے ۔ "وليشهد" چاہیے کہ تو حاضر ہو ۔ "عذابهما" اس سے مراد ان دونوں کی حدود ہیں ۔ جب اس پر قائم کی جائے ۔

"طائفۃ" اس سے مراد جماعت "من المؤمنین" مجاہد اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ کم از کم مقدار ایک فرد اور اس سے اوپر عکرمہ، عطاء نے کہا کہ دو مرد اور اس سے اوپر مراد ہیں۔ زہری اور قتادہ کا قول ہے کہ دو یا اس سے زائد کو طائف کہتے ہیں۔ امام مالک اور ابن زید نے طائفہ کی تعداد چار بتائی ہے کہ زنا پر گواہ چار ہونے چاہئیں۔

زانی کی سزا کا بیان

3 "الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحھا الازان أو مشرک وحرّم ذلک علی المؤمنین" علماء نے اس آیت کے معنی اور حکم میں اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے، کچھ مال ومتاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے۔ مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانے میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں۔ کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تا کہ ان کے بے سرمایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کرلیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مؤمنوں کے لیے حرام کردیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ قول مجاہد، عطاء بن ابی الرباح، قتادہ، زہری اور شعبی کا قول ہے اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ایک عورت تھی اُم مزول یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھیں۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگ زنا کار عورتوں سے نکاح کرلیتے تھے۔ پھر ان کی کمائی کھاتے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک مسلمان نے اُم مزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ ایک شخص جس کا نام مرثد بن ابی المرثد غنوی تھا۔ وہ قیدیوں کو مکہ سے اُٹھا کر مدینہ پہنچا تا تھا اور مکہ میں ایک باغی عورت تھی، اس کو عناق کہا جاتا تھا اور وہ اس کی زمانہ جاہلیت میں دوست تھی۔ جب وہ مکہ میں آتا تو وہ اس کو اپنے ہاں بلاتی۔ اس پر مرثد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا حرام قرار دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو۔ انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں؟ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں عناقا سے نکاح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی "والزّانیة لا ینکحھا الا زان او مشرک" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور اس آیت کو میرے سامنے تلاوت کی اور مجھے کہا کہ تم اس کے ساتھ نکاح نہ کرنا، ان لوگوں کے نزدیک یہ تحریم خاص انہی لوگوں کے لیے تھی نہ کہ تمام لوگوں کے ساتھ۔

بعض نے کہا کہ آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانی زنا نہیں کرتا، زانیہ سے یا مشرکہ سے اور زانیہ زنا نہیں کرتی مگر زانی مشرک سے یہ تفسیر سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم کا ہے اور والبصی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کی ہے۔ زید بن ہارون نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ زانی اگر زانیہ سے جماع کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اگر حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ زانیہ عورت سے نکاح کو حرام قرار دیتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جب زانی زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو ہمیشہ کے لیے دونوں زانی رہتے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانیہ سے اور سزا یافتہ زانیہ سے نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانی۔

سعید بن مسیب اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول آیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے زانیہ سے نکاح حرام تھا لیکن جب یہ آیت "وانکحوا الایامی منکم" نازل ہوئی تو اس سے حرمت مذکورہ منسوخ ہوگئی۔ لہٰذا زانیہ بھی ایامی میں داخل ہے اس لیے اس سے نکاح جائز ہے۔ یہ لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں۔

وہ یہ روایت ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری بیوی کسی چھونے والے یا طلبگار کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ فرمایا تو اس کو طلاق دے دے۔ اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے۔ فرمایا تو اس کو اپنے پاس رکھ۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ تو ایسی حالت میں اسے اپنے پاس روک کے رکھ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن مرد نے انکار کر دیا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

(ترجمہ) جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعویٰ پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (یہ دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کر لیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کر لیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے اور جو لوگ

اپنی (منکوحہ) بی بی کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کو عدد میں چار ہونا چاہئے) تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں

تفسیر ④"والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة" اس سے زنا کی تہمت ہے۔

زنا کی تہمت لگانے والے کی سزا کا بیان

ہر وہ شخص جو کسی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کو یوں کہے۔ تو نے زنا کیا یا کہے اے زانی! تو اس پر اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اگر وہ آزاد ہو اور اگر غلام ہو تو اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے اور اگر مقذوف شادی شدہ نہ ہو تو پھر قاذف پر تعزیر لگائی جائے گی۔ احصان کی پانچ شرائط ہیں۔ مسلمان ہونا، عاقل، بالغ، آزاد اور زنا سے پاک ہونا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے بلوغت کے ابتدائی دنوں میں زنا کرلیا، پھر اس نے توبہ کرلی اور اس کی توبہ سے اس کی زندگی بدل گئی اور اس کی عمر طویل ہوگئی تو پھر اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اور اگر مقذوف نے اس کی تہمت کو سچا کہا اس طور پر کہ اس نے زنا کا اقرار کرلیا یا تہمت لگانے والے نے چار گواہ حاضر کردیئے تو پھر قاذف سے حد ساقط ہوجائے گی کیوں کہ اس پر حد واجب ہوتی ہے اس کی جھوٹی تہمت لگانے سے اس کا صدق ثابت ہوگیا۔"والذین یرمون المحصنات" جو محصنات پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ یعنی آزاد مسلمان پاک دامن عورت پر اور وہ چار گواہ بھی پیش نہ کرسکے، ان کے زنا پر تو پھر ان تہمت لگانے والوں کو اسّی (۸۰) کوڑے لگاؤ۔"ولا تقبلوا لهم شهادةً ابدًا و اولئک هم الفاسقون"

کیا جھوٹی تہمت لگانے والے کی گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں

⑤"الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم" اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والے توبہ کے بعد اس کی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں۔ اس بناء پر بعض حضرات کا قول ہے کہ قاذف کی گواہی نفس قذف کی وجہ سے رد کی جائے گی لیکن جب اس نے توبہ کی اور اپنے فعل پر نادم ہوا اور اس کے بعد اس کی حالت اچھی ہوگئی تو اس کی گواہی قبول کردی جائے گی۔ خواہ اس نے حد لگنے کے بعد توبہ کی ہو یا حد لگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "الا الذین تابوا" یہاں پر استثنیٰ شہادت کے رد ہونے کی طرف لوٹ رہی ہے اور فسق کی طرف۔ توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی اور فسق والا الزام بھی ختم ہوجائے گا۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

اور سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، شعبی، عکرمہ، عمر بن عبدالعزیز اور زہری کا قول ہے اور امام مالک وشافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

دوسرے حضرات کی اس مسئلہ میں یہ رائے ہے کہ "**محدود فی القذف**" کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہاں استثنیٰ "**واولئک هم الفاسقون**" سے ہے یہ قول امام نخعی، شریح اور اصحاب الرائے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نفس قذف کے ذریعے اس کی شہادت ردّ نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ اس پر حد نہ جاری کر دی گئی ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حد لگنے سے پہلے اس میں شر تھا لیکن جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن گئی تو پھر کیسے اس کی گواہی، اس کی اچھی حالت ہونے کے وقت اس کو ردّ کر دیا جائے گا اور کیسے اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جب اس پر حد نہ جاری کر دی ہو۔

شعبی کا قول ہے کہ حد قذف محض توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس آیت میں استثنیٰ کل کا کل کے ساتھ ہے اور عام علماء کا قول یہ ہے کہ یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ البتہ جس پر تہمت لگائی ہے وہ اس کو معاف کر دے تو پھر معافی ہو سکتی ہے۔ جیسے قصاص معاف کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کی شہادت توبہ کے بعد قبول ہو جاتی ہے تو پھر آگے "ابدًا" کا کیا مطلب ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے قبول نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ وہ اس جھوٹی تہمت پر مُصر رہے لیکن جب وہ مصر نہیں رہا توبہ کر لی تو پھر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ جیسا کہ کافر کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں ہوتی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کہ وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا اس وقت تک اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

⑥ "**والذین یرمون أزواجهم**" جو ان لوگوں کی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ "**ولم یکن لهم شهداء**" جو ان کے قول کے صحیح ہونے پر گواہی نہیں دیتے۔ "**الّا انفسهم**" مگر اپنے آپ کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں پاتے۔ "**فشهادة أحدهم أربع شهادات باللّٰه انه لمن الصادقین**" حمزہ، کسائی، حفص، یعقوب نے "**اربع شهادات**" عین کے رفع کے ساتھ مبتداء ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے۔ "**فشهادة احدهم التی تدرأ الحد أربع شهادات**" دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی "**فشهادة احدهم أن یشهد اربع شهادات باللّٰه انّه لمن الصادقین**"

⑦ "**والخامسة أن لعنة اللّٰه علیه ان کان من الکاذبین**" نافع اور یعقوب نے "أن" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح دوسرا "أن" بھی پڑھا ہے۔ یعقوب نے یہاں لعنۃ اللہ کی جگہ غضب اللہ پڑھا ہے رفع کے ساتھ اور نافع نے غضب

ضاد کے کسرہ کے ساتھ اور باء کے فتحہ کے ساتھ لفظ (اللہ) کو مرفوع پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "أَنَّ" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لعنۃ" نصب کے ساتھ غضب ضاد کے فتحہ کے ساتھ۔ "انّ" کا اسم ہونے کی وجہ سے۔

"والخامسۃ" دوسرا منصوب ہے گواہی دینے والا پانچویں مرتبہ گواہی دے گا، دوسرے قراء نے اس کو مرفوع پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر پہلے کی طرح ہے۔

شانِ نزول اور عویمر عجلانی کا واقعہ

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ عویمر عجلانی سے روایت ہے کہ عاصم بن عدی الانصاری کے پاس آئے۔ ان سے کہا کہ اے عاصم! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے؟ انہوں نے کہا ہاں میں اس کو قتل کر دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ کیسے کر سکتے ہو؟ اے عاصم! آپ اس کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمالیں۔ حضرت عاصم نے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسندیدہ جانا اور عاصم پر اللہ اکبر کہا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ جب عاصم اپنے گھر کی طرف لوٹے۔ عویمر عجلانی آئے اور انہوں نے ان سے پوچھا، عاصم کہنے لگے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو اچھا نہیں جانا۔ اس پر عویمر عجلانی نے کہا کہ میں ہرگز اس وقت تک چین کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس مسئلہ کے متعلق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں۔ عویمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ اجنبی شخص کو دیکھے تو کیا اس کو وہ قتل کر دے؟ تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا کیسے اس کے ساتھ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیرے اور تیرے ساتھی کے متعلق آیت نازل ہوگی تو میرے پاس آ جانا۔ سہل فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان لعان کیا گیا اور میں ان کے درمیان موجود تھا۔ جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا اے اللہ کے رسول! اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں گا تو اس کو تین طلاقیں دے دوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے۔ پہلا قول امام مالک اور ابن شہاب رحمہما اللہ کا ہے۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان لعان کرنے کا۔ یہی طریقہ رائج ہو گیا۔

محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذرا اس کو دیکھتے رہنا، اگر اس عورت کا بچہ پیدا ہوا اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں والا اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا ہو تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی۔ چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا۔

ہلال بن امیہ کا واقعہ

بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ ہلال بن اُمیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی شریک بن سحماء پر زنا کی تہمت لگائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرعی گواہ پیش کرو ورنہ کوڑے مارے جائیں گے۔ ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ یا پھر تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں بلا شک وشبہ سچا ہوں، اللہ ضرور کوئی حکم ایسا نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آیات ذیل لے کر نازل ہوئے۔ ”**والذین یرمون ازواجھم**“ یہ آیت پڑھی۔ یہاں تک کہ ”**ان کان من الصادقین**“ تک تلاوت فرمائی۔

حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا۔ جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے، عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ شہادت سے لوٹ جائے گی۔ پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لیے رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دیکھتے رہنا، اگر اس کا بچہ پیدا ہوا اور آنکھیں سرمگیں ہوں، سرین بھاری ہو اور پنڈلیاں گداز ہوں تو خیال کر لینا کہ وہ شریک بن سحماء کا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس بچہ کو عورت کی طرف منسوب کرتا۔

عکرمہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”**والذین یرمون المحصنات**“، تو انصار کے سردار سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے گروہ انصار سن رہے ہو، تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں۔ نزول آیت میں شبہ ہے، انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو آپ برا نہ کہیں، یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں، بخدا انہوں نے ہمیشہ کنواری سے نکاح کیا اور نہ ہی اپنی کسی بیوی کو طلاق دی۔ ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ اس سے نکاح کرے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اسے اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں۔ جب تک چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں۔ خدا کی قسم! جب تک میں گواہ لاؤں گا تو وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔

کہ ہلال بن اُمیہ کا قصہ ہو گیا۔ حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آئی تھی۔ ان کا واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے، آ کر دیکھا کہ کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو دیکھا، اپنی آنکھوں سے اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار محسوس ہوئی اور بہت بار گزری۔ دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اب ہلال بن اُمیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم! مجھے اُمید ہے کہ اللہ میرے لیے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا۔

اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی۔ دوران وحی تمام اصحاب خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے فارغ ہونے تک اور کچھ دیر رُکے رہے۔ یہ آیات نازل ہوئیں "والذین یرمون ازواجھم" آخر آیت تک۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خوشخبری ہو، ہلال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشائش پیدا کر دی ہے۔ ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی اُمید تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی، جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی اپنے بیان سے رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ قربان، میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان دونوں کے درمیان لعان کر دو۔

حسب الحکم ہلال سے کہا گیا شہادت دو، ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈرو، دُنیاوی عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے۔ اگر تو جھوٹا ہے تو عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم! اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر، اگر میں جھوٹا ہوں۔ پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا، اللہ سے ڈر، پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔ یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے عورت رُک گئی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کہنے لگی خدا کی قسم! میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو، اگر وہ ہلال سچا ہو۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ اگر ہوتا

تو عورت کا ہوگا، باپ کی طرف سے اس کی نسبت نہیں کی جائے گی لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون ہے۔

تمام روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک جب یہ آیت نازل ہوئی "والذین یرمون المحصنات" پھر اس کو جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اُٹھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کردے، اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کردے تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت کہاں سے لاسکتے ہیں۔ گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر جاچکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچازاد بھائی تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں۔ عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سحماء کو دیکھا۔ عاصم نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ، گزشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہوگیا۔ عویمر، خولہ اور شریک سب عاصم کے بنی عم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس سے بہتان نہ باندھ، عویمر نے عرض کیا، یا رسول اللہ! عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا، تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ "الصلوٰة جامعة" کی ندا کردے۔ منادی نے ندا کردی، لوگ جمع ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر عویمر کو فرمایا اُٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کرکے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی۔ عویمر نے کہا کہ پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں اور پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کا جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں۔ پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا کھڑی ہو، خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے۔ پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا میں خدا کی قسم کی کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے۔ پھر

تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زنا کی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے۔ تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرادیا اور فرمایا، اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو، اگر بچہ کے دونوں آبرو کشادہ ہوں، دونوں میں فاصلہ ہو، بال بھورے ہوں، رنگ مائل با سرخی ہوں تو وہ شریک بن سحماء کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو، بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خولہ کا بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

محصن وغیر محصن کی سزا کا حکم

اس آیت کے حکم میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو اجنبی شخص کے تہمت لگانے کی طرح حد لگائی جائے گی اگر وہ محصن ہو، اور اگر وہ محصن نہ ہو تو پھر اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور اگر کوئی اجنبی تہمت لگائے اس پر حد قائم کی جائے گی۔ ہاں اگر وہ چار گواہ حاضر کردے زنا پر تو پھر اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اگر مقذوف اقرار کرلے کہ میں نے زنا کیا تو پھر بھی قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

اگر یہ معاملہ زوجین کا ہو تو پھر ان دونوں میں لعان کرادی جائے گی اور اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ زوجہ پر لعان کرنا یہ بمنزلہ گواہوں کے ہے کیونکہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو اس وقت اس کے لیے گواہ تلاش کرنا ممکن نہیں اور اس عار پر صبر کرنا بھی ممکن نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حجت پوری کرنے کے لیے اور اس کے سچ کو ثابت کرنے کے لیے لعان کا حکم دیا۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں "**فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله ان لمن الصادقين**" جب شوہر بیوی کے اوپر زنا کے گواہ پیش کرلے یا وہ اقرار زنا کرلے تو پھر اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور لعان بھی نہیں ہوگی۔

الا یہ کہ یہاں پر اس کا کوئی بچہ ہو جو خاوند کے مشابہ ہو جو اس کے لعان کی نفی قرار دے اور جب امام اس بات کا ارادہ کرے کہ ان دونوں کے درمیان لعان کرے وہ شوہر کو بلائے اور کلمات لعان اس سے کہلوائے اور وہ یہ الفاظ کہے "**قل اشهد بالله انی لمن الصادقين فيما رميت به فلانة بالزنا**" اور اگر عورت نے خاوند پر تہمت لگائی تو اس چیز کا نام لے گی کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا اور اگر اس پر کسی جماعت نے زنا کی تہمت لگائی تو اس جماعت کا نام لیا جائے گا۔ شوہر وہی الفاظ کہے گا جس کی تلقین قاضی پانچ کرے گا۔ اگر اس کی بیوی کو حمل ہو یا لڑکا ہو تو اس کی نفی کا ارادہ کرنا چاہے تو ان الفاظ میں کرے گا کہ اگر اس کا حمل ہے تو زنا کا ہے، وہ مجھ سے نہیں ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ "**عليّ لعنة الله ان كنت من الكاذبين فيما رميت فلانة**" مجھ پر لعنت ہو، اللہ کی اگر میں جھوٹا ہوں۔ اس بات میں کہ میں نے فلاں پر جھوٹی تہمت لگائی

ہے۔ جب یہ کلمات وہ حاکم کے بغیر ادا کردے تو وہ اپنے آپ کو محسوب کرنے والا نہیں ہوگا۔ جب اس کا شوہر لعان سے فارغ ہو جائے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور اس کا نسب منتفی ہو جائے گا اور اس سے حد قذف ساقط ہو جائے گی، عورت پر حد زنا واجب ہو جائے گی۔

اگر وہ محصنہ ہے تو رجم کیا جائے گا اور غیر محصن ہو تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور ملک بدر کیا جائے گا۔ یہ پانچ احکام جن کا تعلق زوج کی لعان کے ساتھ متعلق تھا۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ ۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨

ترجمہ اور (اس کے بعد) اس عورت سے (سزائے حبس یا حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو

تفسیر ⑧ "ویدرؤا" اور دور کرے "عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله ان لمن الكذبين"

⑨ "والخامسة أنّ غضب الله عليها ان كان من الصادقين" اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جو حد کی صورت میں ہے۔ جیسا کہ ابتداء سورۃ میں اس کا حکم دیا گیا۔ "وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين" ان دونوں میں سے ایک آیت کا معنی یہ ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرتا ہے تو بیوی پر زنا کی حد واجب ہو جاتی ہے اور جب ان پر حد زنا لعان کے ذریعے سے واجب ہوتی ہے تو وہ اس کو اپنے آپ سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب لعان کرتا ہے تو وہ چار گواہ پیش کرتا ہے۔ پھر وہ حاکم کے کہنے پر قسمیں اُٹھاتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں یہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگا رہا ہے میں اس سے بری ہوں اور وہ پانچویں مرتبہ یہ کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر عذاب ہو، اگر میرا شوہر اس معاملہ میں سچا ہو جو کچھ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ لعان کے ساتھ ایک ہی حکم متعلق ہوگا اور وہ حد کا ساقط ہو جانا۔ اگر شوہر نے زنا پر گواہ مقرر کرلیے تو پھر اس سے حد زنا ساقط نہیں ہوگی۔

اصحاب الرائے کے نزدیک میاں بیوی پر حد واجب نہیں ہوگی صرف لعان ہوگا۔ اگر وہ لعان کرنے پر راضی نہ ہوں تو پھر ان کو قید کرلیا جائے گا حتیٰ کہ وہ دونوں لعان کرلیں اور اگر شوہر لعان کرلے اور عورت لعان سے رُک جائے تو عورت کو قید کرلیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لعان نہ کرلے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک لعان یہ اس کے قول کی تصدیق ہے۔ تہمت لگانے والا اگر بینہ قائم کرنے کے لیے بیٹھ جائے تو اس کو قید نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ گواہ پالے۔ یہ اس اجنبی شخص کی طرح ہے کہ جس نے تہمت لگائی، پھر گواہوں کا انتظار کرنے لگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لعان فرقت اور نسب کی نفی کا موجب ہے اور یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں ہوں گی مگر لعان سے اور وہ دونوں میاں بیوی کے لعان کرنے کی ہی وجہ سے ہوگا۔ اب یہ فرقت کس حکم میں ہوگی فسخ

نکاح ہوگی یا طلاق۔ اس بارے میں اکثر اہل علم کا بیان ہے کہ یہ فرقت فسخ نکاح کے حکم میں ہے۔ یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ان دونوں کے درمیان یہ تفریق دائمی ہوگی۔

اگر لعان کے بعد شوہر اپنے قول سے رجوع کرلے تو اس کے رجوع کو مانا جائے گا۔ اس کے حق میں نہ کہ اس کی بیوی کے حق میں۔ اس صورت میں شوہر پر حد جاری کی جائے گی اور پیدا شدہ بچے کو اصل باپ کی طرف منسوب کیا جائے گا لیکن لعان کی وجہ سے جو حرمت ابدی لازم ہوچکی وہ مرتفع (ختم) نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان جو فرقت واقع ہوتی ہے یہ فرقت طلاق ہے۔ لعان کے بعد اگر شوہر نے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کردیا تو پھر حد جاری ہونے کے بعد وہ دوبارہ اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور اسی طرح اگر اس نے لعان کے چند کلمات کہے تو پھر بھی لعان کا حکم متعلق نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ لعان کے اکثر کلمات کو ادا کرلیا تو اس صورت میں یہ کل کے قائم مقام ہوگا۔

ہر وہ شخص جس کی قسم کا اعتبار ہے اس سے لعان کا بھی اعتبار ہوگا خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا ذمی۔ یہ قول سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار اور حسن، اور یہی قول ربیعہ، مالک، ثوری، شافعی اور اکثر اہل علم کا ہے۔ لیکن امام زہری، اوزاعی، اصحاب الرائے کے نزدیک لعان صرف آزاد مسلمان اور غیر محدود دین پر ہوگا اور وہ دونوں میاں بیوی ہوں یا ان دونوں میں سے ایک غلام ہو، دوسرا ذمی ہو یا محدود فی القذف ہوں تو پھر ان پر لعان نہیں ہوگا۔ قرآن کی ظاہری آیات ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان لعان جاری ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**والذین یرمون أزواجهم**" یہاں پر آزاد اور غلام محدود و غیر محدود کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا "**الذین یظاهرون من نسائهم**" پھر آزاد اور غلام دونوں ظہار میں برابر ہیں اور لعان صحیح نہیں، سوائے حاکم یا اس کے خلیفہ کے حکم سے۔

سب سے اشد لعان چار اشیاء سے منعقد ہوتی ہے جس میں الفاظ کی خوب رعایت رکھی گئی ہو۔ اس طور پر کہ اپنی جگہ پر لعان کرتے وقت اس کا نام بھی لے اور لوگوں کی جماعت کے سامنے اس کو بیان کرے۔ الفاظ مستحقہ کے درمیان کسی چیز کی کمی کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ رہا مکان ایسی جگہ جو جگہوں میں سے سب سے زیادہ اعلیٰ و اشرف ہو۔ اگر وہ مکہ میں ہو تو پھر رکن اور مقام کے درمیان یہ قسم لے اور اگر مدینہ میں ہو تو پھر منبر کے قریب اور اس کے علاوہ تمام شہروں میں جامع مساجد میں منبر کے قریب لعان کرے۔ زمان سے مراد عصر کی نماز یا مطلق کسی نماز کا وقت ہو اور جمع سے مراد کم از کم چار افراد ہوں اور تغلیظ بالجمع مستحب ہے۔ اگر حاکم ان دونوں کے درمیان لعان کرے، اکیلے تو جائز ہے مکان کی تعیین واجب ہے یا مستحب اس بارے میں دو قول ہیں۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪

ترجمہ اور (اے مردو اور عورتو) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے (کہ ایسے ایسے احکام مقرر کیے ہیں) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے) جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہؓ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تم میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

تفسیر ⑩ "ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمته وانّ اللّٰہ توّاب حکیم" یہاں لولا کا جواب محذوف ہے کہ تم ان کی سزائیں جلدی کرتے ہو لیکن یہ تمہارے لیے ستر ہے اور تم پر حد لعان کی وجہ سے ساقط کردی۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں، جو شخص اپنے گناہوں سے رجوع کرے، رحمت کے ساتھ اور حکیم ہے، جو حدود اس نے تمہارے لیے مقرر کی ہیں، اس کی حکمت کے متعلق وہ خوب جانتا ہے۔

واقعہ افک

⑪ "ان الذین جاء وا بالافک عصبة منکم" صالح ابن شہاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے بیان کیا عروۃ بن زبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص وعبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن عائشہ رضی اللہ عنہم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ انہوں نے اس وقت یہ حدیث بیان کی تھی کہ جب تہمت لگانے والوں کی تہمت سے اللہ عزوجل نے ان کو بری کیا تھا سب رواۃ جو اس حدیث کو مجھ سے بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اپنے پاس زبانی محفوظ کیا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے پاس ویسے محفوظ کرلیا اور بعض میرے سے وہی حدیث زبانی یاد کرتے ہیں جو میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ بعض حضرات بعض کی تصدیق کرنے لگے اور بعض اس کو بعض سے یاد کرنے لگے اور وہ لوگ کہنے لگے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کا ارادہ کرتے تھے تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اس کو ساتھ لے جاتے تھے۔

چنانچہ ایک جہاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی، میرا ہودج ہی اُٹھا کر اونٹ پر رکھا جاتا تھا اور نیچے اُتارا جاتا تھا۔ اس طرح ہم مدینہ سے چل دیئے۔ جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اُترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا، میں حاجت کے لیے اُٹھی اور چل کر لشکر سے دور نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی تو اس وقت سینے پر ہاتھ رکھا تو عقیق یمنی کا ہار جو میں نے پہنا ہوا تھا وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لیے فوراً واپس چلی گئی۔ ہار کی تلاش میں مجھے دیر لگ گئی، میرے ہودج کو اُٹھا کو اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اُٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اسی زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں،

16

بھاری نہیں ہوتی تھیں۔ ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لیے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ کی۔ پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تو تھی، انہوں نے ہودج کو اُٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیئے، لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا، پڑاؤ پر واپسی آئی تو وہاں پر کوئی بھی نہ تھا، پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رُک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے، اپنی جگہ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے لشکر کے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا وہ لشکر کی گری پڑی اشیاء پر نگرانی کرنے والے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی قیام گاہ سے روانہ ہوئے اور صبح کو میری جگہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے، دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، مجھے دیکھ کر انہوں نے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہوگئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے "انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون" کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا۔ اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور گھٹنا باندھ دیا، میں اُٹھ کر اونٹنی پر سوار ہوگئی، وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے، ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اسی طرح لشکر تک پہنچ گئی۔ میرے معاملے میں جس کو ہلاک ہونا تھا وہ غلط افواہیں پھیلا کر مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا بڑا منافق عبداللہ بن ابی سلول تھا جو اس افواہ کا ذمہ دار جانا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ پہنچ کر بیمار ہوگئی اور ایک مہینہ بیمار رہی اور لوگ تہمت لگانے والوں کی باتیں سن رہے تھے، مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے خبر دی کہ کچھ گروہ آپ کے متعلق یہ باتیں بیان کرتے ہیں اور پھر ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور ان سے لوگ باتیں سنتے ہیں اور پھر ان باتوں کو آگے پھیلاتے ہیں۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ تہمت لگانے والوں کے نام نہیں ذکر کیے مگر حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش اور دوسرے لوگ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "والذی تولی کبرہ" اس سے مراد عبداللہ بن ابی سلول ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے، آپ فرماتی تھیں کہ حسان کا ہی تو یہ شعر ہے:

فان ابی وولدتی و عرضی لِعرض محمد منکم وقاءٌ

(میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے، محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ان بیماری کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ لطف میرے اوپر نہیں تھا جیسے کہ پہلے تھا۔ بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول آتے اور السلام علیک کرتے اور فرماتے تم لوگ کیسے ہو؟ پھر واپس چلے جاتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا، پریشانی ہوتی لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔ جب میں اچھی ہوگئی مگر

کمزور تھی تو ایک رات کو اُم مسطح کو ساتھ لے کر میں مناصع کی طرف جانے کے لیے نکلی۔ پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ رفع ضرورت کے لیے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے، ہم کو گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے ایذاء ہوتی تھی۔

فرماتی ہیں کہ میں اور اُم مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے۔ اُم مسطح کا پاؤں چادر سے اُلجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی، گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی، کیا تم ایسے لوگوں کو برا کہہ رہی ہو جو بدر میں شریک تھے۔ اُم مسطح نے کہا، بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا کہ اس نے کیا کہا، اس پر اُم مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی۔ اس بات کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول جب تشریف لائے اور دریافت کیا، آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے، میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں، مجھے یقین تھا کہ اصل خبر مجھے اپنے ماں باپ سے مل جائے گی۔ آپ نے اجازت دے دی، میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا، اماں یہ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو، جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں محترم ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی، صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر علی بن ابی طالب اور اُسامہ بن زید کو مشورہ کے لیے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ اُسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے۔ انہوں نے پاک دامن ہونے کا مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اُسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی۔ اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ آپ کی بیوی ہیں، ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کے لیے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں۔ وہ سچ سچ کہہ دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کوئی شک گزرا ہو؟ بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کر سکوں۔ ہاں بس اتنی بات ضرور ہے وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے، بکری آتی ہے اور اس کو کھا جاتی ہے۔ اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام! میرے گھر والوں کے معاملے میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کہ کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے؟ خدا کی قسم! مجھے اپنی بیوی کے متعلق اچھائی ہی معلوم ہوئی، لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے۔

یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ کو معذور جانتا ہوں۔ اگر وہ اوس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اُڑادوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی یعنی سعد بن عبادہ اور سردار خزرج کھڑے ہوئے۔ پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہوگئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے تم نہ اس کو قتل کرو گے اور نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل نہ کرتے۔ اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم! جھوٹ کہا، ہم اس کو ضرور بضرور قتل کریں گے۔ تم یقیناً منافق ہو، منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو، اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آگئے۔ قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے، آخر سب خاموش ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں اس روز بھی روتی رہی اور رات بھر آنسو نہیں تھمے اور نہ ہی نیند آئی۔ والدین کو اندیشہ ہوگیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ نہ جائے، دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دے دی، وہ آکر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے، اس سے پہلے جب میرے متعلق چہ مگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینے کا وقفہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں میرے معاملہ کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی۔ بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرمادے گا اور اگر اتفاقاً تو کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کر۔ بندہ جب گناہ کا اقرار کرلیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کرچکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہیں ہوا۔ پھر میں نے اپنے والد سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ والد نے کہا خدا کی قسم! مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں۔ آخر میں نے خود کہا، خدا کی قسم! میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اگر اب میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ مجھے سچ نہ جانو گے اور اگر میں آپ کے سامنے اقرار کرلوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو آپ مجھے سچا سمجھو گے۔ (اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور آپ کی حالت کے سوا اس کے کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا **"فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون"** پس میں بھی یہی کہتی ہوں۔ یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑلیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ

ضرور میری پاکی کا اظہار فرمادے گا لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو ہمیشہ قرآن میں پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو پڑھا جائے گا، مجھے تو یہ اُمید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھا دیا جائے گا۔

اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمادی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوتی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا عائشہ خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری پاکدامنی کا اظہار کر دیا۔ میری والدہ نے کہا اُٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، میں نے کہا خدا کی قسم! میں اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جاؤں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر کر دی۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری برأت میں دس آیات نازل فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسطح بن اثاثہ کو خرچ دیا کرتے تھے، قرابت کی وجہ سے یا فقر کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ میں مسطح پر کچھ خرچ نہ کروں گا۔ اس واقعہ کے بعد جو کچھ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة“ سے لے کر ”غفورٌ رحیم“ تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ نے میری بخشش فرمادی۔ پھر وہ مسطح کو خرچ دینے لگے اور کہنے لگے میں اس کو ہمیشہ دوں گا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے میرے متعلق پوچھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نہیں جانتی اور نہ ہی میں نے دیکھا اور کہا کہ میرے کانوں نے اور آنکھوں نے اس میں کبھی کوئی نفرت نہیں دیکھی۔ اللہ کی قسم! میں اس میں خیر کو ہی جانتی ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے بچائے رکھا۔ انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ یہ باتیں کرنے والے مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

ابن شہاب نے کہا کہ مجھے اس جماعت کے متعلق یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، واللہ کہ وہ شخص جس کے بارے میں کہا گیا جو کچھ کہا گیا اس نے کہا تو اس کے لیے کہا جانا چاہیے تھا کہ سبحان اللہ (اللہ اس سے پاک ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بیت الخلاء کے علاوہ کسی جگہ بھی ہم عورتیں اپنا ستر نہیں کھولتیں۔ اس واقعہ کے بعد صفوان ایک جہاد میں شہید ہو گئے۔ ابن شہاب کی روایت اسی سند کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اگر تم سے کوئی گناہ ہوگیا ہوتو اللہ سے بخشش طلب کراور اس سے توبہ کر کیوں کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے (آخر حدیث تک نقل کیا) پھر تہمت لگانے والوں میں سے جس کو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو میری خادمہ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ خادمہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی عیب نہیں دیکھا ہاں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آٹا بنا کر سو جاتی بکری گھر میں داخل ہوتی اور وہ آٹا کھا لیتی۔ اس کے بعد پھر لوگ خاموش ہوگئے۔ خادمہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں سچ بولتی ہوں، یہاں تک کہ بعض لوگ ان افواہوں سے خاموش ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی ذات پاک ہے کہ میں جان گئی تھی جیسا کہ سونا، چاندی والا آگ میں سونے چاندی کو پگھلا کر اس کی اصل کو جان لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب وحی نازل ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا، خوشخبری ہو اے عائشہ! اللہ نے تیری برأت کے لیے آیات نازل فرمائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدین نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کے لیے نہیں کھڑی ہوں گی اور نہ ہی ان کا شکر ادا کروں گی بلکہ اپنے رب کی تعریف اور اسی کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھے اس تہمت سے بری قرار دیا۔ تحقیق انہوں نے میرے متعلق سب کچھ سنا لیکن اس پر انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس بات پر عار دکھائی۔

"**والذین جاء وا بالافک**" اس سے مراد جھوٹ ہے۔ اس جھوٹ سے مراد برا جھوٹ ہے۔ اس کو "افک" کہا گیا کیونکہ یہ حق سے پھرنے والا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "**افک الشیٔ**" جب اس کو چہرے سے پلٹ دیا جائے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ثناء و تعریف کی مستحق ہیں۔ جن لوگوں نے برائی کی نسبت ان کی طرف کی وہ برائی انہی کے چہرے پر آپڑی۔ "**عصبة منکم**" ایک جماعت جن میں عبداللہ بن ابی سلول و مسطح بن اثاثہ وحسان بن ثابت وحمنہ بنت جحش جو طلحہ بن عبید اللہ وغیرہ ہیں "**لاتحسبوہ شرًا لکم**" اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عیب لگانے کا رنج جو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ بعض نے کہا کہ یہ خطاب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والدین کو ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صفوان کو ہے۔ اس کو تم اپنے لیے برا نہ سمجھو۔ "**بَل ھو خیر لکم**" کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تمہارے لیے اجر و ثواب دے گا اور تمہارے لیے برأت کرے گا۔ "**لکل امری منھم**" یہ جھوٹی جماعت "**ما اکتسب من الاثم**" یعنی جس نے جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لیے مقرر ہے کسی نے خود الزام تراشی کی، کسی نے اس کو پھیلانا پسند کیا۔ اس کے گناہ کے مطابق اس کو سزا ملے گی۔ "**والذی تولیٰ کبرہ**" جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں یہ طوفان سب سے پہلے اُٹھایا اور اس کو پھیلایا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ "**کبرہ**" بعض کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور

عام قراء کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کسائی نے کہا کہ اس میں دو لغات ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس بات کو پھیلانے کے لیے عبداللہ بن ابی سلول کھڑا ہوگیا۔ زہری سے روایت ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں کہ "**والذی تولی کبرہ منھم**" سے مراد عبداللہ بن ابی سلول ہے اور **عذاب الیم** سے مراد آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا کہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر میں سوار ہوگئی، صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑلی، چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گزر ہوا۔ منافقوں کا قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کے عام لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے اور ان کی رہائش گاہ مسلمانوں کی رہائش گاہ سے علیحدہ ہوتی تھی۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے؟ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہے۔ عبداللہ بن اُبی بولا، خدا کی قسم! یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی تو صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ "**والذی تولّی کبرہ**" سے چار شخص مراد ہیں۔ عبداللہ بن ابی سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حسان بن ثابت ہیں۔

مسروق کا قول ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسان بن ثابت اس وقت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

حصان رزان ماتزن بریبة وتصبح غرثٰی من لحوم الغوافل

(وہ بڑی پاکدامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جاسکتیں، ان کا پیٹ بے خبر، بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے)...... (یہ کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔

حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا مگر تم ایسے نہیں ہو۔ مسروق کہتے ہیں میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ ان کو اپنے آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں؟ اللہ نے تو فرمادیا ہے "**والذی تولّی کبرہ منھم له عذاب عظیم**" اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نابینا ہوجانے سے سخت عذاب اور کیا ہوگا۔

روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو اسّی اسّی کوڑے لگوائے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫
لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ
⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑭ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮

ترجمہ آگے ان قاذفین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسن ظن اور افک کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ یہ (قاذف) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب کہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (یعنی غیر موجب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔

تفسیر ⑫ "لولا" ھلا کے معنی میں ہے۔ "اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسھم" اپنے بھائیوں سے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ "خیرًا" حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل دین ہیں کیونکہ تمام مؤمنین ایک جسم کی مانند ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تقتلوا انفسکم" اور دوسری آیت میں ہے "فسلموا علی انفسکم"...... "وقالوا ھذا افکٌ مبین" یہ جھوٹ واضح ہے۔

⑬ "لولا جاء وا علیہ باربعة شھداء" جیسا کہ انہوں نے گمان کیا۔ "فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللّٰہ ھم الکاذبون"

سوال: وہ اللہ کے نزدیک کیسے جھوٹے ہو سکتے ہیں جب کہ انہوں نے گواہ قائم نہیں کیے حالانکہ اللہ کے نزدیک جھوٹا شخص تو جھوٹا ہی ہے۔ خواہ وہ گواہ قائم کرے یا گواہ قائم نہ کرے؟

جواب اللہ کے نزدیک کا مطلب ہے کہ اللہ کے فیصلے میں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ کے حکم کو جھٹلایا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سب جھوٹے ہیں، غیبت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔

⑭ "ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمته فی الدّنیا والاخرة لمسکم فیما افضتم" کا معنی خضتم ہے۔ "فیه" اس برائی میں "عذاب عظیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان پر ایسا عذاب جو کبھی نہ ختم ہونے والا، اس وجہ سے دُنیا کے عذاب کو پہلے ذکر کیا پھر اخروی عذاب کو ذکر کیا۔ "والذی تولّٰی کبرہ منھم له عذاب عظیم" اور وہ عذاب ان کو پہنچ گیا کہ ان کو کوڑے مارے گئے اور حد لگائی گئی۔

روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں پر حد قذف جاری

کی۔عبداللہ بن ابی، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔

⑮"اذ تلقونہ"جو کچھ تم کہتے ہو۔"بالسنتکم" مجاہد اور مقاتل نے کہا کہ وہ بعض بعض سے روایت کرتے ہیں۔ کلبی کا قول ہے کہ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے سے ملتا اور کہتا تھا مجھے ایسی خبر ملی ہے کیا واقعہ ہے؟ اس طرح ایک دوسرے سے زبانی لیتا تھا۔اسی طرح ابی بن کعب نے بھی پڑھا ہے۔زجاج کا قول ہے کہ بعض بعض کے ساتھ سیکھتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قرأت "تلقونہ" لام کے زیر کے ساتھ ہے اور قاف کے تخفیف کے ساتھ۔ولق سے ہے بمعنی جھوٹ۔"وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم و تحسبونہ ھینا" وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آسان ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔"وھو عند اللہ عظیم" اور وہ ان پر بہت بڑا بوجھ ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ. وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ. وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ㉑

ترجمہ: اور تم نے جب اس (بات) کو (اوّل) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ مجھ کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے جو لوگ (بعد نزول آیات کے بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک (مقرر) ہے اور (اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور (اے تائبین) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے (جس سے تم کو توفیق توبہ کی دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی اس وعید سے نہ بچتے) اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی اس کے اغوا پر عمل مت کرو) اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی (توبہ کر کے) پاک وصاف نہ ہوتا لیکن اللہ

تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک وصاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر ⑯ "ولولا اذ سمعتموه قلتم ما یکون لنا أن نتکلم بهذا سبحانک" بمعنی تعجب کے ہے۔ "هذا بهتان عظیم" یعنی یہ بڑا جھوٹ ہے جو انسان کو حیران کر دیتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ نے ابوانصاری سے کہا کہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو خبر مجھ تک پہنچی ہے (اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "سبحانک هذا بهتان عظیم" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

⑰ "یعظکم الله" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو اشیاء اللہ نے تم پر حرام کی ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جن چیزوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے۔ "أن تعودوا لمثله ابدًا ان کنتم مؤمنین"

⑱ "ویبین الله لکم الایات" امر ونواہی کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ "والله علیم" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان بن معطل کے بارے میں جانتا ہے۔ "حکیم" ان دونوں کو برأت کی حکمت

⑲ "ان الذین یحبون أن تشیع الفاحشة" جو بری باتیں پھیلانے کے خواہش مند ہیں اور زنا کو پھیلاتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ "فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة" اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافقین چیلے دُنیاوی عذاب سے مراد حد ہے اور آخروی عذاب سے مراد آگ ہے۔ "والله یعلم" ان کے اس دجل کو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا وہ اللہ کے غصہ کا شکار ہوئے۔ "وانتم لاتعلمون"

⑳ "ولولا فضل الله علیکم و رحمته وأن الله رؤف رحیم" یہ لولا کا جواب محذوف ہے۔ اگر ان پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ان پر عذاب جلدی آجاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس سے مراد مسطح حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش ہیں۔

㉑ "یا یها الذین آمنوا لا تتبعوا خطوات الشیطان ومن یتبع خطوات الشیطان فانه یامر بالفحشاء" برے افعال "والمنکر" ہر وہ ناپسندیدہ کام جو اللہ کو پسند نہیں۔ "ولولا فضل الله علیکم ورحمته ما زکی" مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد اصلاح ہے۔ قتیبہ نے کہا کہ تو پاک نہ ہوتا۔ "منکم من احد" بعض مفسرین کے نزدیک آیت میں عموم ہے۔ وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کا فضل ورحمت نہ ہوتی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے کہ جنہوں نے "افک" کے معاملے میں خوب انتشار پھیلایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو تمہیں اس گناہ سے پاک نہ کیا جاتا اور تمہاری اصلاح بھی نہ ہوتی۔ بعض نے کہا کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو کسی کی توبہ قبول نہ کی جاتی۔ "ابدًا ولکن الله یزکی" تمہیں اس سے پاک کر دیا۔ "من یشاء" اپنی رحمت سے تمہارے اس گناہ کو بخش دیا۔ "والله سمیع علیم"

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا. اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ. وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ㉒اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ㉓ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ㉔

ترجمہ اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی (اور دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ یہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (آگے منافقین کے وعید کی تفصیل ہے) جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں (کے کرنے) سے (بالکل) بے خبر (اور) ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا جس روز ان کے خلاف میں ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

تفسیر ㉒ "ولا یأتل" یعنی وہ قسم نہ کھائیں۔ یہ الالیۃ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے قسم "اولوا الفضل منکم والسّعة" اس سے مراد مال داری اور کشائش رزق ہے۔ "منکم" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ "ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللّٰہ" سے مراد حضرت مسطح اور ان جیسے لوگ ہیں۔ حضرت مسطح مسکین بھی تھے، مہاجر بھی تھے، بدری بھی تھے اور حضرت ابوبکر کی خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اُٹھالی کہ کوئی چیز بھی اس پر خرچ نہیں کریں گے۔ "ولیعفوا ولیصفحوا" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں۔ "الاتحبون" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خطاب ہے۔ "ان یغفر اللّٰہ لکم واللّٰہ غفور رحیم" جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا تو کہنے لگے کہ کیوں نہیں مجھے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس معاملے کو معاف کر دیا اور مسطح کو نفقہ دینے سے رجوع کر لیا جو خرچ ان کو دیا کرتے تھے وہ دوبارہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ میں ہمیشہ ان کو دیتا رہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

㉓ "ان الذین یرمون المحصنات" اس سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں۔ "الغافلات" زنا سے بے خبر بدکاری سے دور۔ "المؤمنات" برائی سے غافل جوان کے دل میں بھی کبھی نہیں آئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قرآن کی بیان کردہ صفات کے مطابق تھیں۔ "لعنوا" ان کو سزا دی گئی "فی الدنیا" دُنیا میں ان پر حد جاری کی گئی۔ "والاخرة" آخرت میں ان کے لیے آگ کا دردناک عذاب ہوگا۔ "ولهم عذاب عظیم" مقاتل کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص عبداللہ بن ابی کے لیے

تھا۔ خصیف سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا زنا کرنے اور تہمت زنا لگانے میں سے کون زیادہ سخت ہے؟ فرمایا جو مؤمنہ پر جھوٹی تہمت لگائے وہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے گا وہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات کے بارے میں بھی ہے اور ساری مؤمنات کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالے سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت مذکورہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری اُمہات المؤمنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی۔ اس آیت میں توبہ کا ذکر نہیں اور اگر کوئی دوسری مؤمن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لیے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت "**والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء، الا الذين تابوا**" تلاوت فرمائی اور فرمایا، ان لوگوں کے لیے توبہ کا ذکر کیا گیا اور آیت مذکورہ بالا میں ان لوگوں کے لیے توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے حق میں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آیت جو شروع سورت میں گزری، نازل ہوئی۔ "**والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء**" بعد کو نازل ہوئی اور اس میں حد قذف اور توبہ کا ذکر کر دیا گیا۔ "**فان الله غفور رحيم**" اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کوڑے اور توبہ کو نازل فرمایا۔

㉔ "**يوم تشهد عليهم**" حمزہ اور کسائی نے "**يشهد**" پڑھا ہے۔ فعل کی تقدیم کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے "**تشهد**" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**السنتهم**" زبان بندی سے پہلے کا وقت مراد ہے۔ "**وأيديهم وارجلهم**" روایت میں آتا ہے کہ زبان پر مہر لگا دی جائے گی۔ پھر ہاتھ اور پاؤں بولیں گے جو کچھ دُنیا میں انہوں نے کیا ہوگا وہ سب کچھ کھول کر بیان کر دیں گے۔ بعض نے کہا کہ بعض لوگوں کی زبانیں گواہی دیں گی اور بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں۔ "**بما كانوا يعملون**"

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ㉕ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ. وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ. اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ. لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ㉖

(ترجمہ) اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور (اس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے اور یہ (قاعدہ کلیہ ہے) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) کہتے پھرتے ہیں ان (حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

تفسیر 25 " یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ " یعنی ٹھیک ٹھیک واجبی بدلہ۔ بعض نے کہا کہ انصاف والا فیصلہ۔ "ویعلمون أنّ اللّٰہ ھو الحق المبین" ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی جو کچھ انہوں نے دُنیا میں شمار کر رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا عبداللہ بن ابی (دین کی صداقت) میں شک کرتا تھا۔ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق مبین ہے۔

26 "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ" اکثر مفسرین کے نزدیک "الخبیثات" سے مراد ہی گندی باتیں، مذمت، تحقیر اور توہین کرنے والے ناپاک الفاظ ہیں۔ خبیثین سے مراد لوگ ہیں۔ "والخبیثون" لوگوں کے ساتھ۔ "للخبیثات" سے مراد ان کے اقوال ہیں۔ "والطیبات" سے مراد قول ہے۔ "للطیبین" لوگوں سے "والطیبون" لوگوں سے "للطیبات" قول سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ گندی باتیں کرنے والے کے ساتھ لائق نہیں مگر گندے لوگ۔ اور پاک لوگوں کے لیے لائق نہیں مگر پاکیزہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں کی بری باتوں کے لائق نہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف پاک کلام اچھی باتوں، ان کی تعریف وثناء کو مضاف کہا جائے گا اور اسی کے وہ لائق ہیں۔

آیت اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ کی تفسیر

زجاج کا قول ہے کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ گندے کلمات جیسے کلمہ کفر، جھوٹ، صحابہ اور اہل بیت کو برا کہنا، پاک دامن عورتوں پر زنا کا بہتان رکھنا اور اس جیسی دوسری باتیں ناپاک آدمیوں جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ کے لیے مناسب ہیں وہی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔ پاک لوگ ایسا کلام زبان سے نہیں نکال سکتے۔ گندے لوگوں کو انہی گندی باتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی مذمت کرنا مقصود ہے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی اور اس میں ان لوگوں کی مدح ہے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت سے بری سمجھا تھا۔

ابن زید کا قول ہے کہ خبیثات سے مراد گندی عورتیں اور خبیثین سے مراد گندے مرد ہیں۔ یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں اسی لیے اللہ نے ان کو اپنے رسول کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا۔

"اولئک مبرؤن" اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان ہیں۔

ان دونوں کو جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا جیسے "فان کان له اخوة" یہاں اخوۃ سے مراد اخوان ہیں۔ بعض نے کہا کہ "اولئک مبرؤن" یعنی پاک مرد اور پاک عورتیں اس تہمت سے بری ہیں۔ "ممّا یقولون لھم مغفرة ورزق کریم" مغفرت سے مراد گناہوں سے درگزر کرنا اور رزق کریم سے مراد جنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

ان میں ایک یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت کے ساتھ جو کنواری ہو شادی نہیں کی۔ تیسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ چوتھا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ پانچواں یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو وحی آ جاتی۔ یہ شرف کسی اور بیوی کو حاصل نہیں ہوا۔ چھٹا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔ ساتواں یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ آٹھواں یہ کہ آپ صدیقہ اور طاہرہ ہیں۔ نواں یہ کہ آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے مجھ سے بیان کیا۔ صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ㉗ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ. وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ㉘ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ㉙ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ㉚

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تا کہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) معلوم نہ ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی

جائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (اور اگر خلاف کروگے تو سزا کے مستحق ہوگے) تم کو ایسے مکان میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

تفسیر 27 "**یا یھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتًا غیر بیوتکم حتّٰی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ذلکم خیرلکم لعلّکم تذکرون**"...... "**حتّٰی تستانسوا**" کا مرادی معنی ہے اجازت حاصل کرلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "**تستاذنوا**" پڑھا ہے اور کہتے ہیں کہ "**تستانسوا**" کاتب سے غلطی سے لکھا گیا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھا ہے۔ معروف قرأۃ "**تستانسوا**" ہے بمعنی استیذان اور بعض نے کہا کہ الاستئناس کا معنی ہے انس طلب کرنا اور وہ یہ ہے کہ دیکھا جائے گھر میں کوئی موجود ہو تو اس میں اجازت لیکر داخل ہو جائے۔

خلیل کا قول ہے کہ استئناس کا معنی ہے اس کو دیکھنا۔ "**انست نارًا**" میں نے آگ دیکھ پائی ہے طلب اذن کو استئناس کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا کہ طلبگار اجازت کے دل میں ایک طرح کی وحشت ہوتی ہے اس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید داخلے کی اجازت نہ ملے۔ جب داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ طلبگار اجازت طالب علم بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ جب اجازت مل جاتی ہے تو اس کو علم ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا استئناس کا معنی ہے کہ آدمی دروازے کے باہر کھڑا ہو کر سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہے اور کھنکارے تاکہ اطلاع ملنے پر اہل خانہ اجازت دے دیں۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینی چاہیے

اس آیت کا حکم یہ ہے کہ کوئی بھی دوسرے کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرکے داخل ہو یا اجازت لے کر داخل ہو۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اجازت پہلے لے یا سلام پہلے کرے۔ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ پہلے اجازت طلب کرے اور یہ کہے کہ کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ آپ پر سلام ہو۔ "**حتّٰی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا**"

اکثر علماء کے نزدیک سلام پہلے کیا جائے اور کہے سلام علیکم "**أأدخل**" اور کہتے ہیں کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یہ ہے کہ "**حتّٰی تسلموا علی اھلھا وتستأذنوا**" اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہے۔ حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں، ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر، حسب مشورہ اس نے سلام کیا، پھر اجازت طلب کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت داخلہ دیدی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اگر آنے والے کی نظر کسی آدمی پر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے اور کوئی نظر نہ آئے تو طلب اجازت پہلے کرے، پھر سلام کرے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی محرم عورتوں کے پاس آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔ حسن کا بیان ہے کہ اگر ایک ہی گھر ہو تو وہ کھنکارے اور تھوڑی سی حرکت کرلے تا کہ اس کی آہٹ سے دوسرے گھر والوں کو پتہ چل جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے پاس ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر بلوایا، میں طلب کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور تین بار سلام کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ پھر جب میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے؟ میں نے جواب دیا میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب نہ آیا تو میں واپس لوٹ گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ داخلہ کی اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بات پر گواہی دو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شہادت دے دی۔

بشر بن سعید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس میں فرمایا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت لے لے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو چاہیے کہ وہ لوٹ جائے۔ حسن نے کہا کہ پہلی مرتبہ اطلاع آمد ہے۔ دوسری مرتبہ سلام کرنا و اجازت وطلب امر ہے اور تیسری مرتبہ واپسی کے لیے اجازت کی طلب ہے۔

㉘ **"فان لم تجدوا فیھا احدًا فلا تدخلوھا"** اگر تم میں سے کوئی بھی گھر میں موجود نہ ہو تو اس میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے۔ اگر اجازت نہ ملے تو اس میں داخل نہ ہو۔ **"حتّٰی یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا"** جب کوئی گھر میں موجود ہو تو اگر وہ کہیں کہ واپس لوٹ جاؤ تو واپس لوٹ جانا چاہیے، دروازے میں بیٹھ نہیں جانا چاہیے۔ **"ھو ازکیٰ لکم"** وہیں سے واپس لوٹ جانا بہتر ہے اور تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔

قتادہ کا قول ہے کہ اگر گھر میں داخلے کی اجازت نہ ملے تو گھر کے دروازے پر بیٹھ جانا نہیں چاہیے کیونکہ گھر کے دروازوں

پر عام طور پر حاجت مند لوگ بیٹھتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی گھر میں موجود نہ ہو تو پھر اس کے انتظار میں بیٹھ جانا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انصار کے دروازے پر احادیث کے حصول کے لیے آیا کرتے تھے اور انصاری کے دروازے میں ان کے انتظار میں بیٹھ جاتے، داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے، اے رسول اللہ! کے چچا کے بیٹے، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر سے جھانک کر دیکھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کیلئے ہی دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کو پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ **"واللہ بما تعملون علیم"** اجازت کے ساتھ داخل ہونا اور بغیر اجازت کے دخول ہونا۔ جب آیت استیذان نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ گھر کیسے ہوں گے۔ قریش کے تاجر جو مکہ و مدینہ اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں۔ سرداران قریش و مکہ کے اُترنے کے مقام مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی رہتا نہیں ہے وہاں کسی سے اجازت داخلہ مانگیں گے اور کسی کو سلام کریں گے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

29 **"لیس علیکم جناح أن تدخلوا بیوتًا غیر مسکونة"** بغیر اجازت کے داخل ہونے کا حکم جن گھروں میں دیا گیا ہے وہ اس آیت میں مذکور ہیں۔ **"فیھا متاع لکم"** جس میں تمہارے نفع کی چیز ہے۔

غیر مسکونة سے کون سے گھر مراد ہیں

ان گھروں سے کون سے گھر مراد ہیں۔ اس بارے میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد وہ دُکانیں، کوٹھڑیاں اور مکانات ہیں جو قافلے والوں کے لیے بنا دیئے جاتے تھے۔ قافلے آتے جاتے وقت وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اُترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دُکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لیے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بازار کی دُکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرین جب بازار کی کسی دُکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم میں داخل ہو جاؤں۔ پھر داخل ہو جاتے۔

عطاء نے کہا اس سے مراد ویران کھنڈر ہیں اور متاع سے مراد ہے بول و براز کے لیے جانا۔ بعض نے کہا کہ وہ تمام مکانات مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو کیونکہ اجازت طلبی کا حکم صرف اسی لیے دیا گیا ہے کہ کسی ننگے کھلے پر نظر نہ پڑ جائے۔ جن مکانوں کے اندر کوئی رہتا نہ ہو ان کے اندر داخل ہونے میں کسی برہنگی پر نظر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں، اس لیے اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ "واللّٰہ یعلم ما تبدون وما تکتمون"

㉚ "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم" جن عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے ان سے اپنی نظروں کو جھکانا۔ من صلہ ہے یعنی اپنی نظروں کو جھکائے رکھو۔ بعض نے کہا کہ "من تبعیضیہ" ہے کیونکہ مؤمنین کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اُٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالا رادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ "ویحفظوا فروجھم" جو عورتیں ان پر حلال نہیں ان سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔

ابو العالیہ کا بیان ہے کہ قرآن پاک میں جس جگہ بھی شرمگاہ کی حفاظت کرنے کا حکم آیا ہے وہاں زنا اور حرام سے بچنا مراد ہے۔ صرف اس مقام میں حفاظت سے مراد پردہ کرنا اور اپنی شرمگاہ کو چھپائے رکھنا ہے۔ "ذٰلک" یعنی یہ اپنی نظروں کا نیچے جھکانا اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ "ازکیٰ لھم" یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ "ان اللّٰہ خبیر بما یصنعون" وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اچانک نظر پڑ جائے تو اس کا حکم

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، علی پہلی نظر کے ساتھ دوسری دفعہ نظر نہ کرنا کیوں کہ پہلی نظر تو تیرے لیے جائز ہے اس کے بعد دوسری نظر جائز نہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت دوسری عورت کے ننگ کو دیکھے اور نہ ہی دو مرد اکٹھے ایک لحاف میں سوئیں۔ (جب وہ دونوں ننگے ہوں) اور نہ ہی دو عورتیں ایک لحاف میں سوئیں۔ (جب کہ وہ ننگی ہوں)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ

اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِالتّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِالطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ. وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالبًا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے موقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاتی اور اخیافی بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

تفسیر ۳۱ "**وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن**" جن کو دیکھنا جائز نہیں اس سے آنکھیں بند رکھیں۔"**ویحفظن فروجھن**" ان مردوں کے سامنے جو ان کے لیے حلال نہیں۔ بعض نے کہا "**یحفظن فروجھن**" یعنی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں تا کہ ان میں سے کوئی ان کو نہ دیکھے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ جب حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے بعد آئے، یہ واقعہ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کریں، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ اندھے نہیں ہیں، وہ تو ہمیں نہیں دیکھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہو گئی ہو اور تم دونوں دیکھ نہیں رہی۔ "**ولا یبدین زینتھن**" وہ اپنی زینت کو غیر مرد کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ یہاں زینت سے مراد پوشیدہ زینت ہے۔ زینت دو ہیں، زینت خفیہ اور زینت ظاہرہ۔ خفیہ زینت خضاب پاؤں میں لگانا، کانوں کی بالیاں اور دوسری سج دھج۔ یہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اجنبی شخص کا ان کو دیکھنا جائز ہے۔ زینت سے مراد زینت کی جگہیں ہیں۔

الا ماظھر منھا کی مختلف تفاسیر

"**الا ماظھر منھا**" اس سے مراد زینت ظاہرہ ہے۔ اس زینت کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے جس کو اللہ رب العزت نے استثناء فرمایا ہے۔

سعید بن جبیر، ضحاک، اوزاعی کے نزدیک چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ثیاب کپڑے ہیں۔ "خذوا زینتکم عند کل مسجد" اس زینت سے مراد بھی کپڑے ہیں۔

حسن کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور کپڑے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں میں مہندی وغیرہ ہے۔ باقی رہی زینت جو ظاہری ہوتی ہے اجنبی مرد اس کو دیکھ سکتا ہے جب کہ فتنہ خوف اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی خوف پیدا ہو جائے تو نظروں کا جھکانا ضروری ہے۔ اس مقدار میں اس کو کھلا رکھنا جائز ہے کہ عورت اپنے بدن کو ظاہر کرے اس لیے کہ یہ ستر عورت نہیں۔ لیکن نماز کی حالت میں ان کو ڈھانپنا ضروری ہے۔ عورت کا سارا بدن ستر ہے اس کو چھپانا ضروری ہے۔ "ولیضربن بخمرھن" اپنی اوڑھنیوں کا کچھ حصہ گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔ "علی جیوبھن" تاکہ اس کے ذریعے سے ان کے سینے اور ان کی گردن اور ان کے بال چھپے رہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سابق مہاجر عورتوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ جب اللہ عزوجل نے یہ آیت "ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر ان کے خمار بنا لیے۔ "ولا یبدین زینتھن" یعنی وہ زینت جس کو ظاہر کرنا ممنوع ہے اس کو ظاہر نہ کریں جن کو نماز کے اندر اور نماز کے علاوہ کھولنا جائز نہیں۔ "الا لبعولتھن"

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک کہ نہ ڈالو پردہ اور اوڑھنیاں اور نہ ہی اپنی زینت کو ظاہر کرو مگر شوہروں کے لیے۔

مرد مرد کو اور عورت عورت کے کونسے بدن کو دیکھ سکتی ہے

"او آبائھن او أباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن أو اخوانھن أو بنی اخوانھن او بنی اخواتھن" ان لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ باطنی زینت دیکھ سکتے ہیں مگر ناف اور گھٹنے کے درمیان نہیں دیکھ سکتے۔ شوہر کے لیے اپنی بیوی کے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے لیکن اس کے فرج کو نہیں دیکھ سکتا مکروہ ہے۔

"او نسائھن" جائز ہے ایک عورت کا دوسری عورت کے بدن کو دیکھنا مگر ناف سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی۔ جیسا کہ محرم مرد کسی کے اتنی مقدار ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اس وقت ہے جبکہ عورت مسلمان ہو اور اگر عورت کافرہ ہو تو اس کی ننگ کو مسلمان عورت دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس کا کشف عورت دیکھنا جائز ہے جیسا کہ مسلمان عورت مسلمان کا دیکھ سکتی ہے کیونکہ یہ امور عورتوں کے متعلق ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "او نسائھن" اور کافرہ عورتیں ہماری عورتوں میں داخل نہیں، وہ دین کے معاملے میں ہمارے لیے اجنبی ہیں۔

لہٰذا اس کو اجنبی مرد کی طرح دور رکھا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبیدہ بن جراح کو لکھا کہ کتابی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جانے سے روک دیں۔

کیا عورت کا غلام اپنی آقا کا محرم ہے

"او ما ملکت ایمانھن" اس مسئلہ میں بھی آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض قوم نے کہا کہ عورت کا غلام اس کے لیے محرم ہے۔ اس کے دخول جائز نہیں۔ اگر چہ وہ عفیف (پاکدامن) ہو اور وہ اپنے مولیٰ کی ناف سے گھٹنے تک ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ محارم کی طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ثابت بن انس کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور اگر ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دیکھی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ (اس کا جواب بعض حضرات نے دیا کہ ہوسکتا ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو) بعض حضرات نے کہا کہ ان کے ساتھ اجنبی غلام تھا۔

یہی قول سعید بن المسیب کا ہے اور کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد غلام مراد نہیں ہیں بلکہ باندیاں ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ "نسائھن" سے مراد ہیں مسلمان آزاد عورتیں اور "ما ملکت ایمانھن" سے مراد ہیں باندیاں خواہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں، غلام مراد نہیں ہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان عورت کا کسی مشرک عورت کے سامنے اپنی زینت کا انکشاف جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر باندی ہو، خواہ مشرکہ ہی ہو تو اس سے زینت کا اخفاء ضروری نہیں۔ "او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال"

ابوجعفر، ابن عامر اور ابوبکر نے غیر کو منصوب پڑھا ہے۔ "التابعین" کو معرفہ اور غیر کو نکرۃ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں غیر "الّا" کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنی زینت کو تابعین (وہ مرد جو طفیلی کے طور پر رہتے ہیں) پر ظاہر کرسکتے ہو مگر وہ لوگ جن میں کچھ رغبت نہ ہو۔ بعض حضرات نے (غیر) مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں التابعین کی صفت ہوگی۔ "والاربة" اور "الارب" حاجت کو کہتے ہیں۔

غیر اولی الاربة سے کیا مراد ہے

"او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال" سے مراد وہ لوگ جو خود کمائی کر کے نہ کھا سکتے ہوں بلکہ یہ لوگ گھر والوں کے تابع ہوتے ہیں تاکہ بچا کھچا کھانا ان کو مل جائے۔ ان لوگوں کو عورتوں کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ یہ قول مجاہد، عکرمہ، شعبی کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے نامرد مراد ہیں۔

حسن کا قول ہے کہ "غیر اولی الاربة" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو انتشار نہ ہوسکتا ہو اور نہ عورتوں کی رغبت ان میں باقی رہی ہو اور نہ ہی ان میں شہوت آتی ہو۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد ناقص العقل خبطی مراد ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ کٹا ہوا ذکر مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مخنث ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ بوڑھا کھوسٹ، نامرد خصی اور ذکر بریدہ مراد ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں ایک مخنث (بطور خادم) تھا۔ ہم اس کو "اولی الاربة" میں شمار کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئے۔ وہ مخنث ایک عورت کے متعلق صفات بیان کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جب وہ آتی ہے تو چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب وہ واپس مڑتی ہے تو آٹھ شکنیں ہوتی ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں یہ عورتوں کے محاسن سے واقف ہے۔ اس کے پاس کوئی نہ آئے بلکہ اس سے پردہ کریں۔

"او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء" طفل اور اطفال دونوں واحد اور جمع استعمال ہوتے ہیں۔ عورتوں کے پردے کے مقامات کو انہوں نے کھولا نہ ہو یا پردے کی باتوں کی ان کو ابھی واقفیت نہ ہوتی ہو۔ بعض نے کہا کہ بچے عورتوں کے معاملات پر واقف نہ ہوں۔ وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پردے کی بات کیا ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عورتوں کی اُمور کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ بعض نے کہا کہ بلوغت حد شہوت تک نہ پہنچے ہوں۔

"ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن" عورت جب چلتی تھی تو پاؤں زمین پر مارتی تھی تا کہ اس کی پازیب کی آواز لوگ سن لیں اس کی ممانعت کر دی گئی۔ "وتوبوا الی اللہ جمیعًا" اللہ تعالیٰ کے امر ونواہی کے معاملے میں ہم سے جو کوتاہی ہوگئی اس سے معافی طلب کریں۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کرو جس کا اس نے اس سورۃ میں حکم دیا اس پر عمل کرو اور جس سے منع کیا ہے اس سے رُک جاؤ۔ "ایه المؤمنون لعلّکم تفلحون" ابن عامر نے "ایه المؤمنون" ایہ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح "بایه الساحر" اور "ایه الثقلان" ان دونوں مقامات پر ہا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرما رہے تھے، لوگو! اپنے رب کی طرف رجوع کرو، میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے "رب اغفرلی وتب علیّ انک انت التّواب الغفور" اور ایک روایت میں "تواب الرحیم" ہے۔ اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس سورۃ میں عورات کا بیان ہے کہ جائز نہیں دیکھنے والے کے لیے کہ وہ مرد کے ننگ کو دیکھے اور اس کے گھٹنے سے ناف تک دیکھے اور اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کے ننگ کو نہ دیکھے۔ البتہ عورت ننگ کے علاوہ دوسری عورت کا پورا بدن دیکھ سکتی ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

ران ستر عورت میں شامل ہے یا نہیں؟

امام مالک ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ ران عورت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک پر چوٹ آئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے ازار ہٹائی گئی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی پنڈلی کی سفیدی کو دیکھا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ فخذ عورت میں شامل نہیں۔

محمد بن جحش سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمر کے پاس سے گزرے، اس حال میں کہ ان کی رانیں کھلی ہوئی تھیں فرمایا اے معمر اپنی رانوں کو ڈھانپ کر رکھ' کیوں کہ ران ننگ میں شامل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جوہر بن خویلد یہ اصحاب صفہ میں سے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ران ننگ میں داخل ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث انس مسند ہے اور جوہر کی حدیث احوط ہے۔ اگر عورت مرد کے ساتھ ہو اور وہ اجنبیہ ہو اور آزاد ہو تو اس کا سارا بدن اجنبی کے حق میں عورت ہے۔ اس کے بدن کے کسی حصہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں مگر چہرہ اور کفین۔ اور اگر وہ باندی ہو تو اس کی عورت مثل مرد کی طرح ہے ناف سے گھٹنے تک۔ اسی طرح دوسرے بعض کے بعض محارم اور مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے تمام بدن کو دیکھے اور اس طرح اپنی باندی کے پورے بدن کو دیکھ سکتا ہے اور اگر اس کی باندی کا نکاح کسی مرد کے ساتھ ہو جائے تو پھر اس آقا کا اپنی باندی کی ننگ کو دیکھنا جائز نہیں۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک اجنبی عورت ہو۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی باندی کے ساتھ کوئی غلام نکاح کرلے تو اس کو ناف سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ. اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ㉜

ترجمہ اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح کے) لائق ہو اس کا بھی اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے

تفسیر ㉜ "وانکحوا الایامی منکم" الایامی جمع أیم کی، اس مرد کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے رجل "أیم، و امراة أیمة" آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مؤمنین کی جماعت! تم آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرو۔ "والصالحین من عبادکم و امائکم" یہ امر مندوب اور استحباب کے لیے ہے۔ اس شخص کے لیے مستحب ہے جو شخص نکاح کی طاقت رکھے اور وہ اپنے لیے نکاح والی عورت بھی پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرے اور اگر نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر شہوت کو روزوں کے ذریعے توڑے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اے جوانو کی جماعت! تم میں سے جو لوگ نکاح کی طاقت رکھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ نکاح کریں کیونکہ یہ ان کی نظر کی حفاظت اور ان کی فرج کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لیے روزے ہیں، یہ اس کے لیے ڈھال ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم نکاح کرو اور اضافہ کرو کیونکہ میں اپنی اُمت کے ذریعے سے دوسری اُمت پر فخر کروں گا حتیٰ کہ ساقط شدہ بچہ پر بھی۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا جو میری فطرت کو پسند کرے تو وہ میری سنن کو اپنائے اور میری سنتوں میں سے ایک سنت نکاح کرنا بھی ہے۔

عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے؟ یا نکاح میں مشغول ہونا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادت میں مشغول ہونا نکاح میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ دوسرے اصحاب کے نزدیک نکاح میں مشغول ہونا عبادت میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ ان کی دلیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وسیدًا و حصورًا ونبیا من الصالحین**" حصور کہتے ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آئے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایامی عورتوں کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کیا ہے جیسے باندی یا غلام اپنی آقاؤں کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے۔ "**والصالحین من عبادکم و امائکم**" یہی قول اکثر اہل علم صحابہ میں سے اور ان کے بعد کا ہے۔

اسی طرح مروی ہے حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء محدثین میں سعید بن المسیب، حسن، شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز اور سفیان ثوری، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض اصحاب الرائے کا قول یہ ہے کہ آزاد عورت خود نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت گھٹیا ہو تو جائز ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرائے اور اگر وہ عورت شریف ہو تو پھر خود نکاح نہیں کر سکتی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تین دفعہ ارشاد فرمایا، اگر اس نے ایسا کر لیا تو وہ شوہر کے لیے حلال ہوگی اور اس پر مہر واجب ہوگا اور جس عورت کا ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان (بادشاہ) ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**ان یکونوا فقراء یغنهم اللّٰه من فضله واللّٰه واسع علیم**" بعض نے کہا کہ یہاں غنی سے مراد قناعت ہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں کا رزق، زوج کا رزق اور بیوی کا رزق مراد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تعجب ہے اس شخص کے لیے جو بغیر نکاح کے غنی طلب کرے کیوں کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "**ان یکونوا فقراء یغنهم اللّٰه من فضله**" بعض حضرات سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کا وعدہ نکاح کے ساتھ کیا ہے اور تفریق زوجین

کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے "وان یتفرقا یغن اللّٰہ کلا من سعتہ"

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے) ان کو اپنے فضل سے غنی کردے (پھر نکاح کرلیں) اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہوسکیں) اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہوجائے اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کے لئے) بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر ﴿۳۳﴾ "ولیستعفف الذین لایجدون نکاحًا" تاکہ وہ حرام کاری سے بچتے رہیں اور زنا سے بچتے رہیں جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، خواہ مہر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو، خواہ نان ونفقہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ "حتّٰی یغنیھم اللّٰہ من فضلہ" اس پر اللہ رزق وسیع کردیتے ہیں۔ "والذین یبتغون الکتاب" وہ مکاتبت کو طلب کرتے ہیں۔ "مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم"

آیت کا شان نزول

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حویطب بن عبدالعزیز کے غلام نے اپنے آقا سے سوال کیا کہ مجھے مکاتب بنادیجئے۔ انہوں نے اس سے انکار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنادیا اور بیس دینار اس کو خود دے دیئے۔ چنانچہ غلام نے سو دینار ادا کردیئے۔ یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہوگیا۔ کتابت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مملوک غلام کو یہ کہے کہ میں نے تجھے اتنے مال پر مکاتب کیا ہے اور مال مقررہ پر اس کو موسوم کردے جو اس کو دو ماہ یا ایک ماہ میں ادا کردے جب تو اتنا مال ادا کردے تو تم آزاد ہو اور غلام اس کو قبول کرلیتا ہے۔ جب وہ مال ادا کرلے تو وہ آزاد ہوجائے گا، آزادی کے بعد جو مال غلام کے پاس ہوگا وہ اسی کے تابع ہوگا۔ اگر وہ غلام بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگیا تو آقا اس سے بدل کتابت فسخ کرسکتا ہے اور وہ دوبارہ مکاتبت سے غلامی کی طرف

لوٹ جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی رہے گا جب تک اس پر بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہوگا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فکاتبوھم" یہ امر موالی پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام سے بدل کتابت کرلے جب وہ اس کا سوال کرے۔ اپنی جان کی قیمت کے بقدر یا اس سے زیادہ۔ اگر غلام اپنی قیمت کے کم پر بدل کتابت کا کہے تو اس پر بدل کتابت کرنا واجب نہیں ہے۔

یہ قول عطاء عمرو بن دینار کا ہے۔ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنادیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جاکر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دُرہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے اور مکاتب بنانے کا حکم دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابن سیرین کو مکاتب بنادیا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ "فکاتبوھم" والا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ کہتے ہیں کتابت جائز نہیں مگر مقررہ قسطوں پر۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کم سے کم ادائیگی دو قسطوں میں ہونا ضروری ہے اور قسط وار ادائیگی کی شرط لازم ہے، فی الفور ادائیگی کا کوئی معنی نہیں کیونکہ غلام کو فوراً مال کہاں سے مل سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر معاوضہ، کتابت فوری ادا کرنے کی شرط لگادی تب بھی صحیح ہے۔ "ان علمتم فیھم خیرًا" خیر کے معنی میں اختلاف ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ خیر کا معنی ہے کسب کے اندر قوت کا ہونا۔ یہی قول امام مالک اور امام ثوری رحمہما اللہ کا ہے۔

حسن، مجاہد، ضحاک نے اس کا معنی مال سے کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ان ترک خیرًا" اس سے مراد مال ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلمان کے کسی غلام نے آپ سے مکاتب بنادینے کی درخواست کی۔ حضرت سلمان نے فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ غلام نے کہا نہیں۔ حضرت سلمان نے اس کو مکاتب بنادیا اور فرمایا تو مجھے لوگوں کا میل کچیل کھلائے گا۔

زجاج کا قول ہے کہ اگر خیر سے مراد مال ہوتا تو "فیھم" نہ ہوتا "لھم" ہوتا۔

ابراہیم بن زید اور عبید نے "خیرًا" کا ترجمہ کیا صدق اور امانت۔ طاؤس، عمر اور ابن دینار کی مراد مال اور امانت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبد میں خیر کا معنی یہ ہے کہ وہ امانت داری کے ساتھ اپنا بدل کتابت ادا کرے۔ اس طرح کی بدل کتابت ادا کرنے پر اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کا حق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ ایک وہ جو مکاتب کے بدل کتابت کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے۔ دوسرا وہ شخص جو پاک دامنی کے لیے نکاح کرے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے۔ محمد بن سیرین عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر تم جان جاؤ کہ کس چیز میں خیر ہے یعنی نماز قائم کرنے میں۔ بعض نے کہا کہ غلام عاقل بالغ ہو، اگر وہ غلام بچہ ہو یا مجنون ہو تو اس کی بدل کتابت جائز نہیں کیونکہ ان دونوں سے کوشش کرنا یا کروانا صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا بچہ جو بلوغت تک پہنچ رہا ہو اس کی کتابت صحیح ہے۔ "وآتوھم من

مال اللہ الذی اتاکم" اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ خطاب موالی کو ہو کہ مولی کو چاہیے کہ وہ بدل کتابت میں اپنے غلام میں کچھ نرمی اختیار کرے اور کچھ حصہ مکاتبت سے معاف کر دیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

غلام سے بدل کتابت میں کچھ حصہ چھوڑ دے اس کی حقدار کا بیان

اب اس کے لیے کتنا حصہ چھوڑ دے اس کے متعلق مختلف اقوال آئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ اس کو چوتھائی حصہ چھوڑ دے۔

بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کو مرفوع بھی قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک تہائی چھوڑ دے۔ بعض نے کہا کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں جتنا چاہے معاف کر دے۔ یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو ۳۵ ہزار درہم معاوضہ مقرر کر کے مکاتب بنایا۔ جب تیس ہزار ادا ہو چکے تو آخر میں پانچ ہزار معاف کر دیئے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تو آخر میں جو کچھ معاف کرنا ہوتا معاف کر دیتے تھے۔ شروع میں معاف نہیں کرتے تھے۔ آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر یہ غلام بدل کتابت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے پھر غلامی میں حسب سابق آ گیا تو معاوضہ کتابت کا جو حصہ وہ معاف کر چکے ہوں گے وہ پھر ان کی ملک میں آ جائے گا۔ البتہ آخری ادائیگی کے وقت آپ کو حسب منشاء معاف کر دینا زیادہ مرغوب تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب والا قول زیادہ راجح ہے۔

"وفی الرقاب" یہی قول حسن اور زید بن اسلم کا ہے۔ اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے پہلے مر جائے تو کیا وہ غلام ہو کر مرے گا یا مکاتب کا حکم لگایا جائے گا؟ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک وہ غلام ہو کر مرے گا اور اس سے کتابت مرتفع ہو جائے گی۔ برابر ہے خواہ وہ مال چھوڑ کر مرے یا مال نہ چھوڑے۔ جیسا کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے پہلے وہ مبیع ہلاک ہو جاتی ہے۔ یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور یہی قول عمر بن عبدالعزیز اور زہری اور قتادہ کا ہے اور یہی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کا قول ہے اگر وہ کچھ بدل کتابت چھوڑ کر مرا اور اس کے پاس مال موجود ہو تو وہ آزاد سمجھا جائے گا اور اگر اس کے پاس اس کی آزادی کے بعد مال بچ جائے تو یہ اس کی آزاد اولاد کے لیے ہوگی۔ یہ قول عطاء، طاؤس، نخعی و حسن کا ہے اور یہی قول امام مالک، امام ثوری اور اصحاب الرائے کا ہے۔ "ولو کاتب عبدہ" اگر کسی نے بدل فاسد کی کتابت کی اور اس نے وہ ادا کی تو وہ ادا سمجھی جائے گی کیوں کہ اس کی آزادی ادائیگی کتابت پر معلق تھی اور وہ پائی گئی۔ پھر اس کی اولاد اس کے مال میں شریک رہے گی۔

جیسا کہ کتابت صحیحہ میں ہوتا ہے لیکن کتابت صحیحہ اور فاسدہ میں فرق ہے کہ کتابت صحیحہ میں اگر کتابت فسخ ہو جائے تو مولیٰ اس کے مال کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز نہ آ گیا ہو اور مولیٰ کے مرنے سے بدل کتابت بھی فسخ نہیں ہوگی بلکہ وہ بدل کتابت ادا کر کے ہی بری ہوگا اور کتابت فاسدہ میں کتابت کے فسخ ہونے کی صورت میں مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ تب ہے جب مال پورا ادا کر دیا ہو۔ اگر اس نے بدل کتابت کے فسخ ہونے کے بعد بقیہ بھی ادا کر دیا تو وہ آزاد نہیں ہوگا اور فسخ ہو جائے گا مولیٰ کے مر جانے کے ساتھ۔ اگر چہ وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہو اور اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد آزاد ہو جائے تو پھر اس کی کتابت سے رجوع ثابت نہیں ہوگا لیکن کتابت فاسدہ میں وہ غلام سے رجوع کر سکتا ہے۔ "ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا"

آیت ولا تکرھوا فتیاتکم کا شان نزول

عبداللہ بن ابی سلول منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی دو باندیاں تھیں، معاذہ اور مسیکہ۔ یہ ان دونوں سے زنا کروانا چاہتا تھا، دونوں باندیوں نے خدمت گرامی میں اس کی شکایت کی تو اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اپنی باندیوں سے زنا کرواتے تھے۔ جب اسلام آیا تو معاذہ نے مسیکہ سے کہا کہ جس کام میں ہم مشغول ہیں اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ کہ اگر یہ کام بہتر ہوتا تو بہت سارے لوگ کرتے اور اگر یہ کام برا ہے تو ہم اس برے کام کو ترک کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک باندی عبداللہ کے پاس زنا کی کمائی میں سے ایک چادر لائی اور دوسری ایک دینار لے کر آئی۔ عبداللہ نے دونوں سے کہا کہ جاؤ ابھی کچھ اور کمائی کر کے لاؤ۔ باندیوں نے کہا خدا کی قسم! اب تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اسلام آ چکا ہے، اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔ جب عبداللہ بن ابی نے مجبور کیا تو دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنا دکھ بیان کیا اور یہ آیت اُتری "ولا تکرھوا فتیاتکم" اپنی باندیوں پر "علی البغاء" زنا پر "ان اردنا تحصنا" اگر وہ پاک دامنی کا ارادہ کریں۔ اس میں شرط نہیں کہ اگر وہ پاک دامنی کا ارادہ کریں تو زنا نہ کراؤ اور اگر پاک دامنی نہ کریں تو پھر زنا کراؤ۔ اس کا یہ مطلب (شرط والا) نہیں کیوں کہ ان پر زنا کرنے کے لیے مجبور کرنا درست نہیں۔ اگر چہ وہ پاک دامنی کا ارادہ نہ کریں۔ "وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" جب تم مؤمن ہو اور بعض نے کہا کہ احصان کی شرط لگائی اگر وہ محصن ہونے کا ارادہ نہ کرے تو پھر اس صورت میں وہ بغی ہوگی۔ تحصن پاک دامنی کو کہتے ہیں۔

حسن بن فضل کا بیان ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بیویاں پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کا نکاح کرا دو اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ "لتبتغوا عرض الحیوۃ الدُّنیا" تاکہ تم ان کے اس برے اعمال سے دُنیا میں مال کماؤ یا اپنی اولاد کو ان کاموں کے لیے بیچ دو۔ "ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم" اس سے مراد مکروہات ہیں

ورنہ مکرہ کو کہتے ہیں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ آیت پڑھی تو فرمانے لگے بخدا اللہ ان باندیوں کو معاف کردے۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۴﴾
اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ
اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ
يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ
وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

ترجمہ اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی بعض حکایات اور (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں) اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور ہدایت (کی حالت عجیبہ) ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ رکھا ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور وہ قندیل) طاق میں رکھا ہے اور وہ قندل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل سے) روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو کسی (آڑ کے) نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نور علی نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس نور ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر ﴿۳۴﴾ "ولقد انزلنا الیکم آیات مبینت" اس سے مراد حلال و حرام ہیں۔ "ومثلاً من الذین خلوا من قبلکم" ان لوگوں کا حال مقابل گزری ہوئی قوموں کے حال کے مشابہ ہے جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اور ان کے احکام کو جھٹلایا۔ یہ ان کے لیے ڈرانا مقصود ہے کہ اگر تم نے تکذیب کی تو تمہیں بھی ماقبل اقوام کے ساتھ ملایا جائے گا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ "وموعظة للمتقین" اس سے مراد وہ مؤمنین جو شرک اور کبائر سے بچتے تھے۔

اللہ نور السموات کی تفسیر

﴿۳۵﴾ "اللہ نور السّمٰوات والارض" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ آسمان و زمین کا ہادی ہے۔ اس کی رہنمائی سے سب حق کی طرف چل رہے ہیں اور گمراہی سے نجات پا رہے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ زمین و آسمان کو منور کرنے والا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو منور کیا فرشتوں سے اور زمین کو منور کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے۔ مجاہد کا قول

ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ ابی بن کعب اور حسن اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ آسمان اور زمین کو مزین کیا۔ آسمان کو مزین کیا سورج کے ساتھ اور چاند ستاروں کے ساتھ اور زمین کو مزین کیا انبیاء علیہم السلام، علماء، صلحاء اور مؤمنین رحمہم اللہ کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ نباتات اور درختوں سے اس کو منور کیا اور بعض نے کہا کہ تمام اشیاء کو انہی سے منور کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں پر رحمت یعنی اسی کی وجہ سے رحمت ہے۔

مثل نورہ میں نور کا مصداق

"مثل نورہ" اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا نور جو مؤمن کے دل میں منور ہوتا ہے اور اس نور کے ساتھ وہ ہدایت پاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے نور ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے "**مثل نورہ فی قلب المؤمن**" سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ "**مثل نورہ**" سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو عطا کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ نورہ کی ضمیر مؤمن کی طرف راجع ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "**ای مثل نور قلب المؤمن**" حضرت اُبی نے فرمایا کہ مؤمن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مؤمن وہ بندہ ہے جس کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جما دیا۔ حضرت اُبی یوں پڑھتے تھے "**مثل نور من اٰمن بہ**"

حسن اور زید بن اسلم نے کہا کہ نور سے مراد قرآن ہے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا کہ نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی اطاعت مراد ہے۔ اس کو طاعت کے ساتھ موسوم کیا اور ان انوار کو اپنی طرف فضیلت کی وجہ سے اضافت کی۔ "**کمشکوٰۃ**" وہ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اور اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کوۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قندیل سے کیا ہے۔ "**فیھا مصباح**" اس سے مراد چراغ ہے۔ یہ اصل میں ضوٴ سے ہے اور اسی سے صبح ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اس طاقچہ میں روشنی ہے۔ "**المصباح فی زجاجۃ**" اس سے مراد قندیل ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے اسی لیے لفظ زجاجۃ ذکر کیا۔ پھر زجاجہ کا وصف ذکر کیا اور کہا "**الزجاجۃ کانھا کوکب دری**" ابوعمرو اور کسائی نے دریٔ پڑھا ہے اور وہ پھینکنا ہے کیونکہ آسمان سے شیطان پر تارے برسائے جاتے ہیں۔ اس حالت کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس وقت یہ بہت زیادہ واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب ستاروں کو پھینکنے کے لیے ہاتھ میں فرشتے پکڑتے ہیں تو اس وقت ان کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ جب وہ دوبارہ روشن ہو اس کو دُر کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب وہ بلند ہو طلوع ہونے کے ساتھ تو اس کو دُر کہتے ہیں اور جیسے کہا جاتا ہے "**درا علینا فلان**" وہ ظاہر ہوا۔ اکثر نحاۃ کے نزدیک اگر دُرأ ہو تو یہ لحن ہے کیونکہ کلام عرب میں فعیل کے فاء کے ضمہ کے ساتھ اور عین کے کسرہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اکثر حضرات نے فاء کے ضمہ کو ثقیل سمجھتے ہوئے فاء کے کسرہ کے ساتھ ذکر کر دیا۔ دوسرے قراء نے دال کے ضمہ اور

یاء کی تشدید کے ساتھ بغیر ہمزہ کے اس کا معنی ہے اس کی بہت تیز روشنی۔ دُر کی طرف اس کی نسبت اس وجہ سے کی، اس کی صفات اور اس کی حسنات کے باعث۔ اگرچہ کوکب کی روشنی موتی کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے لیکن کوکب کی روشنی کی وجہ سے اس کو موتی پر فضیلت دی ہے۔ بعض نے کہا کہ پانچ ستارے جو سب سے بڑے ہیں یعنی زحل، مریخ، مشتری، زہرہ، عطارد۔ ان میں سے کسی ایک ستارے کو کوکب دری کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کو دوسرے ستاروں سے تشبیہ دی ہے، چاند وسورج کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج چاند کو گرہن لگ جاتا ہے جب کہ ستارے گرہن میں نہیں آتے۔

"یوقد" ابوجعفر ابن کثیر، ابوعمرو، یعقوب نے "توقد" تاء اور فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ اور قاف کی تشدید کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ "من شجرة مباركة زيتونة" اس درخت کا تیل بہت بابرکت ہوتا ہے۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "يكاد زيتها يضيء" شجرۃ مبارکۃ سے مراد زیتون کا درخت ہے جو کثیر البرکت ہے اور اس میں بہت سارے منافع ہوتے ہیں۔ اس کا تیل چراغوں میں جلایا جاتا ہے اور نہایت مفید روشنی اس سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا تیل دوسرے کاموں میں بھی آتا ہے۔ یہ بطور سالن کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تیل نکالنے کے لیے خاص مشینریز کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہر شخص بآسانی اس سے تیل نکال سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے چوٹی سے جڑ تک۔ اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

اسد بن ثابت اور ابی اسلم انصاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کے زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو، یہ درخت مبارک درخت ہے۔

لاشرقيه ولا غربيه کی تفسیر

"لاشرقية ولا غربية" اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ نقل کیا ہے کہ اس کا درخت صرف مشرق میں واقع نہیں کہ صرف طلوع کے وقت اس پر روشنی پڑے اور نہ ہی صرف مغرب میں واقع ہے کہ صرف غروب ہوتے وقت اس پر روشنی پڑے اور طلوع ہوتے وقت روشنی نہ پڑے بلکہ وہ پہاڑ کی چوٹی یا کھلے وسیع میدان میں واقع ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہے اس وجہ سے اس کے پھل نہایت پختہ اور تیل بہت صاف ہے۔ یعنی نہ تو مشرق میں اور نہ ہی مغرب میں دونوں طرف سے حصہ لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا تیل نہایت صاف وشفاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نہ ہی بہت کالا ہے اور نہ ہی سفید۔ اس سے مراد یہ کہ نہ تو وہ خالص کالا ہے اور نہ ہی وہ خالص سفید ہے بلکہ اس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ یہ رمان (انار) میں نہ زیادہ کھٹے ہیں اور نہ ہی میٹھے بلکہ اس میں حلاوۃ اور کھٹاس دونوں شامل ہیں۔ اسی طرح یہ زیتون بھی ہے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کا ہے۔

سدی اور ایک جماعت کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ نہ وہ ایسے مقام میں ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو اور

اس کو جلا ڈالے اور نہ ایسی پوشیدہ جگہ میں ہے کہ سورج ہمیشہ اس سے غائب رہے، کبھی اس پر دھوپ نہ پڑی ہو۔ اس وجہ سے وہ کچا رہ گیا ہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ معتدل رہتا ہے کہ یہ مشرق میں نہیں کہ دھوپ اس کو ضرر دے اور نہ ہی مغرب میں ہے کہ سردی اس کو نقصان پہنچائے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ درخت نہ زمین کے مشرق میں واقع ہے اور نہ مغرب میں بلکہ درمیان میں ملک شام میں واقع ہے۔ شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

حسن کا قول ہے کہ ایسا کوئی درخت دُنیا میں نہیں جو شرقی ہو نہ غربی، اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ ایسے درخت زیتون سے دی ہے جو مغرب میں بھی ہو اور مشرق میں بھی ہو۔ اس سے زیتون کا درخت ہے جس سے اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ دی ہے۔ "**یکاد زیتھا**" اس کا تیل "**یضیٔ**" صاف ستھرا ہے۔ "**ولو لم تمسسہ نار**" پہلے اس سے کہ اس کو آگ پہنچ جائے۔ "**نور علی نور**" اس میں پہلے چراغ کی روشنی، پھر اس طاقچہ کی چمک کی روشنی۔

تمثیل کی وضاحت

اس تمثیل کے معنی میں اہل علم کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے نور محمدی کی تمثیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا تھا کہ یہ آیت **مثل نورہ کمشکوۃ** کے معنی کی تشریح کرو۔ کعب احبار نے کہا اللہ نے اس آیت میں اپنے نبی کی حالت بطور تمثیل بیان کی ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور شیشہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت اور یکاد سے نور محمد جو لوگوں کے لیے واضح ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور لوگوں کے سامنے آپ کا نبی ہونا خود آ جاتا۔

سالم سے روایت ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کرتے ہیں، فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد جوف محمد (سینہ مبارک) زجاجہ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور مصباح سے نور مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا اور شجرہ مبارکہ سے مراد ہیں کہ حضرت ابراہیم کے شرقی و غربی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی اور نور علیٰ نور کا مطلب یہ ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا نور ہے اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وسراجا منیرا**" شجرۃ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی صلب سے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے بعد گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی مذہب کے پیروکار تھے اور نہ عیسائی مذہب کے پیروکار تھے بلکہ دین حنیف پر تھے کیونکہ یہود مغرب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ "**یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار**" اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے۔

نورعلیٰ نور کی تفسیر

نورعلیٰ نور کا مطلب یہ ہے کہ نوراصل نورنسل کے ساتھ شامل ہوگیا۔ایک تو نورابراہیمی تھا پھرنورمحمدی اس کے ساتھ مل گیا۔
بعض حضرات نے کہا کہ یہ مؤمن کے دل کے نور کی ایک تمثیل بیان کی ہے۔

ابوالعالیہ نے اس کی تفسیر حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مؤمن کی مثال ہے۔مؤمن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے۔زجاجہ مؤمن کا سینہ ہے۔مصباح اس کا دل ہے،نورمصباح ایمان اورقرآن کی روشنی ہے جومؤمن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرہ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو،مؤمن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں۔اگراللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے،نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے۔فیصلہ کرتا ہے تو انصاف کا کرتا ہے،بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے،اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ کو چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہورحق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے،اس کا علم ایک نور ہوتا ہے،اس کا آنا نوراور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جومؤمن کے دل میں ہوتا ہے۔مؤمن کا دل فطرۃً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔نور بالائے نور ہو جاتا ہے یعنی مؤمن کا ایمان اوراس کا عمل نور ہی نور ہو جاتا ہے۔سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد نورایمان اورنورقرآن ہے۔حسن اورابن زید نے کہا کہ یہ قرآن کی مثال ہے،مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔زجاجہ مؤمن کا دل ہے،مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے،مبارک درخت وحی کا درخت ہے۔زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے۔حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو۔پھر بھی نور بالائے نور ہے۔نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اوردلائل قائم فرمادی تھیں۔پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہوگیا۔ نورفطرت میں نورقرآن کا اضافہ ہوگیا۔"**یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء**"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد دین اسلام ہے،یہ آنکھوں کا نور ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قرآن ہے۔"**ویضرب اللّٰہ الامثال للنّاس**"لوگوں کے لیے ان اشیاء کو بیان کرتے ہیں تا کہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو اوراس راستے کے پانے میں آسانی ہو۔"**واللّٰہ بکل شیءٍ علیم**"

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ 36

ترجمہ: وہ ایسے گھروں میں (جاکر عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

اوران میں اللہ کا نام لیا جائے ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں۔

تفسیر ㊱ "فی بیوت أذن اللہ" ان گھروں میں چراغ ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان گھروں میں چراغ کے ساتھ روشنی کرو۔ بیوت سے مراد مساجد ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے ستارے۔

صالح بن حبان نے بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مساجد ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا ہے۔ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے، بیت المقدس کو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا۔ مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا۔ مسجد قباوہ ہی مسجد ہے جس کی بنیاد اوّل دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

"أن ترفع" مجاہد کا قول ہے اس بناء کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت" حسن نے کہا کہ آیت اذن اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بات نہ کی جائے۔ "ویذکر فیھا اسمہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے۔ "یسبح لہ" ابن عامر ابوبکر نے باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت میں وقف والاصال پر کیا ہے۔ دوسرے قراء نے باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تسبیح کرنا مردوں کا فعل قرار دیا ہے۔ "یسبح لہ" اور وہ نماز پڑھے۔" فیھا بالغدو والاصال" یعنی صبح اور شام۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صبح وشام کی تسبیح سے پانچوں فرض نمازیں، مسجدوں کی تعمیر انہی نمازوں کی ادائیگی کے لیے کی جاتی ہے۔ بالغدو والاصال سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور عشائین بھی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صلوٰۃ صبح اور صلوٰۃ عصر مراد ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص باوضو فرض نماز کے لیے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے ایک نماز کے بعد دوسری نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے جبکہ ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی لغو بات نہ کی ہو۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ㊲

ترجمہ: جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور) وہ ایسے دن (کی داروگیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔

تفسیر ㊲ "رجالٌ" ان میں مردوں کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ عورتوں کا مساجد میں جانا نہ جمعہ کے لیے ہے اور نہ ہی

جماعت کے لیے۔ "لاتلهيهم" ان کی یاد سے وہ غافل نہ ہوں۔ "تجارة" یہاں پر تجارت کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہی بڑا عمل ہے جس کی مشغولیت کی وجہ سے انسان نماز اور دوسری طاعات سے رہ جاتا ہے۔ تجارت سے مراد خریدنا ہے۔ اگرچہ تجارت کا لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لفظ تجارت کے بعد لفظ بیع کا تذکرہ نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذا رأو تجارة" اس سے مراد خریدنا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ تجارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو باہر سے مال لانے والے ہیں اور بیع کا تعلق اس کے ہاتھ سے ہے۔

"ولا بيع عن ذكر الله" نماز کے لیے مساجد میں حاضر ہونا۔ "واقام" اس کو قائم کرنے کے لیے۔ "الصلوٰة" اس سے مراد اس کے وقت میں ادا کرنا اس لیے کہ نماز کو وقت مقررہ سے مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔ اقامت صلوٰۃ کا اعادہ دراصل نماز کے اوقات خمسہ کو اچھی طرح یاد رکھنا۔ حضرت سالم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا، اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی، لوگ اُٹھ کر دُکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے، انہی کے متعلق آیت "لاتلهيهم تجارة ولا بيع" نازل ہوئی۔ "وايتاء الزكاة" اس سے مراد فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب ادا زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو زکوٰۃ کو روکتے نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے تمام اچھے اعمال مراد ہیں۔

"يخافون يوما تتقلب فيه القلوب والابصار" ان کے دل خوف اور اُمید کی طرف پلٹ جائیں گے، ہلاک ہونے سے ڈریں گے اور نجات کی اُمید ہوگی اور ان کی آنکھیں گردوپیش کی طرف دیکھ کر چکرائیں گی اور ہر طرف پلٹ کر دیکھیں گی کہ کس طرف سے پکڑ ہوتی ہے، دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے اور کس رُخ سے اعمال نامہ ملتا ہے۔ سیدھی طرف سے یا اُلٹی طرف سے یا پیچھے سے اور وہ اس وجہ سے بھی ڈرتے ہیں کہ ان کو اعمال نامہ سامنے سے ملے گا یا پیٹھ کے پیچھے سے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا۔ بعض حضرات نے "تتقلب" کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کافروں کے دل میں اس کفر و شرک سے پلٹ جائیں گے جس پر دُنیا میں قائم تھے اور ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ اشیاء ان کو دکھائی دے گی جس کا انکار کرتے تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ ان کا دل ان کے پیٹ میں ہی پلٹ جائے گا اور وہ گلے کی طرف نکلے گا نہ وہ اپنی جگہ ٹھہر سکے گا اور نہ ہی وہ باہر نکلے گا اور ان کی آنکھیں خوف و شدت کی وجہ سے چندھیا جائیں گی۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
38 وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ
يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ 39 اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ
بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ
اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ 40

ترجمہ: انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضا الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اس کو برابر سرابر چکا دیا (یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا) اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں (میسر ہو سکتا)۔

تفسیر: ㊳ "لیجزیھم اللہ أحسن ما عملوا" اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں، نماز ادا کریں، زکوٰۃ دیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیں اس کا اچھا بدلہ جو انہوں نے اعمال کیے۔ "ویزیدھم من فضلہ" اتنا دے کہ جو ان کے اعمال سے بڑھ کر ہو۔ "واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب" پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے۔

㊴ "والذین کفروا أعمالھم کسراب بقیعة" سراب اس ریت کو کہتے ہیں جو ریگستانی میدان میں دوپہر کے وقت دھوپ میں آب رواں کی طرح دور سے نظر آتی ہے۔ اس کو تشبیہ دی ہے جاری پانی کے ساتھ جیسے دور سے اس ریت کو دیکھنے والے کو پانی محسوس ہوتا ہے لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو کوئی پانی نہیں ہوتا۔ قیعہ اور قاع ہموار میدان کو کہتے ہیں، اس کی جمع قیعان آتی ہے۔ "یحسبه الظمآن" پیاسا شخص یہ گمان کرتا ہے۔ "ماءً حتی اذا جاءه" وہ اس کو گمان کرتا ہے کہ یہ پانی ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ موضع سراب میں آئے۔ "لم یجدہ شیئاً" یعنی گمان کے مطابق اس کو کچھ نہ ملے۔ اسی طرح کافر گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل اس کو نفع دے گا لیکن جب اس کو ملک الموت پہنچ جاتا ہے اس وقت یہ اپنے اعمال کا محتاج ہوتا ہے لیکن وہ اس وقت ایسے اعمال نہیں پاتا جو اس کو اس سے بے پروا کر دے اور نہ ہی وہ اعمال اس کو نفع دے سکتے ہیں۔ "ووجد اللہ عندہ" اس نے اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنے پاس پایا اور اللہ نے اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا۔ "فوفاہ حسابه" اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دیا۔ "واللہ سریع الحساب"

㊵ "او کظلمات" کفار کی ایک اور مثال بیان کی ہے۔ ان کے اعمال کے فساد کی مثال اور ان کی جہالت کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرا۔ "فی بحر لجی" گہرا جہاں پر پانی زیادہ ہوتا ہے سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی بہت ہوتا ہے۔ "یغشاہ" جس میں موجیں چڑھی ہوتی ہیں۔ "موج من فوقه موج" پے در پے لہروں کا چڑھنا۔ "من فوقه سحاب" ابن کثیر نے ایک روایت کے مطابق "سَحابٌ" پڑھا ہے۔ "ظلمات" مجرور ہے بدل ہونے کی وجہ سے "او کظلمات" سے۔ ابوالحسن سے روایت

ہے انہوں نے "سحابٌ ظلمات" پڑھا ہے اضافت کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے "سحاب ظلماتٌ" پڑھا ہے دونوں مرفوع اور تنوین کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ کلام سحاب پر مکمل ہوجائے گا۔ پھر دوبارہ کلام کی ابتداء ظلمات سے کی ہے۔

من فوقة ظلمات کی تفسیر

"بعضها فوق بعض" ایک اندھیرا بادلوں کا، دوسرا اندھیرا موج کا اور تیسرا اندھیرا سمندر کا۔ یہ ایک دوسرے پر اندھیرے ہیں۔ یعنی موجوں کا اندھیرا سمندر کے اندھیرے پر پھیلا ہوا ہے اور بادلوں کا اندھیرا موجوں پر چھایا ہوا ہے۔ ظلمات سے مراد کفار کے اعمال ہیں۔ "بحر لجی" سے مراد ان کا دل ہے اور بالموج یغشی سے جہالت سے ان کا دل کا بھرا ہوا ہونا ہے اور سحاب سے مراد ان کے دل پر مہر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کافر پانچ اندھیروں سے پلٹتا ہے۔ اس کا کلام اندھیرا ہے، اس کا عمل اندھیرا ہے، اس کا داخل ہونا اندھیرا ہے۔ اس کا خارج ہونا اندھیرا ہے اور وہ قیامت تک یہاں تک کہ وہ دوزخ میں پہنچ جائے گا۔ "اذا اخرج" دیکھنے والے کو "یدہ لم یکد یراھا" یعنی اس کا قریب بھی نظر نہ آتا ہوا اندھیرے کی شدت سے۔ فراء کا قول ہے کہ یکد صلہ ہے وہ اس کو نہ دیکھے۔ مبرد کا قول ہے کہ اتنی کوشش کے بعد بھی وہ اس کو دیکھ نہ پائے گا۔ جیسا کہ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ اندھیرے میں دیکھنے والے کو کچھ نظر نہ آئے حالانکہ وہ دیکھ رہا ہے۔ اس دیکھنے سے محض اس کو مایوسی اور شدت ہی آئے گی۔ بعض نے کہا کہ اس کو قریب سے دیکھے تو پھر بھی اس کو کچھ نظر نہ آئے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قریب ہے شتر مرغ اُڑنے لگا ہے۔ "ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورًا فمالہ من نور" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اور ایمان عطا نہ کیا ہو اس کے لیے کوئی دین نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اس کے لیے کوئی ایمان اور اس کے لیے کوئی ہدایت کا راستہ نہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول عقبہ بن ربیعہ کے حق میں ہوا۔ عتبہ دورِ جاہلیت میں دین حق کا متلاشی تھا ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا لیکن جب اسلام آیا تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ حکم عام ہے جمیع کفار کے لیے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿41﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿42﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں

(مخلوقات) ہیں اور بالخصوص پرندے جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے (اور) اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب بینائی لی۔

تفسیر ④①"الم تر أن الله يسبح له من في السّموات والارض والطير صافات" وہ اپنے پروں کو ہوا میں پھیلائے ہوئے ہیں، حیوانوں میں بالخصوص پرندوں کا ذکر اس لیے کیا کہ جو پرندے زمین پر ہیں وہ تو "من فی السّموات والارض" کے ذیل میں شامل ہی تھے اور اگر ذکر نہ کرتے تو آسمانوں میں اور زمین میں رہنے والے پرندے اس میں شامل نہ ہوتے۔ "کل قد علم صلاته وتسبيحه" مجاہد کا قول ہے کہ صلوٰۃ بنی آدم کے لیے اور تسبیح تمام مخلوقات کے لیے۔ بعض نے کہا کہ پرندہ کا پروں کو پھیلانا نماز ہے اور ان کا بولنا تسبیح ہے۔ کل قد علم جو بھی اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی نماز ادا کرتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے اور بعض نے کہا کہ ہر ایک اپنی دُعا اور پاکی بیان کرنے سے واقف ہے۔ "والله عليم بما يفعلون"

④②"ولله ملك السّموات والارض والى الله المصير"

④③"الم تر أن الله يزجى" اپنے حکم سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ "سحابًا" جہاں ان بادلوں کو لے جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ "ثم يؤلف بينهٗ" پھر ان بادلوں کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کرتے ہیں۔ "ثم يجعله ركامًا" اس کو تہ بہ تہ بنا دیتے ہیں "فترى الودق" پھر اس کے شگوفوں سے بارش کو نکالتے ہیں۔ "يخرج من خلاله" اسی کے درمیان سے، خلال جمع ہے خلل کی۔ جیسے جبال جمع ہے جبل کی۔ "وينزل من السماء من جبال فيها من برد" ان پر نازل کرتے ہیں برساتے ہیں بڑے بڑے اولے۔ بعض نے کہا کہ من صلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض حضرات نے یہ قول ذکر کیا ہے کہ آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ "من جبال فيها من برد" میں مفعول محذوف ہے اور وہ انزال ہے۔ عبارت یوں ہوگی "وينزل من السماء من جبال فيها من برد" اس مفعول کو اس لیے ذکر نہیں کیا کیوں کہ مفہوم اس پر دلالت کر رہا تھا۔ نحویین حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں تین مرتبہ (من) استعمال ہوا ہے۔ "من السماء" اس میں من ابتدائیہ ہے۔ دوسری جگہ "من جبال" یہاں پر من "تبعيضيه" ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں بعض بادلوں کے پہاڑ سے بارش نازل نہیں کرتا۔ "من برد" میں من بیانیہ جنس کے لیے ہے۔ "فيصيب به" وہ اولے پہنچ جاتے ہیں۔ "من يشاء" اس کے ذریعے سے

ان کی کھیتیوں اوران کے اموال کو ہلاک کردیتا ہے۔"ویصرفه عن من یشاء"اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔"یکاد سنا برقه"بادلوں پر گرز لگنے سے جو چمک پیدا ہوتی ہے۔"یذھب بالابصار"اس کی شدت روشنی سے۔وہ آنکھوں کی روشنی کو مدھم کردیتی ہے۔ابوجعفر نے یاء کے ضمہ اور ھاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ. فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ. يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ. اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

ترجمہ (اور نیز) اللہ تعالیٰ رات کو اور دن کو (بھی) بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں اہل دانش کے لئے استدلال (کا موقع) ہے اور اللہ (تعالیٰ ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے پھر ان میں بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔

تفسیر ﴿۴۴﴾"یقلب الله الیل و النهار"اللہ تعالیٰ ان کو پھیر دیتا ہے،رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ابن آدم دُکھ پہنچاتا ہے،زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔"ان فی ذلک"یعنی جو اشیاء ہم نے ذکر کی ہیں۔"لعبرۃ لاولی الابصار"عقل والوں کے لیے اور بصیرت والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت وتوحید کے دلائل ہیں،ان سے عبرت حاصل کرو۔

﴿۴۵﴾"و الله خلق کل دابة" حمزہ اور کسائی نے (خالق کل) پڑھا ہے اضافت کے ساتھ اور دوسرے قراء نے (خلق کل) فعل پڑھا ہے۔"من ماءٍ" ماء سے مراد نطفہ ہے ہر وہ حیوان جو دُنیا میں ہے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے مگر فرشتے اور جن،ان کا مشاہدہ پانی کے ساتھ پیدا ہونے کا نہیں کیونکہ فرشتے تسبیح سے اور جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔بعض حضرات نے کہا کہ ہر چیز کا اصل پانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوّل پانی کو پیدا کیا۔پھر اس کے کچھ حصے کو ہوا بنا دیا جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کردیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔"فمنهم من یمشی علٰی بطنه"کچھ جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ،مینڈک،مچھلی،گنڈاو غیرہ۔

"ومنهم من یمشی علٰی اربع" جیسے بہائم چوپائے۔یہاں یہ ذکر نہیں کیا کہ جو چار ٹانگوں سے زائد ٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے حشرات الارض کیونکہ صورۃً تو وہ بھی اپنی ٹانگوں پر ہی چلتے ہیں جیسا کہ چوپائے چلتے ہیں"من یمشی"من تو ذوی العقول

کے لیے استعمال ہوتا ہے نہ کہ ان کے لیے جو "لایعقل" ہیں۔ مثلاً سانپ چوپائے وغیرہ لیکن یہاں پر "دابۃ" کا ذکر کیا اور دابۃ میں لوگ بھی داخل ہیں کیونکہ یہاں پر جمع کا لفظ ذکر کیا، اس میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کا ذکر کیا لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اکٹھا ذکر کیا۔ "ویخلق اللّٰہ ما یشاء انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ قدیر"

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ㊻ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا
بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ. وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ
㊼ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ㊽ وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ
الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ㊾ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ
عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ㊿ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی
اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا. وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ㉛ وَمَنْ
یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ㉜

ترجمہ ہم نے حق کے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور (ان عام لوگوں میں سے) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور یہ (منافق) لوگ (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اس کے بعد (موقع ظہور صدق دعویٰ پر) ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ (دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے (اور ان کے خصم کے) درمیان میں فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کیے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں آیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑتے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ برسر ظلم ہوتے ہیں مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا اور ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے پس ایسے لوگ بامراد ہوں گے۔

تفسیر ㊻ "لقد انزلنا" ہم نے اس کو تمہاری طرف نازل کیا۔ "آیات مبینات واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"

㊼ "ویقولون آمنا باللّٰہ وبالرسول واطعنا" اس سے مراد منافقین کہتے ہیں۔ "ثم یتولی" اللہ کی اطاعت سے

رسول کی اطاعت سے وہ اعراض کرتے ہیں۔"فریق منهم من بعد ذلک"ان کے اس قول کے بعد کہ انہوں نے "امنا" کہا اور وہ اللہ کے علاوہ کو پکارنے لگے۔

"وما اولئک بالمؤمنين" اس آیت کا نزول بشر منافق کے بارے میں ہوا۔ اس کا اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہوگیا۔ یہودی نے کہا کہ چلو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروائیں' منافق کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے کر نہیں جاتا بلکہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلتے ہیں اور وہ کہتا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلے منظور نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

⑱"واذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم" رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔"اذا فريق منهم معرضون" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے اعراض کرتے ہیں' بعض نے کہا کہ ان کے حکم فیصلہ کو ماننے سے اعراض کرتے ہیں۔

⑲"وان يكن لهم الحق ياتوا اليه مذعنين" اطاعت کرنے والے اور ان کے حکم کی پیروی کرنے والے۔ یعنی اگر یہ منافقین اپنے معاملے میں حق پر ہوں تو بھاگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانے کا کہتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہوتا تھا کہ جس طرح یہ اپنے امور سے حق سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے اس معاملے میں بھی حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔

⑳"أفي قلوبهم مرض ام ارتابوا" وہ شک میں مبتلا ہیں۔ یہ استفہام ذم اور توبیخ کے لیے ہے۔ یعنی وہ اس طرح ہیں "أم يخافون أن يحيف الله عليهم ورسوله" ظلم کا وہ خوف رکھتے تھے۔"بل اولئک هم الظالمون" بلکہ وہ اپنے اوپر ہی حق سے اعراض کر کے ظلم کرنے والے ہیں۔

㉑"انما كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله" اللہ کی کتاب اور رسول کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ "ليحكم بينهم" یہ بطور خبر کے نہیں ہے لیکن یہ شریعت میں ادب کی تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے کہ مناسب یہی ہے کہ مؤمنین ایسے ہی ہوں "يقولوا" منصوب ہے اُن کی وجہ سے۔"أن يقولوا سمعنا وأطعنا" ہم نے دُعا کو سنا اور ہم نے اس کا جواب اطاعت کے ساتھ دیا۔"واولئک هم المفلحون"

㉒"ومن يطع الله ورسوله و يخش الله" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ خواہ اس فرمانبرداری میں اس کو دُکھ پہنچے یا خوشی حاصل ہو۔

نیک اعمال کی بناء پر اور دُکھ اور رنج پہنچے گناہ کی وجہ سے۔"ويتقه" اور اس کے بعد اس سے بچا رہے۔"فاولئک هم الفائزون" وہ نجات پانے والے ہیں۔ ابو عمرو اور ابوبکر نے ھاء کے ساکن کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے اس کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حفص نے قاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لغت میں اگر یاء ساکن اور اس کا ماقبل ساکن ہو تو اس صورت میں یا محذوف ہو جاتی ہے تو اس سے ماقبل والے کو ساکن کر دیتے ہیں۔"لم اشتر طعامًا" اصل میں اشتری تھا۔ یاء کو حذف کیا راء اور یای دونوں ساکن تھی اس لیے راء کو ساکن ہی رکھا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ. قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ 53 قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ. فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ. وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا. وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ 54 وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ 55

ترجمہ اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ (واللہ ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ ان کو (یعنی ہم کو) حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ (اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جالگو گے اور (بہرحال) رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسے ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت کے) لئے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل (بامن) کر دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔

تفسیر 53 "**واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم**" اپنی قسموں میں خوب کوشش کرنا یا جلدی کرنا اور اللہ کی قسم کے اوپر اور کوئی قسم نہیں۔ "**لئن امرتھم لیخرجن**" چونکہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ جہاں بھی ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اگر آپ جہاد یا غزوات کے لیے نکلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے۔ اگر آپ قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ٹھہر جائیں گے۔ اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو کہیں "**قل لاتقسموا**" یعنی تم قسمیں نہ اُٹھاؤ، یہاں پر کلام پورا ہو گیا۔ "**طاعۃ معروفۃ**" یہ طاعت خواہ قول کے ساتھ ہو یا لسان کے ساتھ یہ تمہاری اعتقادی نہیں۔ تمہاری اس طاعت کی حقیقت سب کو معلوم ہے۔ ایسا کام ہمیں معلوم

ہے کہ جو نیکی کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور ایسا کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں، یہ مجاہد کا قول ہے۔ بعض نے طاعت معروفہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کھلی ہوئی خالص اطاعت زبانی خلاف ورزی سے بہتر اور افضل ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ تمہاری طرف سے اچھی اطاعت ہونی چاہیے۔ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم سے اطاعت کرنے کی قسمیں مطلوب نہیں بلکہ طاعت معروفہ مطلوب ہے۔ "ان اللہ خبیر بما تعملون"

⑭ "قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا" اگر تم اللہ و رسول کی اطاعت سے روگردانی کرو گے۔ "فانما علیہ ماحمل" جس کا رسول کو مکلف بنایا گیا ہے اور جس کا حکم انہیں دیا گیا یعنی تبلیغ الرسالۃ کا۔ "وعلیکم ماحملتم" اور تمہیں جس کا مکلف بنایا گیا یعنی اس کے حکم کو قبول کرنا اور اس کی طاعت کرنا۔ "وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین" واضح تبلیغ۔ ان کے ذمہ کھول کر بیان کرنا ہے۔

⑮ "وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض" ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال ٹھہرے رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کی اذیت پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی۔ مسلمان صبح و شام کفار سے خوفزدہ ہوتے، پھر مسلمان کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ پھر جہاد کا حکم دیا گیا لیکن مسلمانوں پر یہ خوف جاری رہتا کہ اب ہمیں ہمیشہ جہاد ہی کرنا پڑے گا، کبھی اسلحہ چھوڑنے کا حکم نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ کبھی ہمیں امن بھی حاصل ہوگا اور ہم اپنا اسلحہ اپنے اوپر سے اُتاریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم" لام یمین کی قسم میں سے ہے۔ عبارت یوں ہے "واللہ لیستخلفنھم" کہ اللہ تمہیں ضرور بضرور اس زمین کا وارث بنائیں گے اور ان نیکوکاروں میں سے بعض کو عرب و عجم کی زمین کا مالک بنائے گا اور ان کو واجب اطاعت، بادشاہ اور حاکم ضرور کرے گا۔ "کما استخلف الذین من قبلھم" ابوبکر اور عاصم نے تاء کے ضمہ کے ساتھ اور لام کے کسرہ کے ساتھ مجہول پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہوگا۔

دوسرے قراء نے تاء کے فتحہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ "کما استخلف" سے مراد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو گزر چکے مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا "کما استخلف الذین من قبلھم" سے مراد بنی اسرائیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جبابرہ پر کامیابی عطا کی اور شام پر ان کو فتح دی اور ان کی زمینوں کا ان کو وارث بنا دیا اور ان کے گھروں کو ہلاک کر دیا۔ "ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی یہ تشریح کی ہے کہ ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا، دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔

"ولیبدلنھم" ابن کثیر، ابوبکر، یعقوب نے تخفیف کے ساتھ مصدر ابدال سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں مصدر تبدیل سے ہوگا اور اس میں دونوں لغات ہیں۔ بعض نے کہا کہ تبدیل ایک حال سے

دوسرے حال کی طرف تبدیل ہونا اور ابدال کہتے ہیں کسی چیز کو ایک چیز کے ساتھ بدلنا۔ "من بعد خوفھم أمنا یعبدوننی" خوف کے بعد امن نصیب کرے گا۔ "لایشرکون بی شیئاً" اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا اور ان کے لیے دین کو ظاہر کر دیا اور ان کی مدد کی اور ان کو خوف سے امن کی طرف بدل دیا اور تمہیں زمین پر پھیلا دیا۔

کسریٰ بن ہرمز کے فتح کی پیشین گوئی

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آکر راستہ لوٹا جانے کا شکوہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے خود نہیں دیکھا۔ البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے، فرمایا اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو دیکھ لوگے کہ عورت حیرہ سے (تنہا) سفر کرتے ہوئے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو سوا خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا دی ہے؟ اگر تیری عمر دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے فتح کرلوگے۔ میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے، فرمایا کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لوگے کہ آدمی مٹھی بھر بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کی تلاش میں لیے پھرے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لیے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں۔ اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخ سے بچو خواہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے، اگر چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے حفاظت حاصل کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لیے چلی۔ یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور اللہ کے سوا اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پالوگے کہ مٹھی بھر آدمی سونا لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین کی خلافت و امامت کے متعلق بھی دلالت کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے، پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی۔ پھر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال رہی۔ علی بن جعد فرماتے ہیں کہ میں نے حماد سے کہا کہ کیا حضرت سفینہ نے یہاں تک ہی حدیث بیان کی اس سے آگے نہیں بیان کی۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ "ومن کفر بعد ذلک" اس سے مراد کفران نعمت ہے، نہ کہ کفر کا اصطلاحی معنی۔ "فاولئک ھم الفاسقون" اس سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے والے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو انہوں نے شہید کردیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جوان کو عطاء فرمائی تھی۔ چنانچہ خوف ان پر طاری ہوگیا اور بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

حمید بن ہلال کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اب اگر تم عثمان کو قتل کردو گے تو خدا کی قسم! فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے جو شخص عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گا خدا کی قسم! جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہوکر جائے گا، اللہ کی تلوار نیام کے اندر ہے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم! پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیوں کہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا پینتیس ہزار آدمی قتل کیے گئے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے (اے مخاطب) کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر ہم کو) ہرا دیں گے اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے کیلئے) مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے (اور) دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے (وقت) ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ

(بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا کہ یہ حکم صاف صاف بیان کردیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر ⑯ "واقیموا الصلٰوۃ وآتوا الزکٰوۃ واطیعوا الرسول لعلّکم ترحمون" یہ کام اس اُمید پر کریں گے کہ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے گا۔

⑰ "لاتحسبن الذین کفروا" عامر اور حمزہ نے "لایحسبن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں اپنے اوپر "معجزین فی الارض" دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ اس صورت میں خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اے محمد! آپ گمان نہ کریں کہ یہ کافر لوگ آپ کو عاجز کردیں گے۔ "وماواھم النار ولبئس المصیر"

آیت مبارکہ کا شان نزول

⑱ "یا یھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت أیمانکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دکھایا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت "والذین لم یبلغوا الحلم منکم" نازل ہوئی۔

مقاتل بن حبان کی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت مرشد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں آجاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا۔ حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارے خادم اور خدام ایسے وقت ہمارے پاس آجاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یایھا الذین آمنوا لیستاذنکم" اس میں لام امر ہے۔ "الذین ملکت أیمانکم" اس سے مراد غلام اور باندیاں ہیں۔ "والذین لم یبلغوا الحلم منکم" اس سے مراد آزاد عورتیں و مرد ہیں۔ اس سے بچے مستثنیٰ ہیں اور وہ بچے جو عورتوں کے احوال پر واقف نہیں یا اس سے وہ بچے مراد ہیں جو عورتوں کے احوال سے تو واقف ہوں البتہ بلوغت تک نہ پہنچے ہوں۔ "ثلاث مرات" ان کو چاہیے کہ یہ تین اوقات میں گھر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کریں۔ ان تین اوقات کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔ "من قبل صلٰوۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ" ان اوقات میں جب وہ تمہارے پاس آنے کا ارادہ کریں۔ "ومن بعد صلٰوۃ العشاء" ان تین اوقات کو اس لیے خاص کیا کیونکہ یہ تین اوقات ہی خلوت کا باعث ہیں۔ انہی اوقات میں انسان کپڑے اُتارتا ہے، بسا اوقات ان تین اوقات میں جسم کا وہ حصہ بھی ظاہر کرتا ہے جو ہر ایک کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ان اوقات میں غلاموں، بچوں کے لیے اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ان کے

علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ہر حالت میں اجازت لے کر داخل ہونے کی اجازت کا حکم ہے۔ "ثلاث عورات لکم" حمزہ اور کسائی نے ثاء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں "ثلاث عورات" بدل ہوگا ثلث مرات سے۔ دوسرے قراء نے ثاء کے مرفوع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں۔ ان تینوں اوقات کو عورات اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ ان تین اوقات میں انسان اپنے کپڑے اُتارتا ہے اور اس کی عورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ "لیس علیکم" نہیں تمہارے لیے کوئی حرج۔ "و لا علیھم" اور نہ ہی غلاموں، خادموں اور بچوں کے لیے۔

"جناح" ان اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ "بعدھن" ان تین اوقات کے بعد "طوافون علیکم" اس سے مراد غلام خادم تمہارے پاس آتے جاتے ہیں اور بغیر اجازت کے آپ کے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ "بعضکم علی بعض"...... "کذلک یبین اللہ لکم الایات و اللہ علیم حکیم" اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

آیت مبارکہ کا حکم

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگوں کے گھروں پر نہ پردے تھے نہ حجاب بچے اور خادم یوں ہی اندر آ جاتے تھے اور گھر والوں کو ایسے حال میں دیکھ لیتے تھے جو گھر والوں کے لیے ناگواری کا سبب ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ نے داخلہ کی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مالی وسعت کر دی اور انہوں نے دروازوں کے پردے بنا لیے۔ اب طلب اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ سفیان نے موسیٰ بن عائشہ کا بیان نقل کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ میں نے شعبی سے دریافت کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے۔ شعبی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے کہا لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے، شعبی نے کہا "اللہ المستعان" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ خدا کی قسم! یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اس کے موافق عمل کرنے میں سہل سے کام لیا۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿59﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿60﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا. فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے (جن کا اوپر حکم آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (البتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بوڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی آ گئے) کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ) پھر (یہ بھی معلوم رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے (خدا تعالیٰ نے جس طرح احکام بتلائے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

تفسیر ⑤⑨ "**واذا بلغ الاطفال منکم الحلم**" اس سے مراد احتلام ہے جو آزاد مردوں کی بلوغت کی نشانی ہے۔ "**فلیستأذنوا**" ان کے پاس آنے کی تمام اوقات میں داخلے کی اجازت طلب کریں۔ "**کما استاذن الذین من قبلھم**" آزاد اور بڑے لوگ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ "**کذلک یبین اللّٰہ لکم ایاته**" آیات سے مراد دلائل ہیں۔ بعض نے کہا اس کے احکام مراد ہیں۔ "**واللّٰہ علیم**" ان کے پیدائش کے متعلق تمام امور کو جانتے ہیں۔ "**حکیم**" ان تمام امور کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی ماں کے پاس بھی داخلے کی اجازت لے کر جانا چاہیے۔ اس آیت کا نزول اسی سلسلہ میں ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ شخص اپنی والدہ کے پاس اجازت لے کر جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ ایسی چیز بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کو ناپسندیدہ ہو۔

60 ''والقواعد من النساء'' وہ عورتیں مراد ہیں جو حاملہ ہونے اور حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہوں چونکہ حمل اور حیض سے انقطاع کی صفت عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہے مردوں سے اشتباہ بھی نہیں ہے اس لیے حامل اور حائض کی طرح عورت کے لیے لفظ قاعد کے بجائے قاعدہ عربی میں مستعمل ہے۔ بعض نے کہا کہ قعدن عن الازواج ہے۔ ''اللاتی لایرجون نکاحا'' ان کے بڑھاپے کی وجہ مردان کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ عورت کو قاعد کے نام سے موسوم کیا کیونکہ جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے تو اکثر اوقات میں وہ بیٹھی رہتی ہے۔ ربیعہ نے کہا کہ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں ان کے بڑھاپے کی وجہ سے' کوئی ان کی طرف رغبت نہیں کرتا' جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ جمال باقی ہو تو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

''فلیس علیهن جناح أن یضعن ثیابهن'' مردوں کے سامنے وہ اپنے بعض کپڑے ان مردوں کے سامنے اُتار سکتی ہیں جیسے اوڑھنی، چادر، جو عام طور پر کپڑوں کے اوپر باندھی جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت میں ''من ثیابهن'' آیا ہے۔ ''أن یضعن من ثیابهن''

''غیر متبرجات بزینة'' بغیر پردے کے وہ باہر آئیں۔ ردا ءان عورتوں کے لیے زینت ہے اور تبرج کہتے ہیں کہ عورت اپنے محاسن کو ظاہر کرے جن کو چھپانا اس کے لیے ضروری ہے۔ ''وأن یستعففن'' ان کو اوڑھنی اور چادر کی تلقین نہ کرنا۔ ''خیرلهن والله سمیع علیم''

61 ''لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج'' علماء نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

لیس علی الاعمی کی مختلف تفاسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب یہ آیت ''یا یها الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دُشواری آپڑی تو مسلمانوں نے کہا کھانا تو ہر مال سے اونچا درجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خلاف حق کھانے سے منع کیا ہے۔ نابینا آدمی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا ٹھیک طور پر بیٹھ نہیں سکتا اور مزاحمت نہیں کر سکتا اور بیمار تو کھانا اُٹھانے سے ویسے ہی کمزور ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس تاویل کی بنیاد پر علی بمعنی فی کے ہوگا۔ یعنی نہیں ہے اندھے پر اور اپاہج اور بیمار پر تمہارے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی حرج۔

سعید بن جبیر اور ضحاک کا قول ہے کہ لنگڑے، اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔ اندھا کہتا تھا ممکن ہے میں زیادہ کھاؤں اور دوسرے کے لیے کم بچے۔ لنگڑا کہتا تھا مجھے بیٹھنے کے لیے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی، اس سے دوسروں کو تنگی ہوگی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے کھانے کے لیے رُخصت دی ہے جن کے لیے گھروں میں آنے

19

جانے کی اجازت ہے۔ یہ اس وجہ سے تھی کہ یہ لوگ کسی شخص کے گھر میں کھانا طلب کرنے کے لیے ان کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔ جب ان کے گھر میں کھانا نہ ملتا تو وہ اپنے ماں یا باپ کے گھر جاتے اور اس زمانے میں لوگ اسی طرح کھانا دینے کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو دوسرے گھروں کی طرف موڑ دیتے تھے کہ فلاں گھر میں جاؤ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے کچھ اپاہج لوگوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے تم اس میں سے کھا سکتے ہو۔ لیکن ان لوگوں کو دُشواری پیش آتی تھی۔ وہ کہتے تھے گھر والے جب یہاں موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول جہاد سے رہ جانے یعنی جہاد میں مذکورہ بالا معذوروں کے نہ جانے کی اجازت کے لیے ہوا اور پھر ختم ہوگیا۔ آئندہ کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

"**ولا علی انفسکم**" یہ کلام منقطع ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "**لا تاکلوا اموالکم بالباطل**" تو وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی سے کھائے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی "**ولا علی أنفسکم أن تاکلوا من بیوتکم**" تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم ان کے گھروں سے کھاؤ۔ ان دونوں آیت میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

جواب "**اموال عیالکم**" سے مراد اپنے گھر والے، بیویاں مراد ہیں کیونکہ عورت کا گھر شوہر کے گھر کی مانند ہے۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ تمہاری اولاد کے گھروں سے مراد نسبی اولاد کے گھر ہیں۔ ان کو اباء کی طرف منسوب کیا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا "**انت و مالک لابیک**" تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

"**او بیوت آبائکم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت أخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملکتم مفاتحه**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد کسی شخص کا وکیل ہے جس کو انسان اپنے سامان کی ذمہ داری یا اپنے مویشی کے چرانے کی ڈیوٹی لگائی ہو۔ اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ بھوکا پیاسا رہے بلکہ اس کے مال سے کھا پی سکتا ہے۔ البتہ اس کو کہیں اپنے لیے ذخیرہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی بیچ سکتا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ اپنے غلاموں، باندیوں کے گھر مراد ہیں۔ آقا اپنے غلام کے گھر کا مالک ہوتا ہے اور اس کے خزانوں کا بھی مالک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وعندہ مفاتیح الغیب**" اس سے مراد وہ کھولنے کے آلات ہیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ جب آدمی کنجی کا مالک ہو جاتا ہے تو اس مال کا خزانچی بن جاتا ہے اس لیے اگر کچھ اس میں سے کھا لے تو کوئی حرج نہیں۔ سدی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنے غلہ وغیرہ کا نگران متصرف بنا دے تو اگر یہ نگران اس میں سے کچھ کھا لے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا "**ماملکتم مفاتحه**" سے مراد یہ ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں تم نے جمع کر رکھی ہیں ان کو کھا سکتے ہو۔

مجاہد اور قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا کہ تم نے اپنے گھروں کے اندر جو کھانے کی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں

جن کے تم مالک ہو، ان کو کھانا تمہارے لیے ممنوع نہیں۔

"او صدیقکم" وہ شخص جو محبت میں سچا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حارث بن عمرو کے حق میں ہوا تھا۔ حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد پر جانے لگے تو نگرانی مالک بن زید کے سپرد کر دی جب واپس آئے تو مالک کو بہت دُبلا اور کمزور پایا۔ وجہ دریافت کی تو مالک نے کہا کہ میں نے آپ کے گھر میں موجود غلہ کھانا جبکہ آپ کی اجازت بھی نہیں تھی، اس لیے برا سمجھا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حسن اور قتادہ اس آیت کی بناء پر اس بات کے قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھالینا جائز ہے اور اس آیت کا مطلب "لیس علیکم جناح أن تاکلوا" یہ درجات کا بیان ہے کہ جب تم اس میں داخل ہو جاؤ اور کوئی شخص وہاں نہ پاؤ تو وہاں صرف بیٹھ کر کھا سکتے ہو، لے کر جانے کی اجازت نہیں۔ "لیس علیکم جناح أن تاکلوا جمیعًا أو اشتاتًا" اس آیت کا نزول بنی لیث بکر بن عمرو کے بارے میں ہوا اور وہ بنی کنانہ کی ایک بستی میں رہتا تھا۔ وہ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتا تھا جب تک اس کے ساتھ اور کوئی مہمان نہ آ جائے، مہمان مل جاتا تو کھانا کھالیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا۔ جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لیے آ جاتا تو پی لیتا، دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا۔ آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھالیتا۔ یہ قول قتادہ، ضحاک، ابن جریج کا ہے۔

عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مال دار لوگ غریب قرابت داروں یا دوستوں کے گھر جاتے تھے اور وہ کھانا پیش کرتے تھے تو مال دار لوگ کہتے تھے بخدا ہم یہ گناہ نہیں کریں گے کہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں، ہم مال دار ہیں اور تم نادار ہو۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ عکرمہ اور ابو صالح کی روایت ہے کہ انصار کا دستور تھا کہ جب ان کا کوئی مہمان ہوتا تو اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک مہمان کھانے میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔ اس آیت میں ان کو اجازت دے دی گئی کہ جس طرح چاہیں کھائیں اکٹھے ہو کر کھائیں یا الگ الگ کھائیں۔ "فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم" بعض بعض کو سلام کریں اور جب کوئی شخص گھر میں داخل ہو تو اپنے اہل والوں پر سلام کرے۔ یہ قول جابر، طاؤس، زہری، قتادہ، ضحاک، عمرو بن دینار کا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ جب تم میں سے کوئی گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلام بھیجو، وہی زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو سلام کیا جائے اور جب تم میں سے کوئی گھر میں داخل ہو تو گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو پھر اس طرح سلام کرو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص گھر میں داخل ہو تو گھر میں کوئی نہ ہو تو اس کو سلام اس طرح کرو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین"...... "السلام علی اهل البیت ورحمة اللہ" ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

حضرت عمرو بن دینار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب تو مسجد میں داخل ہوتو یوں کہہ "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین"......"تحیة من عنداللہ"منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے،عبارت اس طرح تھی"ای تحیون تحیة"......"مبارکة طیبة"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا"مبارکة طیبة" سے مراد ہے اچھی خوبصورت۔بعض حضرات نے کہا کہ سلام کے جواب کو برکت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خیر میں زیادتی اور ثواب کی اُمید کی جاتی ہے۔"کذلک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تعقلون"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ. اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿62﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا. فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾

ترجمہ: بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) (تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے (اے پیغمبرؐ) جو لوگ (ایسے مواقع پر) آپ سے اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ (اہل ایمان) لوگ (ایسے مواقع پر) اپنے کسی (ضروری) کام کے لئے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور اجازت دے کر بھی) آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (دوسرے کی) آڑ میں ہو کر تم میں سے (مجلس نبویؐ سے) کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو کہ بواسطہ رسول پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا ان پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔

تفسیر: 62 "انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ" جب تم مومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔"علی امر جامع"ایسا کام جس میں اجتماعیت ضروری ہے۔جیسے جنگ میں حاضر ہونا۔نماز، جمعہ، عیدین یا کسی کام کے مشورت کے لیے وغیرہ۔"لم یذھبوا"اس کام کو چھوڑ کر متفرق نہیں ہو جاتے اور جس کام کے لیے وہ جمع ہوئے ہیں اس سے روگرداں نہیں ہو جاتے۔

"حتّٰی یستاذنوہ" مفسرین کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوتے اور کوئی شخص مسجد سے باہر نکلنا چاہتا، کسی حاجت یا عذر کی وجہ سے تو اس وقت تک وہ مسجد سے باہر نہ نکلتا یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کھڑے ہونے سے سمجھ جاتے۔ پھر اس کو اجازت دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہتے اجازت دے دیتے۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارے۔ جیسا کہ تم لوگ ایک دوسرے کو ناموں سے پکارتے ہو۔

مجاہد کا بیان ہے کہ جمعہ کے روز امام خطبہ کا کسی کو اجازت دینا ہاتھ کی انگلی کے اشارے کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اجتماعی اُمور میں تمام مسلمان ایک امام کے ساتھ جڑے رہیں، اس کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی اس کو چھوڑ کر جائے مگر اس کی اجازت کے ساتھ لیکن جب اس نے امام سے اجازت طلب کی تو امام کو اختیار حاصل ہے چاہے تو وہ اس کو اجازت دے اور چاہے نہ دے۔ یہ اس وقت ہے جب اس مقام سے کوئی منع کرنے کا سبب نہ پایا جائے۔ ہاں اگر ایسا سبب پایا جائے جس کے لیے امام سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً کوئی عورت مسجد میں بیٹھی ہو اور اس کو حیض آ جائے یا کوئی شخص جنبی ہو جائے یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے تو بتائے بغیر جا سکتا ہے۔

"ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یؤمنون باللّٰہ ورسولہ فاذا استأذنوک لبعض شانھم" ہر کام کے لیے اجازت لے کر جائیں۔ "فاذن لمن شئت منھم" جانے کے لیے اجازت دے دینا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ان کو اجازت دے دیں اور اگر چاہیں تو اجازت نہ دیں۔ "واستغفرلھم اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم"

63 "لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ان کی بددعا موجب عذاب ہے، دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارو جیسے کہ تم میں سے بعض بعض کو پکارتے ہیں۔ یا محمد، یا عبداللہ۔ لیکن تعظیم اور تکریم کے ساتھ بلاؤ بلکہ یوں کہو یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

"قد یعلم اللّٰہ الذین ...... یتسللون" جو پوشیدہ طریقے سے نکلتے ہیں۔ "منکم لواذًا" ایک دوسرے کی آڑ میں جائیں جب ان کو کسی کا خوف آ جائے، پھر وہ خوف چلا جاتا ہے۔ "لو اذ" مصدر ہے لاوذ یلاوذ ملاوذۃ، "ولواذًا" بعض نے کہا کہ خندق کے کھودنے کے وقت منافقین اس طرح اپنے آپ کو چھپ چھپا کر نکل جاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک دوسرے کی پناہ پکڑنا، آڑ لینا۔

منافقوں کے لیے جمعہ کے دن مسجد میں ٹھہرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننا گوارہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ لے کر مسجد سے پوشیدہ طور پر نکل جاتے تھے۔

"قد یعلم اللّٰہ" یہ تہدید اور مجازاۃ کے لیے ہے۔ "فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ" ان کے کام میں عن صلۃ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس حکم سے اعراض کرتے تھے اور بغیر اجازت کے مجلس سے چل پڑتے تھے۔ "أن تصیبهم فتنة" کہ ان پر کوئی مصیبت یا آزمائش نہ آپڑے۔ مجاہد کا قول ہے کہ فتنہ سے مراد ہے دُنیاوی مصیبت اور دُکھ اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔ "او یصیبهم عذاب الیم" آخرت میں ان کو تکلیف ہوگی۔ بعض نے کہا کہ دردناک عذاب ہوگا جس عذاب کی دُنیا میں جلدی کرتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑥④

ترجمہ (اور یہ بھی) یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور مین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی (جانتا ہے) جس میں سب اس کے پاس دوبارہ زندہ کر کے) لائے جائیں گے پھر وہ ان کو سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر ⑥④ "الا ان للّٰہ ما فی السّمٰوٰت والارض" سب اسی کی ملکیت ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔ "قد یعلم ما انتم علیه" یعنی ایمان ہو یا نفاق سب کو وہ جانتا ہے۔ قد صلہ ہے۔ "ویوم یرجعون الیه" اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "فینبئهم بما عملوا" خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو۔ "واللّٰہ بکل شیء علیم" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کو بالاخانہ پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ بلکہ ان کو چرخہ کاتنے کی اور سورۃ نور کی تعلیم دو۔

سُوْرَۃُ الْفُرْقَانْ

مکی سورت ہے اور اس میں ۷۷ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ① الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ②

ترجمہ: بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اس نے (ممکنات میں سے) ہر (موجود) چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

تفسیر: ① "تبارک" باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ ہے، برکت سے ہے، اس کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر خیر اس کی طرف سے آئی ہے۔ اس کی دلیل حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ برکت اسی کی طرف سے آئی ہے۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ کیا ہے بڑی عظمت والا۔ "الذی نزّل الفرقان" اس سے مراد قرآن ہے۔ "علی عبدہ" اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "لیکون للعالمین نذیرًا" عالمین سے مراد ہیں جنات اور انسان۔ بعض نے کہا کہ نذیر سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

② "الذی له ملک السّمٰوات والارض ولم یتخذ ولدًا ولم یکن له شریکٌ فی الملک وخلق کل شیءٍ" جس پر مخلوق کی صفت کا اطلاق ہوتا ہے۔ "فقدرہ تقدیرًا" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا۔ پھر اس کی ایجاد میں ایک قدر خاص کا لحاظ رکھا تاکہ تفاوت نہ ہونے پائے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ نے ہر چیز کے لیے مدت زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقرر کر دیا۔ یہ تینوں اشیاء تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ

اِفْکُ نِ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ. فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑥ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ. لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ⑦ اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْتَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا. وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ⑨

ترجمہ اور (باوجود حق تعالیٰ کے ایسے یکتا ہونے کے) ان مشرکین نے (خدا کی توحید) کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے جو کسی چیز کے خالق نہیں اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان (کے رفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے کا اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اس کی امداد کی ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ (کافر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے لکھوالیا ہے پھر وہی (باتیں) اس کو صبح وشام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں آپ (اس کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں ہوں خبر ہے واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور یہ (کافر) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور (ایمانداروں سے) یہ ظالم یوں (بھی) کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں سو (ان خرافات سے) وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔

تفسیر ③ "واتخذوا" وہ بت جو کفار مکہ نے بنا رکھے ہیں اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ "من دونہ آلھة" اس سے مراد بت ہیں "لایخلقون شیئًا وھم یخلقون ولا یملکون لانفسھم ضرًّا ولا نفعًا" یہ ضرر کو دور نہیں کر سکتے اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں "ولا یملکون موتًا ولا حیاةً" نہ وہ مُردہ ہیں اور نہ ہی وہ زندہ ہیں۔ "ولا

نشورًا" اور نہ ہی ان کو قیامت کے دن، دوسرے انسانوں کی طرح زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔

④ "وقال الذین کفروا" اس سے مراد مشرکین نضر بن حارث اور اس کے ساتھی ہیں۔ "ان ھذا" یعنی یہ قرآن "الا افک" (نعوذ باللہ) جھوٹ ہے۔ "افتراہ" حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بنایا۔ "واعانہ علیہ قوم آخرون" امام مجاہد کے نزدیک اس سے یہود مراد ہیں۔ حسن کے نزدیک عبید بن خضر حبشی کاہن ہے۔ بعض نے کہا کہ جبر و یسار اور عداس بن عبید ہیں۔ یہ اہل کتاب میں سے تھے جو مکہ میں رہائش پذیر تھے اور مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے لے کر یہ کلام بناتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فقد جاء وا" یہ کہنے والے کا قول "ظلما وزورًا" یہ ظلم اور جھوٹ ہے۔ باء کے حذف ہونے کے ساتھ منصوب ہے۔ ان لوگوں نے شرک اور جھوٹ کو لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی۔

⑤ "وقالوا أساطیر الاوّلین اکتتبھا" نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کی بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ رستم اور اسفندیار کے قصے۔ اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبر و یسار اور عداس سے لکھوائے ہیں۔ یہاں اکتب کا معنی ہے طلب کرنا، یعنی وہ لکھا ہوا ان سے طلب کرتا تھا کیونکہ یہ خود نہیں لکھ سکتے تھے۔ "فھی تملی علیہ" ان کے سامنے ان کو پڑھ کر سنائی جاتی تاکہ ان کو یاد ہو جائے۔ "بکرۃ واصیلا" صبح و شام اللہ عزوجل ان کی تردید میں فرماتے ہیں۔

⑥ "قل انزلہ" یہ قرآن آسمانی خدا نے اتارا ہے۔ "الذی یعلم السر" جو غیب کو جانتا ہے۔ "فی السمٰوت والارض انہ کان غفورًا رحیمًا"

⑦ "وقالوا مال ھذا الرسول" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "یا کل الطعام" جیسا کہ ہم سب کھاتے ہیں۔ "ویمشی فی الاسواق" اور وہ معاش تلاش کرتے ہیں اور چلتا ہے جیسے ہم چلتے ہیں اس کی امتیاز نبوت کے باعث ایسا کام نہ کرنے والا ہو۔ یعنی یہ رسول ہوتا تو دوسرے انسانوں سے کوئی امتیازی حیثیت ہوتی۔ کافر کہتے تھے کہ تم فرشتہ نہیں ہو، فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو، بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔ یہ سب صفات آپ کی ہیں لیکن یہ تمام صفات نبوت کے منافی نہیں۔ "لولا انزل الیہ ملک" پھر اس کی تصدیق کرتے۔ "فیکون معہ نذیرًا" جو فرشتہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔

⑧ "اویلقی الیہ کنز" اور اس پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل ہوتا تو یہ خرچ کرتا کسی تردد کا محتاج نہ ہوتا اور طلب معاش میں اس کو خرچ کرتا۔

"او تکون لہ جنۃ" اس کے پاس کچھ باغات ہوں۔ "یاکل منھا" حمزہ اور کسائی نے (ناکل) نون کے ساتھ پڑھا ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ اس باغ سے کھاتے "وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحورًا" اس سے مراد فریب خوردہ ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ حق سے پھرنے والا۔

⑨ "انظر" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے "کیف ضربوا لک الامثال" اس سے مراد اشباہ ہے۔ یعنی انہوں

نے آپ کو جھوٹے افتراء پردازوں اور بیہودہ قصہ بیان کرنے والوں کی طرح قرار دے رکھا تھا اور بعض نے کہا کہ مسحور محتاج ہے۔ "فضلوا" یہ دیکھ کر وہ حق سے گمراہ ہو گئے۔ "فلایستطیعون سبیلا" گمراہی سے ہدایت کی طرف کوئی مخرج نہیں۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّکَ قُصُوْرًا ⑩ بَلْ کَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ کَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ⑪

ترجمہ: وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی) اس (فرمائش) سے (بھی) اچھی چیز دے دے یعنی بہت سے (غیبی) باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو بہت سے محل دے دے بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور (انجام اس کا یہ ہوگا کہ) ہم نے ایسے شخص کے لئے جو کہ قیامت کو جھوٹے سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر ⑩ "تبارک الذی ان شاء جعل لک خیرًا من ذلک" خزانوں اور باغوں سے بہتر نعمتیں دُنیا میں ہی دے دیتا۔ عکرمہ رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔ پھر آگے خیر کو بیان کر دیا اور فرمایا "جنات تجری من تحتها الانهار ویجعل لک قصورًا" مضبوط مکان، عرب کے نزدیک ہر مضبوط مکان کو قصر کہتے ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے بروایت ابوبکر "یجعلُ" لام پر پیش پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے جزم پڑھا ہے کیوں کہ یہ جزاء کی جگہ واقع ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے "ان شاء جعل لک"

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وادی مکہ کو میرے لیے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب! میں تو ایک دن شکم سیر ہو کر رہنا چاہتا ہوں اور ایک دن بھوکا رہنا چاہتا ہوں تاکہ جب میں بھوکا رہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے۔ ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی بندہ ہی رہیں اور اگر چاہیں تو نبی بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا، جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو، میں نے کہہ دیا کہ میں نبی اور بندہ رہنا چاہتا ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ دینے والے کی طرح دیکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آپ تواضع کو اختیار کریں تو میں نے کہا نبی اور بندہ رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا

نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

⑪ "بل کذبوا بالساعة" ساعت سے مراد قیامت کا دن ہے۔"واعتدنا لمن کذب بالساعة سعیرًا" بھڑکتی ہوئی آگ۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ⑯ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ⑰

ترجمہ وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش و خروش سنیں گے اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو آپ (ان کو یہ مصیبت سنا کر) کہیے کہ (یہ بتلاؤ کہ) کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان (کی اطاعت) کا صلہ ہے اور ان کا (آخری ٹھکانا (اور) ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے (اور) وہ (اس میں) ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر) یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابل درخواست ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے ان (سب) کو جمع کرے گا پھر ان معبودین (سے) فرماوے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) راہ (حق) سے گمراہ ہو گئے تھے۔

تفسیر ⑫ "اذا رأتهم من مکان بعید" کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد ایک سال کی راہ اور بعض کے نزدیک سو سال کی راہ اور بعض نے کہا پانچ سو برس راہ کی مسافت۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر کوئی شخص جھوٹ کی بات کی نسبت نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو اس کو اپنی جگہ آگ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنالینی چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کیا آگ کی بھی آنکھیں ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے "اذا رأتهم من مکان بعید" اور بعض نے کہا کہ جہنم کے داروغوں کو جب دیکھیں گے "سمعوا لها تغیظًا" جوش مارنے کی آواز جو غضبناک آدمی کی غصیلی آواز کی طرح ہو۔ "وزفیرًا" ایک آواز۔ تغیظ کی آواز کیسے سنائی دی جاتی ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جب تم اس کو دیکھو گے اور تم جان لوگے کہ یہ فلاں غصہ میں ہے اور اس سے ایک آواز سنو گے۔ بعض نے کہا کہ لہو ولعب کے وقت جب انسان کے سینے سے آواز نکلتی ہے۔ عبید بن عمیر کا قول ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا تو کوئی مقرب فرشتہ یا نبی نہیں ہوگا جو اللہ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔

⑬"واذا القوا منها مکانًا ضیقًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان کو تنگ مقام میں جکڑ کر ڈالا جائے گا اور نیزوں سے مارا جائے گا۔ "مقرنین" گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ شیطانوں کے ساتھ ساتھ باندھے گئے شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔ "دعوا هنالک ثبورًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد ہلاکت ہے۔ ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آگ کا لباس سب سے پہلے جس کو پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔ وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبوراہ پکارے گا۔ اس کی ذریت اس کے پیچھے یا ثبور پکارتی ہوگی۔ آخر سب دوزخ میں جا کر ٹھہریں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا۔

⑭"لاتدعوا الیوم ثبورًا واحدًا وادعوا ثبورًا کثیرہ" ان کی ہلاکت بہت دفعہ ہوگی۔ خواہ وہ ایک دفعہ پکاریں یا کئی بار پکاریں ان کو نو بنو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یا اس کا معنی ہے ان کی ہلاکت میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔

⑮"قل اذلک" کیا یہ دوزخ جس کی حالت مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہے جنت اور دوزخ کی اور ان کے اہل والوں کی۔ "خیر اُم جنة الخلد التی وعدالمتقون کانت لهم جزاء" جزاء بمعنی ثواب کے ہے۔ "ومصیرًا" اور اس کا مرجع لوٹنے کی جگہ۔

⑯"لهم فیها ما یشاء ون خالدین کان علی ربک وعدًا مسئولاً" اس سے مراد مطلوب ہے۔ جب مؤمنین اپنے رب سے دُنیا میں اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ "ربّنا و اتنا ما وعدتنا علی رسلک" اے ہمارے رب! ہم کو وہ جنت عطا فرمانا جس کا وعدہ اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے کیا ہے تو ان کو کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ہمیشہ والی جنت میں رہنے کا وعدہ کیا، ان کی دُنیا میں طاعت کی وجہ سے اور اس سے سوال کرنے سے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا فرشتے ایفاء عہد کی اس سے درخواست کریں گے اور کہیں گے "ربنا وادخلهم جنات عدن التی وعدتهم"

⑰"ویوم یحشرهم" ابن کثیر، ابوجعفر، یعقوب، حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وما یعبدون من دون اللّٰه" مجاہد کا قول ہے کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں۔ عکرمہ، ضحاک، کلبی کے نزدیک صرف اصنام مراد ہیں۔ "فیقول" ابن عامر نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ء انتم اضللتهم عبادی هؤلاء ام هم ضلّوا السبیل" وہ راہِ حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ مَا کَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَ هُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ وَکَانُوْا قَوْمًا ۢ بُوْرًا ⑱ فَقَدْ کَذَّبُوْکُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْکُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا کَبِیْرًا ⑲وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳

ترجمہ وہ (معبودین) عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں و لیکن آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو (خوب) آسودگی دی یہاں تک کہ وہ (آپ کی) یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (اس وقت اللہ تعالیٰ ان عابدین کو برملا لاجواب کرنے کے لئے فرماوے گا کہ) تو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا سو (اب) تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی طرف سے) مدد دیئے جاسکتے ہو اور جو (جو) تم میں ظالم (یعنی مشرک) ہوگا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور ہم نے (تم میں) ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا صبر کرو گے (یعنی صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر ⑱ "**قالوا سبحانک**" اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ان کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہو۔ "**ما کان ینبغی لنا أن نتخذ من دونک من اولیاء**" ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تمہارے دشمن کو ہم اپنا ولی بنا دیں اور بعض نے کہا کہ ہم کیونکر کسی دوسرے معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیں حالانکہ ہم خود تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ابو جعفر نے "**أن نتخذ**" نون کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں دوسرا من صلۃ ہوگا۔ "**ولکن متعتھم و آباء ھم**" دُنیا میں لمبی عمر، صحت اور نعمت کے ساتھ تمہیں فائدہ دیا۔ "**حتّٰی نسوا الذکر**" پھر انہوں نے نصیحت کو ترک کر دیا اور قرآن پر ایمان لانے کو چھوڑ دیا۔ بعض نے کہا کہ وہ تمہارے ذکر سے غافل ہوگئے۔ "**وکانوا قومًا بورًا**" وہ ہلاک ہوگئے۔ ان کے اوپر بدبختی غالب آجانے کی وجہ سے۔ "**بورًا**" مصدر ہے واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔ بعض کے نزدیک بورا بائر کی جمع ہے۔ یہ واحد جمع، مذکر، مؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

⑲ "**فقد کذبوکم**" یہ مشرکین کو خطاب ہے۔ یہ تمہارے معبود ہی قیامت کے دن تمہیں جھٹلائیں گے۔ "**بما تقولون**" کہ وہ معبود ہیں۔ "**فما تستطیعون**" حفص نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد عابدین ہیں اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد الٰہ ہیں۔ "**صرفًا**" عذاب کو اپنے اوپر سے دور کریں گے۔ "**ولا نصرًا**" اور اپنے نفسوں کی مدد نہیں کرسکیں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ معبودین باطلہ تمہارے اوپر سے عذاب کو ٹالنے والے نہیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ صرف کا معنی حیلہ ہے۔ اسی سے عرب کا قول ہے۔ "**فلان یتصرف**" فلاں شخص کچھ حیلہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اب تم نہ کوئی حیلہ کرسکتے ہو نہ مدد۔ "**ومن یظلم**" کون ہے جو شرک جیسا ظلم کرتا ہے۔ "**منکم نذقہ عذابًا کبیرًا**"

⑳ "**وما ارسلنا قبلک من المرسلین**" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "**الا انھم لیأکلون الطعام**" ضحاک نے

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مفلس و نادار ہونے کا طنز کیا اور کہا"ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رنج ہوا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی"ویمشون فی الاسواق"بعض نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دُنیا پر بھیجے ان کو بھی اسی طرح کہا گیا جیسے کہ آپ کو کہا جارہا ہے حالانکہ وہ بھی زمین پر چلتے بازار میں جاتے اور کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔"وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ" مالدار کو نادار کے لیے مصیبت بنادیا۔فقیر کہتا ہے میں اس مال دار کی طرح کیوں نہیں ہوا،تندرست بیمار کے لیے مصیبت ہے اور شریف رذیل کے لیے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنادیا ہے تا کہ جو لوگ تمہارے مخالف ہیں اور تمہاری مخالفت میں باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی باتوں کو سنتے اور ان کی مخالفتوں کو دیکھتے ہو تم ان کی اس اذیت رسانی پر صبر کرو اور اپنے سیدھے راستے پر چلتے رہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول ابتلاء ہے کہ شریف، رذیل کو دیکھ کر شکر ادا کرتا ہے اور بسا اوقات اگر شریف آدمی اور اعلیٰ طبقہ کا شخص اسلام لانا چاہتا اور اس سے پہلے کوئی زیریں طبقے کا شخص مسلمان ہو چکا ہوتا تو اس اونچے والے طبقہ کو خیال ہوتا کہ اب اگر میں مسلمان ہوا تو اس رذیل شخص کو مجھ پر برتری حاصل ہو گی اور مجھے اس کے پیچھے رہنا پڑے گا۔یہ سوچ کر وہ اپنا ارادہ بدل دیتا اور کفر پر ہی ڈٹا رہتا۔بعض کے بعض کے لیے آزمائش ہونے کا یہی مطلب ہے۔یہ بھی کلبی کا قول ہے۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل، ولید بن عتبہ، عاص بن وائل اور نضر بن حارث کے حق میں ہوا تھا۔انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو چکے ہیں، کہنے لگے اب اگر ہم مسلمان ہوئے تو ان کے برابر ہونا پڑے گا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فقراء مؤمنین کے بارے میں ہوا جن کے ساتھ قریش کے مشرکین مذاق اُڑایا کرتے تھے۔وہ یہ کہتے تھے کہ ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو دیکھو جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں۔غریب طبقے کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو خطاب کر کے فرمایا"اتصبرون" فقر و شدت بھوک اور ان کی اذیتوں پر صبر کریں۔"وکان ربک بصیرًا" جو شخص ان مصائب پر صبر کرے اور جو جزع فزع کرے ان سب کو دیکھنے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم میں کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے کمزور والے کو بھی دیکھے (تا کہ اس سے وہ شکر ادا کر سکے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا. لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ㉑ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ㉒ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ㉓

ترجمہ: اور جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (بوجہ اس کے کہ اس کے منکر ہیں) وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد (انسانیت) سے بہت دور نکل گئے ہیں جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں (یعنی کافروں) کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا بیکار کردیں گے جیسے پریشان غبار۔

تفسیر: ㉑ "وقال الذین لایرجون لقاء نا" وہ قیامت کے دن دوبارہ جی اُٹھنے سے نہیں ڈرتے۔ فراء کا قول ہے کہ یہاں رجاء اُمید اور خوف دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ تہامہ کی لغت میں "مالکم لا ترجون للّٰہ وقارًا" تم اللہ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ "لولا انزل علینا الملائکۃ" تو وہ تمہیں بتلاتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ "او نری ربّنا" وہ اپنے رب کو خود دیکھتے اور وہ ان کو خبر دیتا۔ "لقد استکبروا" وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ "فی انفسھم" اس بات میں "وعتو عتوًا کبیرًا" مجاہد کا قول ہے کہ عتوا یعنی انتہائی سرکش ہوگئے۔ عتو کا معنی شدید ترین کفر اور بہت ہی بڑا ظلم۔ "عتوًا کبیرًا" سے مراد ہے کہ وہ انتہاء کو پہنچ گئے یہاں تک کہ خدا کو دیکھنے کے طلب گار ہوگئے۔

㉒ "یوم یرون الملائکۃ" یعنی مرنے کے وقت۔ بعض نے کہا کہ قیامت کے دن جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے۔ "لا بشری یومئذٍ للمجرمین" سے مراد کافر ہیں۔ قیامت کے دن ملائکہ مؤمنین کو خوشخبری دیں گے اور کفار سے کہیں گے کہ تمہارے لیے کوئی خوش خبری نہیں۔ اسی طرح عطیہ کا قول ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ قیامت کے دن مجرمین کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ ان کے لیے جنت کی کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ جیسا کہ مؤمنین کو خوشخبری دی جائے گی۔ "ویقولون حجرًا محجورًا" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ فرشتے کہیں گے حرام ہے حرام کردیا گیا ہے کہ جنت میں سوائے ان لوگوں کے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل تھے کوئی اور داخل ہو۔

مقاتل کا قول ہے کہ جب کافروں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ملائکہ ان سے کہیں گے حرام ہے تمہارے لیے جنت حرام کردی گئی ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جب مجرموں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ ملائکہ کو دیکھیں گے تو مجرم خود ہی یہ الفاظ کہیں گے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کسی ناخوش گوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو "حجرًا محجورًا"

کہتے ہیں۔ چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے تو اس روز فرشتوں سے اللہ کی پناہ مانگیں گے اور "حجرًا محجورًا" کہیں گے یعنی اللہ سے درخواست کریں گے کہ فرشتوں سے ان کو بچالے۔

㉓ "وقدمنا" متوجہ ہوئے "الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورًا" بے کار رائیگاں بنادیں گے اس پر کوئی ثواب نہیں دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ رب العزت کے لیے نہیں کیا۔ ھباء کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ھباء ان ذرّوں کو کہتے ہیں جو روشن دانوں کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں مگر ہاتھ سے ان کو چھو نہیں سکتے اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں۔ حسن، عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے پراگندہ جدا جدا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ھباء اس دھول کو کہتے ہیں جس کو ہوا اُڑاتی ہے اور بکھیرتی ہے۔ مقاتل نے کہا "ھباء منثورًا" وہ ذرات ہوتے ہیں جو روشندانوں کے سوراخوں سے سورج کی کرنوں پر نظر آتے ہیں اور ھباء منبث وہ دھول ہوتی ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُٹھتی ہیں اور اس کو اُڑاتی ہیں۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ㉔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ㉕ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ㉖ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ㉗ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ㉘ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ㉙

ترجمہ (البتہ) اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (زمین پر) بکثرت اتارے جاویں گے (اور) اس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن (ہی کی ہوگی اور وہ (دن) کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا اور جس روز ظالم (یعنی کافر آدمی غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا ہائے میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اس (کمبخت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکایا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔

تفسیر ㉔ "اصحاب الجنة یومئذٍ خیر مستقرًا" مشرکین، متکبرین سے زیادہ وہ آرام میں ہوں گے۔ "واحسن مقیلًا" ان کے آرام کی جگہیں آرام دہ ہوں گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ان الفاظ سے آیا ہے کہ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی "ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡ اِلَى الْجَحِيْمِ" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ازہری کا قول ہے قیلولہ اور مقیل نصف النہار کی استراحت کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ نیند نہ آئی ہو۔ "واحسن مقیلًا" جنت میں نیند تو نہیں آئے

گی۔روایت میں آتا ہے کہ مؤمنوں کے لیے قیامت کا دن چھوٹا کردیا جائے گا جیسے عصر سے غروب آفتات تک ہوتا ہے۔

25 "ویوم تشقق السماء بالغمام" اس میں باء بمعنی عن کے ہے۔جیسا کہ عرب کا قول ہے "رمیت السھم بالقوس" میں نے کمان سے تیر پھینکا۔"تشقق" اصل میں "تتشقق" تھا دو تاء تھیں۔دونوں تاء کو ایک دوسرے میں ادغام کردیا۔ابوعمرو، اہل کوفہ نے شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ ق میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ۔دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔غمام ایک سفید باریک بادل کہر کی طرح ہوگا جو صرف بنی اسرائیل کے لیے وادی تیہ کے اندر اللہ نے نازل فرمایا تھا۔

"وننزل الملائکة تنزیلا" ابن کثیر نے "ننزل" دونون کے ساتھ پڑھا ہے اور لام کے رفع کے ساتھ۔الملائکہ منصوب ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک میدان میں ساری مخلوق کو جمع کرے گا۔سب سے پہلے آسمان دُنیا ٹوٹے گا اور اس آسمان کے رہنے والے اُتریں گے اور وہ زمین کے رہنے والے جنات وانسان سے زیادہ ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اس کے رہنے والے اُتریں گے اور وہ پہلے آسمان کی مخلوق سے زیادہ ہوں گے اور جنوں اور انسانوں سے بھی زیادہ ہوں گے۔یہاں تک کہ ساتواں آسمان بھی ٹوٹ پڑے گا، ہر آسمان والے گزرے ہوئے آسمان والے سے زیادہ ہوں گے۔پھر کریبون فرشتے نازل ہوں گے، پھر عرش کو اُٹھانے والے۔

26 "الملک یومئذ ن الحق للرحمٰن" اس دن حقیقی حکومت رحمٰن کی ہوگی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن اس کے سوا کسی کی ملکیت نہیں ہوگی جو فیصلہ کرے۔"وکان یومًا علی الکافرین عسیرًا" یعنی بہت سخت یہ خطاب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس دن مؤمن کے لیے کوئی تنگی نہیں ہوگی۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین پر وہ اتنی دیر ہوگی جتنی کہ دُنیا میں جو اخف ترین نماز پڑھی ہوگی اتنی دیر مشکل آئے گی۔

ویوم یعض الظالم کی تفسیر

27 "ویوم یعض الظالم علی یدیه" اس سے عقبہ بن ابی معیط کا ظلم مراد ہے کہ جب وہ سفر سے واپس آتا تھا، کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ دیر بیٹھتا تھا۔ایک روز سفر سے واپس ہوکر کھانا تیار کروایا اور لوگوں کی دعوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی، آپ تشریف لے گئے۔ جب عقبہ نے کھانا لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت نہ دو گے۔عقبہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھالیا۔عقبہ ابی بن خلف کا دوست تھا، اُبی کو عقبہ کے کلمہ پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا، عقبہ تم بے دین ہوگئے؟ عقبہ نے کہا نہیں خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا، بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمہ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کردیا۔میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے کھانا

کھانے کے بغیر جائے، اس لیے میں نے شہادت دے دی اور اس نے کھانا کھالیا۔ ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے۔ عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے بھی اگر تجھے مکہ کے باہر پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا۔ چنانچہ بدر کے دن عقبہ مارا گیا۔ رہا اُبی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ جب عقبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکا تو وہ تھوک واپس عقبہ کے چہرے پر آ پڑی جس سے اس کا چہرہ جل گیا اور مرتے دم تک اس کے چہرے پر اس کا نشان رہا۔

شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اُمیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا۔ اُمیہ نے کہا تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت کر لی ہے اس لیے میرا چہرہ تیرے لیے اور تیرا چہرہ میرے لیے دیکھنا حرام ہے۔ عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**ویوم یعض الظالم**" اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط بن عبد الشمس بن مناف ہے۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ندامت و افسوس کہ وہ دوست کہ جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا، اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ و کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء کا قول ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا، پھر ہاتھ اُگ آئیں گے۔ وہ حسرت و افسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اُگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔

"**یقول یالیتنی اتخذت**" دُنیا میں "**مع الرسول سبیلا**" کاش! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کر لیتا اور ان کی معیت میں ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا۔ ابو عمرو نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

㉘ "**یاویلتا لیتنی لم اتخذ فلانًا خلیلا**" اس سے مراد ابی بن خلف ہے۔

㉙ "**لقد اضلنی عن الذکر**" ذکر سے مراد ہے اللہ کی یاد یا قرآن مجید سے گمراہ کر دینا۔

"**بعد اذ جاء نی**" یعنی وہ ذکر جو رسول کے ساتھ آیا۔ "**وکان الشیطان**" ہر وہ سرکش سرتاب، خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، راہِ خدا سے روکنے والا شیطان ہے۔ "**للانسان خذولا**" اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا ضرورت کے وقت مدد نہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کا دوست نہیں۔ اس آیت کا حکم عام ہے جو دو دوست گناہ پر دوستی کو قائم رکھے ہوں ان کو آیت کا حکم شامل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو کچھ مشک مفت دے دے گا یا تم اس کو خرید لو گے یا کم از کم عمدہ خوشبو ہی تم کو مل جائے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا کم از کم اس کی طرف سے تم کو بدبو پہنچے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا سوائے مؤمن کے کسی کے ساتھ نہ رہو اور سوائے پرہیزگاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لیے اس کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ. وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً. كَذٰلِكَ. لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور (اس دن) رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور ہم اسی طرح (یعنی جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت کرتے ہیں) مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور ہدایت کرنے کو اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر یہ قرآن دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا اس طرح (تدریجاً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اس لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم (اس کا) ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔

تفسیر ﴿۳۰﴾ "وقال الرسول" اس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے "یا ربّ انّ قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورًا" اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کرنے لگے ہیں نہ اس پر وہ ایمان لائے ہیں اور نہ ہی وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اسی کلام کو بیہودہ کہتے ہیں اور بری بات کہتے ہیں اور وہ اس قرآن کو شعر اور جادو کہتے ہیں۔ یہ قول امام نخعی اور مجاہد کا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنا دیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

﴿۳۱﴾ "و کذلک جعلنا" جس طرح ہم نے مشرکین میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیئے تھے اس طرح آپ بھی ویسے ہی صبر کریں۔ جیسا کہ گزشتہ پیغمبروں نے کیا۔ "لکل نبی علوًا من المجرمین" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ آپ ان کی باتوں سے تکلیف محسوس نہ کریں بلکہ ایسی تکالیف تو ماقبل انبیاء کو بھی آئیں۔ لہٰذا ہمارے حکم پر صبر کریں۔ جیسا کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کیا تھا، پھر ہم نے ان کی مدد کی اور ان کی قوموں کو ہدایت سے نوازا۔ "و کفٰی بربک ھادیا و نصیرًا"

﴿۳۲﴾ "وقال الذین کفروا لو لا نزّل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ" جیسا کہ ہم نے توریت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا "کذلک" اسی طرح ہم نے کیا۔ "لنثبت بہ فؤادک" لیکن ہم نے اس کو متفرق طور پر آپ پر نازل کیا تاکہ اس کی وجہ سے آپ کے دل کو تقویت اور جماؤ حاصل ہو اور آپ کو اس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ ماقبل انبیاء کرام علیہم السلام پر جب کتاب نازل ہوتی تو وہ اس کو لکھتے اور پڑھتے تھے جب کہ اللہ رب العزت نے قرآن ایسے نبی پر نازل فرمایا جو نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ ہی پڑھنا جانتا ہے۔ تدریجاً،

تدریجاً اس لیے نازل فرمایا تا کہ اس کے ناسخ ومنسوخ کا علم بھی ہو جائے اور ہر آیت میں کسی کی بات کا جواب بھی ہو سکے جو سوال آپ سے پوچھا گیا ہوتا کہ اس میں سوال پوچھنے والے اور جواب دینے والے دونوں کے لیے آسانی والا معاملہ پیش آ جائے۔ "ورتلناہ ترتیلاً" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہم نے قرآن کو واضح طور پر بیان کر دیا۔

ترتیلاً کی تفسیر

ترتیل کا معنی ہے ترسل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ سدی نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیا۔ مجاہد کا قول ہے ہم اس کے ایک حصہ کو دوسرے کے بعد لائے۔ امام نخعی اور حسن نے کہا ہم نے اس کو جدا جدا ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ "ولا یاتونک" اے محمد! یہ مشرکین آپ کے سامنے نہیں لاتے "بمثل" وہ ایسی مثال جس سے آپ کی نبوت کو مجروح قرار دیتے ہیں اور آپ کے عمل کو باطل کرتے ہیں۔ "الا جئناک بالحق" اور ہم آپ کو اس کا صحیح جواب دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی مثال باطل ہو جاتی ہے جو لوگ کسی قسم کا شبہ پیدا کرتے ہیں اس کو مثل سے موسوم کیا اور اس شبہ کو دور کرنے کا نام حق دیا ہے۔ "واحسن تفسیرًا" تفسیر تفعیل کے وزن پر ہے۔ فسر کا معنی ہے ظاہر کر دینا کسی ڈھکی ہوئی چیز کا پردہ ہٹا دینا۔ پھر اس کے بعد مشرکین کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً وَّاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًام بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ. اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا. بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے موہنوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں اور تحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ان کا معین بنایا تھا پھر ہم نے (دونوں کو) حکم دیا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری (توحید کی) دلیلوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے ان کو (اپنے قہر سے) بالکل ہی غارت کر دیا اور قوم نوحؑ کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اور ہم نے عاد اور ثمود اور

اصحاب الرس اوران کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کیا اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کیئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کر دیا اور یہ اس بستی پر ہو گزرے ہیں جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے تھے (سو کیا یہ لوگ) اس کو دیکھتے نہیں رہتے بلکہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

تفسیر ㉞ "الذین" وہ لوگ "یحشرون علی وجوھھم" ان کو ہنکایا اور چلایا جائے گا۔ "الٰی جھنم اولئک شر مکانًا" ان کی جگہ اور ٹھکانا اور بعض نے کہا کہ منزل اور رہنے کی جگہ۔ "واضل سبیلاً" وہ سیدھا راستہ بھول گئے۔

㉟ "ولقد اٰتینا موسی الکتاب وجعلنا معہ أخاہ ھارون وزیرًا" مددگار بنادیا۔

㊱ "فقلنا اذھبا الی القوم الذین کذبوا بایاتنا" یعنی قبطی قوم کی طرف "فدمرناھم" یہاں پر اضمار ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام قوم کے پاس گئے، دعوت دی لیکن ان دونوں کی انہوں نے تکذیب کی۔ "تدمیرًا" پھر ہم نے اس قوم والوں کو ہلاک کر دیا۔

㊲ "وقوم نوح لما کذبوا الرسل" اس سے مراد بھیجے ہوئے ہیں اور جس نے ایک رسول کی تکذیب کی گویا اس نے تمام انبیاء کو جھٹلایا۔ اسی وجہ سے جمع کا لفظ ذکر کیا۔ "اغرقناھم وجعلناھم للنّاس آیۃ" اور اس کے بعد آنے والوں کے لیے ان کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ "واعتدنا للظالمین" اور ہم نے ظالموں کے لیے آخرت میں شمار کر کے رکھا ہوا ہے۔ "عذابًا الیما" سوائے اس عذاب کے جو وہ جلدی طلب کرتے تھے۔

㊳ "وعادا و ثمود" اور ہم نے عاد و ثمود کو ہلاک کر دیا۔ "واصحاب الرس" ان کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

اصحاب الرسول کی تفصیل

وہب بن منبہ کا قول ہے وہ کنویں والے تھے اس کے اِرد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور یہ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی طرف اللہ رب العزت نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے سرکشی اختیار کی اور دعوت قبول نہیں کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ لوگ طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے۔ آخر ان سب کو ہلاک کر دیا گیا، زمین سب کو کھا گئی، کنویں کو بھی ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔

"والرس" ہر وہ کنواں جس کے اِرد گرد دیوار بنادی گئی ہو اسے رس کہتے ہیں۔ قتادہ اور کلبی کا بیان ہے کہ رس علاقہ یمامہ میں ایک کنواں تھا وہاں کے باشندوں نے اپنے نبی کو شہید کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ ثمود یعنی قوم صالح میں سے جو لوگ بچ گئے تھے اصحاب الرس وہی لوگ تھے یا اس کنویں کے پاس رہتے تھے جس کا ذکر اللہ رب العزت نے "وبئر معطلۃ وقصر مشید" کیا ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ رس والوں نے اپنے پیغمبر

کوشہید کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ کعب، مقاتل اور سدی کا بیان ہے رس انطا کیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا۔ اس کا تذکرہ آگے سورہ یٰسین میں آئے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اصحاب الرس ہی اصحاب الاخدود تھے۔ انہوں نے ایک خندق کھودی تھی۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں پاٹ دیا تھا یعنی دفن کردیا تھا۔ بعض نے کہا اس معدن کو کہتے ہیں رس کی جمع رساس آتی ہے۔ ”وقرونًا بین ذلک کثیرًا“ یعنی ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کردیا، عاد اور اصحاب الرس کے درمیان۔

㊴ ”وکلا ضربنا له الامثال“ ان جیسی مشابہ چیزیں تاکہ ان پر کوئی حجت تام ہو جائے، ہم کسی کو بھی ہلاک نہیں کرتے مگر ڈرانے کے بعد۔ ”وکُلًّا تبرنا تتبیرًا“ یعنی ہم ان کو ہلاک کریں گے ہلاک کرنا۔ اخفش نے ”تبرّنا“ کا ترجمہ کیا ہے ہم نے ان کو توڑ دیا۔ زجاج نے کہا کہ کسی چیز کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کو تتبیر کہتے ہیں۔

㊵ ”ولقد أتوا علی القریة التی أمطرت مطر السوء“ مطر السوء سے مراد پتھروں کی بارش اور یہ بارش قوم لوط پر برسی۔ اس کی پانچ بستیاں تھیں۔ اللہ نے چار بستیوں کو ہلاک کر ڈالا اور ایک بستی بچ گئی۔ یہ چھوٹی سی بستی تھی اور یہ قوم لوط والا برا عمل نہیں کرتے تھے۔ ”أفلم یکونوا یرونها“ جب یہ لوگ سفر کرتے ہیں اور اس بستی کے پاس سے گزرتے ہیں تو اس پر غور و فکر کر کے عبرت کیوں نہیں پکڑتے کیونکہ شہر مدین مدینہ سے شام جانے والوں کے راستے کے درمیان میں آتا تھا۔ ”بل کانوا لایرجون“ وہ اس سے نہیں ڈرتے۔ ”نشورًا“ دوبارہ جی اُٹھنے کی اُمید نہیں ہوتی۔

وَاِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا. اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ㊶ اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا. وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ㊷ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ. اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْهِ وَکِیْلًا ㊸ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ. اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ㊹ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ. وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا. ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ㊺

(ترجمہ) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا (اے پیغمبر!) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (اے مخاطب) کیا تو نے پروردگار کی (اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو

ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کوتاہی) پر علامت مقرر کیا۔

تفسیر ⑪ "واذا راٰوک ان یتخذونک" یہ نہیں بناتے مگر آپ کے ساتھ۔ "الا هزوًا" اس آیت کا نزول ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے اور بطور استہزاء کہنے لگے "اهذا الذی بعث الله رسولاً"

⑫ "ان کاد لیضلنا" قریب تھا کہ وہ ہمارے معبودوں کی طرف سے بہکا لیتا۔ "عن الهتنا لولا ان صبرنا علیها" اگر ہم اس پر صبر اختیار نہ کرتے تو ہمیں یہ بہکا ہی لیتے۔ "وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلاً" ان کو یوں ہی نہیں چھوڑے گا۔

⑬ "ارأیت من اتخذ الهه هواه" مشرکین میں سے جو شخص پتھر کی پوجا کرتا جب وہ اس پتھر کو دیکھتا تو وہ اس کو بہت اچھا معلوم ہوتا اور اسی طرح وہ دوسرا پتھر بھی لے لیتا اور اس کی پوجا کرتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جس نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا ہے جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا ہے ان کی پوجا کرنے لگا ہے۔ "افأنت تکون علیه وکیلاً" کیا آپ ان کے محافظ ہیں یا کفیل کہ ان کو خواہش نفس سے روکیں اور غیر اللہ کی عبادت سے ان کو روکیں۔ اس طرح آپ نہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ آیت قتال میں یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے۔

⑭ "ام تحسب أن اکثرهم یسمعون" یہ لوگ سمجھنے کی غرض سے نہیں سنتے۔ "او یعقلون" وہ اس پر غور نہیں کرتے نہ کسی نصیحت کو اور نہ ہی دلیل کو۔ "ان هم" اس کا معنی ہے "ماهم" نہیں ہیں وہ "الا کالانعام بل هم اضل سبیلاً" چونکہ چوپائے بھی اپنے پینے کی جگہ اور چرنے کی جگہ خود چلے جاتے ہیں اور اپنے مالک کے حکم کو مانتے ہیں جبکہ یہ کفار حق کے راستے کو نہیں جانتے اور نہ ہی اللہ رب العزت کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے رزق کی قدر نہیں کرتے چونکہ چوپائے چارہ گھاس کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کے سامنے جھکتے بھی ہیں جبکہ کفار نہ تسبیح پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری میں جھکتے ہیں۔

⑮ "الم تر الی ربک کیف مدالظل" کیا تم نے اپنے رب کے بنائے ہوئے لمبے سائے کو نہیں دیکھا جو مشرق سے مغرب تک ہے۔ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت ظل کہلاتا ہے۔ ظل کا لفظ دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ "فی ظل الجنة وظل ممدود" جس کے ساتھ سورج نہ ہو۔ "ولو شاء لجعله ساکنًا" وہ ہمیشہ اور دائم رہے گا۔ اس کو سورج کی روشنی ختم نہیں کرتا بلکہ قیامت تک رات ہی رات رہتی۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ جو سایہ سورج سے زائل ہو جاتا ہے اس کو ظل کہتے ہیں اور جس سایہ سے دھوپ زائل ہو جاتی ہے اس کو فئی کہتے ہیں گویا زوال آفتاب سے پہلے ظل ہوتا ہے اور زوال کے بعد فئی آتا ہے زوال کے بعد سایہ بھی مشرق سے مغرب کی طرف لوٹ آتا ہے۔ "ثم جعلنا الشمس علیه دلیلاً" اس سائے پر دلیل ہوتی۔ یعنی اگر سورج نہ ہوتا تو سائے کو سایہ کون جانتا روشنی نہ ہو تو تاریکی کی پہچان کیسے ہو، چیزوں کی شناخت ان کی ضدوں کو جاننے سے ہوتی ہے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿46﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ
نُشُوْرًا ﴿47﴾ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿48﴾

ترجمہ: پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی امید دلا کر دل کو) خوش کردیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے۔

تفسیر: 46 "ثم قبضناہ" اس سے مراد سایہ ہے۔ "الینا قبضاً یسیرًا" سورج کے نکلنے کے ساتھ ساتھ وہ سایہ جاتا رہتا ہے۔ قبض کہتے ہیں پھیلی ہوئی چیز کو سمیٹنا جمع کرنا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سایہ پوری زمین پر پھیلا ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہم تدریجاً تدریجاً اس سایہ کو جمع کردیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سایہ ختم ہوجاتا ہے۔

47 "وھو الذی جعل لکم اللیل لباسًا" اس کو پردہ بنایا جس کے ذریعے سے اس کو ڈھانپا جاتا ہے۔ پھر اس کا اندھیرا ہر چیز پر چھا جاتا ہے۔ جیسے لباس پہننے والے کے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ "والنوم سباتاً" اور نیند کو بدن کے لیے راحت بنایا اور تمہارے اعمال "مشاغل بیداری" سے منقطع بنایا۔ سبت کا لغوی معنی ہے کاٹنا اور نائم مسبوت کہا جاتا ہے ایسی نیند جو اس کے عمل و حرکت کو منقطع کردیتی ہے۔ "وجعل النھار نشورًا" اور دن کو اُٹھنے اور بیٹھنے کا وقت بنادیا تاکہ اس کے ذریعے سے تم اپنا رزق تلاش کرو اور اپنے اپنے شغل میں بکھر جاؤ۔

48 "وھو الذی أرسل الریاح بشرًا بین یدیہ رحمتہ" رحمت سے مراد بارش ہے۔ "وأنزلنا من السماء ماءً طھورًا"

ماءً طهوراً کی تفسیر

طھور کہتے ہیں جو فی نفسہ پاک ہو اور دوسری چیز کو پاک کرنے والی ہو۔ یہ نام ہے جس کے ساتھ پاک کیا جاتا ہے جیسے سحور نام ہے جس کو سحری کے وقت کھایا جاتا ہے۔ فطور نام ہے افطار کی چیز کو۔ اس پر دلیل وہ روایت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے بارے میں فرمائی تھی کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔ یہاں مطہر سے مراد پانی کا مطہر ہونا ہے کیونکہ انسان اس کے ذریعے سے حدث اور نجاست کو دور کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا "وینزّل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ" اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ طہارت صرف پانی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اصحاب الرائے اس طرف گئے ہیں کہ طھور وہ چیز ہے جو طاہر ہو اس سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے۔ ان کے نزدیک ہر مائع چیز جو پاک ہو اس سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔ جیسے سرکہ، گلاب کا پانی اور اس جیسا۔ اگر اس کے ذریعے سے ازالہ نجاست جائز ہے تو اس سے ازالہ حدث بھی جائز ہے۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ طھور اس چیز کو کہتے ہیں جو بار بار پاک کرے جیسے صبور وہ چیز جس کے ذریعے سے بار بار صبر کا

ظہور ہواور شکور وہ چیز جس کے ذریعے سے بار بار شکر حاصل ہو۔ اسی قول کی بنیاد پر امام مالک کے نزدیک اس پانی سے جس کو وضو میں ایک بار استعمال کرلیا گیا ہو، وضو کرنا جائز ہے اور اگر پانی میں کوئی چیز گر جائے جس کے ذریعے سے اس پانی کا ذائقہ، رنگ یا بُو زائل ہو جائے تو کیا اس کی طہوریت زائل ہوگی یا نہیں؟

پانی ماء مستعمل کب ہوتا ہے

اگر پانی میں ایسی چیز گر جائے جو عام طور پر پانی میں موجود ہوتی ہے اس سے پانی نجس نہیں ہوگا۔ مثلاً مٹی کا پانی میں گر جانا یا درخت کے پتوں کا گر جانا اور اسی طرح اگر پانی ایک جگہ کھڑے کھڑے اس کا رنگ بدل جائے تو وہ نجس نہیں ہوگا اور اسی طرح پانی کے اندر کوئی ایسی چیز کا مل جانا جو اس میں مل نہ سکتی ہو۔ مثلاً تیل کا مل جانا، اس کی بُو کی وجہ سے وہ نجس نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اندر تغیر مجاورة کی وجہ سے آیا ہے مخالطت کی وجہ سے نہیں آیا۔ ایسی چیز پانی کے ساتھ مل جائے جس سے عام طور پر پانی کو بچایا جاتا ہے مثلاً سرکہ، زعفران کا پانی اور اس جیسے تو اس صورت میں اس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ اس کا ایک وصف بھی متغیر نہ ہوا ہو۔

اور اگر اس پانی میں کوئی پاک چیز ملی ہو تو پھر وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے خواہ وہ پانی قلیل ہو یا کثیر اور اگر اس پانی کے اندر کوئی نجس چیز گری ہو تو پھر دیکھیں گے کہ پانی کتنی مقدار میں ہے۔ اگر پانی دو قلوں سے کم ہو تو پھر وہ نجس ہوگا اور اگر دو قلے یا اس سے زائد مقدار میں ہو تو پھر وہ نجس نہیں ہوگا۔ قلتان کا وزن پانچ گھڑے (قرب) ہیں جس کا وزن پانچ سو رطل ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگلی حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جن حوضوں پر دواب اور چوپائے وغیرہ آتے رہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی دو قلے ہوں تو وہ نجاست کو نہیں اُٹھاتا۔

یہ قول امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا قول بھی ہے کہ جب پانی اس مقدار تک پہنچ جائے تو نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ قلیل پانی نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوگا جب اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے۔ یہ قول حسن، عطا، نخعی اور زہری کا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کہا گیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم بئر بضاعة سے وضو کریں اور وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔

لِّنُحْيِ ۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿49﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾

ترجمہ تا کہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چار پایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں اور ہم اس (پانی) کو (بقدر مصلحت) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تا کہ لوگ غور کریں سو (چاہئے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے) لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سوا ہر بات سے انکاری ہیں۔

تفسیر ⑲ "لنحیی به" اس بارش کے ذریعے سے "بلدة میتًا"...... "میتة" نہیں کہا کیوں کہ اس کا مرجع جگہ اور مکان ہے غیر ذوی العقول بے جان ہے۔ "و نسقیه مما خلقنا انعامًا" ہم اس کے ذریعے سے چوپائیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ "و اناسی کثیرًا" اور بہت سارے انسانوں کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ اناسی جمع ہے انسی کی اور بعض نے کہا کہ انسان کی جمع ہے۔ اس کی اصل اناسین ہے۔ مثل بستان اور بساتین کے۔ یہاں پر یاء نون کے مقابلے میں ہے۔

⑳ "ولقد صرفناه بینهم" ہم اس بارش کو کبھی ایک شہر کی طرف کبھی دوسرے شہر کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ایک مرفوع روایت میں آتا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ بارش کا رُخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ ابن اسحاق، ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعود تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے رزق کو تقسیم کر لیا، نچلے آسمان میں بارش کا خزانہ رکھ دیا اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اُتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رُخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیتا ہے۔

بعض کے نزدیک تصریف المطر سے مراد یہ ہے کہ کبھی بارش بڑی بڑی بوندوں کی شکل میں موسلا دھار ہوتی ہے کبھی خفیف اور شبنم کے رنگ میں۔ بعض نے کہا کہ تصریف سے مراد یہ ہے کہ دریاؤں اور چشموں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ "لیذکروا" تا کہ وہ اس قدرت الٰہی سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ "فابی اکثر الناس الا کفورًا" اس سے مراد انکار کرنا ہے۔ ان کا کفر اس وجہ سے کہ جب بارش برستی تو کہتے کہ فلاں ستارے کی بناء پر بارش برسی ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کے وقت بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رُخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی جانے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے فرمایا، صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہونگے کچھ کافر۔ جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت کی بارش ہوگئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا کہ فلاں ستارہ سے ہم پر بارش ہوئی، وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں پر یقین رکھنے والے۔

وَلَوْشِئْنَالَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿51﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿52﴾ وَهُوَ الَّذِیْ
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَاعَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ.وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿53﴾
وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ.وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿56﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿57﴾

ترجمہ اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ اسی زمانہ میں) ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے سو (اس نعمت کے شکریہ میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے انکا زور و شور سے مقابلہ کیجئے (آگے پھر عود ہے دلائل توحید کی طرف) اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو (قوراً) ملایا جن میں ایک (کا پانی) تو شیریں تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) شور تلخ ہے اور ان کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان والا سسرال والا بنایا اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے اور (باوجود اس کے) یہ (مشرک) لوگ (ایسے) خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان والوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں کہے کہ اپنے رب تک (پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے۔

تفسیر ﴿51﴾ "ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرًا" پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ لیکن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بستیوں کی طرف رحمت بنا کر بھیجا اور آپ پر لوگوں کو ڈرانے کا بوجھ ڈال دیا۔ آپ کی عظمت و شان بلند کرنے کے لیے ہم نے سب لوگوں کے لیے تنہا آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا فرمائی۔

﴿52﴾ "فلا تطع الکافرین" کافر جس طرف آپ کو بلاتے ہیں۔ آپ ان کا کہنا نہ مانیں اور ان کی موافقت نہ کریں۔ "وجاھدھم بہ" اور ان کے ساتھ جہاد کریں۔ قرآن کے دلائل کے ساتھ۔ "جھادًا کبیرًا" بڑے زور و شور سے۔

﴿53﴾ "وھو الذی مرج البحرین" وہ ایک سمندر کو دوسرے سمندر سے متصل اور چسپاں کر کے آزاد چھوڑ دیا۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں کو چلنے کے لیے آپس میں چھوڑ دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے "یرسل الخیل المرج" گھوڑے کو چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چرتا پھرے۔ مرج اصل میں کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کو خلط ملط کر کے چھوڑ دینا۔

"ھذا عذب فرات" شدید پیاس کو بجھانے والا۔ "وھذا ملح اجاج" شدید نمکین۔ بعض نے کہا کہ اجاج کا معنی ہے تلخ کڑوا۔ "وجعل بینھما برزخًا" ان دونوں کے درمیان آڑ ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار تا کہ نمکین شیرین کے ساتھ نہ ملے اور شیرین نمکین

کے ساتھ نہ ملے۔"وحجرًا محجورًا" وہ پردہ سخت ہے کوئی اس کی حد سے آگے نہیں بڑھتا اور نمکین سمندر میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔

54 "وھو الذی خلق من الماء" اس سے مراد نطفہ ہے۔"بشرًا فجعله نسبًا و صهرًا" اس کو نسب والا یعنی مرد بنایا اور سسرال والا بنایا۔

نسباً و صھراً کی تفسیر

بعض نے کہا کہ نسب سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور "صھر" سے مراد وہ ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہے۔نسب وحرمت کو واجب کرنے والی ہو اور "صھر" وہ ہے جو حرمت کو واجب نہ کرنے والی ہو۔بعض نے کہا وہ نسب کی وجہ سے ہو۔مثلاً قرابت اور "صھر" جو دوسروں کے ساتھ مل کر قربت والا رشتہ حاصل ہو جائے۔اللہ تعالیٰ نے نسب کی وجہ سے سات رشتے حرام کیے ہیں اور سبب کی وجہ سے سات رشتے حرام قرار دیئے اور وہ اس آیت میں "حرمت علیکم امھاتکم" ہے......"و کان ربک قدیرًا"

55 "ویعبدون من دون اللہ" یہ مشرکین "مالا ینفعھم" اگر تم ان کی عبادت کرو گے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نفع نہیں دیں گے۔"ولا یضرھم" اگر تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"و کان الکافر علی ربه ظهيرًا" اپنے رب کی نافرمانی کر کے اپنے شیطانوں کا مددگار ہو جاتا ہے۔زجاج کا قول ہے کہ وہ شیطان کے مددگار اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور بتوں کی پوجا کرنا شیطان کی معاونت کرنا ہے۔بعض نے کہا کہ ظہیر کا ترجمہ ہے، ذلیل کمینہ، جیسا کہ کہا جاتا ہے "جعلنی بظھیر" اس نے مجھے ذلیل کر دیا اور کہا جاتا ہے۔"ظھر به" جب کسی چیز کو پس پشت پھینک دیا اور اس کی طرف التفات نہیں کیا۔

56 "وما ارسلناک الا مبشرًا و نذیرًا" یعنی وہ ڈرانے والا ہے۔

57 "قل ما اسئلکم علیه" وحی کی تبلیغ میں۔"من اجر" کوئی ایسا معاوضہ نہیں مانگتا جو تم کو میرے اتباع سے روکے اور تم اس کو اپنے اوپر تاوان سمجھو۔"الا من شاء ان یتخذ الی ربه سبیلاً" یہ استثناء منقطع ہے۔یعنی جو شخص اپنا مال راہِ خدا میں اللہ کے قرب تک پہنچنے کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہو تو وہ ایسا کرے، میں اپنے لیے کچھ طلب نہیں کرتا۔مطلب یہ ہے کہ میں اپنے لیے تو کچھ مانگتا نہیں، ہاں اس بات سے بھی نہیں روکتا کہ راہِ خدا میں کوئی اپنا مال صرف کرے اور اللہ کی خوشنودی کا طلبگار ہو اور اس کا راستہ اختیار کرے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ.وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا 58 ۣ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ. اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا 59 وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ.اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (آیت سجدہ) 60 تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا 61

ترجمہ اور اس حی لایموت پر توکل رکھئے اور (اطمینان کے ساتھ) اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے وہ ایسا ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا اور بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے اور جب ان (کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو (بوجہ جہل عناد کے) کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے اور اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوئی ہے وہ ذات بہت عالیشان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔

تفسیر ⑱ "وتوکل علی الحیّ الذی لایموت وسبح بحمده" اپنی نعمتوں پر شکرادا کرتے ہوئے نماز پڑھئے۔ بعض نے کہا کہ آپ شکرادا کرتے ہوئے یوں کہیں۔ سبحان اللہ والحمدللہ "وکفٰی به بذنوب عباده خبیرًا" وہ اپنے بندوں کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو خوب جانتے ہیں، اسی کے مطابق بدلہ دیں گے۔

⑲ "الذی خلق السّموات والارض وما بینهما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش الرحمٰن فاسأل به خبیرًا" اس سے مراد رحمٰن ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس تخلیق کائنات اور استوی علی العرش کے متعلق کسی عالم سے پوچھ لو۔ بعض نے کہا کہ اس سے خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد ان سے اُمت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے انسان! تو اس علم کے متعلق کسی غیر سے طلب نہ کر بلکہ اسی سے طلب کر۔ بعض نے کہا کہ باء بمعنی عن کے ہے۔ پوچھ اس سے جو باخبر ہے، مراد اس سے اللہ تعالیٰ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے پوچھ اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

⑳ "واذا قیل لهم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن" مشرکین یہ کہتے تھے کہ کون سا رحمٰن ہم تو یمامہ کے رحمٰن کو جانتے ہیں اس سے مراد مسیلمہ کذاب ہے اس کو رحمٰن یمامہ کہا جاتا تھا۔ "انسجد لما تامرنا" حمزہ اور کسائی نے "یأمرنا" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ جب محمد ہمیں اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیں گے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ جب آپ ہمیں حکم دیں گے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "وزادهم" کہنے والے کی بات کو اور نفرت بڑھا دی۔ "اسجدوا للرحمٰن"...... "نفورًا" دین اور ایمان سے۔

㉑ "تبارک الذی جعل فی السماء بروجًا"

بروج کی تفسیر

حسن، قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہا جاتا ہے، بڑے بڑے ستارے ظہور کی وجہ سے بروج

کہلاتے ہیں۔عطیہ عوفی کا قول ہے کہ بروج سے مراد وہ اونچے محل ہیں جن میں چوکیدار اور محافظ موجود ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولو کنتم فی بروج مشیدة" عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔ بروج بارہ ہیں اور وہ سات ستاروں کی منزلیں ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ حمل اور عقرب کا گھر مریخ ہے۔ثور اور میزان زہرہ میں رہتے ہیں۔ جوزاء، سنبلہ، عطارد میں ان کا ٹھکانا ہے۔سرطان چاند اور اسد سورج میں رہتے ہیں۔قوس اور حوت کا گھر مشتری ہے۔جدی اور دلو زحل میں رہتے ہیں، یہ بروج چار طبائع پر تقسیم ہوتی ہیں، ان میں ہر ایک کا حصہ ہے۔ان میں سے تین بروج ہیں ان کو مثلثات کہا جاتا ہے۔ان میں تین حمل اسد، قوس، یہ مثلثہ ناریہ ہیں۔ثور، سنبلہ، جدی یہ مثلہ ارضی ہیں۔ جوزا، میزان اور دلو یہ مثلہ ہوائیہ ہیں۔سرطان، عقرب، حوت مثلہ مائیہ ہیں۔ "وجعل فیها سراجًا" اس سے مراد شمس ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے "وجعل الشمس سراجًا" حمزہ، کسائی نے "سرجًا" جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اس سے مراد نجوم ہیں۔"وقمرًا منیرًا" اور چاند سورج میں داخل ہے۔ یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جن کے ہاں یہ جمع پڑھا گیا ہے۔علاوہ اس بات کے کہ انہوں نے نوع فضیلت کے ساتھ خاص ذکر کیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فیها فاکهة ونخل و رمان" نخل اور رُمان دونوں کو خاص کیا حالانکہ یہ دونوں "فاکهة" میں شامل ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿٦٤﴾

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اور یہ سب کچھ دلائل ونعم جو مذکور ہوئے) اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے ہیں تو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے اور (حضرت رحمان کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں۔

تفسیر ⑥٢ "وهو الذی جعل اللیل والنهار خلفة" اس کی تفسیر میں مفسرین آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ کے نزدیک اس کا معنی ہے رات اور دن میں ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے اس لیے اگر کسی سے دن و رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

شقیق کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں پورا کر لو۔ اللہ نے فرمایا "جعل اللیل والنهار

خلفة لمن اراد أن یذکر" مجاہد نے خلفۃ کا ترجمہ کیا ہے مخالف۔ یعنی رات اور دن باہم مخالف بنائے گئے ہیں۔ ایک سیاہ اور ایک سفید ابن زید وغیرہ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ جب ایک چلا جاتا ہے دوسرا اس کے پیچھے آ جاتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے متعاقب ہیں۔ روشنی اور اندھیرے میں زیادتی اور نقصان میں۔ "لمن اراد أن یذکر" حمزہ نے دال اور کاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو ذکر کرے اور نصیحت حاصل کرے۔ "او اراد شکورًا" مجاہد کا قول ہے کہ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی رات کی تاریکی اور دن کی روشنی۔

عبادالرحمٰن کی تفسیر

⑥③ "و عباد الرحمٰن" بندوں میں بعض ایسے ہیں جو دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ عبادالرحمٰن میں اضافت سے مقصود ہے بندوں کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار وگرنہ پوری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ "الذین یمشون علی الارض ھونًا" اس سے مراد سکینہ وقار، تواضع، نہ اس میں غرور ہو اور نہ ہی اترانا اور نہ ہی تکبرانہ چال۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد علماء اور حکماء ہیں۔ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اصحاب وقار ہے اور عفۃ ہے وہ لا عاقل نہیں۔ ھون لغت میں نرمی اور کمزوری کو کہتے ہیں۔ "واذا خاطبھم الجاھلون" یہ سفہاء جو بے وقوف ہیں جن کو آپ ناپسند سمجھتے ہیں۔ "قالوا سلامًا" مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد سداد یعنی سیدھی بات جس سے ایذاء سے سلامت رہیں اور گناہ سے بھی۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ ایسی بات جس کے ذریعے سے وہ گناہوں سے پاک رہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اگر کوئی جاہل ان سے جہالت کرتا ہے تو وہ برداشت کر لیتے ہیں، جہالت نہیں کرتے، اس سے مراد سلام معروف نہیں۔ حسن سے روایت ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تم پر سلام۔ اس پر دلیل اللہ عزوجل کا فرمان "واذا سمعوا اللغو أعرضوا عنه وقالوا لنا أعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم" ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہ حکم جہاد سے پہلے تھا۔ جب آیت جہاد آ گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ یہ دن کی صفات میں سے ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا" یہ ان کی راتوں کی اوصاف ہیں۔

⑥④ "والذین یبیتون لربھم" کہا جاتا ہے کہ ان میں سے جو رات کو پاتے ہیں جس نے رات گزاری ہو خواہ اس کو وہاں نیند آئی ہو یا نہ آئی ہو جیسے کہا جاتا ہے "بَاتَ فلان قلقًا" اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے ہاں رات نماز میں گزاری۔ "سجدًا" اپنے چہروں کو اللہ کے لیے جھکاتے ہیں۔ "وقیامًا" اپنے قدموں کے بل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زائد پڑھ لیں۔ گویا اس نے ساری رات سجدے اور قیام میں گزاری ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت

کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی۔ گویا کہ اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ⑥⑤ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ⑥⑥ وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ⑥⑦ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ. وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ⑥⑧ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ⑥⑨ إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑦⓪

ترجمہ اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (تو یہ ان کی حالت طاعات بدنیہ میں سے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا مگر جو (شرک ومعاصی سے) توبہ کرلے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر ⑥⑤ "**والذین یقولون ربّنا اصرف عنّا عذاب جهنم انّ عذابها کان غرامًا**" غرام کا معنی ہے بہت سخت چمٹنے والا' کفار کو ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان سے جدا ہونے والا نہیں ہوگا اور قرض دار کو بھی غریم کہتے ہیں کیوں کہ وہ قرض خواہ کو چمٹا رہتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ اللہ نے کافروں کو حکم دیا کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن انہوں نے شکر ادا نہیں کیا۔ اس لیے اللہ نے ان پر سخت مصیبت ڈال دی اور وہ دوزخ میں رہیں گے۔ حسن نے کہا کہ ہر غریم اپنے غریم سے جدا ہوتا ہے لیکن جہنم جدا نہیں ہوگی۔ غرام شر لازم کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ غرام ہلاکت کو کہتے ہیں۔

⑥⑥ "**انها**" اس کا مرجع جہنم ہے۔ "**ساء ت مستقرًا ومقامًا**" یعنی برا ٹھکانا اور جائے قرار ہے۔

⑥⑦ "**والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا**" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "یقتروا" یاء کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا

ہے۔قراءاہل مدینہ ابن عامر نے یاء کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے یاء کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔
یہ سب لغات صحیح ہیں۔جیسے کہا جاتا ہے "اقتر و قتّر" تشدید کے ساتھ اور "قتَر یقتِرُ"

اسراف اور اقتار کی تفسیر

اسراف اور اقتار کے معنی میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔بعض حضرات کے نزدیک اسراف کہتے ہیں گناہ کے راستے میں خرچ کرنا خواہ کتنی ہی قلیل مقدار ہو اور اقتار اللہ کے حق کو روکنا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے۔حسن نے اس کی تائید میں آیت کا معنی اس طرح بیان کیا کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتے اور نہ اللہ کے قائم کیے ہوئے حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔بعض لوگوں نے کہا اسراف کے معنی حد سے بڑھ کر فضول خرچی جو حد تبذیر تک پہنچادے اور اقتار کا معنی ہے انتہائی ضرورت کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا۔ابراہیم کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ نہ لوگوں کو ننگا بھوکا رکھتے ہیں نہ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ انہوں نے یہ خرچ فضول کیا۔

"**وکان بین ذلک قواما**" میانہ روی کے ساتھ اسراف اور اقتار کے درمیان درمیان۔دو برائیوں کے درمیان بھلائی۔
یزید بن ابی حبیب کا قول ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانا بطور تنعم اور لذت کے نہیں کھاتے تھے اور کپڑے حسن و جمال کے لیے نہیں پہنتے تھے لیکن ان کو کھانے سے مقصود محض بھوک کو دور کرنا اور اپنے رب کی عبادت پر تقویت حاصل کرنا اور کپڑے اس لیے پہنتے تھے تا کہ وہ گرمی اور سردی سے بچ سکیں۔حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اتنا خرچ کرنا کافی ہے کہ دوسرا شخص کسی اور چیز کا متمنی نہ ہو مگر یہ کہ وہ کھانے کے لیے خریدے۔

⑱ "**والذین لایدعون مع اللہ الھا آخر**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کے مشرکوں نے کہا ہم نے تو ناحق قتل بھی کیے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کی ہے اور بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب بھی کیا ہے اس پر آیت "**الا من تاب**" نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نزدیک بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا کہ تو غیر اللہ کو پکارے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا۔کہا پھر کون سا گناہ فرمایا کہ تو اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کردے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا، فرمایا پھر کونسا، فرمایا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔
ان کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔"**والذین لایدعون مع اللہ الھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرّم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثامًا**"

"**ومن یفعل ذلک**" ان افعال میں سے کوئی بھی چیز۔"**یلق اثامًا**" قیامت کے دن۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد گناہ کا بدلہ۔ابوعبیدہ کا قول ہے کہ آثام سے مراد انجام ہے۔مجاہد کا قول ہے کہ آثام جہنم کی وادی

کا نام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حدیث میں آیا ہے غیّ اور آثام جہنم کے اندر دو کنویں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا لہو پیپ بہہ کر جاتا ہے۔

⑥⑨ "یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانًا" ابن عامر اور ابوبکر نے یضاعف پڑھا ہے۔ ویخلد میں خاء پر پیش اور دال ابتدائیہ ہے۔ ابن عامر نے اس کو مشدد پڑھا ہے۔ "یضعّف" دوسرے قراء نے فاء کے مجزوم کے ساتھ پڑھا ہے اور دال کے سکون کے ساتھ جواب شرط ہے۔

⑦⓪ "الا من تاب و آمن وعمل عملاً صالحًا" قتادہ کا قول ہے کہ جس نے توبہ کی اور اپنے رب پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم دو سال تک آیت "والذین لایدعون مع اللّٰہ الھا اخر" پڑھا کرتے تھے۔ پھر دو سال کے بعد نازل ہوئی "الا من تاب و آمن" اس آیت کے نازل ہونے سے اور آیت "انّا فتحنالک فتحا مبینًا لیغفرلک اللّٰہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر" کے نازل ہونے سے جیسا خوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ایسا خوش میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا۔

"فاولئک یبدل اللّٰہ سیاٰتھم حسنات وکان اللّٰہ غفورًا رحیمًا" ایک جماعت اس قول کی طرف گئی ہے کہ اس تبدیلی کا ظہور دُنیا ہی میں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حسن، مجاہد، سدی، ضحاک کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت شرک میں کیے ہوئے برے اعمال کی جگہ حالت اسلام میں کیے ہوئے اچھے اعمال کو اللہ دے دے گا۔ شرک کو توحید سے مؤمنوں کے قتل کو حربی مشرکوں کے قتل سے اور زنا کو عفت اور پاک دامنی سے بدل دے گا۔ کچھ علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کیے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں بدل دے گا۔ یہی قول سعید بن المسیب، مکحول، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ، حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے، وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا، انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں کا اندیشہ کرتا رہے گا، حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دو، وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد فرماتے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ عزوجل اس کے گناہ اس کی ندامت کی وجہ سے مٹا دیں گے۔ پھر اس کی ہر برائی کے بدلے میں نیکی دی جائے گی۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ⑦① وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ⑦② وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا

وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا. حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ
كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

ترجمہ اور جو شخص (اس کی معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو (وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین وطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو تم تو (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہوگا۔

تفسیر ﴿۷۱﴾ "**ومن تاب و عمل صالحًا**" بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس آیت میں جس توبہ کا ذکر ہے اور وہ ہے جو ماقبل آیت میں گزر گیا۔ ان کے علاوہ گناہوں کا ذکر ہے۔ قتل اور زنا سے۔ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی اور نیک عمل کیے فرائض کو ادا کیا۔ اس نے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ زنا کیا۔ "**فانه یتوب الی اللّٰه**" موت کے ذریعے سے وہ اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ "**متابًا**" اس کو نیکی دیتے ہیں اور وہ دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ جن لوگوں نے قتل کیا یا زنا کیا توبہ اولیٰ سے "**ومن تاب**" جس نے شرک سے توبہ کی اور دوسری توبہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کرے۔ بعض حضرات کا قول ہے یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو توبہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر پختہ عزم کرتا ہے تو وہ اللہ کی رضا کے لیے توبہ کرتا ہے "**یتوب الی اللّٰه**" خبر بمعنی امر کے ہے۔ یعنی چاہیے کہ تو اللہ کے لیے توبہ کرے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو جان کہ اس کی توبہ اور اس کی طرف چلنا اللہ ہی کے لیے ہے۔

لایشهدون الزور کی تفسیر

﴿۷۲﴾ "**والذین لایشهدون الزور**" ضحاک اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ علی بن طلحہ کا قول ہے

کہ اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اس سے مراد جھوٹ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مشرکین کی عیدیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ نوحہ ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ زور سے مراد اہل باطل کا ایسا باطل جس کی کوشش سے ان کو کچھ حاصل نہ ہو۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اُگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کو خوبصورت بنا دینا اور اصل حالت کے خلاف دوسری حالت پر دکھانا۔ پس زور کے معنی ہوئے باطل پر ایسا ملمع کرنا کہ وہ حق معلوم ہونے لگے۔ ''**واذا مروا باللغو مروا کراما**'' مقاتل نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کافروں سے وہ برا بھلا اور دُکھ پہنچانے والی باتیں سنتے ہیں تو درگزر کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں اور یہ روایت ابن ابی نجیح کی ہے جو مجاہد سے بھی منقول ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان ''**واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه**''

سدی کا قول ہے کہ یہ آیت مذکورہ بالا آیت جہاد سے منسوخ ہے۔ حسن اور کلبی کا قول ہے کہ لغو سے مراد معاصی ہے یعنی از خود وہ اپنے ارادے سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گزر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے ''**تکرم فلان عما یشینه اذا تنزه واکره نفسه عنه**'' فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں، اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔

⑬ ''**والذین اذا ذکروا بایات ربهم لم یخروا**'' اس میں گرتے نہیں اور نہ ہی اس میں مشغول ہوتے ہیں۔ ''**علیها صما و عمیانا**'' گویا کہ وہ اندھے اور بہرے ہیں بلکہ وہ سنتے ہیں جو نصیحت ان کو کی جاتی ہے اور اس کو سمجھتے بھی ہیں اور حق کو دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ قتیبی کا قول ہے کہ وہ اس سے ذرہ بھر بھی غافل نہیں ہوتے۔ گویا کہ وہ بہرے ہیں، انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اندھے ہیں کچھ دیکھا ہی نہیں۔

⑭ ''**والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا**'' ابوعمرو، حمزہ، کسائی نے بغیر الف کے پڑھا ہے اور ابوبکر اور باقی قراء نے ذریاتنا جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

قرۃ اعین کی تفسیر

''**قرۃ اعین**'' ہماری اولادوں کو متقی اور پرہیزگار بنا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا فرما۔ بعض نے کہا کہ ان کو نیک صالح بنا تاکہ ان کے ذریعے سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

قرظی کا قول ہے کہ مؤمن کی آنکھ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمانبردار دیکھے۔ حسن کا قول ہے کہ قرۃ مصدر ہے اسی لیے اس کے صیغہ کو مفرد ذکر کیا۔ قرۃ کا اصل معنی ہے ٹھنڈک۔ عرب لوگ گرمی کی

تکلیف سے ٹھنڈک کی طرف چین حاصل کرتے ہیں اور خوشی کے وقت وہ قرۃ العین بولتے ہیں اور غمی کے وقت "سخنة العین" بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خوشی کے وقت کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غمی کے وقت کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ازہری کا قول ہے کہ قرۃ العین کا معنی یہ ہے کہ دل کو اپنا پسندیدہ محبوب مل جائے اور آنکھ دوسروں سے ہٹ کر اپنے محبوب ہی کو دیکھے۔

"واجعلنا للمتقین اماماً" ہمیں خیر کی اقتداء کرنے والا امام بنا "آئمة" نہیں فرمایا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "أنا رسول رب العالمین" یہاں رسل کے بجائے رسول کا ذکر کیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد آئمۃ جمع کا صیغہ ہے۔ جیسا کہ ان کا قول "فانهم عدوٌ لی" اس سے مراد دشمن ہیں۔ بعض علماء نے کہا امام اُم کا مصدر ہے مثل صیام اور قیام۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "أم اماماً" اور قام قیاماً وصام صیاماً۔

حسن کا قول ہے کہ ہمیں متقین کی راہ پر چلنے اور متقیوں کی اقتداء کرنے والا بنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہمیں ہدایت والوں کا امام بنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وجعلناهم آئمة یهدون بامرنا" اور ہمیں گمراہوں کا امام نہ بنا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے "وجعلناهم آئمة یدعون الی النار" یعنی ہمیں متقین کا امام بنا۔

75 "اولئک یجزون" وہ پہنچیں گے۔ "الغرفة" بلند درجہ تک جنت میں۔ غرفہ ہر بلند مقام کو کہتے ہیں۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد موتی اور زبرجد کے محلات ہیں۔ "بما صبروا" اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی طاعت پر صبر کرنے کے نتیجہ میں، بعض نے کہا کہ مشرکین کی اذیت پر صبر کرنے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا شہوات پر قابو پانے کی وجہ سے۔ "ویلقون فیها" حمزہ، کسائی، ابوبکر نے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا "فسوف یلقون غیّاً" دوسرے قراء نے یاء کے ضمہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ولقّاهم نضرةً و سروراً"...... "تحیة" فرشتوں کی طرف سے اور بعض نے کہا کہ ہمیشگی۔ "وسلاماً" وہ بعض بعض کو سلام کرتے ہیں۔ کلبی کا قول ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ سلاماً سے مراد ہر آفت سے سلامتی ہوگی۔

76 "خالدین فیها حسنت مستقراً ومقاماً" موضع قرار اور جائے اقامت ہے۔

77 "قل ما یعبؤا بکم ربی" مجاہد اور ابن زید کا قول ہے کہ جو کچھ تم کرو یا نہ کرو، تمہاری پروا نہیں کرے گا۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شمار کر کے نہیں رکھے گا۔ اس کا موجود ہونا یا موجود نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ تمہارے اعمال کا کوئی وزن مقرر ہے کہ نہیں اس کے متعلق اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ "لولا دعاء کم" اگر تم اس کی پوجا نہیں کرو گے۔ بعض نے اس کا ترجمہ کروایا کہ تمہارا ایمان اور بعض نے کہا کہ تمہاری عبادت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو دعوت اسلام نہ دیتا اور تم اسلام قبول نہ کرتے تو اس سے تمہاری قدر نہ ہوتی۔ اب جب کہ میں نے تم کو اسلام کی دعوت دے دی اور تم ایمان لے آئے تو اللہ کے نزدیک تمہاری قدر نمایاں ہوگئی۔ بعض نے کہا کہ اللہ کو تم کو پیدا کرنے کی کیا پرواہ ہوتی۔ اگر تمہاری عبادت اور طاعت مقصود نہ ہوتی۔ یعنی اس نے اپنی عبادت کے لیے تم کو پیدا کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" یہ قول ابن عباس اور مجاہد کا

ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "مایبالی بکم" یعنی اللہ کو تمہاری مغفرت کی کیا پرواہ ہے، اگر تم اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو نہ پکارو، اگر تم شرک نہ کرو تو وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے "مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم" بعض نے کہا کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تمہارے عذاب کی کیا پرواہ کرتا ہے اگر مصائب وشدائد میں تم اس کو نہ پکارو۔ اس پر یہ آیت دلالت کر رہی ہے۔ "فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "فأخذناھم بالبأساء والضراء لعلھم یتضرعون"

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ نے اپنی کسی غرض کے لیے تم کو نہیں پیدا کیا اور نہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہے۔ بغیر اس کے کہ تم اس سے سوال کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ "فقد کذبتم" اے کافرو! خطاب اہل مکہ کو ہے۔ یعنی اللہ نے رسول کے ذریعے سے تم کو اپنی توحید اور عبادت کی دعوت دی لیکن تم نے رسول کی تکذیب کی اور دعوت کو قبول نہیں کیا تو اب جنت میں داخل کرنے کا سروسامان اللہ تم کو کس طرح دے گا۔

لزاماً کی تفسیر

"فسوف یکون لزاماً" یعنی تمہاری اس تکذیب کی سزا تم کو چمٹی رہے گی اور تم کو گھیرے رہے گی یا اس تکذیب کا اثر تمہارے ساتھ چسپاں رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ تکذیب تم کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ موت سے کیا ہے۔

ابو عبیدہ نے اس کا ترجمہ ہلاکت سے کیا ہے۔ ابن زید نے اس کا ترجمہ قتال سے کیا ہے اور ابن جریر نے کہا ہے ہمیشہ رہنے والا کبھی ختم نہ ہونے والا عذاب۔ "لزاماً" سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود حضرت ابی بن کعب اور مجاہد نے فرمایا اس سے مراد یوم بدر ہے۔ اس میں ستر کفار مارے گئے۔ اس دن لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس دن قتل ہوتے ہی عذاب آخرت ان سے چمٹ گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، پانچ چیزیں تو ہو چکیں۔ دخان، شق قمر، روم پر غلبہ، بطشہ، سخت پکڑ، لزاماً، بدر کی لڑائی میں کفار کا قتل۔ بعض نے کہا کہ لزام سے مراد عذاب آخرت ہے۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَاء

سورۃ شعراء مکی سورت ہے۔ آخری چار آیات مکی نہیں ہیں۔ اس سورۃ کی کل آیات ۲۲۷ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طٰہٰ اور طاسین والی سورتیں اور حم والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

ترجمہ: طٰسٓمّٓ یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

تفسیر: ① "طٰسٓمّٓ" حمزہ، کسائی، ابوبکر "طسم اور طس حٰمٓ، یٰسٓ "طاء، یاء، حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل مدینہ نے فتحہ اور کسرہ کے درمیان پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے "تفخیم" کے ساتھ فتحہ پڑھا ہے۔ اور "طٰسٓمّٓ" میں "طسین" نون کو بھی ظاہر کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ قول ابوجعفر حمزہ کا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے بغیر پڑھا ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ طسم کی تفسیر میں علماء عاجز آ گئے ہیں۔

علی بن طلحہ والبی سے روایت ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طسم ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے اللہ نے قسم کھائی ہے اپنی قدرت، نور اور اپنی بادشاہت کی۔ گویا طسم، میں سے طا سے طول، سین سے سنا اور میم سے ملک۔

② "تلک" یہ اشیاء "آیات الکتاب المبین"

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ

كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

ترجمہ: شاید آپ ان کے ایمان لانے پر (رنج کرتے کرتے اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم (ان کو مومن کرنا) چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جاویں اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں سو (اس بے رخی کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ) انہوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتلا دیا سو اب عنقریب ان کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کیا کرتے تھے کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر ③ "لعلک باخع" اس نے اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالا۔ "نفسک الا یکونوا مؤمنین" اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق گزری کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

④ "ان نشاء ننزّل علیهم من السماء آیة فظلت اعناقهم لها خاضعین" قتادہ کا قول ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا تو پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑتا۔

خاضعین کی تفسیر

ابن جریج نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسا امر نازل کر دیتا تو پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑتا۔ "خاضعین" ارشاد فرمایا "خاضعة" نہیں فرمایا کیونکہ یہ اعناق کی صفت ہے۔ اس صورت میں "خاضعین" نہیں ہونا چاہیے تھا۔ "خاضعة" ہونا چاہیے تھا۔

① اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں اصحاب الاعناق تھا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ گردنیں جب جھک جاتی ہیں تو گردنوں والے خود ہی فرماں بردار اور عاجز ہو جاتے ہیں۔

② اخفش نے کہا کہ خاضعین کا تعلق اعناقهم کی ضمیر جمع مذکر (هم) سے ہے اعناق سے نہیں۔

③ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مؤنث کی اضافت مذکر کی طرف کرتے ہیں تو مؤنث کو بھی مذکر مان لیتے ہیں اور مذکر کی اضافت مؤنث کی طرف کرتے ہیں تو اس مذکر کو بھی مؤنث قرار دے لیتے ہیں۔

④ بعض حضرات کا قول ہے کہ عنق بول کر پورا جسم مراد لیا ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا ہے۔ جیسا کہ اس فرمان میں ہے "ذلک بما قدمت یداک" یہاں ہاتھوں سے مراد پوری شخصیت ہے۔ "الزمناه طائره فی عنقه" عنق سے مراد پورا شخص ہے۔

⑤ مجاہد کا قول ہے کہ اعناق سے مراد ہیں بڑے بڑے سردار یعنی بڑے بڑے سردار اس آیت کے سامنے تابعدار ہو جاتے ہیں۔

6 بعض حضرات نے کہا کہ اعناق سے مراد جماعتیں ہیں جیسے کہ عرب کہتے ہیں "جاء القوم عنقًا عنقًا" وہ لوگ جوق در جوق ٹکڑیاں بنا کر آئے۔

7 بعض حضرات نے کہا کہ لفظی رعایت کی بناء پر ایسا کہا گیا۔

5 "وما یأتیھم من ذکر" اس سے مراد وعظ و نصیحت ہے۔ "من الرحمٰن محدث" اس سے مراد جدید نازل شدہ خواہ وجود کے لحاظ سے وہ قدیم ہو۔ کلبی کا قول ہے کہ جب بھی قرآن میں سے دوسری بار کوئی شئی نازل ہوتی تو وہ پہلی نازل کردہ سے نئی معلوم ہوتی۔ "الا کانوا عنه معرضین" ایمان سے اعراض کرنے والا ہوگا۔

6 "فقد کذبوا فسیاتیھم" عنقریب وہ ان کے پاس آئے گا۔ "انباء" اس کے متعلق خبر اور اس کا انجام۔ "ما کانوا به یستھزؤن"

7 "اولم یروا الی الارض کم انبتنا فیھا من کل زوج" یعنی صنف نبات ہر طرح کا بندہ "کریم" عمدہ اور اچھا آدمیوں اور جانوروں کے لیے مفید ترین غذا اور کثیر المنفعت دوا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نخلة کریمة" جب وہ کھجور کا درخت خوب پھل دے اور "ناقة کریمة" کہتے ہیں جب اس کا دودھ بہت زیادہ ہو جائے۔ شعبی کا قول ہے لوگوں میں سے نبات الارض وہ ہے جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ کریم ہوں گے اور جو دوزخ میں داخل ہوں گے وہ لئیم ہوں گے۔

8 "انّ فی ذلک" جو ہم نے تمہیں یاد دلایا۔ "لآیة" یہ نشانی ہے اس کے وجود پر اور اس کی توحید پر اور اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ "وما کان اکثرھم مؤمنین" تصدیق کرنے والے۔ ان پر ہمارا علم سبقت کر چکا۔ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ اس جگہ کان زائد ہے۔ یعنی آیات عظیمہ کو دیکھنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞9 وَاِذْ نَادٰى رَبُّکَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞10 قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۞11 قَالَ رَبِّ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُّکَذِّبُوْنِ ۞12 وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۞13 وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۞14 قَالَ کَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۞15 فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞16 اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۞17

ترجمہ: اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے اور (ان لوگوں سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالموں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ (اور اے موسیٰ دیکھو) کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں کہ) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی اس لئے ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دیجئے میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ

مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر ڈالیں ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے سو (اب) تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم (نصرت و امداد سے) تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں سوتم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

تفسیر ⑨ "وانّ ربک لهو العزیز" یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ (الرحیم) اور توبہ کرنے والوں پر مہربان بھی ہے۔

⑩ "واذ نادیٰ ربک موسٰی" یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا۔ موسیٰ نے درخت کو اور آگ کو دیکھا۔ اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔ "أن ائت القوم الظالمین" جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اور معصیت کے ساتھ اور اسرائیل کو غلام بنانے والے اور ان کو طرح طرح کا عذاب دلانے والے۔

⑪ "قوم فرعون الا یتقون" کیا وہ اپنے نفسوں سے عذاب کو نہیں پھیر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ۔

⑫ "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "رب انی اخاف أن یکذبون"......

⑬ "ویضیق صدری" ان کی تکذیب کے باعث "ولا ینطلق لسانی" اور میری زبان میں گرہ کی وجہ سے یعقوب نے "یضیق اور ولاینطلق" دونوں قافوں کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فارسل الی هارون" تاکہ وہ میرا وزیر بھی ہو اور تبلیغ رسالت میں میرا مددگار بھی ہو۔

⑭ "ولهم علیّ ذنب" دعویٰ ذنب سے مراد قبطی کا قتل ہے۔ "فاخاف ان یقتلون" مجھے اداءِ رسالت میں وہ قتل کر دیں گے۔

⑮ "قال" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "کلا" وہ ہرگز آپ کو نہیں مار سکتے۔ "فاذهبا بایاتنا انا معکم مستمعون" ہم تم سب کی گفتگو کو سننے والے ہیں۔ معکم یہ جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ حالانکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام تو دو تھے۔ یہاں دو کو جماعت کے قائم مقام کر دیا گیا۔ بعض نے کہا کہ "معکما" سے مراد آپ کے ساتھ جو بنی اسرائیل ہیں ہم ان کی بات کو سنتے اور دیکھ رہے ہیں۔

⑯ "فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین" یہاں پر رسولاً ذکر نہیں فرمایا۔ یہاں مراد صرف رسالت کا پیغام پہنچانا تھا۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ رسول کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی۔ عرب کا قول ہے "هذا رسولی ووکیلی هذان" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وهم لکم عدوّ" بعض نے کہا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اخوت بھائی ہونے میں متحد تھے۔ اس لیے لفظ رسول بصیغہ مفرد استعمال کیا۔

⑰ "أن ارسل" ہم کو یہ پیغام دے کر بھیجا۔ "معنا بنی اسرائیل" اس سے مراد فلسطین ہیں اور وہ بنی اسرائیل ان کی عبادت نہیں کرتے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی۔ غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے۔

ہارون علیہ السلام وہاں موجود ہی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت دینے اس کے گھر پر پہنچ گئے

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چوغہ پہنے ہوئے ہاتھ میں لاٹھی لیے لاٹھی کے سرے میں بڑا مٹکا تھا جس میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں۔ اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں۔ یہ سن کر موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی والدہ آ گئیں، چیخ پڑیں اور کہنے لگیں فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لیے تیری تلاش میں ہے۔ اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مروا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازے پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا، دربان ہکے بکے ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فوراً دربان نے فرعون سے کہا ایک مجنون دروازے پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یونہی چھوڑے رکھا، صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اندر آنے دو، ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے، دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان گیا کیوں کہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ ⑱ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ⑳ فَفَرَرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ㉑ وَتِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ㉒

ترجمہ: (دونوں حضرات گئے اور فرعون سے سب مضامین کہہ دیئے) فرعون کہنے لگا کہ (آہا تم ہو) کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی (اس) عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی پھر مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے گھر سے مفرور ہو گیا پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا اور (رہا احسان جتلانا پرورش کا سو) وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا۔

تفسیر ⑱ "قال الم نربّک فینا ولیدًا" ولید سے مراد بچہ ہے' قرب ولادت کی وجہ سے اس کو ولید کہا۔ "ولبثت فینا من عمرک سنین" وہ فرعون کے پاس تیس سال کی عمر تک رہے۔

⑲ "وفعلت فعلتک التی فعلت" اس حرکت سے مراد قبطی کا قتل کرنا ہے۔ "وانت من الکافرین" حسن اور سدی کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس معبود کی طرف تو ہم کو بلا رہا ہے اس کا منکر تو پہلے خود تھا ہمارے ساتھ ہمارے مذہب پر رہتا تھا یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو میرا منکر یا احسان فراموش ہے کہ لوٹ کر آیا تو میری مخالفت کرتا آیا۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ "انت من الکافرین" کا معنی یہ ہے کہ میری نعمت کی ناشکری کرنے والا اور میری تربیت کا حق ادا کرنے والا جیسے کوئی کہے کہ "وبیناک فینا فکافاتنا" کہ اس نے میرے احسان کی ایسی ناشکری کی کہ میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا۔ یہ عوفی کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور فرعون کفر باللہ سے واقف ہی تھا کہ اس نے جھوٹا خدائی کا دعویٰ کر کے کفر جیسا فعل کیا ہے۔

⑳ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "فعلتها اذًا" یعنی تو نے ایسی حرکت کی جو اس وقت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ "وانا من الضالّین" میں ناواقفوں میں سے تھا اس وقت اللہ کی طرف سے میرے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے اس فعل سے مر جائے گا۔ میرا مقصد اس کو قتل کرنا نہیں تھا۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بغیر قصد وارادہ کے میں اس وقت صحیح راستہ سے بھٹک گیا تھا یعنی ایسی نازیبا حرکت تو مجھ سے ضرور صادر ہوئی لیکن بلا ارادہ۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے خطاء ہوگئی۔

㉑ "ففررت منکم لما خفتکم" تو پھر میں مدین کی طرف بھاگ گیا۔ "فوھب لی ربی حکمًا" اس سے مراد نبوت ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد علم وفہم ہے۔ "وجعلنی من المرسلین"

"أن عبدت بنی اسرائیل" کی تفسیری اقوال

㉒ "وتلک نعمة تمنها علی أن عبدت بنی اسرائیل" اس کی تاویل میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اس کو اقرار پر محمول کیا ہے اور بعض حضرات نے انکار پر محمول کیا ہے جو حضرات اس کو اقرار پر محمول کرتے ہیں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقرار کو ایک نعمت شمار کیا ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا' گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، بے شک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا غلام نہیں بنایا اور جو اس کو انکار پر محمول کرتے ہیں تو وہ اس نعمت کو بطور استفہام کے نقل کرتے ہیں حرف استفہام کو محذوف کر دیا گیا۔ یعنی یہ احسان جس کا تو نے ذکر کیا ہے کوئی احسان ہے بلکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت میں یہ تربیت کوئی احسان نہیں، میری قوم کو تو نے غلام بنائے رکھا اور میری تربیت کی، یہ کوئی احسان ہوا۔

یعنی تو نے مجھے ان سے دور رکھا اور ان کے قتل سے محفوظ رکھا اور تیرے پاس پہنچ گیا اور تو نے میری پرورش اور کفالت کی

اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (عبدت) یعنی تو نے مجھے بندہ بنایا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "عبدت فلانًا و أعبدته وتعبدته و استعبدته" تو نے مجھے غلام بنائے رکھا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ㉓ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ㉔ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ㉕ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ㉖ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ㉗

ترجمہ: فرعون (اس بات میں لاجواب ہوا اور سخن کا پہلو بدل کر اس نے) کہا کہ رب العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ (مخلوقات) ان کے درمیان میں ہے اس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو (تو یہ پتہ بہت ہے) فرعون نے اپنے اردگرد (بیٹھنے) (والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ سنتے ہو کہ سوال کچھ اور جواب کچھ) موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا فرعون (نہ سمجھا اور) کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (بزعم خود) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے مجنون (معلوم ہوتا) ہے۔

تفسیر: ㉓ "قال فرعون وما رب العالمین" فرعون کہنے لگا "رب العالمین" کیا چیز ہوتی اور اے موسیٰ تم گمان کرتے ہو کہ تم اس کے بھیجے ہوئے رسول ہو تو اپنے اللہ کی صفت بیان کرو جس نے تمہیں بھیجا ہے۔ فرعون نے جنس کے متعلق سوال کیا، اللہ رب العزت اس سے پاک ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جواب دیا اور ان افعال کو لائے (معجزات کو پیش کیا) جس کا مثل لانے سے انسان عاجز ہوتا ہے۔

㉔ "قال رب السمٰوٰت والارض وما بینھما ان کنتم موقنین" ان دونوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔ اہل معانی کا قول ہے کہ جس طرح تو ان اشیاء کو دیکھ کر تمہیں یقین ہوتا ہے ان کو معائنہ کرنے کے ساتھ لہٰذا یہ بھی یقین کرلو کہ وہ مخلوقات کا خدا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جواب دیا تو فرعون موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں حیران ہو گیا۔

㉕ "قال لمن حولہ" اس کی قوم کے بڑے بڑے سردار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرعون کے اردگرد پانچ سو اشخاص موجود تھے۔ فرعون نے اس بات کو بعید سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو ان لوگوں پر پیش کیا اور کہا "الا تسمعون" یہ اس لیے کہا کہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ آسمان اور زمین کے مالک یہی ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو مزید واضح بیان کیا۔

㉖ "قال ربکم و ربّ ابائکم الاوّلین"

㉗ "قال" فرعون نے کہا "ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون" وہ جو کلام کرتا ہے اس پر نہ وہ عقل رکھتا ہے اور نہ وہ جانتا ہے کہ یہ کلام درست ہے کہ نہیں۔ ان کے نزدیک جو ان کے اعتقاد کے مطابق اعتقاد نہ رکھے تو وہ عاقل

نہیں سمجھا جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر مزید اور واضح کلام بیان کیا۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿32﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿38﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿39﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿40﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿41﴾

ترجمہ موسیٰ نے فرمایا کہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم کو عقل ہو تو اس کو مان لو) فرعون (آخر جھلا کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کر دوں تب بھی (نہ مانے گا) فرعون نے کہا اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً ایک نمایاں اژدہا بن گیا اور (دوسرا معجزہ دکھلانے کے لئے اپنا ہاتھ (گریبان میں دے کر) باہر نکالا تو وہ دفعۃً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو (چندے) مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں (کو حکم نامے) دے کر بھیج دیجئے کہ وہ (سب شہروں سے) سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے اور (فرعون کی طرف سے بطور اعلان عام کے) لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ جمع ہو گے (یعنی جمع ہو جاؤ) تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم ان ہی کی راہ پر رہیں پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی پیشی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم (موسیٰ علیہ السلام) پر غالب آئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا اصلہ (اور انعام) ملے گا۔

تفسیر ﴿28﴾ "قال رب المشرق والمغرب وما بينهما ان كنتم تعقلون"

﴿29﴾ "قال" فرعون نے کہا جب اس کی حجت پوری ہو گئی اور لاجواب ہو گیا تو حق سے تکبر کرتے ہوئے پھر گیا۔ "لئن اتخذت

الھا غیری لاجعلنک من المسجونین" ان قیدیوں میں شامل کردیں گے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی۔ قیدی کو ایک تنہا اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔

㉚ "قال" جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قید کا وعدہ کیا۔ "اولو جئتک" اگر آپ کوئی لے آؤ۔ "بشیءٍ مبین" واضح آیات اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تم لوگ میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو گے حالانکہ میں تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ لوگوں کے اخلاق میں سے یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ انصاف سے سکون حاصل کرتے تھے اور بیان کے بعد حق کو قبول کرتے تھے۔

㉛ "قال" فرعون نے کہا "فات بہ" اگر آپ اس طرح آیات یا نشانی لے کر آئیں تو پھر ہم آپ کو قید نہیں کریں گے۔ "ان کنت من الصادقین"

㉜ "فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین" اس نے کہا کہ کیا اس کے علاوہ اور بھی نشانیاں ہیں۔

㉝ "ونزع" موسیٰ علیہ السلام نے نکالا۔ "یدہ فاذا ھی بیضاء للناظرین"

㉞ "قال" فرعون نے کہا "للملاء حولہ انّ ھذا لساحرٌ علیم"

㉟ "یرید أن یخرجکم من ارضکم بسحرۃ فماذا تامرون"

㊱ "قالوا ارجہ واخاہ وابعث فی المدائن حاشرین"......

㊲ "یأتوک بکل سحار علیم"

㊳ "فجمع السحرۃ لمیقات یوم معلوم" اس سے مراد زینت کا دن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اتفاق سے وہ دن نوروز کا تھا اور شنبہ کا دن تھا۔

㊴ "وقیل للنّاس ھل انتم مجتمعون" تاکہ تم ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ دیکھ سکو اور کس کو غلبہ حاصل ہوگا۔

㊵ "لعلنا نتبع السحرۃ ان کانوا ھم الغالبین" موسیٰ علیہ السلام پر اور بعض نے کہا کہ یہ کہنا ان کا بطور استہزاء کے تھا۔ "بالسحرۃ" سے مراد موسیٰ وہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے متعلق تھا۔

㊶ "فلما جاء السحرۃ قالوا لفرعون أئن لنا لاجرًا ان کنا نحن الغالبین"

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ ⑲
قَالُوْا لَاضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۞ ⑳ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ㉑
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۞ ㉒ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ۞ ㉓ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۞ ㉔

ترجمہ: فرعون نے کہا کہ ہاں اور (مزید برآں) تم اس صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو (میدان میں) ڈالو سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بیشک ہم ہی غالب آویں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالنے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) ان کے تمام تر بنے بنائے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا سو (یہ دیکھ کر) جادوگر (ایسے متاثر ہوئے کہ سب سجدے میں گر پڑے اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی رب ہے۔ فرعون کہنے لگا کہ ہیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدوں اس کے کہ میں تم کو جازت دوں ضرور (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ (جادو میں) تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا (تا کہ اوروں کو عبرت ہو) انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے (اور) ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم (اس موقع پر حاضرین میں سے) سب سے پہلے ایمان لائے اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے ان بندوں کو شباشب (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا فرعون نے تعاقب کی تدبیروں کے لئے آس پاس کے شہروں میں چپراسی دوڑا دیئے (اور یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل ہماری نسبت) تھوڑی سی جماعت ہے۔

تفسیر ㊷ "قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ"......

㊸ "قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ"......

㊹ "فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ"

㊺ "فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ"......

㊻ "فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ"......

㊼ "قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"......

㊽ "رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ"

㊾ "قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ط لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ"

㊿ "قَالُوْا لَا ضَيْرَ" کوئی ضرر نقصان نہیں۔ "اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ"

51 "اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

52 "وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ" فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی تا کہ وہ تمہیں مصر سے نکلنے سے روکے۔ ابن جریج سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو جمع کریں اور بنی اسرائیل کے ہر چار گھر والوں کو ایک گھر میں جمع کرو، پھر بھیڑ کے بچوں کو ذبح کر کے ان کا خون گھروں کے دروازوں پر لگا دو، میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ جس گھر پر خون کا نشان ہو گا اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ پھر میں فرشتوں کو حکم دوں گا وہ قوم فرعون کے بچوں کو مار ڈالیں گے اور ان کو مالی نقصان پہنچائیں گے۔ پھر تم روٹیاں بنا کر ساتھ لے لینا، پھر راتوں رات میرے بندوں کو لے کر سمندر پر پہنچ جانا، وہاں تم کو میرا جدید حکم ملے گا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے فرعون سے کہا کہ یہ حرکت موسیٰ اور اس کی قوم نے کی ہے۔ انہوں نے ہمارے بچے بھی مار ڈالے اور ہمارا مال بھی لے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پندرہ لاکھ سردار جن میں سے ہر ایک کی کمانڈ میں ایک ہزار آدمی تھے ان کو روانہ کر دیا اور خود بھی اپنی کرسی پر بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا۔

53 "فارسل فرعون فی المدائن حاشرین" تا کہ وہ شہر کے لوگوں کو جمع کرے اور بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کرے۔ بعض نے کہا کہ وہ گروہوں کو جمع کر دے اور بعض نے یہ ذکر کیا کہ ان کے ایک ہزار شہر اور بارہ ہزار بستیاں تھیں اور فرعون نے ان سب مشیروں کو کہا۔

54 "ان ھؤلاء لشرذمة" جماعت ہے۔ "قلیلون" لوگوں کی ایک قلیل تعداد اس کی جمع شراذم آتی ہے۔ بعض روایات میں اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ چھ ہزار بتلائی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے لشکر کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ فرعون کے لشکر کو کوئی بھی شمار نہیں کر سکتا۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ 55 وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ 56 فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ 57 وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ 58 كَذٰلِكَ ط وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ 59 فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ 60 فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ 61

(ترجمہ) اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب ایک مسلم جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں غرض ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا (ہم نے ان کے ساتھ تو) یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا (یہ جملہ معترضہ تھا آگے قصہ ہے) غرض (ایک روز) سورج نکلنے کے

22

وقت ان کو پیچھے سے جا لیا پھر دونوں جماعتیں آپس میں ایسی قریب ہوئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ) بس ہم تو ان کے ہاتھ آ گئے۔

تفسیر ⑤⑤"وانهم لنا لغائظون" جیسے کہا جاتا ہے "غاظه، أغاظه و غیظه" جب وہ غصے میں ہو۔ غیظ اور غضب دونوں کا ایک معنی ہے۔ وہ کہنے لگے ہماری مخالفت کر کے انہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہے اور ہمارے بچوں کو قتل کر کے ہمارے اموال کو غصب کر کے لے گئے اور ہماری سرزمین مصر سے ہماری اجازت کے بغیر نکل کھڑے ہوئے۔

⑤⑥"وانا لجمیع حاذرون" اہل حجاز اور بصرہ نے حذرون پڑھا ہے بغیر الف کے جبکہ دوسرے قراء نے حاذرون پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ بعض اہل تفاسیر نے کہا کہ "حاذرون" قوت والے یعنی تیار۔ فراء کا قول ہے کہ "حاذر" وہ شخص جو تم کو اس وقت ڈرا رہا ہے اور حذر وہ شخص جو خوفناک ہے۔

⑤⑦"فاخرجناهم من جنات" وہ باغات جو دریاؤں کے کنارے تھے۔ ان کو خیر آباد کیا اور گھروں کو بھی چھوڑ دیا۔ "وعیون" جاری نہروں سے نکال کر لائے۔

⑤⑧"وکنوزٍ" اس سے اموال ظاہرہ سونا، چاندی مجاہد نے کہا کہ اس کو کنوز کا نام دیا کیونکہ انہوں نے اس سے کوئی صدقہ وغیرہ نہیں نکالا۔ اگرچہ ظاہری طور پر وہ بڑے بڑے باغات ہی کیوں نہ ہوں۔ کہا گیا کہ فرعون کے آٹھ ہزار غلام تھے ہر ایک غلام گھوڑے پر سوار ہوتا اور گھوڑے کے گلے میں سونے کے زیورات ہوتے تھے۔ "ومقام کریم" اور ان غلاموں کے لیے اچھا مکان تھا۔ مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد امراء و رؤساء کی مجالس ہیں جن کی لوگ پیروی کرتے تھے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے اس سے مراد اونچے منبر لیے ہیں اور بعض نے کہا کہ فرعون جب کرسی پر بیٹھتا تھا تو اس کے سامنے تین سو سونے کی کرسیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں جن پر شہر کے اشراف لوگ بیٹھا کرتے تھے۔

⑤⑨"کذلک" اسی وصف کے ساتھ "و اورثناها" ہم نے ان کو ہلاک کر دکھایا۔ "بنی اسرائیل" یہ اس وجہ سے کہ جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہو گئی تو بنی اسرائیل کو وہ تمام اشیاء لوٹا دیں جو فرعون اور اس کی قوم کے پاس تھیں۔ ان کے سونے، ان کے مکانات اور دیگر اشیاء بنی اسرائیل کے ہاتھوں آ گئیں۔

⑥⓪"فاتبعوهم مشرقین" سورج کے نکلنے کے وقت ان کو جا کر ملے۔ فرعون کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو سورج نکلنے کے وقت دریا پر جا پہنچی۔ "فلما تراء ی الجمعان" وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اس طور پر کہ ایک دوسرے کو انہوں نے دیکھ بھی لیا۔ حمزہ نے "تراء ی" کی ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑥①"قال اصحاب موسٰی انا لمدرکون" فرعون کی قوم نے ہمیں پا لیا اور ہم ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ

اَجْمَعِیْنَ ﴿65﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿66﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿67﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿68﴾ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ اِبْرٰھِیْمَ ﴿69﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿70﴾

ترجمہ موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) ابھی راستہ بتلا دے گا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی عصا کو دریا پر مارو چنانچہ (انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ (دریا) پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا اور (انجام قصہ یہ ہوا کہ) ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا (اور) اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے (اور) بڑا مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو۔

تفسیر ﴿62﴾ "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پختہ یاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مدد کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ "**کلا**" ہرگز وہ ہمیں پا نہیں سکتے۔ "**انّ معی ربی سیھدین**" وہ ہمیں نجات کا راستہ ضرور بتلائے گا۔

﴿63﴾ "**فاوحینا الٰی موسٰی أن اضرب بعصاک البحر فانفلق**" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا جس سے وہ خشک ہو کر پھٹ گیا۔ "**فکان کل فرق**" پانی کے ٹکڑے بن گئے۔ "**کالطود العظیم**" جیسا کہ وہ بڑے بڑے پہاڑ بن گئے ہوں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے کنارے پہنچے تو ہوا چلنے لگی اور سمندر پہاڑ کی مانند موجیں مارنے لگا' یوشع کہنے لگے، اے اللہ! کلام کرنے والے آپ کا کیا حکم ہے؟ ہمیں فرعون کی فوج نے ڈھانپ لیا اور ہمارے سامنے سمندر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یوشع اپنے گھوڑے کو لے کر پانی میں چلو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ ان کے گھوڑے کے کھروں کو پانی تک نہ لگا اور جس شخص نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا اس نے کہا کہ کہاں ہے تمہارا حکم۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس نے زور سے کھینچا کہ وہ اُڑ کر سمندر میں جا لگا اس کا پانی سے کچھ بھی گیلا نہیں ہوا۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی بات کا جواب دینے سے قاصر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنی عصا سمندر پر ماریں۔ اس میں راستے بن گئے تو اس سے گزرنے والے نہ تو گھوڑے کے کھروں کو پانی لگا اور نہ ہی کسی سوار کو۔

﴿64﴾ "**و ازلفنا**" قریب لے آئے۔ "**ثم الاخرین**" اس سے مراد فرعون کی قوم ہے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ وہ سمندر تک پہنچ گئے اور ہلاکت کے قریب ہو گئے۔ ابوعبیدہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو جمع کر دیا۔ اسی سے لیلۃ المزدلفہ ہے اس رات کو لیلۃ الجمع بھی کہتے ہیں۔ واقعہ میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قوم موسیٰ اور قوم فرعون کے درمیان تھے اور وہ بنی اسرائیل کو کھینچ رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے اس شخص سے اچھا کوئی نہیں دیکھا اور فرعون کی

قوم کو ڈرا رہے تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا جو ڈرا رہا ہو۔

65 "وانجینا موسٰی ومن معه أجمعین"

66 "ثم اغرقنا الاخرین" فرعون اور اس کی قوم۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سمندر پہلے خاموشی کے ساتھ چل رہا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو وہ پھیل گیا اور خشک ہو گیا۔

67 "انّ فی ذلک لاية وما كان اكثرهم مؤمنين" اس سے مراد اہل مصر ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بیوی اور ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یعنی حزقیل اور اس کی بی بی مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔

68 "وانّ ربک لهو العزيز الرحيم" عزیز جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہو اور رحیم ہے مؤمنین کیلئے ان کو نجات دے کر۔

69 "واتل عليهم نبأ ابراهيم"......

70 "اذ قال لابيه وقومه ماتعبدون" تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ 71 قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ 72 اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ 73 قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ 74 قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ 75 اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ 76 فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ 77 الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ 78 وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ 79 وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ 80 وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ 81

ترجمہ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم ان ہی (کی عبادت پر جمے بیٹھے رہتے ہیں ابراہیم نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ (ان کی عبادت کرنے کی وجہ یہ تو) نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ابراہیم نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو (غور سے) دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ (معبودین میرے (اور تمہارے) لئے باعث ضرر ہیں مگر ہاں رب العالمین جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ کو (میری مصلحتوں کی طرف) رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے) تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو (وقت پر) موت دے گا پھر (قیامت کے روز) مجھ کو زندہ کرے گا۔

تفسیر 71 "قالوا نعبد اصنامًا فنظل لها عاكفين" ہم انہی بتوں کی پوجا کرنے پر قائم ہیں۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ یہاں آیت میں "فنظل" کہا گیا ہے کیوں کہ وہ ان کو دن کے وقت پوجتے تھے، رات کو نہیں پوجتے تھے۔ جیسا دن کے وقت کام کرنے والے کو بولا جاتا ہے "ظل یفعل"......

72 "قال هل يسمعونكم" کیا یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں۔ "اذ تدعون" جب تم ان کو پکارتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا یہ تمہاری بات کو سنتے ہیں۔ "او ينفعونكم" اس سے مراد رزق ہے۔ "او يضرون" اگر تم ان کی عبادت کو ترک کر دو تو کیا یہ تمہیں سزا دیتے ہیں۔

74 "قالوا بل وجدنا آباءنا كذلك يفعلون" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی کی بات نہیں مانتے اور نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اس راستے پر پایا ہے۔ یہی تمہاری تقلید کے ابطال کی دلیل ہے۔

75 "قال افرائيتم ما كنتم تعبدون

76 أنتم و آباء كم الاقدمون" اس سے مراد پہلے لوگ ہیں۔

77 "فانهم عدوٌّ لی" وہ میرے دشمن ہیں۔ یہاں پر ہر معبود کو اکیلا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کو ہر ایک کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے۔

سوال: بتوں کے ساتھ عداوت کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ تو بے جان ہیں؟

جواب۔ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سيكفرون بعبادتهم ويكونون عليهم ضدًا" بعض نے کہا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہمارے پاس آ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی جہت سے کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص نہ ان سے دشمنی مول لے سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں۔

"الا رب العالمين" اس استثناء میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ وہ سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین کہ وہ میرا دوست ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے تاکہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ حسین بن فضل نے اس کا معنی بیان کیا مگر وہ جو میرے رب العالمین کے پاس ہے پھر اس کے معبود ہونے کا وصف بیان کیا۔

78 "الذی خلقنی فهو يهدين" اور وہ ہدایت کے راستے کی طرف، نجات کے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

79 "والذی هو يطعمنی ويسقين" اور وہ مجھے رزق اور غذا کھانے پینے کیلئے دیتا ہے۔ وہ ہی رزاق ہے اور اسی کے پاس میرا رزق ہے۔

80 "واذا مرضت" مرض کی اضافت اپنی طرف کر دی کیوں کہ مرض اور شفاء اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ بطور حسن ادب کے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا "فاردت أن أعيبها" اور فرمایا "فاراد ربُّک ان يبلغا اشدهما"...... "فهو يشفين" اور وہ ہی مجھے میرے مرض سے شفا دیتا ہے۔

81 "والذی يميتنی ثم يحيين" ثم یہاں پر تراخی کے لیے ہے کہ وہ مجھے دنیا میں موت دے گا اور آخرت میں زندہ کرے گا۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ 82 رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ 83
وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ 84 وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ 85 وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ
كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ 86 وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ 87 یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ 88 اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ
بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ 89 وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ 90 وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ 91

ترجمہ اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کردے گا اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور (مراتب قرب میں) مجھ کو اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ (کو توفیق ایمان کی دے کر اس) کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اس روز مجھ کو رسوانہ کرنا جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آوے گا اور نہ اولاد مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفرو شرک سے) پاک دل لے کر آوے گا اور (اس روز) خداترسوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے جنت نزدیک کردی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔

تفسیر 82 "والذی اطمع" اُمید کرتے ہیں۔ "أن یغفرلی خطیئتی یوم الدین" حساب کے دن وہ میری غلطیوں کو درگزر فرمادے گا۔

خطاء سے کیا مراد ہے

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس خطاء سے مراد ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "انی سقیم" ہے اور دوسرا "بل فعله کبیرهم" اور حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق فرمایا تھا "هذا اختی" حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ "هذا ربی" یہ خطاء ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، ابن جرعان زمانہ جاہلیت میں کینہ پروری کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کا اس کو کچھ نفع ملے گا۔ فرمایا اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر اس نے کسی دن بھی "رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین" نہیں کہا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے جو کچھ کہا وہ سب بطور احتجاج اور دلیل کے تھا کہ جس معبود میں ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو وہ معبود ہونے کا حق نہیں رکھتا اور نہ اس کی پوجا کرنا جائز ہے۔

83 "رب هب لی حکمًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد حدود اللہ کی معرفت اور اس کے احکام کی معرفت ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد فہم اور علم ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔

''والحقنی بالصالحین'' ماقبل میں جوانبیاء کرام علیہم السلام گزر چکے ہیں ان کے درجہ اور منزلت تک پہنچا۔

⑭ ''واجعل لی لسان صدق فی الاخرین'' اچھی تعریف اور اچھا ذکر اور قبولیت عامہ جو آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کردے جو میرے بعد آئیں گے۔ تمام اہل ادیان میں ہماری تعریف قائم فرمائیں۔ قتیبی کا قول ہے کہ یہاں زبان کو قول کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔ چونکہ بات بھی اسی سے صادر ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر کیا۔

⑮ ''واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم'' ان لوگوں میں سے جن کو تو نے جنت کی نعمتوں سے نوازا ہے انہی میں سے مجھے بھی بنا۔

⑯ ''واغفر لابی انہ کان من الضالین'' یہ اس وقت دُعا کی تھی جب ان کو معلوم نہیں تھا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے۔

⑰ ''ولا تخزنی'' اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا۔ ''یوم یبعثون''

⑱ ''یوم لاینفع مال ولا بنون الامن اتی اللہ بقلب سلیم'' جو خالص شرک سے پاک ہو۔ گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں کیونکہ کوئی شخص بھی گناہ سے پاک نہیں ہے۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ قلب سلیم سے مراد صحیح دل ہے اور وہ مؤمن کا دل ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہے۔

⑲ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فی قلوبھم مرض'' ابن عثمان النیشاپوری اس سے مراد دل کا بدعت سے خالی ہونا اور سنت سے مطمئن ہونا۔

(⑳ ㉑) ...... ''وازلفت'' اور قریب کردی جائے گی۔ ''الجنۃ للمتقین و برزت'' اور وہ ظاہر کھلی ہوئی ہوں گی۔ ''الجحیم للغاوین'' کافروں کے لیے۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝٩٢ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝٩٣ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝٩٤ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝٩٥ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝٩٦ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٩٧ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩٨ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝٩٩ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝١٠٠ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝١٠١ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٢

ترجمہ: اور (اس روز) ان سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر (یہ کہہ کر) وہ (معبودین) اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے وہ کفار اس دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے (جو کہ بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑا لے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی دلسوزی ہی کر لے) سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے۔

تفسیر (⑨② ـ ⑨③) ...... "وقیل لھم" قیامت کے دن "اینما کنتم تعبدونo من دون اللہ ھل ینصرونکم" وہ تمہیں عذاب سے نہیں روک سکیں گے۔ "او ینتصرون" یا خود محفوظ ہو سکتے ہیں۔

آیت فکبکبوا میں تفسیری اقوال

⑨④ "فکبکبوا فیھا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا۔ دوزخ میں ان کو جمع کیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان کو اوندھا منہ گرا دیا جائے گا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ پھینک دیا جائے گا۔ زجاج نے کہا کہ ایک کو دوسرے پر ڈال دیا جائے گا۔ قتیبی نے کہا کہ سر کے بل ڈال دیئے جائیں گے۔ "ھم الغاوٗن" اس سے مراد شیاطین ہیں۔ قتادہ مقاتل کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد جن کا کفر ہے۔

⑨⑤ "وجنود ابلیس أجمعون" شیطان کے چیلے اور وہ لوگ جو اس کی اتباع کریں گے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ بعض نے کہا کہ شیطان کی ذریت مراد ہے۔

⑨⑥ "قالوا" وہ اپنے پجاریوں اور جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کے ساتھ لڑیں گے۔ "وھم فیھا یختصمون" اپنے معبودین کے ساتھ جھگڑیں گے اور وہ بھی ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔

⑨⑦ "تاللہ ان کنا لفی ضلال مبین"

⑨⑧ "اذ نسویکم" ہم تمہارے لیے شمار کرتے تھے۔ "برب العالمین" تمہاری عبادت کے ساتھ۔

⑨⑨ "وما اضلنا" انہوں نے تو ہمیں گمراہی کی طرف مائل کیا۔

"الا المجرمون" مقاتل کا بیان ہے کہ "المجرمون" سے مراد شیاطین۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے گمراہ اسلاف مراد ہیں جن کی تقلید ان کافروں نے کی تھی۔ ابو العالیہ اور عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ابلیس ہے اور ابن آدم کا پہلا بیٹا قابیل ہے کیونکہ اس نے قتل کرنے کو ایجاد کیا تھا اور دوسرے گناہوں کا بھی ارتکاب کیا۔

①⓪⓪ "فمالنا من شافعین" کون ہماری سفارش کرے گا، فرشتوں میں سے، انبیاء میں سے، مؤمنین میں سے۔

①⓪① "ولا صدیق حمیم" یا کوئی قریبی جو ہماری سفارش کرے، کفار لوگ اس وقت کہیں گے جب مؤمنین کی سفارش فرشتے، انبیاء کرام اور دیگر مؤمنین کریں گے۔ صدیق وہ دوست جو محبت میں سچا ہو، دین کی شرط کے ساتھ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرے فلاں دوست کا کیا ہوا، اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔

اللہ حکم دے گا اس کے دوست کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جاؤ، اس کے بعد جو لوگ دوزخ میں رہ جائیں گے وہ کہیں گے "فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم" حسن کا قول ہے کہ اپنے مؤمن دوستوں کی تعداد زیادہ کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ شفاعت کریں گے۔

⑩٢ "فلو انّ لنا کرّۃ" اگر ایک بار ہمیں دُنیا میں واپس لوٹ جانا حاصل ہو جاتا۔ "فنکون من المؤمنین"

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⑩٣ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑩٤ کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ⑩٥ اِذْقَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ⑩٦ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ⑩٧ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ⑩٨ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑩٩ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ⑪٠ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ ⑪١ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑪٢ اِنْ حِسَابُھُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ⑪٣ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑪٤ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ⑪٥ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ⑪٦

ترجمہ بیشک اس واقعہ میں (بھی طالبان حق کے لئے) ایک بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان (مشرکین مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بیشک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے قوم نوحؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کی (برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو اس کا مقتضا یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور (نیز) میں تم سے کوئی (دنیوی) صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو (میری اس بے غرضی کا مقتضا یہ ہے کہ) تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھ کو کیا بحث ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم (اس کہنے سننے سے) اے نوح باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

تفسیر ⑩٣ "انّ فی ذلک لایة وما کان اکثرھم مؤمنین"

⑩٤ "وانّ ربک لھو العزیز الرحیم" عزیز وہ جس پر کوئی غالب نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہیں اور ان کی وصف عزت کے ساتھ رحیم والی بھی صفت ہے۔

⑩٥ "کذبت قوم نوح المرسلین" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا اے ابوسعید! یہ تو بتلایئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے "کذبت قوم نوح المرسلین"...... "کذّبت عاد المرسلین"...... "کذبت ثمود المرسلین" فرمایا ہے حالانکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لیے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد کا حامل) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لیے پہلا

پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔

⑯ "اذ قال لهم اخوهم" جب ان سے ان کے نسبی بھائی نے کہا دینی بھائی مراد نہیں۔ "نوح الّا تتقون"

⑰ "انی لکم رسول امین" جو اللہ کی طرف سے میری طرف وحی آئی ہے میں اس میں امانت دار ہوں۔

⑱ "فاتقوا اللّٰه" اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے رہو۔ "واطیعون" جس چیز کے بارے میں تمہیں حکم دیا گیا ہے خواہ اس کا تعلق ایمان سے ہو یا توحید سے۔

⑲ "وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری" اس کا ثواب "الا علی رب العالمین"

⑳ "فاتقوا اللّٰه" اس کی طاعت اور عبادت کے ساتھ۔ "واطیعون"

⑪ "قالوا انؤمن لک واتّبعک الارذلون" یعقوب نے "واتباعک الارذلون" پڑھا ہے۔ اس سے مراد نچلے طبقہ کے لوگ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد سنار ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کپڑا بننے والے موچی مراد ہیں۔

⑫ "قال" حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا "وما علمی بما کانوا یعملون" وہ ان کے اعمال اور ان کے طریقوں کو جانتا ہے۔ ان کے اس حقیر پیشہ اور ان کے احوال کوئی حیثیت نہیں رکھتے، میں نے تو انہیں صرف دعوت وتبلیغ کا مکلف بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو میری طرف بلائیں۔

⑬ "ان حسابهم" ان کا حساب ہمارے اوپر نہیں۔ "الا علی ربّی لو تشعرون" اگر تم ان کو جان لیتے تو ان کے اس فعل پر عبث ہونے کا الزام نہ لگاتے۔ زجاج نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ ان کا پیسے سے دین پر کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے گا یا ان کو گمراہ کرے گا یا ان کو رسوا کرے گا۔

(⑭ ⑮)......"وما انا بطارد المؤمنین ان أنا الا نذیرٌ مبین"

⑯ "قالوا لئن لم تنته یا نوح" جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس سے باز نہ آئے۔ "لتکونن من المرجومین" مقاتل، کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے جو پتھروں کی بارش سے قتل کیے گئے ہوں۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ کیا ہے مشتومین یعنی ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾
فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً
ط وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ کَذَّبَتْ عَادُ نِ
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ
بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو (برابر) جھٹلا رہی ہے سو آپ میرے اور ان کے درمیان میں ایک (عملی) فیصلہ کر دیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں ان کو (اس ہلاکت سے) نجات دیجئے تو ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے ان کو نجات دی پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان (کی برادری) کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار (کے طور پر عمارت) بناتے ہو جس کو محض فضول (بلاضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔

تفسیر ⑰ "قال ربّ انّ قومی کذبون"

⑱ "فافتح" ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ "بینی و بینهم فتحًا"......یعنی میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ دونوں جگہ فتح سے مراد فیصلہ ہے۔ "ونجنی ومن معی من المؤمنین"

⑲ "فانجیناہ ومن معه فی الفلک المشحون" وہ کشتی لوگوں سے بھری ہوئی اور پرندوں اور حیوانوں کو بھی بچالیا جو ان میں موجود تھے۔

⑳ "ثم اغرقنا بعد الباقین" حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے علاوہ جتنے باقی تھے ان سب کو ڈبو دیا اور ان کے اہل والوں کو بچالیا مگر وہ لوگ جو باقی رہ گئے۔ ㉑ "انّ فی ذالک لاٰیة وما کان اکثرهم مؤمنین"......

㉒ "وانّ ربّک لهو العزیز الرحیم"...... ㉓ "کذّبت عاد المرسلین"

㉔ "اذ قال لهم أخوهم" جب انہوں نے نسبی بھائی سے کہا نہ کہ دینی بھائی سے "هود الا تتقون"......

㉕ "انی لکم رسول امین" اپنی رسالت کو امانت داری سے انجام دینے والے ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں رسالت کے دعوے سے پہلے بھی تم لوگوں میں امانت دار جانا جاتا تھا مجھے تم جھوٹا نہیں جانتے تھے، پھر اب تم کیوں دروغ گوئی کی تہمت لگا رہے ہو۔

㉖ "فاتقوا اللّٰه واطیعون" ㉗ "وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی ربّ العالمین"

㉘ "أتبنون بکل ریع" والبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اونچا مقام بلند جگہ۔ ضحاک اور مقاتل وکلبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہر راستہ میں اور عوفی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ۔ مجاہد کا دوسرا قول مروی ہے کہ ریع کا معنی ہے منظر۔ "ایة" بمعنی علامت

۔"تعبثون" یعنی فضول کام کرتے ہوئے آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دُنیا میں بھی بیکار ہے۔سعید بن جبیر نے کہا کہ قوم عادوالے کبوتر بازی کرتے تھے۔انہوں نے کبوتروں کے لیے برج بنا رکھے تھے۔حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں "تعبثون" آیا ہے۔یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو اور وہ کبوتر بازی میں کھیلتے تھے۔ابوعبیدہ کا قول ہے کہ ریع سے مراد بلند مقام ہے۔

⑫⑨ "وتتخذون مصانع" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے محلات ہیں۔کلبی نے اس کا ترجمہ مضبوط قلعوں سے کیا ہے۔قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے حوض و تالاب ہیں۔مصانع کی واحد مصنعہ ہے۔"لعلکم تخلدون" اس اُمید پر مضبوط مضبوط عمارتیں بناتے ہو کہ تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔گویا کہ تمہیں موت آنی ہی نہیں۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ⑬⓪ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ⑬① وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ⑬② اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ⑬③ وَجَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ⑬④ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬⑤ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ⑬⑥ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬⑦ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ⑬⑧ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬⑨ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑭⓪ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ⑭① اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ⑭② اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ⑭③ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ⑭④ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑭⑤ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ⑭⑥ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ⑭⑦ وَّزُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ⑭⑧

(ترجمہ) اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر دارو گیر کرتے ہو سو تم (کو چاہئے کہ) اللہ سے ڈرو اور (چونکہ میں رسول ہوں اس لئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک (معمولی) عادت (اور رسم) ہے اور (تم جو ہم کو عذاب سے ڈراتے ہو تو) ہم کو ہرگز عذاب نہ ہو گا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (آندھی کے عذاب سے) ہلاک کر دیا بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت

ہےاور(باوجوداس کے)ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں

تفسیر ۱۳۰ "**واذا بطشتم**" جب تم کسی کو پکڑنے کے لیے آتے ہو۔ "**بطشتم جبارین**" تلوار کے ساتھ قتل کر دیتے ہو اور کوڑوں کے ساتھ مارتے ہو۔ جبار وہ ہے جو قتل کرے اور غصہ کے وقت مارے.... ۱۳۱ "**فاتقوا اللّٰہ واطیعون**"

۱۳۲ "**واتقوا الذی امدکم بما تعلمون**" اور وہ تمہیں اس پر بہتر عطا فرمائے گا جو تم نہیں جانتے پھر جو ان کو عطا کیا گیا اس کو بیان کیا ہے اور فرمایا۔ ۱۳۳ "**أمدکم بانعام وبنین**

۱۳۴ **وجنات و عیون**" ان کے باغات اور نہریں۔

۱۳۵ "**انی اخاف علیکم**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اس کی نافرمانی کا عذاب نہ آجائے۔ "**عذاب یوم عظیم**"

۱۳۶ "**قالوا سواءٌ علینا**" تمہارے وعظ کی وجہ سے اپنے طریقے کو جس پر چل رہے ہیں ترک نہیں کریں گے۔ "**اوعظت ام لم تکن من الواعظین**" وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعدو وعید کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کردے۔ کلبی نے اس کا ترجمہ کیا کہ ہمارے لیے دونوں برابر ہیں، ہم کو روکو یا نہ روکو۔

۱۳۷ "**ان ھذا**" یہ عادت پہلے لوگوں کی ہے۔ "**الا خلق الاوّلین**" ابن کثیر، ابوجعفر، ابوعمرو اور کسائی یعقوب نے (خلق) خاء کے فتحہ کے ساتھ اور لام کے سکون کے ساتھ کہ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ چلا آرہا ہے کہ تم خود جھوٹ گھڑتے ہو۔ اس پر دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان "**وتخلقون افکاً**" دوسرے قراء نے خاء کے ضمہ اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم سے پہلے لوگوں کی یہی عادت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کا طریقہ چلا آرہا ہے، وہ پیدا ہوتے مرتے رہیں گے ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں نہ وہ مرکر اُٹھے نہ ان کا حساب ہوا، نہ ہم مرکر دوبارہ اُٹھیں گے اور نہ ہی ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔

۱۳۸ "**وما نحن بمعذبین**"......

۱۳۹ "**فکذبوہ فاھلکناھم ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرھم مؤمنین**"......

۱۴۰ "**وان ربک لھو العزیز الرحیم**"

۱۴۱ "**کذبت ثمود المرسلین**"......

۱۴۲ "**اذ قال لھم اخوھم صالح الا تتقون**"......

143 "انی لکم رسول أمین"...... 144 "فاتقوا الله واطیعون"......

145 "وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین"......

146 "أتترکون فیما ههنا" یعنی اس دُنیا میں "آمنین" عذاب سے امن پانے والوں ہوں گے۔

147 "فی جنات وعیون"...... 148 "وزروع ونخل طلعها" اس سے مراد پھل ہیں۔

لفظ ھضیم کی مختلف تفسیریں

"ھضیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ لطیف کیا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے "ھضیم الکشح" آیا ہے یعنی لطیف الشح۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ہے نرم، حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لٹکا ہوا اس کا معنی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے لٹکا ہوا۔ مجاہد کا قول ہے کہ خوشہ کھجور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو ہشیم کہتے ہیں اور جب تروتازہ ہو جاتا ہے وہ ہضیم ہے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا تہہ بہ تہہ قطار در قطار چڑھی ہوئی۔ بہت سارے اہل لغت کہتے ہیں کہ ہضیم وہ گچھا ہے جو برآمد ہونے سے پہلے اندر ہی اندر باہم چسپاں ہوتا ہے۔ ازہری کا قول ہے کہ "الھضیم" بعض، بعض کے اندر گھسا ہوا اور بعض نے کہا کہ ہضیم بمعنی ہاضم ہے، کھانے کو ہضم کرنے والا۔ ان تمام معانی کا مجموعہ لفظ لطافت کے اندر ہے۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ 149 فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ 150 وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ 151 الَّذِيۡنَ يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ 152 قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ 153 مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ 154 قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَـكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ 155

ترجمہ: اور کیا (اسی غفلت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے ہوئے) مکان بناتے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور ان حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سر زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے تم بس ہماری طرح کے ایک (معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی ہوتا نہیں) سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعویٰ نبوت میں) سچے ہو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مواشی کی)۔

تفسیر: 149 "وتنحتون من الجبال بیوتًا فارهین" اور یہ فرهین بھی پڑھا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ایک ہے وہ پتھر تراشنے میں ماہر۔ جیسے کہا جاتا ہے "فره الرجل فراهة وهو فارة" وہ سب سے ماہر ہے اور جنہوں نے فرهین پڑھا ہے۔ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ تکبر کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ ظلم کرنے والے بھی

تھے۔عکرمہ نے اس کا ترجمہ خوش و آرام سے کیا ہے۔مجاہد نے اس کا معنی شرھین کیا ہے۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اترانے والے، لیکن مراد یہ ہے کہ اس نعمت پر اترانے والے ہوں، مگن ہوں اور غرور کی وجہ سے قبول حق سے سرتابی کرنے والے ہوں۔اخفش نے اس کا ترجمہ کیا ہے خوش، عرب حاء کو ھاء سے بدل دیتے ہیں جیسے مدحۃ کی جگہ مدھۃ کہنے لگتے ہیں۔بعض نے کہا کہ فارھین سے مراد حریص۔ ⑮⓪ "فاتقوا اللّٰہ واطیعون"

⑮① "ولا تطیعوا امر المسرفین" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر مشرکین سے کی ہے۔مقاتل کا بیان ہے کہ وہ نو آدمی جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔

⑮② "اللذین یفسدون فی الارض" معاصی کے ساتھ۔"ولا یصلحون" وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔

⑮③ "قالوا انما انت من المسحرین" مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ تم جادو زدہ لوگوں میں سے ہو اور تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔کلبی نے بروایت ابوصالح سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے مخلوق میں سے طعام اور شراب دے کر ان کو بہلاتے ہیں۔جیسا کہ عرب کہتے ہیں سحرہ اس کو کھانا پینا دے کر بہلا دیا۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاتے ہو، پانی پیتے ہو، فرشتے نہیں ہو۔

⑮④ بلکہ "ما انت الا بشر مثلنا فأت بآیة" جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مطابق کوئی دلیل لے آؤ۔"ان کنت من الصادقین" کہ آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

⑮⑤ "قال هذه ناقة لها شرب" یہ اس کا حصہ ہے پانی میں سے۔"ولکم شرب یوم معلوم"

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮⑥ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ⑮⑦ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑮⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑮⑨ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ⑯⓪ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ⑯① اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ⑯② فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ⑯③ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯④ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑯⑤ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ⑯⑥ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ⑯⑦ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ⑯⑧ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ⑯⑨ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ⑰⓪ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ⑰① ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ⑰② وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ⑰③

(ترجمہ) اور ایک یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب

آ پکڑے سوانہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا (پھر جب آثار عذاب کے نمودار ہوئے تو اپنی حرکت پر) پشیمان ہوئے پھر (آخر) عذاب نے ان کو آلیا بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور (باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے (کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے) قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم دنیا جہان والوں میں سے تم یہ (حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کیے رہتے ہو بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حد (انسانیت) سے گزر جانے والے لوگ ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوطؑ اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے لوطؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں لوطؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال سے) نجات دے سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا سو کیا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایا گیا تھا۔

تفسیر 156 "ولا تمسوھا بسوء" اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اس کی پونچیں نہ کاٹنا۔ "فیاخذکم عذاب یوم عظیم"

157 "فعقروھا فاصبحوا نادمین" جب اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اللہ کا عذاب نظر آ گیا۔

158 "فاخذھم العذاب انّ فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرھم مؤمنین"

159 "وانّ ربک لھو العزیز الرحیم"...... 160 "کذبت قوم لوط المرسلین"......

161 "اذ قال لھم أخوھم لوط الا تتقون"......

162 "انی لکم رسول امین" 163 "فاتقوا اللّٰہ وأطیعون"

164 "وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین"

165 "أتاتون الذکران" مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد جماع الرجل ہے۔ "من العالمین" بنی آدم میں سے۔

166 "وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم" مجاہد کا قول ہے کہ تم عورتوں کے پاس آنے کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو۔ "بل انتم قوم عادون" وہ سرکشی میں آخری حد تک پڑے ہوئے تھے، حلال اور حرام میں۔

167 "قالوا لئن لم تنته یا لوط لتکونن من المخرجین" ہماری بستی سے نکل جاؤ۔

168 "قال انی لعملکم من القالین" بغض رکھنے والا پھر ان کو پکارا اور کہا:

⑯٩ "ربّ نجّنی و أھلی مما یعملون" بُرے عمل کے ذریعے سے۔

⑰٠ "فنجیناہ واھلہ أجمعین"......

⑰١ "الا عجوزًا فی الغابرین" حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔

⑰٢ "ثم دمرنا الاخرین" پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

⑰٣ "وأمطرنا علیھم مطرًا فساء مطر المنذرین" وھب بن منبہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے پتھروں کی بارش اور آگ کی بارش ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⑰٤ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑰٥ کَذَّبَ
اَصْحٰبُ لْئَیْکَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ⑰٦ اِذْ قَالَ لَھُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ⑰٧ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ⑰٨
فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ⑰٩ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑱٠
اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ⑱١ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ⑱٢ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ⑱٣ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ⑱٤
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ⑱٥ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ⑱٦
فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ⑱٧ قَالَ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱٨

ترجمہ بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے اصحاب الایکہ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو اور (صاحب حق کا) نقصان مت کیا کرو اور (اسی طرح تولنے کی چیزوں میں) سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین میں فساد مت مچایا کرو اور اس (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے اور تم تو محض ہماری طرح (کے) ایک (معمولی) آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو شعیب (علیہ السلام) بولے کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے۔

تفسیر ⑰٤ "انّ فی ذلک لایة وما کان اکثرھم مؤمنین"......

⑰⑤ "وانّ ربک لھو العزیز الرحیم"

⑰⑥ "کذب اصحاب الایکة المرسلین" اس سے مراد قوم حضرت شعیب علیہ السلام ہے۔ قراء عراقین نے پڑھا ہے کہ یہ "الایکة" ہے اور سورہ ص میں ہمزہ اور سکون لام ہے اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "لیکة" پڑھا ہے لام کے فتحہ اور تاء بغیر ہمزہ کے ہے۔ اس کو شہر کا نام بتلایا ہے اور یہ منصرف نہیں ہے اور سورۃ الحجر اور سورۃ ق میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں، وہاں دونوں جگہوں پر ہمزہ اور کسرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "و الایکة" درختوں کا جھنڈ، گھنے درخت مراد ہیں۔

⑰⑦ "اذ قال لھم شعیب" یہاں پر بھائی کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا چونکہ وہ اصحاب ایکہ کے نسب میں سے نہیں تھے اور جب مدین کا ذکر کیا تو اس وقت ارشاد فرمایا "اخاھم شعیبًا" کیونکہ یہ ان کے نسبی بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مدین کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا اور شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا۔ "الا تتقون"

⑰⑧ "انی لکم رسول امین" ⑰⑨ "فاتقوا اللّٰہ و أطیعون"

⑱⓪ "وَما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الاعلی رب العالمین" حضرات انبیاء کرام کی دعوت کے متعلق جو بیان کیا گیا ان سب کو صیغہ واحد کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء تقویٰ کی تعلیم دینے پر متفق تھے اور اسی طرح طاعات عبادت میں اخلاص اور دعوت و تبلیغ اور رسالت کی انجام دہی پر اُجرت لینے کی ممانعت تھی۔

⑱① "أوفو الکیل و لا تکونوا من المخسرین" لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کمی نہ کرو، ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔

⑱② "وزنوا بالقسطاس المستقیم"......

⑱③ "ولا تبخسوا النّاس أشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین"

⑱④ "واتقوا الذی خلقکم والجبلة" خلقت کو کہتے ہیں۔ "الاوّلین" اس سے مراد گزشتہ اُمتیں۔ "جبلة" خلقت کو کہتے ہیں۔

⑱⑤ "قالوا انما انت من المسحرین"

⑱⑥ "وما انت الا بشر مثلنا و ان نظنک لمن الکذبین"......

⑱⑦ "فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین"......

⑱⑧ "قال ربی اعلم بما تعملون" تم جو ناپ تول میں کمی کرتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے اور میں تمہیں عذاب نہیں دے سکتا۔ میری ذمہ داری تو صرف دعوت دینا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ

لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿196﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿197﴾

ترجمہ سو وہ لوگ (برابر) ان کو جھٹلایا کئے پھر ان کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا (اور) اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے تا کہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں (بھی) ہے کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

تفسیر ﴿189﴾ **"فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلة"** چونکہ ان کو شدید گرمی نے تنگ کر دیا تھا وہ تنگ آ کر تہہ خانوں میں داخل ہو گئے تھے۔ جب وہ تہہ خانوں میں جاتے تو ان کو اس سے بھی گرمی محسوس ہوتی۔ پھر وہ باہر نکلے ان پر ایک بادل نے چھاؤں کر دی، وہ ساری قوم اس سائبان کے نیچے آ گئی، پھر ان پر آگ کی بارش برسی جس سے وہ سب جل گئے اس کو ہم نے سورۃ ہود میں نقل کیا ہے۔ **"انه کان عذاب یوم عظیم"**

﴿190﴾ **"انّ فی ذلک لاية وما کان اکثرھم مؤمنین"**

﴿191﴾ **"وانّ ربک لھو العزیز الرحیم"**...... ﴿192﴾ **"وانّه"** اس سے مراد قرآن۔ **"لتنزیل رب العالمین"**......

﴿193﴾ **"نزل به روح الامین"** اہل حجاز ابوعمرو حفص نے (نزل) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حاء اور نون کے ضمہ کے ساتھ۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن لے کر نازل ہوئے۔ دوسرے قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے حاء اور نون کے فتحہ کے ساتھ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئے۔ **"وانه لتنزیل رب العالمین"**

﴿194﴾ **"علٰی قلبک"** اے محمد! آپ کے دل میں ہم نے اس کو رکھا **"لتکون من المنذرین"** تا کہ آپ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ڈرائیں۔

﴿195﴾ **"بلسان عربی مبین"** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے قریش کی زبان مراد ہے تا کہ قریش کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم وحی کی زبان کو نہیں سمجھتے۔

﴿196﴾ **"وانّه"** قرآن کے نزول کا ذکر، اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کا مطلب بیان کیا ہے کہ نزول قرآن کا ذکر کتب سابقہ میں کر دیا گیا ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گزشتہ کتابوں میں کر دیا گیا۔ **"لفی زبر"** اس سے مراد کتاب **"الاوّلین"**

﴿197﴾ **"أولم یکن لھم اية"** ابن عامر نے تکن پڑھا ہے تاء کے ساتھ اور رفع کے ساتھ۔ **"أن یعلمه"** دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے **"آية"** منصوب ہوگا۔ اس صورت میں **"اية"** خبر ہے۔ قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا علماء بنی اسرائیل کے علم میں ہے۔ وہ اس سے واقف ہیں۔ بنی اسرائیل کے علماء کو اس بات کا علم تھا کہ آخر زمانہ میں ایک نبی نازل ہوں گے اور ان پر کتاب نازل ہوگی۔ دوسرا یہ کہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان اور قرآن کے متعلق ذکر تھا۔

بنی اسرائیل کے علماء میں سے یہ بھی تھے۔ عبداللہ بن سلام، جو یہودیوں کے بڑے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے یہودیوں نے مدینہ کی طرف کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ معلوم کریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے ان کی صفات توریت میں پائی۔ یہ ان کی سچائی پر دلالت کرتی ہے۔ "أن یعلمه" محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ "علماء بنی اسرائیل" عطیہ کا قول ہے کہ پانچ علماء ہیں۔ عبداللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اسید۔

وَلَوْنَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَايُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى. وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾

ترجمہ اور اگر (بالفرض) ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل کردیتے پھر وہ (عجمی) ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا یہ لوگ (بوجہ غایت عناد کے) تب بھی اس کو نہ مانتے ہم نے اسی طرح (شدت واصرار کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو (مرنے کے وقت برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہوگی پھر (اس وقت جان کے بچانے کو) کہیں گے کہ کیا (کسی طور پر) ہم کو (کچھ) مہلت مل سکتی ہے کیا (ہماری وعیدوں کو سن کر) یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے (عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آئے (جب نہ مانا تو عذاب نازل ہوا) اور ہم (صورۃ بھی) ظالم نہیں ہیں اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے۔

تفسیر ⑲⑧ "ولو نزلناه" اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ "علی بعض الاعجمین" جمع ہے اعجمی کی، وہ شخص مراد ہے جو فصیح نہ ہو اور عربی زبان پر واقفیت نہ ہو۔ اگرچہ وہ نسبی عربی ہو۔ "والعجمی" عجم کی طرف منسوب ہے۔ اگرچہ وہ فصیح ہو۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم ایسے شخص پر اس کو نازل کرتے جو عربی زبان پر عبور نہیں رکھتا۔

⑲⑨ "فقراءه علیهم" بغیر عربی لغت کے۔ "ما کانوا به مؤمنین" اور وہ یہ کہتے کہ ہم اس کا کلام نہیں سمجھتے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے۔ "ولو جعلناه قرآناً أعجمیا لقالوا لو لا فصلت آیاته" بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا کہ اگر ہم اس کو ایسے شخص پر نازل کرتے جو عرب میں سے نہ ہو تو یہ ہرگز اس پر ایمان نہ لاتے۔

200 "کذلک سلکناہ" ابن عباس، حسن، مجاہد کا قول ہے کہ شرک اور تکذیب کو ہم نے ان کے دلوں میں داخل کر دیا۔ "فی قلوب المجرمین"

201 "لا یؤمنون بہ" اس قرآن پر۔ "حتّٰی یروا العذاب الالیم" موت کے وقت جب وہ عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

202 "فیاتیھم" آئے گا ان پر عذاب۔ "بغتۃ" اچانک۔ "وھم لا یشعرون" دُنیا میں وہ نہیں جانیں گے۔

203 "فیقولوا ھل نحن منظرون" تو ہم ان پر ایمان لے آتے اور ان کی تصدیق کرتے تو وہ واپس لوٹنے کی تمنا کرتے۔ مقاتل نے بیان کیا کہ جب اللہ نے اپنے رسول کی زبانی کافروں کو عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے کب تک عذاب سے ڈراتے رہو گے، آخر عذاب کب آئے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

204 "افبعذابنا یستعجلون"

205 "أفرایت ان متعناھم سنین" ان کو ہم ہلاک نہ کریں بلکہ باقی رکھیں۔

206 "ثم جاء ھم ما کانوا یوعدون" اس سے مراد عذاب ہے۔

207 "ما اغنی عنھم ما کانوا یمتعون" اس مدت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو باقی رکھ کر دُنیاوی نعمتوں سے نواز دیں لیکن پھر بھی جب ان پر عذاب آتا تو وہ طویل نعمتیں ان کو اس عذاب سے مستغنی نہیں کر سکتیں، وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے ان پر کوئی نعمت آئی ہی نہ ہو۔

208 "وما اھلکنا من قریۃ الا لھا منذرون" ایسا رسول جو ان کو ڈرائے۔

209 "ذکری" محل نصب میں واقع ہے۔ یعنی ان کو نصیحت کے ساتھ ڈرائیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پیغمبروں کو مجسم نصیحت بنا دیتے ہیں۔ "وما کنا ظالمین" ان کو عذاب دینے کی صورت میں کیونکہ عذاب سے پہلے ہم نے ان پر حجت تام کر دی اور وہ ہماری طرف عذر خواہی نہیں کر سکیں گے۔

210 "وما تنزلت بہ الشیاطین" مشرکین یہ کہتے تھے کہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن القاء کرتا تھا۔ اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا: "وما تنزلت" ہم نے قرآن کو شیطان کے ذریعے نازل نہیں کیا اور نہ ہی اس کا القاء کردہ ہے۔

وَمَا يَنۢبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ 211 اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ 212 فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ 213 وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ 214

ترجمہ: اور یہ ان (کی حالت) کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیطان (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں سو (اے پیغمبر) تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے اور (اس مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے

تفسیر 211 "وما ینبغی لھم" کہ وہ قرآن کو نازل کریں۔ "وما یستطیعون" اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔
212 "انھم عن السمع" آسمان سے اچکنے سے "لمعزولون" ہم نے ان کو محجوب کر دیا، شہاب ثاقب کی وجہ سے کہ وہ ان کو مارتے ہیں۔
213 "فلا تدع مع اللہ الھا اخر فتکون من المعذبین" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں لیکن اگر آپ بھی میرے سوا دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔
214 "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" اور (سب سے پہلے) آپ اپنے قریب ترین کنبہ والوں کو ڈرایئے۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کی تفسیر

یعنی سب سے پہلے اس کو جو آپ کا زیادہ قرابت دار ہو، پھر اس سے کم قرابت رکھنے والے کو پھر اس سے کم قرابت دار کو کیونکہ جس کی قرابت زیادہ ہے وہ پہلے ہدایت کا مستحق ہے۔ مزید یہ کہ اس طریقہ ہدایت سے دوسروں کو بدگمانی کا بھی موقع نہیں مل سکتا کیونکہ عام طور پر لوگ اپنے قریب ترین عزیزوں سے چشم پوشی کیا کرتے تھے (اور جب آپ قریب ترین عزیزوں کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈرائیں گے تو کسی کو یہ گمان کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا کہ آپ اپنے عزیزوں کی طرف سے چشم پوشی کر رہے ہیں) یا اس لیے عزیز ترین قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا کہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں۔ (پیغمبر بھی اپنے قرابت داروں کو عذاب سے بچا نہ سکیں گے) نجات کا راستہ یہی ہے کہ ان کی بات مانی جائے اور ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔ میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں، مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لیے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا۔ یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا۔ لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالے میں دودھ بھر کر لے آؤ، پھر اولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے حکم کی تعمیل کی، پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (چچے) ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے، سب کم و بیش چالیس آدمی تھے، جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا، میں نے لا کر رکھ دیا، آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں

سے اس کو کاٹا، پھراس کو پیالہ میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا بسم اللہ کھائیے، سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے، خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لیے رکھا تھا اتنا تو ان میں سے ایک آدمی کھالیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی)۔ پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ، میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا۔ خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اُٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا۔

یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے اور دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اُٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے، اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو، میں نے حکم کی تعمیل کی، پھر سب کو جمع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا منگوایا، میں نے سامنے لاکر رکھ دیا، آپ نے وہی عمل کیا جو گزشتہ دن کیا تھا، اس کے بعد سب نے کھایا پیا، کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب! میں تمہارے پاس دُنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے، لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے، میں سب سے کم عمر تھا، میں نے کہا یا نبی اللہ! میں اس کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار رہوں گا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پکڑی اور فرمایا، یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو، لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

آیت وانذر عشیرتک الاقربین کا شانِ نزول

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان آیا ہے کہ جب آیت "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" نازل ہوئی تو حضور نے کوہِ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولادِ فہر، اے بنی عدی، آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آسکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تا کہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے، ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا جی ہاں! ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذابِ شدید میرے سامنے موجود ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو جائے، (نعوذ باللہ) کیا اسی لیے تو نے ہم کو جمع کیا تھا۔ اس پر سورت "تبت یدا ابی لهب وتب" آخر تک نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" اتری تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش! (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا)۔ اے اولادِ عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لیے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا۔ اے رسول اللہ! کی پھوپھی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمد! کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے، اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباط (اے لوگو! ہوشیار رہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی، فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا، تجھے ہلاکت ہو کیا اسی لیے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا، یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا، اس پر اسی روز "تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ" (اعمش کی قرأت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے وقف کر دوں، اس نے فرمایا ہے کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا، وہ ان کے لیے حلال ہے، میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا۔ پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لیے حلال کر دی تھی، شیطانوں نے وہ چیز ان کے لیے حرام قرار دی، میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی، میں نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں، میں نے عرض کیا، اے رب! وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرا سر کو (کچل کر) روئی بنا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لیے بھیجا کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کو بھی۔ میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اُتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتا پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہوگا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لیے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لیے بھیج دوں گا اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر، پھر فرمایا۔ اہل جنت تین ہیں۔

❶ منصف حاکم ❷ ہر قرابت دار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی۔

③ دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے روکنے والی سمجھ نہ ہو، محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اُٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے اور وہ شخص جو بداخلاق اور فحاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُهُمْ کٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں اور اگر یہ لوگ) جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں (سنو) ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو (پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور جو (شیاطین کی خبریں سننے کے لئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔

تفسیر ﴿۲۱۵﴾ "واخفض جناحک" اپنے پہلو کو نرم رکھو۔ "لمن اتبعک من المؤمنین"

﴿۲۱۶﴾ "فان عصوک فقل انی بری مما تعملون" ان کے کفر اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے۔

﴿۲۱۷﴾ "وتوکل" قراء اہل مدینہ اور شام کے قراء نے (فتوکل) فا کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں بھی مذکور ہے۔ ان کے علاوہ باقی قراء نے واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "علی العزیز الرحیم" اس اللہ پر اعتماد کریں جو تمہارے دشمنوں کے مکر و فریب کیلئے کافی ہے۔

﴿۲۱۸﴾ "الذی یراک حین تقوم" اپنی نماز کے لیے جب کھڑے ہوں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ تم اس طرح کھڑے ہو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو۔ بعض نے کہا کہ جب تم ان کی دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاؤ۔

﴿۲۱۹﴾ "وتقلبک فی الساجدین" یعنی نماز کے اندر قیام اور رکوع اور سجود اور قعود کی طرف تمہارے منتقل ہونے کو وہ دیکھ رہا ہے۔ عکرمہ، عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فی الساجدین کا ترجمہ "فی المصلین" سے کیا ہے۔ مقاتل کلبی کا بیان ہے کہ "فی المصلین" یعنی "مع المصلین" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس

وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے، اللہ اس کو دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے، اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میرا رُخ یہاں دیکھتے ہو۔ واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ حسن کا قول ہے کہ تقلب سے مراد یہ ہے کہ تصرف یعنی مؤمنوں میں تمہاری آمد و رفت کو اللہ دیکھتا ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ساجدین سے مراد ہیں انبیاء، یعنی جیسے انبیاء کے حالات تھے وہ چلتے پھرتے مختلف احوال رکھتے تھے۔ اسی طرح مختلف احوال میں تمہارے تصرف کو بھی خدا دیکھتا ہے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تقلب کا معنی نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتیں آتی رہیں گی۔ ایک اُمت سے دوسری اُمت کی طرف یہاں تک کہ آخری نبی کی اُمت آجائے گی۔

⑳ ''انه هو السميع العليم''

㉑ ''هل انبئكم'' کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں ''على من تنزل الشياطين'' یہ ان کے اس قول کا جواب ہے۔ ''تنزل عليه الشيطان'' پھر آگے بیان کیا اور فرمایا۔

㉒ ''تنزّلُ'' اصل میں ''تتنزّل'' تھا ''على كل أفاكٍ'' جھوٹے کو کہتے ہیں۔ ''أثيم'' بمعنی فاجر۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے کاہن مراد ہیں کہ شیطان الجن آسمانی باتوں کو اُچک لیتا ہے اور اپنے کاہنوں کو آکر وہ خبر بتلاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

㉓ ''يلقون السمع'' وہ فرشتوں سے کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کو اپنے کاہنوں پر ڈال دیتے ہیں۔ ''واكثرهم كاذبون'' چونکہ اس ایک سچی بات کے ساتھ کئی جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾

(ترجمہ) اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور انہوں نے اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

شعراء کی تفسیر

تفسیر ۲۲۴ "والشعراء یتبعھم الغاؤن" اہل تفاسیر کا بیان ہے کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے۔ مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کیے ہیں عبداللہ بن الزبعری السہمی، ہبیرہ بن ابی وھب المخزومی، مشافع بن عبد مناف، ابوعزہ بن عبداللہ الجمحی، وامیہ بن أبی ا لصلت الثقفی۔ یہ شعراء جھوٹی غلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے الغاوٗن فرمایا یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔

الغاوٗن کا مصداق

قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ الغاوٗن سے مراد شیاطین ہیں۔ ضحاک کا قول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک کا تعلق انصار سے تھا اور دوسرا کسی اور جماعت کا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی قوم کی طرف سے مقرر تھا اور وہ سب بیوقوف تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہ روایت عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

۲۲۵ "الم تر انھم فی کل وادٍ" وادی سے مراد کلام کی ایک نوع مراد ہے۔ "یھیمون" وہ اسی میں سرگرداں اور راہِ حق سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ھائم کسی شخص کا ایسی طرف جانا جس طرف اس کو کوئی کام نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں، ہر لغو بات جس میں وہ غوطہ لگاتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے شعراء تعریف بھی جھوٹی کرتے ہیں اور ہجو بھی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "أنا فی وادٍ و انت فی وادٍ" میں ایک وادی میں ہوں اور تو دوسری وادی میں ہے۔ بعض نے کہا "فی کل وادٍ یھیمون" کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ہر حرف پر اشعار کے قافیے بندی بناتے ہیں۔

۲۲۶ "وانھم یقولون مالا یفعلون" وہ اپنے اشعار میں جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ یہ بات کہی اور وہ جھوٹے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ پھر اس سے مسلمان شعراء کا استثنیٰ کیا جو زمانہ جاہلیت کے شعراء کا جواب دیتے ہیں اور کفار کے اشعار کی ہجو کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ ان میں سے حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک ہیں۔

۲۲۷ "الا الذین امنوا وعملوا الصالحات" بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ! شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا

کیا ہوگا) فرمایا مؤمن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

جہاد میں اشعار کہنا تیروں جیسا اثر رکھتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لیے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرمار ہے تھے، میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ! روح القدس کے ذریعے سے اس کی مدد کر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرے گا۔

بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لیے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کراتا ہے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو، یہ ان کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا۔ ان کی ہجو کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے۔ پھر کعب بن مالک کو بلوایا، پھر حسان بن ثابت کو بلوایا، جب حسان آئے تو فرمایا، اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لیے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے باہر نکلتے ہوئے اسے بلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں، میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے۔ ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے۔ حسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا، قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے:

هجوت محمد افاجبت عنه وعند الله فی ذالک الجزاء

"تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔"

هجوت محمدا حنیفا رسول الله شیمته الوفاء

"تو نے مقدس پرہیز گار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔"

فان ابی وو الدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

"میرے ماں باپ اور میری آبرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر سب قربان۔"

فمن یهجو رسول الله منکم ویمدحه وینصره سواء

"تم میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔"

وجبریل رسول الله فینا وروح القدس لیس له کفاء

"اللہ کے رسول جبرئیل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔"

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دار قطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز وعدم جواز) کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

شعبی کا بیان ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے، تینوں شعر کہتے تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد کے اندر خود بھی شعر پڑھتے اور پڑھواتے بھی تھے، ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا:

امن آل نعم اَنْتَ غَادٍ فمبکر غداةَ غدٍ ام رَائحٌ فَمُهَجَّرٌ

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیوں کہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

"وذکروا الله کثیرًا" ان کی شاعری ان کے لیے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر اور ترغیب وترہیب کو بیان کرتے ہیں۔ "وانتصروا من بعد ما ظلموا" مقاتل کا بیان ہے کہ مشرکین کے مقابلے میں ہجو کے ذریعے مدد کرو۔ پھر شعراء مشرکین کے بارے میں فرمایا "وسیعلم الذین ظلموا" جو انہوں نے شرک کیا اور ہجو کی۔ "ای منقلب ینقلبون" وہ موت کے بعد ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم اور آتش سوزاں کی طرف لوٹیں گے۔ واللہ اعلم

سُورَةُ النَّمل

مکی سورت ہے اور اس میں ۹۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓ. تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ ❶ هُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ❷ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ❸

ترجمہ: طٰسٓ یہ آیتیں (جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی ہیں یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے)

تفسیر: ❶ "طٰس" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کی تفصیل ماقبل حروف تہجی کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ "تلک آیات القرآن" یہ قرآنی آیات "وکتاب مبین" اور یہ نشانیاں کتاب میں واضح موجود ہیں۔

❷ "هدًی و بشرٰی للمؤمنین" گمراہی سے ہدایت پانے والے اور مؤمنین مصدقین کیلئے جنت کی بشارت ہے۔

❸ "الذین یقیمون الصلٰوة" اور وہ نماز اپنے تمام ارکان وشرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ "ویؤتون الزکٰوة" اور مال میں سے جو کچھ ان پر واجب ہے وہ ادا کرتے ہیں۔ "وهم بالاٰخرة هم یوقنون"

اِنَّ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ❹ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ❺ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ❻ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا. سَاٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ ❼ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْ م بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا. وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ❽

ترجمہ: اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال بد ان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں سو وہ (اپنے اس جہل مرکب میں حق سے دور) بھٹکتے پھرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب

ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں (کہ کبھی نجات نہ ہوگی) اور آپ کو بالیقین ایک بڑے حکم والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جارہا ہے (لہذا آپ ان کے انکار سے غمگین نہ ہوجایئے) (اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی (جاکر) وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینک لو سو جب اس (آگ کے پاس پہنچے تو ان کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے (یعنی موسیٰ) اس پر بھی (برکت ہو یہ دعا بطور تحیہ وسلام کے ہے) اور اللہ رب العالمین پاک ہے

تفسیر ④"ان الذين لا يؤمنون بالاخرة زينالهم اعمالهم" ان قبیح افعال کو جو ان کے نفس اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ "فهم يعمهون" اس میں وہ متردد اور حیران ہیں۔

⑤"اولئك الذين لهم سوء العذاب" دُنیا میں سخت عذاب خواہ وہ قتل کی صورت میں ہو یا قید کی صورت میں ہو۔ جیسا کہ بدر کے دن میں ہوا۔ "وهم في الاخرة هم الاخسرون" اس لیے وہ اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈالتے ہیں اور اپنے اہل والوں کو اور یہ سب دوزخ میں جائیں گے۔

⑥"وانك لتلقى القرآن" آپ کو قرآن دیا جارہا ہے۔ "من لدن حكيم عليم" اللہ کی طرف سے وحی جو حکیم اور علیم ہے۔

⑦"اذ قال موسى لاهله" یاد کریں اے محمد! اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جب وہ مدین سے مصر کی طرف جارہے تھے۔ "انی أنست نارًا" کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ "ساتيكم منها بخبر" کہ تم اس جگہ بیٹھے رہو میں تمہارے پاس راستے کی یا آگ کی خبر لے کر آتا ہوں اور وہ راستہ بھول گئے تھے۔

"او اتيكم بشهاب قبس" اہل کوفہ نے اس کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں شہاب قبس کے لیے موصوف صفت ہوگا۔ دوسرے قراء نے بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ اضافت "الشئ الى نفسه" کی قبیل سے ہے کیونکہ شهاب اور قبس دونوں قریب المعنی ہیں۔ قبس اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے ایک سرے میں آگ لگی ہوئی ہو اور دوسرے سرے میں آگ نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ شہاب وہ چیز جو دو نور والی ہو۔ جیسے عرب کے ہاں ہر سفید چیز کو جو نور والی ہوں اس کو شہاب کہتے ہیں۔ قبس آگ کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ "لعلكم تصطلون" تاکہ تم اس کے ذریعے سے سردی دور کرسکو اور یہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب سخت سردی ہو۔

⑧"فلما جاء ها نودي أن بورك من في النار ومن حولها" پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے۔

بورک من فی النار کی تفسیر

تفسیر بورك على من في النار اور من في النار دونوں کا معنی ایک ہے۔ جیسے عرب کا قول ہے "بارك الله

او بارک اللّٰہ فیہ"اور"بارک اللّٰہ علیہ"سب کا ایک ہی معنی ہے۔مطلب یہ ہوگا کہ جو آگ میں ہیں اور جو آگ کے اِردگرد ہیں۔بعض نے کہا کہ "بورک راجعۃ" ہے موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کی طرف معنی ہوگا، برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

ومن حولھا کا مصداق

"ومن حولھا" سے مراد فرشتے جو اس آگ کے اِردگرد جمع تھے اس کا معنی یہ ہوگا کہ برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں تھا اور فرشتے جو اس کے اِردگرد موجود تھے اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے تحیہ تھا۔جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیام و برکت و رحمت دیا گیا تھا اور فرشتوں نے کہا تھا رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ علیکم اھل البیت۔اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ نار سے مراد نور ہے۔لفظ نار کا ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ ہی گمان کیا تھا اور آگ میں جو کچھ ہے وہ نور اور ملائکہ تھے۔وہ نور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا اس میں فرشتے جو تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب تھے اور بعض نے کہا کہ "من فی النار ومن حولھا" سے مراد تمام فرشتے ہیں۔بعض نے کہا کہ من فی النار سے موسیٰ علیہ السلام اور "من حولھا" سے مراد ملائکہ ہیں۔موسیٰ علیہ السلام اگرچہ آگ میں نہیں تھے بلکہ آگ کے قریب تھے۔

جیسا کہ عرب کہتے ہیں "بلغ فلان المنزل اذا قرب منہ" اگرچہ اس کے بعد پہنچے اور بعض کا قول ہے کہ برکت راجع ہے آگ کی طرف۔مجاہد کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے "بورکت النار" آگ کو برکت دی گئی۔سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ابی بن کعب کو پڑھتے ہوئے سنا۔"ان بورکت النار ومن حولھا" اس روایت میں "من حولھا" میں من زائدہ ہوگا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں "فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ" کہتے ہیں کہ ما اس کلام میں صلہ ہے۔جیسا کہ اس آیت میں ہے "جند ما ھنالک" اس کا معنی یوں ہوگا "بورک فی النار و فیمن حولھا" اس سے مراد فرشتے اور موسیٰ علیہ السلام ہیں۔نار کو مبارکۃ ایسے کہا گیا ہے جیسے بقعہ کو مبارکۃ کہا جاتا ہے اور فرمایا "فی البقعۃ المبارکۃ"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حسن نے اس کی یہ تفسیر کی ہے "بورک فی النار" یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ وہ بعینہٖ آگ ہی تھی جو اللہ کے لیے حجاب تھی۔جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کا حجاب (النار) نور ہے، اگر کھل جائے تو اس کی ذات کے چمکارے وہاں تک مخلوق کو جلا دے جہاں تک اس کی نظر کی رسائی ہو۔اللہ رب العزت نے اس سے اپنی پاکی بیان کی ہر برائی اور عیب سے "وسبحان اللّٰہ رب العالمین" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کو پہچان گئے۔

یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ⑨ وَاَلْقِ عَصَاکَ. فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ. یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ. اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩

ترجمہ: اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں (جو بے کیف کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو سو جب انہوں نے اس کو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔

⑨ "یا موسیٰ انه انا اللّٰه العزیز الحکیم"...... انه کی ضمیر بعض حضرات کے نزدیک امر وشان سے کنایہ ہے۔ یعنی معبود میں ہی ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت پر نشانی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

⑩ "والق عصاک فلما راھا تھتز" حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ "کانھا جان" وہ چھوٹا سانپ جو جلدی سے اِدھر اُدھر بھاگتا ہے۔ "ولی مدبرًا" خوف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ "ولم یعقب" اور واپس پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا جیسے کہا جاتا ہے "عقب فلان اذا رجع" جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور واپس آ جائے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ وہ واپس مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "یا موسیٰ لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون" اس سے مراد جب امن کی حالت ہو جو امن والی ہو بلکہ رہا خوف جو ایمان کی شرط ہے وہ اس سے جدا نہیں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انا اخشاکم اللّٰه"

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًام بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑪ وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ. اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ⑫ فَلَمَّا جَآءَتْھُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَۃً قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑬

ترجمہ: ہاں مگر جس سے کوئی قصور (یعنی لغزش سرزد) ہو جاوے پھر برائی (ہو جانے) کے بعد بجائے اس کے نیک کام کرلے (یعنی توبہ کرلے) تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا نو معجزوں میں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے جو نہایت واضح تھے تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے۔

الا من ظلم کے استثناء میں ائمہ کرام کی آراء

تفسیر ⑪ "الا من ظلم ثم بدل حسنًا بعد سوء فانی غفور الرحیم" اس استثناء میں آئمہ کرام کے مختلف

اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا یہ حضرت علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب ان سے قبطی قتل ہوگیا اس سے وہ خوف زدہ ہوگئے اور فوراً توبہ کی اور فرمایا رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی' اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

ابن جریج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں نے تجھے ایک نفس کے قتل کرنے کے بعد تجھے بچایا۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ پہنچ جانے سے یا گناہ سرزد ہونے سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہو بھی جائے تو وہ توبہ کر لیتے ہیں۔ اس تاویل کی صورت میں استثناء صحیح ہوگا۔ "الا من ظلم" پر کلام ختم ہوگیا، پھر اس کے بعد کلام کی ابتداء کی۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: "فمن ظلم ثم بدّل حسنًا بعد سوء فانی غفور رحیم" جس سے لغزش سرزد ہوگئی پھر اس کی لغزش کے بعد نیکی والا کام کر دیا اور اس نے توبہ کر لی کہ اللہ اس کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اللہ غفور الرحیم ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ یہ استثناء مرسلین سے نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے لغزش کا صدور جائز نہیں بلکہ یہ استثناء کلام سے متروک ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ میرے بھیجے ہوئے کسی سے نہیں ڈرتے بلکہ خوف اور ڈر تو غیر انبیاء کو ہوتا ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگ اللہ کے سوا دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں۔

بعض نحویین کے نزدیک "الا" یہاں پر "ھھنا" کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس پہنچ کر نہ تو پیغمبر خوف کرتے ہیں اور نہ وہ صلحاء مؤمنین جو پیغمبر نہیں اور ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور وہ توبہ کر لیتے ہیں اور اپنے اعمال کو درست کر لیتے ہیں وہ بھی بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں ان کو بھی کوئی خوف نہیں ہوتا۔ "لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا منھم" یعنی وہ ظالم نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی دکھائی۔

⑫ "وادخل یدک فی جیبک" جیب قمیص کو کاٹ کر بنایا جاتا ہے۔ اہل تفسیر کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ایک چھوٹا سا اونی کرتہ پہنے ہوئے تھے جس کی نہ آستینیں تھیں نہ بٹن اور وہ چمکنے لگا جیسے کہ بجلی چمکتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان "تخرج بیضاء من غیر سوء" بغیر کسی بیماری کے یعنی برص وغیرہ کی بیماری نہیں ہوگی۔ "فی تسع آیات" یہ نو نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو ان کو دے کر بھیجی ہے۔ "الی فرعون وقومه انھم کانوا قومًا فاسقین"

⑬ "فلما جاء تھم آیاتنا مبصرۃً" واضح نشانیاں جس کو وہ دیکھتے ہیں۔ "قالوا ھذا سحر مبین" واضح جادو ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا. فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ. اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯

ترجمہ اور (غضب تو یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا سو دیکھئے کیسا (برا) انجام ہوا ان مفسدوں کا اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو (شریعت اور ملک داری کا) علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے (ادائے شکر کیلئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد ان) کے قائم مقام سلیمانؑ ہوئے اور انہوں نے (اظہار شکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے۔

تفسیر ⑭ "وجحدوا بها" اور انہوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا اور عند اللہ نشانیاں ہونے کا انکار کرنے لگے۔ "واستيقنتها أنفسهم" ان کے دلوں کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ "ظلمًا وعلوًا" وہ شرک اور تکبر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پر اسلام لانے سے تکبر کرنے لگے۔ "فانظر كيف كان عاقبة المفسدين"

⑮ "ولقد اٰتينا داؤد و سليمان علمًا" فیصلے کا علم پرندوں کی بولی کا علم اور چوپاؤں کی زبان، شیطان کا مسخر ہو جانا اور پہاڑوں کی تسبیح۔ "وقالا الحمدلله الذی فضلنا" نبوت، کتاب، تسخیر شیطان خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے "علی كثير من عباده المؤمنين"

⑯ "وورث سليمان داؤد" حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت، علم وحکمت اور حکومت کے وارث ہوئے، دوسرے بھائیوں میں سے کوئی اس چیز کا وارث نہیں تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہی عطا کیا گیا جو حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا حکومت میں سے۔

اس کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا اور شیاطین کو بھی مسخر کر دیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بڑا تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام میں سلیمان کی نسبت سے قوت فیصلہ بڑی تھی اور آپ عبادت گزار زیادہ تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار بہت تھے۔ "وقال يا يها النّاس علمنا منطق الطير" پرندوں کی آواز کو بھی نطق سے موسوم کیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی آوازوں کو سمجھتے تھے جیسا کہ لوگوں کی باتوں کو وہ سمجھتے تھے۔

پرندوں کی زبان

حضرت کعب نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا: کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں، فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لیے جنو اور ویران ہونے کے لیے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا، یہ کہہ رہی ہے کاش! یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا: یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو

رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ صرد (لٹورا) نے آواز دی تو پوچھا: تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگارو! اللہ سے معافی کی درخواست کرو۔ طیطوی چیخا تو پوچھا: تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر نیا پرانا فرسودہ ہوگا۔ خطاف چیخا تو پوچھا، کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔

کبوتری نے آواز دی تو فرمایا: یہ کیا کہہ رہی ہے، تم کو معلوم ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا: یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخی تو پوچھا، جانتے ہو یا کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا: یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا: کوا عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بددعا دیتا ہے اور چیل کہتی ہے سوائے اللہ کے ہر چیز کو فنا ہے اور قطاۃ کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لیے جس کا مقصد دُنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور باز کہتا ہے میرے رب کی پاکی بیان کرو اور ثناء کرو اور مینڈکی کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا ذکر ہر زبان پر ہے۔

مکحول نے کہا: سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک تیتر چیخا تو آپ نے پوچھا: جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی'' (رحمٰن عرش پر متمکن ہے) فرقد صبحی کا بیان ہے ایک بلبل درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمان علیہ السلام کا اِدھر سے گزر ہوا۔ فرمایا، جانتے ہو یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہے۔ فرمایا، یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوہارا کھالیا، پس دُنیا پر لازم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کر دے۔

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں۔ اگر آپ بتادیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سمجھنے کے لیے پوچھ سکتے ہو ضد کے لیے نہیں پوچھ سکتے۔ یہودیوں نے پوچھا بتایئے چنڈول اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں کیا کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے رینگنے میں کیا کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتر کیا کہتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چنڈول کہتا ہے اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے: غافلو! اللہ کی یاد کرو اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کھنڈرات میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ! عشر وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں کے مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے ''سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح پاک'' اور مقدس ہے ملائکہ اور جبرئیل کا رب۔ زرزور کہتا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی'' یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے، اے آدم کے بیٹے! جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے۔ عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے: اے اللہ! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اور "اَلضَّآلِّيْنَ" کو ایسا کھینچتا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت کعب سے منقول ہے اور جو تفصیل مکحول اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن ہے کہ کسی ہنگامی آواز سے ہو (حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کسی وقت جانور اس طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کلمات کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں جو ہدہد اور چیونٹی کا کلام نقل کیا ہے اس کا تعلق تو پیش آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا ہی البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، وہ بیشک بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ہی یہ الفاظ کہتے ہیں۔ اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی تاویل کرنا ضروری ہوگی۔

"واوتینا من کل شیءٍ" انبیاء کرام اور بادشاہوں کو عطا کیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "کل شیءٍ" سے دُنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ نبوت اور حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ **"ان ھذا لھو الفضل المبین"** وہ ظاہری زیادتی جو ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں عطا کیا۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن وانس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہی کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑰ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑱ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ⑳

ترجمہ: اور سلیمانؑ کے لئے (جو) ان کا لشکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے مسخر نہیں ہوتے) اور (پھرتے بھی اس کثرت سے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں تم کو سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور

کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے کہ) میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں داخل رکھیے اور (ایک بار یہ قصہ ہوا کہ) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہدہد کو نہ دیکھا) فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔

تفسیر ⑰ "وحشر لسلیمٰن جنودہٗ" حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جمع کردی گئیں۔ "من الجن والانس والطیر" دور دور سے ان کو جمع کردیا گیا۔ "فھم یوزعون" وہ روکے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ ہر لشکر کا حصہ دوسرے لشکر کو آگے کرتا تا کہ وہ جلدی چلے۔ وزع کہتے ہیں کسی کو روک دینا۔

مقاتل نے "یُوْزَعُوْنَ" کا ترجمہ کیا ہے۔ "یُسَاقُوْنَ" ان کو چلایا جاتا تھا۔ محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی، ۲۵ فرسخ جنات کے لیے، ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لیے، ۲۵ فرسخ پرندوں کے لیے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ہزار کمرے تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے۔ تین سو منکوحہ بیبیاں تھیں جو تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمان کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اُٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر بحکم حضرت سلیمان علیہ السلام نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جارہے تھے اور آسمان و زمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی، میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کردیا ہے۔ اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لا کر تم کو پہنچا دے گی۔

⑱ "حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ" یہاں تک کہ یہ سب جب چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے۔

"عَلٰی وَادِ" میں لفظ علیٰ بتارہا ہے کہ وہ اوپر سے آئے تھے اور بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ اس وادی کو طے کر کے آخر کنارہ پر پہنچ گئے تھے (اور وہیں چیونٹیوں کے بل تھے) "اتی عَلَی الشیء" کا معنی ہے کسی چیز کو ختم کردیا اور اس کے آخری حصہ پر پہنچ گئے۔

وادی نمل کونسی جگہ ہے

وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل و عیال کو نوکروں، چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے۔ سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کے آہنی تنور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اتنی بڑی بڑی دیگیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آجائے۔ چوپایوں کے لیے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے۔ اثنائے سیر میں آسمان و زمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔ ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے ہوئے مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا، یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ خوش خبری ہے ان کے لیے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے اس کے لیے جس نے ان کا اتباع کیا۔

کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرداگرد بت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کعبہ

سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا۔ اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ کعبہ نے کہا، اے میرے رب! مجھے اس بات نے رُلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی، یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی، تو نہ روؤ، کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھردوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا۔ میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں، تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضۂ حج) مقرر کردوں گا (جس کو ادا کرنے کے لیے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں۔ وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچے اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے۔ (اونٹنی اپنے بچے کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے) میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کردوں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادیٔ سدیر کی طرف سے گزرے۔ وادیٔ سدیر وادیٔ طائف کا حصہ ہے وہاں آپ کا مرور وادیٔ نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادیٔ نمل طائف میں تھی۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: وہ شام میں ایک زمین تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں۔ فرق حمیدی نے کہا، اس وادی کی چونٹیاں مکھیوں کی طرح تھیں۔ بعض نے کہا بختاتی اونٹ کے برابر تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔

"قَالَتْ نَمْلَةٌ" ایک چیونٹی نے کہا۔ شعبی نے کہا (وہ چیونٹی پردار تھی) اس کے دو بازو تھے۔ بعض نے کہا وہ لنگڑی تھی۔ ضحاک نے اس کا نام طاحیہ اور مقاتل نے جرمی بتایا۔

⑲ "یا یھا النمل ادخلوا مساکنکم" یہاں پر ادخلن جمع کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہوجانے کی وجہ سے ان کے لیے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لیے مستعمل ہیں۔ "لایحطمنکم" کہ وہ تمہیں روند نہ ڈالیں۔ "سلیمان و جنودہ" حطم کہتے ہیں کسی چیز کو توڑنا۔ "وھم لا یشعرون" حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت جب ہوا پر رواں ہوتا تو مخلوق میں سے کوئی بھی کلام نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی بات دور سے سن لی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے یہ بات سن لی تھی۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس چیونٹی کا نام طاحیہ تھا۔ مقاتل نے کہا کہ اس کا نام جرمی تھا۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تو ہوا پر تھا، پھر چیونٹیوں کے روند ڈالنے کا احتمال ہی نہیں؟

جواب ❶: حضرت سلیمان علیہ السلام کا کچھ لشکر پیدل چل رہا ہو جس کی وجہ سے چیونٹیوں کو اندیشہ ہوا۔

جواب ②: بعض نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ تسخیر ہوا سے پہلے کا واقعہ ہو۔

جواب ③: بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ چیونٹی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے نبی ہونے کا علم تھا اور وہ نہ تو سختی کرتے اور نہ ہی کسی کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اپنے اپنے گھروں میں داخل نہ ہوئیں اور انہوں نے تمہیں روند ڈالا تو تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سنی تو لشکر کو روک لیا۔ جب تک کہ وہ سب اپنے اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوتیں اس وقت تک لشکر کو چلنے کا حکم نہیں دیا۔

"**فتبسم ضاحكاً من قولها**" زجاج کا قول ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ "ضاحکًا" سے مراد "متبسمًا" مسکرانا ہے۔ بعض نے کہا کہ شروع شروع میں تبسم تھا پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرادیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کے اس قول سے بطور تعجب کے ہنس پڑے کیونکہ انسان جب دیکھتا ہے کہ جس مخلوق کے ساتھ عہد نہیں ہے وہ بھی پورا کرتی ہیں۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے حمد کی جو اللہ رب العزت نے ان کو انعامات سے نوازا ہے۔ "**وقال رب اوزعني**" مجھے الہام کردے۔ "**أن اشكر نعمتك التي انعمت عليّ وعلى والدي وأن اعمل صالحًا ترضاه وادخلني برحمتك في عبادك الصالحين**" من جملہ ان میں ہمیں بھی داخل فرما اور ہمارے نام کو ان کے ناموں کے ساتھ ثابت رکھ اور ان کے ساتھ ہمارا حساب کر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب علیہم السلام اور اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہمیں اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں کے ساتھ جنت میں داخل کردے۔

⑳ "**وتفقد الطير**" اس کا معنی ہے گمشدہ چیز کا ڈھونڈنا۔ آیت کا معنی ہے جو پرندوں میں سے غائب ہے وہ کونسا پرندہ ہے۔

ہدہد کے غائب ہونے کا واقعہ

تفسیر "**فقال مالي لا اري الهدهد**" مجھے ہدہد دکھائی نہیں دیتا وہ کہاں غائب ہے؟ جیسا کہ عرب کا قول ہے "مالی اراک کئیبًا" کیا ہوا استفہام تعجبیہ ہے۔ ہدہد معروف پرندہ ہے۔ ہدہد کے گم ہونے اور اس کے سوال کرنے کی وجہ کیا تھی۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کو توبہ کروانی تھی۔

ہدہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کسی منزل پر اُترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لیے

پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہد ہد چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا، پھر جنات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے۔ ''**کذا اخرج ابن ابی شیبة و عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم والحاکم**'' حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا: اے بیان کرنے والے! دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہد ہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: جب قضا و قدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔ غرض حضرت سلیمان علیہ السلام ایک منزل پر اُترے۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا، کہیں نہیں ملا، پانی کی ضرورت سخت تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو تلاش کرایا۔ آپ علیہ السلام کا خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا اور فرمایا کیا ہوا میں ہد ہد کو نہیں دیکھ پا رہا۔ جب وہ اپنے لشکر کی تقریر میں فرما رہے تھے کہ ہد ہد ان کو دکھائی نہیں دیا۔ اس کے غائب ہونے کی وجہ سے تردد لاحق ہوا اور فرمایا ''**ام کان من الغائبین**'' کیا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔ ام میں میم صلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ام بمعنی بل کے ہے، پھر اس کے غیب پر ایک وعدہ کیا اور کہا:

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاْ اَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ㉑ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ㉒

(ترجمہ) میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت (اور عذر حاضری کا) میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور (سلیمانؑ سے) کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور (اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔

㉑ ''**لاعذبنه عذابًا شدیدًا**'' یعنی میں اس کو سخت عذاب دوں گا تاکہ دوسرے ہد ہدوں کو عبرت ہو۔

عذاباً شدیداً سے کونسا عذاب مراد ہے

عذاب شدید دینے سے کیا مراد تھی، اس کے تعیین کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا: مراد یہ تھی کہ میں اس کے پر و بال اور دُم نوچ کر لوتھڑا بنا کر دھوپ میں ڈالوں گا کہ کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں اس کو کھالیں۔ مقاتل نے کہا: میں لوتھڑا بنا کر تارکول ملوا کر دھوپ میں پھنکوا دوں گا۔ بعض نے کہا: پنجرہ میں بند کر دینا مراد تھا۔ کسی نے کہا: مادہ سے ہمیشہ کے لیے جدا کرنا مقصد تھا، یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اس کو قید کر دوں گا یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہد ہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔

"او لا ذبحنه" اس کی گردن کاٹ دوں گا۔ "او لیاتینی بسلطان مبین" یا اپنے غائب ہونے کی کوئی قوی دلیل لے آئے تو پھر بخش دوں گا یا کوئی عذر لے آئے تو پھر بخش دوں گا۔ ابن کثیر نے "لیاتیننی" پڑھا ہے نون اوّل مشدد کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ایک نون کے مشدد کے ساتھ پڑھا ہے۔

ہدہد کی غیر حاضری کا سبب

ہدہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اس کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے۔ جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں، پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے، ان کو مخالفین پر فتح یاب کیا جائے گا، ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا، نزدیک اور دوران کے لیے برابر ہوگا، اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ حاضرین نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ان کا دین کیا ہوگا؟ فرمایا: وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے۔ خوشی ہو اس کے لیے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے۔ حاضرین نے دریافت کیا: ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ایک ہزار، حاضرین کو چاہیے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کی ملکہ بلقیس سے ملاقات

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمان علیہ السلام مکہ میں قیام پذیر رہے۔ جب حج پورا کر لیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے۔ صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے۔ یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی، صنعاء کی زمین کو خوبصورت اور سرسبز پایا۔ آپ نے وہاں اُترنے کو پسند کیا تا کہ کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کر لیں۔ ہدہد نے سوچا کہ سلیمان علیہ السلام تو اُترنے میں لگے ہوئے ہیں، اتنے میں آسمان کی طرف اُڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا۔ ہدہد سبزے کی طرف چل دیا اور باغ میں اُتر گیا، وہاں ایک اور ہدہد سے ملاقات ہوگئی۔ ہدہد سلیمان علیہ السلام اس کے پاس اُتر کر پہنچ گیا۔ ہدہد سلیمان علیہ السلام کا نام یعفور اور ہدہد یمن کا نام عنفیر تھا۔ عنفیر نے یعفور سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ یعفور نے کہا: میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں۔ عنفیر نے پوچھا: سلیمان کون ہے؟ یعفور نے کہا: وہ جن و انس اور شیطانوں، وحشی جانوروں، پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ عنفیر نے کہا: اسی ملک کا باشندہ ہوں۔ یعفور نے پوچھا: اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟ عنفیر نے کہا: یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے۔

بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے، اس کے زیر حکم بارہ ہزار جنرل ہیں اور ہر جنرل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں۔ یعنی اس قوم کی زراعت اور تجارت پر خوشحالی تھی۔ زراعت کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا بند تعمیر کیا تھا جسے سد مارب کہتے ہیں۔ آب پاشی کے لیے نہروں کا بہترین نظام قائم کیا۔ تجارت کے لیے اس قوم نے بری اور بحری دونوں راستے خود دریافت کیے۔ بحر احمر کی موسمی ہواؤں، زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے۔ کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو؟ یعفور نے کہا: مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے۔ عنفیر نے کہا: تمہارا مالک اس بات سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملکہ کی خبر بتاؤ گے۔ یعفور نے عنفیر کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا۔

ہدہد کے بغیر کوئی بھی پانی تلاش نہ کر سکا

ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام اُتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا، نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا۔ آپ نے جنات سے، آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے۔ پرندوں کی تلاش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ پرندوں کے عریف یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہدہد کے متعلق اس سے پوچھا۔ گدھ نے کہا: مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور فرمایا: "لا عذّبنّه عذابًا شديدًا او لا۟ اذبحنّه او ليأتيني بسلطنٍ مبين" پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا کہ ابھی ہد ہد کو پکڑ لاؤ۔ عقاب فوراً اُڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہوگیا۔ وہاں سے اس کو یہ دُنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی۔ پھر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہدہد بھی آتا دکھائی دیا۔ عقاب اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہدہد نے عقاب کو پر توڑ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق بُرا ہے۔ ہدہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دُکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو۔

عقاب ہدہد کی طرف سے پلٹ گیا۔ کم بخت تو مرے، اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد دونوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف رُخ کر دیا۔ جب لشکر تک پہنچے تو گدھ اور دوسرے پرندوں نے جالیا اور کہا: ارے! آج تو دن بھر کہاں غائب رہا۔ اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ یہ کہا تھا۔ ہدہد نے کہا: کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی؟ پرندوں نے کہا: ہاں، یہ بھی فرمایا تھا: "او ليأتيني بسلطنٍ مبين" ہدہد نے کہا: بس تو میں عذاب سے بچ گیا۔ پھر عقاب اور ہدہد اُڑ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے، آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عقاب نے کہا: یا نبی اللہ! میں اس کو لے آیا۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھ کر اظہارِ عاجزی کے طور پر اپنا سر اُٹھایا، دم اور دونوں بازو نیچے کو لٹکا دیئے اور زمین پر ان کو کھینچنے لگا۔ جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: تو

کہاں تھا؟ میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا۔ ہدہد نے کہا: یا نبی اللہ! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام لرز گئے اور ہدہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

㉒ ''فمکث'' عاصم اور یعقوب نے کاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ ''غیر بعید'' وہ جو طویل نہ ہو۔ ''فقال احط بمالم تحط به'' کسی چیز کا ہمہ جہتی پورا پورا علم جیسا کہ کہا جاتا ہے ''علمت مالم تعلم'' تو میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور مجھے ایسی خبر پہنچی ہے جو تجھ تک نہیں پہنچی اور نہ ہی آپ کے لشکر تک کوئی خبر پہنچی۔ ''و جئتک من سبا'' ابوعمرو اور بزی نے ابن کثیر سے یہ روایت نقل کی ''سبأ ...... لسبا'' ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور قواص نے ابن کثیر سے ساکن پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے اور دوسرے قراء نے ہمزہ کے جر کے ساتھ پڑھا ہے اور جو حضرات اس کو جر نہیں پڑھتے وہ اس کو شہر کا نام قرار دیتے ہیں اور جو حضرات اس کو جر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بندے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قوم سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں جانب اور چار بائیں جانب کو چلے گئے۔ یعنی چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی اور یہ ملک یمن کہلایا اور چار بائیں جانب جا کر آباد ہوئے، یہ ملک شام کہلایا۔ ''بنبأ'' خبر دی۔ (یقین) حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تو ہدہد نے کہا۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ㉓ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ㉔ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ㉕ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (آیت سجدہ) ㉖ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ㉗ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ㉘

(ترجمہ) میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (اور قیمتی) تخت ہے میں نے اس کو اور اس (عورت) کی قوم کو پایا کہ وہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے (ان) اعمال (کفریہ) کو ان کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور ان کو راہ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے کہ اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں بارش اور نبات بھی ہے) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ زبان وغیرہ سے) ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے (پس اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے سلیمانؑ نے (یہ سن

کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اس کو اس کے پاس ڈال دینا پھر (وہاں سے) ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال وجواب کرتے ہیں۔

ہدہد کی کارگزاری ملکہ بلقیس سے متعلق

تفسیر ㉓ "انی وجدت امراۃ تملکھم" میں نے ایک ایسی عورت پائی جو سبا والوں پر حکمرانی کرتی ہے (یعنی ان کی ملکہ ہے) ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا، وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی۔ اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباؤ اجداد بادشاہ ہو کر گزرے تھے، وہ خود چالیسواں تھا۔ ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی، ہمسر بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا۔ اسی لیے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا۔ اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سوائے بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا (مترجم کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی یا حدیث سے مراد ہے قصہ یعنی بلقیس کے قصہ میں یہ بات آئی ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک از قوم جن تھا۔ واللہ اعلم)

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی۔ مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنالیا، قوم دو فرقوں میں بٹ گئی۔ یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا، اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر دست درازی کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا۔ بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا: مجھے تمہاری طرف سے اُمید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لوگی۔ اسی لیے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی۔ بلقیس نے کہا: مجھے کوئی عذر نہیں۔ تم میرے کفو اور شریف ہو، اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام سنا دیا۔ لوگوں نے کہا: ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہوگی۔ بادشاہ نے کہا: ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے۔ میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو۔ قوم والوں نے آکر بلقیس سے اس کا ذکر کیا۔ بلقیس نے کہا: ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے۔ غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا۔ بلقیس وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا، پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آگئی۔ صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا۔ اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا

ہے تو فرمایا: وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت کو اپنے امر کا والی (یعنی اپنی ملکہ) بنالیا ہو۔ (رواہ البخاری فی الصحیح واحمد والترمذی والنسائی)

"واوتیت من کل شیءٍ" جس کی طرف بادشاہوں کو حاجت ہوتی ہے مثلاً اسلحہ کا سامان اور لشکر۔ "ولها عرش عظیم" حجم میں بڑا سونے کا بنا ہوا، سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور موتیوں سے مرصع، جس کے ستون (پائے) یاقوت اور زمرد کے ہیں۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا اور تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ طول اسّی (۸۰) ہاتھ تھا اور اونچائی تیس ہاتھ اور ہوا میں اس کا طول اسّی (۸۰) ذراع تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا طول اسّی ذراع اور اس کی چوڑائی چالیس ذراع اور اس کی بلندی تیس ذراع تھی۔

㉔ "وجدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله وزين لهم الشيطان أعمالهم فصدهم عن السبيل فهم لايهتدون"

㉕ "الایسجدوا" ابوجعفر، کسائی نے "الا یسجدوا" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب وہ کھڑے ہوتے ہیں تو یوں کہتے ہیں "الا یائثم" اے گنہگار کیا تم اللہ کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ "الا یاھولاء اسجدوا" یہ جملہ امریہ مستانفہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عرب سے اسی طرح سماعاً منقول ہے جیسے عرب کے ہاں یہ مقولہ مشہور ہے۔ "ألا یا ارحمون" اسی طرح یہاں بمعنی کلمہ معترضہ ہوگا۔ عبارت یوں تھی "اما من الهدهد و اما من سليمان" ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اللہ کا مذکورہ حکم جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی اے لوگو! اللہ کو سجدہ کرو۔ دوسرے قراء نے "الا یسجدوا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کردیا تاکہ یہ اس کو سجدہ کریں۔ "لله الذی یخرج الخبأ" یعنی پوشیدہ چھپی ہوئی بات۔ "فی السموات والارض" زمین اور آسمان میں اس سے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ "خباء السموات" اور "خباء الارض" سبزہ کو کہتے ہیں اور عبداللہ کی یہی قرأۃ ہے۔ "یخرج الخبأ من السموات والارض" اور اس میں جو کچھ ہے وہ اپنی رفتار میں چل رہا ہے۔ عرب کا قول ہے کہ میں تمہیں اس شہر سے نکالوں گا جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ غیب۔ آیات کا مطلب ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ اشیاء کو جانتا ہے۔

"ویعلم ما تخفون وما تعلنون" کسائی نے حفص عن عاصم سے بیان کیا کہ یہ تاء کے ساتھ ہے کیونکہ پہلی قرأت میں خطاب کا صیغہ ہے اور کسائی کی قرأت پر تخفیف کے ساتھ ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

㉖ "الله لا اله الا هو رب العرش العظيم" وہی عبادت کا مستحق اور سجود کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ مستحق نہیں۔ ملکہ سبا کا عرش اگرچہ بڑا تھا لیکن اللہ عزوجل کے عرش کے مقابلے میں ایک جنب سے بھی حقیر تھا۔ یہاں پر ہدہد کا کلام تام ہوا۔ جب ہدہد اپنے کلام سے فارغ ہوا۔

㉗ "قال" حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے کہا "سننظر أصدقت" جو تو نے ہمیں خبر پہنچائی ہے کیا وہ سچی ہے یا نہیں؟ "ام کنت من الکاذبین" پھر ہدہد نے لوگوں کو پانی کا بتایا۔ پھر لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کو اسلام کی دعوت پر خط لکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط اس طرح لکھا: بندہ خدا سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ اما بعد! میرے مقابلے میں فخر نہ کرو اور اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ ابن جریج نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ قتادہ نے کہا انبیاء علیہم السلام کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں، وہ کلام کو طول نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں، خط لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر مشک چسپاں کیا اور اس پر مہر لگا کر ہدہد کے حوالے کیا اور فرمایا۔

㉘ "اذهب بكتابي هذا فالقه اليهم" ابوعمرو عاصم حمزہ حاء کے ساکن کے ساتھ، ابوجعفر، یعقوب نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ثم تول عنهم" ان سے ذرا دور رہ کر دیکھنا۔ "فانظر ماذا يرجعون" وہ اس خط کا جواب کیسے دیتے ہیں یا کیا جواب دیتے ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل میں اس طرح عبارت تھی "اذهب بكتابي هذا فالقه اليهم فانظر ماذا يرجعون" میرے اس خط کو لے جاؤ اور اس کو ان تک پہنچا دو اور دیکھو اس کا ردّ عمل وہ کیا کرتے ہیں۔

ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا۔ بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی۔ ہدہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب بند تھے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں۔ غرض ہدہد بلقیس کے قریب پہنچ گیا۔ بلقیس چت لیٹی سو رہی تھی، ہدہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا۔ باڈی گارڈ اور چوکیدار سپاہی کھڑے تھے۔ ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے، لوگ اس کو دیکھتے رہے۔ آخر ملکہ نے خود سر اُٹھایا، ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ کا اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رُخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جونہی ملکہ روشن دان سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا، فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی۔ ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور فوراً دونوں بازو پھیلا کر روشن دان بند کر دیا۔ سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہیں چلا۔ جب دیر ہو گئی تو اُٹھ کر سورج کو دیکھنے گئی، ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا۔ بلقیس پڑھی ہوئی تھی، خط لے کر مہر دیکھی، مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا نقشہ مہر میں موجود تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے۔ ہدہد خط پھینک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا، بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا۔ یہ سردار بارہ ہزار تھے، ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اقیال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی۔ قیل بمعنی نواب یا بادشاہ سردار کو کہتے ہیں۔ قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس کی مشورہ کمیٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی، ہر ممبر شوریٰ کے تحت دس دس ہزار سپاہی تھے، سب آکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿29﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ﴿30﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿31﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ. مَا كُنْتُ
قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿32﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ
فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿33﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ
اَذِلَّةً. وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿34﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ، بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿35﴾

ترجمہ: بلقیس (نے پڑھ کر اپنے سرداروں سے مشورہ کے لئے) کہا کہ اے اہل دربار میرے پاس ایک خط (جس کا مضمون نہایت) باوقعت (ہے) ڈالا گیا ہے وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سب اعیان سلطنت جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو (کہ مجھ کو سلیمانؑ کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور) میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود ہو وہ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور (آئندہ) اختیار تم کو ہے سو تم ہی (مصلحت) کو دیکھ لو جو کچھ (تجویز کر کے) حکم دینا ہو بلقیس کہنے لگی کہ والیان ملک (کا قاعدہ ہے کہ) جب کسی بستی میں (فاتحانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو انکا زور گھٹانے کیلئے) ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے (وہاں سے) کیا (جواب) لے کر آتے ہیں

تفسیر: ﴿29﴾ "قالت" بلقیس نے ان سب سے کہا "یا یھا الملاء" اے سردارو! اپنی قوم کے شرفاء لوگ تھے۔

بلقیس نے خط کو کریم کہا مختلف وجوہ سے

"انی القی الیّ کتاب کریم" عطاء اور ضحاک کا قول ہے کہ اس خط کو کریم اور معزز اس لیے کہا گیا کہ اس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خط کا معزز ہونا اس کی مہر کی وجہ سے ہے۔ قتادہ اور مقاتل کا قول ہے کہ کتاب کریم سے مراد "حسنٌ" ہے یعنی عمدہ اور اچھا۔ زجاج نے بھی اسی ترجمہ کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول آتا ہے کریم بمعنی بزرگ کے ہے کیونکہ اس کے بھیجنے والا بھی بزرگ تھا۔ بعض نے کریم کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ خط بھیجنے کا واقعہ عجیب تھا۔ بعض نے کہا کہ کریم اسی وجہ سے تھا کہ خط کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی گئی تھی۔ اس لیے اس کو کریم کہا۔ پھر بلقیس نے بتلایا کہ یہ خط کہاں سے آیا اور کس طرح آیا۔

㉚ وہ کہنے لگی "انه من سليمان" اور خط کھول کر بیان کر دیا اور کہا "وانه بسم الله الرحمٰن الرحیم"

㉛ "الا تعلوا علیّ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا کہ میرے سامنے تکبر نہ کرو اور بعض نے کہا کہ میری آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرنا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میری بات کا جواب دینے سے انکار نہ کرنا کیونکہ جواب کا ترک کر دینا تکبر یا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے ہوتا ہے۔ "وأتوني مسلمين" مجھ پر ایمان لانے اور میری فرمانبرداری کرنے والے بن جاؤ۔ بعض نے کہا کہ جس طرح میں اسلام نے اس خط کو تسلیم کیا ہے اسی طرح تم بھی تسلیم کرلو۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ جس طرح میں نے اسلام کو تسلیم کیا ہے تم بھی تسلیم کرلو۔

㉜ "قالت یایها الملاء أفتوني في امري" میں نے جو کچھ تمہیں پیش کیا اس کا مشورہ دو اور جواب بھی دو۔ "ما كنت قاطعة" میں اس پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔ "امرًا حتی تشهدون" جب تک حاضر کیا جائے یا اس کے متعلق مجھے باخبر نہ کیا جائے۔

㉝ "قالوا" بلقیس کا جواب دیتے ہوئے کہنے لگے "نحن اولوا قوة" ہم قتال کرنے کے لیے مضبوط اور قوی ہیں۔ "واولوا بأس شديد" اور جنگ کے وقت بھی زیادہ ہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ قوۃ سے مراد ہے تعدادی قوت اور کثرت اور بأس سے مراد ہے شدت شجاعت۔ یہ قول بطور تعریض کے ذکر کیا ہے کہ اگر تم ہمیں قتال کا حکم کرو گے تو کبھی ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور کہنے لگے "والامر اليك" اے ملکہ بادشاہ! یہ امر اب تمہارے ہاتھوں میں ہے چاہیں تو قتال کا حکم دے دیں اور چاہیں تو ترک کر دیں۔ "فانظری" اپنی رائے پر غور کریں۔ "ماذا تأمرين" یا اپنے کام میں نظر ثانی کر کے ہمیں حکم دیدیں۔

㉞ "قالت" بلقیس ان کو جواب دیتے ہوئے کہنے لگی "انّ الملوک اذا دخلوا قرية" جبراً داخل ہوتے ہیں۔ "افسدوها" تو اس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ "وجعلوا اعزة أهلها أذلة" ان کے شرفاء اور بزرگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان سب کے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ ہم ان سے ڈریں اور ان کے شہر میں داخل ہو جائیں اور اس خبر سے ان کو روکا کہ کسی کو نہ بتلائیں تو اللہ نے اس کے قول کی تصدیق کی اور کہا "وكذلك يفعلون" جیسا کہ تو نے ہمیں حکم دیا ہے ہم ویسا ہی اس حکم کو بجالائیں گے۔

㉟ پھر وہ کہنے لگی "واني مرسلة اليهم بهدية" ہدیہ وہ چیز جو تحفہ اور عطیہ میں دی جائے۔ وہ عورت سیاست میں ماہر تھی۔ بلقیس کے قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم بلقیس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام اور اس کی قوم کی طرف ایک ہدیہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ بادشاہ اور نبی ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہیں تو ہدیہ قبول کرلیں گے اور ہم واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ نبی ہوئے تو ہمارا ہدیہ قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ اس بات سے راضی ہوں گے کہ وہ ہماری تابعداری کریں۔ "فناظرة بم يرجع المرسلون" اس نے ہدیہ میں غلام اور باندیاں بھیجیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تا کہ شناخت نہ ہو سکے۔

ملکہ بلقیس کے ہدایا کی تفصیل

مجاہد نے کہا: دوسوغلام اور دوسو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا: (سونے کی) اینٹ، ریشم اور دیباج کے ساتھ بھیجی تھی۔ بعض نے کہا: سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا: بلقیس نے پانچ سولڑکے اور لڑکیاں بھیجیں۔ لڑکیوں کو قبائیں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سنہری کنگن، گلے میں سونے کے ہار، کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے۔ لڑکوں کو پانچ سو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانچ سو خچروں پر سوار کرایا، ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگارنگ کے دیباج کے۔ بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں، موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا اور مشک و عنبر وعود بھی، پھر ایک ڈبہ میں بلا سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا کیا ہوا ایک پوتھ رکھ کر بند کر دیا اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا، بلوا کر کچھ دوسرے سمجھ دار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی، دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان علیہ السلام سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتائیے کہ ڈبہ میں کیا ہے؟ (اور جب وہ بتا دیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے۔ غلاموں اور باندیوں کو یہ بھی حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لچکدار بات کریں اور باندیاں کرخت لہجے میں مردانہ بات کریں۔ پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں۔ اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں، تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا، ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں۔ ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا۔ غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر ہدہد نے جلد جا کر حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں بچھا دیں اور میدان کے گرداگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں۔ پھر فرمایا: خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ! ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے دو بازو، گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں۔ فرمایا: ابھی لے آؤ۔ جنات نے فوراً لا کر حاضر کر دیئے۔ فرمایا: میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو۔ پھر جنات کو حکم دیا، اپنی اولاد کو لا کر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوا دیں اور دائیں بائیں فرسخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔ جب قاصد قریب پہنچ گئے اور

سلیمان علیہ السلام کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہیں دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اُٹھا لینے کی تہمت نہ لگائے اس لیے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں۔ پھر شیاطین کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا، آگے بڑھو، ڈر کی کوئی بات نہیں۔ قاصد تمام جن وانس اور پرندوں، درندوں اور چرندوں کی ٹکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا: کیا بات ہے؟ امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔ آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا: ڈبہ کہاں ہے؟ امیر وفد نے پیش کر دیا۔ آپ نے ڈبہ کو ہلایا۔

اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آگئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتادی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پوتھ ہے۔ قاصد نے عرض کیا: آپ نے صحیح فرمایا۔ اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پوتھ میں دھاگہ پرو دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا: کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے؟ کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لیے خاموش رہے۔ پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا۔ ایک شیطان نے کہا: لکڑی کے کیڑے کو بلوایا۔ حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا انعام چاہتا ہے؟ کیڑے نے عرض کیا:

میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تیرے لیے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا۔ لڑکی برتن سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی، پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی بانہہ کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا، لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا۔ پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کر دیئے۔ جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تمام تفصیل بغوی نے بیان کی ہے جو مختلف روایات سے ماخوذ ہے۔ بعض باتیں ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے اور بعض باتیں ابن ابی حاتم اور ابن المنذر دونوں نے یزید بن رومان کی روایت سے بیان کی ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

صٰغِرُوْنَ ۞ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۞ قَالَ
عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۞

ترجمہ: سو جب وہ فرستادہ سلیمانؑ کے پاس پہنچا (اور تحفے پیش کیے تو سلیمانؑ نے) فرمایا کیا تم لوگ (یعنی بلقیس وغیرہ) مال سے میری امداد کرتے ہو سو (سمجھ رکھو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہوگے (سو یہ تحفے ہم نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ہمیشہ کے لئے) ماتحت ہو جاویں گے سلیمانؑ (کو وحی سے یا اور کسی مخبر وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہوا تو انہوں) نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آ دیں حاضر کر دے ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (گو وہ بڑا بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں اور گو وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے مگر امانت دار (بھی) ہوں۔

تفسیر: ㊱ "فلما جاء سليمان قال اتمدونن بمال" حمزہ اور یعقوب نے "أتمدوني" ذکر کیا۔ ایک نون کے ساتھ اور یاء کے ثابت کے ساتھ اور دوسرے قراء نے اس کو دونون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء کو باقی رکھا ہے اور دوسرے قراء اس کو حذف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ "فما أتاني الله" کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت دین حکمت اور بادشاہت عطا کی ہے۔

"خیرٌ" وہ بہتر ہے، افضل ہے۔ "مما اتاكم بل انتم بهديتكم تفرحون" یہ تو دُنیاوی لوگوں کے لیے باعث فخر ہے اور دُنیا والوں کے لیے اس میں کثرت ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ میں ان کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی دُنیا میں مجھے ان چیزوں کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دُنیا میں کچھ دن کے لیے ٹھکانا دیا اور اس میں سے ضرورت کی اشیاء مجھے عطا کی ہیں جو تم سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں اور اس کے علاوہ مجھے میرے اکرام بخشا دیں اور نبوت کے ساتھ، پھر منذر بن عمرو نے جو وفد کا امیر تھا اس نے کہا۔

㊲ "ارجع اليهم" ہدیہ دے کر واپس لوٹ جاؤ۔ "فلنأتينهم بجنود لاقبل لهم" اس کی طاقت نہیں۔ "بها ولنخرجنهم منها" اور وہ تمہیں تمہارے شہر سبا سے تمہیں نکال دیں گے۔ "اذلة وهم صاغرون" وہ ذلیل ہیں اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدایا واپس لوٹا دینا

وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ جب وفد یمن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا تو بلقیس نے کہا واللہ! میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں اور ان کے مقابلے کی ہم میں سکت نہیں ہے اس کے بعد بلقیس نے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے؟ پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تختہ کو تہ بہ تہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کرا دیا، سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لیے کچھ نگران مقرر کر لیے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگران رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلان کرنے والے کو یہ حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہوگئی، ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے باوقار اور رعب والے آدمی تھے۔ اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ وہ آپ پر ہی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا۔ ایک روز اپنے تخت حکومت سے باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اُڑتا نظر آیا اور دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آ کر اُتری ہے، یہ مقام حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس سے ایک فرسخ پر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر اپنے لشکروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

㊳ "قال یا یھا الملأ أیکم یاتینی بعرشھا قبل ان یأتونی مسلمین" اس کے ایمان لانے سے پہلے۔

بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کا حکم

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی اطاعت کرنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ میں آئمہ مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں کہ انہوں نے بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کا کیوں حکم دیا؟ اکثر مفسرین نے اس کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کے اسلام لانے کے بعد اس کے مال پر قبضہ نہیں کر سکتے اور اس کی رضامندی سے اس کا تخت لینا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جائز نہیں تھا۔ اس لیے ارادہ کیا کہ اس کے اسلام لانے سے پہلے اس کو اپنے پاس حاضر کیا جائے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ تا کہ اس کے ذریعے سے اس کو اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کروائیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان کو اس کے اس تخت کی صفات عجیب معلوم ہوئیں۔ جب ہدہد نے ان کو تفصیل بتلائی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام پسند کرتے تھے کہ اس کو دیکھیں۔ ابن زید کا قول ہے بلقیس کی عقل کی آزمائش تھی کہ کیا وہ اپنے تخت کو پہچان لے گی۔

㊴ "قال عفریت من الجن" ایک قوی دیو نے کہا۔ وہب کا بیان ہے کہ اس کا نام کوذی تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام ذکوان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یہ عفریت ایک پہاڑ کی طرح تھا۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس سے مراد خبیث دیو ہے۔ ربیع نے کہا کہ اس سے مراد غلیظ ہے۔ فراء کا قول ہے کہ اس سے مراد سخت قسم کا دیو ہے۔

"أنا اٰتیک به قبل أن تقوم من مقامک" اس جگہ سے جس جگہ آپ بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر صبح کو مجلس کرتے تھے جو دوپہر تک جاری رہتی تھی۔ "وانی علیہ" اس کے اُٹھانے کیلئے "لقوی أمین" یعنی جن جواہر سے وہ مرصع تھا ان میں کمی نہیں کروں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، میں اس سے زیادہ جلد منگوانا چاہتا ہوں۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ. فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ. لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ. وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ. وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ⑳ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ㊶ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ. قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ㊷

ترجمہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے (اس جن سے) کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کھڑا کر سکتا ہوں پس جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدانخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے کریم ہے (اس کے بعد) سلیمانؑ نے (بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو پتہ لگتا ہے یا اس کا ان ہی میں شمار ہوتا ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا (سلیمانؑ نے یہ سب سامان کر رکھا پھر بلقیس پہنچی) سو جب بلقیس آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی ہاں ہے تو ویسا ہی اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی) تحقیق ہو چکی ہے۔ اور ہم (اسی وقت دل سے) مطیع ہو چکے ہیں۔

علم من الکتاب کی مختلف تفسیریں

تفسیر ⑳ "قال الذی عندہ علم من الکتاب" اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض نے کہا کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مؤید کیا تھا۔

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد آصف بن برخیا ہیں جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا۔ جب اسم اعظم لے کر دُعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دُعا قبول فرمالیتا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا۔ جو یبر اور مقاتل نے ضحاک کی وساطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف بن برخیا نے نماز کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اُٹھا کر دیکھیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نظر اُٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دُعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا۔ فرشتوں نے تخت اُٹھالیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

کلبی کا قول ہے آصف نے سجدہ میں گر کر اللہ کا اسم اعظم پڑھ کر دُعا کی۔ فوراً بلقیس کا تخت زمین کے اندر ہی اندر چل دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس برآمد ہو گیا۔ بعض روایات میں آتا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی۔ آصف بن برخیا نے کیا دُعا مانگی تھی۔ اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا کہ "**یا ذالجلال والاکرام**" یہ اسم اعظم تھا۔ کلبی کا بیان ہے "**یاحی یا قیوم**" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دُعا کی تھی "**یا الھنا والہ کل شیءٍ الھًا واحدا لا الٰہ الا انت ائتنی بعرشھا**" اے ہمارے معبود! اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میرے پاس ان کا تخت لے آ۔ محمد بن منکدر نے کہا "**الذی عندہ علم من الکتاب**" سے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ اللہ نے آپ کو علم وفہم عطا کیا تھا۔ "**أنا اتیک بہ قبل أن یرتد الیک طرفک**" حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا لے آ، اس نے کہا کہ آپ نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں، آپ سے زیادہ کوئی بھی اللہ کے نزدیک نہیں زیادہ حقدار کہ آپ کوئی چیز طلب کریں تو وہ فوراً آپ کے پاس نہ پہنچ جائے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا، پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ عرش کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اتنی جلدی لے آیا۔ "**قبل ان یرتد الیک طرفک**" آنکھ جھپکنے کے اندر اندر اور وہ اتنا دور تھا جتنا کہ آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ بعض نے کہا کہ جیسے دیکھنے والے کے لیے پلک جھپکنا۔ مجاہد کا قول ہے کہ نظر کو ہمیشہ دوام کے ساتھ دیکھنا۔ پھر وہ لوٹا خسارہ ہو کر۔ وہب کا بیان ہے کہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھو۔ "**فلما رأہ**" جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرش کو دیکھا۔ "**مستقرًا عندہ**" شام سے ان کی طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے لوٹایا گیا۔

"**قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ء أشکر**" اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ "**ام اکفر**" یا اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کروں۔ "**ومن شکر فانما یشکر لنفسہ**" اس نفع کا شکر ادا کرنا چاہیے، یہ نعمت کے دوام اور اس کے مستوجب کا مدار ہے، شکر نعمت کی موجودگی یا اس نعمت کے چلے جانے پر کرتا۔ "**ومن کفر فان ربی غنی**" اس کے شکر سے بے پرواہ ہے۔ "**کریم**" اور جو اس کی نعمتوں کا شکریہ نہ بھی ادا کرے اس کو بھی نعمت سے روکتا نہیں عطا کرتا رہتا ہے۔

㊶ "**قال نکّروا لھا عرشھا**" اس کے عرش کو تبدیل کر دو تا کہ اس کو دیکھتے ہی وہ اس کو پہچان نہ لے۔ قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی کر لو۔ روایت میں آتا ہے کہ اس کے نچلے والے حصہ کو اوپر اور اوپر والے حصے کو نیچے کر دو اور سرخ جواہر و موتیوں کو سبز موتیوں کے ساتھ اور سبز موتیوں کو سرخ موتیوں کے ساتھ بدل دو۔ "**ننظر اتھتدی**" عرش کو دیکھ کر اس کو پہچان لے گی۔ "**ام تکون من**" یا وہ جاہلین میں سے ہوں گی۔ "**الذین لا یھتدون**"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت کی تبدیلی کیوں کی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا اس کے بارے میں وہب بن منبہ اور کعب وغیرہ کا بیان ہے کہ شیطان کو یہ

اندیشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس سے عقد نہ کرلیں، اگر ایسا کرلیا تو جنات کے سارے راز وہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی۔ پھر اگر کوئی اولاد ہوگئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہیں ہوگی۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نفرت دلانے کے لیے شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا کہ اس کی عقل میں کمزوری ہے، اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں، اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اس اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تا کہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہوجائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لیے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔

㊷ "فلما جاء ت قيل" "اس کو کہا گیا" "اهكذا عرشک قالت كانه هو" مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لیے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ ہی میں سوال کیا گیا تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ وہ حکیم خاتون تھیں، انہوں نے نعم اس لیے نہیں کہا کہ ان کی تکذیب نہ کی جاتی اور لا اس خوف سے نہیں کہا کہ اس سے بھی تکذیب کا اندیشہ تھا اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کو پہچان لیا کہ اس نے نہ تو انکار کیا اور نہ ہی اقرار کیا۔ بعض نے کہا کہ اس کو اشتباہ اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اپنا عرش پیچھے ایسے گھر میں رکھا تھا جو سات دروازوں کے اندر مقفل تھا اور اس کی چابیاں بلقیس کے پاس تھیں۔ اس کو کہا گیا کہ یہ تمہارا عرش ہے تمہارا اس کو بند کر کے آنا کوئی فائدہ مند اور کارگر ثابت نہیں ہوا تو اس نے جواب دیا "واوتينا العلم" کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے نبی ہونے کے بارے میں مجھے اس سے پہلے ہی نشانیاں مل چکی تھیں کہ یہ نشانیاں انبیاء ورسولوں کی ہی ہوسکتی ہیں۔ "من قبلها" "اس عرش کی نشانی سے پہلے (اس کو لائے جانے سے پہلے)......"وكنا مسلمين" حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تابعداری اور طاعت گزار رہوں۔ بعض علماء نے کہا کہ "واوتينا العلم من قبلها وكنا مسلمين" حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار ہوجانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٤٣﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ. فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ. قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے (جس کی اس کو عادت تھی) روک رکھا تھا (اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ) وہ کافر قوم میں کی تھی بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو (وہ چلیں راہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھرا ہوا) سمجھا اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں

کھول دیں (اس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے (اس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور میں (اب) سلیمانؑ کے ساتھ (یعنی ان کے طریقہ پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

تفسیر ㊸ "وصدها ما کانت تعبد من دون اللّٰہ" حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع کر دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو سورج کی پوجا کرنے سے روک دیا اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس صورت میں ما محل رفع میں واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل کی کمزوری یا خرابی نے اس کو توحید سے نہیں روکا تھا۔ اسی لیے جن کا یہ کہنا غلط تھا کہ اس کی سمجھ میں فتور ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے روک دیا اس کے اور اس کی عبادت کے درمیان حائل ہو گئے۔ "انها کانت من قوم کافرین" یہ جملہ مستانفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ یہ اس قوم میں سے ہے جو سورج کے پجاری ہیں کیونکہ وہ انہی میں پیدا ہوئی تھی اور ان ہی میں پرورش پائی تھی اور کسی کی عبادت کرنے کو پہچانتی نہیں تھی مگر سورج کی عبادت کرنے کو ہی سمجھتی تھی۔

㊹ "قیل لها ادخلی الصرح" حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ اس کی پنڈلیوں اور قدموں کا ان پر انکشاف آ جائے کیونکہ شیطان نے ان کو اس پر اطلاع دی کہ اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں، اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ شیطان کو حکم دیا کہ وہ ایک قصر بنائے۔

بعض نے کہا اس کو ایک گھر بنانے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا، پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے جانب (صدر) بچھوایا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے۔ جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رُکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تا کہ پانی میں گھس کر سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔ "فلما رأته حسبته لجة" اور وہ پانی کا خیال کیا "وکشفت عن ساقیها" اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا تا کہ میں اس میں داخل ہو سکوں۔ جب اس کی پنڈلیاں اور قدم دیکھے تو بہت ہی خوبصورت تھے اور دیکھتے ہی نظر ہٹالی اور آواز دی۔ "قال انه صرح ممرد" چکنا امرد بھی اسی سے بنا ہوا ہے۔ "من قواریر" آبگینہ کا بنا ہوا چکنا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسلام کی طرف اس کو دعوت دی۔ جب اس نے عرش کی حالت دیکھی تو اس نے قبول اسلام کر لیا۔ "قالت ربّ انی ظلمت نفسی" کفر کے ساتھ اپنے اوپر ظلم کیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب اس نے اپنا تخت اور یہ سب نشانیاں دیکھیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو کہنے لگی "رب انی ظلمت نفسی" کہ اے میرے رب میں نے اپنے اوپر دوسروں کی عبادت کر کے ظلم کیا۔ "واسلمت مع سلیمان للّٰہ رب العالمین" خالص موحد ہو گئی۔ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں کہا کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی تو اس کو

کنڈ سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان علیہ السلام مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہوگئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان علیہ السلام پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا، اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

مسلمان ہونے کے بعد بلقیس کے احوال کو علماء نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ عون بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عیینہ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر لیا تھا۔ ابن عیینہ نے کہا بلقیس کا واقعہ تو "اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین" پر ختم ہو گیا، یعنی ہم کو اس سے زیادہ علم نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَاهُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿45﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَاللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿47﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَاشَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿49﴾

ترجمہ اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان (کی برادری) کے بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بھائیو نیک کام کرو (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر کی) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہوتا کہ تم پر رحم کیا جاوے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں صالحؑ نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہوئے اور (کفر کے سرغنہ) اس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں (یعنی بستی کے باہر تک بھی) فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالحؑ اور ان کے متعلقین (یعنی ایمان والوں کو) جا ماریں گے (پھر (بروقت تحقیق) ہم ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے (اور خود ان کے) مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

تفسیر ﴿45﴾ "ولقد ارسلنا الی ثمود أخاهم صالحًا ان اعبدوا اللّٰہ" اکیلے اسی کی عبادت کریں۔ "فاذا هم فریقان" اس سے مراد کافر و مؤمن ہیں۔ "یختصمون" دین میں وہ جھگڑا کرتے ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے ان کے جھگڑے سے مراد وہ ہے جو سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ "قال الملاء الذین استکبروا من قومه للذین استضعفوا لمن أمن منهم" سے لے کر "یا صالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین"

㊻ "قال" حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو کہا "یا قوم لم تستعجلون بالسیئة" بلاء اور سزا "قبل الحسنة" عافیت اور رحمت مراد ہے۔ "لَوْلا" ھلا کے معنی میں ہے۔ "تستغفرون اللّٰه" اپنے کفر سے توبہ کرلی۔ "لعلّکم ترحمون"

㊼ "قالوا أطیرنا" اگر اس سے بدشگونی حاصل کی۔ طیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ "بک وبمن معک" یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کے کلمہ کے متفرق ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ جب اس کو سختی یا عذاب آ جاتا، بارش رُک جانے اور قحط آنے سے تو کہتے کہ یہ تکلیف وسختی ان کی شئوم سے اور ان کی قوم کی شئوم سے آئی ہے۔ "قال طائرکم عنداللّٰه" جو تمہیں خیر وشر پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے اور اس کے حکم سے پہنچا ہے جس نے تمہاری تقدیر میں خیر وشر لکھ دیا ہے نہ کہ ان ساتھیوں کی نحوست سے پہنچا ہے۔ اس کو طائر اس وجہ سے کہا گیا کہ اللہ کا فیصلہ سرعت جلدی سے پہنچنے والا ہے چونکہ قضاء قطعی سے زیادہ تیز کوئی چیز نہیں۔ اسی سرعت نزول کی وجہ سے اس کو طاہر کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ نحوست تمہارے کفر وشرک کی وجہ سے تم کو پہنچی ہے نہ کہ ان لوگوں کی نحوست سے۔ بعض نے کہا کہ اس کی خرابیاں تمہارے اعمال کی وجہ سے آئی ہیں اس کو طاہر اس وجہ سے بھی کہا گیا کہ یہ جلدی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ "بل انتم قوم تفتنون" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ تمہیں خبر دیتے ہیں خیر اور شر کی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ونبلوکم بالشر والخیر فتنة" محمد بن کعب قرظی نے فتنہ سے مراد عذاب لیا ہے۔

㊽ "وکان فی المدینة" شہر سے مراد قوم ثمود کی بستی حجر ہے۔ "تسعة رهط" اس کے شہر میں نو آدمیوں کی ایک جماعت تھی۔ "یفسدون فی الارض ولا یصلحون" وہ اونٹنی کے پونچی کاٹنے میں متفق ہوگئے تھے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے گمراہ کردہ لوگ تھے۔ ان میں سب سے بڑا غنڈہ اور سرکردہ قذار بن سالف تھا جو شقی ترین اور بد بخت تھا۔ اس نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں اور یہ ٹولی برائی کے کاموں میں ہمیشہ مشغول رہتی۔

㊾ "قالوا تقاسموا باللّٰه" وہ قسمیں کھانے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا اے قوم والو! اللہ کی قسم اُٹھاؤ۔ "تقاسموا" مجزوم ہے امر ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ یہ نصب کی جگہ پر واقع ہے۔ یعنی تم قسم اُٹھاؤ اور پختہ قسمیں اُٹھاؤ۔ اس کی تقدیری عبارت "قالوا متقاسمین باللّٰه"...... "لنبیتنه" ہم صالح کو رات کے وقت ضرور قتل کردیں گے۔ "اهله" اس کے آدمیوں کو یعنی جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں ان کو بھی قتل کردیں گے۔ "لنبیتنه"...... "ثم لنقولن" بعض حضرات نے تاء کے ساتھ لام کے ضمہ کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لام کے فتحہ کے ساتھ۔ "لولیه" انتقام کا وارث، ولی دم "ماشهدنا" اس وقت موجود نہیں تھے۔ "مهلک أهله" ان کو بھی ہلاک کردیں گے۔ پھر یہ کہہ دیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس کو قتل کیا کس نے، میم کے فتحہ کے ساتھ کہ اس کے اہل کو ہلاک کردیا۔ "وانا لصادقون" ان کے اس قول نے کہ ہم وہاں پر حاضر نہیں تھے۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا. اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

يَعْلَمُوْنَ ﴿52﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾ وَلُوْطًا اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ. بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ. قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا. فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾

ترجمہ اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور (اس تدبیر کی) ان کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو (بطریق مذکور) اور (پھر) ان کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کر دیا سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا کہ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھ دار ہو کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اور اس کی برائی میں کوئی شبہ نہیں) بلکہ (اس بات میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو سو (اس تقریر کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ اس کو (بوجہ ایمان نہ لانے کے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا ان لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں

تفسیر 50 "ومکروا مکرًا" یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خون مار کر صالح علیہ السلام کو قتل کر ڈالنے کا مشورہ طے کر لیا۔ "ومکرنا مکرًا" اللہ ان کے مکر کا بدلہ دیں گے، ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ "وھم لایشعرون"

51 "فانظر کیف کان عاقبة مکرھم أنا" اہل کوفہ نے أنا کے الف کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا۔ "دمرناھم" ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ان کی ہلاکت کی کیفیت کے متعلق آئمہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح علیہ السلام کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے، پتھر تو ان کو نظر آتے تھے۔ البتہ پتھر مارنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا، آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔

مقاتل کا بیان ہے ایک پہاڑ کے دامن میں اکٹھے ہونے کے لیے بیٹھے تاکہ سب مل کر صالح علیہ السلام کے مکان پر پہنچیں لیکن اللہ نے ان پر پہاڑی گرادی اور سب مر گئے۔"وقومهم اجمعين" اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

⑤② "فتلک بیوتهم خاوية" منصوب حال ہونے کی وجہ سے۔"بما ظلموا" ان کے ظلم اور کفر کے ساتھ "ان فی ذالک لاية" اس میں عبرت ہے۔"لقوم يعلمون" ہماری قدرت کو جانتے ہیں۔

⑤③ "وانجينا الذين امنوا و كانوا يتقون" ان میں سے نجات پانے والے چار ہزار تھے۔

⑤④ "ولوطاً اذ قال لقومه أتأتون الفاحشة" قبیح فعل "وانتم تبصرون" تم جانتے ہو کہ یہ فاحشہ ہے اور بعض نے کہا کہ وہ ایک دوسرے کو برہنہ حال میں دیکھتے تھے۔

⑤⑤ "ائنكم لتأتون الرجال شهوةً من دون النساء بل انتم قوم تجهلون"

⑤⑥ "فما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوا ال لوط من قريتكم انهم اناسٌ يتطهرون" مردوں کے پاس آنے سے۔

⑤⑦ "فانجيناه واهله الامراته قدرناها" ہم نے ان پر اپنا فیصلہ مقدر کر دیا۔"من الغابرين" وہ عذاب پانے والوں میں سے باقی رہیں گے۔

⑤⑧ "وامطرنا عليهم مطرًا" پتھروں کی بارش کی۔"فساء" برا ہے۔"مطر المنذرين"......

⑤⑨ "قل الحمدلله" یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اس سے سابقہ اُمتوں میں سے کافروں کو غارت کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کو نعمتوں سے نوازا ہے۔

"وسلام على عباده الذين اصطفىٰ" مقاتل نے بیان کیا کہ اس سے مراد انبیاء مرسلین ہیں کیونکہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وسلام على المرسلين" امام مالک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد اُمت محمد یہ ہے اور بعض نے کہا اس سے تمام مؤمنین، سابقین، لاحقین مراد ہیں۔"ءآالله خيرا ما يشركون" اہل بصرہ اور عاصم نے "یشرکون" پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔ کفار کی ہلاکت کے بعد مشرکین پر حجت لازم کرنے کے لیے اور وہ یہ کہتے کہ کیا اللہ بہتر ہے جن کی عبادت کرتے ہو یا یہ بت بہت بہتر ہیں عبادت کے اعتبار سے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نجات دی جس نے اللہ کی عبادت کی اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کو عذاب سے کسی بت نے نہیں بچایا۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا. ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ 60 اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا. ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ 61 اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ. ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ. قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ 62 اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ. ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 63

ترجمہ یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ اگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اگا سکو (یہ سن کر بتلاؤ) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر مشرکین پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے مگر مشرکین نہیں مانتے) بلکہ ان میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب نصرت بناتا ہے (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو) اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی یا دریا کی تاریکیوں میں راستہ سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو (بارش کی امید دلا کر) دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔

تفسیر 60 "امن خلق السموات والارض" اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ بہتر ہے جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ "وانزل لکم من السماء ماءً" اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ "فانبتنا به حدائق" اس سے مراد باغیچے ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری بھی ہو۔ اگر اس کی دیوار نہ ہو تو اس کو حدیقہ نہیں کہا جاتا۔ "ذات بهجة" یعنی اچھا منظر۔ "بهجة" کہتے ہیں خوبصورت جسم کو دیکھنے سے شگفتگی طبع پیدا ہوتی ہے۔

"ما كان لكم أن تنبتوا شجرها" یعنی کوئی درخت ان کے درختوں سے پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں۔

"ء اله مع اللّٰه" استفہام انکاری ہے یعنی کیا ان کے ساتھ کوئی معبود ہے جو ان کی بنائی ہوئی چیز پر قدرت رکھیں بلکہ ان کا تو کوئی الٰہ نہیں اور نہ ہی کوئی مددگار ہے۔ "بل هم قوم" اس سے مراد کفار مکہ ہے۔ "يعدلون" وہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

۶۱ "امن جعل الارض قرارًا" اس کے اہل کو ٹھہرنے کے قابل نہیں بنا دیا۔ "وجعل خلالها" اس کے درمیان دریا جاری کیے۔ "انهارًا" ...... "وجعل لها رواسی" اور زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں بنا دیا۔ "وجعل بين البحرين" میٹھے اور نمکین دریا کو "حاجزًا" ایک آڑ تا کہ ایک دوسرے میں مل نہ جائیں۔ "ء أله مع اللّٰه بل اكثرهم لا يعملون" اپنے رب کی توحید اور اس کی بادشاہت کو نہیں جانتے۔

۶۲ "أمن يجيب المضطر" یعنی وہ شخص جو ایسے دُکھ میں مبتلا ہو گیا ہو۔ "اذا دعاه ويكشف السوء" اس سے مراد تنگی اور مصیبت ہے۔ "ويجعلكم خلفاء الارض" بعض اہل علم نے کہا کہ انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین بنایا اور بعض نے کہا کہ وہ تمہاری اولاد کو تمہارا خلیفہ بنائے گا اور بعض نے کہا کہ اللہ نے جنوں کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ "ء أله مع اللّٰه قليلاً ما تذكرون" ابو عمرو نے یاء کے ساتھ اور دوسرے حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

۶۳ "أمن يهديكم في ظلمات البر والبحر" جب تم سمندر کا سفر کرو۔ "ومن يرسل الرياح بشرًا بين يدی رحمته" بارش مراد ہے۔ "ء أله مع اللّٰه تعالى الله عما يشركون"

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۶۴ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۶۵ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ. بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا. بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۶۶

ترجمہ: یا وہ ذات جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے) جو کہ مسلّم ہے) پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال کر) تم کو رزق دیتا ہے (یہ بن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے آپ کہیئے کہ) اچھا تم ان کے استحقاق عبادت پر) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم) میں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور (اسی وجہ سے) ان (مخلوقات) کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جاویں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم (بالوقوع ہی) نیست ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

تفسیر ۶۴ "أمن يبدؤا الخلق ثم يعيده" موت کے بعد دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ "ومن يرزقكم من السماء والارض" آسمان سے بارش برسانے میں اور زمین سے نباتات اُگانے میں "ء أله مع اللّٰه قل هاتوا برهانكم" یہ بات تمہارے قول پر دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ "ان كنتم صادقين"

65 "قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰہ" اس آیت کا نزول مشرکین کے بارے میں ہوا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا۔ "وما یشعرون ایّان" کب "یبعثون" اُٹھایا جائے گا۔

66 "بل ادّرک علمھم" ابوجعفر ابن کثیر اور ابوعمرو نے "أدرک بروزن افعل" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے "بلغ ولحق" جیسا کہ کہا جاتا ہے "أدرکہ علمی" جب اس سے ملاقات کی اور اس کو پہنچے۔ اس سے مراد وہ دُنیا میں جو جہالت چھوڑ کر آئے اور اس کا علم ان سے ساقط ہو جائے (اس کا علم ان کو معلوم نہیں) تو آخرت میں ان کو معلوم ہو جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے ان کے علم کا ادراک ہو جائے گا۔ "فی الاخرۃ" اور اپنی آنکھوں سے معائنہ کرنے کے بعد پہچان لیں گے۔ جب اس وقت ان کا علم ان کو نفع نہیں دے گا۔ مقاتل کا بیان ہے بلکہ وہ قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ کر معائنہ کرلیں گے اور اس وقت دُنیا میں کیے ہوئے اعمال پر شکوہ بھی نہ کر پائیں گے۔ "بل ھم فی شک منھا" یعنی ان کو قیامت کے دن کے بارے میں شک ہے۔ دوسرے قراء نے "بل ادّارک موصولا مشدودًا" الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب وہ آخرت کے دن تدارک اور تتابع کرلیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا علم مجتمع ہو جائے گا۔ جب قیامت کے دن معائنہ کرلیں گے۔

اس وقت میں ان کو شک ہوگا۔ اس صورت میں پہلے کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا یہ بطور استفہام کے طریقے پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کا تدارک کرلیں گے۔ (کیا ان کا علم قیامت کے معاملہ میں مکمل ہو گیا ہے ان کا پورا پورا علم حاصل ہو گیا) ایسا نہیں بلکہ قیامت کا علم ان کو حاصل نہیں ہوا۔ ابھی یہ علم قیامت تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ قیامت کا وجود ان کی علمی رسائی سے خارج ہے۔ اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں بھی "ادّارک" آیا ہے یعنی "بل" کی جگہ "بلٰی" کلمہ ایجاب اور "ادّارک" ہمزہ استفہام آیا ہے جس کو وصل کے بعد "بل ادّارک" پڑھا ہے اور حضرت ابی کی قرأت میں "ام تدرک" آیا ہے۔ عرب بل کی جگہ ام کو اور ام کی جگہ بل کو استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب ان کو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا، ان کا آخرت کے بارے میں علم برابر ہوگا اور نہ ہی ان کے لیے ثواب وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ اگرچہ ان کے علوم دُنیاوی اعتبار سے مختلف تھے۔ علی بن عیسیٰ اور اسحاق نے کہا کہ اس جگہ بل بمعنی لَو کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو علم آخرت میں ان کو ہونا ہے اگر وہ دُنیا ہی میں ہو جاتا تو وہ شک نہ کرتے، اب ان کو یقین نہیں ہے بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ "بل ھم منھا عمون"...... "عمیٌ" کی جمع ہے اور نابینائی سے مراد ہے دل کی نابینائی۔ کلبی کا بیان ہے وہ اس دن سے جاہل ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ 67 لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ 68 قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ 69 وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ 70 وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 71 قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ 72
وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ 73 وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا
تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ 74 وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ 75
اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ 76 وَاِنَّهٗ لَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ 77 اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ 78

ترجمہ اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مرکر) خاک ہوگئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر ہم) زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاویں گے اس کا ہم سے اور ہمارے بڑوں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا اور (اگر باوجود ان مواعظ بلیغہ کے پھر بھی مخالفت پر کمربستہ رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جائے اور یہ لوگ (بیباکانہ) یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آ لگا ہو اور (اب تک جو دیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے ولیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) رحمت ہے بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (عملی) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے۔

تفسیر 67 **"وقال الذین کفروا"** اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ **"أئذا کنا ترابا و آباء نا أئنا لمخرجون"** قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ اہل مدینہ نے اذا پڑھا ہے۔ "أئنا" استفہام ہے۔ ابن عامر اور کسائی نے "أئنا" دونوں ہمزہ کے ساتھ اور دو نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے دونوں کے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔

68 **"لقد وعدنا هذا"** دوبارہ جی اُٹھنے پر **"نحن و آباء نا من قبل"** حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ کوئی چیز نہیں۔ **"ان هذا"** نہیں ہے یہ **"الا اساطیر الاوّلین"** پچھلوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں۔

69 **"قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المجرمین"**

70 **"ولا تحزن علیهم"** ان کی تکذیب اور ان کے اعراض پر آپ غمزدہ نہ ہوں۔ **"ولا تکن فی ضیق مما یمکرون"** یہ آیت استہزاء کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی آپ کو مکمل کامیابی ہوگی۔

⑦① "ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین"

⑦② "قل عسٰی ان یکون ردف" وہ نزدیک اور قریب ترین ہے۔"لکم" بعض نے اس کا معنی "تبعکم" سے کیا ہے اور اس پر لام داخل کیا۔ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیت میں "لربھم یرھبون" میں لام داخل ہے۔ فراء کا قول ہے کہ لام صلہ زائد ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نقدتہ مائۃ" اور "نقدت لہ"......"بعض الذی تستعجلون" عذاب سے جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کے لیے بدر کا دن ہے۔

⑦③ "وان ربک لذو فضل علی الناس" مقاتل کا بیان ہے۔ اہل مکہ جب وہ عذاب کی جلدی کرتے تھے۔"ولکن اکثرھم لایشکرون" وہ اس پر شکرادا نہیں کرتے۔

⑦④ "وان ربک لیعلم ماتکن" جو پوشیدہ رکھتے ہیں۔"صدورھم وما یعلنون"

⑦⑤ "وما من غائبۃ" یعنی وہ چیز جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔"فی السماء والارض الا فی کتاب مبین" وہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔

⑦⑥ "ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل" یعنی ان کے لیے بیان کردیجئے۔ "اکثر الذی ھم فیہ یختلفون" دین کے کاموں میں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اہل کتاب کا باہم بعض مذہبی باتوں میں اختلاف تھا۔ اسی لیے فرقے فرقے بن گئے تھے، ہر فرقہ دوسرے پر طعن کرتا تھا۔ قرآن نے آکر ان کے اختلافی مسائل کو بیان کردیا۔

⑦⑦ "وانہ" یہ قرآن "لھدی ورحمۃ للمؤمنین"

⑦⑧ "انّ ربک یقضی" فیصلہ کرتا ہے۔"بینھم" ان لوگوں کے درمیان اختلاف کو قیامت کے دن واضح کردے گا۔ "بحکمہ" حق کے ساتھ۔"وھو العزیز" روکنے والا نہیں اس پر جو وہ حکم وارد کرتا ہے۔"العلیم" وہ ان کے احوال کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی بھی حال پوشیدہ نہیں۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ اِنَّکَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ⑦⑨ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ⑧⓪ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑧① وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ⑧②

ترجمہ: سو (جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر توکل رکھیئے یقیناً آپ صریح حق (طریقہ) پر ہیں آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھلانے والے ہیں آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ ماننے (بھی) ہیں اور جب وعدہ (قیامت کا) ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور

نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

تفسیر ⑲ "فتو کل علی اللّٰہ انک علی الحق المبین" جس کی حقیقت واضح ہے۔

⑳ "انک لاتسمع الموتی" اس سے مراد کفار ہیں۔ "ولا تسمع الصم الدعاء" ابن کثیر نے "لایسمع" یاء کے ساتھ اور اس کے فتحہ کے ساتھ الصم پڑھا ہے۔ رفع کے ساتھ اسی طرح سورۃ روم میں بھی پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے کسرہ اور الصم کو منصوب پڑھا ہے۔ "اذا ولوا مدبرین" جب وہ اعراض کرتے ہیں۔

سوال: "اذا ولوا مدبرین" کا کہنے کا کیا فائدہ جب وہ بہرے ہیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں یا نہ بھاگیں ان کے لیے تو کیا فائدہ؟

جواب اس کلام میں مزید تاکید اور مبالغہ پیدا کرنے کے لیے اور بعض نے یہ جواب دیا کہ جب بہرہ مجلس میں موجود ہو، اگرچہ وہ آواز کے ذریعے بات نہیں سن سکتا۔ البتہ اشاروں کے ذریعے وہ سمجھ سکتا ہے اور جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے تو وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ ہی اشارہ کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ جب بہرہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے، پھر اس کو آواز دی جائے تو وہ نہیں سن سکتا۔ اسی طرح کافر لوگ جب ان کو ایمان کی طرف بلایا جائے تو نہیں سنتے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کافر انتہائی طور پر دعوت سے کتراتے اور بے رُخی کئے ہوئے ہیں اس لیے مُردوں کی طرح ہیں جن کو سنانے کا کوئی راستہ نہیں یا پشت پھیرے ہوئے بہروں کی طرح ہیں جن کو سنانا ممکن نہیں۔

㉑ "وما انت بھادی العمی" اعمش اور حمزہ نے (تھدی) تاء کے ساتھ فعل پر فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "العمی" یاء کے نصب کے ساتھ اور سورۃ روم میں بھی اسی طرح ہے اور دوسرے قراء نے بھادی یاء کے ساتھ پڑھا ہے اسم ہونے کی وجہ سے۔ "العمی" یاء کے کسرہ کے ساتھ "عن ضلالتھم" نہیں ہے۔ ان لوگوں کو راہ دکھانے والا جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے اندھا کردے اور دل کو ایمان سے اندھا کردے۔ "ان تسمع" نہیں سنا سکتے۔ "الا من یؤمن بایاتنا" مگر وہ جو قرآن کی تصدیق کرے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ "فھم مسلمون" اپنا رُخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کردیتے ہیں۔

㉒ "واذا وقع القول علیھم" جب ان پر ہمارا عذاب آجائے گا۔ قتادہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ جب ان پر ہمارا عذاب آجائے گا۔ "اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم" اس کے کلام میں اختلاف ہے۔ سدی کا قول ہے کہ وہ کہے گا کہ سوائے اسلام کے سب مذاہب باطل ہیں۔ بعض نے کہا اس کا کلام یہ ہوگا کہ ایک کے متعلق کہے گا یہ مؤمن ہے اور دوسرے کے متعلق کہے گا یہ کافر ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا کلام وہ ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ "أن الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون" مقاتل کا بیان ہے کہ وہ عربی زبان میں کلام کرے گا اور اللہ کی طرف سے کہے گا "أنّ النّاس کانوا بایتنا لا یوقنون" وہ لوگوں کو خبر دے گا کہ اہل مکہ قرآن اور قیامت پر ایمان نہیں لائے۔ اہل کوفہ نے "أن الناس" الف کے فتحہ کے ساتھ "ای بأنّ الناس" اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خروج دابۃ سے پہلے لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ آیات سے مراد ہیں خروج دابۃ اور دوسری علامات

سے قیامت واحوال قیامت یہ سب آیات اللہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خروج دابۃ اس وقت ہوگا جب بھلائی کا حکم اور برائی کی ممانعت نہیں کی جائے گی۔

سعید بن جبیر، عاصم الجحدری اور ابورجاء العطاردی "تکلمهم" تاء کے فتحہ کے ساتھ لام کی تخفیف کے ساتھ کلم سے پڑھتے ہیں بمعنی زخمی کرنا۔ ابوالجوزاء کا قول ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا، اس آیت کے متعلق "تکلمهم أو تکلم" فرمایا۔ ہر ایک اسی طرح کرے گا کہ مؤمن بھی کلام کرے گا اور کافر بھی کلام کرے گا۔

علامات قیامت سے قبل چھ اعمال کرلو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ چیزوں سے پہلے اعمال کرو۔ "الدخان الدجال و دابة الارض وطلوع شمس من مغربها و امر العامة خويصة احدكم"

دابۃ الارض کا خروج

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے جو نشان نمودار ہوگا وہ مغرب سے طلوع آفتاب اور دن چڑھے لوگوں کے سامنے دابۃ الارض کا خروج ہوگا۔ ان میں سے جو واقعہ بھی پہلے ہوگا، دوسرا عنقریب ہی اس کے بعد ہو جائے گا۔

دابۃ الارض مومن و کافر کی نشاندہی کرے گا

حضرت شریحہ انصاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ میں (قیامت تک) میں تین بار دابۃ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت صحرا میں پھیل جائے گی اور "قریۃ" یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا۔ پھر ایک روز سب سے بڑی عزت وعظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابۃ دکھائی دے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ رُکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا، لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی، وہ سمجھ لیں گے کہ وہ اللہ سے چھوٹ کر کہیں جا نہیں سکے گا۔ دابۃ اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے ان کی طرف سے گزرے گا اور ان کے چہروں کو نشان زدہ کر کے ایسا روشن کردے گا جیسے چمکدار ستارے، پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چلا جائے گا کہ اس کو پکڑنے والا پا نہیں سکے گا اور نہ اس سے بھاگنے والا چھوٹ سکے گا۔ پھر کچھ لوگ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو وہ پیچھے سے آپڑے گا اور کہے گا، اے فلاں! تو اب نماز پڑھ رہا ہے، پھر نمازی کے سامنے آکر اس کے چہرے پر نشان بنا دے گا، پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر اور مؤمن ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے، کافر کو کافر کہہ کر پکارا جائے گا اور مؤمن کو مؤمن کہہ کر پکارا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دابّہ برآمد ہوگا، اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ مؤمن کے چہرے کو لاٹھی کے نشان سے چمک دار بنادے گا اور کافر کی ناک پر انگشتری کا نشان بنادے گا۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کو کہے گا، اے مؤمن! اور دوسرا کہے گا اے کافر! (رواہ الترمذی)

دابّہ کی کیفیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دابّہ ایسا دابّہ نہیں ہوگا جس کی دُم ہو بلکہ داڑھی والا دابّہ ہوگا۔ گویا کہ آپ کا یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ آدمی ہوگا (چوپایہ نہیں) لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دابّہ ہی ہوگا۔

ابن جریج کی روایت ہے کہ ابن الزبیر نے دابۃ الارض کے حالات اس طرح بیان کیے ہیں، اس کا سر بیل جیسا ہوگا۔ اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے، اس کے بارہ سینگ جیسے سینگ ہوں گے۔ اس کا سینہ شیر کا سینہ ہوگا، اس کا رنگ چیتے کا رنگ ہوگا، اس کی کوکھیں بلی کی کوکھوں کی طرح ہوں گی، اس کی دُم مینڈھے کی دُم کی طرح ہوگی، اس کی ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں کی طرح ہوں گی ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ ہر مؤمن کے سجدہ کے مقام (پیشانی یا ناک پر) لاٹھی کی نوک سے نشان بنادے گا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ جگمگا جائے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے ہر کافر کے چہرے کو نشان زدہ کردے گا جس سے اس کا چہرہ کالا ہو جائے گا۔ (یہ نشان اتنے واضح ہو جائیں گے کہ) بازاروں میں لوگ خرید و فروخت کرتے وقت (ایک دوسرے کی شناخت کریں گے اور کہیں گے اے کافر! یہ چیز کتنے کی ہے، اے مؤمن! اس کی کیا قیمت ہے؟) پھر دابّہ لوگوں سے کہے گا، اے فلاں! تو جنتی ہے، اے فلاں! تو دوزخی ہے۔ یہی معنی ہے آیت "**واذا وقع القول علیهم اخرجنا لهم دابة من الارض**" کا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ دابۃ الارض کوہِ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔

دابّہ کا خروج کہاں سے ہوگا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابۃ الارض کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ کہاں سے برآمد ہوگا؟ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام طواف کررہے ہوں گے۔ مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابّہ برآمد ہو جائے گا۔ سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس پر اون اور پَر ہوں گے، کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہیں سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا، وہ لوگوں پر مؤمن و کافر کا نشان بنادے گا، مؤمن کا چہرہ چمک دار ستارے کی طرح روشن ہو جائے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہوگا اور کافر کی

دونوں آنکھوں کے بیچ میں جونشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور دونوں آنکھوں کے درمیان میں کافر لکھا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دابۃ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا۔ اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی، باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت، پھر اس کی پیشانی پر نشان بنادے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دابۃ رات کو نکلے گا اور لوگ جمع ہوکر منیٰ کی طرف چل رہے ہوں گے۔ سہیل بن صالح نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی، فرمایا کہ اُجیاد کی گھاٹی بُری گھاٹی ہے یہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہا گیا اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ فرمایا اس سے دابۃ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے۔ اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾

(ترجمہ) اور جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کو روکا جائے گا یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے اور (اب وہ وقت ہے کہ) ان پر وعدہ (عذاب کا) پورا ہو گیا کہ بوجہ اس کے کہ (دنیا میں) انہوں نے (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کرسکیں گے کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور آرام مشابہ موت کے ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں (اور یہ مشابہ حیات بعد الموت کے ہے پس) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں ان (ہی) لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی سو جتنے آسمان اور زمین ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا) اور سب کے سب اسی کے سامنے (بے جھکے حاضر رہیں گے)۔

تفسیر ⑧③"ویوم نحشر من کل امۃ فوجًا" ہر جماعت کے گروہ میں۔ "ممن یکذب بایاتنا" یہاں پر من تبعیضیہ نہیں ہے کیونکہ تمام جھٹلانے والوں کو اس دن جمع کیا جائے گا۔ "فھم یوزعون" پہلے والوں اور آخر والوں سب کو روکا جائے گا تا کہ سب جمع ہو جائیں، پھر ان کو آگ کی طرف لیجایا جائے گا۔

⑧④ "حتّٰی اذا جاء وا" قیامت کے دن آئیں گے۔ "قال" اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا۔ "أکذبتم بآیاتی ولم تحیطوا بھا علمًا" انہوں نے اس کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ "أ ماذا کنتم تعملون" جب انہوں نے اس میں غور وفکر نہیں کیا۔ آیت کا معنی یہ ہے کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا۔ ان کو جاننے کے باوجود اور نہ ہی تم نے اس میں غور وفکر کیا ہے بلکہ تم نے اس کو جھٹلایا جاہل ہوتے ہوئے۔

⑧⑤"ووقع القول" ان پر ہمارا عذاب واجب ہوگیا۔ "علیھم بما ظلموا" جس کو تم نے شریک کیا۔ "فھم لاینطقون" قتادہ کا قول ہے کہ وہ کیسے کلام کرتے اور ان پر کوئی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ھذا یوم لاینطقون ولا یؤذن لھم فیعتذرون" بعض نے کہا کہ وہ بولتے نہیں کیونکہ ان کی زبانوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔

⑧⑥"الم یروا أنا جعلنا" ہمیں پیدا کیا۔ "اللیل لیسکنوا فیہ والنھار مبصرًا" دن کے وقت وہ دیکھتا ہے۔ "انّ فی ذلک لایات لقوم یؤمنون" جو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

⑧⑦ "ویوم ینفخ فی الصور" صور اس سینگ کا نام ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ حسن کا قول ہے کہ صور قرن کا نام ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سب سے پہلے ارواح قرن میں جمع ہوئیں، پھر اس میں صور پھونکا گیا۔ پھر وہ تمام ارواح جسموں میں چلی گئیں، پھر وہ جسم دوبارہ سے زندہ ہو جائیں گے۔

ففزع من فی السموات کی تفسیر

"ففزع من فی السموات ومن فی الارض" جو کچھ زمین وآسمان میں سب بیہوش ہو جائیں گے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: "فصعق من فی السموات ومن فی الارض" وہ سب مرجائیں گے۔ اس کا بعض نے یہ معنی ذکر کیا ہے کہ ان پر پہلے گھبراہٹ طاری کر دی جائے گی۔ پھر وہ فوت ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تین مرتبہ صور پھونکیں گے۔ ایک نفخہ سے گھبراہٹ، دوسرے نفخہ سے موت اور تیسرے نفخہ سے اُٹھ کر سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

الا من شاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں

"الا من شاء اللّٰہ" اس اثناء میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے آیت "الا من شاء اللّٰہ" کے بابت دریافت کیا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ: وہ شھداء

ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں۔ ان کو فزع لاحق نہیں ہوگا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے ہوئے عرش کے اردگرد ہوں گے۔

سعید بن جبیر وعطا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کردیا ہے۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے وہ جبرئیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ نفخہ کے بعد کوئی بھی زندہ باقی نہیں بچے گا مگر یہی چار فرشتے پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کردیں گے۔ پھر ملک الموت کی روح، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روح کو، آخر میں مرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت ملک الموت کو ارشاد فرمائیں گے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح قبض کرلے، پھر کہا جائے گا جو اس کے بعد باقی ہے اس کی روح قبض کرلے۔ پھر جب ملک الموت کا فرشتہ باقی رہ جائے گا تو اللہ رب العزت فرمائیں گے اے ملک الموت! تو وہ جواب دے گا "**سبحانک ربی تبارکت و تعالیت یا ذا الجلال والاکرام**" پھر جبرئیل ومیکائیل علیہم السلام رہ جائیں گے۔ پھر ملک الموت سے کہا جائے گا کہ میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کرلے۔ پھر وہ میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کرلیں گے، وہ پہاڑ کی طرح گر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب کون باقی ہے؟ ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت۔ اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے! تو مرجا موت کا فرشتہ مرجائے گا۔ اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام کہیں گے **تبارکت وتعالیت یاذالجلال والاکرام وجهک الباقی الدائم وجبریل المیت الفانی** تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی۔ اللہ فرمائے گا موت تو تجھے بھی آنی ہے، مرے بغیر چارہ نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام فوراً سجدہ میں گر جائے گا، دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرئیل علیہ السلام کی جسمانی ساخت میکائیل کی جسمانیت پر ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلے پر۔

روایت میں آتا ہے کہ یہ چار فرشتوں کے ساتھ حاملین عرش بھی باقی بچ جائیں گے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روح قبض کردی جائے گی۔ پھر میکائیل علیہ السلام کی، پھر عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں کی، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی، پھر ملک الموت کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ینفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله**" پھر دوسری باری صور پھونکا جائے گا۔ جب میں قبر سے اُٹھوں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو بیہوشی سے مستثنیٰ رکھا ہے یا وہ مجھ سے پہلے قبر سے اُٹھا لیے گئے اور

جس نے کہا کہ میں یونس بن متی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا۔

''و کل'' موت کے بعد جو زندہ کیے گئے۔ ''أتوہ'' اعمش، حمزہ، حفص ''أتوہ'' مقصور پڑھا ہے۔ تاء کے فتحہ کے ساتھ وہ آئے۔ دوسرے قراء نے مد کے ساتھ اور طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''و کلهم اتيه يوم القيامة فردًا''...... ''داخرين'' دبے جھکے رہنا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿88﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿89﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿90﴾

ترجمہ اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لاوے گا سو اس شخص کو اس (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر ملے گا) اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جاویں گے اور (ان سے کہا جاوے گا کہ) تم کو تو ان ہی عملوں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کر رہے تھے۔

تفسیر ﴿88﴾ ''وتری الجبال تحسبها جامدةً'' وہ ایک جگہ مضبوطی سے کھڑے رہیں گے۔ ''وهي تمر مر السحاب'' حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چلیں گے۔ پھر وہ زمین پر آ جاتے ہیں اور زمین کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں گے تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ ''صنع الله'' منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ ''الذی اتقن کل شیءٍ'' نے ہر چیز کا اندازہ لگایا ہے۔ ''انه خبیر بما تفعلون'' ابن کثیر، اہل بصرہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿89﴾ ''من جاء بالحسنة'' جو ایک نیکی لائے گا اخلاص کی نیت کے ساتھ اور وہ کلمہ شہادت ''اشهد ان لا اله الا الله'' ہے۔ ابو معشر کا قول ہے کہ ابراہیم بلا استثناء قسم کھا کر کہتے تھے کہ ''الحسنة'' سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ قتادہ نے کہا کہ اخلاص مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ طاعت مراد ہے۔ ''فله خیر منها'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو شخص خیر کی طرف آئے گا تو اس کے لیے ایک نیکی قیامت کے دن بہتر ہوگی، وہ ثواب اور عذاب سے امن کی صورت میں ہوگا۔ اگر ایمان میں کوئی بہترین چیز ہوتی تو لا الٰہ الا اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہ ہوتی۔ بعض نے کہا کہ ''خیر منها'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:"ورضوان من اللہ اکبر "محمد بن کعب اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا کہ من تفضیلیہ ہے۔اس سے مراد ہے دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب اور اس سے آگے جتنا اللہ چاہے۔یہی قول بہتر ہے کیونکہ دگنا ملنا یہ کسی کسی کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ بندہ اپنے اعمال کے متعلق تو سوال کرتا ہے لیکن اضعاف کے متعلق سوال نہیں کرتا۔اسی وجہ سے شیطان انسان کو اس کے اعمال سے تو روکتا ہے نہ کہ اس کے اعمال کے دگنے ثواب سے۔

نیکی کرنا بندے کا حق ہے اس پر ثواب عطا کرنا خواہ ایک نیکی عطا کرے یا اس کا دس گنا یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل پر ہے وہ جس پر چاہے جتنا فضل عطا فرمائے۔"وھم من فزع یومئذٍ امنون"

اہل کوفہ نے "من فزع" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے میم کے فتحہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ اعم ہے کیونکہ یہ امن تمام گھبراہٹ کے لیے ہو اس دن اور تنوین کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ گویا کہ وہ ایک گھبراہٹ سے دوسری گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے اور اہل مکہ اس کو فتحہ سے موسوم کرتے ہیں۔

⑳ "ومن جاء بالسیئة" اور جو شرک لے کر آئے گا۔"فکبت وجوھھم فی النار" ان کو آگ میں چہروں کے بل ڈالا جائے گا۔جیسا کہ کہا جاتا ہے "کبت الرجل اذا القیته علی وجهه فانکب وأکب" اور کہا جائے گا جہنم کے داروغے سے "ھل تجزون الا ما کنتم تعملون" دُنیا میں شرک سے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ. فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ (سب چیزیں اسی کی ملک ہیں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور (مجھ کو) یہ (بھی حکم ملا ہے) کہ میں قرآن (کریم) پڑھ پڑھ کر سناؤں سو (میری تبلیغ کے بعد) جو اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلاوے گا سو تم (وقوع کے وقت) ان کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

تفسیر ⑨١ "انما امرت" اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول سے حکم فرماتے ہیں کہ کہیں کہ مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ "أن اعبد رب هذه البلدة" اس سے مکہ شہر مراد ہے۔ "الذی حرمها" اللہ تعالیٰ نے اس کو حرم بنایا اور امن والا بنایا نہ اس میں کسی کا خون بہایا جائے گا اور نہ ہی اس میں کسی کے ساتھ ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی یہاں پر شکار کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی گھاس اکھاڑی جائے گی۔ "وله كل شيء" خلق کے اعتبار سے ہو یا ملکیت کے اعتبار سے۔ "وامرت أن اكون من المسلمين"

⑨٢ "وأن اتلوا القرآن" اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ "فمن اهتدى فانما يهتدى لنفسه" اگر کسی کو ہدایت کے ذریعے نفع عطا کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ "ومن ضلّ" اور جس نے کسی کو ایمان سے یا ہدایت کے طریقے سے گمراہ کیا۔ "فقل انما أنا من المنذرين" آپ انہیں کہہ دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور میرے اوپر صرف پہنچا دینا ہے۔ یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے۔

⑨٣ "وقل الحمدلله" ان کی نعمتوں پر "سيريكم اياته" بدر کے دن قتل ہونے، قید ہونے اور فرشتوں کا ان کے چہروں پر مارنے اور ان کی پیٹھوں پر مارنے کی نشانیاں اس کی نظیر اللہ رب العزت کے اس فرمان میں ہے "سأريكم آياتي فلا تستعجلون" مجاہد کا قول ہے کہ ہم تمہیں آسمان وزمین میں اور تمہارے اندر ہی ایسی نشانیاں پیدا کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سنريهم آياتنا في الافاق وفي انفسهم"...... "فتعرفونها" تم نشانیاں اور دلائل کو پہچان لو گے۔ "وما ربک بغافل عما تعملون" ان کے لیے وعید ہے کہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو بدلہ دے گا۔

سُوْرَةُ الْقَصَصِ

صرف اس میں ایک آیت "الذین اتیناهم الکتاب" سے لے کر "لا نبتغی الجاهلین" تک مدنی ہے۔ اس سورت کی آیت "انّ الذی فرض علیک القرآن لرادّک الی معاد" مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں۔ اس میں ۸۸ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

ترجمہ: طٰسٓمٓ یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

تفسیر: ① "طسم"...... ② "تلک آیات الکتاب المبین"

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦

ترجمہ: ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے) کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنیوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دینی) پیشوا بنا دیں اور (دنیا میں) ان کو (ملک کا) مالک

بنائیں اور (ملک ہونے کے ساتھ) ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے اور (جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف وخطر) ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے۔

تفسیر ③ "**نتلوا علیک من نبأ موسیٰ و فرعون بالحق**" حق سے مراد صدق ہے۔ "**لقوم یؤمنون**" اور وہ قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔

④ "**ان فرعون علا**" اس نے تکبر کیا، مغرور ہو گیا اور ظالم بن گیا۔ "**فی الارض**" مصر کی زمین میں "**وجعل اھلھا شیعا**" فرقے فرقے کہ سب فرعون کے تابع تھے، فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ "**یستضعف طائفۃ منھم**" طائفہ سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ پھر استضعاف کی وضاحت کر دی اور فرمایا "**یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم**" ان کو استضعاف اس لیے فرمایا کیوں کہ یہ اس سے عاجز تھے یا اپنے آپ سے اس ظلم کو دور کرنے سے عاجز تھے۔ "**انہ کان من المفسدین**"

⑤ "**ونرید أن نمن علی الذین استضعفوا فی الارض**" اس سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ "**ونجعلھم آئمۃً**" جو نیک راستے پر چلنے والے اور ان کی اقتداء کرنے والے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد والیان ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق اور آیت میں فرمایا "**وجعلکم ملوکًا**" مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ "**ونجعلھم الوارثین**" یعنی فرعون اور اس کی قوم کے گھروں اور ملک و مالک کے وارث بنا دیں گے۔

⑥ "**ونمکن لھم فی الارض**" اور تمہیں ارض مصر اور شام میں ٹھکانہ عطا کر دیں گے اور تمہارے لیے مکان بنائیں گے جس میں تم ٹھہرو گے۔ "**ونری فرعون**" اعمش، حمزہ، کسائی نے (یری) کی یاء کے ساتھ مفتوح پڑھا ہے۔ "**و ھامان و جنودھما**" ان سب کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے فعل ہے۔ دوسرے قراء نے نون کے ساتھ مضموم پڑھا ہے راء کے کسرے یاء کے نصب اور اس کے مابعد کو بھی نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**منھم ما کانوا یحذرون**" حذر کا معنی ہے ضرر سے بچنا کیونکہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو (نجومیوں سے) اطلاع ملی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کے ہاتھوں سے اس کی تباہی ہوگی اس لیے ان کو بنی اسرائیل کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا تھا لیکن اللہ ان کے سامنے وہی بات لے آیا جس سے وہ بچاؤ کرنا چاہتے تھے۔

⑦ "**واوحینا الی ام موسیٰ**" یہاں پر وحی سے مراد الہام ہے۔ نبوت والی وحی نہیں جو وحی انبیاء کرام پر نازل ہوا کرتی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہم نے ان کے دل پر ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوحابذ بنت لاوی بن یعقوب ہے۔ "**أن ارضعیہ**"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنا عرصہ دودھ پلایا

دودھ پلانے کی مدت رضاعت میں آئمہ مفسرین کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ اور بعض نے کہا چار ماہ اور بعض نے تین ماہ۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لیے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور نہ وہ روتے تھے اور نہ حرکت کرتے تھے۔ "**فاذا خفت علیه**" اور جب اس کی طرف سے جاسوسوں کے مطلع ہونے کا خوف ہوا اور اندیشہ ہوا کہ کہیں فرعون کے کارندے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذبح ہی نہ کر دیں۔ "**فالقیه فی الیم**" الیم سے مراد سمندر ہے۔ یہاں اس سے مشہور دریائے نیل ہے۔ "**ولا تخافی**" اور اس کے غرق ہونے سے نہ ڈریں۔ بعض نے کہا کہ اس کے ضائع ہونے سے نہ گھبرائیں۔ "**ولا تحزنی**" اور اس کی جدائی کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

"**انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین**" عطاء اور ضحاک سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد زیادہ ہوگئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دستی شروع کر دی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا کسی کو حکم دیتے ہیں اور نہ گناہ سے کسی کو روکتے ہیں۔ آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا۔ قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں فرعون کے پاس کیسے پہنچے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا اور یہ دایہ انہی دائیوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لیے مقرر تھی لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی، دردِ زہ ہوئی تو اسی کو بلوایا وہ آ گئی اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ دائی اپنے کام میں لگ گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور دائی کے ہاتھوں میں آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نور دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہوگئی۔ اس کا ہر جوڑ لرز اُٹھا، پورے بدن میں سنسنی پیدا ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے۔ (میرا ارادہ تھا کہ تیرے بیٹے کو قتل کرنے والوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہیں پائی۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔ پھر دائی کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا۔ فوراً سب دروازے پر آ گئے اور اندر گھسنا چاہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آ گئے، فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا، تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس

کے اوسان خطا ہو گئے، اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں، سپاہی اندر آ گئے، تنور بھڑک رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرہ پر کوئی تغیر نہیں تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترا تھا، کہنے لگی دائی یہاں کیوں آئی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لیے آئی تھی۔ غرض وہ لوگ واپس چلے گئے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یاد آیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں اتنے میں تنور سے بچہ کے رونے کی آواز آئی، ماں نے جا کر دیکھا کہ تنور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی پڑ چکی ہے اور ٹھنڈی بھی اتنی جو باعث سلامتی تھی۔ ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا۔ پھر مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دیکھا کہ فرعون کو لڑکوں کی بے حد تلاش ہے ان کو اپنے بچہ کا خطرہ محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس آئیں جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوق خریدا۔ بڑھئی نے پوچھا تجھے کس کام کے لیے ضرورت ہے، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا، سچ بتا دیا، میرا ایک بچہ ہے، میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی، بڑھئی نے پوچھا کیوں؟ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا فرعون کے خوف سے۔ غرض صندوقچہ خرید کر اُٹھا لائی، وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے پہنچ گیا اور کچھ بولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی، کچھ نہ بول سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھ سکے۔ جب اشاروں سے سمجھنے سے عاجز آ گئے تو ان کے سردار نے حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو۔ بڑھئی پٹائی کھا کر اپنی جگہ پہنچا تو پھر اللہ تعالیٰ نے زبان میں گویائی عطا فرما دی، پھر مخبری کرنے کے ارادہ سے سپاہیوں کے پاس پہنچا۔ اس مرتبہ زبان بھی بند ہو گئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ بول سکا اور نہ ہی کچھ دیکھ سکا۔ آخر پھر مار کر لوگوں نے نکال دیا۔ بڑھئی حیران پریشان گرتا پڑتا ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے پختہ نیت کر لی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوت گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰ علیہ السلام جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا، اللہ نے اس کو سچا جانا اور بینائی اور گویائی واپس دے دی، فوراً سجدہ میں گر گیا اور دُعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اس نیک بندہ کا پتہ بتا دے، اللہ تعالیٰ نے اس کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کا راستہ بتلا دیا، وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جب حاملہ ہو گئیں تو انہوں نے اپنی حالت پوشیدہ رکھی، کوئی بھی اس کے حمل سے واقف نہیں ہوا چونکہ بنی اسرائیل پر اللہ کو احسان کرنا مقصود تھا اس لیے حمل پر پردہ ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سال وہی تھا کہ فرعون نے تفتیش کے لیے دائیوں کو بنی اسرائیل کی عورتوں پر مامور کر دیا تھا اور ایسی تفتیش کرائی تھی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی جستجو نہیں ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں حاملہ تو ہو گئی تھی مگر پیٹ میں کوئی ابھار ہی نہیں ہوا تھا نہ رنگ بدلہ تھا اور نہ ہی دودھ اُترا تھا، دائیاں اس سے کوئی تعرض ہی نہیں کرتی تھیں۔ جب شب ولادت آ گئی

تو موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اس وقت نہ کوئی چوکیدار تھا اور نہ کوئی دائی سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے۔

موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اطلاع کسی کو نہیں ہوئی، بہن کا نام مریم تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کو دودھ پلاتی رہ جب تجھے خطرہ ہو جائے تو اس کو دریا میں ڈال دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچہ کو تین ماہ تک گود میں چھپائے دودھ پلاتی رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام روتے بھی نہیں تھے اور حرکت بھی نہیں کرتے تھے۔ بالآخر جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو قوی اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے ایک سربند صندوق بنوایا۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک صندوقچہ لیا جس کے اندر تارکول کی پالش کر دی اور خالی جگہیں تارکول سے پُر کر دیں اور اس کے اندر بچھونا بچھا دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اندر رکھ کر صندوقچہ بند کر کے رات کو دریا میں ڈال دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ فرعون کی ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ لڑکی سے فرعون کو بہت محبت تھی۔ ہر روز فرعون سے وہ اپنے تین کام پورے کراتی تھی۔ اس لڑکی کو سخت برص تھا، فرعون نے اس کے علاج کے لیے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا۔ ساحروں نے کہا کہ اس کو صحت دریا کی طرف سے ہوگی، کوئی چیز انسان کی شکل میں دریا میں پائی جائے گی۔ اس کے منہ کا لعاب لیا جائے گا اور برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی۔ ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے بعد ہوگا۔

چنانچہ دوسرا دن دوشنبہ کا تھا۔ فرعون نے نیل کے کنارے اپنے بیٹھنے کی جگہ تیار کروائی اور جا کر بیٹھا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی۔ فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر نیل کے کنارے بیٹھ گئی اور لڑکیوں کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار مار کر کھیلنے لگی، اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا، لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لا رہی تھیں۔ فرعون نے کہا کہ نیل میں یہ چیز درخت سے آ گئی ہے اس کو لاؤ، ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے ساتھ رکھ دیا۔ لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے، پھر توڑنا چاہا توڑ بھی نہ سکے۔ آخر آسیہ قریب آئی اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا، کوشش کر کے اس نے صندوق کو کھول دیا، اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھونے پر لیٹا تھا، اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق دونوں انگوٹھوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا، اللہ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی، فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا۔

صندوقچہ سے بچہ کو نکالا گیا۔ فرعون کی لڑکی بھی آ گئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر ملا فوراً اچھی ہو گئی۔ لڑکی نے بچہ کو چوم لیا اور سینہ سے چمٹا لیا، جادوگروں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا خیال ہے کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے تجھے خطرہ تھا۔ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے، تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے۔ فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا "**قرة عين لي ولك لاتقتلوه عسى أن ينفعنا او نتخذه ولدًا**" یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، اُمید ہے کہ یہ میرے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔ آسیہ کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ فرعون نے آسیہ سے کہا موسیٰ علیہ السلام کو مجھے دے دو، فرعون نے آسیہ کو موسیٰ علیہ السلام ہبہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر اس روز فرعون کہہ دیتا یہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لیے بھی تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔ آسیہ سے کہا گیا کہ اس کا کچھ نام رکھو، آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا ہے کیوں کہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫

ترجمہ تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو (یعنی مع صندوق کے) اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارے میں) بہت چوکے اور فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے ہم اس کو (اپنا) بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ (ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں انہوں نے موسیٰ کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو (یہ) خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اسی فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ (اس موقع کو دیکھ کر) کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (دل سے) اس کی خیر خواہی کریں۔

تفسیر ⑧ "فالتقطعه آل فرعون" التقاط کہتے ہیں کہ چیز کو بغیر طلب کے حاصل ہو جانا۔ "لیکون لهم عدوًا وحزنًا" لام عاقبت کا ہے یا لام صیرورۃ کا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے سمندر سے نہیں اُٹھایا تھا کہ وہ ان کے دشمن بنیں یا ان کو غمزدہ کریں لیکن انجام ان کا یہی ہونا تھا۔ حمزہ اور کسائی نے حزنًا حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور زاء کے سکون کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے حاء کے فتحہ کے ساتھ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اس میں دونوں لغات صحیح ہیں۔ "انّ فرعون و هامان وجنودهما كانوا خاطئين" نافرمان گنہگار ہوں گے۔

⑨ "وقالت امرأة فرعون قرة عين لي ولک" وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب فرعون کے سامنے صندوقچہ رکھا گیا

اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰ علیہ السلام برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے، دشمنوں میں سے ہے، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا؟ فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے شادی کر لی تھی جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا، یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی، مسکینوں کے لیے تو ماں تھی ان پر بڑا ترس کھاتی تھی،، بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی تھی تو اس نے فرعون سے کہا کہ یہ لڑکا ایک سال سے زائد کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لیے اس کو چھوڑ دیجئے یہ میری اور تمہاری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنے گا۔

''**لاتقتلوہ**'' روایت میں آتا ہے کہ آسیہ نے کہا کہ یہ دوسرے شہر سے آیا ہے بنی اسرائیل میں سے نہیں آیا۔ ''**عسٰی أن ینفعنا او نتخدہ ولدًا وھم لایشعرون**'' ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہی سے ہوگی۔ فرعون نے ان کو زندہ رکھا اور ان کی محبت ان کے دل پر ڈال دی اور اس کی بیوی نے کہا کہ شاید کہ یہ ہمیں نفع دے تو فرعون نے کہا کہ مجھے اس سے نفع کی اُمید نہیں ہے۔

وہب کا بیان ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ علیہ السلام کی بابت ''**عسٰی أن ینفعنا**'' کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لیے بدبختی لکھ دی تھی وہی بدنصیبی غالب آ گئی اور اس نے انکار کر دیا۔

⑩ ''**واصبح فؤاد ام موسٰی فارغًا**'' ان کا دل ہر چیز کے خوف سے خالی ہوگیا، صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد سے غافل نہیں ہوتیں۔ اکثر مفسرین نے اس کا قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ اس کا دل خالی ہوگیا، وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے ان کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف وغم نہ کرنا، ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو پیغمبر بنائیں گے مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچے کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر وثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے۔ جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اس کا دل غم سے خالی ہوگیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے۔ قتیبی نے کہا کہ ابوعبیدہ کی یہ تاویل غلط ہے کیونکہ اللہ نے آگے فرمایا ہے ''**ان کادت لتبدی به لولا أن ربطنا علی قلبها**'' پہلا قول راجح ہے۔ ''**ان کادت لتبدی به**'' ہا ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی جب انہوں نے اس کو دیکھا شدت کی وجہ سے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ کہہ دیتی ہائے بیٹا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہریں اس کو اوپر اُٹھا کر پھر نیچے پٹک رہی تھیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے کا خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا کہ وہ چیخ پڑے۔ کلبی کا بیان ہے کہ جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا تو آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو اس کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ علیہ السلام میرا بیٹا ہے۔

بعض اہل تفاسیر کا بیان ہے کہ ھاءضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے تو اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل غم وفکر سے خالی ہو گیا اور اس کو اللہ کے اس وعدہ پر اتنا اعتماد تھا کہ قریب تھا کہ وہ بتا دے کہ موسیٰ علیہ السلام میرا بیٹا ہے یا یہ ظاہر کر دے کہ مجھے وحی سے اللہ کا یہ وعدہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ اس کو میرے پاس لوٹا کر ضرور لائے گا اور اس کو پیغمبر بنائے گا۔ ''لو لا أن ربطنا علی قلبها'' ہم اس کے دل کو محفوظ کر لیتے صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ۔ ''لتکون من المؤمنین'' تا کہ تم اللہ کے وعدے کی تصدیق کرنے والے ہو جاؤ، اس وقت کو بھی یاد رکھو گے جس وقت ہم نے کہا تھا ''انا رادوہ الیک''

⑪ ''وقالت لاخته'' حضرت مریم علیہا السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھیں ''قصیه'' اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تا کہ تجھے اس کا علم ہو جائے۔ ''فبصرت به عن جنب'' اس کو دور سے دیکھتی رہے۔ قصہ میں آتا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہی ہے۔ ''وهم لایشعرون'' کہ یہ اس کی بہن ہے اور اس کے تعاقب میں جا رہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا، موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھی، آٹھ راتیں یوں ہی گزر گئیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی دودھ پلانے والی کا دودھ نہیں پیا اور چلاتے رہے۔

⑫ ''وحرمنا علیه المراضع'' تحریم سے مراد بندش کرنا، مراضع جمع مرضع کی۔ ''من قبل'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے آنے سے پہلے جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ڈھونڈنے کے لیے سپاہیوں کو بھیج رہے ہیں تو انہوں نے کہا ''هل ادلکم'' کیا میں تمہیں اس پر دلالت نہ کروں۔ ''فقالت'' موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا۔ ''هل ادلکم علی اهل بیت یکفلونه'' جو اس کو اپنے ساتھ چمٹائے اور ''لکم'' اس کو دودھ پلائے، وہ ایسی عورت ہے جس کے بچے کو قتل کر دیا گیا اور وہ چاہتی ہے کہ چھوٹا بچہ اس کو ملے تو وہ اس کو دودھ پلائے۔ ''وهم له ناصحون'' نصح کھوٹ کی ضد ہے۔ یعنی کسی کام کو بگاڑ اور خرابی کی آمیزش سے پاک صاف رکھنے کو نصح کہتے ہیں۔

وهم له ناصحون کی تفسیر

ابن جریج اور سدی کا قول ہے کہ ''هم له ناصحون'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ''وهم له ناصحون'' کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے بتا وہ کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں، میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب باز پرس ہوئی تو اس نے کہا کہ میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لیے کہہ رہی تھی اور اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے "هل ادلكم" کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے؟ اس نے کہا میری ماں ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے۔ ہمشیرہ موسیٰ نے کہا ہاں ہارون ہے۔ لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا اس کو ہمارے پاس لے آ۔ لڑکی نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا دیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کوکھیں بھر گئیں۔ سدی کا قول ہے کہ روز کی اُجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لیے لے لیتی تھیں کہ وہ حربی کافر کا مال تھا۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰی حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ. هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ. فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَيْهِ. قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮

ترجمہ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ (فراق کے غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے اور جب (پرورش پا کر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ عقلیہ سے) بادرست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں (یعنی عمل صالح سے فیضان علم میں ترقی ہوتی ہے) اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا سو وہ جوان کی برادری میں کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا موسیٰ (علیہ السلام کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی بیشک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔

تفسیر ⑬ **"فرددناه الى امه كیّ تقر عينها"** موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں۔ **"ولا تحزن"** تا کہ تو اس پر غمزدہ نہ ہو۔ **"ولتعلم أن وعد الله حق"** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ حق ہے۔ **"ولكن اكثرهم لايعلمون"** اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور اس کو آپ کی طرف لوٹائیں گے۔

⑭ **"ولما بلغ أشده"** کلبی کا بیان ہے کہ اشد کہتے ہیں ۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر تک مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ۳۳ سال کی عمر اشدہ ہے۔ **"واستوی"** جب ان کی عمر چالیس سال کی ہو گئی۔ یہی سعید بن جبیر ابن عباس کے حوالے سے نقل

کرتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک استوی کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی جوانی کی انتہاء کو پہنچ گئے۔ "اٰتیناہ حکمًا وعلمًا" اس سے مراد سمجھ، عقل ودانش اور دین کا علم ہے۔ "وکذلک نجزی المحسنین"

⑮ "ودخل المدینۃ" حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں داخل ہوئے۔ سدی کا قول ہے کہ شہر سے مراد ہے مدین کا شہر جو حدود مصر میں تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے حابین کا قصبہ مراد ہے جو مصر سے دو فرسخ پر تھا۔ بعض نے کہا کہ شہر "مدینۃ الشمس" مراد ہے۔ "علی حین غفلۃ من اھلھا" قیلولے کے وقت میں عین دوپہر کے وقت۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ مغرب وعشاء کا درمیانی وقت مراد ہے۔ اس وقت شہر میں داخل ہونے کے سبب کے متعلق آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ سدی کا بیان ہے کہ چونکہ موسیٰ کو فرعون کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ آپ کی سواری فرعون کی سواری کی طرح ہوتی تھی اور لباس بھی شاہانہ ہوتا تھا۔ ایک روز فرعون سوار ہوکر نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت موجود نہیں تھے، جب واپس آئے تو فرعون جاچکا تھا۔ آپ اس کے پیچھے سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔ منف میں پہنچے تو دوپہر کا وقت ہوگیا۔ اس وقت راستوں میں کوئی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ودخل المدینۃ علی حین غفلۃ من اھلھا" محمد بن اسحاق نے کہا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ آپ کی نصیحتیں سنتے اور ان پر چلتے بھی تھے۔ جب آپ کی حق پرستی ظاہر ہوگئی تو آپ نے فرعون اور اس کی قوم کے مذہب کی مخالفت کی، اس کا ذکر فرعون سے بھی کیا گیا، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ جس بستی میں جاتے تو چھپتے چھپاتے اور ڈرتے ڈرتے جاتے۔ ایک روز جو شہر میں گئے تو ایسی حالت میں گئے کہ لوگ بے خبر تھے، عید کا دن تھا، لوگ کھیل کود اور تفریح میں مشغول تھے۔

ابن زید کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں جب فرعون کے اوپر لاٹھی اُٹھائی تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی نے کہا وہ چھوٹا ہے اس کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو شہر سے نکالنے کا حکم دے دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوگئے اور جوانی کی عمر تک پہنچ گئے تو اپنے اہل والوں کی غفلت سے شہر کی طرف نکل پڑے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دینے کے بعد وہ بھول گئے تھے یا ان کے حکم کو کئی دن گزر گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "حین غفلۃ" کے متعلق روایت کیا ہے کہ یہ ان کے لیے عید کا دن تھا۔ وہ لوگ اپنے لہو ولعب میں مشغول تھے۔

قبطی کے قتل کا واقعہ

"فوجد فیھا رجلین یقتتلان" کہ وہ جھگڑتے اور لڑتے ہیں۔ "ھذا من شیعتہ" ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا۔ "وھذا من عدوہ" وہ قبطی تھا۔ بعض نے کہا کہ جو بنی اسرائیلیوں میں سے تھا اس کا نام سامری تھا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھے۔ بعض نے کہا وہ فرعون کا باورچی تھا اس کا نام فاتون تھا۔ بعض نے کہا کہ "ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ" سے مراد مؤمن اور کافر ہے۔ قبطی بنی اسرائیل کو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر مطبخ خانے تک لیجا۔

سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوگئے تو بنی

اسرائیلیوں کو بالکلیہ کسی سے چھٹکارا نہیں دلوا سکتا تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو لوگوں کو ظلم سے بچاتے تھے اور ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ بنی اسرائیلیوں میں سے ہے اور فلاں قبطیوں میں سے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، ان میں سے ایک بنی اسرائیلیوں میں سے تھا اور دوسرا فرعون کی قوم میں سے تھا۔ ''**فاستغاثه الذی من شیعته علی الذی من عدوه**'' اسرائیلی نے فرعونی کے مقابلے میں مدد طلب کی۔ استغاثہ کہتے ہیں کہ مدد کے لیے کسی کو پکارنا موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا اور بہت شدید ہو گیا۔ قبطی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور وہ اتنی بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ علیہ السلام بھی اس کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا کہ اس کو چھوڑ دے۔ اس نے کہا کہ ہم تو اس کو اس لیے پکڑ رہے ہیں کہ یہ لکڑیاں اُٹھا کر آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے جھگڑنے لگے۔ فرعونی بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑیاں تیرے اوپر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقت ور بھی، آپ نے اس کو ایک ہی مکا مارا وہ مر گیا۔ ''**فوکزه موسی**''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''**فلکزه موسی**'' پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے پورے دونوں ہاتھوں سے مارنا۔ بعض نے کہا کہ (وکز) کہا جاتا ہے سینے پر مارنے کو اور (لکز) کہا جاتا ہے پیٹھ پر مارنے کو۔ فراء کا قول ہے ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے دور کرنا۔ ابوعبیدہ کا قول ہے (وکز) کا معنی ہے انگلیوں کے سروں سے دھکا دینا۔ بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تراسی کا عقد بنا کر قبطی کے سینے پر ضرب رسید کی۔ ''**فقضی علیه**'' اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے کام سے فارغ ہو گئے۔ ہر وہ چیز جس سے فراغت حاصل کی جائے اس کے لیے قضیت علیہ بولا جاتا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندامت ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، پھر اس کو ریت میں دفن کر دیا۔ ''**قال هذا من عمل الشیطان انه عدوٌّ مُضِلٌّ مبین**'' کھلی گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ⑰ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ⑱

(ترجمہ) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے) انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں

کہ اچانک (دیکھتے کیا ہیں) کہ وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ (آدمی) ہے۔

تفسیر ⑯ "قال رب انی ظلمت نفسی" قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے کہ اس کو میرا قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔
"فاغفرلی فغفرله انه هو الغفور الرحیم"

⑰ "قال ربّ بما أنعمت علیّ" مغفرۃ کے ساتھ مجھ پر انعام فرما۔ "فلن آکون ظهیرًا" مددگار "للمجرمین" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، المجرمین سے مراد کافرین ہیں۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس بنی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا تھا وہ کافر تھا۔ مقاتل کا یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ آئندہ میں کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا۔

⑱ "فاصبح فی المدینة" اس شہر میں جس شہر میں قبطی کو قتل کیا۔ "خائفًا" قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھے۔ "یترقب" وہ مقتول کے وارثوں کی طرف سے انتقام کا اندیشہ کر رہے تھے۔ ترقب کہتے ہیں ناپسندیدہ کام کی انتظار کرنا۔ کلبی کا بیان ہے کہ وہ منتظر تھے کہ ان کو کس وقت گرفتار کیا جائے گا۔

"فاذا الذی استنصره بالامس یستصرخه" اور اگلی صبح کے بعد وہی شخص فریاد کر رہا ہے، مدد مانگ رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہمیں حق دلوائیے، فرعون نے کہا کہ قاتل کو تلاش کرو اور گواہوں کو پیش کرو، بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، لوگ تلاش میں گھومنے لگے لیکن کوئی یقینی شہادت نہ مل سکی، اتفاقاً دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے کہ کل والے اسرائیلی کو کسی فرعونی سے لڑتے دیکھا۔ اسرائیلی نے فریاد کی اور فرعونی کے خلاف موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی۔ موسیٰ علیہ السلام کل کے فعل پر ہی نادم تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا، اسرائیلی سے کہا تو ہی کج راہ ہے۔ تیری کج راہی کھلی ہوئی ہے، کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ "قال له موسیٰ" موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی سے کہا "انک لغوی مبین" بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی سے کہا کہ تو کھلی کج روی کا سبب بنا ہے۔ پہلا زیادہ صحیح ہے کہ وہ ایک شخص فرعونی نہیں تھا اسرائیلی تھا۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا. قَالَ يٰمُوْسٰٓی اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًام بِالْاَمْسِ. اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ⑲ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰی. قَالَ يٰمُوْسٰٓی اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ⑳ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ㉑ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِیْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ㉒

ترجمہ سو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا (آج) مجھ کو قتل

کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک (آدمی) قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) بس تم دنیا میں اپنا زور بتلانا چاہتے ہو اور صلح (اور ملاپ) کروانا نہیں چاہتے اور (اس مجمع میں) ایک شخص شہر کے (اس) کنارہ سے) جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا) دوڑے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں پس (یہ سن کر) موسیٰ وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا دعا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچالیجئے اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہو لئے کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا دے گا۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے۔

تفسیر ⑲ **"فلما أن اراد أن يبطش بالذی هو عدولهما"** جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کی کمزوری اور آہ و بکا کو سنا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ اس کی مدد کروں اور فرعونی کو پکڑیں۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ بڑھتا دیکھ کر خیال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے پکڑنا چاہتے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ غصہ میں دیکھ ہی چکا تھا اور آپ کا یہ قول **"انک لغوی مبين"** بھی سن چکا تھا۔ **"قال یا موسٰی أترید ان تقتلنی کماقتلت نفسًا بالامس ان ترید"** آپ ارادہ کرتے ہیں۔ **"الا أن تكون جبارًا فی الارض"** شدت غضب کی وجہ سے بڑا قاتل۔

"وما ترید أن تكون من المصلحين" جب قبطی نے اسرائیلی کی بات کو سنا تو اس کو معلوم ہو گیا کہ کل فرعونی کو جس شخص نے قتل کیا تھا وہ یہی ہیں، وہ بھاگتا ہوا فرعون کے پاس پہنچا تا کہ اس کو خبر دے اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیں۔ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے تمام راستوں پر فوج بھیج دی۔

⑳ **"وجاء رجل"** موسیٰ علیہ السلام کی جماعت سے **"من اقصی المدينة"** شہر کے آخری حصہ کا رہنے والا اکثر اہل تفسیر نے اس کا نام حزقیل بتایا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام شمعون تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام سمعان تھا۔ **"يسعی"** وہ چلنے میں تیزی کے ساتھ آیا اور اس نے قریب والا راستہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور ان کو خبر دی اور کہا کہ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں اور کوئی راستہ اختیار کر لیں۔

"قال یا موسٰی انّ الملأ یاتمرون بک" کہ فرعون کے درباری آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ **"ليقتلوک"** زجاج کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ **"فاخرج"** شہر سے نکل جایئے۔ **"انی لک من الناصحين"** نکلنے کا حکم دینے میں خیر خواہ ہوا۔

㉑ **"فخرج منها"** موسیٰ علیہ السلام نے کہا **"خائفًا يترقب"** ٹوہ لگاتے ہوئے نکلے کہ کوئی ان کے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ **"قال رب نجنی من القوم الظالمين"** اس سے مراد کافر ہیں۔ قصہ میں آتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طلب میں ہر راستے پر سپاہی بھیج دیئے اور کہا کہ تمام راستوں پر چلے جاؤ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کسی راستے سے واقف نہیں۔

㉒ "ولما توجه تلقاء مدين" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ زجاج کا قول ہے کہ اس راستے پر چل پڑے جو مدین پر پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا، مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلے پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درختوں کے سبز پتے نوش کرنے کا واقعہ

"قال عسٰى ربي أن يهديني سواء السبيل" مدین کے راستے کا ارادہ کیا تھا لیکن راستے سے واقفیت حاصل نہیں تھی۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ مدین جانے کا راستہ پتہ نہیں تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسانی ہاتھ میں چھوٹا برچھا لیے نمودار ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو لے چلا۔ مفسرین نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تو کھانے کے لیے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں، انہی کو کھاتے کھاتے آپ کو حاجت بھی سبز ہونے لگی۔ جب مدین پہنچے تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی یہ پہلی آزمائش تھی۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ سكتة وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ㉓ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ㉔

ترجمہ: اور جب مدین کے پانی (یعنی کنوئی) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے) کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو ہٹا نہ لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں پس (یہ سن کر) موسیٰ نے ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلایا پھر (وہاں) سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو (نعمت) بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجتمند ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو کنویں سے پانی پلانے کا واقعہ

تفسیر ㉓ "ولما ورد ماء مدين" اور یہ ایسا کنواں تھا جس سے وہ اپنے جانوروں کو پانی پلایا کرتے۔ "وجد عليه أمة" اس پر ایک جماعت تھی۔ "من الناس يسقون" جو اپنے جانوروں کو پانی پلاتی تھی۔ "ووجد من دونهم" اس جماعت کے علاوہ دوسرے لوگ تھے۔ "امرأتين تذودان" وہ رُکی ہوئی کھڑی تھیں تاکہ لوگ پانی پلا کر فارغ ہو جائیں اور کنواں فارغ ہو جائے تو وہ

اپنے مویشیوں کو پانی پلائیں۔ حسن کا قول ہے وہ اپنے بھیڑوں کو روکے ہوئے تھے تا کہ ان کی بھیڑیں لوگوں کی بھیڑوں کے ساتھ نہ مل جائیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنی بکریوں یا بھیڑوں کو روکے ہوئے تھیں تا کہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

"قال" موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے کہا "ماخطبکما" تمہارا کیا واقعہ ہے؟ کیا وجہ ہے کہ تم اپنے مویشیوں کو پانی سے روک رہی ہو اور مویشیوں کو لوگوں کے ساتھ پانی کیوں نہیں پلاتی ہو۔ "قالتا لاتسقی" ہم اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک "حتی یصدر الرعاء" ابوجعفر اور ابوعمرو اور ابن عامر "یصدر" یاء کے فتحہ دال کے ضمہ کے ساتھ۔ جب تک کہ یہ چرواہے کنویں سے چلے نہ جائیں۔ رعاء جمع راع، جیسے تاجر اور تجار ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم اس وقت تک اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے یہاں سے چلے نہ جائیں کیونکہ ہم عورتیں طاقت نہیں رکھتیں کہ ہم اس رش میں پانی پلائیں اور نہ ہی ہمیں اتنی طاقت ہے کہ ہم لوگوں کو ہٹا سکیں تو جب وہ چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنے مویشیوں کو پلا دیں گے۔

"وابونا شیخ کبیر" وہ بوڑھے ہیں اس کی قدرت نہیں رکھتے کہ وہ آ کر ہمارے مویشیوں کو پانی پلا سکیں۔ اس لیے ہم خود ان مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے آتی ہیں۔ ان کے والد کے نام کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

مجاہد، ضحاک، سدی، اور حسن کا قول ہے کہ ان کے والد کا نام حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔ وہب بن منبہ و سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے والد کا نام بیرون بن اُخی شعیب، حضرت شعیب علیہ السلام کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہو چکی تھی اور آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان دفن کر دیا گیا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک مرد مؤمن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے کلام کو سنا تو ان دونوں پر رحم آیا، وہاں قریب ہی دوسرے کنویں پر ایک بڑی چٹان تھی جس کو اُٹھانے کی کسی شخص میں طاقت نہیں تھی اس کے پتھر کو اکھاڑ کر الگ کر دیا۔ یہ کنواں پہلے کنویں کے برابر تھا اور اس پتھر کو ایک جماعت اُٹھاتی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دس آدمی اس کو اُٹھاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر اکیلے اُٹھا کر ایک طرف کر دیا اور دونوں عورتوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور کہا گیا کہ انہوں نے اتنے بڑے ڈول کو اکیلے کھینچا اور ان کے لیے برکت کی دُعا کی۔ اس پانی سے ان کی تمام بکریاں سیر ہو گئیں۔

24 "فسقی لھما ثم تولی الی الظل" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام شدت گرمی کی وجہ سے درخت کے نیچے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ "فقال ربّ انی لِمَا أنزلت الیّ من خیر" خیر سے مراد کھانا ہے۔ "فقیر" اہل لغت کے نزدیک لام بمعنی الی کے ہے جیسے کہا جاتا ہے "ھو فقیر له و فقیر الیه" یعنی آپ میرے لیے خیر نازل فرمائیں جس کا میں سخت حاجت مند ہوں یعنی فقیر محتاج ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت بھوک کی وجہ سے کھانا طلب کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں۔

امام باقر علیہ الرحمۃ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام اس وقت چھوہارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "ربّ انّی لما انزلت الیّ من

خیر فقیر ''اور وہ اپنی مخلوق پر مہربان تھے اور وہ کھجور کے ایک حصہ کے محتاج تھے۔

مجاہد کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر کا ہی سوال کیا۔ جب وہ دونوں اپنے والد کے پاس پہنچیں، جلدی سے اور لوگ ابھی نہیں پہنچے تھے انہوں نے اپنی بکریوں کو باندھ دیا تو ان دونوں سے پوچھا کہ آج کے دن آپ دونوں جلدی کیسے آ گئیں؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہماری آج ایک نیک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے ہم پر رحم کیا اور ہماری بھیڑوں کو پانی پلا دیا۔ انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا، کہا کہ اس کو بلا کر لے آؤ۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی (اور آ کر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی کی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (پھر) ایک لڑکی نے کہا ابا جان! آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری نوکری کرو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے

تفسیر ﴿۲۵﴾ ''فجاء ته احداهما تمشی علی استحیاء'' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت بے باک نہیں تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دبتی، لجتی، کرتے کی آستین منہ میں ڈالے شرماتی ہوئی آئی۔ ''قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجرما سقیت لنا'' ابو حازم سلمہ بن دینار کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو جانے کا ارادہ نہیں کیا لیکن بھوک لگی ہوئی تھی مجبوراً جانا پڑا، عورت آگے آگے چلی اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے ہوا کے جھونکے سے عورت کی پنڈلی سے کپڑا اہٹ جاتا تھا اور پنڈلی کھل جاتی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بری محسوس ہوئی، آپ نے عورت سے کہا کہ تم میرے پیچھے چلو، اگر راستے سے ہٹ جاؤں تو بتلا دینا، عورت نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس وقت شام کے کھانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جوان بیٹھو اور کھانا

کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ شعیب علیہ السلام نے کہا کیوں کیا بھوک نہیں لگی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا اس نیکی کی مزدوری ہو جو میں نے عورتوں کے مویشیوں کو پانی پلانے کی شکل میں کی تھی اور میں ایسے خاندان کا فرد ہوں جو آخرت والے اعمال میں سے کسی عمل کے کرنے سے دنیا میں اس کا بدلہ نہیں طلب کرتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا نہیں جوان، بخدا یہ بات نہیں ہے بلکہ میرے اور میرے باپ دادا کا معمول ہی یہ ہے کہ ہم مہمان کی میزبانی کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بیٹھ کر کھانے لگے۔

"فلما جاء ہ وقص علیه القصص" جو پورا واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا تھا وہ سارا بیان کر دیا۔ قبطی کا قتل ہونا، پھر فرعون کا ان کے قتل کے درپے ہونا۔ "قال لاتخف نجوت من القوم الظالمین" فرعون اور اس کی قوم۔ یہ اس وجہ سے فرمایا کہ فرعون کی حکومت اہل مدین پر نہیں تھی۔

㉖ "قالت احداهما یا ابت استاجرہ" ان کو اجیر رکھ دیں تا کہ یہ ہمارے مویشیوں کو چرائے۔ "ان خیر من استاجرت القوی الامین" یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانت دار ہونا ضروری ہے، اس لڑکی سے اس کے باپ نے پوچھا تجھے اس کی قوت وامانت کا حال کیسے معلوم ہوا؟ لڑکی نے کہا کنویں کے منہ سے اتنا بھاری پتھر اُٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اُٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے رہنے کو کہا تھا تا کہ ہوا کی وجہ سے میری کھلی پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے نام کے متعلق مختلف اقوال

㉗ "قال" ان کے پاس حضرت شعیب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "انی ارید أن انکحک احدی ابنتی ھاتین" ان دونوں میں سے ایک کا نام صفوراء ہے اور دوسری کا نام لیّا ہے۔ شعیب جبائی کا قول یہی ہے۔ ابن اسحاق نے صفورہ اور شرقا نام ذکر کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ بڑی صفراء اور چھوٹی صفیراء تھی۔ بعض نے کہا کہ بڑی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئی اور اکثر مفسرین کے نزدیک چھوٹی کے ساتھ آپ علیہ السلام کا نکاح ہوا اور اس کا نام صفوراء تھا۔ یہ وہ عورت تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر بلانے کے لیے گئی تھیں۔ "علی أن تاجرنی ثمانی حجج" یہ کہ آپ آٹھ سال ہماری ملازمت کریں۔ فراء کا قول ہے کہ نکاح کے عوض تم آٹھ سال میرا کام کرو یعنی اس نکاح کے عوض آٹھ سال تم میری بکریاں چراؤ۔

حجج سالوں کو کہتے ہیں اور اس کا واحد حجۃ ہے۔ "فان اتممت عشرًا فمن عندک" اور اگر تم اس کے بعد دس سال پورے کر دو گے تو یہ تمہاری طرف سے تبرع (حسن سلوک) ہوگا۔ البتہ یہ دو سال آپ پر لازم نہیں۔ "وما ارید أن أشق علیک" اور تم پر دس سال پورے کرنا لازم نہیں مگر یہ کہ وہ تبرع ہے۔ "ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصالحین" عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی حق صحبت کی نگہداشت اور قول کے وفا میں تم مجھے صالح پاؤ گے۔

قَالَ ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے۔

بکریاں چرانے کو نکاح کا مہر مقرر کرنا

تفسیر: ﴿۲۸﴾ "قال" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ذلک بینی و بینک" یہ ہمارے اور آپ کے درمیان معاملہ طے پایا، وہ ٹھیک ہے جو حق آپ نے مقرر کیا ہے وہ میں ادا کروں گا اور جو میرا حق آپ نے مقرر کیا ہے وہ آپ ادا کریں۔ پھر فرمایا "ایما الاجلین قضیت" ماصلہ ہے یعنی پورا کرنا۔ ان دونوں مدتوں میں سے کوئی ایک پوری کردوں۔ "فلاعدوان علیّ" جب یہ مدت پوری ہو جائے تو اس سے زائد مدت کام کرنے پر مجھے مجبور نہ کریں۔ "واللہ علی ما نقول وکیل" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کا بیان ہے وہ ہمارے درمیان گواہ ہے اور بعض نے کہا کہ وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اہل الحیرہ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حبر العرب کے پاس جو عرب کے بڑے عالم ہیں ان سے پوچھ کر بتاؤں گا، ان کے پاس آئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا انہوں نے اکثر مدت اچھی طرح پوری کی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دونوں مدتوں سے، کونسی مدت پوری کی تو تم ان کے بارے میں بہتر بات کہو اور ان کو اس بات سے بری کردے اور جب تم سے پوچھا جائے کہ ان دونوں عورتوں میں سے کون سی عورت نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کیا تو کہنا کہ ان میں سے چھوٹی نے نکاح کیا، یہ وہی تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر بلانے کے لیے گئی تھیں اور کہا تھا "یا ابت استاجرہ" تو انہوں نے ان کی شادی چھوٹی بہن سے کردی تھی اور اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کردیا۔ وہب کا قول ہے کہ بڑی سے شادی ہوئی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی عطا کرنا

حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شعیب علیہ السلام اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بینائی عطا فرمائی، پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ اللہ نے پھر بینائی عطا کردی اور فرمایا کہ اس رونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا جنت کے شوق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے؟ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا نہیں اے میرے رب! بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں، اللہ نے وحی بھیجی کہ اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو۔ اے شعیب! میں نے تمہارے کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔

لاٹھی کہاں سے آئی تھی

سدی کا بیان ہے کہ ایک فرشتہ نے آدمی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس امان رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اُٹھالائی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہ لاٹھی واپس لے جاؤ، دوسری لاکر دو۔ لڑکی نے وہ لاٹھی لے جا کر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اُٹھانی چاہی مگر سوائے اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی۔ آخر اسی کو اُٹھالائی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے پھر واپس کر دی۔ یہ لوٹنا پھیرنا تین مرتبہ ہوئی۔ بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے آئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا: وہ تو ایک شخص کی امانت تھی، میں نے یہ کیا حرکت کی؟ یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپسی مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دینے سے انکار کر دیا کہ یہ لاٹھی تو میری ہو چکی۔ دونوں میں اختلاف ہوا، آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے۔ ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا۔ اس شخص نے فیصلہ کیا کہ اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اُٹھالے لاٹھی اسی کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کو (اُٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اُٹھالیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چھوڑ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ بکریاں عنایت کرنا

اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بی بی سے کہا کہ تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں۔ بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریاں طلب کیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اس سال جو دورنگا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا۔ حضرت شعیب موسیٰ علیہ السلام کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر بتقاضاء خون مرحمت کرنے کے خواہش مند تھے، اسی لیے اپنی لڑکی سے فرمایا: اس سال جو نر مادہ چت کبریٰ (ابلق دورنگے) بچے پیدا ہوں گے وہ میں نے تم کو دیئے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں بتادیا کہ بکریوں کے پانی پینے کی جگہ پر لاٹھی ماریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری، پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق ہی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ خداداد نصیب ہے، اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ رزق بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا (اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیئے)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ

شَاطِیءِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیبؑ کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر یا شام) کو روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (روشنی بشکل) آگ دکھلائی دی انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارا لے آؤں تاکہ تم سینک لو سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھا) اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔

تفسیر: ﴿٢٩﴾ "فلما قضٰی موسٰی الاجل" جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کی اور اپنی مزدوری سے فارغ ہو گئے "وسار باھلہ" مجاہد کا بیان ہے کہ جب وہ مدت پوری ہوگئی تو اس کے بعد اپنے سسر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے۔ کل بیس سال رہے۔ اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔

"انس" انہوں نے دیکھا "من جانب الطور نارًا" اور رات تاریک تھی اور سردیوں کی راتیں تھیں، شدید سردی تھی۔

"قال لاھلہ امکثوا انی انست نارًا لعلی آتیکم منھا بخبر" تاکہ راستہ معلوم کر آؤں کیونکہ وہ راستہ بھول چکے تھے۔

"او جذوة من النار" کوئی آگ کا ٹکڑا یا آگ کا شعلہ اس میں تینوں لغات درست ہیں۔ "جَذْوَةٍ" جیم کے فتحہ کے ساتھ حمزہ نے "جُذْوَةٍ" پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "جِذْوَةٍ" جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ جذوۃ اس جلتی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ جل چکا ہو اس کی جمع جذیٰ آتی ہے۔

"لعلکم تصطلون" تاکہ تم اس سے گرمی حاصل کر سکو۔

﴿٣٠﴾ "فلما أتاھا نودی من شاطئ الوادی الایمن" اس وادی کی جانب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب تھی۔ "فی البقعة المبارکة" موسیٰ علیہ السلام کے لیے بڑی مبارک جگہ ہے۔ یہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کلام کیا اور اسی جگہ پیغمبری عطا فرمائی۔ عطاء کا قول ہے کہ مبارکہ سے مراد ہے مقدس "من الشجرة" درخت وادی کے کنارے پر۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ایک سرسبز درخت تھا جو چمک رہا تھا۔ قتادہ، کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ یہ عوسجہ کا درخت تھا۔ وہب کا بیان ہے کہ یہ علیق کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ عذب کا درخت تھا۔ "أن یا موسٰی انی انا اللہ رب العالمین"

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿٣١﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ ﴿٣٣﴾ وَاَخِىۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ
مِنِّىۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِىَ رِدۡاً يُّصَدِّقُنِىۡۤ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِاَخِيۡكَ وَنَجۡعَلُ لَـكُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا يَصِلُوۡنَ اِلَيۡكُمَا ‌ۛۚ بِاٰيٰتِنَاۤ ‌ۛۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو سوانہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان اور بغل) سے (بدستور سابق) ملا لینا سو یہ (تمہاری نبوت کی) دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم کیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں اول ہی وہلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارونؑ کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دید یجئے کہ وہ میری (تقریر کی تائید اور) تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (وہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی (پس) ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوگا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔

تفسیر ㉛ "وأن الق عصاک فلما راها تھتز" وہ حرکت میں آ گیا۔ "کانھا جان" گویا کہ وہ چھوٹا سا سانپ ہے جو سریع الحرکت ہے۔ "ولّی مدبرًا" اس سے خوف کھا کر بھاگ گئے۔ "ولم یعقب" وہ نہیں لوٹے یہاں تک کہ ان کو آواز دی گئی۔ "یا موسٰی اقبل ولا تخف انّک من الامنین"

㉜ "اسلک" داخل کیجئے۔ "یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء" بغیر کسی بیماری کے یعنی کوئی برص وغیرہ کی بیماری نہیں ہوگی اور وہ چمکتا ہوئے سورج کی طرح ہوگا۔ "واضمم الیک جناحک من الرھب" اہل کوفہ شام نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ھاء کے سکون کے ساتھ اور راء کے فتحہ کے ساتھ حفص رحمہ اللہ نے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان تمام لغات میں اس کا معنی خوف ہی آتا ہے۔ یہ ایک نشانی ہے۔ جب آپ اپنے بازو کی چمک دیکھیں اور اس کو واپس اپنی حالت پر جب لانا چاہیں تو دوبارہ بغل میں داخل کیجئے تو وہ اپنی حالت پر آ جائے گا۔ جناح کا لفظ پورے ہاتھ پر بولا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا معنی بازو ہے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے سے ملالو تا کہ خوف دور ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا موسیٰ کے بعد جو خوف زدہ آدمی بھی اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیتا ہے اس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ جو شخص بھی اپنے دونوں جناح اپنے بدن سے ملالے گا اس کا خوف دور ہو جائے گا اور جناح پورا ہاتھ ہے۔ بعض نے کہا ضم جناح سے بطور استعارہ مراد ہے سکون ثبات، استقامت اور جرأت، پرندہ خوف کے وقت اپنے دونوں بازو پھیلا دیتا ہے اور امن و اطمینان کے وقت سمیٹے رکھتا ہے۔ ''واخفض لھما جناح الذل من الرحمة'' اس سے مراد نرمی ہے اور ان کا فرمان ''واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین'' ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور ان کے لیے پہلو جھکالو۔ فراء کا قول ہے کہ جناح سے مراد عصا ہے یعنی اپنی لاٹھی کو اپنے پاس جمع کرلو۔ بعض اہل لغت نے کہا قبائل حمیر کے محاورہ میں وہب کا معنی آستین ہے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے بعض عربوں سے سنا ''اعطنی مافی رھبک'' جو کچھ تمہاری آستین میں ہے مجھے دے دو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آستین سے ہاتھ نکال کر اپنے بدن سے چمٹا لو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت آستین میں ہاتھ ڈالے اور ہاتھ میں لاٹھی پکڑے ہوئے تھے۔ ''فذانک'' یہ دونوں نشانیاں عصا اور ید بیضا۔ ''برھانان'' دونوں نشانیاں ہیں۔ ''من ربک الی فرعون وملائه انھم کانوا قومًا فاسقین''

㉝ ''قال ربّ انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون''

㉞ ''وأخی ھارون ھو افصح منی لسانًا'' یہ اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ بچپن میں انہوں نے جلتا ہوا انگارہ منہ میں رکھ لیا تھا۔ ''فارسله معی ردءً'' بمعنی مددگار۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ''ردآته ای اعنتهٗ'' میں نے اس کی مدد کی ''ردءً'' دال کے فتحہ کے ساتھ تخفیف کے ساتھ۔ باقی قراء نے دال کے سکون کے ساتھ۔ ''یصدقنی'' ابن عمر، عامر اور حمزہ نے رفع کے ساتھ قاف پر حال ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے مجزوم پڑھا ہے۔ جواب الدعا ہے حضرت ہارون علیہ السلام کی تمام باتوں میں تصدیق کی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ''یصدقنی'' کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو میرے ساتھ ہارون کو پیغمبر بنا کر بھیج دے گا۔ ''انی اخاف أن یکذبون'' یعنی فرعون اور اس کی قوم۔

㉟ ''قال سنشد عضدک بأخیک'' اور ہم آپ کو مضبوط کریں گے۔ آپ کے بھائی کے ساتھ اور اس وقت آپ کے بھائی ہارون مصر میں تھے۔ ''ونجعل لکما سلطانًا'' حجت اور برہان۔ ''فلا یصلون الیکما بآیاتنا'' فرعون اور اس کی قوم والے تم دونوں کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیری عبارت یوں ہے ''ونجعل لکما سلطانًا بآیاتنا بما نعطیکما من المعجزات فلا یصلون الیکما''...... ''انتما ومن اتبعکما الغالبون'' فرعون اور اس کی قوم والے تم دونوں کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ㊱ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

28

الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر) کہا کہ یہ تو محض) ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ) خداتعالیٰ پر افترا کیا جاتا ہے اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم سے اچھا ہونے والا ہے (اور) بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے اور (دلائل موسویہ دیکھ سن کر) فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا تو اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں (پزاوہ لگا کر) پکواؤ پھر ان پختہ اینٹوں سے) میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ میں)(اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ میرے سوا کوئی اور خدا ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے۔

تفسیر ﴿۳۶﴾ **"فلما جاء هم موسٰی بایاتنا بینات"** واضح دلائل۔ **"قالوا ما هذا الا سحرٌ مفترى"** گھڑا ہوا تراشیدہ **"وما سمعنا بهذا"** جس کو تم پکارتے ہو۔ **"فی اٰباء نا الاوّلین"**

﴿۳۷﴾ **"وقال موسٰی"** مکی نے بغیر واؤ کے پڑھا ہے۔ اسی طرح ان کے مصاحف میں بھی مذکور ہے۔ **"ربی اعلم بمن جاء بالهدیٰ من عنده"** وہی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم لوگ باطل پرست۔ **"ومن تکون له عاقبة الدار"** آخرت میں اچھا گھر۔ **"انه لایفلح الظالمون"** ظالم سے مراد کافر ہیں۔

﴿۳۸﴾ **"وقال فرعون یایها الملاء ما علمت لکم من اله غیری فاوقدلی یا هامان علی الطین"** اس مٹی کی میرے لیے اینٹیں بنوا۔ بعض نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے اینٹیں پکوائیں وہ فرعون ہی تھا۔ **"فاجعل لی صرحًا"** بلند محل اور بعض نے کہا کہ منارہ تیار کروائیں۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ جب فرعون نے حکم دیا اپنے وزیر ہامان کو کہ میرے لیے محل تیار کرو، ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمار اکٹھے ہوگئے، اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے، لکڑی کا کام کرنے والے، کیلیں بنانے والے اور دوسرے کارگزاران کے علاوہ تھے۔ چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنادی کہ کسی شخص کی عمارت اتنی اونچی نہیں بنی تھی، اللہ ان لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا، عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے۔ فرعون نے اوپر پہنچ کر تیر اندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر برسائیں۔ تیر اندازوں

نے اوپر کی طرف تیر پھینکے تو تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹے، فرعون بولا میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔ (نعوذ باللہ) فرعون کو خچر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا، اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، جبرئیل علیہ السلام نے اپنا ایک پَر خچر پر مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیئے، ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر میں گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے، ایک ٹکڑا سمندر میں جا کر گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے۔ **لعلی اطلع الی الله موسٰی**" اس کی طرف نظر کریں کہ وہ کیسے ہے۔" **وانی لاظنه**" موسیٰ علیہ السلام "**من الکاذبین**" ان کے گمان کے مطابق زمین میں سچے نہیں یعنی اس کا دعویٰ جھوٹا کہ آسمان وزمین میں ایک خالق ہے اور یہ اس کا رسول ہے۔

39 "**واستکبر هو وجنوده فی الارض بغیر الحق وظنوا أنهم الینا لایرجعون**" نافع، حمزہ، کسائی، یعقوب نے یاء پر فتحہ پڑھا ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے ضمہ کے ساتھ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ. فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿40﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿42﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿43﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿44﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿45﴾

ترجمہ: تو ہم نے (تکبر کی سزا میں) اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے روز ایسے بیکس رہ جاویں گے کہ) کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں مبتلائے خسران ہوئے چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی امتوں (یعنی قوم نوح و عاد و ثمود) کے ہلاک کے پیچھے کتاب (یعنی توریت) دی تھی جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (لیکن بات یہ ہے کہ) ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری

آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کرسنا رہے ہوں (لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔

تفسیر ۴۰ "فاخذناه وجنوده فنبذناهم" پس ہم نے ان کوڈال دیا۔ "فی الیم فانظر کیف کان عاقبة الظالمین"

۴۱ "وجعلناهم أئمة" ان کے پیشوا اور رئیس "یدعون الی النار ویوم القیامة لا ینصرون" ان سے عذاب کو کوئی بھی روک نہیں سکے گا۔

۴۲ "واتبعنا هم فی هذه الدنیا لعنةً" رسوائی اور عذاب۔ "ویوم القیامة هم من المقبوحین" ملعونین سے دور، ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہلاکت والے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے چہرے کالے ہوں گے، آنکھیں ان کی نیلی ہوں گی، عرب کہتے ہیں، قبحہ اللہ، اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اگر کسی کو دور کر دیا گیا ہو تو عرب کہتے ہیں "قبحة، قبحا و قبوحًا" جب وہ ہر بھلائی اور خیر سے دور ہو۔

۴۳ "ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب من بعد ما اهلکنا القرون الاولٰی" اس سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور اس کے علاوہ جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آئیں۔ "بصائر للناس" تاکہ وہ اس کتاب کو دیکھیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں۔ "وهدًی" گمراہی سے ہدایت جو اس پر عمل کرے۔ "ورحمة" جو اس پر عمل کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا۔ "لعلهم یتذکرون" جو کچھ اس میں نصائح ہیں ان پر خوب غور وفکر کر۔

۴۴ "وما کنت" اے محمد! "بجانب الغربی" مغرب کی جانب پہاڑی۔ یہی قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ کلبی کا بیان ہے غرب کی جانب وادی میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے مناجات کرنا ہے۔ "اذ قضینا الی موسٰی الامر" یعنی ہم نے ان کی طرف عہد کیا اور ہم نے ان کو فرعون کی طرف رسالت کا پیغام دے کر بھیجا اور اس کی قوم کی طرف۔ "وما کنت من الشاهدین"

۴۵ "ولکنا انشانا قرونًا" ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُمم کو پیدا کیا۔ "فتطاول علیهم العمر" اس پر مہلت طویل ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے اور اس کے حکم کو بھول گئے اور کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کیا اور ان کی قوم سے عہد کیا کہ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں گے تو ان پر ایمان لے آئیں گے لیکن جب ان کی عمریں طویل ہوگئیں، ان کے بعد دوسرے زمانے والے لوگ آگئے تو یہ اپنا عہد بھول گئے اور اس کو پورا کرنے سے ہٹ گئے۔ "وما کنت ثاویا" اور وہ قیام کرنے والے نہیں تھے۔ "فی اهل مدین" حضرت شعیب علیہ السلام کے ملک میں تھے کہ وہاں آپ ہماری آیات کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ "تتلوا علیهم آیاتنا" تمہیں وعد اور وعید یاد دلاتے تھے۔ مقاتل نے کہا کہ تم اہل مدین میں موجود نہ تھے کہ ان کی خبر اہل مکہ کو پڑھ کر سنا رہے ہو۔

"ولکنا کنا مرسلین" ہم نے آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں پہلی قوموں کی خبریں موجود تھیں تو آپ ان پر پڑھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم ان کے واقعات ان لوگوں کو نہ سنا سکتے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ اور (اسی طرح) آپ طور کی جانب (مغربی مذکور) میں اس وقت (بھی) موجود تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا (لیکن اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنا لیے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نبی) آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت (دنیا میں یا آخرت میں) نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں ہوتے سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا (تو اس میں شبہ نکالنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی۔ جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے۔

تفسیر ﴿۴۶﴾ ”**وما كنت بجانب الطور**“ اور نہ ہی آپ اس وقت کوہ طور پر موجود تھے کہ آپ نے ان کا کلام سنا ہے۔ ”**اذ نادينا**“ کہا گیا ہے کہ جب ان کو آواز دی کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہب کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرا دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر تم چاہو تو میں ان کی اُمت کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنا دوں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا، اے اُمت محمد! اُمت والوں نے اپنے باپوں کی پشت میں لبیک کہا۔

ابوزرعہ، عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے ندا دی، اے اُمت محمد! اس کے کہ تم مجھ سے دُعا کرو، میں نے تمہاری دُعا قبول کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ نے فرمایا، اے اُمت محمد! لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا: ”**لبيك اللهم لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لك لاشريك لك**“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اُمت محمد! میری رحمت، میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے، میں نے مانگنے سے پہلے تم

کو دے دیا اور دُعا کرنے سے پہلے تمہاری دُعا قبول کر لی اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ "**ولکن رحمة من ربک**" لیکن ہم نے تمہارے اوپر رحمت کی، تجھے اپنا محبوب بندہ بنا کر اور تجھ پر وحی بھیج کر اور تجھ پر ماقبل انبیاء کی خبریں نازل کر کے۔ "**لتنذر قومًا ما اتاھم من نذیر من قبلک**" اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ "**لعلھم یتذکرون**"

㊼ "**ولولا أن تصیبھم مصیبة**" یعنی عذاب اور سزا۔ "**بما قدمت ایدیھم**" کفر اور نافرمانی کے بسبب "**فیقولوا ربنا لولا**" بمعنی ھلا کے ہے۔ "**أرسلت الینا رسولاً فنتبع آیاتک ونکون من المؤمنین**" جواب لولا محذوف ہے۔ "**ای لعاجلنا بالعقوبة**" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ بدکاری کی وجہ سے نازل ہونے والی مصیبت کے وقت یہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا گیا کہ ہم ایمان لاتے اور احکام کا اتباع کرتے تو ہم کوئی پیغمبر نہ بھیجتے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کی طرف رسول نہ بھیجے ہوتے تو پھر تم عذر خواہی کرتے لیکن پھر ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجے تا کہ ان پیغمبروں کی بعثت کے بعد لوگوں کو کفر و معصیت کا کوئی عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔

㊽ "**فلما جاء ھم الحق من عندنا**" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "**قالوا**" کفار مکہ کہنے لگے "**لولا**" بمعنی ھلا کے ہے۔ "**اوتی**" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ "**مثل ما اوتی موسیٰ**" جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات کیوں نہ دیے گئے اور کفار مکہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی بار کتاب عطا کی گئی اسی طرح آپ پر ایک بار کیوں نازل نہیں کی گئی؟ "**اولم یکفروا بما أوتی موسیٰ من قبل**" انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا تھا جس طرح آپ کے معجزات کا انکار کر رہے ہیں۔ "**قالوا سحران تظاھرا**" اہل کوفہ نے (**سحران**) پڑھا ہے۔ اس سے مراد توریت اور قرآن لیا ہے۔ **تظاھرا** یعنی محمد اور موسیٰ علیہما السلام دونوں متفق ہو گئے ہیں۔ ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب کی تائید کر رہی ہے۔

کلبی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے مدینہ کے علماء یہود کے پاس کچھ آدمی بھیجے۔

تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور کذب ہونے کو پہچان سکیں۔ یہودیوں نے بتایا کہ پیغمبر آخر الزمان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف توریت میں موجود ہیں، قاصدوں نے واپس آ کر مکہ والوں سے یہودیوں کا جواب نقل کر دیا لیکن انہوں نے اس جواب کو بھی نہیں مانا اور جو کتاب موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا بھی انکار کر دیا اور کہنے لگے "**سحران تظاھرا**" اور دوسرے قراء نے (ساحران) پڑھا ہے۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں میں۔ "**وقالوا انا بکل کافرون**"

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿49﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿50﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿51﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿53﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراۃ وقرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو پھر (اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں اور جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے (اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی مانتے تھے۔

تفسیر: 49 "قل" کہہ دیجئے اے محمد! "فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما" یعنی توریت اور قرآن۔ "اتبعه ان کنتم صادقین"

50 "فان لم یستجیبوا لک". آپ جو ان سے ایسی کتاب پیش کرنے کی کہہ رہے ہیں وہ یہ کتاب ہرگز نہیں لاسکتے۔ "فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"

آیت ولقد وصلنا لھم القول کی تفسیر

51 "ولقد وصلنا لھم القول" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وصلنا" کا ترجمہ "بیّنا" سے کیا ہے۔ ہم نے اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے یعنی بعض آیات دوسری آیت کے مضمون کو کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ فراء نے کہا کہ یعنی ہم نے قرآن کی آیات یکے بعد دیگرے اُتاریں۔ قتادہ نے کہا کہ اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان کیا ہے کہ گزشتہ لوگوں سے کیا سلوک کیا گیا۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے کفار مکہ کے لیے قرآن میں گزشتہ اُمتوں کے واقعات بیان

کردیئے اور بتا دیا کہ تکذیب وکفر کی وجہ سے ان پر کیسے عذاب آئے گا۔ ابن زید نے کہا کہ ہم نے خبر دُنیا کے ساتھ خبر آخرت کو ملا لیا۔ اس قدر کہ گویا انہوں نے دُنیا میں آخرت کا معائنہ کرلیا۔ "لعلهم یتذکرون"

آیت کا شان نزول

52 "الذین اتیناهم الکتاب من قبله" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ بعض نے کہا کہ قرآن سے پہلے۔ "هم به یؤمنون" یہ آیت اہل کتاب کے مؤمنوں پر نازل ہوئی، اس سے مراد عبداللہ بن سلام اور اس کے ساتھی ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے بلکہ اس سے اہل الانجیل مراد ہیں جو حبشہ سے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ حبشہ سے ہجرت کر کے آنے والے چالیس افراد تھے۔ وہ جعفر کے ساتھ حبشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے مسلمانوں کی حالت زار دیکھی تو کہنے لگے آپ ہمیں اجازت دیں ہم ان کو اپنا مال لا کر مسلمانوں کی مالی ہمدردی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ اپنا مال لے کر آ گئے اور ان کو دے دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ "الذین اتیناهم الکتاب" سے لے کر "مما رزقنهم ینفقون" تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت اسی (۸۰) اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی۔ بیس نجرانی تھے، بتیس حبشی اور آٹھ شامی تھے۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

53 "واذا یتلی علیهم" اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے۔ "قالوا اٰمنا به انه الحق من ربنا" یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات توریت اور انجیل میں موجود تھیں۔ "انا کنا من قبله مسلمین" قرآن سے پہلے بھی مخلصین مؤمنین تھے کہ اللہ کا ایک ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیغمبر ہونا برحق ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بدی (اور ایذا) کا دفعیہ کردیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آوے گا (بھائی) ہم تم کو سلام

کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی وہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں (لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے۔

دوہرا اجر ملنے والے افراد

تفسیر ⑤④ ”اولئک یؤتون اجرھم مرتین“ پہلے نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے اور قرآن پر بھی ایمان لائے۔ ”بما صبروا“ اپنے دین پر ثابت قدمی کے ساتھ رہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیات اہل کتاب کے ان افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جو ایمان لائے، پھر ان کو اذیت دی گئی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین اشخاص وہ ہیں جن کو دُہرا اجر دیا جاتا ہے۔ ایک وہ شخص جس کے پاس باندی ہو تو اس کی تادیب کرے اور اچھی تادیب سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس کی شادی کروا دے۔

دوسرا وہ شخص جو اہل کتاب میں ہو، وہ اپنے نبی کی کتاب پر بھی ایمان لایا ہو اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا ہو۔ تیسرا وہ غلام جس نے اللہ کی خوب عبادت بھی کی اور اپنے آقا کو نصائح بھی کیے اس کا کہنا بھی مانا۔ ”ویدرؤن بالحسنة السیئة“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا لا الہ الا اللہ کی شہادت دے کر شرک کو دفع کرتے ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے مشرکوں کی طرف سے گالیاں اور برا بھلا سن کر عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ ”ومما رزقنھم ینفقون“ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے ہیں۔

⑤⑤ ”واذا سمعوا اللغو“ اس سے مراد بیہودہ بات ہے۔ ”اعرضوا عنه“ مشرکین مؤمنین اہل کتاب کو گالیاں دیتے اور کہتے تھے کہ تم مرو کہ تم نے اپنا مذہب چھوڑ دیا، مؤمن ان سے منہ پھیر لیتے، ان کو کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ”وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم“ ہمارا دین ہمارے لیے اور تمہارا دین تمہارے لیے۔ ”سلام علیکم“ اس سے سلام تحیہ مراد نہیں بلکہ اس سے سلام متارکہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے، تم کو جواب نہیں دیں گے۔ ”لانبتغی الجاھلین“ یعنی ہم جاہلوں کے دین کو نہیں چاہتے جس دین پر تم ہو اس دین کو ہم پسند نہیں کرتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہم جاہلوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ یہ مسلمانوں کو قتال کرنے سے پہلے کا حکم تھا۔

⑤⑥ ”انک لاتھدی من احببت“ جس کو ہدایت یاب کرنا آپ پسند کریں یا جن کی قرابت داری کی وجہ سے آپ کو محبت ہو۔ ”ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین“ مجاہد اور مقاتل کا بیان ہے یعنی ان لوگوں کو اللہ ہی خوب

جانتا ہے جن کے لیے ہدایت مقرر کردی گئی ہے۔ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن آپ کے لیے گواہی دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے کہ کہیں خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کردی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

57 "وقالوا ان نتبع الهدى معك نتخطف من ارضنا" اس سے ارض مکہ ہے۔ یہ حارث بن عثمان بن نوفل عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اس وجہ سے حارث نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لائے ہیں ہم جانتے ہیں جو کچھ آپ لائے ہیں یہ حق ہے لیکن اگر ہم آپ کے کہنے پر چلیں گے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب ہم کو مکہ کی سرزمین سے نکال دیں گے۔ "نتخطف من ارضنا" کا یہی مطلب ہے۔ "اختطاف" جلدی سے چھیننا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اولم نمكن لهم حرمًا أمنًا" دورِ جاہلیت میں عرب باہم قتل وغارت کیا کرتے تھے، لوٹ مار کا عام دستور تھا، کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرمت کی وجہ سے امن وچین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ ہرن بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے۔ حرم کے اندر کوئی جانور بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔ "یجبی" قراء اہل مدینہ اور یعقوب نے "تجبى" تاء کے ساتھ پڑھا ہے کثرت پھلوں کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اليه" کہا جاتا ہے۔ "جبيت الماء في الحوض أي جمعته" کہ پانی کھینچا گیا حوض میں یہاں تک کہ اس میں جمع ہوگیا اس کو حرم کے لیے لادا جاتا ہے۔ "ثمرات كل شى رزقًا من لدنا ولكن اكثرهم لايعلمون" جو وہ کہتے ہیں وہ حق ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ ۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ 58 وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ 59 وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ 60 اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ 61

ترجمہ اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے (سو دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخرکار (ان کے سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے اور آپ کا رب بستیوں کو (اول ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چندروزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب وزینت) ہے اور جو (اجرو

ثواب) اللہ کے یہاں ہے وہ بدر جہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے سو کیا تم لوگ (اس تفاوت کو نہیں سمجھتے بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو) پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگانی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔

تفسیر 58 "**وکم اھلکنا من قریۃ**" اسی بستی والوں کو "**بطرت معیشتھا**" ان کی معیشت میں۔ عطاء کا قول ہے ان کو خوب عیش وعشرت حاصل ہوئی، اللہ کا رزق کھایا اور بتوں کی پوجا کی۔ "**فتلک مساکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کھنڈروں میں ایک دن یا ایک گھنٹہ کے لیے مسافر اور راہ گیر ٹھہرے اور کوئی ان میں نہ رہا۔ بعض نے کہا کہ کوئی شخص بھی سوائے تھوڑے سے لوگوں میں وہاں نہیں رہا اور یہ ان کے گناہوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔ "**وکنا نحن الوارثین**" یہ اس آیت کی طرح ہے "**انا نحن نرث الارض ومن علیھا**"

59 "**وما کان ربک مھلک القری**" کافروں کی بستی اور اس کے رہنے والے۔ "**حتّی یبعث فی امھا رسولاً**" یعنی ان کی بستی بڑی تھی اور بڑے پیغمبر تھے، اس کو اعظم اس لیے کہا کیونکہ اس میں نبی کو مبعوث کیا گیا چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اشراف لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور اشراف لوگ ایسے ہی شہروں میں سکونت اختیار کرتے ہیں اور سردار لوگ عام طور پر بڑے شہروں میں ہی رہتے ہیں اور مرکزی مکانات ہی ان کے مکان ہوتے ہیں۔ "**یتلوا علیھم ایاتنا**" مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابوجہل یا حضرت علی یا ابوجہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ "**وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمون**" ظالم سے مراد مشرکین ہیں، ان کو ان کے ظلم کے بسبب ہلاک کر دیا گیا۔

60 "**وما اوتیتم من شیءٍ فمتاع الحیوۃ الدنیا وزینتھا**" یعنی دُنیاوی سامان ہے جس کو تم برتتے ہو اور دُنیاوی سجاوٹ ہے جس سے زندگی بھر زینت حاصل کرتے ہیں۔ "**وما عنداللّٰہ خیر وابقی أفلا تعقلون**" جو باقی رہنے والا ہے وہ فنا ہونے والے سے بہتر ہے۔ عام قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعمرو تاء اور یاء کے درمیان اختیار دیتے ہیں۔

61 "**أفمن وعدناہ وعدًا حسنًا**" اس سے مراد جنت ہے۔ "**فھو لاقیہ**" وہ مصیبت کے مطابق اس کو پائے گا۔ "**کمن متعناہ متاع الحیوۃ الدُنیا**" اور وہ عنقریب زائل ہونے والا ہے۔ "**ثم ھو یوم القیامۃ من المحضرین**" اس سے مراد آگ ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مؤمن اور کافر ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حمزہ اور ابوجہل کے متعلق ہوا۔ سدی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عمار اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں ہوا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ 62 قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ 63 وَقِيْلَ
ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ 64
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ 65 فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا
يَتَسَآءَلُوْنَ 66 فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ 67
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 68

ترجمہ اور (وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے) جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (توبے جا) پکار کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے جن پر بوجہ گمراہ کرنے کے) خدا کا فرمودہ (یعنی استحقاق عذاب) ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر و کراہ) بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان (کے تعلقات) (سے دستبرداری کرتے ہیں اور یہ لوگ درحقیقت) ہم کو نہ پوجتے تھے اور (اس وقت ان مشرکین سے تحکما) کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرط حیرت سے بالاضطرار) ان کو پکاریں گے سو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) عذاب کو دیکھ لیں گے اے کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا سو اس روز ان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہو جاویں گے تو وہ (نہ خود سمجھیں گے اور) آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے البتہ جو شخص کفر اور شرک سے دنیا میں) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق (حاصل) نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

تفسیر 62 "ویوم ینادیھم فیقول أین شرکاء ی الذین کنتم تزعمون" دُنیا میں کہ وہ ان کے شریک ہیں۔

63 "قال الذین حق علیھم القول" ان پر عذاب واجب ہو چکا اور وہ گمراہوں کے سردار ہیں۔ "ربنا ھولاء الذین اغوینا" یعنی ان کو ہم غنی کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کے تابع داروں میں سے ہوں گے۔ "أغویناھم کما غوینا" یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکا دیا تھا۔ "کما غوینا" جس طرح ہم بہک گئے تھے، خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے۔ "تبرأنا الیک" وہ ان میں سے "ما کانوا ایانا یعبدون" وہ اس وقت بعض بعض سے برأت اختیار کریں گے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوٌّ"

64 "وقیل" کفار کے لیے کہا۔ "ادعو کم شرکاء کم" وہ بتوں کو پکاریں گے تاکہ ان کو عذاب سے چھٹکارا حاصل

کرائیں۔"فدعوھم فلم یستجیبوا لھم" وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔"وراوا العذاب لو انھم کانوا یھتدون" جواب "لو" محذوف ہے۔تقدیری عبارت یوں ہوگی "لو انھم کانوا یھتدون فی الدنیا ماراٗ وا العذاب" یعنی اگر یہ لوگ آپ کو دُنیا میں ہدایت دے سکتے تو اس وقت وہ عذاب کو نہ دیکھتے۔

65 "ویوم ینادیھم" اس دن کفار ان سے سوال کریں گے۔"فیقول ماذا اجبتم المرسلین"......

66 "فعمیت" جواب دینے میں وہ اندھوں کی طرح ہو جائیں۔"علیھم الانباء" اس سے مراد اخبار اور ان مشرکین و کفار کا ایمان نہ لانے کے اعذار۔مجاہد نے کہا کہ ان کے پاس دلائل نہیں ہوں گے۔مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے اور کوئی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہوگی۔"یومئذٍ" اس دن ان کے پاس نہ کوئی عذر ہوگا اور نہ ہی کوئی دلیل۔"فھم لایتساء لون" ان کو جواب نہیں دیں گے۔قتادہ کا بیان ہے وہ دلائل نہیں دے سکیں گے۔بعض نے کہا کہ وہ خاموش رہیں گے، وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کرسکیں گے۔

67 "فاما من تاب و آمن و عمل صالحًا فعسی ان یکون من المفلحین" نیک بخت،نجات یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے۔

68 "وربک یخلق مایشاء ویختار" یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی۔جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ تمہارے اختیار سے اللہ تبارک وتعالیٰ رسول نہیں بھیجتے۔"ما کان لھم الخیرۃ" بعض نے کہا کہ ما اثبات کے لیے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے لیے جس چیز میں بہتری ہوتی ہے اللہ اس کو اختیار کرتا ہے۔بعض نے کہا کہ ما نفی کے لیے ہے یعنی ان پر اختیار نہیں یا ان کو اللہ تعالیٰ پر کوئی اختیار حاصل نہیں کہ یہ لوگ جو چاہیں کروائیں جیسا کہ ارشاد باری ہے "وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰه ورسوله أمرًا أن یکون لھم الخیرۃ" خیرہ اسم ہے اختیار سے اور یہ مصدر کے قائم مقام ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے محمد "خیرۃ اللّٰه من خلقه" اللہ کی مخلوق میں اللہ کی طرف سے برگزیدہ کیے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔پھر اپنی ذات کو ان سب چیزوں سے پاک کیا اور ارشاد فرمایا:"سبحان اللّٰه وتعالٰی عمّا یشرکون"

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ 69 وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ 70 قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ 71 قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ 72 وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ 73 وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی (ذات کامل الصفات) ہے اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (وثنا) کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے اور حکومت (قیامت میں) بھی اسی کی ہوگی اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے تو کیا تم (توحید کے ایسے دلائل کو) سنتے نہیں آپ کہیئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں اور (وہ منعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرمادے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی (کوئی) دلیل (صحت شرک کے دعویٰ پر) پیش کرو سو (اس وقت) ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی۔

تفسیر ﴿۶۹﴾ "وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون" وہ ظاہر ہیں۔

﴿۷۰﴾ "وھو اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الحمد فی الاولی والاخرۃ" مؤمن دُنیا میں بھی اس کی حمد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے (جنت میں)...... "ولہ الحکم" مخلوقات کے درمیان وہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اہل طاعت کے لیے اس کا حکم مغفرت اور گناہ گاروں کے لیے فیصلہ بدبختی نافذ ہے۔ "والیہ ترجعون"

﴿۷۱﴾ "قل ارأیتم" اے اہل مکہ خبر دیں۔ "ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدًا" ہمیشہ "الی یوم القیامۃ" قیامت تک سورج نہیں نکلے گا۔ دن نہ آئے بلکہ رات ہی رات ہو۔ "من الٰہ غیر اللہ یأتیکم بضیاء" کون ہے جو دن کی روشنی لائے جس میں وہ اپنی معیشت روزگاری تلاش کریں۔ "افلا تسمعون" ایسا سننا جو اس کے لیے سننا اور قبول کرنا بھی ہو۔

﴿۷۲﴾ "قل ارأیتم" خبر دیجئے اے اہل مکہ! "ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدًا الی یوم القیامۃ" ان کے پاس قیامت کے دن کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ "من الٰہ غیر اللہ یأتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون" تم خطاء پر ہی ہو، تمہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آتی۔

﴿۷۳﴾ "ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار لتسکنوا فیہ" رات میں "ولتبتغوا من فضلہ" دن میں اپنا فضل تلاش کرو۔ "ولعلکم تشکرون"

74 ''ویوم ینادیھم فیقول أین شرکاء ی الذین کنتم تزعمون'' یہاں پر مشرکین کو بار بار ندا کی گئی، ان کی توبیخ اور تفریع کے لیے۔

75 ''ونزعنا'' ہم نکال کرلائیں گے۔''من کل أمة شهيدًا'' ہر اُمت سے ایک ایک گواہ یعنی پیغمبر جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔''فقلنا هاتوا برهانكم''تمہارے لیے کوئی دلیل کہ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تو پھر تم کیوں شریک کرتے تھے، اگر ہے دلیل تو پیش کرو۔''فعلموا أن الحق''توحید حق ہے۔''لله وضل عنهم ما كانوا يفترون''دُنیا میں۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ. وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓ ءُ ا بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ 76 وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ 77

ترجمہ سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا۔ اور (اس کے مال کی کثرت یہ تھی کہ) ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال وحشمت پر) اترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو خدا تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

قارون کا مختصر تعارف

تفسیر 76 ''ان قارون كان من قوم موسٰى'' قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام عمران تھا اور قارون کا باپ یصہر تھا' عمران ویصہر دونوں قاہت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا اور عمران کا بھائی تھا اور قارون وعمران دونوں یصہر بن قاہت کے بیٹے تھے اور بنی اسرائیل میں کوئی بھی قارون سے زیادہ توریت کا قاری نہیں تھا مگر سامری کی طرح یہ بھی منافق ہو گیا۔''فبغى عليهم'' بعض نے کہا کہ یہ فرعون کی طرف سے قوم بنی اسرائیل پر عامل تھا، وہ ان پر سرکشی اور ظلم کرتا تھا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ یہ کثرت مال کی وجہ سے ان پر ظلم کرتا تھا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ قارون نے شرک کر کے قوم کے خلاف بغاوت کی۔ شہر بن حوشب کا بیان ہے کہ غرور وتکبر کا مظاہرہ کرنے کے لیے قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسرے لوگوں کے مقابلے) میں ایک بالشت لمبی رکھی تھی۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا کپڑا تکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔ بعض نے کہا کہ اس نے سرکشی، تکبر کیا بلندی کے باعث۔ "**و آتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ**" یہ مفتح کی جمع ہے یہ وہ ہے جس کے ذریعے سے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ یہ قول قتادہ مجاہد اور ایک جماعت کا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا "**وعندہ مفاتح الغیب**" اس کے خزانے "**لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ**" ان کے ثقل کے باعث اور اس کی طرف مائل ہونے کے سبب، ابو عبیدہ کا قول ہے کہ آیت میں ترکیب مقلوب ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "**ان العصبۃ لتنوء لھا**" جیسا کہ عرب کہتے ہیں "**فاء فلان بکذا**" فلاں شخص اس بھاری بوجھ کرلے کر اُٹھا۔

عصبہ کی تعیین میں مختلف اقوال

عصبہ کی عددی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد کا قول ہے دس سے پندرہ تک کی جماعت کو عصبہ کہتے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ تین سے دس تک عصبہ ہوتا ہے اور قتادہ کا قول ہے کہ دس سے چالیس تک کی جماعت عصبہ ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس افراد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے ستر افراد تک مراد لیے ہیں۔

قارون کے خزانے کی کنجیاں اٹھانے والے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کی کنجیاں چالیس قوی ترین آدمی اُٹھایا کرتے تھے۔

جریر بن منصور خیثمہ کا قول ہے کہ خیثمہ نے کہا کہ میں نے انجیل میں دیکھا تھا کہ قارون کے خزانوں کی کنجیاں سات خچروں کا بوجھ ہوتی تھیں، کوئی کنجی ایک انگلی سے بڑی نہ تھی اور ہر کنجی ایک خزانے کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے قارون جہاں بھی جاتا تھا اپنے خزانوں کی کنجیاں اپنے ساتھ اُٹھا کر لے جاتا تھا اور وہ کنجیاں لوہے کی تھیں۔ جب زیادہ بوجھ ہونے لگا تو اس نے لکڑی کی کنجیاں بنوالیں، پھر ان کنجیوں کا بار بھی زیادہ ہونے لگا تو گائے کے چمڑے کی کنجیاں ایک ایک انگلی کے برابر تیار کرالیں، یہ کنجیاں بھی بھاری ہوگئیں، اس کے ساتھ چالیس خچروں پر لاد کر جاتی تھیں۔ "**اذ قال لہ قومہ**" قارون نے ان کی قوم بنی اسرائیل سے کہا "**لاتفرح**" نہ اتنا اکڑ اور نہ ہی اتنا پھول اور نہ ہی اتنا تکبر کر۔ "**ان اللہ لایحب الفرحین**" جو دُنیا کی پُرفریب لذتوں سے خوش ہوتے اور غرور و تکبر کرتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے، اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔

77 "**وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ**" اللہ نے جو دُنیاوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں ان خداداد نعمتوں کا شکر کرو اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستے میں خرچ کرو۔ "**ولا تنس نصیبک من الدنیا**" مجاہد اور ابن زید کا قول ہے کہ دُنیا کے اندر آخرت کے لیے اعمال کرنے کو مت چھوڑ تاکہ تم آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ انسان کو دُنیا میں کچھ حصہ اس لیے ملا کہ وہ آخرت کے لیے عمل کرے۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد خیرات دینا کنبہ پروری کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے فرمایا اپنی صحت، قوت، جوانی اور مال داری کو آخرت کے حصول کے لیے صرف کرنے کو ترک نہ کر۔

عمرو بن میمون ازدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے، اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مال داری کو افلاس سے پہلے۔

حسن کا قول ہے کہ حکم دیا گیا تھا کہ ضرورت سے زائد جو چیز ہے اس کو راہِ خدا میں پیش کر دے اور بقدر کفالت روک لے۔

"**واحسن کما احسن اللّٰہ الیک**" اللہ کی طاعت اچھی طرح کر جیسے کہ اس نے تیرے اوپر اچھی نعمت کی۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ اچھائی کرو۔ جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ اچھائی کی۔ "**و لا تبغ**" اور نہ تلاش کر "**الفساد فی الارض**" جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین میں فساد کا طلب گار رہا۔ "**انّ اللّٰہ لایحب المفسدین**"

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿78﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿79﴾

ترجمہ قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے کیا اس (قارون) نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں سے ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) ان کا اس سے زیادہ تھا اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑے گا پھر (ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے (گو مومن ہوں) کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔

تفسیر 78 "قال" قارون نے کہا "**انما اوتیتہ علی علم عندی**" قارون نے اپنی قوم والوں کی طرف سے تردیدی جواب دیا کہ یہ جو مجھے ملا ہے یہ میرے علم و فضل کی وجہ سے ملا ہے۔ یعنی مجھے بھی ایسے ہی مال ملا ہے جیسے تمہیں مال ملا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا، مجھے اس کا استحقاق تھا، اس کی کوئی مہربانی نہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ علم سے مراد ہے کیمیا گری۔ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیمیا بنانا جانتے تھے۔ آپ نے علم کیمیا کا ایک حصہ یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا۔ اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا۔ اس کی مالداری کا یہی گُر تھا۔ بعض نے کہا کہ قارون نے جو علم کا لفظ بولا تھا، اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گُر جانتا

29

ہوں، کاشتکاری کے فن سے خوب ماہر ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں۔

''اولم یعلم انّ اللّٰہ قد اھلک من قبلہ من القرون'' کافر قوموں کو ہلاک کر دیا۔ ''من ھو اشد منہ قوۃ واکثر جمعًا'' اس سے مراد اموال ہیں۔ ''ولا یسئل عن ذنوبھم المجرمون'' قتادہ کا قول ہے کہ ان کو دوزخ میں بغیر حساب کے اور بغیر سوال کے داخل کیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان سے فرشتے سوال نہیں کریں گے کیونکہ وہ ان کی علامات سے پہچانتے ہوں گے۔ حسن کا قول ہے کہ دریافت حال اور تحقیق کے لیے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ توبیخ اور زجر کی غرض سے باز پرس کی جائے گی۔

⑲ ''فخرج علی قومہ فی زینتہ'' ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا کہ قارون اور اس کی قوم والے سبز اور سرخ لباس پہن کر نکلے۔ ابن زید نے کہا کہ قارون ستر ہزار آدمیوں کو جو زعفرانی لباسوں میں تھے، ساتھ لے کر نکلا۔ مجاہد کا قول ہے کہ قارون اپنے ساتھیوں کو جو زعفرانی لباسوں اور سفید خچروں پر سوار تھے جن پر ارغوانی رنگ کی زینیں کسی ہوئی تھیں ساتھ لے کر نکلا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ قارون سفید خچر پر نکلا، خچر پر سنہری ارغوانی زین تھی، چار ہزار سوار تھے، ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے، تین سو باندیاں بھی سفید خچروں پر ساتھ سوار تھیں، باندیاں گوری گوری، زیور اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔ ''قال الذین یریدون الحیوۃ الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم'' یعنی قارون کے مال کی طرح ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ وہ لوگ اس بات کی خواہش رکھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا. وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ⑳ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ㉑ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ㉒

ترجمہ: اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دنیاوی کروفر) سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر) پھر وہ (ثواب کامل طور پر) انہی کو دیا جاتا ہے جو (دنیا) کی حرص وطمع سے) صبر کرنے والے ہیں پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرائے کو اس کی شرارت (بڑھ جانے) سے زمین میں دھنسا دیا سو ایسی کوئی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ کے (عذاب) سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اس کو زمین میں دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی دینے لگتا ہے اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

تفسیر 80 "وقال الذین اوتوا العلم" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء مراد ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ "اوتوا العلم" سے مراد وہ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کیا ہے وہ ان لوگوں کے سامنے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں بھی قارون کی طرح مال دیا جاتا جس طرح دُنیا میں قارون کو دیا گیا۔ "ویلکم ثواب اللہ خیر" اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ثواب واجر پایا گیا وہ خیر ہے۔ "لمن امن" اور اللہ کی توحید کو سچا جانا۔ "وعمل صالحا" جتنا قارون کو دُنیا میں دیا گیا۔

"ولا یلقاھا الا الصابرون" مقاتل کا بیان ہے کہ ان کو نہیں عطا کیا گیا، نیک اعمال کی توفیق ان کو نہیں دی گئی۔ کلبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کو آخرت کے دن نہیں دیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو یہ کلمہ نہیں دیا گیا اور وہ کلمہ یہ ہے کہ "ویلکم ثواب اللہ خیر الا الصابرون" اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور دُنیاوی زندگی کی زینت سے۔

قارون حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد سب سے بڑا قاری تھا اس کی سرکشی نے اس کو تباہ کر دیا

81 "فخسفنا بہ وبدارہ الارض" اہل علم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد قارون سب سے بڑا عالم اور توریت کا سب سے بڑا قاری تھا۔ سب سے زیادہ حسین آواز اور مالدار بھی تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور حدود خداوندی سے آگے بڑھ گیا۔ سرکشی اور نافرمانی کی ابتداء اس واقعہ سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو حکم دے دو کہ ہر شخص اپنی چادر کے چاروں کونوں پر ایک ایک نیلا آسمانی رنگ کا دھاگہ باندھ لیں تاکہ دھاگہ کو دیکھ کر آسمانی رنگ انکی نظروں کے سامنے آجائے اور آسمانی رنگ کو دیکھ کر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائیں اور ان کو یاد ہو جائے کہ اس آسمان سے اللہ نے اپنا کلام اُتارا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تیرا حکم اس طرح پورا نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی پوری چادریں نیلے رنگ میں رنگ لیں کیونکہ بنی اسرائیل ان دھاگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ فرمایا موسیٰ! میرا چھوٹا حکم بھی چھوٹا نہیں ہوتا اگر وہ میرا چھوٹا حکم بھی نہیں مانیں گے تو بڑا حکم بدرجہ اولیٰ نہیں مانیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ تم اپنی چادروں پر آسمانی رنگ کے دھاگے باندھ لیا کرو تاکہ ان کو دیکھ کر تم کو اپنے رب کی یاد ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی تابعداری کی اور قارون نے حکم نہیں مانا اور غرور سے کہنے لگا ایسا عمل تو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ اس کے غلام دوسرے غلاموں سے الگ معلوم ہو جائیں۔ قارون کی نافرمانی اور سرکشی کا یہی آغاز تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا کے پار پہنچ گئے تو بنی اسرائیل کی ساری قربانیوں کی نگرانی حضرت ہارون کے سپرد کر دی اور ان کو قربانی کا افسر بنا دیا۔

بنی اسرائیل باری باری اپنی قربانیاں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس لاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان

قربانیوں کو قربانی کی جگہ رکھ لیتے۔ پھر آسمان سے ایک آگ آ کر کھا جاتی۔ قارون کو حضرت ہارون کی اس سرداری سے بھی بہت رنج ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام تمہارے لیے تو رسالت ہوگئی اور ہارون کے لیے قربانی کی ذمہ داری اور میں جو توریت کا سب سے بڑا قاری ہوں مجھے کچھ نہیں ملا، میں اس بات پر صبر نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ہارون کو از خود یہ عہدہ نہیں دیا بلکہ اللہ نے ان کو یہ عہدہ دیا ہے۔ قارون نے کہا میں تو تمہاری بات اس وقت تک سچ نہیں مانوں گا جب تک تم اس کا ثبوت مجھے دکھا نہ دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی لاٹھی لے کر آئے اور اس خیمہ کے اندر لا کر درخت کی طرح گاڑ دے۔ حسب الحکم سب لوگوں نے اپنی اپنی لاٹھیاں مقررہ خیمہ کے اندر لا کر کھڑی کر دیں۔ رات یوں ہی گزر گئی، صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ہارون کی لاٹھی ایک سرسبز درخت کی صورت اختیار کر گئی اور اس میں ہرے بھرے پتے نکل آئے۔ قارون کہنے لگا موسیٰ جو جادو تم بناتے رہے ہو اس سے زیادہ تعجب آفریں جادو نہیں ہے۔ اس کے بعد قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قرابت کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک کرتے رہے مگر وہ ہر وقت آپ کو دُکھ ہی دیتا رہا۔ اس کی سرکشی، دشمنی اور نافرمانی بڑھتی گئی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہو کر ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتریں لگوائیں۔ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے اور باتیں کرتے، ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا۔

قارون کی تباہی کا آغاز زکوۃ نہ دینے کا عزم کیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم بنی اسرائیل کو سنایا تو قارون نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون سے مصالحت کر لی۔ قارون نے وعدہ کر دیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ میں ادا کرے گا۔ جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہوگئی اور اس کے دل نے اتنی کثیر رقم دینے کی اجازت نہیں دی۔

آخر اس نے سوچ بچار کے بعد بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا، لوگو موسیٰ علیہ السلام نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی۔ اب وہ تمہارے مال بھی لے لینا چاہتا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ کی منشاء ہو، حکم دیجئے، قارون نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم فلاں زانیہ عورت کو لے آؤ، ہم کچھ معاوضہ دے کر اس سے طے کر لیں گے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے، اگر اس نے ایسا کر لیا تو بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقے سے باہر نکل آئیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس عورت کو بلوایا، قارون نے ایک ہزار درہم معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ بعض روایات میں ہزار دینار اور بعض روایات میں سونے کا ایک طشت دینا طے کیا۔ بعض اہل روایات نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارون نے اس سے

کہا ہے تجھے مال دار بنادوں گا اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کرلوں گا۔ بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ زنا کرنے پر تو متہم کردے۔ جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کررہے ہیں، آپ باہر آ کر ان کو وعظ و نصیحت کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر آئے۔ بنی اسرائیل اس وقت کھلے میدان میں جمع تھے۔ آپ تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے بنی اسرائیل! (سنو!) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کو بھی کوڑے ماریں گے۔ بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور اگر بیوی ہوتے ہوئے زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کردیں گے قارون بولا خواہ تم بھی ایسے ہو (نعوذ باللہ)...... (تب بھی اپنے کو یہی سزا دو گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں۔ قارون کہنے لگا، بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس کو بلواؤ، اگر وہ یہ بات کہہ دے تو اس کی بات صحیح مانی جائے گی۔ عورت آئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا، اے عورت! کیا میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے، یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کا بڑا اثر لیا اور اس کو خدا کا واسطہ دیا جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو پھاڑ دیا اور توریت نازل فرمائی اور فرمایا کیا تو سچ نہیں کہے گی؟ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا خیال پلٹ دیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا آج توبہ کرلینا اللہ کے رسول کو دُکھ دینے سے بہتر ہے۔ کہنے لگی نہیں یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ قارون نے مجھے معاوضہ دینا طے کیا تھا کہ اگر میں آپ پر زنا کی تہمت لگا دوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنتے ہی سجدہ میں گرگئے اور رو رو کر کہنے لگے اے اللہ! اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے اس پر غضب نازل فرما، اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کردیا گیا تم جو حکم چاہو اس کو دو۔ یہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون کا زمین میں دھنس جانا

اے بنی اسرائیل! اللہ نے جس طرح مجھے فرعون کے پاس بھیجا تھا اسی طرح قارون کی طرف بھی بھیجا تھا۔ اب جو اس کے ساتھ رہنا چاہے وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ اس کے پاس سے الگ ہوجائے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سب اس کے پاس سے ہٹ گئے صرف دو آدمی اس کے پاس رہ گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا اے زمین! ان کو لے لے، زمین نے ان کے قدم کھینچ لیے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت اور فرش پر اس طرح موجود تھا زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا، پھر آپ نے زمین کو حکم دیا کہ لے لے، زمین نے گھٹنوں تک اس کو نگل لیا، پھر آپ نے فرمایا ان کو لے، زمین نے ان کو کمر تک نگل لیا۔ پھر آپ نے فرمایا زمین ان کو لے۔ زمین ان کو گلے تک نگل گئی۔ قارون اور اس کے ساتھی برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منت وزاری کرتے رہے اور قارون برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا رہا یہاں تک کہ ستر بار اس نے واسطہ دیا لیکن شدت غضب کی

وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو لے، غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا، تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے۔ قارون نے ستر بار تم سے فریاد کی مگر تم نے ایک بار بھی اس کی فریاد رسی نہیں کی، قسم ہے اپنی عزت وعظمت کی اگر وہ مجھ سے ایک بار بھی فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد رسی ضرور کرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا، آئندہ میں زمین کو کسی کے حکم کا تابع نہیں بناؤں گا۔

قتادہ کا بیان ہے کہ زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسالیا اور وہ ہر روز بقدر آدم زمین کے اندر دھنس رہا ہے اور یونہی دھنستا رہے گا مگر قیامت تک انتہائی گہرائی کو نہ پہنچ سکے گا۔ قارون کے زمین میں دھنس جانے کے بعد بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے لیے بددعا صرف اس لیے کی کہ خود اس کی جگہ اور اس کا مکان اور خزانہ اور سارا مال ومتاع لے لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی کہ اللہ نے اس کے ساتھ اس کے گھر، خزانوں اور مال ومتاع کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے۔ یہی مطلب ہے اس آیت "**فخسفنا به وبداره الارض فما كان له من فئة ينصرونه من دون الله**" کا۔ یعنی جو اللہ سے قارون کے عذاب کے روکے۔ "**وما كانوا من المنتصرين**" جو اس پر عذاب نازل ہوا اس کو زمین میں دھنسنے سے روک دیتے۔

⑧② "**واصبح الذين تمنوا مكانه بالامس**" اور جو لوگ قارون کی طرح اللہ تعالیٰ سے مال ورزق اور زینت کی تمنا کر رہے تھے وہ اس بات پر ندامت کرنے لگے۔

عرب لوگ اس کی تعبیر اضحیٰ، امسی اور اصبح سے کرتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "**اصبح فلان عالمًا**" کہ فلاں شخص نے صبح کی عالم ہونے کے ساتھ "**واضحی معدمًا**"......اور چاشت کے وقت وہ محروم رہا "**وامسی حزینًا**" اور شام کی غمگینی کی حالت میں۔ "**يقولون ويكأنّ الله**" اس لفظ کے معنی میں آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تو نہیں جانتا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کیا تو نے نہیں دیکھا۔ فراء نے کہا یہ کلمہ تقریر ہے جیسے کوئی کہے "**اما ترى الى صنع الله واحسانه**" کیا اللہ کے حسن سلوک اور احسان کو تو نہیں دیکھ رہا، یعنی ضرور دیکھ رہا ہے۔

فراء نے کہا میں نے خود سنا کہ ایک بدوی عورت نے اپنے شوہر سے کہا بیٹا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: "**ويكانه وراء البيت**"، یعنی کیا دیکھ نہیں رہی کہ وہ گھر کے پیچھے ہے۔ حسن نے کہا کہ "ویک" کلمہ ابتدائیہ ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یوں ہے "**الله يبسط الرزق**" بعض نے کہا کہ یہ کلمہ تنبیہ ہے۔ قطرب نے کہا "ویک" اصل میں "ویلک" تھا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے لام حذف کر دیا گیا ہے۔ خلیل نحوی کا قول ہے لفظ "وَیْ" اسم فعل ہے تعجب اور ندامت کے اظہار کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ وہ لوگ اپنی پچھلی تمنا پر پشیمان ہوئے تھے اور انہوں نے پشیمان ہو کر ایسا کہا تھا اور "کأنّ" کا معنی ہے ایسا اندازہ ہوتا ہے، ایسا خیال ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے۔

"یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر" وہ رزق کو وسیع کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔ "لو لا أنّ من اللہ علینا لخسف بنا" حفص اور یعقوب نے خاء کے فتحہ کے ساتھ اور سین کے فتحہ کے ساتھ۔ عام قراء نے خاء کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے کسرہ کے ساتھ۔ "ویکأنہ لایفلح الکافرون"

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿83﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ط قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿85﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿87﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ م لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿88﴾

ترجمہ یہ عالَم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (مبتلا) ہے اور آپ کو (اپنے نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکیں تو ایسا نہ ہونے پاوے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہئے اور ان مشرکین میں شامل نہ ہو جائیے اور (جس طرح آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ)

سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت ہے (جس کا ظہور کامل قیامت میں ہوگا) اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے) پس اس کو ان کے کیئے کی جزا دے گا۔

تفسیر ⑧③"تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لایریدون علوًا فی الارض" مقاتل اور کلبی نے کہا یعنی جو لوگ ایمان سے غرور کی وجہ سے تکبر نہیں کرتے۔ عطاء کا قول ہے کہ لوگوں پر جبر اور چیرہ دستی نہیں کرتے اور ان کو حقیر نہیں جانتے۔ حسن کا قول ہے کہ حاکموں اور سرداروں کے پاس عزت و مرتبہ کے طلبگار نہیں ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت کا نزول ان حاکموں کے متعلق ہوا جو باوجود قدرت کے تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جو حاکم اور صاحب قدرت متواضع ہوتا ہے وہ ملک میں خود اونچا اُٹھنے کا خواستگار نہیں ہوتا۔ "ولا فسادًا" کلبی نے کہا کہ فساد سے مراد اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کی طرف بلانا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ناحق لوگوں کا مال لینا مراد ہے۔ ابن جریج اور مقاتل نے کہا کہ گناہ کرنا مراد ہے۔ "والعاقبة للمتقین" عاقبت سے مراد محمود ہے جو اس سے ڈرا، مطلب اچھا انجام (جنت) ہے جو شخص اللہ کے اوامر اور نواہی پر عمل کرے اور گناہوں سے بچے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد متقین کے لیے جنت ہے۔

⑧④"من جاء بالحسنة فله خیر منها ومن جاء بالسیئة فلا یجزی الذین عملوا السیئات الا ما کانوا یعملون"

⑧⑤"انّ الذی فرض علیک القرآن" یعنی جس نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت، تبلیغ اور اس کے مطابق عمل فرض کیا ہے۔ "لراذک الی معاد" اس سے مراد مکہ ہے۔

معاد کی تفسیر میں مختلف اقوال

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ قتیبی کا قول ہے کہ کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانے کے لیے غارِ (ثور) سے نکلے تو تعاقب کے اندیشہ سے عام راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل دیئے۔ پھر جب کوئی اندیشہ نہ رہا تو اصل راستہ پر آ گئے اور جحفہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔

جہاں سے مکہ اور مدینہ دونوں طرف کو راستہ جاتا ہے۔ مکہ کی جانب والا راستہ دیکھ کر آپ کو مکہ کا شوق پیدا ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ کے دل میں اپنے شہر اور جس شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، اس کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جی ہاں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انّ الذی فرض علیک القرآن لَرَادّک الی معادٍ" فتح مکہ کے دن اللہ نے آپ کو لوٹا کر مکہ پہنچا دیا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ زہری اور عکرمہ نے کہا کہ معاد سے مراد قیامت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے جنت مراد ہے کیونکہ اللہ نے جب صراحت فرمادی کہ عاقبت یعنی اچھا انجام متقیوں کے لیے خاص ہے۔ "قل ربی اعلم من جاء بالهدیٰ" وہ جانتا ہے جو ہدایت لے کر آئے۔ یہ کفار مکہ کے جواب میں نازل ہوئی کیونکہ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ ارشاد فرمایا "قل لهم ربی اعلم من جاء بالهدیٰ"...... "ومن هو فی ضلال مبین" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں فریقوں کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔

86 "وما کنت ترجوا أن یلقی الیک الکتاب" ان کی طرف قرآن وحی کیا گیا۔ "الا رحمةً مِنْ ربک" فراء کا قول ہے کہ اس جگہ استثناء منقطع ہے اور "الاّ" کا معنی ہے لیکن۔ معنی یہ ہوگا لیکن آپ کے رب نے اپنی رحمت سے آپ کو قرآن عطا کردیا۔ "فلاتکونن ظهیرًا للکافرین" ان کے دین کے مددگار نہ بنیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین آباء واجداد اختیار کرنے کی دعوت دی تھی اس کے جواب میں اللہ نے آپ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور کافروں کی پشت پناہی اور امداد سے روک دیا۔

87 "ولایصدنک عن آیات اللّٰہ" آیات سے مراد قرآن ہے۔ "بعد اذ انزلت الیک وادع الی ربک" یعنی اس کی معرفت اور اس کی توحید کی طرف دعوت دو۔ "ولا تکونن من المشرکین" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد اس سے دین والے ہیں نہ کفار کے ساتھ رہو اور نہ ہی ان کی موافقت اختیار کرو۔

88 "ولا تدع مع اللّٰہ الها اخر لا اله الا هو کل شیءٍ هالک الا وجهه" صرف وہی ذات مبارکہ ہے۔ بعض نے کہا کہ سب کی بادشاہت ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ختم نہیں ہوگی۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ مگر وہ شخص جو اللہ کی رضامندی چاہے۔ "له الحکم" اسی کا حکم ہے اور اسی کا فیصلہ ہے۔ "والیه ترجعون" تم لوگ آخرت کی طرف لوٹائے جاؤ گے، وہی تم کو تمہارے اعمال کی سزا اور جزا دے گا۔

سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت

مکی سورت ہے۔اس کی ۶۹ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ④

ترجمہ: الٓمّٓ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو (قسم قسم کے مصائب سے) آزمایا نہ جاوے گا اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعویٰ میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا ہاں کیا جو لوگ بڑے بڑے کام کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔

تفسیر: (①۔②)......"الم احسب الناس" لوگوں نے یہ گمان کیا۔"أن یترکوا" بغیر امتحان اور بغیر آزمائش کے ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔"أن یقولوا" صرف اتنا کہہ دینے سے"امنا وھم لایفتنون" کہ ان کو ان کے اموال کی آزمائش میں اور ان کے نفسوں کی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ ضرور بالضرور ان سے امتحان لیا جائے گا تاکہ مخلص اور منافق کے درمیان جانچ پڑتال ہو جائے، جھوٹے اور سچے انسان میں فرق واضح ہو جائے۔

آیت کے مختلف شان نزول

اس آیت کے سبب نزول میں مختلف اقوال ہیں۔امام شعبی کا قول ہے کہ یہ آیت مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکی مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیج دی اور کہا کہ تمہارا اسلام لانا اس وقت تک قابل قبول نہیں سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کردی، راستے میں مشرکین سے جھڑپ

ہوئی، کچھ مسلمان شہید ہوگئے اور کچھ مسلمان بچ کر مدینہ پہنچ گئے۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "الناس" سے مراد مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید، عمار بن یاسر وغیرہ ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عمار بن یاسر کے متعلق ہوا، آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دُکھ دیئے جاتے تھے۔

مقاتل کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت مہجع بن عبداللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس اُمت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازے کی طرف بلایا جائے گا۔ حضرت مہجع یوم بدر میں سب سے پہلے شہید ہونے والے صحابی تھے۔ ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سید الشھداء مھجع بن عبداللّٰہ" جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا "وھم لایفتنون" سے اوامر اور نواہی مراد ہیں کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا۔ پھر نماز، زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کیے۔ بعض لوگوں کو اس کی تعمیل میں دُشواری ہوگئی اور ان پر یہ حکم شاق ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

③ "ولقد فتنا الذین من قبلھم" یعنی انبیاء اور مؤمنین کی سخت آزمائش ہم کر چکے ہیں۔ بعض انبیاء کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو قتل کیا گیا، بنی اسرائیل کو فرعون بدترین عذاب دیتا رہا۔ "فلیعلمن اللّٰہ الذین صدقوا" ان کے قول "اٰمنا" کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وعدے میں سچے ہیں۔ "ولیعلمن الکاذبین" اللہ ان کے امتحان لینے سے پہلے ہی جانتا ہے، آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر کے ظاہر کردے تا کہ اللہ کے ازلی علم کا فعلی ظہور ہو جائے۔ مقاتل نے علم کا ترجمہ دکھانا کیا ہے کہ اللہ دکھا دے گا۔ بعض نے اس طرح معنی بیان کیے کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے گا۔

④ "ام حسب الذین یعملون السیئات" اس سے مراد شرک ہے۔ "أن یسبقونا" کہ وہ ہمیں عاجز کردیں گے اور وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے اور ہم ان سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوں گے۔ "ساء مایحکمون" بُرا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کر رہے ہیں اور جو انہوں نے گمان کیا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧

(ترجمہ) جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو (اس کو تو ایسے ایسے حوادث سے پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (سے ملنے) کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے) جس سے سارے غم غلط ہو جائیں گے اور وہ سب سنتا سب کچھ جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے (ورنہ) تمام جہان والوں میں کسی

کی حاجت نہیں اور (وہ نفع جو طاعت سے پہنچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے (ان اعمال (ایمان و اعمال صالحہ) کا (استحقاق سے) زیادہ اچھا بدلہ دیں گے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کو ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلا دوں گا۔

تفسیر ⑤ "من کان یرجوا لقاء اللّٰہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس جگہ رجاء کا معنی ہے خوف یعنی جو شخص حشر نشر، حساب فہمی اور عذاب خدا سے ڈرتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ رجاء بمعنی طمع ہے یعنی جو شخص ثواب کا خواہش مند ہے۔ "فان اجل اللّٰہ لات" یعنی جو اللہ نے ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا۔ مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد ہے قیامت کا دن یعنی قیامت کا دن ضرور آئے گا اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ ایسے کاموں کی طرف پیش قدمی کرے جن سے ثواب کا حصول ہو جس کی اس کو خواہش ہے اور عذاب سے نجات مل جائے جس کا اس کو ڈر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرک بعبادة ربه أحدًا"......"وھو السمیع العلیم"

⑥ "ومن جاھد فانما یجاھد لنفسه" اس کے لیے ثواب ہے۔ جہاد کا معنی کیا ہے شدت اور سختی پر صبر کرنا اور یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے اور کبھی کبھار مخالفت نفس پر بھی ہوتا ہے۔ "ان اللّٰہ لغنی عن العالمین" ان کے اعمال اور ان کی عبادات سے لاپرواہ ہے۔

⑦ "والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات لنکفرن عنھم سیاٰتھم" نیکیوں کے ذریعے سے برائیوں کو دور کر دیں گے۔ گویا کہ اس نے برائی کی ہی نہیں ہوگی، تکفیر کہا جاتا ہے برائی کو نیکی کے ذریعے سے مٹانا۔

"ولنجزینھم احسن الذین کانوا یعملون" احسن اعمالھم سے مراد طاعت ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم ان کے اعمال سے زیادہ جزاء ان کو دیں گے، دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے زائد جتنا اللہ چاہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من جاء بالحسنة فله عشر امثالھا"

⑧ "ووصینا الانسان بوالدیه حسنًا" ان دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت فرمائی۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو یہ وصیت کی ہے کہ وہ والدین کے ساتھ وہی سلوک کرے۔ جیسا کہ اس کے والدین نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

آیت ووصینا الانسان بوالدیه کا شان نزول

اس آیت کا نزول اور سورۃ لقمان کی آیت کا نزول اور احزاب کی آیت کا نزول سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا کہ سعد بن مالک اور ان کی ماں حمنہ بنت ابی سفیان بن عبد الشمس نے کہا تو نے یہ کیا نئی بات نکال رکھی ہے۔ جب تک تو

اس کا انکار نہیں کرے گا اس وقت تک بخدا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ یہاں تک کہ یونہی مرجاؤں گی۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں جب تک اس مذہب سے جس پر تو قائم ہے لوٹ نہیں جائے گا، میں کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، یونہی مرجاؤں گی، پھر ہمیشہ تجھے لوگ اس کی عار دلاتے رہیں گے کہ یہ ماں کا قاتل ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں اس طرح واقعہ لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت سعد کی ماں نے ایک دن رات یا تین دن بغیر کھائے پیے گزار دیئے۔ سعد ماں کے پاس گئے اور کہا اماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان نکل جائے تب بھی میں اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا۔ تیرا دل چاہے کھا اور نہ چاہے تو نہ کھا۔ جب ماں نا اُمید ہوگئی تو اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اسی پر یہ آیت نازل فرمائی کہ والدین کے ساتھ نیکی اور ان دونوں کے احسان کرو، ہاں شرک میں ان دونوں کی اطاعت نہ کرو۔

"**وان جاهداک لتشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما**" حدیث شریف میں آتا ہے "**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ "**الی مرجعکم فأنبئکم بما کنتم تعملون**" تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دیں گے اور برے اعمال کا بدلہ بھی دیں گے اور نیک اعمال کا بدلہ نیکی سے دیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫

ترجمہ اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم ان کو نیک بندوں (کے درجہ) میں (کہ بہشت ہے) داخل کر دیں گے اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا (عظیم) سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر (کبھی) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم تو (دین وعقیدے میں) تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں (یعنی ان کے دل ہی میں ایمان نہ تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ (دین میں) ہماری راہ پر چلو اور (قیامت میں) تمہارے گناہ ہمارے ذمہ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔

تفسیر ⑨ "**والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات لندخلنهم فی الصالحین**" صالحین کے زمرہ میں داخل کر دیں

گے اور وہ انبیاء، اولیاء ہیں۔ یعنی ہم نیکوکار مؤمنوں کو انبیاء، اولیاء وغیرہ کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ ان کو جنت میں داخل کر دیں گے اور جنت میں سب ساتھ ہو جائیں گے۔

⑩ "**ومن النّاس من يقول امنا بالله فاذا اوذی فی الله**" لوگوں کی طرف سے ان کو بلا اور آزمائش پہنچی۔ "**جعل فتنة الناس كعذاب الله**" کچھ لوگوں کو دُکھ کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے اور ان کو عذاب پہنچتا ہے۔ جیسا کہ آخرت میں عذاب دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ لوگ کافروں کی طرف سے دیئے گئے عذاب پر صبر نہیں کرتے بلکہ جزع فزع کرتے ہیں اور اسلام چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ قول سدی اور ابن زید کا ہے۔ یہ منافق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب اس کو تھوڑی سی اذیت دی جاتی ہے تو وہ اسلام چھوڑ دیتا ہے اور کفر اختیار کر لیتا ہے۔

"**ولئن جاء نصرٌ من ربّك**" جب مسلمانوں کو فتح اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔ "**ليقولن**" تو اس وقت یہ منافق کہتا ہے کہ ہم مؤمنین ہیں۔ "**انا كنا معكم**" تمہارے دشمن کے مقابلے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم پکے مسلمان ہیں۔

"**اوليس الله بأعلم بما فی صدور العالمين**" ایمان اور نفاق سے۔

⑪ "**وليعلمن الله الذين آمنوا**" انہوں نے تصدیق کی اور اسلام پر ثابت قدم رہے مصیبت کے وقت۔ "**وليعلمن المنافقين**" اور منافقین کو بھی جانتے ہیں۔ جنہوں نے مصیبت کے وقت اسلام کو ترک کر دیا۔ اس آیت کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے کہ مجاہد نے کہا کہ کفار مکہ نے یہ بات کہی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے متعلق ہوا کہ جو زبان سے ایمان لائے لیکن جب ان کو مصیبت پہنچی تو وہ اسلام سے پھر گئے۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے، بدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ لے گئے، ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ لوگ تو مسلمان تھے، مجبوراً ناگواری کی حالت میں مشرکوں کے ساتھ آئے جو لوگ مارے گئے ان کے لیے دُعائے مغفرت کر دیجئے۔ اس پر سورۃ نساء کی آیت "**ان الذين توفهم الملائكة ظالمی انفسم الاية**" آخر تک نازل ہوئی۔

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ سورۃ ان مؤمنین کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ سے ہجرت کر کے آ رہے تھے، انہیں مشرکین نے واپس مکہ لوٹنے پر مجبور کیا۔ شعبی کا بیان ہے کہ آغاز سورت سے یہاں تک دس آیات مدنی ہیں اور اس سے آگے اخیر سورت تک ساری آیات مکی ہیں۔

⑫ "**وقال الذين كفروا للذين امنوا اتبعوا سبيلنا**" مجاہد کا قول ہے کہ کفار مکہ نے یہ بات کہی تھی جو لوگ ایمان لائے تھے ان کو۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ ابوسفیان نے مؤمنوں سے کہا تھا کہ ہمارے دین پر اور ہمارے باپ دادا کے دین پر چلو، کفر کو اختیار کرنے کی جرأت پیدا کرنے کے لیے انہوں نے ایسا کہا تھا۔ "**ولنحمل خطياكم**" تمہارا بوجھ بھی اپنے اوپر ڈال دیں گے۔

فراء نے کہا کہ "**ولنحمل**" لفظ کے اعتبار سے امر کا صیغہ ہے لیکن معنی کے لحاظ سے جزاء ہے یعنی اگر ہماری راہ پر چلو گے تو ہم تمہارے گناہ اپنے اوپر اُٹھالیں گے۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ فرمایا ہے "**فليلقه اليم بالسّاحل**" پھر دریا

کو چاہیے کہ اس کو ساحل پر پھینک دے یعنی دریا اس کی لاش کو ساحل پر پھینک دے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ امر مجزوم ہے، گویا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حکم دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی۔ "وماھم بحاملین من خطایاھم من شیءٍ انھم لکاذبون" یعنی جو اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ دوسرے کے گناہوں کو اُٹھانے کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱

ترجمہ اور (البتہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لدے ہوں گے اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ (ہی) کچھ گناہ اور (بھی لادے ہوں گے) اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس (اور پھر سزا) ضرور ہوگی اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے اور قوم کو سمجھاتے رہے) پھر (جب اس پر بھی وہ باز نہ آئے تو) ان کو طوفان نے آ دبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے پھر (اس طوفان آنے کے بعد) ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو (اس طوفان سے) بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا اور ہم نے ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو (میرا کچھ نقصان نہیں کیونکہ) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوا وجہ اس کی یہ ہے) کہ پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

تفسیر ⑬ "ولیحملن اثقالھم" یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کا بار مگر اس سے گمراہ ہونے والوں کا بار ہلکا نہ ہو سکے گا۔ "واثقالاً مع اثقالھم" یعنی وہ بوجھ جو دوسروں کا گمراہ کرنے کا تھا اور ان کو سیدھے راستے سے روکا، ساتھ ان کے

بوجھوں کے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ليحملوا أوزارهم كاملة يوم القيامة ومن اوزار الذين يضلونهم بغير علم"...... "وليسئلن يوم القيامة عما كانوا يفترون" یہ سوال بطور توبیخ اور تقریع کے لیے ہے۔

⑭ "ولقد ارسلنا نوحًا الى قومه فلبث فيهم ألف سنة الا خمسين عامًا فأخذهم الطوفان" طوفان نے ان کو غرق کر ڈالا۔ "وهم ظالمون" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ مشرکوں سے کیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

⑮ "فانجيناه و اصحاب السفينة" غرق ہونے سے اصحاب سفینہ کو بچالیا۔ "وجعلناها" اور ہم نے بنایا اس کشتی کو "اية" عبرت کے لیے نشانی "للعالمين" تمام جہانوں کے لیے، وہ کشتی دراز مدت تک جودی پہاڑ پر ٹھہری رہی اور بعض نے کہا کہ کشتی کو غرق ہونے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنائے رکھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت ملی، پھر ساڑھے نو سو برس قوم کو ہدایت کرتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔ جب لوگوں کی نسلیں بڑھ گئیں اور پھیل گئیں اور آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوگئی تو آپ کی وفات ہوگئی۔

⑯ "وابراهيم" پھر ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ "اذ قال لقومه اعبدوا الله واتقوه" اس کی اطاعت کرو اور اس سے ڈرو۔ "ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون"

⑰ "انما تعبدون من دون الله أوثانًا" اس سے مراد بت ہیں۔ "وتخلقون افكًا" اور تم لوگ جھوٹ گھڑتے ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے تھے، پھر ان کو اپنے الٰہ کہلاتے تھے۔ "ان الذين تعبدون من دون الله لا يملكون لكم رزقًا" وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ تمہیں رزق دیں۔ "فابتغوا" پس تم طلب کرو۔ "عند الله الرزق واعبدوه واشكروا له اليه ترجعون"

⑱ "وان تكذبوا فقد كذب أمم من قبلكم" جیسے قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ نے انبیاء کو جھٹلایا اور پھر ان قوموں کو ہلاک کر دیا گیا۔ "وما على الرسول الا البلاغ المبين"

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ㉑ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ㉒ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗئِهٖٓ اُولٰۗئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ㉓ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ㉔

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے (کہ عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کردے گا یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان ہے آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے رحمت فرماوے گا (یعنی جو اس کا اہل ہوگا) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر خدا کو) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور (بالخصوص) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ (قیامت میں) میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا سو (ابراہیمؑ کی اس تقریر دلپذیر کے بعد) ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کرڈالو یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔

تفسیر: ⑲ "اولم یروا کیف یبدی اللہ الخلق" کیسے اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق ابتداء سے کی۔ شروع میں وہ نطفہ کی شکل، پھر لوتھڑا، پھر گوشت کا ٹکڑا۔ "ثم یعیدہ" پھر آخرت میں دوبارہ اس کو زندہ کیا جائے گا۔ "ان ذلک علی اللہ یسیر"

⑳ "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق" ان کے گھروں اور ان کے مکانات کو دیکھو اور دیکھو کہ اللہ نے ان کو کیسا پیدا کیا۔ "ثم اللہ ینشئی النشأۃ الاخرۃ" پھر وہ ذات ان کو آخرت میں دوبارہ زندہ کرے گی موت کے بعد۔ جیسا کہ اللہ کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا متعذر نہیں تھا تو اسی طرح دوبارہ پیدا کرنا بھی متعذر نہیں ہوگا۔ یہ قرأت ابن کثیر، ابو عمرو کی ہے۔ "النشاءۃ" شین کے فتحہ اور مد کے ساتھ اور دوسرے قراء نے شین کے سکون کے ساتھ۔ اس کی مثال "الرأفۃ والرآفۃ" ہے۔ "انّ اللہ علٰی کل شیءٍ قدیر"

㉑ "یعذب من یشاء ویرحم من یشاء والیہ تقلبون" اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

㉒ "وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء"

سوال:۔ کیا جائے کہ آیت میں فی الارض کی قید تو درست ہے لیکن فی السماء کی قید درست نہیں کیونکہ خطاب تو صرف آدمیوں کو ہے اور آدمیوں کا ٹھکانا زمین ہے نہ کہ آسمان؟

جواب: فراء نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ولا فی السماء" کا معنی ہے "ولا من فی السماء" یعنی اللہ کے ان ملائکہ کو بھی عاجز نہیں بنا سکتے جو آسمان میں ہیں۔ جیسا کہ حسان بن ثابت کا شعر ہے:

فمن یھجو رسول اللہ منکم . ویمدحہ وینصرہ سواءٌ

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور مدد

کریں، دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے برابر ہیں۔

مراد اس سے وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرے اور وہ شخص جو ہجو کرے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ معنی یہ ہوا کہ جو زمین والے زمین والوں کو عاجز نہیں کر سکتے تو وہ آسمان والوں کو بھی عاجز نہیں کر سکتے۔

قطرب نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ تم اہل زمین والوں کو عاجز نہیں کر سکتے اور آسمان والوں کو بھی عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر تم آسمان میں رہنے والوں میں سے ہو۔ "**ومالکم من دون اللّٰہ من ولی ولا نصیر**" نہ تو ان کا کوئی مددگار ہوگا جو ان کو مجھ سے روکے اور نہ ہی کوئی مددگار ہوگا جو میرے عذاب سے ان کی مدد کرے۔

㉓ "**والذین کفروا بایات اللّٰہ ولقائہ**" اللہ کی آیات سے مراد قرآن پاک اور قیامت کے دن دوبارہ جی اُٹھنے پر یقین۔ "**اولئک یئسوا من رحمتی**" رحمت سے مراد جنت ہے۔ "**واولئک لھم عذاب الیم**" یہ تمام آیات اہل مکہ کے تذکرہ پر ہیں اور ان کو ڈرانے کے لئے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کے درمیان ذکر کر دیا گیا اور اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

㉔ "**فما کان جواب قومہ الا أن قالوا اقتلوہ أو حرقوہ فانجاہ اللّٰہ من النّار**" اور ہم نے اس آگ کو آپ پر ٹھنڈی اور سلامت والی بنا دی۔ "**انّ فی ذلک لایات لقوم یؤمنون**"

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉕ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ㉖ وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ㉗ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ㉘ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ㉙

ترجمہ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے پھر قیامت میں (تمہارا یہ حال ہوگا کہ) تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا سو (اتنے وعظ دلپذیر کو بھی ان کی قوم نے نہ مانا اور) صرف لوط (علیہ

السلام) نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی (بتلائی ہوئی جگہ کی) طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے (ہجرت کے بعد) ان کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی (بڑے درجہ کے) نیک بندوں میں ہوں گے اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں نہیں کیا کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام یہی ہے) اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور (غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو سوان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم (اس بات میں) سچے ہو (کہ یہ افعال موجب عذاب ہیں)

تفسیر ㉕ **"وقال"** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا **"انما اتخذتم من دون اللّٰہ اوثانًا مودة بينكم"** ابن کثیر اور کسائی نے ابوعمر و یعقوب نے **"مودةٌ"** رفع کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ **"بينكم"** اضافت کے ساتھ۔ معنی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے دُنیاوی فائدے کے لیے۔ **"فی الحيوة الدنيا"** پھر یہ فائدے دُنیا میں ختم ہو جائیں گے۔ آخرت میں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔

حمزہ اور حفص نے **"مودة"** نصب کے ساتھ پڑھا ہے بغیر تنوین کے اضافت کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے منصوب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے بتوں کو دُنیاوی زندگی کی عیش وعشرت کے لیے معبود بنا رکھا ہے ان پر عبادت کرنے کے لیے بار بار لوٹتے ہیں اور دُنیا میں ان سے فوائد کی اُمید رکھتے ہیں۔ **"ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضًا"** اس دن یہ بتوں کی عبادت کرنے سے برأت اختیار کرلیں گے اور باہم ایک دوسرے کی اتباع کے منکر ہو جائیں گے اور ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا۔ **"ومأواكم"** ان سب کا ٹھکانا یعنی عبادت کرنے والوں کا اور معبودوں کا۔ **"النار ومالكم من ناصرين"**

㉖ **"فامن له لوط"** حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے۔ **"وقال"** اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **"انی مهاجر الی ربی"** یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا وہاں چلا جاؤں گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوثی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر حران سے شام کو چلے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے آبائی گاؤں سے ہجرت کی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچھتر (۷۵) سال تھی۔ **"انه هو العزيز الحكيم"**

㉗ **"ووهبنا له اسحاق ويعقوب وجعلنا فی ذريته النبوة والكتاب"** کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی نبی ایسا نہیں

جوابراہیم علیہ السلام کے بعد انہی کی نسل میں سے نہ ہو۔ "و آتیناہ أجرہ فی الدنیا" وہ ہے اچھی تعریف۔ اس وجہ سے ہر ادیان والے اپنے دین کو دین ابراہیمی سے موسوم کرتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نیک اولاد ہے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے دُنیا میں اپنا مکان جنت کے اندر دیکھ لیا تھا۔ "وانه فی الاخرة لمن الصالحین" حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار اہل صلاح میں سے ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کا شمار ہوگا۔

28 "ولوطا اذ قال لقومه انكم" ابوعمرو، حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے "أئنكم" استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے بغیر استفہام کے پڑھا ہے۔ انہوں نے دوسرے استفہام پر قیاس کیا۔ "لتأتون الفاحشة" فاحشہ سے مراد مردوں کے پاس آنا برائی کے لیے۔ "ماسبقكم بها من احد من العالمين"

29 "أئنكم لتاتون الرجال وتقطعون السبيل" یہ اس وجہ سے کہ جو شخص بھی ان کے راستے سے گزرتا مسافرین میں سے۔ پھر لوگوں نے وہاں سے گزرنا ترک کردیا۔ بعض نے کہا کہ "تقطعون" سے مراد نسل کا قطع کرنا ہے کہ جب عورتوں کے پاس آنے کے بجائے مردوں کے پاس آئیں گے تو توالد تناسل نہیں ہوگا؟ تو نسل قطع ہو جائے گی۔ "وتاتون فی نادیکم المنکر" النادی والندی والمنتدی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں اہل مجلس موجود ہوں۔

ابوصالح نے اُم ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت اُم ہانی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "وتاتون فی نادیکم المنکر" کے متعلق دریافت فرمایا اور عرض کیا کہ وہ بری بات کونسی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے۔ فرمایا وہ لوگ آنے جانے والوں کے غلے مارتے اور ان کا مذاق بناتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کے پاس ایک پیالے میں کچھ پتھریاں ہوتی تھیں، کوئی مسافر اِدھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے۔ لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا۔ پہلے اس کا سب سامان چھین لیتا، پھر اس کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کردیتا تھا، اس کا سربراہ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ جلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔ مکحول کا بیان ہے قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں بھی تھیں کہ وہ علک چباتے، مہندی سے انگلیاں رنگتے، لنگیاں کھول دیتے تھے، سیٹیاں بجاتے، کنکریاں مارتے اور بدفعلیاں کرتے تھے۔ "فما كان جواب قومه" جب حضرت لوط علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود ان بری حرکتوں سے نہ رکے۔ "الا أن قالوا" تو وہ بطور استہزاء یہ کہنے لگے "ائتنا بعذاب الله ان كنت من الصادقين" کہ ہم پر عذاب نازل کرا گر تو اپنی نبوت میں سچا ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ 30 وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ 31 قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۚ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا.

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب (اور ان کو عذاب سے ہلاک) کردے اور ہمارے (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو (اثناء گفتگو میں) ان فرشتوں نے (ابراہیمؑ سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں ابراہیمؑ نے فرمایا کہ وہاں تو لوط (علیہ السلام بھی موجود) ہیں فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز ان کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ (یہ گفتگو ابراہیمؑ سے ہوئی) اور (پھر وہاں سے فارغ ہو کر) جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگدل ہوئے اور (فرشتوں نے جو یہ حال دیکھا تو) وہ فرشتے کہنے لگے (کسی بات کا) آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔

تفسیر: ﴿۳۰﴾ "قال" حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو کہا "رب انصرنی علی القوم المفسدین" ان پر عذاب کا آنا یہ اس کے مستحق ہیں۔ ﴿۳۱﴾ "ولما جاء ت رسلنا ابراهیم بالبشریٰ" جب اللہ کی طرف سے ان کو خوشخبری دینے والے فرشتے آئے اور ان کو اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دی۔ "قالوا انا مهلکوا اهل هذه القریة" قوم لوط اور قریہ سدوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔ "ان اهلها کانوا ظالمین"

﴿۳۲﴾ "قال" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا "انّ فیها لوطا قالوا" فرشتوں نے جواب دیا۔ "نحن اعلم بمن فیها لننجینه" حمزہ، کسائی، یعقوب نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ "واهله الا امرأته کانت من الغابرین" یہ لوگ عذاب سے بچ کر رہنے والے ہوں گے۔

﴿۳۳﴾ "ولما جاء ت رسلنا لوطًا" انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ انسان ہیں۔ "سیٔ بهم" ان کو دیکھ کر غمگین ہوئے۔ "وضاق بهم" اور ان کے آنے کی وجہ سے ان کے دل میں گھٹن محسوس ہوئی (کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے)۔ "ذرعا وقالوا لاتخف" اپنی قوم سے ہمارے بارے میں خوف نہ کھایئے۔ "ولا تحزن" اور ہمارا ان کو ہلاک کردینا تمہیں غمگین نہ کرے۔ "انا منجوک واهلک الا امرأتک کانت من الغابرین" ابن کثیر، حمزہ، کسائی، ابوبکر، یعقوب نے "منجوک" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا

مِنْهَا اٰيَةً م بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا
الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ
جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ
فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا. وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ (اور آپ کو مع متعلقین اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (بقیہ) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک) رہنے دیئے ہیں ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان (کی برادری) کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو (اور شرک چھوڑ دو) اور قیامت سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ سو ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی (ان کے عناد و خلاف کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے (اور حالت ان کی یہ تھی کہ) شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور (اس ذریعہ سے) ان کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہشیار تھے اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان (تینوں) کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دلیلیں (حق کی) لے کر آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور (ہمارے عذاب سے) بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں سے بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آ دبایا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعضوں کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے

تفسیر ㉞ ''انا منزلون'' ابن عامر نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ''علی اهل هذه القرية رجزا'' اس سے مراد عذاب ہے۔ ''من السماء'' مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے خسف اور حصب مراد ہے۔ ''بما كانوا يفسقون''

㉟"ولقد ترکنا منھا" حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں سے۔"اية بينة"ظاہری عبرت"لقوم يعقلون" قرآن کی آیات کی تدبیر کرنے والی قوم وہی تدبیر کرسکتی ہے جو ذوی العقول میں سے ہو یعنی عقل وشعور والی ہو۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک"آية بينة" سے مراد ہے قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے،اللہ نے وہ پتھر باقی رکھے،اس اُمت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اوراگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔مجاہد کا قول ہے کہ زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد کرنا"آية بينة" سے مراد ہے۔بعض نے کہا کہ ان کے قصہ کی شہرت مراد ہے۔ یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کر کے چھوڑ دیا۔

㊱"والی مدين اخاهم شعيبًا"اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔"فقال ياقوم اعبدوا الله وارجوا اليوم الاخرة"اور آخرت کے دن سے،اللہ سے ڈرو۔"ولاتعثوا فی الارض مفسدين"

㊲"فكذبوه فاخذتهم الرجفة فأصبحوا فی دارهم جاثمين"

㊳"وعاداً و ثمود"اور ہم نے قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کردیا۔"وقد تبين لكم"اے اہل مکہ ہم نے تمہارے لیے سب کچھ کھول کر بیان کردیا۔"من مساكنهم"ان کے کچھ مقامات سکونت یا یہ مطلب ہے کہ جب ان کے ویران مقامات کی طرف جاتے اوراُدھر سے گزرتے ہو تو ان کے کھنڈروں سے تم پر ان کو تباہ ہوجانا واضح ہوجاتا ہے۔"وزين لهم الشيطان أعمالهم فصدهم عن السبيل"سیدھے راستے سے۔"وكانوا مستبصرين"مقاتل،قتادہ اور کلبی نے اس جملہ کی تشریح میں کہا کہ وہ لوگ اپنے مذہب کو اور حق سے گمراہ ہونے کو پسند کرتے تھے اوراپنے آپ کو راہِ راست پر خیال کرتے تھے۔اس تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی نظر میں بڑے ہوشیار تھے۔فراء نے مستبصر ہونے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اہل دانش اور ہوش تھے بصیرت مند تھے،غور وفکر کرسکتے تھے لیکن انہوں نے غور وفکر سے کام نہیں لیا۔

㊴"وقارون و فرعون و هامان"اوراسی طرح ہم نے ان سب کو ہلاک کردیا۔

㊵"ولقد جاء هم موسٰى بالبينات" واضح دلیلیں دے کر "فاستكبروا فی الارض وما كانوا سابقين"وہ ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے۔

㊶"فكُلًّا اخذنا بذنبه فمنهم من ارسلنا عليه حاصبًا"یہ قوم لوط تھی جن پر ہم نے پتھر برسائے۔حاصب اس ہوا کو کہتے ہیں جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر بھی ہوں۔"ومنهم من اخذته الصيحة"اس سے مراد ثمود ہے۔"ومنهم من خسفنا به الارض" قارون اوراس کے دوست احباب"ومنهم من اغرقنا"قوم نوح فرعون اوراس کی قوم"وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون"

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ. اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ م لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ㊶ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ (حقیقت حال کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور ضعف) کو جانتا جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں (پس وہ چیزیں تو نہایت ضعیف ہیں) اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے) استحقاق عبادت کی) بڑی دلیل ہے۔

تفسیر ﴿٤١﴾ "مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء" اس سے مراد بت ہیں کہ جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں وہ انہی سے مدد اور نفع مانگیں گے۔ "کمثل العنکبوت"

"اتخذت بیتا" اپنے لیے وہ جالا بناتی ہے تاکہ اس میں ٹھکانا اختیار کرے۔ بے شک اس کا گھر ضعیف اور کمزور ہوتا ہے وہ جالا نہ تو اس کو سردی سے بچاتا ہے اور نہ ہی گرمی سے۔ یہی مثال بتوں کی ہے کہ وہ اپنے عبادت گاروں کے نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی نقصان کے مالک۔ "وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون"

﴿٤٢﴾ "انّ اللہ یعلم ما یدعون من دونہ من شیءٍ وھو العزیز الحکیم" قراء اہل بصرہ اور عاصم نے ان کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد اس سے ماقبل کی اُمتیں ہیں اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿٤٣﴾ "وتلک الامثال" اس سے مراد مشابہ ہے۔ مثل کہا جاتا ہے پورے کلام کو دوسرے کلام کے ساتھ تشبیہ دینا۔ قرآن پاک نے اس اُمت کے کفار کے احوال کو ماقبل اُمتوں کے کفار کے احوال کے ساتھ تشبیہ اور تمثیل بیان کی۔ "نضربھا" ہم ان کو بیان کریں گے "للناس" عطاء اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہے "وما یعقلھا الا العالمون" ان امثال کو عقل والے ہی جانتے ہیں یعنی علماء۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون" اور فرمایا عالم وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ ملی ہو اور سمجھنے کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز رکھے۔

﴿٤٤﴾ "خلق اللہ السموات والارض بالحق" حق کے لیے یا اظہار حق کے لیے۔ "انّ فی ذلک" اس کے پیدا کرنے میں "لایۃ" نشانی ہے۔ "للمؤمنین" اس کی قدرت اور توحید پر۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿45﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیئے بیشک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے

تفسیر: 45 "اُتل ما اوحی الیک من الکتاب" اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ "واقم الصلٰوۃ انّ الصلٰوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" فحشاء وہ بُری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً کھلی ہوئی ہو۔ بعض نے کہا کہ فحشاء وہ ہے جو اعمال میں قبیح ہو اور منکر وہ اعمال جن کو شریعت میں نہ پہچانا گیا ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نماز میں گناہوں سے باز داشت اور روک دینے کی طاقت ہے اس لیے جس کی نماز اس کو بھلائی کا حکم نہ دے اور بُری باتوں سے نہ روکے اس کی نماز اللہ سے دوری ہی پیدا کرتی ہے۔ حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ جس کی نماز اس کو فحشاء اور برائی سے نہ بچا سکے تو اس کی نماز اس پر وبال ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا ہوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو۔ اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو ان گناہوں سے روک دے گی۔ چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اس کی حالت ٹھیک ہوگئی۔

ابن عون نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ نماز روکتی ہے اس کے پڑھنے والے کو فحشاء اور منکر سے جب تک کہ وہ نماز میں مسلسل رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس "صلوۃ" سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تجھر بصلاتک" اس سے مراد قرأت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد نماز میں قرآن کی قرأت کرنا ہے۔ قرآن اس کو برائی اور بے حیائی سے بچاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ایک آدمی رات میں قرآن پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے۔ فرمایا عنقریب اس کا قرآن پڑھنا اس کو روک دے گا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں شخص دن میں نماز پڑھتا ہے اور رات کو چوری کرتا ہے، فرمایا عنقریب نماز اس کو روک دیگی۔

ذکر اللہ کے فضائل

"ولذکر اللہ اکبر" اللہ کا ذکر تمام نیکیوں میں افضل ہے۔ حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا، کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجے پر پہنچنے والا، سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لیے بہتر اور بھی تمہارے لیے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلے میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کیوں نہیں، فرمایا، اللہ کا ذکر۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبے والا ہے۔ فرمایا بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے؟ فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجے والے ہیں۔

ایک اعرابی سے مروی ہے، فرمایا اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا کہ تو دُنیا سے جدا ہو اس حال میں کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستے پر جا رہے تھے، ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے۔ اس پہاڑ کا نام حمدان تھا۔ فرمایا چلے چلو، یہ حمدان ہے۔ اہل تفرید آگے بڑھ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اہل تفرید سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔

ابواسحاق سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے الاغر سے سنا فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ کوئی قوم جو بیٹھتی ہے اور اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ان کو فرشتوں کی جماعت ڈھانپ دیتی ہے اور ان پر رحمت اور سکینہ ڈال دی جاتی ہے اور ان لوگوں پر جو ان کے پاس اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض قوم نے کہا کہ "**ولذکر اللّٰہ اکبر**" کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ افضل ہے جو تم اس سے کرتے ہو۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے۔

موسیٰ بن عقبہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً تفسیر نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو کیونکہ جب تم خدا کو یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑا ہے۔ "**واللّٰہ یعلم ما تصنعون**" عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿46﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿47﴾

ترجمہ اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو ہاں جو ان میں زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں (اور یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ان (اہل عرب مشرک) لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

تفسیر ④⑥ "ولا تجادلوا اهل الکتاب" یعنی نہ جھگڑو۔ "الا بالتی هی احسن" قرآن اور آیات قرآنیہ کے ذریعہ سے اللہ کی طرف آنے کی دعوت دو اور قرآن کے پیش کردہ دلائل پر متنبہ کرو۔ یہ حکم جزیہ کے نافذ ہونے سے پہلے کا ہے۔ "الا الذین ظلموا منهم" وہ جزیہ دینے سے انکار کردیں تو ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ عطا کریں۔ مجازاً آیت یوں ہوگی "الا الذین ظلموکم" چونکہ یہ سب کفر کی وجہ سے ظالم ہیں۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد اہل حرب ہیں اور وہ لوگ جن کے ساتھ کوئی عہد وغیرہ نہیں ہوا۔ قتادہ اور مقاتل اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس آیت سے "قاتلوا الذین لایؤمنون باللّٰه"...... "وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم" اگر ان میں سے کوئی ایک تمہیں اس بات کی خبر دے جو جزیہ سے پہلے تھی اور ان کی کتابوں میں موجود تھی پھر ان کے ساتھ اس معاملے میں جھگڑا مت کرو۔ یعنی نہ تو تم ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو اور ان کو تم کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل کی گئی اور جو تم پر نازل کی گئی۔

"والٰهنا والٰهکم واحد ونحن له مسلمون" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں توریت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اُتاری گئی۔

حضرت ابونملہ انصاری کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور اسی وقت ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا اے محمد! یہ میت کیا کلام کرتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اہل کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو "امنا باللّٰه وکتبه ورسله" اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس لیے مجرم نہیں ہوگے)

④⑦ "وکذلک" ایسے ہی آپ پر کتاب نازل کی جس طرح آپ سے پہلے کتابیں نازل کیں۔ "انزلنا الیک الکتاب فالذین اتیناهم الکتاب یؤمنون به" اس سے مراد مؤمن واہل کتاب مراد ہیں۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ "ومن هولاء"

یعنی مکہ والے "من یؤمن به" اس سے مراد مکہ کے مؤمنین ہیں۔ "وما یجحد بایاتنا الا الکافرون" یہ اس وجہ سے کہ یہود اور اہل مکہ اس بات سے جان گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق اور قرآن بھی حق ہے۔ پھر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ جحود کسی چیز کے پہچاننے کے بعد اس کا انکار کر دینا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿48﴾ بَلْ
هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿49﴾ وَقَالُوْا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ اَوَلَمْ
يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿52﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ
بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿53﴾

ترجمہ اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے آپ یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر (علم الٰہی میں عذاب آنے کی) میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔

تفسیر ﴿48﴾ "وما كنت تتلوا" اے محمد! "من قبله من كتاب" اس سے پہلے جو ان پر کتاب نازل فرمائی۔ "ولا تخطه بيمينك" وہ اس کو نہیں لکھتے تھے اور اس وقت نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے، وحی سے پہلے۔ "اذا لارتاب المبطلون" اگر آپ اس کو لکھو گے یا پڑھو گے وحی سے پہلے مشرکین اہل مکہ شک و شبہات میں پڑ جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ یہ

تو ماقبل اُمتوں کے قصے کہانیاں ہیں ان کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ قتادہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے کہ کافروں کو اہل باطل کفر سے یا شک میں پڑنے کی وجہ سے کہا گیا حالانکہ بکثرت معجزات کی کثرت کی موجودگی میں کفر میں یا شک میں پڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

مقاتل کا بیان ہے کہ مبطلون سے مراد ہے اہل کتاب یعنی اہل کتاب چونکہ اپنی کتاب میں نبی آخر الزمان کی صفت امی پاتے ہیں اس لیے ان کو کوئی شک نہ تھا اس مطلب پر اہل کتاب کا مبطل ہونا واقعی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے اور ان کی کتابوں میں آخری نبی کا امی ہونا ہی لکھا ہے۔

⑲ "**بل هو آيات بينات**" حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد آیات بینات ہیں۔ "**في صدور الذين أوتوا العلم**" مؤمنین جنھوں نے قرآن کو اُٹھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا بیان ہے "**بل هو**" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور "**الذين اوتوا العلم**" سے مراد ہیں اہل کتاب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت انہی واضح علامات کی حامل ہے جو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں موجود ہیں۔ "**وما يجحد باياتنا الا الظالمون**"

⑳ "**وقالوا لولا انزل عليه اية من ربه**" جیسا کہ ماقبل انبیاء پر ہم نے نشانیاں اُتاریں۔ یہ قرأت ابن کثیر، حمزہ، کسائی، ابوبکر کے ہاں ہے، اللہ کی توحید پر ایک نشانی ہے۔ دوسرے قراء نے اس کا معنی بیان کیا کہ یہ سب رب کی طرف سے نشانی ہے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "**قل انما الايات عندالله**" اور وہ پیغمبروں کو رسول بنا کر بھیجنے پر قادر ہے جب وہ چاہے۔ "**وانما انا نذير مبين**" اہل معصیت کو آگ سے ڈرایا اور یہ ڈرانا ان کے پاس نہیں۔

⑳ "**اولم يكفهم**" یہ ان کے اس کلام کا جواب ہے۔ "**لولا انزل عليه اية من ربه**" تو فرمایا "**أولم يكفهم أنا انزلنا عليك الكتاب يتلى عليهم**" کیا یہ آیات تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ "**انّ فى ذلك**" قرآن کے نازل کرنے میں "**لرحمة وذكرى لقوم يؤمنون**" یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔

⑳ "**قل كفي بالله بيني وبينكم شهيدًا**" کہ یہ رسول خدا ہیں اور قرآن ان کی کتاب ہے۔ "**يعلم مافى السموات والارض والذين امنوا بالباطل**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ باطل سے مراد اللہ کے علاوہ پر ایمان لانا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ شیطان کی عبادت کرنا "**وكفروا بالله اولئك هم الخاسرون**"

⑳ "**ويستعجلونك بالعذاب**" اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے متعلق ہوا جب اس نے کہا تھا "**اللّهم ان كان هذا هو الحق من عندك فأمطر علينا حجارة من السماء**" اے خدا!! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر اوپر سے پتھروں کی بارش کر دے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"**ولولا اجل مسمى**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور اس کی جڑ نہیں اُکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک کے لیے ان کے عذاب کو ملتوی رکھوں گا، تو

عذاب آچکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"بل الساعة موعدهم" بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لیے مقرر ہے۔

یعنی جب وہ مرجائیں گے تو عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد جنگ بدر ہے۔"لجاء هم العذاب وليأتينهم" اس سے مراد عذاب ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اجل ہے۔"بغتة وهم لايشعرون" جب ان پر عذاب آئے گا تو یہ کچھ شعور نہیں رکھیں گے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

ترجمہ یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گا جس دن کہ ان پر عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرماوے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دینگے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو (مقدر) روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر ⑤④"يستعجلونك بالعذاب" دوبارہ اعادہ کرنا تاکید کے طور پر ہے۔"وان جهنم لمحيطة بالكافرين" ان سب کو جمع کرنے والا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو اس میں داخل نہ ہوجائے۔

⑤⑤"يوم يغشاهم" جب ان کو عذاب پہنچ جائے گا۔"العذاب من فوقهم ومن تحت ارجلهم" یعنی جب ان کو عذاب جہنم ڈھانپ لے گا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ان کے لیے فرمایا"لهم من جهنم مهاد ومن فوقهم غواش" ......"ويقول ذوقوا" نافع اور اہل کوفہ نے "ويقول" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہنم کا داروغہ ان سے کہے گا چکھو جہنم کا عذاب اور دوسرے قراء نے (نقول) کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جب بھی وہ کسی کام کا حکم کرتے ہیں تو اس کو اپنی طرف منسوب کردیتے ہیں۔"ماكنتم تعملون" بدلہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

⑤⑥"يا عبادى الذين أمنوا انّ ارضى واسعة فاياى فاعبدون"

آیت کا شان نزول

مقاتل اور کلبی نے کہا اس آیت کا نزول ان کمزور مسلمانوں کے حق میں ہوا جو کمزوری کی وجہ سے مکہ میں رہ گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ کے اندر رہ کر اگر تم ایمان کا اظہار نہیں کر سکتے ہو تو وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاؤ جہاں آزادی کے ساتھ اظہار ایمان کر سکتے ہو جیسے مدینہ وغیرہ کیونکہ میری زمین تنگ نہیں ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری زمین وسیع ہے ترک وطن کر کے چلے جاؤ اور وہاں پہنچ کر جہاد کرو۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ جب کسی بستی میں گناہ کیے جاتے ہوں تو وہاں سے نکل جاؤ، میری زمین وسیع ہے۔

عطاء نے کہا کہ جب تم کو اپنی سرزمین میں گناہوں کا حکم دیا جاتا ہو تو وہاں سے بھاگ جاؤ، میری زمین وسیع ہے، اگر کسی ایسی بستی میں ہو جہاں گناہ کیے جاتے ہوں اور گناہوں سے بندش ممکن نہ ہو تو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جانا واجب ہے جہاں اللہ کی عبادت کی تیاری کی جاسکے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی، مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں گے تو بھوکے مرجانے کا خوف ہے۔ اللہ نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا۔ مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ زمین فراخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرا رزق وسیع ہے تم وطن چھوڑ دو۔

57 "کل نفس ذائقة الموت" ان کو موت کا خوف دلایا تا کہ ان کے لیے ہجرت کرنے میں مشکل نہ آئے۔ یعنی ہر ایک شخص کو مرنا ہے جہاں کہیں بھی ہو۔ لہٰذا تم موت کے خوف سے شر کے مقام میں نہ پڑے رہو۔ "ثم الینا ترجعون" پھر ہم تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔ ابوبکر نے "یرجعون" پڑھا ہے۔

58 "والذین امنوا وعملوا الصالحات لنبوّئنهم" حمزہ اور کسائی نے ثاء ساکنہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور فرمایا "ثوی الرجل اذا اقام واثوبته" جب وہ کسی پڑاؤ کی جگہ اُترتے ہیں اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور فتحہ کے ساتھ واؤ کی تشدید اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ۔ "ای لَنُنْزِلَنَّهُمْ"

"من الجنة غرفًا" وہ بلند ہوں گے۔ "تجری من تحتها الانهار خالدین فیها نعم اجر العاملین"

59 "الذین صبروا" وہ لوگ جنہوں نے سختیوں اور مصائب میں صبر اختیار کیا اور اپنے دین کو ترک نہیں کیا۔ "وعلی ربهم یتوکلون" اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

60 "وکاین من دابة لاتحمل رزقها" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کے لیے فرمایا جو مکہ میں رہتے تھے (ان کو مشرکین اذیتیں دیتے تھے) کہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آجاؤ، وہ مؤمنین کہتے کہ ہم کس طرح مدینہ کی طرف نکلیں نہ وہاں ہمارے لیے کوئی مال ہے اور نہ ہی گھر اور کوئی نہیں وہاں جو ہمیں کھانا کھلائے اور پلائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی۔ "وکاین من دابة" اپنی حاجت کے لیے صبح نکلتے ہیں۔ "لاتحمل رزقھا" نہ تو وہ اپنے ساتھ رزق اُٹھاتے ہیں اور نہ ہی وہ ذخیرہ کرتے ہیں دوسرے دن کیلئے، جیسے چوپائے اور پرندے ہیں۔

"اللہ یرزقھا و ایاکم" جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں۔ "وھو السمیع" وہ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں پاتے کہ مدینہ میں ہم پر کون خرچ کرنے والا ہے۔ "العلیم" وہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ سفیان بن علی بن ارقم نے کہا سوائے انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔

لاتحمل رزقھا کی تفسیر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا ابن عمر! تم بھی کھاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے۔ یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہو گئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا۔ میں نے کہا "انا للہ، اللہ المستعان" فرمایا، ابن عمر! اگر میں اپنے رب سے مانگتا تو وہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے ملک سے بھی کتنے ہی زیادہ عنایت کر دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں اور ایک دن نہیں کھاتا۔ ابن عمر! اگر یہ تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی؟ جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان کا یقین کمزور ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "وکاین من دابة لاتحمل رزقھا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تم اللہ پر توکل رکھو جیسا کہ توکل رکھنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے رزق عطا فرمائیں گے جیسے پرندوں کو رزق دیتے ہیں کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں پیٹ بھرے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ میں نے اس کو کرنے کا تم کو حکم نہ دے دیا ہو اور کوئی چیز دوزخ سے قریب کرنے والی اور جنت سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس کو کرنے کی تم کو ممانعت نہ کر دی ہو۔ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے گا ہرگز نہیں مرے گا۔ پس تم لوگ متنبہ ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو۔ رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہئے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر ان کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿61﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿62﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿63﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ
وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ
مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿67﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ وَالَّذِيْنَ
جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿69﴾

ترجمہ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جارہے ہیں اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے بیشک اللہ ہی سب کے حال سے واقف ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تروتازہ کردیا تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہیئے کہ الحمدللہ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں اور یہ دنیوی زندگی (فی نفسہ) بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کرلیں پھر قریب ہی ان سب کو سب خبر ہوئی جاتی ہے کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گردوپیش میں لوگوں کو نکالا جارہا ہے پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرکے اور جب سچی

31

بات اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کو جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا ورحمت) ایسے خلوص عمل والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر ⑥١ "ولئن سالتهم" اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ "من خلق السموات والارض وسخرالشمس والقمر ليقولن الله فانّی يؤفكون"

⑥٢ "الله يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر له انّ الله بكل شيءٍ عليم"

⑥٣ "ولئن سالتهم من نزل من السماء ماءً فأحيا به الارض من بعد موتها ليقولن الله قل الحمدلله" یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے، اہل مکہ اس کے مقرب ہیں۔ "بل اكثرهم لايعقلون" بعض نے کہا کہ "قل الحمدلله" تا کہ ان کے اقرار پر حجت تام ہوجائے۔ وہ توحید کے منکر ہیں حالانکہ انہوں نے اس کا اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سب اشیاء پیدا کی ہیں۔

⑥٤ "وما هذه الحيوة الدنيا الا لهو ولعب" لهو کہتے ہیں دُنیاوی لذات کو سننا۔ اور لعب عبث (بے کار) کو کہتے ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے موسوم کیا کیونکہ یہ فانی ہیں۔ "وانّ الدارالاخرة لهي الحيوان" دائمی حیات جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ حیوان حیاۃ سے ہے وہاں ہیشگی والی زندگی ہے۔ "لو كانوا يعلمون" کہ دُنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔

⑥٥ "فاذا ركبوا في الفلک" اور ان کو غرق ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ "دعواالله مخلصين له الدين" اور بتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ "فلما نجاهم الى البر اذا هم يشركون" ان کے عناد کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ سختیوں کے وقت اس کا اقرار کر لیتے ہیں کہ ہمیں اس مشکل سے دور کرنے والا اللہ قادر مطلق ہے۔ جب ان سے وہ مشکل دور ہو جاتی ہے تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ دور جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے اے رب! اے رب! مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خالص طور پر دل سے اللہ کے اطاعت گزار ہوجاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔

⑥٦ "ليكفروا بما اتيناهم" یہ لام امر ہے، یہ معنی بطور تہدید اور وعید کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اعملوا ماشئتم" وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے تھے۔ "وليتمتعوا" حمزہ اور کسائی نے لام ساکن کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کیساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا عطف ليكفروا پر ہوگا (فسوف يعلمون) بعض نے کہا کہ جنہوں نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے وہ اس لام کو لام "کی" کہتے ہیں اور اسی طرح "ليكفروا" میں لام ہے۔ اس کا

معنی یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں کوئی فائدہ نہیں مگر کفر میں اضافہ ہوگا اور دنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرتے ہیں آخرت کی زندگی کے بدلے میں۔

67 "اولم یروا أنا جعلنا حرما آمنًا ویتخطف النّاس من حولهم" اور وہ بعض بعض سے قتل وقید سے امن میں نہیں ہیں اور اہل مکہ امن میں ہیں۔ "أفبالباطل" اس سے مراد بت اور شیطان ہیں۔ "یؤمنون وبنعمة الله" محمد اور دین اسلام "یکفرون"

68 "ومن اظلم ممن افترى على الله كذبًا" انہوں نے گمان کیا کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ ان کو برائی کا حکم دیا۔ "او كذب بالحق" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مراد ہے۔ "لما جاء ه أليس في جهنم مثوى للكافرين" یہ استفہام بمعنی تقریر کے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کاذب کافروں کا ٹھکانہ تو جہنم ہی ہے۔

69 "والذين جاهدوا فينا" وہ لوگ جنہوں نے مشرکین کے ساتھ جنگ کی، دین کی مدد کے لیے "لنهدينهم سبلنا" ہم ان کو ان راستوں پر ثابت قدم رکھ دیتے ہیں جس راستے پر وہ قتال کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان کے لیے مزید ہدایت کے راستے آسان کردیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "ويزيد الله الذين اهتدوا هدى" سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جن لوگوں میں اختلاف ہو تو تم سرحد والوں کو دیکھو کیونکہ اللہ نے فرمایا "والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا"۔ بعض نے کہا کہ مجاہدہ طاعات پر صبر کرنے کا نام ہے۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔

فضیل بن عیاض نے کہا جن لوگوں نے طلب علم میں جہاد کیا ہم ان کو علم کے مطابق عمل کرنے کے راستے بتادیتے ہیں۔ سہیل بن عبداللہ نے کہا جن لوگوں نے سنت قائم کرنے کی کوشش کی ہم ان کو اپنے ثواب کے راستے بتادیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری طاعت کی کوشش کی ہم ان کو اپنے ثواب کے راستے بتادیتے ہیں۔

"وان الله لمع المحسنين" یعنی دُنیا میں اللہ کی مدد واعانت اور آخرت میں ثواب اور مغفرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الحمدلله تفسیر بغوی کی چوتھی جلد مکمل ہوئی۔ پانچویں جلد سورہ روم سے شروع ہے۔

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ مریم تا سورہ عنکبوت

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار وبرکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورۂ مریم

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ پڑھتا ہے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا مہاجرین کو ہجرت کرنے سے اور انصار کو نصرت کرنے سے ملا ہے۔

❷ جو شخص سورۂ مریم کو لکھ کر شیشی میں بند کر کے رکھ چھوڑے اس گھر میں خیر و برکت ہوتی ہے اور اس خوشحالی آتی ہے۔

❸ اگر کوئی خوف زدہ آدمی اس سورۃ کو پانی میں گھول کر پی لے تو اس کا خوف جاتا رہتا ہے۔

❹ اگر اس سورۃ کو لکھ کر گھر کی دیوار پر لگایا جائے تو وہ گھر آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

کھیعص

جو آدمی جمعرات کے دن پہلی ساعت میں چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر کھیعص اور حمعسق اور باقی حروف مقطعات کندہ کرا کے پہن لے اس کی سب ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور سب لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

خاصیت آیت ۲۵، ۲۶

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِيۡ وَاشۡرَبِيۡ وَقَرِّيۡ عَيۡنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا فَقُوۡلِيۡۤ اِنِّيۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا

تین کھجور کے تین مختلف رنگوں کے زرد، سبز اور سرخ لے کر ہر پتہ پر لوہے کے قلم سے ان آیتوں کو لکھے اور ہر ایک پتہ کو ایک کھجور کی ٹہنی سے باندھ دے تو ان کھجوروں کو بہت زیادہ اور عمدہ پھل لگے گا۔

سورۂ طٰہٰ

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جنت میں جنتی صرف طٰہٰ اور یٰسٓ کی تلاوت کریں گے۔

❷ جو شخص کہیں شادی کرنا چاہتا ہو تو ریشم کے سبز کپڑے پر اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھ کر ان کے پاس جائے تو وہ رشتہ کی درخواست منظور کریں گے۔

❸ اگر اس طرح لکھی ہوئی سورۃ طٰہٰ کو پاس رکھ کر لڑنے والے لوگوں کے پاس صلح کے لئے جائے تو صلح کر لیں گے۔

❹ اگر اسے لے کر ظالم بادشاہ کے پاس جائے تو وہ بھی نرمی کرے گا۔

خاصیت آیت ۱۰۵ تا ۱۰۷

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا

اگر کسی کے جسم پر پھوڑے ہوں تو وہ کسی پاک صاف برتن میں فارسی سیاہی سے اس آیت کو لکھ کر روغن بنفشہ سے دھو ڈالے اور پھر اسی روغن کو ان پھوڑوں پر لگائے تو پھوڑے ختم ہو جائیں گے۔

خاصیت آیت ۱۰۸ تا ۱۱۲

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ. وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ. وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا

❶ اس آیت کو ہرن کی کھال پر لکھ کر تانبے کے تعویذ میں بند کر کے بچہ کے گلے میں ڈالیں تو بچہ روئے گا نہیں اور اس کا رنگ وروپ اور زبان اچھی ہو جائے گی۔

❷ جو شخص اس آیت کو لکھ کر اپنے بازو پر باندھے اس کے دشمن کی زبان اس کے خلاف بند ہو جائے گی اور وہ اس سے ڈرے گا۔

خاصیت آیت ۱۳۱ تا ۱۳۲

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ. وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا. نَحْنُ نَرْزُقُكَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى

یہ آیات لکھ کر جس کے گلے میں پہنائی جائے اگر وہ رنڈوا ہے تو اس کی شادی ہو جائے گی اگر اسے نسیان کی بیماری ہے تو جاتی رہے گی جو بھی مرض ہے اس سے شفا ملے گی۔ اگر فقیر ہے تو مالدار ہو جائے گا۔

سورہ انبیاء

خاصیت آیت ۸۷

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی سورۂ انبیاء پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حساب جلدی سے لے لیں گے اور جن انبیاء کا اس سورۃ میں نام آیا ہے وہ اسے سلام کریں گے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ. اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ. اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہے جو مسلمان اس سے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

② کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ارشاد فرمائیں اس کے طلب کرنے میں کس چیز کو وسیلہ بناؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کی درخواست کرنا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ وضو کر کے سجدہ کرے اور چالیس بار اپنی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ. اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگا جائے ملتا ہے وہ یونس بن متی کی دعا ہے۔ صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ دعا یونس بن متی کے ساتھ خاص ہے یا تمام مسلمان اس سے دعا مانگ سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یونس بن متی کے لئے خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے وہ جس وقت چاہیں اس سے دعا مانگ سکتے ہیں۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”جب یونس نے تہہ بہ تہہ تاریکی میں ان کلمات سے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات بخشتے ہیں“۔ پس یہ دعا مانگنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ہے۔

④ ایک روایت میں ہے جو مریض ان کلمات کو چالیس دفعہ پڑھ کر ہر بار ساتھ دعا مانگے وہ اگر اس مرض میں مر جائے تو اسے ایک شہید کا ثواب ملے گا اگر تندرست ہو جائے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

⑤ جو شخص اس آیت کو ہرن کی کھال میں لکھ کر کمر سے باندھ کر سو جائے تو جب تک یہ نہ کھولیں گے وہ بیدار نہ ہوگا۔ یہ عمل اس آدمی کیلئے ہے جو بیماری' ڈر یا فکر کی وجہ سے سو نہ سکا ہو۔

خاصیت آیت ۳۰

اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ

① جب عورت وضع حمل کے وقت بہت تکلیف میں مبتلا ہو اور بچہ پیدا نہ ہو رہا ہو تو اس آیت کے ساتھ یہ لکھے۔

مَرْیَمُ وَلَدَتْ عِیْسیٰ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُسْرًا اَللّٰهُمَّ کَمَا شَقَقْتَ الْاَرْضَ بِالنَّبَاتِ وَالسَّمَآءَ بِالْمَطَرِ فَکَذٰلِکَ یَسِّرْ لِفُلَانَةِ بِنْتِ فُلَانَةِ الْوَضْعَ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖ ....شَقًّا

اور گھول کر اسے پلا دے۔ (خط کشیدہ جگہ پر عورت اور اس کی ماں کا نام لکھے)

② جو عورت دردزہ میں مبتلا ہو اس کے لئے مذکورہ بالا آیت یؤمنون تک پڑھ کر اس کے شکم پر اور پیٹھ کے نیچے طرف پھونک دے۔

خاصیت آیت ۸۷، ۸۸

وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ. اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

جو آدمی کسی دنیاوی کام سے غمناک ہو اور کامیاب نہ ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کرے ۷۰ بار استغفار پڑھے۔ درود شریف بھی پڑھے پھر وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور جہاں سے چاہے ان میں قرآن کریم پڑھے سلام پھیر کر پہلے کی طرح استغفار اور درود شریف پڑھے پھر سجدہ میں جا کر یہ پانچ آیتیں پڑھے اور غم کی دوری کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے سب غم اور آفتیں دور کر دے گا۔ وہ پانچ آیتیں یہ ہیں۔

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ٠ وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ. اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ. وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

② جو شخص غم یا تنگی میں مبتلا ہو یا کسی اور مصیبت میں تو ان کلمات کو کاغذ پر لکھ کر جاری پانی میں چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کا غم اور تنگی وغیرہ دور کر دے گا۔ کلمات یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنَ الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ الذَّلِيْلِ اِلَى الرَّبِّ الْجَلِيْلِ رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَكْشِفْ ضُرِّيْ وَ هَمِّيْ وَ فَرِّجْ عَنِّيْ غَمِّيْ يَارَبَّ الْعَالِمِيْنَ اَلَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا......... كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ .

اگر حاملہ عورت کو چالیس دن سے پہلے پہلے ان آیتوں کو لکھ کر گلے میں ڈال دے تو لڑکا پیدا ہوگا اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو یہ تعویذ بچہ کے گلے میں پہنا دیں تو بچہ ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۰۱ تا ۱۰۳

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا. وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

① اگر کسی کو بخار ہو یا کوئی اور بیماری تو کسی پاک برتن میں ان آیتوں کو روشنائی سے لکھ کر اس کنوئیں کے پانی سے جس پر دھوپ نہ پڑتی ہو دھولے اور مریض کو تین گھونٹ پلائے اور باقی اس کی پیٹھ پر چھڑک دے تین دن اسی طرح کرے مریض تندرست ہو جائے گا۔

② اگر کسی کی کمر میں یا پیٹھ میں یا گھٹنے میں درد ہو تو اس آیت کو پاک برتن میں لکھ کر روغن بابونہ سے مٹا کر درد کی جگہ پر وہ روغن لگائے درد جاتا رہے گا۔

سورة الحج

خاصیت آیت ۴۴ تا ۴۶

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا. فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

اگر کسی ظالم فرعون کو ہلاک کرنا مقصود ہو تو درخت مدار کے ۷ پتے چاند کے آخری ہفتہ میں لانا شروع کرے ہر روز سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ایک پتہ لائے پھر ان پتوں کو سایہ میں سکھائے ان کے سوکھنے سے پہلے ان کے اوپر اندر باہر دونوں طرف یہ آیتیں لکھے۔ جب وہ پتے سوکھ جائیں تو انہیں اچھی طرح کوٹے کوٹتے وقت اس ظالم اور اس کی ماں کا نام لے جب کوٹ لے تو اس سفوف کو اس گھر میں ڈال دے جس میں اس ظالم کی آمدورفت ہے۔ ظالم ذلیل و ہلاک ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۷۳، ۷۴

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

❶ یہ آیت بھی ظالم کو پریشان کرنے کے لئے مفید ہے۔ خرنوب کی لکڑی کے برتن میں اس پانی سے جس میں شکر حل کی گئی ہو۔ ہفتہ کے دن سورج نکلنے سے پہلے لکھے اور کسی بے کار و ویران کنوئیں کے پانی سے دھو کر اس ظالم کے بیٹھنے کی جگہ میں چھڑک دے ظالم ہلاک ہو جائے گا۔

❷ اگر کوئی شخص پوری سورۃ الحج ہرن کی باریک کھال میں لکھ کر اس پیالہ میں دھوئے جو کہ اس جہاز کی لکڑی سے بنایا گیا ہو جسے ہواؤں نے چاروں طرف سے گھیر کر غرق کر دیا ہو۔ پھر اس پانی کو ظالم بادشاہ کی جگہ میں چھڑک دے وہ ظالم جب تک اس جگہ میں رہے گا پریشان و بدحال رہے گا۔

سُورة المؤمنون

اس سورۃ کو اگر رات کے وقت سفید کپڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر شرابی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے شراب چھوڑ دے گا۔

خاصیت آیت ۱۲ تا ۱۴

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا. ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

① اگر کسی عورت کو حمل نہ ہوتا ہو تو یہ آیت ریحان کے سات پتوں پر لکھ کر عورت کو یکے بعد دیگرے ہر ایک پتہ نگلوا کر اوپر سے ہر ایک پتہ کے ساتھ زرد رنگ کی گائے کے دودھ کا ایک گھونٹ پلوائے۔ تین دن تک اسی طرح کرے، بہت جلد اس عورت کو امید ہو جائیگی۔

② اگر اس آیت کو روئی کے کپڑے پر توت کے شیرہ سے لکھ کر مرد اپنی پگڑی میں اور عورت اپنی اوڑھنی کے نیچے رکھے تو ہر ایک کے ہاں اسے قبولیت اور عزت ملے گی۔

خاصیت آیت ۲۸، ۲۹

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ

دریا میں کشتی کی روانگی کے وقت تین بار سورۂ فاتحہ اور تین باران آیتوں کو پڑھ کر یہ دعا تین بار پڑھے۔

یامن فلق البحر لموسیٰ بن عمران و نجی یونس من بطن الحوت و سخر الفلک والعالم بعدد قطر البحر ورماله و خالق اصنافه وعجائبه الکفایة یا کافی من استکفاه یا مجیب من دعا و یامقبل و من رجاه انت الکافی لاکافی الاانت

تین دن تک اسی طرح کرے تو کشتی یا جہاز ہر قسم کی دریائی آفت اور حادثہ سے محفوظ رہے گی۔

خاصیت آیت ۶۳ تا ۶۵

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ حَتّٰى اِذَا اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ

اگر یہ آیت اس کنوئیں کے پانی پر پڑھ کر دم کی جائے جس کنوئیں پر دھوپ نہ پڑتی ہو اور وہ پانی ہفتہ کے دن دشمن کے دروازے اور اس کے اس بستر پر جس پر وہ سوتا ہے چھڑک دے تو دشمن ذلیل وخوار ہوگا وہ راستہ بھول جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۱۵، ۱۱۶

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

اگر یہ آیت مصیبت زدہ کے کان میں پڑھی جائے تو اس کی مصیبت جاتی رہے گی۔

سورۃ نور

① اگر اس سورۃ کو لکھ کر آب زمزم کیساتھ دھو کر پی لی جائے تو جماع کی شہوت ختم ہو جائیگی۔

خاصیت آیت ۱۶ تا ۱۸

وَلَوْلَآ اِذْسَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہو غیبت کرتا ہے یا کسی کی ہجو کرنے والا شاعر ہے تو ان آیتوں کو سفید انگوروں کے شیرہ پر پڑھ کر اس میں کچھ شکر ملائے اور اس سے حلوہ یا کوئی اور میٹھی چیز بنا کر کھلا دے پھر ان آیتوں کو اس شہد سے جس کو آگ کی حرارت نہ پہنچی ٹھیکری پر لکھ کر اور پانی سے دھو کر وہ پانی اس آدمی کو پلا دے۔

خاصیت آیت ۳۳، ۳۴

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ م بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ

جو شخص زنا کا عادی ہو تو خالص صاف پانی پر ان آیتوں کو پڑھ کر اس پانی سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائے ۷ روز تک اسی طرح پکا کر کھائے تو وہ آدمی یہ عادت چھوڑ دے گا۔

خاصیت آیت ۳۵ تا ۳۸

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ. اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ. نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ. يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ. وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَفِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ. وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

❶ جو آدمی چاہے کہ اسے لوگوں میں عزت اور قبولیت ہو یا رزق وافر حاصل ہو یا عقل و سمجھ بڑھ جائے یا اچھا مذہب ہاتھ آئے تو وہ پاک صاف ہو کر جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھے اور جمعہ کے دن نماز عصر سے پہلے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سورۃ یٰسین پڑھے پھر ان آیتوں کو ہرن کی کھال پر کسی باعمل نیک آدمی کی دوات کی روشنائی سے لکھ کر لپیٹ دے اور نماز عصر پڑھ کر سورۃ کہف پڑھے اور پڑھتے وقت پہلے لکھے ہوئے کو کھول کر ہاتھ میں رکھے پھر لپیٹ لے اور ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھے تو اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

❷ اور اگر کسی کی آنکھیں دکھنے لگیں تو پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ دَخَلَ الرَّمَهُ بِسَلَامِهٖ وَيَخْرُجُ بِسَلَامِهٖ وَانْكَفَّتِ اللَّمْعَةُ وَانْجَلَتِ الْحُمْرَةُ وَارْتَحَلَتِ

النِّقْمَةُ وَنَزَلَتِ الرَّحْمَةُ بِاَلْفِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... نُوْر تک ہر صبح کے وقت ۳ بار پڑھ کردم کرے رمد جاتی رہے گی۔

③ جو شخص اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تکسیر بنا کر اپنے پاس رکھے اس کا سینہ کھل جائے گا اور رزق بے شمار ہو جائے گا۔

سورۂ فرقان

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص سورۂ فرقان پڑھتا ہے وہ بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوگا۔

② جو شخص اس سورۃ کو تین بار لکھ کر اپنے گلے میں ڈال لے پھر وہاں جائے جہاں سانپ یا اور کوئی موذی جانور ہوں تو وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ وہ موذی جانور وہ جگہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

خاصیت آیت ۴۸، ۴۹

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ. وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا

اگر کوئی یہ چاہے کہ درختوں کو بہت پھل آئے یا کنوئیں میں پانی بہت ہو جائے تو بہتی نہر کے نیچے سے ریت لے کر اس پر ان آیتوں کو پڑھے پھر اس کو جہاں چاہے درخت کی جڑ میں یا کنوئیں میں پھینک دے تو برکت و کثرت ہو جائے گی۔

سُورۃ شعراء

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی صبح شام اپنے گھر سے نکلتے ہوئے آیت الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے اور جب وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے رزق آسان عطا فرماتا ہے اور جب وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ پڑھے تو اگر اس کی موت نہیں آئی تو اللہ تعالیٰ اسے ہر مرض سے شفاء دیں گے اور اس کی اس مرض کو گذشتہ گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں اور جب وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کی موت دیتا ہے اور نیک بختوں کی سی زندگی عطا کرتا ہے اور جب وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بخشش فرما دیں گے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا کر دے گا گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جب رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اس کا ایمان لکھ دیتا ہے پھر وہ اس کا ایمان عرش کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ صادقین میں سے فلاں شخص روز جزا کی تصدیق کرتا ہے اس کے بعد وہ ہمیشہ سچ بولنے کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے اور جب وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت میں ایک خاص جگہ عنایت فرمائے

گا اور فرشتے اسے مل کر کہیں گے اے بندے تو جنت میں داخل ہو جا اپنے قول وعمل کے سبب جن کے عوض تجھے وہ ملے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

② جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر ایک سفید رنگ کے گنجے مرغے کے گلے میں جس کے سر کے اوپر سے تاج اتر گیا ہو ڈال کر چھوڑ دے تو وہ مرغا اسی جگہ پر جا کھڑا ہوگا جہاں جادو مدفون ہو۔

خاصیت آیت ۱ تا ۵

طٰسٓمٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ

اگر دشمن کو ذلیل ورسوا کرنا مقصود ہو تو یہ آیت ایسی زمین کی مٹھی بھر مٹی پر پڑھ کر دم کرے جس زمین پر دھوپ نہ پڑی ہو اور دشمن کے منہ کی طرف پھینک دے دشمن ذلیل ومقہور ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۷۸ تا ۸۹

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ

اگر کوئی آدمی وضو یا تیمم کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھے اور ۷ بار یا ۲۱ بار یا ۲۸ بار اس آیت کو پڑھے تو اس کی بھوک پیاس مٹ جائے گی۔ راستہ بھول گیا ہے تو راستہ مل جائے گا اگر وحشت طاری ہے تو وہ دور ہو جائے گی اور اس عمل سے وہ بھاگنے میں نہیں تھکے گا۔

خاصیت آیت ۱۹۲ تا ۱۹۷

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اگر کوئی خزینہ یا دفینہ معلوم کرنا ہو تو ایک سفید گنجا مرغا یا نیلگوں مرغا لے کر اور ان آیات کو کیلے کے پتے پر لکھ کر نابالغ کنواری لڑکی کے کپڑے کے ٹکڑے میں کپڑے کے تار سے باندھ کر اس مرغے کے بازو سے باندھ دے اور جہاں خزانہ کا شبہ ہو اتوار کے دن سورج ڈھلے اس مرغے کو چھوڑ دے جہاں خزانہ ہوگا مرغا وہیں جا کر کھڑا ہوگا اور اس جگہ کو اپنے پاؤں اور چونچ سے کریدنے لگے گا اگر جادو کے دفن کی جگہ معلوم کرنی ہو تو بھی یہی طریقہ ہے۔ اسی مقصد کے لئے آیت

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ بھی مفید ہے۔

سورۃ نمل

جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر فوراً رنگی ہوئی ثابت کھال میں جس سے کوئی ٹکڑا کاٹا نہ گیا ہو ڈال کر صندوق میں بند کر دے جس مکان میں وہ صندوق ہوگا اس کے قریب کوئی سانپ بچھو نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی اور موذی جانور درندہ وغیرہ آئے گا۔

خاصیت آیت ۱۰ تا ۱۴

یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ. اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًام بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ. اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ فَلَمَّا جَآءَ تْھُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَۃً قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا. فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ اور لَا تَخَفْ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی اور قَالَ لَا تَخَفْ. نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اور قَالَ لَاتَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی اور قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

جو شخص ان آیات کو انگوٹھی کے عقیقی نگینہ پر رجب کے مہینے کے پہلے جمعہ کے دن کندہ کرا کر پہنے تو لوگ اسے اپنا دوست بنائیں گے اس کی ناراضگی سے ڈریں گے اور مرد و عورت سب اس کی عزت کریں گے۔

خاصیت آیت ۷۴ تا ۸۱

وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ وَمَا مِنْ غَآئِبَۃٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ وَاِنَّہٗ لَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ بِحُکْمِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ. اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ. اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ

اگر کسی مرد یا عورت سے اس کا کوئی راز معلوم کرنا ہو اور وہ نہ بتاتا ہو تو اس آیت کو مرغی کی پوٹ میں بارش کے پانی اور گلاب و زعفران سے لکھے جب وہ آدمی سویا ہوا ہو تو اس کے سینہ پر رکھ دے تو اس شخص نے جو کام کیا ہوگا بتانے لگے گا مگر خود اسے اس کا کوئی علم نہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۹۳

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا. وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اگر کسی چیز کا کھرا یا کھوٹا ہونا معلوم نہ ہوتا ہو تو اس آیت کو اس چیز پر پڑھے اور اسے الٹا پلٹا کر غور سے دیکھے تو اس کی حقیقت واضح نظر آنے لگے گی۔

سُورہ قصص

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سورۂ قصص پڑھے فرشتے اس کے صدق کی گواہی دیتے ہیں۔

② جو شخص سفر پر نکلے اور اس کے پاس کڑوے بادام کی لاٹھی ہو اور وہ ان آیتوں کو پڑھے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ. وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ. وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ. قَالَ لَا تَخَفْ. نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ. فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ. وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ

اللہ تعالیٰ اسے ہر ظالم درندے اور چور ڈاکو اور زہریلے موذی جانور سے گھر واپس ہونے تک محفوظ رکھے گا۔ اور جب وہ اس سفر سے واپس گھر کی طرف لوٹتا ہے تو ستر فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ گھر پہنچ جاتا ہے اور شیطان اس کے بالکل قریب نہیں آتا۔ ③ اگر اس آیت کو لکھ کر اس آدمی کے گلے میں لٹکایا جائے جو پیٹ یا تلی یا جگر کی کسی بیماری میں مبتلا ہو یا پیٹ میں درد ہو تو اسے شفا ہو جائے گی۔ اور اگر اسے لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پلائے مریض کی ہر بیماری اور درد اور ورم اور پیاس جاتی رہے گی۔

خاصیت آیت ۲۳ تا ۲۵

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ. وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ. وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ. قَالَ لَا تَخَفْ. نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

علوم حاصل کرنے اور دل میں یقین بٹھانے اور حافظہ کو بڑھانے کے لئے مہینہ کی نوچندی جمعرات سے تین دن روزے رکھے اور ان آیتوں کو شیشہ کے پیالہ میں لکھ کر جاری نہر کے پانی سے دھو کر اس میں ہر رات سورج طلوع ہونے سے پہلے اور ایک نسخہ میں ہے کہ طلوع فجر سے پہلے پی لیا کرے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ. وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اگر جج، حاکم یا افسر کے پاس جانا ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ کوئی سخت حکم سنائے گا یا دشمن وہاں جھوٹی گواہی دے گا یا ناحق سزا کا خطرہ ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے ان آیات کو سات بار پڑھ لے اس کے بعد تین بار یہ پڑھے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ط مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا

تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ. وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ
اگر جج، حاکم یا افسر کے پاس جانا ہو اور اندیشہ ہو کہ یہ وہ کوئی سخت حکم سنائے گا یا دشمن وہاں جھوٹی گواہی دے گا یا ناحق سزا کا خطرہ ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے ان آیات کو سات بار پڑھ لے اس کے بعد تین بار یہ پڑھے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

سُورہ عنکبوت

خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰:۔ ❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس سورۃ کو پڑھتا ہے اسے دس نیکیاں یا مسلمانوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملتی ہیں۔ ❷ اگر اس سورۃ کو لکھ کر اور دھو کر بخار کے مریض کو پلایا جائے تو بخار اتر جائے گا۔ دل میں فرحت و راحت محسوس ہوگی۔ سستی و کاہلی جاتی رہے گی۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور سورہ روم کی آیت فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ

اگر کسی مریض کے مرض کی پہچان نہ ہو سکے تو ان آیات کو کوڑیا لوبان پر تین رات اور دن تک ہر روز رات کو ۶۳ یا ۷۳ بار پڑھے جب چوتھی رات آئے تو مریض کو سحری کے وقت آسمان کے نیچے لٹا کر اس لوبان کو ایک ہی انگوری لکڑی پر چار انگیٹھیوں کو رکھ کر ایک انگیٹھی اس کے سر کے پاس ایک اس کے پاؤں کے پاس ایک اس کے دائیں طرف اور ایک اس کے بائیں طرف سلگائے حتی کہ جب سحری کا وقت گزر جائے تو اسے اپنی جگہ پر لے آئیں۔ بیماری جو بھی ہے ختم ہو جائے گی اور اگر جادو ہو تو ان آیات کو کثرت سے، ہمیشہ پڑھا جائے تو جادو کا اثر ختم ہو جائیگا۔

"تفسیر میرٹھی" سے منتخب آیات کے فضائل و خواص

فضیلت سورہ طٰہٰ:۔ فضائل۔ سورہ طٰہٰ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام کی الواح توریت سے جوز برجد کی تھیں عنایت ہوئی ہے۔

سورہ طٰہٰ آیت 25 تا 28 کی خاصیت

خواص۔ رب اشرح لی سے قولی تک کشادگی سینہ اور تیزیٔ ذہن کے واسطے سات بار ہر روز پڑھے اور جس کی زبان میں لکنت ہو اس کو اس آیت مقدس کا ورد کثرت سے کرنا مفید ہے اور چاہئے کہ ایک چھوٹی کنکر اپنے منہ میں ڈالے رکھے۔

سورہ انبیاء آیت 87 کی خاصیت

خواص۔ لا الٰہ الخ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسم اعظم ہے جس کے وسیلے سے دعا مقبول ہوتی ہے اور بندہ

جو کچھ مانگتا ہے رب العزت سے فوراً ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس آیت کی فضیلتیں بیان فرمائیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اسم اعظم کیا خاص حضرت یونس علیہ السلام کے لئے ہے یا اور مسلمان کے لئے بھی ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یونسؑ کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے جو کوئی درماندہ اور مبتلا اس تسبیح کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس درد وآفت سے نجات دیتا ہے۔ مشائخ رحمۃ اللہ اس کے پڑھنے کو اندوہ وغم کے لئے تریاق مجرب فرماتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ایک مجلس یا تین مجلسوں میں چند آدمی متفق ہو کر اس آیت کو سوا لاکھ مرتبہ پڑھ لیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود وہ حاجتمند مصیبت زدہ بعد نماز عشاء تنہا اکیلے اندھیرے گھر میں باوضو روبقبلہ بیٹھ کر ایک پیالہ پانی کا اپنے پاس رکھ لے اور تھوڑی دیر کے بعد اس پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے بدن یا منہ پر پھیرتا رہے۔ اس طرح تین سو مرتبہ پڑھے اور تین روز یا سات روز یا چالیس روز برابر پڑھے اور اول وآخر درود شریف دونوں طریقوں میں گیارہ بار یا اکیس بار پڑھے اور درمیان میں گفتگو نہ کرے۔ اور شرائط وآداب دعا کو ملحوظ رکھے۔

سورہ مومنون خاصیت آخری چار آیات

خواص۔ افحسبتم الخ کسی مبتلا کے کان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ پڑھ کر دم کردیا فوراً ہی اس کو افاقہ ہوگیا سرور عالم نے دریافت فرمایا کہ اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کیا پڑھا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور افحسبتم سے لے کر آخر سورہ تک پڑھ کر دم کردیا تھا۔ سرور عالم نے فرمایا کہ اگر سچے دل سے اس آیت کو پہاڑ پر پڑھا جاوے تو وہ بھی یقیناً اپنی جگہ سے ٹل جاوے۔ ثابت ہوا کہ یہ آیت معظم ہر مرض، ہر مصیبت، رنج غم، تکلیف، صدمہ امید حاجت کے لئے تیر بہدف ہے۔ البتہ خلوص نیت اور یقین وصدق دل شرط ہے۔

فضیلت سورہ نمل:۔ فضائل۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں طٰسٓ ہے وہ مجھ کو الواح موسیٰؑ سے عطا ہوئی ہیں۔

سورہ نمل خاصیت آیت 62:۔ خواص۔ امن یجیب الخ ہر مشکل امر اور مصیبت نازلہ کے لئے اول وآخر درود شریف اکتالیس بار اور یہ آیت بارہ ہزار مرتبہ پڑھے نہایت مجرب ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ

اغلاط نامہ جلد چہارم

معذرت:۔۔۔طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود

بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
34	وما تتنزل	وما نتنزل
45	ولا تعجل	فلا تعجل
61	بنی اسرائیل	بنو اسرائیل
73	لَهُمْ هٰرُوْنَ	لَهُمْ هٰرُوْنُ
114	وارادو	وارادوا
148	السجل الكتب	السجل للكتب
225	كان فريقًا	كان فريقٌ
238	بالله ان	بالله انه
279	ويخلق الله	يخلق الله
299	نورًا كثيره	نورًا كثيرا
299	انتم اضللتهم	انتم اضللتم
304	وتنزل الملائكة	ونزل الملائكة
317	فيها فاكهة	فيهما فاكهة
405	شَآءَ اللهِ	شَآءَ اللهُ
425	قالتا لاتسقي	قالتا لانسقي
453	وما كانوا	وما كان
469	كُلًّا اَخذْنَا	وَكُلًّا اَخَذْنَا

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِیل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد پنجم سُورَۃ الرُّوم تا سُورَۃُ الجَاثِیہ

بشمول قرآنی فضائل وخواص

ازابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

خصوصیات

قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں

ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ

فقہی احکام اور مسائل کا التزام

مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر

تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح وتفسیر

قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا

صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر

تفسیر کے مطابق قرآنی متن وترجمہ اپنی جگہ پر

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

0322-6180738, 061-4519240

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِيل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد پنجم سُوْرَةُ الرُّوم تا سُوْرَةُ الْجَاثِيه

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابو محمد عبد اللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح وتفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل وخواص

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

تفسیرِ بغوی اُردو

تاریخ اشاعت..........رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ
ناشر..........ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..........سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور
دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ.....کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جو کہ تفسیر بغوی جو کہ معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اُردو زبان میں ترجمہ کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم و مستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دوچند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔ تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف و تبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ "البلاغ" میں قلمبند فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام و مرتبہ کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دیدیا گیا ہے جو گویا کتاب ہذا کے لیے بطور مقدمہ کے ہے۔

تفسیر ہذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہو کر شائع کی جارہی ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل و خواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدرالنظیم فی فضائل القرآن "والآیات والذکر الحکیم" اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل و خواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح و ترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔ "فجزاھم اللہ احسن الجزاء"

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

فہرست عنوانات

سُوْرَۃُ الرُّوْم

اس میں ۶۰ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③

ترجمہ: الٓمّٓ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جاویں گے۔

فارس اور رومیوں کے درمیان جنگ کا واقعہ

تفسیر: فارس اور روم میں جنگ تھی۔ مشرک دل سے چاہتے تھے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ فارس والے مجوسی تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی فتح یاب ہو جائیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا جس کی قیادت شہرزاد کے سپرد کی اور قیصر نے ایک لشکر یحنسیس کی زیر سرکردگی روانہ کیا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ اذرعات علاقہ شام و بصریٰ کے مقام پر ہوا۔ (یہ شامی علاقہ ارض عرب کے بہت قریب تھا اور عجم سے بھی قریب تھا) آخر میں فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کو مکہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا اور کفار مکہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور عیسائی بھی اہل کتاب ہیں اور ہم اُمی (یعنی بے کتاب) ہیں، ہمارے فارسی بھائی تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ جائیں گے۔ اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آ گئے۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابی بن خلف کے ساتھ شرط لگانا

نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکر کفار کے پاس گئے اور فرمایا: اب تو تم اپنے بھائیوں کے غالب آ جانے سے بہت خوش ہو لیکن واللہ! عنقریب رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی اطلاع دے دی

ہے۔ اُبی بن خلف بھی بولا: تم جھوٹے ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دشمن خدا تو بڑا جھوٹا ہے۔ اُبی نے کہا: ہمارے درمیان ایک معین مدت کی شرط کرلو، میں دس اونٹنیوں کی شرط باندھتا ہوں۔ اگر رومی فارس والوں پر غالب آ گئے تو میں تاوان (یعنی دس اونٹنیاں) تم کو دوں گا اور اگر فارس والے رومیوں پر غالب رہے تو تم کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ شرط طے ہوگئی اور تین سال کی میعاد مقرر کردی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوکر یہ واقعہ عرض کردیا۔ (یہ واقعہ قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تو یہ نہیں بیان کیا تھا: "بضع" تو تین سے نو تک ہوتا ہے۔ اب تم مال کی مقدار میں اضافہ کردو اور میعاد بڑھادو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدمت گرامی سے واپس آئے، اُبی سامنے دکھائی دیا۔ اُبی نے کہا: اب تو شاید تم کو پشیمانی ہوئی ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پشیمانی نہیں بلکہ میں تو مال کی مقدار بڑھانا اور میعاد مقررہ میں توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سو سو اونٹنیوں کی شرط ہوگئی اور نو سال کی مدت مقرر ہوئی۔ بعض روایات میں سات سال کی میعاد آئی ہے۔ اُبی نے کہا: میں نے مان لیا۔ کچھ مدت کے بعد اُبی بن خلف کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ ابوبکر مکہ سے چلے جائیں گے تو آ کر آپ سے چمٹ گیا اور بولا: مجھے اندیشہ ہے کہ تم مکہ سے چلے جاؤ گے اس لیے اپنا کوئی ضامن دو (کہ جب میں شرط جیت جاؤں تو اس سے مال شرط وصول کرلوں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنادیا۔ حضرت عبداللہ ضامن ہوگئے۔

اس کے بعد اُبی بن خلف (مسلمانوں کے مقابل) اُحد کی جنگ میں گیا اور مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے زخمی ہوکر مکہ میں آ کر مرگیا۔ اُدھر حدیبیہ کے دن رومی فارس پر غالب آ گئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے دن رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوا۔ یہ واقعہ یوم شرط سے ساتویں سال کے سرے پر پیش آیا۔ شعبی نے لکھا ہے کہ یہ مقررہ مدت گزرنے نہیں پائی تھی کہ رومی فارس والوں پر غالب آ گئے اور اپنے گھوڑے مدائن (ایرانیوں کی عراقی راجدھانی) میں لے جا کر باندھ دیئے۔ (حرمت قمار سے پہلے کا یہ قصہ ہے) حضرت ابوبکر بھی اُبی بن خلف سے جیت گئے اور اُبی بن خلف کے وارثوں سے آپ نے شرط کا مال وصول کرلیا اور خدمت گرامی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو خیرات کردو۔ ترمذی نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

رومیوں کا فارس والوں پر غالب آنے کا واقعہ

حسب بیان عکرمہ رومیوں کی فارس والوں پر غالب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ شہرزاد رومیوں پر غالب آیا اور ان کے شہروں کو روندتا اُجاڑتا ہوا خلیج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شہرزاد کا بھائی فرخان شہرزاد کے تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ (مستی کی حالت میں) اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسریٰ کے تخت پر بیٹھنے والا ہوں۔ یہ بات کسریٰ تک پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہرزاد کو لکھا کہ جس وقت میری یہ تحریر تم کو پہنچے، فوراً فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ شہرزاد نے

جواب میں لکھا: بادشاہ سلامت! فرخان کے بڑے کارنامے ہیں اور دشمنوں پر اس کی دھاک ہے، آپ کو ایسا شخص نہیں ملے گا۔ کسریٰ نے دوبارہ لکھا: فارس میں اور بہت سے لوگ ہیں جو اس سے بہتر ہیں، فوراً میرے پاس اس کا سر بھیج دو۔ شہزاد نے اس کا بھی ایسا ہی جواب لکھ دیا جس سے کسریٰ غضب ناک ہوگیا اور پھر کچھ نہیں لکھا بلکہ فوج کے پاس ڈاک سے یہ حکم بھیج دیا کہ میں نے شہزاد کو ہٹا کر اس کی جگہ تمہارا آفیسر فرخان کو بنا دیا، پھر ایک چھوٹا سا پرچہ ڈاک لے جانے والے کو الگ سے دے دیا جس میں شہزاد کو قتل کر دینے کا حکم لکھا ہوا تھا اور ڈاک والے سے کہا کہ جب فرخان حکومت کا چارج لے لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت کر لے تو اس وقت یہ پرچہ فرخان کو دے دینا۔ غرض شاہی حکم ملنے کے بعد شہزاد نے بسروچشم اس کو قبول کیا اور تخت سے اُتر آیا، اس کی جگہ فرخان بیٹھ گیا۔ اس وقت ڈاک والے نے یہ پرچہ فرخان کو دیا، فرخان نے فوراً شہزاد کو بلوانے کا حکم دیا اور گردن مار دینے کے لیے پیشی میں طلب کیا۔

شہزاد نے کہا: جلدی سے کام نہ لیجئے، مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں۔ فرخان نے کہا: اچھا۔ شہزاد نے بستہ منگوایا اور اس میں سے تین تحریریں نکال کر دکھائیں اور فرخان سے کہا: میں نے آپ کے سلسلے میں کسریٰ سے یہ ساری مراسلت کی تھی اور آپ صرف ایک تحریر ملنے پر مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ فرخان نے فوراً اقتدار حکومت شہزاد کو واپس کر دیا۔

اس کے بعد شہزاد نے قیصر روم کو لکھا: مجھے آپ سے کام ہے لیکن وہ نہ پیام رساں کی معرفت زبانی کہلوایا جا سکتا ہے نہ تحریراً اس کو پہنچایا جا سکتا ہے، ملاقات ہی ضروری ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر مجھ سے ملئے، میرے ساتھ بھی اس وقت صرف پچاس ایرانی ہوں گے۔ قیصر نے بات مان لی اور پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگیا لیکن اس کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ شاید شہزاد نے کوئی فریب کیا ہو، اس لیے اپنے آگے آگے اس نے کچھ جاسوس بھیج دیئے تاکہ صحیح اطلاع بہم پہنچائیں۔ جاسوسوں نے آکر کہا کہ شہزاد کے ساتھ بھی صرف پچاس آدمی ہیں۔ قیصر روم شہزاد کی جانب چل دیا۔ پھر دونوں کے لیے ایک ریشمی خیمہ لگوایا گیا اور دونوں کی ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہر ایک کے پاس خنجر تھا اور دونوں کے درمیان ترجمان تھا۔ شہزاد نے کہا: آپ کے شہر جن لوگوں نے ویران کیے وہ میں اور میرا بھائی ہیں۔ ہم نے ہی اپنی تدبیر اور بہادری سے آپ کا ملک اُجاڑا، اس سے کسریٰ کو ہم پر حسد ہوگیا اور اس نے میرے بھائی کو میرے ہاتھ سے قتل کرا دینا چاہا، میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ نے میرے بھائی کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔ ہم دونوں ساتھ پیدا ہوئے ہیں (اس لیے ایک کے قتل ہو جانے سے دوسرا مر ہی جائے گا) اب ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ قیصر نے کہا: تم نے ٹھیک کہا۔ پھر ایک نے دوسرے سے (اشارۃً) کہا کہ راز دو آدمیوں کے درمیان رہتا ہے، جب دو سے آگے بڑھتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے خنجروں سے ترجمانوں کو قتل کر دیا، اس وقت سے رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوگیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر رومیوں نے ایرانیوں کو قتل کر دیا۔ کسریٰ بھی مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اطلاع صلح حدیبیہ کے روز پہنچی جس کو سن کر مسلمان اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اسی قصہ کی طرف ”غلبت الروم فی ادنی الارض الایۃ“ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"الم غلبت الروم فی ادنی الارض" یعنی ارض شام جوارض فارس کے قریب ہے۔ عکرمہ نے کہا "ادنی الارض" سے اذرعات اور کسکر مراد ہے۔ (یہ دونوں علاقے شام کے تھے) مجاہد کا قول ہے کہ ارض جزیرہ مراد ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ یہ اُردن اور فلسطین کا علاقہ مراد ہے۔ "وھم من بعد غلبھم" روم فارس کے غلبہ پانے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے۔ "والغلب والغلبة" دونوں لغات ہیں۔ "سیغلبون" فارس مراد ہیں۔

فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ. لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ، بَعْدُ. وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ. یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ. وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑤ وَعْدَاللّٰهِ. لَایُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑥ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

ترجمہ پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے رحیم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا و لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

تفسیر ④......"فی بضع سنین" بضع کا اطلاق تین سے سات تک ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ تین سے لے کر دس تک ہوتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو ابوسعید خدری، حسن بصری، عیسیٰ بن عمرو نے "غلبت" غین کے فتحہ کے ساتھ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "سیغلبون" یاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم اور فارس کے غلبہ کی خبر دی۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ روم فارس پر غالب آ گئے قریب ترین زمین میں اور ان کے غلبہ کے بعد عنقریب ہم مسلمانوں کو چند سالوں میں ان پر غالب کر دیں گے۔ اس مدت کے پورا ہونے پر مسلمانوں نے رومیوں کے ساتھ جہاد کیا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ "للّٰہ الامر من قبل ومن بعد" رومیوں کے غالب آنے سے پہلے اور ان کے غالب آنے کے بعد بہر حال اللہ ہی کا حکم چلتا ہے، کوئی بات اس کے فیصلے اور اندازے کے بغیر نہیں ہوتی۔ "ویومئذ یفرح المؤمنون"

⑤ "بنصر اللّٰہ" روم کو فارس پر غلبہ دے دیا۔ سدی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ بدر کی لڑائی میں مسلمان مشرکوں پر غالب آئے اور اہل کتاب کو ان لوگوں پر غلبہ حاصل ہوا جو کتابی نہیں ہیں۔ "ینصر من یشاء وھو العزیز" اور وہ غالب ہے۔ "الرحیم" اور مؤمنوں پر رحم کرنے والا ہے۔

⑥ "وعد اللّٰہ" مصدر کی بناء پر منصوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ کیا کہ مغلوب ہونے کے بعد رومی غالب آ جائیں گے۔ "لایخلف اللّٰہ وعدہ ولکن اکثر الناس لایعلمون"

⑦ "یعلمون ظاهرًا من الحیوۃ الدنیا" وہ اُمور معاشی سے واقف ہیں کہ کیسے کمائی کریں، کیسے تجارت کریں، کیسے کھیتی باڑی

کریں اور کیسے اس کو کاٹیں اور کیسے عمارتیں تعمیر کریں اور کیسے زندگی بسر کریں؟ حسن کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے ناخن کے کنارے سے درہم کو کھرچتا ہے پھر اس کا وزن بیان کرتا ہے اور وہ اس میں غلطی نہیں کھاتا حالانکہ یہ احسن نہیں سمجھتے کہ نماز پڑھیں۔

"وھم عن الاخرۃ ھم غافلون" وہ اس سے بھولے ہوئے ہیں وہ اس پر غور و فکر نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝8 اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝9 ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝10 اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝11 وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝12 وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝13 وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝14

ترجمہ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے پھر ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کام کیا تھا برا ہی ہوا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا پھر اس کے پاس لائے جاؤ گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے اور ان شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جاویں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا ہو جاویں گے۔

تفسیر 8 "اولم یتفکروا فی انفسھم ما خلق اللّٰہ السموات والارض وما بینھما الا بالحق" یعنی برحق، بعض نے کہا حق کے قیام کے لیے۔ "واجل مسمّٰی" معلوم وقت میں ان کی بقاء ہے پھر جب

قیامت برپا ہوجائے گی۔"وانّ کثیرًا من الناس بلقاء ربھم لکافرون"

⑨"اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم" کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھ سکتے کہ ان سے پہلے والی قوموں کا انجام کیا ہوا اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔"کانوا اشد منھم قوۃ وآثاروا الارض" وہ لوگ قوت کے اعتبار سے بہت زیادہ مضبوط تھے۔انہوں نے زمین کو اُلٹ کر کے رکھ دیا اور ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا۔زمین کو اُلٹنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی نکالنے،معاون برآمد کرنے اور کھیتی باڑی کرنے کے لیے انہوں نے زمین کو کھودا تھا۔"وعمروھا اکثر مما عمروھا" اور تعمیرات کے حوالے سے اہل مکہ نے کثرت سے تعمیریں کی ہیں۔بعض نے کہا کہ اہل مکہ کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ کھیتی باڑی نہیں کرتے تھے۔"وجاء تھم رسلھم بالبینات" انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو جھوٹا قرار دیا۔آخر اللہ نے ان سب کو ہلاک کردیا۔"فما کان اللّٰہ لیظلمھم" ان کے حقوق کے توڑنے کے باعث "ولکن کانوا أنفسھم یظلمون" لیکن انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔اپنے حقوق کو ضائع کرنے کے ساتھ۔

⑩"ثم کان عاقبۃ الذین أساء وا" انہوں نے برے عمل کیے۔"السوای" اس سے مراد آگ ہے۔بعض نے کہا کہ سوء جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے جنت کے ناموں میں سے حسنٰی ایک نام ہے۔"أن کذبوا" اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا۔بعض نے کہا کہ سوء کی تفسیر اگلے جملہ میں آرہی ہے۔"أن کذبوا" سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان بدکاروں کا انجام برا ہوا۔انہوں نے اللہ کے احکام کی تکذیب کی یعنی بدکاریوں نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اللہ کے احکام کے منکر ہوگئے۔

"بایات اللّٰہ وکانوا بھا یستھزؤن" اہل حجاز اور بصرہ نے یہی پڑھا ہے۔"عاقبۃ" رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورت میں یہ کان کی خبر ہوگی۔تقدیری عبارت یوں ہوگی "ثم کان السوء عاقبۃ الذین أساء وا"

⑪"اللّٰہ یبدأ الخلق ثم یعیدہ" ان کو ابتداءً پیدا کیا۔پھر بعد الموت ان کو دوبارہ زندہ کردیا جائے گا صرف "یعیدھم" نہیں فرمایا۔اس صورت میں یہ مخلوق کی طرف لوٹے گی۔"ثم الیہ ترجعون" پھر ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ابوعمرو،ابوبکر نے "یرجعون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ۔

⑫"ویوم تقوم الساعۃ یبلس المجرمون" قتادہ اور کلبی کا بیان ہے کہ وہ ہر بھلائی سے نااُمید ہوں گے۔فراء کا قول ہے کہ ان کا کلام اور عذر منقطع ہوجائے گا۔مجاہد کا قول ہے کہ وہ رسوا ہوں گے۔

⑬"ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کافرین" وہ منکر ہوجائیں گے اور اپنے اعمال سے برأت اختیار کرلیں گے۔

⑭"ویوم تقوم الساعۃ یومئذٍ یتفرقون" یعنی اہل جنت کو اہل نار سے ممتاز کردیں گے۔مقاتل کا بیان ہے وہ حساب وکتاب کے بعد جنت وجہنم کی طرف جدا کیے جائیں گے۔پھر وہ کبھی بھی آپس میں جمع نہیں ہوں گے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ
تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑱

ترجمہ: یعنی جولوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان وزمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

تفسیر: ⑮ **"فاما الذین آمنوا و عملوا الصالحات فھم فی روضة"** یعنی جنت کے چمن میں جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور پھول کھلے ہوں گے۔ **"یحبرون"** کا ترجمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کیا ہے کہ ان کی عزت کی جائے گی۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ وہ عیش میں ہوں گے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ وہ خوش ہوں گے، حبرہ کا معنی ہے خوشی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حبرہ ہر اچھی نعمت کو کہتے ہیں اور تحبیر کا معنی یہ ہے کہ خوبصورت بنا دینا۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے یحییٰ بن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ **یحبرون** جنت کے آسمان کا نام ہے۔ اوزاعی کا بیان ہے کہ اسرافیل نہایت خوش آواز تھے۔ جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کی نماز اور تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے تو جنت کا کوئی درخت بغیر سرسبز ہوئے نہیں رہتا۔

⑯ **"واما الذین کفروا و کذبوا بایاتنا ولقاء الاخرة"** آخرت سے مراد قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا۔ **"فاولئک فی العذاب محضرون"**

⑰ **"فسبحان اللّٰہ"** اللہ کی پاکی بیان کرو معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ کے لیے نماز ادا کرو۔ **"حین تمسون"** جب تم شام کے وقت میں داخل ہو اور اس سے مراد نماز مغرب اور نماز عشاء ہے۔ **"وحین تصبحون"** یعنی تم داخل ہو جاؤ صبح کے وقت اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔

⑱ **"ولہ الحمد فی السموات والارض"** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ تمام باشندگان ارض وسماء اللہ کی حمد کرتے اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ **"وعشیا"** اور پچھلے پہر، آخر نہار اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ **"وحین تظھرون"** اور جب وہ دوپہر کے وقت میں داخل ہوتے ہوں یعنی سورج کی گرمی کا غلبہ ہوتا ہے، یہ ظہر کا وقت ہے۔ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا، کیا پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ دیں اور فرمایا یہ آیت پانچوں نمازیں اور ان کے اوقات کو حاوی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس

نے سبحان اللہ وبحمدہ دن کے اوّل حصے میں اور آخر حصے میں سو بار پڑھا اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے صبح اور شام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو قیامت کے دن ان سے بڑھ کر کوئی عمل اور کوئی نہ لائے گا سوائے اس شخص کے جس شخص نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زائد پڑھا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہوں گے، رحمٰن کو پیارے ہیں۔ **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ جویریہ بنت الحارث بن ابی الضرار سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت جویریہ بنت الحارث جن کا نام برۃ تھا مسجد میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک صبح کو اُٹھ کر مسجد سے باہر چلے گئے۔ پھر دن چڑھے واپس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جب سے میں یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک تم یہیں بیٹھی وظیفہ پڑھ رہی ہو۔ حضرت جویریہ نے کہا جی ہاں! فرمایا میں نے تو تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین بار پڑھے تھے، اگر تمہارے (وظیفہ) کے الفاظ سے ان کا موازنہ کیا جائے تو وہ بھاری پڑیں گے، چار کلمے یہ ہیں "**سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضاء نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته**"

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑲ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ㉒

ترجمہ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو اس کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے روزوں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی ان میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو فکر سے کام لیتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تفسیر ⑲"یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتها وکذلک تخرجون" حمزہ اور کسائی نے تخرجون پڑھا ہے تاء کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے تاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑳"ومن آیاته أن خلقکم من تراب" یعنی تمہاری اصل (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا۔"ثم اذا انتم بشر تنتشرون" پھر ان سب مخلوق کو زمین پر پھیلا دیا۔

㉑"ومن آیاته أن خلق لکم من انفسکم أزواجًا" بعض نے کہا کہ تمہاری جنس سے یعنی بنی آدم سے۔ بعض نے کہا کہ حضرت حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔"لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة" پھر ان جوڑے جوڑے کے اندر آپس میں محبت پیدا کردی تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت اور شفقت سے پیش آئیں۔ کوئی بھی چیز دوسری سے زیادہ محبوب اور انس اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں محبت (رحم) پیدا نہ ہوجائے۔"انّ فی ذلک لایات لقوم یتفکرون" اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت پر۔

㉒"ومن آیاته خلق السموات والارض واختلاف ألسنتکم" اس سے مراد بولیاں، زبان، عربی وعجمی اور دوسری لغات میں اختلاف مراد ہے۔"والوانکم" اور تمہارے رنگوں میں اختلاف ہے۔ کوئی سفید ہے تو کوئی کالا اور کوئی سرخ۔"انّ فی ذلک لایات للعالمین" حفص نے "للعالمین" لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهٖ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ㉓ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ㉔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ. ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ㉕ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ㉖ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ. وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ㉗

ترجمہ اور اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردیتا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ

آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلاوے گا تو یکبارگی نکل پڑو گے اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمان اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے اور زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر 23 "**ومن آیاته منامکم باللیل والنهار وابتغاء کم من فضله**" یعنی تم رات کو سوتے ہو اور دن کو ذریعہ معاش تلاش کرتے ہو، یعنی وہ تمہیں پھیر دیتا ہے۔ معیشت کے طلب کرنے میں۔ "**انّ فی ذلک لایات لقوم یسمعون**" غور و فکر اور اعتبار والا سماع۔

24 "**ومن آیاته یریکم البرق خوفًا**" بجلی گرنے کا ڈر ہوتا ہے جب کہ سفر کی حالت میں ہو۔ "**وطمعًا**" اور بارش کی اُمید ہوتی ہے جب کہ اپنے اپنے گھروں میں ہو۔ "**وینزّل من السماء ماءً فیحیی به**" آسمان سے بارش برستی ہے۔ "**الارض بعد موتها**" اس زمین کے خشک ہونے کے بعد بارش کا پانی اس میں جذب ہو جاتا ہے۔ "**انّ فی ذلک لایات لقوم یعقلون**"

25 "**ومن آیاته أن تقوم السماء والارض بامره**" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ اللہ کے حکم سے چکر لگاتا ہے۔ "**ثم اذا دعاکم دعوة من الارض**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے قبروں سے۔ "**اذا انتم تخرجون**" پھر تمہیں پکارا جائے گا جب تم اپنی اپنی قبروں سے برآمد ہو جاؤ گے۔

26 "**وله من فی السموات والارض کل له قانتون**" اس سے مراد فرمانبردار مطیع ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ آیت میں صرف وہ (اہل عقل) مراد ہیں جو اللہ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر ایک پیدا ہونے، جینے مرنے اور قیامت کے دن اُٹھنے میں حکم کا بندہ ہے خواہ حکم عبادت سے سرکشی کرتا ہو۔

27 "**وهو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیده**" پہلے ان کو پیدا کیا، پھر ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ "**وهو اهون علیه**" ربیع بن خثیم، حسن، قتادہ اور کلبی نے کہا کہ اھون سے اس جگہ معین مراد ہے کیونکہ اللہ کے لیے کوئی امر دُشوار ہی نہیں ہے۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول آیا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ اس جگہ اھون کا استعمال بطور ضرب المثل بیان کیا ہے یعنی دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔ یہ بات تمہاری عقل کے بھی مطابق ہے۔

بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے نزدیک اعادہ ابتداء سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مخلوق کے لیے دوبارہ پیدا ہو جانا پہلی مرتبہ پیدا ہو جانے سے سہل ہو گا کیونکہ وہ صرف ایک آواز سے اُٹھ کر نکل آئیں گے۔ پہلی پیدائش دُشوار تھی، نطفہ بنا، پھر جما ہوا خون ہوا، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر مرد یا عورت بنی، پھر پیدا ہوا۔ "**وله المثل الاعلیٰ**" اور اس کی اعلیٰ شان ہے۔ "**فی السموات والارض**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ "**مثل الاعلیٰ لا اله الا الله**" کی شہادت ہے۔ "**وهو العزیز**" ملکیت اور خلاقیت میں "**الحکیم**" وہ حکمت والا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَارَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ㉘ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉙ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا. فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا. لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ. ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ㉚

ترجمہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں کیا تمہارے غلاموں میں کوئی تمہارا اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کرتے ہو ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے سو جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لاوے گا اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام رومیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر ㉘ "**ضرب لکم مثلاً من انفسکم**" یہ تمہارے ہی حالات بیان کرتا ہے اور یہ حالات تمہارے ہی حالات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ پھر آگے یہ مثال قائم کی ہے۔ "**هل لکم من ما ملکت ایمانکم**" تمہارے غلام ہوں یا باندیاں۔ "**من شرکاء فیما رزقناکم**" یعنی تمہارے دیئے ہوئے مال میں "**فانتم**" اور وہ "**فیه سواء**" کہ تم سب ملکیت اور تصرف میں برابر ہو، وہ بھی تمہاری طرح تصرف کرتے ہوں۔

"**تخافونهم کخیفتکم أنفسکم**" جیسے تم کو اپنے لوگوں کا اندیشہ رہتا ہے اور وہ تمہاری طرح آزاد ہیں استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا، اس کو تم عار سمجھتے ہو۔ باوجود یہ کہ تم سب آدمی ہو۔ پھر بھی غلاموں کے ساتھ مالی شرکت اور مساویانہ تصرف گوارہ نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ تم ان کے اس طرح وارث بن جاؤ گے جیسے وہ ایک دوسرے کے وارث بنے رہے۔ جب تم ان کے مالک بننے سے ڈرتے ہو اور تم اپنے لیے راضی نہیں ہوتے ہو تو پھر تم کیسے راضی ہو گے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، ان کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ "**انفسکم**" یعنی تمہارے مثل آزاد لوگوں میں سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خیرًا**" ...... "**کذلک نفصل الایات لقوم یعقلون**" وہ ان دلائل کو اپنے عقول کے ساتھ کیوں نہیں دیکھتے۔

㉙ "**بل اتبع الذین ظلموا**" انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک کیا۔ "**اهواء هم**" شرک کرنے پر۔ "**بغیر علم**" جہالت

کی وجہ سے ان کاموں کو جو ان پر واجب تھے۔"فمن یھدی من اضل اللّٰہ"یعنی اللہ اس کو گمراہ کرے گا۔"ومالھم من نصرین"اور کوئی ان سے عذاب کو روکنے والا نہیں ہے۔

㉚"فاقم وجھک للدین" جب وہ اپنا سیدھا رُخ اللہ کے دین کی طرف کرلیں۔سعید بن جبیر کا قول ہے یعنی اپنے چہرے کو خالص اللہ کے دین کی طرف پھیر لینا۔وجہ کہتے ہیں جس کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے دین کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے۔"حنیفًا" وہ سیدھا اسی کی طرف مائل ہو۔"فطرۃ اللّٰہ"اس سے مراد اللہ کا دین ہے۔منصوب ہے اغراء کی وجہ سے یعنی لازم پکڑ اللہ کی فطرت کو۔"التی فطر الناس علیھا"جس فطرت پر انہوں نے لوگوں کو پیدا کیا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین کی ایک جماعت نے اس کا مطلب"فطرۃ الدین"یعنی اسلام لیا ہے اور بعض لوگ اس کی طرف گئے ہیں کہ اس سے خاص مؤمنین مراد ہیں جو فطرت اسلام پر ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں جیسے چوپائے سے چوپایہ سالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم کو پیدائشی نکٹا یو جاپاتے ہو۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت"فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللّٰہ"تلاوت فرمائی۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کی تفسیر

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔اس سے مراد بعض نے وہ عہد لیا ہے جو عہد الست میں لیا گیا تھا۔"الست بربکم قالوا بلٰی" جو بچہ بھی اس عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اس اقرار پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اقرار دین حنیف پر متدل ہے۔اگر چہ وہ کسی اور کی عبادت کرے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے"ولئن سالتھم من خلقھم لیقولنّ اللّٰہ"پھر وہ یہ کہتے ہیں"ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفی"

لیکن احکام دُنیاوی میں فطری ایمان کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ایمان شرعی کا ہے جو کسب اور ارادہ سے وجود میں آتا ہے۔اس حدیث میں کہا گیا کہ اس بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنالیتے ہیں۔دیکھئے یہاں پر ایمان فطری موجود ہے محکوم لہ میں۔کافرین کے ماں باپ کے حکم میں۔اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا لیکن شیطان نے اس کو دین سے ہٹالیا۔عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو اس کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جس جبلت پر پیدا کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت۔

لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا آخرت میں محاسبہ ہوگا کہ یہ دُنیا میں جس فطرت پر رہا۔اگر اس نے دُنیا میں اس پر اس کے والدین نے بدبختی ڈال کہ اس بچہ کو یہودی یا نصرانی بنادیا گیا تو اس کی بدبختی کا بوجھ اس کے والدین اُٹھائیں گے۔بعض نے کہا

کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر مولود خلقتاً فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے یعنی سالم سرشت اور اس کی طبیعت قبول حق کے لیے تیار ہوتی ہے لیکن اس پر بیرونی اثر نہ ڈالا جائے تو وہ اپنی سلامتی پر قائم رہتی ہے کیونکہ سادہ عقل اور سالم فہم کے اندر دین اسلام مرکوز ہے۔ اب کسی بیرونی وجہ سے مثلاً والدین کی پیروی یا کسی دوسرے سبب سے تبدیلی آتی ہے تو اس کی سلامتی زائل ہو جاتی ہے۔ **"لاتبدیل لخلق اللّٰہ"** جن حضرات نے ان کو فطرت دین پر محمول کیا ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے دین کو تبدیل نہ کرو۔ یہ خبر بمعنی نہی کے ہے۔ یعنی اللہ کے دین کو تبدیل نہ کرو۔ مجاہد اور ابراہیم کا قول ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ اللہ کی فطرت کو لازم پکڑو۔ یعنی اللہ کے دین کو اور اس کی پیروی کرو اور توحید کو شرک کے ساتھ نہ بدلو۔ **"ذلک الدین القیم"** اس سے مراد سیدھا راستہ ہے۔ **"ولکن اکثر الناس لایعلمون"** بعض نے کہا کہ **لاتبدیل لخلق اللّٰہ** کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جبلت میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ اس کو بدل نہیں سکتا۔ اگر وہ بد بخت ہے تو وہ سعید نہیں ہو سکتا اور اگر وہ سعید ہے تو شقی نہیں ہو سکتا۔ عکرمہ اور مجاہد نے پوری آیت کا مطلب یہ لکھا ہے کہ تخلیق خداوندی کو مت بدلو، یعنی جانوروں کو خصی نہ کرو۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ㉛ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ㉜ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ㉝

ترجمہ تم خدا کی طرف رجوع ہو کر فطرت الٰہی کا اتباع کرو اور اسی سے ڈرو اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو ان کے پاس ہے اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو بس ان میں سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

تفسیر ㉛ **"منیبین"** کہ آپ اپنا چہرہ اس دین حنیف کی طرف متوجہ کریں اور آپ کی اُمت بھی اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے یا سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہوئے۔ یہ خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن آپ کے ساتھ اس میں اُمت بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **"یا یھا النّبی اذا طلقتم النساء"**...... **" الیہ"** یعنی لوٹنے والے توبہ کی طرف اور طاعت کو قبول کرنے والے۔ **"واتقوہ وأقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین"**

㉜ **"من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا"** وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے یعنی کوئی یہودی بن گئے اور کوئی نصرانی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اس اُمت کے بدعتی لوگ ہیں۔ **"کل حزب بما لدیھم فرحون"** جو ان کے پاس موجود ہے وہ اس پر راضی ہیں۔

33 "واذا مس النّاس ضُرٌّ" تنگی اور قحط مراد ہے۔"دعوا ربهم منيبين اليه" ان کی طرف سے ان کی دُعاؤں کو قبول کردیا جائے گا۔"ثم اذا اذاقهم منه رحمة" رحمت سے مراد نعمت ہے۔"اذا فريق منهم بربهم يشركون"

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا. فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ 34 اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ 35 وَاِذَآ اَذَقْنَاالنَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ م بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ 36 اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ 37 فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ. ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ 38 وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَاللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ 39 اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ. سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 40

ترجمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں سو چند روزہ اور حظ حاصل کرلو پھر جلدی تم معلوم کرلو گے کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے کہ وہ ان کو شرک کرنے کو کہہ رہی ہے اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو بس وہ لوگ ناامید ہوجاتے ہیں کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم کردیتا ہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں پھر قرابتدار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہوجاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرسکے وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

تفسیر 34 "ليكفروا بما اتيناهم" پھر یہاں سے ان لوگوں کی طرف خطاب فرمایا جنہوں نے یہ فعل کیا۔ یہ خطاب بطور تہدید کے بھی ہے۔"فتمتعوا فسوف تعلمون" آخرت میں ان کا حال جانتے ہیں۔

35 "ام انزلنا عليهم سلطانًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "سلطانًا" کا ترجمہ کیا ہے دلیل اور عذر۔ قتادہ کا

قول ہے کہ اس سے مراد کتاب ہے۔ "فھو یتکلم" وہ زبان سے کہہ رہے ہوں یا دلالت حال سے۔ "بما کانوا بہ یشرکون" یعنی شرکت اور صحت شرک کی شہادت دے رہی ہے۔

㊱ "واذا اذقنا الناس رحمۃ" جب ان پر تیز ہوا اور تیز بارش پہنچتی ہے۔ "فرحوا بھا" وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ "وان تصبھم سیئۃ" ان پر تنگی آ جائے، خشکی، قحط اور خوف وغیرہ۔ "بما قدمت ایدیھم" برائیوں میں سے۔ "اذاھم یقنطون" وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ مؤمنین کے اوصاف کے برخلاف ہے کیونکہ مؤمن کی خصلت تو یہ ہے کہ نعمت کے وقت اللہ کا شکر ادا کرے اور شدۃ اور سختی کے وقت اللہ سے اُمید رکھے۔

㊲ "اولم یروا انّ اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انّ فی ذالک لایات لقوم یؤمنون"......

㊳ "فات ذا القربٰی حقہ" نیکی اور صلہ رحمی۔ "والمسکین" اس کا حق یہ ہے کہ اس پر صدقہ کرے۔ "وابن السبیل" اس سے مراد مسافر ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد بوڑھا ہے۔ "ذلک خیر للذین یریدون وجہ اللّٰہ" وہ اللہ کے ثواب کے طلبگار ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔ "واولئک ھم المفلحون"

㊴ "وما اتیتم من ربًا" ابن کثیر نے "اتیتم" مقصور پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم عطا کرو اور جو اس کو قصر کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں جو تم لاؤ گے زیادتی اور یہ لانا بطور عطا کے ہوگا۔ "لیربوا فی اموال النّاس" اہل مدینہ اور یعقوب نے "لتربوا" تاء کے ساتھ پڑھا ہے ضمہ کے ساتھ اور واؤ کے سکون کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ خطاب ہوگا تا کہ تم اس میں زیادتی کرو اور یہ لوگوں کے مال کی زیادتی کا سبب بنے۔

دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ اور فتحہ سے پڑھا ہے اور واؤ منصوب ہے۔ "فلا یربوا عند اللّٰہ" لوگوں کے اموال میں اللہ کے نزدیک اس طرح برکت نہیں ہوتی، اللہ کے نزدیک وہ بڑھتا نہیں۔ اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔

سعید بن جبیر، مجاہد، طاؤس، قتادہ اور اکثر اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص کسی کو کچھ عطیہ اس لالچ میں دیتا ہے کہ وہ لوٹا کر اس سے زیادہ دے دے تو گو یہ فعل شرعاً جائز ہے لیکن ایسا دینے والے کو قیامت کے دن کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "لا یربوا عند اللّٰہ" کا یہی معنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ عمل بھی جائز نہیں تھا کیونکہ خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا۔ "ولا تمنن تستکثر" کہ آپ کس کو عطا کر کے اس سے زیادہ کے طلبگار نہ ہوں۔

امام نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے دوست اور قریبی ساتھی کو کوئی چیز عطا کر دے تا کہ وہ اس کے مال سے زیادہ وصول کرے اور اس سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی۔ شعبی نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوسرے آدمی کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ اس کی خدمت کرتا ہے اور سفر میں بھی اس کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ آدمی اپنی تجارت کے نفع میں اس کا کوئی حصہ مقرر کر دیتا ہے تا کہ وہ کام میں مالک کا ہاتھ بٹاتا رہے، ایسے دینے کا آخرت میں کوئی حاصل نہیں کیونکہ اس میں رب کی رضا مطلوب نہیں ہے۔ "وما اتیتم من زکٰوۃ" یعنی زکوٰۃ دو گے یا خیرات اللہ کی رضا کے لیے۔ "تریدون وجہ اللّٰہ فاولئک

هم المضعفون" اس کوثواب ڈبل دیا جائے گا، اس کو دس گنا نیکیاں عطا کی جائیں گی۔ مضعف چند گنا ثواب والے۔

40 "الله الذی خلقكم ثم رزقكم ثم يميتكم ثم يحييكم هل من شركائكم من يفعل من ذلكم من شيءٍ سبحانه و تعالٰى عما يشركون"

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ 41 قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ 42

ترجمہ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعضے اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ باز آ جاویں آپ فرما دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا اخیر کیسا ہوا ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔

بر و بحر میں فساد کی تفسیر

تفسیر 41 "ظهر الفساد فی البر والبحر" بارش کا قحط سبزہ وغیرہ کا نہ اُگنا، بر سے مراد صحرا، بیابان اور بحر سے مراد ہیں وہ شہر اور بستیاں جو نہروں اور دریاؤں کے کنارے پر آباد ہیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ عرب لوگ شہر کو بحر کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "اجدب البر" قحط پڑ گیا اور سمندر کا پانی بھی منقطع ہو گیا۔

"بما كسبت أيدى الناس" ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے۔ عطیہ نے کہا کہ روئے زمین پر جو شہر وغیرہ ہیں وہ بَر ہیں اور بحر تو معروف ہی ہے۔ یعنی بارش کی کمی کا اثر جس طرح خشکی پر پڑتا ہے اسی طرح سمندر پر بھی پڑتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو سمندر کی تہہ سے سیپ اوپر سطح پر آ جاتی ہے اور منہ کھول دیتی ہے اس کے منہ میں بارش کا جو قطرہ پڑ جاتا ہے وہ موتی ہو جاتا ہے۔ اگر بارش نہیں ہوتی تو سیپ اوپر نہیں آتی اور موتی نہیں بنتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ بَر میں فساد سے مراد ہے آدم کے بیٹے (قابیل) کا اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کر دینا اور بحر میں فساد سے مراد ہے ظالم بادشاہ کا کشتیوں کو چھین لینا۔ جیسا کہ فرمایا "یاخذ کل سفينة غصبًا" ......ضحاک کا قول ہے کہ زمین پہلے سرسبز اور شاداب تھی جس درخت کے پاس آدمی جاتا تھا اس کو بار آور پاتا تھا اور سمندر کا پانی پہلے میٹھا تھا اور شیر، گائے، بکری کو قتل کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا لیکن قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو زمین خشک ہو گئی، درخت پر خار ہو گئے اور سمندر کا پانی کڑوا ہو گیا اور جانور ایک دوسرے کو پھاڑنے لگے۔

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے تھا کہ پوری دُنیا ظلم اور گمراہی میں بھری

ہوئی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے تو اس وقت یہ لوگ اپنی سرشت سے باز نہ آئے اور اپنے گناہوں میں لگے رہے یعنی کفار مکہ "لیذیقھم بعض الذی عملوا" ان کے لیے سزا جو انہوں نے گناہ کیے تھے۔ "لعلھم یرجعون" شاید کہ وہ کفر اور اعمال خبیثہ سے لوٹ جائیں۔

42 "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل" تا کہ دیکھ لو ان کے گھر کیسے ویران اور کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ "کان اکثرھم مشرکین" کہ ان مشرکین کو ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ 43 مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ 44 لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ 45 وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ 46 وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ 47 اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ 48

ترجمہ: سو تم اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آ جاوے جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جاویں گے جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

تفسیر ㊸"فاقم وجهک للدين القيم" سیدھا راستہ اور وہ اسلام ہے۔"من قبل أن ياتي يوم لا مرد له من الله" قیامت کے دن کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ اسے اللہ سے لوٹا دیا جائے۔"يومئذٍ يصدعون" یعنی وہ جدا جدا ہوتے ہیں، فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں۔

㊹"من كفر فعليه كفره" ان کے کفر کا وبال۔"ومن عمل صالحًا فلانفسهم يمهدون" وہ اپنی خواب گاہوں کو روندر ہے ہوں گے اور قبروں میں اپنے لیے سامان تیار کر رہے ہوں گے۔

㊺"ليجزی الذين امنوا وعملوا الصالحات من فضله" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے تا کہ اعمال صالحہ سے زیادہ ان کو ثواب عنایت کرے، صرف ثواب اعمال کا آیت میں ذکر کیا گیا۔"انه لا يحب الكافرين"

㊻"ومن آياته أن يرسل الرياح مبشرات" بارش کی خوشخبری دینے والیاں۔"وليذيقكم من رحمته" بارش کی نعمتیں وہ پھل وغیرہ ہیں۔"ولتجری الفلک" ان ہواؤں سے "بامره ولتبتغوا من فضله" تا کہ تم اس کے رزق کو طلب کرو سمندر میں تجارت کے ذریعے سے "ولعلكم تشكرون" اپنے رب کا ان نعمتوں کے بدلے میں۔

㊼"ولقد ارسلنا من قبلک رسلاً الی قومهم فجاء وهم بالبينات" واضح دلالت کے ساتھ اس کے سچائی پر۔"فانتقمنا من الذين أجرموا" ہمارا عذاب جنہوں نے اس کو جھٹلایا۔"وكان حقًا علينا نصر المؤمنين" ان کو عذاب سے نجات دی۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاقبت میں کامیابی کی خوشخبری دی اور دشمنوں کے مقابلے میں مدد و نصرت کی بشارت سنائی۔ حسن کا قول ہے کہ ہمیں اور اس اُمت کو عذاب سے نجات دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس کی طرف سے لوٹا دے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔"وكان حقًا علينا نصر المؤمنين"

㊽"الله الذی يرسل الرياح فتثير سحابًا" ان کو پھیلا دیتا ہے۔"فيبسطه فی السماء كيف يشاء" ایک دن یا دو دن کی مسافت یا اس سے زیادہ۔"ويجعله كسفًا" متفرق ٹکڑے۔"فتری الودق" اس سے مراد بارش ہے۔"يخرج من خلاله" اس کے درمیان سے۔

"فاذا اصاب به من يشاء" جہاں وہ چاہتا ہے وہاں پہنچا دیتا ہے۔"من عباده اذا هم يستبشرون" وہ بارش کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ㊾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى. وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ㊿

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ ۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿51﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿52﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿53﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ ۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ ۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿54﴾

ترجمہ اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر برسے ناامید تھے سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلا دیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر 49 "وان کانوا" اور تحقیق تھے وہ پہلے۔ "من قبل أن ینزل علیهم من قبله لمبلسین" مایوس ہیں بعض نے کہا کہ وہ نہیں تھے مگر نا اُمید۔ اس قول کا دوبارہ ذکر کرنا تاکید کے لیے ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلی آیت راجع ہے بارش کے اُترنے کے ساتھ اور دوسری آیت انشاء سحاب کے متعلق ہے۔

50 "فانظر الی آثار رحمة اللّٰه" یہ قرأۃ اہل حجاز بصرہ اور ابوبکر اور دوسرے قراء نے "الی آثار رحمة اللّٰه" جمع ذکر کیا، مراد اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بارش ہے۔ اللہ رب العزت کی رحمت کی تاثیر زمین پر کیسے ہوئی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ "اثر رحمة اللّٰه" اس کی نعمت سبزہ وغیرہ کا اُگنا۔ "کیف یحیی الارض بعد موتها انّ ذلک لمحی الموتی" جس طرح زمین کو زندہ کیا اسی طرح مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ "وهو علی کل شیءٍ قدیر"

51 "ولئن ارسلنا ریحا" یعنی ایسی ٹھنڈی ہوا جو کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچا دے۔ "فرأوه مصفرًا" سبزہ اور کھیتی کو زرد دیکھیں سبزہ ہونے کے بعد۔ "لظلّوا" تو وہ ہو جائیں گے۔ "من بعده" کھیتی کے زرد ہو جانے کے بعد۔ "یکفرون" تو وہ اللہ کی نعمت سے انکاری ہو جاتے جب ان پر بارش نہ برستی۔ اگر اللہ اپنی رحمت سے ان پر مینہ برساتا تو وہ طاعات خداوندی میں اور سرگرم ہو جاتے اور حد سے بڑھ کر خوشیاں نہ مناتے کہ خدا سے غافل ہو جاتے اور اگر انکی کھیتی پر کوئی آفت آجاتی تو مصیبت پر صبر کرتے، ناشکری نہ کرتے۔

52 "فانک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولّوا مدبرین"

53 "وما أنت بهادی العمی عن ضلالتهم ان تسمع الامن یؤمن بایاتنا فهم مسلمون"......

54 "اللہ الذی خلقکم من ضعف" ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ ضمہ کی صورت میں قریش کی لغت ہے اور فتحہ کی صورت میں بنوتمیم کی لغت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم کو ضعیف اصل یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ یعنی ایسے پانی کے ساتھ جو بہت کمزور تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ...... "ثم جعل من بعد ضعف قوۃ" ضعف طفولیت کے بعد جوانی دی۔ "ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ یخلق ما یشاء" ضعف، قوت، جوانی اور بڑھاپا۔ "وھو العلیم" اس کی مخلوق کی تدبیر۔ "القدیر" جس پر وہ چاہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ. مَالَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ 55 وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ 56 فَيَوْمَئِذٍ لَّايَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ 57 وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ. وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ 58 كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ 59 فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ 60

ترجمہ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ (یعنی ہم عالَم برزخ میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے اسی طرح یہ لوگ اُلٹے چلا کرتے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو نوشتہ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو سو قیامت کا دن یہی ہے لیکن تم یقین نہ کرتے تھے غرض اس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا نفع نہ دے گا اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا اور ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یونہی مہر کر دیتا ہے سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے قیمت نہ کرنے پاویں۔

تفسیر 55 "ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون" مشرک لوگ قسمیں کھائیں گے۔ "مالبثوا" وہ دُنیا میں نہیں رہے مگر "غیر ساعۃ" ایک گھڑی۔ جب وہ آخرت کے دن کا معائنہ کرلیں گے تو وہ اس دُنیاوی زندگی کو بھول جائیں گے۔ مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ وہ یہ کہیں گے کہ قبروں میں ہم تھوڑی دیر ٹھہرے ہیں۔ جیسا کہ ان کے لیے کہا جاتا ہے "کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار" ...... "کذلک کانوا یؤفکون" دُنیا میں وہ حق سے اسی طرح بہرہ ور ہوتے تھے۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ انہوں نے قیامت کے دن صداقت اور تحقیقی مدت سے جس طرح وہ روگرداں ہوں گے اسی طرح دُنیا میں حق کی طرف سے وہ روگرداں تھے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ ان کو رسوا کریں۔ لہٰذا یہ

مشرکین اس چیز پر قسم کھائیں گے تاکہ اس وقت موجود لوگوں کو ان کے جھوٹ کا پتہ لگ جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی قدرت سے ہے۔ اس دلیل "یؤفکون" سے۔ پھر مؤمنین کے انکار کا ذکر کریں گے کہ یہ مشرکین جھوٹ بول رہے ہیں۔

56 "وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللّٰہ" یعنی جتنا تمہارے لیے اللہ نے لکھ دیا تھا اتنی مدت تم قبروں میں رہے۔ بعض نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد اللہ کا حکم مراد ہے۔ قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جتنی تمہاری مدت قیام لکھی ہوئی تھی اتنی مدت تک رہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" متکبرین سے سوال کیا جائے گا کہ تم کتنے دن وہاں ٹھہرے۔ "الی یوم البعث فھذا یوم البعث" یعنی یہ وہی دن ہے جس دن کا تم انکار کرتے تھے۔ "ولکنکم کنتم لاتعلمون" دُنیا میں وقوع پذیر ہونے سے ان کو کوئی علم و عمل نفع نہیں دے گا، اس وقت کسی دلیل کی وجہ سے۔

57 "فیومئذٍ لاینفع الذین ظلموا معذرتھم" ان کا عذر۔ "ولا ھم یستعتبون" یعنی ان سے اللہ کو راضی کرنے والی باتیں، توبہ استغفار، اطاعت طلب نہیں کی جائے گی اور نہ دُنیا کی طرف ان کو دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ "لاینفع" یہاں پر یاء کے ساتھ ہے اور حم اور مؤمن میں بھی اسی طرح ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

58 "ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل ولئن جئتھم بایۃ لیقولن الذین کفروا ان انتم الا مبطلون" کہ تم محض غلط کہتے ہو۔

59 "کذلک یطبع اللّٰہ علی قلوب الذین لایعلمون" اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں جانتے۔......

60 "فاصبر انّ وعداللّٰہ حق" تمہاری مدد اور تمہارے دشمن پر اظہار حق کرنے میں۔ "ولا یستخفنک" اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بے یقین لوگ آپ کی نادانی اور گمراہی کی پیروی پر آمادہ نہ کر پائیں۔ "الذین لایوقنون" دوبارہ زندہ ہونے اور حساب پر یقین نہیں رکھتے۔

سُوْرَۃ لُقْمَان

اس سورۃ میں ۳۴ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ① تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ② ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ③ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ
الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّخِذَھَا ھُزُوًا ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ⑥

ترجمہ الٓمّٓ یہ آیتیں ہیں اس پر حکمت کتاب کی جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور بعضا آدمی ایسا (بھی) ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو (اللہ سے) غافل کرنے والی ہیں۔ تا کہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑاوے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

تفسیر (①۔②۔③)...... "الم تلک آیات الکتاب الحکیم ھدًی ورحمۃً" حمزہ نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "ھو ھدًی ورحمۃ" دوسرے قراء نے اس کو منصوب پڑھا ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ "للمحسنین"

(④۔⑤)...... "الذین یقیمون الصلٰوۃ ویؤتون الزکاۃ وھم بالاخرۃ ھم یوقنون. اولئک علی ھدًی من ربھم و اولئک ھم المفلحون"

لَھْوَ الْحَدِیْثِ کا مصداق

⑥ "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول نضر بن حارث کلدہ کے

3

حق میں ہوا۔نضر تجارت کرتا تھا، حیرہ کو جاتا اور وہاں سے عجمیوں کے افسانے خرید کر لاتا اور قریش سے بیان کرتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے عاد وثمود کے قصے بیان کرتے ہیں، میں رستم اور اسفندیار کے قصے اور شاہان ایران کے قصے بیان کرتا ہوں۔لوگ اس کی باتیں مزے لے لے کر سنتے تھے اور قرآن سننا چھوڑ دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد کا قول ہے کہ "لھو الحدیث" سے مراد ہیں گانے والی عورتیں اور مرد اس صورت میں لھو سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔یعنی کچھ لوگ لھو والیاں اور لھو والے خریدتے ہیں۔

گانے والی عورت اور کتے کی قیمت حرام ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گانے والی عورتوں کو (گانے کی) تعلیم دینی جائز نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے اور ایسے ہی شخص کے بارے میں آیت "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" نازل ہوئی۔جو آدمی بھی گانے کے لیے آواز اُٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ایک اس مونڈھے پر اور دوسرا اس مونڈھے پر بیٹھے اپنی لاتیں اس وقت تک اس پر مارتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ خود ہی خاموش نہ ہو جائے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور بانسری اور بین کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

مکحول کا قول ہے کہ جس نے گانے بجانے کی غرض سے کسی گانے بجانے والی باندی کو خریدا اور اس پر مرتے دم تک قائم رہا اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"ومن النّاس من یشتری لھو الحدیث"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کے نزدیک "لھو الحدیث" سے گانا سننا مراد ہے اور غنا ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ابوالصہباء بکری کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تین بار فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ "لھو الحدیث" غناء ہے۔ابن جریج کے نزدیک "لھو الحدیث" سے طبل (ڈھول، طبلہ) مراد ہے۔ضحاک کا قول ہے کہ غنا شرک ہے۔قتادہ کا قول ہے کہ ہر لھو اور لعب غنا ہے۔

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ غناء دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے اور ہمارے اصحاب گلیوں میں گانے والوں کے منہ سے مزامیر چھین کر ان کو آگ لگا دیتے تھے۔"لیضل عن سبیل اللّٰہ بغیر علم" یہ کام وہ محض جہالت کی بناء پر کرتے ہیں۔قتادہ کا قول ہے کہ یہ آدمی کی بڑی گمراہی ہے کہ حدیث حق کو چھوڑ کر وہ کلام باطل کو پسند کرے۔"ویتخذھا ھزوا" حمزہ، کسائی اور یعقوب نے "ویتخذھا" ذال کے نصب کیساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا عطف "لیضل" پر ہوگا۔

دوسرے حضرات نے ذال کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا عطف "یشتری" پر ہوگا (اولئک لهم عذاب مهين)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَاللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَامِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

ترجمہ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے سو اس کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانوا ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

تفسیر ⑦ "واذا تتلى عليه اياتنا ولى مستكبرًا كأن لم يسمعها كان في اذنيه وقرًا فبشره بعذابٍ اليم"

⑧ "ان الذين امنوا وعملوا الصالحات لهم جنّات النعيم"

⑨ "خالدين فيها وعدالله حقًا وهو العزيز الحكيم.

⑩ خلق السموات بغير عمد ترونها والقى في الارض رواسي أن تميدبكم" ......"وبث فيها من كل دابة وأنزلنا من السماء ماءً فانبتنا فيها من كل زوج كريم" اس سے مراد ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔

⑪ "هذا" یعنی جو کچھ تم کو دکھائی دے رہا ہے وہ تو خدا کا پیدا کردہ ہے۔ "خلق الله فأروني ماذا خلق الذين من دونه" پھر بتاؤ کہ دوسرے معبودوں نے پیدا کیا کہ وہ مستحق عبادت قرار پائے۔ "بل الظالمون في ضلال مبين"

حضرت لقمان نبی تھے یا حکیم تھے حکمت سے کیا مراد ہے

⑫ "ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ" حکمت سے مراد عقل، علم، عمل ہے اور تمام اُمور میں اصابت رائے ہے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ، تارخ ہی کو آزر کہا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ خالہ کے بیٹے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ حکیم تھے نبی نہیں تھے مگر عکرمہ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان نبی تھے لیکن یہ اس قول میں متفرد ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تھا تو انہوں نے حکمت کو اختیار کیا۔

روایت میں آتا ہے کہ لقمان دوپہر کو سورہے تھے خواب میں ہاتف نے ندا دی۔ لقمان! کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنادے اور لوگوں پر تم صحیح حکومت کرتے رہو، خواب ہی میں لقمان نے ہاتف کو جواب دیا اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے تو مجھے عافیت پسند ہے اور اگر یہ اللہ کا حکم قطعی ہے تو بسروچشم کیوں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جب اللہ کا یہ قطعی حکم میرے لیے ہوگا تو وہی میرا فیصلہ کرنے میں میری مدد بھی کرے گا اور غلطی سے مجھے محفوظ رکھے گا۔ ہاتف نے پردہ غیب سے آواز دی لقمان ایسا تم نے کیوں اختیار کیا؟ لقمان نے کہا کہ سخت ترین اور اُلجھے ہوئے غیر واضح مقامات میں فیصلہ پر ہر طرف سے تاریکی چھائی ہوئی ہے ایسے مقام پر اگر لقمان کا فیصلہ صحیح پڑ گیا تو وہ نجات کا مستحق ہے اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہوگئی تو جنت کا راستہ کھو گیا۔ دُنیا میں نیچا رہنا سردار ہونے سے بہتر ہے جو شخص آخرت پر دُنیا کو ترجیح دیتا ہے اس کے ہاتھ سے دُنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی ہاتھ نہیں آتی۔ ملائکہ کو لقمان کی خوش گفتاری پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد لقمان کو کسی روز سوتے میں اللہ نے حکمت عطا فرمادی اور بیدار ہونے کے بعد آپ ہر بات پُر حکمت کرنے لگے۔

حضرت داؤد کو اس کے بعد (عطاء حکمت یا اختیار حکمت کی) غیبی ہاتف نے ندا دی تو حضرت داؤد نے بلاشرط اس کو قبول کرلیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ آپ کئی مرتبہ غلطی میں پڑ گئے مگر ہر مرتبہ اللہ نے معاف فرمادیا۔ حضرت لقمان اپنی حکمت سے حضرت داؤد کی مدد کرتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں حکمت سے مراد عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا نہیں ہے۔

خالد ربعی کا قول ہے کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے جو بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ یہ درزی تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ ان کو ایک شخص ملا جو حکمت کی باتیں کیا کرتا تھا تو فرمایا کیا تو فلاں بکریاں چرانے والے کو جانتا ہے کہ وہ کیسے کیسے ہے۔ اس کو یہ مقام کیسے ملا؟ جواب دیا سچ بولنے اور امانت کی ادائیگی اور لایعنی کو ترک کرنے کی وجہ سے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ کالے غلام بڑے ہونٹوں والے تھے۔ "أن اشکر للّٰہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللّٰہ غنی حمید"

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

(ترجمہ) اور جب لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔

(تفسیر) ⑬ "**واذ قال لقمان لابنه**" اس کا نام انعم تھا بعض نے کہا مشکم ہے۔ "**وهو يعظه يا بنی لاتشرک بالله ان الشرک لظلم عظيم**" ابن کثیر نے پڑھا "**يابنی لاتشرک بالله**" یاء کے سکون کے ساتھ اور اس کے فتحہ کے ساتھ اور باقیوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**يابنی انها**" یاء کے فتحہ کے ساتھ حفص نے پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**يابنی اقم الصلوٰة**" یاء کے فتحہ کے ساتھ، ابن کثیر اور حفص نے یہی پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑭ "**ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنًا على وهن**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے ایک سختی کے بعد دوسری سختی۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ ضعف پر ضعف سے کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ مشقت پر مشقت سے کیا ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس پر ضعف اور مشقت لاحق ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے حمل ضعف ہے اس کو اُٹھانا بھی ضعف ہے اور وضع حمل بھی ضعف ہے۔ "**وفصاله**" اس کا پرورش پانا۔ "**فی عامين أن اشكرلی ولوالديک الیّ المصير**" اس کی طرف لوٹنے والی۔ اس کی تفسیر میں سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جس نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لیے دُعائے خیر کی، اس نے ماں باپ کا شکر ادا کیا۔

⑮ "**وان جاهداک علی أن تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنيا معروفًا**" اس سے مراد نیکی ہے صلہ رحمی اچھی معاشرت کا اختیار کرنا ہے۔ "**واتبع سبيل من أناب الیّ**" یعنی ایسا دین جو اس کی اطاعت و فرماں برداری میں ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اطاعت کرنا ہے۔

عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ جب یہ اسلام لائے تو حضرت عثمان، حضرت طلحہ وزبیر، سعید بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ جب ان سب نے کہا کہ اس شخص نے سچ کہا اور تم اس پر ایمان لاتے ہو؟ فرمایا: جی ہاں کہ یہ صادق ہیں تم بھی اس پر ایمان لے آؤ۔ پھر وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے سب اسلام لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واتبع سبیل من اناب الیّ" اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ "ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون" بعض نے کہا کہ یہ دونوں آیتیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ان کا قصہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا تعلق تمام مخلوق سے ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱

ترجمہ بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے بیٹا نماز پڑھا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر ⑯ "یابنی انها ان تک مثقال حبة من خردلٍ" انها کی ضمیر راجع ہے "خطیئة" کی طرف کیونکہ حضرت لقمان کے بیٹے نے حضرت لقمان سے کہا تھا اے میرے باپ! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو خدا کیسے جان لے گا؟ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا (فتکن فی صخرة) قتادہ نے اس کا معنی کیا ہے اگرچہ تو پہاڑ میں بھی کیوں نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صخرۃ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ہے جس میں کافروں اور بدکاروں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے اور آسمان کی نیل گوئی اسی کے عکس کی وجہ سے ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اللہ نے زمین کو مچھلی کے اوپر پیدا کیا۔ مچھلی وہی نون ہے جو آیت "والقلم وما یسطرون" میں مذکور ہے۔ یہ مچھلی پانی کے اندر پتھر کی ایک چٹان کے اوپر ہے اور چٹان فرشتے کی پشت پر رکھی ہوئی ہے اور فرشتہ ایک پتھر پر قائم ہے یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ذیل میں کیا ہے۔ یہ پتھر نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں بلکہ ہوا پر ہے۔ "او فی السموات او فی

الارض یأت بها الله ان الله لطیف" ان کے نکالنے میں "خبیر" ان کی جگہ سے باخبر ہے۔ حسن کا قول ہے کہ آیت میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا کامل احاطہ مراد ہے۔ کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے۔ اس جملہ کے زبان سے نکلتے ہی ان پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی کہ پتہ پھٹ گیا اور وفات پا گئے، اللہ ان پر رحمت فرمائے۔

17 "یابنی اقم الصلوٰة وأمر بالمعروف وانّه عن المنكر واصبر علی ما أصابک" اذیت اور تکلیف سے۔ "انّ ذلک من عزم الامور" اس سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور ان اوامر کو بجالانے میں جو مشقت اور تکلیف پہنچے اس پر صبر کر یا وہ اُمور جن کا تم نے کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہو ان کو بجالانے میں کوئی مشقت آئے تو اس پر صبر کرو۔

18 "ولا تصعر خدّک للنّاس" ابن کثیر، ابن عامر، عاصم، ابوجعفر اور یعقوب نے عین کی تشدید کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "تصاعر" پڑھا ہے الف کے ساتھ۔ جیسے کہا جاتا ہے "صعر وجهه و صاعر" جب وہ اپنے چہرے کو دوسری جانب پھیر لے اور تکبر سے اعراض کرے جیسے کہا جاتا ہے "رجل اصعر" اپنی گردن کو مائل کرنے والا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے غرور نہ کر۔ دوسروں کو حقیر نہ سمجھ کہ وہ تجھ سے بات کریں اور تو ان کی طرف سے منہ پھیر لے۔

مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے درمیان کوئی رنجش ہو جب وہ اس کو ملے تو اپنا چہرہ پھیر لے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو کوئی سلام کرے تو وہ تکبر کی وجہ سے منہ پھیر لے۔ ربیع بن انس اور قتادہ کا قول ہے کہ فقراء کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو کیونکہ فقر اور غنی اس کے نزدیک برابر ہے۔ "ولا تمش فی الارض مرحًا" تکبر اور اترا کر نہ چل۔ "ان الله لایحب کل مختال فخور" شیخی باز کو اللہ پسند نہیں کرتے۔ "فخور" جو لوگوں پر اپنی شیخی کرے۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ 19

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ 20

ترجمہ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں

تفسیر 19 "واقصد فی مشیک" چاہیے کہ تو اپنی چال درمیانی رکھے نہ تو تکبر ہو اور نہ ہی بہت تیز بھاگنا۔ عطاء کا قول ہے کہ وقار اور سکینہ کے ساتھ چل۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یمشون علی الارض هونًا" ...... "واغضض من صوتک" مقاتل نے "واغضض" کا ترجمہ کیا ہے پست رکھ۔ "ان انکر الاصوات" بری آوازوں میں ایک آواز۔

"لصوت الحمیر" گدھے کی آواز ہے۔اس کی ابتداءً آواز زفیر اور اختتامی آواز شھیق ہوتی ہے اور یہ دونوں طرح کی آوازیں دوزخیوں کی ہوں گی۔موسیٰ بن اعین فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے سنا وہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:"ان انکر الاصوات لصوت الحمیر" ہر چیز کی چیخ میں اللہ کی تسبیح ہے مگر گدھے کی چیخ تسبیح نہیں۔جعفر صادق کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد چھینک کی دہشت ناک قبیح آواز ہے۔وہب کا بیان ہے کہ لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کرلیا ہے۔

خالد ربعی کا قول ہے کہ لقمان حبشی غلام تھے، بڑھئی کا کام کرتے تھے، ایک بار آقا نے ان کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کی بہترین دو بوٹیاں لے آ۔حضرت لقمان نے زبان اور دل لیجا کر حاضر کردیا، کچھ دنوں کے بعد آقا نے دوبارہ حکم دیا کہ ایک بکری کو ذبح کر کے اس کے دو بدترین پارچے لے آ۔حضرت لقمان نے پھر زبان اور دل لا کر حاضر کردیئے۔ آقا نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت لقمان نے فرمایا، اگر یہ دونوں پاکیزہ رہیں تو سارے اعضاء سے بہتر ہیں اور اگر گندے ہوں تو سب سے زیادہ بُرے بھی یہی ہیں۔

⑳"الم تروا انّ اللّٰہ سخّرلکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم"اس نے اپنی نعمتیں تمہیں پوری دے رکھی ہیں۔"نعمہ" قراء اہل مدینہ،ابوعمرو،حفص نے "نعمہ"عین کے فتحہ اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ جمع پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورتحال میں یہ واحد ہوگا لیکن معنی جمع والا ہوگا۔جیسا کہ اس آیت میں ہے۔"وان تعدوا نعمت اللّٰہ لاتحصوھا"

نعمت ظاہرہ اور باطنہ کی تفسیر

"ظاھرۃً وباطنۃً" عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ نعمت ظاہرہ سے مراد اسلام،قرآن اور باطنہ سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا ہے اور اس پر جلدی پکڑ نہیں کرتا۔ضحاک کا قول ہے کہ ظاہرہ سے مراد حسن الصورت ہے اور اعضاء کا برابر برابر ہونا اور باطنہ سے مراد معرفت حقیقی ہے۔مقاتل کا بیان ہے کہ ظاہرہ سے مراد مخلوق کے ساتھ برابری رزق اور اسلام ہے اور باطنہ سے مراد ایمان ہے۔ربیع کا قول ہے کہ ظاہرہ سے مراد جوارح اور باطنہ سے مراد قلب ہے۔ بعض نے کہا کہ ظاہرہ سے مراد اقرار باللسان اور باطنہ سے مراد اعتقاد بالقلب ہے۔بعض نے کہا کہ ظاہرہ سے مراد تمام الرزق ہے اور باطنہ سے مراد حسن خلق ہے۔عطاء کا قول ہے کہ ظاہرہ سے مراد تخفیف الشرائع اور باطنہ سے مراد شفاعت ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ ظاہرہ سے مراد ہے ظہور اسلام اور دشمنوں پر مدد اور باطنہ سے مراد فرشتوں کا مدد کرنا ہے۔بعض نے کہا کہ ظاہرہ سے مراد ملائکہ کی مدد اور باطنہ سے مراد کفار کے دلوں میں رعب ڈالنا۔سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظاہرہ سے مراد اتباع الرسول اور باطنہ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔"ومن النّاس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم"اس

آیت کا نزول نضر بن حارث اُبَی بن خلف اُمیہ بن خلف اور ان جیسے لوگوں کے متعلق ہوا کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق بغیر علم کے جھگڑتے تھے۔"ولا ھدًی ولا کتاب منیر"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ㉑ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ㉒ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ㉓ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ㉔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۵) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ㉖ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ㉗

ترجمہ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا اور جو شخص کفر کرے سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں ہم ان کو چندروزہ عیش دیئے ہوئے ہیں پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آویں گے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے آپ کہیئے کہ الحمدللہ بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے جو کچھ آسمان اور زمین میں موجود ہے سب اللہ ہی کا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جاویں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جاویں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر ㉑ **"واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ آباء نا اولو کان الشیطان یدعوھم الی عذاب السعیر"** جواب لو محذوف ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس کو پکارو اور اس کی اتباع کرو، یعنی شیطان کی پیروی کرو۔ اگرچہ شیطان تمہیں دعوت دیتا ہے بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف۔

۲۲ "ومن یسلم وجهه الی اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دین کو خالص کرے اور اپنے تمام امور کو اسی کے سپرد کردے۔ "وھو محسن" اور وہ اپنے عمل میں محسن رہے۔ محسن (احسان) کی خوبی یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی کامل حضور قلب کے ساتھ۔ "فقد استمسک بالعروۃ الوثقی" یعنی اس نے مضبوط ترین قبضہ پکڑ لیا اور ایسا محکم ذریعہ اپنی گرفت میں لے لیا جس کے ٹوٹنے کا احتمال نہ ہو۔ "و الی اللّٰہ عاقبة الامور"

۲۳ "ومن کفر فلا یحزنک کفرہ الینا مرجعھم فننبئھم بما عملوا انّ اللّٰہ علیم بذات الصدور"

۲۴ "نمتعھم قلیلاً" ہم ان کو مہلت دیں گے تا کہ ان سے دُنیا کی زندگی میں نعمت حاصل کریں، تھوڑی سی اپنی مدت مقررہ پوری ہونے تک۔ "ثم نضطرھم" پھر ان سے ملیں گے اور آخرت کی طرف ان کو لوٹا دیں گے۔ "الی عذاب غلیظ" اس سے مراد آگ کا عذاب ہے۔

۲۵ "ولئن سألتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللّٰہ قل الحمد للّٰہ بل اکثرھم لایعلمون"

۲۶ "للّٰہ ما فی السموات والارض انّ اللّٰہ ھو الغنی الحمید"

آیت ولو أن مافی الارض کا شانِ نزول

۲۷ "ولو أن ما فی الارض من شجرۃ أقلام" مفسرین کا قول ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا کہ جب اہل کتاب (یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کیا تو آیت "ویسئلونک عن الروح" سے آخر آیت "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" تک نازل ہوئی۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی ، یہود کے بڑے بڑے سردار آئے اور کہنے لگے اے محمد! کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ایسا ایسا کہتے ہیں کہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" کہ کیا اس سے مراد آپ کی قوم ہے یا ہماری؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ مراد ہیں۔ تو وہ کہنے لگے کیا وہ کلام جو تمہارے پاس آیا ہے اس میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم کو توریت دی گئی؟ اور ہم وہ تلاوت نہیں کرتے جو ہم پر اُتاری گئی اور اس میں ہر چیز کا علم موجود ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے علم کے مقابلے میں بہت قلیل ہے اور اللہ نے توریت میں تم کو اتنا ہی دیا ہے کہ جس پر تم عمل کر کے فائدہ اُٹھا سکو۔ وہ کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کیا گمان کرتے ہو حالانکہ آپ یہ کہتے ہو "ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرًا کثیرًا" اور جس کو حکمت عطا کر دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی تو یہ علم قلیل اور خیر کثیر کیسے جمع ہو سکتا ہے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ کا قول ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اور جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں قریب ہے کہ وہ ختم ہو جائے یا منقطع ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"ولو أن ما فی الارض من شجرۃ أقلام" وہ سب قلمیں بن جائیں۔ "والبحر یمدہ" ابو عمرو اور یعقوب نے

"والبحر" نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں عطف ما پر ہوگا اور باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا، یمدہ کا معنی ہے اور زیادہ کردے۔ "من بعدہ" اس کے پیچھے "سبعة ابحر ما نفدت کلمات اللّٰہ" اس آیت میں اختصار ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ "ولو انّ ما فی الارض من شجرة أقلام والبحر یمدہ من بعد سبعة ابحر یکتب بھا کلام اللّٰہ ما نفدت کلمات اللّٰہ"

"انّ اللّٰہ عزیز حکیم" عطاء بن یسار کے قول کے مطابق یہ آیت مدنی ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکی ہے۔ یہودیوں نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کریں، اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ نہیں چھوڑا تھا۔

مَاخَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿28﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿29﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿30﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿31﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿32﴾

ترجمہ تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا بیشک خدا تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور بڑا ہے اے مخاطب کیا تجھ کو یہ (دلیل توحید کی) معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلائے اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک ایسے شخص کے لئے جو صابر شاکر ہو اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبان کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں۔

تفسیر 28 "ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃٍ" یعنی تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی

سے پیدا کیا اس پر کوئی چیز متعذر نہیں۔ ''ان اللہ سمیع بصیر''

㉙''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ''

㉚''ذلک بانّ اللہ ھو الحق'' یہ جو کچھ ذکر کیا گیا یہ حق ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے۔ ''وانّ ما یدعون من دونہ الباطل وانّ اللہ ھو العلی الکبیر''

㉛''ألم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمة اللہ'' بےشک تمہارے اوپر اللہ کی نعمت ہے۔ ''لیریکم من آیاتہ'' اس کے عجائب میں سے۔ ''انّ فی ذلک لایات لکل صبّار'' اللہ کے حکم پر ''شکور'' اپنی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہیں۔

㉜''واذا غشیھم موج کالظلل'' مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد جبال ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔ ظلل جمع ہے ''ظلۃ'' کی اس کو موج کے ساتھ تشبیہ دی، کثرت اور بلندی کی وجہ سے۔ موج کو واحد بنایا جیسے ظل کو جمع بنایا کیونکہ موج ایک کے بعد دوسری آتی ہے۔ ''دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجاھم الی البر فمنھم مقتصد'' جب اللہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو انہوں نے سمندر میں اللہ سے جو وعدہ کیا ہوتا ہے توحید کا کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابوجہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستے میں طوفان آ گیا۔ حضرت عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھ کر کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہ کے اس قول سے طوفان تھم گیا اور عکرمہ مکہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مقتصد قول میں ہو، کلبی کا بیان ہے کہ مقتصد کا بیان یہ ہے کہ متوسط درجہ کا کافر کیونکہ بعض اپنے کفر میں بہت شدت اور غلو اختیار کرتے تھے اور بعض دوسروں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ ''وما یجحد بایاتنا الا کل ختار کفور'' ختار عہد شکن کو کہتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ㉝
اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ㉞

(ترجمہ) اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالے بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر

ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

تفسیر 33 "یا یھا النّاس اتقوا ربّکم واخشوا یومًا لایجزی" نہ وہ فیصلہ کرے گا اور نہ ہی وہ اس سے بے پرواہ ہے۔ "والدعن ولدہ ولا مولود ھو جازٍ" اس سے بھی وہ غنی ہوگا۔ "عن والدہ شیئًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "انّ وعد اللّٰہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللّٰہ الغرور" اس سے مراد شیطان ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان گناہ کا کام کرواتا ہے، مغفرت کرنے کی تمنا کرواتا ہے۔ (یعنی گناہ کرلے پھر بعد میں توبہ کرلینا لیکن گناہ کرنے والے کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی)۔

34 "ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ" اس آیت کا نزول حارث بن عمرو بن حارثہ بن محارب بن حفصہ کے بارے میں ہوئی۔ یہ دیہات میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا اور یہ بھی کہا کہ ہماری زمین خشک ہوچکی ہے، بارش کب آئے گی؟ اور اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے بتائیے کیا پیدا ہوگا اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "انّ اللّٰہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدًا وما تدری نفسی بأی ارض تموت" ابی بن کعب نے "بآیہ ارض" پڑھا ہے۔ مشہور "بأی ارض" ہے کیوں کہ زمین کی تانیث کی کوئی علامت نہیں۔ بعض نے کہا کہ ارض سے مراد مکان ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ غیب کے خزانے پانچ ہیں جن سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم کے اندر کیا ہے اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی؟ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس سرزمین پر آئے گی؟ دوسری روایت میں ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ" سے "بأی ارض تموت" تک تلاوت فرمائی۔ "انّ اللّٰہ علیم خبیر"

سُوْرَةُ السَّجْدَہ

اس میں ۳۰ آیات ہیں۔ عطاء کا قول ہے سوائے تین آیات "افمن كان مؤمنًا" سے تین آیات تک مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

ترجمہ: الٓمّٓ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ پر آجاویں اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اس مخلوق کو جوان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا بدوں اس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر اسی کے حضور پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔

تفسیر (①۔②)......"الم تنزيل الكتاب لاريب فيه من رب العالمين" مقاتل کا بیان ہے کہ اس پر کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔

③ "ام يقولون" بلکہ وہ کہتے ہیں "افتراه" بعض نے کہا میم صلہ کے لیے ہے، کیا یہ جھوٹ گھڑتے ہیں، استفہام توبیخ ہے۔ بعض نے کہا ام بمعنی واؤ ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس میں اضمار ہے کیا وہ ایمان لائے ہیں یا وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر فرمایا "بل هو" اس سے مراد قرآن ہے۔ "الحق من ربك لتنذر قومًا ما اتاهم" یہ رب کی طرف سے اُتری

ہوئی کتاب ہے یہ خود اس کتاب کو نہیں لائے۔"من نذیر من قبلک"قتادہ کا قول ہے کہ وہ اُمت اُمی ہے ان کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کا بیان ہے یہ فترت کے زمانے کی بات ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ ہے۔"لعلھم یھتدون"

4 اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ط مَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ط اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ

5 "یدبر الامر"وہ امر کی تدبیر کرتا ہے اور اپنا فیصلہ اور قدر اُتارتا ہے۔"من السماء الی الارض"وحی کو آسمان سے زمین کی طرف جبرئیل کے ہاتھ بھیجتا ہے۔"ثم یعرج"پھر واپس چڑھتے ہیں۔"الیہ"اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل۔"فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون"دُنیا کے ایام میں سے ایک دن کی مقدار اور اس کی مقدار مسافت پانچ سو برس کے برابر ہوگی۔کہا جاتا ہے کہ بنی آدم میں سے کوئی آسمان سے زمین کی طرف گر جائے تو وہ ہزار سال کے بعد زمین تک پہنچے گا۔اتنی مدت مسافت فرشتے ایک دن میں طے کرتے ہیں۔یہ وصف فرشتوں کا زمین سے آسمان کی طرف چڑھنے کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان"تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ"اس میں مدت مسافت زمین سے سدرۃ المنتہیٰ مراد ہے۔یہی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے تو اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے مقامی ساتھی ملائکہ کو ہمراہ لے کر سدرۃ المنتہیٰ کی مسافت تک کے بقدر بہت ہی تھوڑے وقت میں طے کر لیتے ہیں جو تمہاری رفتار کی گنتی کے پچاس ہزار برس کے برابر ہوتا ہے لیکن اتنی بڑی مسافت جبرئیل علیہ السلام مع ملائکہ آن کی آن میں طے کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک دونوں آیتوں میں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی مراد ہو سکتی ہے۔

بعض اہل علم نے اس کا یہ مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ دُنیاوی امور کا انتظام سماوی اسباب یعنی ملائکہ وغیرہ کے ذریعے سے کرتا ہے جن کے آثار زمین تک آتے ہیں پھر جب دُنیا فنا ہو جائے گی حاکموں کا حکم اور اقتدار والوں کا اقتدار ختم ہو جائے گا تو ہر حکم و انتظام کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے گا اور یہ اس روز ہوگا جس کی مقدار ہزار برس کے برابر ہوگی۔دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض کو ختم کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ مدت کا اختلاف اشخاص کے تاثر کی وجہ سے ہے۔بعض لوگوں کے لیے وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا اور بعض کے لیے ایک ہزار برس کا اور بعض لوگوں کے لیے دُنیا کے اس دن سے بھی کم مدت محسوس ہوگی۔اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مؤمن کے لیے اس دن کی مقدار اتنی ہوگی جتنی اس نے دُنیا میں فرض نماز پڑھی ہوگی۔ابراہیم تیمی کا قول ہے کہ مؤمنوں کے لیے قیامت کے دن کا طول اتنا ہوگا جتنی مدت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا ہے کہ میں اور حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن فیروز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آیت اور"خمسین الف سنۃ"والی آیت کے بارے میں دریافت کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن ایام کا ذکر اللہ نے کیا ہے مجھے اس کی بابت کچھ معلوم نہیں اور بغیر جانے اللہ کے کلام کے متعلق کچھ کہنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔

ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑥ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ⑨

ترجمہ: وہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا پھر اس کے اعضاء درست کئے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے)

تفسیر: ⑥ "ذلک عالم الغیب والشهادة" اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ پیدا کیا ان سب کو جانتا ہے جو پوشیدہ ہیں ان کو بھی اور جو سامنے حاضر ہیں ان کو بھی جاننے والا ہے۔ "العزیز الرحیم"

⑦ "الذی احسن کلّ شیءٍ خلقهٗ" نافع اور اہل کوفہ نے "خلقهٗ" لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس نے جو چیز پیدا کی وہ خوب بنائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ احسن کا ترجمہ احکم و اتقن سے کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے۔ مقاتل نے احسن کا ترجمہ علم سے کیا ہے یعنی اللہ جانتا ہے کہ ہر چیز کو وہ کیسے پیدا کرتا ہے۔ عرب والے کہتے ہیں "فلان یحسن کذا" کہ فلاں شخص خوب جانتا ہے کہ ایسا کام کس طرح کرے گا۔ بعض نے کہا کہ حیوان کو اس کی صورت پر پیدا کیا اور بعض کو دوسرے کے ہم شکل نہیں بنایا، ہر حیوان کو اس کے کامل حسن کے ساتھ پیدا کیا اور اس کے اعضاء میں سے ہر ہر عضو کو اس کی مقدار کے بقدر پیدا کیا جس کی معاش میں صلاحیت میں اس کو ضرورت ہو۔ "وبدأ خلق الانسان من طین" اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

⑧ "ثم جعل نسله" پھر ان کی ذریت کو بنایا۔ "من سلالة" نطفہ سے اس کو سلالۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نطفہ انسان کے جسم سے کھینچ کر آتا ہے۔ "من ماءٍ مهین" اور وہ کمزور ہے اس سے مراد مرد کا نطفہ ہے۔

⑨ "ثم سوّاه" پھر اس کی خلقت کو برابر کیا۔ "ونفخ فیه من روحه" پھر وہ ذریت کی طرف لوٹے گا اور کہا "وجعل لکم" اس نطفے کے بعد تمہیں بنایا۔ "السمع والابصار والافئدة قلیلاً ما تشکرون" وہ اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اس کی توحید کا اقرار کم کرتے ہو اور اس کی عبادت کم کرتے ہو۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ کٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭

ترجمہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر یہ ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اگر آپ دیکھیں (تو عجب حال دیکھیں) جبکہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے و لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے ہم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔

تفسیر ⑩ "وقالوا" منکرین بعثت کہنے لگے "ء اذاضللنا" کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ "فی الارض" جب ہم مٹی مٹی ہو جائیں گے تو ازسرنو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ "ضل الماء فی اللبن" یہ عرب کا محاورہ ہے یعنی دودھ میں پانی اس طرح مل کر کھو گیا کہ کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔ "ء انا لفی خلق جدید" استفہام انکاری ہے۔ "بل هم بلقاء ربهم كافرون" بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔

⑪ "قل یتوفاکم" تمہاری روحوں کو قبض کرے گا۔ "ملک الموت الذی و کل بکم" موت کے فرشتے سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ توفی، استیفاء عدد مضروب کو کہا جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ موت کا فرشتہ تمہاری جانوں کو پورا پورا لے لیگا، جان کا کوئی حصہ نہیں چھوڑے گا یا کسی کو نہیں چھوڑے گا۔

روایت میں آتا ہے کہ ملک الموت کے لیے دُنیا ایک ہتھیلی میں رکھ دی گئی ہے، اس دُنیا سے جس کو چاہتے ہیں بآسانی روح قبض کر لیتے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو مشرق میں ہو یا مغرب میں وہ قبض کر لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ مددگار فرشتے بھی ہیں، کچھ فرشتے رحمت والے اور کچھ فرشتے عذاب والے۔ رحمت والے فرشتے مؤمنین کے لیے متعین ہیں اور عذاب کے فرشتے کافروں کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عزرائیل علیہ السلام کا ایک قدم مشرق اور مغرب کے درمیان میں ہوتا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لیے زمین کو ایک طشت کی مانند کر دیا، وہ جہاں سے چاہیں کسی نفس کی روح قبض کر لیں۔ بعض اخبار میں آیا ہے کہ ملک الموت آسمان و زمین کے درمیان موجود ہیں وہاں جس کی چاہیں روح کو قبض کر لیں۔ جب ان کی روح اس کے گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔

خالد بن معدان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ملک الموت کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے وہ مشرق و مغرب تک پہنچ جاتا ہے وہ گھر والوں کے ہر ایک کے چہرے کو مسح کرتا ہے اور یہ ہر دن دو مرتبہ ہوتا ہے۔ جب کسی

انسان کی زندگی پوری ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس کے سر پر وہ گرز مارتا ہے اور وہ اس وقت کہتا ہے کہ یہ اس کی موت کی حالت ہے۔"ثم الی ربکم ترجعون" پھر ہم تمہیں دوبارہ زندہ کریں گے اور تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

⑫"ولو تری اذ المجرمون" اس سے مراد مشرکین ہیں۔"ناکسوا رؤسھم" وہ اپنے سروں کو جھکائیں گے۔"عند ربھم" ندامت اور غم کے مارے۔"ربنا" وہ یہ کہیں گے اے ہمارے رب!"ابصرنا" جو وعید ہمیں سنائی تھی ہم نے اس کی تکذیب کی تھی۔"وسمعنا" اور تم نے اپنے پیغمبروں کی تصدیق کردی جن کو ہم جھوٹا کہتے تھے ہم نے آج تیری طرف سے تصدیق سن لی تھی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا کہ ہم نے اپنے گناہ دیکھ لیے اور ہمارے متعلق جو کہا گیا ہم نے سن لیا۔"فارجعنا" ہمیں دُنیا کی طرف دوبارہ لوٹا دے۔"نعمل صالحا انا موقنون" جواب لو مضمر ہے اس کی مجازی (تقدیری) عبارت یہ ہوگی جب وہ اس کو بطور تعجب کے دیکھ لیں گے۔

⑬"ولو شئنا لاتینا کل نفس ھداھا" اگر ہم چاہتے تو ہم اپنی توفیق سے اس کے ایمان کے بقدر ہدایت دے دیتے۔"ولکن حق" لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے۔"القول منی لاملئن جھنم من الجنة والناس أجمعین" یہ قول ابلیس کے لیے ہے کہ"لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین" پھر یہی دوزخیوں کو خطاب کیا جائے گا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو ان کو دوزخ کے فرشتے کہیں گے۔

⑭"فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ھذا" تم نے ایمان کو دُنیا میں چھوڑ دیا۔"انا نسیناکم" ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔"وذوقوا عذاب الخلد بما کنتم تعملون" بسبب تمہارے کفر اور حق کو جھٹلانے کے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (آیت سجدہ) ⑮ **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** ⑯

ترجمہ: بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اسطور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر: ⑮"انما یؤمن بایاتنا الذین اذا ذکروا بھا" جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے۔"خرّوا سجدًا" منہ کے بل گر پڑتے ہیں اللہ کے عذاب کے خوف سے۔"وسبحوا بحمد ربھم" بعض کا قول ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم سے نماز پڑھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ سبحان اللہ وبحمدہ کہیں گے۔"وھم لایستکبرون" اور وہ ایمان و اطاعت سے غرور نہیں کرتے۔

⑯"تتجافی" دور رہتے ہیں۔"جنوبھم عن المضاجع" مضاجع' مضجع کی جمع ہے وہ جگہ جہاں پر سوتے ہیں پھر وہ رات کے آخری پہر میں عبادت کرتے ہیں اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ سے کون سے لوگ مراد ہیں

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں لوٹتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک مسجد میں رہتے تھے۔ ابن ابی حازم اور منکدر کی روایت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ اوّابین ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ فرشتے ان لوگوں کی جماعت کو ڈھانپ لیتے ہیں جو مغرب اور عشاء پڑھ کر گھروں کو جاتے ہیں۔ (یعنی مغرب کی نماز کے بعد گھروں کو نہیں جاتے بلکہ صلوٰۃ اوّابین پڑھتے رہتے ہیں، پھر عشاء کی نماز کا وقت جب آتا تو وہ عشاء پڑھ کر جاتے۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مغرب کے بعد سوتے نہیں۔ یہاں تک کہ عشاء نہ پڑھ لیتے۔

حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوذر اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم عشاء اور فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے اور پھر بغیر قرعہ اندازی اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے اور اگر ظہر کی (با جماعت) نماز کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اگر با جماعت عشاء اور فجر کی نمازوں کے ثواب سے وہ واقف ہو جائیں تو سرینوں کے بل گھسیٹ کر بھی پہنچیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے، دوزخ سے دور رکھے۔ فرمایا: تو نے بڑی بات دریافت کی اور اللہ جس کو توفیق دے اس کے لیے دُشوار بھی نہیں تو اللہ (ہی) کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک قرار نہ دے، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ اور کعبہ کا حج کر۔ پھر فرمایا: کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ (سن!) روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے اور دوزخ سے بچانے والا، مترجم) خیرات گناہوں کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور وسط رات میں نماز پڑھنا بھی خیر (کا دروازہ) ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "تتجافی جنوبھم ...... یعملون" تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: کیا میں تجھے امر (دین، مترجم) کا سر اور ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ فرمایا: امر (دین) کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا: کیا میں تجھے اس سب کی جڑ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اس کو روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا زبان

سے بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ فرمایا: معاذ! تجھے تیری ماں روئے! منہ کے بل یا ناک کے بل لوگوں کو دوزخ میں ڈالے جانے کی وجہ سے زبانوں کے نتائج (یعنی الفاظ) ہی تو ہوں گے۔

حضرت ابی امامہ الباہلی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے قیام کو لازم پکڑو کیونکہ یہ صالحین کا طریقہ رہا ہے اور تمہارا اقرب ہے، تمہارے رب کے ساتھ اور تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ان میں سے ایک گناہ بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ دو آدمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے ایک تو وہ جو اپنے بستر ولحاف میں سے نکل کر، محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز کو اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے، میرے بندے کو دیکھو جو اپنے بستر ولحاف کے اندر سے نکل کر، محبوب بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میرے ثواب کا اُمیدوار ہو کر اور میرے عذاب سے ڈر کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے، پھر شکست پا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، پھر فرار کی حالت میں اس کو خیال آتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا کتنا بڑا جرم ہے اور لوٹ کر جہاد میں شریک ہونا کتنی بڑی نیکی ہے، یہ خیال کرتے ہی وہ لوٹ پڑتا ہے (جہاد میں جا کر شریک ہوتا ہے) آخر اس کا خون بہا دیا جاتا ہے یعنی شہید ہو جاتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ کس طرح وہ میرے ثواب کی طلب میں اور میرے عذاب سے ڈر کر (جہاد کی طرف) لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے یعنی محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (رواہ مسلم شریف)

حضرت ابو مالک اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں کچھ بالا خانے ایسے ہیں جن کا اندرون باہر سے اور بیرون اندر سے نظر آتا ہے۔ اللہ نے یہ ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو کلام میں نرمی اختیار کرتے ہیں، حاجت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں، بلا ناغہ روزے رکھتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نمازیں پڑھتے ہیں، جب دوسرے لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ ترمذی نے یہ حدیث اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عبداللہ ابن رواحہ (خزرجی انصاری صحابی) کے یہ شعر نقل کیے ہیں:

وفینا رسول اللّٰہ یتلوا کتابہ اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا بہ مؤقنات ان ما قال واقع

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ اذا استثقلت بالکافرین المضاجع

''ہم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ صبح کو پَو پھٹنے کے وقت وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ ہمارے اندھے پن کے بعد انہوں نے ہمیں راستہ دکھایا۔ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا، وہ سچ ہے۔ وہ رات کو اپنا پہلو بستر سے جدا رکھتے ہیں جب کہ کافروں کے بستر کافروں (کے بار) سے بوجھل پڑے ہوتے ہیں۔''

"یدعون ربھم خوفًا و طمعًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آگ کے خوف سے اور رحمت وثواب وجنت کی اُمید رکھتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں۔ "ومما رزقنھم ینفقون" اس سے مراد فرض صدقہ ہے۔ بعض نے کہا کہ واجب اور نوافل میں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑰ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑳ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ㉑

ترجمہ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے تو جو شخص مومن ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے بدلے میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں اور جو لوگ بے حکم تھے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور ان کو کہا جاوے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تا کہ یہ لوگ باز آویں۔

تفسیر ⑰ "فلاتعلم نفس ما اخفی لھم" حمزہ اور یعقوب نے "اخفی لھم" یاء ساکنہ کے ساتھ پڑھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں (نخفی لھم) نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "من قرة اعین" اس میں ان کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ "جزاء بما کانوا یعملون" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے اس کا ذکر سنا نہ کسی دل میں ان کا تصور آیا۔ اگر تم چاہتے ہو تو پڑھو۔ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ نعمت ہے جس کی کوئی تشریح نہیں بیان کی گئی۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تم اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھو، اللہ بھی اس کے لیے تمہارا ثواب پوشیدہ رکھے گا۔

⑱ "أفمن کان مؤمنا کمن کان فاسقًا لایستوٗن" اس آیت کا نزول علی بن ابی طالب، ولید بن عقبہ بن ابی معیط، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، ان کے درمیان کوئی جھگڑا تنازع تھا اور کسی چیز کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اس پر ولید بن عقبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ چپ ہو جاؤ۔ کیونکہ آپ بچے ہو اور خدا کی قسم میں تجھ سے زیادہ تیز زبان اور لشکری پہلوان ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، چپ رہ تو اللہ کا نافرمان ہے اس پر یہ آیت نازل

ہوئی۔"لایستویان"نہیں فرمایا کہ ایک مؤمن ایک فاسق کے برابر نہیں ہوسکتا بلکہ تمام مؤمنین، تمام فاسقین برابر نہیں ہوسکتے۔

⑲"اما الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فلهم جنات المأوی" جس کی طرف مؤمنین ٹھکانا حاصل کرتے ہیں۔"نزلا بما کانوا یعملون"

⑳"واما الذین فسقوا فمأواهم النار کلما ارادوا أن یخرجوا منها اعیدوا فیها وقیل لهم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم به تکذبون"

㉑"ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون عذاب الاکبر"سوائے بڑے عذاب کے۔"لعلهم یرجعون"حضرت ابی بن کعب، ضحاک، حسن اور ابراہیم نے کہا کہ عذاب الادنی سے مراد ہے دُنیاوی مصائب اور بیماریاں۔والبی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔عکرمہ نے کہا کہ اس سے حدود مراد ہیں۔مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہفت سالہ قحط ہے جس میں اہل مکہ مبتلا کیے گئے تھے یہاں تک کہ مُردار اور ہڈیاں اور کتوں تک کو کھا گئے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بدر کے دن کافروں کا مارا جانا مراد ہے۔قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول مروی ہے۔"دون العذاب الاکبر"سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔"لعلهم یرجعون"تاکہ وہ ایمان کی طرف لوٹ جائیں یعنی جو بدر کی لڑائی سے قتل ہونے میں بچ گئے اور جو قحط سے بچ گئے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ㉒ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ㉓ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ㉔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ㉕ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ㉖

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اپنے رب کی آیتیں یاد دلائی جاویں پھر وہ ان سے اعراض کرے ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا اور ہم نے ان میں جبکہ انہوں نے صبر کیا بہت سے پیشوا بنادیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے آپ کا رب قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلہ ان امور میں کردے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کرچکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں ان میں صاف صاف نشانیاں ہیں کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔

تفسیر: ㉒"ومن اظلم ممن ذکر بایات ربه ثم اعرض عنها انا من المجرمین"اس سے مراد مشرکین ہیں۔"منتقمون"

23 "ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائه" کوئی اس بات میں شک نہ کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں، میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، گندمی رنگ، دراز قامت، گھنگھریالے بال، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ (قبیلہ ازد) شنوء کے ایک مرد ہیں۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی متوسط القامت، سرخی سفیدی مائل رنگ اور سیدھے بالوں والا پایا اور میں نے دوزخ کے داروغہ مالک کو اور دجال کو بھی دیکھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور معراج والی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور نماز کے معاملے میں بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے رہے۔ سدی کا قول ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے توریت اپنی رضامندی سے قبول کی تھی۔ آپ کو اس بات میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

"و جعلناه" اس سے مراد کتاب ہے اور وہ توریت ہے۔ قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ "ھدًی لبنی اسرائیل

24 و جعلنا منھم" اس سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ "آئمۃً" جن کی ہر بھلائی میں اقتدا کی جاتی ہے۔ (یعنی انبیاء اور انبیاء کرام علیہم السلام کے پیشوا)...... "یھدون" وہ پکارتے ہیں۔ "بامرنا لمّا صبروا" حمزہ، کسائی نے لام کے کسرہ کے ساتھ اور میم کی تخفیف کے ساتھ۔ باقی قراء نے لام کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ، جب انہوں نے اپنے دین پر صبر کیا اور مصر میں دشمن کی اذیتوں پر صبر کیا۔ "و کانوا بآیاتنا یوقنون"

25 "انّ ربک ھو یفصل" فیصلہ کریگا۔ "بینھم یوم القیامة فیما کانوا فیه یختلفون"

26 "اولم یھد" کیا ان کے لیے ہدایت ظاہر نہیں ہوتی۔ "لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم انّ فی ذٰلک لاٰیات أفلا یسمعون" اللہ کی قدرت کی نشانیاں نصیحت آمیز الفاظ نہیں سنتے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ 27 وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 28 قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ 29 فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ 30

ترجمہ: کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس فیصلہ کے بعد ان کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور ان کو مہلت بھی نہ ملے گی سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہیے یہ بھی منتظر ہیں۔

تفسیر ㉗"اولم یروا أنا نسوق الماء الی الارض الجرز" وہ زمین جس کی سرسبزی کٹ گئی ہو جاتی رہی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ یمن کی سرزمین ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ ارض ابین ہے۔ "فنخرج به زرعا تأكل منه أنعامهم" گھاس اور تنکے پتے وغیرہ۔ "وانفسهم" غلہ اور پھل وغیرہ خود کھاتے ہیں۔ "أفلا يبصرون"

㉘"ويقولون متى هذا الفتح ان كنتم صادقين" بعض نے فتح کے دن سے مراد قیامت کا دن لیا ہے اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ بعض نے کہا کہ کفار مکہ بطور استہزاء کے کہتے ہیں کہ تمہاری یہ فتح کب ہوگی۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ کا دن ہے اور سدی کا قول ہے اس سے مراد بدر کا دن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم یہ فرماتے تھے کہ اللہ ہمارا مددگار ہے اور ہم تم پر غالب آ جائیں گے تو وہ کہتے کہ فتح کا دن کب آئے گا؟

㉙"قل يوم الفتح" قیامت کے دن "لاينفع الذين كفروا ايمانهم" جن حضرات نے اس کو فتح مکہ پر محمول کیا اور بدر کے دن پر ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس وقت ایمان نفع نہیں دے گا جب ان پر عذاب آ جائے گا اور وہ قتل ہو جائیں گے۔ "ولاهم ينظرون" ان کو اس وقت کوئی مہلت نہیں دی جائے گی تا کہ توبہ کر سکیں اور نہ ہی عذر کر سکیں گے۔

㉚"فاعرض عنهم" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ جملہ منسوخ ہے آیت قتال سے اس کا حکم منسوخ کر دیا۔ "وانتظر انهم منتظرون" جس فتح کا ہم نے وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کیجئے وہ بھی منتظر ہیں کہ آپ حوادث زمانہ اور مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہمارے عذاب کا آپ انتظار کیجئے وہ بھی عذاب ہی کے منتظر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الم تنزيل" اور "هل اتى على الانسان" پڑھتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک "الم تنزيل" اور "تبارك الذى بيده الملك" نہ پڑھ لیتے تھے۔

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

ترجمہ اے نبیؐ اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلیے تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنادیا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ کا شانِ نزول

تفسیر "یا یھا النبی اتق اللّٰہ" ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔ جنگ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آ کر سرکردہ منافقین عبداللہ بن ابی سلول کے پاس ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن سعد اور طعمہ بن ابیرق خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ لات، عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ چھوڑ دیجئے، ہمارے ان معبودوں کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی شفاعت کریں گے۔ اگر آپ ایسا کرلیں گے تو ہم آپ کے اور آپ کے رب کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کریں گے اور آپ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اس وقت حضرت

عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کو قتل کردوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں، پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یایھا النّبی اتق اللّٰہ" تقویٰ کو دوام سے پکڑے رکھو۔ جیسا کہ کوئی شخص دوسرے کو کہے اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو کہ تو اس جگہ پر کھڑا ہو، اس جگہ پر ثابت قدم رہ۔ بعض نے کہا کہ یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، اُمت بھی اس میں شامل ہے۔ (یعنی مراد اس خطاب سے اُمت ہے) ضحاک کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈر اور عہد کو نہ توڑ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔

❶ "ولا تطع الکافرین" اس سے مراد اہل مکہ ہے۔ یعنی ابوسفیان اور عکرمہ اور ابوالاعور مراد ہیں۔ "والمنافقین" میں سے اس سے مراد عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن سعد اور "طعمۃ" ہیں۔ "ان اللّٰہ کان علیمًا" اپنی مخلوق کو۔ اس کے پیدا کرنے سے پہلے "حکیمًا" اور اپنی حکمت کے مطابق ان کے لیے امور کی تدبیر کرتا ہے۔

❷ "واتبع ما یوحی الیک من ربک انّ اللّٰہ کان بما تعملون خبیرًا" ابوعمرو کی قرأت میں "یعملون خبیرًا" ہے اور "یعملون بصیرًا" یاء کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

❸ "وتوکل علی اللّٰہ" اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یعنی اللہ پر مکمل بھروسہ کرو۔ "وکفٰی باللّٰہ وکیلًا" اور وہی تمہارا محافظ ہے وہی تمہارے رزق کا کفیل ہے۔

آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ کی تفسیر

❹ "ماجعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفہ" اس آیت کا نزول ابومعمر جمیل بن معمر فہری، اس شخص کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی کہ جو کچھ سنتا تھا، یاد کر لیتا تھا، قریش کہتے تھے کہ ابومعمر کا جو حافظہ اتنا قوی ہے اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کے دودل ہیں وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دودل ہیں محمد جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ سمجھ تو میرے ہر ایک دل میں ہے میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا ہوں اور بہتر جانتا ہوں۔

بدر کے دن جب قریش کو شکست ہوگئی، ابومعمر بھی بھاگ کھڑا ہوا، ایک پاؤں میں جوتی تھی اور دوسری جوتی ہاتھ میں تھی۔ اس حالت میں ابوسفیان کا سامنا ہوگیا تو ابوسفیان نے پوچھا ابومعمر لوگوں کا کیا حال ہے۔ ابومعمر نے کہا کہ شکست کھا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک جوتی پاؤں میں ہے اور ایک ہاتھ میں ہے۔ ابومعمر نے کہا ارے میں تو دونوں جوتیاں پاؤں میں سمجھا تھا، اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے دودل نہیں ہیں اگر دودل ہوتے تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی جوتی کو نہ بھولتا۔

زہری اور مقاتل کا بیان ہے کہ یہ بطور مثال اللہ نے اس شخص کی حالت بیان کی ہے جو اپنی بیوی سے ظہار کرتا ہے اور اس شخص

کی کیفیت بیان کی ہے جو دوسرے کی اولاد کو اپنا بیٹا بنالیتا ہے۔ ایک دل سے وہ بیوی اور دوسرے دل سے اسی کو ماں کہہ دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی کسی لڑکے کو اپنا بیٹا کہتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اس کا بیٹا نہیں۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح ظہار کرنے والے کی بیوی اس کی ماں نہیں ہوجاتی اور منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا، نہ ہی ایک بچے کی دو حقیقی مائیں بن سکتی ہیں اور نہ ہی دو ماؤں کا ایک حقیقی بیٹا بن سکتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہوسکتے۔

"وما جعل ازواجکم اللائی تظاھرون منھن أمھاتکم" قراء اہل شام اور قراء اہل کوفہ کی یہ قرأت "اللائی" ہے اور سورۃ طلاق میں ہمزہ کے بعد یاء ہے۔ قراء قالون نے نافع اور یعقوب کی روایت میں ہمزہ کے بعد بغیر یاء کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ ہمزہ کو ذکر کیا ہے۔ یہ تمام لغات معروف ہیں۔ "تظاھرون" قراء عاصم نے الف کے ساتھ تاء کے ضمہ اور ھاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، تخفیف کے ساتھ قراء ابن عامر نے فتحہ کے ساتھ اور ظاء کی تشدید کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ ظاء کی تشدید اور ھاء کے ساتھ بغیر ان دونوں کے الف کے ساتھ۔

ظہار کی صورت یہ ہے کوئی شخص اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تو میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **"ماجعل نساء کم اللائی تقولون لھن ھذا فی التحریم کامھاتکم"** اس میں کفارہ ہے جس کو تفصیل کے ساتھ سورہ مجادلہ میں ذکر کریں گے۔ **"وما جعل ادعیاکم ابناکم"** متبنٰی بیٹے بنانے والے زمانہ جاہلیت میں اس کو حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے اور اس کو میراث سے حصہ دیتے تھے۔ نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل کلبی کو آزاد کرکے بیٹا بنالیا تھا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ان کا رشتہ اخوت قائم کردیا تھا۔

حضرت زید نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا، منافق کہنے لگے کہ محمد نے خود تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اور دوسروں کو منع کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا: **"ذلکم قولکم بافواھکم"** یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ زید بن محمد کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، وہ نسبی بیٹا نہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں بلکہ منہ بولا بیٹا ہے۔ **"واللہ یقول الحق"** اور اللہ حق بات کہتا ہے جو واقعی اور سچی ہوتی ہے۔ **"وھو یھدی السبیل"** اور وہی راہ حق دکھاتا ہے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ. فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ. وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞۵ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا. كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۞۶

ترجمہ تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا لیکن ہاں دل سے ارادہ کر کے کرو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ کا شان نزول

تفسیر 5 "ادعوهم لابائهم" جنہوں نے اپنے لیے لے پالک لے رکھے ہیں۔ "هو اقسط" یہی بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی ہے۔ "عندالله" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم زید کو زید بن حارثہ نہیں کہتے تھے بلکہ زید بن محمد کہتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت "ادعوهم لابائهم هو اقسط عندالله" نازل ہوئی۔

"ادعوهم لابائهم هو اقسط عندالله"......"فان لم تعلموا اباء هم فاخوانكم في الدين و مواليكم" یعنی تم ان کو دینی بھائی سمجھو۔ "في الدين و مواليكم" اگرچہ وہ تمہارے آزاد کردہ ہیں لیکن وہ تمہارے حقیقی بیٹے نہیں، ان کو اپنے لیے دینی بھائی کہہ کر پکار سکتے ہو۔ بعض نے کہا کہ تم ان کو اپنے لیے دینی بھائی کہہ سکتے ہو۔ "وليس عليكم جناح فيما اخطاتم به" نہی سے پہلے وہ منہ بولے بیٹے کو باپ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ "ولكن ماتعمدت قلوبكم" نہی کے بعد غیر کے باپ کو اپنی طرف منسوب کرنے سے منع کیا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ جو تم نے غلطی کی کہ غیر باپ کو اس کی طرف منسوب کیا اور وہ یہ گمان کرے کہ اسی طرح ہے۔ "ماتعمدت" میں ماقبل "مااخطاتم" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "وكان الله غفورًا رحيمًا" حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانتے ہوئے کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا، اس پر جنت حرام ہے۔

آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر

6 "النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم" یعنی مؤمنوں کا جو تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مؤمنوں پر نافذ ہے اور پیغمبر کی اطاعت سب پر واجب ہے۔ ابن عباس اور عطاء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب نبی کسی کو کسی کام کی دعوت دیں اور اس کا نفس کسی دوسری بات کا خواہش مند ہو تو نفس کی اطاعت سے نبی کی اطاعت اولیٰ ہے کیونکہ نبی تمام مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے بوحی الٰہی خوب واقف ہیں۔ نبی مؤمنوں کے لیے

اس بات کو پسند کرتے ہیں اور اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس میں مؤمنوں کی بہبودی اور کامیابی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **"حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم"**

ابن زید کا قول ہے کہ **"النبی اوّلیٰ بالمؤمنین من انفسھم"** سے مراد ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی معاملے میں فیصلہ کرے تو وہ سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے تھے، کچھ لوگ اس کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم جہاد پر جانے کے لیے تیار ہیں لیکن اپنے اپنے والدین سے دریافت کرلیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مؤمن سے دُنیا وآخرت میں میرا تعلق سب سے زیادہ ہے۔ اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو **"النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم"** یعنی جو مؤمن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے مال کے وارث، اس کے عصبات ہوں گے جو بھی ہوں اور جو مؤمن نادار بیوی بچوں کو چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آجائیں۔ میں ان کا متولی ہوں۔ **"وازواجه امھاتھم"** ابی کی قرأت میں ایک لفظ زائد ہے۔ **"وازواجه وأمھاتھم"** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

ان کا حق ماؤں کی طرح بڑا ہے ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرح ماؤں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیویوں کو دیکھنا اوران کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ اُمہات المؤمنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **"واذا سالتموھن متاعًا فسئلوھن من وراء حجاب"** اگر اُمہات المؤمنین سے تم کو کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔

اُمہات المؤمنین کی بیٹیوں کو اُمت کی بہنیں نہیں کہا جاتا نہ ان کے بہن بھائی اُمت کی خالائیں اور ماموں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء سے نکاح کیا اور حضرت اسماء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مؤمنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ مؤمنات کے لیے بھی اُمہات ہیں؟ اس کا جواب دیا گیا کہ مؤمنین اور مؤمنات سب کے لیے وہ مائیں ہیں۔ بعض نے کہا صرف مؤمنین کی مائیں ہیں، عورتوں کی مائیں نہیں۔

امام شعبی نے مسروق کی روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اماں کہا، آپ نے فرمایا میں تمہاری ماں نہیں ہوں، تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اُمہات المؤمنین سے نکاح کرنا حرام ہے۔

"واولوا الارحام بعضھم أولٰی ببعض فی کتاب اللّٰہ" اس سے مراد میراث ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ مسلمان ہجرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم رشتہ اخوت قائم کرادیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مسلمانوں کو بھائی بھائی بنادیتے تھے کہ جب ان میں کوئی ایک فوت ہوجاتا تو دوسرا اس کا وارث بن جاتا

نہ کہ عصبات وارث بنتے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ "واولوا الارحام بعضهم اولٰی ببعض ......الایہ"

"من المؤمنین" وہ مؤمنین جن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی۔ "والمهاجرین" قرابت دار جو بعض، بعض کے میراث میں شامل تھے ایمان اور ہجرت کے باعث۔ یہ آیت منسوخ ہے مواخات اور ہجرت کی بناء پر اور صرف قرابت کا اعتبار رہ گیا۔ "الا أن تفعلوا الی اولیائکم معروفًا" معروف سے مراد وصیت ہے جس دوست کے متعلق وصیت کی جائے اس کا حق وارثوں سے مقدم ہے۔ جب یہ ہجرت سے منسوخ ہوگیا تو کسی شخص کے لیے اس کو مباح کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص کے لیے اپنے تہائی مال سے وصیت کرے۔

مجاہد کا قول ہے کہ معروف سے مراد نصرت ہے اور حرمت کی حفاظت ایمان اور ہجرت کے حق میں۔ بعض نے کہا کہ اس آیت سے مراد میراث کا ثبوت ہے ایمان اور ہجرت کی بناء۔ بعض علماء نے کہا کہ "من المؤمنین والمهاجرین" میں لفظ من کو بیانیہ کہا ہے یعنی جو مؤمن اور مہاجر رشتہ دار ہوں وہ میراث کے زیادہ مستحق ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر اور مسلمان اور مہاجر وغیرہ کے درمیان سلسلہ توارث قائم نہیں ہوگا ہاں اگر کافر غیر مہاجر قرابت دار ہوں تو ان کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔ یہ قول قتادہ، عطاء اور عکرمہ کا ہے۔ "کان ذلک فی الکتاب مسطورًا" جو ہم نے اولی الارحام کے بارے میں ذکر کیا، وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ قرظی کا قول ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ⑦ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨

ترجمہ: اور جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تاکہ ان سچوں سے ان کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔

تفسیر ⑦ "واذ اخذنا من النبیین میثاقهم" اس وعدہ کو پورا کرو جو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے اور یہ کہ تم بعض بعض کی تصدیق کرو اور ایک دوسرے کو خوشخبری دو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم اسی کی عبادت کرو گے اور اللہ کی طرف عبادت کرنے کی دعوت دو گے اور تم میں سے ایک دوسرے کی تصدیق کرو گے اور قوم کو نصیحت کرو گے۔ "ومنک ومن نوح وابراهیم و موسٰی و عیسٰی ابن مریم" ان پانچ انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی طور پر تذکرہ اس وجہ سے کیا

کہ یہ پیغمبر اولوالعزم تھے۔ ان پر کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے تھے، ان کو الگ الگ مستقل شریعتیں دی گئی تھیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے دوسرے پیغمبروں کے ذکر سے پہلے آپ کا ذکر کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیدائش کے اعتبار سے سب نبیوں سے پہلے ہوں اور زمین پر میری بعثت سب سے آخر میں ہوئی۔ قتادہ کا قول ہے یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان "**واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح**"...... "**واخذنا منهم میثاقهم غلیظًا**" پکا وعدہ یا وہ وعدہ جس کو ایمان کے ساتھ پختہ کیا گیا ہو۔

8 "**لیسال الصادقین عن صدقهم**" ایسا کرنے کی غرض یہ تھی کہ انبیاء صادقین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے اپنی اپنی اُمتوں سے کیا کہا تھا یا کافروں کو ذلیل کرنے اور لاجواب بنانے کے لیے کافروں سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے انبیاء کی تصدیق کی تھی یا انبیاء کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے متعلق پوچھا جائے گا کیوں کہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے یا ان مؤمنوں سے جنہوں نے اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا تھا، ان کے صدق کی باز پرس ہوگی یہاں تک کہ ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے ان کے عمل کے بارے میں۔ بعض نے کہا کہ صادقین سے سوال کرے ان کے سامنے ان کے دلوں کی سچائی کے بارے میں۔ "**واعد للکافرین عذابًا الیمًا**"

"**یایها الذین امنوا اذکروا نعمة الله علیکم**" جب مسلمانوں کو غزوہ خندق کے دن محصور کیا گیا تھا۔ "**اذ جاء تکم جنودٌ**" جب ان پر آئے کفار کے بڑے بڑے لشکر اس سے مراد بنی غطفان، قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی اور قبیلہ بنو نضیر کے یہودی۔ "**فارسلنا علیهم ریحًا**" پُروا ہوا مراد ہے۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ جنوب نے شمال کی جانب ہوا کو کہا کہ پلٹ جا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے شمال کی ہوا نے کہا کہ رات کے وقت تو گرم ہوا نہیں بھیجتی اور جو ہوا ان پر آئی وہ پُروا ہوا تھی، موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی، پُروا ہوا کا ایک طوفان آیا جو انتہائی سرد تھا جس کی وجہ سے ڈیروں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں۔

مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہماری ٹھنڈی ہوا سے مدد کی گئی اور عاد کو دبور والی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وجنودًا لم تروها**" اس دن فرشتوں نے جنگ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات ٹھنڈی ہوا بھیجی جس کی وجہ سے وہ سب بھاگ گئے، ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا، جب سب آ گئے تو کہا، جلد بھاگو، جلد بھاگو، نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے، اس روز فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا، صرف کفاروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ "**وکان الله بما تعملون بصیرًا**"

غزوہ احزاب کا واقعہ

محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور عبداللہ بن کعب بن مالک اور

زہری اور عاصم بن عمرو بن قتادہ نیز عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور محمد بن قرظی کا بیان ہے اور یہ تمام روایات باہم ملتی جلتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قبائل عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لانے والے سلام بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ہودہ بن قیس اور ابو عامر لوائی شامل تھے اور بنی نضیر اور بنی وائل کے لوگوں کی کچھ تعداد بھی ساتھ تھی، مدینہ سے نکل کر مکہ میں قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کرنے میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قریش نے جواب دیا اے گروہ یہود! تم اہل علم ہو تمہاری کتاب سابق ہے، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی اختلاف ہے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا مذہب بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا؟ یہودیوں نے جواب دیا: تمہارا مذہب بہتر ہے تم حق پر ہو۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "**الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتب یؤمنون بالجبت والطاغوت ...... وکفٰی بجھنم سعیرًا**" یہودیوں کا یہ فیصلہ سن کر قریش خوش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی یہودیوں کی دعوت ماننے پر تیار ہو گئے اور سب اس فیصلہ پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے۔ قبیلہ غطفان، قیس بن غیلان کی ایک شاخ تھی، ان کو بھی وہی دعوت دی جو قریش کو دی تھی اور ان سے بھی کہا: ہم تمہارے ساتھ شریک رہیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش سے ہمارا اس پر معاہدہ ہو چکا ہے، قریش نے مان لیا ہے۔ یہ سن کر قبیلہ غطفان نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

قریش سے معاہدہ کرنے کے بعد یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر اُبھارا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو خیبر کے درختوں پر جتنے چھوہارے ایک سال یا چھ ماہ تک آئیں گے وہ سب ہم تم کو دے دیں گے (یعنی نخلستان خیبر کی پوری فصل یا آدھی فصل تمہاری ہوگی) قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصین فزاری نے شرط مذکور پر یہودیوں کی بات مان لی اور بنی اسد میں جو عیینہ کے حلیف (معاہد) تھے ان کو بھی بلوا لیا۔ اس کے بعد قریش کو لے کر ان کا کمانڈر ابوسفیان بن حرب اور بنی غطفان کو مع بنی فزارہ کے لیکر ان کا قائد عیینہ بن حصین بن حذیفہ بن بدر اور بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف بن ابی حارثہ اور بنی اشجع میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسعر بن رحیلہ بن نویرہ بن طریف نکل کھڑے ہوئے۔

ابوسفیان نے چار ہزار کا لشکر جمع کیا اور اس لشکر کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کو دیا۔ مکہ سے برآمد ہونے کے وقت اس لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ لشکر مکہ سے چل کر مر الظہر ان پہنچ کر اُتر پڑا۔ اسی جگہ بنی اسلم، بنی اشجع، بنی مرہ، بنی کنانہ، بنی فزارہ اور بنی غطفان کے لشکر آپہنچے، یہ ساری فوج 10 ہزار ہو گئی۔ مر الظہران سے روانہ ہو کر سب مدینہ کو چل دیئے (چونکہ مختلف جماعتیں اور گروہ اس لشکر میں شامل تھے) اسی لیے اس جگہ کا نام غزوۂ احزاب ہو گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے جمع ہونے اور معاہدہ کر کے چلنے کی خبر سنی تو مدینہ کے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خندق کھدوائی، خندق کھدوانے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلمان فارسی نے دیا تھا۔

حضرت سلمان اس زمانہ میں آزاد تھے (غلام نہیں تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر شریک معرکہ ہونے کا آپ کے لیے پہلا موقع تھا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! ہم جب فارس میں تھے اور دشمن ہمارا محاصرہ کرلیتا تھا تو ہم اپنے گرداگرد خندق کھودلیا کرتے تھے (دشمن کی پیش قدمی روکنے کی یہ تدبیر تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو مان لیا اور خندق کو مضبوط کردیا کہ عبداللہ بن عمرو بن عوف کے والد نے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لائنیں ڈالی تھیں اور ہر دس آدمیوں کے لیے چالیس گز (شرعی یعنی چالیس ہاتھ) زمین (کھودنے کے لیے) کاٹ دی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے، مہاجرین وانصار کے درمیان حضرت سلمان کے متعلق کچھ اختلاف ہوگیا۔ مہاجرین نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا: سلمان ہمارے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان ہم میں سے یعنی ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔ عمرو بن عوف نے فرمایا: میں اور سلمان اور حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی اور چھ انصاری چالیس گز زمین کھودنے میں شریک تھے۔

سخت چٹان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب سے ریزہ ریزہ ہوجانا

چنانچہ ہم نے کھودنا شروع کردیا۔ اچانک بحکم خدا خندق کے اندر ایک سخت ترین چٹان آگئی جس کو توڑنا ہمارے لیے سخت دُشوار ہوگیا۔ ایسی سخت چٹان تھی کہ اس نے ہمارے لوہے کے اوزاروں کو توڑ دیا۔ میں نے کہا: سلمان! ذرا اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چٹان کی کیفیت بتاؤ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مناسب سمجھیں گے تو ہم اس پتھر کی طرف سے کھدائی کا رُخ موڑ دیں گے۔ موڑنے کا مقام قریب ہی ہے یا جو بھی حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا ہم نہیں چاہتے۔ سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، آپ اس وقت ترکی خیمہ کے نیچے فروکش تھے۔ سلمان نے کہا: یارسول اللہ! خندق کے اندر ایک سخت سفید چٹان نکل آئی جس نے ہمارے آہنی اوزار کو توڑ ڈالا۔ ہمارے لیے سخت دُشواری ہوگئی۔ کچھ بھی تو اس پر اثر نہیں ہوا، نہ زیادہ نہ کم۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر خندق کے اندر اُتر گئے، سلمان بھی ساتھ تھے اور خندق کے اندر نو آدمی اور تھے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی، فوراً پتھر میں شگاف ہوگیا اور پتھر سے ایک ایسی چمک نکلی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے روشن ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی تاریک ترین کوٹھڑی میں چراغ روشن کردیا گیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فتح کہی، مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی، پتھر ٹوٹ گیا اور ایک بجلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے چمک اُٹھے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھڑی میں چراغ روشن کردیا گیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فتح کہی اور

5

مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پتھر پر ایک ضرب لگائی، پھر سلمان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آئے۔ سلمان نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے (آج) ایک بات دیکھی جو کبھی نہیں دیکھی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا: تم نے دیکھا سلمان کیا کہہ رہے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں (صحیح کہہ رہے ہیں) فرمایا: میں نے پہلی ضرب جو ماری تھی اور تم نے اس سے بجلی پیدا ہوتی دیکھی تھی، اس کی روشنی میں حیرہ (یعنی شاہان عراق جن کا تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات اور (کسریٰ کی تخت گاہ) مدائن میرے سامنے آگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتوں کے نوکیلے دانت ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میری اُمت وہاں (یعنی حیرہ اور مدائن) تک غالب آئے گی۔ پھر میں نے دوسری ضرب لگائی جس سے بجلی کوندتی تم نے دیکھی، اس کی چمک میں میں نے رومی سرخوں کے محلات دیکھ لیے جیسے کتوں کے نوکیلے دانت اور جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میری اُمت ان محلات پر قابض ہو جائے گی۔ تم کو اس کی خوشخبری ہو۔ یہ کلام سن کر مسلمانوں کے چہرے کھل گئے اور سب نے کہا ہر ستائش اسی اللہ کے لیے ہے جس کا وعدہ سچا ہے۔ اس نے محصور ہونے کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ فرمایا۔

منافق کہنے لگے کیا تمہارے لیے یہ بات اچنبھے کی نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو آرزومند کر رہے ہیں، تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو خبر دے رہے ہیں کہ یثرب سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کا مدائن ان کو دکھائی دے رہے ہیں اور ان سب پر تمہارا قبضہ ہوگا۔ تمہارے اندر اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ میدان میں نکلو، ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ اس پر آیت "**واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورًا**" نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا: "**قل اللّٰھم مالک الملک الخ**"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ صبح سردی تھی، مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے۔ غلام، خادم ان کے پاس یہ کام کرنے کے لیے نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن کو ملاحظہ کیا تو فرمایا:

ان العیش عیش الأخرۃ   فاغفر الانصار والمھاجرۃ

(درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ! انصار اور مہاجرین کو بخش دے)۔

صحابہ نے اس شعر کے جواب میں کہا:

نحن الذین بایعوا محمّدًا   علی الجھاد ما بقینا ابدًا

(ہم تو وہی ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لیے جب تک زندہ ہیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے)

حضرت براء بن عازب نے فرمایا: جنگ احزاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کی مٹی نکال رہے ہیں اور غبار کی وجہ سے شکم مبارک کی جلد گرد آلود ہو کر

چھپ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر بہت بال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی ڈھونے میں ابن رواحہ کے یہ شعر بطور رجز کے پڑھ رہے تھے اور شعر کے قافیہ پر آواز کو کھینچتے تھے (یعنی کھینچ کر ادا کرتے تھے):

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

(اے اللہ! اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے، نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے)۔

فانزلن سکینۃً علینا وثبّت الاقدام ان لاقینا

(ہم پر طمانیت خاطر نازل فرما اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھے)۔

ان الاوُلٰی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃً اَبینا

(انہی لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب انہوں نے فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا)۔

اب ہم پھر ابن اسحاق کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق (کی تکمیل) سے فارغ ہو چکے تھے کہ قریش اپنے احابیش اور دوسرے اہل تہامہ کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد میں آ کر مجتمع الاسیال میں فروکش ہو گئے اور بنی غطفان اپنے نجدی ساتھیوں کے ساتھ کوہ اُحد کے ایک جانب نقمی کے پیچھے حصہ میں اُترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ برآمد ہوئے اور کوہ سلع کو اپنی پشت پر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لشکر گاہ بنائی، خندق آپ کے اور دشمنوں کے درمیان حائل تھی۔ مسلمانوں نے حسب الحکم بچوں اور عورتوں کو پہاڑ کے اوپر پہنچا دیا۔

دشمن خدا حیی بن اخطب نضیری اپنے مقام سے اُٹھا اور کعب بن اسد قرظی کی طرف چل دیا۔ کعب نے بنی قریظہ کی طرف سے اپنی قوم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امن کا) معاہدہ کر لیا تھا اور مصالحت کر لی تھی۔ اس لیے حیی کے لیے اس نے اپنی گڑھی کا دروازہ نہیں کھولا، کھولنے سے صاف انکار کر دیا۔ حیی نے ہر چند دروازہ کھلوانے کی استدعا کی لیکن کعب ہرگز نہ مانا اور کہنے لگا: حیی! یہ بڑی بدبختی ہے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں اور اپنا معاہدہ ہرگز نہیں توڑوں گا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے میں نے ہمیشہ عہد کی پابندی اور سچائی ہی پائی ہے، اس لیے میں بھی نقض عہد کرنے والا نہیں۔ حیی نے کہا: دروازہ تو کھولو، میں تم سے بات کروں گا۔ کعب نے کہا: میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا: کعب! تم مجھے باہر چھوڑ کر دروازہ بند کیے بیٹھے ہو، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم کو اندیشہ ہے کہ اگر میں اندر آ جاؤں گا تو تمہارے ساتھ حصہ بانٹ کر لوں گا۔ کعب کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور (جوش میں آ کر) دروازہ کھول دیا۔ حیی اندر آ گیا اور کہا: کعب! میں زمانہ بھر کی عزت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، لہریں مارتا ہوا ایک سمندر چڑھا لایا ہوں۔ میں نے قریش کو ان کے کمانڈروں اور سرداروں کے ساتھ لا کر رومۃ الجندل کے مقام مجتمع الاسیال میں اُتار دیا ہے اور بنی غطفان کو ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ لا کر کوہ اُحد کے ایک پہلو پر نقمی کے پچھلے حصہ میں شام کو پڑاؤ ڈلوا دیا ہے۔ ان سب نے مجھ سے معاہدہ اور پختہ وعدہ کر لیا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ کعب بن

اسد نے کہا: خدا کی قسم! تم ابدی ذلت لے کر آئے۔ یہ ایک ایسا بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہے، اب اس میں سوائے گرج اور چمک کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلہ میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے سوائے سچ اور پابندی عہد کے کبھی غداری نہیں دیکھی۔ حیی بن اخطب کعب کو برابر اُتار چڑھاؤ اور فریب دیتا رہا یہاں تک کہ حیی نے کعب کے سامنے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ اگر قریش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کامیابی حاصل کیے بغیر واپس چلے گئے تو تمہاری اس گڑھی کے اندر میں بھی آ بسوں گا تا کہ جو دُکھ تم کو پہنچے اس میں تمہارا شریک رہوں۔

قبیلہ بنی قریظہ کا معاہدہ توڑ دینا

آخر کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور پابندی عہد جو اس پر لازم تھی، اس سے الگ ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اشہلی سردار اوس اور سعد بن عبادہ ساعدی سردار خزرج اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی اور خوات بن جبیر عمری کو تحقیق واقعہ کے لیے بھیجا اور فرمایا: تم لوگ جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع مجھے ملی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ اگر خبر صحیح ہو تو آ کر ایسے الفاظ میں مجھے اطلاع دینا کہ میں سمجھ جاؤں (ایسا نہ کرنا کہ عام لوگوں کے سامنے اعلان کر دو جس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور) لوگوں کے بازو نہ توڑ دینا اور اگر وہ ہم سے کیے ہوئے سابق معاہدہ پر قائم ہوں تو پھر علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو۔

مذکورہ بالا حضرات حسب الحکم گئے، یہودیوں کے پاس پہنچے اور جو خبر ان کے متعلق ملی تھی اس سے زیادہ بگڑی ہوئی حالت پر ان کو پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ بالکل ہی برگشتہ ہو گئے تھے اور صاف کہہ دیا تھا کہ اب ہمارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی معاہدہ نہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ کے مزاج میں تیزی تھی، آپ نے یہودیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: سعد بن عبادہ! ان سے گالی گلوچ چھوڑ دو، ہمارا ان کا معاملہ اب اس سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد دونوں سعد اور ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا: لا علاج مرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ غداری بہت سخت ہے، اللہ اکبر۔ اے گروہ اہل اسلام! تم کو بشارت ہو۔ غرض (صحابہ کے لیے) سخت مصیبت آ پڑی اور سخت خوف کا وقت آ گیا۔ دشمنوں نے اوپر (گڑھی کی طرف) سے اور نیچے (خندق کے پار کفار) کی طرف سے گھیر لیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی برے برے خیالات آنے لگے۔ بعض منافقوں کی طرف سے تو اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ یہاں تک کہ معتب بن قشیر عمری نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے تو وعدہ کر رہے ہیں کہ تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھاؤ گے لیکن ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع ضرورت کے لیے جنگل کو بھی نہیں جا سکتا۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے (**نعوذ باللہ**) وہ محض فریب ہے۔

اوس بن قیظی (منافق) نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے گھروں میں کوئی نگران نہیں اور گھر شہر کے باہر ہیں، آپ ہم کو اجازت دے

دیجئے کہ واپس گھروں کو چلے جائیں (اس شخص نے یہ بات غلط کہی تھی) ان لوگوں کے گھروں کی نگہبان انہیں کے قبیلہ کے مردوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر جب بنی قریظہ کی طرف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اطلاع دی کہ وہ لوگ قلعوں کو درست کر رہے ہیں، راستے اور سرحدیں بند کر رہے ہیں، چوپایوں کو گڑھیوں کے اندر جمع کر رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص دوست) زبیر ہے۔

کچھ اوپر بیس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ میں اور مشرک اپنے پڑاؤ پر قائم رہے، کوئی لڑائی نہیں ہوئی سوائے تیر یا پتھر پھینکنے کے، کسی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے بنی غطفان کے دو سرداروں یعنی عیینہ بن حصین اور ابوالحارث بن عمرو کو (پیام صلح دے کر) بلوایا اور ان سے فرمایا: تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے جاؤ کہ تم کو مدینہ کے نخلستان کی کل پیداوار (یعنی کھجوروں) کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا۔ وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ تحریر لکھ دی گئی لیکن ابھی دستخط ہونا باقی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اس کا تذکرہ کیا اور مشورہ طلب کیا۔ دونوں نے جواب دیا: یارسول اللہ! کیا ایسا کرنے کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے (اگر ایسا ہے) تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے، یا آپ نے خود یہ تدبیر مناسب سمجھی ہے اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں (تب بھی ہمارے لیے مجبوری ہے) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدے کے لیے ایسا کرنا چاہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کوئی وجہ نہیں، صرف تمہارے فائدے کے لیے میں نے ایسا ارادہ کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف ہو گئے اور ایک کمان سے سب تیر پھینکنا چاہتے ہیں اور ہر طرف سے وہ تم پر بھڑک اُٹھے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ کیا تمہارے خلاف ان کی اجتماعی طاقت کو توڑ دوں۔ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے، نہ ہم اللہ کو جانتے تھے نہ اس کی پرستش کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ان لوگوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارا ایک چھوہارا بھی بغیر خریدے یا بدون مہمانی کے کھا سکیں۔ اب جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرما دی اور آپ کی ذات مبارک کے سبب ہماری عزت افزائی کر دی تو کیا ہم ان کو اپنا مال (مفت) دے دیں؟ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں۔ بخدا! ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان (آخری) فیصلہ فرما دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر سن کر فرمایا: تم کو اختیار ہے (ایسا ہی کرو) حضرت سعد نے کاغذ لے کر تحریر مٹا دی اور کہا: اب یہ ہمارے خلاف جو کوشش کر سکتے ہیں، کریں۔

دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیے پڑے رہے، کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ صرف قریش کے چند شہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، ہبیرہ بن وہب مخزومی، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن خطاب اور مرداس بن لوی محاربی شامل تھے، گھوڑوں پر سوار ہو کر بنی کنانہ کی طرف سے گزرے اور ان سے کہا: لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ، آج تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون شہسوار ہے۔ پھر خندق کی طرف رُخ موڑا اور خندق کو دیکھ کر بولے: خدا کی قسم! یہ تدبیر ایسی ہے جس کو عرب (پہلے) نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد خندق میں ایک تنگ جگہ تلاش کر کے اس میں گھوڑوں کو داخل کر دیا۔ گھوڑے ان کو لے کر خندق اور کوہ سلع کے

درمیانی گڑھے میں گردش کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ بات دیکھی تو کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس سرحدی مقام پر جا پہنچے جہاں سے دشمن نے اپنے سواروں کو داخل کیا تھا۔ وہ سوار بھی تیزی کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقام کو بند کر دیا۔ عمرو بن عبدود بدر کی لڑائی میں شریک اور زخمی ہو گیا تھا، اس لیے جنگ اُحد میں شریک نہ تھا۔ جب خندق کا واقعہ ہوا تو اپنی اہمیت جتلانے کے لیے وہ بھی ساتھیوں کو ٹریننگ دینے کی غرض سے ساتھ آ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جب وہ خود دوسرے سواروں کے ساتھ مل کر آ کھڑا ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

عمرو! تو نے اللہ کو گواہ کر کے کہا تھا کہ جب کوئی قریشی تیرے سامنے کوئی سی دو باتیں (ایک مثبت، دوسری منفی) رکھے گا تو دونوں میں سے ایک بات کو تو اختیار کر لے گا۔ عمرو نے کہا: بیشک یہی بات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو میں تجھے اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو کہنے لگا: اس کی مجھے ضرورت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر میں تجھے میدان میں اُترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بولا: بھتیجے! ایسا کیوں کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی عمرو گرما گیا اور گھوڑے سے اُتر کر اس کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا یا اس کے منہ پر ایک ضرب رسید کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف چل پڑا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی پکڑ کی اور کشتی لڑنے لگے۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ دوسرے سوار شکست کھا کر خندق میں گھس کر بھاگ گئے۔ اس روز عمرو کے دو سپاہی بھی مارے گئے منبہ بن عثمان بن عبدالسباق بن عبدالدار کے ایک تیر لگ گیا تھا جس سے مکہ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی خندق کے اندر گھس کر جب درمیان میں پہنچا تو مسلمانوں نے اس پر سنگ باری کی۔ کہنے لگا: اے گروہ عرب! (لڑائی کا یہ کیا طریقہ ہے؟) جنگ کا طریقہ اس سے بہتر ہونا چاہیے (یعنی دو بدو لڑائی ہونی چاہیے) فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں اُتر پڑے اور عبداللہ کو قتل کر دیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مقتول کی لاش ہم کو بقیمت واپس دے دیجئے۔ فرمایا: ہم کو نہ اس کی لاش درکار ہے نہ قیمت کی ضرورت، لاش کو لے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خندق کی لڑائی کے دن ہم بنی حارثہ کی گڑھی میں تھے، مدینہ کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا۔ سعد بن معاذ بھی ہمارے ساتھ گڑھی کے اندر تھے، یہ واقعہ پردہ کا حکم نافذ ہونے سے پہلے کا ہے۔ سعد بن معاذ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے قلعہ سے باہر نکلے، بازو کھلی ہوئی تھی، ہاتھ میں چھوٹا برچھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے، کاش! لڑائی کو میرا اونٹ پالیتا، جب موت کا مقررہ وقت آ جائے تو مرنے میں کوئی باک نہیں۔

سعد کی ماں نے کہا: بیٹے! بہت جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تک جا پہنچ۔ بخدا! تو نے بہت دیر کر دی (تو پیچھے رہ گیا) میں نے کہا: سعد کی اماں! سعد جو زرہ پہنے ہیں میں چاہتی ہوں کہ اس سے بڑی زرہ ان کے بدن پر ہو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ان کے (برہنہ حصہ پر) کوئی تیر نہ آ لگے۔ سعد کی ماں نے کہا: اللہ کا جو حکم ہوگا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ (آخر) سعد کے ایک تیر لگ

گیا جس سے اکحل رگ کٹ گئی۔ یہ تیر حیان بن قیس غرفہ عامری نے مارا تھا۔ سعد نے (ابن غرفہ کو بددعا دی کہ) اللہ تجھے دوزخ میں درد رسیدہ کرے، پھر کہا، اے اللہ! اگر تو نے قریش سے لڑائی آئندہ باقی رکھی ہو تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لیے باقی رکھ کیونکہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے اتنی خواہش نہیں جتنی اس قوم سے لڑنے کی ہے جس نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا اور جھٹلایا اور (وطن سے نکالا، اور اگر تو نے ہماری اور قریش کی لڑائی ختم کردی ہو تو اسی (زخم) کو میرے لیے سبب شہادت بنادے) لیکن جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ (کی تباہی) کو دیکھ کر ٹھنڈی نہیں ہوجاتیں مجھے موت سے محفوظ رکھ۔ دورِ جاہلیت میں حضرت سعد بن معاذ اور بنی قریظہ باہم حلیف اور معاہد تھے۔

مجاہد اور محمد بن اسحاق نے بحوالہ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر، عباد کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے فرمایا: ہم حسان بن ثابت کی گڑھی میں تھیں، حسان بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے، اس وقت بنی قریظہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ تھی (معاہدہ ٹوٹ چکا تھا) بنی قریظہ کے اور ہمارے درمیان کوئی محافظ موجود نہ تھا کہ یہودیوں کی ہماری طرف سے مدافعت کرسکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کافروں کے مقابلہ میں مشغول جنگ تھے، دشمن کی طرف سے منہ موڑ کر ہماری طرف متوجہ نہیں ہوسکتے تھے۔ ایسی حالت میں وہ یہودی (گھومتا اور ٹوہ لیتا) نظر آیا تھا۔ میں نے حسان سے کہا: حسان! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص کسی غیر محفوظ جگہ سے یہودیوں کو اندر لے آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مشغول مقابل ہیں (یہاں پہنچ کر ہماری مدد نہیں کرسکتے) تم گڑھی سے اُتر کر جاؤ اور اس کو قتل کردو۔

حسان نے کہا: اے بنت عبدالمطلب! اللہ آپ کی مغفرت کرے، آپ تو واقف ہی ہیں کہ بخدا میں ایسا کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ جب میں نے حسان کا یہ جواب سن لیا اور سمجھ گئی کہ حسان کے اندر یہودی کو قتل کرنے کی بالکل جرأت نہیں ہے تو میں نے خود تہبند کسی اور خیمہ کی ایک ٹیکی لے کر گڑھی سے نکلی اور اس کی گردن پر ایسی ماری کہ وہ مرگیا۔ قتل کرکے گڑھی میں لوٹی تو میں نے حسان سے کہا: اب تم جاکر اس کے کپڑے اور ہتھیار اُتار لو، یہ اجنبی مرد ہے اس لیے میں خود ایسا نہیں کرسکتی۔ حسان نے کہا: بنت عبدالمطلب! مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان نے (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! میں مسلمان ہوگیا ہوں، لیکن میری قوم والوں کو میرا مسلمان ہوجانا معلوم نہیں ہے، اب آپ ہم کو جو چاہیں حکم دیں (ہم اس کی تعمیل کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہماری جماعت میں تنہا ہو، اگر کرسکتے ہو تو (ان جماعتوں میں پھوٹ ڈال دو اور) ایسا کردو کہ ہماری طرف سے ان کا رُخ مڑ جائے اور ایک جماعت دوسری کی مدد نہ کرے کیوں کہ لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ نعیم نے عرض کیا تھا، یارسول اللہ! مجھے یہ اجازت دے دیجئے کہ میں (ان سے) جو کچھ چاہوں،

کہوں (خواہ بات جھوٹی ہو)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اجازت پا کر نعیم بنی قریظہ کے پاس پہنچے (اسلام سے پہلے نعیم بن قریظہ کے ہم نشین تھے) اور کہا: اے بنی قریظہ! تم واقف ہو کہ میں تمہارا خالص دوست ہوں۔ بنی قریظہ نے کہا: تم نے سچ کہا، ہماری نظر میں تم مشکوک نہیں ہو۔ نعیم نے کہا: تو (سنو!) قریش اور غطفان لڑائی کے لیے آئے ہیں اور تم ان کے مددگار ہو لیکن ان کی حالت تمہاری حالت کی طرح نہیں ہے۔ یہ شہر تمہارا ہے، اس میں تمہارا مال ہے، اہل وعیال ہیں، تم اس کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو نہیں جاسکتے، رہے قریش وغطفان (وہ یہاں کے باشندے نہیں ہیں) ان کے مال اور اہل وعیال یہاں سے دور ہیں۔ اگر کامیابی کا موقع اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا تو بہتر ورنہ اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم کو اس شخص کے مقابلہ میں تنہا چھوڑ دیں گے اور یہ شخص تمہارے شہر میں رہتا ہے، تنہا اس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں (مناسب یہ ہے کہ) تم اعتماد حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں کے کچھ سرداروں کو اپنی تحویل میں بطور رہن رکھ لو تا کہ وہ تم کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کے ساتھ مل کر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو اور کھل کر ان کا مقابلہ کرو (اگر وہ ایسا نہ کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بری ہے)۔

بنی قریظہ نے کہا: تم نے صحیح مشورہ دیا۔ پھر نعیم کے یہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان وسرداران قریش سے کہا: تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو رائے رکھتا ہوں، اس سے بھی تم واقف ہو۔ مجھے ایک اطلاع ملی ہے اور میں بطور خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ خبر تم تک پہنچا دوں لیکن اس کو پوشیدہ رکھنا۔ قریش نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیم نے کہا: تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ گروہ یہود اب اپنے کیے پر پشیمان ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس انہوں نے پیام بھیجا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا، ہم اس پر نادم ہیں (اس کی تلافی میں) اگر ہم قریش وغطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں تا کہ تم ان کی گردنیں اُڑا دو تو کیا تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے؟ پھر ہم اور تم مل کر باقی لوگوں کا مقابلہ کریں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں کہلا بھیجا کہ بہتر ہے (ہم اس شرط پر تم سے مصالحت کے لیے تیار ہیں) لہٰذا یہودی اگر تمہارے پاس پیام بھیجیں اور تمہارے سرداروں کو اپنے پاس بطور رہن رکھنا چاہیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ اس کے بعد نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا اے گروہ غطفان! تم میرا کنبہ قبیلہ ہو اور میرے پیارے ہو، میرا خیال ہے کہ تم مجھے مشکوک نہیں سمجھتے ہو۔ بنی غطفان نے جواب دیا: تم نے سچ کہا (واقعی تم ہمارے دوست ہو) نعیم نے کہا: تو بات چھپی رکھنا (ظاہر نہ ہونے پائے) بنی غطفان نے کہا: ایسا ہی کریں گے۔ اس کے بعد نعیم نے جو بات قریش سے کہی تھی وہی بنی غطفان سے بھی کہہ دی اور جس بات کا ان کو اندیشہ دلایا تھا، اسی بات کا خوف بنی غطفان کو بھی دلایا۔

شنبہ کی رات ماہ شوال ۵ ہجری کو اللہ نے اپنے رسول کی کارسازی اس طرح کی کہ ابوسفیان نے ورقہ بن غطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان وقریش کے چند آدمیوں کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا، ان لوگوں نے جا کر بنی قریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے کو تو آئے نہیں، ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوئے جا رہے ہیں۔ آپ لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں تا کہ ہم کھل کر باہر نکل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کریں اور اس جھگڑے سے فارغ ہو جائیں جو ہمارا محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔ یہودیوں نے پیام بھیجا: آج سنیچر کا دن ہے، سنیچر کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ ہم میں سے بعض لوگوں نے سنیچر کے دن کچھ بدعت کی تھی، اس کی جو سزا ان کو ملی وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر ایک بات یہ ہے کہ جب تم ہمارے پاس اپنے کچھ آدمی بطور رہن نہ چھوڑو گے، ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے والے نہیں ہیں، اگر ایسا کردو گے تو ہم کھل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑیں گے۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی سے تم کو کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہم کو چھوڑ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور یہ لوگ ہمارے اسی شہر کے باشندے ہیں، ہم تنہا ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

قاصد جب بنی قریظہ کا یہ جواب لے کر لوٹے تو قریش وغطفان نے کہا: تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک آدمی بھی ہم تمہارے قبضہ میں نہیں دیں گے۔ اگر (بلا شرط) تم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے) لڑنا چاہتے ہو تو نکلو اور جنگ کرو۔ قاصد یہ پیام لے کر بنی قریظہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: نعیم بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر (فتح کا) ان کو موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں ورنہ سمٹ کر اپنے شہروں کو چلے جائیں اور تم کو تمہارے گھروں میں اس شخص کے مقابل تنہا چھوڑ جائیں۔ اس کے جواب میں بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو وہی پیام بھیجا کہ یا تو اطمینان کے لیے تم اپنے کچھ سرداروں کو ہمارے پاس بطور گروی چھوڑ دو لیکن قریش نے نہ مانا۔ اس طرح اللہ نے ایک کو دوسرے کی مدد سے محروم کردیا۔ شدید سردی کی رات تھی اور بہت ہی سخت ٹھنڈک تھی، اللہ نے ایک طوفانی ہوا بھیج دی جس سے کافروں کی (چڑھائی ہوئی) ہانڈیاں اُلٹ گئیں اور ہوا نے برتنوں کو پھینک دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی پھوٹ کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو یہ بات معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ رات کو کیا واقعہ ہوا۔ محمد بن اسحاق نے بوساطت زید بن زیاد، محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے اور بعض اہل روایت نے ابراہیم تیمی کے والد کا قول بھی بیان کیا ہے۔ دونوں کی روایت ہے کہ ایک کوفی جوان نے حضرت حذیفہ بن یمان سے دریافت کیا: ابو عبداللہ! کیا آپ (حضرات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: ہاں بھتیجے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے) جوان نے کہا: پھر تمہارا سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: ہم تیاری کرتے تھے۔ جوان بولا: اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پیدل نہ چلنے دیتے، اپنی گردنوں پر اُٹھائے رہتے اور آپ کی (ہر وقت) خدمت کرتے۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا: بھتیجے (تم کو کیا معلوم کہ وہ زمانہ کتنا مصائب کا تھا) خدا کی قسم! وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ احزاب کی ایک رات کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور انتہائی سخت سردی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایسا ہے کہ اُٹھ کر جائے اور ہم کو ان لوگوں کی خبر لا کر دے جو کوئی ایسا کرے گا، اللہ اس کو جنت میں داخلہ عطا فرمائے گا۔ یہ بات سن کر (بھی) ہم میں سے کوئی نہیں اُٹھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک نماز پڑھی اور نماز کے بعد ہماری طرف رُخ موڑ کر وہی پہلی بات فرمائی۔ لیکن سب خاموش رہے، ہم میں سے کوئی بھی نہیں اُٹھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیر تک نماز پڑھتے

رہے اور نماز کے بعد فرمایا: جو شخص اُٹھ کر جائے گا اور دیکھ کر ہم کو آ کر بتائے گا کہ ان لوگوں نے کیا کیا تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ یہ سننے کے بعد بھی سخت سردی، سخت بھوک اور شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص بھی نہیں اُٹھا۔ جب کوئی نہیں اُٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور پکار کہا: اے حذیفہ! اب میرے لیے اُٹھے بغیر چارہ نہ رہا، میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! پھر اُٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، اس وقت (سردی کی وجہ سے) میرے دونوں پہلو کپکپا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا، پھر فرمایا: ان لوگوں کے پاس پہنچ کر ان کی خبر لاؤ لیکن میرے پاس پہنچنے تک کچھ (چھیڑ چھاڑ) نہ کر بیٹھنا۔ اس کے بعد فرمایا: اے اللہ! آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

میں نے اپنے تیر لیے، ہتھیار باندھے اور پیدل ان کی طرف روانہ ہوگیا۔ نکلا ہی ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ حمام میں چل رہا ہوں (ساری سردی غائب ہوگئی) چلتے چلتے ان لوگوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اللہ کے حکم سے ان لوگوں پر ایک ہوا کا طوفان اور (غیبی) لشکر آ گیا اور اللہ کے اس لشکر نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ان کی ایک ہانڈی کو (چولہے پر) اور آگ کو (چولہے میں) اور ڈیرے، چھولداری کو (زمین پر) قائم نہ رہنے دیا۔ اس وقت ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا۔ میں نے تیر نکالا، کمان کے چلہ پر چڑھایا اور چھوڑنا چاہتا ہی تھا کیونکہ اگر اس وقت میں تیر چھوڑ دیتا تو ٹھیک ابوسفیان کے لگ جاتا۔ لیکن مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا، جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے، اس لیے میں نے تیر واپس نکال کر رکھ دیا۔ ابوسفیان نے جو یہ تباہی دیکھی تو کہا: اے گروہ قریش! تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور دیکھ لے کہ وہ کون ہے (تا کہ کوئی جاسوس ہمارے لشکر میں نہ گھس آئے، شناخت ہوجائے) یہ سن کر میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: سبحان اللہ! کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔

ابوسفیان نے کہا: اے گروہ قریش! تمہارے قیام کی یہ جگہ نہیں ہے (کہ ہمیشہ یہاں رہنا ہو) اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوگئے، بنی قریظہ نے بھی ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہم کو وہ (پیام) ملا جو ہمارے لیے ناگوار تھا۔ ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو بپتا ہم پر پڑی وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو، لہٰذا کوچ کر چلو، میں تو روانہ ہورہا ہوں، اس کے بعد ابوسفیان اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹ کے پاس پہنچا، اونٹ کے پاؤں میں اس وقت دھنگنا بندھا ہوا تھا (اور وہ بیٹھا ہوا تھا) ابوسفیان اس پر سوار ہوگیا اور اس کو مارا۔ اونٹ فوراً تین ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا، چوتھی ٹانگ کا دھنگنا کھڑا ہونے کی حالت میں کھولا گیا۔ میں نے سنا ہے کہ جو عمل قریش نے کیا، وہی غطفان نے بھی کیا اور سب اپنے شہروں کو لوٹ پڑے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں۔ خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو میں نے ان لوگوں کا واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، اتنے کہ رات کی تاریکی میں (سفید چمک دار) کچلیاں نمودار ہوگئیں۔ جب میں اطلاع دے چکا تو وہ سینک (جو اس آمد ورفت اور ٹوہ لگانے کے دوران حمام

کی گرمی جیسی محسوس ہورہی تھی وہ) بھی غائب ہوگئی (اور حسب سابق سردی محسوس ہونے لگی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قریب اپنے قدموں کے پاس کرلیا اور اپنے کپڑے کا ایک پلہ میرے اوپر ڈال دیا اور میرا سینہ اپنے تلووں سے چمٹا لیا، اس طرح میں برابر سوتا رہا۔ جب صبح ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سونے والے اب اُٹھ جا!

اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩

ترجمہ جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگتے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کررہے تھے۔

تفسیر ⑩ "اذ جاء و کم من فوقکم" یعنی مشرق کی طرف سے وادی کی بالائی جانب سے۔ یہ آنے والے بنی اسد، بنی غطفان اور بنوقریظہ تھے۔ مالک بن عوف نصری اور عیینہ بن حصین فزاری ایک ہزار غطفانیوں کو لے کر مشرق کی طرف سے چڑھ آئے تھے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی بھی قبیلہ بنی اسد کو لے کر ان کے ساتھ موجود تھا۔ بنوقریظہ کا لیڈر حیی بن اخطب تھا۔

"ومن اسفل منکم" یعنی بطن وادی سے مغرب کی طرف سے، بنی کنانہ اور قریش ان کے ساتھ آئے تھے۔ ابوسفیان ان کا کمانڈر تھا اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی خندق کی جانب تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ خندق کی طرف آنے پر مجبور کیا، وہ بنی نضیر کا جلاوطن ہونا۔

"واذ زاغت الابصار" جب اس کی طرف مائل ہوئے۔ بعض نے کہا کہ وہ ہر چیز کی طرف مائل ہوئے، وہ صبح کے وقت ان کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"وبلغت القلوب الحناجر" خوف کی وجہ سے پھیپھڑے حلق کی طرف آنے لگے، کلیجہ کا منہ کو آنا ایک مثل ہے جو شدت خوف کو ظاہر کرتی ہے۔ فراء کا قول ہے کہ جب وہ بزدل ہوئے اور ان پر خوف کا غلبہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان کے پھیپھڑے پھولنے لگے اس پھولنے کی وجہ سے دل اوپر کو حلق کی طرف اُٹھنے لگتا ہے۔ کلیجہ کا منہ کو آنا ایک شدت اور خوف کی وجہ سے ہے۔ "وتظنون باللہ الظنونا" ظن کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ منافق گمان کرنے لگے تھے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی جڑ اُکھڑ جائے گی اور پختہ ایمان والے اللہ کے وعدے کو سچا جانتے تھے اور فتح اور ظفر کا ان کو یقین تھا اور ضعیف الایمان لوگ تذبذب میں مبتلا ہوگئے تھے کہ جانے کیا ہوگا۔ قراء اہل مدینہ اور شام اور ابوبکر نے "الظنونا" الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے وصلاً بھی پڑھا ہے اور وقفاً بھی پڑھا ہے کیونکہ مصاحف میں الف کے ساتھ مثبت ہے۔ قراء اہل بصرہ اور حمزہ نے بغیر الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے الف کے ساتھ حالت وقف میں پڑھا ہے وصل کی حالت میں نہیں۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ. اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬

ترجمہ: اس موقعہ پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے اور جبکہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو اور بعض لوگ ان میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔

تفسیر: ⑪"هنالک ابتلی" اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور ان کو سخت جھنجھوڑ دی گئی۔ "المؤمنون" امتحان اس لیے لیا گیا تا کہ مخلص مسلمان، ایمان والوں کو چھانٹ لیا جائے اور منافقوں کو اور کمزور ایمان والوں کو الگ کر دیا جائے۔ "وزلزلوا زلزالاً شديدًا" اور ان کو سخت جھنجھوڑ دی گئی۔

⑫"واذ يقول المنافقون" یہ منافق معتب بن قشیر اور عبداللہ بن ابی وغیرہ تھے۔ "والذين في قلوبهم مرضٌ" وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنے اعتقاد کی کمزوری کی وجہ سے "ما وعدنا الله ورسوله الا غرورًا" یہ اہل نفاق کا قول ہے کہ منافقوں نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ملک شام اور فارس کے محلات کی فتح کا وعدہ دے رہے ہیں باوجودیکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ڈر کے مارے ہم میں سے کوئی بھی اپنے پڑاؤ سے ہٹ نہیں سکتا۔ خدا کی قسم یہ وعدہ محض فریب ہے۔

⑬"واذقالت طائفة منهم" اس سے مراد منافق ہیں۔ اوس بن قبطی اور ان کے دوست ہیں۔ "يا اهل يثرب" اس سے مراد مدینہ ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا یثرب ایک قطعہ زمین کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں مدینۃ الرسول واقع ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیونکہ یثرب کا لفظ ثرب، یثربہ سے مشتق ہے ان کا معنی ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا۔ "لامقام لكم" کہ تمہارے لیے کوئی مکان نہیں ہے کہ جس میں تم اُترتے ہو اور اس میں قیام کرتے ہو۔ "فارجعوا" اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چھوڑ دو یا یہ مطلب ہے کہ اسلام پر تمہارا قیام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے شرک کی طرف لوٹ جاؤ۔ بعض نے کہا کہ قتال سے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ "ويستأذن فريق منهم النبي" اور وہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔ "يقولون ان بيوتنا عورة" کہ ہمارے گھر خالی ہیں۔ ان پر دشمن کا حملہ ہو سکتا ہے اور چور بھی آ کر مال لے جا سکتے ہیں۔ ابو رجاء عطاردی نے (عورة) واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہمارے گھروں کی

دیواریں چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے گھروں میں چور آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور فرمایا: "وما ھی بعورۃ ان یریدون الا فرارًا" ان کا ارادہ بھاگ جانا ہے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً. وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱

(ترجمہ) اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ گھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاوے تو یہ اس کو منظور کر لیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہو سکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے (نسبی یا وطنی) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔

(تفسیر) ⑭ "ولو دخلت علیھم" اور اگر مدینہ میں ان کے اطراف میں سے کوئی ان پر آ گھسے، پھر ان سے فتنہ کی درخواست کی جائے تو وہ ضرور فتنہ کے مرتکب ہو جائیں۔ "من اقطارھا" مدینہ کے جوانب اور آس پاس سے اقطارھا جمع ہے قطر کی۔ "ثم سئلوا الفتنۃ" فتنہ سے مراد شرک ہے۔ "لاتوھا" تو یہ ضرور کسی فتنہ کے مرتکب ہو جائیں گے۔ قراء اہل حجاز نے اس کی قرأت "لاتوھا" مقصور پڑھی ہے۔ "وما تلبثوا بھا" جب تک ان کو فتنہ سے روک دیا جائے۔ "الا یسیرًا" وہ شرک کی اجابت کی طرف جلدی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے دل کو اچھی لگتی ہے۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حسن اور فراء کا قول ہے مدینہ میں صرف تھوڑی مدت ٹھہریں، پھر انکو جلاوطن کر دیا جائے یا ہلاک کر دیا جائے۔

⑮ "ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل" غزوہ خندق سے پہلے۔ "لا یولون الادبار" دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ یزید بن رومان کا بیان ہے کہ جنگ اُحد کے دن بنی حارثہ نے ارادہ کیا کہ بنی سلمہ کو قتل کر دیں گے لیکن جب ان کے حق میں آیت

کا نزول ہوا تو انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ کچھ لوگ غزوہ بدر سے غیر حاضر تھے لیکن جب انہوں نے اہل بدر کی خداداد عزت و برتری دیکھی تو کہنے لگے کہ آئندہ اگر اللہ نے ہم کو کسی لڑائی میں شریک ہونے کی توفیق دی تو ہم ضرور ضرور لڑیں گے، انہی لوگوں کی طرف اللہ نے آیت مذکورہ میں اشارہ کیا ہے۔

لیلۃ العقبہ میں بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ وہ ستر افراد تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر لیلۃ العقبہ میں بیعت کی تھی۔ ان ستر آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے لیے اپنے رب کے بارے میں اور اپنے بارے میں کوئی شرط رکھیں جو آپ چاہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لیے یہ شرط (عہد) لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہارا عہد میرے لیے یہ ہے کہ جس چیز سے میں تمہیں روکوں اس چیز سے تم اپنے آپ کو بھی روکو اور اپنے گھر والوں کو اور اپنی اولاد کو بھی روکو۔ وہ کہنے لگے جب ہم ایسا کرلیں گے تو پھر ہمارے لیے کیا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دُنیا میں تمہاری مدد اور آخرت میں تمہارے لیے جنت ہوگی۔ وہ کہنے لگے ہم نے ایسا کردیا، ہمارا آپ سے عہد ہے۔ یہ بات ہم اپنی مرضی سے نہیں کہہ رہے کیونکہ لیلۃ العقبہ میں ستر افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی نہ اس میں کسی قسم کا شک ہے اور نہ کوئی ان کی طرح ایسی بات کرتا ہے۔ پس یہ آیت اسی قوم کے متعلق نازل ہوئی جس نے اللہ کے عہد کی نافرمانی کی اور اپنے وعدہ کو توڑ دیا۔ "**وکان عهد الله مسؤلاً**" اور اس عہد کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا۔

⑯ "**قل**" ان سے کہہ دیجئے۔ "**لن ينفعكم الفرار ان فررتم من الموت أو القتل**" تم پر جو کچھ لکھا جاچکا ہے کیونکہ جس کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ از خود اپنی موت مر جاتا ہے یا وہ میدان جہاد میں قتل ہو جاتا ہے۔ "**واذًا لا تمتعون الا قليلاً**" دُنیا میں زندہ رہ کر تم تھوڑی مدت تک یا تھوڑا سا مزہ حاصل کرسکو گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لیے مفید بھی ہو تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہ رہتا کیونکہ دُنیا بہر حال فناء ہونے والی ہے۔

⑰ "**قل من ذاالذى يعصمكم من الله**" کون ہے جو تمہیں میرے عذاب سے بچائے۔ "**ان ارادبكم سوءً**" سوء سے مراد شکست ہے۔ "**او ارادبكم رحمة**" رحمت سے مراد نصرت ہے۔ "**ولايجدون لهم من دون الله وليًا**" قریب جو ان کو نفع دے۔ "**ولا نصيرًا**" جو ان کو عذاب سے بچانے کے لیے مددگار ہو۔

⑱ "**قديعلم الله المعوقين منكم**" وہ منافق جو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور ہمراہ رہنے سے روکتے تھے۔ "**والقائلين لاخوانهم هلم الينا**" وہ کہتے کہ ہماری طرف آجاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ دو ان کے ساتھ جنگوں میں شریک نہ ہو، ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے

ساتھی گوشت کی طرح ہیں۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھی ان کو لقمہ بنالیں گے۔ یہ شخص تو تباہ ہونے والا ہی ہے اس کو چھوڑ دو۔

مقاتل کا بیان ہے کہ یہودیوں نے منافقین کے پاس پیغام بھیجا اور کہا تم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے اپنے آپ کو کیوں قتل کرانا چاہتے ہو، اس بار اگر ابوسفیان اور اس کے ساتھی قابو پاگئے تو ہم سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے، تم لوگ ہمارے بھائی ہو، ہمارے ہمسائے ہو، ہم کو تمہارے متعلق اندیشہ ہے، ہمارے ساتھ آملو۔ یہ پیغام سن کر عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر مؤمنوں کی طرف متوجہ ہوا، ان کو شرکت جنگ سے روکنے لگا اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا خوف مسلمانوں کے دلوں میں بٹھانے لگا، ان منافقوں نے مسلمانوں سے کہا، اگر ابوسفیان وغیرہ نے تم پر قابو پالیا تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا لالچ ہے ان کے پاس تو خیر نہیں ہے۔ بس وہ تو تم کو قتل کرانا چاہتے ہیں، ہمارے ساتھ مل کر ہمارے بھائیوں یعنی یہودیوں کے پاس چلے جاؤ، منافقوں کے اس اغواء سے مسلمانوں کے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آئی بلکہ ایمان کی پختگی اور ثواب کی اُمید اور بڑھ گئی۔ اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں "ولا یاتون الباس" بأس سے مراد جنگ ہے۔ "الا قلیلاً" مگر تھوڑے سے وہ بھی ریا اور دکھاوے کیلئے اگر یہ قلیل بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جاتے تو کثیر ہو جاتے۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِیْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ⑲ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ. وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ⑳

ترجمہ: تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز باتوں سے طعنے دیتے ہیں مال پر حرص لئے ہوئے یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے تو ان کے تمام اعمال نیک بیکار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (جولوٹ کر) آجاویں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتیوں میں باہر جارہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یونہی سا لڑیں۔

تفسیر: ⑲ "اشحة علیکم" اللہ کے راستے میں دینے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں فقر نہ آجائے یا تمہاری فتح اور مال غنیمت حاصل ہو جانے میں بڑی کنجوسی کرتے ہیں۔ "فاذا جاء الخوف رائیتھم ینظرون الیک تدور اعینھم" وہ آپ کو دیکھتے ہیں خوف و بزدلی کے باعث۔ "کالذی یغشی علیه من الموت" گویا کہ ان پر بیہوشی طاری ہے موت کے

باعث۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب موت قریب آ جاتی ہے اور عقل ٹھکانے پر نہیں رہتی اور اس کی آنکھیں ایک جگہ کھڑی ہوتی ہیں وہ دوسری طرف نہیں دیکھتے۔ "فاذا ذھب الخوف سلقوکم" جب ان سے خوف دور ہو جاتا ہے وہ اذیت دینا شروع کر دیتے ہیں۔ "بالسنۃ حدادٍ" جمع ہے حدید کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی تمہاری تنقیص کرتے ہیں تمہاری غیبت کرتے ہیں۔ قتادہ کا بیان ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت تم سے زبان درازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لڑائی میں تمہارے ساتھ تھے، تم ہم سے زیادہ مال غنیمت کے حق دار نہیں ہو۔ گویا وہ مال غنیمت کے وقت کنجوس اور لڑائی کے وقت بزدل ہیں۔ "اشحۃ علی الخیر" مال غنیمت کے وقت وہ مؤمنین پر حرص کرتے ہیں۔ "اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم" مقاتل نے اس کا معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جہاد کو باطل کر دیا۔ "وکان ذلک علی اللہ یسیرًا"

⑳ "یحسبون" یہ لوگ منافقین ہیں۔ "الاحزاب" اس سے مراد قریش، غطفان کے یہود ہیں۔ "لم یذھبوا" کہ وہ قتال سے نہیں پھرے، بزدلی اور جماعت در جماعت حالانکہ وہ پھر چکے ہیں۔ "وان یأتی الاحزاب" اگر وہ بھاگنے کے بعد دوبارہ قتال کرنے کے لیے آ جائیں۔ "یودوا لو انھم بادون فی الاعراب" اگر وہ گروہ دوبارہ آ جائیں تو پھر یہ پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر صحراء میں جا رہے ہیں۔ "یسالون عن انبائکم" وہ خبریں پوچھتے رہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کیا ہوا۔

یعقوب نے اس کو "یساء لون" پڑھا ہے تشدید اور مد کے ساتھ اور وہ اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ "ولو کانوا" اگر یہ منافقین "فیکم ما قاتلوا الا قلیلاً" تھوڑا سا بھی قتال کرتے تو ان کا عذر باقی رہتا تو یہ شور اُٹھاتے کہ ہم نے تو قتال کیا۔ کلبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اگر یہ تھوڑے سے بھی پتھر پھینک دیتے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اگر یہ تھوڑا سا بھی قتال کرتے تو دکھاوا اور ریا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ㉑ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ㉒ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ㉓

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے خبر دی تھی اللہ اور رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہو گئی ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر تبدل نہیں کیا۔

تفسیر: ㉑ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ" عاصم نے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ

پڑھا ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں بمعنی قدوۃ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے، اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لیے خصائل حمیدہ موجود ہوں۔ بعض نے کہا کہ قدوۃ اقتداء سے بنا ہے یہ اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے۔ یعنی تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی لازم ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی دین کی مدد کرتے ہو۔ ان کا دانت مبارک جنگ میں شہید ہوا، ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے ہر دُکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی۔ لہٰذا تم بھی ان کی طرح مصائب وشدائد پر صبر کرو اور ان سے ہمدردی کرو اور ان کے طریقے پر چلو۔

"لمن کان یرجوا اللّٰہ" لکم کے بدلے میں لمن ذکر کیا تخصیص بعد التعمیم کے لیے' کہ پہلے مؤمنین کے لیے خاص کیا، ان لوگوں کے لیے جو ایام اللہ خصوصاً روز آخرت کی اُمید رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ کے ثواب اور اس کی ملاقات اور نعمت آخرت کا اُمیدوار ہے۔ مقاتل نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور روز حشر سے جبکہ اعمال کا بدلہ ملے گا۔ "والیوم الاخر وذکر اللّٰہ کثیرًا" جو قیامت کے دن سے ڈرا جس دن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور تمام مواطن میں اللہ کا ذکر کیا خواہ وہ خوشی میں ہو یا تنگی میں۔ پھر اس کے بعد مؤمنین کے وصف کی حالت کو بیان کیا جب وہ جنگ احزاب میں کافروں سے ملے۔

㉒ "ولما رأی المؤمنون الاحزاب قالوا" اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کے وعدہ کو سچا جانتے ہوئے۔ "ھذا ما وعدنا اللّٰہ و رسولہ و صدق اللّٰہ و رسولہ" جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا، اس کا تذکرہ سورۃ بقرہ کے اندر بھی گزر چکا ہے۔ "ام حسبتم أن تدخلوا الجنة ولمّا یأتکم مثل الذین خلوا من قبلکم" سے لے کر "الا انّ نصر اللّٰہ قریب" آیت میں یہ آتا ہے کہ جب مؤمنین اس مصیبت کو پہنچیں گے جب وہ جنگ احزاب میں پہنچے اور ان کو سختی پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے سچ کر دکھایا۔ "وما زادھم الا ایمانًا و تسلیما" اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہوئے اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے۔

㉓ "من المؤمنین رجال صدقوا ماعاھدوا اللّٰہ علیہ" یعنی ہم اللہ کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور اللہ کے وعدہ کو سچ کر دکھائیں گے (پورا کریں گے)۔ "فمنھم من قضی نحبہ" جو اپنی نذر سے فارغ ہو گیا اور اپنے وعدے کو پورا کیا اور جہاد پر ثابت قدم رہا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ نحب کا معنی نذر بھی ہے اور موت بھی۔ "قضی نحبہ" اس نے اپنی میعاد زندگی پوری کر لی، یعنی مر گیا۔ نحب اگر بمعنی موت لیا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ اس نے اپنا عہد پورا کر دیا اور اسی حالت میں اس کو موت آ گئی جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے صحابہ۔

بعض علماء کے نزدیک "قضی نحبہ" کا معنی یہ ہے کہ اس نے ایفائے عہد کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ عرب کا قول ہے "نحب فلان مسیرة یومه ولیلة" اس نے شب وروز چلنے میں اپنی پوری کوشش خرچ کر دی۔ محمد بن اسحاق نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ "فمنھم من قضی نحبہ" سے مراد جو جنگ بدر اور اُحد میں شہید ہوئے اور "ومنھم من ینتظر"

سے مراد وہ مؤمنین ہیں جنہیں ان جنگوں میں شہادت نہیں ملی وہ دو اُمور میں سے ایک کا انتظار کرنے لگے۔ شہادت یا نصرت خداوندی۔ "وما بدلوا تبدیلاً" اور انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کی کوئی تبدیلی نہیں کی۔

فمنھم من قضی نحبه کا شانِ نزول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کی لڑائی سے غیر حاضر رہے تھے ان کے لیے یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی اس لیے انہوں نے کہا تھا کہ سب سے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر رہا، آئندہ اگر اللہ نے مشرکوں سے جنگ کرنے میں مجھے حاضر ہونے کی توفیق دی تو میری کارگزاری اللہ دیکھ لے گا۔ چنانچہ اُحد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انس بن نضر نے کہا اے اللہ! ان لوگوں نے یعنی ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس کا عذر خواہ ہوں اور انہوں نے جو کچھ کیا اس سے تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں، کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے۔ حضرت انس بن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا یہاں آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ انس بن نضر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا کرو گے اُٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے، تم بھی اسی پر شہید ہو جاؤ، اس کے بعد مشرکوں کی طرف رُخ کر کے چل دیئے ، اُحد سے پرے حضرت سعد سے ملاقات ہوئی، سعد نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضرت سعد کا بیان ہے کہ حضرت انس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ کام کیا جو میں نہیں کر سکا، مجھ سے کہا سعد۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کہا اے ابوعمرو! ہاہا یہ جنت کی ہوا ہے۔ قسم ہے اب نضر کی مجھے اُحد کے قریب جنت کی ہوا محسوس ہو رہی ہے۔ پھر آگے بڑھے اور اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم پر تلوار، تیر اور بھالے کی ضربوں کے کچھ اسی (۸۰) زخم لوگوں نے پائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی لاش کو کافروں نے مثلہ کر دیا تھا۔ لوگوں نے لاش کو شناخت بھی نہیں کیا، صرف آپ کی بہن بشامہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر پہچانا۔ انس فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ آیت "رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیه فمنھم من قضی نحبه" حضرت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔

حضرت خباب بن ارت سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ہم میں سے بعض لوگ تو چلے گئے اور اپنی کوشش کا کوئی پھل (دُنیا میں) نہ کھا پائے جن میں سے ایک مصعب بن عمیر بھی تھے، اُحد کے دن شہید ہو گئے تو سوائے ایک نمدہ کے اتنا کپڑا نہ تھا کہ ہم ان کو کفن دے سکتے۔ نمدہ بھی اتنا تھا کہ سر چھپاتے تھے تو قدم کھلتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر کھلا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سر پر ڈال دو اور پاؤں کو اذخر (گھاس) سے چھپا دو اور کچھ لوگوں کی کوشش کا پھل پختہ ہو گیا جس کو وہ دُنیا میں کھا گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ کر فرمایا جو شخص پسند کرتا ہو کہ روئے زمین پر (زندہ) چلتے پھرتے ایسے آدمی کو دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کردی ہے تو وہ اس کو دیکھ لے۔ قیس بن حزام سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ شل دیکھا۔ جنگ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملہ سے انہوں نے اس ہاتھ کے ذریعے محفوظ رکھا تھا۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ㉔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ㉕ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ㉖

ترجمہ یہ واقعہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دیوے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔

تفسیر ㉔ "**لیجزی اللّٰہ الصادقین بصدقھم**" تا کہ اللہ ان کی سچائی کا بدلہ عطا فرمائے یا ان کی سچائی کے سبب ثواب عنایت کرے۔ صدق سے مراد ہے عہد کا پورا کرنا۔ "**ویعذب المنافقین ان شاء او یتوب علیھم**" ان کو اللہ تعالیٰ ایمان کی طرف ہدایت کردے۔ "**انّ اللّٰہ کان غفورًا رحیمًا**"

㉕ "**ورد اللّٰہ الذین کفروا**" اس سے مراد قریش اور غطفان ہیں۔ "**بغیظھم**" جو ان لوگوں کا ارادہ تھا وہ پورا نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنے سینوں میں غصے سے بھرے ہوئے واپس لوٹ آئے۔ "**لم ینالوا خیرًا**" ان میں کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ "**وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال**" فرشتے اور ہوا "**وکان اللّٰہ قویًّا عزیزًا**" اس کی بادشاہت قوی ہے اور نافرمانوں سے انتقام لینے میں غالب ہے۔

㉖ "**وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب**" یعنی احزاب کی مدد کی کہ قریش وغطفان کی جماعتوں کی پشت پناہی کی تھی، ان کو ان کی گڑھیوں سے نیچے اُتار لایا۔ "**من صیاصیھم**" گڑھی، قلعہ اس کا واحد صیصیہ ہے۔ اسی سے ہرن کے سینگ، مرغ کا کانٹا اور جولاہے کا تانا ٹھیک کرنے کا اوزار، ان سب کو اسی مناسبت سے صیصیہ کہا جاتا ہے۔

واقعہ بنی قریظہ

یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب تھکے ہارے خندق سے لوٹے تو ہتھیار کھول دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور پانی طلب کر کے سر دھونے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کا سر دھونے لگیں اور ایک طرف کا سر بھی دھو دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ (باہر) کسی شخص نے ہم کو سلام کیا، ہم گھر کے اندر تھے۔

محمد بن عمرو نے کہا: وہ شخص جنازوں کے رکھنے کے مقام میں کھڑا تھا، اس نے پکار کر کہا: اے جنگ کرنے والے! (ہتھیار کھول دینے کا) تمہارے پاس کیا عذر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آواز سنتے ہی گھبرا کر اُچھل پڑے اور یکدم تیزی سے کود کر باہر نکل گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور کواڑوں کے سوراخ میں سے دیکھنے لگی۔ مجھے دحیہ کلبی کی صورت نظر آئی جو اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ شخص عمامہ لپیٹے ہوئے تھا، اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے جلد ہتھیار کھول دیئے، اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے حالانکہ جب سے دشمن اترا ہے ملائکہ نے اس وقت سے اب تک اسلحہ نہیں کھولے۔ دوسری روایت میں ہے چالیس دن سے ملائکہ نے اسلحہ نہیں کھولے۔ ہم نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اس وقت انہیں کے تعاقب سے لوٹ کر آئے ہیں۔ اللہ نے ان کو بھگا دیا اور آپ کو حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ سے جا کر جنگ کرو۔ میں اپنے ساتھ والے ملائکہ کو لے کر انہیں کی طرف جا رہا ہوں تا کہ ان کے قلعوں میں زلزلہ پیدا کر دوں۔ آپ بھی لوگوں کو لے کر نکل کر (میرے بعد) آ جیئے۔

حمید بن ہلال کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھی تھک چکے ہیں، اگر آپ چند روز کی انہیں مہلت دے دیں تو بہتر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ اُٹھ کر ان پر چڑھائی تو کریں، میں ان کو اس طرح دے پٹکوں گا جیسے انڈا پتھر کی چٹان پر پٹکا جاتا ہے، پھر ان کو ہلا ڈالوں گا (یعنی قلعوں سے باہر نکل پڑنے پر مجبور کر دوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا)۔

محمد بن عمرو کی روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا: جب ہم بنی قریظہ پر پہنچے تو ہم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو لڑائی کا یقین ہو چکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر قلعہ کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا۔ ان لوگوں نے اپنی گڑھیوں کے اندر سے ہی گالیوں سے ہمارا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہا مگر ہم خاموش رہے اور ہم نے کہہ دیا کہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور ان کے قلعہ کے قریب بنی قریظہ کے پتھریلے میدان کی نشیبی جانب چاہ اُنا پر نزول فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو مجھے حکم

دیا کہ میں جھنڈا پکڑلوں، میں نے جھنڈا پکڑلیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں ان لوگوں کی گالیاں اور گندے الفاظ پہنچیں، اس لیے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ ان خبیثوں کے قریب نہ پہنچیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے واپس جانے کا مشورہ دے رہے ہو؟ میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی طرف سے کچھ گندے الفاظ سن لیے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ بھی اس طرح کی بات نہ کہتے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، آگے آگے اسید بن حضیر تھے، اسید نے کہا: اے اللہ کے دشمنو! جب تک تم بھوکے نہ مرجاؤ گے، ہم تمہارے قلعوں سے نہیں ہٹیں گے (یعنی رسد نہ ملنے کی وجہ سے تم بھوکے مرجاؤ گے، ہم محاصرہ نہیں اُٹھائیں گے) تم (اس وقت) اس طرح (گڑھیوں میں محصور اور بند) ہو جیسے بھٹ کے اندر لومڑی۔ بنی قریظہ نے کہا: اے ابن حضیر! خزرج کے مقابلہ میں ہم نے تم سے معاہدہ کیا تھا (ہم تمہارے حلیف تھے) حضرت اسید نے کہا: اب میرے تمہارے درمیان نہ کوئی معاہدہ باقی ہے اور نہ رشتہ۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہودیوں کی گڑھی کے) قریب پہنچ گئے اور اتنی اونچی آواز سے یہودیوں کے کچھ سرداروں کو پکارا کہ انہوں نے آواز سن لی اور فرمایا: اے بندروں اور سوروں کے بھائیو! اور اے بتوں (یا شیطانوں) کی پرستش کرنے والو! جواب دو کیا اللہ نے تم کو رسوا کر دیا اور تم پر اپنا عذاب نازل فرما دیا؟ کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو؟ (اندرون حصن سے) ان لوگوں نے قسمیں کھا کر کہا: ابوالقاسم! ہم نے ایسا نہیں کیا، آپ تو جاہل نہیں ہیں۔ دوسری روایت میں جاہل کی جگہ فحش گو کا لفظ آیا ہے۔

قتادہ نے ابن عابد کی روایت کے بموجب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ایک منادی کو (مسلمانوں کی بستیوں میں) یہ ندا کرنے کے لیے بھیج دیا کہ اے سواران خدا! سوار ہو جاؤ اور حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو سننے والے فرمانبردار ہوں، ان کو عصر کی نماز بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنی چاہیے (یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ہی پڑھے)۔ شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے، بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عقبہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ عصر کی نماز (بنی قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے پہلے کہیں) نہ پڑھنا۔ مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کے متعلق حکم دیا تھا۔ چنانچہ راستہ میں جب عصر کی نماز یا حسب روایت مسلم ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض لوگوں نے کہا: ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں گے، اس سے پہلے نہیں پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے (اگر نماز میں تاخیر ہو گئی تو) ہم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ غروب آفتاب کے بعد جب بنی قریظہ پہنچے تو ان لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم نماز نہ پڑھیں (بلکہ جلد پہنچنے کی تاکید مقصود تھی) اس لیے ہم تو راستہ میں ہی نماز پڑھیں گے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو تنبیہ نہیں کی۔

شام کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوہاروں کی کچھ بوریاں بھیج دیں۔ یہی اس روز کا کھانا ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوہارے اچھا طعام ہیں۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر سے اُٹھ گئے اور تیر اندازوں کو آگے بھیج دیا۔ تیر اندازوں نے جا کر یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر چلانا اور پتھر پھینکنا شروع کر دیئے۔ قلعوں کے اندر سے یہودی بھی تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ دن اسی طرح گزر گیا، جب شام ہو گئی تو رات بھر مسلمان قلعوں کا محاصرہ کیے رہے اور باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے یہ تیر افگنی برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے تیر افگنی چھوڑ دی اور مسلمانوں سے کہا کہ (لڑائی بند کرو) ہم تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر ہے۔

یہودیوں نے گڑھی کے اوپر سے نباش بن قیس کو اُتار کر بھیجا۔ نباش نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور یہ شرط پیش کی کہ جن شرائط پر بنی نضیر نے صلح کی تھی، ہم بھی انہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ اپنا مال (نقد، جنس وغیرہ) اور اسلحہ لے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں سمیت تمہاری بستیاں چھوڑ جائیں گے اور سوائے اسلحہ کے باقی مال جتنا اونٹوں پر لادا جائے گا، لاد کر لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ یہودیوں نے کہا تو خیر ہم کو مال کی ضرورت نہیں، ہم مال نہیں لے جائیں گے۔ البتہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بحفاظت لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط ماننے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا: بلا شرط تم کو گڑھیوں سے اُتر کر آنا ہو گا ہم جو فیصلہ کر دیں گے اس کو ماننا پڑے گا۔ نباش یہ جواب لے کر بنی قریظہ کے پاس لوٹ گیا اور قوم سے جا کر جو گفتگو ہوئی وہ نقل کر دی۔ کعب بن اسد نے کہا: اے گروہ بنی قریظہ! جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں، تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو۔ بنی قریظہ نے کہا: وہ باتیں کون سی ہیں؟ کعب نے کہا: پہلی بات یہ کہ تم اس شخص کی بیعت کر لو اور اس کو سچا مان لو کیونکہ بخدا یہ وہی نبی مرسل ہے جس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ یہ بات تمہارے سامنے واضح طور پر آ چکی ہے۔ اس صورت میں تمہاری جانیں اور مال اور عورتیں محفوظ رہیں گی۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں، ہم کو ان کا ساتھی ہونے سے سوائے اس حسد کے اور کوئی امر مانع نہیں تھا کہ یہ عرب میں سے ہیں، بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں مگر اللہ نے یہ مقام (نبوت) ان کو عطا فرما دیا۔ مجھے عہد شکنی اور وعدہ کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہ تھی لیکن یہ مصیبت اور نحوست اس شخص (یعنی حیی بن اخطب) کی وجہ سے آئی جو بیٹھا ہوا ہے۔

جب قریش اور بنی غطفان واپس چلے گئے تو حیی، کعب بن اسد سے کیے ہوئے وعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا (اسی کی طرف کعب نے اشارہ کیا) کیا ابن ہو اس کی بات تم کو یاد ہے جو اس نے تم سے کہی تھی؟ یہودیوں نے پوچھا: کیا کہا تھا؟ کعب نے جواب دیا: ہو اس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہو گا۔ اگر میری زندگی میں اس کا

خروج ہوگیا تو میں اس کی پیروی اور مدد کروں گا اور اگر میرے بعد وہ پیدا ہوا تو تم اس کا اتباع کرنا۔ خبردار! کسی کے بہکاوے میں نہ آ جانا، اس کے مددگار اور دوست رہنا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا، اوّل کتاب پر بھی اور آخری کتاب پر بھی۔ ان کو میرا اسلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

کعب نے کہا: (اے معشر یہود!) آؤ ہم اس سے بیعت کرلیں اور اس کے سچے ہونے کا اعتراف کریں۔ بنی قریظہ نے کہا: ہم توریت کا حکم تو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور شریعت توریت کے بجائے دوسری شریعت کو نہیں اختیار کریں گے۔ کعب نے کہا: جب تم یہ بات نہیں مانتے تو پھر دوسری بات یہ کہ آؤ ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کردیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت کر نکل آئیں۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کردے۔ اگر ایسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں اس کے متعلق اندیشہ ہو اور اگر غالب آ جائیں گے تو یقیناً ہم کو اور بیویاں اور بچے مل جائیں گے۔ یہودیوں نے کہا: ہم ان بیچاروں کو کیسے قتل کر سکتے ہیں، ان کے بغیر جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔ کعب نے کہا: جب یہ بات بھی تم تسلیم نہیں کرتے تو پھر تیسری بات یہ سمجھ لو کہ آج شنبہ کی رات ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی بے فکر ہوں گے (کہ یہودی آج حملہ نہیں کر سکتے) تم نیچے اُترو، ممکن ہے غفلت کی حالت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے۔ یہودیوں نے جواب دیا: ہم یوم السبت (کے حکم) کو بگاڑ نہیں سکتے، تم جانتے ہو کہ ہم سے پہلے (ہمارے اسلاف میں سے) جن لوگوں نے یوم السبت میں بدعت (خلاف شرع حرکت کی تھی) ان پر کیسا مسخ شکل کا عذاب آیا تھا، اس لیے ہم ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ ہم پر بھی وہ عذاب آ جائے۔ کعب نے کہا: تم میں سے کوئی بھی جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، اب تک ایک دن کے لیے بھی کبھی سمجھدار (دانش مند) نہیں ہوا۔

اہل مغازی کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم ابولبابہ سے اپنے معاملہ میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں، آپ ان کو ہمارے پاس بھیج دیئے۔ حضرت ابولبابہ خاندان عمرو بن عوف کے ایک فرد تھے اور یہودی قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ ابولبابہ پہنچے تو یہودی مردان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کے سامنے رونا شروع کردیا۔ ابولبابہ کو ان پر رحم آ گیا۔ یہودیوں نے کہا: ابولبابہ آپ کی کیا رائے ہے، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے سے ہم گڑھیوں سے اُتر آئیں؟ ابولبابہ نے (زبان سے تو) کہا ہاں (لیکن) ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کردیا۔ مراد یہ تھی کہ قتل کردیئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہ کا بیان ہے کہ میں اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت (بدعہدی) کی۔

حضرت ابولبابہ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو بندھوا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا۔ یہاں تک کہ مر جاؤں یا جو حرکت مجھ سے ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرما دے۔ میں نے اللہ سے عہد کرلیا ہے کہ بنی قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا اور جس آبادی میں میں نے اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی ہے اس میں کبھی مجھے کوئی نہیں دیکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے جانے کی اور اس عمل کی جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا، اطلاع پہنچی تو فرمایا: اس کو اس وقت تک یونہی رہنے دو جب تک اللہ اس کے بارے میں کوئی حکم جدید نازل نہ فرمادے۔ وہ اگر میرے پاس آجاتا تو میں اللہ سے اس کے لیے معافی کی دُعا کرتا لیکن جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور خود چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں آیت "یایھا الذین امنوا لا تخونوا اللّٰہ والرّسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون" اس کے بعد ابولبابہ کی توبہ قبول ہونے کی وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سلمہ کے مکان میں تھے۔ حضرت اُم سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے سنا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کو ہنستا رکھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی۔ میں نے عرض کیا: کیا میں اس کو اس کی بشارت دے دوں؟ فرمایا: اگر تم چاہتی ہو (تو ایسا کرلو) میں اُٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر پہنچی (یہ واقعہ حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اور کہا: ابولبابہ! تم کو بشارت ہو، اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔ یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لیے دوڑ پڑے۔ لیکن ابولبابہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! (مجھے کوئی نہ کھولے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں تو خیر فجر کی نماز کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور ابولبابہ کی طرف سے گزرے اور ان کو آزاد کیا۔

ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا: (یہ خاندان نہ تو بنی قریظہ میں سے تھے نہ بنی نضیر میں سے بلکہ ہذیل میں سے تھے، اوپر کسی جگہ بنی قریظہ سے ان کا رشتہ ملتا تھا) اے گروہ بنی قریظہ! بخدا تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کا حلیہ اور اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں) موجود ہیں جو ہمارے علماء اور بنی نضیر کے علماء بیان کرتے رہے ہیں۔ ابن ہیبان ہمارے نزدیک بڑا سچا آدمی تھا۔ یہ حیی بن اخطب جو بنی نضیر کا اوّل شخص ہے، اس کے حالات سے واقف ہے۔ اس نے مرتے وقت اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفات (حلیہ، اخلاق وغیرہ) بیان کیے تھے۔ بنی قریظہ نے کہا: ہم شریعت) توریت کو نہیں چھوڑیں گے۔ جب ثعلبہ اور اسید وغیرہ نے دیکھا کہ بنی قریظہ نے ان کی بات نہیں مانی تو اسی تاریخ کو صبح ہوتے ہی گڑھی سے اُتر گئے اور جا کر مسلمان ہوگئے اور اپنی جانوں، مالوں اور اہل وعیال کو محفوظ کرلیا۔

عمرو بن مسعود نے کہا: اے گروہ یہود! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جن باتوں پر بقسم معاہدہ کیا تھا، اس سے تم واقف ہو، تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ میں تمہارا شریک نہ تھا، نہ معاہدہ میں داخل تھا، نہ معاہدہ شکنی میں۔ اب اگر (مسلمان ہونے سے) تم انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کرلو اور یہودیت پر قائم رہو۔ بنی قریظہ نے کہا: ہم عرب کو جزیہ دینے کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے، اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا: تو میں تم سے الگ ہوں۔ یہ کہہ کر اسی رات سعید کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکل کر چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے محافظوں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے۔ عمرو بن مسعود جب یہودیوں کے پاس سے نکل کر اسلامی لشکر کے محافظوں تک پہنچا تو محمد بن مسلمہ نے کہا: کون ہے؟ عمرو بن مسعود نے کہا: عمرو بن مسعود۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اے اللہ! مجھے عزت والوں کی صحبت سے محروم نہ کرنا۔ پھر (عمرو کو داخلہ کی اجازت دے دی) راستہ چھوڑ دیا۔ عمرو آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک پہنچ گیا اور وہیں

رات گزاری۔ صبح ہوئی تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ اس وقت تک کہاں رہا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کو اللہ نے وفائے عہد کی وجہ سے بچالیا، (محفوظ رکھا)۔

بنو قریظہ کا محاصرہ اور ان سے حاصل ہونیوالا مال غنیمت

مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس روز جاری رکھا، یہاں تک کہ محاصرہ کی تکلیف سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ اُتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ پھر ان کو ایک طرف لے گئے اور عورتوں، بچوں کو قلعوں سے باہر لایا گیا اور یہ خدمت عبداللہ بن سلام کے سپرد کی گئی۔ پھر ان کا سامان جمع کیا گیا جس میں پندرہ سو تلواریں، تین زرہیں، دو ہزار بھالے، پندرہ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں، بہت سا اثاث البیت، بکثرت ظروف اور شراب اور مٹی شربت ملا۔ شراب بہادی گئی، اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ آب کش اونٹوں کی کافی تعداد اور مویشی بکثرت دستیاب ہوئے۔ یہ سب مال جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ پھر قبیلہ اوس والے قریب آئے اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ہمارے حلیف ہیں، خزرج کے حلیف نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی (سردار خزرج) کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے معاملہ میں آپ نے کیا سلوک کیا۔ خزرج کی وجہ سے تین سو غیر مسلح اور چار سو زرہ پوش لوگوں کو آپ نے معاف کر دیا۔ اب ہمارے حلیف بھی اپنی گزشتہ عہد شکنی پر پشیمان ہیں، ان کو ہماری وجہ سے معاف فرمادیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، کوئی بات نہیں کی۔ اوس والوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے؟ اوس والوں نے کہا: کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد ہے۔ ابن عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے صحابہ میں سے جس شخص کو چاہو (اس فیصلہ کے لیے) انتخاب کرلو۔ سفارش کرنے والوں نے حضرت سعد بن معاذ کو منتخب کرلیا۔

ایک مسلمان عورت تھی جس کو رفیدہ کہا جاتا تھا۔ وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور جس زخمی کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا، تیمار دار نہ ہوتا تھا، بامید ثواب اس کی خدمت خود کرتی تھی۔ اس کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے اندر لگا دیا گیا تھا۔ جب حضرت سعد جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تاکہ قریب سے میں اس کی عیادت اور خبر گیری کر سکوں۔ چنانچہ اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت سعد مسجد کے اندر رفیدہ کے ڈیرے میں مقیم تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بنی قریظہ کے معاملہ کا جج بنادیا تو یہیں رفیدہ کے خیمہ میں قبیلہ اوس والے حضرت سعد کے پاس آئے اور آپ کو ایک عربی گدھے پر سوار کیا، گدھے پر ریشوں سے بنا ہوا چار جامہ رکھا گیا تھا اور چار جامہ کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا، گدھے کی لگام بھی کھجور کے ریشوں کی تھی۔

حضرت سعد جسم دار آدمی تھے، قبیلہ اوس والے آپ کو اپنے گھیرے میں لے کر چلے اور راستہ میں حضرت سعد سے کہنے لگے: ابو عمرو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بھائیوں (یعنی حلیفوں) کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا تا کہ آپ ان کے معاملہ میں اچھا سلوک کریں، اس لیے آپ بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں۔ (یعنی سخت فیصلہ نہ کریں) آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابن ابی نے اپنے حلیفوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت سعد سے بہت زیادہ سفارش کرتے رہے مگر آپ خاموش تھے، کوئی بات زبان سے نہیں نکال رہے تھے۔ آخر جب ان لوگوں نے زیادہ دور کر دیا تو آپ نے فرمایا: اب سعد کے لیے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کے برا کہنے کی اس کو پرواہ نہ ہو۔ یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ انصاری اور دوسرے لوگ بول اُٹھے: افسوس! قوم والوں کی تباہی آ گئی۔ سعد کے منہ سے نکلی ہوئی بات ابھی اوس والوں کو پہنچی بھی نہ تھی کہ ضحاک نے ان کو جا کر بنی قریظہ کی موت کی (یعنی فیصلہ موت کی) اطلاع دے دی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے قریب پہنچے یعنی اس مسجد کے قریب پہنچے جو محاصرہ کے زمانہ میں بنی قریظہ کے احاطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے تیار کرائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سردار کے (استقبال) کے لیے اُٹھو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اپنے بہترین (سب سے اچھے) آدمی کے لینے کے لیے اُٹھو۔ مہاجرین قریش کے نزدیک یہ خطاب صرف انصار کو تھا اور انصار کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب تمام مسلمانوں کو تھا۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سردار کو لینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اس کو اُتارو۔ بنی عبدالاشہل کا بیان ہے کہ (اس حکم کی تعمیل میں) ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قطاریں بنا لیں۔

بوساطت حضرت جابر روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہی نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ کا فیصلہ کرو اور اچھی طرح کرو۔ حضرت سعد نے (انصاریان اوس سے) کہا: کیا بنی قریظہ کے معاملہ میں تم میرے فیصلہ پر راضی ہو؟ سب نے کہا: ہاں، ہم تو اس وقت بھی راضی تھے جب آپ یہاں موجود نہ تھے۔ ہم نے آپ کا انتخاب کیا اور یہ اُمید تھی کہ آپ ہم پر احسان کریں گے جیسے دوسروں نے (یعنی ابن ابی نے) اپنے حلیفوں کے ساتھ یعنی بنی قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ سعد نے کہا: کیا تم اللہ کے عہد و میثاق کے ساتھ کہتے ہو کہ جو کچھ فیصلہ میں کروں گا، تم اس کو واجب النفاذ قرار دو گے۔ سب نے کہا: ہاں۔ سعد نے اس گوشہ کی جانب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اشارہ کرتے ہوئے کہا: (یہ فیصلہ) کیا ان پر بھی ہو گا جو یہاں ہیں؟ عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے حضرت سعد کا رُخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مڑا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ سعد نے کہا: تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں، بچوں کو باندی، غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین و انصار کو دے دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تم نے یہ فیصلہ اس حکم خداوندی کے مطابق کیا جو سات ٹکڑوں (یعنی سات آسمانوں) کے اوپر سے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بروز پنج شنبہ نو یا پانچ ذی الحجہ کو واپس ہوئے اور حسب الحکم رملہ بنت حارث نجاریہ کے گھر میں یہودیوں کو بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بازار وہی تھا جو آج بھی ہے وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ابوالجہم عدوی کے مکان کے پاس سے احجار الزیت تک بازار میں صحابہ گڑھا کھودنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے، پھر آپ نے بنی قریظہ کے مردوں کو بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد سے جو یہودیوں کو دستہ دستہ (قطار در قطار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا رہے تھے، یہودیوں نے کہا: کعب! تمہارا کیا خیال ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟ کعب نے جواب دیا: کم بختو! تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو تم کو پسند نہ ہوگا۔ بہرحال تم کو دیت لے کر چھوڑا نہیں جائے گا تم میں سے جو جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ خدا کی قسم! (اب تو تمہارے لیے) تلوار ہی ہے۔ میں نے تم کو پہلے جس بات کی دعوت دی تھی (یعنی عہد شکنی نہ کرنے کی) تم نے اس کو نہ مانا۔ وہ کہنے لگے: یہ وقت عتاب (برا بھلا کہنے) کا نہیں ہے اگر ہم تمہاری رائے کو برا سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیتے تو جو معاہدہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان تھا اس کو توڑنے میں شریک نہ ہوتے۔ حیی ابن اخطب نے کہا: اب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا چھوڑو، اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں، مرنے پر تیار ہو جاؤ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے بنی قریظہ کو قتل کیا تھا (یعنی قتل کرنے کی خدمت ان ہی دونوں بزرگوں نے انجام دی تھی) پھر حیی بن اخطب کو لایا گیا، اس وقت گردن سے اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے اور فقاحی جوڑا اس نے قتل ہونے کے لیے پہن رکھا تھا لیکن پھر اس کو پھاڑ دیا اور انگل انگل برابر ٹکڑے کر دیئے تاکہ اس کو اُتار کر کوئی پہن نہ سکے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن خدا! کیا اللہ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کر دیا؟ کہنے لگا: کیوں نہیں، لیکن آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابل ملامت نہیں قرار دیتا کیونکہ اپنے خیال میں میں آپ پر غالب آ جانے کا خواستگار تھا لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا، اس کو یہی منظور تھا کہ مجھ پر آپ کو قابو عطا کر دے۔ میں نے چند دوڑ لگائی لیکن جس کی مدد اللہ نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: لوگو! اللہ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں، بنی اسرائیل پر یہ خدا کی طرف سے لکھا ہوا اور مقدر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہنے کے بعد بیٹھ گیا، پھر اس کی گردن ماردی گئی۔

بنانہ عورت کا قصہ

(اس روز) سوائے بنی نضیر کی ایک عورت کے اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔ یہ عورت بنانہ تھی جو بنی قریظہ کے کسی مرد کے نکاح میں تھی اور زوجین میں بڑا پیار تھا۔ جب یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تو بنانہ شوہر کے سامنے روئی اور کہا: تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے۔ شوہر نے کہا: توریت کی قسم! تو اور کسی کام نہیں آ سکتی، صرف اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر لڑھکا دے، کیونکہ

اب تک ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے تو عورت ہے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر غالب آ گئے تو تجھے قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور یہ مجھے گوارا نہیں کہ تجھے باندی بنالیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ (میرے بعد) تجھے قتل کر دیا جائے۔ بنانہ اس وقت زبیر بن باطا کے قلعہ میں تھی، اس نے قلعہ کے اوپر سے چکی کا پاٹ لڑھکا دیا۔ مسلمان سایہ لینے کے لیے قلعہ (کی دیوار) کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے، مسلمانوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو منتشر ہو گئے۔ خلاد بن سوید کے اوپر چکی گر پڑی اور ان کا سر پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا، اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: واللہ! بنانہ میرے پاس موجود تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے۔ دوسری روایت میں آیا کہ بنانہ (ہنس ہنس کر) کہہ رہی تھی کہ بنی قریظہ کے سردار مارے جا رہے ہیں۔ یک دم کسی پکارنے والے نے بنانہ کا نام لے کر آواز دی: فلاں عورت کہاں ہے؟ بنانہ نے کہا: میں ہوں، خدا کی قسم! میں نے کہا: کم بخت! تجھے اس سے کیا تعلق؟ کہنے لگی: (اب) میں ماری جاؤں گی۔ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگی: میں نے ایک بات کی ہے۔ چنانچہ وہ چلی گئی اور خلاد بن سوید کے عوض اس کی گردن ماری گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں، میں بنانہ کی خوش طبعی اور ہنسی کی زیادتی نہیں بھولوں گی جب کہ وہ جان چکی تھی کہ اس کو قتل کیا جائے گا (پھر بھی خوب ہنس رہی تھی)۔

محمد بن اسحاق نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں جنگ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی جس کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی، ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ کر لے گیا اور (بجائے قتل کرنے یا غلام بنانے کے) اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا۔ جب بنی قریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر قرظی بہت بوڑھا تھا۔ ثابت نے اس سے کہا: ابوعبدالرحمٰن! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ زبیر نے جواب دیا: مجھ جیسا آدمی آپ جیسے آدمی سے کس طرح انجام رہ سکتا ہے؟ ثابت نے کہا: آپ نے جو احسان مجھ پر کیا تھا، میں آج اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔ زبیر نے کہا: شریف لوگ بھلائی کا اچھا بدلہ دیتے ہی ہیں۔ اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اُتار دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! زبیر کی جان مجھے عطا فرما دیں۔ فرمایا: وہ تم کو بخش دیا گیا۔ ثابت یہ اختیار لے کر زبیر کے پاس آئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تمہاری جان بخشی کر دی۔

زبیر نے کہا: ایک بڑا بوڑھا جس کے نہ بیوی نہ بچے، زندہ رہ کر کیا کرے گا؟ یہ بات سن کر ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ زبیر کے بال بچوں کو معاف کر دیجئے۔ فرمایا: وہ بھی تمہیں دے دیئے گئے۔ ثابت زبیر کے پاس پہنچے اور کہا: تمہارے اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیئے اور اب میں وہ تم کو دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا، وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو، کس طرح جی سکتے ہیں؟ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا: یارسول اللہ اس کا مال بھی عطا فرما دیجئے؟ فرمایا: وہ بھی تم کو دے دیا گیا۔ ثابت نے زبیر سے جا کر کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا مال مجھے بخش دیا، اب وہ تمہارا ہے۔

زبیر نے کہا: ثابت اس شخص کا کیا ہوا جو خوبصورت چینی آئینہ تھا جس کے اندر (پورے) قبیلہ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا یعنی کعب بن اسد؟ ثابت نے کہا: اس کو قتل کر دیا۔ زبیر نے کہا: اچھا اس کا کیا ہوا جو شہریوں کا بھی سردار تھا اور صحرا نشین لوگوں کا بھی، دونوں کا سر کردہ تھا، لڑائی کے موقع پر لوگوں کو سواریاں عطا کرتا اور قحط کے زمانے میں کھانا کھلاتا تھا، یعنی حی ابن اخطب کہاں گیا؟ ثابت نے کہا: وہ بھی مارا گیا۔

زبیر نے کہا: غزالہ بن شمول کا کیا ہوا جو حملہ کرنے کے وقت ہمارا ہراول تھا اور حملہ سے مڑنے کے وقت ہمارے لیے حاشیہ ہوتا تھا (یعنی میمنہ اور میسرہ ہو جاتا تھا تا کہ ہماری حفاظت ہو سکے) ثابت نے کہا: وہ بھی قتل ہو گیا۔ زبیر نے کہا: دونوں نشست گاہوں یعنی بنی کعب، بنی قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کی مجلسوں کا کیا ہوا؟ ثابت نے کہا: (دونوں مجلسوں کے) لوگ چلے گئے اور مارے گئے۔ زبیر کہنے لگا: ثابت! میں نے جو بھلائی تیرے ساتھ کی تھی اس کا واسطہ دے کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہی لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم! ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں جس گھر میں وہ لوگ فروکش اور مقیم تھے، اس گھر میں جا کر اس کے بعد ہمیشہ رہوں، مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن ثابت میرے بعد میرے اہل وعیال کا لحاظ رکھنا۔ اپنے ساتھی سے درخواست کرنا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اور ان کا مال ان کو دے دے۔ چنانچہ ثابت کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کے بیوی بچوں کو اور باستثناء اسلحہ باقی مال کو واپس کر دیا۔ زبیر نے کہا: ثابت! میرا جو حق تجھ پر ہے، تجھے اس کا واسطہ! مجھے (جلد) ان دوستوں سے ملا دے۔ مجھ سے اب اتنی دیر بھی صبر نہیں ہو سکتا جتنی دیر بھرے ہوئے ڈول کو حوض میں اُلٹ کر دوبارہ ڈول کو کنویں میں ڈالنے میں ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ثابت نے لے جا کر زبیر کی گردن ماردی۔

محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ ثابت نے کہا: زبیر! مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ زبیر نے کہا: مجھے پرواہ نہیں کہ میرا قاتل کون ہو (تیرے ہاتھ سے مارا جاؤں یا کسی اور کے ہاتھ سے، میرے لیے دونوں برابر ہیں) آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جب زبیر قرظی کے اس قول کی اطلاع ملی کہ میں اپنے دوستوں سے ملوں گا تو آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ میں وہ اپنے دوستوں سے ہمیشہ ہمیشہ ملاقات کرتا رہے گا۔

اس کے بعد بنی قریظہ کا مال متاع اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ یہ سب سے پہلا مال فئی تھا جس میں (بعض لوگوں کو) دوہرا حصہ ملا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے (سوار) تھے۔ کل مال کے تین ہزار بہتر (۳۰۷۲) حصے کیے گئے، ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے کا دوہرا حصہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین گھوڑے تھے لیکن حصہ صرف ایک ہی گھوڑے کا مقرر کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور اسی واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سوار کے گھوڑے، خواہ ایک سے زائد ہوں لیکن حصہ صرف ایک ہی گھوڑے کا لگایا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک ایک سے زائد اگر کسی سوار کے گھوڑے ہوں تو صرف دو گھوڑوں کا حصہ لگایا جائے گا، دو سے زائد گھوڑوں کے حصے لگانا باتفاق آئمہ ممنوع ہے۔ سورۃ الانفال میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

ریحانہ بنت عمرو کے اسلام لانے کا واقعہ اور آپ ﷺ کی مملوکہ رہنے پر اصرار

بنی نضیر کے خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام تھا ریحانہ بنت زید بن عمرو بن حذافہ، یہ بنی عمرو بن قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ عورت تھی خوبصورت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھا گئی۔ آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کنارہ کش ہو گئے لیکن دل میں اس کا خیال رہا۔ اس لیے ابن سعیہ کو طلب فرما کر ان سے اس کا تذکرہ کیا۔ ابن سعیہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر میرے ماں باپ قربان، وہ مسلمان ہو جائے گی۔ ابن سعیہ یہاں سے نکل کر ریحانہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے: اب اپنی قوم کی طلب چھوڑ دو۔ تم نے دیکھ لیا کہ حیی ابن اخطب کیسی مصیبت ان پر لے آیا۔ اب مسلمان ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے لیے پسند فرمائیں گے۔ ریحانہ نے ابن سعیہ کی بات مان لی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتوں کی آواز سنائی دی۔ فرمایا: یہ تو ابن سعیہ کے جوتوں کی آواز ہے، مجھے ریحانہ کے مسلمان ہونے کی بشارت دینے آ رہا ہے۔ چنانچہ ابن سعیہ آ گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ریحانہ مسلمان ہو گئی۔ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ ریحانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے پاس رہی اور مملوک ہونے کی حالت میں ہی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ریحانہ سے نکاح کر لیں اور اس کو پردہ میں رکھیں، لیکن ریحانہ نے کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یوں ہی اپنی ملکیت میں رہنے دیجئے (آزاد نہ کیجئے) میرے اور آپ کے لیے یہی بات آسان ہے (نہ اس میں آپ کو کوئی تکلیف ہے نہ مجھے) اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باندی (ہی کی صورت میں) رہنے دیا۔

جب بنی قریظہ کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت سعد بن معاذ کا زخم بھی کھل گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سعد کے پاس (ان کو دیکھنے) گئے۔ (عمر رونے لگے) اس وقت میں اپنے حجرہ میں تھی۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! میں نے عمر کے رونے کی آواز، ابوبکر کے رونے کی آواز سے الگ پہچان لی اور یہ لوگ ایسے ہی تھے جیسا اللہ نے فرمایا ہے: ”رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ“

بنو قریظہ کی فتح کا واقعہ ذی قعدہ پانچ ہجری میں ہوا۔ سلیمان بن صرد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب وہ غزوہ احزاب سے فارغ ہوئے۔ اب ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے اور وہ ہمارے ساتھ نہیں لڑیں گے۔ ہم ان کی طرف چلیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اللہ ان کے لشکر کو عزت دے اور اس کے بندے کی مدد فرمائے اور احزاب والوں پر اکیلے غالب آ جائے ان پر اکیلے کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے قصہ میں ارشاد فرمایا ”وأنزل الذين ظاهروهم من اهل الكتاب من صياصيهم وقذف في قلوبهم الرعب فريقا تقتلون“ وہ لوگ جو تقریباً سات ہزار تھے۔ ”وتاسرون

فریقًا" اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سات ہزار پانچ سو تھے اور بعض نے سات ہزار ہی کہا ہے۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿27﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ
وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿28﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾

ترجمہ: اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

تفسیر: 27 "وأورثكم أرضهم وديارهم و أموالهم وأرضالم تطؤها" ابن زید اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد خیبر ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہم اس بارے میں باتیں کرتے تھے کہ یہ مکہ ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد فارس و روم ہے۔ عکرمہ کا قول ہے ہر وہ زمین جو قیامت کے دن کھولی جائے گی۔ "و كان الله علىٰ كل شيءٍ قديرا"

28 "يا يها النّبي قل لازواجك ان كنتن تردن الحيوة الدُّنيا وزينتها فتعالين امتعكن" اس سے مراد متعۃ الطلاق (طلاق کے بعد کچھ کپڑے وغیرہ دینا مراد ہے)۔ "واسرحكن سراحًا جميلاً"

29 "وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله أعد للمحسنات منكن اجرًا عظيمًا" اُمہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلب گار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں سے کنارہ کش ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانۂ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔

آیت وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ کا شان نزول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا

آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔ کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق نہیں دی؟ فرمایا: ہاں۔ اگر تم چاہو تو۔ میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی: "**واذا جآء هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه**" اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کو استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی، اُمہات المؤمنین کے اس واقعہ کے متعلق اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے اسماء گرامی

کہ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت ابوبکر، حضرت حفصہ بنت عمر فاروق، حضرت اُم حبیبہ بنت ابوسفیان، حضرت اُم سلمہ بنت اُمیہ، حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں حضرت زینب بنت جحش اسدی، حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی، حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب خیبری اسرائیلی، حضرت جویرہ بنت حارث مصطلقی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

جب آیت تخییر (مندرجہ بالا نازل ہوئی) تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے آیت پڑھی اور ان کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے) کا اختیار دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا اور اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر خوشی محسوس ہوئی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کی۔

قتادہ کا بیان ہے کہ جب اُمہات المؤمنین نے اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی بیبیوں پر بس کرنے اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: "**لایحل لک النساء من بعد الخ**" ان کے بعد تمہارے لیے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

مسلم، احمد اور نسائی نے بوساطت ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے، گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دل میں) کہا کہ مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہیے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے (یہ خیال کر کے) میں نے عرض کیا: دیکھئے! اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا: تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرداگرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر ضرب رسید کرنے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لیے بڑھے اور دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کبھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس (۲۹) روز کنارہ کش رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کی اور فرمایا: عائشہ! میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ پڑھ کر سنائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ کے بارے میں میں اپنے باپ ماں سے مشورہ کروں؟ (ایسا نہیں ہوسکتا) میں تو اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتادوں گا۔ اللہ نے مجھے فتنہ انگیز بنا کر نہیں بلکہ بشارت دہندہ اور معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیویوں سے ایک ماہ ایلاء کرنا

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں، میں گن رہی ہوں۔ فرمایا: مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ یہ اختیار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو دیا تھا، کیا تفویض طلاق تھی کہ اگر عورتیں اپنے نفس کو اختیار کر لیتیں تو فوراً طلاق پڑ جاتی (مزید طلاق دینے کی ضرورت نہ ہوتی) یا ایسا نہ تھا (بلکہ اس سے محض عورتوں کی مرضی کا اظہار ہو جاتا اور پھر بھی طلاق کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہتا) بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ

تفویض طلاق تھی لیکن حسن، قتادہ اور اکثر اہل علم کا قول ہے کہ یہ تفویض طلاق نہ تھی بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا گیا تھا۔ اگر عورتیں دُنیا کو پسند کر لیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے (یعنی طلاق دے دیتے) کیونکہ آیت میں آیا ہے: "فتعالین امتعکنّ واسرّحکنّ" (اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر عورتیں دُنیا کو اختیار کر لیتیں تب بھی آزاد کرنے کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ہاتھ میں رہتا)۔

اگر شوہر نے بیوی سے کہا: تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو، یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی، اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اُٹھ جائے گی یا کسی کام میں مشغول ہو جائے تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیونکہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب دیا جائے گا جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلس عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ عورت کو اختیار مجلس باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت ہے۔

ابن ہمام کا بیان ہے کہ ابن منذر نے کہا: اگر مرد عورت کو اختیار (یعنی تفویض طلاق) دے دے تو یہ اختیار کب تک رہتا ہے، اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ عورت کو آخر مجلس تک اختیار رہتا ہے، مجلس سے اُٹھ جائے گی تو اختیار ساقط ہو جائے گا۔ مختلف اسنادوں سے ان بزرگوں کا یہ قول مروی ہے لیکن ان سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ، عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی، امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی، ابوثور اور اصحاب زہری کا یہی مسلک ہے لیکن زہری، قتادہ، ابوعبیدہ، ابن نصر اور بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ عورت کا اختیار اس مجلس کے بعد بھی رہتا ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر (جواب دینے میں) جلدی نہ کرنا۔ صاحب مغنی نے یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روایت کیا ہے۔

ابن ہمام نے ابن المنذر کے جواب میں کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مذکور متفق علیہ نہیں ہے۔ دوسری روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی جماعت صحابہ کے قول کے موافق آیا ہے۔ امام محمد نے بلاغات میں اس کی صراحت کی ہے، لکھا ہے ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے، جب مجلس سے اُٹھ جائے گی تو اس کو اختیار نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں۔ لہٰذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ اُمت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرزاق نے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول جس سند سے نقل کیا ہے، وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں) رہا ابن منذر کا حدیث کے لفظ "لاتستعجلی" سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی۔ (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے کہ شوہر نے تفویض طلاق کر دی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت "فتعالین امتعکن و اسرحکنّ سراحًا جمیلاً" بھی اس پر دلالت کر رہی ہے۔

مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے رسول نے مجھے اختیار دیا تو میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو کچھ شمار نہیں کیا۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ㉚

ترجمہ: اے نبی کی بیبیوں جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی اس کو دوہری سزا دی جاوے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

تفسیر: ㉚ "یا نساء النّبی من یأت منکن بفاحشة مبینة" اس سے مراد ظاہری نافرمانی۔ بعض نے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مطابق ہے "لئن اشرکت لیحبطن عملک" اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میں سے جو کوئی فحش گناہ لائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فاحشہ سے مراد ہے نافرمانی، بد خلقی۔

"یضاعف لھا العذاب ضعفین" ابن کثیر اور ابن عامر نے پڑھا ہے "نضعف" نون کے ساتھ اور عین کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ۔ "العذاب" منصوب ہے۔ دوسرے قراء نے "یضاعف" عین کے فتحہ کے ساتھ اور (العذاب) کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغتیں ہیں جیسے بعد اور باعد کی ہیں۔ ابوعمرو اور عبیدہ فرماتے ہیں کہ باب تفعیل سے تضعیف کا معنی ہے دوگنا کر دینا اور باب مفاعلت سے مضاعفت کا معنی ہے چند گنا کر دینا۔

"وکان ذلک علی اللہ یسیرًا" مقاتل کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب دوگنا مراد ہے، ان کے گناہ کی سزا دُگنی کر دی گئی ہے جیسے کہ آزاد کو غلام کی بنسبت دُگنی سزا دی جاتی ہے اور غلام ولونڈی کو ثواب بھی کم دیا جاتا ہے کیونکہ آزاد کا درجہ ان کی بنسبت بلند ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اُمہات المؤمنین تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ㉛ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ㉜

ترجمہ اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور اس کے لئے ہم نے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے اے نبی کی بیبیوں تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔

تفسیر ㉛ "ومن یقنت" جو اطاعت کرے گا۔ "منکن للہ ورسولہ" یعقوب کی قرأت یہ ہے "من تات منکن، وتقنت" ان دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور عام قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ "مَن" وہ عدد ہے جو قائم مقام اسم کے تعبیر کیا جاتا ہے، واحد جمع، مذکر، مؤنث کے ساتھ۔ "وتعمل صالحًا نوتھا أجرھا مرتین" دوسرے کے اجر کے برابر۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔ حمزہ اور کسائی نے "یعمل یوتھا" دونوں جگہ یاء کے ساتھ ذکر کیا اور دوسرے قراء نے "تعمل" تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "واعتدنا لھا رزقًا کریمًا" اس سے مراد جنت ہے۔

㉜ "یا نساء النّبی لستن کاحد من النساء" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مؤمن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔ احد کی اصل وحد تھی اور وحد بمعنی واحد ہے۔ لفظ احد کی وضع ثانوی عمومی نفی کے لیے ہے۔ مذکر، مؤنث اور واحد جمع سب کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لانفرق بین احد من رسلہ" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "فما منکم من احدٍ عنہ حاجزین"...... "ان اتقیتن" اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی سے بچی رہو گی۔ "فلا تخضعن بالقول" مردوں کے ساتھ بات کرنے میں نرمی اختیار نہ کرو اور نہ ہی بات کو خوبصورت انداز میں پیش کرو۔ "فیطمع الذی فی قلبہ مرض" مرض سے مراد فجور اور شہوت ہے۔ بعض نے کہا کہ نفاق ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ بات ایسی نہ کرو جس کی وجہ سے منافق وفاجر کے دل میں طمع پیدا ہو جائے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اپنی بات میں سختی پیدا کرو جب غیر مرد کے ساتھ مخاطب ہوں تاکہ ان کی طمع ختم ہو جائے۔ "وقلن قولاً معروفًا" دین اور اسلام کے موافق بات کرو۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا 33

ترجمہ اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک وصاف رکھے۔

تفسیر 33 "وقرن فی بیوتکن" اہل مدینہ اور عاصم نے "وقرن" قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جن حضرات کے نزدیک قاف پر فتحہ ہے ان کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "قررت بالمکان أقر قرا" اور اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے "قررت أقر" اس میں دونوں لغات ہیں۔ "ولا تبرجن" مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے تبرج اُٹھلا کر چلنا۔ ابن ابی نجیح کا قول ہے کہ تبرج کا معنی اُٹھلا کر چلنا۔ بعض نے کہا کہ زینت کا اظہار اور اپنے محاسن کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا۔

جاہلیت اولیٰ کی تفسیر

"تبرج الجاهلية الاولیٰ" جاہلیت اولیٰ کے معنی میں اختلاف ہے۔ شعبی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ نظر آتا تھا۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا کہ جاہلیت اولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح، حضرت ادریس علیہما السلام کے درمیان تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا، دوسرا میدانی علاقے میں۔ پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا، پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لیے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تہوار بنا لیا جہاں مقررہ وقت پر جمع ہونے لگے۔ اس طرح بن سنور کر عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تہوار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں، عورتوں کو یکجا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا۔ اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آبسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولیٰ سے یہی مراد ہے لیکن اولیٰ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوم بھی کوئی گزری ہے۔ کبھی اولیٰ کا لفظ بغیر اُخریٰ کے بھی استعمال

کیا جاتا ہے جیسے آیت "اھلک عاد ن الاولی" میں اولیٰ کا لفظ ہے۔ "عاد اُخری" کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو "عاد ن الاولی" فرمایا۔ یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے (جس کی کوئی حد بندی نہیں)۔

"واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزّکٰوۃ واطعن اللّٰہ و رسولہ" (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ یعنی تمام اوامر ونواہی کی پابندی کرو، یہی تقویٰ ہے جو تمہارے فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے)۔

"انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھرکُم تطھیرًا" (اے اہل بیت (نبی)! اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے)۔

رجس کی وضاحت

رجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ اہل البیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ ہیں۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک اُمہات المؤمنین مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعیین کے لیے) آیت "واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایت اللّٰہ والحکمۃ" تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابن ابی حاتم وروی ابن جریر عن عکرمہ نحوہ)

حضرت ابوسعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے، چادر پر کجاوے کے نقوش تھے، اتنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چادر میں لے لیا، پھر حسین بن علی رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی چادر میں لے لیا، پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی چادر میں داخل کرلیا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی داخل کرلیا۔ پھر فرمایا: "انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" (رواہ مسلم)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب آیت "انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور اپنی چادر مبارک میں داخل کیا، پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کردے اور ان کو کامل طور پر پاک کردے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا، پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں بھی اہل بیت میں سے ہوں، فرمایا کیوں نہیں، ان شاء اللہ۔ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا تھا۔ یعنی اولاد علی، اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہم)

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ㉞ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ㉟

ترجمہ اور تم آیات الٰہیہ یعنی اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ راز دان ہے پورا خبردار ہے بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر ㉞ "**واذ کرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللّٰہ**" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**والحکمۃ**" قتادہ نے اس کا معنی سنت سے کیا ہے۔ مقاتل کے نزدیک آیات اللہ سے مراد ہے قرآن کے احکام و مواعظ۔ "**انّ اللّٰہ کان لطیفًا خبیرًا**" وہ لطیف ہے ان کے اولیاء پر اور تمام مخلوقات پر خبیر ہے۔

آیت کا شانِ نزول

㉟ "**ان المسلمین والمسلمات**" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (بعض) بیبیوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ نے قرآن میں مردوں کا ذکر تو اچھائی کے ساتھ کیا ہے، عورتوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ نہیں کیا تو کیا ہمارے اندر کوئی قابل ذکر بھلائی نہیں؟ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ ہماری طاعت کو بھی قبول نہیں کرتا۔ اس پر آیت "**ان المسلمین والمسلمات**" الخ نازل ہوئی۔

مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ اور حضرت آسیہ بنت کعب انصاریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا، یا رسول اللہ! ہمارا رب (قرآن میں) مردوں کا تو ذکر کرتا ہے اور عورتوں کا کہیں ذکر نہیں کرتا، اس

سے ہم کو اندیشہ ہے کہ عورتوں میں کوئی بھلائی ہی نہیں ہے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابوطالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا: کیا ہمارے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت اُتری ہے؟ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے جواب دیا: نہیں۔ اسماء فوراً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! عورتیں بڑے گھاٹے میں ہیں، بڑی نامراد ہیں۔ فرمایا: کس وجہ سے یہ بات کہہ رہی ہو؟ عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مردوں کا جس طرح قرآن میں ذکر کیا جاتا ہے، عورتوں کا اچھائی کے ساتھ (قرآن میں) کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

"**والمؤمنین والمؤمنات والقانتین**" یعنی طاعات کے پابند لوگ مرد ہوں یا عورتیں۔ "**والقانتات والصادقین**" وہ اپنے قول وعمل کے سچے اور ایسے عمل کرنے والے جن کو سچا مانا جائے۔ "**والصادقات والصابرین**" جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے۔ "**والصابرات والخاشعین**" تواضع کرنے والے غرور نہ کرنے والے مرد وعورتیں۔ "**والخاشعات**" نماز میں خشوع اختیار کرنے والے اور نماز میں خشوع سے مراد ہے کہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھنے والے۔ "**والمتصدقین**" اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ "**والمتصدقات، والصائمین والصائمات، والحافظین فروجھم**" جو ان کے لیے حلال نہیں۔

"**والحافظات والذاکرین اللّٰہ کثیرًا والذاکرات**" مجاہد کا قول ہے کہ بندہ اس وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو، کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو، اس کے بغیر کثیر الذکر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفردون آگے بڑھ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ مفردون کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ جو اپنے کام کو اللہ کے سپرد کردے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے۔ "**ان المسلمین والمسلمات**" اور جس نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ اللہ اس کا رب ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں اس نے دل وزبان سے اس کی مخالفت نہیں کی۔ وہ "**والمؤمنین والمؤمنات**" میں شامل ہے اور جس نے اللہ کی اطاعت کی غرض میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی سنت میں وہ اللہ کے اس فرمان میں داخل ہے "**والقانتین والقانتات**" اور جو شخص صبر علی الطاعات کرے اور معصیت سے ڈرتا رہا اور دُکھ پر صبر کیا، وہ اس فرمان "**والصابرین والصابرات**" میں داخل ہے اور جس شخص نے نماز پڑھی کہ اس کو دائیں بائیں کی بھی شناخت نہیں ہوئی وہ "**والخاشعین والخاشعات**" میں داخل ہوگیا اور جو ہر ہفتے میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "**والمتصدقین والمتصدقات**" میں داخل ہوگیا اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے وہ "**والصائمین والصائمات**" میں داخل ہوگیا اور جس نے حرام سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا وہ "**والحافظین فروجھم والحافظات**" میں شامل ہوگیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں ان کے حقوق کی وجہ سے وہ اللہ کے اس فرمان

"والذاکرین اللّٰہ کثیرًا والذاکرات" میں داخل ہوگیا۔"اعداللّٰہ لھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا"

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿36﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿37﴾

ترجمہ اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر و آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا ہے اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار تھا پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے (نکاح کے) بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا حکم تو ہونے والا تھا ہی۔

تفسیر 36 "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ أمرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم" اس آیت کا نزول زینب بنت جحش اسدیہ اور اس کے بھائی کے متعلق ہوا۔ان کے بھائی کا نام عبداللہ بن جحش تھا اور ان کی ماں اُمیہ بنت عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے ہاں نکاح کا پیغام بھیجا اور وہ اس پر راضی ہوگئی۔انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مجھے نکاح کا پیغام بھجوایا ہے۔اس لیے راضی ہوگئیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ زید کی طرف سے پیغام بھیجا ہے تو آپ کو ناگوار ہوا اور انکار کر دیا اور زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی یہ رشتہ پسند نہیں کیا۔حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی ماں اُمیہ بنت عبدالمطلب تھی،اُمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں کما مر۔اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔"وما کان لمؤمن"اس سے مراد عبداللہ بن جحش اور"ولا مؤمنۃ"اس سے ان کی بہن زینب ہیں۔"اذا قضی اللّٰہ ورسولہ أمرًا"جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا ارادہ کریں وہ نکاح کرنا ہے زینب کا زید کے ساتھ۔"ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم"خیرۃ اختیار کو کہتے ہیں معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ہے اس کے ارادے تک نہیں پہنچ سکتا یا کوئی بھی اس کے کام سے نہیں روک سکتا جس کا

حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔"ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا"صحیح راستے سے کھلم کھلا ہٹا ہوا ہونا، پھر جب انہوں نے یہ بات مان لی اور اس پر راضی ہو گئے تو اس وقت یہ بھی تسلیم ہو گئی۔

اور اس نکاح کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اور اپنے بھائی کے ہاتھ میں کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے ساتھ کر دیا۔ اس نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دس دینار اور ساٹھ درہم ایک دوپٹہ اور اوڑھنی اور ایک ازار اور پچاس مد کھانے کے اور تیس صاع کھجور کے عطا کر دیئے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ کا شانِ نزول

㊲"واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ أمسک علیک زوجک" ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف) گئے۔ زینب گوری اور قریش کی حسین ترین عورت تھیں۔ اس وقت صرف کرتہ اور دوپٹہ پہنے کھڑی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نظر ان پر پڑی تو اچھی معلوم ہوئیں اور دل کو بھا گئیں۔ زبان سے نکلا: سبحان اللہ! اللہ دل کو پلٹنے والا ہے۔ اس کے بعد لوٹ آئے۔ جب حضرت زید آئے تو ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ زید سمجھ گئے اور اسی وقت سے ان کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کیوں؟ کیا زینب کی تم نے کوئی ناشائستہ حرکت دیکھی؟ زید نے کہا نہیں، خدا کی قسم! میں نے ان کی طرف سے نیکی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا مگر وہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے مجھ پر اپنی بڑائی جتلاتی ہیں اور زبان سے مجھے دکھ دیتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ابن جریر نے ابوزید کی روایت سے یہ واقعہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

(فائدہ) یہ روایت جس کو امام بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ زید کی شادی کروانے کے بعد آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا تھا یہ دعویٰ باطل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی بیٹی حضرت زینب کے حسن سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے سے پہلے ان کو جانتے تھے۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا پردہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ دوسرا یہ کہ اگر یہ بات سچ بھی مان لی جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے لیے خطبہ نکاح دینے کے بجائے اپنے لیے نہ بھیجتے؟ یہاں پر اس بات کے کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانع بھی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی دونوں نے یہی گمان کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے خطبہ نکاح بھیجا ہے۔ جب ان دونوں کو معلوم ہو گیا کہ زید کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تو وہ دونوں خاموش

ہوگئے۔ ان دونوں کے حق میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمرًا أن يكون لهم الخيرة من امرهم" اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں اور مان لیا۔ پھر حضرت زید کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا گیا۔

حاشا و کلا کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے بیٹے کی بیوی کی محبت آ جائے جہاں پر منہ بولے بیٹے کو اپنے بیٹے کی طرح کہا جاتا ہے حالانکہ والدین اپنے بیٹے کی بیوی سے مانوس بھی رہتے ہیں۔ پھر یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہو۔ "واللہ تعالٰی اعلم قد عصمه فی خواطره وأفعاله" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس طرح کی روایت سے تعرض کیا ہے۔ حاصل یہ کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں پوشیدہ رکھا وہ اللہ تعالٰی کی خبر ہے کہ حضرت زینب کو آپ کے نکاح میں دے دیں گے۔ باقی یہ بات دل میں پوشیدہ اس وجہ سے رکھی گئی تاکہ لوگوں کی زبانوں میں یہ بات افشاء نہ ہو جائے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالٰی کا ارادہ یہ تھا کہ وہ زمانہ جاہلیت کے اس کام کو باطل کرنا چاہتے تھے اور وہ یہ کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیں۔ یہ کام اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر فرمایا جو مسلمانوں کے امام ہیں۔

"واذ تقول للذى انعم الله عليه" جس پر اللہ نے انعام کیا (اسلام لانے کی نعمت کے ساتھ) ...... "وانعمت عليه" اور وہ انعامات جو تیرے اوپر کیے گئے۔ مثلاً تیری تربیت کی گئی، پھر تجھے آزاد کر دیا گیا یعنی زید بن حارثہ کو۔ "امسك عليك زوجك" زینب بنت جحش کو اپنے پاس روکے رکھو۔ "واتق الله" زینب بنت جحش کے متعلق اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہیں اور ان کو اپنے سے جدا نہ کریں۔ "وتخفى فى نفسك ما الله مبديه" یعنی تمہارے نفس نے اس کو چھپائے رکھا۔ جب تک اللہ اس کو ظاہر نہ کر دیں۔ بعض نے کہا کہ آپ کے دل میں یہ بات چھپائے رکھی کہ جب اس کو چھوڑ دے گا تو اس سے نکاح کرلوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زینب کی محبت دل میں چھپائے رکھی۔ قتادہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے چاہا کہ زید، زینب کو طلاق دے دیں۔ "وتخشى النّاس" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن کا قول ہے تیری حیاء کے باعث۔ بعض نے کہا کہ لوگوں کے سرداروں سے ڈریں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس نے پہلے اپنے منہ بولے بیٹے سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، پھر اس کی بیوی کے ساتھ نکاح کرلیا۔

"والله احق أن تخشاه" حضرت ابن عمر اور ابن مسعود اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیات سے زیادہ کوئی آیت دُشوار نہیں گزری۔ مسروق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ حصہ وحی سے کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت "وتخفى فى نفسك ماالله مبديه ...... الآیۃ" کو پوشیدہ رکھتے۔

سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ علی بن زید بن جدعان نے کہا: مجھ سے امام زین العابدین علی بن امام حسن نے پوچھا کہ آیت "وتخفى فى نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشاه" کے متعلق حسن کیا کہتے ہیں؟ میں

نے کہا حسن کہہ رہے تھے کہ جب زید نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے نبی! میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زید کی یہ بات (دل سے تو) پسند آئی لیکن (ظاہر میں) زبان سے فرمایا: "امسک علیک زوجک واتق اللّٰہ" امام زین العابدین نے فرمایا: ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ زید، زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کی بیوی ہو جائیں گی۔ چنانچہ جب زید نے آ کر کہا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امسک علیک زوجک" یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی اور بطور عتاب اللہ نے فرمایا: جب ہم نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زینب آپ کی بیوی ہو گی تو پھر آپ نے زید سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو، طلاق نہ دو۔ آیت کا یہ مطلب شان انبیاء کے موافق ہے (اس سے نبی پر کوئی دھبہ نہیں آتا) اور عبارت بھی اسی کے مطابق ہے کیونکہ اللہ نے فرما دیا کہ جو بات تم نے چھپائی تھی، ہم اس کو ظاہر کرنے والے ہیں لیکن سوائے اس کے کہ فرما دیا: "زَوَّجْنٰکَهَا" (ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا) اور کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں زینب کی محبت چھپائے رکھی ہوتی یا دل کے اندر یہ بات مخفی کر لی ہوتی کہ زینب کو زید طلاق دے دے تو اللہ (حسب وعدہ) اس کو ضرور ظاہر کر دیتا۔ حقیقت میں (جب بوحی الٰہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ زید، زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو) آپ کو زید سے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ جو بیوی تیرے نکاح میں اور تیرے پاس ہے، وہ میری بیوی ہو جائے گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کی محبت کو دل میں مخفی رکھا کہ زید طلاق دے دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا لیکن دل میں جو بات بغیر اختیار کے پیدا ہو جائے اس کو قابل ملامت اور اس کو برا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ قلبی میلان میں کوئی گناہ نہیں، دل کا جھکاؤ اور وجدان محبت تو طبعی اور فطری چیز ہے۔ باقی "امسک علیک زوجک واتق اللّٰہ ......الآیہ" فرمایا یہ تو اچھے کام کا مشورہ ہے امر بالمعروف ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

"واللّٰہ احق ان تخشاہ" اس سے یہ اشکال نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کا خوف اور مشیت الٰہی نہیں تھی جبکہ ماقبل میں حدیث گزری ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "انا اخشاکم للّٰہ واتقاکم" کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف وخشیت رکھتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی شان میں فرمایا ہے "یخشونہ ولا یخشون احدًا الا اللّٰہ" وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے لیکن اس جگہ جب لوگوں سے ڈرنے کا ذکر کیا تو یہ بھی فرما دیا کہ تمام اُمور واحوال میں خدا سے ڈرنا ہی سزاوار ہے۔ "فلما قضی زید منہا وطرًا" جب زید کا اس سے دل بھر گیا۔ "زوجناکھا" یہاں پر حاجت کے پورا ہونے کا ذکر فرما دیا تاکہ جان لے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تمہارے نکاح تو تمہارے اولیاء نے کرائے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر کیا۔

شعبی کا بیان ہے کہ حضرت زینب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھیں کہ مجھے آپ کے سلسلہ میں تین چیزوں سے

امتیاز حاصل ہے، وہ امتیاز کسی بیوی کو حاصل نہیں کہ میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دادا ایک تھا، میرا نکاح آپ کیساتھ اللہ نے آسمان پر کیا، میرے نکاح کے سفیر حضرت جبرئیل تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا ایسا کسی اور بی بی کا نہیں کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہی بیان ہے کہ زینب بنت جحش کے زفاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلائی۔ مسلم، احمد، نسائی، ابویعلی، ابن ابی حاتم، طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے اور یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے کہ جب زینب کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا: جا کر زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ) زید گئے اور جس وقت پہنچے ہیں، اس وقت زینب رضی اللہ عنہا آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ زید کا بیان ہے کہ میں نے زینب کو دیکھا تو ان کی اتنی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ارادہ سے ان کا ذکر کیا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ان کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر کہا: زینب! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یاد کیا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اپنے رب سے مشورہ کے بغیر کچھ کرنے والی نہیں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُٹھ کر مسجد (یعنی اندرون خانہ جو نماز کی جگہ مقرر کر رکھی تھی اس) کی طرف گئیں اور آیت ذیل نازل ہوئی۔

"لکیلا یکون علی المؤمنین حرج" حرج سے مراد گناہ ہے۔ "فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرًا" ادعیاء جمع داعی کی ہے اس سے مراد متبنی بیٹا ہے۔ یعنی زینب زوجہ زید سے ہم نے آپ کا نکاح اس لیے کرایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی (مطلقہ) بیویوں سے نکاح حلال ہے خواہ وہ بیٹے اپنی بیویوں سے قربت کر چکے ہوں حقیقی بیٹے کی بیوی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ "و کان امر اللہ مفعولا" اور اللہ کا فیصلہ تو لامحالہ پورا ہونے والا تھا۔ جیسا زینب کے معاملے میں ہوا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ. سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ. وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿٣٨﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ. وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾

ترجمہ: ان پیغمبر کے لئے جو بات (تکوینًا یا تشریعًا) خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے یہ سب (پیغمبران گذشتہ) ایسے تھے کہ اللہ کا پیغام پہنچایا کرتے تھے اور (اس باب میں) اللہ ہی

سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر ㊳ "ما كان على النبى من حرج فيما فرض الله له" جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کردی۔ "سنة الله" منصوب ہے حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔ اصل عبارت یوں تھی "كسنة الله" بعض نے کہا کہ منصوب بنابر اغراء ہے فعل محذوف کی وجہ سے۔ "اى الزموا سنة الله"...... "فى الذين خلوا من قبل" ماقبل انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی اس بات کا مواخذہ نہیں کیا گیا جو اشیاء ان کے لیے حلال کردی گئی تھیں۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی ایک عورت کی طرف مائل ہوگئے تھے جس سے انہوں نے نکاح کرلیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کردیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ "سنة الله" سے مراد ہے نکاح، نکاح بھی سنت انبیاء میں سے ہے۔ بعض کے نزدیک کثرت ازواج کی طرف اشارہ ہے جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی بیبیاں کثرت سے تھیں۔ "وكان امر الله قدرًا مقدورًا" اس کا فیصلہ تجویز کردہ ہے جو ماقبل میں گزر چکا ہے۔

㊴ "الذين يبلغون رسالات الله" وہ سب انبیاء ایسے تھے جو اللہ کے پیغام کو پہنچاتے تھے۔ "ويخشونه ولا يخشون أحدًا الا الله" وہ لوگوں کی باتوں سے نہیں ڈرتے تھے اور ان کے آئمہ بھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کیا تھا اور ان پر فرض کیا تھا۔ "وكفى بالله حسيبًا" وہ مخلوقات کے اعمال کے محافظ اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنے والے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو لوگوں نے یہ باتیں کہنا شروع کردیں کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

㊵ "ما كان محمد أبا احد من رجالكم" رجال سے مراد زید بن حارثہ ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں کہ جن کی وجہ سے ان کی بیویوں سے نکاح حرام ہو۔

سوال: قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے (مانے گئے) تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے؟

جواب: چار بیٹوں کی وفات بچپن میں ہوگئی تھی، کوئی بھی حد بلوغ کو نہیں پہنچا کہ اس کو رجل کہا جاتا۔ صحیح یہ بات ہے جو ہم نے کہی ہے مراد اس سے یہ ہے کہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ "ولكن رسول الله وخاتم النبيين" جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت فرمائی۔ ابن عامر اور ابن عاصم نے (خاتم) تاء کے فتحہ کے ساتھ اسم پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے کسرہ کے ساتھ فاعل پڑھا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر نبیوں کا سلسلہ ختم نہ ہوجاتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو آپ کے بعد نبی بناتے۔

عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑکا یعنی مرد (اولاد) عنایت نہیں کیا۔

"وکان اللہ بکل شیءٍ علیمًا" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت قصر ہو، اس کی عمارت حسین ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو۔ دیکھنے والے اس کے گرد آ کر گھومتے ہیں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہوں لیکن یہ بھی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ پس اس ایک اینٹ کے مقام کو میں نے درست کردیا اور مجھ پر پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ ختم کردیا۔

حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے (میرے بہت نام ہیں) میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا، میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿43﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے اور مومنین پر اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔

تفسیر: 41 "یا یھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ذکر کے علاوہ اللہ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر کردی ہے اور عذر کے وقت معذور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے مگر ذکر کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی اور سوائے دیوانہ کے کسی کو معذور نہیں قرار دیا بلکہ تمام حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے "فاذکروا اللہ قیامًا و قعودًا وعلی جنوبکم" اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اور فرمایا ہے "اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا" اللہ کی یاد بکثرت کیا کرو، رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت میں، بیماری میں پوشیدہ اور ظاہر۔ مجاہد نے کہا کہ ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی اللہ کو نہ بھولے۔

42 "وسبحوہ" اس کے لیے نماز پڑھو۔ "بکرۃً" صبح کی "واصیلاً" اور عصر کی۔ کلبی کا بیان ہے کہ یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ مجاہد کا قول ہے کہ تسبیح سے مراد ہے "سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" پڑھنا۔ لفظ تسبیح تمام جملے مراد ہیں جن کو بطور تسبیح کے پڑھا جاتا ہے۔ تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر وغیرہ۔ بعض حضرات نے کہا کہ "ذکرًا کثیرًا" سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کو باوضو، بے وضو، جنبی اور محدث پڑھ سکتا ہے۔

43 "هو الذی یصلی علیکم وملائکته" صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور صلوٰۃ کی نسبت اگر فرشتوں کی طرف کردی جائے تو اس سے مراد استغفار ہوتا ہے مؤمنین کے لیے۔ سدی کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا ہمارا رب صلوٰۃ کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ سوال بہت شاق گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی، ان سے کہہ دو کہ میں صلوٰۃ کرتا ہوں مگر میری صلوٰۃ بمعنی رحمت ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کی بندے پر صلوٰۃ کا معنی ہے بندے کے ذکر خیر کو لوگوں میں پھیلانا۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی طرف سے بندہ کی ثناء ہونا صلوٰۃ اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس پر تعریف کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت "انّ اللّٰہ وملائکته یصلون علی النّبی" نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے جو شرف خصوصیت کے ساتھ آپ کو عطا فرمایا ہم کو اس میں ضرور شریک فرمادیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "لیخرجکم من الظلمات الی النور" کفر کی ظلمت سے نور ایمان کی ظلمت کی طرف نکال دیں۔ یعنی اپنی رحمت اور ملائکہ کی دُعا سے کفر و معاصی سے نکال کر ایمان و طاعات کے نور کی طرف ہمیشہ تم کو لاتا رہتا ہے۔ "وکان بالمؤمنین رحیمًا"

تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ. وَاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا 44 یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا 45 وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا 46 وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا 47 وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا 48 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا 49

ترجمہ: وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ (جنت میں) تیار رکھا ہے اے نبی بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مؤمنین) کے بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور (ان کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور کافروں اور منافقین کا کہنا نہ کیجئے اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہے اے ایمان والو تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو تو ان کو کچھ (مال) متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کرو۔

تفسیر 44 "تحیتھم" مؤمنین کا سلام۔ "یوم یلقونہ" جس دن وہ اللہ کو دیکھیں گے، یہ ہوگا۔ "سلامٌ" اللہ کی طرف سے بطور تحیہ ان کو سلام کیا جائے گا اور اللہ ان کو تمام ناگوار باتوں سے امن وسلامتی میں رکھے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں "تحیتھم یوم یلقونہ" جس وقت ان سے ملک الموت ملے گا وہ کسی مؤمن کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرتے جب تک اس پر سلام نہ بھیج دیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو کہتا ہے "ان ربک یقرئک السلام" کہ تمہارے رب نے تجھے سلام بھیجا ہے۔ بعض نے کہا کہ ملک الموت یہ کہتا ہے کہ تجھے فرشتے سلام بھیجتے ہیں اور قبروں سے نکالے جانے کے دن کی خوشخبری سناتے ہیں۔ "واعدلھم اجرًا عظیمًا" اس سے مراد جنت کی خوشخبری ہے۔

45 "یا یھا النّبی انا ارسلناک شاھدًا و مبشرًا و نذیرًا" شاہداً سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی رسالت والا پیغام پہنچا دیا ہے۔ "و مبشرًا" اور انبیاء پر ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔

46 "و داعیًا الی اللّٰہ" اس کی توحید اور اس کی طاعت کی طرف دعوت دینے والے۔ "باذنہ" اس کے حکم سے۔ "و سراجًا منیرًا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے راستہ نظر آجاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

47 "وبشر المؤمنین بأن لھم من اللّٰہ فضلاً کبیرًا"

48 "ولا تطع الکافرین و المنافقین" اس کی تفسیر ماقبل میں اس سورۃ کی ابتداء میں ذکر کی جا چکی ہے۔ "ودع اذاھم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے کہ ان کی اذیت پر صبر کرے۔ زجاج کا بیان ہے کہ ان سے جھگڑا نہ کیجئے، ان کو دکھ پہنچانے کا خیال نہ کیجئے، یہ قتال کی آیت سے منسوخ ہے۔ "وتوکل علی اللّٰہ وکفٰی باللّٰہ وکیلاً" وہی تمام امور کی حفاظت کرنے والا ہے۔

49 "یایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق نکاح سے پہلے واقع نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح پر مرتب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی غیر عورت سے اس طرح کہا ہے کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے۔ پھر اس سے نکاح کرلیا تو نکاح سے پہلے دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اگر اس طرح کہا کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے پھر کسی عورت سے نکاح کرلیا تو طلاق واقع ہوگئی۔ یہ قول حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت معاذ، حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے۔ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عروہ، قاسم، طاؤس، عکرمہ، عطاء، سلیمان، بن یسار، مجاہد، شعبی، قتادہ اور اکثر علماء رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع

ہوجائے گی۔ یہ قول ابراہیم نخعی اور اصحاب الرائے کا ہے اور ربیعہ، مالک اور اوزاعی کا قول ہے کہ معین عورت کو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت کی ہے اور اگر واقعی انہوں نے کسی معین عورت کے متعلق کہا ہو کہ فلاں عورت سے میں نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے "**یایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن**" اس نے "**اذا طلقتموھن ثم نکحتموھن**" نہیں فرمایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید کے لیے ایک حدیث نقل کی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔ "**من قبل أن تمسوھن**" مس سے مراد جماع ہے۔ "**فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا**" تم اس کو شمار کرو حیض کے ساتھ یا مہینوں کے اعتبار سے "**فمتعوھن**" ان کو تم دو کہ تم نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ حکم اس وقت ہے جب مہر کی مقدار مقرر نہ کی ہو، اگر مہر مقرر ہو تو آدھا واجب ادا ہوگا۔ متاع لازم نہیں ہوگا۔

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، آیت "**فنصف ما فرضتم**" اس کی ناسخ ہے دونوں قولوں کا مآل ایک ہی ہے کہ اگر بغیر جماع کیے کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مہر کی مقرر مقدار تھی تو آدھا مہر دیا جائے گا۔ اس صورت میں متعہ نہ واجب ہے نہ مستحب۔ بعض کے نزدیک نصف مہر کے ساتھ ساتھ متعہ مستحب ہے۔ اس قول کی بنیاد پر متعوھن کا امر استحباب کے لیے ہوگا۔ "**وسرحوھن سراحًا جمیلاً**" اور ان کے راستے کو اچھے طریقے سے چھوڑ دو بغیر کسی تکلیف ونقصان دینے کے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ يَمِيْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَکَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْکِحَهَا خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَکَتْ اَيْمَانُهُمْ لِکَيْلَا يَکُوْنَ عَلَيْکَ حَرَجٌ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٠﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْکَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْکَ. ذٰلِکَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ کُلُّهُنَّ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِکُمْ. وَکَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾

(ترجمہ) اے نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو خاص طور پر تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دلوادی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو

اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے آپ کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مومنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی اور خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ جاننے والا ہے بردبار ہے۔

تفسیر ⑤⓪ **"یا یھا النّبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی آتیت أجورھن"** اس سے مراد مہر ہے۔ **"وما ملکت یمینک مما أفاء اللہ علیک"** اس آیت میں کفار پر رد ہے۔ کفار یہ کہتے تھے کہ ان کو پہلے قید کیا، پھر ان سے نکاح کر لیا جیسے صفیہ اور جویریہ جبکہ حضرت ماریہ کسی جہاد سے گرفتار کر کے نہیں لائی گئی تھیں بلکہ مقوقس شاہ مصر نے بطور ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کو بھیجا تھا۔ **"وبنات عمک وبنات عماتک"** اس سے مراد قریش کی عورتیں ہیں۔ **"وبنات خالک و بنات خالاتک"** خاندان بنوزہرہ کی بیٹیاں۔ **"اللاتی ھاجرن معک"** جنہوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی اور جن عورتوں نے ان میں سے کسی عورت کے ساتھ ہجرت نہیں کی اور مدینہ نہیں آئی، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جائز نہیں تھا۔

حضرت ابوصالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت اُم ہانی بنت ابوطالب نے فرمایا جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا۔ میں نے معذرت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا عذر قبول کر لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہی نہیں رہی کیونکہ میں مہاجرات میں سے نہیں تھی، طلقاء میں سے تھی۔ پھر ہجرت کی شرط منسوخ ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال ہونے کے لیے۔

"وامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النّبی أن یستنکحھا خالصۃ لک من دون المؤمنین" یعنی آزاد عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کر دے اور اگر کوئی غیر مسلمہ خود اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دے تو آپ کے لیے اس کو نکاح میں لانا جائز نہیں تھا۔

آیت وامرأۃ مومنہ کی تفسیر

علماء مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ کسی غیر مسلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جائز تھا یا نہیں تھا، علماء کی ایک جماعت عدم جواز کی قائل ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے **"و امرأۃ مؤمنۃ"** فرمایا ہے اور **"ھاجرن معک"** کا معنی **"اسلمن معک"** سے کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلمہ عورتوں سے نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔

نکاح کن الفاظ سے منعقد ہوتا ہے

اور اسی طرح نکاح منعقد ہو جاتا ہے اپنے آپ کو کسی کے لیے ہبہ کرنے کے ساتھ بغیر ولی اور بغیر گواہوں اور بغیر مہر کے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو نکاح میں لانے کا ارادہ ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "**خالصة لک من دون المؤمنین**" چار شادیوں سے اوپر اور نکاح میں رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔

اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ باندی اپنے آپ کو ہبہ کر دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کے ساتھ لفظ نکاح اور تزویج کے علاوہ دوسرے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یہ قول سعید بن المسیب، زہری، مجاہد اور عطاء کا ہے اور یہی قول ربیعہ مالک اور شافعی کا ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے لفظ ہبہ تملیک کے ساتھ۔ یہ قول ابراہیم نخعی اور اہل کوفہ کا ہے اور جن حضرات نے کہا کہ اس کا نکاح نہیں منعقد ہوگا مگر لفظ نکاح اور تزویج کے ساتھ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ان کے ساتھ بھی لفظ ہبہ کے ذریعے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک منعقد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**خالصة لک من دون المؤمنین**" دوسرے حضرات کا قول ہے کہ اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر لفظ نکاح اور لفظ تزویج کے ساتھ باندی کے حق میں، اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ان اراد النبی أن یستنکحها**" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختصاص مہر کے بغیر قبول کرنے میں ہے نہ کہ لفظ نکاح کے ساتھ۔

آئمہ کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیویوں کے موجود ہونے کے باوجود کوئی عورت اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے تو وہ قبول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت کوئی عورت نہیں تھی جب ان کے لیے ہبہ کیا گیا اور نہ ہی کوئی عورت ان کے پاس آئی۔ عقد نکاح یا ملک یمین کے سبب۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ان وهبت نفسها**" یہ شرط ہے اور اس کی جزاء یہی ہے جو ماقبل میں گزر چکی ہے۔ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہبہ شدہ عورتیں موجود تھیں۔ اس بارے میں بھی آئمہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے کہ امام شعبی کا قول ہے کہ یہ حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ہیں، ان کو اُم المساکین بھی کہا جاتا ہے۔

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ میمونہ بنت حارث ہیں۔ علی بن الحسین، ضحاک اور مقاتل کے نزدیک یہ اُم شریک بنت جابر ہیں جو قبیلہ بنو اسد سے ہیں۔ عروۃ بن زبیر کا قول ہے کہ یہ خولہ بنت حکیم قبیلہ بنو سلیم سے تھیں۔ (یہ وہ عورتیں تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا)۔

"**قد علمنا ما فرضنا علیهم**" یعنی مؤمنین پر جو کچھ ہم نے واجب کر دیا۔ "**فی ازواجهم**" اپنی بیویوں کے متعلق جو احکام ان پر نازل کر دیئے کہ تم چار سے زائد عورتیں بیک وقت نہیں رکھ سکتے، وہ بھی ولی اور گواہوں اور مہر سے۔ "**وما ملکت ایمانهم**" اور وہ احکام جو ہم نے تمہارے اوپر ملک یمین کے ذریعے واجب کیے ہیں۔ "**لکیلا یکون علیک حرج**" یہ آیت

اوّل سورۃ کی اس آیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔"احللنا لک اُزواجک... وما ملکت یمینک" یہ تمہارے لیے ہبہ ہے تاکہ آپ کسی حرج یا تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔"وکان اللہ غفورًا رحیمًا"

51 "ترجی" تم اس کو مؤخر کرو۔"من تشاء منھن وتووی" اور تمہاری طرف اس کو ملائے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ کی تفسیر

"الیک من تشاء" اس آیت میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول باری تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔پہلے عورتوں میں برابری کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا،اس آیت کے نزول کے بعد برابری رکھنے کا حکم ساقط کر دیا گیا اور عورتوں کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

ابوزید اور ابن زید نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب بعض اُمہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں رشک کیا اور بعض نے زیادہ مصارف طلب کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک سب سے ترکِ تعلق کر لیا تھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ نے حکم دے دیا کہ عورتوں کو اختیار دے دو کہ وہ دُنیا کو پسند کر لیں یا آخرت کو، جو دُنیا کو پسند کریں ان کے راستہ میں رُکاوٹ نہ پیدا کرو (ان کو آزاد کر دو) اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں ان کو اپنے پاس رکھو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مؤمنوں کی مائیں ہوں گی، کبھی کسی اور سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) نکاح نہیں کر سکیں گی اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس کو چاہیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے دور رکھیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس کی باری چاہیں مقرر کریں، چاہیں نہ کریں اور مصارف و باری کی تقسیم میں جس کو چاہیں ترجیح دیں، یہ سارے اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گے۔یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی۔اُمہات المؤمنین نے یہ تمام شرائط مان لیں اور ان شرائط پر آپ کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کسی بیوی کو باری کی تقسیم سے خارج کر دیا تھا یا نہیں؟ اس میں روایات کا اختلاف ہے۔بعض کا قول ہے کہ باوجود کامل اختیار مل جانے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حضرت سودہ کے اور کسی بیوی کو باری کی تقسیم سے خارج نہیں کیا۔حضرت سودہ خود اپنے حقوق سے دستبردار ہوگئیں اور انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اختیار ملنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کو باری کی تقسیم سے خارج کر دیا تھا۔ابن جریر نے بوساطت منصور ابورزین کی روایت بیان کی ہے کہ جب آیت تخییر نازل ہوئی تو اُمہات المؤمنین کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو طلاق دے دیں اس لیے سب نے کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی

ذات میں اور مال میں جتنا چاہیں ہم کو دیں اور ہم کو ہمارے حال پر رہنے دیں (طلاق نہ دیں) اس پر آیت "ترجی من تشآء الخ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عورتوں کو پیچھے ڈال دیا اور بعض کو اپنے قرب میں رکھا جن کو قریب رکھا، ان میں عائشہ، حفصہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کے لیے باری کی تقسیم برابر برابر کردی اور پانچ بیویوں کو دور رکھا: اُم حبیبہ، سودہ، صفیہ، میمونہ، جویریہ رضی اللہ عنہن۔ ان کے لیے جب آپ چاہتے تھے باری تقسیم کر دیتے ﷺ۔

مجاہد نے کہا "ترجی من تشآء منهنّ" کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس بیوی سے بغیر طلاق دیئے کنارہ کش رہنا چاہیں، کنارہ کش رہیں اور کنارہ کش ہونے کے بعد اگر پھر اس کو بغیر تجدید نکاح کے اپنے پاس واپس لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ جس بیوی کو چاہیں آپ طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے عقد میں باقی رکھیں۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنی اُمت کی جس عورت سے آپ نکاح کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں اور نکاح نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو اپنا پیام بھیجتے تھے تو جب تک خود ہی اپنے پیام سے دستبردار نہ ہو جائیں، کسی دوسرے شخص کے لیے اس عورت کو پیام بھیجنا جائز نہ تھا۔

بعض نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جو مؤمن عورتیں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کردیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول کرلیں اور اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو قبول نہ کرنا چاہیں، رد کردیں۔

ہشام نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جن عورتوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کردیا تھا، ان میں سے خولہ بنت حکیم بھی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا عورت کو شرم نہیں آتی کہ مرد کے لیے اپنے کو ہبہ کرتی ہے؟ پھر جب آیت "ترى اليك من تشآء منهنّ الخ" نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کردیتا ہے۔

"ومن ابتغيت ممّن عزلت فلا جناح عليك" اور جن سے آپ کنارہ کش ہوگئے، اگر ان میں سے پھر کسی کو طلب کرلیں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یعنی جن بیویوں کو (بغیر طلاق کے) آپ نے اپنے سے دور کردیا تھا، اگر ان میں سے کسی کو پھر اپنے پاس رکھنا چاہیں تو کوئی گناہ نہیں۔

"ذٰلك اَدْنٰى اَنْ تَقَرَّ اعينهن ولا يحزنّ ويرضين بما اٰتيتهنّ كلّهنّ" اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔

"ذلک" یعنی یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ہے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈی رکھنے اور آزردہ خاطر نہ ہونے اور سب کے راضی رہنے سے بہت زیادہ قریب (تعلق رکھنے والا) ہے کیونکہ اس میں سب برابر ہیں (سب کا اختیار آپ کو ہے، کوئی خودمختار نہیں رہی) پھر اگر آپ ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلالیں گے تو وہ آپ کے اس فعل کو آپ کی مہربانی سمجھے گی اور جس سے کنارہ کش ہوجائیں گے تو وہ اس کو حکم خدا سمجھے گی بلکہ اس میں بھی آپ کی مہربانی سمجھے گی کہ آپ نے اس کو صرف اپنے

قرب سے ہٹا دیا، نکاح سے تو خارج نہیں کیا حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی (طلاق دے سکتے تھے)۔

"وَاللّٰہ یعلم ما فی قلوبکم" اور اللہ کو تم لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔اس میں اس بی بی کے لیے وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء پر راضی نہ ہو۔

بعض اہل علم نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر جو بعض عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان ہوتا ہے، اللہ اس سے واقف ہے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کیلئے یہ اختیار ان کو دے دیا ہے۔"وکان اللّٰہ علیمًا حلیمًا"

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ. وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کرلیں اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز (کی حقیقت اور آثار و مصالح) کا پورا نگران ہے۔

تفسیر: ﴿۵۲﴾ "لایحل لک النساء من بعد ولا أن تبدل بھن من ازواج" ابوعمرو اور یعقوب نے "لاتحل" تاء کے ساتھ اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔یعنی ان نو بیویوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا اور بیویوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اختیار کیا تو اللہ نے ان کی قدردانی عطا فرمائی۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کی تفسیر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیوں کو اختیار دے دیا اور بیبیوں نے اللہ اور اس کے رسول کو ہی اختیار کیا تو اللہ نے ان کی قدردانی فرمائی اور پیغمبر کے لیے موجودہ بیبیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کو حرام کر دیا اور اس کی بھی ممانعت کر دی کہ ان بیبیوں میں سے کسی کو طلاق دے کر کسی اور عورت سے نکاح کرسکیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہی قول ہے اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس ممانعت کے بعد کیا پھر دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی اباحت کا کوئی حکم نازل کیا گیا یا نہیں؟ عطاء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا تھا کہ جن عورتوں سے سوائے محرم کے آپ نکاح کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں۔آیت "ترجی من تشآء منھنّ و توی الیک من تشآء" میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ یہ آیت اگرچہ ترتیب قرأت میں پہلے ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے۔"لایحل لک النساء" کے بعد آیت "ترجی من تشآء" نازل ہوئی تھی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ اور ضحاک نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں کا صفات متقدمہ کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، ان کے بعد دوسری عورتوں سے آپ کے لیے نکاح حلال نہیں۔حضرت اُبی بن کعب سے دریافت کیا گیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(ساری) بیبیاں وفات پا جائیں تو کیا آپ کے لیے جدید نکاح کرنا جائز تھا؟ فرمایا: اس کی ممانعت کرنے والی کیا چیز تھی؟ عرض کیا گیا: اللہ نے فرمادیا تھا: "لایحل لک النسآء من بعد" فرمایا آیت "یایھا النّبی انا احللنا لک ازواجک الایہ" میں اللہ نے ایک خاص قسم کی عورتیں آپ کے لیے حلال کردی تھیں۔ پھر (اور قسم کی عورتیں حرام کرنے کے لیے) فرمایا: "لایحل لک النسآء من بعد" (یعنی ایسی عورتوں کے علاوہ دوسری طرح کی عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں۔ مترجم) ابوصالح نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ نہ کسی اعرابی عورت سے نکاح کریں، نہ کسی (عام) عربی عورت سے بلکہ اپنے قبیلہ کنبہ کی عورتوں سے نکاح کریں، چچا، پھوپھی کی بیٹیاں ہوں یا ماموں خالہ کی۔ قبیلہ والی تین سو عورتوں سے بھی نکاح کرسکتے ہیں۔

مجاہد نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مسلم عورتوں کے بعد کسی یہودن یا عیسائی عورت سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر ان کی جگہ غیر مسلمہ سے نکاح کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اُم المؤمنین نہ کوئی یہودی عورت ہوسکتی ہے نہ عیسائی عورت۔ ہاں، کتابی مذہب کی باندیاں اس حکم سے مستثنیٰ تھیں۔

ضحاک نے "ان تبدل بھنّ" کا یہ مطلب بتایا کہ جو بیبیاں آپ کے نکاح میں ہیں ان کو طلاق دے کر دوسری عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال نہیں۔ یعنی موجودہ بیبیوں کو طلاق دینے کی ممانعت کردی کیونکہ ان کو اُمہات المؤمنین بنادیا گیا اور دوسروں کیلئے ان کو حرام کردیا گیا، دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

ابن زید نے آیت "ولا ان تبدّل بھنّ من ازواج" کی تشریح میں کہا: جاہلیت کے زمانہ میں لوگ بیبیوں کی بدلی کرلیتے تھے۔ ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ اپنی بی بی سے میری بی بی بدل لو۔ مجھے اپنی بی بی دے دو، میں اپنی بی بی تم کو دے دوں گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بیبیوں کا تبادلہ آپ کے لیے حلال نہیں۔ اپنی بی بی دوسرے کو دے دو اور دوسرے کی بی بی خود لے لو، یہ جائز نہیں۔ ہاں باندیاں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کوئی حرج نہیں، اگر اپنی باندی دے کر اس کے بدلہ میں دوسرے کی باندی لے لو، بیبیوں کا تبادلہ حرام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بغیر اجازت لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اجازت داخلہ کیوں نہیں لی؟ عیینہ نے کہا: یارسول اللہ! جب سے میں جوان ہوا ہوں میں نے مصر (حجازی عرب) کے کسی شخص سے داخلہ کی اجازت نہیں لی۔ پھر کہنے لگا: آپ کے پہلو میں گوری عورت کون ہے؟ فرمایا: عائشہ ہیں۔ وہ بولا: کیا ایک حسین ترین عورت دے کر آپ سے اس کا تبادلہ نہ کرلوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے یہ حرام کردیا ہے۔ عیینہ جب نکل کر چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ یہ کون تھا؟ فرمایا: یہ ایک احمق ہے جس کا حکم مانا جاتا ہے جو حالت تم نے اس کی دیکھی، اس کے باوجود یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔

"ولو اعجبک حسنھنّ" یعنی ان عورتوں کا حسن جن سے تم نکاح کے خواہش مند ہو، تمہیں اگرچہ پسند بھی آئے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے حلال نہیں کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دو اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کرلو، خواہ اس کی خوبصورتی آپ کو کیسی ہی بھلی معلوم ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایسی (حسین) عورت جعفر بن ابی طالب کی بیوی بنت عمیس خثعمیہ تھی۔ جب جعفر شہید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا پیام بھجوانا چاہا لیکن آپ کو اس کی ممانعت کردی گئی۔ "الا ما ملکت یمینک" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کے نزول کے بعد صاجزادہ ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں داخل ہوئیں (مقوقس شاہ مصر نے دو لونڈیاں خدمت گرامی میں بطور ہدیہ بھیجی تھیں، ایک سرین، دوسری ماریہ۔ انہی ماریہ کے شکم سے حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاجزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے)۔

"و کان اللّٰہ علی کل شیءٍ رقیبًا" اور اللہ ہر چیز کا پورا نگران ہے اس لیے تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اس کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو۔ آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ مرد جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو، اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دینا چاہتا ہو تو اس کے لیے ایسے اعضاء کو دیکھنا جو نکاح کی دعوت دیں، ممکن ہو تو ایسا کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اس کی طرف دیکھ لو، تم دونوں میں اتفاق قائم رکھنے کے لیے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ (رواہ احمد، والترمذی، والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی طرف دیکھ لو، انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (یعنی پیلاپن)۔ (رواہ مسلم شریف)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ. اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ. وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا. اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نبی کے گھر میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے

سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔

آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا کا شانِ نزول

تفسیر 53 "یایها الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوت النّبی الا أن یؤذن لکم" اس آیت کا نزول زینب بنت جحش کے بارے میں ہوا۔ جب ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا۔ ابن شہاب (زہری) کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، میں اس وقت دس سال کا تھا۔ میری ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر میری موافقت کرتی تھیں۔ میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال تھی۔ حجاب کے واقعہ کا علم مجھے سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ آیت حجاب کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زینب بنت جحش کی خلوت گاہ میں ہوا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہونے کی حیثیت میں تھے، آپ نے لوگوں کو کھانا کھانے کیلئے بلایا، لوگوں نے آ کر کھانا کھایا۔ الیٰ آخر الحدیث۔

زہری کی یہ روایت بھی بخاری کی روایت کی طرح ہے۔ بخاری کی دوسری روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا: اس آیت کو یعنی آیت حجاب کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیوی کی حیثیت میں بھیجا گیا تو آپ کے گھر کے اندر وہ موجود تھیں اور آپ نے کچھ کھانا تیار کرایا تھا اور لوگوں کو کھانے کے لیے بلوایا تھا (کھانے کے بعد بھی) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے، اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی تو لوگ اُٹھ گئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا۔

ابوعثمان کا قول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ اس عورت کے دروازہ پر پہنچے جس سے شادی کی تھی، وہاں اس کے پاس کچھ لوگ موجود تھے، آپ وہاں سے چل دیئے، وہ لوگ چلے گئے تو آپ لوٹ آئے اور اندر چلے گئے اور میرے اور اپنے درمیان پردہ چھوڑ دیا۔ میں نے یہ واقعہ ابوطلحہ سے بیان کیا تو ابوطلحہ نے کہا: جیسا تو کہہ رہا ہے اگر واقعی یہی ہے تو اس کے متعلق کچھ ضرور نازل ہوگا۔ چنانچہ آیت حجاب نازل ہوگئی۔ اس روایت کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا نزول ان مسلمانوں کے بارے میں ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا کھانے کی غرض سے پہلے ہی گھر میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ کھانا کھا چکے تو دوبارہ وہ باہر نہ نکلے جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیت پہنچی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "یایها الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا

أن یؤذن لکم" یہاں تک کہ تم کو بلایا نہ جائے۔"الٰی طعام"اور تمہیں کھانے کی اجازت دے دی جاتی اور تم اس سے کھاتے۔ "غیر ناظرین اناہ" کھانے تیار ہونے کے منتظر نہ رہو۔ جیسے کہا جاتا ہے"أنّی الحمیم" جب پانی خوب گرم ہوگیا کھولنے لگ گیا۔"انّی"ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جب اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اس پر مد کی جائے گی۔ کہا جائے گا"الاناء"۔اس میں دو لغتیں ہیں۔"انی، یانی، و آن یئین"جیسے"حان یحین"......"ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم"جب تم کھانا کھاؤ۔"فانتشروا"تو تم جدا جدا ہو جاؤ اور ان کو ان کے ٹھکانوں سے نکالو۔"ولا مستانسین لحدیث"کھانے کے بعد دیر تک باتیں کرتے نہ رہا کرو، یعنی کسی کا دل بہلانے کے لیے مت بیٹھا کرو۔"ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللّٰہ لایستحیی من الحق"ان کو ادب سکھلانے اور حق کو بیان کرنے سے حیاء نہ کیجئے۔

"واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب"اس کے پردے سے پیچھے۔اس آیت کے نزول کے بعد کسی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔"ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن" تمہارے دلوں کے شک کو دور کرنے والا۔ ابن شہاب زہری نے عروہ سے اور حضرت عروہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جب قضاء حاجت کے لیے باہر نکلتی تھیں تو رات کو باہر نکل کر وسیع میدان میں جاتی تھیں۔ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تھے کہ اُمہات المؤمنین کا پردہ کرا دیجئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔ ایک رات کو عشاء کے وقت حضرت سودہ بنت زمعہ گھر سے برآمد ہوئیں، عورت قد آور تھیں (اس لیے پہچان لی جاتی تھیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ پردے کا حکم نازل ہونے کی انتہائی خواہش تھی اس لیے آپ نے پکار کر کہا، ہم نے آپ کو پہچان لیا، اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمادی۔ بغوی نے لکھا: آیت حجاب کے سبب نزول کا یہ صحیح واقعہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بخاری کی یہ روایت ذکر کردی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین باتوں میں میری (رائے کی) مطابقت اپنے رب کے (حکم کے) ساتھ ہوگئی۔ میں۔نے عرض کیا کہ کاش! آپ مقام ابراہیم کو مقام نماز بنالیتے، اس پر آیت "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" نازل ہوئی۔ میں نے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! آپ کی عورتوں کے پاس نیک و بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں، کاش آپ اپنی عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دیتے، اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقابت کی وجہ سے آپ کی عورتیں جمع تھیں، میں نے عرض کیا:"عسٰی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجًا خیرًا منکنّ" یہ عبارت اسی طرح نازل ہوگئی۔ نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی یونہی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

"وما کان لکم أن توذوا رسول اللّٰہ" تمہارے اوپر یہ لازم ہے کہ کسی چیز کے ذریعے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔"ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدًا"اس آیت کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر ہوا کہ انہوں نے کہا تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے گی تو میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا سے نکاح کروں گا۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ اس سے مراد طلحہ بن عبید اللہ ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے خبر دی کہ یہ بیویاں تم سب پر حرام ہیں۔ "ان ذالکم کان عند اللّٰہ عظیمًا" یہ تم پر بڑا گناہ ہے۔ معمر نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عالیہ بنت ظبیان نے ایک شخص سے نکاح کرلیا تھا اور اس کے پیٹ سے اس شخص کی اولاد بھی ہوئی تھی۔ عالیہ وہی عورت تھی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی تھی، یہ واقعہ حرمت سے پہلے کا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا 54 لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا 55 اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا 56

ترجمہ: اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے اور خدا سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

تفسیر: 54 "ان تبدوا شیئًا او تخفوه فان اللّٰہ کان بکل شیءٍ علیمًا" اس آیت کا نزول اس شخص کے حق میں ہوا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ دل میں پوشیدہ رکھا تھا، کما مر۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اُمہات المؤمنین کے باپوں، بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا کہ آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کلام کریں گے تو پردے کی آڑ سے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

55 "لاجناح علیھن فی آبائھن ولا ابنائھن ولا اخوانھن ولا ابناء اخوانھن ولا ابناء اخواتھن" ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں، اگر انہوں نے حجاب کو ترک کر دیا۔ "ولا نسائھن" اور مسلمان عورتوں کا ازواج مطہرات کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ کتابی عورتوں کو ان کے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ عام ہے مسلمان عورتیں ہوں یا کتابی کیونکہ "ولا نسائھن" فرمایا کیوں کہ یہ سب انہی کی جنس سے ہیں۔

"ولا ما ملکت ایمانھن" اس بارے میں اختلاف ہے کہ غلام کی بیوی بھی ان کے لیے محرم ہے یا نہیں۔ بعض نے کہا کہ محرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ولا ما ملکت ایمانھن" کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ وہ بھی اجنبی عورتوں کی طرح ہے۔ مراد اس سے باندیاں ہیں نہ کہ غلام۔ "واتقین اللّٰہ" ان احکام کی خلاف ورزی سے اللہ

کا خوف کرو۔ "ان اللّٰہ کان علی کل شیءٍ" بندوں کے اعمال سے۔ "شھیدًا" گواہ ہے۔

۵۶ "ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النّبی" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے آپ کے لیے دُعائے رحمت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یصلون برکت دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی طرف۔ صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت اور صلوٰۃ ملائکہ سے مراد ہے استغفار "یا یھا الذین آمنوا صلوا علیہ" ان کے لیے رحمت کی دُعا کرو۔ "وسلّموا تسلیما" اوران کو سلام کا تحفہ دو۔ ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ کا مطلب ہے اس کا تعریف کرنا فرشتوں کے سامنے اور ملائکہ کے صلوٰۃ کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دُعا کرنا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے میری ملاقات حضرت کعب بن عجرہ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: کیا (حدیث کا) ایک تحفہ میں تم کو پیش کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور وہ تحفہ مجھے عنایت فرمایئے۔ کعب نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو سلام کرنا تو اللہ نے ہمیں بتادیا لیکن آپ (اور آپ کے اہل بیت) پر ہم دُرود کس طرح پڑھیں؟ فرمایا کہو:

اللّٰھم صل علٰی محمّد وّعلٰی اٰل محمّد کما صلّیت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰلِ ابراھیم انک حمیدٌ مّجیدٌ٥ اللّٰھم بارک علٰی محمّد وّعلٰی اٰلِ محمّد کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم اِنّک حمیدٌ مجیدٌ۔ (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں دونوں جگہ "علٰی ابراھیم" کا لفظ نہیں ہے (صرف "علٰی اٰل ابراھیم" ہے) حضرت ابوحمیدہ ساعدی راوی ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر دُرود کیسے پڑھیں تو فرمایا: کہو "اللّٰھم صلّ علٰی محمّد وّ ازواجہ وذریتہ کما صلّیت علٰی ابراھیم و بارک علٰی محمّد وّ ازواجہ وذریتہ کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مّجیدٌ" (متفق علیہ)

حضرت ابوحمید الساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کہا گیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر کیسے دُرود بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ کہو "اللّٰھم صل علٰی محمّد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علٰی ابراھیم وبارک علٰی محمّد و ازواجہ وذریتہ کما بارکت علٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ دُرود پڑھتا ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مجھ پر ایک بار دُرود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار رحمت فرمائے گا۔ حضرت ابوطلحہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر شگفتگی تھی۔ فرمایا: مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم اس بات پر خوش نہ ہو گے کہ تمہاری اُمت میں سے جو کوئی تم پر درُود پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور تمہاری اُمت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا، میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ (رواہ النسائی، والدارمی)

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں، وہ مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ (رواہ النسائی والدارمی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿57﴾

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿58﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو قصداً ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔

تفسیر ﴿57﴾ "ان الذین یؤذون اللّٰہ و رسولہ لعنھم اللّٰہ فی الدنیا و الاخرۃ و اعدلھم عذابًا مھینًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے مراد ہیں یہودی، عیسائی اور مشرک، یہودی تو کہتے تھے، عزیر ابن اللہ اور یداللہ مغلولۃ اور "ان اللّٰہ فقیرٌ ونحن اغنیاء" اور عیسائی کہتے تھے "المسیح ابن اللّٰہ" اور کہتے تھے "انّ اللّٰہ ثالث ثلثہ" اور مشرک کہتے تھے ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کے ساجھی ہیں۔

حدیث قدسی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میرے بندے نے مجھے گالی دی، اس نے کہا کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں، وہ ذات جو نہ جنا گیا اور نہ کسی کو اس سے جنا گیا اور اس کا کوئی ہم سر نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت منقول ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں زمانہ ہوں، اسی کے ہاتھ میں سب اُمور ہیں جو دن اور رات کو پلٹتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اذیت پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات میں کج روی اختیار کرنا۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ وہ خدا کو اذیت دینے والے مصور ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری تخلیق کی طرح پیدا کرنے چلا ہے۔ ایک چھوٹی چیونٹی تو بنالیں ایک دانہ یا ایک جَو تو بنالیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ جو (میرے) کسی ولی کی اہانت کرتا ہے، دوسری روایت کا لفظ ہے کہ جو (میرے) ولی سے دشمنی کرتا ہے، وہ جنگ کے لیے میرے مقابلہ پر آتا ہے اور جو کام

میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے (کبھی) اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد اپنے مؤمن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ مرنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کو ناراض کرنا نہیں چاہتا اور مرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے۔ میرے مؤمن بندہ کو میرا قرب (کسی عمل سے) اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا دُنیا سے بے رغبت رہنے سے ہوتا ہے اور بندۂ مؤمن میری کوئی عبادت ایسی نہیں کرتا جیسی میرے عائد کیے ہوئے فرض ادا کر کے کرتا ہے۔ (یعنی فرض کی ادائیگی سب سے بڑی عبادت ہے، اس کے برابر کوئی عبادت نہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو زخمی کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید کر دیا، کسی نے ساحر کہا، کسی نے شاعر، کسی نے دیوانہ پاگل۔

58 "**والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا**" یا ایسا عمل جو ان کی اذیت کا موجب بنے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ بغیر کسی جرم پر ان کے اوپر الزام لگا دینا۔ اس سے ان کو اذیت پہنچانا۔ "**فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا**" مقاتل کا بیان۔ ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوا کہ ان کو لوگ بری باتیں اور گالیاں دیتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کے شانِ نزول میں مختلف اقوال

ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے، راتوں کو مدینہ کے راستوں میں گھوما کرتے تھے۔ جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکل کر (جنگل کی طرف) جاتی تھیں تو راستہ میں یہ ان کو ستاتے تھے۔ اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رُک جاتے تھے۔ حقیقت میں ان کا مقصد ہوتا تھا باندیوں کو چھیڑنا لیکن لباس چونکہ باندی اور آزاد عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا تھا، کُرتہ اور اوڑھنی پہن کر سب ہی نکلتی تھیں، اس لیے ان کو شناخت نہیں ہوتی تھی کہ کون باندی ہے اور کون آزاد عورت اس لیے آزاد عورتیں اس زد میں آجاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر اگلی آیت میں آزاد عورتوں کو باندیوں جیسا لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ. ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا 59 لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا 60 مَّلْعُوْنِيْنَ. اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا 61 سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ. وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا 62 يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ. وَمَا يُدْرِيْكَ

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿63﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿64﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿65﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿66﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾

ترجمہ: اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے پھر یہ لوگ مدینہ میں آپ کے پاس بہت ہی کم رہنے پاویں گے وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے) ردوبدل نہ پاویں گے یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جاوے بیشک کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور رکھا ہے اور ان کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جاویں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا تھا۔

تفسیر ﴿59﴾ "یایها النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن" جلباب کی جمع ہے، اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے چہروں اور سروں کو چادروں سے ڈھانک کر نکلیں، صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں۔ "ذلک أدنی أن یعرفن" کہ یہ آزاد عورتیں ہیں۔ "فلا یؤذین" ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ "وکان اللّٰه غفورًا رحیمًا" حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک نقاب پوش باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گزری، آپ نے اس کا پردہ اُٹھایا اور فرمایا کیا کمینی تو آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے، پھر اس کا نقاب پھینک دیا۔

﴿60﴾ "لئن لم ینته المنافقون" اپنی منافقت سے۔ "والذین فی قلوبهم مرض" مرض سے مراد فجور (زنا) ہے۔ "والمرجفون فی المدینة" جھوٹ کے ذریعے سے اور یہ اس وجہ سے کہ کچھ لوگ ان میں سے جو جنگوں میں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے ہیں ان کے دلوں میں ڈر، رعب پیدا کر دیتے ہیں اور جب قتال کرنے لگ جاتے ہیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس دشمن آ گیا ہے۔

کلبی کا بیان ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بُری بات پھیل جائے ، وہ جھوٹی خبریں اُڑاتے تھے۔ "لنغرینّک بھم" ہم ان کو ان کے ساتھ جمع کر دیں گے اور ان پر مسلط کر دیں گے۔ "ثمّ لا یجاورونک فیھا" وہ مدینہ میں پھر نہیں رہ سکیں گے۔ "الا قلیلاً" یہاں تک کہ وہ ان کو یہاں سے نکال نہ دے اور بعض نے کہا کہ ہم ان کے اوپر ان کو مسلط کر دیں گے تا کہ ان کو قتل کر دیں اور ان سے مدینہ کو خالی کر دیں۔

61 "ملعونین" وہ ہر طرف پھٹکارے ہوئے تھے۔ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ "أینما ثقفوا" جہاں بھی ملیں گے ان کی پکڑ دھکڑ ہوگی۔ "اخذوا وقتلوا تقتیلاً" یہ کثرت قتل پر دلالت کرتی ہے۔

62 "سنة اللّٰہ" گزشتہ اقوام میں یہی طریقہ جاری رہا ہے۔ "فی الذین خلوا من قبل" ان منافقین سے پہلے اور ان لوگوں جیسا انہوں نے عمل کیا۔ "ولن تجد لسنة اللّٰہ تبدیلاً"

63 "یسئلک النّاس عن الساعة قل انما علمھا عند اللّٰہ وما یدریک" کوئی بھی قیامت کے قائم ہونے کے وقت کسی چیز کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ "لعل الساعة تکون قریبًا"

64 "ان اللّٰہ لعن الکافرین واعدلھم سعیرًا○"

65 خالدین فیھا ابدًا لایجدون ولیا ولا نصیرًا 66 یوم تقلب وجوھھم فی النار" کچھ لوگوں کو پیٹھ کے بل اور کچھ کو پیٹ کے بل ڈالا جائے گا، جب وہ چیخ و پکار رہے ہوں گے۔

"یقولون یلیتنا اطعنا اللّٰہ واطعنا الرسول" دُنیاوی زندگی میں ہم نے اطاعت رسول کیوں نہیں کی؟

67 "وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا" ابن عامر اور یعقوب نے "ساداتنا" تاء کے کسرہ کے ساتھ اور اس سے پہلے الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے فتحہ کے ساتھ ماقبل بغیر الف کے پڑھا ہے۔ "وکبراء نا فاضلونا السبیلا"

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَاللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ. اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا

جنہوں نے (کچھ تہمت تراش کر) موسیٰ کو ایذا دی تھی سو ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت سے بری ثابت کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

تفسیر ㊻ "ربنا اٰتهم ضعفين من العذاب" ان کے عذاب سے دوگنا دیا جائے گا۔ "والعنهم لعنًا كبيرًا" عاصم نے کبیراً باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کلبی نے کہا ہے کہ بہت زیادہ عذاب کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ثاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اولئک عليهم لعنة الله والملائكة والنّاس اجمعين"

㊾ "يا يها الذين اٰمنوا لا تكونوا كالذين اٰذوا موسٰى فبرأه الله مما قالوا" اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک کر دیا جو انہوں نے کیا۔ "وكان عندالله وجيها" وہ آبرو والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک اس مقام پر تھے کہ جو مانگتے تھے اللہ عطاء فرما دیتا تھا۔ بعض نے کہا کہ وجیہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور مقبول بارگاہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت کا واقعہ

کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ وہی تھا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام بڑے حیادار، شریف النفس اور اپنے (اندرونی) جسم کو چھپانے والے تھے، انتہائی شرم کی وجہ سے وہ اپنی (اندرونی) جلد بھی ظاہر نہیں کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام جو اتنا اپنے بدن کو چھپائے رکھتے ہیں، ضرور ان کو کوئی جلدی اندرونی بیماری ہے یا برص ہے یا خصیوں میں پانی آ گیا ہے، یا کوئی اور مرض ہے۔

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس غلط بات سے پاک ظاہر کرنا چاہا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز غسل کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھے، پھر غسل کیا۔ غسل کے بعد جب کپڑے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا' آپ لاٹھی لے کر پتھر کے تعاقب میں دوڑے اور کہنے لگے: پتھر میرے کپڑے، پتھر میرے کپڑے' آخر پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ کر ٹھہر گیا، لوگوں نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا، آپ کا اندرونی بدن بہت خوبصورت اور بے عیب پایا' اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی بدگمانی سے موسیٰ علیہ السلام کی براءت ظاہر کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لے کر پہن لیے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ خدا کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ضرب سے پتھر پر تین، چار یا پانچ نشان پڑ گئے۔ آیت "يايها الذين اٰمنوا لا تكونوا كالذين اٰذوا موسٰى فبرّأه الله ممّا قالوا" سے یہی مراد ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دینے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے جب تیہ میں وفات پائی تو لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا، فرشتے جب حضرت ہارون علیہ السلام کا جنازہ لوگوں کے (بنی اسرائیل کے) سامنے لائے اس وقت لوگوں کو یقین آیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو قتل نہیں کیا۔ (اخرجہ ابن منیع وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والحاکم عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب)

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال (حنین کی جنگ کا) لوگوں کو تقسیم کیا۔ ایک شخص کہنے لگا: یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہوئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اطلاع پہنچادی، سنتے ہی حضور گرامی اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی علامت چہرۂ مبارک پر نمودار ہوگئی، پھر فرمایا: اللہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت فرمائے، ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔

70 "یا یھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیدًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سدیداً کا ترجمہ کیا ہے، صحیح بات۔ قتادہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے انصاف کی بات۔ بعض نے کہا سیدھی بات۔ حسن نے کہا کہ سچی بات مراد ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ سدیداً سے مراد اس کا قول لا الٰہ الا اللہ ہے۔

"یصلح لکم اعمالکم" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تمہاری نیکیاں قبول کرے گا۔ مقاتل نے کہا کہ تیرے اعمال کو پاک کردے گا۔

"ویغفرلکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزًا عظیمًا"

71 "انا عرضنا الا مانۃ علی السموات والارض والجبال" امانت سے مراد طاعت ہے اور وہ فرائض جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نازل فرمائے ہیں۔ "عرضھا علی السموات والارض والجبال" کا مطلب ہے کہ اگر ان فرائض کو ان پر پیش کیا گیا تو کہا کہ اگر ان کو ادا کرو گے ثواب کو پہنچ جائے گا اور اگر ان کو ضائع کیا تو عذاب دیا جائے گا۔

امانت سے کیا مراد ہے

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: امانت سے مراد ہے نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج، صدق مقال، ناپ تول میں انصاف اور ان سب سے زیادہ سخت امانتوں کی حفاظت۔ مجاہد نے کہا: امانت سے مراد اداءِ فرائض اور حفاظت دین۔ ابو العالیہ کے نزدیک تمام اوامر و نواہی مراد ہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: امانت سے مراد روزہ، غسل جنابت اور اندرونی شرائع (جیسے حسد نہ کرنا، دل میں مسلمان سے عداوت نہ کرنا، حب جاہ و مال نہ رکھنا وغیرہ تمام اخلاق باطنہ) یعنی جن میں ریا کاری کا کوئی دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا: انسانی جسم میں سب سے پہلے شرم گاہ بنائی اور فرمایا: یہ امانت ہے بطور ودیعت

میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کان بھی امانت ہے، آنکھ بھی امانت ہے اور جس میں امانت (کی پاسداری) نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔ بعض اہل علم نے کہا: امانت سے مراد ہیں لوگوں کی باہمی امانتیں اور ایفاء وعدہ۔ ہر مؤمن پر حق ہے کہ دوسرے مؤمن یا معاہد کے ساتھ دھوکہ نہ کرے، نہ چھوٹے معاملہ میں، نہ بڑے معاملہ میں۔

ضحاک کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ ان تمام اقوال کا مآل یہ ہے کہ امانت سے مراد ہیں شرعی اوامر و نواہی اور آسمان و زمین سے مراد آسمان و زمین ہی ہیں (ان کے باشندے مراد نہیں ہیں) اور پیش کرنے سے مراد ہے خطاب لفظی مقالی (خطاب تکوینی فطری مراد نہیں ہے) بغوی نے لکھا: حضرت ابن عباس اور اکثر سلف کا یہی قول ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اللہ نے زمین و آسمان سے فرمایا تھا کہ کیا تم بار امانت کو مع ان کے لوازم کے اُٹھاتے ہو؟ آسمان و زمین نے کہا لوازم امانت کیا ہیں؟ اللہ نے فرمایا: اگر تعمیل کرو گے تو تم کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اور اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ آسمان و زمین نے عرض کیا: (ان لوازم کے ساتھ ہم برداشت) نہیں (کر سکتے) اے رب! ہم تیرے حکم کے پابند ہیں، نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب۔ آسمان و زمین نے یہ بات (نافرمانی کے) خوف اور دین خداوندی کی تعظیم کی وجہ سے کہی۔ ان کو ڈر ہوا کہ دین خداوندی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکے گا (تو عذاب میں مبتلا ہوں گے) یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بار امانت اُٹھانے کا حکم ان کو دیا تھا اور انہوں نے سرتابی کی۔ اللہ کی طرف سے عرض امانت کی برداشت اختیاری تھی، لازمی نہیں تھی۔ اگر لازمی ہوتی تو آسمان و زمین ضرور اس بار کو اُٹھاتے۔

بعض اہل علم نے کہا: جمادات ہمارے لحاظ سے بے عقل ہیں، ہماری بات نہیں سمجھتے، لیکن اللہ کے فرمان کو سمجھتے ہیں اور سمجھ کر اطاعت کرتے ہیں اور سربسجود ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا: "ائتیا طوعًا او کرهًا" دونوں نے جواب دیا: "اتینا طآئعین" دوسری آیت میں ہے: "وانّ من الحجارة لما یتفجّر منه الانهار وانّ منها لما یشقق فیخرج منه المآءُ وانّ منها لما یهبط من خشیة اللّٰه" کچھ پتھروں سے دریا پھوٹ کر نکلتے ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے کو گرتے ہیں۔ "الم تر انّ اللّٰه یسجد له من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشّمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدّوآبّ"

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ عزوجل نے ان پر عقل و فہم کو ڈالا جب ان پر امانت کو پیش کیا گیا اور ان پر خطاب کو لازم کیا تو انہوں نے اس سے بزدلی اختیار کی اور اس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیا۔

بعض نے کہا کہ "عرض علی السموات والارض" سے مراد ہے کہ اس کے رہنے والوں پر پیش کیا گیا اور ان فرشتوں پر بھی جو آسمانوں اور زمینوں میں رہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سب پر پیش کیا گیا علاوہ اعیان وغیرہ کے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واسئل القریة" یہاں پر بعینہ بستی مراد نہیں بلکہ بستی کے رہنے والے مراد ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور یہی قول علماء کا ہے۔ "فابین أن یحملنها وأشفقن منها وحملها الانسان" اس امانت میں تخفیف کی جائے تا کہ اس کی ادائیگی میں آسانی ہوتا کہ عتاب سے بچ سکیں۔ "وحملها الانسان" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ کی تفسیر

بعض علماء نے لکھا ہے کہ "حملها الانسانُ" میں الانسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ امانت آسمان، زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی لیکن سب نے اُٹھانے سے انکار کر دیا، کیا تو اس کو مع اس کے لوازم لے لے گا؟ آدم نے عرض کیا: اے میرے رب! اس کے لوازم کیا ہیں؟ اللہ نے فرمایا: اگر تو نیکی کرے گا تو اس کا ثواب پائے گا اور بدی کرے گا تو عذاب میں پکڑا جائے گا۔ آدم نے امانت کو اُٹھالیا اور عرض کیا: میں اس بوجھ کو اپنے کاندھے پر لیتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: جب تو نے اس امانت کو قبول کرلیا تو میں بھی تیری مدد کروں گا۔ تیری آنکھوں کے اوپر ایک نقاب ڈال دوں گا تا کہ ناجائز چیز پر نظر پڑنے کا جب تجھے ڈر ہو تو آنکھ پر نقاب لٹکا لے (یعنی پلکیں جھکالے اور آنکھیں بند کرلے) اور تیری زبان کے لیے دو جبڑے اور ایک قفل بنادوں گا، تجھے جب (ناجائز بات زبان سے نکالنے کا) اندیشہ ہو تو قفل بند کر دینا اور میں تیری شرم گاہ کے لیے لباس مقرر کردوں گا تو شرمگاہ اس کے سامنے نہ کھولنا جس کے سامنے کھولنا میں نے حرام کردیا ہے۔

مجاہد نے کہا: برداشت امانت کے وقت اور جنت سے نکالے جانے کے وقت کی درمیانی مدت صرف اتنی ہوئی جتنی ظہر وعصر کے درمیان ہوتی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے: نقاش نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ امانت کو اس بھاری پتھر سے تشبیہ دی گئی جو کسی جگہ پڑا ہو۔ آسمان کو، زمین کو اور پہاڑوں کو اس کے اُٹھانے کی دعوت دی گئی لیکن کوئی اس کے قریب بھی نہیں آیا اور سب نے کہہ دیا کہ ہم میں اس کو اُٹھانے کی طاقت نہیں، پھر بغیر دعوت کے آدم آگئے اور انہوں نے پتھر کو ہلا کر کہا: اگر مجھے اس کو اُٹھانے کا حکم دیا گیا تو میں اس کو اُٹھالوں گا۔ اللہ نے فرمایا: اُٹھاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام اس کو اُٹھا کر زانوں تک لے آئے، پھر رکھ دیا اور کہا: خدا کی قسم! اگر میں زیادہ اُٹھانا چاہوں تو اُٹھا سکتا ہوں۔ آسمان وزمین نے کہا: اُٹھاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو اُٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ دیا اور پھر اُتار کر نیچے رکھ دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے فرمایا: ہرگز اس کو نیچے نہ رکھنا، یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن میں قیامت تک بندھا رہے گا۔

"انه كان ظلومًا جهولًا"، ظلم اپنے نفس کے اعتبار سے اور اللہ کے امر کو بھول جانے کے اعتبار سے اور اس امانت کو اُٹھانے میں جھولا ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ ظالم اس وقت ہے جب وہ اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے اور "جهولًا" اس وقت جب وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بے خبر ہے، امانت کے ترک کرنے کے باعث۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ "ظلومًا" لنفسہ ہے اور جھولاً اپنے انجام سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ زجاج اور دوسرے اہل معانی نے بیان کیا ہے کہ "وحملها الانسان" میں دو قول ہیں۔ ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر امانت کا بوجھ رکھا اور آسمان وزمین اور پہاڑوں پر بھی امانت کا بوجھ ڈالا۔ بنی آدم کے حق میں امانت کا معنی ہے طاعات، اختیار کرنا اور فرائض کو قائم کرنا اور آسمان وزمین و پہاڑوں کے حق میں امانت کا معنی ہے خضوع اور طاعت جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور بعض نے کہا اللہ کا فرمان

"فابين أن يحملنها" سے مراد امانت کی ادائیگی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے امانت اُٹھائی۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے امانت میں خیانت نہیں کی۔ "و حملها الانسان" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس میں خیانت کی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "فلان حمل الامانة" وہ خیانت کی وجہ سے گنہگار رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وليحملن أثقالهم" حسن کا قول ہے کہ "حملها" سے مراد کافر اور منافق ہیں جنہوں نے امانت الٰہیہ میں خیانت کی ہے سلف کا قول اوّل ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ: انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات کو سزا دے گا اور مومنین و مومنات پر توجہ (اور رحمت) فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تفسیر: ﴿۷۳﴾ "ليعذب الله المنافقين والمنافقات والمشركين والمشركات" مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ ان کو عذاب دے گا جنہوں نے خیانت کی اور عہد کو توڑا۔ "ويتوب الله على المؤمنين والمؤمنات وكان الله غفورًا رحيمًا" اللہ ان کو ہدایت دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا امانت کی ادائیگی میں۔ ابن قتیبہ نے آیات کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم نے امانت شرعی تکلیفات یا فطری استعداد کو پیش کیا تا کہ منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک ظاہر ہو جائے اور اللہ ان کو عذاب دے اور مؤمن کے ایمان کا اظہار ہو جائے اور اللہ ان پر رحم کرے اور اگر کسی طاعات میں ان سے قصور ہو جائے تو اس کو بخش دے۔ وعدہ کے موقع پر یتوب کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ فطرت کے لحاظ سے انسان ظلوم وجہول ہے اس لیے کچھ قصور اس سے ضرور ہوگا۔

سُوْرَۃ سَبأ

اس میں ۵۴ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ
الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا
یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی
وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ
اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ③ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ④

ترجمہ تمام تر حمد (وثنا) اس اللہ کو سزاوار ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کو حمد (وثنا) آخرت میں (بھی) سزاوار ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے وہ سب کچھ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً) بارش اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے بارش وغیرہ اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (نیک اعمال اور فرشتے) وہ اللہ رحیم (اور) غفور (بھی) ہے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں قسم اپنے پروردگار عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آوے گی اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکورہ) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں (مرقوم) ہے تاکہ ان لوگوں کو صلہ (نیک) دے جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے (سو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (بہشت میں) عزت کی روزی ہے۔

تفسیر 1 "الحمدللّٰہ الذی لہ ما فی السموات وما فی الارض" وہی سب کا مالک ہے اور وہی سب کا خالق ہے۔ "ولہ الحمد فی الاخرۃ" جیسا کہ اس کے لیے دُنیا میں تعریفیں تھیں کیونکہ دونوں جہانوں میں اسی کی تعریفیں ہیں اور بعض

نے کہا کہ الحمدللہ آخرت میں لوگوں کی زبان پر ہوگی۔ اہل جنت اس سے تعریف بجالائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وقالوا الحمدللّٰہ الذی أذھب عنّا الحزن" اور "الحمدللّٰہ الذی صدقنا وعدہ"...... "وھو الحکیم الخبیر"

2 "یعلم ما یلج فی الارض" جو کچھ زمین میں داخل ہوتی ہے مثلاً بارش کا پانی یا مُردے جو زمین میں دفن کیے جاتے ہیں۔ "وما یخرج منھا" نباتات، سبزہ اور میدان محشر میں مُردوں کا دوبارہ زندہ ہوکر اُٹھنا۔ "وما ینزل من السماء" اس سے مراد بارش کا پانی ہے۔ "وما یعرج" اور جو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ "فیھا" فرشتے اور بندوں کے اعمال وغیرہ۔ "وھو الرحیم الغفور"

3 "وقال الذین کفروا لاتأتینا الساعۃ قل بلٰی وربّی لتاتینکم" جب قیامت آجائے گی۔ "عالم الغیب" قراء اہل مدینہ اور اہل شام نے عالم رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے جر کے ساتھ پڑھا ہے لفظ رب کی صفت ہونے کی وجہ سے۔ "ای و ربی عالم الغیب" حمزہ اور کسائی نے علام وزن فعال پر پڑھا ہے اور میم مجرور کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لایعزب" وہ اس سے غائب نہیں۔ "عنہ مثقال ذرّۃ فی السموات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک" اس کے تھوڑے سے ذرہ میں سے "ولا اکبر الا فی کتاب مبین"

4 "لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک" وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ "لھم مغفرۃ ورزق کریم" اچھا رزق مراد اس سے جنت ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ 5 وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ 6 وَقَالَ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُکُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّکُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ 7 اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ کَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ 8 اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَاٰيَةً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ 9 وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ 10

ترجمہ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کی تھی ہرانے کے لئے ایسے لوگوں کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا اور جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور خدائے غالب محمود (کی رضا) کا راستہ

بتلاتا ہے اور یہ کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں جو کہ تم کو یہ عجیب خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت کو) ضرور تم ایک نئے جنم میں آؤ گے معلوم نہیں کہ اس شخص نے خدا پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (وہی) عذاب اور دور دراز گمراہی میں (مبتلا) ہیں تو کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ جو ان کے آگے بھی اور پیچھے (بھی) موجود ہیں اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس (دلیل مذکورہ) میں (قدرت الٰہیہ) کی پوری دلیل ہے (مگر) اس بندہ کے لئے جو (خدا کی طرف) متوجہ (بھی) ہو اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑو داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے اس کے واسطے لوہے کو (مثل موم) نرم کر دیا۔

تفسیر ⑤ "**والذین سعوا فی ایاتنا**" جو ہماری آیات کے باطل کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ "**معاجزین**" اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے دلائل کو باطل کر دیا۔ "**اولئک لھم عذاب من رجز الیم**" ابن کثیر، حفص و یعقوب نے پڑھا (الیم) رفع ہے اور سورۃ جاثیہ میں عذاب کی صفت ہے اور دوسرے قراء نے مجرور پڑھا ہے رجز کی صفت ہونے کی وجہ سے۔ قتادہ کا قول ہے کہ رجز کہتے ہیں برے عذاب کو۔

⑥ "**ویری الذین**" اور وہ ان لوگوں کو دیکھتا ہے۔ "**اوتوا العلم**" اس سے مراد اہل کتاب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ قتادہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ "**الذی انزل الیک من ربک**" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**ھو الحق**" یہ اللہ کی طرف سے حق ہے۔ "**ویھدی**" اس سے مراد قرآن ہے۔ "**الی صراط العزیز الحمید**" اس سے مراد اسلام ہے۔

⑦ "**وقال الذین کفروا**" جو بعثت کے منکرین ہیں وہ بطور تعجب کے سوال کرتے ہیں۔ "**ھل ندلکم علی رجل ینبئکم**" جو تمہیں اس کی خبر دے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "**اذا مزقتم کل ممزق**" یعنی جب تم مر جاؤ گے اور تمہارے جسم بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور تم سب خاک بن جاؤ گے۔ "**انکم لفی خلق جدید**" وہ کہتے تھے کہ کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

⑧ "**افتری علی اللہ کذبا ام بہ جنۃ**" الف استفہام کا۔ وہ آپ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں یا ان کے جنون ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہیں۔ "**بل الذین لا یؤمنون بالاخرۃ فی العذاب والضلال البعید**" دنیا میں وہ حق سے بہت دور تھے۔

⑨ "**افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض**" وہ اس بات کو جان لیں کہ جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمان میں ہے ان سب کو محیط ہے اس کے احاطہ سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ وہ سب پر قادر ہے۔ "**ان نشأ نخسف بھم الارض**" یہاں پر فاء کو باء میں مدغم کر دیتے ہیں۔ "**او نسقط علیھم کسفا من السماء**" حمزہ اور کسائی نے اس کو پڑھا ہے۔ "**ان یشأ یخسف او یسقط**" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے

ساتھ پڑھا ہے۔ "ان فی ذلک لآیۃ" زمین وآسمان میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جو بعثت پر دلالت کرتی ہیں۔ "لکل عبد منیب" جو تائب ہو کر اللہ کی طرف لوٹنے والا ہے۔

فضلاً کی تفسیریں

⑩ "ولقد اٰتینا داؤد منا فضلاً" اس سے مراد نبوت اور کتاب ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد بادشاہت ہے۔ بعض نے کہا وہ تمام چیزیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کر دی گئی تھیں۔ حسن صوت، لوہے کا آپ کے ہاتھ میں موم ہو جانا اور اس کے علاوہ دوسری اشیاء "یا جبال" اور ہم نے کہا اے جبال "اوبی" تسبیح کر "معہ" جب میرا بندہ اس کی تسبیح کرے۔ قتیبی کا قول ہے تاویب بمعنی تسبیح، یہ تاویب فی السیر سے ماخوذ ہے۔ تاویب کا معنی ہے دن بھر چلنا، پھر رات کو قیام کرنا، اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ جب دن ہو تو دن بھر تم داؤد کے ساتھ تسبیح میں رواں رہو۔ بعض نے اوبی کا ترجمہ کیا ہے داؤد کے ساتھ مل کر نوحہ کرو۔

اس کا عطف موضع الجبال پر ہے۔ منادی نصب کی حالت میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو مسخر کر دیا اور ہم نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ تسبیح کریں۔ یعقوب نے "والطیر" کو منصوب پڑھا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب آواز بلند کرتے تو پہاڑوں سے آواز کی بازگشت ہوتی۔ یہ پہاڑوں کی طرف سے آواز کا جواب ہوتا تھا اور اوپر سے پرندے اُڑتے اُڑتے ٹھہر جاتے تھے اور رُک جاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت داؤد پہاڑوں میں گھس کر اللہ کی تسبیح کے ترانے گاتے تھے تو جس طرح آپ تسبیح کرتے تھے، ویسے ہی پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بدن میں کچھ سستی پیدا ہو جاتی تھی تو ان کو چست بنانے کے لیے اللہ پہاڑوں کی تسبیح کی آواز سنوا دیتا تھا۔ "والنا له الحدید" لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے، گرم کرنے اور کوٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

اخبار میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے تو آپ نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیس بدل کر (رات کو) نکلا کرتے تھے اور ایسے لوگوں سے جو آپ کو پہچانتے نہ تھے، مل کر دریافت کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ یہ تمہارا حاکم کیسا شخص ہے؟ سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے تھے۔ ایک روز اللہ نے ایک فرشتہ بہ شکل انسانی بھیجا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور حسب عادت اس سے اپنے متعلق دریافت کیا۔ فرشتے نے کہا: اگر ایک بات نہ ہو تو بادشاہ اچھا آدمی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہ سنتے ہی خوفزدہ ہو گئے اور دریافت فرمایا: بندۂ خدا! وہ کون سی بات ہے؟ فرشتے نے کہا: وہ خود بھی بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیت المال سے لے کر کھلاتا ہے۔ قتیبہ نے کہا: اسی سبب سے حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی کہ میرے لیے رزق کا کوئی ذریعہ مقرر فرما دے تاکہ اس سے میں اپنی بھی روزی کماؤں اور اہل

وعیال کو بھی کھلاؤں اور بیت المال کا محتاج نہ رہوں۔ اللہ نے (دُعا قبول فرمائی اور) لوہے کو ان کے لیے نرم کردیا اور زرہ بنانا سکھا دی۔ سب سے پہلے آپ نے ہی زرہ بنائی۔ (آپ سے پہلے زرہ کی ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی) کہا جاتا ہے کہ آپ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے جس سے خود بھی کھاتے تھے، گھر والوں کو بھی کھلاتے اور غریبوں، مسکینوں کو خیرات بھی دیتے تھے۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ روزانہ ایک زرہ بنالیا کرتے تھے، جو چھ ہزار درہم کو فروخت ہوتی تھی جس سے 2 ہزار اپنے اہل و عیال کے صرف میں لاتے تھے اور چار ہزار غریبوں، مسکینوں کو خیرات کردیتے تھے۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ⑪ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ⑫ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ⑭

ترجمہ: (اور حکم یہ دیا) کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو میں تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہوں اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کردیا کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ ہوتی اور ہم نے) ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے آگے کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم سے ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو (آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھادیں گے وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کردیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

تفسیر: ⑪ "أن اعمل سابغات" ایسی کشادہ پوری لمبی زرہیں بناؤ جو زمین میں گھسٹتی چلیں۔ "وقدر فی السرد" سرد کھال کو سینا اس سے مجازاً مراد ہے زرہ بنانا یعنی زرہ کی بناوٹ میں ایک خاص انداز رکھو کڑیاں اور کیلیں خاص انداز سے بناؤ کہ نہ

اتنی پتلی کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنی موٹی کہ کڑیاں ٹوٹ جائیں۔ "واعملوا صالحًا" حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گھر والے نیک اعمال کریں۔ "انی بما تعملون بصیر"

⑫ "ولسلیمان الریح" اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ اسلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ "غدوھا شھرًا ورواحھا شھرًا" اس ہوا سے صبح سے شام تک ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے اور کبھی ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے کر لیتے۔

حسن نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو دمشق سے چلتے اور اصطخر میں قیلولہ کرتے تھے۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان مسافت تیز سوار کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے۔ پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چل کر بابل میں رات کو قیام کرتے۔ ان دونوں کی درمیانی مسافت بھی تیز شہسوار کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبح کا کھانا آپ رَے میں کھاتے اور شام کا کھانا سمرقند میں۔

"واسلنا لہ عین القطر" حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے پانی کے چشمے کی طرح اللہ نے زمین سے نکال دیا تھا اس لیے اس کو عین القطر فرمایا۔

اہل تفسیر کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے تانبے کا چشمہ تین روز تک جاری رکھا اور یہ چشمہ یمن میں تھا جس سے لوگ اس زمانہ میں فائدہ اندوز ہوتے ہیں۔ یمن والے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نعمت سے اب بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ "ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا اور جو ان کو حکم کرتے وہی اس کو بجالاتے۔ "ومن یزغ" جو حکم عدولی کرے۔ "منھم" جنوں میں سے "عن امرنا" حضرت سلیمان علیہ السلام جس کام کا حکم کریں۔ "نذقہ من عذاب السعیر" آخرت میں۔ بعض نے کہا کہ ہم اس کو دُنیا میں عذاب چکھا دیں گے۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو ان پر مؤکل مقرر کیا ہوا تھا جو جن بھی ان کی طرف سے حکم عدولی کرتا تو فرشتہ اس کو بہت سخت ضرب لگاتا جس سے وہ جل جاتا۔

یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ کی تفسیر

⑬ "یعملون لہ ما یشاء من محاریب" بغوی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی تھی، قدم آدم تعمیر اُٹھائی تھی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی: تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے بیٹے کو جس کا نام سلیمان ہوگا، میں بادشاہ بناؤں گا اور اس کے ہاتھ سے اس عمارت کو پورا کراؤں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد جب حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرنی چاہی۔ چنانچہ جنات اور شیاطین کو جمع کر کے ان کی ٹولیاں بنا کر الگ الگ کاموں کی درستی پر مقرر کیا۔ جنات اور شیاطین کو کانوں سے اکھاڑ کر سنگ مرمر سفید کے لانے کا حکم دیا۔

پتھر آ گئے تو سنگ مرمر سفید اور دوسری سنگین چٹانوں سے شہر بنانے کا امر دیا۔ شہر کی بارہ فصیلیں بنائیں کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے، ہر قبیلہ کو ایک فصیل میں رکھا۔ شہر بن چکا تو تعمیر مسجد کا آغاز کیا جس کی ابتداء اس طرح کی کہ جنات اور شیاطین کے گروہ الگ الگ کر دیئے۔ ایک گروہ کو کانوں سے سونا، چاندی اور یاقوت لانے کا اور سمندر سے چمک دار موتی نکال کر لانے پر مامور کیا۔ دوسرے گروہ کو جواہر اور دوسرے (قیمتی) پتھر معدنوں سے اکھاڑ کر لانے کا حکم دیا۔ تیسرے گروہ کو مشک، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں لانے پر مقرر کیا۔ آخر یہ سب چیزیں اتنی فراہم ہوگئیں کہ جن کی مقدار اور تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ پھر کاریگروں اور صنعت کاروں کو بلوا کر اونچے اونچے پتھر تراشنے اور ان کی تختیاں اور جواہر کو درست کرنے اور موتیوں میں اور یاقوت وغیرہ میں سوراخ کرنے پر مامور کیا۔ مسجد کی تعمیر سفید، زرد اور سبز سنگ مرمر سے کرائی اور ستون بھی اسی کے قائم کیے۔ چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگائیں اور چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلاسٹر مروارید، یاقوت اور دوسرے جواہر کا لگوایا۔ زمین پر فیروزے کی تختیوں کا فرش کیا۔ اس زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ پُر رونق اور چمکیلی عمارت کوئی نہیں تھی، تاریکی میں وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی۔ تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے علماء بنی اسرائیل کو طلب فرما کر بتایا کہ میں نے یہ عمارت خالص اللہ کے لیے بنائی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لیے ہے (کوئی اس کا مالک نہیں) جس روز تعمیر سے فراغت ہوئی، آپ نے اس روز جشن منایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلیمان نے تعمیر بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رب سے تین چیزوں کی دُعا کی، اللہ نے دو چیزیں تو عطا فرما دیں اور تیسری کے متعلق بھی مجھے اُمید ہے کہ عطا فرمادی ہوگی۔ سلیمان نے درخواست کی تھی کہ اللہ ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمادے کہ ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ کے موافق ہو (یعنی فیصلہ کرنے میں ان سے غلطی نہ ہو) اللہ نے ان کو یہ چیز عطا فرمادی۔ انہوں نے اپنے رب سے ایسی حکومت مانگی تھی جو ان کے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو، اللہ نے یہ چیز بھی ان کو عطا فرمادی۔

سلیمان نے دُعا کی تھی کہ اس گھر (بیت المقدس) میں جو شخص آ کر دو رکعت نماز ادا کرے، اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیا جائے، جیسا اس دن تھا، جب ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ نے یہ چیز بھی ان کو مرحمت فرمادی ہوگی۔ (رواہ البغوی)

جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یمن میں پتھر کے بڑے عجیب قلعے بھی تعمیر کیے تھے۔ "وتماثیل" یعنی پیتل، تانبے، شیشے اور سنگ مرمر کی مورتیاں۔ کہا گیا ہے کہ وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ، انبیاء اور نیک لوگوں کی تصویریں مساجد میں بناتے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں میں عبادت کا جذبہ ترقی کرے، ان کی شریعت میں تصویر کشی جائز تھی۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ وہ مٹی سے ایک پرندہ کی شکل بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ اُڑتا ہوا ایک پرندہ بن جاتا اور اللہ کے حکم سے وہ اُڑ جاتا۔ "وجفان" بڑے پیالے کو کہتے ہیں یہ جفنہ کی جمع ہے۔ "کالجواب وقدور" یہ جابیہ کی جمع ہے۔ جابیہ بڑے حوض کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ جبی الخراج سے ماخوذ ہے۔ بڑے حوض کو جابیہ اس وجہ سے کہا جاتا

ہے کہ اس میں پانی آ کر جمع ہوتا ہے، یہ ان صفات میں سے ہے جن کے موصوف کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ صفات ہی کو موصوف کے قائم مقام قرار دے لیا جاتا ہے۔ ایک پیالہ پر ایک ہزار آدمی بیٹھ کر کھایا کرتے تھے یعنی پیالہ اتنا بڑا تھا کہ ایک پیالے کا کھانا ہزار آدمیوں کے لیے کافی ہوتا تھا۔ "راسیات" اپنی جگہ جمی ہوئی ان دیگوں کے پائے لگے ہوئے تھے اور وہ اتنی بڑی تھیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں نہ ان کو چولہے سے اُتارا جا سکتا تھا نہ خالی کیا جا سکتا تھا، زینہ لگا کر ان پر چڑھا جاتا تھا، یہ دیگیں یمن میں تھیں۔

"اعملوا ال داؤد شکرًا" ہم نے اہل داؤد کے گھر والوں کو کہا کہ تم بھی شکر ادا کرو۔ "وقلیل من عبادی الشکور" جو نیک اعمال کرتے ہوں اور اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہوں۔ بعض نے کہا کہ آل داؤد سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ بعض نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ جعفر بن سلیمان نے کہا کہ میں نے ثابت سے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اور اپنے گھر والوں کی عبادت کے لیے رات اور دن کے حصے مقرر کر دیئے تھے۔ پس دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہ ہوتی تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول نہ ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ

⑭ "فلما قضینا علیہ الموت" پھر جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا فیصلہ کر لیا۔ بغوی نے اس سے لکھا ہے، اہل علم کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان مسجد بیت المقدس کے اندر مہینہ دو مہینہ، سال دو سال یا اس سے کم و بیش مدت تک گوشہ نشین ہو جاتے تھے، وہیں آپ کا کھانا پانی پہنچا دیا جاتا تھا۔ ایک بار حسب معمول بیت المقدس کے اندر تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی جس کے قصہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ روزانہ صبح کے وقت بیت المقدس کی محراب میں ایک بوٹی نمودار ہوتی تھی، آپ اس سے اس کا نام دریافت کرتے تھے، وہ اپنا نام بتا دیتی تھی، آپ اس سے اس کے خواص دریافت کرتے تھے تو وہ اپنے فائدے بیان کر دیتی تھی، آپ اس کو کٹوا لیتے تھے، پھر اگر وہ کسی پودے کی شاخ ہوتی تو اس کو (کسی باغ میں) لگوا دیتے تھے اور اگر دوا کی بوٹی ہوتی تو لکھ دیتے تھے۔ ایک روز درخت خروبہ اُگا۔ حضرت نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: خروبہ۔ آپ نے فرمایا: تو کس لیے اُگا ہے؟ اس نے کہا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات تو ہوگی نہیں کہ میری زندگی میں اللہ اس مسجد کو برباد کر دے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (پہلے) میری موت اور (پھر) بیت المقدس کی بربادی تیری وجہ سے ہوگی۔ پھر آپ نے اس کو ایک اچھے باغ میں لگوا دیا اور دُعا کی: اے اللہ! میری موت کو جنات سے پوشیدہ رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ غیب دان جنات نہیں ہوتے۔ جنات آدمیوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم غیب کی باتیں جان لیتے ہیں اور آنے والے دن میں جو کچھ ہوگا اس سے بھی واقف ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام محراب (عبادت خانہ) میں چلے گئے اور لاٹھی پر سہارا لگائے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں کھڑے کھڑے آپ کی وفات ہوگئی۔ محراب کے اندر آگے پیچھے کچھ روشن دان تھے جن میں سے جنات آپ کو

کھڑا دیکھ کر خیال کرتے تھے کہ آپ نماز میں مشغول ہیں، اس لیے جو سخت محنت کا کام آپ کی زندگی میں وہ کرتے تھے، ان میں آپ کی وفات کے بعد بھی سرگرم رہے اور چونکہ آپ کی عادت ہی تھی کہ نماز میں مشغول ہونے کے بعد (ایک مدت تک) باہر نہیں نکلتے تھے۔ اس لیے آپ کے برآمد نہ ہونے سے جنات کو آپ کی وفات کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوا۔ اس طرح وفات کے بعد ایک سال گزر گیا اور جنات برابر کام میں مشغول رہے۔ آخر دیمک نے لاٹھی کو کھالیا اور آپ کی میت نیچے گر پڑی اور جنات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کو سخت مشقتوں سے آزادی ملی۔ اب بھی جنات پانی اور مٹی لکڑی کے کھوکھلے حصہ میں (دیمک کے لیے) ڈالتے ہیں۔

"مادلھم علی موتہ الادابۃ الارض" وہ زمین جس میں "تاکل منساتہ" لاٹھی کا حصہ زمین میں پوشیدہ تھا۔ قراء اہل مدینہ اور ابوعمرو نے "منساتہ" بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور اس میں دو لغات ہیں۔ ابن عامر نے ہمزہ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اصل میں "نسأت الغنم" سے ہے۔ میں نے بکریوں کو ڈانٹا اور ہنکایا۔ "فلما خر" جب وہ زمین پر گر گئے۔ "تبینت الجن" جنوں کو اس وقت علم ہوا اور یقین ہوا۔ "ان لو کانوا یعلمون الغیب مالبثوا فی العذاب المھین" جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے اور جنوں کو سخت محنت و مشقت میں اتنی مدت تک نہ پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا جنوں کو علم نہیں تھا۔

اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق کام کرتے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے جنات اپنی غیب دانی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو دھوکا دیا کرتے تھے لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا جنات کو علم نہ ہو سکا تو لوگوں کے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ جنات غیب داں نہیں ہوتے۔ آیت کا یہ مطلب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق ہے۔ ابن مسعود کی قرأت میں آیا ہے: "تبینت الانس لو کانوا یعلمون (ای الجن) ما لبثوا فی العذاب المھین" بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بے علم رہنے کی وجہ سے جنوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ اگر غیب داں ہوتے تو مشقت میں پڑے نہ رہتے۔ یہ مطلب بعید از فہم ہے کیونکہ جنات کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ غیب داں نہیں ہیں، آدمیوں کو دھوکا دینے کے لیے غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر ۵۳ سال ہوئی۔ ۱۳ سال کی عمر میں باپ کے جانشین ہوئے اور چالیس سال حکومت کی۔ چار سال حکومت کو گزرے تھے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ. جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۥ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: سبا (کے لوگوں) کے لئے ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں نشانیاں موجود تھیں دو قطاریں تھیں باغ کی

دائیں اور بائیں اپنے رب کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور بخشنے والا رب سو انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیدیئے جن میں دو چیزیں رہ گئیں بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری۔

تفسیر ⑮ "لقد کان لسبا فی مسکنھم ایۃ" (قوم) سبا کے لیے ان کے مقام سکونت میں (ہماری قدرت کاملہ کی) نشانی موجود تھی (جس کا شکر ادا کرنا ان پر واجب تھا)۔

قوم سبا کون تھی

فردہ بن سلیک غطفی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے سبا کے متعلق بتایئے کہ کیا وہ کوئی مرد تھا، یا عورت یا کسی مقام کا نام تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ایک عربی مرد تھا جس کے دس بیٹے ہوئے، چھ دائیں طرف (یعنی یمن) کو چلے گئے اور چار بائیں طرف (یعنی شام) کو۔ جو چھ یمن کو گئے تھے، ان کے نام یہ تھے: کندہ، اشعر، ازد، مدحج، انمار، حمیر۔ ایک شخص نے کہا: انمار کون؟ فرمایا: جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں (وہی انمار) جو چار شام کو گئے تھے وہ یہ تھے: عاملہ، جذام، لخم، غسان۔ امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوعاً اسی طرح بیان کیا ہے: سبا، یشجب کا بیٹا اور یشجب، یعرب کا اور یعرب، قحطان کا۔

"آیۃ" یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جنتان" دو باغ جنت کے ہیں۔ "عن یمین و شمال" وادی کے دائیں اور بائیں طرف۔ یعنی شہر کے دائیں بائیں جانب۔ اس وادی کو باغات کی دونوں قطاروں نے ڈھانپ کر رکھا ہوا تھا۔ "کلوا" اور کہا گیا ان سے کہ کھاؤ۔ "من رزق ربکم" ان دونوں باغوں کے پھلوں سے۔ سدی اور مقاتل کا بیان ہے کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھے باغ کی قطاروں کے درمیان سے گزرتی تھی تو خود بخود درختوں سے ٹوٹ کر اتنے پھل گرتے تھے کہ اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا، ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ "واشکروا لہ" جو اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کے بدلے میں رزق عطا کیا۔ معنی یہ ہوگا کہ اس کی خوب اطاعت کرو۔ "بلدۃ طیبۃ" پاکیزہ شہر جہاں سے میلوں کی کثرت ہوتی تھی اور زمین زرخیز تھی، شوریلی نہیں تھی۔

ابن زید نے کہا کہ ان کے شہر میں نہ مچھر تھے نہ مکھیاں اور نہ پسو نہ سانپ اور اگر کسی شخص کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں اور اس شہر کی طرف سے گزر جاتا تو ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے ساری جوئیں مر جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "بلدۃ طیبۃ"۔ "وربٌّ غفور" مقاتل نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر خدا کے عطا کردہ رزق کا تم شکر ادا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

⑯ "فاعرضوا" وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ اللہ نے قوم سبا کی ہدایت کے لیے تیرہ پیغمبر بھیجے اور ہر پیغمبر نے ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی نصیحت کی اور اللہ کے فرمانبردار ہونے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس دعوت کی

روگردانی کی۔"فارسلنا علیھم سیل العرم"عرم جمع عرمہ کی ہے وہ جگہ جہاں پانی جمع ہوتا ہے۔ابن الاعرابی نے کہا کہ عرم اس بند کو کہتے ہیں جس کے گرد پانی روکنے کی باڑ نہ ہو۔بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سرخ پانی چھوڑ دیا تھا۔

عرم کی وضاحت اور مختلف تفسیریں

بعض نے عرم کا ترجمہ وادی کیا ہے۔یہ لفظ"عرامۃ" سے مشتق ہے۔"عرامۃ"کا معنی ہے شدت،قوت۔بعض نے کہا: عرم کا معنی ہے پانی کو روکنے کا بند۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرم جنگلی چوہے کو کہتے ہیں۔بلقیس نے پانی کو روک کر جمع رکھنے کے لیے ایک بند باندھا تھا،جنگلی چوہے نے اس میں سوراخ کر دیا تھا۔صاحب قاموس نے لکھا ہے:"عرمۃ" بروزن"فرحۃ" وہ بند جو وادی کا پانی روکنے کے لئے باندھا جائے۔"عرمۃ"کی جمع عرم آتی ہے یا یوں کہا جائے کہ عرم ہے تو جمع لیکن اس کا واحد کا صیغہ (اس لفظ) سے نہیں آتا۔(جیسے نسوۃ اور نساء جمع ہے لیکن اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا بلکہ "امرأۃ" آتا ہے)"یاعرم" کا معنی ہے وہ رُکاوٹیں اور بندشیں جو وادیوں میں (مختلف مقامات پر) بنادی جاتی ہیں۔"یا عرم"کا معنی ہے نرموش دشتی یا سخت بارش یا وادی۔"سیل العرم"کی تفسیر ہر معنی کے ساتھ کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور وہب وغیرہ نے بیان کیا کہ عرم ایک بند تھا جو بلقیس نے بنوایا تھا۔بات یہ تھی کہ وادی کے پانی پر قوم سبا والے آپس میں لڑتے تھے۔بلقیس نے (دفع شر کے لیے) ایک عرم یعنی بند بنوانے کا حکم دیا تھا۔حمیری لغت میں عرم کا معنی بند ہے۔چنانچہ پتھروں سے اور تارکول سے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بند بنادیا گیا اور پانی نکلنے کی اس حوض میں بارہ موریاں بنائی گئیں،ہر موری ایک دریا کے دہانے پر کھلتی تھی۔ضرورت کے وقت جس موری کو چاہتے تھے کھول لیتے تھے اور جب سینچائی کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی تو اس کو بند کر دیتے تھے۔بارش کا پانی یمن کی ساری وادیوں میں یہاں جمع ہو جاتا تھا اور بند کے اندر ہی رُک جاتا تھا۔اس وقت بلقیس باہر کی کھڑکی کھلواتی تھی،کھڑکی سے پانی نکل کر حوض میں آجاتا تھا پھر ضرورت ہوتی تو درمیانی کھڑکی بھی کھول دی جاتی۔پھر اگر ضرورت ہوتی تو نچلا دریچہ بھی کھول دیا جاتا۔اس طرح بند کے اندر کا پانی ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے سال کی برسات کا پانی آکر جمع ہونے لگتا۔

یہ بند طویل مدت تک قائم رہا لیکن جب اس قوم نے اللہ سے سرکشی اور ناشکری کی تو اللہ نے ایک جنگلی چوہے کو جس کو گھونس کہا جاتا ہے،ان کی تباہی پر مسلط کر دیا۔گھونس نے بند کے نچلے حصہ میں سوراخ کر دیا،پانی پھٹ پڑا اور سارے کے سارے باغ ڈوب گئے اور زمین تباہ ہوگئی۔

وہب نے کہا:ان لوگوں کو کسی کاہن نجومی نے بتادیا تھا کہ اس بند کو ایک چوہا برباد کر دے گا،اس لیے ہر دو پتھروں کی دراڑ (شگاف) کے پاس ایک بلی باندھ دی تھی لیکن جب بربادی کا وقت آیا اور اللہ نے ان کو تباہ کرنا چاہا تو ایک بڑا سرخ چوہا آیا اور بلی پر جھپٹا،بلی پیچھے دبکی اور اس شگاف میں داخل ہوگئی جو قریب ہی موجود تھا اور بند میں گھس گئی۔چوہا (بلی کے تعاقب میں)

بند کو کھودنے لگا۔ اوپر پانی کے ریلے کی وجہ سے بند کمزور ہوتا گیا اور کسی کو اس کا علم نہ ہونے پایا۔ آخر سیلاب آ گیا اور شگاف میں گھس کر بند کو پھاڑ دیا۔ پانی بہہ نکلا اور ان کے سارے مال ومتاع کو غرق کر دیا، گھر ریت میں دفن ہو گئے۔ غرض سب ڈوب گئے اور کچھ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ قوم سبا کی بربادی ایک مثال بن گئی۔ عرب کسی قوم کی تباہی کو بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

"صار بنو فلان ایدی سبا" (یا) "ایادی سبا"

"وبدلنهم بجنتیهم جنتین ذواتی اکل خمط واثل وشیء من سدر قلیل" اور ہم نے ان کو دونوں باغوں کے بدلہ میں دو باغ دوسرے دیئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور تھوڑی سی بیری والے تھے۔ "اُکل" صاحب قاموس نے لکھا ہے: "اکل بالضم" اور "اکل بضمتین" پھل اور رزق۔ "خمط اکل" کی صفت ہے، خمط کا معنی ہے ترش یا تلخ۔ مراد اراک کا پھل یا اراک کا درخت۔ خمط ہر اس بوٹی کو کہتے ہیں جس کا مزہ تلخ ہو۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے: خمط ہر ترش یا تلخ چیز، ہر وہ بوٹی جس کے مزہ میں تلخی ہو اور ایک درخت (بھی ہوتا ہے) جس کی بو، بیری کی طرح ہوتی ہے اور ایک قاتل درخت بھی ہوتا ہے اور ہر اس درخت کو بھی کہتے ہیں جس میں کانٹے نہ ہوں اور اراک کے پھل کو بھی خمط کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک درخت اراک کو بھی خمط کہا جاتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے: "اکل" پھل، خمط اراک (پیلو) اور پیلو کا پھل جس کو بریر کہا جاتا ہے۔ اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔ مبرد کا قول ہے: خمط ہر وہ بوٹی ہے جس کا مزہ تلخی لیے ہوئے ہو۔ ابن اعرابی کا قول ہے: "خمط" ایک درخت کا پھل ہوتا ہے "قسوۃ الصمع" کہتے ہیں، یہ خشخاش کی شکل کا ہوتا ہے جو جھڑ جاتا ہے، کسی کام نہیں آتا۔

"اثل" جھاؤ یا جھاؤ نما ایک درخت جو جھاؤ سے بڑا ہوتا ہے۔ "قلیل، سدر" کی صفت ہے۔ چونکہ بیر ایک عمدہ پھل ہوتا ہے جس کا مزہ عمدہ ہوتا ہے اس لیے اس کو باغوں میں لگایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی قلت کی صراحت کی۔ بغوی نے کہا: یہ (باغوں میں لگائی جانے والی بیری) مراد نہیں بلکہ جنگلی بیری مراد ہے جو کسی کام نہیں آتی، نہ اس کے پتے کسی کام کے ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا پھل دار باغوں کے عوض بیکار درختوں کے جھنڈ کو بھی صرف ہم شکل ہونے کی بناء پر "جنتین" فرمایا اور اس سے استہزاء بھی مقصود ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ⑰ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ⑱ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑲

ترجمہ: ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو اور ان بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا کہ بے خوف وخطر ان میں

راتوں کو اور دنوں کو چلو سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور (علاوہ اس ناشکری کے) انہوں نے (اور بھی نافرمانیاں کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا بیشک اس قصہ میں ہر صابر و شاکر (مومن) کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

تفسیر ⑰ "**ذلک جزیناهم بما کفروا**" اسی طرح ہم نے ان کے کفر کا بدلہ ان کو دیا۔ "**وهل نجازی الا الکفور**" حمزہ، کسائی، حفص، یعقوب "**هل نجازی**" نون کے ساتھ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ۔ "**الکفور**" منصوب ہے۔ "**ذلک جزیناهم**" کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ اور زا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**الکفور**" کو مرفوع پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ہم اس کو بدلہ دیں جیسا کافروں کو دیتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے وہ بدلہ دے گا یعنی سزا دے گا۔ جیسا کہ عقوبت میں لفظ مجازی بولا جاتا ہے اور ثواب کے موقع پر مجزی بولا جاتا ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ کیا اس کے برے اعمال کی پوچھ ہوگی جب کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی ہوگی۔ فراء کا قول ہے کہ مؤمن کو جزا دی جاتی ہے اور اس کے اعمال سے ثواب کو کم نہیں کیا جاتا اور اس کے برے اعمال کو بخش دیا جاتا ہے۔

⑱ "**وجعلنا بینهم وبین القری التی بارکنا فیها**" یعنی ملک شام کی بستیاں جہاں بکثرت دریا اور درخت تھے اور وہاں کے باشندوں کو وسعت رزق حاصل تھی۔ "**قری ظاهرة**" یعنی وہ بستیاں قریب قریب تھیں۔ ایک دوسرے کے سامنے پہلی کے بعد دوسری نذر آ جاتی تھی۔ ان بستیوں میں چلنے کا ایک خاص انداز ہم نے مقرر کر دیا تھا۔ رات ایک ہی بستی میں گزری اور دوپہر کو دوسری بستی میں پہنچ گئے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ بستیاں سبا سے شام تک تھیں۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ دیہات چار ہزار سات سو میل مسلسل متصل تھے (**وقدرنا فیها السیر**) ہم نے ان بستیوں کے درمیان کی مسافت کو متعین کر دیا ان کی مقدار صبح سے شام تک چلنے کی مقدار یا آدھا یوم چلنے کی مقدار تک ہے جب آدھا دن سفر کرتے ہیں تو دوسری بستی کے درختوں اور چشموں تک پہنچ جاتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ عورت تکلا ہاتھ میں لے کر (خالی) ٹوکرا سر پر رکھے راستہ سے گزرتی تھی اور آدھے راستے تک نہیں پہنچتی تھی کہ (راستہ کے دونوں کناروں کے درختوں سے اتنے پھل ٹوٹ کر ٹوکرے میں جمع ہو جاتے تھے کہ) ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا۔ یمن اور شام کے درمیان سارے راستے کی یہی کیفیت تھی۔ "**سیروا فیها**" یعنی ہم نے ان کو اجازت دے دی تھی اور کہہ دیا تھا، یا قول سے مراد قول حالی یعنی اس راستہ کا حال ہی یہ تھا۔ "**لیالی وایامًا**" رات دن یعنی جب چاہو۔

"**امنین**" امن کے ساتھ۔ نہ دشمن کا کوئی خوف نہ کسی درندے کا ڈر، نہ بھوکے پیاسے رہنے کا اندیشہ۔ اہل سبا اپنی خوش عیشی پر مغرور ہو گئے، بجائے شکر ادا کرنے کے سرکش ہو گئے اور کہنے لگے: (ایسے پھلوں کا کیا مزہ جن کی اتنی کثرت ہے) اگر ہمارے باغوں کی درمیانی مسافت لمبی ہو جائے (اور سفر میں دُشواری ہو) تو ہمارے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔

⑲ "**فقالوا ربّنا باعد بین اسفارنا**" کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کی دوری بڑھا دے۔ یعنی یمن اور

شام کے درمیان بیابان اور چٹیل میدان بنادے تاکہ ہم زادِراہ ساتھ لے کر اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کو جائیں اور (مشقت سفر کے بعد جو مال خرید کر لائیں اس میں) ہم کو تجارتی فائدہ ہو اور ہم دوسروں پر فخر کرسکیں (کہ بڑی بڑی مشقتیں اور صعوبتیں اُٹھا کر ملک شام تک ہو آئے ہیں) اللہ نے ان کی یہ دُعا بہت جلد قبول فرمالی۔

مجاہد کا قول ہے کہ انہوں نے اس نعمت کو عیاشی میں بدل دیا اور شکر کرنے سے سرکش ہو گئے۔ ابن کثیر ابو عمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا اور دوسرے قراء نے باعد الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دُعا اور سوال کی وجہ سے ہے۔ "ربنا" باء کے رفع کے ساتھ (باعد) عین اور دال کے فتحہ کے ساتھ۔ گویا کہ اس سفر قریب کو اپنے تکبر و شرور سے دور سمجھنے لگے۔ "**وظلموا انفسهم**" سرکشی کی وجہ سے "**فجعلناهم أحاديث**" عبرت ہے جو ان کے بعد آئینگے اور ان کے اعمال اور ان کے اقوال کا ذکر کریں گے۔

"**ومزقناهم كل ممزق**" یعنی ان کو مختلف ملکوں میں پراگندہ کردیا۔ شعبی کا بیان ہے کہ جب ان کی بستیاں ڈوب گئیں تو لوگ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ غسان شام میں آکر آباد ہو گئے ازد عمان کی طرف، خزاعہ تہامہ کی طرف، جزیمہ عراق کی جانب اور اوس وخزرج یعنی بن انمار یہ یثرب کی طرف چلے گئے۔ مدینہ میں سب سے پہلے عمرو بن انماری آیا، یہ اوس اور خزرج کا جداعلیٰ تھا۔ "**ان فی ذلک لایات**" عبرت اور دلالت ہے۔ "**لکل صبار**" گناہوں سے اپنے نفس کو روکنے والا مصیبتوں پر صبر کرنے والا۔ "**شکور**" اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والا۔ مقاتل نے کہا صبار اور شکور سے اس اُمت کے مؤمن مراد ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے اور اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار ہیں۔ مطرف کا بیان ہے کہ مؤمن وہ ہے جب اس کو عطا کیا جائے تو شکر ادا کرے اور جب آزمایا جائے تو اس پر صبر کرے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑳ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ㉑ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ㉒

(ترجمہ) اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارہ میں اپنا گمان صحیح پایا کہ یہ سب اسی کی راہ پر ہولئے مگر ایمان والوں کا گروہ اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغواء ہے) بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے آپ فرمایئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (دخیل خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرا برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے۔

تفسیر ⑳ "ولقد صدق علیھم ابلیس ظنه" اہل کوفہ نے (صدق) تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں اپنا گمان صحیح پایا۔ "فبعزتک لاغوینھم أجمعین" اس نے ان کے گمان کو سچا جانا۔ دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اہل سبا میں سے جو کافر تھے، ان کے متعلق شیطان کا گمان صحیح نکلا۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس ضمیر کا مرجع عام انسانوں کی طرف راجع ہے' ابلیس نے اللہ کے سامنے اپنا یہ گمان ظاہر کیا تھا کہ "فبعزتک لاغوینھم اجمعین" تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا، یہ بھی ابلیس نے کہا تھا۔

"ولا تجد اکثرھم شاکرین" تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ چنانچہ میں نے اپنا گمان سچ کر دکھایا یا صحیح پایا اور سوائے مؤمنین کے سب اس کی راہ پر لگ گئے۔ "فاتبعوہ الا فریقًا من المؤمنین"

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جب ابلیس نے مہلت مانگی اور اللہ نے اس کو مہلت دے دی تو اس نے کہا "لاضلّنھم" میں ان کو ضرور گمراہ کر دوں گا "لاغوینھم" میں ان کو ضرور کج راہ بنا دوں گا۔ لیکن ابلیس کو اس بات کے کہنے کے وقت یہ یقین نہ تھا کہ اس کی بات پوری بھی ہو سکے گی، صرف گمان تھا۔ لیکن اہل سبا جب اس کی راہ پر لگ لیے اور اس کے کہنے پر چلنے لگے تو اس کا گمان صحیح ثابت ہو گیا۔

"من المؤمنین" میں "المؤمنین" سے مراد یا تو قوم سبا کا ایماندار گروہ ہے، یا عام انسانوں میں سے جو مؤمنین ہیں وہ مراد ہیں۔ سدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اصل دین میں کسی مؤمن نے شیطان کا اتباع نہیں کیا۔ اللہ نے فرما دیا تھا: "انّ عبادی لیس لک علیھم سلطانٌ" یعنی میرے (مؤمن) بندوں پر تیرا تسلط نہ ہو گا۔ اس تفسیر پر "من المؤمنین" میں من بیانیہ ہو گا۔ بعض کے نزدیک "من" تبعیضیہ ہے یعنی بعض مؤمنوں کا گروہ مستثنیٰ ہے جو اللہ کے اطاعت گزار ہیں، نافرمان نہیں ہیں۔

㉑ "وما کان له علیھم من سلطان" ان لوگوں پر جن پر ابلیس کا تسلط ہے وہ محض "الا لنعلم من یؤمن بالاخرة ممن ھو منھا فی شک" مگر یہ کہ ہم جان لیں یعنی الگ الگ چھانٹ دیں اور مؤمن کو کافر سے جدا کر دیں۔ مراد اس علم کا وقوع اور ظہور ہونا اور یہ سب کچھ اس کو اپنے علم غیب سے معلوم ہے۔

"وربّک علی کل شیءٍ حفیظ" نگران ہے۔

㉒ "قل" اے محمد! کفار مکہ کو کہہ دیجئے "ادعوا الذین زعمتم" کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ "من دون اللہ" تم اللہ کے سوا ان کو پکار کر دیکھو تا کہ وہ تمہارے سے اس جوع کی تکلیف کو دور کر دے۔ پھر ان کے وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "لایملکون مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض" نہ خیر کے مالک اور نہ ہی شر کے مالک "ومالھم" اور نہیں ہے ان معبودوں کے پاس "فیھما" زمین و آسمان میں "من شرک" ان کا کوئی شریک "وماله" اور نہیں ہے اللہ کے سوا "منھم من ظھیر" کوئی مددگار۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ㉓

ترجمہ: اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت (شفیع کو) وہ اجازت دے دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ کہتے ہیں کہ (فلانی) حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے

تفسیر: ㉓ "ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن أذن له" اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کرنے کی اجازت دیدیں گے یہ ان کی تکذیب کی بناء پر کیا کیونکہ کافر لوگ یہی کہتے تھے کہ یہ ہمارے شفیع ہیں جو اللہ کے ہاں شفاعت کریں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جس کو اللہ رب العزت اجازت دے گا وہی سفارش کر سکے گا۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے "أذن" ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "حتی اذا فزع عن قلوبهم" ابن عامر یعقوب نے فاء کے فتحہ کے ساتھ اور زا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ان سے خوف کو دور کر دے گا اور ان کے دلوں سے ڈر بھی نکال دے گا۔ جو حضرات اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اس کے متعلق آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب ان کو شفاعت کی اجازت مل جائے گی تو اللہ کا کلام سننے سے ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی، وہ اللہ کی جلالت شان اور عظمت سے خوفزدہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جب آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عاجزی سے ملائکہ اپنے بازو، پھڑ پھڑاتے ہیں، جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے، پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو باہم پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے ملائکہ فرماتے ہیں، حق فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے۔

حضرت نواس بن سمعان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ وحی کے ذریعہ سے کلام کرتا ہے جس کو سن کر اللہ کے خوف سے آسمان لرز جاتے ہیں۔ جب آسمانوں والے اس کلام کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں اور سب سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام (سجدہ سے) سر اُٹھاتے ہیں۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، ان کو وحی کلامی کرتا ہے۔ پھر جبرئیل ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں اور جس آسمان سے گزرتے ہیں وہاں کے ملائکہ ان سے دریافت کرتے ہیں، ہمارے رب نے کیا فرمایا؟ جبرئیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں: اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ حق ہے اور اللہ عالیشان، بڑی عظمت والا ہے۔ یہ سن کر سب ملائکہ وہی بات کہتے ہیں جو جبرئیل کہتے ہیں۔ آخر جہاں وحی پہنچانے کا حکم اللہ نے دیا ہوتا ہے، جبرئیل وہاں وحی پہنچا دیتے ہیں۔ "قالوا" یعنی اذن شفاعت حاصل ہونے سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ دور ہونے کے بعد انہوں نے کہا: "ماذا قال ربکم" یعنی شفاعت کے متعلق تمہارے رب نے کیا فرمایا؟

"قالوا" یعنی بعض نے بعض سے کہا "الحق" یعنی اس نے حق فرمایا۔ یعنی شفاعت کی اجازت جن مؤمنوں کے متعلق دی گئی ہے وہ حق ہے۔ "وھو العلیّ الکبیر" وہی بڑے بلند مرتبہ اور بزرگی والا ہے، کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل بغیر اذن کے اس کے سامنے بول نہیں سکتا۔ بغوی نے لکھا: فرشتے قیامت برپا ہوجانے کے خوف سے گھبرا جائیں گے۔ مقاتل، سدی اور کلبی نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درمیانی مدت ۵۵۰ برس اور بقول بعض ۶۰۰ برس کی تھی۔ یہ انقطاع وحی کا زمانہ (فترۃ) تھا۔ اس مدت میں ملائکہ نے کوئی وحی کی آواز نہیں سنی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور فرشتوں نے وحی کی آواز سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ قیامت آگئی ہے کیونکہ آسمان والوں کو اس کا علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامت ہے۔ پس جب وحی کی آواز سنی تو قیامت برپا ہونے کے خوف سے بیہوش ہوگئے۔ جب ابتداء وحی کے موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام (بارگاہ الٰہی سے) نیچے اُترے تو جس آسمان کی طرف سے گزرے تو وہاں کے باشندوں نے سر اوپر اُٹھائے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسروں نے جواب دیا: حق فرمایا۔ حق سے مراد وحی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿24﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔــلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿25﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿26﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿29﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿30﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿31﴾

ترجمہ: آپ (تحقیق توحید کے لئے یہ بھی) پوچھئے (اچھا بتلاؤ) تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ روزی دیتا ہے اور (یہ بھی کہیے کہ اس مسئلہ توحید میں) بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں) آپ یہ بھی فرما دیجئے (اگر ہم مجرم ہیں تو) تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی (اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ (عمل) کردے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے آپ (یہ بھی) کہیے کہ مجھ کو ذرا وہ تو دکھلائیے جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز اس کا (کوئی شریک) نہیں بلکہ

(واقع میں) وہی ہے اللہ زبردست حکمت والا اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا وثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب وعذاب سے) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور یہ لوگ (ایسے مضامین سن کر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم (یعنی نبی اور آپ کے اتباع) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر ہے) نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو اور یہ کفار (دنیا میں تو خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہ لاویں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر اور اگر (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک منظر نظر آوے) جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے ایک دوسرے پر بات ٹالتا ہوگا چنانچہ ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے (ہم تمہارے سبب برباد ہوئے) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔

تفسیر 24 "قل من یرزقکم من فی السموات والارض" آسمانوں سے بصورت بارش اور زمین سے بصورت سبزہ کون رزق عطا فرماتا ہے۔ "قل للّٰہ" وہ یہی کہیں گے کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ "وانا او ایّاکم لعلی ھدًی أو فی ضلالٍ مبین" یہ شک کے طریق پر نہیں ہے بلکہ یہ بطور انصاف کے ہے۔ جیسا کہ کہنے والا دوسرے کو کہتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ یہ شخص سچا ہے اور اس کا دوست جھوٹا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ نہیں ہو تم ایک امر پر متحد بلکہ تم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ پس جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وہ ہدایت پر رہا اور جس نے مخالفت کی وہ گمراہی میں پڑا رہا۔ ان کی تکذیب کو ذکر کیا اس کی تکذیب کی صراحت کئے بغیر۔ بعض نے کہا کہ گویا کلام یوں ہے ہم اور تم یا تو ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر یعنی ہم تو ہدایت پر ہیں اور تم گمراہی پر۔

25 "قل لاتسئلون عما اجرمنا ولا نسئل عمّا تعملون"

26 "قل یجمع بیننا ربنا" قیامت کے دن۔ "ثم یفتح" پھر فیصلہ کرے گا۔ "بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم"

27 "قل أرونی الذین الحقتم بہ شرکاء" کسی صفت کی وجہ سے تم نے اپنے معبودوں کو کس صفت کی وجہ سے شریک بنا رکھا ہے۔ کیا وہ تمہیں پیدا کرتے ہیں اور کیا وہ تمہیں رزق عطا کرتے ہیں۔ "کلا" ہرگز نہ تو وہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ رزق دیتے ہیں۔ "بل ھو اللّٰہ العزیز" وہ اپنے حکم پر غالب ہے۔ "الحکیم" اپنی مخلوق کی تدبیر میں کون اس کی بادشاہت میں شریک ہوسکتا ہے۔

28 "وما ارسلناک الا کافۃ للنّاس" سب لوگوں کے لیے خواہ وہ سفید ہوں یا کالے گورے۔ "بشیرًا و نذیرًا" خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ "ولکن اکثر النّاس لایعلمون" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبی کو ایک خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے اور میری بعثت تمام لوگوں کے لیے ہے یا "کافۃ" میں تاء

مبالغہ کے لیے ہو۔ یعنی ہم نے آپ کو ایسی حالت میں بھیجا کہ آپ سب لوگوں کو اپنے دائرۂ رسالت میں جمع کرنے والے ہیں۔

㉙ "ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین" مراد اس سے قیامت کا دن ہے۔

㉚ "قل لکم میعاد یوم لا تستأخرون عنه ساعة ولا تستقدمون" وہ قیامت پر کسی چیز کو مقدم نہیں کر سکتے۔ ضحاک کا قول ہے کہ موت کا دن ان سے نہ مؤخر ہوگا اور نہ ہی پہلے یعنی نہ تو ان کی زندگی طویل کی جائے گی اور نہ ہی ذرّہ برابر کم۔

㉛ "وقال الذین کفروا لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیه" اس سے مراد توریت اور انجیل ہے۔ "ولو تری" اے محمد! "اذ الظالمون موقوفون" تم اگر قید کر لیے جاؤ۔ "عند ربھم یرجع بعضھم الی بعض القول" وہ ایک دوسرے پر جھگڑے والی بات ڈالیں گے۔

"یقول الذین استضعفوا" وہ ان کو حقارت سے کہیں گے جو ان کے پیروکار ہوں گے۔ "للذین استکبروا" سرداران قوم! "لولا انتم لکنا مؤمنین" اگر تم ہمیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے نہ روکتے تو ہم ضرور ان پر ایمان لے آتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ㉜ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉝ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ㉞ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ㉟ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ㊱ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا. فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ㊲

ترجمہ: (اس پر) یہ بڑے لوگ ان درجے (ادنیٰ) کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت (پر عمل کرنے) سے (زبردستی) روکا تھا بعد اس کے وہ (ہدایت) تم کو پہنچ چکی تھی نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو اور (اس کے جواب میں) یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم زبردستی کو مانع) نہیں (کہتے) بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم کو فرمائش کرتے رہتے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں اور وہ لوگ (اپنی اس) پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) مخفی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں

بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے (یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے ولیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنا دے (یعنی موثر و علت قرب کی بھی نہیں) مگر ہاں جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب میں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دونا صلہ ہے۔ اور وہ (بہشت کے) بالا خانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے۔

تفسیر 32 "**قال الذین استکبروا**" بڑے لوگ ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے "**للذین استضعفوا أنحن صددناکم عن الھدی بعد اذ جاء کم بل کنتم مجرمین**" ایمان کے ترک کرنے کی وجہ سے۔

33 "**وقال الذین استضعفوا للذین استکبروا بل مکر اللیل والنھار**" یعنی تمہارے دن و رات کے مکر و فریب نے۔ عرب کے نزدیک کسی فعل کو دن یا رات کی طرف نسبت اس لیے کرتے ہیں تا کہ کلام میں مزید توسع پیدا ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ رات و دن کے مکر سے مراد ہے زمانے کا فریب، طول، آرزو اور طول سلامتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فطال علیھم الامد فقست قلوبھم**"......"**اذ تامروننا أن نکفر باللّٰہ ونجعل لہ اندادًا واسروا**" اور ندامت کو ظاہر کر دیا۔ "**الندامۃ**" بعض نے کہا کہ اس ندامت کو چھپا دیا۔ یہ اس صورت میں اضداد میں سے ہوگا۔ "**لما رأوا العذاب وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا**" آگ میں تابع اور متبوع دونوں جمع ہو جائیں گے۔ "**ھل یجزون الا ما کانوا یعملون**" دُنیا میں جو انہوں نے کفر اور نافرمانیاں کی تھیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

34 "**وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الاقال مترفیھا**" ان کے سردار اور ان کے اغنیاء لوگ۔ "**انا بما ارسلتم بہ کافرون**"

35 "**وقالوا**" یہ لوگ فقراء کو کہیں گے جو اللہ پر ایمان لائے۔ "**نحن اکثر اموالاً و اولادًا**" اگر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی نہ ہوتا تو ہمیں وہ اموال اور اولاد سے نہ نوازتا۔ "**وما نحن بمعذبین**" اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا میں ہمیں مال و اولاد سے نوازا تو آخرت میں بھی ہمیں عذاب نہیں دے گا۔

36 "**قل انّ ربی یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر**" روزی کی تنگی اور فراخی تحقیر و اعزاز کا معیار نہیں ہے۔ دُنیا امتحان گاہ ہے دارالجزاء نہیں ہے۔ اسی طرح روزی کی کشادگی اللہ کی رضا پر دلیل نہیں اور نہ ہی تنگی اللہ کی ناراضگی پر دلیل ہے۔ "**ولکن اکثر النّاس لایعلمون**"

37 "**وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی**" "**زلفی**" (تقرب) اخفش کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے مال و اولاد کے ساتھ ایسی خصلت نہیں ہے جو تم کو اللہ کے قرب میں پہنچا دے۔ "**الا من اٰمن**" جو نیکوکار مؤمن ہو۔ "**وعمل صالحًا**" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو نیکوکار ایمان والا ہو، اس کا عمل قرب الٰہی میں پہنچ سکتا ہے۔ "**فاولئک لھم**

جزاء الضعف بما عملوا" اللہ ان کے لیے نیکیوں کو دُگنا کر دیں گے اور ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں عطا کریں گے۔

"جزاءٌ" منصوب ہے تنوین کے ساتھ (الضعف) مرفوع ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "لھم الضعف جزاءً" اور دوسرے قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وھم فی الغرفات آمنون" حمزہ نے واحد کے صیغہ کے ساتھ "غرفۃ" پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لئے ایسے لوگ عذاب میں لائے جاویں گے آپ (مومنین سے) فرما دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراغ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے اور جو چیز تم (مواقع حکم الٰہی میں) خرچ کرو گے سو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

تفسیر: ۳۸ "والذین یسعون" جو کوشش کرتے ہیں "فی ایاتنا" ہمارے دلائل کو باطل کرنے میں "معاجزین" معاندین لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کی نشانیوں کو باطل و عاجز کر دیا ہے۔ "اولئک فی العذاب محضرون"

۳۹ "قل انّ ربی یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر لہ وما انفقتم من شیءٍ فھو یخلفہ" جو خرچ کرو گے اس کے بدلے میں اور عطا کرے گا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں جو اپنے مال کو بغیر فضول خرچی کے اور کنجوسی سے خرچ نہیں کرے گا، اللہ اس کو اس کا بدل عطا کرے گا۔ کلبی کا بیان ہے کہ جو تم صدقہ کے لیے خرچ کرتے ہو یا نیکی کے کاموں میں خرچ کرتے ہو، خرچ کرنے والے کو نفع دے گا یا تو اس کا نفع دُنیا میں اس کو مل جائے گا یا اس کے لیے نفع آخرت میں ذخیرہ کر دیا جائے گا۔ "وھو خیر الرازقین" جو عطا بھی کرے اور رزق بھی دے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت

روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! خرچ کر تیرے اوپر خرچ کیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی صبح ایسی نہیں جس صبح ہر بندے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ ان میں ایک کہتا ہے اے اللہ! تو مجھے عطا کر میں خرچ کروں اور پھر اس کا اجر بھی دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! تو مجھے عطا کر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں تو اللہ اس کے مال کو تلف فرما دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب بھی صدقہ

کرتا ہے تو اس کے مال کو کم نہیں کیا جاتا اور جو شخص کسی کو در گزر کرتا ہے اللہ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بلند مقام عطا کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے اور ہر وہ چیز جو انسان اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اس کے لیے یہ صدقہ لکھ دیا جاتا ہے اور جس چیز سے آدمی اپنی عزت کی حفاظت کرے وہ بھی صدقہ ہے، ہم نے کہا آدمی کا اپنی عزت کی حفاظت کا معنی کیا ہے؟ فرمایا جو کسی شاعر یا متقی زبان والے کو عطا کیا جاتا ہے اور مؤمن شخص جو اپنے لیے خرچ کرتا ہے اللہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرتا ہے مگر یہ کہ اس نے جنگل میں نہ ضائع کیے ہوں اور نہ ہی گناہوں کے کاموں میں۔ امام بغوی رحمہ اللہ لایعنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبدالحمید محمد بن منکدر سے پوچھ رہے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو تو اس کو میانہ روی سے خرچ کرو۔ اس آیت کی تاویل نہ کرو۔ "وما انفقتم من شیء فهو یخلفه" کیونکہ رزق تو تقسیم ہوا ہے۔ شاید کہ اللہ نے رزق تھوڑا لکھا ہو تو وہ اپنے نفقہ سے تنگ دست کی طرح خرچ کرے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝٤٠ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝٤١ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝٤٢ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٤٣

ترجمہ اور (وہ دن قابل ذکر ہے) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (میدان قیامت میں) جمع فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے ان میں اکثر لوگ انہیں کے معتقد تھے سو (کافروں سے کہا جاوے گا) آج تم (مجموع عابدین ومعبودین) میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا اور اس وقت ہم ظالموں (یعنی کافروں سے) کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور ہادی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ (پڑھنے والے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں کی (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو (قدیم سے) تمہارے

بڑے پوجتے تھے اور (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے اور یہ کافر اس امر حق یعنی (ان) کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہنچا یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے۔

تفسیر 40 "ویوم نحشرھم" یعقوب اور حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ "نحشرھم" پڑھا ہے۔ "جمیعًا" تمام کفار کو جمع کیا جائے گا۔ "ثم نقول للملائکة أھولاء ایاکم کانوا یعبدون" دُنیا میں۔ جو لوگ ملائکہ کی پوجا کرتے اور نعوذ باللہ ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے۔ ملائکہ سے یہ خطاب مشرکین کی تذلیل اور شفاعت ملائکہ سے مایوس بنانے کیلئے کیا جائے گا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ استفہام تقریری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "ء انت قلت للناس اتخذونی و أمی الھین من دون اللّٰہ" پھر ان سے ملائکہ نے براءت کرلی۔

41 "قالوا سبحانک" فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے۔ "انت ولینا من دونھم" ہمارا رشتہ عبدیت و معبودیت تجھی سے ہے، ان سے ہمارا کوئی رشتہ موالات نہیں۔ "بل کانوا یعبدون الجن" اس سے مراد شیاطین ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ ملائکہ کی عبادت کرتے تھے تو "یعبدون الجن" کہنے کا کیا مطلب۔ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا کہ شیاطین خود بھیس بدل کر ان کے سامنے آتے تھے اور ان کے خیال میں یہ بات ڈالتے تھے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ اس خیالی تصویر کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ "یعبدون" وہ جنوں کی اطاعت کرتے تھے۔ "اکثرھم بھم مؤمنون" اور وہ شیاطین کی تصدیق کرتے ہیں۔

42 "فالیوم لایملک بعضکم لبعض نفعًا" نہ شفاعت کے ذریعے سے نفع دے سکیں گے۔ "ولا ضرًا" نہ عذاب۔ مراد اس سے یہ ہے کہ وہ اس بات سے عاجز ہیں نہ تو وہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ "ونقول للذین ظلموا ذوقوا عذاب النّار التی کنتم بھا تکذبون"

43 "واذا تتلٰی علیھم آیاتنا بینات قالوا ما ھذا" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "الا رجل یرید أن یصدکم عما کان یعبد اٰباء کم وقالوا ما ھذا الا افکٌ مفتریً" یعنی یہ قرآن "وقال الذین کفروا للحق لما جاء ھم ان ھذا الا سحرٌ مبین" واضح ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ 44 وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ. فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ 45 قُلْ اِنَّمَآ
اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا. مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ
هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ 46 قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ. وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ 47 قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ. عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ 48 قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ 49

ترجمہ اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور (اسی طرح) ہم نے آپ سے پہلے ان کے واسطے کوئی ڈرانے والا (یعنی پیغمبر) نہیں بھیجا تھا اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ (مشرکین عرب) تو اس سامان کے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے غرض انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو (دیکھو) میرا (ان پر) کیسا عذاب ہوا آپ کہیے کہ میں (تو) صرف تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں وہ یہ کہ تم (محض) خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون (تو) نہیں ہے وہ تم کو ایک سخت عذاب آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات (یعنی ایمان) کو (کفر پر) غالب کر رہا ہے (اور) وہ علام الغیوب ہے آپ کہہ دیجئے کہ حق (دین) آ گیا اور (دین) باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔

تفسیر 44 "**وما اٰتینھم**" یہ مشرکین۔ "**من کتب یدرسونھا**" وہ اس کو پڑھتے ہیں۔ "**وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر**" عرب میں اس سے پہلے نہ کوئی ایسا نبی بھیجا اور نہ ہی کوئی ایسی کتاب بھیجی جس سے ان کو شرک کی دعوت دی ہو۔

45 "**وکذب الذین من قبلھم**" اس سے پہلی اُمتیں عاد، ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط وغیرہ ہیں۔ "**وما بلغوا**" یہ مشرکین۔ "**معشار**" دسواں حصہ ہیں۔ "**ما اٰتینھم**" گزشتہ اُمتوں کے مقابلے میں کہ ان کو قوت، طاقت، طول عمر اور مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔ "**فکذبوا رسلی فکیف کان نکیر**" پھر ان پر میرا عذاب اور تباہی کی شکل میں میری ناراضگی کیسا رنگ لائی۔

46 "**قل انما أعظکم بواحدۃ**" کہ میں ایک بات سمجھاتا ہوں۔ پھر اس خصلت کو بیان کر دیا اور فرمایا: "**أن تقوموا للّٰہ**" اللہ کے لیے "**مثنٰی**" دو، دو ہو کر "**وفرادٰی**" اور ایک ایک ہو کر "**ثم تتفکروا**" پھر تم سب مل کر غور و فکر کرو اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال پر بھی غور و فکر کرو، پھر تم جان لو گے۔ "**ما بصاحبکم من جنۃ**" آپ کے ساتھی کو جنون لاحق نہیں بلکہ وہ حق بات کہہ رہا ہے۔ کھڑے ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ نہ بیٹھو نہ لیٹو کھڑے ہو جاؤ بلکہ اس سے مراد ہے تیار ہو جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وأن تقوموا للیتامٰی بالقسط**" یہاں پر حقیقی کھڑا ہونا مراد نہیں بلکہ آمادہ ہونا ہے۔ "**ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید**" مقاتل کا بیان ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کا کلام پورا ہو گیا۔ پھر آگے فرمایا "**ثم تتفکروا**" تم زمین و آسمان پر غور و فکر کرو تو پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر دوبارہ کلام کی ابتداء کی اور فرمایا: "**ما بصاحبکم من جنّۃ**"

47 "**قل ماسألتکم**" رسالت کی تبلیغ پہنچانے میں۔ "**من اجر**" کوئی اجر مانگوں۔ "**فھو لکم**" وہ تمہارے لیے ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تبلیغ رسالت پہنچانے میں تم لوگوں سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا کہ تم مجھے متہم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**فھو لکم**" کہ میں تم سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔ "**ان اجری الا علی اللّٰہ وھو علٰی کل شیءٍ شھید**" اس کا ثواب اور اجر اللہ ہی کے پاس ہے۔

㊽"قل ان ربی یقذف بالحق" قذف کہا جاتا ہے پھینکنے کو تیر کے ذریعے یا کسی اور چیز کے ذریعے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ان کے پاس حق بات آئی ہے، وحی آسمان سے اُتری اور انبیاء پر آئی۔ "علام الغیوب" مرفوع ہے خبر ہونے کی وجہ سے یعنی وہ علام الغیوب ہے۔

㊾"قل جاء الحق" حق سے مراد قرآن اور اسلام ہے۔ "وما یبدیٔ الباطل وما یعید" باطل چلا گیا۔ اس میں ذرہ برابر باقی نہیں رہا جس سے وہ دوبارہ اُٹھ سکے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ" قتادہ کا بیان ہے کہ باطل سے مراد ابلیس ہے۔ یہی قول مقاتل اور کلبی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ بعض نے کہا کہ باطل سے مراد بت ہیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ㊿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر (مثلاً وفرضاً) گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر وبال ہوگی اور اگر میں راہ (راست) پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں تو آپ کو حیرت ہو جبکہ گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی (یعنی فوراً) پکڑ لئے جاویں گے کہ کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے اور اتنی دور جگہ سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس حق کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے اور ان میں اور ان کی (قبول ایمان کی) آرزو میں ایک آڑ کر دی جاوے گی جیسا ان کے ہم مشربوں کے ساتھ (بھی) یہی (برتاؤ) کیا گیا جو ان سے پہلے تھے کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

تفسیر ㊿"قل ان ضللت فانما اضل علٰی نفسی" کفار مکہ یوں کہا کرتے تھے کہ جب انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑا تو گمراہ ہو گیا (نعوذ باللہ) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے گمراہی اختیار کی ہے تو اس کا وبال انہی پر ہوگا۔ "وان اهتدیت فبما یوحی الیّ ربی" اس سے مراد قرآن اور حکمت ہے۔ "انہ سمیع قریب"

﴿٥١﴾"ولو تری اذ فزعوا" قتادہ نے کہا کہ قبروں سے اُٹھائے جانے کے وقت گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ "فلا فوت" اللہ کی گرفت سے نکل نہیں سکیں گے نہ بھاگ کر نہ قلعہ بند ہو کر نہ اپنی جان کا مالی معاوضہ دے کر۔ "ولات حین مناص" بعض نے کہا کہ جب وہ گھبرا جائیں گے تو نہ وہ اللہ کی گرفت سے نکل سکیں گے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی نجات ہوگی۔

وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ کی تفسیر

"واخذوا من مكان قريب" کلبی کا بیان ہے کہ ان کو قدموں کے نیچے سے پکڑا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو زمین کے درمیان سے پیٹھ کے بل نکالا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ زمین کے اوپر سے پکڑ کر زمین کے اندر لے جائے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ "من مكان قريب" سے مراد دُنیا کا عذاب ہے۔ ضحاک نے کہا کہ بدر کا دن مراد ہے۔ بزی کا قول ہے کہ بیداء مقام پر دھنسا جانا مراد ہے۔ اس آیت میں محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہے "ولو ترى اذ فزعوا لرأيت أمرًا تعتبر به"

52 "وقالوا آمنا به" جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ بعض نے کہا جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو ایمان لے آئیں گے۔ بعض نے کہا کہ اُٹھائے جانے کے بعد۔ "وانّى" "أين" کے معنی میں ہے۔ "لهم التناوش" ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے التناوش مد کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بغیر مد اور بغیر ہمزہ کے، معنی طلب کرنا، چلنا، تیزی سے اُٹھنا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کا حصول تو اس وقت ممکن تھا جب آدمی مکلف تھا اور وہ مقام تکلیف بالا یمان تو دور ہو گیا اور دُنیا سے قریب ہو گیا تو اس کو ضائع کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کفار دُنیا کی طرف واپسی کی درخواست کریں گے لیکن دور کے مقام یعنی آخرت سے دُنیا میں ان کا لوٹنا کہاں ہو سکے گا۔ "من مكان بعيد" یعنی آخرت دُنیا کے اعتبار سے دور ہے۔

53 "وقد كفروا به من قبل" اس سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عذاب کو دیکھنے سے پہلے اور قیامت کی ہولناکیوں کے معائنہ کرنے سے۔ "ويقذفون بالغيب من مكان بعيد" مجاہد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو انہوں نے بلا تحقیق نشانہ بنا رکھا تھا۔ قتادہ نے کہا کہ وہ اپنے تیر کے گمان چلاتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ جنت نہ دوزخ۔

54 "وحيل بينهم وبين ما يشتهون" اس سے مراد ایمان، توبہ اور دُنیا کی طرف واپس جانے کی خواہش رکھنا۔ بعض نے کہا کہ دُنیا کی نعمتیں اور اس کے پھل وغیرہ۔ "كما فعل باشياعهم" ان کے نظائر بھی ماقبل گزرے ہوئے کفار کی حالت کی طرح ہوگی۔ "من قبل" ان کا بھی ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی ناامیدی کے وقت۔ "انهم كانوا في شك" یعنی قیامت اور نزول عذاب کے متعلق وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ "مريب" شک پیدا کرنے والا، تہمت پیدا کرنے والا۔

سُوْرَۃ فَاطِر

اس میں ۴۵ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

ترجمہ: تمام ترحمد (اسی) اللہ کولائق ہے جوآسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے جوفرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دودو اور تین تین اور چار چار پردار بازو ہیں وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کردیتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اللہ جو رحمت (بارش وغیرہ) لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے (بند کرنے کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر: ① "الحمدللّٰہ فاطر السموات والارض" ان دونوں کو پیدا کیا اور ان کو ابتداءً بغیر کسی مثال کے پیدا کیا۔ "جاعل الملائکۃ رسلاً اولی اجنحۃ" بازو والے "مثنی و ثلاث و رباع" قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے کہ بعض ملائکہ کے دو بازو بعض کے تین اور بعض کے چار اللہ نے بنائے ہیں لیکن تعداد محدود نہیں ہے۔ حد بندی کے خیال کو دور کرنے کے لیے آگے فرمایا "یزید فی الخلق ما یشاء" ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ عزوجل کے اس فرمان "لقد رأی من آیات ربه الکبریٰ" کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ ابن شہاب نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "یزید فی الخلق مایشاء" کے بارے میں فرمایا کہ حسن صوت مراد ہے اور قتادہ کے نزدیک آنکھوں کی ملاحت مراد ہے۔ بعض کے نزدیک عقل اور امتیاز کی زیادتی مراد ہے۔ "انّ اللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر"

② "ما یفتح اللّٰہ للنّاس من رحمۃ" رحمت سے مراد بارش اور رزق ہے۔ "فلا ممسک لها" ان میں سے کسی ایک کی کوئی طاقت نہیں کہ وہ اس کو روکے رکھے۔ "وما یمسک فلا مرسل له من بعده وهو العزیز" اور وہ جس چیز کو روک لے۔ "الحکیم" جو بارش اور رزق میں سے وہ روک لے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے "لا الٰه الا اللّٰه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیءٍ قدیر لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد"

يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ط فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ م بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧

ترجمہ اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو (شکر اور غور کرو کہ) کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان و زمین سے رزق پہنچاتا ہو اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم (شرک کر کے) کہاں الٹے جا رہے ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (آپ غم نہ کریں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں اور سب امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جاویں گے اے لوگو اللہ تعالیٰ کا (یہ) وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جاویں پس جو لوگ کافر ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے (معاصی کی) بخشش اور (ایمان پر) بڑا اجر ہے تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھلایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (یعنی کافر) اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہے (یعنی مومن) کہیں برابر ہو سکتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے اللہ کو ان سب کاموں کی خبر ہے۔

تفسیر ③ "یا یها النّاس اذکروا نعمة اللّٰه علیکم هل من خالق غیر اللّٰه" حمزہ، کسائی نے (غیر) کی راء پر جر پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کہ کیا اس کے علاوہ کوئی اور خالق ہے۔ یہ استفہام بطور

تقریر کے ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ "یرزقکم من السماء والارض" آسمان سے بارش برسائی اور زمین سے کس نے نباتات اُگائی۔ "لا الٰہ الا ھو فانی یؤفکون"

④ "وان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک" آپ کی طرح یہ ماقبل انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلا چکے ہیں۔ "و الی اللہ ترجع الامور"

⑤ "یا یھا الناس انّ وعد اللہ حق" قیامت کا وعدہ حق ہے۔ "فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور" اس سے مراد شیطان ہے۔

⑥ "ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوًا" وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دور کرے گا۔ لہٰذا تم اس کی پیروی نہ کرو۔ "انما یدعوا حزبہ" اس کے بڑے بڑے سردار اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ "لیکونوا من اصحاب السعیر" تاکہ ان کے ساتھ مل کر دوزخیوں میں اضافہ ہو۔ پھر ان کے مخالفین کے احوال کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

⑦ "الذین کفروا لھم عذاب شدید والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات لھم مغفرۃ و أجرٌ کبیر"

⑧ "أفمن زین لہ سوء عملہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت ابوجہل اور دوسرے مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ آیت اہل بدعت اور پرستاران ہوا و ہوس کے حق میں نازل ہوئی۔ قتادہ کا قول ہے کہ انہی میں سے خارجیوں کا گروہ تھا جو مسلمانوں کا خون بہانا اور مال لوٹنا حلال سمجھتے تھے۔ دوسرے اہل کبائر اس میں شامل نہیں ہیں۔ "افمن زیّن" جس کو اس کا عمل مزین کر کے دکھایا گیا ہو۔ "علیہ لہ سوء عملہ" اس کا برا عمل۔ "فرآہ حسنًا" شیطان اس کے اس برے عمل کو خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے وساوس سے۔ اس آیت میں حذف مضاف ہے۔ کیا وہ اپنے برے عمل کو مزین کر کے پیش کرتا ہے حالانکہ وہ باطل ہے پھر بھی اس کو حق سمجھتا ہے جیسے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا ہو۔ اللہ اس کو حق کی راہ دکھلا دیتا ہے اور باطل کو باطل دکھا دیتا ہے۔

"فان اللہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء" بعض نے کہا کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: "فلا تذھب نفسک علیھم حسرات" کہ جب گمراہ کافروں کے احوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکثرت افسوس ہوتا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ حسرات مفعول لہ ہے یعنی افسوس کرنے کی وجہ سے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ حسن بن فضل نے فرمایا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھایا گیا ہو، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا ہو، آپ اس کو دیکھ کر افسوس نہ کریں کیونکہ جب کوئی کام فوت ہو جائے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے کفر کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچائیں، اگر وہ ایمان نہیں لاتے۔ ابو جعفر نے "فلا تذھب" میں تاء کو مضموم پڑھا ہے اور ھا کے کسرہ کے ساتھ اور "نفسک" کو منصوب پڑھا ہے۔ "ان اللہ علیم بما یصنعون"

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ
الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ⑩
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا
بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ⑪

ترجمہ اور اللہ ایسا (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک خطہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے (پانی کے) ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح (قیامت میں) آدمیوں کا جی اٹھنا ہوگا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے اور جو لوگ (اس کے خلاف) بری بری تدبیریں کررہے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست ونابود ہو جاوے گا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ضمناً مٹی سے پیدا کیا پھر (استقلالاً) نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور نہ اسی طرح) کسی کی عمر زیادہ (مقرر) کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم (مقرر) کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے یہ سب اللہ کو آسان ہے۔

تفسیر ⑨ "واللّٰہ الذی أرسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فأحیینا بہ الارض بعد موتھا کذلک النشور" جب ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا۔

⑩ "من کان یرید العزۃ فللّٰہ العزۃ جمیعًا" فراء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا جو شخص جاننا چاہتا ہے کہ عزت کس کے لیے ہے تو وہ سمجھ لے کہ تمام تر عزت اللہ کے لیے ہے۔ بظاہر آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لیے عزت کا خواستگار ہے تو اللہ کی بارگاہ سے ہی اس کو عزت طلب کرنی چاہیے، اسی کی فرمانبرداری کر کے عزت حاصل کرے کیونکہ ساری عزت کا خالق و مالک اللہ ہی ہے جس کو چاہے عطا کرے۔ کافر، بتوں کی پوجا کر کے عزت کے خواستگار تھے، اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا: "واتخذوا من دون اللّٰہ الھۃ لیکونوا لھم عزًّا کلاّ ؕ" اور منافق، کافروں کی نظر میں معزز بننا چاہتے تھے، اللہ نے منافقوں کے متعلق فرمایا ہے: "ایبتغون عندھم العزّۃ فان العزّۃ للّٰہ جمیعًا"

آیت مذکورہ میں دونوں کے خیال کی تردید کردی گئی۔ آگے فرمایا کہ عزت کے حصول کا ذریعہ صرف توحید اور نیک عمل ہے۔ "الیہ یصعد الکلم الطّیّب" اللہ کی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمات۔ پاک کلمات سے مراد ہیں "سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا الٰہ الاّ اللّٰہ وتبارک اللّٰہ" وغیرہ۔ چڑھنے سے مجازاً مراد ہے قبول ہونا۔ قتادہ کا یہی قول روایت

میں آیا ہے، یا کلمات کے چڑھنے سے مراد ہے ان فرشتوں کا عرش کی طرف چڑھنا جو ان پاک کلمات کو لکھ کر لیجاتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ "**الیه یصعد الکلم الطیب**" سے مراد ذکر اللہ ہے۔ قتادہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ طیبہ کو پاک کرلے گا۔ حسن اور قتادہ کا بیان ہے کہ "**الکلم الطیب**" سے مراد ذکر اللہ ہے اور "**والعمل الصالح یرفعه**" سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے جو شخص اللہ کا ذکر کرے لیکن فرائض ادا نہ کرے تو اس کے ذکر کو اس پر لوٹایا جاتا ہے۔ ایمان صرف آرزو کرنے سے نہیں ملتا اور نہ ہی جلوہ پاشی کا نام ہے بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں جما ہوا اور اعمال صالحہ اس کی تصدیق کررہے ہوں جس کا قول تو اچھا ہے اور عمل صالح نہ ہو، اللہ اس کا قول اس کے منہ پر دے مارتا ہے اور جس کا قول بھی اچھا ہو اور عمل بھی صالح ہو اللہ اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ اس کا قول عمل کو مقبول بنالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه**"

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ بغیر عمل کے اللہ قول کو قبول نہیں کرتا اور قول وعمل کے ساتھ خلوص نیت بھی ضروری ہے۔ صرف قول وعمل بھی بغیر نیت کے مقبول نہیں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ عمل صالح خالص کو کہتے ہیں۔ یعنی جن اعمال میں اخلاص ہو، خواہ ان کا تعلق اقوال میں سے ہو یا افعال میں سے، اس پر دلیل اللہ عزوجل کا فرمان "**فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرک بعبادة ربه احدًا**" شرک اور ریاء سے بچے رہے۔ "**والذین یمکرون السیئات**" کلبی نے بیان کیا کہ وہ جو برے اعمال کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا کہ وہ شرک کرتے ہیں۔

ابوالعالیہ نے کہا بری تدبیروں سے مراد ہیں قریش کی وہ خفیہ تدبیریں جو دارالندوہ میں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انہوں نے کی تھیں، انہی تدبیروں کے متعلق سورۂ انفال میں آیا ہے: "**واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک**" کلبی نے "**یمکرون السیئات**" کا ترجمہ کیا ہے، برائیاں کرتے ہیں۔ مجاہد اور شہر بن حوشب کے نزدیک ریاکار لوگ مراد ہیں۔ "**لهم عذاب شدید ومکر اولئک هو یبور**" وہ یعنی اللہ ان کو نابود کردے گا۔

⑪ "**واللّٰه خلقکم من تراب**" آدم علیہ السلام "**ثم من نطفة**" اس کی نسل "**ثم جعلکم أزواجًا**" مذکر ہوں یا مؤنث۔ "**وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعمله وما یعمر من معمر**" اور نہ ہی ان کی عمر طویل تھی۔ "**ولا ینقص من عمره**" نہ ہی ان کی عمر سے کم کیا جائے گا۔ "**الا فی کتاب**" مگر اس کا اندراج (پہلے سے) لوح محفوظ میں ہوتا ہے یا کراماً کاتبین کے اعمال ناموں میں اس کا اندراج ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا اُم الکتب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اتنے سال ہوگی، پھر اس کے نیچے لکھا ہوتا ہے ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے، تین دن گزر گئے۔ اسی طرح پوری عمر کے دن لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس طرح عمر ختم ہوجاتی ہے۔

کعب احبار کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ اگر حضرت عمر اپنی عمر کی طویل ہونے کی درخواست کرتے تو طویل ہوجاتی۔ ان سے کہا گیا "**فاذا جاء اجلهم لایستأخرون ساعة ولا یستقدمون**" فرمایا کہ جب موت کا وقت قریب آ گیا لیکن اس وقت سے پہلے تو کوئی اپنی زندگی اور موت میں کمی کا سوال کرسکتا ہے۔ پھر یہ

آیت تلاوت فرمائی۔"ان ذلک علی اللہ یسیر"لوگوں کی میعاد لکھنا اور عمریں متعین کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ⑬ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ⑭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲

ترجمہ: اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں بلکہ ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے جس کا پینا بھی آسان اور ایک شور تلخ ہے اور تم ہر ایک (دریا) سے (مچھلیاں نکال کر ان کا) تازہ گوشت کھاتے ہو (نیز) زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم (ان کے ذریعہ سے) اس کی روزی ڈھونڈو اور تا کہ تم شکر کرو وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور (مثلاً یہ کہ) اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے ہیں۔ یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار (اول) تو سنیں گے نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے اور قیامت کے روز وہ (خود) تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے اور تجھ کو خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتلاوے گا اے لوگو! تم (بھی) خدا کے محتاج ہو۔ اور اللہ (تو) بے نیاز (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات خدا کو کچھ مشکل نہیں اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی کوئی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلاوے گا (بھی) تب اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا اگر چہ وہ شخص قرابت داری (کیوں نہ) ہو تو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو

ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔

تفسیر ⑫"وما یستوی البحران" میٹھا اور شور ملح والا پانی۔ "هذا عذب فرات" پاکیزہ "سائغ شرابہٗ" آسانی سے حلق سے اُتر جانے والا۔ "وهذا ملح اجاج" اتنا نمکین کہ حلق کو جلا دے۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ کڑوا ہونے سے کیا ہے۔

"ومن کل تاکلون لحمًا طریًا" اور ان دونوں سمندروں کی مچھلیاں کھاتے ہو۔ "وتستخرجون حلیة" نمکین اور میٹھی۔ "تلبسونها" اس سے مراد موتی ہیں۔ شیریں سمندر سے موتی نکالتے ہیں اور کڑوے سمندر سے بھی۔ "وتری الفلک فیه مواخر" آتے جاتے وقت کشتیاں پانی کو پھاڑتی ہیں، ایک ہی ہوا کے ساتھ۔ "لتبتغوا من فضله" تجارت کے ذریعے سے۔ "ولعلکم تشکرون" اس کی نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

⑬"یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل وسخرالشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی ذلکم الله ربکم له الملک والذی تدعون من دونه" اللہ کے سوا بتوں کو پکارتے ہیں۔ "ما یملکون من قطمیر" کھجور کی گٹھلی کا چھلکا جو اس پر لپٹا ہوتا ہے۔

⑭"ان تدعوهم" اگر تم ان بتوں کو پکارو گے "لایسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم" وہ تمہاری بات کا جواب نہیں دیں گے۔ "ویوم القیامة یکفرون بشرککم" جو تم ان کی عبادت کرتے ہو وہ قیامت کے دن اس کے منکر ہو جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے تو تمہیں عبادت کرنے کا نہیں کہا تھا۔ "ولا ینبئک مثل خبیر" تجھے کوئی ایسی اطلاع نہیں دے گا جسے اللہ دے رہا ہے جو اشیاء کے حقائق سے پورا باخبر ہے۔

⑮"یایها الناس انتم الفقراء الی الله" اللہ کا فضل اور فقیر محتاج۔ "والله هو الغنی الحمید" وہ فی نفسہ مخلوق کی حمد کی مستحق ہے۔

⑯"ان یشاء یذهبکم ویأت بخلق جدید"

⑰"وما ذلک علی الله بعزیز"

⑱"ولا تزر وازرۃٌ وزر اخریٰ وان تدع مثقلة" یعنی اس شخص پر گناہوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ "الی حملها" گناہوں کا بوجھ۔ "لایحمل منه شیءٌ"...... "ولو کان ذا قربی" کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بار نہیں اُٹھائے گا، اگرچہ قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ بیٹا ہو یا باپ، ماں ہو یا بھائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ماں باپ بیٹے کو پکاریں گے اور کہیں گے بیٹے ہمارا کچھ بار تو اُٹھا لے، بیٹا جواب دے گا مجھ میں برداشت کی طاقت نہیں، میرے عمل کا بار ہی کافی ہے۔ "انما تنذر الذین یخشون" وہ ڈرتے ہیں۔ "ربهم بالغیب" انہوں نے اپنے رب کو دیکھا نہیں۔ اخفش کا بیان ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ڈرانے سے انہی لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ "واقاموا الصلٰوۃ ومن تزکی" اس نے اصلاح کی اور نیک عمل کیا۔ "فانما یتزکی لنفسه" اس کا ثواب "والی الله المصیر"

19 "وما یستوی الاعمی والبصیر" اس سے جاہل اور عالم مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اعمٰی راہ راست سے اور بصیر سے مراد ہدایت یافتہ ہے۔ بصیر سے مراد مؤمن اور اعمٰی سے مراد مشرک، کافر ہے۔

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ 20 وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ 21 وَمَا يَسْتَوِی الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ 22 اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ 23 اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ 24 وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ 25 ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ 26 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ ۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ 27 وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ 28

ترجمہ: اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (مدفون) ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو (دین) حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانیوالا نہ گزرا ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا (اور) ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا (اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور (اسی طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعضے) سفید (بعضے) سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور (بعضے نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں اور خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

تفسیر: 20 "ولا الظلمات ولا النور" کفر اور ایمان مراد ہے۔

21 "ولا الظل ولا الحرور" ظل سے مراد چھائیں یعنی جنت اور حرور سے مراد گرمی یعنی دوزخ کی آگ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حرور سے مراد گرم ہوا جو رات کو چلتی ہے اور سموم دن کی ہوا۔ بعض

نے کہا حرور وہ گرم ہوا جو سورج کی تپش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

22 "وما یستوی الاحیاء ولا الاموات" مؤمن اور کفار برابر نہیں ہو سکتے۔ بعض نے کہا کہ علماء اور جہال مراد ہیں۔ "ان اللہ یسمع من یشاء" جو نصیحت سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔

"وما انت بمسمع من فی القبور" اس سے مراد کفار ہیں، ان کو قبروں کے مُردوں سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

23 "ان انت الا نذیر" آپ کا کام صرف دوزخ کا خوف دلانا ہے ہدایت یافتہ کرنے پر آپ کو قدرت نہیں۔

24 "انا ارسلناک بالحق بشیرًا ونذیرًا وان من اُمة" جو اُمتیں ماقبل میں گزر چکی ہیں۔ "الا خلا فیھا نذیر" وہ نبی جو ڈرانے والا ہو۔

25 "وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم جاء تھم رسلھم بالبینت وبالزبر" اس سے مراد آسمانی کتابیں ہیں۔ "وبالکتاب المنیر"

26 "ثم اخذت الذین کفروا فکیف کان نکیر" کیسے ہے ان کی پکڑ۔

27 "الم تر ان اللہ أنزل من السماء ماءً فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانھا ومن الجبال جددٌ" یعنی دھاری دار پٹی یا راستہ یا لکیر۔ "بیض وحمر مختلف الوانھا وغرابیب سود" غرابیب سے پہلے سوڈ موصوف محذوف ہے اور سوڈ مذکور اس کی تاکید ہے۔

28 "ومن النّاس والدواب والانعام مختلف الوانه" لوگوں میں سے یا چوپایوں میں سے جن کے رنگ مختلف ہیں۔ "کذلک" جیسے پھلوں کے رنگ اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہیں۔ یہاں پر کلام تام ہوا، آگے ابتداء کرتے ہیں۔ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ مجھ سے وہی ڈرتا ہے جس کو میرے قہر غلبہ اور میری بادشاہت کا علم ہو جو شخص جتنا زیادہ اللہ اور اس کی صفات کو جانتا ہے وہ اتنا ہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام کیے اور لوگوں کو اس کی اجازت دے دی لیکن بعض لوگوں نے ان کاموں سے پاک رہنا چاہا (یعنی جائز یا مناسب نہ سمجھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے پرہیز رکھتے ہیں جو میں کرتا ہوں؟

اللہ کی قسم! میں ان سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر اللہ سے ڈرتا ہوں۔

"ان اللہ عزیز غفورٌ" وہ عزیز ہے اپنی ملکیت وبادشاہت میں اور غفور ہے، گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اپنے بندوں کے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ㉙ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ㉚ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ㉛ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ㉜

ترجمہ جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تا کہ ان کو ان کی (اجرتیں) (بھی) پوری (پوری) دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا اقدر دان ہے۔ اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی (بایں معنی) تصدیق کرتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا کے) بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے۔

تفسیر ㉙ "ان الذین یتلون کتاب اللّٰہ" جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ "واقاموا الصلٰوۃ وانفقوا مما رزقناھم سرًّا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور" یعنی اطاعت کر کے حصول ثواب کے اُمیدوار ہوتے ہیں اور تجارت بھی ایسی جس میں کبھی خسارہ نہ ہو نہ تباہی آئے۔

㉚ "لیوفیھم اجورھم" تا کہ ان کے اعمال کا ثواب پورا پورا دیا جائے۔ "ویزیدھم من فضلہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس ثواب کے علاوہ جو نہ کسی آنکھ سے دیکھا اور نہ ہی کان سے سنا۔ "انہ غفور شکور" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ بڑے گناہوں کو بخش دے گا اور تھوڑے عمل کی قدر دانی فرمائے گا یعنی ثواب عنایت کر دے گا۔

㉛ "والذی اوحینا الیک۔ من الکتاب" کتاب سے مراد قرآن ہے "ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ" اور وہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے کتاب۔ "انّ اللّٰہ بعبادہ لخبیر بصیر"

㉜ "ثم اورثنا الکتاب" وہ کتاب جو آپ کی طرف نازل فرمائی جس کا ذکر پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔ "الذین اصطفینا من عبادنا" یہاں پر ثم بمعنی واؤ کے ہے۔ اور ہم نے ان کو وارث بنا دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ثم کان من الذین آمنوا" یہاں پر بھی ثم واؤ کے معنی میں ہے۔ مجاہد نے "اورثنا" کا ترجمہ اخزنا سے کیا ہے اس معنی کے لحاظ سے میراث کو میراث کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک پوری اُمت اسلامیہ مراد ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ کی تفسیریں

"فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات" اسامہ بن زید نے اللہ عزوجل "فمنهم ظالم لنفسه" کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری اُمت میں سے سب کا قول ہے۔

① ابو عثمان نہدی کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ہم میں سے جو سابق ہیں، وہ تو آگے بڑھنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں ظالم ہیں، ان کی مغفرت کردی جائے گی۔ ابوقلابہ نے کہا: میں نے یہ حدیث یحییٰ بن معین سے بیان کی تو وہ تعجب کرنے لگے۔ بغوی نے یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی ہے۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بیان کیا ہے۔

بغوی نے ابو ثابت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے کہا: اے اللہ! میری غریب الوطنی پر رحم فرما، میری تنہائی میں انس (کا ذریعہ) پیدا کردے اور کسی نیک ہم نشین کو میرے پاس پہنچادے۔

② ۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ (وہاں موجود تھے، آپ) نے فرمایا: اگر تو سچا ہے تو میں تجھ سے زیادہ خوش نصیب ہوں کہ میری ملاقات تجھ سے ہوگئی۔ میں نے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، پھر فرمایا: سابق تو بلا حساب جنت میں چلا جائے گا اور مقتصد کا آسانی سے کسی قدر حساب ہو جائے گا اور ظالم لنفسه کو مقام حساب میں (حساب کے لیے) روک لیا جائے گا اتنا کہ اس کو فکر پیدا ہو جائے گی، پھر اس کو بھی جنت میں داخل کردیا جائے گا یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "الحمدلله الذى اذهب عنّا الحزن ان ربّنا لغفورٌ شكور" یہ حدیث احمد، ابن جریر، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے بھی نقل کی ہے، اس میں اتنا زائد ہے لیکن جن لوگوں نے (اپنی جانوں پر) ظلم کیا ہوگا، ان کو پورے حشر کی مدت تک روک کر (مقام حساب میں) رکھا جائے گا۔ پھر اللہ اپنی رحمت سے ان (کے گناہوں) کی تلافی فرمادے گا۔ یہی لوگ کہیں گے: "الحمدلله الذى اذهب عنّا الحزن انّ ربّنا لغفورٌ شكور"

بیہقی نے لکھا ہے یہ حدیث متعدد طریقوں سے حضرت ابو درداء کی روایت سے آئی ہے، اور کوئی حدیث اگر متعدد طریقوں سے منقول ہو تو اس کی کچھ اصل ہوتی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید نے اس آیت کے متعلق فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ سب (تینوں قسم کے لوگ) اسی اُمت کے ہوں گے۔ بیہقی نے بھی یہ حدیث حضرت اُسامہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اسی طرح کعب وعطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تینوں قسمیں جنت میں جائیں گی۔

③ ۔عقبہ بن صہبان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آیت "اورثنا الكتب الّذين اصطفينا من عبادنا" کے متعلق دریافت کیا تو اُم المومنین نے فرمایا: میرے بیٹے! یہ سب جنت میں جائیں گے۔ سابق

بالخیرات تو وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گزر گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جنت کی شہادت دے دی تھی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر چل کر آپ سے جا ملے اور ظالم لنفسہ مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل کر دیا۔

④۔ مجاہد، حسن، قتادہ "فمنهم ظالم لنفسه" سے مراد اصحاب المشأمة ہیں۔ "ومنهم مقتصد" سے مراد "اصحاب الميمنة" ہیں۔ "ومنهم سابق بالخيرات" سے "سابقون المقربون" ہیں۔

⑤۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، سابق سے مراد مؤمن مخلص ہے مقتصد سے مراد مرائی ہے۔ والظالم سے مراد انکار کرنے والا ہے جس نے اللہ کی نعمت کا شکر ادا نہیں کیا۔ کیونکہ ان تینوں کے لیے جنت میں دخول کا حکم ہے۔ "جنات عدن يدخلونها"

⑥۔ بعض نے کہا کہ حسن کا قول ہے۔ سابق سے مراد جو شخص اپنی برائیوں سے نیکی کی طرف لوٹے اور مقتصد جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور ظالم وہ ہے جو نیکی سے برائی کی طرف آ جائے۔

⑦۔ بعض نے کہا کہ ظالم وہ ہے جس کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہو۔

⑧۔ مقتصد جس کا ظاہر اور باطن برابر ہو اور سابق جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو اور بعض نے کہا کہ ظالم وہ ہے جو اللہ کو ایک جانے زبان کے ساتھ لیکن اس کا فعل اس کے موافق نہ ہو اور مقتصد جو اللہ کو زبان کے ساتھ ایک مانے اور اس کی اطاعت کرے اپنے جوارح کے ساتھ اور والسابق سے مراد جو اللہ کو زبان سے ایک مانے اور اس کی اطاعت بھی کرے اور اپنے عمل میں خالص بھی ہو۔

⑨۔ بعض نے کہا ظالم سے مراد صرف قرآن کو پڑھنے والا بغیر سمجھنے کے اور مقتصد جو قرآن کو پڑھے اور اس کو سمجھے اور سابق جو قرآن سمجھ کر پڑھے اور اس پر عمل بھی کرے۔

⑩۔ بعض نے کہا کہ ظالم سے مراد کبیرہ گناہ کرنے والے، مقتصد سے مراد صغائر کا ارتکاب کرنے والے، سابق سے مراد جن سے نہ کوئی کبیرہ گناہ صادر ہو اور نہ ہی صغیرہ۔

⑪۔ سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ سابق سے مراد عالم ہے مقتصد سے مراد شاگرد ہے اور ظالم سے مراد جاہل ہے۔

⑫۔ ابوبکر الوراق کا قول ہے کہ یہ تین اقسام کے لوگ ترتیب کے ساتھ ذکر کیے کیونکہ لوگوں کے احوال بھی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک معصیت اور غفلت، پھر توبہ، پھر قرب خداوندی، اگر وہ نافرمانی کرے گا تو ظالمین میں داخل ہوگا۔ اگر وہ توبہ کرے گا تو وہ مقتصدین میں داخل ہوگا۔ اگر اس کی توبہ صحیح ہوئی اور عبادت کی کثرت کی وجہ سے اور مجاہدہ کی وہ سابقین کے عذر میں شامل ہو جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ظالم سے مراد کافر ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد منافق ہے۔ "جنت عدن يدخلونها ومنهم سابق بالخيرات" وہ جنت کی طرف سبقت کرنے والے اور نیک اعمال کرنے والے۔ "باذن الله" اللہ

کے حکم اوراس کے ارادہ سے۔"ذلک هو الفضل الكبير"

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا. وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ㉝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ㉞

ترجمہ وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (اور) ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (رنج و) غم دور کردیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔

تفسیر ㉝ پھر اس کے ثواب کو ذکر کیا۔"جنات عدن یدخلونها" یہ تین اقسام کے لوگ یاء کے ضمہ کے ساتھ خاء کے فتحہ کے ساتھ دوسرے قراء نے یاء کے فتحہ اور خاء کے ضمہ کے ساتھ۔"یحلون فیها من اساور من ذهب ولؤلؤا ولباسهم فیها حریر"

㉞"وقالوا" جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے "الحمدللّٰه الذی اذهب عنا الحزن"حزن واحد ہے۔

حزن کی مختلف تفاسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (حزن سے مراد ہے) دوزخ کا غم۔قتادہ نے کہا: موت کا غم (مراد ہے)۔مقاتل نے کہا: اس غم کی وجہ یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔عکرمہ نے کہا: گناہوں اور خطا کاریوں کا خوف اور طاعت کے قبول نہ ہونے کا خوف مراد ہے۔کلبی نے کہا دنیوی زندگی میں آخرت میں ہونے والے امور کا غم مراد ہے۔سعید بن جبیر نے کہا: دُنیا میں روٹی کی فکر مراد ہے۔بعض نے کہا: معاش اور معاد دونوں کا غم مراد ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ حزن سے ہر فکر مراد ہے، کوئی فکر ہو۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو نہ مرنے کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں کے اندر، نہ قبروں سے اُٹھنے کے وقت۔گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ صور پھونکے جانے پر لوگ سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں"الحمدللّٰه الذی اذهب عنّا الحزن ط"(رواہ الطبرانی)......"ان ربّنا لغفورٌ شکورٌ"

نِ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ㉟ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ط كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ㊱ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ㊲ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ㊳

ترجمہ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو

خستگی پہنچے گی۔ اور جو لوگ (برخلاف ان کے) کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آوے گی کہ مر ہی جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جاوے گا ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں چلاویں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (یہاں سے) نکال لیجئے ہم (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا سو (اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا) یہاں) کوئی مددگار نہیں بیشک اللہ (ہی) جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا بیشک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا۔

تفسیر ㉟ "**الذی احلنا**" ہم نے نازل کیا۔ "**دار المقامۃ**" اقامت کی جگہ۔ "**من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب**" نہ ان پر تھکان ہوگی اور نہ ہی مشقت ہوگی۔ "**ولا یمسنا فیھا لغوب**" خستگی، ماندگی۔

تفسیر ㊱ "**والذین کفروا لھم نار جھنم لایقضی علیھم فیموتوا**" یعنی ان کو ہلاک نہیں کیا جائے گا کہ وہ راحت پائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**فوکزہ موسٰی فقضی علیہ**" اس کو قتل کر دیا۔ بعض نے کہا کہ ان پر موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک**"...... "**ولا یخفف عنھم من عذابھا**" آگ کے عذاب سے "**کذلک نجزی کل کفور**" ناشکری۔ بعض حضرات نے **یجزی** یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور ذاء کے ساتھ (کل) منصوب ہے۔

㊲ "**وھم یصطرخون**" وہ مدد طلب کرتے ہیں اور چیختے ہیں۔ "**فیھا ربنا اخرجنا**" اس آگ سے۔ "**نعمل صالحًا غیر الذی کنا نعمل**" دُنیا میں شرک اور برائیوں سے اللہ تعالیٰ ان کی توبیخ کے طور پر فرماتا ہے۔ "**اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر**" بعض نے کہا اس سے بلوغ مراد ہے۔

آیت اَوَ لَمْ نُعَمِّرْکُمْ میں کتنی عمر مراد ہے

آیت میں عمر سے کتنی عمر مراد ہے؟ علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ، عطاء اور کلبی کے نزدیک اٹھارہ سال کی عمر مراد ہے۔ حسن نے چالیس کی حد مقرر کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ساٹھ سال کی عمر مراد ہے۔ یہ وہ عمر ہے کہ اس کے بعد آدمی کو اللہ کے سامنے عذر خواہی کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دے تو پھر اس کی طرف سے کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری وکذا اخرج البزار واحمد وعبد بن حمید عن ابی ہریرہ)

کیوں کہ زیادہ تر طبعی عمر اس کے بعد نہیں رہتی۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو یعلیٰ نے مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) میری اُمت کی عمریں

ساٹھ سال سے ستر سال تک ہوں گی اور ستر سال سے آگے بڑھنے والے بہت کم ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ ساٹھ سال سے پہلے گناہ کرنے کا عذر قابل قبول نہ ہوگا کیونکہ بالغ ہونے کے بعد ہی آدمی مکلف ہو جاتا ہے اور غور و تامل کر کے نصیحت پکڑنے کا اس کو موقع ہوتا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد نماز اور دوسرے فرائض کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایمان نہ لانے کا تو کوئی عذر ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ مطلب آیت کا نہ مانا جائے تو پھر قیامت کے دن اللہ کی طرف سے اس جواب کے مخاطب تو صرف وہی کافر قرار پائیں گے جن کی عمر ساٹھ برس ہوئی ہو، دوسرے کم عمر مخاطب ہی نہیں قرار پائیں گے۔

"وجاء کم النذیر" اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک عقل مراد ہے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو تنہا عقل کو وجوب ایمان کے لیے کافی سمجھتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک اگر کوئی عاقل پہاڑ کی چوٹی پر (تمام انسانوں سے الگ تھلگ) ہو اور نبی کی دعوت اس کو نہ پہنچی ہو، تب بھی وہ اللہ پر ایمان لانے کا مکلف ہے۔ اگر اللہ کو نہیں مانے گا تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ "فذوقوا فما للظالمین من نصیر"

㊳ "ان اللّٰہ عالم غیب السموات والارض انہ علیم بذات الصدور"

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ㊴ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ㊵ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ㊶ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ㊷ اِسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّیِّئِ ؕ وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ㊸

ترجمہ: وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور (نیز) کافروں کے لئے ان کا کفر خسارہ (بھی) بڑھنے کا باعث ہوتا ہے آپ کہیے کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا جز و بنایا ہے یا ان کا آسمان (بننے میں) کچھ ساجھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ

حالت کو نہ چھوڑیں اور اگر (بالفرض) وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام نہیں سکتا وہ حلیم غفور ہے اور ان کفار (قریش) نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آدے تو وہ ہر ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں پھر جب ان کے پاس پیغمبر آ پہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے اور بری تدبیروں کا وبال (حقیقی) ان تدبیروں والوں ہی پر پڑتا ہے سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے سو آپ خدا کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے اور آپ خدا کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پاویں گے۔

تفسیر ㊴ "ھو الذی جعل کم خلائف فی الارض" بعض انسان بعض کے جانشین ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے تم کو ایک ایسی اُمت بنایا جو پچھلی اُمتوں کے بعد آئی۔ "فمن کفر فعلیہ کفرہ" ان پر ان کے کفر کا وبال "ولا یزید الکافرین کفرھم عند ربھم الا مقتًا" اس سے مراد غضب ہے۔ "ولا یزید الکافرین کفرھم الا خسارًا"

㊵ "قل ارائیتم شرکاء کم الذین تدعون من دون اللّٰہ" یعنی تم نے میرے شریک بتوں کو ٹھہرالیا ہے۔ "ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات أم اتیناھم کتابًا" مقاتل نے کہا یعنی ہم نے کفار مکہ کو کوئی ایسی کتاب دی ہے جو ظاہر کررہی ہو کہ جن معبودوں کو انہوں نے شرکاء بنا رکھا ہے وہ شریک ٹھہرائے گئے ہیں؟ "فھم علی بینت منہ" بینۃ واحد ہے اور دوسرے قراء نے اس کو جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی واضح دلائل۔ "بل ان یعد" صرف دھوکے کی باتیں کرتے ہیں۔ "الظالمون بعضھم بعضا الا غرورًا" غرور جو انسان کسی کو دھوکہ دے جس بات کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔ مقاتل کا بیان ہے جو وعدہ شیطان نے بنی آدم کے کفار کے ساتھ کیا ہے وہ محض دھوکہ اور باطل ہے۔

㊶ "ان اللّٰہ یمسک السموات والارض أن تزولا" ایسا نہ ہو کہ وہ زائل ہوجائے، "ولئن زالتا ان امسکھما من احدٍ من بعدہ" اگر موجودہ حالت کو چھوڑ دیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ "انہ کان حلیمًا غفورًا"

سوال: حلم کے یہاں کیا معنی ہیں؟

جواب: آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے تھامے رکھا ہے ورنہ کفار کی سزا کے لیے ان پر گر پڑتا لیکن اللہ کے حلم کے باعث وہ ان پر نہیں گرتا۔

㊷ "واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم" اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ "ایمان" قسمیں۔ "جھد ایمان" زوردار پکی قسمیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قریش کو اطلاع ملی تھی کہ اہل کتاب نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، اس پر انہوں نے کہا یہودیوں اور عیسائیوں پر خدا کی لعنت، ان کے پاس ان کے پیغمبر آئے اور انہوں نے پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا، پھر انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس کوئی پیغمبر (ہماری ہدایت کے لیے) آیا تو گزشتہ اُمتوں میں سے ہر اُمت سے زیادہ ہم اس کی ہدایت پر چلیں گے۔ کفار قریش نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے باہم ایک دوسرے کی تکذیب کی تھی، یہودیوں

نے کہا تھا کہ عیسائی حق پر نہیں ہیں (ان کے دین کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے) اور عیسائیوں نے یہودیوں کے متعلق یہی بات کہی تھی۔

"لئن جاء ھم نذیر" اس سے مراد رسول ہے۔ "لیکونن اھدی من احدی الامم" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ "فلما جاء ھم نذیر" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی جب ان کے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے کے لیے نہیں آئے؟ "مازادھم الا نفورًا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے زیادہ نفرت اور حق سے دوری بڑھ گئی۔

㊸ "استکبارًا فی الارض" منصوب ہے بدل ہونے کی وجہ سے۔ "ومکر السییء" اس سے مراد برا عمل ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ "مکر السییء" سے مراد یہ ہے کہ سب کا شرک پر اتفاق کر لینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل کر دینا۔ حمزہ نے "مکر السییء" ہمزہ کے ساکن کے ساتھ، یہ اعمش کی قرأت ہے۔ "ولا یحیق المکر السییء الا باھلہ" بری تدبیر کرنے والے کا وبال انہی پر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شرک کا برا نتیجہ مشرکوں پر ہی پڑتا ہے۔ یعنی شرک کا وبال انہی پر لوٹ کر پڑتا ہے۔ "فھل ینظرون" کیا وہ اس کے منتظر ہیں؟ "الا سنة الاوّلین" یہ ضابطہ الٰہیہ ہے کہ جب کافر کفر پر جمع رہے تو اللہ نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ "فلن تجد لسنة اللّٰہ تبدیلاً ولن تجد لسنة اللّٰہ تحویلاً"

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ㊹ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ㊺

ترجمہ: اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور خدا ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز (قوت والی) اس کو ہرا دے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں (کیونکہ) وہ بڑے علم والا (اور) بڑی قدرت والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین (یعنی قیامت) تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا۔

تفسیر ㊹ "اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم وکانوا اشد منھم قوّة وما کان اللّٰہ لیعجزہ" ہم ان سے وہ چیز فوت کر دیں گے۔ "من شیء فی السموات ولا فی الارض انہ کان علیمًا قدیرًا"

㊺ "ولو یؤاخذ اللّٰہ الناس بما کسبوا" اس سے مراد جرائم ہیں۔ "ما ترک علی ظھرھا" زمین کی پیٹھ پر۔ "من دابة" جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں زمین پر جو کچھ تھا سب کو ہلاک کر دیا مگر وہ جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں موجود تھے۔ "ولکن یوخرھم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلھم فان اللّٰہ کان بعبادہ بصیرًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عباد سے مراد تمام بندے ہیں، اطاعت گزار ہوں یا نافرمان۔ اللہ تعالیٰ سب کے احوال کو دیکھ رہے ہیں۔

سُوْرَةُ یٰسٓ

یہ سورۃ مکی ہے ۸۳ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ③ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ④ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥

ترجمہ: یٰسین قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ مجملہ پیغمبروں کے ہیں (اور) سیدھے رستہ پر ہیں یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تا کہ آپ (اولاً) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں۔

تفسیر: ① "یٰسٓ" واؤ، نون۔ بعض حضرات نے واؤ، نون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ قراۃ ابن عامر، کسائی، ابوبکر اور ورش کے ہاں ہے اور بعض نے واؤ اور نون کے اثبات کے ساتھ "یٰسٓ" پڑھا ہے اس لفظ کی تاویل میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں "یٰسٓ" قسم کے معنی میں ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کا معنی ہے "یا انسان" لغت طئی کے ہاں ہے۔ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ قول حسن، سعید بن جبیر اور ایک جماعت کے ہاں ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "یا رجل" ابوبکر وراق فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "اے سید البشر"

② "والقرآن الحکیم"......

③ "انک لمن المرسلین" اللہ تعالیٰ قرآن میں قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ کفار کی تردید ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر نہیں ہیں۔

④ "علٰی صراط مستقیم" یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ پہلی خبر "انک لمن المرسلین" ہے اور دوسری خبر "وانک علی صراط مستقیم" اس کا معنی یہ ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جو صراط مستقیم پر ہیں۔

⑤ "تنزیل العزیز الرحیم" تنزیل نصب کے ساتھ، ابن عامر، حمزہ، والکسائی وحفص نے پڑھا ہے اور لام کے نصب کے ساتھ گویا نزل تنزیلاً پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت

میں یہ خبر ہوگی۔ عبارت یہ ہوگی: "هو تنزيل العزيز الرحيم"

⑥ "لتنذر قومًا ما أنذر اباء هم" بعض نے کہا کہ مانفی کے لیے ہے ترجمہ یوں ہوگا کہ جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے آباؤ اجداد کے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بعض نے کہا کہ ما بمعنی الذی کے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم ڈراؤ اس قوم کو جس کو اس کے آباؤ اجداد نے ڈرایا۔ "فهم غافلون" وہ ایمان اور رشد و ہدایت سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪

ترجمہ: ان میں سے اکثر لوگوں پر بات (تقدیری) ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہ لاویں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو الل گئے اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہ لاویں گے بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے بے دیکھے ڈرے سو آپ اس کو مغفرت اور عمدہ عوض کی خوشخبری سنا دیجئے۔

تفسیر: ⑦ "لقد حق القول" ان پر عذاب واجب ہو گیا۔ "على اكثرهم فهم لايؤمنون" یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے "ولكن حقت كلمة العذاب على الكافرين"

آیت اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ کا شانِ نزول

⑧ "انا جعلنا فی اعناقهم اغلالاً" اس آیت کا نزول ابوجہل اور اس کے ایک مخزومی ساتھی کے حق میں ہوا۔ ابوجہل نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نے جہاں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے پایا تو پتھر سے سر کچل دوں گا۔ ایک دن وہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور اس کے ہاتھ میں پتھر تھا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کچل دے۔ جب اس نے پتھر مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو اس کا ہاتھ گردن کے ساتھ چمٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹا اور ان کو اس کی خبر دی جو اس نے دیکھا اس کے ہاتھ سے پتھر گر گیا۔ بنی مخزوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس پتھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل

کروں گا (نعوذ باللہ) وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اندھا کر دیا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو آرہی تھی لیکن دکھائی نہیں دے رہے تھے تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹا، اس کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا، ساتھیوں نے اس کو آواز دی اور کہنے لگے تو نے کیا کام کیا؟ تو اس نے کہا کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا، میں ان کی آواز سن رہا تھا، میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل تھی، اونٹ کی طرح جو حملہ کرنے کے لیے دُم ہلا رہے ہو۔ اگر میں اس کے قریب جاتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً" اہل معانی فرماتے ہیں کہ یہ ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ حقیقت میں نہ طوق تھا نہ آڑ بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کے لیے چند مواقع پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے محروم رہے، مواقع پیدا کرنے کیلئے طوق اور آڑ کے ساتھ مثال بیان کی۔

فراء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک" اس کا معنی یہ ہے کہ خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو نہ روک۔ "فھی الی الاذقان" یہ کنایہ ہے ہاتھوں سے۔ اگر ہاتھ کا ذکر پہلے نہیں آیا ہے کیونکہ غل کا معنی ہے ہاتھوں کو گردن سے باندھ دینا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھ گردن میں بندھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو گردن سے ملا کر ہم نے ٹھوڑیوں تک طوق کو کس دیا ہے۔ "فھم مقمحون" مقمح کہتے ہیں طوق کی وجہ سے گردن اوپر کو اُچکی ہوئی ہیں اور آنکھیں بند ہوئی ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بعیر قامح" جب وہ پانی کے اوپر سے گزر جائے اور اس کی طرف دیکھے بھی نہ۔ ازہری کا قول ہے کہ جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں طوق ہیں اس وقت تک ان کی گردن اوپر کی طرف کی ہوئی ہے۔ گویا کہ وہ سروں کو اُٹھائے ہوئے ہیں، ہاتھوں کو اُٹھائے ہوئے ہونے کی وجہ سے۔

9 "وجعلنا من بین ایدیھم سدًا و من خلفھم سدًا" فتحہ کے ساتھ حمزہ، کسائی اور حفص کے نزدیک ہے اور دوسرے قراء نے اس کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے "سُدًا"...... "فاغشیناھم" ہم نے ان کو اندھا کر دیا۔ "تغشیہ" پردہ ڈھانک دینے کو کہا جاتا ہے۔ "فھم لا یبصرون" ہدایت کا راستہ نہیں دیکھ سکتے۔

10 "وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ"

11 "انما تنذر من اتبع الذکر" آپ کا ڈرانا اس شخص کو نفع دے گا جو آپ کے ذکر (قرآن) کی پیروی کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ "وخشی الرحمٰن بالغیب فبشرہ بمغفرۃٍ واجر کریم" عمدہ اجر یعنی جنت ملے گی۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۛ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ

12 وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ 13 اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ 14

ترجمہ: بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو یہ لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان

کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا تھا اور آپ ان کے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں کئی رسول آئے۔ یعنی جبکہ ہم نے ان کے پاس (اول) دو کو بھیجا سوان لوگوں نے (اول) دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے (رسول) سے تائید کی سوان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔

تفسیر ⑫"انا نحن نحی الموتٰی" یعنی جب قبروں سے اُٹھایا جائے گا۔ "ونکتب ما قدموا" اور لکھتے ہیں ان کے اعمال نیک ہوں یا بد۔

آثار سے کیا مراد ہے مختلف تفاسیر

"وآثارھم" اس سے مراد اچھے اعمال اور برے اعمال بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا جس پر آنے والے لوگوں نے عمل کیا تو اس شخص کو اپنے کیے کا بھی اجر ملے گا اور دوسرے کے اعمال کرنے کا بھی (ڈبل اجر ملے گا) اس کے اعمال میں بغیر کسی اجر میں کمی کیے اور جس نے اسلام میں کوئی بری چیز ایجاد کی جس پر بعد والے لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس فعل کے ایجاد کرنے اور دوسرے لوگوں کا اس پر چلنے کا (ڈبل گناہگار ہوگا) لیکن بعد کو عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ بعض حضرات نے کہا کہ "نکتب ما قدموا وآثارھم" کا معنی ہے۔ مسجدوں کی طرف اُٹھنے والے قدم کے نشانات۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بنوسلمہ کے گھر مسجد سے کچھ دور تھے۔ انہوں نے اس کی شکایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند سمجھا کہ مدینہ کے اِردگرد غیر محفوظ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے بنو سلمہ! کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں تم وہیں مقیم رہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں سب سے بڑا اجر اس شخص کے لیے ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے۔ پھر اس کے بعد اس شخص کا اجر ہوتا ہے جو اوروں سے دور چل کر آئے اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں رہتا ہے اس کو ثواب اس شخص سے بڑھ کر ملتا ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ "وکل شیءٍ احصینٰہ" اس کا معنی ہم نے اس کو محفوظ کر کے اور شمار کر کے رکھا ہوا ہے۔ "فی امام مبین" اور وہ لوح محفوظ میں ہے۔

اصحاب القریۃ اور مرسلون سے کیا مراد ہے

⑬"واضرب لھم مثلاً اصحاب القریۃ" یعنی کفار مکہ سے بطور مثال ایک قصہ بیان کیجئے جو بستی انطاکیہ کا ہے۔ "اذ

جاء ھا المرسلون" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو حواری اپنے قاصد انطا کیہ بستی میں بھیجے (یہ علماء نے لکھا ہے) جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی بکریاں چراتا ہوا ملا۔ اس کا نام حبیب نجار تھا۔ دونوں نے اس کو سلام کیا۔ بوڑھے نے کہا تم کون ہو؟ قاصدوں نے کہا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں، وہ تمہیں بتوں کی پوجا چھوڑ کر رحمٰن کی عبادت کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ بوڑھے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے، قاصدوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے حکم سے بیمار کو تندرست اور مادرزاد نابینا اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میرا بیٹا دو سال سے بیمار ہے۔ قاصدوں نے کہا چلو ہم کو وہاں لے چلو، ہم بھی اس کو دیکھیں۔ بوڑھا ان دونوں کو لے کر اپنے گھر پہنچا، قاصدوں نے جونہی اس کے بیٹے پر ہاتھ پھیرا وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا، یہ خبر شہر میں مشہور ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے اللہ نے بہت سارے مریضوں کو شفاء عطا فرما دی۔

انطا کیہ بستی والوں کا تفصیلی واقعہ

انطا کیہ والوں کا ایک بادشاہ تھا۔ وہب نے فرمایا کہ اس کا نام انطفیص ہے یہ رومی بادشاہ تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا۔ وہ کہنے لگے اور یہ خبر بادشاہ کو پہنچی، اس نے ان دونوں کو بلایا اور کہا تم دونوں کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کس غرض سے آئے ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں، ایسے معبود کو چھوڑ کر جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، ان کو چھوڑ کر ایسے معبود کی طرف جو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

بادشاہ نے ان دونوں سے کہا کیا تمہارا کوئی خدا ہمارے خداؤں کے علاوہ ہے۔ قاصدوں نے کہا جی ہاں، جس نے تم کو اور تمہارے معبودوں کو پیدا کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا اُٹھ جاؤ میں تمہارے بارے میں سوچوں گا' لوگوں نے ان سے پوچھا اور بازار میں ان کو پکڑ کر مارا۔ وہب فرماتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطا کیہ بھیجا، وہ دونوں انطا کیہ پہنچے مگر بادشاہ تک رسائی نہیں ہوئی اور ایک لمبی مدت تک ان کو وہاں ٹھہرنا پڑا۔ ایک روز بادشاہ برآمد ہوا تو ان دونوں نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر دونوں قاصدوں کو قید کر دینے اور سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ کہا گیا کہ جب ان دونوں قاصدوں کی تکذیب کی گئی اور ان کو سزا دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے سردار شمعون صفا کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ شمعون بستی میں حلیہ بدل کر پہنچے اور بادشاہ کے مصاحبوں سے ربط پیدا کیا۔ جب بادشاہ کے مصاحب ان سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے اس کی اطلاع بادشاہ تک پہنچا دی۔ بادشاہ نے ان کو بلایا۔ شمعون ان کے پاس آ گئے، بادشاہ نے ان کی صحبت کو پسند کر لیا اور مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کی کچھ مدت کے بعد شمعون نے ایک روز بادشاہ سے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید خانہ میں بند کر رکھا ہے اور جب انہوں نے آپ کو آپ کے مذہب کے خلاف دعوت دی تو آپ نے ان کو سزا دی اور قید کروا دیا۔ کیا آپ نے ان سے کچھ گفتگو بھی کی تھی اور ان کی بات بھی سنی تھی۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں ان سے کوئی بات نہ کر سکا۔ شمعون نے کہا اگر بادشاہ مناسب سمجھے تو ان کو طلب فرما کر دریافت کرے کہ وہ کہتے کیا ہیں،

شمعون کے مشورہ کے مطابق بادشاہ نے دونوں حواریوں کو طلب کیا۔ شمعون نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ قاصدوں نے جواب دیا اللہ نے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے جیسی اس کی مشیت ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔ شمعون نے کہا تم دونوں کے پاس کیا دلیل ہے؟ قاصدوں نے کہا جو آپ طلب کریں، یہ سنتے ہی بادشاہ نے ایک لڑکے کو بلوایا جس کی دونوں آنکھوں کے نشان بھی مٹے ہوئے تھے، دونوں آنکھوں کی جگہ سپاٹ تھی جیسے دونوں پیشانی، دونوں حواریوں نے اپنے رب سے دُعا کرنی شروع کر دی اور برابر کرتے رہے۔ آخر دونوں آنکھوں کی جگہ پھٹ گئی، دونوں نے مٹی کے دو غلے لے کر آنکھوں کے شگوفوں میں رکھ دیئے، فوراً دونوں غلے آنکھوں کے ڈھیلوں کی طرح ہو گئے اور دونوں سے دکھائی دیا جانے لگا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبود سے درخواست کریں اور وہ بھی ایسا ہی کر دے تو آپ کو برتری حاصل ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا تم سے کچھ چھپی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ ضرر پہنچاتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے۔ شمعون کا قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ جب بتوں کی پوجا کرنے جاتا تو شمعون کثرت سے نماز پڑھتا اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب پر ہے۔

اس کے بعد بادشاہ نے دونوں حواریوں سے کہا کہ اگر تمہارا خدا جس کی تم پوجا کرتے ہو، مُردہ کو زندہ کر سکے تو ہم اس کو مان لیں گے۔ حواریوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔ بادشاہ نے کہا ایک زمیندار کا بچہ سات دن ہو گئے ہیں مر گیا ہے اس کا باپ موجود نہیں تھا ہم نے اس کے باپ کے آنے تک دفن کرنے سے روک دیا ہے۔ حسب الحکم لوگ میت کو لے آئے، میت بہت بگڑ چکی تھی اور اس کی شکل ڈراؤنی ہو چکی تھی، دونوں حواری اللہ سے اعلانیہ دُعا کرنے لگے اور شمعون چپکے چپکے خدا سے دُعا مانگتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد مُردہ اُٹھ بیٹھا اور کہا میں سات روز ہوئے شرک کی حالت میں مرا تھا، مجھے آگ کی سات وادیوں میں لیجایا گیا، میں تم کو اس شرک سے ڈراتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو، اللہ پر ایمان لے آؤ، پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھلتے مجھے دکھائی دیئے اور میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو ان تینوں کی سفارش کر رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا تین کون، اس نے کہا شمعون اور یہ دونوں، یہ بادشاہ کو سن کر اور دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔

شمعون نے جب دیکھ لیا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کر چکی ہے تو اس کو اسلام کی دعوت دی۔ بادشاہ اور اس کی کثیر قوم اسلام لے آئی اور بعض لوگوں نے نہیں مانا۔ بعض حضرات نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی مر چکی تھی اور اس کو دفن بھی کر لیا تھا تو شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ آپ ان دونوں شخصوں سے سوال کریں کہ وہ آپ کی لڑکی کو زندہ کر دیں؟ بادشاہ نے دونوں حواریوں سے اپنی لڑکی کو زندہ کر دینے کی درخواست کی فوراً دونوں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور اللہ سے دُعا کی، شمعون بھی دُعاء میں ان کے ساتھ شریک تھے مگر چپکے چپکے دُعا کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اللہ نے اس عورت کو زندہ کر دیا، قبر پھٹی اور عورت باہر نکل آئی اور کہا خوب جان لو کہ یہ دونوں سچے ہیں اور یہ میرا خیال ہے تم نہیں مانو گے۔ پھر اس نے دونوں حواریوں سے درخواست کی کہ وہ اس کو اس کی جگہ واپس کر دیں، پھر اس نے اپنے سر پر کچھ مٹی ڈالی اور قبر میں لوٹ گئی۔

ابن اسحاق نے کعب اور وہب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ بادشاہ ایمان نہیں لایا اور قوم کی اتفاق رائے سے اس نے قاصدوں کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ یہ خبر حبیب کو مل گئی۔ حبیب اس وقت شہر کے آخری دروازہ پر تھا۔ فوراً وہ دوڑ کر شہر والوں کے پاس پہنچا، ان کو نصیحت کی اور قاصدوں کا کہا ماننے کی دعوت دی۔

⑭ "اذ ارسلنا الیھم اثنین" وھب فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا نام یوحنا اور بولس ہے۔ "فکذبوھما فعززنا" اس کا معنی ہے ہم نے ان کو قوت بخشی۔ "بثالث" تیسرے قاصد کے ساتھ جس کا نام شمعون تھا۔ ابوبکر، عاصم کی روایت کے مطابق "فعززنا" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی معنی اوّل ہے تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم ان کو بادشاہ پر غلبہ دیں گے۔ کعب فرماتے ہیں کہ پہلے قاصد صادق و مصدوق تھے اور تیسرے قاصد شلوم تھے۔ قاصدوں کو بھیجنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ ہی کے حکم سے بھیجا تھا۔

(فقالوا) انطاکیہ والوں کو کہنے لگے (انا الیکم مرسلون)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا. وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ⑯ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ⑰ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ. لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ⑱ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ط اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ⑲ وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰى قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ⑳

ترجمہ ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح محض معمولی آدمی ہو اور خدائے رحمٰن نے (تو) کوئی چیز نازل (ہی) نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو ان رسولوں نے کہا ہمارا پروردگار علیم ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر حکم کا پہنچا دینا تھا وہ یوں کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم (خود) حد (عقل و شرع) سے نکل جانے والے لوگ ہو اور ایک شخص (مسلمان) اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی راہ پر چلو۔

تفسیر ⑮ "قالوا ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمٰن من شیءٍ ان انتم الا تکذبون" یعنی تم اپنے گمان کے مطابق جھوٹے ہو۔

⑱ "قالوا انا تطیّرنا بکم" وہ اس سے بدشگونی لیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بارش بند ہونے کی مصیبت جو ہم پر آئی ہے یہ اس وجہ سے آئی کہ ہمارے پاس قاصد آئے۔ اس لیے وہ کہتے کہ یہ مصیبت ہماری اپنوں کی وجہ سے ہوئی۔ "لئن لم تنتھوا لنرجمنکم" یعنی ہم ان کو قتل کردیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پتھروں سے رجم کردیں گے۔ "ولیمسّنکم منّا عذاب الیم"

⑲ "قالوا طائرکم معکم" تمہاری نحوست کا سبب تمہارے ساتھ موجود ہے اور وہ تمہارا کفر ہے اور تمہارے جھٹلانے کی وجہ سے یعنی یہ نحوست تمہاری طرف سے پہنچی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک فرماتے ہیں۔ یعنی تمہارے نصیب کی بھلائی اور برائی "أئِن ذکرتم" یعنی کیا تمہیں اللہ کی طرف سے نصیحت ہے۔ استفہام انکاری ہے، اس کا جواب یہ دیا کہ اگر تم کو نصیحت کی جارہی ہے کہ تم اس کو نحوست سمجھتے ہو۔ ابوجعفر نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے بغیر شد کے۔ "بل انتم قومٌ مسرفون" وہ شرک کرنے والے جو حد سے تجاوز کرجائیں۔

⑳ "وجاء من اقصی المدینۃ رجل یّسعی" یہ حبیب نجار تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ حبیب دھوبی تھا۔ وہب فرماتے ہیں حبیب ریشمی کپڑے بناتا تھا اور بیمار تھا اس کو جذام ہوگیا تھا اس لیے شہر کے آخری دروازے پر پڑا رہتا تھا اور مؤمن تھا، صدقہ کیا کرتا تھا، دن میں جو کچھ کماتا تھا شام کو دو حصے کرکے ایک حصہ خیرات کردیتا تھا اور ایک حصہ اپنے متعلقین کے صرف میں لاتا تھا۔ جب اس کو اطلاع ملی کہ اس کی قوم والوں نے رسولوں کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیا تو بھاگتا ہوا آیا۔ "قال یا قوم اتبعوا المرسلین"

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ㉑

ترجمہ: ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں

تفسیر: ㉑ ...... "اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون" حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حبیب نجار غار میں عبادت کرتے تھے۔ جب ان کو رسول کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے دین کو ظاہر کردیا۔ جب حبیب ان قاصدوں تک پہنچے تو ان کو کہا کہ تم ان سے اجر کے متعلق سوال کرتے ہو، کہنے لگے نہیں اور اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "یا قوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لایسئلکم اجرًا وھم مھتدون" جب یہ بات کہہ چکے تو وہ ان کو مخاطب کرکے کہنے لگے اور تو ان کے دین کا مخالف ہوگیا ہے اور ان قاصدوں کے دین کی پیروی کی اور مؤمن ہوگئے۔

وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ㉒ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ

بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ㉓ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ㉔ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ

بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ㉕ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ. قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ㉖ بِمَا غَفَرَلِیۡ رَبِّیۡ

وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ㉗

ترجمہ: اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس (معبود) کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے کیا میں خدا کو چھوڑ کر اور ایسے ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کام آ دے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم (بھی) میری بات سن لو ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔

تفسیر: ㉒ "وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ" حمزہ اور یعقوب نے یاء کے سکون کے ساتھ "مَالِیۡ" پڑھا ہے جبکہ دوسرے قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر حبیب نجار نے ان کے جواب میں کہا "وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ" اس شخص نے فطرت کی نسبت اپنی طرف کی اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانے کی نسبت قوم کی طرف کی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ فطرت (تخلیق الٰہیہ) ایک نعمت ہے جس کو ظاہر کرنا اس شخص پر لازم ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانے میں ایک طرح کی توبیخ وزجر ہے۔ بعض نے کہا جب حبیب نجار کو قوم والوں نے کہا کہ کیا تم نے قاصدوں کی اتباع کر لی اس کو پکڑا اور اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ ان کو بادشاہ نے کہا کہ کیا آپ نے ان کی پیروی کر لی؟ حبیب نجار نے جواب دیا "وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ" یعنی اگر میں اپنے خالق کی عبادت نہ کروں تو میرے پاس کیا عذر ہے والیه ترجعون اور تم سب کو قیامت کے دن اسی کے پاس جانا ہے وہ تم کو ضرور بدلہ دے گا۔

㉓ "ء اتخذ من دونه الهة" استفہام بمعنی انکار کے ہے کہ میں نہیں بناتا اس کے علاوہ کوئی معبود۔ "ان یردن الرحمٰن بضرّ" سے مراد برائی یا ناپسندیدہ کام ہے۔ "لاتغن عنی" کہ تجھ سے دور رہوں۔ "شفاعتهم شیئًا" یعنی وہ بالکل تمہاری شفاعت نہیں کر سکتے اور نہ ہی تمہیں نفع دے سکتے ہیں۔ "ولا ینقذون" یعنی اس ناپسندیدہ اُمور سے چھڑا سکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ عذاب سے نہیں چھڑا سکتے۔ اگر وہ تمہیں عذاب دے دے، اگر اس فعل پر وہ تمہیں عذاب دے۔

㉔ "انی اذًا لفی ضلال مبین" ان کی یہ خطاء ظاہر تھی۔

㉕ "انی امنت بربکم فاسمعون" یعنی مجھ سے سن لو۔ جب اس شخص نے یہ بات کہی تو قوم والوں نے اس پر ایک ہی

مرتبہ حملہ کر کے قتل کر دیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدموں سے اسے روند دیا تو اس کی آنتیں پیچھے سے نکل گئیں۔ سدی فرماتے ہیں لوگ اس کو پتھروں سے مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر، آخر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دیا۔ حسن فرماتے ہیں کہ اس کے گلے کو پھاڑ کر شہر کی فصیل میں لٹکا دیا، ان کی قبر انطاکیہ میں ہے، اللہ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا، وہ زندہ ہے اللہ کی طرف سے اس کو روزی ملتی ہے۔

26 "قیل ادخل الجنة" جب وہ شہید ہو گیا تو اس کی عزت افزائی کیلئے کہا گیا کہ جنت میں چلا جا۔ "قال یالیت قومی یعلمون"

27 "بما غفرلی ربی" میرے رب کے بخشش کرنے سے "وجعلنی من المکرمین" اس نے تمنا کی کہ کاش اس کی قوم جان لے کہ اللہ نے اس کو بخش دیا اور اس کا اکرام کیا تا کہ وہ قاصدوں کے دین کی طرف رغبت حاصل کریں۔ جب حبیب نجار کو قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب نازل کیا اور فوراً عذاب آ گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ایک چیخ ماریں تو انہوں نے ایک چیخ ماری جس کی وجہ سے سب کے سب مر گئے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ 28 اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ 29 يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ 30 اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ 31 وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ 32

ترجمہ: اور ہم نے اس (شہید) کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر (فرشتوں کا) آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی ضرورت تھی وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی اور وہ سب اسی دم (اس سے) بجھ کر (یعنی مر کر) رہ گئے افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے کہ وہ (پھر) ان کی طرف (دنیا میں) لوٹ کر نہیں آتے اور ان سب میں کوئی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جاوے

تفسیر: 28 "وما انزلنا علی قومه من بعده من جند من السماء" یہاں جند سے مراد فرشتے ہیں۔ "وما کنا منزلین" کہ ہم تمہاری ہلاکت کے لیے اس طرح نہ کرتے کہ فرشتے بھیجیں۔ ہاں احد میں جو ہم نے بھیجے تھے وہ ان کے گمان کے مطابق آسمان اور ان کی عظمت کے لیے تھا۔ "وما انزلنا علی قومه من بعده" حبیب نجار کو قتل کرنے کے بعد جو فرشتوں کی فوج بھیجی۔ اس طرح پہلے قوم پر نہیں بھیجی یعنی جو عذاب ماقبل اُمتوں پر فرشتوں کے ذریعے کیے گئے جیسے طوفان، کڑک آندھی نازل کی۔ پھر ان کی سزا کو بیان کیا۔

29 "ان کانت الا صیحة وّاحدة" ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "صیحة وّاحدة" یہاں "کون"

بمعنی وقوع کے ہے۔ مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر ایک چیخ ماری۔ "فاذا ھم خامدون" وہ سب مر گئے۔

30 "یا حسرةً علی العباد" انہوں نے اپنے اوپر افسوس کیا۔ حسرت شدت ندامت کو کہا جاتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ چونکہ لوگ پیغمبروں پر ایمان نہیں لائے اس لیے قیامت کے دن اللہ فرمائے گا کہ آج بندوں کے لیے حسرت ندامت اور غم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ ہلاک ہونے والوں کا کلام ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عذاب کا معائنہ کر لیا تو کہنے لگے اے حسرۃ! ہائے افسوس! ان تین بندوں پر کہ ہم نے ان تینوں بھیجوں ہوؤں پر ایمان نہیں لائے۔ انہوں نے اس وقت ایمان کی تمنا کی جب ان کو ایمان نے نفع نہیں پہنچایا۔ زہری فرماتے ہیں حسرت والا شخص کسی کو پکارتا نہیں، اگر پکارے تو یہ پکارنا مخاطبین کے لیے تنبیہ ہوتی ہے۔ کہا گیا کہ عرب والے کہتے ہیں "یا حسرتی، یا عجبًا" بطور مبالغہ کے ہے اور ندا بطور تنبیہ کے ہے۔ "فکانه یقول" جیسا کہ کہا جاتا ہے ہائے تعجب یہ وقت آ گیا، ہائے حسرت یہ اس کے برتن۔ معنی یہ ہے کہ یہ حسرت اور تعجب کا زمانہ ہے۔ پھر اس کا سبب بیان کر دیا حسرت اور ندامت کا۔ "ما یاتیھم من رسول الا کانوا به یستھزؤن"

31 "الم یروا" کیا مکہ والوں کو خبر نہیں۔ "کم اھلکنا قبلھم من القرون" قرن ایک زمانے پر بولا جاتا ہے کیوں کہ یہ زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ "انھم الیھم لا یرجعون" یعنی ان کو نہیں لوٹایا جائے گا دُنیا کی طرف۔ کیا وہ اس کی اُمید لگائے ہوئے ہیں؟

32 "وان کل لما جمیع" عاصم اور حمزہ نے "لمّا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ زخرف اور طارق میں بھی تشدید کے ساتھ ہے۔ ابن عامر نے ان کی پیروی کی زخرف کے علاوہ اور ابوجعفر نے ان کی موافقت اختیار کی مگر سورۃ طارق میں نہیں کی۔ جن حضرات نے "لمّا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے ان کو جحد مانا ہے اور "لمّا" بمعنی "الّا" کے ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "وما کل الاّ جمیع" اور جو حضرات لما کو بغیر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ ان کو تحقیقہ اور ما کو صلہ "لدینا محضرون"

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ. اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ 33 وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ 34 لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ. اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ 35 سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ 36 وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ 37 وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ 38 وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ 39

ترجمہ: اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے مردہ زمین ہے ہم نے اس کو (بارش سے) زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں اور (نیز) ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور (نیز)

اس میں چشمے جاری کئے تاکہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس (پھل اور غلہ) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا) سو کیا شکر نہیں کرتے وہ پاک ذات ہے جس نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پرسے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک (وہ لوگ) اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور (ایک نشانی) آفتاب (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا) کا جو زبردست علم والا ہے اور چاند کے لئے منزلیں مقرر ہیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی

تفسیر ۳۳ "وایة لهم الارض المیتة أحییناها" یہاں آیت سے مراد بارش ہے۔ "واخرجنا منها حبًّا" حبًا سے مراد گندم اور جَو ہیں اور اس کے مشابہ اشیاء ہیں۔ "فمنه یاکلون" اسی سے تم کھاتے ہو یعنی گندم سے۔

۳۴ "وجعلنا فیها جنّات" جنات سے مراد باغات ہیں۔ "من نخیل و أعناب وفجرنا فیها" اس سے مراد زمین ہے۔ "من العیون"

۳۵ "لیاکلوا من ثمره" یعنی مذکورہ باغوں کے پھل جو اس پانی سے حاصل ہوتا ہے۔ "وماعملته" حمزہ، کسائی، ابوبکر نے "عملت" پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ھاء کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ کھائیں وہ چیزیں جو وہ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں۔ "ایدیهم" یعنی کھیتی اور درختوں کو لگانے میں اور ھاء کا مرجع "ما" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "التی" بمعنی الذی کے ہے۔ بعض نے کہا کہ "ما" نفی کے لیے ہے۔ "ما عملته ایدیهم" مطلب یہ ہے کہ سب پھل اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، انسان کی صنعت کو اس میں کوئی دخل نہیں یہ معنی ضحاک اور مقاتل کا ہے۔ بعض حضرات نے کہا چشموں اور نہروں سے مراد وہ ہیں جو تم نے جاری نہیں کیں یعنی دجلہ، فرات، نیل اور ان جیسے دریا۔ "افلا یشکرون" کیا تم اللہ کی اس نعمت کا شکر یہ ادا نہیں کرو گے۔

۳۶ "سبحان الذی خلق الازواج کلها" یہ سب اشیاء جس نے پیدا کیں۔ وہ پاک ذات ہے۔ "مما تنبت الارض" زمین سے اُگنے والی اشیاء پھلوں میں سے یا ترکاریوں میں سے۔ "ومن انفسهم" اس سے مراد مرد و عورت ہیں۔ "ومما لایعلمون" بحر و بر کی مخلوق جس کا علم تمہارے پاس نہیں۔

۳۷ "وایة لهم" یہ سب نشانیاں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ "اللیل نسلخ" کہ ہم اس سے اُتار دیتے ہیں۔ "منه النهار فاذا هم مظلمون" وہ داخل ہو گئے اندھیروں میں یا اس کا معنی ہو گا کہ دن چلا گیا اور رات آ گئی، ظلمت اور نہار دونوں اس میں داخل ہیں۔ جب سورج ڈوب جاتا ہے گویا رات کے اوپر سے (روشنی کی) کھال اُتر جاتی ہے اور تاریکی سامنے آ جاتی ہے۔

۳۸ "والشمس تجری لمستقر لها" اس کے ٹھکانے کی طرف۔ بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ یعنی دُنیا کی آخری مدت ختم ہونے پر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے اور وہ وقت قیامت کا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غروب ہونے کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ لوٹتا ہے۔ یہ جگہ اس کا مستقر ہے کیوں کہ وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور بعض نے

کہا کہ مستقر سے مراد ہے گرمی کے موسم میں انتہائی بلندی پر پہنچ جانے کا اور سردی کے موسم میں آخری ہبوط پر آ جانے کا مقام ہے اور یہ روایت اصح ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس وقت سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں چلا جاتا ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور قریب ہے کہ سورج سجدہ کرے گا اور اجازت طلب کرے گا، اس کو اجازت نہیں ملے گی، اس کو کہا جائے گا کہ واپس لوٹ جا، پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان "**والشمس تجری لمستقرلها ذلک تقدیر العزیز العلیم**" عمرو بن دینار ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان کے نزدیک "**والشمس تجری لمستقرلها**" ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں اس کا معنی ہے "**لاقرار لها ولا وقوف**" اس کے لیے نہ قرار ہے اور نہ ہی رکنا ہے، ہمیشہ چلتا رہے گا۔ "**ذلک تقدیر العزیز العلیم**"

㊴ "**والقمر قدرناه**" ہم نے ان کے لیے مقدر کر دی ہیں۔ ابن کثیر نافع اہل بصرہ کے نزدیک القمر میں رفع کے ساتھ ہے۔ "**وآیة لهم اللیل والشمس والقمر**" دوسرے حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**قدرناه**" چاند کی منازل مقرر کر دی ہے۔ "منازل" سورۃ یونس میں ان منازل کے نام مذکور ہیں۔ جب سورج تمام منزلیں طے کر لیتا ہے تو ایک ٹکیہ بن جاتی ہے۔ "**حتّٰی عاد کالعرجون القدیم**"

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝٤٠

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝٤١ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝٤٢

ترجمہ: نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔

تفسیر: ㊵ "**لاالشمس ینبغی لها ان تدرک القمر**" دن رات میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب اس کی مدت پوری نہ ہو جائے اور نہ ہی رات دن پر آ جائے۔ اس کے وقت پورا ہونے سے "**ولا اللیل سابق النهار**" یہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہتے ہیں، اپنے وقت سے پہلے یہ نہیں آ سکتے۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی سلطنت میں نہیں آ سکتا یا اس کا مطلب ہے کہ سورج رات کو طلوع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی چاند دن کو۔ جب دونوں جمع ہو جائیں گے یا ایک دوسرے کو پالے گا تو قیامت آ جائے گا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ایک آسمان میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ "**ولا اللیل سابق النهار**" کا مطلب ہے کہ ایک رات دوسری رات کے ساتھ متصل نہیں ہو سکتی کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ "**وکل فی فلک یسبحون**" کا معنی ہے جاری رہنا، تیرنا۔

41 "وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم" اہل مدینہ اور اہل شام اور یعقوب کے نزدیک "ذریاتھم" جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے قراء نے "ذریتھم" واحد پڑھا ہے جن کے نزدیک جمع ہے وہ تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جن کے نزدیک جمع نہیں وہ نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "ذریۃ" سے مراد آباء واجداد ہیں۔ "ذریۃ" کا اطلاق جس طرح اولاد پر ہوتا ہے اسی طرح باپ دادا پر بھی ہوتا ہے۔ "فی الفلک المشحون" بھرا ہوا ہونا۔ سفینہ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور یہ انہی کی نسل سے ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور وہ انہی کی اصلاب (نسل) میں سے تھے۔

42 "وخلقنالھم من مثلہ ما یرکبون" اس سے مراد کشتی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد کشتیوں پر تجارت وغیرہ کے لیے سمندروں پر سفر کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو نہروں پر چلتی ہیں جیسے بڑی کشتیاں سمندروں پر چلتی ہیں۔ یہ قول قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "وما خلقنالھم من مثلہ ما یرکبون" اس سے مراد اونٹ ہیں خشکی میں اونٹ اس طرح چلتے ہیں گویا سمندر میں کشتیاں۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ 43 اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ 44 وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَابَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ 45 وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ 46 وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ 47 وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 48 مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ 49

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ یہ خلاصی دیے جاویں مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا (منظور) ہے اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے (مرے) پیچھے ہے تاکہ تم پر رحمت کی جاوے تو وہ اصلاً پرواہ نہیں کرتے اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس نہیں آتی جس سے وہ سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو یہ کفار (ان) مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو (بہتیرا کچھ) کھانے کو دے دے تم نری صریح غلطی میں (پڑے) ہو اور یہ لوگ (بطور انکار) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو یہ لوگ بس ایک سخت آواز کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔

تفسیر: 43 "وان نشاء نغرقھم فلا صریخ" ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ "لھم ولاھم ینقذون" جو ان کو غرق

ہونے سے بچالے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کوئی بھی ان کو میرے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

44 "الا رحمة منا ومتاعًا الی حین" ان کی مدت زندگی مکمل ہونے تک۔ یعنی ہماری رحمت سے جو ان پر کی اور ایک مقررہ مدت تک فائدہ اُٹھانے کے لیے۔

45 "واذا قیل لهم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "مابین ایدیکم" سے مراد آخرت ہے اور "ما خلفکم" سے مراد ہے دُنیا یعنی آخرت کے لیے عمل کرو اور دُنیا سے احتیاط کرو اور اس پر فریفتہ نہ ہو اور بعض نے کہا کہ "مابین ایدیکم" سے مراد ہیں وہ بربادی اور تباہی کے واقعات جو گزشتہ اُمتوں کو پیش آئے اور "ما خلفکم" سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔ یہ قول قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ کا ہے۔ "لعلکم ترحمون" اس کا جواب محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "اذا قیل لهم هذا أعرضوا عنه" یعنی ان سے جب یہ بات کہی جاتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں، پرواہ نہیں کرتے اس کی دلیل اگلی حدیث ہے۔

46 "وما تاتیهم من آیة من آیات ربهم" یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر دلالت کرتی ہے۔ "الا کانوا عنها معرضین"

47 "واذا قیل لهم انفقوا ممّا رزقکم اللّٰه" اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ "قال الذین کفروا للّذین امنوا انطعم" اس سے مراد رزق ہے۔ "من لو یشاء اللّٰه أطعمه" مسلمانوں نے کفار مکہ سے کہا کہ مسکینوں پر خرچ کرو، جن کے متعلق تم گمان کرتے ہو کہ ان کے پاس تمہارے اموال میں سے ہیں جو اللہ کی طرف سے دیئے ہیں اور وہ اللہ کے لیے نہیں دیتے خواہ کھیتیوں میں سے ہوں یا جانوروں میں سے۔ تو وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ان کو رزق دیں جس کو اللہ چاہے کہ وہ اس کو رزق دے، یعنی اللہ نے باوجود قدرت رکھنے کے ان کو کھانا نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی مشیت ہی نہیں ہے کہ ان کو کھانے کو دیا جائے۔ اس لیے اللہ کی مشیت کے موافق ہم بھی ان کو کچھ نہیں دیتے۔ اسی سے بخلاء استدلال کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے اس کو ہم نہیں دیتے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات میں سے کچھ کو مال دار بنایا ہے اور بعض کو فقیر، ان کی آزمائش کے لیے۔ دُنیا میں فقیر کو مال اس وجہ سے نہیں دیا کہ (نعوذ باللہ) اللہ بخیل ہے اور غنی کو خرچ کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ اللہ کو اس کے مال کی حاجت ہے بلکہ غنی کا امتحان مقصود تھا اس کے مال کی کوئی حاجت نہیں تھی لیکن اس نے بطور آزمائش مال داروں کو حکم دیا ہے کہ وہ کچھ مال غریبوں کو دیں، اللہ کی مشیت کو بہانہ بنانا اور اس پر اعتراض کرنا درست نہیں بلکہ اس کی مخلوق میں یہ ایک حکمت ہے جس کی طرف کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ "ان انتم الا فی ضلال مبین" یعنی کفار مؤمنین سے کہتے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یعنی تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر کے غلطی پر ہو اور جس پر تم ہو اس کو ترک کردو۔

(48)...... "ویقولون متی هذا الوعد" یعنی قیامت اور بعث کا وقت کب ہوگا۔ "ان کنتم صادقین"......

49 "ما ینظرون" کہ وہ انتظار نہیں کر رہے۔

"الا صیحۃ واحدۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک پہلی بار صور پھونکا جانا مراد ہے۔

"تأخذھم وھم یخصمون" یعنی وہ دُنیا کے اُمور میں جھگڑتے ہیں خواہ ان کا تعلق بیع وشراء سے متعلق ہو یا کسی اور چیز کے متعلق، وہ مجالس اور بازاروں میں بحث ومباحثہ کرتے تھے۔ حمزہ نے "یخصمون" خاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور صاد بغیر تشدید کے یعنی بعض، بعض کے ساتھ بحث ومباحثہ میں، جھگڑے میں غالب آتے تھے اور دوسرے قراء نے صاد کی تشدید کے ساتھ "یخصّمون" پڑھا ہے۔ اصل میں "یختصمون" تھا تاء کو صاد میں مدغم کردیا۔ پھر ابن کثیر، یعقوب وورش خاء کو فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تاء کی حرکت کو نقل کرکے ماقبل خاء کو دیتے ہیں اور ابوجعفر اس کو مجزوم پڑھتے ہیں اور بعض حضرات خاء کو فتحہ دیتے ہیں۔ ان میں سے ابوعمرو بھی ہیں اور باقی نے کسرہ پڑھا ہے۔

روایت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت ایسی حالت میں آجائے گی کہ دو آدمی باہم (بیع شراء) کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے، خرید وفروخت میں مشغول ہوں گے، نہ عقد کو ختم کرچکے ہوں گے اور نہ کپڑے کو لپیٹ چکے ہوں گے کہ قیامت آجائے گی اور ایک شخص نے کھانے کے لیے نوالہ اُٹھایا ہوگا کہ اس کو کھا نہیں سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿55﴾

ترجمہ: سو نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے اور (پھر دوبارہ صور) پھونکا جاوے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے (نکل نکل) اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھادیا یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہوکر ہمارے پاس حاضر کردیئے جاویں گے پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے۔

تفسیر: 50 "فلا یستطیعون توصیۃ" وہ وصیت کرنے پر بھی قادر نہیں ہوں گے۔ مقاتل کا قول ہے کہ وصیت کرنے سے جلدی کریں کہ موت نہ پہنچ جائے۔ "ولا الی اھلھم یرجعون" کہ وہ قیامت اتنی جلدی آجائے گی کہ کسی چیز کی مہلت نہیں ملے گی۔

51 "ونفخ فی الصور" اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ "فاذا ھم من الاجداث" اس سے مراد قبروں سے اُٹھنا ہے۔ اجداث جمع ہے جدث کی۔ "الیٰ ربھم ینسلون" ان کو قبروں سے زندہ

کر کے اُٹھایا جائے گا۔ اسی وجہ سے لڑکے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہے۔

52 "قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا" ابی بن کعب و ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے کہ کافروں کا یہ قول اس وجہ سے ہوگا کہ دونوں نفخوں کی درمیانی مدت ان پر سے عذاب اُٹھالیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے۔ دوسری مرتبہ جب نفخہ صور کے بعد ان کو اُٹھایا جائے گا تو یہ کہیں گے اور قیامت کا معائنہ اپنی آنکھوں سے کرلیں گے، پھر وہ اپنے آپ کی ہلاکت کو پکاریں گے۔

بعض اہل معانی کا بیان ہے کہ جب کفار عذاب جہنم کا معائنہ کریں گے تو ان کو قبر کا عذاب خواب کی طرح محسوس ہوگا۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم کو خواب سے کس نے اُٹھایا۔ پھر ان کو کہا جائے گا۔

"ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون" یہ اس وقت اقرار کریں گے جب ان کو اقرار سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور بعض نے کہا کہ فرشتے ان سے کہیں گے "ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون" مجاہد کا قول ہے کہ جب کفار کہیں گے "من بعثنا من مرقدنا" تو اس وقت مؤمنین ان کو جواب دیں گے۔ "ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون"

53 "ان کانت" "ان بمعنی ما کانت کے ہے۔ "الا صیحۃ واحدۃ" اس سے دوسرا نفخہ مراد ہے۔ "فاذا ھم جمیع لدینا محضرون"

54 "فالیوم لاتظلم نفس شیئاً ولا تجزون الا ما کنتم تعملون"

55 "ان اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل" ابن کثیر نافع اور ابو عمرو نے "فی شُغْلٍ" غین کے سکون کے ساتھ اور دوسرے قراء نے غین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں۔ یہ "سُحْتُ اور سُحُتٌ" کی طرح ہے۔ "شُغُلٍ" کے معنی میں مفسرین کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے یا دوشیزاؤں سے محبت مراد ہے۔

وکیع بن جراح کا قول ہے کہ اس سے سماع مراد ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ دوزخیوں کے اور ان کے احوال کی ان کو پرواہ نہیں ہوگی، وہ دوزخیوں کو بھی یاد نہیں کریں گے۔ حسن کا قول ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں میں ایسے مشغول ہوں گے کہ دوزخیوں کے عذاب کا ان کو خیال بھی نہ ہوگا۔ ابن کیسان کا قول ہے کہ جنتی ایک دوسرے کی زیارت کریں گے اور بعض نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی میں مشغول ہوں گے۔

"فاکھون" ابو جعفر نے اس کو "فکھون" پڑھا ہے۔ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ مطففین میں ان کی متابعت میں "فکھون" پڑھا ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں جیسے حاذ اور حذر میں دو لغتیں ہیں۔ یعنی وہ نعمتوں میں ہوں گے۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے کہ جن نعمتوں میں وہ ہوں گے اترانے کی حد تک خوش ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ خوش ہوں گے۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ﴿56﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿57﴾
سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿59﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ
اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿60﴾

ترجمہ: وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں ہر طرح کے میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا اور اے مجرمو آج (اہل ایمان سے) الگ ہو جاؤ اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

تفسیر: 56 "ھم وازواجھم" ان کی بیویاں "فی ظلال" حمزہ اور کسائی نے ظاء کے ضمہ اور بغیر الف کے پڑھا ہے، "ظلۃ" کی جمع ہے۔ دوسرے قراء نے "ظلال" پڑھا ہے۔ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ اس صورت میں یہ ظل کی جمع ہے۔ "علی الارائک" ارائک اریکہ کی جمع ہے پردے دار مسہریاں۔ ثعلب کا قول ہے کہ اریکہ بغیر پردہ کے مسہری کو نہیں کہتے۔ "متکئون" تکیوں والی مسہریوں والے۔

57 "لھم فیھا فاکھۃ ولھم ما یدعون" وہ تمنا اور اس کو چاہتے ہیں۔

58 "سلام قولاً من رب رّحیم" یعنی اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرمائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے۔ اسی اثناء میں ایک نور ان پر جلوہ افروز ہوگا۔ اہل جنت سر اُٹھا کر دیکھیں گے تو اوپر سے اللہ عزوجل جلوہ افروز نظر آئیں گے اور فرمائے گا اے اہل جنت! تم پر سلام ہو۔ یہی اس آیت میں "سلم قولاً من رّب رّحیم" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور وہ اہل جنت کا نظارہ کرے گا۔ ایسی حالت میں جنت والے کسی اور چیز کی طرف گوشہ چشم سے بھی نہیں دیکھیں گے اس کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ خود اوٹ کرے گا لیکن اس کا نور و برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو ان کے گھروں میں سلامتی بھیجی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ فرشتے ان کو رب کی طرف سے ملائکہ کے ساتھ سلام بھیجیں گے۔ مقاتل کا قول ہے کہ جنت کے ہر دروازے سے ملائکہ یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے۔ اے اہل جنت! تم پر تمہارے رب رحیم کی طرف سے سلامتی ہے دوامی سلامتی ہے۔

59 "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون" مقاتل کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صالحین سے الگ ہو جاؤ۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ان کو ممیز کر دیں گے اور سدی کا قول ہے وہ سب سے اعلیٰ ہو جائیں گے۔ زجاج کا قول ہے۔ آج وہ مؤمنین سے جدا ہو جائیں گے۔ ضحاک نے کہا ہر کافر کا دوزخ میں ایک گھر ہوگا جس میں وہ داخل ہو جائے گا اور داخلہ کے بعد

آگ کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، نہ اس کو دیکھ سکے گا اور نہ اس کو دیکھا جا سکے گا۔

⑥⓪ "الم اعهد اليكم يا بني آدم" کیا ہم نے آپ کو حکم نہیں دیا اے بنی آدم! "ان لا تعبدوا الشيطان" کہ تم اللہ کی نافرمانی کر کے شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔ "انه لكم عدو مبين" دشمنی میں واضح اور ظاہر ہے۔

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے اور وہ (شیطان) تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے سو کیا تم نہیں سمجھتے یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا آج اپنے کفر کے بدلہ میں اس میں داخل ہو آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

تفسیر ⑥① "وان اعبدونی" میری اطاعت اور میری وحدانیت کو قبول کرو۔ "هذا صراط مستقیم"

⑥② "ولقد اضل منكم جبلا كثيرا" اہل مدینہ اور عاصم کے نزدیک جیم اور باء کے کسرہ کے ساتھ اور لام کی تشدید کے ساتھ اور یعقوب نے "جُبُلًّا" پڑھا ہے۔ عامر اور ابو عمرو نے جیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے باء ساکنہ کے ساتھ اور دوسرے قراء جیم اور باء کے ضمہ کے ساتھ اور لام بغیر تشدید کے۔ یہ تمام لغات درست ہیں۔ اس کا معنی ہے مخلوق یا جماعت جن کو پوری سمجھ اور کامل دانش حاصل ہے۔ "أفلم تكونوا تعقلون" کہ تمہارے پاس اُمم سابقہ شیاطین کی اطاعت کی بناء پر وہ ہلاک نہیں ہوئی اور ان کے لیے کہا گیا کہ وہ آگ کے کتنے ہی قریب ہو گئے۔

⑥③ "هذه جهنم التي كنتم توعدون" دُنیا کے اندر جو تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

⑥④ "اصلوها" داخل ہو جاؤ۔ "اليوم بما كنتم تكفرون"

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ کی تفسیر

⑥⑤ "اليوم نختم على افواههم وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون" جب کفار اپنے کفر اور رسولوں کی تکذیب کے بارے میں منکر ہو جائیں گے۔ اس قول سے "ما كنا مشركين" تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اس پر ان کے اعضاء و جوارح بولیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، لوگوں نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ فرمایا کہ کیا تم ظہر کے وقت سورج کو دیکھتے ہو، جب کوئی بادل وغیرہ نہ ہوں تو تم کو سورج دیکھنے میں کوئی رُکاوٹ آتی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، نہیں، فرمایا چودھویں رات کو

جب کوئی بادل نہ ہو۔ وہ کہنے لگے نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم کو اپنے رب کے دیکھنے پر بھی کوئی رُکاوٹ نہیں ہوگی مگر اتنی جتنی سورج اور چاند کو دیکھنے میں ہوتی ہے۔ پھر اللہ بندے سے فرمائے گا اے فلاں شخص! کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی؟ کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا تجھے تیرا جوڑا نہیں دیا تھا؟ کیا گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا فرمانبردار نہیں بنایا تھا؟ کیا تجھے سیادت نہیں دی تھی؟ کیا تجھے مال غنیمت کا چوتھائی کا مستحق نہیں بنایا تھا؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ فرمائے گا کیا تیرا یہ گمان تھا کہ مجھ سے آ کر ملے گا؟ بندہ عرض کرے گا نہیں، اللہ فرمائے گا جس طرح تو مجھے بھولا رہا اسی طرح میں بھی تجھے آج بھول جاؤں گا۔

پھر دوسرے بندے سے ملاقات فرمائیں گے اور اس سے بھی یہی کہیں گے (وہ یہی جواب دے گا) کہ کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا، کیا تجھے تیرا جوڑا نہیں دیا تھا؟ کیا گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے حکم کا تابع نہیں بنایا تھا؟ کیا تجھے سرداری نہیں دی تھی؟ ان کے علاوہ سفیان وغیرہ نے ترأس اور تربع ذکر کیا ہے دونوں جگہوں پر۔ وہ کہے گا کیوں نہیں، اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے آ کر ملے گا؟ تو وہ کہے گا نہیں۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا۔

پھر تیسرے شخص سے ملاقات کرے گا۔ اس کو اسی طرح کہے گا۔ وہ عرض کرے گا میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا تھا اور نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، زکوٰۃ دی تھی، غرض جس قدر کر سکے گا کرے گا، اس سے کہا جائے گا کیا ہم تیرے خلاف گواہ کھڑا کر دیں؟ وہ شخص اپنے دل میں سوچے گا کہ میرے خلاف کس کو گواہ بنایا جائے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کی ران سے فرمائے گا تو بات کر۔ حسب الحکم اس کی ران، گوشت اور ہڈی اس کے اعمال جو کچھ ہوں گے بتائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ شخص منافق ہوگا جو اپنی طرف سے عذر پیش کرے گا اور اسی پر اللہ کا غضب ہوگا۔ بہز بن حکیم بن معاویہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن تم اس حالت میں آؤ گے کہ تمہارے منہ پر کپڑا بندھا ہوا ہوگا اور سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی بات کرے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا، مجھے اس بات پر مسکراہٹ آئی کہ ایک بندہ اپنے رب سے کہے گا، اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم کرنے سے پناہ نہیں دے رکھی ہے؟ اللہ فرمائے گا کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرے گا تو میں اپنے خلاف کسی کی شہادت نہیں مانوں گا، سوائے اس گواہ کے جو میرے ہی بدن کا حصہ ہو۔ اللہ فرمائے گا، آج تیرا نفس اور کراماً کاتبین تیرے خلاف شہادت دینے کے لیے کافی ہیں۔ پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اعضاء کو حکم دے گا تم بولو حسب الحکم اعضاء بندہ کے اعمال کے متعلق بولیں گے، اس کے بعد بندے کو گویائی کی اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تم مرجاؤ، مٹ جاؤ تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی يُبْصِرُوْنَ 66 وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ 67 وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ. اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ 68 وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ. اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ 69 لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ 70

ترجمہ اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں) ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے پھر یہ رستہ کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہاں نظر آتا اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس سے یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کی طرف لوٹ سکتے اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں سو کیا وہ نہیں سمجھتے اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے لئے شایان بھی نہیں وہ تو محض نصیحت (کا مضمون) اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام کی ظاہر کرنے والی ہے تا کہ ایسے شخص کو ڈراوے جو زندہ ہے اور تا کہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جاوے۔

تفسیر 66 **"ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم"** یعنی ان ظاہری آنکھوں کو ایسا مٹا دیتے نہ پپوٹہ کا نشان رہتا نہ آنکھوں کا شگاف طمس کا یہی معنی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **"ولو شاء اللّٰہ لذھب بسمعھم وابصارھم"** وہ کہتے ہیں کہ جیسے ان کے دلوں کو اندھا کیا گیا۔ اسی طرح ان کی ظاہری بصارت کو اندھا کر دیں گے۔ **"فاستبقوا الصراط"** چلے اسی راستے پر **"فانی یبصرون"** وہ کیسے دیکھ سکتے ہیں جبکہ ان کو آنکھوں سے اندھا کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چاہتا تو ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف کر دیتے۔ یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کی گمراہی کی آنکھوں کو نکال باہر کر دیتے اور گمراہی کی طرف سے ان کو نابینا کر دیتے اور ضلالت سے ہدایت کی طرف ان کی نگاہوں کو پھیر دیتے۔ یہ قول حسن اور سدی رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مقاتل اور عطاء کا قول ہے کہ ان کے نزدیک اعین سے مراد ہیں گمراہی کی آنکھیں اور طمس اعین سے مراد ہے ان آنکھوں کا نکال دینا اور گمراہی کی آنکھوں کو ہدایت کی طرف پھیر دینا۔ **"فانی یبصرون"**

67 **"ولو نشاء لمسخناھم علی مکانتھم"** اگر ہم چاہتے تو ان کے گھروں کے اندر ہی ان کو سوروں اور بندروں کی شکل پر کر دیتے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم ان کو بے جان پتھر کر دیتے کہ گھروں کے اندر پڑے رہتے جن میں کوئی روح نہیں۔ **"فما استطاعوا مضیًّا ولا یرجعون"** نہ تو وہ واپس لوٹنے پر قادر ہوتے اور نہ رجوع کرنے کے۔

68 **"ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق"** عاصم اور حمزہ نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے پہلے نون کے فتحہ کے ساتھ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہم ان کو بڑھاپے کی طرف لوٹائیں گے ان کو تشبیہ دی ہے بچے کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ ان کے اعضاء کو کمزور کر دیتے ہیں ان کے اعضاء کو مضبوط کرنے کے بعد اور ان کو زیادتی

سے نقصان کی طرف کر دیتے ہیں۔ "افلا یعقلون" یعنی ان کو اتنا جاننا اور سمجھنا چاہیے کہ خدا اتنے عظیم الشان تغیر پر قادر ہے۔ جب انسان کے احوال کو پھیرنے پر قادر ہے تو بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے۔

69 "وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لھا" کفار مکہ کہتے تھے کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر ہیں اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام بناتے ہیں وہ شعر ہیں۔ اللہ نے ان کی تکذیب پر یہ آیت نازل کی۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کی تفسیر

"وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" وہ قرآن نہ تو مقفی ہے اور نہ ہی موزوں ہے۔ یہاں تک کہ شعر کی مثال خود ان کی زبان پر بغیر تکلف کے جاری ہو جاتا ہے۔

حسن کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بطور مثل پڑھا۔ "کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیًا" اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کیلئے کافی ہے۔

حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! شاعر نے تو اس طرح کہا ہے "کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیًا" حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ"

مقدام بن شریح کے والد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثل کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، ہاں۔ عبداللہ بن رواحہ کا شعر اس طرح بطور مثل پڑھا کرتے تھے:

"ویاتیک الاخبار من لم تُزودی" اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا:

"ویاتیک من تزود بالاخبار" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی کبھار آپ اس طرح فرمایا کرتے تھے "ویاتیک بالاخبار من لم تزود" اور معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی شخص نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شعر بطور مثل پڑھتے تھے۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا شعر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کلام سے زیادہ نفرت تھی، آپ کوئی شعر بطور مثل نہیں کہتے مگر قیس بن طرف کے شاعر کا یہ شعر بطور مثل پڑھتے تھے۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً ویاتیک بالاخبار من لم تزوّدی

لیکن اس شعر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پڑھتے تھے "ویاتیک من لم تزود بالاخبار" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ شعر اس طرح نہیں ہے، فرمایا میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شاعری میرے لیے مناسب ہے۔ "ان ھو" جو کچھ اس قرآن میں ہے "الا ذکر" نصیحت ہے۔ "وقرآن مبین" اس میں فرائض حدود اور احکام مراد ہیں۔

70 "لینذر" قراء اہل مدینہ اور شام اور یعقوب نے اس کو "لتنذر" پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ احقاف میں بھی پڑھا ہے اور ابن کثیر نے سورۃ احقاف میں ان کی متابعت کی ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈراؤ ان کو اور

دوسرے قراء نے "لتنذر" پڑھا ہے چاہیے کہ وہ قرآن کو دیکھیں۔ "من کان حیًا" یعنی مؤمن دل کے اعتبار سے زندہ ہے اور کافر کی مثال مُردے جیسی ہے کیونکہ وہ غور وفکر نہیں کرتا۔ "ویحق القول" القول سے مراد کلمہ عذاب ہے۔ "علی الکافرین"

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ. اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿74﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿77﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿78﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے (نفع کے لئے) اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کئے پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے اور ہم نے ان مواشی کو ان کا تابع بنادیا سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں ان لوگوں کے لئے اور بھی نفعے ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی دودھ) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے اور انہوں نے خدا کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں اس امید پر کہ ان کو مدد ملے (لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان لوگوں کے حق میں ایک فریق (مخالف) ہو جاویں گے جو حاضر کئے جاویں گے تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے بیشک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ وہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (خصوص) جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں۔

تفسیر: 71 "اولم یروا أنا خلقنالهم مما عملت ایدینا" ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور اس بنانے میں کوئی دوسرا ہمارا شریک نہیں۔ "أنعامًا فهم لها مالكون" وہ ان کو اپنے قبضے میں لے رہے ہیں اور ان پر تصرف کرتے ہیں اور اگر ہم ان جانوروں کو وحشی بنالیتے اور بنی آدم سے دور بھاگتے تو ان کو کیسے اپنے قبضے میں لاتے بلکہ ان سب جانوروں کو ان کیلئے مسخر کردیا۔

72 "وذللناها لهم" ان جانوروں کو ان کے لیے مسخر کردیا۔ "فمنها ركوبهم" ان میں سے بعض تو وہ جانور ہیں جن پر سواری کرتے ہیں۔ مثلاً اونٹ وغیرہ۔ "ومنها يأكلون" ان کے گوشت کھاتے ہیں۔

73 "ولهم فيها منافع" ان کی کھالیں اور ان کے بال سے ان کی اون سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ "ومشارب" اور ان کے دودھ پیتے ہیں۔ "افلا يشكرون" کیا وہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔

74 "واتخذوا من دون الله الهة لعلهم ينصرون" وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے بچاسکیں اور ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔

75 "لايستطيعون نصرهم" ان کے بت ان کی مدد کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ ان کو عذاب سے بچاسکتے ہیں۔

"وهم لهم جند محضرون" یعنی کفار اپنے معبودوں کے لیے فریق بنے ہوئے ہیں اور دُنیا میں ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور ہمیشہ ان کی نگرانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ معبود ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے اور نہ کسی شر سے ان کو بچاتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ قیامت کے دن کافروں کے معبودوں کو طلب کیا جائے گا۔ ان کے ساتھ ان کے پرستاروں کو بھی لایا جائے گا۔ گویا وہ سب ایک فوج ہوں گے جن کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

76 "فلا يحزنك قولهم" کفار کے قول تکذیب سن لی۔ "انا نعلم ما يسرون" وہ اپنے دلوں میں جو آپ سے عداوت اور غلط عقائد چھپائے ہوئے ہیں، ان سے ہم واقف ہیں۔ "وما يعلنون" ہم ان کی بتوں کے پوجا کرنے کو جانتے ہیں یا ہم جانتے ہیں جو آپ کو زبانی کلامی اذیت دیتے ہیں۔

77 "اولم يرالانسان أنا خلقناه من نطفة فاذا هو خصيم" واضح طور پر باطل پر جھگڑا کرنے لگ جاتا ہے۔ "مبين" جھگڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ اس بات کو جانتا بھی ہے کہ اس کو ایک بے جان نطفے سے پیدا کیا گیا پھر بھی وہ جھگڑتا ہے تو کیوں وہ اپنی ابتداء تخلیق پر غور وفکر نہیں کرتا تاکہ اس جھگڑے کو چھوڑ دے۔

اس آیت کا نزول ابی بن خلف جمحی کے حق میں ہوا۔ یہی ایک بوسیدہ کہنہ ہڈی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور انکار بعث وحشر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کر رہا تھا اس نے کہا تھا کہ اس ہڈی کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد اس کو کون زندہ کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تجھے زندہ کر کے اُٹھائے گا اور جہنم میں داخل کر دے گا۔ اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

78 "وضرب لنا مثلاً و نسی خلقه" جس امر کو ہم پیدا کر چکے، پھر فرمایا "قال من يحي العظام وهي رميم" فرسودہ ہڈیاں ان کو رمیمۃ سے منسوب نہیں کیا اس لیے کہ یہ فاعل سے معدول ہو کر آئے ہیں جو بھی کسی چیز کے وزن وغیرہ سے معدول ہو کر آئے تو اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما كانت امك بغيا" یہاں "بغيانها" ہونا چاہیے تھا، ھا ضمیر کو حذف کر دیا کیوں کہ یہ "باغية" سے معدول ہو کر آیا ہے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ. وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ 79 نِ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ 80 اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ 81 اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ 82 فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ 83

ترجمہ: کون زندہ کرے گا آپ جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے وہ ایسا قادر ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے

پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کردے ضرور قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا تو یہ معمول ہے کہ اس چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے تو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر 79 "قل یحییها الذی انشأها" ان کو پیدا کیا۔ "اول مرّۃ وهو بکل خلق علیم"

80 "الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارًا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ دو قسم کے درخت ہیں ایک کو مرخ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو عفار، دونوں درختوں کی مسواک کی دوہری شاخیں اتنی ہری کہ ان سے پانی ٹپکتا ہو، کاٹ لی جائیں۔ پھر مرخ کو عفار سے رگڑا جائے تو ان سے آگ نکلتی ہے اللہ عزوجل کے حکم سے۔ عرب کہتے ہیں کہ ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ، عفار میں گھس جاتی ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ ہر درخت میں آگ ہے سوائے عناب کے۔ "فاذا انتم منه توقدون" اس سے تم آگ سلگاتے ہو اور تمہیں اس بات میں شک نہیں رہتا کہ ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے۔ پھر وہ تو اپنی عظیم قدرت والی ذات ہے جو انسان کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔

81 "اولیس الذی خلق السّمٰوٰت والارض بقادر" یعقوب نے یقدر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "علی ان یخلق مثلهم بلٰی" کہہ دیجئے وہ اس سے بھی زیادہ قدرت والا ہے۔ "وهو الخلاق" ایک مخلوق کے بعد دوسری کو پیدا کرتا ہے۔ "العلیم" تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔

82 "انما امره اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون"

83 "فسبحان الذی بیده ملکوت" اسی کی بادشاہت ہے۔ "کل شیءٍ والیه ترجعون" حضرت معقل بن یسار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھا کرو۔ یہی روایت محمد بن العلاء ابن المبارک سے ہے۔

سُوْرَةُ الصَّافَات

یہ مکی سورت ہے اس میں ۱۸۲ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ⑥

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ۔

تفسیر: ① "والصافات صفًّا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن، قتادہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ آسمان میں اس طرح صف بندی کرتے ہیں جیسے تم نماز میں صف بندی کرتے ہو۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں کیا تم اس طرح صف بندی نہیں کرو گے۔ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ملائکہ کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں؟ فرمایا صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں ڈٹ جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ملائکہ فضاء میں اپنے پَر پھیلائے رُکے رہتے ہیں اور اس وقت تک رُکے رہتے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو کسی کام پر مامور کرتا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک الصافات سے مراد پرندے ہیں۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "والطیر صافات"

② "فالزاجرات زجرًا" یعنی بادلوں کو روکتے اور چلاتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ الزاجرات سے مراد قرآن ہے جو بری باتوں سے منع کرتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے۔

③ "فالتالیات ذکرًا" اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ عزوجل کا ذکر کرتے ہیں اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن پڑھنے والوں کی جماعت ہے۔ یہ سب قسموں کی قبیل سے ہیں جن پر اللہ نے قسمیں کھائی ہیں۔ ان سب کا جواب قسم آگے آیات میں مذکور ہے۔

④ "انّ الھکم لواحد" یہاں پر تفسیر ہے۔اصل عبارت یوں ہے "ورب الصافات، والزاجرات، والتالیات" یہ اس وجہ سے کہ کفار مکہ کیا کرتے تھے "اجعل الا لھۃ الھًا واحدا، انّ ھذا لشیءٌ عجاب" کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنادیا۔ یہ عجیب بات ہے۔ اللہ نے ان سب کی قسم کھائی۔

⑤ "رب السّموات والارض وما بینھما ورب المشارق" سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اوراس کی ہم مثل آیات کی تفسیر

اگر سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا "برب المشارق والمغارب" اور ایک جگہ ارشاد فرمایا "ربّ المشرقین وربّ المغربین" ایک اور جگہ ارشاد فرمایا "رب المشرق والمغرب" ان آیات کے درمیان کیا تطبیق ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ "ربّ المشرق والمغرب" سے مراد مشرق اور مغرب کی جہت ہے اور "رب المشرقین و رب المغربین" اس سے سردیوں کے دن طلوع ہونے اور گرمیوں کے طلوع ہونے کی جگہ اور "مغربین" سے مراد گرمیوں اور سردیوں کے غروب ہونے کی جگہ اور "بربّ المشارق والمغارب" سے مراد اللہ تعالیٰ نے سورج کے لیے تین سو ساٹھ جگہ طلوع ہونے کی بنائی ہے اور مغرب میں غروب ہونے کے لیے ۳۶۰ تین سو ساٹھ جگہیں بنائی ہیں۔ ان جگہوں میں سے روزانہ ایک جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور ایک جگہ سے غروب ہوتا ہے جس جگہ سے وہ ایک مرتبہ طلوع ہوتا ہے اس سال وہاں دوبارہ طلوع نہیں ہوتا اور نہ ہی غروب ہونے کی جگہ دوبارہ غروب ہوتا ہے۔ یہی مشارق ومغارب ہیں اور بعض نے کہا کہ ہر وہ جگہ جس سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ مشرق ہے اور ہر وہ جگہ جس سے سورج غروب ہوتا ہے اس کو مغرب کہا جاتا ہے۔ گویا اس سے تمام وہ جگہیں جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور جہاں سے غروب ہوتا ہے وہ سب جگہیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔

⑥ "انّا زیّنا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب" عاصم کی قرأت بروایت ابی بکر "بزینۃ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الکواکب" منصوب ہے۔ ہم نے ستاروں کو مزین کیا حمزہ اور حفص نے "بزینۃ" تنوین کے ساتھ اور "الکواکب" بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ہم نے ستاروں کے ساتھ زینت بخشی اور دوسرے قراء کا قول ہے "بزینۃ الکواکب" بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ستاروں کی روشنی۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ⑨ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪

ترجمہ: اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیاطین کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک

دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے تو آپ ان سے پوچھیے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں کیونکہ ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

تفسیر ⑦ "وحفظًا" یعنی ہم نے ستاروں کو ان کی حفاظت کے لیے پیدا کیا۔ "من کل شیطان مارد" شیطان سرکش کی حفاظت کے لیے ہم ان پر ستارے پھینکتے ہیں۔

⑧ "لایسمعون" حمزہ، کسائی، حفص نے سین اور میم کی تشدید کے ساتھ "یَسَّمَّعُوْن" پڑھا ہے۔ عبارت یہی ہوئی "أی لایتسمعون" تاء کو سین کے ساتھ مدغم کیا اور دوسرے قراء نے سین کے سکون کے ساتھ اور میم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الی الملاء الاعلی" اس سے مراد فرشتے ہیں چونکہ یہ آسمان میں ہوتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے ملا اعلیٰ میں "ویقذفون" اور وہ پھینکتے ہیں "من کل جانب" یعنی آسمان دُنیا کے تمام اطراف سے دہکتے ہوئے شعلے ان پر مارے جاتے ہیں۔

⑨ "دحورًا" وہ فرشتوں کی جماعت سے بہت دور ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "دحرہ دحرًا و دحورًا" جب اس کو دھتکارا اور دور کیا جائے۔ "ولهم عذابٌ واصب" اس کا معنی ہے ہمیشہ رہنے والا عذاب۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد دُنیاوی عذاب ہے جو نفخہ اولیٰ تک قائم رہے گا اور اس شعلے کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

⑩ "الا من خطف الخطفة" مگر جو فرشتوں کے کلام میں سے کوئی کلمہ سن لیتا ہے اُچک لیتا ہے۔ "فاتبعه" اس کے ملحق کر دیا جاتا ہے۔ "شهاب ثاقب" مضبوط ستارہ جو اس کے قتل میں خطا نہیں جاتا یا اس کو جلا دیتا ہے یا حواس باختہ کر دیتا ہے لیکن پھر بھی وہ چوری چھپے سننے کے لیے لوٹتے ہیں باوجود ان کو اس بات کے معلوم ہونے کے کہ وہ سلامتی کے ساتھ کچھ نہ سن پائیں گے اور اپنی مراد کو نہیں پہنچیں گے۔ عطاء کا قول ہے کہ جس ستارے کو شیطان پر مارا جائے اس کو ثاقب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا نشان خطاء نہیں جاتا۔

⑪ "فاستفتهم" آپ اہل مکہ سے پوچھیے "أهم اشد خلقا أم من خلقنا" اس سے مراد آسمان وزمین اور پہاڑ ہیں۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی یہ اشیاء زیادہ سخت ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لخلق السّمٰوات والارض اکبر من خلق النّاس" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا

" ء أنتم اشد خلقا ام السماء" اور بعض نے کہا "أم من خلقنا"

اس سے مراد گزشتہ اُمتیں ہیں۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ گزشتہ اقوام مکہ والوں سے زیادہ قوی تھیں لیکن جرائم کی پاداشت میں ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ پھر یہ لوگ عذاب سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔ پھر انسان کی تخلیق کا ذکر کیا۔ "انا خلقناهم من طين لازب" چپکنے والی جو ہاتھ کے ساتھ چپک جائے۔ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے سڑی ہوئی۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯ اَوَ
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱

ترجمہ: بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ نہیں سمجھتے اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو (خود) اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے (کیونکہ) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور زندہ ہو گے) اور تم ذلیل بھی ہو گے۔

تفسیر: ⑫ "بل عجبت" حمزہ، کسائی نے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی قرأت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعجب آدمیوں کے تعجب کی طرح نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فیسخرون منهم سخر الله منهم" دوسری جگہ ارشاد فرمایا "نسوا الله فنسيهم" آدمیوں سے تعجب انکار اور تعظیم پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عجب کی نسبت کبھی کبھار انکار و مذمت کے معنی کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی استحسان اور رضا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تعجب نہیں کرتا لیکن اللہ پاک نے اپنے پیارے محبوب کے ساتھ موافقت کی ہے (یعنی جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب کیا وہاں پر اللہ تعالیٰ نے بھی کیا) جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان "وان تعجب فعجب قولهم" اور دوسرے قراء نے "عجبتَ" تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس بات پر تعجب ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ "ویسخرون" وہ آپ کے تعجب کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

قتادہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب تھا کہ نزول قرآن کے بعد بھی بنی آدم کس طرح گمراہ رہ سکتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان تھا کہ جو بھی اس قرآن کو سنے گا وہ اس پر ایمان لے آئے گا لیکن مشرکین اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ مذاق اُڑانے لگے اور اس پر ایمان نہیں لائے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ رب العزت نے فرمایا "بل عجبت ویسخرون"

⑬ "واذا ذكروا لا يذكرون" جب ان کو قرآن کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

⑭ "واذا رأوا آية" ابن عباس اور مقاتل کے نزدیک اس سے مراد انشقاق قمر ہے۔ "يستسخرون" وہ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ ایک دوسرے کو مذاق اُڑانے کیلئے بلاتا ہے۔

15 "وقالوا ان هذا الا سحرٌ مبين" اس کا جادو ہونا کھلا ہوا ہے۔

16 "ء اذا متنا و كنا ترابًا وعظامًا ء انا لمبعوثون"

17 "أوَ آباؤنا الاوّلون" ہمارے باپ دادا کتنے ہی پہلے مر چکے ہیں۔

18 "قل نعم" تم بھی ان کے ساتھ اُٹھائے جاؤ گے۔ "وانتم داخرون" اور تم ذلیل ہو گے۔ دخور کہتے ہیں سخت ترین ذلت وحقارت کو۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنظُرُوْنَ 19 وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ 20 هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ 21 اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ 22 مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ 23 وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ 24 مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ 25 بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ 26

ترجمہ: پس قیامت تو بس ایک للکار ہوگی (یعنی نفخہ ثانیہ) سوسب یکا یک دیکھنے بھالنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا (معلوم ہوتا) ہے (ارشاد ہوگا کہ ہاں یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جمع کر لو ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور (اچھا) ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا تو اب تم کو کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب اسی روز سرافگندہ (کھڑے) ہوں گے۔

تفسیر: 19 "فانما هي" یہ بعثت اور قیامت کا قصہ "زجرة" ایک سخت آواز "واحدة" اُٹھنے والا نفخہ دوسری مرتبہ جب مُردے اُٹھ کر میدان محشر کی طرف چل پڑیں گے "فاذا هم ينظرون" سب دیکھیں گے کہ وہ زندہ ہو کر لوٹ آئے۔

20 "وقالوا ياويلنا هذا يوم الدين" اس سے حساب کا دن اور بدلہ کا دن مراد ہے۔

21 "هذا يوم الفصل" یہی فیصلہ کا دن ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ فیصلے کا دن ہے نیکی کرنے والے اور برائی کرنے والے کے درمیان۔ "الذى كنتم به تكذبون"

22 "احشروا الذين ظلموا" جن کے ساتھ یہ شرک کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بھی ان کو جمع کرو تا کہ ان سے حساب و کتاب لیا جائے۔ "وازواجهم" ان جیسے لوگوں کو ان کے چیلوں اور پیروی کرنے والوں کو۔ قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ جو شخص جیسا عمل کرتا ہے اس کو اسی کے ساتھ جمع کرو (جن کے اعمال ان کے اعمال کی طرح ہوں گے) شراب خوروں کو شراب خوروں کے ساتھ، زنا کرنے والوں کو زنا کرنے والوں کے ساتھ۔

ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے۔ یعنی ان کے جوڑ کے شیاطین کو ان کے ساتھ جمع کرو، ہر کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھ دو۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد مشرک بیویاں ہیں۔ "وما كانوا يعبدون"

㉓"من دون اللّٰہ" دُنیا میں اللہ کے سوا جن کو پوجا کرتے تھے اس سے مراد بت پرستی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ابلیس اور اس کا لشکر ہے اور اللہ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔ "ان لاتعبدوا الشیطان"...... "فاھدوھم الی صراط الجحیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ان کو دوزخ کا راستہ بتاؤ۔ ابن کیسان کا بیان ہے کہ ان کو دوزخ کی طرف بڑھا دو۔ اسی طرح عرب والے پیچھے سے ہنکانے والے کو ہادی کہتے ہیں۔

㉔"وقفوھم" اور ان کو تم اپنے پاس روک کے رکھو۔ مفسرین نے کہا کہ جب کافروں کو دوزخ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا تو پل صراط کے پاس ان کو روک دینے کا حکم ہوگا اور اللہ فرمائے گا ان کو یہیں روک دو۔ "انھم مسئولون" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کافروں سے ان کے تمام اقوال وافعال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی باز پرس ہوگی۔

اور ایک حدیث میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اپنی جگہ سے نہ ہل سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے۔ ❶ عمر کس کام میں گزاری ❷ جسم کو کس کام میں لگا کر کمزور کیا۔ ❸ علم کے بعد کیا عمل کیا۔ ❹ مال کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا۔

"مالکم لاتناصرون" تم کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ ان کو توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ان سب سے جہنم کا داروغہ سوال کرے گا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ جیسے ان کو بدر کے دن کہا گیا "نحن جمیع منتصر"

"بل ھم الیوم مستسلمون" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ عاجز ہوں گے اور حسن نے اس کا ترجمہ کیا ہے یعنی تابع اور فرمانبردار ہوں گے۔ جیسے کہا جاتا ہے "استسلم لشیء" کسی چیز کا تابعدار ہو گیا، حکم کا تابعدار ہو گیا۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ آج کے دن ہم ذلیل ورسوا ہوئے اور ہم تمہاری پیروی کرتے ہیں جس کے بغیر ان کے لیے کوئی حیلہ نہیں تھا۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ㉗ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ㉘ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ㉙ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ㉚ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ㉛ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ㉜ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ㉝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ㉞ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ㉟ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ㊱ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ㊲

ترجمہ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب سوال (یعنی اختلاف) کرنے لگیں گے (چنانچہ) تابعین کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب ہی پر ہمارے رب کی یہ (ازلی) بات محقق ہو چکی

تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود بھی گمراہ تھے وہ تو سب کے سب اس روز عذاب میں (بھی) شریک ہوں گے (اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے بلکہ یہ تو ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔

تفسیر 27 "واقبل بعضهم علی بعض" اس سے مراد سردار اور چیلے ہیں یا کافر اور ان کے ساتھی شیطان ہیں۔ "یتساء لون" باہم وہ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔

28 "قالوا" وہ سردار اور چیلے کہیں گے۔ "انکم کنتم تاتوننا عن الیمین" اس سے مراد دین ہے جس سے انہوں نے گمراہی برتی کہ تم لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا اور ہم تمہیں دیکھتے تھے کہ تمہارا دین ہمیں گمراہی سے بچائے گا۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے راہ حق سے ہٹا دینا۔ یمین یہاں عبارت ہے دین اور حق سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں خبر دی "ثم لاٰتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم" جن کے پاس شیطان دائیں جانب سے آتا ہے وہ دین کے متعلق وسوسے ڈالتا ہے تو اس پر حق ملتبس ہو جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جھوٹی قسمیں اُٹھاتے تھے کہ جن کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں وہ حق ہے۔ اس صورت میں "تاتوننا عن الیمین" کا معنی ہوگا کہ وہ قسمیں اُٹھاتے تھے اور انہی قسموں کے ذریعے اپنی باتوں کو پختہ کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ یمین سے مراد قوت اور جبر ہے۔ "لاخذنا منه بالیمین" مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

29 "قالوا" اس سے مراد بڑے بڑے سردار ہیں جن کی اتباع کی جاتی ہے۔ "بل لم تکونوا مؤمنین" وہ کہیں گے کہ ہم تو خود حق پر نہیں تھے۔ لہٰذا تم نے اپنی مرضی سے گمراہی کو پسند کیا۔ یعنی تم پہلے سے کافر تھے نہ کہ ہماری دعوت دینے سے تم کافر ہوئے ہو۔

30 "وما کان لنا علیکم من سلطان" اور ہمارے پاس اتنی قوت و قدرت نہیں تھی کہ ہم آپ کی متابعت اور پیروی کرتے۔ "بل کنتم قومًا طاغین" اس سے مراد گمراہی ہے۔

31 "فحق" پس واجب ہے۔ "علینا" ہم سب پر "قول ربنا" اپنے رب کا قول یعنی عذاب کی دھمکی اور وہ قول یہ ہے "لاملئن جهنم من الجنة والنّاس اجمعین"...... "انا لذائقون" اس سے عذاب مراد ہے۔ گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے سب جہنم میں جائیں گے۔

32 "فاغوینا کم" ہم تمہیں ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں اور ہم نے تم کو اس کی دعوت دی جس پر ہم خود تھے۔ "انّا کنا غاوین" گمراہ کرنے والے تھے۔

33 "فانهم یومئذٍ فی العذاب مشترکون" اس سے مراد سردار اور ان کے تابعدار لوگ ہیں۔

34 "انا کذلک نفعل بالمجرمین" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جنہوں نے اللہ کے لیے شریک بنا رکھے تھے۔

㉟"انهم كانوا اذا قيل لهم لا اله الا الله يستكبرون" وہ کلمہ توحید سے تکبر کرتے اور اسی سے لوگوں کو روکتے تھے۔

㊱"ويقولون ائنا لتاركوا آلهتنا لشاعر مجنون" اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

㊲"بل جاء" وہ محمد سچا دین لائے تھے۔ "بالحق وصدق المرسلين" یہ وہ دین لائے جو پہلے انبیاء علیہم السلام لائے۔ ان کا دعویٰ دوسرے انبیاء کے دعوؤں کے موافق تھا۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ㊳ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ㊴ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ㊵ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ㊶ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ㊷ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ㊸ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ㊹ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ ㊺ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ㊻ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ㊼ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ㊽ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ㊾

ترجمہ: تم سب کو عذاب چکھنا پڑے گا اور تم سب کو اسی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال (دوسری صورتوں میں) معلوم ہو چکا ہے یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسا جام لایا جاوے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا سفید ہوگی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی اور نہ اس میں دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آوے گا اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔

تفسیر ㊳"انكم لذائقوا العذاب الاليم"......

㊴"وما تجزون الا ما كنتم تعملون" دُنیا میں شرک سے......

㊵"الا عباد الله المخلصين" اس سے مراد مؤحدین ہیں۔

㊶"اولئك لهم رزق معلوم" اس سے صبح وشام ہے۔ "ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا"......

㊷"فواكه" فاکہۃ کی جمع ہے۔ وہ پھل ہے جس کا مقصد محض لذت اندوزی ہو، غذا یابی نہ ہو اس سے تر اور خشک میوہ جات سب شامل ہیں۔ "وهم مكرمون" اللہ تعالیٰ کے ثواب کا۔

(㊸ . ㊹)"في جنت النعيم، على سرر متقابلين" وہ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے نہ ہوں گے۔

㊺"يطاف عليهم بكاس" اس سے مراد شراب ہے نہ کہ پیالہ کیونکہ پیالہ کو کوئی نہیں پیتا۔ "من معين" شراب نہروں کی صورت میں جاری ہوگا اور وہ سب کو دکھائی دے گا۔

㊻"بيضاء" حسن کا قول ہے کہ جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ "لذة" اور وہ بہت لذیذ ہوگا۔ "للشاربين" پینے والوں کے لیے ان کے پیٹ کے لیے۔

47 (لافیھا غول) امام شعبی فرماتے ہیں کہ اس کے پینے سے ان کی عقل پر پردہ نہیں پڑے گا۔ کلبی کا قول ہے کہ جنت کی شراب پی کر کوئی گناہ نہیں کر سکے گا۔ قتادہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ اس کو پیٹ کی بیماری نہیں لگے گی۔

حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد کہ سر میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔

اہل معانی نے قول کا ترجمہ کیا ہے جو پوشیدہ بیماری کا لگ جانا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے "اغتاله اغتیالاً" جس کے کام میں خفیہ طور پر فساد برپا کیا جائے اور دُنیا کے شراب میں مختلف قسم کی انواع میں فساد ہوتا ہے۔ ان میں سے نشہ، عقل کا زائل ہو جانا، بطن کا جاری ہونا، قے کا آنا، بار بار پیشاب کا آنا، جب کہ جنت کی شراب سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

"ولاھم عنھا ینزفون" حمزہ اور کسائی نے "ینزفون" زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ واقعہ میں عاصم نے ان کی متابعت کی ہے اور دوسرے قراء نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جن کے نزدیک زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ نہ تو وہ شراب ان کی عقلوں کو زائل کرے گی اور نہ ہی ان کو اس سے نشہ آئے گا۔ نزف الرجل کہا جاتا ہے جس کی عقل پر پردہ پڑ جائے اور نزیف کہا جاتا ہے جب اس کو نشہ آ جائے اور جن حضرات کے نزدیک زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا پینا ان کی عقل کو زائل نہیں کرے گا۔ جیسے انزف الرجل اس شخص کی عقل ختم ہوگئی یا شراب ختم ہوگئی جب کہ وہ شراب کو پی لے۔

48 "وعندھم قاصرات الطرف" یعنی ان حوروں کی نظریں صرف اپنے شوہروں پر مقصور ہوں گی وہ کسی اور کی طرف نہیں دیکھیں گی۔ وہ اپنی آنکھوں کو محبوس کرنے والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے انڈے ہیں۔ "عین" وہ حسین آنکھوں والیاں ہوں گی، مرد کے لیے اعین اور لڑکی کے لیے عیناء بولا جاتا ہے اور عورت کے لیے "عَیْنٌ" بولا جاتا ہے۔

49 "کانھن بیضٌ" بیضہ کی جمع ہے۔ "مکنون" چھپایا ہوا، مکنون اور بیض کو جمع لائے ہیں کیونکہ وہ لفظ کی طرف لوٹا رہے ہیں۔ حسن کا قول ہے ان کو شتر مرغ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ شتر مرغ بھی اپنے انڈوں کو اپنے پروں میں چھپا لیتا ہے، ہوا کے بچاؤ سے اور گرد و غبار سے، اسی وجہ سے وہ انتہائی سفید ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ سب رنگوں میں خوبصورت رنگ سفید ہوتا ہے اور جس عورت کا رنگ سفید ہو وہ بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ "بیضاءٌ" ان کے پینے کے پیالے سفید ہوتے ہیں اور عرب کے نزدیک سفیدی کو شتر مرغ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ 50 قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ 51 یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ
لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ 52 ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ 53 قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ 54
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ 55 قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ 56 وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُحْضَرِیْنَ 57 اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ 58 اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ 59 اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ 60 لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ 61 اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ 62

ترجمہ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاویں گے تو کیا ہم جزا سزا دیئے جاویں گے ارشاد ہوگا کہ کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو وسط جہنم میں دیکھے گا کہے گا کہ خدا کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا اور اگر میرے رب کا مجھ پر فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا کیا تم بجز پہلی بار کے مرچکنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا یہ بیشک بڑی کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔

تفسیر 50 "فاقبل بعضھم علٰی بعض یتساء لون" اہل جنت جنتیوں سے سوال کریں گے یا بعض کو بعض کے حالات جو دُنیا میں گزرے۔

51 "قال قائلٌ منھم" یعنی اہل جنت ان میں سے کہیں گے۔ "انی کان لی قرین" کہ دُنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو قیامت کا منکر تھا۔

قرین سے کیا مراد ہے

مجاہد کا قول ہے قرین سے مراد ہے شیطان یعنی شیطان میرا ساتھی تھا۔ دوسرے مفسرین کے نزدیک قرین سے مراد انسان ہی ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ قرین سے مراد ہے بھائی اور بعض علماء کا قول ہے وہ دونوں دُنیا میں شریک تھے۔ ایک کافر تھا جس کا نام مطروس تھا۔ دوسرا مؤمن تھا جس کا نام یہودا تھا، انہی دونوں کے بارے میں سورۃ کہف کی آیت "واضرب لھم مثلاً رجلین"

52 "یقول ائنک لمن المصدقین" قیامت کے دن اُٹھنے کے بعد۔

53 "ء اذا متنا و کنا ترابًا وعظامًا ء انا لمدینون" ان کو بدلہ دیں گے اور ان کا محاسبہ کریں گے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔

54 "قال" اہل جنتیوں کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ "ھل انتم مطّلعون" دوزخ والوں سے مطلع ہو اور بعض نے کہا مؤمن اپنے جنتی بھائی سے کہے گا کہ کیا تم دوزخ والوں سے آگاہ ہو اور کیا تم میرے دوزخی ساتھی کی جگہ دیکھو گے۔ اس سے جنتی کہے گا تم تو اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔

55 "فاطلع" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جنت میں کچھ دریچے ہوں گے جن میں اہل جنت دوزخیوں کو دیکھ سکیں گے۔ "فرأہ فی سواء الجحیم" وہ اپنے ساتھی کو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا۔ وسط الشی کو سواء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے تمام اطراف کا فاصلہ برابر ہوتا ہے۔

56 "قال" اس کو دیکھ کر کہے گا۔ "تاللّٰہ ان کدت لتردین" خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بہکا کر ہلاک کر دیتا۔

57 "ولولا نعمة ربّی" میرے رب کی طرف سے رحمت اور انعام نہ ہوتا تو میں گمراہی سے نہ بچ سکتا۔ "لکنت من المحضرین" تو تیرے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جاتا۔

58 "افما نحن بمیتین"

59 "الا موتتنا الاولی" "اس موت کے جو دُنیا میں ہو چکی۔ "وما نحن بمعذبین" بعض نے کہا یہ اہل جنتی فرشتوں کو اس وقت کہیں گے جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا کہ کیا ہم اب نہیں مریں گے، فرشتے ان سے کہیں گے نہیں۔

60 "انّ ھذا لھو الفوز العظیم" وہ کہیں گے کہ ان پر اللہ کی نعمت ہے کہ نہ ان کو موت آئے گی اور نہ ہی ان کو عذاب دیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ مؤمن کا قول ہے کہ یہ بطور توبیخ کے کلمہ کہے گا۔

61 "لمثل ھذا فلیعمل العاملون" اس مقام کے مثل یا ان نعمتوں کے مقابلے میں جو ہم نے ذکر کی ہیں کہ ان کیلئے رزق معلوم ہوگا۔ "فلیعمل العاملون"

62 "اذالک" جو ہم نے اہل جنت کے لیے ذکر کیا۔ "خیرٌ نزلاً ام شجرة الزقوم" وہ جو اہل دوزخ پر نازل ہوئی۔

زَقُّوْمِ کسے کہتے ہیں؟

زقوم ایک برا درخت ہے، کھانے میں بہت ہی کڑوا دوزخ والے اس کو کھاتے وقت بہت ناپسندیدہ سمجھیں گے۔ دوزخیوں کو مجبور کر کے کھلایا جائے گا، انتہائی کراہت کے باوجود وہ زقوم کھانے پر مجبور ہوں گے۔ عربی محاورہ بولا جاتا ہے تزقم الطعام بڑی ناگواری اور دُشواری کے ساتھ اس نے کھانا کھایا۔ "نزل" ایسی چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿63﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿64﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿65﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿66﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿67﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ ﴿68﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿69﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿70﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿71﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿72﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿74﴾

ترجمہ: ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن تو وہ لوگ اس سے کھاویں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جاوے گا پھر اخیر ٹھکانا ان کا دوزخ ہی طرف ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی میں پایا تھا پھر یہ بھی انہیں کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر

گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ہاں مگر جو خدا کے خاص کئے ہوئے بندے تھے۔

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر

تفسیر 63 "انا جعلناها فتنة للظالمين" ظالمین سے مراد کافر لوگ ہیں۔ کافر کہا کرتے تھے آگ درخت کو جلا ڈالتی ہے، پھر درخت میں آگ کہاں سے ہوگی۔ ابن الزبعری کا بیان ہے کہ انہوں نے سرداران قریش سے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے مکھن اور کھجور۔ ابوجہل ان زبعری کو اپنے گھر میں لایا اور باندی سے کہا جاریہ ہمارے لیے زقوم لا، باندی مکھن اور کھجوریں لے آئیں۔ ابوجہل نے کہا کہ زقوم کھاؤ یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو ڈراتے ہیں۔

64 "انها شجرة تخرج في اصل الجحيم" قعر جہنم مراد ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اس کی جڑ قعر جہنم اور اس کی ٹہنیاں دوزخ کے مختلف طبقات میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔

65 "طلعها" اس کے پھل، پھل کو طلع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا طلوع یعنی خروج درخت سے ہوتا ہے۔

رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ سے کیا مراد ہے

"كانّه رؤس الشياطين" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین (جن) ہی مراد ہیں کیونکہ لوگ کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کے لیے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ شیطان ہیں۔ اگرچہ شیاطین نظر نہیں آتے لیکن اس کی قبیح شکل وصورت تو ذہن میں متصور ہوتی ہے۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے اور بعض کا قول ہے کہ شیاطین سے مراد سانپ ہیں اور عرب لوگ قبیح شکل وصورت کو کریہہ المنظر سانپ جن کے سروں پر بال ہوتے ہیں شاید اسی کراہت شکل اور ہیبت ناک صورت کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بدصورت اور بہت کڑوا بدبودار آبادی میں پایا جاتا ہے جس کو عرب شیاطین کا سردار کہتے ہیں۔

66 "فانهم لأكلون منها فمالئون منها البطون" ملء برتن کو اتنا بھرنا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ ہو۔ یعنی بھوک کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی جابر کے جبر کی وجہ سے وہ پیٹ بھر کر زقوم کھائیں گے۔

67 "ثم انّ لهم عليها لشوبًا" شوب آمیزش ملاوٹ والا۔ "من حميم" گرم پانی جس کی حرارت بہت زیادہ تیز ہو۔ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد ان کو بہت سخت پیاس جب لگے گی تو پانی طلب کریں گے۔ جب وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور پیٹ میں پہنچ کر وہ زقومی غذا سے خلط ملط ہو جائیگا۔

⑱"ثم ان مرجعهم" گرم پانی پینے کے بعد "لالی الجحیم" پانی پلانے کے لیے ان کو گرم پانی کے قریب لے جایا جائے گا، پھر لوٹا کر جحیم میں لیجایا جائے گا، گرم پانی کا مقام جحیم سے باہر ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کررہا ہے۔ "یطوفون بینها و بین حمیم ان" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے "ثم ان منقلبهم لاالی الجحیم"

⑲"انهم الفوا" جب وہ پائیں گے۔ "آباء هم ضالین"

⑳"فهم علی آثارهم یهرعون" وہ تیزی کے ساتھ دوڑے جارہے ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ وہ ان کے اعمال کی طرح عمل کرتے ہیں۔

㉑"ولقد ضلّ قبلهم اکثر الاوّلین" اس سے مراد گزشتہ اُمتیں ہیں۔

㉒"ولقد ارسلنا فیهم منذرین"......

㉓"فانظر کیف کان عاقبة المنذرین" اس سے مراد کافر ہیں۔ ان کا انجام دردناک عذاب ہے۔

㉔"الا عباد اللّٰه المخلصین" موحدین جو عذاب سے نجات یافتہ ہوں گے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ
الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾
اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا ذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ
تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں اور ہم نے ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی اور ہم نے باقی ان ہی کی اولاد کو رہنے دیا اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کردیا اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس واہیات چیز کی عبادت کیا کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو تو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں۔

تفسیر: ㉕"ولقد نادانا نوح" حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا، اپنی قوم کے بارے میں۔ "انی مغلوب فانتصر (فلنعم المجیبون)" ہم نے ان کی دُعا کو سنا اور ان کی قوم کو ہلاک کردیا......

76 "ونجیناہ و اھلہ من الکرب العظیم" بڑے غم سے نجات دلائی، غم سے مراد ہے قوم والوں کی طرف سے پہنچنے والا دُکھ اور تکلیفیں۔

77 "وجعلنا ذریتہ ھم الباقین" قوم نوح کی نسل کے علاوہ اور کوئی نسل باقی نہیں رہی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کشتی سے اُترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں اور ان کی بیبیوں کے علاوہ سب لوگ مر گئے۔ سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ سام، حام، یافث۔ سام سے عرب، فارس، روم کے جد اعلیٰ ہوئے۔ حام کی نسل میں سارے افریقن ہیں اور یافث کی اولاد میں ترک، خرزیا، یاجوج ماجوج اور بلاد شرقیہ کے رہنے والے۔

78 "وترکنا علیہ فی الاخرین" ان کے اچھے تذکرے اور ان کی تعریف کو باقی رکھیں گے، آنے والے انبیاء اور اُمتوں میں ان کا تذکرہ باقی رکھیں گے قیامت تک۔

79 "سلام علیٰ نوح فی العالمین" ان پر ہماری طرف سے دونوں جہانوں میں سلامتی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کا تذکرہ بعد والوں میں چھوڑ دیں گے کہ وہ ان پر قیامت تک دُرود بھیجیں گے۔

80 "انا کذلک نجزی المحسنین" مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ ان کو احسان کے ساتھ بدلہ دیں گے اور وہ احسان دونوں جہانوں میں ان کا بہترین تذکرہ ہے۔

81 "انہ من عبادنا المؤمنین"

82 "ثم اغرقنا الاخرین" اس سے کفار مراد ہیں۔

83 "وان من شیعتہ" اس سے مراد اہل دین وملت اور طریقہ ہے۔ "لابراھیم"

84 "اذ جاء ربّہ بقلب سلیم" جو خالص ہوں شرک وشک وشبہ سے۔

85 "اذ قال لابیہ وقومہ ماذا تعبدون" یہ استفہام توبیخ ہے۔

86 "ائفکا آلھۃ دون اللہ تریدون" یہ جھوٹ موٹ بہت ہی بڑا کذب ہے اور اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔

87 "فما ظنکم برب العالمین" جب تم غیر اللہ کی پوجا کرتے ہو تو اس وقت تمہارا اللہ رب العالمین کے متعلق کیا گمان ہے۔

88 "فنظر نظرۃً فی النجوم"...... 89 ...... "فقال انی سقیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان کی قوم ستاروں کا علم سیکھتی تھی۔ ایسا معاملہ اس لیے اختیار کیا تا کہ وہ آپ کے انکار پر کچھ نہ کہیں۔ دوسرے دن ان کا عید کا دن تھا اور ان کے جمع ہونے کا دن تھا، وہ تہوار کے دن جانے سے پہلے اپنے بتوں کے پاس جاتے اور ان کے لیے بچھونا بچھاتے اور ان کے لیے طرح طرح کے کھانے ان کے سامنے بنا کر رکھتے۔

اور ان کا یہ گمان تھا کہ کھانا وہ متبرک کرتے ہیں۔ پھر میلے سے واپس آ کر کھاتے ہیں تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا کل آپ ہمارے ساتھ میلے میں چلیں گے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا اور

کہا کہ میں بیمار ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں طاعون زدہ ہوں۔ چونکہ وہ لوگ طاعون زدہ سے بھاگتے تھے۔ حسن نے کہا کہ اس کا معنی ہے میں مریض ہوں۔ مقاتل نے بیان کیا کہ مجھے تکلیف ہے۔ ضحاک کا بیان ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿90﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿91﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿92﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿93﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿94﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿95﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿97﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿98﴾ وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿99﴾

ترجمہ غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو تم کو کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں ہو پھر ان قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے ابراہیم نے فرمایا کہ کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے آتش خانہ تعمیر کرو اور ان کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی سو ہم نے ان ہی کو نیچا دکھایا اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا۔

تفسیر 90 **"فتولوا عنه مدبرين"** جب وہ اپنے میلے پر چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانے میں داخل ہوئے اور بتوں کو توڑ دیا۔

91 **"فراغ الى آلهتهم"** پھر ان کی طرف سے خفیہ طور پر واپس آئے۔ راغ نہیں فرمایا۔ راغ کہتے ہیں چالاکی سے مڑ جانا۔ **"فقال"** بطور استہزاء کے بتوں سے کہا۔ **"الا تاكلون"** اس کھانے کو کیوں نہیں کھاتے جو تمہارے سامنے ہے۔

92 **"مالكم لاتنطقون"**......

93 **"فراغ عليهم ضربًا باليمين"** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دائیں ہاتھ کے ساتھ ان کو شدید ضرب لگائی کیونکہ کام کاج میں دایاں ہاتھ بائیں سے زیادہ اقویٰ ہے۔ بعض نے کہا کہ بالیمین سے مراد ہے مضبوطی کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ یمین سے مراد قسم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قسم کھائی تھی اور کہا تھا **"تاللّٰه لا كيدن اصنامكم بعد ان تولوا مدبرين"**

94 **"فاقبلوا اليه"** ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ **"يزفون"** بھاگتے ہوئے جلدی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تاکہ ان کو گرفتار کریں۔ اعمش اور حمزہ نے یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، دونوں لغات ہیں۔ بعض نے کہا کہ یاء کے ضمہ کے ساتھ کہ وہ جلدی سے بتوں کو جانوروں پر سوار کرنے والے ہیں۔

⑮ "قال" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے دلیل بیان کرتے ہوئے کہا "اتعبدون ماتنحتون" کیاتم انہی کی پوجا کرتے ہوجن کوتم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔

⑯ "واللّٰہ خلقکم وما تعملون" تمہارے ہاتھوں کا بتوں کوتراشنے والاعمل۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے۔

⑰ "قالوا ابنوا لہ بنیانًا فالقوہ فی الجحیم" وہ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لیے ایک آتش خانہ تعمیر کرو۔ اس میں اس کو ڈال دو۔ مقاتل نے کہا کہ قوم ابراہیم نے پتھروں کا ایک احاطہ قائم کیا، دیواروں کی بلندی تیس ہاتھ اور چوڑائی دس ہاتھ رکھی۔ پھراس احاطہ میں لکڑیاں بھر دیں اور لکڑیوں میں آگ لگادی۔

⑱ "فارادوا بہ کیدًا" کیداً سے مراد شر ہے۔ وہ شر یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیں۔ "فجعلناھم الاسفلین" ان کوذلیل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کوصحیح سالم کر دیا اور ان کے مکر کورد کر دیا۔

⑲ "وقال" ابراہیم علیہ السلام نے کہا "انی ذاھب الی ربی" میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس دارالکفر سے ہجرت کرنے والا ہوں اور جہاں میرے رب کی رضا ہوگی وہیں رہوں گا۔ پھر آگ سے نکلنے کے بعد کہنے لگے۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشادفرمایا "انی مھاجر الی ربی"...... (سیھدین) جس طرف مجھے میرے رب نے جانے کاحکم دیا ہے اور وہ شام کا ملک ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب ارض مقدسہ میں پہنچے تو اپنے رب سے ولد کے متعلق دُعا کی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ⑩ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ⑩ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ⑩

ترجمہ: اے میرے رب مجھ کوایک نیک فرزند دے سوہم نے ان کوایک نیک فرزند کی بشارت دی سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو بامر الٰہی ذبح کر رہا ہوں سوتم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جوحکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کوسہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض جب دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کیلئے) کروٹ پرلٹایا اور چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں۔

تفسیر: ⑩ "ربّ ھب لی من الصالحین" یعنی مجھے لڑکا دیجئے جو نیک صالح ہو۔

⑩ "فبشرناہ بغلام حلیم" وہ بچپن میں غلام اور بڑے ہونے کے وقت حلیم ہے۔ اس میں خوشخبری ہے کہ وہ نبی ہی ہوں گے اور وہ زندہ رہیں گے اور وہ بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ یہاں تک کہ حلم تک پہنچ جائیں۔

⑩٢ "فلما بلغ معه السعی" ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ کا بیان ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ پہاڑ کی طرف چلنے۔ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے کے قابل ہوگئے۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ بٹانے لگے اور ان کے کاموں میں مددگار ہونے لگے۔ کلبی کا بیان ہے کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ یہی قول حسن، مقاتل بن حیان اور ابن زید کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی اور بعض نے کہا کہ سات سال کی عمر تھی۔ "قال یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک"

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ کون تھے۔ اہل کتاب کے اتفاق رائے میں ہے کہ اسحاق ذبیح اللہ ہیں اور ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے کہ اسحاق ذبیح اللہ ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور تابعین میں سے کعب احبار، سعید بن جبیر، قتادہ اور مسروق، عکرمہ، عطاء، مقاتل، زہری اور سدی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی روایت عکرمہ کی سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ شام میں وقوع پذیر ہوا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا خواب دکھایا گیا تھا۔ آپ اسحاق علیہ السلام کو ساتھ لے کر مکہ کی طرف چل دیئے اور ایک مہینے کی مسافت صبح سے دوپہر تک طے کر کے قربان گاہ منٰی میں پہنچ گئے۔ پھر جب اللہ نے آپ کو (بجائے اسحاق علیہ السلام کے) مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور آپ علیہ السلام نے مینڈھا ذبح کر دیا تو دوپہر سے شام تک ایک ماہ کی راہ آدھے دن میں چل کر شام میں پہنچ گئے۔ آپ کے لیے اللہ نے وادیوں اور پہاڑوں کو لپیٹ دیا۔ جن لوگوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانا ہے وہاں دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور اسی طرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ یہی قول سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب القرظی کا بیان ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ یہ روایت عطاء بن ابی رباح یوسف بن ماھک ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ مقدی کا قول ہے کہ ذبیح اللہ سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

یہ دونوں قول آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ جن حضرات کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں "فبشرناه بغلام حلیم"...... "فلما بلغ معه السعی" ذبح کرنے کا حکم دیا جس کے بارے میں خوشخبری دی ہے اور قرآن میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے سوا کسی کی خوشخبری نہیں دی گئی۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے۔ "فبشرناه باسحاق"

جن حضرات کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کو بشارت دی اور فرمایا "فبشرناہ باسحاق نبیا من الصالحین" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذبوح اور ہیں۔ اسی طرح سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا "فبشرناھا باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب" جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی تو ان کے ساتھ ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی، کیسے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ کہا جا سکتا ہے؟ حالانکہ ان کو بیٹے کی خوش خبری دی گئی۔

قرظی کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک یہودی عالم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہودی عالم نے کہا اسماعیل علیہ السلام کو، پھر کہا امیر المؤمنین یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن اے قوم عرب! یہودیوں کو اس بات میں حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو ذبیح اللہ مانیں۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحاق علیہ السلام تھے۔ اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ مینڈھا جس کی قربانی کی گئی تھی اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر آویختہ تھے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قبضہ میں تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کی لڑائی میں کعبہ کو آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ شروع اسلام میں مینڈھے کا سر مع سینگوں کے معلق تھا اور میزاب کعبہ خشک تھا۔ اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے پوچھا، ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام؟

ابوعمرو نے کہا اصمعی تمہاری عقل کہاں چلی گئی، اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب تھے، اسماعیل علیہ السلام نے ہی تو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا تھا۔ باقی رہی بات ذبح والے قصہ کی۔ سدی کا قول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور فرمایا "ربّ ھب لی من الصالحین" اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما اور اس کی خوشخبری دی۔ فرمایا بشارت آتے ہی آپ نے نذر مانی، فرمایا اللہ کے لیے قربان کیا جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہوا اور وہ چلنے کے قابل ہوا تو حکم ہوا کہ اپنی نذر کو پورا کیجئے، یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنیکا حکم دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا چلو اللہ کے لیے قربانی کریں گے، حضرت اسماعیل علیہ السلام رسی اور چھری لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چل دیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو پہاڑوں میں لے گئے۔ پہاڑوں میں پہنچ کر بیٹے نے پوچھا، ابا جان! آپ کی قربانی کا جانور کہاں ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے قربان کر رہا ہوں۔

"قال یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب کب آیا

محمد بن اسحاق نے بیان کیا جب حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے پاس جانا چاہتے تھے تو براق پر سوار ہو کر صبح کو شام سے روانہ ہوتے اور دو پہر کو مکہ میں پہنچ کر قیلولہ کرتے۔ پھر جب مکہ سے واپس آتے تو دو پہر کے بعد چل کر شام کو شام میں پہنچ جاتے اور یہیں رات گزارتے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو آرزو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے وابستہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت اور حرمات الٰہیہ کی تعظیم کریں گے۔ اس کے پورا ہونے کی اُمید ہو گئی تو خواب میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دو۔ اس حکم کی صورت یہ ہوئی کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ صبح کو اُٹھے تو سوچ میں پڑ گئے (کہ کیا یہ حکم خداوندی تھا) صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہے کہ یہ خواب رحمانی ہے یا شیطانی، اسی لیے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے۔ جب شام ہو گئی اور آپ سو گئے تو دوسری بار بھی آپ نے وہی پہلا خواب دیکھا۔ جب صبح کو اُٹھے تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی لیے اس (نویں) تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ "**کذا اخرج البیھقی فی شعب الایمان من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس**" محمد بن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: رسی اور چھری لے لو، ہم اس گھاٹی میں لکڑیاں جمع کرنے جا رہے ہیں۔ جب کوہ ثبیر کی گھاٹی میں پہنچے تو تنہائی ہوئی تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس حکم کی اطلاع دی جو آپ علیہ السلام کو ملا تھا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین رات یہی خواب دیکھے۔ آخر جب آپ کو یقین آ گیا کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے۔

(**ماذا تری**) حمزہ اور کسائی نے تری تاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا یعنی کس طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا تاکہ اللہ ان کے صبر کو جان لیں اور اس نیکی پر آپ کی عزیمت حاصل ہو جائے۔ باقی واقعہ گزر گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا (**ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین**)

(۱۰۳) "**فلما اسلما**" جب دونوں نے اللہ کے حکم کو مان لیا اور امر خداوندی کے سامنے جھک گئے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی جان کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ کی تفسیر

"**وتلہ للجبین**" اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۔ اسماعیل علیہ السلام نے باپ سے کہا: ابا! میرے بندھن کس کر باندھنا تا کہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میری طرف سے سمیٹے رکھنا تا کہ میرا خون اُچھل کر آپ کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آ جائے اور ان کے خون کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلا دینا تا کہ میرے لیے دُشواری نہ ہو کیوں کہ موت سخت چیز ہے اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتہ میری ماں کے پاس لے جانا چاہتے ہوں تو لے جائیں، اس سے ان کو بڑی تسلی ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے۔ پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا، باپ نے ویسا ہی کیا۔ اوّل بیٹے کو پیار کیا، پھر باندھ دیا اور رونے لگے، پھر اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیزی سے چلانے لگے لیکن چھری کچھ نہ کاٹ سکی۔ آپ علیہ السلام نے چھری کو دو تین بار پتھر سے تیز کیا لیکن چھری (کچھ بھی) نہ کاٹ سکی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوت کے ساتھ کئی بار اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری چلائی لیکن چھری نے (کچھ بھی) نہیں کاٹا۔ اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر اللہ نے تانبے کی تختی لگا دی (جس پر چھری کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا) اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت کہا: ابا! مجھے چت کر دو۔ آپ کی نظر میرے چہرہ پر پڑے گی تو آپ کو پیار آ جائے گا اور آپ کے دل میں رقت پیدا ہو جائے گی جو حکم کی تعمیل میں رُکاوٹ پیدا کر دے گی اور چھری پر میری نظر پڑے گی تو بیتابی بے قراری میرے اندر پیدا ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جب گردن پر چھری رکھی تو چھری (کی دھار) لوٹ گئی۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل لٹایا تھا۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

محمد بن اسحاق نے اپنے رواۃ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو شیطان نے کہا: اگر میں اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا۔ یہ ارادہ کر کے وہ لڑکے کی ماں (حضرت ہاجرہ) کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ ماں نے کہا: دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے لے گئے ہیں۔ ماں نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا، وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بیٹے کی بڑی محبت ہے۔ شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اسماعیل علیہ السلام کو

ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ ماں نے کہا: اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی اطاعت کرنی ہی بہتر ہے۔ شیطان یہاں سے (مایوس ہوکر) بیٹے کے پاس پہنچا۔ بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ شیطان نے اس سے کہا لڑکے! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم کو کہاں لے جا رہا ہے؟ لڑکے نے کہا: ہم گھر کے لیے ایندھن کی لکڑیاں اس گھاٹی سے لینے جا رہے ہیں۔ شیطان نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ لڑکے نے کہا: کیوں؟ شیطان نے کہا: اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے۔ لڑکے نے کہا: ایسا ہے تو اس کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسر و چشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)۔

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رُخ کیا اور کہنے لگا: شیخ! کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں۔ شیطان بولا: خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آکر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت پہچانے کہ یہ شیطان ہے، بولے، دشمن خدا! میرے پاس سے ہٹ جا، میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا۔ شیطان غضبناک ہوکر لوٹ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے معاملے میں کچھ بھی کامیاب نہ ہوسکا، اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

ابوالطفیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کردینے کا حکم دیا گیا (تو) اس مشعر پر شیطان (روکنے کیلئے) آپ کے سامنے آ گیا لیکن آپ آگے نکل چکے تھے۔ پھر آپ جمرۂ عقبہ پر پہنچے وہاں بھی شیطان سامنے آ گیا۔ آپ نے اس کے سات پتھریاں ماریں، شیطان چلا گیا۔ پھر آپ جمرۂ وسطیٰ پر پہنچے وہاں بھی شیطان آگے آ گیا۔ آپ نے اس کے سات کنکریاں ماریں، شیطان چلا گیا اور پھر جمرۂ کبریٰ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پایا، یہاں بھی آپ نے اس کے سات سنگ ریزے مارے اور شیطان چلا گیا۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے چل دیئے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کا حکم بجالائے۔ "فلما اسلما وتله للجبين"

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ اس وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں یہ تھا بڑا امتحان۔

تفسیر 104 "ونادیناه أن یا ابراهيم" اس میں واؤ زائد ہے۔

105 "قد صدقت الرؤیا" یہاں پر کلام تام ہوگیا۔ پھر آگے ارشاد فرمایا:

"انا كذلك نجزی المحسنين" جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو جزا دی ثواب عظیم ذبح کا عطا کیا اور ذبح اسماعیل علیہ السلام سے درگزر کی اور سارے جہاں پر ان کو برتری عنایت کی۔ اسی طرح ہم تمام نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے

ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا اور ان کے بیٹے کو ذبح کرنے سے معاف کر دیا۔

⑩⑥ "ان هذا لهو البلاء المبين" ظاہر کو اختیار کیا چونکہ اس کے ذریعے سے ظاہر ہو جاتا ہے انسان کا مخلص و غیر مخلص ہونا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ بلاء سے مراد نعمت ہے۔ اللہ نے بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کرنے کا حکم اللہ کا بڑا انعام ہے۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: صدقت الرؤیا کیسے فرما دیا حالانکہ انہوں نے اس کو ذبح نہیں کیا؟

جواب: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کو بایں طور سچا کر دکھایا کہ ان کے نزدیک جس کا اختیار تھا وہ پورا کر لیا اور مطلوب یہاں ان دونوں کا تسلیم ہو جانا ہے اور وہ ان دونوں سے محقق ہو گیا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب صرف یہ دیکھا تھا کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں، خون بہاتے نہیں دیکھا تھا۔ بیداری میں اس کو پورا کر دیا۔ اس مطلب پر تصدیق رؤیا کا حقیقی مفہوم مراد ہوگا اور اول مطلب پر مجازی معنی مراد ہوگا۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے عوض میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے اور ہم نے (ایک انعام ان پر یہ کیا) کہ ان کو اسحاق کی بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور (پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی جو (بدیاں کر کے صریح) اپنا نقصان کر رہے ہیں اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں) مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے۔

تفسیر: ⑩⑦ "وفديناه بذبح عظيم" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نظر آئے جن کے ساتھ ایک سینگوں والا مینڈھا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے اس کی قربانی کر دیجئے۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی۔ پھر منیٰ کی قربان گاہ میں جا کر مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ بجائے بیٹے کے فدیہ پیش کرنے والے تو حقیقت میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام تھے لیکن قربانی کا جانور اللہ کا عطا کردہ تھا اور اللہ ہی نے جانور کے بجائے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لیے "فدیناہ" میں فعل فدیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی۔

اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ وہ مینڈھا جنت کے اندر چالیس خریف رہا تھا۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے کہا کہ جس مینڈھے کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی پیش کی تھی۔ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے قربانی پیش کی تھی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کو عظیم ہونے کا حق تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا نام عظیم تھا کیونکہ وہ مقبول تھا۔ حسین بن فضل کا بیان ہے اس کے عظیم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ عظیم تھا باعتبار ثواب کے۔

108 "وترکنا علیه فی الاخرین" یعنی ان کا ذکر خیر آنے والوں میں رکھیں گے۔

109 "سلام علٰی ابراهیم"......

110 "کذلک نجزی المحسنین"......

111 "انه من عبادنا المؤمنین"

112 "وبشرناه باسحاق نبیا من الصالحین" جنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اس قصہ کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کو نبی ہونے کی بشارت دی اور جو حضرات حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی نبوت کی خوشخبری سنائی۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ ان کو دو مرتبہ خوش خبری دی گئی۔ ایک مرتبہ ان کی پیدائش اور دوسری مرتبہ ان کو نبوت ملنے کے وقت۔

113 "وبارکنا علیه" حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں "وعلی اسحاق" ان کی نسل سے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئے۔ "ومن ذریتهما محسن" اس سے مؤمن ہونا مراد ہے۔ "وظالم لنفسه" اور وہ ناشکرے ہیں۔ "مبین" اور ان کا کفر ظاہر ہے۔

114 "ولقد مننا علٰی موسٰی و هارون" اور ہم نے آپ کو نبوت جیسی نعمت عطا فرمائی۔

115 "ونجینا هما وقومهما" اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ "من الکرب العظیم" بڑا غم تھا اور وہ بڑا غم فرعون سے بچنے کا تھا کہ اللہ ان کو فرعون سے دور کردے اور بعض نے کہا کہ غرق ہونے والا غم۔

116 "ونصرناهم" اس سے مراد موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان دونوں کی قوم ہے۔ "فکانوا هم الغالبین" قبطیوں پر غالب ہو جائیں گے۔

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ⑪⑦ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑪⑧ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي
الْاٰخِرِيْنَ ⑪⑨ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ⑫⓪ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ⑫① اِنَّهُمَا مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ⑫② وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑫③ اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ⑫④

ترجمہ: اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ پر قائم رکھا اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے اور الیاس بھی (بنی اسرائیل کے) پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔

تفسیر: ⑪⑦ "واٰتینٰھما الکتاب المستبین"......

⑪⑧ "وھدیناھما الصراط المستقیم"......

⑪⑨ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

⑪⑨ "واتینھما الکتاب المستبین" یعنی ایسی کتاب دی جس میں اللہ کے احکام کھول کر بیان کیے گئے۔

"وھدینا ھما الصراط المستقیم"......"وترکنا علیھما الاخرین"......

⑫⓪ "سلام علٰی موسٰی و ھارون"......

⑫① "انّا کذٰلک نجزی المحسنین،

⑫② انھما من عبادنا المؤمنین"

⑫③ (وان الیاس لمن المرسیلن)

حضرت الیاس کا ذکر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الیاس، ادریس ہی تھے (دونوں نام ایک ہی پیغمبر کے تھے) مصحف ابن مسعود میں "وان ادریس لمن المرسلین" لکھا ہوا تھا۔ عکرمہ کا قول بھی یہی ہے۔ باقی دوسرے علماء قائل ہیں کہ الیاس، ادریس کے علاوہ ایک اسرائیلی پیغمبر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الیاس، حضرت الیسع کے چچا کے بیٹے تھے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیر از بن ہارون بن عمران۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے: اصحاب روایت کہتے ہیں کہ جب الیاس سے پہلے جو پیغمبر تھے، ان کی وفات ہوگئی تو بنی اسرائیل میں نئی

نئی بدعتیں بڑھ گئیں، شرک پھیل گیا، بت نصب کر دیئے گئے، بتوں کی پوجا ہونے لگی۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے الیاس کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء علیہم السلام کی بعثت اس غرض سے ہوتی تھی کہ توریت کے بھولے ہوئے احکام کو از سر نو تازہ کر دیا جائے۔ بنی اسرائیل شام میں پھیلے ہوئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یوشع بن نون نے جو ملک شام فتح کیا تھا تو وہاں بنی اسرائیل کو بسا دیا تھا اور ان میں سے ایک سبط (خاندان) کو بعلبک اور اس کے اطراف میں آباد کر دیا تھا، انہی میں سے الیاس پیغمبر ہوئے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اس زمانہ میں بعلبک کا بادشاہ اجب تھا۔ اجب نے بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کیا کیونکہ وہ خود بت پرست تھا، بعل نامی بت کی پوجا کرتا تھا۔ یہ بت دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے تنہا اللہ کی عبادت کی، ان کو دعوت دیتے تھے لیکن آپ کی بات کوئی نہیں سنتا تھا، صرف بادشاہ کے حکم کو مانتے تھے اور بادشاہ بت کو مانتا اور اس کی پوجا کو صحیح قرار دیتا تھا۔ الیاس علیہ السلام بادشاہ کو بھی راہِ راست دکھاتے اور اس کے احکام کی درستی کرتے رہتے تھے۔ بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ازبیل تھا۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی لڑائی پر یا اور کسی غرض سے ملک سے باہر جاتا تھا تو ازبیل کو اپنا جانشین بنا جاتا تھا۔ عورت باہر نکل کر حکومت کرتی تھی اور انبیاء کی (بڑی دشمن اور) زبردست قتالہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن زکریا پیغمبر کو بھی اسی نے قتل کرایا تھا۔ اس کا ایک پیشکار تھا جو دانش مند مردِ مؤمن تھا، اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے تین سو انبیاء علیہم السلام کو جن کو قتل کرنے کا ازبیل نے ارادہ کر لیا تھا۔ اس قتالہ کے پنجے سے رہائی دلائی تھی اور جن انبیاء علیہم السلام کو یہ قتالہ قتل کر چکی تھی، ان کو تو قتل کر چکی تھی (ان کا تو ذکر ہی نہیں) یہ عورت بجائے خود باعصمت بھی نہیں تھی۔ سات اسرائیلی پیغمبروں سے نکاح کر چکی تھی اور ہر ایک کو دھوکے سے اس نے قتل کر دیا تھا۔ اس کی عمر بہت تھی، روایت میں آیا ہے کہ اس کی ستر اولادیں ہوئیں۔

بادشاہ اجب کا ایک ہمسایہ بڑا مرد صالح تھا جس کا نام مزدکی تھا۔ اس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس پر اس کا گزر بسر تھا۔ اسی کی درستی اور اصلاح میں وہ مشغول رہتا تھا۔ یہ باغیچہ شاہی قصر کے برابر تھا، بادشاہ اور اس کی بیگم دونوں اس باغیچہ میں سیر و تفریح کرتے، وہاں کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے۔ اجب اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ازبیل ہمسایہ سے جلتی تھی اور کسی حیلے بہانے سے اس کو قتل کر دینا چاہتی تھی تاکہ باغیچہ چھین لے کیونکہ لوگوں میں باغیچہ کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی خوبصورتی کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اجب اپنی بیوی کو روکتا رہتا تھا۔ اس لیے بی بی کو مقصد براری کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ دور کے سفر پر چلا گیا اور طویل مدت تک اپنے ملک سے غیر حاضر رہا۔ ازبیل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو حکماً اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ مزدکی کے خلاف شہادت دیں اور یہ کہیں کہ مزدکی نے بادشاہ کو ہمارے سامنے گالی دی ہے۔ اس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل تھی۔ ملکہ نے شہادت مرتب کر لی تو مزدکی کو طلب کیا اور اس سے کہا: تو نے بادشاہ کو گالی دی ہے، مجھے یہ اطلاع ملی ہے۔ مزدکی نے انکار کیا تو ملکہ نے گواہوں کو بلوایا، گواہوں

نے مزدکی کے خلاف جھوٹی شہادت دی۔ ملکہ نے مزدکی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغیچے پر خود قبضہ کرلیا۔ اس بندۂ صالح کے (ناحق، ظلما) قتل کیے جانے پر وہ لوگ غضب خداوندی میں مبتلا ہوگئے۔ بادشاہ سفر سے واپس آیا تو ملکہ نے اس کو یہ خبر سنائی۔ بادشاہ نے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ ہم آئندہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ایک مدت سے وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ہم نے بھی اس کا پڑوس اچھی طرح نبھایا تھا اور ہر طرح کی ایذا رسانی کو اس سے دور رکھا تھا کیوں کہ اس کا حق ہم پر واجب تھا لیکن تو نے بدترین سلوک کے ساتھ اس کا کام تمام کردیا۔ عورت بولی: مجھے تو آپ کی وجہ سے غصہ آیا اور آپ ہی کے فیصلہ کے موافق میں نے فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے کہا: کیا تیرے لیے برداشت کی گنجائش نہ تھی کہ اس کے حق ہمسائیگی کا لحاظ کرتی؟ عورت نے کہا: اب تو جو کچھ ہوگیا، سو ہوگیا۔ اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو شاہ اجب اور اس کی قوم کے پاس یہ اطلاع دینے کے لیے بھیجا کہ اللہ کے ولی کو جب لوگوں نے ظلم سے قتل کردیا تو اس حرکت سے اللہ سخت ناراض ہوگیا اور اس نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کی ملکہ اپنی حرکت سے توبہ نہیں کریں گے اور باغیچہ مزدکی کے وارثوں کو لوٹا کر نہیں دیں گے تو اللہ ان کو تباہ کردے گا اور باغیچہ کے اندر ہی دونوں کی مُردار لاشیں پھینک دے گا کہ ان کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہوجائیں گی۔

الیاس علیہ السلام نے حسب الحکم یہ پیام پہنچا دیا۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا: الیاس! تو جس بات کی مجھے دعوت دے رہا ہے، وہ غلط ہے۔ فلاں فلاں بادشاہوں نے ہماری طرح بتوں کی پوجا کی، اس کے باوجود وہ کھاتے رہے، مزے اُڑاتے رہے، حکومت کرتے رہے اور جس بات کو تو باطل (غلط اور بے حقیقت) قرار دے رہا ہے، ان کو اس باطل پرستی سے کوئی دنیوی نقصان نہیں پہنچا اور ہم اپنے خیال میں ان سے برتر نہیں ہیں۔ غرض بادشاہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے اور دُکھ پہنچانے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو جب بادشاہ کی شرارت کا احساس ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ بادشاہ دوبارہ بعل کی پوجا کرنے لگا۔ الیاس علیہ السلام کسی بڑے اونچے دُشوار گزار پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں ایک غار میں داخل ہوگئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سات برس آپ خوف (اور خانہ بدوشی) کی حالت میں چھپتے پھرتے، زمین کی گھاس اور درختوں کے پھل کھا کھا کر گزار دیئے۔ بادشاہ کے آدمی آپ کی تلاش میں رہے، آپ کے پیچھے جاسوس بھی لگا دیئے لیکن اللہ نے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

سات سال پورے ہوگئے تو اللہ نے آپ کو برآمد ہونے اور قوم سے انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ چنانچہ اجب کا سب سے پیارا بیٹا جو باپ کا بہت زیادہ ہم شکل تھا، بحکم خدا اتنا سخت بیمار ہوگیا کہ باپ کو اس کی طرف سے نااُمیدی ہوگئی۔ اجب نے اپنے معبود بعل سے دُعا کی (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) اجب اور اس کی رعایا، سب بعل کی پرستش میں مبتلا تھے، اس کی تعظیم اس حد تک کرتے تھے کہ اس کی نگرانی اور خدمت کے لیے چار سو مجاور مقرر کر رکھے تھے جن کو وہ انبیاء کہتے تھے۔ شیطان بعل کے پیٹ میں گھس کر بولتا تھا اور یہ خدام کان لگا کر اس کا کلام سنتے تھے۔ شیطان کوئی گمراہ کن قانون مجاوروں کے دلوں میں ڈال دیتا تھا اور مجاور وہ حکم لوگوں کو بتا دیتے تھے، اسی لیے ان مجاوروں کو انبیاء کہا جاتا تھا۔

شہزادے کی بیماری جب شدت پکڑ گئی تو اس نے مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل سے اس کے بیٹے کی صحت کے لیے سفارش کریں۔ مجاوروں نے بعل سے دُعا کی لیکن بعل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اللہ نے شیطان کو بت کے اندر گھسنے سے روک دیا، اس لیے بت بول نہ سکا اور مجاور اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے۔ جب مجاوروں کو زاری کرتے زیادہ وقت ہو گیا (اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، یہاں تک کہ بت نے کوئی بات بھی نہ کی) تو لوگوں نے اجب سے کہا: اطراف شام میں کچھ معبود اور ہیں، آپ ان انبیاء کو ان کے پاس بھیجئے تا کہ وہ بعل سے سفارش کر دیں۔ بعل آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتا ہے، اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دُعا قبول کر لیتا۔ اجب نے کہا: بعل مجھ سے ناراض کیوں ہے؟ میں تو اس کی پوجا کرتا اور اس کے حکم کو مانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: بعل کی ناراضی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اب تک الیاس کو قتل نہیں کیا۔ اس کے قتل کرنے میں آپ سے کوتاہی ہوئی کہ وہ صحیح سالم بچ کر چلا گیا اور وہ آپ کے معبود کا منکر ہے۔ اجب نے کہا: میں الیاس کو کیسے قتل کر سکتا ہوں؟ میں تو اپنے بیٹے کی بیماری میں لگا ہوا ہوں۔ میری یہی مشغولیت الیاس کی تلاش سے روک رہی ہے اور الیاس کا مقام بھی مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سے اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو الیاس کو ڈھونڈنے کی مجھے فراغت مل جائے گی۔ پھر میں اس کو کہیں پا کر قتل کر دوں گا اور اپنے معبود کو راضی کر لوں گا۔ اس کے بعد اجب نے چار سو انبیاء کو ملک شام کے بتوں کے پاس یہ درخواست کرنے کے لیے بھیجا کہ وہ اجب کے معبود سے بیٹے کو تندرست کر دینے کی سفارش کر دیں۔ حسب الحکم انبیاء روانہ ہو گئے۔ جب یہ لوگ پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں الیاس سکونت پذیر تھے تو اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اب تم نیچے اُتر کر ان کے سامنے جاؤ اور ان سے گفتگو کرو، ان سے کوئی خوف نہ کرو۔ میں ان کی شرارت کو تمہاری طرف پھیر دوں گا (یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے) اور ان کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال دوں گا۔

حسب الحکم الیاس علیہ السلام پہاڑ سے اُتر آئے۔ جب ان کے سامنے پہنچے تو ان کو ٹھہر جانے کا حکم دیا، سب رُک گئے۔ الیاس علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمہارے پاس اور ان لوگوں کے پاس جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو، ایک پیام دے کر بھیجا ہے کہ لوگو! اپنے رب کا پیام خوب سن لو اور واپس جا کر اپنے آقا کو بھی پہنچا دو اور اس سے کہہ دو کہ اللہ فرماتا ہے: اے اجب! کیا تو نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں؟ میں ہی بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے ان کو پیدا کیا اور رزق دیا ہے اور وہی ان کو زندگی عطا کرتا اور موت دیتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تو دوسروں کو میرا شریک قرار دیتا اور میرے سوا ان سے اپنے بیٹے کی شفا مانگتا ہے جن کے قبضے میں اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ بیٹے کے سلسلے میں تجھے ضرور غضب میں مبتلا کروں گا اور ضرور ضرور اس پر موت کو مسلط کر دوں گا تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میرے سوا کوئی بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا یہ کلام سن کر مجاور خوف زدہ ہو گئے اور لوٹ پڑے اور بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کو بتایا کہ الیاس علیہ السلام ہمارے پاس اُتر کر آیا تھا اور اس نے ہمیں ٹھہر جانے کا حکم دیا، ہم ٹھہر گئے۔ ہمارے دلوں میں اس کا رُعب بیٹھ گیا اور ہیبت چھا گئی، ہماری زبانیں بند ہو گئیں۔ ہم اتنی کثیر تعداد میں تھے لیکن اس سے بات بھی نہ کر سکے، نہ اس کی بات کا جواب دے

سکے۔ وہ ایک دراز قامت، دُبلا پتلا آدمی تھا، سر کے بال جھڑ گئے تھے، بدن کی کھال کھردری ہوگئی تھی، بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ اور چغہ پہنے ہوئے تھا، کانٹوں سے اس نے کرتے کا گریبان سی لیا تھا۔ آخر ہم آپ کے پاس لوٹ آئے۔ غرض حضرت الیاس علیہ السلام کی بات انہوں نے بادشاہ کو پہنچادی۔

اس کے بعد الیاس علیہ السلام کے زندہ رہتے ہوئے اجب کو اپنی زندگی بے سود معلوم ہونے لگی لیکن بغیر دھوکے اور فریب کے الیاس علیہ السلام تک اس کی دسترس بھی ممکن نہ تھی، اس لیے (اس نے ایک چال چلی) اپنی قوم کے پچاس طاقتور، قوی آدمی مقرر کیے اور ان کو ذمہ دار بنا دیا اور حکم دے دیا کہ فریب سے کام لیں اور دھوکے میں ڈال کر الیاس علیہ السلام کو قتل کر دیں اور الیاس علیہ السلام کو جا کر لالچ دیں کہ ہم اور وہ لوگ جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہیں، سب کے سب آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ ایسی باتیں سن کر الیاس علیہ السلام کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ دھوکا کھا جائیں گے اور اپنے آپ پر تم لوگوں کو قابو دے دیں گے، تم ان کو لے کر بادشاہ کے پاس آ جانا۔ حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور جس پہاڑ میں الیاس علیہ السلام سکونت گزیں تھے جب اس پر چڑھے تو منتشر ہو گئے اور انتہائی اونچی آواز سے الیاس علیہ السلام کو پکارنے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! آپ ہم پر کرم کیجئے اور ہمارے سامنے آ جائیے، ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں اور ہمارا بادشاہ اجب اور سارے لوگ بھی آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ تمام بنی اسرائیل آپ کو سلام کہتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا پیام ہم کو پہنچ گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا، ہم نے اس کو جان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اب آپ ہمارے پاس آ جائیے اور ہمارے ساتھ قیام فرمائیے۔ جو کچھ آپ ہم کو حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور جس بات سے روکیں گے، اس سے باز رہیں گے اب جبکہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے فرمانبردار ہو گئے ہیں تو آپ کے لیے ہم سے الگ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہمارے پاس واپس آ جائیے۔

ان لوگوں کی باتیں ایک دھوکا تھیں، ایک فریب تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے دل میں ان کا کلام بیٹھ گیا۔ آپ کو ان کے مؤمن ہونے کا خیال بھی ہوا اور (ایسی حالت میں) برآمد نہ ہونے سے اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ بھی ہوا لیکن اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ابھی توقف کرنا چاہیے اور اللہ سے دُعا کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے (دُعا کی اور) کہا: اے اللہ! اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو مجھے برآمد ہونے کی اجازت عطا فرما دے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کو مجھ سے باز رکھ اور ان پر ایسی آگ برسا جو ان کو سوختہ کر دے۔ ابھی یہ لفظ پورے نہ ہونے پائے تھے کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور سب جل کر رہ گئے۔

اجب اور اس کی قوم کو جب یہ اطلاع ملی، تب بھی اجب اپنے ارادۂ شر سے باز نہیں آیا اور دوبارہ فریب سے کام لیا اور پہلی جماعت کے برابر ایک اور جماعت مقرر کی جو پہلی جماعت سے زیادہ طاقتور، بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی۔ حسب ہدایت یہ لوگ چل دیئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل گئے اور پکارنے لگے: اے اللہ کے نبی! ہم اللہ کے غضب اور گرفت سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں، وہ لوگ جو آپ کے پاس پہلے آئے تھے، ہم ان کی طرح نہیں ہیں۔ وہ تو منافق تھے، ہمارے مشورے کے بغیر وہ

آپ کو فریب دینے کے لیے آئے تھے۔ اگر ہم کو ان کی حرکت کا علم ہو جاتا تو ہم ان کو قتل کر دیتے اور آپ کو تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔ اب اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، ان کو ہلاک کر دیا اور ہمارا اور آپ کا ان سے انتقام لے لیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر سابق کی طرح اللہ سے دُعا کی، اللہ نے فوراً ان پر آگ کی بارش کر دی جس سے سب سوختہ ہو گئے۔

اس تمام کارروائی کے دوران شہزادہ کی بیماری کی مصیبت شدید ہوتی رہی۔ بادشاہ نے جب دوسرے گروہ کے ہلاک ہو جانے کی خبر سنی تو اس کا غضب بالائے غضب ہو گیا اور خود الیاس علیہ السلام کی تلاش میں جانا چاہا لیکن بیٹے کی بیماری آڑے آئی اور خود نہ جا سکا۔ ایک شخص اجب کی بیوی کا میر منشی یا سیکرٹری تھا اور (در پردہ) مؤمن تھا (لیکن بادشاہ کو اس کا مؤمن ہونا معلوم تھا) بادشاہ نے اس کو بھیجنے کی تجویز اس خیال سے کی کہ الیاس علیہ السلام اس سے مانوس ہے اس کے ساتھ پہاڑ سے اُتر کر آجائے گا اور چونکہ سیکرٹری کا مؤمن ہونا بادشاہ کو معلوم تھا اور یہ جاننے کے باوجود اس نے سیکرٹری کی طرف سے چشم پوشی محض اس کی کارگزاری، امانت داری اور درستی رائے کی وجہ سے کر رکھی تھی، اس لیے اس نے سیکرٹری پر یہی ظاہر کیا کہ میں الیاس علیہ السلام سے کوئی بدسلوکی کرنا نہیں چاہتا۔ سیکرٹری کے ساتھ اس نے کچھ آدمیوں کی ایک جماعت اور بھی کر دی تھی اور اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ اگر الیاس علیہ السلام ساتھ آنا نہ چاہے تو گرفتار کر کے، باندھ کے لے آئے اور اگر سیکرٹری پر اعتماد کر کے ساتھ آجائے تو پھر خوفزدہ کرنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں۔ سیکرٹری پر اس نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

اور کہہ دیا تھا کہ اب جبکہ میرے آدمی جل چکے اور میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور یہ سب مصیبتیں مجھ پر آپڑی ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ الیاس علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ الیاس علیہ السلام ہم سب لوگوں کے لیے جو باقی رہ گئے ہیں، بددعا کرے گا تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے، اس لیے تم الیاس علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے توبہ کر لی ہے اور (اللہ کی طرف) رجوع کر چکے ہیں اور ہماری یہ توبہ اور رضاء رب کی طلب اور ترک اصنام کا عمل اسی وقت صحیح ہو گا جب الیاس علیہ السلام ہمارے پاس موجود ہوں، اوامر و نواہی صادر کریں اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتائیں۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی اور اس کے حکم کے مطابق علیحدگی میں انہوں نے بھی سیکرٹری کے سامنے اعتراف کر لیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن بتوں کی ہم پہلے پوجا کرتے تھے، ان کی پوجا ہم نے چھوڑ دی ہے اور الیاس علیہ السلام کے اُتر کر آنے تک ہم نے اس معاملہ کو ملتوی کر رکھا ہے تاکہ وہی آکر ان کو جلا دیں اور برباد کر دیں (ان باتوں میں سے کسی بات میں خلوص نہ تھا، بلکہ یہ سب کچھ بادشاہ کا فریب تھا)۔

غرض سیکرٹری اور اس کے ساتھ ایک جماعت سب روانہ ہو گئے اور حضرت الیاس علیہ السلام والے پہاڑ پر سیکرٹری چڑھ گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام کو پکارا، آپ نے اس کی آواز پہچان لی، دل میں اس سے ملنے کا شوق پہلے ہی تھا، آواز سن کر ملاقات کی ایک ہوک اُٹھی، فوراً اللہ کی طرف سے وحی بھی آگئی کہ باہر نکل آؤ اور اپنے صالح بھائی سے ملو اور اس سے (دوستی کے) عہد کی تجدید کرو۔ وحی آتے ہی حضرت الیاس علیہ السلام سیکرٹری کے سامنے آگئے، سلام علیک کہا اور مصافحہ کیا اور خبر دریافت کی۔ مرد مؤمن نے کہا: مجھے اس ظالم اور سرکش قوم نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس کے بعد پوری سرگذشت بیان کر دی اور یہ بھی کہا کہ

اگر آپ میرے ساتھ نہ ہوں گے اور میں تنہا واپس جاؤں گا تو مجھے خوف ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا۔ اب جیسا چاہیں آپ مجھے حکم دیں، میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں بادشاہ سے کٹ کر آپ کے پاس ہی رہنے لگوں اور اس کو بالکل چھوڑ دوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے ہمرکاب رہ کر میں اس سے مقابلہ کروں اور اگر آپ کا ارادہ کچھ پیام دے کر مجھے اس کے پاس بھیجنے کا ہو تو میں آپ کا پیام بھی پہنچا دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب سے دُعا کریں کہ وہ ہمارے اس (اُلجھے ہوئے) معاملہ میں کشائش کا کوئی راستہ نکال دے۔

اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ جتنی حرکتیں کی ہیں، سب فریب اور دھوکا ہیں، وہ تمہارے اوپر قابو پانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ اجب کو اگر اس کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس جا کر خبر دے دیں گے کہ اس مرد (مؤمن) کی تم سے ملاقات ہوگئی ہے اور وہ تم کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکا ہے تو وہ اس شخص پر (تم سے مل جانے کی) تہمت لگائے گا اور سمجھ لے گا کہ مردِ مؤمن نے تمہارے معاملہ میں سستی سے کام لیا، اس لیے اس کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم دونوں کی طرف سے اجب کو روک دوں گا، اس کے بیٹے کی مصیبت دُگنی کر دوں گا تاکہ بیٹے کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت ہی اس کی نظر میں نہ رہے، پھر اسی بری حالت میں اس کے بیٹے پر موت کو مسلط کر دوں، جب وہ مر جائے گا تو اس وقت تو اس کے پاس سے لوٹ آنا۔

حضرت الیاس علیہ السلام یہ حکم ملنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور سب لوگ اجب کے پاس پہنچ گئے۔ جونہی یہ لوگ پہنچے، اللہ نے اجب کے بیٹے کی بیماری شدید کر دی یہاں تک کہ موت اس کے گلوگیر ہوگئی۔ اس طرح اللہ نے اجب اور اس کے ساتھیوں کو الیاس علیہ السلام کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور الیاس علیہ السلام بخیریت واپس آ گئے۔ جب اجب کا بیٹا مر گیا اور لوگ اس کے مسئلہ سے فارغ ہو گئے اور غم میں بھی کچھ کمی آ گئی تو اس وقت الیاس علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی آنکھیں کھلیں اور سیکرٹری جو حضرت الیاس علیہ السلام کو لایا تھا، اس سے الیاس علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا۔ سیکرٹری نے کہا: مجھے الیاس علیہ السلام کا کوئی علم نہیں۔ مجھے شہزادے کی موت اور اس کے غم نے فرصت ہی نہیں دی اور میرا خیال تھا کہ آپ نے الیاس علیہ السلام کے متعلق کچھ اعتماد کر لیا ہوگا۔ اس جواب پر سیکرٹری کی طرف سے اجب نے پہلوتہی کر لی کیوں کہ (گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ سیکرٹری کو شہزادے کے مرنے کا) سخت غم تھا۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام کو پہاڑوں میں رہتے ہوئے ایک طویل مدت گزر گئی اور ان کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہنے کا شوق پیدا ہو گیا تو پہاڑ سے اُتر کر چل دیئے اور ایک اسرائیلی عورت کے گھر جا کر ٹھہرے، یہ عورت مچھلی والے حضرت یونس بن متی کی ماں تھی۔ اس عورت کے گھر آپ چھ ماہ چھپے رہے، یونس اس وقت شیر خوار بچہ تھا۔ یونس کی ماں حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت خود کیا کرتی تھی اور اپنے مال سے ان کی مدد کرتی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام تو پہاڑوں کی سکونت کے عادی ہو چکے تھے، یہاں گھروں کی تنگی میں رہنے سے اُکتا گئے اور پہاڑ پر ہی چلا جانا آپ نے پسند کیا۔ آخر گھر سے نکل کر اپنی (کوہستانی) جگہ پر لوٹ آئے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی جدائی سے یونس کی ماں بیتاب ہوگئی اور آپ کے نہ ہونے سے وحشت زدہ ہوگئی۔ پھر کچھ ہی مدت کے بعد جب اس نے اپنے یونس کا دودھ چھڑایا تو یونس کا انتقال ہوگیا۔ اب تو یونس کی ماں پر مصیبت عظیم آپڑی اور الیاس کو تلاش کرنے کے لیے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور برابر پہاڑیوں پر چڑھتی اور گھومتی پھری۔ آخر آپ کو اس نے پالیا اور عرض کیا: آپ کے جانے کے بعد میرے بچہ کے مرنے کی مجھ پر بیتابی بڑھ گئی جس کی وجہ سے میری مصیبت میں بڑا اضافہ ہوگیا اور اس کے نہ ہونے سے میں بڑی دُکھی ہوگئی، میرا اس کے سوا کوئی اور بچہ بھی نہیں ہے۔ آپ مجھ پر رحم کیجئے اور اللہ سے دُعا کردیجئے کہ میرا بیٹا زندہ ہوجائے۔ میں نے اس کو دفن نہیں کیا ہے اور یونہی (کپڑے سے) ڈھانک دیا ہے اور اس کی موجودگی کو چھپا رکھا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا، مجھے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (یعنی مُردے کو زندہ کرنے کی دُعا کا حکم نہیں دیا گیا ہے) اور میں تو بندہ ہوں، وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ عورت یہ جواب سن کر بے قرار ہوگئی اور گڑگڑانے لگی۔ اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کے دل کو عورت کی (درخواست کی) جانب مائل کردیا۔ پوچھا: تیرا بیٹا کب مرا ہے؟ عورت نے کہا: سات روز ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور سات روز چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے اور اس کے بیٹے کو ۱۴ روز کا مُردہ پایا۔ آپ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دُعا کی۔ اللہ نے یونس بن متی کو زندہ کردیا۔ یونس زندہ ہوکر اُٹھ بیٹھے، جونہی یونس اُٹھ کر بیٹھے فوراً حضرت الیاس علیہ السلام اُچھل کر اُٹھے اور یونس کو چھوڑ کر چل دیئے اور اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

جب قوم کی نافرمانی بہت طویل ہوگئی تو حضرت الیاس علیہ السلام ان کی نافرمانی سے بڑے تنگ دل ہوگئے۔ اللہ نے سات سال کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی، آپ نزول وحی سے پہلے بڑے خوفزدہ تھے۔ اللہ نے الیاس علیہ السلام کو ندا دی اور فرمایا: الیاس! یہ غم اور بیتابی جس میں تو مبتلا ہے کیا ہے؟ کیا تو میری وحی کا امین اور زمین پر میری برہان اور (ساری) مخلوق میں میرا منتخب کردہ نہیں ہے؟ (جو کچھ چاہے) مجھ سے مانگ لے، میں تجھے عطا کردوں گا۔ میں وسیع رحمت اور بڑے فضل والا ہوں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: تو مجھے موت دے دے اور میرے اسلاف کے ساتھ مجھے ملا دے۔ میں بنی اسرائیل سے تنگ آگیا ہوں اور بنی اسرائیل مجھ سے تنگ دل ہوگئے ہیں۔ اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا: یہ وہ دن نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے خالی کردوں۔ زمین کا قیام اور بہبودی تو تیری اور تجھ جیسے دوسرے لوگوں کی (برکت کی) وجہ سے ہے، اگرچہ تم لوگ تھوڑے ہو، مجھ سے کچھ اور سوال کر، تیرا سوال پورا کردوں گا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اگر تو موت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل سے مجھے انتقام لینے کی قدرت عطا فرما دے۔ اللہ نے فرمایا: تو کیا چاہتا ہے؟ الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: سات سال تک بارش کے خزانے میرے قبضہ میں دے دے کہ میری دُعاء کے بغیر کوئی بدلی ان پر نہ پھیلے اور میری سفارش کے بغیر ایک بوند بارش کی ان پر نہ ہو، اس کے بغیر یہ فرمانبردار نہ ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا: الیاس! میں اپنی مخلوق پر بڑا رحیم ہوں، اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں (مگر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: تو چھ سال (بارش روک

دے) اللہ نے فرمایا: میں اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہوں۔ الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اچھا تو پانچ سال۔ اللہ نے فرمایا: یہ (مدت) بھی میرے تقاضائے رحم سے زائد ہے، البتہ تین سال میں (بارش روک کر ان کی نافرمانی کا) بدلہ میں تجھے دے دوں گا، بارش کے خزانے تیرے قبضہ میں دے دوں گا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا: پھر میں کس طرح زندہ رہوں گا؟ اللہ نے فرمایا: میں پرندوں کی ایک جماعت تیری خدمت پر لگادوں گا، سبزہ زار اور شاداب زمین سے وہ تیرا کھانا پینا لا کر تجھے پہنچا دے گی۔ اس کے بعد اللہ نے بارش روک دی، نتیجہ میں جانور، چوپائے اور زمین کے کیڑے مکوڑے مر گئے، درخت سوکھ گئے اور انسان سخت ترین مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ الیاس اس مدت میں حسب سابق اپنی قوم سے چھپے رہے۔ جہاں بھی ہوتے، ان کا رزق وہاں رکھ دیا جاتا تھا۔ قوم والوں کو بھی اس کا احساس ہو گیا۔ اگر کسی گھر کے اندر سے روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی تو سمجھ جاتے کہ یہاں الیاس علیہ السلام آیا تھا۔ چنانچہ وہاں الیاس علیہ السلام کو تلاش کرتے (اور الیاس علیہ السلام نہ ملتے تو) گھر والوں کو ان کے ہاتھوں سے بڑا دُکھ پہنچتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا: تین سال تک بنی اسرائیل قحط کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے۔ ایک روز کسی بڑھیا کی طرف سے آپ کا گزر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ کھانا ہے؟ بڑھیا نے کہا: ہاں، کچھ آٹا اور تھوڑا سا روغن زیتون ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے دونوں چیزیں منگوالیں اور موجودہ چیزوں میں برکت کی دُعا کی اور ان پر ہاتھ پھیر دیا۔ فوراً بڑھیا کا بورا آٹے سے اور مٹکے روغن زیتون سے بھر گئے (اور خود چل دیئے) لوگوں نے جب بڑھیا کے پاس یہ چیزیں دیکھیں تو پوچھا: یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں؟ بڑھیا نے حضرت الیاس علیہ السلام کا پورا حلیہ بیان کیا اور کہا: اس حلیہ کا ایک آدمی یہاں آیا تھا (اس کی دُعاء سے ایسا ہوا) لوگ پہچان گئے کہ وہ الیاس ہی تھے۔ آخر آپ کو تلاش کر کے ایک جگہ پالیا لیکن آپ بھاگ گئے اور کسی اسرائیلی عورت کے گھر میں جا کر مقیم ہو گئے۔ اس عورت کا ایک لڑکا سخت بیمار تھا جس کا نام الیسع بن اخطوب تھا۔ عورت نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مکان میں جگہ دی اور چھپا لیا۔ آپ نے اس لڑکے کے لیے دُعا کی، لڑکا تندرست ہو گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ ہو لیا، پیچھے لگ گیا۔ جہاں الیاس علیہ السلام جاتے وہ لڑکا بھی ساتھ جاتا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس وقت عمر رسیدہ اور کبیر السن ہو چکے تھے، الیسع نوجوان تھا۔ اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے بہت مخلوق کو بارش کو روک دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔

وہ مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے جو بے قصور تھے، بارش بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئے (بقول اہل روایت) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اب مجھے ہی تو اجازت دے دے کہ میں ہی ان کے لیے دُعا کروں اور جس دُکھ میں یہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے رہائی میری ہی دُعا سے ان کو مل جائے۔ اس طرح شاید یہ باز آ جائیں اور جس شرک میں مبتلا ہیں، اس سے نکل آئیں۔ جواب ملا: اچھا، یہ جواب پانے کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس گئے اور فرمایا: کوئی شک نہیں کہ تم لوگ بھوک اور دُکھ سے ہلاک ہو گئے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی مر گئے اور درخت بھی مُردہ ہو گئے۔ تم سب بلاشبہ باطل پرست ہو، اگر تم کو اس کا ثبوت درکار ہے تو اپنے

بتوں کو میرے سامنے نکال کرلاؤ۔ اگر وہ تمہاری دُعائیں قبول کرلیں (اور بارش ہو جائے) تو بیشک تمہاری بات سچی ہوگی اور اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو خود تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم باطل پرست ہو، اس وقت تم اپنے خود ساختہ شرک سے نکل آنا۔ پھر میں اللہ سے دُعاء کروں گا اور وہ تمہاری یہ مصیبت جس میں تم پھنسے ہوئے ہو، دور کردے گا۔ قوم والوں نے کہا: آپ نے انصاف کی بات کی۔ چنانچہ وہ اپنے بتوں کو باہر نکال کرلے آئے اور ان سے دُعائیں کیں لیکن جس مصیبت میں گرفتار تھے وہ دور نہ ہوئی۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام نے دُعا کی، الیسع بھی آپ کے ساتھ شریک تھے، فوراً سطح سمندر سے ایک ڈھال کے برابر بدلی اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف بڑھی اور آفاق پر چھا گئی۔ پھر بحکم خدا اس سے اتنی بارش ہوئی کہ مُردہ بستیوں میں جان پڑگئی اور اللہ نے ان کی فریاد رسی کی۔ جب اللہ نے ان کا دُکھ درد دور کردیا، تب بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا اور کفر کو نہ چھوڑا اور اپنی بدترین حالت پر قائم رہے۔

الیاس علیہ السلام نے جب یہ حالت دیکھی تو (مایوس ہوکر) اللہ سے دُعا کی کہ اب مجھے ان لوگوں سے نجات دے (بقول اہل روایت) جواب ملا: فلاں تاریخ کا انتظار کرو، مقرر دن آجائے تو فلاں مقام پر چلے جانا اور جو سواری تمہارے پاس آجائے، بے دھڑک اس پر سوار ہو جانا۔

حسب الحکم الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ الیسع نکل کر اس مقام پر پہنچے جہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک آتشیں گھوڑا (اور بقول بعض) آگ کے رنگ کا گھوڑا پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ الیاس علیہ السلام کود کر اس پر سوار ہوگئے اور گھوڑا آپ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ الیسع نے پکار کر کہا: حضرت! میرے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت الیاس علیہ السلام نے فضاء اعلیٰ کی بلندی سے اپنی ایک تحریر پھینک دی۔ یہ علامت تھی کہ الیسع کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے حضرت کا خلیفہ بنادیا گیا۔ حضرت الیسع کی حضرت الیاس علیہ السلام سے یہ آخری ملاقات تھی۔ اللہ نے الیاس علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے اندر سے نکال کر اوپر اُٹھالیا، الیاس کو کھانے پینے سے بے نیاز کردیا اور (فرشتوں جیسے) پَر اور بازو عنایت کردیئے اور ان کو مَلکی انسان بنادیا جو ارضی (انسان) بھی تھے اور سماوی (فرشتہ) بھی۔

شاہ اجب اور اس کی قوم پر اللہ نے ایک غیبی دُشمن کو مسلط کردیا کہ لوگوں کی بے خبری میں اس نے ان پر حملہ کردیا اور اجب اور اس کی بیوی کو مزدکی کے باغ میں قتل کردیا اور اسی باغیچہ میں ان کی لاشیں پڑی رہیں کہ گوشت پارہ پارہ ہوگیا اور ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں۔ اللہ نے وحی کے ذریعے سے اس واقعہ کی اطلاع الیسع کو دے دی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے پاس بھیجا۔ بنی اسرائیل الیسع پر ایمان لائے، آپ کی عزت کی اور وفات تک آپ کی حکومت بنی اسرائیل پر قائم رہی۔

سری بن یحییٰ نے عبدالعزیز بن ابی الدرداء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام دونوں بیت المقدس میں ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج کے موقع پر ہر سال دونوں ملتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الیاس بیابانوں اور خضر سمندروں (کی ڈیوٹی) پر مقرر ہیں۔ (الیاس علیہ السلام جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی رہنمائی کرتے ہیں اور خضر علیہ السلام بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں)" کذا ذکر البغوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ: وانّ الیاس لمن المرسلین"

۱۲۴"اذ قال لقومه الا تتقون"......

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۞ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۞اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۞وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۞سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ یَاسِیْنَ ۞

ترجمہ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اس کو چھوڑے بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے (اور وہ) معبود حق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے اور ہم نے الیاسؑ کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر سلام ہو۔

تفسیر ۱۲۵"أتدعون" کیا تم عبادت کرتے ہو "بعلاً" بت کا نام ہے جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ اس کی مناسبت سے ان کے شہر کو بعلبک کہا جاتا تھا۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ بعل اہل یمن کی لغت میں رب کو کہتے ہیں۔ "وتذرون احسن الخالقین" وہ اس کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

۱۲۶"اللّٰہ ربکم و رب آبائکم الاوّلین" حمزہ، کسائی وحفص ویعقوب کے نزدیک "اللّٰہ ربکم وربَّ" نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں بدل ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک مرفوع ہے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے۔

۱۲۷"فکذبوہ فانھم لمحضرون" ان کو دوزخ میں حاضر کریں گے۔

۱۲۸"الا عباد اللّٰہ المخلصین" ان کی قوم سے یا ان کے ساتھیوں کو عذاب سے بچالیں گے۔

۱۲۹"وترکنا علیه فی الاخرین"......

۱۳۰"سلام علی الیاسین" نافع ابن عامر نے آل یاسین پڑھا ہے۔ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور لام کے کسرہ کے ساتھ کیوں کہ مصحف میں مفصولاً ہی نقل کیا گیا ہے اور دوسرے قراء نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور لام کے سکون کے ساتھ موصولاً نقل کیا۔ جن حضرات نے آل یٰسین پڑھا ہے (جدا جدا) انہوں نے اس سے مراد آل محمد لیا ہے لیکن یہ قول بعید ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ معروف قرأۃ وصل کے ساتھ ہے اور اس کی لغت میں اختلاف ہے۔

بعض نے کہا کہ الیاسین لغت میں الیاس ہے۔ مثل اسماعیل کی طرح، اسماعین اور میکائیل سے میکائین۔ فراء کا قول ہے کہ الیاس کی جمع ہے۔ اس سے ان کے اصحاب واتباع مؤمنین مراد ہیں۔ یہ بمنزلہ اشعریین، اعجمیین کی طرح ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سلام علی ادراسین اس سے، ادریس علیہ السلام اور ان کے تابعدار مراد ہیں۔ وہ یہی پڑھتے ہیں۔

"وان ادریس لمن المرسلین"

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی بجز اس بڑھیا (یعنی ان کی زوجہ کے کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کردیا اور تم تو ان (کے دیار و مسکن) پر صبح ہوتے اور رات میں گزرا کرتے ہو تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے سو یونس بھی شریک قرعہ ہوئے۔ اور یہی ملزم ٹھہرے۔

تفسیر ﴿۱۳۱﴾"انا کذلک نجزی المحسنین،

﴿۱۳۲﴾انہ من عبادنا المؤمنین،

﴿۱۳۳﴾وانّ لوطاً لمن المرسلین،

﴿۱۳۴﴾اذ نجیناہ و اھلہ اجمعین،

﴿۱۳۵﴾ الاعجوزًا فی الغابرین"ان کے لیے عذاب باقی رہنے والا ہے۔

﴿۱۳۶﴾"ثم دمرنا الاخرین"تدمیر کا معنی ہے ہلاکت۔

﴿۱۳۷﴾"وانکم لتمرون علیھم"ان کے نقش وقدم اور ان کے ٹھکانوں پر سے گزرو۔"مصبحین"صبح کے وقت

﴿۱۳۸﴾"وباللیل"وہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ دن پر سے گزرتے ہیں اور رات ان پر سے گزرتی ہے جب وہ کسی سفر پر جاتے اور واپس آتے۔"افلا تعقلون"کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

﴿۱۳۹﴾"وان یونس لمن المرسلین"حضرت یونس علیہ السلام بھی انبیاء کرام میں سے تھے۔

﴿۱۴۰﴾"اذ ابق الی الفلک المشحون"جب وہ کشتی سے بھاگنے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب کا بیان ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کر آئے تو ان پر وقت مقررہ پر عذاب نہیں آیا تو وہ اپنی قوم سے چھپ کر بھاگنے لگے، سمندر کا رُخ کیا اور کشتی پر سوار ہوگئے۔ جب کشتی سمندر کے درمیان پہنچی تو رُک گئی۔ کشتی کے ملاح نے کہا کہ اس میں کوئی بھاگا ہوا غلام موجود ہے جس کی وجہ سے کشتی نہیں چلتی۔ انہوں نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ تین بار قرعہ ڈالا، تینوں بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کہنے لگے کہ میں ہی

اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہوں۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

ایک روایت میں اس طرح قصہ مذکور ہے کہ جب وہ سمندر کے کنارے پہنچے تو آپ کے ساتھ زوجہ اور دو بیٹے تھے، کشتی آئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو اپنے ساتھ بٹھانے کا ارادہ کیا کہ کشتی اور ان کی بیوی کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ موجوں کی نذر ہوگئی۔ پھر ایک اور موج آئی، وہ حضرت یونس علیہ السلام کے بڑے بیٹے کو لے گئی۔ ادھر سے ایک بھیڑیا آیا وہ ان کے چھوٹے بیٹے کو لے گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اکیلے رہ گئے۔ پھر ایک اور کشتی آئی۔ اس میں آپ کی قوم کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئے۔ جب کشتی سمندر میں چلنے لگی تو رُک گئی، قرعہ ڈالا گیا، اس کا بقیہ تفصیلی واقعہ سورۂ یونس میں گزر چکا ہے۔

⑭١ "فساھم" انہوں نے اس میں قرعہ ڈالا تا کہ جس کے حصے میں قرعہ نکلے وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔ "فکان من المدحضین" وہ ہو گئے قرعہ ڈالنے والوں میں سے۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾

ترجمہ پھر ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے اور ہم نے ان پر ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا تھا اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔

تفسیر ⑭٢ "فالتقمہ الحوت" ان کو مچھلی نے نگل لیا۔ "وھو ملیم" اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔

⑭٣ "فلولا أنه کان من المسبحین" اگر وہ اس سے پہلے اللہ کی یاد نہ کرتے رہتے اور وہ بہت زیادہ اللہ کو یاد کرنے والے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا کہ وہ بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے۔ وہب نے کہا کہ وہ بہت زیادہ عابد تھے۔ حسن کا قول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں نماز نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ اس سے پہلے وہ پڑھتے تھے اور بعض نے کہا کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں وہ اللہ کی تسبیح نہ کرتے، سعید بن جبیر نے کہا کہ تسبیح سے مراد ہے "لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین"

⑭٤ "للبث فی بطنه الٰی یوم یبعثون" اگر تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک آپ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

⑭٥ "فنبذناہ" پس ہم نے ان کو ڈال دیا۔ "بالعراء" زمین پر۔ امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ساحل پر ڈال دیا۔ عراء اس زمین کو کہتے ہیں جو درخت اور نباتات سے خالی ہو۔ "وھو سقیم" چڑیا کے بچہ کی مانند۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ آپ کا

گوشت بسک گیا تھا۔ ہڈیاں کمزور ہوگئیں، بدن میں قوت باقی نہیں رہی تھی۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے عرصے رہے۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ تین روز وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ عطاء کا قول ہے کہ سات روز۔ ضحاک کا قول ہے بیس دن۔ سدی، کلبی و مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ چالیس روز رہے۔ شعبی کا قول ہے کہ چاشت کے وقت مچھلی نے نگلا تھا اور شام کو اُگل دیا۔

146 "وانبتنا علیہ" اس کے لیے اور بعض نے کہا اس کے پاس "شجرۃ من یقطین" کدو کی بیل تمام مفسرین کے نزدیک ہے۔ حسن اور مقاتل کا بیان ہے کہ جس درخت کا تنا نہ ہو اور اس کی بیل زمین پر پھیلتی ہو اور سردی کے زمانہ میں باقی نہ رہتا ہو، وہ یقطین ہے۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام درخت کے سائے میں رہنے لگے۔ ایک پہاڑی بکری آپ کے پاس آجاتی تھی۔ آپ صبح و شام اس کا دودھ پیتے تھے۔ آخر جب گوشت میں کچھ سختی آگئی، بال اُگ آئے اور قوت بھی آگئے تو آپ سو گئے لیکن جب بیدار ہوئے تو درخت سوکھ چکا تھا، دھوپ کی تپش بدن پر لگی تو آپ کو درخت کے سوکھ جانے کا بڑا غم ہوا اور رونے لگے۔ اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ تم کو ایک درخت کا تو اتنا غم ہے اور اپنی اُمت کے ایک لاکھ آدمیوں کا غم نہیں جو مسلمان بھی ہوگئے اور توبہ بھی کر چکے ہیں۔

147 "وارسلناہ الی مائۃ الف" قتادہ کا قول ہے کہ مذکورہ بالا مصیبت سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام کو نینوا علاقہ موصل کے باشندوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نمودار ہونے کے بعد پیغمبر بنا کر بھیجا۔ بعض نے کہا کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد دوسری قوم کی طرف ان کو بھیجا گیا۔ "او یزیدون" مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ او بمعنی بل کے ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ایک لاکھ کی طرف بلکہ اس سے زیادہ کی طرف ہم نے یونس علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ زجاج کا قول ہے کہ "اَوْ" اس جگہ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہے مگر مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اگر ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ ایک لاکھ ہیں یا زیادہ ہیں جیسے کوئی شخص کسی گروہ کو دیکھ کر کہتا ہے۔ یہ ایک لاکھ ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ سب کچھ مخلوق کے تخمینے اور اندازے کے بغیر یقینی ہونے پر ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اور اس سے بھی زیادہ۔ مفسرین رحمہم اللہ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد کتنی تھی۔ اس سلسلہ میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک ایک لاکھ کے اوپر اور بیس ہزار تک ان کی تعداد تھی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ تیس ہزار سے کچھ زیادہ تھے اور سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے ستر ہزار تعداد بیان کی ہے۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا سو ان لوگوں سے پوچھیے کہ خدا کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ ان کے (بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً (بالکل) جھوٹے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں تم کو کیا ہو گیا تم کیسا (بیہودہ) حکم لگاتے ہو پھر کیا تم (عقل اور) سوچ سے کام نہیں لیتے ہو ہاں کیا تمہارے پاس (اس پر) کوئی واضح دلیل موجود ہے تم اگر اس میں سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں (بھی) رشتہ داری قرار دی ہے اور (جس) جس کو یہ لوگ خدا کا شریک ٹھہرا رہے تھے ان کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان میں جو جنات ہیں ان) کا عقیدہ یہ ہے کہ (ان میں جو کافر ہیں) وہ (عذاب میں) گرفتار ہوں گے۔

تفسیر ﴿۱۴۸﴾ "فامنوا" عذاب کے معائنہ کے بعد یونس علیہ السلام کی قوم ایمان لے آئی۔ "فمتعناهم الی حین" جب اس کی اجل پوری ہوگئی۔

﴿۱۴۹﴾ "فاستفتهم" اے محمد! آپ اہل مکہ سے پوچھئے، یہ سوال بطور توبیخ کے ہے۔ "الربک البنات ولهم البنون" یہ اس وجہ سے کہ قبیلہ جہینہ اور قبیلہ بنوسلمہ دونوں کا یہ عقیدہ تھا کہ (نعوذ باللہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایسا بڑا الزام ڈالتے ہیں، یہ الزام ظالم لوگ ہی کر سکتے ہیں، وہ کہتے تھے "جعلوا الله البنات ولانفسهم البنين"

﴿۱۵۰﴾ "ام خلقنا الملائكة اناثاً" یہ سوال بطور استہزاء کے ہے کہ کیا تمہاری نظروں میں ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا ہے۔ "وهم شاهدون" کہ جب ہم ان کو پیدا کر رہے تھے کیا اس وقت یہ لوگ حاضر تھے؟ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "أشهدوا خلقهم" ہے۔

﴿۱۵۱﴾ "الا انهم من افكهم" ایسے جھوٹ کی وجہ سے جس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ "ليقولون

﴿۱۵۲﴾ ولد الله وانهم لكاذبون"......

﴿۱۵۳﴾ "اصطفٰی" ابوجعفر نے اس کو ماقبل والی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے مشرکین کے قول کی خبر ہونے کی وجہ سے اور اگر وصل

پڑھیں تو اس صورت میں یہ ابتداء ہوگا۔ "اصطفٰی" الف کے کسرہ کے ساتھ اور بعض قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیوں کہ الف استفہام وصل پر داخل ہوا ہے۔ لہٰذا وصل والا الف کو حذف کر کے استفہام والے الف کو باقی رکھا۔ "البنات علی البنین"

⑭ "مالکم کیف تحکمون" یہ کیسا حکم لگا رہے ہو، اللہ کے لیے تو بیٹیاں پسند کرتے ہو اور اپنے لیے بیٹے۔

⑮ "أفلا تذکرون" کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

⑯ "ام لکم سلطان مبین" کھلی ہوئی دلیل جو اللہ کی طرف سے اُتاری گئی ہو۔

⑰ "فأتوا بکتابکم" ایسی دلیل لے آؤ جس میں تمہارے لیے حجت ہو۔ "ان کنتم صادقین" اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔

بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ کی تفسیر

⑱ "وجعلوا بینه وبین الجنة نسبًا" مجاہد اور قتادہ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر "الجنة" سے مراد ملائکہ ہیں ان کو جن سے اس لیے موسوم کیا کیونکہ جن کا معنی ہے پوشیدہ ہونا فرشتے چونکہ نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اس لیے ان کو "الجنّة" کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت قریش کے تین قبائل سلیم، خزاعہ اور جہینہ کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ملائکہ کا ایک خاص گروہ ہے جن میں سے ابلیس بھی ہے ان کو جن کہا جاتا ہے انہی کو وہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ خدا نے کسی جنی عورت سے اپنا جوڑ لگالیا اور اس سے ملائکہ پیدا ہوگئے۔ بعض قریشیوں نے جب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، ان کی مائیں کون ہیں؟ بولے جنات کی شریف ترین اعلیٰ عورتیں (پریاں) ان کی مائیں ہیں۔

حسن کا قول ہے کہ یہاں "نسبًا" سے مراد شیاطین کو اللہ کی عبادت میں شریک کرنا۔ "ولقد علمت الجنّة انهم" یہ بات کہنے والے خود جنات جانتے ہیں۔ "لمحضرون" ان کو دوزخ میں حاضر کیا جائے گا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی برأت کی اور اپنی پاکی بیان کی۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ⑮٩ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ⑯٠ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ⑯١ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ⑯٢ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ⑯٣ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ⑯٤ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ⑯٥ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ⑯٦ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ⑯٧ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑯٨ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ⑯٩ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ⑰٠ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ⑰١

ترجمہ: اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر جو اللہ کے خاص (ایمان والے) بندے ہیں سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اسی کو جو کہ (علم الٰہی میں) جہنم رسید ہونے والا ہے اور ہم میں ہر ایک

کا ایک معین درجہ ہے اور (خدا کے حضور میں حکم سننے کے وقت) ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (خدا کی) پاکی بیان کرنے میں بھی لگے رہتے ہیں اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں (کی کتابوں کے) طور پر آتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے سو (خیر) اب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے سے ہی مقرر ہو چکا ہے۔

تفسیر ⑮⑨ "سبحان اللّٰہ عمّا یصفون"......

⑯⓪ "الا عباد اللّٰہ المخلصین" استثناء متصل ہے۔ یعنی وہ لوگ اس وقت ان کو حاضر نہیں کر سکیں گے۔

⑯① "فانکم" وہ اہل مکہ کو کہتے ہیں۔

⑯② "وما تعبدون" بتوں کی پوجا۔ "ما انتم علیہ" سوتم اور تمہارے سارے معبودین "بفٰتنین" اللہ کے معاملہ میں کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

⑯③ "الا من ھو صال الجحیم" مگر اس شخص کو جس کے لیے جہنم میں جانا مقدر ہو چکا ہے جس پر اللہ کی بدبختی غالب آ گئی۔

⑯④ "وما منا الا لہ مقام معلوم" یعنی ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے، آسمانوں میں ایک معین مقام ہے جہاں وہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں کہ جس پر فرشتے نے نماز نہ پڑھی ہو اور تسبیح نہ کی ہو۔

حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسمان چرچرایا اور اس کو چرچرانا چاہیے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، چار انگل کی کوئی جگہ آسمان میں ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے سجدہ نہ کر رہا ہو۔ سدی نے اس آیت کی تشریح میں کہا کہ قرب اور مشاہدہ کا درجہ ہر فرشتے کا مقرر ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا مقام عبودیت مراد ہے جیسے خوف، اُمید، محبت، رضا

⑯⑤ "وانا لنحن الصافون" قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرشتے اپنے قدموں پر صف بستہ ہوتے ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ آسمان پر عبادت کے فرشتوں کی صفیں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے زمین پر آدمیوں کی صفیں۔

⑯⑥ "وانا لنحن المسبحون" ہم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ صلوٰۃ اور تسبیح کے ساتھ۔ ان کے اور معبودین نہیں جیسے کفار کے کئی کئی معبود ہوتے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم کافروں کی طرح نہیں ہیں کیوں کہ عبادت اور تسبیح میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنائیں۔

⑯⑦ "وان کانوا" اور یہ کفار مکہ "لیقولون" اس میں لام تاکید کے لیے ہے۔

⑯⑧ "لو أن عندنا ذکرًا من الاوّلین" پہلے لوگوں کی طرح کتابیں لے کر آئیں۔

⑯٩"لکنا عباد اللہ المخلصین"......

⑰٠"فکفروا بہ"جب ان کے پاس کتاب آ گئی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔"فسوف یعلمون" یہ بطور تہدید کے ارشاد فرمایا۔

⑰١"ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین" یہ اس قول کی طرح ہے "کتب اللہ لاغلبن أنا ورسلی"

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: کہ بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے) کہ ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے تو آپ (تسلی رکھیے) اور تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور ایذا رسانی) کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا) ان کو دیکھتے رہیے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں سو وہ (عذاب) جب ان کے روبرو نازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہوگا اور آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہیے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے

تفسیر ⑰٢......"انھم لھم المنصورون"......

⑰٣"وان جندنا لھم الغالبون" اللہ تعالیٰ کے گروہ ان پر غلبہ پالیں گے اور آخرت میں ان کی مدد کی جائے گی۔

⑰٤......"فتول" آپ ان سے اعراض کر لیجئے۔"عنھم حتی حین" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حین سے مراد ہے موت کا وقت۔ مجاہد کے نزدیک بدر کا دن مراد ہے۔ سدی کا قول ہے کہ جس روز اللہ کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے گا۔ بعض نے کہا کہ جب تک ان پر عذاب نہ آ جائے۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس آیت سے قتال کی آیت منسوخ ہوتی ہے۔

⑰٥"وابصرھم" جب ان پر عذاب نازل ہوگا۔"فسوف یبصرون" اس وجہ سے وہ کہیں گے کہ عذاب کب آئے گا۔

⑰٦......"افبعذابنا یستعجلون"......

⑰٧"فاذا نزل" جب ان پر عذاب نازل ہوگا۔"بساحتھم" مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے جب عذاب ان کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صحن ہے۔ فراء کے نزدیک یہ ہے کہ عرب قوم کی جگہ ساحت کا ذکر کافی سمجھتے ہیں۔

"فساء صباح المنذرین" یعنی صبح کے وقت کافروں کے لیے برا ہوگا۔ اس لیے عذاب سے ان کو ڈرائیں۔ حضرت

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف نکل چلے اور رات کو وہاں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ رات کو اگر (دشمن) قوم پر پہنچ جاتے تھے تو صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو خیبر کے یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر (باہر) نکلے اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے، خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور پورا لشکر بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اکبر خیبر ویران ہوگیا۔ ہم جب ان کے صحن میں اُتر گئے تو ان لوگوں کا دن بہت برا ہوگیا جن کو پہلے سے ڈرایا گیا۔

● "وتولی عنهم حتّٰی حین"

● "وابصر" دیکھو اس عذاب کو جب ان پر نازل ہو رہا تھا۔ "فسوف یبصرون"

● "سبحان ربک رب العزة" غلبہ اور قوت "عما یصفون" جو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مقرر کر رکھی تھی۔

● "وسلام علی المرسلین" انہوں نے اللہ کی توحید اور شریعتوں کو پہنچایا۔

● "والحمدللّٰه رب العالمین" دشمنوں کی ہلاکت پر اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نصرت پر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ قیامت کے دن پورے ناپ سے اس کو اجر ناپ کر دیا جائے اس کا مجلس سے اُٹھنے کے وقت آخری کلام "سبحٰن ربک ربّ العزة عمّا یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللّٰه رب العالمین" ہونا چاہیے۔

سُوْرَۃ صٓ

مکی سورۃ ہے اس میں اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ① بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ
مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ. اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ
الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ
ذِكْرِیْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧

ترجمہ: صٓ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پر ہے بلکہ (خود) یہ کفار (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں ہیں ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے (ہلاکت کے وقت) بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا اور ان کفار (قریش) نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے ایک پیغمبر ڈرانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص (خوارق میں) ساحر (اور دعویٰ نبوت میں) جھوٹا ہے (اور) کیا (یہ شخص سچا ہو سکتا ہے کہ) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے اور (توحید کا مضمون سن کر) ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے ہوئے چلے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر قائم رہو یہ کوئی مطلب کی بات ہے ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں سنی نہیں ہو نہ ہو یہ (اس شخص کی) گھڑت ہے کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا بلکہ یہ لوگ خود) میری وحی کی طرف سے شک (یعنی انکار) میں ہیں بلکہ (اصل وجہ یہ ہے) انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔

تفسیر: ① "صٓ" بعض نے کہا کہ یہ قسم ہے بعض نے کہا کہ یہ سورۃ کا نام ہے جیسا کہ ہم نے ہر سورۃ کی ابتداء میں

حروف تہجی کے متعلق بیان کیا۔محمد بن کعب القرظی کا بیان ہے کہ اللہ کے نام یعنی صمد اور صادق الوعد کی کنجی ہے۔ضحاک کا قول ہے کہ ص کا معنی ہے صدق اللہ، اللہ نے سچ فرمایا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ ص کا معنی ہے صدق محمد رسول اللہ "والقرآن ذی الذکر" یہ بیان ہے عقل مندلوگوں کے لیے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مقاتل، ضحاک نے اس کا ترجمہ شرف سے کیا ہے۔اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "وانہ لذکر لک ولقومک" واؤ قسمیہ ہے۔اس کے جواب قسم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ اس کا جواب قسم ماقبل میں گزر چکا ہے اور وہ (ص) ہے۔عبارت اس طرح ہوگی "اقسم باللہ بالقرآن ان محمدًا قد صدق" کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ کہا ہے۔فراء کا قول ہے کہ ص کا معنی ہے کہ "وجب وحق" کے معنی میں ہے۔ "والقرآن" جیسا کہ تو نے کہا۔بعض نے کہا کہ جواب قسم محذوف ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی۔"والقرآن ذی الذکر ماالامر" جیسا کہ کفار کہتے ہیں اور یہ محذوف پر دلالت کرتا ہے۔

❷ "بل الذین کفروا" قتادہ کا قول ہے کہ بل اس جگہ اعراض کے لیے نہیں ہے بلکہ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ قسم کا جواب ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے "ق والقرآن المجید بل عجبوا" بعض نے کہا کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی۔"بل الذین کفروا"......"فی عزۃ وشقاق" قرآن ذکر والا ہے اور نصیحت والا ہے۔

اخفش کا قول ہے جس مضمون کے لیے قسم کے ساتھ کلام کیا گیا ہے "انْ کلّ الاّ کذّب الرّسل فحق عقاب" اور دوسری جگہ ذکر کیا گیا۔"تاللہ ان کنا" اور ایک اور جگہ فرمایا "والسماء والطارق ان کل نفس"۔بعض نے کہا کہ جواب قسم یہ "ان ھذا لرزقنا" ہے۔کسائی کا قول ہے کہ جواب قسم یہ ہے کہ "ان ذلک لحقٌ تخاصم اھل النار" یہ بعید ہے کیوں کہ اس قسم کے درمیان خلل پیدا ہو جائے گا۔یہ جواب بہت سارے قصص اور اخبار کثیرہ پر مبنی ہے۔

قتیبی کا قول ہے بل ایک کلام کے تدارک اور دوسرے کلام کی نفی کے لیے ہے کیوں کہ اللہ نے "صٓ والقرآن ذی الذکر" کی قسم کھا کر فرمایا کہ جو کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اور حق سے روگردانی محض تکبر کی وجہ سے کر رہے ہیں۔مجاہد کا قول ہے کہ یہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

❸ "کم اھلکنا من قبلھم من قرن" جو ماقبل میں اُمتیں گزر چکی ہیں۔"فنادوا" نزول عذاب کے وقت فریادرسی کے لیے بہت چیختے چلاتے ہیں۔"ولات حین مناص" نزول عذاب کے وقت ان کے لیے فرار ممکن نہیں تھا۔مناص مصدر ہے ناص ینوص سے، نوص پیچھے رہ جانے کو کہا جاتا ہے اور مناص جائے پناہ کو کہتے ہیں۔لات اہل یمن کی لغت نہیں ہے۔

نحویین کے نزدیک یہ ھی اور لا سے مرکب ہے اور آخر میں تاء بڑھا دی گئی۔جیسا کہ ان کا قول "رُبّ وربّتْ وثمّ وثمّتْ" اس کا اصل ھا تھا اور اس کے ساتھ لا کو ملا لیا۔اور "لاء" کہنے لگے۔جیسا کہ انہوں نے کہا کہ لاء اور حالت وصل میں انہیں تاء اور وقف کی صورت میں لات ہے۔کسائی کے نزدیک حالت وقف میں لاہ پڑھا جائے گا۔بعض کا خیال ہے کہ لاء پر

وقف ہے اور تاء کا تعلق حین سے ہے۔ یعنی "لاتحین" ابوعبیدہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ میں نے مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھا پایا ہے۔ جیسا کہ ابی وجزہ ساعدی کا قول ہے۔

العاطفون تحین ما من عاطف والمطعمون زمان ما من مطعم

(وہ ایسے وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربان موجود نہیں ہوتا اور ایسے وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کوئی شخص کھانا کھلانے والا نہیں ہوتا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کفار مکہ جب جنگ کرتے تھے تو لڑائی میں سرمست ہوجاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا تھا مناص، اس پر اللہ نے فرمایا "ولات حین مناص" یعنی مناص کہنے کا وہ وقت نہ تھا یعنی نہ کوئی جائے پناہ تھی اور نہ بھاگ جانے کا مقام۔ جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان پر عذاب نازل کیا تو وہ کہنے لگے مناص اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ولات حین مناص"

4 "وعجبوا" اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "بل الذین کفروا"...... "أن جاء ھم منذر منھم" رسول وہ بھی ان ہی میں سے تھا جو ان کو ڈرا رہا تھا۔ "وقال الکافرون ھذا ساحر کذّاب"

5 "اجعل الالھة الھا واحدًا" جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے تو قریش کو آپ کا مسلمان ہوجانا بڑا شاق گزرا لیکن مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کی ایک جماعت کو جو تعداد میں پچیس تھے جمع کرکے کہا، چلو ابوطالب کے پاس چلیں۔ ولید بن مغیرہ کی عمر سب سے زیادہ تھی۔ حسب مشورہ سب لوگ ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں اور ان بے وقوف لوگوں کی حرکتوں سے آپ واقف ہیں، ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارا اپنے بھتیجے سے تصفیہ کرا دیجئے۔ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ابوطالب نے کہا میرے بھتیجے، یہ تمہاری قوم والے تم سے کچھ درخواست کرنا چاہتے ہیں تم اپنی رائے بالکل ہی ان کے خلاف نہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ قریش نے کہا تم ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو اور ہم تم کو تمہارے معبود سے نہیں روکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم لوگ مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرتے ہو جس کی وجہ سے تم عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجمی بھی تمہارے فرمانبردار ہوجائیں گے۔ ابوجہل بولا اگر ایسی بات ہے تو ہم ایک نہیں اس جیسی دس باتیں مان لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔ یہ سنتے ہی سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور منتشر ہوگئے اور کہنے لگے "اجعل الالھة الھًا واحدًا" ساری مخلوق ایک خدا کا کلام کیسے سن سکتی ہے؟ "انّ ھذا لشیءٌ عجابٌ"

عجیب اور عجاب کا فرق بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ انوکھی بات جس کی نظیر ہو، عجیب کہلاتی ہے اور بےنظیر ہو تو اس کو عجاب کہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے "رجل، کریم و کرامٌ" اور کبیر، کبار، طویل طوال اور عریض عراض کی طرح ہے۔

⑥"وانطلق الملاء منهم أن امشوا واصبروا علی آلهتکم" قریش کے سردار ابوطالب کی مجلس سے اُٹھ کر چل دیئے۔ بعض بعض کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ چلو اور اپنے معبودوں کے ساتھ جمع رہو۔ یعنی اپنے معبودوں پر ثابت قدم رہو۔ "ان هذا لشیء یراد" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو ایک خاص قوت حاصل ہوگئی اس پر کافروں نے کہا "انّ هذا لشیء یراد" بعض نے کہا کہ اس سے مراد اہل الارض ہیں۔

⑦"ما سمعنا بهذا" جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ رہے ہیں یہ اس سے پہلے ہم نے کسی سے نہیں سنا۔ "فی الملة الاخرة" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی، مقاتل نے کہا کہ "الملة الاخرة" سے مراد عیسائیت ہے۔ آخری مذہب یہی تھا۔ عیسائی بھی توحید کے قائل نہیں تھے بلکہ خدا کو تین "اقانیم" میں تیسرا کہتے تھے۔ مجاہد اور قتادہ سے مراد ہے "الملة الاخرة" سے قریش کا مذہب جس پر وہ چلتے تھے۔ "ان هذا الا اختلاق" جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

⑧"أانزل علیه الذکر" اس سے مراد قرآن ہے۔ "من بیننا" یعنی یہ نہ ہمارا بزرگ ہے اور نہ ہی مال وعزت والا یہ اہل مکہ کہتے تھے۔ "بل هم فی شک من ذکری" وحی اور جو چیز میرے اوپر اُتری ہے اس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔ "بل لما یذوقوا عذاب" انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا، اگر عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اس طرح نہ کہتے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ⑨ اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ⑩ جُنْدٌ مَّا هُنَالِکَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ لْئَیْکَةِ ط اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ⑬

ترجمہ: کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں (جن میں نبوت بھی داخل ہے) یا کیا ان کو آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں ان کا اختیار حاصل ہے (اگر اختیار ہے) تو ان کو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں اس مقام پر ان لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے منجملہ (مخالفین رسل کے) گروہوں کے جو شکست دیے جائیں گے ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جس (کی سلطنت) کے کھونٹے گڑ گئے تھے اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی۔

تفسیر: ⑨"ام عندهم" کیا تمہارے پاس "خزائن رحمة ربک" تمہارے رب کی طرف سے نعمت، اس سے مراد نبوت کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں نبوت دے دیں۔ "العزیز الوهّاب" سب پر غالب جس پر کوئی غالب نہیں۔ وہاب وہ بڑا داتا جس کو جو کچھ دینا چاہتا ہے دیتا ہے۔

⑩"ام لهم ملک السّمٰوات والارض ومابینهما" یہ ان کے اختیار نہیں ہے۔ "فلیرتقوا فی الاسباب" یعنی عالم سماوی اور ارض کے نظم میں اس کو کچھ دخل نہیں تو سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ کر عرش تک پہنچ کر اس پر متمکن ہوں اور وہاں

سے اس کائنات کا انتظام چلائیں اور جس پر چاہیں وحی نازل کی۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے اسباب سے مراد ہیں آسمان کے دروازے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پہنچنے کا راستہ، کہیں تک پہنچنے کا ذریعہ اور سبب ہو خواہ راستہ ہو، دروازہ ہو یا کچھ اور ہو اس کو سبب کہا جاتا ہے۔ یہ امر بطور توبیخ اور عاجز کرنے کے لیے ہے۔

⑪ "جند ماھنالک" یعنی یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک شکست خوردہ حقیر بھیڑ ہے۔ ماصلہ ہے "مھزوم" مغلوب ہیں۔ "من الاحزاب" اس سے مراد قریش کے لشکر ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے "انہ سیھزم جند المشرکین" کہ عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہوجائے گی اور یہ پیٹھ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اس کا ظہور بدر کے دن ہوگیا۔ "ھنالک" سے اشارہ بدر کی لڑائی میں کافروں کی قتل گاہوں کی طرف ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

اوتاد کی تفسیریں

⑫ "کذبت قبلھم قوم نوح و عاد و فرعون ذوالاوتاد" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن کعب نے ذوالاوتاد کا ترجمہ کیا مضبوط عمارتوں والا۔ بعض نے کہا کہ قوی پائیدار حکومت والا۔ قتیبی نے کہا کہ عرب بولتے ہیں وہ لوگ گڑھی ہوئی میخوں والی عزت کے مالک ہیں۔ یعنی لازوال قوی عزت ان کو حاصل ہے۔

ضحاک کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے مضبوط قوت گرفت والا۔ عطیہ نے کہا کثیر لشکروں والا اور بڑے جتھوں والا جس طرح کسی چیز کو مضبوط بنانے کے لیے اس میں کیلیں یا میخیں ٹھونک دی جاتی ہیں اسی طرح فرعون کی قوم نے اپنی حکومت اور اقتدار کو مضبوط اور طاقت ور بنا رکھا تھا۔ فوجوں کی میخیں (اوتاد) اس لیے کہا جاتا ہے کہ سفر کی حالت میں پڑاؤ پر وہ بہت سے ڈیرے، خیمے لگاتے اور میخوں سے ان کو باندھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول عطیہ سے یہی آیا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ نے کہا کہ اوتاد وتد کی جمع ہے۔ فرعون جب کسی پر عتاب کرتا تھا تو اس کو چت کر کے زمین سے کچھ اوپر ہر ہاتھ اور ٹانگ ایک ایک ستون میں ٹھونک دیتا تھا۔ اسی طرح وہ چت معلق رہتا تھا، نہ اوپر جا سکتا تھا اور نہ نیچے زمین پر گر سکتا تھا۔ اسی طرح مر جاتا تھا۔

مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹاتا، پھر اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر چومیخا کر دیتا تھا۔ سدی کا قول ہے کہ چومیخا مضبوط کر کے بچھو اور سانپ اس پر چھوڑ دیتا تھا۔ قتادہ اور عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ فرعون کے پاس کچھ پارٹیاں تھیں، کھیل کے میدان تھے، میخیں تھیں، اس کے سامنے کھلاڑی میخوں پر کھیلتے تھے اور کرتب دکھاتے تھے۔

⑬ "وثمود و قوم لوط و اصحاب الایکۃ اولئک الاحزاب" وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور مکہ کے مشرکین بھی انہی جماعتوں میں سے ایک جماعت تھی۔

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯

ترجمہ (اور) وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا میرا عذاب (ان پر) واقع ہوگیا اور یہ لوگ بس ایک روز کی چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ تھی (مراد اس سے قیامت ہے) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ ہم کو روز حساب سے پہلے دے دے۔

تفسیر ⑭ "ان کل" ان میں سے تمام جماعتوں نے "الا کذب الرسل فحق عقاب" ان پر عذاب واجب ہے اور ہم نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا۔

⑮ "وما ینظر" یہ لوگ انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ "ھو لاء" کفار مکہ "الا صیحۃ واحدۃ" اور وہ نفخہ صور ہے۔ "مالھا من فواق" حمزہ اور کسائی نے "فُواق" فاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات درست ہیں۔ قریش کی لغت میں فتحہ ہے اور تمیم کی لغت میں ضمہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا کہ فواق کا معنی ہے واپس ہونا۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ کیا مہلت۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے پھیرنا، موڑنا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چیخ جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گی جو عذاب کی صورت میں ہوگی تو اس کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو پھیر سکتا ہے۔ بعض نے ضمہ اور فتحہ کی صورت میں فرق بیان کیا ہے۔ ابوعبیدہ اور فراء نے کہا کہ فواق کا معنی ہے آرام، افاقہ اور فواق اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کو دوہنے اور پھر دودھ اُتارنے کے لیے چھوڑ دینے اور پھر دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔ فواق: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتے وقت اس مقدار کی بھی مہلت نہیں دیں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں رجوع سے مستعار لیے گئے کیونکہ دودھ دوبارہ تھنوں میں لوٹ آتا ہے۔ جب اس کے بچے کو اس کے تھنوں کے قریب چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی سے ہے مریض کا افاقہ پانا صحت کی طرف۔

⑯ "وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب" سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں ہمارا لکھا ہوا حساب۔ قط اس صحیفہ کو کہا جاتا ہے جس میں سب کچھ شمار کردیا گیا ہو۔ کلبی کا بیان ہے کہ جب سورۃ الحاقہ نازل ہوئی "فاما من اوتی کتابہ بیمینہ" ...... "واما من اوتی کتابہ بشمالہ" تو مکہ کے کافروں نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا، اے ہمارے رب! ہمارا لکھا ہوا تو ابھی دے دے۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے کہا کہ کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس جنت کا ذکر فرماتے ہیں، اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے۔

حسن، قتادہ، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جس عذاب آخرت کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو دھمکی دیتے ہیں اس کا ہمارا مقررہ حصہ یہیں دُنیا میں ہم کو دے دے۔ عطاء کا قول ہے کہ یہ نضر بن حارث کا قول تھا۔ اس نے کہا تھا

"اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃً من السماء" اے اللہ! اگر یہی حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں سے بارش کردے۔ مجاہد کا قول ہے کہ "قطنا" سے مراد حساب ہے۔ جیسا کہ کتاب کے حساب کو قط کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ اور کسائی نے کہا کہ "القط" سے مراد جوائز ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ⑰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ⑱ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ⑲ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ⑳

ترجمہ: آپ لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی قوت (اور ہمت) والے تھے وہ (خدا کی طرف) رجوع ہونے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی جو (تسبیح کے وقت) ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے سب ان کی (تسبیح کی) وجہ سے مشغول ذکر رہتے اور ہم نے ان کی سلطنت کو بڑی قوت دی اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی تھی۔

تفسیر: ⑰ "اصبر علی ما یقولون" کفار جو کچھ آپ کی تکذیب کرنے کے متعلق کہتے ہیں۔ "واذکر عبدنا داود ذاالاید" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ عبادت میں بڑے قوت دار تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ اللہ کو پسند حضرت داؤد علیہ السلام کا نفل روزہ رکھنے کا طریقہ ہے۔ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن ناغہ کرتے تھے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی ہے۔ داؤد علیہ السلام آدھی رات سوتے تھے، ایک تہائی رات نماز پڑھتے تھے۔ پھر آخرت میں پوری رات کا چھٹا حصہ سو جاتے تھے۔ بعض نے کہا کہ اپنی بادشاہت کی ملک میں بہت مضبوط تھے۔ "انہ اوّاب" ہر ناپسندیدہ کام پر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کے ذریعے رجوع کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یعنی اللہ کے بڑے اطاعت گزار تھے۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ کی بہت پاکی بیان کرنے والے تھے۔ حبشی زبان میں "اوّاب" کا معنی ہے تسبیح کرنے والا۔

⑱ "انا سخرنا الجبال معہ" جیسا کہ ارشاد باری ہے "وسخرنا مع داؤد الجبال"...... "یسبحن" تسبیح کرتے تھے۔ "بالعشی والاشراق" کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد صبح و شام ہے۔ اشراق کا مطلب ہے روشنی کی چمک کا انتہاء کو پہنچ جانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے صلوٰۃ اشراق مراد ہے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا اس آیت کے متعلق کہ اس آیت پر میرا ایمان تو تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا معنی کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت اُم ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور وضو کا پانی طلب فرمایا، پھر وضو کیا اور چاشت کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا، اُم ہانی! یہ اشراق کی نماز ہے۔

19 "والطیر" اور ہم نے پرندوں کو ان کے لیے مسخر کردیا۔ "محشورۃ" جو جمع ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ "کل له اواب" یہ سب حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنے میں مطیع تھے۔ بعض نے کہا کہ "له اوّاب" کا معنی ہے کہ تسبیح میں برابر مشغول رہتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت

20 "وشددنا ملکه" یعنی ہم نے ان کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنادیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ نے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر حضرت داؤد علیہ السلام کو اقتدار عطا فرمایا تھا، ان کے قلعہ کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے۔

بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کسی بڑے آدمی پر حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائیں چھین لی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعیٰ علیہ سے پوچھا اس نے انکار کردیا۔ آپ نے مدعی سے گواہ طلب کیے، اس کے پاس گواہ نہ تھے۔ آپ نے فرمایا، چلے جاؤ، میں تمہارے معاملے میں غور کرکے فیصلہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے خواب میں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ مدعیٰ علیہ کو قتل کردیا جائے۔ بیدار ہونے کے بعد آپ نے خیال کیا کہ یہ ایک خواب ہے، میں فیصلہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ دوسرے روز پھر یہی خواب آیا لیکن آپ نے خواب کی تعمیل نہیں کی۔ تیسرے روز خواب میں وحی آئی کہ مدعیٰ علیہ کو قتل کردو، سخت سزا دو۔ بیدار ہونے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعیٰ علیہ کو طلب کیا اور فرمایا، اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں تجھے قتل کرادوں۔ اس نے کہا کیا آپ بغیر ثبوت کے مجھے قتل کرادیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا، ہاں اللہ کی قسم! میں تیرے معاملہ میں اللہ کا حکم نافذ کرکے رہوں گا۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام مجھے قتل کرادیں گے تو بولا آپ عجلت سے کام نہ لیں، میں آپ کو اصل واقعہ بتائے دیتا ہوں، میرے لیے اس جرم کی یہ سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ میری پکڑ ایک اور جرم میں ہوئی ہے، میں نے اس مدعی کے باپ کو دھوکا دے کر اچانک قتل کردیا تھا، اس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور قتل کرادیا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ہیبت چھاگئی اور آپ کی حکومت بڑی مستحکم ہوگئی۔

"وآتیناه الحکمة" اس سے مراد نبوت اور تمام اُمور میں پہنچ جانا۔ "وفصل الخطاب" اس سے مراد کلام کو واضح بیان کرنا۔

فصل الخطاب کی تفسیر

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن، کلبی، مقاتل کے نزدیک "فصل الخطاب" سے مراد ہے بصیرت فیصلہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا واضح کلام مراد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ "فصل الخطاب البینة علی المدعی والیمین علی من انکر" ہے۔ مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے۔ یہ ضابطہ تمام

جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے۔ فریقین کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب کے قول کی بھی یہی روایت آتی ہے۔ حضرت اُبی نے فرمایا "فصل الخطاب" گواہ اور قسم ہے۔ مجاہد، عطاء بن رباح کا یہی قول ہے۔

شعبی کا قول ہے کہ حمد و ثناء کے بعد جب آدمی مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور بیان مقصد سے پہلے اما بعد کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا۔

وَهَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ㉑ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ㉒

ترجمہ اور بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر پہنچی ہے جبکہ وہ لوگ (داؤد کے) عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس آئے تو وہ (ان کے اس طرح آنے سے) گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر (کچھ) زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو (معاملہ کی) سیدھی راہ بتا دیجئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان

تفسیر ㉑ "وهل اتاک نبأ الخصم اذ تسوروا المحراب" اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان تھا۔ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک روز تمنا کی کہ ان کو بھی ان کے اسلاف ابراہیم، اسحاق اور اسرائیل کا ہم مرتبہ بنا دیا جائے اور اللہ سے دُعا کی کہ جس طرح تو نے میرے بزرگوں کا امتحان لیا اور امتحان کے بعد ان کو مراتب عنایت کیے اسی طرح مجھے بھی ان کی طرح مرتبہ میرا امتحان لینے کے بعد عطا فرما دیا جائے۔

سدی، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ اپنی اپنی اسناد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے وقت کے تین حصے کر رکھے تھے۔ ایک روز تو لوگوں کے فیصلوں کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ ایک دن اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص تھا اور ایک روز اپنی عورتوں اور دوسرے مشاغل کے لیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جو آسمانی کتابیں پڑھتے تھے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کی فضیلت کا تذکرہ تھا۔

ایک روز انہوں نے دُعا کی اے رب! میں سمجھتا ہوں کہ ساری خوبیاں میرے آباؤ اجداد لے گئے جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان کو تو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا۔ ویسی آزمائشوں میں آپ کو مبتلا نہیں کیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تو نمرود کی طرف سے ایذاؤں کی شکل میں اور بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دے کر لیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام

دونوں میرے گھر کیوں داخل ہوئے؟ "قالوا لاتخف خصمان" ہم دونوں فریقوں میں جھگڑا ہو گیا، یعنی ہمارے درمیان ایک معاملہ ہے "بغی بعضنا علی بعض" ہم آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ آپ سے ہم اس بارے میں فیصلہ کروائیں۔

سوال یہ ہوتا کہ یہ کیسے کہا کہ "بغی بعضنا علی بعض" حالانکہ وہ دونوں فرشتے تھے۔ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی نہیں ہو سکتی تھی؟

اس کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ہم نے دو جھگڑنے والوں کو دیکھا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے ساتھ زیادتی کی۔ یہ کلام بطور تعریض کے تھا نہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ بغاوت۔

"فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط" فیصلہ جور والا نہ کریں۔ جیسے کہا جاتا ہے "شط الرجل شطط واشط اشطاطاً" جب وہ فیصلہ میں ظلم و جور کرے۔ اس کا معنی ہے فیصلے سے تجاوز کرنا۔ یہ اصل کلمہ "شطت الدار واشطت اذا بعدت" جب وہ دور ہو جائے۔ "واھدنا الی سواء الصراط" یعنی وسط راہ جو اِدھر اُدھر نہ ہو، جو خوب انصاف والا ہو، حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سے کہا بیان کیجئے۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ. لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ. فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ㉓ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ط وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ط وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (آیت سجدہ) ㉔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ㉕

ترجمہ: (پھر ایک شخص بولا کہ صورت مقدمہ کی یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو وہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے داؤد نے کہا یہ جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء (کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو وہ (امر) معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کے لئے (خاص) قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی ہے۔

تفسیر ㉓ ان دونوں میں سے ایک نے کہا "ان ھذا اخی" میرا دینی بھائی ہے۔ "له تسع و تسعون نعجة" یعنی میری ایک بیوی ہے۔ "ولی نعجة واحدة" اور میری ایک بیوی ہے۔ عرب لوگ "نعجة" کو بیوی سے کنایۃً استعمال کرتے

تھے۔ حسن بن فضل نے کہا کہ یہ لفظ تنبیہ کرنے اور بطور سمجھانے کے کہا تھا حالانکہ وہاں کوئی "نعجة" نہیں تھی۔ "فقال اکفلنیھا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنبی مجھے دے دے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کو میرے لیے چھوڑ دے۔ یعنی اس کو طلاق دے دے یا اس سے نکاح نہ کر۔ "وعزّنی" اور میرے اوپر غالب آتا ہے۔ "فی الخطاب" بات کرنے میں میرے سے آگے ہے۔ بعض نے کہا کہ اپنی بادشاہت کی وجہ سے مجھ پر غالب آتا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ یہ مجھ سے زیادہ زبان آور اور زور آور ہے۔ بات چیت میں مجھے دبا لیتا ہے۔ اگر میں اس سے لڑوں تو میری کمزوری کی وجہ سے مجھ پر غالب آجاتا ہے لیکن میں حق پر ہوں۔

یہ پوری مثال ہے حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریاء کی بیوی کے درمیان حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاء کی بیوی کے ساتھ نکاح کیا حالانکہ ان کے پاس ننانوے بیویاں تھیں اور اوریاء کی ایک ہی بیوی تھی تو انہوں نے اس کو اپنی عورتوں کے ساتھ ملا دیا۔

㉔ "قال" حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا "لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجه" یعنی تمہاری نعجہ کو اپنے ساتھ ملا کر اس نے ظلم کیا۔

شبہ اور اس کا ازالہ

سوال حضرت داؤد علیہ السلام نے کیسے کہہ دیا کہ اس نے ظلم کیا حالانکہ دوسرے شخص سے اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں؟

جواب اگر واقعہ اسی طرح ہے جس طرح یہ کہہ رہے ہیں تو یہ ظلم ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ اس کے ساتھی کے اعتراف کے بعد فرمایا۔ "وانّ کثیرًا من الخلطاء" اس سے مراد شرکاء ہیں۔ "لیبغی بعضھم علی بعض" یعنی بعض، بعض پر ظلم کرتے ہیں۔ "الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات" ان صفات والے لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے۔ "وقلیل ماھم" ان میں بہت تھوڑے ہیں۔ ماصلہ ہے۔ صالحین میں سے بہت ہی کم لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑے اور آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہچان گئے کہ ان کو آزمایا گیا ہے۔ "وظن داؤد" ان کو یقین ہو گیا اور جان گئے۔ "انما فتناہ" ان کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ سدی نے اپنی سند میں بیان کیا کہ جب ایک نے "ان ھذا اخی" فرمایا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے سے پوچھا تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا، بے شک میرے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور اس کی ایک دنبی ہے، میں اس کی دُنبی لے کر اپنی سو دنبیاں پوری کرنا چاہتا ہوں مگر اس کو یہ بات ناگوار ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو میں تجھ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر تو نے اس کا ارادہ بھی کیا تو میں اس پر (ناک اور اس کی جڑ پر) ماروں گا۔ اس نے کہا داؤد آپ اس سزا کے زیادہ مستحق ہیں، اوریاء کی تو ایک ہی عورت تھی اور آپ کی ننانوے تھیں، آپ برابر اس کے مارے جانے پر در پے رہے آخر وہ قتل ہو گیا اور آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد

علیہ السلام نے دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا۔ اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ میں کیسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو عیوب سے پاک مانتے ہیں وہ اس قصہ کے متعلق کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے اوریاء کی بیوی کو اپنے لیے بنائے جانے کی دل میں تمنا کی تھی۔ اتفاقاً اوریاء کسی جہاد پر گیا اور لڑائی میں آگے بڑھ کر شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو آپ اس کے مارے جانے پر ایسے رنجیدہ نہیں ہوئے جیسے آپ کی عادت تھی کہ فوج کا کوئی سپاہی مارا جاتا تو آپ کو اس پر سخت رنج ہوتا اور آپ غمگین ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اوریاء کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔

اتنے ہی قصور پر آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اللہ کے نزدیک چونکہ بہت اونچا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کے چھوٹے گناہ بھی خدا کی نظر میں بڑے ہوتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قصور صرف یہ تھا کہ اوریاء نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھجوایا، پھر کسی جہاد پر چلا گیا اور غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہو جانے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو اپنے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس سے نکاح کر لیا۔ اوریاء بہت رنجیدہ ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ کا عتاب نازل ہوا کہ اس ایک عورت کو بھی انہوں نے پیغام نکاح بھیجنے والے کیلئے نہیں چھوڑا۔ باوجودیکہ ان کے پاس ننانوے عورتیں موجود تھیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ داؤد نبی علیہ السلام نے جو اس عورت کی طرف نظر کی تو دل میں ایک ارادہ کیا اور سپہ سالار کو حکم بھجوا دیا کہ جب دشمن کا مقابلہ ہو تو اس شخص کے آگے تابوت بھیج دینا۔ اس زمانے میں تابوت کی برکت سے ہی اللہ کی نصرت طلب کی جاتی تھی جو شخص تابوت سے آگے ہوتا وہ واپس لوٹ نہیں سکتا تھا یا مارا جاتا یا فتح یاب ہوتا اور دشمن کو شکست ہو جاتی۔ چنانچہ اس عورت کا شوہر شہید ہو گیا اور دو فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے قصہ بیان کیا، اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام حقیقت کو سمجھ گئے۔ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور چالیس روز تک سجدہ میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ کر سر کے اوپر آ گئی اور مٹی نے پیشانی کو کھا لیا، سجدہ کی حالت میں وہ برابر کہہ رہے تھے اے میرے رب! داؤد سے وہ عظیم ترین لغزش ہو گئی جو مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ سے بھی بڑی ہے۔ اے میرے رب! اگر تو داؤد کی کمزوری پر رحم نہیں کرے گا اور اس کے گناہ کو معاف نہیں کرے گا اور آنے والی مخلوق کے لیے داؤد کے قصور کو کہانی بنا دے گا۔ چالیس روز کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا داؤد! اللہ تعالیٰ نے تمہارا وہ ارادہ معاف کر دیا جو تم کر چکے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا بے شک میرا رب! میرے گناہ کے ارادے کو معاف کر دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ منصف ہے کسی کی طرف اس کا جھکاؤ نہیں ہوتا۔ پھر قیامت کے دن جب فلاں شخص کہے گا اے میرے رب! میرا خون جو داؤد کے ذمہ ہے، جبرئیل نے کہا اس کے متعلق تو میں نے آپ کے رب سے کچھ دریافت نہیں کیا۔ اگر آپ علیہ السلام کی خواہش ہے تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ ہاں میری یہی خواہش ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھ گئے اور داؤد علیہ السلام سجدہ میں پڑ گئے اور حسب مشیت خدا وقت گزرتا رہا۔ جب جبرئیل علیہ السلام اُترے اور کہا داؤد! میں نے اللہ سے اس بات کے متعلق جس کے لیے آپ نے مجھے بھیجا تھا دریافت کیا تھا، اللہ نے فرمایا داؤد سے کہہ دے کہ قیامت کے دن تم کو اور اس کو جمع کرے گا اور اس سے فرمائے گا کہ جو خونِ تیرا داؤد کے ذمہ ہے وہ مجھے بخش دے، وہ جواب دے گا، اے میرے رب! میں نے تجھے اختیار دیا۔ اللہ فرمائے گا اس کے عوض جنت کے اندر تو جو کچھ چاہے اور جس چیز کی تجھے خواہش ہو لے لے۔

کعب بن احبار اور وہب بن منبہ کا بالاتفاق بیان ہے کہ جب دونوں فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ہی خلاف مقدمہ کا فیصلہ کر دیا تو دونوں اپنی اصلی صورتوں میں آ گئے اور یہ کہتے ہوئے اوپر چڑھ گئے کہ اس شخص نے اپنے ہی خلاف فیصلہ کر دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی یہ سمجھ گئے کہ وہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور چالیس روز سجدہ میں پڑے رہے، نہ کچھ کھاتے تھے نہ کچھ پیتے تھے، روتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ گھاس ان کے سر کے اِردگرد اُگ آئی، برابر اللہ کو پکارتے اور قبول توبہ کی درخواست کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سجدہ کی حالت میں یہ دُعا کرتے تھے، پاک ہے وہ بادشاہ جو سب سے بڑی عظمت والا ہے۔ مخلوق کی جس طرح چاہتا ہے آزمائش کرتا ہے پاک ہے نور کا خالق، پاک ہے جو دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پاک ہے نور کا خالق، اے میرے معبود! تو نے مجھے اور میرے دشمن ابلیس کو خالی چھوڑ دیا۔ پھر جب فتنہ مجھ پر آ پڑا تو اس میں کھڑا نہ رہ سکا۔ پاک ہے نور کا خالق داؤد کے لیے ہلاکت ہوگی، اس روز جب اس کا پردہ فاش ہو جائے گا اور فرشتہ کہے گا یہ ہے خطا کار داؤد، پاک ہے نور کا پیدا کرنے والا، اے میرے معبود! میں کس آنکھ سے تیری طرف دیکھوں گا، ظالم تو پوشیدہ نظروں سے اس روز دیکھیں گے۔ پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا، اے میرے معبود! میں کن قدموں سے اس روز تیرے سامنے چلوں گا جب کہ گناہ گاروں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا اے میرے معبود! مجھ میں تیرے سورج کی گرمی، برداشت کرنے کی طاقت نہیں، تیری دوزخ کی گرمی کیسے برداشت کروں گا؟ اے میرے معبود! میں تیرے رعد کی آواز (کو سننے) کی طاقت نہیں رکھتا تو جہنم کی آواز (کو سننے) کی طاقت میرے اندر کیسے ہوگی؟ پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا، ہلاکت ہے داؤد کی اس گناہ کی وجہ سے جس کا اس نے ارتکاب کیا، پاک ہے نور کا پیدا کرنے والا۔ اے میرے معبود! تو میری اندرونی اور بیرونی باتوں کو جانتا ہے میری معذرت کو قبول فرما۔ پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود! اپنی رحمت سے میرے گناہ بخش دے اور مجھے ذلیل کرنے کے لیے اپنی رحمت سے مجھے دور نہ کر (یعنی اگر تو نے مجھے اپنی رحمت سے دور کر دیا تو میں ذلیل ہو جاؤں گا) پاک ہے نور کا خالق۔ اے میرے رب! میں تیری ذات کریم کے نور کی ان گناہوں سے پناہ چاہتا ہوں جنہوں نے مجھے ہلاک کر دیا، پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا۔ اے میرے معبود! میں تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار اور اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں، مجھے نا اُمید نہ کر اور قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کر، پاک ہے نور کا خالق۔

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز تک یونہی سجدہ میں پڑے رہے، سر اوپر نہ اُٹھایا اور روتے رہے یہاں

تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی جس نے آپ کے سر کو چھپالیا۔ چالیس روز کے بعد ندا آئی، داؤد! کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دے دیا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلا دیا جائے، یا ننگا ہے کہ تجھے لباس دے دیا جائے؟ میں تو بلا مانگے یہ چیزیں تجھے دیتا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اتنا روئے کہ آپ کے سینہ کی گرمی سے لکڑی بھڑکنے لگی اور جل گئی۔ اس کے بعد اللہ نے قبول توبہ اور مغفرت کا حکم نازل فرمایا۔

وہب کا بیان ہے حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا آئی کہ میں نے تجھے بخش دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: یہ کیسے ہوگا تو تو کسی پر ظلم نہیں کرتا (پھر اوریاء کے حق کا کیا ہوگا؟ حکم ہوا، اوریاء کی قبر پر جاؤ اور اس کو پکارو، میں تمہاری آواز اس کو سنادوں گا، اس کے حق سے تم سبکدوش ہو جاؤ گے۔ حسب الحکم حضرت داؤد علیہ السلام روانہ ہو گئے۔ کمبل کا لباس پہن لیا اور اوریاء کی قبر کے پاس بیٹھ کر اس کو آواز دی، اوریاء نے کہا، کون ہے؟ جس نے میرے مزے میں خلل ڈالا اور مجھے بیدار کر دیا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا، میں داؤد ہوں۔ اوریاء نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کو کیا چیز یہاں لائی؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا، میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میری طرف سے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا، اس سے تم مجھے سبکدوش کر دو۔ اوریاء نے کہا، آپ کی طرف سے میرے ساتھ کیا برا سلوک ہو گیا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا، میں نے تم کو قتل ہونے کی پیشکش کی۔ اوریاء نے کہا، آپ تو میرے سامنے جنت لے آئے، آپ میری طرف سے سبکدوش ہیں۔ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا، داؤد! کیا تم نہیں جانتے کہ میں عادل حاکم ہوں، کسی کی جانبداری میں فیصلہ نہیں کرتا۔ تم نے اس کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ تم نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پھر اوریاء کی قبر کی طرف لوٹے اور اس کو آواز دی، اوریاء نے جواب میں کہا، کون ہے جس نے میرے مزے میں خلل ڈالا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا، میں داؤد ہوں۔ اوریاء نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا میں نے آپ کو معاف نہیں کر دیا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: ہاں (یہ تو کیا تھا) لیکن میں نے تیرے ساتھ تیری بیوی کے لیے ایسا کیا تھا چنانچہ میں نے اس سے نکاح کر لیا، اوریاء خاموش ہو گیا، پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ بار بار حضرت داؤد علیہ السلام نے پکارا، مگر اوریاء نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کی قبر کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور پکارنے لگے، داؤد کی ہلاکت ہوگی، اس روز جب کہ انصاف کی ترازوئیں قائم کی جائیں گی، پاک ہے نور کا خالق، ہلاکت ہوگی، پھر بڑی ہلاکت ہوگی داؤد کی جبکہ اس کو ٹھوڑی پکڑ کر مظلوم کے حوالے کر دیا جائے گا۔ پاک ہے نور کا پیدا کرنے والا۔ ہلاکت ہوگی، پھر بڑی ہلاکت ہوگی داؤد کی جبکہ منہ کے بل اس کو کھینچ کر دوزخ میں گنہگاروں کیساتھ ڈال دیا جائے گا، پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا۔

آسمان سے ندا آئی: داؤد! میں نے تیری خطا معاف کر دی، مجھے تیرے رونے پر رحم آ گیا اور میں نے تیری دُعا قبول کر لی اور تیری لغزش سے درگزر کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیسے ہوگا؟ صاحب حق نے تو مجھے معاف نہیں کیا۔ اللہ نے فرمایا: داؤد! میں قیامت کے دن اتنا ثواب دوں گا کہ اس کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ اس کے کانوں نے سنا ہوگا، پھر میں اس سے کہوں گا تو میرے بندے داؤد سے راضی ہو گیا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے یہ ثواب

کہاں سے مل گیا، میرے اعمال تو یہاں تک پہنچانے کے قابل نہیں تھے۔ میں کہوں گا، یہ میرے بندے داؤد کے (جرم کے) بدلے میں تجھے دیا گیا ہے، اب میں تجھ سے اس کے جرم معاف کر دینے کا خواستگار ہوں۔ آخر وہ میری وجہ سے تجھے معاف کر دے گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اب میں نے جان لیا کہ تو نے مجھے معاف کر دیا۔

"فاستغفر ربه وخرّ راكعًا" اس سے مراد سجدہ کرنا ہے۔ رکوع کو سجود کے ساتھ تعبیر کیا کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں جھکنا ہوتا ہے۔ حسین بن فضل کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن طاہر سے سوال کیا "وخرّ راكعًا" کے بارے میں کہ کیا رکوع کو خر کہا جاسکتا ہے، میں نے کہا نہیں، اس کا معنی ہے کہ رکوع سے اُٹھنے کے بعد سجدہ میں جانا۔ "وانااب" وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور توبہ کی۔

㉕ "فغفرنا له ذلک" ہم نے ان کا یہ گناہ بخش دیا۔ "وان له" مغفرت کے بعد۔ "عندنا" قیامت کے دن ہمارے پاس "لزلفی" قرب مکان ہوگا۔ "وحسن مآب" اچھا ٹھکانا اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا جب اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی، تب بھی آپ برابر اپنے قصور پر روتے رہے، رات دن کسی وقت آپ کے آنسو نہ رُکتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال کی تھی۔ اس قصور کے بعد آپ نے اپنی عمر کے چار حصے کر دیئے۔ ایک دن بنی اسرائیل کے معاملات کے فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیا، ایک دن عورتوں کے لیے، ایک دن جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر اللہ کی پاکی بیان کرنے (اور حمد وثناء کرنے) کا اور ایک روز اپنے گھر کے اندر رہ کر نوحہ کرنے کا۔ آپ کے گھر کے اندر چار ہزار عبادت کے مقام تھے۔ جب آپ گھر میں خلوت گزیں ہو جاتے تو (چار ہزار) تارک الدنیا درویش آپ کے پاس آ کر جمع ہو جاتے، پھر آپ ان درویشوں کے ساتھ نوحہ کرتے اور درویش بھی اس رونے میں آپ کے مددگار ہوتے۔ پھر جب جنگل میں پھرنے کا دن ہوتا تو آپ صحراء میں نکل جاتے اور (زیر و بم یعنی) لے کے ساتھ اونچی آواز سے روتے، پہاڑ اور پتھر اور چوپائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ روتے، یہاں تک کہ ان سب کے رونے سے نالے بہہ نکلتے۔ پھر آپ دریا کے کنارے پر پہنچتے اور لَے کے ساتھ اونچی آواز سے نوحہ کرتے اور مچھلیاں اور دریائی چوپائے اور دریائی پرندے اور درندے، سب ہی آپ کے ساتھ رونے میں شریک ہوتے۔ پھر آپ شام کے وقت وہاں سے لوٹتے تھے۔

گھر کے اندر نوحہ کا دن ہوتا تو ایک منادی ندا کرتا، آج داؤد کے گریہ وبکا کا دن ہے جو شخص اس رونے میں ان کی موافقت کرنا چاہے وہ آ جائے۔ پھر عبادت گاہوں کے احاطے کے اندر آپ تین فرش بچھوا دیتے تھے جن کے اندر کھجور کی چھال کے ریشے بھرے ہوتے تھے۔ آپ فرش پر جا کر بیٹھ جاتے، پھر چار ہزار درویش اپنی لمبی لمبی ٹوپیاں پہنے، لاٹھیاں ہاتھوں میں لیے اندر آ کر فرش پر بیٹھ جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے گناہ پر اونچی آواز سے رونا شروع کرتے اور درویش بھی آپ کے ساتھ اونچی آوازوں سے نوحہ کرتے۔ روتے روتے یہ حالت ہو جاتی کہ فرش آپ کے آنسوؤں میں ڈوب جاتا اور آپ اس میں گر کر چوزۂ مرغ کی طرح تڑپنے لگتے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام آ کر آپ کو (اپنے ہاتھوں میں) اُٹھاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام دونوں ہاتھوں کا چلو بنا کر آنسوؤں کا پانی اس میں بھر کر اپنے چہرے پر مل لیتے اور کہتے: اے میرے رب! میرا قصور معاف فرما دے۔

اگر حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کا ساری دُنیا کے رونے والوں سے موازنہ کیا جائے تو برابر ہی ہوگا۔ وہب کا بیان ہے حضرت داؤد علیہ السلام اوپر سر نہیں اُٹھاتے تھے۔ جب فرشتے نے آپ سے کہا: داؤد! تمہارا آغاز گناہ اور انجام مغفرت ہے، اپنا سر اُٹھاؤ، اس وقت آپ نے سر اُٹھایا۔ اس کے بعد زندگی بھر جب تک پانی میں آپ نے اپنے آنسوؤں کو شامل نہ کرلیا، پانی نہ پیا اور جب تک کھانے کو اشکوں سے تر نہ کرلیا، نہ کھایا۔

اوزاعی نے حدیث مرفوع بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داؤد کی دونوں آنکھیں دو مشکیزوں کی طرح (ہر وقت) پانی ٹپکاتی ہی رہتی تھیں۔ چہرے پر آنسو بہنے سے ایسے گڑھے پڑ گئے تھے جیسے زمین میں پانی (جاری ہونے) سے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔

وہب نے بیان کیا جب اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کرلی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! تو نے میرا قصور معاف کر دیا لیکن یہ کیسے ہو کہ اپنے گناہ کو (کبھی) نہ بھولوں اور ہمیشہ معافی مانگتا رہوں، اپنے لیے بھی اور دوسرے گنہگاروں کے لیے بھی۔ اس درخواست پر اللہ نے ان کے دائیں ہاتھ پر ان کا گناہ لکھ دیا (جس کا مٹنا ناممکن تھا) جب آپ ہاتھ سے کھانا یا پانی لیتے تو گناہ نظر کے سامنے آ جاتا اور جب لوگوں کو خطاب کرنے کھڑے ہوتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تو لوگ گناہ کی تحریر دیکھنے آگے آ جاتے اور جب دُعا کرتے تو اس گناہ کو سامنے رکھ کر اپنے لیے استغفار سے پہلے دوسرے گنہگاروں کے لیے استغفار کرتے۔

قتادہ نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ اس گناہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ہمیشہ گنہگاروں کے ساتھ ہی بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے: آؤ داؤد! گنہگاروں کے پاس آؤ اور جب تک پانی میں اپنے آنسو شامل نہ کرلیتے، کبھی پانی نہ پیتے تھے اور خشک روٹی کے ٹکڑے کو رو رو کر اشکوں سے بھگو لیتے، پھر اس پر کچھ نمک اور خاک چھڑک کر کھاتے اور فرماتے: گنہگاروں کا یہی کھانا ہے۔ اس گناہ سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات سوتے اور نصف ایام (یعنی ایک روز بیچ میں ناغہ کر کے) روزے رکھتے تھے لیکن اس گناہ کے بعد ہمیشہ ہی دن میں روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے۔

ثابت کا بیان ہے جب حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے عذاب کو یاد کرتے تو آپ کا جوڑ جوڑ ڈھیلا پڑ جاتا کہ بغیر بندھن سے باندھنے کے ان میں قوت نہ آتی تھی اور جب اللہ کی رحمت کو یاد کرتے تو جوڑ اپنے اصلی ٹھکانوں پر آ جاتے۔

اس قصہ میں یہ بھی (بعض روایات میں) آیا ہے کہ پہلے آپ کی تلاوت سننے کے لیے جنگلی جانور اور پرندے جمع ہو جاتے تھے لیکن جب آپ سے قصور سرزد ہوگیا تو چوپائے اور پرندے آپ کی آواز کو نہیں سنتے تھے اور کہتے تھے آپ کا گناہ آپ کی آواز کی مٹھاس کو لے گیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا اے داؤد! آپ کی غلطی آپ کی آواز کی حلاوت کی وجہ سے معاف کر دی گئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سورۃ (ص) میں سجدہ کیا اور یہ سجود میں سے نہیں ہے لیکن میں نے تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں۔ عوام سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد سے سورۃ

ص کے سجدے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا کہ کہاں سجدہ کیا۔ فرمایا کہ آپ یہ آیت نہیں پڑھتے۔ "ومن ذریتہ داؤد و سلیمان" سے لے کر "اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ" حضرت داؤد علیہ السلام وہ نبی ہیں جن کی اقتداء کے متعلق ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس جگہ سجدہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جگہ سجدہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کہ میں ایک رات دیکھ رہا تھا کہ میں سو رہا ہوں اور میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، جب میں سجدہ کرتا ہوں تو وہ درخت بھی میرے ساتھ سجدہ کرتا ہے اور میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا "اللّٰھم کتب لی بھا عندک اجرا وحط عنی بھا وزرًا واجعلھا لی عندک ذخرًا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد" حسن نے کہا کہ ابن جریج نے کہا کہ اسی طرح تمہارے دادا نے کہا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں سجدہ کیا۔ پھر میں نے ان سے سنا جس طرح کہ اس شخص نے درخت کے متعلق خبر دی تھی۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے راستہ سے تم کو بھٹکا دے گی جو لوگ خدا کے راستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب سے بھولے رہے اور ہم نے زمین و آسمان کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں خالی از حکمت پیدا نہیں کیا یہ (یعنی ان کا خالی از حکمت ہونا) ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لئے (آخرت میں) بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کے برابر کر دیں گے۔ جو (کفر وغیرہ کر کے) دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے۔

تفسیر: ㉖ "یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض" اپنے حکم سے بندوں کے اُمور کی تدبیر کے لیے بھیجا۔

"فاحکم بین الناس بالحق" انصاف کے ساتھ۔ "ولا تتبع الهواء فیضلک عن سبیل اللّٰہ ان الّذین یضلون عن سبیل اللّٰہ لهم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب" تم لوگوں نے ایمان کو حساب کے دن ترک کردیا۔ زجاج کا قول ہے کہ تم لوگوں نے اعمال کو ترک کردیا۔ اس وجہ سے تمہیں یہ سزا ملی۔ عکرمہ اور سدی کا قول ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ حساب کے دن تمہیں سخت عذاب ہوگا بسبب اس دن کے بھول جانے کی وجہ سے۔

㉗ "وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلاً" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نہ اس میں کوئی ثواب ہوگا اور نہ ہی کوئی عقاب۔ "ذلک ظن الذین کفروا" اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ وہ لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کو کسی اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا۔ ان کو نہ قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا اور نہ ہی کوئی حساب لیا جائے گا۔ "فویل للذین کفروا من النار"

㉘ "ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض" مقاتل کا بیان ہے کہ کفار قریش کہا کرتے تھے کہ آخرت میں جو بھلائی تم کو ملے گی وہ ہم کو بھی ملے گی۔ اس قول کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ "أم نجعل المتقین کالفجار" کیا یہ مؤمنین کافروں کی طرح ہوسکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ متقین سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ㉙ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ㉚ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ㉛ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ㉜

ترجمہ: یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھے بندے تھے کہ (خدا کی طرف) بہت رجوع ہونے والے تھے (چنانچہ وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل (اور) عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔

تفسیر: ㉙ "کتاب انزلناه الیک" یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی۔ "مبارک" اس میں بہت ساری خیر اور نفع ہیں۔ "لیدبروا" تاکہ اس میں غور وفکر کرو۔ "ایاته" اور اس میں تفکر کرو۔ ابوجعفر نے "لیتدبروا" پڑھا ہے ایک تاء کے ساتھ اور دال کی تخفیف کے ساتھ۔ حسن کا قول ہے کہ اس کی آیت میں اور اس کی اتباع کرنے والوں میں غور وفکر کرو۔ "ولیتذکر" اور چاہیے کہ نصیحت کریں۔ "اولوا الالباب"

㉚ "ووهبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انّه اوّاب"......

کا امتحان یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم کی شکل میں لیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اگر ان کی طرح تو میرا بھی امتحان لے گا تو میں بھی ثابت قدم رہوں گا۔ اللہ نے وحی بھیجی اچھا تمہارا امتحان فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو لیا جائے گا، چوکنے رہنا۔ جب اللہ کی مقرر کردہ امتحانی تاریخ آئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانے کے اندر جا کر زبور پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔ دوران قرأت شیطان کبوتر کی شکل میں سامنے آیا، وہ کبوتر سونے کا بنا ہوا تھا، ہر خوبصورت رنگ اسی میں موجود تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کے پَر موتیوں اور زبرجد کے تھے، وہ آپ کے دونوں پاؤں کے درمیان آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کی خوبصورتی اچھی لگی۔ انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ اس کو پکڑ لیں اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو بنی اسرائیل کو دکھلائیں۔ جب انہوں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو وہ تھوڑا سا دور جا کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ وہاں اس کو پکڑنے کے لیے چلے اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تا کہ اس کو پکڑ لیں۔ پھر وہ وہاں سے اُڑ کر روشن دان میں جا کر بیٹھا، وہاں گئے تا کہ اس کو پکڑیں وہ وہاں سے اُڑ کر دور جا کر بیٹھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کو دیکھتے رہے تا کہ اس کے شکار کے لیے کسی کو بھیجیں تو اس وقت ان کی نظر باغ میں ایک خوبصورت عورت پر پڑی۔ اس کے حسن پر حضرت داؤد علیہ السلام کو تعجب ہوا۔ اتفاقاً عورت کی نظر بھی پڑ گئی اور اس نے کسی مرد کی پرچھائی دیکھ لی تو فوراً اپنے بال بکھیر کر جسم کو چھپا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلامؑ کو اس پر اور تعجب ہوا۔ آپ نے لوگوں سے اس عورت کے متعلق پوچھا تو ان کے پوچھنے پر بتلایا کہ یہ عورت تشایع بنت شایع ہے، اور یاء بن حنانا کی بیوی ہے۔ اس کا شوہر حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے ایوب بن صوریا کے ساتھ

غزوہ میں گیا ہوا ہے جو بلقاء کے نام سے مشہور ہے اور بعض نے اس کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور یاء جہاد میں شہید ہو جائے تو میں اس کی بیوی سے نکاح کروں اور بعض نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کی بہن کے بیٹے کو لکھا کہ اور یاء کو دوسری جگہ جہاد کے لیے بھیج دو اور اس کے لیے تابوت بھیج دیا اور اس زمانے میں یہ اُصول تھا کہ جس کمانڈر کے لیے تابوت بھیج دیا جاتا تو اس کے لیے واپسی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ اس شہر کو فتح نہ کر لے یا جام شہادت نوش نہ کر لے۔ اس کو دوسری جگہ جہاد کے لیے بھیجا، اس کو وہاں سے بھی فتح حاصل ہوگئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو لکھا گیا کہ اس نے شہر کو فتح کر لیا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے لکھا کہ اس کو فلاں کے مقابلے میں بھیج دو۔ اس کو اس جگہ کی طرف بھیجا گیا حتیٰ کہ وہاں سے بھی اس کو فتح حاصل ہوگئی۔ پھر دوبارہ حضرت داؤد علیہ السلام کو لکھا گیا کہ اس کو وہاں سے بھی فتح حاصل ہوگئی۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے تیسری بار لکھا کہ اس کو فلاں فلاں دشمن کے مقابلے میں بھیج دو۔ اس کو بھیجا گیا تو وہ تیسری مرتبہ ہلاک ہو گیا۔ پھر جب عورت کی عدت مکمل ہوگئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ حضرت اُم سلیمان علیہا السلام تھیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ گناہ تھا کہ انہوں نے ایک عورت کے بدلے میں ایک شخص کو شہید کروا دیا۔ بعض اہل مفسرین کا قول ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مباح تھا۔ اگرچہ اللہ

تعالیٰ اس بات سے راضی نہیں تھے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دُنیا کی طرف رغبت کی جبکہ ان کے پاس اپنی بیویوں میں کثرت تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سب چیزوں سے مستغنی کر دیا تھا جو چیزیں اللہ نے دوسروں کو دی تھیں ان سے بھی غنی کر دیا تھا۔

حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک دن بیویوں کے لیے اور ایک دن عبادت کے لیے اور ایک دن بنی اسرائیلیوں کے فیصلے کے لیے اور ایک دن بنی اسرائیل کے ساتھ مذاکرہ کرنے اور ذکر و اذکار کرنے، ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کا آپ نے مقرر کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر آپ ذکر خدا کرتے، خود بھی روتے اور ان کو بھی رُلاتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا ایک اور واقعہ

ایک روز بنی اسرائیل نے کہا کہ کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس کا کوئی دن ایسا بھی گزرتا تھا جس میں کوئی گناہ نہ کرتا ہو؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں میں ایسا کر سکتا ہوں۔ بعض اہل روایت نے بیان کیا کہ ایک روز آپ کے سامنے عورتوں کا تذکرہ لوگوں نے کیا کہ ان کے جال سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا اگر میرا امتحان لیا گیا تو میں محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ جب آپ کی عبادت کا دن آیا تو آپ نے عبادت گاہ میں داخل ہو کر دروازے بند کروا دیئے اور حکم دے دیا کہ کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ پھر آپ توریت کی تلاوت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں سونے کا ایک بنا ہوا کبوتر آپ کے سامنے آ گیا۔ آگے واقعہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر فرمایا۔

اوریاء کے شہید ہو جانے کے بعد جب اس کی بیوہ سے آپ نے نکاح کر لیا تو کچھ ہی مدت گزری تھی کہ اللہ نے دو فرشتے دو آدمیوں کی شکل میں خاص عبادت کے دن بھیج دیئے اور انہوں نے عبادت خانے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ پہریداروں کے انکار پر دونوں شخص دیوار پھاند کر اندر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ آپ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے، آپ کو اس وقت علم ہوا جب وہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ یہ دونوں فرشتے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے فرمایا **"وھل اتاک نبا الخصم"** یہ خبر ہے خصم کی۔ **"اذ تسوروا المحراب"** جب وہ محراب پر چلے اور بلند ہوئے۔ تسوروا دیوار پر چڑھنا یہ لفظ سور سے ماخوذ ہے۔ یہاں پر فعل کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا حالانکہ وہ تو دو فرشتے تھے، کہتے تھے کہ خصم اسم ہے جو واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث کی صلاحیت رکھتا ہے اور جمع کا معنی دو میں صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ جمع کا معنی ہے ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ ملانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **"فقد صغت قلوبکما"** اصل میں یہاں **"قلبا کما"** ہونا چاہیے تھا۔

㉒ **"اذ دخلوا علی داود ففزع منهم"** حضرت داؤد علیہ السلام ان دونوں سے خوفزدہ ہو گئے کیونکہ وہ اصل راستہ دروازہ کا چھوڑ کر محراب کی جانب سے آئے اور بغیر اجازت کے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ

آیت ''الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ'' کی تفسیر

31 ''اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد'' کلبی کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین والوں سے جہاد کیا اور وہاں سے ایک ہزار گھوڑے آپ کے ہاتھ لگے۔

مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی میراث میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہزار گھوڑے ملے تھے۔ عوف نے حسن رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے پاس گھوڑے جو سمندر سے نکلے ہیں ان کے پَر تھے اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلی نماز پڑھی اور کرسی پر بیٹھے اور ان پر گھوڑے پیش کیے گئے اور انہی میں مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز چلی گئی اور سورج غروب ہو گیا اور عصر فوت ہو گئی اور اس طرح ان پر اللہ کا خوف طاری ہوا اور ان کو لوٹا دیا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام تلوار کے ساتھ گھوڑوں کو ذبح کرنے لگے تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو، انہی کی وجہ سے وہ نماز سے مشغول ہو گئے۔ اس وقت گھوڑے ان کے لیے مباح تھے۔ اگرچہ ہمارے اوپر یہ حرام ہے جیسا کہ ہم چوپایوں کو ذبح کرتے تھے، پھر ان کے پاس سو گھوڑے رہ گئے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب انہوں نے گھوڑوں کو ذبح کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر چیز ہوا کو ان کے تابع بنا دیا تھا۔ پھر وہ جہاں چاہتے ہیں چلتی ہے۔

ابراہیم تیمی کا قول ہے کہ وہ بیس گھوڑے تھے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ایک سو بیس گھوڑے ہیں۔ ان کے پَر بھی تھے۔ ''اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد'' صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھی ٹانگ کے سم کی فقط ایک نوک زمین پر لگی ہوتی۔

یہ اچھی صفت مانی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ صافن کا معنی ہے کھڑا ہونا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اس بات پر خوش ہو کہ لوگ صف بنا کر اس کے سامنے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے، جیاد کی واحد جواد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سب سے آگے بڑھ جانے والے گھوڑے مراد ہیں۔

32 ''فقال انی احببت حب الخیر'' کثیر مال مراد وہ گھوڑے جن کے معائنہ میں مشغول رہنے کی وجہ سے عصر کی نماز فوت ہو گئی تھی۔ عرب لوگ راء کی جگہ لام بول دیتے ہیں۔

جیسے ''اختلت'' کی جگہ ''اخترت'' کہہ دیتے تھے۔ خیل کو خیر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کی پیشانی میں خیر ہوتی ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ مال یا گھوڑے ان پر پیش کیے گئے۔

''عن ذکر ربی'' نماز سے۔ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ ''حتّی توارت بالحجاب'' جب سورج چھپ جائے اور آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ حجاب ایک پہاڑ ہے جو کوہ قاف سے پرے ایک سال کی مسافت پر ہے۔ سورج اس کی آڑ میں غروب ہوتا ہے۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا ۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سوانہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اور ہم نے سلیمان کو (ایک اور طرح بھی) امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر (ایک ادھورا) دھڑ لا ڈالا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا۔

مَسْحًا ۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ کی تفسیر

تفسیر ㉝ "ردّوها علیّ فطفق مسحا بالسوق والاعناق" ابوعبیدہ کا قول ہے مسح سے مراد کاٹنا ہے۔ پھر وہ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے۔ یہ قول ابن عباس، حسن، قتادہ، مقاتل اور اکثر اہل تفسیر نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ انہوں نے کبھی گھوڑوں کو نہیں کاٹا جب ان کو کسی چیز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے ان کو ذبح کیا اور ران کے گوشت کو صدقہ کر دیا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان نے ان گھوڑوں کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا اور ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر وقف کی علامت کے طور پر داغ لگا دیا تھا۔ زہری اور کیسان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ان پر پڑا ہوا غبار صاف کرنے کے لیے محبت اور پیار سے ہاتھ پھیرتے تھے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ مشہور قول پہلا ہے۔ زہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو "ردّوها علیّ" کہا تھا وہ فرشتوں سے کہا تھا یعنی آفتاب پر مؤکل جو ملائکہ تھے۔ بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ، پھر آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔

㉞ "ولقد فتنا سلیمان" ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانچ کی اور امتحان لیا اور اس واقعہ کا سبب وہ ہے جس کو محمد بن اسحاق نے وہب کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کی روایت سے بیان کیا، وہب نے کہا: حضرت سلیمان نے سنا کہ سمندر میں کوئی جزیرہ ہے جس کا نام صیدون ہے، وہاں کا ایک بڑا بادشاہ ہے۔ جزیرہ کا محل وقوع چونکہ سمندر میں ہے اس لیے کوئی شخص صیدون تک نہیں پہنچتا (اور بادشاہ آزاد ہے، کسی کا تابع نہیں) اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ حکومت عطا کی تھی کہ ان کی حکومت سے بحر و بر میں کوئی چیز باہر نہیں تھی۔ آپ ہوا پر سوار ہو کر ہر جگہ پہنچ جاتے تھے، یہ اطلاع ملنے کے بعد آپ ہوا پر سوار ہو کر اس شہر کی طرف روانہ ہو گئے اور جن و انس کے لشکر سمیت وہاں پہنچ کر اتر گئے، بادشاہ کو قتل کیا اور جزیرہ میں جو کچھ تھا،

اس پر بطور مال غنیمت قبضہ کرلیا۔ من جملہ دیگر اشیاء کے آپ کو وہاں بادشاہ کی ایک لڑکی بھی ملی جس کو جرادہ کہا جاتا تھا، ایسی حسین وجمیل لڑکی کسی نے نہیں دیکھی۔ آپ نے اپنے لیے اس کا انتخاب کرلیا۔ اول اس کو دعوت اسلام دی، وہ ناگواری خاطر کے ساتھ مسلمان ہوگئی، آپ نے اس سے نکاح کرلیا۔ آپ کو اس سے اتنی محبت ہوگئی کہ اور کسی بیوی سے نہیں تھی۔ وہ لڑکی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اتنے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بھی ہمیشہ غمگین رہتی، اس کا آنسو نہیں رکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ بات تکلیف دہ تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا: اس کی کیا وجہ کہ تیرا غم دور نہیں ہوتا اور آنسو نہیں تھمتے؟ کہنے لگی: مجھے اپنے باپ کی، اس کی حکومت کی اور اس پر جو مصیبت پڑی اس کی یاد آتی ہے جو مجھے غمگین بنائے رکھتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، اس کے عوض تو اللہ نے تجھے وہ ملک عطا کردیا جو اس کے ملک سے بڑا ہے اور ایسی حکومت عنایت کردی جو اس کی حکومت سے عظیم ہے اور مسلمان ہوجانے کی تجھے توفیق دی جو سب سے بہتر (نعمت) ہے۔

وہ کہنے لگی: ہاں! یہ تو سب کچھ ہے، پھر بھی مجھے جب باپ کی یاد آتی ہے تو وہ غم چھا جاتا ہے جو آپ دیکھتے ہی ہیں۔ اگر آپ حکم دے کر جنات سے اس مکان کے اندر جس میں میں رہتی ہوں، میرے باپ کی مورتی بنوادیں اور میں صبح وشام اس کو دیکھتی رہوں تو اُمید ہے کہ میرا غم دور ہوجائے گا اور میرے دل کو کچھ تسلی ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ اس کے باپ کی ایک مورتی اس کے گھر کے اندر بنادو، کوئی فرق نہ ہو، جنات نے ایسی مورتی بنادی۔ اس عورت نے دیکھ لیا کہ بعینہٖ یہ اس کا باپ ہے، فقط اتنی بات ہے کہ اس میں جان نہیں ہے۔ پھر اس کو کرتہ پہنایا، صافہ باندھا اور چادر اوڑھادی اور ویسے ہی کپڑے پہنا دیئے جو وہ (اپنی زندگی میں) پہنا کرتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس کے گھر سے باہر نکل جاتے تو وہ صبح وشام اپنی لونڈیوں اور باندیوں کو ساتھ لے کر مورتی کے پاس جاتی اور جیسا باپ کی زندگی میں اس کا دستور تھا، اسی کے مطابق مورتی کو خود بھی سجدہ کرتی اور باندیاں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتیں۔ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا کوئی علم نہ ہوا۔

آصف بن برخیا کو اس کی اطلاع مل گئی، آپ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے گہرے دوست تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دروازے آپ کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے، جس وقت چاہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جس گھر میں چاہتے داخل ہوجاتے، کوئی آپ کو لوٹا نہیں سکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام گھر میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

آصف بن برخیا کی آخری تقریر کی تفصیل

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام سے انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی! میں بوڑھا ہوگیا ہوں، ہڈیاں ضعیف ہوگئیں، عمر ختم ہونے کے قریب آگئی، جانے کا وقت آگیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے کسی ایک جگہ کھڑا ہو کر اللہ کے پیغمبروں کا تذکرہ کروں اور اپنی معلومات کے مطابق ان کے اوصاف بیان کروں اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو بعض باتیں لوگ نہیں جانتے ہیں ان کو بتاؤں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: (جیسا چاہو) کرو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کی تقریر

سننے کے لیے، لوگوں کو جمع کر دیا۔ آصف تقریر کرنے کھڑے ہوگئے۔ گزشتہ انبیاء کا ذکر کیا، ہر نبی کے خصوصی اوصاف جو اس میں تھے بیان کیے اور جو فضیلت اللہ نے اس کو (خاص طور پر) دی تھی، وہ ظاہر کی۔ تقریر کرتے کرتے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے پر آئے تو کہا، آپ بچپن میں بڑے عقل مند، حلیم، بڑے پرہیز گار اور بڑے پُرحکمت حکم دینے والے تھے اور چھوٹی عمر میں ہر امر مکروہ سے بہت دور تھے۔ یہ کہہ کر تقریر ختم کر دی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو آصف بن برخیا کی طرف سے گھر میں ہونیوالے واقعہ کی تفصیل

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: آصف! تم نے گزشتہ انبیاء کا تذکرہ کیا اور ہر عمر کے ان کے اچھے اوصاف بیان کیے لیکن جب میرا تذکرہ کیا تو چھوٹی عمر کے میرے اچھے اوصاف تم نے بیان کیے اور بڑے ہونے کے بعد جو میرے اوصاف تھے، ان کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی۔ آخر بڑا ہو کر میں نے کون سی نئی بات کر لی؟ حقیقت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کی تقریر کو برا محسوس کیا، اتنا کہ غصہ سے بھر گئے اور گھر جا کر آصف کو بلوا کر یہ بات کہی۔ آصف نے جواب دیا: ایک عورت کی محبت کی وجہ سے آپ کے گھر کے اندر چالیس روز سے صبح کو اللہ کے سوا دوسرے کی پوجا ہو رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا، کیا میرے گھر میں؟ آصف نے کہا (ہاں) آپ کے گھر میں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" میں تو جانتا ہی نہیں تھا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ بے وجہ نہیں کہا، یقیناً تم کو کوئی اطلاع ملی ہے۔ پھر آپ اس عورت کے گھر میں گئے، بت کو توڑا، عورت کو سخت سزا دی اور اپنا لباس اُتار کر دوسرے کپڑے پہنے جن کا سوت صرف دوشیزہ (نابالغ معصوم) لڑکیوں نے کاتا تھا اور دوشیزہ لڑکیوں نے ہی بُنا تھا، کسی بالغہ نے چھوا بھی نہ تھا۔ یہ لباس پہن کر تنہا جنگل کو نکل گئے، وہاں چولہے کی راکھ کا بستر بچھوایا، پھر توبہ کرنے کے لیے اس خاکی بستر پر بیٹھے اور کپڑوں سمیت اس پر لوٹے، اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور زاری کی، دُعا کرتے رہے، روتے رہے اور جو کچھ گھر میں ہوا اس کی معافی مانگتے رہے۔ شام تک اسی میں مشغول رہے، شام ہوگئی تو گھر واپس آ گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا شیطان لے جانا اور چالیس دن تک حکومت پر قابض رہنا

آپ کی ایک اُم ولد (وہ باندی جو بچہ کی ماں ہوگئی، آقا کی کوئی اولاد اس کے پیٹ سے ہوگئی) تھی جس کو امینہ کہا جاتا تھا۔ آپ جب بیت الخلاء جاتے یا کسی بی بی سے قربت صنفی کرنے کا ارادہ کرتے تو اپنی مہر امینہ کے پاس رکھ دیتے تھے اور جب تک ضرورت سے فراغت کے بعد بالکل پاک نہ ہو جاتے، مہر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ اسی مہر سے آپ کی حکومت وابستہ تھی۔ ایک روز امینہ کے پاس مہر رکھ کر بیت الخلاء کو چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد سمندری شیطان جس کا نام صخر تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں امینہ کے پاس آیا اور مہر طلب کی۔ امینہ نے اس شکل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل سے

کوئی غیریت محسوس نہیں کی اور سلیمان علیہ السلام سمجھ کر مہر دے دی۔ صخر نے وہ مہر اپنے ہاتھ میں پہن لی اور باہر جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ گیا اور سارے پرندے، جنات اور انسان اس کے پاس آ کر (حسب معمول) جمع ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت الخلاء سے نکل کر امینہ کے پاس پہنچے اور کہا: امینہ! میری انگوٹھی لاؤ، چونکہ ہر دیکھنے والے کو آپ کی حالت اور ہیئت بدلی ہوئی دکھائی دیتی، اس لیے امینہ بھی نہ پہچان سکی اور بولی، تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا، میں سلیمان بن داؤد ہوں۔ امینہ نے کہا: تو جھوٹا ہے، ابھی سلیمان علیہ السلام میرے پاس آ کر مہر لے کر گئے ہیں اور تخت حکومت پر اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ گناہ کا وبال آ پہنچا۔ آپ بنی اسرائیل کے گھروں پر جاتے اور خانہ بخانہ چکر لگاتے اور کہتے کہ میں سلیمان بن داؤد ہوں لیکن لوگ (دیوانہ سمجھ کر) آپ کے اوپر مٹی ڈالتے اور گالیاں دیتے اور کہتے، اس دیوانہ کو ذرا دیکھو، کیا کہتا ہے؟ اپنے کو سلیمان سمجھتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حالات دیکھے تو سمندر کی طرف چلے گئے اور دریا کے ٹھیکیداروں کی مچھلیاں اپنے اوپر لاد کر بازار تک پہنچاتے اور صاحب مال آپ کو روزانہ دو مچھلیاں مزدوری میں دے دیتا تھا۔ شام ہوتی تو آپ ایک مچھلی فروخت کر کے روٹیاں لے لیتے اور دوسری مچھلی بھون لیتے۔ چالیس روز اسی حالت میں رہے۔ چالیس ہی دنوں تک آپ کے گھر کے اندر بت کی پوجا ہوئی تھی۔

آصف اور دوسرے علماء بنی اسرائیل نے دشمن خدا کے احکام کو اس چلہ میں پہلے کے مقابلہ میں کچھ بدلا ہوا محسوس کیا۔ اس لیے آصف نے کہا: اے گروہ بنی اسرائیل! کیا تم نے بھی ابن داؤد کے احکام کو کچھ پہلے کے مقابلے میں بدلا ہوا محسوس کیا جیسا میں محسوس کر رہا ہوں؟ علماء نے کہا، جی ہاں۔ آصف نے کہا تو اتنا توقف کرو کہ میں سلیمان علیہ السلام کی بیوی سے جا کر پوچھ لوں کہ کیا انہوں نے بھی اندرونی حالت میں کچھ تغیر محسوس کیا ہے۔ جیسا کہ ہم بیرونی عام حالت میں محسوس کر رہے ہیں؟ چنانچہ آصف عورتوں کے پاس گئے اور کہا: کیا تم نے بھی ابن داؤد کے اندرونی حالات میں کچھ تغیر پایا ہے جیسا کہ ہم نے باہر محسوس کیا ہے؟ عورتوں نے جواب دیا، اس سے بھی زیادہ، وہ تو ہم میں سے کسی عورت کو خون کی حالت میں بھی نہیں چھوڑتا اور غسل جنابت بھی نہیں کرتا۔ آصف نے کہا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" بلاشبہ یہ کھلی ہوئی سخت آزمائشی مصیبت ہے۔ آصف نے واپس آ کر بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ خاص احوال تو عام حالات سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ چالیس روز گزر گئے تو شیطان مردود اپنی جگہ سے اُٹھ کر دریا پر گیا اور دریا میں مہر پھینک دی جس کو ایک مچھلی نے نگل لیا اور کسی شکاری نے وہ مچھلی پکڑ لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دن کے ابتدائی حصہ میں (حسب معمول) اپنا کام کیا، شام ہوئی تو شکاری نے آپ کو ایک (معمولی) مچھلی دے دی اور دوسری وہ مچھلی جس کے پیٹ میں مہر تھی، دے دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں مچھلیاں لے کر آ گئے۔ معمولی مچھلی کے بدلے تو روٹیاں لے لیں اور جس مچھلی کے پیٹ میں مہر تھی، اس کا بھوننے کے لیے پیٹ چاک کیا۔ پیٹ کے اندر سے مہر نکلی، آپ نے مہر لے کر ہاتھ میں پہن لی اور سجدہ میں گر گئے۔ اس کے بعد پرندے اور جنات آپ کے پاس آ کر جمع ہو گئے اور آدمی بھی آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے

کہ یہ جو مصیبت ان پر آئی تھی یہ اسی بات کی پاداش میں تھی جوان کے گھر کے اندر ہوئی تھی۔ غرض آپ کو حکومت واپس مل گئی اور آپ نے اپنے گناہ سے علی الاعلان توبہ کی اور جنات کو حکم دیا کہ صخر کو پکڑ کر لاؤ۔ شیاطین نے اس کو ڈھونڈ نکالا اور پکڑ کر حاضر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پتھر کی ایک چٹان میں شگاف کر کے صخر کو اس میں بند کر کے اوپر سے ایک چٹان اور رکھ کر لوہے اور رانگ سے اس کی مضبوط بندش کر دی۔ پھر سمندر میں پھینک دینے کا حکم دے دیا۔ یہ سارا وہب کا بیان ہے۔

سدی کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سرگذشت کا سبب یہ تھا کہ آپ کی سو (۱۰۰) بیبیاں تھیں، ان میں سے ایک کا نام جرادہ تھا۔ جرادہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر میں سب سے زیادہ چہیتی اور سب سے پکی امانت دار تھی۔ آپ جب ضرورت کو جاتے تو اسی کے پاس مہر رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک دن جرادہ نے آپ سے کہا: میرے بھائی اور فلاں شخص کے درمیان کچھ جھگڑا ہے، میں چاہتی ہوں کہ میرا بھائی جب آپ کے پاس آئے تو آپ اس کے حق میں ڈگری دے دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا، اچھا (آپ نے وعدہ کر لیا) لیکن کیا نہیں۔ اس قول پر ہی آپ مبتلاءِ آزمائش کر دیئے گئے۔ غرض ایک روز مہر جرادہ کو دے کر بیت الخلاء کو چلے گئے۔ آپ کے پیچھے شیطان (یعنی کوئی جن) آپ کی صورت بنا کر آیا اور جرادہ سے مہر لے گیا اور جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء سے آئے اور جرادہ سے مہر طلب کی تو اس نے کہا: کیا آپ نے ابھی لے نہیں لی تھی؟ آپ نے کہا: نہیں۔ پھر آپ یہاں سے نکل کر کہیں اپنے مقام پر چلے گئے اور چالیس روز تک شیطان لوگوں پر حکومت کرتا رہا۔ لوگوں نے اس کے احکام کو (حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام سے) بدلا ہوا محسوس کیا تو بنی اسرائیل کے علماء اور قراء آپ کی بیویوں کے پاس گئے اور ان سے کہا ہم کو احکام سلیمانی سے اس کے احکام غیر نظر آتے ہیں۔ اگر یہ سلیمان ہے تو یقیناً اس کی عقل جاتی رہی ہے، عورتیں رونے لگیں۔ علماء اور قراء چلے آئے اور آ کر توریت کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ شیطان نے جو یہ دیکھا تو ان کے سامنے سے اُڑ کر روشندان میں جا پڑا، مہر اس کے پاس ہی رہی، پھر وہاں سے اُڑ کر سمندر کی طرف چلا گیا۔ مہر اس کے ہاتھ سے سمندر میں گر گئی جس کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شکاریوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور بہت سخت بھوکے تھے۔ اس لیے ایک شکاری سے اس کے شکار کی ایک مچھلی کھانے کے لیے مانگی اور کہا، میں سلیمان ہوں۔ یہ بات سن کر ایک شکاری نے اُٹھ کر آپ کے لاٹھی ماری اور سر پھاڑ دیا۔ آپ سمندر کے کنارے بیٹھے خون دھونے لگے۔ دوسرے شکاریوں نے مارنے والے کو ملامت کی اور جو مچھلیاں پکڑی تھیں ان میں سے دو مچھلیاں آپ کو دے دیں۔ آپ نے دونوں کا پیٹ چاک کیا اور دھونے لگے۔ ایک مچھلی کے اندر سے آپ کو اپنی مہر مل گئی اور آپ نے اس کو پہن لیا۔

اس طرح اللہ نے آپ کو حکومت اور شان و شوکت واپس دے دی اور پرندے آپ کے گرد گھومنے لگے۔ اس وقت ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ سلیمان یہ ہیں اور اپنی حرکت کی معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: نہ میں تمہاری اس معذرت کی تعریف کرتا ہوں نہ تمہارے فعل پر تمہیں ملامت کرتا ہوں، یہ تو ہونا ہی تھا۔ اس کے بعد آپ اپنی حکومت پر آ گئے اور جس شیطان نے مہر اُڑائی تھی اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہو کر آ گیا تو آپ نے لوہے کے ایک صندوق کو بند کر کے صندوق کو مقفل کر کے اس

پر اپنی مہر لگا کر سمندر میں پھینکوا دیا۔ آج تک وہ اسی حالت میں ہے اور زندہ بھی ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام فتنہ میں پڑ گئے تو مہر ان کے ہاتھ سے نکل کر گر گئی۔ آپ نے دوبارہ ہاتھ میں ڈالی، تب بھی نکل کر گر گئی اور چونکہ آپ کی حکومت انگوٹھی سے ہی وابستہ تھی اس لیے آپ کو مصیبت کا یقین ہو گیا۔ اتنے میں آصف آ گئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگے، آپ اپنے قصور کی وجہ سے آزمائش میں پھنس گئے۔ یہ مہر آپ کے ہاتھ میں ۱۴ روز تک نہیں رکے گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تہہ خانے میں بھاگ کر چلے گئے اور آصف نے انگوٹھی اُٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی تو انگوٹھی رُک گئی (انگلی سے نکل کر نیچے نہیں گری) آیت ”وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا“ میں جسد سے یہی مراد ہے۔ (یعنی جسد سے مراد ہیں آصف) آصف ۱۴ روز تک حکومت پر قائم رہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے طریقہ پر حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکومت لوٹا کر عطا فرما دی اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور دوبارہ اپنی انگوٹھی ہاتھ میں پہن لی۔

سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تین روز تک لوگوں سے پردے میں رہے (کسی سے ملاقات کو نہیں آئے نہ سامنے آئے) اللہ نے وحی بھیجی اور فرمایا، تم تین روز لوگوں سے پردے میں رہو اور میرے بندوں کے معاملات پر نظر نہیں کی (اس لغزش پر) اللہ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اس سے آگے سعید نے مہر کا قصہ اور شیطان کے اس پر قبضہ کر لینے کا ذکر کیا ہے۔ حسن نے کہا: اللہ ایسا نہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی بیبیوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ایک رات میں اپنی تمام بیویوں سے مجامعت کروں گا۔ ہر ایک عورت بیٹا لائے گی تو میں اس کو جہاد کے لیے بھیج دوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام بیویوں کے ساتھ مجامعت کی تو ان تمام بیویوں میں سے صرف ایک نے ناتمام بچہ جنا اور اس کو کرسی میں ڈال دیا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ”والقینا علی کرسیہ جسدًا“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایک رات تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک شاہ سوار لائے گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھی نے کہا کہ آپ ان شاء اللہ کہہ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہیں کہا اور بھول گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سب بیویوں کے پاس گئے، ان سب میں سے صرف ایک ہی کو حمل ہوا جو ناتمام بچہ تھا، اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طاؤس روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی سو بیویوں سے مجامعت کروں گا۔ فرشتے نے ان سے کہا کہ آپ ان شاء اللہ کہہ دیں لیکن انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا اور بھول گئے۔ مشہور قصوں میں مشہور ہے وہ جسد جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈالا گیا تھا وہ دراصل جن تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”والقینا علی کرسیہ جسدًا ثم اناب“ ان کو اپنی بادشاہت چالیس دنوں کے بعد ملی۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿35﴾

ترجمہ: دعا مانگی کہ اے میرے رب میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ ہم نے ان کی دعا قبول کی

تفسیر: ﴿35﴾ "قال رب اغفرلی وھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی" مقاتل اور ابن کیسان نے ترجمہ کیا ہے میرے زمانے کے بعد۔ عطاء بن رباح کا قول ہے کہ "ینبغی لاحد من بعدی" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اب تو نے مجھ سے حکومت لے کر دوسرے کو دے دی، اسی طرح آخری عمر میں مجھ سے حکومت لے کر دوسرے کو نہ دے دینا۔ "انک انت الوھاب" بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سوال اس وجہ سے کیا تا کہ یہ آپ علیہ السلام کی نبوت کی نشانی اور دلالت رہے اور آپ کا یہ معجزہ ہمیشہ کے لیے رہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسے معجزہ کا سوال اس وجہ سے کیا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی توبہ قبول ہو چکی ہے۔ مقاتل بن حیان کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے اور "لاینبغی لاحد من بعدی" کہہ کر ہوا، جنات اور پرندوں پر حکومت کرنا چاہتے تھے بعد والا کلام اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دیو (شریر جن) آج رات تھوک اڑاتا (بدبو پھیلاتا) ہوا میری نماز تڑوانے کے لیے آیا لیکن اللہ نے اس پر مجھے قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ کر چاہا کہ مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ (صبح کو) تم سب اس کو دیکھ سکو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دُعا یاد آئی کہ انہوں نے درخواست کی تھی "رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ" تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿36﴾ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿37﴾ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿38﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿39﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿40﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿41﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿42﴾

ترجمہ: اور (نیز) ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا اور وہ ان کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع بنا دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں (اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دارو گیر نہیں اور (علاوہ اس کے) ان کے لئے ہمارے یہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے اور آپ ہمارے بندے (ایوبؑ کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے اپنا پاؤں مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔

تفسیر 36 "فسخرنا له الريح تجري بامره رخاء" نرم رفتار والی ہوا جو تند نہ ہو۔ "حيث اصاب" اصاب کا معنی ہے ارادہ، جہاں کا وہ ارادہ کریں۔ جیسے عرب کہتے ہیں "اصاب الصواب فاخطاء الجواب" اس نے صحیح جواب دینا چاہا لیکن جواب میں غلطی کی۔

37 "والشيطان" اور ہم نے شیطان کو آپ کے لیے مسخر کردیا۔ "كل بناء" ان سے جو چاہیں تعمیر کروالیں خواہ قلعے ہوں یا محلات ہوں۔ "وغواص" اور جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی نکالتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی پہلے وہ شخص تھے جن کے لیے سمندروں سے موتی نکالے گئے تھے۔

38 "وآخرين مقرنين في الاصفاد" زنجیروں میں قید کیے ہوئے ہیں اور ہم نے شیطان کی ایک اور جماعت کو بھی آپ کے تابع بنالیا تا کہ آپ ان کو زنجیروں میں جکڑ لیں۔

39 "هذا عطاء نا" ہم نے ان کو کہا کہ یہ ہماری طرف سے عطاء کردہ تھا۔ "فامنن أو أمسك" فامنن سے مراد احسان ہے کہ اب یہ ہماری طرف سے آپ کے اوپر احسان ہے۔ آپ جس کو چاہیں دے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ "بغير حساب" اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ جس کو چاہیں عطا کریں اور جس سے چاہیں روک لیں۔ حسن کا قول ہے اللہ نے جس کسی کو نعمت سے سرفراز کیا آخر کار وہ نعمت اس کے لیے انجام بد بن گئی سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کیوں کہ ان کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ کسی کو دیں تو ان کو ثواب ملے گا نہ دیں تو انجام میں مؤاخذہ نہ ہوگا۔ مقاتل نے کہا "هذا عطاء نا" کا یہ مطلب ہے کہ یہ یعنی جنات کی تسخیر ہمارا خاص عطیہ ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے جس کو تم چاہو چھوڑ دو اور جس کو اپنی بندش میں رکھنا چاہو چھوڑنے اور بند رکھنے کا تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

40 "وان له عندنا لزلفي وحسن مآب"

41 "واذكر عبدنا ايوب اذ نادى ربه أني مسني الشيطان بنصب" نُصب کا معنی مشقت اور تکلیف۔ ابوجعفر نے نون کے ضمہ اور صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں۔ قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے مشقت اور تکلیف جسم میں ہوتی ہے۔ یعنی اس کا تعلق جسم سے ہے۔ "وعذاب" مال میں۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ اور ان کا ابتلاء آزمائش انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں ذکر کیا گیا۔ جب ان کی مدت آزمائش پوری ہوگئی تو ان سے کہا گیا:

42 "اركض برجلک" اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس سے چشمہ جاری ہوا۔ "هذا مغتسل" اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کریں۔ پھر وہ چالیس قدم چلے۔ حکم ہوا کہ دوسرا پاؤں زمین پر ماریں، اس سے دوسرا چشمہ نکل آیا اس سے انہوں نے پانی پیا "بارد" یعنی اس ٹھنڈے پانی سے "وشراب" اور اس سے پئیں۔

18

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا
فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ
عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾
مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

ترجمہ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیے) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بیشک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے اور ہمارے بندے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یاد آخرت کی ہے اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی۔

تفسیر ﴿۴۳﴾ "وو ھبنا لہ أھلہ ومثلھم معھم رحمۃ مناو ذکری لاولی الالباب"

﴿۴۴﴾ "و خذ بیدک ضغثا" ایک مٹھی بھر درخت کی ٹہنیاں یا گھاس کے تنکوں کو۔ "فاضرب بہ و لا تحنث" اپنے ہاتھ میں لیں۔ یہ جب ہوا تھا کہ جب انہوں نے اپنی زوجہ کو مارنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ایک مٹھی بھر گھاس لیں اور اس سے ایک مرتبہ اس کو ماریں۔ "انا و جدناہ صابرًا نعم العبد انہ اوّاب"

﴿۴۵﴾ "و اذکر عبادنا" ابن کثیر نے عبدنا پڑھا ہے۔ واحد کا صیغہ ہے اور دوسرے قراء نے عبادنا پڑھا۔ "ابراھیم و اسحاق و یعقوب اولی الایدی" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے قوت والے ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔ "و الابصار" اس سے مراد معرفت خداوندی کی تعبیر کی کیونکہ آنکھیں ہی خداشناسی میں قوی ترین ذریعہ ہیں۔ قتادہ اور مجاہد کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت میں قوت دی اور دین میں ان کو بصیرت دی۔

46 "انا اخلصناهم" ہم نے آپ کو ان کے لیے چنا۔ "بخالصة ذکری الدار" قراء اہل مدینہ نے "بخالصة" اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات اس کو اضافت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے لیے آخرت کے گھر کو خالص کردیا کہ اسی کے لیے ہم خالص کریں۔ وذکری بمعنی ذکر کے ہے۔ مالک بن دینار کا قول ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے دُنیا کی محبت اور یاد نکال دی اور آخرت کی یاد محبت کے لیے ان کو مخصوص کردیا۔ قتادہ نے ان کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ وہ آخرت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ عزوجل کی طرف تبلیغ دیتے ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ آخرت کا ڈر رکھنے کے لیے ان کو مخصوص کرلیا گیا تھا۔ ابن زید نے کہا کہ جس نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے آخرت کی بہترین چیزوں کی یاد کے لیے ان کو مخصوص کرلیا تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو خالص چن لیا مخلصین میں سے۔ جیسا کہ ہم نے آخرت کے ذکر کے متعلق نقل کیا ہے۔

47 "وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار"

48 "واذكر اسماعيل واليسع وذالكفل وكل من الاخيار"

49 "هذا ذكرٌ" یہ جو تمہارے اوپر تلاوت کیا جاتا ہے یہ مقدم الذکر واقعات انبیاء کے لیے ایک شرف ہے یا یہ قرآن جو پڑھا جارہا ہے ایک حسین یاددہانی ہے۔ "وانّ للمتقين لحسن مآب"

50 "جنات عدن مفتحة لهم الابواب" ان کیلئے ابواب کھلے ہوئے ہیں۔

51 "متكئين فيها يدعون فيها بفاكهة كثيرة و شراب"

52 "وعندهم قاصرات الطرف اتراب" یعنی ہم عمر، اس وقت سب کی عمر ۳۳ سال ہوگی۔ مجاہد کا قول ہے کہ سب آپس میں بہنوں بہنوں کی طرح ہوں گی۔ یہاں کی سوکنوں کی طرح ان میں جلن نہیں ہوگی اور نہ حسد ہوگا۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ 53 اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ 54 هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ 55 جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ 56 هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ 57 وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ 58 هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ 59 قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ 60

ترجمہ: (اے مسلمانو) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے بے شک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم بھی نہیں یہ بات تو ہو چکی اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو بہت بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں گے اور (اس کے علاوہ) اور بھی اسی قسم کی (ناگوار) طرح طرح کی چیزیں ہیں یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے)

دوزخ میں گھس رہے ہیں ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں آ رہے ہیں وہ (اتباع ان متبوعین سے) کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے آگے لائے سو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے

تفسیر 53 "ھذا ما توعدون" ابن کثیر نے یوعدون یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ ق میں بھی۔ ابو عمرو نے اس سورت میں ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی آپ کہہ دیجئے مؤمنین سے، یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ "لیوم الحساب" یعنی حساب کے دن۔

54 "ان ھذا لرزقنا مالہ من نفاد" کوئی فنا یا ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

55 "ھذا" یہ حکم اسی طرح ہوگا۔ "وانّ للطاغین" کافروں کے لیے "لشر مآب" اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

56 "جھنم یصلونھا" اس میں وہ داخل ہوں گے۔ "فبئس المھاد"

57 "ھذا" یہ عذاب ہے۔ "فلیذوقوہ حمیم و غساق" یہ گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے۔ لہٰذا تم اسی سے مزہ چکھو۔ حمیم گرم پانی کو کہا جاتا ہے جس کو آخری حد تک گرم کیا ہو۔ حمزہ، کسائی اور حفص نے کہا (غساق) تشدید کے معنی میں ہے اور دوسرے قراء نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ جن حضرات نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہو تو وہ اس کو اسم فعال کے وزن پر لیتے ہیں جیسے خباز اور طباخ ہے اور جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس صورت میں فعال کا اسم ہوگا جیسے عذاب، غساق کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ایسی برفیلی سخت ٹھنڈک جو اس طرح دوزخیوں کو جلا دے گی جس طرح آگ اپنی گرمی سے جلائے گی۔ مقاتل اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ جس کی ٹھنڈک انتہا کو پہنچ جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اور ترکی زبان میں غساق انتہائی بدبودار چیز کو کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ غساق کا معنی ہے صباب یعنی سیال، یہاں مراد پیپ اور کچا خون جو دوزخیوں کی کھال اور گوشت اور زانیوں کی شرمگاہوں سے بہے گا۔

58 "وآخر" اہل بصرہ میں الف کے ضمہ کے ساتھ اخریٰ کی جمع ہے جیسے کبریٰ اور کبر۔ ابو عبیدہ نے کہا چونکہ یہ جمع کی صفت ہے۔ دوسرے قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ واحد کے مشابہ پڑھا ہے۔ "من شکلہ" گرم پانی اور پیپ کی طرح ہوں گے۔ "ازواج" یہ ان پر عذاب قسم قسم کا ہوگا۔

59 "ھذا فوج مقتحم معکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ دوزخ کے کارندوں کا کلام ہوگا جو جہنمی لیڈروں سے وہ کہیں گے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ کافروں کے پیشوا اور لیڈر جب دوزخ میں چلے جائیں گے تو ان کے بعد ان کے پیروکار بھی آ کر دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت دوزخ کے کارندے ان پیشواؤں سے یہ بات کہیں گے۔

کلبی کا بیان ہے کہ ان کو ہتھوڑوں کے ساتھ ماریں گے۔ اس مار سے بچنے کے لیے وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیں گے۔ "لا مرحبا بھم" ان کی اتباع میں۔ "انھم صالوا النار" وہ اس میں داخل ہوں گے۔

60 "قالوا بل أنتم لا مرحبا بکم" مرحب اور رحب کہتے ہیں کشادہ جگہ کو۔ عرب کا قول ہے "مرحبا و اھلاً و سھلاً"

آئیں خوشی کے ساتھ کشادہ جگہ میں اور اسی طرح کہتے ہیں "لا مرحبا بک" یعنی تیرے لیے زمین کشادہ نہ ہو۔ "انتم قدمتموہ لنا" اس عذاب کو یا داخلہ جہنم کو تم ہی ہمارے گھر آئے۔ بعض حضرات نے کہا کہ تم ہی یہ عذاب ہمارے لیے آگے لائے ہو کہ تم نے ہمیں کفر کی طرف دعوت دی جس کے باعث ہمیں جہنم میں جانا پڑا۔ "فبئس القرار" جہنم تمہارے لیے برا ٹھکانہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾

ترجمہ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے آگے لایا ہو اس کو دوزخ میں دگنا عذاب دیجیو اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم نے ان لوگوں کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں چکرا رہی ہیں یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم کو (عذاب خداوندی سے) ڈرانے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست بڑا بخشنے والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے۔

تفسیر ⑥١ "قالوا" ان کے متبعین کہیں گے "ربنا من قدم لنا ھذا" یہ شریعت اور طریقہ۔ "فزدہ عذابا ضعفا فی النار" ان پر دوزخ میں عذاب دگنا کر دیا جائے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کی کہ ان پر سانپ اور بچھو چھوڑے جائیں گے۔

⑥٢ "وقالوا" قریش کے بڑے بڑے سردار جو دوزخ میں ہوں گے کہیں گے "مالنا لانری رجالاً کنا نعدھم" دُنیا میں "من الاشرار" اس سے مراد فقراء مؤمنین ہیں۔ حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں ان کو برا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے۔ آج وہ یہاں کیوں نظر نہیں آ رہے۔

⑥٣ "اتخذناھم سخریا" اہل بصرہ اور اہل کوفہ نے اور حمزہ و کسائی نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مبتداء ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے الف کے قطع کے ساتھ فتحہ کے ساتھ استفہام کی وجہ سے۔ اہل معانی نے کہا کہ قرأت اولیٰ بہتر ہے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ہم ان حضرات کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا کرتے ہیں، استفہام نہیں۔ ام بمعنی بل کے ہے اور جو حضرات ہمزہ کے فتحہ کو پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں اُم معادلہ ہوگا۔ "ام زاغت عنھم الابصار" سے۔

فراء کا قول ہے کہ یہ ہمزہ استفہام کا ہے اس کا معنی توبیخ اور تعجب کے لیے ہے۔ "ام زاغت" ان کی طرف مائل ہونا۔

"عنھم الابصار" اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم ان لوگوں کو اپنے ساتھ نہیں دیکھ رہے جن کا ہم مذاق اُڑا رہے تھے یا وہ اس میں داخل ہو گئے لیکن ہم نے ان کو نہیں دیکھا یا وہ ہماری آنکھوں سے اوٹ میں ہیں۔ ابن کیسان نے کہا کہ کیا وہ ہم سے بہتر ہیں لیکن ہم لوگ نہیں جانتے۔

64 "انّ ذلک" جو کچھ ہم نے ذکر کیا۔ "لحق تخاصم اھل النار" دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا ایک سچ اور حقیقت بات ہے۔

65 "قل" اے محمد! ان مشرکین مکہ کو کہہ دیجئے۔ "انّما انا منذر" ڈرانے والا ہوں۔ "وما من الٰہ الا اللّٰہ الواحد القھار"

66 "رب السّمٰوٰت والارض وما بینھما العزیز الغفار"

67 "قل" اے محمد! "ھو" اس سے مراد قرآن ہے۔ "نبؤ اعظیم" ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد ایک عظیم الشان خبر ہے جس سے تم کترا رہے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "عمّ یتساء لون عن النباء العظیم"

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿68﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿69﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿70﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿71﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿72﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿73﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿75﴾

ترجمہ: جس سے تم (بالکل) ہی بے پروا ہو رہے ہو مجھ کو عالَم بالا (کی بحث و گفتگو) کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (تخلیق آدم کے بارے میں) جھگڑا کر رہے تھے میرے پاس (جو وحی آتی ہے تو محض) اس سبب سے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) صاف صاف ڈرانے والا (کر کے بھیجا گیا) ہوں جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی انسان کے پتلے کو) بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔ سو (جب اللہ نے) اس کو بنا لیا تو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی کیا تو غرور میں آ گیا (اور واقع میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں ایسے) بڑے درجہ والوں میں ہے۔

تفسیر: 68 "انتم عنہ معرضون،"

69 ما کان لی من علم بالملاء الاعلی" اس سے مراد فرشتے ہیں۔ "اذ یختصمون" حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا"

70 "ان یوحی الیّ الاّ انما انا نذیر مبین" فراء کا قول ہے اگر تو چاہے تو بنا لے۔ "انما" موضع رفع میں واقع ہے۔ میری طرف وحی صرف اسی وجہ سے کی گئی تاکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤں۔ ابوجعفر نے "انما" الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش حضرمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میں نے اپنے رب کو نہایت ہی حسین شکل میں دیکھا۔ رب نے مجھ سے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا والے کس بات میں بحث کررہے ہیں، میں نے عرض کیا، اے میرے رب! تو ہی خوب جانتا ہے، یہ بات دو مرتبہ فرمائی۔ میرے رب نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس کی خنکی مجھے سینے کے اگلے حصہ میں بھی محسوس ہوگئی اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہورہا تھا مجھے معلوم ہوگیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من المؤقنین" تلاوت فرمائی اور فرمایا اس کے بعد میرے رب نے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا والے کس بات میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے عرض کیا، کفارات کے متعلق بحث کررہے ہیں۔ فرمایا کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا پاؤں سے چل کر جماعت کی طرف جانا نماز کے بعد، دوسری نماز کا انتظار کرنا اور ناگوار اُمور کے باوجود ٹھنڈے پانی سے پورا وضو کرنا۔ فرمایا جو ایسا کرے گا وہ بخیریت زندہ رہے گا۔ بخیریت مرے گا اور اس کے گناہ ایسے دور ہوجائیں گے جیسے اس روز تھے جبکہ وہ ماں کے پیٹ میں پیدا ہوا تھا اور درجات میں سے ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور مسلمانوں کو سلام کرنا اور رات کو جب سب لوگ سوتے ہوں نماز کے لیے کھڑا ہونا، رب نے فرمایا، کہو اے اللہ! میں تجھ سے پاک چیزیں مانگتا ہوں اور بری چیزیں چھوڑ دینے کی توفیق چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت کا خواستگار ہوں اور اس بات کا طلب گار ہوں کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے ہی وفات دے دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بلاشبہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔

71 "اذ قال ربّک للملائکۃ انی خالق بشرًا من طین" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

72 "فاذا سویتہ" جب ہم نے اس کی خلقت کو پورا کیا۔ "ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"......

73 "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون" 74 "الاّ ابلیس استکبر و کان من الکافرین"......

75 "قال یا ابلیس ما منعک ان لاتسجد لما خلقت بیدی استکبرت" الف استفہام کا ہے۔ الف وصل کے ساتھ داخل ہوا ہے۔ "ام کنت من العالین" اس سے مراد متکبرین ہیں۔ یہ استفہام توبیخ اور انکار کے طور پر ہے۔ اس نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور سجدہ سے انکار کیا یا اس نے ایسی قوم کی طرح تکبر کیا جو سجدہ سے تکبر کرنے کی بناء پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ 76 قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ
77 وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ 78 قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ 79 قَالَ
فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ 80 اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ 81 قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ
82 اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ 83 قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ 84 لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ
وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ 85 قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ
86 اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ 87 وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ 88

ترجمہ کہنے لگا کہ (شق ثانی واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھ کو نار سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا ہے ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو (اس حرکت سے) مردود ہو گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک کہنے لگا کہ پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ارشاد ہوا (کہ جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھ کو وقت معین کی تاریخ تک مہلت دی گئی ہے۔ کہنے لگا (جب مجھ کو مہلت مل گئی تو (مجھ کو بھی) تیری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کیے گئے ہیں ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سے سب سے دوزخ کو بھر دوں گا آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن (کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) بس دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جائے گا (یعنی مرنے کے ساتھ ہی) حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا۔

تفسیر 76 "قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین"

77 "قال فاخرج منها" اس جنت سے ان کو نکال دو۔ بعض نے کہا کہ ان کو آسمان سے نیچے اُتار دو۔ حسن اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ اس خوبصورت بناوٹ سے نکل جاؤ جس میں تو بنایا گیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا کہ یہ تشریح اچھی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد ابلیس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور خوبصورتی بدصورتی سے بدل گئی۔ "فانک رجیم" بے شک تو راندہ درگاہ ہو گیا۔

78 "وان علیک لعنتی الی یوم الدین"......

79 "قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون"......

80 "قال فانک من المنظرین"......

81 "الی وقت المعلوم" اس سے مراد نفحہ اولیٰ ہے۔

82"قال فبعزتک لاغوینهم اجمعین"......

83"الا عبادک منهم المخلصین"......

84"قال فالحق والحق اقول" عاصم،حمزہ،یعقوب نے "فالحق" فاء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "الحق منی" اور دوسرا حق منصوب ہے "وانا اقول الحق" مجاہد کا یہی قول ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کو منصوب پڑھا ہے۔ ان کے منصوب ہونے میں اختلاف ہے۔ پہلا حق منصوب ہے اغراء کی وجہ سے گویا کہ یوں کہا گیا "الزم الحق" دوسرا حق قول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلا (حق) قسم ہے۔ عبارت یوں ہوگی: "بالحق" اور وہ اللہ عزوجل ہے اور یہ منصوب "بنزع الخافض" ہے۔ یہ حرف صفت ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرا حق منصوب ہے قول کا مقولہ ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ اس میں تکرار قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھائی۔

85"لاملئن جهنم منک وممن تبعک منهم اجمعین" ......

86"قل ما أسئلکم علیه" رسالت کی تبلیغ پہنچانے پر "من اجر و ما انا من المتکلفین" قرآن کو اپنی طرف سے بنانے والا نہیں ہوں ہر وہ چیز جس کو انسان اپنی طرف سے ایجاد کرے اس کو تکلف کہتے ہیں۔ مسروق کا قول ہے کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص کوئی بات جانتا ہو تو کہہ دے اور معلوم نہ ہو تو (اللہ جانے) کہہ دے کیوں کہ جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے متعلق اللہ اعلم کہہ دینا بھی علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا "قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین"

87"ان هو" پس یہ قرآن۔ "الا ذکر" نصیحت ہے "للعالمین" تمام مخلوق کے لیے۔

88"ولتعلمنّ" تم کفار مکہ کو۔ "نبأه" سچی خبر معلوم ہو جائے گی۔ "بعد حین" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کے نزدیک مرنے کے بعد مراد ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن جان لوگے۔ کلبی کا بیان ہے کہ جس چیز کا علم باقی ہے جب وہ ظاہر ہو جائے گا اور اس کا علم معلوم ہونا موت کے بعد ہے۔ حسن کا قول ہے کہ مرنے کے وقت آدمی کے سامنے سچی خبر آجاتی ہے۔

سُورَۃُ الزُّمَر

یہ مکمل سورت مکی ہے... سوائے ایک آیت کے.... "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم" یہ مدنی ہے.... اس سورت کی پچھتر (۷۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

(ترجمہ) یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ (قرآن کی تعلیم کے موافق) خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک سے) خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں تو ان کے (اور ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے۔

(تفسیر) ① "تنزیل الکتاب" اصل عبارت یوں ہے "ھذا تنزیل الکتاب" اور بعض نے کہا ہے کہ "تنزیل الکتاب" مبتداء ہے اور اس کی خبر "من اللہ العزیز الحکیم" ہے یہاں اس کتاب کا اُتارنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ کے غیر سے نہیں ہے۔

② "انا انزلنا الیک الکتاب بالحق" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل بغیر فائدہ کے

نہیں اُتارا۔"فاعبد اللّٰه مخلصا له الدين" یہاں عبادت بمعنی طاعت کے ہے۔

3"الا للّٰه الدين الخالص" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ دین خالص کا مستحق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ایسا دین جو شرک سے خالص ہے وہی اللہ کے لیے ہے۔"والّذين اتخذوا من دونه"یعنی اللہ کے سوا"اولياء"یعنی بتوں کو"ما نعبدهم"یعنی انہوں نے کہا کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے۔"الا ليقرّبونا الى اللّٰه زلفٰى"اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا ہے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہا کہ جب ان کو کہا جاتا تمہارا رب کون ہے؟ اور کس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ اور کس نے آسمانوں وزمین کو پیدا کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں اللہ نے۔تو ان کو کہا جاتا کہ پھر تم بتوں کی عبادت کرتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ کہتے کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں تا کہ وہ یہ ہمیں اللہ کے ہاں مرتبہ میں قریب کردیں۔"زلفٰى"بمعنی قربیٰ ہے اور یہ اسم ہے جس کو مصدر کی جگہ (مفعول مطلق) لایا گیا ہے۔گویا کہ یوں کہا ہے کہ "الا ليقربونا الى اللّٰه تقريبا"اور وہ ہماری سفارش کریں عند اللہ۔"ان اللّٰه يحكم بينهم"قیامت کے دن"فيماهم فيه يختلفون"دین کے معاملہ میں"ان اللّٰه لا يهدى من هو كاذب كفار"اپنے دین کی طرف جھوٹ بولنے والے کی رہنمائی نہیں کرتا۔انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود سفارش کریں گے تو اللہ کے سوا معبود بنالینا ان کے جھوٹے اور کافر ہونے کے لیے کافی ہے۔

4"لو اراد اللّٰه ان يتّخذ ولدا لاصطفٰى"البتہ اختیار کرلیتا۔"مما يخلق ما يشآء"یعنی فرشتے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا"لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذناه من لدنا"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا:"سبحانه"وہ اس بات سے پاک ہے اور ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس کی پاکی کے لائق نہیں ہے۔"هو اللّٰه الواحد القهار"

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ 5 خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ط يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ 6 اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ 7

(ترجمہ) اس نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات (کی ظلمت) کو دن (کی روشنی کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا

ہے اور دن (کی روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے ایک سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ (ان میں سے) ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا یاد رکھو کہ وہ زبردست بڑا بخشنے والا (بھی) ہے اس نے تم لوگوں کو تن واحد (یعنی آدم) سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور (بعد اس حدوث کے) تمہارے (نفع بقا کے لئے) آٹھ نر و مادہ چار پایوں کے پیدا کئے وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (ان دلائل کے بعد) تم کہاں (حق سے) پھرے جا رہے ہو اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا (تمہاری عبادت کا) حاجتمند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

تفسیر 5 "خلق السمٰوت والارض بالحق یکوّر الّیل علی النهار ویکوّر النهار علی الّیل" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو اس سے ڈھانپ لیتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ "یغشی الّیل النهار" اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے "یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل" اور حسن اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ رات کو کم کر کے دن کو زیادہ کر دیتے ہیں اور دن کو چھوٹا کر کے رات کو بڑا کر دیتے ہیں۔ پس جو وقت رات سے کم ہوا وہ دن میں داخل ہو گیا اور جو وقت دن سے کم ہوا وہ رات میں داخل ہو گیا اور وقت کم ہونے کی آخری حد نو گھنٹے اور زیادہ ہونے کی آخری حد پندرہ گھنٹے ہے اور تکویر کی اصل لپیٹنا اور جمع کرنا ہے اور اسی سے "کور العمامة" پگڑی کے بل کو کہتے ہیں۔ "وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّی الا هو العزیز الغفار"

6 "خلقکم من نفس واحدة" یعنی آدم علیہ السلام سے "ثم جعل منها زوجها" یعنی حواء علیہا السلام "وانزل لکم من الانعام" اس جگہ انزال کا معنی ابتداءً پیدا کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "انزلنا علیکم لباسا یواری" میں انزال احداث وانشاء کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انزال کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اُتارا جو کپاس کے اُگنے کا سبب ہے جس سے لباس بنتا ہے اور ان نباتات کے اُگنے کا سبب ہے جس کے ذریعے چوپایوں کی بقاء ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "وانزل لکم من الانعام" کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمہارے لئے مہمانی اور رزق بنایا ہے۔ "ثمانیة ازواج" قسمیں، اس کی تفسیر سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔ "یخلقکم فی بطون امهاتکم خلقا من بعد خلق" پہلے نطفہ پھر جما ہوا خون پھر گوشت کا لوتھڑا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے "وقد خلقکم اطوارا، فی ظلمات ثلاث" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پیٹ کی تاریکی اور رحم کی تاریکی اور مشیت کی تاریکی مراد ہے۔ "ذلکم اللّٰه" یعنی جس نے ان اشیاء کو پیدا کیا۔ "ربکم له الملک لا اله الاّ هو فانی تصرفون" اس بیان کے بعد حق کے راستے سے۔

7 "ان تکفروا فان اللّٰه غنی عنکم ولا یرضٰی لعباده الکفر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہوتا اور یہ وہ مؤمن بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" تو یہ آیت الفاظ کے اعتبار سے تو عام ہے لیکن معنی کے اعتبار سے خاص ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "عینا یشرب بھا عباد اللّٰہ" اس میں بھی عباد سے بعض بندے مراد ہیں اور بعض حضرات نے اس آیت کو عموم پر جاری کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کے بھی کفر پر راضی نہیں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اس بات پر راضی نہیں کہ اس کے بندے اس کا کفر کریں اور یہی بات حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی اسلاف کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کافر کا کفر اللہ کو پسندیدہ نہیں ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ "وان تشکروا" اپنے رب پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو۔ "یرضه لکم" پھر تم کو اس پر ثواب دے گا۔ ابوعمر رحمہ اللہ نے "یرضه لکم" کو ھاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل مدینہ اور عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ اس ھاء کو اُچک لیتے ہیں اور باقی حضرات اشباع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "ولا تزروا زرۃ وزر اخریٰ ثمّ الی ربّکم مرجعکم فینبّئکم بما کنتم تعملون انّه علیم بذات الصدور"

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩

(ترجمہ) اور مشرک آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے پاس سے نعمت (امن و آسائش) عطا فرما دیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے (خدا کو) پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے (پھر آخر کار) تو دوزخیوں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈرتا رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہو آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں (آپ) مومنین کو میری طرف سے کہیے کہ اے ایمان والے بندو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

تفسیر ⑧ "واذا مسّ الانسان ضرّ دعا ربّه منیبا الیه" اس کی طرف فریاد کرتے ہوئے لوٹے "ثمّ اذا خوّله نعمة منه" اس کو اپنی طرف سے نعمت دے۔ "نسی" وہ چھوڑ دے۔ "ما کان یدعوا الیه من قبل" یعنی اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کے دور کرنے کی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا تھا۔ "وجعل للّٰه اندادا" یعنی بتوں کو "لیضل عن سبیله" تا کہ اللہ کے دین سے پھسل جائے۔ "قل" اس کافر کو "تمتّع بکفرک قلیلا" دُنیا میں اپنی موت تک "انّک من اصحاب النار" بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ عام ہے ہر کافر کے بارے میں۔

⑨ "امّن هو قانت" ابن کثیر اور نافع اور حمزہ رحمہم اللہ نے "امّن" کو میم کی تخفیف (بغیر شد) کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے میم کی شد کے ساتھ۔ پس جن حضرات نے میم پر شد پڑھی ہے اس کی دو وجہ ہیں۔ (۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ میم "ام" میں صلہ ہے تو کلام کا معنی استفہام ہوگا اور اس سوال کا جواب محذوف ہوگا اس کی عبارت یوں ہوگی "امن هو قانت کمن هو غیر قانت؟" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "افمن شرح الله صدره للاسلام" یعنی "کمن لم یشرح صدره" کی طرح ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف ہے استفہام پر۔ اس کی عبارت یوں ہے: "الّذی جعل للّٰه اندادا اخیر ام هو قانت؟" اور جس نے میم کی تخفیف (بغیر شد) کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ الف استفہام کا ہے اپنے معنی پر داخل ہوا ہے یعنی "هذا کالّذی جعل للّٰه اندادا" یعنی کیا یہ شخص اس کی طرح ہے جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے اور بعض نے کہا ہے کہ الف "امن" میں حرف نداء کے معنی میں ہے اس کی اصل عبارت ہے "یامن هو قانت" اے وہ آدمی جو فرمانبردار ہے اور عرب یاء کی طرح الف سے بھی نداء دیتے ہیں۔ پس وہ کہتے ہیں ابنی فلاں اور یابنی فلاں۔ تو اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ فرما دیجئے تو اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا نفع اُٹھالے۔ بے شک تو جہنم والوں میں سے ہے اور اے وہ شخص جو فرمانبردار ہے "آناء اللیل" بے شک تو جنت والوں میں سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور ایک روایت میں عطاء کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کلبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ابن مسعود اور عمار اور سلیمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور القانت وہ شخص جو فرمانبرداری پر قائم ہو اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قنوت قرآن کی قرأت اور لمبا قیام کرنا ہے اور "آناء اللیل" سے مراد رات کی گھڑیاں ہیں۔ "ساجدا وقائما" یعنی نماز میں "یحذر الآخرة" آخرت کا خوف رکھتا ہے۔ "ویرجوا رحمة ربّه" یعنی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ان میں سے کوئی کام نہیں کرتا۔ "قل هل یستوی الّذین یعلمون والذین لایعلمون" اور بعض نے کہا ہے کہ جاننے والوں سے عمار اور نہ جاننے والوں سے ابوحذیفہ مخزومی مراد ہیں۔ "انّما یتذکر اولوا الالباب"

⑩ "قل یا عباد الّذین اٰمنوا اتقوا ربّکم" اس کی اطاعت کرکے اور اس کی نافرمانیوں سے بچ کر۔ "للّذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ" جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے۔ "حسنۃ" جنت ہے۔ اس کے قائل قتادہ ہیں اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دُنیا میں "حسنۃ" یعنی صحت اور عافیت ہے۔ "و ارض اللّٰہ واسعۃ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی تم مکہ سے کوچ کرو اور اس آیت میں ایسے شہر سے ہجرت کرنے پر اُبھارا گیا ہے جہاں معاصی ظاہر ہو رہے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ آیت حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی شہر میں گناہوں کا حکم دیا جائے وہ وہاں سے کسی دوسرے شہر دوڑ جائے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں

"انّما یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب" یعنی جو لوگ اپنے دین پر صبر کرتے ہیں اور تکلیف کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑتے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنا دین سخت مصائب کے باوجود بھی نہیں چھوڑا اور صبر کیا اور ہجرت کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر فرمانبردار کے اعمال کا ماپ و تول ہوگا سوائے صابرین کے کہ ان کو لپیں بھر بھر کے ثواب ملے گا اور روایت کیا گیا ہے کہ مصائب زدہ لوگوں کو لایا جائے گا اور ان کے لیے ترازو نہیں مقرر کیا جائے گا اور ان کے لیے دفتر نہیں کھولا جائے گا اور ان پر اجر بغیر حساب کے بہایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انّما یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب" حتیٰ کہ دُنیا میں عافیت کی زندگی گزارنے والے یہ تمنا کریں گے کہ ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے۔ یہ تمنا مصیبت زدہ لوگوں کے فضل کو دیکھ کر کریں گے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ⑫
قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ⑭
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ⑮ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ
ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو ان کے لئے خاص رکھوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اس) امت کو (لوگوں میں) سب مسلمانوں سے اول میں ہوں (آپ یہ بھی کہہ دیجئے) اگر (بافرض محال میں) اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن

کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کے لئے خاص رکھتا ہوں سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اس کی عبادت کرو آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قطعاً قیامت کے روز خسارہ میں پڑے یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہی ہے ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو۔

تفسیر ⑪ " قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ "اس کے لیے توحید کو خالص کرتے ہوئے کہ میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں۔

⑫ "وامرت لان اکون اوّل المسلمین" اس اُمت میں سے۔

⑬ "قل انی اخاف ان عصیت ربّی" اور اس کے غیر کی عبادت کروں۔ "عذاب یوم عظیم" اور یہ اس وقت کہا جب آپ علیہ السلام کو آپ کے آباء کے دین کی طرف بلایا گیا۔

⑭ "قل اللّٰہ اعبد مخلصا لہ دینی

⑮ فاعبدوا ما شئتم من دونہ" یہ امر ڈانٹ و دھمکی کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "اعلموا ما شئتم" ہے۔ "قل ان الخاسرین الّذین خسروا انفسھم واھلیھم" یعنی ان کی بیویاں اور ان کے خادم۔ "یوم القیامۃ الا ذلک ھو الخسران المبین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں ایک ٹھکانہ اور بیوی بنائی ہے اب جو شخص اللہ کی تابعداری کرے گا تو وہ ٹھکانہ اور بیوی اس کو ملے گی اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو جہنم میں داخل ہوگا اور وہ ٹھکانہ اور بیوی اس کے علاوہ کسی اس شخص کو مل جائے گی جس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور کہا گیا ہے کہ نفس کا خسارہ جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہے اور اہل کا خسارہ اس طرح ہے کہ اس شخص اور اس کے اہل خانہ کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور یہ کھلا واضح خسارہ ہے۔

⑯ "لھم من فوقھم ظلل من النار" جہنم کے تہہ بتہہ شعلے اور اس کا دھواں ہے۔ "ومن تحتھم ظلل" آگ کے بچھونے اور فرش ہیں جن کی انتہا جہنم کی گہرائی ہے۔

آیت کریمہ میں نچلے طبقہ کا نام "ظلل" (سائبان) رکھا گیا ہے کیونکہ ہر طبقہ اپنے سے نچلوں کے لیے سائبان ہے۔ اس کی مثال دوسری آیت میں یہ ہے: "لھم من جھنم مھاد و من فوقھم غواش ...... ذلک یخوف اللّٰہ بہ عبادہ یا عباد فاتّقون"

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ
الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (مراد غیر اللہ کی عبادت ہے) اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوش خبری سنانے کے ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں بھلا جس شخص پر عذاب کی (ازلی تقدیری) بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جسے (علم الٰہی میں) دوزخ ہی میں جانا ہے چھڑا سکتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے (جنت کے) بالا خانے (ہیں) جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ میں خلاف نہیں کرتا (اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیتا ہے پھر (جب وہ ابلتا ہے) اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔

تفسیر ﴿۱۷﴾ ......"والذین اجتنبوا الطاغوت" بتوں سے بچ کر "ان یعبدوھا وانابوا الی اللّٰہ" اللہ کی عبادت کی طرف لوٹتے ہیں۔ "لھم البشریٰ" دُنیا میں جنت کی اور آخرت میں مغفرت کی بشارت ہے۔ "فبشر عباد" اپنے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دو۔

﴿۱۸﴾ الذین یستمعون القول" قول سے مراد قرآن ہے "فیتّبعون احسنه"

فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ کی تفسیر

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احسن وہ ہے جس کا ان کو حکم دیا گیا اور انہوں نے اس پر عمل کیا اور کہا گیا ہے کہ احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ظالم سے انتقام لینے اور اس کو معاف کرنے دونوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں حکموں میں معاف

کر دینا احسن ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عزیمتوں کا ذکر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ لوگ قرآن اور غیر قرآن کو سنتے ہیں لیکن اتباع قرآن کی کرتے ہیں اور عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اور زبیر اور سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم آئے تو ان سب نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے ایمان کی خبر دے دی تو یہ حضرات بھی ایمان لے آئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ "**فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه**" اور یہ تمام حسن ہے۔ "**اولٰئک الّذین هداهم اللّٰه واولٰئک هم اولوا الالباب**" ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**والذین اجتنبوا الطاغوت**" سے دو آیتیں تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور احسن لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔

كَلِمَةُ الْعَذَابِ کی مختلف تفاسیر

⑲ "**افمن حق علیه کلمة العذاب**" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علم الٰہی میں جس کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ وہ جہنمیوں میں سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "**کلمة العذاب**" سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان "**لا ملأن جهنم**" ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "**کلمة العذاب**" سے مراد فرمان باری تعالیٰ ہے کہ "**هؤلاء فی النار ولا ابالی**" کہ یہ لوگ جہنم میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ "**افانت تنقذ من فی النّار**" یعنی تو اس پر قادر نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ابولہب اور اس کی اولاد مراد ہے۔

⑳ "**لکن الّذین اتقوا ربّهم لهم غرف من فوقها غرف مبنیه**" یعنی جنت میں بلند رہائشیں اور ان کے اوپر ان سے بھی بلند رہائش گاہ ہوگی۔ "**تجری من تحتها الانهار وعداللّٰه لایخلف اللّٰه المیعاد**" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے ان بالا خانوں کا وعدہ کیا ہے جس کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالا خانوں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم تاریک رات میں چمکدار ستارے کو مشرق یا مغرب کے اُفق میں دیکھتے ہو۔ یہ (فاصلہ) ان کے درمیان مرتبے کے فرق کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ انبیاء علیہم السلام کے درجات ہیں کہ ان تک ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکے گا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔

㉑ "**الم تر ان اللّٰه انزل من السمآء ماء فسلکه**" اس پانی کو داخل کر دیا۔ "**ینابیع**" چشموں اور نہروں میں۔ "**فی الارض**" شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین کا ہر پانی آسمان سے اترا ہے۔ "**ثم یخرج به**" پانی کے

ذریعے "زرعا مختلفا الوانه" سرخ اور زرد اور سبز مختلف قسم کی کھیتیاں پیدا کیں۔
"ثمّ یھیج" خشک ہو جاتا ہے۔ "فتراہ" اس کی سرسبزی اور رونق کے بعد "مصفرا ثمّ یجعله حطاما" ٹکڑے ٹوٹے ہوئے "ان فی ذلک لذکری لاولی الالباب"

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ㉒ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ㉓

ترجمہ: سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور پر ہے کیا وہ شخص اور اہل فساد برابر ہیں سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل پھر نرم اور (منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

تفسیر ㉒ "افمن شرح الله صدره للاسلام" جس کے دل کو حق کے قبول کرنے کی توفیق دی۔ "فھو علی نور من ربّه" کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔

شرح صدر سے کیا مراد ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "افمن شرح الله صدره للاسلام فھو علی نور من ربّه" کی تلاوت فرمائی۔ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اس کے سینہ کا کھلنا کیسے ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نور جب دل میں داخل ہو جاتا ہے تو دل کھل کر کشادہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس کی علامت کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا، دھوکے کے گھر سے کنارہ کش ہونا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔ "فویل للقاسیة قلوبھم من ذکر الله اولئک فی ضلال مبین" مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بندہ کو دل کی سختی سے بڑی کوئی سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ جس قوم پر غصہ ہوتے ہیں ان سے رحمت کو کھینچ لیتے ہیں۔

㉓ "اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا" اس کی بعض آیات دوسری بعض کے حسن میں مشابہ ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں نہ ان میں کوئی تناقض ہے اور نہ کوئی اختلاف۔ "مثانی" وعدہ اور وعید، امر اور نہی اور خبروں واحکام کا تذکرہ ان میں بار بار ہے۔ "تقشعر" کانپتے اور خشوع اختیار کرتے ہیں۔ "منہ جلود الذین یخشون ربھم" اقشعر ار خوف کے وقت انسان کی جلد میں تغیر آنے کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ آیت میں جلود سے دل مراد ہیں یعنی ان لوگوں کے دل جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ "ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللّٰہ" یعنی اللہ کے ذکر کے لیے۔ یعنی جب عذاب کی آیات ذکر کی جائیں تو اللہ سے ڈرنے والوں کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب رحمت کی آیات ذکر کی جائیں تو ان کے دل سکون پاتے اور نرم ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور معنی کی حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل خوف سے کانپتے ہیں اور اُمید کے وقت نرم ہو جاتے ہیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ کے رونگھٹے اللہ کے خوف سے کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ اس سے اتنی تیزی سے گرتے ہیں جیسے خشک درخت کے پتے تیزی سے گرتے ہیں۔

یزید بن عبداللہ بن الہاد نے اسی سند سے روایت کی ہے اور فرمایا کہ جب بندہ کے رونگھٹے اللہ کے خوف سے کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ان کی یہ صفت نہیں بیان کی کہ ان کی عقل چلی جاتی ہے اور ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے یہ علامات بدعتیوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی حالت ایسے ہوتی تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے اور رونگھٹے کھڑے ہوتے تھے تو عبداللہ کہتے ہیں میں نے ان سے سوال کیا آج کل کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ غشی کی حالت میں گر پڑتے ہیں؟ تو اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں شیطان مردود سے اور اسی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ ایک عراقی شخص ان کے سامنے گرتا پڑتا گزرا تو انہوں نے پوچھا اس کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جب اس پر قرآن پڑھا جائے یا اللہ کا ذکر سنے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک ہم اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن ہم یوں نہیں گرتے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک شیطان ان میں سے کسی کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طرز نہ تھا اور ابن سیرین رحمہ اللہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن پڑھے جانے کے وقت اوندھے گر پڑتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی گھر کی چھت پر بیٹھ جائے اپنے پاؤں پھیلا کر، پھر قرآن مجید ابتداء سے آخر تک اس پر پڑھا جائے۔ پھر اگر وہ خود کو نیچے گرا لے تو وہ سچا ہے۔ "ذلک" یعنی اچھی بات "ھدی اللّٰہ یھدی بہ من یشآء ومن یضلل فمالہ من ھاد"

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ㉔ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ㉕ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ㉖

ترجمہ: بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کی سپر بنادے گا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔ تو کیا یہ (معذب) اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا سو ان پر (خدا کا) عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا (اور سخت) ہے کاش یہ لوگ سمجھ جاتے۔

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ کی تفسیر

تفسیر: ㉔ "اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ" یعنی اس کی شدت۔ "یوم القیامة" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکا جائے گا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو آگ میں اوندھا کر کے پھینکا جائے گا تو اس کے جسم میں سب سے پہلے چہرے کو آگ چھوئے گی۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافر کے ہاتھ گردن پر باندھ کر اس کو آگ میں پھینکا جائے گا اور اس کی گردن میں گندھک کی ایک چٹان بڑے پہاڑ کی مانند ہوگی تو اس چٹان سے آگ کے شعلے پکڑے گی اور وہ چٹان اس کی گردن میں ہوگی تو اس کی تپش اور لپٹوں کو وہ اپنے چہرے سے دور کرنے کی طاقت نہ رکھے گا کیونکہ اس کے ہاتھ اور گردن بیڑی میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور آیت کا مجاز یہ ہے "افمن یتقی بوجهه سوء العذاب کمن هو آمن من العذاب" یعنی یہ شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جو عذاب سے امن میں ہو۔ "وقیل" یعنی دروغ کہیں گے "للظالمین ذوقوا ما کنتم تکسبون" یعنی اس کا وبال۔

㉕ "کذب الّذین من قبلهم" کفار مکہ سے پہلے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ "فاتاهم العذاب من حیث لا یشعرون" یعنی وہ مطمئن اور عذاب سے غافل تھے۔

㉖ "فاذاقهم اللّٰه الخزی" عذاب اور ذلت۔ "فی الحیٰوة الدنیا ولعذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون"

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ㉗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ㉘ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ㉙ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ㉚ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ㉛

(ترجمہ) اور ہم نے لوگوں کو (ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں (اور) تا کہ یہ لوگ ڈریں اللہ تعالیٰ نے (موحد و مشرک کے بارے میں) ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضداضدی بھی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں (ہو سکتی) ہے الحمدللہ بلکہ (قبول تو کیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جاوے گا)

(تفسیر) 27 "ولقد ضربنا للنّاس فی ھٰذا القرآن من کل مثل لعلّھم یتذکرون" نصیحت حاصل کریں۔

28 "قرآنا عربیا" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ "غیر ذی عوج" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مختلف نہیں ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مخلوق نہیں ہے اور یہ بات مالک بن انس رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے اور سفیان بن عیینہ اور ستر (۷۰) تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن مجید نہ خالق ہے اور نہ مخلوق۔ "لعلھم یتقون" کفر اور تکذیب سے۔

29 "ضرب اللّٰہ مثلا رجلا" کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجلا پر نصب اس وجہ سے ہے کہ یہ مثلاً کی تفسیر ہے۔ "فیہ شرکاء متشاکسون" جھگڑالو، اختلاف کرنے والے، بداخلاق عرب کہتے ہیں "رجل شکس شرس" جب کوئی شخص بداخلاق لوگوں سے مخالفت کرنے والا اور انصاف پر راضی نہ ہوتا ہو۔ "و رجلا سلما لرجل" اہل مکہ اور بصرہ نے "سالما" الف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس کے لیے خالص نہ اس میں کوئی شریک ہو اور نہ کوئی جھگڑا کرنے والا اور دیگر حضرات نے "سلما" لام کے زبر کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور وہ ایسا شخص جس میں کوئی جھگڑا کرنے والا نہ ہو یہ مشتق ہے ان کے قول "ھو لک سلم" سے یعنی تیرے لیے خالص ہے۔ اس میں تجھ سے کوئی جھگڑنے والا نہیں۔ "ھل یستویان مثلا" یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اس کافر کے لیے بیان کی ہے جو مختلف معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور مؤمن جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا "الحمدللّٰہ" یعنی ساری تعریفیں صرف اللہ ہی کو جچتی ہیں۔ اس کے سوا دوسرے معبودین کو نہیں۔ "بل اکثرھم لا یعلمون" جس چیز کی طرف وہ لوٹ رہے ہیں اور آیت میں اکثر سے کل مراد ہے۔

30 "انک میت" یعنی عنقریب آپ وفات پا جائیں گے۔ "وانھم میتون" یعنی عنقریب تم مرجاؤ گے۔ فراء اور کسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ میت یاء کی شد کے ساتھ، وہ شخص جو ابھی مرا نہیں اور عنقریب مرجائے گا اور میت تخفیف کے ساتھ وہ شخص جس کی روح جدا ہو گئی ہو اس لیے یہاں تخفیف نہیں کی گئی۔

آیات کا شانِ نزول

31 "ثمّ انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی حق اور باطل اور ظالم و

مظلوم۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت "ثمّ انکم یوم القیامۃ عند ربّکم تختصمون" نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم پر ہمارے دُنیا کے خاص گناہ دوبارہ لوٹائے جائیں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جی ہاں وہ تم پر لوٹائے جائیں گے حتیٰ کہ ہر حق والے کو اس کا حق ادا کر دیا جائے گا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! بے شک یہ معاملہ بہت سخت ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک لمبا عرصہ زندہ رہے اور ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "ثمّ انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون" ہم نے کہا کہ ہم کیسے جھگڑیں گے حالانکہ ہمارا دین اور ہماری کتاب ایک ہے؟ حتیٰ کہ میں نے آپس میں دیکھا کہ ایک دوسرے کے چہرے کو تلوار سے مار رہے ہیں تو میں نے پہچان لیا کہ یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے تو یہ جھگڑا کیسے ہوگا؟ پھر جب صفین کا واقعہ ہوا اور ہم نے ایک دوسرے پر تلواریں چلائیں تو ہم نے کہا ہاں یہ وہ جھگڑا ہے اور ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت "ثمّ انکم یوم القیامۃ عند ربّکم تختصمون" نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ہم کیسے جھگڑیں گے حالانکہ ہم تو بھائی ہیں؟ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو کہا کیا یہ ہمارا جھگڑا ہے؟

دنیا پر حقوق العباد پورے کئے جائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اپنے بھائی کی عزت یا مال پر کوئی ظلم ہو تو آج کے دن اس کو معاف کرالے، اس سے پہلے کہ وہ بدلہ اس سے ایسے دن لیا جائے جس دن نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ کوئی درہم۔ پس اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس میں سے اس کے ظلم کے بقدر لیا جائے گا اور اگر نیکی نہ ہوگی تو اس صاحب حق کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔

اصل مفلس کون ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہو اور نہ کوئی سامان تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو یہ سب اس کی نیکیوں میں سے پورا کیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی، اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی سے پہلے تو ان صاحب حق لوگوں کی خطائیں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ㉜ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ㉝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ㉞ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉟ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ㊱

ترجمہ: سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو (یعنی قرآن کو) جبکہ وہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ سے) پہنچی جھٹلاوے (قیامت کے دن) جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا ہوگا اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا) وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت) کیلئے کافی نہیں اور یہ لوگ آپ کو ان (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا (تجویز کررکھے) ہیں اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

تفسیر: ㉜ "فمن اظلم ممن كذب على الله" پس اس نے گمان کیا کہ اس کے لیے اولاد اور شریک ہے۔ "و كذّب بالصدق" اور جھٹلایا قرآن کو "اذ جاء ہ اليس فی جهنم مثوی" منزل ومقام "للكافرين" یہ استفہام بمعنی تقریر ہے۔

جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ کی مختلف تفاسیر

㉝ "والّذی جاء بالصدق و صدّق به" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "والّذی جاء بالصدق" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کو لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تصدیق بھی کی اور مخلوق تک اس کو پہنچایا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "والذی جاء بالصدق" سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ قرآن لائے اور اس کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کی اور اس کو قبول کیا اور کلبی اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "والذی جاء بالصدق" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور "و صدّق به" سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "والّذی جاء بالصدق" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور "و صدّق به" سے مؤمنین مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اولئک هم المتقون" اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "والّذی جآء بالصدق" سے انبیاء علیہم السلام اور

"وصدّق به" سے ان کے متبعین مراد ہیں۔اس صورت میں "الّذی الّذین" کے معنی میں ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"مثلهم کمثل الّذی استوقد نارا" پھر فرمایا"ذهب الله بنورهم" اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مؤمنین مراد ہیں کہ انہوں نے دُنیا میں اس کی تصدیق کی اور آخرت میں اس کو لائیں گے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "والذین جاؤا بالصدق و صدق به ...... اولئک هم المتقون"

34 "لهم ما یشاؤن عند ربهم ذلک جزاء المحسنین"

35 لیکفر الله عنهم اسوا الّذی عملوا" ان کو مغفرت کے ساتھ ڈھانپ لے گا۔"ویجزیهم اجرهم باحسن الّذی کانوا یعملون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے نیک اعمال کا ان کو بدلہ دیں گے اور ان کے برے اعمال کا بدلہ نہ دیں گے۔

36 "الیس الله بکاف عبده" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجعفر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے (عبادہ) جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔یعنی انبیاء علیہم السلام۔ان کی قوم نے ان کے بارے میں برائی کا ارادہ کیا۔جیسا کہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وهمت کل اُمة برسولهم لیاخذوه" تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دشمنوں کے شر سے کافی ہو گیا۔"ویخوفونک بالّذین من دونه" اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی دشمنی کی آفت سے ڈرایا اور کہنے لگے کہ آپ علیہ السلام ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائیں یا آپ کو ان کی طرف سے جنون یا کوئی مصیبت پہنچے گی۔"ومن یضلل الله فماله من هاد"

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ 37 وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ 38 قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ 39 مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ 40 اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ 41 اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ 42

ترجمہ: اور جس کو ہدایت دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں اور اگر (آپ) ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔آپ (ان سے) کہیے کہ بھلا پھر تو یہ بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اس

کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے خدا کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے) لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے سو جو شخص راہ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور آپ ان پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کئے گئے اللہ ہی قبض یعنی (معطل) کرتا ہے جانوں کو ان کی موت، کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کو موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں ان کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں۔

تفسیر ㊲ "ومن یھد اللہ فمالہ من مضل الیس اللہ بعزیز ذی انتقام" اپنی سلطنت میں باقتدار ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے۔

㊳ "ولئن سألتھم من خلق السموت والارض لیقولن اللہ قل افرأیتم ما تدعون من دون اللہ ان ارادنی اللہ بضر" سختی اور مصیبت۔ "ھل ھن کاشفات ضرّہ او ارادنی برحمۃ" نعمت اور برکت کے ساتھ "ھل ھنّ ممسکات رحمتہ" اہل بصرہ نے "کاشفات" اور "ممسکات" کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور "ضرّہ" اور "رحمۃ" کو راء اور تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر تنوین اور راء اور تاء کی زیر کے ساتھ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ "قل حسبی اللہ" میرا بھروسہ اور اعتماد اسی پر ہے۔ "علیہ یتوکل المتوکلون" بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔

(㊴ـ㊵) ...... "قل یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من یأتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم" یعنی ان پر دائمی عذاب اُترتا ہے۔

㊶ "انا انزلنا علیک الکتاب للناس بالحق فمن اھتدی فلنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا" اس کے گمراہ ہونے کا وبال اسی پر ہوگا۔ "وما انت علیھم بوکیل" نگران اور نگہبان ان کو آپ کے سپرد نہیں کیا گیا اور نہ آپ علیہ السلام سے ان کا بدلہ مؤاخذہ ہوگا۔

㊷ "اللہ یتوفی الانفس" یعنی روحوں کو "حین موتھا" پس ان کو قبض کر لیتے ہیں۔ ان کے رزق کے ختم ہونے اور ان کی عمر پوری ہونے کے وقت اور اللہ تعالیٰ کے قول "حین موتھا". سے جسم کی موت مراد ہے۔ "والتی لم تمت" سے ان

روحوں کا قبض کرنا مراد ہے جن کو موت نہیں آئی۔ "فی منامها" اور جو نیند میں قبض کیا جاتا ہے وہ نفس ہے جس کی وجہ سے عقل و شعور حاصل ہوتا ہے اور ہر انسان کے دو نفس ہیں۔

ان میں سے ایک نفس حیات وہ ہے جو موت کے وقت انسان سے جدا ہوتا ہے اس کے چلے جانے سے نفس چلا جاتا ہے اور دوسرا نفس تمیز ہے۔ یہ انسان سے نیند کے وقت جدا ہو جاتا ہے۔ "فیمسک التی قضٰی علیها الموت" پس اس کو جسم میں واپس نہیں لوٹاتے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "قضٰی" قاف کے پیش اور ضاد کے زیر اور یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الموت" یہ مرفوع ہے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے قاف اور ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور "الموت" کو منصوب پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اللّٰہ یتوفی الانفس" کی وجہ سے "ویرسل الاخریٰ" اور دوسرے کو جسم میں واپس کر دیتا ہے یہ وہ ہے جس کی موت کا فیصلہ نہیں ہوا۔

روح کا جسم سے ملاپ

"الی اجل مسمّی" یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آجائے اور کہا جاتا ہے کہ انسان کے لیے دو چیزیں ہیں نفس اور روح۔ پس نیند کے وقت نفس سے روح نکل جاتی ہے اور روح کو باقی رکھا جاتا ہے جبکہ جسم بوسیدہ بوسیدہ ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت روح نکل جاتی ہے اور جسم میں اس کی شعاع باقی رہ جاتی ہے۔ پس اسی کی وجہ سے انسان خواب دیکھتا ہے۔ جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح پلک جھپکنے سے پہلے جسم میں لوٹ آتی ہے اور کہا گیا ہے کہ زندوں اور مُردوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں۔ پھر جو اللہ چاہتے ہیں وہ آپس میں باہم پہچان کرتی ہیں۔ پھر جب وہ روحیں جسموں کی طرف لوٹنا چاہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ مُردوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لیتے ہیں اور زندوں کی روحوں کو بھیج دیتے ہیں تو وہ اپنے وقت مقررہ تک کے لیے جسموں میں لوٹ آتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر آئے تو اپنی تہبند کے اندر والے حصے سے اس کو جھاڑ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے پیچھے کیا چیز اس پر آئی ہے۔ پھر وہ کہے "باسمک ربّی وضعت جنبی وبک ارفعه ان امسکت نفسی فارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین"......

"انّ فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون" اس کی قدرت پر دلالت ہیں کہ اس نے جن روحوں کو روکنا تھا اور جن کو بھیجنا تھا ان میں کوئی غلطی نہیں کی۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قوم کے لیے علامات ہیں جو غور و فکر کرے بعث کے معاملہ میں۔ یعنی سونے والے کے نفس کو قبض کر لینا اور پھر اس کو چھوڑ دینا یہ بعث (دوبارہ اُٹھنے) پر دلیل ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ
الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ہاں کیا ان (مشرک) لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے جو (ان کی) سفارش کریں گے آپ کہہ دیجئے کہ اگر چہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کرتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

تفسیر: ⑭۳ "ام اتخذوا من دون اللّٰه شفعاء قل" "اے محمد!" "اولو كانوا" "اگر چہ ہوں وہ معبود" "لايملكون شيئًا" شفاعت میں سے۔ "ولا يعقلون" "کہ تم ان کی عبادت کر رہے ہو اور اس کا جواب محذوف ہے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے "وان كانوا بهذه الصفة تتخذونهم" یعنی اگر وہ اس حالت میں ہوں تب بھی تم اُن کو معبود بناؤ گے۔

⑭۴ "قل للّٰه الشفاعة جميعا" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہ کر سکے گا۔ "له ملك السموات والارض ثم اليه ترجعون

⑭۵ واذا ذكر اللّٰه وحده اشمازت" نفرت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ توحید سے منقبض ہو جاتے ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبر کرتے ہیں اور اس کی اصل "اشمئزاز" یعنی نفرت کرنا اور تکبر کرنا ہے۔ "قلوب الّذين لا يؤمنون بالآخرة"

"واذا ذكر الّذين من دونه" یعنی بت "اذا هم يستبشرون" وہ خوش ہوتے ہیں۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم پڑھی تو شیطان نے آپ کے ارادہ میں یہ بات ڈال دی۔ "تلك الغرانيق العلٰى" تو کفار اس سے خوش ہو گئے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ
مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ

إِذَا خَوَّلْنَٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍۭ ۚ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾

قَدْ قَالَهَا ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: کہیے کہ اے اللہ آسمان اورزمین کے پیدا کرنے والے باطن ظاہر کے جاننے والے آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور اگر ظلم (یعنی شرک وکفر) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اوران چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تامل) ان کو دینے لگیں اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جن کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور (اس وقت) ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا پھر جس وقت (اس مشرک) آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (جیسے قارون نے کہا ہے) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

تفسیر ㊻......"قل اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون" ابوسلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنی نماز کس چیز سے شروع کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام یہ کہتے تھے "اللّٰھمّ ربّ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدني لما اختلفت فيه من الحق باذنك انك تهدي من تشآء الى صراط مستقيم"

㊼"ولو ان للّذين ظلموا مافي الارض جميعا ومثله معه لافتدوا به من سوء العذاب يوم القيامة وبدالهم من الله مالم يكونوا يحتسبون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے بعث کے وقت یہ بات ظاہر ہوگئی جس کا انہوں نے دُنیا میں خیال نہ کیا تھا کہ یہ ان پر آخرت میں نازل ہوگی۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کو نیکیاں گمان کیا تھا لیکن وہ ان کے لیے برائیاں ظاہر ہوئیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے۔ پھر جب ان کو اس پر سزا ملی تو ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جس کا وہ خیال نہ کرتے تھے اور روایت کیا گیا ہے کہ محمد بن منکدر موت کے وقت واویلا کرنے لگے تو ان کو یہ کہا گیا تو فرمانے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ میرے سامنے وہ چیز نہ ظاہر ہو جائے جس کا مجھے خیال بھی نہ ہوا تھا۔

㊽"وبدالهم سيئات ما كسبوا" یعنی ان کے برے اعمال جیسے شرک کرنا اور اولیاء اللہ پر ظلم کرنا۔ "وحاق بهم ما كانوا يستهزؤن"

49 "فاذا مسّ الانسان ضرّ" سختی "دعانا ثم اذا خوّلناه" ہم اس کو دیں "نعمة منا قال انما اوتیته علی علم" یعنی اللہ کے علم پر کہ میں اس کا اہل ہوں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے میرے بارے میں خیر علم کی وجہ سے اور کنایہ کو ذکر کیا ہے کیونکہ نعمت سے مراد انعام ہے۔ "بل هی فتنة" یعنی یہ نعمت آزمائش اور اللہ کی طرف سے ڈھیل اور امتحان ہے اور کہا گیا ہے کہ بلکہ وہ کلمہ جو اس نے کہا ہے وہ آزمائش ہے۔ "ولکن اکثرهم لا یعلمون" کہ یہ ڈھیل اور امتحان ہے۔

50 "قد قالها الذین من قبلهم" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی قارون نے یہ کہا "انما اوتیته علی علم عندی، فما اغنیٰ عنهم ما کانوا یکسبون" پس ان کو کفر نے عذاب سے کچھ فائدہ نہ دیا۔

فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ 51 اَوَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ 52 قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ 53

ترجمہ پھر ان کی تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں (اور سزایاب ہوئے) اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے کیا ان لوگوں کو (احوال میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ ہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے اس (بسط وقدر) میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرماوے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

تفسیر 51 ...... "فاصابهم سیئات ما کسبوا" ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا یعنی ان کو عذاب دیا جائے گا۔ پھر کفار مکہ سے وعدہ کیا گیا "والذین ظلموا من هولاء سیصیبهم سیئات ما کسبوا وماهم بمعجزین" اور وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

52 "اولم یعلموا أن الله یبسط الرزق لمن یشاء" اللہ جس کو چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے۔ "ویقدر" اور رزق تنگ کر دیتا ہے جس کو چاہے۔ "ان فی ذلک لایات لقوم یؤمنون"

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر

53 "قل یا عبادی الذین أسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله" سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے وہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ کچھ مشرک ایسے تھے جنہوں نے بہت آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ارتکاب زنا بھی بہت کیا تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس امر کی دعوت دیتے ہیں، وہ ہے تو اچھا، کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے ہماری بداعمالیوں کا بھی کفارہ ہو جائے گا؟ اس پر سورۂ فرقان کی آیت **"والذین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھًا اٰخر ...... غفورًا رّحیمًا"** تک اور آیت **"قل یا عبادی الّذین اسرفوا علی انفسھم الخ"** نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے بروایت عطاء بھی اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کو جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، اسلام کی دعوت دینے کے لیے ایک شخص کو بھیجا، وحشی نے جواب دیا: آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کس طرح دے رہے ہیں؟ آپ کا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کرے گا یا شرک کرے گا، یا زنا کرے گا اس کو قیامت کے دن دُہرا عذاب ہوگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس پر آیت **"اِلَّا من تاب و اٰمن و عمل عملاً صالحًا"** نازل ہوئی۔ وحشی نے کہا: یہ شرط تو سخت ہے، شاید میں ایسا نہ کر سکوں، کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے؟ اس پر آیت **"ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہٖ و یغفر ما دون ذلک لمن یّشاءُ"** نازل ہوئی۔ وحشی نے کہا: (اس آیت میں مغفرت کو مشیت پر موقوف رکھا گیا ہے) میں اشتباہ میں پڑا ہوا ہوں، معلوم نہیں کہ (اگر میں شرک سے توبہ کرلوں تو) میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اس پر آیت **"قل یا عبادی الاٰیۃ"** نازل ہوئی۔

اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بات صرف وحشی کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے عمومی (حکم) ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سارے مسلمانوں کے لیے یہ عام ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے حق میں ہوا کہ (شروع میں) وہ ایمان لے آئے تھے، پھر جب ان کو دُکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے یعنی اسلام چھوڑ بیٹھے۔ ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا، نہ نفل نہ فرض، یعنی کس طرح ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ یہ لوگ اوّل تو مسلمان ہو گئے، پھر دُکھ پڑنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے، اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھ کر عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور دوسرے لوگوں کو بھیج دیں۔ تحریر ملنے کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آ گئے۔

مقاتل بن حیان نے بتوسط نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم گروہ صحابہ خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی ضرور قبول ہوگی۔ اس کے بعد جب آیت **"یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرّسول و لا تبطلوا اعمالکم"** (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کے فرمان پر چلو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کردو) نازل ہوئی تو ہم اپنے اعمال کو سوائے اس کے کہ کبیرہ گناہ کریں اور فواحش کا ارتکاب کریں اور کس طرح باطل کر سکتے ہیں۔

یہ خیال کرنے کے بعد جب ہم کسی کو کوئی کبیرہ گناہ کرتے دیکھتے تو کہتے: یہ شخص تباہ ہوگیا۔ اس کے بعد یہ آیت "قل یعبادی الّذین اسرفوا" نازل ہوئی تو ہم اپنے دونوں قولوں سے رُک گئے۔ اس کے بعد ہم کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھتے تو ہم کو اس کے متعلق (بربادیٔ اعمال کا) خوف ہو جاتا اور اگر کسی نے ارتکاب گناہ نہ کیا ہوتا تو ہم کو اس کے متعلق (قبول اعمال کی) اُمید ہوتی۔

روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں ایک واعظ، وعظ کہہ رہا تھا اور دوزخ کا اور دوزخ کے طوق وزنجیر کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ جا کر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور کہا: اے وعظ کرنے والے! لوگوں کو نا اُمید کیوں کر رہا ہے؟ پھر آپ نے آیت "قل یعبادی الّذین اسرفوا الآیۃ" پڑھی۔

حضرت اسماء بنت زید کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا: "قل یعبادی الّذین اسرفوا علٰی انفسھم لا تقنطوا من رّحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذّنوب جمیعًا وّلا یبالی" (یعنی اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو، اللہ سب گناہ معاف کردے گا اور (کسی کے) گناہ کی پروا نہیں کرے گا)۔

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿54﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿55﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿56﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿57﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿59﴾

ترجمہ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور) پھر (اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے اور تم (کو چاہیے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔ قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا یا یوں کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیز گاروں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو وے۔ پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور جھٹلانا کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ تو نے تکبر کیا اور کافروں میں (ہمیشہ) شامل رہا۔

تفسیر ⑭"وانیبوا الی ربکم" متوجہ ہو جاؤ اور لوٹو اسی کی طرف فرمانبرداری کے ساتھ "واسلموا له" اور تم خالص کرو اس کے لیے توحید کو "من قبل ان یأتیکم العذاب ثم لا تنصرون"

⑮"واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم" یعنی قرآن۔ اور قرآن سارا احسن ہے اور آیت کا معنی وہ ہے جو حسن رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی فرمانبرداری کو لازم پکڑو اور اس کی نافرمانی سے بچو کیونکہ قرآن میں قبیح کا ذکر ہے تاکہ تو اس سے بچے اور گھٹیا کا ذکر ہے تاکہ تو اس میں رغبت نہ کرے اور احسن کا تذکرہ ہے تاکہ تو اس کو ترجیح دے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احسن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں حکم دیا ہے۔ "من قبل ان یأتیکم العذاب بغتة وانتم لاتشعرون"

⑯"ان تقول نفس" یعنی تاکہ کوئی نفس یہ نہ کہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "والقٰی فی الارض رواسی ان تمید بکم" یعنی تاکہ وہ تم کو لے کر نہ ہلے۔

مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جلدی کرو اور ڈرو اس سے کہ کوئی نفس یہ نہ کہہ دے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ڈرایا ہے کہ تم اس حال تک پہنچ جاؤ کہ تم یہ بات کہنے لگو "یا حسرتی" اے ندامت! "تحسّر" کا معنی ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر غم کرنا اور آیت میں "یا حسرتی" اضافت کی بناء پر ہے لیکن عرب یاء ضمیر کو استغاثہ میں الف سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ پس تو کہے گا "یاویلتی" اور یا "ندامتا" اور بسا اوقات اس کے ساتھ الف کے بعد یاء لاحق کر دیتے ہیں تاکہ وہ اضافت پر دلالت کرے اور اسی طرح ابوجعفر نے "یاحسرتای" پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت میں یا "یا حسرتا" کا معنی "یا ایتها الحسرة هذا وقتک" (اے حسرت یہ تیرا وقت ہے) کا ہے۔

"علٰی ما فرطت فی جنب اللّٰه" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کی فرمانبرداری میں کوتاہی کی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کے معاملہ میں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ کے حق میں اور کہا گیا ہے کہ میں نے اللہ کی ذات میں (طاعت میں) کوتاہی کی اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اس جانب میں کوتاہی کی جو مجھے اللہ کی رضا تک پہنچا دیتی اور عرب جنب کا نام جانب رکھتے ہیں۔ "وان کنت لمن الساخرین" اللہ کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور مؤمنین کا مذاق اُڑانے والا تھا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو یہ کافی نہ تھا کہ اللہ کی طاعت کو ضائع کر دیا۔ یہاں تک کہ اہل طاعت کا مذاق اُڑانے لگا۔

⑰"او تقول لو ان اللّٰه هدانی لکنت من المتقین ⑱او تقول حین تری العذاب" سامنے "لو ان لی کرّة" دُنیا کی طرف لوٹنا۔ "فاکون من المحسنین" موحدین میں سے۔

⑲......اس کہنے والے کو کہا جائے گا "بلٰی قد جاء تک آیاتی" یعنی قرآن مجید "فکذّبت بها" اور تو نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ "واستکبرت" تو نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ "وکنت من الکافرین"

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿62﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا
الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ
عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿65﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿66﴾

(ترجمہ) اورآپ قیامت کے روزان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے خداپر جھوٹ بولا تھا کیاان متکبرین کاٹھکانا جہنم میں نہیں ہے اور جولوگ (شرک وکفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو ذرا تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے (کیونکہ جنت میں غم نہیں) اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہرچیز کا اور وہی ہرچیز کا نگہبان ہے اور اسی کو اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی اور جولوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہوگزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ (بات) وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گزار رہنا۔

(تفسیر) ⑥⓪ "ویوم القیامة تری الّذی کذبوا علی اللّٰہ" پس انہوں نے گمان کیا کہ اللہ کی اولاد اور شریک ہیں۔ "وجوھھم مسودّة الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین" ایمان والوں سے تکبر کرنے کی وجہ سے یا ایمان لانے سے تکبر کرنے کی وجہ سے۔

⑥① "وینجی اللّٰہ الّذین اتقوا بمفازتھم" حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "بمفازاتھم" الف کے ساتھ پڑھا ہے جمع ہونے کی بناء پر یعنی ان راستوں کے ساتھ جو ان کو کامیابی اور نجات تک پہنچادیں اور دیگر حضرات نے "بمفازتھم" مفرد ہونے کی بناء پر پڑھا ہے۔ اس لیے کہ مفازة فوز (کامیابی) کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کو ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے آگ سے نجات دے کر کامیاب کریں گے۔ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفازة مفعلة کے وزن پر فوز سے مشتق ہے اور جمع حسن ہے جیسے سعادة اور سعادات "لایمسھم السوء" ان کو کوئی ناپسند چیز نہ پہنچے گی۔ "ولاھم یحزنون"

⑥② "اللّٰہ خالق کل شیء وھو علیٰ کل شیء وکیل" یعنی تمام اشیاء اسی کے سپرد ہیں۔ پس وہ اس کی حفاظت پر قائم ہے۔

63 "له مقاليد السموات والارض" یعنی آسمانوں وزمین کے خزانوں کی کنجیاں۔ اس کا واحد مقلاد ہے مفتاح کی طرح اور مقلید' مقالید مندیل اور منادیل کی طرح اور قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے رزق اور رحمت کی چابیاں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بارش اور نباتات کے خزانے "والذين كفروا بآيات الله اولئك هم الخاسرون"

64 "قل افغير الله تامرونی اعبد ايها الجاهلون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے آپ علیہ السلام کو اپنے آباء کے دین کی طرف بلایا۔ اہل شام نے "تامرونني" دونون خفیف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے اور اہل مدینہ نے ایک نون خفیف کے ساتھ پڑھا ہے حذف کی بناء پر اور دیگر حضرات نے ایک نون مشدد (شد کے ساتھ) کے ساتھ پڑھا ہے ادغام کی وجہ سے۔

65 وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی جو تو نے شرک سے پہلے عمل کیا ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد اس سے آپ علیہ السلام کے علاوہ لوگ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کا ادب اور غیر نبی کے لیے دھمکی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو شرک سے معصوم بنایا ہے۔ "ولتكونن من الخاسرين"

66 "بل الله فاعبدو كن من الشاكرين" آپ پر اس کے انعامات کی وجہ سے۔......

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ م بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 67 وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ 68

ترجمہ اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی حالانکہ اس کی وہ شان ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماردی جاوے گی سو تمام آسمان و زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعتاً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔

تفسیر 67 "وما قدروا الله حق قدره" انہوں نے اس کی ایسی عظمت نہ کی جیسا اس کا حق تھا جس وقت اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ م بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ"

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد! ہم یہ بات پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی اور تمام زمینوں کو ایک انگلی اور درختوں کو ایک انگلی اور پانی ونمناک مٹی کو ایک انگلی اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر اُٹھالیں گے اور فرمائیں گے میں بادشاہ ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی تصدیق کے لیے اس قدر کھلکھلا کر ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھ مبارک ظاہر ہوگئی۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" اور اسی بات کو فضیل بن عیاض منصور رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وراس میں کہا کہ پہاڑ اور درخت ایک انگلی پر ہوں گے اور کہا کہ ان کو خوب حرکت دیں گے۔ پھر فرمائیں گے "میں بادشاہ ہوں میں اللہ ہوں"۔

سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔ پھر ان کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیں گے۔ پھر فرمائیں گے میں بادشاہ ہوں' کہاں ہیں جبار اور متکبر لوگ؟

پھر زمینوں کو لپیٹ دیں گے۔ پھر ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑیں گے، پھر فرمائیں گے میں بادشاہ ہوں' کہاں ہیں جبار؟ کہاں ہیں متکبرین؟ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو قبض کرلیں گے اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لیں گے۔ پھر فرمائیں گے میں بادشاہ ہوں' کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟

68 "وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ" یعنی گھبراہٹ سے مرگئے۔ یہ نفخہ اولیٰ ہے۔ "الا من شاء اللّٰه" ان لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں استثناء کیا ہے اور ہم نے اس کو سورۃ النمل میں ذکر کردیا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الا من شاء اللّٰه" یعنی صرف تنہا اللہ تعالیٰ "ثم نفخ فیه" یعنی صور میں "اخریٰ" یعنی دوسری مرتبہ "فاذا هم قیام ینظرون" اپنی قبروں سے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرتے ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں پھونکوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا چالیس دن؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے عرض کیا، چالیس مہینے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے عرض کیا چالیس سال؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، میں اس کا انکار کرتا ہوں۔

فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اُتاریں گے تو لوگ اس سے ایسے اُگیں گے جیسے سبزی اُگتی ہے۔ انسان کے تمام اعضاء بوسیدہ ہوجائیں گے سوائے ایک ہڈی کے وہ عجب الذنب ہے۔ اسی سے قیامت کے دن مخلوق کو بنایا جائے گا۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿69﴾ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿70﴾ وَسِیْقَ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ
یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى
وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿71﴾ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿72﴾ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا
وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ﴿73﴾

ترجمہ: اور زمین اپنے رب کے نور (بے کیف) سے روشن ہو جاوے گی اور (سب کا) نامہ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے اور سب میں ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے) کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا (پھر ان سے) کہا جاوے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو (غرض خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہونگے (تا کہ ذرا بھی دیر نہ لگے) اور ہانکے محافظ (فرشتے) ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہے سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔

تفسیر: ﴿69﴾ "واشرقت الارض" روشن ہوگئی۔ "بنور ربّھا" اپنے خالق کے نور کے ساتھ۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب رب تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تجلی ڈالیں گے۔ پس وہ اس کے نور میں بالکل شک نہ کریں گے جیسے روشن دن میں سورج کی روشنی میں کوئی شک نہیں کرتے۔ حسن اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے رب کے انصاف کے ساتھ اور زمین سے میدانِ قیامت مراد ہے۔ "ووضع الکتاب" یعنی اعمال نامہ "وجایئ بالنبیین والشھداء" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

یعنی وہ لوگ جو رسولوں کے پیغام پہنچانے کی گواہی دیں گے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی محافظ فرشتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "وجاء ت کل نفس معها سائق و شهيد" دلالت کرتا ہے۔ "وقضى بينهم بالحق" یعنی انصاف کے ساتھ۔ "وهم لايظلمون" یعنی نہ ان کی برائیاں زیادہ کی جائیں گی اور نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔

⑦⓪ "ووفيت كلّ نفس ما عملت" یعنی ان کے اعمال کا ثواب "وهو اعلم بما يفعلون" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ میں ان کے افعال کو جاننے والا ہوں نہ کسی لکھنے والے کا محتاج ہوں اور نہ کسی گواہ کا۔

⑦① "وسيق الذين كفروا الى جهنم" سخت طریقے سے ہانکنا۔ "زمرا" فوج در فوج ایک دوسرے کے پیچھے ہر اُمت علیحدہ ہوگی۔ ابوعبیدہ اور اخفش رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "زمرًا" یعنی متفرق جماعتیں اس کا واحد زمرہ آتا ہے۔ "حتى اذا جاء وها فتحت ابوابها" ساتوں دروازے اور یہ اس سے پہلے بند تھے۔ اہل کوفہ نے "فتحت" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ کثرت کی بناء پر "وقال لهم خزنتها" ان کو ڈانٹتے ہوئے۔

"الم يأتكم رسل منكم" تم ہی میں سے "يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ ايٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ" واجب ہوگیا۔ "كلمة العذاب على الكافرين" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "لا ملأن جهنم من الجنة والناس اجمعين" ہے۔

(⑦②۔⑦③) ......قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا کوفی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ واؤ زائد ہے تاکہ یہ جواب بن جائے "حتى اذا جاء وها" کا جیسا کہ کفار کے ہانکنے کے متعلق گزر چکا ہے اور یہ واؤ ایسے ہی زائد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ولقد اٰتینا موسٰی و هارون الفرقان و ضياء" یعنی ضیاء یہ واؤ زائد ہے اور بعض نے کہا کہ واؤ حالیہ ہے اور اصل عبارت یوں ہے: "وقد فتحت ابوابها" تو واؤ کو داخل کیا گیا۔ یہ بیان کرنے کے لیے کہ ان کے آنے سے پہلے دروازے کھلے تھے اور اس واؤ کو پہلے واقعہ میں حذف کر دیا گیا یہ بتانے کے لیے کہ جہنم کے دروازے ان کے آنے سے پہلے بند تھے۔ پس اگر "وفتحت ابوابها" میں واؤ کو زائد نہ بنایا جائے تو پھر قول باری تعالیٰ "حتّى اذا" کے جواب میں اختلاف ہوگیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا قول "جاء وها" ہے اور "وقال لهم خزنتها" میں واؤ ملغی ہے اس کی اصل عبارت یوں ہوگی "حتّى اذا جاء وها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها" اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حق قول یہ ہے کہ جواب محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے "حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ" یہاں دخلوها کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ "وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم" سے مراد یہ ہے کہ جنت کے داروغے ان پر سلام کریں گے اور کہیں گے "طبتم"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہارا ٹھکانہ پاکیزہ ہے۔

قتادہ نے کہا: جب اہل جنت دوزخ کی مسافت طے کر کے گزر جائیں گے تو جنت سے پہلے ان کو ایک پل پر روک لیا جائے گا تا کہ وہ آپس کے حقوق کا بدلہ باہم چکا سکیں۔ جب ایک دوسرے سے اپنے حق کا بدلہ لے چکیں گے اور سب صاف ستھرے پاک ہو جائیں گے تو رضوان اور اس کے ساتھی (بطور استقبال) کہیں گے۔ **سلم علیکم طبتم فادخلوھا خلدین۔**

حضرت علی نے فرمایا جب ان (اہل جنت) کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کے نیچے دو چشمے رواں ہوں گے۔ ایک چشمہ میں مومن نہائے گا تو بیرونی جسم کی طہارت ہو جائے گی اور دوسرے چشمے کا پانی پئے گا تو اندرونی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ فرشتے جنت کے دروازے پر اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ **سلم علیکم طبتم فاخلوھا خلدین۔**

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۵﴾

(ترجمہ) اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں غرض (نیک) عمل کرنیوالوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے اجلاس کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

(تفسیر) ۷۴ "وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ" یعنی جنت کی زمین کا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "**ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکران الارض یرثھا عبادی الصالحون**"...... "**نتبوّا**" ہم ٹھکانہ بنائیں گے۔ "**مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**" فرمانبرداروں کا ثواب۔

۷۵ "**وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ**" یعنی عرش کو اس کے تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ "**یسبحون بحمد ربھم**" کہا گیا ہے کہ یہ تسبیح لذت کے لیے ہے نہ کہ عبادت کی تسبیح۔ اس لیے کہ اس دن احکام کی تکلیف نہ ہوگی۔ "**وقضی بینھم بالحق**" یعنی اہل جنت اور اہل نار کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ "**وقیل الحمد للّٰہ رب العالمین**" اہل جنت کہیں گے شکر ہے جب اللہ کا وعدہ ان کے لیے مکمل ہو جائے گا۔

سُورَۃ غافر

یہ مکی ہے اور اس کی پچاسی آیات ہیں۔ ابوالاحوص نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے ٹھکانہ تلاش کرنے کے لیے چلا تو اس کا گزر بارش کے زیر اثر (سرسبز) جگہ سے ہوا تو وہ اس میں تعجب کرتا ہوا چلتا جا رہا تھا کہ اچانک وہ سرسبز باغات پر پہنچا تو کہنے لگا کہ میں پہلی جگہ سے تعجب کر رہا تھا۔ یہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے تو اس کو کہا گیا کہ پہلی بارانی زمین کی مثال قرآن کی عظمت کی مثال ہے اور ان سرسبز باغوں کی مثال قرآن میں سے آل "حم" کی مثال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک خلاصہ (مغز) ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حوامیم ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں آل حم میں واقع ہو جاؤں تو میں ایسے باغات میں چلا جاتا ہوں کہ ان سے میوے حاصل کرتا ہوں۔ سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آل حوامیم کا نام دُلہنیں رکھا جاتا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

ترجمہ حم! (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے۔ ہر چیز کا جاننے والا اور بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے۔

تفسیر ① "حم" حروف تہجی کے بارے میں کلام پہلے گزر چکی ہے۔ سدی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "حم" اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "الر و حم" اور نون رحمٰن کے حروف تہجی ہیں اور سعید بن جبیر اور عطاء خراسانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حاء اللہ تعالیٰ کے اسماء حکیم، حمید، حی، حلیم، حنان کا پہلا حرف ہے اور میم اس کے اسماء ملک، مجید، منان کا پہلا حرف ہے اور ضحاک و کسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو چیزیں آئندہ ہونے والی ہیں اللہ نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے۔ گویا کہ انہوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ

اس کا معنی "حم" حاء کے پیش اور میم کی شد کے ساتھ ہے اور حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "حم" کو حاء کی زیر اور باقی حضرات نے حاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔

2 "تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز العلیم

3 غافر الذنب" گناہوں پر پردہ ڈالنے والا۔ "وقابل التوب" یعنی توبہ کو یہ مصدر ہے۔ "تاب، یتوب، توبًا" اور کہا گیا ہے کہ "توب، توبۃ" کی جمع ہے جیسے "دومۃ" اور دوم اور حومۃ اور حوم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "غافر الذنب" اس شخص کے لیے ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا (وقابل التوب) اس شخص کیلئے جس نے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا (شدید العقاب) اس شخص کیلئے جس نے لا الٰہ الا اللہ نہ کہا ہو۔ "ذی الطول" مستغنی ہے ان سے جو "لا الٰہ الا اللہ" نہ کہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذی الطول یعنی وسعت اور غنی والا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فضل والا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نعمتوں والا ہے اور کہا گیا ہے کہ قدرت والا ہے اور طول کی اصل وہ انعام ہے جس کی مدت صاحب انعام پر لمبی ہو۔ "لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر"

مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ 4 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ 5 وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ 6

ترجمہ اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں (یعنی قرآن میں) وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں (امن وامان سے) چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے) جیسے عاد وثمود وغیرہم) نے دین حق کو جھٹلایا تھا اور ہر امت (میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے انہوں نے) اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق کو باطل کردیں سو میں نے (آخر) ان پر دار وگیر کی سو (دیکھا) میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا ہوئی اور اس طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ آخرت میں دوزخی ہوں گے۔

تفسیر 4 "ما یجادل فی آیات اللّٰہ" تکذیب وانکار کے ذریعے اللہ کی آیات مقابلہ کرنے میں "الا الذین کفروا" ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو آیتیں ان لوگوں کے بارے میں سخت ہیں جو قرآن کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ "ما یجادل فی آیات اللّٰہ الا الذین کفروا" اور "ان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک دجال نے قرآن میں کفر کیا۔ حضرت عمرو بن

شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو سنا کہ وہ قرآن میں جھگڑا کر رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ اللہ کی کتاب کے بعض کو بعض پر مارنے لگے (تقابل کرنے لگے) حالانکہ اللہ کی کتاب اپنے دوسرے حصہ کی تصدیق کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے تو تم اس کے ایک حصہ سے دوسرے کی تکذیب نہ کیا کرو۔ پس جو تم اس کا علم رکھتے ہو اس کو کہو اور جس سے ناواقف ہو تو اس کو اس کے عالم کی طرف سپرد کردو۔ **"فلا یغررک تقلبھم فی البلاد"** ان کا شہروں میں تجارت کے لیے آنا جانا اور کفر کے باوجود محفوظ رہنا کیوں کہ ان کے معاملہ کا انجام عذاب ہے۔ اس کی نظیر قول باری تعالیٰ **"لا یغرنک تقلب الّذین کفروا فی البلاد"** ہے۔

5 **"کذّبت قبلھم قوم نوح والاحزاب من بعدھم"** یہ وہ کافر ہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اپنے انبیاء کی تکذیب کے لیے گروہ بنالیے۔ **"وھمّت کل امّۃ برسولھم لیأخذوہ"** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تاکہ اس کو قتل کردیں اور اس کو ہلاک کردیں اور کہا گیا ہے تاکہ ان کو قید کرلیں کیوں کہ قیدی کو اخیذ کہتے ہیں۔ **"وجادلوا بالباطل لیدحضوا"** تاکہ وہ باطل کردیں۔ **"بہ الحق"** ایسا کہ جس کو رسول لائے ہیں اور ان کا جھگڑا ان کے اس قول **"ان انتم الا بشر مثلنا"** اور **"لولا انزل علینا الملائکۃ"** اور اس کی مثل تھا۔ **"فاخذتھم فکیف کان عقاب"**

6 **"وکذلک حقّت کلمۃ ربّک"** یعنی جیسے کلمہ عذاب جھٹلانے والی اُمتوں پر ثابت ہوا ویسے ہی **"علی الّذین کفروا"** آپ علیہ السلام کی قوم میں سے **"انھم اصحاب النار"** اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"لانّھم او بانّھم"** یعنی اس لیے یا اس وجہ سے کہ وہ جہنم والے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ 7 رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ 8 وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ 9 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ 10 قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ 11 ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ 12

ترجمہ: جو فرشتے کہ عرش (الٰہی) کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد اگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید

کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنھوں نے (شرک وکفر سے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے اے ہمارے پروردگار اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچایئے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تم پھر نہیں مانا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبارہ مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے سو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبے والا ہے۔

تفسیر ⑦ "**الّذین یحملون العرش ومن حولہ**" عرش کو اُٹھانے والے اور اس کا چکر لگانے والے کروبین ہیں اور یہ فرشتوں کے سردار ہیں۔

حاملین عرش اور دوسرے ملائکہ کے بارے میں فیصلہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کے ٹخنوں سے پاؤں کے نچلے حصے تک سو سال کی مسافت ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ ان کے پاؤں زمین کی گہرائی میں ہیں اور آسمان ان کے نصف بدن تک آتے ہیں اور وہ یہ تسبیح کرتے ہیں "**سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الحیّ الّذی لا یموت سبوح قدوس ربّ الملائکۃ والروح**" اور میسرۃ بن عبدربہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاؤں نچلی زمین میں اور ان کے سر عرش کے نیچے ہیں اور وہ خشوع کی حالت میں ہیں۔ اپنے سر نہیں اُٹھاتے، یہ ساتویں آسمان والوں سے زیادہ خوف رکھتے ہیں اور ساتویں آسمان والے اپنے سے نچلے آسمان والوں سے زیادہ سخت خوف رکھتے ہیں اور اس آسمان والے اپنے سے نچلے آسمان والوں سے زیادہ سخت خوف رکھتے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور عرش کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں اور محمد بن منکدر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اجازت دی گئی کہ میں عرش کو اُٹھانے والے اللہ کے فرشتوں میں سے کسی ایک سے گفتگو کروں۔ اس کے کانوں کی لَو سے اس کے کندھے تک سات سو سال کی مسافت تھی۔

جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ عرش پایوں میں سے ایک پائے سے دوسرے پائے تک تیز رفتار اُڑنے والے پرندے کے تیس ہزار سال اُڑنے کی مسافت اور عرش کو ہر دن نور کے ستر ہزار رنگ چڑھائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کوئی اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تمام اشیاء عرش میں ایسے ہیں جیسے ایک انگوٹھی چٹیل میدان میں ہو اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار نور کے حجاب ہیں اور ظلمت (تاریکی) و نور کے حجاب اور ظلمت (تاریکی) کے حجاب ہیں۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرش کے اِردگرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں آگے پیچھے وہ سب عرش کا طواف کرتے ہیں جب ان کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو ایک صف لا الہ الا اللہ اور دوسری تکبیر کہتی ہے اور ان کے پیچھے ستر ہزار صفیں ہیں ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کی طرف ہیں جن کو انہوں نے کندھوں پر رکھا ہوا ہے۔ پھر جب یہ ان لوگوں کی تکبیر و تہلیل سنتے ہیں تو اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں **"سبحانک و بحمدک ما اعظمک واجلک انت اللّٰہ لا الٰہ غیرک انت الاکبر الخلق کلھم لک راجعون"** اور ان کے پیچھے فرشتوں کی ایک لاکھ صفیں ہیں، انہوں نے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا الفاظ میں تسبیح کہتا ہے، ان میں سے ایک کے دونوں پَروں کے درمیان تین سو سال کی مسافت ہے اور اس کے کان کی لَو سے اس کے کندھے تک چار سو سال کی مسافت ہے اور اللہ تعالیٰ عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں سے ستر آگ کے پردوں اور ستر تاریکی کے پردوں اور ستر نور کے پردوں اور ستر سفید موتیوں کے پردوں اور ستر سرخ یاقوت کے پردوں اور ستر زرد یاقوت کے پردوں اور ستر سبز زمرد کے پردوں اور ستر برف کے پردوں اور ستر پانی کے پردوں اور ان چیزوں کے ذریعے پوشیدہ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمایا اور ان حاملین عرش فرشتوں اور ان کے اِردگرد کے فرشتوں کے لیے چار چہرے ہیں ایک بیل کا، ایک شیر کا، ایک گدھ کا، ایک انسان کا اور ان میں سے ہر ایک کے چار پَر ہیں۔ دو پَر اس کے چہرے پر ہیں اس خوف سے کہ وہ عرش کی طرف دیکھے گا تو بیہوش ہو جائے اور دو پَر تو وہ ان پرندوں کی طرح ان کو حرکت دے کر اُڑ سکتا ہے۔ ان کی کلام صرف تسبیح و تحمید ہے۔

"یسبحون بحمد ربّھم و یؤمنون بہ" اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرش کو اُٹھانے والے آٹھ ہیں، ان میں سے چار یہ کہتے ہیں **"سبحان اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک"** اور ان میں سے چار یہ کہتے ہیں **"سبحانک اللّٰھم و بحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک"** اور گویا کہ وہ سب بنی آدم کے گناہوں کو دیکھ رہے ہیں۔ **"ویستغفرون للذین اٰمنوا ربّنا"** یعنی وہ کہتے ہیں **"ربّنا"** (اے ہمارے پروردگار) **"وسعت کل شیء رحمۃ و علما"** کہا گیا ہے کہ نصب تفسیر کی وجہ سے ہے اور کہا گیا ہے کہ نقل کی بناء پر ہے یعنی تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ **"فاغفر للّذین تابوا واتبعوا سبیلک"** تیرے دین کو **"وقھم عذاب الجحیم"** مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ

کے مؤمن بندوں کے سب سے زیادہ خیرخواہ فرشتے ہیں اور مخلوق میں سب سے زیادہ مؤمنین کے مخالف شیاطین ہیں۔

8 "ربّنا وادخلهم جنات عدن الّتی وعدتهم ومن صلح" ایمان لایا "من آبائهم وازواجهم و ذریاتهم انک انت العزیز الحکیم" سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جنت میں داخل ہوگا تو کہے گا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ میری اولاد کہاں ہے؟ میری بیوی کہاں ہے؟ تو کہا جائے گا کہ انہوں نے تیرے جیسے عمل نہیں کیے تو وہ کہے گا کہ میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیے تھے تو کہا جائے گا کہ تم ان کو بھی جنت میں داخل کردو۔

9 "وقهم السیئات" سزاؤں سے "ومن تقِ السیئات" یعنی اور جس کو تو سزاؤں سے بچالے اور کہا گیا ہے کہ برائیوں کی جزاء سے۔ "یومئذ فقد رحمته وذلک هو الفوز العظیم"

10 "ان الّذین کفروا ینادون" قیامت کے دن اور وہ آگ میں ہوں گے اور وہ اپنے نفس کو رنجیدہ کرچکے ہوں گے جب ان پر ان کی برائیاں پیش کی گئی ہوں گی اور عذاب کا مشاہدہ کرچکے ہوں گے تو ان کو کہا جائے گا۔ "لمقت اللّٰه اکبر من مقتکم انفسکم اذ تدعون الی الایمان فتکفرون" یعنی جب دُنیا میں تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم انکار تو اس وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس سے بڑھی ہوئی تھی جو آج تم پر عذاب اُترنے کے وقت تمہیں ہو رہی ہے۔

11 "قالوا ربّنا امتّنا اثنتین واحییتنا اثنتین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں مُردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا میں زندہ کردیا۔ پھر ان کو وہ موت دی جس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ پھر ان کو زندہ کرے گا بعث کے لیے قیامت کے دن۔ پس یہ دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "کیف تکفرون باللّٰه وکنتم امواتا فاحیاکم ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم" کی طرح ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا میں موت دیئے گئے پھر ان کو زندہ کیا جائے قبر میں سوال کے لیے۔ پھر ان کو موت دی جائے گی ان کی قبروں میں، پھر آخرت میں زندہ کیے جائیں گے۔ "فاعترفنا بذنوبنا فهل الی خروج من سبیل" یعنی آگ سے دُنیا کی طرف نکلنے کا کہ پھر ہم اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور تیری فرمانبرداری کے عمل کریں۔ اس کی نظیر "هل الی مردّ من سبیل" ہے۔

12 "ذلکم بانه اذا دُعی اللّٰه وحده کفرتم" اس میں عبارت چھوڑی گئی ہے اس کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے کہ ان کو جواب دیا گیا کہ اس کی کوئی راہ نہیں ہے اور یہ عذاب اور جہنم میں ہمیشہ رہنا اس وجہ سے ہے کہ تمہیں ایک خدا کی طرف بلایا گیا تو تم نے انکار کیا۔

یعنی جب لا الٰہ الا اللہ کہا گیا تو تم نے انکار کیا اور تم نے کہا "اجعل الآلهة الٰها واحدًا و ان یشرک به" اس کے غیر کو "تؤمنوا" تم اس شرک کی تصدیق کرتے ہو۔ "فالحکم للّٰه العلی الکبیر" ایسا کہ نہ اس سے کوئی بلند ہے اور نہ کوئی بڑا۔

هُوَالَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ⑬ فَادْعُوا
اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ
مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا یَخْفٰی عَلَی
اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا
كَسَبَتْ. لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ⑰ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ
لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ⑱

ترجمہ وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (خدا کی طرف) (رجوع کرنے کا ارادہ) کرتا ہے سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو گو کافروں کو ناگوار (ہی) کیوں نہ ہو وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تا کہ (وہ صاحب وحی لوگوں کو) اجتماع کے دن (یعنی قیامت کے دن سے) ڈرائے جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) آ موجود ہوں گے) کہ) ان کی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی آج کے روز کسی کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے گا آج (کسی پر) ظلم نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے (کہ روز قیامت ہے) ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آ جاویں گے (اور غم سے) گھٹ گھٹ جاویں گے (اس روز) ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے۔

تفسیر ⑬ "هو الّذی یریكم آیاته وینزل لكم من السماء رزقا" یعنی بارش جو رزق کا سبب ہے۔ "وما یتذکر" اوران آیات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا، "الّا من ینیب" جو تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

⑭ "فادعوا اللّٰه مخلصین له الدین" طاعت وعبادت "ولو كره الكافرون"

⑮ "رفیع الدرجات" جنت میں انبیاء اور اولیاء کے درجات بلند کرنے والا ہے۔ "ذو العرش" عرش کا خالق و مالک ہے۔ "یلقی الرّوح" وحی اُتارتا ہے۔ اس کو روح کا نام دیا اس لیے کہ وحی کے ذریعے دل زندہ کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ جسم روح کے ذریعے زندہ کیے جاتے ہیں۔ "من امره" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے فیصلہ سے اور کہا گیا ہے کہ اس کے قول سے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کے ذریعے۔ "علی من یشآء من عباده لینذر" یعنی تا کہ نبی علیہ السلام وحی کے ذریعے ڈرائیں۔

"یوم التلاق" اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تا کہ اے محمد! آپ ڈرائیں تلاق کے دن سے یعنی جس دن آسمان والے اور زمین والے ملیں گے۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس دن میں خالق ومخلوق کی ملاقات ہوگی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندوں کی ملاقات ہوگی اور میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم ومظلوم اور باہم جھگڑنے والوں کی ملاقات ہوگی اور کہا گیا ہے کہ عبادت کرنے والے اور ان کے معبودین کی ملاقات ہوگی اور کہا گیا ہے کہ اس دن میں آدمی کی اپنے عمل کے ساتھ ملاقات ہوگی۔

⑯ "یوم ھم بارزون" اپنی قبروں سے نکلیں گے بالکل ظاہر ہوں گے کوئی چیز ان کو نہ چھپائے گی۔ "لایخفٰی علی اللہ منھم" ان کے اعمال واحوال میں سے "شیء" اور اللہ تعالیٰ اس دن مخلوق کے فناء ہونے کے بعد کہیں گے۔ "لمن الملک الیوم" کوئی اللہ تعالیٰ کو جواب دینے والا نہ ہوگا تو بذاتِ خود جواب دیتے ہوئے فرمائیں گے "للہ الواحد القھار" جو مخلوق کو موت دے کر غالب آ گیا۔

⑰ "الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت" نیک کو اس کی نیکی اور برے کو اس کی برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ "لاظلم الیوم ان اللہ سریع الحساب"

⑱ "وانذرھم یوم الآزفۃ" یعنی قیامت کے دن سے۔ قیامت کا یہ نام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ قریب ہے اس لیے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ازفت الازفۃ" ہے۔ یعنی قیامت قریب ہوگئی۔ "اذالقلوب لدی الحناجر" یہ اس وجہ سے دل اپنی جگہ سے خوف کی وجہ سے ہٹ کر گلے تک پہنچ آئیں گے۔ پھر وہ اپنی جگہ پر واپس نہیں جائیں گے اور ان کے منہ سے باہر بھی نہ نکلیں گے کہ وہ مر جائیں اور راحت حاصل کرسکیں۔

"کاظمین" غم زدہ خوف اور غم سے بھرے ہوئے اور "کظم" غصہ اور خوف وغم کا دل میں آنا جانا جس کی وجہ سے دل تنگ ہو جائے۔ "ماللظالمین من حمیم" کوئی قریب جو ان کو نفع دے۔ "ولا شفیع یطاع" کہ ان کے بارے میں سفارش قبول کی جائے۔

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ
لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ⑳ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا
كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡا هُمۡ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ㉑ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ
رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ㉒ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى
بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ㉓ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوۡنَ فَقَالُوۡا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ㉔ فَلَمَّا جَآءَ

هُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿25﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿26﴾

ترجمہ وہ (ایسا ہے) کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قوت اور نشانیوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو ان کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے ان پر دارو گیر فرمائی اور ان کا کوئی خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ (مواخذہ) اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مواخذہ فرمایا بے شک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے یہ کہا کہ یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو ان (مذکور) لوگوں نے (بطور مشورہ کے) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی اور فرعون نے (اہل دربار سے) کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکارے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے۔ یا ملک میں کوئی خرابی (نہ) پھیلا دے۔

تفسیر ⑲ "یعلم خائنة الاعین" یعنی ان کی خیانت کو اور یہ خیانت چوری چھپکے ایسی چیز پر نظر ڈالنا جس کو دیکھنا حلال نہیں ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنکھوں کا اس چیز کی طرف دیکھنا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ "وما تخفی الصدور"

⑳ "واللّٰہ یقضی بالحق والّذین یدعون من دونہ" یعنی بتوں کی۔ "لایقضون بشیء" اس لیے کہ نہ وہ کچھ جانتے ہیں اور نہ کسی چیز پر قادر ہیں۔ نافع رحمہ اللہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے "تدعون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ان اللّٰہ ھو السمیع البصیر"

㉑ "اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الّذین کانوا من قبلھم کانوا ھم اشد منھم قوّة" ابن عامر رحمہ اللہ نے منکم کاف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے۔ "وآثارا فی الارض" پس ان کو اس نے نفع نہ دیا۔ "فاخذھم اللّٰہ بذنوبھم وما کان لھم من اللّٰہ من واق" جو ان سے عذاب دور کرے۔

(㉒)...... "ذلک" یعنی یہ عذاب جوان پر نازل ہوا ہے۔ "بانھم کانت تاتیھم رسلھم بالبینات فکفروا فاخذھم اللّٰہ انہ قوی شدید العقاب۔

㉓ولقد ارسلنا موسٰی بآیاتنا وسلطان مبین.

㉔الی فرعون وھامان و قارون فقالوا ساحر کذاب.

㉕فلمّا جآء ھم بالحق من عندنا قالوا" یعنی فرعون اور اس کی قوم۔ "اقتلوا ابناء الّذین اٰمنوا معہٗ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے قتل عام کے علاوہ ہے۔ اس لیے کہ فرعون بچوں کے قتل سے رُک چکا تھا پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو بنی اسرائیل پر قتل کا اعادہ کیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر قتل کا اعادہ کرو۔ "واستحیوا نساء ھم" تا کہ وہ ان کو موسیٰ علیہ السلام کی پیروی اور مدد کرنے سے روکیں۔ "وما کید الکافرین" نہیں تھا۔ فرعون اور اس کی قوم کا مکر اور حیلہ "الا فی ضلال" یعنی ان کی تدبیر باطل ہوگئی اور ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا اللہ نے ان کے بارے میں ارادہ کیا تھا۔

㉖"وقال فرعون" اپنے سرداروں کو "ذرونی اقتل موسٰی" اس نے یہ اس وجہ سے کہا کہ فرعون کی قوم کے خاص افراد میں ایسے لوگ بھی تھے جو فرعون کو ہلاکت کے خوف سے موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھتے تھے۔ "ولیدع ربّہ" یعنی اور چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو پکاریں جس نے ان کے گمان کے مطابق ان کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ ان کو ہم سے بچالے۔

"انّی اخاف ان یبدّل" وہ تبدیل کردے۔ "دینکم" جس پر تم ہو۔ "او ان یظھر فی الارض الفساد" یعقوب اور اہل کوفہ نے "او ان یظھر" پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "وان یظھر" پڑھا ہے اور اہل مدینہ اور بصرہ اور حفص رحمہم اللہ نے "یظھر" یاء کے پیش اور ھاء کی زیر کے ساتھ متعدی پڑھا ہے۔ "الفساد" اس پر نصب فرمان باری تعالیٰ "ان یبدل دینکم" کی وجہ سے ہے تا کہ یہ دونوں فعل ایک ترتیب پر ہو جائیں اور دیگر حضرات نے یاء اور ھاء کے زبر کے ساتھ فعل لازمی پڑھا ہے۔ "الفساد" پیش کے ساتھ اور فساد سے دین کو تبدیل کرنا اور اس (فرعون) کے علاوہ کی عبادت کرنا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ㉗ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ. وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ㉘

ترجمہ: اور موسیٰ نے (جب یہ بات سنی تو) کہا کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ شخص (کے شر) سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا اور (اس مجلس مشورہ میں) ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل

کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعویٰ پر) دلیلیں (بھی) لے کر آیا ہے اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو پیشین گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر (ضروری) آ پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو (اپنی) حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔

تفسیر ㉗ "**وقال موسٰی**" جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی۔ "**انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب.**"

㉘ **وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانه**" اس مؤمن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قبطی تھا فرعون کا چچا زاد بھائی اور یہ وہی شخص ہے جس کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں بیان کیا "**وجاء رجل من اقصی المدینة یسعی**" اور بعض کا قول ہے کہ یہ اسرائیلی تھا اور آیت کی اصل ترتیب یوں ہوگی "**وقال رجل مؤمن یکتم ایمانه من آل فرعون**" اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا نام حزبیل تھا۔ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام جبریل تھا اور کہا گیا ہے کہ جو شخص آل فرعون میں سے ایمان لایا تھا اس کا نام حبیب تھا۔ "**اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله لان یقول الایة**" یعنی اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ "**وقد جآء کم بالبیّنات من ربکم وان یک کاذبًا فعلیه کذبه**" تم کو یہ کچھ نقصان نہ دے گا۔ "**وان یک صادقا**" تم نے اس کی تکذیب کردی اس کے سچا ہونے کے باوجود "**یصبکم بعض الّذی یعدکم**" ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض سے کل مراد ہے۔ یعنی اگر تم نے اس کو سچا ہونے کے باوجود قتل کر دیا تو تم پر وہ عذاب آئے گا جس کا وہ وعدہ کرتا ہے۔

لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض کے یہاں صلہ سے مراد یہ ہے "**یصبکم الّذی یعدکم**" یعنی تم کو وہ چیز پہنچے گی جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اور اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حجاج کے بارے میں اپنے ظاہر پر ہے گویا کہ اس نے یہ کہا کہ اس کے سچا ہونے کا کم سے کم نتیجہ یہ ہے کہ تم کو اس کی وعدہ کی ہوئی بعض چیز پہنچے گی اور اس بعض میں ہی تمہاری ہلاکت ہے۔ پس بعض کا ذکر کل کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ "**ان الله لا یهدی**" اپنے دین کی طرف "**من هو مسرف**" مشرک ہو۔ "**کذاب**" اللہ پر۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ مجھے بتائیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے سخت کیا تکلیف دی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کو پکڑ لیا اور اپنا کپڑا آپ علیہ السلام کی گردن میں لپیٹ لیا اور خوب زور سے گلا گھونٹا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس کے کندھے کو پکڑ کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اور کہا "**اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاء کم بالبیّنات من ربکم**"

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا
قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ
يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿30﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿32﴾

ترجمہ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو۔ سو خدا کے عذاب میں جاری کون مدد کرے گا اگر (ان کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر آ پڑا فرعون نے (یہ تقریر سن کر جواب میں) کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں (کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے) اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتاتا ہوں اور اس مومن نے کہا صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے۔ جیسا قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی قوم لوط وغیرہ) کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح ظلم نہیں چاہتا اور صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اس دن کا اندیشہ ہے۔ جس میں کثرت سے ندائیں ہوں گی۔

تفسیر 29 ...... **"یاقوم لکم الملک الیوم ظاهرین فی الارض"** ملک مصر میں غائب ہو گئے۔ **"فمن ینصرنا من بأس الله"** کون ہمیں اللہ کے عذاب سے بچائے گا۔ **"ان جاء نا"** اور معنی یہ ہے کہ آج تمہارے پاس بادشاہت ہے تو تم تکذیب اور نبی کو قتل کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دو کیوں کہ اگر اللہ کا عذاب آ گیا تو تم سے اس کو روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ **"قال فرعون ما اریکم"** رائے اور خیر خواہی سے۔ **"الاّ ما اریٰ"** اپنی ذات کے لیے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں وہی بات بتا رہا ہوں جو میں خود جانتا ہوں۔ **"وما اهدیکم الاّ سبیل الرشاد"** یعنی میں تمہیں صرف ہدایت کے راستے کی طرف بلاتا ہوں۔

30 **"وقال الّذی امن یا قوم انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل دأب قوم نوح و عاد و ثمود والّذین من بعدهم"** یعنی تکذیب پر ڈٹ جانے میں ان کی عادت کی طرح ہے یہاں تک کہ ان کے پاس عذاب آ گیا۔ **"وما الله یرید ظلما للعباد"** یعنی ان پر حجت لازم کرنے سے پہلے ان کو ہلاک نہیں کرتا۔

31 **"ویاقوم انی اخاف علیکم یوم التناد"** قیامت کے دن تمام لوگوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ پس جنت والے جہنم والوں کو پکاریں گے اور جہنم والے جنت والوں کو اور اعراف والے بھی پکارے جائیں گے اور سعادت و شقاوت کے ساتھ آواز لگائے جائیں گے کہ سن لو فلاں بن فلاں نیک بخت ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی ناکام نہ ہوگا اور فلاں بن فلاں نامراد ہوا۔ اس کے بعد کبھی نیک بخت نہ ہوگا اور موت کو ذبح کرنے کے وقت آواز لگائی جائے گی۔ اے اہل جنت! ہمیشہ کا رہنا ہے اب کوئی موت نہیں ہے اور اہل جہنم! ہمیشہ کا رہنا ہے اب کوئی موت نہ ہوگی اور ابن عباس

رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ نے یوم التناد دال کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔

یعنی یوم التنافر۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے بدک کر بھاگیں گے جیسے اونٹ اپنے مالک سے بدک کر بھاگتا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح جب وہ آگ کی آواز سنیں گے تو گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، پھر وہ جس طرف بھی جائیں گے وہاں فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے تو وہ آخر اس جگہ واپس آجائیں گے جس میں پہلے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "والملک علی ارجائھا" اور اس کا قول "یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا"

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَالَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: جس روز (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) لوٹو گے (اور اس وقت) تم کو خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا ہی گمراہ کرے اس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں اور اس سے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) دلائل (توحید ونبوت کے) لے کر آچکے ہیں سو تم ان امور میں برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بس اب کسی رسول کو نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپے سے باہر جانے والوں (اور) شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے۔

تفسیر: ۳۳ "یوم تولون مدبرین" حساب کی جگہ سے آگ کی طرف پھرنے والے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھاگنے والے عاجز نہ کرسکو گے۔ "مالکم من اللّٰہ من عاصم" جو تم کو اس کے عذاب سے بچائے۔ "ومن یضلل اللّٰہ فمالہ من ھاد."

۳۴ ولقد جاء کم یوسف من قبل "یعنی یوسف بن یعقوب علیہ السلام اس سے پہلے یعنی موسیٰ علیہ السلام سے پہلے۔ "بالبیّنات" اس سے یوسف علیہ السلام کا قول "ء ارباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القھار" مراد ہے۔

"فمازلتم فی شک مما جاء کم بہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے۔ "حتّی اذا ھلک" وفات پاگئے۔ "قلتم لن یبعث اللّٰہ من بعدہ رسولا" یعنی تم اپنے کفر پر قائم رہے اور تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر نئی حجت نہ بھیجیں گے۔ "کذلک یضل اللّٰہ من ھو مسرف" مشرک ہو۔ "مرتابٌ" شک کرنے والا۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۚ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿37﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾

ترجمہ: جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو۔ خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس (کج بحثی) سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر (وہاں جاکر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہی ہوں اور اسی طرح فرعون کی (اور) بدکرداریاں (بھی) اس کو مستحسن معلوم ہوتی تھیں اور وہ (سیدھے) رستہ سے رک گیا اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی اور اس مومن نے کہا کہ اے میرے بھائیوں تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں اے میرے بھائیو! یہ دنیوی زندگانی محض چندروزہ ہے اور (اصل) ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے) جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ) کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سر برابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا۔

تفسیر 35 ......"الّذین یجادلون فی آیات اللّٰہ" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مسرف اور مرتاب کی تفسیر ہے یعنی جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں یعنی تکذیب کر کے ان کو باطل کرنے میں۔ "بغیر سلطان" بغیر حجت کے "اتاھم" اللہ کی طرف سے "کبر مقتا" یعنی یہ جھگڑا بڑا ہے ناراضگی میں۔ "عند اللّٰہ وعند الذین اٰمنوا کذلک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار" ابوعمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "قلب" کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ہے۔ "علٰی کل قلب کل متکبر جبار"

36 "وقال فرعون" اپنے وزیر کو "یا ھامان ابن لی صرحا" الصرح ایسی واضح عمارت جو دور سے دیکھنے والوں پر بھی مخفی نہ ہو اور اس کی اصل تصریح سے ہے بمعنی اظہار "لعلی ابلغ الاسباب،

37 اسباب السمٰوٰت" یعنی اس کے راستے اور اس کے دروازے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔
"فاطلع الیٰ الٰہ موسیٰ" اکثر حضرات کی قرأت عین کے پیش کے ساتھ ہے۔ "ابلغ الاسباب" کے مطابق اور حفص رحمہ اللہ نے عاصم رحمہ اللہ سے عین کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی حمید اعرج کی قرأت ہے فاء کے ساتھ "لعلّ" کا جواب ہونے کی بناء پر "وانّی لاظنہ" یعنی موسیٰ علیہ السلام کو "کاذبا" اس بات میں جو وہ کہتے ہیں کہ ان کا میرے سوا رب ہے۔ "وکذلک زین لفرعون سوء عملہ وصدّعن السبیل" اہل کوفہ اور یعقوب نے "وصُدّ" کو صاد کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے "زیّن لفرعون" کے مطابق۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت کے راستے سے روک دیا اور دیگر حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی فرعون نے لوگوں کو سیدھے راستے سے روک دیا۔ "وما کید فرعون الاّ فی تباب" یعنی اللہ تعالیٰ آیات اور موسیٰ علیہ السلام کی نشانیوں کو باطل کرنے میں اس کی ہر تدبیر خسارے اور ہلاکت میں تھی۔

38 "وقال الّذی امن یاقوم اتبعون اھدکم سبیل الرشاد" ہدایت کا راستہ۔

39 "یاقوم انّما ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا متاع" تھوڑا سا نفع ہے جو تم اُٹھاؤ گے پھر ختم ہو جائے گا۔ "وان الآخرۃ ھی دارالقرار" ایسا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

40 "من عمل سیّئۃ فلا یجزیٰ الا مثلھا ومن عمل صالحا من ذکر او انثٰی وھو مؤمن فاولٰئک یدخلون الجنّۃ یرزقون فیھا بغیر حساب" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو خیر بھی دیئے جائیں گے اس کی کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔

وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ 41 تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ 42 لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ 43 فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ 44 فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ 45 اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ 46

ترجمہ: اور میرے بھائیو! کیا بات ہے کہ میں تو تم کو (طریق) نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس (کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات یہ ہے کہ تم جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے لائق ہے اور

نہ آخرت ہی میں اور (یقینی بات ہے) کہ ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ (عبودیت) سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا آگے بیان ہے کہ) اور جس روز قیامت ہوگی حکم ہوگا (کہ) فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت آگ میں داخل کرو۔

تفسیر ㊶ ...... "ویاقوم مالی ادعوکم الی النجاۃ" یعنی تمہیں کیا ہوگیا ہے جیسے عرب کہتے ہیں "مالی اراک حزینا؟" یعنی (مالک) تجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں۔ اب مطلب یہ ہے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہے کہ میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ آگ سے نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ "وتدعوننی الی النار" اس شرک کی طرف جو جہنم کو واجب کرتا ہے۔ پھر تفسیر کرتے ہوئے کہا۔

㊷ "تدعوننی لاکفر باللّٰہ واشرک بہ مالیس لی بہ علم و انا ادعوکم الی العزیز الغفار" ان لوگوں سے اپنے انتقام میں غالب ہے جس نے کفر کیا اور اہل توحید کے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

㊸ "لاجرم" ثابت ہے "انّ ما تدعوننی الیہ" یعنی بتوں کی طرف "لیس لہ دعوۃ فی الدنیا ولا فی الآخرۃ" سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا و آخرت میں اس کی پکار پر لبیک کوئی نہیں کہے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کی عبادت کی طرف دُنیا میں کوئی دعوت نہیں ہے اس لیے کہ بت رب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ اپنی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور آخرت میں وہ اپنے عبادت گزاروں سے برأت (بیزاری) ظاہر کریں گے۔ "وان مردّنا الی اللّٰہ" ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے تو وہ ہر ایک کو وہی بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ "وان المسرفین" مشرکین "ھم اصحاب النّار"

㊹ "فستذکرون ما اقول لکم" جب تم عذاب کا مشاہدہ کرلو گے تو اس وقت کا یاد آنا تمہیں نفع نہ دے گا۔ "وافوض امری الی اللّٰہ" اور یہ اس وجہ سے کہا کہ انہوں نے اپنے دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے دھمکیاں دی تھیں۔ "ان اللّٰہ بصیر بالعباد" حق اور باطل کو خوب جانتا ہے۔ پھر مؤمن ان کے بیچ سے چلا گیا، انہوں نے اس کو تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا۔

㊺ "فوقاہ اللّٰہ سیئات ما مکروا" جو انہوں نے اس کے بارے میں برا ارادہ کیا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پا گیا حالانکہ وہ قبطی تھا "وحاق" اترا "بآل فرعون سوء العذاب" دُنیا میں غرق ہوجانا اور آخرت میں دوزخ کے اندر چلے جانا۔

㊻ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "النار" یہ مرفوع ہے السوء سے بدل ہونے کی بناء پر "یعرضون علیھا غدوّا وعشیا" صبح اور شام کو۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں، دن میں دو مرتبہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں صبح اور شام آگ پر آتی ہیں اور کہا جاتا ہے اے آل فرعون! یہ تمہارا ٹھکانہ ہے قیامت قائم ہونے تک اور قتادہ،

مقاتل، سدی اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر کی روح آگ پر صبح وشام پیش کی جاتی رہے گی جب تک دُنیا قائم ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک جب مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو اہل جنت میں سے اور اگر اہل نار میں سے ہے تو اہل نار میں سے۔ پھر اس کو کہا جائے گا یہ تیرا ٹھکانہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف قیامت کے دن اُٹھائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے ٹھکانے کی قیامت کے دن خبر دیں گے۔ تو فرمایا:
"ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا" ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "الساعۃ ادخلوا" الف وصلی کو حذف کر کے اور ابتداء میں اس کے پیش کے ساتھ اور خاء کے پیش کے ساتھ دخول سے پڑھا ہے۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم داخل ہو جاؤ اے "آل فرعون اشد العذاب" اور دیگر حضرات نے الف قطعی اور خاء کی زیر کے ساتھ ادخال سے پڑھا ہے یعنی فرشتوں کو کہا جائے گا کہ تم آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عذاب کی دیگر اقسام مراد ہیں جو ان کے علاوہ ہیں جو وہ پہلے دیئے جاچکے ہیں جیسے غرق وغیرہ۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿47﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿48﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿49﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿50﴾ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿51﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿52﴾

(ترجمہ) اور جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابعین) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جز و ہٹا سکتے ہو وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سبھی دوزخ میں ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا اور (اس کے بعد) جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتلاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے فرشتے کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے تھے اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمالنامے لکھتے تھے) کھڑے ہونگے جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی

معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی۔

تفسیر ㊼"واذ یتحاجون فی النّار" یعنی اے محمد! آپ اپنی قوم کے لیے وہ ذکر کریں جب وہ جھگڑیں گے یعنی جہنم والے جہنم میں "فیقول الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا" دُنیا میں "فهل انتم مغنون عنا نصیبا من النّار" اور التبع کا لفظ اہل بصرہ کے قول میں واحد اور جمع استعمال ہوتا ہے اس کا واحد تابع بھی ہے اور اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں اور اس کی جمع اتباع ہے۔

㊽"قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ

㊾وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ" جب ان پر عذاب سخت ہوگیا۔"لخزنة جهنم ادعوا ربکم یخفف عنا یوما من العذاب"

㊿"قالوا" یعنی جہنم کے داروغے ان کو "اولم تک تاتیکم رسلکم بالبینات قالوا بلٰی قالوا فادعوا" تم ہی اب اپنے رب کو یعنی ہم تمہارے لیے اللہ سے دُعا نہ کریں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان سے عذاب ہلکا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"وما دعاء الکافرین الا فی ضلال" یعنی باطل ہو جائے گی اور گمراہ ہوگی اور ان کو کوئی نفع نہ دے گی۔

51 "انا لننصر رسلنا والّذین امنوا فی الحیٰوة الدنیا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں غلبہ کے ذریعے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حجت کے ذریعے اور آخرت میں عذاب کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ دُنیا و آخرت میں دشمنوں سے انتقام لے کر اور یہ تمام صورتیں انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین کے لیے ہو چکی ہیں۔ یہ ان کے مخالفین پر ان کی حجت کے ذریعے مدد کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر غلبہ دے کر اور ان کو ہلاک کر کے بھی ان کی مدد کی اور انبیاء علیہم السلام کے قتل کیے جانے کے بعد ان کے دشمنوں سے انتقام لے کر بھی مدد کی۔ جیسے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے قتل کیے جانے کے بعد ان کی مدد کی گئی اور بدلہ میں ستر ہزار لوگ قتل کیے گئے تو ان تمام طریقوں سے انبیاء علیہم السلام و مؤمنین کی مدد کی گئی ہے۔"ویوم یقوم الاشهاد" یعنی قیامت کے دن فرشتوں میں سے حفاظت کرنے والے کھڑے ہوں گے اور رسولوں کے لیے تبلیغ کی گواہی دیں گے اور کفار کے خلاف تکذیب کی گواہی دیں گے۔

52 "یوم لا ینفع الظالمین معذرتهم" اگر وہ اپنے کفر کا عذر بیان کریں گے تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور اگر توبہ کرلیں تو ان کو نفع نہ دے گی۔"ولهم اللعنة" رحمت سے دوری ہے۔"ولهم سوء الدار" یعنی جہنم۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ ﴿53﴾ هُدًی وَّذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿54﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْکَارِ ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿56﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾

ترجمہ اور (آپ کے قبل) ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل (سلیم) کے لئے سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے (اس) گناہ (جس کو مجازاً گناہ کہہ دیا) معافی مانگیے اور شام وصبح اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے (اور) جو لوگ بلا کسی سند کے جو ان کے پاس موجود ہو خدائی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی بڑائی) ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا بالیقین آسمانوں اور زمین کا (ابتداءً پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات) نہیں سمجھتے۔

تفسیر 53 "ولقد اٰتینا موسٰی الهدیٰ" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گمراہی سے ہدایت دی یعنی توریت "واورثنا بنی اسرائیل الکتاب" کتاب سے مراد توریت ہے۔

54 "هدی و ذکریٰ لاولی الالباب"

55 "فاصبر" اے محمد! ان کی تکلیفوں پر "ان وعد الله" آپ کے غالب کرنے اور آپ کے دشمنوں کے ہلاک کرنے میں "حق" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات قتال نے آیات صبر کو منسوخ کر دیا ہے۔ "واستغفر لذنبک" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عبادت حکم ہے تاکہ اس کے ذریعے آپ علیہ السلام کے درجات زیادہ کریں اور آپ علیہ السلام کے بعد آنے والوں کے لیے سنت ہو جائے۔ "وسبح بحمد ربک" آپ نماز پڑھیں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لیے۔ "بالعشی والابکار" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی عصر اور فجر کی نماز اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پانچ نمازیں۔

56 "ان الّذین یجادلون فی آیات الله بغیر سلطان اتاهم ان فی صدورهم" نہیں ہے ان کے دلوں میں اور صدر دل کی جگہ کو کہتے ہیں اس سے دل کا کنایہ کہنا ہے پڑوس کی وجہ سے۔ "الا کبر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کو آپ علیہ السلام کی تکذیب پر ان کے دلوں کا تکبر اور بڑائی اُبھارتا ہے۔ "ماهم ببالغیه" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس تکبر کے تقاضا تک پہنچنے والے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرنے والا ہے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تکبر ہے اور یہ طمع ہے کہ وہ اس پر غالب ہو جائیں گے حالانکہ وہ اس مقصد کو نہ پہنچ سکیں گے۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ہمارا ساتھی مسیح بن داؤد (اس سے ان کی مراد دجال تھا) آخری زمانہ میں نکلے گا تو اس کی بادشاہت خشکی وسمندروں تک پہنچ جائے گی اور بادشاہت ہماری طرف لوٹ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاستعذ بالله" دجال کے فتنہ سے "انه هو السمیع البصیر"

57 "لخلق السموات والارض" اپنی عظمت کے باوجود "اکبر" سینوں میں بڑا ہے۔ "من خلق النّاس" یعنی موت

کے بعد ان کو دوبارہ لوٹانے سے "ولکن اکثر النّاس" یعنی کفار "لایعلمون" کیونکہ وہ اس سے اپنے خالق کی توحید پر استدلال نہیں کرتے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ اکبر یعنی دجال کے پیدا کرنے سے عظیم ہے۔ "ولکن اکثر الناس لایعلمون" یعنی وہ یہود جو دجال کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں۔ ہشام بن عامر رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قیامت کے قائم ہونے تک کوئی فتنہ دجال سے بڑا نہیں ہے۔

دجال کے خروج کے متعلق احادیث

حضرت اسماء بنت یزید بن سکن کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال زمین پر چالیس سال رہے گا جس کا ایک سال اتنا (چھوٹا اور بے برکت) ہوگا جیسے ایک ماہ اور مہینہ ایک ہفتہ کی طرح ہوگا اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور ایک دن اتنا ہوگا جیسے آگ میں کھجور کی کوئی چھپٹ جل جاتی ہے (بھڑک جاتی ہے) (رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم)

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت (یعنی اُمت دعوت) کے ستر ہزار تاج پوش (حکام، بادشاہ، نواب وغیرہ) لوگ دجال کے پیچھے ہو جائیں گے۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم)

حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس روز ستر ہزار یہودی تاج پوش آراستہ تلواروں والے دجال کے پیچھے ہو جائیں گے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، آپ نے دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا: دجال کے سامنے تین سال ایسے آئیں گے کہ ایک سال تو آسمان ایک تہائی بارش کو روک لے گا اور زمین ایک تہائی روئیدگی کو روک لے گی اور دوسرے سال دو تہائی بارش اور دو تہائی روئیدگی رُک جائے گی اور تیسرے سال (بالکل کال ہو جائے گا) بارش بالکل نہ ہوگی اور نہ زمین سے کچھ اُگے گا، تمام کھر اور داڑھوں والے جانور مر جائیں گے۔ دجال کا شدید ترین فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک اعرابی کے پاس جائے گا اور اس سے کہے گا اگر میں تیرے اونٹوں کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی تو مجھے اپنا رب نہیں مانے گا؟ وہ اعرابی جواب دے گا کیوں نہیں۔ دجال شیطانوں کو اونٹوں کی شکل میں کر دے گا جن کے خوبصورت تھن اور بہت بڑے بڑے کوہان ہوں گے۔

ایک آدمی کا بھائی مر چکا ہوگا اور باپ بھی، دجال اس سے کہے گا، اگر میں تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کر دوں، تب بھی تو مجھے اپنا رب نہیں جانے گا؟ وہ شخص کہے گا، کیوں نہیں۔ دجال شیاطین کو اس کے باپ اور بھائی کی شکل میں لا کر پیش کر دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام سے باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آئے تو لوگوں کو ایک خاص فکر و غم میں مبتلا پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حالت دجال کی بیان کی تھی اس سے لوگوں کو بڑی فکر ہو گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا: اے اسماء! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! دجال کا ذکر کر آپ نے کیا اس

کو سن کر ہمارے دل نکلے پڑتے ہیں۔ فرمایا: اگر وہ میری زندگی میں آیا تو میں اس سے مقابلہ کروں گا، ورنہ ہر مؤمن کا اللہ (نگہبان) ہے، میرے بجائے اللہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آٹا گوندھتے ہیں اور روٹی پکانے نہیں پاتے کہ بھوکے ہو جاتے ہیں، پھر اس روز مؤمنوں کی کیا حالت ہوگی؟ فرمایا: تسبیح خداوندی ان کے لیے کافی ہوگی جیسے آسمان والوں کے لیے کافی ہوتی ہے (یعنی روٹی پانی کی ضرورت ہی نہیں ہوگی)۔ (رواہ احمد والبغوی فی المعالم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ راوی ہیں کہ دجال کے متعلق جتنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اتنا اور کسی نے نہیں پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ تجھے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ میں نے عرض کیا، لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹی کا پہاڑ اور پانی کا (بھرا ہوا) دریا چلے گا؟ فرمایا: اللہ کے لیے یہ بات اس سے بھی زیادہ آسان ہے (یعنی اللہ کو اپنے ساتھ روٹی اور پانی رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے)۔ متفق علیہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دجال مکہ اور مدینہ کے سوا ہر شہر میں جائے گا۔ مدینہ کے ہر راستے پر فرشتے صف باندھے کھڑے ہیں۔ اس کی چوکیداری کررہے ہیں، پھر مدینہ کی زمین اہل مدینہ کو تین جھٹکے دے گی تو اس دجال کی طرف ہر کافر اور منافق آدمی نکل جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا اور اس کا ارادہ مدینہ کا ہوگا حتیٰ کہ وہ اُحد کے پیچھے اُترے گا۔ پھر فرشتے اس کا چہرہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہاں وہ ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے پیچھے میری اُمت کے ستر ہزار افراد چلیں گے۔ ان پر سیجان (خاص چادریں) ہوں گی اور اس کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا دجال کے ساتھ اس دن ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ وہ سب تاج والے اور مزین تلوار والے ہوں گے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾

(ترجمہ) اور بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور (دوسرے) بدکار باہم برابر نہیں ہوتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی۔ اس (کے آنے) میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں۔ مگر اکثر لوگ نہیں مانتے اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

(تفسیر) ﴿٥٨﴾ "وما يستوى الاعمىٰ والبصير والذين امنوا وعملوا الصالحات ولا المسئ قليلا ما

تتذکرون" اہل کوفہ نے "تتذکرون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لیے کہ آیات کا اوّل و آخر قوم کی خبر ہے۔

59 "ان الساعة" یعنی قیامت "لآتية لاريب فيها ولكن اكثر الناس لا يؤمنون"

60 "وقال ربكم ادعوني استجب لكم" یعنی تم میری ہی عبادت کرو، میرے غیر کی نہیں۔ میں تمہاری بات قبول کروں گا اور تمہیں ثواب دوں گا اور تمہاری مغفرت کروں گا۔ جب آیت میں عبادت کو دُعاء سے تعبیر کیا ہے تو ثواب کو قبولیت دُعا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک دُعاء عبادت ہے۔

پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی "ادعوني استجب لكم. ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارتا، اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ دُعا ذکر اور سوال کرنا ہے۔

"ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين" ابن کثیر اور ابوجعفر رحمہما اللہ اور ابوبکر رحمہ اللہ نے "سيدخلون" یاء کے پیش اور خاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے زیر اور خاء کے پیش کے ساتھ اور "داخرين" کا معنی گھٹیا و ذلیل ہو کر۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ 61 ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ 62 كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ 63

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور اس نے دن کو (دیکھنے کے لئے) روشن بنایا بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (بعد اثبات توحید کے) تم لوگ شرک کر کے کہاں الٹے جا رہے ہو اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

تفسیر: 61 ...... "اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ"

62 ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ "یعنی جس طرح تم دلائل قائم ہونے کے باوجود حق سے پلٹ رہے ہو 63 كَذٰلِكَ اسی طرح "یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ"

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞64 هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞65

ترجمہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرارگاہ بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت (کے) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب۔ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے وہی (ازلی وابدی) (رہنے والا ہے) اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارو تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔

تفسیر (64-65)...... "اللّٰه الذی جعل لکم الارض قرارا" بچھونا "والسمآء بناء" چھت گنبد کی طرح۔ "وصوّرکم فاحسن صورکم" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم کو پیدا کیا پس تمہاری پیدائش کو حسین بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اولاد آدم کو سیدھا اور متناسب بنایا کہ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کھا سکتا ہے اور ابن آدم کے علاوہ جاندار اپنے منہ سے پکڑ کر کھاتے ہیں۔ "ورزقکم من الطیبات" کہا گیا ہے کہ یہ مویشیوں کے رزق کے علاوہ ہے۔ "ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خبر ہے اور اس میں امر (حکم) پوشیدہ ہے۔ اصل یوں ہے کہ تم اس کو پکارو اور اس کی حمد کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے وہ اس کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ "فادعوہ مخلصین له الدین الحمدللّٰه رب العالمین"

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞66 هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞67

ترجمہ آپ (ان مشرکین کو سنانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں ان (شرکاء) کی عبادت کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آ چکی ہیں اور مجھ کو حکم یہ ہوا ہے کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے گردن جھکالوں وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم اپنی

جوانی کو پہنچو۔ پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تا کہ تم سب (اپنے اپنے)
وقت مقررہ (مقدر) تک پہنچ جاؤ اور (یہ سب کچھ) اس لئے کیا گیا) تا کہ تم سمجھو۔

تفسیر 66 "قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور یہ اس وقت جب کفر کی طرف بلایا گیا۔

67 "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا" یعنی بچے۔ "ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ" یعنی بوڑھا ہونے سے پہلے۔ "ولتبلغوا" تم سب "اجلا مسمّی" متعین وقت تک جس سے تم آگے نہ بڑھ سکو گے۔ اس سے زندگی کا وقت موت تک مراد ہے۔ "ولعلکم تعقلون" یعنی تا کہ تم اپنے رب کی توحید اور اس کی قدرت کو سمجھ لو۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ. فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ 68 اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ. اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ 69

ترجمہ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا (دفعۃً) پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت (اتنا) فرما دیتا ہے کہ ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں (حق سے) کہاں پھرے جا رہے ہیں۔

تفسیر (68۔69)...... "هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ. فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ"

یعنی قرآن میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ "انّی یصرفون" کیسے وہ دین حق سے پھیرے جاتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین ہیں اور محمد بن سیرین اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ یہ آیت قدریہ (منکرین تقدیر) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ 70 اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ 71 فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ 72 ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ 73 مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا. كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ 74 ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ 75 اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ 76 فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا سو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو قریب ہے) معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جاویں گے پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جاویں گے پھر ان سے پوچھا جاوے گا کہ وہ (معبود) غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہی ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم اس سے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو۔ سو متکبرین کا وہ برا ٹھکانا ہے (اور جب ان سے اس طرح انتقام لیا جاوے گا) تو آپ (چندے) صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اسمیں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات فرماویں سو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعضے تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کا ہم نے قصہ آپ کو بیان (ہی) نہیں کیا اور (اتنا امر سب میں مشترک ہے کہ) کسی رسول سے اتنا نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کر سکے پھر جس وقت اللہ کا حکم (نزول عذاب کے لئے) آوے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جاوے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں گے۔

تفسیر (⑦⓪۔⑦①)...... "الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ" گھسیٹے جائیں گے۔....

⑦②......"فی الحمیم ثم فی النّار یسجرون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے ذریعے آگ روشن کی جائے گی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آگ کا ایندھن ہو جائیں گے۔

⑦③"ثمّ قیل لهم این ما کنتم تشرکون ."

⑦④من دون اللّٰه" یعنی بتوں کی۔ "قالوا ضلّوا عنا" وہ ہم سے گم ہو گئے۔ اب ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ "بل لم نکن ندعوا من قبل شیئًا" کہا گیا ہے کہ وہ انکار کر دیں گے اور کہا گیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ بلکہ ہم اس سے پہلے کسی ایسی چیز کو نہیں پکارتے تھے جو نفع یا نقصان دیتی اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے کچھ نہ کرتے تھے یعنی ہماری ان

بتوں کی عبادت ضائع ہوگئی۔ جیسا کہ جس شخص کی محنت بیکار جائے وہ کہتا ہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "کذلک" یعنی جیسے ان لوگوں کو گمراہ کیا۔ "یضل اللّٰہ الکافرین"

㊵ "ذلکم" وہ عذاب جو تم پر آیا۔ "بما کنتم تفرحون" اکڑتے تھے۔ "فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تمرحون" اتھلا کر چلتے تھے۔ یعنی بے جا خوشی میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

(㊶ ـ ㊷)...... "اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ" آپ کی مدد کرنے کا۔ "حق فاما نرینک بعض الّذی نعدھم" آپ کی زندگی میں عذاب کا۔ "او نتوفینک" ان پر عذاب نازل کرنے سے پہلے۔ "فالینا یرجعون"

㊸ "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ" ان کی خبر قرآن میں "وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" اللہ کے حکم اور اس کے ارادہ کے ساتھ۔ "فاذا جآء امر اللّٰہ" اس کا فیصلہ انبیاء علیہم السلام اور اُمتوں کے درمیان۔ "قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ"

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(ترجمہ) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تا کہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض (ایسے ہیں کہ ان) کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور (اس لئے بنائے) تا کہ تم اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے اور ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو اور (ان کے علاوہ) تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے سو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا حال ہوا (حالانکہ) وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانیوں میں (بھی) جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے سو ان کی (یہ تمام تر) کمائی

ان کے کچھ بھی کام نہ آئی غرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آ پڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں سے ہم منکر ہوئے جس کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوگا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

تفسیر ⑳ ......"**اللّٰہ الّذی جعل لکم الانعام لترکبوا منھا**" ان میں سے بعض پر "**ومنھا تاکلون ولکم فیھا منافع**" ان کی اون، پشم اور ان کے بالوں اور دودھ میں۔ "**ولتبلغوا علیھا حاجۃ فی صدورکم**" وہ تمہارے بوجھ ایک شہر سے دوسرے شہر اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور تاکہ تم ان پر اپنی ضرورت تک پہنچ سکو۔ "**وعلیھا وعلی الفلک تحملون**" یعنی خشکی میں اونٹ پر اور سمندر میں کشتیوں پر۔ اس کی نظیر باری تعالیٰ کا فرمان "**وحملناھم فی البر والبحر**"

㉑ "**ویریکم آیاتہ**" اس کی قدرت کے دلائل "**فایّ آیات اللّٰہ تنکرون**"

㉒ "**اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کَانُوْٓا اَکْثَرَ مِنْھُمْ وَاَشَدَّ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ**" یعنی ان کے محلات اور تعمیر کردہ عمارتیں۔ "**فما اغنیٰ عنھم**" نہیں نفع دیا ان کو "**ما کانوا یکسبون**" کہا گیا ہے کہ یہ استفہام کے معنی میں ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ ان کی کمائی میں سے کس چیز نے ان کو نفع دیا ہے؟

(㉓ - ㉔) ......"**فلمّا جآءتھم رسلھم بالبیّنات فرحوا**" وہ راضی ہوگئے۔ "**بما عندھم من العلم**" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کا وہ قول ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ نہ ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے اور نہ ہم عذاب دیئے جائیں گے۔ اس کو علم کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے دعویٰ کے مطابق ورنہ یہ حقیقت میں جہالت ہے۔ "**وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ وَکَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشْرِکِیْنَ**" یعنی جو ہم اللہ کے برابر ٹھہراتے تھے اس سے ہم برأت ظاہر کرتے ہیں۔

㉕ "**فلم یک ینفعھم ایمانھم لمّا راوا باسنا**" ہمارا عذاب۔ "**سنۃ اللّٰہ**" کہا ہے کہ اس کا نصب خافض (زیر دینے والا) کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے یعنی اصل میں "**کسنۃ اللّٰہ**" تھا اور کہا گیا ہے کہ مصدر (مفعول مطلق) کی بناء پر ہے اور کہا گیا ہے کہ اُبھارنے کے لیے ہے یعنی تم ڈرو اللہ کے طریقے سے۔ "**الّتی قدخلت فی عبادہ**" اور یہ طریقہ یہ ہے کہ لوگ جب عذاب کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایمان لے آتے ہیں اور عذاب کے مشاہدہ کے وقت کا ایمان ان کو نفع نہیں دیتا۔ "**وخسر ھنالک الکافرون**" دونوں جہانوں کی نعمتیں چلی جانے کی وجہ سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافر ہر وقت خسارہ میں ہے لیکن ان پر اپنا خسارہ عذاب دیکھنے کے وقت ظاہر ہوگا۔

سُوْرَۃُ فصلت

یہ سورت مکی ہے اور اس کی چون (۵۴) آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۝1 تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝2 كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝3
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝4 وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ
اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝5 قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ
لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝6 الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝7

ترجمہ حم یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی جاتی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے (ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی پھر وہ (بوجہ اعراض کے) سنتے ہی نہیں اور وہ لوگ کہتے کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جایئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس (معبود حق) کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔

تفسیر (1_2)...... "حم. تنزيل من الرحمن الرحيم" اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تنزیل مبتداء ہے اور اس کی خبر اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

3 "کتاب فصلت آیاته" ہے۔ اس کی آیات بیان کی گئی ہیں "قرآنا عربیا لقوم یعلمون" عربی زبان میں اور اگر

ان کی زبان کے علاوہ کسی زبان میں ہوتا تو وہ اس کو نہ جانتے اور قرآناً کا نصب بیان کے اس پر واقع ہونے کی وجہ سے ہے یعنی "فصّلناہ قرآنا" یعنی ہم نے اس کو بیان کیا یعنی قرآن کا۔

④ "بشیرا و نذیرا" یہ دونوں صفتیں قرآن مجید کی ہیں یعنی اللہ کے اولیاء کو خوشخبری دینے والا اور اس کے دشمنوں کو ڈرانے والا ہے۔"فاعرض اکثرھم فھم لایسمعون" یعنی تکبر کی وجہ سے اس کی طرف کان نہیں دھرتے۔

⑤ "وقالوا" یعنی مکہ کے مشرکین "قلوبنا فی اکنّۃ" پردوں میں ہیں۔"مما تدعونا الیہ"تو جو وہ کہتے ہیں ہم نہیں سمجھتے۔ "وفی آذاننا وقر" بہرا پن ہے۔پس ہم ان کی کہی ہوئی بات نہیں سنتے اور معنی یہ ہے کہ ہم قبول حق کو چھوڑنے میں آپ کے نزدیک اس شخص کی طرح ہیں جو نہ سمجھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔"ومن بیننا وبینک حجاب" دین میں اختلاف ہے اور ملت میں رُکاوٹ ہے تو ہم آپ کی کہی ہوئی بات میں آپ کی موافقت نہ کریں گے۔"فاعمل" آپ اپنے دین پر "اننا عاملون" ہمارے دین پر۔

⑥ "قل انّما انا بشر مثلکم" یعنی تم میں سے کسی ایک کی طرح اور اگر وحی نہ ہوتی تو میں تمہیں نہ دعوت دیتا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "یوحی الیّ انّما الٰھکم الٰہ واحد" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تواضع کی تعلیم دی۔"فاستقیموا الیہ" اس کی طرف فرمانبرداری کرتے متوجہ ہو جاؤ اور اس کے راستے سے اعراض نہ کرو۔"واستغفروہ" اپنے گناہوں سے۔"وویل للمشرکین"

⑦ "الّذین لا یؤتون الزکاۃ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں یہ نفس کی زکوٰۃ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ شرک سے توحید کے ذریعے پاک نہیں کرتے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کا اقرار نہیں کرتے اور اس کے دینے کو واجب نہیں سمجھتے۔اور وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کا پل ہے جو اس کو طے کرلے گا وہ نجات پالے گا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ طاعت میں خرچ نہیں کرتے اور صدقہ نہیں کرتے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے اعمال کو پاک نہیں کرتے۔"وھم بالآخرۃ ھم کافرون"

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ⑨ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ⑩

ترجمہ: (اور برخلاف ان کے) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) موقوف ہونے والا نہیں آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی وسعت کے) دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں (اس کے رہنے والوں کی) غذائیں تجویز کر دیں یہ سب چار دن میں ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے۔

اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کی وضاحت

تفسیر 8 "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات لهم اجر غیر ممنون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ختم نہ ہونے والا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کم نہ ہوگا اور اسی سے ممنون ہے اس لیے کہ وہ انسان کا احسان اور قوت کم کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان پر اس کا احسان نہیں جتایا جائے گا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حساب نہ ہوگا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مریضوں اور اپاہجوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب وہ طاعت سے عاجز ہو جائیں تو ان کے لیے تندرستی میں جو اعمال کرتے تھے اسی کی طرح اجر لکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب عبادت کے کسی اچھے طریقے پر ہو، پھر مریض ہو جائے تو اس فرشتے کو کہا جاتا ہے جو اس کی نگرانی پر مقرر ہے کہ تو اس کی تندرستی والے عمل کی مثل لکھ۔ یہاں تک کہ میں اس کو تندرست کردوں یا اپنے پاس بلالوں۔

9 "قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین" اتوار اور سوموار کے دن۔

"وتجعلون له انداداً ذالک ربّ العالمین"

10 "وجعل فیها" یعنی زمین میں "رواسی" پہاڑ جمے ہوئے "من فوقها" زمین کے اوپر "وبارک فیها" یعنی زمین میں ان سمندروں، نہروں، درختوں اور پھلوں کے ساتھ جو اس میں پیدا کیے ہیں۔

ہر شئی کا رزق اللہ نے تقسیم کر دیا ہے

"وقدّر فیها اقواتها" حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں بندوں اور مویشیوں کے رزق تقسیم کیے گئے ہیں اور عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہر شہر میں وہ رزق مقرر کیا گیا جو دوسرے میں نہیں مقرر کیا گیا تا کہ انسان ایک شہر سے دوسرے شہر تک تجارت کر کے اپنی معاش کا انتظام کر سکیں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روٹی کا ایک حصہ زمین کے لیے مقرر کیا اور جو کا ایک حصہ کے لیے اور مچھلی کو ایک حصہ کے لیے اور اسی طرح تمام انسانوں کی روزی ہے۔

"فی اربعة ایام" مراد یہ ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہے اور روزیوں کو مقرر کیا دو دنوں میں یعنی منگل اور بدھ تو یہ اتوار اور سوموار کے ساتھ مل کر کل چار دن ہو گئے۔ تذکرہ میں آخر کو اوّل پر لوٹایا۔ جیسا کہ تو کہے میں نے گزشتہ کل ایک عورت سے شادی کی اور آج دو سے اور ان دو میں سے ایک وہی ہے جس سے گزشتہ کل شادی کر چکا ہے۔ "سواء للسائلین" ابوجعفر رحمہ اللہ نے "سواء" پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع یعنی "هی سواء" اور یعقوب رحمہ اللہ نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے قول "فی اربعة ایام" کی صفت ہے اور دیگر حضرات نے "سواء" کو مصدر کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔ یعنی "استوت سواء" اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اس کے بارے میں سوال کرنے والوں کے لیے برابر ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں

کہ جو اس بارے میں سوال کرے گا تو اس کا معاملہ اسی طرح برابر ہے نہ اس میں کمی ہے اور نہ زیادتی۔ یہ جواب اس کے لیے ہے جو سوال کرے کہ زمین اور اس کی روزی کتنے دن میں پیدا کیے گئے؟

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ⑪ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ⑫ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ⑬ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ⑭

ترجمہ پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور (اس وقت) دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیج دیا اور ہم نے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور (استراق شیاطین سے) اس کی حفاظت کی یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی پھر اگر (دلائل توحید سن کر بھی) یہ لوگ توحید سے اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر (شرک و کفر کی بدولت) آئی تھی جب کہ ان کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے کسی کو مت پوجو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو یہ منظور ہوتا (کہ کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے) تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اس (توحید) سے بھی منکر ہیں۔

تفسیر ⑪ ...... "ثمّ استویٰ الی السمآء" یعنی آسمان کی تخلیق کا ارادہ کیا۔ "وھی دخان" اور یہ دھواں پانی کے بخارات تھے۔ "فقال لها وللارض ائتیاطوعا او کرها" یعنی جو میں تمہیں حکم دوں وہ کرو جیسے کہا جاتا ہے "ائت ما ھذا الاحسن" یعنی اس اچھے کام کو کر اور طاؤس رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "ائتیا" بمعنی اعطیا ہے۔ یعنی جو بندوں کی مصلحتوں کے لیے میں نے تم میں منافع پیدا کیے ہیں ان کو نکالو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آسمان تو اپنا سورج، چاند اور ستارے طلوع کر اور اے زمین تو اپنی نہریں کھول اور اپنے پھل اور نباتات نکال اور ان دونوں کو کہا کہ جو میں نے حکم دیا ہے اس کو کر گزرو بخوشی ورنہ میں تمہیں اس پر مجبور کر دوں گا حتیٰ کہ تم اس کو بادل نخواستہ کرو گے تو انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ "قالتا اتینا طائعین" یہاں طائعتین نہیں کہا اس لیے کہ اس کے ذریعے آسمانوں و زمینوں اور ان کے اندر کی چیزیں مراد ہیں۔ اس کی اصل عبارت یہ ہوگی "اتینا بما فینا طائعین" (ہم اپنے اندر کی تمام چیزوں کے ساتھ بخوشی یہ کام کریں گے) پھر جب ان کو قول (گفتگو) کے ساتھ متصف کیا ہے تو جمع میں ان کو ذوالعقول کے قائم مقام کر دیا ہے۔

⑫ "فقضاهنّ سبع سموات فی یومین" یعنی ان کو مکمل کیا اور ان کی تخلیق سے فارغ ہوئے۔ "واوحیٰ فی کلّ سماء امرھا" عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہر آسمان میں فرشتے اور سمندر اور برف کے پہاڑ اور ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی اس میں اس کا سورج وچاند اور ستارے پیدا کیے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن اوامر ونواہی کا ارادہ کیا۔ ان کی وحی ہر آسمان کی طرف کردی اور یہ جمعرات اور جمعہ کے دن ہوا۔

"وزینا السمآء الدنیا بمصابیح" اور ستاروں کے ساتھ۔ "وحفظا" اس آسمان کی حفظا کا نصب مصدر کی بناء پر ہے۔ یعنی "حفظناھا بالکواکب حفظا من الشیاطین الذین یسترقون السمع" یعنی ہم نے آسمان کی حفاظت کی ستاروں کے ذریعے، حفاظت کرنا ان شیاطین سے جو بات کو اُچک لیتے تھے۔ "ذٰلک" یہ جو اس کی کاریگری کا ذکر ہوا۔ "تقدیر العزیز" اپنے ملک میں "العلیم" اپنی مخلوق کو۔

⑬ "فان اعرضوا" یعنی یہ مشرکین اس بیان کے بعد ایمان لانے سے "فقل انذرتکم" میں نے تم کو ڈرایا۔ "صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود" یعنی ان جیسی ہلاکت سے اور "صاعقة" ہر چیز میں سے ہلاک کرنے والی۔

⑭ "اذ جآء تھم" یعنی عاد وثمود کے پاس "الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم" اللہ تعالیٰ کے قول "من بین ایدیھم" سے وہ رسول مراد ہیں جو ان کے آباء واجداد کی طرف اس سے پہلے بھیجے گئے تھے۔ "ومن خلفھم" یعنی جو رسول ان کے آباء واجداد کی طرف بھیجے گئے تھے ان کے بعد وہ رسول جو خود ان کی طرف بھیجے گئے جیسے ہود وصالح علیہما السلام۔ پس ضمیر "من بین ایدیھم" میں عاد وثمود کی طرف لوٹ رہی ہے اور "ومن خلفھم" میں "الرسل" کی طرف۔ "ان لا" اس بات کے ساتھ نہ "تعبدوا الاّ اللّٰه قالوا لو شآء ربنا لانزل" ان رسولوں کے بدلے۔ "ملآئکة" یعنی اگر ہمارا رب مخلوق کو دعوت دین دینا چاہتا تو فرشتے اُتارتا۔ "فانا بما ارسلتم به کافرون"

ابوجہل اور قریش کے سرداروں کی میٹنگ

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابوجہل نے اور قریش کے کچھ سرداروں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ہماری سمجھ میں ٹھیک ٹھیک نہیں آتا، کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو شاعری اور کہانت اور جادو سے واقف ہو، وہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کرے، پھر آ کر ہم کو صاف صاف بتائے۔ عقبہ بن ربیعہ بولا: واللہ! میں نے شعر بھی سنے ہیں اور کہانت وسحر کے الفاظ بھی اور مجھے اس سے کچھ واقفیت بھی ہے، اگر اس میں سے کوئی بات ہوئی تو مجھ سے چھپی نہیں رہے گی۔ غرض عتبہ وہاں سے اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم بہتر ہو یا ہاشم، تم بہتر ہو یا عبدالمطلب، تم بہتر ہو یا عبداللہ؟ تم ہمارے معبودوں کو کیوں برا کہتے اور کیوں ہمارے اسلاف کو گمراہ قرار دیتے ہو؟ اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم اپنے جھنڈے تم کو دے دیں گے اور اگر عورت کے خواہش مند ہو تو

قریش کی دس عورتوں سے جن کو تم پسند کرو، تمہارا نکاح کر دیں گے اور اگر تم مال کے طلبگار ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم بھی دولت مند ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد آنے والی نسل بھی۔

عقبہ کہتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ کہہ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا: "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. حم. تنزیل من الرّحمٰن الرّحیم. کتٰبٌ فصّلت ایتہٗ قراٰنًا عربیًّا" آپ نے یہ آیت مثل 'صعقہ عاد و ثمود' تک پڑھی۔ عقبہ نے (ڈر کر) فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کی قسم دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی۔ پھر لوٹ کر سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا، قریش کے پاس نہیں گیا، اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔ یہ بات دیکھ کر ابوجہل نے کہا: اے قریش والو! خدا کی قسم! ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ عتبہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جھک گیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کھانے پر ریجھ گیا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے۔ ذرا اس کے پاس تو چلو۔ قریش والے عتبہ کے پاس گئے اور ابوجہل نے اس سے کہا: عتبہ! خدا کی قسم! ہم کو تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم جو ہمارے پاس نہیں آئے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارا جھکاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہو گیا اور تم ان کے کھانے پر ریجھ گئے۔ اگر تم ضرورت مند ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کھانے سے تم کو بے نیاز کر دے۔ یہ بات سن کر عتبہ کو غصہ آ گیا اور قسم کھا کر کہا: آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وہ بات بھی نہیں کرے گا اور بولا: تم لوگ واقف ہو کہ میں قریش کے اندر بڑے مال دار لوگوں میں سے ہوں۔ بات یہ ہوئی کہ میں ان کے پاس گیا تھا اور ان سے پورے حالات بیان کیے تھے لیکن انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا کہ خدا کی قسم! نہ وہ شعر ہے، نہ کہانت اور نہ جادو (کے الفاظ) پھر عتبہ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ یہ کلام سن کر میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ چپ ہو جائیں۔ تم جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ نہیں کہتا، اس سے مجھے ڈر ہو گیا کہ کہیں تم پر عذاب آ جائے۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ عتبہ بڑا دانش مند سردار تھا۔ قریش کی مجلس میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تنہا مسجد (کعبہ) میں تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے کہا: اے گروہ قریش! کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان سے کچھ گفتگو کروں اور چند باتیں ان کے سامنے رکھوں، شاید وہ ہماری کوئی بات قبول کر لیں اور ہم ان کی وہ بات پوری کر دیں اور وہ پھر ہم سے کچھ تعرض نہ کریں۔

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بڑھتے جا رہے تھے۔ قریش نے کہا: ابوالولید! ایسا ہی کرو، ان کے پاس جاؤ اور بات کرو۔ عتبہ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: میرے بھتیجے! تم جانتے ہو کہ تمہارا کنبہ وسیع ہے اور نسبی لحاظ سے بھی تمہارا ایک خاص مقام ہے لیکن تم نے ایک بری بات کی ہے جس سے قریش کی جماعت میں تم نے پھوٹ ڈال دی اور سب کو بے وقوف قرار دیا اور ان کے معبودوں کی خرابیاں بیان کیں اور ان کے گزشتہ باپ دادا کو کافر بتایا۔ ذرا کان لگا کر میری بات سنو، میں چند چیزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں، تم ان پر غور کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوالولید! کہو کیا باتیں ہیں؟ عتبہ نے کہا: بھتیجے! اگر تم جو کہتے ہو اس سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہے تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے اور اگر سرداری کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور اگر تم کو کچھ دکھائی دیتا ہے (یعنی جنون یا جن کا اثر ہے) تو ہم تمہارا علاج تلاش کریں گے اور ممکن ہے یہ شعر ہوں جو تمہارے سینہ سے اُبلتے ہوں (اور تم ان کو روک نہ سکتے ہو تو اسے بنی مطلب! تم کو اس (شاعری) پر وہ قدرت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ جب عتبہ بات ختم کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوالولید! کیا تم اپنی بات پوری کر چکے؟ عتبہ نے کہا: جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اب میری سنو۔ عتبہ نے کہا: سناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا "بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم. حٰم. تنزیل من الرحمٰن الرّحیم. کتٰبٌ فُصّلت ایتہٗ قرانًا عربیًا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے لٹکائے، ان پر سہارا لگائے خاموشی کے ساتھ کان لگائے سن رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور فرمایا: ابوالولید! یہ تمہاری بات کا جواب ہے۔ عتبہ فوراً اُٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ اہل مجلس میں سے ایک نے دوسرے سے خدا کی قسم کھا کر کہا: ابوالولید! جو خیال لے کر گیا تھا، اس کے خلاف خیال لے کر واپس آ رہا ہے۔ جب عتبہ آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا ابوالولید! کیا خبر لائے؟ عتبہ نے کہا: یہ خبر ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم! میں نے ویسا کلام کبھی نہیں سنا، نہ وہ شعر ہے، نہ جادو، نہ کہانت۔ برادران قریش! میرا کہا مانو، اس شخص کو یونہی چھوڑ دو، جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو، تم کچھ تعرض نہ کرو، اس سے علیحدہ رہو۔ جو بات میں نے اس سے سنی ہے، خدا کی قسم! اس کی کچھ حقیقت ہو کر رہے گی۔ اگر عرب اس پر کامیاب ہو جائیں گے تو تمہارا کام ہو جائے گا اور اگر یہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی، اس کی وجہ سے تم بڑے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔ قریش نے کہا: ابوالولید! واللہ، اس نے تیرے اوپر جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا: میرا تمہارے لیے یہی مشورہ ہے، اب تم جو چاہو کرو۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ⑮ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑯ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑰

ترجمہ: جس کو دیکر (بزعم خودتم) بھیجے گئے ہو پھر وہ جو لوگ عاد کے تھے وہ دنیا میں ناحق کا تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے (آگے جواب ہے کہ) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو

منحوس تھے تا کہ ہم ان کو اس دنیا کی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور ان کو مدد نہ پہنچے گی اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے ان کو (پیغمبر کے ذریعہ سے) رستہ بتلایا سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پس ان کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے پکڑ لیا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے۔

تفسیر ⑮ "فامّا عادٌ فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشدّ منّا قوّۃ" پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے، وہ دُنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے: وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے؟ "فاستکبروا" یعنی بغیر استحقاق کے دوسرے لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنے لگے۔

⑯ "فارسلنا علیھم ریحا صرصرًا" سخت ہوا۔ "من الصرۃ" سے ماخوذ ہے چیخ۔ بعض نے کہا کہ سخت سردی کی ہوا۔ "فی ایام نحسات" حاء کے سکون کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال بارش کا قحط اُٹھائے رکھا اور ان پر لگاتار ہوائیں چلتی رہیں بغیر بارش کے۔ "لنذیقھم عذاب الخزی" ہول اور ذلت والا عذاب۔ "فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الآخرۃ اخزیٰ" سخت اہانت والا۔ "وھم لا ینصرون"

⑰ "واما ثمود فھدیناھم" ہم نے ان کو پکارا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے ہم نے ان کے لیے راستہ واضح کر دیا۔ بعض نے کہا ہم نے ان کے لیے خیر اور شر کا راستہ اختیار کر لیا۔ "فاستحبوا العمی علی الھدیٰ" ان کو اختیار دے دیا، ایمان یا کفر کا۔ "فاخذتھم صاعقۃ العذاب" ہلاک کرنے والا عذاب۔ "الھون" جو ان کو ذلیل ورُسوا کر دینے والا۔ "بما کانوا یکسبون"

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ⑱ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑳ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ㉑ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ㉒ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ㉓

ترجمہ اور ہم نے (اس عذاب سے) ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے اور (ان کو وہ دن بھی یاد دلائیے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کفار) دوزخ کی طرف (جمع کرانے) کے (لیے موقف حساب) میں لائے جائیں گے پھر وہ روکے جائیں گے (تا کہ بقیہ بھی آجائیں یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجاویں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور (اس وقت) وہ لوگ (متعجب

ہو کر) اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ (اعضاء) جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی اور اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو اور (تم) دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں ولیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تم کو برباد کیا پھر تم (ابدی) خسارہ میں پڑ گئے۔

تفسیر ⑱...... "ونجینا الّذین امنوا و کانوا یتقون.

⑲ **ویوم یحشر اعداء اللّٰہ الی النار**" نافع اور یعقوب رحمہما اللہ نے "**نحشر**" نون کے ساتھ اور "**اعداء**" نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء اور اس کے پیش اور شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**اعداء**" کو مرفوع پڑھا ہے۔ یعنی وہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ "**فھم یوزعون**" ہانکے جائیں گے جہنم کی طرف۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے پہلے لوگوں کو روکا جائے گا، پچھلوں کے لیے تاکہ وہ مل جائیں۔

⑳ "**حتّٰی اذا ما جآؤھا**" وہ جہنم پر آجائیں گے۔ "**شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم**" یعنی ان کے چمڑے۔ "**بما کانوا یعملون**" سدی رحمہ اللہ اور جماعت کہتی ہے کہ جلود سے، شرم گاہیں مراد ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے اعضاء ان اعمال کو بیان کریں گے جن کو ان کی زبانوں نے چھپالیا ہوگا۔

㉑ "**وقالوا**" یعنی کفار جو جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ "**لِجُلُوْدِھِمْ لِمَ شَھِدْتُّمْ عَلَیْنَا ط قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ**" یہاں بات پوری ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**وھو خلقکم اوّل مرّۃ**" یہ ان کے اعضاء کا جواب نہیں ہے۔ "**والیہ ترجعون**"

㉒ "**وما کنتم تستترون**" یعنی جو تم ہلکا سمجھتے ہو یہ معنی اکثر اہل علم کے نزدیک ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم بچتے ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم گمان کرتے ہو۔ "**اَنْ یَّشْھَدَ عَلَیْکُمْ سَمْعُکُمْ وَلَآ اَبْصَارُکُمْ وَلَا جُلُوْدُکُمْ وَلٰکِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ**" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیت اللہ کے پاس دو قبیلہ ثقیف کے آدمی اور ایک قریش کا آدمی جمع ہو گئے یا دو قریشی اور ایک ثقفی۔ ان کے پیٹوں پر چربی بہت زیادہ اور دلوں میں سمجھ بہت کم تھی، ان میں سے ایک کہنے لگا کیا تمہارا خیال ہے کہ جو ہم کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سن لیتے ہیں؟ تو دوسرا کہنے لگا اگر ہم بلند آواز سے بولیں تو سن لیتے ہیں اور اگر آہستہ بولیں تو نہیں سنتے تو تیسرا کہنے لگا کہ اگر وہ ہماری بلند آواز کو سن لیتا ہے تو ہماری پوشیدہ آواز کو بھی سن لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**وما کنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم ان اللّٰہ لا یعلم کثیرا مما تعملون**" کہا گیا ہے کہ ثقفی عبد یا لیل تھا اور اس کے دو قریشی ساتھی ربیعہ اور صفوان بن اُمیہ تھے۔

㉓ "وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردا کم" تمہیں ہلاک کردیا یعنی تمہارے اس گمان نے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اکثر اعمال کونہیں جانتے تمہیں ہلاک کردیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہیں آگ میں ڈال دیا ہے۔ "فاصبحتم من الخاسرین" پھران کے مال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

فَإِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ㉔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ. إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ㉕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ㉖ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉗ ذٰلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ㉘ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْأَسْفَلِيْنَ ㉙

ترجمہ سو(اس حالت میں) اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو بھی مقبول نہ ہوگا اور ہم نے (دنیا میں) ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) مقرر کررکھے تھے سوانہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کررکھے تھے اور ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدہ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن وانس (کفار) ہوگزرے ہیں بیشک وہ (سب) بھی خسارہ میں رہے اور یہ کافر (باہم) یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھادیں گے اور ان کو ان کے (ایسے) برے برے کاموں کی سزا دیں گے یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ ان کے لئے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے اور (جب مبتلائے عذاب ہوں گے تو) وہ کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیاطین اور انسان دکھا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہم ان کو اپنے پیروں کے تلے مل ڈالیں تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

تفسیر ㉔ ......"فان یصبروا فالنار مثوی لهم" ان کا ٹھکانہ ہے۔ "وان یستعتبوا" وہ رضا کو طلب کریں اور عتبہ کو تلاش کریں۔ "فماهم من المعتبین" معتب وہ شخص جس کا عتاب قبول کرلیا گیا ہو اور اس نے جو مانگا ہو اس کو قبول کرلیا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے "اعتبنی فلان" یعنی اس نے مجھے ناراض کرنے کے بعد راضی کردیا اور "استعتبه" یعنی میں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ مجھ سے راضی ہوجائے۔

25 "وقضینالھم" یعنی ہم نے بھیجا اور سپرد کیا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تیار کیا اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کا سبب بنایا۔ "قرناء" شیطانوں میں سے نظر رکھنے والے جنہوں نے ان کو گمراہ کردیا۔ "فزینوا لھم ما بین ایدیھم" دُنیا کے معاملہ میں سے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو آخرت پر ترجیح دی۔ "وما خلفھم" آخرت کے معاملہ سے۔ پس انہوں نے اس کو اس کی تکذیب اور بعث کے انکار کی طرف بلایا۔ "وحق علیھم القول فی اُمم" اُمتوں کے ساتھ۔ "قد خلت من قبلھم من الجن والانس انھم کانوا خاسرین"

26 "وقال الّذین کفروا" قریش کے مشرکین میں سے "لاتسمعوا لھٰذا القرآن والغوافیہ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں شوروغل کرو اور وہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے تھے کہ جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے دیکھو تو اس کے مقابلے میں شعرورجزیہ کلمات اور لغو باتیں شروع کردیا کرو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں لغو کرو تالیاں اور سیٹیاں بجا کر۔ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم باتیں زیادہ کرنا شروع کردو، جو وہ کہہ رہے ہوں گے وہ ان پر خلط ملط ہوجائے گا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے سامنے چیخنا شروع کردو۔ "لعلکم تغلبون" محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرأت پر۔

27 "فلنذیقن الّذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینھم اسوأ الّذی" یعنی ان کے برے افعال کی وجہ سے۔ "کانوا یعملون" دُنیا میں اور وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

28 "ذلک" جو میں نے سخت عذاب ذکر کیا۔ "جزاء اعداء اللّٰہ" پھر اس جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "النار" یعنی وہ جزاء آگ ہے۔ "لھم فیھا" یعنی آگ میں "دار الخلد" ایسا رہائشی ٹھکانہ ہے جس سے کہیں اور منتقل نہ ہوسکیں گے۔ "جزآء بما کانوا بآیاتنا یجحدون"

29 "وقال الّذین کفروا" یعنی آگ میں کہیں گے۔ "ربنا ارنا الّذین اضلّانا من الجن والانس" اس سے ان کی مراد ابلیس اور قابیل بن آدم ہیں جس نے اپنے بھائی کو قتل کرکے گناہ کا طریقہ جاری کیا۔ "نجعلھما تحت اقدامنا" آگ میں "لیکونا من الاسفلین" تاکہ وہ دونوں جہنم کے نچلے درجہ میں ہوجائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تاکہ ان دونوں پر ہم سے سخت عذاب ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ 30 نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ 31 نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ 32 وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ 33

(ترجمہ) جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اس پر) مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں

گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبر کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

استقامت سے کیا مراد ہے

تفسیر 30 "ان الّذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثمّ استقاموا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ امر اور نہی پر قائم رہ جائے اور لومڑی کی طرح پینترے نہ بدلے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خالص اللہ کے لیے عمل کرو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرائض کو ادا کرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرائض کی ادائیگی پر ڈٹ جاؤ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم پر ڈٹ جاؤ۔

پس اس کی فرمانبرداری والے کام کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی پر ڈٹ جاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے حتیٰ کہ اللہ کو جا ملو اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معرفت پر ڈٹ جاؤ اور مرتد نہ ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن رحمہ اللہ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو فرماتے "اللّٰھم ربنا فارزقنا الاستقامۃ" اے اللہ! تو ہمارا رب ہے، ہمیں استقامت عطا فرما۔ "تتنزل علیھم الملائکۃ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ موت کے وقت۔ قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنی قبروں سے کھڑے ہوں گے۔ وکیع بن جراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوشخبری تین جگہوں میں ہوگی۔ موت کے وقت اور قبر میں اور بعث کے وقت۔ "ان لا تخافوا" موت سے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اس پر نہ ڈرو جو تم نے آگے آخرت کے لیے بھیجا ہے۔ "ولا تحزنوا" اس پر جو تم نے پیچھے اہل وعیال چھوڑے ہیں کیونکہ ان تمام کے بارے میں ہم تمہارے پیچھے نگران ہیں اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے اپنے گناہوں پر غم نہ کرو اور ڈرو مت کیونکہ میں نے ان کو معاف کر دیا۔ "وابشروا بالجنۃ الّتی کنتم توعدون"

31 "نحن اولیاؤ کم" یہ بات ان کو وہ فرشتے کہیں گے جو ان پر بشارت کے ساتھ اُتریں گے کہ ہم تمہارے دوست، تمہارے مددگار اور تمہارے محبوب ہیں۔ "فی الحیٰوۃ الدّنیا وفی الآخرۃ" یعنی دُنیا و آخرت میں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے کہیں گے کہ ہم تمہارے محافظ ہیں جو تمہارے ساتھ دُنیا میں تھے اور آخرت میں ہم تمہارے اولیاء ہیں، وہ کہیں گے اب ہم تمہارے جنت میں داخل ہونے تک تم سے جدا نہ ہوں گے۔ "ولکم فیھا ماتشتھی

انفسکم" اعزازات اورلذتوں میں سے۔"ولکم فیھا" جنت میں "ماتدعون" جوتم خواہش کرو۔
(㉜۔㉝)......"نزلاً" رزق ہے۔"من غفور رحیم ومن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ" اس کی طاعت کی طرف۔"وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین" ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اس بات کی گواہی کی طرف بلایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ مؤمن ہے جس نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور خود جو بات قبول کی، لوگوں کو بھی اس کی طرف بلایا اور پھر نیک عمل کیے اور کہا "اننی من المسلمین" بے شک میں تو مسلمانوں میں سے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت مؤذنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مؤذن ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور عمل صالحا کہ اذان واقامت کے درمیان دو رکعت پڑھے اور قیس بن حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اذان واقامت کے درمیان نماز ہے۔

ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ یہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا۔ پھر تیسری مرتبہ فرمایا "لمن شاء" جو چاہے اس کے لیے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ سفیان رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے یہی معلوم ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اذان واقامت کے درمیان دعاء رد نہیں کی جاتی۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَکَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ﴿34﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿35﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿36﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿37﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّکَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿38﴾ (آیت سجدہ)

ترجمہ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے تو (اب) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب

کیجئے بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے خوب سننے والا ہے اور منجملہ اس کی (قدرت وتوحید کی) نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے پس تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور صرف اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب وروز اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ (اس سے) ذرا نہیں اکتاتے۔

تفسیر 34 "ولا تستوی الحسنة ولا السیئة" فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا" یہاں صلہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ "ولا تستوی الحسنة والسیئة" یعنی صبر اور غصہ اور بردباری وجہالت اور معافی اور برائی۔ "ادفع بالّتی هی احسن" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ غصہ کے وقت صبر کا حکم دیا اور جہالت کے وقت بردباری کا اور برائی کے وقت معافی کا۔ "فاذا الّذی بینک وبینه عداوة" یعنی جب تو یہ کرے گا تو تیرا دشمن تیرے لیے پست ہوجائے گا اور تو اور تیرا دشمن ایسے ہو جاؤ گے "کانه ولی حمیم" جیسے دوست اور قریبی تعلق دار۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابوسفیان بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ یہ مسلمانوں سے سخت دشمنی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "صھری" مسر ہونے کی وجہ سے نرم ہوگیا۔ پھر جب اسلام لائے تو اسلام کے ولی اور حمایتی ہوگئے۔

35 "وما یلقاها" اور یہ عادت نہیں دیا جاتا ہے۔ یعنی برائی کو اچھائی کے ذریعے دور کرنے کی۔ "الا الّذین صبروا" غصہ کو پینے اور ناپسند چیز کو برداشت کرنے پر۔ "وما یلقها الا ذو حظ عظیم" خیر اور ثواب میں۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حظ عظیم جنت ہے۔ یعنی یہ نہیں دیا جاتا مگر وہ شخص جس کے لیے جنت واجب ہوچکی۔

36 "واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللّٰه انه هو السمیع" آپ کے پناہ طلب کرنے اور آپ کے اقوال کو "العلیم" آپ کے افعال واحوال کو۔

37 "ومن آیاته اللیل والنهار والشمس والقمر لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰه الّذی خلقهن" یہاں "خلقهن" مؤنث ضمیر کے ساتھ اس وجہ سے کہا ہے کہ اس کو جمع مکسر کے طریقہ پر جاری کیا ہے اور یہاں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دینے کے طریقہ پر جاری نہیں کیا۔ "ان کنتم ایاه تعبدون"

38 "فان استکبروا" سجدوں سے۔ "فالّذین عند ربک" یعنی فرشتے۔ "یسبحون له باللیل والنهار وهم لایسأمون" نہ وہ اکتاتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّکَ تَرَی الارضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ 39 اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا

شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٤٠ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ
۝٤١ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝٤٢ مَا يُقَالُ
لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝٤٣

ترجمہ اور منجملہ اس کی (قدرت وتوحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی (پڑی) ہے کہ جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے اس زمین کو زندہ کردیا وہی مردوں کو زندہ کردے گا بیشک ہر چیز پر قادر ہے بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وامان سے (جنت میں) آئے جو جی چاہے کرلو وہ سب تمہارا کیا ہوا دیکھ رہا ہے جو لوگ اس قرآن کا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے انکار کرتے ہیں (ان میں خود تدبیر کی کمی ہے) اور یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ کو وہی باتیں (تکذیب وایذا کی) کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔

تفسیر ㊴ ......"ومن آیاته" اس کی قدرت کے دلائل میں سے۔ "انک تری الارض خاشعة" خشک غبار آلود اس میں کوئی چیز نہ اُگی ہو۔ "فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت ان الّذی احیاها لمحی الموتی انه علٰی کل شیءٍ قدیر"

㊵ "ان الّذین یلحدون فی آیاتنا" ہمارے دلائل میں حق سے اعراض کرتے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تالیاں اور سیٹیاں اور شور وغل کرکے ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضد اور مخالفت کرتے ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "لایخفون علینا افمن یلقٰی فی النّار" اور وہ ابوجہل ہے۔ "خیر ام من یأتی اٰمنا یوم القیامة" کہا گیا ہے کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔ "اعملوا ما شئتم" یہ امر دھمکی اور وعید کا ہے۔ "انه بما تعملون بصیر" جاننے والا ہے۔ پس تم کو اس کی جزاء دے گا۔

㊶ "ان الّذین کفروا بالذکر" قرآن کا "لمّا جآء هم" پھر ذکر کے وصف کو شروع کردیا اور "ان الذین کفروا" کے جواب کو چھوڑ دیا ہے اس تقدیر پر کہ جو لوگ قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے کفر کا بدلہ دیئے جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ اس کی خبر باری تعالیٰ کا وہ قول ہے جو اس کے بعد ہے "اولٰئک ینادون من مکان بعید. وانه لکتاب عزیز" کلبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں معزز ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے۔ پس باطل اس کی طرف راہ نہیں پائے گا۔

㊷"لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه" قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ باطل وہ شیطان ہے جو اس کو تبدیل کرنے یا اس میں کمی وزیادتی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کمی کیے جانے سے محفوظ ہے کہ باطل اس کے سامنے سے آجائے اور زیادتی کیے جانے سے محفوظ ہے کہ باطل اس کے پیچھے سے آجائے اور اس معنی پر باطل کمی اور زیادتی ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تکذیب پہلی کتابوں سے نہیں آئی اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب آئے گی جو اس کو باطل کردے۔"تنزیل من حکیم حمید" پھر ان کی تکذیب پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔

㊸ اور فرمایا"ما یقال لک" تکلیف سے۔"الا ماقد قیل للرسل من قبلک"فرماتے ہیں کہ تحقیق انبیاء اور رسولوں کو بھی آپ علیہ السلام سے پہلے جادوگر کہا گیا۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کو کہا گیا اور ان کی بھی تکذیب کی گئی۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کی گئی۔"انّ ربک لذو مغفرۃ"اس شخص کے لیے جو توبہ کرے اور آپ پر ایمان لائے۔"وذو عقاب الیم"اس شخص کے لیے جو تکذیب پر ڈٹ جائے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ㊹ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ㊺ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ㊻

ترجمہ: اور اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں یہ کیا بات ہے کہ عجمی کتاب اور عربی رسول آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ (بوجہ عدم انتفاع کے ایسے ہیں کہ گویا) کسی بڑی دور جگہ سے بلائے جا رہے ہیں (کہ آواز سنتے ہیں مگر سمجھتے نہ ہوں اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب وہی دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہوا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ پورا عذاب آخرت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے اور جو برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

تفسیر: ㊹"ولو جعلناہ" یعنی ہم اس کتاب کو بنا دیتے ہیں جس کو آپ علیہ السلام لوگوں پر پڑھتے ہیں۔"قرآنا

اعجمیا" لغت عرب کے علاوہ کے ساتھ۔ "لقالوا لو لافصلت آیاتہ" کیوں نہیں بیان کی گئیں اس کی آیات عربی میں تا کہ ہم ان کو سمجھ لیتے۔ "ءَ اعجمی و عربی" یعنی کیا کتاب عجمی ہو اور رسول عربی؟ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ یعنی وہ کہتے جس پر اُتاری گئی ہے وہ عربی ہے اور اُتاری جانے والی کتاب عجمی ہے۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عامر بن حضرمی کے غلام یسار کے پاس آتے جاتے تھے۔ یہ غلام یہودی عجمی یعنی ابوفکیہہ۔ تو مشرکین کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں یسار سکھاتا ہے۔ تو یہ بات سن کر یسار کے آقا نے اس کو مارا کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سکھاتا ہے تو یسار نے کہا کہ وہ مجھے سکھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"قل" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "ھو" یعنی قرآن "للّذین امنوا ھدی و شفاء" دلوں کے لیے اور کہا گیا ہے کہ تکلیفوں سے شفاء ہے۔ "والّذین لا یؤمنون فی آذانھم وقر وھو علیھم عمی" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پس وہ اس سے نفع نہ حاصل کر سکے۔ "اولٰئک ینادون من مکان بعید" یعنی بے شک وہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ شخص جو دور سے پکارا جائے نہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے اور یہ مثال دی گئی ہے کہ وہ جس چیز کے ذریعے نصیحت کیے جاتے ہیں اس سے بہت کم نفع اُٹھاتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایسی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں کہ وہ سن نہیں سکتے۔

45 "ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب فاختلف فیہ" پس اس کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے تھے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی کتاب میں اختلاف کیا۔ "ولولا کلمۃ سبقت من ربّک" قرآن کی تکذیب کرنے والوں سے عذاب مؤخر کرنے میں "لقضی بینھم" ان کے عذاب سے فارغ ہو چکے ہوتے اور ان کو جلدی ہلاک کر دیتے۔ "وانھم لفی شک منہ" آپ علیہ السلام کی سچائی میں۔ "مریب" ان کے لیے شک واقع کرنے والا ہے۔

46 "من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا وما ربّک بظلام للعبید"

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ 47 وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ 48 لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ
الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ 49 وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ 50 وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى
الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ 51 قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ 52 سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي
الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ 53 اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ 54

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک اب کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں (اس عقیدہ کا) کوئی مدعی نہیں اور جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جاویں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں ہر آدمی ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہراساں ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے سو ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتلا دیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے

آیا ہوا اور پھر تم اس کا کر دا نکار تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گردو نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے تو کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کی حقیقت کی شہادت کے لئے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

تفسیر ۴۷ "الیه یُرد علم الساعة" یعنی جب قیامت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس کا علم اسی کی طرف لوٹایا جائے گا کہ اس کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا۔ "وما تخرج من ثمرات من اکمامها" اہل مدینہ اور اہل شام اور حفص رحمہم اللہ نے "ثمرات" جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "ثمرة" مفرد کا صیغہ پڑھا ہے۔ "من اکمامها" ان کے خوشوں سے۔ اس کا واحد "کُم" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے پھل کا خوشہ مراد ہے، کھلنے سے پہلے۔ "وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمه" مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ فرماتے ہیں کہ اسی کی طرف قیامت کا علم لوٹایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف پھلوں اور ان کے نتیجے کا علم لوٹایا جاتا ہے۔ "ویوم ینادیهم" اللہ تعالیٰ مشرکین کو آواز دیں گے۔ "این شرکائی" جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں۔ "قالوا" یعنی مشرکین "آذنّاک" ہم نے آپ کو بتادیا۔ "ما منّا من شهید" یعنی اس بات پر کوئی گواہ نہیں کہ آپ کا کوئی شریک ہے۔ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو بتوں سے بے زاری ظاہر کریں گے۔

۴۸ ......"وضل عنهم ما کانوا یدعون" وہ عبادت کرتے تھے۔ "من قبل" دُنیا میں۔ "وظنوا" ان کو یقین ہوگیا کہ "مالهم من محیص" بھاگنے کی جگہ۔

۴۹ "لایسأم الانسان" نہیں اکتاتا کافر۔ "من دعآء الخیر" یعنی ہمیشہ وہ اپنے رب سے خیر یعنی مال و دولت اور صحت کا سوال کرتا رہتا ہے۔ "وان مسّه الشر" سختی اور فقر "فیؤوس" اللہ کی روح سے "قنوط" اس کی رحمت سے۔

۵۰ "ولئن اذقناه رحمة منّا" ہم اس کو دیں خیر اور عافیت اور غنا۔ "من بعد ضرّآء مسّته" اس سختی اور مصیبت کے بعد جو اس کو پہنچی تھی۔ "لیقولن هذا لی" یعنی میرے عمل کی وجہ سے اور میں اس کا محبوب ہوں۔ "وما اظن الساعة قائمة ولئن رجعت الی ربّی انّ لی عنده للحسنیٰ" یہ کافر کہے گا مجھے بعث کا کوئی یقین نہیں تھا۔ پس جب معاملہ ایسا ہے اور میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے حسنیٰ یعنی جنت ہوگی۔ یعنی جیسے اس نے مجھے دُنیا میں دیا، عنقریب وہ مجھے آخرت میں بھی دے گا۔

"فلننبّئن الّذین کفروا بما عملوا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برے

اعمال پر واقف کریں گے۔ ''ولنذیقنھم من عذاب غلیظ''

51 ''واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونآ بجانبه واذا مسّه الشر فذوا دعاء عریض'' زیادہ۔ اورعرب طول اورعرض کو کثرت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے اطال فلان الکلام والدعا واعرض، یعنی اس نے زیادہ کلام کی اور زیادہ دُعا کی۔

52 ''قل ارأیتم ان کان'' یہ قرآن ''من عند اللّٰه ثمّ کفرتم به من اضل ممّن هو فی شقاق بعید'' حق کے خلاف اس سے دور یعنی کوئی شخص بھی تم سے زیادہ گمراہ نہیں ہے۔

53 ''سنریهم آیاتنا فی الآفاق'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ گزشتہ اُمتوں کے مکانات۔ ''وفی انفسهم'' آزمائش اور بیماریوں کے ذریعے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فی الآفاق'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو پہلی اُمتوں پر عذاب بھیجے اور ''فی انفسهم'' بدر کے دن اور مجاہد، حسن، سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں ''فی الآفاق'' جن علاقوں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فتح دی۔ ''وفی انفسهم'' فتح مکہ ہے۔ ''حتّی یتبیّن لهم انّه الحق'' یعنی دین اسلام۔ اور کہا گیا ہے کہ قرآن کے بارے میں ان پر واضح ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

اور کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان پر واضح ہوگیا کہ ان کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہے۔ عطاء اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فی الآفاق یعنی آسمان وزمین کے اقطار جیسے سورج، چاند، ستارے، نباتات، درخت اور نہریں۔ ''وفی انفسهم'' اللہ تعالیٰ عمدہ کاریگری اور حکمت کے عجائبات حتیٰ کہ ان پر واضح ہوگیا کہ یہ حق ہے۔ ''اولم یکف بربّک انه علی کلّ شیءٍ شهید'' مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اولم یکف بربک لانه علی کلّ الایة'' اس لیے کہ وہ ہر چیز پر حاضر اور گواہ ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔

54 ''الا انهم فی مریة من لقآء ربهم'' بعث سے شک میں ہیں۔ ''الا انه بکلّ شیءٍ محیط'' ہر چیز کا اس نے اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

❀❀❀

سُوْرَةُ الشُّوریٰ

مکی ہے اور اس کی ترپن (۵۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

ترجمہ: حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر: (①۔②)..... "حم عسق" حسین بن فضل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ "حم عسق" کو لکھنے میں جدا کیوں لکھا جاتا ہے حالانکہ یہ "کھیعص" کو لکھنے میں جدا نہیں کیا جاتا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس لیے کہ یہ سورتیں ایسی ہیں کہ ان کے شروع میں "حم" آتا ہے تو اس کی اس جیسی دوسری صورتوں کے طرز پر جاری کیا گیا ہے۔ پس حم مبتداء ہے اور "عسق" اس کی خبر ہے اور اس لیے کہ یہ دونوں دو آیتیں شمار کی گئی ہیں اور اس جیسے دوسرے مقطعات جیسے "کھیعص" اور "المص" اور "المر" یہ ایک آیت شمار کیے گئے ہیں۔

حروف مقطعات کی تفسیر

اور کہا گیا ہے اس لیے کہ مفسرین رحمہم اللہ کا "کھیعص" اور اس کے ہم مثل کے حروف تہجی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور "حم" میں اختلاف ہے۔ پس بعض حضرات نے اس کو فعل بنایا ہے حروف میں شمار نہیں کیا اور کہا ہے کہ "حم" کا معنی ("قضی ما هو کائن" یعنی جو چیزیں آئندہ ہونے والی ہیں ان کا فیصلہ کر دیا ہے) کیا ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ح اس کا حلم ہے م اس کی مجد (بزرگی) ہے۔ ع اس کا علم س اس کی سناء وہ اور ق سے۔ اس کی قدرت اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی ہے اور شہر بن حوشب اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ح حرب (جنگ) ہے کہ اس قریش کے ذلیل کو عزت دی گئی اور عزت والے کو ذلت دی گئی۔ "م" ملک ہے جو ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف تبدیل ہوتا رہا ہے۔ "ع" قریش کے دشمن جوان کا ارادہ کرتے ہیں۔ "س" سنی برائی جوان میں ہوتی تھیں۔ "ق" اللہ کی قدرت جو اس کی مخلوق میں نافذ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ ہر صاحب کتاب نبی پر "حم عسق" کی وحی کی گئی ہے۔

③ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کذلک یوحی الیک" اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے "یوحی" حاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "اوحینا الیک" ہے۔ "و الی الذین من قبلک" اس قرأت پر اللہ تعالیٰ کا قول "اللّٰہ العزیز الحکیم" فاعل کا بیان ہے۔

گویا کہ سوال کیا گیا کہ وحی کون کرتا ہے تو جواب دیا گیا اللہ العزیز الحکیم۔ اور دیگر حضرات نے "یوحی" حاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ آپ کی طرف اور ان انبیاء علیہم السلام کی طرف جو آپ علیہ السلام سے پہلے تھے۔ اللہ غالب حکمت والا۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مراد غیب کی خبریں ہیں۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦

ترجمہ: اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر (کہ ادھر ہی سے متوجہ ہوتا ہے) پھٹ پڑیں اور (وہ) فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں اللہ ان کو دیکھ بھال رہا ہے اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اور ہم نے اسی طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے تا کہ آپ (سب سے پہلے) مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں ان کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس (کے آنے) میں ذرا شک نہیں ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک دوزخ میں ہوگا۔

تفسیر ④ "له ما فی السموات وما فی الارض وهو العلیّ العظیم۔"

⑤ تکاد السموات یتفطّرن من فوقهن "یعنی ہر آسمان اپنے سے نچلے آسمان کے اوپر پھٹ جائے۔ مشرکین کے قول کی وجہ سے۔ اس کی نظیر سورۃ مریم میں ہے۔ "وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شیئا ادا تکاد السموات یتفطّرن منه. والملائکة یسبحون بحمد ربهم ویستغفرون لمن فی الارض" مؤمنین کے لیے۔ "الا ان اللّٰہ هو الغفور الرّحیم"

⑥ "والّذین اتخذوا من دونه اولیاء اللّٰہ حفیظ علیهم" ان کے اعمال کا نگران ہے اور ان پر شمار کرائے گا تا کہ ان کو اس کا بدلہ دے۔ "وما انت علیهم بو کیل" اللہ نے آپ علیہ السلام کو ان پر نگران نہیں بنایا کہ آپ علیہ السلام سے ان کے بارے میں مؤاخذہ ہو۔

⑦ "وکذلک" اس کی مثل جو ہم نے ذکر کیا۔ "اوحینا الیک قرآنا عربیا لتنذر امّ القریٰ" مکہ کے رہنے والوں کو۔ "ومن حولھا" یعنی تمام زمین کے علاقوں کو۔ "وتنذر یوم الجمع" یعنی تاکہ آپ علیہ السلام ان کو جمع ہونے کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین اور آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع کریں گے۔ "لاریب فیہ" اس جمع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یہ ہو کر رہے گا۔ پھر جمع کے بعد وہ جدا جدا کیے جائیں گے۔ "فریق فی الجنّة و فریق فی السعیر"

یہ کتابیں کون سی تھیں اور ان میں کیا تھا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس گھر سے تشریف لائے، اپنی ہتھیلیوں کو بند کیے ہوئے آپ علیہ السلام کے پاس دو کتابیں تھیں تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو کون سی کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں! اے اللہ کے رسول! یہ کہ آپ خود ہمیں خبر دے دیں تو آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ والی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں جنتیوں اور ان کے آباء واجداد اور قبیلوں کے نام اور ان کی تعداد لکھی ہوئی ہے۔ ان کے اپنے آباء کی پشتوں میں نطفہ بن کر قرار پکڑنے سے پہلے اور ماؤں کے رحموں میں نطفہ کے قرار پکڑنے سے پہلے۔ جب وہ گارے کی شکل میں تھے۔ پس نہ ان میں کوئی زائد ہوگا اور نہ کوئی ان میں سے کم ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن تک کی اجمالی فہرست ہے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ والی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں جہنمیوں اور ان کے آباء واجداد اور قبیلوں کے نام اور ان کی تعداد ہے۔ یہ نام ان کے آباء کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں نطفہ کی شکل میں ٹھہرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں جب وہ گارے کی شکل میں تھے۔

پس ان میں کوئی نام زائد ہوگا اور نہ کوئی کم ہوگا۔ یہ قیامت کے دن تک کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجمالی فہرست ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر عمل کیوں کیا جائے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم عمل کرتے رہو اور سیدھی راہ پر چلو اور قریب ہو جاؤ۔ پس بے شک جنت والوں کے لیے جنتیوں کے اعمال کا خاتمہ لکھا گیا ہے۔ اگرچہ جو عمل بھی کرے اور جہنمی کے لیے جہنمیوں والے عمل کا خاتمہ لکھا گیا ہے۔ اگرچہ جو عمل بھی کرے۔ پھر فرمایا "فریق فی الجنّة" اللہ کے فضل سے۔ "وفریق فی السعیر" اللہ تعالیٰ کے انصاف کی وجہ سے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ⑪

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور (ان) ظالموں کا قیامت کے روز کوئی حامی (مددگار) نہیں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات میں تم (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مواشی کے جوڑے بنائے (اور) اس کے (جوڑے ملانے کے) ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔

تفسیر ⑧ "ولو شاء اللّٰہ لجعلھم امۃ واحدۃ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دین پر اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملت اسلام پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "ولو شاء اللّٰہ لجعلھم علی الھدیٰ" ہے۔ "ولکن یدخل من یشآء فی رحمتہ" دین اسلام میں "والظالمون" کافر لوگ "مالھم من ولی" جو ان سے عذاب ہٹائے۔ "ولا نصیر" جو ان کو آگ سے بچائے۔

⑨ "ام اتخذوا" بلکہ ان کافروں نے بنالیا ہے۔ "من دونہ" یعنی اللہ کے سوا۔ "اولیاء فاللّٰہ ھو الولیّ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ علیہ السلام اور آپ کے متبعین کا ولی ہے۔ "وھو یحی الموتٰی وھو علی کل شیءٍ قدیر"

⑩ "وما اختلفتم فیہ من شیءٍ" دین کے معاملہ میں "فحکمہٗ الی اللّٰہ" اس معاملہ میں قیامت کے دن ایسا واضح فیصلہ کریں گے کہ شک زائل ہو جائے گا۔ "ذلکم اللّٰہ" جو باہم اختلاف کرنے والوں کا فیصلہ کرے گا۔ وہی "ربی علیہ توکلت والیہ انیب"

⑪ "فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا" تمہاری تخلیق کی مثل میں سے بیویاں۔ کہا گیا ہے کہ "من انفسکم" اس وجہ سے کہا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ "ومن الانعام ازواجا" مذکر و مؤنث کی اقسام۔ "یذرؤکم" تم کو پیدا کرتا ہے۔ "فیہ" رحم میں۔ اور کہا گیا ہے کہ پیٹ میں اور کہا گیا ہے کہ تخلیق کے اسی طریقہ پر۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نسل در نسل لوگوں اور مویشیوں کو اور کہا گیا ہے کہ فی باء کے معنی میں ہے یعنی "یذرؤکم بہ" (تمہیں اس کے ذریعے پیدا کرتا ہے) اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے "تمہیں نکاح کے ذریعے زیادہ کرتا ہے۔"...... "لیس کمثلہ شیءٌ" مثل صلہ ہے یعنی وہ کسی چیز کی طرح نہیں ہے۔ پس مثل کو تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فان امنوا بمثل ما امنتم بہ" ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ کاف صلہ ہے۔ اصل عبارت یوں بنے گی۔ "لیس مثلہ شیءٌ" (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ "وھو السمیع البصیر"

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫
شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى
وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۚ اَللّٰهُ
يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ
بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ⑭ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑮

ترجمہ اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی امم کو یہ کہا تھا) کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کی ضد اضدی سے باہم متفرق ہوگئے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک (کے لئے مہلت دینے کی) ایک مدت پہلے قرار نہ پاچکتی تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی (مراد اس سے مشرکین عہد نبوی کے ہیں) وہ اس کی طرف سے ایسے (قوی) شک میں پڑے ہیں جس نے (ان کو) تردد میں ڈال رکھا ہے سو آپ اسی طرف (ان کو برابر) بلاتے جائیے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (اس پر) مستقیم رہیے اور ان کی (فاسد) خواہشوں پر نہ چلئے اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل رکھوں اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس میں شک بھی نہیں کہ اسی کے پاس جانا ہے۔

تفسیر ⑫ "له مقاليد السموات والارض" آسمان وزمین میں پوشیدہ رزق کی چابیاں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

بارش اور نباتات "یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر" اس لیے کہ رزق کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ "انّه بکلّ شیء علیم"

13 "شرع لکم من الدین" بیان کیا اور طریقہ جاری کیا تمہارے لیے۔ "ما وصّٰی به نوحا" یہ انبیاء شریعت میں سے پہلے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور ان کو وصیت کی ایک دین کی۔ "والذی اوحینا الیک" قرآن اور شرائع اسلام میں سے "وما وصینا به ابراهیم وموسٰی و عیسٰی" اس آیت کی توجیہ میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال کو حلال کرنا اور حرام کو حرام کرنا مراد ہے اور حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو حرام قرار دینا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کی فرمانبرداری کا اقرار کرنے کی وصیت کی ہے۔ پس یہ اس کا دین ہے جو ان کے لیے مقرر کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ توحید اور شرک سے برأت ظاہر کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "ان اقیموا الدین ولا تتفرّقوا فیه" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو دین اور الفت اور جماعت قائم کرنے کے لیے بھیجا ہے اور فرقہ بندی اور مخالفت کو چھوڑنے کے لیے۔ "کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه" توحید اور بتوں کو چھوڑنے کی طرف۔ پھر فرمایا: "الله یجتبی الیه من یشآء" اپنے دین کے لیے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ "ویهدی الیه من ینیب" اس کی فرمانبرداری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

14 "وما تفرّقوا" یعنی مختلف ادیان کے لوگوں نے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے یعنی اہل کتاب جیسا کہ "سورۃ المنفکین" میں ذکر کیا گیا ہے۔ "وما تفرق الّذین اوتوا الکتاب" الآیہ۔ "الا من بعد ماجاء هم العلم" اس بات کا کہ فرقت گمراہی ہے لیکن پھر بھی انہوں نے یہ کام کیا۔ "بغیا بینهم" سرکشی کی وجہ سے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سرکشی کرتے ہوئے۔ "ولولا کلمة سبقت من ربّک" ان سے عذاب کو مؤخر کرنے میں۔ "الی اجل مسمی" اور وہ قیامت کا دن ہے۔ "لقضی بینهم" ایمان لانے والوں اور کافروں کے درمیان یعنی دُنیا میں مکذبین پر عذاب اُتار دیا جاتا۔

"وان الذین اورثوا الکتاب" یعنی یہود و نصاریٰ۔ "من بعدهم" ان کے انبیاء علیہم السلام کے بعد اور کہا گیا ہے کہ گزشتہ اُمتوں کے بعد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین مکہ سے پہلے۔ "لفی شک منه مریب" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

15 "فلذلک فادع" یعنی اس کی طرف جیسا کہ کہا جاتا ہے دعوت الی فلان ولفلان۔ یعنی میں نے فلاں اور فلاں کی طرف دعوت دی اور یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو انبیاء علیہم السلام کو توحید کی وصیت کی گئی تھی۔

"واستقم کما امرت" یعنی اس دین پر ثابت قدم رہیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ "ولا تتبع اهواء هم وقل آمنت بما انزل الله من کتاب" یعنی میں اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان لاتا ہوں۔ "وامرت لاعدل بینکم" اس کا کہ

تمہارے درمیان انصاف کروں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم پر اللہ نے جو احکام فرض کیے ہیں اس سے زیادہ نہ کروں اور کہا گیا ہے کہ تا کہ میں تمہارے درمیان تمام حالات اور چیزوں میں انصاف کروں۔ "اللّٰہ ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم" یعنی ہمارا معبود ایک ہے اور اگر ہمارے اعمال مختلف ہوں گے تو ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ "لاحجۃ" کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ "بیننا وبینکم" اس کو قتال کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

پس جب قتال کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور دعوت کا حکم دیا گیا تھا تو آپ علیہ السلام کے اور جو لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہ ہوگا۔ "اللّٰہ یجمع بیننا" معاد میں فیصلہ کرنے کے لیے۔ "والیہ المصیر"

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ⑯ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ⑰ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ⑱ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ⑲

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (دین کے) بارہ میں (مسلمانوں سے) جھگڑے نکالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب (واقع ہونے والا) ہے اور ان کے لئے (قیامت کو) سخت عذاب (ہونے والا) ہے اللہ ہی ہے جس نے (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور انصاف کو نازل فرمایا اور آپ کو (اس کی) کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو مگر جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے اس کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوت والا اور زبردست ہے۔

تفسیر: ⑯ "والّذین یحاجّون فی اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں اس کے نبی علیہ السلام سے جھگڑا کرتے ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ یہود ہیں انہوں نے کہا ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اور ہمارے نبی علیہ السلام بھی تمہارے نبی سے پہلے ہیں تو ہم تم سے بہتر ہیں تو یہ ان کا جھگڑا ہے۔ "من بعد ما استجیب لہ" یعنی لوگوں نے اس کو قبول کیا اور اسلام لے آئے اور آپ علیہ السلام کے دین میں داخل ہوگئے۔ آپ علیہ السلام کے معجزات ظاہر ہونے کی وجہ سے۔ "حجتھم داحضۃ" ان کا جھگڑا باطل ہے۔ "عند ربھم وعلیھم غضب ولھم عذاب شدید" آخرت میں۔

⑰ "اللّٰہ الّذی انزل الکتاب بالحق والمیزان" قتادہ، مجاہد اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ انصاف۔ کے ساتھ۔

عدل کا نام میزان (ترازو) رکھا گیا ہے اس لیے کہ میزان انصاف اور برابری کا آلہ (پیمانہ) ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پوری چیز دینے کا حکم دیا ہے اور کمی کرنے سے روکا ہے۔

"وما یدریک لعل الساعة قریب" یہاں "قریبة" مؤنث نہیں ذکر کیا۔ اس لیے کہ الساعة مؤنث غیر حقیقی ہے اور عبارت کی اصل الوقت قریب ہے اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا آنا قریب ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کا تذکرہ کیا۔ آپ علیہ السلام کے پاس مشرکین کی ایک جماعت بیٹھی تھی تو وہ جھٹلانے کے لیے پوچھنے لگے کب ہوگی قیامت؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

18 "یستعجل بها الذین لا یؤمنون بها" یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ نہیں آئے گی۔ "والذین امنوا مشفقون" یعنی ڈرتے ہیں۔ "منها ویعلمون انها الحق" کہ وہ آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ "الا ان الذین یمارون" جھگڑتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کو شک ہوتا ہے۔ "فی الساعة لفی ضلال بعید"

19 "الله لطیف بعباده" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بڑا مہربان۔ عکرمہ نے کہا بندوں سے بھلائی کرنے والا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لطیف بمعنی نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نیک و گناہ گار پر مہربانی کرنے والا ہے کہ ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو بھوک سے ہلاک نہیں کرتا۔ اس پر قول باری تعالیٰ "یرزق من یشآء" دلالت کرتا ہے اور مؤمن و کافر اور ہر ذی روح جس کو اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں۔ پس وہ ان میں سے جس کو اللہ چاہے تو رزق دے۔ جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رزق میں اللہ تعالیٰ کا لطف دو طریقوں سے ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تیرا رزق پاکیزہ چیزوں میں سے مقرر کیا اور دوسرا یہ کہ یکبارگی تجھے نہیں دے دیا۔ "وهو القوی العزیز"

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ 20 اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 21 تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ 22 ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ 23

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس

کو کچھ دنیا (اگر چاہیں) دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں کیا ان کے کچھ شریک (خدائی) ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرا ہوا) نہ ہوتا تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا (اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ (وبال) ان پر (ضرور) پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں (داخل) ہوں گے وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان کو ملے گی یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے آپ (ان سے) یوں کہیے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔

تفسیر ⑳ "من کان یرید حرث الآخرۃ" حرث کا معنی لغت میں کمائی کرنا۔ یعنی جو شخص اپنے عمل سے آخرت کا ارادہ کرے۔ "نزد لہ فی حرثہ" دوگنا کر کے ایک کے بدلہ میں دس اور اس سے بھی زیادہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہیں۔ "ومن کان یرید حرث الدنیا" اپنے عمل سے دُنیا کا ارادہ کرے۔ "نؤتہ منہا" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہم اس کو اتنی مقدار دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تقسیم کی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: "عجلنا لہ فیہا ما نشآء لمن نرید. وما لہ فی الآخرۃ من نصیب" اس لیے کہ اس نے آخرت کے لیے عمل نہیں کیا۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس اُمت کو بلندی، مدد اور زمین پر قدرت دینے کی بشارت دی گئی ہے۔ پس جو شخص ان میں سے آخرت کے عمل کو دُنیا کے لیے کرے گا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

㉑ "ام لہم شرکاء شرعوا لہم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" یعنی کفار مکہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ان کے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کے لیے اسلام کے علاوہ دین مقرر کیا ہے۔ "ولولا کلمۃ الفصل" اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے درمیان کلمہ فصل کرنے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان سے عذاب قیامت کے دن تک مؤخر کر دیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: "لقضی بینہم" تو ان لوگوں کے عذاب سے فراغت ہو چکی ہوتی جو آپ علیہ السلام کی دُنیا میں تکذیب کرتے ہیں۔ "وان الظالمین" مشرکین "لہم عذاب الیم" آخرت میں۔

㉒ "تری الظالمین" مشرکین کو قیامت کے دن "مشفقین" کانپتے ہوئے۔ "مما کسبوا وھو واقع بہم" ان کے اعمال کی جزاء ان پر واقع ہوگی۔ "والذین امنوا وعملوا الصالحات فی روضات الجنات لہم ما یشاؤن عند ربہم ذلک ہو الفضل الکبیر"

㉓"ذلک الّذی" جو میں نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا۔ "یبشر اللّٰہ عبادہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات" کیوں کہ اس کے اہل ہیں۔ "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ"

الاالمودۃ فی القربیٰ کی تفسیر

طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "الا المودۃ فی القربیٰ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہے کہ قریش کی کوئی ایسی شاخ نہ تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میری اور اپنی رشتہ داری کو ملاؤ۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور اسی طرح شعبی اور طاؤس رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا "الا المودۃ فی القربیٰ" یعنی تم میری قرابت کی حفاظت کرو اور مجھ سے محبت کرو اور میرے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو اور اسی کی طرف مجاہد، قتادہ، عکرمہ، مقاتل، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ گئے ہیں اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں جس چیز کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم میری حفاظت کرو ہماری رشتہ داری کی وجہ سے۔ اور اس طرح نہیں ہے جیسا کہ جھوٹے لوگ کہتے ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی طاعت کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو اور یہی حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ فرماتے ہیں کہ مگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور اس سے محبت کرنا طاعت اور نیک عمل کے ذریعے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مگر یہ کہ تم میرے رشتہ داروں اور اولاد سے محبت کرو اور ان کے بارے میں میری رعایت کرو اور یہی سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب رحمہما اللہ کا قول ہے اور آپ علیہ السلام کی قرابت۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور ان کے بارے میں آیت "انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت" نازل ہوئی ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ آل علی رضی اللہ عنہ، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں ان کا خیال رکھو اور کہا گیا ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کے وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ان میں خمس تقسیم کیا جاتا ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں جو آپ علیہ

السلام سے جاہلیت اور اسلام میں جدا نہیں ہوئے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔
مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور اس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے اور آپ سے صلہ رحمی کا حکم دیا۔ پس جب آپ علیہ السلام نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور انصار نے آپ کو ٹھکانہ دیا اور آپ علیہ السلام کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی کہ آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے بھائی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملا دیں تو فرمایا "**وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین**" تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "**قل ماسألتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی اللّٰه**" تو یہ اس آیت اور اللہ تعالیٰ کے قول "**قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین**" اور اس جیسی دوسری آیات سے منسوخ ہوگئی ہے اور اسی طرف ضحاک بن مزاحم اور حسین بن فضل رحمہما اللہ گئے ہیں۔ اور یہ قول پسندیدہ نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے اقارب کی محبت اور آپ علیہ السلام اور آپ کے اقارب کی تکلیف سے رُکنا اور اللہ کی طاعت سے قرب حاصل کرنا اور نیک عمل کرنا یہ سب دین کے فرائض میں سے ہیں اور یہ اسلاف کے اقوال ہیں تو یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کے منسوخ ہونے کا قول جائز نہیں ہے اور باری تعالیٰ کا قول "**الا المودّة فی القربیٰ**" یہ پہلی کلام کے ساتھ استثناء متصل نہیں ہے کہ یہ ادائیگی رسالت کے مقابلہ میں اجر بن جائے بلکہ یہ استثناء منقطع ہے اور اس کا معنی ہے تاکہ میں تمہیں یاد دلاؤں قریبی رشتہ داروں کی محبت اور تمہیں یاد دلاؤں تمہاری مجھ سے قرابت۔
جیسا کہ ہم نے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے "**اذکر کم اللّٰه فی اهل بیتی**" اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ومن یقترف حسنة نزد له فیها حسنا**" یعنی جو شخص طاعت کرے گا ہم اس کے لیے اس میں اچھائی کو زیادہ کردیں گے، دُگنا کر کے، "**ان اللّٰه غفور**" گناہوں کو "**شکور**" تھوڑی چیز کا حتیٰ کہ اس کو دوگنا کر دیتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿24﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿25﴾

ترجمہ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ (گذشتہ) معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس (سب) کو جانتا ہے۔

تفسیر 24 "**ام یقولون**" بلکہ وہ یعنی کفار مکہ کہتے ہیں۔ "**افتریٰ علی اللّٰه کذبا فان یشأ اللّٰه یختم علی قلبک**" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے دل کو صبر سے باندھ دیتے ہیں تاکہ ان کی تکلیفیں آپ پر گراں نہ ہوں۔ قتادہ

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی آپ کے دل پر مہر لگا دیں گے تو آپ کو قرآن اور جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ بھلا دیتے۔ پس ان کو خبر دی کہ اگر وہ اللہ پر جھوٹ گھڑ لیتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ویسا کرتے جس کی خبر اس آیت میں دی ہے۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا "ویمح اللہ الباطل" کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے "واللہ یمحوا الباطل" پس یہ محل رفع میں ہے لیکن اس سے واؤ لفظوں میں حذف کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ویدع الانسان" اور "سندع الزبانیۃ" سے حذف کیا گیا ہے۔ خبر دی ہے کہ جو وہ کہتے ہیں وہ باطل ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیں گے۔ "ویحق الحق بکلماتہ" یعنی اسلام کو اپنی اُتاری ہوئی کتاب کے ذریعے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ کر دکھایا کہ ان کے باطل کو مٹا دیا اور اسلام کے کلمہ کو بلند کیا۔ "انہ علیم بذات الصدور" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت "قل لا اسألکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" نازل ہوئی تو ایک قوم کے دل میں اس کی وجہ سے کچھ شک پیدا ہو گیا کہ آپ علیہ السلام کی مراد آپ کے بعد ہمیں آپ کے اقارب پر اُبھارنے کی ہے تو جبریل علیہ السلام آئے اور آپ علیہ السلام کو خبر دی کہ انہوں نے آپ پر تہمت لگائی ہے اور یہ آیت نازل کی تو جس قوم نے تہمت لگائی تھی وہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم اس کی گواہی دیں کہ آپ علیہ السلام سچے ہیں؟

توبہ کرنے والوں سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

۲۵ تو نازل ہوا "وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے اس کے اولیاء اور اہل طاعت مراد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ توبہ نیت اور عمل سے گناہوں کو چھوڑنا اور نیت اور عمل سے عبادت پر متوجہ ہونا ہے۔ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توبہ مذموم احوال سے محمود احوال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔ "ویعفوا عن السیئات" جب وہ توبہ کر لیں تو وہ ان سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ حارث بن سوید رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا جو جنگل بیابان میں ہو اس کے ساتھ اس کی سواری ہو، اس پر اس کا کھانا پینا ہو تو وہ کہیں اُتر کر سو گیا، جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری گم ہو چکی تھی تو وہ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہا یہاں تک کہ اس کو سخت پیاس لگی تو وہ کہنے لگا جہاں میری سواری گم ہوئی تھی میں وہاں جا کر مر جاتا ہوں تو وہ لوٹا تو اس کو غشی آ گئی۔ پھر ہوش آیا تو اس کے پاس اس کا کھانا پینا تھا۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے جب وہ توبہ کرے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو تم میں سے کوئی ایک اس وقت خوش ہو جب وہ اپنی سواری پر صحراء میں ہو اور وہ سواری اس سے جدا ہو جائے۔ اس پر اس کا کھانا اور پینا ہو تو وہ اس سے ناامید ہو گیا اور ایک درخت کے پاس آیا اور اس

کے سائے میں لیٹ گیا اور تحقیق وہ اپنی سواری سے نا اُمید ہو چکا تھا۔ پس وہ اسی حالت میں تھا کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی تھی تو اس نے اس کی لگام پکڑ لی۔ پھر خوشی کی انتہا کی وجہ سے کہنے لگا ''اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں'' اس بندہ نے فرط مسرت سے غلطی کر دی۔ ''ویعفوا عن السیئات'' پس وہ اس کو مٹا دے گا جب وہ توبہ کریں گے۔ ''ویعلم ما تفعلون''

حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے ''تفعلون'' تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ مشرکین کو خطاب ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لیے کہ یہ جملہ قوم کے متعلق دو خبروں کے درمیان ہے۔ اس جملہ سے پہلے کہا ''یقبل التوبة عن عبادہ'' اور اس کے بعد کہا ''ویزیدھم من فضلہ''

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر بحالت موجودہ سب بندوں کے لئے روزی بالعموم فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب ہے) (ہر ایک کے لئے) اتارتا ہے وہ اپنے بندوں (کے حال) کو جاننے والا اور (ان کا حال دیکھنے والا ہے)

تفسیر: ۲۶ ''ویستجیب الذین امنوا'' یعنی جو ایمان لائے ان کو جواب دیتا۔ ''وعملوا الصالحات'' جب وہ اس کو پکاریں اور عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''ویثبت الذین امنوا''...... ''ویزیدھم من فضلہ'' ان کے اعمال کے ثواب کے علاوہ اس کے فضل سے اور ابو صالح رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان کے بھائیوں کے حق میں ان کی سفارش قبول کریں گے اور ان کو اپنا فضل زیادہ کریں گے۔ ''والکافرون لھم عذاب شدید''

۲۷ ''ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ'' خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ ہم نے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کے اموال کی طرف نظر کی تو ہم نے اس کی تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ''ولو بسط اللہ الرزق'' اللہ تعالیٰ رزق کو کشادہ کر دیں۔ ''لعبادہ لبغوا'' تو وہ سرکشی کرتے۔ ''فی الارض'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کی سرکشی ان کا ایک گھر کے بعد دوسرا گھر اور ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور لباس کے بعد لباس طلب کرنا ہے۔

''ولکن ینزل'' ان کے رزق۔ ''بقدر ما یشاء'' جیسے چاہتا ہے اپنے بندوں کی طرف نظر کرتے ہوئے اور حکمت کے ساتھ جو اس کی قدرت تقاضا کرتی ہے۔ ''انہ بعبادہ خبیر بصیر''

اولیاء اللہ کی توہین کرنے کا وبال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحوالہ جبرئیل علیہ السلام، باری تعالیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ جو میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے، وہ مجھ سے جنگ کرنے کے لیے میرا مقابلہ کرتا ہے۔ میں اپنے اولیاء (کی حمایت) کے لیے ایسا غضبناک ہوں جیسا غضبناک شیر غضب میں آ جاتا ہے۔ میرا مؤمن بندہ میرا مقرب (اور کسی طریقہ سے) اتنا نہیں ہوتا جتنا میرا مقرر کردہ فریضہ ادا کرنے سے ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ سے میرا مؤمن بندہ برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے کان اور آنکھیں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مددگار بن جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے دُعا کرتا ہے تو میں اس کی دُعا قبول کرتا ہوں اور مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں، اس کے کرنے میں مجھے ایسا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مؤمن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مرنے کو ناگوار جانتا ہو تو مجھے اس کو دُکھ دینا پسند نہیں ہوتا مگر مرنے کے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ نہیں ہوتا (اس لیے قبض روح کی تکلیف اس کو دیتا ہوں) میرے کچھ مؤمن بندے ایسے ہیں جو مجھ سے باب عبادت (کھولنے) کی درخواست کرتے ہیں لیکن میں ان کو اس سے روک دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اندر غرور پیدا ہو جائے اور اس سے ان کی حالت بگڑ جائے۔ میرے کچھ مؤمن بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو صرف مال ہی درست رکھ سکتا ہے، اگر میں ان کو غنی کر دوں تو مال ان کے ایمان کو خراب کرے۔ میرے کچھ مؤمن بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صرف جسمانی تندرستی ہی صحیح رکھ سکتی ہے، اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور کچھ مؤمن بندے ایسے ہیں کہ بیماری ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھ سکتی ہے، اگر میں ان کو تندرست کر دوں تو صحت ان کے ایمان کو خراب کر دے۔ میں اپنے بندوں کے کاموں کا اپنے علم کے مطابق انتظام کرتا ہوں، مجھے ان کے دلوں کی حالت معلوم ہے، میں بخوبی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا
يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ
اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ
الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بسا اوقات مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ (سب

کا) کارساز قابل حمد ہے اور منجملہ اس (کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان (خلائق) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے قادر ہے اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے) پہنچتی ہے) اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے اور تم زمین میں (پناہ لے کر) اس کو ہرا نہیں سکتے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں (ایسے اونچے) جیسے پہاڑ اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جاویں بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر وشاکر (یعنی مومن) کے لئے۔

تفسیر ㉘ "وهو الذی ینزل الغیث" بارش "من بعد ما قنطوا" یعنی لوگوں کے اس سے مایوس ہونے کے بعد۔ اور یہ چیز ان کو شکر کی طرف داعی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ سے سات سال بارش کو روکے رکھا یہاں تک کہ وہ نا اُمید ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت یاد دلائی۔ "وینشر رحمته" اپنی بارش کو برساتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "وهو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته"...... "وهو الولی" اس کی اطاعت کرنے والوں کے لیے۔ "الحمید" اپنی مخلوق کے ہاں۔

㉙ "ومن آیاته خلق السموات والارض وما بث فیهما من دابّة وهو علی جمعهم اذا یشآء قدیر" یعنی قیامت کے دن۔

㉚ "وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم" اہل مدینہ اور اہل شام نے "بما کسبت" بغیر فاء کے پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے۔ پس جس نے فاء کو حذف کیا ہے تو اس نے آیت کے پہلے حصہ کو "الّذی اصابکم بما کسبت ایدیکم" کے معنی میں کیا ہے۔ یعنی جو چیز تم کو پہنچی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے بدلہ میں ہے۔ "ویعفوا عن کثیر" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ لکڑی کی خراش اور قدم کا پھسلنا اور کسی رگ کا پھڑکنا کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں۔ ابوسخیلہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو قرآن کی افضل آیت کی خبر نہ دوں جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا؟ "وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر"

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے علی! عنقریب میں تجھے اس کی تفسیر بتاؤں گا جو تمہیں مرض یا سزا یا آزمائش دُنیا میں آتی ہے۔ تو وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر آخرت میں دوسری مرتبہ عذاب دینے سے بہت بہت معزز ہیں اور جو اللہ تعالیٰ دُنیا میں تمہیں معاف کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہت بڑے بردبار ہیں کہ اس معافی کے بعد دوبارہ مؤاخذہ کریں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندہ کو کوئی ہلکی سی تکلیف یا اس سے اوپر کوئی مصیبت آئے تو وہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس

گناہ کو اس کے بغیر معاف نہیں کرتے یا کوئی اونچا درجہ ہوتا ہے جس تک اس کے بغیر بندہ کو نہیں پہنچاتے۔

㉛ "وما انتم بمعجزین فی الارض" بھاگ کر۔ یعنی تم جہاں بھی ہو مجھے عاجز نہیں کر سکتے اور نہ مجھ سے بھاگ سکتے ہو۔ "وما لکم من دون اللّٰہ من وّلی و لا نصیر"

㉜ "ومن آیاتہ الجوار" یعنی کشتیاں اور اس کا واحد "جاریۃ" اور وہ چلنے والی کشتی "فی البحر کالاعلام" یعنی پہاڑ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا واحد علم ہے اور خلیل بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر بلند چیز عرب کے نزدیک علم ہے۔

㉝ "ان یشأ یسکن الرّیح" جو ان کو چلا رہی ہے۔ "فیضللن" یعنی کشتیاں "رواکد" ٹھہر جائیں۔

"علی ظہرہ" سمندر کی پشت پر کہ چل نہ سکیں۔ "ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور" یعنی ہر مؤمن کے لیے اس لیے کہ مؤمن کی صفت سختی میں صبر کرنا اور نرمی میں شکر کرنا ہے۔

اَوْ یُوْبِقْھُنَّ بِمَا کَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ کَثِیْرٍ ㉞ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ؕ مَالَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ㉟ فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ㊱ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ ㊲ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ㊳ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ㊴

ترجمہ یا ان جہازوں کو ان کے اعمال (بد کفر وغیرہ) کے سبب تباہ کر دے اور (ان میں) بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جاوے اور (اس تباہی کے وقت) ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جاوے کہ (اب) ان کے لئے کہیں بچاؤ نہیں سو جو کچھ تم کو یاد دلایا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور (اجر و ثواب آخرت میں) جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر اور زیادہ پائیدار وہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور ان کا ہر کام (جس میں بالتعیین نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

تفسیر ㉞ "او یوبقھنّ" ان کو ہلاک کر دے اور غرق کر دے۔ "بما کسبوا" ان کے سواروں نے جو گناہ کیے ہیں ان کی وجہ سے۔ "ویعف عن کثیر" ان کے گناہوں میں سے پس ان پر کوئی سزا نہیں دیتا۔

㉟ "ویعلم" اہل مدینہ اور اہل شام نے "ویعلم" میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے استئناف کی بناء پر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول

سورۃ براٰۃ میں ہے "ویتوب اللّٰہ علی من یشآء" اور دیگر حضرات نے نصب (زبر) کے ساتھ پڑھا ہے صرف اور جزم کی بناء پر جب اس کا معطوف اس سے پھیرا جائے تو اس پر نصب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ویعلم الصابرین" اس کو جزم کی حالت سے نصب کی طرف پھیرا گیا ہے استخفاف (ہلکا) کرنے کے لیے اور لگاتار جزم آنے کو ناپسند سمجھنے کی وجہ سے۔

"الذین یجادلون فی آیاتنا مالھم من محیص" یعنی ان لوگوں کو جانتا ہے جو قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جب وہ بعث کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کے لیے کوئی جائے فرار نہ ہوگی۔

36 "فما اوتیتم من شیء" دُنیا کی آسائشوں میں سے "فمتاع الحیٰوۃ الدنیا" یہ آخرت کا سفر خرچ نہیں ہے۔ "وما عند اللّٰہ" ثواب

"خیر وّ ابقی للذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون" اس میں بیان ہے کہ مؤمن و کافر اس بات میں برابر ہیں کہ دُنیا ان کے لیے تھوڑا سا نفع ہے جس دُنیا میں دونوں لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ پس جب دونوں آخرت میں جائیں گے تو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ مؤمن کیلئے بہتر ہے۔

37 "والذین یجتنبون کبائر الاثم" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "کبیر الاثم" پڑھا ہے۔ مفرد کا صیغہ یہاں بھی اور سورۃ النجم میں بھی اور دیگر حضرات نے "کبائر" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور تحقیق ہم کبائر کا معنی سورۃ النساء میں ذکر کر چکے ہیں۔ "والفواحش" سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد زنا ہے۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ گناہ جو حد واجب کرتا ہو۔ "واذا ما غضبوا ھم یغفرون" برداشت کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں۔

38 "الذین استجابوا لربھم" جب وہ ان کو اپنی طاعت کی طرف بلائے تو وہ اس کو لبیک کہتے ہیں۔ "واقاموا الصّلٰوۃ وامرھم شوریٰ بینھم" جو معاملہ پیش آئے باہم مشورہ کرتے ہیں، جلد بازی نہیں کرتے۔ "وممّا رزقناھم ینفقون"

39 "والذین اذا اصابھم البغی" ظلم اور سرکشی "ھم ینتصرون" وہ اپنے ظالم سے انتقام لیتے ہیں لیکن حد سے نہیں بڑھتے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک قسم اپنے ظالم کو معاف کرتی ہے تو ان کے ذکر سے ابتداء کی اور فرمایا

"واذا ما غضبوا ھم یغفرون" اور ایک قسم اپنے ظالم سے انتقام لیتے ہیں اور یہ وہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کے بارے میں کہ وہ لوگ ذلت کو ناپسند کرتے ہیں۔ پس جب قدرت پاتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ مؤمن ہیں جن کو کفار نے مکہ سے نکال دیا۔

اور ان پر سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں قدرت دی حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انتقام کو ذکر کیا اور فرمایا:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿40﴾
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿41﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿42﴾ وَلَمَنْ
صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿43﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ط
وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿44﴾

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر (بعد اجازت انتقام کے) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کا (دنیا میں بھی) کوئی چارہ ساز نہیں اور آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے۔

تفسیر: ﴿40﴾ "وجزاء سيئة سيئة مثلها" بدلہ کو بھی سیئہ کا نام دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سیئہ نہیں ہے اس لیے کہ ان کی صورت ایک جیسی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی زخموں اور خون میں قصاص۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے بری بات کا جواب دینا مراد ہے۔ جب کوئی تجھے کہے اللہ تجھے رسوا کرے تو تو بھی کہہ اللہ تجھے رسوا کرے اور جب تجھے برا بھلا کہے تو تو بھی اسی کی مثل برا بھلا کہہ لیکن حد سے نہ بڑھ۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وجزاء سيئة سيئة مثلها" کی تفسیر کیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی تجھے برا بھلا کہے تو تو اس کو برا بھلا کہہ یا اگر تیرے ساتھ کچھ کیا جائے تو تو بھی ویسا کر۔ پس میں نے ان کے پاس کچھ نہیں پایا تو میں نے ہشام بن حجیرہ رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی شخص زخم لگائے تو اس سے بدلہ لیا جائے گا اور آیت کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تجھے برا بھلا کہے تو تو اس کو برا بھلا کہہ۔ پھر معافی کو ذکر کیا اور فرمایا "فمن عفا" اس کو جس نے اس پر ظلم کیا۔ "واصلح" معافی کے ساتھ اپنے اور ظالم کے درمیان "فاجره على الله" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجر ہو تو وہ کھڑا ہو جائے تو صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے معاف کیا ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی "انه لا يحب الظالمين" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو ظلم کی ابتداء کرتے ہیں۔

41 "ولمن انتصر بعد ظلمه" یعنی ظالم کے اس پر ظلم کرنے کے بعد "فاولئک" یعنی انتقام لینے والے۔ "ما علیهم من سبیل" سزا اور مؤاخذہ کی۔

42 "انما السبیل علی الّذین یظلمون النّاس" ظلم کی ابتداء کرتے ہیں۔ "ویبغون فی الارض بغیر الحق" اس میں نافرمانی والے کام کرتے ہیں۔ "اولئک لهم عذاب الیم"

43 "ولمن صبر و غفر" اور انتقام نہیں لیا۔ "ان ذلک" صبر اور تجاوز کرنا۔ "لمن عزم الامور" حق اور احتیاط والے امور میں سے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے والے کو اس کے صبر کا ثواب دیا جائے گا تو ثواب میں رغبت کرنا زیادہ مکمل عزم ہے۔

44 "ومن یضلل اللّٰه فما له من ولی من بعده" پس اس کے لیے کوئی ایسا نہیں جو اس کو ہدایت دینے کا ولی بنے گا اللہ تعالیٰ کے، اس کو گمراہ کرنے کے بعد یا اس کو عذاب الٰہی سے بچائے۔ "وتری الظالمین لما رأوا العذاب" قیامت کے دن۔ "یقولون هل الی مردّ من سبیل" وہ دُنیا میں لوٹنے کا سوال کریں گے۔

وَتَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ 45 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ 46 اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ 47 فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ 48 لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ 49

ترجمہ: اور (تیز) ان کو اس حالت میں دیکھیں گے جس وقت کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جاویں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے سست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے (آج) قیامت کے روز خسارہ میں پڑے یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک وکافر) لوگ عذاب دائمی میں رہیں گے اور (وہاں) ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو خدا سے الگ ہو کر ان کی مدد کریں اور جس کو خدا گمراہ کردے اس (کی نجات) کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آ

پہنچے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا نہ تم کو اس روز کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی (خدا) سے روک ٹوک کرنے والا ہے پھر اگر یہ لوگ (یہ سن کر بھی) اعتراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا (جس سے آپ کو اپنی باز پرس کا احتمال ہو) آپ کے ذمہ تو صرف حکم کا پہنچا دینا ہے اور ہم جب (اس قسم کے) آدمی کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور ایسے لوگوں پر ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔

تفسیر ㊺ "وتراهم يعرضون عليها" آگ پر "خاشعين" عاجزی، انکساری کے ساتھ۔ "من الذل ينظرون من طرف خفي" جھکی نظروں سے کیونکہ ان پر ذلت ہوگی، وہ چپکے سے آگ پر نگاہ ڈالیں گے ڈرتے ہوئے اور اپنے دل میں ذلت محسوس کرتے ہوئے۔ اور کہا گیا ہے "من" باء کے معنی میں ہے یعنی بطرف خفی ضعیف من الذل۔ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "من طرف خفي" کہا ہے اس لیے کہ وہ اپنی پوری آنکھ نہ کھولے گا صرف تھوڑی آنکھ سے دیکھے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آگ کی طرف اپنے دلوں سے دیکھیں گے۔ اس لیے کہ وہ اندھے ہونے کی حالت میں جمع کیے جائیں گے اور دل سے دیکھنا خفی (ہلکا) ہے۔ "وقال الذين امنوا ان الخاسرين الذين خسروا انفسهم واهليهم يوم القيامة" کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا خسارہ کیا کیوں کہ وہ جہنم اور اپنے اہل کی طرف لوٹے۔ "الا ان الظالمين في عذاب مقيم"

㊻ "وما كان لهم من اولياء ينصرونهم من دون الله ومن يضلل الله فماله من سبيل" دُنیا میں درستگی اور حق تک پہنچنے کا راستہ اور آخرت میں جنت تک پہنچنے کا راستہ، تحقیق ان پر خیر کے راستے بند کر دیئے گئے۔

㊼ "استجيبوا لربكم" اللہ کے داعی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرو۔ "من قبل ان ياتي يوم لا مرد له من الله" قیامت کے دن کوئی شخص اس کے دور کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ "مالكم من ملجا" جس کی طرف تم پناہ حاصل کرو۔ "يومئذ وما لكم من نكير" منکر جو تمہاری حالت کو تبدیل کر دے۔

㊽ "فان اعرضوا" لبیک کہنے سے۔ "فما ارسلناك عليهم حفيظا ان عليك" نہیں ہے آپ پر "الا البلاغ وانا اذا اذقنا الانسان منا رحمة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی غنا اور صحت "فرح بها وان تصبهم سيئة" قحط "بما قدمت ايديهم فان الانسان كفور" یعنی اللہ تعالیٰ کی گزشتہ تمام نعمتوں کا سختی سے انکار کرتا اور بھول جاتا ہے۔

㊾ "لله ملك السموات والارض" اس کے لیے ان میں تصرف کا حق ہے جو بھی ارادہ کرے۔ "يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثا" پس اس کی مذکر اولاد نہیں ہوتی۔ کہا گیا ہے کہ عورت کی برکت میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤنث کا ذکر پہلے کیا ہے۔ "ويهب لمن يشاء الذكور" پس اس کی مؤنث اولاد نہیں ہوتی۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۞ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۞

ترجمہ: یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولا د رکھتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے اور کسی بشر کی (حالت موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے) مگر تین طریق سے یا تو الہام فرماوے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے وہ بڑا عالیشان ہے بڑی حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کر رہے ہیں یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

تفسیر: ㊿ "او یزوّجهم ذکر انا و اناثا" اس کے لیے یہ دونوں جمع ہو جائیں۔ پس اس کی مذکر و مؤنث اولاد ہو۔ "ویجعل من یشآء عقیما" پس اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہے۔ "یهب لمن یشآء اناثا" یعنی لوط علیہ السلام کہ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا، صرف دو بیٹیاں تھیں۔ "ویهب لمن یشآء الذکور" یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ "او یزوّجهم ذکر انا و اناثا" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ علیہ السلام کے بیٹے، بیٹیاں سب تھے۔ "ویجعل من یشآء عقیما" یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اور یہ مثال کے طور پر ہے ورنہ آیت عام ہے تمام لوگوں کے حق میں "انه علیم قدیر"

(51) "وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا" اور یہ اس وجہ سے کہ یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا اگر آپ علیہ السلام نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کلام اور زیارت کیوں نہیں کی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام اور ان کی زیارت کی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "وما کان

لبشر ان یکلمه الله الا وحیا" اس کی طرف وحی کرے نیند میں یا الہام کے ذریعے۔ "او من وراء حجاب" کہ اس کو اپنی کلام سنائے اور اس کو نہ دیکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی۔ "او یرسل رسولا" جبرئیل علیہ السلام یا ان کے علاوہ فرشتوں سے۔ "فیوحی باذنه ما یشاء" یعنی وہ رسول مرسل الیہ کی طرف وحی کرے گا اللہ کی اجازت کے ساتھ جو چاہے۔ نافع رحمہ اللہ نے "او یرسل" لام کی پیش کے ساتھ ابتداء کی بناء پر پڑھا ہے۔ "فیوحی" یاء ساکن کے ساتھ اور دیگر حضرات نے لام اور یاء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ وحی کے محل پر عطف کرتے ہوئے اس لیے کہ اس کا معنی کسی بندہ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام کریں مگر یہ کہ اس کی طرف وحی کریں یا رسول بھیجیں۔ "انه علیّ حکیم"

52 "وکذلک" یعنی جیسے ہم نے اپنے سارے رسولوں کی طرف وحی کی۔ "او حینا الیک روحا من امرنا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبوت اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمت اور سدی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وحی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کتاب اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبریل اور مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی قرآن "ما کنت تدری" وحی سے پہلے۔ "ما الکتاب ولا الایمان" یعنی ایمان کے شرائع اور بڑی علامات۔ محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان سے اس جگہ نماز مراد ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما کان الله لیضیع ایمانکم" ہے، اور اہل اُصول اس بات پر ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وحی سے پہلے مؤمن تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے پہلے دین ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور آپ علیہ السلام کے لیے دین کے شرائع واضح نہ ہوئے تھے۔ "ولکن جعلناه نورا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی ایمان اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی قرآن۔ "نهدی به" ہم راستہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعے۔ "من نشآء من عبادنا وانک لتهدی" یعنی آپ علیہ السلام بلاتے ہیں۔ "الی صراط مستقیم" یعنی اسلام۔

53 "صراط الله الذی له ما فی السموات وما فی الارض الا الی الله تصیر الامور" یعنی مخلوق کے تمام امور آخرت میں اسی کی طرف لوٹیں گے۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُف

مکی ہے اور اس کی نواسی (۸۹) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤

ترجمہ: حٰمٓ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑی رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد (اطاعت) سے گزرنے والے ہو۔

تفسیر: (①۔②)......"حم . والكتاب المبين"اس کتاب کی قسم کھائی ہے جس نے ہدایت کے راستوں کو گمراہی کے راستوں سے واضح کیا اور اُمت جس شریعت کی محتاج ہے اس کو واضح کیا۔

③"انا جعلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون" باری تعالیٰ کا قول "جعلناه" یعنی ہم نے اس کتاب کو عربی بنایا اور کہا گیا ہے کہ ہم نے اس کو بیان کیا اور کہا گیا ہے کہ ہم نے اس کا نام رکھا اور کہا گیا ہے کہ ہم نے اس کی صفت بیان کی ہے۔ کہا جاتا ہے "جعل فلان زيدا اعلم النّاس" یعنی اس نے زید کی یہ صفت بیان کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن اناثا" میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "جعلوا القرآن عضين" میں اور اللہ تعالیٰ کے قول "اجعلتم سقاية الحاج" ان تمام میں جعل وصف اور تسمیہ کے معنی میں ہے۔

④"وانه" یعنی قرآن "فى ام الكتاب" لوح محفوظ میں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اُم الکتاب بمعنی اصل الکتاب ہے اور ہر چیز کی اُم اس کی اصل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ پھر اس کو حکم دیا کہ تو لکھ جن چیزوں کے پیدا کرنے کا باری تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ پس کتاب اس کے پاس ہے۔ پھر پڑھا "وانّه فى ام الكتاب "لدينا" پس قرآن اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں ثابت ہے۔ جیسا کہ کہا "بل هو قرآن مجيد فى لوح محفوظ"......"لعلىّ حكيم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مرتبہ اور شرافت کی خبر دے رہے ہیں۔ یعنی اے اہل

مکہ! کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو۔ پس بے شک وہ ہمارے ہاں بہت بلند معزز باطل سے محکم ہے۔

5 "افنضرب عنکم الذکر صفحا" کہا جاتا ہے "ضربت عنه و اضربت عنه" جب تو اس کو چھوڑ دے اور اس سے رُک جائے اور صفح مصدر ہے ان کے قول صفحت عنہ کا یہ بولا جاتا ہے جب تو اس سے اعراض کرے اور یہ اس کے پھرنے اور تیرے چہرے اور گردن کے پھیرنے کے وقت ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم تم سے وحی کو چھوڑ دیں اور قرآن اُتارنا روک دیں، نہ تمہیں حکم دیں اور نہ تمہیں منع کریں۔ اس وجہ سے کہ تم اپنے کفر میں حد سے بڑھ گئے ہو اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے؟ یہ استفہام بمعنی انکار ہے یعنی ہم ایسا نہ کریں گے اور یہ قتادہ رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اس وقت اُٹھالیا جاتا جس وقت اس اُمت کے پہلے لوگوں نے اس کا انکار کیا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر بیس سال یا اس سے زائد جو اللہ نے چاہا، اس کو بار بار نازل کیا۔

کسائی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ کیا ہم تم سے ذکر کو لپیٹ لیں۔ پس نہ تم دعوت دیئے جاؤ اور نہ نصیحت کیے جاؤ۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا ہم تم کو بیکار چھوڑ دیں نہ تم کو حکم دیں اور نہ نہی کریں۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کیا ہم تم سے اعراض کریں اور تمہیں چھوڑ دیں اور تمہارے کفر پر تمہیں کوئی سزا نہ دیں۔ "ان کنتم قوما مسرفین" اہل مدینہ، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے ہمزہ کی زیر کے ساتھ "اذ کنتم" کے معنی پر پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" ہے اور دیگر حضرات نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ان کنتم مسرفین" کے معنی پر۔ یعنی مشرکین۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاَوَّلِيْنَ ۞6 وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞7 فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۞8 وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۞9 الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞10 وَالَّذِىْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۞11 وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۞12

ترجمہ: اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو پھر ہم نے ان لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاکت و غارت کی) ہو چکی ہے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے (خدا) نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا اس پر آرام کرتے ہو اور اس میں اس نے تمہارے لئے رستے بنائے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو (اس کے

مناسب) زندہ کیا اسی طرح تم (بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

تفسیر ⑥ "وکم ارسلنا من نبی فی الاوّلین"

⑦ وما یاتیھم" یعنی اور نہیں آتا تھا ان کے پاس۔"من نبی الا کانوا به یستھزؤن"جیسا آپ علیہ السلام کی قوم آپ علیہ السلام کا مذاق اُڑاتی ہے۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔

⑧ "فاھلکنا اشد منھم بطشا" یعنی آپ علیہ السلام کی قوم سے بھی زیادہ طاقت ور وہ پہلے لوگ جن کو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا گیا۔"ومضی مثل الاوّلین"یعنی ان کی صفت اور ان کا طریقہ اور ان کی سزا۔پس ان لوگوں کا انجام اسی طرح ہلاک ہے۔

⑨ "ولئن سالتھم" یعنی اپنی قوم سے سوال کرتے۔"من خلق السموات والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم"اور اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ان کا خالق ہے اور اللہ کی عزت وعلم کا اقرار کرتے ہیں۔پھر اس کے غیر کی پوجا کرتے ہیں اور بعث پر اس کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے۔یہاں تک کہ ان کی خبر ختم ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کاریگری پر دلالت کرنے والی چیزوں کی ابتداء کی۔اور فرمایا:

⑩ "الذی جعل لکم الارض مھدا وجعل لکم فیھا سبلا لعلکم تھتدون"سفر میں اپنے مقاصد کی طرف۔

⑪ "والّذی نزل من السمآء ماء بقدر"یعنی تمہاری ضرورت کے مطابق۔اس طرح نہیں جیسے قوم نوح علیہ السلام پر بغیر اندازہ کے اُتارا۔یہاں تک کہ ان کو ہلاک کر دیا۔"فانشرنا"ہم نے زندہ کیا۔"به بلدة میتا کذٰلک"یعنی جس طرح ہم نے اس مُردہ شہر کو بارش کے ذریعہ زندہ کیا۔اسی طرح"تخرجون"اپنی قبروں سے زندہ۔

⑫ "والّذی خلق الازواج کلھا"یعنی تمام قسموں کو۔"وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون"خشکی اور سمندر میں۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ⑬ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ⑭ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑯ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (۱۷) اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱

ترجمہ تاکہ ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو دل سے یاد اور (زبان سے استحباباً) یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر

لیتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے (جو مخلوق ہوتے ہیں) جزو ٹھہرایا واقعی انسان صریح ناشکر ہے کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو (خدا) رحمٰن کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (مراد بیٹی ہے) تو اس قدر ناراض ہو کہ) سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے کیا جو کہ (عادۃً آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں قوت بیانیہ (بھی) نہ رکھے۔

تفسیر 13 "لِتَسْتَوٗا علی ظھورہ" یہاں ضمیر کو ذکر کیا ہے اس لیے کہ اس ضمیر کو "ما" کی طرف لوٹایا ہے۔ "ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ" خشکی اور سمندر میں سواریوں کو قابو میں کرنے کی۔ "وتقولوا سبحان الّذی سخّرلنا ھٰذا" اس کو ہمارے تابع بنایا۔ "وما کنا لہ مقرنین" طاقت رکھنے والے اور کہا گیا ہے کہ ضبط کرنے والے۔

14 "وانا الی ربّنا لمنقلبون" آخرت میں لوٹنے والے ہیں۔ علی بن ربیعہ رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے کہ وہ سوار ہونے لگے۔ جب انہوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا بسم اللہ پھر جب ٹھیک بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ، پھر کہا "سبحان الّذی سخّرلنا ھٰذا وما کنّا لہ مقرنین وانا الی ربّنا لمنقلبون" پھر تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تین مرتبہ تکبیر کہی۔ پھر کہا "لا الٰہ الاّ اللّٰہ ظلمت نفسی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الاّ انت" پھر مسکرائے تو علی بن ربیعہ نے پوچھا کس چیز نے آپ کو ہنسایا اے امیر المؤمنین؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا جیسا میں نے کیا اور آپ علیہ السلام نے بھی یہی کلمات کہے جو میں نے کہے۔ پھر آپ علیہ السلام بھی مسکرائے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام کو کس چیز نے ہنسایا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بندہ یا فرمایا کہ مجھے بندہ پر تعجب ہوا کہ جب وہ کہتا ہے "لا الٰہ الا اللّٰہ ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت" حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی گناہ کو نہیں بخش سکتا۔

15 "وجعلوا لہ من عبادہ جزءً ا" یعنی حصہ اور وہ ان کا قول فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہاں جعل کا معنی کسی چیز کا حکم کرنا ہے۔ جیسا کہ تو کہے "جعلت زیدا افضل النّاس" یعنی میں نے اس کی یہ صفت بیان کی اور اس کا حکم لگایا۔ "ان الانسان" یعنی کافر "لکفور" اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے۔ "مبین" کھلا ناشکرا۔

16 "ام اتخذ مما یخلق بنات" یہ استفہام ڈانٹ اور انکار کے لیے ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے اپنے لیے بیٹیاں بنائی ہیں۔ "واصفاکم بالبنین" یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "افاصفاکم ربکم بالبنین واتخذ من الملائکۃ اناثا" کی طرح ہے۔

17 "واذا بشر احدھم بما ضرب للرّحمٰن مثلا" اس کی جو اللہ کے مشابہ بنایا ہے کیونکہ ہر چیز کی اولاد اس کے مشابہ ہوتی ہے۔ یعنی جب ان میں سے کسی کو بیٹیوں کی خوشخبری دی جاتی ہے جیسا کہ سورۃ النحل میں ذکر کیا گیا ہے۔ "واذا بشر احدھم بالانثٰی"......"ظلّ وجھہ مسودّا وھو کظیم" غصہ اور غم سے۔

⑱"او من ینشا" حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "ینشا" یاء کے پیش اور نون کے زبر اور شین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی پرورش کیا جاتا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کی زبر اور نون کے سکون شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اُگتا اور بڑا ہوتا ہے۔ "فی الحلیۃ" زینت میں یعنی عورتیں۔

"وھو فی الخصام غیر مبین" جھگڑا میں دلیل واضح نہیں کر سکتا اپنی کمزوری اور کم عقلی کی وجہ سے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ ہے کہ بہت کم ایسا ہے کہ جب عورت اپنی دلیل دینے کے لیے گفتگو کرے تو وہ اپنے خلاف ہی دلیل دے بیٹھتی ہے۔ "او من" اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ رفع ابتداء کی وجہ سے۔ نصب اضمار کی وجہ سے اصل عبارت "او من ینشؤا فی الحلیۃ یجعلونہ بنات اللہ" اور جر اللہ تعالیٰ کے قول "مما یخلق" اور "بما ضرب" پر لوٹاتے ہوئے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ⑲ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ⑳ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ㉑ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ㉒ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ㉓

ترجمہ اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں بلا دلیل عورت قرار دے رکھا ہے کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے رستہ چل رہے ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

تفسیر ⑲"وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا" اہل کوفہ اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے "عباد الرحمٰن" باء کے ساتھ اور اس کے بعد الف ہے اور دال کی پیش ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "بل عباد مکرمون" ہے اور دیگر حضرات نے "عند الرحمٰن" نون اور دال کی زبر کے ساتھ ظرف ہونے کی بناء پر پڑھا ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے فرمان "ان الذین عند ربک" کی طرح ہے۔ "اشھدوا خلقھم" اہل مدینہ نے اس کو نائب فاعل پڑھا ہے اور ہمزہ استفہام کے بعد ہمزہ کو لین پڑھا ہے۔ یعنی کیا وہ ان کی تخلیق میں حاضر تھے اور دیگر حضرات نے شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کیا وہ ان کی

تخلیق میں حاضر تھے جب وہ پیدا کیے گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "ام خلقنا الملائکة اناثا وهم شاهدون" کی طرح ہے۔
"ستکتب شهادتهم" فرشتوں پر کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

"ویسئلون" اس کے بارے میں کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ بات کی تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم نے اپنے آباء واجداد سے سنا تھا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ستکتب شهادتهم ویسئلون" اس کے بارے میں آخرت میں۔

۲۰ "وقالوا لو شاء الرّحمٰن ما عبدناهم" یعنی فرشتوں کی۔ اسی بات کو قتادہ، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ نے کہا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی بتوں کی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر جلد سزا نہیں دی کیونکہ وہ ہم سے ان کی عبادت کرنے پر راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مالهم بذلک من علم" جو وہ کہتے ہیں وہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہم سے ان کی عبادت پر راضی ہے۔" اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنی باتوں میں اندازے لگا رہے ہیں۔ "ان هم الا یخرصون" اپنے اس قول میں کہ فرشتے مؤنث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۲۱ "ام اتیناهم کتابا من قبله" یعنی قرآن سے پہلے کہ وہ اللہ کے غیر کی عبادت کریں۔ "فهم به مستمسکون"

۲۲ "بل قالوا انا وجدنا آباء نا علی امّة" دین اور ملت پر۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام پر۔ "وانا علی آثارهم مهتدون" انہوں نے اپنے آپ کو اپنے پہلے آباء کی اتباع پر ہدایت یافتہ بنایا ہے۔

۲۳ "وکذٰلک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الّا قال مترفوها" اس کے مال دار اور سردار "انا وجدنا آباء نا علی اُمة وانا علی آثارهم مقتدون" ان کی۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَ كُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۞ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۞ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۞

ترجمہ: (اس پر) ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آبائی ہی کا اتباع کئے جاؤ گے) اگرچہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچانے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے (براہ عناد) وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس دین کو مانتے نہیں جس کو دیکر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں

(کی عبادت) سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتانے والا رسول آیا اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

تفسیر ㉔ "قال" ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ نے "قال" کو ماضی کا صیغہ اور دیگر حضرات نے "قل" امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ "او لو جئتکم" ابوجعفر رحمہ اللہ نے "جئناکم" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ "باھدیٰ" درست دین۔ "مما وجدتم علیه آباء کم" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ کیا تم اس دین کی پیروی کرو گے جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا۔ اگر چہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لایا ہوں تو انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ "قالوا انا بما ارسلتم به کافرون"

㉕ "فانتقمنا منهم فانظر کیف کان عاقبة المکذبین"

(㉖ ـ ㉗)...... "واذ قال ابراهیم لابیه وقومه اننی براء" یعنی بری ہوں۔ براء کا تثنیہ اور جمع اور مؤنث نہیں آتا کیوں کہ یہ مصدر ہے جس کو صفت کی جگہ رکھا گیا ہے۔ "مما تعبدون الا الذی فطرنی فانه سیهدین" مجھے اپنے دین کے لیے رہنمائی کرے گا۔

㉘ "وجعلها" یعنی اس کلمہ کو "کلمة باقیة فی عقبه" مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی کلمہ توحید اور لا الٰہ الا اللہ ہے کلمہ باقی رہنے والا اس کی عقب یعنی اولاد میں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور توحید کے قائل رہیں گے اور قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اس وصیت کو جو اپنے بنی کو کی باقی رکھا ان کی نسل اور اولاد میں اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "ووصّٰی بها ابراهیم بنیه و یعقوب" ہے۔

اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کا قول "اسلمت لرب العالمین" مراد ہے اور پڑھا "ھو سمّاکم المسلمین" ...... "لعلھم یرجعون" شاید کہ اہل مکہ اس دین کی پیروی کریں اور جس دین پر ہیں اس سے دین ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ آئیں اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاید کہ وہ توبہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف لوٹ آئیں۔

㉙ "بل متّعت ھؤلاء و آباء ھم" یعنی مشرکین دُنیا میں اور میں نے ان کے کفر پر دُنیا میں جلدی ان کو سزا نہیں دی۔ "حتّٰی جآء ھم الحق" یعنی قرآن۔ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق سے اسلام مراد ہے۔ "ورسول مبین" ان کے لیے احکام کو بیان کرے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان احکام کا حق یہ تھا کہ وہ آپ علیہ السلام کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نافرمانی کی۔

㉚ "ولمّا جآء ھم الحق" یعنی قرآن "قالوا ھٰذا سحرو انّا بہ کافرون"

㉛ و قالوا لولا نزّل ھٰذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" اس سے ان کی مراد مکہ میں ولید بن مغیرہ اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ اس کو قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں ابن عبد یالیل ثقفی مراد تھا اور کہا گیا ہے کہ مکہ میں ولید بن مغیرہ اور طائف میں حبیب بن عمرو بن عمیر ثقفی مراد تھا اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ㉜ وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ ㉝ وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِـُٔوْنَ ㉞ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ ㉟

ترجمہ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں دنیوی زندگی میں (تو) ان کو روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس (دنیوی مال و متاع) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات (متوقع) نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور (نیز) زینے بھی جن پر سے چڑھا (اترا) کرتے ہیں اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور (یہی چیزیں سونے کی بھی اور یہ سب (ساز و سامان) کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (پھر فنا آخر فنا) اور آخرت آپ کے رب کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔

تفسیر ㉜ "اھم یقسمون رحمۃ ربّک" یعنی نبوت کو۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کیا ان کے ہاتھوں میں رسالت کی چابیاں ہیں کہ جہاں چاہیں اس کو رکھیں؟

پھر فرمایا "نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا"

پس ہم نے اس کو مال دار اور اس کو فقیر اور اس کو بادشاہ اور اس کو رعایا بنا دیا۔ پس جیسے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی جیسے ہم نے چاہا اسی طرح ہم نے جس کو چاہا رسالت کے لیے چن لیا۔ "ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات" غنا اور مال کے ساتھ۔

"لیتخذ بعضھم بعضا سخریا" تاکہ ان میں سے بعض دوسرے بعض سے خدمت لیں۔ پس مال دار لوگ اپنے مال اور اجرت کے ذریعے فقراء کو کام میں تابع کریں۔ پس ان میں سے بعض دوسرے بعض کے لیے معاش کا سبب ہو جائیں۔ یہ اپنے مال کے ذریعے اور وہ اپنے اعمال (محنتوں) کے ذریعے تو اس سے جہان کا نظام قائم ہوگا۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض اپنے مال کے بدلہ میں دوسرے بعض کی عبودیت اور ملک کے مالک ہوں۔ "ورحمۃ ربّک" یعنی جنت "خیر" ایمان والوں کے لیے۔ "ممّا یجمعون" اس سے جو کفار مال جمع کرتے ہیں۔

㉝ "ولولا ان یکون النّاس امّۃ واحدۃ" یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ کافر ہو جائیں گے اور کفر پر جمع ہو جائیں گے۔ "لجعلنا لمن یکفر بالرّحمٰن لبیوتھم سقفا من فضۃ"

ابن کثیر اور ابوجعفر اور ابوعمرو رحمہم اللہ نے "سقفا" سین کے زبر اور قاف کے سکون کے ساتھ واحد پڑھا ہے اور اس کا معنی جمع کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فخرّ علیھم السقف من فوقھم" کی طرح اور دیگر حضرات نے سین اور قاف کے پیش کے ساتھ جمع پڑھا ہے اور یہ سقف کی جمع ہے "رُھُن" اور "رَھن" کی مثل۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا تیسرا نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سقیف کی جمع ہے اور کہا گیا ہے کہ سقوف کی جمع الجمع ہے۔ "ومعارج" سیڑھیاں چاندی کی۔

"علیھا یظھرون" بلند ہوتے اور چڑھتے۔ کہا جاتا ہے "ظھرت علی السطح" جب تو اس پر بلند ہو جائے۔

㉞ "ولبیوتھم ابوابا" چاندی کے "وسررا" یعنی اور ہم ان کے لیے چاندی کے تخت بناتے۔ "علیھا یتکئون"

㉟ "و زخرفا" یعنی اور البتہ ہم اس کے ساتھ ان کے لیے زخرف یعنی سونے کے بناتے۔ اس کی نظیر "او یکون لک بیت من زخرف" ہے۔ "وان کلّ ذلک لمّا متاع الحیاۃ الدنیا" پس "لما" الا کے معنی میں ہوگا اور دیگر حضرات نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ یہ سب دُنیا کی زندگی کا تھوڑا سا نفع ہے۔ پس اس صورت میں "انْ" ابتداء کے لیے اور "ما" صلہ ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ یہ سب دُنیا کی زندگی کا تھوڑا سا نفع ہے جو ختم ہو جائے گا۔ "والآخرۃ عند ربّک للمتقین" خاص طور پر یعنی جنت۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے وزن کے برابر ہوتی تو کافر کو اللہ تعالیٰ ایک قطرہ پانی بھی نہ پلاتے۔ مستورد بن شداد سے روایت ہے جو بنوفہر کے بھائی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ میں ان سواروں میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مُردہ جانور پر ٹھہرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دیکھتے ہو اس کو کہ اپنے مالکوں پر ذلیل ہوگئی حتیٰ کہ انہوں نے اس کو یہاں ڈال دیا؟ تو انہوں نے عرض کیا اس کی ذلت میں سے یہ ہے کہ انہوں نے اس کو ڈال دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس دُنیا اللہ کے ہاں اس سے زیادہ ذلیل ہے جو یہ اپنے مالکوں پر ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ㊱ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ㊲ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ㊳ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ㊴

ترجمہ اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ ان کو راہ (حق) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (راہ راست) پر ہیں یہاں تک کہ ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق و مغرب کی برابر فاصلہ ہوتا کہ (تو تو) برا ساتھی تھا اور (ان سے کہا جاوے گا کہ) جبکہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیاطین) سب عذاب میں شریک ہو۔

تفسیر ㊱ "ومن یعش عن ذکر الرحمان" یعنی رحمان کے ذکر سے اعراض کرے۔ پس اس کی سزا سے نہ ڈرے اور اس کے ثواب کی اُمید نہ کرے۔ کہا جاتا ہے "عشوت الی النار اعشوا عشوا" جب تو اس کا ارادہ کرے اس کے ذریعے رہنمائی کے لیے اور "عشوت عنها" یعنی میں نے اس سے اعراض کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "عدلت الی فلان" (میں فلاں کی طرف مائل ہوا) "وعدلت عنه" (میں نے اس سے اعراض کیا) قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی پیٹھ کو رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے پھیرتا ہے۔ ابوعبیدہ اور اخفش رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ اس سے پھیر کر ظلم کرتا ہے۔ خلیل بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشو کی اصل کمزور نگاہ سے دیکھنا ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "ومن یعش" کو شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے "عش، یعش، عشیا" جب کوئی نابینا ہو جائے۔ "فهو اعشٰی" اور "امراۃ عشواء"...... "نقیض له شیطانا" یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے "یقیض" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ۔ ہم اس کے لیے ایک شیطان کو سبب بنا دیتے ہیں اور اس کو اس کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ "فهو له قرین" اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے اندھے پن کو مزین کر دیتا ہے اور اس کو یہ خیال دلاتا ہے کہ وہ ہدایت پر ہے۔

㊲ "وانهم" یعنی شیاطین "لیصدونهم عن السبیل" یعنی وہ ان کو ہدایت سے روکیں گے اور ضمیر کو جمع ذکر کیا ہے اس لیے کہ قول باری تعالیٰ "ومن یعش عن ذکر الرّحمٰن نقیض له شیطانا" جمع کی جگہ میں ہے۔ اگرچہ لفظ واحد کے ہیں۔ "ویحسبون انهم مهتدون" اور بنی آدم کے کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

㊳ "حتّٰی اذا جآء نا" ابوبکر رحمہ اللہ کے علاوہ اہل عراق نے "جاء نا" کو واحد کا صیغہ پڑھا ہے، اس سے ان کی مراد کافر ہے اور دیگر حضرات نے "جاء نا" تثنیہ پڑھا ہے۔ انہوں نے کافر اور اس کا قرین مراد لیا ہے کہ ان دونوں کو ایک سلسلہ میں بنایا گیا ہے۔ "قال" کافر اپنے شیطان قرین کو "یالیت بینی وبینک بعد المشرقین" یعنی مشرق و مغرب کے مابین کی دوری۔

پس ان میں سے ایک کے نام کو دوسرے پر غلبہ دیا گیا۔ جیسا کہ سورج و چاند کو قمران کہا جاتا ہے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عُمران۔ اور کہا گیا ہے کہ مشرقین سے سردیوں اور گرمیوں کی مشرق مراد ہے اور پہلا قول اصح ہے۔ "فبئس القرین" ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کافر کو اُٹھایا جائے گا تو اس کے قرین شیطان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ پس وہ اس سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ جہنم تک پہنچ جائے گا۔

39 "ولن ینفعکم الیوم" آخرت میں "اذ ظلمتم" تم نے دُنیا میں شرک کیا۔ "انکم فی العذاب مشترکون" یعنی تم کو عذاب میں مشترک ہونا نفع نہ دے گا اور یہ اشتراک تم سے عذاب کو ہلکا بھی نہ کرے گا۔ اس لیے کہ کفار و شیاطین میں سے ہر ایک کے لیے عذاب کا وافر حصہ ہوگا۔

اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم کو آج کے دن عذر کرنا اور نادم ہونا نفع نہ دے گا۔ پس تم اور تمہارے قرین (ساتھی) آج کے دن عذاب میں مشترک ہو جیسا کہ تم کفر میں مشترک تھے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ 40 فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ 41 اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ 42 فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ 43 وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ 44 وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ 45

ترجمہ: سو کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کہ صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں پس اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو (بھی) دکھلا دیں تب بھی (کچھ بعید نہیں) کیونکہ ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے تو آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے آپ بے شک سیدھے راستہ پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بیشک بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے۔

تفسیر: 40 "افانت تسمع الصم او تھدی العمی ومن کان فی ضلال مبین" یعنی ان کافروں کو جن پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

41 "فامّا نذھبنّ بک" بایں طور کہ ہم آپ علیہ السلام کو موت دے دیں۔ ان کو عذاب دینے سے پہلے۔ "فانّا منھم منتقمون" آپ علیہ السلام کے بعد قتل کے ذریعے۔

42 "او نرینّک" آپ علیہ السلام کی زندگی میں "الّذی وعدناھم" کا "فانا علیھم مقتدرون" قادر ہیں۔ جب ہم چاہیں

ان کو عذاب دیں اور اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں کہ ان سے غزوہ بدر کے دن انتقام لیا اور یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اسلام مراد ہیں اور تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ علیہ السلام کی اُمت میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کا اکرام کیا کہ ان کو دُنیا سے لے گئے اور ان کو اُمت کی صرف وہی چیزیں دکھائیں جو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک دیں اور لڑائیوں کو ان کے بعد کے لیے باقی رکھا اور روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مصائب دکھائے گئے جو آپ علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام کی اُمت کو پہنچنے تھے تو اس لیے آپ علیہ السلام کو کشادگی سے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

㊸ **"فاستمسک بالذی اوحی الیک انک علی صراط مستقیم"**

㊹ **"وانہ"** یعنی قرآن **"لذکرلک"** یعنی اعزاز ہے آپ کے لیے۔ **"ولقومک"** قریش میں سے۔ اس کی نظیر **"لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم"** یعنی تمہارا اعزاز ہے۔ **"وسوف تسئلون"** اس کے حق اور اس کے شکر کو ادا کرنے کے بارے میں۔ ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا جاتا کہ آپ علیہ السلام کے بعد یہ امر کس کے لیے ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام کچھ جواب ارشاد نہ فرماتے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر اس کے بعد جب پوچھا جاتا کس کے لیے یہ ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام فرماتے قریش کے لیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امر ہمیشہ قریش میں باقی رہے گا جب تک دو آدمی بھی باقی ہوں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امر قریش میں ہوگا۔ ان سے اس میں جو شخص دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے منہ کے بل گرا دیں گے جب تک وہ قریش دین کو قائم رکھیں گے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم سے مراد عرب ہیں۔ پس قرآن ان کے لیے اعزاز ہے کہ ان کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ پھر یہ اعزاز عرب میں سے خاص لوگوں کے ساتھ خاص ہوتا گیا حتیٰ کہ اس اعزاز کا اکثر حصہ قریش اور بنی ہاشم کے لیے ہو گیا اور کہا گیا ہے کہ یہ اعزاز آپ علیہ السلام کے لیے اس وجہ سے ہے کہ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور آپ علیہ السلام کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کے لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ہدایت دی اور عنقریب تم سوال کیے جاؤ گے قرآن اور جو تمہیں اس کے حق کے ساتھ قائم ہونا لازم تھا اس کے بارے میں۔

㊺ **"واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الھۃ یعبدون"** ان مسؤلین کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے جن کو رسول بنا کر بھیجا ان رسولوں کو اُٹھایا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آگے آئیں اور ان کو نماز پڑھائیں۔ پھر جب آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام نے کہا **"سَلْ یا محمّد من ارسلنا قبلک من رسلنا"** آیت پڑھی تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نہیں پوچھتا، تحقیق میں نے اکتفاء کرلیا۔ اور یہی زہری، سعید بن جبیر اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لیے رسولوں کو جمع کیا جس رات آپ علیہ السلام کو معراج کرایا گیا اور آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان سے پوچھیں۔ پس آپ علیہ السلام نے شک نہیں کیا اور کچھ نہیں پوچھا اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں سے پوچھیں جن کی طرف میں نے رسولوں کو بھیجا کہ نہیں آئے ان کے پاس رسول مگر توحید لے کر؟ اور یہی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

تمام روایات میں اور مجاہد رحمہ اللہ، قتادہ، ضحاک، سدی، حسن اور مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اس پر عبداللہ اور اُبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ "واسئل الذین ارسلنا الیهم قبلک رسلنا" اور سوال کا حکم دینے کا معنی قریش کے مشرکین کو تقریر کرنا ہے کہ نہ کوئی رسول اور نہ کوئی کتاب ایسی آئی ہے جو اللہ عزوجل کے غیر کی عبادت کا حکم دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝٤٦ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَاهُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝٤٧ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝٤٨ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝٤٩ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَاهُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝٥٠

ترجمہ: ان کی عبادت کی جاوے اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو انہوں نے (ان لوگوں کے پاس آ کر) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہوں پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکایک ان پر ہنسنے لگے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تا کہ وہ (اپنے کفر سے) باز آجاویں اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے ہم ضرور راہ پر آجاویں گے پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا۔

تفسیر ㊻ "ولقد ارسلنا موسٰی بآیاتنا الی فرعون وملائه فقال انی رسول ربّ العالمین.

㊼ فلمّا جآء هم بآیاتنا اذا هم منها یضحکون" استہزاء کرتے ہوئے۔

㊽ "وما نریهم من اٰیة الّا هی اکبر من اختها" اپنی قرین و ساتھی سے جو اس سے پہلے تھی۔ "واخذناهم بالعذاب" قحط، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون اور مٹا دینا۔ پس یہ تمام موسیٰ علیہ السلام کی دلیلیں اور ان کے لیے عذاب تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک اس سے بڑی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ "لعلّهم یرجعون" اپنے کفر سے۔

㊾ "وقالوا" موسیٰ علیہ السلام کو جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا۔ "یا یها الساحر" اے عالم کامل ماہر اور انہوں

نے یہ ان کی تعظیم کے لیے کہا۔ اس لیے کہ جادو ان کے نزدیک بڑا عظمت والا علم اور قابل تعریف صفت تھا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے وہ آدمی جو ہم پر اپنے جادو کے ذریعے غالب آ گیا اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطاب اس وجہ سے کیا کہ اس سے پہلے ان کے سامنے آپ علیہ السلام کو جادوگر کا نام دیا گیا تھا۔ "ادع لنا ربک بما عهد عندک" یعنی جو آپ علیہ السلام نے ہمیں خبر دی کہ اس نے آپ علیہ السلام سے عہد کیا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے عذاب کو دور کردے گا۔ پس آپ علیہ السلام اس سے سوال کریں کہ وہ ہم سے عذاب کو دور کردیں۔ "اننا لمهتدون" مؤمن ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو ان سے عذاب دور کردیا گیا لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔

⑤⓪ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلمّا کشفنا عنهم العذاب اذا هم ینکثون" وہ اپنا عہد توڑتے ہیں اور اپنے کفر پر ڈٹے رہتے ہیں۔

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ⑤① اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیْنُ ⑤② فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِکَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ⑤③ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ⑤④ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ⑤⑤ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ⑤⑥ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ⑤⑦

ترجمہ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی یہ بات کہی کہ اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے (محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو بلکہ میں ہی افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا تو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اس کے جلو میں پرباندھ کر آئے ہوتے غرض اس نے (ایسی باتیں کرکر کے) اپنی قوم کو مغلوب کردیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) شرارت سے بھرے تھے پھر جب ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور پر متقدمین اور نمونہ (عبرت) بنادیا اور جب عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکایک آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلانے لگے۔

تفسیر ⑤① "ونادیٰ فرعون فی قومه قال یا قوم الیس لی ملک مصر و هٰذه الانهار" نیل کی نہریں۔ "تجری من تحتی" میرے محلوں کے نیچے سے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نہریں میرے سامنے میرے باغوں میں چلتی ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے حکم کے ساتھ۔ "افلا تبصرون" میری عظمت اور میری بادشاہت۔

⑤② "ام انا خیر" بلکہ میں بہتر ہوں۔ "ام" بل کے معنی میں ہے اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے قول پر حرف عطف نہیں ہے

اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ام" پر وقف ہے اور اس میں اضمار ہے۔ اس کی اصل عبارت "افلا تبصرون ام تبصرون" ہے۔ پھر ابتداء کی اور کہا "انا خیر من ھذا الذی ھو مھین" کمزور، حقیر یعنی موسیٰ علیہ السلام۔ "ولا یکاد یبین" اپنی زبان کی لکنت کی وجہ سے فصیح کلام نہیں کرسکتا۔

53 "فلولا القی علیہ" اگر وہ سچا ہو۔ "اسورۃ من ذھب" حفص اور یعقوب رحمہما اللہ نے "اسورۃ" سوار کی جمع پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "اساورۃ" پڑھا ہے، "اسورۃ" کی جمع اور یہ جمع الجمع ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ کسی کو سردار بناتے تھے تو اس کو کنگن پہناتے تھے اور گردن میں سونے کے ہار ڈالتے تھے یہ اس کی سرداری کی دلیل ہوتی تھی تو فرعون نے کہا موسیٰ علیہ السلام کے رب نے ان پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے۔ اگر وہ سردار ہیں اور ہم پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ "او جآء معه الملائکة مقترنین" لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے جو اس کی سچائی کی گواہی دیتے اور ان کی مدد کرتے۔

54 "فاستخف قومه" یعنی فرعون نے اپنی قوم قبط کو ہلکا سمجھا یعنی ان کو بڑا جاہل پایا اور کہا گیا ہے کہ ان کو جہالت پر مجبور کردیا۔ کہا جاتا ہے "استخفه عن رایه" جب کوئی کسی کو جہالت پر مجبور کردے اور درستگی سے ہٹادے۔ "فاطاعوه" موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر۔ "انهم کانوا قوما فاسقین"

(55۔56)...... "فلمّا اسفونا" انہوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ "انتقمنا منهم فاغرقنا هم اجمعین، فجعلناهم سلفا" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "سلفا" سین اور لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سلیف کی جمع سلف لام کے پیش کے ساتھ سیلف سے یعنی جو آگے چلا گیا اور دیگر حضرات نے سین اور لام کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے سالف کی جمع جیسے حارس اور حرس، خادم اور خدم، راصد اور رصد۔ اور یہ دونوں اُمتوں میں گزرے ہوئے لوگ جو آگے چلے گئے۔ کہا جاتا ہے سلف یسلف جب وہ گزر جائے اور السلف جو آباء میں سے مقدم ہوچکے، پس ہم نے ان کو بنادیا آگے جانے والے تاکہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ نصیحت حاصل کریں۔ "ومثلاً للآخرین" عبرت اور نصیحت ان کے لیے جو ان کے بعد باقی رہیں اور کہا گیا ہے کہ اس اُمت کے کفار کے لیے جہنم کی طرف سلف اور ان لوگوں کیلئے مثال جو ان کے بعد آئیں گے۔

57 "ولمّا ضرب ابن مریم مثلا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن زبعری کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مجادلہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا قول انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم نازل ہوا اور تحقیق ہم نے اس کو سورۃ انبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا ہے۔

"اذا قومک منه یصدون" اہل مدینہ اور اہل شام اور کسائی رحمہم اللہ نے "یصدون" صاد کے پیش کے ساتھ یعنی وہ اعراض کرتے ہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "یصدون عنک صدودا" ہے اور دیگر حضرات نے صاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کے معنی میں ان کا اختلاف ہے۔ کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دو لغتیں ہیں یعرشون اور یعرشون اور شد علیه یشد اور یشد اور نم بالحدیث ینم اور ینم کی طرح اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے وہ دھاڑتے ہیں اور

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چیختے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کرتے ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واویلا کرتے ہیں۔ "ولمّا ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومک منه یصدون" تو وہ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارادہ ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کو معبود بنالیں جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی۔

وَقَالُوْٓا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿58﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿60﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾

ترجمہ اور (اس معترض کے ساتھ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ ان لوگوں نے جو یہ (مضمون عجیب) بیان کیا ہے تو محض جھگڑے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے اور وہ (یعنی عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس (کی صحت) میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

تفسیر ﴿58﴾ "وقالوا ء الهتنا خیر ام هو" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ام هو" سے ان کی مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کی اطاعت کریں اور ہم ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں گے اور سدی رحمہ اللہ اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام هو سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، وہ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی ہے۔ وہ جہنم میں ہوں گے پس ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام اور فرشتوں کے ساتھ جہنم میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ماضربوه" یعنی اس مثال کو "لک الا جدلا" باطل جھگڑا اور تحقیق وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وما تعبدون من دون الله حصب جهنم" سے مراد ان کے بت ہیں۔ "بل هم قوم خصمون" حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی قوم اس ہدایت کے بعد جس پر وہ ہوں گے گمراہ نہیں ہوتی مگر ان کو جھگڑا دے دیا جاتا ہے۔ پھر پڑھا "ما ضربوه لک الا جدلا بل هم قوم خصمون"

﴿59﴾ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "ان هو" نہیں ہے وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام "الا عبد انعمنا علیه" نبوت کے ساتھ۔ "وجعلناه مثلاً" آیت اور عبرت "لبنی اسرائیل" وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچانیں کہ جو چاہے کرتا ہے کہ ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

﴿60﴾ "ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکة" یعنی اور اگر ہم چاہتے تو ہم تمہیں ہلاک کر دیتے اور تمہارے بدلہ فرشتے بناتے۔ "فی الارض یخلفون" جو تمہارے خلیفہ ہوتے، زمین کو آباد کرتے اور میری عبادت کرتے اور

میری ہی اطاعت کرتے اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے نائب ہوتے۔

61 "وانہ" یعنی عیسیٰ علیہ السلام "لعلم للساعۃ" یعنی ان کا نزول قیامت کی علامات میں سے جس کے ذریعے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہوگا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے "انہ لعلم للساعۃ" لام اور عین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی علامت۔ اور ہم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تم میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، عادل حاکم بن کر صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ مقرر کریں گے اور ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ادیان ہلاک ہو جائیں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ ارض مقدس کی ایک وادی پر اتریں گے اور ان پر دو چادریں ہوں گی اور ان کے سر کے بالوں پر تیل لگا ہوگا اور ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا جس کے ذریعے دجال کو قتل کریں گے۔

پس وہ بیت المقدس تشریف لائیں گے اور لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے۔ پس امام پیچھے ہٹنے لگے گا تو عیسیٰ علیہ السلام کو آگے کر دیں اور اس کے پیچھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے۔ پھر خنزیروں کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور عیسائیوں کے گرجوں کو توڑیں گے اور نصاریٰ کو قتل کریں گے۔ سوائے ان کے جو ان پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت کیسے ہوگے جب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا؟ اور حسن رحمہ اللہ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ "وانہ" یعنی بے شک قرآن "لعلم للساعۃ" قیامت کا علم ہے جو تمہیں قیامت کے قائم ہونے کی تعلیم دے رہا ہے اور تمہیں اس کے احوال اور ہولناکیوں کی خبر دے رہا ہے۔ "فلا تمترن بھا" پس تم اس میں شک نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی تکذیب نہ کرو۔ "واتبعون" توحید پر "ھٰذا" جس پر میں ہوں۔ "صراط مستقیم"

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ 62 وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ 63 اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ 64 فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ 65 هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ 66

ترجمہ: اور تم کو شیطان (اس راہ پر آنے سے) روکنے نہ پائے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور تا کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بیشک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کرو یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے سو مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال لیا سو ان ظالموں کے لئے ایک پر درد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے بس یہ لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آ پڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

تفسیر 62 "ولا یصدنکم" نہ پھیر دے تم کو "الشیطان" اللہ کے دین سے۔ "انہ لکم عدوّ مبین"

63 "ولمّا جآء عیسٰی بالبینات قال قد جئتکم بالحکمۃ" نبوت کے ساتھ۔ "ولا بین لکم بعض الّذی تختلفون فیہ" توریت کے احکام میں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ان فرقوں کا اختلاف جو عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ پر کئی گروہ بن گئے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو عیسٰی علیہ السلام انجیل میں لائے وہ اس کا بعض ہے جس میں ان کا اختلاف ہوا اور انجیل کے علاوہ میں ان کے لیے وہ کچھ بیان کیا گیا جس کی ان کو حاجت تھی۔ "فاتقوا اللّٰہ واطیعون"

64 "ان اللّٰہ ھو ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم

65 فاختلف الاحزاب من بینھم فویل للّذین ظلموا من عذاب یوم الیم.

66 ھل ینظرون" نہیں وہ انتظار کرتے۔ "الاّ الساعۃ" یعنی وہ ان کے پاس آئے گی یقیناً پس گویا کہ وہ اس کا انتظار کررہے ہیں۔ "ان تأتیھم بغتۃ" اچانک "وھم لا یشعرون"

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ 67 یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ 68 اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ 69 اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ 70 یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ 71

ترجمہ تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے (اور مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور ہمارے فرمانبردار تھے تم اور تمہاری (ایماندار) بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاویں ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جاویں گے (یعنی غلمان لاویں گے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔

تفسیر 67 "الا خلاء" دُنیا میں معصیت پر "یومئذ" قیامت کے دن۔ "بعضھم لبعض عدو الا المتقین" مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے باہم محبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طاعت پر ابو اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ دو مؤمن دوست اور دو کافر دوست۔ پس ان مؤمنوں میں سے ایک گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! بے شک فلاں مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا تھا اور خیر کا حکم کرتا اور مجھے شر سے روکتا تھا اور مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملوں گا۔

اے میرے رب! تو اس کو میرے بعد گمراہ نہ کرنا اور اس کو بھی ویسے ہدایت دے جیسے تو نے مجھے ہدایت دی اور اس کا ایسے اعزاز کرنا جیسے تو نے میرا اعزاز کیا۔ پس جب اس کا مؤمن دوست مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جمع کر دیا۔ پھر کہا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی تعریف کرے، پس وہ کہے گا اچھا بھائی ہے اور اچھا دوست اور اچھا ساتھی ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو کافروں میں سے ایک مر جائے گا تو کہے گا اے میرے رب! بے شک فلاں مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا اور مجھے شر کا حکم دیتا تھا اور مجھے خیر سے روکتا تھا اور مجھے خبر دیتا تھا کہ میری تجھ سے ملاقات نہ ہوگی۔ پس وہ کہے گا برا بھائی اور برا دوست اور برا ساتھی ہے۔

㊽ "یا عباد" یعنی پس ان کو کہا جائے گا اے میرے بندو! "لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون" معتمر بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جب لوگ اُٹھائے جائیں گے تو کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو گھبراہٹ نہ ہو، پھر ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا۔ "یا عباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون" پس تمام لوگ اس کی اُمید کریں گے۔ پس اس کے پیچھے چلیں گے۔

㊾ "الّذین اٰمنوا باٰیاتنا و کانوا مسلمین" پس غیر مسلم لوگ اس سے نا اُمید ہو جائیں گے۔

㊿ پھر ان سے کہا جائے گا "ادخلوا الجنّة انتم و ازواجکم تحبرون" خوش ہوتے ہوئے۔

(71) "یطاف علیهم بصحاف" صحفة کی جمع ہے اور وہ وسیع پیالہ کو کہتے ہیں۔ "من ذهب واکواب" کوب کی جمع ہے اور وہ گول برتن جس کے کڑے نہ ہوں۔ "وفیها" یعنی جنت میں۔ "ما تشتهیه الانفس" اہل مدینہ اور اہل شام اور حفص رحمہم اللہ نے "تشتهیه الانفس" پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے اور دیگر حضرات نے هاء کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وتلذّ الاعین وانتم فیها خالدون" عبدالرحمٰن بن سابط رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ کیونکہ مجھے گھوڑے پسند ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دیں گے تو اگر تو یہ چاہے گا کہ تو سبز یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اور وہ تجھے اُڑا کر جس جنت میں تو چاہے لے جائے تو ایسا ہو جائے گا اور ایک بدو نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ کیونکہ میں اونٹوں کو پسند کرتا ہوں تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے بدو! اگر تجھے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دیں تو تو وہاں وہ کچھ پائے گا جو تیرا نفس چاہے گا اور تیری آنکھ لذت لے گی۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿72﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿73﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿74﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ
﴿75﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿76﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا
فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ
﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ اوران سے کہا جاوے گا کہ) یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے اپنے (نیک) اعمال کے عوض میں اور تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے وہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں ہاں کیا انہوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے ہاں کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم اس کی چپکی چپکی باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں آپ کہیئے کہ اگر خدائے رحمان کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔

تفسیر ﴿۷۲﴾ "وتلک الجنة الّتی اورثتموھا بما کنتم تعملون

﴿۷۳﴾ لکم فیھا فاکھة کثیرة ومنھا تاکلون" اور حدیث میں ہے کہ کوئی آدمی جنت کا پھل نہیں توڑے گا مگر اس کی جگہ اس کی مثل اور اُگ آئے گا۔ ﴿۷۴﴾ "ان المجرمین" مشرکین "فی عذاب جھنم خالدون

﴿۷۵﴾ لایفتر عنھم وھم فیه مبلسون ﴿۷۶﴾ وما ظلمناھم ولکن کانوا ھم الظالمین،

﴿۷۷﴾ ونادوا یا مالک" جہنم کے داروغہ کو پکاریں گے۔ "لیقض علینا ربک" چاہیے کہ تیرا رب ہمیں مار دے تو ہم راحت پائیں تو مالک ان کو ایک ہزار سال کے بعد جواب دے گا۔ "قال انکم ماکثون" عذاب میں رہو گے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بے شک جہنمی لوگ مالک کو پکاریں گے۔ پس وہ ان کو چالیس سال جواب نہ دے گا، پھر ان کو جواب دے گا کہ تم ٹھہرنے والے ہو۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم! ان کے مالک کو اور مالک کے رب کو پکارنا ذلیل ہو گیا۔ پھر وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے "ربّنا غلبت علینا شقوتنا وکنّا قوما ضالین ربّنا اخرجنا منھا فان عدنا فان ظالمون" فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے دُنیا کی مقدار دو مرتبہ خاموش رہیں گے۔ پھر ان کو جواب دیں گے تم اس میں دفع ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو، فرمایا اللہ کی قسم! وہ قوم اس کے بعد ایک کلمہ بھی نہ کہہ سکے گی اور صرف جہنم کی آگ میں زفیر و شہیق ہی ہو گی۔ ان کی آوازیں چھوٹے گدھے کی آوازوں کے مشابہ ہوں گی اس کی ابتدائی آواز زفیر اور آخری شہیق ہے۔

78 "لقد جئناکم بالحق" فرماتے ہیں کہ اے قریش کی جماعت! ہم نے تمہاری طرف اپنے رسول کو حق کے ساتھ بھیجا۔ "ولکن اکثرکم للحق کارھون"

79 "ام ابرموا" انہوں نے پختہ کرلیا۔ "امرا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر کرنے میں "فانّا مبرمون" ان کو جزا دینے میں امر کو پختہ کرنے والے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ شر کرتے ہیں تو میں اس کی مثل ان کے ساتھ کروں گا۔

80 "ام یحسبون انا لانسمع سرّھم ونجواھم" جس کو وہ اپنے علاوہ سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور آپس میں اس کی سرگوشی کرتے ہیں۔ "بلٰی" ہم اس کو سنتے اور جانتے ہیں۔ "ورسلنا" حفاظت کرنے والے فرشتوں میں سے۔ "لدیھم یکتبون"

81 "قل ان کان للرحمن ولد فانا اوّل العابدین" یعنی اگر تمہارے گمان کے مطابق رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں پہلا شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا کہ وہ تنہا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اولاد۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "ان کان" یعنی رحمٰن کی اولاد نہیں ہے کہ میں اس کی پہلے عبادت کروں اور وہ اس کے گواہ ہوں۔ انہوں نے "ان" کو جحد (انکار) کے معنی میں کردیا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں پہلا شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ عابدین "آنفینا" کے معنی میں ہے یعنی جو تم نے کہا ہے اس کا پہلا انکار کرنے والا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جو رحمٰن کے لیے غصہ ہوا۔ اس بات سے کہ کہا جائے کہ اس کی اولاد ہے۔ کہا جاتا ہے عبد یعبد جب کوئی بندہ غصہ ہوجائے۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ 82 فَذَرْھُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا
حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَھُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ 83 وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ ط
وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ 84 وَتَبٰرَکَ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَعِنْدَہٗ
عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ 85 وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ
شَھِدَ بِالْحَقِّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ 86 وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَھُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ 87
وَقِیْلِہٖ یٰرَبِّ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ 88 فَاصْفَحْ عَنْھُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ط فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ 89

ترجمہ: آسمان اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے مبریٰ ہے جو یہ (مشرک) لوگ بیان کر رہے ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے اور وہی بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے اور وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس کے لئے آسمان اور زمین کی اور جو

26

مخلوق اس کے درمیان میں ہے اس کی سلطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی (بھی) خبر ہے اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے وہ خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جاتے ہیں اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ان سے بے رخ رہیے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔

تفسیر 82 پھر اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا "سبحان ربّ السموات والارض ربّ العرش عما یصفون" اس سے جو وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ 83 "فذرھم یخوضوا" اپنے باطل میں۔ "ویلعبوا" اپنی دُنیا میں۔ "حتّی یلاقوا یومھم الّذی یوعدون" یعنی قیامت کے دن۔ 84 "وھو الّذی فی السمآء اللہ وفی الارض اللہ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین وآسمان میں اسی کی عبادت کی جاتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ "وھو الحکیم" اپنی مخلوق کی تدبیر میں "العلیم" ان کی ضروریات کو۔ 85 "وتبارک الّذی لہ ملک السموات والارض وما بینھما وعندہ علم الساعۃ والیہ ترجعون" ابن کثیر اور کسائی رحمہما اللہ نے "یرجعون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

86 "ولا یملک الّذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق" اور وہ عیسیٰ، عزیر علیہما السلام اور فرشتے ہیں کیونکہ ان کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی اور ان کے لیے شفاعت ہوگی اور اس صورت پر "من" محل رفع میں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ "من" محل جر میں ہے اور "الّذین یدعون" سے عیسیٰ، عزیر علیہم السلام اور فرشتے مراد ہیں۔ یعنی بے شک وہ سفارش کرنے کے مالک نہ ہوں گے مگر وہ جو حق کی گواہی دے اور پہلا قول اصح ہے اور شہادت حق سے اللہ تعالیٰ کا قول لا الٰہ الا اللہ کلمۂ توحید مراد ہے۔ "وھم یعلمون" اپنے دلوں سے جس کی ان کی زبانیں گواہی دیتی ہیں۔

87 "ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللّٰہ فانّی یؤفکون" اس کی عبادت سے پلٹے جارہے ہو۔

88 "وقیلہ یا ربّ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اپنے رب کو شکایت کرتے ہوئے اے میرے رب! "انّ ھؤلاء قوم لا یؤمنون" عاصم اور حمزہ رحمہما اللہ نے "وقیلہ" لام اور ھاء کی جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر اسی کے پاس قیامت کا علم اور اس کے قول یارب کا علم ہے اور دیگر حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس کا معنی کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی سرگوشی اور پوشیدہ بات نہیں سنتے اور اس کا قول یارب! اور دوسرا "وقال قیلہ"

89 "فاصفح عنھم" آپ علیہ السلام ان سے اعراض کریں۔ "وقل سلام" اس کا معنی چھوڑنے کا سلام ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان...... "فسوف یعلمون" اہل مدینہ اور اہل شام نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتال کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے۔

سُوْرَةُ الدُّخَان

مکی ہے اور اس کی انسٹھ (۵۹) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤

ترجمہ: حم قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ میں نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں ایک برکت والی رات یعنی شب قدر میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم صادر ہو کر طے کیا جاتا ہے

تفسیر: ① "حم ② والكتاب المبين ③ انا انزلناه فی لیلة مبارکة" قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اُم الکتاب سے آسمان دُنیا کی طرف اُتارا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر اُترے اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ شعبان کی پندرہ کی رات ہے۔ قاسم بن محمد اپنے والد یا چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دُنیا کی طرف اُترتے ہیں۔ پس ہر نفس کی مغفرت کرتے ہیں، سوائے اس انسان کے جس کے دل میں بغض ہو یا اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہو۔ "انا كنا منذرين"

④ "فیها" یعنی مبارک رات میں "یفرق" تفصیل کی جاتی ہے۔ "كل امر حكيم" محکم امر کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اُم الکتاب سے لیلۃ القدر میں آئندہ سال میں ہونے والے خیر و شر اور ملنے والے رزق اور لوگوں کی عمریں حتیٰ کہ حج کرنے والوں کا کہ فلاں فلاں حج کرے گا لکھ لیا جاتا ہے۔

حسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان کی لیلۃ القدر میں ہر مدت اور عمل اور پیدائش اور رزق اور جو اس سال میں ہونا ہوتا ہے پختہ کر دیا جاتا ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شعبان کی پندرہ کی رات ہے کہ اس میں سال کا امر پختہ کر دیا جاتا ہے اور زندوں کو مُردوں میں لکھا جاتا ہے۔ پس نہ ان میں کوئی زیادہ کیا جاتا ہے اور نہ کوئی کم کیا جاتا ہے۔

عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شعبان سے

دوسرے شعبان تک کی مدتیں (عمریں) طے کی جاتی ہیں حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مُردوں میں نکل چکا ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہ کی رات کو تمام فیصلے کردیتے ہیں اور لیلۃ القدر میں متعلقہ ارباب کو حوالہ کردیتے ہیں۔

5 "امراً" یعنی ہم نے اُتارا امر کو "من عندنا" فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو اس معنی پر نصب دیا گیا ہے۔ "فیها یفرق کل امر حکیم فرقاً و امرًا" یعنی آپ حکم دیں حکم دینا اس کے بیان کا۔ "انا کنا مرسلین" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام تھے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿6﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿7﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿8﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿9﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿10﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿11﴾

ترجمہ: ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے۔ بے شک وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں مصروف ہیں سو آپ (ان کے لئے) اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جاوے یہ (بھی) ایک دردناک سزا ہے۔

تفسیر 6 "رحمة من ربک" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میری طرف میری مخلوق پر شفقت ہے اور میرا ان پر انعام ہے کہ ان کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں رحمت کے لیے اُتارا۔

"انه هو السمیع العلم 7 رب السموات والارض وما بینهما" اہل کوفہ نے "رب" پر زیر پڑھی ہے اس کو باری تعالیٰ کے قول "من ربک" پر لوٹاتے ہوئے اور دیگر حضرات نے اس کو پیش دی ہے باری تعالیٰ کے قول "هو السمیع العلیم" پر لوٹاتے ہوئے اور کہا گیا ہے کہ ابتداء کی وجہ سے۔ "ان کنتم موقنین" کہ اللہ آسمانوں و زمینوں کا رب ہے۔

8 "لا اله الاّ هو یحیی ویمیت ربکم وربّ اٰبائکم الاوّلین

9 بل هم فی شک" اس قرآن سے۔ "یلعبون" اس کے ساتھ کھیل کود کرتے ہیں۔

10 "فارتقب یوم تأتی السمآء بدخان مبین

11 یغشی النّاس هذا عذاب الیم"

اس کی اصل عبارت "هو عذاب الٰهی" ہے۔یعنی یہ خدا کا عذاب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کے کلام کی حکایت ہو جو اس کے بعد ہے یعنی "یقولون هذا عذاب الیم"

دُخان سے کیا مراد ہے

اس دھویں میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کندہ میں یہ حدیث بیان کررہا تھا کہ قیامت کے دن ایک دھواں آئے گا جو منافقوں کے کانوں اور آنکھوں کو پکڑ لے گا اور مؤمنوں کی زکام کی حالت کی طرح حالت ہوگی تو ہم گھبرا گئے تو میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، آپ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص جانتا ہے وہ کہے اور جو نہیں جانتا وہ کہے اللہ اعلم کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے بارے میں کہے اللہ ورسولہ اعلم کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: "قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلّفین" اور بے شک قریش نے اسلام لانے میں سستی کی تو آپ علیہ السلام نے ان پر بددُعا کی اور کہا اے اللہ! تو میری ان کے خلاف یوسف علیہ السلام کی قحط کی طرح کے قحط کے ذریعے مدد کر تو ان کو قحط نے آ پکڑا حتیٰ کہ وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہوگئے اور مُردار اور ہڈیاں کھانے لگے اور آدمی آسمان وزمین کے درمیان دھویں کی سی حالت دیکھتا تھا تو ابوسفیان آیا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تشریف لائے صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوگئی ہے تو آپ علیہ السلام ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے۔ پھر "فارتقب یوم تاتی السمآء بدخان مبین" سے "انکم عائدون" تک پڑھا۔ کیا بھلا ان سے آخرت کا عذاب دور کیا جائے گا جب وہ آئے گا؟ پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ "یوم نبطش البطشة الکبریٰ" یعنی بدر کے دن۔ "الم غلبت الروم" سے "سیغلبون" تک اور روم تحقیق گزر چکا اور اسی کو اعمش سے روایت کیا گیا ہے۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ⑬
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ يَوْمَ
نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے ان کو (اس سے) کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ (اس کے قبل) ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی دوسرے بشر کا سکھایا ہوا (دیوانہ) ہے ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اسی حالت پر آجاؤ گے جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز ہم (پورا) بدلہ لیں گے۔

تفسیر ⑫ "ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون" پس اس کو کہا گیا اگر ہم ان سے دور کردیں تو وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔ پس آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے دُعا کی، پس ان سے عذاب کو دور کردیا گیا تو وہ کفر کی طرف لوٹے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے بدر کے دن انتقام لیا۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فارتقب یوم تأتی السمآء بدخان مبین" سے "انا منتقمون" تک۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ لزام اور روم اور بطشہ (پکڑ) اور چاند اور دھواں اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ دھواں قیامت کے قائم ہونے سے پہلے آئے گا، ابھی تک نہیں آیا۔ پس کفار اور منافقین کے کانوں میں داخل ہوگیا حتیٰ کہ وہ بھنے ہوئے سر کی طرح ہوگیا اور مؤمن کو اس سے زکام کی کیفیت کی طرح پیش آئے گا اور ساری زمین اس گھر کی طرح ہو جائے گی جس میں آگ جلائی گئی ہو۔

اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ میں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی ابتدائی آیات میں سے دھواں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا اُترنا اور آگ جو عدن سے نکلے گی، لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی، جب وہ دوپہر کا آرام کریں گے تو ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دھواں کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت کی۔ "یوم تأتی السمآء بدخان مبین" مشرق و مغرب کے مابین کو بھر دے گا، چالیس دن ورات رہے گا۔ بہرحال مومن کو صرف زکام کی سی کیفیت ہوگی اور کافر پس وہ نشہ والے شخص کی طرح ہوگا اس کے نتھنوں اور کانوں اور پیچھے سے دھواں نکلے گا۔

⑬ "انّٰی لھم الذکریٰ" کہاں سے ان کے لیے نصیحت حاصل کرنا ہے؟ فرماتے ہیں کہ کیسے وہ نصیحت حاصل کریں گے؟ "وقد جآء ھم رسول مبین" جس کا سچ ظاہر ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

⑭ "ثمّ تولّوا عنہ" اس سے اعراض کیا۔ "وقالوا معلم" یعنی اس کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ "مجنون"

⑮ "انا کاشفوا العذاب" یعنی بھوک کا عذاب۔ "قلیلا" یعنی تھوڑا زمانہ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن تک "انکم عائدون" اپنے کفر کی طرف۔

⑯ "یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ" اور وہ بدر کا دن ہے۔ "انا منتقمون" اور یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکثر علماء رحمہم اللہ کا قول ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن اور یہی بات عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ⑰ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ⑱ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑲ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ⑳ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ㉑ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ㉒ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ㉓ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ㉔ كَمْ

تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور وہ آزمائش یہ تھی کہ) ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے کہ ان اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو میں تمہاری طرف (خدا کا) فرستادہ ہو کر آیا ہوں دیانتدار ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل (اپنی نبوت کی پیش کرتا ہوں اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر (یا غیر پتھر) سے قتل کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جاوے گا وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے (یعنی نہریں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جس میں وہ خوش رہا کرتے تھے۔ چھوڑ گئے۔

تفسیر ﴿۱۷﴾ "ولقد فتنا" ہم نے آزمایا۔ "قبلهم" ان لوگوں سے پہلے "قوم فرعون وجآء هم رسول كريم" اللہ پر اور وہ موسیٰ علیہ السلام بن عمران ہیں۔

﴿۱۸﴾ "ان ادوّا الیّ عباد اللّٰه" یعنی بنی اسرائیل تو ان کو چھوڑ دے اور تکلیفیں نہ دے۔ "انی لکم رسول امین" وحی پر۔

﴿۱۹﴾ "وان لاتعلوا علی اللّٰه" یعنی اس کی فرمانبرداری چھوڑ کر اس پر جبر نہ کرو۔ "انّی آتیکم بسلطان مبین" واضح دلیل میری بات کے سچا ہونے پر۔ پس جب انہوں نے یہ بات کی تو آپ علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔

﴿۲۰﴾ پس موسیٰ علیہ السلام نے کہا "وانی عذت بربیّ وربکم ان ترجمون" یہ کہ تم مجھے قتل کرو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مجھے برا بھلا کہو اور تم کہو کہ وہ جادوگر ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم مجھے پتھر مارو۔

﴿۲۱﴾ "وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون" پس تم مجھے چھوڑ دو نہ میرے ساتھ ہو اور نہ میرے خلاف اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پس تم ہاتھ اور زبان کے ساتھ مجھے تکلیف دینے سے جدا ہو جاؤ۔ پس وہ ایمان نہ لائے۔

﴿۲۲﴾ "فدعا ربّه انّ هؤلاء قوم مجرمون" مشرک ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول کی اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت قوم کو لے جائیں۔

﴿۲۳﴾ "فاسر بعبادی لیلا" یعنی بنی اسرائیل کو۔ "انکم متبعون" تمہارے پیچھے فرعون اور اس کی قوم آئے گی۔

﴿۲۴﴾ "واترک البحر" جب آپ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس کو پار کر لیں۔ "رهواً" اس کی حالت وہیئت پر ساکن اس کو لاٹھی مارنے اور اس میں داخل ہونے کے بعد۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام پانی کو حکم نہ دیں کہ وہ اپنی حالت پر لوٹ آئے۔ آپ علیہ السلام اس کو چھوڑ یہاں تک کہ آل فرعون اس میں داخل ہو جائیں اور رھو کی اصل سکون ہے اور مقاتل رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ آپ علیہ السلام سمندر کو ساکن چھوڑ دیں۔ پس مصدر کے ساتھ نام رکھا ہے۔ اصل ذارھوتھی اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ علیہ السلام اس کے راستے بنے ہوئے چھوڑ دیں۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خشک راستے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پار کرلیا تو ارادہ ہوا کہ سمندر کو عصا (لاٹھی) ماریں تا کہ وہ مل جائے اور یہ خوف ہوا کہ کہیں فرعون اور اس کا لشکر پیچھے نہ آ جائے تو آپ علیہ السلام کو کہا گیا "اترک البحر رھوًاانھم جندٌ مغرقون" موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو غرق کر دیں گے تا کہ اس سمندر کو اس کی حالت پر چھوڑنے میں ان کے دل کا اطمینان ہو جائے۔ پھر وہ ذکر کیا جو انہوں نے مصر میں چھوڑا۔

(25)...... "کم ترکوا" یعنی غرق کے بعد۔ "من جنات وعیون"

26 "وزروع و مقام کریم" "عزت والی جگہ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں معزز عمدہ۔

27 "ونعمة" اور سامان اور پرآسائش زندگی۔ "کانوا فیھا فاکھین" "نازونعم میں میوے کھاتے اکڑتے تھے۔

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ 28 فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ 29 وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ 30 مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ 31 وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ 32 وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ 33 اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ 34 اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ 35 فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 36 اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ 37

ترجمہ (یہ قصہ) اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا نہ تو ان پر آسمان وزمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم وستم) سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش (اور) (حد عبودیت) سے نکل جانے والوں میں سے تھا اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے (بعض امور میں تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے سوائے مسلمانو اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرا کے) لا موجود کرو یہ لوگ (قوت وشوکت میں) زیادہ بڑے ہوئے ہیں یا تبع (شاہ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو (بھی) ہلاک کر ڈالا وہ نافرمان تھے۔

تفسیر 28 "کذلک" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح میں کرتا ہوں اس کے ساتھ جو میری نافرمانی کرے۔ "و اورثناھا قومًا آخرین" یعنی بنی اسرائیل۔

㉙"فما بکت علیھم السمآء و الارض" یہ اس وجہ سے کہا کہ مؤمن جب مرجاتا ہے تو چالیس دن تک اس پر آسمان و زمین روتے ہیں اور یہ مؤمن لوگ اب ان کا کوئی نیک عمل آسمان کی طرف بلند نہ ہوگا تو اس کے فقدان پر آسمان روتا ہے اور زمین پر نیک عمل نہ ہوگا تو زمین اس پر روتی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر بندہ کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ اس سے اس کا رزق نکلتا ہے اور ایک دروازہ اس میں اس بندہ کا عمل داخل ہوتا ہے۔ پس جب وہ بندہ مرجاتا ہے تو یہ سلسلہ بند ہوجاتا ہے تو وہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں۔ پھر یہ آیت "فما بکت علیھم السمآء و الارض" تلاوت کی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان کا رونا اس کے اطراف کا سرخ ہوجانا ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو ان پر آسمان رویا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہوجانا ہے۔ "وما کانوا منظرین" جب ان کو عذاب پکڑے گا تو ان کو توبہ اور کسی اور چیز کی مہلت نہ دی جائے گی۔

㉚"ولقد نجینا بنی اسرائیل من العذاب المھین" بیٹوں کے قتل کرنے اور عورتوں کو زندہ رکھنے اور مشقت والے کاموں سے۔

㉛"من فرعون انہ کان عالیا من المسرفین.

㉜ولقد اخترناھم" یعنی بنی اسرائیل کے مؤمنوں کو۔ "علی علم" ان کے بارے میں "علی العالمین" ان کے زمانہ کے جہان والوں پر۔

㉝"وآتیناھم من الآیات مافیہ بلاء مبین" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں واضح نعمت ہے سمندر کو پھاڑنے اور بادلوں کے سایہ کرنے اور من وسلویٰ اُتارنے میں اور وہ نعمتیں جو ہم نے ان پر کیں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی آزمائش کی نرمی اور سختی کے ساتھ اور پڑھا "ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ"

㉞"ان ھؤلاء" یعنی مکہ کے مشرکین "لیقولون

㉟ان ھی الا موتتنا الاولی" یعنی صرف وہی موت ہے جو ہم دُنیا میں مرجائیں گے۔ پھر اس کے بعد اُٹھنا نہ ہوگا اور وہ اس کا قول "وما نحن بمنشرین" اُٹھائے جانے والے ہمارے مرنے کے بعد۔

㊱"فاتوا بآبائنا" جو مرگئے ہیں۔ "ان کنتم صادقین" کہ ہم مرنے کے بعد زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے۔ پھر ان کو گزشتہ اُمتوں کے مثل عذاب سے ڈرایا اور فرمایا۔

㊲"اھم خیر ام قوم تُبّع" یعنی وہ ان سے بہتر نہیں ہیں یعنی تعداد اور قوت میں قوم تبع سے زیادہ نہیں ہیں۔

قوم تبع کا واقعہ

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ تبع حمیری ہے اور یہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھا۔ اس کا نام تبع اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس کے متبعین بہت زیادہ تھے اور ان میں سے ہر بادشاہ کا نام تبع رکھا جاتا تھا۔ اس لیے کہ وہ پہلے کا تابع ہوتا تھا۔ یہ بادشاہ آگ کی پوجا کرتا

تھا، اسلام لے آیا اور اپنی قوم حمیر کو اسلام کی طرف بلایا۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اس کا واقعہ وہ ہے جو محمد بن اسحاق وغیرہ اور عکرمہ رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تبع الاخر تھا۔ اس کا نام ابو کرب اسعد بن ملیک تھا۔ جب یہ مشرق سے متوجہ ہوا تو مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔ وہ پہلے جب یہاں سے گزرا تھا تو ان کے درمیان اپنا بیٹا چھوڑ گیا تھا وہ جنگ میں مارا گیا، پھر یہ واپس آیا تو اس نے پکا ارادہ کیا کہ مدینہ کو تباہ کر دوں گا اور اس کے اہل کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ جب اس کے آنے کی خبر سنی تو مقابلہ کے لیے انصار کا قبیلہ جمع ہو گیا اور اس سے لڑائی کے لیے مدینہ سے نکل آئے، انصار سارا دن اس سے لڑائی کرتے اور رات کو اس کی مہمان نوازی کرتے۔ اس کو یہ بات بڑی عجیب لگی اور یہ کہنے لگا بے شک یہ لوگ بڑے معزز ہیں۔

اسی اثناء میں اس کے پاس دو عالم آئے، ان کا نام کعب اور اسد تھا، یہ دونوں بنو قریظہ کے علماء میں سے تھے اور دونوں چچا زاد بھائی تھے۔ جب ان دونوں نے سنا کہ یہ مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو دونوں نے اس کو کہا اے بادشاہ! ایسا نہ کر کیونکہ اگر تو نے اپنے ارادہ سے باز آنے سے انکار کیا تو تیرے اور مدینہ کے درمیان رُکاوٹ ہو جائے گی اور تجھ پر جلد عذاب آنے سے ہم بے خوف نہیں ہیں کیونکہ اس مدینہ کی طرف ایک عظیم الشان نبی ہجرت کرنے والے ہیں جو قریش کے خاندان سے ہوں گے، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جائے پیدائش مکہ ہوگا اور یہ ان کا دار الہجرت ہے اور جس جگہ تو ہے یہاں ان کے ساتھیوں اور اپنے دشمنوں کے قتل اور زخم کا بڑا معاملہ ہوگا۔ تبع نے پوچھا، ان سے کون قتال کرے گا حالانکہ وہ تو نبی ہوں گے؟

تو وہ دونوں کہنے لگے ان کی قوم یہاں آئے گی اور یہاں لڑائی کرے گی تو ان دونوں کی بات سن کر تبع مدینہ کے بارے میں اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ پھر ان دونوں نے اس کو اپنے دین کی دعوت دی تو اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور ان کے دین کا پیروکار ہو گیا اور ان کا اکرام کیا اور مدینہ سے چلا گیا اور ان دونوں عالموں اور یہود کے چند لوگوں کو ساتھ لے کر یمن کی طرف چل پڑا۔ پس راستہ میں ہذیل کے چند لوگ اس کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم تیری رہنمائی ایک گھر کی طرف کرتے ہیں جس میں موتی، زمرد اور چاندی کے خزانے ہیں۔ تبع نے پوچھا کون سا گھر؟ وہ کہنے لگے مکہ میں ایک گھر ہے۔ ہذیل اس کو ہلاک کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کی طرف جو شخص برا ارادہ کرے وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو تبع نے یہ بات ان علماء کو ذکر کی تو انہوں نے کہا ہم زمین میں اس گھر کے علاوہ اللہ کا کوئی گھر نہیں جانتے۔ پس تو اس کو مسجد بنا اور وہاں سے چل اور قربانی کر اور سر منڈوا۔

اور یہ قوم تیری ہلاکت چاہتی ہے۔ اس لیے جب بھی کسی نے اس کا ارادہ کیا ہے وہ ہلاک ہو گیا ہے۔ پس تو اس کا اعزاز کر اور اس کے پاس وہی کر جو اس کے اہل کرتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو تبع نے ہذیل کے ان لوگوں کو پکڑوایا اور ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ پھر ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ پھر جب وہ مکہ آیا تو بطائح گھاٹی میں اُترا اور بیت اللہ کو پہنائے کپڑے چڑھائے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ پر کپڑا چڑھایا اور گھاٹی میں چھ ہزار بدنہ ذبح کیے اور چند دن وہاں قیام کیا، طواف کیا اور سر منڈوا کر چلا گیا۔ پھر جب یمن میں داخل ہونے لگا تو اس کی قوم حمیر رُکاوٹ بن گئی۔ وہ کہنے لگے تو ہمارے شہر میں داخل نہ ہو کیوں کہ تو نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا ہے تو تبع نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی اور

کہا کہ یہ تمہارے دین سے بہتر ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا فیصلہ آگ کی طرف ہے اور یمن میں پہاڑ کے نیچے آگ تھی، لوگ اپنے اختلافی معاملات میں اس سے فیصلہ کراتے تھے، وہ ظالم کو کھا جاتی تھی اور مظلوم کو کچھ نقصان نہ دیتی تھی۔

تبع نے کہا تم نے انصاف کیا۔ پس تبع کی قوم اپنے بتوں اور ان چیزوں کو لے کر نکلی جن کے ذریعے وہ اپنے دین میں قرب حاصل کرتے تھے اور وہ دونوں عالم اپنے صحیفے اپنی گردن میں ڈال کر نکلے یہاں تک کہ وہ وہاں بیٹھ گئے جہاں سے آگ نکلتی ہے۔ پس آگ نکلی اور ان کو ڈھانپ لیا اور بتوں اور جن کے ساتھ وہ قرب حاصل کرتے تھے ان کو کھا گئی اور حمیر کے جن لوگوں نے ان کو اُٹھایا ہوا تھا ان کو بھی اور وہ دونوں عالم اپنے مصاحف کے ساتھ توریت پڑھتے ہوئے نکلے، ان کی پیشانیوں سے پسینہ بہہ رہا تھا لیکن آگ نے ان کو نقصان نہ پہنچایا تھا اور آگ جہاں سے آئی تھی وہاں چلی گئی۔ اس وقت حمیر ان دونوں کے دین پر آ گئے۔ پس اس وجہ سے یہودیت کی اصل یمن میں ہے۔ ابو حاتم رحمہ اللہ نے رقاشی سے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابوکرب اسعد الحمیری تبابعہ میں سے وہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات (۷۰۰) سو سال پہلے آپ علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ تم تبع کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جس نے بیت اللہ کو کپڑا پہنایا اور ذکر کیا گیا ہے کہ کعب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کی مذمت کی ہے اس کی مذمت نہیں کی۔

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تبع کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ اسلام لے آیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی۔ "**والذین من قبلهم**" کافر اُمتوں میں سے۔ "**اهلكناهم انهم كانوا مجرمين**"

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿38﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿40﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿42﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿43﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿44﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿45﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿46﴾

ترجمہ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں (بلکہ) ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے بے شک فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا دن) ان سب کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقے والے کے ذرا کام نہ آوے گا اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جاوے گی ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے اور اللہ زبردست ہے مہربان ہے بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو (کریہہ صورت ہونے میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) اور وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے۔

تفسیر 38"وما خلقنا السموات والارض وما بینهما لاعبین ......
39ماخلقناهما الا بالحق" کہا گیا یعنی حق کے لیے اور وہ فرمانبرداری پر ثواب دینا اور نافرمانی پر سزا دینا ہے۔"ولکن اکثرهم لا یعلمون"
40"انّ یوم الفصل" جس دن رحمٰن بندوں کے درمیان فیصلہ کریں گے۔"میقاتهم اجمعین" قیامت کے دن اگلوں پچھلوں کو پورا بدلہ دیں گے۔
41"یوم لایغنی مولی عن مولی شیئًا" کوئی قریبی اپنے قریبی ساتھی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ اس سے کچھ دور کر سکے گا۔ "ولاهم ینصرون" وہ اللہ کے عذاب سے نہ روکے جائیں گے۔
42"الّا من رحم اللّٰه" مؤمنین مراد ہیں کیونکہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی سفارش کریں گے۔"انه هو العزیز" اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں "الرحیم" مؤمنین پر۔
43"انّ شجرة الزقوم. 44 طعام الاثیم" یعنی گناہ گاروں کا اور وہ ابوجہل ہے۔
45"کالمهل" یہ سیاہ تیل کا تلچھٹ "یغلی فی البطون" ابن کثیر اور حفص رحمہما اللہ نے "یغلی" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ان دونوں نے اس کو مہل کا فعل بنایا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے شجرۃ کی تانیث کی وجہ سے۔
"فی البطون" کفار کے پیٹوں میں۔
46"کغلی الحمیم" گرم پانی کی طرح جب وہ خوب جوش مارے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ پس اگر زقوم درخت کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جائے تو اہل دُنیا پر ان کی معیشت کڑوی کر دے۔ پس کیسے حال ہوگا اس کا جس کا وہ کھانا ہوگا اور ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی کھانا نہ ہوگا۔

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ 47 ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ 48 ذُقْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ 49 اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ 50 اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ
51 فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ 52 يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ 53 كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ
بِحُوْرٍ عِيْنٍ 54 يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ 55 لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ
الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ 56 فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ 57 فَاِنَّمَا
يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ 58 فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ 59

ترجمہ (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے بے شک خدا سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے باغوں میں اور نہروں میں (اور) وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے (اور) وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے (یعنی مرنے کے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچا لے گا یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا بڑی کامیابی یہی ہے سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تا کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں تو (اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔

تفسیر ㊼ "خذوه" یعنی زبانیہ کو کہا جائے گا کہ تم اس کو پکڑو یعنی گناہ گار کو۔ "فاعتلوه" اہل کوفہ، ابوجعفر اور ابوعمرو رحمہم اللہ نے تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تاء کی پیش کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ یعنی تم ان کو دھکے دو اور ہانکو۔ کہا جاتا ہے "عتله، يعتله، عتلاً" جب اس کو سختی کے ساتھ ہانکے اور دھکے دے۔ "الٰی سواء الجحیم" اس کے درمیان میں

㊽ "ثم صبوا فوق رأسه من عذاب الحميم" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہنم کا داروغہ اس کے سر پر مارے گا تو اس کے دماغ تک سوراخ ہو جائے گا، پھر اس میں انتہا کا گرم پانی ڈال دے گا۔

㊾ پھر اس کو کہا جائے گا "ذُق" اس عذاب کو "انک" کسائی رحمہ اللہ نے "انک" الف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "لانک تقول الخ" یعنی اس لیے کہ تو کہتا تھا کہ میں غالب معزز ہوں اور دیگر حضرات نے الف کی زیر کے ساتھ ابتداء پر پڑھا ہے۔

"انت العزیز الکریم" اپنی قوم کے نزدیک تیرے گمان میں اور یہ اس وجہ سے کہ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ میں اس وادی والوں میں غالب اور زیادہ عزت والا ہوں۔ پس یہ لفظ اس کو جہنم کے داروغے استہزاء اور ڈانٹ کے طور پر کہیں گے۔

㊿ "ان هٰذا ما كنتم به تمترون" تم اس میں شک کرتے ہو اور تم اس پر ایمان نہیں لاتے، پھر متقین کا ٹھکانہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

(51) "ان المتقين فی مقام امین" اہل مدینہ اور اہل شام نے "فی مقام" میم کے پیش کے ساتھ مصدر ہونے کی بناء پر پڑھا ہے۔ یعنی اقامت میں۔ اور دیگر حضرات نے میم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی فی مجلس امین پر امن مجلس میں جس میں وہ غیر سے امن میں ہوں گے یعنی موت سے اور اس سے نکلنے سے۔

(52) "فی جنات وعیون۔" (53) "یلبسون من سندس واستبرق متقابلین۔"

(54) "کذٰلک وزوّجناهم" یعنی جیسے ہم نے اس کا اعزاز کیا ان باغات اور چشموں اور لباس کے ساتھ جو ہم نے ابھی بیان کیے۔ اسی طرح ہم نے ان کا اکرام کیا کہ ان کا نکاح کیا۔ "بحور عین" یعنی ہم نے ان کو ان حوروں کے ساتھ ملا دیا، عقد

نکاح مراد نہیں، اس لیے کہ عقد نکاح کے لیے یوں نہیں کہا جاتا "زوّجته بامرأة" ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان حوروں کو ان کے جوڑے بنادیا۔ جیسا کہ جوتے کو جوتے کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ یعنی ہم نے ان کو دو دو کردیا اور حور عین صاف ستھری سفید عورتیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نگاہ ان کی سفیدی اور چمک دار رنگ کی وجہ سے حیران ہو جائے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حور وہ بہت زیادہ سفید اور سیاہ آنکھوں والی ہیں۔ اس کا واحد حور ہے جیسے "المرأة حوراء" بولا جاتا ہے اور عین عیناء کی جمع ہے اور وہ بڑی بڑی آنکھوں والی۔

55 "یدعون فیها بکل فاکهة" جو وہ چاہیں گے۔ "آمنین" اس کے پسند نہ آنے اور نقصان دینے سے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موت و تکلیف اور شیاطین سے امن میں ہونگے۔

56 "لایذوقون فیها الموت الا الموتة الاولٰی" یعنی اس موت کے علاوہ جو انہوں نے دُنیا میں چکھی ہے۔ "الا" کو سویٰ کی جگہ لایا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء الا ماقد سلف" یعنی سویٰ ماقد سلف ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ پہلی موت کا استثناء کیا گیا ہے اور وہ دُنیا میں ہوگی۔ جنت میں موت سے اس لیے کہ نیک بخت لوگ جب مریں گے تو وہ جنت کے اسباب کی طرف لطف کے ساتھ لوٹیں گے۔ ان میں روح اور خوشبو ڈالی جائے گی اور وہ جنت میں اپنے مراتب دیکھ لیں گے۔ پس ان کی دُنیا کی موت گویا کہ وہ جنت میں ہے کیونکہ وہ اس کے اسباب اور اس کے مشاہدہ کے ساتھ متصل ہوں گے۔ "ووقاهم عذاب الجحیم"

57 "فضلا من ربک" یعنی ان کے ساتھ یہ کرنا اس کا فضل ہے۔ "ذلک هو الفوز العظیم"

58 "فانما یسرناه" ہم نے قرآن کو آسان کیا، یہ کنایہ ہے (ضمیر لائی) غیر مذکور چیز سے "بلسانک" آپ علیہ السلام کی زبان پر "لعلهم یتذکرون" وہ نصیحت حاصل کریں۔

59 "فارتقب" پس تو اپنے رب کی طرف سے مدد کو دیکھ اور کہا گیا ہے کہ تو ان کے عذاب کا انتظار کر۔ "انهم مرتقبون" وہ آپ علیہ السلام کے مغلوب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، اپنے گمان کے مطابق۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے "حم، الدخان" رات کو پڑھی تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَه

مکمل سورت سوائے آیت نمبر ۱۴ کے مکی ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی سینتیس (۳۷)
آیات ہیں۔ سورۃ الدخان کے بعد نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ م بَعْدَ اللّٰهِ
وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ⑦ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا
كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ط
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا
مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩ هٰذَا هُدًى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑪

ترجمہ: حم یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال سے) لئے بہت سے دلائل ہیں اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اور (اسی طرح) یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اس (مادہ) رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس (بارش) سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہونے پیچھے اور (اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل

(سلیم) رکھتے ہیں اور یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر اس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے بڑی خرابی ہوگی ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا ہو نافرمان ہو جو خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جب کہ وہ اس کے اوپر پڑھی جاتی ہیں (اور) پھر بھی وہ تکبر کرتا ہوا (اپنے کفر پر) اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے ان کے آگے جہنم) آ رہا) ہے اور (اس وقت) نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آویں گی جو دنیا میں کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز (اور معبود) بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی (ان) آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر ❶ "**حم** ❷ **تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز الحکیم**

❸ **انّ فی السموات والارض لآیات للمؤمنین**

❹ **وفی خلقکم وما یبث من دابّة آیات**" حمزہ اور کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے (آیات) اور "**تصریف الریاح آیات**" تاء کی زیر کے ساتھ ان دونوں میں پڑھا ہے، رد کرتے ہوئے اس کے قول "**لآیات**" پر اور وہ نصب کی جگہ میں ہے۔

اور دیگر حضرات نے ان دونوں کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ استئناف پر۔ اس بناء پر کہ عرب کہتے ہیں "**انّ لی علیک مالاً وعلی اخیک مال**" دوسرے کو نصب دیتے ہیں اور اس کو رفع بھی دیتے ہیں۔ "**لقوم یوقنون**" کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

❺ "**واختلاف اللیل والنهار وما انزل اللّٰہ من السماء من رزق**" یعنی وہ بارش جو بندوں کے رزق کا سبب ہے۔ "**فاحیابه الارض بعد موتها وتصریف الریاح آیات لقوم یعقلون**"

❻ "**تلک آیات اللّٰہ نتلوها علیک بالحق**" مراد یہ ہے کہ یہ جو ہم نے آپ پر اللہ کی آیات بیان کیں ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں "**فبایّ حدیث بعد اللّٰہ**" اللہ کی کتاب کے بعد "**وآیاته یؤمنون**" ابن عامر، حمزہ، کسائی، ابوبکر اور یعقوب رحمہم اللہ نے "**تؤمنون**" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو کہہ دیں کہ کون سی بات پر تم ایمان لاتے ہو؟ اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

❼ "**ویل لکلّ افّاک اثیم**" جھوٹا گناہ گار یعنی نضر بن حارث۔

❽ "**یسمع آیات اللّٰہ تتلٰی علیه ثم یصرّ مستکبرا کأن لم یسمعها کأن فی اذنیه وقراً فبشره بعذاب الیم**"

❾ "**واذا علم من آیاتنا**" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں سے "**شیئا اتخذها هزوا اولئک لهم عذاب مهین**" یہاں جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ کے قول "**لکل افّاک اثیم**" کی طرف ردّ کرتے ہوئے۔

❿ "**من ورائهم**" ان کے سامنے "**جهنّم**" یعنی وہ دُنیا میں اپنے اموال کے ساتھ نفع اُٹھانے والے ہیں اور ان کے لیے

آخرت میں جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ "ولا یغنی عنھم ما کسبوا" اموال میں سے "شیئا ولا ما اتخذوا من دون اللّٰہ اولیاء" اور نہ وہ جن معبودوں کی وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں۔ "ولھم عذاب عظیم"

⑪ "ھذا" یعنی یہ قرآن "ھُدی" گمراہی سے بیان ہے۔ "والذین کفروا بآیات ربھم لھم عذاب من رجز الیم"

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑭ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؗ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ⑯ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ⑰

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر و کرو اور (اسی طرح) جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنا دیا بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے فعل کا صلہ دے جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو (کتاب آسمانی) اور حکمت (یعنی علم احکام) اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارہ میں کھلی کھلی دلیلیں دیں سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں (عملی) فیصلہ کرے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔

تفسیر: ⑫ "اللّٰہ الّذی سخّرلکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلّکم تشکرون

⑬ وسخرلکم ما فی السموات وما فی الارض" اور اس کی تسخیر کا معنی یہ ہے کہ اس نے اس کو پیدا کیا ہمارے منافع کے لیے۔ پس وہ ہمارے تابع ہیں کیونکہ ہم ان سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ "جمیعا منہ" پس تم اللہ کا شریک نہ بناؤ۔

27

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "جمیعا منه" یہ تمام اس کی طرف سے رحمت ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اس کا فضل واحسان ہے۔ "انّ فی ذلک لایات لقوم یتفکرون"

14 "قل للذین اٰمنوا یغفروا للّذین لایرجون ایّام اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور اس کی سزا کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ بنی غفار کے ایک شخص نے مکہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ اس کو معاف کر دے اور قرظی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل مکہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ لوگ قتال کے حکم سے پہلے مشرکین کی طرف سے سخت تکلیفوں میں تھے تو انہوں نے اس بات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پھر اس کو قتال کی آیت نے منسوخ کر دیا۔ "لیجزی قوما" ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "لنجزی" نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیں اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے "لیجزی" پہلی یاء کی پیش اور دوسری یاء کے سکون اور زاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لحن (غلطی) ہے۔ کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ تاکہ قوم کو بدلہ دیا جائے۔ "بما کانوا یکسبون"

15 "من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعلیها ثمّ الی ربّکم ترجعون."

16 ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتاب" توریت۔ "والحکم والنبوۃ ورزقناھم من الطیبات" حلال چیزیں یعنی من وسلویٰ "وفضلنا ھم علی العالمین" یعنی ان کے زمانہ کے جہان والوں پر۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں جہان والوں میں سے کوئی ایک اللہ پر معزز اور پسندیدہ نہ تھا۔

17 "وآتیناھم بینات من الامر" یعنی علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اور آپ علیہ السلام کا امر جو ان کے لیے بیان کیا۔ "فما اختلفوا الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم انّ ربّک یقضی بینھم یوم القیامة فیما کانوا فیه یختلفون"

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ 18 اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ 19 هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ 20 اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ 21 وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ ۢ بِمَا کَسَبَتْ وَهُمْ لَایُظْلَمُوْنَ 22 اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿23﴾

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت کا (سبب) اور یہ لوگ جو برے برے کام کرنے میں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے یہ برا حکم لگاتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر: ⑱ "ثمّ جعلناک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) "علی شریعة" موسیٰ علیہ السلام کے بعد سنت وطریقہ۔ "من الامر" دین سے۔ "فاتبعها ولا تتبع اهواء الّذین لایعلمون" یعنی کافروں کی مراد اور یہ اس وجہ سے کہ وہ آپ علیہ السلام کو کہتے تھے کہ آپ اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیں کیونکہ وہ تجھ سے افضل تھے۔

⑲ "انهم لن یغنوا عنک من الله شیئا" اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں تو وہ آپ سے اللہ کے عذاب کو دور نہ کر سکیں گے۔ "وان الظالمین بعضهم اولیآء بعض والله ولیّ المتقین"

⑳ "هٰذا" یعنی قرآن۔ "بصائر" علامات ہیں۔ "للنّاس" حدود و احکام میں کہ وہ اس کے ذریعے دیکھتے ہیں۔ "وهدی و رحمة لقوم یؤقنون"

㉑ "ام حسب" بلکہ کافی ہے۔ "الذین اجترحوا السیئات" کفر اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا۔ "ان نجعلهم کالّذین امنوا وعملوا الصالحات" یہ آیت مشرکین مکہ کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے مؤمنین کو کہا کہ اگر جو تم کہتے ہو حق ہے تو ہم آخرت میں بھی تم پر فضیلت رکھیں گے۔ جیسا کہ ہم تم پر دُنیا میں فضیلت رکھتے ہیں۔ "سواء محیاهم" حمزہ اور کسائی اور حفص اور یعقوب رحمہم اللہ نے "سواء" کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہم ان کو برابر کر دیں گے۔ یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ کافروں کی زندگی "ومماتهم" مؤمنین کی زندگی اور ان کی موت کی طرح برابر ہے ہرگز نہیں۔

اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء خبر ہونے کی بناء پر یعنی "محیاهم ومماتهم سواء" پس ضمیر ان دونوں میں مؤمنوں اور کافروں سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کا معنی ہے مؤمن اپنی زندگی اور موت میں مؤمن ہے یعنی دُنیا

وآخرت میں اور کافر اپنی زندگی وموت میں کافر ہے یعنی دُنیا وآخرت میں "سآء ما یحکمون" برا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں۔ مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اہل مکہ میں سے ایک شخص نے کہا یہ تیرے بھائی تمیم داری کا مقام ہے، میں نے ان کو ایک رات صبح تک یا صبح کے قریب تک دیکھا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کی ایک آیت پڑھی، اس کو بار بار پڑھتے رہے، رکوع اور سجدہ میں بھی اور روتے رہے۔ "اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ" پوری آیت۔

㉒ "وخلق اللّٰہ السموات والارض بالحق ولتجزیٰ کلّ نفس بما کسبت وھم لایظلمون"

㉓ "افرأیت من اتّخذ الٰھہٗ ھواہ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ یہ کافر اس نے اپنا دین اپنی خواہش کو بنایا۔ پس دل میں جو خیال آتا ہے اس کو کر گزرتا ہے اس لیے کہ وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ اس کا خوف رکھتا ہے اور جو چیز اللہ نے حرام کی اس کو حرام نہیں سمجھتا۔

اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا ہے۔ پس اسی کی عبادت کرتا ہے جو اس کا نفس خواہش کرے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب پتھروں، سونے اور چاندی کی عبادت کرتے تھے۔ پس جب کوئی چیز پہلے خدا سے اچھی ملتی اس کو پھینک دیتے اور توڑ دیتے اور دوسرے کی عبادت شروع کر دیتے۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام ھویٰ رکھا گیا۔ اس لیے کہ وہ اپنے صاحب کے ساتھ جہنم میں گر جائے گا۔ "واضلہ اللّٰہ علی علم" اپنی طرف سے۔ اس کے امر کے انجام کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ اس کے علم میں سبقت کر چکا کہ وہ گمراہ ہوگا اس کے پیدا کرنے سے پہلے۔ "وختم" مہر لگائی۔ "علی سمعہ" پس وہ ہدایت کو نہیں سنتا۔ "وقلبہ" پس وہ ہدایت کو نہیں سمجھتا۔ "وجعل علی بصرہ غشاوۃ" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "غشوۃ" غین کے زبر اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "غشاوۃ" پڑھا ہے پردہ، پس وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتا۔ "فمن یھدیہ من بعد اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد کون اس کو ہدایت دے گا۔ "افلا تذکرون"

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ㉔

ترجمہ: اور (بعثت کے منکر) یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔

تفسیر: ㉔ "وقالوا" یعنی بعث کا انکار کرنے والے "ماھی الاحیاتنا الدنیا" یعنی زندگی صرف دُنیا کی زندگی

ہے۔ "نموت ونحیا" یعنی آباء مرجاتے ہیں اور اولاد زندہ رکھی جاتی ہے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ہم مر جاتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں، پس واؤ جمع کے لیے ہے۔ "وما یھلکنا الا الدھر" یعنی زمانے کا گزرنا اور عمر کا لمبا ہونا اور رات ودن کا آنا جانا ہمیں فنا کرتا ہے۔

"ومالھم بذلک" یعنی جوانہوں نے کہا ہے "من علم" یعنی انہوں نے یہ کسی علم سے نہیں کہا۔ "ان ھم الا یظنون" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ یہ نہ کہے اے زمانہ کی خرابی کیونکہ میں زمانہ ہوں رات ودن کو بھیجتا ہوں۔ پس جب میں چاہوں ان دونوں کو قبض کرلوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک زمانہ کو برا بھلا نہ کہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہیں اور انگور (کی لکڑی) کو کرم ہرگز نہ کہے کیونکہ کرم مسلمان آدمی ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ عرب کی حالت یہ تھی کہ زمانہ کی مذمت کرتے تھے اور مصائب کے وقت اس کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس لیے جو ان کو ناپسند چیز یا تکلیف پہنچتی اس کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے تھے۔ پس وہ کہتے تھے "اصابتھم قوارع الدھر" ان کو زمانہ کی مصیبتیں پہنچی ہیں اور "اباء ھم الدھر" ان کو زمانہ نے ہلاک کردیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دی۔ "وما یھلکنا الا الدھر" پس جب ان کو کوئی سختی پہنچتی اور اس کی نسبت وہ زمانہ کی طرف کردیتے تو اس کے فاعل کو برا بھلا کہتے تو یہ سب وشتم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتا اس لیے کہ ان تمام اُمور کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جن کی نسبت وہ زمانے کی طرف کرتے تھے۔ پس ان کو زمانے کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿27﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ
مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿29﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿30﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَارَيْبَ فِيْهَا

قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَاالسَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿32﴾

ترجمہ اور جس وقت (اس بارہ میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا (اس پر) بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن جس (کے وقوع) میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں (اور زمین میں) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز باطل خسارہ میں پڑیں گے اور (اس روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال (کے حساب) کی طرف بلایا جاوے گا آج تم کو تمہارے کیئے کا بدلہ ملے گا (اور کہا جاوے گا کہ) یہ (نامہ اعمال) ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے تھے سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کیئے تھے (ان کو) ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جاوے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے (ان کو قبول کرنے سے) تکبر کیا تھا اور تم (اس وجہ سے) بڑے مجرم تھے اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔

تفسیر 25 "وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

27 قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" یعنی قیامت کے دن کیلئے۔ "لاریب فیه ولكن اكثر الناس لايعلمون. ولله ملک السموات والارض ويوم تقوم الساعة يومئذ يخسر المبطلون" یعنی کافر جو اصحاب باطل ہیں اس دن ان کا خسارہ ظاہر ہوگا۔ اس طرح کہ وہ جہنم کی طرف جائیں گے۔

28 "وترى كلّ امّة جاثية" گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا اور یہ حاکم کے سامنے جھگڑا کرنے والے کی طرح کا بیٹھنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرتا ہوگا۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک قیامت میں ایک گھڑی ہے جو دس سال کی ہوگی۔ لوگ اس میں اپنے گھٹنوں کے بل گریں گے حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کو پکاریں گے میں تجھ سے صرف اپنی ذات کا سوال کرتا ہوں۔ "كل امّة تدعىٰ الٰى كتابها" جس میں اس کے اعمال ہوں گے اور یعقوب رحمہ اللہ نے "كلّ امّة" نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کو کہا جائے گا۔ "اليوم تجزون ما كنتم تعملون"

29 "هٰذا كتابنا" یعنی محافظین کا رجسٹر۔ "ينطق عليكم بالحق" جو تمہارے خلاف شافی بیان کی گواہی دے گی۔ پس

گویا کہ وہ بول رہی ہے اور کہا گیا ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ "انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون" یعنی ہم فرشتوں کو حکم دیں تمہارے اعمال کے نسخ یعنی ان کی کتابت اور تم پر اثبات کا اور کہا گیا ہے کہ "تستنسخ" یعنی تاخذ نسخہ یہ اس وجہ سے کہ دو فرشتے انسان کے ہر عمل کو بلند کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ اس میں سے وہ عمل ثابت کرتے ہیں جس میں اس کے لیے ثواب یا عقاب ہو اور ان میں سے لغو عمل کو پھینک دیتے ہیں۔ جیسے ان کا قول ادھر آ اور چلا جاؤ وغیرہ۔ اور کہا گیا ہے لوح محفوظ سے لکھنا مراد ہے کہ فرشتے ہر سال لوح محفوظ سے بنی آدم سے ہونے والے اعمال کو لکھ لیتے ہیں اور نقل کرنا اصل سے ہی ہوسکتا ہے۔ پس ایک کتاب کو دوسری سے نقل کیا جاتا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تستنسخ" یعنی ثابت کیا جاتا ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لکھا جاتا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محفوظ کیا جاتا ہے۔

㉚ "فاما الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فیدخلهم ربهم فی رحمته ذلک هو الفوز المبین" ظاہر کامیابی۔

㉛ "واما الذین کفروا" ان کو کہا جائے گا۔ "افلم تکن آیاتی تتلٰی علیکم فاستکبرتم وکنتم قوما مجرمین" متکبر و کافر۔

㉜ "واذا قیل ان وعداللّٰه حق والساعة لاریب فیها" حمزہ رحمہ اللہ نے "والساعة" نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا عطف وعد پر ہے اور دیگر حضرات نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ "قلتم ما ندری ما الساعة ان نظن الا ظنا" یعنی ہم اس کو نہیں جانتے مگر وہم اور اندازہ۔ "وما نحن بمستیقنین" کہ وہ ہونے والی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ㉝ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉞ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ㉟ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ㊱ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ㊲

ترجمہ: اور (اس وقت) ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا اور (ان سے) کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدائے تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ

تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جاویں گے اور نہ ان سے (خدا کی خفگی کا تدارک جانا جاوے گا سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر 33 "وَبَدَا لَهُمْ" آخرت میں۔ "سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا" دُنیا میں یعنی اس کی جزاء "وَحَاقَ بِهِمْ مَّاكَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ"

34 "وقيل اليوم ننساكم" ہم تمہیں آگ میں چھوڑیں گے۔ "كما نسيتم لقاء يومكم هذا" تم نے اس دن کی ملاقات کے لیے ایمان وعمل کو چھوڑ دیا۔ "وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ"

35 ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا" حتیٰ کہ تم نے کہا نہ کوئی بعث ہوگا اور نہ کوئی حساب۔ "فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یاء کے زبر اور راء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کی پیش اور راء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ" ان سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف لوٹ آئیں کیوں کہ اس دن کوئی عذر اور توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

36 "فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

37 وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ" عظمت "فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر اور عظمت میں تہبند ہے۔ پس جو شخص ان میں سے کسی ایک میں مجھ سے جھگڑے گا میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔

الحمدلله تفسیر بغوی کی پانچویں جلد مکمل ہوئی۔ چھٹی اور آخری جلد سورۃ الاحقاف سے شروع ہے۔

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن
والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ روم تا سورۃ الجاثیہ

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار وبرکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورۂ روم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آدمی سورۂ روم کو پڑھتا ہے اسے تسبیح پڑھنے والے فرشتوں کے برابر اجر ملتا ہے۔

فسبحان الله حين تمسون تخرجون

❶ جو آدمی صبح کے وقت یہ آیات پڑھے تو اسے اس دن کی فوت شدہ نیکیوں کا بھی اجر ملتا ہے اور جو شخص شام کو پڑھے اسے رات کی فوت شدہ نیکیوں کے برابر اجر ملتا ہے اور وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔

❷ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے احباب سے فرمایا کرتے تھے جو شخص صبح کے وقت **فسبحان الله حين تمسون تخرجون** تک اور **سبحان ربک رب العزة ...... العالمين** تک تین مرتبہ پڑھے تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر وہ سمندر کی جھاگ یا صحرا کی ریت کے برابر کیوں نہ ہوں۔

❸ جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر تنگ منہ والی بوتل میں ڈال کر کسی گھر میں رکھ دے تو اس گھر کے سب آدمی بیمار ہو جائیں گے اور اگر وہاں کوئی اجنبی آئے گا تو وہ بھی بیمار ہو جائیگا۔

❹ اگر اسے لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر مٹی کے برتن میں ڈال لے تو اس پانی سے جسے پلائے گا وہ بیمار ہو جائے گا اور اگر کوئی اس پانی سے منہ دھوئے گا تو اس کی آنکھیں ایسی خراب ہوں گی کہ اندھا ہونے کا اندیشہ ہے۔

كذٰلك يطبع الله علىٰ قلوب الذين لايعلمون .... يوقنون

اس آیت کو دشمن کے کپڑے پر لکھ کر پھر یہ لکھے۔ **كذٰلك يطبع الله علىٰ قلب فلان بن فلانة** اور اپنے گلے میں ڈال لے تو اس کا دشمن اس سے ڈرے گا اور اس کے سامنے خاموش رہے گا۔

سورۂ لقمان

جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر پیٹ کے مریض کو پلا دے تو وہ تندرست ہو جائے گا اگر بخار ہے تو وہ بھی اتر جائے گا۔

(۲) جو شخص اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے وہ غرق نہیں ہوگا۔

وماقدروا الله حق قدره جو شخص اسے پڑھے اس کا غم دور ہو جائے گا۔ **يا بنيّ ان تک .... خبير**

جو آدمی اپنے اہل وعیال سے دور ہو اور ان کا حال معلوم کرنا چاہے تو وہ اس آیت کو لکھ کر شعبان کے پہلے جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اس کو...... کے نیچے رکھ کر سو جائے اور رکھتے وقت، پڑھے **سبحان من لايخفىٰ عليه خافيه سبحان الذى الخير بقدرته ما كتمته ضرائر وخلقه سبحان الذى بيده القلوب والافواه بامره اللهم بين لى كذافى منامى** تو اس پر گھر کا سب احوال ظاہر ہو جائے گا۔

ولو ان مافی الارض........... بصیر

جس آدمی کے دل میں بشاشت نہ ہو۔ ذہن حاضر نہ ہو اور زبان صحیح کام نہ کرتی ہو تو کوڑ لوبان پر ان دو آیتوں کو پڑھ کر ہر روز نہار منہ اس میں ۲/۱ اشقال شہد یا شکر سے کھالیا کرے۔ ذہن تیز اور زبان فصیح ہو جائے گی۔

الم تر ان الفلک تجری......... کفور جو آدمی دریا میں سفر کرتا ہو اور دریا میں طغیانی ہو تو وہ سات پتوں پر اس آیت کو لکھ کر ایک ایک کر کے دریا میں مشرق کی طرف پھینک دے تو دریا کا جوش و طغیانی کم ہو جائے گی۔

سورۂ سجدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن سورۂ الم السجدہ کے دو بازو ہوں گے۔ جن سے وہ اپنے پڑھنے والے پر سایہ کرے گی اور کہے گی کہ تجھے آج کوئی خطرہ نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہر رات الم السجدہ اور سورۂ تبارک الذی پڑھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ اس سورۃ کو قرآن کریم کی دوسری سورتوں پر ستر درجہ فضیلت حاصل ہے پھر آپ ان سات ناموں یا قدیم' یا حی یا دائم و یا فرد یا واحد یا احد یا صمد سے دعا مانگتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو الم تنزیل' یٰسین' تبارک الذی اور سورۃ اقتربت پڑھے تو یہ سورتیں اس کے لئے نور ہو جاتی ہیں اور اسے شیطان سے بچاتی ہیں۔ قیامت کے دن اس کے درجے بلند کئے جائیں گے۔

اس سورۃ کو لکھ کر گلے میں ڈالنے سے بخار' آدھے سر کا درد اور مرگی کا مرض جاتا رہتا ہے۔

الذی احسن کل شئ خلقه........... ماتشکرون

یہ آیت شیشہ کے گلاس یا پیالہ میں لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر اس پانی کے دو حصے کر لے ایک حصہ بچہ کی غذا میں ملا دے اور دوسرا حصہ شیشی میں ڈال کر محفوظ کر لے اور اس میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ بچہ کو پلائے اور اس کے منہ پر ملے۔ سات دن تک یا ایک روایت کے مطابق سات ہفتوں تک ایسا کریں۔ بچہ اپنی پیدائش سے نوے دن کے بعد صحت مند و چست ہو جائے گا۔

سورۂ احزاب

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عالم ملکوت میں اس سورۃ کو پڑھنے والے کا نام شکور ہے۔

❷ جو شخص اس سورۃ کو ہرن کے چمڑے..... یا کیلے کے پتہ پر لکھ کر..... ڈبیہ میں بند کر کے رکھ دے... تو اس جگہ کے سب لوگوں میں زیادہ معزز باوقار ہو جائے گا۔

واذاخذنا من النبیین .... الیماً

جو شخص عہد کا کچا ہو یا دشمنی کرنے لگتا ہو تو اس کے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر ان آیات کو زعفران اور شبنم کے پانی سے لکھ کر ان کے بعد تین لکھے فلان بن فلانة نقض عهدها و غدرولم كيف بما كان منه لفلان بن فلانة والله غالب علىٰ امره اللهم عليک یہ ۳ مرتبہ اور اس کی دیوار کے کونہ میں دفن کر دے۔

یایها النبی..........و کیلاً

جو آدمی سات دن تک صبح کی نماز کے بعد ان آیات کو مشک ملے ہوئے روغن چنبیلی پر پڑھے اور پھر اس تیل کو محفوظ کر کے یہ تیل اپنے دونوں ابرو اور رخساروں پر لگا کر کہیں کسی کے پاس کام کے لئے جائے تو وہ اس کا کام پورا کرے گا۔ اور وہ اس سے مرعوب ہوگا۔

سورۂ سبا

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جو شخص سورۂ سبا پڑھے قیامت میں پیغمبرؑ اس سے مصافحہ کریں گے۔

② جو آدمی اس سورۃ کو کاغذ پر لکھ کر سفید کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھے تو وہ سانپ بچھو وغیرہ تمام حشرات الارض اور آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

③ کسی کو یرقان ہو تو اس سورۃ کو لکھ کر پانی میں گھول کر پلائے اور اس کے منہ پر اسی پانی کے چھینٹے مارے۔

قل جآء الحق وما يبدی الباطل..........اخریٰ قریب

ویران کنوئیں سے پانی لے کر کاغذ پر اس آیت کو لکھ کر اس پانی میں ڈال کر جوش دے اور خوب مسل کر دھولے پھر یہ پانی دشمن کے گھر چھڑک دے تو دشمن ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔

شرط یہ ہے کہ پہلے اپنے دشمن کو کم از کم تین مرتبہ پیغام بھیجے کہ تو دشمنی سے باز آ ورنہ تجھ پر عظیم آفت آئے گی اگر پھر بھی وہ ظلم وخلاف شریعت کرنے سے باز نہ آئے تو یہ عمل کرے اور ظالم فرعون کے سوا کسی کے لئے نہ کرے۔

سورۂ فاطر

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی سورۂ فاطر کو پڑھے وہ جس دروازہ سے چاہے گا جنت میں داخل ہوگا۔

② اگر یہ سورۃ لکھ کر چوپایوں کے گلے میں لٹکائی جائے تو نہ کوئی چور ان کے قریب آئے گا نہ کوئی آفت آئے گی۔

③ اگر یہ سورۃ لکھ کر کسی شخص کی گود میں رکھ دی جائے تو جب تک یہ نہ اٹھالی جائے گی وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے گا۔

ان الذين يتلون كتاب الله..........شكور

اگر اس آیت کو روئی دار کپڑے کے.... چار پاکیزہ ٹکڑوں میں لکھ کر... اپنے سامان تجارت میں رکھا جائے ...تو اس کی تجارت میں بڑا نفع اور برکت ہوگی۔

سورۂ یٰسین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے ہرشی کا دل ہےاور قرآن کریم کا دل سورۂ یٰسین ہے۔اورارشادفرمایا جوآدمی سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس بار قرآن کریم پڑھنے کا اجرلکھ دیتا ہےاور فرمایا کہ سورۂ یٰسین اپنے پڑھنے والے کے سر پر دنیاوآخرت کی بھلائی کا عمامہ پہنادیتی ہےاوراس سے دنیا کی آزمائش اورآخرت کے خوف کودورکردیتی ہے۔

اسی لئے اس سورۃ کا نام معممہ اور مدافعہ بھی ہے اوراس کوقاضیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ حاجت مندوں کی ہرحاجت کو پورا کر دیتی ہے۔جوشخص اس سورۃ کولکھ کر پی لے اس کے دل میں ہزار دوا ہزار نور اور ہزار یقین اور ہزار برکت ہزار حکمت اور ہزار رحمت داخل کی جاتی ہےاوراس کے دل سے ہر کھوٹ اور بیماری کونکال دیا جاتا ہے۔

جوشخص اس سورۃ کو پڑھے اس دن اس کی وجہ سے اس کے گناہوں میں اس سے تخفیف کی جاتی ہےاوراس کے نامۂ اعمال میں ان لوگوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں جواس سورۃ میں مذکور ہیں۔

جوشخص اس سورۃ کوشام کے وقت پڑھے وہ صبح تک خوشی میں رہتا ہےاور جوصبح کو پڑھے وہ شام تک خوشی میں رہتا ہےاور جو شخص اس سورۃ کوسکرات کے وقت پڑھے وہ روح قبض ہونے سے پہلے رضوان جنت کواپنا منتظر دیکھتا ہے۔

اگرکوئی حاجت منداس سورۃ کو پڑھے تو اس کی حاجت پوری ہوجاتی ہےاورکوئی خوف زدہ پڑھے تو اس کا خوف جاتا رہتا ہے۔بھوکا پڑھےتوسیر پیاسا پڑھے تو سیراب ہوجاتا ہے۔

جوشخص اس سورۃ کو جمعہ کی رات میں پڑھے تو صبح اس کے سب گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں اور جوشخص سورۂ دخان اور سورۃ یٰسین کو جمعہ کی رات کے وقت ثواب کے یقین کے ساتھ پڑھے تواس کے سب پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

سورۂ یٰسین کی فضیلت میں اور بھی بہت ساری احادیث ہیں مگر یہاں طوالت سے بچتے ہوئے انہیں کوکافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی خدمت میں آ کر کہا آپ سورۂ یٰسین کے بارے میں کیاارشادفرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں ایک اسم ہے جسے وہ معلوم ہوجائے اور وہ اس اسم سے دعا مانگے تو وہ دعا قبول ہوجاتی ہے۔خواہ دعا مانگنے والا گناہگار ہی کیوں نہ ہو۔

جب کوئی آدمی کسی غم میں مبتلا ہوتو وہ سورہ یٰسین پڑھ کر یوں دعا مانگے۔

سُبْحَانَ الْمُفَرِّجِ عَنم كُلِّ مَهْمُوْمٍ سُبْحَانَ الْمُتَنَفِّسِ عَنْ كُلِّ مَكْرُوْبٍ مَدْيُوْنٍ سُبْحَانَ مَنْ جَعَل خَزَائِنَه' بَيْنَ الْكَافِ وَالنُّوْنِ اِنَّمَآ اَمْرُه' اِذَا اَرَادَ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَه' كُنْ فَيَكُوْنَ فَسُبْحَانَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ يَا مُفَرِّجَ الْهَمِّ فَرِّجْ ۳بار کہے۔

سورۂ یٰسین گلاب وزعفران سے سات بارلکھ کرسات روز تک مسلسل روزانہ ایک بار پیتا رہےتو وہ آدمی مناظر میں مخالف پر

غالب رہے گا۔لوگوں میں اس کی عزت ہوگی اگر کسی کے پیشاب میں رکاوٹ ہے وہ پیئے تو اس کی یہ تکلیف جاتی رہے گی اگر دودھ والی عورت پیئے تو اس کا دودھ بہت ہو جائے گا۔

اگر کوئی آدمی سورۂ یٰسین لکھ کر اپنے سر سے باندھے تو نظر بد سے جنون سے موذی جانوروں سے اور دوسری تکلیفوں سے محفوظ رہے گا۔کلبیؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھوں بھول کر کوئی قتل ہو گیا مقتول کے وارث کو اس پر ضد تھی کہ اس نے جان بوجھ کر قتل کیا ہے چنانچہ وہ قاتل کو قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہا تھا۔قاتل کو کسی نیک آدمی نے کہا اگر تو اپنی بات میں سچا ہے کہ تو نے اسے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تو اپنے گھر سے نکلنے سے پہلے سورۂ یٰسین پڑھ لیا کر اگر تو اس کے سامنے بھی ہوگا تو وہ تجھے نہیں دیکھ سکے گا۔چنانچہ وہ اسی طرح کرتا اور اس سے محفوظ رہتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش رات کو قتل کرنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے آئے اور ان کے سروں پر خاک ڈالی مگر وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔

جو شخص کسی ظالم بادشاہ سے ڈرتا ہو یا اسے ناحق قتل کرنا چاہتا ہو یا کوئی چلتے چلتے راستہ بھول گیا ہو تو وہ سورۂ یٰسین کو پڑھ کر یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَااِلٰهَ اِلاَّ هُوَالْحَیُّ الْقَيُّوْمُ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ ذُوْالْجَلاَلِ وَالْاِكْرَام. بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَایَضُرُّمَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِیْ الْاَرْضِ وَلاَفِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ فُلَانِ بِن فُلانة

وجعلنا من بين ايديهم سداً و من خلفهم سداً .... لايبصرون

❶ اگر یہ آیت لکھ کر یا تانبے یا سونے کی پتری پر کندہ کرا کر ڈھال کی مٹھی پر چسپاں کر دیا جائے تو دشمن شکست کھائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔

❷ جو شخص سوتے ہوئے اس آیت کو پڑھ کر سوئے تو وہ چوروں سے محفوظ رہے گا۔

❸ اگر دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو رہا ہو اور وہاں کوئی یہ آیت پڑھ دے تو ان میں سے جو ظالم ہے رسوا ہوگا۔

انا نحن نحي الموتىٰ ....مبين

اگر باغ میں پھل نہ لگتا ہو یا زمین بنجر ہو رہی ہو یا مردہ دلوں کو زندہ کرنا ہو تو روزہ کے ساتھ باوضو ہو کر ان آیات کو گلاب مشک اور زعفران سے کسی نئے پاک برتن میں لکھ کر اوپر تمام سورۃ پڑھے پھر اسے بارش کے پانی سے دھو کر باغ کے درختوں کی جڑوں میں یا بے آباد زمین میں یا گھر دوکان میں چاند کی پہلی جمعرات سے لے کر تین دن تک چھڑ کے روزانہ ایک مرتبہ۔

اگر کند ذہنی اور نسیان ہو مذکورہ بالا ترکیب سے بنائے ہوئے پانی میں شربت ترنج ملا کر سات دن تک ہر روز سات گھونٹ نہار منہ پیئے اور پینے کی ابتداء ہفتہ کے دن سے یا جمعرات کے دن سے کرے۔اور اگر ان آیات پر ذیل کے الفاظ بھی پڑھے جائیں تو بہت جلد کامیابی ہوگی۔

اَللّٰهُ مُحْيِی الْمَوْتیٰ وَجَامِعُ الشَّتَّاتِ وَ مُخرِجُ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ لَایَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهٖ شَیْءٌ بِقُدْرَتِهٖ

ان کانت الا صیحۃً واحدۃً فاذاھم خامدون.

جب دشمن سامنے آجائے تو قبلہ رخ ہوکر پڑھے۔ اللہ الغالب اللہ القاھر مذل کل جبار عنید ناصر الحق حیث کان بیدیہ الحول والقوۃ والسلطان ان کانت الا صیحۃً واحدۃً فاذا ھم خامدون دشمن گھبرا کر بھاگ جائے گا۔

وآیۃ لھم الارض المیتۃ..........لایعلمون باغ یا کھیت میں بہتری وبرکت کے لئے ان آیات کو مٹی کے برتن میں اور ریحان کے پانی سے جس میں مشک اور زعفران گھولی گئی ہو لکھ کر بارش کے پانی سے دھوکر باغ یا زمین میں چھڑک دے تو بہت ہی نفع ملے گا۔

ان کانت الا صیحۃً واحدۃً ....محضرون

اگر کسی آدمی کے پاس جن اس کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور کبھی وہ حاضر نہ ہو رہے ہوں تو پہلے جو قسم وغیرہ انہیں دے کر بلاتا ہے اس میں یہ آیت بھی ملاکر بلائے ونفخ فی الصور..........محضرون تک تو جن بہت جلد حاضر ہو جائیں گے۔

من یحیی العظام و ھی رمیم..........علیم

اگر اس آیت کو روغن زیتون پر پڑھ کر کسی اترے ہوئے یا ٹوٹے ہوئے یا سست عضو پر مالش کرے تو وہ صحیح ہو جائے گا۔

سورۂ صافات

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص یہ سورۃ پڑھے اس سے شیطان دور ہو جاتا ہے۔

❷ جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اس گھر میں رکھ دے جس میں جن رہتے ہوں تو وہ جن گھر والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

❸ جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اور اسے دھوکر پھر اس پانی سے نہائے تو اس کا خوف وگھبراہٹ اور کپکپی جاتی رہتی ہے۔

والصّٰفّٰت صفاً..............شھاب ثاقب

اگر لوبان اور سندروس کی دھونی دے اور ان آیات کو پڑھ کر کہے احضر یافلان اور جنوں کے بادشاہ کا نام لے تو وہ حاضر ہو جائے گا۔

سورۂ ص

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سورۂ ص پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو ہر گناہ سے محفوظ رکھے گا۔

❷ جو شخص اس سورۃ کو شیشہ کے برتن میں لکھ کر قاضی یا کوتوال کی جگہ رکھ آئے تو تین دن سے پہلے اس کی لغزش اور نقص ظاہر ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کا حکم نافذ نہ ہو سکے گا۔ ارکض برجلک ھٰذا مغتسل بارد و شراب

کنواں یا چشمہ وغیرہ کھودتے وقت اس آیت کا ورد جاری رکھا جائے تو وہاں سے میٹھا پانی نکلے گا۔

سورۂ زمر

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی سورۂ زمر پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی امید نہ توڑیں گے اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔

② جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اپنے بازو پر باندھے یا اپنے بستر یا اپنے گھر میں رکھ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں برکت عطا فرمائے گا اور لوگ ہمیشہ اس کے شکر گزار رہوں گے۔ **و نفخ فی الصور.........وھم لایظلمون**

اگر کوئی اس آیت کو پڑھ کر دشمن کے سامنے سے اس کے منہ پر پھونک دے تو دشمن غمگین اور خاموش ہو جائے گا۔

سورۃ غافر

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص جنت کے سرسبز باغات کا مالک بننا چاہتا ہے تو اسے وہ حٰم والی سورتوں کو پڑھنا چاہئے۔

② حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر شی کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا مغز حٰم والی سورتیں ہیں۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص حٰم المومن سے لے کر الیہ المصیر تک اور آیۃ الکرسی صبح کے وقت پڑھے وہ شام تک محفوظ رہے گا اور اگر شام کو پڑھے وہ صبح تک حفاظت میں رہے گا۔

④ اور اسی طرح دعا مانگنی چاہئے۔

یَاغَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِیْ یَا قَابِلَ التَّوْبِ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ یَاشَدِیْدَ الْعِقَابِ اُعْفُ عَنِّی یَاذَاالطَّوْلَ تَطَوَّلَ عَلَیَّ بِخَیْرِکَ

⑤ اگر یہ سورۃ رات کے وقت لکھ کر باغ یا دکان کی دیوار پر لگائی جائے تو اس میں بہت برکت ہوگی۔

⑥ اگر کسی آدمی کو زخم ہوں تو اس کے گلے میں سورۂ غافر لکھ کر پہنا دی جائے اس کے زخم اچھے ہو جائیں گے۔

⑦ اگر اس سورۃ کو لکھ کر اس کے پانی سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے۔ جب وہ روٹی سوکھ جائے تو پیس کر برتن میں محفوظ کر کے رکھ دے۔ جس آدمی کے دل یا جگر یا تلی میں درد رہتا ہو اسے وہ سفوف تھوڑا سا کھلایا جائے یا پلایا جائے درد ختم ہو جائے گا۔

رفیع الدرجات ذوالعرش ....الحساب

اگر کسی سے کوئی معلومات حاصل کرنی ہوں اور وہ نہ بتا رہا ہو تو اس آیت کو ہرن کے چمڑے پر جب وہ سویا ہوا ہو خواہ مرد ہے یا عورت اس کے سینہ پر رکھ دی جائے تو خود بخود بتا دے گا بشرطیکہ اس کے ان رازوں کی کسی اور کو خبر نہ دی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی پردہ پوشی پسند ہے۔

فستذکرون مآاقول لکم۔ پوری آیت

جو شخص ان آیات کو لکھ کر پاس رکھے تو ظالم اسے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

الذی جعل لکم الانعام..........تنکرون

اگر کسی دودھ والے جانور کا دودھ کم ہو گیا ہو تو یہ آیت کسی پاک صاف برتن میں لکھ کر اس پانی سے دھو لے جس پر کبھی دھوپ نہ پڑی ہو پھر اس دودھ والے جانور کو پلا دے اور اس کے کھانے والے چارہ پر بھی چھڑک کے تو دودھ بہت ہو جائے گا۔

سورۂ سجدہ

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص حٰم السجدہ پڑھے اسے اس سورۃ کے حروف کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔

② جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر گلے میں ڈالے یا بارش کے پانی سے دھو کر اس پانی سے سرمہ پیسے تو وہ سرمہ آنکھ کی سفیدی اور رمد اور ناخنہ وغیرہ آنکھ کی بیماریوں میں مفید ہے اور اگر سرمہ نہ ملے تو اسی پانی سے آنکھوں کو دھوتا رہے۔

سنریھم آیاتنا.........سورۃ کے اخیر تک

جب کوئی مظلوم بے کس ہو اس لئے وہ ظالم کو ظلم سے روک نہ سکتا ہو تو ان آیات کو کسی نابالغ کنواری لڑکی کے کپڑے کے ٹکڑے میں لکھے اور اس کے بعد یہ لکھے۔

کذٰلک یری اللہ فلان بن فلانۃ لفلان بن فلانۃ بحولہ و قوتہ من آیاتہ العظمیٰ و قدرتہ الباھرۃ ما یروع حالہ' ویقل فی الظلم عزمہ و یصمت لسانہ

پھر اس کو نابالغ لڑکی کے ہاتھ سے ظالم کے سرہانے کے نیچے اس طریقہ سے رکھوائے کہ اسے معلوم نہ ہو تو وہ ظالم خواب میں ایسے نظارے دیکھے گا جن سے خوفزدہ ہو کر وہ اپنے ظلم و ستم سے رک جائے گا۔

سورۂ حجرات

① یہ سورۃ اگر لکھ کر گھر میں لگا دی جائے تو اس گھر میں شیطان نہیں آتا۔

② اور اگر یہ سورۃ لکھ کر اور دھو کر دودھ والی عورت کو پلا دیا جائے تو اس کا دودھ بہت ہو جاتا ہے۔

③ اگر عورت حاملہ ہو اور یہ سورۃ اسے لکھ کر دھو کر پلا دی جائے تو بچہ ماں کے پیٹ میں ہر تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔

④ اگر کوئی آدمی نزع کی تکلیف میں ہو اس کے پاس بیٹھ کر کوئی سورۂ حجرات کی تلاوت کرے تو اس پر موت کی سختی کو آسان کر دیا جاتا ہے۔

ق......... **کذٰلک الخروج**

① اگر کوئی درخت پھل نہ اٹھاتا ہو یا درخت کو پھل تو لگتا ہو مگر محفوظ نہیں رہتا تو موسم بہار کی پہلی بارش کا پانی کسی پاک چکنے برتن یا کسی نئے شیشہ کے برتن میں لے کر ان آیتوں میں سے ہر ایک کو کاغذ کے ایک ٹکڑا پر گلاب و زعفران سے لکھ کر باقی پانیؔ سے طلوع فجر کے وقت ان ٹکڑوں کو دھو لے اور دھوتے وقت ان آیتوں کو سات بار پڑھے اور پانی درخت کی جڑ میں چھڑک دے۔ ان شاء اللہ اس درخت کو بہت پھل لگے گا۔

② مذکورہ بالا طریقہ سے بنائے ہوئے پانی میں بیج بھگو کر کاشت کیا جائے تو کھیتی بہت عمدہ ہوتی ہے۔

③ کسی کے پیٹ میں تکلیف ہوخواہ کسی بیماری کی وجہ سے ہوتو ان آیات کولکھ کر بارش کے پانی سی دھوکراسے پلا دیا جائے۔

④ کسی بچہ کے دانت آسانی سے نکلتے نظر نہ آتے ہوں تو اس بچہ کو یہ آیات بارش کے پانی سے دھو کر پلا دیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے دانت بآسانی نکل آئیں گے۔

⑤ کوئی آدمی کسی معاملہ میں خوف زدہ ہوتو اسے بھی اگر یہ آیات لکھ کر اور بارش کے پانی سے دھوکر اسے پلا دی جائیں تو اس کا خوف جاتا رہے گا۔

سورۃ الفتح

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص رمضان کی پہلی رات نفلوں میں یہ سورۃ پڑھے وہ اس سال ہر قسم کی آفت ومصیبت سے محفوظ رہے گا۔

② ایک عارف کہتے ہیں جو آدمی رمضان کا چاند دیکھتے ہی تین بار سورۂ فتح پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو فراخ دست رکھیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر چیز کا خلاصہ اور مغز ہوتا ہے اور قرآن شریف کا مغز مفصل ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سات لمبی آیتیں تورات کی جگہ پر اور آیات مثانی انجیل کی اور زبور کی جگہ مرحمت فرمائی ہیں۔ اور مجھے مفصل سے اعزاز وفضیلت بخشی ہے۔

جو شخص مفصل کو لکھ کر لڑائی یا خوف میں اپنے پاس رکھے تو وہ امن میں رہتا ہے۔

(مفصل کو لکھ کر اور دھوکر اگر پیچش) نکسیر اور سردی کے بخار والے کو پلایا جائے تو شفا ہوگی۔

انا فتحنالک فتحاً مبینا...... وکان اللہ علیماً حکیماً

جو آدمی یہ چاہے کہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو تو وہ پاک وصاف ہو کر ان آیات کو عرق گلاب) مشک اور زعفران کے ساتھ ہرن کے چمڑے پر لکھے اور اس چمڑے کو اپنی پگڑی یا ٹوپی میں رکھ کر سر میں رکھے۔

جو آدمی دشمنوں کے مقابلہ میں فتح چاہتا ہو وہ جمعرات کی پہلی اور دوسری ساعت میں زرد تانبے کی گول پتری پر ان آیات کو کندہ کرائے اور اپنی ڈھال (یا دوسرے دفاعی سامان) میں میخ سے جوڑ دے اور اسے ساتھ لے کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔

محمد رسول اللہ...... سورۃ کے آخر تک

جو شخص ان آیات کو ۱۴ رمضان کو یا ۲۴ تاریخ کو سفید ریشمی کپڑے میں عرق گلاب اور مشک وکافور سے لکھ کر ہرن کے چمڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ اگر درخت سے باندھ دے تو اس میں خوب برکت ہوگی۔ اگر کوئی بوڑھا شخص اپنے پاس رکھے تو وہ طاقت ور رہے گا۔ اس آیت میں سارے کے سارے حروف تہجی موجود ہیں

اور اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ثم انزل علیکم الخ میں بھی تمام حروف تہجی پائے جاتے ہیں۔ جو شخص ان دو آیتوں کو کثرت سے پڑھے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور اس کو تنگدستی سے نجات ملتی ہے اور نیکی کے کاموں میں اس کے بہت مددگار بن جاتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی ملتی ہے۔

سورۂ محمد

1. جو شخص اس سورۃ کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے جنت کی نہروں سے سیراب کرے گا۔
2. جو شخص اس سورۃ کو لکھے اور زمزم کے پانی سے دھو کر پی لے تو وہ لوگوں کا محبوب بن جائے گا۔ اس کا حافظہ قوی ہو جائے گا جو بات سنے گا وہ یاد رہے گی۔
3. اس سورۃ کو لکھ کر اور دھو کر اس کے پانی سے بیمار کو نہلایا جائے تو تندرست ہو جائے گا۔

ان الذین کفروا......ولن یترکم اعمالکم

اس آیت کو ڈھال پر کندہ کرا کے اگر دشمن کا سامنا کرے تو دشمن کو شکست ہوگی۔

ان الذین کفروا فتعساً لھم..........فاحبط اعمالھم

اگر دوران جنگ میدان جنگ سے مٹی کی ایک مٹھی لے کر اس پر یہ آیت پڑھ کر دشمن کے چہرے پر مار دے تو دشمن مغلوب اور ذلیل ہوگا۔

سورۂ احقاف

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص سورۂ احقاف کو پڑھے۔ اسے دنیا کی ہر ہر چیز کی تعداد کے برابر دس دس نیکیاں ملیں گی اور دس دس برائیاں نامہ اعمال سے مٹائی جائیں گی اور دس دس درجات بلند ہوں گے۔
2. جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اپنے گلے میں لٹکائے وہ بیداری و نیند ہر حالت میں جنات اور دیگر ہر خوفناک چیز کے شر سے محفوظ رہے گا۔
3. اگر اس سورۃ کو لکھ کر سرہانے کے نیچے رکھ کر سو جائے تو رات کو کوئی چور یا جن وغیرہ اس کے قریب نہ آئے گا۔

واذکر اخاعاد..........وکذلک تجزی المجرمین

اگر کوئی بے دین ظالم و فرعون صفت دشمن ہو تو اس کے ہلاک و برباد کرنے کے لئے یہ آیات بہت مفید ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ سات بیکار کنوؤں کا پانی لا کر اس پر ان آیات کو ہفتہ کے دن سے لے کر جمعہ کے دن تک سات دن مسلسل چاند کے آخری عشرہ میں پڑھے) ہر روز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے کے وقت سات سات بار پڑھے پھر آئندہ ہفتہ کے دن اس پانی کو چار گھڑوں میں ڈال کر کسی نابالغ لڑکے کے ہاتھوں انہیں کسی الگ کونہ میں رکھوا دے۔ جب ضرورت ہو تو

دشمن کے گھر یا جہاں چاہے اس پانی کو چھڑکوا دے۔ بہت جلد مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مگر اس بات کا دھیان ضرور رہے کہ یہ عمل اسی کے لئے کیا جائے جو بے دین وملحد اور ظالم ہو ناحق کسی پر ایسا عمل کرنا سخت گناہ ہے۔

واذ صرفنا الیک نفراً من الجن.......... فی ضلٰل مبین

ان آیات کو پڑھنے سے جن بہت جلد حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان آیتوں کو ہر عزیمت کے بعد پڑھے۔

سورۂ دخان

❶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص رات کے وقت سورۂ حٰم الدخان پڑھے ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور صبح تک اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عالم ملکوت میں سورۂ حٰم کا نام ''مبارکہ'' ہے کیونکہ اس کے پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے برکت بھیجتے ہیں۔

❸ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اس سورۃ کو جمعہ کی رات کو پڑھے وہ صبح تک بخش دیا جاتا ہے اور جو جمعہ کے دن کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

❹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص جمعہ کی رات سورۂ حٰم دخان اور سورۂ یٰسین کو یقین کے ساتھ ثواب کی نیت سے پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گذشتہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

❺ جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

❻ جو شخص پیچش کا مریض ہو وہ اس سورۃ کو لکھ کر دھو کر پی لے تو فائدہ ہوگا۔

حٰم ورب ابائکم والاولین تک

جو آدمی ان آیات کو شعبان کی پہلی رات میں عشاء کے بعد دس بار پڑھے پھر چودھویں رات کو تیس مرتبہ پڑھے اور پھر جو دعا مانگنی ہو مانگے بہت جلد قبول ہوگی۔

ان المتقین فی مقام امین الخ جس آدمی کو اندیشہ ہو کہ میرا مدمقابل مجھے مغلوب ولاجواب کر دے گا تو وہ پاک صاف ہو کر اور پاکیزہ لباس پہن کر عصر کی نماز کے بعد ان آیتوں کو کسی پاکیزہ اور نئے سفید کپڑے میں عرق گلاب اور مشک اور زعفران اور کافور سے لکھ کر اپنی جیب میں رکھے اور اپنے مدمقابل سے ملے تو ان شاء اللہ اس پر غالب آئے گا۔

سورۂ جاثیہ

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص سورۂ جاثیہ پڑھے وہ قیامت کے دن حساب کے وقت نہیں

ڈرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ جاثیہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی ہر سختی و تنگی سے محفوظ رکھیں گے۔

❸ جو آدمی اس سورت کو لکھ کر اپنے پاس رکھے یا گلے میں لٹکائے وہ ہر چغل خور کی چغل خوری سے محفوظ رہے گا اور کوئی اس کی غیبت نہیں کرے گا۔

❹ اگر بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے گلے میں سورۃ جاثیہ لکھ کر لٹکا دی جائے تو وہ بچہ ہر سختی سے محفوظ رہے گا۔

حٰمٓ............یوقنون

❶ پاک صاف ہو کر روزہ رکھے اور روزہ کے ساتھ جھاؤ کی لکڑی پر ان آیات کو لکھ کر اس لکڑی کو کنوئیں یا نہر میں چھوڑ دے۔ پھر وہاں سے پانی لے کر پودوں اور درختوں کی جڑوں میں چھڑکے گا تو وہ خوب پھلیں پھولیں گے۔ یا اپنے کاروبار کی جگہ میں کہیں چھڑکے گا تو خوب رزق ملے گا۔

ویل لکل افاک الیم......الیم تک اور ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وما کانوا منظرین تک یا ولھم عذاب عظیم تک

اگر کسی آدمی سے کوئی کام کرانا ہو تو ان آیات کو اپنی داہنی ہتھیلی پر تین بار لکھ کر بند کر لے یا دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی اس پر رکھ دے اور مطلوبہ آدمی کے سامنے جا کر ہتھیلی کھول دے تو وہ آدمی اس کا کام پورا کر دے گا۔

❶ اگر کسی دشمن کی کشتی وغیرہ غرق کرنا مقصود ہو تو پکی ہوئی مٹی کی سات ٹھیکریاں لے۔ جب تہائی رات گزرنے کے بعد اٹھ کر پاک صاف ہو تو ان ٹھیکریوں میں سے ہر ایک کو تین تین بار پلٹائے اور سات بار ان پر تکبیر پڑھے پھر ان پر ان آیات کو سات دفعہ لکھ کر یہ پڑھے۔

لَارَجْعَةَ وَلَانَجْعَةَ وَلَاقُوَّةَ وَلَاسُلْطَانَ وَلَلَيَدَ وَلَابَطْشَ وَلَانَصْرَ وَلَا ظَفْرَ وَلَااِسْتِظْهَارَ وَلَاغَلَبَةَ وَلَااِقْتِدَارَ لِفُلَانِ بنِ فُلَانَةِ

(دشمن کا نام اور اس کی ماں کا)

پھر ان ٹھیکریوں کو خوب کوٹ کر کشتی یا کسی میں پھینک دے تو عجیب نظارہ دیکھے گا۔

الذین سخرلکم البحر..........یتفکرون

جو شخص جنگل یا دریا میں شکار کرنا چاہے وہ قلعی کا پیالہ لے کر جب چاند منزل فرغ موخر میں ہو اس پیالہ سے ایک تختی سے بنوا کر اس پر ان آیات کو کندہ کرا کے اس جال میں رکھ دے اور جال کو دریا یا جنگل میں جہاں ڈالے گا شکار ہر طرف سے جال میں جمع ہو جائے گا۔

اور اگر ان آیات کو جھاؤ کی لکڑی کی ایک تختی پر لکھ کر جال کے ایک سرے سے باندھ دے تو اس جال میں بہت عمدہ شکار پھنسے گا۔ اور اگر شکاری اس تختی کو جنگل میں لے جائے تو پرندے اور جانور اس شکار کے پاس آ جمع ہوں گے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

کی نایاب قرآنی تفسیر ''تفسیر میرٹھی'' سے منتخب آیات کے فضائل وخواص

سورہ لقمان خاصیت آیت 16

خواص۔ یبنی انھا انالخ تک اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو چاہئے کہ اوّل ایک سوانیس بار اس آیت کو یات بہا اللہ تک پڑھے۔ ان شاء اللہ وہ کھوئی ہوئی چیز ضرور مل جاوے گی مگر شمار میں کمی زیادتی نہ ہونے پاوے۔

فضیلت سورہ سجدہ

فضائل۔ (سورہ السجدہ) حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی اس سورہ سجدہ اور سورۃ ملک کو رات کے وقت پڑھے اس کو شب قدر کے عمل کے برابر ثواب ہوگا۔

سورہ احزاب خاصیت آیت 56

فضائل۔ صلّوا علیہ الخ السلام علیک ایھا النبی الخ تو سلام ہے اور اللھم صل علی محمد الخ درود۔ دونوں حکم کی تعمیل نماز کے قعدہ اخیرہ میں ہو جاتی ہے۔ درود وسلام کے فضائل بے شمار ہیں۔ فلاح وبرکات دارین' جسمانی اور روحانی شفا' حاجت روائی' قرب الٰہی' کشفِ قلوب' قبولیت دعا' دفعیہ رنج وپریشانی۔ غرض ہر امر کے لئے تیر بہدف ہے۔ ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

سورہ یٰسین فضائل وخواص

خواص۔ سورۃ یٰسین جو شخص حالت نزاع میں گرفتار ہو اور اس پر یہ مقدس سورت پڑھی جاوے تو موت وسکرات کی سختی اس پر آسان ہوگی اور جو حاجت مند ہو اس مبارک سورۃ کو چاشت کے وقت پڑھے اور اپنی حاجت اللہ پاک سے طلب کرے تو ضرور اس کی حاجت روا ہوگی۔ ایک فائدہ جو اکثر تجربہ میں آیا ہے یہ ہے کہ جس شخص کو تلاش معاش ہو اس کو چاہئے کہ اتوار کے غرہ سے اس کا عمل شروع کریں اس طرح کہ اکتالیس بار اول وآخر درود پڑھے بعدہ اس سورت کو اول سے لفظ مبین تک پڑھے پھر لفظ

مبین سات بار کہہ کر شروع سے پھر پڑھے اور دوسرے لفظ مبین پر پہنچ کر مبین کو سات مرتبہ پڑھے پھر شروع سے پڑھے۔ تیسرے مبین پر بھی اسی طرح کریں غرض ہر مبین پر پہنچ کر مبین کے لفظ کو سات بار پڑھے اور شروع سورت سے پڑھے ساتوں مبین پر اسی طرح کرنے کے بعد تمام سورت ایک مرتبہ پڑھے اور پھر بعد درود کے دعا مانگے چالیس روز تک ایسا ہی کرے بعد نماز صبح یہ عمل شروع کرے اور طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ختم ہو جانا چاہئے۔ غالب تو یہ ہے کہ اول ہی چلہ میں کامیاب ہو جائے اگر نہ ہو تو دوسرا چلہ اسی طرح کرے انشاء اللہ ضرور مراد کو پہنچے گا۔ لڑکیوں کی شادی کے انجام اور منگنی کے انصرام کے لئے اکتالیس مرتبہ پڑھنا چاہئے۔ اس سورت کا لکھ کر اور دھو کر پلانا وجع مفاصل کے لئے نافع ہے۔ اس مقدس سورۃ کے لکھنے اور پڑھنے کا ثواب دس قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل یٰسین ہے اس کی تلاوت کرنے والے کے لئے جنت کے آٹھویں دروازے کھل جائیں گے تاکہ جس دروازے میں سے چاہے اندر داخل ہو۔

فضائل- جو مسلمان روز آخرت پر یقین رکھنے والا اس مقدس سورت کو پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی۔ جو شخص خلوص نیت سے لوجہ اللہ شب کو پڑھے گا قیامت کے روز بخشا جائے گا اور جو ہر رات تلاوت کرے گا وہ شہید مرے گا۔

سورہ یٰسین خاصیت آیت 58

خواص- اپنے نام کے اعداد کی شمار کے موافق سلامٌ قولا من رب رحیم کا وظیفہ صفائی قلب کے لئے نہایت مفید ہے۔

سورہ صٓ خاصیت آیت 34

خواص- ولقد فتنا الخ جس شخص کو آسیب کا خلل ہو اس کے بائیں کان میں یہ آیت ثم اناب تک سات بار پڑھے۔ انشاءاللہ صحت ہوگی۔

فضیلت سورہ مومن

فضائل- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے مجھ کو الواح موسیٰ علیہ السلام سے مرحمت ہوئی ہیں۔

فضیلت سورہ دخان

فضائل- ترمذی شریف میں وارد ہے کہ جو شخص اس سورہ مقدسہ کو شب جمعہ میں پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے۔

اغلاط نامہ جلد پنجم

معذرت:۔۔۔طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود

بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صحیح	غلط	صفحہ نمبر
الْغَرُوْرُ	الْغرَوْرُ	43
اجرًا كريماً	اجرًا عظيمًا	112
غدوها شهر	غدوها شهرًا	139
الاقال مترفوها	الاقال مترفيها	153
ويوم يحشرهم	ويوم تحشرهم	156
فاني تؤفكون	فاني يؤفكون	162
الا بعلمه	الا بعمله	164
والذين تدعون	والذى تدعون	166
ينبغى له	ينبغى لها	198
ان تسجد	ان لاتسجد	278
اعملوا	اعلموا	287
فادخلوها	فاخلوها	310
لانسمع	لانسع	400
الا الموتة	الا الموت	413

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

اُردو

تفسیر بغوی

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِيل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفرأ بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد ششم سُورۃ الاحقاف تا سُورۃ الناس

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر

بشمول قرآنی فضائل وخواص

از ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان

0322-6180738, 061-4519240

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالمُ التَّنزِیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد ششم... سُورَۃُ الاَحقَاف تا سُورَۃُ النَّاس

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

و حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے قلم سے

ترجمہ از

اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240)

تفسیر بغوی اردو

تاریخ اشاعت.......... شوال المکرم ۱۴۳۶ھ
ناشر.................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.............. سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور | دارالاشاعت.......اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ علمیہ...............اکوڑہ خٹک.......پشاور | مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ.......کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی | مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

سُوْرَةُ الْاَحْقَاف

مکی ہے اور اس کی پینتیس (۳۵) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ
اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ
يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤
وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ
بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨

(ترجمہ) حم یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے ہم نے آسمان وزمین اوران چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے اور وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمان) کے پیدا کرنے) میں کچھ ساجھا ہے میرے پاس کوئی (صحیح) کتاب لاؤ جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو یا اگر وہ کتاب نہ ہو تو) کوئی اور (معتبر) مضمون

منقول لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے تک کی بھی خبر نہ ہو اور پھر جب (قیامت) میں سب آدمی جمع کئے جاویں تو وہ (معبود) ان کے دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کی نسبت جبکہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے اور وہ بڑی مغفرت والا رحمت والا ہے آپ کہہ دیجئے کوئی میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر ①"حم ②تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز الحکیم

③ما خلقنا السموات والارض وما بینھما الاّ بالحق واجل مسمّی"یعنی قیامت کے دن۔ اور یہ وہ مدت ہے جس تک آسمانوں و زمینوں کی انتہا ہوگی اور یہ اشارہ ہے ان دونوں کے فناء ہونے کی طرف۔"والذین کفروا عمّا انذروا" قرآن میں بعث وحساب کے ذریعے ڈرائے گئے"معرضون"

④"قل ارأیتم ما تدعون من دون اللّٰہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات ایتونی بکتاب من قبل ھذا"یعنی ایسی کتاب کے ساتھ جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن سے پہلے آئی ہو اس میں تمہاری باتوں کا بیان ہو۔"او اثارۃ من علم"کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی باقی علم جو پہلوں کی طرف منسوب ہو۔ مجاہد، عکرمہ اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے روایت ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خاص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے بمعنی روایت۔ کہا جاتا ہے"اثرت الحدیث اثراً و اثارۃ" اور اسی سے مشتق کر کے خبر کو اثر کہا جاتا ہے۔"ان کنتم صادقین"

⑤"ومن اضل ممن یدعوا من دون اللّٰہ من لایستجیب لہ"یعنی بت کہ ان کے عبادت کرنے والے جو بھی مانگیں وہ کسی چیز کا جواب نہیں دیتے۔"الٰی یوم القیامۃ"یعنی ہمیشہ جب تک دُنیا ہوگی۔"وھم عن دعائھم غافلون" اس لیے کہ وہ جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

⑥"واذا حشر النّاس کانوا لھم اعداء وکانوا بعبادتھم کافرین" انکار کرنے والے۔ اس کا بیان اس کا قول "تبرأنا الیک ما کانوا ایّانا یعبدون" ہے۔

⑦"واذا تتلٰی علیھم آیاتنا بینات قال الّذین کفروا للحق لما جاء ھم ھذا سحر مبین" وہ قرآن کو جادو کہتے تھے۔

⑧"ام یقولون افتراہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا"قل" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!"ان

افریته فلا تملکون لی من الله شیئاً" تم قدرت نہیں رکھتے کہ مجھ سے اس کے عذاب کو دور کرسکو۔ اگر وہ مجھے میرے افتراء پر عذاب دے۔ پس میں تمہاری وجہ سے اللہ پر کیسے جھوٹ گھڑ سکتا ہوں۔ "هو اعلم" اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ "بما تفیضون فیه" تم قرآن کی تکذیب اور اس کو جادو کہنے میں دلچسپی رکھتے ہو۔ "کفٰی به شهیدا بینی و بینکم" کہ قرآن اس کی طرف سے آیا ہے۔ "وهو الغفور الرحیم" تم سے عذاب کو مؤخر کرنے میں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کی توبہ کی طرف دعوت ہے۔ اس کا معنی ہے بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے جو توبہ کرے اس کو بخشنے والا، اس پر رحم کرنے والا ہے۔

⑨ "قل ما کنت بدعا من الرسل" یعنی بدیع نصف اور نصیف کی مثل اور بدع کی جمع ابداع ہے۔ میں پہلا رسول نہیں ہوں۔ تحقیق مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ پس تم میری نبوت کا کیسے انکار کرتے ہو۔ "وما ادری ما یفعل بی ولا بکم"

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ کی تفسیر

علماء رحمہم اللہ نے اس آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ پس ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین خوش ہوگئے۔ پس وہ کہنے لگے "لات و عزّیٰ" کی قسم ہمارا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اللہ کے نزدیک ایک ہی ہے اور اس کو ہم پر خصوصیت اور فضیلت نہیں ہے۔ اگر جو کچھ وہ کہتے ہیں انہوں نے خود نہ گھڑا ہوتا تو جس نے ان کو بھیجا ہے وہ ان کو خبر دیتا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے "لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر" نازل کی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے خوشخبری ہے۔ ہم نے جان لیا کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، پس ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی "لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنّات" اور آیت "وبشر المؤمنین بان لهم من الله فضلا کبیرا" نازل کی تو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

اور یہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتادہ، حسن اور عکرمہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خبر دینے سے پہلے کی آیت ہے اور آپ علیہ السلام کے ذنوب کی مغفرت کی خبر حدیبیہ والے سال دی ہے۔ پس اس نے اس کو منسوخ کر دیا۔ ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان کو رہائش دینے کے لیے انصار نے قرعہ اندازی کی۔ فرماتی ہیں کہ ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نکلا۔ پھر وہ مریض ہوگئے، ہم نے ان کی تیمارداری کی، پھر وہ فوت ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو السائب تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، میری تجھ پر گواہی ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیرا اعزاز و اکرام کیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تجھے کس نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا ہے؟ تو میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہرحال وہ پس تحقیق اس کے پاس اس کے رب کی طرف سے متعین آیا ہے۔

اور بے شک میں اس کے لیے خیر کی اُمید کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ اور میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اُم العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی کسی کی پاکی بیان نہ کروں گی۔ ام العلاء کہتی ہیں کہ پھر میں نے خواب میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایک جاری چشمہ دیکھا تو میں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا قول "وما ادری مایفعل بی ولا بکم" دُنیا کے بارے میں ہے۔ بہرحال آخرت کے بارے میں تو آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ آپ علیہ السلام جنت میں ہوں گے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی پس وہ جہنم میں ہوگا۔

پھر اس میں ان کا اختلاف ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر مصائب شدید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں خواب میں ایک زمین دیکھی جو کھجور کے درختوں والی تھی کہ آپ علیہ السلام اس کی طرف ہجرت کریں گے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا آپ اس زمین کی طرف کب ہجرت کریں گے جو آپ علیہ السلام کو دکھائی گئی ہے تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وما ادری مایفعل بی ولا بکم" یعنی کیا میں اپنی جگہ رہتا ہوں یا میں اور تم اس زمین کی طرف نکلیں گے جو مجھے دکھائی گئی تھی اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ "وما ادری مایفعل بی ولا بکم"

یعنی دُنیا میں میرے اور تمہارے معاملہ کا انجام کیا ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ تمہاری جگہ میں رہوں گا یا میں یہاں سے چلا جاؤں۔ جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام چلے گئے یا قتل کیا جاؤں گا جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام قتل کیے گئے اور تم اے تصدیق کرنے والے، میں نہیں جانتا کہ تم میرے ساتھ نکلو گے یا چھوڑے جاؤ گے یا اے تکذیب کرنے والو! تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ کیا تم پر آسمان سے پتھر پھینکے جائیں گے یا تمہیں زمین میں دھنسایا جائے یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلی تکذیب کرنے والی اُمتوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ آپ علیہ السلام کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ پس فرمایا: "هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے بارے میں فرمایا: "وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم وما کان الله معذبهم وهم یستغفرون" پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ علیہ السلام اور آپ کی اُمت کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ یہ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

"ان اتبع الا ما یوحی الیّ" یعنی میں تو صرف قرآن کی اتباع کرتا ہوں اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں گھڑتا۔

"وما انا الا نذیر مبین"

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ ۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ إِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ
قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ⑬ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا
الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۚ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ
شَهْرًا ۚ حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ
تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑮

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے اور تم تکبر ہی میں رہو بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر سکتے تھے اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ (مضمون) ہے اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی اور یہ ایک کتاب ہے جو اس (کی پیشینگوئی) کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں ہے ظالموں کے ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے جن لوگوں نے (سچے دل سے) کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان (نیک) کاموں کے جو وہ کرتے تھے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اس کی ماں نے) بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھوڑنا اکثر تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو (یعنی بلوغ کو) پہنچ جاتا ہے اور (پھر بلوغ کے بعد) چالیس برس کو پہنچتا ہے (تو جو نیک بخت ہوتا ہے) وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت مت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔

تفسیر ⑩ "قل ارأیتم" اس کا معنی ہے تم مجھے خبر دو کہ تم کیا کہتے ہو۔ "ان کان" یعنی قرآن۔ "من عند اللہ

وکفرتم به" اے مشرکین!" وشهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله" محل صلہ ہے یعنی اس پر کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ "فآمن" یعنی شاہد۔ "واستکبرتم" اس پر ایمان لانے سے اور اس کے قول "ان کان من عندالله" کا جواب محذوف ہے۔ "الیس قد ظلمتم" کی تقدیر پر۔ اس محذوف پر اس کا قول "ان الله لایهدی القوم الظالمین" دلالت کرتا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب "فمن اضل منکم" ہے۔ جیسا کہ سورۃ السجدہ میں فرمایا ہے اور اس شاہد میں اختلاف ہے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انہوں نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی اور ان پر ایمان لائے اور یہود نے تکبر کیا۔ پس وہ ایمان نہیں لائے۔

تین باتوں کے متعلق صرف نبی ہی بتلا سکتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا سنا تو وہ زمین میں کھجوروں کے درختوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا میں آپ علیہ السلام سے تین باتوں کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ ان کو صرف نبی ہی جانتے ہیں۔ پس قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ اور کیا چیز بچے کو اس کے باپ یا اس کی ماں کی طرف کھینچتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ان کے بارے میں ابھی جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ انہوں نے پوچھا جبرئیل؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا یہ فرشتوں میں سے یہود کا دشمن ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی "قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن الله" پس قیامت کی پہلی علامت آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانکے گی اور بہرحال جنتی جو پہلا کھانا کھائیں گے پس وہ مچھلی کے جگر کا گوشت ہے۔

اور جب آدمی کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی سبقت کر جائے تو لڑکی ہوتی ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اشهد ان لا اله الا الله وانک رسول الله" اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود بہتان لگانے والی قوم ہے، اگر انہوں نے میرے اسلام کو جان لیا، آپ علیہ السلام کے ان سے سوال کرنے سے پہلے تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ پس یہود آئے تو آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا، عبداللہ تم میں کیسے آدمی ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم میں سے بہترین شخص اور ہم میں سے بہترین کے بیٹے ہیں اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لے آئیں تو؟ تو وہ کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پناہ دیں۔ پس عبداللہ نکلے اور کہا "اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله" تو وہ کہنے لگے ہم میں سے برے اور ہم میں سے برے کے بیٹے ہیں۔ پس ان میں نقص نکالے تو عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس چیز سے ڈرتا تھا۔ عامر بن سعد بن ابی وقاص نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی زمین پر چلتے ہوئے شخص کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے، سوائے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
"وشهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله" اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ شاہد موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں۔
مسروق رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ آیت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ اس لیے آل حم مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ میں اسلام لائے ہیں اور یہ آیت ایک جھگڑے کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ علیہ السلام کی قوم سے تھا اور قرآن کی مثل توریت ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے توریت پر گواہی دی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر اور ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے، وہ ایمان لائے اور تم نے تکبر کیا۔ پس تم ایمان نہیں لائے۔

⑪ "وقال الّذین کفروا" یہود میں سے۔ "للّذین امنوا لو کان" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین۔ "خیراً ما سبقونا الیه" یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا جس چیز کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بلاتے ہیں اگر وہ خیر ہوتی تو فلاں اور فلاں ہم سے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الّذین کفروا" اسد اور غطفان مراد ہیں۔ "قالوا للّذین امنوا" یعنی جھینہ اور مزینہ مراد ہیں جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اگر وہ خیر ہوتا تو ہم سے چرواہے اس کی طرف سبقت نہ کرتے۔
"واذ لم یهتدوا به" یعنی قرآن کے ذریعے جیسا کہ اہل ایمان نے اس کے ذریعے ہدایت حاصل کی۔ "فسیقولون هذا افک قدیم" جیسا کہ انہوں نے کہا تھا "اساطیر الاوّلین"۔

⑫ "ومن قبله" یعنی اور قرآن سے پہلے۔ "کتاب موسٰی" یعنی توریت "اماما" اس کی اقتداء کی جائے۔ "ورحمة" اللہ کی طرف سے اس کے لیے جو ایمان لایا۔ ان دونوں کا نصب حال ہونے کی بناء پر ہے۔ کسائی رحمہ اللہ کے نزدیک اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اضمار ہے یعنی ہم نے اس کو امام اور رحمت بنایا اور کلام میں محذوف ہے۔ اس کی تقدیر وتقدمہ کتاب موسیٰ "اماما ولم یهتدوا به" ہے جیسا کہ پہلی آیت میں فرمایا ہے "واذا لم یهتدوا به"...... "وهذا کتاب مصدق" یعنی قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں۔ "لسانا عربیا" یہ حال کی بناء پر نصب ہے اور کہا گیا ہے کہ بلسان عربی۔ "لینذر الذین ظلموا" یعنی مشرکین مکہ۔ اہل حجاز، اہل شام اور یعقوب رحمہم اللہ نے "لتنذر" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کی بناء پر اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی الکتاب "وبشری للمحسنین"......"وبشریٰ" محل رفع میں ہے یعنی "هذا کتاب مصدق و بشریٰ"

⑬ "ان الّذین قالوا ربّنا الله ثمّ استقاموا فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون.

⑭ اولئک اصحاب الجنّة خالدین فیها جزآء بما کانوا یعملون"

⑮ "ووصینا الانسان بوالدیه احسانا" اور اہل کوفہ رحمہم اللہ نے "احسانا" پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان

"وبالوالدین احسانا" کی طرح۔"حملته امه کرھا ووضعته کرھا"سخت مشقت مراد ہے۔اہل حجاز اورابوعمرورحمہ اللہ نے"کرھا"کاف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے دونوں میں اور دیگر حضرات نے ان دونوں کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔

"وحمله و فصاله"اس کا دودھ چھڑانا اور یعقوب رحمہ اللہ نے"وفصله"بغیر الف کے پڑھا ہے۔"ثلاثون شهرا" حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت چوبیس مہینے ہیں۔عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب عورت کا حمل نو ماہ ہو تو اکیس مہینے دودھ پلائے اور جب حمل چھ ماہ ہو تو چوبیس ماہ دودھ پلائے۔

"حتی اذا بلغ اشده"اپنی قوت کی انتہاء کو اور عنفوان شباب کو اور یہ اٹھارہ سال سے چالیس سال تک کا وقت ہے۔پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول"وبلغ اربعین سنة"کا۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ کی تفسیر

سدی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور واقعہ پہلے گزر چکا ہے اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوقحافہ عثمان بن عمرو اور والدہ ام الخیر بنت صخر بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کے والدین دونوں اسلام لے آئے اور مہاجرین میں سے کسی اور کو یہ خصوصیت نہیں ملی کہ ان کے والدین دونوں اسلام لے آئے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان دونوں کے بارے میں وصیت کی اور یہ حکم ان کے بعد ہر شخص کو لازم ہوگیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھارہ سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی شام کی طرف تجارت میں،اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی۔پس جب آپ علیہ السلام چالیس سال کے ہوئے اور نبوت ملی تو آپ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اپنے رب سے دُعا کی"قال ربّ اوزعنی"مجھے الہام کر۔"ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلی والدیّ"ہدایت اور ایمان کے ساتھ۔"وان اعمل صالحا ترضاه"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کی۔پس انہوں نے نو (۹) اہل ایمان کو خرید کر آزاد کیا جن کو اللہ تعالیٰ کے دین کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا اور ہر خیر کے کام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور یہ بھی دُعا کی۔

"واصلح لی فی ذریتی"یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔پس ان کی تمام اولاد ایمان لائی۔پس ان کے والدین اور اولاد سب اسلام لے آئے۔ان کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعتیق سب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور یہ خصوصیت کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں ہوئی۔"انی تبت الیک وانی من المسلمین"

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ⑯ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ. وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ⑰ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ⑱

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے نیک کاموں کو قبول کرلیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے (یہ سب) اس وعدہ صادقہ کی وجہ سے (ہوا) جس کا ان سے (دنیا میں) وعدہ کیا جاتا تھا اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ یعنی خبر دیتے ہو کہ میں (قیامت میں دوبارہ زندہ ہوکر) قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو (وہ اس پر بھی) یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدہ عذاب) پورا ہوکر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان (کافر) ہوگزرے ہیں بے شک یہ (سب خسارہ میں رہے۔

تفسیر ⑯ "اولئک الذین نتقبّل عنهم احسن ما عملوا" یعنی ان کے نیک اعمال جو انہوں نے دُنیا میں کیے۔ یہ تمام حسن ہیں اور احسن بمعنی حسن ہے۔ پس ان کو اس پر ثواب دیں گے۔ "ونتجاوز عن سیئاتهم" پس ہم ان کو اس پر کوئی عتاب نہ کریں گے۔ حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "نتقبّل. ونتجاوز" کو نون کے ساتھ پڑھا ہے اور "احسن" کو نصب کے ساتھ اور دیگر حضرات نے یاء اور اس کے پیش کے ساتھ اور احسن کو مرفوع "فی اصحاب الجنّة" جنتیوں کے ساتھ۔ "وعد الصدق الذی کانوا یوعدون" اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "وعد الله المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهار ہے"

⑰ "والذی قال لوالدیه" جب ان دونوں نے اس کو اللہ پر ایمان لانے اور بعث کا اقرار کرنے کی دعوت دی۔ "اف لکما" یہ ناپسندیدگی کا کلمہ ہے۔ "اتعداننی ان اخرج" اپنی قبر سے زندہ "وقد خلت القرون من قبلی" پس ان میں سے کوئی نہیں اُٹھایا گیا۔ "وهما یستغیثان الله" وہ دونوں اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے تھے اور اس کو کہتے تھے "ویلک اٰمن ان وعد الله حق فیقول ما هٰذا" نہیں ہے وہ جس کی طرف تم دونوں مجھے بلاتے ہو۔ "الاّ اساطیر الاوّلین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی، مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

یہ عبداللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے اسلام لانے سے پہلے، اس کے والدین اس کو اسلام کی طرف بلاتے تھے اور وہ انکار کرتا تھا اور کہتا تھا میرے لیے عبداللہ بن جدعان، عامر بن کعب اور قریش کے سرداروں کو زندہ کرو حتیٰ کہ میں ان سے پوچھوں اس کے بارے میں جو تم کہتے ہو

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ایک کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو والدین کا نافرمان تھا۔ اسی بات کو حسن اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کے اسلام لانے سے پہلے اس کے قول کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول باطل کرتا ہے۔

⑱ "اولئک الذین حق علیهم القول" اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ لوگ ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے اور عبدالرحمٰن تو مؤمن تھے اور بڑے فضیلت والے مسلمانوں میں سے تھے پس وہ ان میں سے نہیں ہو سکتے جن پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے۔ "اولئک الّذین حق علیهم العذاب" کا معنی ان پر عذاب واجب ہو گیا۔ "فی امم" اُمتوں کے ساتھ۔ "قد خلت من قبلهم من الجن والانس انهم کانوا خاسرین"

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ⑳

ترجمہ: اور ہر ایک (فریق) کے لئے ان کے (مختلف) اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال (کی جزا) پوری کردے اور ان پر (کسی طرح کا) ظلم نہ ہوگا اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے (کہ ہم کو بھی بھول گئے) سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

تفسیر: ⑲ "ولکل درجات ممّا عملوا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والے مراد ہیں۔ پس یہ ان سے افضل ہے جو ان سے بعد ایمان لائے۔ اگرچہ ایک گھڑی ہی کیوں نہ ہو۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے فضائل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور کہا گیا ہے کہ "ولکلّ" یعنی مؤمنین و کافروں کے دونوں فریقوں کے لیے درجات یعنی اللہ کے ہاں قیامت کے دن منازل و مراتب ہیں۔ ان کے اعمال کی وجہ سے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں ان کو جزا دیں گے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بیان ہے کہ جہنمیوں کے درجات انتہائی نیچے تک ہوں گے اور جنتیوں کے درجات انتہائی بلندی پر ہوں گے۔ "ولیوفیهم" ابن کثیر، اہل بصرہ اور عاصم رحمہم اللہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ۔ "اعمالهم" تاکہ ان کے لیے ان کے اعمال کا ثواب مکمل ہو جائے۔ "وهم لا یظلمون"

⑳"ویوم یعرض الّذین کفروا علی النار" پس ان کو کہا جائے گا۔"اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا" ابن کثیر، ابن عامر، ابوجعفر اور یعقوب رحمہم اللہ نے "ااذھبتم" استفہام کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر رحمہ اللہ نے دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر استفہام کے خبر کی بناء پر پڑھا ہے اور یہ دونوں فصیح ہیں۔ اس لیے کہ عرب ڈانٹ کے لیے استفہام لاتے ہیں اور استفہام کو چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ پس تو کہے گا "اذھبت ففعلت کذا؟"......"واستمتعتم بھا" فرمایا کہ تم اپنی لذات لے گئے اور تم نے ان سے نفع اُٹھالیا۔"فالیوم تجزون عذاب الھون" یعنی وہ عذاب جس میں ذلت و رسوائی ہو۔"بما کنتم تستکبرون" تم تکبر کرتے ہو۔"فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون" پس جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دُنیا میں لذات سے لطف اندوز ہونے پر ڈانٹا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور نیک لوگوں نے دُنیا میں لذات سے اجتناب کو ترجیح دی آخرت کے ثواب کی اُمید میں۔

دنیا میں نفع ترک کرنے کے بیان میں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ تحقیق چٹائی کے نشانات آپ علیہ السلام کے پہلو پر نمایاں تھے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ آپ علیہ السلام کی اُمت پر وسعت دیں کیونکہ فارس و روم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراوانی دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قوم ان کی لذتیں دُنیا کی زندگی میں ان کو جلدی دی گئی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جَو کی روٹی سے دو دن لگاتار پیٹ نہیں بھرا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ البتہ تحقیق ہم پر ایسا مہینہ بھی آتا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے اور ہمارے لیے صرف پانی اور کھجور ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں کو جزائے خیر دیں کہ وہ بسا اوقات ہمیں کچھ دودھ ہدیہ کر دیتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار کئی راتیں بھوکے رہتے اور آپ علیہ السلام کے گھر والوں کے پاس رات کا کھانا نہ ہوتا تھا اور ان کی اکثر روٹی جَو کی روٹی ہوتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق میں اللہ کے راستے میں اتنا ڈرایا گیا ہوں جتنا کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور تحقیق اللہ کے راستہ میں اتنی تکلیف دی گئی جو کسی کو نہیں دی گئی اور تحقیق مجھ پر تیس رات و دن ایسے آئے کہ میرے اور بلال کے لیے اتنا کھانا نہ تھا جس سے ایک شخص پیٹ بھرے سوائے تھوڑی سی کھجور کے جس کو بلال کی بغل چھپا لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تحقیق میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے کسی آدمی پر پوری چادر نہ ہوتی تھی یا تو تہبند یا چھوٹی چادر ہوتی

جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے۔ پس ان میں سے بعض کے وہ آدھی پنڈلیوں تک پہنچتیں اوران میں سے بعض کے ٹخنوں تک پہنچتیں۔ پس اس کو اپنے ہاتھ سے جمع کر لیتا۔ اس بات کو ناپسند سمجھتے ہوئے کہ اس کا ستر دیکھا جائے۔

ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا اور وہ روزہ دار تھے تو انہوں نے فرمایا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے۔ پس ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ اگر اس کے ساتھ ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پاؤں ظاہر ہو جاتے اور اگر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ظاہر ہو جاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کیے گئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ پس ان کے کفن کا کوئی کپڑا نہیں تھا، صرف ایک چادر تھی، پھر ہمارے لیے دُنیا کی فراوانی دی گئی یا فرمایا ہمیں دُنیا دی گئی اور تحقیق ہمیں ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ دُنیا میں ہمیں جلدی دے دیا گیا ہو۔ پھر رونے لگا۔ یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو پوچھا اے جابر یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا میرا دل گوشت کھانے کو چاہا تو میں نے اس کو خرید لیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے جابر! کیا جب بھی تیرا دل کسی چیز کو چاہے گا تو اس کو خرید لے گا؟ کیا تو اس آیت سے نہیں ڈرتا۔ "اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا"

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ㉑ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ㉒ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ㉓ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ㉔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ㉕ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ㉖ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ㉗ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉘ وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ

مُنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: اور آپ قوم عاد کے بھائی (یعنی ہود) کا (ان سے) ذکر کیجئے جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خم دار تو دے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے بہت ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گزر چکے ہیں مجھ کو تم پر ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے جو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو سو ہم پھرنے والے نہیں اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کا تم وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کردو پورا علم تو خدا ہی کو ہے (کہ عذاب کب تک آوے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (کہ عذاب لاؤ اس میں) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ وہ (ایسے) تباہ ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل (سبھی کچھ) دیئے تھے سو چونکہ وہ لوگ آیات الہیہ کا انکار کرتے تھے اس لئے (جب عذاب آیا) تو نہ ان کے کان ان کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی (شرک و کفر کے سبب) غارت کی ہیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں (ان کو) بتلا دی تھیں تا کہ وہ شرک (و کفر سے) باز آجائیں سو خدا سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (یہاں پہنچ کر) قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس (اس کی) خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک (عجیب) کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور دین) حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

تفسیر ㉑ "واذكر اخا عاد" یعنی ھود علیہ السلام کو "اذ انذر قومه بالاحقاف" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ احقاف عمان اور مھرۃ کے درمیان وادی ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم عاد کی منزلیں یمن میں حضرموت میں ایک

جگہ میں تھیں جس کو مھرۃ کہا جاتا ہے اور اس کی طرف مھری اونٹ منسوب ہیں اور اہل عاد موسم بہار میں سفر کرتے تھے۔ پھر جب پیاس تنگ کرتی تو اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتے اور یہ قبیلہ ارم میں سے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ عاد یمن کا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ ریتلی زمین میں رہتے تھے جو سمندر کے قریب تھی۔ اس جگہ کو شحر کہا جاتا تھا اور احقاف حقف کی جمع ہے اور وہ لمبے ٹیڑھے ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ریت کا اونچا ٹیلہ پہاڑ کی طرح لیکن بلندی میں پہاڑ کو نہ پہنچا ہو۔ کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ریت کا گول ٹیلہ "وقد خلت النذر" گزر چکے ہیں رسول۔ "من بین یدیه" یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے۔ "و من خلفه" ان کی قوم کی طرف۔ "الا تعبدوا الا اللّٰه انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم"

۲۲ "قالوا اجئتنا لتافکنا" تاکہ تو ہمیں پھیر دے۔ "عن آلهتنا" یعنی ان کی عبادت سے۔ "فاتنا بما تعدنا" عذاب کا۔ "ان کنت من الصادقین" کہ عذاب ہم پر اُترنے والا ہے۔

۲۳ "قال" ہود علیہ السلام نے۔ "انما العلم عند اللّٰه" اور وہ جانتا ہے کہ کب تمہارے پاس عذاب آئے گا۔ "و ابلغکم ما ارسلت به" تمہاری طرف وحی۔ "ولکنی اراکم قوما تجهلون"

۲۴ "فلما راوه" یعنی جو وہ عذاب کا وعدہ کیے جاتے ہیں۔ "عارضا" بادل جو آسمان کے کنارے میں ظاہر ہوگا، پھر آسمان پر چھا جائے گا۔ "مستقبل اودیتهم" پس ان پر سیاہ بادل ظاہر ہوئے ان کی ایک وادی سے جس کو مغیث کہا جاتا تھا اور اس سے پہلے ان سے بارش روک لی گئی تھی۔ پس جب انہوں نے اس بادل کو دیکھا تو خوش ہوگئے۔ "قالوا هذا عارض ممطرنا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بل هو ما استعجلتم به ریح فیها عذاب الیم" پس وہ ہوا خیموں اور کجاووں کو اتنا بلند اُٹھا کر لے گئی کہ دیکھنے والے کو لگتا کہ وہ ٹڈیاں ہیں۔

قوم عاد پر عذاب کا واقعہ

۲۵ "تدمر کل شیء" عاد کے مردوں اور ان کے مالوں کو ہلاک کردیا۔ "بامر ربها" پہلی بات یہ ہوئی جس کی وجہ سے ان کو معلوم ہوا کہ جو ان کے مرد اور مویشی باہر گئے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ ہوا ان کو آسمان و زمین کے درمیان اُڑا رہی ہے تو وہ اپنے گھروں میں داخل ہوگئے اور دروازے بند کرلیے تو ہوا آئی اور ان کے دروازوں کو چوکھٹوں سمیت اُکھاڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا۔ پس اس نے ان پر ریت ڈال دی وہ لوگ آٹھ دن سات راتیں ریت کے نیچے رہے، ان کی آہیں گونجتی تھیں۔ پھر اللہ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان پر سے ریت کو ہٹا دیا اور ان کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلکھلا کر ہنستے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام کے منہ کے اندرونی حصہ کی سفیدی نظر آئی ہو۔ آپ علیہ السلام جب بادل یا آندھی دیکھتے تو اس کے اثرات آپ علیہ السلام کے چہرے سے معلوم ہو جاتے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں بارش کی اُمید کرتے ہوئے اور آپ علیہ السلام جب بادل دیکھتے ہیں تو آپ علیہ السلام کے چہرہ پر ناگواری ہوتی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) مجھے اس سے امن نہیں ہے کہ اس میں عذاب ہو۔ تحقیق ایک قوم کو آندھی کے ذریعے عذاب دیا گیا ہے اور تحقیق ایک قوم نے عذاب دیکھا تو وہ کہنے لگے "ھذا عارض ممطرنا" (الآیہ) عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل کو دیکھتے تو چہرہ انور متغیر ہو جاتا اور (بے چینی کی وجہ سے) گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے اور اِدھر اُدھر چکر لگاتے، پھر جب بارش ہوتی تو یہ کیفیت چلی جاتی اور خوش ہوتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے یہ بات جو میں نے دیکھی آپ علیہ السلام کے سامنے ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تجھے کیا خبر شاید کہ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) یہ ویسے ہو جیسے قوم عاد نے کہا "فلمّا رأوہ عارضا مستقبل او دیتھم قالوا ھذا عارض ممطرنا"

"فاصبحوا لایری الّا مساکنھم" عاصم، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ نے "یری" یا کی پیش کے ساتھ "مساکنھم" نون کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کوئی چیز نہیں دیکھی جاتی تھی صرف ان کے مساکن اور دیگر حضرات نے تاء اور اس کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "مساکنھم" نصب کے ساتھ یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نہیں دیکھیں گے مگر ان کے مساکن اس لیے کہ ان کے رہائشی اور جانور تو ہوا کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔ پس صرف ھود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے باقی رہ گئے۔ "کذلک نجزی القوم المجرمین"

㉖ "ولقد مکناھم فیما ان مکنا کم فیہ" یعنی ان چیزوں میں جن میں تم کو قدرت نہیں دی جیسے بدن کی قوت اور لمبی عمر اور مال کی کثرت۔ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ما" اس کے قول "فیما" میں "الّذی" کے مرتبہ میں ہے اور ان ما کے مرتبہ میں۔ اور اصل عبارت یوں ہوگی "ولقد مکّناھم فی الذی ما مکنا کم فیہ"

"وجعلنا لھم سمعا وابصارًا وافئدۃ فما اغنی عنھم سمعھم ولا ابصارھم ولا افئدتھم من شئ اذ کانوا یجحدون بآیات اللّٰہ و حاق بھم ما کانوا بہ یستھزؤن"

㉗ "ولقد اھلکنا ماحولکم" اے اہل مکہ! "من القریٰ" جیسے ثمود کی حجر اور سدوم کی زمین اور ان دونوں کی مثل۔ "وصرفنا الآیات" واضح دلائل "لعلھم یرجعون" اپنے کفر سے پس وہ نہیں لوٹے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، مشرکین مکہ کو ڈرا رہے ہیں۔

㉘ "فلولا" پس کیوں نہیں "نصرھم الّذین اتخذوا من دون اللّٰہ قربانا آلھۃ" یعنی وہ بت جن کو انہوں نے معبود بنا لیا ہے۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ قربان ہر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے اور اس کی جمع قرابین ہے جیسے رھبان اور رھابین۔

"بل ضلّوا عنھم" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلکہ گم ہو گئے معبودوں سے۔ پس عذاب کے اُترنے کے وقت ان کو کوئی نفع نہ دیا۔ "وذلک افکھم" یعنی ان کا جھوٹ ہے جو وہ کہتے تھے کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اور ان کی سفارش کریں گے۔ "وما کانوا یفترون" جھوٹ بولتے تھے کہ وہ معبود ہیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا کی تفسیر

㉙"واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابوطالب وفات پاگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا طائف تشریف لے گئے ثقیف نصرا اور اس کی قوم سے مدد مانگنے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں ثقیف کے چند لوگوں کے پاس پہنچے اور وہ ان دنوں میں ثقیف کے سردار اور معزز لوگ تھے اور یہ تین بھائی تھے عبد یالیل، مسعود، حبیب۔ یہ عمرو بن عمیر کے بیٹے تھے اور ان میں سے ایک کے نکاح میں قریش کی شاخ بنو جمح کی ایک عورت تھی تو آپ علیہ السلام ان کے پاس بیٹھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ان کو بتایا کہ اسلام کی مدد کرنے اور آپ علیہ السلام کی قوم کی مخالفت کے وقت آپ علیہ السلام کے ساتھ ٹھہرنے میں کیا ملے گا تو ان میں سے ایک کہنے لگا وہ کعبہ کے کپڑے کو بٹتا تھا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بھیجا ہے۔ دوسرا کہنے لگا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی نہیں ملے جس کو وہ رسول بنا کر بھیجتے اور تیسرا کہنے لگا، اللہ کی قسم! میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گا۔ اگر آپ علیہ السلام اللہ کی طرف سے رسول ہیں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام خود کہہ رہے ہیں تو میں آپ کو جواب دوں تو اس میں بہت بڑا خطرہ ہے اور اگر آپ علیہ السلام اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں (نعوذ باللہ) تو میرے لیے مناسب نہیں کہ آپ سے بات کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اُٹھ گئے اور آپ علیہ السلام ثقیف کی خیر سے نا اُمید ہو چکے تھے اور ان کو کہا تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس کو چھپالو، کسی کو نہ بتانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناپسند ہوئی کہ یہ بات آپ علیہ السلام کی قوم تک پہنچے۔ پس وہ اس پر مزید جرأت کریں گے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور اپنے غلاموں اور بے وقوفوں کو آپ علیہ السلام کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ علیہ السلام کو برا بھلا کہتے اور آوازیں کستے حتیٰ کہ بہت سارے لوگ جمع ہو گئے اور مجبوراً آپ علیہ السلام کو ایک باغ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ باغ عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ یہ دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے اور وہ دونوں اس وقت باغ میں تھے تو ثقیف کے آوارہ لوگ واپس چلے گئے۔

پس آپ علیہ السلام انگور کی رسی کے سائے میں بیٹھ گئے اور ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ علیہ السلام کو دیکھ رہے تھے اور ثقیف کے لوگوں نے جو آپ علیہ السلام کو ستایا تھا وہ بھی دیکھ چکے تھے اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو جمح کی اس عورت سے بھی ملے۔ اس کو بتایا جو اس کے سسرالی رشتہ داروں اور دیوروں سے تکالیف پہنچی۔ جب باغ میں آپ علیہ السلام کو اطمینان ہوا تو فرمایا "اللّٰھم انی اشکوا الیک ضعف قوتی وقلّة حیلتی وھو انی علی النّاس انت ارحم الراحمین. انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی او الی عدو ملکته امری ان لم یکن بک علیّ غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع علیّ اعوذ بنور وجھک الّذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والآخرة من ان ینزل بی غضبک او یحلّ علی سخطک لک العتبیٰ حتّی ترضٰی ولا حول ولا قوّة اِلاّ بک" پس جب ربیعہ کے بیٹوں نے یہ حالت دیکھی تو ان کو ترس آیا تو انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کو عداس کہا

جا تا تھا، اس کو کہا یہ انگوروں کا گچھا لے اس کو اس برتن میں رکھ اور اس آدمی کو پیش کر۔ اس کو کہہ اس کو کھالیں۔ عداس نے ویسے کیا، پھر وہ لایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا تو آپ علیہ السلام نے بسم اللہ پڑھ کر اس کو اُٹھا کر کھایا تو عداس آپ علیہ السلام کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا، پھر کہا اللہ کی قسم! اس شہر والے یہ کلام نہیں کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو کون سے شہر سے ہے اے عداس؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوٰی کا رہنے والا ہوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا نیک آدمی یونس بن متی کی بستی سے؟ اس نے پوچھا آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متی کون تھے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں تو عداس فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر گیا۔

آپ علیہ السلام کے سر ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ربیعہ کا ایک بیٹا دوسرے سے کہنے لگا اس آدمی نے تیرے غلام کو بگاڑ دیا ہے۔ پس جب عداس ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو کہا تیری بربادی ہو اے عداس! تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے سر اور ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دے رہا تھا؟ اس نے کہا اے میرے آقا! زمین میں اس سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ تحقیق اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی جانتا ہے۔

اس نے کہا تیرا ناس ہو اے عداس! یہ تجھے تیرے دین سے نہ پھیر دے، تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف کی خیر سے ناامید ہو کر مکہ لوٹ آئے۔ حتیٰ کہ جب آپ نخلہ کے مقام پر تھے تو رات کے وسط میں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو یمن کے علاقہ نصیبین کے جن وہاں سے گزرے تو انہوں نے توجہ سے قرآن سنا۔ جب آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے پلٹے۔ تحقیق وہ خود ایمان لا چکے تھے اور جوان نے سنا تھا اس کو قبول کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ آپ علیہ السلام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لَيْلَةُ الْجِنِّ کا تفصیلی واقعہ

"واذ صرفنا اليک نفرا من الجن" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ بازار کی طرف تشریف لے گئے اور تحقیق شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رُکاوٹ پیدا ہو چکی تھی، پس ان پر شہاب چھوڑے گئے تو شیاطین واپس اپنی قوم کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رُکاوٹ ہو گئی ہے اور ہم پر شہاب چھوڑے گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی نئی چیز حائل ہو گئی ہے۔ پس تم زمین کے مشرق و مغرب کا چکر لگاؤ اور دیکھو کہ تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے؟ پس یہ لوگ پھرے اور تہامہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ میں تھے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ عکاظ کے ارادہ سے نکلے ہوئے تھے اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پس جب انہوں نے قرآن سنا تو اس کو توجہ سے سنتے رہے۔ پھر کہنے لگے اللہ کی قسم! یہ چیز تمہارے اور آسمان کی

خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ پس اس وقت وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ پس کہنے لگے اے ہماری قوم! "انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنا به ولن نشرک بربنا احدا" تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر یہ آیت نازل کی۔

"قل اوحی الیّ انه استمع نفر من الجن" اور آپ علیہ السلام کی طرف جن کا قول وحی کیا گیا تھا اور روایت کیا گیا ہے کہ جب شہاب کی وجہ سے وہ واپس لوٹے تو ابلیس نے اپنا لشکر معاملہ کی تحقیق کے لیے بھیجا اور پہلا لشکر اہل نصیبین میں سے بھیجا، یہ جنوں میں معزز اور سردار تھے تو ان کو تہامہ کی طرف بھیجا اور ابوحمزہ یمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ الشیصبان میں سے تھے اور یہ جنوں میں تعداد میں سب سے زیادہ ہیں اور یہ ابلیس کے لشکروں کا اکثر حصہ ہیں۔ پس جب وہ لوٹے تو کہنے لگے۔ "انا سمعنا قرآنا عجبا" اور ایک جماعت نے کہا کہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اور ان پر قرآن پڑھیں۔ پس آپ علیہ السلام کی طرف نینوٰی کے جنوں کی جماعت کو پھیرا اور ان کو جمع کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ آج رات جنوں پر قرآن پڑھوں۔ پس تم میں سے کون میرے پیچھے چلے گا؟ تو ان سب نے سر جھکا لیے۔ پھر ان سے پوچھا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ پھر تیسری مرتبہ پوچھا تو انہوں نے سر جھکا لیے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ علیہ السلام کے پیچھے گئے۔

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ میرے علاوہ کوئی حاضر نہ ہوا تھا۔ پس ہم چلے حتیٰ کہ جب ہم مکہ پر تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہوئے جسے شعب الحجون کہا جاتا تھا اور میرے لیے ایک لکیر کھینچ دی۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھ جاؤں اور فرمایا میرے واپس لوٹنے تک اس سے نہ نکلنا۔ پھر آپ علیہ السلام چلے گئے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ پس میں نے گدھوں کی مثل چیزوں کو دیکھا جو آپ کی طرف مائل ہو رہی ہیں اور بہت زیادہ شور سنا حتیٰ کہ مجھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف ہوا اور آپ علیہ السلام کو سخت سیاہی نے ڈھانپ لیا جو میرے اور آپ علیہ السلام کے درمیان حائل ہوگئی حتیٰ کہ میں آپ علیہ السلام کی آواز نہ سنتا تھا۔ پھر وہ بادل کے ٹکڑوں کی طرح چھٹنے لگے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت فارغ ہوئے اور میری طرف آئے اور مجھے فرمایا کیا تو سو گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کئی مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ میں لوگوں سے مدد طلب کروں حتیٰ کہ میں نے آپ علیہ السلام کو سنا کہ آپ علیہ السلام اپنا عصا کھڑکھڑا کر ان کو فرما رہے ہیں تم بیٹھ جاؤ، آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تو نکلتا تو مجھے تجھ پر امن نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی تجھے اُچک لیتا۔ پھر فرمایا کہ کیا تو نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے سیاہ مردوں کو سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ لوگ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے متاع یعنی توشہ کا سوال کیا۔ پس میں نے ان کو ہڈی، لید اور مینگنی کا توشہ دیا۔

پس ان جنوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ ان کو گندہ کر دیتے ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی اور لید سے استنجاء کرنے سے روک دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں پھر میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو یہ کیسے نفع دے گی؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ جو ہڈی پاتے ہیں جس دن وہ کھائی گئی تھی اس دن اس پر ان کو گوشت ملتا ہے اور لید جوان کو ملتی ہے تو وہ اس میں دانے پاتے ہیں جس دن وہ کھائی گئی تھی۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں نے بہت زیادہ شور سنا تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جنوں نے اپنے ایک مقتول کے فیصلہ کے لیے مجھے حکم بنایا تو میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا۔

فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کی پھر میرے پاس آئے اور فرمایا کیا تیرے ساتھ پانی ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس چھوٹا مشکیزہ ہے اس میں تھوڑا سا کھجور کا نبیذ ہے تو آپ علیہ السلام نے وہ مانگا تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر ڈالا، آپ علیہ السلام نے وضو کیا اور فرمایا کھجور پاکیزہ ہے اور اس کا پانی پاک ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو کوفہ کے چند شیوخ کو دیکھا تو جب ان کو دیکھا تو انہوں نے اس کو خوفزدہ کر دیا۔ پس فرمایا تم ظاہر ہو جاؤ ان کو کہا گیا یہ لوگ قوم میں سے ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی اس جماعت کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیری گئی تھی یعنی جن۔

حضرت عامر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے علقمہ رحمہ اللہ سے پوچھا کیا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے؟ تو علقمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے خود ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہم نے ان کو گم پایا۔ تو ہم نے آپ علیہ السلام کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا تو ہم نے آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) خیال کیا کہ اغوا کیا گیا ہے یا دھوکہ سے قتل کیا گیا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پس ہم نے وہ بڑی بری رات گزاری جو کسی قوم نے گزاری ہوگی۔ پس جب ہم نے صبح کی تو آپ علیہ السلام حراء کی جانب سے تشریف لا رہے تھے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ نہیں ملے تو ہم نے بڑی بری رات گزاری جو کسی قوم نے گزاری ہوگی۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس جنوں کا داعی آیا، میں اس کے ساتھ گیا تو میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ علیہ السلام ہمیں وہاں لے گئے اور ان کے اور ان کی آگ کے نشانات دکھائے۔

فرمایا کہ پھر انہوں نے آپ علیہ السلام سے کھانے کا سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے لیے ہر ایسی ہڈی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں آتے ہی پہلے سے وافر گوشت آ جائے گا اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کا چارہ ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ان دونوں سے استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ دونوں تمہارے بھائیوں کا کھانا ہے۔

"واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن" اس جماعت کی تعداد میں اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نصیبین کے جنوں میں سے سات افراد تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف قاصد بنایا اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ نو افراد تھے۔

زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے یہ اِن نو (۹) لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قرآن کو سنا۔ "فلما

حضروہ قالوا انصتوا" اور حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ جن تین قسم کے ہیں ایک قسم ان کے پر ہیں جن کے ذریعے ہوا میں اُڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں۔

اور ایک قسم کہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں، پھر کوچ کرتے ہیں۔ پس جب یہ حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے تم خاموش ہو جاؤ تا کہ ہم اس کی قرأت کو توجہ سے سن سکیں اور ہمارے اور سننے میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ پس وہ خاموش ہو گئے اور قرآن کو توجہ سے سنا حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر گر پڑیں، اپنی شدید حرص کی وجہ سے۔ "فلمّا قضٰی" اس کی تلاوت سے فارغ ہوئے۔ "ولّوا الی قومھم" ان کی طرف پھرے۔ "منذرین" ڈرانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے داعی بن کر۔

30 "قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسٰی مصدقا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم" عطاء رحمہ فرماتے ہیں کہ ان کا دین یہودیت تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا ہے "انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسٰی"

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْلَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ 31 وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ 32 اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ َ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 33

ترجمہ: اے بھائیو اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر خدا) کو ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی ہی نہ ہوگا (اور) ایسے لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو جو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر (بدرجہ اولیٰ) قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو (قیامت میں) زندہ کر دے اور وہ اس پر قادر کیوں نہ ہو بے شک وہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: 31 "یاقومنا اجیبوا داعی اللّٰہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "وامنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم"...... "من" صلہ ہے یعنی ذنوبکم تمہارے گناہوں کو۔ "ویجرکم من عذاب الیم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پس ان کی قوم میں سے ستر جنوں نے دعوت کو قبول کیا۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے اور بطحاء میں آپ علیہ السلام کو پایا تو آپ علیہ السلام نے ان پر قرآن پڑھا اور ان کو حکم دیا اور نہی کی اور اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ آپ علیہ السلام جنوں اور انسانوں سب کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ علیہ السلام سے پہلے کوئی جنوں وانسانوں کی طرف اکٹھے نہیں بھیجا گیا اور علماء کا اختلاف ہوا ہے جنوں میں سے مؤمنین کے حکم میں۔ پس ایک قوم نے کہا ہے کہ ان کے لیے

کوئی ثواب نہیں ہے سوائے جہنم سے نجات کے اور اللہ تعالیٰ کے قول "یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم" کی تاویل کی ہے اور اسی کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔

سفیان رحمہ اللہ نے لیث سے نقل کیا ہے کہ جنوں کا ثواب یہ ہے کہ وہ آگ سے پناہ دیئے جائیں گے، پھر ان کو کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ اور یہ جانوروں کی طرح ہے اور ابوالزناد سے روایت ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا تو مؤمنین جنوں سے کہا جائے گا تم مٹی ہو جاؤ۔ پس وہ مٹی ہو کر لوٹ جائیں گے۔ پس اس وقت کافر کہے گا "یالیتنی کنت ترابا" اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ ان کے لیے احسان (نیکیوں) میں ثواب ہوگا۔ جیسا کہ برائیاں کرنے میں ان پر عتاب ہوگا انسانوں کی طرح اور اسی کی طرف مالک اور ابن ابی لیلیٰ گئے ہیں۔

جریر نے ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں پئیں گے اور نقاش رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حدیث ذکر کی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پس کہا گیا کہ کیا وہ جنت کی نعمتیں حاصل کریں گے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تسبیح اور ذکر الہام کریں گے۔ پس وہ اس کی وجہ سے ایسی لذت محسوس کریں گے جیسے بنوآدم جنت کی نعمتوں سے حاصل کریں گے۔ ارطاۃ بن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ضمرہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنوں کو ثواب ہوگا؟ انہوں نے فرمایا ہاں اور پڑھا "لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان" فرمایا پس انسانی عورتیں انسانوں کے لیے اور جنات کی عورتیں جنوں کے لیے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین جن جنت کے اردگرد مضافات میں ہوں گے جنت میں نہیں ہوں گے۔

32 "ومن لایجب داعی اللہ فلیس بمعجز فی الارض" اللہ کو عاجز نہ کر سکے گا کہ اس سے چھوٹ جائے۔ "ولیس لہ من دونہ اولیآء" مددگار جو اس کو اللہ سے بچا سکیں۔ "اولئک فی ضلال مبین"

33 "اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض ولم یعی بخلقھن" ان کے ازسرنو پیدا کرنے سے عاجز نہیں آیا۔ "بقادر" اسی طرح اکثر حضرات کی قرأت ہے اور اس پر باء کے داخل ہونے کی وجہ سے ان کا اختلاف ہوا ہے۔ پس ابوعبیدہ اور اخفش رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ باء زائد ہے تاکید کے لیے۔ جیسے اس کا قول 'تنبت بالدھن' اور کسائی اور فرائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عرب باء کو استفہام انکاری پر داخل کرتے ہیں۔ پس تو کہے گا "ما اظنک بقائم" اور یعقوب نے یقدر یاء کے ساتھ فعل پڑھا ہے اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے اکثر حضرات کی قرأت کو اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قادر بغیر باء کے ہے۔ "علی ان یحیی الموتی بلی انہ علی کل شیء قدیر"

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ 34 فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ 35

ترجمہ اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے پوچھا جائے گا کہ) کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے ارشاد ہوگا (اچھا) تو اپنے کفر کے بدلے میں اس (دوزخ) کا عذاب چکھو تو آپ (ویسا ہی) صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا اور ان لوگوں کے لئے (انتقام الٰہی کی) جلدی نہ کیجئے اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) تو گویا یہ لوگ (دنیا میں) دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں یہ (خدا کی طرف) سے پہنچا دینا ہے (جس سے حجت تمام ہوگئی) سو (اس کے بعد) وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے۔

تفسیر ㉞ "ویوم یعرض الذین کفروا علی النار" پھر ان کو کہا جائے گا "الیس ھذا بالحق قالوا بلٰی وربنا قال" پھر ان کو کہا جائے گا۔ "فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون"

㉟ "فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرّسل" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں احتیاط والے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوشش وصبر والے اور ان کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام رسول اولوالعزم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جو پختہ ارادہ واحتیاط والا اور کامل رائے اور کامل عقل والا نہ ہو اور من کو جنس کے لیے داخل کیا گیا ہے نہ کہ تبعیض کے لیے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اشتریت اکسیة من الخزوا ردیة من البز" میں نے ریشم اور اون کے بنے ہوئے کپڑے خریدے اور روئی کے کپڑے کی چادریں خریدیں اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام اولوالعزم تھے سوائے یونس بن متی علیہ السلام کے کیوں کہ ان سے ایک عجلت ہو چکی ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا ہے "ولا تکن کصاحب الحوت" اور ایک قوم نے کہا ہے کہ وہ منتخب رسول ہیں جن کا تذکرہ سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے اور وہ اٹھارہ ہیں کیونکہ ان کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ" اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا اور ان سے دین کے دشمنوں کے ساتھ کھلی دشمنی ظاہر کی اور کہا گیا ہے کہ وہ چھ ہیں نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور موسیٰ علیہم السلام اور اس ترتیب پر ان کا ذکر سورہ الاعراف اور شعراء میں کیا گیا ہے۔

اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چھ ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی تکلیف پر صبر کیا اور ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا اور اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے گم ہونے اور بینائی جانے پر صبر کیا اور یوسف علیہ السلام نے کنویں اور قید پر صبر کیا اور ایوب علیہ السلام نے تکلیف پر صبر کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام صاحب شریعت انبیاء ہیں۔ پس یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچ ہوگئے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ تخصیص کے ساتھ کیا ہے اپنے قول "واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح و ابراھیم و موسٰی وعیسیٰ ابن مریم" میں اور اپنے قول "شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ

نوحا" میں ۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) بے شک دُنیا محمد اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) بے شک اللہ تعالیٰ اولوالعزم رسولوں سے صرف اس کی ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے اور مشقت پر صبر کرنے سے راضی ہوئے ہیں اور مجھ سے اس بات پر راضی ہوئے کہ مجھے ان باتوں کا مکلف بنایا جس کا ان کو مکلف بنایا تھا اور فرمایا "فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل" اور اللہ کی قسم! میرے لیے اس کی فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ کی قسم میں بھی صبر کروں گا جیسا کہ انہوں نے صبر کیا اور میں کوشش کروں گا جیسا کہ انہوں نے کوشش کی اور نہیں ہے کوئی قوت مگر اللہ کی طرف سے۔

"ولا تستعجل لهم" یعنی اور آپ ان کے لیے عذاب کو جلدی طلب نہ کریں کیوں کہ وہ ان پر لامحالہ اُترنے والا ہے۔ گویا کہ آپ علیہ السلام کو تھوڑی گھٹن ہوئی تو دل چاہا کہ ان میں سے انکار کرنے والوں پر عذاب اُترے تو آپ علیہ السلام کو صبر کرنے اور استعجال کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ پھر عذاب کے قریب آنے کی خبر دی گئی۔ پس فرمایا "كانهم يوم يرون ما يوعدون" آخرت میں عذاب کی۔ "لم يلبثوا" دُنیا میں "الا ساعة من نهار" یعنی جب انہوں نے عذاب کا معائنہ کرلیا تو دُنیا اور برزخ میں ان کا لمبی مدت ٹھہرنا ایسے ہوگا گویا کہ دن کی ایک گھڑی ہے۔

اس لیے کہ جو گزر گیا ہے اگرچہ طویل ہے گویا کہ وہ ہوا ہی نہیں۔ پھر فرمایا "بلاغ" یعنی یہ قرآن اور جو اس میں بیان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بلاغ یعنی تبلیغ ہے۔ "فهل يهلك" عذاب کے ساتھ جب وہ اُتر آئے۔ "الا القوم الفاسقون" جو اللہ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے ساتھ نہیں ہلاک ہوتی مگر فاسق قوم اور اس لیے ایک قوم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کے بارے میں اس آیت سے قوی تر کوئی آیت نہیں ہے۔

سُوْرَۃ مُحَمَّد

مدنی ہے اور اس کی اڑتیس (۳۸) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

ترجمہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا خدا نے ان کے عمل کالعدم کر دیے اور (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے (آیا ہوا) امر واقعی (بھی) ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا اور (دونوں جہان میں) ان کی حالت درست رکھے گا یہ اسی وجہ سے کہ کافر تو غلط رستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح رستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے (آیا) ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے (نفع وہدایت کے) لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔

تفسیر ① "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضلّ اعمالھم" ان کو باطل کر دیا قبول نہیں کیا اور اعمال سے مراد جو وہ کھانا کھلاتے اور صلہ رحمی کرنے جیسے نیک کام کرتے تھے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی تدبیریں و مکر کو باطل کر دیا اور اس کا نقصان ان ہی پر لوٹا دیا۔

② "والذین امنوا وعملوا الصالحات وآمنوا بما نزّل علی محمّد" سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز میں آپ علیہ السلام کی مخالفت نہیں کی۔ "وھو الحق من ربّھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "الّذین کفروا وصدوا" سے مشرکین مکہ اور "والذین امنوا و عملوا الصالحات" سے انصار مراد ہیں۔ "کفر عنھم سیئاتھم واصلح بالھم" ان کے حال کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ان کو گناہوں

سے بچایا۔ یعنی یہ اصلاح ان کے اعمال کی اصلاح کی طرف لوٹتی ہے حتیٰ کہ انہوں نے کوئی نافرمانی نہیں کی۔

③ "ذلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل" شیطان کی۔ "وان الّذین امنوا اتبعوا الحق من ربّهم" یعنی قرآن "کذلک یضرب اللّٰه للنّاس امثالهم" ان کی شکلوں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ مؤمنین کی نیکیوں کی مثالیں اور کافروں کے اعمال۔ کہ گمراہ کرنے کو بیان کرتے ہیں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰى إِذَآ أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا م بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذٰلِكَ ط وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤

ترجمہ: سوتمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے (دشمن) اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجالانا اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے (خود ہی) انتقام لے لیتا لیکن (تم کو جہاد کا حکم اس لیے دیا) تا کہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو (منزل) مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔

تفسیر ④ "فاذا لقیتم الّذین کفروا فضرب الرّقاب" یہ نصب اُبھارنے کے لیے ہے یعنی "فاضربوا رقابهم" یعنی ان کی گردنیں۔ "حتّٰی اذا اثخنتموهم" قتل کے ذریعے اور تم ان کو مغلوب کر دو۔ "فشدّوا الوثاق" یعنی قید میں حتیٰ کہ وہ اس سے چھوٹ نہ سکیں اور قید قتل میں مبالغہ کے بعد ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا "ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض"...... "فامّا منًّا بعدوا ما فداء" یعنی ان کو قید کرنے کے بعد یا تو تم ان پر احسان کرو، ان کو بغیر فدیہ کے چھوڑ کر اور یا تم ان سے فدیہ لو۔ علماء رحمہم اللہ کا اس آیت کے حکم میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فامّا تثقفنّهم فی الحرب فشرّد بهم من خلفهم" اور باری تعالیٰ کے قول "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم" کی وجہ سے اور اسی قول کی طرف قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہی اوزاعی اور اصحاب رائے کا قول ہے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جو کافر قید ہو جائیں ان پر احسان کرنا اور فدیہ لینا جائز نہیں ہے اور دیگر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور امام کو اختیار ہے کفار کے عاقل مردوں کے بارے میں جب وہ قید ہو جائیں تو ان کو قتل کر دے یا غلام بنالے یا ان پر احسان کر کے ان کو بغیر فدیہ کے چھوڑ دے یا مال یا مسلمانوں کے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دے اور اسی طرف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں اور اسے حسن، عطاء رحمہما اللہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء رحمہم اللہ اسی کے

قائل ہیں اور یہی ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کی کثرت ہوگی اور ان کی قوت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "فاما منّا بعد و امّا فداء" اور یہی اصح ہے اور اختیار دینا اس لیے کہ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے بعد خلفاء نے عمل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھڑسوار دستہ نجا کی طرف بھیجا، وہ لوگ بنوحنیفہ کا ایک شخص پکڑ لائے جس کو ثمامہ بن آثال کہا جاتا تھا۔ یہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ پس اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک سے باندھ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نکلے اور فرمایا اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس خیر ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو قدردان پر احسان کریں گے اور اگر آپ علیہ السلام مال چاہتے ہیں تو مانگیں جتنا آپ علیہ السلام چاہیں گے دیا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا۔

آئندہ کل تک پھر اس کو کہا تیرے پاس کیا ہے اے ثمامہ؟ تو اس نے کہا میرے پاس وہ ہے جو میں نے آپ کو کہا تھا اگر آپ احسان کریں گے تو قدردان پر احسان کریں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ اگلے دن اس کو کہا اے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟ پس اس نے کہا میرے پاس وہ ہے جو میں نے آپ کو کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ پس وہ مسجد کے قریب درختوں کے جھنڈ میں گیا، غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا "اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه واشهد ان محمّداً عبده و رسوله" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم! زمین پر آپ علیہ السلام کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ چہرہ میرے نزدیک کوئی نہ تھا۔ پس تحقیق اب آپ علیہ السلام کا چہرہ تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے میرے نزدیک۔ اللہ کی قسم! آپ علیہ السلام کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھے ناپسند نہ تھا۔ پس اب آپ کا دین تمام دینوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ شہر مجھے کوئی نہ تھا، اب آپ علیہ السلام کا شہر تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور بے شک آپ علیہ السلام کے گھڑسواروں نے مجھے پکڑ لیا حالانکہ میں عمرہ کا ارادہ کیے ہوا تھا تو اب آپ علیہ السلام کی کیا رائے ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے اس کو خوشخبری دی اور ان کو حکم دیا کہ وہ عمرہ کر لیں۔ پس جب وہ مکہ آئے تو کسی نے ان کو کہا کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بےدین ہو گئے ہیں؟

تو انہوں نے کہا نہیں لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اور اللہ کی قسم! تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بنوعقیل کے ایک آدمی کو قید کیا، پھر اس کو باندھ دیا اور ثقیف نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو کو قید کیا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے فدیہ میں ان دو شخصوں کو آزاد کرایا جن کو ثقیف نے قید کیا تھا۔ قولہ تعالیٰ "حتّٰى تضع الحرب اوزارها" یعنی اپنے بوجھ یعنی حتیٰ کہ جنگ والے ہتھیار رکھ دیں اور جنگ سے باز آ جائیں اور وزر کی اصل جو انسان اُٹھاتا ہے پس اسلحہ کو اوزار

نام دیا گیا اس لیے کہ وہ بھی اُٹھایا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ حرب سے لڑنے والے مراد ہیں جیسے شرب اور رکب سے پینے والے اور سوار ہونے والے مراد ہوتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اوزار بمعنی بت ہے اور معنی یہ ہے حتیٰ کہ جنگ کرنے والے اپنے بتوں کو رکھ دیں بایں طور کہ ان کے کفر سے توبہ کرلیں۔ پس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور کہا گیا ہے حتیٰ کہ تمہاری جنگ اور تمہارا اقتال مشرکین گناہوں اور برے اعمال کو رکھ بایں طور کہ وہ اسلام لے آئیں۔

اور آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کا قتل اور قید کے ذریعے خون بہاؤ حتیٰ کہ تمام ملتوں والے اسلام میں داخل ہو جائیں اور دین سارا کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اس کے بعد نہ کوئی جہاد ہو اور نہ کوئی قتال اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے کہ جہاد جاری رہے گا جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ میری اُمت کا آخری شخص دجال سے قتال کرے گا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئیں یا صلح کرلیں اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حتیٰ کہ صرف مسلمان اور صلح کرنے والے باقی رہ جائیں۔ "ذلک" جو میں نے ذکر کیا اور کفار کا حکم بیان کیا۔

"ولو یشاء اللہ لانتصر منھم" پس ان کو ہلاک کردے اور تمہیں ان کے معاملہ میں بغیر قتال کے کافی ہو جائے۔ "ولکن" تمہیں قتال کا حکم دیتا۔ "لیبلوا بعضکم ببعض" پس جو مؤمنین میں سے قتل کیا جائے وہ ثواب کی طرف لوٹے اور جو کفار میں سے قتل کیا جائے وہ عذاب کی طرف لوٹے۔ "والذین قتلوا فی سبیل اللہ" اہل بصرہ اور حفص رحمہم اللہ نے "قتلوا" قاف کی پیش اور تاء کی زیر کے ساتھ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی شہداء اور دیگر حضرات نے "قاتلوا" الف کے ساتھ مقاتلہ باب سے پڑھا ہے اور وہ مجاہدین ہیں۔ "فلن یضل اعمالھم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ یہ آیت اُحد کے دن نازل ہوئی تھی اور مسلمانوں میں بہت زخم لگے اور قتل ہوئے۔

⑤ "سیھدیھم" دُنیا میں ان کی زندگی کے ایام میں درست کاموں کی طرف اور آخرت میں درجات کی طرف "ویصلح بالھم" ان کے مدمقابل کو راضی کریں گے اور ان کے اعمال قبول کریں گے۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦

ترجمہ: اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو پہچان کرا دے گا اے ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور اسی طرح تمہارے قدم جما دے گا۔

تفسیر: ⑥ "ویدخلھم الجنۃ عرّفھا لھم" یعنی ان کے لیے ان کے جنت میں ٹھکانوں کو بیان کیا حتیٰ کہ وہ سیدھے اپنے ٹھکانوں تک پہنچ جائیں گے کوئی غلطی نہ کریں گے اور نہ کسی سے راہ پوچھیں گے۔ گویا کہ وہ وہاں کے رہائشی ہیں جب سے وہ پیدا کیے گئے۔ پس مؤمن اپنے ٹھکانہ اور اپنی بیوی اور اپنے گھر کے خادموں کو دُنیا کے گھر اور دُنیا کے اہل سے زیادہ پہچانتا ہوگا۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "عرّفھا لھم" یعنی ان کے لیے اس کو پاکیزہ کیا۔ یہ عرف سے مشتق ہے اور عرف عمدہ خوشبو اور خوشبودار کھانے کو کہتے ہیں۔

⑦ "یا یھا الّذین امنوا ان تنصروا اللّٰہ" یعنی اس کے دین اور اس کے رسول کی "ینصر کم" تمہارے دشمن پر "ویثبت اقدامکم" قتال کے وقت۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلِلْکٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَهُمْ ⑪ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ⑫ وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْکَ اَهْلَکْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭

ترجمہ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے اور آخرت میں ان کے اعمال کو خدا تعالیٰ کالعدم کر دے گا یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو (پہلے ہی سے) اکارت کر دیا کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہو کر) کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو (عذاب سے) ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

تفسیر ⑧ "والذین کفروا فتعسالھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں دوری ہے ان کے لیے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے گرنا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے خسارہ ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے بدبختی ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصدر کی بناء پر نصب ہے دُعا کے طور پر اور کہا گیا ہے کہ دُنیا

میں لغزش اور آخرت میں آگ میں گرنا اور پھسلنے والے کو تعسا کہا جاتا ہے جب اس کے کھڑے ہونے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ "واضلّ اعمالھم" اس لیے کہ وہ شیطان کی فرمانبرداری میں تھا۔

⑨ "ذلک" تعس اور اضلال۔ "بانھم کرھوا ما انزل اللّٰہ فاحبط اعمالھم" پھر کفار کو ڈرایا۔

⑩ پس کہا "افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم دمّر اللّٰہ علیھم" یعنی ان کو ہلاک کردیا۔ "وللکافرین امثالھا" یعنی وہ ایمان نہیں لائے مشرکین مکہ کو دھمکی دی ہے۔

⑪ "ذلک" جو میں نے ذکر کیا۔ "بان اللّٰہ مولی الّذین اٰمنوا" ان کا ولی اور مددگار ہے۔ "وان الکافرین لا مولٰی لھم" ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پھر دونوں فریقوں کے انجام کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

⑫ "ان اللّٰہ یدخل الّذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جنات تجری من تحتھا الانھار والّذین کفروا یتمتعون" دُنیا میں۔ "ویاکلون کما تاکل الانعام" ان کا مقصد صرف ان کے پیٹ اور ان کی شرم گاہیں ہیں اور وہ کل آنے والی چیز سے غافل اور بھولے ہوئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ مؤمن دُنیا میں سفر توشہ جمع کرتا ہے اور منافق زیب وزینت اختیار کرتا ہے اور کافر نفع اُٹھاتا ہے۔ "والنار مثوی لھم"

⑬ "وکاین من قریۃ ھی اشدّ قوّۃ من قریتک" یعنی اہل مکہ سے قوت میں زیادہ تھے۔ "الّتی اخرجتک" یعنی اس بستی والوں نے آپ علیہ السلام کو نکالا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کتنے ہی مرد تھے جو اہل مکہ سے قوت میں زیادہ تھے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کا قول "اھلکناھم" دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "اھلکناھا" نہیں فرمایا۔ "فلا ناصر لھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے غار کی طرف نکلے تو مکہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تو اللہ کے شہروں میں اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے اور اللہ کے شہروں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اگر مشرکین مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

⑭ "افمن کان علی بینۃ من ربّہ" اس کے دین سے یقین پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین۔ "کمن زین لہ سوء عملہ واتبعوا اھواء ھم" یعنی بتوں کی عبادت کی اور وہ ابوجہل اور مشرکین ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۗ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۗ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑯ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰

ترجمہ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذرا ذائقہ نہ بدلا ہوا ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل (میل سے پاک) صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کے لئے دیا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم (صحابہ) سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔

تفسیر ⑮ "مثل الجنّة الّتی وعدالمتقون" یعنی اس کی صفت "فیھا انھار من ماء غیر آسن" تبدیل بدبودار۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "آسن" قصر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے مد کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے "اسن الماء یا سن اسنا اور آسن یأسن و یاسنا واجن یأجن ویاجن، اسونا واجونا" جب پانی متغیر ہو جائے۔

"وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذّة" لذیذ ہے۔ "للشاربین" پاؤں اور ہاتھوں نے اس کو میلا نہیں کیا۔ "وانھار من عسل مصفّی" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحان، جیحان، نیل اور فرات جنت کی نہروں میں سے ہیں۔ کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہر دجلہ اہل جنت کے پانی کی نہر ہے اور نہر فرات جنتیوں کے دودھ کی نہر ہے اور نہر مصر جنتیوں کی شراب کی نہر ہے اور نہر سیحان جنتیوں کے شہد کی نہر ہے اور یہ چاروں نہریں نہر کوثر سے جاری ہوتی ہیں۔

"ولھم فیھا من کل الثمرات ومغفرة من ربھم کمن ھو خالد فی النار" یعنی جو ان نعمتوں میں ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ "وسقوا ماءً حمیما" سخت گرم اس پر جہنم جس وقت سے پیدا کی گئی بھڑکائی جارہی ہے جب ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہروں کو بھون دے گا اور ان کے سر کی کھال بالوں سمیت اس میں جا گرے گی اور جب اس کو پی لیں گے تو "فقطع امعاء ھم" پس ان کے پیچھے سے نکل جائیں گے اور امعاء پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے انتڑیاں وغیرہ اس کو کہتے ہیں اور اس کا واحد مِعیٰ ہے۔

⑯ "ومنھم" یعنی ان کفار میں سے "من یستمع الیک" اور وہ منافقین ہیں جو آپ کی بات سنتے تو ہیں لیکن اس کو سمجھتے نہیں، غفلت اور سستی کی وجہ سے "حتّی اذا خرجوا من عندک" یعنی پس جب وہ تیرے پاس سے نکلیں۔ "قالوا للّذین اوتوا العلم" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے۔ "ماذا قال" محمد "آنفا" یعنی ابھی اور یہ ائتناف میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے

"ائتنفت الامر" یعنی میں نے اس کی ابتداء کی ہے اور "الف الشیء" اس کا اوّل حصہ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور منافقین کے عیب بیان کر رہے تھے تو جب منافق مسجد سے نکلے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "استهزاءً" پوچھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اور تحقیق میں سوال کیا گیا ان کے بارے میں جن کے بارے میں سوال کیا گیا۔ "اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم" پس وہ ایمان نہیں لائے۔ "واتبعوا اھواء ھم" کفر اور نفاق میں۔

⑰ "والذین اھتدوا" یعنی مؤمنین۔ "زادھم" جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھدی و اتاھم تقواھم" ان کو اس پر عمل کی توفیق دی جو ان کو حکم دیا اور وہ تقویٰ ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور ان کو ان کے تقویٰ کا ثواب دیا۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ ⑱ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲

ترجمہ (سو کیا یہ لوگ بس) قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آ پڑے سو اس کی (متعدد) علامتیں تو آ چکی ہیں تو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا تو آپ اس کا (کامل طور پر) یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی (ظاہری) خطا (وں) پر معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب عورتوں کیلئے بھی اور یہ یاد رہے کہ) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

تفسیر ⑱ "فھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایک دُنیا میں نہیں انتظار کر رہا مگر ایسی مال داری کا جو سرکش کر دے یا ایسے فقر کا جو ہر چیز بھلا دے یا ایسے مرض کا جو بالکل بے حال کر دے یا ایسے بڑھاپے کا جو کسی کام کا نہ چھوڑے یا موت کا جو قبر میں پہنچا دے یا دجال کا پس دجال ایسا غائب شر ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے یا قیامت کا پس قیامت تاریک ترین (بہت بڑا معاملہ ہے) اور کڑوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "فقد جاء اشراطھا" یعنی اس کی علامات اس کی واحد شرط ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت کی علامات میں سے تھے۔ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں سے اس طرح اشارہ کیا درمیان والی اور انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سے اور فرمایا میں اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ایسی حدیث بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میرے علاوہ کوئی اور تم کو وہ حدیث بیان نہ کرے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ علم اُٹھا لیا جائے گا جہالت زیادہ ہو جائے گی اور زنا کی کثرت ہو جائے گی اور شراب کا پینا

عام ہوجائے گا اور مرد کم ہوجائیں گے اور عورتیں زیادہ ہوجائیں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کے لیے ایک نگہبان ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں ایک قوم سے گفتگو کررہے تھے اچانک آپ علیہ السلام کے پاس ایک بدو آیا۔ پس اس نے پوچھا قیامت کب ہوگی؟ تو آپ علیہ السلام نے اپنی گفتگو جاری رکھی تو قوم میں سے بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سنی ہے لیکن اس کی بات کو ناپسند سمجھا ہے اور ان میں سے بعض نے کہا بلکہ آپ علیہ السلام نے اس کی بات کو نہیں سنا حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام نے اپنی بات پوری کرلی تو فرمایا قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا میں ہوں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے فرمایا جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کر۔ اس نے پوچھا اس کا ضائع کرنا کیسے ہوگا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جب معاملہ نااہلوں کی طرف سپرد کیا جائے تو تو قیامت کا انتظار کر۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فانّی لھم اذا جاء تھم ذکراھم'' پس ان کے لیے نصیحت حاصل کرنا اور توبہ کرنا کہاں معتبر ہوگا۔ جب ان کے پاس قیامت آجائے گی۔ اس کی نظیر ''یومئذ یتذکر الانسان وانّی لہ الذکریٰ''

⑲ ''فاعلم انہ لا الٰہ الاّ اللہ'' کہا گیا ہے کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ علیہ السلام کے علاوہ لوگ ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی تو اس پر ثابت قدم رہ اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے علم پر علم کو زیادہ کریں۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ماقبل سے متصل ہے اس کا معنی ہے جب ان کے پاس قیامت آئے گی تو آپ علیہ السلام جان لیں کہ نہ کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ کوئی جائے قرار اس کے قائم ہونے کے وقت مگر اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اور کہا گیا ہے کہ ''فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ'' کہ ممالک اس کے قائم ہونے کے وقت باطل ہوجائیں گے۔ پس اس وقت نہ کسی کے لیے کوئی ملک ہوگا اور نہ حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ''واستغفر لذنبک'' استغفار کا حکم دیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام تو بخشے ہوئے ہیں تاکہ اس کے ذریعے آپ علیہ السلام کے لیے سنت جاری ہوجائے۔

اغر مزنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہر دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وللمؤمنین والمؤمنات'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم دیا کہ ان کے گناہوں کے لیے استغفار کریں اور آپ علیہ السلام تو ایسی سفارش ہیں جس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

''واللہ یعلم متقلبکم ومثواکم'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا میں تمہارے اعمال کا پلٹنا اور منتشر ہونا اور آخرت میں تمہارا جنت یا جہنم کی طرف ٹھکانہ۔ ابن جریر اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ''متقلبکم'' یعنی تمہارا دن میں اپنی مشغولیات کے لیے پھرنا اور ''مثواکم'' تمہارا رات کو اپنے بستروں کی طرف ٹھکانہ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''متقلبکم'' آباء کی پشتوں سے ماؤں کے رحموں کی طرف اور ''مثواکم'' تمہارا زمین میں مقام۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارا پیٹھ سے پیٹ کی طرف پلٹنا اور ''مثواکم'' تمہارا قبروں میں ٹھکانہ اور معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے تمام احوال کو جاننے والا ہے۔ پس اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ⑳ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ㉑ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ㉒

ترجمہ: اور جولوگ ایمان والے ہیں وہ (تو) کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی کوئی صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے) اس میں جہاد کا بھی (صاف صاف) ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیمار (نفاق کی) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو سو اصل یہ ہے کہ عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے ان کی اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے پھر جب سارا کام (لڑائی کا) تیار ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا سو اگر تم (جہاد سے) کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ (اس صورت میں) تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔

تفسیر: ⑳ "ویقول الّذین امنوا" ان کے جہاد پر حرص کی وجہ سے "لولا نزلت سورة" آپ ہمیں اس میں جہاد کا حکم دیں۔ "فاذا انزلت سورة محكمة وذكر فيها القتال" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر کیا جائے۔ پس وہ محکم ہے اور یہ منافقین پر قرآن کا سخت ترین حصہ ہے۔ "رأیت الّذین فی قلوبهم مرض" یعنی منافقین "ینظرون الیک" آنکھ کے کنارے سے جہاد کو سخت ناپسند سمجھتے ہوئے اور دشمن کی مڈبھیڑ سے بزدلی کی وجہ سے۔ "نظر المغشی علیه من الموت" جیسا کہ وہ شخص جس کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں موت کے وقت دیکھتا ہے۔ "فاولٰی لهم" وعید اور دھمکی ہے اور دھمکی کے وقت ان کے قول "اولٰی لک" کا معنی یعنی تیرا دوست اور تیرا قریب وہ ہوگا جس کو تو ناپسند کرتا ہے۔

㉑ پھر فرمایا "طاعة و قول معروف" یہ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے اس کی اصل عبارت طاعت وقول معروف امثل ہے۔ یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو یہ اچھا تھا اور کہا گیا ہے کہ اس کا مجاز یہ منافقین محکم سورة کے نازل ہونے سے پہلے کہتے تھے۔ "طاعة" یہ حکایت کی بناء پر مرفوع ہے۔ "امرنا طاعة" یعنی ہمارا امر طاعت ہے یا ہم سے طاعت ہے اور قول معروف حسن یعنی قول معروف اچھا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ماقبل سے متصل ہے اور لام ان کے قول میں باء کے معنی میں ہے۔ اس کا مجاز "فاولٰی بهم طاعة الله و رسوله و قول معروف بالاجابة" ہے۔ یعنی اگر وہ اطاعت کرتے تو یہ اطاعت اور حق کو قبول کرنا ان کے زیادہ لائق تھا اور عطاء رحمہ اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا یہی معنی ہے۔ "فاذا عزم الامر" یعنی معاملہ پختہ ہو جائے اور قتال کا فرض لازم ہو جائے اور معاملہ پختہ ہو جائے۔ "فلو صدقوا الله" ایمان اور طاعت کو ظاہر کرنے میں "لكان خيرا لهم" اور کہا گیا ہے کہ اذا کا جواب محذوف

ہے اس کی تقدیر ”فاذا عزم الامر نکلوا و کذبوا فیما وعدوا ولو صدقوا اللّٰہ لکان خیر الھم“ ہے۔

㉒ ”فھل عسیتم“ پس شاید کہ تم ”ان تولیتم“ تم قرآن سے اعراض کرو اور اس کے احکام سے جدا ہو جاؤ۔ ”ان تفسدوا فی الارض“ اس کی طرف لوٹ جاؤ جس پر تم جاہلیت میں تھے۔ پس تم زمین میں نافرمانی اور سرکشی اور خون بہا کر فساد پھیلاؤ۔ اور تم فرقہ بندی کی طرف لوٹ جاؤ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے جمع کیا۔ ”وتقطعوا ارحامکم“ یعقوب رحمہ اللہ نے ”وتقطعوا“ تاء کی زبر کے ساتھ بغیر شد کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ تقطیع سے پڑھا ہے کثرت کے معنی پر رحموں کی وجہ سے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم نے قوم کو کیسے دیکھا جب انہوں نے اللہ کی کتاب سے روگردانی کی کیا انہوں نے حرام خون نہیں بہایا اور قطع رحمی نہیں کی اور رحمٰن کی نافرمانی نہیں کی؟ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ ولایۃ سے ہے۔ مسیتب ابن شریک اور فراء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں اُمید ہے کہ اگر تمہیں لوگوں کے معاملہ کا والی بنایا جائے تو تم زمین میں ظلم کے ذریعے فساد مچاؤ گے۔ یہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس پر علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ ”تولیتم“ تاء اور واؤ کے پیش اور لام کی زیر کے ساتھ۔ اللہ فرماتے ہیں اگر میں تمہیں اس کا جائز والی بنا دوں تو تم ان کے ساتھ فتنہ میں نکلو گے اور تم ان کی مدد کرو گے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ ㉓ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ㉔ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَھُمْ ㉕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ ㉖

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی (باطنی) آنکھوں کو اندھا کر دیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (یا غور کرتے ہیں مگر) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں جو لوگ پشت پھیر کے ہٹ گئے بعد اس کے کہ سیدھا رستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اور ان کو دور دور کی سوجھائی ہے یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو (حسد سے) ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر: ㉓ ”اولٰئک الذین لعنھم اللّٰہ فاصمھم واعمٰی ابصارھم“ حق سے بہرے گونگے اندھے ہیں۔

㉔ ”افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا“ پس قرآن کے مواعظ اور احکام نہیں سمجھتے اور ”ام“...... ”بل“ کے معنی میں ہے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ”افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا“ تلاوت کی تو اہل یمن کا ایک نوجوان کہنے لگا ”بل علی قلوب اقفالھا“ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو کھول دیں یا

کشادہ کردیں۔ پس وہ نوجوان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں جگہ بنالیا حتیٰ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بھی انتظامی امور میں مدد لی۔

۲۵ "ان اللذین ارتدوا علی ادبارھم" وہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ "من بعد ما تبین لھم الھدیٰ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کے کفار ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اپنی کتابوں میں پانے کے باوجود ان کا انکار کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک، سدی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ منافقین ہیں۔ "الشیطان سوّل لھم" ان کے لیے قبیح کو مزین کردیا۔ "واملیٰ لھم" اہل بصرہ رحمہم اللہ نے الف کی پیش اور لام کی زیر اور یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے فعل مجہول کی بناء پر اور مجاہد رحمہ اللہ نے یاء کے ارسال کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے خبر کے طریقہ پر کہ وہ ایسے کریں گے اور یہ قرأت یعقوب رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے اور دیگر حضرات نے "واملی لھم" الف کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی "واملی الشیطان لھم" ان کی اُمیدیں بڑھادیں۔

۲۶ "ذلک بانھم" یعنی منافقین یا یہود "قالوا للذین کرھوا ما نزّل اللّٰہ" اور وہ مشرکین ہیں۔ "سنطیعکم فی بعض الامر" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پوشیدہ کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی۔ "واللّٰہ یعلم اسرارھم" اہل کوفہ نے ابوبکر کے علاوہ ہمزہ کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے مصدر کی بناء پر اور باقی حضرات نے اس کی زبر کے ساتھ سرّ کی جمع پڑھا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۲۷ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۲۸ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۲۹ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۳۰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ۳۱ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۳۲

ترجمہ: سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے اور یہ (سزا) اس سبب سے (ہوگی) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا (کے کاموں) سے نفرت کیا کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال (نیک اول ہی سے) کالعدم کر دیے جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عادتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور ہم (تو) اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے اور (دشوار کاموں سے) ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم (ظاہری طور پر بھی) ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے

والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تا کہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں بیشک جولوگ کافر ہوئے اور انہوں نے (اوروں کو بھی) اللہ کے رستہ (یعنی دین) سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو (دین کا) رستہ نظر آ چکا تھا یہ لوگ اللہ (کے دین) کو کچھ نقصان نہ پہنچاسکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹادے گا۔

تفسیر 27 "فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم"......

28 "ذلک" یعنی مار "بانھم اتبعوا ما اسخط اللّٰہ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ انہوں نے توریت سے چھپایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ "وکرھوا رضوانہ" انہوں نے ناپسند کیا اس کو جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور وہ طاعت وایمان ہے۔ "فاحبط اعمالھم"

29 "ام حسب الذین فی قلوبھم مرض" یعنی منافقین "ان لن یخرج اللّٰہ اضغانھم" یعنی ان کے کینوں کو مؤمنوں پر ظاہر نہ کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا حتیٰ کہ مؤمنوں نے ان کے نفاق کو پہچان لیا۔ اس کا واحد ضغن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے حسد کو۔

30 "ولو نشاء لاریناکھم" یعنی ہم آپ علیہ السلام کو ان کی خبر دیتے اور پہچان کرادیتے۔ "فلعرفتھم بسیماھم" ان کی علامت کے ذریعے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنی ہے اگر ہم چاہتے تو منافقین پر ایسی علامت بنا دیتے جس کے ذریعے آپ علیہ السلام ان کو پہچان لیتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منافقین کی کوئی چیز مخفی نہ رہی۔ آپ علیہ السلام ان کو ان کی علامت سے پہچان لیتے تھے۔

"ولتعرفنھم فی لحن القول" اس کے معنی اور مقصد میں اور لحن کے دو معنی ہیں درستگی اور غلطی۔ درستگی کے معنی سے فعل "لحن، یلحن، لحنا فھو لحن" ہے جب کسی چیز کو سمجھ لے اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "ولعل بعضکم ان یکون الحسن بحجتہ من" بعض یعنی شاید کہ تم میں سے بعض اپنی دلیل کو زیادہ درست طریقہ سے پیش کرسکتا ہو، دوسرے بعض کی بنسبت اور خطاء والے معنی سے فعل "لحن، یلحن، لحنا فھو لاحن" ہے اور اس میں اصل کلام کا ازالہ کرنا ہے اس کی جہت سے اور معنی یہ ہے کہ آپ ان کو پہچان لیں گے جو وہ آپ کے امر اور مسلمانوں کے امر کی ہجو کرتے ہیں اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ پس اس کے بعد کوئی منافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلام کرتا تو آپ علیہ السلام اس کی گفتگو سے اس کو پہچان لیتے اور اس کی کلام کے انداز سے اس کی خلقت اور عقیدہ کے فساد پر استدلال کرتے۔ "واللّٰہ یعلم اعمالکم"

31 "ولنبلونکم" اور ہم تم سے آزمائش کرنے والے کا معاملہ کریں گے۔ بایں طور کہ ہم تمہیں جہاد اور قتال کا حکم دیں گے۔ "حتّٰی نعلم المجاھدین منکم والصابرین" یعنی علم وجود مراد ہے حتیٰ کہ مجاہد اور اپنے دین پر صبر کرنے والا اپنے غیر سے ظاہر ہوجائے۔ "ونبلو اخبارکم" یعنی ہم اس کو ظاہر کریں اور کھول دیں ان کے انکار کے ساتھ جو قتال سے انکار کردیں اور جہاد پر صبر

نہ کریں۔ ابوبکر نے عاصم رحمہ اللہ سے "ولیبلونکم حتّٰی یعلم" پڑھا ہے اور "یبلو" یاء کے ساتھ ان میں۔ بوجہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "واللّٰہ یعلم اعمالکم" کے اور دیگر حضرات نے ان میں نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولو نشاء لاریناکھم" کی وجہ سے اور یعقوب رحمہ اللہ "ونبلو" واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے "ولنبلونکم" پر رد کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "حتّٰی نعلم" پر رد کرتے ہوئے۔

㉜ "ان الّذین کفروا وصدّوا عن سبیل اللّٰہ" یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم "وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ لن یضروا اللّٰہ شیئا" وہ تو صرف اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ "وسیحبط اعمالھم" پس وہ آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہ دیکھیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ بدر کے دن کھانا کھلانے والے ہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "ان الّذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللّٰہ" ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ㉝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ㉞ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ㉟ اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا یَسْــٴَـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ㊱ اِنْ یَّسْــٴَـلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ㊲ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ㊳

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی (بھی) اطاعت کرو کفار کی طرح اللہ و رسول کی مخالفت کر کے اپنے اعمال کو برباد مت کرو بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے واقعی اللہ کے رستہ سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر (بھی) گئے سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا تو (اے مسلمانو) تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہرگز کمی نہ کرے گا دنیوی زندگی تو محض ایک لہو و لعب ہے اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا۔ اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا کہ پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے گو تم (یعنی اکثر) بخل کرنے لگو اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (تھوڑا سا مال) خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو (اس پر بھی) بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص (ایسی جگہ خرچ کرنے سے) بخل کرتا

ہے تو وہ (درحقیقت) اپنے سے بخل کرتا ہے اور نہیں تو) اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم (ہمارے احکام سے) روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

تفسیر 33 "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں شک اور نفاق کے ساتھ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ریاء اور شہرت کے ساتھ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معاصی اور کبیرہ گناہوں کے ساتھ۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یہ سمجھتے تھے کہ اخلاص کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہ دے گا۔ جیسا کہ شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہ دے گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی پس وہ کبیرہ گناہوں سے ڈرنے لگے اعمال کے ضائع ہونے کے بعد اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہ جتاؤ۔ پس تم اپنے اعمال باطل کردو گے۔ یہ بنو اسد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عنقریب ہم اس کو سورۃ الحجرات میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

34 "ان الذین کفروا و صدّوا عن سبیل اللّٰہ ثمّ ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللّٰہ لھم" یہ قلیب والے ہیں اور اس کا حکم عام ہے۔

35 "فلاتھنوا" تم کمزور نہ ہو۔ "وتدعوا الی السلم" یعنی تم صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ ابتداءً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کو صلح کی طرف دعوت دینے سے منع کیا تھا اور ان کو کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں۔ "وانتم الاعلون" غالب ہو۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری امر تمہارے لیے ہوگا۔ اگرچہ وہ بعض اوقات میں تم پر غالب آجائیں۔ "واللّٰہ معکم" مدد و نصرت کے ساتھ۔ "ولن یترکم اعمالکم" تمہارے اعمال کے ثواب میں کچھ کمی نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے "وترہ، یترہ، وتراً وترۃ" جب اس کا حق کم ہوجائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ، مقاتل اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نیک اعمال پر تم سے ظلم نہ کرے گا بلکہ تم کو ان کا پورا اجر دے گا۔

36 پھر آخرت کی طلب پر اُبھارا اور فرمایا "انما الحیٰوۃ الدنیا لعب و لھو" باطل اور دھوکہ ہے۔ "وان تؤمنوا وتتقوا" بے حیائیوں سے۔ "یؤتکم اجورکم" آخرت میں تمہارے اعمال کی جزاء۔ "ولایسالکم" تمہارا رب۔ "اموالکم" اجر دینے کے لیے بلکہ تم کو ایمان اور طاعت کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہیں اس پر ثواب میں جنت دے۔ اس کی نظیر اس کا قول "ما ارید منھم من رزق" ہے اور کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے تمہارے اموال کا سوال نہیں کرتے۔ اس کی نظیر "قل ما اسئلکم علیہ من اجر" ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت کا معنی اللہ اور اس کا رسول تم سے تمہارے تمام اموال کا صدقات میں سوال نہیں کرتے وہ تو صرف تم سے تھوڑا سا یعنی چالیسواں حصہ مانگتے ہیں۔ پس اپنے جی کو خوش کر کے اس کے ذریعے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔

37 اسی قول کی طرف ابن عیینہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔ اس پر آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے۔ "ان یسألکموھا فیحفکم" یعنی تمہیں مشقت میں مبتلا کر دے اور تمام کا سوال کر کے تم کو مشقت میں ڈال دیں۔ کہا جاتا ہے "احفٰی فلان فلانا" جب وہ اس کو مشقت میں ڈال دے اور سوال میں مشقت میں ڈالنا۔ "تبخلوا" اس میں پس تم اس کو نہ دیتے۔ "ویخرج اضغانکم" تمہارے بغض و دشمنی کو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اموال کے سوال کرنے میں کینوں کا نکلنا ہے۔

38 "ھاانتم ھٰؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللّٰہ" یعنی اس کو نکالنا جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے۔ "فمنکم من یبخل" جو اس پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس میں "ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللّٰہ الغنی" تمہارے صدقات اور عبادات سے۔ "وانتم الفقراء" اس کی طرف اور جو اس کے پاس خیر ہے اس کی طرف۔ "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثمّ لا یکونوا امثالکم" وہ تم سے زیادہ مثالی ہوں گے بلکہ وہ تم سے زیادہ اللہ کے فرمانبردار ہوں گے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کندہ اور نخع ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ عجمی لوگ ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فارس و روم ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم" صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں کہ اگر ہم پلٹ جائیں تو وہ ہمارے بدلے لائے جائیں گے۔ "ثم" وہ ہمارے جیسے نہ ہوں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم اور اگر دین ثریا (ستارہ) پر ہو تو فارس کے لوگ اس کو وہاں سے حاصل کر لیں گے۔

سُورَۃُ الْفَتَح

مدنی ہے اوراس کی انتیس (۲۹) آیتیں ہیں۔

سورۂ فتح کا شانِ نزول

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں جارہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ پھر سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے عمر! تیری ماں گم پائے تو نے تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سوال کا تکرار کیا، ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے خوف ہوا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا۔ پس تھوڑی دیر میں ہی میں نے ایک آواز لگانے والے کی آواز سنی کہ میرا نام لے کر آواز لگا رہا ہے تو میں نے کہا تحقیق میں تو پہلے ہی ڈر رہا تھا کہ میرے بارے قرآن نازل ہوگا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تحقیق آج رات مجھ پر ایک سورت اُتاری گئی ہے وہ مجھ پر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ پھر پڑھا "انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر "انا فتحنا لک فتحا مبینا" آیت کے آخر تک نازل ہوئی۔ آپ علیہ السلام حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے اور آپ علیہ السلام کے صحابہ پر سفر کی تھکان اور غم کے ملے جلے اثرات تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے وہ مجھے تمام دُنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ پس جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا آپ علیہ السلام کو مبارک باد ہو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کر دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ پس ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت نازل فرمائی۔ "لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهار" آیت کے ختم تک۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ① لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ② وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ③ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ④ لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَ یُکَفِّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ⑤ وَّ یُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ لَعَنَہُمۡ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ⑥

ترجمہ بے شک ہم نے آپ کو (صلح حدیبیہ سے) ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی (ظاہری) خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے اور آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا۔ تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا لشکر ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ (اس اطاعت کی بدولت مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کو یہ رہیں گے اور تا کہ (اطاعت ہی کی بدولت) ان کے گناہ دور کردے اور یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں دنیا میں ان پر برا وقت پڑنے والا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوگا اور ان کو رحمت سے دور کردے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا کی تفسیر

تفسیر ① "انا فتحنا لک فتحا مبینا" اس فتح کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فتح مکہ ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں فتح خیبر ہے اور اکثر حضرات اس بات پر ہیں کہ صلح حدیبیہ ہے اور فتح کا معنی بند اور پیچیدہ چیز کا کھلنا اور مشرکین کے ساتھ حدیبیہ کی صلح مشکل تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا۔ قتادہ رحمہ اللہ نے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ صلح حدیبیہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو حالانکہ فتح مکہ تو فتح ہے ہی، ہم تو حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے تھے، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے ہم نے اس کو کھینچا تو اس میں ایک قطرہ بھی پانی کا نہ تھا۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ علیہ السلام اس کے پاس آئے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر پانی کا ایک برتن منگوایا، پھر وضو کیا، پھر کلی کی اور دُعا کی، پھر اس کو اس کنویں میں ڈال دیا، پھر ہم نے اس کو تھوڑی دیر چھوڑا، پھر اس نے جو ہم نے چاہا ہمارے برتن وغیرہ بھر دیئے اور شعبی رحمہ اللہ باری تعالیٰ کے قول "انا فتحنا لک فتحا مبینا" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فتح حدیبیہ ہے اور انہوں نے خیبر کی کھجوریں کھائیں اور ہدی اپنی جگہ تک پہنچ گئی اور روم فارس پر غالب آ گئے تو مؤمنین اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہ تھی کیونکہ مشرکین مسلمانوں کے ساتھ مل جل گئے، ان کی بات سنتے تو اسلام ان کے دلوں میں جگہ بنا گیا۔ تین سالوں میں بہت زیادہ لوگ اسلام لے آئے اور اسلام کا لشکر بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول: "انا فتحنا لک فتحا مبینا" یعنی ہم نے آپ علیہ السلام کے لیے یہ واضح فیصلہ کر دیا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" بغیر قتال کے اور صلح فتح مبین میں سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ لام باری تعالیٰ کے قول "لیغفر" میں لام کے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی تا کہ آپ علیہ السلام کے لیے مغفرت کے ساتھ مکمل نعمت فتح کی صورت میں جمع ہو جائے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باری تعالیٰ کے قول "واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات" کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

② "لیغفر لک اللّٰہ ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر.... ولیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات. الآیۃ"

محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورأیت النّاس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا. فسبّح بحمد ربّک واستغفرہ" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "ماتقدّم من ذنبک" جاہلیت میں رسالت سے پہلے اور "وما تاخرّ" اس سورت کے نزول کے وقت تک اور کہا گیا ہے کہ "وما تاخر" ان میں سے جو آگے ہوں گے اور یہ ان لوگوں کے طریقہ پر جو انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے صادر ہونے کو ممکن قرار دیتے ہیں اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ماتقدّم" جو جاہلیت میں عمل کیے اور "ما تاخر" ہر وہ چیز جو ابھی عمل میں نہیں آئی اور اس کی مثل کلام تاکید کے لیے ذکر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اعطی من راٰہ ولم یرہ" کہ جس کو دیکھا اس کو بھی دیا اور جس کو نہیں دیکھا اس کو بھی دیا اور "ضرب من لقیہ ومن لم یلقہ" جس کو ملا اس کو بھی مارا اور جس کو نہیں ملا اس کو بھی۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ما تقدم من ذنبک" یعنی آپ کے والدین آدم وحوا علیہما السلام کی لغزش آپ علیہ السلام کی برکت سے "وما تاخر" آپ علیہ السلام کی اُمت کے گناہ آپ علیہ السلام کی دُعا کے ذریعہ سے۔ "ویتم نعمتہ علیک" نبوت اور حکمت کے ذریعے۔ "ویھدیک صراطا مستقیما" یعنی آپ علیہ السلام کو اس پر ثابت قدم رکھیں گے اور معنی یہ ہے کہ تا کہ آپ

علیہ السلام کے لیے فتح کے ساتھ نعمت کا مکمل ہونا مغفرت کے ساتھ اور صراطِ مستقیم یعنی اسلام کی طرف ہدایت پر جمع ہو جائیں اور کہا گیا ہے کہ "ویھدیک" یعنی "یھدی ھدی" آپ کے ذریعے ہدایت دے گا۔

③ "وینصرک اللہ نصراً عزیزا" غالب اور کہا گیا ہے عزت والی۔

④ "ھوالذی انزل السکینۃ" اطمینان ووقار۔ "فی قلوب المؤمنین" تا کہ ان کے دل پریشان نہ ہوں۔ اس سے جوان پر مصائب آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں سکینہ کا لفظ ہے اس سے اطمینان مراد ہے سوائے اس کے جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ "لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کے ساتھ بھیجا۔ پس جب انہوں نے اس کی تصدیق کر لی تو ان کو نماز کا حکم زائد کیا۔ پھر زکوٰۃ پھر روزے پھر حج پھر جہاد۔ حتیٰ کہ ان کے لیے ان کے دین کو مکمل کر دیا۔ پس جب بھی کسی چیز کا حکم دیئے جاتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے تو ان کی تصدیق میں تصدیق زیادہ ہوتی اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے یقین کے ساتھ یقین کو زیادہ کیا۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیبیہ کے بارے میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو حق کے ساتھ سچ کر دیا۔ "وللہ جنود السموات والارض و کان اللہ علیما حکیما"

⑤ "لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ویکفر عنھم سیئاتھم وکان ذلک عنداللہ فوزا عظیما" اور تحقیق ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ جب آیت "لیغفرلک اللہ" نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا آپ علیہ السلام کے لیے مبارک ہو۔ پس ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا تو آیت نازل ہوئی "لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات"

⑥ "ویعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین و المشرکات" اس سے مدینہ میں منافقین اور مکہ میں مشرکین مراد ہیں۔

"الظانین باللہ ظن السوء" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی مدد نہ کی جائے گی۔ "علیھم دائرۃ السوء" عذاب اور ہلاکت کے ساتھ۔ "وغضب اللہ علیھم ولعنھم واعدلھم جھنم وساءت مصیرا"

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩

ترجمہ: اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ہم نے آپ کو گواہی دینے

والا اور (مسلمانوں کو) بشارت دینے والا اور کافروں کو ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے دین کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس پر بڑا اجر دے گا۔

تفسیر ⑦ "وللّٰه جنود السموات والارض وکان اللّٰه عزیزا حکیما

⑧ انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا.

⑨ لتؤمنوا باللّٰه ورسوله وتعزروه" یعنی تم اس کی مدد ونصرت کرو۔ "وتوقروه" تم اس کی تعظیم کرو۔ یہ تمام ضمیریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہیں اور یہاں وقف ہے۔ "وتسبحوه" یعنی تم اللہ کی تسبیح کرو۔ مراد ہے کہ اس کے لیے نماز پڑھو۔ "بکرۃ و اصیلا" صبح اور شام کو۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے "ولیؤمنوا ویعزروہ، ویوقروہ، ویسبحوہ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "فی قلوب المؤمنین" کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے ان سب میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

واقعہ حدیبیہ اور بیعت رضوان

⑩ "ان الذین یبایعونک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) حدیبیہ میں کہ وہ فرار نہ ہوں گے۔ "انما یبایعون اللّٰه" اس لیے کہ انہوں نے اپنا آپ اللہ تعالیٰ کو جنت کے بدلہ میں بیچ دیا تھا۔ یزید بن ابو عبید فرماتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ لوگوں نے کس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی حدیبیہ کے دن؟ تو انہوں نے فرمایا موت پر۔ معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اے مخاطب! تو مجھے درخت والے دن دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت کر رہے تھے اور اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے اُٹھا رہا تھا اور ہم چودہ سو افراد تھے۔ فرمایا ہم نے آپ علیہ السلام سے موت پر بیعت نہیں کی تھی لیکن ہم نے آپ علیہ السلام سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ ابو عیسیٰ (امام ترمذی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں کا معنی صحیح ہے۔ ایک جماعت نے آپ علیہ السلام سے موت پر بیعت کی۔ یعنی ہم آپ علیہ السلام کے سامنے مرتے رہیں گے پیچھے نہ ہٹیں گے جب تک ہم قتل نہ کر دیے جائیں اور دوسرے حضرات نے بیعت کی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ "یداللّٰه فوق ایدیھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے خیر کا وعدہ کیا اس کے پورا کرنے کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتے تھے اور آپ علیہ السلام سے بیعت کرتے تھے اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا تھا بیعت میں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر ہدایت کی نعمت اس

سے اوپر ہے جو انہوں نے بیعت کا عمل کیا۔ "فمن نکث" بیعت کو توڑ دیا۔ "فانما ینکث علی نفسه" اس پر اس کا وبال ہے۔ "ومن اوفی بما عاھد علیه الله" بیعت پر ثابت قدم رہا۔

"فسیؤتیه" اہل عراق نے "فسیؤتیه" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اجراً عظیما" اور وہ جنت ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا. يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ط قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ط بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ جو (دیہاتی حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے (بات بنا کر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی سو ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ) تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور (ہمراہی) مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی ہی معلوم ہوتی تھی اور تم نے برے برے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاوے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ (خیبر کو) چلیں وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو (جو خیبر کے متعلق ہوا ہے) بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی یوں فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے کہ بلکہ تم لوگ حسد کرتے ہو بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔

تفسیر ⑪ "سیقول لک المخلفون من الاعراب" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی بنو غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور اسلم کے بدولوگ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے سال مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے جانے کا ارادہ کیا تو مدینہ کے اِردگرد بدو اور دیہاتی لوگوں سے بھی کوچ کا مطالبہ کیا تا کہ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ نکلیں قریش سے بچاؤ کے لیے کہ وہ کہیں جنگ کا ارادہ نہ کرلیں یا آپ علیہ السلام کو بیت اللہ سے روک دیں تو آپ علیہ السلام نے عمرہ کا احرام باندھا اور اپنے ساتھ ہدی کو ہانکا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ علیہ السلام جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے تو اس سفر سے بہت سے بدولوگ بوجھل ہو گئے اور پیچھے رہ گئے اور مصروفیات کے عذر بیان کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت نازل کی "سیقول لک المخلفون من الاعراب" یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی صحبت سے پیچھے کر دیا۔

پس جب آپ علیہ السلام اپنے سفر سے ان کی طرف لوٹیں گے تو آپ علیہ السلام ان کو پیچھے رہ جانے پر عتاب کریں گے۔ "شغلتنا اموالنا واھلونا" یعنی عورتوں اور اولاد نے یعنی ہمارے لیے کوئی ایسا شخص نہ تھا جو پیچھے ان کے پاس رہتا۔ "فاستغفر لنا" کہ ہم آپ علیہ السلام سے پیچھے رہ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی ان کے عذر بیان کرنے میں۔ پس فرمایا "یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم" استغفار کے معاملہ سے کیوں کہ ان کو پرواہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔

"قل فمن یملک لکم من اللہ شیئا ان اراد بکم ضرًّا" برا۔ "او اراد بکم نفعا" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ضرًّا" ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کے زبر کے ساتھ۔ اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں نفع کا ذکر ہے اور نفع "ضَرّ" کی ضد ہے۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کا گمان تھا کہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانا ان سے نقصان کو دور کردے گا اور ان کے لیے جلدی نفع لائے گا ان کے نفس اور اموال کی سلامتی کا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اس میں سے کسی چیز کا ارادہ کرتے تو کوئی اس کے دور کرنے پر قادر نہیں ہے۔ "بل کان اللہ بما تعملون خبیرا"

⑫ "بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیھم ابدا" یعنی تم نے گمان کیا کہ دشمن ان کا قلع قمع کردیں گے۔ پس وہ نہ لوٹیں گے۔ "وزین ذلک فی قلوبکم" شیطان نے یہ گمان تمہارے دلوں میں مزین کردیا۔ "وظننتم ظن السوء" کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی سر کا کھانا ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔ پس تم ان کے ساتھ کہاں جارہے ہو؟ تم انتظار کرو اس کا جو ان کا معاملہ ہوگا۔ "وکنتم قوما بورا" ہلاک، خیر کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

(⑬ "ومن لم یؤمن باللہ ورسولہ فانا اعتدنا للکافرین سعیرا.

⑭ وللہ ملک السموات والارض یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء وکان اللہ غفورا رحیما"

⑮ "سیقول المخلفون" یعنی یہ لوگ جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے۔ "اذا انطلقتم" اے مؤمنو! تم چلے گئے۔ "الی مغانم

لتاخذوھا" یعنی خیبر کی غنیمتیں۔ "ذرونا نتبعکم" خیبر کی طرف ہم تمہارے ساتھ خیبر والوں کے قتال میں حاضر ہوں گے۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے خیبر کی فتح کا وعدہ کیا اور اس کی غنیمتیں خاص ان کے لیے مقرر کیں جو حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے یہ غنیمت اہل مکہ کی غنیمت کا عوض تھی کیونکہ وہاں سے مسلمان صلح کر آئے تھے اور کچھ غنیمت نہ ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ"

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "کلم اللّٰہ" بغیر الف کے کلمہ کی جمع پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "کلام اللّٰہ" پڑھا ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ اہل حدیبیہ سے جو خیبر کی غنیمت صرف ان کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اس کو تبدیل کر دیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ ان میں سے کوئی نہ جائے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا" ہے اور پہلا قول زیادہ درست ہے اور اس پر اکثر اہل تاویل ہیں۔ "قل لن تتبعونا" خیبر کی طرف۔ "کذالکم قال اللّٰہ من قبل" یعنی ہمارے تمہاری طرف لوٹنے سے پہلے کہ خیبر کی غنیمت اس کیلئے ہے جو حدیبیہ میں حاضر ہوا، ان کے علاوہ کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

"فسیقولون بل تحسدوننا" یعنی تمہیں حسد روکتا ہے اس سے کہ ہم تمہارے ساتھ غنیمت حاصل کریں۔ "بل کانوا لایفقھون" وہ اللہ کی طرف سے یہ نہیں جانتے کہ دین میں ان کے لیے کیا فوائد اور ان پر کیا ذمہ داریاں ہیں۔ "الّا قلیلا" ان میں سے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰ لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ⑱

ترجمہ: آپ پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں سو اس وقت اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت) دے گا اور اگر تم (اس وقت) بھی روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل (حدیبیہ وغیرہ) میں روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا نہ اندھے پر کوئی

گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور کلیہ یہ ہے کہ) جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان (کے قلب) میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دیدی۔

اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ سے کون لوگ مراد ہیں

تفسیر ۱۶ "قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل فارس ہیں اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل روم ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل فارس و روم ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہوازن و ثقیف ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہوازن و غطفان ہیں حنین کے دن۔ زہری، مقاتل رحمہما اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ اہل یمامہ میں سے بنوحنیفہ ہیں جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ آیت پڑھتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوحنیفہ کے قتال کی طرف دعوت دی تو ہم نے جان لیا کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو فارس کے قتال کی طرف دعوت دی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تاویل ابھی تک نہیں آئی۔ "تقاتلونهم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجراً حسنا" یعنی جنت "وان تتولوا" تم اعراض کرو۔ "کما تولیتم من قبل" حدیبیہ کے سال "یعذبکم عذاب الیما" اور وہ آگ ہے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو اپاہج لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

۱۷ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ "لیس علی الاعمیٰ حرج" یعنی جہاد سے پیچھے رہ جانے میں۔ "ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتها الانہار ومن یتول یعذبہ عذابا الیما"

درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد

۱۸ "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک" حدیبیہ میں اس بات پر کہ وہ قریش سے قتال کریں گے اور بھاگیں گے نہیں۔ "تحت الشجرة" اور یہ ببول کا درخت تھا۔ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ہے یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ فرماتے ہیں پس جب ہم آئندہ سال نکلے تو ہم اس کو بھول گئے، پس ہم اس پر قادر نہ ہو سکے اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ درخت کے ختم ہونے کے بعد وہاں سے گزرے تو فرمایا کہاں تھا؟ تو بعض کہنے لگے یہاں تھا اور بعض کہنے لگے وہاں تھا۔ پس جب ان کا اختلاف زیادہ ہوگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم چلو درخت جا چکا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے دن کہا تم تمام زمین والوں میں سے بہتر ہو اور ہم چودہ سو تھے اور اگر میں آج دیکھ سکتا ہوں تو تمہیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔ ابوالزبیر نے خبر دی ہے کہ انہوں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا کہ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ حدیبیہ کے دن کتنے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا چودہ سو (۱۴۰۰) تو ہم نے آپ علیہ السلام کی بیعت کی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ کو درخت کے نیچے پکڑے ہوئے تھے اور وہ ببول کا درخت تھا۔ پس ہم سب نے آپ علیہ السلام سے بیعت کی سوائے جد بن قیس انصاری کے کہ وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا۔ سالم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم پندرہ سو (۱۵۰۰) تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ درخت والے تیرہ سو (۱۳۰۰) افراد تھے۔

اور اس بیعت کا سبب جو محمد بن اسحاق نے اہل علم سے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ پر پڑاؤ ڈالا تو فراش بن اُمیہ خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کو قریش کی طرف بھیجا اور اپنے ایک اونٹ پر سوار کیا جس کو ثعلب کہا جاتا تھا تاکہ وہ قریش کے معززین کو بتائیں کہ آپ علیہ السلام کس مقصد کے لیے آئے ہیں تو ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دیں اور فراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا ارادہ کیا تو مختلف قبیلوں کے لوگوں نے ان کو اس کام سے روکا تو انہوں نے فراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ ان کو مکہ کی طرف بھیجیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے قریش سے اپنی جان پر خوف ہے اور بنو عدی بن کعب میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو ان کو مجھ سے روکے اور تحقیق قریش میری ان سے دشمنی اور میری ان کے بارے میں سختی کو خوب جانتے ہیں لیکن میں آپ علیہ السلام کی ایسے شخص پر رہنمائی کرتا ہوں جو قریش کے یہاں مجھ سے زیادہ معزز ہیں وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کو ابوسفیان اور معززین قریش کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ آپ علیہ السلام تو صرف اس بیت اللہ کی زیارت اور اس کی حرمت کی تعظیم کرنے آئے ہیں۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کی طرف گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص سے ہوگئی یا مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری سے اُتر آئے اور اس کو اپنے ساتھ سوار کرلیا۔ پھر اس کو اپنا ردیف بنایا اور اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پناہ دی حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچا دیا تو جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا کہ فارغ ہوئے تو ابوسفیان اور دیگر معززین قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کرلیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب

دیا میں ایسا نہ کروں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا طواف کرلیں تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس روک لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کردیئے گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس قوم سے مقابلہ نہ کرلیں اور لوگوں کو بیعت کی طرف بلایا۔ پس بیعت رضوان درخت کے نیچے ہوئی اور لوگ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے موت پر بیعت کی۔

بکیر بن اشج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اس پر بیعت کرو کہ جتنی تم طاقت رکھو گے۔ جابر بن عبداللہ اور معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت نہیں کی لیکن ہم نے یہ بیعت کی تھی کہ ہم نہیں بھاگیں گے۔

پہلا شخص جس نے بیعت رضوان کی وہ بنی اسد کا ایک شخص تھا جس کو ابوسنان بن وہب کہا جاتا تھا اور حاضرین میں سے کوئی اس بیعت سے پیچھے نہیں رہا، سوائے جد بن قیس بنو مسلمہ کا بھائی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کو چمٹا ہوا ہے اس کے ذریعے لوگوں سے چھپ رہا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر آئی کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جو پہلے خبر آئی وہ جھوٹی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قول "فعلم ما فی قلوبھم" صدق اور وفاء میں سے "فانزل السکینۃ" اطمینان اور رضا۔ "علیھم و اثابھم فتحا قریبا" یعنی فتح خیبر۔

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت

والا ہے اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیموں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تا کہ یہ (واقعہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تا کہ تم کو (ہر امر میں) ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی (ہونے والی) ہے جو (اس وقت تک) تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ (قدرت) میں لیے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں (کسی شخص کی طرف) سے ردو بدل نہ پائیں گے اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قرب) میں روک دئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا وہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے (خدا کے ساتھ) کفر کیا اور تم کو (عمرہ پورا کرنے میں) مسجد حرام سے روکا اور (نیز) قربانی کے جانور کو جو (حدیبیہ میں) رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع (خاص) میں پہنچنے سے روکا اور اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا تو بھی سب قصہ طے کر دیا جاتا لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اگر یہ مظلوم مسلمان مکہ سے کہیں) ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔

تفسیر ۱۹ "و مغانم کثیرۃ یاخذونھا" یہود خیبر کے اموال سے اور خیبر زمینوں اور اموال والا علاقہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ "و کان اللہ عزیزا حکیما"

۲۰ "وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا" اور یہ وہ فتوحات ہیں جو ان کو قیامت کے دن تک دی جائیں گی۔ "فعجل لکم ھذہ" یعنی خیبر۔ "و کف ایدی النّاس عنکم" اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ کیا اور خیبر والوں کا محاصرہ کیا تو بنواسد اور غطفان کے قبائل نے ارادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے عیال اور اولاد پر مدینہ میں غارت گری کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال کر ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور کہا گیا ہے کہ "کف ایدی النّاس عنکم" یعنی اہل مکہ کے ہاتھوں کو صلح کے ذریعے روک دیا۔ "ولتکون" ان کو روکنا اور تمہاری سلامتی "آیۃ للمؤمنین" آپ کی سچائی پر اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی موجودگی اور عدم موجودگی ان کی حفاظت و چوکیداری کا متولی ہے۔ "ویھدیکم صراط مستقیما" تمہیں اسلام پر ثابت قدم رکھے اور تمہیں صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کی وجہ سے بصیرت اور یقین زیادہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے لوٹے تو ذی الحجہ کے بقیہ ایام اور محرم کا کچھ حصہ مدینہ میں قیام کیا۔ پھر محرم کے اخیر حصہ میں ۷ ہجری میں خیبر کی طرف نکلے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ان پر صبح تک حملہ نہ کرتے تھے اور ان کی طرف دیکھتے تھے۔ پس اگر اذان سنتے تو ان سے رُک جاتے اور اگر

اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ فرماتے ہیں پھر ہم خیبر کی طرف نکلے تو ہم رات کو ان کے پاس پہنچے۔ پھر جب صبح ہوئی اور آپ علیہ السلام نے اذان نہیں سنی تو سوار ہوئے اور میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہوا اور بے شک میرے پاؤں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو چھو رہے تھے۔ فرماتے ہیں پس وہ خیبر والے ہماری طرف اپنے اوزار وغیرہ لے کر نکلے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے محمد اللہ کی قسم! محمد اور خمیس (لشکر) تو انہوں نے قلعہ میں پناہ حاصل کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو کہا اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا۔ بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی بری صبح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ خیبر کے قلعہ کی فتح کی پیش گوئی

ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ ہم خیبر کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو میرے چچا عامر رجزیہ اشعار پڑھنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ حاصل کر سکتے اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے اور ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں۔ پس تو ہمارے قدم جما، اگر ہماری دشمن سے مڈبھیڑ ہو اور ہم پر سکینہ کو نازل فرما، بے شک پہلے لوگوں نے ہم پر ظلم کیا۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں عامر، آپ علیہ السلام نے فرمایا تیرا رب تیری مغفرت کرے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خاص کسی انسان کے لیے استغفار کیا ہے تو وہ شہید ہوا ہے۔ فرماتے ہیں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی اس وقت وہ اپنے اونٹ پر تھے۔ اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں عامر کے ساتھ نفع کیوں نہیں دیا؟ فرماتے ہیں پھر جب ہم خیبر پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب اپنی تلوار سونتے نکلا اور وہ یہ کہہ رہا تھا: ''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس بہادر جنگجو، جب جنگ سامنے آئے اور شعلے مارے۔''

فرماتے ہیں کہ اس کے سامنے میرے چچا عامر ظاہر ہوئے اور کہا ''تحقیق خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیاروں سے لیس بہادر موت کی پرواہ نہ کرنے والا۔'' فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے تلوار چلائی تو مرحب کی تلوار عامر کی ڈھال میں گھس گئی اور عامر نیچے گرے تو ان کی اپنی تلوار لوٹ کر ان کو لگی اور ان کی رگ اکحل کاٹ ڈالی۔ سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نکلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کہہ رہے تھے کہ عامر رضی اللہ عنہ کا عمل باطل ہو گیا، انہوں نے خود کو قتل کر لیا۔ فرماتے ہیں کہ میں روتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا یا رسول اللہ! عامر رضی اللہ عنہ کا عمل باطل ہو گیا، انہوں نے خودکشی کی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ کس نے کہا ہے؟ میں نے عرض کیا آپ علیہ السلام کے صحابہ میں سے چند لوگوں نے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ کہا بلکہ اس کے لیے اس کا اجر دو مرتبہ ہے۔ پھر مجھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا، ان کی آنکھ میں تکلیف تھی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو

دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں پھر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو میں ان کو راستہ دکھاتا ہوا لایا کیونکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی حتیٰ کہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا تو آپ علیہ السلام نے لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا، وہ فوراً تندرست ہو گئے اور ان کو جھنڈا دیا اور مرحب نکلا اور کہا:

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس بہادر تجربہ کار، جب جنگیں سامنے آئیں شعلے مارتی ہوئی۔'' تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں وہ شخص ہوں میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا، جنگل کے شیر کی طرح رعب دار، میں تم لوگوں کو تلوار کے ساتھ بہت زیادہ قتل کروں گا۔'' فرماتے ہیں پھر مرحب کے سر پر تلوار ماری اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔

خیبر کی حدیث سہل بن سعد، انس اور ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت کی ہے۔ اس سے کچھ باتیں زائد ہیں اور کچھ کم اور اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر میں درد ہوا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام لوگوں کی طرف نہ نکل سکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لیا، پھر کھڑے ہوئے اور زوردار لڑائی کی، پھر لوٹ آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور پہلے سے بھی زیادہ شدید لڑائی کی۔ پھر لوٹ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح دیں گے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور جھنڈا ان کو دے دیا اور ان کو فرمایا تو چل اور واپس نہ متوجہ ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو فتح دے دیں۔ پس وہ خیبر شہر آئے، پس مرحب نکلا جو قلعہ کا مالک تھا اور اس کے سر پر خود تھا وہ اشعار کہتا آیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ کے لیے سامنے آئے تو اس کو تلوار ماری جس نے اس کا مضبوط خود چیر دیا اور سر کو چیرتے ہوئے داڑھوں تک پہنچ گئی۔

پھر مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر نکلا شعر پڑھتا ہوا تو اس کے مقابلہ کے لیے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کہنے لگیں یا رسول اللہ کیا میرا بیٹا قتل کر دیا جائے گا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا ان شاء اللہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر ان کی مڈبھیڑ ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قلعے فتح کرتے رہے اور جنگجو لوگوں کو قتل کرتے رہے اور ان کی اولاد کو قید کرتے اور مال سمیٹتے رہے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خیبر کا پہلا قلعہ جو فتح کیا گیا حصن ناعم ہے اس کے پاس محمود بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کیے گئے، یہود نے ان پر پتھر پھینکا تھا جس کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا۔ پھر غموص ابن ابی الحقیق کا قلعہ فتح کیا گیا، وہاں سے لونڈیاں ملیں۔ ان میں سے صفیہ بنت حیی بن اخطب بھی تھیں۔ حضرت بلال ان کو اور ایک دوسری عورت کو لے کر آئے تو ان دونوں کے ساتھ یہود کے مقتولین پر گزر ہوا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ والی عورت نے جب ان کی

لاشیں دیکھیں تو چیخنے اور چہرے پر تھپڑ مارنے لگی اور اپنے سر پر مٹی ڈالی۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فرمایا اس شیطانہ کو مجھ سے دور کرو اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حکم دیا تو ان کو آپ علیہ السلام کے پیچھے جگہ دی گئی اور ان پر چادر ڈالی گئی تو مسلمانوں نے پہچان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے چن لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس یہودیہ کا یہ حال دیکھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اے بلال! کیا تجھ سے رحمت چھین لی گئی ہے تو دو عورتوں کے ساتھ ان کے مقتول مردوں پر گزر رہا تھا۔ حضرت صفیہ کنانہ ربیع بن ابی الحقیق کی دلہن تھیں، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آ گیا ہے تو اپنا خواب اپنے خاوند کو سنایا تو اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کرتی ہے۔ پھر ان کے چہرے پر ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ اس سے ان کی آنکھ سبز ہوگئی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو اس کا اثر باقی تھا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہوا تو انہوں نے وہ واقعہ سنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کا خاوند کنانہ بن ربیع لایا گیا، اس کے پاس بنونضر کا خزانہ تھا۔

آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا کہ مجھے اس کی جگہ کا علم نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کا ایک شخص لایا گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ میں نے کنانہ کو دیکھا ہے کہ یہ کھنڈر کا روزانہ چکر لگاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو فرمایا کہ اگر ہم نے اس کو تیرے پاس پایا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھنڈر کو کھودنے کا حکم دیا تو اس سے ان کا کچھ خزانہ مل گیا۔ پھر اس سے باقی کے بارے میں پوچھا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو تکلیف دیں تاکہ جو اس کے پاس ہے یہ وہ بتا دے تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سینہ پر گھونسے مارتے رہے حتیٰ کہ وہ مرنے کے قریب ہوگیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محمد بن مسلم کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلم کے بدلہ اس کی گردن ماردی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کیا تو ہم نے اس کے پاس صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے، میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ردیف بن گیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی گلیوں میں سواری چلاتے رہے اور میرے گھٹنے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کو چھو رہے تھے۔ پھر آپ علیہ السلام کی ران سے تہبند کھسک گئی حتیٰ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی کو دیکھا۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستی میں داخل ہوئے تو فرمایا اللہ اکبر! خیبر برباد ہوگیا۔ بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی بری صبح ہوتی ہے۔ یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ قوم اپنے کاموں کے لیے نکلی تو وہ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اسی بات کو عبدالعزیز نے کہا ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ خمیس یعنی لشکر۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں مال غنیمت ملا اور قیدی تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے قیدیوں میں سے ایک لونڈی دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو جا اور ایک لونڈی لے لے تو انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لیا تو ایک شخص آپ

علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے دحیہ کو صفیہ بنت حیی دے دی۔
وہ قریظہ و نضیر کی سیدہ ہے وہ تو صرف آپ علیہ السلام ہی کے لیے مناسب ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا دحیہ کو اس کے ساتھ بلاؤ۔ دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو لائے تو آپ علیہ السلام نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو فرمایا آپ رضی اللہ عنہ اس کے علاوہ کوئی باندی لے لیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تو اس (راوی) کو ثابت نے کہا اے ابوحمزہ رضی اللہ عنہ ان کا مہر کیا مقرر کیا؟ انہوں نے فرمایا ان کے نفس کو آزاد کر دیا۔ پھر ان سے نکاح کیا حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام راستہ میں تھے تو اُم سلیم نے ان کو آپ علیہ السلام کے لیے تیار کیا اور رات کو ہدیہ کیا تو صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کوئی چیز ہو اس کو لے آئے اور چمڑے کا ایک ٹکڑا بچھایا گیا۔ پس ایک شخص کھجور لایا اور دوسرا گھی۔ راوی فرماتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے ستو کا بھی ذکر کیا۔ پھر انہوں نے حلوہ بنایا۔ پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن اوفیؓ نے فرمایا: خیبر کے (قیام کے) زمانہ میں ہم سخت بھوک میں مبتلا ہو گئے (کھانے کی بڑی قلت تھی) خیبر کی جنگ کے دن کچھ پالتو گدھے ہمارے ہاتھ لگ گئے، ہم نے انہی کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں، ہانڈیوں میں اُبال آیا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی: ''ہانڈی اُلٹ دو، گدھوں کا گوشت بالکل نہ کھاؤ۔''

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو فروخت کرنے کی اور وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے صحبت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی اور فرمایا: کیا دوسرے کی کھیتی کو تم اپنے پانی سے سیراب کرو گے؟ اور پالتو گدھے کے گوشت اور ہر نوک دار دانت (یعنی کیلوں) والے جانور کے گوشت سے بھی منع فرما دیا۔ (رواہ الدار قطنی) محمد بن عمرو کا بیان ہے بیس یا تیس گدھے ذبح کیے تھے۔

شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اور ابن سعد و ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے اور بعض دوسرے علماء نے حضرت جابر، حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے، نیز زہری نے بیان کیا کہ مرحب کی بھتیجی، سلام بن مشکم کی بیوی زینب نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے کس عضو کا گوشت پسند ہے۔ لوگوں نے کہا دست کا۔ زینب نے پوری بکری کا گوشت زہر آلود کر کے بھون کر حضرت صفیہ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا اور دست میں زیادہ زہر ملا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت صفیہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت بشر بن براء بن معرور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت صفیہ نے بھنی ہوئی (پوری) بکری خدمت میں پیش کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دست لے کر کچھ گوشت اس میں سے نوچا (اور منہ میں رکھ کر) گھمایا اور بشر نے ہڈی لے کر اس میں سے گوشت نوچ کر منہ میں لیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بشر نے تو اس کو نگل لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا۔ زہری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور حضرت بشر نے بھی ایک لقمہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ کھینچ لو، یہ بکری مجھے اطلاع دے رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔ حضرت بشر نے کہا: قسم ہے اس کی

جس نے آپ کو عزت بخشی ہے! میں نے بھی اپنے نوالہ میں یہ بات محسوس کی تھی لیکن آپ کے سامنے میں نے کھانے کو منہ سے پھینک دینا پسند نہیں کیا۔ جب آپ نے اپنے منہ کے اندر نوالہ کو ناگوار محسوس نہیں کیا تو میں آپ کی جان سے اپنی جان کو عزیز رکھتا، میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہی خیال تھا کہ نوالہ میں خرابی ہونے کے باوجود آپ نے توڑا ہو، ایسا ہو نہیں سکتا۔

حضرت بشر اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہ پائے کہ طیلسان (چادر سبز یا زرد) کی طرح آپ کا رنگ ہوگیا اور وفات ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہند کو بلوا کر اپنے کندھے پر پچھنے (خون بھرے سینگھ) لگوائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بچ گئے لیکن یہ دُکھ وقت وفات تک رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زہریلی بکری کا جو لقمہ خیبر کے دن میں نے کھایا تھا، اس کا اثر میں برابر محسوس کرتا رہا (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودن کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: کیا تو نے بکری (کے گوشت) کو زہر آلود کیا تھا؟ یہودن نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہنے لگی: میری قوم کی جو درگت آپ نے بنائی، آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص بادشاہ ہے تو میں اس سے نجات پا جاؤں گی اور اگر نبی ہے تو اس کو اطلاع مل جائے گی۔ (اس اقرار کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمائی۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بوساطت معمر، زہری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ عورت مسلمان ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔ سلیمان تیمی نے اسی پر جزم کیا ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ اس عورت نے کہا: اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو میرے ذریعہ سے لوگوں کو آپ (کی فتنہ انگیزی) سے سکھ مل جائے گا۔ اب مجھ پر ظاہر ہوگیا کہ آپ سچے ہیں، میں آپ کو اور آپ کے پاس جو لوگ موجود ہیں، ان کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ جب وہ مسلمان ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

۲۱ **"واخری لم تقدروا علیھا"** یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے دوسرے شہر کی فتح کا وعدہ جس پر تم قادر نہ تھے **"قد احاط اللہ بھا"** حتیٰ کہ اس کو تمہارے لیے فتح کیا۔ گویا کہ اس کی حفاظت کی اور اس کو تمہارے غیر سے روکے رکھا۔ حتیٰ کہ تم نے اس کو لے لیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ اس کو تمہارے لیے کھول دیں گے اور اس میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔ پس ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ فارس و روم ہیں اور عرب فارس اور روم کے قتال پر قادر نہ تھے بلکہ وہ تو ان سے خوفزدہ تھے حتیٰ کہ وہ اس پر اسلام کے ذریعے قادر ہو گئے۔ ضحاک اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خیبر مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے اس کا وعدہ کیا تھا اور ان کو اس کی اُمید نہ تھی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مکہ ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حنین ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آج کے دن تک جو انہوں نے فتح کیے ہیں سب مراد ہیں۔ **"وکان اللہ علی کل شیءٍ قدیرا"**

۲۲ **"ولو قاتلکم الذین کفروا"** یعنی اسد، غطفان اور اہل خیبر۔ **"لولوا الادبار"** البتہ وہ شکست کھا جائیں گے۔ **"ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا"**

۲۳ **"سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل"** یعنی اللہ کے طریقہ کی طرح اس کے اولیاء کی مدد کرنے اور دشمنوں کو مغلوب کرنے میں۔

آیت وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ کا شانِ نزول

㉔"وھو الذی کفّ ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم وکان اللّٰہ بما تعملون بصیرا" ابوعمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ان لوگوں کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ کے اسی (۸۰) لوگ جبل تنعیم سے اسلحہ سے لیس آئے۔ ان کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنا تھا۔ پس انہوں نے قیدی پکڑے، پھر ان کو زندہ چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "وھو الذی کفّ ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم" عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں تھے۔ اس درخت کے نیچے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ آپ علیہ السلام کی پشت پر اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی تھی تو میں نے اس کو آپ علیہ السلام کی پیٹھ سے اُٹھالیا اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ علیہ السلام کے سامنے صلح نامہ لکھ رہے تھے۔ پس ہم پر تیس مرد نکلے جن پر ہتھیار تھے وہ ہمارے سامنے مٹی اُڑاتے آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کر لی تو ہم ان کی طرف کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کو پکڑ لیا تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی معاہدہ کے ساتھ آئے ہو یا تمہیں کسی نے امان دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام احمد، بخاری، عبد بن حمید، ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ وغیرہ نے بروایت زہری بیان کیا اور محمد بن اسحاق نے بروایت زہری اور از عروہ از مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم بیان کیا کہ (حدیبیہ کو روانہ ہونے سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے اندر جا کر غسل کیا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بُنے ہوئے دو کپڑے (چادر اور لنگی) پہنے، پھر دروازے کے پاس سے ہی قصویٰ اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت اُم سلمہ کو ساتھ لیا، حضرت ام منیع، حضرت اسماء بنت عمرو اور حضرت ام عمارہ اشہلیہ رضی اللہ عنہن بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ مہاجرین، انصار اور دوسرے عرب بھی آپ کے ساتھ آ کر مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے کسی کو فتح میں شک بھی نہیں تھا۔ ان حضرات کے پاس تلواروں کے علاوہ اور اسلحہ بھی نہیں تھا اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور پہلے سے بھجوا دیئے تھے۔ یکم ذیقعدہ ۶ ہجری بروز دوشنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ دوپہر کو ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی۔ قربانی کے لیے ستر اونٹ تھے، سب کو جھولیں پہنائی گئیں اور ان میں سے چند کو قبلہ رُخ کھڑا کر کے دائیں پہلو پر زخم خود لگائے (اشعار کیا) اور باقی اونٹوں کو اشعار کرنے کا حکم ناجیہ بن جندب کو دیا اور ایک ایک جوتا (قربانی کے) ہر اونٹ کی گردن میں ڈال دیا۔ مسلمانوں نے اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور ان کی گردنوں میں ایک ایک جوتہ لٹکا دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن

سفیان کو (قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لیے) بطور جاسوس پہلے بھیج دیا اور عباد بن بشر کو بیس سواروں کے ساتھ بطور ہراول آگے روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہراول دستہ کا کمانڈر سعد بن زید اشہلی کو مقرر کیا تھا۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازہ سے اونٹنی پر سوار ہو گئے، اونٹنی قبلہ رُخ تھی۔ جب اونٹنی اُٹھی تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا تا کہ لوگوں کو خطرہ نہ ہو کہ آپ لڑائی کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہیں بلکہ سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا ارادہ کعبہ کی زیارت کا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹی سی چھاگل (یا پانی پینے کا چمڑے کا پیالہ، کوئی ایک چیز) رکھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس پانی نہیں کہ وضو کریں، نہ پینے کے لیے پانی ہے، بس اتنا ہی پانی ہے جو آپ کے کٹورے میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھا ہوا تھا (حسب الحکم) ہم نے وہ پانی اس پیالے میں اُلٹ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال دیے، فوراً آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی جوش مار کر چشموں کی طرح اُبلنے لگا۔ ہم نے وہ پانی (خوب) پیا اور وضو بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا، آپ لوگ اس روز کتنے تھے؟ حضرت جابر نے فرمایا: ہم تھے تو پندرہ سو لیکن اگر ایک لاکھ ہوتے تب بھی سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں مطمئن ہو گئے تو بدیل ابن ورقاء، خزاعہ قبیلہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آیا (بعد کو بدیل مسلمان ہو گیا) اس کے ساتھیوں میں عمرو بن سالم، حراس بن اُمیہ، خارجہ بن کرز اور یزید بن اُمیہ بھی تھے۔ سب لوگوں نے آ کر سلام کیا، پھر بدیل نے کہا: ہم آپ کے پاس آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی (یعنی قریش) کی طرف سے آئے ہیں، وہ آپ کے مقابلہ کے لیے تمام قبائل کے لوگوں کو اور ان سب لوگوں کو نکال کر لے آئے ہیں جو ان کی بات مانتے ہیں اور حدیبیہ کے پانیوں پر یہ تمام لوگ اُترے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ نوزائیدہ بچوں کی مائیں بھی ہیں اور چھوٹے بچے بھی ہیں، سب لوگوں نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ وہ آپ کو کعبہ تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، صرف اس کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں جو کوئی ہم کو اس سے روکے گا، ہم اس سے لڑیں گے۔ قریش کو لڑائی نے ہی انتہائی کمزور کر دیا۔ اگر قریش چاہتے ہوں تو ہم ان سے ایک مقررمدت کے لیے امن کا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں (شرط یہ ہے کہ) وہ ہمارے اور دوسرے لوگوں کے معاملہ میں دخل نہ دیں، دوسرے لوگوں کی تعداد قریش سے زائد ہے (ان کو ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں) اگر وہ لوگ مجھ پر غالب آ جائیں تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر میری بات غالب آئی تو قریش کو پھر بھی اختیار رہو گا کہ چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوں اور چاہیں تو (ہم سے) سب اکٹھے ہو کر لڑیں لیکن اگر یہ لوگ اس پر بھی نہیں مانیں گے تو اللہ کی قسم! میں اپنے کام کی

کوشش میں اس حد تک لگا رہوں گا کہ میری گردن اکیلی رہ جائے یا اللہ اپنے حکم نافذ کردے (یعنی میں کامیاب ہو جاؤں)۔

بدیل نے کہا: آپ کی یہ باتیں میں قریش کو پہنچا دوں گا۔ چنانچہ بدیل نے قریش سے آکر کہا: ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آرہے ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی (گفتگو کے متعلق) اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ عکرمہ بن ابوجہل اور حکم بن عاص (یہ دونوں آئندہ مسلمان ہوگئے تھے) نے کہا: ہم کو ان کی گفتگو کی اطلاع دینے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان سے جاکر ہماری بات کہہ دو کہ اس سال جب تک ایک آدمی بھی باقی ہے، وہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے مشورہ دیا کہ بات سنو، پھر چاہو تو ماننا، پسند نہ ہو نہ ماننا۔ صفوان بن اُمیہ اور حارث ابن ہشام (یہ دونوں بھی آئندہ مسلمان ہوگئے تھے) نے کہا: اچھا! تم نے جو کچھ سنا ہے، بیان کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا، بدیل نے وہ بیان کر دیا۔ اس کے بعد عروہ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم (میرے) بچے نہیں ہو؟ لوگوں نے کہا، کیوں نہیں۔ عروہ نے کہا، کیا میں تمہارا باپ نہیں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں (عروہ ابن مسعود خاندان عبدشمس کی سات قریشی شاخوں سے رشتہ رکھتا تھا) عروہ نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں اہل عکاظ کو (تمہاری مدد کے لیے) نکال کر لایا تھا لیکن جب ان کے پاس میں نے کچھ نہیں پایا تو اپنے اہل و اولاد کو اور ان لوگوں کو تمہارے پاس لے آیا جنہوں نے میرا کہنا مانا؟ لوگوں نے کہا: بیشک۔ عروہ نے کہا تو اس شخص نے ایک اچھی بات تمہارے سامنے رکھی ہے، تم یہ بات قبول کرلو اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں (اور بات کروں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔ عروہ نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھو! اگر تم نے اپنی قوم کی جڑ اکھاڑ پھینکی (تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہوگی) کیا تم نے سنا ہے کہ کسی عرب نے تم سے پہلے خود اپنی بیخ کنی کی ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (یعنی تم مغلوب ہوئے تو بعید نہیں کیونکہ اللہ کی قسم! میں (تمہارے گرداگرد) کچھ رذیل لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو لات کی شرمگاہ چوستا رہ، کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تیرا سابق احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کی اطلاع میں نے تجھے بھی نہیں دی تو میں تیری بات کا جواب دیتا۔

عروہ نے ایک بار کسی قتل کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا بار اپنے اوپر اُٹھایا تھا، اس کی امداد میں کسی نے ایک حصہ، کسی نے دو حصے، کسی نے تین سہام دیئے تھے اور حضرت ابوبکر نے دس سہام دیئے تھے۔ عروہ پر حضرت ابوبکر کا یہی احسان تھا (جو عروہ کو یاد تھا اور اسی کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا) اس کے بعد عروہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگا اور بات کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک (ہاتھ بڑھا کر) پکڑنے لگا۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ تلوار لیے خود اوڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پیچھے کھڑے تھے، جب عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا، آپ تلوار کا پھل اس کے ہاتھ پر مارتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ الگ رکھ، کسی مشرک کے لیے ریش مبارک کو چھونا مناسب نہیں۔

عروہ نے سر اوپر اُٹھا کر پوچھا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا، مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے کہا، او غدار! کل ہی تو تو نے اپنے

سرینوں کی نجاست عکاظ میں دھوئی ہے اور ہمیشہ کے لیے تو نے ہی بنی ثقیف کی عداوت ہمارے اندر پیدا کر دی ہے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ دور جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ تھے، موقع پا کر آپ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا، پھر آ کر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کو تو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں (میں اس کا ذمہ دار نہیں)۔ اس کے بعد عروہ اپنی آنکھوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت کا مشاہدہ کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناک کی ریزش جو پھینکتے ہیں، اس کو زمین پر گرنے سے پہلے کوئی صحابی اپنے ہاتھ پر لے کر منہ اور جلد پر مل لیتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو صحابی باہم اس کام کو کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمالی پانی لینے کے لیے صحابی ایسی چھینا جھپٹی کرتے ہیں جیسے باہم لڑ پڑیں گے۔

جب آپ کوئی بات کرتے ہیں تو آپ کے بولنے کے وقت سب لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور تعظیم وادب کی وجہ سے نظر اُٹھا کر آپ کی طرف نہیں دیکھتے۔ یہ دیکھ کر عروہ اپنے رفقاء کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا: میری قوم والو! خدا کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی حاضر ہوا لیکن بخدا! کسی کے ساتھیوں کو بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ناک کی ریزش پھینکتے ہیں تو وہ (زمین پر پہنچنے سے پہلے) کسی صحابی کے ہاتھ پر پڑتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو ان کے ساتھ اس کام کے کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمالی پانی لینے کے لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ لڑ پڑیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھی اپنی آوازیں نیچی کر لیتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ انہوں نے اب ایک اچھی بات پیش کی ہے، تم اس کو قبول کر لو۔ قریش نے جواب دیا: نہیں، ہاں اس سال تم ان کو واپس کر دو، آئندہ سال وہ لوٹ کر آ جائیں (اور عمرہ کر لیں) عروہ نے کہا: تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم پر مصیبت آ پڑنے ہی والی ہے۔ یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کو لے کر طائف کو واپس چلا گیا۔

مختلف قبائل کے متعدد افراد جو قریش کی حمایت کے لیے آئے تھے، ان کی جماعت کا کمانڈر اس روز جلیس بن علقمہ تھا، عروہ کے جانے کے بعد وہ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کو آتا دیکھا تو فرمایا: یہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور خدا پرست ہیں۔ تم لوگ اس کے سامنے قربانی کے اونٹوں کو لے کر گزرو کہ وہ دیکھ لے۔ جب جلیس نے قربانی کے جانوروں کا سیلاب وادی کے عرض سے آتا ہوا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور طول حبس کی وجہ سے ان کے بال اُڑ گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا، فوراً لوٹ کر قریش کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا: اے گروہ قریش! میں دیکھ آیا کہ قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں قلادے لٹک رہے تھے، طول حبس کی وجہ سے ان کے بال اُڑ گئے تھے، ان کو روکنا جائز نہیں۔ قریش نے کہا: بیٹھ جا، تو بدو ہے، تجھے کچھ علم نہیں۔ اس بات پر جلیس کو غصہ آ گیا اور بولا، اے گروہ قریش! اس بات پر ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ وعدہ

کیا تھا کہ جو خانہ کعبہ کی تعظیم کے لیے آئے گا، تم اس کو روک دو گے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں جلیس کی جان ہے! یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے مقصد آمد کے درمیان تم حائل نہ ہو گے، یا یہ مختلف قبائل کی پوری جماعت یک نفس ہو کر بھاگ جائے گی (یعنی میں اس ساری جماعت کو لے کر چلا جاؤں گا)۔ قریش نے کہا جلیس! خاموش ہو جا، ہمارے معاملہ میں دخل نہ دے، ہم اپنے لیے جو بات پسند کریں گے، اسی کو اختیار کریں گے۔ ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا، کھڑا ہوا اور بولا: مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو (لوگوں نے اجازت دے دی، مکرز روانہ ہو گیا) جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مکرز ہے، یہ غدار آدمی ہے، یا فرمایا: یہ بدکار آدمی ہے۔ جب مکرز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہی فرمایا جو بدیل اور عروہ سے فرمایا تھا۔ مکرز لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جواب دیا تھا، اس کی اطلاع دے دی۔

مشرکین مکہ کی گفتگو اور صلح کیلئے کسی کو بھیجنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا: وہ لوگ صلح کے خواستگار ہیں، اسی لیے انہوں نے سہیل کو بھیجا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کام آسان ہو گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو بیٹھے ہوئے تھے، سر کے پیچھے عباد بن بشر اور سلمہ اور اسلم کھڑے ہوئے تھے (اول الذکر) دونوں حضرات لوہے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ سہیل آ کر دو زانو بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات شروع کی اور لمبی بات کی۔ دونوں کی گفتگو کا ردّ و بدل ہوتا رہا، آوازیں اونچی نیچی ہوتی رہیں۔ عباد بن بشر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز نیچی رکھو۔ یہ بات ہوتی رہی، آخر صلح ہو گئی۔ سہیل نے کہا: لائیے، آپس میں (صلح نامہ) تحریر کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا۔

صلح نامہ تحریری طور پر لکھنے اور بعض شرائط کا صحابہ کرام پر شاق گزرنا

بخاری نے حضرت براء کی روایت سے اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لکھو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سہیل نے کہا، رحمٰن ورحیم کو تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ "بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ" لکھو جیسے آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم یہ نہیں لکھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ" ہی لکھ دو۔ پھر فرمایا: لکھو، یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے۔ سہیل بولا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو کعبہ سے نہ روکتے، نہ آپ سے لڑتے، محمد بن عبداللہ لکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے لفظ) کو مٹا دو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں تو مٹانے والا نہیں۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کچھ نہ لکھیں ورنہ تلوار ہمارا اور ان (مشرکوں) کا فیصلہ کرے گی۔ آوازیں اونچی ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (رسول اللہ کا لفظ) مجھے دکھاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دکھا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا اور فرمایا: محمد بن عبداللہ لکھ دو۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت براء نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے، پس اس خط میں لکھا: یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا اور دس سال تک لوگوں کے باامن رہنے اور لڑائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مدت میں جنگ بندی رہے گی، لوگ پُرامن رہیں گے، ہر شخص دوسرے سے باز رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے فرمایا: یہ (مصالحت) اس شرط پر ہے کہ تم ہمارے اور کعبہ کے درمیان حائل نہ ہوگے، ہم طواف کریں گے۔ سہیل نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! (اس سال آپ طواف نہیں کرسکتے) آئندہ سال آپ کو اس کا اختیار ہوگا۔ یہ بات لکھ دی گئی۔ سہیل نے کہا: ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا خواہ وہ مسلمان ہی ہو۔ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیسے لکھا جاسکتا ہے؟ مشرکوں کے پاس اس کو کیسے واپس کیا جائے گا، وہ تو مسلمان ہو کر آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ہم میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا، اللہ نے اس کو دور کر دیا (یعنی وہ مسلمان ہی نہ تھا، چلا گیا تو اچھا ہوا) اور ان میں سے جو کوئی ہمارے پاس آجائے گا (اور ہم اس کو واپس کر دیں گے) تو اللہ اس کے لیے کوئی کشائش پیدا کر ہی دے گا۔

حضرت براء کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شرطوں پر صلح کی تھی، مشرکوں میں سے جو شخص کٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مل جائے گا، آپ اس کو واپس مشرکوں کو دے دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا، وہ مسلمانوں کو واپس نہیں دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئندہ سال داخل ہوسکیں گے اور تین روز قیام کریں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے تو اسلحہ، تلوار، تیر کمان وغیرہ غلاف پوش لے کر داخل ہوں گے۔ فریقین میں مصالحت ہوگئی اور یہ شرط ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ معاہدہ سربند صندوق ہوگا، نہ اس میں چوری چھپے کوئی حرکت ہوگی، نہ خیانت اور جو شخص (اس معاہدہ کی رو سے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائرہ میں جانا پسند کرے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو جائے اور جو قریش سے ملنا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ فوراً بنی خزاعہ کود کر سامنے آئے اور کہا، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدوں اور ذمہ داری میں شامل ہیں اور بنی بکر نے کہا: ہم قریش کے عہد اور ذمہ داری میں ہیں۔

جب صلح پختہ ہوگئی اور سوائے تحریر کے اور کوئی کام باقی نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا، کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو پھر آپ ہم کو ہمارے دین میں یہ ذلت کیوں دے رہے ہیں؟ ابھی تک اللہ نے ہمارا اور ان کا فیصلہ نہیں کیا (یعنی لڑائی نہیں ہوئی) اور ہم واپس چلے جائیں (یہ بڑی ذلت کی بات ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا، اللہ مجھے تباہ کر دے گا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم کعبہ پہنچیں گے اور یقیناً طواف کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یقیناً تم بیت اللہ پہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر غصہ کی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور صبر نہ کر سکے اور بولے، ابوبکر! کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ہیں، کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا ہم لوگ سچائی پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہیں، کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو پھر کیوں یہ ذلت کیسی؟ (یہ مصالحت تو ہمارے دین کی ذلت ہے) اللہ نے ہمارا ان کا فیصلہ نہیں کیا اور ہم لوٹ جائیں (یہ تو بڑی ذلت ہے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے شخص! وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اپنے رب کے حکم کے خلاف نہیں کرتے، وہی ان کا مددگار ہے، تم مرتے دم تک ان کی کمر (یعنی دامن) کو پکڑے رہو، بلاشبہ وہ سچائی پر ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عمر نے کہا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کہا، کیا وہ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ بیت اللہ پر پہنچیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کیوں نہیں۔ لیکن کیا انہوں نے تم کو یہ بھی بتایا تھا کہ اسی سال تم بیت اللہ پر پہنچو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو پھر یقیناً تم کعبہ کو پہنچو گے اور طواف کرو گے۔

حضرت ابوجندل کا بیڑیوں سمیت واپس کرنا

اسی اثناء میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے، قیدیوں کی چال سے (وادی کے) نشیب سے نکل کر آ پہنچے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے، ان کے باپ سہیل نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا تھا۔ مسلمان فوراً ان کے خیر مقدم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور (بھاگ کر رہائی پانے کی) مبارک باد دی۔ سہیل نے یہ حالت دیکھی تو اُٹھ کر بیٹے کی طرف گیا اور اس کے منہ پر خاردار لکڑی ماری اور گریبان پکڑ لیا اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا واقعہ ہے جس پر میں نے اور آپ نے معاہدہ کیا تھا (کہ جو شخص ہم میں سے آپ کے پاس آ جائے گا) آپ اس کو واپس کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابھی تک تو تحریر پوری نہیں ہوئی۔ کہنے لگا: تو پھر خدا کی قسم! میں کبھی مصالحت نہیں کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ کہنے لگا، میں آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، ایسا کر دو۔ کہنے لگا: میں نہیں کروں گا۔ اس پر مکرز اور حویطب نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا ہم اس کو آپ کی وجہ سے اپنی ذمہ داری میں لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر دونوں نے اس کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور خیمے میں چلے گئے اور باپ بے تعلق ہو گیا۔

ابوجندل نے کہا: اے گروہ ہائے اہل اسلام! کیا مجھے مشرکوں کے ہاتھ میں واپس دیا جا رہا ہے؟ میں تو مسلمان ہو کر آیا تھا۔ دیکھو! میں نے کیسے دُکھ جھیلے ہیں۔ سہیل نے ابوجندل کو سخت ترین تکلیفیں دی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا، ابوجندل! صبر کر، ثواب کی اُمید رکھ، اللہ تیرے لیے مع ان کمزور لوگوں کے جو تیرے ساتھ ہیں، کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ ضرور پیدا کر دے گا۔ ہم نے ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے، ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو وعدہ دے دیا ہے، اس لیے ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حالت دیکھ کر) ابوجندل کے برابر ہو گئے اور کہا صبر کر اور ثواب کی اُمید رکھ، یہ مشرک ہیں، ان کا خون کتے کے خون کے برابر ہے (یعنی ان کو قتل کرنا نہ گناہ ہے، نہ قابل مؤاخذہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے کہنے کے درمیان تلوار کا قبضہ ابوجندل کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے خیال تھا کہ ابوجندل تلوار لے کر اس سے باپ کو مار ڈالے گا (اس لیے میں نے تلوار کا قبضہ اس کی طرف بڑھایا تھا) آخر ابوجندل کو باپ کے سپرد کر دیا گیا۔

صحابہ خوش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے ان کو فتح میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ صلح ہو گئی اور واپس جانا پڑے گا تو اس سے ان کو بڑا رنج ہوا۔ قریب تھا کہ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔ پھر ابوجندل کے واقعہ نے ان کا رنج اور بڑھا دیا۔ جب صلح کی بات طے ہو گئی (اور صلح نامہ لکھ دیا گیا) تو کچھ مسلمانوں اور مشرکوں نے اس پر اپنی شہادت ثبت کی۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت محمود بن سلمہ، حضرت علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور مشرکوں میں مکرز بن حفص نے شہادت دی۔

تحریر سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُٹھو، قربانی کرو، پھر سر منڈواؤ۔ (یہ حکم سن کر بھی) اللہ کی قسم! کوئی نہیں اُٹھا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا (لیکن کسی نے جنبش نہیں کی) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا اور اندر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اُم المؤمنین سے فرمایا: مسلمان ہلاک ہو گئے، میں نے ان کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ اُم المؤمنین نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مسلمانوں کو برا نہ کہیں، ان پر بڑا صدمہ پڑا ہے۔ آپ نے صلح کرنے اور بغیر فتح کرنے کے واپس ہو جانے کی جس دُشواری میں خود اپنے آپ کو ڈالا ہے، اس کا مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا ہے۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے ایک بات بھی نہ کیجئے۔ جا کر اپنے قربانی کے اونٹوں کو نحر کیجئے اور کسی کو طلب فرما کر اپنا سر منڈوا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور کسی سے کوئی بات کہے بغیر بلند آواز سے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور ایک شخص کو بلوا کر سر منڈوایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تو خود بھی اُٹھ کر اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے دن کچھ لوگوں نے سر منڈ وائے اور کچھ لوگوں نے بال کتر وائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور بال کتروانے والوں پر بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! اور کتروانے والوں پر بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتروانے والوں پر بھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ نے منڈوانے والوں کے لیے دوبار دعاءِ رحمت فرمائی۔ فرمایا: اس لیے کہ وہ شبہ میں نہیں پڑے (یعنی ان کو یقین ہو گیا کہ حالت احرام ختم ہو گئی اور اب آگے بڑھنا نہیں ہے)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں کو خیال تھا کہ شاید ہم کو طواف کرنے کا موقع مل جائے، اس لیے وہ سر منڈوانے سے رُکے رہے (اور کچھ بال کتر وا دیئے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ۱۹ یا ۲۰ رات قیام کیا، محمد بن عمرو کا یہی بیان ہے۔ حدیبیہ کے قیام کے زمانہ میں (احرام کھولنے اور قربانی کرنے کے حکم سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا تھا، تم کو کیا سر کے کیڑوں (جوؤں) سے تکلیف ہو رہی ہے؟ حضرت کعب کے سر سے جوئیں گرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی تھیں۔ کعب نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سر منڈوانے اور فدیہ دینے کا حکم دیا۔ فدیہ کی تین صورتیں تھیں۔ روزے رکھنے یا خیرات، یا قربانی۔ اس وقت آیت "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ الخ" نازل ہوئی۔ ہم نے سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں احصار (راستہ کی رُکاوٹ) اور کسی عذر کی وجہ سے سر منڈوا دینے اور اس سے تعلق رکھنے والے مسائل بیان کر دیئے ہیں۔

مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے اور بزار و طبرانی و بیہقی نے حضرت ابو حبیش کی روایت سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی منزل مرالظہر ان میں اور اس کے بعد (دوسری منزل) عسفان میں کی۔ یہاں پہنچ کر لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی اور عرض کیا، کیا ہم گدھوں کو ذبح کر لیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا نہ کیجئے، لوگوں کے پاس سواریاں رہنا زیادہ مناسب ہیں۔ اگر کل کو دشمن سے مقابلہ ہو گیا اور ہم بھوکے بھی ہوئے اور پیدل بھی تو کیا ہو گا؟ میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ صحابہ کے پاس کھانے کی چیز رہ گئی ہو، آپ وہ طلب فرمائیں، پھر برکت کی دُعا کریں۔ اُمید ہے کہ اللہ آپ کی دُعا سے ہم کو (منزل مقصود تک) پہنچا دے گا۔ اس مشورہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان کھانے کا (کسی کے پاس) باقی رہ گیا تھا، طلب فرمایا اور چمڑے کا ایک

دستر خوان بچھا دیا۔ سب سے زیادہ لانے والا وہ شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً چار سیر) چھوارے لایا۔
غرض لوگوں کے پاس کھانے کی جو چیز تھی وہ چرمی دستر خوان پر جمع کر دی گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر جو کچھ اللہ نے چاہا (پڑھ کر) دُعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور اپنے برتن بھی بھر لیے اور چیزیں جتنی تھیں، اتنی ہی رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ہنس دیئے، اتنے کہ کچلیاں نظر آ گئیں۔ حضرت سلمہ کا بیان ہے میں نے اندازہ کیا کہ ہم اس روز تقریباً ۱۴ سو آدمی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ ان دونوں (یعنی توحید و رسالت) پر ایمان رکھے گا، وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ زہری کی روایت میں آیا ہے، پھر مؤمن عورتیں آئیں جن کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ...... بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ" تک۔
اس روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو عورتوں کو طلاق دی جو شرک کے زمانہ میں ان کے عقد میں تھیں۔ ان میں سے ایک نے معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن اُمیہ سے۔ راوی کا بیان ہے پھر اللہ نے (مؤمن) عورتوں کو واپس کرنے کی ممانعت فرما دی بلکہ ان کا مہر (جو کافروں سے عقد کی حالت میں انہوں نے وصول کیا ہو) کافروں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔

معاہدہ کے دوران ابوبصیر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا اور ان کا بھی واپس کر دینا

امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت مسور بن مخرمہ اور بیہقی نے زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے مدینہ میں آ گئے تو ابوبصیر عتبہ بن اسد ثقفی (مکہ سے بھاگ کر) مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ خاندان بنی ثقیف، قبیلہ بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ اخنس بن شریف ثقفی اور ازہر بن عبد عوف زہرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط خنیس بن جابر عامری کے ہاتھ بھیجا جس میں گزشتہ مصالحت کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ ابوبصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔ ابوبصیر کے پہنچنے سے تین دن بعد عامری اپنے غلام کے ساتھ جس کا نام کوثر تھا، خط لے کر پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو حکم دیا کہ ان دونوں کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔ تم واقف ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے مذہب میں عہد شکنی جائز نہیں۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھی دوسرے مسلمانوں کے لیے کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ پیدا کر دے گا۔ غرض دونوں شخص ابوبصیر کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر ابوبصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز قصر پڑھی اور نماز کے بعد جو کچھ کھانے کا سامان ساتھ لائے تھے، کھانے لگے اور عامری َ اور اس کے ساتھی کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ وہ دونوں بھی اُتر آئے اور چھوہارے کھانے لگے۔
عامری کے پاس اس وقت تلوار تھی، دونوں باتیں کرتے رہے۔ بقول عروہ، عامری نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا میں اپنی اس تلوار سے کئی دن رات تک اوس اور خزرج کو ماروں گا۔ ابوبصیر نے کہا: کیا تمہاری تلوار براں بھی ہے؟ عامری نے کہا:

ہاں۔ابوبصیر نے کہا مجھے تو دکھاؤ۔عامری نے ابوبصیر کے ہاتھ میں تلوار دے دی۔ابوبصیر نے جب تلوار کا قبضہ پکڑ لیا تو اسی سے عامری کے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔کوثر بھاگ کر مدینے پہنچا اور مسجد میں گھس گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ کوثر نے کہا: میرا ساتھی ختم ہوگیا اور میں چھوٹ کر بھاگ آیا ورنہ میں بھی مارا جاتا۔غرض کوثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور آپ نے اس کو پناہ دے دی۔ابوبصیر، عامری کے اونٹ پر سوار ہو کر آ گیا، اونٹ کو مسجد سے باہر بٹھایا اور خود وحشت زدہ حالت میں تلوار سمیت مسجد میں آ گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کردی اور اللہ نے آپ سے یہ ذمہ داری پوری کرادی اور آپ نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا لیکن میں اپنے دین کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے سے محفوظ رہا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس! یہ لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔کاش! کوئی اس (کو مکہ پہنچانے) کے لیے ہوتا۔ابوبصیر نے عامری کا مال جس پر اس نے قتل کرنے کے بعد قبضہ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے لیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس میں سے خمس لے لوں گا تو وہ لوگ خیال کریں گے کہ میں نے ان سے کیا ہوا معاہدہ پورا نہیں کیا، تم جانو اور یہ چھینا ہوا مال، اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ ابوبصیر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکائے گا الخ تو اس نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور واپس کریں گے، اس لیے ابوبصیر اور اس کے ساتھ وہ پانچ آدمی جو بھاگ کر اس کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے، اور کسی نے ان کی تلاش بھی نہیں کی تھی، نکل کر چل دیئے اور ساحل سمندر میں پہنچ کر عیص اور ذی المروۃ کے درمیان قریش کے قافلہ کے راستہ پر مقیم ہوگئے۔مکہ میں جو مسلمان بند تھے، ان کو جب ابوبصیر کے واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی چپکے سے چوری چھپے نکل کر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔

بیہقی نے بروایت زہری یہی بیان کیا ہے۔قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا تھا، یہ لوگ اس کا مال چھین لیتے تھے اور قافلہ والوں کو قتل کردیتے تھے۔قریش کو انہوں نے تنگ کردیا۔قریش کا جو آدمی ان کے ہاتھ لگتا، اس کو قتل کردیتے۔آخر قریش نے ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو آپ (اپنے پاس) بلوالیں، آئندہ ہمارا جو آدمی آپ سے جاکر مل جائے، آپ اس کو روک لیں، آپ کے لیے روک لینا جائز ہوگا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر اور ابوجندل کو لکھ بھیجا کہ تم دونوں میرے پاس آجاؤ اور دوسرے مسلمان جو تمہارے ساتھ ہیں، ان کو حکم دے دو کہ وہ اپنی اپنی بستیوں کو اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔آئندہ جو قریشی یا قافلہ ان کی طرف سے گزرے، اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ابوبصیر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی اس وقت پہنچا جب ان کا آخری وقت تھا۔نامۂ گرامی ان کے ہاتھ میں تھا، اس کو پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں وفات ہوگئی۔ابوجندل نے ان کو اسی جگہ دفن کردیا اور ان کی قبر کے قریب مسجد بنادی۔

"والھدی معکوفا" وہ بدی تقریباً ستر کے قریب تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہنکائے تھے۔"أن یبلغ محلہ" ان کے نحر کی جگہ تاکہ ان کا نحر کرنا حلال ہوجائے۔(یعنی حرم میں) "ولولا رجال مؤمنون

ونساء مؤمنات" جو مکہ میں ٹھہر چکے ہیں۔ "لم تعلموھم" جن کو وہ نہیں پہچانتے۔ "أن تطؤھم" کہ ان کو قتل کردیں اور اس قتل کے جرم میں واقع ہوجائیں۔ "فتصیبکم منھم معرة بغیر علم" ابن زید نے فرمایا معرۃ سے مراد گناہ ہے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ دیت دینا ہے۔ بعض نے کہا کہ کفارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب میں اس مؤمن کے قتل کو معاف قرار دیا ہے جس کے ایمان کو مسلمان نہ جانتے ہوں۔ "فان کان من قوم عدولکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة" بعض نے کہا کہ اگر ایسے مؤمنین کو قتل کروگے تو مشرک لوگ عیب لگائیں گے کہ انہوں نے اپنے دین والوں کو قتل کردیا۔ معرۃ سے مراد پھر یہاں مشقت ہوگا۔ اگر ایسی حالت میں کسی مؤمن یا مؤمنہ کو قتل کردیا تو اس پر کفارہ ہے۔ "لیدخل اللہ فی رحمته من یشاء" تاکہ اللہ اپنی رحمت سے اہل مکہ میں سے جس کو چاہے اسلام میں داخل کردے۔

"لو تزیلوا" اگر مؤمنین نے کفار سے اپنے مسلمانوں کو پہچان لیا۔ "لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما" قید کے ذریعے ہو یا اپنے ہاتھوں کے ساتھ قتل کے ساتھ ہو۔ بعض اہل علم نے کہا "لعذبنا" دونوں کلاموں میں سے ایک کا جواب ہے "لولا رجال" یہ پہلا ہے دوسرا "لو تزیلوا" ہے۔ پھر فرمایا "لیدخل اللہ فی رحمته من یشاء" اس سے مراد مؤمنین اور مؤمنات ہیں۔ "فی رحمته" سے مراد جنت ہے۔ قتادہ نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ یہاں مؤمنین کو کفار سے ایسے دور کیا جیسے اہل مکہ کے مسلمانوں کو وہاں کے مشرکوں سے دور کردیا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ㉖ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ㉗

ترجمہ: جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو (بالکل) مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن وامان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترا تا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی۔

تفسیر: ㉖ "اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیّة" جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ

السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بیت اللہ سے روکا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کا اقرار نہیں کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کا رسول ہونے کا انکار کیا اور حمیت، خودداری، کہا جاتا ہے "فلان ذو حمیة" جب وہ غصہ والا اور خوددار ہو۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے کہا کہ انہوں نے ہمارے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ پھر اب وہ ہمارے شہر میں داخل ہوں گے تو عرب کہیں گے کہ وہ ہمیں ذلیل کر کے ہمارے شہر میں داخل ہوئے۔ لات وعزیٰ کی قسم وہ ہم پر داخل نہ ہوں گے۔

پس یہ "حمیة الجاهلية" جو ان کے دلوں میں داخل ہوگئی۔ "فانزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين" حتیٰ کہ جو خودداری ان پر غالب آئی وہ مسلمانوں پر نہیں آئی کہ پھر وہ ان سے قتال میں اللہ کی نافرمانی کرتے۔ "والزمهم كلمة التقوىٰ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، سدی، ابن زید اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کلمہ تقویٰ لا الٰہ الا اللہ ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ کلمہ تقویٰ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ "لا اله الا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهو على كلّ شيءٍ قدير" ہے۔ اور عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ "وكانوا احقّ بها" کفار مکہ سے۔ "واهلها" یعنی اللہ کے علم میں۔ وہ اس کے اہل تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور نبی کی صحبت کے لیے اہل خیر کو اختیار کیا ہے۔ "وكان الله بكلّ شئ عليما"

حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

㉗ "لقد صدق الله رسوله الرّؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شآء الله امنين" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے مدینہ میں خواب میں دیکھا کہ آپ علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حرم میں امن کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور اپنا سر منڈوا رہے ہیں اور بال چھوٹے کرا رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے اس کی خبر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دی تو وہ خوش ہوگئے اور خواہش کی کہ اس سال مکہ میں داخل ہوں۔

پھر جب وہ واپس لوٹے اور مکہ میں داخل نہ ہو سکے تو یہ بات ان پر گراں گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ مجمع بن حارثہ انصاری سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ پھر جب ہم اس سے واپس لوٹے تو ان میں سے بعض نے کہا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی تھی پس ہم نکلے ڈرتے ہوئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر ٹھہرے ہوئے پایا کراع الغمیم جگہ پر۔ پس جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "انا فتحنا لك فتحا مبينا" تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کیا یہ فتح ہے یارسول اللہ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم میری جان جس کے قبضہ میں ہے۔

پس اس میں دلیل ہے کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور خواب کی تعبیر آئندہ سال پوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق'' خبردی کہ جو خواب آپ علیہ السلام نے دیکھا حدیبیہ نکلنے میں کہ آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد حرام میں داخل ہورہے ہیں، وہ سچ اور حق ہے۔ اس کا قول ''لتدخلن'' یعنی اور فرمایا کہ تم ضرور داخل ہوگے اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لتدخلن'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو آپ علیہ السلام نے اپنے خواب کو بیان کرتے ہوئے اپنے صحابہ کو ارشاد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ علیہ السلام نے یہ کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی خبر دی تھی۔ اس کے بعد ان شاء اللہ کہا ہے، اللہ تعالیٰ کے آداب کو اپنانے کی وجہ سے کیوں کہ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کہا ''ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ''

اور ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ان'' اذ کے معنی میں ہے مجازِ عبادت ہے اذ شاء اللہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ان کنتم مؤمنین'' ہے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ استثناء (ان شاء اللہ) دخول سے ہو۔ اس لیے کہ خواب اور اس کی تصدیق میں ایک سال کا وقفہ تھا اور اس ایک سال میں کئی لوگ مر گئے۔ پس آیت کا مجاز یہ ہے۔ ''لتدخلن المسجد الحرام کلکم ان شاء اللہ'' اور کہا گیا ہے کہ استثناء امر پر واقع ہے نہ کہ دخول پر اس لیے کہ دخول میں تو کوئی شک نہیں ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان داخل ہوتے ہوئے فرماتے تھے ''وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون'' پس استثناء لا الٰہ الا اللہ والوں کے ساتھ لاحق ہونے کی طرف لوٹ رہا ہے نہ کہ موت کی طرف۔

''محلقین رؤسکم'' مکمل سر کو ''ومقصرین'' اس کے تھوڑے سے بال کاٹ کر۔ ''لا تخافون فعلم مالم تعلموا'' کہ صلح اور دیر سے داخل ہونے میں ہی بہتری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ''ولولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنات'' ہے۔ ''فجعل من دون ذلک'' تمہارے مسجد حرام میں داخل ہونے سے پہلے۔ ''فتحا قریبا'' اور یہ اکثر حضرات کے نزدیک صلح حدیبیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ فتح خیبر ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ㉘ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ㉙

(ترجمہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا

ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (عموماً) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان (کی عبدیت) کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ (جو) ان کے اوصاف (مذکور ہوئے) تو ریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف (مذکور) ہے کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ (اپنے نشوونما سے) کسانوں کو بھی معلوم ہونے لگی تا کہ ان (کی اس حالت) سے کافروں کو جلا دے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

تفسیر ㉘ **"هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله وکفٰی باللّٰه شهیدا"** اس پر کہ آپ علیہ السلام نبی ہیں اپنی خبروں میں سچے اور صالح ہیں۔

㉙ **"محمد رسول اللّٰه"** یہاں کلام مکمل ہوگئی۔ اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہے۔ آپ علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی پھر نئی کلام کرتے ہوئے فرمایا۔

"والذین معه" انہوں نے کہا ہے کہ اس میں واؤ استئناف کی ہے یعنی اور وہ لوگ جو آپ علیہ السلام کے ساتھ ہیں مؤمنین میں سے۔ **"اشداء علی الکفار"** ان پر سخت ہیں جیسے شیر اپنے شکار پر۔ ان کو ان کافروں کے بارے میں کوئی شفقت نہیں گھیرتی۔ **"رحماء بینهم"** ایک دوسرے پر شفیق اور آپس میں محبت کرنے والے ہیں جیسے والد اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **"اذلّة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین"**......

"تراهم رکعًا سجدا" ان کی کثرت صلاۃ اور اس پر دوام رکھنے کی خبر دی ہے۔ **"یبتغون فضلاً من اللّٰه"** کہ ان کو جنت میں داخل کردے۔ **"ورضوانا"** کہ ان سے راضی ہو جائے۔

"سیماهم" یعنی ان کی علامت۔ **"فی وجوههم من اثر السجود"**

سِیۡمَا هُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ کی تفسیر

اس علامت کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ وہ نور اور قیامت کے دن ان کے چہروں پر سفیدی ہوگی جس کی وجہ سے وہ پہچانے جائیں گے کہ وہ دُنیا میں سجدہ کرتے تھے اور یہی عطیہ عوفی رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

عطاء بن ابی رباح اور ربیع بن انس رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے، کثرت سے نماز پڑھنے کی وجہ

سے اور شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کی جگہیں ان کے چہروں میں سے ایسے ہوں گی جیسے چودھویں کا چاند ہوتا ہے اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ اچھی طبیعت اور خشوع وتواضع ہے اور یہی روایت والبی کی ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ وہ علامت نہیں جس کو تم دیکھو گے لیکن وہ اسلام کی علامت اور اس کا مزاج اور طبیعت اور خشوع ہے اور یہی مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے اور معنی یہ ہے کہ سجدوں نے ان میں خشوع اور اچھی طبیعت پیدا کردی ہوگی جس سے وہ پہچانے جائیں گے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بیداری کی وجہ سے چہرہ کی زردی ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تو ان کو دیکھے گا تو ان کو مریض سمجھے گا حالانکہ وہ مریض نہیں ہیں۔

عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پیشانیوں پر مٹی کے اثرات ہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لیے کہ وہ مٹی پر سجدہ کرتے ہیں نہ کہ کپڑوں پر۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو پانچ نمازوں کی پابندی کرے۔ "ذلک" جو میں نے ذکر کیا۔ "مثلهم" ان کی صفت "فی التوراة" یہاں کلام مکمل ہوگئی۔ پھر ان کی صفت بیان کی جو انجیل میں ہے۔ پس فرمایا "ومثلهم" ان کی صفت "فی الانجیل کزرع اخرج شطأه" ابن کثیر اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "شطأه" طاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے نهر اور نهر اور اس کا پھوٹنا مراد ہے۔ کہا جاتا ہے "اشطأ الزرع فهو مشطئ" جب وہ پھوٹ پڑے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک تنا ہے۔ پس جب اس کے بعد نکلے تو وہ اس کا خوشہ ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا خوشہ نکلے۔ "فآزره" ابن عامر رحمہ اللہ نے "فازره" قصر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے مد کے ساتھ یعنی اس کو قوت دی اور اس کی مدد کی۔

"فاستغلظ" یہ کھیتی۔ "فاستوی" یعنی مکمل ہوگیا اور اس کے دانے مل گئے اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔ "علی سوقه" اپنے تنے پر "یعجب الزراع" یہ کاشتکاروں کو اچھا لگنے لگا۔ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انجیل میں بیان کی کہ وہ تھوڑے ہوں گے، پھر زیادہ ہوجائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی انجیل میں مثال لکھی ہوئی ہے کہ عنقریب ایک قوم نکلے گی جو کھیتی کے اُگنے کی طرح بڑھیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اور کہا گیا ہے کہ زرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور شطأ آپ علیہ السلام کے صحابہ اور مؤمنین ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "محمد رسول الله والذین امنوا معه" ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ "اشداء علی الکفار" عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ "رحماء بینهم" عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ "تراهم رکعا سجدا" علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ "یبتغون فضلا من الله ورضوانا" بقیہ عشرہ مبشرہ۔ اور کہا گیا ہے کہ "کمثل زرع" محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "اخرج شطأه" ابوبکر رضی اللہ عنہ "فآزره" عمر رضی اللہ عنہ "فاستغلظ" عثمان رضی

اللہ عنہ اسلام کے لیے۔ "فاستوىٰ على سوقه" علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اسلام کو اپنی تلوار کے ساتھ سیدھا کھڑا کیا۔ "يعجب الزراع" فرمایا کہ وہ مؤمنین ہیں۔ "ليغيظ بهم الكفار" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اہل مکہ کو اسلام لانے کے بعد تم آج کے بعد چھپ کر اللہ کی عبادت نہ کرو گے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر جنت میں ہوں گے، عمر جنت میں، عثمان جنت میں، علی جنت میں، طلحہ جنت میں، زبیر جنت میں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں، سعد بن ابی وقاص جنت میں، سعید بن زید جنت میں، ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہم) جنت میں ہوں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں اور ان میں سے اللہ کے معاملہ میں سخت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان میں سے سچے حیاء کے اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان میں سے میراث کے ماہر زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان میں سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان میں سے حلال وحرام کو زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور معمر نے قتادہ رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس میں ہے ان میں بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل پر ایک لشکر کے ساتھ امیر بنا کر بھیجا۔ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا لوگوں میں سب سے زیادہ آپ علیہ السلام کو کون محبوب ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

پس میں نے کہا مردوں میں سے؟ فرمایا اس کا باپ۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر چند مردوں کو گنوایا۔ پھر وہ خاموش ہو گئے اس خوف سے کہ آپ علیہ السلام ان کو سب کے آخر میں رکھ دیں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا میرے بعد میرے صحابہ میں سے ان دو کی اقتداء کرو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اور عمار کی سیرت کو اپناؤ اور ابن اُم عبد کے عہد کو مضبوطی سے تھامو۔

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد پہاڑ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے تو وہ حرکت کرنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُحد تو ثابت قدم رہ تجھ پر نہیں ہے مگر نبی اور صدیق اور شہید۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف عہد کیا کہ تجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مؤمن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔

عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اصحاب

میں سے مرگیا وہ ان کا نور اور ان کا قائد ہوگا قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لیغیظ بھم الکفار" یعنی ان کو زیادہ کیا اور قوت دی تا کہ وہ کافروں کے غیظ وغضب کا سبب ہو جائیں۔ مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کرے اور اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں غصہ ہو تو اس کو یہ آیت پہنچے گی۔

عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرے گا، پس وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا اور جس نے ان کو تکلیف دی، پس تحقیق اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پکڑلیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا نہ کہو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کی مثل سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مُد کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ آدھے مُد کو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تجھے یہ بات خوش کرے کہ تو اہل جنت میں سے ہو تو ایک تیری محبت کا جھوٹا لبادہ اوڑھیں گے اور وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا۔ (ان کا نام رافضہ (روافض) ہوگا) پس اگر تو ان کو پائے تو ان سے جہاد کر کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ اس حدیث کی اسناد میں نظر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منھم" ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس خوشہ سے جس کو کھیتی نے نکالا اور وہ اسلام میں داخل لوگ ہیں، کھیتی کے بعد قیامت تک اور ھاء اور میم کو شطاء کے معنی کی طرف لوٹایا ہے نہ کہ اس کے لفظ پر اور اسی لیے "منہ" نہیں کہا۔ "مغفرة واجرا عظیما" یعنی جنت۔ واللہ اعلم

سُوْرَةُ الْحُجُرَات

مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ (۱۸) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ❶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ❷

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے (کسی قول یا فعل میں) تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

تفسیر: ❶ "یا یھا الذین امنوا لاتقدّموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ" یعقوب رحمہ اللہ نے "لاتقدموا" تاء اور دال کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے تقدم سے۔ یعنی (تم آگے نہ بڑھو) "لا تقدّموا" اور دیگر حضرات نے تاء کی پیش اور دال کی زیر کے ساتھ تقدیم سے پڑھا ہے اور یہ لازمی باب ہے تقدم کے معنی میں۔ بین اور تبین کی مثل اور کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر متعدی ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی "لا تقدموا القول والفعل بین یدی اللّٰہ و رسولہ" یعنی اللہ اور اس کے رسول کے آگے کسی قول و فعل کو نہ کرو۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کہتے ہیں "لاتقدّم بین یدی الامام وبین ید الرب" یعنی اس کے بغیر امر و نہی میں جلدی نہ کر۔ بین الیدین کا معنی سامنے اور پیچھے ہے۔ یعنی ان دونوں کے امر اور نہی سے آگے نہ بڑھو۔

اور انہوں نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ شعبی رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ یوم الاضحیٰ کو قربانی کے بارے میں ہے اور یہی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ یعنی تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبح کرنے سے پہلے ذبح نہ کرو۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یوم نحر میں خطبہ دیا، فرمایا

کہ ہم اس دن میں پہلا کام یہ کریں گے کہ ہم نماز پڑھیں گے، پھر ہم لوٹیں گے تو قربانی کریں گے۔ پس جس نے یہ کیا تو وہ ہماری سنت کو پہنچ گیا اور جس نے ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا تو وہ گوشت ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی کرلیا ہے، یہ قربانی سے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ مسروق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ یہ یوم شک کے روزے سے نہی کے بارے میں ہے یعنی تم روزہ نہ رکھو اس سے پہلے کہ تمہارے نبی روزہ رکھیں۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خبر دی کہ بنو تمیم کا ایک قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قعقاع معبد بن زرارۃ کو امیر بنایا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بلکہ اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے میری مخالفت کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ پس ان دونوں حضرات کا جھگڑا ہوا حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "**یا یھا الّذین امنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ**" اور نافع رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عن ابی ملیکہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پس نازل ہوئی "**یایھا الّذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النّبی**" اللہ تعالیٰ کے قول "**اجر عظیم**" تک اور زیادہ کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس آیت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی آواز میں بھی بات نہ کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام خود قابل فہم آواز کا تقاضا کرتے اور اپنے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر نہیں کیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ کہتے تھے اگر اس بارے میں نازل کی جاتی اور اس میں کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ناپسند کیا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی قتال اور دین کے شرائع کے بارے میں کسی امر کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نہ کرو۔ "**واتقوا اللہ**" اس کے حق کو ضائع کرنے اور اس کے امر کی مخالفت کرنے میں "**ان اللہ سمیع**" تمہارے اقوال کو "**علیم**" تمہارے افعال کو۔

② "**یایھا الّذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النّبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض**" ان کو حکم دیا کہ وہ آپ علیہ السلام کی تعظیم کریں اور آپ علیہ السلام کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کریں اور آپ علیہ السلام کو ایسے آواز نہ دیں جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں۔ "**ان تحبط اعمالکم**" تاکہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہو جائیں اور کہا گیا اس خوف سے کہ تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں۔ "**وانتم لا تشعرون**"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنے کے متعلق آیات کا نزول

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت "**یایھا الّذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم**" کے نزول کے

بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے رُک گئے اور کہنے لگے: میں دوزخی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا ابو عمر ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہو گئے؟ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا (یارسول اللہ) وہ میرے ہمسائے ہیں مجھے تو ان کے بیمار ہونے کا علم نہیں، کوئی اور وجہ ہوگی۔ حضرت سعد حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اُن سے بیان کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ آیت نازل ہوگئی ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تم سب سے زیادہ اونچی آواز سے کلام کرتا ہوں۔ اس لیے میں دوزخی ہو گیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کر دی۔ فرمایا: (وہ دوزخی نہیں) بلکہ اہل جنت میں سے ہے۔

ابن جریر نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بغوی نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستہ ہی میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ اُدھر سے گزرے اور رونے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ آیت نازل ہوگئی ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے ہی متعلق نازل ہوئی کیونکہ میری آواز اونچی ہے، مجھے اپنے اعمال کے برباد ہو جانے اور دوزخی ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کر دی اور ادھر ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گریہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہوں نے گھر جا کر اپنی بی بی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی سلول سے کہا: جب میں اپنے گھوڑے کے بندھنے کی جگہ جاؤں تو گھوڑے کا دھنگنا مضبوط طور پر میرے پاؤں میں کس کر کھونٹے سے باندھ دینا۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب میں باہر نہیں نکلوں گا، یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم کو حکم دیا، جا کر ثابت کو بلا لاؤ۔ حسب الحکم حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوّل اُسی جگہ گئے جہاں ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔ جب وہاں نہ ملے تو ان کے گھر گئے جا کر دیکھا کہ ثابت گھوڑے کی کوٹھری میں بند ہیں۔ عاصم نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلب فرما رہے ہیں۔ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا دھنگنا توڑ دو۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثابت تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری آواز اونچی ہے، مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ قابل ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری پر راضی ہوں۔ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی اونچی آواز نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ③ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ④

ترجمہ بے شک جولوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے جولوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔

تفسیر ③ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے سامنے جنتی یعنی ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی چلتے پھرتے دیکھتے تھے کہ یہ زندہ جنتی ہیں اور ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم قابل ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے۔

حضرت ثابت کی شہادت اور آپ کی وصیت

جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا تو ثابت کو (شروع میں) مسلمانوں میں کچھ شکست کی حالت نظر آئی بلکہ ایک جماعت تو شکست کھا کر بھاگ بھی پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ان لوگوں پر افسوس ہے۔ پھر حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمرکابی میں تو ہم اللہ کے دشمنوں سے اس طرح نہیں لڑتے تھے۔ اس قول کے بعد دونوں حضرات نے توبہ کی۔ پھر اتنا سخت قتال کیا کہ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں آپ نے اس صحابی کو بتایا کہ میری زرہ ایک مسلمان اُتار کر لشکر کے کنارہ پر ایک جگہ لے گیا۔ وہاں گھوڑا رسی سے بندھا ہوا ہے اور زرہ پر پتھر کی ایک ہانڈی رکھ دی ہے۔ تم خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زرہ اُس شخص سے واپس لے لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر یہ بات کہہ دو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے، وہ ادا کر دیا جائے اور میرا فلاں غلام آزاد ہے (یعنی میں آزاد کرتا ہوں) اس صحابی نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر دیکھا تو زرہ اور گھوڑا ویسے ہی پایا جیسا بیان کیا تھا، آپ نے زرہ واپس لے لی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت پوری کر دی۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ

عنہ نے فرمایا اس وصیت کے علاوہ کوئی ایسی (منامی) وصیت معلوم نہیں جس کو پورا کیا گیا ہو۔ طبرانی اور ابویعلی نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کی طرف آئے اور پکارنے لگے: یا محمد! (یا محمد باہر آؤ) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

④ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ٥" (جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں، بلاشبہ ان میں اکثر کو عقل نہیں)۔ حجرت اور حجرت حجرۃ کی جمع ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حجرات حجر کی اور حجر حجرۃ کی جمع ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قبیلہ) ابن العنبر ہ کی طرف ایک جہادی دستہ عیینہ بن حصین فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر کمانڈ روانہ کیا۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ عیینہ کا رُخ ہماری طرف ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ نے ان کے اہل وعیال کو قید کرلیا اور لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ان کے مرد اپنے بچوں کو زرِ فدیہ ادا کر کے رہا کرانے کے لیے آگئے جس وقت وہ آئے تھے دوپہر کا وقت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بی بی کے حجرہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ان کے بچوں نے جب اپنے باپوں کو دیکھا تو بے تاب ہو کر رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بی بی کا ایک مخصوص حجرہ تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے سے پہلے ہی جلدی میں پکارنے لگے: محمد! باہر آیئے۔ غرض (شور مچا کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! فدیہ لے کر ہمارے اہل وعیال کو رہا کر دو۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان کسی تیسرے شخص کو (بطور پنچ) مقرر کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی پانے کے بعد فرمایا: سبرہ بن عمرو تمہارا ہم مذہب ہے۔ کیا تم لوگ اس کو میرے اور اپنے درمیان ثالث بنانا پسند کرو گے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ سبرہ نے کہا جب تک میرا چچا اعور بن بشامہ یہاں موجود نہ ہوگا میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا (یعنی اعور سے فیصلہ کراؤں گا، خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا) لوگ راضی ہوگئے۔ اعور نے فیصلہ دیا کہ ان کے آدھے اہل وعیال کو بغیر معاوضہ کے آزاد کیا جائے اور باقی نصف کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ نصف کو بلا معاوضہ اور نصف کو فدیہ لے کر رہا کر دیا اور اللہ نے آیت: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ٥" نازل فرما دی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤

ترجمہ اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر ⑤ "وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥" بغوی نے قتادہ اور

جابر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ آیت (یعنی یہ آیت اوراس کے بعد کی عبارت) بنی تمیم کے کچھ خانہ بدوش، بدویوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے دروازہ پر (پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) آوازیں دی تھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے پکار مچائی: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر نکل کر آؤ۔ ہماری طرف سے (کسی کی) تعریف (اس کے لیے) باعث زینت ہے اور ہماری طرف سے (کسی کی) مذمت موجب عیب ہے۔ آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ایسا تو بس اللہ ہے جس کی طرف سے کسی کی ستائش موجب زینت اور مذمت موجب عیب ہے۔ دیہاتی بولے: ہم اپنے شاعر اور خطیب کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اُٹھو! ان کو جواب دو۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ حسب الحکم آپ نے بنی تمیم کے خطیب کو جواب دیا۔ پھر ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا، اُٹھو! ان کو جواب دو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر جواب دیا۔ یہ بات دیکھ کر اقرع بن حابس (تمیمی) نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تو ہر خیر جمع ہے۔ ہمارا خطیب بولا (تو ان کا خطیب بھی بولا اور ہمارے خطیب پر غالب آیا، پھر ہمارے شاعر نے کچھ اشعار پڑھے تو ان کے شاعر نے جواب دیا) پس (ہمارے شاعر سے) تمہارا شاعر بہتر اور احسن ثابت ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا اور بول پڑا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُهٗ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پہلے (تجھ سے) جو جرائم ہو گئے ہیں (وہ سب معاف ہو گئے) ان کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔ (یعنی کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا) اس کے بعد ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ نقد اور) لباس عطا فرمایا۔ قافلہ میں ایک (بچہ) کمسنی کی وجہ سے رہ گیا تھا جس کا نام عمرو بن اہتم تھا۔ (قافلہ کے مال اور جانوروں کی نگرانی کے لیے یہ لوگ اُس کو چھوڑ آئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اتنا ہی (حصہ) دیا، جتنا ان لوگوں میں سے ایک ایک کو دیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس لڑکے کو (اپنے مقابلہ میں) حقیر قرار دیا (اور پورا حصہ دینے پر اعتراض کیا) اس پر اُن کے آپس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شور وغل ہونے لگا۔ اس وقت آیات "یایها الذین امنوا لا ترفعوا ...... تا...... غفورٌ رّحیمٌ" تک نازل ہوئیں۔

"وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" یعنی اللہ بڑا مہربان ہے۔ اسی لیے اس نے (تم کو سزا نہیں دی بلکہ) صرف نصیحت کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرنے والوں اور بے ادبی کرنے والوں کو تنبیہ کر دی کیوں کہ یہ بے ادب لوگ جاہل اور بے عقل ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ ۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞

ترجمہ: اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو خوب تحقیق کرلیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (تشریف فرما) ہیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان (کامل) کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق (گناہ کبیرہ) اور عصیان (گناہ صغیرہ) سے تم کو نفرت دے دی ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر وہ زیادتی کرنے والا) رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ کا شانِ نزول

تفسیر ۶ "یایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا" یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ کے بعد بنوالمصطلق کی طرف بھیجا۔ اس کے اور بنوالمصطلق کے درمیان دورِ جاہلیت میں دشمنی تھی۔ جب ان لوگوں نے اس کے آنے کی خبر سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس کی تعظیم کی۔ شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ لوگ اس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ خوفزدہ ہو گیا اور راستہ سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور کہا بنوالمصطلق نے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا اور پختہ ارادہ فرمایا کہ ان سے لڑائی کریں۔ اُدھر بنوالمصطلق کو اس کے واپس جانے کی خبر پہنچی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ علیہ السلام کے قاصد کے آنے کا سنا تو ہم اس کے استقبال کے لیے نکلے کہ اس کا اعزاز و اکرام کریں اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کا وہ حق ادا کریں جس کو ہم نے قبول کیا ہے لیکن اس کو واپسی کی ضرورت پیش آ گئی تو ہم ڈر گئے کہ شاید اس کی راستہ سے واپسی آپ علیہ السلام کے کسی خط کی وجہ سے ہے جو ہم سے ناراضگی کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے بھیجا ہوگا اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متہم سمجھا (ان کی بات پر اعتماد نہ ہوا) اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خفیہ طور پر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ اس کی قوم کا خدمت اقدس میں آنا ان پر مخفی رکھیں اور ان کو کہا آپ جا کر دیکھو۔ پس اگر آپ رضی اللہ عنہ ان سے وہ بات دیکھو جو ان کے ایمان پر دلالت کرے تو ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کرو اور اگر ایسی بات نہ دیکھو تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیا وہاں جا کر مغرب اور عشاء کی اذان ان سے سنی تو ان سے ان کے صدقات وصول کیے اور ان میں طاعت اور خیر کے کام دیکھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے اور ساری بات بتائی تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی "یا یھا الذین امنوا ان جآء کم فاسق" یعنی ولید بن عقبہ "بنبا" کسی خبر کے ساتھ " فتبینوا ان تصیبوا" تا کہ تم قتل وقتال تک نہ پہنچ جاؤ۔ "قوما" براء "بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" تمہاری غلطی سے قتال کی وجہ سے۔

⑦ "واعلموا ان فیکم رسول اللہ" پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس سے کہ تم باطل بات یا جھوٹ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دیں گے اور وہ تمہارے احوال پہچان جائیں گے۔ پس تم رسوا ہو جاؤ گے۔

"لو یطیعکم" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فی کثیر من الامر" جن کی تم ان کو خبر دیتے ہو۔ پس تمہاری رائے پر فیصلہ کر دیں۔ "لعنتم" تم گناہ گار ہو جاؤ اور ہلاک ہو جاؤ، لعنت گناہ اور ہلاک ہونا۔ "ولکن اللہ حبب الیکم الایمان" پس اس کو تمہاری طرف تمام ادیان سے زیادہ محبوب کر دیا ہے۔ "وزینہ" اس کو اچھا کر دیا۔ "فی قلوبکم" حتی کہ تم نے اس کو اختیار کیا اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہے۔ "وکرّہ الیکم الکفر والفسوق" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جھوٹ مراد ہے۔ "والعصیان" اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیاں۔ پھر خطاب سے خبر کی طرف لوٹے ہیں اور فرمایا "اولئک ھم الرّاشدون" ہدایت یافتہ ہیں۔

⑧ "فضلا" یعنی یہ فضل ہے۔ "من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم"

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ سے کون لوگ مراد ہیں

⑨ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا اگر آپ عبداللہ بن اُبی کے پاس جاتے تو آپ علیہ السلام دراز گوش پر سوار ہو کر اس کی طرف چل پڑے اور مسلمان آپ علیہ السلام کے ساتھ چلنے لگے اور وہ شورزدہ زمین تھی۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو اس نے کہا مجھ سے دور ہٹو، اللہ کی قسم! مجھے آپ علیہ السلام کے گدھے کی بدبو تکلیف دیتی ہے تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دراز گوش تجھ سے زیادہ عمدہ خوشبو والا ہے تو عبداللہ کی قوم کا ایک شخص غصہ ہو گیا اور آپس میں دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا تو ہر ایک کے ساتھی بھی

غصہ ہو گئے تو ان کے درمیان چھڑیوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مارا ماری ہوئی تو ہمیں خبر پہنچی کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما" اور روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھا تو ان کی صلح ہوگئی اور ایک دوسرے سے رُک گئے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان دونوں میں کسی حق کی وجہ سے جھگڑا تھا تو ایک نے دوسرے کو کہا میں تجھ سے اپنا حق زبردستی لے لوں گا کیونکہ میرا قبیلہ زیادہ ہے اور دوسرے نے اس کو دعوت دی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرا لیتے ہیں تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا تو معاملہ ایسے ہی ان کے درمیان چلتا رہا حتی کہ وہ لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو ہاتھوں اور جوتوں سے مارا، کوئی تلوار کے ساتھ حملہ نہیں ہوا۔ سفیان نے سدی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انصار کی ایک عورت تھی جس کو اُم زید کہا جاتا تھا، ایک شخص کے نکاح میں تھی۔ اس عورت اور اس کے خاوند میں کچھ جھگڑا تھا تو خاوند نے اس کو گھر میں قید کرلیا۔ اس عورت کی قوم کو یہ خبر پہنچی تو وہ لوگ آگئے۔ ادھر سے مرد کی قوم آگئی تو ہاتھوں اور جوتوں کی لڑائی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما" اللہ کی کتاب کے فیصلہ کی طرف بلا کر اور اس فیصلہ پر جس میں ان دونوں کی رضامندی ہو۔ "فان بغت احدھما" زیادتی کرے ان میں سے ایک "علی الاخریٰ" اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ "فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیٓءَ" وہ لوٹے۔ "الی امر اللہ" اس کی کتاب اور اس کے حکم کی طرف۔ "فان فاء ت" حق کی طرف لوٹ آئے۔ "فاصلحوا بینھما بالعدل" ان دونوں کو انصاف اور اللہ کے حکم پر راضی ہونے پر آمادہ کرنے کے ساتھ۔ "واقسطوا" تم انصاف کرو۔ "ان اللہ یحب المقسطین"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کی تفسیر اور شانِ نزول

تفسیر: ⑩ "انما المؤمنون اخوۃ" دین اور ولایت میں "فاصلحوا بین اخویکم" جب وہ دونوں اختلاف کریں اور لڑنے لگیں اور یعقوب رحمہ اللہ نے "بین اخوتکم" تاء کے ساتھ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ "واتقوا اللہ" پس تم اس کی نافرمانی نہ کرو اور اس کے امر کی مخالفت نہ کرو۔ "لعلکم ترحمون" سالم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو گالیاں دیتا ہے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتے ہیں اور جو کسی مسلمان سے کوئی غم و مشقت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس سے قیامت کے دن کی مشقتوں میں سے مشقت دور کریں گے اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں پر پردہ ڈالیں گے۔

اوران دو آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ بغی ایمان کے نام کو زائل نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مؤمنین بھائی رکھا ہے، ان کے باغی ہونے کے باوجود۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو حارث اعور سے روایت کی گئی ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا اور وہ اہل جمل اور صفین کے قتال میں پیشوا تھے۔ کیا وہ مشرک ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ شرک سے وہ لوگ بھاگے ہیں۔ پھر پوچھا گیا، کیا وہ منافق ہیں؟ تو فرمایا نہیں۔ بے شک منافقین اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔ کہا گیا پھران کا کیا حال ہے؟ فرمایا ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی اور شرعی باغی وہ شخص ہے جو عادل امام سے خروج کرے۔ پس جب ایک جماعت جمع ہو جائے ان کے لیے قوت و طاقت ہو، اور وہ عادل امام کی اطاعت سے کسی محتمل تاویل کی وجہ سے رُک جائیں اور اپنا امام مقرر کرلیں تو ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ امام ان کی طرف لشکر بھیجے اور ان کو اپنی اطاعت کی طرف بلائے۔ پس اگر وہ کوئی اشکال ظاہر کریں تو اس کو زائل کرے۔

اور اگر وہ کوئی اشکال نہ ذکر کریں اور اپنی بغاوت پر اصرار کریں تو امام ان سے لڑائی کرے گا حتیٰ کہ وہ اس کی اطاعت کی طرف لوٹ آئیں۔ پھران کے قتال کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور ان کے قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ان کے زخمیوں کو فوراً نہیں مارا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منادی نے جنگ جمل کے دن آواز لگائی۔ خبردار! پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک قیدی لایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے باندھ کر قتل نہ کروں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے کی جان و مال کا جو نقصان کر دے اس کی کوئی ضمان نہ ہوگی۔

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس فتنہ میں خون ریزی ہوئی۔ بعض میں قاتل و مقتول کو پہچانا گیا اور بہت سارا مال ضائع ہوا۔ پھر لوگوں کے درمیان جنگ ختم ہوئی اور ان پر حکم جاری ہوا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ ان میں سے کسی سے قصاص لیا گیا ہو اور کسی کے مال کا تاوان لیا گیا ہو۔ بہر حال جن باغیوں میں یہ تین شرائط جمع نہ ہوں، بایں طور کہ وہ تھوڑی سی جماعت ہو ان کے لیے روکنے کی قوت نہ ہو یا کوئی تاویل نہ ہو یا انہوں نے امام مقرر نہ کیا ہو تو ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اگر وہ مسلمانوں کو نہ چھیڑیں اور قتال نہ کریں۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو وہ قطاع الطریق (ڈاکو) ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ مسجد کے کونے پر کہہ رہا ہے "لا حکم الا للہ" کہ فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کلمہ حق ہے اس سے مراد باطل لی گئی ہے۔ تمہارے لیے ہم پر تین چیزیں ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی مساجد سے نہ روکیں گے کہ تم اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور ہم تمہیں مال فئی سے نہ روکیں گے جب تک تمہارے ہاتھ میں ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہوں گے اور ہم تمہارے سے قتال میں پہل نہ کریں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ
عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا
كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

ترجمہ: اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگاؤ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ کا شان نزول

تفسیر ⑪ "یا یھا الذین امنوا لایسخر قوم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کی قوت سماعت کم تھی، یہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجلس میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہوتے تو ان کے لیے مجلس کو کشادہ کر دیتے حتیٰ کہ یہ آپ علیہ السلام کے پہلو میں بیٹھ جاتے اور آپ علیہ السلام کے ارشادات سن لیتے تو یہ ایک دن آئے اور فجر کی ایک رکعت ان سے چھوٹ گئی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجلس میں اپنی جگہیں بنا لیں تو ہر شخص نے اپنی جگہ پر بخل کیا اور ان کے لیے وسعت نہ کی۔

پھر ایک شخص آیا اور بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو کھڑا رہ گیا۔ جب ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اور ساتھ یہ کہتے جاتے مجلس میں کشادگی کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کشادگی کرنے لگے حتیٰ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور ثابت رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک شخص کا فاصلہ تھا تو اس آدمی کو کہا جگہ دے تو اس نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل گئی، بیٹھ جاؤ تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

کے پیچھے غصہ میں بیٹھ گئے۔ پھر جب تاریکی چھٹی تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پہلو میں ہاتھ مار کر کہا کون ہے؟ اس نے کہا میں فلاں ہوں تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا فلانی کا بیٹا اور اس کی ماں کا ذکر کیا جس کی وجہ سے جاہلیت میں اس کو عار دلائی جاتی تھی تو اس شخص نے اپنا سر جھکا لیا اور شرمندہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ہم نے تذکرہ کیا یہ لوگ فقراء صحابہ کا مذاق اُڑاتے تھے۔ جیسے عمار، خباب، بلال، صہیب، سلمان اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پراگندہ مال کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمان لانے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔ "**یایھا الذین امنوا لایسخر قوم من قوم**" یعنی مرد مردوں سے اور قوم اسم ہے رجال اور نساء کی جمع لائی جاتی ہے اور کبھی اس کو رجال کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے۔ "**عسٰی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسٰی ان یکن خیرا منھن**" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھوٹے قد کا طعنہ دیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کو عورتوں نے کہا یہودیہ بنت یہودیین "**ولا تلمزوا انفسکم**" یعنی تم ایک دوسرے کے عیب نہ نکالو اور ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ "**ولا تنابزوا بالالقاب**" تنابز باب تفاعل نبز سے بمعنی لقب اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اس کے نام کے علاوہ کسی چیز سے پکارا جائے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آدمی کا دوسرے کو، اے فاسق! اے منافق! اے کافر! کہنا ہے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی و نصرانی اسلام لے آتا تو اس کو اسلام کے بعد یا یہودی یا نصرانی کہا جاتا تو اس سے روکا گیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو کہے یا کلب یا حمار یا خنزیر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ "**تنابز بالالقاب**" یہ ہے کہ کسی نے برے عمل کیے ہوں پھر وہ ان سے توبہ کر لے تو روکا گیا ہے کہ اس کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے اس کو عار نہ دلائی جائے۔

"**بئس الاسم الفسوق بعد الایمان**" یعنی ایمان لانے اور توبہ کرنے کے بعد اے یہودی! یا اے فاسق! کہنا برا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے وہ کام کیا جس سے روکا گیا ہے جیسے مذاق اُڑانا، عیب نکالنا، لقب بگاڑنا تو وہ فاسق ہے اور ایمان کے بعد فاسق کا نام برا ہے۔ پس تم ایسا نہ کرو کہ جس کی وجہ سے تم فسوق کے نام کے مستحق ہو جاؤ۔ "**ومن لم یتب**" اس سے۔ "**فاولٰئک ھم الظالمون**"

⑫ "**یا یھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن**" کہا گیا ہے کہ یہ آیت دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھی کی غیبت کی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر جہاد یا ویسے سفر کرتے تو ایک ضرورت مند شخص کو دو مالدار آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے وہ ان دونوں کی خدمت کرتا اور ان سے آگے پڑاؤ کی جگہ جاتا اور

ان کی ضروریات کھانے پینے کی تیار کرتا تو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی سفر میں دو آدمیوں کے ساتھ ملا دیا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منزل پر ان سے پہلے پہنچے۔ وہاں جا کر ان کو نیند آ گئی، ان کے لیے کچھ تیار نہ کر سکے۔ پس جب وہ دونوں آئے تو ان کو کہا کیا تیار کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کچھ نہیں، مجھے نیند آ گئی تھی۔ ان دونوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے ہمارے لیے کھانا مانگو۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کھانا مانگا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ ان کو کہو، اگر ان کے پاس سالن اور کھانا زائد ہے تو آپ کو دے دیں اور اُسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر ان کے خزانچی تھے تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے، انہوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے تو سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کے پاس آئے اور ان کو بتا دیا، تو وہ کہنے لگے اُسامہ کے پاس کھانا تھا لیکن اس نے بخل کیا۔

پھر انہوں نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کی طرف بھیجا، ان کے پاس بھی کچھ نہ ملا وہ واپس آئے تو ان دونوں نے کہا اگر ہم آپ رضی اللہ عنہ کو بئر سمیحہ پر بھیجتے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جاتا، پھر وہ دونوں تجسس سے چل پڑے کہ کیا اُسامہ کے پاس وہ چیز ہے جس کا ہمارے لیے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ پس جب یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا مجھے کیا ہو گیا کہ میں تمہارے منہ سے گوشت کی بدبو محسوس کر رہا ہوں۔ ان دونوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم نے تو آج کے دن گوشت نہیں کھایا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم بھول گئے تم نے سلمان اور اسامہ رضی اللہ عنہما کا گوشت کھایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یا یھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن" اور مراد یہ ہے کہ اہل خیر کے بارے میں برا گمان رکھنے سے بچو۔ "ان بعض الظن اثم" سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظن دو قسم کے ہیں، ان میں سے ایک گناہ ہے وہ یہ کہ تو گمان کرے اور اس کو زبان سے بیان کر دے اور دوسرا گناہ نہیں ہے وہ یہ کہ تو گمان کرے لیکن منہ سے بولے نہ۔ "ولا تجسسوا" تجسس لوگوں کے عیب تلاش کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنے سے روکا ہے تاکہ وہ چیز ظاہر نہ ہو جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا ہے۔

تجسس اور لوگوں کے عیب کے پیچھے نہ پڑو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ظن سے بچو کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے اور چھپ کر کسی کی بات نہ سنو اور تجسس نہ کرو اور ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ لگاؤ اور مبالغہ نہ کرو اور باہم حسد نہ کرو اور باہم بغض نہ رکھو اور باہم دشمنی نہ کرو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وہ جماعت! جو اپنی زبان سے ایمان

لے آئی ہے اور ایمان اس کے دلوں تک نہیں پہنچا، تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے پوشیدہ عیبوں کے پیچھے نہ لگو کیونکہ جو مسلمانوں کے عیبوں کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور جس کے عیبوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑ جائیں اس کو رسوا کر دیتے ہیں۔ اگر چہ وہ کجاوہ کے اندر ہی کیوں نہ ہو اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری کتنی عظمت ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے اور مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے بڑی ہے۔ زید بن وہب کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ کیا آپ کے لیے ولید بن عقبہ میں کچھ ہے کہ اس کی داڑھی سے شراب ٹپکتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم تجسس سے روکے گئے ہیں۔ پس اگر ہمارے لیے کوئی چیز ظاہر ہوگی تو ہم اس کو لے لیں گے۔

"ولا یغتب بعضکم بعضا" فرماتے ہیں کہ تم میں سے بعض دوسرے کی پیٹھ پیچھے ایسی بات نہ کریں جو اس میں ہو اور اس کو بری لگے۔

غیبت اور بہتان باندھنے کی نہی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا تیرے بھائی کی اس چیز کو ذکر کرنا جو اس کو ناپسند ہو۔ کہا گیا آپ کا کیا خیال ہے اگر میرے بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ فرمایا کہ اگر اس میں وہ بات ہو جو تو کہہ رہا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ نہ ہو جو تو کہہ رہا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا اور کہا کہ وہ خود نہیں کھاتا حتیٰ کہ اس کو کھلایا جائے اور سوار نہیں ہوتا حتیٰ کہ سوار کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ہم نے وہی بات بیان کی ہے جو اس میں ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تجھے کافی ہے جب تو اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرے جو اس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ان کو کہا گیا "ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا" تو انہوں نے کہا نہیں تو کہا گیا "فکرھتموہ" یعنی جیسے تم نے اس کو ناپسند کیا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کا برا تذکرہ کرنے سے بچو۔

زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ تیرا اس شخص کا ذکر کرنا جو حاضر نہیں ہے تیرے مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مرتبہ میں ہے کہ اس کو بھی یہ محسوس نہ ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج کرایا گیا تو میرا ایک قوم پر گزر ہوا، ان کے لوہے کے ناخن تھے، اس کے ذریعے اپنے چہروں اور گوشتوں کو نوچ رہے تھے، میں نے پوچھا اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں کے پیچھے پڑتے تھے۔ میمون بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سویا ہوا تھا

کہ میرے سامنے ایک حبشی کی لاش لائی گئی۔

اور ایک کہنے والے نے کہا تو اس کو کھا، میں نے کہا اے اللہ کے بندے! میں اس کو کیوں کھاؤں؟ تو اس نے کہا اس وجہ سے کہ تو نے فلاں کے غلام کی غیبت کی تھی تو میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے تو نہ اس کا تذکرہ خیر کیا نہ تذکرہ شر تو اس نے کہا لیکن تو نے اس پر کان لگائے تھے اور اس پر راضی ہوا تھا۔ پھر میمون رحمہ اللہ نہ کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ کسی کو اپنے پاس کسی کی غیبت کرنے دیتے تھے۔ ”واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ تواب رحیم“

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ⑬

ترجمہ: لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

تفسیر: ⑬ ”یا یها النّاس انا خلقناکم من ذکر و انثٰی“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے جگہ نہ دینے والے شخص کو اس کی ماں کی عار دلانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس نے فلانی کا تذکرہ کیا ہے؟ تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے یارسول اللہ! تو آپ علیہ اسلام نے فرمایا تو لوگوں کے چہروں کی طرف دیکھ۔ انہوں نے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا اے ثابت! تو نے کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے سفید، سرخ اور سیاہ چہرے دیکھے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک تو ان سے فضیلت نہیں پاسکتا مگر صرف دین اور تقویٰ میں۔ پس ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس نے جگہ نہ دی تھی۔

”یا یها الّذین امنوا اذا قیل لکم تفسّحوا فی المجالس فافسحوا“ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دی۔ تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے والد کی روح قبض کر لی حتیٰ کہ اس نے آج کے دن کا یہ منظر نہیں دیکھا۔ حارث بن ہشام نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے علاوہ کوئی مؤذن نہ ملا تھا اور سہیل بن عمرو نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہوں گے تو اس کو تبدیل کر دیں گے۔

اور ابوسفیان نے کہا میں کچھ نہیں کہتا اس خوف سے کہ آسمانوں کا رب اس کی خبر دے گا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اقوال کی خبر دی تو آپ علیہ السلام نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے اقرار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور نسب پر فخر کرنے اور کثرت مال پر فخر کرنے اور فقراء کو گھٹیا سمجھنے پر ان کو ڈانٹا۔ پس فرمایا

"یایھا النّاس انا خلقناکم من ذکر و انثٰی" یعنی آدم وحواء علیہما السلام یعنی تم سب نسب میں برابر ہو۔

"وجعلناکم شعوبا" شعب کی جمع ہے شین کی زبر کے ساتھ اور یہ قبائل کی اصل جیسے ربیعہ، مضر، اوس، خزرج وغیرہ ہیں۔ ان کو شعب کا نام دیا گیا اس لیے کہ یہ ادھر ادھر نکلی ہوئی ہیں اور اصل میں جمع بھی ہیں جیسے درخت کی ٹہنیوں کی شاخیں اور شعب اضداد میں سے ہے کہا جاتا ہے شعب یعنی جمع ہو گیا اور شعب یعنی جدا ہو گیا۔ "وقبائل" یہ شعوب کے علاوہ ہیں اس کا واحد قبیلہ ہے اور وہ جیسے بکر ربیعہ سے ہے اور تمیم مضر سے اور قبائل سے کم عمائر (بڑے قبائل) ہیں۔ اس کا واحد عمارۃ ہے عین کی زبر کے ساتھ اور وہ جیسے شیبان ہے بکر سے اور دارم ہے تمیم سے اور عمائر سے کم بطون ہیں اس کا واحد بطن ہے اور وہ جیسے قریش میں سے بنو غالب اور بنو لؤی اور بطون سے کم افخاذ ہیں اس کا واحد فخذ ہے اور وہ جیسے بنو لؤی میں سے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ہیں۔ پھر فصائل اور عشائر اس کا واحد فصیلۃ اور عشیرۃ ہے اور عشیرہ کے بعد کوئی خاندان ایسا نہیں جس کی صفت بیان کی جائے اور کہا گیا ہے کہ شعوب عجم کے اور قبائل عرب کے اور اسباط بنی اسرائیل کے اور ابو ورق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعوب ان لوگوں کے جو کسی شخص کی طرف نسبت نہیں کرتے بلکہ شہروں اور بستیوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور قبائل وہ عرب جو اپنے آباء کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ "لتعارفوا" تا کہ تم ایک دوسرے کو نسب کے قریب اور دور ہونے میں پہچان لو، نہ اس لیے کہ تم ایک دوسرے پر فخر کرو۔ پھر خبر دی کہ ان میں مرتبہ میں بلند ترین اللہ کے ہاں وہ ہے جو ان میں سے زیادہ متقی ہے۔ پس فرمایا "ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم ان اللّٰہ علیم خبیر" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بیان ہے کہ سب سے بڑا اعزاز تقویٰ ہے اور سب سے بڑی ملامت گناہ کرنا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں دُنیا کا کرم مال داری اور آخرت کا کرم تقویٰ ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر طواف کیا۔ اپنے نیزے سے ارکان کا استلام کیا۔ جب یہاں سے نکلے تو اونٹنی کے بٹھانے کی جگہ نہ تھی تو آپ علیہ السلام لوگوں کے ہاتھوں پر اونٹنی سے اُترے، پھر کھڑے ہوئے، ان کو خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم سے عیب اور آباء پر تکبر کرنے کو نکال دیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ لوگ تو دو ہی قسم کے ہیں ایک نیک، متقی اللہ کے ہاں معزز اور گنہگار، بدبخت اللہ کے ہاں ذلیل۔ پھر آیت "یا یھا النّاس انا خلقناکم من ذکر و انثٰی" تلاوت کی۔ پھر فرمایا "اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون زیادہ معزز ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں سے اللہ کے ہاں زیادہ معزز ان میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے تو انہوں نے کہا اس کے بارے میں ہم آپ علیہ السلام سے نہیں پوچھ رہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا

''اکرم الناس'' یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی، اللہ کے نبی کے بیٹے، وہ اللہ کے نبی کے بیٹے، وہ اللہ کے نبی خلیل اللہ کے بیٹے تو انہوں نے کہا اس کے بارے میں ہم نہیں پوچھ رہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا عرب کے قبائل کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے جاہلیت میں بہترین لوگ اسلام میں بھی بہترین لوگ ہیں۔ جب وہ دین کی سمجھ رکھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭

ترجمہ: یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا (سب باتوں میں) کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا (کیونکہ) بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔

تفسیر: ⑭ ''قالت الاعراب اٰمنّا'' یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قحط سالی کے سال آئے اور اسلام کو ظاہر کیا اور اندر سے ایمان نہ لاتے تھے تو ان لوگوں نے مدینہ کے راستے گندگیوں سے خراب کر دیئے اور اناج کا بھاؤ بڑھا دیا اور صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے کہ عرب آپ علیہ السلام کے پاس اپنی سواریوں پر تنہا آتے ہیں، ہم آپ علیہ السلام کے پاس اناج، عیال اور لونڈیاں لائے ہیں اور ہم نے آپ علیہ السلام سے قتال بھی نہیں کیا جیسے کہ بنو فلاں اور بنو فلاں نے قتال کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتاتے تھے اور صدقہ کا ارادہ رکھتے تھے اور کہتے تھے ہمیں کچھ دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں کیا ہے اور وہ جہینہ، مزینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے بدو ہیں۔ وہ کہتے تھے ہم ایمان لائے تاکہ وہ ہم سے اپنے مال اور جانوں پر مطمئن ہو جائیں۔ پس جب ان سے حدیبیہ کی طرف کوچ کا مطالبہ کیا گیا تو یہ پیچھے رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ''قالت الاعراب اٰمنا'' ہم نے تصدیق کی۔

''قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا'' ہم تابع ہو گئے اور قتل اور قید کے خوف سے ہم نے سر جھکا لیا۔ ''ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم'' پس خبر دی کہ ایمان کی حقیقت دل سے تصدیق کرنا ہے اور بے شک زبان سے اقرار کرنا

اور بدن سے اس کے شرائع کو ظاہر کرنا، دل سے تصدیق اور اخلاص کے بغیر ایمان نہیں ہوتا۔ عامر بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ دیا اور میں بھی ان میں بیٹھا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس جماعت میں ایک شخص کو چھوڑ دیا، اس کو کچھ نہ دیا حالانکہ وہ ان سب میں مجھے زیادہ اچھا لگتا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی اور کہا آپ علیہ السلام کا فلاں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا حالانکہ میں تو اس کو مؤمن سمجھتا ہوں یا کہا مسلمان سمجھتا ہوں۔

پھر آپ علیہ السلام نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ پھر مجھے اس کے بارے میں میرا علم غالب آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا فلاں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ پس اللہ کی قسم! میں تو اس کو مؤمن سمجھتا ہوں یا کہا مسلمان سمجھتا ہوں پھر آپ علیہ السلام نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا۔ پھر مجھے اس کے بارے میں میرا علم غالب ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا فلاں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ پس اللہ کی قسم! میں تو اس کو مؤمن دیکھتا ہوں یا کہا مسلمان دیکھتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک! میں کسی شخص کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ اس کا غیر مجھے زیادہ پسند ہوتا ہے اس خوف سے کہ وہ اپنے منہ کے بل جہنم میں گرا دیا جائے۔

پس اسلام سلم میں داخل ہونا اور وہ تابعداری اور اطاعت کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے اسلم الرجل جب وہ سلامتی میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اشتی الرجل" جب وہ سردیوں میں داخل ہو جائے اور اصاف جب وہ گرمیوں میں داخل ہو جائے اور اربع جب وہ بہار میں داخل ہو جائے۔ پس اسلام میں سے وہ ہے جو حقیقت میں زبان، بدن اور دل کے ساتھ طاعت ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ابراہیم علیہ السلام کو "اسلم قال اسلمت لرب العالمین" اور اس میں سے وہ ہے جو صرف زبان سے تابعدار ہو نہ کہ دل سے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "ولکن قولوا اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم" "وان تطیعوا اللہ ورسولہ" ظاہراً و باطناً، اعلانیہ اور پوشیدہ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تم ایمان کو خالص کرو۔ "لایلتکم" ابوعمرو نے "یالتکم" الف کے ساتھ پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما التناھم" اور دیگر حضرات نے بغیر الف کے پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں ان دونوں کا معنی ہے تم سے کچھ کم نہ کرے گا۔ کہا جاتا ہے "ألتیالت التا" اور لات یلیت لیتًا جب کم ہو جائے۔ "من اعمالکم شیئا" یعنی تمہارے اعمال کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کرے گا۔ "ان اللہ غفور رحیم" پھر ایمان کی حقیقت کو بیان کیا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۱۵ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا

تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱

ترجمہ پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (عمر بھر کبھی) شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں پورے سچے آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ (یہ محال ہے کیونکہ) اللہ کو تو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو بے شک اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔

تفسیر ⑮ "انما المؤمنون الذین امنوا باللّٰہ ورسولہ ثم لم یرتابوا" اپنے دین میں شک نہیں کیا۔ "وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولئک ھم الصّادقون" اپنے ایمان میں۔ پس جب یہ دو آیتیں نازل ہوئیں تو بدو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اللہ کی قسمیں کھانے لگے کہ وہ سچے مؤمن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے علاوہ کو پہچان لیا۔

⑯ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "قل اتعلّمون اللّٰہ بدینکم" تعلیم یہاں خبر دینے کے معنی میں ہے اس لیے "بدینکم" کہا اور باء اس پر داخل کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کیا تم اللہ کو اپنے اس دین کی خبر دیتے ہو جس پر تم ہو۔ "واللّٰہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض واللّٰہ بکلّ شیءٍ علیم" یعنی تمہارے خبر دینے کا محتاج نہیں ہے۔

⑰ "یمنون علیک ان اسلموا قل لاتمنّوا علیّ اسلامکم" یعنی تم اپنے اسلام کو۔ "بل اللّٰہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان" اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں۔ "اذ ھداکم للایمان" ہے۔ "ان کنتم صادقین" کہ تم مؤمن ہو۔

⑱ "ان اللّٰہ یعلم غیب السموات والارض واللّٰہ بصیر بما تعملون" ابن کثیر رحمہ اللہ۔ نے یاء کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُوْرَۃ قٓ

مکی ہے اور اس کی پینتالیس (۴۵) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ ۢ بَعِیْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ④

ترجمہ: قٓ قسم ہے قرآن مجید کی بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی (کی جنس) میں سے (کہ بشر ہیں) ایک ڈرانے والا پیغمبر آ گیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ (اول تو خود) یہ (ایک) عجیب بات ہے (بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے دوبارہ (زندہ ہونا امکان سے) بہت ہی بعید بات ہے ہم ان کے ان جزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھاتی اور) کم کرتی ہے اور اب تک ہمارے پاس (وہ) کتاب (یعنی لوح محفوظ) موجود ہے۔

تفسیر: ① "قٓ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سورت کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام قدیر، قادر، قاہر، قریب، قابض کی چابی ہے اور عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سبز زمرد کا یہ پہاڑ ہے جس نے زمین کو گھیرا ہوا ہے۔ اسی سے آسمان کی سرسبزی ہے اور آسمان گنبد کی طرح ہے اور اس پر آسمان کے دونوں جانب (پہلو) ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اس حجاب کے باہر ہے جس میں سورج غروب ہوتا ہے اس کے سو سال کی مسافت ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی "قضی الامر یاقضی ماھو کائن" (معاملہ کا فیصلہ کر دیا یا آئندہ آنے والی چیزوں کا فیصلہ کر دیا) ہے جیسا کہ "حٰمٓ" میں انہوں نے کہا تھا۔

"والقرآن المجید" شرف والا معزز اللہ کے ہاں کثیر خیر والا۔ اس قسم کے جواب میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔ پس اہل کوفہ نے کہا ہے کہ اس کا جواب "بل عجبوا" ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا جواب محذوف ہے۔ اس کا مجاز "والقرآن المجید لتبعثن" ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا جواب باری تعالیٰ کا قول "ما یلفظ من قول" ہے اور کہا گیا ہے کہ "قد علمنا" ہے اور

قسم کے جواب سات ہیں۔ "انّ" شد کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "والفجر ولیال عشر، انّ ربّک لبالمرصاد" اور مانفی کی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "والضحی ما ودّعک" اور لام مفتوح جیسے باری تعالیٰ کا قول "فوربّک لنسئلنّھم اجمعین" اوران بغیر شد کے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "ان کنّا لفی ضلال مبین" اور لا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول۔ "واقسموا باللہ جھد ایمانھم لایبعث اللہ من یموت" اور قد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "والشمس وضحاھا، قد افلح من زکاھا" اور بل جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "والقرآن المجید"

② "بل عجبوا ان جاء ھم منذر" خوف دلانے والے "منھم" اس کا نسب اور سچائی اور امانت داری کو جانتے ہیں۔ "فقال الکافرون ھذا شیء عجیب" غریب۔

③ "ائذا متنا وکنا ترابا" ہم اُٹھائے جائیں گے۔ بعث کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کررہی ہے۔ "ذلک رجع" یعنی زندگی کی طرف لوٹنا۔ "بعید" اور نہیں ہونے والی یعنی بہت بعید ہے کہ موت کے بعد ہم اُٹھائے جائیں گے۔

④ "قد علمنا ماتنقص الارض منھم" یعنی جوان کے گوشت، خون اور ہڈیوں کو کھا جائے گی، اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ موت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون ان میں سے مرگیا اور کون باقی رہا۔

"وعندنا کتاب حفیظ" شیاطین سے محفوظ اور مٹنے اور تبدیل ہونے سے محفوظ ہے اور کہا گیا ہے کہ حفیظ یعنی ان کی تعداد اور اسماء کو محفوظ کرنے والی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪

ترجمہ: بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے جذبے کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت (یعنی نفع) والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کے لئے اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مردہ زمین

کو زندہ کیا (پس اسی طرح (سمجھ لو کہ مردوں کا) زمین سے نکالا ہوا۔

تفسیر ❺ "بل كذبوا بالحق" قرآن کو۔ "لمّا جآء هم فهم في امر مريج" ملے جلے۔ سعید بن جبیر و مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں مشتبہ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں بیان ہے کہ جو حق کو چھوڑ دے گا تو اس پر اس کا معاملہ فاسد اور دین مشتبہ ہو جائے گا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں چھوڑا کسی قوم نے حق کو مگر ان کا معاملہ فاسد ہو گیا اور زجاج رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ معنی ہے کہ ان کا معاملہ مل جل گیا ہے۔ پس فرمایا کہ وہ لوگ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے، کبھی جادوگر اور کبھی تعلیم یافتہ اور کبھی قرآن کو جادو اور کبھی شعر اور کبھی گھڑی ہوئی چیز کہتے تو ان کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ پھر اپنی قدرت پر ان کو دلیل دی۔

❻ "افلم ينظروا الى السمآء فوقهم كيف بنيناها" بغیر ستون کے "وزيناها" ستاروں کے ساتھ۔ "ومالها من فروج" کوئی جوڑ کوئی شگاف کوئی پھٹن۔ اس کا واحد فرج ہے۔

❼ "والارض مددناها" ہم نے اس کو پانی پر بچھایا۔ "والقينا فيها رواسي" پہاڑ ٹھوس "وانبتنا فيها من كل زوج بهيج" خوبصورت پُر رونق دیکھنے سے نظر خوش ہو جائے۔

❽ "تبصرة" یعنی ہم نے اس کو بصیرت کا ذریعہ "وذكرى" اور نصیحت۔ "لكل عبد منيب" تا کہ وہ اس کے ذریعے بصیرت اور نصیحت حاصل کریں۔

❾ "ونزلنا من السمآء ماء مباركا" کثیر الخیر اور اس میں ہر چیز کی زندگی ہے وہ بارش ہے۔ "فانبتنا به جنات و حبّ الحصيد" یعنی گندم، جو اور تمام دانے جو کاٹے جاتے ہیں۔ پس حب کی اضافت حصید کی طرف کی ہے حالانکہ یہ دونوں ایک ہیں لفظی اختلاف کی وجہ سے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے مسجد الجامع اور ربیع الاوّل۔ اور کہا گیا ہے کہ "حبّ الحصيد" یعنی ان پودوں کے دانے جو کاٹے جاتے ہیں۔

❿ "والنخل باسقات" مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں لمبے۔ کہا جاتا ہے "سبقت النخلة بسوقا" جب وہ لمبی ہو جائے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سیدھی۔ "لها طلع" پھل اور بوجھ، پھل کو طلع کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ طلوع ہوتا ہے اور طلع وہ پہلی چیز جو پھٹنے سے پہلے ظاہر ہو۔ "نضيد" تہہ بہ تہہ شگوفے۔ پس جب وہ اپنے شگوفوں سے نکل آئے تو وہ نضید نہیں ہے۔

⓫ "رزقا للعباد" یعنی ہم نے اس کو بندوں کے لیے رزق بنایا۔ "واحيينا به" بارش کے ذریعے۔ "بلدة ميتا" ہم نے اس میں گھاس وغیرہ اُگایا۔ "كذلك الخروج" قبروں سے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ⑫ وَعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ⑬
وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ط كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ⑭ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط
بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ
قَعِيْدٌ ⑰ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ⑱

ترجمہ ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع (تکذیب کر چکے) یعنی) سب نے (اپنے اپنے) پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید (ان پر) محقق ہوگئی کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے (کہ دوبارہ زندہ نہ کرسکیں) بلکہ یہ لوگ از سرنو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں ہیں اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم (باعتبار علم کے) انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ جب وہ اخذ کرنے والے فرشتے (اعمال کو) اخذ کرتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار (موجود ہوتا) ہے۔

تفسیر ⑫ "كذبت قبلهم قوم نوح واصحاب الرّس و ثمود

⑬ و عاد و فرعون و اخوان لوط

⑭ واصحاب الايكة و قوم تبع" یہ تبع حمیری ہے۔ اس کا نام اسعد ابو کرب ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی ہے اور اسکی مذمت نہیں کی۔ ہم نے اس کا قصہ سورۃ الدخان میں ذکر کر دیا ہے۔ "كل كذّب الرّسل" یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی۔ "فحقّ وعيد" ان کے لیے میرا عذاب واجب ہوگیا۔ پھر ان کے قول "ذلک رجع بعيد" کا جواب نازل کیا۔

⑮ "افعيينا بالخلق الاوّل" یعنی ہم عاجز ہوگئے جب ہم نے ان کو پہلے پیدا کیا۔ پھر ہم اعادہ سے تھک جائیں گے اور یہ ان کی تقریر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے پہلی تخلیق کا اعتراف کیا اور بعث کا انکار کیا اور ہر وہ شخص جو کسی چیز سے عاجز ہو جائے اس کو کہا جاتا ہے "عيی به"...... "بل هم فی لبس" شک میں "من خلق جديد" اور وہ بعث ہے۔

⑯ "ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه" جو اس کے دل میں خیال آتا ہے۔ پس ہم پر اس کے دل کی پوشیدہ باتیں بھی مخفی نہیں ہیں۔ "ونحن اقرب اليه" اس کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ "من حبل الوريد" اس لیے کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے کو چھپائے ہوئے ہیں اور اللہ کے علم کو کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی اور حبل الورید گردن کی رگ اور یہ حلقوم اور علباوین کے درمیان ہوتی ہے سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور حبل وہی ورید ہے پس اس کی اپنی طرف اضافت کی گئی ہے دونوں لفظوں کے اختلاف کی وجہ سے۔

⑰ "اذ يتلقی المتلقيان" جب وہ ملے اور وہ دو فرشتے جو انسان پر نگران بنائے گئے ہیں وہ اس کے عمل اور گفتگو کو لیں

اس کی حفاظت و کتابت کریں۔ "عن الیمین و عن الشمال" یعنی ان میں سے ایک اس کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب ہے۔ پس دائیں جانب والا نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے۔ "قعید" یعنی بیٹھا ہوا۔ "قعیدان" نہیں کہا اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ دائیں جانب بھی قعید (بیٹھا) ہے اور بائیں جانب بھی قعید ہے تو ان میں سے ایک کے ذریعے دوسرے سے اکتفاء کیا گیا ہے۔ یہ اہل بصرہ رحمہم اللہ کا قول ہے اور اہل کوفہ فرماتے ہیں قعود مراد ہے رسول کی طرح دو اور جمع کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ دو کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فقولا انا رسول ربّ العالمین" کہا گیا ہے کہ قعید ایسا لازم مراد ہے جو دور نہ ہو نہ کہ قاعد جو قائم کی ضد ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قعید رصید کی ضد ہے۔

۱۸ "ما یلفظ من قول" کوئی کلام نہیں کرتا۔ پس اس کو اپنے منہ سے پھینک دے۔ "الا لدیه رقیب" حفاظت کرنے والا۔ "عتید" حاضر جہاں بھی ہو۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انسان سے دو حالتوں میں الگ ہوتے ہیں اس کے قضائے حاجت کے وقت اور اس کے جماع کرنے کے وقت اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں سب کچھ لکھتے ہیں حتیٰ کہ حالت مرض میں اس کی آہ و بکاء بھی اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف وہی لکھتے ہیں جس پر اجر ملتا ہو یا گناہ ملتا ہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی مجلس بالوں کے نیچے گلے پر ہے اور اس کی مثل حسن رحمہ اللہ سے ہے اور حسن رحمہ اللہ کو یہ بات اچھی لگتی تھی کہ وہ بچہ داڑھی کو صاف رکھیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا آدمی کے دائیں جانب پر اور برائیاں لکھنے والا آدمی کے بائیں جانب پر ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے کا امیر ہے۔ پس جب بندہ کوئی نیک کام کرے تو دائیں طرف والا دس لکھتا ہے اور جب برائی کرے تو صاحب یمین صاحب شمال کو کہتا ہے۔ اس کو سات گھنٹے کے لیے چھوڑ دے۔ شاید کہ یہ تسبیح کرے یا استغفار کرے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ اور موت کی سختی (قریب) آ پہنچی یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائیگا (تو سب زندہ ہو جائیں گے) یہی دن ہوگا وعید کا اور ہر شخص اس طرح (میدان قیامت میں) آوے گا کہ اس کے ساتھ (دو فرشتے ہوں گے جن میں سے ایک اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا آج (تو) تیری نگاہ بڑی

8

تیز ہے اور اس کے بعد فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا عرض کرے گا کہ یہ وہ روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے (حکم ہوگا کہ ہر) ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) ضد رکھتا ہو۔

تفسیر ⑲ "وجاءت سکرة الموت" اس کی سختی اور شدت جو انسان کو ڈھانپ لے گی اور اس کی عقل پر غالب آجائے گی۔ "بالحق" یعنی موت کی حقیقت کے ساتھ اور کہا گیا ہے آخرت کے معاملہ سے حق کے ساتھ حتیٰ کہ انسان کے سامنے واضح ہوجائے اور وہ اس کا مشاہدہ دیکھ لے اور کہا گیا ہے کہ انسان کے انجام کا جو انجام ہوگا سعادت وشقاوت میں سے اور کہا گیا ہے اس شخص کے لیے جس کو سکرات موت آئے۔ "ذلک ما کنت منه تحید" تو اعراض کرتا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو بھاگتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تو ناپسند کرتا ہے اور حید کی اصل مائل ہونا۔ کہا جاتا ہے "حدت عن الشیء احید حیداً ومحیداً" جب تو اس سے اعراض کرے۔

⑳ "ونفخ فی الصور" یعنی اُٹھانے کا نفخہ۔ "ذلک یوم الوعید" یعنی یہ دن اس وعید کا دن ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو اس میں عذاب دے گا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وعید سے عذاب مراد ہے یعنی وعید واقع ہونے کا دن۔

㉑ "وجاءت" یہ دن "کل نفس معها سائق" جو اس کو محشر کی طرف ہانکے گا۔ "وشهید" جو اس کے اعمال کی گواہی دے گا اور وہ اس کا عمل ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سائق فرشتوں میں سے ہوگا اور شاہد خود انہی کے ہاتھوں پاؤں سے اور یہی عطیہ عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ دونوں فرشتوں میں سے ہیں۔

㉒ پس اللہ تعالیٰ اس کو کہیں گے "لقد کنت فی غفلة من هذا" آج کے دن دُنیا میں "فکشفنا عنک غطاءک" جو دُنیا میں تیرے دل، تیرے کانوں اور آنکھوں پر تھا۔ "فبصرک الیوم حدید" جاری ہونے والی ہے جس کا تو دُنیا میں انکار کرتا تھا۔ اس کو دیکھنے والی ہے اور مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے یعنی تیری نظر تیرے میزان کی زبان کی طرف جب تیری نیکیاں اور برائیاں وزن کی جائیں گی۔

㉓ "وقال قرینه" وہ فرشتہ جو اس کا نگران بنایا گیا ہے۔ "هذا ما لدیّ عتید" تیار کیا ہوا حاضر کیا ہوا اور کہا گیا ہے کہ "ما" من کے معنی میں ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتہ کہے گا یہ وہ ابن آدم جس کا آپ نے مجھے نگران بنایا تھا، میرے پاس حاضر ہے۔ تحقیق میں نے اس کو اور اس کے اعمال کے دفتر کو حاضر کردیا ہے۔

㉔ پس اللہ تعالیٰ اس کے قرین کو کہیں گے۔ "القیا فی جهنم" یہ تثنیہ کے لفظ سے واحد کو خطاب ہے عرب کی عادت پر۔ وہ کہتے ہیں "ویلک ارحلاها، وازجراها وخذاها واطلقاها" ایک کے لیے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ آدمی کے سفر میں اس کے اونٹ اور بکریوں میں کم سے کم دو مددگار ہوتے ہیں۔

پس ایک کی کلام کو اس کے دونوں صاحبوں پر جاری کیا ہے اور اسی سے ان کا قول ہے ایک کو شعر میں کہتے ہیں خلیلی۔ اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ امر سائق اور شاہد کو ہے اور کہا گیا ہے کہ ملنے والوں کو ہے۔ "کل کفار عنید" نافرمان حق سے

اعراض کرنے والا۔ عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں حق سے ایک طرف اللہ سے ضد رکھنے والا۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد (عبدیت) سے باہر ہو جانے والا ہو اور (دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو اور وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا ارشاد ہوا میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو (کہ بے سود ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید (یں) بھیج چکا تھا میرے ہاں (وہ) بات (وعید مذکور کی) نہیں بدلی جاوے گی اور میں (اس تجویز میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں جس دن کہ ہم دوزخ سے (کفار کو داخل کرنے کے بعد) کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔

تفسیر: ۲۵ "منّاع للخیر" یعنی فرض زکوٰۃ کی وجہ سے اور ہر حق جو اس کے مال میں واجب ہوا ہو۔ "معتد" ظالم جو اللہ کی توحید کا اقرار نہ کرے۔ "مریب" توحید میں شک کرنے والا اور اس کا معنی شک میں داخل ہے۔

۲۶ "الذی جعل مع اللّٰہ الٰھًا آخر فالقیاہ فی العذاب الشدید" اور وہ آگ میں ہیں۔

۲۷ "قال قرینہ" یعنی وہ شیطان جو اس کافر کے مقدر میں ہے۔ "ربّنا ما اطغیتہ" نہ میں نے اس کو گمراہ کیا اور نہ میں نے اس کو بہکایا۔ "ولکن کان فی ضلال بعید" حق سے پس، اس کا شیطان اس سے برأت ظاہر کرے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سعید بن جبیر اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "قال قرینہ" یعنی فرشتہ۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافر کہے گا اے میرے رب! فرشتے نے کتابت میں مجھ پر زائد چیزیں لکھ دی ہیں تو فرشتہ کہے گا "ربّنا ما اطغیتہ" یعنی میں نے اس پر زیادہ نہیں کیا اور میں نے وہی کچھ لکھا ہے جو اس نے کہا اور عمل کیا۔ لیکن یہ دور کی گمراہی میں تھا۔ اس سے حق کی طرف نہیں لوٹتا تھا۔

۲۸ "قال" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاتختصموا لدیّ وقد قدمت الیکم بالوعید" قرآن میں اور میں نے تم کو ڈرایا اور تنبیہ کی رسول کی زبان پر اور تم پر وہ فیصلہ کیا جو میں کرنے والا تھا۔

۲۹ "ما یبدّل القول لدیّ" میرے قول کے لیے کوئی تبدیلی نہیں ہے اور وہ اس کا قول "لأ ملأنّ جھنم من الجنّۃ والنّاس اجمعین" ہے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "مایبدّل القول لدیّ" کا معنی یہ ہے یعنی میرے نزدیک قول کی تکذیب نہیں کی جاتی اور قول کو تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ میں عالم الغیب ہوں اور یہ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے اور فراء کا اختیار کردہ ہے اس لیے کہ

اس نے کہا "ما یبدّل القول لدیّ" اور یہ نہیں کہا "ما یبدّل لی"...... "وما انا بظلام للعبید" کہ ان کو بغیر جرم کے سزا دوں۔

30 "یوم نقول لجھنم" نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قول "قال لا تختصموا لدیّ" کی وجہ سے ہے اور دیگر حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ھل امتلأت" کیوں کہ پیچھے اللہ تعالیٰ کا جہنم سے وعدہ گزر چکا ہے کہ اس کو جنوں اور انسانوں سے بھر دیں گے۔ یہ سوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر کی تصدیق اور اس کے وعدہ کی تحقیق کے لیے ہوگا۔ "وتقول" جہنم "ھل من مزید" کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تحقیق میں بھر چکی ہوں مجھ میں کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی جو نہ بھری ہو۔ پس یہ استفہام انکاری ہے۔

یہ عطاء، مجاہد، مقاتل بن سلیمان رحمہم اللہ کا قول ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ استفہام زیادتی کو طلب کرنے کا ہے اور ابو صالح رحمہ اللہ کی روایت میں یہی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور اس تفصیل پر اللہ تعالیٰ کے قول "ھل امتلأت" سے سوال تمام اہل جہنم کے جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سابق ہو چکا۔ "لا ملأن جھنم من الجنّۃ والنّاس اجمعین" پس جب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اس کی طرف ہانکا گیا تو جو فوج بھی اس میں ڈالی جائے گی تو اس میں چلی جائے گی اور اس کو کوئی چیز نہ بھرے گی تو وہ کہے گی کیا آپ نے قسم نہیں کھائی تھی کہ مجھے بھر دیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے، اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہیں جو ظالم کہتے ہیں پھر فرمائیں گے کیا تو بھر گئی ہے؟ پس وہ کہے گی بس بس مجھ میں گنجائش نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم "ھل من مزید" کہتی رہے گی حتیٰ کہ رب العزت اس پر اپنا قدم رکھیں گے تو وہ کہے گی بس بس تیری عزت کی قسم! اور اس کا بعض بعض میں سمٹ جائے گا اور جنت میں بھی گنجائش باقی رہے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے۔ پس اس کو اس زائد جگہ میں آباد کریں گے۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ 31 هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ 32 مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ 33 نِ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ 34

ترجمہ: اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی اور ان سے کہا جاوے گا کہ) یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا اور رجوع ہونے والوں سے کر کر دے گا (اس کو حکم ہوگا کہ) اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا۔

تفسیر: 31 "وازلفت الجنّۃ" قریب کی گئی۔ "للمتقین" شرک سے۔ "غیر بعید" وہ اس کی طرف داخل ہونے سے پہلے دیکھیں گے۔

۳۲ "ھذا ما توعدون "ابن کثیر رحمہ اللہ نے یاء کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ان کو کہا جائے گا یہ جو تم دیکھ رہے ہو وہ ہے جو تم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔ "لکلّ اوّاب "معاصی سے طاعت کی طرف رجوع کرنے والوں کے لیے۔

سعید بن مسیّب فرماتے ہیں وہ ایسا شخص جو گناہ کرے، پھر توبہ کرے، پھر گناہ کرے، پھر توبہ کرے۔ شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے ان سے استغفار کرے۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والا۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں تسبیح کرنے والا۔ یہ اس کے قول "یٰ جبال اوّبی معہ" سے ہے۔اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ نماز پڑھنے والا۔ "حفیظ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت کرنے والا اور ان سے بھی مروی ہے وہ شخص جو اپنے گناہوں کی حفاظت حتیٰ کہ ان سے لوٹ آئے اور استغفار کرے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حفاظت کرنے والا ہے اس کی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس اپنا حق ودیعت کیا ہے۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انتظار کرنے والا ہے۔ سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں طاعات اور اوامر کی پابندی کرنے والا ہے۔

۳۳ "من خشی الرّحمٰن بالغیب" یہ محل جر میں ہے اوّاب کی صفت ہونے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ مرفوع ہے استئناف کی وجہ سے اور آیت کا معنی جو رحمٰن سے ڈرا اور بن دیکھے اس کی اطاعت کی۔ضحاک اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی خلوت (تنہائی) میں کہ اس کو کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب پردہ لٹکا دے اور دروازہ بند کردے۔ "وجآء بقلب منیب" مخلص اللہ تعالیٰ کی طاعت پر متوجہ ہونے والا۔

۳۴ "ادخلوھا" یعنی ان صفات والوں کو کہا جائے گا۔تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ "بسلام" عذاب اور غموں سے سلامتی کے ساتھ اور کہا گیا ہے اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ان پر سلام کے ساتھ اور کہا گیا ہے نعمتوں کے زوال سے سلامتی کے ساتھ۔ "ذلک یوم الخلود"

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۳۵ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۳۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۳۷ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۳۸ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۳۹ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۴۰

ترجمہ: ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو جو چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ (نعمت) ہے اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو (ان کی کفر کی شامت سے) ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے (کہیں)

زیادہ تھے اور تمام شہروں کو جانتے تھے لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو) کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (اور اس میں نماز بھی داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) اور رات میں بھی ان کی تسبیح کیا کیجئے (اس میں مغرب و عشا آگئی) اور فرض نمازوں کے بعد بھی۔

تفسیر 35 "لھم ما یشآؤن فیھا" اور وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے حتیٰ کہ ان کے سوال کی انتہا ہو جائے گی۔ پس جو چاہیں گے دیئے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے وہ چیز زیادہ دیں گے جس کا انہوں نے سوال نہیں کیا ہوگا اور وہ اس کا قول "ولدینا مزید" یعنی ان کے لیے ان نعمتوں میں زیادتی ہوگی جن کا کسی کے دل میں خیال بھی نہیں گزرا ہوگا اور جابر اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف نظر کرنا ہے۔

36 "وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم اشد منھم بطشا فنقبوا فی البلاد" انہوں نے سفر کیا، انہوں نے چکر لگایا اور اس کی اصل نقب سے ہے اور وہ راستہ ہے گویا کہ وہ ہر راستہ پر چلے۔ "ھل من محیص" پس انہوں نے اللہ کے امر سے کوئی جائے فرار نہ پائی اور کہا گیا ہے کہ "ھل من محیص" موت سے جائے فرار؟ پس انہوں نے اس میں نہ پایا۔ اہل مکہ کو ڈرانا ہے اور بے شک وہ ان کے راستہ کی شکل پر ہیں وہ بھی موت سے جائے فرار نہ پائیں گے مر جائیں گے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف لوٹیں گے۔

37 "انّ فی ذلک" جو میں نے عبرتیں اور عذاب اور بستیوں کے ہلاک کرنے کا ذکر کیا ہے۔ "لذکری" نصیحت۔ "لمن کان لہ قلب" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی عقل۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عربیۃ میں جائز ہے تو کہے گا "مالک قلب وما قلبک معک" یعنی تیرے ساتھ تیری عقل نہیں ہے اور کہا گیا ہے اس کے لیے حاضر دل ہے اللہ کے ساتھ۔ "او القی السمع" قرآن کو توجہ سے سنا اور جو اس کو کہا جائے گا اس کو توجہ سے سن اور اپنے دل میں کوئی اور خیال نہ لائے۔ عرب کہتے ہیں "الق الیّ سمعک" یعنی تو توجہ سے سن۔ "وھو شھید" یعنی حاضر دل کے ساتھ جو غافل اور بھولنے والا نہ ہو۔

38 "ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستة ایام وما مسّنا من لغوب" تھکاوٹ۔ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیں کہ ان چھ دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کیا پیدا کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور سوموار کے دن زمین کو پیدا کیا اور منگل کے دن پہاڑوں اور نہروں، شہروں اور روزیوں کو بدھ کے دن اور آسمانوں اور فرشتوں کو جمعرات کے دن جمعہ کی تین گھڑیوں تک اور تین گھڑیوں میں سے پہلی میں مدتوں کو اور دوسری میں آفت کو اور تیسری میں آدم علیہ السلام کو۔ انہوں نے کہا آپ علیہ السلام نے سچ کہا اگر آپ مکمل کرتے۔ آپ علیہ السلام نے اور یہ کہا ہے؟ انہوں نے کہا پھر ہفتہ کے دن آرام کیا اور عرش پر متمکن ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کی تردید کے لیے نازل کی۔

㊴ "فاصبر علی ما یقولون" ان کے کذب سے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی گھات میں ہیں اور یہ ان کے قتال کا حکم دینے سے پہلے کی آیت ہے۔ "وسبح بحمد ربک" یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد کے لیے نماز پڑھیں۔ "قبل طلوع الشمس" یعنی صبح کی نماز "وقبل الغروب" یعنی عصر کی نماز۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ قبل الغروب سے ظہر وعصر مراد ہیں۔

㊵ "ومن اللیل فسبّحه" یعنی مغرب اور عشاء کی نماز اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ومن اللّیل" یعنی رات کی نماز جس وقت بھی پڑھے۔ "وادبار السجود" اہل حجاز اور حمزہ رحمہم اللہ نے "وادبار السجود" ہمزہ کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "مصدر ادبر اِدبارًا" اور دیگر حضرات نے ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے دبر کی جمع۔

اَدْبَارَ السُّجُوْدِ اور ادبار النجوم کی تفسیر

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسن، شعبی، نخعی اور اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "ادبار السجود" مغرب کی نماز کے بعد دو رکعتیں ہیں اور "ادبار النجوم" فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ہیں اور یہی عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور ان سے مرفوع بھی روایت کی گئی ہے۔

یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے کسی چیز کی اتنی زیادہ پابندی نہ کرتے تھے جو صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کی کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دُنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار مغرب کے بعد دو رکعتوں اور فجر سے پہلے دو رکعتوں میں "قل یا یھا الکافرون اور قل ھو اللّٰہ احد" پڑھتے سنا۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول "وادبار السجود" زبان سے تسبیح کرنا فرض نمازوں کے بعد۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ تسبیح کی اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہا اور تینتیس مرتبہ اللہ کی حمد کی تو یہ ننانوے ہوگئے۔ پھر سو (۱۰۰) پورا کرنے کے لیے "لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علٰی کلّ شیءٍ قدیر" تو اس کی تمام خطائیں بخش دی جائیں گی۔ اگرچہ سمندر کی جھاگ کی مثل ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مال والے بلند درجات اور ہمیشہ کی نعمتیں لے گئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح جہاد کرتے ہیں اور اپنے زائد مال سے خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پاس اموال نہیں ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے امر کی خبر نہ دوں جس سے تم اپنے سے پہلے لوگوں کو پالو گے اور اپنے بعد والوں سے سبقت کر جاؤ گے اور کوئی شخص تمہارے جیسا عمل نہ لائے گا مگر جو اس کی مثل کرے تم ہر

فرض نماز کے بعد دس مرتبہ تسبیح کرو، دس مرتبہ تحمید کرو اور دس مرتبہ تکبیر کہو۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿41﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿42﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿43﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿44﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿45﴾

ترجمہ اور سن رکھو کہ جس دن ایک پکارنے والا (فرشتہ یعنی اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا جس روز اس چیخنے کو بالیقین سب سن لیں گے یہ دن ہوگا (قبروں سے نکلنے کا ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے جس روز زمین ان (مردوں) پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ (میدان قیامت کی طرف) دوڑتے ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر (منجانب اللہ) جبر کرنے والے (کر کے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں تو آپ قرآن کے ذریعہ سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

تفسیر ㊶ "**واستمع یوم یناد المناد من مکان قریب**" یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت اور شور کی چیخ کو توجہ سے سنیں جس دن آواز لگانے والا آواز دے گا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اسرافیل علیہ السلام حشر کے دن آواز لگائیں گے۔ اے بوسیدہ ہڈیو اور جدا جوڑو۔ اور پھٹے ہوئے گوشت اور بکھرے بالوں! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم جمع ہو جاؤ، واضح فیصلہ کے لیے قریب کی جگہ بیت المقدس کی چٹان سے اور وہ زمین کا وسط ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آسمان کی طرف سب سے قریب ترین زمین ہے۔ اٹھارہ میل۔

㊷ "**یوم یسمعون الصیحة بالحق**" اور وہ آخری چیخ ہے۔ "**ذلک یوم الخروج**" قبروں سے۔

(㊸۔㊹)......"**انا نحن نحی ونمیت والینا المصیر. یوم تشقق الارض عنهم سراعا**" سریع کی جمع یعنی وہ جلدی سے نکلیں گے۔ "**ذلک حشر علینا**" یہ جمع کرنا ہم پر "**یسیر**"

㊺ "**نحن اعلم بما یقولون**" یعنی کفار مکہ آپ علیہ السلام کی تکذیب میں "**وما انت علیهم بجبار**" مسلط کہ ان کو اسلام پر مجبور کر دیں سوائے اس کے نہیں آپ علیہ السلام تو نصیحت کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ "**فذکّر بالقرآن من یخاف وعید**" یعنی جس نے میری نافرمانی کی اس کی جو میں نے عذاب کی وعید بیان کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ علیہ السلام ہمیں ڈراتے (خوف دلاتے) تو آیت "**فذکّر بالقرآن من یخاف وعید**" نازل ہوئی۔

سُوْرَةُ الذّارِيَات

مکی ہے اور اس کی ساٹھ (۶۰) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ اڑاتی ہوں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش) کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو (حکم کے موافق) اہل ارض میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔

تفسیر: ۱ "والذاریات ذروا" یعنی ہوائیں جو مٹی کے ذرات کو اُڑاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے "ذرت الریح التراب وازرت"

۲ "فالحاملات وقرا" یعنی بادل جو پانی کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔

۳ "فالجاریات یسرا" وہ کشتیاں جو پانی میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں۔

۴ "فالمقسمات امرا" فرشتے جو مخلوق کے درمیان امور کی تقسیم کرتے ہیں۔ اس تفصیل پر جس کا ان کو حکم دیا گیا ہوتا ہے۔ ان اشیاء کی قسم کھائی کیوں کہ ان میں اس کی کاری گری اور قدرت پر دلالت ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۚ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور (اعمال کی) جزا (وسزا) ضرور ہونے والی ہے قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) رستے ہیں کہ تم (یعنی سب) لوگ (قیامت کے بارے میں مختلف گفتگو میں ہو اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں اور وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا (وہ اس دن ہوگا) جس دن وہ لوگ آگ

پر رکھے جائیں گے (اور کہا جائے گا) اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

تفسیر 5 پھر مقسم علیہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا "انما توعدون" "ثواب وعتاب کا" "لصادق"

6 "وان الدین" "حساب اور جزاء" "لواقع" "البتہ ہونے والا ہے۔

7 پھر دوسری قسم کی ابتداء کی اور فرمایا "والسمآء ذات الحبک" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اچھی اور ٹھیک تخلیق والا۔ کپڑا بننے والا جب عمدہ کپڑا بنے تو اس کو کہا جاتا ہے "ما احسن حبکتہ" سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں زینت والا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تاروں کے ساتھ مزین کیا گیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مضبوط تعمیر والا۔ مقاتل، کلبی اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں راستوں والا جیسا کہ پانی کی لہریں جب ان پر ہوا چلے اور ریت کے ٹیلے کا راستہ بالوں کے گچھے کی ایک لٹ۔ لیکن تو اس کو لوگوں سے دور ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکے۔ یہ حباک اور حبیکۃ کی جمع ہے اور جواب قسم۔

8 "انکم" "اے اہل مکہ!" "لفی قول مختلف" قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ تم قرآن کے بارے میں کہتے ہو کہ یہ جادو اور کہانت اور پہلوں کی من گھڑت باتیں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہو کہ جادوگر اور شاعر اور مجنون ہیں اور کہا گیا ہے کہ "لفی قول مختلف" یعنی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے۔

9 "یؤفک عنه من افک" اس پر ایمان لانے سے وہ پھرتا ہے جو پھرتا ہے حتیٰ کہ اس کی تکذیب کر لے۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے سے محروم کر دے اور کہا گیا ہے کہ "عن" من اجل کے معنی میں ہے۔ یعنی اس مختلف قول کی وجہ سے پھرتا ہے یا اس کے سبب ایمان سے وہ پھرتا ہے کیونکہ وہ اس شخص کو ملتے جس کا ایمان لانے کا ارادہ ہوتا تو اس کو کہتے کہ وہ جادوگر اور کاہن اور مجنون ہیں۔ پس اس کو ایمان سے پھیر دیتے اور یہ مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے۔

10 "قتل الخرّاصون" تکذیب کرنے والوں پر لعنت کی گئی۔ کہا جاتا ہے "تخرص علی فلان الباطل" "فلاں پر باطل الزام لگایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کے عتاب کو آپس میں تقسیم کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قول کو تقسیم کیا تھا تاکہ لوگوں کو دین اسلام سے پھیریں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کاہن لوگ مراد ہیں۔

11 "الذین هم فی غمرة" غفلت، اندھے پن اور جہالت میں۔ "ساهون" "غافل بے پرواہ آخرت کے امر سے اور سہو کسی چیز سے غافل ہونا اور وہ دل کا اس پر چلا جانا۔

12 "یسألون ایان یوم الدین" "وہ کہتے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کب ہوگا جزاء کا دن۔ یعنی قیامت کا دن یہ تکذیب اور استہزاء کے لیے کہتے تھے۔

13 "یوم هم" "یعنی یہ جزاء ایسے دن میں ہوگی کہ وہ "علی النار یفتنون" "عذاب دیئے جائیں اور اس کے ساتھ جلائے جائیں گے جیسے سونے کو آگ پر تپایا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ "علی" "باء کے معنی میں ہے یعنی آگ کے ساتھ اور ان کو جہنم کے وارو غے کہیں گے۔

⑭ "ذوقوا فتنتکم" تمہارا عذاب "هذا الذی کنتم به تستعجلون" دُنیا میں اس کی تکذیب کرتے ہوئے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ⑮ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ⑯ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ⑰ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱

ترجمہ: بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے (اور) ان کے رب نے ان کو جو (ثواب) عطا کیا ہوگا وہ اس کو (خوشی خوشی) لئے رہے ہوں گے (اور کیوں نہ ہو) وہ لوگ اس کے قبل (دنیا میں) نیکو کار تھے وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

تفسیر (⑮۔⑯)......"ان المتقین فی جنات و عیون. آخذین ما آتاهم" جوان کو دے گا۔ "ربهم" خیر اور اعزاز سے۔ "انهم کانوا قبل ذلک" ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے۔ "محسنین" دُنیا میں۔

⑰ "کانوا قلیلا من اللیل ما یهجعون" اور ہجوع رات کو سونا دن کے علاوہ۔ "وما" صلہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے یعنی اکثر رات نماز پڑھتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ساری رات جس میں وہ سوتے ہیں تھوڑی ہے اور یہ سعید بن جبیر کے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قول کا معنی ہے۔ یعنی کم رات بھی ان پر آئے تو اس میں کچھ نماز ضرور پڑھتے ہیں یا تو اس کے ابتداء میں یا درمیان میں۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ نہیں سوتے حتیٰ کہ عتمہ کی نماز پڑھ لیں۔ مطرف بن عبداللہ بن شخیر فرماتے ہیں کہ بہت کم رات ان پر ایسی گزرتی ہے کہ ساری رات وہ سوئے ہوں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ساری رات نہ سوتے تھے اور بعض حضرات اس کے قول "قلیلا" پر وقف کیا ہے یعنی کہ وہ تھوڑے سے لوگ ہیں۔ پھر ابتداء کی "من اللیل ما یهجعون" اور اس کو جحد بنایا ہے یعنی وہ رات کو بالکل نہیں سوتے بلکہ نماز اور عبادت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

⑱ "وبالاسحار هم یستغفرون" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رات کا کم حصہ سوتے ہیں اور کبھی طبیعت میں نشاط ہوتا ہے تو سحر تک چلے جاتے ہیں۔ پھر سحر کے وقت استغفار کرنے لگتے ہیں۔ کلبی، مجاہد اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں کیونکہ ان کی سحر کے وقت کی نماز مغفرت طلب کرنے کے لیے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان دُنیا کی طرف نزول کرتے ہیں۔ جب رات کا تہائی باقی رہ جاتا ہے پھر فرماتے ہیں میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہوں، کون شخص ہے جو مجھ سے دُعا کرتا ہے تو میں اس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگتا ہے پس میں اس کو دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کروں؟

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے "اللّٰھم

لک الحمد انت قیّم السموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت نور السموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت ملک السموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق ولقاؤک حق وقولک حق والجنّة حق والنار حق والنبیون حق و محمد حق والساعة حق اللھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلّت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدّمت وما اخّرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدّم وانت المؤخّر لا الٰہ الاّ انت ولا الٰہ غیرک۔"

اے اللہ! تیرے ہی لئے ستائش (زیبا) ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اوران کی کائنات کا تو ہی مدبر ہے۔ تیرے ہی لئے حمد ہے۔ آسمانوں کا زمین کا اوران کی موجودات کا تو ہی حاکم ہے۔ تیری ہی تعریف (زیبا) ہے۔ تو ہی حق ہے تیرا ہی وعدہ حق ہے تیرا (ہمیشہ) باقی رہنا حق ہے۔ تیرا کلام حق ہے دوزخ حق ہے انبیاء حق ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں۔ قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں تجھی پر ایمان رکھتا ہوں تجھی پر میرا بھروسہ ہے۔ تیری ہی طرف میں رجوع کرتا ہوں تیری مدد سے میں دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوں تیری ہی جانب میں اپنا معاملہ (فیصلہ کیلئے) لے جاتا ہوں تو ہمارا رب ہے تیری ہی طرف منتقل ہونا ہے۔ میرے اگلے پچھلے اور پوشیدہ ظاہر گناہ اور وہ قصور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرمادے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے (یا سب سے پہلے اور سب کے بعد تو ہی ہے) تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں۔ (متفق)

سفیان رحمہ اللہ نے کہا اور عبدالکریم ابو اُمیہ نے "ولا حول ولا قوّة الاّ باللّٰه" کو زیادہ کیا ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا جو رات کو بیدار ہو اور کہے "لا الٰہ الا اللّٰه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیءٍ قدیر و سبحان اللّٰه والحمدللّٰه ولا الٰہ الاّ اللّٰه واللّٰه اکبر ولا حول ولا قوّة الاّ باللّٰه" پھر کہا "ربّ اغفرلی" یا فرمایا کہ دعا کی تو اس کی دُعا قبول کی جائے گی۔ پس اگر وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ⑳ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ㉒ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ㉓ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ㉔

ترجمہ: اوران کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا حق تھا اور یقین لانے کے لئے زمین (کی کائنات) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی پس کیا تم کو (پھر بھی) دکھلائی نہیں دیتا اور تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے (ان) سب (کا معین وقت) آسمان میں ہے تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ (قیامت کا دن) برحق ہے (اور ایسا یقینی جیسا تم باتیں کر رہے ہو کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے۔

تفسیر ⑲ "وفی اموالهم حق للسائل والمحروم" سائل جو لوگوں سے مانگے اور محروم جس کا غنیمت میں کوئی حصہ نہ ہو

اوراس پر مال فئی سے کچھ جاری نہ ہو یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔ فرمایا "المحروم" وہ شخص جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو اور لغت میں اس کا معنی وہ شخص جو خیر اور عطاء سے روک دیا گیا۔ قتادہ اور زہری رحمہما اللہ فرماتے ہیں محروم وہ باعفت شخص جو سوال نہ کرے۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں وہ شخص جس کا پھل یا اس کی کھیتی یا اس کے جانوروں کی نسل تباہ ہوگئی ہو اور یہی محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فرمایا محروم ضرورت مند شخص۔ پھر پڑھا "انا لمغرمون بل نحن محرومون"

(⑳۔㉑)...... "وفی الارض آیات" عبرتیں "للموقنین" جب اس میں پاس پہاڑوں، سمندروں، درختوں، پھلوں اور قسم قسم کے پودوں میں۔ "وفی انفسکم" نشانیاں ہیں جب وہ نطفہ تھا پھر جما ہوا خون بنا۔ پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر ہڈی یہاں تک کہ اس میں روح پھونکی گئی۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زبانوں، صورتوں، رنگوں اور طبیعتوں کا اختلاف مراد ہے۔ ابن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں پاخانہ، پیشاب کا راستہ مراد ہے کہ ایک راستہ سے بندہ کھاتا پیتا ہے اور دو راستوں سے نکلتا ہے۔ "افلا تبصرون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہیں کیسے پیدا کیا پھر تم بعث پر اس کی قدرت کو پہچان لو۔

㉒ "وفی السماء رزقکم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی بارش جو رزق کا سبب ہے۔ "وما توعدون" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثواب وعتاب کا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیر وشر کا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو تم جنت اور جہنم کا وعدہ کیے گئے ہو۔ پھر اپنے نفس کی قسم کھائی۔ ㉓ "فو ربّ السماء والارض انه لحق" یعنی جو میں نے رزق کا معاملہ ذکر کیا وہ حق ہے۔ "مثل" حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے "مثل" لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے الحق سے بدل ہونے کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کمثل "ما انکم تنطقون" پس تم کہو لا الٰہ الا اللہ اور کہا گیا ہے کہ جس کی ان کو خبر دی گئی تھی اس کی تحقیق کو آدمی کے نطق کی تحقیق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ تو کہے گا "انه لحق" جیسا کہ تو یہاں ہے اور "انه لحق" جیسا کہ تو کلام کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے صدق اور اپنے وجود میں اس شخص کی طرح ہے جس کو تو اچھی طرح پہچانتا ہے اور بعض حکماء نے کہا ہے کہ یعنی جس طرح ہر انسان اپنی زبان سے بولتا ہے اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے غیر کی زبان سے بولے۔ اسی طرح ہر انسان اپنا رزق کھاتا ہے جو اس کے لیے تقسیم کیا گیا ہے اور اس پر قادر نہیں کہ کسی اور کا رزق کھالے۔

㉔ "هل اتاک حدیث ضیف ابراهیم" ہم نے ان کی تعداد سورۃ ھود میں ذکر کردی ہے۔ "المکرمین" کہا گیا ہے کہ ان کا نام مکرمین رکھا ہے اس لیے کہ وہ فرشتے تھے عند اللہ معزز اور اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف میں فرمایا "بل عباد مکرمون" اور کہا گیا ہے اس لیے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے مہمان تھے اور ابراہیم علیہ السلام مخلوق میں سے معزز ترین ہیں تو معززین کے مہمان بھی معزز ہوتے ہیں اور کہا گیا ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی جلد مہمانی کر کے اور خندہ پیشانی کے ساتھ بذات خود ان کی خدمت کر کے ان کا اکرام کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی بذات خود خدمت کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان کا نام مکرمین رکھا اس لیے کہ وہ بغیر دعوت کے آئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک روایت پہنچی کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ㉕ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ㉖ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ㉗ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ㉘ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ㉙ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ㉚

(ترجمہ) اور یہ قصہ اس وقت میں تھا جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے پھران کو سلام کیا ابراہیم نے بھی (جواب میں) کہا سلام اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑہ (تلا ہوا) لائے اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے) لا کر رکھا کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے انہوں نے کہا تم ڈرومت اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا آگے میں ان کی بی بی بولتی پکارتی آئیں پھر (یہ خبرسن کر تعجب سے) ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو) بڑھیا (پھر) بانجھ فرشتے کہنے لگے کہ (تعجب مت کرو) تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے۔

(تفسیر) ㉕ "اذ دخلوا علیه فقالوا سلاما قال" ابراہیم علیہ السلام نے "سلام قوم منکرون" یعنی اجنبی ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اپنے دل میں کہا یہ قوم ہم تو ان کونہیں پہچانتے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کے امر کو اجنبی سمجھا اس لیے کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے داخل ہوئے تھے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس زمانے اور اس علاقہ میں ان کے سلام کو اجنبی سمجھا۔

㉖ "فراغ" مائل ہوئے۔ "الی اهله فجاء بعجل سمین" بھنا ہوا۔ ㉗ "فقربه الیهم" تا کہ وہ کھائیں لیکن انہوں نے نہیں کھایا۔ "قال الا تاکلون، ㉘ فاوجس منهم خیفة قالوا لاتخف وبشروہ بغلام علیم

㉙ فاقبلت امراته فی صرّة" یعنی چیختے ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے اقبال استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ تو قائل کے قول "اقبل لشتمنی" کی طرح ہے یعنی وہ مجھے برا بھلا کہنا شروع ہوگیا، یعنی واویلا کرتی آئیں۔۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قالت یاویلتی"...... "فصکت وجهها" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اپنے چہرے پر تھپڑ مارا اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اپنی انگلیاں جمع کر کے اپنی پیشانی پر ماریں تعجب کی وجہ سے۔ جیسے عورتوں کی عادت ہے جب وہ کسی چیز کو عجیب سمجھیں اور "صک" کی اصل کسی شے کو چوڑی چیز سے مارنا۔ "وقالت عجوز عقیم" اس کا مجاز ہے "أالد عجوز عقیم" یعنی کیا بوڑھی بانجھ عورت بچہ جنے گی اور حضرت سارہ کی اس سے پہلے کوئی اولاد نہ تھی۔

㉚ "قالوا کذلک قال ربک" یعنی جیسے ہم نے آپ کو کہا ہے آپ کے رب نے اسی طرح کہا ہے کہ آپ عنقریب بچہ جنیں گی۔ "انه هو الحکیم العلیم"

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿31﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾ لِنُرْسِلَ
عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿33﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ
يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿37﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ فَتَوَلّٰى
بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿39﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿40﴾ وَفِيْ
عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿41﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ
﴿42﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿43﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿44﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿45﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ط
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿46﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا
فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ط
اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ط اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿51﴾

ترجمہ: ابراہیم کہنے لگے (کہ) اچھا تو (یہ بتلاؤ کہ) تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے فرشتو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشانیاں بھی ہیں (اور وہ) حد سے گزرنے والوں کے لئے (ہیں) اور ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے نکال کر علیحدہ کر دیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر مسلمانوں کا ہم نے نہیں پایا اور ہم نے اس واقعہ میں (ہمیشہ کے واسطے) ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰؑ کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر بھیجا سو اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون ہے ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی (یعنی اشیاء میں سے کہ جن کی ہلاکت کا حکم تھا) اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ان سے

کہا گیا اور تھوڑے دنوں چین کرلو سو اس سے ڈرانے پر بھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو عذاب نے آ لیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے سو نہ تو وہ کھڑے ہی ہو سکے اور نہ ہم سے بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے قوم نوح کا بھی حال ہو چکا تھا (یعنی) اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے اور ہم نے آسمانوں کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں اور ہم نے زمین کو فرش (کے طور پر) بنایا سو ہم (کیسے) اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا ہے تاکہ تم (ان مصنوعات سے توحید کو) سمجھو تو تم اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو میں تمہارے (سمجھانے کے لئے) اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر ㉛ "قال" ابراہیم علیہ السلام نے۔ "**فما خطبکم ایھا المرسلون**"

㉜ **قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین** "یعنی لوط علیہ السلام کی قوم ㉝ "**لنرسل علیھم حجارۃ من طین.**

㉞ **مسوّمۃ**" نشان زدہ ہوں گے۔ "**عند ربّک للمسرفین**" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مشرکین کے لیے اور شرک گناہوں میں سے حد سے بڑھا ہوا اور بڑا گناہ ہے۔ ㉟ "**فاخرجنا من کان فیھا**" قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں میں "**من المؤمنین**" اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "**فاسر باھلک بقطع من اللیل**" ہے۔

㊱ "**فما وجدنا فیھا غیر بیت**" ایک گھر والوں کے علاوہ "**من المسلمین**" یعنی لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان اور اسلام دونوں کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے اس لیے کہ جو مؤمن ہو وہ مسلم ہوتا ہے۔

㊲ "**وترکنا فیھا**" قوم لوط علیہ السلام کے شہر میں۔ "**آیۃ**" عبرت۔ "**للذین یخافون العذاب الالیم**" یعنی ڈرنے والوں کے لیے علامت جو ان کی رہنمائی کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ پس ان کے عذاب کی مثل سے ڈریں۔

㊳ "**وفی موسیٰ**" یعنی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بھیجنے میں نشانی اور عبرت کو چھوڑا اور کہا ہے کہ یہ اس کے قول "**وفی الارض آیات للموقنین**" پر معطوف ہے۔ "**وفی موسیٰ اذ ارسلناہ الی فرعون بسلطان مبین**" ظاہر حجت کے ساتھ۔

㊴ "**فتولّی**" یعنی پس اس نے اعراض کیا اور ایمان سے پیٹھ پھیری "**برکنہ**" یعنی اپنی جماعت اور اپنے لشکر کے ساتھ جس کے ذریعے وہ قوت حاصل کرتا تھا، اس ستون کی طرح جس کے ذریعے عمارت کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ اس کی نظیر اس کا قول "**او آوی الی رکن شدید**"...... "**وقال ساحر او مجنون**" ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "او" بمعنی واؤ ہے۔

㊵ "**فاخذناہ وجنودہ فنبذناھم فی الیم**" ہم نے ان کو اس میں غرق کردیا۔ "**وھو ملیم**" یعنی وہ کام کرنے والا تھا جس پر اس کو ملامت کی جائے ربوبیت کے دعویٰ اور رسولوں کی تکذیب وغیرہ سے۔ ㊶ "**وفی عاد**" یعنی اور عاد کے ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے۔ "**اذ ارسلنا علیھم الریح العقیم**" اور وہ ایسی ہوا جس میں کوئی خیر اور برکت اور بارش نہ ہو۔

㊷ "**ماتذر من شیء اتت علیہ**" ان کی جانوں، چوپایوں اور اموال میں سے۔ "**الا جعلتہ کالرمیم**" خشک ہلاک

چیز کی طرح وہ زمین کا پودا جب خشک ہو جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں خشک گھاس کی طرح۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمیم شجر کی طرح۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوٹی ہوئی مٹی کی طرح۔ اور کہا گیا ہے اس کی اصل بوسیدہ ہڈی سے ہے۔

㊸ "وفی ثمود اذ قیل لھم تمتعوا حتّی حین" یعنی ان کی مدتوں کے فناء ہونے کے وقت۔ جب انہوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹیں تو ان کو کہا گیا تم تین دن نفع اُٹھالو۔

㊹ "فعتوا عن امر ربھم فاخذتھم الصاعقۃ" یعنی تین دن گزرنے کے بعد اور وہ موت ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی عذاب اور صاعقہ ہر ہلاک کر دینے والا عذاب۔ اور کسائی رحمہ اللہ نے "الصعقۃ" پڑھا ہے۔ یہ اس آواز کو کہتے ہیں جو صاعقہ سے پیدا ہو۔ "وھم ینظرون" اس کو سامنے دیکھ رہے تھے۔

㊺ "فما استطاعوا من قیام" ان پر عذاب اُترنے کے بعد نہ وہ کھڑے ہوئے اور نہ کھڑے ہونے کی طاقت تھی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سختی سے کھڑے نہ ہوئے۔ "وما کانوا منتصرین" ہم سے انتقام لینے والے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے پاس قوت نہیں تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بچ سکتے۔

㊻ "وقوم نوح" ابوعمرو، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "وقوم" میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وفی قوم نوح اور دیگر حضرات نے قوم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی پر حمل کرتے ہوئے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قول "فاخذناہ وجنودہ فنبذناھم فی الیم" کا معنی ہے "اغرقناھم" گویا کہ کہا ہے "اغرقناھم واغرقنا قوم نوح" ہم نے ان کو غرق کیا اور ہم نے قوم نوح کو غرق کیا۔ "من قبل" ان لوگوں سے پہلے اور وہ عاد وثمود اور قوم فرعون ہیں۔ "انھم کانوا قوما فاسقین"

㊼ "والسماء بنیناھا بایید" قوت اور قدرت کے ساتھ۔ "وانا لموسعون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں قادر ہیں اور ان سے یہ بھی ہے کہ ہم اپنی مخلوق پر رزق کی وسعت دینے والے ہیں اور کہا گیا ہے وسعت والے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مال دار ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "وعلی الموسع قدرہ" ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں طاقت رکھنے والے ہیں۔

㊽ "والارض فرشناھا" ہم نے اس کو بچھایا اور تمہارے لیے اس کو بچھونا بنایا۔ "فنعم الماھدون" بچھانے والے ہم۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، بہت خوب ہے جو میں نے اپنے بندوں کے لیے بچھایا۔

㊾ "ومن کلّ شیء خلقنا زوجین" دو مختلف قسمیں جیسے آسمان اور زمین۔ سورج اور چاند، رات اور دن اور خشکی و سمندر اور نرمی اور پہاڑ اور سردی و گرمی اور جن وانس اور مذکر و مؤنث اور نور وظلمت، ایمان وکفر، سعادت وشقاوت، جنت وجہنم، حق وباطل، میٹھا وکڑوا۔ "لعلّکم تذکرون" پس تم جان لو کہ جوڑوں کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔

(㊿۔ 51) "ففرّوا الی اللّٰہ" پس تم دوڑو اللہ کے عذاب سے اس کے ثواب کی طرف ایمان اور طاعت کے ذریعے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے اس کی طرف دوڑو اور اس کی فرمانبرداری والے عمل کرو اور سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف دوڑو۔ "انی لکم منہ نذیر مبین. ولا تجعلوا مع اللّٰہ الٰھا آخر انی لکم منہ نذیر مبین"

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ
هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا
يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوگزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے بلکہ (وجہ اس اجماع کی یہ ہوئی کہ) یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں سو آپ سے اعراض کریں کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان (لانے) والوں کو (بھی) نفع دے گا اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا ہوں اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے تو ان ظالموں کی سزا کی بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے (گذشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

تفسیر ﴿۵۲﴾ "کذلک" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اور جادوگر اور مجنون کہا اسی طرح "ما اتی الذین من قبلھم" کفار مکہ سے پہلے۔ "من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون"

﴿۵۳﴾ "اتواصوا بہ" یعنی ان میں سے پہلوں نے پچھلوں کو وصیت کی اور ایک دوسرے کو تکذیب کرنے کی وصیت کی اور اس پر اتفاق ہوگیا اور الف اس میں ڈانٹ کا ہے۔ "بل ھم قوم طاغون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے ان کو دیا اور ان پر وسعت کی اس نے ان کو سرکش اور آپ علیہ السلام کی تکذیب پر ابھارا۔

﴿۵۴﴾ "فتول عنھم" پس آپ علیہ السلام ان سے اعراض کریں۔ "فما انت بملوم" آپ علیہ السلام پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ پس تحقیق آپ علیہ السلام نے رسالت کا حق ادا کردیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوگئے اور یہ آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر گراں گزری اور انہوں نے گمان کیا کہ وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اور عذاب آنے لگا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿۵۵﴾ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی "وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین" تو ان کے دل خوش ہوئے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے ذریعے کفار مکہ کو نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت اس کو نفع دے گی اللہ کے علم میں جس کے بارے

میں یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے گا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے ذریعے اس کو نصیحت کریں جو آپ علیہ السلام کی قوم میں سے ایمان لے آیا ہے کیوں کہ نصیحت ان کو نفع دے گی۔

56 "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کلبی، ضحاک اور سفیان رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں فریقوں میں سے اہل طاعت کے ساتھ خاص ہے۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ "وما خلقت الجن والانس. من المؤمنین الا لیعبدون" پھر دوسری آیت میں فرمایا "ولقد ذرأنا لجهنم کثیرا من الجن والانس" اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں میں سے نیک بختوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے اور ان میں سے بدبختوں کو اپنی معصیت کے لیے اور یہ زید بن اسلم کے قول کا معنی ہے۔ فرمایا وہ لوگ اسی پر ہیں جو ان کی طبیعت بنائی گئی شقاوت وسعادت کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "الا لیعبدون" یعنی مگر اس لیے کہ میں ان کو حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں اور میں ان کو اپنی عبادت کی طرف بلاؤں، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا قول "وما امروا الا لیعبدوا الٰها واحدا" کرتا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مگر تا کہ وہ مجھے پہچان لیں اور یہ احسن ہے اس لیے کہ اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو اس کا وجود اور توحید نہ پہچانی جاتی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولئن سالتهم من خلقهم لیقولنّ اللّٰه" ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے مگر تا کہ میری تابعداری اور فرمانبرداری کریں اور عبادت کا معنی لغت میں عاجزی اور تابعداری ہے۔ پس جنوں وانسانوں میں سے ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی قضاء کے سامنے پست ہے اور اس کی مشیت کے سامنے عاجز ہے۔ کوئی اپنے نفس کا مالک نہیں کہ اس سے ایک ذرہ بھر نکل جائے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے نفع یا نقصان پر اور کہا گیا "الا لیعبدون الا لیوحدون" کے معنی میں ہے کہ وہ میری توحید کے قائل ہوں۔ پس مؤمن تو سختی اور آسانی میں اس کی توحید کرتا ہے اور کافر سختی اور مصیبت میں تو اس کی توحید کرتا ہے نہ کہ نعمت اور آسانی میں اس کا بیان اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللّٰه مخلصین له الدین"

57 "ماارید منهم من رزق" یعنی وہ میری مخلوق میں سے کسی کو رزق دیں اور یہ کہ وہ خود کو رزق دیں۔ "وما ارید ان یطعمون" یعنی وہ میری مخلوق میں سے کسی کو کھانا کھلائیں۔ اطعام کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس لیے کہ خلق اللہ کا کنبہ ہے اور جو کسی کے کنبہ کو کھانا کھلائے تو اس نے اس کو کھانا کھلایا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ یعنی تو نے میرے بندوں کو کھانا نہیں کھلایا۔ پھر بیان کیا کہ رزق دینے والا وہی اللہ ہے نہ کہ اس کا غیر۔ پس فرمایا:

58 "ان اللّٰه هو الرزاق" یعنی اپنی تمام مخلوق کو۔ "ذو القوة المتین" اور وہ قوت والا اقتدار قوت وقدرت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔

59 "فانّ للذین ظلموا" اہل مکہ میں کفر کیا۔ "ذنوبا" عذاب کا حصہ۔ "مثل ذنوب اصحابهم" ان کے ساتھیوں کے حصہ کی مثل جو ہلاک کیے گئے قوم نوح، قوم عاد وقوم ثمود میں سے اور ذنوب کی اصل لغت میں وہ بڑا ڈول جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ پھر اس کا استعمال حصہ اور نصیب کے معنی میں ہونے لگا۔ "فلا یستعجلون" عذاب کو یعنی ان کو قیامت کے دن تک مؤخر کیا گیا ہے۔

60 "فویل للذین کفروا من یومهم الذی یوعدون" یعنی قیامت کے دن۔ اور کہا گیا ہے بدر کے دن۔

سُوْرَةُ الطُّوْر

مکی ہے اور اس کی انچاس (۴۹) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳

ترجمہ: قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے۔

تفسیر: ۱ "والطور" اس سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ یہ ارضِ مقدس میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اُٹھائی ہے۔

۲ "و کتاب مسطور" لکھی ہوئی۔

۳ "فی رق منشور" رق جس میں لکھا جائے۔ وہ مصحف کا چمڑا منشور کھلا ہوا۔ اس کتاب کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور موسیٰ علیہ السلام قلم کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اور کہا گیا ہے کہ وہ لوح محفوظ ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے رجسٹر ہیں جو ان کی طرف قیامت کے دن کھلے ہوئے نکلیں گے۔ پس اس کے دائیں کو اور اس کے بائیں کو پکڑ لیں گے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "ونخرج له یوم القیامة کتابا یلقاه منشورا" ہے۔

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰

ترجمہ: اور قسم ہے بیت المعمور کی اور قسم ہے اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے) اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو پانی سے پر ہے کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور یہ اس روز واقع ہوگا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جاویں گے۔

تفسیر: ۴ "والبیت المعمور" پردوں اور اہل کی کثرت کے ساتھ۔ یہ بیت ساتویں آسمان میں عرش کے محاذی کعبہ

کے اوپر ہے اس کو صراح کہا جاتا ہے اس کا احترام آسمانوں میں ایسے ہی ہے جیسے کعبہ کا احترام زمین میں ہے۔ اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے، پھر وہ کبھی واپس اس کی طرف نہ لوٹیں گے۔

۵ "والسقف المرفوع" یعنی آسمان۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "وجعلنا السماء سقفا محفوظا" ہے۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کی تفسیر

۶ "والبحر المسجور" محمد بن کعب قرظی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں۔ یعنی جلایا ہوا گرم پانی بھڑکائے ہوئے تندور کی طرح اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور یہ اس وجہ سے کہ روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سمندروں کو قیامت کے دن آگ بنادیں گے۔ پس اس کے ذریعے جہنم کی آگ میں اضافہ کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذا البحار سجرت" اور حدیث میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی سمندر میں سوار نہ ہو مگر جہاد کرنے کے لیے یا عمرہ یا حج کرنے کے لیے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "المسجور" بھرا ہوا۔ کہا جاتا ہے "سجرت الاناء" جب تو اس کو بھر دے اور حسن، قتادہ اور ابوالعالیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں خشک جس کا پانی ختم ہو گیا ہو اور وہ خشک ہو گیا ہو۔

ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ میٹھا کھارے کے ساتھ ملا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے "البحر المسجور" کے بارے میں فرمایا کہ وہ عرش کے نیچے سمندر ہے۔ اس کی وسعت جیسے ساتوں آسمانوں سے ساتوں زمینوں تک کا فاصلہ۔ اس میں گاڑھا پانی ہے اس کو بحر الحیوان کہا جاتا ہے۔ نفخہ اولیٰ کے بعد اس سے بندوں کی بارش ہوگی چالیس صبح تک پس وہ اپنی قبروں سے اگیں گے۔ یہ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم کھائی ہے۔

۷ "ان عذاب ربک لواقع" اترنے والا ہے۔

۸ "ماله من دافع" روکنے والا۔ جبیر بن مطعم فرماتے ہیں میں مدینہ آیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں تو میں آپ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور آپ علیہ السلام کی آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی تو میں نے سنا کہ وہ پڑھ رہے ہیں "والطور" سے "ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع" پس گویا کہ میرا دل پھٹ گیا جب میں نے اس کو سنا تو اور یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ فرماتے ہیں پس میں عذاب کے اُترنے کے خوف سے اسلام لے آیا اور مجھے یہ گمان نہ تھا کہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو سکوں گا حتیٰ کہ مجھ پر عذاب واقع ہو جائے گا۔ پھر بیان کیا کہ کب واقع ہوگا تو فرمایا:

۹ "یوم تمور السماء مورا" یعنی گھومے گا چکی کے گھومنے کی طرح اور اپنے اہل کے ساتھ ایسے ہلے گا جیسے کشتی ہلتی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حرکت کرے گا۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے اجزاء آپس میں خلط ملط ہو

جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ وہ مضطرب ہو جائے گا اور ''المور'' ان تمام معانی کو جامع ہے۔ پس وہ لغت میں جانا، آنا، چکر لگانا، آنا جانا اور اضطراب کے معنی رکھتا ہے۔

⑩ ''وتسیر الجبال سیرا'' پس وہ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں گے اور بکھری ہوئی دھنی ہوئی روئی ہو جائیں گے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍ ۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ㉑

ترجمہ تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ رہ رہے ہیں ان کی اس روز کم بختی آئے گی جس روز کہ ان کو آتش دوزخ کی طرف دھکے دے کر لاویں گے یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ بھی سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی تم کو بدلا دیا جائے گا متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے اور ان کو جو چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوشدل ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلہ میں تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں سے بیاہ کر دیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال (لفریہ) میں محبوس (فی النار) رہے گا۔

تفسیر ⑪ ''فویل'' پس سخت عذاب ہے۔ ''یومئذ للمکذبین.

⑫ الذین هم فی خوض یلعبون'' باطل میں غور و خوض کرتے ہیں، غفلت ولاپروائی میں کھیلتے ہیں۔

⑬ ''یوم یدعون'' دھکیلے جائیں گے۔ ''الی نار جهنم دعا'' سختی کے ساتھ دھکیلنا کیوں کہ جہنم کے داروغہ ان کے ہاتھ گردنوں

پر باندھ دیں گے اور ان کی پیشانیاں پاؤں سے لگادیں گے۔ پھر ان کے چہروں کے بل جہنم کی طرف دھکیلیں گے اور ان کی گدیوں پر ماریں گے۔ یہاں تک کہ وہ جہنم پر وارد ہوں گے۔ پس جب وہ اس کے قریب ہوں گے تو ان کو جہنم کے داروغے کہیں گے۔

⑭ "هٰذه النار التی کنتم بها تکذبون" دُنیا میں۔

⑮ "افسحر هٰذا" کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سحر کی طرف کرتے تھے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کو جادو کے ساتھ ڈھانپ دیتے ہیں تو ان کو ڈانٹا گیا اور ان کو کہا گیا "افسحر هٰذا ام انتم لاتبصرون"

⑯ "اصلوها" اس کی سختی کو قیاس کرو۔ "فاصبروا او لاتصبروا سواء علیکم" صبر کرنا اور واویلا کرنا۔ "انما تجزون ما کنتم تعملون"

⑰ "ان المتقین فی جنات ونعیم"

⑱ فاکهین "اس پر خوش ہیں اتراتے ہیں۔ "بما آتاهم ربهم ووقاهم ربهم عذاب الجحیم" اور ان کو کہا جائے گا۔

⑲ "کلوا واشربوا هنیئا" اس کا انجام بیماری اور پیٹ خرابی سے امن ہے۔ "بما کنتم تعملون"

⑳ "متکئین علی سرر مصفوفة" ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہوں گے۔ "وزوجناهم بحور عین"

㉑ "والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان" ابوعمرو نے "اتبعناهم" الف قطعی کے ساتھ تعظیم کی وجہ سے پڑھا ہے۔ "ذریاتهم" الف اور تاء کی زیر کے ساتھ دونوں میں۔ اللہ تعالیٰ کے قول "الحقنا بهم" اور "وما التناهم" کی وجہ سے تاکہ کلام ایک ترتیب پر ہو جائے اور دیگر حضرات نے "واتبعتهم" الف وصلی اور اس کے بعد تاء مشدد اور آخری تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر ان کا اختلاف ہوا ہے "ذرّیتهم" میں۔ اہل مدینہ نے پہلے کو بغیر الف اور تاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے کو الف اور تاء کی زیر کے ساتھ

اور اہل شام اور یعقوب نے دونوں کو الف کے ساتھ اور تاء کی زیر کے ساتھ دوسرے میں اور دیگر حضرات نے دونوں کو بغیر الف کے اور پہلے میں تاء کے پیش اور دوسرے میں تاء کے زبر کے ساتھ اور اس آیت کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ اس کا معنی "والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان" یعنی ان کی چھوٹی اور بڑی اولاد پس بڑی اولاد اپنے ایمان کی وجہ سے اور چھوٹی اپنے آباء کے ایمان کی وجہ سے کیونکہ چھوٹے بچے کے اسلام کا حکم کیا جائے گا، اس کے والدین میں سے کسی ایک کے تابع کرتے ہوئے۔ "الحقنابهم ذریتهم" مؤمنین کو جنت میں ان کے درجات کے ساتھ اگرچہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے آباء کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں گے، یہ ان کے آباء کا اعزاز ہوگا تاکہ ان کی آنکھیں اس کے ذریعہ ٹھنڈی ہوں اور یہی سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

اور دیگر حضرات نے کہا ہے اس کا معنی "والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم" بالغ اولاد ایمان کے ساتھ تو ہم ان کے ساتھ ان کی چھوٹی اولاد کو بھی لاحق کر دیں گے جو ایمان کو نہیں پہنچے ان کے آباء کے ایمان کی وجہ سے۔ اور یہ ضحاک رحمہ اللہ کا

قول ہے اور عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے مؤمن بندے کے لیے اس کی اولاد کو جنت میں جمع کردیں گے جیسا کہ وہ دُنیا میں پسند کرتا تھا کہ وہ اس کے پاس جمع ہوں۔ ان کو جنت میں داخل کریں گے اپنے فضل کے ساتھ اور ان کو ان کے درجہ پر پہنچائیں گے اس کے باپ کے عمل کی وجہ سے بغیر اس کے کہ آباء کے اعمال سے کچھ کم کیا جائے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "وما التناھم" ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لام کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے لام کے زبر کے ساتھ۔ یعنی ہم ان یعنی آباء سے کچھ کم نہ کریں گے۔ "من عملھم من شیء" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے درجہ میں بلند کریں گے۔ اگرچہ وہ اس سے عمل میں کم ہوں گے تاکہ ان کے ذریعے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔ پھر پڑھا: "والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم" آیت کے آخر تک۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان بچوں کے بارے میں جو جاہلیت میں مر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں۔ پس جب ان کے چہرے پر ناگواری کو دیکھا تو فرمایا اگر تو ان کا ٹھکانہ دیکھ لیتی تو ان سے نفرت کرتی۔ تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! پس میرے آپ علیہ السلام سے جو بچے ہوئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جنت میں ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکین اور ان کی اولاد جہنم میں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم"...... "کل امریٔ بما کسب رھین"

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر بندہ جس نے شرک کا عمل کیا اس کی وجہ سے آگ میں رہن رکھا ہوا ہے اور مؤمن رہن نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین" پھر ذکر کیا جو ان کو خیر اور نعمت زیادہ دیں گے۔

وَاَمْدَدْنٰھُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾

ترجمہ اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے اور وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی) کے جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی کیونکہ نشہ نہ ہوگا اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی ان کے پاس ایسے لڑکے آویں جاویں گے جو خالص انہی کے لئے ہوں گے گویا حفاظت سے رکھے

ہوئے موتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعا میں مانگا کرتے تھے واقعی وہ بڑا محسن اور مہربان ہے تو آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں (جیسا یہ مشرکین کہتے ہیں) ہاں کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

تفسیر ㉒ "وامددناھم بفاکھۃ" اس پر زیادتی جوان کے لیے پہلے تھا۔ "ولحم ممّا یشتھون" مختلف قسم کے گوشت۔

㉓ "یتنازعون" ایک دوسرے سے لیں گے دیں گے۔ "فیھا کاسا لا لغو فیھا" اور وہ باطل ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ سے یہ روایت کیا گیا ہے۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی فضول کام نہ ہوگا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ گالم گلوچ نہ کوئی جھگڑا۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی عقل نہ ختم ہوگی کہ لغو و گناہ کی باتیں کریں۔ "ولا تاثیم" یعنی ان سے وہ کام نہ ہوگا جو ان کو گناہ گار کر دے۔

زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے درمیان لغو اور وہ کام جاری نہ ہوگا جس میں گناہ ہو جیسا کہ دُنیا میں شراب پینے کے ساتھ ہوتا ہے اور کہا گیا اس کے پینے میں گناہگار نہ ہوگا۔

㉔ "ویطوف علیھم" خدمت کے ساتھ۔ "غلمان لھم کانھم" حسن سفیدی اور رونق میں۔ "لؤلؤ مکنون" محفوظ خزانہ جس تک لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچے ہوں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکنون یعنی سیپ میں۔ عبداللہ بن عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر جنتی کے لیے ہزار غلام دوڑتے ہوں گے اور ہر غلام اس کام پر ہوگا جو دوسرا نہ کر رہا ہوگا اور حسن رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت تلاوت کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! خادم چھپے ہوئے موتی کی طرح ہوگا تو مخدوم کیسا ہوگا؟ اور قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں ذکر کیا گیا کہ ایک شخص نے کہا یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خادم ہے تو مخدوم کیسا ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یا مخدوم کی خادم پر فضیلت ایسے ہوگی جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔

㉕ "واقبل بعضھم علی بعض یتساءلون" ایک دوسرے سے جنت میں سوال کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں دُنیا کی مشقتیں اور خوف کو یاد کریں گے۔

㉖ "قالوا انا کنا قبل فی اھلنا" دُنیا میں۔ "مشفقین" عذاب سے ڈرتے تھے۔

㉗ "فمنّ اللّٰہ علینا" مغفرت کے ساتھ۔ "ووقانا عذاب السموم" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہنم کے عذاب سے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "السموم" جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

㉘ "انا کنا من قبل" دُنیا میں۔ "ندعوہ" خالص اس کے لیے عبادت کرتے تھے۔ "انہ" اہل مدینہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "انہ"

الف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "لانہ" یا "بانہ" اور دیگر حضرات نے زیر کے ساتھ استئناف کی بناء پر پڑھا ہے۔ "ھو البر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "اللطیف" (باریک بین) اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے وعدہ میں سچا ہے۔ "الرحیم"

۲۹ "فذکر" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کے ذریعے اہل مکہ کو "فما انت بنعمۃ ربک" اس کی رحمت اور حفاظت کے ساتھ۔ "بکاھن" کہ قرآن گھڑ لیا ہو اور آئندہ آنے والی بات کی بغیر وحی کے خبر دیں۔ "ولا مجنون" یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے مکہ کی گھاٹیاں تقسیم کرلی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہانت، جادو، جنوں اور شعر کی تہمت لگاتے تھے۔

۳۰ "ام یقولون" بلکہ وہ کہتے ہیں یعنی یہ تقسیم کرنے والے اندازے لگانے والے "شاعر" یعنی وہ شاعر ہیں۔ "نتربص به ریب المنون" زمانہ کے حوادث اور اس کا پھرنا۔ پس وہ بھی مرکر ہلاک ہوجائیں گے۔ جیسا کہ ان سے پہلے شعراء ہلاک ہوگئے اور اس کے ساتھی تتر بتر ہوگئے اور ان کے والد جوانی میں فوت ہوگئے۔ اب ہمیں اُمید ہے کہ ان کی موت بھی اپنے والد کی موت کی طرح ہوگی اور "المنون" کبھی دھر کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی موت کے معنی میں۔ ان دونوں کے ساتھ نام رکھا گیا کیوں کہ یہ دونوں مدت کو ختم کردیتے ہیں۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ۳۱ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَاۤ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۳۲ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۳۳ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۳۴ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۳۵ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۳۶ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ۳۷

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کیا ان کی عقلیں ان کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں یا یہ کہ یہ شریر لوگ ہیں ہاں کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے تو یہ لوگ اس طرح کا کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ (اس دعویٰ میں) سچے ہیں (آگے توحید کے متعلق گفتگو ہے کہ) کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ (اس محکمہ نبوت کے) حاکم ہیں۔

تفسیر: ۳۱ "قل تربصوا" میری موت کا انتظار کرو۔ "فانی معکم من المتربصین" انتظار کرنے والوں میں سے حتیٰ کہ اللہ کا امر تمہارے بارے میں آجائے۔ پس تم عذاب دیئے جاؤ بدر کے دن تلوار کے ساتھ۔

۳۲ "ام تامرھم احلامھم" ان کی عقلیں۔ "بھذا" کیونکہ عظماء قریش بڑے عقل مند اور صاحب عقل سمجھے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عقول کا عیب نکالا کہ ان کے لیے حق کی باطل سے پہچان مکمل نہیں ہوئی۔ "ام ھم" بلکہ وہ "قوم طاغون"

۳۳ "ام یقولون تقوّلہ" یعنی قرآن کو خود سے گھڑ لیا ہے اور "تقوّل یتکلف" بات کرنا اور یہ صرف کذب (جھوٹ) کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور معاملہ ویسے نہیں جیسے انہوں نے گمان کیا۔ "بل لا یؤمنون" قرآن پر تکبر کرتے ہوئے۔

۳۴ پھر ان پر حجت لازم کرتے ہوئے فرمایا: "فلیأتوا بحدیث مثلہ" یعنی قرآن کی مثل اس کی ترتیب اور حسن بیان میں "ان کانوا صادقین" کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو اپنی طرف سے کہتے ہیں۔

۳۵ "ام خلقوا من غیر شیء" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بغیر رب کے اور اس کا معنی ہے کیا وہ پیدا کیے گئے ہیں بغیر کسی چیز کے ان کو پیدا ہونا ہے۔ پس وہ بغیر خالق کے پائے گئے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو ممکن نہیں اس لیے کہ خلق کا خالق کے ساتھ تعلق اسم کی ضرورت ہے ہر تخلیق کا خالق ضروری ہے۔ پس اگر وہ خالق کا انکار کرتے ہیں تو یہ ممکن نہیں کہ وہ خود بغیر خالق کے پائے جائیں۔ "ام هم الخالقون" اپنے آپ کے۔ یہ سخت ترین باطل چیز ہے۔ اس لیے کہ جس چیز کا خود وجود نہ تھا وہ کیسے پیدا کر سکتی ہے۔ پس جب دونوں صورتیں باطل ہو گئیں تو ان پر حجت قائم ہو گئی کہ ان کا خالق ہے۔ پس چاہیے کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں۔ اس معنی کو ابو سلیمان خطابی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ کیا وہ باطل پیدا کیے گئے ہیں کہ نہ ان کا محاسبہ ہوگا اور نہ ان کو حکم دیا جائے گا؟ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا وہ فضول پیدا کیے گئے ہیں اور بے کار چھوڑ دیے گئے ہیں کہ نہ ان کو امر کیا جائے گا نہ نہی کی جائے گی۔ پس وہ قائل کے قول کی طرح ہے "فعلت کذا و کذا من غیر شیء" یعنی بغیر شی تو نے یہ اور یہ کیا بغیر کسی مقصد کے۔ کیا وہ خود اپنے خالق ہیں کہ ان پر اللہ کا کوئی امر واجب نہ ہوگا؟

۳۶ "ام خلقوا السموات والارض" پس وہی خالق ہو جائیں۔ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ "بل لا یوقنون"

۳۷ "ام عندهم خزائن ربّک" عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نبوت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا ان کے ہاتھوں میں تیرے رب کی رسالت کی چابیاں ہیں کہ وہ اس کو جہاں چاہیں رکھ دیں؟ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بارش اور رزق کے خزانے۔ "ام هم المصیطرون" مسلط کیے ہوئے متکبر۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ غالب کہ کسی امر و نہی کے تحت نہ ہوں اور جو چاہیں کریں اور سین اور صاد کے ساتھ جائز ہے۔ ابن عامر رحمہ اللہ نے یہاں سین کے ساتھ پڑھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول "بمسیطر" میں، اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں سین کے ساتھ اور "بمصیطر" صاد کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں میں صاد کے ساتھ۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۳۸ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۳۹ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۴۰ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۴۱ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۴۲ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۴۳ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۴۴ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۴۵

(ترجمہ) کیاان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں تو ان میں جو (وہاں کی) باتیں سن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے تجویز ہوئے ہیں کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تبلیغ کا) مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کیا یہ لکھ لیا کرتے ہیں کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو یہ کافر خود ہی (اس) برائی میں گرفتار ہوں گے کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے تو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔

(تفسیر) ㊳"ام لھم سلّم" سیڑھی اور زینہ آسمان تک۔ "یستمعون فیہ" یعنی اس پر وحی سن آتے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "ولاصلبنکم فی جلوع النخل" ہے یعنی علیھا ان درختوں پر۔ یعنی کیا ان کے لیے سیڑھیاں ہیں جس کے ذریعہ وہ آسمان تک چڑھ جائیں۔ پس وہ وحی کو سن لیں اور جان لیں کہ جو ان کے پاس ہے وہی حق ہے وحی کے ساتھ۔ پس وہ اس کو تھامے ہوئے ہیں اسی طرح؟ "فلیات مستمعھم" اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ "بسلطان مبین" واضح دلیل کے ساتھ۔

㊴"ام لہ البنات ولکم البنون" یہ ان پر انکار ہے جب انہوں نے اللہ کے لیے وہ بنایا جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول۔ "فاستفتھم الربّک البنات ولھم البنون"

㊵"ام تسألھم اجرا" اس پر جو آپ ان کے پاس لائے ہیں اور ان کو دین کی طرف دعوت دی ہے۔ "فھم من مغرم مثقلون" ان کو اس تاوان نے بوجھل کر دیا ہے جس کا آپ نے اس سے سوال کیا ہے۔ پس اس نے ان کو اسلام سے روک دیا ہے۔

㊶"ام عندھم الغیب" یعنی اس کا علم جو ان سے غائب ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے جان لیا کہ جو ان کو رسول خبر دے رہے ہیں قیامت اور بعث کے امر کی وہ باطل ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ان کے قول "نتربص بہ ریب المنون" کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے حتیٰ کہ انہوں نے جان لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے مر جائیں گے؟ "فھم یکتبون" قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ فیصلہ کرتے ہیں اور کتاب حکم کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو کہا جو آپ علیہ السلام کی طرف مقدمہ لائے۔ "اقضی بینکما بکتاب اللّٰہ" میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔ یعنی اللہ کے حکم کے ذریعے فیصلہ کروں گا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی ہے یا ان کے پاس لوح محفوظ ہے۔ پس وہ جو کچھ اس میں ہے لکھتے ہیں اور اس کی لوگوں کو خبر دیتے ہیں؟

㊷"ام یریدون کیدا" آپ علیہ السلام کے ساتھ مکر تا کہ آپ علیہ السلام کو ہلاک کر دیں۔ "فالذین کفروا ھم المکیدون" یعنی وہی اپنے مکر کا بدلہ دیئے جائیں گے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے مکر کا نقصان ان پر لوٹے گا اور ان کا مکر ان کو گھیر لے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے دارالندوہ میں مکر کیا اور بدر میں مارے گئے۔

㊸ "ام لھم الہ غیر اللّٰہ" ان کو رزق دیتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ "سبحان اللّٰہ عمّا یشرکون" خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس سورۃ میں کلمہ ام ذکر کیا گیا ہے وہ کلمہ استفہام ہے عطف نہیں ہے۔

㊹ "وان یروا کسفا" ٹکڑا۔ "من السماء ساقطا" یہ جواب ہے ان کے قول "فاسقط علینا کسفا من السمآء" کا۔ فرماتے ہیں اگر ہم ان کو عذاب دے دیں آسمان کے بعض حصہ کا ان پر گرا کر تو وہ اپنے کفر سے باز نہ آئیں گے۔ "یقولوا" اپنی ضد وعناد کی وجہ سے۔ "سحاب مرکوم" تہ بتہ ہم پر برسے گا۔

㊺ "فذرھم حتی یلاقوا" وہ معائنہ کرلیں۔ "یومھم الذی فیہ یصعقون" وہ مرجائیں گے یعنی حتیٰ کہ وہ موت کا معائنہ کرلیں۔ ابن عامر اور عاصم رحمہما اللہ نے "یصعقون" یاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہلاک کیے جائیں گے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ㊻ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ㊼ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ㊽ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ㊾

ترجمہ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آدیں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی اور ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے (جیسے قحط وقتل بدر) لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور اٹھتے وقت (مجلس سے یا سونے سے) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے اور رات میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشاء) اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

تفسیر ㊻ "یوم لایغنی عنھم کیدھم شیئا ولاھم ینصرون" یعنی ان کو ان کا مکر موت کے دن نفع نہ دے گا اور عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

㊼ "وان للذین ظلموا" کفر کیا۔ "عذابا دون ذلک" یعنی دُنیا میں عذاب ہے آخرت کے عذاب سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی بدر کے دن قتل۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ بھوک اور سات سال کا قحط ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ قبر کا عذاب ہے۔ "ولکن اکثرھم لایعلمون" کہ عذاب ان پر اُترنے والا ہے۔

㊽ "واصبر لحکم ربک" یہاں تک کہ ان پر وہ عذاب واقع ہو جس کا ہم نے ان پر فیصلہ کیا ہے۔ "فانک باعیننا" یعنی ہماری نگاہ میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جو وہ آپ سے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ آپ علیہ السلام اس حیثیت پر ہیں کہ ہم آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔ پس وہ آپ علیہ السلام کو ناپسند چیز نہ پہنچا سکیں گے۔ "وسبح بحمد ربک حین تقوم" سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جب آپ علیہ السلام مجلس سے کھڑے ہوں تو یہ کہیں "سبحانک اللّٰھم

وبحمدک" پس اگر مجلس خیر کی ہوگی تو نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی اور اگر اس کے علاوہ ہوگی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مجلس میں بیٹھا۔ پس اس میں اس کا شور زیادہ ہو جائے تو وہ کھڑا ہونے سے پہلے یہ کہہ لے "سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت، استغفرک و اتوب الیک" تو وہ اس کا کفارہ ہو جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھیں جب آپ علیہ السلام اپنی جگہ سے کھڑے ہوں۔

ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب تو نماز کی طرف کھڑا ہو تو "سبحانک اللھم وبحمدک و تبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الٰہ غیرک" کہہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے "سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الٰہ غیرک" اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اللہ کا ذکر زبان کے ساتھ کرتا ہے جب آپ بستر سے کھڑے ہوں یہاں تک کہ وہ نماز میں داخل ہو جائیں۔ عاصم بن حمید سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کے ساتھ رات کے قیام (تہجد) کو شروع کرتے؟ انہوں نے فرمایا جب کھڑے ہوتے تو دس مرتبہ تکبیر کہتے اور اللہ کی حمد کرتے دس مرتبہ اور اللہ کی تسبیح کرتے دس مرتبہ اور لا الٰہ الا اللہ کہتے دس مرتبہ اور استغفار کرتے دس مرتبہ اور کہتے "اللّٰھم اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی" اور قیامت کے دن تنگ جگہ سے پناہ مانگتے۔

㊾ "ومن اللیل فسبحہ" یعنی آپ علیہ السلام اس کے لیے نماز پڑھیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی مغرب اور عشاء کی نماز۔ "وادبار النجوم" یعنی دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے اور یہ اس وقت جب ستارے صبح کی روشنی میں غائب ہو جائیں۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ صبح کی نماز کے فرض ہیں۔ محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ علیہ السلام نے مغرب الطور میں پڑھی۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ

مکی ہے اور اس کی باسٹھ (۶۲) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ❶ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ❷ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ❸ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ❹ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ❺ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ❻ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ❼ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ❽ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ❾

ترجمہ قسم ہے (مطلق ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہو لئے اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بنانے والے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدائشی طاقتور ہے پھر وہ فرشتہ (اپنی) اصل صورت پر آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا پھر وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

نجم کی تفسیر

تفسیر ❶ ”والنجم اذا ھوی“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے والبی اور عوفی رحمہما اللہ کی روایت میں فرمایا ہے کہ یعنی ثریا جب گر جائے اور غائب ہو جائے اور اس کا ھوی اس کا چھپ جانا ہے اور عرب ثریا کا نام نجم رکھتے ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع میں آیا ہے نہیں طلوع ہوا نجم کبھی اور زمین میں کوئی آفت ہو مگر وہ اٹھالی جاتی ہے اور نجم سے ثریا مراد لیا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آسمان کے تمام ستارے مراد ہیں جب غروب ہو جائیں۔ اس کا لفظ واحد ہے اور معنی جمع کا ہے۔ کوکب کا نام نجم رکھا گیا ہے اس کے طلوع ہونے کی وجہ سے اور ہر طلوع ہونے والا نجم ہے۔

کہا جاتا ہے ”نجم السن و القرن و النبت“ جیسے دانت، سینگ اور نباتات طلوع ہو جائیں۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ ستاروں کی مار ہے یعنی شیطانوں کے بات چوری کرتے وقت جن ستاروں کے ذریعے ان کو

مارا جاتا ہے اور ابوحمزہ ثمالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے ہیں جب قیامت کے دن ٹوٹ جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ نجم سے مراد قرآن ہے اس کا نام نجم رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ متفرق حصوں (قسطوں) میں بیس سال میں نازل ہوا ہے اور کسی چیز کے جدا کرنے کو تنجیم کا نام اور جدا کی ہوئی چیز کو نجم کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ عطاء رحمہ اللہ کی روایت میں اور کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے اور الھویٰ اوپر سے نیچے اُترنا۔ اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں نجم وہ پودہ جس کا تنا نہ ہو اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول "والنجم والشجر یسجدان" ہے اور اس کا ھویٰ اس کا زمین پر گرا ہونا ہے اور جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان سے زمین کی طرف اُترے معراج کی رات۔

اور "الھویٰ" اُترنا۔ کہا جاتا ہے "ھویٰ یھویٰ ھویا" جب وہ اُتر آئے جیسے مضٰی "یمضی مضیا"

② اور جواب قسم اللہ تعالیٰ کا قول "ماضل صاحبکم" ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے طریقہ سے گمراہ نہیں ہوئے۔ "وما غویٰ

③ وما ینطق عن الھویٰ" یعنی بالھویٰ مراد یہ ہے کہ وہ باطل کلام نہیں کرتے۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں۔

④ "ان ھو" جو آپ علیہ السلام نے دین کے بارے میں بیان کیا اور کہا گیا ہے قرآن "الّا وحی یوحی" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جو آپ علیہ السلام کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

⑤ "علّمه شدید القویٰ" اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور قویٰ قوت کی جمع ہے۔

⑥ "ذو مرّة" قوت اور شدت والا ہے اپنی خلقت میں یعنی جبرئیل علیہ السلام۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "ذو مرّة" یعنی اچھے منظر والا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لمبی اچھی خلقت والا ہے۔ "فاستویٰ" یعنی جبرئیل علیہ السلام۔

⑦ "وھو" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر کلام عرب میں جب اس کی مثل میں عطف ڈالنا ہو تو وہ معطوف علیہ میں ضمیر کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس وہ کہتے ہیں "استویٰ ھو وفلان" اور بہت کم وہ ایسے کہیں گے "استویٰ و فلان" اور اس کی نظیر اس کا قول "ائذا کنّا ترابا و آباؤنا" ہے۔ آباء کا عطف کنا کی ضمیر پر ہے نحن کو ظاہر کرنے کے بغیر اور آیت کا معنی استویٰ جبرئیل ومحمد علیہما السلام لیلۃ المعراج ہے۔ "بالافق الاعلیٰ" اور وہ دُنیا کی انتہا سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔ اور کہا گیا ہے "فاستویٰ" یعنی جبرئیل علیہ السلام اور وہ جبرئیل علیہ السلام سے بھی کنایہ ہے یعنی وہ اپنی اس صورت میں کھڑے ہوئے جس پر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

"وھو بالافق الاعلیٰ" جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمیوں کی صورت میں آتے تھے۔ جیسا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے پاس آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ ان کو اپنی وہ صورت دکھائیں جس پر وہ پیدا کیے گئے ہیں تو انہوں نے اپنی صورت دو مرتبہ دکھائی۔ ایک مرتبہ زمین میں اور ایک مرتبہ آسمان میں۔ بہرحال زمین میں تو اُفق اعلیٰ میں اور مراد اعلیٰ سے مشرق کی جانب ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حراء میں تھے تو جبرئیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے لیے مشرق سے طلوع ہوئے تو مغرب تک اُفق کو بند کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غشی کھا کر گر گئے تو جبرئیل علیہ السلام

آدمیوں کی صورت میں اُترے اور آپ علیہ السلام کو خود سے ملایا اور آپ علیہ السلام کے رُخ انور سے غبار صاف کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "ثم دنا فتدلّٰی" اور بہرحال آسمان میں تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت میں انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ کی تفسیر

۸ "ثم دنا فتدلّٰی ۹ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" اس کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہا، کہاں ہے اللہ تعالیٰ کا قول "ثم دنا فتدلّٰی. فکان قاب قوسین او ادنیٰ" انہوں نے فرمایا یہ جبرئیل آپ علیہ السلام کے پاس آدمی کی صورت میں آتے تھے اور بے شک وہ اس مرتبہ اپنی اصلی صورت میں آئے اور اُفق کو بند کردیا۔ شیبانی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "فکان قاب قوسین او ادنیٰ" کے بارے میں پوچھا:

انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اس کے چھ سو (۶۰۰) پَر تھے۔ پس آیت کا معنی پھر جبرئیل علیہ السلام زمین کے اُفق اعلیٰ پر استواء کے بعد قریب ہوئے۔ پھر نیچے اُتر آئے۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُترے تو ان سے دو کمان یا اس سے بھی کم قریب ہوگئے۔ "او ادنیٰ بل ادنیٰ" کے معنی میں ہے بلکہ قریب اور اسی کے قائل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن اور قتادہ رحمہما اللہ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ کلام میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اس کی اصل عبارت "ثم تدلّٰی فدنا" اس لیے کہ نیچے اُترنا قریب ہونے کا سبب ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ پھر رب تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے، پھر نیچے اُتر آئے۔ پھر آپ علیہ السلام کے قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ تھا اور قصہ معراج میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہم تک روایت پہنچی ہے کہ جبار رب العزت قریب ہوئے، پھر نیچے اُترے حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ تھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ 'تدلّٰی' کسی شے کی طرف اُترنا حتیٰ کہ اس سے قریب ہو جائے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے رب سے قریب ہوگئے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے قریب ہوئے پس اُتر آئے اور سجدہ کی طرف مائل ہوئے۔ پس ان سے دو کمان یا کم قریب ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی "قاب قوسین" یعنی دو کمانوں کی مقدار اور قاب، قیب، قید یہ عبارت ہیں مقدار سے اور قوس وہ جس کے ذریعے تیر پھینکا جائے۔ مجاہد، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ کے قول میں پس خبر دی گئی کہ جبرئیل علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو کمان کی مقدار ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اشارہ ہے قصہ کی تاکید کی طرف اور اس کی اصل یہ ہے کہ عرب کے دو حلیف جب کسی معاہدہ کا

معاملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو دونوں اپنی کمانیں لے کر نکلتے اور ان کو ملا دیتے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی کریں گے اور ایک دوسرے کی حمایت کریں گے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قاب قوسین" یعنی دو گز کی مقدار اور یہ سعید بن جبیر اور شقیق بن سلمہ کا قول ہے اور قوس وہ گز جس کے ذریعے شے کو ناپا جائے او ادنیٰ بلکہ قریب تر۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ⑭

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ میں) دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

تفسیر: ⑩ "فاوحی" یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ "الی عبده ما اوحی" محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عطاء کی روایت میں اور کلبی، حسن اور ربیع رحمہم اللہ ابن زید فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ وحی کی جو ان کی طرف رب تعالیٰ نے وحی بھیجی۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اوحی الیه" آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ "الم یجدک یتیما فآوی" سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ورفعنا لک ذکرک" تک اور کہا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جنت انبیاء علیہم السلام پر حرام ہے جب تک آپ علیہ السلام داخل نہ ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں پر حرام ہے جب تک آپ علیہ السلام کی اُمت داخل نہ ہو۔

⑪ "ما كذب الفؤاد ما رأى" ابوجعفر نے ما کذب کو ذال کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اس کو نہیں جھٹلایا جو آپ علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے اس رات میں دیکھا بلکہ اس کی تصدیق کی اور اس کو حق جانا اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا دل سے اس کو جھوٹ نہیں کہا بلکہ سچ کہا۔ کہا جاتا ہے "کذبه" جب اس کو جھوٹ کہے اور صدقہ جب اس کو سچ کہے۔

اس کا مجاز "ما كذب الفؤاد فيما رأى" ہے اور "الذی رآه" میں اختلاف ہوا ہے ایک قوم نے کہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "ما كذب الفؤاد ما رأى" جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ "ما رآه" سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ پھر "رؤية" کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ان کی بصارت کو دل میں کر دیا۔ پس آپ علیہ السلام نے دل سے دیکھا اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "ما كذب الفؤاد ما رأى ولقد رآه نزلة اخرى" آپ علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کے ساتھ دو مرتبہ دیکھا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ انس رضی اللہ عنہ، حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کیلئے چن لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے چن لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "رؤیۃ" کے لیے چن لیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور آیت کو جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت پر محمول کیا ہے۔

مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہا اے امی جان! (رضی اللہ عنہا) کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو نے ایسی بات کی ہے جس کی وجہ سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں تو کہا تین چیزوں سے جو تجھے ان کے بارے میں بیان کرے تو اس نے جھوٹ بولا، جو تجھے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا۔ پھر آیت پڑھی "**لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير**"......"**وما كان لبشر ان يكلمه الله الاوحيا او من وراء حجاب**" اور جو تجھے بیان کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں جو آئندہ کل میں ہوگا تو اس نے جھوٹ بولا۔ پھر آیت پڑھی "**وما تدری نفس ماذا تكسب غدا**" اور جو تجھے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھپایا تھا تو اس نے جھوٹ بولا، پھر آیت پڑھی۔ "**يا يها الرّسول بلّغ ما انزل اليک من ربّک**"، لیکن جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا۔ عبداللہ بن شقیق نے بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نور ہیں، کیسے میں اس کو دیکھ سکتا ہوں۔

⑫ "**افتمارونه على ما يرىٰ**" حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے "**افتمرونه**" تاء کی زبر کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟ عرب کہتے ہیں "**مريت الرطبل حقه**" جب اس کا انکار کر دے اور دیگر حضرات نے "**افتمارونه**" الف کے ساتھ اور تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آپ علیہ السلام سے جھگڑا کیا جب آپ علیہ السلام کو معراج کیا گیا تو انہوں نے کہا ہمارے لیے بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچیں اور ہمارے قافلہ کی خبر دیں جو راستہ میں ہے اور اس کے جو انہوں نے مجادلہ کیا اور معنی یہ ہے کہ کیا تم اس سے ایسا جھگڑا کرتے ہو جس سے تمہارا مقصود اس کا انکار کرنا ہے جو آپ علیہ السلام نے دیکھا اور جانا۔

⑬ "**ولقد رأه نزلة اخرىٰ**" یعنی جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اس صورت میں دیکھا جس پر وہ پیدا کیے گئے اس حال میں کہ وہ آسمان سے دوسری مرتبہ اُترنے والے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو ان کی صورت میں دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ زمین میں اور ایک مرتبہ آسمان میں۔

سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر

⑭ "عند سدرة المنتهٰى" اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر "نزلة اخرىٰ" کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کئی مرتبہ اوپر گئے نماز کی تعداد میں تخفیف کروانے کے لیے۔ پس ہر عروج کے لیے زوال ہوتا ہے۔ پس ان میں سے کسی میں اپنے رب کو دیکھا اور ہم تک ان سے روایت پہنچی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل کے ساتھ دو مرتبہ دیکھا ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "عند سدرة المنتهٰى" ہم تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لیجایا گیا۔

اور وہ ساتویں آسمان میں ہے اور زمین سے جو چیزیں اوپر جاتی ہیں ان کی انتہا اسی کے پاس ہوتی ہے اور اس کے اوپر سے جو چیزیں اُترتی ہیں وہ بھی اس کے پاس آکر رک جاتی ہیں۔ فرمایا "اذ يغشى السدرة ما يغشى" کہا سونے کے پتنگے تھے اور حدیث معراج میں ہم تک روایت پہنچی کہ پھر مجھے ساتویں آسمان تک بلند کیا گیا۔ پس اچانک وہاں ابراہیم علیہ السلام تھے۔ پس میں نے ان کو سلام کیا، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک بلند کیا گیا۔ پس اس کے بیر ہجر (قبیلہ) کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے اور سدرۃ بیری کا درخت اور اس کو سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس تک مخلوق کے علم کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہلال بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب رحمہ اللہ سے سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا اور میں بھی حاضر تھا تو کعب رحمہ اللہ نے کہا یہ بیری کا درخت عرش کی جڑ میں ہے۔ عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر اور اسی تک مخلوق کے علم کی انتہا ہوتی ہے اور جو اس کے پیچھے ہے وہ غیب ہے اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ کرتے سنا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا سوار شخص اس کی ایک ٹہنی کے سایہ میں سو (۱۰۰) سال چل سکتا ہے اور اس کی ایک ٹہنی کے سایہ میں ایک ہزار سوار سایہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں سونے کے پتنگے تھے۔ گویا کہ اس کے پھل مٹکے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ درخت ہے جو مختلف رنگوں کے پھل اُٹھائے ہوئے ہے۔ اگر اس کا ایک پتہ زمین میں رکھ دیا جائے تو تمام زمین والے روشن ہو جائیں اور وہ طوبیٰ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد میں کیا ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ⑮ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

ترجمہ: اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپیٹ رہی تھی جو چیزیں لپیٹ رہی تھیں نگاہ تو نہ ہٹی اور نہ بڑھی انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

تفسیر ⑮ "عندها جنت الماویٰ" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "جنۃ الماویٰ" ایسی جنت ہے جس کی طرف جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے ٹھکانہ حاصل کرتے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی طرف شہداء کی روحیں ٹھکانہ حاصل کرتی ہیں۔

⑯ "اذ یغشی السدرة ما یغشی" ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سونے کے پتنگے اور حدیث معراج میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لیجایا گیا۔ پس اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح کے۔ فرمایا پھر جب اس کو اللہ کے امر سے ڈھانپ لیا جس چیز نے ڈھانپا تو وہ متغیر ہوگیا تو اللہ کی مخلوق میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس کے حسن کو بیان کرے اور میری طرف وحی کی جو وحی کی پھر مجھ پر ہر دن و رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔

اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو فرشتوں نے ڈھانپا کوؤں کی طرح۔ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پرندوں سے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے یا ان کے علاوہ سے فرماتے ہیں اس کو مخلوق کے نور نے ڈھانپ لیا اور اس کو فرشتوں نے اللہ کی محبت کی وجہ سے کوؤں کی مثل ڈھانپ لیا۔ حتیٰ کہ وہ درخت پر گرنے لگے۔ فرماتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے کلام کی اور آپ علیہ السلام کو فرمایا، آپ علیہ السلام سوال کریں۔ حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کو رب العزت کے نور نے ڈھانپ لیا۔ پس وہ خوب روشن ہوگیا اور حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ میں نے اس کے ہر پتہ پر ایک فرشتہ کھڑا دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا تھا۔

⑰ "ما زاغ البصر وما طغیٰ" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دائیں بائیں مائل نہیں ہوئیں۔ "وما طغیٰ" یعنی جو دیکھا اس سے تجاوز نہیں کیا اور کہا گیا ہے کہ جس کا حکم دیا گیا اس سے تجاوز نہیں کیا اور یہ اس مقام پر آپ علیہ السلام کے ادب کا بیان ہے کہ اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوئے۔

من آیات ربہ الکبریٰ کی تفسیر

⑱ "لقد رأی من آیات ربه الکبریٰ" یعنی بڑی آیات۔ اور کہا گیا ہے کہ جو اس رات آپ علیہ السلام نے اپنے سفر اور واپسی پر جو کچھ دیکھا وہ مراد ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "لنریه من آیاتنا" ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تحقیق آپ علیہ السلام نے اپنے رب کی آیات میں سے بڑی آیت کو دیکھا۔ زر بن حبیش نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا "لقد رأی من آیات ربه الکبریٰ" کہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی صورت میں دیکھا۔ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علقمہ نے روایت کی ہے کہ "لقد رأی من آیات ربه الکبریٰ" فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے سبز پھڑ پھڑانے والے کو دیکھا جس نے آسمان کے اُفق کو بند کر دیا۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ㉑
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒

ترجمہ: بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے...... کے حال میں غور بھی کیا ہے کیا تمہارے لیے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں اس حالت میں تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی۔

تفسیر ⑲ "افرأیتم اللات والعزیٰ" یہ بتوں کے نام ہیں جن کو انہوں نے معبود بنالیا، ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء سے نام نکالے۔ پس کہنے لگے اللہ سے لات اور العزیز سے عزیٰ اور کہا گیا ہے کہ "العزّی اعز" کی مؤنث ہے۔ بہرحال لات، تو قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں طائف میں تھا۔ پس ابن زید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کھجور کا کمرہ تھا قریش اس کی عبادت کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ابو صالح رحمہما اللہ نے "اللّات" کو تاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے اور ان حضرات نے کہا ہے کہ یہ ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستو بنایا کرتا تھا۔

پس جب یہ مر گیا تو اس کی قبر کی طرف مائل ہوئے اور اس کی عبادت کرنے لگے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ پہاڑ کی چوٹی میں ہوتا تھا۔ اس کی بکریاں تھیں، ان کے دودھ سے گھی اور پنیر بنا کر اس سے ایک حلوہ سا بناتا تھا، پھر وہ حاجیوں کو کھلاتا تھا۔ اور یہ بطن نخلہ میں تھا۔ پھر جب یہ مر گیا تو انہوں نے اس کی عبادت شروع کر دی اور یہی لات ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقیف کا ایک شخص تھا اس کو صرمہ بن غنم کہا جاتا تھا وہ گھی بناتا اور اس کو ایک چٹان پر رکھ دیتا۔ پھر عرب آتے اور اس گھی میں اپنے ستو ملاتے۔ پھر جب یہ شخص مر گیا تو ثقیف اس کو اپنے علاقہ میں لے گئے اور اس کی عبادت شروع کر دی۔ پس طائف نے لات کی جگہ کا ارادہ کیا اور بہرحال عزیٰ، مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ غطفان میں ایک درخت ہے جس کی وہ عبادت کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، انہوں نے اس کو کاٹ دیا تو خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو کلہاڑے مارتے تھے اور کہتے تھے۔

یاعز کفرانک لاسبحانک ......انی رأیت اللہ قداھا نک

"اے عزا تیرا کفر ہے نہ کہ تیری تسبیح"

بے شک میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ تجھے ذلیل کر دیا ہے۔ پس اس سے ایک شیطانہ نکلی۔ اس کے بال کھڑے تھے، اپنی ہلاکت کی آوازیں لگا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اپنے سر پر رکھے ہوئے تھے اور کہا گیا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹے تو کہا میں نے اس کو اکھاڑ دیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا دیکھا؟ انہوں نے کہا میں نے کچھ نہیں دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کو نہیں اکھاڑا۔ پھر ان کو دوبارہ بھیجا اور ان کے پاس کدال تھی تو اس کو جڑ سے اکھاڑ دیا تو اس سے ایک ننگی عورت نکلی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام کو یہ خبر دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ عزیٰ تھا اور پھر کبھی اس کی عبادت نہ کی جائے گی۔

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ غطفان کا بت ہے اس کو ان کے لیے سعد غطفانی ۔ نے بنایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ مکہ آیا اور صفا و مروہ کو دیکھا اور دیکھا کہ اہل مکہ ان کے درمیان طواف کرتے ہیں تو بطن نخلہ کی طرف لوٹا اور اپنی قوم کو کہا کہ اہل مکہ کے لیے صفا اور مروہ ہیں اور تمہارے لیے نہیں ہیں اور ان کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اور تمہارے نہیں ہیں۔ انہوں نے پوچھا پھر تو ہمیں کیا حکم کرتا ہے؟ اس نے کہا میں تمہارے لیے اس طرح کا بناؤں گا۔ پھر اس نے ایک پتھر صفا سے اور ایک پتھر مروہ سے لیا اور ان کو نخلہ کی طرف منتقل کیا۔

پھر جو پتھر صفا سے لیا تھا اس کو رکھ دیا اور کہا یہ صفا ہے۔ پھر جو پتھر مروہ سے لیا تھا اس کو رکھ دیا اور کہا یہ مروہ ہے۔ پھر تین پتھر لیے اور ان کو درخت کا سہارا لگا دیا، پھر کہا یہ تمہارا رب ہے تو وہ لوگ ان دونوں کے درمیان طواف کرنے لگے اور اس پتھر کی عبادت کرنے لگے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو ان پتھروں کے اُٹھانے کا حکم دیا اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عزیٰ کی طرف بھیجا، انہوں نے اس کو کاٹ دیا اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ طائف میں ایک گھر ہے جس کی ثقیف عبادت کرتے تھے۔

⑳ "ومناۃ" ابن کثیر رحمہ اللہ نے مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر حضرات نے قصر کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے۔ اس لیے کہ عرب نام رکھتے تھے۔ زید مناۃ اور عبد مناۃ اور ان ناموں میں مد نہیں سنی گئی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خزاعہ کا تھا مقام قدید میں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انصار کے بارے میں کہ یہ مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور یہ قدید میں تھا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ گھر تھا مشلل میں اس کی بنو کعب عبادت کرتے تھے۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناۃ ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا۔ اس کی اہل مکہ عبادت کرتے تھے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ لات، عزیٰ اور مناۃ پتھروں کے بت تھے، کعبہ کے وسط میں تھے، وہ ان کی عبادت کرتے تھے اور اللات ومناۃ پر وقف کرنے میں قراء کا اختلاف ہوا ہے۔ پس بعض نے ان دونوں پر ہاء کے ساتھ وقف کیا ہے اور ان میں سے بعض نے تاء کے ساتھ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جو مصحف میں تاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس پر تاء کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے اور جو ہاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس پر ہاء کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے اور بہر حال اللہ تعالیٰ کا قول "الثالثة الاخرىٰ" پس الثالث مناۃ کی صفت ہے یعنی تذکرہ میں تیسرا بت اور بہر حال الاخریٰ تو "عرب الثالثة الاخرىٰ" نہیں کہتے الاخریٰ یہاں الثالثہ کی صفت ہے۔

خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس یاء رؤس آیات کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "مآرب اخرىٰ" یہاں اُخر نہیں کہا اور کہا گیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا مجاز یوں ہے "افرأيتم اللات والعُزّى الاخرىٰ ومناة الثالثة" اور آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ہمیں خبر دو یہ گمان کرنے والو کہ لات اور عزیٰ اور مناۃ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ بلند ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں بہت زیادہ بلند اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشرکین مکہ کہتے تھے بت اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی تو وہ اس کو ناپسند سمجھتا۔

㉑ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انکار کرتے ہوئے فرمایا "الكم الذكر وله الانثىٰ

㉒ تلک اذا قسمة ضيزى" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ظالم تقسیم ہے کہ تم نے اپنے رب کے لیے وہ چیز مقرر کی جو تم خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں ٹیڑھی تقسیم ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں غیر معتدل۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "ضئزى" ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر ہمزہ کے۔ کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی سے کہا جاتا ہے "ضاز، يضيز، ضيزا" اور "ضاز يضوز ضوزا" اور "ضاز يُضاز ضازا" جب ظلم کرے اور کم کرے اور ضیزی کی اصل کلام سے فعلی فاء کے پیش کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ یہ صفت ہے اور صفات صرف فعلی بضم الفاء کے وزن پر ہوتی ہیں جیسے "حبلى اُنثى اور بشرىٰ" یا فعلی فاء کے زبر کے ساتھ کے وزن پر جیسے "غضبىٰ، شكرىٰ" اور "عطشىٰ" اور کلام عرب میں کوئی صفت فعلی فاء کی زیر کے ساتھ نہیں ہے۔ ہاں اسماء میں یہ وزن آتا ہے جیسے "ذكرىٰ، شعرىٰ كِسرىٰ" اور ضاد یہاں اس لیے ہے تاکہ یاء واؤ سے تبدیل نہ ہو جائے اور یہ یاء والوں میں سے ہے جیسا کہ انہوں نے کہا بیض کی جمع بیض اور اصل بوض ہے۔ جمر اور صفر کی مثل۔ پس بہرحال جس نے کہا "ضاز يضوز" تو اس سے اسم "ضوزى" ہے شوریٰ کی مثل۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ㉓ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ㉔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ㉕ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ ۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ㉖ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ㉗ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ㉘ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ㉙ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ㉚

ترجمہ: یہ (معبودات مذکور) نرے نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل بھیجی نہیں (بلکہ) یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول) ہدایت آ چکی ہے کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا اور بہت سے فرشتے آسمان میں موجود ہیں ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیں اور (اس کے لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے

اصل خیالات امرِ حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو ان لوگوں کی فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔

تفسیر ㉓ "ان ھی" نہیں ہیں یہ بت۔ "**الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤکم ما انزل اللّٰہ بھا من سلطان**" حجت و برہان اس پر جو تم کہتے ہو کہ وہ معبود ہیں پھر خبر کی طرف لوٹے خطاب کے بعد اور فرمایا "**ان یتبعون الا الظن**" ان کے اس قول میں کہ یہ معبود ہیں۔ "**وما تھوی الانفس**" اور وہ ہے جو ان کے لیے شیطان نے مزین کیا۔ "**ولقد جآء ھم من ربّھم الھدیٰ**" کتاب اور رسول کا بیان کہ وہ معبود نہیں ہیں اور بے شک عبادت صرف ایک اللہ "**قھّار**" کے لیے درست ہے۔

㉔ "**ام للانسان ما تمنّی**" کیا کافر گمان کرتا ہے کہ اس کے لیے وہ ہوگا جو وہ تمنا اور خواہش کرے گا بتوں کی سفارش کی۔

㉕ "**فللّٰہ الآخرۃ والاولیٰ**" معاملہ ویسے نہیں جیسے کافر نے گمان کیا خواہش کی بلکہ اللہ ہی کے لیے آخرت اور پہلی ہے کوئی ایک ان دونوں میں کسی چیز کا مالک نہ ہوگا مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔

㉖ "**وکم من ملک فی السموات**" ان میں سے جن کی عبادت یہ کفار کرتے ہیں اور عند اللہ ان کی سفارش کی اُمید کرتے ہیں۔ "**لا تغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللّٰہ**" سفارش کی۔ "**لمن یشاء ویرضیٰ**" یعنی اہل توحید میں سے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ فرشتے اسی کے لیے سفارش کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ "**شفاعتھم**" کی ضمیر جمع لائی گئی ہے حالانکہ الملک واحد ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے قول "**وکم من ملک**" میں کثرت مراد ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "**فما منکم من احد عنہ حاجزین**" کی طرح ہے۔

㉗ "**ان الذین لا یؤمنون بالآخرۃ لیسمّون الملائکۃ تسمیۃ الانثیٰ**" یعنی مؤنث کے ناموں کے ساتھ جب انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

㉘ "**ومالھم بہ من علم**" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے ان کو یقین نہیں ہے کہ یہ مؤنث ہیں۔ "**ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا**" اور حق علم کے معنی میں ہے یعنی ظن علم کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اور کہا گیا ہے کہ حق عذاب کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کا گمان ان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

㉙ "**فاعرض عن من تولّی عن ذکرنا**" یعنی قرآن سے اور کہا گیا ایمان سے۔ "**ولم یرد الا الحیاۃ الدنیا**"

㉚ پھر ان کی رائے کو حقیر قرار دیا اور فرمایا "**ذلک مبلغھم من العلم**" یعنی یہ ان کے علم کی انتہا ہے اور ان کی عقلوں کی مقدار ہے کہ دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور کہا گیا ہے کہ وہ علم تک نہیں پہنچے مگر ان کا یہ گمان کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ ان کی

سفارش کریں گے۔ پس تم اس پر اعتماد کرو اور قرآن سے اعراض کرو۔ "ان ربک هو اعلم بمن ضلّ عن سبيله وهو اعلم بمن اهتدىٰ" یعنی وہ دونوں فریقوں کو جاننے والا ہے۔ پس ان کو بدلہ دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ㉛ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ㉜

ترجمہ: اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام کار یہ ہے کہ برا کام کرنے والوں کو ان کے (برے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) سزا دے گا نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کام کے عوض میں جزا دے گا وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے بالخصوص زیادہ) بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے وہ تم کو اور احوال کو (اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو بس) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

تفسیر ㉛ "ولله ما فی السموات وما فی الارض" یہ جملہ معترضہ ہے۔ پہلی آیت اور اللہ تعالیٰ کے قول "لیجزی الذین اساؤا بما عملوا" کے درمیان پس لام اللہ تعالیٰ کے قول "لیجزی" میں پہلی آیت کے معنی کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے کہ جب وہ ان کو جانتا ہے تو ہر ایک وہی بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ "الذین اساؤا" یعنی انہوں نے شرک کیا۔ بما عملوا یعنی شرک کے عمل کیے۔ "ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ" اپنے رب کی توحید کی۔ "بالحسنیٰ" یعنی جنت کے ساتھ اور نیکی کرنے والے اور گناہ کرنے والے کو بدلہ دینے پر تب ہی قادر ہو سکتے ہیں۔ جب کثیر الملک ہوں اس لیے درمیان میں فرمایا۔ "ولله ما فی السموات وما فی الارض"

㉜ پھر ان کا وصف بیان کیا اور فرمایا "الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم"

اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر میں مختلف اقوال

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ استثناء صحیح ہے اور "اللمم" کبائر اور فواحش میں سے ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ مگر یہ کہ وہ کسی فاحشہ کا ارتکاب کرلے، ایک مرتبہ پھر توبہ کرلے اور پھر باز آجائے اور یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مجاہد اور حسن رحمہما اللہ کا قول ہے اور عطاء کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "اللمم" جو شرک سے کم ہو۔ سدی اور ابوصالح رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کے قول "الا

اللّمم" کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا وہ آدمی جو گناہ کا ارتکاب کرے، پھر دوبارہ وہ گناہ نہ کرے۔

پس میں نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ذکر کی تو انہوں نے فرمایا تحقیق تیری اس پر معزز فرشتے نے مدد کی ہے اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "الا اللّمم" کے بارے میں کہ تو کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو معاف کردے اے اللہ! تو سب کو معاف کردے اور کون سا بندہ تیرے لیے ہے مگر "المّا" اور "اللّمم" اور المام کی اصل جو انسان عمل کرے وقتاً فوقتاً اور اس کا اعادہ نہ کرے اور اس پر ڈٹ نہ جائے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ مجاز عبارت ہوگی "لکن اللّمم" اور ان حضرات نے "اللمم" کو کبائر اور فواحش میں نہیں بتایا۔ پھر ان کا اس کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جو جاہلیت میں گزر چکا اللہ تعالیٰ اس پر مؤاخذہ نہ کریں گے کیونکہ مشرکین نے مسلمانوں کو کہا تھا تم پہلے ہمارے ساتھ یہی کام کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اور یہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید بن اسلم رحمہ اللہ کا قول ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ صغیرہ گناہ ہیں جیسے ایک مرتبہ دیکھ لینا اور ہاتھ لگا لینا اور بوسہ دینا جو زنا کے علاوہ ہو اور یہ ابن مسعود، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، مسروق اور شعبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور طاؤس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اس سے زیادہ "اللمم" مشابہہ کسی چیز کو نہیں دیکھا جو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ابن آدم کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے وہ اس کو پائے گا لامحالہ۔ پس آنکھ کا زنا نظر کرنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا و خواہش کرتا ہے اور فرج (شرم گاہ) اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آنکھیں ان کا زنا دیکھنا ہے اور کان ان کا زنا توجہ سے سننا ہے اور زبان اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ ان کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں ان کا زنا چلنا ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اللّمم" دو صورتوں پر ہے۔ ہر وہ گناہ جس پر دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے حد ذکر نہ کی ہو اور آخرت میں عذاب نہ ذکر کیا ہو۔ پس یہ وہ گناہ ہیں جن کو نمازیں مٹا دیتی ہیں جب تک کبائر اور فواحش تک نہ پہنچیں اور دوسری صورت بڑا گناہ جس کا مسلمان کئی مرتبہ ارتکاب کرے پھر اس سے توبہ کرلے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ گناہ ہے جو دل میں کھٹکے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اللمم" بغیر ارادہ کے ایک مرتبہ دیکھنا۔ پس یہ معاف ہے۔ پس اگر نگاہ کو دوبارہ ڈالتا ہے تو یہ لمم نہیں بلکہ گناہ ہے۔ "ان ربک واسع المغفرۃ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے لیے جس نے یہ کیا اور توبہ کی۔ یہاں کلام مکمل ہوگئی۔

پھر فرمایا "ھو اعلم بکم اذ انشاء کم من الارض" یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ "و اذ انتم اجنّۃ" جنین کی جمع ہے۔ اس کا نام جنین رکھا گیا ہے۔ اس کے پیٹ میں چھپے ہونے کی وجہ سے۔ "فی بطون امھاتکم فلا تزکّوا انفسکم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تم اپنی مدح نہ کرو۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ خوب جانتے ہیں ہر نفس کے بارے میں کہ وہ کیا کرنے والا ہے اور کس طرف لوٹنے والا ہے۔ "فلا تزکّوا انفسکم" یعنی تم ان کو گناہوں سے

بری قرار نہ دو اور اپنے اچھے اعمال پر خود کی تعریف نہ کرو۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں لوگ اچھے اعمال کرتے تھے پھر کہتے تھے ہماری نماز اور ہمارا روزہ اور ہمارا حج اور ہمارا جہاد تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "ھو اعلم بمن اتقی" یعنی نیک کی اور اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کیا۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی ﴿۳۷﴾

ترجمہ: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے دین حق سے) روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور پھر بند کر دیا کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے آیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی۔

آیت اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی کی تفسیر

تفسیر ﴿۳۳﴾ "افرایت الذی تولّٰی" یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع کی تو بعض مشرکین نے اس کو عار دلائی اور کہا کیا تو نے اپنے بڑے حضرات کے دین کو چھوڑ دیا اور ان کو گمراہ قرار دے دیا؟ تو اس نے کہا میں اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں تو اس عار دلانے والے نے اس کو ضمان دی کہ اگر وہ شرک کی طرف لوٹ آئے تو بہت سارا مال دوں گا اور اللہ کا عذاب اس سے اُٹھالوں گا تو ولید شرک کی طرف لوٹ آیا اور اس عار دلانے والے نے کچھ مال اس کو دیا اور باقی نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی "افرایت الذی تولّٰی" ایمان سے پیٹھ پھیری۔

﴿۳۴﴾ "واعطی" اپنے ساتھی کو۔ "قلیلا واکدیٰ" باقی سے بخل کیا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اعطی" یعنی ولید کو قلیلا خیر میں سے تھوڑا اپنی زبان کے ساتھ۔ "واکدیٰ لم اکدیٰ" یعنی روک لیا اور اس کو کچھ عطیہ نہ دیا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ بسا اوقات بعض امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرتا تھا اور محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے کہا اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں عمدہ اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب ہے "واعطی قلیلا واکدیٰ" اس پر ایمان نہیں لایا اور "اکدیٰ" کا معنی یعنی ختم کر دیا اور اس کی اصل "کدیۃ" سے ہے یہ پتھر ہوتا ہے جو کنویں میں نکل آئے تو کھدائی میں رُکاوٹ بن جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں "اکدیٰ الحافر واجبل" جب کھودنے والا کھدائی میں "کدیۃ" پتھر تک پہنچ جائے۔

﴿۳۵﴾ "اعندہ علم الغیب فھو یریٰ" جو اس سے غائب ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا ساتھی اس کا عذاب اُٹھالے گا۔

﴿۳۶﴾ "ام لم ینبا" اس کو خبر نہیں دی گئی۔ "بما فی صحف موسیٰ" یعنی توریت کے اوراق میں۔

﴿۳۷﴾ "وابراھیم" اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں۔ "الذی وفّی" مکمل کیا جو اس کو حکم دیا گیا۔

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰىٓ کی تفسیر

حسن، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو حکم دیا گیا وہ عمل کیا اور اپنے رب کے پیغامات اس کی مخلوق تک پہنچا دیئے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو ان پر فرض کیا گیا اس کو پورا ادا کیا۔

ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنا خواب پورا کر دکھایا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کھڑے ہوگئے۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں طاعت کو مکمل کیا۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلام کے حصوں کو پورا کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "واذ ابتلی ابراهیم ربّه بکلمات فاتمهن" ہے اور توفیہ مکمل کرنا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسک حج کے وعدہ کو پورا کیا۔ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "و ابراهیم الّذی وفّی" چار رکعات دن کے ابتداء میں پڑھیں۔ حضرت ابو الدرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم! تو میرے دن کی ابتداء میں چار رکعتیں پڑھ میں تجھے اس کے آخر میں کافی ہو جاؤں گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اور وہ مضمون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور یہ کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔

تفسیر: ﴿۳۸﴾ پھر بیان کیا جو ان دونوں کے صحیفوں میں تھا اور فرمایا "الا تزر وازرة وزر اخرىٰ" یعنی کوئی بوجھ اُٹھانے والا نفس دوسرے کے بوجھ کو نہیں اُٹھائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی نفس سے دوسرے کے گناہ کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اس میں اس شخص کے قول کو باطل کیا ہے جس نے ولید بن مغیرہ کو کہا تھا "میں تیرا گناہ اُٹھاؤں گا" عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگ آدمی کو دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیتے تھے، آدمی کو اس کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیوی اور غلام کے گناہ کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام نے آ کر ان کو اس سے روکا اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ "الا تزر وازرة وزر اخرىٰ"

﴿۳۹﴾ "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" یعنی جو اس نے عمل کیا اللہ تعالیٰ کے قول "ان سعیکم لشتّٰی" کی طرح اور یہ بھی ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اس شریعت میں منسوخ الحکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "الحقنا بهم ذریتهم" کی وجہ سے۔ پس اولاد کو آباء کی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی قوم کے لیے تھا۔ بہر حال یہ اُمت تو ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا اور جو ان کے لیے دوسروں نے عمل کیا۔

اس حدیث کی وجہ سے جو روایت کی گئی ہے کہ ایک عورت اپنے بچہ کو اُٹھا کر لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس کے لیے حج ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اور تیرے لیے اجر ہے اور ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا میری ماں نے خودکشی کرلی ہے۔ پس کیا اس کو اجر ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔

ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" یعنی کافر۔ بہرحال مؤمن تو اس لیے وہ بھی ہے جو اس نے خود عمل کیا اور وہ بھی جو اس کے لیے عمل کیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ کافر کے لیے خیر میں سے کچھ نہیں مگر جو اس نے خود عمل کیا ہو۔ پس اس پر دُنیا میں ثواب دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی خیر باقی نہ رہے گی اور روایت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قمیص دی اور ان کو پہنائی۔ پس جب وہ مرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص بھیجی تاکہ اس کو اس میں کفن دیا جائے۔ پس اس کے لیے آخرت میں کوئی ایسی نیکی نہ بچی جس پر اس کو ثواب دیا جائے۔

㊵ "وان سعیه سوف یریٰ" اس کے میزان میں قیامت کے دن "اریته بالشیٔ" سے ہے۔

㊶ "ثم یجزاه الجزاء الاوفی" مکمل یعنی انسان اپنی سعی کی جزاء دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے "جزیت فلانا سعیه وبسعیه" شاعر کہتا ہے: تو علقمہ ابن سعد کو اس کی سعی کی جزاء دے میں اس کو ایک دن کی مصیبت کی بھی جزاء نہیں دے سکتا۔ پس شاعر نے دونوں لغتوں کو جمع کر دیا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ㊷ وَاَنَّهٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ㊸ وَاَنَّهٗ ھُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ㊹ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی ㊺ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ㊻ وَاَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ㊼

ترجمہ اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسب وعدہ) اس کے ذمہ ہے۔

تفسیر ㊷ "وان الی ربک المنتهٰی" یعنی مخلوق کی انتہا اور ان کا لوٹنا اس کی طرف ہے اور وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اور کہا گیا ہے اسی سے احسان کی ابتداء ہے اور اس کی طرف اُمیدوں کی انتہاء ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے قول "وان الی ربک المنتهٰی" کے بارے میں روایت کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کے بارے میں غور وفکر نہ کرو، یہ اس کی مثل ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت کی گئی ہے کہ تم مخلوق میں غور وفکر کرو، خالق میں غور وفکر نہ کرو کیونکہ غور وفکر اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

اَضْحَکَ وَاَبْکٰی کی تفسیر

㊸ "وانه هو اضحک وابکی" پس یہ دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ انسان عمل کرتا ہے پس اس کی قضاء اور خلق ہے حتیٰ کہ

ہنسنا اور رونا بھی۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اہل جنت کو جنت میں ہنسایا جائے گا اور اہل جہنم کو جہنم میں رُلایا جائے گا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں زمین کو نباتات کے ذریعے ہنساتا ہے اور آسمان کو بارش کے ذریعے رُلاتا ہے۔ عطاء بن ابی مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی خوشی اور غم دیتا ہے۔ اس لیے کہ خوشی ہنسنے کو لاتی ہے اور غم رونے کو۔ سماک بن حرب کہتے ہیں میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کیا آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام بیٹھتے تھے اور شعر وشاعری کرتے تھے اور جاہلیت کی کچھ چیزوں کو ذکر کرتے تھے، پس وہ ہنستے تھے اور آپ علیہ السلام ان کے ساتھ مسکراتے تھے جب وہ ہنستے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہنستے تھے؟ فرمایا ہاں اور ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بڑا ہوتا تھا۔

㊹ "وانه هو امات و احيا" یعنی دُنیا میں موت دی اور بعث کے لیے زندہ کیا اور کہا گیا ہے کہ آباء کو موت دی اور اولاد کو حیات دی اور کہا گیا ہے کہ کافر کو عدم معرفت کے ذریعے موت دی اور مؤمن کو معرفت کے ذریعے زندگی دی۔

㊺ "وانه خلق الزوجين الذكر والانثىٰ" ہر حیوان سے۔

㊻ "من نطفة اذا تمنى" یعنی رحموں میں ٹپکایا جائے۔ کہا جاتا ہے "منى الرجل وامنىٰ" ضحاک اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ نے کہا ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے تقدر کہا جاتا ہے "منيت الشي اذا قدرته" جب تو اس کا اندازہ لگالے۔

㊼ "وان عليه النشأة الاخرىٰ" یعنی بعث کے لیے دوبارہ پیدا کرنا قیامت کے دن۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَاۨ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوحؑ کو ہلاک کیا بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے گھیر لیا سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت میں شک (وانکار) کرتا رہے گا یہ پیغمبر بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔

تفسیر: ㊽ "وانه هو اغنى واقنى" ابوصالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں نے مال دے کر غنی کر دیا اور قنیہ اور اموال کے اُصول دیئے اور وہ چیز جو وہ ضرورت کے بعد ذخیرہ کرتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سونے، چاندی اور جانوروں کی قسموں اونٹ، گائے، بکریوں کے ذریعے مال دار کر دیا۔ قتادہ رحمہ اللہ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اقنىٰ" یعنی ان کی خدمت کی اور ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "اغنٰی و اقنٰی" "ان کو دیا۔ پس ان کو راضی کر دیا۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں "اقنٰی" جو دیا اس پر راضی کیا اور قناعت دی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اغنٰی" زیادہ دیا اور "اقنٰی" کم دیا اور پڑھا "یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر" اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اقنٰی" تنگ دست کیا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اولاد دی۔

49 "وانه هو رب الشعریٰ" یہ ستارہ ہے جوزاء کے پیچھے اور یہ دو شعراء ہیں ان میں سے ایک کو عبور اور دوسرے کو غمیصاء کہا ہے۔ اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ دوسرے سے مخفی ہے اور ان دونوں کے درمیان چلتا ہے اور یہاں شعر عبور مراد ہے خزاعہ اس کی عبادت کرتے تھے اور پہلا شخص جس نے ان کے لیے یہ طریقہ جاری کیا ان کا سردار تھا اس کو ابو کبشہ کہا جاتا تھا۔ اس نے اس کی عبادت کی اور کہا اس لیے کہ ستارے آسمان کو عرضاً (چوڑائی) میں طے کرتے ہیں اور شعرا طولاً میں۔ پس وہ ان کا مخالف ہے۔ پس اس کی خزاعہ نے عبادت کی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دین کی مخالفت کی تو انہوں نے آپ علیہ السلام کا نام ابن ابی کبشہ رکھا کیونکہ آپ علیہ السلام نے ان کی ایسے مخالفت کی تھی جیسے ابو کبشہ نے شعریٰ کی عبادت میں ان کی مخالفت کی تھی۔

50 (وانه اهلک عادا ن الاولیٰ) اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے دال کے بعد لام مشدد کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی واؤ کو قالون نے نافع سے ہمزہ روایت کیا ہے اور عرب ایسے کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں "قم لان عنا" مراد ہوتی ہے "قم الأن عنا" اور وقف ان کے نزدیک عاداً ہوگا اور ابتداء اولیٰ ایک ہمزہ مفتوح کے ساتھ اس کے بعد لام مضموم اور ابتداء "لولیٰ" بھی جائز ہے ہمزہ مفتوحہ کو حذف کر کے اور دیگر حضرات نے "عادا الاولیٰ" پڑھا ہے اور یہ ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو تیز ٹھنڈی ہوا کے ذریعے ہلاک کیے گئے۔ پھر ان کے بعد آئے تو وہ "عاد اخریٰ" ہوئے۔

51 "وثمود" اور یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو چیخ کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ "فما ابقٰی" ان میں سے کسی کو۔

52 "وقوم نوح من قبل" یعنی قوم نوح کو عاد و ثمود سے پہلے ہلاک کر دیا۔ "انهم کانوا هم اظلم واطغٰی" نوح علیہ السلام کے ان کو لمبا عرصہ دعوت دینے کی وجہ سے اور ان کے اللہ پر معصیت اور تکذیب کے ساتھ سرکشی کرنے کی وجہ سے۔

53 "والمؤتفکة" یعنی قوم لوط کی بستیوں کو۔ "اھوی" گرادیا یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اس کو آسمان کی طرف اُٹھانے کے بعد گرا دیا۔

54 "فغشاها" اللہ تعالیٰ نے اس کو پہنا دیا۔ "ما غشّٰی" یعنی پتھر تہہ بتہہ نشان زدہ

55 "فبایّ آلاء ربک" اپنے رب کی نعمتوں کی اے انسان۔ اور کہا گیا ہے کہ ولید بن مغیرہ مراد ہے۔ "تتماریٰ" تو شک کرتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تو جھٹلاتا ہے۔

56 "هٰذا نذیر" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "من النذر الاولیٰ" یعنی ان کا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہو جیسا کہ وہ ان کی قوموں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ڈرائیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں نے ڈرایا ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ 57 لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَةٌ 58 اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ 59

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا (آیت سجدہ) ﴿٦٢﴾

ترجمہ (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں سو کیا (ایسی خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو سو اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کی بلا شرکت) عبادت کرو۔

تفسیر ㊲ "ازفت الآزفة" قیامت قریب ہوگئی۔

㊳ "لیس لها من دون اللّٰه کاشفة" یعنی ظاہر کرنے والا قائم کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے قول "لایجلیها لوقتها الا هو" کی وجہ سے اور ھاء اس میں مبالغہ کے لیے ہے یا اس تقدیر پر نفس کاشفة اور یہ بھی جائز ہے کہ کاشفة مصدر ہو خیالة اور عافیة کی طرح اور معنی یہ ہے کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں ہے یعنی نہ اس کو کھول سکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے اس کا غیر اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں جب اس کی ہولناکیاں اور سختیاں مخلوق کو ڈھانپ لیں گی تو ان سے اس کو کوئی دور نہ کر سکے گا۔ یہ عطاء اور قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کے قول کا معنی ہے۔

㊴ "افمن هذا الحديث" یعنی قرآن "تعجبون"

㊵ وتضحكون "مذاق اُڑاتے ہوئے۔ "ولا تبكون" اس میں موجود وعدو وعید کی وجہ سے۔

㊶ "وانتم سامدون" تم بے پروا غافل ہو اور السمود کسی شے سے غافل ہونا اور کھیل کود کرنا۔ کہا جاتا ہے "دعا عنّا سمودک" یعنی "لهوک" یہ والبی اور عوفی رحمہما اللہ کی روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ یہ اہل یمن کی لغت میں گانا ہے وہ لوگ جب قرآن سنتے تو گانے لگتے اور کھیل کود کرتے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے متکبر ہو اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مبروطون" ان سے پوچھا گیا برطمہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اعراض کرنا۔

㊷ "فاسجدوا لله واعبدوا" یعنی تم اس کی عبادت کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پر سجدہ کیا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جن وانس نے سجدہ کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پہلی سورت جس میں سجدہ اُتارا گیا وہ النجم ہے۔ فرمایا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام مخلوق نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے مٹی کی ایک مٹھی بھری اور اس پر سجدہ کر دیا۔ پھر میں نے اس کو اس کے بعد دیکھا کہ وہ حالت کفر میں قتل کیا گیا وہ اُمیہ بن خلف ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر والنجم پڑھی تو آپ علیہ السلام نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ پس میں کہتا ہوں اس میں دلیل ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم پر فرض نہیں کیا مگر یہ کہ ہم چاہیں اور یہی امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ سجدہ تلاوت قاری (قرأت کرنے والے) اور سننے والے دونوں پر واجب ہوتا ہے اور یہی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الرائے کا قول ہے۔

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

مکی ہے اور اس کی پچپن (۵۵) آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

ترجمہ: قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے۔

تفسیر: ① "اقتربت الساعة" قیامت قریب ہوگئی۔ "وانشق القمر" انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا حتیٰ کہ ان دونوں کے درمیان انہوں نے حراء کو دیکھا۔ شیبان نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ان کو چاند کے ٹکڑے کرنا دو مرتبہ دکھایا۔ ابو معمر کی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا اس سے نیچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ۔ مسروق نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہوا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو ٹکڑے ہوا پھر اس کے بعد جڑ گیا۔ مسروق نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو قریش نے کہا تم پر ابن ابی کبشہ نے جادو کر دیا ہے۔ پس تم سفر سے آنے والوں سے پوچھوں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہاں ہم نے بھی اس کو دیکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "اقتربت الساعة وانشق القمر"

② "وان یروا آیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر" یعنی جانے والا عنقریب چلا جائے گا اور باطل ہو جائے گا۔ یہ ان کے قول "مرّ الشیء واستمرّ" سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ شے چلی جائے۔ ان کے قول "قرّ واستقرّ" کی طرح۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور ابو العالیہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں مستمر یعنی قوی سخت جو ہر جادو پر غالب آ جائے یہ ان کے قول "مرّ الحبل" سے مشتق ہے جب رسی سخت اور مضبوط ہو تو یہ کہا جاتا ہے اور

"امر رته انا" جب تو اس کی بنائی مضبوط کرے اور "استمرّا الشيء" جب مضبوط اور پکی ہو۔

❸ "و كذبوا واتبعوا اهواء هم" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا معائنہ کیا اس کی بھی اور اس کی اتباع کی جو شیطان نے ان کے لیے مزین کیا۔ "و كل امر مستقر" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر امر کی حقیقت جو دُنیا کا ہے تو عنقریب ظاہر ہو جائے گا اور جو آخرت کا ہے وہ عنقریب معلوم ہو جائے گا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر امر مستقر ہے۔ پس خیر اہل خیر کے ساتھ ثابت اور شر اہل شر کے ساتھ ثابت ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ہر امر خیر ہو یا شر اس کا ٹھکانہ ثابت ہے۔ پس خیر اہل خیر کے ساتھ جنت میں ثابت ہے اور شر اہل شر کے ساتھ جہنم میں ثابت ہے اور کہا گیا ہے کہ تصدیق کرنے والوں کا قول اور تکذیب کرنے والوں کا قول ثابت ہے حتیٰ کہ وہ اس کی حقیقت پہچان لیں گے ثواب اور عقاب کے ذریعے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر بات کی انتہاء ہے اور کہا گیا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھی وہ یقینی طور پر واقع ہونے والی ہے اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے "مستقر" راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ❹ حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ❺ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّكُرٍ ❻ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ❼

ترجمہ اور ان لوگوں کے پاس (تو امم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں کافی عبرت ہو (یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی حاصل ہو سکتی ہے سو ان کی کیفیت یہ ہے کہ خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتیں تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے جس روز ایک بلانے والا فرشتہ (ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا ان کی آنکھیں مارے ذلت کے جھکی ہوں گی اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے۔

تفسیر ❹ "ولقد جاء هم" یعنی اہل مکہ "من الانباء" جھٹلانے والی اُمتوں کی خبریں قرآن میں۔ "مافيه مزدجر" اس کی انتہا نہیں مصدر ہے "از دجار" کے معنی میں۔ یعنی نہی اور نصیحت۔ کہا جاتا ہے "زجرته وازدجرته" جب تو اس کی برائی سے روک دے اور اس کی اصل مزتجر ہے تاء کو دال سے تبدیل کیا گیا ہے۔

❺ "حكمة بالغة" یعنی قرآن مکمل حکمت ہے روکنے میں انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ "فما تغن النذر" یہ بھی جائز ہے کہ "ما" نفی ہو اس معنی پر کہ پس ان کو ڈرانے والوں نے نفع نہ دیا اور یہ بھی جائز ہے کہ استفہام ہو اور معنی پس کون سی چیز ڈرانے والوں کو نفع دے گی جب انہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وما تغني الآيات والنذر عن قوم لا يؤمنون" کی طرح اور نذر نذیر کی جمع ہے۔

❻ "فتول عنهم" یعنی ان سے اعراض کریں۔ اس کو قتال کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ کہا گیا ہے یہاں وقف تام ہے اور کہا گیا ہے۔ "فتولّ عنهم يوم يدع الداع" یعنی بلانے والے کے دن کی طرف۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ

اسرافیل ہیں وہ بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر پھونک ماریں گے۔ "الی شئی نکر" اوپر سے ہیبت ناک جس کی مثل انہوں نے نہ دیکھا ہوگا۔ پس وہ اس کی عظمت کی وجہ سے اس کا انکار کریں گے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "نکر" کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر نے اس کے پیش کے ساتھ۔

⑦ "خشعا ابصارھم" ابوعمرو اور یعقوب اور حمزہ و کسائی رحمہم اللہ نے "خاشعا" پڑھا ہے واحد کا صیغہ اور دیگر حضرات نے "خشّعا" خاء کے پیش اور شین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے جمع کا صیغہ اور اسم فاعل جب اس کو جماعت پر مقدم کیا جائے تو واحد اور جمع اور مذکر مؤنث سب جائز ہیں تو کہے گا۔ "مررت برجال حسن اوجھھم وحسنة او جھھم و حسان اوجھھم" شاعر کہتا ہے:

ایاد بن نزار بن معد سے ہیں اور مرد حسین چہروں والے

اور عبداللہ کی قرأت میں "خاشعة ابصارھم" یعنی ذلیل جھکی ہوئی عذاب دیکھنے کے وقت۔ "یخرجون من الاجداث" قبروں سے۔ "کانھم جراد منتشر" اور منتشر کو لفظ جراد پر ذکر کیا گیا ہے اس کی نظیر "کالفراش المبثوث" ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ گھبرائے ہوئے نکلیں گے کوئی خاص جہت کسی کے لیے نہ ہوگی جس کی طرف وہ متوجہ ہوں ٹڈیوں کی طرح کہ ان کی کوئی جہت نہیں ہوتی آپس میں ایک دوسرے میں ملی ہوتی ہیں۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭

ترجمہ: اور پھر نکل کر) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندہ (خاص نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور نوح کو دھمکی دی گئی تو نوحؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو آپ ان سے) انتقام لے لیجیے پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین سے چشمے جاری کر دیے پھر (آسمان اور زمین کا پانی اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا ہم نے نوحؑ کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی (مع مومنین کے (سوار کیا یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی تھی۔

تفسیر: ⑧ "مھطعین" جلدی سے متوجہ ہوں گے۔ "الی الداع" اسرافیل کی آواز کی طرف "یقول الکافرون ھذا یوم عسر" سخت دن ہے۔

⑨ "کذبت قبلھم" یعنی اہل مکہ سے پہلے "قوم نوح فکذبوا عبدنا" نوح علیہ السلام "وقالوا مجنون وازدجر"

یعنی انہوں نے نوح علیہ السلام کو دعوت اور گفتگو سے روکا گالم گلوچ اور وعید کے ذریعے اور انہوں نے کہا "لئن لم تنته یا نوح لتکونن من المرجومین" اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ازدجر" کا معنی ان پر جنون کا بہتان لگایا گیا۔

⑩ "فدعا" نوح علیہ السلام نے "ربّہ" اور کہا "انی مغلوب فانتصر" تو میرے لیے ان سے انتقام لے۔

⑪ "ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر" تیزی سے بہایا جانے والا جو چالیس دن نہیں رکا اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین کے درمیان کو بند کر دیا۔

⑫ "وفجرنا الارض عیونا فالتقی المآء" یعنی آسمان اور زمین کا پانی اور "التقی الماء" کہا ہے اور "التقاء" ایک سے نہیں ہوتا دو یا زائد سے ہوتا ہے اس لیے کہ الماء جمع اور واحد ہوتا ہے اور عاصم الجحدری رحمہ اللہ نے "فالتقی الما آن" پڑھا ہے۔ "علی امر قد قدر" یعنی ان پر فیصلہ کیا گیا ام الکتاب میں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا کہ دونوں پانی برابر ہو جائیں تو وہ دونوں اس تقدیر پر ہوئے۔

⑬ "وحملناه" یعنی نوح علیہ السلام کو "علی ذات الواح ودسر" یعنی تختوں والی کشتی پر صفت کو ذکر کیا گیا ہے اور نام کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ الواح سے کشتی کے چوڑے پھٹے مراد ہیں۔ "ودسر" یعنی میخیں جن کے ذریعے تختے جوڑے جاتے ہیں۔ اس کا واحد دسار اور دسیر ہے۔ کہا جاتا ہے "دسرت السفینة" جب تو اس کو میخوں سے مضبوط جوڑ دے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الدُّسر" کشتی کا سینہ، اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ اپنے سینہ (اگلے حصہ) سے پانی کو ہٹاتی ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کشتی کی چوڑائیاں ہیں اور کہا گیا ہے اس کی پسلیاں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں الواح اس کی دونوں جانب ہیں اور الدسر اس کی جڑ اور اس کے دونوں طرف۔

⑭ "تجری باعیننا" یعنی ہماری نگاہ میں۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہماری حفاظت میں اور اسی سے ان کا قول ہے الوداع کہنے والے کو "عین اللہ علیک" اللہ تیری حفاظت کریں اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے حکم سے۔ "جزآء لمن کان کفر" یعنی ہم نے کشتی اور ان کے ساتھ جو کیا نوح علیہ السلام کو نجات دینے اور ان کی قوم کو غرق کرنے کے ساتھ یہ ثواب ہے اس کا جس کا کفر کیا گیا اور اس کے امر کا انکار کیا گیا اور وہ نوح علیہ السلام ہیں اور کہا گیا من ماء کے معنی میں ہے یعنی اس کی جزاء ہے جو اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا ان پر جن کو اس نے غرق کیا یا اس کی جزاء ہے جو انہوں نے نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے ساتھ کیا اور مجاہد رحمہ اللہ نے "جزاء لمن کان کفر" کاف اور فاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ غرق بدلہ ہے اس کا جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑯ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑱ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ⑳
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ㉑ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ㉒ كَذَّبَتْ
ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ㉓ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ㉔

ترجمہ اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے عاد نے بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی سو (اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں سو دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہولناک ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ثمود نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور بلکہ جنون میں پڑ جائیں۔

تفسیر ⑮ ''ولقد ترکناھا'' یعنی جو ہم نے ان کے ساتھ کیا۔ ''آیۃ'' جس کے ذریعے عبرت حاصل کی جائے اور کہا گیا ہے کہ کشتی مراد ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو جزیرہ کی زمین باقردی پر باقی رکھا ہے۔ عبرت اور نشانی بنا کر حتیٰ کہ اس کو اس اُمت کے ابتدائی لوگوں نے دیکھا ہے۔ ''فھل من مدکر'' یعنی نصیحت حاصل کرنے والا عبرت لینے والا ڈرنے والا ان کی سزا کی مثل سے۔ ابو اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ اس نے اسود سے اللہ تعالیٰ کے قول ''فھل من مدکر'' کے بارے میں پوچھا کہ مذکر ہے یا مدکر؟ فرمایا میں نے عبداللہ سے سنا کہ وہ اس کو ''فھل من مدکر'' پڑھتے تھے اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ اس کو ''فھل من مدکر'' پڑھ رہے تھے دال کے ساتھ۔

⑯ ''فکیف کان عذابی و نذر'' یعنی ڈرانا۔ فراء فرماتے ہیں انذار اور نذر دونوں مصدر ہیں عرب کہتے ہیں انذرت انذاراً و نذراً۔ ان کے قول ''انفقت انفاقا و نفقۃ'' کی طرح اور ''ایقنت ایقانا و یقینا'' کی طرح۔ اسم کو مصدر کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

⑰ ''ولقد یسّرنا'' ہم نے آسان کیا۔ ''القرآن للذکر'' تاکہ اس کے ذریعے نصیحت و عبرت حاصل کی جائے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس کو حفظ و قرأت کے لیے آسان کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے قرآن کے سوا کوئی ایسی نہیں ہے جو ساری حفظاً پڑھی جائے۔ ''فھل من مدکر'' اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرنے والا۔

⑱ ''کذبت عاد فکیف کان عذابی و نذر''

⑲ انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا'' سخت، گرد و غبار اُڑانے والی۔ ''فی یوم نحس مستمر'' سخت دائمی نحوست والا۔ ان پر تقریباً ایک سال جاری رہا۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ بچا جو ہلاک نہ ہوا ہو۔ کہا گیا کہ یہ بدھ کا دن تھا مہینہ کے آخر میں۔

⑳"تنزع النّاس" ان کو اکھاڑ دیا، پھر ان کے سروں کے بل ان کو پھینک دیا۔ پس ان کی گردنیں کاٹی گئیں اور روایت کیا گیا ہے کہ لوگوں کو قبروں سے نکال دے گی۔ "کانھم اعجاز نخل" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے تنے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھجور کی جڑیں (چوترا) ہیں۔ "منقعر" اپنی جگہ سے اکھڑنے والے زمین پر گرے ہوئے اور اعجاز کا واحد عجز ہے جیسے عضد اور اعضاء اور "اعجاز نخل" کہا ہے اور وہ اس کے تنے جن کی جڑیں کاٹی گئی ہوں اس لیے کہ ہوا نے ان کے سروں کو جسموں سے جدا کر دیا۔ پس ان کے جسم بغیر سروں کے رہ گئے۔

㉑"فکیف کان عذابی ونذر ㉒ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مذکر

㉓کذب ثمود بالنذر" اس ڈرانے کو جوان کے پاس صالح علیہ السلام لائے تھے۔

㉔"فقالوا ابشرا" آدمی۔ "منا واحدا نتبعه" اور ہم بڑی جماعت ہیں اور وہ اکیلے ہیں۔ "انا اذا لفی ضلال" غلطی میں۔ "وسُعُر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں عذاب میں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں سخت عذاب میں۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذلت میں۔ وہ کہنے لگے بے شک تب تو ہم ذلت اور عذاب میں ہوں گے کہ ہمیں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سعیر کی جمع ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنون۔ کہا جاتا ہے "ناقة مسعورة" جب اس کا سر ہلکا ہوا اپنے چہرے کے بل گرنے والی ہو اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وسُعُر" یعنی حق سے دور ہو گیا۔

ءَ اُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ ۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ㉕ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ㉖ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ㉗وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ ۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ㉘فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ㉙فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ㉚اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ㉛

ترجمہ: اس پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور بڑا شیخی باز ہے ان کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جاوے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں ان کی آزمائش کے لئے سو ان کو دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی (کنویں کا) ان میں بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا سو انہوں نے اپنے رفیق (قدار) کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور مار ڈالا سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا۔

تفسیر: ㉕"ء القی الذکر" کیا ذکر یعنی وحی نازل کی گئی ہے۔ "علیه من بیننا بل ھو کذاب اشر" متکبر۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم پر بڑا ہو جائے اور اشرا کڑتا، تکبر کرتا۔

26 "سیعلمون" ابن عامر اور حمزہ نے "ستعلمون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ صالح علیہ السلام نے ان کو کہا اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "سیعلمون غدا" جس وقت ان پر عذاب نازل ہوگا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی قیامت کے دن اور غد کو قریب کرنے کے لیے ذکر کیا ہے لوگوں کی عادت پر۔ وہ کہتے ہیں بے شک آج کے ساتھ آئندہ کل ہے۔ "من الکذاب الاشر"

27 "انا مرسلوا الناقة" یعنی اس کو اُٹھانے والے اور نکالنے والے ہیں اس پہاڑی سے جس کا انہوں نے سوال کیا تھا کہ وہ اس سے نکلے کیونکہ انہوں نے صالح علیہ السلام پر ضد کی اور سوال کیا کہ ان کے لیے چٹان سے سرخ اونٹنی دس ماہ کی گابھن نکالیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انا مرسلوا الناقة فتنة لھم" امتحان اور ان کی آزمائش کے لیے۔ "فارتقبھم" پس آپ علیہ السلام انتظار کریں جو وہ کرنے والے ہیں۔ "واصطبر" ان کے انتظار پر اور کہا گیا ہے اس پر جو آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچے۔

28 "ونبئھم ان الماء قسمة بینھم" اور اونٹنی کے درمیان ایک دن اس کا اور ایک دن ان کا اور یہاں "بینھم" فرمایا ہے اس لیے کہ عرب جب بنی آدم اور جانوروں کے بارے میں خبر دیتے ہیں تو بنی آدم کو بہائم پر غلبہ دیا جائے گا۔ "کل شرب" پانی کا حصہ "محتضر" اس پر حاضر ہوگا جس کی باری ہوگی۔ پس جب اونٹنی کا دن ہوگا تو وہ پانی پینے آئے گی اور جب ان کا دن ہوگا تو وہ اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوں گے اور "احضر" اور "حضر" ایک معنی میں ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ پانی پر حاضر ہوں گے جب اونٹنی غائب ہوگی۔ پس جس دن اونٹنی آئے گی وہ لوگ دودھ پئیں گے۔

29 "فنادوا صاحبھم" اور وہ قدار بن سالف ہے۔ "فتعاطی" پس اس نے اپنی تلوار سے اونٹنی پر حملہ کیا۔ "فعقر" پس اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔

30 "فکیف کان عذابی و نذر" پھر ان کے عذاب کو بیان کیا۔

31 "انا ارسلنا علیھم صیحة واحدة" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام کی چیخ مراد ہے۔ "فکانوا کھشیم المحتضر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ آدمی اپنی بکریوں کے لیے درختوں اور کانٹوں کے خشک حصے بناتا ہے نہ کہ درندوں کے لیے۔ پس جو اس سے گر جائے اور اس کو بکریاں روند ڈالیں۔ پس وہ "ھشیم" ہے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ خشک درخت جو خشک ہو کر ٹوٹ جائے حتیٰ کہ اس کو ہوائیں اُڑائیں اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ خشک درخت کی طرح ہو جائیں گے جب وہ ٹوٹ جائے اور عرب ہر اس چیز کا نام "ھشیم" رکھتے ہیں جو تر ہو پھر خشک ہو جائے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جلی ہوئی ریزہ ریزہ ہڈیاں اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ مٹی جو دیوار سے گرتی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ 32 كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ ۢ بِالنُّذُرِ 33 اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ 34 نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

شَكَرَ ۝45 وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝36 وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ
اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝37 وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝38 فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ۝39 وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝40 وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝41
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝42

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کنے والا ہے قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا بجز متعلقین لوط کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں بچالیا اپنی جانب سے فضل کر کے جو شکر کرتا ہے ہم اسے ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اور (قبل عذاب آنے کے) لوط نے ان کو ہماری دارو گیر سے ڈرایا تھا انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے اور ان لوگوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو بارادہ بد لینا چاہا سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو (یہ تو اس وقت واقعہ ہوا) اور (پھر) صبح سویرے ان پر عذاب دائمی آ پہنچا اور ارشاد ہوا کہ لو میرا عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں ان لوگوں نے ہماری (ان تمام نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو زبردست قدرت کا پکڑنا پکڑا۔

تفسیر: 32 "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر،

33 کذبت قوم لوط بالنذر. 34 انا ارسلنا علیھم حاصبا" ہوا جو ان پر کنکریاں پھینکے۔ ضحاک رحمہ اللہ یعنی چھوٹی کنکریاں۔ اور کہا گیا ہے حصباء وہ پتھر جو مٹھی بھر مقدار سے کم ہو اور کبھی حاصب پھینکنے والے کے معنی میں ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں معنی ہوگا ہم نے ان پر عذاب بھیجا جو ان پر پتھر پھینکے۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا "الا آل لوط" یعنی لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں۔ "نجیناھم" عذاب سے۔ "بسحر"

35 "نعمة من عندنا" یعنی ہم نے اس پر اپنی طرف سے نعمت دی کہ ہم نے ان کو نجات دی۔ "کذلک" یعنی جیسے ہم نے آل لوط علیہ السلام پر انعام کیا۔ "نجزی من شکر" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اللہ کی توحید بیان کی اللہ تعالیٰ اس کو مشرکین کے ساتھ عذاب نہ دیں گے۔

36 "ولقد انذرھم" لوط علیہ السلام "بطشتنا" ہم نے ان کو سزا میں پکڑا۔ "فتماروا بالنذر" انہوں نے انذار میں شک کیا اور جھٹلایا اور تصدیق نہیں کی۔

37 "ولقد راودوہ عن ضیفه" انہوں نے مطالبہ کیا کہ اپنے مہمان ان کے حوالے کردیں۔ "فطمسنا اعینھم" جب

انہوں نے لوط علیہ السلام کے گھر کا ارادہ کیا اور دروازہ پھلانگا تا کہ داخل ہو جائیں تو رسولوں نے لوط علیہ السلام کو کہا کہ ان کا راستہ چھوڑ دیں کیوں کہ ہم آپ علیہ السلام کی طرف قاصد ہیں وہ آپ علیہ السلام تک نہ پہنچ سکیں گے پس وہ گھر میں داخل ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان پر اپنا پَر مارا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ۔ پس ان کو نابینا کر دیا، وہ حیران سرگرداں پھرتے تھے، دروازہ کا نہ پتہ چلتا تھا تو لوط علیہ السلام نے ان کو اندھے ہونے کی حالت میں باہر نکال دیا کہ وہ کچھ نہ دیکھتے تھے۔ "فطمسنا اعینهم" یعنی ہم نے ان کو سارے چہرے کی طرح بنا دیا۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔ پس انہوں نے رسولوں کو نہیں دیکھا تو وہ کہنے لگے جب گھر میں داخل ہوئے تھے تو ان کو دیکھا تھا اب وہ کہاں گئے؟ پھر جب ان کو نہیں دیکھا تو واپس لوٹ گئے۔ "فذوقوا عذابی و نذر" یعنی جو لوط علیہ السلام نے تمہیں عذاب سے ڈرایا تھا۔

㊳ "ولقد صبحهم بکرة" ان کے پاس صبح کے وقت آیا۔ "عذاب مستقر" دائمی ٹھہرنے والا حتیٰ کہ ان کو عذاب آخرت تک پہنچا دیا اور کہا گیا ہے عذاب حق۔

㊴ "فذوقوا عذابی ونذر. ㊵ ولقد یسّرنا القرآن للذکر فهل من مدکر

㊶ ولقد جآء آل فرعون النذر" یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور کہا گیا ہے یہ وہ نشانیاں ہیں جن کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈرایا۔

㊷ "کذبوا بآیاتنا کلها" وہ نو آیات ہیں۔ "فاخذناهم" عذاب کے ساتھ۔ "اخذ عزیز" اپنے انتقام میں غالب ہے۔ "مقتدر" ان کے ہلاک کرنے پر قادر ہے جو ان کے بارے میں ارادہ کیا۔ اس سے کوئی اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔ پھر اہل مکہ کو ڈراتے ہوئے کہا فرمایا۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ㊸ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ㊹ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ㊺ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ㊻ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ㊼ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ㊽

ترجمہ کیا ہم سب میں سے (منتخب ہو کر) کیا تم میں جو کافر ہیں ان میں ان (مذکور) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کا اصل وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے (تو ان سے کہا جاوے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو۔

تفسیر ㊸ "اکفارکم خیر من اولئکم" زیادہ طاقتور ہیں ان سے جن پر میں نے اپنا عذاب اُتارا یعنی قوم نوح وعادو

ثمود اور قوم لوط اور آل فرعون سے؟ یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے یعنی یہ ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ "ام لکم براء ۃ" عذاب سے۔ "فی الزبر" کتابوں میں کہ ان پر وہ عذاب نہ آئے گا جو گزشتہ اُمتوں پر آیا۔

44 "ام یقولون" یعنی کفار مکہ۔ "نحن جمیع منتصر" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ہمارا سارا امر اپنے دشمنوں سے انتقام لینا ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم اپنے مخالفین پر ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں اور "منتصرون" نہیں کہا آیتوں کے اختتام سے موافقت کی وجہ سے۔

45 "سیھزم الجمع" یعقوب رحمہ اللہ نے "سنھزم" نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الجمع" نصب پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء اور اس کی پیش "الجمع" مرفوع پڑھا ہے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے۔ یعنی کفار مکہ "ویولون الدبر" یعنی پشتیں۔ واحد لایا گیا ہے آیتوں کے اختتام سے موافقت کی وجہ سے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ضربنا منھم الرؤس وضربنا منھم الرأس" جب واحد جمع کا معنی ادا کردے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنی پشتوں کو پھیریں گے شکست کھا کر تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور بدر کے دن ان کو شکست دی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ علیہ السلام اپنے خیمہ میں تھے بدر کے دن۔ اے اللہ تعالیٰ میں آپ کو آپ علیہ السلام کے عہد اور وعدہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے دن کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا آپ کو کافی ہے اے اللہ کے رسول۔ پس تحقیق آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے خوب آہ وزاری کر لی اور آپ علیہ السلام زرہ میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ سے یہ کہتے ہوئے نکلے۔ "سیھزم الجمع ویولون الدبر"

46 "بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر" سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔ جب آیت "سیھزم الجمع ویولون الدبر" نازل ہوئی تو مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ کون سی جماعت کو شکست دی جائے گی۔ پس جب بدر کا دن تھا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنی زرہ میں کودے اور فرما رہے تھے "سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر" یعنی بڑی مصیبت ہے بدر کے دن قتل اور قید سے۔

47 "ان المجرمین" مشرکین۔ "فی ضلال وسعر" کہا گیا فی ضلال حق سے دور۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وسعر" یعنی آگ جو ان پر بھڑکائی جائے گی اور کہا گیا ہے "فی ضلال"۔ جنت کے راستے سے آخرت میں گمراہی میں ہیں۔ "وسعر" بھڑکائی ہوئی آگ۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک مجرمین دُنیا میں گمراہی اور آخرت میں جہنم میں ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشقت وعذاب میں۔

48 پھر ان کے عذاب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "یوم یسحبون" وہ گھسیٹے جائیں گے۔ "فی النار علی وجوھھم" اور ان کو کہا جائے گا۔ "ذوقوا مسّ سقر"

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿51﴾

ترجمہ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جائے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تفسیر ﴿49﴾ "انا کل شیء خلقناہ بقدر" یعنی جس کو ہم نے پیدا کیا ہے وہ مقدور اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی ہے جو ان کے مناسب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مشرکین قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ علیہ السلام سے تقدیر میں جھگڑنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "ان المجرمین فی ضلال وسعر" سے "انا کل شیء خلقناہ بقدر" تک۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیروں کو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

طاؤس یمانی سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگوں کو پایا وہ کہتے تھے ہر چیز اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہے۔ فرماتے ہیں اور میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے حتیٰ کہ عجز اور عقل مندی یا فرمایا عقل مندی اور عجز۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لے آئے۔ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور موت کے بعد اُٹھنے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

عبداللہ نے زیادہ کیا اچھی اور بری تقدیر پر۔

﴿50﴾ "وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر" اللہ تعالیٰ کا قول "واحدۃ" معنی کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ لفظ کی طرف یعنی نہیں ہے ہمارا امر مگر ایک ہی مرتبہ اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نہیں ہمارا معاملہ کسی چیز کا جب ہم اس کے وجود کا ارادہ کریں مگر ایک ہی کلمہ "کن فیکون" اس میں آنکھ جھپکنے کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ میری قضاء میری مخلوق کے بارے میں آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہے اور کلبی رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے آنے میں ہمارا معاملہ نہیں ہے مگر آنکھ جھپکنے کی طرح۔

﴿51﴾ "ولقد اھلکنا اشیاعکم" تمہارے مشابہ کفر میں گزشتہ اُمتوں میں سے۔ "فھل من مدکر" نصیحت حاصل کرنے والا جو جانے کہ یہ حق ہے پھر اس سے ڈرے اور عبرت حاصل کرے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

ترجمہ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمالناموں میں مندرج ہے اور چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے پرہیز گار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

تفسیر ۵۲ "وکل شیء فعلوہ" یعنی جوان لوگوں نے خیر وشر کیا۔ "فی الزبر" حفاظت کرنے والوں کی کتاب میں اور کہا گیا ہے لوح محفوظ میں۔

۵۳ "وکل صغیر و کبیر" مخلوق اور ان کے اعمال اور مدتوں میں سے۔ "مستطر" لکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے "سطرت واستطرت" اور "کتبت" اور "اکتتبت"

۵۴ "ان المتقین فی جنات" باغوں میں "ونہر" یعنی نہریں اور اس کو واحد ذکر کیا ہے آیتوں کے اختتام کی موافقت کی وجہ سے اور پانی، شراب، دودھ، شہد کی جنت کی نہریں مراد ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی روشنی اور وسعت میں اور اسی سے نھار ہے اور اعرج رحمہ اللہ نے "ونہر" دو ضموں کے ساتھ پڑھا ہے نھار کی جمع ہے یعنی ان کی رات نہ ہوگی۔

۵۵ "فی مقعد صدق" حق مجلس میں جس میں نہ کوئی لغو ہوگا اور نہ کوئی گناہ۔ "عند ملیک مقتدر" قدرت والا بادشاہ جس کو کوئی چیز عاجز نہ کر سکے۔ جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مکان کی صدق کے ساتھ تعریف کی ہے پس اس میں صرف سچ والے ہی بیٹھیں گے۔

سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

مدنیہ ہے اور اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھلائی۔

تفسیر: ① "الرّحمٰن" نازل ہوئی جب انہوں نے کہا "وما الرّحمٰن" (رحمان کون ہے) اور کہا گیا ہے وہ اہل مکہ کا جواب ہے جب انہوں نے کہا کہ ان کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔

② "علّم القرآن" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور کہا گیا ہے "علّم القرآن" اس کو نصیحت کے لیے آسان کیا۔

③ "خلق الانسان" یعنی آدم علیہ السلام اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

④ "علمه البیان" ہر چیز کے نام اور کہا گیا ہے کہ تمام لغات سکھائیں اور آدم علیہ السلام سات زبانوں میں کلام کر سکتے تھے۔ ان میں افضل عربی ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ الانسان اسم جنس ہے اور اس سے تمام انسان مراد ہیں۔ "علمه البیان" بولنا، لکھنا اور سمجھنا اور سمجھانا۔ حتیٰ کہ جو وہ کہے دوسرے کو سمجھ آئے اور جو اس کو کہا جائے وہ جان لیں۔

یہ ابو العالیہ، ابن زید اور حسن رحمہم اللہ کا قول ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر قوم کو ان کی زبان سکھائی جس کے ذریعے وہ کلام کریں گے اور ابن کیسان رحمہ اللہ نے کہا ہے "خلق الانسان" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ "وعلمه البیان" جو ہو چکا اور جو آئندہ ہونے والا ہے اس کا بیان۔ اس لیے کہ وہ اوّلین وآخرین اور قیامت کے دن کی باتیں بیان کرتے تھے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪

ترجمہ: سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت دونوں اللہ کے مطیع ہیں اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اسی نے دنیا میں) ترازو رکھ دی تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کر گھٹاؤ مت اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو اس جگہ رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔

تفسیر: ⑤ "الشمس والقمر بحسبان" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں چکی کے دو پاٹوں کی طرح قطب رحا کی مثل میں چکر لگاتے ہیں۔ اس کے غیر نے کہا ہے اس کا معنی ہے یعنی وہ چلتے ہیں، حساب اور منازل کے ساتھ اس سے آگے نہیں بڑھتے۔ اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے اور ابن زید اور ابن کیسان رحمہما اللہ نے کہا ہے یعنی ان دونوں کے ذریعے اوقات اور مدتوں کا حساب کیا جاتا ہے اور اگر رات و دن سورج و چاند نہ ہوتے تو ان میں سے کچھ معلوم نہ ہوتا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ دونوں اندازے کے ساتھ چلتے اور "حسبان" کبھی مصدر ہوتا ہے "حسبت حساباً وحسابا نا" کا جیسے غفران، تفران، رجحان، نقصان اور کبھی حساب کی جمع جیسے شھبان اور رکبان

⑥ "والنجم والشجر یسجدان" النجم جس پودے کا تنہ نہ ہو اور الشجر جس کا تنہ ہو سردیوں میں باقی رہے اور ان دونوں کا سجدہ ان کے سایہ کا سجدہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا "یتفیئو اظلاله عن الیمین والشمائل سجداللّٰه" اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں النجم وہ ستارہ ہے اور اس کا سجود اس کا طلوع ہونا ہے۔

⑦ "والسماء رفعها" زمین کے اوپر "ووضع المیزان" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میزان سے انصاف مراد ہے۔ معنی یہ ہے کہ انصاف کا حکم دیا اس پر اللہ تعالیٰ کا قول۔

⑧ "الا تطغوا فی المیزان" دلالت کرتا ہے یعنی تم انصاف سے تجاوز نہ کرو اور حسن اور قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے وہ مراد ہے جس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے تا کہ اس کے ذریعے انصاف اور برابری تک پہنچا جائے اور وزن کی اصل التقدیر ہے۔ "الاتطغوا" یعنی تا کہ تم مائل نہ ہو جاؤ اور ظلم کر بیٹھو اور تولنے میں حق سے تجاوز کر جاؤ۔

⑨ "واقیموا الوزن بالقسط" انصاف کے ساتھ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی تم ترازو کی زبان کو انصاف کے ساتھ قائم کرو۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہاتھ سے قائم کرنا اور دل سے انصاف کرنا۔ "ولا تخسروا" اور تم کم نہ کرو۔ "المیزان" ماپنے اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

⑩ "والارض وضعها للانام" ان مخلوقات کے لیے جن کو اس میں بکھیرا ہے۔

⑪ "فیها فاکهة" یعنی میووں کی اقسام۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن نعمتوں سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ "والنخل ذات الاکمام" وہ خوشے جن میں کھجور ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کھجور غلاف میں ہوتی ہے جب تک وہ پھٹے نہ۔ اس کا واحد کم ہے اور جو کسی چیز کو ڈھانپ لے وہ "کُم" اور "کمة" ہے اور اسی سے قمیص کی آستین ہے اور ٹوپی کو

"کمۃ" کہا جاتا ہے۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذات الاکمام یعنی غلافوں والی اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے "اکمم" اس کے پتے ہیں اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شگوفہ ہے پھٹنے سے پہلے۔

وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮

ترجمہ اور (اس میں) غلہ ہے جن میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور اس میں غذا کی چیز بھی ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی نے انسان کی اصل اول یعنی (آدمؑ) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔

تفسیر ⑫ "والحب ذو العصف" حب سے وہ تمام دانے مراد ہیں جن کو کاٹا جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کھیتی کے پتے ہیں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "العصف" زمین میں کاشت کیے جاتے ہیں اور "العصف" ہر چیز کے پتے جس سے دانے نکلیں۔ ابتداء میں پتے ظاہر ہوتے ہیں اور وہ العصف ہے پھر ٹہنی ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس میں خوشے پیدا کرتے ہیں پھر ان خوشوں میں دانے پیدا کرتے ہیں۔ والبی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ وہ بھوسہ ہے اور یہی ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور عطیہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ وہ سبز کھیتی کے پتے ہیں جب ان کے سرے کاٹے جائیں اور وہ خشک ہو جائیں۔

اس کی نظیر "کعصف ماکول" ہے۔ "والریحان" یہ رزق ہے۔ اکثر حضرات کے قول میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے قرآن میں جہاں بھی الریحان کا لفظ ہے تو وہ رزق ہے۔ حسن اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ تمہارا گلاب کا پھول جو سونگھا جاتا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "العصف" انجیر ہے اور ریحان اس کا پھل ہے۔ اور اکثر کی قرأت "والحب ذوالعصف والریحان" سارے مرفوع ہیں فاکھہ پر عطف کرتے ہوئے اور ابن عامر رحمہ اللہ نے "والحب ذوالعصف والریحان" باء اور نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور ذوالف کے ساتھ ذا پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ انسانوں کو پیدا کیا ہے اور ان اشیاء کو پیدا کیا ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "والریحان" زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "العصف" پر عطف کرتے ہوئے پس لوگوں اور چوپایوں کی روزی کو ذکر کیا پھر جنوں اور انسانوں کو مخاطب کیا۔

⑬ "فبای آلاء ربکما تکذبان" مراد جن وانس ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ان مذکورہ اشیاء میں سے اور اس آیت کا اس سورت میں تکرار کیا ہے نعمت کو پختہ کرنے اور اس کے ذریعے نصیحت کی تاکید کے لیے عرب کی عادت کے مطابق کہ وہ ابلاغ واشباع میں ایسا کرتے ہیں۔ مخلوق پر اپنی نعمتوں کو گنوایا ہے اور ہر دو نعمتوں کے درمیان وہ بات ذکر کی ہے جو ان کو اس پر تنبیہ کردے۔

جیسے آدمی کا قول اس کو جو اس کی طرف احسان کرے اور اس پر لگاتار انعامات کرے اور وہ اس کا انکار و کفر کرے۔ "الم

تکن فقیرا فاغنیتک افتنکر ھذا؟" کیا تو فقیر نہیں تھا میں نے تجھے مال دار کیا، کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا تو ننگا نہیں تھا تو میں نے تجھے کپڑے پہنائے، کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا تو رسوا نہیں تھا تو میں نے تجھے عزت دی کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ اور اس تکرار کی مثل کلام میں عرب شائع ذائع (کثیر) ہے اور تثنیہ کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔ عرب کی عادت کے مطابق کہ وہ واحد کو تثنیہ کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "القیافی جھنم" ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر سورۃ الرحمٰن پڑھی حتیٰ کہ اس کو ختم کیا، پھر فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں خاموش دیکھتا ہوں؟ "رقبۃ" جن تم سے زیادہ اچھا جواب دینے والے تھے جب بھی میں ان پر یہ آیت ایک مرتبہ پڑھتا۔ "فبای آلاء ربکما تکذبن" تو وہ کہتے اے ہمارے رب! تیری نعمتوں میں سے کسی کو ہم نہیں جھٹلاتے۔ پس تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔

⑭ "خلق الانسان من صلصال کالفخار"

⑮ "وخلق الجانّ" اور یہ ابوالجن ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ابلیس ہے۔ "من مارج من نار" یہ آگ کے شعلوں میں سے خالص شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شعلہ جس میں سرخ زرد اور سبز شعلہ مل جل گئے ہوں، جب آگ جلائی جائے تو یہ اس کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ ان کے قول مرج امر القوم سے مشتق جب معاملہ خلط ملط ہو جائے تو بولا جاتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑱ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ⑲ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ⑳ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉑ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ㉒ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉓ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ㉔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉕

ترجمہ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی نے دو دریاؤں کو ملا دیا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقۃً ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی ہے) کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے نظر آتے ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تفسیر ⑯ "فبایّ آلاء ربکما تکذبن.

⑰ ربّ المشرقین" سردیوں کی مشرق اور گرمیوں کی مشرق کا۔ "وربّ المغربین" گرمیوں کی مغرب اور سردیوں کی مغرب کا۔

⑱ "فبایّ آلاء ربکما تکذبن"

12

⑲"مرج البحرین" میٹھا اور کھارا ان کو بھیجا اور ملا دیا۔"یلتقیان"

⑳"بینھما برزخ" اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رُکاوٹ ہے۔"لایبغیان" نہ ملتے ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں اور نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں پر غرق کرنے کے ذریعے سرکشی نہیں کرتے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرج البحرین یعنی بحر روم اور بحر ہند اور تم ان دونوں کے درمیان رُکاوٹ ہو اور قتادہ رحمہ اللہ سے ہے کہ بحر فارس اور بحر روم ان دونوں کے درمیان جزیرے رُکاوٹ ہیں اور مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں آسمان کا بحر اور زمین کا بحر (سمندر) ہر سال ملتے ہیں۔

㉑"فبایّ آلاء ربّکما تکذبٰن"

㉒"یخرج منھما" اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے "یخرج" یاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور راء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔"اللؤلؤ والمرجان" یہ کھارے سمندر سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ اور یہ کلام عرب میں جائز ہے کہ دو چیزوں کو ذکر کیا جائے، پھر ان میں سے کسی ایک کو کسی فعل کے ساتھ خاص کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم" حالانکہ رسول تو انسانوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ جنوں میں سے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ آسمان کے پانی اور سمندر کے پانی سے نکلتا ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنا منہ کھول دیتی ہیں۔ پس جب ایک قطرہ بھی ان میں گر جاتا ہے تو "لؤلؤ" پیدا ہوتے ہیں اور بڑے موتی کو "لؤلؤ" اور چھوٹے کو مرجان کہتے ہیں اور مقاتل اور مجاہد رحمہما اللہ نے اس کا اُلٹ کہا ہے اور کہا گیا ہے مرجان سبز رنگ۔

㉓ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبٰن. ㉔وله الجوار" بڑی کشتیاں "المنشئات" حمزہ اور ابوبکر رحمہما اللہ نے "المنشئات" شین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "المنشئات السیر" یعنی جنہوں نے چلنے کی ابتداء کی اور دیگر حضرات نے شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اُٹھائی ہوئیں جن کی لکڑیاں ایک دوسرے کے اوپر اُٹھائی گئی ہوں اور کہا گیا وہ کشتی جس کا بادبان بلند کیا گیا ہو اور جس کا بادبان بلند نہ کیا گیا ہو وہ "منشئات" میں سے نہیں ہے اور کہا گیا ہے جو تابع کی گئی ہیں۔"فی البحر کالاعلام" پہاڑوں کی طرح علم کی جمع ہے اور وہ لمبا پہاڑ۔ کشتی کو سمندر میں خشکی کے پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

㉕"فبایّ آلاء ربّکما تکذبٰن"

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾

ترجمہ: جتنے (جن وانس) روئے زمین پر موجود ہیں فنا ہو جائیں گے اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی اور احسان والی ہے باقی رہ جاوے گی سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ

گے اسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے خالی ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ㉖ "**کل من علیها**" یعنی زمین پر جو حیوان ہے۔ پس بے شک وہ "**فان**" ہلاک ہونے والا ہے۔

㉗ "**ویبقی وجه ربک ذو الجلال**" عظمت و بڑائی والا۔ "**والاکرام**" یعنی اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا اپنے لطف وجلال وعظمت کے ساتھ اکرام کرنے والا ہے۔

㉘ "**فبای آلاء ربکما تکذبن**."

㉙ **یسئاله من فی السموات والارض**" فرشتے اور جن وانس میں سے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے زمین وآسمان والے مستغنی نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں پس آسمان والے اس سے مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور زمین والے اس سے رزق، توبہ اور مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے زمین والے رزق اور مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور فرشتے بھی ان کے لیے رزق اور مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔ "**کل یوم هو فی شان**" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ ہفتہ کے دن کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کی شان یہ ہے کہ وہ زندگی دیتا اور موت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے اور ایک قوم کو عزت دیتا ہے اور ایک قوم کو ذلیل کرتا ہے اور مریض کو شفا دیتا ہے اور قیدی کو چھڑاتا ہے اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے اور پکارنے والے کو جواب دیتا ہے اور مانگنے والے کو دیتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے اور مخلوق کے بارے میں اس کے افعال واحداث احاطہ شمار سے باہر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ان چیزوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں ایک تختی ہے جو سفید موتی کی بنی ہے اس کے گتے سبز یاقوت کے ہیں اس کا قلم نور ہے اور نور کی لکھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرتے ہیں، پیدا کرتے اور رزق دیتے ہیں اور زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں اور عزت وذلت دیتے ہیں اور جو چاہے کرتے ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "**کل یوم هو فی شان**" ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سارا دھر اللہ تعالیٰ کے ہاں دو دن ہیں، ان میں سے ایک دُنیا کے ایام کی مدت اور دوسرا قیامت کا دن۔ پس وہ شان جس میں وہ ہے وہ دن ہے جو دُنیا کی مدت میں ہے امر ونہی کے ذریعے آزمائش کرنا، زندہ کرنا، موت دینا اور عطاء کرنا اور روکنا اور قیامت کے دن کی شان جزاء اور حساب اور ثواب وعقاب ہے اور کہا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہر دن ورات میں تین لشکر نکالتا ہے ایک لشکر آباء کی پشتوں سے ماؤں کے رحموں کی طرف اور ایک لشکر رحموں سے دُنیا کی طرف اور ایک لشکر دُنیا سے قبروں کی طرف۔ پھر وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کریں گے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ تقدیر کو اس کو وقت پر جاری کرتا ہے۔

㉚ "**فبای آلاء ربکما تکذبن**."

㉛ "سنفرغ لکم" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے سیفرغ یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "یسأله من فی السموات والارض" اور "ویبقی وجه ربک" اور "وله الجوار" کی وجہ سے۔ پس خبر کا اتباع کیا اور دیگر حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور اس سے مراد مشغولیت سے فارغ ہونا نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک شان دوسری سے مشغول نہیں کرسکتی لیکن یہ اللہ کی طرف سے مخلوق کو محاسبہ کی وعید ہے۔ جیسے کہنے والے کا قول "لافرّغن لک" کہ میں ابھی تیرے لیے فارغ ہوتا ہوں حالانکہ اس کو کوئی مصروفیت نہیں ہوتی اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہ فراغ اس وجہ سے اچھا ہے کہ پہلے شان کا ذکر گزر چکا ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے اس کا معنی عنقریب ہم تمہارا ارادہ کریں گے مہلت دینے کے بعد اور ہم تمہارے معاملہ میں شروع ہوں گے جیسے اس شخص کا قول جس کو کوئی مصروفیت نہیں ہوتی لیکن کہتا ہے "قد تفرّغت لک" میں آپ کے لیے فارغ ہو گیا ہوں۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ سے وعدہ کیا ہے اور اہل فجور کو دھمکی دی ہے۔ پھر فرمایا "سنفرغ لکم" اس سے جو تم سے وعدہ کیا ہے اور ہم نے تمہیں خبر دی ہے۔ پس ہم تمہارا محاسبہ کریں گے اور تمہیں بدلہ دیں گے اور جو تم سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کریں گے۔ پس ہم اس کو مکمل کریں گے اور اس سے فارغ ہوں گے اور اسی طرف حسن اور مقاتل رحمہما اللہ گئے ہیں۔ "ایها الثقلان" یعنی جن وانس ان کا نام ثقلین رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ زندگی اور موت دونوں میں زمین پر بوجھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واخرجت الارض اثقالها" اور اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز جس کی قدر اور وزن ہو اور گراں قیمت ہو اس میں ثقل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں ثقلین چھوڑ کر جانے والا ہوں کتاب اللہ اور میری آل۔ پس ان دونوں کو ثقل قرار دیا ان کے قدر و مرتبہ کو بڑھانے کے لیے اور جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جن وانسان کا نام ثقلین رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ دونوں گناہوں سے بوجھل ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ㉜ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا. لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ ㉝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ㉞ یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ ㉟

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اے گروہ جن وانس کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے) نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔

تفسیر: ㉜ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن.

㉝یامعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفلوا" یعنی تم تجاوز کر جاؤ اور نکل جاؤ۔ "من اقطار السموات والارض" یعنی ان دونوں کے اطراف وجوانب سے۔ "فانفلوا" اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ موت سے بھاگ جاؤ زمین وآسمان کے اطراف سے نکل کر تو بھاگ جاؤ اور اس سے نکل جاؤ اور مطلب یہ ہے کہ تم جہاں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اینما تکونوا یدرککم الموت" اور کہا گیا ہے کہ ان کو یہ قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمان وزمین سے تجاوز کر جاؤ اور اپنے رب کو عاجز کر دو تا کہ وہ تم پر قادر نہ ہو سکے تو تجاوز کر جاؤ۔ "لاتنفلون الا بسلطان" یعنی ملک کے ذریعے اور کہا گیا ہے حجت کے ذریعے اور سلطان وہ قوت جس کے ذریعے کسی کام پر مسلط ہو جائے (چھا جائے) پس ملک وقدرت وحجت سب سلطان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم جہاں بھی متوجہ ہو جاؤ تم میرے ملک اور میری سلطنت میں ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم طاقت رکھو کہ تم جان لو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے تو خوب جان لو اور تم ہرگز اس کو نہ جانو گے مگر سلطان کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "الّا بسلطان" یعنی الی سلطان ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وقد احسن بی" یعنی "الیّ" ہے۔

㉞"فبایّ آلاء ربکما تکذبن" اور حدیث میں ہے کہ مخلوق کا فرشتوں اور آگ کی زبان کے ذریعے احاطہ کیا جائے گا، پھر آواز دی جائے گی۔ "یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا"

㉟پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یرسل علیکما شواظ من نار" ابن کثیر رحمہ اللہ نے شین کی زیر کے ساتھ اور دیگر حضرات نے اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے "صوار من البقر" اور "صوار. شواظ" آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سبز شعلہ جو آگ سے جدا ہوتا ہے۔ "ونحاس" ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابو عمر نے نحاس سین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے نار پر عطف کرتے ہوئے۔

اور باقی حضرات نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے شواظ پر عطف کرتے ہوئے۔ سعید بن جبیر اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں النحاس دھواں اور یہی عطاء کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور معنی یہ ہے کہ "یرسل علیکما شواظ و یرسل نحاس هذا مرّة وهذه مرة" یعنی تم دونوں پر شعلہ بھیجا جائے گا اور دھواں بھیجا جائے گا۔ یہ ایک مرتبہ اور یہ ایک مرتبہ۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں اکٹھے بھیجے جائیں ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ نہ ملے اور جس نے "النار" پر عطف کی وجہ سے جر دی ہے تو وہ ضعیف ہے اس لیے کہ ہوگی "شواظ من نحاس" پس ممکن ہے کہ اصل عبارت "شواظ من نار" (آگ کا شعلہ) "وشئ من نحاس" (تھوڑا سا دھواں) ہو (ضعیف) اس بنا پر کہ حکایت کیا گیا ہے کہ شواظ (شعلہ) آگ اور دھوئیں سے نہیں ہوتا۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں النحاس پگھلا ہوا پیتل جو ان کے سروں پر اُنڈیلا جائے گا اور یہی عوفی رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "النحاس مهل" (پگھلا ہوا تارکول یا پگھلی ہوئی معدنیات لوہا وغیرہ) ہے۔ "فلا تنتصران" یعنی پس یہ دونوں اللہ کے عذاب سے نہ روکیں گے اور نہ تمہارے لیے کوئی مددگار ہوگا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㊱ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ㊲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㊳ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ㊴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ
㊵ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ㊶

ترجمہ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے غرض جب (قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ نری (یعنی چمڑا سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے تو اس روز (اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کے لئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے مجرم لوگ اپنے حلیہ سے (کہ سیاہی چہرہ اور نیلگوں چشم ہے) پہچانے جائیں گے (سوان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔

تفسیر ㊱ "فبایّ آلاء ربکما تکذبن.

㊲ فاذا انشقت" پھٹ جائے گا۔ "السماء" پس دروازہ ہو جائے گا فرشتوں کے اُترنے کے لیے۔ "فکانت وردة" یعنی ورد گھوڑے کے رنگ کی طرح اور وردا ایسا سفید رنگ جو سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آج کے دن سبز ہے اور اس دن اس کا دوسرا رنگ ہوگا جو سرخی کی طرف مائل ہوگا اور کہا گیا ہے کہ اس کے اس دن مختلف رنگ ہوں گے جیسے ورد گھوڑے کے رنگ کی طرح۔ بہار میں زرد ہوتا ہے اور سردیوں کی ابتداء میں سرخ اور جب سخت سردی ہو تو غبار آلود ہوتا ہے تو آسمان کے پھٹنے کے وقت رنگ بدلنے کو اس گھوڑے کے رنگ بدلنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ "کالدھان" دھن کی جمع، آسمان کے رنگ بدلنے کو گھوڑے کے رنگ بدلنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وردة کو اس کے رنگوں کے مختلف ہونے میں دھن اور اس کے مختلف رنگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اور یہی ضحاک، مجاہد اور قتادہ اور ربیع رحمہم اللہ کا قول ہے اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "کالدھان" تل کے تیل کی طرح جو ایک گھڑی میں کئی رنگ بدلتا ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں گلاب کے خالص تیل کی طرح۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ آسمان پگھلے ہوئے تیل کی طرح ہو جائے گا۔ جب اس کو جہنم کی گرمی پہنچے گی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کالدھان" یعنی سرخ چمڑے کی طرح اس کی "ادھنة" اور دھن ہے۔

㊳ "فبایّ آلاء ربکما تکذبن.

㊴ فیومئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان" حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیے جائیں گے تاکہ ان کی طرف سے معلوم کیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں اور فرشتوں نے ان پر لکھ بھی لیا ہے۔ یہ عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ فرشتے مجرمین کے بارے میں

سوال نہ کریں گے۔ اس لیے کہ وہ ان کو ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے۔ اس کی دلیل کے بعد والی آیت ہے اور یہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت اور اللہ تعالیٰ کے قول "فو ربک لنسئلنھم اجمعین" میں تطبیق کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے یہ نہ پوچھیں گے کہ تم نے یہ یہ عمل کیا ہے؟ اس لیے کہ وہ اس کو خوب جانتے ہیں لیکن ان سے یہ پوچھیں گے تم نے یہ یہ عمل کیوں کیا؟ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کئی جگہیں ہیں۔ بعض میں ان سے پوچھا جائے گا اور بعض میں نہیں پوچھا جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہ شفقت و رحمت سے نہ پوچھے جائیں گے وہ تو ڈانٹ کے ذریعے پوچھے جائیں گے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیر مجرم سے مجرم کے گناہوں کا سوال نہ کیا جائے گا۔

㊵ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن.

㊶ یعرف المجرمون بسیماھم" وہ چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلا پن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یوم تبیض وجوہ وتسودّ وجوہ"...... "فیؤخذ بالنواصی والاقدام"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㊷ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ㊸ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ㊹ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㊺ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ㊻

ترجمہ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اردگرد کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے دو باغ ہوں گے۔

تفسیر ㊷ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن" پاؤں کو پیشانیوں سے ملا دیا جائے گا پیچھے سے اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔

㊸ پھر ان کو کہا جائے گا "ھذہ جھنم الّتی یکذب بھا المجرمون" مشرکین

㊹ "یطوفون بینھا وبین حمیم آن" جس کی گرمائش انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "انی یانی فھو آن" جب پکنے کی انتہاء کو پہنچ جائے۔ اور معنی یہ ہے کہ وہ جہنم اور گرم پانی کے درمیان دوڑیں گے۔ پس جب وہ جہنم کی گرمی سے فریاد طلب کریں گے تو ان کا عذاب کھولتا ہوا پانی جو تارکول کی طرح ہوگا بنایا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل" اور کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں آن جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں اہل جہنم کی پیپ جمع ہوتی ہے، پس وہ بیڑیوں میں وہاں لائے جائیں گے، پھر اس وادی میں غوطے دیئے جائیں گے حتیٰ کہ ان کے جوڑ کھل جائیں گے پھر اس سے نکالے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو نئی خلقت دیں گے، پھر جہنم میں ڈالے جائیں گے اور یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول "یطوفون بینھا وبین حمیم آن" کا

۴۵ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن" اور اللہ نے جو کچھ ذکر کیا اپنے قول "کل من علیھا فان" سے یہاں تک وہ مواعظ اور ڈانٹ اور ڈرانا ہے اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ہیں اس لیے کہ معاصی سے روکتی ہیں اس لیے ہر آیت کو اپنے قول "فبایّ آلاء ربکما تکذبن" کے ذریعے ختم کیا ہے۔ پھر وہ ذکر کیا جو تقویٰ والے اور خوف کرنے والے کے لیے تیار کیا؟

۴۶ "ولمن خاف مقام ربّہ" یعنی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے حساب کے لیے۔ پس اس نے معصیت اور شہوت کو چھوڑ دیا اور کہا گیا ہے اس کے رب کے اس پر قیام کرنے سے۔ اس کا بیان اللہ تعالیٰ کا قول "افمن ھو قائم علی کلّ نفس بما کسبت" ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ شخص جو معصیت کا پختہ ارادہ کرے پھر اللہ کو یاد کرے اور اس معصیت کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے۔ "جنتان" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت عدن اور جنت نعیم۔

محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک جنت اپنے رب کے خوف کی وجہ سے اور ایک جنت اس کے شہوت کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس کے لیے ہے جو پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ سے ڈرے اپنے علم کے ذریعے جو اس کے سامنے حرام چیز آئے اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اور جو خیر کا عمل کرے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو تو یہ پسند نہ کرے کہ اس پر کوئی مطلع ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین اس مقام سے ڈرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتے ہیں اور رات و دن عبادت کی عادت بناتے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوف کرے گا رات کو سفر کرے گا اور جو رات کو سفر کرے گا منزل تک پہنچ جائے گا۔ خبردار! اللہ کا سامان گراں ہے، خبردار! اللہ کا سامان گراں ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ انہوں نے منبر پر بیان کیا اور فرمایا "ولمن خاف مقام ربّہ جنتان" میں نے کہا اگرچہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے اے اللہ کے رسول؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ولمن خاف مقام ربہ جنتان" تو میں نے دوسری مرتبہ کہا اگرچہ وہ زنا کرے، اگرچہ وہ چوری کرے یارسول اللہ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ولمن خاف مقام ربّہ جنتان" تو میں نے تیسری مرتبہ کہا اگرچہ وہ زنا کرے اگرچہ وہ چوری کرے یارسول اللہ؟ فرمایا اگرچہ وہ زنا کرے اگرچہ وہ چوری کرے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۴۷ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۴۸ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۴۹ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۵۰ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۵۱ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ۵۲ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۵۳ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ۵۴

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخ والے ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے

کہ بہتے چلے جائیں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا۔

تفسیر ㊼ "فبای آلاء ربکما تکذبن" پھر دونوں جنتوں کا وصف بیان کیا۔

㊽ "ذواتا افنان" ٹہنیوں والا۔ اس کا واحد فنن ہے اور یہ وہ ٹہنی ہے جو سیدھی لمبی ہو اور یہ مجاہد اور عکرمہ اور کلبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹہنیوں کا سایہ دیواروں پر ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں سایوں والے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رنگوں والے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہاں مختلف قسم کے میوے۔ اس کا واحد فنن ہے، یہ مشتق ہے ان کے قول "افنن فلان فی حدیثه" سے۔ جب وہ اپنی بات میں مختلف طرز کی گفتگو کرے اور عطاء نے دونوں قولوں میں تطبیق دی ہے۔ پس فرمایا ہر ٹہنی پر کئی قسم کے میوے ہوں گے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فضل اور وسعت والے اپنے ماسوا پر۔

㊾ "فبای آلاء ربکما تکذبن.

㊿ فیهما عینان تجریان" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اہل جنت پر کرامت اور زیادتی کے ساتھ۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں صاف میٹھے پانی کے ساتھ چلتی ہیں ان میں سے ایک تسنیم اور دوسری سلسبیل ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان میں سے ایک ایسے پانی کی ہے جو بدبودار نہیں ہے اور دوسری شراب کی جو پینے والوں کیلئے لذت ہے۔

(51) "فبای آلاء ربکما تکذبن.

(52) فیهما من کل فاکهة زوجان" دو دو قسمیں۔ کہا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں میں ہر اس چیز کی جس سے لذت حاصل کی جاتی ہے دو قسمیں ہیں تر اور خشک۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی میٹھا اور کڑوا پھل نہیں ہے مگر وہ جنت میں ہے حتیٰ کہ ایلوہ (کوڑتما) مگر وہ میٹھا ہوگا۔

(53) "فبای آلاء ربکما تکذبن.

(54) متکئین علی فرش" فراش کی جمع ہے۔ "بطائنها" بطانت کی جمع ہے اور یہ وہ جو کپڑے کے ابرے کے نیچے ہو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو زمین کو ملا ہوا ہو۔ "من استبرق" جو ریشم میں سے موٹا ہو۔ ابن مسعود اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے یہ تو بچھونے کا نچلا حصہ ہے۔ پس تمہارا اس کے اوپر والے ابرے کے بارے میں کیا گمان ہے؟ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو کہا گیا کہ بطائن تو ریشم کے ہوں گے اور ظواہر؟ تو فرمایا یہ ان میں سے ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرّة اعین" اور ان سے ہی روایت ہے فرمایا کہ اس کا نچلا حصہ استبرق کا ہوگا اور اوپر والا حصہ جامہ نور کا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے بطائن کا وصف بیان کیا ہے اور ظواہر کو چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ زمین میں کوئی شخص ایسا نہیں جو جانے کہ ظواہر (بچھونے کا اوپر والا حصہ) کیا ہے۔ "وجنا الجنتین دان" الجنی جو پھلوں

میں سے چنا جائے۔ مراد یہ ہے کہ اس کے پھل قریب ہوں گے اس کو کھڑا اور بیٹھا اور لیٹا شخص لے سکے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں درخت جھک جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اس کا پھل چن لے گا اگر چاہے گا تو کھڑے کھڑے اور اگر چاہے گا تو بیٹھے بیٹھے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے ہاتھ اس سے دوری اور کانٹے دور نہ کریں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ 55 فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ 56

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ 57 كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ 58

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

تفسیر: 55 "فبایّ آلاء ربّکما تکذبٰن".

56 **فیھن قاصرات الطرف**" آنکھوں کو جھکانے والیاں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں کو اپنے خاوندوں پر جھکایا ہوا ہوگا۔ ان کے علاوہ کی طرف نہیں دیکھیں گی اور ان کے غیر کا ارادہ بھی نہ کریں گی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے خاوند کو کہے گی میرے رب کی عزت کی قسم! میں نے جنت میں تجھ سے زیادہ حسین چیز کوئی نہیں دیکھی۔ پس تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تیری بیوی اور تجھے میرا خاوند بنایا۔ "**لم یطمثھن**" انہوں نے جماع نہ کیا ہوگا اور ان کو حیض نہ آیا ہوگا۔ اس کی اصل خون سے۔ حائضہ عورت کو طامث کہا جاتا ہے۔ گویا کہ فرمایا جماع کی وجہ سے ان کا خون نہ آیا ہوگا۔ "**انس قبلھم ولا جان**" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ جنی عورت سے بھی جماع کیا جاتا ہے جیسا کہ انسان عورت سے جماع کیا جاتا ہے۔

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ کی تفسیر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انسان جماع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے ذکر پر لپٹ جاتے ہیں پھر اس کے ساتھ جماع کرتے ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "**لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان**" کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کو جنت میں پیدا کیا۔ پس اس کے قول پر یہ جنت کی حوروں میں سے ہیں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دُنیا کی عورتوں میں سے ہیں کہ جب سے پیدا کی گئی ہیں جماع نہیں کی گئیں اور یہ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے یعنی اس پیدائش میں ان سے کسی انسان اور جن نے جماع نہیں کیا اور طلحہ رحمہ اللہ نے معرف پڑھا ہے "**لایطمثھن**" میم کے پیش کے ساتھ ان دونوں میں۔ اور کسائی رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک کو پیش کیساتھ پڑھا ہے۔

پس اگر پہلی کو زیر دی جائے تو دوسری کو پیش دی جائے گی اور اگر پہلی کو پیش دی جائے تو دوسری کو زیر دی جائے گی ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ کی روایت کی وجہ سے۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز

پڑھی تو میں نے سنا وہ پڑھ رہے تھے "لم یطمثھن" رفع کے ساتھ اور میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھی تو ان کو سنا وہ میم کی زیر کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور کسائی رحمہ اللہ ان میں سے ایک کو پیش اور دوسری کو زیر دیتے تھے تاکہ ان دونوں اثروں سے نہ نکلیں۔

㊼"فبایّ آلاء ربّکما تکذبٰن. ㊽ کانھن الیاقوت و المرجان"

کَاَنَّھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ کی تفسیر

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یاقوت کی چمک مرجان کی سفیدی میں۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل جنت کی صفت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ہر آدمی کے لیے دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے، ان کی پنڈلیوں کا گودہ ان کے گوشت اور خون اور جلد کے پیچھے سے دیکھا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوں گے چودھویں کے چاند کی صورت پر، پھر جو ان کو ملے ہوں گے آسمان میں سب سے زیادہ چمکدار ستارہ کی طرح ان کے دلوں کی روشنی ایک آدمی کے دل پر ہوگی۔ ان میں کوئی اختلاف اور باہم بغض نہ ہوگا۔ ہر آدمی کے لیے ان میں سے دو بیویاں ہوں گی حورعین میں سے ان کی پنڈلیوں کا گودہ ہڈیوں اور گوشت کے پیچھے سے دیکھا جائے گا حسن کی وجہ سے۔ وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کریں گے نہ بیمار ہوں گے نہ پیشاب و پاخانہ کریں گے اور نہ تھوک و رینٹھ آئے گی۔ ان کے برتن سونے اور چاندی کے اور کنگھیاں سونے کی اور ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن اگر کی لکڑی اور ان کا پسینہ کستوری ہوگا۔ ایک آدمی کی تخلیق پر ہوں گے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا، بے شک عورت اس کی پنڈلی کی سفیدی اور اس کا گودہ ریشم کے ستر جوڑوں کے پیچھے سے دیکھا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کانھن الیاقوت و المرجان" بہرحال یاقوت تو وہ پتھر ہے اگر تو اس میں دھاگہ داخل کردے پھر اس کو صاف کردے (رگڑائی کردے) تو اس کے پار دیکھ سکتا ہے اور عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ حورعین کی عورت ستر جوڑے پہنے گی۔ پس اس کی پنڈلی کا گودہ ان کے پیچھے سے دیکھا جائے گا۔ جیسا کہ سرخ شراب سفید شیشے میں سے دیکھی جاتی ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㊾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ㊿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾

(ترجمہ) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے بھلا غایت اطاعت) کا بدلہ بجز غایت عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور ان دونوں

باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے۔

تفسیر 59 "فبای آلاء ربکما تکذبن 60 هل جزاء الاحسان الا الاحسان" یعنی جو دُنیا میں نیک کام کرے تو اس کی جزاء یہی ہے کہ اس کے ساتھ آخرت میں اچھائی کی جائے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نہیں ہے اس شخص کا بدلہ جو لا الہ الا اللہ کہے اور جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس پر عمل کرے مگر جنت۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس شخص کا بدلہ جس پر میں نے توحید کا انعام کیا وہ صرف جنت ہے۔ 61 "فبای آلاء ربکما تکذبن.

آیت وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ کی تفسیر

62 ومن دونهما جنتان" یعنی پہلی دو جنتوں کے علاوہ دوسری دو جنتیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان دونوں سے درجہ میں کم اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سے مرتبہ میں بڑھ کر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سونے کی دو جنتیں ہیں سبقت کرنے والوں کی اور چاندی کی دو جنتیں ہیں پیچھے آنے والوں کے لیے اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ چار جنتیں ہیں دو جنتیں مقرب سبقت کرنے والوں کے لیے۔ اس میں ہر قسم کے میوؤں کی دو دو قسمیں ہیں اور دو جنتیں اصحاب یمین اور تابعین کے لیے۔ "فيهما فاكهة ونخل ورمان" ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں ان کے برتن اور جو کچھ ان دونوں میں ہے چاندی کے ہیں اور دو جنتیں ان کے برتن اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سونے کا ہے اور قوم کے درمیان اور ان کے اپنے رب کو دیکھنے کے درمیان صرف باری تعالیٰ کے چہرہ پر کبریائی کی چادر ہے جنت عدن میں اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ومن دونهما" یعنی ان کے سامنے اور ان سے پہلے اس پر ضحاک رحمہ اللہ کا قول دلالت کرتا ہے کہ دو جنتیں پہلی دو سونے اور چاندی کی اور دوسری دو یاقوت کی ہیں۔

63 "فبای آلاء ربکما تکذبن. 64 مدهامتان" تر و تازہ ہیں اپنے رب کی طرف سے سیاہ ہیں تیز سبز ہیں اس لیے کہ سبز رنگ جب گہرا ہو تو سیاہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ادهام الزرع جب اس پر سیاہی چھائی ہوئی ہو۔ "ادهيما ما فهو مدهام"

65 "فبای آلاء ربکما تکذبن. 66 فيهما عينان نضاختان" دو چشمے ہیں پانی کے جو ختم نہیں ہوتے اور "النضخ" پانی کا چشمے سے جوش مارنا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جو اہل جنت پر خیر و برکت چھڑکیں گے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کستوری اور کافور چھڑکیں گے۔ اولیاء اللہ پر، اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کستوری اور عنبر اہل جنت کے گھروں میں چھڑکیں گے بارش کی طرح۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں میوے کھجوریں اور انار ہوں گے۔

تفسیر: ⑥٧ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن. ⑥٨ فیھما فاکھة ونخل و رمان" ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ کھجور اور انار میوہ میں سے نہیں ہیں اور اکثر اس پر ہیں کہ یہ میوہ میں سے ہیں اور یہاں النخل اور الرمان کے ذکر کا اعادہ کیا ہے حالانکہ یہ دونوں فواکہ (میووں) میں سے ہیں تخصیص اور تفصیل کے لیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "من کان عدوًا للّٰہ وملائکته ورسله وجبریل و میکال" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جنت کی کھجور اس کے تنے سبز زمرد کے اور اس کے پتے سرخ سونے کے اور اس کی شاخیں اہل جنت کے کپڑے ہوں گے۔ اسی سے ان کے کپڑے اور جوڑے ہوں گے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح یا ڈولوں کی طرح ہوں گے، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم اس کی گٹھلی نہ ہوگی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ (یعنی حوریں)

تفسیر: ⑥٩ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن. ⑦٠ فیھن" یعنی چاروں جنتوں میں "خیرات حسان" ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا مجھے اللہ تعالیٰ کے قول "خیرات حسان" کے بارے میں خبر دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا عمدہ اخلاق خوبصورت چہروں والی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا ہوگا۔

تفسیر: ⑦١ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن. ⑦٢ حور مقصورات" محبوس بچوں میں چھپی ہوئی۔ کہا جاتا ہے امرأة مقصورة و قصیرة۔ جب وہ پردہ نشین چھپی ہوئی ہو باہر نہ نکلتی ہو اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی انہوں نے اپنی نگاہوں کو اور اپنے آپ کو اپنے خاوندوں پر بند کر دیا ہو ان کے بدلہ کچھ اور نہ چاہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک روایت پہنچی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین کے درمیان کو روشن کر دے گی اور ان کے درمیان کو خوشبو سے بھر دے گی اور اس کے پَر اس کا آدھا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ "فی الخیام" خیمۃ کی جمع ہے۔ ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے

اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مؤمن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہے ایک کھوکھلے موتی کا، اس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس کے ہر جانب میں اس کے اہل ہیں وہ دوسروں کو نہیں دیکھ سکتے مؤمن ان پر چکر لگائے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝٧٣ لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝٧٤ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝٧٥ مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝٧٦

ترجمہ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

تفسیر ٧٣ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن. ٧٤ لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان.

٧٥ فبایّ آلاء ربّکما تکذبن ٧٦ متکئین علی رفرف خضر"

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں الرفرف جنت کا سرسبز وشاداب باغ ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کا واحد رفرفۃ ہے اور فرمایا الرفارف جمع کی جمع ہے اور کہا گیا ہے الرفرف بچھونا ہے اور یہ حسن، مقاتل اور قرظی رحمہم اللہ کا قول ہے اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الرفرف فضول المجالس والبسط ہے اور ضحاک رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فرش کے اوپر سبز نشست گاہیں اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کھیاں ہیں۔ اور ابن عیینہ زرابی نے کہا اور ان کے غیر نے کہا ہر چوڑا کپڑا عرب کے ہاں رفرف ہے۔ "وعبقری حسان" وہ گدے اور موٹی چٹائیاں۔ یہ جمع ہے اس کا واحد "عبقریۃ" ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں منقش ہر کپڑا عرب کے ہاں عبتری ہے اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس زمین کی طرف منسوب ہے جہاں نقش ونگار کا کام ہوتا ہے۔ خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر عمدہ نفیس قابل فخر مردوں اور ان کے علاوہ میں سے عرب کے ہاں عبقری ہے اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے "میں نے عمر جیسا حیرت انگیز شخص نہیں دیکھا جو اس کی طرح سیراب کرتا ہو۔"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝٧٧ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝٧٨

ترجمہ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے بڑا برکت والا ہے نام آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

تفسیر ٧٧ "فبایّ آلاء ربّکما تکذبن. ٧٨ تبارک اسم ربّک ذی الجلال والاکرام" اہل شام نے۔ "ذو الجلال" واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے اسم پر جاری کرتے ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو اتنی مقدار بیٹھتے کہ "اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام" پڑھ لیں۔

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَہ

مکی ہے اور اس کی چھیانوے (۹۶) آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ① لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَۃٌ ② خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ③ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَکَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ⑦ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ⑧

ترجمہ جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے تو وہ (بعض کو) پست کردے گی اور بعض کو بلند کردے گی جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔

تفسیر ① "اذا وقعت الواقعة" جب قیامت قائم ہوگی اور کہا گیا ہے جب قیامت کی چیخ نازل ہوگی اور وہ نفحہ اخیرہ ہے۔

② "لیس لوقعتها" اس کے آنے کے لیے "کاذبة" جھوٹ۔ جیسا کہ اس کا قول ہے "لاتسمع فیها لاغیة" یعنی لغو۔ یعنی وہ حق و سچ واقع ہوگی اور "کاذبة" اسم ہے "عافیة" اور "نازلة" کی طرح۔

③ "خافضة رافعة" کچھ قوموں کو جہنم کی طرف پست کرے گی اور دوسری قوموں کو جنت کی طرف بلند کرے گی۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان قوموں کو پست کرے گی جو دُنیا میں بلند ہوتی تھیں اور ان قوموں کو بلند کرے گی جو دُنیا میں کمزور ضعیف سمجھی جاتی تھیں۔

④ "اذا رجّت الارض رجّا" حرکت دی جائے گی اور جھٹکے دی جائے گی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جب اس کی طرف وحی کریں گے تو وہ مضطرب ہو کر کئی ٹکڑے ہو جائے گی۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں حرکت دی جائے گی جیسا کہ بچہ کو جھولے میں حرکت دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس پر موجود ہر تعمیر گر جائے گی اور اس پر موجود پہاڑ وغیرہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور الرج کی اصل حرکت دینا کہا جاتا ہے "رججته فارتج"

⑤ "وبست الجبال بسّا" عطاء، مقاتل اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں ٹکڑے کیے جائیں گے۔ پس وہ تر کیے ہوئے آٹے کی

طرح ہو جائیں گے۔ سعید بن مسیب اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں توڑے جائیں گے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زمین کے اوپر چلائے جائیں گے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی جڑ سے اکھاڑے جائیں گے تو ختم ہو جائیں گے۔ اس کی نظیر "فقل ینسفھا ربی نسفا" ہے۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ریت کے بچھے ہوئے ٹیلے کر دیئے گئے، بعد اس کے کہ وہ لمبے بلند تھے۔

6 "فکانت ھباء منبثا" غبار متفرق اس کی طرح جب سوراخ سے سورج کی روشنی اندر داخل ہو تو اس روشنی میں دیکھا جاتا ہے وہ ھباء ہے۔ 7 "و کنتم ازواجا" اقسام "ثلاثۃ"

اصحاب الیمین کون لوگ ہوں گے

8 پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا "فاصحاب المیمنۃ" وہ لوگ ہیں جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جنت کے لیے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے جب ان کی اولاد ان کی پشت سے نکالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ حسن اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ صاحب برکت تھے اور ان کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزریں اور تابعین باحسان ہیں پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تعجب کیا اور فرمایا "ما اصحاب المیمنۃ" اور یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے زید ما زید مراد ہوتا ہے زید سخت ہے۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑨ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ⑮ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ⑯

ترجمہ: اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں (اور) وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

تفسیر: 9 "واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ" یعنی بائیں جانب والے اور عرب بائیں ہاتھ کا نام الشؤمی رکھتے ہیں اور اسی سے شام اور یمن کا نام رکھا گیا۔ اس لیے کہ یمن کعبہ کی دائیں جانب اور شام اس کی بائیں جانب ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو لیا جائے گا بائیں جانب جہنم کی طرف اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو آدم

علیہ السلام کی بائیں جانب تھے، ان کی اولاد کے نکالنے کے وقت اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا یہ لوگ جہنم میں ہوں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خود پر منحوس بے برکت ہیں اور ان کی عمریں نافرمانیوں میں گزریں۔

⑩ "**والسابقون السابقون**" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہجرت کی طرف سبقت کرنے والے وہی آخرت میں سبقت کرنے والے ہیں اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلام کی طرف سبقت کرنے والے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "**والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار**" ہے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو قبول کرنے میں سبقت کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ آخرت میں جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی بات کو ایمان لانے کے ساتھ قبول کرنے والے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پانچ نمازوں کی طرف اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد کی طرف۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو توبہ اور نیکی کے اعمال کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**سابقوا الى مغفرة من ربكم**" پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "**اولئک يسارعون في الخيرات وهم لها سابقون**" ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر اس چیز کی طرف سبقت کرنے والے ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے اور کعب رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے فرمایا یہ اہل قرآن ہیں اور کہا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مسجد کی طرف جانے میں پہل کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں نکلنے میں بھی اور قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر خیر کی طرف۔

⑪ "**اولئک المقربون**" اللہ سے۔

⑫ "**في جنات النعيم**" ⑬ **ثلّة من الاوّلين**" گزشتہ اُمتوں میں سے آدم علیہ السلام کے وقت سے ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانہ تک اور "ثلّة" وہ جماعت جن کی تعداد شمار میں نہ آسکے۔

⑭ "**وقليل من الآخرين**" یعنی اس اُمت میں سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے آدم علیہ السلام کے وقت سے تمام انبیاء علیہم السلام کا معائنہ کیا اور ان کی تصدیق کی۔ یہ ان سے زیادہ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معائنہ کیا۔

⑮ "**علىٰ سرر موضونة**" بُنے ہوئے۔ جیسا کہ چٹائی بُنی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ وہ ہے جو سونے اور جواہرات کے ساتھ بُنی جائے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**موضونة مصفوفة**" کے معنی میں ہے یعنی صف در صف بچھے ہوئے۔

⑯ "**متكئين عليها متقابلين**" وہ ایک دوسرے کی پیٹھ کو نہ دیکھیں گے۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ⑰ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ⑱ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ⑲ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ⑳ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا

يَشْتَهُوْنَ ۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۲۳

ترجمہ: ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا نہ ان کو اس سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور ہوگا اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہوگا اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا۔

تفسیر: ۱۷ "یطوف علیھم" خدمت کے لیے۔ "ولدان" لڑکے "مخلدون" نہ مریں گے اور نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان کی حالت تبدیل ہوگی۔ فراء کہتے ہیں جو شخص بوڑھا ہو جائے اور سر کے بال دور نگے جیسے ہو جائیں تو عرب اس کو مخلد کہتے ہیں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں لڑکے جو ایک حالت سے دوسری کی طرف منتقل نہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقرطون یعنی بالیاں پہنائے ہوئے ہوں گے۔ کہا جاتا ہے "خلد جارية" جب اس کو خلد کے ذریعے مزین کرے اور خلد قرط (بالی) ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اہل دُنیا کی وہ اولاد ہوگی جن کی نہ نیکیاں ہوں گی کہ ان پر ثواب دیا جائے اور نہ گناہ ہوں گے جن پر سزا دی جائے اس لیے کہ جنت میں اولاد نہ ہوگی تو یہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

۱۸ "باکواب و اباریق" اکواب کوب کی جمع ہے اور یہ گول منہ والے پیالے ان کے کڑے نہ ہوں اور "اباریق وھی ذوات الخراطیم" سمیت "اباریق لبریق لونھا من الصفاء. وکاس من معین" چھلکتی ہوئی شراب کے۔

۱۹ "لایصدعون عنھا" اس کے پینے سے ان کے سروں میں درد نہ ہوگا۔ "ولا ینزفون" یعنی نشہ نہ ہوگا۔ یہ اس وقت جب زاء کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے اور جس نے زیر دی تو اس کا معنی ان کی شراب ختم نہ ہوگی۔

۲۰ "وفاکھة مما یتخیرون" جو چاہیں گے لیں گے، کہا جاتا ہے "تخیرت الشیء" جب تو اس کا بہترین حصہ لے۔

۲۱ "ولحم طیر مما یشتھون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے دل میں پرندے کے گوشت کا خیال آئے گا تو جو وہ چاہے گا اس کے سامنے بن کر آجائے گا اور کہا گیا ہے کہ آدمی کے برتن میں سج کر آجائے گا، پھر وہ اس کو کھائے جتنا چاہے گا پھر وہ اُڑ کر چلا جائے گا۔

حور عین کی تفسیر

۲۲ "وحور عین" ابوجعفر، حمزہ، کسائی نے راء اور نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وبحور عین اس کو اللہ تعالیٰ کے قول "باکواب و اباریق و فاکھة ولحم طیر" کے اعراب میں تابع کر دیا ہے۔ اگرچہ معنی میں مختلف ہیں۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: "جب گانے والیاں ایک دن ظاہر ہوئیں، انہوں نے اپنی آبرو اور آنکھوں کو لمبا اور باریک کیا۔"

حالانکہ آنکھ کو لمبا اور باریک نہیں کیا جاتا آنکھ میں تو سرمہ ڈالا جاتا ہے اور اس کی مثل کلام میں بہت زیادہ ہے اور کہا گیا ہے

کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا میووں اور پرندوں کے گوشت اور حورعین کے ذریعے اکرام کیا جائے گا اور باقی حضرات نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان پر حورعین چکر لگائیں گی اور اخفش فرماتے ہیں اس کو رفع دیا گیا ہے اس معنی پر کہ "لھم" حورعین اور حورعین کی تفسیر میں آیا ہے کہ سفید موتی آنکھوں والی ہوں گی۔

㉓ "کامثال اللؤلؤ المکنون" جو سیپیوں میں چھپی ہوئی ہیں ان کو ہاتھوں نے نہیں چھوا اور روایت کیا گیا ہے کہ جنت میں نور بلند ہوگا تو وہ کہیں گے یہ کیا ہے تو ان کو کہا جائے گا حور کے دانتوں کی چمک ہے جو اپنے خاوند کے سامنے ہنسی ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ حور جب چلے گی تو پازیبوں کی تقدیس اس کی پنڈلیوں سے سنی جائے گی اور کنگنوں کی تمجید اس کی کلائیوں سے اور یاقوت کا ہار اس کی گردن سے ہنسے گا اور اس کے دونوں پاؤں میں سونے کے دو جوتے ہوں گے ان کے تسمے موتی کے ہوں گے وہ تسبیح گنگنائیں گے۔

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ㉕ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ㉖ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ㉗ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ㉘ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ㉙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ㉚ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ㉛

ترجمہ یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا (اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے کیسے اچھے ہیں وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہ بتہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا۔

تفسیر ㉔ "جزآء بما کانوا یعملون"

㉕ "لایسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما. ㉖ الا قیلا" یعنی قول "سلاما سلاما" ان دونوں پر نصب اللہ تعالیٰ کے قول قیلا کے اتباع کی وجہ سے ہے۔ یعنی وہ سنیں گے قول "سلاما سلاما" کا۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ پھر اصحاب الیمین کو ذکر کیا اور ان کی شان سے تعجب کیا۔ پس فرمایا:

㉗ "واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین، ㉘ فی سدر مخضود" اس میں کوئی کانٹا نہ ہوگا گویا کہ اس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہاتھوں کو نہ کاٹے گا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ایسا جس میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ فرمایا جنت کے پھلوں میں سے کوئی غلاف اور چھلکے میں نہ ہو جیسا کہ دُنیا میں ہوتا ہے لوبیا وغیرہ بلکہ وہ سارے کھائے پیئے جائیں گے اور سونگھے جائیں گے اور دیکھے جائیں گے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ جو بوجھ سے جھکے ہوئے ہوں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے پھل مٹکوں سے بڑے ہوں گے۔ ابوالعالیہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں اور مسلمان نے وج کی طرف دیکھا، یہ طائف میں سرسبز وادی ہے تو

ان کے بیران کو بڑے اچھے لگے تو انہوں نے کہا کاش ہمارے لیے اس کی مثل ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

㉙ "وطلح" کیلے کا درخت۔ اس کا واحد "طلحة" ہے۔ اکثر مفسرین رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کیلے کا درخت نہیں لیکن یہ ایسا درخت ہے جس کا ٹھنڈا عمدہ سایہ ہوتا ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الطلح" عرب کے نزدیک بڑا درخت اس کے کانٹے ہوں اور مجاہد نے حسن بن سعید سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھا "وطلح منضود" تو فرمایا "الطلح" کی کیا شان ہے؟ یہ تو طلع منضود ہے پھر پڑھا "طلعها هضيهم" میں نے کہا اے امیر المؤمنین یہ مصاحف میں حاء کے ساتھ ہے تو آپ اس کو تبدیل کیوں نہیں کر دیتے؟ تو فرمایا بے شک آج کے دن اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی اور المعضو دتہہ بتہہ جو پک چکا ہوا پنے تمام بوجھ کے ساتھ یہ ظاہر ٹہنی نہیں ہے۔ مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت کے درخت ان کے شگوفوں، تنوں سمیت سارا پھل ہے۔

㉚ "وظل ممدود" ہمیشہ کا اس کو سورج ختم نہ کرے گا اور عرب اس چیز کو ممدود کہتے ہیں جو ختم نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے سوار اس کے سائے میں سو سال چلے گا اس کا سایہ طے نہ کر سکے گا۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول "وظل ممدود" کے بارے میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں جنت میں درخت ہے عرش کے پائے پر اس کی طرف اہل جنت نکلیں گے۔ اس کے نیچے بیٹھ کر گپ شپ کریں گے اور ان میں سے بعض دُنیا کے لہو کی چاہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ جنت سے ایک ہوا بھیجیں گے تو یہ درخت دُنیا کے ہر لہو (گانے وغیرہ) کے ساتھ حرکت کرے گا۔

㉛ "وماء مسكوب" بہایا ہوا جو ہمیشہ چلے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ㉜ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ㉝ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ㉞ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ㉟ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ㊱

ترجمہ: اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔

تفسیر: ㉜ "وفاكهة كثيرة ㉝ لامقطوعة ولا ممنوعة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب ان کو توڑا جائے گا تو ختم نہ ہوں گے اور جو ان کو لینے لگے گا اس کو روکا نہ جائے گا اور ان میں سے بعض نے کہا ہے زمانوں کی وجہ سے ختم نہ ہوں گے اور قیمت کی وجہ سے روکا نہ جائے گا۔ جیسا کہ دُنیا کے اکثر پھل جب سردی آ جائے تو ان تک قیمت کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا اور قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ان پر باڑ نہ لگائی جائے گی جیسا کہ دُنیا کے پھلوں پر لگائی جاتی ہے اور حدیث میں آیا ہے جنت کے پھلوں میں سے کوئی نہیں توڑا جاتا مگر اللہ اس کی جگہ دوگنا کر دیتے ہیں۔

㉞ "وفرش مرفوعة" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "وفرش مرفوعة" تختوں پر اور مفسرین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے کہا ہے ایک دوسرے کے اوپر پس وہ بلند رکھے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول "وفرش مرفوعة" کے بارے میں فرمایا کہ ان کا بلند ہونا آسمان اور زمین کے درمیان کی طرح ہے اور بے شک آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور کہا گیا ہے کہ فرش سے عورتیں مراد ہیں اور عرب عورت کا نام فراش اور لباس رکھتے ہیں استعارہ کی بناء پر۔ "مرفوعة" خوبصورتی اور مرتبہ میں دُنیا کی عورتوں پر بلند ہوں گی۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو اس کے بعد ہے۔

㉟ "انا انشأناهن انشاء" ہم نے ان کو نئی پیدائش دی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی بوڑھی کھچڑی بالوں والی عورتوں کو۔ فرماتے ہیں ہم نے ان کو بڑھاپے کے بعد دوسری پیدائش دی۔

㊱ "فجعلناهن ابكارا" کنواریاں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کردیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اے فلاں کی ماں، بے شک جنت میں بوڑھیاں داخل نہ ہوں گی تو وہ رونے لگی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کو خبر دو کہ وہ بوڑھے ہونے کی حالت میں داخل نہ ہوگی بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "انا انشأناهن انشاء فجعلناهن ابكارا" انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے قول "انا انشأناهن انشاء" کے بارے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا دُنیا میں بالکل بوڑھیاں تھیں "فجعلناهن ابكارا" اور مسیب بن شریک فرماتے ہیں وہ دُنیا کی بوڑھیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نئی خلقت دی جب بھی ان کے پاس ان کے خاوند آئیں گے ان کو کنواری پائیں گے اور مسیب نے اپنے غیر سے ذکر کیا ہے کہ ان کو حورعین پر ان کے دُنیا میں نماز پڑھنے کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ فرماتے ہیں وہ حورعین ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا، ان پر کوئی ولادت وضع نہ ہوگی۔ پس ان کو کنواریاں بنایا اور وہاں کوئی تکلیف نہ ہے۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ㊲ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ㊳ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ㊴ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ㊵

ترجمہ: محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا۔

تفسیر: ㊲ "عربا" حمزہ اور اسماعیل نے نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ سے پڑھا ہے "عربا" راء کے سکون کے ساتھ باقی حضرات نے اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ عروب کی جمع ہے۔ یعنی عشق کرنے والیاں اپنے خاوندوں کی محبوب، حسن اور مجاہد اور قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ نے فرمایا ہے اور والبی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور عکرمہ نے ان سے روایت کیا ہے "ملقة" دل لبھانے والیاں اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ناز کرنے والیاں۔ اُسامہ نے اپنے والد سے کہا ہے عربا عمدہ کلام والیاں "اترابا" عمر میں برابر ایک عمر پر۔

آیت عرباً اترابا کی تفسیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے، بے ریش، سفید گھنگھریالے بالوں والے، سرگیں آنکھوں والے، تینتیس (۳۳) سال کے آدم علیہ السلام کی خلقت پر اس کی لمبائی (۶۰) ساٹھ گز سات گز میں ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ جنتی کے اسّی (۸۰) ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں ہوں گی اور اس کے لیے موتیوں، زمرد اور یاقوت کا گنبد بنایا جائے گا۔ جیسا کہ جابیہ سے صنعاء تک کا فاصلہ ہے اور اس سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے چہرے کی طرف اس کے رُخساروں میں دیکھا جائے گا وہ شیشہ سے زیادہ صاف ہوگا اور بے شک ادنیٰ موتی اس پر مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کردے گا اور بے شک اس پر ستر کپڑے ہوں گے اس سے نگاہ پار ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پنڈلی کا گودہ ان کے نیچے سے دیکھا جائے گا اور اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص چھوٹا یا بڑا اہل جنت میں سے مرجائے وہ تیس سال کے جنت میں اُٹھائے جائیں گے اس پر کبھی زیادہ نہ ہوں گے اور اسی طرح اہل جہنم ہیں اور اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک ان پر تیجان ہوں گی۔ بے شک اس میں ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کردے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ادنیٰ مرتبہ کا جنتی اور ان سے کم کوئی نہ ہوگا اس پر صبح و شام دس ہزار خادم آئے جائیں گے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ عمدہ بات ہوگی جو اس کے ساتھی کے پاس نہ ہوگی۔

۳۸ "لاصحاب الیمین" مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا اور اصحاب یمین کے لیے۔

۳۹ "ثلّة من الاوّلین" ان مؤمنین میں سے جو اس اُمت سے پہلے تھے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تفسیر

۴۰ "وثلّة من الآخرین" اس اُمت کے مؤمنین میں سے۔ یہ عطاء اور مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔ عروۃ بن رویم سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر "ثلّة من الاوّلین و قلیل من الآخرین" نازل کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا اے اللہ کے نبی! ہم اللہ کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اس کی تصدیق کی اور ہم میں سے کون نجات پائے گا؟

تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "ثلّة من الاوّلین وثلة من الآخرین" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں نازل کیا ہے جو تو نے کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اپنے رب سے

راضی ہوئے اور ہم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام سے ہم تک ایک "ثلّة" ہے اور مجھ سے قیامت تک ایک "ثلّة" ہے اور اس کو مکمل نہیں کریں گے مگر دو سیاہ لوگ اونٹوں کے چرانے والوں میں سے ان میں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے تو فرمایا مجھ پر اُمتیں پیش کی گئیں تو ایک نبی گزرے اور ان کے ساتھ ایک آدمی تھا اور ایک نبی گزرے اور ان کے ساتھ دو آدمی تھے اور ایک نبی گزرے ان کے ساتھ ایک جماعت تھی اور ایک نبی گزرے ان کے ساتھ کوئی نہ تھا اور میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی جس نے اُفق کو بند کر دیا تو میں نے اُمید کی کہ یہ میری اُمت ہو تو کہا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ہیں پھر مجھے کہا گیا اب دیکھیں تو میں نے دیکھا ایک بہت بڑی جماعت ہے جس نے اُفق کو بند کر دیا ہے تو مجھے کہا گیا آپ یہ یہ دیکھیں تو میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی جس نے اُفق کو بند کر دیا تو کہا گیا یہ آپ علیہ السلام کو بلند کر دیا تو کہا گیا یہ آپ علیہ السلام کی اُمت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر لوگ متفرق ہو گئے اور ان کو بیان نہیں کیا گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک دن یاد کیا کہنے لگے ہم شرک میں پیدا ہوئے لیکن ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے لیکن یہ ہماری اولاد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بدفال نہیں نکالتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور داغ نہیں لگاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں تو عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور فرمایا اور کہا کیا میں ان میں سے ہوں گا یا رسول اللہ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو دوسرے شخص کھڑے ہوئے اور کہا کیا میں ان میں سے ہوں گا؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تحقیق آپ سے اس بارے میں عکاشہ رضی اللہ عنہ سبقت کر گئے ہیں اور اس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کے دن مجھ پر انبیاء علیہم السلام پیش کیے گئے اپنے متبعین کے ساتھ حتیٰ کہ مجھ پر موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی بڑی جماعت لے کر آئے جب میں نے ان کو دیکھا تو انہوں نے مجھے تعجب میں ڈال دیا تو میں نے پوچھا اے میرے رب یہ لوگ؟ کہا گیا یہ آپ علیہ السلام کے بھائی موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لوگ ہیں تو میں نے کہا اے میرے رب! پس میری اُمت کہاں ہے؟ کہا گیا آپ علیہ السلام اپنے دائیں جانب دیکھیں۔ پس اچانک مکہ کے ٹیلے لوگوں کی وجہ سے بند کر دیئے گئے تھے۔ کہا گیا یہ آپ علیہ السلام کی اُمت ہے کیا آپ راضی ہیں، میں نے کہا میرے رب میں راضی ہوں، اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ کہا گیا اپنے بائیں جانب دیکھیں۔ پس اچانک اُفق لوگوں کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ یہ آپ علیہ السلام کی اُمت ہے کیا آپ علیہ السلام راضی ہیں؟

میں نے کہا اے میرے رب! میں راضی ہوں تو کہا گیا ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے تو اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اگر تم طاقت رکھو تو ان ستر ہزار میں سے ہو جاؤ اور اگر تم عاجز ہو جاؤ اور کوتاہی کر بیٹھو تو ٹیلوں والوں میں سے ہو جاؤ اور اگر تم عاجز ہو جاؤ اُفق والوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ تحقیق میں نے وہاں لوگوں کو دیکھا ہے کہ بہت بڑی تعداد

میں جمع تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم راضی ہو کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو، ہم نے کہا جی ہاں۔ فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے کیونکہ جنت میں صرف مسلمان نفس داخل ہوگا اور تم اہل شرک کے مقابلہ میں ایسے ہو جیسے سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں یا سیاہ بال سرخ بیل کی کھال میں اور ایک جماعت اس جانب گئی ہے کہ یہ دونوں "ثلّة" اس اُمت میں سے ہیں اور یہ ابو العالیہ، مجاہد اور عطاء بن ابی رباح اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے کہا "ثلّة من الاوّلین" اس اُمت کے سابقین میں سے۔ "وثلّة من الآخرین" اس اُمت سے آخر زمانہ میں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی آیت کے بارے میں نقل کیا ہے۔ "ثلّة من الاوّلین وثلّة من الآخرین" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں میری اُمت میں سے ہیں۔

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ وَکَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ اَئِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡهِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِیۡمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا وہ لوگ ان کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک وکفر) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ کئے جاویں گے) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جاویں گے ایک معین تاریخ کے وقت پھر (جمع ہونے کے بعد) تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو درخت زقوم سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا (غرض) ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

تفسیر ﴿۴۱﴾ **"واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال**

﴿۴۲﴾ **فی سموم**" گرم ہوا۔ "**وحمیم**" گرم اُبلتے ہوئے پانی۔

43 "وظل من يحموم" دھواں سخت سیاہ۔ عرب کہتے ہیں اسود يحموم جب سخت سیاہ ہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آگ سیاہ ہے اور اسی کے اہل سیاہ تر اور ہر چیز جس میں سیاہی ہو۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اليحموم" آگ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

44 "لابارد ولا كريم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ ٹھنڈی جگہ اور نہ اچھا منظر ہے اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ معزز ہے اور نہ اچھا۔ اس کی نظیر "من كل زوج كريم" ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمدہ۔

45 "انهم كانوا قبل ذلك" یعنی دُنیا میں "مترفين" خوش عیش تھے۔

46 "وكانوا يصرون" قائم رہتے تھے۔ "على الحنث العظيم" کبیرہ گناہ پر اور وہ شرک ہے۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الذنب العظيم" جھوٹی قسم "يمين غموس" ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ قسمیں کھاتے تھے کہ وہ نہیں اُٹھائے جائیں گے اور اس میں انہوں نے جھوٹ بولا۔

47 "وكانوا يقولون ائذامتنا وكنا ترابا وعظاماء انا لمبعوثون" ابوجعفر، نافع اور یعقوب رحمہم اللہ نے "ائذا" استفہام کے ذریعے پڑھا ہے۔ "انّا" استفہام کو چھوڑ کر اور دیگر حضرات نے دونوں میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔

48 "او آباؤنا الاوّلون 49 قل ان الاوّلين والآخرين 50 لمجموعون الى ميقات يوم معلوم.

51 ثم انكم ايها الضالّون المكذبون. 52 لآكلون من شجر من زقوم. 53 فمالئون منها البطون.

54 فشاربون عليه من الحميم. 55 فشاربون شرب الهيم" اہل مدینہ اور عاصم اور حمزہ نے "شرب" شین کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ پس فتح مصدر کی بناء پر اور پیش اسم کی بناء پر جو مصدر کے معنی میں ہے۔ جیسے ضعف "والهيم" پیاسے اونٹ۔ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الهيام" بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے جس کی وجہ سے وہ سیر نہیں ہوتا اور پانی پیتے پیتے مرجاتا ہے۔ کہا جاتا ہے "جمل اهيم" اور "ناقة هيماء" اور "الابل هيم" اور ضحاک اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الهيم" نرم زمین ریت والی۔

56 "هذا نزلهم" یعنی جو زقوم اور حمیم ذکر کیا گیا ہے یعنی ان کا رزق اور ان کی غذا ہوگا۔ "يوم الدين" جس دن ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا پھر ان پر بعث میں حجت ذکر کی۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾

ترجمہ: ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے (جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو عورتوں کے رحم میں منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ اور تم جیسے آدمی پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنادیں جن کو تم جانتے بھی نہیں اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کردیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے۔

تفسیر 57 "نحن خلقناکم" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تم کچھ بھی نہ تھے اور تم اس کو جانتے ہو۔ "فلولا" پس کیوں نہیں۔ "تصدّقون" بعث کی۔

58 "افرأیتم ما تمنون" رحموں میں ٹپکاتے ہو نطفوں سے۔

59 "ء انتم تخلقونہ" یعنی جو تم منی ڈالتے ہو کیا تم اس کو انسان بناتے ہو۔ "ام نحن الخالقون. 60 نحن قدّرنا" ابن کثیر رحمہ اللہ نے دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے اس کی شد کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "بینکم الموت" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس تم میں سے بعض وہ ہیں جو بڑھاپے کو پہنچتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو بچپن یا جوانی میں مرجاتے ہیں۔

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تقدیر یہ ہے کہ اس نے اہل آسمان اور اہل زمین کو اس میں برابر کردیا ہے۔ اس تفصیل پر "قدّرنا" کا معنی قضینا ہوگا۔ "وما نحن بمسبوقین" مغلوب عاجز تمہارے ہلاک کرنے سے تمہاری مثل کے ساتھ تمہیں بدلنے سے۔

61 پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "علی ان نبدّل امثالکم" یعنی ہم لائیں مخلوق تمہاری مثل تمہارے بدلہ میں۔ "وننشئکم" ہم تمہیں پیدا کریں۔ "فیما لا تعلمون" صورتوں میں سے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس مخلوق میں ہم چاہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہم تمہاری صفات کو تبدیل کردیں پس تمہیں بندر وخنزیر بنادیں۔ جیسا کہ ہم نے تم سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا۔ یعنی اگر ہم ارادہ کریں کہ ہم یہ کریں تو یہ ہم سے نہ چھوٹے گا اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فیما لاتعلمون" یعنی سیاہ پرندوں کے گھونسلوں میں جو برھوت یمن کی ایک وادی میں ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ درندوں کے جنگل میں۔

62 "ولقد علمتم النشأۃ الاولیٰ" پہلی تخلیق جب تم کچھ نہ تھے۔ "فلولا تذکرون" کہ میں قادر ہوں تمہارے لوٹانے پر جیسا کہ میں تمہارے دشمنوں پر قادر تھا۔

63 "افرأیتم ما تحرثون" یعنی زمین میں بیج ڈالتے ہو۔

64 "ء انتم تزرعونہ" تم اس کو اُگاتے ہو۔ "ام نحن الزارعون" اُگانے والے ہیں۔

65 "لو نشآء لجعلناہ حطاما" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بوسہ جس میں کوئی دانہ نہ ہو اور کہا گیا ہے ٹکڑے ٹکڑے

جس سے کھانے اور غذاء میں نفع نہ حاصل کیا جاسکے۔ "فظلتم" اس کی اصل "فظللتم" ہے دو لاموں میں سے ایک کو تخفیف کے لیے حذف کردیا گیا۔ "تفکھون" تم تعجب کرتے اس سے جو تمہاری کھیتی میں اُترا اور یہ عطاء، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے اور کہا گیا ہے تم اپنے نفقات پر شرمندہ ہوتے ہو اور یہ یمان کا قول ہے اس کی نظیر "فاصبح یقلب کفیه علی ما انفق فیھا" ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اس معصیت پر شرمندہ ہوتے ہو جو تم سے پہلے ہوچکی جس نے یہ سزا واجب کی اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہو اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم غم کرتے ہو اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ فوت ہوجانے والی چیز پر افسوس کرنا ہے اور یہ اضداد میں سے ہے۔ عرب کہتے ہیں "تفکھت" یعنی میں نعمتوں میں ہوں اور "تفکھت" یعنی میں غمگین ہوں۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گزرا) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔

تفسیر ﴿۶۶﴾ "انا لمغرمون" ابوبکر نے عاصم سے "ائنا" دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے خبر پر پڑھا ہے اور آیت کا مجاز ہے "فظلتم تفکھون" اور تم کہنے لگے "انا لمغرمون" اور مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہم پر مصیبت آپڑی ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے "معذبون" ہم عذاب دیئے گئے ہیں اور الغرام بمعنی عذاب اور ضحاک اور ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہم نے اپنے اموال کا تاوان دیا ہے اور جو ہم نے خرچ کیا ہے وہ ہم پر تاوان ہوگیا ہے اور مغرم وہ شخص جس کا مال بغیر عوض کے چلا گیا ہو۔

﴿۶۷﴾ "بل نحن محرومون" یعنی ہم اس سے محروم کیے گئے جو ہم کاشت میں غلہ تلاش کرتے تھے۔

(﴿۶۸﴾ تا ﴿۷۰﴾)......"افرأیتم الماء الذی تشربون. ء انتم انزلتموه من المزن" بادلوں سے اس کا واحد "مزنة" ہے۔ "ام نحن المنزلون. لو نشاء جعلناه اجاجا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سخت نمکین۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کڑوا۔ "فلولا تشکرون"

71 "افرأيتم النار التي تورون" جو تم جلاتے ہو اور اس کو تم اپنے چقماق کی اوپر والی لکڑی سے نکالتے ہو۔

72 "ء انتم انشاتم شجرتها" وہ جس سے آگ جلائی جاتی ہے اور وہ مرخ اور عفار درخت ہے۔ "ام نحن المنشؤن

73 نحن جعلناها" ہم نے اس کو یعنی دُنیا کی آگ کو پیدا کیا۔ "تذکرۃ" بڑی آگ کے لیے۔ جب اس کو دیکھنے والا دیکھے گا تو جہنم کو یاد کرے گا۔ اس کو عکرمہ اور مجاہد اور مقاتل رحمہم اللہ نے کہا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں نصیحت جس کے ذریعے مؤمن نصیحت حاصل کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو آدم کی آگ جو وہ جلاتے ہیں جہنم کی آگ کے ستر جزء میں سے ایک جزء ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر یہی ہوتی تو کافی تھی۔ فرمایا اس جہنم کی آگ کو اس دُنیا کی آگ پر انہتر (۶۹) جزء فضیلت دی گئی ہے۔ "ومتاعا" منفعت کا۔ "للمقوين" مسافروں کے لیے۔ المقوی زمین میں پڑاؤ ڈالنے والا اور "القی القواء" چٹیل میدان جو آبادی سے دور ہو۔ کہا جاتا ہے قوت الدار جب وہ رہنے والوں سے خالی ہو اور معنی یہ ہے کہ اس سے جنگل کے رہنے والے لوگ اور مسافر نفع حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کا اس سے نفع حاصل کرنا مقیم لوگوں کی بنسبت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ رات کو آگ جلاتے ہیں تاکہ اس کے ڈر سے درندے بھاگ جائیں اور بھٹکے ہوئے مسافر راہ پالیں اور اس کے علاوہ بھی کئی منافع ہیں۔

یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور مجاہد اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "للمقوین" یعنی تمام لوگوں میں سے اس سے نفع اُٹھانے والوں کے لیے خواہ مسافر ہوں یا مقیم وہ تاریکی میں اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور ٹھنڈ سے گرمائش حاصل کرتے ہیں اور سالن روٹی پکانے میں نفع حاصل کرتے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسافروں کے لیے پہنچنے کا ذریعہ ہے کہ اس کے ذریعے اپنے سفروں تک پہنچتے ہیں اس کو اپنے تھیلوں میں اُٹھا لیتے ہیں اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھوکوں کے لیے۔ عرب کہتے ہیں "اقویت منذ کذا او کذا" یعنی میں نے کچھ نہیں کھایا۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المقوی" اضداد میں سے ہے۔ فقیر کو "مقو" کہا جاتا ہے اس کے مال سے خالی ہونے کی وجہ سے اور مال دار کو "مقو" کہا جاتا ہے اس کی اپنے ارادہ پر طاقت کی وجہ سے۔ کہا جاتا ہے "اقوی الرجل" الرجل جب تو نے اس کو مویشی دیے ہوں اور اس کا مال زیادہ ہو گیا ہو اور وہ قوت کی حالت میں ہو گیا ہو اور معنی یہ ہے کہ اس میں مال داروں اور فقراء سب کے لیے نفع ہے اس سے کوئی مستغنی نہیں ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿74﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ﴿75﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿76﴾ إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيمٌ ﴿77﴾ فِي كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿78﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿79﴾

ترجمہ: سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج ہے کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔

تفسیر 74 "فسبح باسم ربّک العظیم"

75 "فلا اقسم بمواقع النجوم" اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی اقسم ہے اور لا صلہ ہے اور عیسیٰ بن عمر پڑھتے تھے فلاقسم تحقیق پر اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا قول "لا" اس کا ردّ ہے جو کفار قرآن کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ جادو، شعر اور کہانت ہے اس کا معنی ہے معاملہ ویسے نہیں جیسے تم کہتے ہو، پھر قسم کو شروع کیا اور کہا "اقسم بمواقع النجوم" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے بموقع پڑھا ہے واحد کا صیغہ اور دیگر حضرات نے بمواقع پڑھا ہے جمع کا صیغہ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے قرآن کے نجوم (حصے) مراد ہیں کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر متفرق حصوں میں نازل ہوا ہے اور مفسرین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ستاروں کے غروب اور گرنے کی جگہ مراد ہے اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی منزلیں مراد ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کا ٹوٹ کر بکھر جانا ہے مراد ہے قیامت کے دن۔

76 "وانه لقسم لو تعلمون عظيم 77 انه" یعنی یہ کتاب اور یہ موضع قسم ہے۔ "لقرآن کریم" غالب معزز ہے اس لیے کہ وہ اللہ کی کلام ہے۔ بعض اہل معانی فرماتے ہیں کریم وہ جس کی یہ شان ہو کہ خیر کثیر دے۔

78 "فی کتاب مکنون" اللہ کے پاس لوح محفوظ میں محفوظ ہے شیاطین سے۔

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی تفسیر

79 "لایمسه" یعنی اس چھپی ہوئی کتاب کو۔ "الا المطهرون" اور وہ فرشتے ہیں جو پاکی کے ساتھ موصوف ہیں۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور قتادہ وابن زید فرماتے ہیں یہ فرشتے ہیں۔ حسان نے کلبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ یہ لکھنے والے معزز فرشتے ہیں اور محمد بن فضل نے ان سے روایت کی ہے کہ اس کو صرف موحدین پڑھتے ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سے منع کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کو قرآن کی قرأت پر قدرت دی جائے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا ذائقہ اور نفع وہی شخص محسوس کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور ایک قوم نے کہا ہے۔ اس کا معنی، اس کو نہیں چھوتے مگر وہ جو حدث اور جنابت سے پاک ہیں اور آیت کا ظاہر نفی ہے اور اس کا معنی نہی ہے۔ انہوں نے فرمایا جنبی اور حائضہ اور بے وضو کے لیے قرآن کا اُٹھانا اور چھونا جائز نہیں ہے اور یہ عطاء، طاؤس، سالم، قاسم اور اکثر اہل علم کا قول اور اسی کے امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ قائل ہیں اور حکم اور حماد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں بے وضو اور جنبی کے لیے مصحف اُٹھانا اور غلاف کے ساتھ چھونا جائز ہے اور پہلا اکثر فقہاء کا قول ہے۔ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ اس خط میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے لیے لکھا تھا، یہ تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک شخص اور قرآن سے مصحف ہے۔ اس کا نام قرآن رکھا ہے قرب جواز اور وسعت کی بناء پر۔ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے قرآن کے ساتھ سفر کیا جائے، دشمن کی زمین کی طرف اور اس سے مصحف مراد لیا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے سو کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو۔

تفسیر ﴿۸۰﴾ "تنزیل من ربّ العالمین" یعنی قرآن رب العالمین کی طرف سے اُتارا ہوا ہے۔ "منزّل" کا نام تنزیل رکھا گیا ہے لغت کی وسعت پر۔ جیسا کہ مقدور کو قدر کہا جاتا ہے اور مخلوق کو خلق۔

﴿۸۱﴾ "افبھٰذا الحدیث" یعنی قرآن۔ "انتم" اے اہل مکہ "مدھنون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تکذیب کرنے والے ہو۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کافر ہو۔ اس کی نظیر "ودّوا لو تدھن فیدھنون" اور مدھن اور مداھن بہت بڑا جھوٹا اور منافق اور یہ ادھان سے ہے اور وہ باطن ظاہر کے خلاف چلنا ہے۔ یہ اس کی اصل ہے۔ پھر جھٹلانے والے کو "مدھنہ" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ صراحتہً تکذیب و کفر کرے۔

﴿۸۲﴾ "وتجعلون رزقکم" تمہارا حظ و حصہ قرآن سے۔ "انکم تکذبون" حسن رحمہ اللہ نے اس آیت کے سلسلے میں کہا: وہ بندہ تباہ ہو گیا جس کا کتاب اللہ سے نصیب صرف تکذیب ہے (یعنی کلام اللہ کی بس تکذیب کرتا ہے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرتا)

مفسرین نے ایک جگہ رزق کا معنی شکر بیان کیا ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے حضرت علی کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد بیان کیا ہے۔ ہیثم بن عدی نے کہا: از دشنوءہ کے محاورے میں لا رزق کا معنی ہوتا ہے۔ ماشکر۔ اس نے شکر نہیں کیا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ رزق سے پہلے لفظ شکر محذوف ہے اور رزق سے مراد ہے بارش۔ جب بارش ہوتی تھی تو عرب کہتے تھے ہم پر ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی۔ اللہ کے حکم سے بارش ہونے کے وہ قائل نہ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش ہوتی تھی تو عرب کہتے تھے ہم پر ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی۔ اللہ کے حکم سے بارش ہونے کے وہ قائل نہ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش ہونے کا تم شکر یہ ادا کرتے ہو کہ تکذیب کرنے لگتے ہو۔ یعنی بجائے شکر کے کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی جس کے کچھ نشانات تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ حاضرین نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بخوبی جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ نے فرمایا میرے بندوں میں کوئی مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کوئی میرا انکار کرتا ہے جو شخص کہتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی۔ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جو شخص قائل ہے کہ ہم اس ستارے کے ذریعہ سے بارش برسائے گئے تو وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے۔

﴿۸۳﴾ "فلولا" پس کیوں نہیں۔ "اذا بلغت الحلقوم" یعنی نفس حلق تک پہنچ جائے موت کے وقت۔

۸۴"و انتم حینئذ تنظرون" مراد یہ ہے کہ تم اے اہل میت اس کی طرف دیکھتے ہو جب اس کا نفس نکل رہا ہوتا ہے اور کہا گیا ہے اس کے قول "تنظرون" کا معنی یعنی میرے امر کی طرف اور میری سلطنت کی طرف۔ تمہارے لیے اس کو دور کرنا ممکن نہیں ہوتا اور تم کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۸۵ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۸۶ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۸۷ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۸۸ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۸۹ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۹۰ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۹۱ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۹۲

ترجمہ اور ہم (اس وقت) اس مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹاتے ہو اگر تم سچے ہو پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے راحت ہے اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے میں سے ہوگا (تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے کہ داہنے والوں میں سے ہے اور جو شخص جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا۔

تفسیر ۸۵"ونحن اقرب الیه منکم" علم اور قدرت اور رؤیت کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ اور ہمارے رسول جو اس کی روح قبض کرتے ہیں وہ اس سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔"ولکن لا تبصرون" ان کو جو اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

۸۶"فلو لا" پس کیوں نہیں۔"ان کنتم غیر مدینین" مملوک اور اکثر نے کہا ہے محاسبہ کرنے والے اور بدلہ پانے والے۔

۸۷"ترجعو نها ان کنتم صادقین" یعنی تم اس میت کی روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دو حلقوم تک پہنچنے کے بعد۔ تو اپنے قول "فلو لا اذا بلغت الحلقوم" اور اپنے قول "فلو لا ان کنتم غیر مدینین" کا ایک جواب دیا اور اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا قول "فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا خوف علیهم" ہے کہ دونوں کا ایک جواب دیا گیا۔ اس کا معنی اگر معاملہ ویسے ہو جیسے تم کہتے ہو کہ نہ کوئی بعث ہوگا اور نہ کوئی حساب اور نہ کوئی معبود ہے جو بدلہ دے۔ پس کیوں نہیں تم اس کا نفس واپس لوٹا دیتے جو تمہارا عزیز ہے جب وہ حلق تک پہنچ جائے اور جب تمہیں یہ ممکن نہیں ہے تو جان لو کہ معاملہ تمہارے غیر کی طرف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں پس تم اس پر ایمان لاؤ پھر موت کے وقت مخلوق کے طبقات کو ذکر کیا جائے گا اور ان کے درجات کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا:

۸۸"فاما ان کان من المقربین" اور وہ سابقین ہیں۔

89 "فروح" یعقوب رحمہ اللہ نے "فروح" راء کے پیش کے ذریعے پڑھا ہے اور باقی حضرات نے راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی اس کی روح ریحان میں نکلے گی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں الروح رحمت ہے یعنی اس کے لیے رحمت ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی پس ان کے لیے زندگی اور بقاء ہے اور جس شخص نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی "فله روح" ہے یعنی اس کے لیے راحت ہے اور یہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرح یعنی خوشی ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مغفرت ورحمت ہے۔

"وریحان" استراحت ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں رزق۔ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ رزق ہے حمیر کی زبان میں کہا جاتا ہے میں نکلا۔ "العطلب ریحان" یعنی اللہ کے رزق کو تلاش کرنے اور دیگر حضرات نے کہا ہے یہ وہ پھول ہے جو سونگھا جاتا ہے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقربین میں سے کوئی ایک دُنیا سے جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ اس کو جنت کے ریحان کی ایک ٹہنی دی جائے گی۔ پس اس کو سونگھے گا، پھر اس کی روح قبض کی جائے گی۔ "وجنة نعیم" ابوبکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں الروح آگ سے نجات پانا اور الریحان دارِ قرار میں داخل ہونا۔

90 "واما ان کان" وفات پانے والے۔ "من اصحاب الیمین"

91 "فسلام لک من اصحاب الیمین" یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے سلامتی ہے ان میں سے۔ پس آپ علیہ السلام ان کا غم نہ کریں کیونکہ وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہوگئے ہیں یا آپ علیہ السلام ان میں وہ دیکھیں گے جو آپ علیہ السلام پسند کرتے ہیں سلامتی سے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے اور ان کی نیکیاں قبول کریں گے اور فراء رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ فرماتے ہیں "فسلام لک انھم" کہ وہ "من اصحاب الیمین" یا صاحب یمین کو کہا جائے گا۔ "سلام لک انک" (کہ تو) "من اصحاب الیمین" اگر آدمی کہے "انی مسافر عن قلیل" تو تو اس کو کہے گا "انت مصدق مسافر عن قلیل" اور کہا گیا ہے "فسلام لک" یعنی تجھ پر سلام ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔

92 "واما ان کان من المکذبین" بعث کا۔ "الضالّین" ہدایت سے اور یہ اصحاب "مشئمة" ہیں۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ 93 وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ 94 اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ 95 فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ 96

ترجمہ: تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا بے شک (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے۔ سو اپنے اس عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

تفسیر 93 "فنزل من حمیم" پس جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے جہنم کا کھولتا ہوا پانی۔

94 "وتصلیة جحیم" اور بڑی آگ میں داخل کرنا ہے۔

95 "ان ھٰذا" یعنی جو حاضر ہونے والوں کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔"لھو حق الیقین" یعنی "الحق الیقین" اس کی اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔

96 "فسبح باسم ربّک العظیم" کہا گیا پس آپ اپنے رب کے ذکر اور اس کے حکم کے ساتھ نماز پڑھیں اور کہا گیا ہے کہ باء زائد ہے یعنی "فسبّح اسم ربّک العظیم"

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر "فسبّح باسم ربّک العظیم" نازل ہوئی آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اس کو اپنے رکوع میں بنالو اور جب "سبّح اسم ربّک الاعلیٰ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو اپنے سجدوں میں بنالو۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ السلام رکوع میں کہتے تھے۔"سبحان ربیّ العظیم" اور اپنے سجدہ میں کہتے تھے۔

"سبحان ربیّ الاعلیٰ" اور آیت رحمت پر جب آتے تو ٹھہر جاتے اور رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب پر آتے تو ٹھہر جاتے اور پناہ مانگتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے زبان پر خفیف ہیں، میزان میں بھاری ہیں، رحمٰن کو محبوب ہیں "سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے "سبحان اللّٰہ وبحمدہ" کہا تو اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص سورۃ الواقعہ ہر رات پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہ آئے گا اور ابوطیبہ اس کو کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْد

مدنی ہے اور اس کی انتیس (۲۹) آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ط يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④

ترجمہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے اس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (سب مخلوق سے) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے وہ ایسا ہے کہ جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

تفسیر ① "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ③ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ " یعنی وہی ہر چیز سے پہلے ہے بغیر ابتداء کے ہے بلکہ وہ تھا اور کوئی چیز موجود نہ تھی وہ ہر چیز کے فناء ہونے کے بعد وہی آخر ہے انتہاء کے بغیر۔ تمام اشیاء فنا ہو جائیں گی اور وہ باقی رہے گا اور الظاھر وہ غالب ہے ہر چیز پر بلند ہے اور الباطن باطن ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا معنی ہے اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو الاوّل" قدیم ہے "والآخر" رحیم ہے

"والظاھر" حلیم ہے اور "والباطن" علیم ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو الاوّل" اپنے احسان کے ساتھ آپ کو اپنی توحید کی معرفت دی۔ "والآخر" اپنی سخاوت کے ساتھ جب آپ کو توبہ کی معرفت دی اس پر جو تو نے ارتکاب کیا۔ "والظاھر" اپنی توفیق کے ساتھ جب تجھے اس کے لیے سجدہ کرنے کی توفیق دی۔ "والباطن" اپنے ڈھانپنے کے ساتھ جب تو اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ تجھ پر پردہ ڈالتا ہے۔

اور جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو الاوّل" دلوں کو کھولنے کے ساتھ۔ "والآخر" گناہوں کو بخشنے کے ساتھ "والظاھر" مصائب کو دور کرنے کے ساتھ۔ "والباطن" غیب کے علم کے ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا اس کا معنی ہے بے شک اس کا علم اوّل میں اس کے آخر میں علم کی طرح ہے اور اس کا ظاہر کا علم باطن کے علم کی طرح ہے۔ "وھو بکل شیٔ علیم" سہیل سے روایت ہے فرماتے ہیں ابوصالح ہمیں حکم دیتے تھے جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرتا کہ وہ اپنے دائیں پہلو پر لیٹے۔ پھر کہے "اللّٰھم ربّ السموات و رب الارض و ربّ کل شیءٍ خالق الحبّ والنوی منزل التوراۃ والانجیل والقرآن اعوذبک من شر کلّ ذی شرّ انت آخذ بناصیته انت الاوّل فلیس قبلک شیء و انت الآخر فلیس بعدک شیء وانت الظاھر فلیس فوقک شیء وانت الباطن فلیس دونک شیء اقض عنی الدین واغنی من الفقر۔" اور یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

۴ "ھو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوىٰ علی العرش یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم" علم کے ساتھ۔ "اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر"

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰

ترجمہ: اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے وہی رات کو دن

میں داخل کرتا ہے (جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے) اور وہ دل کی باتوں (تک) کو جانتا ہے تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (ایمان لاکر) جس مال میں تم کو اس کے قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا نے تم سے عہد لیا اگر تم کو ایمان لانا ہو اور (رحیم) ایسا ہے کہ اپنے بندے (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاوے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے اور جو اس کے بعد لڑے اور خرچ کیا (دونوں) برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

تفسیر ۵ "**له ملک السموات والارض والی الله ترجع الامور**"......

۶ "**یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل وهو علیم بذات الصدور**"

۷ **آمنوا بالله ورسوله**" کفار مکہ کو خطاب کیا ہے۔ "**وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیه**" جس میں مالک بنائے گئے ہو یعنی وہ مال جو ان کے غیر قبضہ میں تھا پھر ان کو ہلاک کر دیا اور وہ قریش کو دے دیا تو یہ اس مال میں ان لوگوں کے خلیفہ ہو گئے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ "**فالذین آمنوا منکم وانفقوا لهم اجر کبیر**"

۸ "**ومالکم لا تؤمنون بالله والرسول یدعوکم لتؤمنوا بربکم وقد اخذ میثاقکم**" ابوعمرو نے "اخذ" ہمزہ کے پیش اور خاء کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "میثاقکم" قاف کے پیش کے ساتھ نائب فاعل اور دیگر حضرات نے ہمزہ اور خاء کے زبر اور قاف کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا میثاق لیا جب تمہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کو مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے اور کہا گیا ہے کہ تم سے میثاق (پختہ وعدہ) لیا ان دلائل کو قائم کرنے کے ساتھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی طرف بلاتے ہیں۔ "**ان کنتم مؤمنین**" ان پر۔ پس اب بہت مناسب وقت ہے کہ تم ایمان لے آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن پر دلائل قائم ہونے کی وجہ سے۔

۹ "**هو الذی ینزل علی عبده**" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ "**آیات بینات**" یعنی قرآن "**لیخرجکم**" اللہ قرآن کے ذریعے۔ "**من الظلمات الی النور**" اور کہا گیا ہے تاکہ تم کو رسول دعوت کے ذریعے تاریکیوں سے نور کی طرف نکال دیں۔ یعنی شرک کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف۔ "**وان الله بکم لرؤف رحیم**"

⑩"ومالکم الا تنفقوا فی سبیل اللہ وللہ میراث السموات والارض" فرماتے ہیں تمہارے لیے انفاق کو چھوڑنے میں کیا چیز ہے، ان میں سے جو اللہ کے قریب کر دیں اور تم مرنے والے ہو اپنے اموال کو چھوڑنے والے ہو۔ پھر ان کے فضل کو بیان کیا جنہوں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور جہاد میں سبقت کی۔ پھر فرمایا"لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح" یعنی فتح مکہ سے پہلے اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے قول میں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ صلح حدیبیہ ہے۔"وقاتل" فرماتے ہیں فضل میں اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جس نے اپنے مال کو خرچ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں سے قتال کیا فتح مکہ سے پہلے۔ وہ شخص جس نے خرچ کیا اور فتح مکہ کے بعد قتال کیا۔

"اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا" کلبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیوں کہ وہ پہلے شخص جو اسلام لائے اور پہلے شخص جنہوں نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلے شخص جنہوں نے اپنی تلوار کے ذریعے اسلام کو ظاہر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اور ان کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان پر ایک چغہ تھا انہوں نے اپنے سینہ پر اس کو کھلا چھوڑا ہوا تھا تو جبرئیل علیہ السلام اُترے اور کہا مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چغہ دیکھتا ہوں اس کا سینہ کھلا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا انہوں نے فتح سے پہلے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا۔ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس پر سلام پڑھیں اور ان سے کہیں کیا آپ رضی اللہ عنہ اپنے فقر میں مجھ سے راضی ہیں یا ناراض ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تجھ پر سلام پڑھ رہے ہیں اور تجھے کہہ رہے ہیں کیا تو اپنے فقر میں مجھ سے راضی ہے یا ناراض ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا میں اپنے رب پر ناراض ہوں گا؟ بے شک میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ بے شک میں اپنے رب سے راضی ہوں۔"وکلا وعداللہ الحسنٰی" یعنی دونوں فریقوں سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت کے درجات اوپر نیچے ہوں گے۔ پس جن لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا وہ افضل درجات میں ہوں گے اور ابن عامر نے "وکلٌّ" رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔"واللہ بما تعملون خبیر"

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ⑪ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ⑫ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬

ترجمہ: کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس (دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور یہ دن ہوگا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط) پر کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو پھر ان (فریقین کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا۔

تفسیر ⑪"من ذاالّذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضا عفہ لہ ولہ اجر کریم

⑫**یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعٰی نورھم**"یعنی صراط پر۔"**بین ایدیھم وبایمانھم**"یعنی ان کے دائیں جانب اور ان میں سے بعض نے کہا ہے تمام جانبیں مراد ہیں۔بعض کو کل سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ ان کی جنت کی طرف رہنمائی ہوگی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ ذکر کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنین میں سے وہ ہوں گے جن کا نور چمک رہا ہوگا یعنی صراط پر مدینہ سے عدن "**ابین او صنعاء**" اور اس کے دور تک۔حتیٰ کہ مؤمنین میں سے وہ ہوں گے کہ جن کا نور نہیں چمکے گا مگر ان کے قدموں کی جگہ تک اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ نور اپنے اعمال کے مطابق دیئے جائیں گے۔پس ان میں سے بعض کو نور کھجور کی طرح دیا جائے گا اور ان میں سے بعض کو نور کھڑا آدمی کی طرح اور ان میں سے ادنیٰ نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھوں پر ہوگا کبھی بجھ جائے گا کبھی روشن ہو جائے گا اور ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں "**یسعٰی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم**" ان کے اعمال نامے مراد ہیں کہ جو اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے ان کا نور ان کے سامنے ہوگا اور ان کو فرشتے کہیں گے "**بشراکم الیوم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ذلک ھو الفوز العظیم**"

⑬"**یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین اٰمنوا انظرونا**" اعمش اور حمزہ رحمہما اللہ نے "**انظرونا**" ہمزہ کے زبر اور ظاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہمیں مہلت دو اور کہا گیا ہے تم ہمارا انتظار کرو اور دیگر حضرات نے الف کو حذف کیا ہے وصل میں اور اس کو پیش دیتے ہیں ابتداء میں اور ظاء کو پیش دیتے ہیں۔عرب کہتے ہیں "**انظرنی وانظرنی**" یعنی تو میرا انتظار کر۔

"**نقتبس من نورکم**" تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو نور ان کے اعمال کے مطابق دیں گے جس کے ذریعے وہ پل صراط پر چلیں گے اور منافقین کو بھی نور دیں گے ان کو فریب دینے کے لیے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول

"وھو خادعھم" ہے۔ پس وہ چل رہے ہوں گے جب اللہ تعالیٰ ان پر ہوا اور تاریکی کو بھیجیں گے تو وہ منافقین کے نور کو بجھا دے گی۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معه نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربّنا اتمم لنا نورنا" اس خوف سے کہ ان کا نور چھین نہ لیا جائے جیسا کہ منافقین کا نور سلب کیا گیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ منافقین مؤمنین کے نور سے روشنی طلب کریں گے اور نور نہیں دیئے جائیں گے۔ پس جب مؤمنین ان سے آگے بڑھ جائیں گے اور وہ تاریکی میں باقی رہ جائیں گے تو مؤمنین کو کہیں گے تم ہمارا انتظار کرو ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرلیں۔ "قیل ارجعوا وراء کم"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کو مؤمنین کہیں گے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو فرشتے کہیں گے تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ جہاں سے تم آئے ہو۔ "فالتمسوا نورا" پس تم وہاں سے اپنے لیے نور تلاش کرو کیونکہ تمہارے لیے ہمارے نور سے سلگانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پس وہ نور کی تلاش میں لوٹیں گے تو کچھ نہ پائیں گے۔ پھر ان کی طرف پلٹیں گے تاکہ ان کو ملیں تو ان کے درمیان اور مؤمنین کے درمیان جدائی کردی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "فضرب بینھم بسور" یعنی سور اور باء صلہ ہے یعنی مؤمنین و منافقین کے درمیان اور وہ دیوار ہے جنت و جہنم کے درمیان۔ "له" یعنی اس دیوار کا "باب باطنه فيه الرحمة" یعنی اس دیوار کے اندر رحمت یعنی جنت ہے۔ "وظاھرہ" یعنی اس دیوار کا باہر والا حصہ "من قبله" یعنی اس ظاہر کی جانب سے۔ "العذاب" اور وہ آگ ہے۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮

ترجمہ یہ منافق ان کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور اسلام کے حق میں تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے شیطان نے اللہ کے ساتھ دھوکے میں ڈال رکھا تھا غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور (واقعی) برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر ⑭ "ینادونھم" عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ وہ سور جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت "فضرب بینھم بسور له باب" میں ذکر کیا ہے یہ بیت المقدس کی مشرقی جانب کی دیوار ہے اس کے باطن میں رحمت اور اس کا ظاہر اس کی جانب عذاب ہے جہنم کی وادی۔ ابن شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کعب رحمہ فرماتے تھے اس دروازہ

کے بارے میں جو بیت المقدس میں ہے جس کا نام باب رحمت رکھا گیا ہے کہ یہ وہ دروازہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فضرب بینھم بسور لہ باب" الآیہ۔

"ینادونھم" یعنی منافقین مؤمنین کو دیوار کے پیچھے سے پکاریں گے جب ان کے درمیان رُکاوٹ کردی جائے گی اور وہ تاریکی میں رہ جائیں گے۔ "الم نکن معکم" دُنیا میں نماز پڑھتے اور روزے رکھتے تھے؟ "قالوا بلیٰ ولکنکم فتنتم انفسکم" تم نے اس کو نفاق اور کفر سے ہلاک کردیا اور اس کو معاصی اور شہوات میں لگایا اور یہ تمام فتنہ ہیں۔ "وتربصتم" ایمان اور توبہ کا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا اور تم نے کہا کہ قریب ہے کہ یہ وفات پا جائیں گے۔ پس ہم ان سے راحت پا جائیں گے۔ "وارتبتم" تم نے ان کی نبوت میں شک کیا اور اس میں جو تم سے وعدے کیے گئے تھے۔ "وغرّتکم الامانی" باطل اور جو تم تمنا کرتے تھے مؤمنین پر مصیبتیں اُترنے کی۔ "حتّٰی جآء امر اللّٰہ" یعنی موت۔

"وغرّکم باللّٰہ الغرور" یعنی شیطان نے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شیطان کے دھوکہ میں رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہنم میں پھینک دیا۔

⑮ "فالیوم لایؤخذ منکم فدیۃ" ابوجعفر اور ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ نے "تؤخذ" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ۔

"فدیۃ" بدل اور عوض اس بات کا کہ تم اپنے آپ کو عذاب سے بچالو۔ "ولا من الّذین کفروا" یعنی مشرکین۔ "ماواکم النار ھی مولاکم" تمہارا ساتھی اور تمہارے زیادہ لائق اس کی وجہ سے جو تم نے پہلے گناہ کیے۔ "وبئس المصیر"

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَايَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاویں جن کو ان کے قبل کتاب آسمانی ملی تھی (یعنی یہود ونصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور توبہ نہ کی پھر ان کے دل (خوب ہی) سخت ہوگئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کردیتا ہے ہم نے تم سے اس کے نظائر بیان کردیئے ہیں تاکہ تم سمجھو بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور (یہ صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ (باعتبار ثواب

کے) ان کے لئے بڑھا دیا جاوے گا اور ان کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔

تفسیر 16 "الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ" کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہجرت کے ایک سال بعد کیونکہ انہوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک دن سوال کیا کہنے لگے ہمیں توریت سے کچھ باتیں بتائیں کیونکہ اس میں عجیب باتیں ہیں تو آیت نازل ہوئی۔ "نحن نقص علیک احسن القصص" تو ان کو خبر دی کہ قرآن میں اچھے قصے ہیں اس کے غیر سے تو وہ سلمان رضی اللہ عنہ سے کچھ عرصہ جتنا اللہ نے چاہا سوال کرنے سے باز آ گئے۔ پھر لوٹے اور سلمان رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل سوال کیا تو نازل ہوا۔ "اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا" تو وہ جتنا عرصہ اللہ نے چاہا سوال کرنے سے باز آ گئے۔ پھر لوٹے اور کہنے لگے ہمیں توریت سے کچھ بیان کریں کیونکہ اس میں عجائب ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پس اس تاویل پر اللہ تعالیٰ کا قول "الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ" یعنی اعلانیہ اور زبان کے ساتھ او دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلام اور اس آیت "الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ" کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہمیں عتاب کرنے کے درمیان صرف چار سال کا فرق تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے دلوں کو سست پایا تو قرآن نازل ہونے کے تیرہ سال بعد ان کو عتاب کیا اور فرمایا "الم یان" نہیں وقت آیا ان لوگوں کا جو ایمان لائے کہ "تخشع" نرم و پتلے ہو جائیں اور جھک جھائیں ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے۔ "وما نزل" نافع اور حفص نے عاصم سے زاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے زاء کی تشدید کے ساتھ "من الحق" اور وہ قرآن ہے۔ "ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل" اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ "فطال علیھم الامد" زمانہ ان کے درمیان اور ان کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان "فقست قلوبھم"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ دُنیا کی طرف مائل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے اعراض کیا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو روکا ہے کہ وہ قرآن کے صحیح ہونے میں ان یہود کی طرح ہو جائیں جن کے دل سخت ہو گئے۔ اس وجہ سے کہ ان پر زمانہ لمبا ہو گیا۔ روایت کیا گیا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کے قراء کی طرف پیغام بھیجا تو ان پر تین سو آدمی داخل ہوئے جنہوں نے قرآن پڑھا ہوا تھا تو ان کو فرمایا تم لوگ اہل بصرہ کے بہترین لوگ اور ان کے قاری ہو۔ پس تم اس کی تلاوت کرو اور تم پر اُمیدیں لمبی نہ ہوں۔ پس تمہارے دل سخت ہو جائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کے دل سخت ہو گئے جو تم سے پہلے تھے۔ "وکثیر منھم فاسقون" یعنی جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو چھوڑ دیا۔

17 "اعلموا ان اللّٰہ یحی الارض بعد موتھا قد بینالکم الآیات لعلکم تعقلون"

18 ان المصدّقین والمصدقات" ابن کثیر اور ابوبکر رحمہما اللہ نے عاصم سے صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، ان دونوں میں تصدیق سے یعنی مؤمنین اور مؤمنات۔

اور دیگر حضرات نے ان دونوں کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ''المتصدّقین والمتصدّقات'' تاء کا صاد میں ادغام کیا گیا ہے۔ ''واقرضوا اللّٰہ قرضا حسنا'' صدقہ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے ساتھ۔ ''یضاعف لھم'' یہ قرض۔ ''ولھم اجر کریم'' اچھا ثواب ہے اور وہ جنت ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ⑲ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے (جنت میں) ان کا اجر (خاص) اور (صراط پر) ان کا نور (خاص) ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات محض لہو لعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے جیسے مینہ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں عذاب شدید ہے اور یہ خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکے کا اسباب ہے۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ کی تفسیر

تفسیر: ⑲ ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ'' اور صدیق کثرت سے سچ بولنے والا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر شخص جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا وہ صدیق ہے اور یہ آیت تلاوت کی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس اُمت کے آٹھ افراد ہیں جنہوں نے اہل ارض سے اپنے زمانہ میں اسلام کی طرف سبقت کی۔ ابو بکر، علی، زید، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، حمزہ اور نویں عمر بن خطاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا، ان کی صدق نیت کو پہچاننے کی وجہ سے۔

''والشھداء عند ربھم'' اس آیت کی ترتیب میں اختلاف ہوا ہے، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور واؤ واؤ نسق ہے اور شہداء سے مؤمنین مخلصین مراد ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نے

نام ذکر کیا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر مؤمن صدیق وشہید ہے اور یہ آیت تلاوت کی اور ایک قوم نے کہا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول "هم الصديقون" کے پاس مکمل ہوگئی تھی۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا "والشهداء عند ربهم" اور واؤ واو استئناف ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسروق اور ایک جماعت کا قول ہے۔ پھر ان میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ایک قوم نے کہا ہے وہ انبیاء ہیں جو اُمتوں پر قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے اور یہی مقاتل بن حیان کا قول ہے اور مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں شہید کیے گئے۔ "لهم اجرهم" ان کے نیک اعمال کے بدلے "ونورهم" صراط پر۔ "والذين كفروا و كذبوا بآياتنا اولئك اصحاب الجحيم"

20 "اعلموا انما الحيوٰة الدنيا" یعنی بے شک دُنیا کی زندگی اور "ما" صلہ ہے یعنی بے شک اس گھر میں "لعب" باطل ہے اس کا کوئی حاصل نہیں۔ "ولهو" خوشی ہے پھر ختم ہو جائے گی۔ "وزينة" منظر جس کے ذریعے تم زینت حاصل کرتے ہو۔ "وتفاخر بينكم" اس کے ذریعے وہ آپس میں فخر کرتے ہیں۔ "وتكاثر في الاموال والاولاد" یعنی مال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرنا۔ پھر اس کے لیے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا "كمثل غيث اعجب الكفار" یعنی کاشتکاروں کو "نباته" جو اس بارش سے اُگا۔ "ثم يهيج" خشک ہو جائے۔ "فتراه مصفرا" اس کے سرسبز ہونے اور پک جانے کے بعد "ثم يكون حطاما" خشک ہونے کے بعد کاٹا جائے، توڑا جائے اور فنا ہو جائے۔ "وفي الآخرة عذاب شديد" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کے دشمنوں کے لیے۔ "ومغفرة من الله ورضوان" اس کے اولیاء اور اہل طاعت کے لیے۔ "وما الحياة الدنيا الا متاع الغرور" سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دھوکے کا سامان اس کے لیے جو اس میں مشغول ہو آخرت کی طلب سے اعراض کر کے اور جو اس میں مشغول آخرت کی طلب کے ساتھ تو اس کے لیے ایسا نفع ہے جو اسے خیر تک پہنچا دے گا۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ 21 مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ 22 لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ 23 نِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ 24 لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ 25

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی

وسعت کے برابر ہے وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے تمہیں یہ بات اس واسطے بتلا دی تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج (اتنا) نہ کرو اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ (حب دنیا کی وجہ سے) خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور جو شخص اعراض کرے گا (دین حق سے) تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوار حمد ہیں ہم نے (اسی اصلاح آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے (کے حکم) کو نازل کیا تا کہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے (اس کے علاوہ) لوگوں کو اور بھی طرح طرح کے فوائد اور (اس لئے پیدا کیا) تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔

تفسیر 21 "سابقوا" تم دوڑو۔ "**الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها کعرض السماء والارض**" اگر اس میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا جائے۔ "**اعدت للذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم**" پس بیان کیا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر اللہ کے فضل کے ساتھ۔

22 "**ما اصاب من مصیبة فی الارض**" یعنی بارش کا قحط اور پودوں کا کم ہو جانا اور پھلوں کا کم ہو جانا۔ "**ولا فی انفسکم**" یعنی امراض اور اولاد کا فقدان۔ "**الا فی کتاب**" یعنی لوح محفوظ "**من قبل ان نبرأها**" اس سے پہلے کہ ہم زمین اور ان کے نفسوں کو پیدا کریں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مصیبت سے بری ہونے سے پہلے اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جان۔ "**ان ذلک علی اللہ یسیر**" یعنی اس کی کثرت کے باوجود اس کو ثابت کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

23 "**لکیلا تاسوا**" غم نہ کرو۔ "**علی ما فاتکم**" دُنیا سے۔ "**ولا تفرحوا بما آتاکم**" ابو عمرو نے الف کے قصر کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فاتکم" کی وجہ سے۔ پس فعل اس کے لیے بنا دیا ہے اور دیگر حضرات نے "آتاکم" الف کی مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم کو عطاء کیا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر شخص کو خوشی و غمی آتی ہے لیکن تم اپنی خوشی کو شکر اور غم کو صبر بناؤ۔ "**واللہ لا یحب کل مختال**" متکبر اس پر جو دُنیا میں دیا گیا۔

"فخور" اس کے ذریعے لوگوں پر فخر کرتا ہے۔ جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تجھے کیا ہو گیا ہے تو مفقود چیز پر افسوس کرتا ہے اس کو تیرا فوت ہو جانا واپس نہیں کر سکتا اور تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو موجود چیز پر خوش ہو جاتا ہے اس کو تیرے ہاتھ میں موت نہیں چھوڑے گی۔

㉔ "الذين يبخلون" کہا گیا ہے یہ محل جر میں ہے۔ "المختال" کی صفت ہونے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے یہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر اس کا مابعد ہے۔ "ويامرون النّاس بالبخل ومن يتولّ" یعنی ایمان سے اعراض کرے۔ "فان الله هو الغني الحميد" اہل مدینہ اور شام نے "فان الله الغني" پڑھا ہے ھو کو ساقط کرنے کے ساتھ اور اسی طرح یہ ان کے مصاحف میں ہے۔

㉕ "لقد ارسلنا رسلنا بالبينات" نشانیوں اور دلائل کے ساتھ۔ "وانزلنا معهم الكتاب والميزان" یعنی انصاف اور مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کے ذریعے وزن کیا جائے یعنی اور ہم نے میزان (ترازو) کو رکھنا۔ جیسا کہ فرمایا "والسماء رفعها" بایں طور کہ "ووضع الميزان"...... "ليقوم النّاس بالقسط" تا کہ وہ آپس میں انصاف کے ساتھ معاملہ کریں۔ "وانزلنا الحديد" ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے مرفوع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین کی طرف چار برکتیں اُتاریں، لوہا، آگ، پانی اور نمک۔

اور اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "انزلنا الحديد" کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو پیدا کیا۔ یعنی ان کے لیے لوہے کو معادن سے نکالا اور ان کو اس کی کاریگری سکھائی، اپنی وحی کے ذریعے اور قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ نزل سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "انزل الامير على فلان نزلاً حسنا" تو آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کو ان کے لیے مہمانی بنایا اور اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا قول "وانزل لكم من الانعام ثمانية ازواج" ہے۔ "فيه بأس شديد" سخت قوت ہے۔ یعنی جنگ کے لیے ہتھیار۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ڈھال اور ہتھیار ہیں یعنی آلہ اور آلۂ ضرب۔ "ومنافع للنّاس" جن سے وہ اپنی ضروریات میں نفع اُٹھاتے ہیں۔ جیسے چھری، کلہاڑا، سوئی اور اس کی مثل، اس لیے کہ یہ ہر صنعت کا آلہ ہے۔

"وليعلم الله" یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ یہ اشیاء اُتاریں تا کہ لوگ حق اور انصاف کا معاملہ کریں اور تا کہ اللہ تعالیٰ جان لیں اور دیکھ لیں۔ "من ينصره" یعنی اس کے دین کی۔ "ورسله بالغيب" یعنی دین کی مدد کے لیے کھڑا ہوا اور اللہ اور آخرت کو نہیں دیکھا اور تعریف کیا جاتا ہے اور ثواب دیا جاتا ہے جو شخص اللہ کی بن دیکھے اطاعت کرے۔ "ان الله قوى عزيز" اپنے امر میں قوی اپنے ملک میں غالب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ㉖ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ㉗

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی سو ان لوگوں

میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کر دیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (موجود) دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔

تفسیر ۲۷ **"ولقد ارسلنا نوحا و ابراهیم وجعلنا فی ذریتهما النبوة والکتاب فمنهم مهتدو کثیر منهم فاسقون. ثمّ قفینا علی آثارهم برسلنا وقفینا بعیسی ابن مریم وآتیناه الانجیل وجعلنا فی قلوب الّذین اتبعوه"** اس کے دین پر۔ **"رأفة"** اور وہ سخت نرم دلی۔ **"ورحمة"** وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا وصف بیان کیا۔ **"رحماء بینهم"**...... **"ورهبانیة ابتدعوها"** اپنی طرف سے اور یہ ماقبل پر عطف نہیں ہے اور اس کا منصوب ہونا پوشیدہ فعل کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ کہا **"وابتدعوا رهبانیة"** یعنی اس کو اپنی طرف سے لائے۔ **"ما کتبناها"** یعنی ہم نے اس کو فرض نہیں کیا۔ **"علیهم الا ابتغاء رضوان الله"** یعنی لیکن انہوں نے اللہ کی رضامندی کو تلاش کیا۔ اس رہبانیت کے ذریعے اور اس رہبانیت نے ان کو کھانے، پینے اور پہننے اور نکاح سے رُکنے کی مشقتوں اور پہاڑوں میں عبادت کرنے پر مجبور کر دیا۔ **"فما رعوها حق رعایتها"** یعنی انہوں نے رہبانیت کی ویسے رعایت نہیں کی جیسے اس کا حق تھا بلکہ انہوں نے اس کو ضائع کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا انکار کیا۔ پس یہودی اور نصرانی بن گئے اور اپنے بادشاہوں کے دین میں داخل ہو گئے اور ترہیب کو چھوڑ دیا اور ان میں سے کچھ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہے حتیٰ کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول **"فآتینا الذین آمنوا منهم اجرهم"** یہ وہ لوگ جو اس پر ثابت قدم رہے اور یہ نرمی اور شفقت والے لوگ ہیں۔ **"وکثیر منهم فاسقون"** یہ وہ لوگ جنہوں نے رہبانیت کو چھوڑ دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے کفر کیا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے ابن مسعود! (رضی اللہ عنہ) تم سے پہلے لوگ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے ان میں سے تین نے نجات پائی۔

اور باقی سارے ہلاک ہو گئے۔ ایک فرقہ بادشاہوں کے مقابل آیا اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قتال کیا تو انہوں نے ان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور ایک فرقہ ان کے پاس بادشاہوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی اور نہ یہ کہ وہ ان کے مدمقابل کھڑے

ہوسکیں ان کو اللہ تعالیٰ کے دین اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف بلائیں۔ پس یہ لوگ شہروں میں سیاحت کرنے لگے اور راہب بن گئے۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم“ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میری اتباع کی۔ پس تحقیق اس نے اس کی رعایت کی۔ جیسا کہ اس کا حق ہے اور جو مجھ پر ایمان نہیں لایا پس یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف (سواری پر پیچھے بیٹھنے والا) تھا دراز گوش پر تو آپ علیہ السلام نے مجھے فرمایا اے اُم عبد کے بیٹے! کیا تو جانتا ہے بنو اسرائیل نے کہاں سے رہبانیت کو لیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان پر جبابرہ (ایک قوم ہے) غالب ہوگئے، وہ گناہوں کے کام کرتے تھے تو اہل ایمان ان پر غصہ ہوئے تو انہوں نے اہل ایمان سے قتال کیا۔ تو اہل ایمان شکست کھا گئے تین مرتبہ تو ان میں سے تھوڑے سے لوگ باقی بچے تو انہوں نے کہا اگر ہم ان لوگوں کے سامنے ظاہر ہوئے تو یہ ہمیں فنا کر دیں گے اور اس دین کا کوئی فرد باقی نہ رہے گا جو اس دین کی طرف دعوت دے تو انہوں نے کہا آؤ ہم زمین میں بکھر جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کو بھیج دیں جس کا ہم سے عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا ہے۔ ان کی مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تو وہ پہاڑوں کی وادیوں میں بکھر گئے اور رہبانیت کو گھڑ لیا۔ پس ان میں سے بعض نے اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور ان میں سے بعض نے کفر کیا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ”ورھبانیة ابتدعوھا“...... ”فآتینا الذین اٰمنوا منھم“ یعنی جو اس پر ثابت قدم رہے ان کا اجر دیا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُم عبد کے بیٹے! کیا تو جانتا ہے میری اُمت کی رہبانیت کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ اور بلند جگہ پر تکبیر کہنا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر اُمت کے لیے رہبانیت ہے اور اس اُمت کی رہبانیت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے توریت اور انجیل کو بدل دیا اور ان میں مؤمن تھے جو توریت و انجیل پڑھتے تھے اور ان کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے تھے تو ان کے بادشاہوں کو کہا گیا اگر تم ان لوگوں کو جمع کر لو جو تم پر بوجھ بن گئے ہیں اور ان کو قتل کر دو یا یہ اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں ہم ہیں تو ان کے بادشاہ نے ان کو جمع کیا اور ان پر قتل پیش کیا یا وہ توریت و انجیل کی قرأت چھوڑ دیں صرف وہی پڑھیں جو انہوں نے تبدیل کی ہے۔ پس انہوں نے کہا ہم تمہیں اپنے نفس سے کافی ہیں۔

تو ایک جماعت نے کہا تم ہمارے لیے ایک ستون بناؤ، پھر ہمیں اس پر بلند کرو، پھر ہمیں کوئی چیز دو جس کے ذریعے ہم اپنا

کھانا، پینا اُٹھالیں اور تم پر واپس نہ آئیں اور ایک جماعت نے کہا ہمیں چھوڑ دو، ہم زمین میں سیاحت کرتے ہیں اور درندوں کی طرح گھوم پھر کر کھائیں پئیں۔ پس اگر تم ہم پر قادر ہو جاؤ کسی زمین میں تو ہمیں قتل کر دینا اور ایک جماعت نے کہا تم ہمارے گھر بنادو دیہاتوں میں ہم کنویں کھودے اور سبزیاں کاشت کریں۔ پس ہم تمہارے پاس نہ آئیں گے اور نہ تم پر گزریں گے تو انہوں نے یہ کیا تو یہ عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر جاری رہ گئے اور ان کے بعد ایک قوم پیچھے رہ گئی جنہوں نے کتاب کو تبدیل کیا تھا تو آدمی کہنے لگا ہم فلاں جگہ میں ہو جاتے ہیں پس ہم عبادت کرتے ہیں جیسا کہ فلاں نے عبادت کی اور ہم سیاحت کرتے ہیں جیسا کہ فلاں نے سیاحت کی اور ہم گھر بناتے ہیں جیسا کہ فلاں نے بنایا ہے اور وہ اپنے شرک پر قائم تھے ان کو ان کے ایمان کا کوئی علم نہ تھا جن کی انہوں نے اقتداء کی۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "ورھبانیة ابتدعوھا" ہے یعنی اس رہبانیت کو ان نیک لوگوں نے گھڑلیا۔ پھر اس کی رعایت نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ یعنی ان لوگوں نے جو ان کے بعد آئے۔ "فآتینا الذین امنوا منھم اجرھم" یعنی جن لوگوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے کے لیے گھڑا "وکثیر منھم فاسقون" جو ان کے بعد آئے۔ فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے اور ان لوگوں میں سے تھوڑے سے بچے تو ایک آدمی اپنے عبادت خانے سے اُتر آیا اور سیاح اپنی سیاحت سے آ گیا اور صاحب دیر (راہبوں کی عبادت کی جگہ والے) اپنے عبادت خانہ سے نکل آئے اور آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿28﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

ترجمہ اے (عیسیٰ پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے (اور یہ دولتیں تم کو اس لئے عنایت کرے گا) تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے سوا کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر 28 پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ" خطاب یہود و نصاریٰ کے اہل کتاب کو ہے۔ اے وہ لوگو! جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تم اللہ تعالیٰ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ڈرو۔ "وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر "يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ" دو حصے۔ "مِنْ رَّحْمَتِهٖ" یعنی تمہیں دو اجر دے گا تمہارے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ اور ایک قوم نے کہا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول

"ورحمة" کے پاس ختم ہوگئی ہے۔ پھر فرمایا "ورهبانية ابتدعوها" کیونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا اور خنزیر کھائے، شرابیں پئیں اور جنابت سے وضو غسل کرنے کو چھوڑ دیا اور ختنہ کو چھوڑ دیا۔ "فمارعوها" یعنی اطاعت اور دین حق کی "رعایتها" ہے ضمیر غیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "فآتينا الذين امنوا منهم اجرهم" اور وہ نرمی و محبت والے ہیں "وكثير منهم فاسقون" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے اور اس کی طرف مجاہد رحمہ اللہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول "الا ابتغاء رضوان الله" کا معنی اس تاویل پر یہ ہے کہ ہم نے نہ اس کو ان کا حکم دیا اور نہ ان پر فرض کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضاء کو تلاش کرنا اور ہم نے ان کو رہبانیت کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول "یا یها الذين امنوا اتقوا الله" یعنی اے وہ لوگ جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے دے گا۔

ہم تک حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ان کو ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا۔ ایک وہ شخص جس کی باندی تھی، اس نے اس کو ادب سکھایا، پس اچھا ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا اور ایک وہ آدمی جو اہل کتاب ہو جو اپنی کتاب پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب پر ایمان لایا اور ایک غلام جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اپنے آقا کی خیر خواہی کی۔ "ويجعل لكم نورا تمشون به" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی صراط پر۔ جیسا کہ فرمایا "نورهم يسعى بين ايديهم" اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ نور وہ قرآن ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ہدایت اور بیان ہے یعنی تمہارے لیے دین میں واضح راستہ بنا دے گا جس کے ذریعے تم ہدایت حاصل کرو گے۔ "ويغفر لكم والله غفور رحيم" اور کہا گیا ہے کہ جب ان اہل کتاب نے جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے اللہ تعالیٰ کا قول "اولئک يؤتون اجرهم مرتين" سنا تو مسلمانوں کو کہنے لگے جو ہم میں سے تمہاری کتاب پر ایمان لایا تو اس کے لیے اس کا اجر دو مرتبہ ہے تمہاری کتاب اور ہماری کتاب پر ایمان لانے کی وجہ سے اور جو ہم میں سے ایمان نہیں لایا تو اس کے لیے تمہاری طرح ایک اجر ہوگا تو تمہاری ہم پر کیا فضیلت ہوئی؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی۔ "یا يها الذين امنوا اتقوا الله وآمنوا برسوله يؤتكم كفلين من رحمته" پس ان کے لیے دو اجر بنا دیں گے جب وہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور ان کو نور اور مغفرت زیادہ دے گا۔

㉙ پھر فرمایا "لئلا يعلم اهل الكتاب" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان لوگوں کا حسد جو اہل کتاب میں سے ایمان نہیں لائے، ان میں سے ایمان لانے والوں پر تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "لئلا يعلم اهل الكتاب" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کہتے عنقریب ہم میں سے ایک نبی نکلے گا جو ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹے گا۔ پس جب وہ عرب سے نکلے تو ان کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "لئلا يعلم اهل الكتاب" یعنی تاکہ جان لیں اور "لا" صلہ ہے۔ "الا يقدرون على شىء من فضل الله" یعنی تاکہ وہ لوگ جان لیں جو ایمان نہیں لائے کہ ان کے لیے کوئی اجر نہیں اور نہ کوئی حصہ ہے اللہ کے فضل میں۔

امت محمدیہ کی مدت گزشتہ امتوں کی مدت کے مقابلے میں اتنی ہے جتنا عصر سے مغرب تک وقت

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری مدت گزشتہ اُمتوں کی مدت کے مقابلہ میں اتنی ہے جتنا عصر سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مزدوروں سے کچھ کام کرانا چاہا اور کہا ایک ایک قیراط مزدوری پر دوپہر تک میرا کام کون کرسکتا ہے؟ یہودیوں نے ایک ایک قیراط پر دوپہر تک کام کیا پھر کام کرانے والے نے کہا: اب دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط مزدوری پر کون کام کرسکتا ہے؟ یہ سن کر نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر دوپہر سے عصر تک کام کیا، پھر کام کے طلبگار نے کہا: اب عصر سے مغرب تک دو دو قیراط پر اُجرت پر کون کام کرسکتا ہے؟ سن لو تم ہی وہ لوگ ہو جو نمازِ عصر سے مغرب تک کام کرنے والے ہو، آگاہ ہو جاؤ تمہاری اُجرت دوگنی ہوگی۔ اس اعلان پر یہودی اور عیسائی ناراض ہوگئے۔ انہوں نے کہا: ہم کام تو زیادہ کرنے والے ہیں اور اُجرت کم پائیں گے۔ اللہ نے فرمایا: کیا میں نے (تمہارا کچھ حق کاٹ کر) تم پر ظلم کیا ہے؟ یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا، نہیں! اللہ نے فرمایا: پس یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔

بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کچھ لوگوں کو صبح سے شام تک کام کرنے کیلئے ایک مقررہ اُجرت پر لگایا۔ ان لوگوں نے دوپہر تک کام کیا پھر کہا جو اُجرت آپ نے مقرر کی ہے ہم کو اس کی ضرورت نہیں (آئندہ ہم کام نہیں کریں گے) آپ کی یہ شرط (یعنی تقررِ اُجرت) غلط ہے۔ کام لینے والے نے کہا، تم باقی کام پورا کردو اور اپنی پوری مزدوری لے لو لیکن انہوں نے انکار کردیا اور کام چھوڑ دیا۔ ان کے بعد کام کرانے والے نے کچھ اور لوگ مزدوری پر رکھے اور کہا آج دن کا باقی تمام کام تم پورا کردو، تم کو طے شدہ مزدوری ملے گی (ان لوگوں نے کام شروع کردیا) یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا یعنی عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو (وہ بھی کام چھوڑ بیٹھے اور) کہنے لگے ہم نے جو کام کیا وہ یونہی بے مزدوری ہوا، جو اُجرت آپ نے مقرر کی تھی وہ آپ ہی اپنے پاس رکھیں، کام کرانے والے نے کہا اپنا باقی کام پورا کردو، دن کا تھوڑا ہی حصہ تو رہ گیا ہے لیکن انہوں نے انکار کردیا، آخر مالک نے کچھ اور لوگوں کو مزدوری پر بلوایا کہ دن کے باقی حصہ میں کام کردیں۔ چنانچہ انہوں نے باقی وقت کام کردیا اور (اوّل الذکر) دونوں فریقوں کی پوری مزدوری لے لی۔ پس یہ مثال ہے ان لوگوں کی اور اس نور کو قبول کرنے کی۔ واللہ اعلم

❁❁❁

سُوْرَۃُ الْمُجَادِلَہ

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ۲۲ آیات اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ①

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تو سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں آیت بالا کا نزول

تفسیر: یہ آیت حضرت اوس بن صامت کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بہت تھا۔ ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنی چاہی، خولہ نے انکار کر دیا۔ اوس نے کہا تو میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت (کہنے کو تو غصہ میں کہہ دیا) پھر پشیمان ہوئے کیونکہ دور اسلامی سے پہلے ظہار اور ایلاء (عورت سے محدود ایام میں کنارہ کش رہنے کی قسم) کو طلاق سمجھا جاتا تھا اس لیے اوس بن صامت نے خولہ سے کہا میرے خیال میں تو میرے لیے حرام ہوگئی۔ خولہ نے کہا: واللہ! یہ طلاق نہیں ہے یہ کہہ کر خولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا ایک طرف کا حصہ دھو رہی تھیں۔ خولہ نے آ کر کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے نکاح اُس وقت کیا تھا، جب میں جوان تھی، مال دار تھی اور کنبہ والی تھی۔ جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ہوگئی تو اب مجھ سے اس نے ظہار کر لیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ہوگیا، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر یکجا ہو سکیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس کے لیے حرام ہوگئی۔ خولہ نے کہا: میں اپنی محتاجی اور تنہائی کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں،

میرا اس کا ساتھ مدت دراز تک رہا اور میں نے اس کے لیے اپنا پیٹ جھاڑ دیا (یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بہت بچے جنے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے خیال میں تو تو اس کے لیے حرام ہوگئی اور تیرے لیے کوئی خاص حاکم میرے پاس نہیں آیا۔ خولہ بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رہی۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کے لیے حرام ہوگئی تو گفتگو سے رُکی اور کہنے لگی میں اللہ ہی سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رہیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ہو جائیں گے، پھر اوپر (آسمان کی طرف) سر اُٹھا کر کہنے لگی: اے اللہ! میں تجھ سے ہی شکوہ کرتی ہوں، اے اللہ! (میرے لیے) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حکم نازل فرما دے۔ اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ بولی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، میرے معاملہ میں غور فرمایئے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اپنی بات ختم کر اور جھگڑنا چھوڑ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھ رہی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اُترتی تھی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اونگھ طاری ہو جاتی تھی۔ جب وحی (کی حالت) ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے شوہر کو بلا لے۔ اوس رضی اللہ عنہ آگئے تو آپ علیہ السلام نے آیات "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ ......" ان کو پڑھ کر سنائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ میں گھر کے گوشے میں موجود تھی۔ اس عورت کی کچھ گفتگو سن رہی تھی اور کچھ نہیں سن پائی تھی (مگر اللہ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اور آیت "قد سمع اللّٰہ" نازل فرما دی۔

قول التی تجادلک۔ اس کا معنی ہے سخت لڑائی جھگڑا **تحاورکما** کا معنی ہے باہم کلام میں لوٹ پوٹ کرنا۔

(وتشتکی الی اللّٰہ واللّٰہ یسمع تحاورکما) اپنے کلام سے رجوع کرنے والا **(ان اللّٰہ سمیع بصیر)** سمیع کا معنی ہے دوسرے کی مناجات کو سننے والا اور اس کی خشوع وخضوع وعاجزی کو سننے والے کو بصیر کہتے ہیں جو اس کی طرف شکایت کرے اس کے حالات کو دیکھنے والا پھر ظہار کی مذمت بیان کی۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۲ وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۳ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۴

ترجمہ: تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں انت علی کظہر امی) وہ ان کی مائیں نہیں

ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں اس لئے گناہ ضرور ہوگا اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے بخش دینے والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے یعنی لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا ہے) کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں اور کافروں کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر **الذین یظاھرون منکم من نسا ئھم** عاصم نے یظاہرون یاء کے ضمہ اور ظاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کے بعد الف ابن عامر، جعفر، حمزہ، کسائی وغیرہ نے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور ھا کے فتحہ کے ساتھ اور ظاء کی تشدید کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے یاء کے فتحہ ظاء اور ھاء کی تشدید بغیر الف کے (**ماھن امھاتھم**) جن کو انہوں نے جن کو اپنے لئے بیویاں مقرر کردی ہیں وہ حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں کہ ماؤں کی طرح وہ حرام ہوں۔ (**ان امھاتھم**) نہیں ہیں ان کی مائیں مگر (**الا اللائی ولدنھم وانھم لیقولون منکراً من القول**) جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ (**وزورا**) بمعنی جھوٹ۔ منکر۔ **وان اللہ لعفوٌ غفورٌ** اللہ تعالیٰ ان کے اس گناہ کو معاف کردیں گے جب وہ اس گناہ کا کفارہ ادا کردیں گے۔

ظہار کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے **انت علی کظھر امی** کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو مجھ سے ہے وغیرہ اور اسی طرح کوئی کہے کہ تو میری ماں کے پیٹ کی طرح یا میری ماں کے سر کی طرح یا میری ماں کے ہاتھ کی طرح یا یہ کہے کہ تیرا پیٹ، سر، ہاتھ مجھ پر ایسے ہیں جیسا کہ مجھ پر میری ماں کے ہیں یا اپنی ماں کے اعضاء میں سے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دے تو یہ ظہار ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بیوی کو ماں کے پیٹ، ننگ، یا ران کے ساتھ تشبیہ دے تو ظہار ہوگا اور اگر دوسرے کسی عضو سے تشبیہ دی تو ظہار نہیں ہوگا۔ جیسے اگر کسی نے کہا کہ تو میری ماں کی طرح ہے یا ای کی روح کی طرح ہے اس سے مراد اعزاز واکرام لے تو یہ ظہار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی دادی کے ساتھ تشبیہ دے جیسے کہ وہ کہے کہ تو میری دادی کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ ظہار ہوگا اور اگر اس ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو شوہر کیلئے حرمت ابدیہ ہو تو بھی ظہار ہوگا۔ جیسے وہ یہ کہے **انت علی کظھر اختی** کہ تو میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے یا میری پھوپھی یا خالہ کی پیٹھ کی طرح ہے۔

3 "**والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة**" پھر ظہار کا حکم یہ ہے کہ خاوند پر اسی سے وطی کرنا حرام ہو جاتا ہے ظہار کے بعد جب تک کفارہ نہ دے اور کفارہ ظہار کے بعد لوٹنے (جماع) کی وجہ سے واجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "**ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة**" کی وجہ سے۔ اور اہل علم کا العود کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے۔ پس اہل ظاہر کہتے ہیں یہ حفظ ظہار کو لوٹانا ہے اور یہی ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کی تفسیر

اور فرمایا "ثم یعودون لما قالوا" یعنی "الی ما قالوا" یعنی دوسری مرتبہ اس بات کا اعادہ کریں۔ پس اگر لفظ کا تکرار نہ کریں تو کوئی کفارہ نہیں ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ کفارہ نفس ظہار کی وجہ سے واجب ہو جائے گا اور آیت میں عود سے مراد اس کی طرف لوٹنا ہے جس پر وہ جاہلیت میں ظہار کے معاملہ میں تھے اور یہ مجاہد اور ثوری رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا ہے عود سے مراد وطی کرنا ہے اور یہ حسن، قتادہ، طاؤس اور زہری رحمہم اللہ کا قول ہے اور ان حضرات نے کہا ہے اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے جب تک اس سے وطی نہ کرے۔

اور ایک قوم نے کہا ہے یہ وطی (ہمبستری) کا پختہ ارادہ کرنا ہے اور یہی امام مالک رحمہ اللہ اور اصحاب رائے کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عود یہ ہے کہ ظہار کے بعد ایک مدت اس کو روکے رکھے اس کو قدرت ہو کہ اس سے جدا ہو جائے لیکن ایسا نہ کرے۔ پس اگر اس کو ظہار کے بعد اس حال میں طلاق دے دی، ان دونوں میں سے کوئی اسی وقت میں مر گیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ قول کی طرف عود مخالفت کرنا ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عود کی تفسیر ندامت سے کی ہے۔ پس فرماتے ہیں وہ شرمندہ ہوں پھر محبت کی طرف لوٹیں اور اس کا معنی یہ ہے۔

فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا جاتا ہے عاد "فلان لما قال" یعنی "فیما قال وفی نقض ما قال" یعنی جو کہا ہے اس سے رجوع کرے اور یہ وہی بیان کرتا ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور وہ یہ کہ اس کا ظہار کا ارادہ کرنا اس کو حرام کرتا ہے۔ پس جب اس کو نکاح پر روک لیا تو اس نے اپنے قول کی مخالفت کی اور جو کہا تھا اس سے رجوع کر لیا تو اس کو کفارہ لازم ہوگا حتیٰ کہ فرمایا اگر اپنی اس بیوی سے ظہار کیا جس کو طلاق رجعی دی ہے تو اس کا ظہار منعقد ہو جائے گا اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے حتیٰ کہ اس سے رجوع کر لے۔ پس اگر اس سے رجوع کر لیا تو یہ عود کرنے والا ہوگا اور اس کو کفارہ لازم ہوگا۔

ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرنے سے دہرا کفارہ آئے گا

اللہ تعالیٰ کا قول "فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا" اور لماس سے جماع کرنا مراد ہے۔ پس ظہار کرنے والے کے لیے اپنی اس بیوی سے وطی کرنا حلال نہیں ہے جس سے ظہار کیا ہو جب تک کفارہ نہ دے۔ علاوہ ازیں کہ کفارہ دینے کا ارادہ اعتاق کے ذریعے ہو یا روزوں یا کھانا کھلانے کے ذریعے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کھانا کھلانے کے ذریعے کفارہ دینے کا ارادہ ہو تو اس کے لیے اس سے پہلے وطی کرنا جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آزادی اور روزے میں جماع سے پہلے کی قید لگائی ہے اور کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا ہے "فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا" اور یہ نہیں فرمایا "من قبل ان یتماسا" اور دیگر حضرات کے نزدیک اطعام (کھانا کھلانے میں) آیت کا مطلق ہونا عتق اور روزے میں مقید حکم پر محمول کیا

جائے گا اور وطی کے علاوہ بوسہ اور لذت حاصل کرنے وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ کفارہ سے پہلے یہ حرام ہیں یا نہیں۔ پس اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ وطی کے علاوہ افعال حرام نہیں ہیں اور یہی حسن اور سفیان ثوری رحمہما اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا زیادہ ظاہر قول ہے جیسا کہ حیض وطی کو حرام کرتا ہے نہ کہ سارے منافع کو۔

اور ان میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ بھی حرام ہیں اس لیے کہ لمس کا اسم سب کو شامل ہے اور اگر ظہار کرنے والے نے کفارہ سے پہلے جماع کرلیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اور کفارہ اس کے ذمہ میں ہوگا اور اس کے لیے دوبارہ جماع کرنا جائز نہ ہوگا جب تک کفارہ نہ دے اور جماع کی وجہ سے دوسرا کفارہ واجب نہ ہوگا اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب کفارہ دینے سے پہلے بیوی سے جماع کرلے تو اس پر دو کفارے ہیں اور ظہار کا کفارہ ترتیب وار ہے۔ اس پر واجب ہے مؤمن گردن کو آزاد کرنا۔ پس اگر یہ نہ پائے تو اس پر دو مہینے لگاتار روزے رکھنا لازم ہے۔ پس ایک دن جان بوجھ کر یا نیت بھولنے کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے تو اس پر نئے سرے سے دو مہینے کے روزے لازم ہوں گے۔ پس اگر روزے رکھنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور تحقیق ہم نے سورۃ المائدہ میں وہ مقدار ذکر کردی ہے جو مسکین کو کھلائے گا۔ "ذلکم توعظون به" اس کا حکم دیئے جاتے ہو۔ "واللّٰہ بما تعملون خبیر"

کفارہ ظہار میں روزوں کا حکم

4 "فمن لم یجد" یعنی گردن کو۔ "فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسّا" پس اگر اس کے پاس غلام ہو لیکن وہ اس کی خدمت کا محتاج ہو یا اس کے پاس غلام کی قیمت ہو لیکن وہ ان کا محتاج ہو اپنے اور گھر والوں کے خرچ کے لیے تو اس کے لیے جائز ہے کہ روزے کی طرف منتقل ہو جائے اور امام مالک رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو غلام آزاد کرنا ہی لازم ہوگا جب اس کے پاس غلام ہو یا اس کی قیمت ہو۔ اگرچہ اس کا محتاج ہی کیوں نہ ہو اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کے پاس غلام موجود ہے تو اس پر اس کو آزاد کرنا واجب ہے۔ اگرچہ وہ اس کا محتاج ہی کیوں نہ ہو اور اگر اس کے پاس غلام کی قیمت ہے اور وہ اس کا محتاج بھی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ پس اگر مظاہر دو مہینے کے روزے رکھنا شروع ہوگیا، پھر مہینے کے درمیان میں جماع کرلیا، رات کو تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جماع کو کفارہ پر مقدم کرنے کی وجہ سے لیکن اس پر دو مہینوں کے روزے از سر نو رکھنے لازم نہ ہوں گے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دو مہینوں کے روزے از سر نو واجب ہوں گے۔

کفارہ ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم

"فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا" یعنی ظہار کرنے والا جب کسی مرض یا بڑھاپے یا ایسی شدت شہوت جس کی وجہ سے جماع سے نہ رُک سکے ان وجوہ سے روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ عطاء بن

یسار سے روایت ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ اوس بن صامت کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے اس سے ظہار کرلیا اور اوس رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سی دیوانگی تھی تو خولہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا اوس نے مجھ سے ظہار کیا ہے اور ذکر کیا کہ ان کو تھوڑی سی دیوانگی ہے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ علیہ السلام کے پاس صرف اس پر شفقت کی وجہ سے آئی ہوں کیونکہ ان کے مجھ میں کئی منافع ہیں تو قرآن ان دونوں کے بارے میں نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو حکم دے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ انہوں نے کہا جس ذات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کی قسم! نہ اوس کے پاس غلام ہے اور نہ اس کی قیمت۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کو حکم دے کہ وہ دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ علیہ السلام ان کو تین دن کے روزوں کا حکم دیں تو وہ اس پر بھی قادر نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس کو حکم دے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ اس پر بھی قادر نہیں ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس کو حکم دے کہ وہ فلاں بن فلاں کے پاس جائے اس نے مجھے خبر دی ہے کہ اس کے پاس صدقہ کی کھجوروں کا حصہ ہے پس اوس وہ کھجوریں اپنے اوپر صدقہ کے لیے قبول کرے اور پھر ان کو ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کردے۔ سلمہ بن صخر سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایسا شخص تھا عورتوں سے وہ پہنچتا تھا جو میرے علاوہ کوئی نہ پہنچتا تھا۔ پس جب رمضان کا مہینہ داخل ہوا تو مجھے خوف ہوا کہ میں اپنی بیوی سے جماع کربیٹھوں گا تو میں نے اس سے ظہار کرلیا حتیٰ کہ رمضان کا مہینہ ختم ہوگیا۔ پس اسی اثناء میں وہ ایک رات مجھ سے بات کررہی تھی جب میرے لیے اس سے کچھ کھل گیا تو میں صبر نہیں کرسکا اور جماع کرلیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ علیہ السلام کو خبر دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو نے یہ کیا؟ میں نے کہا جی میں نے یہ کیا یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، میں نے کہا جی میں نے ایسا کیا، اب میں حاضر ہوں، میرے بارے میں اللہ کا فیصلہ جاری کریں، میں اس پر صبر کرنے والا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا تو گردن آزاد کر تو میں نے اپنی گردن پر ہاتھ مارا اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے علاوہ کسی کا مالک نہیں ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا پھر تو دو مہینے لگاتار روزے رکھ، پس میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے یہ جو معاملہ پیش آیا ہے صرف روزوں کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا پھر تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم نے رات بھوکے گزاری ہے، ہمارے پاس رات کا کھانا نہ تھا، آپ علیہ السلام نے فرمایا تو بنوزریق کے صاحب صدقہ کے پاس چلا جا اس کو کہہ وہ تجھے دے پھر تو اس میں سے ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو اپنی طرف سے کھلا، پھر باقی سے اپنے اور اپنے گھر والوں پر مدد طلب کر۔ فرماتے ہیں پھر میں اپنی قوم کی طرف لوٹا اور میں نے کہا میں نے تمہارے پاس تنگی اور برے مشورے پائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسعت اور برکت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تمہارے صدقات کا حکم دیا

ہے۔پس تم وہ مجھے دیدو۔فرماتے ہیں انہوں نے وہ ان کو دے دیئے۔"ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ"تا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے لائے ہیں تم اس کی تصدیق کرو۔"وتلک حدود اللہ"یعنی جو ظہار کے کفارے بیان کیے۔"وللکافرین عذاب الیم"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے لیے جو اس کا انکار کرے اور تکذیب کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧

ترجمہ اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس کا چوتھا وہ (یعنی اللہ) نہ ہو اور پانچ کی سرگوشی نہیں ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد سے کم میں ہوتی ہے جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے (خواہ) وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان (سب) کو قیامت کے روز ان کے کیے ہوئے کام بتلا دے گا بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا (مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے اس کہنے پر سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر ⑤"ان الذین یحادون اللہ ورسولہ"یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے اور ان کے امر کی مخالفت کرتے ہیں۔"کبتوا"ذلیل و رسوا کیے گئے اور ہلاک کیے گئے"کما کبت الذین من قبلھم وقد انزلنا"آپ علیہ السلام کی طرف۔"آیات بینات وللکافرین عذاب مھین"

⑥ "یوم یبعثھم اللہ جمیعا فینبّئھم بما عملوا احصاہ اللہ" اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو یاد کیا ہے۔ "ونسوہ واللہ علٰی کل شیء شھید۔

⑦ الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض ما یکون" ابوجعفر رحمہ اللہ نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے النجوی کے مؤنث ہونے کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے درمیان میں فاصلہ ہونے کی وجہ سے۔ "من نجویٰ ثلاثۃ" یعنی تین کی سرگوشی یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جس کی آدمی اپنے ساتھیوں سے سرگوشی کرے۔ "الا ھورا بعھم" علم کے ذریعے۔ اور کہا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تین سرگوشی کرنے والے نہیں ہوتے جو آپس میں سرگوشی کریں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے علم کے ساتھ ان کی سرگوشی کو جانتا ہے ولاخمسۃ الاھو سادسھم اور نہ ہی پانچ مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔ "ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا" یعقوب رحمہ اللہ نے اکثر کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے من کے داخل ہونے سے پہلے کلام کے محل پر۔ "ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامۃ ان اللہ بکل شیٍ علیم"

⑧ "الم تر الی الّذین نھوا عن النجویٰ" یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے اور مؤمنین کی طرف دیکھتے تھے اور آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے مسلمانوں کو یہ وہم دلاتے تھے کہ وہ آپس میں ایسی سرگوشی کر رہے ہیں جو ان کو تکلیف پہنچائے گا۔

پس وہ اس وجہ سے غمگین ہوتے تھے اور کہتے تھے ہمارا خیال ہے کہ ان کو ہمارے ان بھائیوں کے بارے میں کوئی بات پہنچی ہے جو جہاد میں زخمی ہوگئے کہ یا تو وہ قتل کر دیئے گئے ہیں یا مر گئے ہیں یا شکست کھا گئے ہیں تو یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور ان کو غمگین کر دیا۔ جب یہ بات کافی عرصہ رہی اور اکثر ہونے لگی تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی تو آپ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے بغیر سرگوشیاں نہ کیا کریں لیکن وہ اس سے باز نہ آئے اور اپنی سرگوشیوں کی طرف لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "الم تر الی الّذین نھوا عن النجویٰ" یعنی باہم سرگوشیوں سے۔ "ثم یعودون لما نھوا عنہ" یعنی باہم سرگوشیوں کی طرف لوٹتے ہیں جن سے روکے گئے ہیں "ویتناجون" اعمش اور حمزہ رحمہما اللہ نے "ینتجون"...... "یفتعلون" کے وزن پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "ویتناجون" پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول" کی وجہ سے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سرگوشی سے منع کیا تھا تو انہوں نے آپ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔

"واذا جاؤک حیوک بمالم یحیک بہ اللہ" یہ اس وجہ سے کہا کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور "ویقولون" السام علیک اور السام بمعنی موت ہے اور وہ وہم یہ دلاتے تھے کہ وہ السلام علیکم کہہ رہے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے تھے علیکم، پھر جب وہ مجلس سے نکلتے تو کہتے "فی انفسھم لولا یعذبنا اللہ بما نقول" ان کی مراد یہ تھی کہ اگر یہ نبی برحق ہوتے تو ہمارے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دے دیتے۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا"حسبهم جهنم يصلونها فبئس المصير" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے السام علیک آپ علیہ السلام نے فرمایا وعلیکم تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا"السّام عليكم ولعنكم الله وغضب عليكم"تم پر موت ہو اور تم پر اللہ کی لعنت وغضب ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔اے عائشہ!(رضی اللہ عنہا) تجھ پر لازم ہے نرمی اور تو بچ سختی اور فحش گوئی سے۔عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا جو انہوں نے کہا؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تو نے نہیں سنا جو میں نے کہا میں نے ان کی بددعا ان پر لوٹا دی۔پس میری دُعا ان کے لیے قبول کی گئی اور ان کی بددعا میرے بارے میں قبول نہیں کی گئی۔پھر اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو آپس میں سرگوشیاں کرنے سے روکا، منافقین اور یہود کے فعل کی طرح۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم (کسی ضرورت سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ شیطان بدوں خدا کے ارادے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو (ہر امر میں) اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر: ⑨"يا يها الّذين امنوا اذا تناجيتم فلاتتناجوا بالاثم والعدوان ومعصيت الرسول"یعنی منافقین اور یہود کے فعل کی طرح اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول"امنوا" سے منافقین مراد ہیں یعنی وہ اپنی زبانوں سے ایمان لائے۔عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اپنے گمان کے مطابق۔ان کو کہا تم گناہ اور سرکشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کی سرگوشی نہ کرو۔"وتناجوا بالبر والتقوىٰ واتقوا الله الذى اليه تحشرون"

⑩"انما النجوىٰ من الشيطان"یعنی شیطان کے مزین کرنے سے ہے۔"ليحزن الّذين امنوا"یعنی شیطان ان کے لیے یہ مزین کرتا ہے تاکہ وہ مؤمنین کو غمگین کریں۔

"وليس" باہم سرگوشی کرنا۔"بضارّهم شيئا"اور کہا گیا ہے شیطان ان کو نقصان دینے والا نہیں ہے۔"الا باذن الله وعلى الله فليتوكل المؤمنون"ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تین ہو تو دو شخص تیسرے کے بغیر سرگوشی نہ کریں مگر اس کی اجازت کے ساتھ کیونکہ یہ بات اس کو غمزدہ کرے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ
وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
دَرَجٰتٍ.وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

(ترجمہ) اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب کسی ضرورت سے کہا جائے کہ (مجلس سے اٹھ کھڑے ہو) تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ اس حکم کی (اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اُخروی) درجے بلند کردے گا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا کی تفسیر

(تفسیر) ⑪ "يا يها الذين امنوا اذا قيل لكم تفسّحوا في المجالس فافسحوا" مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار میں سے اہل بدر کا اکرام کرتے تھے۔ پس ان میں سے کچھ لوگ آئے ایک دن اور وہ مجلس میں سبقت کیے گئے تھے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آپ علیہ السلام پر سلام کیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کو جواب دیا پھر انہوں نے جماعت پر سلام کیا، انہوں نے بھی جواب دیا پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑے رہ گئے، اس کا انتظار کرتے رہے کہ ان کے لیے مجلس میں وسعت کی جائے گی لیکن ان کی جگہ نہ بنائی گئی حتیٰ کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِردگرد والے کو کہا اے فلاں! تو اور اے فلاں تو کھڑے ہو جاؤ تو مجلس سے اتنے لوگ اُٹھا دیئے جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل بدر میں سے کھڑے تھے۔ تو یہ بات ان لوگوں پر گراں گزری جو مجلس سے کھڑے کیے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں سے ناگواری کو پہچان لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تحقیق ہم نے ان کا قصہ سورۃ الحجرات میں ذکر کر دیا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خوب رغبت کرتے تھے اور جب کسی کو دیکھتے کہ وہ ان کے پاس آیا ہے تو اپنی جگہ پر بخل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مجلس میں کشادگی کر دیا کریں اور کہا گیا ہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "يا يها الذين امنوا اذا قيل لكم تفسحوا" یعنی مجلس میں کشادگی کرو۔

حسن اور عاصم رحمہما اللہ نے فی المجالس پڑھا ہے اس لیے کہ ہر ایک مجلس (بیٹھنے کی جگہ) پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا معنی ہے چاہیے ہر شخص اپنی جگہ میں گنجائش بنائے اور دیگر حضرات نے "في المجلس" پڑھا ہے۔ واحد کا صیغہ اس لیے کہ اس سے مراد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہے۔ "فافسحوا" یعنی تم وسعت دو۔ کہا جاتا ہے "فسح یفسح فسحا" جب مجلس میں وسعت دے۔ "یفسح اللہ لکم" اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جنت کو وسعت دیں گے اور اس میں مجالس کو۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی مجلس سے نہ اُٹھے کہ پھر کوئی اس کا اس میں نائب بن جائے لیکن تم کشادگی کرو اور وسعت دو۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن کھڑا نہ کرے لیکن چاہیے کہ وہ کہے کشادگی کرو اور ابوالعالیہ، قرظی اور حسن رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ جنگ کی مجالس اور قتال کی نشستوں کے بارے میں ہے۔ آدمی قوم کے پاس آتا تھا صف میں پھر کہتا تھا کشادگی کرو تو وہ انکار کر دیتے تھے ان کے قتال پر حریص ہونے اور شہادت میں رغبت رکھنے کی وجہ سے۔ "واذا قیل انشزوا فانشزوا"

اہل مدینہ اور اہل شام اور عاصم رحمہم اللہ نے شین کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ان دونوں کی زیر کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ یعنی تم اُٹھ جاؤ۔ کہا گیا ہے تم اپنی جگہوں سے اُٹھ جاؤ حتیٰ کہ اپنے بھائیوں کے لیے وسعت کرو۔ عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں لوگ نماز سے بوجھل ہوتے تھے جب نماز کے لیے پکارے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ اس کا معنی جب نماز کے لیے پکارا جائے تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور مجاہد اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی جب تمہیں کہا جائے تم نماز اور جہاد کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور ہر خیر وحق کی مجالس کی طرف تو ان کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور کوتاہی نہ کرو۔ "یرفع اللّٰہ الّذین اٰمنوا منکم" ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کی وجہ سے اور اپنی مجالس سے کھڑا ہونے اور اپنے بھائیوں کے لیے وسعت دینے کی وجہ سے۔

"والّذین اوتوا العلم" مؤمنین میں سے اپنے علم کے فضل اور مسابقت کی وجہ سے۔ "درجات" پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے وہ درست ہے اور ان مؤمنین کو ثواب دیا جائے جنہوں نے اس امر پر عمل کیا اور اہل بدر کی جماعت اس اکرام کے مستحق تھے جو ان کے ساتھ کیا گیا۔ "واللّٰہ بما تعملون خبیر" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا اے لوگو! اس آیت کو سمجھ لو اور ہم تمہیں علم میں ترغیب دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:......

"یرفع اللّٰہ الّذین اٰمنوا منکم والّذین اوتوا العلم درجات" مؤمن عالم غیر عالم سے کئی درجات اوپر ہوگا۔ کثیر بن قیس کہتے ہیں میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا دمشق کی مسجد میں، پس ایک شخص آیا اور کہا اے ابوالدرداء میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے آیا ہوں۔ ایک حدیث کی وجہ سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا تجھے اس کے علاوہ کوئی اور حاجت نہ تھی؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اور نہ تو تجارت کے لیے آیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اور تو صرف اسی میں رغبت کی وجہ سے آیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔

فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص ایسا راستہ چلے جس میں علم کو تلاش کرتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک پر چلائیں گے اور بے شک فرشتے اپنے پَر رکھتے ہیں طالب علم کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور بے شک تمام آسمان اور زمینیں اور مچھلیاں پانی میں اس کے لیے دُعا کرتی ہیں اور بے شک عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے اس کو لیا پس تحقیق اس نے وافر حصہ کو لیا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو مجلسوں پر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں۔ دو مجلسوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کو پکار رہے تھے اور اس کی طرف رغبت کر رہے تھے اور دوسرے فقہ سیکھ رہے تھے اور سکھا رہے تھے۔ فرمایا دونوں مجلسیں خیر پر ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے افضل ہے۔ بہرحال یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔ پس اگر تو چاہے تو ان کو دے اور اگر چاہے تو منع کر دے اور بہرحال یہ لوگ پس فقہ سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھا رہے ہیں۔ پس یہ لوگ افضل ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر ان میں بیٹھ گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

تین اشخاص ہوں تو ان میں سے دو کو سرگوشی کرنے کا کیا حکم ہے

تفسیر: ۱۲ ”یا یھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرّسول فقدّموا بین یدی نجواکم“ اپنی سرگوشی کے آگے ”صدقہ“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اس وجہ سے کہا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کثرت کر دی تھی کہ آپ علیہ السلام پر گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اپنے نبی علیہ السلام پر تخفیف کر دیں اور ان کو اس سے روک دیں۔ پھر ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیں اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مال داروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے تو کثرت سے سرگوشی کرتے تھے اور فقراء پر مجلس میں غالب آجاتے تھے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طول مجلس اور سرگوشیوں کو ناپسند سمجھا۔ پس جب انہوں نے یہ دیکھا تو اپنی سرگوشی سے باز آگئے۔ بہرحال تنگدست لوگ کہ انہوں نے کچھ نہ پایا اور مال دار لوگ تو وہ بخیل ہو گئے اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر سخت گراں ہوئی تو رُخصت نازل ہوئی۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو سرگوشی سے

روکا گیا حتی کہ وہ صدقہ کریں۔ پس آپ علیہ السلام سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرگوشی کی۔ پہلے ایک دینار کا صدقہ کیا اور آ کر سرگوشی کی۔ پھر رُخصت نازل ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ایک آیت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا اور وہ سرگوشی کی آیت ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، پھر فرمایا کیا تو دینار کو نہیں دیکھتا؟ میں نے کہا وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کتنا؟ میں نے کہا ایک "حبۃ" (دانا) یا ایک "شعیرۃ" (جو)...... (یہ وزن کے لیے ہوتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تو البتہ بہت کم کرنے والا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی "ء اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پس میری وجہ سے تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر تخفیف کی ہے۔ "ذلک خیر لکم" یعنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا۔ "واطھر فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم" یعنی وہ فقراء جن کے پاس صدقہ کرنے کیلئے کچھ نہیں ہے ان سے معاف ہے۔

ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْلَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا. اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯

ترجمہ: کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ منافق لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں سے ہیں اور نہ ان ہی میں ہیں اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ خود بھی جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے (کیونکہ) بیشک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں سو (اس وجہ سے) ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے۔

تفسیر ⑬ "أاشفقتم ان تقدموا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کیا تم بخیل ہو گئے؟ اور معنی یہ ہے کہ کیا تم فقر اور فاقہ سے ڈر گئے، اگر تم پہلے صدقہ دو تو؟ "بین یدی نجواکم صدقات فاذ لم تفعلوا" جو تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ "وتاب اللہ علیکم" تم سے درگزر کیا اور تم پر صدقہ چھوڑنے کا عقاب نہیں کیا اور کہا گیا ہے واؤ صلہ ہے اس کا مجاز "فان لم

تفعلوا وتاب اللّٰہ علیکم" تم سے تجاوز کیا اور تم سے تخفیف کی اور صدقہ کو منسوخ کر دیا۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حکم دس راتیں رہا، پھر منسوخ ہو گیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حکم صرف دن کی ایک گھڑی رہا۔ "فاقیموا الصلوٰۃ" فرض کی ہوئی۔ "و آتوا الزکاۃ" واجب۔ "واطیعوا اللّٰہ ورسولہ واللّٰہ خبیر بما تعملون"

۱۴ "الم تر الی الّذین تولّوا قوما غضب اللّٰہ علیھم" منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے یہود سے دوستی کی اور ان کی خیر خواہی کی اور مؤمنین کے راز ان کی طرف منتقل کرتے اور "غضب اللّٰہ علیھم" سے مراد یہود ہیں۔ "ماھم منکم ولا منھم" یعنی منافقین جو دین اور دوستی میں مؤمنین میں سے نہیں تھے اور یہود و کفار میں سے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: "مذبذبین بین ذلک. لاالی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء"...... "ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون" سدی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں، یہ عبداللہ بن نبتل منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا تھا، پھر آپ علیہ السلام کی باتیں یہود کی طرف نقل کرتا۔ پس اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرات میں سے کسی حجرہ میں تھے۔

جب فرمایا کہ ابھی تم پر ایک شخص داخل ہوگا اس کا دل متکبر کا دل ہے اور شیطان کی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پس عبداللہ بن نبتل داخل ہوا اور یہ نیلگوں آنکھوں والا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس وجہ پر تو اور تیرے ساتھی مجھے برا بھلا کہتے ہو؟ تو اس نے اللہ کی قسم اُٹھائی کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور اپنے ساتھیوں کو لایا، انہوں نے بھی قسمیں کھائیں کہ انہوں نے برا بھلا نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔ پس فرمایا "ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون" کہ وہ جھوٹے ہیں۔

۱۵ "اعداللّٰہ لھم عذابا شدیدا انھم سآء ما کانوا یعملون"

۱۶ "اتخذوا ایمانھم" جھوٹی۔ "جُنّة" اس کے ذریعے قتل سے بچتے ہیں اور اپنے جان اور مال کا دفاع کرتے ہیں۔ "فصدّوا عن سبیل اللّٰہ" مؤمنین کو ان کے جہاد بالقتل اور ان کے مال لینے سے روک دیا ہے۔ "فلھم عذاب مھین"

لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا.اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ.هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۱۷ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ کَمَا یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ.اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ. اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ.اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۱۹ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۲۰ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ.اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۲۱ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ

بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ㉒

ترجمہ ان کے اموال اور اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے (اور) یہ لوگ دوزخی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جس روز اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے روبرو بھی (جھوٹی) قسمیں کھاویں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاجاتے ہیں اور یوں خیال کریں گے کہ کسی اچھی حالت میں ہیں خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے پورا پورا تسلط کرلیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے بیشک اللہ قوت والا غلبہ والا ہے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ و بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا اور ان (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے فیض سے مراد نور ہدایت ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

تفسیر ⑰ "لن تغنی عنھم" قیامت کے دن۔ "اموالھم ولا اولادھم من اللّٰہ شیئا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون.

⑱ یوم یبعثھم اللّٰہ جمیعا فیحلفون لہ" جھوٹی کہ وہ مشرک نہ تھے۔ "کما یحلفون لکم" دُنیا میں۔ "ویحسبون انھم علی شیء" اپنی جھوٹی قسموں سے۔ "الا انھم ھم الکاذبون"

⑲ "استحوذ" غالب و مسلط ہوگیا۔ "علیھم الشیطان فانساھم ذکر اللّٰہ اولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون

⑳ ان الذین یحادون اللّٰہ ورسولہ اولئک فی الاذلین" نچلے درجوں میں یعنی وہ ان لوگوں میں ہیں جن کو وہ دُنیا وآخرت میں ذلت کے لیے لاحق ہوا ہے۔

㉑ "کتب اللّٰہ" اللہ تعالیٰ ثابت قضاء کی۔ "لاغلبن انا ورسلی ان اللّٰہ قوی عزیز" اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رسولوں کا غلبہ دو قسم پر ہے جو ان میں سے جنگ کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔ پس وہ جنگ کے ذریعے غالب ہیں اور جو جنگ کا حکم نہیں دیئے گئے پس وہ دلیل کے ذریعے غالب ہیں۔

㉒ " **لاتجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر یوادّون من حادّ اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم**" خبر دی ہے کہ مؤمنین کا ایمان کفار سے محبت کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا اور جو مؤمن ہوگا وہ کفار سے دوستی نہ کرے گا۔ اگرچہ وہ اس کے خاندان سے ہو۔ کہا گیا ہے یہ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اہل مکہ کی طرف خط لکھا تھا اور عنقریب سورۃ الممتحنہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ عزوجل۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں "**ولو کانوا آباء ھم**" یعنی ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے والد عبداللہ بن جراح کو اُحد کے دن قتل کیا اور "**او ابناء ھم**" یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو بدر کے دن مقابلہ کے لیے بلایا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑ دیں، میں پہلے کوچ کرنے والوں میں ہو جاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں اپنے نفس سے نفع دے اے ابوبکر!" **او اخوانھم**" یعنی مصعب بن عمیر، انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اُحد کے دن قتل کر دیا۔ "**او عشیرتھم**" یعنی عمر رضی اللہ عنہ انہوں نے اپنے ماموں ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن قتل کیا اور علی، حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بدر کا دن عتبہ، شیبہ اور ربیعہ کے دونوں بیٹے اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ "**اولئک کتب فی قلوبھم الایمان**" تصدیق کو ان کے دلوں میں ثابت کر دیا۔ پس وہ پختہ خالص ہے اور کہا گیا ہے ان کے ایمان کا حکم لگایا۔ پس قلوب کو ذکر کیا ہے اس لیے کہ وہ ایمان کی جگہ ہے۔

"**وایدھم بروح منہ**" سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد ایمان ہے۔ ربیع کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن اور وہ استدلالات جو قرآن میں مذکور ہیں۔ بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رحمت مراد ہے۔ "**وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا**" بعض کے نزدیک اللہ کی رحمت مراد ہے اور بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

❀❀❀

سُوْرَۃُ الْحَشْر

یہ سورۃ مدنی ہے، اس میں ۲۴ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

سعید بن جبیر کا بیان ہے، میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا سورۃ الحشر، فرمایا: سورۃ النضیر کہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ① هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ. مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ. فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ②

ترجمہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں (خواہ زبان حال سے یا قال سے) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ (کبھی اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور (خود) انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر خدا (کا عقاب) ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے سواے دانشمندو (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو۔

تفسیر (صحیحین) بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سورۃ انفال بدر کے بیان میں نازل ہوئی اور سورت حشر بنی نضیر کے بیان میں۔ "سبّح للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض وھو العزیز الحکیم○ ھو الّذی اخرج الّذین کفروا من اھل الکتب من دیارھم لاوّل الحشر" (اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی غالب (اور بڑی) حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے ان کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا)۔

"مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ" یعنی خاندان بنی نضیر جو حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ "من دیارھم" ان کے گھروں سے جو مدینہ میں تھے۔ ابن اسحٰق نے بیان کیا کہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آئے تھے اور بنی قریظہ کا واقعہ جنگ احزاب سے واپسی کے وقت ہوا۔ ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال کی مدت ہوئی۔ بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کا سبب یہ ہوا کہ (ہجرت کے بعد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے بھی نہیں لڑیں گے (اور نہ مسلمانوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کی لڑائی میں مشرکوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو بنی نضیر نے کہا: خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف توریت میں ہم کو ملتے ہیں۔ ان کا جھنڈا (کبھی) نہیں لوٹایا جا سکتا۔ اس کے بعد جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر علی الاعلان اُتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اُن کا معاہدہ تھا اس کو توڑ دیا۔ چنانچہ بنی نضیر کا ایک شخص کعب ابن اشرف چالیس یہودیوں کو لے کر پہنچا اور قریش سے ملا اور فریقین نے باہم مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سب (قریش اور بنی نضیر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر متحد رہیں گے۔ ابوسفیان چالیس قریشیوں کو اور کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کو لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور ایک معاہدہ کعبہ کے پردوں کے اندر آپس میں کر لیا۔ توثیق معاہدہ کے بعد جب کعب اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آ گیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدہ کی اطلاع دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جا کر کعب کو قتل کر دیا۔ کعب کو قتل کرنے کی تفصیل سورۃ آل عمران کی آیت "لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا" کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے کر دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نضیر کی بدعہدی کی متعدد اطلاعیں ملی تھیں۔

بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیام بھیجا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیام سمجھنا چاہتے ہیں (اس لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ اور ہم اپنے تیس عالموں کے ساتھ نکل کر آ جائیں اور درمیانی مقام پر سب جمع ہو جائیں اور ہمارے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں، اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے تو ہم سب ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گزارش کو مان لیا اور دوسرے روز تیس صحابہ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اُدھر سے تیس یہودی عالم نکل آئے۔ جب دونوں فریق کھلے میدان میں پہنچ گئے تو بنی نضیر نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک تمہاری رسائی کیسے ہو گی؟ ان کے ساتھ تو ان کے تیس رفیق جانثار موجود ہیں۔ جب ان کی یہ تدبیر کامیاب نہیں ہوئی تو پیام بھیجا ہم (سب) ساٹھ آدمی ہیں (اس گڑبڑ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کیسے سمجھ پائیں گے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین

ساتھیوں کو لے کر آئیں، ہمارے بھی تین عالم آ جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنیں گے، اگر انہوں نے تصدیق کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ برآمد ہوئے اور اُدھر سے تین یہودی بھی آ گئے جن کے پاس خنجر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک شہید کر دینے کا ارادہ تھا لیکن بنی نضیر کی ہی ایک عورت تھی جس کا بھائی مسلمان ہو گیا تھا اور انصاری تھا۔ اس عورت نے بطور خیر خواہی اپنے بھائی کو کہلا بھیجا اور بنی نضیر کے ارادہ کی اطلاع دے دی۔ اس کا بھائی فوراً دوڑا اور قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں تک پہنچتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مخفی طور پر اطلاع دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ ابوداؤد، بیہقی، عبد بن حمید اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے اور ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بنی نضیر نے یہ غداری اس وقت کی، جب واقعۂ بدر کے بعد قریش نے ان کو لکھا تھا کہ تم لوگ مسلح زرہ پوش اور حفاظتی قلعوں والے ہو، تم کو چاہیے کہ ہمارے دشمن سے لڑائی لڑیں یا ایسا ایسا کریں۔ اس تحریر کو پانے کے بعد بنی نضیر نے مذکورہ بالا غداری کی۔ بغوی نے اس قصہ کو ذکر کرنے کے بعد بیان کیا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو صبح ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی دستے لے کر ان کی طرف چل پڑے اور اکیس روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔

ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب اس سے مراد بنی نضیر ہیں **(من دیارھم)** جو یثرب میں تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ جنگ احزاب سے واپسی کے وقت ہوا ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال کی مدت ہوئی۔

اول حشر سے کیا مراد ہے

(لاول الحشر) زہری کا بیان ہے کہ بنو نضیر اس سبط میں سے تھے جن کو کبھی جلاوطن نہیں کیا گیا۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جلاوطنی لکھ دی ہے اگر ان کو جلاوطن نہ کیا جاتا تو دنیا میں ہی ان پر عذاب آ جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میدان حشر ملک شام میں ہوگا جس شخص کو اس آیت میں شک ہو۔ وہ یہ آیت پڑھے ملک شام کی طرف یہ پہلا حشر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا تم لوگ نکل جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کہاں جائیں فرمایا ارض محشر کی طرف قیامت کے دن سب مخلوق کو جمع کر کے ارض شام کی طرف لایا جائے گا۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**لاوّل الحشر**" کہا ہے اس لیے کہ وہ پہلے لوگ تھے جو اہل کتاب میں سے جزیرہ عرب سے جلاوطن کیے گئے، پھر ان کے آخری کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا۔ مرہ ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اوّل الحشر مدینہ سے تھا اور حشر ثانی خیبر سے اور تمام جزیرہ عرب اذرعات تک اور اریحاء شام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ پہلا حشر تھا اور حشر ثانی آگ ہے جو ان کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی، ان کے ساتھ رات گزارے گی جہاں وہ رات گزاریں گے اور ان کے ساتھ دوپہر کا آرام کرے گی جہاں وہ آرام کریں گے۔

"ماظننتم" اے مؤمنو! "ان یخرجوا" مدینہ سے ان کے غلبہ اور قوت کی وجہ سے کیونکہ قلعوں، زمینوں اور کثیر باغات والے تھے۔ "وظنوا انھم ما نعتھم حصونھم من اللّٰہ" یعنی اور بنونضیر نے گمان کیا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کی سلطنت سے روک لیں گے۔ "فاتاھم اللّٰہ" یعنی اللہ کا امر اور اس کا عذاب "من حیث لم یحتسبوا" اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ان سے قتال اور ان کو جلاوطن کرنے کا اور ان کو اس کا گمان نہ تھا۔ "وقذف فی قلوبھم الرعب" ان کے سردار کعب بن اشرف کو قتل کر کے۔ "یخربون" ابوعمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ اور ان دونوں کا معنی ایک ہے۔ "بیوتھم بایدیھم و ایدی المؤمنین"

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے صلح کی کہ ان کے لیے وہ ہے جتنا اونٹ بوجھ اُٹھالیں تو وہ اپنے گھروں میں لکڑیوں کو دیکھتے تو ان کو گرادیتے اور جو اچھی چیز ہوتی اس کو اُتار لیتے اور اس کو اونٹوں پر لادلیتے اور مؤمنین باقی کو خراب کر دیتے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے ستونوں کو اکھاڑ دیا اور چھتوں کو توڑ دیا اور دیواروں میں سوراخ کر دیا اور لکڑیاں (کڑیاں) اکھاڑ دیں حتیٰ کہ میخیں نکال لیں۔ اس کو برباد کر رہے تھے تاکہ اس میں مؤمن نہ رہ سکیں، مؤمنوں سے حسد اور بغض کی وجہ سے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمان ان کے ظاہر کو خراب کر رہے تھے اور یہود اندر سے خراب کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب بھی مسلمان ان کے گھروں پر غالب ہوتے وہ ان کو گرادیتے تاکہ ان کے لیے لڑائی کی جگہ وسیع ہو جائے اور اللہ کے دشمن اپنے گھروں میں پیچھے سے نقب لگاتے اور اس سے پچھلے گھر میں نکل جاتے، پھر اس کو جائے پناہ بنالیتے اور جو ان سے ملا ہوا ہے اس کو توڑ دیتے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نکلتے اس پر تیراندازی کرتے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المؤمنین فاعتبروا" پس تم نصیحت حاصل کرو اور اس میں غور کرو جو ان پر اُتری ہے۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار" اے عقل وسمجھ والو۔

وَلَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا. وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں (قتل کی سزا دیتا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔

تفسیر ③ "ولولا ان کتب اللہ علیہم الجلاء" وطن سے نکلنا۔ "لعذبہم فی الدنیا" قتل اور قید کے ذریعے جیسا کہ بنوقریظہ کے ساتھ کیا گیا۔ "ولہم فی الآخرۃ عذاب النار".

④ ذلک" جوان کولاحق ہوا۔ "بانہم شاقوا اللہ ورسولہ ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب"

⑤ "ما قطعتم من لینۃ" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر پر اُترے اور انہوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لے لی تو آپ علیہ السلام نے ان کے درخت کاٹنے اور ان کو جلانے کا حکم دیا تو اللہ کے دشمنوں نے اس وقت واویلا کیا اور کہنے لگے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے گمان کیا کہ آپ صلاح وخیرخواہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ کیا صلاح میں سے درختوں کا اکھاڑنا اور کھجوروں کو کاٹنا ہے؟ پس کیا تو نے پایا ہے اس میں جو تجھ پر اُتارا گیا ہے زمین میں فساد مچانا۔ پس مسلمانوں نے ان کے قول کی وجہ سے اپنے دل میں کچھ پایا اور ڈرے کہ یہ فساد نہ ہو اور اس میں اختلاف کیا تو بعض نے کہا تم نہ کاٹو کیونکہ یہ اس میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے فئی بنائیں گے اور ان میں سے بعض نے کہا بلکہ ہم ان کو کاٹ کر ان لوگوں کو غصہ دلا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اُتارا، ان کی تصدیق کے لیے جنہوں نے ان کے کاٹنے سے روکا اور جنہوں نے اس کو کاٹا ان کو گناہ سے حلال کرنے کے لیے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجور کے درخت جلا دیئے اور کٹوا دیئے اور وہ تباہ ہوگئے تو آیت نازل ہوئی۔" او ترکتموھا قائمۃ علی اصولہا فباذن اللہ" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ جو تم نے کاٹ دیئے اور جو چھوڑ دیئے تو وہ اللہ کے اذن کے ساتھ تھے۔ "ولیخزی الفاسقین" اور مفسرین رحمہم اللہ کا "لینۃ" میں اختلاف ہوا ہے، ایک قوم نے کہا ہے کھجور کے تمام درخت "لینۃ" ہیں عجوہ کے علاوہ اور یہ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی کو زاذان نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کھجور کے درخت کٹواتے تھے سوائے عجوہ کے اور اہل مدینہ عجوہ کے علاوہ کھجوروں کا نام الوان رکھتے ہیں اور اس کا واحد "لونٌ" اور "لینۃ" ہے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام کھجوروں کے درخت ہیں سوائے عجوہ اور برنیہ کے اور مجاہد اور عطیہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ تمام کھجور کے درخت ہیں بغیر کسی استثناء کے اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا یہ کھجور کی ایک قسم ہے۔

اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ عمدہ کھجور ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کھجور کی ایک قسم ہے اس کے پھل کو لون کہا جاتا ہے اور یہ سخت زرد ہوتی ہے اس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس میں داڑھ چھپ جاتی ہے اور یہ عمدہ کھجور اور ان کے ہاں پسندیدہ ہے اور اس کے ایک درخت کی قیمت وصیف (کھجور کی قسم) کی قیمت ہے اور وہ ان کے ہاں وصیف سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو کاٹ رہے ہیں تو یہ ان پر بڑا بھاری ہوا اور مؤمنین کو کہنے لگے تم تو زمین میں فساد مچانے کو ناپسند کرتے ہو اور اب خود فساد مچا رہے ہو۔ ان درختوں کو چھوڑ دو یہ ان کے ہوں گے جو غالب آگئے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ اس کی اجازت سے ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۞

ترجمہ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تفسیر ⑥ "وما افاء الله علی رسوله" یعنی جس کو اپنے رسول پر لوٹا دے۔ کہا جاتا ہے "فاء یفئی" یعنی وہ لوٹ آیا "منهم" بنونضیر کے یہود سے۔ "فما او جفتم" تم نے رکھا۔ "علیه من خیل ولا رکاب" کہا جاتا ہے "وجف الفرس والبعیر یجف وجیفا" اور وہ تیز دوڑتا ہے۔ "واو جفه صاحبه" جب اس کو دوڑنے پر اُبھارے اور رکاب سے وہ اونٹ مراد ہیں جو قوم کو اُٹھاتے ہیں کیونکہ جب بنونضیر نے اپنے جانور اور سامان چھوڑ دیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے جیسا کہ خیبر کے مال غنیمت کے ساتھ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا کہ یہ فئی ہے مسلمانوں نے اس پر اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے اور نہ اس کی طرف کوئی سفر کیا ہے اور نہ کوئی مشقت اُٹھائی ہے اور نہ جنگ کی ہے۔

بنونضیر کا مال کہاں خرچ کیا

"ولكن الله يسلط رسله علی من يشاء والله علی کل شیء قدیر" پس بنونضیر کے اموال کو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا دیا کہ آپ علیہ السلام جہاں چاہیں خرچ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا سوائے تین افراد کے کہ ان کو حاجت تھی اور وہ ابو دجانہ، سماک بن خرشہ اور سہل بن حنیف اور حارث بن صمہ ہیں۔ مالک بن اوس بن حدثان نضری نے خبر دی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلایا جب ان کا دربان یرفأ آیا اور کہا عثمان، عبدالرحمٰن، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم اجازت طلب کر رہے ہیں کیا آپ کے لیے ان میں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ پھر ان کو داخل کر دیا، پھر یرفأ تھوڑی دیر رکا، پھر آیا اور کہا عباس اور علی رضی اللہ عنہما اجازت طلب کر رہے ہیں، کیا آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ان میں ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ پس جب وہ دونوں داخل ہوئے تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دیں۔

اور ان دونوں کا مقدمہ اس مال فئی میں تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بنونضیر سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوٹایا تھا تو ایک جماعت نے کہا اے امیر المؤمنین! ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیں اور ان میں سے ایک کو دوسرے سے راحت دے دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں اسی اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کی اجازت کے ساتھ آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات تھی۔ انہوں نے عرض کیا تحقیق آپ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم دونوں جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا ہے؟ ان دونوں

حضرات نے فرمایا جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں اس معاملہ کے بارے میں بتاتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فئی کے ساتھ خاص کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں دیا۔

پھر کہا "وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب" سے اللہ تعالیٰ کے قول "قدیر" تک اور یہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا نہ تمہارے علاوہ کے لیے اس کو جمع کیا اور نہ اس کو تم پر ترجیح دی۔ تحقیق تمہیں اس سے دیا اور تم میں تقسیم کیا حتیٰ کہ اس سے یہ مال باقی رہ گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے سال کا خرچہ اس مال سے خرچ کرتے تھے پھر باقی کو لیتے اور اللہ کے مال کی جگہ میں بنا دیتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق اپنی زندگی میں عمل کیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں تو اس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے قبضہ میں لیا اور اس میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور تم دونوں اس وقت تھے اور حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے تم یاد کرو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں وہ کیا جو تم دونوں کہہ رہے ہو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ اس سچے نیک سیدھی راہ پر چلنے والے حق کے تابع تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وفات دی تو میں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ولی ہوں تو میں نے اس کو لیا اپنی امارت کے دو سال میں نے اس پر وہ عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا نیک راشد حق کا تابع ہوں۔ پھر تم دونوں میرے پاس آئے ہو اور تم دونوں کی ایک ہی بات ہے اور تمہارا معاملہ اکٹھا ہے تو میں نے تمہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ پھر جب میرے لیے ظاہر ہوا کہ میں تم دونوں کو یہ دے دوں تو میں نے کہا اگر تم دونوں چاہو تو میں اس کو تمہیں دے دوں۔ اس بناء پر کہ تم دونوں پر اللہ کا معاہدہ و میثاق ہے کہ تم اس میں وہ عمل کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور جو میں نے اپنی ولایت سے اب تک کیا ورنہ تم دونوں مجھ سے اس بارے میں بات نہ کرو۔ تو تم نے کہا آپ رضی اللہ عنہ اس کو ہمیں اس عہد کے ساتھ دے دیں تو میں نے تم دونوں کو دے دیا، کیا اب تم مجھ سے اس کے علاوہ فیصلہ طلب کرتے ہو؟ پس اللہ کی قسم! جس کی اجازت سے آسمان و زمین قائم ہیں میں اس میں اس کے علاوہ فیصلہ نہ کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ پس اگر تم دونوں اس سے عاجز ہو گئے ہو تو اس کو مجھے دے دو کیونکہ میں اس کو تم دونوں سے کافی ہوں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۷

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ (اس طور) پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور

ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال) تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آ جائے اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے) سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو (اور بالعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے پر سخت سزا دینے والا ہے۔

تفسیر ❼ "**ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القریٰ**" یعنی بستیوں والے کفار کے اموال سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ قریظہ، نضیر، فدک، خیبر اور عرینہ کی بستیاں ہیں۔ "**فللّٰہ وللرّسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل**" اور تحقیق ہم نے سورۃ الانفال میں غنیمت کے حکم کو ذکر کر دیا ہے اور فئی کا حکم بے شک فئی کا مال آپ علیہ السلام کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا جہاں چاہیں اس کو خرچ کریں اور آپ علیہ السلام اس میں سے اپنے اہل کو ان کا سالانہ خرچ دیتے تھے اور جو باقی بچتا اس کو اللہ تعالیٰ کے مال کی جگہ رکھتے اور اہل علم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فئی کے مصرف میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ایک قوم نے کہا ہے وہ آپ علیہ السلام کے بعد امام وقت کے لیے ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ مال فئی مجاہدین کو ملے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے ہوگا اور ابتداء لڑنے والوں سے کی جائے گی۔ پھر اس کے بعد جو اہم ضروریات ہوں اور علماء کا مال فئی کا خمس دینے میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ان میں سے بعض اسی طرف گئے ہیں کہ مال فئی کا خمس نکالا جائے گا۔ پس اس کا خمس (پانچواں حصہ) غنیمت کے پانچویں حصہ کے مستحقین کے لیے ہوگا اور چار خمس لڑنے والوں کے لیے اور مسلمانوں کی ضروریات کے لیے۔

اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ اس تمام کا مصرف ایک ہے اور تمام مسلمانوں کا اس میں حق ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا "**ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القریٰ**" یہاں تک کہ "**للفقراء المھاجرین ... والذین جاء وا من بعدھم**" پر پہنچ گئے۔ پھر فرمایا اس نے تمام مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا ہے اور فرمایا زمین پر کوئی مسلمان نہیں ہے مگر اس کا اس فئی میں حق ہے مگر جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔

"**کیلا یکون دولۃ**" اکثر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**دولۃ**" نصب کے ساتھ یعنی تاکہ یہ فئی نہ ہو۔ "**لکیلا یکون الفئی دولۃ**" اور ابوجعفر رحمہ اللہ نے "**تکون**" تاء کے ساتھ "**دولۃ**" پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "**کَانَ**" کے اسم کی بناء پر۔ یعنی "**کیلا یکون الامر الی دولۃ**" اور "**کینونۃ**" کو وقوع (واقع ہونے) کے معنی میں کیا ہے اور اس وقت اس کی کوئی خبر نہ ہوگی اور "**دولۃ**" اس چیز کا نام ہے جس کو لوگ آپس میں ہاتھوں ہاتھ لیں۔ "**بین الاغنیاء منکم**" یعنی مال داروں اور طاقتوروں کے درمیان۔ اس کا معنی تاکہ مال فئی مال داروں اور طاقت وروں کے ہاتھوں میں چکر نہ لگاتا رہے۔ پس وہ اس پر فقراء اور ضعفاء پر غالب ہو جائیں کیونکہ اہل جاہلیت جب غنیمت حاصل کرتے تھے تو سردار لوگ اس کا چوتھا حصہ اپنے لیے رکھ لیتے تھے اور یہ مرباع ہے۔ پھر اس مرباع کے بعد جو چاہتے مال غنیمت سے چن لیتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسول

اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا دیا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہاں تقسیم کریں۔ پھر فرمایا "وما آتاکم" تم کو عطاء کریں "الرسول" فئی اور غنیمت میں سے۔ "فخذوہ ومانھا کم عنہ" مال غنیمت میں خیانت وغیرہ سے۔ "فانتھوا" اور یہ حکم اموالِ فئی کے بارے میں اُترا ہے اور یہ عام ہے جس چیز کا بھی آپ علیہ السلام حکم دیں اور جس چیز سے بھی روک دیں۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ہاتھ میں گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر اور بالوں کو اکھیڑنے والیوں پر اور دانتوں میں خلا پیدا کرنے والیوں پر جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنے والیاں ہیں۔

تو یہ بات بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی اس کو اُم یعقوب کہا جاتا تھا تو وہ آئی اور کہنے لگی مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسی ایسی عورت کو لعنت کی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس عورت کو لعنت نہ کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے تو اس عورت نے کہا تحقیق میں نے دو تختیوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے پڑھا ہے پس میں نے اس میں وہ نہیں پایا جو آپ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا البتہ اگر تم اس کو پڑھتی تو اس میں ضرور پاتی کیا تو نے نہیں پڑھا؟ "وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" اس نے کہا کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔ "واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب" پھر ان کو بیان کیا جن کا فئی میں حق ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨

ترجمہ: اور حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کردیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان) کے سچے ہیں اور نیز ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے (اس سے یہ انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر: ⑧ پس فرمایا "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً" رزق "من اللہ ورضوانا" یعنی وہ دارِ ہجرت کی طرف نکالے گئے اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے۔ "وینصرون اللہ ورسولہ اولئک

ھم الصادقون" اپنے ایمان میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مہاجرین لوگ جنہوں نے گھروں، اموال اور خاندانوں کو چھوڑا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں نکلے اور اسلام کو اختیار کیا ان سختیوں کے باوجود جن پر وہ تھے حتیٰ کہ ہمیں ذکر کیا گیا ہے کہ آدمی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا تا کہ بھوک سے اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے اور آدمی سردیوں میں ھیرہ لے لیتا تھا اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی لبادہ نہ ہوتا تھا۔ اُمیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے ذریعے فتح مانگا کیا کرتے تھے۔ ابو عبید کہتے ہیں اسی طرح عبدالرحمٰن نے کہا ہے اور وہ میرے نزدیک اُمیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے فقراء مہاجرین! خوش ہو جاؤ قیامت کے دن مکمل نور کے ساتھ تم مال دار لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور اس کی مقدار پانچ سو سال ہے۔

⑨ "والذین تبوّؤ الدار والایمان" اور وہ انصار ہیں، ان کے اقامت کی، گھر کی اور وطن بنایا گھر کو یعنی مدینہ دار ہجرت اور ایمان بنایا۔ "من قبلھم" یعنی وہ اپنے گھروں میں اسلام لائے اور ایمان کو ترجیح دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے دو سال پہلے مسجدیں بنائیں اور آیت کی ترتیب "والذین تبوّؤا الدار والایمان من قبلھم" یعنی مہاجرین ان کے پاس آنے سے پہلے اور وہ ایمان لے آئے اس لیے کہ ایمان اقامت کی جگہ نہیں ہے۔ "یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجة" گھٹن، غصہ اور حسد۔ "مما اوتوا" یعنی جو مہاجرین ان کے بغیر مال فئی دیئے گئے اور یہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے اموال کو مہاجرین کے درمیان تقسیم کیا اور انصار کو نہیں دیا تو انصار کے دل اس پر خوش ہوئے۔ "ویؤثرون علی انفسھم" یعنی وہ اپنے مہاجر بھائیوں پر اپنے اموال اور رہائش گاہ کا ایثار کرتے ہیں۔ "ولو کان بھم خصاصة" فاقہ اور حاجت اس چیز کی جس کا وہ ایثار کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اموال اور گھر مہاجرین کو تقسیم کر دیئے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ علیہ السلام سے ضیافت طلب کی تو آپ علیہ السلام نے اپنی ازواج کے پاس پیغام بھیجا، کیا تمہارے پاس کچھ چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہمارے پاس تو صرف پانی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ملاتا ہے یا اس کی مہمانی کرتا ہے؟ تو انصار میں ایک شخص نے کہا میں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس کو اپنی بیوی کے پاس لے گئے اور کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کا اکرام کر، اس نے کہا ہمارے پاس تو صرف بچوں کے بقدر غذا ہے تو انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا تو کھانا تیار کر اور چراغ روشن کر اور بچوں کو سلا دینا جب ان کا رات کا کھانا کھانے کا ارادہ ہو تو اس نے کھانا تیار کیا اور چراغ روشن کر دیا اور بچوں کو سلا دیا، پھر کھڑی ہوئی چراغ کی روشنی کو ٹھیک کرنے اور اس کو بجھا دیا۔ پس وہ دونوں میاں بیوی اس کو یہ دکھاتے رہے کہ وہ بھی ساتھ کھا رہے ہیں تو وہ دونوں بھوکے سو گئے۔ پس جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا رات کو اللہ تعالیٰ کو ہنسی آ گئی یا فرمایا تم دونوں کا فعل اس کو اچھا لگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة

ومن یوق شحّ نفسه فاولٰئک هم المفلحون" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے کہا ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے درختوں کو تقسیم کردیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں تو انہوں نے کہا آپ ہمیں کارگزاری سے مستغنی کردیں اور ہم تمہیں پھل میں شریک کرلیں۔ انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی۔ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا جب ان کے ساتھ ولید کی طرف نکلے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا کہ ان کو بحرین دے دیا جائے تو انہوں نے کہا نہیں۔ مگر یہ کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو اس کی مثل دیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا سن لو! پس تم صبر کرو حتیٰ کہ تم مجھے حوض پر آ کر ملو کیونکہ عنقریب تمہیں میرے بعد ترجیح پہنچے گی۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نضیر کے دن انصار کو کہا اگر تم چاہو تو اپنے اموال اور گھر مہاجرین میں تقسیم کردو اور ان کے ساتھ اس غنیمت میں شریک ہوجاؤ اور اگر تم چاہو تو تمہارے لیے تمہارے گھر اور تمہارے اموال ہوں اور تمہارے لیے غنیمت سے کچھ تقسیم نہ کیا جائے تو انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا بلکہ ہم ان کے لیے اپنے مال اور گھر تقسیم کردیتے ہیں اور ہم ان کو غنیمت میں ترجیح دیتے ہیں اور ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة. ومن یوق شحّ نفسه فاولٰئک هم المفلحون" اور الشح کلام عرب بخل کرنا اور فضل کو روکنا ہے۔

اور علماء رحمہم اللہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ مجھے خوف ہوا کہ میں ہلاک ہوگیا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یہ کہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا قول سنا۔ "ومن یوق شح نفسه فاولٰئک هم المفلحون" اور میں بخیل آدمی ہوں، میرے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکلتی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ وہ شح نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے اور لیکن شح یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے مال کو ظلماً کھا جائے اور لیکن یہ بخل ہے اور بخل بری چیز ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "شحّ" یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنا مال روک لے۔ "شحّ" تو یہ ہے کہ آدمی کی آنکھ اس چیز کا لالچ کرے جو اس کی نہیں ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "شحّ" حرام کو لینا اور زکوٰۃ نہ دینا ہے اور کہا گیا ہے "شحّ" وہ شدید حرص (لالچ) ہے جو انسان کو حرام کاموں کے ارتکاب پر اُبھارے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص ایسی چیز نہ لے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو روکا ہے اور شحّ نے اس کو اس طرف نہ بلایا ہو کہ وہ اس چیز سے روک دے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس نے اپنے آپ کو نفس کے شحّ سے بچالیا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ظلم سے ڈرو کیونکہ قیامت کے دن تاریکیاں ہوں گی اور شحّ (بخل) سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کردیا، ان کو اس پر اُبھارا کہ وہ اپنے خونوں اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کردیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہوسکتے اور شحّ اور ایمان ایک بندے کے دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩

ترجمہ: اوران لوگوں کا بھی اس مال فے میں حق ہے) جوان کے بعد آئے جو(ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

تفسیر: ⑩ ”والّذین جاء وامن بعدھم“ یعنی تابعین اوروہ لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ پھر ذکر کیا کہ وہ اپنے لیے اور جوان سے ایمان میں سبقت لے گئے ان کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ پس فرمایا ”یقولون ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الّذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلاً“ کینہ، حسد، بغض، ”للّذین اٰمنوا ربّنا انّک رؤف رحیم“، پس ہر وہ شخص جس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے بارے میں کینہ ہواوران تمام پر رحمت نہ کرتا ہوتو وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کواللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مرادلیا ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو تین مرتبوں پر ترتیب دیا ہے مہاجرین، انصار اور تابعین جو مذکور صفات کے ساتھ موصوف ہوں پس جو تابعین (پیچھے آنے والوں) میں سے اس صفت پر نہ ہوتو وہ مؤمنین کی اقسام سے خارج ہوگا۔ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ تین مرتبوں پر ہیں مہاجرین اور ”والّذین تبوّؤا الدار والایمان“ اور ”الّذین جاء وا من بعدھم“، پس تو کوشش کر کہ تو ان مرتبوں سے نہ نکلے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں تمہیں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس تم نے ان کو برا بھلا کہا، میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے تھے یہ اُمت نہیں جائے گی حتیٰ کہ اس کے آخری لوگ اس کے پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ مالک بن مغول کہتے ہیں عامر بن شرجیل شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا اے مالک! یہود ونصاریٰ روافض پر ایک خصلت کی وجہ سے بڑھ گئے ہیں۔ یہود سے سوال کیا گیا تمہارے دین کے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور نصاریٰ سے سوال کیا گیا کہ تمہارے دین کے بہترین لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور روافض سے پوچھا گیا تمہارے دین کے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)...... (نعوذ باللہ)۔ ان کوان کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے ان کو برا بھلا کہا۔ پس تلوار ان پر قیامت کے دن تک تنی ہوئی ہے ان کا کوئی جھنڈا نہ اُٹھے گا اوران کے قدم نہ جمیں گے اوران کی قوت جمع نہ ہوگی جب بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے خون بہا کر اوران کی قوت بکھیر دیں گے اوران کی محبت کو باطل کر کے مٹادیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان گمراہ کرنے والی خواہشات سے بچائیں۔

مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی سے بغض رکھتا ہے یا

اس کے دل میں ان پر کوئی کینہ ہے تو اس کا مسلمانوں کے فئی میں کوئی حق نہیں ہے۔ پھر تلاوت کی "ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری" حتیٰ کہ اس آیت پر آ گئے۔ "للفقراء المھاجرین والذین تبوّؤا الدار والایمان والذین جاء وا من بعدھم" اللہ تعالیٰ کے قول "رؤف رحیم" تک۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ. وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ. ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنی نضیر سے) کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں کبھی کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر (بفرض محال) ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔

تفسیر: ⑪ "الم تر الی الذین نافقوا" یعنی انہوں نے اس کے خلاف ظاہر کیا جو چھپا رکھا ہے۔ یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی۔ "یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتاب" اور وہ بنو قریظہ اور نضیر کے یہود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کا دین میں بھائی قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ان جیسے کفار ہیں۔ "لئن اخرجتم" مدینہ سے۔ "لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا" جو ہم سے تمہاری رسوائی اور مخالفت کا سوال کرے۔ "ابدا وان قوتلتم لننصرنکم واللہ یشھد انھم" یعنی منافقین "لکاذبون"

⑫ "لئن اخرجوا لایخرجون معھم ولئن قوتلوا لاینصرونھم" اور معاملہ اسی طرح ہوا ہے کیونکہ وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلے اور ان سے لڑائی کی گئی تو منافقین نے ان کی مدد نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا قول "ولئن نصروھم لیولن الادبار" یعنی اگر وہ ان کی مدد پر قادر ہوئے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے اگر انہوں نے یہود کی مدد کا ارادہ کیا تو شکست خوردہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ "ثم لا ینصرون" یعنی بنو نضیر مدد نہ کیے جائیں گے جب ان کے مددگار شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ. بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ. تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ

قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ (ان کا تم سے ڈرنا خدا سے نہ ڈرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ وشہر پناہ) کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے اے مخاطب تو ان کو (ظاہر میں) متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے ان کی مثال ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے ان کی شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو (اس وقت صاف) کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

تفسیر ۱۳ "لانتم" "اے مسلمانوں کی جماعت!" "اشد رهبة فی صدورهم من الله" ان کا رعب تمہارے لیے اتنا سخت نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کا رعب ان کے لیے۔ "ذلک" یہ خوف "بانهم قوم لایفقهون" اللہ کی عظمت کو نہیں جانتے۔

"لایقاتلونکم" کفار اور منافق تم سے نہیں لڑیں گے۔ "جمیعًا الا فی قری محصنة" یعنی تمہارے مقابلے میں آ کر تم سے نہیں لڑیں گے کیونکہ وہ تم سے سخت خوفزدہ ہیں۔ "او من وراء جدر" بعض حضرات نے اس کو (جدار) پڑھا ہے۔ "باسهم بینهم شدید" وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوب لڑتے ہیں ان کی آپس میں دشمنی ہے۔ "باسهم بینهم شدید" کا بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جب یہ اپنے قلعوں میں موجود ہوتے ہیں تو مضبوط ہوتے ہیں اور جب اپنے قلعوں سے نکل آتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں بزدلی ڈال دیتا ہے۔ "تحسبهم جمیعًا وقلوبهم شتی" ان کے دل جدا جدا ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اہل باطل کی مختلف رائے اور مختلف گواہی ہوتی ہیں۔ اعمال ان کے مختلف ہوتے ہیں لیکن وہ سب اہل حق کے مقابلے میں ایک ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ منافقین کا دین یہود کے دین کے مخالف ہے۔ "ذلک بانهم قوم لایعقلون"

۱۵ "کمثل الذین من قبلهم" یعنی یہود کی مثال ایسی ہے جو ان سے پہلے ہے۔ "قریبًا" مشرکین مکہ کے قریب "ذاقوا وبال امرهم" اس سے مراد بدر کے دن کا قتال ہے اور اس سے پہلے غزوہ بنی نضیر ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "کمثل الذین من قبلهم" سے مراد بنی قینقاع ہے اور بعض نے کہا کہ بنو قریظہ کی مثال ایسی ہے جیسے بنی نضیر "ولهم عذاب الیم" پھر منافقین اور یہود سب کی مثال بیان کی ہے ان کے دھوکہ دینے میں۔

⑯ "کمثل الشیطان" منافقین کے غرور کی مثال اور بنونضیر کی مثال شیطان کے رسوا ہونے کی طرح ہے۔ "اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منک"

ایک راہب کا قصہ اور کفر پر اس کا انجام

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ایام فطرت (انقطاع نبوت کا زمانہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا) میں ایک راہب (تارک الدنیا درویش) تھا جس کو برصیصا کہا جاتا ہے۔ ستر برس تک یہ راہب اپنے عبادت خانہ میں اللہ کی عبادت کرتا رہا، کبھی ایک لحہ کے لیے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس کے سلسلہ میں ابلیس اپنی ساری تدبیریں کر کے عاجز آ گیا مگر اس کو نہیں بہکا سکا۔ آخر ایک دن اس نے تمام خبیث شیطانوں کو جمع کیا اور کہنے لگا مجھے کوئی بھی اب تک ایسا نہ ملا جو برصیصا کے معاملہ میں میرا کام پورا کر دیتا۔ حاضرین میں ایک شیطان ابیض (گورا شیطان) بھی تھا۔ یہ شیطان وہی تھا جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لگا رہتا تھا اور جبرئیل علیہ السلام کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آیا تا کہ بطریق وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وسوسہ پیدا کر سکے۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس کو دھکے دے کر ہندوستان کے آخری حصہ تک بھگا دیا تھا۔

اس گورے شیطان نے ابلیس سے کہا میں آپ کا کام پورا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ اس مجلس سے چلا اور راہبوں جیسا لباس پہنا اور وسط سر کے بال مونڈ کر برصیصا کے عبادت خانہ تک جا پہنچا اور (نیچے سے) برصیصا کو آواز دی، برصیصا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برصیصا دس دن میں صرف ایک دن نماز سے فارغ اور دس ہی دن میں صرف ایک دن روزہ ناغہ کرتا تھا۔ گورے شیطان نے جب دیکھا کہ برصیصا نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا تو برصیصا کی خانقاہ کے نیچے ہی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ عبادت سے (مقررہ وقت پر) فارغ ہو کر جب برصیصا نے اپنے عبادت خانے سے جھانک کر دیکھا تو گورے شیطان کو بہترین راہبانہ ہیئت میں نماز میں کھڑا ہوا پایا۔ یہ صورت دیکھ کر اس کا جواب نہ دینے پر اپنے دِل میں پشیمانی ہوئی اور کہنے لگے آپ نے مجھے پکارا تھا مگر میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا، آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟ گورے شیطان نے کہا: میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کے ساتھ مل کر عبادت کروں اور آپ کے علم و عمل سے بہرہ اندوز ہوں اور ہم دونوں عبادت میں لگ جائیں۔ آپ میرے لیے دُعا کریں اور میں آپ کے لیے دُعا کروں۔ راہب نے کہا میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اگر تم مؤمن ہو تو میں عام مؤمنوں کے لیے جو دُعا کرتا ہوں اگر وہ دُعا خدا قبول فرمائے گا تو تم کو بھی ان میں شامل کر دے گا۔ یہ کہہ کر برصیصا پھر نماز میں متوجہ ہو گیا اور گورے شیطان کو چھوڑ دیا۔ گورا شیطان بھی نماز میں مشغول ہو گیا۔

برصیصا نے چالیس روز تک اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا (نماز میں مشغول رہا) چالیس روز کے بعد جب نماز سے فارغ ہوا تو گورے شیطان کو نماز میں کھڑا پایا۔ آخر شیطان کی اتنی سخت کوشش دیکھ کر برصیصا نے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے؟ گورے شیطان نے کہا، میرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں۔ میں بھی اوپر آپ کے پاس آ جاؤں۔ برصیصا نے اجازت دے

دی۔ گورا شیطان اوپر برصیصا کے پاس خانقاہ میں آ گیا اور اس کے ساتھ ایک سال تک عبادت میں مشغول رہا۔ پورا چلہ ختم ہونے سے پہلے روزہ کا افطار (ناغہ) نہیں کرتا تھا اور نہ چالیس روز پورے ہونے سے پہلے نماز ختم کرتا تھا اور اکثر دو چلے بھی یونہی گزر جاتے تھے۔ برصیصا نے جب (عبادت میں) اس کی یہ محنت دیکھی تو خود اپنی ذات اس کو حقیر معلوم ہونے لگی اور شیطان کی حالت پر اس کو تعجب ہوا۔ سال پورا ہو گیا تو گورے شیطان نے برصیصا سے کہا: اب میں جا رہا ہوں کیونکہ آپ کے علاوہ میرا ایک اور ساتھی ہے (میں اُس کے پاس جاؤں گا) میرا خیال تو یہ تھا کہ آپ اس سے زیادہ عبادت گزار ہوں گے لیکن آپ کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا، آپ کی حالت اس سے غیر پائی۔ یہ بات سن کر برصیصا کو (اپنی محنت کے کم ہونے کی) شدید تکلیف ہوئی اور چونکہ شیطان ابیض کی شدید ریاضت دیکھ چکا تھا اس لیے اس کی جدائی راہب پر شاق گزری۔ رُخصت ہوتے وقت گورے شیطان نے برصیصا سے کہا مجھے کچھ دُعائیں آتی ہیں، میں آپ کو وہ سکھاتا ہوں جس مشغلہ میں آپ ہیں وہ دُعائیں اس سے بہتر ہیں۔ آپ ان کو پڑھ کر اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ بیمار کو شفا عطا کرے گا۔ دُکھی کو سکھی کر دے گا اور آسیب زدہ کو ٹھیک کر دے گا۔

برصیصا نے کہا: مجھے یہ مرتبہ پسند نہیں، میرے لیے اپنا ہی مشغلہ (بہت کافی) ہے، مجھے ڈر ہے کہ جب لوگ اس کی خبر پائیں گے تو میری عبادت میں خلل انداز ہو جائیں گے، گورا شیطان برابر اصرار کرتا رہا۔ آخر راہب کو وہ دُعائیں سکھا کے چھوڑا۔ اس کے بعد چلا گیا اور ابلیس سے جا کر کہا واللہ! میں نے اس شخص کو تباہ کر دیا، پھر یہاں سے واپس چلا گیا، راستہ میں ایک آدمی ملا۔ اس شیطان نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور طبیب کی ہیئت میں اس شخص کے گھر والوں سے جا کر کہا تمہارے ساتھی کو آسیب (یا جنون کا دورہ) ہے، کیا میں اس کا علاج کر دوں؟ لوگوں نے کہا: ہاں! جا کر مریض کو دیکھا اور بولا اس پر چڑیل (جنات کی عورت) کا اثر ہے میں اس پر قابو نہیں پا سکتا، البتہ تم کو ایک ایسے آدمی کا پتہ بتاتا ہوں جو اللہ سے دُعا کر کے اس کو اچھا کر سکتا ہے۔

غرض اس نے برصیصا کا پتہ بتا دیا اور کہا تم اس کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس اسم اعظم ہے جب وہ اسم اعظم لے کر دُعا کرتا ہے تو اللہ قبول کر لیتا ہے۔ لوگ برصیصا کے پاس گئے اور اس سے دُعا کرنے کی درخواست کی، اس نے انہی الفاظ سے دُعا کر دی جو گورے شیطان نے اس کو سکھائے تھے، فوراً مریض پر جس شیطان کا تسلط تھا وہ شیطان بھاگ گیا۔ گورے شیطان نے بہت سے لوگوں سے ایسی ہی حرکت کی اور برصیصا کا پتہ بتاتا رہا اور لوگ اچھے ہوتے رہے۔ ایک بار شیطان ابیض بنی اسرائیل کی کسی شہزادی پر اثر انداز ہوا۔ اس لڑکی کے تین بھائی تھے اور باپ بادشاہ تھا۔ بادشاہ مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا جانشین بنا گیا، لڑکوں کا چچا بادشاہ ہو گیا تو گورا شیطان اس شہزادی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کو سخت اذیت دی اور گلا گھونٹ دیا، پھر اس کے بھائیوں کے پاس طبیب کی شکل میں آیا اور بولا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کا علاج کر دوں؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں! کہنے لگا ایک بڑا خبیث اس کے درپے آزار ہے اور مجھ میں اس کو دُور کرنے کی طاقت نہیں۔ البتہ ایک شخص کا میں پتہ بتاتا ہوں جس پر تم اعتماد رکھتے ہو، لڑکی کو اس کے پاس لے جاؤ، جب اس پر وہ خبیث آئے گا اور وہ شخص اس کے لیے دُعا کرے گا تو لڑکی اچھی ہو جائے گی۔ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی اور لڑکی کو بعافیت واپس لے آؤ گے۔ لوگوں نے کہا: وہ کون شخص ہے؟ گورے شیطان نے کہا برصیصا زاہد۔ شہزادوں نے کہا وہ ہماری بات کیسے مانیں

گے ان کا مقام تو بہت بلند ہے، شیطان نے کہا اس کی خانقاہ کے برابر ایک اور عبادت خانہ تعمیر کرو، اتنا اونچا کہ وہاں سے اس کی خانقاہ کے اندر جھانک سکو۔ پھر وہاں سے اپنا مقصد اس سے کہو۔ اگر مان لے تو خیر، نہ مانے تو اپنے تعمیر کردہ عبادت خانہ میں لڑکی کو چھوڑ آؤ اور برصیصا سے کہہ دو، یہ (تمہاری نگرانی میں) ہماری امانت ہے۔ بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا۔

الحاصل شہزادے برصیصا کی طرف گئے اور اس سے درخواست کی لیکن اس نے انکار کردیا۔ شیطان کے مشورے کے مطابق شہزادوں نے راہب کی خانقاہ کے برابر ایک عبادت خانہ تعمیر کرادیا اور لڑکی کو اس میں رکھ دیا اور راہب سے کہا: یہ ہماری امانت ہے بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا۔ یہ کہہ کر واپس آ گئے۔ جب (مقررہ ایام گزرنے کے بعد) برصیصا نے نماز ختم کی تو ایک حسین لڑکی پر نظر پڑی اور ایسی نظر پڑی کہ وہ لڑکی اس کے دل نشین ہوگئی اور اس پر بڑی مصیبت آ گئی اس کے بعد شیطان نے آ کر اس لڑکی کا گلا گھونٹ دیا۔ برصیصا نے اس کے لیے گورے شیطان کی بتائی ہوئی دُعائیں کیں، شیطان اُتر گیا۔ برصیصا نماز میں مشغول ہوگیا، شیطان نے آ کر پھر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ اس مرتبہ بیہوشی میں وہ اپنا ستر بھی کھولنے لگی، گورے شیطان نے آ کر برصیصا سے کہا، اب تو اس پر جاپڑ، پھر توبہ کرلینا، اللہ گناہ معاف کرنے والا ہے، معاف کردے گا اور تیرا مقصد پورا ہوجائے گا۔ ردوکد کے بعد برصیصا لڑکی پر جاپڑا اور اس کے بعد مسلسل لڑکی کے پاس جاتا رہا، آخر لڑکی حاملہ ہوگئی اور اس کا حمل نمایاں ہوگیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ارے برصیصا تو رُسوا ہوگیا، اب مناسب یہ ہے کہ تو لڑکی کو قتل کردے، پھر توبہ کرلینا، اگر وہ لوگ پوچھیں تو کہنا اس کا جن اس کو لے گیا، مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی، برصیصا نے لڑکی کو قتل کردیا۔ پھر (رات کو) لے جا کر پہاڑی کے کنارے دفن کردیا۔

دفن کرتے وقت شیطان نے آ کر لڑکی کی چادر کا ایک کونہ پکڑلیا۔ اس طرح چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے باہر رہ گیا۔ برصیصا اپنی خانقاہ میں لوٹ آیا اور نماز میں مشغول ہوگیا، لڑکی کے بھائی اپنی بہن کی خبر گیری کے لیے آئے اور وہ دریافت حال کے لیے آتے رہتے تھے۔ انہوں نے آ کر دریافت کیا، برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی؟ برصیصا نے جواب: شیطان آ کر اس کو اُڑا لے گیا اور مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ ان لوگوں نے برصیصا کی بات پر یقین کرلیا، سب لوٹ آئے۔ شام ہوئی تو بھائی غم زدہ تو تھے ہی سوتے میں شیطان نے بڑے بھائی سے خواب میں کہا کہ برصیصا نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ حرکتیں کیں، پھر اس کو فلاں جگہ دفن کردیا۔ اس بھائی نے اپنے دل میں کہا یہ خواب ہے اور شیطانی خیال ہے برصیصا تو بہت بزرگ آدمی ہے وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ تین رات برابر شیطان اس کو یہی خواب دکھاتا رہا لیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ آخر شیطان خواب میں منجھلے بھائی کے پاس گیا اور اسے بھی یہی بات کہی مگر اس نے بھی وہی خیال کیا جو بڑے بھائی نے کیا تھا اور کسی سے کچھ بیان نہیں کیا۔

آخر میں تیسرے بھائی کے پاس خواب میں جا کر شیطان نے یہی بات کہی اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے یہ خواب بیان کردیا۔ منجھلے اور بڑے نے بھی اپنے خواب ظاہر کردیئے۔ پھر تینوں برصیصا کے پاس گئے اور کہا برصیصا! ہماری بہن کیا ہوئی؟ برصیصا نے کہا میں تو تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے تہمت زدہ کرنا چاہتے ہو۔ یہ بات سن کر شہزادوں کو اس سے شرم آئی اور کہنے لگے: ہم آپ کو تہمت نہیں دھرتے، یہ کہہ کر لوٹ آئے، شیطان نے پھر (خواب میں آ کر) ان سے کہا:

ارے تمہاری بہن تو فلاں مقام پر دفن ہے اور اس کی چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے اوپر نظر آ رہا ہے، ان لوگوں نے جا کر دیکھا تو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا، پھر تو مزدوروں اور غلاموں کو لے کر کسیوں اور کدالوں سے ان لوگوں نے برصیصا کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور اس کو عبادت خانہ سے اُتار کر مشکیں کس کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ ادھر گورے شیطان نے برصیصا سے کہا (تو انکار نہ کرنا) اگر تو نے انکار کیا تو تجھ پر دو جرم عائد ہو جائیں گے، قتل کا اور پھر انکارِ قتل کا، برصیصا نے اقرار کر لیا تو بادشاہ نے اس کو قتل کرنے اور سولی چڑھانے کا حکم دے دیا۔ سولی پر چڑھاتے وقت وہی گورا شیطان آیا اور برصیصا سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ برصیصا نے کہا نہیں، بولا میں وہی ہوں جس نے تجھے دُعائیں سکھائی تھیں اور تیری دُعائیں قبول ہوئیں، امانت میں خیانت کرتے تجھے خدا سے ڈر نہیں لگا۔ تیرا تو دعویٰ تھا کہ میں تمام بنی اسرائیل سے بڑھ کر عبادت گزار ہوں مگر تجھے شرم نہیں آئی۔ اسی طرح برابر شرم دلاتا رہا۔ پھر آخر میں کہنے لگا کیا جو کچھ تو نے کیا وہی کافی نہ تھا کہ تو نے اقرارِ جرم کر لیا اور خود اپنے کو بھی رسوا کیا اور اپنے جیسے دوسرے (عبادت گزار) لوگوں کو بھی رسوا کیا، اگر تو اسی حالت پر مر گیا تو تیری مثال دوسرے (عابد، زاہد) لوگ کبھی فلاح یاب نہیں ہوں گے (ہر ایک عابد کو لوگ مکار، دھوکہ باز کہیں گے) برصیصا نے پوچھا: تو اب میں کیا کروں؟ کہنے لگا میری ایک بات مان لے اگر وہ بات مان لے گا تو میں تجھے موجودہ حالات سے بچا کر لے جاؤں گا۔ میں لوگوں کی نظر بندی کر دوں گا اور تجھے اس جگہ سے نکال لے جاؤں گا۔ برصیصا نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا: بس مجھے سجدہ کر لے۔ برصیصا نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں۔ شیطان نے کہا: برصیصا میرا مقصد پورا ہوا میں یہی چاہتا تھا، تیرا انجام یہی ہوا کہ تو کافر ہو گیا، اب میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

"اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ" میں اللہ سے جو رب العالمین ہے ڈرتا ہوں، شیطان نے یہ بات محض دکھاوے کے لیے کہی (سچے دل سے نہیں کہی) کیونکہ خدا کا خوف شیطانوں کی سرشت میں ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ اہل تفسیر کے بعض اقوال میں آیا ہے کہ الانسان سے جنس انسان مراد ہے اور جس طرح آمر اپنے مامور کو حکم دے کر کسی کام پر آمادہ کرتا ہے اسی طرح شیطان انسان کو کفر پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس اندیشہ سے کہ انسان کے ساتھ (اغوا کرنے کا) اس پر عذاب نہ ہو قیامت کے دن یہ بات کہے گا۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا.وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ⑰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ.اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑲ لَایَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ.اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳ لَوْاَنْزَلْنَا هٰذَاالْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ. وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ㉑ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ. هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ㉒ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ. سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ㉓ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى. يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ㉔

ترجمہ: سو آخری (انجام دونوں کا یہ ہوا) کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے (ایک گمراہ کرنے کی وجہ سے دوسرے ہونے کی وجہ سے) اور ظالموں کو یہی سزا ہے اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام) سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب لوگ ہیں اور (اہل نار ناکام ہیں اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامین عجیبہ کو ہم (ان لوگوں کے) نفع کے) لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بننے کے لائق نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے سالم ہے امن دینے والا نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے خرابی کا درست کر دینے والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ (جس کی شان یہ ہے کہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اس کے اچھے نام ہیں سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر: ⑰ "فکان عاقبتھما" یعنی شیطان اور اسی انسان کی "انھما فی النار خالدین فیھا وذلک جزاء الظالمین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اہل مدینہ کے یہود بنونضیر اور بنوقریظہ کی بیان کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا تو منافقین نے ان کی طرف ایک سازش کی کہ جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہیں بلایا ہے تم اس کو قبول نہ کرو اور اپنے گھروں سے نہ نکلو۔ پس اگر انہوں نے تم سے قتال کیا تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر ہم تمہیں نکالو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے تو انہوں نے ان کی بات مان لی اور اپنے قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور اپنے شہروں میں پناہ لی۔ منافقین کی مدد کی اُمید پر حتیٰ کہ ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے لڑائی کا اعلان کر دیا۔ منافقین کی مدد کی اُمید کرتے ہوئے تو منافقین نے ان کو رسوا کر دیا اور ان سے بیزاری ظاہر کی۔ جیسا کہ شیطان نے برصیصا سے بےزاری و برأت ظاہر کی تھی اور اس کو رُسوا کر دیا تھا تو دونوں فریقوں کا انجام آگ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد راہب لوگ بنی

اسرائیل میں جھوٹ اوراپنی حالت چھپا کر چلتے تھے اور فاسق وفاجر لوگ علماء میں لالچ کرتے تھے اوران پر بہتان لگاتے اور بری باتیں کرتے تھے حتیٰ کہ جریج راہب کا واقعہ ہوا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس الزام سے بری کردیا جو وہ لگا رہے تھے تو اس کے بعد راہب لوگ خوش ہوگئے اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہوگئے۔

جریج راہب کا قصہ

اور جریج کا قصہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا بچپن کی حالت میں نہیں کلام کی مگر تین افراد نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور صاحب جریج اور صاحب یوسف۔ اور جریج عبادت گزار بندے تھے۔ انہوں نے ایک عبادت خانہ بنایا، وہ اس میں تھے کہ ان کی ماں آئی اور وہ نماز پڑھ رہے تھے تو کہا اے جریج تو جریج نے کہا اے میرے رب! میری ماں اور میری نماز۔ پھر نماز کی طرف متوجہ ہوگئے، وہ چلی گئی، پھر اگلے دن وہ آئی وہ نماز پڑھ رہے تھے، کہنے لگی اے جریج! اس نے کہا اے میرے رب! میری ماں اور میری نماز، پھر نماز کی طرف متوجہ ہوگیا تو اس نے کہا اے اللہ! تو اس کو موت نہ دینا حتیٰ کہ یہ بدکار عورتوں کا چہرہ دیکھ لے۔ پھر بنی اسرائیل میں جریج اور اس کی عبادت کے چرچے ہونے لگ گئے اور ایک زانیہ عورت تھی اس کے حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں تو اس نے کہا اگر تم چاہو تو تمہارے لیے میں اس جریج کو فتنہ میں مبتلا کرسکتی ہوں۔ پھر وہ جریج کے پیچھے پڑگئی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو وہ ایک چرواہے کے پاس آئی جو جریج کے عبادت خانہ کے قریب آرام کررہا تھا تو اس کو خود پر قدرت دی تو اس نے جماع کرلیا، وہ حاملہ ہوگئی۔ جب بچہ جنا تو کہا یہ جریج کا بچہ ہے تو لوگ جریج کے پاس آئے اس کو اس کے عبادت خانہ سے اُتارا اور اس کا عبادت خانہ توڑ دیا اور اس کو مارنے لگے۔ اس نے کہا تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ انہوں نے کہا تو نے اس بدکار عورت سے زنا کیا ہے اور اس سے تیرا بچہ پیدا ہوا ہے تو جریج نے کہا بچہ کہاں ہے؟ تو وہ اس کو لائے، اس نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں، پھر نماز پڑھی۔ پھر جب نماز پڑھ لی تو بچہ کے پاس آیا اور اس کے پیٹ میں انگلی ماری اور کہا اے بچہ تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا فلاں چرواہا۔ تو وہ لوگ جریج کو چمٹ گئے اور بوسے دینے لگے اور کہنے لگے ہم آپ کے لیے سونے کا عبادت خانہ بنادیں گے۔ اس نے کہا نہیں، تم واپس مٹی کا بنادو جیسے پہلے تھا تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسی اثناء میں ایک بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو ایک شخص سواری پر گزرا، بڑا خوبصورت، عمدہ لباس والا تو اس کی ماں نے کہا اے اللہ! تو میرے بیٹے کو اس جیسا بنادے تو بچے نے پستان چھوڑ دیا اور اس شخص کی طرف دیکھا اور کہا اے اللہ! تو مجھے اس جیسا نہ بنانا، پھر دودھ پینے لگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ علیہ السلام اپنے منہ میں شہادت والی انگلی ڈال کر اس کے دودھ پینے کو نقل کررہے ہیں، پھر اس کو چوسنے لگے۔ فرمایا اور لوگ ایک باندی کو مارتے ہوئے گزرے اور وہ کہتے تھے تو نے زنا کیا اور تو نے چوری کی اور وہ کہتی تھی "حسبی اللہ. ونعم الوکیل" تو

اس بچہ کی ماں نے کہا اے اللہ! تو میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا تو بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس باندی کو دیکھا اور کہا اے اللہ! تو مجھے اس جیسا بنادے۔ پس اس وقت ان دونوں نے بات میں مراجعت کی۔ پس اس نے کہا ایک شخص اچھی حالت والا گزرا تو میں نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنادے تو تو نے کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا اور لوگ ایک باندی کو مارتے ہوئے اور زنا و چوری کا الزام لگاتے گزرے تو میں نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا تو تو نے کہا اے اللہ! تو مجھے اس جیسا بنانا تو بچے نے کہا بے شک وہ آدمی متکبر تھا تو میں نے کہا مجھے اس جیسا نہ بنانا اور وہ لوگ اس کو کہتے تھے تو نے زنا کیا حالانکہ اس نے زنا نہ کیا تھا اور اس کو کہتے تھے تو نے چوری کی حالانکہ اس نے چوری نہ کی تھی تو میں نے کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا بنادے۔

⑱ **"یا یھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد"** یعنی قیامت کے دن کے لیے۔ یعنی چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک دیکھے کہ کون سی چیز اس نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے، نیک عمل جو اس کو نجات دے یا برا عمل جو اس کو ہلاک کردے۔ **"واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ خبیر بما تعملون"**

⑲ **"ولا تکونوا کالذین نسوا اللّٰہ"** یعنی انہوں نے اللہ کے امر کو چھوڑ دیا۔ **"فانساھم انفسھم"** یعنی اپنے نفسوں کا حصہ حتیٰ کہ ان کے لیے کوئی خیر آگے نہیں بھیجی۔ **"اولئک ھم الفاسقون"**

⑳ **"لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنّة اصحاب الجنة ھم الفائزون"**

㉑ **"لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة اللّٰہ"** کہا گیا ہے اگر پہاڑ میں تمیز رکھ دی جاتی اور اس پر قرآن اُتارا جاتا تو وہ پھٹ جاتا اور جھک جاتا اللہ کے خوف سے اپنی مضبوطی اور ٹھوس ہونے کے باوجود، اس ڈر سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق نہ ادا کرسکے گا قرآن کی تعظیم میں اور کافر اس کی عبرتوں سے اعراض کرتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں ہے اس کی سخت دلی بیان کررہے ہیں۔ **"وتلک الامثال نضربھا للنّاس لعلھم یتفکرون"**

㉒ **"ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادة"** غیب جو بندوں سے غائب ہو نہ انہوں نے اس کا معائنہ کیا ہو اور نہ اس کو جانتے ہوں اور الشہادۃ جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہو اور اس کو جانتے ہوں۔ **"ھو الرحمٰن الرحیم"**

㉓ **"ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس"** ہر عیب سے پاک ہر اس چیز سے پاک جو اس کے لائق نہیں۔ "السلام" جو نقائص سے محفوظ ہو۔ "المؤمن" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ ذات جو لوگوں کو اپنے ظلم سے امن دے جو اس پر ایمان لائے اس کو اپنے عذاب سے امن دے۔ یہ امان (امن دینا) سے ہے جو تخویف (ڈرانے) کی ضد ہے۔ جیسا کہ فرمایا **"وآمنھم من خوف"** اور کہا گیا ہے اس کا اپنے رسولوں کی تصدیق کرنا معجزات کو ظاہر کرکے اور مؤمنین کے لیے سچ کرنے والا ہے جو ان سے ثواب کے وعدے کیے ہیں اور کافروں سے جو عذاب کے وعدے کیے ہیں ان کو سچ کرنے والا ہے۔ **"المھیمن"** اپنے بندوں پر ان کے اعمال کا گواہ ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، قتادہ، سدی اور مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے **"ھیمن، یھیمن، فھو مھیمن"** جب کسی چیز پر نگہبان ہو اور کہا گیا ہے یہ اصل میں مؤیمن تھا ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کردیا ہے۔ ان

کے ارقت وحرقت کی طرح اور اسی کا مؤمن ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں امین اور خلیل رحمہما اللہ فرماتے ہیں نگہبان حفاظت کرنے والا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں تصدیق کرنے والا۔ سعید بن مسیب اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں فیصلہ کرنے والا۔

اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تاویل کو زیادہ جانتے ہیں۔ "العزیز الجبار" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الجبار وہ عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی جبروت اس کی عظمت ہے اور یہ اس قول پر اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ جبر سے اور وہ اصلاح ہے۔ کہا جاتا ہے "جبرت الکسر والامر وجبرت العظم" جب تو ہڈی یا کسی چیز کے ٹوٹنے کے بعد اس کی اصلاح کرے۔ پس وہ فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چیز کی اصلاح کرتا ہے۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں جبار وہ جو لوگوں پر غالب ہو اور ان کو اپنے ارادہ پر مجبور کر دے اور ان میں سے بعض نے بعض سے جبار کا معنی پوچھا تو اس نے کہا وہ ایسا غالب جو جب کسی امر کے کرنے کا ارادہ کر لے تو اس کو کوئی روکنے والا نہ روک سکے۔ "المتکبر" جو ہر برائی سے تکبر کرتا ہے اور کہا گیا ہے ہر اس چیز سے عظیم ہے جو اس کے لائق نہیں اور کبر اور کبریاء کی اصل رُکنا ہے اور کہا گیا ہے ذوالکبریا اور وہ ملک یہ ہے۔ "سبحان اللہ عما یشرکون"

㉔ "ھو اللہ الخالق" اندازہ لگانے والا اور شے کو اپنی تدبیر سے اس کے غیر کی طرف تبدیل کرنے والا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے "یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق"...... "الباری" اعیان کو عدم سے وجود کی طرف پیدا کرنے والا ہے۔ "المصور" مخلوقات کی صورتیں بنانے والا ہے ان علامات کے ذریعے جس سے ان میں سے بعض بعض سے جدا ہو جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے "ھذہ صورۃ الامر" یعنی اس کی مثال ہے۔ پس پہلے خلق (پیدائش) ہوتی ہے پھر تندرست ہوتی ہے پھر تصویر بنتی ہے۔

"لہ الاسماء الحسنٰی یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم" معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت تین مرتبہ "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" کہا اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھیں تو ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے شام تک استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر وہ اس دن میں مر گیا تو شہید مرے گا اور جس شخص نے شام کو ایسا کہا تو وہ اس مرتبہ میں ہوگا۔ ابو عیسیٰ رحمہ اللہ نے اس کو اپنی سند سے نقل کر کے فرمایا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۱۳ آیات اور ۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ.اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ. وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

ترجمہ: اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس پر وعید ہے) کہ جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

تفسیر ① "یایھا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء"

حضرت عبداللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور حضرت عمار، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد بن اسود اور حضرت ابو مرثد (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو (سارہ کے تعاقب میں) روانہ کر دیا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا، روانہ ہو جاؤ۔ جب نخلستان خاخ پر پہنچنا تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہوگی، اس کے پاس مشرکوں کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہوگا۔ وہ خط اس سے لے لینا اور پھر اس کو جانے دینا، اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن مار دینا۔ یہ حضرات اس مقام پر پہنچے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کیا تھا تو وہاں واقعی وہ عورت ملی۔ان حضرات نے کہا وہ خط کہاں ہے؟ وہ قسم کھا کر بولی،میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ان صاحبان نے ہر چند تلاش کیا اور اس کے سامان کی تفتیش کی لیکن خط نہیں ملا۔آخر(بے نیل و مرام) واپسی کا ارادہ کرلیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ ہم جھوٹے ہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ فرمایا (خط ضرور اس کے پاس ہے) یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور فرمایا: خط نکال ورنہ میں تجھے ننگا کر کے تیری گردن اڑادوں گا۔جب عورت نے دیکھا کہ واقعی یہ لوگ ایسا کریں گے تو اپنے جوڑے سے خط نکال کر دے دیا۔چوٹی کے بالوں میں اس نے وہ خط چھپا رکھا تھا،ان بزرگوں نے وہ خط لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا، نہ اس سے کوئی تعرض کیا، نہ اس کے سامان سے اور خط لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو؟ حاطب نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ حاطب نے کہا: واللہ! میں جب سے مسلمان ہوا ہوں، میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے آپ کا خیر خواہ ہوں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھوٹ نہیں کی اور جب سے کافروں کو چھوڑا کبھی ان سے محبت نہیں کی۔

لیکن بات یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی (عزیز، دوست) مکہ میں موجود ہے جو اس کے گھر والوں کا محافظ ہے اور میں وہاں اجنبی تھا اور میرے بیوی، بچے وہاں ان کے پاس موجود تھے، مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ کوئی احسان ان پر کردوں (تا کہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں) اور مجھے یہ یقین بھی تھا کہ اللہ مکہ والوں پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری یہ تحریر ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کے قول کی تصدیق کی اور ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کی گردن ماردوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! (رضی اللہ عنہ) تم کو کیا معلوم، شاید اللہ نے اہل بدر کے (اچھے برے) تمام احوال دیکھنے کے بعد ہی فرمایا ہے: "اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم" جو چاہو کرو، میں نے تم کو معاف کردیا۔

ابوعمرو بن صفی بن ہاشم بن عبد مناف کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ آئیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاری کررہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو مسلمان ہوکر آئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔فرمایا: تو پھر کس وجہ سے آئی ہے؟ بولی آپ ہی لوگ میرے گھر والے، کنبہ والے اور آقا تھے، اپنے آقاؤں کے چلے آنے کے بعد میں سخت محتاج ہوگئی، اس لیے آپ لوگوں کے پاس آئی ہوں کہ آپ لوگ مجھے کھانے (پینے) کو دیں، کپڑے دیں اور سواری کے لیے اونٹ دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کے جوان کیا ہوئے وہ تیری خبر گیری نہیں کرتے؟ سارہ مغنیہ بھی تھی اور نوحہ خواں بھی، کہنے لگی بدر کے واقعہ کے بعد کسی کام کی (نہ مرثیہ خوانی کی نہ گانے کی) کوئی فرمائش نہیں آئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کے لیے ترغیب دی۔بنی عبدالمطلب نے اس کو خرچ بھی دیا، کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دی۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک شخص تھے (جو بدری تھے، مترجم) جو بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف (معاہد) تھے۔حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور سارہ کے پاس گئے۔اس کو ایک چادر اور دس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ حاطب کا خط مکہ والوں کو

پہنچا دے۔ حاطب نے لکھا تھا از حاطب بن ابی بلتعہ بنام اہل مکہ! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اپنی احتیاط کرلو، سارہ خط لے کر روانہ ہوگئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاطب کے خط کی اطلاع دے دی۔ اس کے بعد وہی واقعہ بیان کیا جو ماقبل ابتداء سورة میں گزر چکا ہے۔

"تلقون الیھم بالمودة" بعض اہل تفسیر کے نزدیک باء زائدہ ہے۔ یعنی ان کی طرف محبت سے ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ زجاج کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں مشرکوں کی دوستی کے سبب تم ان کو پیش کرتے ہو۔ "وقد کفروا" واؤ حال کے لیے ہے کہ حال یہ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ "بما جاء کم من الحق" اس سے مراد قرآن ہے۔ "یخرجون الرسول وایاکم" اس سے مراد مکہ ہے۔ "أن تؤمنوا" کہ تم ایمان لاؤ۔ گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ تم نے اپنے ایمان کے باعث ایسا کیا۔ "باللہ ربکم ان کنتم خرجتم" یہ شرط ہے اس کا جواب پہلے ہے۔ "لاتتخذوا عدوی وعدوکم"...... "جھادًا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودة" مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد نصیحت ہے۔ "وانا اعلم بما اخفیتم" کفار سے دوستی کو تم چھپاتے ہو۔ "وما اعلنتم" اور جو تم اپنی زبانوں سے ظاہر کرتے ہو ومن یفعله منکم اور تم میں سے جو کوئی ایسا کام کرتا ہے۔ "فقد ضل سواء السبیل" ہدایت کے راستے سے بھٹک گیا۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ.وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ.رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤

(ترجمہ) اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں اور (وہ) اظہار عداوت یہ کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ دنیوی اصرار ہے) اور (دینی اصرار یہ ہے) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر (ہی) ہو جاؤ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آویں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان واطاعت میں ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جب کہ ان سب نے مختلف اوقات میں اپنی

قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض زیادہ ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اس سے زیادہ) مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

تفسیر ❷ "ان یثقفوکم" تم پر کامیاب ہو جائیں اور تمہیں دیکھیں۔ "**یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم**" مارنے اور قتل کے ساتھ "**والسنتھم بالسوء**" گالیوں کے ساتھ۔ "**وودّوا لو تکفرون**" جیسا کہ وہ خود کافر ہیں۔ فرماتے ہیں تم ان کی خیرخواہی نہ کرو کیوں کہ وہ بھی تمہاری خیرخواہی نہیں کرتے اور نہ تم سے محبت کرتے ہیں۔

❸ "**لن تنفعکم ارحامکم**" اس کا معنی ہے نہ پکارے تم کو اور نہ اُبھارے تم کو تمہاری رشتہ داریاں اور قریبی تعلقات اور تمہاری اولاد جو مکہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی خیانت پر اور ان کی خیرخواہی چھوڑنے پر اور ان کے دشمنوں سے دوستی کرنے پر کیونکہ یہ رشتہ داریاں تمہیں ہرگز کوئی نفع نہ دیں گی۔ "**ولا اولادکم**" جن کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ "**یوم القیامۃ یفصل بینکم**" پس اس کی اطاعت کرنے والے جنت میں اور اس کی نافرمانی کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔ عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ نے "**یفصل**" یاء کے زبر اور صاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے تخفیف کے ساتھ اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یاء کی پیش اور صاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے تشدید کے ساتھ اور ابن عامر رحمہ اللہ نے یاء کی پیش اور صاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے تشدید کے ساتھ اور دیگر حضرات نے یاء کے پیش اور صاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے تخفیف کے ساتھ۔ "**واللّٰہ بما تعملون بصیر**"

❹ "**قد کانت لکم اسوۃ**" پیشوا "**حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ**" اہل ایمان میں سے۔ "**اذ قالوا لقومھم**" مشرکین سے۔ "**انا برءٰؤُا منکم**" بریٔ کی جمع ہے۔ "**ومما تعبدون من دون اللّٰہ کفرنا بکم**" ہم نے تمہارے دین کا انکار کیا۔ "**وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللّٰہ وحدہ**" حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اور دیگر مؤمنوں کو ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کا جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے مشرکین سے برأت ظاہر کرنے میں۔ "**الاقول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک**" یعنی تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے امور میں اچھا طریقہ ہے مگر ان کے اپنے مشرک باپ کے لیے استغفار کرنے میں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو کہا تھا "**لاستغفرن لک**" میں آپ کے لیے ضرور استغفار کروں گا۔ پھر ان سے برأت ظاہر کی جو ہم نے سورۃ توبہ میں ذکر کردی ہے۔ "**وما املک لک من اللّٰہ من شیٔ**" ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو کہا کہ میں آپ کو کچھ نفع نہ دوں گا اور نہ آپ سے اللہ کے عذاب کو دور کرسکتا ہوں اگر آپ نے اس کی نافرمانی کی اور اس کے ساتھ شرک کیا۔ "**ربنا علیک توکلنا**" اس کو ابراہیم علیہ

السلام اوران کے ساتھ والے مؤمنوں نے کہا۔ "والیک انبنا والیک المصیر"

⑤ "ربّنا لاتجعلنا فتنة للذین کفروا" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو ہم پر غلبہ نہ دے۔ پس وہ گمان کرنے لگیں گے کہ وہ حق پر ہیں تو وہ فتنہ میں مبتلا ہوجائیں گے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور نہ اپنی طرف سے عذاب دے۔ پس وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ چیز نہ پہنچتی۔ "واغفرلنا ربنا انک انت العزیز الحکیم"

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ. وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً. وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

ترجمہ بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو (اسی کا ضرر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کردے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

تفسیر ⑥ "لقد کان لکم فیھم" یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ "اسوة حسنة لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الآخر" یہ بدل ہے اللہ تعالیٰ کے قول لکم سے اور یہ بیان ہے کہ یہ اسوہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے اور آخرت کے عذاب سے۔ "ومن یتولّ" ایمان سے اعراض کرے اور کفار سے دوستی کرے۔ "فان اللّٰہ ھو الغنی اپنی مخلوق سے الحمید" پس اپنے اولیاء اور اہل طاعت کا دوست ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کفار سے دشمنی کا حکم دیا تو مؤمنین نے اپنے مشرک رشتہ داروں سے دشمنی کی اور ان کے لیے دشمنی اور براءۃ کو ظاہر کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے تھے مؤمنین کی سخت مشقت کو تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔

⑦ "عسی اللّٰہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم" یعنی کفار مکہ سے۔ "مودّة" پس اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ ان میں سے اکثر اسلام لے آئے۔ پس ان کے دوست اور بھائی بن گئے اور آپس میں مل جل گئے اور ان سے نکاح کیے۔ "واللّٰہ قدیر واللّٰہ غفور رحیم" پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے بارے میں رخصت بیان کی جنہوں

نے مؤمنین سے دشمنی نہیں کی اور ان سے لڑائی نہیں کی تو فرمایا:

⑧"لاینھاکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں پر احسان نیکی کرنے سے نہیں روکتے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی۔ "وتقسطوا الیھم" تم ان کے بارے میں احسان کرکے انصاف کرو۔ "ان اللّٰہ یحب المقسطین"

آیات کا شانِ نزول

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ آپ علیہ السلام سے لڑائی نہ کریں گے، آپ علیہ السلام کے خلاف اور لڑائی پر کسی کی مدد بھی نہ کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کرنے میں رُخصت دی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ اسماء بنت ابی بکر کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ ان کی اُمہات قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینہ آئی پنیر، گھی وغیرہ کے ہدایہ لے کر اور یہ عورت مشرکہ تھی تو اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا میں تجھ سے ہدیہ قبول نہ کروں گی اور تو میرے گھر داخل نہ ہو۔ حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کو اپنے گھر داخل کرلیں اور اس کے ہدایہ قبول کرلیں اور اس کا اکرام کریں اور حسن سلوک کریں۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میری والدہ میرے پاس آئیں اور وہ مشرکہ تھیں قریش کے معاہدہ کے زمانہ میں۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو میں نے کہا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ رغبت رکھتی ہے کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس سے صلہ رحمی کر۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اسماء کے بارے میں نازل کیا "لاینھاکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین" پھر ان کا ذکر کیا جن کی صلہ رحمی سے منع کیا ہے۔ پس فرمایا:

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ. اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ. لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ. وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا. وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا. ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ. يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَاِنْ

فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا. وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

ترجمہ: صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے ا) پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو کیونکہ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں اور ان کافروں نے جو خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو عورتوں سے نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور (اے مسلمانو) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل ہی) تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیبیوں) پر خرچ کیا تھا اس کے برابر ان کو دے دو اور اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

تفسیر: ⑨ "انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم" اور وہ مشرکین مکہ ہیں۔ "ان تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون"

آیت مبارکہ کا شان نزول

⑩ "يا يها الذين امنوا اذا جاء كم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن" مروان اور مسور بن مخرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے خبر دیتے ہیں کہ جب اس دن سہیل بن عمر نے لکھا تو جو شرائط سہیل بن عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہماری طرف سے اگر کوئی شخص آپ علیہ السلام کے پاس آئے گا، اگرچہ وہ آپ علیہ السلام کے دین پر ہو تو آپ علیہ السلام اس کو ہمارے پاس واپس بھیج دیں گے تو مؤمنین نے اس شرط کو ناپسند سمجھا اور سہیل نے اس پر اصرار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر لکھوا دیا تو اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کو ان کے والد سہیل بن عمرو کو واپس کر دیا اور اس مدت میں آپ علیہ السلام کے پاس جو مرد بھی آتا، آپ علیہ السلام اس کو واپس کر دیتے۔ اگرچہ وہ مسلمان ہوتا اور مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان عورتوں میں تھی جو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلیں تھیں اس دن ہجرت کر کے۔ تو ان کے گھر والے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرنے لگے کہ ان عورتوں کو واپس کر دیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو عورتوں کو واپس نہیں کیا کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "اذا جاء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللّٰہ اعلم بایمانھن" سے "ولاھم یحلون لھن" تک۔ عروہ فرماتے ہیں مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ذریعے ان کا امتحان لیتے تھے۔ "یا یھا النّبی اذا جاء ک المؤمنات" سے "غفور رحیم" تک۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پس جو ان میں سے اس شرط کا اقرار کرتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو فرماتے تحقیق میں نے تجھے بیعت کرلیا۔ یہ کلام کے ذریعے ہوتا تھا۔ اللہ کی قسم! آپ علیہ السلام کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا بیعت میں۔ آپ علیہ السلام ان سے اپنے قول کے ذریعے بیعت کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے متوجہ ہوئے حتیٰ کہ جب حدیبیہ پہنچے تو آپ علیہ السلام سے مشرکین مکہ نے صلح کی اس شرط پر کہ اہل مکہ میں سے جو آپ علیہ السلام کے پاس آئے گا اس کو ان کی طرف واپس کر دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو اہل مکہ کے پاس آیا وہ اس کو واپس نہ کریں گے اور انہوں نے اس کی ایک تحریر لکھ کر اس پر مہر لگا دی۔ تو سبیعہ بنت حارث اسلمیہ اس تحریر سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان ہو کر آئی تو اس کے پیچھے ان کا خاوند بنو مخزومہ سے سفر کرتا آیا اور مقاتل رحمہ اللہ نے کہا ہے صیفی بن راہب اس کی تلاش میں اور یہ کافر تھا تو کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیوی مجھے واپس کر دیں کیونکہ آپ علیہ السلام نے شرط لگائی ہے کہ ہم سے جو آپ علیہ السلام کے پاس آئے گا آپ اس کو واپس کر دیں گے اور یہ تحریر کی سیاہی ابھی تک خشک نہیں ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "یا یھا الذین امنوا اذا جاء کم المؤمنات مھاجرات" دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف۔ "فامتحنوھن" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا امتحان یہ ہے کہ اس سے قسم اُٹھوائی جائے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں نکلی اور نہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کے عشق میں آئی ہے اور نہ اس کو اس زمین کی طرف رغبت ہے اور نہ کوئی ضرورت اس کو پیش آئی ہے۔

اور نہ دُنیا کو طلب کرنے آئی ہے اور وہ تو صرف اسلام میں رغبت کی وجہ سے نکلی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں۔ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حلف لیا اس پر اس نے حلف اُٹھالیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو واپس نہیں کیا اور ان کے خاوند کو اس کا مہر اور جو ان پر خرچ کیا تھا وہ دے دیا۔ پھر ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور آپ علیہ السلام جو مردوں میں سے آتا اس کو واپس کر دیتے اور جو عورتیں آتیں امتحان کے بعد ان کو روک لیتے اور ان کے خاوندوں کو ان کے مہر دے دیتے۔ "اللّٰہ اعلم بایمانھن" یعنی یہ امتحان تمہارے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتے ہیں۔

"فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن" اللہ تعالیٰ نے کسی مؤمن عورت کو کافر کے لیے حلال نہیں کیا۔ "و آتوھم" یعنی ان کے کافر خاوندوں کو۔ "ما انفقوا" ان عورتوں پر یعنی مہر جو

انہوں نے ان عورتوں کو دیا ہے۔"ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اٰتیتموھن اجورھن"یعنی ان کے مہر۔اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے مباح کردیا۔اگرچہ دارالکفر میں ان کے خاوند موجود ہوں اس لیے کہ اسلام نے ان عورتوں اوران کے کافر خاوندوں کے درمیان تفریق کردی ہے۔

"ولا تمسکوا" ابوعمرو اور یعقوب رحمہما اللہ نے شد کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے امساک سے۔"بعصم الکوافر"العصم عصمۃ کی جمع ہے اور وہ جس کو عقد اور نسب کے ذریعے باندھا گیا ہو اور کوافر کافرہ کی جمع ہے۔اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مشرک عورتوں کے نکاح سے روکا ہے۔فرماتے ہیں جس کی مکہ میں کافر بیوی ہو تو اس کا اعتبار نہ کرے۔تحقیق ان کے درمیان نکاح کا تعلق ختم ہوگیا ہے۔زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی جو مکہ میں تھیں اور مشرکہ تھیں۔قریبہ بنت ابواُمیہ بن مغیرہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد معاویہ بن ابی سفیان نے نکاح کیا۔مکہ میں یہ دونوں اس وقت مشرک تھے اور دوسری اُم کلثوم بنت عمرو بن جرول نزاعیہ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ۔پس ان سے ابوجہم بن حذافہ بن غانم نے نکاح کیا،یہ دونوں بھی مشرک تھے اور اروٰی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ،طلحہ بن عبیداللہ کے نکاح میں تھی تو طلحہ نے ہجرت کی اور یہ بیوی مکہ میں اپنی قوم کے دین پر تھی تو اسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی تو اسلام میں اس سے خالد بن سعید بن عاص بن اُمیہ نے نکاح کیا۔

شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالعاص بن ربیع کی بیوی تھیں۔وہ اسلام لے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آملیں اور ابوالعاص مکہ میں شرک کی حالت میں رہے۔پھر وہ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو واپس ان کو دے دیا۔"واسئلوا"اے مؤمنو!"ما انفقتم"یعنی اگر تمہاری کوئی عورت مرتد ہوکر مشرکین سے جاملے تو جو تم نے مہر خرچ کیا ہے اس کا سوال کرو جب وہ اس عورت کو روک لیں اس سے مطالبہ کرو،جس نے نکاح کیا ہے اس عورت سے۔"ولیسئلوا"یعنی مشرکین جن کی بیویاں تمہارے پاس آگئی ہیں۔"ما انفقوا"مہر کا تم میں سے اس شخص سے جس نے اس عورت سے نکاح کیا ہے۔"ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم واللہ علیم حکیم"

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح اور معاہدہ نہ ہوا ہوتا حدیبیہ کے دن تو ان عورتوں کو روک لیتے اور ان کا مہر بھی نہ دیتے اور اسی طرح آپ علیہ السلام ان عورتوں کے بارے میں کرتے تھے جو اسلام قبول کرکے آتی تھیں معاہدہ سے پہلے۔پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو مؤمنین نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا اقرار کیا اور انہوں نے ادا کیا جو ان کو حکم دیا گیا مشرکین کی خرچ کردہ چیزیں واپس کرنے کا اور مشرکین نے اللہ کے فیصلہ کا اقرار کرنے سے انکار کردیا جو ان کو حکم دیا گیا جو مؤمنوں نے اپنی بیویوں پر خرچ کیا ہے اس کو لوٹانے کا۔

⑪"وان فاتکم"اے اہل ایمان۔"شیء من ازواجکم الی الکفار"پس وہ ان کو جاملیں مرتد ہوکر۔

فعاقبتم کے معنی میں مفسرین کے اقوال

"فعاقبتم" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے تم غنیمت حاصل کرو یعنی تم جہاد کرو پھر تم کفار سے عقبیٰ یعنی غنیمت حاصل کرو۔ اور کہا گیا ہے تم غالب ہو جاؤ اور انجام تمہارے لیے ہو اور کہا گیا ہے تم ان کو قتال میں سزا پہنچاؤ حتیٰ کہ تم غنیمت حاصل کرلو۔ حمید اعرج نے "فعقبتم" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور زہری رحمہ اللہ نے "فعقبتم" تخفیف کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ نے "فاعقبهم" پڑھا ہے یعنی تم ان کے ساتھ ویسا کرو جیسا انہوں نے تمہارے ساتھ کیا اور یہ تمام لغات ایک معنی دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے "عاقب، عقب وعقب، واعقب وتعقب، وتعاقب واعتقب" جب وہ غنیمت حاصل کرے اور کہا گیا ہے "التعقيب" لڑائی کے بعد لڑائی کرنا۔

"فاتوا الذين ذهبت ازواجهم" کفار کی تمہاری طرف۔ "مثل ما انفقوا" ان پر ان غنیمتوں میں سے جو تمہارے ہاتھوں میں کفار کے اموال میں سے آئی ہیں اور کہا گیا ہے "فعاقبتم" پس تم سزا دو مرتدہ کو قتل کے ذریعے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے، فرماتے ہیں مؤمن مہاجر عورتوں میں سے مشرکین کے پاس چھ عورتیں گئی ہیں اُم الحکم بنت ابوسفیان، یہ عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی اور فاطمہ بنت ابواُمیہ بن مغیرہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ پس جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اس نے انکار کر دیا اور مرتد ہوگئی اور بروع بنت عقبہ یہ شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی اور عزہ بنت عبدالعزیز بن نضلہ اس سے عمر بن عبدود نے نکاح کیا اور ہند بنت ابی جہل بن ہشام، یہ ہشام بن عاص بن وائل کے نکاح میں تھی اور اُم کلثوم بنت جرول یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ پس یہ تمام اسلام سے پھر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاوندوں کو غنیمت سے ان کا مہر ادا کیا۔ "واتقوا الله الذى انتم به مؤمنون"

اور اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ جو عورت اسلام لے آئے اس کے خاوند کو اس کا مہر دینا واجب ہے یا مستحب؟ اور اس کی اصل یہ ہے کہ صلح عورتوں کو واپس کرنے پر واقع ہوئی تھی؟ اس میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ صلح مردوں اور عورتوں سب کو واپس کرنے پر ہوئی تھی۔ اس روایت کی وجہ سے جو ہم تک پہنچی کہ آپ کے پاس ہم میں سے کوئی نہیں آئے گا اگرچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہو مگر آپ علیہ السلام اس کو ہمیں واپس کر دیں گے۔ پھر عورتوں کو لوٹانے کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فلا ترجعوهن الى الكفار" کی وجہ سے۔

پس اس تفصیل پر مہر کا لوٹانا واجب ہوگا اور دوسرا قول یہ ہے کہ صلح عورتوں کو واپس کرنے پر نہیں ہوئی تھی اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس ہم میں سے جو مرد آئے گا، اگرچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہو، آپ علیہ السلام اس کو ہم پر لوٹائیں گے۔ اس لیے کہ مرد کو لوٹانے میں اتنا فتنہ کا خوف نہیں ہے جتنا عورت کے لوٹانے پر خوف ہے مشرک کے اس عورت کو پہنچنے سے اور اس پر ارتداد کا بھی ڈر ہے جب وہ اس کو ڈرایا گیا اور اس پر مجبور کی گئی اس کے دل کمزور

ہونے کی وجہ اور عقل کم ہونے کی وجہ سے اور ان کو اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ معلوم نہیں ہے کلمہ کفر کو ظاہر کر کے، توریہ کر کے اور ایمان کو چھپا کر۔ اور آدمی پر اس کا خوف نہیں ہوتا اس کی طاقت اور تقیہ کے راستے معلوم ہونے کی وجہ سے تو اس تفصیل پر مہر کا لوٹانا مستحب ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا آج کے دن مال کا واپس کرنا واجب ہے جب کفار کے معاہدہ میں شرط لگائی گئی ہو؟ تو ایک قوم نے کہا واجب نہیں ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ آیت منسوخ ہے اور یہ عطاء، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا ہے یہ منسوخ نہیں ہے اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ ان کو لوٹایا جائے گا۔

عورتوں کی بیعت کرنے کا ذکر

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کر کے) بنالیویں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر: 12 "یا یھا النبی اذا جاء ک المؤمنات یبایعنک" اور یہ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے اور آپ علیہ السلام صفا پر تھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام سے نیچے تھے اور وہ عورتوں کی بیعت کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اور آپ علیہ السلام سے ان کو باتیں پہنچا رہے تھے اور ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی پردہ کرتے ہوئے چھپتی چھپاتی آئی عورتوں کے ساتھ اس خوف سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہچان لیں گے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان سے بیعت کرتا ہوں "علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئا" تو ہند نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا اللہ کی قسم! آپ علیہ السلام ہم پر ایسا امر لے رہے ہیں جو ہم نے آپ علیہ السلام کو مردوں سے لیتے نہیں دیکھا اور اس دن آپ علیہ السلام نے مردوں سے صرف اسلام اور جہاد پر بیعت کی تھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ولا یسرقن" تو ہند نے کہا بے شک ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو میں اس کے مال سے تھوڑا سا اُٹھالیتی ہوں، میں نہیں جانتی کہ کیا مرے لیے یہ حلال ہے یا نہیں؟ تو ابوسفیان نے کہا جو پہلے میرا مال لیا اور جو آئندہ لے گی وہ تیرے لیے حلال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا تو اس کو فرمایا تو ہند بنت عتبہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں پس آپ علیہ السلام معاف کر دیں جو پہلے ہو چکا اللہ تعالیٰ آپ سے معاف کریں۔ "ولا یزنین" تو ہند نے کہا کیا آزاد عورت زنا کرے گی؟ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: "ولا یقتلن اولادھن" تو ہند نے کہا ہم نے ان کی بچپن میں پرورش کی اور تم نے ان کو بڑے ہونے کی حالت میں قتل کر دیا۔ پس تم اور وہ خوب جانتے ہو اور ان کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کے دن قتل کیا گیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنستے ہنستے لیٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن" اور وہ یہ کہ اپنے خاوندوں پر ایسا بچہ منسوب کریں جو ان سے نہیں ہے تو ہند نے کہا اللہ کی قسم بہتان تو بہت برا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں سیدھے راستے اور عمدہ اخلاق کا حکم دے رہے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا "ولا یعصینک فی معروف" تو ہند نے کہا ہم اس جگہ اس لیے نہیں بیٹھے کہ ہمارے دلوں میں آپ علیہ السلام کی نافرمانی کا خیال ہو تو جو عہد عورتوں سے لیا گیا ان سب نے اس کا اقرار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول "ولا یقتلن اولادھن" بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا مراد ہے جو اہل جاہلیت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا قول "ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن" اس سے مراد ان کو زنا سے روکنا نہیں ہے کیونکہ زنا سے نہی تو اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی بچہ اُٹھائے اور اپنے خاوند کو کہے یہ تیرا بچہ ہے مجھ سے۔ پس یہ بہتان ہے جو ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑا گیا ہے۔ اس لیے کہ بچہ جب ماں اس کو جنتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "ولا یعصینک فی معروف" یعنی ہر اس امر میں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے موافق ہو۔ بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر اس کام میں جس میں ان کے رشد و صلاح ہو اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت مردوں کے ساتھ خلوت نہ اختیار کرے اور سعید بن مسیب اور کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ نوحہ (میت پر بین کرنے) سے نہی ہے اور ہلاکت کی دُعا کرنے اور کپڑے پھاڑنے اور بال منڈانے اور اکھیڑنے اور چہروں کو نوچنے سے نہی ہے اور عورت مردوں سے بات نہ کرے مگر محرم سے اور غیر محرم مرد کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے اور صرف محرم مرد کے ساتھ سفر کرے۔

اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کیا تو ہم پر پڑھا "ان لا یشرکن باللّٰہ شیئا" اور ہمیں نوحہ سے روکا تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ بند کر لیا اور کہا فلانی عورت نے میری نوحہ میں مدد کی تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کو بدلہ دوں۔ پس اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کہا تو وہ چلی گئی اور لوٹی اور آپ علیہ السلام سے بیعت کی۔ ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں میری اُمت میں جاہلیت کی ایسی ہیں جن کو وہ نہیں چھوڑیں گے حسب پر فخر کرنا اور نسب پر اعتراض کرنا اور ستاروں سے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا۔ اور فرمایا نوحہ کرنے والی جب نوحہ سے توبہ نہ کرے اپنی موت سے پہلے تو قیامت کے دن کھڑی ہوگی اور اس پر تارکول کی ایک شلوار اور جرب کی قمیص ہوگی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم میں سے نہیں ہے وہ

شخص جو رُخساروں کو مارے اور گریبان پھاڑ ڈالے اور جاہلیت کے پکارنے کی طرح پکارے۔ ”فبایعهن“ یعنی جب وہ عورتیں آپ علیہ السلام سے بیعت کرنے آئیں تو آپ علیہ السلام ان سے بیعت کرلیں۔ ”واستغفرلهن الله ان الله غفور رحیم“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو کلام کے ذریعے بیعت کرتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے ”لا یشر کن باللہ شیئا“ فرماتی ہیں آپ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا مگر اس عورت کو جس کے آپ علیہ السلام مالک ہیں۔ امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند عورتوں کی جماعت میں بیعت کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ بیعت ان کاموں میں ہے جن کی تم استطاعت وطاقت رکھتی ہو تو میں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے نفس پر ہم سے زیادہ شفیق ورحم کرنے والے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بیعت کرلیں۔ سفیان کہتے ہیں یعنی ہم سے مصافحہ کرلیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا اور میری بات ایک عورت کیلئے میری سو عورتوں کے لیے بات کی طرح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬

ترجمہ: اے ایمان والو ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو) جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت (کے خیر وثواب سے) ایسے ناامید ہوگئے ہیں جیسے کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں ناامید ہیں۔

تفسیر: ⑬ ”یا یها الذین امنوا لا تتولوا قوما غضب الله علیهم“ اور وہ یہود ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ فقراء مسلمانوں میں سے چند لوگ یہود کو مسلمانوں کی خبریں دیتے تھے وہ اس کے ذریعے تعلق بناتے تھے، پھر ان کے پھل حاصل کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کیا۔ ”قد یئسوا“ یعنی یہ یہود لوگ۔ ”من الآخرة“ کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی ثواب وخیر ہو۔ ”کما یئس الکفار من اصحاب القبور“ یعنی جیسا کہ کفار ان لوگوں سے مایوس ہوگئے جو مر گئے اور قبروں میں چلے گئے۔ اس بات سے مایوس ہوئے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ اور ثواب ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفار جب قبروں میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید ہوگئے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آخرت سے نااُمید ہوئے جیسا کہ کفار نااُمید ہوئے جو مر گئے ہیں۔ پس انہوں نے آخرت کا معائنہ کرلیا ہے اور کہا گیا ہے جیسا کہ کفار اصحاب قبور سے نااُمید ہوگئے ہیں کہ وہ ان کی طرف لوٹیں گے۔

سُوْرَۃُ الصَّف

مدنی ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکی ہے اور اس کی چودہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ. فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۵) وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ. فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥

ترجمہ سب چیزیں اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں (قالاً یا حالاً) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں پھر جب اس فہمائش پر بھی) وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیا اور اللہ (کا معمول ہے) کہ وہ اپنے نافرمانوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا اور اسی طرح) وہ وقت بھی قابل تذکرہ ہے) جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ

مجھ سے جو پہلے تورات آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر وہ جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ (ان دلائل یعنی معجزات کی نسبت) کہنے لگے یہ صریح جادو ہے۔

تفسیر ❶ "**سبح لله ما فی السماوات وما فی الارض وهو العزیز الحکیم. (۲) یا یها الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون**" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں مؤمنین نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اعمال میں سے کون سا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم وہ کرتے اور اس میں اپنے مال و جان کو خرچ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "**ان الله یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا**" تو ان کو اس کے ذریعے اُحد کے دن آزمایا گیا تو وہ پیٹھ دکھا گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُتارا "**لم تقولون مالا تفعلون**"

❷ اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہداء بدر کے ثواب کی خبر دی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اگر ہماری اس کے بعد کوئی لڑائی ہوئی تو ہم اس میں اپنی کوشش کریں گے۔ پھر وہ اُحد کے دن بھاگے تو اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلائی۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ قتال کی شان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کوئی آدمی کہتا تھا میں نے قتل کیا ہے حالانکہ اس نے قتل نہیں کیا ہوتا تھا اور کہتا میں نے نیزہ مارا حالانکہ نیزہ نہیں مارا ہوتا تھا اور میں نے تلوار ماری حالانکہ اس نے تلوار نہیں ماری ہوتی تھی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن زید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ مؤمنین کی مدد کا وعدہ کرتے تھے حالانکہ وہ جھوٹے تھے۔

❸ "**کبر مقتا عند الله ان تقولوا**" اللہ تعالیٰ کا قول "**ان تقولوا**" رفع کی جگہ میں ہے۔ جیسے تیرا قول "**بئس رجلا اخوک**" ہے اور آیت کا معنی ہے یعنی یہ بات ناراضگی اور غضب میں اللہ کے ہاں بڑی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتے ہیں کہ تم کہو "**مالا تفعلون**" یعنی تم اپنے آپ سے کسی چیز کا وعدہ کرو، پھر تم اس کو پورا نہ کرو۔

❹ "**ان الله یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا**" یعنی وہ اپنی صفیں باندھتے ہیں قتال کے وقت اور اپنی جگہوں سے نہیں ہٹتے۔ "**کانهم بنیان مرصوص**" تحقیق وہ ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے ملا دی گئی ہو۔ پس اس میں کوئی شگاف اور خلل نہ ہو اور کہا گیا ہے سیسہ کے ذریعے مضبوط کی گئی ہو۔

❺ "**واذ قال موسٰی لقومه**" بنی اسرائیل سے۔ "**یا قوم لم تؤذوننی**" یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر آدر (پھولے ہوئے خصیوں والا) ہونے کا عیب لگایا۔ "**وقد تعلمون انی رسول الله الیکم**" اور رسول کی عزت واحترام کی جاتی ہے۔ "**فلما زاغوا**" حق سے مائل ہوگئے۔ "**ازاغ الله قلوبهم**" اس کو حق سے مائل کر دے گا۔ یعنی جب انہوں نے اپنے نبی کو ایذاء دے کر حق کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حق سے ہٹا دیا۔ "**والله لایهدی القوم الفاسقین**" زجاج

رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اس کو ہدایت نہ دیں گے جس کے بارے میں اللہ کے علم میں یہ بات سبقت کرچکی ہے کہ وہ فاسق ہے۔

⑥"واذ قال عیسٰی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللّٰہ الیکم مصدقا لما بین یدیّ من التوراۃ ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد" اور الف اس میں حمد میں مبالغہ کے لیے ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں ان میں سے ایک یہ کہ یہ فاعل سے مبالغہ ہے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کی حمد کرنے والے ہیں اور آپ علیہ السلام اللہ کی اپنے غیر سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور دوسری یہ کہ یہ مفعول کی طرف سے مبالغہ ہے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی تعریف کی گئی ہے ان کی عمدہ عادات وخصال کی وجہ سے اور آپ علیہ السلام کے ان سب سے مناقب زیادہ اور فضائل جامع اور ایسی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی تعریف کی جاتی ہے۔"فلما جاء ھم بالبیّنات قالوا ھذا سحر مبین"

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَی الْاِسْلَامِ. وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ. وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا. نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَی ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ⑭

ترجمہ: اور (واقعی) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مارکر) بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہی ہے جس نے (اس تمام نور کے لئے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا

دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے تا کہ اس (دین کو بقیہ) دینوں پر غالب کر دے (کہ یہی اہتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے اور وہ یہ کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ ہی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو جب ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (بنے) ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے (اور اس ثمرہ اخرویہ) کے علاوہ ایک اور ثمرہ دنیویہ) بھی ہے کہ تم اس کو بھی خاص طور پر پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی لہذا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ مومنین کو بشارت دے دیجئے اے ایمان والو تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے (ان) حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں اس کوشش کے بعد بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ منکر ہوئے سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے۔

تفسیر ⑦"ومن اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب وھو یدعی الی الاسلام واللہ لا یھدی القوم الظالمین

⑧یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون"

⑨"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون"

⑩"یا یھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم" ابن عامر رحمہ اللہ نے "تنجیکم" تشدید کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

"من عذاب الیم" یہ آیت نازل ہوئی جب انہوں نے کہا اگر ہم جانتے کہ اعمال میں سے کون سا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم اس کو کرتے اور اس کو تجارت کے مرتبہ میں کر دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ اس اللہ کی رضا اور جنت کے حصول اور آگ سے نجات کا نفع حاصل کریں گے۔ پھر اس تجارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

⑪"تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون

⑫یغفرلکم ذنوبکم ویدخلکم جنات تجری من تحتھا الانھار و مساکن طیبۃ فی جنّت عدن ذلک الفوز العظیم"

⑬"واخری تحبونھا" اور تمہارے لیے دوسری خصلت ہے تم اس آخرت کے ثواب کے ساتھ جلدی پسند کرتے ہو اور وہ خصلت "نصر من اللہ وفتح قریب" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ قریش کے خلاف مدد کرنا ہے اور فتح مکہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں فارس اور روم کی فتح مراد ہے۔

"وبشر المؤمنین" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) دُنیا میں مدد کی اور آخرت میں جنت کی۔ پھران کو دین کی مدد اور مخالفین سے جہاد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

⑭ "یا یھا الذین امنوا کونوا انصار اللّٰہ" اہل حجاز اور ابوعمرو نے "انصارا" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ "للّٰہ" لام اضافت کے ساتھ اور دیگر حضرات نے "انصار اللّٰہ" اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ کے فرمان "نحن انصار اللّٰہ" کی طرح۔ "کما قال عیسٰی ابن مریم للحواریین" یعنی تم اللہ کے دین کی مدد کرو حواریوں کی مدد کی مثل جب ان کو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا "من انصاری الی اللّٰہ" یعنی کون میرا مددگار ہوگا اللہ کے ساتھ۔ "قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ فآمنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور یہ اس وجہ سے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اُٹھایا گیا تو ان کی قوم تین فرقوں میں بٹ گئی۔ ایک فرقہ نے کہا وہ اللہ تھے خود بلند ہوگئے اور ایک فرقہ نے کہا اللہ کے بیٹے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا ہے اور ایک فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا ہے اور یہ مؤمنین تھے اور ہر فرقہ کے چند لوگ متبع ہوگئے۔ پس ان کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ پس دو کافر فرقے غالب آگئے مؤمنوں پر حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو مؤمن گروہ کافر پر غالب ہوگیا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین" غالب و بلند۔ ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں پس جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان کی حجت غالب ہوگئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَه

مدنی ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ. وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۳

ترجمہ سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں (قالاً یا حالاً) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے (عیبوں) سے پاک ہے زبردست حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے ایک پیغمبر بھیجا (جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت) کے پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے وہ علاوہ ان موجودین کے) دوسروں کے لئے بھی ان میں سے جو ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے وہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر (۱۔۲)......"یسبح للّٰہ ما فی السموات ......تا ...... بعث فی الامیین" یعنی عرب ان پڑھ اُمت تھے نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے۔ "رسولا منھم" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا نسب ان کا نسب ہے۔ "یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نہیں تھے مگر واضح گمراہی میں بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کی اعراب کی وجہ

۳ "و آخرین منھم" اور آخرین میں اعراب کی دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک جر ہے الامیین کی طرف لوٹاتے ہوئے اس کا مجاز وفی آخرین ہے اور دوسری نصب ہے ھاء اور میم کی طرف رد کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے قول "ویعلمھم"

میں ہے یعنی اوران میں سے دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں یعنی وہ مؤمنین جوان کا دین رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جب اسلام لے آئے تو ان میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان ایک اُمت ہیں اور علماء کا ان میں اختلاف ہے تو ایک قوم نے کہا وہ عجم ہیں اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے اور لیث کی مجاہد سے روایت ہے اور اس پر دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔

جب آپ علیہ السلام پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی۔ پس جب آپ علیہ السلام نے پڑھا "و آخرین منهم لما یلحقوا بهم" تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کون لوگ ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ پوچھا۔ کہتے ہیں اور ہم میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ کہتے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھا پھر کہا اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس ہو تو اس کو ان لوگوں میں سے چند لوگ حاصل کر لیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو اس کی طرف جاتا ایک مرد یا فرمایا کئی مرد بناء فارس میں سے حتیٰ کہ وہ اس کو حاصل کر لیتے اور عکرمہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ تابعین ہیں اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ تمام لوگ جو اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد داخل ہوئے اور یہ ابن ابی نجیح کی مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "لمّا یلحقوا بهم" یعنی ان کو نہیں پایا لیکن وہ ان کے بعد ہوں گے اور کہا گیا "لمّا یلحقوا بهم" یعنی فضل و مرتبہ میں پہلے لوگوں کے ساتھ اس لیے کہ تابعین صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کسی چیز کو نہ پا سکے۔ "وهو العزیز الحکیم"

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ④ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑤ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑥ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ⑦ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ. ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

ترجمہ: یہ رسول کے ذریعہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آنا) خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی

حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے غرض ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا (جیسے یہود ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیا کرتا (اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم باوجود اس حالت کے بھی اللہ کے مقبول ہیں تو) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلاشرکت غیرے اللہ کے مقبول (ومحبوب) ہو تو تم (اس کی تصدیق کے لئے) موت کی تمنا کر (کے دکھلا دو) اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف وسزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال کی آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ (موت ایک روز) تم کو آ پکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے (خدا کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے سب کیے ہوئے کام بتلا دے گا اور (سزا بھی دے گا) اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے) اور بیع وغیرہ کا فانی)

تفسیر ④ "ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء" یعنی اسلام اور ہدایت "واللّٰہ ذوالفضل العظیم"

⑤ "مثل الّذین حملّوا التوراۃ" یعنی اس کے ساتھ قائم ہونے اور اس عمل کے کرنے کے مکلف بنائے گئے۔ "ثم لم یحملوھا" جو اس میں ہے اس پر عمل نہیں کیا اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ "کمثل الحمار یحمل اسفارا" یعنی علم کی کتابیں اس کا واحد سفر ہے۔ فراء کہتے ہیں وہ بڑی کتابیں ہیں یعنی جیسے گدھے ان کتابوں کو اُٹھاتے ہیں اور جو اس میں ہے اس کو نہیں جانتے اور اس سے نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ اسی طرح یہود توریت پڑھتے ہیں اور اس سے نفع نہیں اُٹھاتے اس لیے کہ انہوں نے توریت کے احکام کی مخالفت کی ہے۔ "بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللّٰہ واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین" جن لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے یعنی وہ لوگ کہ اللہ کے علم میں سبقت کر گیا ہے کہ وہ ان کو ہدایت نہ دے گا۔

⑥ "قل یا یھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للّٰہ من دون النّاس" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "فتمنوا الموت" پس اپنے نفس پر موت کی بددُعا کرو۔ "ان کنتم صادقین" کہ تم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہو کیوں کہ موت تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گی۔

(⑦ـ⑧) ...... "ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللّٰہ علیم بالظالمین. قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ثم تردون الی عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون"

⑨ "یا یھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ" یعنی یوم یوم الجمعہ اللہ تعالیٰ کے قول "اورنی ماذا خلقوا من الارض" یعنی فی الارض کی طرح۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ کی تفسیر

اور اس نداء سے امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت اذان مراد ہے۔ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جمعہ کے دن پہلی اذان جب امام منبر پر بیٹھ جاتا، ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زوراء (جگہ کا نام) پر دوسری اذان کو زیادہ کیا۔ اعمش رحمہ اللہ نے "من یوم الجمعۃ" میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر حضرات نے میم کے پیش کے ساتھ اور اسی دن کا نام جمعہ رکھنے میں اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کو جمع کیا اور کہا گیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام اشیاء کے پیدا کرنے سے فارغ ہوئے تو اس دن میں تمام مخلوقات جمع ہو گئیں اور کہا گیا ہے اس دن میں جماعتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے اس دن میں لوگوں کے نماز کے لیے جمع ہونے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے پہلا شخص جس نے اس کا نام جمعہ رکھا کعب بن لوی ہے۔

ابوسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں پہلا شخص جس نے امابعد کہا کعب بن لوی ہے اور یہ پہلا شخص تھا جس نے جمعہ کا نام جمعہ رکھا اور اس کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا اور ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے جمعہ کی نماز قائم کی اور کہا گیا ہے کہ جمعہ کے دن کے نازل ہونے سے پہلے اور انہی لوگوں نے اس کا نام جمعہ رکھا اور کہنے لگے یہود کے لیے ایک دن ہے جس میں وہ ہر سات دن میں جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ کا ایک دن ہے۔ پس آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں جس میں ہم جمع ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں۔

پھر کہا کہ ہفتہ کا دن یہود کا ہے اور اتوار کا دن نصاریٰ کا پس تم اس کو عروبہ کے دن بنا لو تو وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے تو انہوں نے ان کو دو رکعت پڑھائیں اور ان کو نصیحت کی۔ پس انہوں نے اس کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں بعد میں آیت نازل کی۔ کعب سے روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لیے رحم کی دُعا کرتے تو میں نے ان کو کہا جب آپ رضی اللہ عنہ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ پر رحم کی دُعا کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہمیں ہزم بنت بنی بیاضہ کی زمین پر بقیع میں جمعہ پڑھایا۔ اس کو بقیع الخضمات کہا جاتا تھا۔ میں نے کہا آپ لوگ اس دن کتنے تھے؟ کہا چالیس اور بہر حال پہلا جمعہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھایا تو اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو قباء میں پڑاؤ ڈالا بنوعمرو بن عوف کے پاس اور یہ ربیع الاوّل بارہ تاریخ سوموار کا دن تھا جب چاشت کا وقت لمبا ہو گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے قباء میں سوموار، منگل، بدھ، جمعرات کا دن قیام کیا اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر ان کے درمیان سے نکلے جمعہ کے دن مدینہ کا ارادہ کر کے تو آپ علیہ السلام کو جمعہ کی نماز کا وقت بنوسالم بن عوف میں آ گیا، ان کی ایک وادی کے

درمیان میں اور تحقیق انہوں نے اس جگہ میں مسجد بنائی ہوئی تھی تو وہاں آپ علیہ السلام نے جمعہ پڑھایا اور خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول:

"فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" یعنی اس کے لیے چلو اور تیاری کرو اور یہاں سعی سے دوڑنا مراد نہیں اس سے مراد صرف تیاری اور عمل کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "واذا تولّٰی سعٰی فی الارض" اور کہا۔ "انّ سعیکم لشتّٰی" اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے "فامضوا الی ذکر اللّٰہ" اور اسی طرح یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! یہ قدموں سے سعی کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ ان کو روکا گیا ہے کہ وہ نماز کے لیے آئیں مگر ان پر سکینہ اور وقار ہو لیکن دلوں اور نیت اور خشوع کے ساتھ اور قتادہ رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں ہے "فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" فرمایا۔ پس سعی یہ ہے کہ تو اپنے دل اور عمل کے ساتھ دوڑے اور وہ اس کی طرف چلنا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قول "فلمّا بلغ معہ السعی" کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ پس جب وہ چلا اس کے ساتھ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی کی جائے تو تم اس کی طرف دوڑتے ہوئے نہ آؤ اور لیکن تم چلتے ہوئے آؤ اور تم پر وقار اور سکینہ لازم۔ پس جو تم پالو تو نماز پڑھو اور جو تم سے فوت ہو جائے تو اس کو مکمل کرلو۔ قولہ "الی ذکر اللّٰہ" یعنی نماز کی طرف اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" فرمایا وہ امام کی نصیحت ہے۔ "وذروا البیع" یعنی خرید و فروخت اس لیے کہ بیع کا اسم ان دونوں کو شامل ہے اور خرید و فروخت دوسری اذان کے وقت حرام ہوتی ہے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام کے نکلنے کے وقت اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب سورج کا زوال ہو جائے تو خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے۔ "ذٰلکم" جو ذکر کیا گیا ہے جمعہ میں حاضر ہونا اور بیع کو چھوڑنا۔ "خیر لکم" بیع و شراء سے۔ "ان کنتم تعلمون" اپنے نفس کی ضروریات کو اور تو جان لے کہ جمعہ کی نماز فرض عین ہے۔ پس ہر اس شخص پر فرض ہے جو عقل، بلوغ، آزادی، مذکر اور مقیم ہونے کی شرائط کا جامع ہو اور اس کو کوئی عذر بھی نہ ہو۔ پس جس نے جمعہ کو چھوڑ دیا وہ وعید کا مستحق ہے۔ بہرحال بچہ اور مجنون تو ان پر کوئی جمعہ فرض نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں اس کے اہل نہیں ہیں کہ ان پر ابدان کے فرض لازم ہوں، ان کے بدنوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے اور بالاتفاق عورتوں پر بھی جمعہ نہیں ہے۔

جمعہ کس پر واجب نہیں

محمد بن کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بنو وائل کے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا چھوڑنا کسی مسلمان کیلئے صحیح نہیں۔ سوائے عورت، بچے یا غلام کے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ غلاموں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

اور حسن، قتادہ اور اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس غلام پر واجب ہے جو تجارت کے لیے باہر نکلتا ہے اور اکثر کے نزدیک مسافر پر واجب نہیں ہے اور نخعی اور زہری رحمہما اللہ فرماتے ہیں مسافر پر واجب ہے جب وہ اذان سنے اور ہر وہ شخص جس کو مرض کا عذر ہو یا مریض کی دیکھ بھال کرتا ہو یا خوف ہو تو اس کے لیے جمعہ کو چھوڑنا جائز ہے اور اسی طرح اگر اس کو بارش اور کیچڑ کے عذر

سے چھوڑ دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے مؤذنوں کو بارش کے دن فرماتے تھے جب تو "اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ" کہے تو "حیّ علی الصلوٰۃ" نہ کہنا بلکہ کہنا "صلّوا فی بیوتکم" گھروں میں نماز پڑھو) تو لوگوں نے اس کو ناپسند سمجھا تو فرمایا اس کو اس نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہے اور جمعہ عزیمت ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم اپنے گھروں سے نکلو، پھر مٹی اور کیچڑ میں چلتے آؤ اور ہر وہ شخص جس پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں جب وہ حاضر ہو گیا اور امام کے ساتھ نماز پڑھ لی، جمعہ کی تو اس سے ظہر کا فرض ساقط ہو گیا لیکن اس کے ذریعے جمعہ کی تعداد مکمل نہ کی جائے گی مگر صاحب عذر شخص کیونکہ وہ حاضر ہو گیا تو اس سے جمعہ کی تعداد مکمل ہو جائے گی۔ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور آپ علیہ السلام منبر کی لکڑیوں پر تھے "کہ قوم جمعہ کو چھوڑنے سے باز آ جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیں گے۔ پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔" ابو الجعد یعنی ضمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین مرتبہ سستی کی وجہ سے جمعہ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔

جمعہ کہاں قائم کیا جائے گا

اور اہل علم کا جمعہ کے قائم کرنے کی جگہ میں اختلاف ہوا ہے اور ان لوگوں کی تعداد میں جن کی وجہ سے جمعہ منعقد ہو جائے گا اور اس مسافت میں جس سے جمعہ کے لیے آنا واجب ہے۔ بہر حال ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر بستی جس میں چالیس آدمی اہل کمال میں سے جمع ہو جائیں بایں طور کہ وہ آزاد، عاقل، بالغ ایسے مقیم ہوں جو وہاں سے سردیوں کو کوچ کرتے ہوں اور نہ گرمیوں کو مگر کسی ضرورت کے لیے جاتا ہو تو ان پر اس جگہ میں جمعہ قائم کرنا واجب ہے اور یہ عبید اللہ بن عبد اللہ اور عمر بن عبد العزیز کا قول ہے اور اسی کے امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ قائل ہیں اور ان حضرات نے کہا ہے کہ جمعہ نہیں منعقد ہو گا مگر اس صفت کے چالیس آدمیوں سے کم کے ساتھ اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ان چالیس کی تعداد کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ان میں والی ہو اور والی کا ہونا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ صرف مصر جامع میں جائز ہے اور اصحاب رائے کا قول ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار افراد سے جمعہ منعقد ہو جائے گا اور والی شرط ہے اور اوزاعی اور ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں تین کے ساتھ منعقد ہو جائے گا۔ جب ان میں والی موجود ہو اور حسن اور ابو ثور رحمہما اللہ فرماتے ہیں دو افراد کے ساتھ منعقد ہو جائے گا تمام نمازوں کی طرح اور ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بارہ افراد کے ذریعے منعقد ہو گا اور اس کے بستیوں میں قائم کرنے کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ جو قائم کیا گیا وہ مسجد عبد القیس میں بحرین کے مقام جواثی میں کیا گیا اور جب بندہ کسی ایسی بستی میں مقیم ہو جہاں جمعہ نہ قائم کیا جاتا ہو یا جنگل

میں مقیم ہوتو ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اگر ان کو جمعہ کی جگہ سے اذان پہنچتی ہو تو ان پر جمعہ میں حاضر ہونا لازم ہے اور اگر ان کو اذان نہ پہنچتی ہو تو ان پر جمعہ لازم نہیں اور یہ امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور شرط یہ ہے کہ ان کو آواز ایسے مؤذن کی پہنچے جو بلند آواز والا ہے ایسے وقت میں جب آوازیں خاموش اور ہوائیں تھمی ہوئی ہوں۔ پس ہر بستی جو جمعہ کی جگہ سے اتنی مقدار قریب ہو تو اس کے اہل پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر اس شخص پر واجب ہے جس کو رات گزارنے کے لیے اپنے گھر کا ٹھکانہ مل جائے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر اس شخص پر واجب ہے جو چھ میل کے فاصلہ پر ہو اور ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں چار میل پر اور مالک اور لیث رحمہما اللہ فرماتے ہیں تین میل پر۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیہات والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے قریب ہو بستی یا دور۔

اور ہر وہ شخص جس کو جمعہ کی نماز لازم ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھنے سے پہلے سفر کرے اور اصحاب رائے نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ زوال کے بعد سفر کرے جب وہ شہر سے وقت نکلنے سے پہلے جدا ہو جائے۔ بہرحال جب فجر کے طلوع ہونے کے بعد زوال سے پہلے سفر کرے تو جائز ہے مگر یہ مکروہ ہے مگر یہ کہ اس کا سفر کسی عبادت حج یا جہاد وغیرہ کا ہو اور ان میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ جب وہ جمعہ کے دن مقیم ہونے کی حالت میں صبح کرے تو سفر نہ کرے حتیٰ کہ جمعہ کی نماز پڑھ لے اور اس کے جواز پر دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک سو چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو یہ جمعہ کے دن میں موافق ہو گیا ہے تو آپ علیہ السلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم صبح کو چلے گئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر ان کو جا ملوں گا۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کو جائے؟ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہوا کہ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھوں، پھر ان کو جا ملوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تو وہ تمام خرچ کر دے جو زمین میں ہے تو تُو ان کے صبح جانے کی فضیلت کو نہ پہنچ سکے گا اور روایت کیا گیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سنا جس پر سفر کی ہیئت تھی کہہ رہا تھا اگر آج جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں نکلتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نکل جا کیونکہ جمعہ کسی کو سفر سے نہیں روکتا۔

جمعہ کے دن کی سنتوں اور فضیلتوں کے بیان میں

تحقیق جمعہ کے دن کی سنتوں اور اس کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں طور کی طرف نکلا تو میں کعب احبار رحمہ اللہ کو ملا تو ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو انہوں نے مجھے توریت سے باتیں بتائیں اور میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنائیں۔ پس ان حدیثوں میں سے جو میں نے ان کو کہیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اس

میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں زمین پر اُتارے گئے اور اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور اسی میں وفات پائی اور اس دن میں قیامت قائم ہوگی اور زمین کا ہر مویشی جمعہ کے دن چیختا ہے صبح کو سورج کے طلوع ہونے کے وقت قیامت کے خوف سے مگر جن و انس اور اس میں ایک گھڑی ہے نہیں پاتا اس کو مسلمان بندہ اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دے دیتے ہیں۔کعب رحمہ اللہ نے پوچھا یہ سال کے ایک دن میں ہوتی ہے۔میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پھر کعب نے توریت پڑھی۔کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پھر میں عبداللہ بن سلام کو ملا تو میں نے ان کو اپنی کعب احبار کے ساتھ مجلس کا بتایا اور جو میں نے جمعہ کے دن کے بارے میں ان کو بیان کیا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں وہ کون سی گھڑی ہے۔وہ جمعہ کے دن میں آخری گھڑی ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ جمعہ کے دن آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ بندہ اسی وقت نماز یا دُعا مانگ رہا ہو اور اس آخری گھڑی میں تو نماز نہیں پڑھی جاتی؟ تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہا جو کسی مجلس میں بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا ہو تو وہ نماز میں ہے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھ لے؟ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیوں نہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا پس وہ یہ ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی پر جمعہ کا دن آئے تو چاہیے کہ غسل کرے۔سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنا طاقت رکھے پاک ہو اور تیل لگائے اور اپنے گھر کی خوشبو لگائے پھر نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرے، پھر وہ نماز پڑھے جو اس پر فرض کی گئی ہے۔پھر جب امام کلام کرے تو خاموش ہو جائے تو اس کے اس دن اور دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور مسواک کیا اور خوشبو لگائی، اگر وہ اس کے پاس ہو اور اپنے اچھے کپڑوں میں سے پہنے، پھر نکلا حتیٰ کہ مسجد آیا، پھر لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگیں، پھر نماز پڑھی جو اللہ نے چاہا پڑھی اور جب امام نکلا تو خاموش ہوگیا تو یہ اس کے درمیان اور اس جمعہ کے درمیان جو اس سے پہلے تھا کفارہ ہوگا اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور تین دن کی زیادتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص نیکی لایا تو اس کے لیے اس کا دس گنا ہے۔

اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص جمعہ کے دن غسل کا حکم کرے اور خود غسل کرے اور جلدی کا حکم کرے اور خود جلدی کرے اور پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام کے قریب ہو جائے اور توجہ سے سنے اور لغو کام نہ کرے تو اس کے ہر قدم پر ایک سال کا عمل اس کے روزوں اور قیام کا اجر ہوگا۔ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر فرشتے کھڑے ہوتے ہیں، وہ لوگوں پر ان کے مراتب لکھتے ہیں جو پہلے آئیں ان کا زیادہ، پس جب امام نکلتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ خطبہ کو

سنتے ہیں اور نماز کی طرف جلدی کرنے والا ایک اونٹ ہدیہ کرنے والے کی طرح ہے۔ پھر جو اس سے بعد ہے وہ ایک بیل ہدیہ کرنے والے کی طرح، پھر جو اس کے بعد ہے وہ بکری ہدیہ کرنے والے کی طرح، پھر جو اس کے بعد ہے وہ مینڈھا ہدیہ کرنے والے کی طرح حتیٰ کہ مرغی اور انڈے کو بھی ذکر کیا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا. قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ. وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪

ترجمہ پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو اور بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وقرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

تفسیر ⑩ "فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الارض" یعنی جب نماز سے فارغ ہو تو زمین میں تجارت کے لیے اور اپنی ضروریات میں تصرف کرنے کے لیے پھیل جاؤ۔ "وابتغوا من فضل اللّٰہ" یعنی رزق اور یہ امر اباحت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذا احللتم فاصطادوا" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اگر تو چاہے تو نکل اور اگر چاہے تو بیٹھ جا اور اگر تو چاہے تو عصر تک نماز پڑھ اور کہا گیا ہے کہ "فانتشروا فی الارض" دُنیا طلب کرنے کے لیے نہیں ہے لیکن مریض کی عیادت اور جنازہ میں حاضر ہونے اور اخ فی اللہ کی زیارت کے لیے ہے اور حسن، سعید بن جبیر اور مکحول رحمہم اللہ فرماتے ہیں "وابتغوا من فضل اللّٰہ" یہ علم طلب کرنے کے لیے ہے۔ "واذکروا اللّٰہ کثیر العلّکم تفلحون"

⑪ "واذا رأوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما" حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک تجارتی قافلہ جمعہ کے دن آیا اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو سارے لوگ چلے گئے سوائے بارہ افراد کے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کی "واذا رأوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا" اور اس حدیث سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو بارہ افراد کے ساتھ جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان بارہ افراد کے ساتھ جمعہ کو قائم کیا تا کہ یہ ان کی دلیل بنے اتنی تعداد کی شرط لگانے پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں کہا ہے کہ مسجد میں صرف آٹھ افراد باقی رہے اور حسن اور ابو مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کو بھوک اور غلہ کی قیمت بڑھ جانے کے مسائل پہنچے تو دحیہ بن خلیفہ شام سے زیتون کے تیل

کی تجارت کرنے آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے۔ پس جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو اس کی طرف بقیع میں کھڑے ہوئے اور ڈرے کہ لوگ ان سے سبقت نہ کر جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک تھوڑی سی جماعت باقی رہ گئی۔ ان میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تم سب چلے جاتے اور کوئی باقی نہ رہتا تو وادی تم پر آگ بہاتی۔

اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے جب دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ شام سے سامان تجارت لائے اور وہ جب آتے تھے تو سارے مدینہ کے لوگ ان کے پاس آتے اور وہ جب آتے تو عام ضرورت کی چیزیں گندم، آٹا وغیرہ لاتے تو وہ زیت کے پتھروں کے پاس سامان اُتارے اور یہ جگہ ہے مدینہ کے بازار میں پھر باجا بجایا جاتا تاکہ لوگوں کو ان کے آنے کی اطلاع ہوجائے تو لوگ ان سے خریداری کرنے نکل پڑتے تو وہ جمعہ کے دن آئے اور یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کی بات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے تو لوگ اس کی طرف نکلے تو مسجد میں صرف بارہ مرد و عورتیں باقی رہ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں کتنے لوگ باقی بچ گئے ہیں؟

انہوں نے فرمایا بارہ (۱۲) مرد و عورتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ نہ ہوتے تو تم پر آسمان سے نشان زدہ پتھر برسائے جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور لھو سے باجا مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ تجارتی قافلہ جب مدینہ آتا تو لوگ اس کا باجوں اور تالیوں سے استقبال کرتے اور اللہ تعالیٰ کا قول "انفضّوا الیھا" ضمیر کو تجارت کی طرف لوٹایا ہے اس لیے کہ وہ اہم ہے۔ علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے یا بیٹھ کر؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو نے نہیں پڑھا "وترکوک قائما" (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ دیا)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبے دیتے تھے کھڑے ہو کر ان دونوں کے درمیان بیٹھنے کا فاصلہ کرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور اسی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ آپ علیہ السلام کی نماز معتدل اور آپ علیہ السلام کا خطبہ معتدل ہوتا تھا اور خطبہ جمعہ کی نماز میں فرض ہے اور واجب ہے کہ کھڑا ہو کر دو خطبے دے اور کم وہ مقدار جس پر خطبہ کا اسم واقع ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجے اور اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرے۔

یہ تین چیزیں دونوں خطبوں میں فرض ہیں اور واجب ہے کہ پہلے خطبہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھے، دوسرے میں مسلمانوں کے لیے دُعا کرے۔ پس اگر ان پانچ میں سے ایک بھی چھوڑ دیا تو اس کا جمعہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر ایک دفعہ تسبیح یا تحمید یا تکبیر کہہ دی تو اس کو کفایت کر جائے گی اور یہ مقدار اس پر خطبہ کا نام واقع نہیں ہوتا اور بندہ کو خطبہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ عبداللہ بن رافع سے روایت ہے کہ مروان نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا تو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جمعہ کی نماز پڑھائی تو سورۃ الجمعہ پہلی رکعت میں پڑھی اور دوسری میں "اذا جاء ک المنافقون" پڑھی تو عبیداللہ نے کہا جب وہ نماز سے پھرے تو میں ان کے پہلو میں چلا اور میں نے کہا تحقیق آپ رضی اللہ عنہ نے وہ دوسورتیں پڑھی ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سنا کہ ان دونوں کو نماز میں پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں پڑھتے سنا ہے۔

ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سورۃ الجمعہ کے بعد کیا پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا آپ علیہ السلام "هل اتاک حديث الغاشية" پڑھا کرتے تھے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں اور جمعہ میں "سبح اسم ربك الاعلٰى" اور "هل اتاک حديث الغاشية" پڑھتے تھے اور بسا اوقات یہ دونوں نمازیں ایک دن میں جمع ہو جاتیں تو ان دونوں میں یہی دوسورتیں پڑھتے اور جمعہ کے جائز ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔

ظہر کا وقت سورج کے زوال سے عصر کا وقت داخل ہونے تک اور تعداد اور امام اور خطبہ اور دار اقامت۔ پس جب ان پانچ شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو واجب ہے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھیں اور امام کے لیے جائز نہیں کہ تعداد کے جمع ہونے سے پہلے خطبہ کی ابتداء کرے اور وہ چالیس کی تعداد ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔ پس اگر وہ جمع ہو جائیں اور ان کو خطبہ دے پھر وہ نماز شروع کرنے سے پہلے چلے جائیں یا تعداد میں سے ایک شخص کم ہو جائے تو ان کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں ہے بلکہ ظہر پڑھائے اور اگر ان کے ساتھ نماز کو شروع کر دیا پھر وہ چلے گئے۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں اصح یہ ہے کہ چالیس کا باقی رہنا نماز کے آخر تک شرط ہے۔ جیسا کہ وقت کا باقی رہنا نماز کے آخر تک شرط ہے اور اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو گیا امام کے سلام سے پہلے تو باقیوں پر واجب ہے کہ چار رکعت نماز پڑھیں اور اس میں دوسرا قول ہے اگر امام کے ساتھ دو افراد باقی رہ جائیں تو اس کو جمعہ مکمل کرے اور کہا گیا ہے اگر اس کے ساتھ ایک باقی رہ جائے تو اس کو جمعہ مکمل کرے اور مزنی رحمہ اللہ کے نزدیک جب وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد چلے جائیں تو اس کو جمعہ مکمل کرے اور اگر امام اکیلا باقی رہ جائے تو اگر پہلی رکعت میں ہو تو اس کو چار مکمل کرے۔ اگرچہ تعداد میں سے ایک کم ہوا ہو اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس تعداد کے بارے میں فرمایا ہے جس کی انہوں نے شرط لگائی ہے مسبوق کی طرح۔ جب وہ امام کے ساتھ جمعہ کی ایک رکعت پالے تو اس کو جمعہ کی نماز مکمل کرے اور اگر ایک رکعت سے کم پائے تو اس کو چار مکمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "قل ما عند الله خير من اللهو و من التجارة" یعنی جو اللہ کے پاس ہے نماز پر ثواب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے پر وہ لھو اور تجارت سے بہتر ہے۔ "والله خير الرازقين" اس لیے کہ وہ رزق کو وجود دینے والا ہے۔ پس تم اسی سے سوال کرو اور اسی سے رزق طلب کرو۔

سُوْرَۃُ الْمُنَافِقُوْن

مدنی ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ م وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ. وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ① اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. اِنَّهُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ③

ترجمہ جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس میں تو ان کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو اپنی جان و مال بچانے کے لئے سپر بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال برے ہیں (اور ہمارا یہ کہنا کہ ان کے اعمال بہت برے ہیں اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں ایمان لائے پھر (کلمات کفریہ کہہ کر) کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

تفسیر ① "**اذا جاء ک المنافقون**" یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی۔ "**قالوا نشهد انک لرسول اللّٰه واللّٰه یعلم انک لرسوله واللّٰه یشهد ان المنافقین لکاذبون**" اس لیے کہ انہوں نے جو ظاہر کیا اس کا خلاف دل میں چھپایا ہے۔

② "**اتخذوا ایمانهم جنّة**" ڈھال۔ "**فصدوا عن سبیل اللّٰه**" لوگوں کو جہاد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکا ہے۔ "**انهم ساء ما کانوا یعملون**"

③ "**ذلک بانهم اٰمنوا**" زبان سے اقرار کیا جب مؤمنوں کو دیکھا۔ "**ثم کفروا**" جب مشرکین کی طرف تنہائی اختیار کی۔ "**فطبع علی قلوبهم**" کفر کی "**فهم لا یفقهون**" ایمان کو۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ. وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ. يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ. هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿4﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿5﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ. لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿6﴾

ترجمہ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو (شان وشوکت کی وجہ سے) ان کے قد وقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں سن لیں گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے سے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں ہر غل پکار کو (خواہ کسی وجہ سے ہو) اپنے اوپر پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے خدا ان کو غارت کریں (دین حق سے) کہاں پھرے جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس نصیحت اور تحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہیں بے رخی کرتے ہیں (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا۔

تفسیر 4 "واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشبٌ مسنّدۃ" "اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد وقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ بات کہیں تو آپ ان کی بات سن لیں گے گویا وہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے سہارے لگائی ہوئی) کھڑی ہیں۔"

"تعجبک" یعنی قد آور ہیں، رنگ شگفتہ ہیں، دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ "وان یقولوا" اور اگر وہ کچھ بات کریں تو آپ ان کی بات سنیں یعنی سچی جانیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ابن اُبی قد آور اور فصیح اللسان تھا۔ جب وہ بات کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سنتے تھے۔ "کانّھم خشب مسنّدۃ" حالانکہ وہ دیوار کے سہارے سے کھڑی ہوئی لکڑیاں ہیں، علم ومعرفت اور عقل سلیم سے خالی، کھوکھلی۔

"یحسبون کل صیحۃ علیھم، ھم العدوّ فاحذرھم، قاتلھم اللہ انّی یؤفکون"...... "وہ ہر غل پکار کو اپنے اوپر پڑنے والی خیال کرتے ہیں (خواہ وہ پکار کسی وجہ سے ہو) یہی لوگ (تمہارے پکے) دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو، ان کو خدا غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔"

"یحسبون" یعنی ان کے دل چونکہ رعب زدہ ہیں، اس لیے ہر پکار اور اونچی آواز کو اپنے اوپر ٹوٹ پڑنے والی خیال کرتے ہیں۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر نہ ہوجائے جس کی وجہ سے ان کا خون مباح

کر دیا جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس لیے لشکر میں جو اونچی آواز سنائی دیتی ہے، مثلاً کوئی کسی کو پکارتا ہے یا کوئی جانور چھوٹ کر بھاگ پڑتا ہے یا گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈا جاتا ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے قتل اور گرفتاری کا حکم ہو گیا اور اب ان کو پکڑا جائے گا۔ "هم العدو" یہ منافق پکے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ ہوشیار رہنے اور احتیاط رکھنے کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ ان کی صحبت میں نہ ہو، ان کو ساتھ نہ رکھو، ان سے بے خوف نہ رہو کیونکہ جو شخص ہر وقت اپنی جان کے اندیشے میں رہے اور خوفِ جان ہر وقت اس کو لگا رہے وہ یقیناً پکا دشمن ہوتا ہے اور جس کی طرف سے اس کو خوف لگا رہتا ہے اس کو دُکھ پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

"قاتلهم الله" ان پر اللہ کی لعنت۔ بظاہر یہ بدعا ہے اور خود اپنی ذات سے منافقوں پر لعنت کرنے کی طلب ہے لیکن حقیقت میں یہ مسلمانوں کو لعنت اور بددعا کرنے کی تعلیم ہے۔ "انّٰى يؤفكون" یعنی وہ کس طرح حق سے پھیرے جاتے ہیں۔
ابن جریر، قتادہ اور ابن المنذر رنے عکرمہ کا یہی تشریحی قول نقل کیا ہے، اس قصہ میں ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے کہ مسلمانوں نے عبداللہ بن ابی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استغفار کرنے کی درخواست کرے مگر اس نے گردن نیوڑائی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

۵ "واذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لوّوا رءُ وسهم ورايتهم يصدون وهم مستكبرون

۶ سوآءٌ عليهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم، انّ الله لا يهدى القوم الفٰسقين"

"لوّوا رء وسهم" یعنی وہ بار بار متواتر اعراض کرتے اور غرور سے سر پھیر لیتے ہیں۔ "ورايتهم" مسلمانوں نے منافقوں سے جو کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے دعائے مغفرت کر دیں۔ اس قول کے وقت جو لوگ حاضر تھے، یہ خطاب انہی سے ہے۔ "يصدّون" یہ صدود سے مشتق ہے یعنی استغفار سے روگردانی کرتے ہیں۔ "وهم مستكبرون" یعنی عذر خواہی سے غرور کرتے ہیں۔ "سوآء عليهم" ابن المنذر رنے بروایت عروہ ومجاہد وقتادہ رحمہم اللہ بیان کیا کہ جب آیت "استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرّة فلن يغفر الله لهم" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ستر سے زیادہ بار دعائے مغفرت کروں گا۔ اس پر آیت "سوآء عليهم" نازل ہوئی۔
ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھیں، پھر فرمایا: اللہ نے تیری "بات" کی تصدیق کر دی۔ محمد بن اسحٰق اور دوسرے علماء سیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور ان کا سپہ سالار اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ حارث بن ضرار ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر مدینہ میں اپنا جانشین بقول محمد بن عمرو وابن سعد حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور ابن ہشام کے قول پر حضرت ابوذر غفاری کو جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کی جمعیت ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔
اس لشکر میں مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجروں کے تھے اور دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور باقی انصار کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیوی مال کے لالچ میں بہت سے منافق بھی ہو گئے۔ بنی مصطلق

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ مریسیع کے چشمہ پر جو قدید کی طرف سے سمت ساحل پر تھا، ہوا۔ حارث نے لڑائی کی تیاری کر لی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف بستہ ہو گئے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق منادی کر دی کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دو تمہاری جانیں اور مال محفوظ رہیں گے۔

اس کے بعد طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی اور مڈ بھیڑ ہو گئی، خوب لڑائی ہو گئی۔ بنی مصطلق میں سے جن کو (بتقدیر الٰہی) مارا جانا تھا وہ مارے گئے، باقی شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لیا اور اللہ نے آپ کو مال غنیمت عطا فرمایا۔ ابھی لوگ اس چشمہ پر فروکش تھے کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بنی غفار کے قبیلہ کا ایک مزدور تھا جو آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتا تھا، اس کا نام جہجاہ بن سعید تھا۔ سنان بن وبرہ جہنی سے جہجاہ کا ٹکراؤ ہو گیا۔ قبیلہ جہنیہ، قبیلہ عوف بن خزرج کا حلیف تھا، دونوں لڑ پڑے، جہجاہ نے سنان کو اتنا زخمی کر دیا کہ خون بہنے لگا۔ سنان نے گروہ انصار کو مدد کے لیے پکارا اور غفاری نے گروہ مہاجرین کو بلایا۔ طرفین میں سے ایک گروہ جمع ہو گیا اور ہتھیار نکل آئے۔ مہاجرین کی طرف سے ایک آدمی نے جس کو جعال کہا جاتا تھا جہجاہ کی مدد کی۔ قریب تھا کہ ایک بڑا فتنہ بپا ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے اور فرمایا، یہ کیا جاہلیت (کے دور) کی پکار مچا رکھی ہے، لوگوں نے واقعہ کی اطلاع دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو یہ فتنہ ہے۔ یعنی شریعت میں مذموم ہے، آدمی کو اپنے بھائی کی روک کرنی چاہیے خواہ اس کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روک دے، یہی اس کی مدد ہے اور مظلوم ہو تو اس کی حمایت کرے۔ اس کے بعد مہاجرین کے کچھ لوگوں نے حضرت عبادہ بن صامت اور دوسرے انصاریوں سے گفتگو کی اور انہوں نے سنان سے بات کی۔ آخر سنان اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی سلول اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس دس منافق بھی بیٹھے ہوئے تھے جن میں من جملہ مالک، سوید، قاعس، اوس بن قیظی، زید بن صلعت، عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر بھی تھے۔ حضرت زید بن ارقم بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ ابن ابی نے کہا کیا ان لوگوں نے یہ یہ حرکت کی کہ اب ہم پر فخر کرنے اور ہماری بستیوں میں ہم سے مقابلہ کرنے لگے۔ ہماری اور ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کہاوت ہے، اپنے کتے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کر کہ تجھے کاٹ کھائے۔ خدا کی قسم! جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت میں اونچا ہو گا وہ ذلیل کو نکال کر باہر کر دے گا۔ اونچی عزت والا، اس نے اپنے آپ کو کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کہا (نعوذ باللہ) پھر اپنی قوم کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا یہ سب کچھ تم نے کیا۔ تم نے ان کو اپنے شہروں میں اُتارا اور اپنا مال بانٹ کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر تم جعال (کو دینے) سے رُک جاتے اور بچا ہوا کھانا نہ دیتے تو یہ لوگ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہو جاتے اور تمہاری بستیوں سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جاتے، اب بھی ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا وقتیکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے ہٹ جائیں۔

حضرت زید بن ارقم نے کہا خدا کی قسم! تو اپنی قوم میں ذلیل، حقیر اور قابل نفرت ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا داد عزت کے مالک ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں محبوب ہیں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا خاموش ہو جا، میں تو یونہی مذاق سے کہہ رہا تھا۔ حضرت

زید بن ارقم نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اور چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، پھر فرمایا: لڑکے شاید تو نے اس پر دروغ بندی کی۔ حضرت زید نے کہا نہیں، خدا کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خود سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تیرے سننے میں کچھ غلطی ہوئی۔ حضرت زید نے کہا، نہیں یا رسول اللہ (میرے سننے میں غلطی بھی نہیں ہوئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تجھے کچھ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ! (کچھ اشتباہ بھی نہیں ہوا) لشکر میں عبداللہ کی یہ بات پھیل گئی۔ سوائے ابن ابی کی اس بات کے لوگوں میں اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ کچھ انصاری حضرت زید کو ملامت کرنے لگے کہ تو نے اپنی قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور جو بات اس نے نہیں کی تھی تو نے وہ بات اس کی طرف منسوب کر دی، یہ تو نے بڑی بے جا حرکت کی اور رشتہ داری کو منقطع کیا۔

حضرت زید نے جواب دیا خدا کی قسم! جو کچھ اس نے کہا تھا میں نے خود سنا تھا، خدا کی قسم (سارے قبیلہ) خزرج میں میرے باپ کو عبداللہ بن ابی سے زیادہ کسی سے محبت نہیں تھی، اگر میں اپنے باپ سے بھی یہ بات سنتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ضرور نقل کرتا۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسا کلام ضرور نازل فرمائے گا جس سے میری بات کی تصدیق ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے، میں اس کی گردن مار دوں۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ وہ ابن ابی کا سر کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ ایک روایت میں عباد بن بشر کی جگہ محمد بن مسلمہ کا نام آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے یہ اجازت دی، لوگ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (کوئی ان کا ساتھ نہ دے) لیکن کوچ کرنے کا اعلان کر دو (یہی مناسب ہے) یہ وقت ایسا تھا کہ (معمولاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سخت گرمی کا وقت تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سخت گرمی کے وقت روانہ نہیں ہوتے تھے بلکہ) ٹھنڈا وقت ہو جاتا تو روانہ ہوتے تھے۔ لشکر والوں کو کچھ پتہ بھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ سامنے سے برآمد ہو گئی (مجبوراً) لوگ بھی روانہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جو بات پہنچی ہے کیا تم نے وہ کہی تھی؟ ابن ابی نے کہا اس خدا کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے، میں نے اس میں سے کچھ نہیں کہا، زید قطعاً جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن ابی اپنی قوم میں بڑا سردار (مانا جاتا) تھا۔ اس کے ساتھیوں نے جو انصار تھے اور وہاں موجود تھے، عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ممکن ہے اس لڑکے کو کچھ اشتباہ ہو گیا ہو۔ جو بات ابن ابی نے کہی ہو وہ اس کو محفوظ نہ رہی ہو۔ غرض ابن ابی کے عذر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور انصار کی طرف سے زید پر ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو جھوٹا قرار دے دیا۔

زید اپنے چچا کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا نے کہا میں (تم کو جھوٹا قرار دینا) نہیں چاہتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سارے لوگوں نے تمہاری تکذیب کر دی اور تم سے متنفر ہو گئے۔ زید کا قاعدہ تھا کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ساتھ چلتے تھے لیکن اس بات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے جھجکنے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ آپ سے ملے۔ ابن اسحٰق نے سعد کی بجائے اسید بن حضیر کا نام ذکر کیا ہے اور کہا "السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "وعلیک السلام ورحمة الله و برکاته" سعد (یا اسید) نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایسے ناگوار وقت میں روانہ ہوئے ہیں کہ ایسے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی تھی۔ سعد نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسا ساتھی؟ فرمایا: ابن ابی کہتا ہے کہ جب وہ مدینے لوٹ کر جائے گا تو بڑی عزت والا، وہاں سے بڑے ذلیل آدمی کو نکال دے گا۔ سعد نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو اس کو نکال دیں، وہ بڑا ذلیل ہے اور آپ بڑی عزت والے ہیں۔ عزت تو اللہ کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مؤمنوں کے لیے ہے۔ کچھ دیر کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے نرمی کیجئے۔

یا رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کو مدینے میں لایا گیا تھا، اس زمانے میں اس کی قوم والے اس کو ہار پہنانے (اور بادشاہ بنانے) کے لیے ہار پرو رہے تھے، جس جس کے پاس کوئی پوتھ تھا وہ ہار پرونے کے لیے آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے یوشع یہودی کے کسی کے پاس کوئی پوتھ نہیں بچا تھا۔ یوشع جانتا تھا کہ خزرج والوں کو ابن ابی کی تاج پوشی کے لیے پوتھ کی ضرورت ہے، اس لیے اس نے ان لوگوں سے پوتھ کی زیادہ قیمت لی، یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ آپ کو یہاں لے آیا۔ ابن ابی نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو اپنے لیے حکومت سے محرومی کا سبب سمجھا اور) خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے اس کی حکومت چھین لی گئی۔ ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو جب اس قول کی اطلاع ملی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اس بات کی وجہ سے جو ابن ابی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے۔ ابن ابی کو آپ قتل کر دینا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں خود اس کا سر لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اتنی جلدی پیش کر دوں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اُٹھنے بھی نہ پائیں گے۔ خدا کی قسم! خزرج والے خوب جانتے ہیں کہ سارے خزرجیوں میں کوئی بھی اپنے والدین کا اتنا اطاعت گزار نہیں ہے جتنا میں ہوں، اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کرنے پر مامور کیا اور اس نے قتل کر دیا تو مجھے میرا نفس اجازت نہیں دے گا کہ میرے باپ کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرے اور میں اس کو یوں ہی چھوڑ دوں (لامحالہ میں اس کو قتل کر دوں گا) تو کافر کے عوض مؤمن کو قتل کر کے میں دوزخی ہو جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معافی (انتقام سے) افضل و اعظم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عبداللہ میرا ارادہ تو (تمہارے باپ کو) قتل کرانے کا نہیں ہے، نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے، جو لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہیں، ہم تو ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کھاڑی کے رہنے والوں نے ابن ابی کو تاج پہنانے پر اتفاق کر لیا تھا لیکن جب اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہاں

لے آیا تو اس کو پست کر دیا اور ہم کو آپ کی وجہ سے سر بلند فرمایا۔ اب بھی کچھ لوگ اس کے آس پاس گھومتے اور ان پچھلی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں ان کو اللہ نے مغلوب کر دیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو لے کر روانہ ہو گئے، دن بھر چلتے چلتے شام ہو گئی، پھر رات بھر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دن چڑھ گیا، جب دھوپ سے تکلیف ہونے لگی تو ایک جگہ اُتر پڑے اور ٹھہر گئے، لوگ فوراً زمین کو چھوتے ہی (یعنی اُترتے ہی) بیتاب ہو کر سو گئے (گویا سوتے میں گر پڑے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (روانگی میں عجلت) اس وجہ سے کی تا کہ لوگوں میں ابن ابی کے قول کا جو تذکرہ ہو رہا تھا اس سے لوگ باز رہیں (اور ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنے کا موقع نہ رہے) اس کے بعد پچھلے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کر دیا، یہاں تک کہ چشمہ بقاء تک جو نقیع کے بالائی جانب علاقہ حجاز میں واقع تھا، پہنچ کر اُتر پڑے۔ مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے کے قریب پہنچے تو ایک طوفانی ہوا ایسی اُٹھی کہ سوار بھی اس کی وجہ سے ریت میں دفن ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طوفان ایک منافق کی موت کے لیے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق مر گیا۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے جب طوفان آیا تو لوگوں نے کہا یقیناً مدینہ میں کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اور وہاں ہمارے بال بچے ہیں (ہم کو ان کی فکر ہے) عیینہ بن حصن فزاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مقررہ مدت کے لیے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا اور معاہدے کی مدت ختم ہونے والی تھی (اس لیے لوگوں کا خیال ہوا کہ کہیں عیینہ بن حصن نے مدینہ پر حملہ کر دیا ہو)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی بات (اندیشہ کی) نہیں ہے۔ مدینہ کی ہر گھاٹی پر ایک فرشتہ محافظ موجود ہے کوئی دشمن مدینے میں داخل نہیں ہو سکتا، تم ہی داخل ہو گے۔ واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک بڑا منافق مر گیا، اسی وجہ سے یہ طوفانی ہوا چلتی تھی، اس کے مرنے کا منافقوں کو سخت غم ہوا تھا کیونکہ وہ منافقوں کا پشت پناہ تھا، یہ مرنے والا زید بن رفاعہ بن تابوت تھا۔

محمد بن عمرو نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ زوال آفتاب تک آندھی بہت تیز رہی، زوال کے بعد سکون ہو گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت نے اس روز ابن ابی سے فرمایا، تیرا گہرا دوست زید بن رفاعہ بن تابوت مر گیا، جس کے مرنے سے اسلام اور اہل اسلام کی فتح ہوئی۔ ابن ابی نے کہا افسوس وہ میرا (دوست ہی) تھا۔ ابو ولید یہ تو بتاؤ کہ تم کو کس نے اطلاع دی؟ حضرت عبادہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ابھی وہ مر گیا۔ ابن ابی بڑا پشیمان، پریشان اور غمگین ہوا۔ محمد بن عمرو نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ اونٹوں (کے گلے) میں سے گم ہو گئی، مسلمان ہر طرف اس کو تلاش کرنے لگے، ایک منافق تھا زید بن صلت جو انصار کی اس جماعت میں شامل تھا جس میں عبادہ بن بشر بن وقس اور اسید بن حضیر شامل تھے، زید بن صلت نے پوچھا، یہ لوگ ہر سمت کہاں جا رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی ہے، اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ کہنے لگا جہاں اونٹنی ہو وہ جگہ اللہ ان کو بتا کیوں نہیں دیتا؟ مسلمانوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے کہا: دشمن خدا! تجھ پر خدا کی مار تو منافق ہو گیا۔

حضرت اسید بن حضیر بولے مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا فعل پسند ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا کی قسم! میں برچھا تیرے آر پار کر دیتا، جب یہ نفاق تیرے دل میں تھا تو ہمارے ساتھ نکل کر کیوں آیا تھا؟ کہنے لگا میں تو دنیوی مال کی طلب میں آیا تھا۔ خدا کی قسم! محمد اس اونٹنی سے کہیں بڑی آسمانی باتوں کی خبر تو ہم کو دیتے ہیں (اونٹنی کی کوئی خبر نہیں) مسلمانوں نے کہا: خدا کی قسم! ہماری کبھی تجھ سے (ملاپ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور نہ کسی ٹیلے کے سائے میں ہم تیرے ساتھ بیٹھیں گے، اگر ہم کو تیرے دل کی حالت معلوم ہوتی تو تیرے ساتھ ہی نہ رہتے، اس کے بعد زید کود کر بھاگ پڑا، اس کو ڈر لگا کہ مسلمان مجھ پر حملہ کر دیں گے، مسلمانوں نے اس کا سامان پھینک دیا۔

زید ساتھیوں سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر پناہ گزین ہو گیا۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لے کر آ گئے (اور اونٹنی کی اطلاع دے دی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اور وہ منافق سن رہا تھا) منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی اور اللہ نے ان کی اونٹنی کا مقام نہیں بتایا، باوجودیکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو اونٹنی کی گم شدگی سے بہت بڑی باتیں بتایا کرتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) علم غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور اللہ نے اب مجھے اونٹنی کا مقام بتا دیا ہے، تمہارے سامنے گھاٹی کے اندر اونٹنی موجود ہے اس کی مہار ایک درخت میں پھنس گئی ہے تم اسی طرف جاؤ حسب الحکم لوگ وہاں جا کر اونٹنی کو لے آئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ منافق نے جب اونٹنی کو آتے دیکھ لیا تو پشیمان ہوا اور فوراً تیزی کے ساتھ ان ساتھیوں کے پاس آیا جن کے ساتھ وہ پہلے تھا، آ کر دیکھا کہ اس کا سامان پھینک دیا گیا ہے اور لوگ سب اپنی جگہ بیٹھے ہیں، کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا ہے۔ جب وہ منافق ان حضرات کے قریب آنے لگے تو انہوں نے کہا ہمارے پاس نہ آنا، کہنے لگا: مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، یہ کہہ کر قریب آ گیا اور بولا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی یہاں سے اُٹھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میری بات کی اطلاع دی جو میں نے یہاں کہی تھی؟ سب نے جواب دیا نہیں، خدا کی قسم! ہم میں سے تو کوئی اپنی جگہ سے اُٹھا ہی نہیں، کہنے لگا: میری کہی ہوئی بات تو (یہاں) لوگوں کے پاس ہی رہی اور (وہاں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی۔

پھر زید نے واقعہ نقل کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ کہنے لگا، پہلے مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں شک تھا لیکن اب شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ گویا پہلے میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا، اب اسلام لایا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر معافی کا طلبگار رہتا کہ وہ (اللہ سے) تیرے لیے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دُعائے مغفرت کی۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞

ترجمہ یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس (جمع) ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور (ان کا یہ کہنا جہل محض ہے کیونکہ) اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں (اور) یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا) اور (یہ کہنا جہل محض ہے بلکہ) اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ اور رسول کے) لیکن منافقین جانتے نہیں اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد اور اطاعت سے (مراد اس سے مجموعہ دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں اور منجملہ طاعت کے ایک طاعت عالیہ کا حکم کیا جاتا ہے کہ) ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ) کے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ (بطور تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کیوں مہلت نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد (عمر کے ختم ہونے پر) آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (ویسی ہی جزاء کے مستحق ہو گے)۔

تفسیر ۷ "**ھم الذین یقولون**" یعنی منافق انصار سے کہتے ہیں، یہ عدم مغفرت کی دلیل ہے۔ "**لاتنفقوا علی من عند رسول اللّٰہ**" یعنی نادار مہاجرین جیسے جہجاہ وغیرہ۔ "**خزآئن السمٰوات**" یعنی جنت کی نعمتیں، بارش اور تقدیر رزق۔ "**والارض**" اور زمین کے خزانے یعنی روزی، رزق سب اللہ ہی کے ہیں۔ اسی کے دست قدرت میں ہر چیز ہے، کوئی کسی کو اللہ کی اجازت اور مقدرہ تقسیم کے بغیر کچھ نہیں دے سکتا، نہ اس کی مشیت کے بغیر روک سکتا ہے۔ "**ولکن المنافقین لایفقھون**" یعنی منافقین اللہ کی شان اور قدرت سے واقف نہیں، اس لیے ایسی بات کہتے ہیں، اگر سمجھ لیتے تو ایسی بات نہ کہتے۔

۸ "**يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ**"...... "کہتے ہیں اگر ہم مدینے کو لوٹ کر پہنچے تو جو عزت (اور قوت و غلبہ) والا ہو گا وہ ذلت

والے کو (یعنی کمزور کو) مدینے سے نکال کر باہر کرے گا، عزت (اور غلبہ اور قوت) تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو ہی حاصل ہے لیکن منافق (یہ بات) نہیں جانتے۔"

"العزۃ" یعنی حقیقت میں غلبہ اور قوت تو اللہ ہی کو حاصل ہے وہ اللہ کی عطاء کردہ ہے۔ اسی نے اپنے دین کو غالب کیا۔ دشمنوں پر ان کو فتح عنایت فرمائی ہے۔ "لا یعلمون" یعنی منافق جہالت اور غرور کے سبب اس بات کو نہیں جانتے۔

⑨ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ"...... "اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد (یعنی ساری دُنیا) اللہ کی یاد سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کریں گے وہی ناکام رہنے والے ہوں گے۔"

"اموالکم ولا اولادکم" یعنی مال اور اولاد کا انتظام واہتمام "عن ذکر اللّٰہ" لفظ ذکر عام ہے، تمام عبادتوں کو شامل ہے لیکن اہل تفسیر کے نزدیک اس جگہ پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں۔ "ومن یفعل ذٰلک" یعنی جو لوگ مال واولاد میں ایسا اشتغال رکھیں گے جو ذکر اللہ سے مانع ہو تو ایسے ہی لوگ گھاٹا اُٹھانے والے ہیں کہ انہوں نے حقیر، فنا پذیر چیز کو پسند کرلیا اور لازوال عالی قدر نعمت کو ترک کردیا۔ "فاولٰئک هم الخاسرون"

⑩ "وانفقوا مما رزقناکم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مال کی زکوٰۃ مراد ہے۔ "من قبل ان یأتی احدکم الموت" پھر وہ لوٹنے کا مطالبہ کرے۔ "فیقول ربّ لولا اخرتنی" کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی اور کہا گیا ہے کہ "لا" صلہ ہے۔ پس کلام تمنی کے معنی میں ہوگی۔ یعنی اگر آپ مجھے مہلت دے دیتے۔ "الٰی اجل قریب فاصدّق" فاتصدق میں صدقہ دوں اور اپنے مال کی زکوٰۃ دوں۔ "واکن من الصالحین" یعنی "من المؤمنین" مؤمنین میں سے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "ومن صلح من آبائهم" ہے۔ یہ مقاتل رحمہ اللہ اور جماعت کا قول ہے اور ان حضرات نے کہا ہے کہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہاں صلاح سے مراد حج ہے۔ ضحاک اور عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں جو شخص بھی مرگیا اور اس کا مال تھا جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور حج کی طاقت تھی لیکن حج نہیں کیا تو وہ موت کے وقت لوٹنے کا سوال کرے گا اور یہ آیت پڑھی "واکن من الصالحین" ابوعمرو نے "واکون" واؤ کے ساتھ اور نون کے نصب کے ساتھ تمنی کے جواب کی بناء پر پڑھا ہے اور فاصدق کے لفظ پر۔ کہا واؤ کو مصحف سے اختصار کے لیے حذف کیا گیا ہے اور دیگر حضرات نے واکن جزم کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول فاصدق پر عطف کرتے ہوئے۔ اگر اس میں فاء نہ ہو اس لیے کہ اگر فاء نہ ہو تو اس پر جزم ہوگی یعنی "ان اخرتنی اصدق واکن" اور اس لیے کہ مصحف میں واؤ کے حذف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

⑪ "ولن یؤخرّ اللّٰہ نفسا اذا جاء اجلها واللّٰہ خبیر بما تعملون" ابوبکر نے "یعملون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کی ہے مگر تین آیات اللہ تعالیٰ کے قول "یا یھا الذین امنوا ان من ازواجکم" سے ان کے آخر تک اور اس کی اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۳ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۴ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ. وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۶

ترجمہ: سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا باوجود اس کے بھی) تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن اور اللہ تمہارے (ایمانیہ) وکفریہ کو دیکھ رہا ہے اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور اسی کے پاس (سب کو) لوٹنا ہے (اور) وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے (ان) اعمال کا وبال (دنیا میں بھی چکھا اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی) ان کے لئے عذاب دردناک ہونے والا ہے یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائل واضحہ لے کر آئے تو ان لوگوں نے (ان رسولوں کی نسبت) کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے غرض انہوں نے کفر کیا اور خدا نے (بھی ان کی کچھ) پرواہ نہ کی اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔

تقدیر مخلوق کے متعلق تفسیر

تفسیر ❶ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مؤمن اور کافر پیدا کیا۔ پھران کو قیامت کے دن لوٹائے گا مؤمن اور کافر جیسا کہ ان کو پیدا کیا تھا اور ہمیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک وہ غلام جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس پر کافر ہونے کی مہر لگائی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا یلدوا الا فاجرا کفارا" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ پس وہ کہتا ہے اے میرے رب! نطفہ ہے۔ اے میرے رب! جما ہوا خون ہے۔ اے میرے رب! گوشت کا لوتھڑا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! کیا لڑکا ہے یا لڑکی؟ کیا بدبخت ہے یا نیک بخت؟ پس رزق کتنا ہے؟ پھر مدت کتنی ہے؟ پس اسی طرح سب کچھ اس کے ماں کے پیٹ میں ہوتے ہوئے لکھ دیا جاتا ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے آیت کا معنی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ کافر ہوئے اور ایمان لائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق ذکر کیا، پھر ان کے فعل کو بیان کیا تو فرمایا "**فمنکم کافر و منکم مؤمن**" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**واللّٰہ خلق کلّ دابّة من ماء فمنھم من یمشی علٰی بطنه**" پس اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور چلنا ان کا فعل ہے۔ پھر اس کی تاویل میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔

❷ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا پس تم میں سے بعض اپنی زندگی میں کافر ہیں اور انجام میں مؤمن ہیں اور تم میں سے بعض اپنی زندگی میں مؤمن ہیں انجام میں کافر ہیں۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس تم میں سے بعض اللہ کا انکار کرنے والے ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں اور تم میں سے بعض اللہ پر ایمان لانے والے ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور کہا گیا ہے "**فمنکم کافر**" کہ اس بات کا اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور یہ دھریہ کا مذہب ہے۔ "**ومنکم مؤمن**" اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور اس میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو پیدا کیا ہے اور اس کا کفر اس کا اپنا فعل اور کسب ہے اور مؤمن کو پیدا کیا ہے اور اس کا ایمان اس کا اپنا فعل اور کسب ہے۔ پس دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کے لیے کسب واختیار ہے اور ان کا کسب واختیار اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے ساتھ ہے۔ پس مؤمن اللہ تعالیٰ کے اس کو پیدا کرنے کے بعد ایمان کو اختیار کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کا ارادہ کیا ہے اور اس کو اس پر قدرت دی ہے اور اس سے ایمان کو جانا ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے اس کو پیدا کرنے کے بعد کفر کو اختیار کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کا ارادہ کیا اور اس کو اس پر قدرت دی ہے اور اس سے اس کفر کا علم رکھا ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا راستہ ہے جو اس پر چلے گا، جبریہ اور قدریہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

❸ "**خلق السموات والارض بالحق وصوّرکم فاحسن صوّرکم والیه المصیر**"

④یعلم مافی السموات والارض"

"ویعلم ما تسرون وما تعلنون واللّٰہ علیم بذات الصدور

⑤الم یاتکم" کفار مکہ کو خطاب کیا ہے۔"نبأ الذین کفروا من قبل"یعنی گزشتہ اُمتوں کی۔"فذاقوا وبال امرھم"یعنی جوان کو دُنیا میں عذاب لاحق ہوا۔"ولھم عذاب الیم"آخرت میں۔

⑥"ذلک"عذاب۔"بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبیّنات فقالوا ابشر یھدوننا"اور"یھدینا"نہیں کہا اس لیے کہ البشر اگر چہ اس کا لفظ واحد ہے لیکن یہ جمع کے معنی میں ہے اور یہ اسم جنس ہے اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے اور اس کا واحد انسان ہے۔

اور اس کا معنی وہ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے جیسا آدمی ہمیں ہدایت دے گا۔"فکفروا وتولوا واستغنی اللّٰہ" ان کے ایمان سے۔"واللّٰہ غنی"اپنی مخلوق سے۔"حمید"اپنے افعال میں۔پھر ان کے بعث کا انکار کرنے کی خبر دی۔

زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ. وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ⑦فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ⑧ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ م بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا. ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ⑨ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑩مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ. وَمَنْ یُّؤْمِنْ م بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑪وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ⑫اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ. وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

ترجمہ: اور (ستودہ صفات ہے یہ کافر (مضمون عذاب آخرت کو سن کر) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جاویں گے آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاویں گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب جتلا دیا جائے گا اور اس پر سزا دی جاوے گی) اور یہ (بعث وجزاء) اللہ کو بالکل آسان ہے سو (تم کو چاہئے کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے اور اس دن کو یاد کرو کہ) جس دن تم سب کو ایک جمع ہونے کے دن جمع کرے گا یہی دن ہے سود و زیاں کا اور بیان اس کا یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نیک کام کرتا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے

گا اور اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے کوئی مصیبت بدوں حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر ورضا کی) راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم (اطاعت سے) اعراض کرو گے تو (یاد رکھو) کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل نہیں) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصائب وغیرہ میں توکل رکھنا چاہئے۔

تفسیر ⑦ "زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "بلٰی و ربّی لتبعثن ثم لتنبّؤن بما عملتم و ذلک علی اللہ یسیر

⑧ فآمنوا باللّٰہ و رسولہ والنور الذی انزلنا" اور وہ قرآن ہے۔ "واللّٰہ بما تعملون خبیر"

⑨ "یوم یجمعکم لیوم الجمع" یعنی قیامت کے دن اس میں آسمانوں اور زمینوں والوں کو جمع کریں گے۔ "ذلک یوم التغابن" یہ باب تفاعل ہے غبن سے اور وہ حصہ کا فوت ہو جاتا ہے اور مراد پس مغبون وہ شخص جو اپنے گھر والوں اور جنت میں منازل سے غبن کیا گیا۔ پس اس دن ہر کافر کا غبن ظاہر ہو جائے گا، ایمان کو چھوڑنے کی وجہ سے اور ہر مؤمن کا غبن اس کی نیکیوں میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے۔ "ومن یؤمن باللّٰہ ویعمل صالحا یکفر عنہ سیئاتہ ویدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار" اہل مدینہ اور اہل شام نے نکفر پڑھا ہے۔ "وندخلہ" اور سورہ الطلاق میں "ندخلہ" نون کے ساتھ ان میں اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم"

⑩ "والذین کفروا و کذّبوا بآیاتنا اولئک اصحاب النار خالدین فیھا وبئس المصیر"

⑪ "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللّٰہ" اس کے ارادے اور قضاء کے ساتھ۔ "ومن یؤمن باللّٰہ" پھر تصدیق کرے کہ اس کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ ہے۔ "یھد قلبہ" اس کو یقین کی توفیق دیتا ہے حتیٰ کہ وہ جان لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے اس سے چوکنے والا نہیں تھا اور جو اس سے ہٹ گیا وہ اس کو پہنچنے والا نہیں تھا۔ پس وہ اس کی قضاء پر سر جھکا دیتا ہے۔ "واللّٰہ بکل شیء علیم"

⑫ "واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول فان تولّیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین

⑬ اللّٰہ لا الٰہ الاّ ھو وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿14﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿15﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿16﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿17﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿18﴾

ترجمہ اے ایمان والو تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دین کی دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے اور جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو اللہ کے پاس اس کے لئے بڑا اجر ہے تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کے احکام کو سنو اور مانو اور (بالخصوص مواقع حکم میں) خرچ بھی کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں اور اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان ہے کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے اور بڑا بردبار ہے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے اور (حکمت والا ہے)۔

تفسیر ﴿14﴾ **"یا یھا الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم"** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اہل مکہ کے چند مرد تھے اسلام لائے اور مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور اولادوں نے ان کو روکا اور کہا ہم نے تمہارے اسلام پر صبر کر لیا ہے لیکن ہم تمہاری جدائی پر صبر نہ کر سکیں گے تو انہوں نے گھر والوں کی بات مان کر ہجرت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **"فاحذروھم"** اگر تم ان کی اطاعت کرو اور ہجرت چھوڑ دو۔ **"وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم"** یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے گھر والوں اور اولاد میں مقیم رہے اور ہجرت نہیں کی۔ پھر جب ہجرت کی تو ان لوگوں کو دیکھا جو ہجرت میں سبقت کر گئے کہ انہوں نے فقاہت فی الدین حاصل کر لی ہے تو ان کا ارادہ ہوا کہ اپنی بیویوں اور اولاد کو سزا دیں جنہوں نے ان کو ہجرت سے روکا اور اگر وہ دار الہجرت میں آ کر ملیں تو پھر خرچ نہ کریں اور ان کو خیر نہ پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا اور عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ اہل اور اولاد والے تھے اور جب جہاد کا ارادہ کیا تو گھر والے رونے لگ جاتے اور ان کا دل نرم کرتے اور کہتے کس کے پاس آپ ہمیں چھوڑ رہے ہیں تو ان کا دل پسیج گیا اور ٹھہر گئے تو اللہ تعالیٰ نے

نازل کیا"ان من ازواجکم و اولادکم عدوّا لکم"ان کے تمہیں اطاعت عبادت چھوڑنے پر مجبور کرنے کی وجہ سے۔پس تم ان سے بچو کہ تم ان سے قبول کرلو۔"وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا"پس تم ان تمہاری مخالفت کرنے پر سزا نہ دو۔فان الله غفور رحیم پس اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

⑮"انما اموالکم واولادکم فتنة" آزمائش و امتحان اور آخرت سے روکنا ہے کہ اس کے سبب انسان بڑے گناہوں اور حق کو روکنے اور حرام کھانے میں واقع ہوجاتا ہے۔"والله عنده اجر عظیم"ان میں سے بعض نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے دشمن کو ذکر کیا تو اس میں"من تبعیض"کا داخل کردیا۔پھر فرمایا"انّ من ازواجکم و اولادکم عدوّالکم"اس لیے کہ سارے گھر والے اور اولاد دشمن نہیں ہیں اور اپنے قول"انما اموالکم و اولادکم فتنة"میں من کو ذکر نہیں کیا۔اس لیے کہ یہ فتنہ اور دل کے مشغول ہونے سے خالی نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی یہ نہ کہے"اللّٰھم انی اعوذبک من الفتنة"کیونکہ تم میں سے ہر ایک جب مال اور گھر والوں کی طرف لوٹتا ہے تو وہ فتنہ پر مشتمل ہوتا ہے لیکن چاہیے کہ یوں کہے"اللّٰھم انّی اعوذبک من مفصلات الفتن"ابو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے تو حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے اور ان دونوں پر سرخ قمیصیں تھیں، یہ چلتے اور گرتے پڑتے آرہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے،ان دونوں کو اُٹھایا اور اپنے سامنے رکھا،پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے"انما اموالکم واولادکم فتنة"میں نے ان دو بچوں کی طرف دیکھا کہ گرتے پڑتے چلے آرہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوا اور میں نے اپنی بات درمیان میں چھوڑ دی اور ان دونوں کو اُٹھالیا۔

⑯"فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم"یعنی تم طاقت رکھو۔یہ آیت اللہ تعالیٰ کے قول"اتقوا اللّٰہ حق تقاته"کے لیے ناسخ ہے۔"واسمعوا واطیعوا"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی"وانفقوا خیرالانفسکم"یعنی تم اپنے مالوں سے خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔"ومن یوق شحّ نفسه"حق کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اپنے مال سے عطاء کرے۔"فاولئک هم المفلحون"

⑰"ان تقرضوا اللّٰہ قرضا حسنا یضاعفه لکم ویغفرلکم واللّٰہ شکور حلیم.

⑱عالم الغیب والشهادة العزیز الحکیم"

❁❁❁

سُوْرَةُ الطَّلاق

مدنی ہے اور اس کی بارہ (۱۲) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ. لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

ترجمہ: اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے) کہ جب تم لوگ اپنی (مدخول بہا) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض سے پہلے یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ان عورتوں کو (ان کے رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے) واجب ہے اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دے تو) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات تیرے دل میں) پیدا کر دے۔

حالت حیض میں طلاق کا حکم

تفسیر ① "يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دی ہے۔ پھر اپنی اُمت کو خطاب کیا ہے اس لیے کہ وہ سردار مقدم ہیں۔ پس سب کا خطاب آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے اس کا مجاز "یا یھا النبی قل لامتک اذا طلّقتم النسآء" ہے۔ یعنی جب تم ان کو طلاق دینے کا ارادہ کرو جیسے اللہ کا فرمان ہے۔ "فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ" یعنی جب تو قرأت کا ارادہ کرے۔ "فطلّقوھن لعدتھن" یعنی اس طہر میں جس کو وہ اپنی عدت میں شمار کر لیں اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں نے پڑھا۔ "فطلّقوھن فی قبل عدتھن" یہ آیت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ نافع کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے عمر! تو اس کو حکم دے کہ وہ اس سے رجوع کرلے، پھر اس کو روک لے حتیٰ کہ وہ پاک ہوجائے، پھر اس کو حیض آئے، پھر پاک ہوجائے، پھر اگر چاہے تو اس کو روک لے اس کے بعد اور اگر چاہے تو جماع سے پہلے اس کو طلاق دے۔ پس یہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ سالم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو حکم دے کہ وہ رجوع کرلے، پھر اس کو پاک ہونے کی حالت میں یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔ یونس بن جبیر اور انس بن سیرین نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ان دونوں نے یہ نہیں کہا کہ پھر حیض آئے پھر پاک ہو۔

ابوالزبیر نے خبر دی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ایمن عروہ کے مولی، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا اور ابوالزبیر سن رہے تھے کہ آپ کیا دیکھتے ہیں، اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی ہو؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو حکم دے کہ وہ اس سے رجوع کرلے، پھر جب وہ پاک ہوجائے تو چاہے تو اس کو طلاق دے اور چاہے تو اس کو روک لے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**یاایھا النّبی اذا طلقتم النساء فطلّقوھن فی قبل عدتھن او تقبل عدتھن**" شافعی رحمہ اللہ کو شک ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا "**یا یھا النّبی اذا طلقتم النساء فطلّقوھن فی قبل عدتھن**"

حالت حیض ونفاس میں طلاق دینا کیسا ہے؟

حالت حیض اور نفاس میں طلاق دینا بدعت ہے اور اس طرح اس طہر میں طلاق دینا جس میں اس عورت سے جماع کیا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے "اور اگر چاہے تو طلاق دے جماع سے پہلے" اور طلاق سنت یہ ہے کہ اس کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور یہ اس عورت کے حق میں ہے جس کو عدت حیضوں کے ذریعے لازم ہوتی ہو۔ بہرحال جب غیر مدخول بہا بیوی کو طلاق دی حالت حیض میں یا ایسی چھوٹی بیوی کو طلاق دی جس کو ابھی تک حیض نہیں آیا یا حیض سے نااُمید عورت کو جماع کرنے کے بعد طلاق دی یا حاملہ عورت کو جماع کرنے کے بعد طلاق دی یا خون دیکھنے کی حالت میں تو یہ طلاق بدعی بھی نہ ہوگی اور سنی بھی نہ ہوگی اور ان عورتوں کی طلاق میں کوئی بدعت نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر چاہیے کہ اس کو طلاق دے پاکی یا حمل کی حالت میں اور خلع کرنا حیض کی حالت میں یا ایسے طہر کی حالت میں جس میں جماع کیا ہو بدعت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی سے خلع کرنے کی اجازت دے دی اس عورت کی حالت معلوم کیے بغیر اور اگر خلع ہر حال میں جائز نہ ہوتی تو آپ علیہ السلام اس عورت

کا حال ضرور پوچھتے اور اگر اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی یا ایسے طہر میں جس میں جماع کیا ہو قصداً تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے لیکن طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم دیا تھا اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو آپ علیہ السلام ان کو مراجعت کا حکم نہ دیتے اور جب حالت حیض میں رجوع کرلے تو جائز ہے کہ اس کو اس طہر میں طلاق دے جو اس حیض کے بعد ہے جماع سے پہلے۔

جیسا کہ اس کو یونس بن جبیر اور انس بن سیرین رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور جو نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر چاہے تو اس کو روک لے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے تو یہ استحباب ہے، انہوں نے طلاق کو دوسرے طہر تک مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ اس شخص کا اس عورت سے رجوع کرنا طلاق کے لیے نہ ہو جیسا کہ طلاق کے لیے نکاح کرنا مکروہ ہے اور تین طلاقوں کو جمع کرنے میں بعض اہل علم کے نزدیک کوئی بدعت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں تین مرتبہ طلاق دے دی تو یہ بدعی نہ ہوگی اور یہی امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور ان میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور یہی امام مالک اور اہل رائے رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول "واحصوا العدۃ" یعنی اس کے حیضوں کی تعداد کو محفوظ کرو۔ کہا گیا ہے کہ عدت کے شمار کرنے کا حکم دیا ہے طلاق کو حیضوں پر جدا جدا کرنے کے لیے۔ جب اس کا تین طلاق دینے کا ارادہ ہو اور کہا گیا ہے رجوع کی مدت کے باقی ہونے کے علم کے لیے اور نفقہ اور رہائش کے حکم کی رعایت کرنے کے لیے۔ "واتقوا اللّٰہ ربکم لاتخرجوھن من بیوتھن" اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ گھر جس میں طلاق دی ہے خاوند کا ہو تو عورت کو اس سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ "ولا یخرجن" اور اس کے لیے بھی نکلنا جائز نہیں ہے جب تک عدت ختم نہ ہو۔ پس اگر بغیر ضرورت کے یا کسی ضرورت کی وجہ سے نکلی تو گناہ گار ہو جائے گی۔ پس اگر کوئی ضرورت واقع ہوگئی جیسے مکان گرنے کا خوف ہو یا عورت کے ڈوب جانے کا تو اس کے لیے جائز ہے کہ دوسری جگہ چلی جائے اور اسی طرح اگر اس عورت کو سوت بیچنے یا کپاس خریدنے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے دن کو نکلنا جائز ہے رات کو نکلنا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ کچھ مرد اُحد میں شہید کیے گئے تو ان کی بیویوں نے کہا ہم اپنے گھروں میں وحشت میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ وہ کسی عورت کے پاس جا کر گپ شپ لگا آیا کریں۔ پھر جب نیند کا وقت ہو تو ہر عورت اپنے گھر کی طرف ٹھکانہ حاصل کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ کو کہا جب ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی کہ وہ اپنی کھجوروں کی کٹائی کے لیے نکل جایا کریں اور جب اس کو سفر میں عدت لازم ہو تو وہ اپنے گھر والوں میں عدت گزارنے جا رہی ہو یا آ رہی ہو اور خانہ بدوش عورت وہیں ٹھکانہ بنائے گی عدت میں جہاں اس کے اہل ٹھکانہ بنائیں۔ اس لیے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ان کے حق میں ایسے ہے جیسے مقیم کے حق میں اقامت ہے۔ "الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ان تبذأ علی اھل زوجھا" تو اس کا نکلنا حلال ہو جائے گا

اورایک جماعت نے کہا ہے کہ فاحشہ سے مراد یہ ہے کہ وہ زنا کرے پھر حد قائم کرنے کے لیے نکالی جائے۔ پھر اس کے گھر واپس لائی جائے اور یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔

اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مگر یہ کہ اس عورت کے جھگڑے کی وجہ سے اس کو طلاق دے دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے منتقل ہو جائے اور فاحشہ جھگڑا کرنا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا عدت ختم ہونے سے پہلے نکلنا فاحشہ ہے۔ "وتلک حدود اللّٰہ" یعنی جو سنت طلاق اور اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ "ومن یتعدّ حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا" خاوند کے دل میں اس سے رجوع کرنے کا خیال ڈال دے۔ ایک طلاق اور دو طلاقوں کے بعد اور یہ دلالت کرتا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ طلاقیں جدا جدا دے اور تین طلاقیں ایک دفعہ نہ واقع کرے حتیٰ کہ جب وہ شرمندہ ہو جائے تو اس کو رجوع کرنا ممکن ہو۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۲ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ۳

ترجمہ (مثلاً) طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے پھر جب وہ (مطلقہ عورتیں اپنی مدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو اے گواہو اگر گواہی کی حاجت پڑے تو ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے بلا رو رعایت گواہی دو اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہے) پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا اندازہ (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے۔

تفسیر ۲ "فاذا بلغن اجلھن" یعنی ان کی عدت پوری ہونے کے قریب ہو جائے۔ "فامسکوھن" یعنی ان سے رجوع کر لو۔ "بمعروف او فارقوھن بمعروف" یعنی ان کو چھوڑ دو حتیٰ کہ ان کی عدت ختم ہو جائے۔ پھر وہ تم سے جدا ہو جائیں۔ "واشھدوا ذوی عدل منکم" رجوع یا فراق پر۔ رجوع اور طلاق پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

"واقیموا الشھادۃ للّٰہ" اے گواہو! "ذلکم یوعظ بہ من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا" عکرمہ، شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرے پس سنت کے مطابق طلاق دے تو اللہ تعالیٰ اس

کے لیے نکلنے کا ذریعہ بنادے گا اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کے بیٹے مالک کو قید کرلیا تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! دشمنوں نے میرے بیٹے کو قید کرلیا ہے اور آپ علیہ السلام کو فاقہ کی بھی شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ سے ڈر اور صبر کر اور "لاحول ولا قوۃ الا" کثرت سے کہا کر تو اس شخص نے ایسا کیا تو وہ ایک دن اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ان کا بیٹا ان کے پاس آیا، دشمن اس سے غافل ہوئے تو وہ ان کو ایک اونٹ لے کر اپنے والد کے پاس آ گیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ دشمن اس سے غافل ہوئے تو وہ ان کی بکریوں کے ریوڑ کو والد کے پاس ہانک کر لے آیا اور وہ چار ہزار بکریاں تھیں تو آیت نازل ہوئی۔ "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" اس کے بیٹے میں۔

③ "ویرزقہ من حیث لایحتسب" جو بکریاں ہانکیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس نے بکریاں اور دوسرا سامان حاصل کیا پھر اپنے والد کے پاس آیا تو اس کے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام کو واقعہ سنایا اور سوال پوچھا کہ کیا جوان کا بیٹا لایا ہے۔ اس کا کھانا ان کیلئے حلال ہے؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" وہ یہ کہ وہ جانے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کا رازق ہے اور ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یجعل لہ مخرجا" ہر اس چیز سے جو لوگوں پر تنگ ہو اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یجعل لہ مخرجا" ہر سختی سے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مخرجا" اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

"ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" اللہ سے ڈرے۔ اس میں جو اس کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی پریشانیوں سے کافی ہو جائیں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا اس پر توکل کا حق ہے تو تمہیں ایسے رزق دے گا جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔

صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ "ان اللہ بالغ امرہ" طلحہ بن مصرف اور حفص نے عاصم رحمہ اللہ سے پڑھا ہے۔

"بالغ امرہ" اضافت کے ساتھ۔ اور دیگر نے حضرات نے "بالغ" تنوین کے ساتھ "امرہ" نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اپنے امر کو نافذ کرنے والا ہے، اپنی مخلوق میں اپنی قضاء کو جاری کرنے والا ہے۔

"قد جعل اللہ لکل شیء قدرا" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر سخت اور نرم چیز کے لیے ایک مدت مقرر کی ہے جس کی طرف اس کی انتہاء ہوگی۔ مسروق رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں "ان اللہ بالغ امرہ" اس پر توکل کریا توکل نہ کرلیکن توکل کرنے والے کے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور اس کا اجر بڑا کیا جائے گا۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ④ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْکُمْ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤

ترجمہ (اوپر عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور تفصیل یہ کہ) تمہاری مطلقہ بیبیوں میں جو عورتیں بوجہ (زیادت سن کے) حیض آنے سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت کی تعیین میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بسبب کم عمری کے) حیض نہیں آیا اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کام میں آسانی کردے گا یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان معاملات میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا وہ اس کے گناہ دور کردے گا (کہ مغفرت عطیہ کا سبب ہے اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

تفسیر ④ "والّٰئی یئسن من المحیض من نساء کم" پس ان کو حیض آنے کی اُمید نہیں ہے۔ "ان ارتبتم" یعنی تمہیں شک ہو۔ پس تم نہ جانو کہ ان کی عدت کیا ہے۔ "فعدتھن ثلاثة اشھر" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب نازل ہوئی۔ "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء" تو خلاد بن نعمان بن قیس انصاری نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کو حیض نہیں آتا ان کی عدت کیا ہے؟ اور جس کو ابھی تک حیض نہیں آیا اور حاملہ کی عدت کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "والّٰئی یئسن من المحیض من نساء کم" یعنی وہ عورتیں جو حیض سے بیٹھ گئی ہیں۔ "ان ارتبتم" تم ان کے حکم میں شک کرو۔ "فعدتھن ثلاثة اشھر والّٰئی لم یحضن" یعنی وہ چھوٹی لڑکیاں جس کو ابھی تک حیض نہیں آیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ بہرحال نوجوان جس کو حیض آتا ہے لیکن نااُمیدی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے اس کا حیض ختم ہوگیا۔ تو اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس کی عدت ختم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کا خون دوبارہ آجائے۔

پس وہ تین حیض عدت گزارے گی یا اگر نااُمیدی کی عمر کو پہنچ گئی ہے تو تین مہینے عدت گزارے گی اور یہ عثمان، علی، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول ہے اور اس کے عطاء رحمہ اللہ قائل ہیں اور اسی کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ اور اصحاب رائے گئے ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ نو مہینے انتظار کرے گی۔ پس اگر اس کو حیض نہ آئے تو تین مہینے عدت گزارے گی اور یہ مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک سال انتظار کرے، پس اگر حیض نہ آئے تو تین مہینے عدت گزارے اور یہ تمام طلاق کی عدت کے بارے میں ہے۔ بہرحال جس عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ علاوہ ازیں کہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو اور بہرحال حاملہ عورت تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ خاوند نے اس کو طلاق دی ہو یا فوت ہوگیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے قول "واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن" سبیعہ بنت حارث نے خاوند کی وفات کے چند دن بعد بچہ جنا تو ان پر ابوالسنابل بن بعلبک کا گزر ہوا تو کہا خاوند تلاش کرنے کے لیے تیار ہوگئی ہے حالانکہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے تو سبیعہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ابوالسنابل نے جھوٹ کہا یا فرمایا معاملہ ویسے نہیں جیسے ابوالسنابل نے کہا ہے۔ تیری عدت گزر گئی ہے پس تو نکاح کرلے۔ "ومن یتق اللّٰه یجعل له من امره یسرا" یعنی اس پر دُنیا اور آخرت کے معاملہ کو آسان کردے گا۔

⑤ "ذلک" یعنی جو احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ "امر اللّٰه انزله الیکم ومن یتق اللّٰه یکفر عنه سیئاته ویعظم له اجرا"

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى ⑥

ترجمہ: ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو ان کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہے) تمہارے لئے بچہ کو (اجرت پر) دودھ پلا دیں تو تم ان کو (مقررہ) اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی۔

تفسیر: ⑥ "اسکنوهن" یعنی اپنی طلاق شدہ بیویوں کو۔ "من حیث سکنتم" من صلہ ہے یعنی ان کو وہاں رہائش دو جہاں تم رہائش رکھتے ہو۔ "من وجدکم" تمہاری گنجائش وطاقت کے مطابق۔ یعنی اگر مالدار ہو تو اس پر خرچ اور رہائش میں وسعت دو اور اگر فقیر ہو تو اس کی طاقت کے مطابق۔ "ولا تضاروهن" تم ان کو تکلیف نہ دو۔ "لتضیقوا علیهن" اس کے مساکن کو کہ وہ نکل جائیں۔ "وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن حتی یضعن حملهن" پس وہ اپنی عدت سے نکل جائیں۔

معتدہ رجعیہ کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے

رجعی عدت گزارنے والی خاوند پر خرچ اور رہائش کا حق رکھتی ہے جب تک عدت میں ہو اور سکنی سے ہماری مراد رہائش کا خرچ ہے۔ پس اگر وہ گھر جس میں اس نے طلاق دی ہے وہ خاوند کی ملک ہو تو خاوند پر واجب ہے کہ اس گھر سے نکل جائے اور گھر کو اس بیوی کے لیے اس کی عدت کی مدت چھوڑ دے اور اگر مکان کرایہ کا ہو تو خاوند پر کرایہ واجب ہے اور اگر مکان عاریت کا ہو اور عاریت دینے والا رجوع کرلے تو اس پر لازم ہے کہ بیوی کے لیے کرایہ پر گھر لے جس میں وہ رہے۔ بہرحال طلاق بائنہ کی عدت گزارنے والی خلع یا تین طلاقوں کے ذریعے یا لعان کے ذریعے تو اس کے لیے رہائش ہوگی حاملہ ہو یا غیر حاملہ اکثر اہل علم کے نزدیک۔

اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے لیے رہائش نہیں ہے مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو اور یہ حسن، عطاء اور شعبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور علماء کا اس عورت کے خرچہ میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی گئی ہے اور یہی حسن، عطاء اور شعبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور اسی کے امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ قائل ہیں اور ان میں سے بعض نے ہر حال میں اس کو واجب کیا ہے۔

یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور یہی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور اسی کے ثوری رحمہ اللہ اور اصحاب رائے قائل ہیں اور قرآن کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مستحق نہ ہوگی مگر یہ کہ حاملہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن" اور اس پر سنت کی جہت سے دلیل یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے طلاق بتہ دی اور وہ شام میں غائب تھے تو اس کے پاس اپنا وکیل جَو دے کر بھیجا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر ناراض ہوئیں تو اس نے کہا اللہ کی قسم! تیرے لیے ہم پر کچھ واجب نہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ علیہ السلام کو یہ بات ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تیرے لیے اس پر کوئی نفقہ نہیں ہے اور اس کا امر یہ ہے کہ وہ اُم شریک کے گھر میں عدت گزارے، پھر فرمایا یہ عورت اس کے پاس میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے جاتے ہیں پس تو ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزار کیونکہ وہ نابینا شخص ہیں تو اپنے کپڑے رکھ دے، پھر جب تیری عدت گزر جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ فاطمہ کہتی ہیں جب میری عدت گزر گئی تو میں نے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہرحال ابو جہم وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں رکھتا۔

اور بہرحال معاویہ تو وہ فقیر ہیں ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے تو اسامہ بن زید سے نکاح کر لے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس کو ناپسند سمجھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لے تو میں نے اس سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر رکھ دی اور مجھ پر رشک کیا گیا اور جنہوں نے اس کے لیے رہائش نہیں بنائی تو انہوں نے استدلال کیا ہے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزاریں اور اس میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے کیوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا فاطمہ ایک ویران مکان میں تھی تو اس پر اردگرد کا خوف تھا اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس گھر سے منتقل کیا گیا ان کے اپنے سسرالی رشتہ داروں پر زبان درازی کرنے کی وجہ سے اور ان کی زبان تیز تھی۔

بہرحال شبہ سے وطی ہو جانے کی عدت گزارنے والی اور جس کا نکاح عیب یا آزادی کی وجہ سے ملنے والے اختیار (خیارِ عتق) کی وجہ سے فسخ ہو گیا ہو تو نہ اس کے لیے رہائش ہے اور نہ کوئی نفقہ اگرچہ وہ حاملہ ہو اور خاوند کی وفات کی عدت گزارنے والی اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اکثر اہل علم کے نزدیک اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کے لیے نفقہ ہوگا اگر حاملہ ہو وضع حمل تک ترکہ سے اور یہی شریح، شعبی، نخعی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول ہے اور ان کا

اس کی رہائش میں اختلاف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس عورت کے لیے کوئی رہائش نہیں ہے بلکہ وہ عدت گزارے گی جہاں وہ چاہے گی اور یہی علی، ابن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور اسی کے عطاء اور حسن رحمہما اللہ قائل ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور دوسرا یہ کہ اس عورت کے لیے سکنی ہے اور عمر، عثمان، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور اسی کے امام مالک، سفیان ثوری، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ قائل ہیں اور جن حضرات نے اس کے لیے سکنی واجب کیا ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فریعہ بنت مالک بن سنان، یہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔

انہوں نے خبر دی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپ علیہ السلام سے یہ پوچھنے کہ یہ اپنے اہل کی طرف بنی خدرہ میں لوٹ جائیں کیونکہ ان کے خاوند اپنے چند بھگوڑے غلاموں کی تلاش میں گئے حتیٰ کہ وہ قدوم کی ایک طرف میں ان کو ملے تو ان غلاموں نے ان کو قتل کر دیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤں؟ کیونکہ میرے خاوند نے مجھے کسی ایسے گھر میں نہیں چھوڑا جس کا وہ مالک ہو اور نہ ہی نفقہ چھوڑا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پھر میں لوٹی حتیٰ کہ جب میں حجرہ میں یا مسجد میں تھی مجھے بلایا یا میرے بلانے کا حکم دیا تو مجھے بلایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو نے کیسے کہا تھا؟ کہتی ہیں میں نے واقعہ دوبارہ سنایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اپنے گھر میں ٹھہری رہ حتیٰ کہ کتاب اپنے وقت کو پہنچ جائے۔ کہتی ہیں پس میں نے اس میں چار مہینے دس دن عدت گزاری۔

کہتی ہیں پس جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو میری طرف پیغام بھیجا تو مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو میں نے خبر دی تو اس کے ذریعے انہوں نے فیصلہ کیا۔ پس جن حضرات نے یہ قول کیا ہے انہوں نے کہا آپ علیہ السلام نے ابتداءً فریعہ کو اجازت دی ان کے گھر والوں کی طرف لوٹنے کی تو یہ حکم آپ علیہ السلام کے دوسرے قول سے منسوخ ہو گیا کہ تو اپنے گھر ٹھہری رہ حتیٰ کہ کتاب اپنے وقت کو پہنچ جائے اور جن حضرات نے سکنی کو واجب نہیں کیا انہوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام نے فریعہ کو دوسری مرتبہ گھر میں رہنے کا حکم دیا وہ استحباباً تھا نہ کہ وجوباً۔

اللہ تعالیٰ کا قول "فان ارضعن لکم" یعنی تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں۔ "فاٰتوھن اجورھن" ان کے دودھ پلانے پر۔ "واْتمروا بینکم بمعروف" تاکہ تم ایک دوسرے سے قبول کرلو جب وہ اس کو نیکی کا حکم دے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشورہ کرو۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں باپ اور اس کی متعین اجرت پر رضامندی کے ساتھ اور خطاب دونوں میاں بیوی کو ہے۔ ان کو حکم دیا ہے کہ وہ نیکی کو لائیں اور اس طریقہ کو جو اچھا ہو اور نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کریں۔

"وان تعاسرتم" دودھ پلانے اور اُجرت دینے میں۔ پس خاوند بیوی کو اس کی اُجرت دینے سے انکار کر دے اور ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اس کے لیے اس عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ بچے کے لیے اس کی ماں کے علاوہ کوئی دودھ پلانے والی اُجرت پر رکھ لے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "فسترضع لہ اخرٰی" ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ. وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ. لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ
اٰتٰهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا
حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ. الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩
رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ. وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا. قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ. يَتَنَزَّلُ
الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫

ترجمہ آگے بچے کے نفقے کے بارے میں ارشاد ہے کہ وسعت والے کو موافق اپنی وسعت کے بچہ پر خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خدا کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے خدا تعالیٰ تنگی کے بعد فراغت دے گا گو بقدر ضرورت وحاجت روائی سہی اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم ماننے سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے ان (کے اعمال کا) سخت حساب کیا اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (کہ وہ سزا اہلاک بالعذاب ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اور جب انجام نافرمانی کا یہ ہے تو اے سمجھدارو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا اور وہ نصیحت نامہ دے کر ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتے ہیں تا کہ ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر وجہل کی) تاریکیوں سے (ایمان وعلم وعمل کے نور کی طرف لے آویں اور آگے ایمان وغیرہ طاعت پر وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کرے گا خدا اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشک اللہ نے (ان کو بہت) اچھی روزی دی (آگے اللہ کا واجب الاطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے (یعنی اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی اور ان سب میں (اللہ تعالیٰ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس لئے بتلایا گیا ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ ہر شے کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

تفسیر ⑦"لینفق ذو سعة من سعته" اپنے غنا کی مقدار پر۔"ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اٰتاه اللّٰه" مال سے۔"لا یکلف اللّٰه نفسا" نفقہ میں "الا ما آتاها" جو اس کو مال دیا ہو۔"سیجعل اللّٰه بعد عسر یسرا" یعنی اور تنگی کے بعد مالداری اور وسعت۔

⑧"وکاین من قریة عتت" نافرمانی کی اور سرکشی کی۔"عن امر ربها ورسله" یعنی اور اپنے رسول کے امر سے۔ "فحاسبناها حسابا شدیدا" سخت حساب مناقشہ اور پورا حساب لینا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے دین کے اعمال پر اس کا حساب کیا۔ پھر اس کو آخرت میں عذاب کا بدلہ دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "وعذّبناها عذابا نکرا" ہولناک اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ ان دونوں کا لفظ ہے اور دونوں کا معنی استقبال کا ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اس کی عبارت یوں بنے گی "فعذبناها فی الدنیا، بالجوع والقحط والسیف" بھوک، قحط، تلوار اور تمام مصائب کے ذریعے "وحاسبناها فی الآخرة حسابا شدیدا"

⑨"فذاقت وبال امرها" اس کے امر کی جزاء اور کہا گیا ہے اس کے کفر کے انجام کا بوجھ۔"وکان عاقبة امرها خسرا" دُنیا اور آخرت میں خسارہ ہے۔

⑩"اعداللّٰه لهم عذابا شدیدا فاتقوا اللّٰه یا اولی الالباب الذین امنوا قد انزل اللّٰه الیکم ذکرا" یعنی قرآن۔

⑪"رسولا" یہ ذکرا سے بدل ہے۔ اور کہا گیا ہے تمہاری طرف قرآن کو اُتارا ہے اور رسول کو بھیجا اور کہا گیا ہے مع الرسول اور کہا گیا ہے ذکر وہی رسول ہیں اور کہا گیا ہے ذکرا یعنی شرف۔ پھر بیان کیا کہ وہ کیا ہے تو فرمایا "یتلوا علیکم آیات اللّٰه مبینات لیخرج الذین امنوا وعملوا الصالحات من الظلمات الی النور ومن یؤمن باللّٰه ویعمل صالحا یدخله جنات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ابدا قد احسن اللّٰه له رزقا" یعنی جنت جس کی نعمتیں ختم نہ ہوں گی۔

⑫"اللّٰه الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلهن" تعداد میں۔"یتنزل الامر بینهن" ساتویں آسمان سے نچلی زمین کی طرف وحی کرنے کے ساتھ۔ اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ جو ان میں اپنی عجیب تدبیر کرتا ہے پس بارش کو اُتارتا ہے اور نباتات کو نکالتا ہے اور رات و دن کو اور گرمی و سردی کو لاتا ہے اور حیوانات کو ان کی مختلف ہیئت پر پیدا کرتا ہے اور ان کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی زمینوں میں سے ہر زمین اور آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اس کی مخلوق میں سے مخلوق ہے اور اس کے امر میں سے امر ہے اور اس کی قضاء میں سے قضاء ہے۔"لتعلموا ان اللّٰه علیٰ کل شیءٍ قدیر. وان اللّٰه قد احاط بکل شیءٍ علما" پس اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْم

یہ سورۃ مدنی ہے، اس میں ۱۲ (بارہ) آیات اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ❶ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ❷

ترجمہ: اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسم کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمایا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

شہد کو حرام کرنے کا واقعہ

تفسیر: ❶ "یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات أزواجک واللہ غفور رحیم" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیرینی اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کی نماز کے بعد بیبیوں کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایک روز (عصر کے بعد) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو وہاں ہر روز کے معمول کے خلاف زیادہ دیر توقف کیا۔ میں نے جب پوچھ پاچھ کی تو معلوم ہوا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کی کسی عورت نے حفصہ کو بطور ہدیہ شہد کی ایک کپی بھیجی تھی۔ انہوں نے اس شہد کا شربت بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے یہ بات سن کر کہا: خدا کی قسم! ہم کوئی تدبیر کریں گے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں شربت نہ پئیں) چنانچہ میں نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں تو تم کہنا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر کھایا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیں گے نہیں (میں نے مغافیر نہیں کھایا) اس پر تم کہنا پھر یہ بو کیسی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت

ناگوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی کو یہ بو محسوس ہو۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرمائیں گے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا۔ اس کے جواب میں تم یہ کہنا کہ اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کا عرق چوسا ہوگا۔

میرے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں بھی یہی کہوں گی اور صفیہ رضی اللہ عنہا جب تمہارے پاس تشریف لے آئیں تو تم بھی یہی کہنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور قریب آئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر یہ بو کیسی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو اس کی مکھیوں نے عرفط کا عرق چوسا ہوگا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ میں ہی تھے کہ خدا کی قسم میں نے تمہارے خوف سے پکار کر وہ بات اسی وقت کہنا چاہی تھی (لیکن توقف کیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچ گئے تو میں نے وہ بات کہی) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے وہی (طے شدہ) بات عرض کی۔ پھر صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی وہی بات عرض کی۔ بالآخر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں اسی شہد کا شربت پلاؤں، فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شربت سے محروم کر دیا، میں نے کہا: خاموش رہو۔ صحیحین میں بروایت عطاء بیان کیا گیا ہے کہ عبید بن عمیر نے کہا: میں نے خود سنا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اُم المؤمنین) زینب بنت جحش کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے۔ میں نے اور اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے کچھ آپ کی طرف سے مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ جب حضور والا ہم دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو اس بی بی نے (حسب مشاورت) وہی بات کہہ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تو کوئی بات نہیں ہے بس زینت بنت جحش کے پاس میں نے شہد کا شربت پیا تھا، دوبارہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا یعنی زینب کے گھر شہد کا شربت ہرگز نہ پیوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ "ان تتوبا الی اللّٰہ" حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما "و اذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا" بلکہ آپ نے شہد پیا تھا۔

اس سند کے ساتھ ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن میں نے زینت بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے میں دوبارہ نہ پیوں گا اور میں نے قسم اُٹھالی ہے۔ پس تو اس کی خبر کسی کو نہ دینا۔ آپ علیہ السلام اس کے ذریعے اپنی بیویوں کی رضا تلاش کرتے تھے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کی باریاں بانٹ دیا کرتے (ایک بار) جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے اپنے میکے جانے اور اپنے والد کو دیکھنے کی اجازت کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جب چلی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہی طلب فرمایا، ماریہ آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قربت کی۔ حضرت حفصہ لوٹ کر آئیں تو دروازہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ حضرت حفصہ بیٹھی رو رہی تھیں، فرمایا: کیوں رو رہی ہو؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے مجھے اجازت دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں اپنی باندی کو بلایا اور میری باری کے دن میرے بستر پر اس سے قربت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اتنا پاس لحاظ بھی نہیں کیا جتنا دوسری کسی بی بی کا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ میری باندی نہیں ہے جو اللہ نے میرے لیے حلال کر دی ہے (خیر) اب تم خاموش ہو جاؤ تمہاری خوشنودی کی خاطر میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ کسی بی بی کو اس کی اطلاع نہ دینا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ دیوار کھٹکھٹائی جوان کے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے درمیان تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں تم کو ایک خوشخبری سناتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی ماریہ کو اپنے لیے حرام کر لیا، اب ہم کو اللہ نے اس کی طرف سے سکھ دے دیا۔ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا باہم گہری دوست تھیں اور دوسری بیبیوں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسری کی مددگار۔ اسی لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ یہ بات سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہے جب تک یہ آیت نازل ہوئی۔ "**یا یھا النبی لم تحرم ما احلّ اللّٰہ لک**" یعنی شہد اور ماریہ "**تبتغی مرضات ازواجک واللّٰہ غفور رحیم**" اور حکم دیا گیا کہ آپ علیہ السلام اپنی قسم کا کفارہ دیں اور اپنی لونڈی سے رجوع کریں۔ پس فرمایا:

2 "**قد فرض اللّٰہ لکم تحلّة ایمانکم**" یعنی بیان کیا اور واجب کیا کہ تم ان کا کفارہ دو جب تم حانث ہو جاؤ اور کفارہ سورۃ المائدہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ "**واللّٰہ مولاکم**" تمہارا ولی اور تمہارا مددگار ہے۔ "**وھو العلیم الحکیم**" اہل علم کا لفظ تحریم میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ایک قوم نے کہا ہے یہ قسم نہیں ہے۔ پس اگر اپنی بیوی کو کہا تو مجھ پر حرام "**انت علیّ حرام**" یا کہا "**حرّمتک**" میں نے تجھے حرام کر دیا ہے۔ پس اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہے اور اگر اس سے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے۔ اور اگر اس کی ذات کو حرام کرنے کی نیت کی یا مطلق چھوڑا تو اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا محض لفظ کی وجہ سے اور اگر یہ کہا اپنی لونڈی کو، پس اگر آزاد کرنے کی نیت کی تو آزاد ہو جائے گی اور اگر لونڈی کی ذات کو حرام کرنے کی نیت کی یا مطلق چھوڑ دیا تو اس پر کفارہ یمین لازم ہے۔

پس اگر کسی کھانے کی چیز کا کہا "**حرمته علی نفسی**" میں نے اس کو اپنے نفس پر حرام کر دیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسی کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ قسم ہے۔

پس اگر یہ اپنی بیوی کو کہا یا اپنی لونڈی کو تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا جب تک ان کے قریب نہ جائے۔ جیسا کہ اگر قسم کھائی کہ اس سے وطی نہیں کرے گا اور اگر کھانے کو حرام کیا تو وہ ایسے ہے جیسے اگر قسم کھائی کہ اس کو نہیں کھائے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہے جب تک اس کو نہ کھائے۔ یہ ابوبکر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے اور اسی کے امام اوزاعی اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ قائل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے لفظ حرام کے بارے میں کہا کہ کفارہ دیا جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ"

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِیْرٌ ④

ترجمہ: اور جبکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی) کو بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس ظاہر کرنے والی بی بی کو تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے (خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی اے (پیغمبر کی دونوں بیبیو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں۔

تفسیر ③ "واذ اسرّ النّبی الٰی بعض ازواجه حدیثا" اور وہ اپنی لونڈی کو خود پر حرام کرنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنا کہ اس کی کسی کو خبر نہ دینا۔

اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے بعد خلافت کے امر کو چھپایا۔ پس اس کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے بیان کر دیا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی طرف یہ بات چھپائی کہ تیرا باپ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا باپ میرے بعد میری اُمت کے خلیفہ ہوں گے اور میمون بن مہران نے کہا اس بات کو پوشیدہ رکھا کہ ابوبکر میرے بعد میرے خلیفہ ہوں گے۔ "فلمّا نبّات به" اس کی حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی۔ "واظهره اللّٰه علیه" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اطلاع دی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی آگے خبر کر دی ہے۔ "عرّف بعضه" عبدالرحمٰن سلمی اور کسائی رحمہما اللہ نے "عرف" راء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اس کے بعض فعل

کو پہچان لیا جو اس نے آپ علیہ السلام کے راز کو کھولنے میں کیا۔ یعنی اس وجہ سے ناراض ہوا اور اس کو اس کی جزاء دی۔ یہ قائل کے قول سے مشتق ہے "لاعرفن لک ما فعلت" جب کوئی اس سے برا معاملہ کرے۔

یعنی میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بدلہ دیا کہ ان کو طلاق دے دی۔ پس جب یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر آل خطاب میں کوئی خیر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے طلاق نہ دیں گے۔ پس جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ علیہ السلام کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ جدائی اختیار کی اور ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی باری میں بیٹھے حتیٰ کہ تخییر کی آیت نازل ہوئی اور مقاتل ابن حیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہیں دی تھی۔ صرف طلاق کا ارادہ کیا تھا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ علیہ السلام ان کو طلاق نہ دیں کیونکہ وہ کثرت سے روزے رکھنے والی اور کثرت قیام والی ہیں اور یہ جنت میں آپ علیہ السلام کی بیویوں میں سے ہیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو طلاق نہیں دی اور دیگر حضرات نے "عرّف" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اس بات کے بعد حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا یعنی ان کو اس بعض قول کی خبر دی جو ان سے ہوا تھا۔ "واعرض عن بعض" یعنی وہ اس کو نہیں بتایا اور اس کی خبر بھی نہیں دی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کریم کبھی تمام کوتاہی نہیں بتاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "عرّف بعضه و اعرض عن بعض" کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حفصہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ناگواری دیکھی تو ان کو راضی کرنے کے لیے چپکے سے دو باتیں بتائیں۔ (۱) لونڈی کو اپنے اوپر حرام کرنا اور ان کو خوشخبری دینا کہ آپ علیہ السلام کے بعد خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد عمر رضی اللہ عنہ میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس پر مطلع کیا تو حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا اور اس تھوڑی بات کی خبر دی جو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتائی تھی اور وہ لونڈی کو حرام کرنا ہے اور بعض سے اعراض کیا یعنی خلافت کے ذکر سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناپسند سمجھا کہ یہ بات لوگوں میں پھیل جائے۔ "فلمّا نبّاها به" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی اس کی جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر ظاہر کیا۔ "قالت" حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا "من انبأک هذا" یعنی کس نے آپ علیہ السلام کو خبر دی ہے کہ میں نے راز افشاء کیا ہے۔ "قال نبّاني العليم الخبير"

④ "ان تتوبا الى الله" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایذاء کا تعارف کرنے سے۔ اس سے عائشہ صدیقہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاب کیا ہے۔ "فقد صغت قلوبكما" یعنی حق سے مائل ہوگئے اور تم توبہ کی سزاوار ٹھہریں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارے دل مائل ہوئے کہ ان دونوں کا راز وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لونڈی سے اجتناب کرنے سے۔

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات دریافت کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کون

سی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: "ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما" (مگر موقع نہیں ملتا تھا) ایک بار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کو گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ حج کو گیا اور (راستہ میں قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور) آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ میں بھی لوٹا لیے (راستہ چھوڑ کر) آپ کے ساتھ ایک طرف کو مڑ گیا۔ آپ ضرورت پوری کرکے واپس آئے تو میں نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس وقت کہا امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کون سی تھیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما"

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا سے کون دو عورتیں مراد ہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "ابن عباس! (رضی اللہ عنہ) تیرے اوپر تعجب ہے وہ دونوں عائشہ اور حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھیں۔" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوری سرگزشت بیان کی اور فرمایا "میں اور بنی اُمیہ بن زید کے قبیلہ کا ایک انصاری جو عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا، باہم طے کر چکے تھے کہ باری باری ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کریں گے، ایک دن میں ایک دن وہ۔ میری باری کے دن جو وحی نازل ہو یا کوئی دوسرا اہم واقعہ ہو اس کی اطلاع میں اُس انصاری کو دوں گا اور اس کی باری کے دن جو کچھ ہو وہ مجھ سے آ کر بیان کرے۔

ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں اُن پر غالب تھیں۔ ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کی خُو اور خصلت سیکھنے لگیں۔ ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا، اس نے بھی ویسا ہی (چلا کر) جواب دیا، مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی معلوم ہوا۔ اُس نے کہا "آپ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑے رہی ہیں" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی نہیں کیا)۔

میں یہ بات سن کر گھبرا گیا اور میں نے کہا: نامراد رہے گی جو ایسا کرے گی، اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُترا اور پوچھا "کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی ناراض ہوتی ہے کہ دن بھر شام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رکھتی ہے؟" حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا "ہاں!" میں نے کہا تو ناکام و نامراد ہوگی (اگر تو نے ایسی حرکت کی) کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے اللہ ناراض ہو جائے گا پھر تو تباہ ہو جائے گی۔ (خبردار)! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ (مصارف) طلب نہ کرنا اور کسی معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے نہ رہنا (یعنی ترکِ کلام نہ کرنا) اور جو کچھ تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا اور تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہیے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ پیاری ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس زمانہ میں ہم باہم تذکرہ کرتے تھے کہ غسانیوں نے ہم سے لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں

کی نعل بندی کرائی ہے۔ایک روز انصاری (دوست) اپنی باری کے دن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور) عشاء کے وقت ہمارے پاس لوٹ کر آیا اور آتے ہی میرا دروازہ زور، زور سے پیٹ ڈالا اور پوچھا: کیا عمر (رضی اللہ عنہ) ہے؟ میں گھبرا کر فوراً باہر نکلا۔ انصاری نے کہا: آج ایک عظیم حادثہ ہوگیا۔میں نے کہا، کیا ہوا؟ کیا غسان (شاہ شام) آ گیا؟ بولا اس سے بھی بڑا لمبا حادثہ ہوگیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی۔میں نے کہا حفصہ رضی اللہ عنہا نا کام و نامراد ہوگئی، میرا تو پہلے ہی خیال تھا کہ عنقریب (شاید) ایسا ہوگا،اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے اور وہاں سب سے کنارہ کش ہوگئے اور میں حفصہ کے پاس گیا، وہ رو رہی تھی۔

میں نے کہا: اب کیوں روتی ہے؟ کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہیں ڈرا دیا تھا، کیا تم عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی؟ بولی: مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے الگ بالا خانے پر گوشہ نشین ہوگئے ہیں۔

میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے نکل کر (مسجد میں) منبر کے پاس پہنچا۔اس وقت منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے رو رہے تھے۔میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گیا لیکن اندرونی غم کی وجہ سے مجھ سے وہاں زیادہ رُکا نہ گیا، فوراً بالا خانے کی طرف آیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ گیر تھے۔میں نے غلام سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر کے لیے اجازت کی درخواست کرو۔غلام اندر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بات کی اور پھر واپس آ کر غلام نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تھی اور تمہارا تذکرہ کر دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔مجبوراً میں واپس آ کر پھر منبر کے پاس ان لوگوں کے قریب بیٹھ گیا جو وہاں موجود تھے لیکن زیادہ دیر رُکا نہ گیا، پھر جا کر اسی غلام سے کہا: میرے لیے داخلہ کی اجازت کی استدعا کرو۔اس نے اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کلام کیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا اور بولا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے داخلہ کی درخواست کی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔

میں (مایوس ہوکر) لوٹ آیا اور انہی لوگوں میں جا کر بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اندرونی احساس کے غلبہ کی وجہ سے اُٹھا اور غلام سے جا کر کہا: عمر کے لیے اجازت کی درخواست کرو۔غلام اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور کہا میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔میں نے واپسی کے لیے پشت پھیری ہی تھی کہ اس غلام نے مجھے پکار کر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو داخل ہونے کی اجازت دے دی۔یہ بات سن کر میں اندر چلا گیا، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگی چٹائی پر استراحت فرما ہیں جس کی وجہ سے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں کھجور کے درخت کے ریشے بھرے ہوئے ہیں۔میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نظر اُٹھائی اور فرمایا: نہیں۔اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جھجک کو دُور کرنے کے لیے میں نے کھڑے ہی کھڑے عرض کیا۔دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا قریش کا جتھا پہلے اپنی عورتوں پر غالب تھا لیکن مدینہ آنے کے بعد ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں اُن پر غالب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر مسکرا دیئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ملاحظہ فرمائیے میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہیے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر دوبارہ مسکرا دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھ کر میں بیٹھ گیا اور نظر اُٹھا کر گھر کے اندر کی چیزوں کو دیکھا، خدا کی قسم تین کچے چمڑوں کے علاوہ میں نے کوئی چیز قابل دید نہیں پائی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے دُعا کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو فراخی حاصل ہو جائے۔ روم اور فارس کو اللہ نے فراخ حال کیا ہے اور اُن کو دُنیا عطا کی ہے باوجودیکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے میری بات سنتے ہی بیٹھ گئے اور فرمایا: ابن خطاب! کیا تم اس خیال میں ہو، اُن لوگوں کو تو اللہ نے اُن کی عمدہ (دِل پسند) چیزیں دُنیا میں دے دی ہیں (آخرت میں اُن کا حصہ نہیں) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دُعائے مغفرت فرمائیے۔ بس یہی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے کیوں کہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔

اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے سخت ناراض تھے اور عہد کیا تھا کہ میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جب انتیس راتیں گزر گئیں تو سب سے پہلے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے (یعنی کسی بی بی کے) پاس تشریف نہیں لائیں گے لیکن آج تو انتیس کے بعد کی صبح ہے۔ میں برابر گن رہی ہوں، فرمایا: مہینہ انتیس کا (بھی ہوتا ہے) ہے۔ واقعی وہ مہینہ انتیس کا (ہوا) تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور (مجھے نکاح میں باقی رہنے یا آزاد ہو جانے کا اختیار دیا) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے ساتھ رہنے) کو اختیار کیا۔

پھر دوسری بیبیوں کو بھی یہی اختیار دیا اور سب نے اسی بات کو اختیار کیا جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اختیار کی تھی۔ (یعنی کیسا ہی فقر و فاقہ ہو کسی بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں بغیر ماں، باپ کے مشورہ کے فوری عجلت میں اس کا جواب دینا تیرے لیے لازم نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کا مجھے مشورہ نہیں دیں گے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: "**یایھا النبی قل لازواجک ان کنتن**" (دونوں آیات کے ختم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی) میں نے عرض کیا: اس معاملہ میں والدین سے کیا مشورہ کروں (اس کی کوئی ضرورت نہیں) میں اللہ کو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور دارِ آخرت (کی بھلائی) کو چاہتی ہوں۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے، اس کا سبب وہی افشاءِ راز تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔
(وان تظاهر اعلیه) یعنی اگر تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہم تعاون کرلو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہے۔ (فان الله هو مولاه) وہ اس کا ولی اور مددگار ہے۔ (وجبریل وصالح المومنین) اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ صالح المومنین سے مراد مخلص مومن جو منافق نہیں ہیں۔ (والملائکة بعد ذلک ظهیر) یعنی اللہ کی جبرئیل کی اور مومنین صالحین کی مدد کے بعد ملائکہ بھی اپنی پوری کثرت کے ساتھ مددگار ہیں۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝۶ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۹

(ترجمہ) اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے میں ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں عبادت کرنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند خو اور مضبوط فرشتے متعین ہیں جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے (فوراً) بجالاتے ہیں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرتے وقت ان سے کہا جاوے گا کہ (اے کافرو آج تم عذر (ومعذرت) مت کرو کہ بے سود ہے بس تم کو اسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور یہ اس روز ہوگا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور جو مسلمان (دین کی مدد سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے داہنے اور سامنے دوڑتا ہوگا اور یوں

دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھیے یعنی وہ گل نہ ہو جائے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار (سے بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں) اور آخرت میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

تفسیر 5 "عسیٰ ربّہ ان طلقکن" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہے اگر تمہیں اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں۔ "ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات" جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ فرمانبردار رہوں گی۔ "مؤمنات" اللہ کی توحید کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ "قانتات" فرمانبردار اور کہا گیا ہے وہ دعوت دینے والیاں اور کہا گیا ہے نماز پڑھنے والیاں۔ "تائبات عابدات سائحات" روزے رکھنے والیاں اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہجرت کرنے والیاں اور کہا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کریں گے جہاں آپ علیہ السلام چاہیں گے۔ "ثیبات و ابکارا" اور یہ قدرت کی خبر دی نہ کہ وجود بتایا ہے اس لیے کہ فرمایا ہے "ان طلقکن" اور تحقیق اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ آپ علیہ السلام ان کو طلاق نہ دیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "وان تتولّوا یستبدل قوما غیر کم لم لا یکونوا امثالکم" کی طرح ہے اور یہ بھی قدرت کی خبر دی ہے نہ یہ کہ کوئی ایسی اُمت موجود ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے بہتر ہے۔

6 "یا یھا الّذین امنوا قوا انفسکم" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یعنی ان چیزوں سے رُکنے کے ساتھ جن سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور اس کی طاعت کے ساتھ عمل کرنے کے ساتھ "واھلیکم نارا" یعنی ان کو خیر کا حکم دو اور شر سے روکو اور ان کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ ان کو اس کے ذریعے آگ سے بچاؤ۔ "وقودھا النّاس والحجارة علیھا ملائکة" یعنی جہنم کے داروغے "غلاظ" اہل نار پر سخت ہیں۔ "شداد" قوی ان میں سے ایک ایک دھکے سے ستر ہزار لوگوں کو جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ زبانیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں رحمت کو پیدا نہیں کیا۔ "لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون"

تَوْبَةً نَّصُوْحًا کی تفسیر

7 ...... "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ. اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ 8 يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا" حسن اور ابوبکر رحمہما اللہ نے عاصم رحمہ اللہ سے "نصوحا" نون کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر حضرات نے اس کے زبر کے ساتھ یعنی "توبة" ذات نصح جو صاحب توبہ کی خیر خواہی کرے جس چیز سے توبہ کی ہے اس کی طرف عود کو چھوڑنے کے ساتھ اور اس کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ عمر، ابی و معاذ فرماتے ہیں "التوبة النصوح" یہ کہ توبہ کرے پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے۔ جیسا کہ دودھ تھن میں واپس نہیں جاتا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ توبہ یہ ہے کہ بندہ گزشتہ پر شرمندہ ہو اور پختہ ارادہ ہو کہ دوبارہ گناہ نہ کرے گا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زبان سے استغفار کرے اور دل سے نادم ہو اور بدن سے رُک جائے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی توبہ جس کے ذریعے تم اپنی خیر خواہی کرتے ہو۔ قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو چار چیزیں جمع کرتی

ہیں، زبان سے استغفار کرنا اور بدن سے رُک جانا اور دل میں اس کام کی طرف لوٹنے کو چھوڑنے کی نیت کرنا اور برے دوستوں کو چھوڑنا۔ "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" یعنی ان کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنے کا عذاب نہ دیں گے۔ "نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبایمانھم" پل صراط پر "یقولون" جب منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا۔ "ربّنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیءٍ قدیر"

۹ "یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ. وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ. وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ" پھر اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں اور نیک عورتوں کی مثال بیان کی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ. کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ م اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۱۱ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّهَا وَکُتُبِهٖ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ۱۲

ترجمہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح (علیہ السلام) کی بی بی اور لوط علیہ السلام کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں عورتوں کو (بوجہ کافر ہونے کے حکم ہو گیا اور جانے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی حضرت آسیہ کا حال بیان کرتا ہے جبکہ ان کی بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنایئے اور مجھ کو فرعون کے شر سے اور اس کے عمل (کفر کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھیے اور مجھ کو تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں سے محفوظ رکھیے اور نیز مسلمانوں کی تسلی کے لئے) عمران کی بیٹی (حضرت) مریم (علیہا السلام) کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی (جو ان کو ملائکہ کے ذریعے پہنچے تھے) اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں۔

تفسیر ۱۰ "ضرب اللّٰہ مثلا للذین کفروا امرأۃ نوح" اس کا نام واعلہ تھا۔ "وامرأۃ لوط" اس کا نام والہلہ تھا۔ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا والعہ اور والھہ "کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین" اور یہ دونوں نوح اور لوط علیہما السلام ہیں۔ "فخانتاھما" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ ان دونوں کی خیانت یہ تھی کہ یہ دونوں عورتیں اپنے خاوند کے دین کے علاوہ دین پر تھیں۔ پس نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں کو کہتی تھی یہ مجنون ہیں اور جب نوح

علیہ السلام پر کوئی شخص ایمان لاتا تو وہ "جبابرۃ" کو بتا دیتی اور لوط علیہ السلام کی بیوی تو وہ لوط علیہ السلام کے مہمان پر اپنی قوم کی رہنمائی کرتی تھی۔ جب رات کو کوئی مہمان آ جاتا تو آگ روشن کر دیتی اور جب دن کو کوئی مہمان آتا تو دھواں اُڑاتی تا کہ اس کی قوم کو پتہ چل جائے کہ کوئی مہمان آیا ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں نے نفاق کو چھپایا اور ایمان کو ظاہر کیا۔

"فلم یغنیا عنهما من اللّٰه شیئا" وہ دونوں اپنے نبی علیہ السلام ہونے کے باوجود اپنی بیویوں سے عذاب الٰہی کو دور نہ کر سکے۔ "وقیل ادخلا النار مع الداخلین" اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ہر اس شخص کی اُمید ختم کر دی ہے جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے کہ اس کو اس کے غیر کی نیکی نفع دے گی۔ پھر خبر دی کہ کسی اور کی معصیت بندہ کو نقصان نہیں دے گی جب وہ خود فرمانبردار ہو۔

۱۱ پھر فرمایا "وضرب اللّٰه مثلا للذین اٰمنوا امرأۃ فرعون" وہ آسیہ بنت مزاحم ہے۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے تو فرعون کی بیوی ایمان لے آئی جبکہ فرعون پر اس کا اسلام ظاہر ہوا تو اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں چار میخیں ٹھونکوا دیں اور اس کو دھوپ میں ڈلوا دیا۔ سلمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون کی بیوی سورج کے ذریعے عذاب دی جاتی تھی۔ پس جب وہ وہاں سے جاتے تو اس پر فرشتے سایہ کرتے۔ "اذ قالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنّة" تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جنت کا گھر اس کے سامنے مکشوف کر دیا حتیٰ کہ اس نے اس کو دیکھ لیا اور قصہ میں یہ ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ اس پر بڑی چٹان پھینکی جائے جب وہ لوگ اس کے پاس چٹان لائے تو اس نے کہا "ربّ ابن لی عندک بیتا فی الجنّة" تو اس نے جنت میں موتی کا بنا اپنا گھر دیکھ لیا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ پھر چٹان ایسے جسم پر پھینکی گئی جس میں روح نہ تھی اور اس کو کوئی تکلیف نہ ہوئی اور حسن اور ابن کیسان رحمہما اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو اوپر اُٹھا لیا، پس وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔ "ونجنی من فرعون وعمله" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وعمله" یعنی شرک سے اور ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے "وعمله" یعنی اس کے جماع سے۔ "ونجنی من القوم الظالمین" کافر لوگوں سے۔

۱۲ "ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه" یعنی اس کی قمیص کے گریبان میں اور اس ضمیر کو ذکر کیا ہے۔ "من روحنا و صدقت بکلمات ربها" یعنی وہ شرائع جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کی ہیں اپنے اُتارے ہوئے کلمات کے ذریعے۔ "و کتبه" اہل بصرہ اور حفص رحمہم اللہ نے "و کتبه" جمع کے ساتھ اور دیگر حضرات نے "و کتابه" واحد پڑھا ہے اور مراد اس سے بھی کثرت ہے اور وہ کتب مراد ہیں جو ابراہیم، موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں۔ "و کانت من القانتین" یعنی اس قوم میں سے تھی جو اپنے رب کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اس لیے "القانتات" نہیں کہا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "من القانتین" یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے اور ممکن ہے کہ "القانتین" سے اس کا قبیلہ اور خاندان مراد ہو کیونکہ یہ لوگ نیک، اللہ کے فرمانبردار تھے۔

اور ہم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا تجھے جہان کی عورتوں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُلْک

مکی ہے اور اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ① نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا. وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ②

ترجمہ وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کوئی شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

تفسیر ① "تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیءٍ قدیر.

② الذی خلق الموت والحیاۃ" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دُنیا میں موت اور آخرت میں زندگی مراد ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کی موت اور اس کی زندگی دُنیا میں مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو زندگی اور فناء کا گھر بنایا اور آخرت کو جزاء اور بقاء کا گھر بنایا۔ کہا گیا ہے موت کو مقدم کیا ہے اس لیے کہ وہ قہر کے زیادہ قریب ہے اور کہا گیا ہے اس کو مقدم کیا ہے اس لیے کہ وہ زیادہ مقدم ہے اس لیے کہ تمام اشیاء ابتداء میں موت کے حکم میں تھیں جیسے نطفہ، مٹی اور ان دونوں کی مثل۔ پھر ان پر زندگی واقع ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ موت کو ایک سفید و سیاہ رنگ والے مینڈھے کی صورت پر پیدا کیا جس چیز پر گزرتا اور جو چیز اس کی بدبو سونگھ لیتی مرجاتی اور زندگی کو ایک چتکبرے رنگ کی گھوڑی کی صورت پر پیدا کیا۔ یہ وہی ہے جس پر جبرئیل علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام سواری کرتے تھے۔ یہ جس چیز پر گزرتی اور جو چیز اس کی خوشبو سونگھتی وہ زندہ ہوجاتی۔ یہ وہی گھوڑی ہے جس کے نشانِ قدم سے سامری نے ایک مٹھی لی تھی۔ پھر بچھڑے پر ڈالی تو وہ زندہ ہوگیا۔ "لیبلوکم" زندگی و موت کے درمیان "ایکم احسن عملا" ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ احسن عملا اچھی عقل والا اور اللہ کے محارم سے پرہیز کرنے والا اور اللہ کی فرمانبرداری میں جلدی کرنے والا اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں احسن عملا اخلاص اور درست عمل والا اور فرمایا کہ عمل نہیں قبول کیا جاتا جب تک خالص درست نہ ہو۔ پس خالص وہ عمل ہے جو اللہ کے لیے ہو اور درست جو سنت کے طریقہ پر ہو اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم میں سے

کون دُنیا سے زیادہ بے رغبت اور اس کو زیادہ چھوڑنے والا ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلوئی کا لفظ اسی پر تب واقع ہوتا ہے جب دونوں کے درمیان ضمیر لائی جائے جیسے تو کہے گا "بلوتکم لانظر ایکم اطوع" اور اس کی مثل "سلھم ایھم بذلک زعیم" ہے یعنی "سلھم وانظر ایھم" پس اگر ابتداء کی بناء پر رفع دیا جائے اور احسن اس کی خبر ہے۔ "وھو العزیز" اپنے انتقام لینے میں اس سے جس نے اس کی نافرمانی کی ہے۔ "الغفور" اس کے لیے جس نے اس کی طرف توبہ کی ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا. مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ. فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۞ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۞ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۞ وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ. وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۞ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۞ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ. كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۞

ترجمہ: جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے تو خدا کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے (یعنی بلا تامل تو نے بہت بار دیکھا ہوگا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخرکار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے اور ہم نے ان (شیاطین) کے لئے (آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی اور جب اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا۔

تفسیر: ۳ "الذی خلق سبع سماوات طباقا" تہہ بتہہ ایک دوسرے کے اوپر "ما تریٰ فی خلق الرّحمٰن من تفاوت" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ "من تفوت" واؤ کی شد کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے واؤ کی تخفیف اور اس سے پہلے الف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے تحمّل اور تحامل اور "تظھّر" اور تظاہر اور اس کا معنی اے ابن آدم تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کجی و ٹیڑھا پن اور اختلاف تناقض نہ دیکھے گا بلکہ وہ تو بالکل سیدھی برابر ہے اور اس کی اصل فوت سے ہے۔ وہ یہ کہ اس میں سے بعض بعض سے فوت ہو جائے اور اس کے قلت استواء کی وجہ سے۔ "فارجع البصر" نظر کو بار بار ڈال۔ اس کا معنی تو دیکھ پھر دوبارہ دیکھ۔ "ھل تریٰ من فطور" پھٹن اور شگاف۔

❹ "ثم ارجع البصر کرتین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک مرتبہ کے بعد "ینقلب" پھرے گی اور لوٹے گی۔ "الیک البصر خاسئا" ذلیل جو اس کا مقصد ہوگا اس کو نہ دیکھ سکے گی۔ "وھو حسیر" منقطع ہونے والی رات کی طرح نہیں پایا اس کو جو طلب کیا اور کعب رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا دُنیا کا آسمان موج مکفوف ہے اور دوسرا سفید موتی کا اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا زرد رنگ کا ہے اور کہا تانبے کا ہے اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں سرخ یاقوت کا اور ساتویں آسمان سے ساتویں حجاب تک نور کے صحراء ہیں۔

❺ "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" مراد زمین سے قریب والا ہے جس کو لوگ دیکھتے ہیں اور اس کا قول "بمصابیح" ستارے اس کا واحد مصباح ہے اور وہ چراغ ہے ستارے کا نام چراغ رکھا گیا۔ اس کے روشنی دینے کی وجہ سے "وجعلناھا رجوما" تیر پھینکنے کے آلے ہیں۔ "للشیاطین" جب وہ بات کو چوری سننے لگیں۔ "واعتدنا لھم" آخرت میں۔ "عذاب السعیر" بھڑکائی ہوئی آگ۔

❻ "وللذین کفروا بربھم عذاب جھنم وبئس المصیر.

❼ اذا القوا فیھا سمعوا لھا شھیقا" اور یہ گدھے کے ڈھینچوں کرنے کی ابتداء ہے اور یہ قبیح ترین آواز ہوتی ہے۔ "وھی تفور" ان کے ساتھ جوش مارے گی جیسے ہنڈیا جوش مارتی ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے ساتھ بہے گی جیسے بہت زیادہ پانی تھوڑے سے دانوں کے ساتھ بہتا ہے۔

❽ "تکاد تمیز" پھٹ جائے۔ "من الغیظ" ان پر غصہ کی وجہ سے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قریب ہے کہ کفار پر غصہ کی وجہ سے پھٹ جائے۔ "کلما القی فیھا فوج" ان میں سے ایک جماعت "سالھم خزنتھا" ڈانٹ کا سوال "الم یاتکم نذیر" رسول جو تمہیں ڈراتے۔

قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ. اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ. وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ⑭ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ. وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ⑮ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ⑯

ترجمہ: وہ کافر (بطور اعتراف کے) کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا پیغمبر آیا تھا سو (یہ ہماری شامت تھی

کہ) ہم نے (اس کو) جھٹلایا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے (از قبیل احکام و کتب) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بڑی غلطی میں پڑے ہو اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (مقرر) ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو (اس کو سب خبر ہے کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین (اور) پورا باخبر ہے وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ (پیو) اور کھا پی کر اس کو بھی یاد رکھنا کہ) اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے کیا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جبکہ وہ آسمان میں (بھی اپنا حکم و تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرا کر الٹ پلٹ ہونے لگے۔

تفسیر ۹ "قالوا بلٰی قد جاء نا نذیر فکذبنا وقلنا" رسولوں کو "ما نزل اللّٰہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر"

۱۰ "وقالوا لو کنا نسمع" رسولوں سے جو وہ ہمارے پاس لائے ہیں۔ "او نعقل" ان سے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اگر ہم ہدایت کو سنتے یا اس کو سمجھتے پھر اس پر عمل کرتے۔ "ما کنا فی اصحاب السعیر" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر ہم سنتے اس شخص کی طرح سننا جو غور و فکر کرتا ہے یا ہم سمجھتے اس کی طرح جو شعور و تمیز رکھتا ہے تو ہم جہنم والوں میں نہ ہوتے۔

۱۱ "فاعترفوا بذنبھم فسحقا" دوری ہے۔ "لاصحاب السعیر" ابو جعفر اور کسائی رحمہما اللہ نے "فسحقا" حاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں الرعب اور الرعب اور السحت اور السحت کی طرح۔

۱۲ "ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر۔

۱۳ واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باتیں کرتے تھے تو آپ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام خبر کر دیتے تھے تو وہ آپس میں کہتے آہستہ بات کرو تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا نہ سن لے۔

۱۴ "الا یعلم من خلق" کیا نہیں جانتا دلوں کے حال جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ "وھو اللطیف الخبیر" اس کا علم لطیف ہے دلوں میں اور دلوں میں راز اور وسوسے ہیں ان سے باخبر ہے اور کہا گیا ہے "من" مخلوق کی طرف لوٹتا ہے۔ یعنی کیا اللہ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔

۱۵ "ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا" نرم کہ اس کی نرمی کی وجہ سے اس پر چلنا مشکل نہ ہو۔ "فامشوا فی مناکبھا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے پہاڑوں میں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ٹیلوں میں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے راستے اور وادیوں میں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے سبل میں اور کلبی رحمہ

اللہ فرماتے ہیں اس کے اطراف میں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے اِردگرد۔ فراء فرماتے ہیں اس کے جوانب میں اور اصل کلمہ میں جانب ہے اور اس سے "منکب الرجل" آدمی کا کندھا "الريح النكباء" اور "تنكب فلان" کے جملے ہیں۔ "وکلوا من رزقه" اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں رزق پیدا کیا ہے۔ "واليه النشور" یعنی اور اسی کی طرف تم اپنی قبروں سے اُٹھائے جاؤ گے۔ (فستعلمون) وہ آخرت کے دن یا موت کے وقت جان لیں گے (کیف نذیر) میرا اڈرانا کیسا ہوگا جب وہ اللہ کے عذاب کو دیکھ لیں گے۔

۱۶ پھر کفار کو ڈراتے ہوئے فرمایا "ء أمنتم من في السماء" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے عذاب سے جو آسمان میں ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ "ان يخسف بكم الارض فاذا هي تمور" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے اہل کے ساتھ حرکت کرے گی اور کہا گیا ہے ان کو گرا دے گی اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دھنسانے کے وقت زمین کو حرکت دیتے حتیٰ کہ وہ ان کو نیچے ڈال کر ان پر بلند ہو جاتی ہے اور لوگ ان پر گزرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ماریمور جب آئے اور جائے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا. فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ م بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ. اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: یا تم لوگ اس سے بےخوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم پر (مثل عاد کے) ایک تند ہوا بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ) سو عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ میرا ڈرنا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو ان پر) میرا عذاب کیسا واقع ہوا کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے (اڑتے پھرتے) ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں بجز (خدائے) رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے

ہوئے نہیں ہے بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (اور جس طرح چاہے) اس میں تصرف کر رہا ہے) ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر (آفات سے) تمہاری حفاظت کرے (اور) کافر جو اپنے معبودوں کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں) تو (وہ) نرے دھوکے میں ہیں اور ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر دے مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں سو (جن کافر کا حال اوپر سنا ہے اس کو سن کر سوچو) کہ کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا) یا وہ جو سیدھا ہموار سڑک پر چلا جارہا ہو آپ (ان سے) کہیئے کہ وہی (ایسا قادر منعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے مگر تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو اور آپ یہ بھی کہیے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ (یہ تعیین کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض (علی الاجمال مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس (عذاب موعود) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے اس وقت مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے اور (ان سے) کہا جاوے گا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے (عذاب لاؤ عذاب لاؤ)۔

تفسیر ⑰ ”ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبا“ ہوا پتھروں والی جیسا کہ قوم لوط علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔

⑱ ”ولقد کذب الذین من قبلھم“ یعنی گزشتہ اُمتوں کے کفار نے۔ ”فکیف کان نکیر“ یعنی میرا ان پر عذاب کے ذریعے انکار۔

⑲ ”اولم یروا الی الطیر فوقھم صافات“ جو اپنے پروں سے ہوا میں صف بناتے ہیں۔ ”ویقبضن“ اپنے پَروں کو پھیلانے کے بعد۔ ”ما یمسکھن“ پَر پھیلانے اور سکیڑنے کی حالت میں گرنے سے۔ ”الا الرحمٰن انه بکل شیء بصیر“

⑳ ”امن ھذا الذی ھو جندلکم“ استفہام انکاری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کون سا لشکر ہے تمہارے پاس۔ ”ینصرکم من دون الرحمٰن“ جو تم کو اس کے عذاب سے روکے اور تم سے اس کو دور کرے جو وہ تمہارے بارے میں ارادہ کرے۔ ”ان الکافرون الا فی غرور“ یعنی شیطان کے دھوکے میں وہ ان کو دھوکہ دے رہا ہے کہ ان پر عذاب نہ آئے گا۔

㉑ ”امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقه“ یعنی کون ہے جو تمہیں بارش دے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ تم سے بارش کو

روک لے۔"بل لجوا فی عتو"گمراہ میں سرگرداں ہیں۔"ونفور"حق سے دور ہونا۔

۲۲ پھر مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا"افمن یمشی مکبا علی وجهه" اپنے سر کو گمراہی اور جہالت میں جھکائے ہوئے آنکھوں اور دل کا اندھا دائیں بائیں نہ دیکھتا ہوا اور وہ کافر ہے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا میں معاصی پر سوار۔پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ کے بل جمع کریں گے۔"اھدیٰ امن یمشی سویا" معتدل راستے کو دیکھتا ہوا اور وہ"علی صراط مستقیم"اور وہ مؤمن ہے۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن سیدھا چلے گا۔

۲۳"قل هو الذی انشأ کم وجعل لکم السمع والابصار والافئدة قلیلا ماتشکرون"
مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ ان نعمتوں کے رب کا شکر نہیں کرتے۔

۲۴"قل هو الذی ذرأکم فی الارض والیه تحشرون.

۲۵ویقولون متی هٰذا الوعد ان کنتم صادقین.

۲۶قل انما العلم عند اللّٰه وانما انا نذیر مبین، ۲۷فلما رأوه"
یعنی آخرت میں عذاب کو اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے قول پر اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بدر میں عذاب کو۔"زلفة"یعنی قریب اور یہ اسم اس کے ساتھ مصدر کو موصوف کیا جاتا ہے۔اس میں مذکر اور مؤنث اور واحد، تثنیہ اور جمع برابر ہیں۔"سیئت وجوه الذین کفروا"سیاہ ہوگئے۔ان پر غم چھا گیا۔پس معنی یہ ہے کہ ان کے چہرے سیاہی کی وجہ سے انتہائی بدصورت ہوگئے ہوں گے۔کہا جاتا ہے"ساء الشئ یسوء فهو سیئ"جب بدصورت ہو اور"سیئ یساء"جب قبیح ہو۔"وقیل" اس کو یعنی ان کو داروغ کہیں گے۔"هٰذا"یعنی یہ عذاب

"الذی کنتم به تدعون"......"تفتعلون"کے وزن پر دُعاء سے ہے۔یعنی تم تمنا و دُعا کرتے تھے کہ وہ تمہارے لیے بنایا جائے اور یعقوب رحمہ اللہ نے تدعون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ قتادہ رحمہ اللہ کی قرأت ہے اور ان دونوں کا معنی ایک ہے جیسے"تذکّرون و تذکرون"

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَکَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۲۸
قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَکَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۲۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ
اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۳۰

ترجمہ: آپ (ان سے) کہیے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو (موافق تمہاری تمنا کے) ہلاک کردے یا (موافق ہماری امیدوار اپنے وعدہ کے) ہم پر رحمت فرمادے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا اور آپ ان سے یہ بھی) کہیے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں سو

عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے (یعنی تم جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم جیسا کہ تم کہتے ہو آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے) سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنوئیں کی سوت کو جاری کر دے۔

تفسیر ㉘ "قل" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرکین مکہ کو جو آپ علیہ السلام کی ہلاکت کی تمنا کرتے ہیں۔ "ارأیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی" مؤمنین میں سے۔"او رحمنا" پس ہم کو باقی رکھا ہماری مدتوں کے ختم ہونے تک۔"فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم" کیونکہ وہ ان پر واقع ہونے والا ہے لامحالہ اور کہا گیا ہے اس کا معنی کیا تم دیکھتے ہو اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے۔ پھر مجھے عذاب دے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے۔ پس ہماری مغفرت کر دے۔ پس ہم اپنے ایمان کے باوجود خوفزدہ ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر دے۔ اس لیے کہ اس کا حکم ہم میں نافذ ہونے والا ہے۔ پس کافروں کو کون پناہ دے گا۔ پس کون تمہیں پناہ دے گا اور تمہیں اس کے عذاب سے روکے گا حالانکہ تم تو کافر ہو اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔

㉙ "قل ھو الرّحمٰن" جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔"آمنّا بہ وعلیہ توکّلنا فستعلمون" کسائی رحمہ اللہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔"من ھو فی ضلال مبین" یعنی عنقریب تم عذاب کے معائنہ کے وقت جان لوگے کون گمراہ ہے ہم یا تم؟

㉚ "قل ارأیتم ان اصبح ماؤکم غورًا" یعنی خشک ہو کر ختم ہونے والا اس تک ہاتھ اور ڈول نہ پہنچ سکتے ہوں اور کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی زمزم کا پانی۔"فمن یاتیکم بماء معین" ظاہر اس کو آنکھیں دیکھیں اور ہاتھ اور ڈول حاصل کر سکیں۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے معین یعنی جاری۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں ایک سورۃ ہے جو صرف تیس (۳۰) آیتوں کی ہے آدمی کی سفارش کرے گی۔ پس اس کو قیامت کے دن نکالے گی اور جنت میں داخل کر دے اور وہ سورۃ تبارک ہے۔

سُوْرَۃُ الْقَلَم

مکی ہے اور اس کی باون آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ④

ترجمہ: ن قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کاتب الاعمال ہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں (جیسا منکرین نبوت کہتے ہیں) اور بے شک آپ کے لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیانہ پر ہیں۔

سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا

تفسیر ① "نٓ" اس میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر زمین ہے اور یہ مجاہد اور مقاتل، سدی اور کلبی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ابوظبیان نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں پہلا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ قلم ہے۔ پس وہ جاری ہوا ہر اس چیز کے ساتھ جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر نون کو پیدا کیا، پھر زمین کو اس کی پیٹھ پر بچھا دیا۔ پس نون نے حرکت کی تو زمین ڈگمگائی تو اس کو پہاڑوں کے ذریعے جمایا گیا اور بے شک پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھا "نٓ والقلم وما یسطرون" اور اس کے اسم میں اختلاف ہوا ہے۔ پس کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں بھموت۔ اور واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیوثا اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوثیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کا نام "بلھوث" ہے اور راوی کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور اس کو سرسبز کیا تو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ بھیجا جو زمین پر اُترا حتیٰ کہ سات زمینوں کے نیچے داخل ہو گیا۔

پس اس کو اپنے کندھوں پر رکھ لیا۔ ایک ہاتھ پر مشرق اور دوسرے پر مغرب دونوں ہاتھ پھیلا لیے، سات زمینوں کو قبضہ میں لیا حتیٰ کہ ان کو ضبط کر لیا۔ پس اس کے قدموں کے لیے کوئی ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر فردوس سے ایک بیل اُتارا اس کے

چالیس سینگ اور چالیس ہزار پاؤں تھے اور فرشتے کے دونوں پاؤں کا قرار اس کی کوہان پر کردیا۔ پھر بھی قدم نہ جم سکے تو اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت لیا، فردوس کے اعلیٰ درجہ سے اس کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے تو اس کو بیل کی کوہان سے کانوں کے درمیان رکھ دیا تو فرشتے کے پاؤں اس پر جم گئے اور اس بیل کے سینگ زمین کے اطراف سے نکلے ہوئے ہیں اور اس کے نتھنے سمندر میں ہیں۔ پس وہ ہر دن ایک سانس لیتا ہے۔ پس جب وہ سانس خارج کرتا اور اندر لیتا ہے تو سمندر میں مدوجزر ہوتا ہے۔ جب سانس خارج ہوتا ہے تو مد اور جب اندر کھینچتا ہے تو جزر ہوتا ہے۔ پس بیل کے پاؤں کے لیے کوئی ٹکنے کی جگہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چٹان پیدا کی سات آسمانوں اور سات زمینوں کی موٹائی جیسی تو بیل کے پاؤں اس پر جم گئے۔ یہ وہی چٹان ہے جس کے بارے میں لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا تھا "فتکن فی صخرة" اور اس چٹان کے لیے جائے قرار نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے نون کو پیدا کیا اور وہ بڑی مچھلی ہے پھر چٹان کو اس کی پیٹھ پر رکھا اور اس کا تمام جسم خالی ہے اور مچھلی سمندر پر اور سمندر ہوا کی پشت پر اور ہوا قدرت پر ہے۔ کہا گیا ہے پس تمام دُنیا اس کے ساتھ جو اس پر ہے دو حرف ہیں جن کو جبار نے کہا "کونی" (تو ہو جا) "فکانت" (پس وہ ہو گئی)۔

کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک شیطان نے اس مچھلی کو جس کی پیٹھ پر زمین ہے اس کو پیغام بھیجا اور وسوسہ ڈالا اور اس کو کہا اے لوثیا کیا تو جانتی ہے کہ تیری پیٹھ پر اُمتوں اور چوپایوں، درختوں اور پہاڑوں میں سے کیا کیا ہے اگر تو ان کو جھاڑ دے تو اپنی پیٹھ سے گرا دے گی تو لوثیا نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چوپایہ بھیجا جو اس کے نتھنے میں داخل ہو گیا اور اس کے دماغ تک پہنچ گیا تو مچھلی چلائی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نکلنے کی اجازت دے دی۔ کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھتی ہے اور وہ اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ اس طرف لوٹ آتی ہے جیسے پہلے تھی اور ان میں سے بعض نے کہا ہے بے شک نون رحمٰن کے حروف میں سے آخری ہے۔

اور یہی عکرمہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے فرمایا ہے نون دوات ہے اور کہا گیا ہے یہ قسم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی ہے اور کہا گیا ہے سورۃ کی ابتداء ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے نام ناصر اور نور کا شروع ہے اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدد کرنے کی قسم کھائی ہے۔

"والقلم" جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ذکر کو لکھا اور یہ نور کا قلم ہے اس کا طول آسمانوں و زمین کے درمیان جتنا ہے اور کہا جاتا ہے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ قلم ہے اور اس کی طرف دیکھا تو دو حصے ہو گئے۔ پھر فرمایا تو لکھ اس کو جو قیامت تک ہونے والا ہے تو اس نے لوح محفوظ پر اس کو لکھ دیا۔ "وما یسطرون" لکھتے ہیں یعنی نگرانی کرنے والے فرشتے جو بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔

2 "ما انت بنعمة" نبوت کی۔ "ربک بمجنون" یہ ان کے قول "یا یھا الذی نزل علیه الذکر انک لمجنون" کا جواب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نون اور قلم کی قسم کھائی ہے اور جو اعمال لکھے جاتے ہیں۔ پس فرمایا "ما انت بنعمة ربک" تیرے رب کی نبوت کے ساتھ۔ "بمجنون" یہ جواب قسم ہے۔ یعنی بے شک آپ مجنون نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر نبوت و حکمت کا انعام کیا ہے اور کہا گیا ہے آپ کے رب کی عصمت کی وجہ سے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس طرح ہے جو کہا جاتا ہے "ما

انت بمجنون والحمدللہ" اور کہا گیا ہے اس کا معنی "ما انت بمجنون" آپ علیہ السلام مجنون نہیں ہیں اور نعمت آپ کے رب کے لیے ہے۔ جیسے ان کا قول "سبحانک اللّٰھم وبحمدک" یعنی "والحمدلک" حمد تیرے لیے۔

3 "وان لک لاجرا غیر ممنون" یعنی کم نہ ہوگا اور نہ ختم ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکی افتراء پردازی پر صبر کی وجہ سے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کی تفسیر

4 "وانک لعلی خلق عظیم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں عظیم دین پر ہیں نہ اس سے زیادہ کوئی دین مجھے محبوب ہے اور نہ میرے ہاں پسندیدہ ہے اور وہ دین اسلام ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ قرآن کے آداب ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کے اوامر کو بجالاتے تھے اور اللہ کی نہی سے رُکتے تھے اور معنی یہ ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان اخلاق پر ہیں جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق کے متعلق احادیث مبارکہ

اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے اخلاق کو عظیم قرار دیا ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تادیب پر عمل کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قول "خذالعفو" میں دی۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا ہے اور اچھے افعال کے مکمل کرنے کے لیے۔

براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین چہرے والے اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے، بہت زیادہ اور چھوٹے قد کے بھی نہ تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا اور نہ کسی کام کے کرنے پر مجھے یہ کہا کہ تو نے یہ کیوں کیا ہے اور نہ کسی چیز کی وجہ سے جس کو میں نے چھوڑ دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے اخلاق کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھے تھے اور میں نے کبھی کسی ریشم اور کسی اور چیز کو نہیں چھوا جو آپ علیہ السلام کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ میں نے کستوری اور کوئی خوشبو ایسی سونگھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار ہو۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو اور بدکلامی کرنے والے نہ تھے اور آپ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہترین لوگ تم میں سے اچھے اخلاق والے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستے میں آئی اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے آپ علیہ السلام سے ایک کام ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اے فلاں کی ماں! تو مدینہ کی گلیوں میں سے جس میں جا بیٹھ میں تیرے ساتھ بیٹھ جاؤں گا۔ راوی کہتے ہیں اس نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس کی جو ضرورت تھی وہ پوری کی۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑ کر جہاں چاہتی آپ علیہ السلام کے ساتھ چلتی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مرد کو مصافحہ کرتے تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہ کھینچتے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے اور اپنے چہرے کو اس کے چہرے سے نہ پھیرتے حتیٰ کہ وہ خود اپنے چہرے کو پھیر لے اور آپ علیہ السلام کو کبھی کسی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف ٹانگیں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو نہیں مارا مگر یہ کہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں اور نہ کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ علیہ السلام پر نجرانی چادر تھی موٹے کنارے والی تو آپ علیہ السلام کو ایک بدو ملا، اس نے آپ علیہ السلام کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدو کے سینے کی طرف لوٹ گئے حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کی جانب دیکھا کہ اس پر چادر کے کنارے نشان ڈال چکے ہیں اس کے سختی سے کھینچنے کی وجہ سے۔ پھر اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے اس مال میں سے حکم کریں جو آپ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے پھر ہنسے اور اس کے لیے عطاء کا حکم دیا۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے وزنی چیز جو مؤمن کے میزان میں رکھی جائے گی قیامت کے دن وہ اچھے اخلاق ہیں اور اللہ تعالیٰ فحش گو، بیہودہ بات کرنے والے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کیا تم جانتے ہو سب سے زیادہ کون سی چیز ہے جو لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں دو جوف (سوراخ) داخل کریں گے شرمگاہ اور منہ۔ کیا تم جانتے ہو لوگوں کو سب سے زیادہ کیا چیز جنت میں داخل کرے گی؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک سب سے زیادہ جو چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بے شک مؤمن اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کے درجہ کو پا لیتا ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ⑩

ترجمہ سوان کے خلاف کا غم نہ کیجئے کیونکہ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مذہبی کام یعنی تبلیغ میں ڈھیلے ہو جائیں (تو یہ) لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ (بالخصوص) کسی ایسی شخص کا کہنا مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے۔

تفسیر ⑤ "فستبصر ویبصرون" پس عنقریب اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دیکھ لیں گے اور وہ یعنی اہل مکہ بھی دیکھ لیں گے جب ان پر عذاب اُترے گا۔

⑥ "بایکم المفتون" کہا گیا ہے اس کا معنی تم میں سے کون مجنون ہے۔ پس مفتون مفعول کے وزن پر مصدر کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے مابفلان مجلود معقول یعنی سمجھ و عقل نہیں ہے اور یہ ضحاک رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے اور عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور کہا گیا ہے کہ باء فی کے معنی میں ہے اس کا مجاز "فستبصر ویبصرون" کہ دونوں فریقوں میں سے کون مجنون ہے آپ علیہ السلام کے فریق میں یا ان کے فریق میں اور کہا گیا ہے "بایکم المفتون" اور وہ شیطان ہے جنون کے ذریعے فتنہ میں ڈالتا ہے اور یہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے باء اس میں زائد ہے اس کا معنی "ایکم المفتون؟" یعنی وہ جنون جس کو مجنون کے ذریعے آزمایا گیا ہے اور یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

⑦ "ان ربّک هو اعلم بمن ضلّ عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین."

⑧ فلا تطع المکذبین" یعنی مشرکین مکہ کو کیونکہ وہ آپ علیہ السلام کو اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف بلاتے تھے تو آپ علیہ السلام کو ان کی اطاعت کرنے سے روک دیا ہے۔

⑨ "ودّوا لو تدهن فیدهنون" ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ علیہ السلام کافر ہو جائیں (نعوذ باللہ) تو وہ بھی کافر ہو جائیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ علیہ السلام ان کے لیے نرم ہو جائیں تو وہ آپ علیہ السلام کے لیے نرم ہو جائیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ ان سے اپنے دین میں نرمی کریں تو وہ اپنے دین میں نرمی کریں گے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ "لو تنافق و ترائی فینافقون" ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے ارادہ کیا کہ کچھ عرصہ آپ علیہ السلام ان کے معبودوں کی عبادت کریں اور وہ کچھ عرصہ اللہ کی عبادت کریں۔

10 "ولا تطع کل حلاف" کثرت سے جھوٹی قسمیں اُٹھانے والا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ولید بن مغیرہ۔ اور کہا گیا ہے اسود بن عبد یغوث اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخنس بن شریق "مھین" کمزور حقیر۔ کہا گیا ہے وہ فعیل کا وزن ہے "مھانۃ" سے اور وہ کم رائے اور کم تمیز والا ہونا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بڑا جھوٹا۔ اور یہ پہلے کے قریب ہے اس لیے کہ انسان اپنے آپ کو ذلیل کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴿11﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ﴿12﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿13﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿14﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿15﴾

ترجمہ: بے وقت طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو حد (اعتدال) سے گزرنے والا ہو سخت مزاج ہو (اور) ان (سب) کے علاوہ حرامزادہ (بھی) ہو اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔

تفسیر: 11 "ھمّاز" غیبت کرنے والا لوگوں کے گوشت عیب نکالنے اور غیبت کرنے کے ذریعے کھاتا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ شخص جو اپنے بھائی کے بارے میں مجلس میں آنکھ سے اشارے کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "ھمزہ" ہے۔ "مشاء بنمیم" چغل خور لوگوں کے درمیان چغلیاں لگاتا پھرتا ہے تاکہ ان کے درمیان فساد ڈال دے۔

12 "مناع للخیر" مال پر بخیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مناع للخیر یعنی اسلام سے اپنی اولاد اور خاندان کو روکتا ہے۔ کہتا ہے اگر تم میں سے کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوگیا تو میں اس کو کسی چیز کا نفع نہ دوں گا کبھی بھی۔ "معتد" بڑا ظالم حق سے تجاوز کرنے والا۔ "اثیم" فاجر۔

عتل کی مختلف تفاسیر

13 "عُتل" العتل سخت مزاج ظالم۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں فحش گو بداخلاق۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ باطل میں سخت جھگڑنے والا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے کفر میں سخت اور ہر سخت چیز عرب کے نزدیک عتل ہے اور اس کی اصل العتل سے ہے وہ سختی کے ساتھ دفع کرنا۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں العتل بہت زیادہ کھانے پینے والا سخت طاقتور میزان میں ایک جو کے برابر وزن نہ رکھے گا۔ فرشتہ ان لوگوں میں سے ستر ہزار کو ایک دھکے سے جہنم میں ڈال دے گا۔

"بعد ذلک" اس کے ساتھ یعنی جو ہم نے بیان کیا اس کے ساتھ۔ "زنیم" اور وہ نسب میں شبہ کی وجہ سے کسی قوم کے ساتھ نسب ملایا گیا ہو۔ حالانکہ ان میں سے نہ ہو۔

زنیم کی تفاسیر

عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ قریش میں اس کا نسب ملایا گیا ہے حالانکہ ان میں سے نہیں۔ مرہ ہمدانی فرماتے ہیں اس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کے نسب کا دعویٰ کیا اور کہا گیا ہے "زنیم" وہ شخص جس کے حلق کے نیچے گوشت لٹکا ہوا ہو، بکری کے گوشت کی طرح۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں اس شخص کی صفت بیان کی گئی ہے جس کو پہچانا نہ جاتا ہو حتیٰ کہ جب یوں کہا جائے وہ زنیم ہے تو وہ پہچانا جائے اور اس کی گردن میں گوشت لٹکا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ پہچانا جاتا تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ شر کے ذریعے پہچانا جائے جیسے بکری اپنی گردن کے لٹکے ہوئے گوشت کے ذریعے پہچانی جاتی ہے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اتنے اوصاف وعیوب ذکر کیے ہوں جتنے ولید بن مغیرہ کے عیوب ذکر کیے ہیں۔

پس اس کے ساتھ ایسی عار لاحق کردی ہے جو اس سے دُنیا اور آخرت میں جدا نہ ہوگی۔ حارث بن وہب خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں ہر ضعیف جس کو ضعیف سمجھا جائے۔ اگر اللہ پر قسم اُٹھالے تو اس کی قسم کو پورا کردے، کیا میں تمہیں جہنم والوں کی خبر نہ دوں ہر سرکش، اُجڈ، متکبر شخص ہے۔

⑭ "ان کان ذا مال وبنین" ابوجعفر، ابن عامر، حمزہ، ابوبکر اور یعقوب رحمہم اللہ نے "أأن" استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر حمزہ اور ابوبکر رحمہما اللہ نے دو ہمزوں کو تخفیف دی ہے بغیر مد کے اور پہلے ہمزہ کو مد دی ہے ابوجعفر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ نے اور دوسرے کو لین کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر استفہام کے خبر کی بناء پر پڑھا ہے۔ پس جس نے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی کیا اب ہے مال اور اولاد والا۔

⑮ "اذا تتلٰی علیه آیاتنا قال اساطیر الاوّلین" یعنی اس نے ان نعمتوں کی جزاء جو اس کی بیٹوں اور مال کی صورت میں دی گئی ہیں ہماری آیات کے انکار کو بنایا ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی کیا اب ہے مال اور ایسی اولاد والا جو اس کی فرمانبرداری کرے اور جس نے اس کو خبر پر پڑھا ہے تو اس کا معنی ہر قسمیں اُٹھانے والے جھوٹے کی اطاعت نہ کریں اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔ یعنی وہ اپنے مال وبیٹوں کی وجہ سے اللہ کی اطاعت نہیں کرتا۔ "اذا تتلٰی علیه آیاتنا قال اساطیر الاوّلین"

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ⑳

(ترجمہ) ہم عنقریب ان کی ناک پر داغ لگادیں گے ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا ہم نے (ان سے پہلے) ایک باغ والوں کی آزمائش کی تھی جبکہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر

توڑلیں گے اور (ایسا وثوق ہو کہ) انہوں نے ان شاء اللہ ہی نہیں کہا سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا اور وہ سور ہے تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت کہ خالی زمین رہ جاتی ہے)

تفسیر ⑯ پھر اس کو وعید سناتے ہوئے فرمایا "**سنسمه علی الخرطوم**" اور خرطوم ناک ہے۔ ابوالعالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی ہم اس کے چہرے کو سیاہ کردیں گے۔ پس ہم اس کے لیے آخرت میں علامت بنادیں گے جس کے ذریعے پہچانا جائے گا وہ چہرے کا سیاہ ہونا ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ناک کو علامت کے ساتھ خاص کیا ہے حالانکہ وہ سیاہی پورے چہرے پر چھائی ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ بعض کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں عنقریب ہم تلوار کے ذریعے اس کا کام تمام کردیں گے اور یہ بدر کے دن کہا گیا۔

اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عنقریب ہم اس کے ساتھ ایسی چیز لاحق کریں کے جو اس سے جدا نہ ہوگی۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب کسی شخص کو کہتے ہیں "**سبّ الرجل سبة قبيحة قد وسمه ميسم سوء**" مراد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ایسی عار ملائی گئی ہے جو اس سے جدا نہ ہوگی۔ جیسا کہ علامت نہ مٹتی ہے اور نہ اس کا اثر جاتا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عیب ذکر کر کے اس کے ساتھ ایسی عار لاحق کردی ہے جو اس سے دُنیا اور آخرت میں جدا نہ ہوگی۔ جیسے ناک پر علامت لگانا اور ضحاک اور کسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں عنقریب ہم اس کے چہرے پر داغ دیں گے۔

⑰ "**انّا بلوناهم**" یعنی ہم نے اہل مکہ کا قحط اور بھوک کے ذریعے امتحان لیا۔ "**کما بلونا**" ہم نے آزمائش۔ "**اصحاب الجنّة**" ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "**انا بلوناهم کما بلونا اصحاب الجنّة**" کے بارے میں۔

فرماتے ہیں یمن میں ایک باغ تھا جس کو ضروان کہا جاتا تھا صنعاء سے دو فرسخ پہلے اس کو اہل طریق روندتے تھے۔ اس کو اہل صلاۃ کی ایک قوم نے لگایا تھا یہ ایک شخص کا تھا جو مر گیا تو اس کے تین بیٹے وارث بنے اور جب اس کو ٹھنڈی ہوا لگتی اور جو چیز جدا ہوتی جس کو درانتی کاٹتی ہے جب وہ درختوں کے اوپر سے نیچے بچھونوں پر گرتی تو وہ مساکین کے لیے ہوتی اور جب کھیتی کاٹتے اور جس چیز کو درانتی کاٹنے سے چھوڑ دیتی وہ بھی مساکین کے لیے ہوتی اور جب دانہ نکالتے جو چیز نیچے گر جاتی وہ بھی مساکین کے لیے ہوتی۔ پھر جب باپ مر گیا اور یہ تین بھائی باپ سے وارث بنے تو کہنے لگے اللہ کی قسم! مال تھوڑا ہے اور عیال زیادہ ہیں اور یہ کام تو تب کیا جاتا ہے جب مال زیادہ اور عیال تھوڑے ہوں۔

بہرحال جب مال تھوڑا ہے اور عیال زیادہ ہیں تو ہم یہ کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ایک دن انہوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ وہ صبح کو لوگوں کے نکلنے سے پہلے جائیں گے اور وہ اپنی کھجوریں کاٹ لیں گے اور انہوں نے استثناء نہ کیا یعنی ان شاء اللہ نہ کہا تو وہ لوگ رات کی تاریکی میں اپنے باغ کی طرف گئے تا کہ مساکین کے نکلنے سے پہلے اس کو کاٹ لیں تو اس کو بالکل سیاہ دیکھا۔ تحقیق اُس پر رات کو عذاب کا ایک حصہ چکر لگا گیا تھا پس اس کو جلا دیا۔ پس وہ اس زمین کی طرف ہوگئی جس کی

کھیتی کٹ گئی ہو۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول "اذ اقسموا" انہوں نے قسمیں کھائیں۔ "لیصرمنها مصبحین" ضرور اس کے پھل کاٹیں گے جب صبح ہوگی مساکین کو معلوم ہونے سے پہلے۔

⑱ "ولا یستثنون" انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔

⑲ "فطاف علیها طائف" عذاب۔ "من ربک" رات کو اور طائف رات کو ہی ہوتا ہے اور یہ طائف آگ تھی جو آسمان سے اُتری اور باغ کو جلا دیا۔ "وهم نائمون"

⑳ "فاصبحت کالصریم" تاریک سیاہ رات کی طرح اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اس سے خیر ختم کردی گئی تھی۔ پس اس میں کچھ نہ تھا اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات سے صبح صریم کی طرح اور صریم کی اصل مصروم کٹی ہوئی ہے جیسے قتیل اور مقتول اور ہر چیز جو کاٹی گئی ہو وہ صریم ہے۔ پس رات صریم ہے اور صبح صریم ہے اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے صاحب سے کٹی ہوئی جدا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سیاہ راکھ کی طرح خزیمہ کی لغت کے مطابق۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ㉑ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ㉒ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉔ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ㉕ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ㉖ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ㉗ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ㉘ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ㉙ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ㉚ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ㉛

ترجمہ: سو صبح کے وقت (سوکر جو اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور (بزعم خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے پھر جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم رستہ بھول گئے بلکہ (جگہ تو وہی ہے) لیکن ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ باغ کا یہ حال ہوگیا) ان میں جو (کسی قدر) اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا اب (تو باور ہوا) تسبیح کیوں نہیں کرتے سب (توبہ) کے طور پر کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم قصوروار ہیں (یہ استغفار ہے) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے (پھر سب متفق ہوکر) کہنے لگے بیشک ہم حد سے نکلنے والے تھے (سب مل کر توبہ کرلو)۔

تفسیر ㉑ "فتنادوا مصبحین" جب صبح ہوئی تو ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔

㉒ "ان اغدوا علی حرثکم" یعنی پھل، کھیتیاں اور انگور۔ "ان کنتم صارفین" پھلوں کو کاٹنے والے ہو۔

㉓ "فانطلقوا" وہ اس کی طرف چلے۔ "وهم یتخافتون" سرگوشیاں کر رہے تھے آپس میں۔

(㉔_㉕)...... "ان لا یدخلنها الیوم علیها مسکین، وغدوا علی حرد" حرد لغت میں قصد کرنا، منع کرنا اور

غضب کرنا کے معنی میں آتا ہے۔ حسن اور قتادہ اور ابوالعالیہ رحمہم اللہ نے کہا ہے جد و جہد پر۔ قرظی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اتفاقی امر پر جس کو انہوں نے آپس میں طے کیا تھا اور یہ قصد کے معنی کی بناء پر ہے اس لیے کہ کسی چیز کا ارادہ کرنے والا کوشش کرنے والا اور کام کا پختہ ارادہ رکھنے والا ہوتا ہے۔ ابوعبیدہ اور قتیبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ صبح کو گھروں سے نکلے مساکین کو محروم کرنے کے لیے، کہا جاتا ہے "حاردت السنة" جب اس کے لیے بارش نہ ہو اور "حاردت الناقة" جب اس کا دودھ نہ ہو اور شعبی اور سفیان رحمہما اللہ فرماتے ہیں مساکین سے غصہ اور گھٹن کی بناء پر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قدرت پر۔ "قادرین" ان کے نزدیک اپنے باغ اور اس کے پھلوں پر ان کے درمیان اور پانچ کے درمیان کوئی رُکاوٹ نہیں ہے۔

㉖ "فلما رأوها قالوا انا لضالّون" یعنی جب انہوں نے باغ کو جلا ہوا دیکھا تو کہنے لگے ہم تو باغ کا راستہ بھول گئے ہیں یہ ہمارا باغ نہیں ہے۔

㉗ تو ان میں سے بعض نے کہا "بل نحن محرومون" ہم اس کی خیر اور نفع سے محروم کیے گئے ہیں، ہمارے مساکین کو نہ دینے کی وجہ سے اور استثناء چھوڑنے کی وجہ سے۔

㉘ "قال اوسطهم" ان میں سے انصاف پسند اور زیادہ سمجھدار اور افضل نے۔ "الم اقل لکم لولا تسبحون" کیوں نہیں استثناء کیا تم نے ان پر ان کے قول "لیصرمنها مصبحین" میں استثناء چھوڑنے پر انکار کیا ہے اور استثناء کا نام تسبیح رکھا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس بات کا اقرار ہے کوئی کسی چیز پر اس کی مشیت کے بغیر قادر نہیں ہو سکتا اور ابوصالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کا استثناء سبحان اللہ تھا اور کہا گیا ہے کیوں نہیں تم اللہ کی تسبیح کرتے اور سبحان اللہ کہتے اور جو تم کو دیا ہے اس پر شکر کرتے اور کہا گیا ہے تم اپنے فعل سے استغفار کیوں نہیں کرتے۔

㉙ "قالوا سبحان ربنا" اس کی پاکی بیان کی۔ اس لیے کہ وہ اپنے فعل میں ظالم ہو اور اپنے اوپر ظلم کا اقرار کرتے ہوئے کہا "انا کنا ظالمین" ہمارے مساکین کو منع کرنے کی وجہ سے۔

㉚ "فاقبل بعضهم علی بعض یتلاومون" ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ مساکین کو ان کے حقوق سے منع کرنے میں اور اپنے اوپر ہلاکت کی آوازیں لگائیں۔

㉛ "قالوا یاویلنا انا کنا طاغین" فقراء کے حق کو روکنے میں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اللہ کی نعمتوں سے سرکشی کی۔ پس ہم نے ان کا شکر نہیں کیا اور ہم نے وہ نہیں کیا جو ہمارے آباء اس سے پہلے کرتے تھے۔

عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ㉜ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ㉝ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ㉞ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ㉟ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ㊱ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ㊲

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ㊳ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ㊴ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ㊵ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ㊶ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ㊷

ترجمہ: شاید (توبہ کی برکت سے) ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ بدلہ میں دے دے (اب) ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب اس (دنیوی عذاب) سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ (اس بات کو) جان لیتے (تا کہ ایمان لے آتے بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہے جس کو تم پسند کرتے ہو کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں اور قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں (جن کا مضمون یہ ہو) کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو (یعنی ثواب و جنت) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں ان کو چاہئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

تفسیر: ㉜ پھر اپنے دل میں کہنے لگے "عسٰی ربنا ان یبدلنا خیرا منها انا الٰی ربنا راغبون" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے اخلاص دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کو پہچان لیا تو ان کو اس باغ کے بدلہ میں ایک اور باغ دیا جس کو حیوان کہا جاتا تھا۔ اس میں انگور کا درخت تھا اس کا ایک گچھا ایک خچر اُٹھاتا تھا۔

㉝ "کذلک العذاب" یعنی جیسے ہم نے ان کے ساتھ کیا ہم اسی طرح ان کے ساتھ کرتے ہیں جو ہماری حدود سے تجاوز کرے اور ہمارے حکم کی مخالفت کرے۔ "ولعذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون"

㉞ پھر خبر دی اس کی جو اللہ تعالیٰ کے پاس متقین کے لیے ہے۔ "ان للمتقین عند ربهم جنات النعیم" پس مشرکین نے کہا تھا ہم آخرت میں اس سے افضل دیئے جائیں گے جو تم دیئے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا:

㉟ "افنجعل المسلمین کالمجرمین.

㊱ مالکم کیف تحکمون

㊲ ام لکم کتاب" جو اللہ کی طرف سے اُتری ہو۔ "فیه" اس کتاب میں "تدرسون" تم پڑھتے ہو۔

㊳ "ان لکم فیه" اس کتاب میں۔ "لما تخیرون" تم اختیار کرتے ہو اور چاہتے ہو۔

㊴ "ام لکم ایمان" معاہدے وپیثاق ہیں۔ "علینا بالغة" پختہ جوتم نے ہم سے کیے ہیں۔ پس تم نے ان کو ہم سے پختہ کرلیا ہے کہ وہ نہ ٹوٹیں گے۔ "الی یوم القیامة ان لکم"...... "ان" کو کسرہ دیا گیا ہے خبر میں لام داخل ہونے کی وجہ سے "ذلک العهد"...... "لما تحکمون" اپنے لیے خیر اور عند اللہ اعزاز کا۔

㊵ پھر اپنے نبی علیہ السلام کو کہا "سلهم ایهم بذلک زعیم" کفیل ہے یعنی کون ان کو ضمانت دے رہا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں وہ کچھ ہوگا جو مسلمانوں کے لیے ہے۔

㊶ "ام لهم شرکآء" یعنی ان کے پاس اللہ کے شریک ایسے رب ہیں جو یہ کریں گے اور کہا گیا ہے گواہ جو ان کے لیے گواہی دیں جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کریں۔ "فلیأتوا بشرکائهم ان کانوا صادقین"

آیت یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر

㊷ "یوم یکشف عن ساق" کہا گیا ہے کہ یوم ظرف ہے اللہ تعالیٰ کے قول "فلیأتوا بشرکائهم" کا۔ یعنی پھر ان کو اس دن میں لائیں تاکہ ان کو نفع دیں اور ان کی سفارش کریں۔ "یوم یکشف عن ساق" کہا گیا ہے عن ساق، کہا گیا ہے ایسے امر سے جو سخت ہولناک ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ قیامت کی سخت ترین گھڑی ہوگی۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یوم یکشف عن ساق" معاملہ کی سختی سے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عرب کہتے ہیں ایسے آدمی کے لیے جو کسی بڑے کام میں واقع ہوگیا ہو جس میں بڑی سخت کوشش اور جان توڑ محنت کی ضرورت ہو۔ "شمرّ عن ساقه" اور جب لڑائی میں سخت وقت آجائے تو کہا جاتا ہے "کشفت الحرب عن ساق" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چند لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تمہیں چاشت کے وقت صاف دن میں جس میں کوئی بادل نہ ہو سورج کے دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ اور کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی صاف رات میں جس میں بادل نہ ہوں، انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی جیسا کہ تمہیں ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں نہیں ہوتی۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو آواز لگانے والا آواز لگائے گا کہ ہر اُمت جس کی عبادت کرتی تھی اس کے پیچھے جائے۔ پس اللہ کے علاوہ بتوں اور انصاب کی عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے مگر سب کے سب جہنم میں جاگریں گے حتیٰ کہ جب صرف اللہ کی عبادت کرنے والے باقی رہ جائیں نیک و گناہ گار اور اہل کتاب کے علاوہ تو یہود کو پکارا جائے گا، پھر ان کو کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہم عزیر اللہ کے بیٹے کی عبادت کرتے تھے تو کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے کوئی بیوی اور اولاد نہیں بنائی۔ پس تم کیا تلاش کرتے ہو؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں تو آپ ہمیں پلائیں تو

ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا کیا تم وارد نہیں ہوتے تو وہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ گویا کہ وہ سراب ہے اور اس کا بعض بعض کو کوٹ رہا ہے۔ پس وہ آگ میں گرائے جائیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا تو ان کو کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اللہ کے بیٹے مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے تو ان کو کہا جائے گا تم نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ نے کوئی بیوی اور اولاد نہیں بنائی تو ان کو کہا جائے گا تم کیا تلاش کرتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم پیاسے ہیں اے ہمارے رب! تو ہمیں پلا دے تو ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا کیا تم وارد نہیں ہوتے۔ پھر وہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے گویا کہ وہ سراب ہے اس کا بعض بعض کو کوٹ رہا ہے۔ پس وہ جہنم میں گرائے جائیں گے حتیٰ کہ جب صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے نیک و فاجر تو رب العالمین ان کے پاس آئیں گے اس ادنیٰ صورت میں اس میں سے جس میں انہوں نے اس کو دیکھا ہوگا۔ فرمائیں گے تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ ہر اُمت نے اس کی اتباع کی جس کی اس نے عبادت کی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم لوگوں سے دُنیا میں جدا رہے حالانکہ ہم ان کے بہت ضرورت مند تھے لیکن ہم نے ان کی مصاحبت اختیار نہیں کی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں۔ پس وہ لوگ کہیں گے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے، دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہیں گے حتیٰ کہ ان میں سے بعض پلٹنے کے قریب ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے جی ہاں پس اللہ تعالیٰ ساق سے کھول دیں گے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی طرف سے سجدہ کرتے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ سجدہ کی اجازت دے دیں گے۔ پس جو لوگ نفاق اور ریاء کی وجہ سے سجدہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھ کو ایک طبق کر دیں گے، جب بھی سجدہ کا ارادہ کریں گے اپنی گدی کے بل گر پڑیں گے۔ پھر وہ اپنے سر اُٹھائیں گے اور تحقیق اللہ تعالیٰ اس صورت میں منتقل ہو چکے ہوں گے جس میں انہوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

تو فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں۔ پس وہ لوگ کہیں گے آپ ہمارے رب ہیں، پھر جہنم پر جسر لگایا جائے گا اور شفاعت حلال ہو جائے گی اور وہ کہیں گے اے اللہ! تو سلامتی دے تو سلامتی دے۔ کہا گیا یا رسول اللہ! اور جسر کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا پھسلنے کی جگہ ہے اس میں ٹیڑھے لوہے کے کڑے اور کانٹے دار پودے جو نجد میں ہوتے ہیں۔ ان میں چھوٹے کانٹے ہوں گے اس کو سعدان کہا جاتا ہے۔ پس مؤمن آنکھ جھپکنے کی طرح گزریں گے اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح اور پرندے کی طرح اور عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی طرح۔ پس نجات پانے والا محفوظ اور زخمی ہونے والا چھوڑا گیا ہے اور مکردس جہنم کی آگ میں ہوگا۔ حتیٰ کہ جب مؤمنین آگ سے نجات پا جائیں گے پس قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میرا نفس ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے حق کی وصولی میں اللہ کی قسم کھانے میں سخت نہیں ہے جتنا قیامت کے دن مؤمنین اپنے ان بھائیوں کے لیے ہوں گے جو آگ میں ہیں وہ کہیں گے اے ہمارے رب! وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے تو ان کو کہا جائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو باہر نکال لو۔ پس ان کی صورتوں کو آگ پر حرام کر دیا جائے گا تو وہ بہت زیادہ مخلوق کو نکالیں گے۔ تحقیق آگ

ان کی آدھی پنڈلی تک پہنچی ہوگی اوران کے دونوں گھٹنوں تک۔ پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس میں ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا جن کے بارے میں آپ نے ہمیں حکم دیا تھا۔ پس وہ کہیں گے تم لوٹو پس جس کے دل میں تم دینار کے برابر خیر پاؤ تو اس کو نکال لو۔ تو وہ بہت زیادہ مخلوق کو نکالیں گے۔ پھر کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اس میں ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا جن کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم لوٹو پس جس کے دل میں تم آدھے دینار کے برابر خیر پاؤ تو اس کو نکال لاؤ۔ پھر وہ بہت زیادہ مخلوق کو نکالیں گے، پھر کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا، جن کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے تم لوٹ جاؤ پس جس کے دل میں تم ایک ذرہ کے برابر بھی خیر پاؤ تو اس کو نکال دو تو وہ خلق کثیر کو نکالیں گے۔ پھر کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے ان میں کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جن کے بارے میں آپ نے ہمیں حکم دیا تھا۔

اللہ رب العزت سب کی سفارش کے بعد مٹھی بھر کر دوزخ سے نکالیں گے

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر تم میری اس حدیث میں تصدیق نہیں کرتے تو اگر چاہو تو پڑھو "ان اللّٰہ لایظلم مثقال ذرّۃ و ان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے سفارش کرلی اور انبیاء علیہم السلام نے سفارش کرلی اور مؤمنین نے سفارش کرلی۔ اب صرف "ارحم الرّاحمین" باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ آگ سے ایک مٹھی بھریں گے اور ایسی قوم کو جہنم سے نکالیں گے جنہوں نے کبھی کوئی خیر کا کام نہیں کیا ہوگا، تحقیق وہ کوئلے بن چکے ہوں گے، پھر ان کو جنت کی ایک نہر میں ڈالیں گے جس کو نہر الحیات کہا جاتا ہے پھر وہ ایسے نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کرکٹ میں نکلتا ہے۔ کیا تم اس کو نہیں دیکھتے کہ پتھروں کی طرف وہ ہوتا ہے اور جو سورج کی طرف ہو زرد و سبز رنگ کا ہوتا ہے اور جو ان میں سے سایہ کی طرف سفید ہوتا ہے۔ فرمایا پھر وہ موتیوں کی طرح نکالے جائیں گے ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی ان کو اہل جنت پہچانیں گے، یہ لوگ اللہ کے آگ سے آزاد کردہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بغیر عمل کے داخل کردیا ہے اور بغیر کسی خیر کے جو انہوں نے آگے بھیجی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس جو تم اس میں دیکھو وہ تمہارا ہے تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! آپ نے تو ہمیں اتنا کچھ دیا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہارے لیے میرے پاس اس سے بھی افضل ہے تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے کون سی چیز افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری رضا، پس میں تم پر اب ناراض نہ ہوں گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہمارے رب اپنی پنڈلی سے کھولیں گے پس ان کو تمام مؤمن و مؤمنات سجدہ کریں گے اور وہ باقی رہ جائیں گے جو دُنیا میں ریاء اور شہرت کے لیے سجدہ کرتے تھے تو وہ سجدہ کے لیے جائیں گے تو ان کی کمر ایک طبق ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ویدعون الی السجود فلا یستطیعون" یعنی کفار و منافقین ان کی پشتیں بیل کی سینگوں کی طرح ہو جائیں گی وہ سجدہ کی طاقت نہ رکھیں گے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ. وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴿43﴾ فَذَرْنِىْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ. سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿44﴾ وَاُمْلِىْ لَهُمْ. اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ﴿45﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿46﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿47﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ م اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿49﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿50﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿51﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿52﴾

ترجمہ (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھکی ہوں گی (اور) وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی اس پر قادر تھے تو مجھ کو اور جو اس کام کو جھٹلاتے ہیں ان کو (اس حال موجود پر) رہنے دیجئے ہم ان کو بتدریج (جہنم) کی طرف لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ (ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں عذاب کر ڈالنے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں (اس لئے آپ کی طاعت سے نفرت ہے) یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ (اس کو) لکھ لیا کرتے ہیں تو آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور (تنگدلی میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے (پیغمبر یونسؑ) کی طرح نہ ہو جایئے جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ (جس) میدان (میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے اسی میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے) پھر ان کے رب نے ان کو (اور زیادہ) برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن (جس کے ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے۔

﴿43﴾ "خاشعة ابصارهم" کیونکہ مؤمنین اپنے سروں کو سجدوں سے اُٹھائیں گے اور ان کے چہرے برف سے زیادہ سفید ہوں گے اور کافروں اور منافقوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ "ترهقهم ذلّة" ان پر ندامت وحسرت کی ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ "وقد کانوا یدعون الی السجود" ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کہتے ہیں یعنی فرض نمازوں کی طرف اذان و اقامت کے ذریعے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ "حیّ علی الصلوٰة" اور "حیّ علی الفلاح" سنتے ہیں اس کا جواب نہیں دیتے۔ "وهم سالمون" تندرست ہیں پھر بھی نماز میں نہیں آتے۔ کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! یہ آیت جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

44 "فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث" یعنی پس آپ مجھے اور قرآن کو جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں اور میرے اور ان کے درمیان میں راستہ چھوڑ دے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اپنے دل کو اس میں مشغول نہ کریں اس کو میرے سپرد کر دیں کیونکہ میں آپ کو اس کے معاملہ سے کافی ہوں۔ "سنستدرجھم" عنقریب ہم ان کو عذاب میں پکڑیں گے۔ "من حیث لایعلمون" پس وہ بدر کے دن عذاب دیئے گئے۔

45 "واملی لھم ان کیدی متین،

46 ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون.

47 ام عندھم الغیب فھم یکتبون.

48 فاصبر لحکم ربک" ان کی تکلیف پر صبر کریں، اپنے رب کی قضاء کے لیے۔ "ولا تکن" تنگی اور جلدی میں۔ "کصاحب الحوت" اور وہ یونس بن متی ہیں۔ "اذ نادی" اپنے رب کو اور وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ "وھو مکظوم" غم سے بھرے ہوئے تھے۔

49 "لو لا ان تدارکہ" اس کو پایا۔ "نعمۃ من ربہ" جب ان پر رحم کیا اور ان کی توبہ قبول کی۔ "لنبذ بالعراء" مچھلی کے پیٹ سے کھلی فضاء میں پھینکے گئے۔ "وھو مذموم" مذمت کیے گئے اور گناہ پر ملامت کیے گئے۔

50 "فاجتباہ ربہ" ان کو چن لیا۔ "فجعلہ من الصالحین

آیت وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ کی تفسیر

51 وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم" کفار نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر کے ذریعے تکلیف پہنچائیں تو آپ علیہ السلام کی طرف قریش کی ایک جماعت نے نظر کی اور کہنے لگے ہم نے اس کی مثل نہیں دیکھا اور دلیل میں غالب آنے والا اور کہا گیا ہے کہ بنو اسد کی نگاہ بہت لگتی تھی حتیٰ کہ اونٹنی اور موٹی گائے ان میں سے کسی کے سامنے سے گزرتی تو وہ اس کو دیکھتا، پھر کہتا اے لونڈی تو برتن اور درہم لے اور ہمارے پاس اس کا کچھ گوشت لے آئے تو وہ نہ ٹھہرتی حتیٰ کہ موت واقع ہو جاتی، پھر نحر کی جاتی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب کا ایک شخص دو یا تین دن کچھ نہ کھاتا پھر اپنے خیمہ کی طرف اٹھاتا، پھر اس کے سامنے سے اونٹ گزرتا تو وہ کہتا میں نے آج کے دن کی طرح کوئی اونٹ اور بکری اس سے اچھی نہیں دیکھی۔

پس وہ تھوڑا سا آگے جاتی حتیٰ کہ اس کا کچھ حصہ گر جاتا تو کفار نے اس سے سوال کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ ایسا کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بچایا اور اتارا "وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم" یعنی اور قریب ہے اور لام "لیزلقونک" میں ان کی جگہ داخل ہوا ہے اور اہل مدینہ نے "لیزلقونک" یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کے پیش کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے

"زلقه یزلقه زلقًا و ازلقه یزلقه ازلاقًا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی وہ آپ سے پار کردیں گے۔ کہا جاتا ہے "زلق اسھم" جب وہ جسم سے پار ہو جائے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آپ کو اپنی آنکھوں سے تکلیف پہنچاتے۔ نفیسر بن شمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یعینونک" اور کہا گیا ہے وہ آپ کو پھسلا دیتے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ کو پچھاڑ دیتے اور کہا گیا ہے آپ علیہ السلام کو پھیر دیتے اس سے جس پر آپ علیہ السلام ہیں رسالت کی تبلیغ وغیرہ سے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مراد نہیں ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں کے ذریعے تکلیف پہنچائیں گے جیسا کہ نظر لگانے والا اپنی آنکھ سے اچھی لگنے والی چیز کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہاں تو یہ مراد ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کو جب آپ علیہ السلام قرآن پڑھتے ہیں دشمنی اور بغض کی وجہ سے سخت نظروں سے دیکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ آپ کو گرا دیں۔

اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ اپنی سخت دشمنی کی وجہ سے بغض کی نگاہ کرتے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کو پچھاڑ دیتے۔ یہ کلام میں مستعمل ہے کہنے والا کہتا ہے۔ "نظر الیّ نظرایکاد" پھر "عنی و نظر ایکاد یاکلنی" ایسی نظر کی یہ مجھے پچھاڑنے کے قریب تھا اور مجھے کھانے کے قریب تھا۔ اس معنی کی صحت پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اس نظر کو قرآن کے سننے کے ساتھ ملایا گیا ہے اور وہ باری تعالیٰ کا قول "لمّا سمعوا الذکر" ہے اور وہ لوگ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے تو آپ علیہ السلام کی طرف بغض کی تیز نگاہ ڈالتے تھے۔ "ویقولون انه لمجنون" یعنی آپ علیہ السلام کی جنون کی طرف نسبت کرتے ہیں جب آپ علیہ السلام کو قرآن پڑھتے سنتے ہیں۔

52 "وما هو" یعنی قرآن۔ "الا ذکر للعالمین" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مؤمنوں کے لیے نصیحت ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نگاہِ بد لگنے کی دوا یہ آیت ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، نظر حق ہے اور ہاتھوں پر گودنے سے روکا ہے۔ اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا بیٹا جعفر اس کو نظر لگ جاتی ہے کیا میں اس کے لیے جھاڑ پھونک کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز قضاء سے سبقت کر سکتی تو نظر اس سے سبقت کرتی۔

❀❀❀

سُوْرَةُ الْحَاقّه

مکی ہے اوراس کی باون (۵۲) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَاقَّةُ ① مَا الْحَاقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا
ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ
سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦
فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا
رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩

ترجمہ وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اوران کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت کی) تکذیب کی سو ثمود ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد جو تھے وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کیے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں سو کیا تجھ کو ان میں کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (یعنی بالکل استیصال ہو گیا اور اسی طرح فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور (قوم لوط کی) کٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کیے (یعنی کفر و شرک اس پر ان کے پاس رسول بھیجے گئے سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو ان کو اللہ نے بہت سخت پکڑا۔

تفسیر ① "الحاقة" یعنی قیامت۔ اس کا نام حاقہ رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ حق ہے اس کو جھٹلانے والی کوئی چیز نہیں ہے اور کہا گیا ہے اس لیے کہ اس میں امور کے حقائق اور حق ہیں اور اس لیے کہ اس اعمال پر جزاء ثابت ہوتی ہے یعنی واجب ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے "حق عليه الشيء يحق حقوقا" جب کوئی چیز واجب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولكن حقت كلمة العذاب على الكافرين" کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الحاقہ یوم حق ہے۔

❷"ما الحاقة" یہ استفہام ہے اس کا معنی اس کی شان کو بڑا کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے زید ما زید اس کی شان کی تعظیم کے لیے۔

❸"وما ادراک ما الحاقة" یعنی آپ علیہ السلام اس کو نہیں جانتے اس لیے کہ آپ نے اس کا معائنہ نہیں کیا اور اس میں جو ہولنا کیاں ہوں گی وہ نہیں دیکھیں۔

❹"کذبت ثمود و عاد بالقارعة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کو۔ اس کا نام قارعہ رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ بندوں کے دلوں کو کھڑکاتی ہے خوف دلانے کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس عذاب کو جھٹلایا جس کی دھمکی ان کے نبیوں نے دی تھی حتیٰ کہ ان پر اُترا تو ان کے دلوں کو کھڑکایا۔

❺"فاما ثمود فاهلکوا بالطاغية" یعنی اپنی سرکشی اور کفر کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ مصدر ہے اور کہا گیا ہے صفت ہے۔ یعنی اپنے سرکشی والے افعال کی وجہ سے اور یہ مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے جیسا کہ فرمایا "کذبت ثمود بطغواها" اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی چیخ کے ساتھ جو طاغیہ تھی اور وہ ایسی چیخ جو چیخ کی مقدار سے تجاوز کر جائے۔ پس ان کو ہلاک کر دیا۔

❻"واما عاد فاهلکوا بريح صرصر عاتية" سخت تھی اپنے خزانوں پر۔ پس ان کی اطاعت نہ کی اور ان کے لیے اس پر کوئی سہل بھی نہ تھی اور مقدار سے تجاوز کر گئی۔ پس ان کو معلوم نہ ہو کہ اس سے کتنی نکلی ہے۔

❼"سخرها عليهم" اس کو ان پر بھیجا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پر مسلط کر دیا۔ "سبع ليال و ثمانية ايام" وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ دن ہیں جن کا نام عرب ایام العجوز رکھتے ہیں ٹھنڈ اور سخت ہواؤں والے۔ کہا گیا ہے ان کا نام عجوز رکھا گیا اس لیے کہ یہ سردی کی وجہ سے عاجز کر دیتے ہیں اور کہا گیا ہے اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ قوم عاد کی ایک بوڑھی عورت ایک سوراخ میں داخل ہوگئی تو ہوا اس کے پیچھے لگی رہی، پھر عذاب اُترنے کے آٹھویں دن اس کو قتل کر دیا اور عذاب ختم ہوگیا۔

"حسوما" مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں لگاتار اس میں کوئی وقفہ نہ تھا۔ پس اس پر یہ زخم کو داغنا ہے وہ یہ کہ بیماری کی جگہ پر لوہے سے داغا جائے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔ پھر ہر چیز کو کہا جاتا ہے جس کو پیچھے لگایا جائے۔ حاسم اور اس کی جمع حسوم ہے۔ جیسے شاہد و شھود۔ اور کلبی و مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں "حسوما دائمة" اور نضر بن شمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو کاٹ دیا اور ہلاک کر دیا اور حسم کاٹنا اور روکنا ہے اور اس سے "حسم الداء" بیماری کی وجہ سے رگ کاٹ کر خون روکنے کے لیے داغنا۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی "تحسمهم حسوما" ان کو فنا کر دے گی اور ختم کر دے گی اور عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "شئوم" یعنی نحوست گویا کہ اس خیر کو ان لوگوں سے کاٹ دیا۔ "فترى القوم فيها" یعنی ان راتوں اور دنوں میں۔ "صرعى" ہلاک شدہ صریع کی جمع ہے۔ "کانهم اعجاز نخل خاوية" گرے ہوئے۔ اور کہا گیا کھوکھلے تنے والے۔

❽"فهل ترى لهم من باقية" یعنی کوئی نفس باقی یعنی ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

❾"وجاء فرعون ومن قبله" اہل بصرہ اور کسائی نے قاف کی زیر کے ساتھ اور باء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ومن معہ اور جو اس کے ساتھ تھے اس کے لشکروں اور پیروکاروں میں سے اور دیگر حضرات نے قاف کے زبر اور باء کے سکون کے

ساتھ پڑھا ہے یعنی اور جوان سے پہلے تھے کافر اُمتوں میں سے۔ "والمؤتفکات" یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد، ان پلٹی ہوئی بستیوں کے لوگ ہیں اور کہا گیا ہے مراد وہ اُمتیں ہیں جو اپنے گناہوں کی وجہ سے پلٹی گئیں۔ "بالخاطئة" یعنی خطاء اور معصیت کی وجہ سے اور وہ شرک ہے۔

⑩ "فعصوا رسول ربهم" یعنی لوط اور موسیٰ علیہما السلام "فاخذهم اخذة رابية" بڑھنے والا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سخت۔ اور کہا گیا ہے اُمتوں کے عذاب پر زائد۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯ وَّ الْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا. وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰

ترجمہ یعنی ہم نے جب کہ نوح کے وقت میں) طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا (اور باقیوں کو غرق کر دیا) تاکہ ہم اس کے معاملہ کو تمہارے لئے یادگار (اور عبرت) بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جاویں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جاویں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا (اور وہ آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا اور فرشتے جو آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں اس کے کناروں پر آ جاویں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔

تفسیر ⑪ "انا لما طغى الماء" یعنی سرکشی کی اور حد سے تجاوز کیا حتیٰ کہ ہر چیز پر چڑھا اور اس پر بلند ہو گیا یعنی نوح علیہ السلام کے زمانہ میں۔ "حملناکم" یعنی ہم نے تمہارے آباء کو اُٹھایا اور تم ان کی پشتوں میں تھے۔ "فی الجارية" اس کشتی میں جو پانی میں چلتی ہے۔

⑫ "لنجعلها" یعنی تاکہ ہم اس فعل کو جو ہم نے کیا نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کرنے اور ان کو نجات دینے کا جن کو ہم نے اس میں سوار کیا۔ "لکم تذکرة" عبرت و نصیحت۔ "وتعيها" قواس نے ابن کثیر رحمہ اللہ سے اور سلیم نے حمزہ رحمہ اللہ سے عین کے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کی زیر کے ساتھ یعنی اس کی حفاظت کرے گی۔ "اذن واعية" یعنی حفاظت کرنے والی اس کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اذن کانوں نے جو سنا اور جو سنا وہ سمجھا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں تاکہ اس کی حفاظت ہر کان کرے۔ پس یہ عبرت اور نصیحت ہو جائے ان کے لیے جو بعد میں آئیں گے۔

⑬ "فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة" اور وہ پہلا نفخہ ہے۔

⑭"وحملت الارض والجبال" ان کی جگہیں اُٹھالی گئیں۔ "فدکتا" دونوں توڑے گئے۔ "دکۃ" توڑنا۔ "واحدۃ" پس وہ دونوں ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں بکھر گئے۔

⑮"فیومئذ وقعت الواقعۃ" قیامت قائم ہوگئی۔

⑯"وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ" کمزور ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وھیھا" اس کا پھٹ جانا ہے۔

⑰"والملک" یعنی فرشتے۔ "علی ارجائھا" اس کے اِردگرد اور اطراف میں۔ جب تک اس سے نہ پھٹے گا۔ اس کا واحد رجا ہے اور تثنیہ رجوان۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے اس کے کناروں پر ہیں حتیٰ کہ ان کو رب تعالیٰ حکم دیں گے پس وہ اُتریں گے پھر زمین کو گھیر لیں گے اور جو لوگ زمین پر ہیں۔ "ویحمل عرش ربک فوقھم" یعنی ان کے سروں کے اوپر یعنی اُٹھانے والے۔ "یومئذ" قیامت کے دن۔ "ثمانیۃ" یعنی آٹھ فرشتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ آج چار ہیں۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو چار دوسروں کے ساتھ قوت دیں گے تو آٹھ ہوجائیں گے۔ پہاڑی بکرے کی صورت میں ان کے کھروں سے ان کے گھٹنوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا اور حدیث میں آیا ہے کہ ان فرشتوں میں سے ہر ایک کا آدمی کا چہرہ اور شیر کا چہرہ اور بیل کا چہرہ اور گدھ کا چہرہ ہوگا۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے بطحاء میں تو ایک بادل گزرا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا بادل۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اور مزن ہم نے کہا اور مزن آپ علیہ السلام نے فرمایا اور عنان تو ہم نے کہا اور عنان تو ہم خاموش ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آسمان وزمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا پانچ سو سال کی مسافت۔ اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال ہے اور سات آسمانوں کے اوپر سمندر ہے اس کے اوپر اور نیچے والے حصہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جو آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ پھر اس کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں، ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے اور اس کے اوپر عرش ہے اس کے نچلے اور اوپر والے حصے کے درمیان آسمان وزمین کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کی گئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان کے اوپر اس دن آٹھ ہیں یعنی فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ⑲ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ⑳ فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ㉑ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ㉒

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ㉓ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ㉔

ترجمہ: جس روز خدا کے روبرو (حساب کے واسطے تم پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامہ اعمال) ہاتھ میں دیئے جائیں گے تو) جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو میرا تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے (اس قدر) جھکے ہوں گے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے لیں گے اور حکم ہوگا کہ) کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان کے اعمال صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام (دنیا) میں کیے ہیں۔

تفسیر ⑱ "یومئذ تعرضون" اللہ پر۔ "لاتخفیٰ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ۔ "منکم خافیة" یعنی کوئی فعل مخفی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ ابوموسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ تین مرتبہ پیش کیے جائیں گے۔ بہر حال دو مرتبہ پیشیاں تو جھگڑوں اور معذرت کی ہوں گی اور تیسری پیشی کے وقت اعمال نامے اُڑیں گے پس وہ اپنے دائیں ہاتھ اور وہ اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔

⑲ "فاما من اوتی کتاب بیمینه فیقول هاؤم اقرؤا کتابیه" هاء "کتابیه" میں وقف کی هاء ہے۔

⑳ "انی ظننت" میں نے جانا اور یقین کیا۔ "انی ملاق حسابیه" یعنی میرا آخرت میں حساب کیا جائے گا۔

㉑ "فهو فی عیشة" یعنی گزران کی حالت میں۔ "راضیة" مرضیہ یعنی پسندیدہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "ماءٍ دافق" ہے۔ اس سے راضی ہونے سے مراد یہ لیا ہے کہ وہ ثواب پائے گا اور عذاب سے محفوظ ہوگا۔

㉒ "فی جنة عالیة" بلند۔

㉓ "قطوفها دانیة" اس کے پھل قریب ہیں حاصل کرنے والے کے لیے ان کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے حاصل کرلے گا اور جیسے چاہیں گے کاٹیں گے۔

㉔ ان کو کہا جائے گا "کلوا واشربوا هنیئًا بما اسلفتم" تم نے اپنی آخرت کے لیے جو نیک اعمال آگے بھیجے۔ "فی الایام الخالیة" گزشتہ مراد دُنیا کے ایام ہیں۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ㉕ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ㉖
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ㉗ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ㉘ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ ㉙ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ㉚
ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ㉛ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ㉜ اِنَّهٗ كَانَ لَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ㉝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ㉞

ترجمہ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کہ اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامہ عمل ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ موت (اولیٰ) ہی خاتمہ کر چکتی افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑو اور اس کو طوق پہنا دو پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور (خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا (اس لئے مستحق عذاب ہوا)۔

تفسیر ㉕"واما من اوتی کتابه بشماله" ابن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے لپیٹ دیا جائے گا۔ پھر اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ اس کے سینے سے کھینچا جائے گا، اس کی پیٹھ کے پیچھے کی طرف پھر اس کو اعمال نامہ دیا جائے گا۔"فیقول یالیتنی لم اوت کتابیه"تمنا کرے گا کہ اس کو اعمال نامہ نہ دیا جاتا کیوں کہ اس میں اپنے برے اعمال دیکھے گا۔

㉖"ولم ادرِ ما حسابیه"

㉗"یالیتها کانت القاضیة" کہے گا کاش وہ موت آجائے جو دُنیا میں ہوتی تھی ہر بعد والی چیز کا فیصلہ کرنے والی اور زندگی کو ختم کرنے والی۔ پس میں اس کے بعد زندہ نہ رہوں اور "قاضیة" موت ہے اس کے بعد زندگی نہ ہو تمنا کرے گا کہ وہ حساب کے لیے نہ اُٹھایا گیا ہوتا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت کی تمنا کرے گا۔ اگرچہ اس کے ہاں دُنیا میں موت سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کوئی نہ تھی۔

㉘"ما اغنی عنی مالیة" مجھ سے اللہ کے عذاب کو تھوڑا سا بھی دور نہیں کر رہا۔

㉙"هلک عنی سلطانیه" مجھ سے میری دلیل گم ہوگئی۔ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے میرا ملک اور قوت چلی گئی۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جب اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے شرک کی اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں کو کہیں گے۔

㉚"خذوه فغلوه" تم اس کے ہاتھ گردن پر جمع کردو۔

㉛"ثم الجحیم صلوه" یعنی تم اس کو جہنم میں داخل کردو۔

㉜"ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوه" پس تم اس کو اس میں داخل کردو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ستر گز فرشتے کے گز کے ہوں گے۔ پس اس کی دبر میں داخل ہوں اور نتھنوں سے نکلیں گے اور کہا گیا ہے اس کے منہ میں داخل ہوں اور دبر سے نکلیں گے اور نوف بکالی فرماتے ہیں ستر گز، ہر گز ستر باع کا، ہر باع تیرے اور مکہ کے درمیان فاصلہ سے زیادہ ہے اور وہ اس وقت کوفہ کے صحن میں تھے اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر گز ستر گز کا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ یہ کون سا گز ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اگر اس کی مثل اضافہ اور لکڑی کے پیالہ کی طرف اشارہ کیا آسمان سے زمین کی طرف چھوڑا جائے حالانکہ وہ پانچ سو سال کی مسافت ہے تو رات سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا اور اگر وہ اس سلسلہ کے اوپر سے چھوڑا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے تو یہ چالیس سال رات و دن چلتا رہے گا۔ اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے اور کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر دُنیا کا تمام لوہا جمع کرلیا جائے تو اس کے ایک حلقہ (کڑی) کے برابر وزن نہ ہوگا۔

۳۳ "انه کان لا یؤمن باللّٰه العظیم۔

۳۴ ولا یحض علی طعام المسکین" مسکین کو دُنیا میں کھانا نہ کھلاتا تھا اور نہ اپنے گھر والوں کو اس کا حکم کرتا تھا۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۳۵ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۳۶ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۳۷ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۳۸ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۳۹ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۴۰ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ. قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۴۱ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ. قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۴۲ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۴۳ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۴۴ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۴۵

ترجمہ: سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست دار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا پھر (بعد بیان مضمون مجازات کے) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (پس جس پر آیا وہ ضرور رسول ہے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار آپ کو کہتے ہیں) تم بہت کم سمجھتے ہو (بلکہ) رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا کلام ہے اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے۔

تفسیر ۳۵ "فلیس له الیوم ههنا حمیم" قریبی جو اس کو نفع دے اور اس کی سفارش کرے۔

۳۶ "ولا طعام الا من غسلین" اور وہ اہل جہنم کی پیپ ہے۔ یہ غسل سے ماخوذ ہے۔ گویا کہ یہ ان کے زخموں اور پھنسیوں کا نچوڑ (دھوون) ہے۔ ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ درخت ہے جس کو جہنمی لوگ کھائیں۔

۳۷ "لا یاکله الا الخاطئون" یعنی کافر لوگ۔

۳۸ "فلا اقسم" لا مشرکین کے کلام کی تردید ہے۔ گویا کہ کہا کہ معاملہ ویسے نہیں ہے جیسے مشرکین کہتے ہیں میں قسم کھاتا ہوں۔ "بما تبصرون".

۳۹ وما لا تبصرون" یعنی جو تم دیکھتے ہو اور جو تم نہیں دیکھتے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تمام اشیاء کی قسم کھاتا

ہوں۔پس اس میں تمام تکوینی اور موجود چیز میں داخل ہو جائیں گی اور کہا میں دُنیا اور آخرت کی قسم کھاتا ہوں اور کہا گیا ہے جو تم دیکھتے زمین کے اوپر جو کچھ ہے اور جو تم نہیں دیکھتے جو زمین کے اندر ہے اور کہا گیا ہے جو تم جسموں میں سے دیکھتے ہو اور جو تم روحوں کو نہیں دیکھتے اور کہا گیا ہے "ما تبصرون" انسانوں کو۔"وما لا تبصرون" فرشتوں اور جنوں کو اور کہا گیا ہے ظاہری اور باطنی نعمتیں۔اور کہا گیا ہے "ما تبصرون" جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور لوح وقلم کے لیے ظاہر کیا ہے۔"وما لا تبصرون" جو اپنا علم اختیار کیا ہے اس پر کسی کو مطلع نہیں کیا۔

㊵ "انه" یعنی قرآن۔"لقول رسول کریم" یعنی معزز رسول کی تلاوت ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

㊶ "وما هو بقول شاعر قليلا ما تؤمنون."

㊷ "ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون" ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ نے "يؤمنون و يذكرون" یاء کے ساتھ ان دونوں میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ اور قلیل سے مراد ان کے ایمان کی بالکل نفی کرنا ہے جیسے تیرا قول اس شخص کے لیے جو تیرے پاس کبھی نہیں آتا۔"فلما تاتينا" آپ ہمارے پاس بہت کم آتے ہیں۔

㊸ "تنزيل من ربّ العالمين ولو تقوّل" گھڑ لیا ہے "علينا" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے۔"بعض الاقاويل" اور کوئی چیز اپنی طرف سے لائے ہیں۔

㊺ "لاخذنا منه باليمين" کہا گیا "من" صلہ ہے اس کا مجاز "لاخذناه وانتقمنا منه باليمين" یعنی حق کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "كنتم تاتوننا عن اليمين" یعنی حق کی جانب سے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں البتہ ہم اس کو قوت وقدرت کے ساتھ پکڑ لیں گے۔شاخ نے کہا ہے یمن کے بادشاہ عرابہ کی تعریف کرتے ہوئے۔

جب بھی کوئی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا جاتا ہے اس کو عرابہ قوت کے ذریعے حاصل کر لیتا ہے

شاعر نے قوت کو یمین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔اس لیے کہ ہر چیز کی قوت اس کے دائیں جانب میں ہوتی ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی البتہ ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے۔

اور یہ مثال ہے اس کا معنی البتہ ہم اس کو ذلیل کر دیں اور اس کی توہین کریں گے جیسے بادشاہ جب کسی کی تذلیل کا ارادہ کرتا ہے جو اس کے سامنے ہو تو اپنے مددگاروں میں سے کسی کو کہتا ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھڑا کر دے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ㊻ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ㊼ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ㊽ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ㊾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ㊿ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ 51 فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ 52

ترجمہ: پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا اور بیشک یہ قرآن

متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے اور یہ قرآن تحقیقی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

تفسیر ㊻"ثم لقطعنا منه الوتين" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی دل میں اور یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ رسی جو پیٹھ میں ہوتی ہے اور کہا گیا ہے وہ رگ ہے پیٹھ میں جاری ہوتی ہے دل تک پہنچتی ہے۔ جب یہ کٹ جائے تو انسان مرجاتا ہے۔

㊼"فما منكم من احد عنه حاجزين" روکنے والے جو ہمیں اس کی سزا سے روک دیں اور معنی یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری وجہ سے جھوٹ کا تکلف نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے بات کی تو ہم ان کو عقاب کریں گے اور کوئی ایک ہماری سزا کو ان سے دور کرنے پر قادر نہ ہے اور "حاجزين" کہا ہے جمع کے ساتھ اور یہ ایک فعل ہے معنی پر رد کرتے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "لانفرق بين احد من رسله" ہے۔

㊽"وانه" یعنی قرآن۔ "لتذكرة للمتقين" یعنی نصیحت ہے اس کے لیے جو اللہ کی سزا سے ڈرتا ہے۔

(㊾۔㊿) "وانا لنعلم ان منكم مكذبين. وانه لحسرة على الكافرين" قیامت کے دن وہ اس پر ایمان کو چھوڑنے پر نادم ہوں گے۔

51"وانه لحق اليقين" اس کی اضافت کی ذات کی طرف کی ہے لفظوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

52......"فسبّح باسم ربّك العظيم"

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

مکی ہے اوراس کی پینتالیس (۴۵) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ ، بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ 1 لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ 2 مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ 3 تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ 4

ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا (براہ انکار) اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جس کا کوئی رفع کرنے والا نہیں (اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمان کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اور وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کی برابر) ہے۔

تفسیر: 1 "سال سائل" اہل مدینہ اور اہل شام نے "سال" بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے ہمزہ پڑھا ہے پس وہ "سؤال" سے ہے اور جس نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے کہا گیا ہے کہ یہ "سؤال" کی لغت ہے۔ کہا جاتا ہے "سال یسال" خاف یخاف کی مثل یعنی سال یسال ہمزہ کی تخفیف کرتے ہوئے اس کو ہمزہ بنادیا ہے اور کہا گیا ہے یہ سیل سے ہے اور سال جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور پہلا قول اصح ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول "بعذاب" کی باء میں اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے یہ "عن" کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "فاسئل به خبیرا" ہے یعنی "عنه خبیرا" اور آیت کا معنی "سال سائل عن عذاب" سوال کیا سوال کرنے والے نے عذاب کے بارے میں۔ "واقع" اُترنے والا ہو کر رہے گا جس پر اُترے گا اور جس کے لیے یہ عذاب ہے۔

2 اللہ تعالیٰ نے اس کو واضح کرتے ہوئے جواب دیا "للکافرین" اہل مکہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب کا خوف دلایا تو آپس میں کہنے لگے اس عذاب کا کون مستحق ہوگا؟ اور کس کو ہوگا؟ اور اس بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو تو آپ علیہ السلام سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اُتارا۔ "سال سائل بعذاب واقع للکافرین" یعنی وہ

کافروں کے لیے ہے۔ یہ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور کہا گیا ہے کہ تاء صلہ ہے اور آیت کا معنی دُعا مانگنے والے نے دُعا مانگی اور سوال کرنے والے نے اس عذاب کے بارے میں سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے۔ للکافرین میں لام علیٰ کے معنی میں ہے اور وہ نضر بن حارث ہے کہ اس نے اپنے اوپر بددعا کی اور عذاب مانگا۔ پس کہنے لگا، اے اللہ! اگر یہ حق ہے تیری طرف سے (الخ) پس اس پر اُترا بدر کے دن جس کا اس نے سوال کیا تھا تو باندھ کر قتل کیا گیا اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے۔ ''لیس لہ دافع''

③ ''من اللہ'' یعنی اللہ کی طرف سے عذاب کے ساتھ۔ ''ذی المعارج'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی آسمانوں والے۔ نے اس کا نام معارج رکھا ہے اس لیے کہ فرشتے اس پر چڑھتے ہیں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں درجات والا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فضیلتوں اور نعمتوں والا اور فرشتوں کے معارج والا۔

④ ''تعرج الملائکة'' کسائی نے ''یعرج'' یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے اور دیگر حضرات نے ''تعرج'' تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ''والروح'' یعنی جبرئیل علیہ السلام۔ ''الیہ'' اللہ تعالیٰ کی طرف ''فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة'' دُنیا کے سالوں سے اگر فرشتوں کے علاوہ بنو آدم میں سے کوئی چڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی انتہا سے ساتویں زمین کے نیچے سے اللہ تعالیٰ کے امر کی انتہا تک ساتویں آسمان کے اوپر سے تو وہ پچاس ہزار سال سے کم میں نہ چڑھے گا اور فرشتہ یہ سارا سفر ایک لحظہ میں طے کر دے گا۔

مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں اگر بنو آدم دُنیا سے عرش کی جگہ تک چلیں تو پچاس ہزار سال چلیں گے اور عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ قیامت کا دن ہے اور حسن رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے وہ قیامت کا دن ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کا حساب کے لیے ٹھہرنا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیں پچاس ہزار سال ہوگا دُنیا کے سالوں سے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کی لمبائی کی مقدار یہ ہے نہ کہ اس کے غیر کی۔ اس لیے کہ قیامت کا دن اس کا اوّل ہے اور اس کا آخر نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ لمبا دن ہے اور اگر اس کا آخر ہو تو وہ منقطع ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ قیامت کا دن ہے کافروں پر ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا ''فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة'' کے بارے میں کہ اس دن کی لمبائی کیا ہوگی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ مؤمن پر ہلکا کیا جائے گا حتیٰ کہ فرض نماز سے ہلکا ہوگا جو وہ دُنیا میں پڑھتا تھا اور کہا گیا ہے اس کا معنی اگر کوئی بندوں کے حساب کا ولی ہو، اسی دن میں اللہ کے سوا تو اس سے پچاس ہزار سال میں فارغ نہ ہوگا اور یہ عطاء کے ابن عباس اور مقاتل رحمہ اللہ سے قول کا معنی ہے۔

اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے دُنیا کے ایام میں سے نصف یوم کی مقدار میں فارغ ہو جائیں گے۔ کلبی رحمہ اللہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر میں اس دن کے حساب کا مالک فرشتوں، جنوں اور انسانوں کو بنا دوں اور ان کو حساب کی

طاقت دے دوں تو وہ اس سے پچاس ہزار سال میں فارغ نہ ہوں گے اور میں اس سے دن کی ایک گھڑی میں فارغ ہو جاؤں گا اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ قیامت کا دن ہے اس میں پچاس موطن ہیں ہر موطن ہزار سال کا ہے اور اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ گویا کہ کہا "لیس له دافع من الله ذی المعارج فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة تعرج الملائکة والروح الیه"

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ⑤ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ⑥ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ⑦ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ⑧ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ⑩ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ⑫ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ⑬ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ⑭

ترجمہ: تو آپ (ان کی مخالفت پر صبر کیجئے (اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ اس دن کو (بوجہ اعتقاد نفی کے وقوع سے) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں (وہ عذاب اس دن واقع ہو گا) جس دن (کہ) آسمان رنگ میں) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاوے گا اور (اس روز) پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنی ہوئی ہو ہو جاویں گے (یعنی دوڑتے پھریں گے اور اس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیا جائے گا اور اس روز مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ (فدیہ دیدینا) اس کو عذاب سے) بچالے۔

تفسیر ⑤ "فاصبر صبرا جمیلا" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی تکذیب پر اور یہ قتال کا حکم دیئے جانے سے پہلے کی بات ہے۔

⑥ "انهم یرونه بعیدا" یعنی عذاب۔

⑦ "و نراه قریبا" اس لیے کہ جو آنے والی چیز ہے وہ قریب ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

⑧ "یوم تکون السماء کالمهل" زیتون کے تلچھٹ کی طرح اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے چاندی جب پگھلائی جائے۔

⑨ "وتکون الجبال کالعهن" رنگی ہوئی اون کی طرح اور "عهن" صرف رنگی ہوئی اون کو کہا جاتا ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُھنکی ہوئی روئی کی طرح اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں سرخ روئی کی طرح اور وہ کپاس میں کمزور ترین ہے اور پہلے جب پہاڑ متغیر ہوں گے تو وہ بکھری ہوئی ریت ہو جائیں گے۔ پھر دُھنکی ہوئی روئی پھر ذرات ہوا میں اُڑتے ہوئے۔

⑩ "ولا یسال حمیم حمیما" بزی نے ابن کثیر رحمہ اللہ سے "لایسئل" پڑھا ہے یاء کے پیش کے ساتھ یعنی دوست سے دوست کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا یعنی یہ نہ کہا جائے گا تیرا دوست کہاں ہے؟ اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کسی قریبی شخص سے اس کے قریبی لوگوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا اس کے اپنی حالت میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔

⑪ "یبصرونھم" وہ ان کو دیکھتے ہوں گے اور قیامت میں کوئی مخلوق نہیں ہے مگر اس کے جنوں وانسانوں میں سے ساتھی تک اس کی نگاہ پہنچے گی۔ پس آدمی اپنے والد اور اپنے بھائی اور قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا۔ پس اس سے سوال نہ کیا جائے گا اور اپنے دوست کو دیکھے گا۔ پس اس سے بات نہ کرے گا اپنی ذات میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں دن کی ایک گھڑی میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے پھر اس کے بعد نہ پہچان پائیں گے اور کہا گیا ہے "یبصرونھم" وہ ان کو پہچانتے ہیں یعنی دوست دوسرے دوست کو دیکھے اور اس کو پہچان لے گا اور اس کے باوجود اس کی حالت نہ پوچھے گا اپنی حالت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ان کو پہچانیں گے۔ بہرحال مؤمن پس اپنے چہرے کی سفیدی و چمک کی وجہ سے اور بہرحال کافر تو اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے۔ "یود المجرم" مشرک تمنا کریں گے "لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ"

⑫ "وصاحبتہ" اس کی بیوی "واخیہ۔

⑬ وفصیلتہ" اس کا خاندان جس سے وہ جدا ہوا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا قبیلہ اور اس کے غیر نے کہا ہے اس کے قریبی رشتہ دار۔ "التی تؤویہ" یعنی اس کی طرف ٹھکانہ حاصل کرتا ہے۔

⑭ "ومن فی الارض جمیعا" دل سے چاہے گا کہ ان سب کے ذریعے اپنا فدیہ دے۔ "ثم ینجیہ" یہ فدیہ دینا اللہ کے عذاب سے۔

كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ⑮ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ⑯ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ⑰ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ⑳ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ㉑ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ㉒ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ㉓

ترجمہ: یہ ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو (کھال) تک) اتار دے گی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلا وے گی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی اور (اطاعت سے) بیرخی کی ہوگی اور (مال جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (یعنی) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد اباحت سے زیادہ) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں (اور) ظاہراً یا باطناً دوسری طرف توجہ نہیں کرتے)۔

تفسیر: ⑮ "کلا" اللہ کے عذاب سے کوئی چیز اس کو نجات نہ دے سکے گی، پھر ابتداء کرتے ہوئے فرمایا "انھا لظی" یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور کہا گیا ہے یہ دوسرا درجہ ہے۔ اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ شعلے مارتا ہے۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى کی تفسیر

⑯ "نزاعة للشوی" حفص نے عاصم رحمہ اللہ سے "نزاعة" پڑھا ہے حال کی بناء پر منصوب ہے اور دیگر حضرات نے

رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "هی نزاعة للشوی" اور وہ اطراف، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سر کی کھال کے لیے اور ابراہیم بن مہاجر نے ان سے روایت کیا ہے گوشت ہڈیوں کے بغیر۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں آگ اطراف کو کھینچ لے گی۔ پس نہ گوشت چھوڑے گی نہ کھال اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھال اور گوشت کو ہڈیوں سے کھینچ لے گی۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پٹھوں اور پیٹھ کے لیے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سر سے دماغ تک پہنچ جائے گی اور سارا دماغ کھا جائے گی۔ پھر وہ لوٹ آئے گا جیسے تھا تو پھر وہ آگ لوٹے گی اس کو کھانے کے لیے اسی طرح معاملہ چلتا رہے گا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تخلیق اور اعضاء میں سے عمدہ کے لیے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے چہرے کے محاسن کے لیے اور ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الشوی" انسان کے زخم جو جائے قتل تک نہ پہنچے ہوں۔ کہا جاتا ہے "رمی فاشوی" جب تیر اعضاء کو لگے اور جائے قتل تک نہ پہنچے۔

17 "تدعوا" آگ اپنی طرف "من ادبر" ایمان سے۔ "وتولی" حق سے۔ پس آگ کہے گی میری طرف آ اے مشرک! میری طرف آ اے منافق! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کافروں و منافقوں کو ان کے ناموں سے پکارے گی فصیح زبان میں پھر ان کو اُٹھا لے گی جیسے پرندہ دانہ کو چگ لیتا ہے۔ خلیل رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں "تدعوا" یعنی عذاب دے گی اور کہتے ہیں ایک بدو نے دوسرے کو کہا دعاک اللہ یعنی تجھے اللہ عذاب دے۔

18 "وجمع" یعنی مال کو جمع کیا۔ "فاوعی" اس کو برتن میں روکا اور اس سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا۔

خُلِقَ هَلُوْعًا کی تفسیر

19 "ان الانسان خلق هلوعا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں "هلوع" اس چیز پر حریص جو اس کے لیے حلال نہیں ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں شحیح۔ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تنگ دل والا۔ ضحاک و حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں بخیل اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں واویلا کرنے والا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں تنگ دل والا اور "هلع" سخت لالچ اور کم صبر۔ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کی تفسیر اس کے بعد والی آیت ہے۔

20 "اذا مسّه الشر جزوعا. 21 واذا مسّه الخير منوعا" یعنی جب اس کو فقر پہنچے تو صبر نہ کرے اور جب اس کے پاس مال آئے تو خرچ نہ کرے۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جو چیز اس کو اچھی لگے اس کو پسند کرتا ہے اور جو ناپسند ہو اس سے بھاگتا ہے۔ پھر اس کو پابند کیا، پسندیدہ چیز کو خرچ کرنے اور ناپسند چیز پر صبر کرنے پر۔

22 پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا "الا المصلين" جمع کا واحد سے استثناء کیا ہے اس لیے کہ انسان جمع کے معنی میں ہے۔

23 "الذين هم على صلاتهم دائمون" ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ ابوالخیر کہتے ہیں ہم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "الذين هم على صلاتهم دائمون" کے بارے میں پوچھا، کیا وہ لوگ ہمیشہ

نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا نہیں لیکن جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو اپنے دائیں اور بائیں اور اپنے پیچھے متوجہ نہیں ہوتے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ㉔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ㉕ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ㉖
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ㉗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ㉘ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ㉙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ㉚ فَمَنِ
ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ㉛ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ㉜
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ㉝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ㉞ اُولٰٓئِكَ فِيْ
جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ㉟ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ㊱ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِيْنَ ㊲ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ㊳ كَلَّا. اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ㊴

ترجمہ اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں اور واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلب گار ہو ایسے ہی لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے تو کافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضامین کی تکذیب کرنے کے لئے) آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑے آ رہے ہیں کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو خبر ہے۔

تفسیر ㉔ ......"والذین فی اموالهم حق معلوم ㉕ للسائل والمحروم ㉖ والذین یصدقون بیوم الدین ㉗ والذین هم من عذاب ربهم مشفقون. ㉘ ان عذاب ربهم غیر مأمون. ㉙ والذین هم لفروجهم حافظون ㉚ الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین ㉛ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون ㉜ والذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون. ㉝ والذین هم بشهاداتهم قائمون" حفص نے عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ سے "بشهاداتهم" جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "بشهادتهم" واحد پڑھا ہے۔ "قائمون" یعنی اس میں حق کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور اس کو چھپاتے نہیں ہیں اور تبدیل بھی نہیں کرتے۔

۳۴ "والذین هم علی صلواتهم یحافظون." ۳۵ "اولئک فی جنات مکرمون"

۳۶ "فمال الذین کفروا" یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے کفر کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "فمالهم عن التذکرۃ معرضین"...... "قبلک مهطعین" دوڑنے والے تیری طرف متوجہ ہونے والے اپنی گردنیں کھینچنے والے اور تیری طرف نگاہ لگانے والے تیری طرف جھانکنے والے۔ یہ کفار کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو جاتے تھے آپ علیہ السلام کی کلام کو سنتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور آپ علیہ السلام کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو کیا ہوگیا ہے آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو سنتے ہیں اس سے نفع نہیں اُٹھاتے۔

۳۷ "عن الیمین وعن الشمال عزین" حلقے اور گروہ۔ اور عزون متفرق جماعتیں اس کا واحد عزۃ ہے۔

۳۸ "ایطمع کل امریٔ منهم ان یدخل جنة نعیم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی کیا ان میں سے ہر آدمی طمع کرتا ہے کہ میری جنت میں داخل ہوگا جیسے کہ مسلمان داخل ہوں گے اور اس میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا ہے؟

۳۹ "کلا" وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا: "انا خلقناهم مما یعلمون" یعنی نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے، لوگوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ایک اصل سے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کا باہم فضیلت رکھنا اور جنت کا مستحق ہونا ایمان وطاعت کی وجہ سے ہے۔

بشر بن جحاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنی ہتھیلی میں لعاب ڈالا اور اس پر انگلی رکھی اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کرسکتا ہے حالانکہ میں نے تجھے اسی کی مثل سے پیدا کیا ہے حتیٰ کہ میں نے تجھے ٹھیک طرح بنایا اور تو دو چادروں کے درمیان چلا اور زمین تجھ سے سخت ہے۔ پس تو نے مال جمع کیا اور روکا حتیٰ کہ جب گلے تک پہنچا تو تو نے کہا میں صدقہ کرتا ہوں اور اب کہا صدقہ کا وقت ہے؟ اور کہا گیا ہے اس کا معنی بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس وجہ سے جو وہ جانتے ہیں اور وہ امر و نہی، ثواب و عقاب ہے اور کہا گیا ہے کہ "ما"...... "من" کے معنی میں ہے اس کا مجاز "انا خلقناهم ممن یعلمون ویعقلون کالبهائم"

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۴۰ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۴۱ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ۴۲ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۴۳ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۴۴

ترجمہ پھر دوسری طور پر وقوع قیامت کے لئے قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑتے جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی (بس) یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو کہ اب واقع ہوا)۔

تفسیر ⑩ "فلا اقسم برب المشارق والمغارب" یعنی سال میں سے ہر دن کی مشرق اور اس کی مغرب۔ "انا لقادرون

⑪ علی ان نبدّل خیرا منهم" اس پر کہ ہم ان سے زیادہ فرمانبردار اور اللہ کی زیادہ بات ماننے والے پیدا کریں۔ "وما نحن بمسبوقین"

⑫ "فذرهم یخوضوا" اپنے باطل میں۔ "ویلعبوا" اپنی دُنیا میں "حتی یلاقوا یومهم الذین یوعدون" اس کو آیت قتال نے منسوخ کر دیا ہے۔

⑬ "یوم یخرجون من الاجداث" یعنی قبروں سے۔ "سراعا" داعی کو جواب دینے کے لیے۔ "کانهم الی نصب" ابن عامر اور حفص نے "نصب" نون اور صاد کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کے زبر اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، انہوں نے مراد لیا ہے منصوب چیز کی طرف۔ کہا جاتا ہے فلان نصب عین اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم و سجھ کی طرف اور جس نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل اور کسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی ان کے بتوں کی طرف جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اس کی طرف دوڑتے تھے کہ پہلے کون اس کا استلام کرے گا۔ "یوفضون" یعنی دوڑتے ہیں۔

⑭ "خاشعة" ذلیل و پست۔ "ابصارهم ترهقهم ذلّة" ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ "ذلک الیوم الذی کانوا یوعدون" یعنی قیامت کے دن۔

سُوْرَةُ نُوْح

مکی ہے اور اس کی اٹھائیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ
اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ
وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ
رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّىْ كُلَّمَا
دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا
اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧

ترجمہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو (وبال کفر سے) ڈرائیو قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار کرو) اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو وقت مقررہ (یعنی وقت موت) تک (بلا عقوبت) مہلت دے گا (باقی موت کے لئے جو) اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آ جاوے گا تو ٹلے گا نہیں کیا خوب ہوتا اگر تم (ان باتوں کو) سمجھتے ہوتے (جب مدتہائے دراز تک ان نصائح کا اثر قوم پر نہ ہوا تو) نوحؑ نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور (دن کو بھی) دین حق کی طرف) بلایا سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے جب کبھی ان کو (دین حق کی طرف) بلایا تا کہ (ان کے ایمان کے سبب) آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ حق بات کو سنیں بھی نہیں) اور (نیز زیادتی کراہت سے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لیے اور کفر پر اصرار کیا اور (میری طاعت سے) غایت درجہ کا تکبر کیا پھر (بھی) میں نے ان کو بآواز بلند بلایا۔

تفسیر ①"انا ارسلنا نوحا الی قومه ان انذر قومک"......"بان انذر قومک من قبل ان یأتیھم عذاب الیم" معنی بے شک ہم نے ان کو بھیجا تا کہ وہ ان کو عذاب سے ڈرائیں اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

②"قال یاقوم انی لکم نذیر مبین" میں تمہیں ڈراتا ہوں اور تمہارے لیے بیان کرتا ہوں۔

③"ان اعبدوا اللّٰہ واتقوہ واطیعون.

④یغفرلکم من ذنوبکم" من صلہ ہے یعنی "یغفرلکم ذنوبکم" اور کہا گیا ہے یعنی جو تمہارے گناہوں میں سے پہلے ہو چکے ایمان لانے کے وقت تک اور یہ ان کے بعض گناہ ہیں۔"ویؤخر کم الی اجل مسمّی" وہ تمہیں عافیت دے گا تمہاری مدتوں کے ختم ہونے تک۔ پس تم پر عقاب نہ کرے گا۔"ان اجل اللّٰہ اذا جاء لایؤخر لو کنتم تعلمون" فرماتے ہیں تم موت سے پہلے ایمان لے آؤ عذاب سے محفوظ رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اجل جب آتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا اور تمہیں ایمان لانے کی قدر نہ دے گا۔

⑤"قال ربّ انی دعوت قومی لیلا ونھارا.

⑥فلم یزدھم دعائی الا فرارا" بھاگنا اور ایمان سے پیٹھ پھیرنا۔

⑦"وانی کلمّا دعوتھم" آپ پر ایمان لانے کی طرف۔"لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم" تا کہ وہ میری دعوت نہ سن سکیں۔"واستغشوا ثیابھم" ان کے ذریعے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتے ہیں تا کہ وہ مجھے نہ دیکھیں۔"واصروا" اپنے کفر پر۔"واستکبروا" آپ علیہ السلام پر ایمان لانے سے۔"استکبارا"

⑧"ثم انی دعوتھم جھارا" اس کا معنی ہے دُعاء کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اپنی بلند آواز سے۔

ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ. اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ⑪ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ⑮ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ⑰

ترجمہ پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا اور (اس سمجھانے میں) میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا زمین نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو (ورنہ شرک نہ کرتے) حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور

(کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا۔

تفسیر ⑨ "ثم انی اعلنت لهم" یعنی دُعاء کا اعلانیہ تکرار کیا۔ "واسررت لهم اسرارا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ایک ایک آدمی کو آہستہ دعوت دی، اس کو آپ کی عبادت اور توحید کی طرف بلایا۔

⑩ "فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا۔

⑪ یرسل السمآء علیکم مدرارا" اور یہ کہ قوم نوح علیہ السلام نے جب لمبا زمانہ ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی اور عورتوں کو بانجھ کر دیا چالیس (۴۰) سال تو ان کی اولاد، مال اور مویشی ہلاک ہوگئے تو ان کو نوح علیہ السلام نے کہا تم اپنے رب سے شرک سے معافی طلب کرو یعنی مغفرت طلب کرو توحید اپنا کر۔ وہ تم پر آسمان سے بہت زیادہ بارش بھیجے گا۔ شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ بارش طلب کرنے نکلے، پس استغفار کیا اور لوٹ آئے تو ان کو کہا گیا ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بارش طلب کرتے تو نہیں سنا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے بارش کو آسمان کے مجاریح سے طلب کیا ہے جن سے بارش اُتاری جاتی ہے۔ پھر پڑھا ہے ⑫ "استغفروا ربكم انه كان غفارا۔ یرسل السمآء علیکم مدرارا"

⑬ "ویمددکم باموال وبنین" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارے اموال کو اولاد کو زیادہ کردے گا۔ "ویجعل لكم جنات ویجعل لكم انهارا۔ مالكم لا ترجون لله وقارا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تم اللہ کی عظمت نہیں دیکھتے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی تعظیم نہیں کرتے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اللہ سے نہیں ڈرتے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور رجاء خوف کے معنی میں ہے اور وقار، عظمت، توقیر سے اسم ہے اور وہ تعظیم کرنا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اللہ کا حق نہیں پہچانتے اور تم اس کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کی عبادت میں یہ اُمید نہیں کرتے کہ وہ تمہیں ثواب دے گا، تمہارے اس کی توقیر کرنے پر۔

⑭ "وقد خلقكم اطوارا" کئی مرتبہ ایک حال کے بعد دوسرے حال میں نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ مکمل تخلیق ہونے تک۔

⑮ "الم تروا كيف خلق الله سبع سماوات طباقا، وجعل القمر فيهن نورا" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی آسمان دُنیا میں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اتیت بنی تمیم" حالانکہ تو ان میں سے بعض کے پاس گیا ہوتا ہے۔ وہ فلاں متوارٍ فی دور بنی فلاں فلاں بنوفلاں کے گھروں میں چھپا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک گھر میں ہوتا ہے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بے شک سورج و چاند ان دونوں کا رُخ آسمانوں کی طرف ہے اور سورج کی روشنی اور چاند کا نور ان میں ہے اور ان کی گدیاں زمین کی طرف ہیں اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔

⑯ "وجعل الشمس سراجا" روشن چراغ۔

⑰ "والله انبتكم من الارض نباتا" ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مبدأ مراد ہے یعنی ان کو زمین سے پیدا کیا اور لوگ ان کی اولاد ہیں۔ "نباتا" اسم ہے مصدر کی جگہ رکھا گیا ہے یعنی نباتا۔ خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مجاز "فنبتم نباتا" ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۝۲۱ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝۲۲ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝۲۳

ترجمہ پھرتم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں لے جاوے گا اور (قیامت میں پھراسی زمین سے) تم کو باہر لے آوے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا تا کہ تم کھلے رستوں میں چلو (اور یہ سب حکایات عرض کر کے) نوحؑ نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا اور انہوں نے جن کا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں کہ) جنہوں نے (حق میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (اپنے تابعین سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔

تفسیر ۱۸ "ثم یعیدکم فیھا" موت کے بعد۔ "ویخرجکم" اس سے بعث کے دن زندہ۔ "اخراجا"

۱۹ "واللہ جعل لکم الارض بساطا" اس کو تمہارے لیے بچھایا۔

۲۰ "لتسلکوا منھا سبلا فجاجا" کشادہ راستوں پر۔

۲۱ "قال نوح ربّ انھم عصونی" یعنی میری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ "واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا" یعنی فقراء اور نچلے طبقہ کے لوگوں نے قائدین اور سرداروں کی اتباع کی جن کو ان کے مال اور اولاد کی کثرت نے صرف دُنیا میں گمراہی اور آخرت میں سزا زیادہ کی تھی۔

۲۲ "ومکروا مکرا کُبّارا" یعنی کبیر و عظیم۔ کہا جاتا ہے کبیر اور کبار تخفیف کے ساتھ اور کبار شد کے ساتھ۔ شد مبالغہ کے لیے دی گئی ہے اور تمام ایک معنی میں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے امر عجیب و عجاب و عجّاب شد کے ساتھ، مبالغہ میں اشد ترین اور ان کے مکر میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں انہوں نے بہت بڑی بات کہی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ پر جھوٹ گھڑا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور کہا گیا ہے کہ رؤسا نے اپنے پیروکاروں کو نوح علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکا اور ان کے قتل پر اُبھارا۔

۲۳ "وقالوا" ان کو "لاتذرنّ آلھتکم" یعنی ان کی عبادت کو۔ "ولا تذرن ودّا" اہل مدینہ نے واؤ کے پیش کے ساتھ اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا" یہ ان کے معبودوں کے نام ہیں۔

یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ اور وَنَسْرًا کی تفسیر

محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ نیک لوگوں کے نام ہیں جو نوح اور آدم علیہما السلام کے درمیان گزرے پس جب یہ مرگئے تو ان کے متبعین تھے جو ان کی پیروی کرتے تھے اور ان کے بعد عبادت میں ان کا طریقہ اپناتے تھے۔ پس ان کے پاس ابلیس آیا اور ان کو کہا اگر تم ان نیک لوگوں کی صورتیں بنالو تو یہ عبادت میں تمہاری چستی اور شوق کا سبب بنے گا۔ انہوں نے ایسا کیا پھر ان کے بعد جو قوم آئی ان کو ابلیس نے کہا تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ انہی صورتوں کی عبادت کرتے تھے تم بھی ان کی عبادت کرو تو بتوں کی عبادت کی ابتداء ہوگئی اور ان صورتوں کو یہ نام دیئے گئے تھے اس لیے کہ انہوں نے ان مسلمان لوگوں کی جیسی صورتیں بنائی تھیں۔

عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ بت جو قوم نوح میں معبود تھے وہی عرب میں ان کے بعد معبود بنے۔ بہرحال وڈ یہ کلب کا تھا دومۃ الجندل میں اور سواع ہذیل کا تھا اور یغوث مراد کا تھا پھر بنوغطیف کا بنا جو سبأ کے پاس جرف مقام میں ہیں اور یعقوق یہ ہمدان کا تھا اور نسر یہ حمیر آل ذی الکلاع کا تھا اور یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ پس جب یہ مرگئے تو شیطان نے ان کی قوم کو وحی کی کہ تم ان کی خصوصی نشست گاہوں میں ان کے بت گاڑھ دو اور ان کو ان نیک لوگوں کے نام دے دو تو انہوں نے ایسا کیا لیکن ان کی عبادت نہیں کی گئی۔

پھر جب یہ لوگ مرگئے اور علم ختم ہوگیا تو ان کی عبادت کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ ان بتوں کو طوفان نے دفن کردیا تھا، ان پر مٹی ڈال کر۔ پس یہ دفن ہی رہے کہ ان کو شیطان نے مشرکین عرب کے لیے نکالا اور عرب کے دوسرے بت تھے پس لات ثقیف کا تھا اور عزیٰ سلیم، غطفان اور جشم کا اور مناۃ قدید کا اور اساف اور نائلہ اور ھبل اہل مکہ کے تھے۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ اور ان (رئیس) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کردیا اور (اب آپ) ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے (ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) انہی گناہوں کے سبب وہ غرق کیے گئے پھر (بعد غرق) دوزخ میں داخل کیے گئے اور خدا کے سوا ان کو کوئی حمایتی بھی میسر نہ ہوئے اور نوحؑ نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے پروردگار ان میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (بلکہ سب کو ہلاک کردے کیونکہ) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی اے میرے

رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو (یعنی اہل وعیال باستثناء زوجہ وکنعان) اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھایئے

تفسیر ㉔ "وقد اضلّوا کثیرا" یعنی بتوں کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوگئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "ربّ انھن اضللن کثیرا من النّاس" اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے بڑوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا۔ "ولا تزد الظالمین الا ضلالا" یہ ان پر بدعا ہے۔ اس کے بعد جب نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن"

㉕ "مما خطیئاتھم" یعنی ان کی خطاؤں میں سے۔ اور (ما) صلہ ہے اور ابوعمرو نے "خطایاھم" پڑھا ہے اور یہ دونوں "خطیئۃ" کی جمع ہیں۔ "اغرقوا" طوفان کے ساتھ۔ "فادخلوا نارا" ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دُنیا میں ایک حالت میں ہوا کہ ایک جانب سے غرق کیے گئے اور دوسری جانب سے جلائے گئے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فادخلوا نارا" یعنی آخرت میں۔ "فلم یجدوا لھم من دون اللّٰہ انصارا" یعنی کسی ایک کو نہیں پایا جو ان کو اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچائے۔

㉖ "وقال نوح ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" کوئی ایک جو زمین میں چکر لگائے، پس جائے اور آئے دوران سے ہے اور قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اصل دار سے ہے یعنی گھر میں اُترنے والا۔

㉗ "انک ان تذرھم یضلّوا عبادک" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ نوح علیہ السلام کے پاس جاتا اور کہتا اس سے بچ کر رہنا یہ بڑا جھوٹا ہے اور میرے باپ نے بھی مجھے اس سے روکا تھا۔ پس بڑے مرجاتے اور چھوٹے اس حالت پر پیدا ہوتے۔ "ولا یلدوا الا فاجرا کفارا" محمد بن کعب، مقاتل اور ربیع اور ان کے علاوہ حضرات کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے یہ تب کہا جب اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن کو ان کی پشتوں سے نکال لیا اور ان کی بیویوں کے رحموں سے اور ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کردیا اور ان کے مردوں کی پشتوں کو خشک کردیا عذاب سے چالیس سال پہلے۔

اور کہا گیا ہے ستر سال پہلے اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور کسی مؤمن کو نہ جنیں گے۔ پس اس وقت نوح علیہ السلام نے ان پر بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دُعا قبول کرلی اور ان تمام کو ہلاک کردیا اور عذاب کے وقت ان میں کوئی چھوٹا بچہ نہ تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وقوم نوح لما کذبوا الرّسل اغرقناھم" اور بچوں سے تو تکذیب نہیں پائی جاسکتی۔

㉘ "ربّ اغفرلی ولوالدیّ" اور ان کے والد کا نام ملک بن متوشلخ اور والدہ کا نام سمحاء بنت انوش تھا اور یہ دونوں مؤمن تھے۔ "ولمن دخل بیتی" میرے گھر میں۔ "مؤمنا" ضحاک اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں میری مسجد میں اور کہا گیا ہے میری کشتی میں۔ "وللمؤمنین والمؤمنات" یہ ہر اس شخص کے حق میں عام ہے جو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر ایمان لایا اور رسولوں کی تصدیق کی۔ "ولا تزد الظالمین الا تبارا" ہلاکت اور تباہی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو ہلاک کردیا گیا۔

سُوْرَۃ جِنّ

مکی ہے اور اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ① يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ② وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ③ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ④

ترجمہ: آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔

تفسیر: ① "قل او حی الیّ انه استمع نفر من الجن" اور یہ تو تھے نصیبین کے جنوں میں سے اور کہا گیا ہے سات تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت توجہ سے سنی۔ ہم ان کا واقعہ سورۃ الاحقاف میں بیان کر چکے ہیں۔ "فقالوا" جب اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ "انا سمعنا قرانا عجبا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "بلیغا" یعنی قرآن ذا عجب اس کی بلاغت کی وجہ سے تعجب کیا جاتا ہے۔

② "یهدی الی الرشد" وہ توحید و ایمان سے درستگی کی طرف بلاتا ہے۔ "فامنا به ولن نشرک بربنا احدا"

③ "وانه تعالیٰ جدّ ربّنا" اہل شام اور اہل کوفہ نے ابوبکر کے علاوہ عاصم سے۔ "وانه تعالیٰ" ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح اس کے بعد باری تعالیٰ کے قول "وانا منا المسلمون" تک۔ اور دیگر حضرات نے ان کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر نے ان میں سے "وانه" کو زبر دی ہے جو وحی پر رد کیا گیا ہے اور جو جنوں سے حکایت ہے اس کو زیر دی ہے اور پسندیدہ سب میں کسرہ پڑھنا ہے اس لیے کہ یہ جنوں کا اپنی قوم کو قول ہے۔ پس یہ معطوف ہے اس کے قول "فقالوا انا

سمعنا قرآنا عجبا" پراورانہوں نے کہا "وانہ تعالٰی" اور جس نے فتحہ دیا ہے اس نے عطف باری تعالیٰ کے قول "فآمنّا بہ" پر ڈالا ہے اور ہم اس تمام پر ایمان لائے۔ پس "اَن" کو فتحہ دیا گیا ہے اس پر ایمان واقع ہونے کی وجہ سے۔

"جدّ ربّنا" ہمارے رب کا جلال وعظمت، اس کو مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہا جاتا ہے "جدّ الرجل" یعنی عظیم ہوگیا اور اسی سے انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جب کوئی آدمی ہم میں سے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو "جدّفینا" یعنی اس کا مرتبہ عظیم ہوجاتا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جدّربّنا" یعنی ہمارے رب کا امر اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے رب کا تمنی اور اسی سے جد کو حظ بمعنٰی حصہ کہا جاتا ہے اور رجل مجدود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے ہمارے رب کی قدرت۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا فعل۔ قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی نعمتیں اس کی مخلوق پر اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے رب کا ملک بلند ہوگیا۔ "ما اتخذ صاحبة و لا ولدا" کہا گیا ہے اس کا جلال وعظمت بلند ہے اس سے کہ وہ کوئی بیوی یا اولاد بنائے۔

④ "وانہ کان یقول سفیھنا" وہ ابلیس ہے۔ "علی اللّٰہ شططا" جھوٹ اور ظلم اور وہ اللہ تعالیٰ کو شریک اور اولاد کے ساتھ موصوف کرنا۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑤ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ⑥ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ⑦ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ. فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨

ترجمہ: اور ہمارا پہلے یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات خدا کی شان میں جھوٹ نہیں کہیں گے اور بہت سے لوگ آدمیوں میں سے ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سوان آدمیوں نے ان جنات کی بددماغی اور بڑھادی اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ہم نے آسمان (کی خبروں) کی تلاشی (موافق عادت سابقہ کے) لینا چاہی سو ہم نے اس کو سخت پہروں (یعنی محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور اس کے قبل) ہم اس آسمان کی خبر سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جابیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے۔

تفسیر: ⑤ "وانا ظننا" ہم نے گمان کیا۔ "ان لن تقول الانس والجن" یعقوب نے "تقوّل" واؤ کی زبر اور اس کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ "علی اللّٰہ کذبا" یعنی ہم ان کو ان کے اس قول میں کہ "اللہ تعالیٰ نے بیوی اور اولاد بنائی ہے" گمان کرتے تھے حتیٰ کہ ہم نے قرآن سن لیا۔

⑥ "وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن" کیونکہ کوئی آدمی عرب میں سے جاہلیت میں جب

سفر کرتا تھا پس اس وادی میں چٹیل زمین میں شام کرتا تو کہتا میں سردار کی پناہ مانگتا ہوں اس کی قوم کے بیوقوفوں سے تو وہ ان میں امن و پڑوس میں رات گزارتا صبح تک۔ کردم بن ابو سائب انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ کی طرف نکلا، کسی ضرورت کی وجہ سے اور یہ ابتدائی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں تذکرہ ہو رہا تھا۔ پس ہم نے رات کو ایک بکریوں کے چرواہے کے پاس ٹھکانہ حاصل کیا۔ جب آدھی رات ہوئی تو ایک بھیڑیا آیا اور بکری کا ایک بچہ پکڑ لیا تو چرواہا کودا اور اے وادی کے عامر تیرا پڑوسی تو آواز لگانے والے نے آواز لگائی جس کو ہم نے نہیں دیکھا، کہا اے بھیڑیے اس کو چھوڑ دے تو بکری کا بچہ بھاگتا آیا اور ریوڑ میں داخل ہو گیا اور اس کو ہلکا سا زخم بھی نہ لگا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں اُتارا "وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم" یعنی انسانوں نے جنوں کے سردار سے پناہ مانگ کر ان کو زیادہ کر دیا۔ "رھقا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں گناہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سرکشی اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں شر۔ ابراہیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں عظمت کیونکہ وہ اس پناہ مانگنے کی وجہ سے سرکشی میں بڑھتے جا رہے تھے، وہ کہتے تھے ہم جنوں و انسانوں کے سردار ہو گئے اور "رھق" کلام عرب میں گناہ اور محارم کا ارتکاب کرنا ہے۔

⑦ "وانھم ظنوا" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک جنوں نے گمان کیا۔ "کما ظننتم" اے انسانوں میں سے کافروں کی جماعت۔ "ان لن یبعث اللہ احدا" اس کے مرنے کے بعد۔

⑧ "وانا" جن کہنے لگے۔ "لمسنا السماء" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آسمانِ دُنیا "فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا" فرشتوں میں سے۔ "وشھبا" ستاروں سے۔

⑨ "وانا کنا نقعد منھا" آسمان سے۔ "مقاعد للسمع" یعنی ہم سنتے تھے۔ "فمن یستمع الآن یجدلہ شھابا رصدا" اس کا گھات لگایا ہے تاکہ اس کو مارے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک مارنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھا اور آپ علیہ السلام کی بعثت کے بعد سخت چوکیداری کی کوئی مثال ہی نہیں ہے اور وہ بعض حالات میں بات چرا لیتے تھے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تو وہ اس سے بالکل روک دیے گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ
وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ
هَرَبًا ⑫ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ⑬
وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ⑭ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ
فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ⑮ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ⑯

ترجمہ اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان

کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے اور ہم سے (پہلے سے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح کے (ہوتے آئے) ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے اور ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا ہے ہم زمین (کے کسی حصہ) میں (جا کر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اس کا یقین کر لیا سو (ہماری طرح) جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا اور ہم میں بعضے تو مسلمان (ہو گئے) ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے تو بھلائی کا رستہ ڈھونڈ لیا اور جو بے راہ ہیں دوزخ کے ایندھن ہیں اور (مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی کہ) کہ اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) رستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے۔

تفسیر ⑩ "وانا لاندری اشراریدبمن فی الارض" شہاب ثاقب کے مارنے کے ذریعے سے۔ "ام ارادبھم ربھم رشدا"

⑪ "وانا منا الصالحون ومنا دون ذلک" نیک لوگوں کے علاوہ۔ "کنّا طرائق قددا" یعنی متفرق جماعتیں اور مختلف قسمیں اور "قدۃ" کسی چیز کا ٹکڑا کہا جاتا ہے "صارا لقوم قددا" جب ان کے حالات مختلف ہوں اور اس کی اصل قد سے ہے اور وہ کاٹنا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی مراد مسلمان و کافر تھے اور کہا گیا ہے مختلف خواہشات والے اور حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جن تمہاری طرح ہیں پس ان میں سے قدریہ، مرجہ اور رافضہ ہیں اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں گروہ و فرقے ہر فرقہ کی خواہش نفس تھی لوگوں کی خواہشات کی طرح اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مختلف رنگ کے اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قسمیں۔

⑫ "وانا ظننا" ہم نے جانا اور یقین کیا۔ "ان لن نعجز اللّٰہ فی الارض" یعنی ہم اس سے نہیں چھوٹ سکتے، اگر وہ ہمارے بارے میں کسی امر کا ارادہ کرے۔ "ولن نعجزہ ھربا" اگر وہ ہمیں طلب کرے۔

⑬ "وانا لما سمعنا الھدی" قرآن اور جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ "آمنا بہ فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا" اپنے عمل اور ثواب میں نقصان کا۔ "ولا رھقا" پیاس کا اور کہا گیا ہے ناپسند چیز کا جو اس کو ڈھانپ لے گی۔

⑭ "وانا منا المسلمون" یہ وہ لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ "ومنا القاسطون" ظالم حق سے اعراض کرنے والے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جن لوگوں نے اللہ کے لیے شریک بنایا۔ کہا جاتا ہے "اقسط الرجل اذا عدل" جب وہ انصاف کرے "فھو مسقط و قسط" جب وہ ظلم کرے "فھو قاسط"...... "فمن اسلم فاولئک تحرّوا رشدا" یعنی انہوں نے حق کے راستہ کا ارادہ کیا۔

⑮ "واما القاسطون" جنہوں نے کفر کیا۔ "فکانوا لجھنم حطبا" وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے قیامت کے دن۔

⑯ پھر کفار مکہ کی طرف لوٹے اور فرمایا "وان لو استقاموا علی الطریقۃ" اس کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ پس ایک قوم نے کہا ہے اگر وہ حق اور ایمان اور ہدایت کے طریقہ پر قائم رہتے تو وہ فرمانبردار مؤمن ہوتے۔ "لاسقیناھم ماءً غدقا" زیادہ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ان سے سات سال بارش ہٹا لینے کے بعد کی بات ہے اور انہوں نے کہا اس کا معنی

اگر وہ ایمان لے آتے تو ہم ان پر دُنیا میں وسعت دیتے اور ان کو کثیر مال دیتے اور آسانی والی زندگی دیتے اور کثیر پانی کی مثال دی گئی ہے اس لیے کہ خیر اور رزق سارا کا سارا بارش میں ہے۔ جیسا کہ کہا "ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل وما انزل اليهم من ربهم لاكلوا من فوقهم" اور کہا "لو ان اهل القرىٰ امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء"

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ. وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: تا کہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان واطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا اور (ان وحی شدہ مضامین سے ایک یہ ہے کہ) جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو اور جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ ہیں) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو جمع ہو جاتے ہیں۔

تفسیر: ۱۷ "لنفتنهم فيه" یعنی تا کہ ہم ان کا امتحان لیں کہ ان کا شکر کیسا ہے ان نعمتوں میں جو وہ دیئے گئے اور یہ سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور حسن رحمہم اللہ کا قول ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ کفر اور گمراہی کے طریقہ پر ڈٹ جاتے تو ہم ان کو کثیر مال دیتے اور ان پر وسعت کرتے تا کہ ہم ان کو اس میں آزمائیں سزا ہے ان کے لیے اور ڈھیل ہے حتیٰ کہ وہ اس کے ذریعے آزمائے جائیں گے پھر ہم ان کو عذاب دیں گے اور یہ ربیع بن انس، زید بن اسلم، کلبی اور ابن کیسان رحمہم اللہ کا قول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء" الآیہ...... "ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه" اہل کوفہ اور یعقوب رحمہم اللہ نے "يسلكه" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کے ساتھ۔ یعنی ہم اس کو داخل کریں گے "عذابا صعدا"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مشقت والے اور معنی "ذاصعد" یعنی مشقت والا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی راحت نہ ہوگی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی خوشی نہ ہوگی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف سختی ہی زیادہ کرے گا اور اس میں اصل یہ ہے کہ صعود (چڑھنا) انسان پر سخت مشقت والا ہے۔

۱۸ "وان المساجد لله" یعنی وہ جگہیں جو نماز اور ذکر اللہ کے لیے بنائی گئی ہیں۔ "فلا تدعوا مع الله احدا" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود و نصاریٰ جب اپنے گرجوں اور عبادت خانوں میں داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ جب وہ مسجدوں میں داخل ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لیے دعوت کو خالص کریں اور مراد تمام مساجد ہیں۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ کی تفسیر

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس نے تمام جگہیں مراد لی ہیں اس لیے کہ ساری زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد بنائی

گئی ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ہمارے لیے کیسے ہوگا اگر ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ نماز میں شریک ہوں اور ہم دور رہوں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی "وان المساجد للّٰہ" سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ہی روایت کیا گیا ہے کہ مساجد سے وہ تمام اعضاء مراد ہیں جن پر انسان سجدہ کرتا ہے اور وہ سات ہیں پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں، فرماتے ہیں یہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں تم ان پر اللہ کے غیر کے لیے سجدہ نہ کرو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں پیشانی اور اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور پاؤں کے اطراف اور میں کپڑا اور بال نہ سمیٹوں۔ پس اگر مساجد کو نماز کی جگہیں قرار دیا جائے تو اس کا واحد مسجد جیم کی زیر کے ساتھ ہے اور اگر تو اس کو اعضاء کے معنی میں قرار دے تو اس کا واحد مسجد جیم کے زبر کے ساتھ ہے۔

⑲ "وانہ" نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ نے ہمزہ کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے اس کے زبر کے ساتھ۔ "لما قام عبداللّٰہ" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "یدعوہ" یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے۔ یہ اس وقت جب آپ علیہ السلام بطن نخلہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔ "کادوا" یعنی جن۔ "یکونون علیہ لبدا" یعنی ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے اور قرآن سننے کی حرص میں بھیڑ کر دیتے۔ یہ ضحاک کا قول اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس جماعت کا قول ہے جو اپنی قوم جن کی طرف لوٹے ان کو خبر دی جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی اطاعت دیکھی اور ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اقتداء کرنے کو دیکھا اور حسن، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ نے کہا ہے یعنی جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا دعوت دینے تو انسانوں اور جنوں نے آپ علیہ السلام پر غلبہ کیا تا کہ اس حق کو باطل کردیں جو آپ علیہ السلام ان کے پاس لائے ہیں۔

تا کہ اس حق کو باطل کردیں جو آپ علیہ السلام ان کے پاس لائے ہیں اور اللہ کے نور کو بجھادیں تو اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے گا اور اس امر کو مکمل کرے گا اور آپ علیہ السلام کی مدد کرے گا ان پر جو آپ علیہ السلام سے مقابلہ کریں گے اور ہشام نے ابن عامر سے "لبدا" لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور لبد کی اصل کئی جماعتیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہوں اور اسی سے وہ لبد ہے اون کا بچھونا جو بچھایا جاتا ہے اس کے گھنے (موٹا) ہونے کی وجہ سے اور بالوں کو لپیٹنا جب وہ موٹا لیپ ہو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ㉒ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ㉓ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ㉔ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۞ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۞

ترجمہ آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا) آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (لیکن یہ کفار اس حالت سے باز نہ آویں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک (آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے اور غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (جبکہ اس میں مصلحت نہ ہو) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے (تاکہ ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

تفسیر ۲۰ "قل انما ادعوا ربی" ابوجعفر، عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ نے "قل" امر کا صیغہ اور باقی حضرات نے "قال" پڑھا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "انما ادعوا ربیّ" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا آپ علیہ السلام بہت بڑا امر لائے ہیں، آپ علیہ السلام اس سے رجوع کرلیں، ہم آپ کو پناہ دیں گے تو آپ علیہ السلام نے ان کو کہا "انما ادعوا ربیّ ولا اشرک به احدا"

۲۱ "قل انی لا املک لکم ضرا" میں قادر نہیں ہوں اس پر کہ تمہارے نقصان کو دور کروں۔ "ولا رشدا" یعنی میں تمہارے لیے نہیں ہانکتا یا تمہاری طرف رشد و خیر کو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس کے مالک ہیں۔

۲۲ "قل انی لن یجیرنی من اللہ احد" مجھے اس سے کوئی نہ بچائے گا، اگر میں نے اس کی نافرمانی کی۔ "ولن اجد من دونه ملتحدا" جائے پناہ جس کی طرف میں مائل ہوں اور ملتحد کا معنی یعنی مائل ہونے والا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حفاظت کی جگہ۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زمین میں داخل ہونے کی جگہ جیسے تہہ خانہ وغیرہ۔

㉓ "الا بلاغا من اللہ و رسالاته" پس اس میں پناہ، امن اور نجات ہے۔ اس کو حسن نے کہا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ چیز ہے جو مجھے اللہ کے عذاب سے پناہ دے گی یعنی تبلیغ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الا بلاغا من اللہ" پس یہ وہ چیز ہے جس کا میں مالک ہوں اللہ کی مدد اور توفیق کے ساتھ اور کہا گیا ہے میں تمہارے لیے نقصان اور خیر کا مالک نہیں ہوں لیکن میں پہنچاتا ہوں اللہ کے پیغام کیونکہ میں اس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں میں مالک نہیں ہوں مگر اسی چیز کا جس کا میں مالک بنایا گیا ہوں۔ "و من یعص اللہ و رسوله" اور ایمان نہیں لایا۔ "فانّ له نار جهنم خالدین فیها ابدا"

㉔ "حتّی اذا رأوا ما یوعدون" یعنی عذاب قیامت کے دن۔ "فسیعلمون" عذاب نازل ہونے کے وقت۔ "من اضعف ناصرا و اقل عددا" کیا وہ یا مؤمنین۔

㉕ "قل ان ادری" یعنی میں نہیں جانتا۔ "اقریب ما توعدون" عذاب کا اور کہا گیا ہے قیامت کا دن۔ "ام یجعل له ربی امدا"

㉖ "عالم الغیب" یہ مرفوع ہے صفت کی بناء پر اجل اور انتہا جس کی مدت لمبی ہو۔ یعنی بے شک عذاب کے وقت کا علم غیب ہے جس کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ۔

اس کا قول "ربّی" اور کہا گیا ہے "هو عالم الغیب. فلایظهر" نہیں مطلع کرتا۔ "علی غیبه احدا.

㉗ الا من ارتضٰی من رسول" مگر جس کو اپنی رسالت کے لیے چن لے۔ پس اس کو غیب میں سے جس پر چاہے مطلع کردے اس لیے کہ وہ اپنی نبوت پر ایسی نشانی کے ذریعے استدلال کرے گا جو عاجز کرنے والی ہو اور غیب کی خبر دے۔ "فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصدا" بعض جہات کو ذکر کیا ہے تمام پر دلالت کرنے کے لیے۔ "رصدا" یعنی اس کے سامنے اور پیچھے حفاظت کرنے، فرشتے مقرر کردے گا جو اس کی شیاطین سے حفاظت کریں گے کہ وہ بات نہ چوری کرلیں اور جن سے یہ کہ وہ وحی کو کان لگا کر سنتے، پھر وہ کاہن کی طرف ڈال لیتے۔ مقاتل رحمہ اللہ اور ان کا غیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی رسول کو بھیجتے تو ابلیس اس کے پاس فرشتے کی صورت میں آتا اس کو خبر دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتے جو ان کی حفاظت کرتے اور شیاطین کو دھتکارتے۔ پس جب اس کے پاس شیطان فرشتے کی صورت میں آتا تو فرشتے اس کو خبر دیتے کہ وہ شیطان ہے تو اس سے بچ اور جب فرشتہ آتا تو اس کو کہتے یہ تیرے رب کا رسول ہے۔

㉘ "لیعلم" یعقوب رحمہ اللہ نے "لیعلم" یاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ "ان" رسول۔ "قد ابلغوا" اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تاکہ رسول جان لیں کہ فرشتوں نے تحقیق پہنچا دیا۔ "رسالات ربهم واحاط بما لدیهم" یعنی اللہ کو علم ہے جو رسولوں کے پاس ہے، پس اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ "واحصٰی کل شیء عددا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جو پیدا کیا اس کا احصار کیا اور اپنی مخلوق کی تعداد کو پہچانتا ہے۔ پس اس سے کسی چیز کا علم فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ ذرہ اور رائی کے برابر بھی اور "عددا" کا نصب حال کی بناء پر ہے اور اگر تو چاہے تو مصدر کی بناء پر نصب سمجھ یعنی "عدّ عددا"

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل

مکی ہے اور اس کی بیس (۲۰) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④

ترجمہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو۔

تفسیر ① "یا یھا المزمل" یعنی اپنے کپڑے میں لپٹنے والے اور اس کی اصل "متزمل" تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا ہے اور اس کی مثل مدثر ہے تاء کو دال میں ادغام کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے "تزمّل و تدثر" بثوبہ جب اس کو اچھی طرح ڈھانپ لے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اے سونے والے تو کھڑا ہو اور نماز پڑھ۔ حکماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا ابتداء وحی میں رسالت کی تبلیغ سے پہلے۔ پھر اس کے بعد آپ علیہ السلام کو نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب کیا گیا۔

② "قم اللیل" یعنی نماز کیلئے۔ "الا قلیلا" اور رات کا قیام (تہجد) فرض تھی ابتداء میں پھر اسکی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

③ "نصفه او انقص منه قليلا" تہائی تک۔

④ "او زد علیه" نصف پر دو تہائی تک۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مراتب کے درمیان اختیار دیا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان مقداروں پر قیام کرتے تھے اور ایک شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ رات کا تہائی کب ہوتا ہے اور رات کا نصف کب ہوتا ہے اور دو تہائی کب ہوتا ہے تو وہ صبح تک قیام کرتا اس خوف سے کہ وہ واجب مقدار کی حفاظت نہ کر سکا ہو اور یہ ان پر بڑا مشکل ہوا حتیٰ کہ ان کے پاؤں سوج گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان سے تخفیف کر دی اور اس کو اپنے قول "فاقرؤا ما تیسّر من القرآن علم ان سیکون منکم مرضی" سے منسوخ کر دیا ہے۔ پس آیت کے اوّل اور آخر کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے۔

سعید بن ہشام کہتے ہیں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور کہا اے اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا بے شک اللہ کے نبی کے اخلاق قرآن ہے۔ میں نے کہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اے اُم المؤمنین؟ انہوں نے کہا کیا تو نے ''یا یھا المزمّل'' نہیں پڑھا۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں قیام کو فرض قرار دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ایک سال قیام کیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آخری حصہ آسمان میں بارہ مہینے روکے رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف نازل کی۔ اس سورت کے آخر میں پھر رات کا قیام فرض کے بعد نفل ہو گیا۔

مقاتل اور ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ حکم مکہ میں تھا پانچوں نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے۔ پھر اس کو پانچ نمازوں کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔ ''ورتّل القرآن ترتیلا'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کو واضح بیان کریں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو واضح قرأت سے پڑھیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام اس کو اپنے وقار پر پڑھیں تین آیات یا چار آیات یا پانچ آیات۔ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسے تھی؟ تو فرمایا کھینچ کھینچ کر۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا۔ بسم اللہ کو کھینچا اور الرحمٰن کو کھینچا اور الرحیم کو کھینچا۔ ابو وائل کہتے ہیں ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا میں نے آج رات مفصل کو ایک رکعت میں پڑھا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا شعر کے پڑھنے کی طرح پڑھا۔ تحقیق میں ان نظائر کو پہچانتا ہوں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاتے تھے۔ پھر مفصل میں سے بیس سورتیں ذکر کیں ہر دو سورتیں ایک رکعت میں۔ علقمہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم اس کو رڈی کھجور کے پھینکنے کی طرح پھینک نہ دو اور شعر کے پڑھنے کی طرح نہ پڑھو۔ اس کے عجائب پر رکو اور اس سے دلوں کو حرکت دو اور تم میں سے کسی کا ارادہ سورۃ کا آخر نہ ہو۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم قرأت کر رہے تھے جب ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو فرمایا الحمد للہ اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم میں سرخ، سیاہ، سفید ہیں۔ تم قرآن پڑھو اس سے پہلے کہ ایسی قومیں آجائیں جو اس کو پڑھیں گی اس کے حروف کو ایسے سیدھا کریں گی جیسا کہ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے یہ ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا اس کا اجر دُنیا میں جلدی لے لیں گے اور مؤخر نہ کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیت پر ایک رات کھڑے رہے اور اس کو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے حتیٰ کہ صبح کر دی ایک ہی آیت پر۔ اور آیت ''ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم''

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ⑥

ترجمہ ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں مراد قرآن مجید ہے) بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔

آیت اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا کی تفسیر

تفسیر 5 "انا سنلقی علیک قولا ثقیلا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سخت۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک آدمی البتہ سورت کو جلدی ختم کر دے گا لیکن اس پر عمل کرنا ثقیل ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ثقیلا" اللہ کی قسم! اس کے فرائض وحدود ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقیل ہیں اس وجہ سے کہ اس میں امر، نہی اور حدود ہیں۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وعد اور وعید اور حلال وحرام میں ثقیل ہے اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافقین پر ثقیل ہے۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں زبان پر ہلکی بات ہے اور ترازو میں وزنی ہے۔

فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقیلا ہلکی سطحی بات نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہمارے رب کی کلام ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اللہ کی قسم ثقیل مبارک ہے جیسے دُنیا میں ثقیل ہے قیامت کے دن تولنے میں ثقیل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یارسول اللہ! آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی میرے پاس آتی ہے گھنٹی کی مسلسل آواز کی مثل اور یہ مجھ پر بڑی سخت ہوتی ہے پھر مجھ سے جدا ہوتی ہے اور میں یاد کر چکا ہوتا ہوں جو کہا اور کبھی فرشتہ میرے لیے آدمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں جو وہ کہتا ہے محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اور میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتر رہی تھی سخت ٹھنڈے دن میں۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوئی اور آپ علیہ السلام کی پیشانی پسینہ بہا رہی تھی۔

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ کی تفسیر

6 "ان ناشئة الليل" یعنی اس کی تمام گھڑیاں اور اس کی ہر گھڑی "ناشئہ" ہے اس کے ساتھ نام رکھی گئی اس لیے کہ وہ ظاہر ہوتی ہے اس سے "نشأت السحابة" ہے جب بادل ظاہر ہوا اور ہر چیز جو رات کو پیدا ہوا اور ظاہر ہو تو اس کو "نشأ فهو نا شئ" کہا جاتا ہے اور جمع "ناشئة" ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن زبیر سے اس کے بارے میں سوال کیا تو دونوں نے فرمایا رات ساری ناشئہ ہے۔ سعید بن جبیر اور ابن زید فرماتے ہیں رات کی جس گھڑی قیام کرے تو "فقد نشأ" (اور وہ کھڑا ہوا) اور وہ حبشی لغت میں قیام ہے۔ کہا جاتا ہے "نشأ فلاں" یعنی کھڑا ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "الناشئة" سونے کے بعد کھڑا ہونا اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ رات کے اوّل حصہ میں قیام کرنا۔ علی بن حسین سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ مغرب وعشاء کے درمیان نماز

پڑھتے تھے اور کہتے تھے یہ "ناشئة اللیل" ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر نماز جو عشاء آخرة کے بعد ہو تو وہ "ناشئة من اللیل" ہے اور ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ناشئة اللیل" رات کا قیام ہے۔ جاء کا مصدر فاعلہ کے وزن پر جیسے عافیۃ بمعنی عفو ہے۔ "ھی اشد وطا" ابن عامر اور ابوعمرو نے "وطا" واؤ کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے ممدود مواطاۃ اور موافقت کے معنی میں۔

هِيَ اَشَدُّ وَطْاً کی تفسیر

کہا جاتا ہے "وطات فلان مواطاة القلب والسمع والبصر واللسان" میں نے فلاں سے دل، کانوں، آنکھوں اور زبان کے ساتھ موافقت کی۔ یہ موافقت رات کو دن کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے اور دیگر حضرات نے واؤ کے زبر کے ساتھ اور طاء کے سکون کے ساتھ یعنی سخت ہے نماز پڑھنے والے پر اور دن کی نماز سے ثقیل ہے۔ اس لیے کم رات نیند اور آرام کے لیے ہوتی ہے اور اسی سے آپ علیہ السلام کا قول ہے "اللھمّ اشدد وطأتک علی مضر" ہے۔ اے اللہ! مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کی نماز ابتدائی رات میں زیادہ سخت تھی۔ فرماتے ہیں وہ زیادہ لائق ہے کہ تم شمار کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر قیام کو فرض کیا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جب سو جاتا ہے تو نہیں جانتا کہ کب بیدار ہوگا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیر میں زیادہ ثابت قدم اور قرأت کو زیادہ یاد کرنے والا اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھڑے ہونے میں زیادہ ثابت قدم یعنی قیام کے لیے زیادہ موافق اور دن کی گھڑیوں سے نمازی پر زیادہ آسان اس لیے کہ دن بندوں کے تصرف کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور رات خلوت کے لیے۔ پس اس میں عبادت کرنا زیادہ آسان ہے اور کہا گیا ہے زیادہ نشاط دینے والی ہے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں دن کی بنسبت دل زیادہ فارغ ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں ضروریات رُکاوٹ نہیں بنتیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیر میں زیادہ موافق اور شیطان سے زیادہ روکنے والی "واقوم قیلا" اور درست قرأت والا اور صحیح قول والا لوگوں کے آرام کرنے اور آوازیں خاموش ہونے کی وجہ سے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے واضح قول والا اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ رات کی عبادت میں نشاط زیادہ ہوتا ہے اور اخلاص مکمل ہوتا ہے اور برکت زیادہ اور ثواب میں خوب اضافہ ہوتا ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ⑦ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ⑩

ترجمہ بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیوی) بھی اور دینی بھی اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنے کام سپرد کر دینے کے لئے قرار دیے رہو اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔

تفسیر ⑦ "ان لک فی النهار سبحا طویلا" یعنی تصرف کرنا اور پلٹنا اور آنا جانا اپنی ضروریات اور مشغولیت میں اور سبح کی اصل تیزی سے جانا اور اسی سے پانی میں تیرا کی کرنے کو "سباحة" کہتے ہیں اور کہا گیا ہے "سبحا طویلا"

یعنی فراغت اور وسعت تیرے سونے اور اپنی ضروریات میں تصرف کرنے کے لیے۔ پس تورات کا کچھ حصہ نماز پڑھ اور یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ نے "سبحا" خاء نقطہ والی کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی آرام اور بدن کے لیے ہلکی اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو آپ علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا جب انہوں نے چور کو بددُعا کی۔ "لاتسبخی عنه بدعائک علیه" یعنی تو اس پر بددعا کر کے اس پر تخفیف نہ کر۔

⑧ "واذکر اسم ربّک" توحید اور تعظیم کے ذریعے۔ "وتبتّل الیه تبتیلا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ فرماتے ہیں اس کے لیے مکمل اخلاص کریں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوشش کریں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی عبادت کے لیے فارغ ہوں اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر بھروسہ کریں، بھروسہ کر، اور کہا گیا ہے اس لیے عبادت میں کامل یکسوئی اختیار کریں اور یہ اسی باب میں اصل ہے۔ کہا جاتا ہے "تبتلت الشیٔ" یعنی میں نے اس کو کاٹ کر جدا کر دیا اور اس کی تصدیق ان کا قول کرتا ہے "انت بتة بتلة" یعنی اپنے خاوند سے جدا ہے اس کے لیے تجھ پر کوئی راہ نہیں ہے اور "تبتیل تفعیل" سے ہے اسی سے کہا جاتا ہے "بتلتے ، فتبتل" معنی یہ ہے کہ اس کی طرف اپنے نفس کو جدا کریں اس لیے فرمایا "تبتیلا" ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "التبتل" دُنیا و مافیہا کو چھوڑنا اور جو اللہ کے پاس ہے اس کو تلاش کرنا۔

⑨ "ربّ المشرق والمغرب" اہل حجاز، ابوعمر اور حفص رحمہم اللہ نے "رب" کو باء کی پیش کے ساتھ ابتداء پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے زیر کے ساتھ اس "ربّ" کی صفت ہونے کی بناء پر جو باری تعالیٰ کے قول "واذکر اسم ربّک" میں ہے۔ "لا اله الّا هو فاتخذه وکیلا" تیرے امور کا نگہبان پس تو تمام اُمور کو اس کے سپرد کر۔

⑩ "واصبر علی ما یقولون واهجرهم هجرا جمیلا" اس کو قتال کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ⑪ اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَاغُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ⑬ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ⑭ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ⑯ فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ⑰ نِ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ. كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ⑱ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ⑲ اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُ وْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑳

ترجمہ اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں اور ناز و نعمت میں رہنے والوں کو (حالت موجودہ پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو) اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دے دو ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا (کھانا ہے) اور دردناک عذاب ہے (اور یہ سزا اس دن ہوگی) جس روز کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر) ریگ رواں ہو جائیں گے (پھر اڑے پھریں گے) بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہمیں اس کو سخت پکڑنا پڑا سو اگر تم (بھی بعد بھیجے رسول کے نافرمانی اور) کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو (غایت درجہ اشد اور امتداد سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا جس میں آسمان پھٹ جائے گا بے شک اس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا (یہ تمام مضمون) ایک (بلیغ) نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور اس کے ساتھ رہنے والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے تو (ان وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو (اس لئے بھی) تم کو اجازت ہے کہ (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت بنا کر) بھیج دو اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تفسیر ⑪ "وذرنی والمکذبین اولی النعمة ومهلهم قليلا" یہ قریش کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جو استہزاء کرنے والے تھے اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر میں کھانا کھلانے والے تھے۔ یہ تھوڑے سے تھے حتیٰ کہ بدر میں مارے گئے۔

⑫ "ان لدینا" ہمارے پاس آخرت میں۔ "انکالا" بڑی بیڑیاں ہیں جو کبھی جدا نہ ہوں گی۔ اس کا واحد نکل ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوہے کے طوق ہیں "وجحیما"

⑬ "وطعاما ذا غُصّة" بدمزہ جو حلق کو پکڑے گا نہ نیچے اُترے گا اور نہ باہر نکلے گا اور زقوم اور ضریع ہے۔ "وعذابا اليما"

⑭"یوم ترجف الارض والجبال" یعنی جھٹکے کھائیں گے اور حرکت کریں گے۔ "وکانت الجبال کثیبا مھیلا" ریت بہنے والی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ریت جس سے تھوڑی سی لی جائے تو اس کا مابعد اس کے پیچھے سرکتا آئے، کہا جاتا ہے "اھلت الرمل اھیله ھیلا" جب تو اس کے نچلے حصہ کو حرکت دے حتیٰ کہ وہ اوپر سے گر پڑے۔

⑮"انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا"

⑯"فعصٰی فرعون الرّسول فاخذناہ اخذا وبیلا" سخت بوجھل یعنی ہم نے اس کو سخت سزا دی کفار مکہ کو ڈرا رہے ہیں۔

⑰"فکیف تتقون ان کفرتم" یعنی تمہارے لیے قیامت کے دن بچنا کیسے ہوگا جب تم نے دُنیا میں کفر کیا؟ یعنی تمہارے لیے بچنے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور کہا گیا اس کا معنی تم قیامت کے دن عذاب سے کیسے بچو گے؟ اور کس چیز سے تم بچاؤ کرو گے جب تم نے کفر کیا؟ "یوما یجعل الولدان شیبا" اس کی سختی و ہولنا کی کی وجہ سے بالکل سفید بالوں والا اور یہ اس وقت جب آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا آپ کھڑے ہوں پس اپنی اولاد میں سے آگ میں لوگوں کو بھیجیں۔

⑱ پھر اس ہولنا کی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "السماء منفطر به" پھٹنے والا ہے اس جگہ پر فرشوں کے اُترنے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے حاء "رب" کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی اس کے حکم اور ہیبت سے "کان وعدہ مفعولا" ہونے والا۔

⑲"ان ھذہ" یعنی قرآن کی آیات۔ "تذکرۃ" وعظ و نصیحت۔ "فمن شاء اتّخذ الی ربّه سبیلا" ایمان اور طاعت کے ساتھ۔

⑳"ان ربّک یعلم انک تقوم ادنیٰ" کم "من ثلثی اللیل ونصفه وثلثه" اہل کوفہ نے "نصفه وثلثه" فاء کے زبر اور ثاء کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دونوں حاء کے ضمہ کی طرف اشباع کے ساتھ یعنی "وتقوم نصفه وثلثه" اور دیگر حضرات نے فاء اور ثاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دونوں حاء کو زیر کی طرف اشباع کرتے ہوئے ثلثی پر عطف کرتے ہوئے "وطائفة من الذین معک" یعنی مؤمنین اور وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ "واللّٰہ یقدر اللیل والنھار" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا علم اس سے نہیں فوت ہوتا۔ یعنی وہ رات و دن کی مقداروں کو جانتا ہے۔ پس وہ مقدار بھی جانتا ہے جو تم رات کا قیام کرتے ہو۔ "علم ان لن تحصوہ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے رات کا قیام کیا حتیٰ کہ ان کے قدم سوج گئے تو نازل ہوا۔ "علم ان لن تحصوہ" تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی ساری رات نماز پڑھتا تھا اس خوف سے کہ وہ اس مقدار کو نہیں پہنچا جس کے قیام کا حکم دیا گیا ہے تو فرمایا "علم ان لن تحصوہ" تم اس کی پہچان کی طاقت نہیں رکھتے۔ "فتاب علیکم" پس تم پر عود کیا معافی اور تخفیف کے ساتھ "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" یعنی نماز میں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی مغرب و عشاء کی نماز میں۔ قیس بن حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے بصرہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے پہلی رکعت میں الحمد اور سورۃ البقرہ کی پہلی آیت پڑھی۔ پھر دوسری میں کھڑے ہوئے اور الحمد اور سورۃ البقرہ کی دوسری آیت پڑھی، پھر رکوع کیا۔ پھر جب نماز

ختم کی تو ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فاقرؤا ما تیسر منہ" انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص پچاس آیات ایک دن میں یا رات میں پڑھ لے تو وہ غافلین میں نہ لکھا جائے گا اور جس نے سو آیات پڑھیں تو وہ قانتین میں لکھا جائے گا اور جس نے دوسو آیات پڑھیں تو قیامت کے دن قرآن اس سے جھگڑا نہ کرے گا اور جس نے پانچ سو آیات پڑھیں اس کے لیے اجر کا قنطار (بڑا حصہ) لکھا جائے گا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو ہر مہینہ میں پڑھ۔ کہتے ہیں میں نے کہا میں قوت رکھتا ہوں، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس کو بیس دن میں پڑھ۔ کہتے ہیں میں نے کہا میں قوت رکھتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا پس تو اس کو سات دن میں پڑھ اور اس پر زیادہ نہ کر۔ "علم ان سیکون منکم مرضی و آخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ" یعنی تجارت کے لیے سفر کرنے والے اللہ کے رزق کو تلاش کرتے ہیں۔ "وآخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ" رات کے قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابراہیم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص بھی مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز باہر سے لائے اس حال میں کہ صبر کرنے والا ثواب کی نیت کرنے والا ہو، پھر اس کو اسی دن کے نرخ پر فروخت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء کے مرتبہ میں ہوگا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا "وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ، وآخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فاقرؤا ما تیسّر منہ" یعنی تم پر قرآن میں سے آسان ہو۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں یہ ابتداءِ اسلام میں تھا پھر پانچ نمازوں کی وجہ سے منسوخ کردیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکاۃ واقرضوا اللّٰہ قرضا حسنا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ مراد ہیں۔ "وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللّٰہ ھو خیرا" تم اس کا ثواب آخرت میں پاؤ گے۔ اس سے افضل جو تم نے دیا ہے۔ "واعظم اجرا" اس سے جو تم نے مؤخر کیا ہے اور اس کو آگے نہیں بھیجا اور "خیرا واعظم" کا نصب مفعول ثانی ہونے کی بناء پر ہے کیونکہ وجود جب رؤیت کے معنی میں ہو تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور وہ فصل ہے بصریوں کے قول میں اور عماد ہے کوفیوں کے قول میں، اس کا کوئی محل نہیں ہے اعراب میں۔

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! تو یہی جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہے یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تم میں سے کسی ایک کا مال وہ ہے جو آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑا۔ "واستغفروا اللّٰہ" اپنے گناہوں کی۔ "ان اللّٰہ غفور رحیم"

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّر

مکی ہے اور اس کی چھپن (۵۶) آیات ہیں۔

سورۃ مدثر کا شانِ نزول

یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے قرآن میں سے پہلے نازل ہونے والی آیات کے بارے میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا "یا یھا المدثر" میں نے کہا وہ کہتے ہیں۔

"اقرأ باسم ربک" ہے تو ابوسلمہ رحمہ اللہ نے کہا میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے ایسے کہا جیسے میں نے تجھے کہا۔ پھر مجھے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تجھے وہی بات بیان کر رہا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ایک مہینہ حراء میں معتکف رہا جب میں نے اپنا اعتکاف ختم کیا تو میں نیچے اُترا تو مجھے آواز دی گئی، میں نے اپنے دائیں نظر کی کچھ نہ دیکھا اور بائیں نگاہ کی کچھ نہ دیکھا اور اپنے سامنے نظر کی پھر بھی کچھ نہ دیکھا اور پیچھے نظر کی پھر وہاں بھی کچھ نہ دیکھا تو میں نے اپنا سر اُٹھایا تو بڑی چیز دیکھی تو میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا پھر انہوں نے مجھے چادر اوڑھائی اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو آیت نازل ہوئی "یا یھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر" جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فطرت وحی کے بارے میں بیان کرتے سنا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے آواز سنی تو میں نے نگاہ اُٹھائی تو اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا تو میں اس سے مرعوب ہوا حتیٰ کہ زمین پر گر گیا۔ پھر میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا تو میں نے کہا "زمّلونی زمّلونی زمّلونی" تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "یا یھا المدثر قم فانذر" اللہ تعالیٰ کے قول "فاھجر" تک۔ ابوسلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں الرجز بت پھر اس کے بعد وحی لگاتار آنے لگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤

ترجمہ اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو) یا یہ کہ مستعد رہو) پھر (کافروں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب تک الگ ہو)

تفسیر (①۔②)......"یا یھا المدثر. قم فانذر" یعنی کفار مکہ کو ڈرائیں۔

③"وربک فکبّر" یعنی اس کی بڑائی وعظمت بیان کریں۔ اس سے جو اس کو بتوں کے پجاری کہتے ہیں۔

④"وثیابک فطھّر" قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کریں تو الثوب کے ذریعے نفس سے کنایہ کیا ہے اور یہ ابراہیم، ضحاک، شعبی اور زہری رحمہم اللہ کا قول ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول "وثیابک فطھّر" کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تو ان کو گناہ اور دھوکہ پر نہ پہن، پھر فرمایا کیا تو نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا قول نہیں سنا۔ میں نے اللہ کی قسم نہ گناہ کے کپڑے پہنے اور نہ غدر کا نقاب اوڑھا اور عرب آدمی کا سچ اور وفاء میں وصف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ طاہر الثیاب یعنی پاک دامن ہے اور تو اس کے لیے کہے گا جو غدر کرے۔ بے شک اس کا دامن داغدار ہے۔ "انہ لانس الثیاب" ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تو اس کو غدر اور ظلم اور گناہ پر نہ پہن تو اس کو پہن اس حال میں کہ تو نیک پاک صاف ہو۔

ابوروق نے ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی اپنے عمل کی تو اصلاح کر۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آدمی نیک ہو تو اس کو کہا جاتا ہے "انہ لطاھر الثیاب" وہ پاک دامن ہے اور جب گناہ گار ہو کہا جاتا ہے "انہ لخبیث الثیاب" اس کا دامن داغدار ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور اپنے دل اور نیت کو تو صاف کر اور حسن وقرظی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اور اپنے اخلاق کو آپ اچھا کریں۔ ابن سیرین اور ابن زید فرماتے ہیں کپڑوں کو ان نجاستوں سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی کیونکہ مشرکین نہ خود پاک ہوتے تھے اور نہ کپڑے پاک کرتے تھے اور طاؤس فرماتے ہیں اپنے کپڑوں کو چھوٹا کریں اس لیے کہ کپڑوں کا چھوٹا ہونا ان کی پاکی کا ذریعہ ہے۔

⑤"والرجز فاھجر" ابوجعفر اور حفص نے عاصم اور یعقوب سے "الرُّجز" راء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ان دونوں کی زیر کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں اور ان دونوں کا معنی ایک ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابوسلمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں الرجز سے مراد بت ہیں۔ فرمایا "فاھجرھا" ان کے قریب نہ جاؤ اور کہا گیا ہے اس میں زا سین سے تبدیل کی گئی ہے اور عرب سین اور زاء کو ایک دوسرے کی جگہ لاتے رہتے ہیں ان کے مخرج کے قریب ہونے کی وجہ سے اور اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "واجتنبوا الرجس من الاوثان" ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے

کہ اس کا معنی آپ گناہوں کی جگہوں کو چھوڑ دیں اور ابوالعالیہ اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الرُّجز" راء کی پیش کے ساتھ بت اور زیر کے ساتھ نجاست اور معصیت۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی شرک اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی عذاب اور آیت کا مجاز یہ ہے "اھجرما اوجب لک العذاب من الاعمال" یعنی جو اعمال آپ پر عذاب کو واجب کریں ان کو چھوڑ دیں۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ⑧ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ⑨ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ⑩ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ⑪ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ⑫ وَبَنِينَ شُهُودًا ⑬ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ⑭

ترجمہ: اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو اور پھر ایذا میں جو ایذا پیش آئے اس پر اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجئے پھر جس وقت صور پھونکا جاوے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا (جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی) (آگے بعض خاص کفار کا ذکر ہے یعنی) مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے حال پر) رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا اور اس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے (دیے) اور سب طرح کا سامان اس کے لیے مہیا کر دیا۔

تفسیر: ⑥ "ولا تمنن تستکثر" یعنی آپ اپنا مال مدارات ورشوت کے طور پر نہ دیں تاکہ اس سے زیادہ دیا جائے اور یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حلال وحرام سے ربا ہے۔ بہر حال حلال تو وہ ہدایا ہیں اور حرام تو وہ سود ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز دُنیا کے بدلہ کی طمع پر نہ دیں یعنی اپنے رب کے لیے دیں اور اس سے اللہ کا ارادہ کریں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اپنے عمل کا اللہ پر احسان نہ جتائیں کہ آپ اس کو زیادہ کریں گے۔ ربیع فرماتے ہیں اپنی نگاہ میں اپنے عمل کو زیادہ نہ سمجھیں کیونکہ وہ ان میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر انعام کیا ہے اور آپ کو تھوڑا دیا ہے۔ خصیف نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کمزور نہ ہوں خیر کی کثرت کرنے سے یہ ان کے قول حبل متین سے مشتق ہے جب وہ کمزور ہو۔ اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ہے۔ "ولا تمنن ان تستکثر من الخیر" ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی آپ علیہ السلام نبوت کا لوگوں پر احسان نہ جتائیں کہ اس پر اجر لیں یا دُنیا کا سامان۔

⑦ "ولربک فاصبر" کہا گیا ہے پس تو صبر کر اس کی طاعت پر اور اس کے اوامر ونواہی پر اللہ کے ثواب کی وجہ سے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس آپ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کریں اس پر جو آپ کو اس کے راستے میں تکلیفیں دی گئیں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی آپ نے بڑا عظیم امر اُٹھایا ہے اس میں عرب وعجم سے لڑائی ہے۔ پس آپ علیہ السلام اس پر صبر کریں اللہ تعالیٰ کے لیے اور کہا گیا ہے پس آپ صبر کریں قضاء کے موارد کے تحت اللہ کی وجہ سے۔

۸ "فاذا نقر فی الناقور" یعنی صور میں پھونک ماری جائے گی اور وہ سینگ ہے جس میں اسرافیل پھونک ماریں گے یعنی دوسری پھونک۔

۹ "فذلک" یعنی صور میں پھونک مارنا۔ "یومئذ" یعنی قیامت کا دن۔ "یوم عسیر" سخت ہے۔

۱۰ "علی الکافرین" اس میں ان پر معاملہ تنگ ہوگا۔ "غیر یسیر" آسان نہیں ہے۔

۱۱ "ذرنی ومن خلقت وحیدا" یعنی میں نے اس کو اس کی ماں کے پیٹ تنہا خالی ہاتھ پیدا کیا نہ اس کے پاس مال تھا نہ اولاد۔ یہ ولید بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا اس کی قوم میں نام وحید لیا جاتا تھا۔

۱۲ "وجعلت له مالا ممدودا" یعنی کثیر۔ کہا گیا ہے جو بڑھنے کی وجہ سے زیادہ ہو جائے جیسے کھیتی، تھن، تجارت۔ اس کی انتہاء میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں ایک لاکھ دینار اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں چار ہزار دینار۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں دس لاکھ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نو (۹) ہزار چاندی کے برابر۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا طائف میں ایک باغ تھا اس کے پھل سردیاں، گرمیاں ختم نہ ہوتے تھے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے مکہ اور طائف کے درمیان اونٹ، گھوڑے اور مویشی ہوتے تھے اور اس کی کثیر اولاد اور غلام اور پڑوسی تھے اور کہا گیا ہے "مالا ممدودا" مہینے کا غلہ مہینے کے ساتھ۔

۱۳ "وبنین شهودا" مکہ میں موجود اس سے غائب نہ ہوتے تھے، یہ دس بیٹے تھے۔ اس کو مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ سات تھے۔ ولید بن ولید، خالد، عمارہ، ہشام، عاص، قیس، عبد شمس، ان میں سے تین اسلام لائے خالد، ہشام اور عمارہ۔

۱۴ "ومهدت له تمهيدا" یعنی میں نے اس کی عمر اور عیش میں اضافہ کر دیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی مال ایک دوسرے کے اوپر جیسے فرش بچھایا جاتا ہے۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ۚ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝۱۶ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝۱۷ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۝۱۸

ترجمہ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دوں۔ ہرگز (وہ زیادہ دینے کے قابل نہیں) کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے اس کو عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی۔

تفسیر ۱۵ "ثم یطمع" اُمید کرتا ہے۔ "ان ازید" یعنی میں اس کے مال و اولاد کو زیادہ کر دوں۔

۱۶ "کلا" میں ایسا نہ کروں گا اور زیادہ نہ کروں گا۔ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید اپنے مال و اولاد میں نقصان میں ہی رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ "انه کان لآیاتنا عنیدا" عناد رکھنے والا۔

۱۷ "سارهقه صعودا" عنقریب میں اس کو عذاب کی مشقت کی تکلیف دوں گا جس میں کوئی راحت نہ ہوگی۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کی تفسیر

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الصعود" جہنم میں پہاڑ ہے جس پر ستر سال چڑھے گا پھر اُترے گا۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول "سارھقه صعودا" کے بارے میں فرمایا وہ جہنم میں آگ کا پہاڑ ہے اس کو مکلف کیا جائے گا کہ اس پر چڑھے۔ پس جب وہ اپنا ہاتھ رکھے گا وہ پگھل جائے گا۔ پھر جب اُٹھائے تو وہ واپس لوٹ آئے گا، پھر پاؤں رکھے گا پگھل جائے گا اور جب اُٹھائے گا تو وہ اپنی حالت پر لوٹ آئے گا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الصعود" چکنی چٹان ہے جہنم میں۔ اس کو اس پر چڑھنے کا مکلف بنایا جائے گا، اس کو چڑھنے میں سانس لینے کے لیے بھی نہ چھوڑا جائے گا اس کو آگے سے لوہے کی زنجیروں کے ذریعے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے لوہے کے گرزوں سے مارا جائے گا۔ پس وہ چالیس سال میں اس پر چڑھے گا پھر جب اس کی چوٹی پر پہنچے گا تو اس کو نیچے لڑھکا دیا جائے گا۔ پھر تکلیف دی جائے گی کہ اوپر چڑھ اور آگے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے مارا جائے گا۔ پس یہ اس کی حالت ہوگی ہمیشہ۔

⑱ "**انه فکرّ و قدّر**" آیات میں۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا "**حم تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز العلیم**" اللہ تعالیٰ کے قول "**المصیر**" تک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھڑے تھے اور ولید بن مغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب آپ کی قرأت سن رہا تھا۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرأت سننے کو محسوس کیا تو آیت کی قرأت کا اعادہ کیا تو ولید چلا گیا اور اپنی قوم بنو مخزوم کی مجلس میں آیا اور کہا اللہ کی قسم! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ابھی ایک کلام سنی ہے نہ وہ انسان کی کلام ہے اور نہ جن کی کلام ہے اور بے شک اس کے اندر مٹھاس ہے اور بے شک اس پر بڑی رونق ہے اور بے شک اس کا اعلیٰ پھل دینے والا ہے اور اس کا اسفل سرسبز ہے اور بے شک وہ غالب ہوگی مغلوب نہ ہوگی۔ پھر اپنے گھر چلا گیا تو قریش نے کہا اللہ کی قسم ولید بے دین ہوگیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم سب قریش بے دین ہو جاؤ گے اور ولید کو "ریحانة" قریش کہا جاتا تھا تو ان کو ابوجہل نے کہا میں تمہیں ولید سے کافی ہوں تو وہ گیا اور ولید کے پاس غمگین ہو کر بیٹھ گیا تو اس کو ولید نے کہا مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں اے بھتیجے؟ ابوجہل نے کہا مجھے غمگین ہونے سے کون سی چیز روکے گی کیونکہ یہ قریش آپ کے لیے خرچ جمع کر دیں گے تاکہ وہ آپ کی بڑھاپے میں مدد کریں اور ان کا گمان ہے کہ آپ نے محمد کی کلام کو مزین کیا ہے اور آپ ابن ابی کبشہ اور ابن ابی قحافہ پر داخل ہونا چاہتے ہیں تاکہ ان کے بچے ہوئے کھانے کھائیں۔

تو ولید بھڑک گیا اور کہنے لگا کیا قریش نہیں جانتے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مال و اولاد والا ہوں اور کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کا پیٹ بھی بھرتا ہے کہ ان کا کھانا بچے؟ پھر ابوجہل کے ساتھ کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں آیا اور ان کو کہا تم گمان کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں، کیا تم نے دیکھا ہے کہ ان کی گردن دبائی گئی ہو کبھی؟ انہوں نے کہا اے اللہ نہیں۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ کاہن ہیں؟ کیا تم نے ان کو کبھی کہانت کرتے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا اے

26

اللہ نہیں۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہیں، کیا تم نے ان کو کبھی شعر بولتے سنا ہے؟ انہوں نے کہا اے ولید نہیں۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں، کیا تم نے ان پر کبھی کسی جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے آپ علیہ السلام کی سچائی کی وجہ امین نام رکھا جاتا تھا تو قریش نے ولید کو کہا۔

پھر وہ کیا ہیں؟ تو اس نے دل میں غور وفکر کیا پھر دیکھا اور تیوری چڑھائی اور کہا وہ تو صرف جادوگر ہیں۔ (نعوذ باللہ) کیا تم ان کو نہیں دیکھتے کہ وہ آدمی اور اس کے گھر والوں اور اولاد اور غلاموں میں تفریق کر دیتے ہیں؟ پس وہ جادوگر ہیں جو وہ کہتے ہیں وہ جادو ہے جو نقل کیا گیا ہے۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول "انه فكر" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں "وقدر" اپنے دل میں کہ اس کے لیے کیا ممکن ہے کہ وہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہے۔

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑲ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑳ ثُمَّ نَظَرَ ㉑ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ㉒ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ㉓ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ㉔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ㉕ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ㉖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ㉗ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ㉘ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ㉙

ترجمہ سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی اور پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر (حاضرین کے چہروں کو دیکھا) پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ ان کو قرآن سے بہت کراہیت ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے) بس یہ تو آدمی کا کلام ہے میں اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی ہے (مقصود اس سے تہویل ہے وہ ایسی ہے کہ) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی۔

تفسیر ⑲ "فقتل" لعنت کیا جائے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں عذاب دیا گیا۔ "کیف قدر" تعجب، انکار اور ڈانٹ کے طریقہ پر۔

⑳ "ثم قتل کیف قدر" اس تاکید کے لیے تکرار کیا ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہے لعن لعنت کیا جائے جس حال پر بھی کلام پر قادر ہوا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "لاضربنه کیف صنع" یعنی جس حال پر بھی اس نے کیا۔

㉑ "ثم نظر" اس کو طلب کرنے میں جس کے ذریعے قرآن کی تردید کر سکے۔

㉒ "ثم عبس وبسر" تیوری چڑھائی پھر سخت ناگواری سے دیکھا اس شخص کی طرح جو کسی شے میں غور وفکر کرنے والا ہو۔

㉓ "ثم ادبر" ایمان سے۔ "واستکبر" تکبر کیا جب اس کی طرف بلایا گیا۔

㉔ "فقال ان هذا" نہیں ہے یہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتے ہیں۔ "الا سحر یؤثر" جادوگروں سے نقل و حکایت کرتے ہیں۔

㉕ "ان هذا الا قول البشر" یعنی یسار اور جبر۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دونوں سے نقل کرتے ہیں اور

کہا گیا ہے اس کو مسیلمہ صاحب یمامہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۶ اللہ فرماتے ہیں "ساصلیه" عنقریب میں اس کو داخل کروں گا۔ "سقر" جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

(۲۷ـ۲۸)...... "وما ادراک ما سقر. لاتبقی ولا تذر" یعنی نہیں باقی رکھے گی اور نہیں چھوڑے گی اس میں کوئی چیز مگر اس کو کھا جائے گی اور ہلاک کردے گی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لایموت ولا تحیی" یعنی اس میں کسی زندہ کو باقی نہ رکھے گی اور نہ کسی مردہ کو چھوڑے گی جب بھی وہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے تو نئے کیے جائیں گے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ ان کا گوشت باقی رکھے گی اور نہ ان کی ہڈی چھوڑے گی اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب ان میں شروع ہوگی تو ان میں سے کچھ باقی نہ رکھے گی اور جب لوٹائے جائیں گے تو ان کو نہ چھوڑے گی حتیٰ کہ ان کو فنا کردے گی اور ہر چیز کے لیے اکتاہٹ اور سستی ہے سوائے جہنم کے۔

۲۹ "لوّاحة للبشر" جلد کو تبدیل کرنے والی ہے حتیٰ کہ اس کو سیاہ کردے گی۔ کہا جاتا ہے "لاحة السقم والحزن" جب اس کو تبدیل کردے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جلد کو جھلسا دے گی حتیٰ کہ اس کو رات سے بھی زیادہ سیاہ کرکے چھوڑے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جلد کو جلانے والی ہے اور حسن اور ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان کے سامنے جہنم واضح ہوجائے گی حتیٰ کہ اس کو عیاناً دیکھ لیں گے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "وبرّزت الجحیم للغاوین" ہے اور "لواحة" مرفوع ہے اس "سقر" کی صفت ہونے کی بناء پر جو باری تعالیٰ کے فرمان "وما ادراک ما سقر" میں ہے اور "البشر" بشرہ کی جمع ہے اور بشر کی جمع ابشار ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۳۰ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً. وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا. كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ. وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۳۱ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۳۲

ترجمہ: (اور) اس پر انیس فرشتے (جو اس کے خازن ہیں) مقرر ہوں گے اور ہم نے دوزخ کے کارکن (آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو ان کی تعداد (ذکر و حکایت میں) صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو تو اس لئے تاکہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں (رشک کا) مرض ہے وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے اور جس طرح اس خاص باب میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کیا) اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کردیتا ہے اور (یہ انیس فرشتوں کا

مقرر ہونا کسی حکمت سے ہے ورنہ) تمہارے رب کے لشکروں یعنی فرشتوں کی تعداد کو) بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے بالتحقیق قسم ہے چاند کی۔

تفسیر ㉚ "علیها تسعة عشر" یعنی جہنم پر انیس (۱۹) فرشتے ہیں اور وہ اس کا داروغہ مالک اور اس کے ساتھ اٹھارہ ہیں اور اثر میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں اُچکنے والی بجلی کی طرح اور ان کی کچلیاں (نوکیلے دانت) ہرن کے سینگوں کی طرح نوکیلے ہیں ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے ان میں سے ایک کے کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہوگی، ان سے رحمت چھین لی گئی ہوگی، ان میں سے ایک ستر ہزار کو اُٹھا کر جہنم میں جہاں کا ارادہ کرے گا پھینک دے گا۔

عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ میں جہنم میں قبیلہ ربیعہ اور مضر سے زیادہ لوگوں کو پھینک دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش کو کہا تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں۔ ابن ابی کبشہ نے سنایا ہے وہ خبر دیتا ہے کہ جہنم کے داروغے انیس (۱۹) ہوں گے اور تم تو بڑے بہادر ہو کیا تم میں سے دس افراد اس سے عاجز ہیں کہ جہنم کے داروغوں میں سے ایک کو پکڑ لیں؟ تو ابوالاشد اسید بن کلدہ بن خلف جمحی نے کہا میں تمہیں ان میں سے سترہ کو کافی ہوں، دس میری پیٹھ پر اور سات میرے پیٹ پر۔ پس تم مجھے دو سے کافی ہو جاؤ اور روایت کیا گیا ہے کہ اس نے کہا میں تمہارے آگے صراط پر چلوں گا۔ پس دس کو اپنے دائیں کندھے سے اور نو کو بائیں کندھے سے جہنم میں پھینک دوں گا اور ہم چلتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

㉛ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "وما جعلنا اصحاب النار الا ملائكة" نہ کہ مرد اور آدمی پس کون ہے جو فرشتوں پر غالب آئے گا؟ "وما جعلنا عدتهم" یعنی ان کی کم تعداد "الا فتنة للذين كفروا" یعنی ان کو گمراہ کرنے کے لیے حتیٰ کہ انہوں نے کہا جو کچھ کہا "ليستيقن الذين اوتوا الكتاب" اس لیے کہ توریت و انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ وہ انیس (۱۹) ہیں۔ "ويزداد الذين امنوا ايمانا" یعنی جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں زیادہ ہوں گے جب وہ پائیں گے آپ علیہ السلام کے قول کو ان کی کتابوں کے موافق۔ "ولا يرتاب" نہیں شک کرتے۔ "الذين اوتوا الكتاب والمؤمنون" ان کی تعداد میں۔

"وليقول الذين في قلوبهم مرض" شک اور نفاق۔ "والكافرون" مکہ کے مشرکین۔ "ماذا اراد الله بهذا مثلا" اس بات سے کیا چیز مراد لی ہے؟ اور مثل سے خود بات مراد ہے۔ "كذلك" یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ان کو جنہوں نے داروغوں کی تعداد کا انکار کیا اور ان کو ہدایت دی جنہوں نے تصدیق کی۔ اسی طرح "يضل الله من يشاء ويهدي من يشاء وما يعلم جنود ربك الا هو" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ابوجہل کو جواب ہے جب اس نے کہا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تو صرف انیس (۱۹) مددگار ہیں۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وما يعلم جنود ربك الا هو" یعنی فرشتوں میں سے، وہ جن کو اس نے اہل جہنم کو عذاب دینے کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ

انیس(۱۹) تو جہنم کے داروغے ہیں اور ان کے فرشتوں میں سے مددگار اور لشکر اتنے ہیں کہ ان کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پھر سقر کے ذکر کی طرف رجوع کیا۔ پس فرمایا "وما ھی" یعنی جہنم "الا ذکریٰ للبشر" مگر نصیحت و وعظ لوگوں کے لیے۔

㉜ "کلا والقمر" یہ قسم ہے حق کہتا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ㉝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ㉞ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ㉟ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ㊱ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْيَتَاَخَّرَ ㊲ كُلُّ نَفْسٍ ، بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ㊳ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ㊴ فِيْ جَنّٰتٍ . يَتَسَآءَ لُوْنَ ㊵ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ㊶

ترجمہ اور رات کی جب جانے لگی اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے یعنی تم میں جو آگے (کی طرف) کو بڑھے ان کے لئے بھی یا جو (تیرے) پیچھے کو ہٹے اس کے لئے بھی ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلے میں (دوزخ میں) محبوس ہوگا مگر داہنے والے کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے (اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود) ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے۔

تفسیر ㉝ "واللیل اذ ادبر" نافع، حمزہ، حفص اور یعقوب رحمہم اللہ نے "اذ" بغیر الف کے پڑھا ہے۔ "ادبر" الف کے ساتھ اور دیگر حضرات نے "اذا" الف کے ساتھ "دبر" بغیر الف کے اس لیے کہ اس کی شدید موافقت ہے۔ اس سے جو اس کو ملا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "والصبح اذا اسفر" ہے اور اس لیے کہ قرآن میں کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس کی جانب میں اذ ہو تمام قسموں کی جانب اذا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں کہا جاتا ہے "دبر اللیل و ادبر" جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہی ہو۔ ابو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دبر قریش کی لغت ہے اور قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں دبر یعنی متوجہ ہوا عرب کہتے ہیں دبرنی فلان یعنی وہ میرے پیچھے آیا۔ پس رات دن کے پیچھے آتی ہے۔

㉞ "والصبح اذا اسفر" روشن ہو اور واضح ہو۔

㉟ "انھا لاحدی الکبر" یعنی بے شک سقر بڑے امور میں سے ایک ہے اور کبر کا واحد کبریٰ ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کبر سے مراد جہنم کے طبقات ہیں اور وہ سات ہیں۔ جہنم، لظی، حطمۃ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ

㊱ "نذیراً للبشر" یعنی آگ انسانوں کو ڈرانے والی ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کسی دہشت ناک چیز سے نہیں ڈرایا اور اس کا نصب اللہ تعالیٰ کے قول "لاحدی الکبر" سے قطع پر ہے اس لیے کہ وہ معرفۃ ہے اور نذیراً نکرہ ہے۔ خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں نذیر مصدر ہے نکیر کی طرح اور اس لیے اس کے ساتھ مؤنث کو موصوف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ہے اور اس کا مجاز "وما جعلنا اصحاب النار الا ملائکۃ نذیراً للبشر" یعنی "انذارا لھم" ان کو ڈرانے کے لیے۔ ابورزین فرماتے ہیں فرمایا ہے کہ میں تمہارے لیے اس سے نذیر ہوں۔ پس تم اس سے ڈرو اور کہا ہے یہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی صفت ہے اس کا معنی "یا یھا المدثر قم نذیرا للبشر" یعنی اس کو ڈرائیں اور یہ ابن زید کے قول کا معنی ہے۔

37 "لمن شاء" بدل ہے اللہ تعالیٰ کے قول للبشر سے۔ "منکم ان یتقدم" خیر اور طاعت میں۔ "او یتاخر" اس سے شر اور معصیت اور معنی یہ ہے کہ انذار حاصل ہوا ہر اس شخص کے لیے جو ایمان لایا یا کفر کیا۔

38 "کل نفس بما کسبت رھینة" آگ میں مرتھن (رہن رکھا ہوا) ہے اپنے کسب کی وجہ سے اپنے عمل سے پکڑا گیا ہے۔

39 "الا اصحاب الیمین" کیونکہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے رہن نہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کردیں گے۔

اصحاب الیمین کی تفسیر

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام لوگوں کو معلق کیا ہے سوائے اصحاب یمین کے اور ان میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔ ابوظبیان نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرشتے ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اصحاب جنت ہیں جو آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھے یثاق کے دن۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ نے کہا یہ لوگ جنت میں ہوں گے اور مجھے پرواہ نہیں اور ان سے یہ بھی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نامہ اعمال دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان سے یہ بھی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ پر بابرکت ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مخلص مسلمان ہیں اور قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر نفس اپنے کسب کی وجہ سے ماخوذ ہے خیر ہو یا شر مگر وہ جو اللہ کے فضل پر بھروسہ کرے اور جو اپنے کسب پر اعتماد کرے گا تو وہ اس کی وجہ سے رہن ہوگا اور جو فضل پر اعتماد کرے گا تو وہ نہ پکڑا جائے گا۔

40 "فی جنات یتساء لون 41 عن المجرمین" مشرکین۔

مَاسَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ 42 قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ 43 وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ 44 وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ 45 وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ 46 حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ 47 فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ 48 فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ 49 كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ 50 فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ 51

ترجمہ: (یعنی مومن کفار سے پوچھیں گے) کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی سو اس حالت میں) ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (اور جب کفر و اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بنتی ہے تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے روگردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں۔

تفسیر 42 "ما سلککم" تمہیں داخل کیا۔ "فی سقر" پس انہوں نے جواب دیا۔

43 "قالوا لم نک من المصلین" اللہ کے لیے۔ 44 "ولم نک نطعم المسکین،

45 وکنا نخوض" باطل میں۔ "مع الخائضین. 46 وکنا نکذب بیوم الدین.

47 حتی اتانا الیقین" اور وہ موت ہے۔

48 اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فما تنفعهم شفاعة الشافعین" ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں فرشتے سفارش کریں گے اور انبیاء اور شہداء اور نیک لوگ اور تمام مؤمنین۔ پس جہنم میں صرف چار قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے پھر تلاوت کی۔ "قالوا لم نک من المصلین" سے اللہ تعالیٰ کے قول "یوم الدین" تک۔ عمران بن حصین رحمہ اللہ فرماتے ہیں شفاعت ہر ایک کے لیے نفع دے گی سوائے ان لوگوں کے جن کا تم سن رہے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں کی صف بنائی جائے گی، پھر عذاب دیئے جائیں گے، فرمایا پھر ان پر اہل جنت میں سے ایک شخص گزرے گا تو ان میں سے ایک کہے گا اے فلاں! تو وہ کہے گا تو کیا چاہتا ہے؟ تو وہ کہے گا کیا تجھے ایک آدمی یاد نہیں جس نے فلاں دن تجھے پانی کا گھونٹ پلایا تھا؟ تو وہ کہے گا تو وہ ہے؟ وہ کہے گا ہاں۔ پس اس کی سفارش کرے گا تو اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ فرمایا پھر ان پر اہل جنت میں سے ایک شخص گزرے گا تو وہ کہے گا اے فلاں! تو وہ کہے گا کیا ارادہ کرتا ہے؟ تو وہ کہے گا کیا تجھے ایک شخص یاد نہیں جس نے تجھے وضوء کا پانی ہبہ کیا تھا اس دن؟ تو وہ کہے گا تو وہ ہے؟ وہ کہے گا ہاں تو اس کی سفارش کرے گا تو سفارش قبول کی جائے گی۔

49 "فمالهم عن التذکرة معرضین" قرآن کے مواعظ سے معرضین حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور کہا گیا ہے وہ ہو گئے اعراض کرنے والے۔ 50 "کانهم حمر" حمار کی جمع ہے۔ "مستنفرة" اہل مدینہ اور اہل شام نے فاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے اس کی زیر کے ساتھ۔ پس جس نے زبر کے ساتھ پڑھا تو اس کا معنی منفرة مذعورة بھگائے ہوئے پاگل گدھے اور جس نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے تو اس کا معنی بھاگنے والے کہا جاتا ہے نفر اور استنفر ایک معنی میں ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے عجب واستعجب ہیں۔

51 "فرت من قسورة" مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں "القسورة" تیر اندازوں کی جماعت اس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں اور یہ عطاء کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

قَسْوَرَةٍ کی تفسیر

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جال پھینکنے والے (شکاری) ہیں اور یہی عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں طاقتور مردوں سے اور ہر قوت والا مرد عرب کے ہاں قسور اور قسورة ہے۔ ابو المتوکل سے روایت ہے فرمایا وہ قوم کا شور وغل اور ان کی آوازیں ہیں۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں یہ

شکاریوں کی رسیاں ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ شیر ہیں اور وہ عطاء اور کلبی رحمہما اللہ کا قول ہے کیونکہ وحشی جنگلی گدھے جب شیر کو دیکھ لیں تو بھاگ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ مشرکین جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سنتے ہیں تو اس سے بھاگ جاتے ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ رات کی تاریکی ہے اور رات کی ابتداء کی سیاہی کو قسورۃ کہا جاتا ہے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾ كَلَّا. بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾

ترجمہ: بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں آگے اس بیہودہ درخواست کا رد ہے بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے پس یہ (ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ) قرآن (ہی) نصیحت (کے لئے کافی ہے سو جس کا جی چاہے اس نصیحت سے نصیحت حاصل کرے اور بدون خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہئے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے۔

تفسیر: 52 "بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا صبح ہم میں سے ہر شخص کے سرہانے ایک تحریر ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی ہو کہ آپ اس کے رسول ہیں اس میں ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشرکین نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص صبح کرتا تو اس کے سر کے پاس اس کا گناہ اور اس کا کفارہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ پس آپ ہمارے پاس کی مثل لائیں اور صحف کتابیں یہ صحیفہ کی جمع ہے اور منشرۃ منشورۃ

53 تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کلا" وہ صحیفے نہ دیئے جائیں گے اور کہا گیا ہے "حقًا" اور ہر چیز جو آپ پر اس سے وارد ہوئی ہے پس یہ اس کا چہرہ ہے۔ بل (بلکہ) "لایخافون الآخرة" یعنی وہ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ آگ سے ڈرتے تو دلائل قائم ہونے کے بعد ان آیات کا مطالبہ نہ کرتے۔

54 "کلا" حق ہے۔ "انه" یعنی قرآن "تذکرۃ" نصیحت۔ 55 "فمن شاء ذکرہ" اس سے نصیحت حاصل کرے۔

56 "وما یذکرون" نافع اور یعقوب رحمہما اللہ نے تذکرون تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ۔ "الا ان یشاء اللّٰہ" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہدایت چاہیں۔ "هو اهل التقوىٰ واهل المغفرة" یعنی اس کا اہل ہے کہ اس کے محارم سے بچا جائے اور اس کا اہل ہے کہ جو اس سے ڈرے اس کی مغفرت کرے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "هو اهل التقوىٰ واهل المغفرة" کے بارے میں فرمایا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے میں اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ میرے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور میں اس کا اہل ہوں کہ جو شخص میرے ساتھ شریک کرنے سے ڈرے میں اس کی مغفرت کروں۔

سُوْرَةُ الْقِيَامَة

مکی ہے اور اس کی چالیس (۴۰) آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝1 وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝2 اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝3 بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝4 بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝5

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے آگے منکرین بعث پر رد ہے یعنی) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز نہ جمع کریں گے ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا کچھ دشوار نہیں کیونکہ) ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں بلکہ بعض آدمی (قیامت کا منکر ہو کر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف و خطر ہو کر) فسق و فجور کرتا رہے۔

تفسیر: 1 "لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ" قواس نے ابن کثیر رحمہ اللہ سے "لاقسم" پڑھا ہے پہلا حرف بغیر الف کے ہمزہ سے پہلے۔

2 "ولا اقسم بالنفس اللوامة" الف کے ساتھ اور اسی طرح عبدالرحمٰن اعرج نے پڑھا ہے اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم کھائی ہے اور نفس لوامہ کی قسم نہیں کھائی اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں کی قسم کھائی ہے اور "لا" ان دونوں میں صلہ ہے یعنی میں روز قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔ ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قسم کی تاکید ہے جیسے تیرا قول "لا واللّٰہ" اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں لا مشرکین منکرین کے کلام کی تردید ہے۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا "اقسم بیوم القیامة وبالنفس اللوامة" اور مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں قیامت اور ان میں کسی کی قیامت اس کا مر جانا ہے اور علقمہ رحمہ اللہ ایک جنازہ میں حاضر ہوئے۔ پس جب وہ دفن کیا گیا تو کہا بہر حال یہ پس تحقیق اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

"ولا اقسم بالنفس اللوامة" سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیر اور شر پر ملامت کرتا ہے اور خوشی اور تنگی پر صبر کرتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللوامہ گناہ گار۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو فوت ہو جائے اس پر نادم ہوتا ہے اور کہتا ہے اگر میں کرتا اور اگر میں نہ کرتا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں ہے کوئی نیک اور گناہ گار نفس مگر وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے۔ اگر خیر کا عمل کیا ہو تو کہتا ہے تو نے زیادہ کیوں نہیں کیا؟ اور اگر شر کا عمل کیا تو کہتا ہے کاش میں یہ کام نہ کرتا۔ حسن

رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مؤمن نفس ہے، فرمایا بے شک مؤمن اللہ کی قسم تو اس کو نہیں دیکھے گا مگر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے گا، میں نے اپنی کلام سے مراد نہیں لیا اور میں نے نہیں ارادہ کیا اپنے کھانے کے ساتھ اور بے شک گناہ گار قدم بہ قدم چلتا ہے اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا اور اس پر عتاب نہیں کرتا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کافر نفس ہے جو اپنے نفس کو آخرت میں ملامت کرے گا اس پر جو اس نے دُنیا میں اللہ کے امر میں کوتاہی کی۔

آیت مبارکہ کا شانِ نزول

3 "**ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامه**" یہ عدی بن ربیعہ بنو زہرہ کے حلیف اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے اللہ! تو مجھے میرے دو برے پڑوسیوں سے کافی ہو جا یعنی عدی اور اخنس کیوں کہ عدی بن ربیعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں کب ہوگی؟ اور اس کا امر اور حال کیسا ہوگا؟ پس آپ علیہ السلام نے اس کو خبر دی تو اس نے کہا اگر میں آج کے دن معائنہ کرلوں تو آپ کی تصدیق نہ کروں گا اور آپ علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤں یا اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو جمع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "**ایحسب الانسان**" یعنی کافر "**ان لن نجمع عظامه**" جدا ہونے اور بوسیدہ ہونے کے بعد۔ پس ہم اس کو زندہ کر دیں گے۔ کہا گیا ہے ہڈیوں کو ذکر کیا ہے اور مراد اس کی ذات ہے اس لیے کہ ہڈیاں نفس کا قالب ہیں تخلیق ان کے برابر ہوئے بغیر درست نہیں ہو سکتی اور کہا گیا ہے یہ منکر کے قول پر نکلا ہے "**او یجمع الله العظام**" جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "**قال من یحی العظام وهی رمیم**" ہے۔

4 "**بلیٰ قادرین**" یعنی ہم قادر ہیں صرف کے استقبال پر حال کی طرف۔ فرار رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**قادرین**" یہ نصب ہے خروج پر مجمع سے۔ جیسا کہ تو کلام میں کہتا ہے کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہم تجھ پر قادر نہیں ہیں؟ کیوں نہیں ہم تو تجھ سے زیادہ طاقتور پر قادر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بلکہ ہم اس سے اکثر پر قادر ہیں۔ آیت کا مجاز "**بلیٰ نقدر علی جمع عظامه وعلی ماهو اعظم من ذلک**" اور وہ "**علی ان نسوّی بنانه**" اس کی انگلیوں کے پورے۔ پس ہم ان کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو ایک چیز کی طرح کر دیں۔ جیسے اونٹ کے پاؤں اور گدھے کے کھر۔ پس ان سے بند کرنے، کھولنے اور لطیف اعمال کتابت، سلائی وغیرہ کا نفع نہ اُٹھا سکے گا۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور زجاج اور ابن قتیبہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی کافر نے گمان کیا کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر نہ ہوں بلکہ ہم تو قادر ہیں اس پر کہ جوڑوں کو ان چھوٹے وجود کے باوجود دوبارہ پیدا کریں، پھر ان کو جوڑیں حتیٰ کہ پوروں کو برابر بنا دیں۔ پس جو ذات چھوٹی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر ہے پس وہ اس کے بڑوں کو جمع کرنے پر زیادہ قادر ہے۔

5 "**بل یرید الانسان لیفجر امامه**" فرماتے ہیں ابن آدم جاہل نہ ہو اس بات سے کہ اس کا رب اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر ہے لیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے آگے گناہ کرے یعنی وہ جب تک زندہ ہے اس میں قدم جاری رکھے نہ اس سے ہٹے اور نہ توبہ کرے۔ یہ مجاہد، حسن، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**لیفجر امامه**"

گناہ کا اقدام کرے اور توبہ کو مؤخر کرے۔ پس کہے عنقریب میں توبہ کروں گا۔

عنقریب میں عمل کروں گا حتیٰ کہ اس پر موت آئے اسے برے حال اور برے اعمال پر اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اُمید سے کہتا ہے میں زندہ رہوں گا تو دُنیا سے اتنا دور اتنا حاصل کروں گا اور موت کو یاد نہیں کرتا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اس کی تکذیب کرتا ہے جو اس کے آگے ہے بعث اور حساب میں سے اور فجور کی اصل مائل ہونا اور فاسق اور کافر کو فاجر کا نام دیا گیا ان کے حق سے مائل (اعراض کرنے) ہونے کی وجہ سے۔

يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬

ترجمہ (اس لئے بطور انکار کے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا سو جس وقت (مارے حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند دونوں) ایک حالت کے (یعنی بے نور) ہو جائیں گے اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں (ارشاد ہوتا ہے) ہرگز (بھاگنا ممکن) نہیں (کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا (جانے کا) ہے اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جلا دیا جائے گا۔

تفسیر 6 "یسال ایان یوم القیامة" یعنی یہ کب ہوگا؟ اس کی تکذیب کرتے ہوئے۔

7 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فاذا برق البصر" اہل مدینہ نے "برق" راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کی زیر کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔ پس وہ پلک نہ جھپکا سکے گا ان عجائب کو دیکھنے کی وجہ سے جن کی دُنیا میں تکذیب کرتا تھا۔ کہا گیا ہے یہ موت کے وقت ہوگا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہنم کو دیکھنے کے وقت کفار کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی اور فراء اور خلیل رحمہما اللہ فرماتے ہیں برق بالکسر یعنی گھبرایا اور حیران ہوا عجائب کو دیکھنے کی وجہ سے اور "برق بالفتح" یعنی اس کی آنکھ پھٹ گئی اور اس کو چمک کی وجہ سے کھولا۔

8 "وخسف القمر" تاریک ہوگیا اور اس کا نور و روشنی چلی گئی۔

9 "وجمع الشمس والقمر" یعنی وہ دونوں سیاہ بے نور ہو جائیں گے۔ گویا کہ وہ دو بیل ہیں دہشت زدہ اور کہا گیا ہے ان دونوں کو روشنی ختم کرنے میں جمع کر دیں گے اور عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن دونوں جمع کیے جائیں گے، پھر سمندر میں پھینکے جائیں گے۔ پس یہ دونوں اللہ کی بڑی آگ ہو جائیں گے اور کہا گیا ہے جمع کیے جائیں گے پھر دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اور کہا گیا ہے دونوں جمع کیے جائیں گے پھر مغرب سے طلوع کیے جائیں گے۔

⑩ "یقول الانسان" یعنی اس کا جھٹلانے والا۔ "یومئذ این المفر" یعنی بھاگنے کی جگہ اور کہا گیا ہے وہ مصدر ہے یعنی کہاں بھاگنا ہوگا؟

⑪ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کلا لا وزر" نہ قلعہ ہے اور نہ کوئی جائے حفاظت اور نہ جائے پناہ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوئی پہاڑ نہیں اور وہ جب خوفزدہ ہوتے تھے تو پہاڑ میں پناہ لیتے تھے تو اس کے ذریعے بچاؤ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس دن کوئی پہاڑ نہ ہوگا جو ان کو بچائے۔

⑫ "الی ربک یومئذ المستقر" یعنی مخلوق کا ٹھکانہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لوٹنے اور رجوع کی جگہ۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "الی ربک الرّجعٰی" ہے۔ "والی اللّٰہ المصیر" اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انتہا ہے اس کی نظیر "وان الی ربّک المنتھی" ہے۔......

⑬ "ینبّؤا الانسان یومئذ بما قدّم واخّر" ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جو موت سے نیک اور برا عمل کیا اور جو موت کے بعد پیچھے اچھا طریقہ یا برا طریقہ چھوڑا جس پر عمل کیا جا رہا ہو۔ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے کہ "بما قدّم" معصیت میں سے۔ "واخّر" طاعت میں سے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بما قدّم" اللہ کی طاعت میں سے۔ "وما اخّر" اپنی عمر کے آخر میں اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بما قدّم" اپنے اموال میں سے اپنے لیے "وما اخّر" اس کو ورثاء کے لیے پیچھے چھوڑا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ⑳ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ㉑

ترجمہ (اور) بلکہ انسان خود (بھی) اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو (باقتضائے طبیعت اس وقت بھی (اپنے) حیلے (حوالے) پیش لاوے اور اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ چلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی یاد کرلیں (کیونکہ) ہمارے ذمہ (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کردینا اور (آپ کی زبان سے) اس کا پڑھوا دینا ہے (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے پھر اس کا بیان کروا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے اے منکرو (قیامت کی بابت جیسا تم سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں (صرف بات یہ ہے کہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

تفسیر ⑭ "بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ" عکرمہ، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے بلکہ انسان اس کے نفس پر اس کے نفس سے نگران ہیں جو اس کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کے خلاف اس کے عمل کی گواہی دیں گے اور وہ اس کے کان اور

آنکھیں اور اعضاء ہیں اور ھاء داخل ہے بصیرۃ پر اس لیے کہ انسان سے مراد یہاں اس کے اعضاء ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا معنی ہو بلکہ انسان اس کے نفس یعنی اس کے اعضاء کے لیے دیکھنے والے ہیں۔ پس حرف جر کو حذف کر دیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم" ہے یعنی لاولادکم اور ممکن ہے کہ وہ صفت ہو مؤنث اسم کی یعنی "بل الانسان علی نفسه عین بصیرة" اور ابو العالیہ اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں بلکہ انسان اس کے نفس پر گواہ ہے اور یہی عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور ھاء بصیرۃ میں مبالغہ کے لیے ہے۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا" ہے۔

⑮ "ولو القٰی معاذیره" یعنی اس کے خلاف گواہ گواہی دے گا اگرچہ وہ عذر کرے اور اپنے آپ سے جھگڑے یہ اس کا نفع نہ دے گا۔ جیسا کہ فرمایا "یوم لاینفع الظالمین معذرتهم" اور یہ مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، ابن زید اور عطاء رحمہم اللہ کے قول کا معنی ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور اگر عذر کیا تو اس پر قول کا القاء ہے جیسا کہ فرمایا "فالقوا الیهم القول انکم لکاذبون" اور ضحاک اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "ولو القٰی معاذیره" یعنی اگرچہ پردہ گرادے اور دروازے بند کر دے اس کے نفس سے وہ ہے جو اس کے عذر کو جھٹلائے گا اور اہل یمن پردہ کا نام معذار رکھتے ہیں اور اس کی جمع معاذیر ہے اور اس کا معنی اس قول پر اگرچہ پردہ لٹکا دے تا کہ اس کا عمل مخفی رہے تو اس کا نفس اس پر گواہ ہے۔

⑯ اللہ تعالیٰ کا قول "لاتحرّک به لسانک لتعجل به" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول "لاتحرّک به لسانک لتعجل به" کے بارے میں مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر اُترتے تو اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے تو یہ آپ پر گراں ہو اور یہ آپ علیہ السلام سے پہچانا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی "لا اقسم بیوم القیامة" سورت میں "لاتحرّک به لسانک لتعجل به"

⑰ "ان علینا جمعه وقرآنه" فرمایا ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جمع کر دیں۔

⑱ فاذا قرانٰه فاتبع قرآنه۔ پس جب اس کو نازل کرے تو آپ توجہ سے سنیں۔

⑲ "ثم ان علینا بیانه" ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کو آپ علیہ السلام کی زبان سے بیان کریں۔ فرمایا اور جب آپ علیہ السلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپ علیہ السلام سر جھکا کر خاموش ہو جاتے پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ موسیٰ بن ابی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا، ڈرتے کہ آپ علیہ السلام سے چوک نہ جائے تو کہا گیا "لاتحرّک به لسانک، ان علینا جمعه" کہ ہم آپ کے سینہ میں جمع کر دیں گے۔ "وقرآنه" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھیں گے۔

⑳ "کلّا بل تحبّون العاجلة" ㉑ "وتذرون الآخرة" اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے "تحبّون و تذرون" دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ یعنی وہ دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لیے عمل کرتے ہیں یعنی کفار

مکہ اور جس نے تاء پڑھا ہے اس تقدیر پر کہ ”قل یا محمد بل تحبّون و تذرون“

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿24﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ وَقِيْلَ مَنْ ﴿سکتہ﴾ رَاقٍ ﴿27﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿28﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿29﴾

ترجمہ بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے (یہ تو مومنین کا حال ہے) لیکن بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہوں گے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی ان کو عذاب شدید ہوگا) ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور (نہایت حسرت سے اس وقت) کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے اور (اس وقت) وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت (دنیا) کا وقت ہے اور شدت سکرات موت سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔

تفسیر 22 ”وجوہ یومئذ“ قیامت کے دن۔ ”ناضرة“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں خوبصورت ہوں گے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں خوش اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں تروتازہ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں سفید ان پر نور چڑھا ہوا ہوگا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روشن، چمکدار اور یمان فرماتے ہیں روشن۔ فراء کہتے ہیں نعمتوں کی وجہ سے کھلے ہوئے۔ کہا جاتا ہے ”نضر اللّٰہ وجهه ینضر نضرا ونضره اللہ وانضره ونضر وجهه ینضر نضرة“...... ”الی ربها ناظرة“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اکثر لوگ اپنے رب کی طرف عیاناً بغیر حجاب کے دیکھیں گے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں خالق کی طرف دیکھے گی۔ 23 ”وحق لها ان تنضر وھی تنظر الی الخالق“ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت میں ادنیٰ مرتبہ کا شخص وہ ہے جو اپنے باغوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں اور خوشی کی طرف ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور ان میں سے اللہ کے ہاں معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ کو صبح وشام دیکھے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ”وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة“

24 ”ووجوہ یومئذ باسرة“ تیوری چڑھائے غبار آلود سیاہ ہوں گے۔

25 ”تظن ان یفعل بها فاقرة“ وہ یقین رکھتا تھا کہ اس کے ساتھ بڑے عذاب کا معاملہ کیا جائے گا اور ”فاقرة“ بڑی مصیبت اور ایسا سخت معاملہ جو کمر کے مہرے توڑ دے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کمر توڑنے والی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آگ میں داخل ہونا ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رؤیت سے روک دیا جائے گا۔

26 ”کلا اذا بلغت“ یعنی نفس یہ کنایہ ہے غیر مذکور سے۔ ”التراقی“ پس موت کے وقت گھنگھرو بولیں اور ”تراقی ترقوة“ کی جمع ہے اور وہ ہڈیاں جو ہنسلی کی ہڈی کے درمیان گڑھے اور کندھے کے درمیان ہوتی ہیں۔ نفس کے تراقی تک پہنچنے کے ذریعے موت کے قریب ہونے سے کنایہ کیا گیا ہے۔

27 "وقیل من راق" یعنی کہے گا جس پر موت حاضر ہو کیا کوئی طبیب ہے جو اس کو جھاڑ پھونک کرے اور دواء دے تو یہ اس کے جھاڑنے یا دواء سے شفایاب ہو جائے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اس کے لیے طبیبوں کو تلاش کرو وہ اس کو اللہ کی قضاء سے کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ سلیمان تیمی اور مقاتل بن سلیمان فرماتے ہیں یہ فرشتوں کے قول میں سے ہے ان میں سے بعض بعض کو کہیں گے کون اس کی روح کو لے کر چڑھتا ہے، پھر اس کو رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے لے جائیں گے۔

28 "وظن" یقین کرلیا اس نے جس کی روح تراقی کو پہنچ گئی۔ "انه الفراق" دُنیا سے

29 "والتفت الساق بالساق" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سختی سختی کے ساتھ۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت کی سختی آخرت کی سختی کے ساتھ۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر لگاتار سختیاں آئیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک تکلیف سے نہیں نکلے کہ دوسری اس سے سخت آجائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں دُنیا کا امر آخرت کے امر کے ساتھ۔ پس دُنیا کے آخری دن اور آخرت کے ایام میں سے پہلے دن میں ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں موت و حیات جمع ہوگئیں۔
اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ اس کے جسم کو تیار کر رہے ہوتے ہیں اور فرشتہ اس کی روح کو اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ دونوں میت کی پنڈلیاں ہیں جب کفن میں لپیٹی جائیں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دونوں میت کی پنڈلیاں ہیں جب موت کے وقت مل جائیں۔

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ 30 فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی 31 وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی 32 ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی 33 اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی 34 ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی 35 اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی 36 اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی 37 ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی 38 فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی 39 اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ یَ الْمَوْتٰی 40

ترجمہ: اور اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے تو اس نے نہ تو (خدا و رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی اور (لیکن خدا و رسول) کی تکذیب کی تھی اور (احکام سے منہ موڑا تھا پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے پھر (مکرر سن لے) کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا کیا یہ شخص (ابتدا میں محض) ایک قطرہ منی نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کو انسان) بنایا پھر اعضاء درست کیے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت (تو) کیا (جس نے ابتدا میں اپنی قدرت سے سب کچھ کیا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا (کہ قیامت میں مردوں کو زندہ کر دے۔

تفسیر 30 "الی ربک یومئذ المساق" یعنی بندوں کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا اس کی طرف ہانکے جائیں گے۔

31 "فلا صدق ولا صلّی" یعنی ابوجہل نے نہ قرآن کی تصدیق کی اور نہ اللہ کے لیے نماز پڑھی۔

۳۲ "ولکن کذب وتولّٰی" ایمان سے۔ ۳۳ "ثم ذهب الی اهله" ان کی طرف لوٹا۔ "یتمطّٰی" اکڑتا ہوا اور اترا کر چلتا ہوا۔ کہا گیا ہے اس کی اصل "یتمطط" یعنی یتمدد اور و المط بمعنی کھینچنا ہے۔

۳۴ "اولیٰ لک فاولیٰ. ۳۵ ثم اولیٰ لک فاولیٰ" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابوجہل کے لیے وعید پر وعید ہے اور یہ کلمہ دھمکی اور وعید کے لیے وضع کیا گیا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تو اس عذاب کا زیادہ لائق اور زیادہ حق دار ہے اس آدمی کے لیے کہا جاتا ہے جس کو کوئی ناپسند چیز پہنچے۔ "یستوجبه" یہ اس کا سزوار ہے اور کہا گیا ہے یہ کلمہ عرب اس کے لیے بولتے ہیں جس کے ناپسند چیز قریب ہو اور اس کی اصل ولی سے ہے اور وہ بمعنی "قریب" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قاتلوا الّذین یلونکم من الکفار" اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء میں ابوجہل کے کپڑے پکڑ کر کہا "اولیٰ لک فاولیٰ. ثمّ اولیٰ لک فاولیٰ" تو ابوجہل نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے دھمکی دیتے ہیں، اللہ کی قسم! آپ اور آپ کا رب میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور میں اس مکہ دو پہاڑوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ قوی ہوں۔ پھر بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے اس کو بری جگہ میں پچھاڑا اور اس کو برے طریقہ سے قتل کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر اُمت کا فرعون ہے اور اس اُمت کا فرعون ابوجہل ہے۔

۳۶ "ایحسب الانسان ان یترک سدی" بے کار نہ حکم دیا جائے گا اور نہ نہی کیا جائے گا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مہمل اور ابل سدی اس اونٹ کو کہتے ہیں جو چرواہے کے بغیر ہو یا جہاں چاہے چرے۔

۳۷ "الم یک نطفة من منی یمنی" رحم میں ٹپکائی جاتی ہے۔ حفص نے عاصم سے "یمنی" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ حسن رحمہ اللہ کی قرأت ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے نطفہ کی وجہ سے۔

۳۸ "ثمّ کان علقة فخلق فسوّی" پس اس میں روح ڈالی اور اس کی تخلیق کو درست کیا۔

۳۹ "فجعل منه الزوجین الذکر والانثیٰ" اس کے پانی سے مذکر و مؤنث اولاد کو پیدا کیا۔......

۴۰ "الیس ذلک" جس نے یہ کیا۔ "بقادر علی ان یحیی الموتیٰ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں سے "والتین والزیتون" پڑھے پھر اس کے آخر تک جائے۔ "الیس اللّٰه باحکم الحاکمین" تو کہے "بلیٰ" (کیوں نہیں) اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور جس نے پڑھا "لا اقسم بیوم القیامة" پھر آیت "الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتیٰ" تک پہنچ گیا تو کہے کیوں نہیں اور جس نے پڑھا "والمرسلات" پھر پہنچا۔ "فبایّ حدیث بعدہٗ یؤمنون" پر تو کہے "آمنّا باللّٰه" ہم اللہ پر ایمان لائے۔ موسیٰ بن ابی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص اپنے گھر کے اوپر نماز پڑھ رہا تھا وہ جب بھی پڑھتا "الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتیٰ" تو کہتا "سبحانک بلیٰ" تیری ذات پاک ہے کیوں نہیں تو لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

سُوْرَةُ الدَّهْر

مدنی ہے اوراس کی اکتیس (۳۱) آیات ہیں۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مکی ہے اور مجاہد اور قتادہ رحمہا اللہ فرماتے ہیں مدنی ہے۔ حسن اور عکرمہ رحمہا اللہ فرماتے ہیں یہ مدنی ہے سوائے ایک آیت کے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "فاصبر لحکم ربک" ہے۔ "ولا تطع منهم آثما او کفورا" ہے اوراس کی اکتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا 1 اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا 2 اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا 3 اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا 4 اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا 5

ترجمہ بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا ہم نے اس کو (بھلائی برائی پر مطلع کر کے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مومن ہو گیا یا ناشکر (اور) کافر) ہو گیا ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔

تفسیر 1 "هل اتی" تحقیق آیا ہے۔ "علی الانسان" یعنی آدم علیہ السلام پر۔ "حین من الدهر" چالیس سال اور وہ مٹی گارے سے جو مکہ اور طائف کے درمیان ڈالا ہوا تھا روح پھونکے جانے سے پہلے۔ "لم یکن شیئا مذکورا" نہ ذکر کیا جاتا اور نہ پہچانا جاتا اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ وہ جو اس سے مراد ہے۔ مراد یہ ہے وہ شے تھا لیکن قابل ذکر نہ تھا اور یہ اس وقت جب اس کو مٹی سے پیدا کیا اس میں روح پھونکنے سے پہلے۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو سنا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا "لم یکن شیئا مذکورا" تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کاش کہ وہ مکمل ہو جائے۔ مراد یہ تھی

کاش کہ وہ اس پر باقی رہے جس پر تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں پھر اس کو ایک سو بیس (۱۲۰) سال بعد پیدا کیا۔

❷ "انا خلقنا الانسان" یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد کو۔ "من نطفۃ" یعنی مرد اور عورت کی منی سے۔ "امشاج" ملے جلے۔ اس کا واحد مشج اور مشیج ہے جیسے خدن وخدین۔

امشاج کی تفسیر میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن، مجاہد اور ربیع رحمہم اللہ فرماتے ہیں یعنی آدمی کا پانی اور عورت کا پانی رحم میں ملتے ہیں تو ان دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پس آدمی کا پانی سفید گاڑھا اور عورت کا پانی زرد پتلا ہے۔ پس ان دونوں میں سے جو دوسرے پر غالب ہو جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوگا اور جو پٹھے اور ہڈیاں ہیں تو وہ مرد کے نطفہ سے بنتے ہیں اور گوشت، خون اور بال عورت کے پانی سے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں امشاج سے نطفہ کے مختلف رنگ مراد ہیں۔ پس مرد کا نطفہ سفید اور سرخ اور عورت کا نطفہ سبز، سرخ اور زرد ہے اور یہ والبی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور اسی طرح کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ فرمایا الامشاج سفیدی، سرخی اور زردی میں اور یمان فرماتے ہیں جب دو رنگ مل جائیں تو وہ امشاج ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ رگیں جو نطفہ میں ہوتی ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نطفہ جو خون کے ساتھ ملایا جائے اور وہ حیض کا خون ہے۔ پس جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو حیض مرتفع ہو جاتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ پیدائش کے مراحل ہیں۔ نطفہ پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا۔ پھر ہڈی پھر اس پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر اس کو دوسری پیدائش دیتے ہیں۔ "نبتلیہ" ہم اس کا امر ونہی کے ذریعے امتحان لیتے ہیں۔ "فجعلناہ سمیعا بصیرا" بعض اہل عربیت نے کہا ہے اس میں تقدیم وتاخیر ہے اس کا مجاز "فجعلناہ سمیعا بصیرا لنبتلیہ" اس لیے کہ آزمائش تخلیق مکمل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

❸ "انا ھدیناہ السبیل" یعنی ہم نے اس کے لیے حق وباطل اور ہدایت وضلالت کے راستے کو بیان کیا اور ہم نے اس کو خیر وشر کے راستہ کی معرفت دی۔ "اما شاکرا و اما کفورا" یا مؤمن نیک بخت یا کافر بد بخت ہے اور کہا گیا ہے کلام کا معنی جزاء ہے۔ یعنی ہم نے اس کے لیے راستے کو بیان کر دیا، اگر وہ شکر کرے یا کفر کرے۔

❹ پھر دونوں فریقوں کے لیے جو ہے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "انا اعتدنا للکافرین سلاسل" یعنی جہنم میں۔ اہل مدینہ، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے "سلاسلا" اور "قواریرا قواریرا" الف کے ساتھ پڑھا ہے وقف میں اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے ان تمام میں وصل کی صورت میں اور حمزہ اور یعقوب نے بغیر الف کے وقف کی صورت میں اور بغیر تنوین کے ان میں وصل کی صورت میں پڑھا ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے "قواریر" پہلا وقف میں الف کے ساتھ اور وصل میں تنوین کے ساتھ اور "سلاسل" اور "قواریر" دوسرا بغیر الف اور بغیر تنوین کے اور ابو عمرو، ابن عامر اور حفص رحمہم اللہ نے "سلاسلا" اور پہلا قواریرا وقف کی صورت میں الف کے ساتھ حفظ پر اور بغیر تنوین کے وصف میں اور "قواریرا" دوسرا بغیر الف اور بغیر تنوین کے

۔اللہ تعالیٰ کا قول "واغلالا" یعنی ان کے ہاتھوں میں ۔ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ "وسعیرا" سخت ایندھن۔

❺ "ان الابرار" یعنی مؤمنین جو اپنے ایمان میں سچے اور اپنے رب کی اطاعت کرنے والے ہیں، اس کا واحد "بارٌّ" ہے جیسے شاہد اور اشہاد۔ ناصر اور انصار اور "برّ" بھی جیسے نھر اور انھار۔ "یشربون" آخرت میں۔ "من کأس" اس میں شراب ہوگی۔ "کان مزاجها کافورا" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو کافور کے ساتھ ملایا جائے گا اور کستوری کی مہر لگائی گئی ہوگی۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مزاجہا اس کا ذائقہ اور اہل معانی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ وہ اپنی سفیدی اور عمدہ خوشبو اور ٹھنڈک میں کافور کی طرح ہوگی۔ اس لیے کہ کافور پیا نہیں جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے قول "حتّٰی اذا جعله نارا" کی طرح ہے یعنی کنار اور یہ مجاہد، مقاتل رحمہما اللہ کے قول کا معنی ہے۔ اس کا مزاج کافور کی خوشبو کی طرح ہوگا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو کافور، کستوری اور زنجبیل کے ساتھ عمدہ بنایا گیا ہوگا۔ عطاء اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کافور جنت میں پانی کے چشمے کا نام ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ❻ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ❼ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ❽ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ❾

ترجمہ یعنی ایسے چشمہ سے (پیویں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پیئیں گے (اور) جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا عمل) بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا قول) شکریہ (چاہیں)۔

تفسیر ❻ "عینا" اس پر نصب کافور کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے اور کہا گیا ہے مدح کی بناء پر نصب ہے اور کہا گیا ہے اصل عبارت "اعنی عینا" ہے یعنی میں چشمہ مراد لیتا ہوں اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں زیادہ عمدہ یہ ہے کہ معنی ہوں من عین۔ "یشرب بها" کہا گیا ہے "یشربها" اور باء صلہ ہے اور کہا گیا ہے بہا یعنی منہا۔ "عباد اللّٰه"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ کے اولیاء "یفجرونها تفجیرا" یعنی اس کو کھینچیں گے جہاں چاہیں گے اپنے گھروں اور محلات کی طرف۔ جیسا کہ کسی کی نہر ہو، یہاں دُنیا میں تو وہ اس کو کھود کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کی مختلف تفاسیر

❼ "یوفون بالنذر" یہ ان کی دُنیا کی صفات ہیں۔ یعنی وہ دُنیا میں اس طرح تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ وہ پورا ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وعمرہ اور اس کے علاوہ واجبات کو فرض کیا ہے اور النذر کا معنی واجب کرنا اور مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب وہ اللہ کی طاعت کی منت مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے منت مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے منت مانی کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اس کی نافرمانی نہ کرے۔

"ویخافون یوما کان شرّہ مستطیرا" پھیلنے والا لمبا۔ کہا جاتا ہے "استطار الصبح" جب وہ پھیل جائے اور لمبی ہو جائے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا شر آسمانوں میں پھیلنے والا ہوگا۔ پس وہ پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر جائیں گے اور سورج و چاند بے نور کر دیئے جائیں گے اور فرشتے گھبرا جائیں گے اور زمین، پس پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور پانی خشک ہو جائیں گے اور زمین پر موجود ہر عمارت و پہاڑ ٹوٹ جائیں گے۔

❽ "ویطعمون الطعام علی حبہ" یعنی کھانے کی محبت اور قلت اور ان کے کھانے کی چاہت کرنے اور ضرورت ہونے کے باوجود اور کہا گیا ہے اللہ کی محبت میں۔ "مسکینا" فقیر کو جس کا کوئی مال نہ ہو۔ "ویتیما" بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ "و اسیرا" مجاہد، سعید بن جبیر اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ اہل قبلہ میں سے قید کیا ہوا شخص اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے امراء کو ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ ان دنوں ان کے قیدی مشرک ہوتے تھے اور کہا گیا ہے الاسیر مملوک غلام اور کہا گیا ہے عورت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ سے عورتوں کے معاملہ میں ڈرو کیونکہ وہ تمہارے پاس عوان یعنی قیدی ہیں اور اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف کیا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایک انصاری شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس نے ایک دن مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا۔ مجاہد اور عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک یہودی کے پاس تھوڑے سے جو کے بدلے مزدوری کی، پھر جو لیے اس کے تہائی پیسا، پھر اس سے کوئی چیز بنائی تا کہ وہ اس کو کھا سکیں پھر جب وہ پک گئی تو مسکین آیا اور سوال کیا تو انہوں نے اس کو سارا کھانا دے دیا، پھر دوسرے تہائی کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ پس جب یہ پکا تو یتیم آیا سوال کیا تو انہوں نے اس کو کھلا دیا، پھر باقی تہائی کے ساتھ وہی معاملہ کیا۔ پس جب وہ پک گیا تو مشرکین میں سے ایک قیدی آیا۔ سوال کیا تو انہوں نے اس کو کھلا دیا اور اپنا دن بھوکے گزارا اور یہ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ قیدی اہل شرک میں سے تھا اور اس میں دلیل ہے کہ قیدیوں کو کھانا کھلانا اگرچہ وہ مشرک ہوں اچھا کام ہے اس کے ثواب کی اُمید ہے۔

❾ "انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاء ولا شکورا" اور شکور مصدر ہے عقود، دخول اور خروج کی طرح۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے دلوں سے جان لیا۔ پھر ان کی تعریف کی۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ⑮ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ⑯

(ترجمہ) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دے گا اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدارین) کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر آرام وعزت سے تکیہ لگائے ہوں نہ وہاں تپش (اور گرمی) پاویں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحت بخش اعتدال ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ (وہاں کے یعنی جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشہ کے ہوں گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا۔

(تفسیر) ⑩ "انا نخاف من ربنا یوما عبوسا" اس میں چہرے اس کی ہولناکی اور شدت کی وجہ سے ترش ہوجائیں گے اور عبوس کی نسبت یوم کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے یوم صائم ولیل نائم۔ اور کہا گیا ہے کہ یوم کا وصف عبوس بیان کیا ہے اس لیے کہ اس میں شدت ہوگی۔ "قمطریرا" قتادہ، مجاہد اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں قمطریر جو چہروں اور پیشانیوں کو ترش کے ساتھ پکڑے گا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبوس وہ جس میں کوئی انبساط نہ ہو اور قمطریر سخت۔ اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں قمطریر دنوں میں سے سخت ترین اور آزمائش میں طویل۔ کہا جاتا ہے "یوم قمطریر و قماطر" جب سخت ناپسند ہو اور "اقمطر الیوم فھو مقمطر"

⑪ "فوقاھم اللہ شرّ ذلک الیوم" جس سے وہ ڈرتے ہیں۔ "ولقاھم نضرۃ" ان کے چہروں میں حسن۔ "وسرورا" ان کے دلوں میں۔

⑫ "وجزاھم بما صبروا" اللہ کی طاعت پر اور اس کی معصیت سے اجتناب پر۔ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فقر پر اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھوک پر۔ "جنّۃ وحریرا" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخل کیا اور ان کو ریشم پہنایا۔

⑬ "متکئین" حال پر۔ "فیھا" جنت میں۔ "علی الارائک" پردے والی سہریاں اور "اریکۃ" اسی وقت ہوسکتا ہے جب دونوں صفتیں جمع ہوں۔ "لایرون فیھا شمسا ولا زمھریرا" یعنی گرمی اور سردی۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی سورج اس کی گرمی ان کو تکلیف دے گی اور "زمھریر" اس کی ٹھنڈک ان کو تکلیف دے گی۔ اس لیے کہ وہ دونوں دُنیا میں تکلیف دیں گی اور "زمھریر" سخت ٹھنڈک ہے۔

⑭ "ودانیۃ علیھم ظلالھا" یعنی ان سے قریب ہوں گے ان کے درختوں کے سائے اور "دانیۃ" کا نصب اللہ تعالیٰ کے قول "متکئین" پر عطف کی وجہ سے ہے اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے قول "لایرون فیھا شمسا ولا زمھریرا" کی جگہ اور دیکھیں گے "دانیۃ" اور کہا گیا ہے مدح کی بناء پر۔ "وذلّلت" تابع کیے گئے اور قریب کیے گئے۔ "قطوفھا" اس کے پھل "تذلیلا" وہ اس کے پھلوں کو کھائیں گے کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر اور ان کو توڑیں جیسے چاہیں گے جس حال پر چاہیں گے۔

قَوَارِیْرَاْ مِنْ فِضَّۃٍ کی تفسیر

⑮ "ویطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب کانت قواریرا

⑯ قواریرا من فضۃ" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں شیشیوں کے صاف ہونے میں چاندی کی سفیدی مراد ہے۔ پس وہ شیشے کے صاف ہونے میں چاندی سے ہوں گی۔ ان کے اندر کی چیز باہر سے دیکھی جائے گی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے قواریر ان کی زمین کی مٹی سے بنائے ہیں۔ پس جنت کی زمین چاندی کی ہے تو اس سے ان کے شراب کے برتن بنائے گئے جس میں وہ پئیں گے۔ "قدروھا تقدیرا" پیالوں کا ان کے رب نے ٹھیک اندازہ کیا ہے نہ زیادہ ہوں گے نہ کم۔ یعنی ان کے لیے اندازہ کیا ہے پلانے والوں اور خادموں کا جو ان پر چکر لگائیں گے وہ ان کا اندازہ کریں گے پھر پلائیں گے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ⑰ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ⑱
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ⑲ وَإِذَا رَأَيْتَ
ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ⑳ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا
أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ㉑

ترجمہ اور وہاں ان کو (علاوہ جام شراب مذکور کے) ایسا جام شراب پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے (ان کو پلایا جاوے گا) جو وہاں ہوگا جس کا نام (وہاں) سلسبیل (مشہور) ہوگا اور ان کے پاس (یہ چیزیں لے کر) ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور اس قدر حسین ہیں اے مخاطب اگر تو ان کو چلتے پھرتے دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے اور ان جنتیوں پر باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (کیونکہ ہر لباس میں جدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا (جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت۔

تفسیر ⑰ "ویسقون فیھا کاسا کان مزاجھا زنجبیلا" وہ اس کی طرف خوب خواہش ظاہر کریں گے اور خوشی سے جھومیں گے اور زنجبیل ان چیزوں میں سے ہے جن کو عرب بہت عمدہ سمجھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ جنت میں وہ جام پلائے جائیں گے جن میں جنت کی زنجبیل ملی ہوئی ہوگی۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا کی زنجبیل کے مشابہ نہ ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس کا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور آسمان میں ہونے کا ذکر کیا ہے دُنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور کہا گیا ہے وہ جنت میں چشمہ ہے اس سے زنجبیل کا ذائقہ آتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اس کو صرف مقربین پئیں گے۔اور تمام اہل جنت کیلئے ملائی جائے گی۔

⑱ "عینا فیھا تسمی سلسبیلا" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلسلہ جو ان کے تابع ہوں جہاں چاہیں گے اس کو پھیریں گے۔مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تیز بہنے والا۔ابوالعالیہ اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ ان کے راستوں اور ان کے گھروں میں بہے گا،عرش کے نیچے سے پھوٹے گا، جنت عدن سے اہل جنت کی طرف اور جنت کی شراب کافور جیسی ٹھنڈی زنجبیل کے ذائقے والی اور مشک کی خوشبو والی ہے۔زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ انتہائی عمدہ و خوشگوار ہونے کی وجہ سے حلق میں آسانی سے اُترتی چلی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا قول "تسمّی"۔یعنی اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس لیے کہ اکثر علماء کے نزدیک سلسبیل صفت ہے نہ کہ اسم۔

⑲ "ویطوف علیھم ولدان مخلدون اذا رأیتم حسبتھم لؤلؤا منثورا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ وہ سفیدی اور حسن میں موتی ہیں جب ان کو دھاگے سے بچھونے پر بکھیر دیا جائے تو وہ پروئے ہوئے سے زیادہ اچھا ہوتا ہے اور اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان کو منثور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے چونکہ یہ دوران خدمت بکھرے ہوتے ہیں اس وجہ سے۔ پس اگر وہ صف باندھے ہوتے تو ان کو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی۔

⑳ "واذا رأیت ثم" یعنی جب آپ اپنی نگاہ سے دیکھتے۔"ثمّ" یعنی جنت میں "رأیت نعیما" جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔"وملکا کبیرا" اور وہ یہ کہ ان میں سے ادنیٰ مرتبہ والا شخص اپنے ملک کی طرف دیکھے گا ایک ہزار سال کی مسافت میں۔اس کی انتہاء کو ایسے دیکھے گا جیسے اپنے قریب کی جگہ کو دیکھتا ہے۔مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ رب العزت کا رسول فرشتوں میں سے اس کی اجازت کے بغیر اس پر داخل نہ ہو سکے گا اور کہا گیا ہے ایسا ملک جس کا زوال نہیں ہوگا۔

㉑ "عالیھم ثیاب سندس" اہل مدینہ اور حمزہ رحمہم اللہ نے "عالیھم" یاء ساکن اور ھاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔پس یہ رفع کی جگہ میں ہوگا ابتداء کی وجہ سے اور اس کی خبر ثیاب سندس ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور ھاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے صفت کی بناء پر یعنی ان کے اوپر اور یہ منصوب ہے ظرف ہونے کی بناء پر ثیاب سندس کا۔"خضر و استبرق" نافع اور حفص رحمہما اللہ نے "خضر و استبرق" دونوں کو مرفوع پڑھا ہے ثیاب پر عطف کرتے ہوئے اور ان دونوں کو حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے مجرور پڑھا ہے اور ابن کثیر اور ابوبکر نے "خضر" زیر کے ساتھ۔"و استبرق" پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر اور اہل بصرہ اور اہل شام نے اس کا اُلٹ پڑھا ہے۔پس رفع ثیاب کی صفت ہونے کی بناء پر اور جر سندس کی صفت ہونے کی بناء پر۔"وحلوا اساور من فضة وسقاھم ربھم شرابا طھورا" کہا گیا ہے گندگیوں سے پاک اس کو ہاتھوں اور پاؤں نے میلا نہ کیا ہوگا دُنیا کی شراب کی طرح۔ابو قلابہ اور ابراہیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ ناپاک پیشاب نہ ہوگا لیکن ان کے جسموں سے پسینہ نکلے گا کستوری کی خوشبو کی طرح کا۔

اور ان کے پاس کھانا لایا جائے گا اس کو کھائیں گے تو جب کھانے کا آخر ہوگا تو پاکیزہ شراب دی جائے گی،اس کو پئیں گے تو ان کے پیٹ پاک ہوجائیں گے اور جو انہوں نے کھایا ہے وہ پسینہ بن کر ان کے جسم سے نکل جائے گا وہ پسینہ کستوری سے زیادہ

خوشبودار ہوگا اوران کے پیٹ خالی ہوجائیں گے اوران کی خواہش لوٹ آئے گی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ پانی کا چشمہ ہے جنت کے دروازہ پر جو اس کو پیئے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں جو کینہ، کھوٹ اور حسد ہوگا کھینچ لیں گے۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ㉒ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ㉓ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ㉔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ㉕ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ㉖ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ㉗ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ㉘ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ㉙ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ㉚ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ. وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ㉛

ترجمہ (اوران سے کہا جاوے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں کرتے تھے) مقبول ہوئی ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ اس میں تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہیے اوران میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے اور آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی) اپنے پروردگار (کا صبح وشام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد) ہے علاوہ فرائض کے یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کیے (اور (نیز) جب (ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں یہ سب جو کچھ مذکور ہوا (کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف سے رستہ اختیار کرے بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے خدا کے نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ بڑا علم والا بڑا حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے اور (جس کو چاہے کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے پھر) ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر ㉒ ''ان هذا كان لكم جزاء و كان سعيكم مشكورا'' یعنی جو جنت کی نعمتیں بیان کی گئی ہیں وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کا بدلہ ہوں گی اور تمہاری سعی اور دنیا میں عمل کرنا اللہ کی طاعت میں اس کی قدردانی کی جائے گی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تمہاری اس پر قدردانی کی ہے اور تم کو افضل ثواب دیا ہے۔

㉓ ''انا نحن نزلنا عليك القرآن تنزيلا'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جدا جدا آیت

کے بعد آیت یکبارگی نہیں اُتارا گیا۔

㉔ "فاصبر لحکم ربک ولا تطع منهم" یعنی مشرکین مکہ میں سے۔ "آثما او کفورا" یعنی وکفورا اور الف صلہ ہے۔

اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کی تفسیر

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آثم اور کافر سے ابوجہل مراد ہے کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض کی گئی تو آپ علیہ السلام کو ابوجہل نے اس سے روکا اور کہا اگر آپ دیکھیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نماز پڑھیں تو میں آپ علیہ السلام کی گردن روند دوں گا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں آثم سے عتبہ بن ربیعہ مراد ہے اور الکفور سے ولید بن مغیرہ ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا اگر آپ نے جو کچھ کیا ہے عورتوں اور مال کے لیے کیا ہے تو آپ علیہ السلام اس امر سے رجوع کرلیں۔ عتبہ نے کہا میں آپ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیتا ہوں اور بغیر مہر کے اس کو آپ کے پاس بھیج دوں گا اور ولید نے کہا میں آپ کو اتنا مال دوں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ بس آپ اس امر سے رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

㉕ "واذکر اسم ربک بکرة واصیلا۔"

㉖ ومن اللیل فاسجد له" یعنی مغرب وعشاء کی نماز۔ "وسبحه لیلا طویلا" یعنی فرض کے بعد نفل۔

㉗ "ان هؤلاء" یعنی کفار مکہ۔ "یحبون العاجلة" یعنی جلدی گھر کو اور وہ دُنیا ہے۔ "ویذرون وراء هم" یعنی اپنے آگے۔ "یوم ثقیلا" سخت اور وہ قیامت کا دن ہے یعنی وہ اس کو چھوڑتے ہیں پس اس پر نہ ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں

㉘ "نحن خلقناهم وشددنا" ہم نے قوت دی اور پختہ کیا۔ "اسرهم" مجاہد، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں "اسرهم" یعنی ان کی تخلیق کو۔ کہا جاتا ہے "رجل حسن الاسر" یعنی الخلق اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ان کے جوڑ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رگوں اور پٹھوں کے ذریعے۔ مجاہد سے اسر کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں شرمگاہ یعنی پیشاب اور پاخانہ کے گزرنے کی جگہ جب گندگی نکل جائے تو دونوں بند ہو جاتے ہیں۔ "واذا شئنا بدلنا امثالهم تبدیلا" یعنی جب ہم چاہیں گے ان کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے مشابہ لوگ لائیں گے۔ پس ہم ان کو ان کا بدل کر دیں گے۔

㉙ "ان هذه" یعنی یہ سورت۔ "تذکرة" وعظ ونصیحت ہے۔ "فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا" عبادت کے لیے وسیلہ۔

㉚ "وما تشاءون" ابن کثیر، ابن عامر اور ابو عمرو نے "یشاؤون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الا ان یشاء الله" یعنی تم نہیں چاہتے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ اس لیے کہ امر اسی کی طرف ہے۔ "ان الله کان علیما حکیما"......

㉛ "یدخل من یشاء فی رحمته والظالمین" یعنی مشرکین۔ "اعدلهم عذابا الیما"

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت

مکی ہے اور اس کی پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۳ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۴

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں (جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر) پھیلاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں۔ (جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے)

تفسیر: ۱ "والمرسلات عرفا" یعنی ہوائیں جو لگا تار بھیجی جاتی ہیں گھوڑوں کی طرح آگے پیچھے اور کہا گیا ہے عرفا یعنی کثیراً بہت زیادہ۔ عرب کہتے ہیں "الناس الی فلان" عرف واحد جب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور بہت زیادہ ہو جائیں۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کے قول کا معنی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتے جو اللہ کے اوامر اور نواہی میں سے معروف کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور یہی مسروق کی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

۲ "فالعاصفات عصفا" یعنی ہوائیں سخت تیز۔

۳ "والناشرات نشرا" یعنی نرم ہوائیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ہوائیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے کے لیے بھیجتے ہیں اور کہا گیا ہے یہ وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اُٹھاتی ہیں اور بارش لاتی ہیں اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ فرشتے ہیں جو نامہ اعمال کو پھیلائیں گے۔

۴ "فالفارقات فرقا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی فرشتے جو اس کو لاتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ قرآن کی آیتیں ہیں جو حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں وہ ہوائیں جو بادلوں کو جدا کرتی اور تقسیم کرتی ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۵ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۶ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۸ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۱۰ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۱۱ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۱۲ لِیَوْمِ

الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ⑮ اَلَمْ نُهْلِکِ الْاَوَّلِیْنَ ⑯ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ⑰ کَذٰلِکَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ⑱ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ⑲ اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ⑳ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ㉑ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉒ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ㉓

ترجمہ پھران ہواؤں کوجودل میں) اللہ کی یادیعنی توبہ کایاڈرانے کاالقا کرتی ہیں کہ جس چیز کاتم سے وعدہ کیاجاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے (مراد قیامت ہے سوجب ستارے بےنور ہوجائیں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کیے جاویں گے (کچھ معلوم ہے کہ) کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی (کیا گیا ہے) آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے (دن کے لئے (ملتوی رکھا گیا ہے اور آگے اس فیصلہ کے دن کی کیفیت ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کادن کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے) اس روز حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے عذاب کی تذکیر ہے یعنی) کیا ہم اگلے کافر لوگوں کو عذاب سے) ہلاک نہیں کر چکے پھر پچھلوں کو بھی (عذاب) میں ان (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (یعنی ان کے کفر پر سزا دیتے ہیں) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قدرت علی البعث کی تقریر ہے یعنی) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ سے) نہیں بنایا پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا غرض ہم نے (ان تصرفات کا) ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔

تفسیر ⑤ "**فالملقیات ذکرا**" یعنی فرشتے جو ذکر کا انبیاء علیہم السلام کی طرف القاء کرتے ہیں۔ اس کی نظیر "**یلقی الروح من امرہ**" ہے۔

⑥ "**عذرا او نذرا**" یعنی عذر کرنے اور ڈرانے کے لیے۔ حسن رحمہ اللہ نے "عذرا" ذال کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں ابوبکر عن عاصم سے اختلاف کیا گیا ہے اور اکثر کی قرأت اس کے سکون کے ساتھ ہے اور ابو عمرو، حمزہ اور کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "نذرا" ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور جس نے سکون پڑھا ہے اس نے کہا اس لیے کہ یہ دونوں دو مصدروں کی جگہ ہیں "انذار" اور اعذار کے معنی میں اور جمع نہیں ہیں پھر ان کو مثقل کیا گیا ہے۔

⑦ "**انما توعدون**" قیامت اور بعث کے امر کا۔ "**لواقع**" البتہ ہونے والا ہے پھر ذکر کیا کہ کب واقع ہوگا۔

⑧ پس فرمایا "**فاذا النجوم طمست**" اس کا نور مٹا دیا گیا۔

⑨ "**واذا السماء فرجت**" پھاڑ دیا جائے گا۔

⑩ "**واذا الجبال نسفت**" اپنی جگہوں سے اکھیڑ دیے گئے ہیں۔

⑪"واذا الرسل اقتت" اہل بصرہ نے "وقتت" واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر نے واؤ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے الف اور قاف کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں اور عرب واؤ اور ہمزہ کو ایک دوسرے کی جگہ لاتے رہتے ہیں۔ جیسے ان کا قول "......و کدت" اور "اکدت" اور "و رخت" اور ارخت ہے اور ان دونوں کا معنی جمع کرنا معلوم دن کے وقت کے لیے اور وہ قیامت کا دن ہے تا کہ وہ اُمتوں پر گواہی دیں۔

⑫"لای یوم اجلت" یعنی مؤخر کیے گئے ان کے جمع کرنے کے لیے اجل مقرر کی گئی ہے تو بندے اس دن سے تعجب میں ہیں۔

⑬ پھر بیان کرتے ہوئے فرمایا "لیوم الفصل" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رحمٰن کے مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے دن۔

⑭"وما ادراک ما یوم الفصل. ⑮ویل یومئذ للمکذبین ⑯الم نهلک الاوّلین" یعنی گزشتہ اُمتوں کو دُنیا میں عذاب دے کر جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

⑰"ثم نتبعهم الآخرین" کفر و تکذیب میں ان کے راستہ پر چلنے والوں کو۔ یعنی کفار مکہ ان کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے کی وجہ سے۔

⑱"کذلک نفعل بالمجرمین. ⑲ویل یومئذ للمکذبین. ⑳الم نخلقکم من ماء مهین" یعنی نطفہ سے۔

㉑"فجعلناه فی قرار مکین" یعنی رحم میں۔

㉒"الی قدر معلوم" اور وہ ولادت کا وقت ہے۔

㉓"فقدرنا" اہل مدینہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "فقدرنا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے تقدیر سے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے قدرۃ سے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "فنعم القادرون" کی وجہ سے......

اور کہا گیا ہے ان دونوں کا معنی ایک ہے اور اسی کا قول "فنعم القادرون" یعنی مقدرون ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے والے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉔اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ㉕اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ㉖وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ㉗وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉘اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉙اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ㉚لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ㉛اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ㉜

ترجمہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اپنی بعض نعمتیں بیان فرماتے ہیں) کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا اور ہم نے اس (زمین) میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے ہیں (جن سے بہت سے منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا اس روز (حق) کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اس

روز کفار سے کہا جائے گا تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برساوے گا جیسے بڑے بڑے محل۔

تفسیر 24 "ویل یومئذ للمکذبین. 25 الم نجعل الارض کفاتا" برتن اور کفت کا معنی ملانا اور جمع کرنا۔ کہا جاتا ہے "کفت الشیٔ" جب اس کو ملا دے اور جمع کردے اور فراء فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ان کو جمع کرتی ہے، زندہ ہونے کی حالت میں ان کے گھروں و رہائشوں میں اور مرنے کے بعد ان کو اپنے پیٹ میں جمع کرے گی۔

26 اور وہ اس کا قول "احیاء و امواتا

27 وجعلنا فیها رواسی" پہاڑ۔ "شامخات" بلند۔ "واسقیناکم ماء فراتا" میٹھا۔

28 "ویل یومئذ للمکذبین" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہ سب اس بعث سے زیادہ عجیب ہے جس کو تم جھٹلاتے ہو۔ پھر خبر دی کہ ان کو قیامت کے دن کہا جائے گا۔

29 "انطلقوا الی ما کنتم به تکذبون" دُنیا میں۔

30 "انطلقوا الی ظلّ ذی ثلاث شعب" یعنی جہنم کا دھواں جب بلند ہو اور تین حصوں میں بٹ جائے اور کہا گیا ہے آگ سے گردن نکلے گی، پس تین حصے ہو جائیں گے، نور، دھواں اور شعلے۔ بہرحال نور پس وہ مؤمنوں کے سروں پر کھڑا ہوگا اور دھواں منافقین کے سروں پر اور خالص کافروں کے سروں پر۔

31 پھر اس سائے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "لا ظلیل" گرمی سے سایہ حاصل کرے۔ "ولا یغنی من اللهب" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہنم کے شعلے تم سے نہ ہٹا سکے گا اور معنی یہ ہے کہ وہ جب اس سایہ کے نیچے آجائیں گے تو وہ شعلوں کی گرمی ان سے دور نہ کرے گا۔

32 "انها" یعنی جہنم۔ "ترمی بشرر" وہ جو آگ سے اڑے۔ اس کا واحد "شررة" ہے۔ "کالقصر" اور وہ بلند عمارت۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی قلعے اور عبدالرحمٰن بن عباس اللہ تعالیٰ کے قول "انها ترمی بشرر کالقصر" کے بارے میں فرماتے ہیں وہ کاٹی ہوئی بڑی بڑی لکڑیاں اور ہم جب لکڑی سے ستون وغیرہ بناتے ہیں تو اس کو تین گز یا اس سے زیادہ کاٹتے ہیں اور اس سے کم کو سردیوں کے لیے ذخیرہ بنا لیتے ہیں اور اس کا نام ہم قصر رکھتے ہیں۔ سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ کھجور کے تنے اور بڑے درخت اس کا واحد قصرة ہے جیسے تمر اور تمرہ اور جمرۃ اور جمر اور علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے "کالقصر" صاد کے زبر کے ساتھ۔ اس کی جمع قصر اور قصرات آتی ہے۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ 33 وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ 34 هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ 35 وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ 36 وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ 37 هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ 38 فَاِنْ كَانَ لَكُمْ

كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿39﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿40﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿41﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا
يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿48﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿50﴾

ترجمہ بلکہ جیسے کالے کالے اونٹ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر کی) ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (ان لوگوں سے کہا جاوے گا کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے آج تم کو اور اگلوں کو (فیصلہ کے لئے) جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو تدبیر چلاؤ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جاوے گا کہ) اپنے اعمال کے (نیک) صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعماء جنت کی بھی تکذیب کرتے تھے سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اے کافرو) تم (دنیا میں) تھوڑے دنوں اور کھا لو برت لو (عنقریب کمبختی آنے والی ہے کیونکہ) تم بے شک مجرم ہو اس روز (حق کے) جھٹلانے والے کی بڑی خرابی ہوگی اور (ان کافروں کی سرکشی اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدا کی طرف) جھکو تو نہیں جھکتے اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی تو پھر اس (قرآن بلیغ الالفاظ والانذار) کے بعد اور پھر کونسی بات پر ایمان لاویں گے۔

تفسیر ㉝ "کانّه" ضمیر کو لفظ کی طرف لوٹایا ہے۔ "جمالة" حمزہ اور کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "جمالة" حمل کی جمع پڑھا ہے جیسے حجر اور حجارۃ اور یعقوب رحمہ اللہ نے جیم کے پیش کے ساتھ بغیر الف کے "بڑی اشیاء جو جمع کی گئی ہوں" مراد ہیں اور دیگر حضرات نے "جمالات" الف کے ساتھ اور جیم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمال کی جمع ہونے کی بناء پر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کشتیوں کی رسیاں ہیں جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ درمیانے قد کے مردوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔ "صفر" اصفر کی جمع ہے یعنی ان کا رنگ اور کہا گیا ہے اصفر کا معنی سیاہ ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے جہنم کی آگ کے شرارے سیاہ ہیں، تارکول کی طرح۔ اور عرب سیاہ اونٹ کا نام صفر رکھتے ہیں اس لیے کہ اس کی سیاہی میں زردی کی آمیزش ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہرنی کی سفیدی کو ادم (گندم گوں) کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی سفیدی پر مٹیالا رنگ غالب ہوتا ہے۔

㉞ "ویل یومئذ للمکذبین.

㉟ هذا یوم لا ینطقون" یعنی قیامت میں۔ اس لیے کہ اس میں کئی مَوقف ہیں۔ بعض میں وہ جھگڑیں گے اور باہم گفتگو

کریں گے اور بعض میں ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی وہ بول نہ سکیں گے۔

36 "ولا یؤذن لھم فیعتذرون" جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اس شخص کا کوئی عذر قبول نہیں ہے جو اپنے انعام کرنے والے سے اعراض کرے اور اس کی نعمتوں ورحمتوں کا انکار کرے۔

37 "ویل یومئذ للمکذبین.

38 ھذا یوم الفصل" اہل جنت واہل جہنم کے درمیان۔ "جمعناکم والاوّلین" یعنی اس اُمت کے جھٹلانے والے اور پہلی اُمتوں کے مکذبین کو جنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

39 "فان کان لکم کید فکیدون" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تمہارے لیے حیلہ ہے تو اپنے نفس کے لیے حیلہ اپناؤ۔

40 "ویل یومئذ للمکذبین.

41 ان المتقین فی ظلال" ظل کی جمع ہے یعنی درختوں کے سایوں میں۔ "وعیون" مع پانی کے۔

42 "وفواکہ مما یشتھون"

43 اور ان کو کہا جائے گا "کلوا واشربوا ھنیئا بما کنتم تعملون" دُنیا میں میری طاعت میں۔

44 "انا کذالک نجزی المحسنین. 45 ویل یومئذ للمکذبین"

46 پھر کفار مکہ کو کہا "کلوا وتمتّعوا قلیلا" دُنیا میں۔ "انکم مجرمون" اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو، عذاب کے مستحق ہو۔

47 "ویل یومئذ للمکذبین.

48 واذا قلیل لھم ارکعوا" یعنی تم نماز پڑھو۔ "لایرکعون" وہ نماز نہیں پڑھتے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ ان کو قیامت کے دن کہا جائے گا جب وہ سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے۔ پس وہ اس کی طاقت نہ رکھیں گے۔

49 "ویل یومئذ للمکذبین.

50 فبایّ حدیث بعدہ" یعنی قرآن کے بعد۔ "یؤمنون" جب وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

❁❁❁

سُوْرَةُ النَّبَاء

مکی ہے اور اس کی چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧

ترجمہ: یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کر رہے ہیں ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آوے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ جو سمجھتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آوے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا (اور اس کے علاوہ ہم نے اور بھی قدرت اپنی ظاہر فرمائی چنانچہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد وعورت) بنایا

تفسیر ① "عمّ" اس کی اصل "عن ما" ہے۔ نون کو میم میں ادغام کیا گیا ہے اور ما کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے جیسے ان کے قول "فیم" اور "بم" میں "یتساء لون" یعنی کسی چیز کے بارے میں یہ مشرکین آپس میں سوال کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید کی طرف بلایا اور ان کو موت کے بعد اُٹھنے کی خبر دی اور ان پر قرآن کی تلاوت کی تو ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا لائے ہیں؟ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں لفظ استفہام کا لفظ ہے اور اس کا معنی تفخیم (تعظیم) ہے۔ جیسا کہ تو کہے "ایّ شیء زید؟" جب تو اس کے امر اور اس کی شان کو عظیم سمجھے۔

② پھر ذکر کیا کہ ان کا باہم سوال و جواب کسی چیز کے بارے میں تھا تو فرمایا "عن النبا العظیم" مجاہد اور اکثر حضرات فرماتے ہیں وہ قرآن ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "قل ھو نبا عظیم" اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ بعث ہے۔

③ "الذی ھم فیه مختلفون" پس تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے۔

④ "کلا سیعلمون" کلا نفی ہے فرماتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے اپنی تکذیب کا انجام جب تمام اُمور واضح ہو جائیں گے۔

⑤ "ثم کلا سیعلمون" یہ ان کے لیے وعید ہے وعید کے پیچھے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کلا سیعلمون" ہرگز نہیں

عنقریب وہ جان لیں گے یعنی کافر ہیں۔ "ثم کلا سیعلمون" یعنی مؤمنین۔ پھر اپنی کاریگری کو ذکر کیا تا کہ وہ اس کی توحید کو جان لیں۔

⑥ تو فرمایا "الم نجعل الارض مهادا" بچھونا۔

⑦ "والجبال اوتادا" زمین کے لیے تا کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہلے۔

⑧ "وخلقناکم ازواجا" قسمیں مذکر و مؤنث۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ⑯ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ⑰ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ⑱

ترجمہ اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تا کہ ہم اس پانی کے ذریعے سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے۔

تفسیر ⑨ "وجعلنا نومکم سباتا" یعنی تمہارے بدنوں کے لیے راحت۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں سبات یہ ہے کہ حرکت ختم ہو جائے اور اس میں روح نہ ہو اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے اعمال کو کاٹنے والا بنا دیا اس لیے کہ سبت کی اصل کاٹنا ہے۔ ⑩ "وجعلنا اللیل لباسا" ڈھانپنا اور پردہ ہر چیز کو اپنی تاریکی میں ڈھانپ لیتی ہے۔

⑪ "وجعلنا النهار معاشا" المعاش زندگی اور ہر وہ چیز کہ اس سے زندگی گزاری جائے تو وہ معاش ہے۔ یعنی ہم نے اس میں معاش کے سبب اور مصالح میں تصرف کرنا بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ تم اس میں اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہو اور جو تمہارے لیے اس کے رزق میں تقسیم کیا گیا۔

⑫ "وبنینا فوقکم سبعا شدادا" مراد سات آسمان ہیں۔

⑬ "وجعلنا سراجا" یعنی سورج۔ "وهاجا" روشن چمک دار۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں الوهاج ایندھن والا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں نور اور حرارت بنادی اور "وهج" نور اور حرارت کو جمع کرتا ہے۔

معصرات کی مختلف تفاسیر

⑭ "وانزلنا من المعصرات" مجاہد، قتادہ، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور یہ عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ہوائیں جو بگولوں والی ہیں اور اس تاویل پر من

باء کے معنی میں ہوگا یعنی "بالمعصرات" کیونکہ ہوا بارش کو گھماتی ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں "المعصرات" وہ بادل اور یہ والبی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المعصر" وہ بادل جو بارش سے لبریز ہو لیکن برسے نہ جیسے "المرأة المعصر" وہ عورت جس کا حیض قریب ہوا اور ابھی اس کو حیض نہ آیا ہو۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مغیثات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول "فیه یغاث الناس وفیه یعصرون" میں مذکور ہے اور حسن، سعید بن جبیر، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ "من المعصرات" یعنی آسمانوں سے۔ "ماء ثجاجا" یعنی بہت ہوا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مدرار اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں بہت زیادہ۔

⑮ "لنخرج به" یعنی اس پانی کے ذریعے "حبا" جو لوگ کھاتے ہیں۔ "ونباتا" جس کو زمین اُگائے ان چیزوں میں سے جن کو جانور کھاتے ہیں۔

⑯ "وجنات الفافا" درختوں سے گنجان۔ اس کا واحد لف اور لیف ہے۔ کہا گیا ہے یہ جمع الجمع ہے۔ کہا جاتا ہے "جنة لفا" اور اس کی جمع لف ہے لام کے پیش کے ساتھ اور جمع کی جمع الفاف ہے۔

⑰ "ان یوم الفصل" مخلوق کے درمیان فیصلہ کا دن۔ "کان میقاتا" جب اللہ تعالیٰ نے ثواب وعقاب کا وعدہ کیا۔

⑱ "یوم ینفخ فی الصور فتأتون افواجا" گروہ در گروہ ہر جگہ سے حساب کیلئے۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ⑲ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ⑳ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ㉑ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ㉒ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ㉓ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ㉔ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ㉕

ترجمہ: اور آسمان کھل جاوے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے (اس یوم الفصل میں جو فیصلہ ہوگا اس کا بیان ہے یعنی) بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہا زمانوں تک (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو کہ مسکن عطش ہو) بجز گرم پانی اور پیپ کے۔

تفسیر: ⑲ "وفتحت السماء" اہل کوفہ نے "فتحت" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تشدید کے ساتھ یعنی فرشتوں کے اُترنے کے لیے پھاڑ دیا جائے گا۔ "فکانت ابوابا" یعنی دروازوں والا اور کہا گیا ہے کھل جائے گا اور بکھر جائے گا حتیٰ کہ اس میں دروازے اور راستے بن جائیں گے۔

⑳ "وسیرت الجبال" زمین کے اوپر سے۔ "فکانت سرابا" یعنی اُڑتے ہوئے ذرات دیکھنے والے کی آنکھ کے لیے سراب کی طرح۔

۲۱ ’’ان جهنم كانت مرصادا‘‘ راستہ اور گزرنے کی جگہ۔ پس کسی کے لیے جنت کا راستہ نہ ہوگا حتیٰ کہ آگ کو طے کرے اور کہا گیا ہے۔

مِرْصَادًا کی تفسیر

’’كانت مرصادا‘‘ یعنی ان کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے ’’ارصدت الشیء‘‘ جب تو اس کو اس کے لیے تیار کرے اور کہا گیا ہے وہ ’’رصدت الشیء‘‘ ارصدہ سے مشتق ہے جب تو اس کا انتظار کرے اور مرصاد وہ جگہ جس میں گھات لگانے والا دشمن کا انتظار کرے اور اللہ تعالیٰ کا قول ’’ان جهنم كانت مرصادا‘‘ یعنی کفار کا گھات لگائے ہوئے ہے۔ مقسم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جہنم کے پل پر سات رُکاوٹیں ہیں۔ ان میں سے پہلی کے پاس بندہ سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو مکمل لایا تو دوسری تک پہنچ جائے گا۔ پھر اس سے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو مکمل لایا تو تیسری تک پہنچ جائے گا پھر زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس اگر اس کو مکمل لایا تو چوتھی تک پہنچ جائے گا پھر روزے کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو مکمل لایا تو پانچویں تک پہنچ جائے گا۔ پھر حج کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو پورا لایا تو چھٹی تک پہنچ جائے گا۔ پھر عمرہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو مکمل لایا تو ساتویں تک تجاوز کر جائے گا۔ پھر مظالم کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس اگر ان سے نکل گیا ورنہ کہا جائے گا تم دیکھو۔ پس اگر اس کے کوئی نفل ہو تو ان کے ذریعے اس کے اعمال کو مکمل کرو، پھر جب فارغ ہو جائے گا تو جنت کی طرف چلے گا۔

۲۲ ’’للطاغين‘‘ کافروں کیلئے۔ ’’مآبا‘‘ مرجع جس کی طرف وہ لوٹیں گے۔

۲۳ ’’لابثين‘‘ حمزہ اور یعقوب نے ’’لبثين‘‘ بغیر الف کے پڑھا ہے اور اکثر حضرات نے ’’لابثين‘‘ الف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں۔

احقابا کتنی مدت پر بولا جاتا ہے

’’فيها احقابا‘‘ حقب کی جمع اور ایک حقب اسی سال، ہر سال بارہ مہینے کا ہر مہینہ تیس دن، ہر دن ہزار سال۔ یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں احقاب ترتالیس (۴۳) حقب ہیں، ہر حقب ستر (۷۰) خریف کا ہر خریف سات سو سال کا، ہر سال تین سو ساٹھ دن کا، ہر دن ہزار سال۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی بلکہ فرمایا ’’لابثين فيها احقابا‘‘ پس اللہ کی قسم نہیں ہے وہ مگر جب ایک حقب چلا جائے گا دوسرا داخل ہوگا، پھر دوسرا ہمیشہ تک۔ پس احقاب کی کوئی تعداد نہیں ہے مگر ہمیشہ رہنا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اگر اہل جہنم جانتے کہ وہ جہنم میں دُنیا کی کنکریوں کی تعداد رہیں گے تو وہ خوش ہو جاتے اور اگر اہل جنت جانتے کہ وہ جنت

میں دُنیا کی کنکریوں کی تعداد رہیں گے تو وہ غمگین ہو جاتے اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک حقب سترہ ہزار سال کا ہے، فرمایا اور یہ آیت منسوخ ہے اس کو "فلن نزیدکم الا عذابا" نے منسوخ کر دیا ہے یعنی تعداد اُٹھ گئی اور ہمیشگی حاصل ہوگئی۔

24 "لایذوقون فیھا بردا ولا شرابا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ برد نیند ہے اور اسی سے وہ ہے جو کسائی اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ نے کہا ہے۔ عرب کہتے ہیں منع البرد البرد یعنی ٹھنڈ نیند کو لے گئی اور حسن اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں "لایذوقون فیھا بردا" یعنی راحت و آرام۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لا یذوقون فیھا بردا" جو ان کو گرمی سے نفع دے "ولا شرابا" جو ان کو پیاس سے نفع دے۔

25 "الا حمیما و غساقا" فرماتے ہیں غساق زمہریر ہے جو ان کو اپنی ٹھنڈک سے سخت تکلیف دے گا اور کہا گیا ہے اہل جہنم کی پیپ ہے اور ہم نے اس کو سورۃ ص میں ذکر کیا ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا 26 اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا 27 وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا 28 وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا 29 فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا 30 اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا 31 حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا 32 وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا 33 وَّكَاْسًا دِهَاقًا 34 لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا 35 جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا 36 رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا 37

ترجمہ: یہ (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامہ اعمال میں) لکھ کر ضبط کر رکھا ہے سو (ان سے کہا جائے گا کہ اب ان اعمال کا مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھائے جاویں گے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہے یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور اور (دل بہلانے کو) نوخواستہ ہم عمر عورتیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ (ان کو ان کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا ان کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمٰن ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ (اس کے سامنے) عرض معروض کر سکے۔

تفسیر: 26 "جزاء وفاقا" یعنی ہم نے ان کو ایسا بدلہ دیا جو ان کے اعمال کے موافق ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں عذاب گناہ کے موافق ہو۔ پس شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اور جہنم سے بڑا کوئی عذاب نہیں ہے۔

27 "انھم کانوا لایرجون حسابا" اس سے نہیں ڈرتے کہ ان کا حساب کیا جائے گا اور معنی یہ ہے کہ وہ بعث پر ایمان نہ لاتے تھے اور نہ اس پر کہ وہ حساب کیے جائیں گے۔

㉘"وکذبوا بآیاتنا" یعنی اس کو جو انبیاء علیہم السلام لائے۔ "کذّابا" یعنی تکذیب۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ یمانی فصیح لغت ہے وہ تفعیل کے مصدر میں فعال کہتے ہیں مجھے ان میں سے ایک بدو نے کہا مروہ پر مجھ سے فتویٰ پوچھتے ہوئے "الحلق احب الیک ام القصار" کیا آپ کے نزدیک حلق زیادہ پسندیدہ ہے یا قصر کرنا؟

㉙"وکل شیء احصیناه کتابا" یعنی اور ہر چیز اعمال میں سے ہم نے اس کو لوح محفوظ میں بیان کر دیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "وکل شیء احصیناه فی امام مبین"

㉚"فذوقوا" یعنی ان کو کہا جائے گا پس تم چکھو۔ "فلن نزیدکم الا عذابا"

㉛"انّ للمتقین مفازا" جہنم سے کامیابی اور نجات۔

㉜"حدائق و اعنابا" مراد جنت کے درخت اور اس کے پھل ہیں۔

㉝"وکواعب" اُبھرتے پستانوں والی لونڈیاں، ان کے پستان اُبھرے ہوئے ہوں گے۔ اس کا واحد کاعب ہے۔ "اترابا" عمر میں برابر۔

㉞"وکأسا دهاقا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں چھلکتے ہوئے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں لگاتار، عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خالص۔

㉟"لایسمعون فیها لغوا" باطل کلام۔ "ولا کذابا" تکذیب۔ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہ کریں گے اور کسائی رحمہ اللہ نے "کذابا" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "کاذبة" کا مصدر اور کہا گیا ہے وہ کذب (جھوٹ) ہے اور کہا گیا ہے وہ تکذیب کے معنی میں مشدد کی طرح۔

㊱"جزاء من ربّک عطاء حسابا" یعنی ان کو بدلہ دیا۔ بدلہ دینا اور ان کو کافی وافی حساب عطاء کیا۔ کہا جاتا ہے "احسبت فلانا" یعنی میں نے اس کو اتنا دیا جو اس کو کافی ہو جائے حتیٰ کہ اس نے کہا مجھے کافی ہے اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عطاءً حسابا" یعنی بہت زیادہ اور کہا گیا ہے وہ ان کے اعمال کے بقدر بدلہ ہے۔

㊲"رب السموات والارض وما بینهما الرحمٰن" اہل حجاز اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے (رب) استئناف کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے اور الرحمٰن اس کی خبر ہے۔ اور دیگر حضرات نے جر کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول "من ربّک" کے تابع کرتے ہوئے اور ابن عامر، عاصم اور یعقوب رحمہم اللہ نے "الرّحمٰن" جر کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول "رب السماوات والارض" کے تابع کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "رب" جر کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول "جزاء من ربّک" سے قریب ہونے کی وجہ سے اور ان دونوں نے "رحمٰن" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس سے دور ہونے کی وجہ سے استئناف پر اور اللہ تعالیٰ کا قول "لایملکون" رفع کی جگہ میں اس کی خبر ہے اور معنی "لایملکون منه خطابا" ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مخلوق اس پر قادر نہ ہوں گے کہ وہ رب سے کلام کریں مگر اس کی

اجازت کے ساتھ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ سفارش کے مالک نہ ہوں مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: جس روز ذی ارواح اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع وخضوع کے ساتھ) کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن (بولنے کی) اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے یہ (جس کا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے (اس کے حالات سن کر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا (تا کہ عذاب سے بچتا)۔

روح سے کیا مراد ہے

تفسیر ﴿۳۸﴾ "یوم یقوم الروح" یعنی اس دن میں۔ "والملائکۃ صفا" اس روح میں اختلاف ہوا ہے۔ شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے الروح فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ تنہا ایک صف میں کھڑا ہوگا اور سارے فرشتے ایک صف میں تو اس کے جسم کی بڑائی ان کی مثل ہوگی۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ الروح فرشتہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے اور فرشتوں سے اور وہ چوتھے آسمان میں ہے ہر دن بارہ ہزار تسبیح کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں وہ قیامت کے اکیلا ایک صف میں آئے گا اور مجاہد، قتادہ اور ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں الروح بنو آدم کی صورت پر ایک مخلوق ہے اور یہ انسان نہیں ہیں وہ ایک صف میں کھڑے ہوں اور فرشتے ایک صف میں۔ یہ ایک لشکر ہیں اور وہ ایک لشکر ہیں اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں یہ ایک مخلوق ہے بنو آدم کی صورت پر اور آسمان سے کوئی فرشتہ نہیں اُترتا مگر اس کے ساتھ ان میں سے ایک ہوتا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ بنو آدم ہیں اور اس کو قتادہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما چھپاتے تھے۔ "والملائکۃ صفا" شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ دونوں رب العالمین کے سامنے صف بستہ ہوں گے جس دن کھڑے ہوں گے روح میں سے صف باندھے ہوئے اور فرشتوں میں سے

صف باندھے ہوئے۔"لایتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا" دُنیا میں یعنی حق اور کہا گیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔

39 "ذلک الیوم الحق" ہونے والا جو واقع ہو یعنی قیامت کا دن۔"فمن شاء اتخذ الی ربه مآبا" مرجع و راستہ اس کی طاعت کے ذریعے یعنی پس جو چاہے اللہ کی طرف لوٹے اس کی طاعت کر کے۔

40 "انا انذرناکم عذابا قریبا" یعنی آخرت میں عذاب اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہے۔"یوم ینظر المرء ماقدمت یداہ" یعنی ہر بندہ اس دن دیکھے گا جو اس نے آگے عمل بھیجے اپنی صحیفے میں درج شدہ "ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا"

چوپایوں کے مٹی مٹی ہو جانے پر کفار کی حسرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین چمڑے کی طرح کھینچی جائے گی اور مویشی، درندے اور وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔ پھر جانوروں کے درمیان قصاص جاری کیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کا سینگوں والی بکری سے قصاص لیا جائے گا جو اس کو سینگ مارتی تھی۔

پھر جب قصاص سے فراغت ہوگی تو ان کو کہا جائے گا تم مٹی ہو جاؤ۔ پس اس وقت کافر کہے گا "یالیتنی کنت ترابا" اور اسی کی مثل مجاہد رحمہ اللہ سے ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ وحشی جانوروں، درندوں، حشرات اور پرندوں کو جمع کریں گے۔ پھر ان کے درمیان فیصلہ کریں گے حتیٰ کہ بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر ان کو کہیں گے میں نے تمہیں پیدا کیا اور مسخر کیا بنو آدم کے لیے اور تم ان کے فرمانبردار رہے تمہاری زندگی میں۔

پس تم اس کی طرف لوٹو جس پر تم تھے تم مٹی ہو جاؤ۔ پس جب کافر کسی چیز کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ مٹی ہو جائے گی تو وہ تمنا کرتے ہوئے کہے گا اے کاش! میں دُنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور آج مٹی ہو جاتا۔ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان سے روایت ہے فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے اور جنتیوں کو جنت کا حکم دیں گے اور جہنمیوں کو جہنم کا اور تمام مخلوقات اور جنوں میں سے ایمان لانے والوں کو کہا جائے گا تم مٹی ہو کر لوٹ جاؤ۔ پس اس وقت کافر کہے گا اے کاش! میں مٹی ہو جاتا اور اسی کے قائل لیث بن ابی سلیم ہیں کہ مؤمنین جن مٹی ہو کر لوٹ جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ کافر یہاں ابلیس ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام میں عیب نکالا کہ یہ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور فخر کیا کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ پس جب قیامت کے دن معائنہ کریں گے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی مؤمن اولاد کن رحمتوں اور ثواب میں ہیں اور وہ خود کس سختی اور عذاب میں ہے کہے گا اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پس وہ کہے گا مٹی نہیں اور تیرے لیے کوئی اعزاز نہیں ہے تجھے میرے جیسا بنا دینے میں۔

سُوْرَةُ النَّازِعَات

مکی ہے اور اس کی چھیالیس (۴۶) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ① وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ③ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ④ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ⑤ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ⑦

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو (مسلمانوں کی) آسانی سے نکالتے ہیں گویا (ان کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (ان سب کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ (قیامت ضرور آوے گی جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آوے گی (مراد نفخہ ثانیہ ہے)۔

تفسیر: ① "والنازعات غرقا" یعنی فرشتے کفار کی روحوں کو ان کے جسموں سے کھینچیں گے۔ جیسا کہ کھینچنے والا کمان کے دھاگے کو کھینچتا ہے پھر اس کو بہت زیادہ کھینچتا ہے اور غرق اسم ہے اغراق مصدر کے قائم مقام کیا گیا ہے یعنی "والنازعات اغراقا" اور اغراق سے مراد کھینچنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

مؤمنین اور کافروں کی نزع کے متعلق روایات

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کو ملک الموت ہر بال کے نیچے سے کھینچے گا اور ناخنوں سے اور پاؤں کے نیچے اور اس کو اس کے جسم میں چکر دے گا جب بھی وہ نکلنے کے قریب ہوگی اس کو جسم میں واپس لوٹائے گا کھینچنے کے بعد۔

پس یہ اس کا معاملہ کفار کے ساتھ ہوگا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ملک الموت اور اس کے مددگار کفار کی روح کھینچیں گے جیسے بہت زیادہ دندانوں والی گوشت بھوننے کی سیخ تر روئی سے کھینچی جاتی ہے۔ پس اس کی جان نکلے گی جیسے پانی میں ڈوبا ہوا شخص ہوتا ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ موت ہے جو جانوں کو کھینچتی ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ نفس ہے جب سینہ میں کھینچا جائے اور حسن اور قتادہ اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے ہیں جو ایک افق سے دوسرے افق کی طرف کھینچے جاتے ہیں طلوع ہوتے ہیں، پھر

غائب ہوجاتے ہیں اور عطاء اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ قسی ہے اور کہا گیا ہے وہ مجاہدین جو تیر اندازی کرنے والے ہوں۔

② "والناشطات نشطا" وہ فرشتے جو مؤمن کے جی کو نرمی سے نکالتے ہیں۔ یعنی نرمی سے اُترتے ہیں پھر اس کی روح قبض کرتے ہیں۔ جیسا کہ بیڑی اونٹ کے ہاتھ سے نکالی جاتی ہے یعنی نرمی سے اُتاری جاتی ہے۔ فراء نے یہ قول نقل کیا ہے پھر فرمایا جو میں نے عرب سے سنا وہ یہ کہتے ہیں "انشطت العقال" جب تو اس کی گرہ کھولے اور "نشطتہ" جب تو نے نرم گرہ سے اس کو باندھا ہو اور حدیث میں ہے "کانّما انشط من عقال" اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مؤمن کا نفس ہے جو موت کے وقت نکلنے کے لیے چست ہوتا ہے اس کی وجہ سے جو وہ اعزاز دیکھتا ہے اس لیے کہ اس پر جنت پیش کی جاتی ہے موت سے پہلے۔

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ فرشتے جو کفار کی روحوں کو کھال اور ناخنوں کے درمیان سے کھینچ کر نکالتے ہیں حتیٰ کہ اس کو ان کے منہ سے مصیبت اور غم کے ساتھ نکالتے ہیں اور نشط کھینچنا۔ کہا جاتا ہے "نشطت الا او نشطا" جب تو اس کو کھینچ لے۔ خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں نشط اور انشاط "ملک الشی الی نفسک" حتیٰ کہ وہ کھل جائے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ موت جو نفوس کو چست کردے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ نفس جو قدموں سے نکالا جائے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے جو ایک اُفق سے دوسرے اُفق کی طرف جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "نشط من بلد الی بلد" جب تیزی سے نکلے اور کہا جاتا ہے "حمار ناسط ینشط من بلد الی بلد" اور عطاء اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ ازحاق یعنی آر پار ہوتا ہے۔

③ "والسابحات سبحا" وہ فرشتے جو مؤمنوں کی روحیں قبض کرتے ہیں اور بڑی نرمی سے نکالتے ہیں۔ پھر ان کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ راحت حاصل کرلیں جیسے پانی میں کسی چیز کے ساتھ تیرنے والا اس کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے اور مجاہد اور ابوصالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ فرشتے ہیں جو آسمان سے تیزی سے اُترتے ہیں عمدہ گھوڑے کی طرح اس کو سابح کہا جاتا ہے جب تیز دوڑے اور کہا گیا ہے وہ مجاہدین کے گھوڑے ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے، سورج اور چاند ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "و کل فی فلک یسبحون" اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کشتیاں ہیں۔

④ "فالسابقات سبقا" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ فرشتے ہیں جو ابن آدم سے خیر اور نیک عمل میں سبقت کر گئے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روح کو لے کر جنت کی طرف سبقت کریں گے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ وہ مؤمنین کے نفوس ہیں جو جلدی کرتے اور ان فرشتوں کی طرف سبقت کرتے ہیں جو ان کی روح قبض کرتے ہیں اللہ کی ملاقات اور اس کے اعزاز کے شوق میں۔

تحقیق انہوں نے سرور کا معائنہ کیا ہوتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے ہیں جو ایک دوسرے سے چلنے میں سبقت کرتے ہیں اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ گھوڑے ہیں۔

⑤ "فالمدبرات امرا" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ فرشتے ہیں جن کو کوئی کام سپرد کیے گئے ہیں جن کے کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ان کو معرفت دی ہے۔ عبدالرحمٰن بن سابط فرماتے ہیں دُنیا میں تدبیر امور چار فرشتے کرتے ہیں۔

جبرئیل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل علیہم السلام۔ بہرحال جبرئیل علیہ السلام کو تو وحی، پکڑ اور لشکروں کو شکست دینے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور بہرحال میکائیل کو تو بارش، پودوں اور رزق کی ذمہ داری دی گئی ہے اور بہرحال اسرافیل تو صاحب صور ہیں اور امر عظیم کے لیے ہی اُتریں گے اور ان قسموں کے جواب محذوف ہیں۔ اس کی تقدیر "لتبعثن و لتحاسبن" ہے اور کہا گیا ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا قول "ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشٰی" ہے اور کہا گیا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہے اصل عبارت "یوم ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ والنازعات غرقا" ہے۔

۶ "یوم ترجف الرّاجفۃ" یعنی پہلا نفخہ اس کی وجہ سے ہر چیز ہلنے لگے اور اس کی وجہ سے تمام مخلوق مرجائے گی۔

۷ "تتبعھا الرّادفۃ" اور وہ نفخہ ثانیہ ہے جو پہلے کے پیچھے آئے گا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ دو چیخیں ہیں۔ پس پہلی ہر چیز کو موت دے گی اور دوسری ہر چیز کو اللہ کی اجازت کے ساتھ زندہ کردے گی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ترجف الرّاجفۃ" زمین و پہاڑ متزلزل ہو جائیں گے۔ "تتبعھا الرادفۃ" جب آسمان پھٹ جائے گا اور زمین و پہاڑ اُٹھائے جائیں گے پھر کوٹ دیئے جائیں گے۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الراجفۃ" قیامت اور "الرادفۃ" بعث اور "الرجفۃ" کی اصل آواز اور حرکت ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رات کا چوتھائی حصہ ختم ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو راجفہ آ گئی اس کے پیچھے رادفہ آرہی ہے، موت آ گئی اس کے ساتھ جو اس میں ہے موت آ گئی اس کے ساتھ جو اس میں ہے۔

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ۸ اَبْصَارُھَا خَاشِعَۃٌ ۹ یَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ ۱۰ ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ۱۱ قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ۱۲ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۱۳ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ ۱۴

ترجمہ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے ان کی آنکھیں (مارے ندامت کے) جھک رہی ہوں گی کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (پہلی حالت سے مراد حیات قبل از موت ہے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے پھر (حیات کی طرف) واپس ہوں گے (اگر ایسا ہوا تو) اس صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی (تو یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) بس وہ ایک سخت آواز ہوگی جس سے لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔

تفسیر ۸ "قلوب یومئذ واجفۃ" ڈرنے والے کانپنے والے پریشان اور چلنے میں وجیف نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ سخت مضطرب ہوگا۔ کہا جاتا ہے "وجف القلوب ووجف وجوفا ووجفا ووجوبا ووجیبا" اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کانپنے والے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی جگہوں سے ہٹے ہوئے اس کی نظیر۔ "اذالقلوب لدی الحناجر" ہے۔

⑨"ابصارھا خاشعة" ذلیل وپست۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول"خاشعین من الذل" ہے۔

⑩"یقولون" یعنی منکرین بعث جب ان کو کہا جاتا تھا کہ تم موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے۔"ء انا لمردودون فی الحافرة" یعنی پہلے حال کی طرف اور ابتداء امر کی طرف۔ پس ہم زندہ ہو جائیں گے موت کے بعد جیسا کہ ہم پہلے تھے؟ عرب کہتے ہیں"رجع فلان فی حافرته" یعنی جہاں سے آیا تھا وہاں لوٹ گیا اور حافرۃ ان کے نزدیک شے کی ابتداء کا نام ہے اور شئی کے اوّل کا اور ان میں سے بعض نے کہا ہے الحاضرۃ زمین کا اوپر والا حصہ جس میں ان کی قبریں کھودی جاتی ہیں اس کا نام حافرۃ رکھا گیا بمعنی محفورۃ۔ اللہ تعالیٰ کے قول"عیشة راضیة" یعنی مرضیہ کی طرح اور کہا گیا ہے اس کا نام حافرۃ رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ حوافر کا مستقر ٹھکانہ ہے یعنی کیا ہم زمین کی طرف لوٹائے جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش کے ذریعے اُٹھائے جائیں گے کہ ہم اس پر چلیں گے؟ اور ابن زید نے کہا ہے"الحافرة" جہنم ہے۔

⑪"ء اذا کنا عظاما نخرة" نافع، ابن عامر، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے"ائنا" استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔"اذا" اس کے چھوڑنے کے ساتھ۔ اس کی ضد ابو جعفر نے۔ باقی حضرات نے اس کے استفہام کے ساتھ اور حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے۔"عظاما ناخرة" پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے"نخرة" پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے طمع اور طامع اور حذر اور حاذر اور ان دونوں کا معنی بوسیدہ اور ایک قوم نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ پس انہوں نے کہا"النخرة" بوسیدہ اور"الناخرة" کھوکھلی جس میں ہوا گزرے تو سیٹی کی سی آواز آئے۔

⑫"قالوا" یعنی منکرین۔"تلک اذا کرّة خاسرة" خسارے کا لوٹنا۔ یعنی اگر ہم موت کے بعد لوٹ آئے تو ہم اس سے خسارہ میں ہوں گے جو ہمیں موت کے بعد پہنچے گا۔

⑬ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"فانما ھی" یعنی آخری نفخہ۔"زجرة" چیخ۔"واحدة" جس کو وہ سنیں گے۔

⑭"فاذاھم بالساھرة" یعنی زمین کے اوپر یعنی وہ زمین کے پیٹ میں ہونے کے بعد زمین کے اوپر آجائیں گے۔ اور عرب چٹیل میدان اور زمین کے اوپری حصہ کا نام ساھرہ رکھتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے تو ان کو دیکھے گا کہ انہوں نے زمین کا نام ساھرہ رکھا ہے اس لیے کہ یہ حیوانات کی نیند اور بیداری ہے۔ سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شام کی زمین ہے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ جہنم ہے۔

هَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ⑮ اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ⑯ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ⑰
فَقُلْ هَلْ لَّکَ اِلٰۤی اَنْ تَزَکّٰی ⑱ وَاَهْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی ⑲ فَاَرٰىهُ الْاٰیَةَ الْکُبْرٰی ⑳ فَکَذَّبَ
وَعَصٰی ㉑ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ㉒ فَحَشَرَ فَنَادٰی ㉓ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ㉔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَکَالَ الْاٰخِرَةِ
وَالْاُوْلٰی ㉕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ㉖ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ㉗

ترجمہ کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوٰی میں (یہ اس کا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اس سے (جا کر) کہو کہ تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (ذات و صفات کی) رہنمائی کروں تو (تو یہ سن کر (اس سے) ڈرنے لگے پھر (جب اس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی تو اس (فرعون) نے (ان کو) جھٹلایا اور (ان کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ سے) جدا ہو کر (ان کے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر ان کے سامنے بآواز بلند تقریر کی اور) کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے) ڈرے بھلا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا (فی نفسہ) زیادہ سخت ہے یا آسمان کا اللہ نے اس کو بنایا۔

تفسیر ⑮ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھل اتاک حدیث موسٰی" فرماتے ہیں تحقیق آیا ہے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس موسیٰ کا واقعہ۔

⑯ "اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طویٰ"

⑰ پس کہا اے موسیٰ! (علیہ السلام) "اذھب الی فرعون انہ طغی" بلند ہوا اور تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔

⑱ "فقل ھل لک الی ان تزکّی" اہل حجاز اور یعقوب نے زاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی شرک سے پاک و صاف ہو جائے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تو اسلام لے آ اور نیک کام کرے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

⑲ "واھدیک الی ربک فتخشٰی" یعنی میں تجھے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف بلاتا ہوں پس تو اس کی سزا سے ڈر۔

⑳ "فاراہ الآیۃ الکبریٰ" اور وہ عصا اور ید بیضاء ہے۔

㉑ "فکذب" اس بات کی کہ وہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ "وعصٰی"

㉒ "ثم ادبر" پیٹھ پھیری اور ایمان سے اعراض کیا۔ "یسعٰی" زمین میں فساد کے کام کرتا ہے۔

㉓ "فحشر" پس اپنی قوم اور لشکروں کو جمع کیا۔ "فنادیٰ" جب وہ جمع ہو گئے۔

㉔ "فقال انا ربکم الاعلٰی" پس میرے سے اوپر کوئی رب نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی مراد یہ تھی کہ بت بھی رب ہیں اور میں تمہارا اور ان کا رب ہوں۔

㉕ "فاخذہ اللّٰہ نکال الآخرۃ والاولیٰ" حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی۔ پس اس کو پہلے اور پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ یعنی دُنیا میں غرق کر کے اور آخرت میں آگ کے ذریعے اور مجاہد اور مفسرین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے کہا ہے الآخرۃ اور الاولیٰ سے فرعون کے دو کلمے "ما علمت لکم من الٰہ غیری" اور اس کا

قول "انا ربکم الاعلٰی" ہے اوران دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ تھا۔

㉖ "ان فی ذلک" جوفرعون نے کیا جب جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ "لعبرة" نصیحت۔ "لمن یخشٰی" اللہ عزوجل سے۔

㉗ پھر منکرین بعث کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ء انتم اشد خلقا ام السماء" یعنی کیا تمہیں موت کے بعد پیدا کرنا تمہارے نزدیک زیادہ سخت ہے اور تمہاری تقدیر میں یا آسمان؟ اور وہ دونوں اللہ کی قدرت میں ایک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "لخلق السموات والارض اکبر من خلق النّاس" ہے۔ پھر بیان کیا کہ کس نے آسمان کو پیدا کیا تو فرمایا "بناھا"

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ㉘ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ㉙ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ㉚ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ㉛ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ㉜ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉝ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ㉞ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ㉟ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ㊱ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ㊲ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ㊳ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ㊴ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ㊵ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ㊶ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ㊷ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ㊸ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ㊹ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ㊺ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ㊻

ترجمہ (اس طرح سے کہ) اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہیں اس میں فتور وشقوق نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ پہنچانے کے لئے سو جب وہ بڑا ہنگامہ آوے گا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی تو (اس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا منکر ہوکر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں اس کا وقوع کب ہوگا (سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں۔

تفسیر ㉘ "رفع سمکھا" اس کی چھت کو۔ "فسوّاھا" بغیر پھٹن اور بغیر شگاف کے۔

㉙"واغطش" تاریک کیا۔ "لیلھا" اور غطش اور غبش تاریکی ہیں۔ "واخرج ضحاھا" اس کے دن اور نور کو واضح اور ظاہر کیا اور ان دونوں کی آسمان کی طرف نسبت کی ہے اس لیے کہ ظلمت ونور دونوں آسمان سے اُترتے ہیں۔

㉚"والارض بعد ذلک" آسمان کے پیدا کرنے کے بعد۔ "دحاھا" اس کو بچھایا اور دحو بچھانا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کے تمام رزقوں کے ساتھ پیدا کیا لیکن آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے اس کو بچھایا نہیں تھا۔ پھر آسمان کی طرف استواء کیا۔ پس ان کو ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنائے، پھر زمین کو اس کے بعد بچھایا اور کہا گیا ہے اس کا معنی جب زمین اس کے ساتھ اس کو بچھایا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "عتل بعد ذلک زنیم" یعنی مع ذلک ہے ایسے ہی بعد ذلک مع ذلک ہے۔

㉛"اخرج منھا ماء ھا ومرعاھا. ㉜والجبال ارساھا. ㉝ متاعالکم ولانعامکم.

㉞فاذا جاء ت الطامۃ الکبریٰ" یعنی دوسرا نفخہ جس میں بعث اور قیامت کا قیام ہے اور قیامت کا نام طامہ رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ ہر ہولناک امر پر بلند ہوگی اور اپنے ماسوا کو ڈھانپ دے گی اور الطامۃ عرب کے نزدیک ایسی مصیبت جس کے برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ㉟"یوم یتذکر الانسان ماسعیٰ" جو دُنیا میں خیر وشر کا عمل کیا۔

㊱"وبرزت الجحیم لمن یریٰ" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے پردہ کو کھول دیا۔ پس اس کی طرف مخلوق دیکھے گی۔

㊲"فاما من طغیٰ" اپنے کفر میں۔

㊳"وآثر الحیٰوۃ الدنیا" آخرت پر۔ ㊴"فان الجحیم ھی الماویٰ.

㊵واما من خاف مقام ربّہ ونھی النفس عن الھویٰ" ان محارم سے جن کی اس کو خواہش ہوتی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ آدمی جو معصیت کا پختہ ارادہ کرلے۔ پس اپنے حساب کے لیے کھڑا ہونے کو یاد کرے تو اس کو چھوڑ دے۔

㊶"فان الجنّۃ ھی الماویٰ.

㊷یسالونک عن الساعۃ ایان مرساھا" کب اس کا ظاہر ہونا اور ثابت ہونا ہے۔

㊸"فیم انت من ذکراھا" تو اس کے عمل اور ذکر سے کسی چیز میں نہیں ہے یعنی تو اس کو نہیں جانتا۔

㊹"الی ربّک منتھاھا" یعنی اس کے علم کی انتہا اللہ کے پاس ہے۔

㊺"انما انت منذر من یخشاھا" ابوجعفر نے منذر تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آپ ڈرانے والے ہیں اس کو جو اس کے قیام سے ڈرتا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا اس کو نفع دے گا جو اس سے ڈرتا ہے۔

㊻"کانھم" یعنی کفار قریش۔ "یوم یرونھا" اس کا معائنہ کریں گے قیامت کے دن۔ "لم یلبثوا" دُنیا میں اور کہا گیا ہے اپنی قبروں میں۔ "الا عشیۃ او ضحاھا" فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشیہ (شام کے وقت) کا ضحیٰ (چاشت کا وقت) نہیں ہوتا اس لیے کہ ضحیٰ تو دن کی ابتداء کا نام ہے لیکن یہ کلام عرب سے ظاہر ہے کہ وہ کہتے ہیں "آتیک العشیۃ او غداتھا" اس کا معنی ہے دن کا آخر یا اس کا اوّل اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار"

سُوْرَةُ عَبَسَ

مکی ہے اور اس کی بیالیس (۴۲) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
الذِّكْرٰی ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی ⑦ وَ اَمَّا مَنْ
جَآءَكَ يَسْعٰی ⑧ وَهُوَ يَخْشٰی ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ
ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮

ترجمہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر تھی کہ یہ نابینا (آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا یا (کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا تو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں آپ (آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو (عنداللہ) مکرم ہیں رفیع المکان ہیں مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں۔

تفسیر ① "عبس" تیوری چڑھائی۔ "وتولی" اپنے چہرے سے اعراض کیا

عبداللہ بن ام مکتوم کے متعلق آیات کا نزول

② "ان جاءہ الاعمٰی" اور وہ ابن ام مکتوم ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری ہے۔ بنو عامر بن لوی سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب اور ابی بن خلف اور اس کے بھائی اُمیہ سے سرگوشی کر رہے تھے اور ان کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ان کے اسلام کی اُمید تھی تو ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے پڑھائیں اور مجھے اس میں سے سکھائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے تو وہ آپ علیہ السلام کو بار بار آواز دینے لگے اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کی طرف متوجہ ہیں حتیٰ کہ ان کے قطع کلامی کرنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے رُخِ انور پر ناگواری ظاہر ہوئی اور دل میں کہا یہ سردار کہیں گے کہ اس کے پیروکار نابینا اور غلام اور کم حیثیت لوگ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ترش گیا اور ان سے رُخ پھیر لیا اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ان کا اکرام کرتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تو فرماتے مرحبا (خوش آمدید) اس شخص کو جس کی وجہ سے مجھے میرے رب نے عتاب کیا اور ان کو کہتے کیا آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو مرتبہ دو غزوات میں اپنے پیچھے مدینہ میں نائب بنایا جن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے ان کو قادسیہ کے دن دیکھا، ان پر زرہ تھی اور ان کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

③ "وما یدریک لعلّه یزکّی" نیک عمل کی وجہ سے اور جو آپ سے سیکھے اس کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جائے اور ابن زید فرماتے ہیں اسلام لے آئے۔

④ "او یذکر" نصیحت حاصل کرے۔ "فتنفعه الذکریٰ" نصیحت۔ عاصم نے "فتنفعه" عین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ لعل کے جواب کی بناء پر فاء کے ساتھ اور اکثر حضرات کی قرأت پیش کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کے قول "یذکر" کی ترتیب پر۔

⑤ "اما من استغنیٰ" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ سے اور ایمان سے اس کے ساتھ جو اس کے لیے مال ہے۔

⑥ "فانت له تصدّیٰ" اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس پر متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی کلام کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ اہل حجاز نے "تصدّیٰ" صاد کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "تتصدّیٰ" اور دیگر حضرات نے صاد کی تخفیف کے ساتھ حذف پر پڑھا ہے۔

⑦ "وما علیک الا یزکّیٰ" نہ ایمان لاتا ہے اور نہ ہدایت حاصل کرتا ہے آپ پر صرف پہنچا دینا ہے۔

⑧ "واما من جاءک یسعیٰ" چلتا ہوا یعنی ابن ام مکتوم۔

⑨ "وھو یخشیٰ" اللہ عزوجل سے۔

⑩ "فانت عنه تلھّیٰ" مشغول ہوتے ہیں اور اعراض کرتا ہے۔

⑪ "کلّا" ڈانٹ ہے یعنی اس کے بعد آپ علیہ السلام اس کی مثل نہ کریں۔ "انھا" یعنی یہ نصیحت ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کی آیات۔ "تذکرۃ" وعظ و نصیحت مخلوق کیلئے

⑫ "فمن شاء" اللہ کے بندوں میں سے۔ "ذکرہ" یعنی اس سے نصیحت حاصل کرے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس جو شخص اللہ چاہیں گے اس کو سمجھ دیں گے اپنی مشیت اور تفہیم کے ذریعے اور ھاء (ذکرہ) میں قرآن، تنزیل اور وعظ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پھر اس کی اپنے یہاں عظمت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

⑬"فی صحف مکرمة" یعنی لوح محفوظ اور کہا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم و موسٰی"

⑭"مرفوعة" اللہ کے یہاں بلند مرتبہ والا ہے اور کہا گیا ہے "مرفوعة" یعنی ساتویں آسمان میں ہے۔ "مطهرة" اس کو صرف پاک لوگ چھوتے ہیں اور وہ فرشتے ہیں۔

⑮"بايدی سفرة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں لکھنے والے اور وہ معزز فرشتے لکھنے والے ہیں۔ ان کا واحد سافر ہے۔ کہا جاتا ہے سفرت یعنی میں نے لکھا اور اسی سے کتاب کو سفر کہا جاتا ہے اور اس کی جمع اسفار ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے وہ فرشتوں میں سے رسول اس کا واحد سفیر ہے اور وہ رسول (قاصد) اور قوم کا سفیر وہ شخص جو ان کے درمیان صلح کی کوشش کرے اور "سفرت بين القوم" جب تو ان کے درمیان صلح کرا دے۔

كِرَامٍ م بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَةٍ. خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ㉒ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ㉓ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ㉔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ㉕

ترجمہ کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے تذکرہ حاصل نہ کرے) بلکہ مارا جائے جو ناشکر ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب یہ ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا آگے اس کی کیفیت مذکور ہے) اس کی صورت بنائی پھر اس (کے اعضاء) کو انداز سے بنایا پھر اس کو (نکلنے کا) راستہ آسان کر دیا پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا ہرگز (شکر) نہیں (اور کیا اور) اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجب طور پر پانی برسایا۔

تفسیر ⑯ پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "کرام م بررة" یعنی اللہ کے ہاں معزز ہیں نیک فرمانبردار ہیں "بار" کی جمع ہے۔

⑰ اللہ تعالیٰ کا قول "قتل الانسان" یعنی کافر لعنت کیا جائے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "ما اکفره" اس کا کفر کتنا سخت ہے اس پر کثرت احسانات اور بے شمار نعمتوں کے باوجود۔ یہ تعجب کے طریقہ پر کہا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے تم اس کے کفر سے تعجب کرو۔ کلبی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ما" استفہام ن ہے یعنی کس چیز نے اس کو کفر پر اُبھارا؟ پھر اس کے امر میں سے وہ بیان کیا جو اس کے مناسب تھا کہ وہ جانے کہ اللہ اس کا خالق ہے۔

⑱"من ایّ شیء خلقه" اس کا لفظ استفہام ہے اور اس کا معنی تقریر ہے۔

⑲ پھر تفسیر کرتے ہوئے فرمایا "من نطفة خلقهٗ فقدره" مختلف مراحل میں، نطفہ پھر جما ہوا خون خلقت کے آخر تک۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تخلیق کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا اس کے سر اور آنکھوں اور دونوں ہاتھوں پاؤں کا۔

⑳ "ثم السبيل يسّره" یعنی اس کے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ۔ سدی اور مقاتل رحمہم اللہ نے فرمایا ہے اور حسن اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں یعنی حق اور باطل کا راستہ اس کے لیے اس کا علم آسان کیا۔ جیسا کہ فرمایا "انا هديناه السبيل، وهديناه النجدين" اور کہا گیا ہے ہر ایک پر وہ آسان ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ کیا۔

⑳ "ثم اماته فاقبره" اس کے لیے قبر بنائی جو اس کو چھپالے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو قبر میں پوشیدہ کیا۔ اس کو ایسے پھینک نہیں دیا جاتا جیسے درندوں اور پرندوں کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے "قبرت الميت" جب تو اس کو دفن کردے "اقبره الله" یعنی اس کو اس حیثیت میں بنادیا کہ اس کو دفنایا جائے اور اس کو قبر والا بنادیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "طردت فلانا والله اطرده" یعنی اللہ نے اس کو پھینکا ہوا بنادیا۔

㉒ "ثم اذا شاء انشره" اس کے مرنے کے بعد اس کو زندہ کرے گا۔

㉓ "كلا" اس کی تردید کی ہے۔ یعنی معاملہ ویسے نہیں جیسے اس نے کہا اور جیسے یہ کافر گمان کرتا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق ہے۔ "لمّا يقض ما امره" یعنی اس نے وہ نہیں کیا جس کا اس کو اس کے رب نے حکم دیا ہے اور اس کو ادا نہیں کیا جو اس پر فرض کیا گیا ہے اور جب ابن آدم کی تخلیق کو ذکر کیا تو اس کے رزق کو ذکر کیا تاکہ وہ عبرت حاصل کرے۔

㉔ پس فرمایا "فلينظر الانسان الى طعامه" کیسے اس کا اندازہ کیا اس کے رب نے اور اس کے لیے اس کا انتظام کیا اور اس کو اس کی زندگی کا سبب بنادیا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھانے کے داخل اور خارج ہونے کی جگہ کو دیکھے۔

㉕ پھر بیان کرتے ہوئے فرمایا "انا" اہل کوفہ نے "اَنَا" زبر کے ساتھ پڑھا ہے خافض کے تکرار پر۔ اس کا مجاز "فلينظر الى اَنّا" اور دیگر حضرات نے زبر کے ساتھ استئناف کی بناء پر پڑھا ہے۔ "صببنا الماء صبّا" یعنی بارش۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ㉖ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ㉗ وَّعِنَبًا وَّ قَضْبًا ㉘ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ㉙
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ㉚ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ㉛ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉜ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ㉝
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ㉞ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ㉟ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ㊱ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ
شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ㊲ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ㊳ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ㊴ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا
غَبَرَةٌ ㊵ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ㊶ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ㊷

(ترجمہ) پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارا پیدا کیا (یعنی بعضی چیزیں تمہارے اور (بعضی چیزیں) تمہارے مواشی کے فائدے کے لئے (اب

تو یہ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کردینے والا شور برپا ہوگا جس روز ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا) اس دن ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا (یہ تو کفار کا حال ہوا آگے مجموعہ مومنین و کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے چہرے اس روز ایمان کی وجہ سے روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس ظلمت کے ساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

تفسیر ㉖"ثم شققنا الارض شقا" نباتات کے ذریعے۔

㉗"فانبتنا فیھا حبًا" یعنی وہ دانے جن سے غذا حاصل کی جاتی ہے۔

㉘"وعنبا وقضبا" اور وہ تر جنگلی دانہ کی قسم ہے۔ اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ تمام ایام میں کاٹی جاتی ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "القضب" جانوروں کا چارہ ہے۔

㉙"وزیتونا" اور وہ جس سے تیل نچوڑا جاتا ہے۔ "ونخلا" نخلۃ کی جمع ہے۔

㉚"وحدائق غلبا" گھنے درختوں والے اس کا واحد اغلب ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے گھنی گردن والے شیر کو اغلب اور مجاہد و مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں الغلب درختوں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں لمبے۔

㉛"وفاکھۃ" مختلف قسم کے میوے مراد ہیں۔ "وابا" یعنی گھاس پھوس اور جڑی بوٹیاں جن کو لوگ کاشت نہیں کرتے۔ جن کو چوپائے اور مویشی کھاتے ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفاکھہ" جس کو لوگ کھاتے ہیں اور "الاب" جس کو مویشی کھاتے ہیں اور اس کی مثال قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں "فاکھۃ" تمہارے لیے اور اب تمہارے مویشیوں کے لیے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو کچھ زمین اُگائے ان چیزوں میں سے جن کو لوگ اور مویشی کھاتے ہیں اور ابراہیم تیمی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "وفاکھۃ و ابا" کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین میرا بوجھ اُٹھائے گی جب میں اللہ کی کتاب میں ایسی بات کہوں جو میں نہیں جانتا۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ آیت پڑھتے سنا، پھر فرمایا اس تمام کو ہم نے پہچان لیا۔ پس یہ اَب کیا ہے؟ پھر لاٹھی اُٹھائی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا یہ اللہ کی قسم تکلف ہے اور تجھ پر کیا حرج ہے کہ اے عمر کی ماں کے بیٹے کہ تو نہیں جانتا اَب کیا ہے۔ پھر فرمایا تم اس کی اتباع کرو جو

تمہارے لیے اس کتاب میں سے بیان کیا گیا ہے اور جو نہیں بیان کیا گیا پس تم اس کو چھوڑ دو۔

㉜ "متاعا لکم" تمہارے لیے نفع ہے یعنی میوے۔ "ولانعامکم" یعنی گھاس پوس

㉝ پھر قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "فاذا جاء ت الصاخّۃ" یعنی قیامت کی چیخ۔ اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ کانوں کو بہرہ کردے گی یعنی ان کو سنانے میں اتنی انتہا کو پہنچے گی حتیٰ کہ ان کو بہرہ کرنے کے قریب کردے گی۔

㉞ "یوم یفرّ المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ" ان میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ نہ ہوگا اپنی ذات میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔ قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے "یفرّ المرء من اخیہ" فرمایا۔ ہابیل قابیل سے بھاگے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ سے بھاگیں گے اور ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی سے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے۔

㉟ "لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ" جو اس کو غیر کی حالت سے بے نیاز کردے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون اُٹھائے جائیں گے۔ تحقیق ان کا پسینہ منہ اور کانوں کی لَو تک پہنچا ہوا ہوگا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی شرمگاہیں وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا لوگ اس دن مشغول ہوں ہر ایک کی اس دن ایسی حالت ہوگی جو اس کو بے نیاز کردے گی۔

㊳ "وجوہ یومئذ مسفرۃ" چمک دار روشن۔

㊴ "ضاحکۃ" خوشی کی وجہ سے۔ "مستبشرۃ" اس کی وجہ سے خوش ہوں جو اللہ تعالیٰ سے اعزاز پائیں گے۔

㊵ "ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ" سیاہی اور مصیبت اس کی وجہ سے جو وہ غم اور پریشانیوں کا مشاہدہ کریں گے۔

㊶ "ترھقھا قترۃ" اس پر بلند ہوگی اور اس کو ڈھانپ لے گی تاریکی اور گرہن۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کو ذلت ڈھانپ لے گی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الغبرۃ اور القترۃ" کے درمیان فرق یہ ہے کہ قترہ وہ غبار جو بلند ہو اور آسمان کو جا ملے اور غبرۃ جو نیچے زمین میں ہو۔

㊷ "اولئک" وہ لوگ جن کے ساتھ یہ کہا گیا ہے۔ "ھم الکفرۃ الفجرۃ" کافر اور فاجر کی جمع ہے۔

❋❋❋

سُوْرَۃُ التَّکْوِیْر

مکی ہے اور اس کی انتیس (۲۹) آیات ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو پسند ہو کہ وہ احوالِ قیامت میں نظر کرے تو چاہیے کہ وہ پڑھے "اذا الشمس کوّرت"

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥

ترجمہ: جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے۔

تفسیر: ① "اذا الشمس کوّرت" علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے تاریک کر دیا جائے گا اور قتادہ، مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی روشنی چلی گئی اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، غروب ہو جائے گا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نیست و نابود ہو جائیں اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمامہ کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے "کوّرت العمامه علی رأسی اکورها کورا و کورتها تکویرا" جب تو اس کو لپیٹ دے اور تکویر کی اصل ایک شے کو دوسری شے کی طرف جمع کرنا۔ پس اس کا معنی کہ سورج کے بعض حصہ کو دوسرے بعض میں جمع کیا جائے گا، پھر اس کو لپیٹ دیا جائے گا۔ پس جب اس کے ساتھ یہ کیا جائے گا تو اس کی روشنی چلی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو قیامت کے دن سمندر میں ڈبو دیں گے۔ پھر ان پر پچھوائی ہوا بھیجیں گے تو وہ اس کو مارے گی تو سارا آگ ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا سورج اور چاند قیامت کے دن بے نور کر دیئے جائیں گے۔

② "واذا النجوم انکدرت" یعنی آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر گریں گے۔ کہا جاتا ہے "انکدر الطائر" جب وہ گر پڑے۔ کلبی اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس دن آسمان ستاروں کی بارش برسائے گا۔ پس کوئی ستارہ باقی نہ بچے گا سب نیچے گر پڑیں گے۔

③ "واذا الجبال سیّرت" زمین کے اوپر پھر اُڑنے والے ذرّات ہو جائیں گے۔

④ "واذا العشار عطلت" اور وہ حاملہ اونٹنیاں جن کے حمل کے دس ماہ پورے ہوگئے ہوں اس کا واحد عشراء ہے۔ پھر یہ نام اس کا تب تک رہتا ہے جب وہ مکمل سال ہونے پر بچہ پیدا کرے اور یہ عرب کے ہاں عمدہ ترین مال ہے۔ "عطلت" بغیر چرواہے کے چھوڑی گئی ہوگی، اس کے مالکوں نے اس کو چھوڑ دیا ہوگا حالانکہ وہ تو اس کی دُم کو چمٹے رہتے تھے اور ان کے ہاں اس سے زیادہ اچھا اور عمدہ کوئی مال نہ تھا تو جب ان پر قیامت کی ہولناکیاں آئیں گی تو اس کو بھی چھوڑ دیں گے۔

⑤ "واذا الوحوش" یعنی خشکی کے جانور۔ "حشرت" بعث کے بعد جمع کیے جائیں گے تاکہ ان کا آپس میں قصاص لیا جائے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کا حشر ان کی موت ہے اور فرمایا ہر چیز کا حشر اس کی موت سوائے جن وانس کے کیوں کہ وہ قیامت کے دن ٹھہرائے جائیں گے اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خلط ملط ہو جائیں گے۔

⑥ "واذا البحار سجرت" اہل مکہ اور اہل بصرہ نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تشدید کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کو بھڑکایا جائے گا۔ پس وہ شعلے مارتی آگ بن جائیں گے۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی میٹھے سمندر کو کھارے میں ملا دیا جائے گا تو تمام سمندر ایک سمندر بن جائیں گے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھر دیئے جائیں گے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قول "والبحر المسجور" کا معنی ہے "المسجور" بھرا ہوا اور کہا گیا ہے ان تمام کے پانی سے ایک سمندر بن جائے گا گرم کھولتے ہوئے پانی کا اہل نار کے لیے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں خشک کر دیئے جائیں گے اور یہی قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فرماتے ہیں اس کا پانی ختم ہو جائے گا۔ پس اس میں ایک قطرہ بھی نہ بچے گا۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے چھ نشانیاں ہوں گی قیامت سے پہلے۔ لوگ بازاروں میں ہوں گے جب سورج کی روشنی چلی جائے گی۔ پس وہ اسی اثناء میں ہوں گے کہ ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں گے تو اس وقت پہاڑ زمین کے اوپر آگریں گے۔ پس حرکت کرنے لگے گی اور مضطرب ہوگی اور جن گھبرا کر انسانوں کی طرف اور انسان گھبرا کر جنوں کی طرف بھاگیں گے اور مویشی، پرندے، وحشی جانور اور درندے آپس میں مل جائیں گے۔

پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول "واذا الوحوش حشرت" اور ملا دیئے جائیں گے۔ "واذا العشار عطلت. واذا البحار سجرت" فرمایا جن انسانوں کو کہیں گے ہم تمہارے پاس خبر لائے ہیں۔ پس تم سمندر کی طرف چلو، پس اچانک وہ تو آگ ہوگی بھڑکتی ہوئی۔ فرماتے ہیں وہ اسی طرح ہوں گے۔

جب اچانک زمین یکبارگی نیچے ساتویں زمین تک پھٹ جائے گی اور اوپر ساتویں آسمان تک۔ پس وہ اس طرح ہوں گے کہ ان کے پاس ہوا آئے گی جو ان کو موت دے گی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے فرماتے ہیں وہ بارہ خصلتیں ہیں چھ دُنیا میں اور چھ آخرت میں۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ⑦ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ⑪ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ⑬

ترجمہ اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی اور جب نامہ اعمال کھولے جاویں گے (تا کہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کی اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جاوے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جائیگی۔

تفسیر ❼ اور وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں ذکر کیا ہے "واذا النفوس زوجت" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیک آدمی کو دوسرے نیک آدمی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور برے آدمی کو دوسرے برے آدمی کے ساتھ جہنم میں ملا دیا جائے گا اور یہ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہر آدمی کو اس کی جماعت وگروہ کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ یہودی کو یہودی کے ساتھ، نصرانی کو نصرانی کے ساتھ۔ ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی کا حشر اپنے عمل والے کے ساتھ کیا جائے گا اور کہا گیا ہے نفوس کو ان کے اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور عطاء اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں مؤمنین کے نفوس کو حورعین کے ساتھ ملایا جائے گا اور کافروں کے نفوس کو شیاطین کے ساتھ۔ اور عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ "واذا النفوس زوّجت" ارواح کو جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔

❽ "واذا المؤدۃ سئلت" وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا ہو اس کے ساتھ نام رکھا گیا کیوں کہ اس پر مٹی ڈال کر اس کو دفنایا جاتا ہے۔ یعنی اس بوجھ کے نیچے رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ مر جاتی اور عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے عار اور تنگ دستی کے خوف سے۔ کہا جاتا ہے "وادئذ وادأ فھو وائد" اور مفعول موؤدہ ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عورت جاہلیت میں جب حاملہ ہوتی اور ولادت کا وقت ہوتا تو وہ ایک گڑھا کھودتی، پھر گڑھے کے سرہانے بچہ پیدا کرتی۔ پس اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو گڑھے میں پھینک دیتی اور اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو روک لیتی۔

❾ "بایّ ذنب قتلت" اکثر حضرات نے ان دونوں میں فعل مجہول پڑھا ہے اور ابوجعفر نے "قتّلت" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا معنی زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ پس اس کو کہا جائے گا "بایّ ذنب قتّلت" اور اس سے سوال کرنے کا معنی اس کے قاتل کو ڈانٹنا ہے اس لیے کہ وہ کہے گی میں تو بغیر گناہ کے قتل کی گئی ہوں اور روایت کیا گیا ہے کہ جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھا کرتے تھے "واذا المؤدۃ سئلت. بایّ ذنب قتلت" اور اسی کی مثل ابوالضحیٰ نے پڑھا ہے۔

❿ "واذا الصحف نشرت" اہل مدینہ اور اہل شام اور عاصم و یعقوب رحمہما اللہ نے "نشرت" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "یتلوا صحفا منشرۃ" کی وجہ سے۔ یعنی اعمال نامے حساب کے لیے پھیلائے جائینگے۔

⓫ "واذا السماء کشطت" فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کھینچا جائے گا۔ پھر لپیٹا جائے گا اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اکھاڑا جائے گا جیسا کہ چھت اکھاڑی جاتی ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کچھ اس میں ہے اس کو کھول دے گا اور کشط کا معنی تیرا

کسی چیز کو دوسری چیز سے بلند کرنا۔ تحقیق اس نے اس کو ڈھانپ دیا ہو جیسا کہ کھال کو ہان سے بلند ہوتی ہے اور اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔

⑫ "واذا الجحیم سعرت" اہل مدینہ اور اہل شام اور حفص نے عاصم سے "سعّرت" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ۔ یعنی اللہ کے دشمنوں کے لیے جلائی جائے گی۔

⑬ "واذا الجنّة ازلفت" اللہ کے اولیاء کے قریب کردی جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ⑭ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ⑯ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ⑰ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ⑱ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ⑲ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ⑳ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ㉑ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ㉒

ترجمہ تو (اس وقت) ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے (اور جب ایسا واقعہ ہائلہ ہونے والا ہے) تو میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو) چلتے رہتے ہیں (اور اپنے مطالع میں) جلد پہنچتے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا لایا ہوا) جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے امانتدار ہیں (کہ وحی کو صحیح صحیح پہنچادیتے ہیں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون نہیں ہیں

تفسیر ⑭ "علمت" اس وقت ہر ایک "نفس ما احضرت" خیر اور شر میں سے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "اذا الشمس کوّرت" اور اس کے مابعد کا جواب ہے۔

⑮ "فلا اقسم بالخنس ⑯ الجوار الکنس" اور لا زائد ہے اس کا معنی اقسم بالخنس ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ستارے ہیں جو رات کو ظاہر ہوتے ہیں اور دن کو چھپ جاتے ہیں، پس دیکھے نہیں جاتے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ یہ ستارے ہیں جو دن کو چھپ جاتے ہیں، دیکھے نہیں جاتے اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں، پس اپنے چلنے کی جگہوں پر ٹھکانہ پکڑتے ہیں اور ایک قوم نے کہا وہ پانچ ستارے ہیں۔ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد، اپنے چلنے کی جگہ میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی اس کے پیچھے لوٹتے ہیں اور اپنے چھپنے اور غروب کے وقت چھپ جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہرنی اپنے غار میں چھپ جاتی ہے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الخنس" کا معنی کہ وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہوں سے ہر سال مؤخر ہوجاتے ہیں، اتنا مؤخر جوان کو اس طلوع کی تعجیل سے مؤخر کردے۔ "تخنس عنه" اس سے مؤخر ہونے کی وجہ سے اور "الکنس" یعنی دن کو چھپ جاتے ہیں، پس دیکھے نہیں جاتے اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وحشی جانور ہیں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ہرن ہیں اور یہی عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور خنوس کی اصل پیچھے کی طرف لوٹنا

اور تنوس کی اصل یہ کہ وہ اپنے مکانس کی طرف ٹھکانہ حاصل کر لے اور یہ وہ جگہیں جہاں وحشی جانور پناہ لیتے ہیں۔

⑰ "واللیل اذا عسعس" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی تاریکیوں کے ساتھ متوجہ ہو اور دیگر حضرات نے کہا ہے پیٹھ پھیرے۔ عرب کہتے ہیں "عسعس اللیل وسعسع" جب پیٹھ پھیر کر جا رہی ہو اور اس کا تھوڑا حصہ باقی ہو۔

⑱ "والصبح اذا تنفس" متوجہ ہو اور اس کا اوّل حصہ ظاہر ہو اور کہا گیا ہے اس کی روشنی لمبی ہو جائے اور بلند ہو جائے۔

⑲ "انہ" یعنی قرآن۔ "لقول رسول کریم" یعنی جبرئیل علیہ السلام، یعنی اس کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام اُترے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ⑳ "ذی قوۃ" اور ان کی قوت میں سے یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کی بستیوں کو سیاہ پانی سے اکھاڑا اور ان کو اپنے سَر پر اُٹھایا۔ پھر ان کو آسمان تک بلند کیا، پھر ان کو پلٹ دیا اور انہوں نے ابلیس کو دیکھا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ارضِ مقدس کے کسی ٹیلہ پر کلام کر رہا ہے تو اس کو اپنے پَر سے ہوا دی تو اس کو ہندوستان کے آخری پہاڑ پر جا پھینکا اور انہوں نے قوم ثمود پر ایک چیخ ماری تو وہ اوندھے منہ گرے ہوئے ہو گئے اور وہ آسمان سے زمین پر اُتر کر واپس چڑھ جاتے ہیں پلک جھپکنے سے بھی زیادہ جلدی۔ "عند ذی العرش مکین" مرتبہ میں۔

㉑ "مطاع ثم" یعنی آسمانوں میں ان کی فرشتے اطاعت کرتے ہیں اور فرشتوں کی ان کی اطاعت کرنے میں سے یہ ہے کہ انہوں نے آسمان کے دروازوں کو معراج کی رات کھولا۔ ان کے قول کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جنت کے دروازوں کو اس کے داروغوں نے کھولا۔ "امین" اللہ کی وحی پر اور اس کے انبیاء علیہم السلام کی طرف پیغام پہنچانے پر۔

㉒ "وما صاحبکم بمجنون" اہل مکہ کو کہا ہے۔ "وما صاحبکم" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "بمجنون" اور یہ بھی جواب قسم ہے اس پر قسم کھائی ہے کہ قرآن کو جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ویسے نہیں ہیں جیسے اہل مکہ کہتے ہیں کیوں کہ انہوں نے کہا کہ یہ مجنون ہیں اور جو یہ کہتے ہیں وہ ان کی اپنی طرف سے ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ㉓ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ㉔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ㉕ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ㉖ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ㉗ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ㉘ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ㉙

ترجمہ: انہوں نے اس فرشتے کو (اصلی صورت میں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے اور یہ پیغمبر مخفی (بتلائی ہوئی وحی کی) باتوں پر بخل کرنے والے بھی نہیں اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس بارے میں) کدھر چلے جا رہے ہو بس یہ تو (بالعموم دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور بالخصوص) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

تفسیر: ㉓ "ولقد رآہ" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی صورت پر دیکھا۔ "بالافق المبین" اور مشرق کی طرف سے بلند اُفق ہے اس کو مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آپ علیہ السلام کو آپ کی اس صورت میں دیکھوں جس میں آپ آسمان میں ہوتے ہیں تو انہوں نے کہا آپ علیہ السلام اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ کہاں چاہتے ہیں کہ میں آپ کے لیے اصلی صورت اختیار کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ابطح میں۔ آپ علیہ السلام نے کہا وہ میری گنجائش نہیں رکھتا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو یہاں۔ فرمایا یہ بھی میری گنجائش نہیں رکھتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عرفات میں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ زیادہ لائق ہے کہ میری وسعت رکھ لے تو آپ علیہ السلام سے اس نے وعدہ کر لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میں نکلے تو اچانک جبرئیل علیہ السلام عرفات کے پہاڑوں سے پَروں کی جھنکار و آواز کے ساتھ متوجہ ہوئے۔ تحقیق انہوں نے مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیا تھا اور ان کا سر آسمان میں تھا اور دونوں پاؤں زمین میں۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو تکبیر پڑھی اور غشی کھا کر گر گئے۔ فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام اپنی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ پھر آپ علیہ السلام کو اپنے سینے سے ملایا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خوف نہ کریں۔ پس آپ کا اس وقت کیا حال ہوتا، اگر آپ علیہ السلام اسرافیل کو دیکھ لیتے کہ ان کا سر عرش کے نیچے اور دونوں پاؤں ساتوں زمینوں کے نیچے ہیں اور عرش ان کی گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ پر ہے اور وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے سکڑ جاتے ہیں حتیٰ کہ چڑیا کی طرح ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے رب کے عرش کو صرف اس کی عظمت اُٹھاتی ہے۔

۲۴ "وما هو" محمد صلی اللہ علیہ وسلم "علی الغیب" یعنی وحی پر اور آسمان کی خبروں اور جس پر آپ علیہ السلام مطلع ہوتے ہیں ان چیزوں میں سے جو ان سے غائب ہیں۔ قصص اور خبریں "بضنین" اہل مکہ اور اہل بصرہ اور کسائی رحمہم اللہ نے ظاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تہمت لگائے ہوئے۔ کہا جاتا ہے "فلان یظن بمال ویزن" یعنی اس سے متہم ہے اور "ظنة" یعنی تہمت اور دیگر حضرات نے ضاد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی بخل کرنے والے۔ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس غیب کا علم آتا ہے۔ پس وہ اس کا تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے ہیں اور تمہیں اس کی خبر دیتے ہیں اور اس کو چھپاتے نہیں ہیں جیسا کہ کاہن جو اس کے پاس ہو اس کو چھپاتا ہے حتیٰ کہ اس پر انعام لے۔ عرب کہتے ہیں "ضننت بالشی" نون کی زیر کے ساتھ "اضن به ضنا وضنانة فانا به ضنین" یعنی بخیل ہوں۔

۲۵ "وما هو" یعنی قرآن۔ "بقول شیطان رجیم" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ کہانت جیسا کہ قریش نے کہا۔

۲۶ "فاین تذهبون" یعنی تم کہاں اس قرآن سے اعراض کر رہے ہو اور اس میں شفاء اور بیان ہے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کون سا راستہ تم چلتے ہو جو اس طریقہ سے زیادہ واضح ہو جو میں نے تمہارے لیے بیان کیا ہے۔

۲۷ پھر بیان کرتے ہوئے فرمایا "ان هو" یعنی نہیں قرآن۔ "الا ذکر للعالمین" نصیحت تمام مخلوق کے لیے۔

۲۸ "لمن شاء منکم ان یستقیم" یعنی حق کی اتباع کرے اور اس پر قائم ہو۔ ۲۹ "وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ رب العالمین" یعنی ان کو خبر دی کہ مشیت اس کی طرف توفیق میں ہے اور وہ اس پر قادر نہ ہوں گے مگر اللہ کی مشیت کے ساتھ اور اس میں خیر ہے کہ کوئی شخص خیر کا عمل نہیں کر سکتا مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ اور نہ ہی شر کا مگر اس کی رسوائی کے ساتھ۔

سُورَۃُ الْاِنْفِطَار

مکی ہے اوراس کی انیس (۱۹) آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ❶ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ❷ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ❸ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ❹ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ❺ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ❻

ترجمہ: جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (یعنی ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اسوقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا۔

تفسیر ❶ "اذا السماء انفطرت" جب آسمان پھٹ جائے گا۔

❷ "واذا الکواکب انتثرت" جب ستارے گر جائیں گے۔

❸ "واذا البحار فجرت" جب سمندر ایک دوسرے میں بہا دیئے جائیں گے اور میٹھے کو کھارے میں ملا دیا جائے گا۔ پس سارا ایک سمندر ہو جائے گا اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فجرت" بہہ گئے۔

❹ "واذا القبور بعثرت" اور جب قبریں کھول دی جائیں گی اور ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی اور ان میں جو مُردے ہیں ان کو زندہ کر کے اُٹھا دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے "بعثرت الحوض وبحثرته" جب تو اس کو پلٹ دے پھر اس کے نچلے حصے کو اس کا اوپر والا حصہ بنا دے۔

❺ "علمت نفس ما قدمت واخرت" کہا گیا ہے جو نیک یا برا عمل آگے بھیجا اور جو اچھا یا برا طریقہ پیچھے چھوڑا اور کہا گیا ہے جو صدقات میں سے آگے بھیجا اور ترکہ میں سے پیچھے چھوڑا۔ اس تفصیل پر جو ہم نے اللہ تعالیٰ کے قول "ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر" میں ذکر کیا ہے۔

آیت یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ کا شانِ نزول

⑥ "یا یھا الانسان ما غرّک بربّک الکریم" جو دھوکہ دیا اور تیرے لیے باطل کو مزین کیا حتیٰ کہ تو نے وہ رکھ دیا جو تجھ پر واجب تھا اور معنی یہ ہے کہ کون سی چیز تجھے اس کے عقاب سے امن دے گی؟ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں ابوالشریق کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عقاب نہیں کیا تو یہ آیت نازل کی۔ فرمایا کس چیز نے تجھے تیرے کریم رب سے دھوکہ میں ڈال دیا جب اس نے تجھے جلدی تیرے کفر کی وجہ سے عتاب نہیں کیا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو اس کے دشمن نے دھوکہ دیا جو اس پر مسلط تھا یعنی شیطان۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کے درگزر نے دھوکہ دیا کہ اس کو اوّل وقت میں جلدی سزا نہیں دی اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کے اس کے ساتھ نرمی کرنے نے دھوکہ دیا اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک سے عنقریب اللہ تعالیٰ خلوت کریں گے قیامت کے دن، پھر فرمائیں گے اے ابن آدم! کس چیز نے تجھے میرے بارے میں دھوکہ میں ڈالا؟ اے ابن آدم! تو نے کیا عمل کیا ان میں جو تو نے عمل کیے؟ اے ابن آدم! تو نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو کہا گیا اگر آپ کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کریں پھر کہیں اے فضیل کس چیز نے تجھے تیرے رب کریم سے دھوکہ میں ڈالا؟ تو آپ رحمہ اللہ کیا کہیں گے؟ انہوں نے کہا میں کہوں گا مجھے تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے دھوکہ میں ڈالا۔

اور یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے سامنے کھڑا کریں۔ پھر کہا اے یحییٰ! تجھے کس چیز نے میرے بارے میں دھوکہ میں ڈالا؟ میں کہوں گا مجھے آپ کے گزشتہ اور آئندہ احسانات جو مجھ پر ہیں انہوں نے دھوکہ میں ڈالا اور ابوبکر وراق کہتے ہیں اگر مجھے کہا "ما غرّک بربّک الکریم؟" تو میں کہوں گا مجھے تیرے بارے میں کریم کے کرم نے دھوکہ میں ڈالا۔ بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "بربّک الکریم" کہا ہے دیگر صفات واسماء ذکر نہیں کیے۔ گویا کہ اس بندہ کو جواب کی تلقین کی ہے کہ وہ کہے مجھے کریم کے کرم نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ⑦ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ⑧ کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ⑨ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ⑩ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ⑪ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ⑬ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ⑭ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ⑮ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ⑯ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑰ ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑱ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ

نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ۔ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ⑲

ترجمہ: پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا (اور ان امور کا مقتضا یہ ہے کہ تم کو) ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہئے مگر تم باز نہیں آتے) بلکہ تم (اس وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے ہو کہ تم) جزا و سزا (ہی) کو جھٹلاتے ہو اور تم پر (تمہارے سب اعمال) یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا (وسزا) کو اس میں داخل ہوں گے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہوں گے (بلکہ اس میں خلود ہوگا) اور آپ کو کیا کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے (اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

تفسیر ⑦ ”الذی خلقک فسوّاک فعدلک“ اہل کوفہ اور ابوجعفر نے ”فعدلک“ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس تجھے پھیرا اور منتقل کیا جس صورت کی طرف چاہا اچھی اور بری اور لمبا اور چھوٹا اور دیگر حضرات نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تجھے ٹھیک قائم کیا اور تجھے معتدل تخلیق اور اعضاء والا بنایا۔

⑧ ”فی ایّ صورۃ ماشاء رکبک“ مجاہد، کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں باپ یا ماں یا ماموں یا چچا میں سے جس کی مشابہت میں اور حدیث میں آیا ہے نطفہ جب رحم میں قرار حاصل کرتا ہے تو اس کے اور ابن آدم کے درمیان ہر رگ حاضر ہو جاتی ہے۔ پھر پڑھا ”فی ایّ صورۃ ما شآء رکبک“ اور فراء اور زجاج رحمہما اللہ نے ایک دوسرا قول ذکر کیا ہے ”فی ایّ صورۃ ما شاء رکبک“ یا لمبا یا چھوٹا یا حسین یا اس کے علاوہ۔ عکرمہ اور ابو صالح رحمہما اللہ فرماتے ہیں ”فی ایّ صورۃ ماشاء رکبک“ اگر چاہا تو انسان کی صورت میں اور اگر چاہا تو جانور کی صورت میں یا کسی دوسرے حیوان کی صورت میں۔

⑨ ”کلا بل تکذبون“ ابوجعفر رحمہ اللہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قول ”وان علیکم لحافظین“ کی وجہ سے۔ ”بالدین“ جزاء اور حساب کے ساتھ۔

⑩ ”وان علیکم لحافظین“ فرشتوں میں سے نگہبان تم پر تمہارے اعمال کی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں۔

⑪ ”کراما“ اللہ پر۔ ”کاتبین“ تمہارے اقوال اور اعمال کو لکھتے ہیں۔

⑫ ”یعلمون ما تفعلون“ خیر اور شر میں سے۔

⑬ ”ان الابرار لفی نعیم“ ابرار وہ لوگ جو نیک ہیں اور اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرنے اور اس کے معاصی سے اجتناب کرنے کے ساتھ۔

⑭"وان الفجار لفی جحیم" روایت کیا گیا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے ابو حازم مزنی کو کہا "لیت شعری" ہمارے لیے اللہ کے پاس کیا ہوگا؟ فرمایا تو اپنے عمل کو اللہ کی کتاب پر پیش کر۔ پس تو جان لے گا کہ تیرے لیے اللہ کے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا تو میں اس کو اللہ کی کتاب میں کہاں پاؤں گا؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے قول "ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم" میں۔ سلیمان نے کہا پس اللہ کی رحمت کہاں ہے؟ انہوں نے کہا "قریب من المحسنین"

⑮"یصلونها" وہ اس میں داخل ہوں۔ "یوم الدین" قیامت کے دن

⑯"وماهم عنها بغائبین"

⑰ پھر اس دن کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا "وما ادراک ما یوم الدین" اس کا تکرار کیا اس کی عظمت شان کے لیے۔ ⑱"ثم ما ادراک ما یوم الدین"

⑲یوم لا تملک" اہل مکہ اور اہل بصرہ نے یوم کو میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلے یوم پر رد کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے میم کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی فی یوم یعنی یہ اشیاء ایسے دن میں ہوں گی جس دن نہ مالک ہوگا "نفس لنفس شیئا" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی کافر نفس کے لیے کسی نفع کا۔ "والامر یومئذ للّٰہ" یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کسی کو کسی چیز کا مالک نہ بنائیں گے جیسا کہ ان کو دنیا میں مالک بنایا۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْن

مکی یا مدنی ہے اور اس کی چھتیس (۳۶) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦

(ترجمہ) بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں (آگے مطففین کو تہدید ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے جس دن تمام رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ہرگز (ایسا) نہیں ہوگا بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامہ عمل سجین میں رہے گا۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے متعلق وعید

تفسیر ❶"ویل للمطففین" یعنی وہ لوگ جو ماپ اور تول میں کمی کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے حقوق کم دیتے ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کو جو ماپ اور تول میں کمی کرے "مطفف" کہا گیا ہے اس لیے کہ وہ ماپ اور تول میں تھوڑی سی چیز چوری کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ لوگوں میں سب سے خبیث ترین ماپ والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ "ویل للمطففین" تو ان لوگوں نے ماپ کو خوب اچھا کر دیا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اس میں ایک شخص تھا جس کو ابو جہینہ کہا جاتا تھا اس کے پاس دو صاع (ماپ کے پیانے) تھے ایک میں لوگوں کو کیل کر کے دیتا تھا اور دوسرے کے ذریعے خود ان سے ماپ کر لیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ پس اللہ تعالیٰ ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے ویل کو مقرر کیا۔

❷ پھر بیان کیا کہ "مطففین" کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا۔ "الذین اذا اکتالوا علی النّاس یستوفون" اور مراد یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے ماپ کر کوئی چیز لیتے ہیں۔ "یعنی اخذوا منھم"

اور "مِن" اور "علی" ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے جب وہ لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو ان پر ماپ پورا پورا وصول کرتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ جب خود کے لیے کوئی چیز خریدتے ہیں تو ماپ و تول پورا وصول کرتے ہیں۔

❸ ❹"واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون" یعنی ان لوگوں کے لیے ماپ کریں یا وزن کریں۔ کہا جاتا ہے "وزنتک حقک وکلتک طعامک" یعنی میں نے تیرے لیے وزن کیا اور تیرے لیے کیل کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نصحتک ونصحت لک و شکرتک وشکر لک کتبتک و کتبت لک" ابو عبیدہ کہتے ہیں عیسیٰ بن عمران دونوں کو دو حرف بناتے تھے وقف کرتے تھے۔ "کالوا او وزنوا" پر اور ابتداء کرتے تھے "ھم یخسرون" ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور پسندیدہ پہلا قول ہے یعنی یہ تمام ایک کلمہ ہے اس لیے کہ انہوں نے ان دونوں کو بغیر الف کے لکھا ہے اور اگر دونوں جدا ہوتے تو لکھا جاتا "کالوا او وزنوا" الف کے ساتھ جیسا کہ تمام افعال "جاؤا وقالوا" وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور مصاحف متفق ہیں الف کے ساقط کرنے پر اور اس لیے کہ لغت میں کہا جاتا ہے "کلتک وزنتک" جیسا کہ کہا جاتا ہے "کلت لک وزنت لک" اور باری تعالیٰ کا قول "یخسرون" یعنی کم کرتے ہیں۔ نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ بائع پر گزرتے تو فرماتے اللہ سے ڈر اور ماپ و تول پورا کر۔ پس بے شک ماپ تول میں کمی کرنے والے قیامت کے دن ٹھہرائے جائیں گے حتیٰ کہ وہ اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوبے ہوں گے۔

❺"الا یظن" یقین رکھتا۔ "اولئک" وہ لوگ جو یہ کرتے ہیں "انھم مبعوثون لیوم عظیم" یعنی قیامت کا دن۔

❻"یوم یقوم النّاس" اپنی قبروں سے۔ "لربّ العالمین" یعنی اس کے امر اور جزاء اور حساب کے لیے۔ عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ ان میں سے ایک اپنے پسینہ میں کانوں کے نصف تک چھپ جائے گا۔ مقداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب قیامت کا دن ہوگا، سورج بندوں کے قریب کردیا جائے گا حتیٰ کہ ایک میل یا دو میل کے بقدر ہوگا۔ سلیم کہتے ہیں (راوی حدیث) میں نہیں جانتا، زمین کی مسافت کا میل یا وہ میل (سرمچو) جس سے آنکھ میں سرمہ ڈالا جاتا ہے۔ فرمایا پھر سورج ان کو خوب گرم کردے گا۔ پس وہ پسینہ میں ہوں اپنے اعمال کے مطابق۔

پس ان میں سے بعض کو پسینہ ان کی ایڑیوں تک پکڑے گا اور ان میں سے بعض کو گھٹنوں تک لے گا اور ان میں سے بعض کو تہبند باندھنے کی جگہ تک اور ان میں سے بعض پسینہ میں ڈوبے ہوں گے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے تھے کہ پسینہ اس کو یہاں تک ڈبو دے گا۔

7 اللہ تعالیٰ کا قول "کلاّ" ان پر رد ہے۔ یعنی معاملہ ویسے نہیں ہے جس پر وہ تھے۔ پس چاہیے کہ وہ ہٹ جائیں اور کلام یہاں مکمل ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کلاّ" ابتداء ہے اپنے مابعد سے متصل ہے حقا کے معنی پر۔ "**ان کتاب الفجار**" جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ "**لفی سجین**" عبداللہ بن عمرو، قتادہ، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں "**سجین**" وہ ساتویں زمین نیچے والی اس میں کافروں کی روحیں ہیں۔

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سجین" سات زمینوں میں سے سب سے نیچے والی ہے اور علیون ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔ سمرہ بن عطیہ کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب احبار کے پاس آئے تو کہا آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان "**ان کتاب الفجار لفی سجین**" کے بارے میں خبر دیں تو انہوں نے کہا کہ فاجر کی روح کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو آسمان اس کو قبول کرنے سے انکار کردیتے ہیں۔ پھر وہ سات زمینوں کے نیچے داخل ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی انتہا "سجین" تک ہوتی ہے اور وہ ابلیس کے لشکر کی جگہ ہے۔

پھر اس کے لیے ابلیس کے لشکر کے نیچے سے ایک کاغذ نکالا جاتا ہے۔ پھر اس پر لکھا جاتا ہے اور مہر لگائی جاتی ہے اور اس کو ابلیس کے لشکر کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اس کے یوم قیامت کے حساب کی وجہ سے اپنی ہلاکت کو پہچاننے کی وجہ سے اور اسی طرف سعید بن جبیر رحمہ اللہ گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا "سجین جند ابلیس" کے نیچے ہے اور عطاء خراسانی فرماتے ہیں وہ نیچے والی زمین ہے اور اس میں ابلیس اور اس کی اولاد ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ چٹان سبز ہے ساتویں نیچے والی زمین کے نیچے اور آسمان کی سبزی اس کی وجہ سے فجار کی کتاب اس کے نیچے بنائی جائے گی۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ فرمایا "سجین" نچلی زمین کے نیچے چٹان ہے۔ پس فجار کی کتاب اس میں رکھی جائے گی اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ابلیس کی سلطان کا آخر ہے اور حدیث میں آیا ہے "فلق" جہنم میں ڈھانپا ہوا دانہ ہے اور سجین جہنم میں کھلا دانہ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لفی سجین" خسارے اور گمراہی میں اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فعیل کے وزن پر سجن سے ہے جیسا کہ کہا

جاتا ہے "فسيق و شريب "اس کا معنی البتہ قید اور سخت تنگی میں ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿8﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿9﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿10﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿11﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿12﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿13﴾ كَلَّا بَلْ (سکتہ) رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿14﴾

ترجمہ اور آگے تہویل کے لئے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامہ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس (روز جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد (عبودیت) سے گزرنے والا ہو (اور) مجرم ہو (اور) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ بے سند باتیں ہیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصلی وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

تفسیر ﴿8﴾ "وما ادراک ما سجین" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی یہ نہیں ہے یہ ان میں سے جن کو آپ جانتے ہیں اور نہ آپ کی قوم۔

﴿9﴾ "كتاب مرقوم" یہ سجین کی تفسیر نہیں ہے بلکہ وہ اس کتاب کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول "ان كتاب الفجار" میں مذکور ہے یعنی "هو كتاب الفجار مرقوم" یعنی وہ لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، ان پر ثابت ہیں جیسے کپڑے میں نقش، نہ وہ بھلائی جاتی ہے اور نہ مٹائی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ اس کا بدلہ دیئے جائیں اور قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر اس کے شرکاء کی وجہ سے ایک علامت لکھی گئی ہے جس کے ذریعے پہچانا جائے گا کہ وہ کافر ہے اور کہا گیا مہر لگائی ہوئی ہے حمیر کی لغت میں۔

﴿10﴾ "ويل يومئذ للمكذبين. ﴿11﴾ الذين يكذبون بيوم الدين، ﴿12﴾ وما يكذب به الا كل معتد اثيم،

﴿13﴾ اذا تتلى عليه آياتنا قال اساطير الاوّلين"

﴿14﴾ "كلا" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ پھر استئناف کرتے ہوئے فرمایا "بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے۔ پس اگر توبہ کرے اور کھینچے اور استغفار کرے تو اپنے دل کو اس سے صاف (مانجھ) کر دیا اور اگر گناہ زیادہ کیے تو نکتے زیادہ ہوں گے حتیٰ کہ اس کے دل پر غالب ہو جائیں گے۔ پس یہ ران ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ "كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون" اور ران کی اصل غلبہ ہے۔ کہا جاتا ہے "رانت الخمر على عقله ترين رينا و ريونا" جب شراب کا نشہ اس کی عقل پر غالب ہو جائے اور آیت کا معنی ان کے

دلوں پر معاصی غالب ہوگئے اور ان کا احاطہ کرلیا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ گناہ پر گناہ ہے حتیٰ کہ دل مرجائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "ران علی قلوبھم" مہر لگادی گئی ہے ان پر۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے روک دیئے جاویں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا) یہ دوزخ میں داخل ہونگے پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (یہ جو مومنین کے اجر وثواب کے منکر ہیں) ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامہ عمل علیین میں رہے گا اور (آگے تفخیم کے لیے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔

تفسیر: ⑮ "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کلا مراد یہ ہے کہ وہ سچ نہیں بولتے۔ پھر استئناف کرتے ہوئے فرمایا "انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون" ان میں سے بعض نے کہا ہے اس کے اعزاز اور رحمت سے روکے جائیں گے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ نہ ان کی طرف نظر کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کو دیکھنے سے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر زاہدوں اور عابدوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ آخرت میں اپنے رب کو نہ دیکھ سکیں گے تو دُنیا میں ان کے نفوس نکل جائیں۔ حسین بن فضل فرماتے ہیں جیسا کہ دُنیا میں ان کو اپنی توحید سے روکا، آخرت میں ان کو اپنی رؤیت سے روک دے گا اور مالک رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا جب اپنے دشمنوں کے لیے رُکاوٹ کردیں گے تو اپنے اولیاء کے لیے ظاہر ہو جائیں گے حتیٰ کہ وہ اس کو دیکھ لیں گے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے قول "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون" کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ دلالت ہے اس پر کہ اللہ کے اولیاء اللہ کو سامنے واضح دیکھیں گے۔ پھر خبر دی کہ کفار اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونے کے باوجود جہنم میں داخل ہوں گے تو فرمایا۔

⑯ "ثم انھم لصالوا الجحیم" البتہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

⑰ "ثم یقال" یعنی ان کو داروغے کہیں گے "ھذا" یعنی یہ عذاب "الذی کنتم بہ تکذبون"

⑱ "کلا" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اس عذاب سے امن میں نہ ہوں گے جس میں داخل ہوں گے۔ پھر ابرار کی کتاب کی جگہ بیان کرتے ہوئے فرمایا "ان کتاب الابرار لفی علیین" براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ سبز زمرد کی تختی ہے عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہے ان کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہیں اور کعب اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ عرش کا دایاں پایہ ہے اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ جنت ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سدرۃ المنتہیٰ ہے اور بعض اہل

معانی نے کہا ہے بلندی کے بعد بلندی اور شرف کے بعد شرف ہے۔ اس لیے اس کی جمع یاء اور نون کے ساتھ لائی گئی ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اسم ہے جو جمع کے صیغہ پر وضع کیا گیا ہے اس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے جیسے عشرین اور ثلاثین۔

⑲"وما ادراک ما علیون. ⑳ کتاب مرقوم" یہ علیین کی تفسیر نہیں ہے۔ یہ اس کتاب کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول"ان کتاب الابرار لفی علیین" میں مذکور ہے۔ یعنی ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کتاب فجار میں ذکر کیا اور کہا گیا ہے وہاں لکھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اعزاز تیار کر رکھا ہے۔

اور یہ مقاتل رحمہ اللہ کا قول کا معنی ہے اور کہا گیا ہے ان کے لیے خبر کو لکھا گیا ہے اور آیت کی تقدیر تقدیم و تاخیر پر ہے اس کا مجاز یہ ہے "انّ کتاب الابرار کتاب مرقوم فی علیین" اور وہ فرشتوں کی جگہ ہے اور اس کی مثل کتاب مرقوم فی سجین ہے اور وہ ابلیس اور اس کے لشکر کی جگہ ہے۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ㉓ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ㉔ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ㉕ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ㉖ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ㉗

ترجمہ: جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (آگے ان کی جزائے آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے اے مخاطب تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا (اور) ان کے پینے کے لئے شراب خالص سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی) کی ہوگی۔

تفسیر: ㉑"یشھدہ المقربون" یعنی وہ فرشتے جو علیین میں ہیں وہ گواہ ہیں اور اس تحریر پر حاضر ہوتے ہیں اور یہ کتاب علیین کی طرف بلند کی جائے۔

(㉒۔㉓)......"ان الابرار لفی نعیم، علی الارائک ینظرون" اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اعزاز اور نعمت عطاء کی ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے دشمنوں کی طرف دیکھیں گے کہ وہ کیسے عذاب دیئے جا رہے ہیں۔

㉔"تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم" جب آپ ان کو دیکھو گے تو پہچان جاؤ گے کہ وہ نعمتوں والے ہیں اس کی وجہ سے جو آپ ان کے چہروں پر نور اور حسن اور سفیدی دیکھیں گے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں چہرہ پر رونق و تر و تازگی اور دل میں خوشی۔ ابو جعفر اور یعقوب نے "تعرف" تاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے فعل مجہول کی بناء پر۔ "نضرۃ" مرفوع اور باقی حضرات نے تاء کے زبر اور راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "نضرۃ" نصب کے ساتھ۔

㉕"یسقون من رحیق" شراب صاف و شفاف پاکیزہ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں سفید شراب۔ "مختوم" مہر لگائی

گئی ہوگی اور کسی کے ہاتھ کو اس تک پہنچنے سے روکا گیا ہوگا یہاں تک کہ اس کی مہر ابرار کھولیں گے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مختوم" یعنی "مطیّن" مہر لگائی ہوئی یا خیر پر پیدا کی ہوئی۔

㉖ "ختامہٗ" یعنی اس کا مزاج۔ "مسک" گویا کہ اس معنی کی طرف گئے ہیں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی مہر عند اللہ کستوری ہے اور دُنیا کی مہر گارا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "مختوم" یعنی اس کی مہر ملی ہوئی ہے یعنی اس کے ذائقہ کا آخر اور انجام مشک ہے۔ پس مختوم وہ چیز جس کے لیے ختام یعنی آخر ہو اور ہر چیز کا ختم ہونا اس سے فارغ ہونا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے کافور کے ساتھ ملایا جائے گا اور کستوری کے ذریعے مہر لگائی جائے گی اور اکثر کی قرأت "ختامه مسک" تاء کو مقدم کرنے کے ساتھ اور کسائی رحمہ اللہ نے "خاتمه" پڑھا ہے اور یہ علی اور علقمہ کی قرأت ہے اور ان دونوں کا معنی ایک ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "فلان کریم الطباع" اور طباع، خاتم اور ختام ہر چیز کا آخر۔ "وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون" پس چاہیے کہ رغبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف جلدی کر کے رغبت کریں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس چاہیے کہ عمل کریں عمل کرنے والے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "لمثل هذا فلیعمل العاملون" اور مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس چاہیے کہ جھگڑیں جھگڑنے والے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس چاہیے کہ سبقت کریں سبقت کرنے والے اور اس کی اصل وہ نفیس چیز جس پر لوگوں کے نفوس حرص کرتے ہیں اور اس کا ہر ایک اپنے نفس کے لیے ارادہ کرے اور اس کا اپنے غیر پر بخل کرے۔

㉗ "ومزاجه من تسنیم" شراب جوان پر اوپر سے ان کے بالا خانوں اور منازل میں بہائی جائے گی اور کہا گیا ہے ہواء میں جاری ہوگی۔ پھر اہل جنت کے برتنوں میں ڈالی جائے گی ان کے بھرنے کے بقدر پھر جب وہ بھر جائیں گے تو رُک جائے گی اور یہ قتادہ رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے۔ السنام کے کلمہ کی اصل علو و بلندی سے ہے۔

اور بلند چیز کو سنام کہا جاتا ہے اور اس سے سنام البعیر اونٹ کی کوہان ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شراب ہے اس کا نام تسنیم ہے اور وہ عمدہ شراب ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ خالص ہے مقربین کے لیے صرف وہ اس کو پئیں گے اور تمام اہل جنت کے لیے ملائی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "ومزاجه من تسنیم"

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ㉘ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ㉙ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ㉚ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ㉛ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ㉜ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ㉝ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ㉞ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ㉟ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ㊱

ترجمہ: یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے (آگے مجموعہ فریقین کا مجموعہ حال دنیا و آخرت مذکور

ہے یعنی) جولوگ مجرم تھے (یعنی کافر) وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے اور یہ (ایمان والے) جب ان (کافروں) کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے) دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے واقعی کافروں کے کئے کا خوب بدلہ ملے گا۔

تفسیر ㉘ "عينا يشرب بها المقرّبون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے قول "من تسنيم" کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ فرمایا یہ ان میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرّة اعين" ...... "عينا" حال کی بناء پر منصوب ہے۔ "يشرب بها" یعنی "منها" اس سے اور کہا گیا ہے اس سے صرف مقرب لوگ پئیں گے۔

㉙ "ان الذين اجرموا" شرک کیا یعنی کفار قریش ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور ان کے ساتھی مکہ کے متکبرین مال داروں میں سے۔ "كانوا من الذين امنوا" عمار، خباب، صہیب اور بلال اور ان کے ساتھی فقراء مؤمنین میں سے۔ "يضحكون" اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔

㉚ "واذا مرّوا بهم" یعنی مؤمنین کفار کے ساتھ گزریں گے۔ "يتغامزون" اور غمز پپوٹوں اور ابرو کے ذریعے اشارہ کرنا۔ یعنی ان کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں استہزاء کرتے ہوئے۔

㉛ "واذا انقلبوا" یعنی کفار "الى اهلهم انقلبوا فكهين" خوش ہوتے ہوئے اس کے ساتھ جس پر وہ ہیں ان کے تذکرہ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے۔

㉜ "واذا رأوهم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھتے۔ "قالوا ان هؤلاء لضالّون" وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر ہیں۔

㉝ "وما ارسلوا" یعنی مشرکین۔ "عليهم" یعنی مؤمنین پر۔ "حافظين" ان کے اعمال کی یعنی ان کے اعمال کی نگرانی ان کے سپرد نہیں کی گئی۔

㉞ "فاليوم" یعنی آخرت میں۔ "الذين امنوا من الكفار يضحكون" ابوصالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار کے لیے جب وہ جہنم میں ہوں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا تم نکلو۔ پس جب وہ دروازے کھلے ہوئے دیکھیں گے تو ان کی طرف متوجہ ہوں گے تا کہ وہ نکل جائیں اور مؤمنین ان کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پس جب وہ جہنم کے دروازوں تک پہنچیں گے تو ان کے سامنے بند کر دیئے جائیں گے، یہ ان کے ساتھ کئی مرتبہ

کیا جائے گا اور مؤمنین ہنستے ہوں گے اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت اور جہنم کے درمیان روشن دان ہیں۔ پس جب مؤمن اپنے دُنیا کے دشمن کو دیکھنے کا ارادہ کرے گا تو اس پر اس روشن دان سے جھانکے گا جیسا کہ فرمایا "فاطلع فرأه فی سواء الجحیم" پس جب وہ جنت میں اپنے دشمنوں پر جھانکیں گے اور وہ عذاب دیئے جارہے ہوں گے تو وہ ہنسیں گے۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول "فالیوم الذین اٰمنوا من الکفار یضحکون" کا۔

㉟ "علی الارائک" موتی اور یاقوت کے۔ "ینظرون" ان کی طرف جہنم میں۔

㊱ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ھل ثوّب" کیا بدلہ دیئے گئے ہیں۔ "الکفار ما کانوا یفعلون" یعنی ان کے مؤمنین کے ساتھ استہزاء کی جزاء اور استفہام کا معنی یہاں تقریر (ثابت کرنا ہے) اور "ثوّب" اور "اثاب" ایک معنی میں ہیں۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق

مکی ہے اور اس کی پچیس (۲۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ② وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥

ترجمہ: جب (نفخہ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جاوے گا تاکہ اس میں سے غمام اور ملائکہ کا نزول ہو) اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ (آسمان) اسی لائق ہے اور جب زمین کھینچ کر بڑھادی جائے گی اور وہ زمین اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو باہر) اگل دے گی اور خالی ہوجاوے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کررہا ہے پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جاملے گا۔

تفسیر ① "اذا السماء انشقت" اس کا پھٹ جانا قیامت کی علامات میں سے ہے۔

② "واذنت لربھا" یعنی اپنے رب کے انشقاق کے امر کو سن لیا اور اس کی اطاعت کی۔ یہ اذن سے ہے اور وہ توجہ سے سننا۔ "وحقت" اور اس کا حق ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے۔

③ "واذا الارض مدت" چھوٹے چمڑے کو کھینچنا اور اس کی وسعت میں زیادتی کرنا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں برابر کی گئی چمڑے کے کھینچنے کی طرح۔ پس اس میں نہ کوئی عمارت باقی رہے گی اور نہ کوئی پہاڑ۔

④ "والقت" نکال دیا "مافیھا" مردوں اور خزانوں میں سے۔ "وتخلت" اس سے خالی ہوجائے گی۔

⑤ "واذنت لربھا وحقت" اور اذا کے جواب میں اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے اس کا جواب محذوف ہے اس کی تقدیر

جب یہ اشیاء ہوں گی تو انسان ثواب وعقاب دیکھے گا۔

⑥ اور کہا گیا ہے اس کا جواب "یا یہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا" اور اس کا مجاز "اذا السماء الشقت لقی کل کادح ما عملہ" ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے تو ہر کوشش کرنے والے اپنے عمل سے ملے گا اور کہا گیا ہے اس کا جواب "واذنت" ہے اور اس وقت واؤ زائد ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے قول "کادح الی ربک کدحا" کا معنی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے عمل میں کوشش کی اور "الکدح" انسان کی سعی وکوشش کرنا خیر اور شر کے امر میں حتیٰ کہ وہ اس میں اثر کرے اور قتادہ، کلبی اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں تو عمل کر اپنے رب کے لیے عمل کرنا۔ "فملاقیہ" یعنی اپنے علم کی جزاء کو ملنے والا ہے خیر ہو یا شر۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ⑦ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ⑧ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ⑫ اِنَّهٗ کَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ⑭ بَلٰۤی اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ⑮ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰

ترجمہ تو (اس روز) جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا اور جس شخص کا نامہ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا سو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اسے خدا کی طرف سے لوٹنا نہیں ہے (آگے رد ہے اس خیال کا کہ لوٹنا) کیوں نہ ہوتا اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا سو (اس بنا پر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ (کر جمع کر) لیتی ہے۔

تفسیر (⑦-⑧)...... "فاما من اوتی کتابہ" اپنے اعمال کا دفتر۔ "بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کوئی چیز سنتیں اور اس کو نہ پہچانتیں تو اس میں مراجعت (سوال وجواب) کرتیں حتیٰ کہ اس کو پہچان لیتیں اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا حساب کیا گیا وہ عذاب دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا "فسوف یحاسب حسابا یسیرا"؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ تو اعمال کا پیش کرنا ہے لیکن جس کا حساب تفصیل سے سختی کے ساتھ لیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

⑨ "وینقلب الی اهلہ" یعنی جنت میں حورعین اور انسان عورتوں میں سے۔ "مسرورا" اس کے ساتھ جو خیر اور اعزاز دیا گیا ہے۔

⑩ "واما من اوتی کتابہ وراء ظهرہ" پس اس کا دایاں ہاتھ اس کی گردن کی طرف باندھا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ پھر اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور مجاہد

رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے منتقل کر دیا جائے گا۔

⑪ "فسوف یدعوا ثبورا" ویل اور ہلاکت کی آواز لگائے گا جب اپنا نامۂ اعمال پڑھے گا کہے گا اے ہلاکت اے بربادی! اللہ تعالیٰ کے فرمان "دعوا ھنالک ثبورا"

⑫ "ویصلٰی سعیرا" ابوجعفر، اہل بصرہ، عاصم اور حمزہ نے "ویصلٰی" یاء کے زبر کے ساتھ تخفیف پڑھا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "یصلی النار الکبریٰ" ہے اور دیگر حضرات یاء کے پیش کے ساتھ اور صاد کے زبر کے ساتھ اور لام کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وتصلیة جحیم" اور "ثم الجحیم صلوہ" کی وجہ سے۔

⑬ "انہ کان فی اھلہ مسرورا" یعنی دُنیا میں اپنی خواہش کی اتباع اور شہوات پر سوار ہونے کی وجہ سے۔

⑭ "انہ ظنّ ان لن یحور" کہ وہ ہماری طرف ہرگز نہیں لوٹے گا اور ہرگز نہیں اُٹھایا جائے گا۔

⑮ پھر فرمایا "بلی" یعنی ویسے نہیں ہے جو اس نے گمان کیا بلکہ وہ ہماری طرف لوٹے گا اور اُٹھایا جائے گا۔ "ان ربّہ کان بہ بصیرا" اس کو پیدا کیا یہاں تک کہ اس کو اُٹھایا۔ ⑯ "فلا أقسم بالشفق" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مکمل دن ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو دن میں سے باقی رہا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر مفسرین رحمہما اللہ نے فرمایا ہے وہ سرخی جو سورج کے غروب ہونے کے بعد اُفق کے باقی رہ جاتی ہے اور ایک قوم نے کہا ہے وہ سفیدی جو اس سرخی کے بعد آتی ہے۔

⑰ "واللیل وما وسق" یعنی جمع کیا اور ملایا۔ کہا جاتا ہے "وسقتہ اسقہ وسقا" یعنی میں نے اس کو جمع کیا اور "استوثقت الابل" جب وہ جمع کیے جائیں اور ملائے جائیں اور معنی قسم ہے رات کی اور اس کی جو جمع کیا جائے اور ملایا جائے جو دن میں چوپایوں میں سے منتشر تھے کیوں کہ رات جب آتی ہے تو ہر چیز اپنے ٹھکانہ کی طرف لوٹتی ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو لپیٹے اور ملائے اور اس پر تاریکی کرے اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آگے آئے تاریکی یا ستاروں میں سے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جو اس میں عمل کیا۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ⑱ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ⑲ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (آیت سجدہ) ㉑ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ㉒ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ㉓ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ㉔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ㉕

ترجمہ اور قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے سو (باوجود ان مقتضیات خوف اور ایمان کے اجتماع کے) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور (ان کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو (اس وقت بھی خدا کی طرف) نہیں جھکتے بلکہ یہ کافر (اور الٹی) تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمال بد کا ذخیرہ) جمع کر رہے ہیں سو (ان اعمال

کفریہ کے سبب) آپ ان لوگوں کو ایک اور دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔

تفسیر ⑱ "والقمر اذا اتسق" جمع ہو جائے اور سیدھا ہو جائے اور اس کا نور مکمل ہو جائے اور وہ ایام بیض میں ہوتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں گھومے اور یہ افتعل کے وزن پر وسق سے ہے جس کا معنی جمع ہونا ہے۔

⑲ "لترکبن طبقا عن طبق" اہل مکہ، حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "لترکبن" باء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ضرور سوار ہوں گے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا آسمان کے بعد آسمان۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی آپ ان پر چڑھیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر درجہ کے بعد درجہ اور مرتبہ کے بعد مرتبہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور بلندی میں۔ مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "لترکبن طبقا عن طبق" ایک حال کے بعد دوسرا حال۔ کہا یہ تمہارے نبی ہیں اور کہا گیا ہے اس سے آسمان کو مراد لیا ہے جو ایک رنگ کے بعد دوسرا رنگ تبدیل کرتا ہے۔ پس کبھی سرخ چمڑے کی طرح ہوتا ہے اور کبھی زیتون کے پتلے تیل کی طرح (یا پگھلی ہوئی دھاتوں کی طرح) پھر ایک مرتبہ بادلوں سے چھٹ جاتا ہے اور دوسری مرتبہ بادلوں میں لپٹ جاتا ہے اور دیگر حضرات نے باء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ معنی لوگوں کے زیادہ مشابہ اس لیے کہ اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے "فاما من اوتی کتابه بیمینه و شماله" اور اس کے بعد ذکر کیا "فمالهم لا یؤمنون" اور مراد یہ ہے کہ تم ایک حال کے بعد دوسری حالت اور ایک امر کے بعد دوسرے امر پر سوار ہو گے قیامت کے مؤقف میں۔ یعنی احوال جو ان پر پلٹیں گے تو وہ آخرت میں اس حال کے علاوہ پر ہوں گے جس پر وہ دُنیا میں تھے اور "عن" "بعد" کے معنی میں ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی موت پھر زندگی پھر موت پھر زندگی اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کبھی فقیر اور کبھی مالدار۔ عمرو بن دینار نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی سختیاں اور ہولناکیاں، موت پھر اُٹھنا پھر پیش ہونا اور عکرمہ رحمہ اللہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت دودھ پیتا بچہ پھر دودھ کا چھڑوانا پھر لڑکپن، پھر جوان، پھر بوڑھا اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں اور احوال پر سوار ہو گے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے ساتھ۔ حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم ان کے پیچھے جاؤ گے، کہا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود و نصاریٰ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اور کون۔

⑳ "فمالهم لایؤمنون" یہ استفہام انکار کا ہے۔ ㉑ "واذا قرئ علیهم القرآن لایسجدون" کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "اقرأ باسم ربک" اور "اذا السماء انشقت" میں سجدہ کیا۔

ابو رافع سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عتمہ (عشاء) کی نماز پڑھی تو انہوں نے "اذا السماء انشقت" پڑھی تو سجدہ کیا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے اس پر ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ

کیا۔ پس میں ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں ان کو جا ملوں۔ ㉒ "بل الذین کفروا یکذبون" قرآن اور بعث کو۔
㉓ "واللّٰہ اعلم بما یوعون" ان کے سینوں میں تکذیب سے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ چھپاتے ہیں۔ (㉔۔㉕)
......"فبشرھم بعذاب الیم. الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات لھم اجر غیر ممنون" نہ ختم ہوگا اور نہ کم ہوگا۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْج

مکی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④

ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی (مراد برجوں سے بڑے بڑے ستارے ہیں) اور (قسم ہے) وعدے کئے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور (قسم ہے) اس (دن) کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے کہ خندق والے۔

تفسیر: ① "والسماء ذات البروج. ② والیوم الموعود" وہ قیامت کا دن ہے۔

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ اور وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ کی تفسیر میں مختلف اقوال

③ "وشاھد و مشھود" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الیوم الموعود" قیامت کا دن ہے اور "الیوم المشھود" عرفہ کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور سورج اس جمعہ کے دن سے افضل دن پر نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ ہی غروب ہوتا ہے اس میں ایک گھڑی اس میں بندہ نہیں موافقت کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے اس میں خیر کی دُعا کر رہا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول کر لیتے ہیں اور نہ کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے مگر اس کو پناہ دے دیتے ہیں اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ شاہد ہر جمعہ کا دن اور مشہود عرفہ کا دن اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن اور مشہود یوم نحر ہے۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ شاہد سے مراد یوم ترویہ اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے۔

ابن نجیح مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ شاہد سے مراد آدم اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یوسف بن مہران رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ نے فرمایا ہے "وجئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا" اور مشہود سے مراد روزِ قیامت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: "ذلک یوم مجموع لہ النّاس وذلک یوم مشھود" اس قول پر تکرار لازم آئے گی۔ یوم موعود اور یوم مشہود دونوں ایک ہی ہوں گے۔ بعض لوگوں نے کہا: شاہد اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے ہیں اور مشہود آدمی ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: شاہد سے مراد ہے یہ اُمت اور مشہود سے مراد

ہیں باقی اقوام۔ اللہ نے فرمایا ہے: "لتکونوا شهداء علی النّاس" سالم بن عبداللہ نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی مراد پوچھی تو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: شاہد اللہ ہے اور مشہود ہم ہیں۔ آیت: "کفٰی باللّٰه شهیدًا" سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ بعض نے کہا: اعضاء انسانی شاہد ہیں، اللہ نے فرمایا: "یوم تشهد علیهم السنتهم وایدیهم وارجلهم" بعض کے نزدیک شاہد انبیاء ہیں اور مشہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ نے فرمایا: "واذ اخذ اللّٰه میثاق النّبیین ...... فاشهدوا انا معکم من الشّٰهدین" میں کہتا ہوں اگر آیت کی تفسیر میں کسی حدیث کا ورود صحیح طور پر ثابت ہو جائے تو بس وہی تفسیر معین ہے ورنہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ شاہد سے ہر شاہد بالحق اور مشہود سے ہر مشہود بالحق مراد ہوگا، کوئی ہو۔ اللہ نے فرمایا: "شهد اللّٰه انه لا اله الاّ هو والملٰئکة واولوا العلم" پس شاہد اللہ بھی ہے، ملائکہ بھی، اعمال نامے لکھنے والے فرشتے بھی، انبیاء بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ تمام مومن خصوصاً اُمت محمدیہ بھی اور اس اُمت میں سے خصوصیت کے ساتھ علماء بھی اور وہ لوگ بھی جو مقدمات کے فیصلے کرنے اور حدود قائم کرنے کے لیے سچی شہادت دیتے ہیں اور مشہود ہے کلمہ توحید، انبیاء کی صداقت اور تبلیغ رسالت، انسان کے اعمال اور ہر کلمہ حق جو کسی سچے شاہد نے کہا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گواہوں کی عزت کرو، اللہ انہی کے ذریعے سے حقوق کو برآمد کرتا اور مظالم کو دفع فرماتا ہے۔ (رواہ الخطیب وابن عساکر بسند ضعیف عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

اصحاب الاخدود کون لوگ تھے اور ان کا تفصیلی واقعہ

④ قتل "اصحاب الاخدود" ملعون تھے، خندقوں والے یعنی آگ والے۔ حضرت صہیب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ اقوام میں یمن میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر تھا، جادوگر جب بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں تو بوڑھا ہو گیا اس لیے کوئی لڑکا میرے پاس بھیج دیجئے کہ میں اس کو سحر سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے بھیج دیا۔ لڑکے کے راستہ میں ایک درویش پڑتا تھا۔ لڑکا درویش کے پاس جاتا تھا اور اس کی باتیں سنتا تھا تو اس کی باتیں اس کو پسند آجاتی تھیں۔ چنانچہ جادوگر کے پاس جانے میں درویش کے پاس راستہ میں بیٹھ جانے کی وجہ سے دیر ہو جاتی تھی۔ ساحر اس کو مارتا تھا اور جادوگر کے پاس سے واپسی میں بھی لڑکا اس درویش کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا تھا، اس لیے گھر پہنچنے میں بھی دیر ہو جاتی تھی۔ گھر والے بھی اس کو مارتے تھے۔ لڑکے نے درویش سے اس بات کی شکایت کی۔ درویش نے کہا: جب تم جادوگر کے پاس پہنچا کرو تو اس سے کہہ دیا کرو کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا، اس لیے دیر ہو گئی اور گھر پہنچا کرو تو گھر والوں سے کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا، اس لیے دیر ہو گئی۔

غرض لڑکا اسی طرح کرتا رہا۔ (ایک روز) جب راستہ میں جا رہا تھا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک بڑے جانور (درندہ) نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے، لڑکا کہنے لگا: آج میں آزمائش کروں گا کہ درویش افضل ہے یا جادوگر؟ یہ سوچ کر پتھر لے کر کہنے لگا: اے

خدا! اگر درویش کا معاملہ جادوگر کے معاملہ سے تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دے تاکہ لوگ راستہ پر چلنے لگیں۔ یہ دُعا کر کے لڑکے نے پتھر مارا اور جانور مر گیا۔ لوگ راستہ چلنے لگے اور لڑکے نے جا کر درویش سے یہ بات کہہ دی۔ درویش نے کہا: بیٹے اب تو مجھ سے افضل ہے، تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے جیسا تو دیکھ رہا ہے۔ عنقریب تو مصائب میں مبتلا ہوگا۔ مصائب میں مبتلا ہو کر کہیں میرا نام نہ بتا دینا۔

اس کے بعد وہ لڑکا مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کا اور لوگوں کے امراض کا (کامیاب) علاج کرنے لگا۔ ایک بار بادشاہ کے کسی ہم نشین نے لڑکے کی یہ شہرت سن لی، وہ نابینا ہو گیا تھا۔ لڑکے کے پاس بہت سے تحفے لے کر پہنچا اور کہا اگر تو مجھے اچھا کر دے گا تو یہ سب تحفے تیرے لیے ہیں۔ لڑکے نے کہا: میں شفا کسی کو نہیں دیتا، اللہ شفا دیتا ہے اگر تو اللہ کو اور اللہ سے دُعا کرنے کو مان لے گا تو اللہ تجھے شفا عطاء فرما دے گا۔ وہ ایمان لے آیا، اللہ نے اُس کو شفا دے دی۔ وہ (بینا ہو کر) بادشاہ کے پاس پہنچا اور (نابینا ہونے سے پہلے) جیسا بیٹھتا تھا جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا، یہ بینائی کیسے لوٹ آئی؟ ہم نشین نے کہا میرے مالک نے لوٹا دی۔

بادشاہ نے کہا: کیا تیرا کوئی مالک میرے علاوہ اور بھی ہے؟ ہم نشین نے کہا: وہ میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی۔ بادشاہ نے اس کو قید کر دیا اور برابر دُکھ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتلا دیا۔ لڑکے کو لایا گیا، بادشاہ نے اس سے کہا: میرے بیٹے! تیرے سحر کی حالت اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مادرزاد نابینا اور کوڑھی کو اچھا کرنے لگا۔ لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، اللہ ہی شفا دیتا ہے۔ بادشاہ نے اس کو بھی گرفتار کر لیا اور اتنا دُکھ دیا کہ بالآخر اس نے درویش کا پتہ بتا دیا۔ درویش کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا اپنے مذہب سے باز آ۔ درویش نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے وسط سر پر آرہ رکھوا کر دو ٹکڑا کرا دیا۔ پھر لڑکے کو بلوایا گیا اور کہا: اب بھی اپنے دین سے باز آ جا۔ لڑکے نے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کو بلوا کر حکم دیا اس لڑکے کو فلاں فلاں پہاڑ کے اوپر لے جاؤ اور چوٹی پر پہنچ کر اگر یہ اپنا دین ترک کر دے تو خیر! ورنہ اس کو نیچے پھینک دو۔ لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے۔ لڑکے نے دُعا کی: الٰہی! مجھے ان کے شر سے بچا، جس طرح تو چاہے۔ یک دم پہاڑ میں زلزلہ آ گیا، سب گر گئے، لڑکا پھر چلتا چلتا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا: اللہ نے مجھے اُن سے بچا لیا۔ بادشاہ نے پھر لڑکے کو چند آدمیوں کے حوالے کر کے حکم دیا اس کو لے جا کر کشتی میں بٹھا کر سمندر میں لے جاؤ۔ اگر یہ اپنے مذہب سے توبہ کر لے تو خیر! ورنہ سمندر میں پھینک دو۔

لوگ لڑکے کو لے گئے۔ لڑکے نے دُعا کی الٰہی! جس طرح تو چاہے مجھے ان سے بچا لے (طوفان کی وجہ سے) کشتی اُلٹ گئی، سب ڈوب گئے اور لڑکا چلتا چلتا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے ساتھ والوں کی کیفیت دریافت کی۔ لڑکے نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا (ان کو ڈبو دیا) پھر کہنے لگا: جب تک میرے کہنے کے موافق تو عمل نہیں کرے گا مجھ کو قتل نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ لڑکے نے کہا: ایک میدان میں لوگوں کو جمع کر اور مجھے کسی لکڑی کے ستون سے

باندھ کر لٹکا دو پھر میری ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلے میں رکھ کر "بسم اللّٰہ ربّ الغلام" کہہ کر تیر مجھ پر چھوڑ دو اگر ایسا کرو گے تو مجھے قتل کر سکو گے۔ حسب مشورہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا۔ لڑکے کو لکڑی کے تنے سے باندھ کر لٹکا دیا اور اس کی ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلہ میں رکھ کر "بسم اللّٰہ ربّ الغلام" کہہ کر مارا۔ فوراً لڑکے کی کنپٹی میں پیوست ہو گیا اور لڑکا مر گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے تین بار کہا: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ کچھ آدمیوں نے بادشاہ سے جا کر کہا: دیکھیے! جس بات کا آپ کو اندیشہ تھا وہی واقع ہو گئی۔ سب لوگ لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔

بادشاہ نے کوچوں کے دہانوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھود دی گئیں تو ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی اور حکم دے دیا کہ جو شخص اپنے مذہب سے نہ پھرے، اُس کو خندق میں ڈال دو۔ لوگ حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ آخر ایک عورت بھی آئی جس کے پاس چھوٹا بچہ تھا، عورت خندق میں گرنے سے جھجکی لیکن بچہ نے کہا: اماں ثابت قدم رہ! بلاشبہ تو حق پر ہے۔ (صحیح مسلم)

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ایسا ہی قصہ نقل کیا ہے۔ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بھی بیان کیا کہ نجران (علاقہ یمن) میں حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام یوسف ذونواس بن شرحبیل تھا۔ یہ واقعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک سے ستر سال پہلے کا ہے، اس زمانہ میں کوئی نبی نہ تھا اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا۔ محمد بن اسحٰق نے وہب بن منبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ذونواس نے بارہ ہزار آدمی جلا دیے۔ پھر ارباط (حبشی) نے یمن فتح کر لیا اور ذونواس بھاگ کر مع گھوڑے کے سمندر میں گھس گیا اور ڈوب گیا۔ کلبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ذونواس نے عبداللہ بن تامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا تھا۔

محمد بن عبداللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کوئی نہر کھودی گئی تھی تو دیکھا گیا کہ سر کے زخم پر عبداللہ بن تامر (شہید) ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ جب ہاتھ کو زخم سے ہٹایا جاتا تو خون ابل پڑتا تھا اور جب ہاتھ کو چھوڑ دیا جاتا تھا تو ہاتھ لوٹ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا اور لوہے کی ایک مہر بھی عبداللہ کی انگلی میں پڑی تھی جس میں "ربی اللّٰہ" لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ عبد (یعنی عبداللہ) اور اس کی انگوٹھی کو اسی حالت پر رہنے دو جس حالت میں تم نے اس کو پایا ہے۔ اس کے بعد اور واقعات بھی امام بغوی نے ذکر کیے ہیں جن کا ذکر ماقبل سورۃ یٰسین میں کر دیا گیا ہے۔ "اصحاب الاخدود" کے متعلق کچھ دوسری روایات بھی آئی ہیں لیکن قوت میں مسلم کی روایت کے ہم پلہ کوئی نہیں۔ اس لیے ناقابل التفات ہیں۔

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷
وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ

يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪

ترجمہ یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ (ظلم وستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور ان کافروں نے مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور سزاوار حمد ہے۔ ایسا کہ اس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور آگے ظالموں کے لئے عام وعید ہے اور مظلوموں کے لئے عام وعدہ ہے) اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور (جہنم میں بالخصوص) ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے (آگے مومنین کے حق میں جن میں مظلومین بھی آ گئے ارشاد ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر ⑤ "النار ذات الوقود" بھڑکتی ہوئی۔ یہ آگ کی صفت ہے کہ کثرت التہاب کی وجہ سے آگ کی بڑائی کو ظاہر کر رہی ہے۔ الف لام جنسی ہے۔

ربیع بن انس کا قول ہے جن مومنوں کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ آگ کے مس کرنے سے پہلے ہی اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اس طرح (جلنے سے) ان کو محفوظ رکھا تھا اور خندق کے کناروں پر بیٹھے ہوئے کافروں کو آگ کے شعلوں نے خندق سے نکل کر جلا دیا تھا۔

⑥ "اذهم عليها قعود" یعنی جب خندقوں کے کناروں کے پاس کرسیوں پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ (مجاہد)

⑦ "وهم على مايفعلون بالمؤمنين شهود" اور وہ مسلمانوں کے عذاب کو دیکھ رہے تھے یعنی ان کی غفلت کی حالت میں مومنوں پر یہ عذاب نہیں ہو رہا تھا یا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ کے پاس جا کر شہادت دے رہے تھے کہ فلاں فلاں شخص کے متعلق جو ڈیوٹی کی گئی تھی اس میں کوتاہی اس نے نہیں کی، یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن جبکہ ان کی زبانیں اور ہاتھ، پاؤں شہادت دیں گے وہ خود مومنوں کو عذاب دینے کے شاہد ہوں گے۔

⑧ "وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله" یعنی کافروں کو مومنوں کی طرف سے سوائے اس کے اور کوئی ناگواری نہ تھی کہ مومنوں کا ایمان اللہ پر تھا۔ "ان يؤمنوا نقموا" کا مفعول ہے اور چونکہ "نقموا" ماضی ہے اس لیے "يؤمنوا" (مضارع) بھی ماضی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کی طرف سے کسی کمال، شرف اور ذاتی محاسن کا کوئی ایسا مظاہرہ نہ تھا جس کو کافروں نے اپنی جہالت اور بدبختی کی وجہ سے مذکورہ عذاب کا موجب قرار دیا ہو بلکہ (مومنوں کی بری بات بس یہ تھی کہ) وہ اللہ

پر ایمان لے آئے تھے۔"العزیز" ایسا غالب جو اتنا با اقتدار ہے کہ اس کے عذاب کا اندیشہ کیا جاتا ہے۔"الحمید" ایسا مستحق حمد محسن کہ اس سے ثواب کی اُمید کی جاتی ہے۔

⑨ (الذی له ملک السموات والارض والله علی کل شیء) ان کے تمام افعال میں (شھید) گواہیں۔

⑩"ان الذین فتنوا" جن کو عذاب دیا گیا اور جن کو جلایا گیا۔"المؤمنین والمؤمنات" جیسا کہ کہا جاتا ہے "فتنت الشیء" جب اس کو جلایا جائے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے "یوممهم علی النار یفتنون"......"ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم" عذاب جہنم سے مراد ان کا کفر "ولهم عذاب الحریق" مؤمنین کو جلایا گیا۔ بعض نے کہا کہ "ولهم عذاب الحریق" سے مراد دُنیا کا عذاب ہے۔ ان کو دُنیاوی آگ میں جلایا گیا تو اللہ ان کو آخروی آگ میں جلائے گا۔

⑪ پھر ذکر کیا جو مؤمنین کے لیے تیار کیا ہے۔ پس فرمایا "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات لهم جنات تجری من تحتها الانهار ذلک الفوز الکبیر" اور انہوں نے جواب قسم میں اختلاف کیا ہے۔ پس ان میں سے بعض نے کہا ہے اس کا جواب "قتل اصحاب الاخدود" یعنی لقد قتل ہے اور کہا گیا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی تقدیر قتل "اصحاب الاخدود والسماء ذات البروج" ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا جواب

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ⑫ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ⑮ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ⑯ هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ⑱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ تَکْذِیْبٍ ⑲ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ⑳ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ㉑ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ㉒

ترجمہ: آپ کے رب کی دارو گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید واقع ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (قیامت میں بھی پیدا) کرے گا اور وہی بڑا بخشنے والا ہے اور بڑی محبت کرنے والا (اور) عرش کا مالک (اور) عظمت والا ہے وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون اور ثمود کا بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب میں (لگے) ہیں اور (انجام کار اس کی سزا بھگتیں گے کیونکہ) اللہ ان کو اِدھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے (قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔

تفسیر ⑫"ان بطش ربک لشدید" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بے شک اس کا عذاب میں پکڑنا جب ظالموں کو پکڑتا ہے۔ البتہ بہت سخت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "ان اخذہ الیم شدید" ہے۔

⑬"انه هو یبدیٔ و یعید" یعنی ان کو ابتداء دُنیا میں پیدا کرنے کے ساتھ پھر ان کو زندہ کر کے لوٹائے گا موت کے بعد۔

⑭"وهو الغفور" مؤمنین کے گناہوں کو۔"الودود" ان سے محبت کرنے والا ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی مودود محبت

کیا ہوا ہے۔ جیسے حلوب اور رکوب محلوب اور مرکوب کے معنی میں ہوتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ معاف کرتا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے اور کہا گیا ہے اپنے اولیاء سے مغفرت کے ذریعے دوستی کرنے والا ہے۔

⑮ "ذو العرش المجید" حمزہ اور کسائی نے "المجید" زیر کے ساتھ پڑھا، عرش کی صفت ہونے کی بناء پر یعنی بڑے تخت والا اور کہا گیا ہے اس کا حسن مراد ہے تو اس کو مجد کی صفت کے ساتھ موصوف کیا جیسا کہ اس کو کرم کی صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہوئے فرمایا "ربّ العرش الکریم" اور اس کا معنی کمال ہے اور عرش تمام اشیاء میں سے احسن اور اکمل ہے اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے ذوالعرش کی صفت ہونے کی بناء پر۔

⑯ "فعال لما یرید" اس کو وہ چیز عاجز نہیں کرسکتی جس کا وہ ارادہ کرے اور اس سے وہ چیز رُک نہیں سکتی جس کو وہ طلب کرے۔

⑰ اللہ تعالیٰ کا قول "ھل اتاک حدیث الجنود" تحقیق آپ کے پاس ان کافروں کے لشکر کی خبر آچکی ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر لشکر کشی کی۔ پھر بیان کیا کہ وہ کون ہیں؟

⑱ تو فرمایا "فرعون و ثمود. ⑲ بل الذین کفروا" آپ علیہ السلام کی قوم میں سے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ...... "فی تکذیب" آپ علیہ السلام اور قرآن کی ان لوگوں کے طریقہ پر ہیں جو ان سے پہلے تھے اور انہوں نے اپنے سے پہلے کفار سے عبرت حاصل نہیں کی۔ ⑳ "واللہ من ورائھم محیط" ان کو جاننے والا ہے اس پر ان کے اعمال میں سے کچھ مخفی نہیں ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان پر وہ اُتارے جو ان سے پہلے لوگوں پر اُتارا۔

㉑ "بل ھو قرآن مجید" معزز مرتبہ والا کثرتِ خیر والا۔ یہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ مشرکین نے گمان کیا کہ یہ شعر اور کہانت ہے۔

㉒ "فی لوح محفوظ" نافع نے محفوظ پیش کے ساتھ پڑھا ہے قرآن کی صفت ہونے کی بناء پر کیونکہ قرآن تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" اور دیگر حضرات نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے لوح کی صفت ہونے کی بناء پر اور یہ وہ لوح ہے جو لوح محفوظ کے ساتھ مشہور ہے اور یہ اُم الکتاب ہے اور اس سے کتابیں لکھی گئی ہیں شیاطین سے محفوظ ہے اور اس میں کمی و زیادتی ہونے سے بھی محفوظ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ لوح کے شروع میں "لا الٰہ الا اللہ وحدہ، دینہ الاسلام و محمدا عبدہ و رسولہ" لکھا ہوا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی اور اس کے رسولوں کی اتباع کی اس کو جنت میں داخل کردے گا۔ فرمایا اور لوح سفید موتی کی تختی ہے اس کی لمبائی آسمان اور زمین کے درمیان جتنی چوڑائی جو مشرق سے مغرب تک ہے اور اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے اور اس کے دونوں پہلو سرخ یاقوت کے اور اس کا قلم نور ہے اور اس کی کلام قدیم اور ہر چیز اس میں چھپی ہوئی ہے اور کہا گیا ہے اس کا اعلیٰ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور اس کی اصل فرشتے کی گود میں ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوح محفوظ عرش کے دائیں جانب ہے۔

سُوْرَةُ الطَّارِق

مکی ہے اور اس کی سترہ (۱۷) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۱ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ ۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۳ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ۴ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۶ یَّخْرُجُ مِنْ م بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۷ اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۸ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ۹

ترجمہ قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر (اعمال کا) کوئی یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو (جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر چاہئے اور) دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ) (وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی۔

تفسیر ۱ "والسمآء والطارق" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان کو تحفہ میں روٹی اور دودھ دیا تو وہ بیٹھے کھا رہے تھے کہ اچانک ستارہ ٹوٹ کر گرا پھر پانی سے بھر گیا، پھر آگ تو ابوطالب گھبرا گئے اور کہا یہ کیا چیز ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ستارہ ہے جس کے ذریعے مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تو ابوطالب کو تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "والسماء والطارق" اور یہ قسم ہے اور الطارق وہ ستارہ جو رات کو ظاہر ہوتا ہے اور جو تیرے پاس رات کو آئے تو وہ بھی طارق ہے۔

۲ "وما ادراک ماالطارق"

۳ پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا "النجم الثاقب" یعنی روشن چمکدار۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں روشن۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے ثریا مراد ہے اور عرب اس کا نام نجم رکھتے ہیں اور کہا گیا ہے وہ زحل ہے، اس کے ساتھ نام رکھا گیا اس کے بلند ہونے کی وجہ سے۔ عرب پرندے کو کہتے ہیں جب وہ بلندی میں آسمان کو چھولے "قد ثقب"

۴ "ان کلّ نفس" قسم کا جواب ہے۔ "لمّا علیها حافظ" ابوجعفر، ابن عامر، عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ نے "لمّا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ مراد لیتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی نفس مگر اس پر حافظ ہے اور وہ یہ ہذیل کی لغت ہے وہ "لمّا" کو "الاّ" کے مرتبہ میں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "نشدتک اللہ لما قمت" یعنی "الاّ قمت" اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے

31

(ما) کو صلہ بنایا ہے اس کا مجاز "ان کلّ نفس علیھا حافظ" ہے۔ آیت کی تاویل یہ ہے کہ ہر نفس پر اس کے رب کی طرف سے نگران ہے جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے اور جو وہ شر وخیر کا کسب کرتا ہے اس کو لکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ فرشتوں میں سے حفاظت کرنے والے ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حافظ ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے قول وعمل کی بھی حتیٰ کہ اس کا دفاع کرتا ہے اور اس کو تقدیر کے سپرد کرتا ہے۔ پھر اس سے ہٹ جاتا ہے۔

⑤ "فلینظر الانسان ممّ خلق" یعنی پس چاہیے کہ غور وفکر کرے کہ کس چیز سے اس کو اس کے رب نے پیدا کیا ہے۔ یعنی چاہیے کہ وہ غور وفکر کرنے والے کی طرح نظر کرے۔

⑥ پھر بیان کرتے ہوئے فرمایا "خلق من ماء دافق" یعنی اللہ تعالیٰ کا قول "عیشۃ راضیۃ" ہے اور دفق بہانا اور آدمی اور عورت کا پانی مراد ہے اس لیے کہ بچہ ان دونوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس کو ایک بنایا ہے ان دونوں کے باہم مل جانے کی وجہ سے۔

⑦ "یخرج من بین الصلب والترائب" یعنی آدمی کی پیٹھ اور عورت کے ترائب سے اور ترائب تریبت کی جمع ہے اور وہ سینہ اور نحر کی ہڈیاں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ سینہ میں ہار باندھنے کی جگہ ہے اور والبی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے عورت کے دونوں پستانوں کے درمیان اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا نحر اور ابن زید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے سینہ۔

⑧ "انّه علی رجعه لقادر" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نطفہ کو ذکر (شرمگاہ) میں لوٹانے پر اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانی کو اس پشت میں لوٹانے پر جس سے وہ نکلا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ انسان کو پانی بنا کر لوٹانے پر قادر ہے جیسا کہ اس سے پہلے تھا اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو اس کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹا دوں اور جوانی سے بچپن کی طرف اور بچپن سے نطفہ کی طرف اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس پانی کے روکنے پر قادر ہے حتیٰ کہ وہ نہ نکل سکے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اُٹھانے اور اس کی موت کے بعد لوٹانے پر قادر ہے اور تمام اقوال میں اولیٰ ہے۔

⑨ "یوم تبلی السرائر" اور یہ قیامت کا دن ہے کہ مخفی چیزیں ظاہر کی جائیں گی۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں امتحان لیا جائے گا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں "السراء" فرض اعمال جیسے نماز، روزہ، وضو، جنابت سے غسل کرنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اور بندہ کے درمیان راز ہیں۔ پس اگر چاہے بندہ تو کہے میں نے روزہ رکھا حالانکہ اس نے روزہ نہیں رکھا اور میں نے نماز پڑھی حالانکہ اس نے نماز نہیں پڑھی۔

اور میں نے غسل کیا حالانکہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔ پس وہ آزمایا جائے گا حتیٰ کہ وہ ظاہر کردے گا کہ اس نے اس کو ادا کیا اور کس نے اس کو ضائع کردیا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں قیامت کے دن ہر راز ہوگا۔ پس وہ کئی چہروں پر زینت ہوگا اور کئی چہروں پر عیب۔ یعنی جس نے ان کو ادا کیا تو اس کا چہرہ چمکدار روشن ہوگا اور جس نے ان کو ضائع کیا تو اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ⑬ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰

ترجمہ پھر اس انسان کو نہ تو خود (مدافعت کی) قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکلتے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (حق و باطل میں ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے کوئی لغو چیز نہیں ہے (ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی (ان کی ناکامی اور عقوبت کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں تو آپ ان کافروں (کی مخالفت) کو یونہی رہنے دیجئے (اور زیادہ نہیں بلکہ) تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے۔

تفسیر ⑩ "فماله من قوّة ولا ناصر" یعنی اس انسان کے لیے جو بعث کا انکار کرنے والا ہے، کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو اس کو اللہ کے عذاب سے بچا دے اور نہ کوئی مددگار ہے جو اس کی اللہ تعالیٰ سے مدد کرے۔

⑪ پھر دوسری قسم ذکر کرتے ہوئے فرمایا "والسماء ذات الرجع" یعنی بارش والا، اس لیے کہ وہ سال لوٹتی ہے اور اس کا تکرار ہوتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ بادل ہیں جو بارش کے ساتھ لوٹتے ہیں۔

⑫ "والارض ذات الصدع" یعنی نباتات درختوں اور نہروں سے پھاڑی گئی ہے۔

⑬ اور جواب قسم اللہ تعالیٰ کا قول "انه" ہے یعنی قرآن "لقول فصل" حق جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

⑭ "وما هو بالهزل" لعب و باطل۔ ⑮ پھر مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا "انهم يكيدون كيدا" وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے ہیں اور اس کا خلاف ظاہر کرتے ہیں جس پر وہ ہیں۔

⑯ "واكيد كيدا" اور اللہ کا کید و تدبیر ان کو ڈھیل دینا ہے۔ ایسی جگہ سے کہ وہ یہ نہیں جانتے۔

⑰ "فمهل الكافرين" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو وعید ہے۔ "امهلهم رويدا" تھوڑی سی اور "مهل" اور "أمهل" کا معنی آپ انتظار کریں اور جلدی نہ کریں۔ پھر ان کو بدر کے دن پکڑا اور "امهال" کو آیت سیف کے ذریعے منسوخ کر دیا۔

❁❁❁

سُوْرَةُ الْاَعْلیٰ

مکی ہے اور اس کی انیس (۱۹) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ① الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ② وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ③ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ④

ترجمہ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر اس کو ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے (زمین سے) چارا نکالا۔

تفسیر ① "سبح اسم ربک الاعلیٰ" یعنی آپ سبحان ربی الاعلیٰ کہیں اور اسی طرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پھر کہا "سبحان ربی الاعلیٰ" اور ایک قوم نے کہا ہے اپنے "ربّ اعلیٰ" کی پاکی بیان کریں اس سے جو ملحدین بیان کرتے ہیں اور انہوں نے اسم کو صلہ بنایا ہے اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں جو اسم اور مسمی کو ایک قرار دیتے ہیں مگر کوئی شخص یوں نہیں کہتا "سبحان اسم اللّٰہ و سبحان اسم ربنا" سب یوں کہتے ہیں "سبحان اللّٰہ و سبحان ربنا" اور یہ "سبح اسم ربک" کا معنی ہے اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کر۔ بایں طور کہ تو اس کا تذکرہ اس حال میں کر کہ تو اس کی تعظیم کرنے والا ہو اور اس کے ذکر کا احترام کرنے والوں کو اور انہوں نے اسم کو تسمیہ کے معنی میں قرار دیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "سبح" یعنی اپنے رب اعلیٰ کے حکم سے نماز پڑھیں۔

② "الذی خلق فسوّیٰ" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ذی روح کو پیدا کیا۔ پس ان کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں ٹھیک ٹھیک بنائیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کو سیدھا پیدا کیا اور "سوّیٰ" کا معنی اس کی قامت کو سیدھا کیا۔

③ "والذی قدّر فھدیٰ" کسائی رحمہ اللہ نے "قدر" دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کو شد دی ہے اور یہ دونوں ایک معنی میں ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کی رہنمائی کی خیر و شر اور سعادت و شقاوت کے راستہ کی طرف اور چوپایوں کی رہنمائی کی ان کے چرنے کی جگہوں و چیزوں کی طرف اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز کے لیے اس کے چلنے کی جگہ مقرر کی، پھر اس کی رہنمائی کی۔ اس کو معرفت دی کہ مذکر، مؤنث کے پاس کیسے آئے اور کہا گیا ہے کہ رزق کو

مقدر کیا، پھر رہنمائی کی رزق اور معاش کمانے کی طرف۔ اور کہا گیا ہے اشیاء میں منافع پیدا کیے اور انسان کی رہنمائی کی ان سے نفع نکالنے کے طریقوں کی طرف اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بچہ کے رحم میں رہنے کی مدت متعین کی۔ پھر اس کی رحم سے نکلنے کے لیے رہنمائی کی۔ واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پر سعادت وشقاوت۔ کو مقدر کیا، پھر دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لیے اس پر چلنے کے راستے آسان کیے جن پر ان کی تقدیر بتائی گئی۔

④ "والذی اخرج المرعی" گھاس، پھوس اور جو مویشی چرتے ہیں وہ اُگایا سبز، زرد، سرخ اور سفید میں سے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰی ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰی ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ⑨ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰی ⑩ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ⑪ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰی ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی ⑬ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ⑭

ترجمہ پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جتنا) قرآن (نازل کرتے جاویں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرا دیا کریں گے) پھر آپ (اس میں سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے وہ ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے اور (اسی طرح) ہم اس آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے (یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا) تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہو وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (خدا سے) ڈرتا ہے اور جو شخص بدنصیب ہو وہ اس سے گریز کرتا ہے جو (آخرکار) بڑی آگ میں (یعنی آتش دوزخ میں) داخل ہوگا پھر نہ اس میں مر ہی جاوے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جئے گا بامراد ہوا جو شخص (قرآن سن کر خبائث عقائد واخلاق سے) سے پاک ہو گیا۔

تفسیر ⑤ "فجعله" سرسبزی کے بعد۔ "غثاء" خشک ٹوٹا ہوا اس جھاگ کی طرح جس کو تو سیلاب کے اوپر دیکھتا ہے۔ "احوی" سیاہ سرسبز ہونے کے بعد کیوں کہ گھاس جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔

⑥ "سنقرئک" عنقریب ہم آپ کو جبرئیل علیہ السلام کے آپ قرأت کرنے کا علم دیں گے۔ "فلا تنسٰی،

⑦ الا ماشاء اللّٰہ" کہ آپ اس کو بھول جائیں اور جس کی اللہ تعالیٰ قرآن میں سے تلاوت منسوخ کر دیں۔ جیسا کہ فرمایا "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا" اور بھلا دینا بھی نسخ کی ایک قسم ہے اور مجاہد اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام پر جبرئیل علیہ السلام قرآن لے کر اُترتے تو وہ آیت کے آخر سے فارغ نہ ہوتے تھے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اوّل کا تکلم شروع کر دیتے تھے اس خوف سے کہ اس کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "سنقرئک فلا تنسی" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولے۔ "انه یعلم الجهر" قول اور فعل میں سے۔ "وما یخفٰی" ان دونوں سے اور معنی یہ ہے کہ وہ پوشیدہ اور علانیہ کو جانتا ہے۔

⑧ "ویسرک للیسری" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم آپ پر جنت کے عمل کو آسان کردیں گے اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا معنی ہے کہ ہم آپ کو آسانی دیں گے اس بات کی کہ آپ خیر کے کام کریں اور "یسری" خیر کے کام اور کہا گیا ہے کہ ہم آپ کو شریعت "یسری" کی توفیق دیں گے اور وہ حنیفیہ سمحہ ہے اور کہا گیا ہے وہ پہلی کلام کے ساتھ متصل ہے اس کا معنی ہے بے شک وہ جہر کو جانتا ہے ان میں سے جو آپ علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام پر پڑھتے ہیں جب وہ تلاوت سے فارغ ہوتے ہیں اور مخفی کو جو آپ اپنے دل میں پڑھتے ہیں بھولنے کے خوف سے۔ پھر وعدہ کرتے ہوئے فرمایا "ونیسّرک للیسریٰ" یعنی ہم آپ علیہ السلام پر وحی کو آسان کردیں گے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اس کو یاد کریں گے اور جان لیں گے۔

⑨ "فذکر" قرآن کے ذریعے نصیحت کریں۔ "ان نفعت الذکریٰ" وعظ ونصیحت۔ اور معنی یہ ہے کہ نفع دے یا نفع نہ دے اور دوسری حالت کو ذکر نہیں کیا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "سرابیل تقیکم الحر" ہے کہ مراد سردی وگرمی دونوں ہیں۔

⑩ "سیذکّر" عنقریب نصیحت حاصل کرے گا۔ "من یخشیٰ" اللہ عزوجل سے۔

⑪ "ویتجنبھا" یعنی نصیحت سے بچتا ہے اور اس سے دور ہوتا ہے۔ "الاشقیٰ" اللہ کے علم میں بدبخت۔

⑫ "الّذی یصلی النار الکبریٰ" بڑی اور ہولناک اس لیے کہ وہ دُنیا کی آگ سے گرمائش میں سخت اور عظیم ہوگی۔

⑬ "ثم لا یموت فیھا" کہ وہ راحت حاصل کرے۔ "ولا یحییٰ" ایسی زندگی جو اس کو نفع دے۔

⑭ "قد افلح من تزکّی" جو شرک سے پاک ہوا اور کہا لا الٰہ الا اللہ۔ یہ عطاء اور عکرمہ رحمہما اللہ کے قول کا معنی ہے اور والبی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کا عمل صاف ستھرا ہو اور دیگر حضرات نے کہا ہے وہ صدقۃ الفطر ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "قد افلح من تزکّی" کے بارے میں مروی ہے فرماتے ہیں اس نے صدقہ فطر دیا۔

وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ⑯ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ⑰ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ⑱ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ⑲

(ترجمہ) اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہ (مگر اے منکرو تم آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے (اور یہ مضمون صرف قرآن کا ہی دعویٰ نہیں بلکہ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں (پس زیادہ تو موکد ہوا)

(تفسیر) ⑮ "وذکر اسم ربّه فصلّٰی" فرمایا عید کے لیے نکلا اور اس کی نماز پڑھی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ایسے بندہ پر رحم کریں جو صدقہ دے، پھر نماز پڑھے، پھر یہ آیت پڑھتے اور نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب صبح کی نماز پڑھتے یعنی عید کے دن تو فرماتے اے نافع! تو نے صدقہ ادا کردیا۔ پس اگر میں کہتا جی ہاں تو

عیدگاہ کی طرف چل پڑتے اور اگر میں کہتا نہیں تو فرماتے اب ادا کرے کیونکہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

"قد افلح من تزکّی وذکر اسم ربّہ فصلّٰی" اور یہ ابو العالیہ اور ابن سیرین رحمہما اللہ کا قول ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ میں اس تاویل کی وجہ نہیں جان سکا اس لیے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ میں عید اور صدقہ فطر کا حکم نہ تھا۔ شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ آیت کا نزول حکم سے پہلے ہوا ہے جیسا کہ فرمایا ہے "وانت حلّ بھٰذا البلد" پس سورۃ مکی ہے اور اس حل کا اثر فتح کے دن ظاہر ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دن کی ایک گھڑی مکہ حلال کر دیا گیا ہے اور اسی طرح یہ آیت "سیھزم الجمع ویولّون الدبر" مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نہ جانتا تھا کہ کون سا لشکر شکست کھائے گا۔ پس جب بدر کا دن تھا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا زرّہ پہنے ہوئے تیزی سے چل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "سیھزم الجمع ویولّون الدّبر. وذکر اسم ربّہ فصلّٰی" یعنی اور اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی اور کہا گیا ہے ذکر عید کی تکبیریں اور نماز سے عید کی نماز مراد ہے اور کہا گیا ہے یہاں صلوٰۃ دُعاء کے معنی میں ہے۔

16 "بل تؤثرون" ابو عمرو اور یعقوب رحمہما اللہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ بدبخت لوگ جن کا ذکر کیا گیا اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دلیل ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ہے۔ "بل انتم تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا"

17 "والاٰخرۃ خیر وّ ابقٰی" عرفجہ اشجعی کہتے ہیں ہم ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھے تو انہوں نے یہ قرأت پڑھی تو ہمیں کہا کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے دُنیا کی زندگی کو آخرت پر کیوں ترجیح دی ہے؟ ہم نے کہا نہیں تو فرمایا اس لیے کہ دُنیا حاضر کی گئی ہے اور ہمارے لیے اس کا کھانا، پینا اور عورتیں اور لذات اور اس کی رونق جلدی کی گئی ہے اور بے شک آخرت ہمارے لیے بیان کی گئی ہے اور ہم سے دور کی گئی ہے تو ہم نے عاجل (جلدی) کو پسند کیا اور آجل (دور والی) کو چھوڑ دیا۔

18 "ان ھٰذا" یعنی جو اللہ تعالیٰ کے قول "قد افلح من تزکّی" سے چار آیات تک ذکر کیا گیا ہے۔ "لفی الصحف الاولٰی" یعنی پہلی کتابوں میں جو قرآن سے پہلے اُتاری گئی ہیں ان میں زکوٰۃ وصدقات دینے والوں اور نماز پڑھنے والوں کی فلاح ذکر کی گئی ہے اور دُنیا کو ترجیح دینے اور آخرت کے بہتر اور دائمی ہونے کا ذکر ہے۔

19 پھر صحیفوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "صحف ابراھیم و موسٰی" عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ سورت ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں جن کے بعد وتر پڑھتے تھے "سبّح اسم ربّک الاعلٰی" اور "قل یاایھا الکافرون" پڑھتے تھے اور وتر "قل ھو اللّٰہ احد" اور "قل اعوذ بربّ الفلق" اور "قل اعوذ بربّ النّاس" پڑھتے تھے۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيه

مکی ہے اور اس کی چھبیس (۲۶) آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ❶ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ❷ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ❸ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ❹ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ❺ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ❻

ترجمہ: آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے) بہت سے چہرے اس روز ذلیل (اور) مصیبت جھیلتے اور (مصیبت جھیلنے سے) خستہ ہونگے (اور آتش سوزاں میں داخل ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جائیں گے (اور) ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا۔

تفسیر: ❶ "هل اتاک حديث الغاشية" تحقیق آپ علیہ السلام کے پاس قیامت کی خبر آئی ہے جو اپنی ہولناکیوں سے ہر چیز کو ڈھانپ لے گی۔

❷ "وجوه يومئذ" یعنی قیامت کے دن۔ "خاشعة" ذلیل ہونگے۔

❸ "عاملة ناصبة" عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی جن لوگوں نے عمل کیا اور دُنیا میں دین اسلام کے علاوہ بتوں کی عبادت کرنے والوں میں سے اور اہل کتاب کے کفار جیسے راہبین وغیرہم نے اپنے آپ کو تھکایا اللہ تعالیٰ ان سے گمراہی میں ان کی کوششوں کو قبول نہ کریں گے۔ وہ جہنم میں داخل ہوں گے قیامت کے دن اور یہ سعید بن جبیر اور زید بن اسلم رحمہما اللہ کا قول ہے اور نصب کا معنی عمل میں مشقت کا طریقہ اپنانا اور عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ "عاملة" دُنیا میں معاصی کے کام کرنے والے "ناصبة" آخرت میں جہنم میں اور ان میں سے بعض نے کہا ہے "عاملة" جہنم میں "ناصبة" اسی جہنم میں۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا میں اللہ کی رضا کے لیے کوئی کام نہیں کیا تو ان سے کام کرایا اور ان کو آگ میں بیڑیوں اور طوقوں کے ساتھ باندھ دیا اور اسی کے قتادہ رحمہ اللہ قائل ہیں اور یہ عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جہنم میں ایسے گھسے گا جیسے اونٹ کیچڑ میں گھستا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ جہنم میں لوہے

کے پہاڑ پر چڑھیں اور کلام کئی وجوہ پر نکلی ہے اور اس سے مراد اس کے اصحاب ہیں۔

❹ "تصلٰی نارا" اہل بصرہ اور ابو بکر نے "تُصلٰی" تاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول "تُسقٰی من عین اٰنية" کا اعتبار کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے تاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "حامية" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تحقیق وہ گرم کی گئی ہوگی۔ پس وہ اللہ کے دشمنوں پر شعلے مارے گی۔

❺ "تُسقٰی من عین اٰنية" حرارت میں انتہا کو پہنچا ہوا۔ تحقیق اس پر جہنم جلائی گئی ہے جب سے پیدا کی گئی ہے۔ پس وہ اس کی طرف دھکیلے جائیں گے پیاسے۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اگر اس کا ایک قطرہ دُنیا کے پہاڑوں پر گر جائے تو وہ پگھل جائیں یہ تو ان کا مشروب ہے، پھر ان کے کھانے کا ذکر کیا۔

❻ تو فرمایا "لیس لهم طعام الاّ من ضريع"

ضریع کی تفسیر

مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ کانٹوں والے پودے زمین سے چمٹے ہوئے۔ اس کا نام قریش شبرق رکھتے تھے۔ پھر جب خشک ہو جاتا تو اس کا نام ضریع رکھتے اور یہ خبیث ترین کھانا اور بدمزہ ہوتا ہے اور یہ عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو جانور اس کے قریب نہیں جاتے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں بہرحال دُنیا میں تو ضریع خشک کانٹے جو خشک ہو گئے ہوں اس کے پتے ہوں اور وہ آخرت میں آگ کے کانٹے ہوں گے۔

حدیث میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیا ہے کہ ضریع جہنم میں ایک چیز ہے جو کانٹوں کے مشابہ ہے۔ ایلوہ (کوڑتما) سے زیادہ کڑوا ہے اور مُردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہے۔ ابوالدرداء اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اہل نار پر بھوک بھیجیں گے حتیٰ کہ اس کو ان کے نزدیک اس عذاب کے برابر کر دیں گے جس میں وہ ہیں تو وہ فریاد کریں گے تو ضریع کے ذریعے ان کی فریاد رسی کی جائے گی۔ پھر فریاد کریں طعام ذی غصہ کے ذریعے ان کی فریاد رسی کی جائے گی، پھر وہ یاد کریں گے کہ وہ دُنیا میں کھانے سے پھندا لگنے پر پانی کے ذریعے کھانا نیچے اُتار لیتے تھے تو وہ پانی مانگیں گے تو ان کو ہزار سال پیاسا رکھیں گے، پھر وہ عین آنیہ سے ایسا پانی پلائے جائیں گے جو بغیر مشقت کے نہ ہوگا۔ جب بھی اس کو اپنے چہروں کے قریب کریں گے تو وہ ان کے چہروں کی کھال کو کھینچ دے گا اور بھون دے گا۔ پس جب وہ ان کے پیٹوں تک پہنچے گا تو ان کو کاٹ دے گا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول "وسقوا ماء حميما فقطع امعاء هم" ہے۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین نے کہا کہ ہمارے اونٹ تو ضریع کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں اور اس میں انہوں نے جھوٹ بولا کیونکہ اونٹ اس کو چرتے ہیں جب تک وہ تر ہو جس کا نام شبرق رکھا جاتا ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتا تو اس کو کوئی چیز نہیں کھاتی۔

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِيْ جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى
الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰

ترجمہ جو نہ تو (کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کرے گا بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) کاموں کی بدولت خوش ہوں گے (اور) بہشت بریں میں ہونگے جس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (اور) اس (بہشت) میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے آبخورے (موجود) ہیں اور برابر لگے ہوئے گدے (تکیے) ہیں اور سب طرف قالیں (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں تو (ان کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے۔

تفسیر ⑦ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ "لايسمن ولا يغني من جوع"

⑧ پھر اہل جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا "وجوه يومئذ ناعمة" مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں نعمتوں اور اعزاز میں۔

⑨ "لسعيها" دُنیا میں۔ "راضية" آخرت میں جب ان کے اعمال کی وجہ سے جنت دیئے جائیں گے۔

(⑩ _ ⑪) ...... "في جنة عالية لا تسمع فيها لاغية" لغو اور باطل اہل مکہ اور اہل بصرہ نے۔ "لايسمع" یاء کے ساتھ اور اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لاغية" مرفوع اور نافع رحمہ اللہ نے تاء اور اس کے پیش کے ساتھ "لاغية" مرفوع اور دیگر حضرات نے تاء اور اس کے زبر کے ساتھ "لاغية" نصب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہونے کی بناء پر۔

⑫ "فيها عين جارية. ⑬ فيها سرر مرفوعة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے تختے سونے کے ہوں گے زمرد، موتیوں اور یاقوت سے مزین کیے گئے ہوں گے، بلند ہوں گے جب تک اس کے اہل نہ آئیں گے۔ پس جب وہ ان پر بیٹھنے کا ارادہ کریں گے تو وہ نیچے آجائیں گے حتیٰ کہ وہ اس پر بیٹھ جائیں گے تو وہ اپنی جگہوں پر بلند ہو جائیں گے۔

⑭ "واكواب موضوعة" ان کے پاس۔

⑮ "ونمارق" تکیے اور تکیے لگانے کی جگہیں۔ "مصفوفة" ایک دوسرے کے پہلو میں اس کا واحد "نمرقة" ہے نون کے پیش کے ساتھ۔

⑯ "وزرابی" یعنی چوڑے بچھونے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ چٹائیاں جن کا اُٹھانا ہو اس کا واحد

زربیۃ "مبثوثۃ" بچھائے ہوئے اور کہا گیا ہے مجالس میں متفرق۔

⑰ "افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت" اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں وہ چیزیں بیان کیں جو جنت میں ہوں گی تو اہل کفر نے اس کو بڑا عجیب سمجھا اور اس کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی کاریگری بیان کی اور فرمایا "افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت" اور اونٹ عرب کے لیے زندگی گزارنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ ان کے لیے اس میں بہت سارے منافع تھے۔ پس جیسا کہ ان کے لیے دُنیا میں یہ بنایا تو ایسے ہی اہل جنت کے لیے جنت میں یہ تمام چیزیں بنائیں۔

آیت میں اونٹوں کی خصوصیت کی وجوہ

حکماء رحمہم اللہ نے تمام حیوانوں میں اونٹ کی تخصیص کی وجہ میں کلام کی ہے۔ پس مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے کبھی اونٹ سے بڑا کوئی جانور نہ دیکھا تھا اور ہاتھی کا ان میں سے گنتی کے چند افراد نے مشاہدہ کیا تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لیے وہ اپنے بوجھ کے ساتھ گھٹنوں کے بل اُٹھتا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے تختوں اور بچھونوں کے بلند ہونے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ہم ان پر کیسے چڑھیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور حسن رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا اور کہا گیا کہ ہاتھی اس سے بڑا عجوبہ ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاتھی عرب سے بہت دور تھا پھر وہ خنزیر کی طرح ہے نہ اس کی پیٹھ پر سواری کی جاتی ہے اور نہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور نہ اس کا دودھ نکالا جاتا ہے اور اونٹ عرب کے ہاں عمدہ ترین مال ہے، گٹھلیاں اور پتے وغیرہ کھاتا ہے اور دودھ نکالتا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بڑے ہونے کے باوجود بوجھل وزن کے لیے نرم ہے اور کمزور قائد کے سامنے تابعدار ہے حتیٰ کہ چھوٹا سا بچہ اس کی لگام کو پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے اور شریح قاضی رحمہ اللہ فرماتے تھے ہمیں کوڑا کرکٹ کی جگہ لے جاؤ تاکہ ہم اونٹ کو دیکھیں کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ㉓ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ㉔ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ㉕ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖

ترجمہ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے تو آپ (بھی ان کی فکر میں نہ پڑیے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) مگر ہاں جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو (آخرت میں) بڑی سزا دے گا (کیونکہ) ہمارے ہی پاس

ان کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیے)۔

تفسیر 18 "و الی السماء کیف رفعت" زمین سے حتیٰ کہ اس کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی جو اس کو تبدیل کردے۔

19 "والی الجبال کیف نصبت" زمین کے اوپر گاڑھے ہوئے کہ ہٹتے ہی نہیں ہیں۔

20 "والی الارض کیف سطحت" بچھائی گئی ہے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کیا کوئی شخص قادر ہے کہ اونٹ کی مثل پیدا کرے یا آسمان کی مثل بلند کرے یا پہاڑوں کی مثل گاڑھے یا زمین کی مثل بچھائے میرے علاوہ؟

21 "فذکر انما انت مذکر. 22 لست علیھم بمصیطر" مسلط کہ ان کو قتل کریں اور ان کو ایمان پر مجبور کریں۔ اس کو جہاد کی آیات نے منسوخ کردیا ہے۔

23 "الا من تولی" یہ استثناء ماقبل سے منقطع ہے۔ اس کا معنی لیکن جس نے پیٹھ پھیری "و کفر" نصیحت کے بعد۔

24 "فیعذبہ اللّٰہ العذاب الاکبر" وہ یہ کہ اس کو جہنم میں داخل کردے گا اور الاکبر کہا ہے اس لیے کہ وہ دُنیا میں بھوک، قحط، قتل اور قید کے عذاب دیئے گئے ہیں۔

25 "ان الینا ایابھم" ان کا لوٹنا موت کے بعد۔ کہا جاتا ہے "آب، یؤب اوبا و ایابا" اور ابوجعفر رحمہ اللہ نے "ایابھم" یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ شاذ ہے۔ اس کو زجاج رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے جائز قرار نہیں دیا کیوں کہ انہوں نے کہا۔ کہا جاتا ہے "ایب ایابا فعل فیعالا" کے وزن پر۔

26 "ثم ان علینا حسابھم" یعنی ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کے بعد۔

سُوْرَةُ الْفَجر

مکی ہے اور تیس (۳۰) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْفَجْرِ 1 وَلَيَالٍ عَشْرٍ 2 وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ 3 وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ 4

ترجمہ قسم ہے فجر (کے وقت) کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت کی اور طاق کی اور (قسم ہے) رات کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گزرنے لگے)

تفسیر 1 "و الفجر" اللہ عزوجل نے فجر کی قسم کھائی ہے۔ ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ ہر دن صبح کا روشن ہونا ہے اور یہی عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور عطیہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ صبح کی نماز ہے اور قتادہ

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ محرم کے پہلے دن کی صبح ہے کہ اس سے سال شروع ہوتا ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذوالحجہ کی فجر ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ دس راتوں کو ملایا گیا ہے۔

② "ولیال عشر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں اور یہی مجاہد، قتادہ، ضحاک، سدی اور کلبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور ابوروق نے ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ رمضان کی پہلی دس راتیں ہیں اور ابوظبیان نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ رمضان کے مہینہ کی آخری دس راتیں ہیں اور یمن بن رباب فرماتے ہیں یہ محرم کی پہلی دس راتیں ہیں جن میں سے دسویں یوم عاشوراء ہے۔

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کی تفسیر

③ "والشفع والوتر" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے الوتر کو واؤ کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے اس کی زبر کے ساتھ اور "الشفع والوتر" میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔ کہا گیا ہے "الشفع" مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وخلقناکم ازواجا" اور وتر اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور یہ عطیہ عوفی کا قول ہے اور مجاہد اور مسروق رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الشفع" تمام مخلوق جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ومن کل شیء خلقنا زوجین" کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، سعادت و شقاوت، رات و دن، آسمان و زمین، خشکی و سمندر، سورج و چاند، جن و انس اور وتر اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھو اللہ احد" حسن اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الشفع والوتر" تمام مخلوق ہے اس میں سے جفت اور اس میں سے طاق ہیں۔ یہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے اور عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے "الشفع" صبح کی نماز اور الوتر مغرب کی نماز۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں "الشفع" نفرِ اوّل کا دن اور الوتر نفرِ اخیر کا دن۔ روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے "شفع" اور وتر اور "لیالی عشر" کے بارے میں پوچھا تو فرمایا بہرحال شفع اور وتر تو اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ" پس یہ دونوں شفع اور وتر ہیں اور بہرحال "لیالی عشر" تو آٹھ اور عرفہ اور نحر۔ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں الشفع راتیں اور دن اور وتر وہ دن جس کے بعد کوئی رات نہ ہوگی اور وہ قیامت کا دن ہے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں الشفع جنت کے درجات اس لیے کہ یہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات اس لیے کہ وہ سات ہیں۔ گویا کہ جنت اور جہنم کی قسم کھائی۔

اور ابوبکر وراق سے شفع اور وتر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا شفع مخلوقات کے اوصاف کا تضاد عزت و ذلت، قدرت و عجز، قوت و ضعف، علم و جہالت، بینائی و نابینائی، زندگی و موت اور وتر اللہ تعالیٰ کی صفات کا متفرد ہونا کہ عزت ہے بغیر ذلت کے

اور قدرت بغیر عاجز ہونے کے اور قوت بغیر ضعف کے اور علم بغیر جہالت کے اور حیات بغیر موت کے۔

④ "والليل اذا يسر" یعنی جب چلی جائے۔ جیسا کہ فرمایا "والليل اذ ادبر" اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آئے اور جائے اور مراد تمام رات ہے اور مجاہد، عکرمہ اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ مزدلفہ کی رات ہے۔ اہل حجاز اور اہل بصرہ نے "يسرىٰ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے وصل کی صورت میں اور ابن کثیر اور یعقوب یاء کے ساتھ وقف بھی کرتے ہیں اور باقی حضرات اس کو دونوں حالتوں میں حذف کرتے ہیں۔ پس جس نے حذف کیا تو آیتوں کے اختتام کے ساتھ موافقت کے لیے اور جس نے ثابت رکھا تو اس لیے کہ یہ فعل کا لام کلمہ ہے اور فعل سے حالت وقف میں حذف نہیں کیا جاتا جیسے اس کا قول "هو يقضى" اور "ان اقضى" اور اخفش رحمہ اللہ سے یاء کے ساقط کرنے کی وجہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا "الليل لا يسرىٰ" (رات آسان نہیں ہے)...... "لكن يسرىٰ فيه" (لیکن اس میں آسانی ہے) پس اس میں تعریف کی گئی ہے تو جب اس میں تعریف کی تو اس کا اعراب کا حق کم کر دیا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "وما كانت امك بغيا" ہے اور بغیۃ نہیں کہا اس لیے کہ وہ باغیۃ سے تعریف شدہ ہے۔

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ⑤ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ⑥ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ⑦ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ⑧

ترجمہ: کیوں اس (قسم مذکور) میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد (یعنی قوم ارم) سے کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستونوں جیسے (دراز) تھے (اور) جن کے برابر زور و قوت میں (دنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا۔

تفسیر: ⑤ "هل فى ذلك" یعنی اس میں جو میں نے ذکر کیا۔ "قسم" یعنی قناعت اور کفایت ہے قسم میں "لذى حجر" عقل والے کے لیے اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ اپنے صاحب کو اس سے روکتی ہے جو حلال نہیں ہے اور نامناسب ہے۔ جیسا کہ اس کا نام عقل رکھا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اس کو قبائح سے باندھ دیتی ہے اور "نُهٰی" نام رکھا جاتا ہے اس لیے کہ وہ نامناسب کاموں سے روکتی ہے اور حجر کی اصل روکنا ہے اور جواب قسم اللہ تعالیٰ کا قول "ان ربّک لبالمرصاد" ہے اور قسم اور جواب قسم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا قول عارضی ہے۔

⑥ "الم تر" فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا آپ کو خبر نہیں اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا آپ نہیں جانتے اور اس کا معنی تعجب ہے۔ "كيف فعل ربّک بعاد"......

⑦ "ارم" اہل مکہ کو ڈرا رہے ہیں۔ یعنی کیسے ان کو ہلاک کیا حالانکہ وہ لمبی عمروں والے اور ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور ارم میں اختلاف ہوا ہے۔

عاد کی تفسیر

سعید بن میتب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارم "ذات العماد" دمشق ہے اور اسی کے عکرمہ رحمہ اللہ قائل ہیں اور قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اسکندریہ ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اُمت ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی پرانی اور قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ عاد کا ایک قبیلہ ہیں۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان میں بادشاہ تھا اور وہ مہرۃ میں تھے اور عاد ان کا باپ تھا تو ان کی اس کی طرف نسبت کی گئی اور وہ رام بن عاد بن شیم بن سام بن نوح ہے اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ عاد کا دادا ہے اور وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارم وہ شخص جس پر عاد اور ثمود اور اہل جزیرہ کا نسب جمع ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا تھا عادِ ارم اور ثمودِ ارم۔ تو اللہ تعالیٰ نے عاد کو اور پھر ثمود کو ہلاک کر دیا اور اہل سواد اور اہل جزیرہ باقی رہ گئے اور یہ خیموں اور بڑی بلند عمارتوں والے اور جانوروں والے موسم بہار میں سیر کرتے تھے۔ پس جب سفر ختم ہوتا تو اپنے گھروں میں واپس آجاتے اور یہ باغات اور کھیتیوں اور گھروں والے تھے وادی قریٰ میں اور وہ ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۸ "التی لم یخلق مثلها فی البلاد" اور ان کا نام ذات البلاد اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ بڑی بلند عمارتوں والے تھے، چلنے والے تھے اور یہ قتادہ، مجاہدہ اور کلبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور عطاء کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ان کا نام ذات العماد رکھا گیا ان کے لمبے قد کی وجہ سے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی ان کی لمبائی ستون کی طرح تھی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان میں سے ایک کی لمبائی بارہ گز تھی۔ "لم یخلق مثلها فی البلاد" یعنی اس قبیلہ کی مثل لمبائی اور قوت میں نہیں پیدا کیا گیا اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کہا تھا "من اشد منا قوۃ"

مِثْلُهَا فِي الْبِلَاد کہنے کی کیا وجہ ہے

عماد کی وجہ تسمیہ بعض حضرات نے یوں بیان کی کہ وہ اونچی عمارتیں اور مضبوط ستون بناتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شداد بن عاد نے ایک ایسی عمارت بنائی تھی کہ ویسی عمارت دُنیا میں کسی نے نہیں بنائی اور قوم کو ساتھ لے کر اس عمارت کو دیکھنے گیا۔ ابھی ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہی تھا کہ بحکم خدا آسمان کی طرف سے ایک چیخ پیدا ہوئی جس سے شداد اور سب قوم والے ہلاک ہو گئے۔

سعید بن میتب رحمہ اللہ نے کہا: "ارم ذات العماد" ایک شہر کا نام ہے جس کو دمشق کہا جاتا ہے۔ قرطبی۔ نے اسکندریہ کو ارم ذات العماد کہا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ اللہ نے عاد کو ہلاک کیا جو ارم ذات العماد کی رہنے والی تھی۔ (گویا ارم ایک شہر کا نام ہوا اور ذات العماد اس شہر کی صفت ہوئی) مراد یہ ہے کہ اس شہر میں بلند عمارتیں اور ستون تھے۔

"التی لم یخلق مثلها فی البلاد" یہ ارم کی صفت ہے، خواہ ارم کو قبیلہ کا نام کہا جائے یا شہر کا۔ اگر قوم (یا قبیلہ) مراد ہو تو "مثلها" کا معنی یہ ہوگا کہ اس قوم کی طرح قد و قامت اور قوت میں کوئی دوسری قوم نہیں پیدا کی گئی اور اگر بستی مراد ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ عمارات کی بلندی، پائیداری اور حسن میں اس جیسی کوئی بستی پیدا نہیں ہوئی۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ⑨ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ⑩

ترجمہ: اور (آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا گیا) جو وادی قریٰ میں (پہاڑ کے) پتھروں کو تراشا کرتے تھے (اور مکانات بنایا کرتے تھے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔

تفسیر: ⑨ "وثمود الّذین جابوا الصّخر بالواد" ثمود کا عطف عاد پر ہے۔ "جابوا" کا معنی ہے انہوں نے تراشا۔ "صخر" جمع ہے "صخرۃ" کی۔ "الواد" سے مراد وادی قریٰ ہے۔ ثمود وادی قریٰ میں پتھر تراش کر (پہاڑوں میں) رہنے کے لیے مکان بناتے تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَاد کی تفسیر اور واقعہ

⑩ "وفرعون ذی الاوتاد" الاوتاد: مضبوط عمارتیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محمد بن کعب قرظی کا یہی قول ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اوتاد سے مراد ہے مضبوط، طاقت ور، پائیدار حکومت۔ عرب کہتے ہیں: "هم فی العز ثابت الاوتاد" انہوں نے عزت کی میخیں گاڑ دیں۔ یعنی مستحکم اور دوامی عزت کے مالک ہیں۔ عطیہ کا قول ہے کہ "الاوتاد" سے فوجیں مراد ہیں۔ فوج اپنے ساتھ بکثرت ڈیرے، خیمے رکھتی تھی اور سفر میں جہاں جاتی تھی میخوں کے ذریعے ڈیرے قائم کرتی تھی۔ بروایت عطیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی نے کہا "اوتاد" وتد کی جمع ہے۔ فرعون لوگوں کو چومیخا کرتا تھا، سزا دینے کے لیے کسی ستون میں چومیخا کرا دیتا تھا یا ہوا میں لٹکا دیتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل بن حبان نے کہا آدمی کو زمین پر چت لٹا کر ہاتھ، پاؤں سیدھے کر کے ان میں میخیں ٹھونک دیتا تھا۔ سدی نے کہا: آدمی کو لمبا، لمبا لٹا کر میخیں ٹھونکتا، پھر سانپ، بچھو اس پر چھوڑ دیتا تھا۔

قتادہ اور عطاء نے کہا فرعون نے اپنے سامنے اپنے خزانچی حزقیل کی بیوی کو چومیخا کرایا تھا۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ فرعون کو ذوالاوتاد کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا خزانچی حزقیل مؤمن ہو گیا تھا اور سو برس تک اپنے ایمان کو چھپاتا رہا تھا۔ حزقیل کی بیوی فرعون کی بیٹی کی مشاطہ تھی۔ ایک روز مشاطہ فرعون کے سر میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ اس کے منہ سے فوراً یہ الفاظ نکلے کہ اللہ کو نہ ماننے والے ہلاک ہوں۔ فرعون کی لڑکی نے کہا، کیا میرے باپ کے علاوہ تیرا کوئی اور معبود ہے؟ مشاطہ نے کہا: میرے اور تیرے باپ کا اور زمین و آسمان کا اللہ ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ لڑکی فوراً کھڑی ہوگئی اور باپ کے پاس جا کر رونے لگی۔ فرعون نے رونے کی وجہ

پوچھی تو لڑکی نے کہا: آپ کے خزانچی کی بیوی میری مشاطہ ہے۔ اس کا خیال ہے کہ آپ کا اور اس کا اور زمین و آسمان کا اللہ ایک ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ فرعون نے مشاطہ کو بلوا کر جواب طلب کیا۔ اس نے کہا اگر تو ستر مہینے تک مجھے عذاب دیتا رہے گا، تب بھی میں اللہ کا انکار نہیں کروں گی۔ مشاطہ کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی کو پکڑوا کر مشاطہ کے روبرو فرعون نے ذبح کروا دیا اور اس سے کہا اب بھی انکار کر دے، ورنہ تیرے سامنے ہی میں تیری چھوٹی لڑکی کو بھی ذبح کر دوں گا، چھوٹی لڑکی شیر خوار تھی۔ مشاطہ بولی اگر تو تمام روئے زمین والوں کو بھی میرے روبرو ذبح کر دے گا تب بھی اللہ کا انکار نہیں کروں گی۔ غرض بچی کو لے کر جب اوندھا لٹایا گیا اور قاتلوں نے اس کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ماں بے صبر ہو گئی لیکن فوراً بچی کی زبان کو اللہ نے کھول دیا۔

دُنیا میں چار بچے بچپن میں بولے ہیں، ان میں سے یہ بھی ایک بچی تھی۔ بچی نے کہا: ماں بے صبر نہ ہو، اللہ نے تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ کر دیا ہے، صبر کر۔ تو بلاشبہ اللہ کی رحمت اور عزت افزائی تک پہنچے گی۔ غرض بچی کو ذبح کر دیا گیا، وہ مر گئی اور اللہ نے اُس کو جنت میں جگہ عطا فرما دی۔

اس کے بعد اس عورت کے شوہر حزقیل کی طلب میں آدمی بھیجے گئے لیکن وہ لوگ گرفتار نہ کر سکے۔ کسی نے فرعون کو اطلاع دی کہ حزقیل فلاں پہاڑ میں فلاں مقام پر ہے۔ فرعون نے دو آدمی تلاش کے لیے بھیجے۔ یہ دونوں پہنچے تو حزقیل نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں نماز میں شریک تھیں۔ دونوں آدمیوں کو حزقیل نے دیکھ کر کہا، واپس چلے جاؤ۔ پھر اللہ سے دُعا کی کہ بارالٰہا میں نے اپنا ایمان سو برس چھپایا، کسی کو میرے ایمان کا علم نہ ہوا، ان دونوں میں سے جو بھی میرے ایمان کو ظاہر کر دے تو فوراً دُنیا میں اس کو سزا دے دے اور آخرت میں اُس کو دوزخ میں بھیج دے، دونوں آدمی واپس چلے گئے۔ ایک مؤمن ہو گیا اور اس کو بڑی عبرت ہوئی، دوسرے نے سٹاف کے سامنے فرعون کو اطلاع دے دی۔ فرعون نے کہا، کیا کوئی دوسرا بھی تیرے ساتھ تھا؟ مخبر نے کہا ہاں! فلاں شخص تھا۔ فرعون نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا، کیا یہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا نہیں! اس نے جو بات کہی میں نے تو نہیں دیکھی۔ فرعون نے اس کو کثیر انعام دیا اور مخبر کو مروا ڈالا اور صلیب پر چڑھا دیا۔

خاندان میں ایک بڑی حسین عورت تھی۔ وہ فرعون کی بیوی تھی، اس کا نام تھا آسیہ بنت مزاحم۔ مشاطہ کے ساتھ فرعون نے جو حرکت کی تھی اس نے اس حرکت پر غور کیا اور کہنے لگی: میں مؤمن ہوں۔ فرعون کافر ہے، فرعون کی حرکتوں پر صبر کرنا اب میرے لیے ممکن نہیں، دل میں یہ کہہ ہی رہی تھی کہ فرعون آ گیا، بیوی کے پاس بیٹھ گیا، بیوی نے کہا: تو ساری مخلوق سے برا اور سب سے زیادہ خبیث ہے، تو نے مشاطہ کو قصداً مار ڈالا۔ فرعون نے کہا: کیا تجھے بھی اسی کی طرح جنون ہو گیا۔ آسیہ نے کہا: مجھے جنون نہیں بلکہ میرا، تیرا، اس کا اور آسمان و زمین کا خدا ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے اس کو مارا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کے ماں، باپ کے پاس آدمی بھیج کر ان کو بلوایا، وہ آ گئے تو بولا: مشاطہ کو جو جنون تھا وہی اس کو بھی ہو گیا۔ آسیہ کہنے لگی: اللہ کی پناہ مجھے جنون نہیں، میں شہادت دیتی ہوں کہ میرا مالک اور تیرا مالک اور زمین و آسمان کا مالک ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ باپ نے کہا: آسیہ کیا (آج) تو خاندان عمالقہ کی سب سے اعلیٰ عورت نہیں اور

تیرا شوہر عمالقہ کا خدا ہے؟ آسیہ نے کہا: "اعوذ باللّٰہ من ذٰلک" تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر سچ ہے تو اس سے کہو مجھے ایسا تاج پہنا دے جس کے سامنے سورج، پیچھے چاند اور گرد اگرد ستارے ہوں۔

آخر فرعون نے آسیہ کے ماں، باپ سے کہا: تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ۔ پھر آسیہ کو لٹا کر چومیخا کر دیا اور اللہ نے اس عذاب (کی برداشت) کو اس پر سہل بنانے کے لیے اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیا۔ اس وقت آسیہ نے دُعا کی: یاالٰہی! جنت کے اندر اپنے قرب میں میرے لیے مکان بنا دے اور فرعون اور فرعون کی بداعمالیوں سے مجھے نجات عطا فرما دے (دُعا قبول ہوئی) اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور جنت میں اس کو سکونت عطا فرما دی۔ انتہٰی

فرعون کی یہ بیوی وہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے فرعون کے حکم سے بحکم خدا جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں پھینک دیا اور فرعون کے آدمیوں نے ان کو پا کر نکال لیا تو اسی بیوی نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکا تھا اور کہا تھا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اُمید ہے کہ ہم کو اس سے فائدہ پہنچے۔ چنانچہ آسیہ کو اس بچہ سے فائدہ پہنچا، وہ مؤمنہ ہو گئی۔ پورا قصہ سورۂ قصص میں گزر چکا ہے۔

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ⑪ فَاَکْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑬ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ⑭ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ ⑮

ترجمہ جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کو کوڑا برسایا بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً) انعام و اکرام دیتا ہے تو وہ (بطور فخریہ) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی۔

تفسیر ⑪ "الذین طغوا فی البلاد" جنہوں نے بستیوں میں حد سے زیادہ نافرمانیاں کی تھیں۔

⑫ "فاکثروا فیها الفساد" اور کفر و ظلم کی بہت تباہ کاریاں مچائی تھیں۔

⑬ "فصبّ علیهم ربّک سوط عذابٍ" نتیجہ میں اللہ نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے یعنی ہر قسم کا ملا جلا عذاب اُن پر نازل کیا۔

"سوط عذاب" میں صفت کی اضافت موصوف کی جانب ہے۔ اصل میں "عذابَ سوطٍ" تھا۔ یعنی مخلوط عذاب جیسے "اخلاق ثیابٍ" پرانے کپڑے۔ سوط کا اصل لغوی معنی ہے مخلوط کر دینا۔ کوڑے میں مختلف بل مخلوط ہوتے ہیں، اسی لیے اس کو سوط کہتے ہیں۔

⑭ "انّ ربک لبالمرصاد" اللہ کے مرصاد ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ بندوں سے اطاعت اور فرمانبرداری چاہتا ہے اور ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے اس کو تمام اعمال کا علم ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے یہ بندوں کا طریقہ ہے۔ مقاتل نے کہا کہ

لوگوں کے گزرنے کی جگہ اور مرصد راستے کو کہتے ہیں۔ حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ بنی آدم کے اعمال کا مقام ہے۔

⑮ "فاما الانسان اذا ما ابتلاہ" ان کو آزمایا "ربہ" نعمت کے ذریعے۔ "فاکرمہ" اس کا اکرام کیا مال کے ذریعے۔ "ونعمہ" جس پر اللہ نے وسعت کی "فیقول ربی اکرمن" جو اللہ نے عطاء فرمایا۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ⑯ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ⑰ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ⑱ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ⑲ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ㉑

ترجمہ اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (شکایۃً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم (میں اور اعمال بھی موجب عذاب ہیں چنانچہ تم) لوگ یتیموں کی (کچھ) قدر (وخاطر) نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور (تم) میراث کا مال (سارا) سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق کھا جاتے ہو اور مال سے (تم لوگ) بہت ہی محبت رکھتے ہو (آگے ان افعال کے موجب العذاب نہ سمجھنے پر سرزنش ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو) جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جاوے گا۔

تفسیر ⑯ "واما اذا ما ابتلاہ" فقر کے ساتھ۔ "فقدر علیہ رزقہ" ابوجعفر اور ابن عامر رحمہ اللہ نے "فقدّر" دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ یعنی اس پر اس کے رزق کو تنگ کر دیا اور کہا گیا ہے "قدّر" بمعنی کم کر دیا اور اتنا دیا جو اس کو کافی ہو۔ "فیقول ربی اھانن" مجھے فقر کی وجہ سے ذلیل کر دیا اور اس سے کافر مراد لیا گیا ہے کہ اس کے نزدیک عزت اور ذلت مال کی کثرت اور دُنیا میں حصہ اور اس کے کم ہونے سے ہوتی ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ اُمیہ بن خلف جمحی کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی جس نے گمان کیا کہ رزق کی وسعت اکرام ہے اور فقر ذلت ہے۔

⑰ پس فرمایا "کلا" میں نے اس کو مال داری کے ساتھ اس کے اعزاز کی وجہ سے نہیں آزمایا اور میں نے اس کو فقر کے ساتھ اس کے ذلیل ہونے کی وجہ سے آزمایا۔ پھر خبر دی کہ اکرام اور اہانت کا مدار مال اور وسعت رزق پر نہیں ہے لیکن فقر و غنیٰ تو اس کی تقدیر کی وجہ سے ہے۔ پس وہ کافر پر وسعت کر دیتا ہے اس کی کرامت کی وجہ سے نہیں اور مؤمن پر تنگی کر دیتا ہے اس کے ذلیل ہونے کی وجہ سے نہیں۔ آدمی کا اکرام و اعزاز تو اس کی طاعت کی وجہ سے کرتے ہیں اور اس کو ذلیل اس کی معصیت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اہل حجاز اور اہل بصرہ نے "اکرمن اور اھانن" کو وصل کی صورت میں یاء کو ثابت رکھنے کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن کثیر اور یعقوب رحمہما اللہ یاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کو وصل و وقف دونوں میں حذف کرتے ہیں۔

"بل لاتکرمون الیتیم" اہل بصرہ نے "یکرمون و یحضون، یاکلون، یحبون" ان میں یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ "لاتکرمون الیتیم" تم اس کی طرف احسان نہیں کرتے اور کہا گیا ہے کہ تم اس کو اس کا حق نہیں دیتے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں قدامہ بن مظعون یتیم تھا، اُمیہ بن خلف کی پرورش میں وہ اس کو اس کے حق سے روکتا تھا۔

⑱ "ولا تحاضّون علی طعام المسکین" یعنی تم اس کے کھلانے کا حکم نہیں کرتے اور ابو جعفر اور اہل کوفہ نے "تحاضون" حاء کے زبر کے ساتھ اور اس کے بعد الف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تم ایک دوسرے کو اس پر نہیں اُبھارتے۔

⑲ "وتاکلون التراث" یعنی میراث۔ "اکلالمّا" سخت اپنا اور اپنے غیر کا حصہ کھا جاتے ہو کیونکہ وہ لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت نہ دیتے تھے اور ان کا حصہ کھا جاتے تھے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الا کل اللم" ایسا جو ہر چیز کھا جائے جو پائے اس کے بارے میں پوچھے نہ کہ کیا حلال ہے یا حرام؟ اور جو اس کے لیے اور اس کے غیر کے لیے ہے وہ کھا جائے۔ کہا جاتا ہے "لممت علی الخوان" جب تو آئے جو اس پر ہے پھر اس کو کھا جائے۔

⑳ "وتحبّون المال حبّا جما" یعنی بہت زیادہ یعنی وہ مال کے جمع کرنے کو پسند کرتے ہیں اور اس پر حریص ہیں۔ کہا جاتا ہے "جمّ الماء فی الحوض" جب پانی حوض میں بہت زیادہ جمع ہو جائے۔

㉑ "کلا" اس طرح مناسب نہیں ہے کہ معاملہ ہو اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ نہیں کرتے جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے یتیم کا اکرام کرنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کا۔ پھر خبر دی کہ جو ان سے ہو چکا جب یہ ان کو نفع نہ دے تو وہ افسوس کریں گے تو فرمایا "اذا دُکّت الارض دکّا دکّا" ایک مرتبہ کے بعد مرتبہ اور ہر چیز جو اس کے اوپر ہے ٹوٹ جائے گی، پہاڑوں، عمارتوں اور درختوں میں سے۔ پس اس کے اوپر کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔

وَّجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ㉒ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی ㉓ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ㉔ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ㉕ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ㉖ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ㉗ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ㉘ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ㉙ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ㉚

ترجمہ: اور آپ کا پروردگار اور جوق در جوق فرشتے (میدان حشر میں) آویں گے اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا (اور) اس روز انسان کو سمجھ آوے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا کہے گا کاش میں اس زندگی (اخروی) کے لئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج لیتا پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا (اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا) کہ اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر

(ادھر چل کر) تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تفسیر ㉒ "وجاء ربک" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں آ گیا اس کا امر اور فیصلہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اُترے گا اس کا حکم۔ "والملک صفا صفا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کی صفیں مراد ہیں اور ہر آسمان والوں کی علیحدہ صف ہوگی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر آسمان والے جب قیامت کے دن اُتریں گے تو صف باندھے ہوں گے، زمین اور جوان میں ہیں ان سے ملے ہوں گے تو سات صفیں ہوں گی۔

㉓ "وجیء یومئذ بجھنم" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مقاتل رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جہنم ستر لگاموں کے ذریعے کھینچی جائے گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے، اس کے لیے سخت غیظ وغضب اور گدھے کی سی آوازیں ہوں گی حتیٰ کہ عرش کے بائیں جانب ٹھہرائی جائے گی۔ "یومئذ" یعنی جس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ "یتذکر الانسان" نصیحت حاصل کرے گا اور کافر توبہ کرے گا۔ "وانّی له الذکری" زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں توبہ ظاہر کرے گا اور اس کے لیے توبہ کہاں ہوگی۔

㉔ "یقول یالیتنی قدمت لحیاتی" یعنی میں نے خیر اور نیک عمل کو آگے بھیجا، میری آخرت کی زندگی کے لیے۔ یعنی اپنی آخرت کے لیے جس میں کوئی موت نہ ہوگی۔

㉕ "فیومئذ لا یعذبّ عذابه احد.

㉖ ولا یوثق وثاقه احد" کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ نے "لایعذّب، ولا یوثق" ذال اور ثاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر کہ کوئی ایک دُنیا میں عذاب نہ دیا گیا ہوگا اس دن اللہ کے عذاب کی طرح اور نہ کوئی باندھا گیا ہوگا اللہ تعالیٰ کے باندھنے کی طرح یعنی مخلوق میں سے کوئی شخص عذاب میں اللہ تعالیٰ کے انتہا تک پہنچنے کو نہیں پہنچ سکتا اور "وثاق" بیڑیوں اور طوقوں میں قید کرنا۔

㉗ "یا یتھا النفس المطمئنة" اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اللہ نے کہا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المطمئنه" جس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور اس کے امر اور طاعت کی ادائیگی پر صبر کیا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المؤمنة" یقین کرنے والے اور عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کے عذاب سے امن میں آنے والا اور کہا گیا ہے اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرنے والا۔ اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے قول "وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰه" میں ہے اور ان کا اس مقالہ کے وقت میں اختلاف ہوا ہے تو ایک قوم نے کہا ہے یہ اس کو موت کے وقت کہا جائے گا، پھر اس کو کہا جائے گا۔

㉘ "ارجعی الی ربک" اللہ کی طرف۔ "راضیة" ثواب کے ساتھ۔ "مرضیة" تجھ سے اور حسن رحمہ اللہ

فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اس کو قبض کرنے کا ارادہ کریں گے تو وہ اللہ کی طرف مطمئن ہو جائے گا اور اللہ سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے۔

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کی تفسیر

عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں جب مؤمن بندہ وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو بھیج دیتے ہیں اور اس کے پاس جنت سے ایک تحفہ بھیج دیتے ہیں۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے تو نکل اے مطمئن نفس! تو نکل روح اور ریحان کی طرف اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔ پس کستوری کی خوشبو سے عمدہ خوشبو نکلتی ہے جس کو کوئی ایک اپنے ناک سے سونگھتا ہے اور فرشتے آسمان کے اوپر کہتے ہیں تحقیق زمین سے پاکیزہ روح اور پاکیزہ انسان آرہا ہے۔ پس وہ جس دروازہ سے گزرتی ہے وہ کھول دیا جاتا ہے اور جس فرشتہ پر گزرتی ہے وہ اس کے لیے استغفار کرتا ہے۔

حتیٰ کہ اس کو رحمٰن کے پاس لایا جاتا ہے تو وہ سجدہ کرتی ہے۔ پھر میکائیل کو کہا جاتا ہے اس کو لے جاؤ اس کو مؤمنین کی روحوں میں ٹھہراؤ، پھر حکم دیا جاتا ہے تو اس کی قبر ستر گز لمبائی اور ستر گز چوڑائی میں وسیع کردی جاتی ہے اور اس کے لیے ریحان لایا جاتا ہے اور اگر اس کے پاس قرآن میں سے کچھ ہو تو اس کو اس کا نور کافی ہے اور اگر نہ ہو تو اس کے لیے اس کا نور قبر میں سورج کی مثل کردیا جاتا ہے اور اس کی مثال دُلہنوں کی سی مثال ہے کہ وہ سو جائے گا۔ پس اس کو نہیں بیدار کرے گا مگر اس کے گھر والوں میں سے اس کی طرف زیادہ پسندیدہ شخص اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو بھیجتے ہیں اور اس کے پاس ایک دھاری دار کپڑے کا ٹکڑا بھیجتے ہیں جو انتہائی بدبودار اور ہر کھردری چیز سے زیادہ کھردرا ہوتا ہے۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے اے خبیث نفس! تو جہنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف اور رب تجھ پر ناراض ہے۔

اور ابو صالح اللہ تعالیٰ کے قول "ارجعي الى ربک راضية مرضية" کے بارے میں فرماتے ہیں یہ اس کے دُنیا سے نکلنے کے وقت ہوگا۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا کہا جائے گا "فادخلي في عبادي وادخلي جنتي" اور دیگر حضرات نے کہا ہے یہ اس کو بعث کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ یعنی اپنے صاحب اور جسم کی طرف۔ پس اللہ تعالیٰ روحوں کو حکم دیں گے کہ وہ جسموں کی طرف لوٹ جائیں۔ یہ عکرمہ، عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے اور عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی تو اپنے ثواب کی طرف، اس کے اعزاز کی طرف لوٹ۔ اس حال میں کہ اللہ تجھ سے راضی ہے اس کی وجہ سے جو اس کے لیے تیار کیا ہے مرضیہ یعنی اس سے اس کا رب راضی ہے۔

29 "فادخلي في عبادي" یعنی میرے بندوں کے ساتھ جنت میں اور کہا گیا ہے میرے تمام نیک بندوں میں جو فرمانبردار چنے ہوئے ہیں۔ اس کی نظیر "وادخلني برحمتک في عبادک الصالحين" ہے۔

30 "وادخلي جنتي" اور بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ "يايتها النفس المطمئنة" دُنیا کی طرف۔ "ارجعي

الی اللّٰہ" اس دُنیا کو چھوڑنے کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہ آخرت کے راستے پر چلنا ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں وفات پاگئے تو ان کا جنازہ حاضر ہوا تو ایک پرندہ آیا، اس کی صورت کا کبھی دیکھا نہیں گیا تھا ان کی لاش میں داخل ہوگیا، پھر اس سے نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا، پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو قبر کے کنارے پر یہ آیت تلاوت کی گئی اور ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس نے پڑھا "یا یتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

سُوْرَۃُ الْبَلَد

مکی ہے اور اس کی بیس (۲۰) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④

ترجمہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (بطور جملہ معترضہ تسلی کے لئے پیشینگوئی فرماتے ہیں کہ) آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے

① "لا اقسم" میں قسم کھاتا ہوں۔ "بھذا البلد" یعنی مکہ۔

تفسیر ② "وانت حلّ" حلال ہے۔ "بھذا البلد" آپ اس میں جو چاہیں کریں قتل اور قید میں سے۔ آپ پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو لوگوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ کو فتح کے دن حلال کردیا تھا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے لڑائی کی اور قتل کیا اور ابن اخطل کے قتل کا حکم دیا حالانکہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور مقیس بن صبابہ اور ان دونوں کے علاوہ کا۔ پس ایک قوم کے خون کو حلال قرار دیا اور ایک قوم کے خون کو حرام قرار دیا۔ پس فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہوگیا وہ امن میں ہے، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرام قرار دیا، جس آسمانوں وزمینوں کو پیدا کیا اور یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہ ہوگا اور میرے لیے دن کی ایک گھڑی حلال کیا گیا ہے۔ پس وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت کے دن تک اور معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کی قسم کھائی تو اس نے اس کے عظیم مرتبہ پر اس کے احترام کے ساتھ دلالت کی۔ پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کو حلال کردیں گے حتیٰ کہ وہ اس میں قتال کریں گے اور اس کو آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر فتح کریں گے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکہ کو آپ علیہ السلام کے لیے حلال کریں گے۔ شرحبیل بن سعد رحمہ اللہ فرماتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول "وانت حِلّ بھذا البلد" کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو تو حرام سمجھتے ہیں کہ اس مکہ میں کس شکار کو قتل کریں اور آپ علیہ السلام کے نکالنے اور آپ علیہ السلام کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں۔

③ "ووالد وما ولد" یعنی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد۔

④ "لقد خلقنا الانسان فی کبد" والبی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے "فی نصب" (مشقت میں)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ کی تفسیر

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں دُنیا کے مصائب اور آخرت کے شدائد برداشت کرتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشقت میں۔ پس اس کو نہیں حاصل کرتا مگر دُنیا کے امر کی مشقتیں برداشت کرتا ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سختی میں اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا ہے سختی میں اس کے حمل اور ولادت اور دودھ پلانے اور دودھ چھڑانے اور معاش اور زندگی و موت کو پیدا کیا اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے دانتوں کے اُگنے کے وقت، یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو ابن آدم کی طرح مشقتیں برداشت کرتی ہو۔ حالانکہ وہ تمام مخلوقات میں کمزور تر ہے اور کبد کی اصل سختی ہے۔ مجاہد، عکرمہ، عطیہ اور ضحاک فرماتے ہیں یعنی کھڑا معتدل قامت والا اور ہر مخلوق جھک کر چلتی ہے اور یہ مقسم کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور کبد برابر ہونا اور سیدھا کھڑا ہونا اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی ماں کے پیٹ میں اپنے سر کو کھڑا کیا ہوا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو نکلنے کی اجازت دیتے ہیں تو اس کا سر ماں کے پاؤں کی طرف پلٹ جاتا ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں فی کبد یعنی قوت میں یہ ابوالاشد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا نام اسید بن کلدۃ جمحی تھا اور یہ بہت طاقتور تھا۔

دباغت دیا ہوا چمڑا اپنے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ دیتا۔ پھر کہتا جو مجھے اس سے ہٹا دے تو اس کے لیے اتنا اور اتنا ہے۔ پس اس کے پاؤں کے نیچے سے چمڑا کھینچنے کی کسی کو طاقت نہ تھی، وہ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اس کے قدموں کی جگہ باقی رہ جاتی۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ⑤ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ⑨ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ⑩ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪

ترجمہ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا (اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا وافر مال خرچ کر ڈالا کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں رستے (خیر و شر) کے بتلا دیئے (وہ یہ کہ طریقہ مضر سے بچے اور نافع پر چلے) سو وہ شخص (دین کی) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔

تفسیر ⑤ "ایحسب" یعنی ابوالاشد اپنی قوت کی وجہ سے۔ "ان لن یقدر علیه احد" یعنی وہ اپنی طاقت کی وجہ سے گمان کرتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ ہرگز قادر نہ ہو سکیں گے اور کہا گیا ہے ولید بن مغیرہ ہے۔

⑥ "یقول اهلکت" یعنی میں نے خرچ کیا۔ "مالا لبدا" یعنی بہت زیادہ ایک دوسرے پر تلبید سے ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں۔ ابوجعفر رحمہ اللہ نے لبد اباء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے "لا بد" کی جمع ہے۔ جیسے راکع اور رکع اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ جمع پر پڑھا ہے۔ "لبدة" اور کہا گیا ہے واحد پر ہے جیسے قثم اور حطم۔

⑦ "ایحسب ان لم یره احد" سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں دیکھ رہا اور اس سے اس کے مال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کہ اس نے کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے اس قول میں جھوٹا ہے کہ میں نے اتنا اور اتنا خرچ کیا حالانکہ اس نے وہ تمام مال خرچ نہیں کیا جو اس نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا اس کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ نہیں دیکھا کہ وہ اس کے خرچ کی مقدار کو جانے۔ پھر اپنی نعمتیں اس کو یاد دلائیں تا کہ وہ عبرت حاصل کرے۔

⑧ فرمایا "الم نجعل له عینین ⑨ ولسانا وشفتین" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی نعمتیں ظاہر ہیں وہ تجھے ان پر قرار دے گا جتنا تو شکر ادا کرے گا اور حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم اگر تجھ سے تیری زبان جھگڑا کرے، اس میں جو میں نے تجھ پر حرام کیا تو میں نے تیری اس پر دو جبڑوں کے ساتھ مدد کی ہے، پس تو ان کو بند کر دے اور تجھ سے تیری آنکھ جھگڑا کرے، اس چیز کی طرف جو میں نے تجھ پر حرام کی ہے تو میں نے تیری اس پر دو پلکوں کے ساتھ مدد کی ہے۔ پس تو ان کو بند کر دے اور اگر تجھ سے تیری شرمگاہ جھگڑا کرے اس چیز کی طرف جو میں نے تجھ پر حرام کی ہے تو میں نے تیری اس پر دو رانوں کے ساتھ مدد کی ہے۔ پس تو اس کو روک لے۔

⑩ "وهدیناه النجدین" اکثر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں خیر اور شر کا راستہ اور حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کا راستہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "انا هدیناه السبیل امّا شاکرا واما کفورا" ہے اور محمد بن کعب نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "وهدیناه النجدین" فرمایا دو پستان اور یہی سعید بن میسب اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے اور نجد بلند راستہ۔

⑪ "فلا اقتحم العقبة" فرماتے ہیں۔ پس کیوں نہیں اس نے اپنا مال ان کاموں میں خرچ کیا جو اس کے لیے جائز تھے۔ گردنیں چھڑانے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے۔ پس یہ اس کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر خرچ کرنے سے بہتر ہوتا۔ یہ ابن زید اور ایک جماعت کا قول ہے اور کہا گیا ہے "فلا اقتحم العقبة" یعنی نہ اس میں داخل ہوا اور نہ اس کو پار کیا۔ اقتحام سخت امر میں داخل ہونا اور عقبہ کا ذکر یہاں مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس کے مجاہدہ اور خواہش نفس اور شیطان سے مجاہدہ کرنے کے لیے نیکی کے اعمال میں بیان کیا ہے۔ پس اس کو بنایا اس شخص کی طرح جو گھاٹی پر چڑھنے میں مشقت برداشت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں اس نے اپنے نفس پر غلام کو آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کی مشقت کو برداشت نہیں کی اور یہ قتادہ رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے اور کہا گیا ہے کہ گناہوں کے بوجھ کو اس کے مرتکب پر تشبیہ دی ہے عقبہ کے ساتھ۔ پس جب گردن آزاد کی اور کھانا کھلایا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو گھاٹی میں داخل ہوا اور اس کو پار کر گیا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا

گیا ہے کہ یہ عقبہ جہنم میں پہاڑ ہے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں سخت گھاٹی ہے جہنم میں پل سے پہلے۔ پس اس کو انہوں نے اللہ کی طاعت کے ساتھ پار کیا اور مجاہد، ضحاک اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ صراط ہے جو جہنم پر بنایا جائے گا تلوار کی طرح تیز تین ہزار سال کی مسافت چڑھنے، چلنے اور اُترنے کی۔

اور بے شک اس کے دونوں طرف لوہے کے کنڈے ہیں۔ گویا کہ وہ سعدان کے کانٹے ہیں۔ پس صحیح سلامت نجات پانے والا اور زخمی ہو کر نجات پانے والا اور بیڑی ڈالا ہوا جہنم میں اوندھے منہ گرے گا۔ پس لوگوں میں سے وہ جو اُچکنے والی بجلی کی طرح گزریں گے اور ان میں سے بعض تیز وتند ہوا کی طرح گزریں گے اور ان میں سے بعض شہسوار کی طرح گزریں گے اور ان میں سے بعض دوڑتے ہوئے آدمی کی طرح گزریں گے اور ان میں سے بعض چلتے ہوئے آدمی کی طرح گزریں گے اور ان میں سے بعض گھسٹتے جائیں گے اور ان میں سے بعض پھسلنے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض جہنم میں جا پڑیں گے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس کیوں نہیں ایسا راستہ چلتا جس میں نجات ہے پھر بیان کیا وہ کیا ہے؟

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ⑫ فَکُّ رَقَبَةٍ ⑬ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ⑭ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ⑱ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳

ترجمہ اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا (مراد ہے) وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الٰہیہ کو بجالانا چاہئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہنے والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جائے گا۔

تفسیر ⑫ "وما ادراک ما العقبة"...... "ما اقتحم العقبة" سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز جس کے بارے میں "وما ادراک" فرمایا ہے تو اس کی خبر دی ہے اور جس کے بارے میں "وما یدریک" کہا ہے تو اس کی خبر نہیں دی۔

⑬ "فک رقبة، ⑭ او اطعام" ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی رحمہما اللہ نے "فکَّ" کاف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "رقبةً" نصب کے ساتھ۔ "او اطعم" ہمزہ اور میم کے زبر کے ساتھ ماضی کا صیغہ اور دیگر حضرات نے "فکُّ" کاف کے پیش کے ساتھ۔ "رقبةٍ" جر کے ساتھ "او اطعام" مصدر اور "فکّ" رقبہ سے گردن کو آزاد کرنا اور اس کا چھڑوانا مراد ہے جو کسی گردن (غلام) کو آزاد کرے گا تو وہ گردن اس کا آگ سے فدیہ ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص کسی مؤمن گردن کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے عضو کو جہنم سے آزاد کریں گے حتیٰ کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلہ میں آزاد کریں گے۔

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بات مختصر کی اور مسئلہ پیش کردیا تو نسمہ کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نسمہ کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو اس کو تنہا آزاد کرے اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ تو اس کے ثمن (قیمت) میں مدد کر۔ ''**والمنحة الوكوف والفیء علی ذی الرحم المظلوم**'' پس اگر تو طاقت نہ رکھے تو بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسوں کو پانی پلا اور امر بالمعروف کر اور نہی عن المنکر کر۔ پس اگر تو اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان کو روک لے مگر خیر سے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول ''**فک رقبة**'' یعنی گناہوں سے توبہ کر کے گردن کو چھڑواؤ۔ ''**او اطعام فی یوم ذی مسغبة**'' بھوک۔ کہا گیا ہے ''**سغب یسغب سغبا**'' جب وہ بھوکا ہو۔

⑮ ''**یتیما ذا مقربة**'' یعنی قرابت والا۔ مراد یہ ہے کہ ایسا یتیم کہ تیرے اور اس کے درمیان قریبی رشتہ ہو۔

⑯ ''**او مسکینا ذا متربة**'' تحقیق وہ اپنے اور تنگ دستی کی وجہ سے مٹی میں مل گیا ہو۔ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ مٹی میں پھینکا ہوا جس کو کوئی چیز نہ بچائے اور ''**المتربة**'' مصدر ہے ''**ترب، یترب، تربا و متربة**'' جب وہ محتاج ہو جائے۔

⑰ ''**ثم کان من الذین امنوا**'' پھر بیان کیا کہ یہ عبادتیں ایمان کے ساتھ نفع دیں گی اور کہا گیا ہے ''**ثم**'' واؤ کے معنی میں ہے۔

''**وتواصوا**'' ایک دوسرے کی طرف وصیت کریں۔ ''**بالصبر**'' اللہ کے فرائض اور اس کے احکامات پر۔ ''**وتواصوا بالمرحمة**'' لوگوں کی رحمت کے ساتھ۔

⑱ ''**اولئک اصحاب المیمنة.** ⑲ **والذین کفروا بآیاتناھم اصحاب المشئمة.**

⑳ **علیھم نار مؤصدة**'' ان پر اس کے دروازے بند ہوں گے اس میں نہ خوشی داخل ہوگی اور نہ اس سے غم نکلے گا۔ ابوعمرو، حمزہ اور حفص نے یہاں اور ''**الھمزة**'' میں ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے ''**آصدت الباب واصدته**'' جب تو نے اس کو بند کردیا اور کہا گیا ہے ''**الھمزة**'' کا معنی بند اور ''**غیر الھمزة**'' کا معنی تالے لگے ہوئے۔

سُوْرَةُ الشَّمْس

مکی ہے اوراس کی پندرہ (۱۵) آیات ہیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④

ترجمہ قسم ہے سورج کی اوراس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب) سے پیچھے آوے اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کرے اور (قسم ہے) رات کی جب وہ سورج کو چھپائے (یعنی خوب رات ہوجائے اور یہ بھی اسناد مجازی ہے)

تفسیر ① "والشمس و ضحاها" مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی روشنی اور ضحیٰ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو پھر اس کی روشنی صاف ہوجاتی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ سارا دن ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی گرمی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول سورۂ طٰہٰ میں "ولا تضحی" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گرمی تکلیف نہ دے گی۔

② "والقمر اذا تلاها" اس کے پیچھے آئے اور یہ مہینہ کے پہلے نصف میں سورج کے غروب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے چاند چمک میں آتا ہے اور روشنی میں اس کا خلیفہ ہوتا ہے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس وقت جب وہ گھومے یعنی اس کی روشنی مکمل ہوجائے تو وہ روشنی میں سورج کے تابع ہوتا ہے اور یہ بیض کی راتوں میں ہوتا ہے۔

③ "والنهار اذا جلها" یعنی جب تاریکی چھٹ جائے۔ ضمیر غیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے اس کے معروف ہونے کی وجہ سے۔

④ "والليل اذا يغشاها" یعنی سورج کو ڈھانپتی ہے جب وہ غائب ہوجاتا ہے تو آفاق کو تاریک کردیتی ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ⑧

ترجمہ اور (قسم ہے) آسمان کی اوراس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اوراس (ذات) کی جس نے اس کو بچھایا اور (قسم ہے) انسان کی جان کی اوراس (ذات) کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدی اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القا کیا۔

تفسیر 5 "والسمآء وما بناھا" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "من بناھا وخلقھا" جیسے اللہ تعالیٰ کے قول "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" میں من طاب کا معنی ہے۔ عطاء فرماتے ہیں "والذی بناھا" مراد ہے یعنی اس کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور فراء اور زجاج رحمہما اللہ فرماتے ہیں "ما" مصدر کے معنی میں ہے یعنی اور اس کی تعمیر کی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "بما غفرلی ربّی" ہے۔

6 "والارض وما طحاھا" اس کو بچھایا۔

7 "ونفس وما سوّاھا" اس کی تخلیق کو ٹھیک کیا اور اس کے اعضاء کو برابر بنایا۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد وہ تمام جن و انس ہیں جن کو پیدا کیا ہے۔

فجور اور تقویٰ کے متعلق احادیث کا تذکرہ

8 "فالھمھا فجورھا وتقواھا" علی بن ابی طلحہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کے لیے خیر و شر کو واضح کیا اور عطیہ کی روایت میں فرمایا کہ اس کو طاعت و معصیت کا علم دیا اور ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کو معرفت دی کہ وہ کیا کرے اور کس سے بچے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو اس کا فجور اور تقویٰ لازم کر دیا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں یہ بنا دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو تقویٰ کی توفیق دینے کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے اس کو فجور (گناہوں) کے ساتھ ذلیل کرنے کے ساتھ اور زجاج رحمہ اللہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور الہام کو توفیق اور خذلان پر محمول کیا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن میں تقویٰ اور کافر میں فجور کو پیدا کیا ہے۔

اسود دیلی کہتے ہیں مجھے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا تو دیکھتا ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اُٹھاتے ہیں، کیا یہ وہ چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے اور ان میں پہلے سے تقدیر جاری ہو چکی ہے؟ یا یہ ان میں سے ہے جس کا وہ سامنا کرتے ہیں ان میں سے جو ان کو ان کے نبی علیہ السلام نے دیا اور ان پر دلیل پختہ کی؟ میں نے کہا کیوں نہیں یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ کر دیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تو کیا یہ ظلم ہوگا؟ کہتے ہیں میں اس سے سخت گھبرا گیا اور میں نے عرض کیا کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس کا مالک ہے جو وہ کرے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور مخلوق سے سوال کیے جائیں گے تو عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے کہا تجھے اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستہ کی توفیق دی، میں نے تجھ سے سوال کیا تا کہ تیری عقل کا امتحان لوں۔

بے شک ایک شخص جہینہ یا مزینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہا یا رسول اللہ! آپ کیا دیکھتے ہیں جو لوگ عمل کرتے ہیں اور مشقت اُٹھاتے ہیں، کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے اور ان پر پہلے سے تقدیر جاری ہو گئی ہے؟ یا یہ ان کاموں میں سے ہیں جن کا وہ اب سامنا کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ان کے نبی آئے اور ان پر دلیل کو پختہ کیا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ کر دیا گیا ہے اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔ عمران کہتے ہیں میں نے کہا تو عمل کیوں ہوتا ہے

تب؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبوں میں سے ایک کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے لیے تیاری کی بھی توفیق دیتا ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے "ونفس وما سوّاها. فالهمها فجورها وتقواها"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم آیا اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے لیے ہمارا دین بیان کر دیں؟ گویا کہ ہم اب پیدا کیے گئے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ہمارا یہ عمرہ اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ کے لیے۔ کہا یا رسول اللہ! ہمارے لیے ہمارا دین بیان کر دیں گویا کہ ہم ابھی پیدا کیے گئے ہیں۔ پس کس چیز میں عمل ہے آج کے دن اس میں جس پر قلم خشک ہو گئے اور تقدیر جاری ہو گئی؟ یا اس میں جو ہم نیا عمل کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس میں جس پر قلم خشک ہو گئے اور تقدیر جاری ہو گئی۔ اس نے کہا پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم عمل کرتے رہو، پس ہر اسی عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮

ترجمہ: یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے) جبکہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا وہ اونٹنی کے قتل کرنے کیلئے) اٹھ کھڑا ہوا تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ کی اس اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس (ہلاکت) کو تمام قوم کے لئے عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی (کے نکلنے) کا (کسی سے) اندیشہ نہیں ہوا۔

تفسیر ⑨ "قد افلح من زكّاها" اور یہ موضع قسم ہے یعنی کامیاب ہوا اور نیک بخت ہوا وہ نفس جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا۔ یعنی اس کی اصلاح کی اور گناہوں سے اس کو پاک کیا اور طاعت کی توفیق دی۔

⑩ "وقد خاب من دسّها" یعنی خسارے میں پڑا وہ نفس جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا، پھر اس کو خراب کیا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تحقیق کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، پھر اس کی اصلاح کی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اُبھارا۔ "وقد خاب من دسّاها" اس کو ہلاک کر دیا اور گمراہ کر دیا اور معصیت پر اُبھارا۔ پس فعل کو نفس کے لیے بنایا ہے اور "دسّاها" اس کی اصل "دسّسها" ہے تدسیس سے اور وہ کسی شے کو چھپانا، پھر دوسری سین کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور معنی یہاں یہ ہے اس کو پوشیدہ رکھا اور اس کے محل کو چھپایا کفر و معصیت کے ساتھ۔ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں تمہیں وہی بات

کہتا ہوں جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کہی "اللھمّ انی اعوذبک من العجز والکسل والبخل والجبن والھرم وعذاب القبر اللھمّ آت نفسی تقواھا و زکھا وانت خیر من زکّاھا انت ولیھا ومولاھا اللھمّ انی اعوذبک من علم لا ینفع ومن نفس لا تشبع ومن قلب لا یخشع ومن دعوۃ لایستجاب لھا"

⑪ "کذّبت ثمود بطغواھا" اس کی سرکشی کی وجہ سے جس نے ان کو تکذیب پر اُبھارا۔

⑫ "اذا نبعث اشقاھا" یعنی کھڑا ہوا اور "انبعاث" طاعت میں جلدی کرنا کسی وجہ سے۔ یعنی انہوں نے عذاب کو جھٹلایا اور صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اس وجہ سے کہ ان میں سے بدبخت کھڑا ہوا اور وہ قدار بن سالف ہے وہ سرخ و زرد رنگ والا نیلی آنکھوں والا، چھوٹے قد کا تھا، کھڑا ہوا، اونٹنی کی کونچیں کاٹنے، عبداللہ بن زمعہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا اور آپ علیہ السلام نے اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے والے کا ذکر کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا نبعث اشقاھا" اس کے لیے ایک قوی شخص بدخلق اپنے اہل میں غالب، ابوزمعہ کی مثل کھڑا ہوا۔

⑬ "فقال لھم رسول اللّٰہ" صالح علیہ السلام نے "ناقۃ اللّٰہ" یعنی تم اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے ڈرو اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں منصوب ہے اس معنی کی بناء کہ تم چھوڑ دو اللہ کی اونٹنی کو "ذروا ناقۃ اللّٰہ"...... "وسقیاھا" اس کے پانی کی باری کو۔ یعنی تم اللہ کی اونٹنی کو چھوڑ دو اور اس کے پانی پینے کی باری کو۔ پس تم اس کے پانی پینے کے دن میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔

⑭ "فکذبوہ" یعنی صالح علیہ السلام کو "فعقروھا" یعنی اونٹنی کے۔

⑮ "فدمدم علیھم ربّھم" عطاء اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں، پس ان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا ان کے رب نے پھر ان کو ہلاک کر دیا۔ مدرج فرماتے ہیں "الدمدمۃ" جڑ سے اکھاڑنے کے ساتھ ہلاک کرنا۔ "بذنبھم" ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے۔ "فسوّاھا" پس ہلاکت کو ان سب پر برابر کر دیا اور عام ہلاکت بھیجی کہ ان میں سے کوئی بھی نہ چھوٹ سکا اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سوی الدمۃ" اور ان کے چھوٹوں بڑوں پر عذاب نازل کیا یعنی ان کے درمیان برابری کر دی۔ "ولا یخاف عقباھا"

اہل مدینہ اور اہل شام نے فلا فاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے اور باقی حضرات نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے۔ "عقباھا" اس کے انجام سے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہلاک کرنے میں کسی ایک سے بھی نہیں ڈرتے اور یہی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور ضحاک، سدی اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ ضمیر عاقر کی طرف لوٹ رہی ہے اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے "اذا نبعث اشقاھا ولا یخاف عقباھا"

سُوْرَۃُ اللَّیْل

مکی ہے اور اس کی اکیس (۲۱) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩

ترجمہ قسم ہے رات کی جب وہ (آفتاب کو اور دن کو) چھپالے اور (قسم ہے) دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور (قسم ہے) اس (ذات) کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بیشک تمہاری کوشش (یعنی اعمال) مختلف ہیں سو جس نے اللہ کی راہ میں (مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے اور جس نے (حقوق واجبہ سے) بخل کیا اور (بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی اسلام) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے۔

تفسیر ① "والليل اذا يغشٰى" یعنی دن کو تاریکی کے ساتھ ڈھانپ لے۔ پس اس کی روشنی چلی جائے۔

② "والنهار اذا تجلّٰى" ظاہر ہو جائے تاریکی کے درمیان سے۔

③ "وما خلق الذكر والانثٰى" یعنی ومن خلق جس نے مذکر و مؤنث کو پیدا کیا اور کہا گیا ہے کہ یہ (ما) مصدریہ ہے یعنی مذکر و مؤنث کو پیدا کرنا۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی آدم و حوا علیہما السلام کو اور ابن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت میں "والذكر والانثٰى" جواب قسم ہے۔

④ "انّ سعيكم لشتّٰى" بے شک تمہارے اعمال مختلف ہیں۔ پس اپنے نفس کو چھڑانے کے لیے کوشش کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس کو ہلاک کرنے میں کوشش کرنے والے بھی۔ ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ صبح کرتے ہیں۔ پس اپنے آپ کو بیچنے والے ہیں یا تو اس کو آزاد کرنے والے یا اس کو ہلاک کرنے والے۔

⑤ "فاما من اعطٰی" اپنا مال اللہ کے راستہ میں۔ "واتقٰی" اپنے رب سے۔

⑥ "وصدّق بالحسنٰی" ابو عبدالرحمٰن سلمی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں اور تصدیق لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اور یہی عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت کی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "للذین احسنوا الحسنٰی" یعنی جنت ہے اور کہا گیا ہے "صدّق بالحسنٰی" یعنی "بالخلف" یعنی یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو خلیفہ بنائیں گے اور یہ عکرمہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور قتادہ، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اللہ کے وعدہ کی جو اس نے وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا۔

⑦ "فسنیسرہ" پس ہم عنقریب اس کو تیار کریں گے دُنیا میں۔ "للیسرٰی" یعنی عادت یسریٰ کے لیے اور وہ عمل کرنا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔

⑧ "واما من بخل" خیر میں خرچ کرنے سے۔ "واستغنٰی" اللہ کے ثواب سے۔ پس اس میں رغبت نہ کی۔

(⑨ ـ ⑩)...... "وکذّب بالحسنٰی. فسنیسّرہ للعسرٰی" ہم عنقریب ان کو شر کے لیے تیار کریں گے۔ بایں طور کہ شر کو اس کے ہاتھ پر جاری کریں گے حتیٰ کہ وہ عمل کرے گا جو اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ پس ان کی وجہ سے آگ کا مستحق ہوگا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس پر تنگ کر دیں گے کہ وہ خیر کا کام کرے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی نفس سانس لینے والا مگر تحقیق اس کا مکان جنت، جہنم میں لکھ دیا گیا ہے تو ایک شخص نے کہا، کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں اور عمل چھوڑ دیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن تم عمل کرو، پس ہر شخص اس کے عمل کی توفیق دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ بہرحال شقاوت والے تو وہ اہل شقاوت کے عمل کی توفیق دیے جائیں گے اور بہرحال اہل سعادت، پس وہ اہل سعادت کے عمل کی توفیق دیے جائیں گے۔

پھر تلاوت کی "فامّا من اعطٰی واتقٰی. وصدّق بالحسنٰی، فسنیسّرہ للیسرٰی، وامّا من بخل واستغنٰی. وکذّب بالحسنٰی. فسنیسّرہ للعسرٰی" کہا گیا ہے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُمیہ بن خلف سے ایک کالے کمبل اور دس اوقیہ کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "واللیل اذا یغشٰی" سے اللہ تعالیٰ کے قول "ان سعیکم لشتّٰی" تک۔ یعنی ابوبکر اور اُمیہ کی کوشش۔ عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کا باغ تھا اور اس کا ایک پڑوسی تھا اس باغ کی کچی کھجوریں اس کے گھر گرتی تھیں اور اس کے بچے وہ لے لیتے تھے تو اس نے اس بات کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو وہ باغ مجھے جنت کے باغ کے بدلے بیچ دے، اس نے انکار کر دیا، پھر وہ آپ علیہ السلام

کے پاس سے نکلا تو اس کو ابو دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تو انہوں نے اس کو کہا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو اس کو حش کے بدلے بیچ دے، حش حضرت ابو دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ تھا حش باغ میں درختوں کے جھنڈ کو بھی کہتے ہیں تو اس نے کہا وہ باغ آپ کا ہوا تو ابو دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اس باغ کو مجھ سے جنت کے باغ کے بدلہ میں خریدتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا یہ آپ کا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کے پڑوسی کو بلایا اور فرمایا تو اس باغ کو لے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "واللیل اذا یغشٰی" اللہ تعالیٰ کے قول "ان سعیکم لشتّٰی" ابو دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ انصاری باغ والا۔ "فامّا من اعطٰی واتّقٰی" ابو دحداح رضی اللہ عنہ۔ "وصدّق بالحسنٰی. فسنیسرہ للیسریٰ" یعنی جنت۔ "واما من بخل واستغنٰی" یعنی انصاری۔ "وکذّب بالحسنٰی" یعنی ثواب۔ "فسنیسرہ للعسریٰ" یعنی جہنم۔

وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ⑪ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ⑭ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ⑮ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑯ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ⑰ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ⑱ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ⑲ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ⑳ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ㉑

ترجمہ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آوے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے) واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور (جیسی کوئی شخص راہ اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو دیں گے کیونکہ) ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (آگے بطور توضیح کے ارشاد ہے کہ) تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں (ہمیشہ کے لئے) وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور (اس سے) روگردانی کی اور (اس سے) ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے اور جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے کہ (یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی)

تفسیر ⑪ "وما یغنی عنہ مالہ" جس کا اس نے بخل کیا۔ "اذا تردّٰی" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب وہ مر جائے گا اور قتادہ اور ابو صالح فرماتے ہیں جہنم میں گرے گا۔

⑫ "انّ علینا للھدیٰ" یعنی بیان کرنا۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم پر لازم ہے کہ ہم ہدایت کے راستہ کو گمراہی کے راستہ سے جدا کر کے بیان کر دیں اور یہی قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

فرمایا اللہ پر اس کے حلال وحرام کا بیان ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جو ہدایت کا راستہ چلا پس اللہ پر اس کا راستہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وعلی اللہ قصد السبیل" فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتا ہے پس وہ درمیانہ راستہ پر ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی بے شک ہم پر البتہ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "بیدک الخیر" ہے۔

⑬ "وان لنا للآخرۃ والاولیٰ" پس جو ان دونوں کو ان کے مالک کے علاوہ کے پاس، تلاش کرے گا تو اس نے غلط راستہ اختیار کیا۔

⑭ "فانذرتکم" اے اہل مکہ! "نارا تلظی" یعنی شعلے مارتی ہوئی۔

⑮ "لا یصلاھا الا الاشقی ⑯ الذی کذب" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "وتولی" ایمان سے۔

⑰ "وسیجنبھا الاتقی" اشقی سے بدبخت اور اتقی سے متقی مراد ہے۔

⑱ "الذی یؤتی مالہ" اپنا مال دے۔ "یتزکی" وہ طلب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاک صاف ہو جائے نہ ریا کاری کرتا ہے اور نہ شہرت مقصود ہے۔ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام کے قول میں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کمزور لوگوں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے تو ان کے والد نے کہا اے میرے بیٹے! اگر تو ایسا غلام خریدتا جو تیری پیٹھ کو روکتا (یعنی کاموں میں تیری مدد کرتا) تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی پیٹھ کے روکنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں تو آیت نازل ہوئی "وسیجنبھا الاتقی" سورۃ کے آخر تک اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنوجمح میں سے بعض کے غلام تھے اور وہ بلال بن رباح ہیں اور ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے، یہ اسلام میں سچے، پاکیزہ دل والے تھے اور اُمیہ بن خلف جب دوپہر گرم ہو جاتی تو ان کو نکالتا، پھر ان کو پیٹھ کے بل مکہ کی پتھریلی زمین پر ڈال دیتا۔ پھر بڑے پتھر کو ان کے سینے پر رکھنے کا حکم دیتا وہ رکھ دیا جاتا، پھر ان کو کہتا تو اسی طرح رہے گا حتیٰ کہ تو مر جائے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دے اور وہ اس تکلیف میں کہتے احد احد۔

اور محمد بن اسحاق کی سند سے عروہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان پر گزر ہوا اور وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر بھی بنوجمح میں تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کو کہا کیا تو اس مسکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے؟ اس نے کہا تو نے اس کو خراب کیا ہے اب تو اس کو بچا اس تکلیف سے جو تو دیکھ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ غلام ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے تیرے دین پر ہے میں اس کو تجھے دے دیتا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں نے ایسا کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا غلام دے دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد کر دیا۔ پھر ان کے ساتھ اسلام کی بناء ہجرت سے پہلے چھ گردنیں آزاد کیں۔ بلال رضی اللہ عنہ ان میں سے ساتویں ہیں۔

عامر بن فہیرہ بدر اور احد میں حاضر ہوئے اور بئر معونہ میں شہید ہوئے اور اُم عمیس اور زہرہ ان کی نگاہ چلی گئی تھی ان کو آزاد

کیا تو قریش نے کہا اس کی نگاہ لات اور عزیٰ نے چھین لی ہے تو انہوں نے کہا انہوں نے جھوٹ کہا اور اللہ کے گھر کی قسم! لات و عزیٰ نہ کسی کو نقصان دے سکتے ہیں اور نہ نفع تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہ لوٹا دی اور نہدیہ اور ان کی بیٹی کو آزاد کیا۔ یہ دونوں بنو عبدالدار کی ایک عورت کی غلام تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں پر گزرے تو ان کی سیدہ نے ان کو بھیجا تھا، اس کے لیے گندم پیسنے اور اس نے کہا اللہ کی قسم! میں تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہرگز نہیں اے فلاں کی ماں! اس نے کہا ہرگز نہیں، تو نے ان دونوں کو خراب کیا ہے تو ان دونوں کو آزاد کر۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتنے میں؟ اس نے کہا اتنے اور اتنے میں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے ان دونوں کو پکڑا تھا حالانکہ یہ دونوں آزاد تھیں اور بنو مؤمل کی ایک لونڈی پر گزرے اس کو تکلیفیں دی جارہی تھیں تو اس کو خرید کر آزاد کر دیا۔

اور سعید بن مسیب فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اُمیہ بن خلف نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلال کے بارے میں کہا جب آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تو اس کو بیچتا ہے؟ کہا ہاں میں اس نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں اور نسطاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام تھا دس ہزار دینار والا اور دو لڑکوں اور لونڈیوں اور مویشیوں کے بدلہ میں، اور یہ مشرک تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اسلام کی ترغیب دی کہ اس کے لیے مال ہوگا اس نے انکار کر دیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا۔ پس جب آپ رضی اللہ عنہ کو اُمیہ نے کہا میں اس کو تیرے غلام نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غنیمت جانا اور اس کو بیچ دیا بلال رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں تو مشرکین نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کیا مگر ایک احسان کی وجہ سے جو بلال کا ان پر تھا۔

⑲ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "وما لاحد عنده من نعمة تجزى" احسان جس کا وہ بدلہ دے رہا ہو۔

⑳ "الّا" لیکن "ابتغاء وجه ربه الاعلى" یعنی یہ نہیں کیا ان پر کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے لیکن یہ کیا ہے اپنے رب اعلیٰ کی رضامندی کو تلاش کرنے کے لیے۔

㉑ "ولسوف يرضى" اس کے ساتھ جو اس کو اللہ تعالیٰ آخرت میں دیں گے جنت اور اعزاز اس پر جو اس نے کیا۔

سُوْرَةُ الضُّحٰی

مکی ہے اور اس کی گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

سورۃ الضحیٰ کا شان نزول

جندب بن سفیان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے اور دو راتیں یا تین راتیں رات کا قیام نہیں کر سکے تو

ایک عورت آئی اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے (نعوذ باللہ) میں نے اس کو آپ کے قریب آتے نہیں دیکھا دو یا تین راتوں سے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "والضحی. واللیل اذا سجی. ما ودّعک ربّک وما قلی" اور کہا گیا ہے کہ وہ عورت جس نے یہ کہا تھا ابولہب کی بیوی اُم جمیل تھی اور مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین اور اصحاب کہف اور روح کے بارے میں سوال کیا۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں کل تمہیں اس کی خبر دوں گا اور ان شاء اللہ نہیں کہا تو آپ علیہ السلام سے وحی رُک گئی اور زید بن اسلم فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام کے رُک جانے کا سبب ایک کتے کا بچہ آپ علیہ السلام کے گھر میں تھا۔ پس جب جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے تو آپ علیہ السلام نے دیر کرنے پر عتاب کیا تو انہوں نے کہا ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتے اور تصویر ہو اور مفسرین رحمہم اللہ کا وحی کے رُکنے کی مدت میں اختلاف ہے تو ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اٹھارہ دن اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں پندرہ دن اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل! آپ نہیں آئے حتیٰ کہ میں آپ کا بہت زیادہ مشتاق ہو گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں خود آپ علیہ السلام سے ملاقات کا بہت زیادہ شوق رکھتا ہوں اور لیکن میں عبد مامور ہوں تو آیت نازل ہوئی "وما نتنزّل الا بامر ربّک"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالضُّحٰی ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ⑤

(ترجمہ) قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے (آگے جواب قسم ہے) کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے) دشمنی کی اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہو جاویں گے۔

(تفسیر) ① "والضحی" چاشت کے وقت کی قسم کھائی ہے اور اس سے مراد تمام دن ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے مقابلہ "واللیل اذا سجی" لائے ہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول ہے "ان یأتیھم باسنا ضحی" یعنی دن میں اور قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی چاشت کا وقت اور یہ وہ گھڑی ہے جس میں سورج بلند ہوتا ہے اور دن کا اعتدال سردی و گرمی میں ہوتا ہے۔

② "واللّیل اذا سجی" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی تاریکی کے ساتھ آئے اور یہی عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور والبی کی ان سے روایت ہے کہ جب چلی جائے۔ عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہر چیز کو تاریکی کے ساتھ ڈھانپ لے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں برابر ہو جائے اور قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں ساکن ہو جائے اور اس کا اندھیرا ٹھہر جائے اس کے بعد نہ بڑھے۔ کہا جاتا ہے "لیل ساج و بحر ساج" جب وہ ساکن ہو۔

۳ "ما ودّعک ربّک وما قلٰی" یہ جواب قسم ہے یعنی جب سے آپ کو چنا ہے تب سے آپ کو نہیں چھوڑا اور جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے آپ سے ناراض نہیں ہوئے۔

۴ "وللآخرۃ خیرلک من الاولٰی" عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہم اہل بیت اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آخرت کو دُنیا پر اختیار کیا ہے۔

۵ "ولسوف یعطیک ربّک فترضٰی" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ شفاعت آپ علیہ السلام کی اُمت کے حق میں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام راضی ہوجائیں گے اور یہ علی اور حسن کا قول ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میری اُمت میری اور رو پڑے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان کو کہو ہم عنقریب آپ علیہ السلام کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کردیں گے اور ان کے بارے میں آپ کو غمگین نہ کریں گے۔ ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک تم اے اہل عراق کے گروہ تم کہتے ہو قرآن مجید میں اُمید کی آیت "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ" ہے اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ اُمید والی آیت یہ ہے "ولسوف یعطیک ربّک فترضٰی" کہا گیا ہے۔ "ولسوف یعطیک ربّک" ثواب میں سے اور کہا گیا ہے مدد اور شہروں پر قدرت دینے اور مؤمنین کی کثرت میں سے۔

"فترضٰی" پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کی خبر دی جس پر آپ علیہ السلام وحی سے پہلے تھے اور آپ علیہ السلام کو اپنی نعمت یاد دلائی۔

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۶ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۷ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۸

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا رستہ) بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔

تفسیر: ۶ "الم یجدک یتیما فاٰوٰی" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ایک مسئلہ پوچھا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں نے وہ نہ پوچھا ہوتا۔ میں نے کہا اے میرے رب! بے شک تو نے سلیمان بن داؤد علیہم السلام کو عظیم ملک دیا اور فلاں کو اتنا دیا اور فلاں کو اتنا دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا تھا، پھر میں نے تجھے ٹھکانہ دیا؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! فرمایا کیا میں نے آپ کو راہِ حق کا متلاشی نہیں پایا تھا، پھر میں نے آپ کو ہدایت دی؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! فرمایا کیا میں نے آپ کو تنگدست نہیں پایا تھا، پھر میں نے آپ کو غنی کردیا؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! اور ان کے علاوہ نے زیادہ کیا

ہے۔ فرمایا کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کے سینے کو نہیں کھولا یا اور آپ سے آپ کا بوجھ نہیں رکھا؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! اور آیت کا معنی کیا آپ کو یتیم چھوٹا بچہ تنگدست نہیں پایا جب آپ کے والدین فوت ہو گئے اور پیچھے آپ علیہ السلام کے لیے نہ کوئی مال چھوڑا اور نہ کوئی ٹھکانہ۔ پھر آپ کے لیے ٹھکانہ بنایا جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرار حاصل کرتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو آپ کے چچا ابوطالب کے ساتھ ملا دیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی اچھی تربیت کی اور آپ کا خرچ اُٹھایا۔

⑦ "ووجدک ضالاً فھدیٰ" یعنی راہ کا متلاشی جس پر آپ تھے۔ پس آپ علیہ السلام کو توحید اور نبوت کے لیے ہدایت دی۔ حسن اور ضحاک اور ابن کیسان رحمہم اللہ فرماتے ہیں "ووجدک ضالاً" نبوت کی علامات سے اور شریعت کے احکام سے غافل۔ پس آپ علیہ السلام کو ان کی طرف ہدایت دی۔ جیسا کہ فرمایا "وان کنت من قبله لمن الغافلین" اور فرمایا "ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان" اور کہا گیا ہے مکہ کی وادیوں میں بھٹکتا ہوا تو آپ علیہ السلام کی آپ کے دادا عبدالمطلب کی طرف رہنمائی کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں مکہ کی وادیوں میں گم ہو گئے تو آپ علیہ السلام کو ابوجہل نے دیکھا وہ اپنی بکریوں کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدالمطلب تک پہنچا دیا اور سعید بن مسیب فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک قافلہ میں نکلے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ پس آپ علیہ السلام ایک تاریک رات میں اونٹنی پر سوار تھے کہ ابلیس آیا اور اونٹنی کی لگام پکڑ کر اس کو راستے سے ہٹا دیا تو جبرئیل علیہ السلام آئے تو ابلیس کو ایک پھونک ماری جس سے وہ حبشہ کی زمین میں جا پڑا اور آپ علیہ السلام کو واپس قافلہ میں پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر اس کا احسان جتایا۔ اور کہا گیا ہے آپ علیہ السلام کو پایا کہ آپ اپنے نفس کو نہ پہچانتے تھے کہ آپ کون ہیں تو آپ علیہ السلام کو اپنے نفس اور حال کی معرفت دی۔

⑧ "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" یعنی فقیر۔ پس آپ علیہ السلام کو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کے ذریعے غنی کر دیا۔ پھر غنیمتوں کے ذریعے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو راضی کیا اس کے ساتھ جو آپ علیہ السلام کو رزق دیا اور اس کو فراء نے اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ آپ علیہ السلام مال کی کثرت کی وجہ سے غنی نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو دیا تھا اس پر آپ علیہ السلام کو راضی کر دیا تھا اور یہ تمنا کی حقیقت ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی سامان کی کثرت سے نہیں ہے لیکن غنا نفس کا غنا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق کامیاب ہو گیا وہ شخص جو اسلام لایا اور بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس پر قناعت دے دی جو اس کو دیا۔ پھر آپ علیہ السلام کو یتیموں اور فقراء کے بارے میں وصیت کی ہے۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪

ترجمہ: تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکیے (یہ تو شکر فعلی ہے) اور اپنے رب

کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے (یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیجئے۔

تفسیر ۹ "فاما الیتیم فلا تقھر" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ یتیم کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ آپ علیہ السلام خود یتیم تھے اور فراء اور زجاج رحمہما اللہ نے فرمایا ہے آپ اس کے مال پر قبضہ نہ کریں کہ اس کے حق کو لے لیں اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح عرب یتیموں کے معاملہ میں کہا کرتے تھے ان کے اموال لے لیتے تھے اور ان کے حقوق غصب کر لیتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کے گھروں میں برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔ پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ علیہ السلام اپنی شہادت والی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے۔

۱۰ "واما السائل فلا تنھر" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں دروازے پر سوال کرنے والا مراد ہے۔ فرماتے ہیں اس کو نہ ڈانٹیں جب وہ آپ علیہ السلام سے سوال کرے۔ پس آپ علیہ السلام خود تنگدست تھے۔ پس آپ علیہ السلام یا تو ان کو کھانا کھلا دیں یا اس کو نرمی سے جواب دے دیں۔ کہا جاتا ہے "نھرہ و انتھرہ" جب اس کا استقبال ایسی کلام سے کرے جو اس کو ڈانٹے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سائل کو نرمی اور رحمت سے واپس کریں۔ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں سوال کرنے والی قوم بہت اچھی ہے، وہ ہمارے سفر خرچ کو آخرت کی طرف اُٹھاتے ہیں اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سائل ہمارا آخرت کی طرف ارادہ کرتا ہے۔ تم میں سے کسی ایک کے دروازہ پر آتا ہے، پھر کہتا ہے کیا تم اپنے اہل (مردوں) کی طرف کسی چیز کے ذریعے توجہ کرتے ہو؟ اور حسن رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "واما السائل فلا تنھر" کے بارے میں مروی ہے کہ طالب علم مراد ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کی تفسیر

۱۱ "واما بنعمة ربک فحدث" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نبوت۔ ان سے ابوبشر نے روایت کیا ہے اور اس کو زجاج رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور فرمایا یعنی آپ تبلیغ کریں اس کی جس کے ساتھ آپ علیہ السلام بھیجے گئے ہیں اور اس نبوت کو بیان کریں جو آپ علیہ السلام کو دی ہے اور لیث نے مجاہد سے نقل کیا ہے یعنی قرآن اور یہی کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ قرآن کو پڑھیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان نعمتوں کا شکر کریں جو اس سورت میں آپ علیہ السلام کو یاد دلائی گئی ہیں ضلالت کے بعد ہدایت فقر کے بعد غنیٰ کرنا اور اللہ کی نعمتوں کو شکرانہ کے طور پر بیان کریں۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی طرف بھلائی کی جائے تو اس کی جزا دے، اگر پائے۔ پس اگر نہ پائے وہ چیز جس کو بطور جزا دے تو اس کی تعریف کرے کیونکہ جب اس کی تعریف کر دی تو اس کا شکریہ ادا کر دیا اور اگر اس کو چھپالیا تو اس

کی ناشکری کی اور جس نے زیب وزینت اختیار کی اس چیز کے ساتھ جو وہ نہیں دیا گیا تو وہ جھوٹ کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا جو شخص تھوڑی چیز کا شکر ادا نہیں کرتا وہ کثیر کا بھی شکر ادا نہیں کرتا اور جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا، اللہ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اس کو چھوڑنا ناشکری ہے اور جماعت رحمت ہے اور جدا ہونا عذاب ہے۔

اور اہل مکہ کی قرأت کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے اوّل سورۃ سے اور والضحیٰ ہر سورت کے آخر میں حتیٰ کہ قرآن کو ختم کرلے پھر کہے اللہ اکبر۔اسی طرح میں نے امام مقریٔ ابونصر محمد بن احمد بن علی حامدی سے مروشہر میں پڑھا۔انہوں نے سند کے ساتھ اپنے اساتذہ سے جو اصل کتاب میں موجود ہے اور تکبیر کا سبب یہ ہے کہ وحی جب رُک گئی تو مشرکین نے کہا اس کو اس کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے غمزدہ ہوئے تو جب نازل ہوئی "والضحیٰ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی نزولِ وحی پر خوش ہوتے ہوئے۔پس تم اس کو سنت بنالو۔

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

مکی ہے اور اس کی (۸) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ① وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ② الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ③ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِكْرَکَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ وَاِلٰى رَبِّکَ فَارْغَبْ ⑧

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم وحلم سے) کشادہ نہیں کردیا اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی ہے بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی) ہے تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہو جایا کریں تو (دوسری عبادت) متعلقہ بذات خاص میں) محنت کیا کیجئے اور (جو کچھ مانگنا ہو اس میں) (اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیے۔

تفسیر: ① "الم نشرح لک صدرک" کیا ہم نے نہیں کھولا اور وسیع کیا اور نرم کیا آپ کے لیے آپ علیہ السلام کے دل کو ایمان اور نبوت اور علم اور حکمت کے ساتھ۔

❷ "ووضعنا عنک وزرک" حسن، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں ہم نے آپ علیہ السلام سے گرادیا جو آپ علیہ السلام سے جاہلیت میں گزر چکا اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "لیغفر لک اللّٰہ ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر" کی طرح ہے اور حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی خطاء اور بھول۔

اور کہا گیا آپ علیہ السلام کی اُمت کے گناہ۔ پس ان کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردی ہے۔ آپ علیہ السلام کے دل کو اُمت کی وجہ سے مشغول ہونے کی وجہ سے۔

❸ "الذی انقض ظھرک" آپ علیہ السلام کی پیٹھ پر بوجھ لاد دیا جس نے اس کو کمزور کر دیا حتیٰ کہ اس کی آواز سنی جاتی تھی اور عبدالعزیز بن یحییٰ اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی ہم نے ہلکا کر دیا۔ آپ علیہ السلام سے نبوت کی ذمہ داریوں اور بوجھ کو اور اس کے امر کے ساتھ قیام کو۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تفسیر

❹ "ورفعنا لک ذکرک" ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا "ورفعنا لک ذکرک" تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جب میرا تذکرہ کیا جائے گا آپ علیہ السلام کا میرے ساتھ تذکرہ کیا جائے گا اور حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے فرمایا "ورفعنالک ذکرک" جب میرا تذکرہ ہوگا آپ علیہ السلام کا تذکرہ ہوگا۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اذان، اقامت، تشہد اور منبروں پر خطبہ دینا مراد ہے اور اگر کوئی بندہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی ہر چیز میں تصدیق کرے اور یہ گواہی نہ دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو یہ اس کو کچھ نفع نہ دے گا اور یہ کافر ہوگا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے ذکر کو دُنیا و آخرت میں بلند کر دیا۔ پس نہیں ہے کوئی خطیب اور نہ ہی کوئی تشہد پڑھنے والا اور نہ کوئی نماز والا مگر پکار رہا ہے۔ "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمّدا رسول اللّٰہ" اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی نماز اس کے بغیر قبول نہیں اور کوئی خطبہ اس کے بغیر جائز نہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اذان دینے کے ساتھ اور اسی بارے میں حسان بن ثابت فرماتے ہیں:

"کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو بھیجا اپنی دلیل کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ بلند اور بزرگ تر ہے۔
روشن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی مہر۔ اللہ کی طرف سے گواہی دی ہوئی چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ جب مؤذن پانچ نمازوں میں "اشھد" کہتا ہے۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے نام میں سے نام نکالا تاکہ ان کی تعظیم کریں۔ پس عرش والا محمود اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔"

اور کہا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کا بلند ہونا آپ علیہ السلام کے میثاق کا انبیاء علیہم السلام سے لینا ہے اور ان پر لازم کرنا ہے کہ آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور آپ علیہ السلام کے فضل کا اقرار کریں۔ پھر آپ علیہ السلام سے آسانی اور سختی کے بعد نرمی کا وعدہ کیا ہے کیونکہ اس وقت آپ علیہ السلام مکہ میں تھے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کے تکرار کی وجہ

⑤"فان مع العسر یسرا، ⑥ انّ مع العسر یسرا" یعنی اس سختی کے ساتھ جس میں آپ علیہ السلام ہیں، مشرکین کے جہاد سے نرمی اور آسانی ہے بایں طور کہ آپ علیہ السلام کو ان پر غلبہ دیں گے حتیٰ کہ وہ اس حق کے آگے سر جھکا لیں گے جو آپ علیہ السلام ان کے پاس لائے ہیں۔ "انّ مع العسر یسرا" اس کا تکرار کیا ہے وعدہ کی تاکید کے لیے اور اُمید کی تعظیم کے لیے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خوش ہو جاؤ تمہارے پاس آسانی آ گئی، ایک تنگی ہرگز دو آسانیوں پر غالب نہ آ سکے گی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر تنگی کسی سوراخ میں ہو تو اس کو آسانی تلاش کرلے گی حتیٰ کہ اس میں داخل ہو جائے گی کیونکہ ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آ سکتی۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اور ان کے قول کا "لن یغلب عسر یسرین" (کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آ سکتی) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ العسر کا تکرار معرفہ کے ساتھ کیا ہے اور یسر کا تکرار نکرہ لفظ کے ساتھ اور عرب کی عادت ہے جب اسم معرفہ ذکر کرتے ہیں پھر اس کو دوبارہ ذکر کریں تو دوسرے سے وہی پہلا مراد ہوتا ہے۔

اور جب اسم کو نکرہ پر کریں پھر اس کا اعادہ کریں نکرہ تو وہ دو ہو جاتے ہیں اور جب اس کا معرفہ لفظ کے ساتھ اعادہ کریں تو دوسرا وہی پہلا ہوتا ہے جیسے تیرا قول "کسبت درھما انفقت الدرھم" تو دوسرا درہم وہی پہلا ہے اور جب تو کہے "اذا کسبت درھما فانفق درھما" تو دوسرا پہلے کا غیر ہے۔

پس عسر آیت میں مکرر ہے لفظ معرفہ کے ساتھ تو عسر ایک ہوا اور یسر مکرر ہے لفظ نکرہ کے ساتھ تو دو یسر ہوئے۔ گویا کہ فرمایا ہے کہ "ان مع العسر یسران" کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہیں اور ابو علی حسین بن یحییٰ بن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں نے ان کے قول "لن یغلب عسر یسرین" میں کلام کیا ہے۔ پس اس سے ان کے اس قول کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا کہ عسر معرفہ ہے اور یسر نکرہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک عسر ہوا اور دو یسر۔ اور یہ قول قابل اعتراض ہے جب آدمی کہتا ہے "ان مع الفارس سیفًا ان مع الفارس سیفا" تو یہ ثابت نہیں کرتا کہ ایک گھڑ سوار کے پاس دو تلواریں ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کے قول "لن یغلب عسرٌ یسرین" کا مجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اس حال میں کہ آپ علیہ السلام کے پاس مال و اسباب کم تھا تو قریش آپ علیہ السلام کو اس کی وجہ سے عار دلاتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے کہا اگر آپ کو مالداری کی طلب ہے تو ہم آپ علیہ السلام کے لیے مال جمع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اہل مکہ میں

سب سے مال دار شخص کی طرح ہو جائیں گے تو اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہوئے تو آپ علیہ السلام نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کی تکذیب آپ کے فقر کی وجہ سے کر رہی ہے تو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں شمار کرائیں اور آپ علیہ السلام سے غنا کا وعدہ کیا اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اس غم پر جو آپ علیہ السلام پر چھایا ہوا تھا تو فرمایا "فانّ مع العسر یسرا" اس کا مجاز جو وہ کہتے ہیں یہ آپ علیہ السلام کو غمزدہ نہ کردے۔ "فان مع العسر یسرا" دُنیا میں جلدی۔ پھر اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ علیہ السلام کو عرب کے شہروں پر فتح دی اور آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں وسعت دی۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام سینکڑوں اونٹ دے دیتے اور سال کا غلہ ہبہ کر دیتے۔ پھر دوسرے فضل کی ابتدا کی جو آخرت کے امر میں سے ہے۔

تو فرمایا "ان مع العسر یسرا" اور اس نیا جملہ ہونے کی دلیل اس کا واؤ اور فاء سے خالی ہونا ہے اور یہ تمام مؤمنوں کے لیے وعدہ ہے اور اس کا مجاز "ان مع العسر یسرا" یعنی دُنیا میں تنگی کے ساتھ مؤمن کے لیے آخرت میں آسانی ہے۔ پس بسا اوقات اس کے لیے دو آسانیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ دُنیا کی آسانی بھی جو دوسری آیت میں ذکر کی ہے تو آپ علیہ السلام کا قول "لن یغلب عسر یسرین" یعنی دُنیا کی تنگی ہرگز اس آسانی پر غالب نہیں ہو سکتی جس کا اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے دُنیا میں وعدہ کیا ہے اور اس آسانی پر جس کا ان سے آخرت میں وعدہ کیا اور عسر تو صرف ان دونوں یسر میں سے ایک پر غالب ہوتا ہے اور وہ دُنیا کا یسر ہے اور بہرحال آخرت کا یسر تو وہ دائمی کبھی زائل نہ ہونے والا ہے یعنی ان دونوں کو غلبہ میں جمع نہیں کر سکتا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے یعنی کمی میں جمع نہیں ہو سکتے۔

❼ "فاذا فرغت فانصب" یعنی پس آپ مشقت اُٹھائیں اور نصب مشقت اُٹھانا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں پس جب آپ علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی طرف دُعا میں مشقت اُٹھائیں اور اس کی طرف سوال کرنے میں رغبت کریں وہ آپ علیہ السلام کو عطا کرے گا۔

عبدالوہاب بن مجاہد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے جب آپ نماز پڑھ لیں تو دُعا اور سوال کرنے میں خوب کوشش کریں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب آپ فرائض سے فارغ ہوں تو رات میں قیام میں مشقت اُٹھائیں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آپ علیہ السلام تشہد سے فارغ ہوں تو اپنی دُنیا و آخرت کے لیے دُعا کریں اور حسن اور زید بن اسلم فرماتے ہیں جب آپ اپنے دشمنوں سے جہاد سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی عبادت میں مشقت اُٹھائیں اور منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے جب آپ دُنیا کے معاملات سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی عبادت میں مشقت اُٹھائیں اور نماز پڑھیں اور حیان نے کلبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہوں تو "فانصب" یعنی اپنے اور مؤمنین کے ذنوب کے لیے استغفار کریں۔

❽ "والی ربک فارغب" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی عرف آہ وزاری کریں آگ سے ڈرتے ہوئے اور

جنت میں رغبت کرتے ہوئے اور کہا گیا ہے اس کی طرف اپنے تمام احوال میں رغبت کریں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی آپ اپنی رغبت صرف ایک اللہ کی طرف کریں۔

سُوْرَۃُ التِّیْن

مکی ہے اور اس کی آٹھ (۸) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۞ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۞ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۞ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۞ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۞ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞

ترجمہ: قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ کی) کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔

وَالتِّيْنِ اور وَالزَّيْتُوْنِ کی تفسیر

تفسیر: ۱ "والتین والزیتون" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن، مجاہد، ابراہیم، عطاء بن ابی رباح، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ تمہاری انجیر ہے جس کو تم کھاتے ہو اور تمہارے زیت جس سے تم تیل نکالتے ہو۔ کہا گیا ہے انجیر کو قسم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ خاص میوہ ہے جس میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ جنت کے میووں کے مشابہ ہے اور زیتون مبارک درخت ہے اس کے بارے میں حدیث آئی ہے اور یہ پھل اور تیل ہے سالن پکانے اور روشنی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو پہاڑ ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "التین" وہ پہاڑ جس پر دمشق ہے اور "الزیتون" وہ پہاڑ جس پر بیت المقدس ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں انجیر اور زیتون اُگاتے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو مسجدیں ہیں شام میں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں "التین" دمشق کی مسجد ہے اور "الزیتون" بیت المقدس کی مسجد ہے اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "التین" اصحاب کہف کی مسجد ہے اور "الزیتون" ایلیا کی مسجد ہے۔

۲ "وطور سینین" یعنی وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی اور ہم نے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول

"وشجرة تخرج من طور سيناء" پر ذکر کردیا ہے۔ ❸"وهذا البلد الامين" یعنی امن والا۔ یعنی مکہ کے لوگ اس میں جاہلیت اور اسلام میں امن میں ہوتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور مقسم اللہ تعالیٰ کا قول۔

❹"لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم" مناسب قد اور اچھی صورت میں کیونکہ ہر حیوان کو اپنے چہرہ پر جھک کر چلنے والا بنایا مگر انسان کو لمبی قامت والا بنایا، وہ اپنے کھانے کی چیز کو اپنے ہاتھ سے پکڑتا ہے عقل اور تمیز سے مزین ہے۔

❺"ثم رددناه اسفل سافلين" مراد ہے کہ بڑھاپے اور نکمی عمر کی طرف تو اس کی عقل ناقص اور بدن کمزور ہو جاتا ہے اور سافلون کمزور لوگ، اپاہج اور بچے۔ پس بوڑھا آدمی بھی ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے اور اسفل سافلین نکرہ ہے جنس کو عام ہے جیسا کہ تو کہے فلان اکرم قائم اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں "اسفل السافلين" ہے اور حسن، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں یعنی پھر ہم اس کو آگ کی طرف لوٹاتے ہیں یعنی "اسفل السافلين" کی طرف کیوں کہ اس کے طبقات بعض دوسرے بعض سے نیچے ہیں۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی آگ کی طرف بری صورت یعنی خنزیر کی صورت میں۔

❻ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا "الا الذين امنوا" کیونکہ وہ جہنم کی طرف نہ لوٹائے جائیں گے اور جو پہلے قول کے قائل ہیں انہوں نے کہا ہم اس کو "اسفل سافلين" کی طرف لوٹائیں گے۔ ان کی عقل چلی جائے گی اور عمل ختم ہو جائیں۔ پس ان کی کوئی نیکی نہ لکھی جائے گی مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔ "وعملوا الصالحات" کیونکہ ان کے لیے بڑھاپے اور جسم جواب دینے کے بعد اس کی مثل ہوگا جو وہ جوانی اور تندرستی کی حالت میں عمل کرتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ چند لوگوں کی جماعت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نکمی عمر کی طرف لوٹائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر نازل کیا اور خبر دی کہ ان کے اعمال کا اجر ہوگا جو انہوں نے عقل جانے سے پہلے کیے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بوڑھے کو اس کے بڑھاپے نے کوئی نقصان نہیں دیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاتمہ ان اچھے اعمال پر کیا جو وہ کرتا تھا۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا فرمایا "الا الذين امنوا وعملوا الصالحات" مگر وہ لوگ جو قرآن پڑھیں اور فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ نکمی عمر کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔ "فلهم اجر غير ممنون" ختم نہ ہونے والا۔ اس لیے کہ اس کے لیے لکھا جائے گا اس نیک عمل کی طرح جو وہ عمل کرے گا۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجر بغیر عمل کے۔ پھر فرمایا الزام حجت کے لیے۔

❼"فما يكذبك" اے انسان! "بعد" یعنی اس دلیل و برہان کے بعد "بالدين" حساب و جزاء کا اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنی صورت اور جوانی اور بڑھاپے میں غور و فکر نہیں کرتا کہ وہ عبرت حاصل کرے اور کہے بے شک جس نے یہ کیا وہ اس پر قادر ہے کہ مجھے اٹھائے اور میرا محاسبہ کرے۔ پس کون آپ کی تکذیب کرتا ہے بدلہ دیئے جانے کی ان دلائل کے بعد۔

❽"أليس الله باحكم الحاكمين" فیصلہ کرنے والوں میں سے زیادہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے درمیان اور اہل تکذیب کے درمیان فیصلہ کریں گے اور ہم تک روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے "والتين والزيتون" پڑھی پھر اس کے آخر "أليس الله باحكم

الحاکمین" تک پہنچ گیا۔ پس چاہیے کہ وہ کہے کیوں نہیں اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔ براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو عشاء کی دو رکعتوں میں سے پہلی میں "والتین والزیتون" کی قرأت کی۔

سُوْرَۃُ الْعَلَق

یہ سورۃ مکی ہے اس میں نو (۹) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ⑦ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ⑧ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ⑩

ترجمہ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو) علم سے تعلیم دی اور عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا سچ مچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابناء جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے اے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے۔

نزول کے اعتبار سے پہلی سورت کون سی ہے

تفسیر "اقرأ باسم ربک الذی خلق" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت "اقرأ باسم ربک" نازل ہوئی۔ اکثر اہل تفسیر کا اسی پر اتفاق ہے۔ سورۃ "اقرأ مالم یعلم" تک سب سے اوّل نازل ہوئی تھی۔ یہ کل آیات کا پانچواں حصہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے تھے، وہ صبح کی پو پھٹنے کی طرح (سامنے) آ جاتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیہ پسند بنا دیئے گئے اور غارِ حراء میں خلوت گزیں ہونے لگے۔ وہاں آپ متعدد راتیں بغیر گھر آئے، عبادت میں گزارتے تھے (مگر) کھانے کا سامان ساتھ لے جاتے تھے (جب کھانا ختم ہو جاتا تھا تو) پھر خدیجہ کے پاس آ کر حسب سابق کھانے کا سامان لے جاتے یہاں تک کہ حق آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں ہی تھے کہ فرشتہ نے آ کر کہا: "اقرأ" (حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے (یہ جواب سن کر) مجھے پکڑ کر اتنے زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہوگیا، پھر چھوڑ کر کہا: "اقرأ" میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے (یہ جواب سن کر) مجھے پکڑ کر اتنے زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہوگیا۔ پھر چھوڑ کر کہا "اقرأ" میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر پکڑ کر اتنے زور سے مجھے دبایا کہ میں بے طاقت ہوگیا، پھر چھوڑ کر کہا "اقرأ" میں نے کہا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری بار مجھے دبایا اور کہا: "اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربک الاکرم الّذی علّم بالقلم، علّم الانسان مالم یعلم"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے ساتھ لوٹ کر (گھر) آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھڑک رہا تھا۔ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ (گھر والوں نے کپڑا اوڑھا دیا) یہاں تک کہ جب خوف (دل سے) جاتا رہا تو خدیجہ کو وہ واقعہ بتایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رنج نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناداروں کو مال دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی میزبانی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی مصائب میں امداد کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ جاہلیت کے زمانہ میں عیسائی ہوگئے تھے۔ عبرانی کتاب لکھتے اور انجیل کو عربی میں حسب مشیت خدا تحریر کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُن سے کہا: میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے سے تو سنو (یہ کیا کہتے ہیں) ورقہ نے کہا: بھتیجے تم کو کیا نظر آتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تو وہ بتادیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتارا تھا۔ کاش میں اس زمانہ میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ تم کو تمہاری قوم نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا مجھے وہ نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جو چیز تم لے کر آئے ہو، جو شخص بھی ایسی چیز لے کر آیا اس کو ضرور ایذاء دی گئی۔ اگر مجھے تمہارا وہ زمانہ ملا تو میں تمہاری بڑی مضبوط مدد کروں گا، پھر کچھ مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی رُک گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا "اقرأ باسم ربک الذی خلق" حتیٰ کہ "مالم یعلم" تک پہنچ گئے اور اس کے آخر میں زیادہ کیا، پھر فرمایا اور وحی میں وقفہ آگیا "فترتِ وحی" حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوگئے۔ اس میں جو ہم تک پہنچی ہے کہ ایسا غم جس کی وجہ سے کئی مرتبہ آپ علیہ السلام گئے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے خود کو لڑھکا دیں۔ پس جب بھی آپ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تاکہ اپنے آپ کو نیچے گرادیں تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی بے قراری کو قرار آتا تو واپس لوٹ آتے۔ پھر جب فترتِ وحی (وحی کا وقفہ) لمبا ہو جاتا تو پھر ایسا کرنے جاتے۔ پس جب پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور اسی کے مثل بات کہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کا قول "اقرأ باسم ربک" ہے۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مجاز "اقرأ اسم

ربّک" ہے یعنی باء زائد ہے۔ اور معنی آپ اپنے رب کا نام ذکر کریں۔ حکم دیا کہ قرأت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کریں ادب سکھانے کے لیے۔ "الذی خلق" کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی تمام مخلوقات کو، پھر تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔

② "خلق الانسان" یعنی ابن آدم کو۔ "من علق" علقۃ کی جمع ہے۔

③ "اقرأ" اس کا تکرار کیا تاکید کے لیے۔ پھر استیناف کرتے ہوئے فرمایا "وربّک الاکرم" کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندوں کی جہالت پر بردبار ہے ان کو جلدی سزا نہیں دیتا۔ ④ "الذی علّم بالقلم" یعنی خط و کتابت

⑤ "علّم الانسان مالم یعلم" ہدایت اور بیان کی اقسام میں سے اور کہا گیا ہے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے اور کہا گیا ہے یہاں انسان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اس کا بیان "وعلّمک مالم تکن تعلم" ہے۔

⑥ "کلا" حق وثابت ہے۔ "ان الانسان لیطغٰی" اپنی حد سے بڑھتا ہے اور اپنے رب پر تکبر کرتا ہے۔

⑦ "ان" اس لیے کہ "راٰہ استغنٰی" کہ وہ اپنے نفس کو غنی دیکھتا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لباس وکھانے وغیرہ میں ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف بلند ہوتا ہے اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اس کو مال حاصل ہوتا تو اپنے کپڑوں اور سواریوں اور کھانوں میں اضافہ کرتا تو یہ اس کی سرکشی ہے۔

⑧ "ان الی ربّک الرّجعٰی" یعنی آخرت میں لوٹنا ہے۔ ⑨ "ارایت الّذی ینھٰی. ⑩ عبداً اذا صلّی" ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا تھا۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ابوجہل نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے چہرے کو تمہارے سامنے خاک آلود کرتے ہیں؟ کہا گیا ہاں تو اس نے لات وعزیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو دیکھ لیا تو میں ان کی گردن کو ضرور روند دوں گا اور میں ان کے چہرے کو مٹی میں خوب لت پت کردوں گا۔ فرماتے ہیں پھر ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن روند دے گا۔ پس اچانک وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگا اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے کسی چیز سے بچنے لگا۔ اس کو کہا گیا اے ابوالحکم تجھے کیا ہوگیا تھا؟ کہنے لگا میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آگ کی خندق اور ہولناکی اور پَر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کا عضو عضواً اچک لیتے۔ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ ہم نہیں جانتے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے یا کسی اور میں جوان کو پہنچی ہے۔

"کلا انّ الانسان لیطغٰی. ان راٰہ استغنٰی. انّ الی ربّک الرّجعٰی. ارایت الذی ینھٰی. عبدا اذا صلّی"

اور یہاں ارایت کا معنی مخاطب کو تعجب دلانا ہے اور اس لفظ کا تکرار تاکید کے لیے کیا گیا ہے۔

اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ⑫ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ⑬ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ⑭ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ⑮ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱ كَلَّا. لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (آیت سجدہ) ⑲

ترجمہ (اور اے مخاطب) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو (جو کہ کمال لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی) تقویٰ کی تعلیم دیتا ہوا ے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (ناحق دین کو) جھٹلاتا ہو اور (حق سے) روگردانی کرتا ہو کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اس کے طغیان وغیرہ کو) دیکھ رہا ہے ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے اور) اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم اس کو پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلا لے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے (آگے پھر سرزنش ہے کہ اس کو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہئے مگر) آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور بدستور نماز پڑھتے رہیے اور خدا کا قرب حاصل کرتے رہیے۔

تفسیر ⑪ "ارأیت ان کان علی الهدیٰ" یعنی وہ بندہ جس کو روکا گیا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

⑫ "او امر بالتقویٰ" یعنی اخلاص اور توحید کے ساتھ۔ ⑬ "ارأیت ان کذّب" یعنی ابوجہل "و تولّی" ایمان سے اور آیت کے الفاظ کی تقدیر یہ ہے "ارأیت الذی ینھیٰ عبدا اذا صلّی. وھو علی الهدیٰ امر بالتقویٰ" اور روکنے والا جھٹلانے والا ایمان سے پیٹھ پھیرنے والا ہے۔ پس اس سے زیادہ تعجب خیز بات کون سی ہے؟ ⑭ "الم یعلم" یعنی ابوجہل۔ "بانّ اللّٰہ یریٰ" پس اس کو اس کا بدلہ دے گا۔ ⑮ "کلا" وہ یہ نہیں جانتا۔ "لئن لم ینتہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے اور آپ کی تکذیب کرنے سے۔ "لنسفعا بالناصیۃ" ہم اس کی پیشانی سے پکڑیں گے پھر اس کو کھینچ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ جیسا کہ فرمایا "فیؤخذ بالنواصی والاقدام" کہا جاتا ہے "سعفت بالشیٔ" جب تو نے اس کو پکڑا اور سخت کھینچا اور ناصیہ سر کے اگلے حصہ کے بال۔

⑯ پھر بدل پر فرمایا "ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ" یعنی اس پیشانی والا جھوٹا خطا کار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا تو آپ علیہ السلام نے اس کو جھڑکا تو ابوجہل کہنے لگا کیا آپ مجھے جھڑکتے ہیں؟ پس اللہ کی قسم میں آپ پر اس وادی کو بھر دوں گا۔ اگر میں چاہوں تیز رفتار گھوڑوں اور بے ریش نوجوانوں سے۔

⑰ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلیدع نادیہ" یعنی اپنی قوم اور قبیلہ کو یعنی پس چاہیے کہ ان سے مدد طلب کرے۔

⑱ "سندع الزبانیۃ" زبنی کی جمع ہے زبن سے لیا گیا ہے اور وہ دھکیلنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جہنم کے زبانیہ مراد ہیں اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اہل نار جہنم کو دھکیلیں گے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ فرشتے سخت رو سخت مزاج۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ اپنے قبیلہ کو بلاتا تو اس کو اللہ کے زبانیہ پکڑ لیتے۔

⑲ پھر فرمایا "کلا" معاملہ اس پر نہیں جس پر ابوجہل ہے۔ "لاتطعہ" نماز چھوڑنے میں۔ "واسجد" اللہ کے لیے نماز پڑھیں۔ "واقترب" اللہ سے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس تم دُعا زیادہ کرو۔

سُوْرَةُ الْقَدْر

مکی ہے اور اس کی پانچ (۵) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ. هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

ترجمہ: بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور (شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے) کہ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے (اور وہ شب قدر ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔

تفسیر: ① "انا انزلنٰه فی لیلة القدر" یعنی قرآن کو۔ یہ ضمیر غیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے۔ قرآن مجید کو یکبارگی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دُنیا کی طرف اُتارا۔ پھر اس کو بیت العزت میں رکھا۔ پھر وہاں سے جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں نازل ہوتے رہے۔

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ

② پھر اپنے نبی کو تعجب کرتے ہوئے فرمایا "وما ادراک ما لیلة القدر" اس کا نام لیلۃ القدر اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس رات میں امور و احکام کی تقدیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں سال کے امر کو آنے والے سال تک تقدیر میں لکھ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فیها یفرق کل امر حکیم" ہے اور وہ ان کے قول "قدر اللّٰه الشیٔ" کا مصدر ہے تخفیف کے ساتھ قدرًا وقدرًا جیسے نھر اور نھر اور شعر اور شعر اور قدرۃ تشدید کے ساتھ تقدیرًا ایک معنی میں ہیں۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہر چیز کی تقدیر کو لکھ نہیں دیا؟ فرمایا ہاں۔

لیلۃ القدر کا معنی

تو کہا گیا پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی ہے؟ فرمایا مقادیر جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کو ان کے اوقات پر جاری کرنا اور قضاء جو طے ہو چکی اس کو نافذ کرنا اور ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور عظمت و مرتبہ والی رات یہ ماخوذ ہے لوگوں کے قول "لفلان

عند الامیر قدر" سے یعنی مرتبہ ومقام ہے۔ کہا جاتا ہے قدرت فلانا یعنی میں نے اس کی تعظیم کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما قدروا اللہ حق قدرہ" یعنی انہوں نے اس کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور کہا گیا ہے اس لیے کہ نیک عمل اس میں اللہ کے ہاں مرتبہ والا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ مقبول ہوتا ہے اور اس کے وقت میں اختلاف ہوا ہے۔ پس ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوتی تھی پھر اُٹھالی گئی ہے اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قیامت تک باقی ہے۔ عبداللہ بن حسین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا لوگ گمان کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر اُٹھالی گئی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا وہ ہر مہینہ میں ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ رمضان کے مہینہ میں، پس تو اس کا استقبال کر۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ سال کی راتوں میں سے ایک رات ہے حتیٰ کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کی طلاق کو اور اپنے غلام کی آزادی کو لیلۃ القدر کے ساتھ معلق کردیا تو طلاق اور آزادی واقع نہ ہوگی۔ جب تک قسم کے وقت سے سال نہ گزر جائے۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ فرمایا جو سال بھر رات کا قیام کرے گا وہ اس کو پالے گا۔ تو یہ بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کریں وہ جانتے ہیں کہ یہ رمضان کے مہینہ میں ہے لیکن انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ لوگ بھروسہ نہ کریں (باقی سال عمل چھوڑ دیں)

اور جمہور اہل علم اس بات پر ہیں کہ یہ رمضان کے مہینہ میں ہے اور اس رات میں اختلاف ہوا ہے۔ ابو رزین عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ رمضان کے مہینہ کی پہلی رات ہے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سترہویں رات اور یہ وہ رات ہے جس کی صبح کو بدر کا معرکہ ہوا تھا اور صحیح قول جس پر اکثر حضرات ہیں کہ یہ رمضان کے مہینہ کی آخری دس راتوں میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف کرتے اور فرماتے تم لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں عبادت میں اتنی کوشش کرتے تھے جو ان کے علاوہ دنوں میں نہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان کے آخری دس دن داخل ہوتے تو تہبند باندھ لیتے (کمر کس لیتے) اور ساری رات جاگتے اور گھر والوں کو بیدار کرتے۔

لیلۃ القدر کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف

اور اس میں اختلاف ہوا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی کس رات میں ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لیلۃ القدر کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا میں اس کو تلاش کرنے والا نہیں ہوں۔ اس چیز

کے بعد جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی مگر آخری دس دنوں میں ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناتم اس کو آخری دس دنوں میں تلاش کرو، نو سے جو باقی بچیں یا سات سے جو باقی رہ جائیں یا پانچ سے جو باقی رہ جائیں یا تین سے جو باقی رہ جائیں یا آخری رات اور ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رمضان داخل ہوتا تو نماز پڑھتے ۔ جیسا کہ سارے سال میں نماز پڑھتے تھے ۔ پھر جب آخری دس دن داخل ہوتے تو خوب کوشش کرتے ۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تا کہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں تو مسلمانوں میں سے دو آدمی جھگڑ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گھر سے نکلا تا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دوں ۔ پس فلاں اور فلاں جھگڑے تو اُٹھالی گئی اور اُمید ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو۔

پس تم اس کو نویں اور ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند افراد نے لیلۃ القدر کو خواب میں رمضان کی آخری سات راتوں میں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے خواب کو دیکھتا ہوں کہ وہ آخری سات میں موافق ہے ۔ پس جو شخص اس کو تلاش کرنے والا ہے ۔ پس چاہیے کہ وہ اس کو آخری سات راتوں میں تلاش کرے ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اکیس کی رات ہے ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے درمیانے عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے اور اس سال اعتکاف کیا یہاں تک کہ جب اکیس کی رات ہوئی، یہ وہ رات ہے جس کی صبح آپ علیہ السلام اپنے اعتکاف سے نکلے، فرمایا جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا، پس اس کو چاہیے کہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے اور تحقیق میں نے اس رات کو دیکھا، پھر میں بھلا دیا گیا اور تحقیق میں نے خود کو دیکھا کہ اس رات کی صبح کو پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں ۔

پس تم اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو اور ہر طاق رات میں تلاش کرو تو ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو اس رات آسمان سے بارش برسی اور مسجد جھونپڑی پر تھی تو مسجد کی چھت ٹپکی ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تو میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر پھرے اور آپ علیہ السلام کی پیشانی اور ناک پر پانی اور گارے کا اثر تھا اکیس کی صبح کو اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ تیئیس (۲۳) کی رات ہے ۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا بے شک میں ایک دیہات میں ہوتا ہوں اس کو "وطاۃ" کہا جاتا ہے اور میں بحمد اللہ ان کو نماز پڑھاتا ہوں ۔

لیلۃ القدر کے فضائل

پس آپ مجھے اس مہینے کی رات کے بارے میں حکم کریں کہ میں مسجد میں پڑاؤ کروں اور اس میں نماز پڑھوں تو آپ علیہ

السلام نے فرمایا تو تیئیس (۲۳) کی رات کو مسجد میں قیام کر اور اس میں نماز پڑھ اور اگر تو پسند کرے تو تو مہینہ کا آخر مکمل کرے تو ایسا کر اور اگر تو چاہے تو رُک جا۔ فرماتے ہیں پس جب وہ عصر کی نماز پڑھتے تو مسجد میں داخل ہو جاتے پھر اس سے نہ نکلتے مگر اپنی حاجت سے حتیٰ کہ صبح کی نماز پڑھتے۔ پھر جب صبح کی نماز پڑھتے تو ان کی سواری مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے لیلۃ القدر کا مذاکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہینے کے کتنے دن گزر گئے؟ تو ہم نے کہا بائیس (۲۲) دن اور آٹھ باقی رہ گئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بائیس دن گزر گئے اور سات باقی رہ گئے تم اس کو رات میں تلاش کرو، مہینہ انتیس دن کا ہے اور ایک قوم نے کہا ہے ستائیس کی رات میں اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے زر بن حبیش نے ابی بن کعب کو کہا اے ابومنذر ہمیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتائیں کیوں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو سال کا قیام کرے گا وہ اس کو پالے گا تو فرمایا اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم کریں۔

بہرحال وہ جانتے ہیں کہ وہ رمضان میں ہے لیکن انہوں نے ناپسند سمجھا کہ تمہیں اس کی خبر دیں تو تم اس پر بھروسہ کر لو، قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اُتارا، وہ ستائیس کی رات ہے تو ہم نے کہا اے ابومنذر! آپ نے یہ کہاں سے جانا ہے؟ فرمایا اس نشانی کی وجہ سے جس کی ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تو ہم نے اس کو یاد کر لیا اور ہم نے اس کو شمار کیا، وہ اللہ کی قسم نہیں بھولتی۔ ہم نے کہا اور نشانی کیا ہے؟

فرمایا سورج طلوع ہوگا، گویا کہ وہ طاس ہے اس کی شعاع نہ ہوگی اور اس کی علامات میں سے وہ ہے جو حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے اس کو مرفوع قرار دیا ہے کہ وہ نرم رات ہے، نہ گرم اور نہ ٹھنڈی، اس کی صبح کو سورج طلوع ہوتا ہے۔ اس کی شعاع نہیں ہوتی اور خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو اس اُمت پر مبہم رکھا تا کہ وہ رمضان کی راتوں میں عبادت کی کوشش کریں اس کو پانے کی طمع میں جیسا کہ جمعہ کے دن میں قبولیت کی گھڑی کو مخفی رکھا گیا ہے اور پانچ نمازوں میں صلاۃ وسطیٰ کو مخفی رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اسم اعظم کو مخفی رکھا گیا ہے اور عبادت میں اس کی رضامندی کو تا کہ وہ ان تمام عبادت کے کاموں میں رغبت کریں اور معاصی میں اس کی ناراضگی کو مخفی رکھا گیا ہے۔

تا کہ وہ ان تمام سے باز آ جائیں اور قیامت کے قائم ہونے کو مخفی کیا گیا ہے تا کہ وہ عبادات میں خوب کوشش کریں اس کے قائم ہونے کے خوف سے۔

❸ "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذکر کیا گیا بنی اسرائیل کے ایک شخص کا جس نے اللہ کے راستہ میں اپنے کندھے پر ہزار مہینے ہتھیار اُٹھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے تعجب ہوا اور اس کی اپنی اُمت کے لیے تمنا کی اور فرمایا اے میرے رب! آپ نے میری اُمت کو اور اُمتوں میں سے سب سے چھوٹی عمر والا بنایا اور کم عمل والا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو لیلۃ

القدر دی اور فرمایا "لیلة القدر خیر من الف شهر" ایسے جن میں اسرائیلی نے اللہ کے راستے میں ہتھیار اُٹھایا اور آپ علیہ السلام کی اُمت کے لیے قیامت کے دن تک۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں "لیلة القدر خیر من الف شهر" اس کا معنی نیک عمل لیلۃ القدر میں ان ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے لیلۃ القدر کا قیام کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص مغرب و عشاء میں حاضر ہوا، جماعت میں تو اس نے لیلۃ القدر سے اپنا حصہ لے لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو کیا کہوں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو کہہ "اللهم انک عفو تحبّ العفو فاعف عنّی"

④ "تنزل الملائكة والرّوح" یعنی جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ "فیها" یعنی لیلۃ القدر میں "باذن ربهم من کل امر" یعنی خیر اور برکت کے ہر امر کے ساتھ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یحفظونه من امر الله" یعنی بامر اللہ

⑤ "سلام" عطاء فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اللہ کے اولیاء اور اہل طاعت پر سلامتی ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتوں کا لیلۃ القدر میں اہل مسجد کو سلام کرنا سورج کے غروب ہونے کے وقت سے فجر طلوع ہونے تک۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتے اس میں اُترتے ہیں جب بھی کسی مؤمن مرد و عورت کو ملتے ہیں تو اس پر سلام بھیجتے ہیں اس کے رب سے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جائے اور کہا گیا ہے کلام اللہ تعالیٰ کے قول "باذن ربهم من کل امر" پر مکمل ہوگئی ہے پھر ابتداء کرتے ہوئے فرمایا "سلام هی" یعنی لیلۃ القدر مکمل سلامتی اور خیر ہے، اس میں کوئی شر نہیں ہے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس رات میں نہیں مقدر کرتے اور نہ فیصلہ کرتے ہیں مگر سلامتی کا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی لیلۃ القدر محفوظ ہے، شیطان اس میں برا عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور کسی کو تکلیف پہنچانے کی۔ "حتّی مطلع الفجر" یعنی فجر کے طلوع ہونے تک۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع لام کی زیر کے ساتھ اور دیگر حضرات نے لام کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ پسندیدہ ہے طلوع کے معنی میں مصدر کی بناء پر۔ کہا جاتا ہے "طلع الفجر طلوعا ومطلعا" اور زیر کے ساتھ طلوع کی جگہ۔

❀❀❀

سُوْرَةُ الْبَیِّنَة

مدنی ہے اور اس کی آٹھ (۸) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۴

ترجمہ: جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے جن میں درست مضامین لکھے ہوئے ہوں اور جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہوگئے۔

تفسیر: ۱ "لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب" اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ "والمشرکین" اور وہ بتوں کی عبادت کرنے والے۔ "منفکین" ہٹنے والے جدا ہونے والے۔ کہا جاتا ہے "فککت الشیء فانفک" یعنی جدا ہوگئی۔ "حتّٰی تاتیھم البیّنة" لفظ مستقبل اور اس کا معنی ماضی کا ہے۔ یعنی حتیٰ کہ ان کے پاس واضح حجت آجائے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قرآن لائے تو ان کی گمراہی اور جہالت کو بیان کردیا اور ان کو اسلام اور ایمان کی طرف بلایا۔ پس یہ آیت ان کے بارے میں ہے جو دونوں فریقوں میں سے ایمان لایا۔ خبر دی ہے کہ وہ کفر سے باز نہ آئیں گے حتیٰ کہ ان کے پاس رسول آئے پھر ان کو ایمان کی طرف بلایا، پھر وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جہالت و گمراہی سے بچالیا۔

۲ پھر بینہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا "رسول من اللہ یعلوا" پڑھتے ہیں۔ "صحفا" کتاب۔ صحیفے (اوراق) جس مکتوب کو متضمن ہوتے ہیں وہ مراد ہے اور وہ قرآن ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام قرآن کی تلاوت اپنے دل سے کرتے تھے کسی تحریر و کتاب کو دیکھ کر نہ کرتے تھے۔ "مطھرة" باطل اور جھوٹ ہے۔

③ "فیھا" یعنی صحیفوں میں۔ "کتب" یعنی آیات واحکام جو ان میں لکھے ہوئے ہیں۔ "قیمۃ" معتدل درست کجی والی نہیں ہے۔

④ پھر ان کا ذکر کیا جو اہل کتاب میں سے ایمان نہیں لائے تو فرمایا "وما تفرق الذین اوتوا الکتاب" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امر میں۔ "الا من بعد ما جاء تھم البیّنۃ" یعنی ان کی کتابوں میں واضح بیان کہ وہ نبی مرسل ہیں۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں اہل کتاب ہمیشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں متفق رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بھیج دیا۔ پھر جب آپ علیہ السلام کو بھیجا گیا تو آپ علیہ السلام کے معاملہ میں اختلاف کیا اور فرقے بن گئے تو ان میں سے بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور دیگر نے کفر کیا اور بعض آئمہ لغت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول "منفکین" کا معنی ہلاک ہونے والے۔ یہ ماخوذ ہے ان کے قول "انفک صلاء المرأۃ عند الولادۃ" سے وہ یہ کہ وہ جدا ہو جائے پھر وہ نہ مل سکے۔ پس وہ عورت ہلاک ہو جائے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ ہلاک ہونے والے اور معذب نہیں تھے مگر ان پر رسول کو بھیجنے اور کتاب کے اُتارنے کے ذریعے حجت قائم کرنے کے بعد اور پہلا قول اصح ہے۔ پھر ذکر کیا جو وہ اپنی کتابوں میں حکم دیئے گئے تھے تو فرمایا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا. اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا. رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ⑧

ترجمہ: حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خالص رکھیں (ادیان باطلہ شرکیہ سے) یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا) بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) بدترین خلائق ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے اور (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

⑤ "وما امروا" یعنی یہ کفار "الا لیعبدوا اللہ" یعنی مگر یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ "مخلصین لہ الدین" ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کو توریت و انجیل میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت خالص اللہ کے لیے کریں توحید کو اپنائیں۔ "حنفاء" تمام ادیان سے اعراض کر کے دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

تفسیر "ویقیموا الصلوٰۃ" فرض کی ہوئی ان کے اوقات میں۔ "ویؤتوا الزکاۃ" اس کے محل کے وقت۔ "وذلک" جس کا ان کو حکم دیا گیا "دین القیّمۃ" یعنی ملت اور سیدھی شریعت ہے دین کی اضافت قیمہ کی طرف کی ہے حالانکہ یہ اس کی صفت ہے لفظوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اور "قیّمۃ" کو مؤنث لایا گیا ہے دین کو ملت کی طرف رد کرتے ہوئے اور کہا گیا ہے کہ اس میں ھاء مبالغہ کی ہے اور کہا گیا ہے قیمہ وہ کتابیں جن کا ذکر ابھی ہوا ہے یعنی اور یہ ان درست کتابوں کا دین ہے جس کی طرف آپ علیہ السلام بلاتے اور ان کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا "وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین النّاس فیما اختلفوا فیہ" نضر بن شمیل فرماتے ہیں میں نے خلیل بن احمد سے اللہ تعالیٰ کے قول "وذلک دین القیّمۃ" کے بارے میں پوچھا تو فرمایا "القیمۃ" قیّم کی جمع ہے اور قیم اور قائم ایک ہیں۔ آیت کا مجاز "وذلک دین القائمین للّٰہ بالتوحید" اور یہ ان کا دین ہے جو اللہ کی توحید پر قائم ہیں۔

6 پھر ذکر کیا جو دونوں فریقوں کو ملے گا تو فرمایا: "ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنّم خالدین فیھا اولٰئک ھم شرّ البریّۃ" نافع اور ابن عمر نے "البریئۃ" ہمزہ کے ساتھ دو حرفوں میں پڑھا ہے۔ اس لیے کہ یہ ان کے قول "برأ اللّٰہ الخلق" سے ماخوذ ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے جیسے "ذریّۃ" اس کا ہمزہ استعمال میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

7 "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریّۃ.

8 جزاؤھم عند ربھم جنات عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربّہ" اور معاصی سے باز آ جائے اور کہا گیا ہے کہ رضا دو قسموں کی طرف تقسیم ہے رضا بہ (اس پر راضی ہونا) اور رضا عنہ (اس سے راضی ہونا) پس رضا بہ اس کے رب اور مدبر ہونے پر راضی ہونا اور رضا عنہ اس کے قضاء و قدر سے راضی ہونا۔ سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تو اللہ سے راضی نہیں ہے تو پھر تو اس سے کیسے سوال کرتا ہے تجھ سے راضی ہونے کا؟ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی کو کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر "لم یکن الذین کفروا" پڑھوں۔ ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور میرے رب نے میرا نام لیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو وہ رو پڑے۔ ہمام نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن پڑھوں۔

سُوْرَةُ الزِّلْزَال

مدنی ہے اور اس کی آٹھ (۸) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨

ترجمہ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تا کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

تفسیر ❶ "اذا زلزلت الارض زلزالها" زمین کو سخت حرکت دی جائے گی قیامت کے قائم ہونے کی وجہ سے۔ "زلزالها" اس کا حرکت کرنا۔

❷ "واخرجت الارض اثقالها" اپنے مُردے اور خزانے، پس ان کو اپنے اوپر ڈال دے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اپنے اندر کے خزانوں کی قے کردے گی جو ستونوں کی مثل ہوں گے سونے اور چاندی کے۔ پس قتل کرنے والا آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا اور قطع رحمی کرنے والا آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے اپنے رشتہ توڑے اور چور آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا، پھر وہ اس کو چھوڑ دیں گے اس میں سے کچھ بھی نہ لیں گے۔

❸ "وقال الانسان مالها" کہا گیا ہے آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، اس کی تقدیر یہ ہے۔

④ "یومئذ تحدث اخبارها" پس انسان کہے گا مالھا۔ یعنی زمین خبر دے گی جو اس نے اس پر عمل کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یومئذ تحدث اخبارها" فرمایا کیا تم جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: بے شک اس کی خبریں یہ ہیں کہ ہر وہ بندہ اور باندی پر گواہی دے ان اعمال کی جو انہوں نے اس کی پیٹھ پر کیے ہیں۔ کہے گی اس دن فلاں اور فلاں نے اتنا اتنا عمل کیا، فرمایا پس یہ اس کی خبریں ہیں۔

⑤ "بان ربک اوحی لها" یعنی اس کو کلام کا حکم دیا اور اس کو اجازت دی کہ وہ ان اعمال کی خبر دے جو اس پر کیے گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اوحیٰ الیها" اور آیت کا مجاز یہ ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی کریں گے۔ کہا جاتا ہے "اوحی لها و اوحی الیها" اور "وحی لها اور وحی الیها" یہ ایک ہے۔

⑥ "یومئذ یصدر النّاس" لوگ حساب کے لیے ٹھہرنے کی جگہ سے پیش ہونے کے بعد لوٹیں گے۔ "اشتاتا" جدا جدا۔ پس دائیں والے جنت کی طرف جائیں گے اور بائیں والے جہنم کی طرف جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "یومئذ یتفرّقون"...... "یومئذ یصدّعون" ہے۔ "لیروا اعمالهم" تا کہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دکھائی جائے اور معنی یہ ہے کہ وہ موقف سے جدا جدا ہو کر لوٹیں گے تا کہ وہ اپنی منازل پر اُتریں جنت اور جہنم میں۔

⑦ "فمن یعمل مثقال ذرّة" چھوٹی چیونٹی کے وزن کے برابر۔ یہ عام چیونٹی سے بھی بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ "خیراً یره"

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کی تفسیر

⑧ "ومن یعمل مثقال ذرّة شرّا یره" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مؤمن و کافر نے دُنیا میں کوئی خیر و شر کا عمل نہیں کیا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ قیامت کے دن دکھائیں گے۔ پس بہر حال مؤمن تو اپنی نیکیاں اور برائیاں دیکھے گا۔ پس اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں معاف کریں گے اور نیکیوں پر ثواب دیں گے اور بہر حال کافر تو اس کی نیکیاں رد کر دی جائیں گی اور برائیوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں "فمن یعمل مثقال ذرّة شرّا یره" کافروں میں سے وہ اپنے ثواب کو دُنیا میں اپنے جان و مال اور اہل و اولاد میں دیکھ لے گا حتیٰ کہ دُنیا سے نکلے گا تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی خیر نہ ہوگی۔ "ومن یعمل مثقال ذرّة خیرا یره" مؤمن اپنی سزا دُنیا میں اپنی جان و مال، اہل و اولاد میں دیکھ لے گا حتیٰ کہ دُنیا سے نکلے گا اور اس کے لیے اللہ کے پاس کوئی شر نہ ہوگا۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آیت نازل ہوئی "ویطعمون الطعام علی حبّه" تو ان میں سے ایک کے پاس سائل آتا تو وہ مستقل اس کو تھوڑی سی کھجور اور بادام وغیرہ دیتا۔ وہ کہتا یہ کچھ بھی نہیں ہے تو اس پر اجر دیا جائے گا جو تو دے گا اور ہم اس کو پسند کرتے ہوں گے اور دوسرا شخص تھوڑے

گناہ میں سستی کرتا تھا جیسے غلط بیانی، غیبت اور بدنظری اور اس کے مشابہ چیزیں اور کہتا اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں پر آگ کا وعدہ کیا ہے اور ان میں کوئی گناہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ان کو تھوڑے خیر کے کام میں رغبت دلائی کہ وہ اس کو دیں کیونکہ قریب ہے کہ وہ زیادہ ہو جائے اور ان کو تھوڑے گناہ سے ڈرایا ہے کیونکہ قریب ہے کہ وہ زیادہ ہو جائے۔ پس چھوٹا گناہ کرنے والے کی نگاہ میں اللہ کے ہاں قیامت کے دن پہاڑوں سے بڑا ہوگا اور اس کی تمام نیکیاں ہر چیز سے چھوٹی ہوں گی۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قرآن مجید میں محکم آیت "**فمن یعمل مثقال ذرّة خیرا یره، ومن یعمل مثقال ذرّة شرّا یره**" ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام جامعہ فازہ (جامع مانع) رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام سے گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان کے بارے میں مجھ پر کچھ نازل نہیں کیا گیا مگر یہ جامعہ فازۃ (جامع مانع) آیت "**فمن یعمل مثقال ذرّة خیراً یره، ومن یعمل مثقال ذرّة شرا یره**" اور عمر بن خطاب اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انگور کا دانہ صدقہ کیا اور دونوں نے فرمایا اس میں بہت سارے مثقال ہیں۔ ربیع بن خثیم فرماتے ہیں ایک شخص حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزرا اور وہ یہ سورت پڑھ رہے تھے۔ پس جب وہ اس کے آخر میں پہنچے تو اس نے کہا مجھے کافی ہے۔ تحقیق نصیحت کی انتہا ہوگئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**اذا زلزلت الارض**" نصف قرآن کے برابر ہے۔ "**قل هو الله احد**" قرآن کی تہائی کے برابر ہے۔ "**قل یا یها الکافرون**" قرآن کے چوتھائی کے برابر ہے۔

سُوْرَةُ الْعَادِیَات

سورۃ العادیات: مکی ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ⑦ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ⑧ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ⑪

ترجمہ: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی اول وہلہ میں کبھی بعد تامل) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے کیا اس کو وقت معلوم نہیں کہ جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں

ہیں اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

تفسیر ❶ ”والعادیات ضبحا“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عطاء، مجاہد، عکرمہ، حسن، کلبی، قتادہ، مقاتل، ابوالعالیہ رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہے یہ اللہ کے راستے میں دوڑنے والے گھوڑے جن کے دوڑنے کی وجہ سے پیٹ میں سے آوازیں آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حیوانات میں سے گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ کسی کے دوڑتے وقت پیٹ سے آواز نہیں آتی اور یہ آواز ان جانوروں سے تب آتی ہے جب تھکاوٹ یا گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی حالت متغیر ہو جائے اور یہ عرب کے قول سے ہے ”ضبحت النار“ جب آگ اس کا رنگ تبدیل کردے اور اللہ تعالیٰ کا قول ”ضبحا“ مصدر کی بناء پر منصوب ہے۔ اس کا مجاز ”والعادیات تضبح ضبحا“ ہے اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ حج کے اونٹ ہیں جو عرفہ سے مزدلفہ کی طرف دوڑتے ہیں اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف اور فرمایا اسلام میں پہلا غزوہ بدر تھا اور ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ پس دوڑتے ہوئے گھوڑے کیسے ہوسکتے ہیں؟ اس طرف ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، محمد بن کعب اور سدی رحمہما اللہ گئے ہیں اور بعض نے کہا ہے وہ اونٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ”ضبحا“ یعنی ضباحا چلنے میں اپنی گردنیں لمبی کرتے ہیں۔

❷ ”فالموریات قدحا“ عکرمہ، عطاء، ضحاک، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ گھوڑے ہیں جو اپنے کھروں میں آگ چھپاتے ہیں جب پتھروں میں چلتے ہیں یعنی آگ سلگانے والے اپنے ٹاپوں کے ذریعے آگ سلگاتے ہیں اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ گھوڑے ہیں جو لڑائی اور دشمنی کی آگ اپنے شہسواروں میں بھڑکاتے ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے یہ گھوڑے ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، پھر رات کو آرام کرتے ہیں۔ پس وہ اپنی آگ روشن کرتے اور کھانا پکاتے ہیں اور مجاہد اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں وہ مردوں کا مکر ہے یعنی جنگجو مردوں کا اور جب کوئی شخص اپنے ساتھی کے ساتھ مکر کا ارادہ کرے تو عرب کہتے ہیں ”اما واللہ لاقد حنّ لک ثم لاورین لک“ اور محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگوں کی جماعت میں آگ ہے۔

❸ ”فالمغیرات صبحا“ وہ گھوڑے جو اپنے سواروں کے ساتھ صبح کے وقت غارت کریں یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے اور قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اونٹ جو اپنے سواروں کو مزدلفہ سے منیٰ لے جائیں اور سنت یہ ہے کہ وہ نہ جائے صبح تک اور اغارۃ تیزی سے چلنا اور اسی سے ان کا قول ہے اشرف ”ثبیر کیمانغیر“

❹ ”فاثرن به“ یعنی اپنے چلنے کی جگہ سے اُڑاتے ہیں۔ یہ ضمیر غیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے کہ معنی مفہوم ہو رہا ہے۔ ”نقعا“ غبار۔

❺ ”فوسطن به جمعا“ یعنی اس کے ساتھ دشمن کے درمیان میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ لشکر ہے۔ کہا جاتا ہے ”وسطت القوم“ تخفیف کے ساتھ اور ”وسطتهم“ تشدید کے ساتھ اور ”توسّطهم“ تشدید کے ساتھ سب کا ایک معنی ہے۔

قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مٹی کا مجمع مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی قسم کھائی ہے۔

⑥ "ان الانسان لربّہ لکنود" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "لکنود" ناشکرا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ مضر اور ربیعہ کی لغت میں کفور کے معنی میں ہے اور کندہ اور حضرموت کی لغت میں نافرمان اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ شخص جو مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کم خیر والا اور ارضِ کنود وہ زمین جو کچھ نہ اُگائے اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الکنود" وہ شخص جس کو برائی میں سے ایک خصلت احسان کی کثیر خصلتوں سے مانوس کرے اور شکور وہ شخص جس کو احسان کی ایک خصلت برائی کی کثیر خصلتوں سے مانوس کردے۔

⑦ "وانہ علی ذلک لشھید" اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ناشکرا ہونے پر گواہ ہیں اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ھاء انسان کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی انسان اپنے نفس پر گواہ ہے اس پر جو وہ کررہا ہے۔

⑧ "وانّہ" یعنی انسان "لحبّ الخیر" یعنی مال کی محبت میں "لشدید" یعنی بخیل ہے یعنی وہ مال کی وجہ سے بخیل ہے۔ بخیل کو شدید اور متشدد کہا جاتا ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی "وانّہ لحبّ الخیر لقوی" یعنی مال کی سخت محبت رکھنے والے۔

⑨ "افلا یعلم" یہ انسان۔ "اذا بعثر" نکالا جائے گا۔ "مافی القبور"

⑩ "وحصّل ما فی الصدور" یعنی ظاہر اور جدا کیا جائے گا جو ان میں خیر اور شر ہے۔

⑪ "انّ ربھم بھم" ضمیر کو جمع ذکر کیا ہے اس لیے کہ انسان اسم جنس ہے۔ "یومئذ لخبیر" جاننے والا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان سے اس دن میں باخبر ہے اور اس کے علاوہ میں بھی لیکن معنی یہ ہے کہ وہ ان کو ان کے کفر پر اس دن میں بدلہ دے گا۔

سُوْرَۃُ الْقَارِعَہ

مکی ہے اور کہا گیا ہے مدنی ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْقَارِعَةُ ① مَالْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَالْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

ترجمہ: وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہوجائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے

(وجہ تشبیہ متفرق ہوکر اڑ جانا ہے) پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی ناجی ہوگا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

تفسیر ❶ "القارعة" قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس لیے کہ یہ دلوں کو گھبراہٹ کی وجہ سے کھٹکھٹاتی ہے۔

❷ "ماالقارعة" تعظیم ہے۔

❸ "وَمَآ اَدْرٰکَ مَالْقَارِعَۃُ ❹ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ" فراش وہ پرندے جن کو تو دیکھتا ہے کہ وہ آگ میں گرتے ہیں یعنی پروانے اور مبثوث جدا اور فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹڈیوں کے لشکر لوگوں کو بعث کے وقت ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے میں ملے ہوئے ہوں گے اور ہولناکی کی وجہ سے ایک دوسرے پر سوار ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا: "کانھم جراد منتشر"

❺ "وتکون الجبال کالعھن المنفوش" دھنکی ہوئی روئی کی طرح۔

❻ "فامّا من ثقلت موازینهٗ" اس کی نیکیوں والا پلڑا جھک جائے۔

❼ "فھو فی عیشة راضیة" جنت میں پسندیدہ زندگی میں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رضامندی والی کہ اس زندگی والا اس سے راضی ہوگا۔

❽ "واما من خفت موازینه" اس کی برائیاں نیکیوں پر بڑھ جائیں

❾ "فامّه هاویة" اس کا مسکن آگ ہے۔ مسکن کا نام ام رکھا گیا ہے یا تو اس لیے کہ اصل سکون میں ماؤں کی طرف ہے اور ھاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور وہ ھواۃ اس کی گہرائی کو نہیں پہنچا جاسکتا اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عربی کلمہ ہے جب کوئی آدمی کسی سخت کام میں واقع ہو تو کہا جاتا ہے "ھوت اُمه" اور کہا گیا ہے اس کے سر کی جڑ مراد ہے۔ یعنی وہ جہنم میں اپنے سروں کے بل گریں گے اور اسی تاویل کی طرف قتادہ اور ابوصالح رحمۃ اللہ علیہما گئے ہیں۔

❿ "وما ادراک ماھیه" یعنی ہاویہ اور اس کی اصل ماھی ہے ھاء کو وقف کے لیے اس میں داخل کردیا گیا ہے پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے۔

⓫ فرمایا "نار حامیة" یعنی گرم اس کی گرمائش انتہا کو پہنچ چکی ہو۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُر

مکی ہے اور اس کی آٹھ (۸) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧

ترجمہ (دنیاوی سازوسامان پر) فخر کرنا (جو کہ علامت ہے محبت وطلب کی) تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچنے والے ہرگز نہیں تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی یعنی مرتے ہی) معلوم ہو جاوے گا پھر (دوبارہ تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز (تمہاری یہ حالت ٹھیک) نہیں بہت جلد معلوم ہو جاوے گا ہرگز نہیں (اور) اگر تم یقینی طور پر (دلائل صحیحہ سے اس بات کو) جان لیتے واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر (مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ) واللہ تم لوگ اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے پھر (اور بات سنو کہ) اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔

تفسیر ① "الهاكم التكاثر" تم کو مال اور تعداد کی کثرت پر فخر وغرور نے تمہارے رب کی طاعت سے مشغول کر دیا اور اس سے جو تمہیں اس کی ناراضی سے نجات دے۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کی تفسیر

② "حتى زرتم المقابر" حتیٰ کہ تم مر گئے اور قبروں میں دفن کیے گئے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا ہم بنو فلاں سے تعداد میں زیادہ ہیں اور بنو فلاں فلاں کی اولاد سے زیادہ ہیں۔ اس بات نے ان کو مشغول رکھا حتیٰ کہ وہ گمراہی میں مر گئے اور مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ قریش کے دو قبیلوں بنو عبد مناف بن قصی اور بنو سہم بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان دونوں کے درمیان تفاخر ہے تو ان میں سرداروں اور معزز لوگوں

کی وجہ سے دشمنی ہوگئی کہ ان میں تعداد میں کون زیادہ ہے؟ تو بنوعبد مناف نے کہا ہمارے سردار اور عزت والے زیادہ ہیں اور ہم تم سے تعداد میں زیادہ ہیں اور بنوسہم نے بھی اسی کی مثل کہا تو بنوعبد مناف نے ان پر کثرت کی پھر کہا ہم اپنے مُردوں کو شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ قبروں پر گئے اور مُردوں کو شمار کیا۔ پھر کہنے لگے یہ فلاں کی قبر ہے اور یہ فلاں کی قبر ہے تو بنوسہم تین آباء سے ان سے زیادہ ہوگئے۔ اس لیے کہ ان کی جاہلیت میں تعداد زیادہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ علیہ السلام یہ آیت پڑھ رہے تھے "الھاکم التکاثر" آپ علیہ السلام نے فرمایا ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرے لیے تیرے مال میں سے صرف وہ ہے جو تو نے کھالیا اور فنا کر دیا یا پہن لیا، پھر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا، پھر اس کو آگے جاری کر دیا۔ انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں۔ پس دو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے پیچھے اس کے گھر والے اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے۔ پس اس کے گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے، پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

❸ "کلا" معاملہ تفاخر کے ساتھ نہیں ہے۔ "سوف تعلمون" ان کو وعید ہے پھر اس کا تاکید کے لیے تکرار کیا تو فرمایا۔

❹ "ثم کلا سوف تعلمون" حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ وعید کے بعد وعید ہے اور معنی یہ ہے کہ عنقریب تم اپنے فخر و غرور کا انجام جان لوگے۔ جب تم پر موت اُترے گی اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کلا سوف تعلمون" یعنی کفار "ثم کلّا سوف تعلمون" یعنی مؤمنین اور پہلی کو تاء کے ساتھ اور دوسرے کو یاء کے ساتھ پڑھتے تھے۔

❺ "کلّا لو تعلمون علم الیقین" یعنی علم یقینی۔ پس علم کی اضافت یقین کی طرف ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "لھو حق الیقین" ہے اور "لو" کا جواب محذوف ہے۔ یعنی اگر تم جان لو علم یقین تو تمہیں مشغول کر دے۔ اس سے جو تم تکاثر و تفاخر کرتے ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم یہ باتیں کرتے ہیں کہ علم یقین یہ ہے کہ وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت کے بعد اُٹھانے والے ہیں۔

❻ "لترونّ الجحیم" ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ نے "لترون" تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے "اریتہ الشیء" سے اور دیگر حضرات نے تاء کے زبر کے ساتھ یعنی تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے، اس کے بعد

❼ "ثمّ لترونھا" مشاہدہ کر کے "عین الیقین"

❽ "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم" مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی کفار مکہ وہ دُنیا میں خیر اور نعمت میں تھے۔ پس وہ قیامت کے دن اس کے شکر کے بارے میں سوال کیے جائیں گے جس میں وہ تھے اور انہوں نے نعمتوں کے رب کا شکر ادا نہیں کیا کہ اس کے غیر کی عبادت کی، پھر وہ شکر کے چھوڑنے پر عذاب دیئے جائیں گے۔ یہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اس کو مرفوع نقل کیا ہے فرمایا "لتسئلن یومئذ عن النعیم" فرمایا امن اور صحت اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر نعمت والے سے سوال کریں گے اس نعمت کے بارے میں جو اس پر کی ہے۔

بندے سے اس پر نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ سے پہلا سوال نعمتوں کے بارے میں کیا جائے گا، اس کو کہا جائے گا کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرست نہیں کیا؟ اور ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے وقت میں نکلے کہ اس میں گھر سے نہ نکلتے تھے اور نہ کسی سے ملاقات کرتے تھے تو آپ علیہ السلام کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا اے ابوبکر! تجھے کیا ضرورت لائی؟ انہوں نے کہا کہ میں گھر سے نکلا تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں اور آپ علیہ السلام کے چہرہ کی طرف دیکھوں اور آپ علیہ السلام پر سلام کرنے کے لیے۔

پس وہ تھوڑی دیر نہ ٹھہرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے تو فرمایا اے عمر! تجھے کیا ضرورت لائی؟ کہا بھوک یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے بھی اس کا بعض پایا تو وہ ابوہیثم بن تیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے اور ان کے بہت سارے کھجور کے درخت اور بکریاں تھیں اور ان کے خادم نہ تھے تو انہوں نے اس کو نہ پایا تو انہوں نے اس کی بیوی کو کہا تیرا خاوند کہاں ہے؟ تو اس نے کہا وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر نہ ٹھہرے تھے کہ ابوہیثم پانی سے بھرا مشکیزہ لے کر آگئے تو اس کو رکھ دیا، پھر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ گئے اور اپنے ماں و باپ کا فدیہ دینے لگا، پھر ان کو اپنے باغ میں لے گیا، پھر ان کے لیے چٹائی بچھادی۔ پھر ایک درخت کی طرف گیا اور ایک گچھا لے کر آیا اور رکھ دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ہمارے لیے اس کی کچی اور پکی کھجوریں الگ کیوں نہیں کر دیں؟ تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ارادہ کیا کہ تم اس کی کچی اور پکی کھجوروں کو چن لیں تو انہوں نے وہ کھجوریں کھائیں اور پانی پیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے تم قیامت کے دن سوال کیے جاؤ گے، ٹھنڈا سایہ ہے اور عمدہ پکی کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے۔ پھر ابوہیثم گئے تاکہ ان کے لیے کھانا تیار کریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تو دودھ والی کو ذبح نہ کرنا تو ابوہیثم نے ان کے لیے بکری کا چھوٹا بچہ ذبح کیا پھر وہ ان کے پاس لائے تو انہوں نے کھایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرا کوئی خادم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس جب ہمارے پاس کوئی بچہ آئے تو تو ہمارے پاس آنا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو غلام آئے، ان کے ساتھ تیسرا نہیں تھا تو آپ علیہ السلام کے پاس ابوہیثم آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے لیے اختیار کریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے تو اس کو لے کیونکہ یہ نماز پڑھتا ہے اور اس بارے میں نیکی کی وصیت قبول کریں تو ابوہیثم

اس کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گئے اور اس کو خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تو اس کی بیوی نے کہا تو اس میں اس کو پہنچنے والا نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے مگر یہ کہ تو اس کو آزاد کردے تو ابوالہیثم نے کہا یہ آزاد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک! اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی نبی اور خلیفہ نہیں بھیجا مگر اس کے لیے دو راز دار ہوتے ہیں ایک راز دار اس کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ایک راز دار اس کو فساد کی طرف مائل کرتا ہے اور جو شخص برے راز دار سے بچا دیا گیا، تحقیق وہ محفوظ کر دیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں "النعیم" بدن، کانوں، آنکھوں کا صحیح ہونا، اللہ تعالیٰ بندوں سے سوال کریں گے کن کاموں میں تم نے ان کو استعمال کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان سے زیادہ جانتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول "**ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤلا**" عکرمہ فرماتے ہیں تندرستی اور فراغت کے بارے میں اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تندرستی اور فراغت اور مال کے بارے میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں ہیں، صحت اور فراغت۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں یعنی اس کے بارے میں جو تم پر انعام کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں اسلام اور سنتوں کے بارے میں اور حسین بن فضل فرماتے ہیں شرائع کی تخفیف اور قرآن مجید کے آسان کرنے کے بارے میں۔

سُوْرَةُ الْعَصر

مکی ہے اور کہا گیا ہے مدنی ہے اور اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع ونقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضیع عمر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاداً) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

تفسیر: ① "والعصر" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانے کی قسم ہے۔ کہا گیا ہے اس کی قسم کھائی اسی لیے کہ اس میں دیکھنے والے کے لیے عبرت ہے اور کہا گیا ہے اس کا معنی زمانے کے رب کی قسم ہے اور اسی طرح اس کی مثل دوسری قسموں میں ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں العصر سے مراد رات اور دن ہیں۔ ان دونوں کو عصران کہا جاتا ہے

اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج کے زوال سے اس کے غروب ہونے تک اور قتادہ فرماتے ہیں دن کی گھڑیوں میں سے آخری گھڑی اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم کھائی اور یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔

②"ان الانسان لفی خسر" یعنی خسارے اور نقصان میں۔ کہا گیا ہے اس سے کافر مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مؤمنین کا استثناء کیا ہے اور خسران انسان کا اصل سرمایہ چلا جانا اپنے نفس اور عمر کو معاصی میں ہلاک کرنے میں اور یہ دونوں اس کا بڑا سرمایہ ہیں۔

③"الا الذین امنوا وعملوا الصالحات" کیونکہ یہ لوگ خسارہ میں نہیں ہیں۔ "وتواصوا" ایک دوسرے کو وصیت کریں۔ "بالحق" قرآن کی۔ اس کے قائل حسن اور قتادہ رحمہما اللہ ہیں اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان وتوحید کے ساتھ۔ "وتواصوا بالصبر" فرائض کی ادائیگی اور اللہ کے امر کو قائم کرنے پر۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ انسان دُنیا میں جب عمر گزارے اور بوڑھا ہو جائے تو وہ نقصان اور خسارہ میں ہے سوائے مؤمنین کے کیونکہ ان کے لیے ان کے اجر اور اچھے اعمال جو وہ اپنی جوانی اور صحت میں کرتے تھے لکھے جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین امنوا وعملوا الصالحات" کی مثل ہے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَة

مکی ہے اور اس کی نو (۹) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ①الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ④ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ⑥ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ⑦

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) طعنہ دینے والا ہو جو (غایت حرص سے) مال جمع کرتا ہو اور (غایت حب وفرح سے) اس کو بار بار گنتا ہو وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا ہرگز نہیں رہے گا (پھر آگے اس ویل کی تفسیر ہے کہ) واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑ پھوڑنے والی آگ کیسی ہے (وہ) اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے جو (کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی۔

ہمزہ اور لمزہ کی تفسیر

تفسیر ①"ویل لکل همزة لمزة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ چغلی کے ساتھ چلنے والے پیاروں کے

درمیان فرق ڈالنے والے اور ان دونوں کا معنی ایک ہے اور وہ عیب جو۔ اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الھمزۃ" جو پیٹھ پیچھے تیرے عیب نکالے اور "اللمزۃ" جو سامنے تیرے عیب نکالے اور ابو العالیہ اور حسن نے اس کا اُلٹ کہا ہے اور سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الھمزہ" جو لوگوں کے گوشت کھائے اور ان کی غیبت کرے اور "اللمزہ" ان پر بہت زیادہ طعنہ مارنے والا اور ابن زید "الھمزۃ" ایسا شخص جو لوگوں کو اپنے ہاتھ سے مارے اور "اللمزہ" جو اپنی زبان سے ان میں عیب نکالے۔

اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنی زبان سے عیب نکالے اور آنکھوں سے اشارے کرے اور اسی کی مثل ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "الھمزۃ" جو اپنے ہم نشین کو برے الفاظ کے ساتھ تکلیف دے اور "اللمزہ" جو سر سے اشارے کرے اور آنکھوں اور پلکوں سے اشارے کرے اور دو لغتیں ہیں فاعل کی۔ جیسے "سخرۃ و ضحکۃ" اس شخص کے لیے جو لوگوں سے ہنسی مذاق کرے اور ھمز کی توڑنا اور کسی شیء پر سختی سے دانت گاڑھنا اور ان کا اختلاف ہوا ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اخنس بن شریق بن وہب ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگوں کی آبرو کے پیچھے پڑتا اور ان کی غیبت کرتا تھا اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ہمیشہ یہ سنتے رہے کہ سورۃ ہمزہ اُمیہ بن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کرتا تھا، آپ علیہ السلام کے پیچھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طعنے مارتا تھا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جس کی یہ صفت ہو۔

② پھر اس کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا "الذی جمع مالا" ابو جعفر، ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے "جمع" میم کی تشدید کے ساتھ کثرت کے معنی پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ۔ "وعدّدہ" اس کو شمار کیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو روکا اور ذخیرہ کیا۔ کہا جاتا ہے "اعددت الشیء و عددتہ" جب تو نے اس کو روک لیا۔

③ "یحسب انّ مالہ اخلدہ" دُنیا میں۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے نہ مرے گا۔

④ "کلا" اس کی تردید کی ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ نہیں رکھ سکتا۔ "لینبذن" وہ ضرور پھینکا جائے گا۔ "فی الحطمۃ" جہنم میں اور "حطمہ" جہنم کے اسماء میں سے ہے جیسے سقر اور لظی۔ اس کا نام "حطمۃ" اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ ہڈیوں کو کوٹ کر توڑ دے گی۔

⑤ "وما ادراک ماالحطمۃ. ⑥ نار اللّٰہ الموقدۃ.

⑦ التی تطلع علی الافئدۃ" یعنی ایسی جس کی تکلیف و درد دلوں تک پہنچ جائے گا اور اطلاع اور بلوغ اور تطلع کا ایک معنی۔ عرب سے نقل کیا گیا ہے "من طلعت ارضنا" یعنی پہنچ گئی اور آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو کھا جائے گی حتیٰ کہ دلوں تک پہنچ جائے گی۔ اس کو قرظی اور کلبی رحمہما اللہ نے کہا ہے۔

اِنَّھَا عَلَیۡھِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ⑧ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ⑨

ترجمہ (اور) وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی (اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوں گے)۔

تفسیر ۸ " اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ " بند کی ہوئی۔

۹ "فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ" حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "فی عمد" عین اور میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ان دونوں کے زبر کے ساتھ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "رفع السماوات بغیر عمد ترونها" ہے اور یہ دونوں عود کی جمع ہیں جیسے ادیم اور اَدَم اور اُدُم۔ اس کو فراء نے کہا ہے اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عماد کی جمع ہے جیسے اھاب اور اھب اور اھبا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کو عمارتوں میں داخل کیا، پھر ان پر ستونوں کو لمبا کر دیا گیا اور ان کی گردنوں میں بیڑیاں ہیں، ان پر اس کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان ستونوں کے ذریعے سے دوزخ میں ان کو عذاب دیا جائے گا بعض لوگوں کا قول ہے کہ عمدان کواڑوں کی کیلیں ہوں گی جو دوزخیوں کو اندر کر کے بند کر دیے جائیں گے اور یہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت "بعمد" باء کے ساتھ ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پر دروازوں کو بند کر دیا جائے گا، پھر ان پر لوہے کی میخوں کے ذریعے آگ سے بند کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ان پر اس کا غم وگرمی لوٹے گی۔ ان کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے گا اور ان پر ہوا بھی داخل نہ ہوگی اور "ممددة" عمد کی صفت ہے یعنی لمبے۔

سُوْرَۃُ الْفِیْل

یہ سورۃ مکی ہے، اس میں پانچ (۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ ۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۵

ترجمہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا کیا ان کی تدبیر کو (جو کہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا غلط نہیں کر دیا اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کر دیا۔

اصحاب الفیل کا واقعہ

تفسیر ۱ "الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل" محمد بن اسحٰق نے بروایت سعید بن جبیر وعکرمہ از ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہما بیان کیا اور واقدی نے بھی اسی طرح ذکر کیا کہ نجاشی شاہِ حبش نے ارباط (سپہ سالار) کو یمن پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ ارباط نے جا کر یمن پر تسلط قائم کرلیا۔ ابرہہ بن الصباح حبشی ایک فوجی سردار تھا، اس کو ارباط کی سیادت پر حسد ہوا اور اس نے بغاوت کردی۔ اس طرح حبشیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ ارباط کے ساتھ اور دوسرا ابرہہ کے ساتھ ہوگیا، دونوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ابرہہ نے ارباط کو قتل کردیا۔ حبشیوں نے ابرہہ کو سردار بنالیا اور ابرہہ کا تسلط یمن پر ہوگیا، پھر ابرہہ نے دیکھا کہ حج کے زمانہ میں لوگ مکہ کو جانے کی تیاری کررہے ہیں۔ اس حسد میں اس نے صنعاء میں ایک گرجا بنایا اور نجاشی کو لکھا کہ میں نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا ہے جس کی مثال کسی بادشاہ کے لیے نہیں بنائی گئی۔ آپ اس گرجا میں تشریف لے آئیں تاکہ میں مکہ کے حج سے لوگوں کا رُخ موڑ دوں۔ یہ بات بنی کنانہ کے ایک شخص نے سن پائی اور رات کو نکل کر جا کر گرجا میں بیٹھ گیا اور موقع پا کر گرجا کے اصل قبلہ کو گندگی آلود کردیا۔ ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں جا کر کعبہ کو ڈھادوں گا اور نجاشی کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی اور درخواست کی کہ مجھے کچھ ہاتھی بھیج دیجئے۔ نجاشی نے اس کو ہاتھی بھیج دیئے جن میں ایک بہت بڑا طاقتور ہاتھی بھی تھا جس کا نام محمود تھا، ابرہہ مکہ کی طرف چل دیا۔

عرب نے یہ خبر سنی تو ان پر شاق گزری۔ انہوں نے ابرہہ سے مقابلہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ یمن کے راجاؤں میں سے ایک راجہ تھا جس کا نام ذونفر تھا۔ وہ لڑنے کے لیے نکلا مگر ابرہہ نے اس کو شکست دے دی اور گرفتار کرلیا قتل نہیں کیا بلکہ جکڑ دیا اور آگے بڑھا۔ قبائل خثعم کی آبادی کے قریب پہنچا تو نفیل بن خثعمی، بنی خثعم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا، دوسرے قبائل یمن بھی اس سے آ کر مل گئے اور لڑائی ہوئی۔ نفیل گرفتار کرلیا گیا۔ نفیل نے ابرہہ سے کہا: بادشاہ میں زمین عرب کے راستوں سے خوب واقف ہوں۔ ابرہہ نے رہنمائی کے لیے اس کو ساتھ لے لیا۔ طائف کی طرف سے گزرا تو مسعود بن مغیث ثقفی بنی ثقیف کے کچھ آدمیوں کو لے کر آیا اور بولا بادشاہ! ہم آپ کے غلام ہیں۔ ہماری طرف سے آپ کی کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ آپ اُس مکان (کو ڈھانے) کے ارادہ سے نکلے ہیں جو مکہ میں ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ایک رہنما بھی بھیج دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے غلام ابورغال کو رہنمائی کے لیے بھیج دیا۔ ابورغال کی رہنمائی میں ابرہہ آگے بڑھا۔ جب مغمس میں پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔ ابرہہ نے مغمس سے ایک حبشی کو جس کا نام اسود تھا۔ اس غرض سے بھیجا کہ وہ حرم کا مال (یعنی اونٹ وغیرہ) ہنکا لائے۔ اسود نے عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لیے، پھر ابرہہ نے حناط حمیری کو مکہ والوں کے پاس اس غرض کے لیے بھیجا کہ سردار مکہ کو تلاش کرکے یہ پیام پہنچادے کہ میں لڑنے کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ قاصد چل کر مکہ میں پہنچا اور عبدالمطلب سے ملاقات کی اور ابرہہ کا پیام اُن سے کہہ دیا۔ عبدالمطلب نے کہا ہم بھی اُس سے لڑنا نہیں چاہتے، ہم اس گھر تک پہنچنے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے اور خلیل کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ کا گھر اور حرم ہے اسی لیے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اگر ابرہہ کو اس گھر سے خدا نہیں روکے گا تو خدا کی قسم! ہم میں تو اس کی قوت نہیں ہے۔

اس کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ مانگنے کے لیے ابرہہ کے فوجی کیمپ میں گئے۔ ذونفر چونکہ عبدالمطلب کا دوست تھا۔ اس لیے اس کے پاس پہنچے۔ ذونفر نے کہا میں تو قیدی ہوں۔ انیس ایک شخص ہے جو میرا دوست ہے اور ہاتھیوں کا داروغہ ہے۔

میں تم کو اس کے پاس بھیج دوں گا۔ پھر ذونفر نے انیس کو (بلوا کر) کہا: یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ والے اونٹوں کے مالک ہیں۔ یہ پہاڑوں کے نیچے تو آدمیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کے اوپر جنگلی جانوروں کو بھی ان کی خوراک دیتے ہیں۔ بادشاہ کے پاس پہنچنا چاہتے ہیں لیکن نہ یہ لڑنے والے ہیں، نہ تمہاری مخالفت کرنے والے۔

انیس نے جا کر پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے داخلہ کی اجازت دے دی۔ عبدالمطلب قد آور اور حسین آدی تھے۔ ابرہہ نے ان کو دیکھ کر تعظیم و تکریم کی اور خود تخت پر بیٹھنا اور ان کو نیچے بٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے خود بھی تخت سے اُتر کر ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور ترجمان کی معرفت آنے کی غرض پوچھی۔ عبدالمطلب نے کہا: میری غرض دو سو اونٹوں کی واپسی ہے۔ ابرہہ نے کہا: جب میں نے تم کو دیکھا تھا تو مجھے تم بہت بھلے معلوم ہوئے تھے مگر اب تم میری نظر سے گر گئے۔ میں تو کعبہ ڈھانے آیا ہوں جو تمہارا بھی دین ہے اور تمہارے باپ، دادا کا بھی اور تمہارے لیے شرف و عزت بھی۔ تم نے اس کے سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور دو سو اونٹ جو میں نے لے لیے ان کے متعلق مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔ عبدالمطلب نے کہا ان اونٹوں کا مالک میں ہوں اور اس گھر کا مالک کوئی اور ہے جو خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا: وہ مجھ سے اس کو نہیں بچا سکتا۔

ابرہہ نے اونٹ عبدالمطلب کو دے دیئے اور عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش کو واقعہ بتا دیا اور حکم دیا کہ سب لوگ گھاٹیوں میں منتشر ہو جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کر لیں تا کہ حبشی ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں۔ پھر خود جا کر کعبہ کے دروازہ کی زنجیر پکڑ کر کہنے لگے (ترجمہ اشعار) پروردگار! تیرے سوا ان کے مقابلہ میں میں کسی سے اُمید نہیں رکھتا، پروردگار! اپنے حرم کو ان سے محفوظ رکھ۔ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے، اپنی بستی کو اُجاڑنے سے ان کو روک دے۔ یہ اشعار بھی عبدالمطلب نے پڑھے۔

(ترجمہ)...... "اے اللہ! بندہ اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے تو اپنا سامان محفوظ رکھ، صلیب کے طرفداروں اور پرستاروں کے خلاف اپنے پرستاروں کی مدد کر۔ ان کی صلیب اور چال، تیری تدبیر پر غالب نہ آنا چاہیے، تیرے خادموں کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے ملک کے سیاہ لشکر اور ہاتھیوں کو کھینچ کر لائے ہیں، انہوں نے اپنی چال کے ساتھ نادانی کی وجہ سے تیرے حرم (کو تباہ کرنے) کا ارادہ کیا ہے اور تیرے جلال کا خوف نہیں کیا، اگر تو ان کو اور ہمارے کعبہ کو یونہی چھوڑ دینے والا ہے تو پھر جو تیری مرضی ہو وہی کر۔"

یہ مناجات کر کے کعبہ کی زنجیر چھوڑ دی اور اپنی قوم کے ساتھ سرداروں کے پاس چلے گئے۔ صبح کو ابرہہ نے مغمس میں مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور لشکر کو ہاتھیوں سمیت تیار کیا۔ ایک ہاتھی تھا کہ جسامت اور قوت میں اس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ بارہ ہاتھی اور بھی تھے۔ نفیل بڑے ہاتھی کے پاس آیا اور اس کا کان پکڑ کر کہا: محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے سیدھا ادھر ہی واپس چلا جا کیونکہ تو اللہ کی حرمت والے شہر میں ہے۔ ہاتھی بیٹھ گیا پھر لوگوں نے اس کو ہر چند اُٹھایا لیکن وہ نہیں اُٹھا۔ لوگوں نے اس کے سر پر کدال مارے مگر وہ جب بھی نہ اُٹھا۔ آخر آنکڑے اس کی آنکھوں کے نیچے چبھوئے اور ڈرا کر اُٹھانا چاہا مگر وہ نہ اُٹھا (یعنی اس نے قدم نہ اُٹھایا) آخر اس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا تو وہ فوراً اُٹھ گیا اور تیزی سے چلنے لگا۔ پھر شام کی طرف کر دیا، تب بھی اس نے ایسا ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا) پھر مشرق کی طرف اس کا رُخ پھیرا، تب

بھی اس نے ایسا ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا) آخر میں اس کا رُخ مکہ کی طرف کیا تو وہ کھڑا بھی نہ رہ سکا (بیٹھ گیا) بلکہ دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا اور اللہ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں جیسے کچھ پرندے بھیجے۔ ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے، دو دونوں پنجوں میں اور ایک چونچ میں پتھر، چنے اور مسور کے برابر تھے۔ جب پرندے ان لوگوں پر پہنچ کر چھا گئے تو انہوں نے پتھریاں چھوڑ دیں۔ جس شخص کے پتھری لگی وہ ہلاک ہو گیا لیکن سب قوم ہلاک نہیں ہوئی۔ فوج والے نکل کر اندھا دُھند بھاگے اور راستہ نہ ملنے کی وجہ سے نفیل کو تلاش کرنے لگے تا کہ وہ یمن کے راستہ پر لگا دے۔ نفیل کسی پہاڑ پر سے ان کو دیکھتا رہا۔ غرض لوگ اضطرابی حرکت کے ساتھ ہر راستہ پر گرتے پڑتے اور ہر چشمہ میں ہلاک ہوتے چل دیئے، صحیح راستہ پر کوئی نہیں پڑا۔

اللہ نے ابرہہ کو ایک جسمانی روگ میں مبتلا کر دیا، اس کی انگلیوں کے پورے گرنے لگے اور جو پورا گرتا تھا اس سے کچھ لہو اور خون بہتا تھا۔ آخر پرندہ کے چوزہ کی طرح ہو کر صنعا پہنچا۔ کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ پہنچ گئے۔ آخر آگے کی طرف سے جب اس کا سینہ شق ہو گیا تو مر گیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ نجاشی کے ہاتھی محمود نے حرم کے خلاف جرأت نہیں کی تھی، وہ بچ گیا اور دوسرے ہاتھی جنہوں نے اقدام کیا تھا، اُن کو پتھر لگے۔

مقاتل بن سلیمان نے اصحاب فیل کے چڑھائی کرنے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ کچھ قریشی تاجر نجاشی کے ملک میں گئے اور ساحل سمندر کے قریب پہنچ گئے اور عیسائیوں کے گرجا کے پاس اُترے۔ گرجا کو وہ ہیکل کہتے تھے، وہاں انہوں نے آگ جلا کر کچھ (گوشت وغیرہ) بھونا۔ پھر آگ کو یونہی چھوڑ کر چل دیئے، ہوا تیز چل رہی تھی۔ آندھی کی وجہ سے ہیکل نے آگ پکڑ لی۔ اس کی فریاد نجاشی کے پاس پہنچی۔ گرجا جلنے کا اُس کو بڑا افسوس ہوا اور غضبناک ہو کر کعبہ کو ڈھا دینے کے لیے اس نے ابرہہ کو بھیجا۔ اس زمانے میں سعید ثقفی نابینا مکہ ہی میں تھا۔ یہ شخص گرمی کا زمانہ طائف میں اور سردی کا زمانہ مکہ میں بسر کرتا تھا بڑا دانش مند بزرگ، اس کی رائے سے تمام اُمور درست ہو جاتے تھے اور عبدالمطلب کا دوست تھا۔ عبدالمطلب نے اس سے کہا: آج تمہاری رائے کی ضرورت ہے، بتاؤ کیا رائے ہے؟ (سعید یعنی) ابومسعود نے کہا: تم مجھ کو لے کر حراء پر چڑھ جاؤ۔ پھر ابومسعود نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ سو اونٹ لے کر ان لوگوں کی گردنوں میں جوتوں کا قلادہ (نذر الٰہی کی علامت) ڈال کر اللہ کے نام پر حرم میں بھجوا دو۔ شاید کوئی حبشی کسی اونٹ کو پکڑ کر ذبح کر لے اور اس گھر کا مالک غضبناک ہو جائے اور ان کو پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے مشورہ پر عمل کیا۔ ان لوگوں نے ان اونٹوں کو پکڑ کر کسی پر لدان کیا اور کسی کو کھانے کے لیے ذبح کیا۔ عبدالمطلب اس کے بعد دُعا کرنے لگے اور ابومسعود نے کہا: اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت کرے گا۔

تبع شاہ یمن (تبع یمن کے ہر بادشاہ کا لقب تھا) بیت اللہ کے صحن میں داخل ہو کر عمارت کو ڈھانے کا ارادہ کر چکا تھا مگر اللہ نے اُس کو روک دیا اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ تین روز تک اس پر اندھیرا چھایا رہا۔ جب تبع نے یہ مصیبت دیکھی تو کعبہ پر مصری سفید ریشم کا غلاف چڑھایا اور تعظیم کی اور بطور نذر اونٹ کی قربانی کی۔ ادھر ابومسعود نے سمندر کی طرف جو آنکھ اُٹھائی تو اس کو کچھ محسوس ہوا۔ اس نے عبدالمطلب سے کہا: سمندر کی طرف تو دیکھو۔ عبدالمطلب نے دیکھا اور بولے مجھے تو سفید پرندے نظر

آ رہے ہیں جو سمندر کے کنارے سے اُٹھے ہیں۔ ابو مسعود نے کہا: ذرا نظر اُٹھا کر دیکھو ان کی قرار گاہ کہاں ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: یہ ہمارے سروں پر چکر کاٹ رہے ہیں۔ ابو مسعود نے کہا: کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ عبدالمطلب نے کہا خدا کی قسم! میں ان کو نہیں پہچانتا، نہ یہ نجدی ہیں، نہ تہامی، نہ عربی، نہ شامی۔ ابو مسعود نے کہا: کتنے ہیں؟ عبدالمطلب نے کہا: شہد کی مکھیوں کی طرح (بے گنتی) ہیں۔ ہر ایک کی چونچ میں ٹھکری کی طرح پتھری ہے، رات کی طرح آ رہے ہیں۔ ہر پرندہ کی چونچ سرخ، سر سیاہ اور گردن لمبی ہے اور ایک لیڈر سب کا قائد ہے جو سب سے آگے ہے اور سب اس کے پیچھے آ رہے ہیں۔

غرض پرندے آ گئے اور لشکر کی سیدھ میں سروں پر آ کر رُک گئے۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو پرندوں نے اپنی چونچوں سے پتھر نیچے گرا دیئے۔ ہر پتھر پر اُس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اس کو گرایا گیا۔ پھر جدھر سے آئے تھے، اسی طرف لوٹ کر چلے گئے۔

ابو مسعود اور عبدالمطلب صبح کو جب پہاڑ کی چوٹی سے اُترے اور ایک ٹیلے پر چلے تو ان کو کسی کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی۔ ایک اور ٹیلہ پر گئے تو وہاں سے کوئی آہٹ نہیں سنی۔ کہنے لگے یہ لوگ رات کو نہیں سوئے ہوں گے، اس لیے صبح کو سو رہے ہیں لیکن جب فوجی کیمپ کے قریب پہنچے تو سب کو مُردہ پایا جس شخص کے خود پر پتھر گرتا تھا، خود کو پھاڑ کر دماغ میں اُتر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے اندر بھی گھس کر زمین پر پہنچتا اور زمین کے اندر داخل ہو جاتا تھا۔ عبدالمطلب نے انہی کا پھاوڑا لے کر زمین میں بہت گہرا گڑھا کھودا اور (ابرہہ کی فوج کے) زر و جواہر اس میں بھر دیئے اور دوسرا گڑھا اپنے ساتھی کے لیے کھود کر اس کو بھی بھر دیا اور ساتھی سے کہا: اگر تم چاہو تو میرا گڑھا لے لو، چاہو اپنا لے لو اور چاہو تو دونوں لے لو۔ ابو مسعود نے کہا: تم اپنے لیے جو چاہو پسند کر لو۔ عبدالملطب نے کہا میں نے اپنے گڑھے میں سب سے اچھا سامان بھرنے میں کمی نہیں کی تھی مگر اب وہ تمہارا ہے۔ الحاصل دونوں میں سے ہر ایک اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا، پھر عبدالمطلب نے آواز دے کر لوگوں کو واپس بلایا اور لوگوں نے واپس آ کر بقیہ مال پر قبضہ کر لیا اور کل مال اُٹھا بھی نہ سکے۔ اسی مال کی وجہ سے عبدالمطلب قریش کے سردار ہو گئے اور قریش نے اپنی قیادت اُن کو سپرد کر دی۔ ابو مسعود اور عبدالمطلب ہمیشہ اپنے اپنے گھروں میں اسی مال کے سبب خوشحال رہے اور اللہ نے اصحاب فیل کو کعبہ سے دفع کر دیا۔

ضحاک نے کہا: آٹھ ہاتھی تھے، بعض نے کہا: سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ محمود کے علاوہ بارہ ہاتھی تھے۔ "الفیل" کا مفرد ذکر کیا (باوجودیکہ اصحاب صیغۂ جمع ہے) کیونکہ اسی بڑے ہاتھی کی طرف سب کی نسبت کرنی مقصود ہے۔ بعض نے کہا کہ مقطع آیات کے توافق کے لیے ایسا کیا گیا۔

❷ (الم يجعل كيدهم في تضليل) کید سے مراد ان کی چال اور ان کا کعبہ کو گرا دینے کی کوشش ہے۔ فی تضلیل ان کی چال سے جو ارادہ کر دیا تھا اللہ نے اس کو بےکار بنا لیا۔ تاکہ وہ کعبہ تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ مقاتل نے کہا کہ وہ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

❸ (وارسل عليهم طيراً ابابيل) کثیر جو جدا جدا پرندے تھے یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ ابابیل متفرق جماعتوں کو کہتے ہیں جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ گھوڑے یا سوار ادھر ادھر سے آئے۔ فراء کا قول ہے کہ ابابیل ایسی جمع ہے کہ اس کا

واحد اس مادہ سے نہیں آتا۔ کسائی کا قول ہے کہ ابابیل ابول کی جمع ہے جیسے عجول عجاجیل کی جمع ہے۔ بعض نے کہا کہ من لفظہ اس کی واحد اُبیل آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچیں پرندوں کی طرح تھیں اور ان کے پنجے کتوں کے پنجوں کی طرح تھے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ان کے سر چرندوں کے سر کی طرح تھے۔ ان کے دانت ایسے تھے جیسے درندوں کے ہوتے ہیں۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ وہ پرندے سبز تھے اور چونچیں زرد تھیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ سیاہ تھے جو جھنڈ در جھنڈ ہو کر سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ ہر پرندے کے پاس تین تین کنکریاں تھیں۔ دو پنجوں میں اور ایک منقار میں وہ جس پر بھی پڑی وہ بھوسا بن گئی۔

❹ "ترميهم بحجارة من سجيل" ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پرندے چیخے اور ان پر پتھر پھینکے تو اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی تو وہ پتھروں کو لگی اور ان کو مزید تیزی سے ان تک پہنچایا۔ پس ان میں جو کنکر کسی آدمی کے لگتا تو دوسری جانب سے نکل جاتا اور اگر اس کے سر پر گرتا تو اس کی دبر سے نکلتا۔

❺ "فجعلهم كعصف ماكول" جیسے کھیتی اور بھوسہ جس کو چوپایوں نے کھالیا ہو۔ پھر اس کا گوبر کر دیا ہو، پھر وہ خشک ہو جائے اور اس کے اجزاء متفرق ہو جائیں۔ ان کے جوڑوں کے متفرق ہونے کو گوبر کے اجزاء کے متفرق ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "العصف" گندم کے پتے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ بھوسہ ہے اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دانے کی طرح جب وہ کھایا جائے اور کھوکھلا جو گندم کے دانہ پر ہوتا ہے۔ اس کے غلاف کی ہیئت کی طرح۔

سُوْرَةُ قُرَيْش

مکی ہے اور اس کی چار (۴) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ❶ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ❷ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ❸ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ﴙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ❹

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

تفسیر: ❶ "لايلف قريش" ابوجعفر نے "ليلاف" بغیر ہمزہ کے "الا فهم" تخفیف کو طلب کرنے کے لیے پڑھا ہے اور ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے "لالاف" ہمزہ مختلس کے ساتھ اس کے بعد یاء کے بغیر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ہمزہ مشبعہ (اشباع کے ساتھ) اور اس کے بعد یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر کے علاوہ سب "ايلافهم" میں متفق ہیں کہ یہ ہمزہ کے بعد یاء ہے مگر عبدالوہاب بن فلیح نے ابن کثیر سے پڑھا ہے۔ "الفهم" لام کے سکون کے ساتھ بغیر یاء کے اور ان میں سے بعض نے سورۃ

الفیل اور اس سورت کو ایک شمار کیا ہے ان میں سے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، ان دونوں سورتوں میں ان کے مصحف میں کوئی فصل نہیں ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ لام "لایلاف" میں اس سورت سے متعلق ہے جو اس سے پہلے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی عظیم نعمتیں یاد دلائیں جو حبشہ کے ساتھ کیا اور فرمایا "**لایلاف قریش**" اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے معنی "**جعلهم کعصف ماکول لایلاف قریش**" یعنی اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا تا کہ قریش باقی رہ جائیں اور جو وہ سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس کیے گئے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مانوس ہیں پس ان پر سردیوں اور گرمیوں میں گراں نہیں ہوتا اور اکثر حضرات اس بات پر ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور اس وجہ میں اختلاف کیا ہے جو لام کو لانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "لایلاف" میں۔ کسائی اور اخفش رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ لام تعجب ہے۔ فرماتے ہیں تم تعجب کرو، قریش کے مانوس ہونے پر سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے اور ان کے اس گھر کے رب کی عبادت چھوڑنے پر۔ پھر ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ تو کہے کلام میں "**لزید و اکرامنا ایاہ**" تعجب کے طریقہ پر۔ یعنی تم اس پر تعجب کرو اور عرب جب اس لام کو لاتے ہیں تو اس پر اکتفاء کرتے ہیں تعجب پر دلیل کے لیے اس سے فعل کو ظاہر کرنے سے اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اپنے مابعد کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اس کی تقدیر "**فلیعبدوا ربّ ھٰذا البیت لایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف**" اور ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے قریش پر نعمت کرنے پر اور قریش وہ نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور جو نضر کی اولاد میں سے ہے تو وہ قرشی ہے اور جو نضر کی اولاد میں سے نہ ہو وہ قرشی نہیں ہے۔

قریش کی وجہ تسمیہ

واثلہ بن اسقع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا ہے اور کنانہ میں سے قریش کو چن لیا ہے اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا ہے اور مجھے بنو ہاشم میں سے چن لیا ہے اور ان کا نام قریش قرش اور تقرش سے رکھا ہے اور وہ کمانا اور جمع کرنا۔ کہا جاتا ہے "**فلان یقرش لعیالہ ویقترش**" یعنی کماتا ہے اور یہ لوگ تاجر تھے اور مال جمع کرنے کے حریص تھے۔ ابو ریحانہ فرماتے ہیں معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا قریش کا نام قریش کیوں رکھا گیا ہے؟ فرمایا سمندر میں ایک بہت بڑا جانور ہے اس کو قرش کہا جاتا ہے وہ جس موٹی، پتلی چیز پر گزرتا ہے اس کو کھا لیتا ہے اور وہ دوسروں کو کھاتا ہے کھایا نہیں جاتا اور غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ کہا کیا عرب اس کو اشعار میں پہچانتے ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جی ہاں! تو ان کو جمحی کے شعر سنائے:

"اور قریش وہ ہے جو سمندر میں رہتا ہے، قریش کا نام اس کی وجہ سے قریش رکھا گیا ہے وہ سمندر کے گہرے پانی میں بلندی کے ساتھ غالب ہے، تمام سمندروں کے لشکروں پر۔ وہ ہر موٹی پتلی چیز کھا جاتا ہے اور اس میں دو پروں والوں کے لیے ایک پر نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح شہروں قریش کا قبیلہ ہے، وہ شہروں کو پھرتی سے کھا جاتا ہے اور ان کے لیے آخر زمانہ

میں ایک نبی ہوگا، ان میں قتل اور زخموں کو زیادہ کرے گا۔"

❷ "ایلافہم" یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے۔ "رحلة الشتاء والصيف"...... "رحلة" مصدر کی بناء پر منصوب ہے۔ یعنی ان کا سفر کرنا گرمیوں اور سردیوں میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مکہ میں سردیاں گزارتے اور گرمیاں طائف میں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حرم میں ٹھہریں اور اس گھر کے رب کی عبادت کریں اور دیگر حضرات نے کہا ہے ان کے لیے دو تجارتی سفر ہوتے تھے ہر سال میں۔ ان میں سے ایک سردیوں میں یمن کی طرف اس لیے کہ وہ گرم علاقہ تھا اور دوسرا گرمیوں میں شام کی طرف اور حرم خشک وادی تھی، اس میں کوئی کاشت نہ ہوتی تھی اور قریش کی معیشت ان کی تجارت پر منحصر تھی اور راستہ میں ان کو کوئی تنگ نہ کرتا تھا۔ لوگ کہتے تھے قریش اللہ کے حرم کے رہائشی ہیں اور اس کے گھر کے والی ہیں۔ اگر ان کے یہ دو تجارتی سفر نہ ہوتے تو ان کے لیے مکہ میں رہنے کی گنجائش نہ تھی اور اگر بیت اللہ کے پڑوس کی وجہ سے امن نہ ہوتا تو وہ اس سفر پر قادر نہ ہوتے اور ان پر یمن اور شام کی طرف آنا جانا مشکل ہو جاتا، پھر یمن کے شہروں میں سے تبالہ اور جرش سرسبز ہو گئے تو انہوں نے غلہ مکہ کی طرف منتقل کیا، ساحل والوں نے سمندر کے راستے کشتیوں پر اور خشکی والوں نے اونٹوں اور گدھوں پر۔ پس ساحل والوں نے جدہ میں سامان تجارت اُتارا اور خشکی والوں نے محصب میں۔

اور شام سرسبز ہو گیا تو انہوں نے اپنا غلہ مکہ کی طرف منتقل کیا تو اپنا سامان ابطح میں ڈالا تو ان کی ضروریات قریب سے پوری ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دونوں سفروں کی مشقت سے کافی ہو گئے اور ان کو اس گھر کے رب کی عبادت کا حکم دیا۔

❸ تو فرمایا "فليعبدوا رب هذا البيت" یعنی مکہ۔

❹ "الذی اطعمهم من جوع" یعنی بھوک کے بعد تجارتی قافلوں کو مکہ کی طرف منتقل کرنے کے ساتھ۔ "وآمنهم من خوف" حرم کی وجہ سے اور ان کے اہل مکہ میں سے ہونے کی وجہ سے حتیٰ کہ ان کو ان سفروں میں کوئی تنگ نہ کرتا تھا اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ تکلیف اور بھوک میں تھے حتیٰ کے ہاشم نے ان کو دو تجارتی سفروں پر جمع کر دیا اور وہ اپنا نفع فقیر اور غنی کے درمیان برابر تقسیم کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے فقیر بھی ان کے غنی کی طرح ہو گئے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا شخص جو تجارتی قافلہ اونٹوں پر شام کی طرف لے گیا وہ ہاشم بن عبد مناف ہیں اور اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

"تو اس کو کہہ جو مجلس اور سخاوت کو طلب کرتا ہے، کیوں نہیں تو گزرتا عبد مناف کی اولاد پر، کیوں نہیں تو ان پر گزرتا تو ان کی مہمانی کا ارادہ کرے، وہ تجھے بھوک د ہاتھ پھیلانے سے روک دیں گے، بہت زیادہ کھانے والے حالانکہ کوئی زیادہ کھانے والا نہیں پایا جاتا اور اپنے مہمانوں کو کہنے والے ہیں آؤ اور اپنے فقیر کو اپنے غنی کے ساتھ ملانے والے حتیٰ کہ ان کا فقیر کفایت مند شخص کی طرح ہو گیا اور ہر وعدہ پر سچ پر قائم رہنے والے اور مانوس سفر کرنے والے، عمرو علا نے روٹی کے ٹکڑے کیے اپنی قوم کے لیے اور مکہ کے لوگ مسکین کمزور دُبلے تھے، دو سفر ان کی سنت جاری کی اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے، سردیوں کا سفر اور گرمیوں کا سفر۔"

اور ضحاک، ربیع اور سفیان کہتے ہیں "وآمنهم من خوف" جذام کے خوف سے پس ان کے شہر میں ان کو جذام کی بیماری نہیں لگتی۔

سُوْرَۃُ الْمَاعُوْن

مکی ہے اور سات (۷) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ① فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ② وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ③ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ④ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاھُوْنَ ⑤ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ ⑥ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

ترجمہ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے سو (اگر آپ اس شخص کا حال سننا چاہیں تو سنیے کہ) وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریا کاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

تفسیر ①"اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ" مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدی مقاتل بن حیان اور ابن کیسان رحمہم اللہ فرماتے ہیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ضحاک فرماتے ہیں عمرو بن عائذ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی عطاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے منافقین کے ایک شخص کے بارے میں مخزومی اور "یکذّب بالدّین" کا معنی یعنی جزا اور حساب کا دن۔

②"فذالک الذی یدع الیتیم" اس کو ڈانٹتا ہے اور اس کے حق سے انکار کرتا ہے اور دع کا معنی قوت سے دھکا دینا۔

③"ولا یحض علٰی طعام المسکین" نہ اس کو خود کھلاتا ہے اور نہ اس کے کھلانے کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے۔

④"فویل للمصلین. ⑤ الذین ھم عن صلاتھم ساھون" مصعب بن سعد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "الذین ھم عن صلاتھم ساھون" کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا نماز کے وقت

کو ضائع کرنا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ منافقین ہیں جو نماز کو چھوڑ دیتے ہیں جب لوگوں سے غائب ہوتے ہیں اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہیں جب وہ موجود ہوں۔

⑥ "الذین هم یرآء ون" کی وجہ سے۔ اور منافقین کے وصف میں فرمایا "واذا قاموا الی الصلاۃ قاموا کسالٰی یراء ون الناس" قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے غافل پرواہ نہیں کرتے کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی۔ کہا گیا ہے اس کے ثواب کی اُمید نہیں کرتے اگر نماز پڑھیں اور اگر چھوڑ دیں تو سزا سے نہیں ڈرتے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے غافل ہیں اس میں سستی کرتے ہیں اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ شخص ہے کہ اگر نماز پڑھے تو ریا کاری کرتے ہوئے پڑھتا ہے اور اگر نماز چھوٹ جائے تو شرمندہ نہیں ہوتا اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ نماز کو نماز کے وقت پر نہیں پڑھتے اور اس کا رکوع وسجدہ مکمل نہیں کرتے۔

⑦ "ویمنعون الماعون" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا یہ زکوٰۃ ہے اور یہی ابن عمر، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "الماعون" کلہاڑی، ڈول، ہنڈیا اور اس کی مثل جیسی چیزیں اور یہی سعید بن جبیر کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الماعون عاریۃ ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ فرد زکوٰۃ ہے اور اس کا ادنیٰ سامان کی عاریت ہے اور محمد بن کعب اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں الماعون وہ معروف چیز جس کو لوگ آپس میں لیتے دیتے ہیں۔ قطرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الماعون کی اصل قلت سے ہے۔ عرب کہتے ہیں "ماله سعة و لا منعه" یعنی تھوڑی چیز۔ پس زکوٰۃ اور صدقہ اور معروف کا نام ماعون رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ کثیر مال میں سے تھوڑی ہے اور کہا گیا ہے الماعون وہ چیز جس سے منع کرنا حلال نہیں ہے جیسے پانی، نمک اور آگ۔

سُوْرَةُ كَوْثَر

مکی ہے اور اس کی تین (۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰکَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ② اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے

سورۃ الکوثر کا شان نزول

تفسیر ① "انّا اعطیناک الکوثر" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے جب آپ علیہ السلام کو اونگھ آئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سر اُٹھایا تو ہم نے کہا کس چیز

نے آپ کو ہنسایا اے اللہ کے رسول؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ" پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے وہ حوض ہے اس پر میری اُمت قیامت کے دن آئے گی۔ اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ پس ان میں سے ایک شخص روک لیا جائے گا، میں کہوں گا اے میرے رب! وہ مجھ سے ہے تو وہ فرمائیں گے آپ نہیں جانتے، اس نے آپ علیہ السلام کے بعد کیا نئی بات نکال لی تھی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کوثر خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دی، ابوالبشر نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو کہا بے شک لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے؟ تو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو جنت میں نہر ہے یہ اس خیر میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عطاء کی ہے۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ قرآن ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبوت اور کتاب۔ اہل لغت فرماتے ہیں کوثر فوعل کے وزن پر کثرت سے ہے جیسے نوفل فوعل کے وزن پر نفل سے ہے اور عرب ہر اس چیز کا نام کوثر رکھتے ہیں جو تعداد میں زیادہ ہو یا مقدار میں اور مشہور یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک جاری نہر پر تھا اس کی سفیدی دودھ کی سفیدی کی طرح تھی اور شہد سے زیادہ میٹھی تھی اور اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے، میں نے اپنا ہاتھ مارا تو اس کی نمناک مٹی مہکتی کستوری تھی، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کوثر جو آپ کو اللہ تعالیٰ دیں گے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوثر جنت میں نہر ہے اس کے کنارے سونے کے اور اس کے چلنے کی جگہ موتی اور یاقوت پر ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار اور اولے سے زیادہ سفید ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا حوض ایک مہینے کی مسافت ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کی طرح جو اس سے پئے گا، کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے حوض کے پاس ہوں گا، اہل یمن کے لیے لوگوں کو ہٹاؤں گا یعنی ان کو اپنی لاٹھی سے ماروں گا حتیٰ کہ وہ اس سے ہٹ جائیں گے اور بے شک اس میں جنت سے دو پرنالے ڈالے جائیں گے، ان میں سے ایک چاندی کا اور دوسرا سونے کا، اس کی لمبائی بصری اور صنعاء کے درمیان ہے یا ایلہ اور مکہ کے درمیان یا میرے اس مقام سے عمان تک۔

❷ "فصلّ لربّک وانحر" محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے تھے اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا وہ نماز پڑھیں اللہ کے لیے اور قربانی کریں اللہ

کے لیے اور عکرمہ، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فصلّ لربّک" نحر کے دن عید کی نماز اور اپنی قربانی کو ذبح کریں اور سعید بن جبیر اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں۔ پس آپ فرض نمازیں پڑھیں مزدلفہ میں اور منٰی میں اونٹ کو نحر کریں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "فصلّ لربّک وانحر" اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینہ پر رکھیں نماز میں۔

❸ "انّ شانئک" آپ علیہ السلام کا دشمن اور بغض رکھنے والا۔ "ھو الابتر" جو بہت ہی کم پیچھے ذلیل ہو اس کی جڑ ختم ہوگی۔ یہ عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد سے نکلتے دیکھا اور یہ داخل ہو رہا تھا تو ان کی ملاقات باب بنی سہم پر ہوئی اور آپس میں باتیں کرنے لگے اور قریش کے معززین میں سے چند لوگ مسجد میں بیٹھے تھے۔ جب عاص اندر داخل ہوا تو ان لوگوں نے اس کو کہا کس سے تو بات کر رہا تھا؟ کہنے لگا اس ابتر سے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بیٹا فوت ہو گیا تھا۔ یزید بن رومان فرماتے ہیں۔ عاص بن وائل کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تو کہتا اس کو ہمارے لیے چھوڑ دو کیونکہ یہ ابتر شخص ہے اس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہیں ہے جب یہ فوت ہو گئے تو ان کا تذکرہ ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے۔ یہ کعب بن اشرف اور قریش کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب کعب مکہ میں آیا تو اس کو قریش نے کہا ہم حاجیوں کو پانی پلانے والے اور بیت اللہ کی خدمت کرنے والے ہیں اور تو اہل مدینہ کا سردار ہے۔ پس ہم بہتر ہیں یا یہ کمزور بے اولاد شخص؟ تو اس نے کہا بلکہ تم اس سے بہتر ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت" اور ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا کہ آپ علیہ السلام ابتر ہیں۔ "انّ شانئک ھو الابتر" یعنی ہر خیر سے منقطع۔

سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْن

مکی ہے اور اس کی چھ (۶) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ❶ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ❷ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ❸ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ❹ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ❺ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ❻

ترجمہ: آپ (کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

تفسیر ❶"قل یا یھا الکافرون" سورۃ کے آخر تک قریش کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان میں سے حارث بن قیس سہمی، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبدیغوث، اسود بن عبدالمطلب بن اسد، اُمیہ بن خلف ہیں۔ انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ آئیں۔ ہمارے دین کی اتباع کریں اور ہم آپ کے دین کی اتباع کریں یا ہم اپنے معاملہ میں آپ کو شریک کرلیں گے۔ آپ ہمارے معبودوں کی ایک سال عبادت کریں اور ہم آپ کے معبود کی ایک سال عبادت کریں۔ پس اگر وہ بہتر ہوا جو آپ لائے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں شریک ہوچکے ہوں گے اور ہم نے اپنا حصہ اس سے لے لیا ہوگا اور اگر وہ بہتر ہوا جو ہمارے پاس ہے تو آپ ہمارے ساتھ ہمارے امر میں شریک ہوچکے ہوں گے اور آپ اپنا حصہ اس سے لے چکے ہوں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی پناہ اس سے کہ میں اس کے ساتھ اس کے غیر کو شریک کروں۔ انہوں نے کہا پس آپ ہمارے بعض معبودوں کو استلام کریں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا حتیٰ کہ میں دیکھ لوں کہ میرے رب کے پاس سے میرے پاس کیا آتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "قل یا یھا الکافرون" سورۃ کے آخر تک۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کی طرف صبح کو گئے تو اس میں قریش کے سرداروں کی ایک جماعت تھی تو آپ علیہ السلام ان کے سروں پر کھڑے ہوگئے۔ پھر ان پر اس سورت کو پڑھا حتیٰ کہ سورت سے فارغ ہوگئے تو اس وقت وہ لوگ آپ علیہ السلام سے مایوس ہوگئے اور آپ علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تکلیف دی۔

❷ اور آیت کا معنی "لا اعبد ما تعبدون" فی الحال۔

❸"ولا انتم عابدون ما اعبد" فی الحال۔ ❹"ولا انا عابد ما عبدتم" مستقبل میں۔

❺"ولا انتم عابدون ما اعبد" مستقبل میں اور یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ "ما اعبد" یعنی من اعبد۔ لیکن اس کو ماتعبدون کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے اور تکرار کی وجہ اکثر اہل معانی فرماتے ہیں یہ ہے کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور ان کے خطاب کے مجاز پر اور ان کے طریقوں میں سے تاکید اور افہام کے ارادہ کے لیے تکرار کرنا ہے۔ جیسا کہ ان کا طریقہ ہے تخفیف اور اختصار کے ارادہ سے اختصار کرنا ہے اور قتیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلام کا تکرار وقت کے تکرار کی وجہ سے کیونکہ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کو یہ بات خوش کرے کہ ہم ایک سال آپ کے دین میں داخل ہوجائیں، پھر آپ ایک سال ہمارے دین میں داخل ہوجائیں تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔

❻"لکم دینکم" شرک۔ "......ولی دین" اسلام۔ ابن کثیر، نافع اور حفص نے "ولی" یاء کے زبر کے ساتھ اور دیگر حضرات نے اس کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْر

یہ سورۃ مکی ہے، اس میں تین (۳) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ. اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

ترجمہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد (اور مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آپہنچے (یعنی واقع ہوجائے) اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ تو لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فتح مکہ کا واقعہ

تفسیر (① اذا جاء نصر الله والفتح) اصحاب اخبار نے فتح کا قصہ اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے دس سال کے لیے صلح کر لی جس کی شرط یہ تھی کہ اس مدت کے اندر لوگ امن سے رہیں گے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ میں ہوں گے اور جو لوگ قریش کے حلیف ہونا چاہیں گے قریش کے معاہدہ میں ہوں گے۔ چنانچہ بنی بکر قریش کے معاہدہ میں داخل ہوگئے اور بنی خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہوگئے۔ بکر اور خزاعہ میں پرانی جنگ تھی۔ کچھ مدت کے بعد بنی بکر کی ایک شاخ بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر زیادتی کی اور بنی نفاثہ کے قبیلہ نوفل بن معاویہ دیلمی نے مکہ کے نشیبی حصہ میں بمقام وتیر بنی خزاعہ پر شب خون مارا۔ یہاں تک کہ بنی خزاعہ حرم میں داخل ہوگئے، تب بھی قبیلۂ نوفل نے قتال جاری رکھا۔ قریش نے ہتھیاروں سے بنی بکر کی مدد کی بلکہ صفوان بن اُمیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، حویطب بن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ اپنے غلاموں سمیت رات کے وقت چھپ کر بنی بکر کی طرف سے لڑائی میں بھی شریک ہوئے، لڑائی کے بعد قریش کو عہد شکنی پر پشیمانی ہوئی اور ایک نے دوسرے کو ملامت کی۔ جب لڑائی کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو ساتھ لے کر بنی خزاعہ پر واقع ہونے والی مصیبت

کی اطلاع دینے اور مدد مانگنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کے پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی اطلاع دے دی تھی اور فرمایا تھا جو کام خدا کو مقصود ہے، اس کی تکمیل کے لیے قریش عہد شکنی کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: (کیا مسلمانوں کے لیے) خیر ہوگی؟ فرمایا خیر ہوگی۔

محمد بن عمرو نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے (واقعہ) اسی طرح بیان کیا ہے۔ غرض جب عمرو بن سالم خزاعی نے حاضر ہو کر اطلاع دے دی (اور مدد کا طلبگار رہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر کھینچتے ہوئے اُٹھے اور فرمایا: اے عمرو! اگر میں تیری مدد اس (قوت) کے ساتھ نہ کروں جس (قوت) سے اپنی مدد کرتا ہوں تو (خدا کرے) میری مدد نہ کی جائے۔

یہ واقعہ ماہِ شعبان کا ہے جب صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزر رہے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کو قریش کے پاس یہ پیام پہنچانے کے لیے بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات قریش کو اختیار کر لینا چاہیے یا بنی خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔ کل تیرہ آدمی مقتول ہوئے تھے یا جن لوگوں نے یعنی بنی نفاثہ نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی ہے، ان کو اپنا حلیف ہونے سے خارج کر دیں (یعنی بنی نفاثہ سے محالفہ ختم کر دیں تاکہ مسلمان ان سے بنی خزاعہ کا انتقام لے لیں) یا حدیبیہ والے معاہدۂ صلح کو یک قلم منسوخ کر دیا جائے۔ یہ پیام سن کر قریش کی رائے باہم مختلف ہوگئیں۔ آخر کار معاہدہ کو منسوخ کر دینے پر سب متفق ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فسخ معاہدہ کی خبر لے کر واپس آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کیا: وہ آپ کی قوم والے ہیں، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر کا خیال ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مشورہ پر چلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا انہوں نے آپ کو جادوگر، کاہن اور بڑا دروغ گو کہا۔ وہ کفر کے سردار ہیں، قریش نے جو جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزشتہ زمانہ میں کہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ سب کچھ کہا، کوئی بات بغیر ذکر کیے نہیں چھوڑی اور عرض کیا، جب تک اہل مکہ اطاعت نہیں کریں گے، عرب اطاعت نہیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کو اختیار کیا اور خفیہ تیاری شروع کر دی اور عرب کو لڑائی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، حرفیہ، اشجع اور سلیم آ گئے۔ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ ہی میں پہنچ گئے اور کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد راستہ میں آ ملے۔ کل مسلمان ایک روایت میں دس ہزار اور دوسری روایت میں بارہ ہزار تھے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دُور کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار ہوں گے اور راستہ میں قبائل کے مل جانے کی وجہ سے بارہ ہزار ہو گئے ہوں گے۔

آخر قریش فسخ معاہدہ پر پشیمان ہوئے اور ابوسفیان کو بھیجا۔ ابوسفیان اپنی بیٹی حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر کو لپیٹ دیا اور فرمایا یہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ابوسفیان بولا، بیٹی! خدا کی قسم! میرے بعد تجھ میں خرابی آ گئی ہے۔اُم المؤمنین نے فرمایا: اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمادی ہے مگر ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں اور آپ پتھروں کو پوجتے ہیں، جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ابوسفیان اُم المؤمنین کے پاس سے اُٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ گفتگو کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کچھ گفتگو کی اور درخواست کی کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کر دیجئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں ایسا نہیں کرسکتا۔پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کچھ بات کی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر دُرّہ (کوڑا) ہی میرے پاس ہو (کوئی اور ہتھیار مجھے نصیب نہ ہو) تب بھی میں تم سے دُرّہ لے کر ہی لڑوں گا۔آخر ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت سیدہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ابوسفیان نے کہا: علی! (رضی اللہ عنہ) تم سے میرا رشتہ سب سے زیادہ قریب کا لگتا ہے، تم میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دو۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پختہ ارادہ کر چکے ہیں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اب (اس سلسلہ میں) بات نہیں کرسکتا۔ابوسفیان نے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا، آپ ہی اپنے والد سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے ٹوٹے ہوئے تعلقات جوڑ دیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی انکار کر دیا۔آخر ابوسفیان بولا: ابوالحسن! اب میرے لیے معاملہ سخت ہو گیا، آپ مجھے کوئی اچھا مشورہ دے دیں (کہ اب میں کیا کروں؟) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی فائدہ رساں بات میری سمجھ میں تو نہیں آتی، البتہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو۔تم لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر کہہ دو کہ میں لوگوں میں امن (ہونے کا اعلان) کرتا ہوں۔ابوسفیان نے کہا: کیا یہ بات میرے لیے فائدہ مند ہوگی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری سمجھ میں تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی۔ابوسفیان نے مسجد میں جا کر کہہ دیا، لوگو! میں نے لوگوں کے لیے امن جاری کر دیا۔یہ کہہ کر اونٹ پر سوار ہو کر چل دیا اور قریش کے پاس پہنچ کر پورا قصہ بیان کر دیا۔قریش نے کہا، خدا کی قسم! علی رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ صرف دِل لگی کی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ابن اُم مکتوم کو یا ابوذر غفاری کو اپنا جانشین بنایا۔مؤخر الذکر قول صحیح ہے۔(رواہ الطبرانی) اور بدھ کے دن ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو مدینہ سے برآمد ہوئے اور دُعا کی: الٰہی! جاسوسوں اور مخبروں سے قریش کو روک دے (ان کو میری روانگی اور تیاری کی اطلاع نہ ہو)۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے اور زبیر و مقداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور کیا اور فرمایا: (تیزی کے ساتھ آگے) جاؤ اور بستان خاخ پر پہنچو۔وہاں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے۔وہ خط اس سے حاصل کرلو۔حسب الحکم ہم گھوڑوں کو تیز دوڑاتے ہوئے چل دیئے اور بستان خاخ پر پہنچے تو وہ عورت مل گئی۔

ہم نے اُس سے کہا: خط نکال۔عورت نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ہم نے کہا: یا تو خط نکال ورنہ کپڑے اُتار دے۔ مجبوراً اس نے اپنے چونڈے (چٹیا یا جوڑا،۱۲) سے خط نکال کر دیا۔ہم خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں حاطب نے مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اُمور کی اطلاع دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاطب یہ کیا ہے؟ حاطب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ پر ناراض ہونے میں عجلت نہ فرمایئے (میری گزارش سن لیجئے، بات یہ ہے کہ) میں قریش میں پر کٹا (اجنبی، مسامن) تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں، ان کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے مال وعیال کے نگراں ہیں (مگر میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے) اس لیے میں نے چاہا کہ جب میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو کوئی ایسی بات (قریش کے لیے مفید) کر دو کہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کر دیں۔ میں نے یہ حرکت اسلام سے مرتد ہو کر اور کفر کو اختیار کر کے نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے) فرمایا: اس نے سچ بات کہہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کی گردن ماردوں؟ فرمایا: عمر! یہ بدر میں شریک تھا اور تم نہیں جانتے کہ بدریوں کے احوال کو جان کر ہی اللہ اہل بدر کے متعلق فرما چکا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور اللہ نے آیت: "یایها الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ...... سواء السبیل" تک نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روزے رکھے لیکن کدید پر پہنچنے کے بعد افطار کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روزے کھول دیئے، پھر ختم ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا۔

عباس بن عبدالمطلب مکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کے ذمہ دار تھے اور مکہ میں ہی مقیم تھے لیکن مکہ کو چھوڑ کر پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام جحفہ حاضر ہو گئے تھے اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا بیٹا ابوسفیان بن حارث اور ابوسفیان کا بیٹا جعفر مقام ابواء میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے اور مسلمان ہو گئے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان بن حارث اور عاتکہ کا بیٹا عبداللہ بن اُمیہ جب (مقام ابواء میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: میری ان سے کوئی غرض نہیں۔ انہوں نے میری عزت برباد کی ہے اور مجھے جو کچھ کہا ہے وہ کہا ہے۔ ان دونوں نے حضرت اُم سلمہ کی طرف رجوع کیا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اجازت دے دی، پھر کدید میں پہنچ کر جھنڈوں پر پرچم باندھے اور قبائل کو جھنڈے تقسیم کر دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔

پھر عشاء کے وقت مقام مرالظہر ان میں اُترے۔ قریش کو ان واقعات کی اطلاع اُس وقت تک بالکل نہیں پہنچی تھی۔ اسی شب میں ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ تجسس احوال کے لیے مکہ سے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے صحابہ کو (مختلف مقامات میں) آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ حسب الحکم دس ہزار (جگہ) آگ جلائی گئی (گویا ہر شخص نے اپنی قیام گاہ پر آگ جلائی۔ غالباً اس سے مراد یہ تھی کہ دیکھنے والوں کو لشکر کی کثرت تعداد معلوم ہو جائے)۔ عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ نے اسی رات کہا تھا: آہ! قریش کی صبح بری ہوگی۔ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں زبردستی داخل ہو گئے تو ہمیشہ کے لیے قریش کی تباہی ہو جائے گی، یہ کہہ کر خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کوئی لکڑ ہارا یا دودھ والا یا کسی اور کام کو مکہ میں جانے والا اگر مل جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرما ہونے کی اطلاع قریش کو بھجوا دیں تاکہ قریش پہلے ہی آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگ لیں۔ اتنے میں ابوسفیان کی آواز کانوں میں آئی جو کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! آج رات کی طرح میں نے آگ نہیں دیکھی (یعنی کثیر مقامات پر یکدم فوجیوں کے پڑاؤ پر اتنی کثرت سے آگ نہیں دیکھی)۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے ابوسفیان! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی فوج لے کر آ گئے ہیں کہ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ابوسفیان نے کہا: پھر کیا تدبیر ہو؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابوسفیان! اگر تو پکڑا گیا تو تیری گردن ماردی جائے گی۔ اس لیے (مناسب یہ ہے کہ) میرے خچر کے پیچھے سوار ہو جا۔ میں تجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا، وہاں تو امان مانگ لینا۔ چنانچہ حضرت عباس (ابوسفیان کو لے کر پڑاؤ کی طرف) لوٹ پڑے اور جس طرف سے گزرتے تھے لوگ ان کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہیں۔ آخر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرودگاہ کی طرف سے گزرے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور بولے: یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے۔ شکر ہے خدا کا بغیر معاہدہ اور پیمان کے اللہ نے اس پر قابو دے دیا (یہ کہہ کر مارنے دوڑے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو دوڑے اور ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے (پیچھے سے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم یہ سلوک صرف اس وجہ سے کر رہے ہو کہ ابوسفیان قبیلۂ عبد مناف کا ہے، اگر بنی کعب سے ہوتا تو تم یہ بات نہ کہتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: عباس! آپ سختی اختیار نہ کیجیے جس روز آپ مسلمان ہوئے تو آپ کا اسلام مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ پیارا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس! اس کو اپنے پڑاؤ پر لے جاؤ (عباس رضی اللہ عنہ لے گئے)۔

صبح کو پھر ابوسفیان کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے لا الٰہ الا اللہ کا یقین آ جائے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آپ علیہ السلام بہت ہی حلیم، کریم اور ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! میرا خیال ہے کہ اگر خدا کی موجودگی میں کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اب کچھ کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے میرے رسولِ خدا ہونے کا یقین آ جائے۔

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آپ کس قدر تحمل والے، کرم کرنے والے اور خاندان سے اچھا سلوک رکھنے والے ہیں لیکن یہ (رسالت) تو اس کے متعلق ابھی میرے دل میں کچھ (تردد) ہے۔ حضرت عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ارے مسلمان ہو جا اور قبل اس کے کہ تیری گردن ماری جائے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے دے۔ اس پر ابوسفیان نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ حکیم اور بدیل ابوسفیان سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔

یہ روایت اسحٰق بن راہویہ کی سند صحیح کے ساتھ ہے لیکن طبرانی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ کے بندو! ابوسفیان اراک (پیلو) کے درختوں میں ہے، اس کو (وہیں) پکڑ لو۔ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری باڈی گارڈ نے پکڑ لیا تھا۔ اس روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بھی) محافظ (دستہ میں) تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو بند کر دو۔ حسب الحکم لوگوں نے ابوسفیان کو صبح تک بند رکھا۔

ابن ابی شیبہ کی یہ بھی روایت ہے کہ ابوسفیان نے کہا تھا: مجھے عباس کا پتا بتاؤ۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ان میں عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں چلا گیا اس کو امان ہے اور جو کعبہ میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا، اُس کو امان ہے۔ اس فرمان کے بعد ابوسفیان نے کعبہ کے اندر چیخ کر کہا: اے گروہ قریش! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر اتنی طاقت لے آئے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے (پھر) امان کی جو خبر ابوسفیان لائے تھے، اس کو بیان کیا۔ لوگ یہ اعلان سن کر منتشر ہو گئے، کچھ اپنے گھروں میں چلے گئے، کچھ کعبہ میں داخل ہو گئے۔

جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کو دعوت اسلام دینے کے لیے اپنے سامنے بھیج دیا اور زبیر کو جھنڈا دے کر مہاجرین اور انصار کے سواروں کا امیر بنا کر روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ بالائی مکہ میں حجون کے مقام پر پہنچ کر جھنڈے کو نصب کریں اور حکم کے بغیر وہاں سے نہ ہٹیں۔ اسی جگہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ لگایا گیا۔ خالد بن ولید کو حکم ملا کہ وہ بنی قضاعہ اور بنی سلیم کے مسلمانوں کے ساتھ نشیبی مکہ سے داخل ہوں۔ نشیبی مکہ میں بنی بکر موجود تھے کیونکہ قریش اور حارث بن عبد مناف کی اولاد اور مختلف قبائل کے لوگوں نے بنی بکر کو مکہ سے نکال دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ نشیبی حصہ میں جا کر رہیں۔ خالد اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ جو تم سے نہ لڑے، اُس سے نہ لڑنا۔

سعد بن عبادہ کو جھنڈا دے کر حکم دیا گیا تھا کہ کچھ لوگوں کو لے کر کداء سے مکہ میں داخل ہوں۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ میں داخل ہونے کے لیے چلے تو کہنے لگے: آج جنگ کا دن ہے، آج ممنوع بھی حلال ہے۔ ایک مہاجر نے یہ بات سن لی اور عرض کیا: یارسول اللہ! سنئے تو سعد بن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں۔ قریش پر یہ شوکت ان کو کہاں سے حاصل ہو گئی؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم جھنڈا لے لو اور جھنڈا لے کر (کداء کے راستہ سے مکہ میں) داخل ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا لے لیا اور لے جا کر رُکن پر نصب کر دیا۔

ابو یعلیٰ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا مجھے دیا تھا اور حضور صلی

اللہ علیہ وسلم مکہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے بالائی مکہ میں نہیں پہنچے تھے۔ خالد بن ولید نے جب نشیبی مکہ سے داخل ہونا چاہا تو وہاں قریش وغیرہ جو مشرک موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی اور خالد کو ساتھیوں سمیت ہتھیار اُٹھا کر چلنے سے روکا اور تیر مارے اور کہنے لگے ان کو زبردستی داخل نہ ہونے دو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو چیخ کر آواز دی اور مشرکوں سے جنگ کی۔ چوبیس قریشی اور چار بنی ہذیل کے آدمی مارے گئے۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ بارہ یا تیرہ مشرک مارے گئے اور سخت شکست کھائی، ہر طرف بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ سینہ اور حلق کی سوزش کی وجہ سے کچھ مارے گئے اور کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ مسلمانوں میں سے قبیلہ جہینہ کا صرف ایک آدمی مارا گیا جس کا نام سلمہ بن میلاء تھا۔ یہ خالد کے سواروں میں سے تھا اور کرز بن جابر فہری اور حریش بن خالد بن ربیعہ بھی خالد کے سواروں میں سے مارے گئے۔ یہ دونوں خالد کے راستہ سے بچھڑ گئے تھے اور الگ راستہ پر چل دیئے تھے، دونوں مارے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ مکہ میں داخل ہونے کے وقت کسی کو قتل نہ کریں۔ ہاں! جو مسلمانوں سے جنگ کریں، ان کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ اس حکم سے نام بنام چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے، خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہی ہوں۔

❶ عبداللہ بن ابی سرح، یہ شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سفارش کی تو جان بخشی ہوئی۔ اس کے بعد یہ مسلمان ہو گیا۔ ❷ عکرمہ بن ابی جہل یہ (فتح مکہ کے دن) مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام قبول کیا گیا)۔ (۳) حویرث بن نقید، یہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو بہت دُکھ پہنچایا کرتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ (۴) مقیس بن صبابہ، اوّل مسلمان ہو گیا تھا، ایک انصاری نے ذی قردہ کے غزوہ میں اس کے بھائی ہشام کو دشمن کا آدمی سمجھ کر غلطی سے مار ڈالا تھا اور مقیس نے انصاری سے اس کی دیت لے لی۔ پھر عہد شکنی کر کے انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو گیا۔ اس کو اسی کی قوم کے ایک شخص غیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔ (۵) ہبار بن اسود مسلمانوں کو سخت دُکھ دیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اسقاط اسی کی ضرب سے ہوا اور اسی مرض سے آپ کی وفات ہوئی۔ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو معاف کر دیا۔ (۶) حارث بن طلال خزاعی، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ "کذا ذکرہ ابو معشر" (۷) کعب بن زہیر شاعر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا لیکن (فتح مکہ کے دن) مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی۔ (ذکرہ الحاکم) ......(۸) وحشی بن حرب، حضرت حمزہ کا قاتل بھاگ کر طائف چلا گیا تھا، پھر آ کر مسلمان ہو گیا۔ (۹) عبداللہ بن خطل یہ مسلمان ہو گیا تھا، اس کا نام عبدالعزیٰ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام بدل دیا اور عبداللہ نام رکھ دیا اور محصل صدقات بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ خزاعہ کے ایک شخص کو بھی روانہ کیا۔ خزاعی شخص عبداللہ کی خدمت کرتا اور اس کے لیے کھانا پکاتا تھا۔ دونوں ایک منزل پر جا کر اُترے، دوپہر کا وقت تھا۔ عبداللہ نے خزاعی کو حکم دیا کہ کوئی جانور ذبح کر کے کھانا تیار کرے مگر خزاعی نے کھانا

نہیں تیار کیا، اس پر عبداللہ نے خزاعی کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر بھاگ گیا۔

اس کے پاس دو گانے والی لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو کے اشعار گاتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ اور ان دونوں باندیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے مل کر عبداللہ کو قتل کر دیا۔ ایک لونڈی بھی ماری گئی۔ دوسری بھاگ گئی، پھر مسلمان ہو گئی۔ (۱۰) عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ ایک باندی تھی جس کا نام سارہ تھا، مکہ میں مغنیہ تھی اور نوحہ خوانی کا پیشہ بھی کرتی تھی۔ اسی کے پاس سے حاطب بن ابی بلتعہ کا خط برآمد ہوا تھا۔ فتح کے دن مسلمان ہو گئی۔ (۱۱) ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا، فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمائی۔ (۱۲) صفوان بن اُمیہ یہ بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا تا کہ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر یمن کو چلا جائے۔ عمیر بن وہب نے اس کے لیے امن کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی۔ صفوان حاضر ہو گیا اور عرض کیا، مجھے اپنے معاملہ پر دو مہینہ تک سوچنے کا اختیار دے دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ کا اختیار دے دیا۔ آخر میں یہ مسلمان ہو گیا۔

مکہ میں داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عمامہ تھا۔ (رواہ احمد و مسلم)

لیکن صحیحین کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ داخلہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پوش تھے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دُور کیا جا سکتا ہے کہ اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود ہو گا پھر خود اُتار کر عمامہ پہن لیا ہو گا۔ داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹا لوٹا کر سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔ (صحیحین)

آخر حجون میں پہنچ کر چمڑے کے خیمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فروکش ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو بیبیاں، حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ حجون خفیف بنی کنانہ میں واقع تھا، یہ جگہ وہی تھی جہاں جمع ہو کر قریش اور کنانہ نے باہم قسم کھائی تھی کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ نہ نکاح کا رشتہ قائم کریں گے، نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے دستبردار نہ ہو جائیں گے، یہ قسمیں رہیں گی۔ اس جگہ پہنچنے کے بعد کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اپنے گھاٹی والے مکان میں قیام نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: عقیل نے ہمارا کوئی مکان چھوڑا ہی کہاں؟ (کہ ہم وہاں ٹھہر سکیں) عقیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائی بندوں کے مکہ والے سب مکان فروخت کر دیئے تھے۔ مردوں کے بھی اور عورتوں کے بھی (کوئی مکان باقی نہیں چھوڑا تھا) عرض کیا گیا تو پھر اپنے قدیمی مکانوں کو چھوڑ کر مکہ کے اندر کسی اور مکان میں قیام فرمالیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ ہر نماز کے لیے حجون سے کعبہ کو تشریف لاتے تھے۔ غرض فرودگاہ پر دن کے تھوڑے وقت ٹھہرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ پکڑ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے بعد چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ مسلم)

بخاری کی روایت میں حضرت اُم ہانی کا قول آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر غسل کیا تھا اور نماز پڑھی تھی، پھر اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور کعبہ کے پاس پہنچ کر (طواف کیا اور) لکڑی کی نوک سے رُکن کا بوسہ لیا (یعنی لکڑی کی نوک سنگ اسود کو لگا دی، نوک لگا دینا بوسہ کے قائم مقام ہو گیا) اور تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر لگایا کہ مکہ گونج گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے مسلمانوں کو ٹھہرنے کی تلقین فرما رہے تھے اور مشرک پہاڑیوں کے اوپر سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بار اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں کعبہ کا طواف کیا اور لکڑی کی نوک سے (ہر بار) سنگ اسود کا بوسہ لیا۔ کعبہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت تھے جو رانگ سے مرصع تھے، ہبل سب سے بڑا تھا۔ یہ کعبہ کے سامنے کعبہ کے دروازہ پر تھا اور اساف و نائلہ قربانی کے مقام پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بت کی طرف سے گزرتے تھے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" پڑھتے تھے۔ بت اشارہ کے ساتھ ہی اوندھے منہ یا پشت کے بل پیچھے کو گر جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہاتھ بھی نہیں لگانے پاتے تھے۔ فضالہ بن عمر لیثی نے چاہا کہ طواف کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے۔ یہ ارادہ کر کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فضالہ! اس نے جواب دیا: جی! فرمایا: تم دل میں کیا کہہ رہے تھے؟ فضالہ نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا: اللہ سے استغفار کرو۔ یہ فرما کر دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھ دیا۔ فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میرے سینے سے اُٹھایا بھی نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میری نظر میں ہر شخص سے زیادہ محبوب ہو گئی۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد (کھڑی ہوئی) اونٹنی سے لوگوں کے ہاتھوں کے سہارے سے نیچے اُترے کیونکہ اونٹوں کے بیٹھنے کا کوئی مقام مسجد کے اندر نہ تھا۔ مسجد سے باہر اونٹ کو بٹھایا، پھر مقام ابراہیم پر پہنچے۔ مقام ابراہیم علیہ السلام کعبہ میں شامل تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور عمامہ پہنے ہوئے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان عمامہ کا شملہ آویختہ تھا۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔

پھر زمزم کی طرف رُخ کیا اور اس کے اندر جھانک کر دیکھا اور فرمایا: اگر بنی عبدالمطلب کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول پانی کھینچتا۔ غرض حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا حارث بن عبدالمطلب نے ایک ڈول کھینچا اور اس میں سے کچھ پیا اور وضو کیا۔ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کی طرف ایک دوسرے سے پیش دستی کرنے لگے اور مسابقت کر کے (استعمال کردہ) پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ مشرک اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہم نے اتنا عالی مرتبہ نہ کسی بادشاہ کو دیکھا، نہ سنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبل کو توڑ دینے کا حکم دیا۔ حسب الحکم ہبل توڑ دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں کعبہ کے برابر بیٹھ گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اوپر چڑھ گئے اور فرمایا: علی! آ کر میرے کندھوں پر چڑھ جا۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے لے کر اُٹھے تو مجھے ایسا لگنے لگا کہ اگر چاہوں تو آسمان کے کنارہ کو چھو لوں گا۔ اس طرح میں کعبہ پر چڑھ

گیا۔ فرمایا: ان کے بڑے بت کو توڑ دے، یہ بت تانبے کا تھا اور زمین تک اس میں لوہے کی میخیں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ فرمایا اس کو پکڑ لے اور خود پڑھنے لگے: "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" میں نے بت کو نیچے پھینک دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو کعبہ کی کنجی لینے کے لیے عثمان بن طلحہ کے پاس بھیجا۔ عثمان نے کہا: کنجی میری ماں کے پاس ہے۔ عثمان نے ماں سے کنجی منگوائی اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! میں تجھے کبھی کنجی نہیں دوں گی۔ عثمان نے کہا: نہ لات رہا نہ عزیٰ۔ اگر تو کنجی نہ دے گی تو میں بھی مارا جاؤں گا اور میرا بھائی بھی۔ عثمان کو گئے ہوئے دیر ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرتے رہے، آخر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا۔ عثمان کی ماں نے جب حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آواز سنی تو عثمان سے کہا: بیٹے ان دشمنوں کے لینے سے تو یہ بہتر ہے کہ تو لے لے، عثمان نے کنجی لے لی اور لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجی لے کر خود دست مبارک سے کعبہ کو کھولا۔ عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کہ کعبہ کو کھولنے کا ہمیں اختیار ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اُن کا یہ دعویٰ ساقط ہوگیا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ میرے اندر جانے سے پہلے کعبہ کے اندر سے تمام مورتیں اور تصاویر دور کردو۔ مسلمانوں نے کپڑے اُتار دیئے، صرف تہبند باندھے رہے اور ڈول لے کر رجز پڑھتے ہوئے زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر، باہر سے دھونے لگے۔ اہل شرک کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا، سب مٹا دیئے اور دھو دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ بن زید اور طلحہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کرلیا۔ اندر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون دائیں طرف، دو ستون بائیں طرف، تین ستون اپنے پیچھے دروازہ کی طرف چھوڑے اور قبلہ والی دیوار سے دو یا تین ذراع کا فاصلہ چھوڑ کر بیچ میں کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا: یہ قبلہ ہے پھر دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا، ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کو کامیاب بنا دیا اور تمام جماعتوں کو خود تنہا شکست دے دی۔ خوب سن لو (جاہلیت کے زمانہ کا) ہر استحقاق اور خون یا مال کا دعویٰ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے (پامال ہوگیا) سب سے اوّل میں خود ربیعہ بن حارث کا خون ساقط کرتا ہوں۔ ہاں! کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا استحقاق اس سے مستثنیٰ ہے۔

سنو! لاٹھی اور کوڑے سے اگر قتل ہو جائے تو قتل خطاء جو قتل عمد کے مشابہ ہو تو اس کی دیت مغلظ یعنی سو اونٹنیاں ہیں جن میں چالیس اونٹنیاں گابھن ہوں۔ وارث کے لیے وصیت نہیں۔ بچہ بستر (والے) کا ہے اور زانی کے لیے پتھر۔ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو کچھ دے دے۔ تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ایک ہاتھ (کی طرح) ہو جانا لازم ہے، کسی مسلمان کو یا ذمی کو بحالت ذمیت کافر کے عوض نہ قتل کیا جائے۔ دو مذہب والوں میں باہم میراث نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کی زکوٰۃ ان کے گھروں اور احاطوں میں پہنچ کر لی جائے۔ محصل زکوٰۃ نہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ان کو اپنے پڑاؤ پر بلوائے، نہ زکوٰۃ دینے والے محصل کو پریشان کرنے کے لیے اموال زکوٰۃ دینے کا اڈہ کسی دوسری جگہ بنائیں۔ کسی عورت کی ماں یا خالہ پر اس عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یعنی ماں یا خالہ سے نکاح کرلیا ہو تو پھر اس کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے)۔

دعوے کے گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور (گواہ نہ ہونے کی صورت میں) قسم منکر پر عائد ہوگی۔ کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ نمازِ عصر اور نمازِ صبح کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں۔ میں تم کو دو دن روزہ رکھنے سے ممانعت کرتا ہوں۔ ایک عید الفطر کے دن دوسرا عید الاضحیٰ کے دن۔ میں تم کو دو صورتوں سے لباس پہننے کی بھی ممانعت کرتا ہوں۔ (۱) صرف ایک کپڑے میں گوٹ مارنے سے (اس کی شکل اس طرح ہوتی ہے کہ صرف کرتہ یا صرف تہبند پہن کر کوئی سرینوں کی نوک پر بیٹھ جائے اور پاؤں سمیٹ کر کھڑے کرلے کہ ایڑیاں سرینوں کے قریب آجائیں اور رانیں پیٹ کے قریب پہنچ جائیں)۔ اس شکل پر بیٹھنے سے آگے سے برہنگی کا خطرہ ہے اور برہنگی کی حفاظت بھی کرلی جائے تب بھی اعضاء مستورہ غلیظہ کسے بندھے نظر کے سامنے آجائیں گے جو خلاف تہذیب ہے۔ ❷ چادر یا کمبل وغیرہ کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ بھی اندر بند رہ جائیں اور باہر نہ نکل سکیں۔

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کو اور عہد جاہلیت کے غرور خاندانی کو دور کردیا، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "**یا یھا النّاس انا خلقنکم من ذکر و انثی**" اے اہل مکہ! میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں، تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: آپ اچھے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں (اس لیے آپ ہم پر کرم ہی کریں گے) فرمایا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تم کو معاف کرے، وہ ارحم الراحمین ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو، اس حکم کے بعد جب لوگ مجلس سے نکلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبروں سے دوبارہ زندہ ہوکر اُٹھے ہیں۔

بخاری نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے کہ بنی لیث نے جاہلیت کے زمانہ میں بنی خزاعہ کا ایک آدمی مار ڈالا تھا۔ بنی خزاعہ نے فتح مکہ کے سال اپنے مقتول کے عوض بنی لیث کا ایک آدمی مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا مگر اپنے رسول اور مؤمنوں کو مکہ پر غلبہ عطا فرمایا۔ خوب سن لو، مکہ (پر بزور تسلط) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا، نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک ساعت میں حلال ہوا تھا اور وہ ساعت یہی ساعت تھی۔ اب یہ (ہمیشہ کے لیے) حرم ہے، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، یہاں گری پڑی چیز نہ اُٹھائی جائے (یعنی گری پڑی چیز کو پانے والا اس کو اپنی ملک میں نہ لے) ہاں! جس کی چیز گر گئی ہو اور وہ ڈھونڈ رہا ہو تو اس کو اُٹھا لینا جائز ہے۔ اگر کسی کا کوئی آدمی قتل کردیا جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرنے کا اس کو حق ہے یا دیت لے لے یا قصاص۔ یہ سن کر ایک یمنی شخص نے جس کا نام ابو شاہ تھا عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے یہ لکھوا دیجئے۔ فرمایا: اس کو لکھ کر دے دو۔ ایک قریشی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! (گھاس کاٹنے کی ممانعت سے) اذخر کو مستثنیٰ کردیجئے۔ فرمایا: اذخر مستثنیٰ ہے۔ (اذخر مرچیا گند کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی تھی جو مکہ میں بکثرت پیدا ہوتی تھی اور اونٹوں کی خوراک کے کام آتی تھی)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے جاہلیت کے

زمانہ میں عقد معاہرہ کیا تھا (یعنی ایک عورت کو داشتہ بنا کر بغیر نکاح کے رکھا تھا، اس سے بچے ہوئے، ان بچوں کا کیا حکم ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی آزاد عورت سے یا کسی غیر کی باندی سے معاہرہ کیا۔ پھر اس بچے نے اس زانی سے اپنا نسب ملایا تو یہ جائز نہیں، نہ یہ اس کا وارث ہوگا، نہ وہ اس کا وارث ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگ سمجھ گئے ہوگے۔ میں اپنی یہ بات کہہ رہا ہوں (یعنی کہہ چکا) اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ میں منادی نے ندا کردی کہ جو شخص اللہ اور روزِ آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے گھر کے اندر کوئی مورتی بغیر توڑے نہ چھوڑے۔ ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اوپر ظہر کی اذان دینے کے لیے بلال کو حکم دیا۔ اس سے مقصود مشرکوں کو جلانا تھا۔ قریش پہاڑیوں کی چوٹیوں پر تھے اور چھپے ہوئے تھے مگر چہرے سامنے تھے (یعنی اس منظر کو دیکھ رہے تھے) ابوسفیان اور خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد بولا: اللہ نے (میرے باپ) اسید کی لاج رکھ لی کہ اس نے اس (آواز) کو نہیں سنا۔ حارث نے کہا: خدا کی قسم! اگر میں اس کو حق پر جانتا تو اس کے پیچھے ہو لیتا۔ بنی سعید بن عاص کا ایک شخص کہنے لگا: اللہ نے سعید کی لاج رکھ لی کہ کعبہ کی چھت پر اس حبشی کو چڑھا دیکھنے سے پہلے ہی وہ مر گیا۔ ابوسفیان بولا میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر کچھ بھی بولا تو یہ پتھریاں بھی میری مخبری کردیں گی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر ان لوگوں کی باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی کہی ہوئی باتیں اُن کو بتائیں تو وہ کہنے لگے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد مکہ والے مسلمان ہوئے۔ کسی مسلمان نے ابوقحافہ کے سر پر پتھر مار دیا، اس کا سر زخمی ہوگیا اور اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار کسی نے لے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باپ کے پاس پہنچے، ان کے چہرہ سے خون پونچھا (اسلام کی طرف سے) ان کے دل میں کینہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ تم نے بڑے میاں کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور وہ مسلمان ہوگئے۔ ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی اور سر ثغامہ (ایک درخت کا سفید پھول) کی طرح سفید تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (رنگ) کو بدل دو مگر سیاہی سے الگ رکھو۔ (یعنی سیاہ نہ رنگنا)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے کی جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو ماننے کی اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وعبدہ کی شہادت لینے لگے۔ چھوٹے بڑے، عورت مرد سب آنے لگے اور بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو کر عورتوں کی بیعت لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ کسی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں چھوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیعت صرف زبانی لیتے تھے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر گئے اور اوپر جا کر اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ دکھائی دیتا تھا اور وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ کی حمد، ذکر اور دُعا کرنے لگے،

انصار نیچے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا: ان کو اپنے شہر کی طرف رغبت اور اپنے قبیلہ کی طرف میلان ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: اے گروہِ انصار! انصار نے جواب دیا: لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمایا: کیا تم نے ایسی، ایسی بات کہی تھی؟ انصار نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: حاشا وکلا! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اللہ کے واسطے وطن چھوڑ کر تمہاری طرف گیا تھا۔ میری زندگی، تمہاری زندگی اور میری موت تمہاری موت (کے ساتھ) ہے۔ انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رونے لگے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے جو کچھ کہا تھا بخدا اس لیے کہا تھا کہ ہم کو اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتہائی محبت تھی (ہم کو گوارا نہ تھا کہ اللہ کا رسول ہم کو چھوڑ کر پھر مکہ میں آ کر مقیم ہو جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سچائی کی وجہ سے اللہ اور اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے بعد) قریش کے تین آدمیوں سے روپیہ قرض لیا۔ صفوان بن اُمیہ سے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور یہ روپیہ کمزور صحابہ کو بانٹ دیا۔ پھر ہوازن کی فتح کے بعد یہ قرض ادا کر دیا اور فرمایا: قرض کا بدلہ (قرض دینے والے کا) شکریہ اور (قرض کی) ادائیگی ہے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہ کی جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت (کی ضرورت) نہیں۔ ابو یعلی اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے مکہ کی فتح کے بعد ابلیس آواز سے رونے لگا۔ اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو گئی (اور رونے کا سبب پوچھا) ابلیس نے کہا: اب اس سے نا اُمید ہو جاؤ کہ اُمت محمدیہ شرک کی طرف لوٹ کر آئے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ مکہ میں داخل ہوئے تو سامنے آ کر شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑے بڑے شعلے پھینکنے لگے، فوراً جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگو (یعنی یہ الفاظ پڑھو): "**اعوذ بکلمات اللّٰہ التّامة الّتی لا یجاوزھن برّ وّلا فاجر من شر ما نزل من السمآء وما یعرج فیھا ومن شرّ ما بثّ فی الارض وما یخرج منھا ومن شرّ اللیل والنّھار ومن شرّ کل طارق یّطرق الا طارقٌ یّطرق بخیر یا رحمٰن**"

بیہقی کی روایت میں لکھا ہے کہ جب مکہ کی فتح ہو گئی تو ایک حبشی بڑھیا، کھچڑی بالوں والی، منہ کھروچتی اور واویلا کرتی ہوئی آئی۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم نے ایک حبشن بڑھیا، کھچڑی بالوں والی دیکھی جو منہ نوچتی اور واویلا کرتی ہوئی آ رہی تھی۔ فرمایا وہ کہہ رہی تھی میری آس ٹوٹ گئی کہ تمہارے شہر میں اس کے بعد میری پوجا نہ کی جائے گی۔

فتح مکہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوا کر کعبہ کی کنجی اُن کو عطا فرما دی اور فرمایا: یہ ہمیشہ نسل در نسل کیلئے لے لو۔ اس کو سوائے ظالم کے تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔ اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین قرار دیا ہے۔ پس اس گھر سے تم کو جو کچھ حاصل ہو اس کو جائز طریقہ سے کھاؤ۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا: جب تک اس گھر کی اوّلیت قائم ہے، کنجی اور کعبہ کی دربانی عثمان کی نسل میں رہے گی۔ چنانچہ کنجی عثمان کے پاس رہی اور مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو کنجی دے دی اور یہ کنجی اور دربانی شیبہ کی اولاد کے پاس قیامت تک رہے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں انیس شب قیام کیا اور اس مدت میں قصر کرتے رہے۔ (رواہ البخاری) ابوداؤد کی روایت میں سترہ رات اور بخاری کی دوسری روایت میں جو ترمذی نے بھی بیان کی ہے اٹھارہ رات کی صراحت ہے۔ تعارض اس طرح دفع کیا جاسکتا ہے کہ اگر داخل ہونے اور واپسی کے دن کو شمار نہ کیا جائے تو سترہ اور دونوں کو شامل کیا جائے تو انیس ہو جائیں گے اور گھنٹوں کا شمار کیا جائے تو اٹھارہ ہوں گے۔ پندرہ کی روایت کو نووی نے خلاصہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد عرب باہم کہنے لگے کہ اے عرب کے باشندو! جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فتح یاب ہو گئے حالانکہ اصحاب فیل کے حملہ سے اللہ نے ہم کو محفوظ رکھا تھا (اور اصحاب فیل کو شکست دے دی تھی) تو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ یہ مشورہ طے کر کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو مسلمان ہوتے تھے (مگر اب گروہ کے گروہ ایک وقت میں مسلمان ہونے لگے) اسی کا بیان آیت ذیل میں ہے۔ "وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" مقاتل اور عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا "النّاس" سے مراد اہل یمن ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں، یہ بہت رقیق القلب اور ایمان کے لیے بڑے نرم دل (یعنی ایمان کا جلد اثر قبول کرنے والے) ہیں۔ حکمت تو یمنی ہے، فخر اور غرور اونٹ والوں میں ہے اور سکون و بردباری بکریوں والوں میں (یعنی اونٹوں کو چرانے والے بڑے سخت دل، مغرور اور شیخی باز ہوتے ہیں اور بکریاں چرانے والے بڑے مسکین طبع اور متحمل مزاج ہوتے ہیں)۔ (متفق علیہ)

③ "فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا" تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس کے بارے میں نہیں جانتا مگر جو آپ جانتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے رکوع وسجود میں کہا کرتے تھے "سبحانک اللھمّ وبحمدک اللھمّ اغفرلی" قرآن کی تاویل کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر "سبحان اللّٰہ وبحمدہ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ" کہا کرتے تھے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر "سبحان اللّٰہ وبحمدہ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ" کہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی اُمت میں ایک علامت دیکھوں گا۔ پھر جب میں اس کو دیکھ لوں تو "سبحان اللّٰہ وبحمدہ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ" کثرت سے کہوں۔ تحقیق میں نے اس کو دیکھ لیا ہے۔ "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" پس فتح مکہ ہے۔ "ورأیت النّاس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا فسبّح بحمد ربّک واستغفرہ انّہ کان توّابا"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ آپ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو تسبیح اور توبہ کا حکم کیا۔ تاکہ آپ علیہ السلام کا خاتمہ عمل صالح میں زیادتی پر ہو۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نازل ہونے کے بعد ستر دن زندہ رہے۔

سُوْرَةُ اللَّهَبْ

مکی ہے اور اس کی پانچ (۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③ وَّامْرَاَتُهٗ. حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤

ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے نہ اس کا مال اسکے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (مال سے مراد سرمایہ اور کسب سے مراد اس کا نفع اور آخرت میں) وہ عنقریب (مرنے کے متصل) ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے (مراد خاردار لکڑیاں ہیں جن کا شان نزول میں ذکر ہے اور دوزخ میں پہنچ کر) اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

سورۃ مسد کا شان نزول

تفسیر: ① "تبت یدا ابی لھب و تب" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پر چڑھ گئے، پھر فرمایا، اے ساتھیو! فرماتے ہیں تو آپ علیہ السلام کے پاس قریش جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا آپ کو کیا ہوا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم دیکھتے ہو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن صبح کو تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا: بے شک میں تمہیں ڈرانے والا ہوں سامنے سے آنے والے سخت عذاب سے۔ تو ابولہب نے کہا تیرے لیے خسارہ ہو گیا تو نے اس کے لیے ہم سب کو بلایا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا "تبت یدا ابی لھب و تبّ" سورۃ کے آخر تک۔ اللہ تعالیٰ کا قول "تبت" یعنی خسارے میں ہیں ابولہب کے دونوں ہاتھ۔ یعنی اس کے ہاتھوں کے بارے میں خبر دی ہے اور مراد اس کی ذات ہے۔

ابولہب کہنے کی وجہ

عرب کی عادت کے مطابق کہ وہ بعض شے کو تعبیر کر کے کل مراد لیتے ہیں اور کہا گیا ہے ید صلہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "ید

الدھر" اور "یدالرزایا والبلایا" اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس کا مال اور ملکیت ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں قلیل ذات الید اس سے وہ مراد لیتے ہیں مال، کپڑے اور خسارہ اور ابولہب وہ عبدالمطلب کا بیٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی کنیت ابولہب رکھی گئی۔ اس کے حسن اور چمکتے چہرے کی وجہ سے اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "ابی لھب" ھاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ نھر اور نھر کی مثل ہے اور ان کا اتفاق ہے۔ "ذات لھب" میں کہ اس کی ھاء پر زبر ہے فواصل سے توافق کی وجہ سے اور تب ابولہب عبداللہ نے "قد تبت" پڑھا ہے اور فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پہلا دُعا ہے اور دوسرا خبر ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اھلکه اللّٰه و قد فعل اللّٰه" اس کو ہلاک کر دے اور اللہ نے ایسا کر دیا۔

② "ما اغنٰی عنه ماله وما کسب" ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کی طرف بلایا تو ابولہب نے کہا میرا بھتیجا جو کچھ کہہ رہا ہے اگر وہ حق ہے تو میں اپنے مال اور اولاد کا فدیہ دے دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ "ما اغنٰی عنه ماله وما کسب" یعنی نہیں نفع دے گا اور کہا گیا ہے کون سی چیز اس سے نفع دے گی، اس کا مال۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اس سے وہ دور نہ کر سکے گا جو اس نے مال جمع کیا ہے اور وہ مویشیوں والا تھا۔ "وما کسب" کہا گیا ہے یعنی اس کی اولاد اس لیے کہ انسان کی اولاد اس کی کمائی سے ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ سب سے پاکیزہ وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاتے ہو اور بے شک اس کی اولاد اس کی کمائی میں سے ہے۔

③ پھر اس کو جہنم کی دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے "سیصلٰی نارا. ذات لھب" یعنی آگ شعلے مارتی ہوگی اس پر۔

④ "وامرأته" ام جمیل بنت حرب بن اُمیہ سفیان کی بہن۔ "حمالة الحطب" زید اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ کانٹے اور جھاڑیاں اُٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ میں ڈال دیتی تھی تاکہ ان کو زخمی کرے اور یہی عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور قتادہ، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں وہ چغلی لگانے کے ساتھ چلتی تھی اور ایک جگہ کی باتیں دوسری جگہ منتقل کرتی تھی اور لوگوں میں دشمنی پیدا کرتی تھی اور لڑائی کی آگ ایسے بھڑکاتی تھی جیسے آگ لکڑیوں کو جلاتی ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں یحطب علی فلاں جب وہ اس کو برانگیختہ کرے اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گناہوں کو اُٹھانے والی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "وھم یحملون اوزارھم علٰی ظھورھم" عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے "حمّالة" نصب کے ساتھ پڑھا ذم کی بناء پر۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "ملعونین" ہے اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ان میں سے ایک "سیصلٰی نارا" ھو "وامرأته حمّالة الحطب" اور دوسری "وامرأته حمّالة الحطب" فی النار ایضا۔

⑤ "فی جیدھا" اس کی گردن میں اور اس کی جمع اجیاد ہے۔ "حبل من مسد" اور اس میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں لوہے کی زنجیر اس کی لمبائی ستر گز اس کے منہ میں داخل ہوگی اور دُبر سے نکلے گی اور وہ ساری اس کی گردن میں ہوگی اور اس کی اصل المسد سے ہے اور وہ بٹنا ہے اور المسد جو بٹا گیا ہو اور مضبوط کیا گیا ہو جس چیز سے بھی ہو۔ یعنی زنجیر جو اس کی گردن میں ہوگی۔

تو وہ لوہے سے بٹی گئی ہوگی مضبوط بٹنا۔ اعمش نے مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے "من مسد" یعنی لوہے سے اور مسد وہ لوہا جو وزنی سامان اُتارنے چڑھانے کی چرخی میں ہوتا ہے اس کو محور کہا جاتا ہے اور شعبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کھجور کے درخت کی چھال سے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ فرماتے ہیں دُنیا میں کھجور کے درخت کی چھال سے اور آخرت میں آگ سے اور یہ کھجور کے درخت کی چھال وہ رسی تھی جس سے وہ لکڑیوں کا گٹھا بناتی تھی۔ پس اسی اثناء میں ایک دن وہ گٹھڑ سر پر اُٹھائے ہوئے تھی تو تھک کر آرام کرنے پتھر پر بیٹھ گئی تو ایک فرشتہ آیا، اس کو پیچھے سے کھینچا اور اس کو ہلاک کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک درخت کی رسی ہے جو یمن میں اُگتا ہے، اس کو مسد کہا جاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوڑی کا ہار تھا اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاہی تاج کے موتی تھے، اس کی گردن میں اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے گلے میں ایک ہار تھا بڑا عمدہ تو اس نے کہا میں اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنی میں خرچ کروں گی۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاص

مکی ہے اور اس کی چار (۴) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

ترجمہ: آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے اللہ (ایسا) بے نیاز ہے (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں) اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

تفسیر: ① "قل هو الله احد" ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیں اپنے رب کا نسب بیان کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن معاویہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عامر نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس نے کہا ہمارے سامنے اس کی صفت بیان کریں، کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا؟ یا لوہے کا یا لکڑی کا؟ تو یہ سورت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اربد کو بجلی کی کڑک سے ہلاک کیا اور عامر بن طفیل کو طاعون کے ذریعے، ہم اس کو سورۃ الرعد میں ذکر کر چکے ہیں اور ضحاک، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہود کے علماء میں سے چند لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے اپنے رب کی صفت کو بیان کریں شاید ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں اپنی صفت بیان کی

ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کی۔ "قل ھو اللہ احد" یعنی ایک ہے اور واحد اور احد میں کوئی فرق نہیں ہے، اس پر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ "قل ھو اللہ الواحد"

صمد کی تفسیر

❷ "اللہ الصمد" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، حسن اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں الصمد جس کا پیٹ نہ ہو۔ شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو نہ کھائے نہ پیئے اور کہا گیا ہے اس کی تفسیر اس کے بعد والا جملہ ہے۔ ابوالعالیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا الصمد وہ ذات جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔ اس لیے کہ جو پیدا ہوا وہ عنقریب مرجائے گا اور جو وارث بنے گا عنقریب اس سے وارث بنایا جائے گا۔ ابووائل، شقیق بن سلمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ سردار جس کی سرداری انتہائی کو پہنچ چکی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا وہ سردار جو سرداری کی تمام اقسام میں کامل ہو اور سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ اپنی تمام صفات وافعال میں کامل ہے۔

اور کہا گیا ہے وہ سردار جو تمام ضروریات میں مقصود ہو اور سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں پسندیدہ چیزوں میں اسی کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور مصائب میں اسی سے فریاد طلب کی جاتی ہے۔ عرب کہتے ہیں "صمدت فلانا اصمدہ صمداً" میم کے سکون کے ساتھ جب تو اس کا ارادہ کرے اور مقصود صمد میم کے زبر کے ساتھ اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں الصمد جو اپنی مخلوق کے فناء ہونے کے بعد باقی رہے اور عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں الصمد وہ ذات جس کے اوپر کوئی نہیں ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور ربیع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس پر آفات نہ آتی ہوں۔ مقاتل بن حیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس میں کوئی عیب نہ ہو۔

❸ "لم یلد. ولم یولد. ❹ ولم یکن لہ کفوًا احد" حمزہ اور اسماعیل رحمہما اللہ نے "کفوًا" فاء کے سکون کے ساتھ مہموز پڑھا ہے اور حفص نے عاصم سے فاء کے پیش کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے فاء کے پیش کے ساتھ مہموز پڑھا ہے اور یہ تمام صحیح لغات ہیں اور اس کا معنیٰ مثل یعنی وہ ایک ہے اور کہا گیا ہے یہ تقدیم وتاخیر پر ہے اس کا مجاز کوئی اس کا مثل نہیں ہے۔ مقاتل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مشرکین عرب نے کہا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہود نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تکذیب کی اور اپنی ذات سے ولادت اور مثل کی نفی کی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابن آدم نے میری تکذیب کی۔ حالانکہ اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور مجھے برا بھلا کہا حالانکہ اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ پس بہرحال اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا قول ہے وہ مجھے دوبارہ نہ لوٹائے گا۔ جیسا کہ مجھے ابتداء پیدا کیا حالانکہ ابتدائی تخلیق مجھ پر اس کے اعادہ سے زیادہ آسان نہیں ہے اور بہرحال اس کا مجھے برا بھلا کہنا تو اس کا یہ کہنا ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے حالانکہ میں ایک بے

نیاز ہوں، ایسا کہ نہ میری اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور میرا کوئی مثل نہیں ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سنا کہ ایک شخص پڑھ رہا ہے "قل ھو اللہ احد" اور اس کو بار بار پڑھ رہا ہے۔ پس جب اس نے صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ علیہ السلام کو یہ بات ذکر کی اور آدمی اس کو کم سمجھ رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بے شک یہ قرآن کی تہائی کے برابر ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایک اس سے عاجز ہے کہ قرآن کا تہائی حصہ ایک رات میں پڑھے؟

میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون اس کی طاقت رکھ سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم "قل ھو اللہ احد" پڑھو۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متوجہ ہوا تو ایک شخص کو سنا کہ وہ "قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوًا احد" پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی تو میں نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کیا چیز اے اللہ کے رسول؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فرمایا جنت۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس آدمی کے پاس جاؤں اور اس کو خوشخبری دوں پھر میں ڈرا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چھوٹ جائے گا تو میں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ پھر میں اس آدمی کے پاس گیا تو وہ جا چکا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا، بے شک میں اس سورۃ "قل ھو اللہ احد" کو بہت پسند کرتا ہوں۔ فرمایا تیرا اس سے محبت کرنا تجھے جنت میں داخل کردے گا۔

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

یہ سورۃ مدنی ہے۔ اس میں پانچ (۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

ترجمہ: آپ (اپنے استعاذہ کے لئے) کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آ جاوے (اور شب میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص) گنڈے کی گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

تفسیر: ① (قل اعوذ برب الفلق) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ یہودیوں نے خفیہ سازش کی اور اس کو اپنے ساتھ

ملالیا اور اس کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی کے بال اور کنگھی کے چند دندانے حاصل کر لیے، پھر ان پر جادو کیا، اس کام کا ذمہ دار لبید بن اعصم یہودی تھا، اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے (کچھ تو ہم سا ہو گیا) اَن کیے کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرتے تھے کہ میں کر چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار سے دُعا کی، پھر فرمانے لگے کہ اللہ سے میں نے جو کچھ دریافت کیا تھا، اللہ نے بتا دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا بات ہے؟ فرمایا (خواب میں) دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے کھڑا ہوا اور دوسرا پائیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا: اس شخص کا دُکھ کیا ہے؟ دوسرے نے کہا یہ سحر زدہ ہے۔ اوّل نے پوچھا: کس نے سحر کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم نے۔ اوّل نے کہا: کس چیز پر کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: کنگھی پر۔ کنگھی کے بالوں پر اور نر کھجور کے گابھہ پر۔ اوّل نے کہا: یہ چیزیں کہاں ہیں؟ دوسرے نے کہا: بنی زریق کے چاہ ذروان میں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ اس (خواب) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں پر تشریف لے گئے اور واپس آکر فرمایا: واللہ! اس کا پانی تو مہندی کے پانی کی طرح تھا اور وہاں کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے بھوتوں کے سر۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکال کیوں نہ لیا؟ فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ لوگوں میں فتنہ اُٹھاؤں۔ بغوی کا بیان ہے، روایت میں آیا ہے کہ وہ کنویں کے اندر ایک پتھر کے نیچے تھا۔ لوگوں نے پتھر اُٹھا کر اس کے نیچے سے کھجور کا کھوکھلا گابھہ برآمد کر لیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے موجود تھے۔

حضرت زید بن ارقم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کیا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُکھی ہو گئے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے اور جادو کی کچھ گرہیں لگائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر اس کو برآمد کرالیا اور جونہی ایک گرہ کھولتے تھے، مرض میں خفت ہوتی تھی۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بالکل تندرست ہو کر) اُٹھ کھڑے ہوئے، گویا زانو بند کھل گیا لیکن اس کا تذکرہ اس یہودی سے نہیں کیا اور نہ اس کے منہ پر کچھ فرمایا۔ مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ تانت میں تھا اس پر گیارہ گرہیں باندھی ہوئی تھیں اور کہا گیا ہے کہ اس گرہ میں سوئی چبھوئی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل کیں اور یہ گیارہ آیتیں ہیں۔ سورۃ الفلق پانچ آیات اور سورۃ الناس چھ آیات۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھولتے حتیٰ کہ تمام گرہیں کھل گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ گویا کہ آپ علیہ السلام گرہوں سے آزاد کیے گئے ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام اس میں چھ ماہ رہے اور تین راتیں بہت سخت گزریں کہ معوذتان نازل ہو گئیں۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بخار ہے؟ آپ علیہ السلام نے کہا ہاں۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا "بسم اللّٰہ ارقیک من کلّ نفس

او عین حاسد اللہ یشفیک. بسم اللہ ارقیک" اللہ تعالیٰ کا قول "قل اعوذ برب الفلق "فلق سے صبح مراد ہے اور یہ جابر بن عبداللہ، حسن، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ اور اکثر مفسرین رحمھم اللہ کا قول ہے اور یہی عوفی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "فالق الاصباح" کی دلیل کی وجہ سے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ جہنم میں ایک قید خانہ ہے اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہنم میں ایک وادی ہے اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی مخلوق اور یہی والبی کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور مشہور پہلا قول ہے۔

❷ "من شرّ ما خلق. ❸ ومن شرّ غاسق اذا وقب" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھوں کو پکڑا، پھر چاندنی دیکھ کر کہا اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تو اللہ کی پناہ مانگ، غاسق کے شر سے جب وہ سیاہ ہو جائے۔ اس غاسق سے مراد چاند ہے جب اس کا گرہن ہو جائے اور وہ سیاہ ہو جائے۔ وقب یعنی گرہن میں داخل ہو جائے یا غائب ہونا شروع ہو جائے اور تاریک ہو جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الغاسق رات جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ مشرق سے آئے اور ہر چیز میں داخل ہو کر تاریک کر دے اور غسق ظلمت و تاریکی۔ کہا جاتا ہے غسق اللیل واغسق جب رات تاریک ہو جائے اور یہ مجاہد اور حسن رحمھم اللہ کا قول ہے۔ یعنی رات جب آئے اور داخل ہو اور وقوب داخل ہونا اور وہ رات کا داخل ہونا سورج کے غروب ہونے کے ساتھ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی رات کی تاریکی جب اس کی سیاہی دن کی روشنی میں داخل ہو جائے اور کہا گیا ہے رات کا نام غاسق رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ دن سے زیادہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور غسق ٹھنڈک۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی ثریا جب گر جائے اور کہا جاتا ہے کہ بے شک اسقام اس کے واقع ہونے کے بعد زیادہ ہو جاتی ہیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت بلند ہو جاتی ہیں۔

❹ "ومن شرّ النفاثات فی العقد" یعنی وہ جادوگرنیاں جو دھاگے کی گرہ میں پھونک مارتی تھیں۔ جب ان پر جھاڑتی تھیں۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ لبید بن اعصم کی بیٹیاں ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔

❺ "ومن شرّ حاسد اذا حسد" یعنی یہود کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔

سُوْرَةُ النَّاس

مکی ہے اور کہا گیا ہے مدنی ہے اور اس کی چھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ❶ مَلِكِ النَّاسِ ❷ اِلٰهِ النَّاسِ ❸ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ❹ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ❺ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ❻

ترجمہ: آپ کہیے (جس طرح کہ فلق میں گزرا) کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود

کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی ہو۔

تفسیر ①"قل اعوذ برب النّاس، ② ملک النّاس، ③ اله النّاس، ④ من شرّ الوسواس الخنّاس" یعنی شیطان۔ یہ مصدر اور اسم ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی شیطان وسوسہ ڈالنے والا خناس اور وہ شیطان انسان کے دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ پس جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اور جب غافل ہو جائے تو وسوسہ ڈالتا ہے۔ فرمایا خناس اس کی سونڈ ہے، کتے کی سونڈ کی طرح انسان کے سینے میں ہے۔ پس جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اس کا سر سانپ کے سر کی طرح ہے اس نے اپنا سر دل کے اوپر رکھا ہے، بندہ کو اُمید دلاتا ہے اور خیالات دلاتا ہے۔ پس جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر نہیں کرتا تو لوٹ آتا ہے اور اپنا سر رکھ دیتا ہے۔

⑤ پس یہ "الذی یوسوس فی صدور النّاس" مخفی کلام کے ساتھ جس کا مفہوم دل تک پہنچ جائے بغیر سماع کے۔

⑥ "من الجنّة والنّاس" یعنی جن میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ انسان میں داخل ہوتا ہے اور جنوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جیسا کہ انسانوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس کو کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "فی صدور النّاس" اور الناس سے وہ مراد ہیں جو اس کے بعد مذکور ہیں اور وہ جن وانسان ہیں۔ پس جنوں کا نام ناس رکھا جیسا کہ ان کا نام رجال رکھا ہے۔ تو فرمایا "وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن" اور تحقیق بعض عرب سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ جنوں کی ایک قوم آکر بیٹھ گئی تو انہوں نے کہا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا جنوں میں سے چند لوگ اور یہ فراء کے قول کا معنی ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ثابت ہو گیا کہ انسانوں کو انسانوں سے وسوسے دیا جانا ایسے ہی ہے جیسے شیطانوں کو شیطانوں سے وسوسے دیئے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے وسوسہ کو جن اور انسانوں دونوں کے فعل سے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے "وکذالک جعلنا لکلّ نبیّ عدوّا شیاطین الانس والجن" گویا کہ حکم دیا ہے کہ وہ جنوں اور انسانوں دونوں سے پناہ طلب کرے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے وہ آیات نہیں پڑھیں جو آج کی رات اُتاری گئی ہیں۔ ان کی مثل پہلے کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ "قل اعوذ برب الفلق ...... قل اعوذ برب النّاس"

معوذتین کے فضائل

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تجھے نہیں معلوم کہ آج رات ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل کبھی (کوئی سورت) نہیں نازل ہوئی۔ "قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب النّاس"۔ (رواہ مسلم)

امام احمد کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھ کو ایسی سورتیں نہ سکھلا دوں جن کی مثل نہ توریت میں (کوئی سورت) نازل ہوئی، نہ زبور میں، نہ انجیل میں، نہ قرآن میں۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں

(ضرور سکھلا دیجئے) فرمایا:"قل هو الله احد اور قل اعوذ بربّ الفلق اور قل اعوذ بربّ النّاس"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر جاتے تو دونوں ہتھیلیاں اکٹھی کر کے "قل هو الله احد اور قل اعوذ بربّ الفلق اور قل اعوذ بربّ النّاس" پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر دم کر کے سارے بدن پر جہاں تک پھیر سکتے، پھیر لیتے تھے، سر اور چہرہ سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے اور پھر اگلے سارے بدن پر پھیرتے تھے۔ یہ سارے بدن کا مسح تین بار کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا کرتے تھے لیکن جب بیماری سخت ہوگئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھ دیتی اور برکت دست حاصل کرنے کے لیے دست مبارک پکڑ کر بدن پر پھیر دیتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد جائز نہیں مگر دو چیزوں میں۔ ایک اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تو وہ رات و دن میں اس کے ذریعے سے عبادت میں لگا ہوا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو دن و رات خرچ کرتا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس قدر کان نہیں لگاتا کسی چیز کی طرف (خوش آہنگی اور بلند آواز سے قرآن پڑھنے کی طرف) جس قدر نبی کی خوش آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کرنے کی طرف کان لگاتا ہے۔

"والحمدللّٰه الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا أن هدانا الله. ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنک رحمة انّک انت الوهاب. وصلى الله علٰى سيّدنا محمد وآله وصحبه وسلّم تسليما الى يوم الدين. والحمدللّٰه رب العالمين"

الحمدللہ تفسیر بغوی کی چھٹی اور آخری جلد مکمل ہوئی۔ (مترجمین)

بحمد اللہ

اضافه مفیده از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ احقاف تا سورۃ الناس

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدررالنظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار وبرکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورۂ احقاف

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ جو شخص سورۂ احقاف کو پڑھے۔ اسے دنیا کی ہر ہر چیز کی تعداد کے برابر دس دس نیکیاں ملیں گی اور دس دس برائیاں نامہ اعمال سے مٹائی جائیں گی اور دس دس درجات بلند ہوں گے۔

(۲) جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر اپنے گلے میں لٹکائے وہ بیداری و نیند ہر حالت میں جنات اور دیگر ہر خوفناک چیز کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(۳) اگر اس سورۃ کو لکھ کر سرہانے کے نیچے رکھ کر سو جائے تو رات کو کوئی چور یا جن وغیرہ اس کے قریب نہ آئے گا۔

خاصیت آیت ۲۱ تا ۲۵

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

اگر کوئی بے دین ظالم و فرعون صفت دشمن ہو تو اس کے ہلاک و برباد کرنے کے لئے یہ آیات بہت مفید ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ سات بیکار کنوؤں کا پانی لا کر اس پر ان آیات کو ہفتہ کے دن سے لے کر جمعہ کے دن تک سات دن مسلسل چاند کے آخری عشرہ میں پڑھے) ہر روز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے کے وقت سات سات بار پڑھے پھر آئندہ ہفتہ کے دن اس پانی کو چار گھڑوں میں ڈال کر کسی نابالغ لڑکے کے ہاتھوں انہیں کسی الگ کونہ میں رکھوا دے۔ جب ضرورت ہو تو دشمن کے گھر یا جہاں چاہے اس پانی کو چھڑکوا دے۔ بہت جلد مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مگر اس بات کا دھیان ضرور رہے کہ یہ عمل اسی کے لئے کیا جائے جو بے دین ملحد اور ظالم ہو ناحق کسی پر ایسا عمل کرنا سخت گناہ ہے۔

خاصیت آیت ۲۹ تا ۳۲

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ م بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

ان آیات کو پڑھنے سے جن بہت جلد حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان آیتوں کو ہر عزیمت کے بعد پڑھے۔

سورۂ محمد

(۱) جو شخص اس سورۃ کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے جنت کی نہروں سے سیراب کریگا۔

(۲) جو شخص اس سورۃ کو لکھے اور زمزم کے پانی سے دھو کر پی لے تو وہ لوگوں کا محبوب بن جائے گا۔ اس کا حافظہ قوی ہو جائے گا جو بات سنے گا وہ یاد رہے گی۔ (۳) اس سورۃ کو لکھ کر اور دھو کر اس کے پانی سے بیمار کو نہلایا جائے تو تندرست ہو جائیگا۔

خاصیت ۹،۸

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ

اگر دوران جنگ میدان جنگ سے مٹی کی ایک مٹھی لے کر اس پر یہ آیت پڑھ کر دشمن کے چہرے پر مار دے تو دشمن مغلوب اور ذلیل ہوگا۔

خاصیت آیت ۳۲ تا ۳۵

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اس آیت کو ڈھال پر کندہ کرا کے اگر دشمن کا سامنا کرے تو دشمن کو شکست ہوگی۔

سورۃ الفتح

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص رمضان کی پہلی رات نفلوں میں یہ سورۃ پڑھے وہ اس سال ہر قسم کی آفت و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

(۲) ایک عارف کہتے ہیں جو آدمی رمضان کا چاند دیکھتے ہی تین بار سورۂ فتح پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو فراخ دست رکھیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر چیز کا خلاصہ اور مغز ہوتا ہے اور قرآن شریف کا مغز مفصل ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سات لمبی آیتیں تورات کی جگہ پر اور آیات مثانی انجیل کی اور زبور کی جگہ مرحمت فرمائی ہیں۔ اور مجھے مفصل سے اعزاز و فضیلت بخشی ہے۔

جو شخص مفصل کو لکھ کر لڑائی یا خوف میں اپنے پاس رکھے تو وہ امن میں رہتا ہے۔

(مفصل کو لکھ کر اور دھو کر اگر پیچش) نکسیر اور سردی کے بخار والے کو پلایا جائے تو شفا ہوگی۔

خاصیت آیت ۱ تا ۴

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

جو آدمی یہ چاہے کہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو تو وہ پاک وصاف ہو کر ان آیات کو عرق گلاب) مشک اور زعفران کے ساتھ ہرن کے چمڑے پر لکھے اور اس چمڑے کو اپنی پگڑی یا ٹوپی میں رکھ کر سر میں رکھے۔

جو آدمی دشمنوں کے مقابلہ میں فتح چاہتا ہو وہ جمعرات کی پہلی اور دوسری ساعت میں زرد تانبے کی گول پتری پر ان آیات کو کندہ کرائے اور اپنی ڈھال (یا دوسرے دفاعی سامان) میں میخ سے جوڑ دے اور اسے ساتھ لے کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔

خاصیت آیت ۲۹

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

جو شخص ان آیات کو ۱۴ رمضان کو یا ۲۴ تاریخ کو سفید ریشمی کپڑے میں عرق گلاب اور مشک وکافور سے لکھ کر ہرن کے چمڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ اگر درخت سے باندھ دے تو اس میں خوب برکت ہوگی۔ اگر کوئی بوڑھا شخص اپنے پاس رکھے تو وہ طاقت ور رہے گا۔ اس آیت میں سارے کے سارے حروف تہجی موجود ہیں اور اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت ثم انزل علیکم الخ میں بھی تمام حروف تہجی پائے جاتے ہیں۔ جو شخص ان دو آیتوں کو کثرت سے پڑھے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور اس کو تنگدستی سے نجات ملتی ہے اور نیکی کے کاموں میں اس کے بہت مددگار بن جاتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی ملتی ہے۔

سورۂ حجرات

(۱) یہ سورۃ اگر لکھ کر گھر میں لگادی جائے تو اس گھر میں شیطان نہیں آتا۔

(۲) اور اگر یہ سورۃ لکھ کر اور دھو کر دودھ والی عورت کو پلا دیا جائے تو اس کا دودھ بہت ہو جاتا ہے۔

(۳) اگر عورت حاملہ ہو اور یہ سورۃ اسے لکھ کر دھو کر پلا دی جائے تو بچہ ماں کے پیٹ میں ہر تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) اگر کوئی آدمی نزع کی تکلیف میں ہو اس کے پاس بیٹھ کر کوئی سورۂ حجرات کی تلاوت کرے تو اس پر موت کی سختی کو آسان کر دیا جاتا ہے۔

سورہ ق

خاصیت آیت ۱ تا ۱۱

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ءَ اِذَا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا. ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ

(۱) اگر کوئی درخت پھل نہ اٹھاتا ہو یا درخت کو پھل تو لگتا ہو مگر محفوظ نہیں رہتا تو موسم بہار کی پہلی بارش کا پانی کسی پاک چکنے برتن یا کسی نئے شیشہ کے برتن میں لے کر ان آیتوں میں سے ہر ایک کو کاغذ کے ایک ٹکڑا پر گلاب وزعفران سے لکھ کر باقی پانی سے طلوع فجر کے وقت ان ٹکڑوں کو دھولے اور دھوتے وقت ان آیتوں کو سات بار پڑھے اور پانی درخت کی جڑ میں چھڑک دے۔ ان شاء اللہ اس درخت کو بہت پھل لگے گا۔ (۲) مذکورہ بالا طریقہ سے بنائے ہوئے پانی میں بیج بھگو کر کاشت کیا جائے تو کھیتی بہت عمدہ ہوتی ہے۔

(۳) کسی کے پیٹ میں تکلیف ہو خواہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو ان آیات کو لکھ کر بارش کے پانی سی دھو کر اسے پلا دیا جائے۔

(۴) کسی بچہ کے دانت آسانی سے نکلتے نظر نہ آتے ہوں تو اس بچہ کو یہ آیات بارش کے پانی سے دھو کر پلا دیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے دانت بآسانی نکل آئیں گے۔ (۵) کوئی آدمی کسی معاملہ میں خوف زدہ ہو تو اسے بھی اگر یہ آیات لکھ کر اور بارش کے پانی سے دھو کر اسے پلا دی جائیں تو اس کا خوف جاتا رہے گا۔

سورۃ الذاریات

۱......اگر مریض کے پاس سورۃ الذاریات پڑھی جائے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔

۲......اگر بچہ جننے کے وقت سورۃ الذاریات لکھ کر عورت کو پہنا دی جائے تو بچہ کی پیدائش آسانی سے ہو جاتی ہے۔

سورۃ الطّور

۱......قیدی اگر سورۃ الطور کی تلاوت کی کثرت رکھے تو اسکی رہائی کے اسباب پیدا ہو جائینگے۔

۲......مسافر اگر سورۃ الطور کی تلاوت کرتا رہے تو ہر تکلیف و پریشانی سے محفوظ رہے گا۔

۳......اگر سورۃ الطّور پانی پر دم کر کے وہ پانی بچھو پر چھڑکا جائے تو بچھو مر جاتا ہے۔

سورۃ النجم

۱......اگر کوئی آدمی ناکامیوں کا سامنا کر رہا ہو تو وہ ہرن کے چمڑے کے ٹکڑے پر سورۃ النجم لکھ کر گلے میں یا بازو میں لٹکائے تو وہ جس سے بحث کرے گا اس پر غالب آئے گا جہاں بھی جائے گا کامیاب ہو کامران ہوگا۔

خاصیت آیت ۱ تا ۱۸

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

اگر کسی آدمی کو حافظہ کی کمزوری، دل کی کمزوری وغیرہ کی شکایت ہو، بھول جاتا ہو، قرآن کریم حفظ کرنے میں مشکل ہے تو وہ مذکورہ آیات کو شیشہ کے برتن میں عرق گلاب اور کستوری سے لکھے، آب زمزم سے دھوئے اور سات دن مسلسل نہار منہ پیئے تو اس کا دل و دماغ تر و تازہ اور حافظہ مضبوط ہو جائے گا۔

سورۃ القمر

۱.....جو آدمی کسی مشکل میں مبتلا ہو وہ جمعہ کے دن سورۃ القمر لکھ کر اپنے سر پر لٹکائے تو اس کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔

۲.....جو آدمی سورۃ القمر جمعہ کے دن لکھ کر اپنے سر لٹکائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ پائیگا۔

سورۃ الرحمٰن

۱.....اگر کسی کو آشوب چشم ہو تو وہ سورۃ الرحمٰن لکھ کر گلے میں پہنے، تندرست ہو جائے گا۔

۲.....اگر کسی کو تلی کا مرض ہو تو سورۃ الرحمٰن لکھ کر پاک پانی سے دھولے اور وہ پانی پی لے۔

۳.....اگر کسی مکان میں کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض تنگ کرتے ہوں تو جس دیوار کی طرف زیادہ ہوں اس پر سورۃ الرحمٰن لکھ دی جائے تو سب بھاگ جائیں گے۔

خاصیت آیت ۳۳ تا ۳۵

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ فَبِأَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ

جو آدمی مذکورہ آیات کو لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھے وہ ہر خطرہ سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ الواقعہ

۱.....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی ہر رات کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں ہوگا اور جو ہر صبح کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

۲......اگر کسی میت پر سورۃ واقعہ پڑھی جائے تو اس پر آسانی ہو جاتی ہے۔

۳......اگر مریض بے چین ہو تو اس پر سورۃ واقعہ پڑھنے سے اسے راحت پہنچتی ہے۔

۴......جسے سکرات لگی ہوئی ہو اس پر اگر سورۃ الواقعہ پڑھی جائے تو موت آسان ہو جاتی ہے۔

۵......جو آدمی صبح شام باوضو ہو کر سورۃ واقعہ پڑھنے کا معمول رکھے وہ بھوکا پیاسا نہ رہے گا اور نہ اسے کوئی سختی وخطرہ پیش آئے گا نہ غربت ستائے گی۔

سورۃ الحدید

۱......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اسم اعظم سورۃ حدید کی چھ آیات میں ہے۔

۲......اگر جنگ میں جانے والا سورۃ الحدید لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے کوئی دشمن کا کوئی ہتھیار نقصان نہ پہنچائے گا۔

۳......جسے بخار ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھی جائے۔

۴......جسے ورم ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھ کر دم کیا جائے۔

سورۃ المجادلۃ

۱......مریض اگر بے چین ہو تو اس کے پاس سورۃ المجادلہ پڑھنے سے اسے تسکین ملے گی اور سو جائے گا اگر تکلیف و درد ہے تو جاتا رہے گا۔

۲......جو آدمی دن رات کو سورۃ المجادلہ پڑھے تو وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ الحشر

۱......جو آدمی سورۃ الحشر پڑھے اسے دنیا و آخرت کا امن حاصل ہو گا۔

۲......سورۃ فاتحہ، سورۃ حشر کی آخری چار آیات اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ، معوذ تین تین تین مرتبہ لکھے پھر یہ لکھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِلٰهَ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِ حَامِلَ كِتَابِیْ هٰذَا شِفَاءً لَا يُغَادِرُهٗ سُقْمَ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

یہ سب چیزیں لکھ کر مریض کو پہنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تندرست ہو جائیگا۔ ۳......حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی صبح کے وقت یہ پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پھر سورہ حشر کی پہلی تین آیات پڑھے تو اللہ تعالیٰ ستر فرشتے مقرر فرماتے ہیں جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اگر وہ آدمی اسی دن مر جائے تو شہادت کی موت مرے گا۔

اور جو شام کے وقت پڑھے تو اس کے لئے بھی یہی انعام ہے اور اگر اسی رات کو فوت ہو جائے تو اس پر شہداء کی مہر لگائی جاتی ہے۔

۴...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھجوروں کا ایک ڈھیر رکھا تھا' آپؓ نے محسوس کیا کہ کھجوریں کسی نے چرائی ہیں' جب رات ہوئی تو آپ تاک میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک آیا' آپؓ نے اس سے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا نصیبین میں رہنے والے جنوں میں سے ہوں' ہم اس بیت اللہ کی زیارت کے ارادہ سے آئے تھے ہم نے اپنے ساتھیوں کو آگے بھیجا تو وہ ہم سے بچھڑ گئے اور ہم تمہاری کھجوریں کھاتے رہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے اپنا ہاتھ دو' تو اس کا ہاتھ کتے کے ہاتھ کی طرح تھا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا میری کھجوروں سے تم نے جو کھایا وہ تمہارے لئے حلال ہے اور بھی جو حاجت ہے وہ تجھے ملے گی کیا تم مجھے وہ چیز نہیں بتاتے جس کے سبب ہم سرکش جنوں سے بچ سکیں۔

تو اس نے سورۃ الحشر کے آخر کے کلمات لوانزلنا ہذا القرآن سے لے کر آخر سورۃ تک بتلائے۔

۵...... جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے پھر رکوع میں سورۃ الحشر پڑھے تو جس حاجت کی وہ نیت کرے گا اس کا پورا ہونا اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۶...... جو آدمی ذہن کا کمزور اور سست ہو اور بھول جاتا ہو تو وہ شیشہ کے گلاس میں سورۃ الحشر لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر پی لے تو اس کا ذہن قوی اور چست ہو جائے گا' بھولنے کی بیماری ختم ہو جائے گی۔

۷...... اگر کسی عضو میں درد ہو تو سورۃ الحشر کے خاتمہ کی آیات پڑھ کر دم کر دے' اللہ تعالیٰ کے حکم سے درد جاتا رہے گا۔

سورۃ الممتحنۃ

جس آدمی کی تلی کی کوئی بیماری ہو وہ سورۃ الممتحنۃ لکھ کر اس کا پانی پیئے' تین دن مسلسل ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحتیاب ہو جائے گا۔

سورۃ الصّف

خاصیت آیت ۸ تا ۱۳

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ. وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ. ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا. نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ. وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

جو آدمی ان آیات کو سفید ریشم میں کستوری، زعفران اور چنبیلی کے پانی سے لکھ کر اپنی قمیص کے گھیرے میں رکھے، وہ جہاں جائے گا اس کا احترام ہوگا، عزت اور غلبہ حاصل ہوگا۔

سورۃ الجمعہ

جو آدمی سورۃ الجمعہ کی تلاوت ہمیشہ کرتا رہے وہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔

خاصیت آیت ۴

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ. وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

اس آیت کو کسی سیپ میں جمعہ کے دن لکھ کر اپنے مال وغیرہ میں رکھ دے تو اس میں برکت ہوگی اور اللہ کے حکم سے وہ محفوظ رہیگا۔

سورۃ المنافقون

۱......اگر کسی کو آشوب چشم ہو اس پر سورۃ المنافقون پڑھ کر دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

۲......اگر کسی کو پھوڑے ہوں تو اس پر سورۃ المنافقون دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

۳......کسی قسم کا درد ہو اس پر سورۃ المنافقوں دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

خاصیت آیت ۴

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ. وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ. یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ. ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ

اگر کسی ظالم دشمن کا خوف ہو تو مذکورہ آیت پاک مٹی پر پڑھ کر اس کے چہرے کی طرف چھڑکے بشرطیکہ اسے معلوم نہ ہو تو وہ ظالم اپنے ارادہ سے باز آجائے گا۔

سورۃ التغابن

اگر کسی ظالم وجابر حکمران وغیرہ کا خوف ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے سورۃ التغابن پڑھ لے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے شر سے اسے کافی ہو جائیں گے۔

سورۃ الطلاق

۱......اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور کسی آباد گھر کے دروازے پر وہ پانی چھڑک دیا جائے تو اس گھر میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ طلاق وفراق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۲......اور اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور وہ پانی کسی جگہ میں چھڑک دیا جائے تو وہ جگہ کبھی آباد نہیں ہوگی ہمیشہ ویران ہی رہے گی۔

خاصیت آیت ۷

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ. لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا

جس آدمی پر روزی تنگ ہوگئی ہو تو وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلے اور نیکی وفرمانبرداری کا پختہ ارادہ کرلے اور پھر جمعہ کی رات میں سحری کے وقت اٹھ کر سو بار استغفار پڑھے اور یہی آیت پڑھتا ہوا سو جائے تو اسے اس تنگی سے نکلنے کا راستہ معلوم ہو جائے گا اور رزق کا دروازہ کھل جائے گا۔

سورۃ التحریم

۱......اگر کوئی بیمار ہو تو سورۃ التحریم پڑھنے سے شفاء ہوگی۔

۲......اگر کسی کو بے خوابی کا مرض ہو تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کی یہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۳......اگر کوئی مقروض ہے تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کا قرضہ اترنے کے راستے پیدا ہو جائیں گے۔

سورۃ الملک

۱......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قرآن کریم میں تیس آیات کی ایک سورۃ ہے جو آدمی کی شفاعت کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ اس کی بخشش ہو جائے گی اور وہ سورۃ تبارک الذی (سورۃ الملک) ہے۔

۲......جس کی آنکھوں میں آشوب ہو اس پر تین دن مسلسل اس سورۃ کو پڑھا جائے تو اسے صحت ہو جائے گی۔

سورۃ ن

۱......ظالموں کے گھر ویران کرنے ہوں اور ان کے حالات خراب کرنے ہوں تو سورۃ ن لکھ کر ان کے گھروں میں چھپادو۔

خاصیت آیت ۵۱، ۵۲

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ

جس آدمی کو بدنظری کا خطرہ ہو یا حاسدوں کے حسد کا ڈر ہو تو وہ ایک کاغذ پر پہلے ۲۵ مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے پھر ایک دفعہ مذکورہ آیات لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حسد اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ الحاقہ

۱......اگر کسی خاتون کا حمل ساقط ہو جاتا ہو تو حمل کے دوران سورۃ الحاقہ لکھ کر اس کو پہنائی جائے اس کا حمل محفوظ رہے گا۔

۲...... بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اسے سورۃ الحاقہ سے دم کیا ہوا پانی پلا دیا جائے تو وہ بچہ بہت ذہین ہوگا اور بچوں کو پہنچنے والی ہر تکلیف و بیماری سے محفوظ رہے گا۔

۳...... اگر بچہ کے بارے میں حشرات الارض کے تکلیف پہنچانے کا خطرہ ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کی مالش کی جائے، اللہ کے فضل سے کوئی کیڑا مکوڑہ وغیرہ بچہ کے پاس نہیں آئے گا۔

۴...... بچہ کے جسم میں درد کی شکایت ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کے جسم کی مالش کی جائے۔

سورۃ المعارج

جو آدمی کثرت سے احتلام ہو جانے اور برے خواب و خیالات آنے کا مریض ہو تو وہ رات کو سونے سے پہلے سورۃ المعارج پڑھ لے تو وہ اس مرض سے محفوظ ہو جائے گا۔

سورۃ نوح

۱...... جو آدمی سورۃ نوح کی تلاوت کو اپنا معمول بنا لے تو وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ ضرور دیکھے گا۔

۲...... کسی آدمی کو سخت حاجت درپیش ہو تو وہ اپنی حاجت روائی کی نیت سے سورۃ نوح پڑھے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ۳...... اگر کسی کو کسی ظالم کا سامنا ہو تو سورۃ نوح پڑھ لے، ظالم کے شر سے محفوظ رہیگا۔

سورۃ الجن

۱...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی سورۃ الجن پڑھے اسے ہر ایک جن و شیطان کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ ۲...... اگر کسی آدمی کو بادشاہ، حاکم یا افسر کا خوف ہو تو سورۃ الجن پڑھ، وہ اس پر کوئی زیادتی نہ کر سکے گا۔

۳...... کوئی چیز اگر رکھی ہے اور چوری وغیرہ سے حفاظت کی فکر ہے تو اس کی حفاظت کی نیت سے سورۃ جن پڑھ لیں ان شاء اللہ محفوظ رہے گی۔

سورۃ المزمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المزمل پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے دنیا و آخرت کی تنگی دور کر دیں گے۔

سورۃ المدثر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المدثر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے مکہ میں رہنے والے تمام مومنین کی تعداد کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔

سورۃ القیامۃ

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ القیامۃ پڑھے وہ قیامت کے دن روشن چہرے کے ساتھ اٹھے گا۔

۲......اگر کوئی آدمی گناہ میں پھنس چکا ہو اور اسے گناہ چھوڑنا مشکل لگتا ہو تو وہ سورۃ القیامۃ پڑھے' اس سے وہ گناہ سے ہٹ کر توبہ تائب ہو جائے گا۔

سورۃ الدھر

۱......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جو آدمی سورۃ الدھر پڑھے تو اللہ تعالیٰ پر اس کی جزا جنت وریشم کی شکل میں دینا لازم ہے۔

۲...... ہر قسم کی آفات سے حفاظت کے لئے سورۃ الدھر کو قربانی کے مینڈھے کے چمڑے کے ٹکڑے میں کسی عالم کی قلم دوات سے لکھ لے اور اس پر سوم جز عاد ے جو آدمی اسے اپنے پاس رکھے گا وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ المرسلات

۱......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جس نے سورۃ المرسلات پڑھی وہ شرک سے بری ہو گیا۔

۲......اگر کسی دشمن ومقابل سے مقابلہ چل رہا ہو تو سورۃ المرسلات کی تلاوت کرلے یا لکھ کر اپنے پاس رکھ لے تو دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

۳......جس آدمی کو پھوڑے پھنسیاں نہ چھوڑتی ہوں وہ سورۃ المرسلات لکھ کر گلے میں لٹکائے' ان شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

سورۃ النباء

۱......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو سورۃ النباء پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ٹھنڈا مشروب پلائیں گے۔

۲......سورۃ النباء کی تلاوت کا معمول رکھنے سے آدمی چوری کے خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔

۳......جہاں کسی بھی موذی کی ایذا کا خطرہ ہو وہاں سورۃ النباء کی تلاوت کرنے سے آدمی موذی کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

سورۃ النازعات

۱......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سورۃ النازعات پڑھتا رہے وہ جنت میں داخل ہوگا اس حال میں کہ اس کا چہرہ مسکراتا ہوگا۔

۲......اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو اور وہ دشمن کے سامنے اس سورۃ کو پڑھ کر اس پر دم کردے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ عبس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جو سورۃ عبس پڑھتا رہے تو وہ قیامت کے دن اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

سورۃ التکویر

۱......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ التکویر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھیں گے۔

۲......جو آدمی بارش برستے وقت سورۃ التکویر پڑھ کر دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۳......جو آدمی عرق گلاب پر سورۃ التکویر پڑھے اور اس عرق کو اپنی آنکھوں پر لگائے تو اس کی نظر تیز ہوگی اور آنکھوں کی صحت برقرار رہے گی۔

۴......ایسا گھر جس میں جادو کیا گیا ہو اور معلوم نہ ہو کہ جادو کی چیزیں کہاں دفن ہیں تو اس گھر میں سورۃ التکویر پڑھنے سے اللہ تعالیٰ وہ جگہ ذہن میں ڈال دیں گے اور وہ اثر ختم ہو جائیگا۔

سورۃ الانفطار

۱......قیدی اگر اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے تو اسے قید سے رہائی مل جائے گی۔

۲......اگر کسی کو بخار ہو تو وہ پانی پر اس آیت کو پڑھ کر دم کرے اور اسی پانی سے غسل کر لے تو بخار جاتا رہے گا۔

خاصیت آیت ۱ تا ۵

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ(۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ(۲) وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ(۳) وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ(۴) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ

اگر دشمن کو خوف زدہ کر کے بھگانا ہو تو مینڈھے کے چمڑے کا ایک ٹکڑا لے اور ایک ٹکڑا بوڑھی عورت کے کپڑے سے لے اور اس چمڑے اور کپڑے پر سو مرتبہ پڑھے اور ساتھ ہی ہر دفعہ دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لے۔

پھر چمڑے کو دشمن کے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے دفن کرے اور کپڑے کو اس کے دروازے کے اوپر دفن کرے تو دشمن اس کا مقابلہ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

سورۃ التطفیف

۱......جو آدمی اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی شراب رحیق مختوم پلائیں گے۔

۲......اگر کسی سٹور کی ہوئی چیز کی حفاظت مقصود ہو تو اس سورۃ کو پڑھ کر اس چیز پر دم کر دیں ان شاء اللہ آپ کا مال محفوظ رہے گا۔

فائدہ: لیکن یہ یاد رکھیں کہ جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ناجائز منافع خوری کے لئے غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت کا سٹاک کرتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی فائدہ نہ ہوگا جو کام شرعاً ممنوع ہے اس کی حفاظت کے لئے شرعی چیزوں کا سہارا لینا الٹا گناہ ہے۔

سورۃ الانشقاق

۱......جس عورت کو بچہ نہ ہوتا ہے تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائی جائے تو اس کے بچے ہونے لگیں گے۔

۲......جس آدمی کو زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو اور شدید درد ہو تو اس پر سورۃ الانشقاق پڑھ کر دم کریں۔

۳......اس سورۃ کو لکھ کر گھر میں رکھنے سے کیڑے مکوڑوں اور دیگر حشرات الارض سے حفاظت رہے گی۔

سورۃ البروج

۱......جس بچہ کا دودھ چھڑانا ہو تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائیں۔ وہ بچہ آسانی سے دودھ چھوڑ دے گا۔

۲......رات کو بستر پر جا کر اس سورۃ کو پڑھ کر سوئیں تو رات بھر ہر قسم کی آفت سے حفاظت رہے گی۔

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ مسافر سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے گھر کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ آیات پڑھ لے تو وہ خود اور اس کا ساز وسامان سب محفوظ رہے گا۔

سورۃ الطارق

۱...... پینے والی دوائیوں پر اگر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر لیا جائے گا تو ان کی (جز دی) مضرتوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

۲......اگر کسی آدمی کو احتلام کی بیماری ہو تو وہ سونے سے پہلے اس سورۃ کو پڑھ لے، ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

سورۃ الاعلیٰ

۱......جس آدمی کو بواسیر کا مرض ہو وہ اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے، ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائیگا۔

۲...... جمعہ کے دن اس سورۃ کو لکھ کر گلے میں لٹکانے سے آدمی ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔

۳...... حاملہ عورت کے پہلو پر پہلے مہینہ میں یہ سورۃ لکھی جائے تو اس حمل سے جو بچہ ہوگا۔ وہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہوگا۔

سورۃ الغاشیۃ

اگر کھانے کی کسی چیز سے کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس چیز پر پہلے سورۃ الغاشیۃ پڑھ لیں پھر کھائیں تو اس چیز کے کھانے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

سورۃ البلد

۱...... بچہ جب پیدا ہو تو فوراً اس پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کرنے سے وہ بچہ ہر قسم کی مضرت رساں مخلوقات سے محفوظ ہو جائے گا۔

۲......وہ لوگ جو مالی مشکلات کا شکار ہوں اور اپنی گزران میں تنگ ہوں تو ان کے لیے یہ سورۃ کسی خزانہ سے کم نہیں ہے، صبح کی نماز سے پہلے اور بعد میں اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنالیں، ان شاء اللہ کبھی ان کی جیب پیسوں سے خالی نہ ہوگی۔

سورۃ الشمس

۱......جو آدمی کثرت کے ساتھ اس سورۃ کی قرات کرے تو وہ ہر جگہ اور ہر میدان میں کامیاب و کامران ہوگا۔

۲......جو آدمی سورۃ الشمس سے دم کیا ہوا یا سورۃ الشمس لکھ کر اسے پانی سے دھو کر وہ پانی پیئے تو اگر اس پر گھبراہٹ اور خوف ہو تو وہ جاتا رہے گا۔

۳......اگر دشمن کا گھر ویران کرنا مقصود ہو تو ایک ایسی ٹھیکری پر سورۃ الشمس لکھے جسے غیر شادی شدہ آدمی نے بنایا ہو، پھر اس ٹھیکری کو کوٹ لے اور دشمن کے مکان میں بکھیر دے۔

سورۃ اللیل

۱......اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑ جائے تو اس سورۃ کو اس کان میں پڑھنے سے مرگی کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

۲......اگر کسی کو بخار ہو تو سورۃ اللیل پانی پر دم کر کے اس پانی کو پی لے یا اسے لکھ کر اور پانی میں دھو کر پی لے۔ ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا۔

سورۃ الضحیٰ

۱......اگر کوئی آدمی گم ہو جائے تو اس کا نام سامنے رکھ کر اس پر سورۃ الضحیٰ پڑھے۔ انشاء اللہ بہت جلد واپس آجائے گا۔

۲......اگر کوئی چیز بھول گئی تو اس کا خیال رکھ کر اس سورۃ کو پڑھنے سے یاد آجائے گی۔

سورۃ الانشرح

۱......اگر کسی کا دل تنگی اور گھٹن میں ہو تو اس کے سینہ پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کیا جائے، انشاء اللہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۲......اگر کسی کے دل میں درد ہو تو بھی اس آدمی کے سینہ پر دل کی جانب میں یہ سورۃ پڑھ کر دم کرنے سے راحت ہو جائے گی۔

۳......اگر کسی کو پتھری ہو یا مثانے میں کوئی اور تکلیف ہو تو یہ سورۃ پانی پر دم کر کے وہ پانی پیئے یا کاغذ میں لکھے اور پانی میں دھولے اور پھر وہ پانی پی جائے۔

سورۃ التین

۱......اگر مسافر سفر میں کوئی خطرہ محسوس کرتا ہو تو اپنے ساتھ سورۃ التین رکھے۔ سفر سے واپس لوٹنے تک وہ ہر قسم کے امن میں رہے گا۔

۲......کھیتی اور باغ کے پھل پھول میں برکت اور حفاظت مطلوب ہوتو سفید شیشہ کے پاک برتن میں سورۃ التین لکھے اور اسے بارش کے پانی سے دھو کر کھیتی اور باغ میں چھڑکے، انشاء اللہ کھیتی اور باغ خوب پھلے پھولے گا اور ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ القدر

۱......نظر کی تیزی، آنکھوں میں نور اور دل میں یقین کی پختگی کے لئے اس سورۃ کو لکھے اور پانی سے دھولے، پھر وہی پانی پیئے۔

سورۃ البینہ

۱......اگر کسی کو یرقان کا مرض ہوتو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے۔ انشاء اللہ صحت ہو جائیگی۔

۲......اگر کسی کا جسم پورا متورم ہو جائے یا کوئی ایک حصہ پر ورم ہوتو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے، انشاء اللہ ورم اتر جائے گی۔

سورۃ الزلزال

۱......حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو اس سورۃ کو اپنی نماز میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے زمین کے خزانوں کو کھول دیں گے۔

۲......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی اپنی نمازوں میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہر خوف سے امن عطا فرمائیں گے۔

سورۃ العادیات

۱......جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ ہر خوف سے محفوظ رہے گا۔

۲......جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس کے لئے رزق آسان ہو جائیگا۔

سورۃ القارعۃ

۱......جس آدمی کا روزگار تنگی کا شکار ہوتو وہ سورۃ القارعہ کو لکھ کر گلے میں پہنے، رزق فراخ ہو جائیگا۔

۲......جو آدمی روزانہ سورۃ القارعہ کی قرأت کا معمول رکھے وہ امن میں رہے گا۔

سورۃ التکاثر

۱......اگر کسی آدمی کو سر درد ہو، یا آدھے سر میں درد ہوتا ہوتو اس پر عصر کی نماز کے بعد یہ سورۃ پڑھ کر دم کیا جائے، انشاءاللہ درد ختم ہو جائے گا۔

۲...... جو آدمی بارش کا پانی اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے جمع کرے اور پھر اس پانی کو کسی مشروب میں ملالے تو اس مشروب کی افادیت اور نفع بہت بڑھ جائے گا۔۳...... جو آدمی روزانہ اس سورۃ کی تلاوت کا معمول رکھے وہ خوشحال ہو جائے گا۔

سورۃ العصر

۱...... جسے بخار ہو اس پر سورۃ العصر پڑھ کر دم کیا جائے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تندرست ہو جائیگا۔۲...... چار ٹکڑوں میں سے ہر ایک پر سورۃ العصر لکھ کر جس مکان کے چاروں کونوں میں لٹکا دیا جائے تو وہ مکان چاروں طرف سے آنے والی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ الھمزہ

مالی پریشانی اور رزق کی تنگی کے شکار لوگ اگر روزانہ نفل نماز پڑھ کر اس کے بعد سورۃ الھمزہ کا معمول رکھیں تو ان کی یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

سورۃ الفیل

۱...... جنگی حالات میں دشمن سے جنگ کے دوران اگر سورۃ الفیل کی تلاوت کی جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

۲...... اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو تو اس کے سامنے آتے ہی اس پر سورۃ الفیل پڑھ دے تو اس کا دشمن ناکام و رسوا ہوگا۔

سورۃ قریش

۱...... کھانے کے بارے میں اس کی کمی کا خوف ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کر دیں۔ انشاء اللہ کھانا کم نہیں ہو گا۔ (شادیوں وغیرہ کے اجتماعات کے موقع پر اس طرح کا اندیشہ ہوتا ہے)

۲...... اگر کسی کے گردوں میں درد ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کیا جائے یا کھانے پر دم کر کے وہ کھانا اسے کھلایا جائے۔

سورۃ الماعون

۱...... جو آدمی کسی برتن پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر دے وہ برتن ٹوٹنے سے محفوظ رہے گا۔

۲...... جو آدمی (صبح کو) کسی سے بات کرنے سے پہلے اس سورۃ کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنالے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

سورۃ الکوثر

۱...... خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمعہ کی رات کو سونے سے پہلے باوضو ہو کر سورۃ الکوثر کو سو دفعہ پڑھے اور سو مرتبہ درود شریف بھی پڑھے اور باوضو ہی سو جائے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

۲...... جو آدمی سورۃ الکوثر کو لکھ کر اپنے گلے میں باندھے تو وہ امن میں رہے گا۔

سورۃ الکافرون

ا......جو آدمی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں سورۃ الکافرون کی تلاوت کا معمول رکھے وہ شرک سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ النصر

ا......جنگ میں دشمن کے خلاف فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے کسی ہتھیار پر سورۃ النصر کو نقش کرلیا جائے تو فتح حاصل ہوگی۔

۲......جو لوگ جال کے ساتھ مچھلی کا شکار کرتے ہوں اگر وہ کسی دھات پر سورۃ النصر نقش کر کے اس دھات کی ٹکڑی کو اپنے جال میں باندھ لیں تو جب جال کو شکار کے لئے پانی میں ڈالیں گے اس میں فوج در فوج مچھلیاں پھنسیں گی۔

سورۃ اللھب

ایسا درد جو بڑھتا ہی جا رہا ہو تو اس سے نجات کے لئے درد کی جگہ پر سورۃ اللھب لکھیں درد کم ہوتا ہوتا بالکل ختم ہو جائے گا۔

سورۃ الاخلاص

ا......سورۃ الاخلاص ثواب میں تہائی قرآن کے برابر ہے۔۲......جو آدمی اس سورۃ کو اخلاص کے ساتھ پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔۳...... جو آدمی قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اس قبرستان کو اموات کو کرے تو اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

۴......اپنے دل میں اخلاص پیدا کرنے کیلئے سورۃ اخلاص کو پڑھنا اور اس میں غور کرنا مفید ہے۔

سورۃ الفلق

ا......رزق کی آسانی کے لئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھنا مفید ہے۔

۲......مخلوقات کے شر اور حسد سے بچنے کیلئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھیں انشاء اللہ حفاظت ہوگی۔

سورۃ الناس

ا......جو آدمی سورۃ الناس کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے وہ امن و سلامتی میں رہے گا۔۲......جس آدمی کو یا جانور وغیرہ کو نظر بد کا اثر ہو تو سورۃ الناس پڑھ کر اس پر دم کریں اللہ کے فضل سے درست ہو جائے گا۔۳......مریض پر سورۂ ناس کا دم کرنے سے افاقہ ہوتا ہے۔

۴......جو آدمی نزع کے عالم میں ہو اس پر سورۂ ناس پڑھنے سے اسکی موت آسان ہو جاتی ہے۔۵......جنوں اور انسانوں کے شر سے اور وہم و وسواس سے محفوظ رہنے کے لئے سوتے وقت سورۂ ناس پڑھ کر سوئے۔۶......بچوں کو جنوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے سورۃ الناس کو لکھ کر ان کے گلے میں لٹکانا مفید ہے۔۷......جس آدمی کو بادشاہ یا افسر وغیرہ کے ظلم کا خوف ہو وہ اس کے پاس داخل ہوتے وقت سورۃ الناس پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ان کے شر کیلئے اسے کافی ہو جائے گا اور یہ امن و امان میں رہے گا۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ) کی نایاب قرآنی تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے منتخب آیات کے فضائل وخواص

سورہ قٓ خاصیت آیت 22

خواص- جس شخص کو ضعف بصارت کی شکایت ہو تو ہر نماز کے بعد یہ آیت شریف حدید تک پڑھ کر (انگلیوں کی) پوروں پر دم کرے اور آنکھوں پر پھیر لیا کرے۔

فضیلت سورہ حدید

فضائل وخواص- جن سورتوں کی ابتداء سبّح اور یسبّح سے ہے ان کو مسبحات کہتے ہیں وہ سات سورتیں ہیں بنی اسرائیل۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ جمعہ۔ تغابن۔ اعلیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب ان کو پڑھ کر سویا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ وہ آیت شب قدر کی طرح نامعلوم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آیت ھوالاول والاخر الخ ہے

سورہ رحمٰن فضیلت واحادیث

خواص- حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورہ الرحمٰن ہے اور سورہ کو تسخیر عام کے لئے اس طریقہ پر پڑھتے ہیں کہ جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہو جائے اس وقت آفتاب کی طرف منہ کرکے یہ سورت پڑھے اور یہ آیت فبای الآء ربکما تکذبان پر آفتاب کی طرف انگلی سے اشارہ کرے۔ اوّل چالیس روز بہ نیت زکوٰۃ پڑھے۔ پھر ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرے اور جب کسی کے سامنے جاوے تو یہ سورت ایک بار پڑھ کر جاوے اور اگر نہ ہو سکے تو صرف تین بار فبای الاء ربکما تکذبان پڑھ لے اور مرض چیچک کے لئے بھی اس کا گنڈہ اس طرح کرتے ہیں کہ جب چیچک ظاہر ہو تو ایک نیلا ڈورا لے کر سورہ الرحمٰن پڑھنی شروع کرے اور ہر فبای الآء ربکما تکذبان پر ڈورہ میں گرہ دے دے کر پھونکتا جائے پھر اس ڈورے کو بچے کے گلے میں ڈال دے۔

سورہ رحمٰن خاصیت آیت 27

خواص- ویبقی الخ (شیخ ابن الہیثم فرماتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ یہاں ٹھہر کر اپنے مولیٰ سے دلی مراد طلب کرے۔

خاصیت سورہ واقعہ

خواص- جو شخص ہر شب میں اس سورت مقدسہ کو پڑھا کرے گا۔اس کو کبھی فاقہ نہ پہنچے گا۔(الحدیث)

خاصیت سورہ حشر

فضائل- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی تھی کہ جب سونے کی نیت سے بچھونے پر لیٹا کرے سورہ حشر پڑھ لیا کرے اگر اس رات مرجائے گا تو شہید مرے گا۔

سورہ حشر خاصیت آخری تین آیات

فضائل- جو شخص صبح اٹھ کر سورہ حشر کی آخر آیتیں یعنی جن کا شروع ھواللہ ہے تلاوت کیا کرے گا تمام دن اس کے حق میں ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اگر دن میں مرجائے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا اسی طرح جو شخص شام ہوتے اسے تلاوت کرے گا یہی مرتبہ پائے گا اللہ اس کے لئے جنت واجب کردے گا۔

خاصیت سورہ ملک

فضائل- جو شخص اس سورت کو پڑھے گا یہ مقدس سورت قیامت کے روز اس شخص کی اللہ پاک سے شفاعت کرے گی اور بخشوا کر جنت میں لے جائے گی۔ یہ سورت عذاب قبر سے بچاتی ہے۔سرور عالم فرماتے ہیں کیا اچھا ہو کہ سورہ ملک کی تیسوں آیتیں ہر مومن کے قلب میں ہوں۔اس حدیث سے اس سورت کے حفظ کرنے اور وردرکھنے کی فضیلت ظاہر ہے۔

خاصیت سورہ معارج

خواص- سورہ معارج دفع احتلام کے لئے یہ سورۃ شب کو پڑھ کر سوجانا چاہئے۔ان شاءاللہ احتلام نہ ہوگا۔

سورہ جن فضیلت وخاصیت

فضائل- حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی سورۂ جن پڑھے وہ دنیا سے نہ نکلے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانا جنت میں نہ دیکھ لے گا یعنی اپنا وہ جنت کا ٹھکانا جس میں مرنے کے بعد اس سورت کی برکت سے اس کو جانا ہوگا مرنے سے پہلے پہلے ضرور دیکھ لے گا۔

سورہ انشقاق ابتدائی پانچ آیات کی خاصیت

خواص- اگر کسی عورت کو دردزہ کی تکلیف ہو تو اس سورت کی شروع آیت یعنی اذا السماء انشقت سے دوسری

ھفت تک ایک کاغذ پر لکھے اور بعد میں اھیاً اَشرا ھیاً لکھے اور اس پرچہ کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر عورت کی بائیں ٹانگ میں باندھ دے اور بچہ ہوتے ہی کھول ڈالے۔

سورہ طارق خاصیت آیت 16-15

خواص- انھم یکیدون الخ جس شخص کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور اس کو جنون اور ہڑک کا خوف ہو تو یہ تینوں آیتیں انھم یکیدون سے رویدا تک روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھے اور ایک ٹکڑا اس کاٹے ہوئے شخص کو روز کھلاوے ان شاء اللہ تعالیٰ ہڑک سے محفوظ رہے گا اور نیز اگر ان آیتوں کو لوہے کی چار میخوں پر پچیس پچیس بار پڑھ کر گھر کے چاروں کونوں میں داب دے تو شیطان کا آنا اور پتھر پھینکنا موقوف ہو جاوے۔

خاصیت سورہ بلد

خواص- جس عورت کا بچہ نہ جیتا ہو اس کے لئے دوشنبہ کے روز دوپہر کو اجوائن اور سیاہ مرچوں پر اس سورت کو چالیس بار پڑھے اور ہر دفعہ اول وآخر درود پڑھے اور اس اجوائن اور مرچوں کو عورت حمل سے لے کر بچہ کے دودھ چھوٹنے تک ہر روز تھوڑی تھوڑی کھالیا کرے۔

خاصیت سورہ شمس ولیل

خواص- جو شخص کسی کام کی بھلائی برائی خواب میں دیکھنی چاہے تو رات کو وضو کر کے پاک کپڑے پہنے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر رو بقبلہ سات بار سورہ والشمس اور سات بارہ سورہ واللیل اور سات دفعہ سورہ والتین اور سات مرتبہ سورہ اخلاص یعنی قل ہو اللہ احد پڑھے اور اللہ سے التجا کرے کہ الٰہی فلاں کام کا انجام مجھ کو معلوم ہو جاوے۔ پھر کسی سے نہ بولے۔ اسی طرح سات روز کرے و نیز سورۃ واللیل کو مرگی والے پر پڑھ کر دم کرے اور پرانی تپ والے کو دھو کر پلائے۔ ان شاء اللہ صحت ہوگی۔

خاصیت سورہ الم نشرح

خواص- جو کوئی سوتے وقت سورہ الم نشرح پڑھ کر اپنے سینہ پر دم کرلے اس کو وسواس اور خطرات نہ ہوں گے اور پتھری دور ہونے کو یہ سورت لکھ کر دھو کر پلادیں۔

خاصیت سورہ ضحیٰ

خواص- اس سورت کے مجرب خواص میں سے ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز کھوئی جاوے تو سات بار اس سورت کو معہ اول و آخر درود شریف پڑھ کر انگشت شہادت اپنے سر کے گرد پھراوے اور پھر سات مرتبہ یہ کلمات کہے لا صبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ وامسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ) یہ پڑھ کر دستک دے اور آگ کے بجھانے کے لئے سات کنکروں پر اس سورت کو پڑھ کر آگ میں پھینک دے انشاء اللہ لگی ہوئی آگ فرد ہو جائے گی۔

آیات سجدہ کا عمل

خواص-ایک ترکیب طلب حاجت کی سجدہ سے یہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ کرتا جائے جب چودہ کے چودہ سجدے پورے ہو جاویں تو پندرھواں سجدہ کر کے اپنا دلی مطلب چاہے ان شاء اللہ فوراً پورا ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ اول چاول اور گھی اور دودھ اور شکر تیار کر کے شکرانہ لڑکوں کو کھلا وے۔

خاصیت سورہ بینہ

مرض برص کے دور ہونے کیلئے مبروص پر اس سورہ بینہ کا دم کرنا اور پرچہ پر لکھ کر باندھنا اور دفع یرقان کے لئے نہایت مفید ہے۔

سورہ زلزال فضیلت وخاصیت

فضائل وخواص-سورۃ الزلزال کا ثواب چوتھائی کلام مجید کے ثواب کے برابر ہے اور بائی ولقوہ کے مرض کو کسی لوہے کے برتن میں لکھ کر اسے دھو کر مریض کو پلانا مفید ہے۔

فضیلت سورہ تکاثر

فضائل وخواص-سورۃ تکاثر کا ثواب چوتھائی قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے اور درد سر والے کے سر پر پڑھ کر پھونکنا مفید ہے امام بیہقی سے مروی ہے کہ اس کا پڑھنا ہزار آیت کے برابر ہے۔

خاصیت سورہ قریش

خواص وفضائل-خوف اعداء سے محفوظ رہنے کے لئے اول وآخر سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہزار مرتبہ سورہ قریش کا پڑھنا مجرب ہے۔

فضیلت سورہ کافرون

فضائل-سورہ الکافرون کا ثواب چوتھائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے اور ہر شر سے بری رہنے کو اس کا پڑھنا مفید ہے۔

سورہ نصر فضیلت وخاصیت

خواص وفضائل-سورہ نصر کی تلاوت کا ثواب مثل چوتھائی قرآن شریف کے ہے اور کشائش رزق کے لئے صبح کی نماز کے بعد اکیس بار اور ظہر کے بعد بائیس مرتبہ اور عصر کے بعد تیئس مرتبہ اور مغرب کے بعد چوبیس بار اور عشا کے بعد پچیس مرتبہ اول و آخر اسی قدر درود شریف پڑھنا چاہئے نہایت مفید ہے۔

سورہ اخلاص فضیلت وخاصیت

خواص وفضائل-حدیث صحیح میں ہے کہ سورہ اخلاص کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے اور معہ بسم اللہ کے ایک ہزار مرتبہ پڑھنا اور اول وآخر درود شریف سو سو بار پڑھنا عروج قمر میں تلاش معاش کے لئے اور دفع اعداء کے لئے نزول قمر میں اسی طرح پڑھنا نہایت موثر اور مجرب ہے۔ایک عمل اخلاص کا مشہور ہے کہ اس سورت کو نقش میں طلوع آفتاب سے پہلے نماز صبح کے بعد شنبہ کے روز لکھے اور اس پر خشک قلم سے نام دونوں فریق کا معہ ان کی والدہ کے ناموں کے لکھے اور اس کے بعد یہ کہے ''الٰہی بہ برکت اس کلام پاک کے ان میں موافقت کر'' پھر اس کو دھو کر مطلوب کو شیرینی میں کھلا دے اور حلال جگہ کے سوا یہ عمل ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔حدیث میں ہے کہ جو کوئی دو سو بار اس سورت کو ہر روز پڑھے اس کے پچاس برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور جو کوئی سوتے وقت داہنی کروٹ لیٹ کر اس سورت کو سو مرتبہ پڑھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ داہنی جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔

معوذتین فضیلت وخاصیت

خواص وفضائل- حدیث میں وارد ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دوسری دعاؤں سے استعاذہ فرمایا کرتے تھے۔جس وقت یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو انہیں کو استعمال میں لانے لگے۔ دوسری دعاؤں کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ کوئی سوال اور پناہ مانگنا ان دونوں کی برابر نہیں و نیز فرمایا کہ اگر آدمی کو ناغہ نہ کرنا منظور ہو تو قل اعوذ برب الفلق کی مداومت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی ان دونوں سورتوں کو پڑھتا رہے تو سب چیزیں کہتی ہیں کہ الٰہی تو اس کو ہمارے شر سے بچائے رکھ۔ایک روایت میں ہے کہ اگر بعد سلام نماز جمعہ کے نماز کی سورت پڑھ کر الحمد اور اخلاص اور یہ دونوں سورتیں سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جتنے نمازی جمعہ میں ہوتے ہیں ان کو برابر ثواب عنایت فرماتا ہے اور اگلے جمعہ تک ہر برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور ایک روایت میں ان چاروں سورتوں کے بعد یہ دعا پڑھنی بھی آئی ہے (اللهم يا غني يا حميد يا مبدئي يا معيد يا رحيم يا ودود اكفني بحلالك عن حرامك و بطاعتك عن معصيتك واغنني بفضلك عمن سواك) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹا تو آپ نے پانی و نمک منگا کر اس جگہ پہ ملنا شروع کیا اور سورہ کافروں اور یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔

❁❁❁